بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بر و شُد اختتام

◆

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

◆

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اَور کا وقت
مَیں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ۳۰/ روپے
بیرونی ممالک سے تین پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہاماتِ حضرت مسیح موعود

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

جلد ۶۸ | یوم چہارشنبہ ۳۰ صفر المظفر / ۷ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۱ ہجری بمطابق ۷/۱۴ جنوری سنہ ۱۹۸۱ء | شمارہ ۱-۲

فخرِ کائنات، خاتم الانبیاء، احمد مجتبےٰ، محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور

نذرانۂ عقیدت

از حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا — نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبرؑ اک دوسرے سے بہتر — لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے
پردے جو تھے ہٹائے اندر کی راہ دکھائے — دل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیںؐ ہے — وہ طیبؐ و امیںؐ ہے اس کی ثنا یہی ہے
جو رازِ دیں تھے بھارے اس نے بتائے سارے — دولت کا دینے والا فرماں روا یہی ہے
اس نور پہ فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں ، — وہ ہے میں چیز کیا ہوں ، بس فیصلہ یہی ہے
وہ دلبرِ یگانہ علموں کا ہے خزانہ — باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے
دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں — قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

اس دیں کی شان و شوکت یارب مجھے دکھا دے
سب جھوٹے دیں مٹا دے میری دعا یہی ہے

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم

محبتِ رسولؐ کا بحرِ مواج مجددِ صد چہاردہم کے سینہ میں

عجب نوریست در جانِ محمدؐ ○ عجب لعلیست در کانِ محمدؐ
محمدؐ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جان میں ایک عجیب نور ہے۔ محمدؐ کی کان میں ایک عجیب و غریب لعل ہے

ز ظلمتہا دلے آنگہ شود صاف ○ کہ گردد از محبانِ محمدؐ
دِل اُسوقت ظلمتوں سے پاک ہوتا ہے جب وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دوستوں میں داخل ہو جاتا ہے +

عجب دارم دلِ آں ناکساں را ○ کہ رو تابند از خوانِ محمدؐ
میں اُن نالائقوں کے دِلوں پر تعجب کرتا ہوں جو محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان سے منہ پھیرتے ہیں ؛

ندانم ہیچ نفسے در دو عالم ○ کہ دارد شوکت و شانِ محمدؐ
دونوں جہان میں مَیں کسی کو نہیں جانتا جو محمدؐ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سی شان و شوکت رکھتا ہو +

خدا زاں سینہ بیزار است صد بار ○ کہ ہست از کینہ دارانِ محمدؐ
خُدا اُس دِل سے سخت بیزار ہے جو محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کینہ رکھتا ہو +

خُدا خود سوزد آں کرمِ دنی را ○ کہ باشد از عدوانِ محمدؐ
خُدا خود اُس ذلیل کیڑے کو جلا دیتا ہے جو محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دشمنوں میں سے ہو +

اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس ○ بیا در ذیلِ مستانِ محمدؐ
اگر تو نفس کی بدمستیوں سے نجات چاہتا ہے تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے مستانوں میں سے ہو جا +

اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت ○ بشو از دل ثنا خوانِ محمدؐ
اگر تو چاہتا ہے کہ خُدا تیری تعریف کرے تو تُو تہ دل سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا مدح خواں بن جا +

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش ○ محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ
اگر تو اس کی سچائی کی دلیل چاہتا ہے تو اس کا عاشق بن جا کیونکہ محمدؐ ہی خود محمدؐ کی دلیل ہے +

از:- مدیر اعزازی

سید الثقلین، سرورِ کونین، خاتم النبیین

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

ہر سال ۱۲ ربیع الاوّل کو یوم عید میلاد النبیؐ منایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ وہی مبارک دن ہے جس دن خاتم النبیین، ختم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت آمنہؓ کی گود میں آنکھ کھولی اور ۲۳ سال کی مختصر عمر تک عرب کی سنگلاخ اور غیر ذی زرع فساد زدہ وادی میں علم و حکمت کے وہ رُوح پرور چشمے بہائے کہ دلوں کی غیر آباد کھیتیاں لہلہانے لگیں اور وہ بحر و بر جو امن و سکون سے ناآشنا تھے۔ پُرامن و پُرسکون ہو گئے۔ رحمۃ للعالمین کے تشریف لانے سے بنی نوعِ انسان کو قریب لانے اور اس کی ترقی کے سامان ہو گئے۔ کیونکہ آپ کو اس دنیا میں بھیجنے کی غرض ہی یہی تھی کہ آپؐ دنیا سے جہالت کی تاریکیاں دُور کریں۔ انسانوں کو علم و حکمت سکھائیں۔ اور انہیں سمجھائیں کہ اللہ تعالےٰ کیطرف سے عطا کردہ قوای میں توازن برقرار رکھتے ہوئے ان کے برموقع استعمال میں ان کی کامیابی اور فلاح کا راز مضمر ہے۔ انسانی معاشرہ ارتقائی منازل طے کرتا ہوا اُس مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں مختلف جغرافیائی حدود اور رنگ و نسل میں بٹی ہوئی قوموں کو ایک مرکز پر جمع کرنا اور اُن میں باہمی ربط و ضبط پیدا کرنا ضروری تھا۔ یہ اسی وقت ممکن تھا جب اُن پر یہ حقیقت منکشف ہوتی کہ نسلِ انسانی کا منبع اور سرچشمہ ایک ہے وہ ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا ہوئی ہے اور اس کا خالق بھی ایک ہی ہے جس نے اس کی جسمانی اور رُوحانی ربوبیت کے لئے ہر طرح کے ذرائع اور وسائل مہیا فرمائے ہیں یہ محض مادی اور معاشی عوامل تھے جن کے زیر اثر انسانوں کا یہ انتشار عمل میں آیا اور وہ ایک دوسرے سے الگ الگ گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اسی لئے آپؐ نے یہ اعلان کیا کہ:-

> ”اے لوگو! میں اللہ تعالےٰ کیطرف سے تم سب کے لئے رسُول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“
>
> ”تم میں وقتاً فوقتاً جو ہادی اور پیغمبر آتے رہے ہیں مَیں اور میرے ماننے والے سب ان پر ایمان لاتے ہیں۔ اگر میرے ماننے میں تمہیں کوئی اعتراض ہے تو آؤ ہم اس ایک نقطے پر ہی متفق ہو جائیں کہ ہمارا خالق ایک ہے۔ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں! اور نہ ایک دُوسرے کو اپنا رب سمجھیں۔“

ان الفاظ میں آپ نے توحید اور وحدتِ نسلِ انسانی کا درس دیا۔

رنگ، نسل، زبان اور قومیّت کا تصوّر دنیا کو بارہا تباہی اور بربادی سے دوچار کر چکا ہے ایک دُوسرے پر برتری کے جنون میں کروڑوں انسان لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ خونِ ناحق سے خدا کی یہ زمین بے شمار دفعہ سُرخ ہو چکی ہے۔ زبردست نے کمزور کا ہمیشہ گلا گھونٹا ہے۔ ترقی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہے۔ اس ترقی یافتہ زمانے میں بھی بھوک، افلاس، بیماری اور جہالت ترقی یافتہ قوموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہی ہے۔ اور انسانی خون بھی ارزاں ہو چکا ہے۔ اس رحمتِ عالمؐ کے پیغام پر اگر آج بھی قومیں کان دھر لیں تو یہ دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے مگر سب سے بڑھ کر دُکھ کی بات یہ ہے کہ جو لوگ ہر سال یہ یومِ مبارک منانے کا اہتمام کرتے ہیں وہ بھی اس تعلیم کی رُوح کو پسِ پشت ڈال چکے ہیں وہ بھی عرب عجم میں منقسم ہیں۔ بلکہ عرب اور عجم میں رہنے والے بھی ایک دُوسرے کے خلاف صف آراء ہیں اور جسے مکمل ضابطہ حیات یعنی قرآن سمجھتے ہیں اُس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ان الفاظ پر کہ:-

”رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا۔“

اپنے اعمال اور افعال سے مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں۔ اسلامی دُنیا پر چاروں طرف سے مصائب کے تاریک بادل چھائے ہوئے ہیں لیکن آپس کے مادی مفاد پر مبنی اختلافات نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال رکھے ہیں۔ اور بقول میرؔ:- ؎

میرؔ کیا سادہ ہیں کہ بیمار ہوئے جس کے سبب + اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

جو نہنگ انہیں ہڑپ کرنے کے لئے مُنہ کھولے بیٹھے ہیں۔ انہی کی طرف وہ اپنی کشتی کھے رہے ہیں اور مصیبت سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ خدا کو چھوڑ کر بُتوں سے اُمیدیں باندھے بیٹھے ہیں۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا:- ؎

بُتوں سے تجھ کو اُمیدیں خُدا سے نُومیدی + مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

اللہ تعالےٰ سے مُنہ موڑ کر بُتوں سے اصلاحِ احوال کی اُمیدیں رکھنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دین سے بے وفائی ہے۔ خُدا کے فرستادوں سے بے وفائی کا نتیجہ پہلی قومیں بھی بھگت چکی ہیں جن کا ذکر بار بار قرآن مجید میں آتا ہے۔ یہ ذکر مسلمانوں کے لئے تنبیہہ کے طور پر اسی لئے دہرایا گیا ہے کہ وہ بھی کہیں بھٹک کر اسی سزا کے مورد نہ ہو جائیں جو اُن سے پہلی سرکش قوموں کو مِل چکی ہے۔

اس تنبیہہ سے مسلمانوں نے کہاں تک فائدہ اُٹھایا ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ آج جن اخبارات میں عید میلاد النبیؐ کا جشن منانے، جلسے اور محافل میلاد منعقد کرنے اور جلوس نکالنے کے لئے بڑے بڑے اشتہار شائع کئے جا رہے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیّبہ اور اسوۂ حسنہ پر لمبے چوڑے مضامین لکھے جا رہے ہیں۔ آپؐ کے وجود سے جو انقلاب نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا میں برپا ہوا اُس پر تقریریں ہوتی ہیں۔ آپؐ کی صفاتِ حسنہ کا بیان ہوتا ہے۔ انہی اخبارات کے صفحات اُلٹیں تو قتل، اغوا، چوری، ڈاکہ، گراں فروشی، بلیک مارکیٹ، فحش حرکات اور معصوم بچیوں سے غیر انسانی سلوک جیسے گھناؤنے جرائم کی خبریں بھی شائع ہوتی ہیں۔ قول و فعل میں کتنا تضاد پایا جاتا ہے۔ اور یہ کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے جسے دُوسرے اسلامی ممالک ”اسلام کا قلعہ“ کہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ تو ایسی باتوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے جن پر عمل نہ کیا جائے۔ کیا یہ ہمارے لئے مقامِ فکر نہیں؟

یہ دن منانے کی افادیت تب ہی ہو سکتی ہے جب محض زبانی جمع خرچ کی بجائے اللہ تعالےٰ سے حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق مانگی جائے۔ اور اپنے خیالات، جذبات اور احساسات کو اسلامی تعلیم کے مطابق تعمیری رنگ میں ڈھالا جائے۔ کیونکہ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کا یہ مقصد کہ وہ انسانوں کو اللہ تعالےٰ کی آیات پڑھ کر سنائیں گے انہیں پاک کریں گے یعنی اُن کے نفوس کا تزکیہ کریں گے۔ انہیں کتاب یعنی قرآن کے ذریعے علم و حکمت سکھائیں گے پورا ہو گا۔ تاریخ سے یہ شہادت ملتی ہے کہ جن لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کامل پیروی کی۔ اُن کے اسوۂ حسنہ پر عمل بڑی وفاداری سے کیا۔ آپؐ کی تعلیم پر چلنے کے لئے کوئی لمحہ ضائع نہ کیا۔ آپؐ کے روحانی جمال و حسن کا عکس اپنے اندر لیا۔ آپؐ کے چشمۂ ہدایت سے سیراب ہوئے۔ اور آپؐ کے نُورِ نبوّت سے اکتسابِ نور کیا۔ وہ بھی اللہ تعالےٰ کے پیارے ہو گئے۔ اور دُوسروں کے لئے شمعِ ہدایت بنے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہیں اولیاء اللہ اور مجدّدین کہا جاتا ہے۔ اور ان کے یوم بھی اس ملک میں منائے جاتے ہیں۔ ان کے روحانی فیوض اور اسلام کے لئے ان کی خدمات کا تذکرہ ہوتا ہے۔ دراصل اس امت کے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے صحیح معنوں میں حضور صلے اللہ علیہ وسلّم

کو اپنے نمونے سے خراجِ عقیدت پیش کیا۔ اور ہر مخالفت اور آزمائش میں ثابت قدم رہ کر حقیقی زندگی کا راز آشکار کیا۔

میلاد النبیؐ کے موقع پر جلسوں جلوسوں کے ذریعے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اپنی محبت اور جذباتِ عقیدت کا اظہار بھی ایک مستحسن بات ہے کیونکہ بہت عرصہ قبل یہ دن "بارہ وفات" کے نام سے منایا جاتا تھا جس میں بہت سی غیر اسلامی رسومات کا دخل بھی ہو گیا تھا۔ بعض علاقوں میں تو یکم ربیع الاول سے ۱۲ ربیع الاول تک معمر اور بزرگ خواتین جھاڑو لے کر اپنے مکانوں کے کونوں کھدروں کو جھاڑتیں اور ساتھ ساتھ منہ سے کہتی جاتیں "نکل جاؤ لنگڑی لولیو" جیسے کہ وہ بدروحوں کو بھگا رہی ہوں۔ یہ حالت دیکھ کر جماعتِ احمدیہ نے اس طرف توجہ دلائی کہ یہ کوئی کارِ ثواب نہیں اور نہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بے نظیر شان کے شایان ہے۔ اس سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جلسے منعقد کر کے آپؐ کی سیرتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو جو تمام انسانوں کی بھلائی اور بہبود سے تعلق رکھتے ہیں اجاگر کیا جائے اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ پر مضامین لکھے جائیں تاکہ ان مخالفینِ اسلام کو جنہوں نے محض ضد اور تعصب سے آپؐ کی زندگی کو داغدار کر کے پیش کیا ہے۔ حقیقتِ حال سے خبر ہو جائے اور وہ اپنا رویّہ تبدیل کر سکیں اور اسلام کے خلاف جو غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں ان کا مؤثر طور پر ازالہ اور آئندہ کے لئے سدِّباب ہو جائے۔ مگر افسوس ہے کہ یہ صورت بھی اصلی مقصد سے ہٹ کر ایک رسم میں تبدیل ہو گئی ہے جس کا عملی فائدہ کوئی نظر نہیں آ رہا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محسنِ انسانیت اور رحمت اللعالمین ہیں۔ آپؐ ساری دُنیا کے لئے مبعوث ہوئے اور آپؐ کی تعلیم ساری دُنیا کے لئے ہے۔ آپؐ سے محبت کا شدید تقاضا یہ ہے کہ آپ کی کامل پیروی اور اتباع کر کے آپؐ کی پاک تعلیم کو جو قرآن کریم کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ ساری دُنیا میں پھیلایا جائے تاکہ اس نیم مُردہ دنیا میں اس آبِ حیات سے دوبارہ رُوحِ حیات لوٹ آئے اور دُنیا کی نفرتیں محبت میں بدل جائیں۔ ساری قومیں ایک مرکز یعنی توحید اور وحدت نسلِ انسانی کے نقطہ پر جمع ہو جائیں۔ رنگ و نسل اور قومیت کی تفریق مِٹ جائے۔ دُنیا میں زندہ خُدا، زندہ رسولؐ اور زندہ قرآن کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج جائے۔ اور باطل نظریات حق و صداقت کے سامنے غبارِ راہ کی طرح فضا میں تحلیل ہو جائیں۔ جو مسلمان اپنے آپ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے والہ و شیدا سمجھتے ہیں ان سے ہماری یہی درخواست ہے کہ وہ سب کے سب مل کر قرآن کا ہتھیار لیکر دُنیا میں پھیل جائیں اور قرآن کے حکم کے مطابق اس ہتھیار سے جہادِ کبیر کریں۔ پھر دیکھیں کہ تنی ہوئی اور سرکش گردنیں کس طرح اس کے سامنے بغیر خون بہانے کے گردن نہاد ہوتی ہیں لیکن جس طرح تیغ زنی کے لئے ایک مضبوط اور طاقتور ہاتھ کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح قرآن کے معنوی حسن اور صورت سے دُنیا کو فتح کرنے کے لئے پہلے خود اس پر عمل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ سوائے متقی اور پاکباز انسانوں کے اسے کوئی چھو نہیں سکتا۔ اور نہ ہی اس کے دقائق و معارف کسی اور پہ کھلتے ہیں۔ اس کے لئے ایک عشق اور جنون چاہیئے۔ جو محبت صادقین کے فیض سے ملتا ہے۔

ہم تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتے ہیں کہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور اپنے محدود وسائل اور گوناگوں مشکلات کے باوجود آج چھیاسٹھ سال سے متواتر یہ فریضہ انجام دے رہی ہے اور اس راستے میں اس کی حقیر سی کوششوں کو اللہ تعالےٰ نے حسبِ پھل سے نوازا ہے۔ اس کا شکر ادا نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں کوئی مسلمان سمجھتا ہے یا غیر مسلم ہمیں اس کی پرواہ نہیں لیکن اتنی عرض ضرور کریں گے کہ قرآن کریم کی اشاعت میں اگر ہمارے ساتھ تعاون ممکن نہیں تو کم از کم ہمارے راستے میں روڑے نہ اٹکائے جائیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک آپؐ کے قدموں میں عقیدت کے پھول نچھاور کرنے کا یہی سب سے مستحسن طریق ہے۔

محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سب سے افضل اعلیٰ اکمل ارفع

اجلیٰ اور اصفیٰ ہیں

از: مجدد وقت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی پاک باطنی و انشراح صدری و عصمت و حیا و صدق و صفا و توکل و وفا اور عشقِ الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھ کر اور سب سے افضل و اعلیٰ و اکمل و ارفع و اجلیٰ و اصفیٰ تھے اس لئے خدائے جلشانہ نے ان کو عطرِ کمالاتِ خاصہ سے زیادہ معطر کیا اور وہ سینہ اور دل جو تمام اولین و آخرین کے سینہ و دل سے فراخ تر و پاک تر و معصوم تر و روشن تر و عاشق تر تھا وہ اسی لائق ٹھہرا کہ اس پر ایسی وحی نازل ہو کہ جو تمام اولین و آخرین کی وحیوں سے قوی تر و اکمل و اتم ہو کر صفاتِ الٰہیہ کے دکھانے کے لئے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو

سو یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف ایسے کمالاتِ عالیہ رکھتا ہے جو اس کی تیز شعاعوں اور تیز کرنوں کے آگے تمام صحف سابقہ کی چمک کالعدم ہو رہی ہے۔ کوئی ذہن ایسی صداقت نہیں نکال سکتا جو پہلے ہی سے اس میں درج نہ ہو۔ کوئی فکر ایسی بُرہانِ عقلی پیش نہیں کر سکتا جو پہلے ہی سے اس نے پیش نہ کی ہو۔ کوئی تقریر ایسے قوی اثر کو دل پر نہیں ڈال سکتی جیسے قوی اور پُر شوکت اثر لاکھوں دلوں پر وہ ڈالتا آیا ہے۔ وہ بلاشبہ صفاتِ کمالیہ حق تعالےٰ کا ایک نہایت مصفّٰے آئینہ ہے۔ جس میں وہ سب کچھ ملتا ہے۔ جو ایک سالک کو مدارجِ عالیہ تک پہنچنے کے لئے درکار ہے۔

(سُرمہ چشم آریہ صفحہ ۴۳/۴۴)

ہست فرقاں آفتاب علم و دیں
تا بَرَدت از گماں سوئے یقیں
ہست فرقاں از خدا حبل المتیں
تا کشدت سوئے رب العالمیں

پیغام صلح مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۸۱ء صفحہ ۵

قسط (۱)

رپورٹ جلسہ سالانہ دسمبر ۱۹۸۰ء

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا چھیاسٹھواں (۶۶) سالانہ جلسہ ۲۵ تا ۲۸ دسمبر ۱۹۸۰ء دار السلام کالونی۔ ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں منعقد ہوا۔ اور تائیدِ ایزدی سے بخیر و عافیت اختتام پذیر ہوا۔ اس جلسہ کی نمایاں خصوصیات یہ تھیں کہ یہ پندرھویں صدی ہجری کے ماہ صفر میں منعقد ہونے والا ہمارا پہلا جلسہ سالانہ تھا جس کی اہمیت کے پیشِ نظر کم و بیش ساٹھ غیر ملکی احمدی مندوبین نے جن میں خواتین بھی شامل تھیں شرکت کی۔ موسم کی شدت کے باوجود پاکستان کے دور و نزدیک کے مقامات سے آنے والے احباب، خواتین اور بچوں کی تعداد بھی گزشتہ جلسوں کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ ملکی اور غیر ملکی شرکاء کے اس ملے جلے اجتماع کو دیکھ کر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور مجدد صد چہار دہم کے اس الہام کی صداقت اور آپ کے دعوٰی الہام اور مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ پر ایمان اور تازہ اور مضبوط ہو گیا کہ لوگ تیرے پاس دور دراز کا سفر طے کر کے آئیں گے۔ مسجد کے صحن میں سمائی ہوئی اس پیکر ایثار و قربانی قلیل التعداد قوم کے جوش و جذبہ، عزم و حوصلہ، دلولہ اور ہمت کو دیکھ کر ایک غیر جانبدار مبصر بھی حیرت زدہ ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا کہ یہ قوم جسے اپنے ہی وطن میں غیر مسلم قرار دیا گیا ہے ایک عجیب دیوانی قوم ہے جس کی آہِ سحرگاہی ہے تو اس لئے کہ اسلام ساری دنیا میں پھیل جائے۔ اس کی نیم شبی دعائیں ہیں تو اس خاطر کہ قرآن کی روشنی سے نسلِ انسانی کے دلوں کی تاریکی دور ہو جائے۔ اس کی نمازوں میں خشوع و خضوع اور الحاح ہے تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام دنیا میں بلند ہو۔ خدا کی توحید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختمِ نبوت صحیح رنگ میں دنیا میں قائم ہو مسلمانوں کا قدم ہر لحاظ سے مینارِ بلند پر مستحکم ہو۔ "ناٹ مسلم" ہونے کے باوجود بڑی بلند آواز میں یہ لوگ پکارتے ہیں کہ اے خدا! تو محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی نصرت کرنے والوں کی مدد فرما اور ہمیں ان میں سے کر اور جس نے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو ترک کر دیا اُسے تو بھی ترک کر دے اور ہمیں اُن میں سے نہ کر۔ اور کہتے ہیں ؎

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں + دل سے ہیں خدّامِ ختم المرسلینؐ
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں + خاک پائے احمدِؐ مختار ہیں

ہر چہرے پر خوشی اور مسرت کے آثار۔ ہر لب پر ہلکی سی مسکراہٹ اور ہر سینے میں تسکین و طمانیت کی دھڑکن اس بات پر غماز تھی کہ ہر طوفان و بلا سے بے نیاز۔ ہر مشکل اور مصیبت سے بے خطر اور ہر آزمائش اور ابتلاء سے بے خوف جنونِ عشقِ قرآن میں سرشار "کشتیٔ نوح" میں سوار کشتی کے یہ چند افراد اس وقت تک اپنی شکستہ کشتی کو مصائب کے متلاطم سمندر میں کھینچتے رہیں گے جب تک ان کے بازوؤں میں سکت ہے۔ اور جب تک دنیا نے "نورِ فرقاں" کے سامنے سر نہیں جھکا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تقدیر بدل دی ہے۔ یہ اب دنیا کی تقدیر بدلنے کی فکر میں ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کے ہاتھ بیچ دیا ہے لیکن نہ صلہ کی تمنا ہے اور نہ ستائش کی پرواہ۔ صرف ایک ہی غرض ہے کہ ہمارا مولیٰ ہم سے راضی ہو جائے۔ خواہ کسی طرح بھی ہو۔ ؎

جان دی۔ دی ہوئی اُسی کی تھی + حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت مسیح موعود کے ارشاد پر لبیک کہتے ہوئے ہم چودھویں صدی کو الوداع اور پندرھویں صدی کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ چودھویں صدی میں اپنے کام کا جائزہ لینے اور پندرھویں صدی میں اسے جاری رکھنے کے لئے ایک جامع پروگرام مرتب کرنے کی خاطر جمع ہوئے۔ جلسہ میں کی جانیوالی تمام تقاریر، منعقد ہونے والی مجالس اور نجی گفتگوؤں کا مرکزی نکتہ یہی تھا کہ چودھویں صدی کے فتنوں کا کما حقہ قلع قمع کرنے اور اسلام کی سربلندی کے لئے ہماری جد و جہد اور کوششوں میں جو کمی اور کسر باقی رہ گئی ہے اُسے ہم سب مل کر ایک متحدہ سعی سے کس طرح پوری کر سکتے ہیں اور کس طرح ایک متفقہ لائحہ عمل مرتب کر کے اس راہ میں اپنی کوششوں کو تیز تر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ دنیا کے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اور واقعات پر گہری نظر رکھنے والے مسلمان اور غیر مسلم مبصرین کی آراء سے واضح انکشاف ہوتا ہے کہ اسوقت چھوٹی بڑی ساری طاقتیں ایک ایسے نظام کی متلاشی اور آرزومند ہیں جو انسانوں کو تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچا لے اور انہیں امن و سلامتی۔ بین الاقوامی اخوت اور بقائے باہمی کے اصولوں کی پابندی کا پیغام دے سکے۔ ہمارے نزدیک یہ نظام صرف دینِ اسلام ہی پیش کر سکتا ہے۔ اسوقت خود مسلمانوں میں اسلام کے متعلق جو غلط تصورات راہ پا چکے ہیں ان کو مٹا کر ان کی جگہ اسلام کا قرآنی تصور پیش کرنا بھی ہمارے ہی فرائض میں داخل ہے کیونکہ مجددِ وقت حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے الفاظ میں ایسا وہی جماعت کر سکتی ہے جو آپ کی شاخ ہے اور آپ میں ہی داخل ہے۔ دنیا اب ان نظریات کو بغیر نام لئے قبول کرتی جا رہی ہے۔ آج ہر قوم سے وہی آواز بلند ہو رہی ہے جو آج سے قریباً ایک صدی قبل "فتحِ اسلام" کے نام سے قادیان سے بلند ہوئی۔ افسوس ہے کہ برصغیر ہند و پاک کی اُس زمانے کی سامراجی حکومت نے اپنے دجالی حربوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ترغیب و تحریص اور طمع اور لالچ کے گمراہ کن ہتھیاروں کے استعمال سے ہندوؤں، مسلمانوں اور عیسائیوں کو تحریکِ احمدیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو جس میں اُن کے غلط اور بے بنیاد عقائد خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے روکنے کے لئے متحد کر دیا۔ اور اس طرح وہ قوت جو اسلام کے دفاع اور اس کی شان و شوکت کو اجاگر کرنے میں صرف ہوتی۔ اس محاذ کا خاطر خواہ مقابلہ کرنے میں خرچ ہو گئی۔ مسلمانوں نے ان باطل قوتوں کے محاذ میں شامل ہو کر اپنی غلامی کی زنجیریں اور مضبوط کر لیں اور اسلام کی فتح نمایاں قریب سے قریب تر ہونے کی بجائے دور تر ہو گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ ان ساری رکاوٹوں کے باوجود کسرِ صلیب اور قتلِ خنزیر کا تماشہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور "پائے محمدیاں" کے بلند ترین منار پر محکم ـــ کا نظارہ بھی ہمارے سامنے ہے لیکن یہی ہماری منزل نہیں۔ ہماری منزل تو گم کردہ راہ ساری نسلِ انسانی کو چراغِ نبوتِ محمدیہ کے نور سے منور کرنا اور اُسے امن و سلامتی کی راہ دکھانا ہے۔ جب تک اسلام اخلاقی، روحانی، سیاسی معاشی اور معاشرتی لحاظ سے تمام نظریات باطلہ پر پورے طور پر غالب نہیں آ جاتا۔ جب تک ہم زندہ ہیں ہماری کوششیں اسوقت تک جاری رہیں گی اور ہمارے بعد ہماری آنے والی نسلیں انہیں جاری رکھیں گی۔ یہ قیمتی ورثہ اور امانت محفوظ ہاتھوں میں منتقل کرنے کے لئے ہمیں زمانے کے موجودہ تقاضوں اور مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے ذرائع اور اسباب کی جستجو بھی کرنا ہو گی تاکہ ہم بانیٔ تحریکِ احمدیت کے اُس فکر اور غم کا مداوا کر سکیں جس کا اظہار آپ نے اپنے اس شعر میں کیا ہے:۔ ؎

ایں دو فکرے دینِ احمدؐ مغزِ جان ما گداخت + کثرتِ اعدائے ملّت قلّتِ انصارِ دیں

یوں تو ہمارے ہر سالانہ جلسہ کی غرض و غایت یہی ہوتی ہے لیکن اس جلسہ سالانہ کی خصوصی غرض یہی تھی کہ کس طرح مرکز اور اس کی اندرون اور بیرونِ ملک شاخیں باہم مل کر اشاعتِ اسلام کے کام کو بطریق احسن انجام دے سکتی ہیں تاکہ اس نہرِ کوثر سے پیاسی دنیا کی پیاس بجھا کر اُسے ایک نئی زندگی کی حلاوتوں سے آشنا کیا جا سکے +

ع ایں است کامِ دل اگر آید میسرم

جلسہ سالانہ کی درج ذیل تقاریر میں اسی کی جھلک نظر آئے گی۔ زیرِ نظر رپورٹ میں ہم تمام تقاریر کا اجمالاً ذکر کریں گے کیونکہ مفصل تقاریر کی اشاعت کے لئے جو کہ جلسہ کے دوران میں ریکارڈ کر لی گئی ہیں علیحدہ انتظام کیا جا رہا ہے اور جنہیں جلدی شائع کرنے کی طرف پوری توجہ دی جا رہی ہے۔

تقاریر جلسہ سالانہ دسمبر ۱۹۸۰ء

جلسۂ خواتین

حسبِ معمول جلسے کا پہلا دن ۲۵ دسمبر ۱۹۸۰ء خواتین کے لئے مخصوص تھا۔ اس جلسہ کی صدارت انگلستان سے تشریف لانے والی ہماری نو مسلم بہن مسز عطیہ لاکیئر نے فرمائی اور سٹیج سیکرٹری کے فرائض بیگم رضیہ مددعلی صاحبہ نے انجام دیئے۔ صدر جلسہ کا تعارف کراتے ہوئے سٹیج سیکرٹری نے جذباتِ تشکر و امتنان میں ڈوبی ہوئی آواز میں فرمایا کہ مسز عطیہ لاکیئر مسیحِ وقت حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے خوابوں کی تعبیر اور آپ کے کشف کی تفسیر ہیں جس میں آپ نے اپنے آپ کو لندن میں ایک منبر پر تقریر کرتے اور سفید پرندے پکڑتے ہوئے دیکھا۔ اور آپ کے اس الہام کی زندہ حقیقت ہیں کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا"۔ عطیہ ساؤتھمپٹن کی رہنے والی ہیں۔ آپ کو ایک ایسے دین کی جستجو تھی جس کے اصول اطمینانِ قلب اور تسکینِ خاطر عطا کر سکیں۔ آپ نے قرآن کریم اور دوسرے احمدیہ لٹریچر کا خود مطالعہ کیا اور جب ان کے شکوک و شبہات دور ہو گئے تو اپنے مذہب عیسائیت کو ترک کر کے ڈاکٹر نظیر الاسلام امام لندن مشن کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔

بیگم ذکیہ شیخ صاحبہ ، صدر تنظیم خواتین نے اپنی استقبالیہ تقریر میں پاکستان اور بیرونِ پاکستان سے آنے والی خواتین کو خوش آمدید کہتے ہوئے فرمایا کہ اس جلسہ کی بنیاد حضرت صاحب نے اپنی زندگی میں اپنے دستِ مبارک سے رکھی۔ ہمارا یہ جلسہ دوسرے جلسوں سے اس لحاظ سے بالکل مختلف ہے کہ اس میں ہمیں روحانی انعامات اور قلبی سرور ملتا ہے۔ اس کی اغراض محض دینی ہیں دُنیوی نہیں کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ دین میں کوئی دنیوی ملونی نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ دین کی خدمت کیلئے دنیوی مفاد سے پاک خلوص اور جذبہ کی ضرورت ہے۔ آپ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ پندرھویں صدی مسلمانوں کے لئے عموماً اور ہماری جماعت کے لئے خصوصاً اس لحاظ سے خوش آئند ہے کہ زمین کے دور دراز کونوں سورینام۔ ہالینڈ۔ فیجی۔ امریکہ اور انگلستان سے تشریف لانے والی ہماری بہنیں اس شامیانہ کے نیچے ہمارے اندر موجود ہیں۔ ان مقامات تک اسلام اور احمدیت کا پیغام پہنچانے اور حضرت صاحب کی خواہش پوری کرنے میں حضرت مولانا محمد علیؒ بانی جماعت لاہور کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی سچائی کا اس سے بڑھ کر اور کیا معجزہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے اتنے بھائیوں اور بہنوں کو اخوتِ اسلامی اور احمدیت کی رُوح سات سمندر پار سے کھینچ لائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ بہت بڑا فضل اور کرم ہے جس کے لئے اُس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ آپ نے اپنی تمام بہنوں کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں اپنے دلوں میں وسعت پیدا کر کے ایک دُوسرے کی غلطیوں کو معاف اور کوتاہیوں سے درگزر کرنا چاہیئے تاکہ ہم یک جہتی اور ہم آہنگی کے ساتھ اسلام اور احمدیت کا پیغام دُنیا کے کونے کونے میں پہنچا سکیں۔ آپ نے بیگم ناصرہ ملک کی کوششوں کو سراہتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ اس بار دستکاری سے تیرہ ہزار دو صد پچانوے ۱۳۲۹۵/- روپے کی آمدنی ہوئی۔

استقبالیہ خطاب کے بعد بیرونی ممالک سے آنے والی خواتین کا تعارف کرایا گیا۔

تعارف کے بعد امریکہ سے تشریف لانے والی خاتون بیگم زکیہ ظفر عبداللہ نے حدیثِ مجدد اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے مجددیت کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ آج تک کسی اسلامی ملک کے علماء اور فقہاء نے حدیثِ مجدد کے درست نہ ہونے کے چیلنج کو قبول کرنے کی جرأت نہیں کی جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث متفق علیہ ہے اور اس کے مطابق پہلی تیرہ صدیوں میں بھی مجددین مبعوث ہوتے رہے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ چودھویں صدی خالی جاتی اس صدی میں سوائے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے مجدد کا دعوٰے کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی اور آپ کا شدید سے شدید مخالف بھی آپ کے اس دعوٰے کی مخالفت میں زبان نہ کھول سکا۔ اس لئے اس حدیث کے ماتحت آپ کو مجدد تسلیم کرنے والوں کو غیر مسلم قرار دینا اسلامی اصولوں اور عدل و انصاف کے منافی ہے۔ جماعت لاہور حق و صداقت پر قائم رہی ہے اس لئے اس کو اپنا معاملہ کسی عدالتِ انصاف کے سامنے پیش کرنا چاہیئے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جب اسلام پر اعتراضات کا جواب دینا ہوتا ہے تو جماعت لاہور کو پکارا جاتا ہے اور جب ہر طرف سے مایوسی ہوتی ہے تو جواب انہی "غیر مسلموں" کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ آپ نے زور دے کر فرمایا کہ حدیث مجدد حق ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا دعوائے مجددیت حق ہے اور جماعت لاہور کا مؤقف حق ہے۔ زود یا بدیر دنیا کو اس حق کے سامنے سرنگوں ہونا پڑے گا۔

انگلستان سے شریک ہونے والی خاتون مندوب رفعت شاہدہ عزیز صاحبہ نے عورت کے مقام پر اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل عورت ایک مجبور و مقہور ہستی تھی۔ وہ دورِ جہالت کے معاشرہ میں خرید و فروخت اور وراثت کا مال تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس گری ہوئی غیر انسانی حالت سے اُٹھا کر مرد کے برابر حقوق عطا کئے اور انسانی معاشرہ میں عورت اور مرد کے تعاون کی ضرورت کا احساس پیدا کرتے ہوئے ایک توازن پیدا کیا کیونکہ اس کے بغیر کوئی معاشرتی نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ معاشرہ کو متوازن اور پاک و صاف رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے حقوق اور اخلاقی اقدار کے محافظ بن جائیں۔ ہمارا معاشرہ یعنی احمدی معاشرہ ایک ٹھیٹھ اسلامی معاشرہ ہے۔ اور ہمارا مقصد اشاعتِ اسلام ہے۔ اپنے اس مقصد کو ترقی دینے اور آگے بڑھانے کے لئے تمام احمدی مردوں اور عورتوں کو باہمی تعاون اور خواتین کو اس میں برابر کی شرکت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح مہینوں کا کام دنوں اور سالوں کا کام مہینوں میں سرانجام پا سکے گا۔

بیگم زمرد فاضل رمضان خاتون مشنری کارکن ہالینڈ نے وہاں اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے متعلق ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہ کن کن مادی مشکلات اور سہولتوں سے محروم ہونے کے باوجود اپنے تبلیغی مساعی کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور ان میں انہیں کہاں تک تسلی بخش کامیابی ہوئی ہے۔ آپ نے اپنی جماعت سے اس سلسلہ میں تعاون کی درد مندانہ اپیل کی اور اسلامی تعلیمات پر کثیر تعداد میں کتب کی فراہمی کے لئے درخواست کی تاکہ تبلیغ کے کام کو خاطر خواہ طور پر آگے بڑھایا جا سکے اور سفید پرندوں کو اِدھر اُدھر سے گھیر گھار کر حلقہ بگوشِ اسلام کیا جا سکے۔ انہوں نے کہا کہ اس کے لئے ہمیں اپنی زندگیوں میں بھی نمایاں تبدیلی پیدا کرنے اور حضرت مجدد عصر کی عطا کردہ پرانی قدروں پر مسلسل پیرا ہونے کی بھی اشد ضرورت ہے محض اصولوں کے پرچار کی نسبت ان پر عمل کر کے دکھانا بہتر تاثیر پیدا کرتا ہے۔ اور دوسروں کے لئے کشش کا موجب ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت صاحب نے بار بار تقوٰے پر زور دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جو تقوٰی کی رعایت نہیں رکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ میری بعثت کی غرض و غایت ہی ایک متقی جماعت پیدا کرنا ہے۔ کیونکہ ایک متقی جماعت ہی دعوت الی اللہ کا کام کر سکتی ہے۔

محترمہ بیگم سلیمہ فاروقی نے جو تنظیم خواتین کی ایک نہایت فعال اور مخیر رکن ہیں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کسبِ حلال۔ مال کے خرچ کرنے میں اعتدال کی راہ اختیار کرنے۔ فضول خرچی سے احتراز کرنے حلال کی کمائی سے غریبوں۔ یتیموں اور بیواؤں اور حاجت مندوں کی مدد کرنے کی تلقین فرمائی۔ اور زیور۔ لباس۔ شادی بیاہ۔ دعوتوں، ملنے ملانے کی تقریبات اور سامان آرائش و زیبائش کے حصول کے لئے ایک دُوسرے سے بڑھ کر خرچ کرنے سے اجتناب کی طرف توجہ مبذول کرائی کیونکہ اس سے رشوت ستانی۔ بددیانتی اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے حصولِ زر کی ہوس اور طلب بڑھتی ہے جس سے

زندگی جہنم بن جاتی ہے۔ آمدنی اور خرچ پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ اپنے لباس اور رہن سہن میں سادگی اپنانا سلیقہ شعاری کی علامت ہے۔ پس انداز کی ہوئی رقم کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے انسان کو جو تسکین اور اطمینان حاصل ہوتا ہے وہ زر وجواہر کی نسبت بہت قیمتی اور بیش بہا دولت ہے۔ ساری دولت اور جائیداد یہیں رہ جاتی ہے۔ انسان خالی ہاتھ آتا اور خالی ہاتھ چلا جاتا ہے۔ تو کیوں نہ اپنی زندگی میں ہی اپنی ضروریات سے بچی ہوئی پونجی کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے تاکہ روزِ حساب جب اللہ تعالےٰ ہم سے اپنی عطا کردہ نعمتوں کے بارے میں سوال کرے تو ہم اس کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔ حضرت مجدد وقت نے مال خرچ کرنے کے لئے ایک راستہ ہمارے سامنے رکھا ہے۔ اُس راستے میں خرچ کرنا بہت بڑی سعادت ہے اور اس کا صلہ بہت بے پایاں ہے۔ یہ راستہ اشاعت اسلام اور اشاعت قرآن کا راستہ ہے۔

میاں غلام رسول صاحب مرحوم ومغفور اور حضرت صاحب ؓ کی صاحبزادی **آمنہ تمیم صاحبہ** نے جو ادیبہ اور شاعرہ بھی ہیں زمانۂ جدید کی روش پر نظر ڈالتے ہوئے چار سُو پھیلے ہوئے فسق و فجور، مادی ترقیات کی بدولت معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسائل، آزادی کے نام پر اشتراکیت اور الحاد کے نظریات کے فروغ اور وحشت و بربریت کے دور دورہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کی مخالف قوتیں احیاء اسلام اور اس کی ترقی کو روکنے کے لئے مسلمان ممالک کے درمیان باہمی منافرت پیدا کر کے انہیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کر رہی ہیں۔ جو طاقت اور قوت کفر کے خلاف صرف ہونی چاہیئے وہ اپنوں کو ہی تباہ و برباد کرنے کے لئے خرچ کی جا رہی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس منافرت کی آگ نے ایک طرف ان کے اقتصادی اور معاشی نظام کو تباہ کر دیا ہے۔ اور دوسری طرف انہیں سیاسی طور پر کمزور کر دیا ہے۔ کفر و ضلالت کی افواج چاروں طرف ہلاکت اور تباہی مچا رہی ہیں۔ کچھ ایسا ہی پر آشوب اور ظلمت و تاریکی کا زمانہ تھا جب حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ اللعالمین بن کر تشریف لائے اور آپ ؐ نے روحانی اور اخلاقی اقدار پر مشتمل دینِ اسلام کی شکل میں ایک مکمل ضابطۂ حیات دیا۔ جو زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی اور انسان کی اخلاقی اور روحانی نشوونما کا حامل ہے۔ انسان اگر اس کامل اور اکمل دین کے اصولوں کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائے تو وہ انسان سے فرشتہ بن کر مسجود ملائک بن سکتا ہے۔ اسلام سفلی خواہشات کی تکمیل کا نام نہیں۔ اسلام نام ہے کُلّی طور پر اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دینے کا۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب قرآن کریم اور اسوہ رسول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جوا اپنی گردن میں ڈال دیا جائے۔ قرآن وسنت سے روگردانی نے ہی مسلمانوں کو اس پستی میں دھکیلا ہے ـــــــ پندرہویں صدی کا آغاز احیاء اسلام کے لئے بہت اہم ہے۔ یہ تحریک اس وقت تک آگے نہیں بڑھ سکتی جب تک ہر دل میں خدا کا خوف پیدا نہ ہو جائے۔ جو تقویٰ اور روحانی طہارت و پاکیزگی کی جڑ ہے ہم میں سے ہر ایک کو اسلام کا عملی نمونہ بننے کی ضرورت ہے۔ اور یہی وہ واحد ذریعہ ہے جو اسلام کی روشنی سے جہان کو منور کر سکتا ہے ۞

بیگم ثریا فاروق صاحبہ نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد دعا کی اہمیت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ مصائب و مشکلات میں گھرے ہوئے مضطر کی دعائیں سنتا ہے کیونکہ وہ خود کہتا ہے کہ میں انسان کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہوں۔ اور جب میرا بندہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ اُس کی درد بھری فریاد کو سنتا ہوں اور اُس کی مصیبت کو دور کرتا ہوں انہوں نے اپنی طویل بیماری کا ذکر کرتے ہوئے جماعت کی بہنوں اور بھائیوں کا شکریہ ادا کیا کہ انکی دعاؤں سے اللہ تعالےٰ نے انہیں ایک خطرناک اور مہلک بیماری سے معجزانہ طور پر شفا بخشی [illegible] نے درد دل اور جوشِ محبت سے میرے لئے دعا کی خدا اُن کو جزا دے۔ دعا کی قبولیت کا یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک کوئی بات انہونی نہیں۔ وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ رات کے پچھلے پہر کی دعائیں ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہیں لیکن شرط تقویٰ ہے۔ آپ نے سب سے دعا کی اپیل کی اور فرمایا کہ میں نے حضرت مولٰنا صدرالدین صاحب کی معیت میں بیرونی ممالک کا دورہ کیا جہاں جہاں ہم گئے وہیں ہم نے دیکھا کہ ہمارے بہن بھائی موجود ہیں۔ یہی ایک جماعت ہے جو اسلام کی مخلصانہ خدمت کر رہی ہے۔ مجدد صد چہاردہم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے جو بیج بویا اُس کا ہم پھل کاٹ رہے ہیں۔ اسلام کی کھیتی کو سرسبز و شاداب رکھنے کے لئے ہر صدی میں مجدد کی بعثت تسلیم شدہ امر ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ چودھویں صدی میں کوئی مجدد نہ آتا۔ ہمارے نزدیک وہ مجدد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہیں جنہوں نے اسلام اور قرآن کی اشاعت کی طرف ہمیں توجہ دلائی ۞

بیگم زبیدہ محمد احمد نے "آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے" کے موضوع پر تقریر کی۔ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی مکہ سے مدینہ کو ہجرت ایک ایسا اہم واقعہ ہے جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی اور یہی وہ واقعہ ہے جس سے سنِ ہجری کا آغاز ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے ہجرت کی اُن کا ذکر قرآن شریف میں بار بار آتا ہے۔ اور اُن کے لئے اجرِ عظیم کی خوشخبری ہے۔ ہجرت کے بعد ہی اسلام کو ترقی اور فروغ حاصل ہوا اور ہر ہجری صدی میں اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے ذریعے یہ اہتمام کرتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ چودھویں صدی آ پہنچی۔ جس میں ایک عظیم الشان مجدد کا ظہور ہوا جس کے ذریعے مسلمانوں کا روحانی احیاء وابستہ تھا۔ یہ بھی ایک ایسا واقعہ ہے جس کی نظیر پہلی ہجری صدیوں میں نہیں ملتی۔ ہم چودھویں صدی کے اختتام پر اور پندرھویں صدی کے آغاز میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ یہ موقعہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ مہیا کرتا ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ ہم نے کیا کیا ہے۔ اور کیا نہیں کیا ہے کیا کھویا اور کیا پایا ہے۔ اس جماعت نے اشاعتِ اسلام کی بڑی بھاری ذمہ داری اپنے سر اٹھائی ہے ہمیں یہ جائزہ لینا ہے کہ کیا ہم نے اللہ تعالےٰ کے حکم "جاھدوا فی اللّٰہ حق جہادہٖ" کے مطابق جانی۔ مالی۔ قلمی اور لسانی جہاد کا حق ادا کیا ہے۔ اس صدی میں اللہ تعالےٰ نے اسی جماعت کو اس کام کے لئے منتخب کیا ہے۔ اس لئے یہ ہمارا فرض اولین ہے کہ ہم حضرت صاحب کے تبلیغ اسلام کے مشن کو دنیا کے کناروں تک پہنچائیں ہمارے لئے یہ دن بڑا مبارک ہے کہ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے زمین کے کناروں سے آنے والے بہن بھائی آج ہمارے سامنے تشریف رکھتے ہیں۔ یہ جذبہ روحانی ہے۔ جو انہیں اتنے دور دراز سے کھینچ لایا ہے۔ مگر ابھی ہمیں اپنا دائرہ عمل وسیع کرنے کی ضرورت ہے لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب ہم متحد اور متفق ہو کر اپنا قدم آگے بڑھائیں اور اگر ہمارے درمیان کسی قسم کا اختلاف رائے ہے تو اُسے یکجا ہو کر محبت اور اخلاص سے دور کریں۔

جماعت کو اتحاد اور اتفاق سے ایک دوسرے کے شانہ بشانہ چلنے کی ضرورت ہے۔ ہم نے اپنی تمام عملی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر قدم آگے بڑھانا ہے۔ دوسروں کو اس جماعت میں شامل ہو کر تبلیغ اسلام کی ذمہ داری کا حق ادا کرنے کی دعوت بھی تب ہی دی جا سکتی ہے۔ جب ہمارا اعلےٰ نمونہ اُن کے سامنے ہو کیونکہ بکھرے ہوئے موتی کسی کے گلے کی زینت نہیں بن سکتے اور نہ دیکھنے والوں کے لئے باعث کشش ہوتے ہیں ۞

بیگم رضیہ مددعلی صاحبہ کی تقریر کا عنوان تھا "مذہب اور نبوت کی ضرورت۔" آپ نے اپنی تقریر کا آغاز حضرت موسےٰ علیہ السلام کی اس دعا سے کیا کہ اے خدا میرا سینہ کھول دے اور میرا کام میرے لئے آسان کر دے [illegible] عقدہ میری [illegible] حل کر دے اور مخاطبین کو میری بات کی تہہ تک پہنچنے کی توفیق عطا فرما کیونکہ جب تک اللہ تعالےٰ کسی کے سینہ کو نہ کھولے کسی کو بولنے کی طاقت نہیں ملتی۔ آپ نے خاص طور پر بچوں اور بچیوں کو مخاطب کرتے ہوئے آج سے تیس چالیس سال قبل احمدیہ بلڈنگس کی مثالی فضا کی یاد دلائی جب سب بہن بھائی اکٹھے بیٹھتے۔ ایک دوسرے کے

اظہار نعمت منعم کا شکر ادا کرنے کے مترادف ہے۔ (ترجمہ حدیث)

دکھ درد میں شریک ہوتے۔ ایک دُوسرے کی تکلیف کو جانتے اور رفع کرتے تھے۔ ایک بے لوث محبت بے غرض پیار اور اسلامی اخوّت کا دور دورہ تھا۔ اُن واقعات کی شیریں یادیں اب افسانہ بن کر رہ گئی ہیں آپ کو یاد دلانے کا مقصد یہ تھا کہ "دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایّام تُو" خُدا کرے وہ دن پھر لوٹ آئیں ـــــ ۔

مادی تہذیب کے زیرِ اثر اس زمانے میں پھر سے یہ سوال اُٹھ رہا ہے کہ انسانی زندگی میں مذہب کی ضرورت اور اہمیّت کیا ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے خُدا سے رہنمائی مانگنی چاہیئے لیکن قرآن کریم اور دیگر مذہبی صحف سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کی کوئی قوم اور کوئی خطہ ایسا نہیں جس میں ابتدائے نسلِ انسانی سے اللہ تعالےٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے کوئی رسول، نبی اور ہادی نہ بھیجا ہو۔ بعض تحقیقات کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے اُن میں سے ہر ایک اپنی قوم کے عصری ضروریات اور مسائل کے حل کے لئے مبعوث ہوا۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ انسان سہو و نسیان کا پُتلا ہے وہ بہت جلد بھول جاتا ہے اس لئے اُسے بار بار یاد دہانی کرانا ضروری ہو جاتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ تہذیب و تمدّن بھی جس کی بنیاد مذہب پر ہے ارتقائی منازل طے کرتا رہا ہے جس کی وجہ سے نئے مسائل اور نئی ضروریات جنم لیتی رہی ہیں اور انہیں پورا کرنے کے لئے انبیاء اور رسُول آتے رہے ہیں۔ قرآن کریم کا نام "الذکر" بھی ہے اس لئے کہ وہ یاد دہانی کرانے کے لئے اپنی آیات کو بار بار کھول کر بیان کرتا ہے: تاکہ ذہن میں اچھی طرح راسخ ہو جائیں۔ تعلیم کا اصُول بھی یہی ہے۔ کہ ایک بات کو بار بار دُہرایا اور یاد کیا جائے۔ اسی مقصد کی خاطر پے در پے نبی آتے رہے ہیں۔ سب سے آخر میں فخرِ انبیاء خاتم النبیین اور ختم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم تشریف لائے جن کے بعد بابِ نبوت مسدود ہو گیا۔ اسلام کامل دین۔ قرآن کریم آخری کتاب اور اسلامی شریعت آخری شریعت ٹھہری۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد کسی نبی کو نہیں مانتے۔ ـــــ مگر افسوس یہ ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے مخالفین سے اپنی آنکھوں، کانوں اور دلوں سے کام نہیں لیتے

وہ سورۂ مومن کی اس قرآنی آیت پر نظر ڈالنے کی زحمت نہیں اُٹھاتے کہ:۔

"یلقی الروح علی من یشاء من عبادہٖ"

کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے رُوح بھیجتا ہے یعنی اس سے کلام کرتا ہے۔ اُمِ موسےٰؑ اور حضرت مریم سے وہ ہمکلام ہوا حالانکہ وہ نبیہ نہ تھیں۔ حضرت عیسےٰؑ کے حواریوں سے اللہ تعالےٰ نے باتیں کیں اور وُہ نبی نہیں تھے۔ کیا حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اُمّت ہی اتنی بد نصیب ہے۔ کہ اس میں ایسے انسان پیدا نہ ہوتے جنہیں اللہ تعالےٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوتا۔ ایسا ہرگز نہیں۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وُہ رُوحِ قرآن سے بیگانہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے کہ ہم ہی نے یہ ذکر اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ حفاظت سے مُراد اُس کی لفظی اور معنوی حفاظت ہے۔ لفظی حفاظت تو اس طرح ہوئی کہ جب بھی کوئی آیت یا سُورت نازل ہوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے صحابہ اُسے لکھ اور یاد کر لیتے۔ اور اس کی معنوی حفاظت کا یہ اہتمام فرمایا کہ سلسلہ بنی اسرائیل کی مثل اُمّت محمدیہ میں سلسلہ مجدّدین کا اجرا فرمایا۔ جنہوں نے ہر صدی میں قرآنی حقائق و معارف سے مُسلمانوں کو بہرہ ور کیا۔ اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی یہ دو احادیث شاہد ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے مجدّد مبعوث کرے گا۔ جو دین کی تجدید کریگا۔ اور کہ میری اُمّت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں۔ آپ نے ایسا اُس وقت فرمایا جب "خاتم النبیین" والی آیت نازل ہوئی۔ اور آپ کے صحابہؓ کو یہ بات بہت شاق گزری کہ آئندہ کے لئے اُمّت مسلمہ کی رہنمائی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ یہ کہنا کہ اللہ تعالےٰ اب کسی سے نہیں بولتا ارشادات نبویؐ کے صریح خلاف ہے۔ ؎

وُہ خُدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم + اب بھی اُس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

اللہ تعالےٰ کی قوّت اور صفتِ گویائی کو معزول بنانا دہریت اور الحاد کا دروازہ کھولنا اور اسلام کی صداقت کی جڑ پر کلہاڑا چلانا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے آکر زندہ خُدا۔ رسُول صلعم کو زندہ رسُول اسلام کو زندہ دین اور قرآن کو زندہ کتاب ثابت کیا۔ آپ نے چودہ سال کی عمر سے مختلف مذاہب کا مطالعہ شروع کیا۔ اور اسلام کے مقابلے میں ان کے باطل اور مُردہ عقائد کی قلعی کھولی۔ یہ کتنا بڑا ظلم اور جُرم ہے کہ اسلام کے اِس "فتح نصیب جرنیل" کو جس نے ہر میدان میں مذاہب مخالفہ کو شکست فاش دی اور اس کی جماعت کو جو یہ کام جاری رکھے ہوئے ہے خارج از اسلام قرار دیا جائے لیکن کچھ بھی ہو فتحِ اسلام کی ندا اسی کے نام سے بلند ہو گی۔ اور ہر سعید رُوح اسی کے جھنڈے تلے کھچی چلی آئے گی۔ اس کا راستہ روکے نہیں رُک سکے گا۔ اسلام زمان و مکان کی قیود سے آزاد ایک ازلی اور ابدی حقیقت ہے اِسکی کوئی جغرافیائی حدود نہیں اور اس کی روحانی حدود ہر سرحد سے پرے ہیں۔ مشرق و مغرب کو اس دین کی وسعتوں میں سمونے کے لئے ہمیں آپ کی طرف سے مالی نصرت کی ضرورت ہے۔ اس آواز پر خواتین نے لبیک کہتے ہوئے - - - - - - - روپے بطور چندہ ادا کئے۔

لندن سے تشریف لانے والی خاتون مندوب رضیہ فاروقی صاحبہ نے بچّوں کی تعلیم و تربیت سے متعلق والدین کے فرائض کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بچے ماں باپ کے پاس اللہ تعالےٰ کی امانت ہیں اور قوم کی دولت ہیں۔ ماں کی گود ان کی پہلی تربیت گاہ ہوتی ہے مشہور مقولہ ہے کہ جو ہاتھ بچے کے پنگھوڑے کو ہلاتا ہے وہی قوموں کی تقدیر بناتا ہے۔ ماں کی گود میں صحیح تربیت پانے والا بچہ ہی آئندہ چل کر اپنی قوم میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔ کسی بچے کو دیکھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مستقبل میں قوم اسے ہاتھوں ہاتھ لے گی۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی۔ حضرت مولانا محمد علیؒ امیر جماعت احمدیہ اور حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کو ان کے بچپن میں دیکھ کر کون یہ پیشگوئی کر سکتا تھا کہ یہ مسلمانوں کی کایا پلٹنے میں اتنا عظیم کردار ادا کریں گے۔ اس لئے ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچّوں کی تعلیم و تربیّت میں کسی تغافل سے کام نہ لیں اور ان کی متوازن شخصیّت کی تعمیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بے شمار احادیث میں بچّوں کی اعلےٰ تربیت کے لئے تاکید پائی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ ماں کے پاؤں تلے جنّت ہے۔ دجال کی دائیں اندھی آنکھ کی بدولت مغرب کی گھریلو اور سماجی زندگی تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔ ماں باپ اور اولاد کے درمیان تعلقات ختم ہو چکے ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں بے راہ روی کا شکار ہیں۔ یہ معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہاں مذہب کے بندھن ڈھیلے پڑ چکے ہیں اور روحانی اقدار ختم ہو چکی ہیں۔ آج کا اسلامی معاشرہ بھی اس تہذیب کے زہریلے اثرات سے محفوظ نہیں۔ یہاں ایک روحانی نظام موجود ہونے کے باوجود چراغ تلے اندھیرا ہے۔ جو ماں باپ اس نظام سے خود نا آشنا ہیں وہ اپنے بچّوں کو کیا دے سکتے ہیں مائیں قرآن کریم کے پُرحکمت کلام کے مطابق ایک متوازن معاشرہ قائم کرنے میں بڑی مدد دے سکتی ہیں۔ انہیں تعلیم اسلام اور بزرگوں کے کارناموں سے آگاہ کر سکتی ہیں۔ ہر قوم کے مستقبل کا انحصار اس کے بچوں پر ہوتا ہے۔ آج کا بچہ کل کا باپ ہوتا ہے بچّوں کی جسمانی اور روحانی صحت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے تاکہ وہ آئندہ چل کر ایک تندرست و صحت مند قوم کی تشکیل کر سکیں۔

خواتین کا دُوسرا اجلاس ۳ بجے شام زیرِ صدارت بیگم رشید ظفر صاحبہ (سیالکوٹ) منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن کریم اور نظم کے بعد بیگم خورشید راجہ نے تنظیم خواتین سیالکوٹ کی کارگذاری رپورٹ پیش کی۔ اور قرآن کریم کی آیات اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی روشنی میں حصول علم اور زندگی میں اس کی اہمیت پر زور دیا اور اس سلسلہ میں جو خدمات وہ انجام دیتی رہی ہیں اُن کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جماعت سیالکوٹ کی خواتین نماز جمعہ میں باقاعدہ شریک ہوتی ہیں۔ چندہ

* خیرات بلاء کو ٹال دیتی ہے۔ (حدیث نبویؐ)

باقاعدگی سے ادا کرتی ہیں اور جماعت کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ دورانِ سال میں حضرت صاحب کی کتاب "کشتی نوح" بھی تقسیم کی گئی۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بعض اہم تقریبات بھی منعقد کی جاتی رہی ہیں۔

بیگم اختر نذیر احمد سیکرٹری تنظیم خواتین کراچی نے جماعت کراچی کی خواتین کی کارگزاری رپورٹ پیش کی۔ آپ نے فرمایا کہ ماہ رمضان میں بچوں میں کپڑے تقسیم کئے گئے۔ ایک ہزار روپے انجمن کو چندہ دیا۔ انہوں نے اُمید ظاہر کی کہ ان کی تنظیم کی طرف سے تیار کی گئی دستکاری سے آٹھ سو سے زیادہ کی رقم وصول ہوگی۔

آخر میں سکولوں کی بچیوں نے "احمدیت کیا ہے؟" کے موضوع پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا یہ انعامی مقابلہ تھا۔ اس لئے اوّل۔ دوم اور سوم آنے والی بچیوں کو سلسلہ کی کتب کی صورت میں انعامات دیئے گئے اور یہ مبارک اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

جلسۂ عام۔ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۰ء تا ۲۸ دسمبر ۱۹۸۰ء

---

۲۶ دسمبر ۱۹۸۰ء :-

بروز جمعۃ المبارک ہمارا عام جلسہ شروع ہوا۔ اجلاس اول کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر احمد محمد صاحب (انڈونیشیا) نے فرمائی۔ آپ اپنے وطن میں فزیالوجی کے پروفیسر ہیں اور گورنمنٹ انڈونیشیا کی طرف سے میڈیکل سکولوں کے طلباء کو مذہبی تعلیم دینے پر بھی مامور ہیں۔ آپ جماعت احمدیہ انڈونیشیا کے صدر بھی ہیں ——— مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبلغ جماعت پشاور نے تلاوت قرآن شریف سے اجلاس کا آغاز کیا۔ عنایت الرحمٰن صاحب (شیخ محمدی۔ پشاور) نے حضرت صاحب کا منظوم کلام "وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا۔ نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے" ترنم سے پیش کیا۔ اس نظم کے بعد پروفیسر سعد اختر صاحب نے "براہین احمدیہ" سے حضرت مجدّد وقت کے ملفوظات سنائے۔ جن کا لب لباب یہ تھا کہ سچا نبی وہ ہے جس کی متابعت سے سچی نجات حاصل ہو۔ ایسے نجات دہندہ ــ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہی ہیں۔ کیونکہ ان کی کامل پیروی اور اتباع سے دل میں انوارِ الٰہیہ پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن پاک جو آپؐ پر نازل ہوا ایک ایسی جامع حقائق کتاب ہے جس کی تعلیم پر عمل کرنے سے دل کی آلودگیاں دور ہوتی اور نفوس ناقصہ تکمیل پاتے ہیں۔ اس میں انسان کے تمام روحانی امراض کا مکمل علاج ہے لیکن ان انعامات خداوندی کو حاصل کرنے کے لئے حضرت ختم الرسل صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی محبّت شرطِ اوّلیں ہے۔

افتتاحی تقریر :-

چونکہ امیر قوم حضرت مولینا صدر الدین صاحب بوجہ خرابیٔ موسم، شدید سردی اور ناسازیٔ طبیعت کے افتتاحی تقریر کے لئے تشریف نہ لا سکے اس لئے عین موقع پر منتظمین جلسہ نے جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب سینئر نائب صدر سے درخواست کی کہ وہ یہ فرض انجام دیں۔ آپ نے سورۃ "الفتح" کی آیات ۲۸، ۲۹ (ھو الذی ارسل رسولہ ...... اجرا عظیما) کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ اس جلسہ کی بنیاد حضرت مسیح موعود نے ۱۸۹۱ء میں اللہ تعالےٰ کے حکم اور اس کے منشاء کے مطابق رکھی اور اس موقعہ پر فرمایا "اس جلسہ کو عام انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ اس کی بنیاد اعلائے کلمۂ اسلام پر ہے۔ اس کی بنیادی اینٹ خود اللہ تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی کیونکہ یہ قادرِ مطلق کا فعل ہے جس کے آگے کوئی چیز انہونی نہیں"۔ اس وقت کوئی نہیں جانتا تھا کہ قادیان کدھر ہے۔ ایسے غیر معروف قصبہ میں بیٹھے ہوئے اس شخص کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کی صداقت آج ہمارے سامنے ہے۔ کہاں کہاں سے قومیں اس جلسہ میں آملی ہیں۔ اس کے منجانب اللہ ہونے کا ایک یہی ثبوت کافی ہے۔ ہمارا یہ جلسہ اس لحاظ سے کہ اس کی بنیاد ۱۸۹۱ء میں رکھی گئی۔ ۹۰ واں جلسہ سالانہ ہے۔ اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ پندرھویں صدی کا پہلا جلسہ سالانہ ہے۔ چودھویں صدی کے متعلق جس کو رخصت ہوئے ابھی تقریباً دو ماہ ہی ہوئے ہیں اسلامی لٹریچر میں بہت کچھ لکھا گیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ارشادات کے مطابق یہ مسلمانوں کے لئے بڑے بڑے فتنوں کی صدی تھی۔ اسی صدی میں دجّال کے ظہور اور یاجوج ماجوج کے خروج کے متعلق ذکر کیا گیا اور اسی میں مسلمانوں کی مغلوبیت۔ دین سے بیگانگی، فسق و فجور اور دہریت و الحاد کے وسیع پھیلاؤ کا ذکر عام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں ایک عظیم انسان کے آنے کی خوشخبری دی گئی تھی جس کے ہاتھ سے ان فتن کا خاتمہ اور مسلمانوں کا غلبہ مقدّر تھا۔

جب چودھویں صدی کا چاند طلوع ہوا تو باخدا لوگوں نے اظہار خوشی کیا اور یہ تمنا کی کہ اللہ تعالےٰ انہیں مہدیٔ منتظر کے دامن سے وابستہ ہونے کی توفیق دے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی نجات اور غلبہ اُسی کی معیت سے وابستہ ہے۔ مگر جب وہ مجدد۔ مہدی آیا تو میرے سامنے بیٹھی ہوئی اس غریب قوم کے آباؤ اجداد کو اللہ تعالےٰ نے اس کی معرفت نصیب کی اور ان کے ذریعے اس نے مسیحائے وقت کو شناخت کر لیا۔ ہزار ابتلاؤں اور مشکلات کے باوجود اس کے دامن کو تھامے رکھا۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں یہ بڑا ہی عظیم عمل ہے۔ اس جلسہ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ہم نے ایک ندا دی۔ اپنی بیرونی جماعتوں کو اس میں شامل ہونے کے لئے بلایا تو اُن کے نمائندے کثیر اخراجات اور صعوبات سفر برداشت کر کے مامور وقت کی بات پوری کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے چلے آئے۔ وہ لائق صد مبارک ہیں۔ خدا ان کو اس کا اجر دے گا۔

تلاوت کردہ آیات کی طرف متوجہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو سچا دین دے کر بھیجا کہ وہ اسے سارے ادیانِ باطلہ پر غالب کر کے دکھائے۔ سارے علماء، فقہا اور مفسرین کی یہ رائے ہے کہ یہ غلبۂ اسلام چودھویں صدی میں مبعوث ہونے والے مجدّد۔ مہدی اور مسیح کے ذریعے ہوگا جیسا کہ سورہ جمعہ کی آیت واخرین منھم ...... الخ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسلام کو غالب کرنے والوں کی چند صفات کا بھی ان آیات میں ذکر ہے اور وہ صفات جو بدرجہ اتم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھیوں میں پائی جاتی تھیں یہ ہیں کہ وہ کفّار کے مقابل پر اپنے مسلک پر ایک مضبوط چٹان کی طرح قائم ہیں لیکن آپس میں رحیم و کریم ہیں۔ وہ اللہ تعالےٰ کے فضل اور اس کی رضا کی طلب میں رکوع و سجود میں پڑے رہتے ہیں۔ ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان پڑے ہوتے ہیں۔ ہم نے صحابہ کرام کو تو نہیں دیکھا لیکن مجدّد وقت کے ساتھیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ ہم دین کو دنیا پر مقدّم رکھیں گے۔ ہمیں سوچنا ہے کہ ہم اس میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔ یہ تین دن کا جلسہ خدا کی رضا کے حصول کا ذریعہ ہے۔ ہمیں وہ کام کرنا چاہیئے جس سے خدا خوش ہو۔ جلسہ اور نمازوں میں سب باقاعدگی سے شریک ہوں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ ہمارے دلوں اور روحوں کو پاک کر دے۔

افتتاحی تقریر کے بعد **مرزا محمد لطیف صاحب شاہد** نے مسلمانوں میں پھیلائی گئی اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے کہ وحی نبوت کے بعد وحی ولایت پر بھی ہمیشہ کے لئے مہر لگ گئی ہے اور اب اللہ تعالےٰ چودہ سو سال سے کسی سے ہمکلام نہیں ہوتا چاہے وہ اس کا کتنا ہی محب اور محبوب کیوں نہ ہو۔ "امّتِ محمدیہ اور وحی ولایت" کے عنوان پر قرآن، احادیث، علماء اور اولیاء اللہ کے حوالے سے عالمانہ بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن کریم ازلی ابدی صداقتوں پر مشتمل عظیم معجزہ ہے۔ تہذیب و تمدّن، اخلاق فاضلہ، ایمان، تعلّق باللہ، روحانیت، غرضیکہ انسانی زندگی سے متعلق کوئی بھی ایسا موضوع

*:- طہارت نصف ایمان ہے۔ (ارشادِ رسولؐ)

اور شعبہ نہیں جس پر قرآن کریم سے روشنی نہ پڑتی ہو اور اُس سے ہدایت نہ ملتی ہو۔ یہ ایک کامل کتاب ہے جس میں تمام پہلی صداقتیں بھی موجود ہیں۔ یہ ہر عقیدہ باطلہ کی تردید اور عقیدہ حق کی تائید کرتی ہے۔ اختلاف رائے کی صورت میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ متنازعہ فیہ امر کو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف لوٹا دو یعنی اس کا فیصلہ قرآنِ مجید اور رسول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اقوال و عمل سے چاہو۔ اِس لئے میں سب سے پہلے قرآنی آیات پیش کرتا ہوں جن میں اولیاء اللہ سے کلام کا ذکر ہے۔ آپ نے "ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ ۔۔۔۔۔ الخ کے حوالے سے بتایا کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ کے کسی بشر سے کلام کرنے کے تین طریقے بتائے گئے ہیں۔ وحی ، من وراء حجاب اور بذریعہ جبرئیل۔ وحی اشارہ سریعہ کو کہتے ہیں۔ اس کا مطلب دل میں کسی بات کا ڈالنا بھی ہیں۔ الہام کا مطلب بھی دل میں ڈالنا کے ہیں۔ اس لئے امام راغب انبیاء اور اولیاء کی طرف الہام کو بھی وحی کہتے ہیں۔ ان تینوں قسم کے طرزِ کلام میں سے صرف تیسری قسم یعنی حضرت جبرائیل کے ذریعے بات کرنا یا دوسرے لفظوں میں وحی نبوّت موقوف اور مسدود ہو چکی ہے۔ پہلی دو قسم کا کلام موقوف نہیں ہوا کیونکہ قرآن ہی سے ہمیں یہ ثبوت ملتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایسے مردوں اور عورتوں سے بھی اللہ تعالےٰ ہمکلام ہوا۔ جو نبی نہیں تھے۔ جیسے حضرت موسےٰؑ کی والدہ۔ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے حواری وغیرہ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی یہ حدیث کہ سلسلہ بنی اسرائیل میں تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں جو نبی تو نہیں تھے لیکن اللہ تعالےٰ اُن سے ہمکلام ہوتا تھا۔ تو کیا وجہ ہے کہ امتِ محمدیہ جسے قرآن کریم "امۃ وسطا" اور "خیر امۃ" فرماتا ہے اللہ تعالےٰ کے اس انعام سے محروم رہ جائے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر جب "خاتم النبیین" والی آیت نازل ہوئی تو لوگوں پر یہ بات بہت شاق گزری تو آپؐ نے ان کی تسلّی کے لئے فرمایا کہ نبوت تو ختم ہو گئی ہے لیکن مبشرات باقی ہیں۔ حدیث میں مبشرات کو رؤیائے صالحہ کہا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر وحی کی ابتداء رؤیائے صالحہ سے ہوئی۔ جو صبح کی روشنی کی طرح سچی نکلتیں۔ مبشرات اور رؤیائے صالحہ کو بھی وحی کہا گیا ہے۔ قرآن ہی سے شہادت ملتی ہے کہ اس قسم کی وحی اور الہام سے اولیاءِ اُمت نوازے جاتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے " ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملٰئکۃ "۔ ابن عربی، مجدد الف ثانیؒ، مولانا رومؒ۔ شاہ اسمٰعیل شہید۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ امام غزالی اور نواب صدیق حسن خاں وغیرہ نے اپنی تصنیفات میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ اولیاء اللہ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اور جس سے بکثرت ہمکلام ہو اُسے محدث کہتے ہیں۔ یہ رتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی کامل اتباع سے ملتا ہے۔ اور ایسا شخص اللہ تعالےٰ کا محبوب بن جاتا ہے اس آیت کے مطابق کہ " ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" خدا کے مکالمہ سے انکار خدا سے محبت کا انقطاع ہے کیونکہ محبت اور عشق کا تقاضا ہے کہ محبّ و محبوب میں باہم کلام ہو۔ "عشق میخواہد گفتار یار را" ورنہ خدا سامری کے بُت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ بیضاوی اور امام سیوطی کی تصنیف اعلام، میں بھی امتِ مسلمہ میں الہام کے اجراء کا ذکر موجود ہے اور الہام ہی کو "وحی" کہا گیا ہے لیکن آج کے منکرینِ قرآن کہتے ہیں کہ قرآن سے کشف و الہام کی کوئی سند نہیں ملتی۔ اُن کے اس عقیدہ کے مطابق سوامی دیانند کے اس سوال کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں کہ خدا کے فرشتے جب اب نہیں آتے تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ پہلے بھی آتے تھے۔ یہ ماننا اللہ تعالےٰ کی صفات میں نقص ماننا ہے اور جس میں نقص ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ سلسلہ کشف و الہام اس امت میں قیامت تک جاری رہے گا۔ باقی سب دروازے بند ہیں لیکن روح القدس کے آنے کا دروازہ کھلا رہے گا۔ وحی ولایت کو وحی نبوت سمجھنا اور اس کے موجب حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مدعی نبوت ٹھہرانا بہت بڑا جھوٹ اور افتراء ہے۔ آپ تو مدعی نبوّت پر لعنت بھیجتے ہیں اور صحیح معنوں میں ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ کی تحریرات کے مطابق آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد نہ کوئی نبی آ سکتا ہے ـــــ اور وحی نبوت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر ختم ہو گئی۔ ہاں اس اُمّت میں حدیثِ مجدّد کے مطابق ایسے لوگ آتے رہے ہیں جنہوں نے اللہ تعالےٰ پر زندہ ایمان پیدا کیا۔ اور اسی کے مطابق چودھویں صدی میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مبعوث ہوئے۔ اور آپ پر بارش کی طرح الہامات اس لئے نازل ہوئے کہ اس زمانہ میں جس طرح خدا کا انکار کیا گیا اس طرح پہلے کسی زمانہ میں نہیں کیا گیا تھا۔ قرآنِ کریم کے دقائق و معارف کا بیان۔ کثرت سے دعاؤں کی قبولیت اور الہامات کے ذریعے اخبارِ غیبیہ کا انکشاف اور اُن کا پورا ہونا۔ عربی زبان میں ۲۴ کتب کی تصنیف خطبہ الہامیہ۔ ایک رات میں عربی کا چالیس ہزار مادہ دیا جانا۔ آپ کے مقابل پر قرآن کریم کی تفسیر لکھنے پر علماء و فضلاء کی خاموشی اور عجز کا اظہار۔ عرب کے علماء کا آپ کی عربی میں تصنیف شدہ کتب کی فصاحت و بلاغت کا اعتراف یہ سب اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ خدا کے فرستادہ اور شرف مکالمہ الٰہیہ سے مشرف تھے۔ اللہ تعالےٰ کی نصرت اور تائید سے مؤیّد تھے۔ اس لئے کوئی کبھی کسی میدان میں آپ کے مقابل پر نہ آ سکا

آپ کی کتب سے ظل۔ بروز۔ استعارہ اور مجاز کے الفاظ جن کو دُنیا کو فریب دینا دیانت اور امانت کو چھوڑنا ہے یہ الفاظ سب ہی صوفیا اور اولیاء نے استعمال کئے ہیں۔ آپ سے بڑھ کر کسی نے اللہ تعالےٰ اور اُس کے رسول سے عشق نہیں کیا۔ اِس عشق کا تقاضا ہی یہ تھا کہ آپ اپنے نبی متبوع کی تمام خوبیوں اور خصوصیات کا عکس یا ظل ہو جانے اور اللہ تعالےٰ کے انعامات کے مورد ہوتے۔ اِنہی انعامات میں سے ایک اللہ تعالےٰ سے مکالمہ یا وحی ولایت بھی ہے۔ جو اس امت میں جاری ہے اِس سلسلہ کے برخلاف اگر بعض اِسلام کی حقیقت سے بے خبر خود ساختہ منکرینِ قرآن کے نظریات کو تسلیم کر لیا جائے۔ تو اسلام دوسرے مذاہب کی طرح ایک زندہ نہیں بلکہ مُردہ مذہب تصوّر ہو گا جس میں سوائے پُرانے قصّے کہانیوں کے کوئی صداقت نہیں۔

جناب مرزا احمد لطیف صاحب کے بعد جناب مرزا مسعود بیگ جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام تشریف لائے آپ کی تقریر کا موضوع تھا" چودھویں صدی کا رجلِ عظیم" آپ نے ، ہجری صدی کی ابتداء کی تاریخ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ سنِ ہجری آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے سات سال بعد حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ۴ ربیع الاول بروز جمعہ سے شروع ہوئی۔ مہینوں کے نام وہی اختیار کئے گئے جو اس وقت عربوں میں مروّج تھے۔ واقعہ ہجرت کو تاریخِ اِسلام میں سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ اسی واقعہ کے بعد اسلام کو عروج حاصل ہوا اور مکّہ میں مخالفین کے ظلم و ستم سہنے والے دیکھتے ہی دیکھتے ناقابلِ تسخیر قوم کی حیثیت سے اُبھرے قیصر و کسریٰ کے تاج اُن کے قدموں میں آ گرے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ چودھویں صدی ۱۲ دسمبر ۱۸۸۲ء کو شروع ہوئی اور ۹ نومبر ۱۹۸۰ء کو ختم ہوئی۔ ۱۰ نومبر ۱۹۸۰ء کو پندرھویں صدی شروع ہوئی۔ [illegible] تعالےٰ اِس صدی کو مسلمانانِ عالم کے لئے مبارک کرے۔ چودھویں صدی کو جو تقریباً دو ماہ ہوئے ہی ختم ہوئی ہے۔ اِسلامی لٹریچر میں بڑی اہمیّت حاصل ہے کیونکہ اس میں پیدا ہونے والی بڑی بڑی بلاؤں اور فتنوں کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ یہ اتنے بڑے فتنے تھے کہ اِن کے ازالے کے لئے بھی ایک عظیم شخصیت کی ضرورت تھی۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا تھا۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم۔ ثم الذین یلونہم اور پھر فرمایا اس کے بعد آنے والے زمانے میں جھوٹ اور فسق و فجور کثرت سے پھیل جائے گا۔ ایک حدیث میں اس زمانہ کو فیج اعوج کہا گیا ہے۔ گذشتہ تیرہ صدیوں میں اُمّتِ مسلمہ کی اصلاح اور ہدایت کے لئے اولیاء اللہ تشریف لاتے رہے لیکن عظیم فتنوں کے انسداد کے لئے چودھویں صدی کے چاند کی ضرورت تھی جس کے نُور سے یہ ظلمتیں کافور ہو جائیں۔ اِسلام پر عیسائیت، سناتن دھرم اور دہریّت کی یورش تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا شبلی نعمانی۔ مولانا حالی۔ نواب صدیق حسن خاں اور دیگر مسلمان علماء وقت نے مسلمانوں کی زبوں حالی اور غیروں کے ان پر طرح طرح کے حملوں کو دیکھتے ہوئے اپنے اپنے رنگ میں رونا رویا اور کہا کہ یہ زمانہ کسی رجلِ عظیم کے ظہور کا متقاضی ہے۔ جو اسلام کی ڈولتی ہوئی ناؤ کو ان طوفانوں سے نکال کر ساحلِ مراد تک پہنچائے۔ جب یہ رجلِ عظیم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدّد صدِ چہار دہم کی صورت میں سامنے آیا تو اس کا انتظار کرنے والے یہ سب انکار کر گئے آپ نے ۱۳۰۰ھ میں مجدّد ہونے کا دعوےٰ کیا اور ۱۳۰۹ھ میں مہدی ہونے کا دعوٰی کیا۔ آپ مسلمانوں کے لئے مجدّد اور مہدی اور عیسائیوں کے لئے مسیح تھے۔ جیسا کہ عام طور پر مسلمانوں میں مشہور ہے۔ کہ مہدی اور مسیح دو الگ الگ شخصیتیں ہوں گی۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو ایک میان میں ان دو تلواروں کا سمانا مسلمانوں کے لئے فتنہ اور ابتلاء کا موجب ہوتا۔ ہر ایک ان کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا اور ان میں بجائے اتحاد کے انتشار پیدا کرتا۔ ابنِ ماجہ کی حدیث لا مہدی الا عیسٰی نے اس بات کا قطعاً فیصلہ ہی کر دیا کہ ایک ہی شخص مہدی اور عیسٰی ہوگا۔ اس میں یہ دونوں حیثیتیں یکجا ہوں گی۔ مجددین کا آنا مسلمانوں میں متفق علیہ امر ہے۔ اسی برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی۔ اور حضرت سید احمد شہید مجدّد ہو گزرے ہیں اور ان کو مجدد مانا گیا ہے۔ اس لئے حضرت مرزا صاحب کی مخالفت میں یہ کہنا کہ حدیث مجدّد ضعیف ہے۔ آپ سے پہلے آنے والے ان مجدّدین کی حیثیت کو چیلنج کرنے اور ان کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے مجدّد اور مہدی کی حیثیت میں مسلمانوں میں راہ پا جانے والی بدعات مشرکانہ رسوم، عقائد میں خرابی اور ان کی بداعمالیوں کو ختم کرنے کے لئے زندہ خدا پر ایمان پیدا کرنے اور اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کا راستہ انہیں بتایا اور وہ راستہ تھا عشقِ قرآن اور عشقِ رسولؐ مسیح موعود کی حیثیت میں آپ نے عیسائیت کے عقائد باطلہ یعنی الوہیت مسیح اور کفارہ کی جڑ پر ایسا مہلک وار کیا کہ عیسائیوں کو فرار کی کوئی راہ نہ دکھائی دی۔ مغربی اقوام کو ہی دجّال اور یاجوج ماجوج ثابت کر کے اس صدی میں واقع ہونے والے اس سب سے بڑے فتنے کے چنگل سے مسلمانوں کو آزاد کیا۔ مغربی تہذیب کی فریب کاریوں کو طشت از بام کیا۔ اور اس طرح مغربی استعمار کی زنجیریں توڑ کر مسلمانوں کو آزادی حاصل کرنے کے لئے راستہ دکھایا۔ مسلمانوں میں پھیلے ہوئے جہاد کے غلط تصوّر کو دُور کر کے قلمی جہاد یعنی جہاد بالقرآن کے ذریعے جسے قرآن کریم نے خود جہادِ کبیر سے تعبیر کیا ہے۔ اشاعتِ اسلام کا اعلےٰ نصب العین ان کے سامنے رکھا۔ براہینِ احمدیہ میں اس کے متعلق آپ نے فرمایا کہ فتحِ اسلام روحانی طور پر اس عاجز کے ذریعے مقدر ہے۔ اس کی زندگی میں ہو۔ یا اس کی وفات کے بعد ۱۸۸۳ء میں آپ کو یہ الہامات ہوتے ہیں:۔

"بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد۔"

"پاک محمد مصطفٰے نبیوں کا سردار۔"

"رب الافواج اس طرف توجّہ کرے گا۔"

ان الہامات کی سچائی کی شہادت آج کے واقعات دے رہے ہیں۔ ۴۶ اسلامی ممالک آزاد ہو چکے ہیں۔ اسلامی دُنیا میں اسلامی اتحاد کی باتیں ہو رہی ہیں۔ احیائے اسلام کی صدا ہر طرف سے بلند ہو رہی ہے۔ ان عظیم شخصیتوں میں جنہوں نے انسانی تہذیب و تمدّن کے ارتقاء میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اور تاریخِ انسانی میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سرِ فہرست شمار کئے گئے ہیں۔ اور یہ اعتراف ایک مغربی مفکر کا ہے۔ اس لئے وہ صرف نبیوں کے ہی نہیں سارے بنی نوع انسان کے سردار ہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ بانی تحریکِ احمدیت نے اسلام کے متعلق جو نظریہ پیش کیا تھا۔ وہ آج مقبول ہو رہا ہے۔

یکم اکتوبر ۱۹۸۰ء کو صدرِ پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق نے ۹۰ کروڑ مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے اقوام متحدہ میں دُنیا میں امن و امان اور بین الاقوامی اخوت قائم کرنے کیلئے جو ۸ نکات پیش کئے وہ اسی نظریہ کی تشریح اور تفسیر تھی۔

چودھویں صدی کے رجلِ عظیم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے ذریعے رونما ہوا۔ اس لئے چودھویں صدی ہماری صدی ہے بلکہ نہ صرف چودھویں صدی پندرھویں اور سولھویں صدی بھی ہماری ہے کیونکہ یہی مشن آگے بڑھے گا۔ چودھویں صدی کے اس مجدد اعظم کا انکار کرنے والے اب پندرھویں صدی میں کسی مجدّد کے پیدا ہونے کے منتظر ہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب "البلاغ" میں حدیث مجدد ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" نقل کرتے ہوئے پندرھویں صدی میں کسی مجدّد کے آنے کے متعلق لکھتے ہیں لیکن چودھویں صدی کے مجدّد کو ماننے سے انکاری ہیں آخر اس صدی میں یہ حدیث کیوں پوری نہ ہوئی۔

—— ہمارے دل اس لئے آزردہ ہیں لیکن اللہ تعالےٰ کے کام نرالے ہیں۔ اس کے متعلق آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جنہوں نے براہین احمدیہ پر شاندار ریویو لکھا تھا۔ حضرت صاحب پر کفر کا فتوےٰ لگایا اور تمام ہندوستان کے علماء سے اس پر دستخط کرائے۔ حضرت صاحب نے ۱۸۹۳ء میں ایک اشتہار شائع کیا اور اس میں لکھا کہ یہ شخص مرنے سے پہلے میری سچائی کا اقرار کرے گا۔ اس اشتہار کے ۲۰ سال بعد ۱۳-۱۲-۱۹۱۲ء میں کریم بی بی نامی ایک عورت نے اپنے احمدی خاوند کے خلاف تنسیخ نکاح کا دعوٰی کیا کہ یہ کافر ہے اس لئے اس کے ساتھ میرا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس عورت کے گواہوں میں مولوی محمد حسین بٹالوی بھی تھے انہوں نے لالہ دیوکی نندن کی عدالت میں یہ گواہی دی کہ احمدی مسلمان ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر آج مرزا صاحب زندہ ہوتے تو میں اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا۔

ہمیں اس مشن کو پورا کرنے کے لئے جو حضرت مرزا صاحب نے ہمارے سپرد کیا ہے تن من دھن کی بازی لگانا ہے اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی آخری سانس تک اس سے وفا کر سکیں +

جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے "مذہب اور سائنس" کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سائنسی علوم اور تحقیقات کی بنیاد حواسِ خمسہ پر ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ جو باتیں ہمارے مشاہدہ اور تجربہ میں آسکتی ہیں وہی ہمارے لئے قابلِ قبول ہیں۔ اس کے خلاف ہم ماننے کو تیار نہیں۔ یہی دہریت اور نیچریت کی وجہ ہے۔ وہ کہتے ہیں سائنس نے انسان کے آرام اور آسائش کے لئے ہر قسم کی سہولتیں مہیا کی ہیں۔ اس کے برعکس مذہب محض توہم پرستی کا نام ہے جس نے انسان کو فتنہ فساد کے سوا کچھ نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ۹۹ بز لوگ مذہب سے بیزار ہیں۔ اور جو مذہب کا نام لیتے ہیں وہ بھی اسے رسمی طور پر ہی مانتے ہیں۔ حقیقت میں وہ بھی اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ خدا۔ جنت۔ دوزخ۔ رسول۔ کتابیں۔ فرشتے۔ شیطان ایسے لوگوں کے نزدیک انسانی دماغ کی اپنی تخلیق ہیں۔ ان کی حقیقت کچھ نہیں۔ جو کچھ ہے وہ سائنس کی برکات سے حاصل کی گئی مادی سہولتیں ہیں۔ لیکن ہمارا مشاہدہ یہی ہے کہ یہ مادی سہولتیں بھی انسان کو اطمینانِ قلب اور سکون نہیں دے سکیں۔ امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں جہاں دولت اور ہر طرح کی آسائشوں کی ریل پیل ہے۔ لوگ سکون کی خاطر بھنگ پیتے ہیں۔ مذہب کو افیون کہنے والے زر پرستی کی بھنگ میں سرشار ہیں لیکن اطمینان پھر بھی حاصل نہیں کر سکے۔ ایک صدی پہلے جب سائنس کا ڈنکا بج رہا تھا اور مذہب کی حقیقت پر حملے ہو رہے تھے۔ تو ایک مفسّر قرآن نے مغرب کی ترقی سے متاثر ہو کر یہ کہہ دیا کہ یہی لوگ جو مادی ترقی کر رہے ہیں مسلمان ہیں۔ سرسیّد

" وہ ہم نشیں سب سے بہتر ہے جس کا دیکھنا اللہ تعالےٰ کی یاد دلا دے۔"

(ترجمۂ حدیث)

وہ جسم کا رزاق تو ہے رُوح کا نہیں۔ مادّیت کے عروج کے اس دَور میں یہ نہایت اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ خُدا جو مذہب کا سرچشمہ ہے اگر کوئی حقیقت ہے تو اپنے آپ کو ظاہر کیوں نہیں کرتا۔ انسانی زندگی میں اس کا عمل دخل کیوں نظر نہیں آتا۔ ہم اس کا مشاہدہ اور تجربہ اپنی زندگی میں کیوں نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر جگن ناتھ ریاست جموں و کشمیر میں ڈاکٹر تھے۔ انہوں نے مولانا نور الدین سے پُوچھا کہ مولوی صاحب جب پہلے انبیاء اور فرشتے آتے تھے اور خُدا سے ہمکلامی ہوتی تھی تو اب کیوں نہیں ہوتی۔ مولانا باوجود اپنے علم و فضل اور مذہب سے شدید وابستگی کے کوئی جواب نہ دے سکے لیکن اتفاق کی بات ہے کہ انہی دِنوں مولانا صاحب کو براہینِ احمدیہ کا اشتہار ملا جس میں قرآن اور رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی صداقت پر تین سو دلائل عقلیہ کا ذکر تھا اور ساتھ ہی ان دلائل کو توڑنے والے کے لئے دس ہزار روپیہ کا انعام بھی مقرر کیا گیا تھا۔ حضرت مولانا کو یقین ہو گیا کہ یہ اس کتاب کے مصنف کا اپنا دعویٰ نہیں بلکہ یہ خُدا تعالےٰ کی طرف سے تائید یافتہ ہے۔ مولانا نے جگن ناتھ سے کہا کہ میرے ساتھ قادیان چلو۔ یہ انسان تمہارے سوال کا جواب دے گا اگر وہ تسلی نہ کرا سکا تو میں ہرجانہ دوں گا۔ یہ شخص خدا رسیدہ ہے اور مشاہدہ کرا سکتا ہے۔ سائنس کا بھی یہی مطالبہ ہے۔ کہ خُدا اگر ہے تو اپنا مشاہدہ کرائے۔ اس خدا رسیدہ انسان حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے سائنس کو چیلنج کر دیا۔ اور فرمایا کہ اسلام اور سائنس کی جنگ میں اسلام کو فتح ہو گی۔ اور سائنس اور دیگر علوم دُنیوی کی جہالتیں ظاہر ہوں گی۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ آسمان پر اس کے نشان ظاہر ہو رہے ہیں۔

جناب ڈاکٹر صاحب نے ڈالٹن کے نظریہ ایٹم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نظریہ کے مطابق ایٹم ناقابلِ تقسیم ہے لیکن آج اس کی جہالت اس طرح اظہر من الشمس ہوئی ہے۔ کہ ایٹم قابلِ تقسیم مانا گیا ہے۔ کیونکہ یہ الیکٹرانز منفی۔ مثبت اور دُوسرے ذرات پر جو نہ منفی ہیں نہ مثبت مشتمل ہے۔ جو حرکی اور اتصالی قوت کے مالک ہیں۔ ایٹم پھاڑا جا سکتا ہے۔ قابلِ تقسیم ہے۔ اس میں سے لامحدود قوت خارج ہوتی ہے اور ایٹم فنا ہو جاتا ہے۔ اس طرح مادہ کے فنا نہ ہونے کا تصور بھی جہالت ثابت ہو گیا ہے۔ یہ انسانی مشاہدہ کی غلطی تھی۔ پنسل کا پانی میں ٹیڑھا نظر آنا بھی مشاہدہ کی غلطی ہے سورج کا زمین کے گرد گھومنا اور زمین کو چپٹی ماننا بھی مشاہدہ کی غلطی تھی۔ سائنس اور مذہب میں کوئی تضاد نہیں۔ سائنس کی طرح مذہب کی بنیاد بھی مشاہدہ۔ تجربہ۔ تاریخ اور الہام پر ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے مذہب کے مخالفین کو خدا کا مشاہدہ کرانے کے لئے بار بار اپنے پاس بلایا۔ لیکن آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا۔ آج ہر طرف سے یہ آوازیں اُٹھ رہی ہیں کہ دُنیا کو ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہے۔ جو باہمی نفرتوں اور رقابتوں کو مٹا کر دُنیا کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنا دے۔ ایسا زندہ مذہب وُہ مذہب ہے جو مجدد صد چہار دہم نے دُنیا کے سامنے رکھا۔ جس کا خُدا زندہ۔ رسُولؐ اور کتاب زندہ ہے۔ اس کے مقابل پر باقی سب مذاہب مُردہ ہیں جن کے ماننے والے اُن کی زندگی کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتے۔ تحریکِ احمدیت اسی زندہ مذہب کو دُنیا کے کونے کونے میں پھیلانے کے لئے سرگرم ہے۔ کیا اس کی زندگی کا یہ معجزہ نہیں کہ آج ہم میں دُنیا کے مختلف کونوں سے آنیوالے مختلف قوموں کے نمائندے شامل ہیں وہ کون سی لالچ انہیں یہاں کھینچ لائی۔ کیا ان کی یہاں موجودگی اس بات کا ثبوت نہیں کہ خدا موجود ہے اور دلوں کو مسخر کر رہا ہے۔ اور "یاتون من کلّ فجٍ عمیق" کا خُدائی وعدہ پُورا ہو رہا ہے۔ آپ نے سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا آپ لوگ خدائی قدرت کا کرشمہ ہیں۔ یہ خوش فہمی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ کیونکہ اتنے مصائب جھیلنے اور ابتلاؤں سے گذرنے کے باوجود آپ احمدیت پر قائم ہیں۔

لیکن جو آخر تک قائم رہیں گے اللہ تعالےٰ ان کو برکتوں اور نعمتوں کا وارث بنائے گا۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ڈٹے رہتے ہیں ان پر تو فرشتوں کے نزول کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اور اس نزول کا نظارہ اس وقت ہوتا ہے جب بے سروسامانی کی حالت میں اللہ تعالےٰ اپنے ایسے بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔ اس وقت اس کے وجود پر کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے نشاۃ اسلام کے یہ نظارے جو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ اسلام کی اسی فتح کے نشان ہیں جو حضرت مجدّد وقت ــــــ نے آج سے تقریباً اسّی نوّے سال قبل آسمان پر دیکھی۔ جب اسلام انتہائی کسمپرسی اور مغلوبیت کی حالت میں تھا۔ یہ اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ کا کام تھا اور اسی نے کیا:

خُطبۂ جُمعہ

خطبہ جمعہ جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے ارشاد فرمایا۔ آپ نے سورۃ تحریم کی آیت یایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا ۔۔۔۔ الخ" کی تلاوت کے بعد اس کا ترجمہ سنایا کہ :۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اس پر تند خو اور ہیبت ناک فرشتے مقرر ہیں۔ وہ اللہ کے حکم سے سرمو سرتابی نہیں کرتے اور جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔"

ترجمہ کے بعد آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں ایک سو بار سے زیادہ آگ کا ذکر آیا ہے۔ اس آگ سے بچنے کے لئے نماز میں ہمیں یہ دُعا سکھائی گئی ہے وقنا عذاب النار۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا ہے الجنّت حق والنّار حق۔ جنت بھی ایک حقیقت ہے اور آگ بھی ایک حقیقت ہے۔ جہنم کی آگ کے بارے میں ایک روایت میں ہے کہ دُنیا کی آگ جہنم کی آگ سے پناہ مانگتی ہے میں نے آگ کا ذکر آپ کو دو نہایت ضروری امور کی طرف توجہ دلانے کے لئے کیا ہے۔ کیونکہ یہ زمانہ بھی ایک آگ کا زمانہ ہے۔ چاروں طرف یہ آگ لگی ہوئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہمیں اس کے وارد ہونے کا احساس نہ ہو۔ حضرت صاحب نے بھی اس آگ کا ذکر اپنے اس مصرعہ میں کیا ہے :۔

"ایں آتش کہ دامن آخر زماں بسوخت"

اس لئے یہ آگ یقیناً وارد ہے۔ دُنیا کے مفکرین اور مبصرین کی بھی یہی رائے ہے کہ اس آگ کا وارد ہونا اٹل ہے! اور یہ ایسی آگ ہو گی جو کائنات کی ہر چیز کو جلا اور پگھلا کر راکھ کر دے گی۔ اس آیت مذکورہ میں اللہ تعالےٰ نے ہم پر اپنے آپ اپنے بیوی بچوں اور اپنے قریبیوں کو اس آگ سے بچانے کی ذمّہ داری ڈالی ہے۔ حدیث شریف میں بھی یہ ذکر موجود ہے۔ کہ تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور اس کی ایک رعیت ہے جس کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا یعنی کیا تم نے راعی کی حیثیت میں اپنی رعیت کے حقوق اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق ادا کئے؟ ہم میں سے ہر فرد اپنے گھر کا راعی اور اس کے گھرانے کے افراد اس کی رعایا ہیں۔ اس لئے ہم میں سے ہر ایک پر اپنے گھرانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اُسے آگ سے بچائے۔ سب سے بھاری ذمہ داری اپنی اولادوں کی اصلاح ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں ایسی دُعائیں موجود ہیں جن میں انبیاء نے اپنے ساتھ اپنی اولادوں کو بھی شامل کیا ہے۔ اور انہیں نصیحت بھی کی ہے۔ جیسے حضرت لقمانؑ۔ حضرت ابراھیمؑ۔ حضرت اسماعیلؑ وغیرہ قرآن کریم میں یہ حکم ہے کہ اپنے اہل کو نماز کا حکم کرو اور اس پر مصر رہو۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔ اصلاح کے دو ہی مؤثر ذریعے ہیں۔ ایک اپنا نمونہ اور دُوسرا دُعا۔ مامور وقت نے بھی اس طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے :۔ ؎

آنکھ کے پانی سے یارو کرو اس کا علاج + آسماں اے غافلو اب آگ برسانے کو ہے ؎

* اپنے بھائی کی بدحالی پر خوش مت ہو۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی اللہ اس پر رحمت کر دے۔

* کسی قسم کی نیکی کو حقیر نہ سمجھو۔ (ترجمہ حدیث)

"آنکھ کا پانی" اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و انکسار سے گر کر اور رو رو کر دُعا مانگنا ہے۔ اور اسی سے یہ آگ بجھ سکتی ہے۔ پہلی قوموں کے واقعات اور حالات ہمارے سامنے ہیں۔ قرآن کریم میں بار بار اُن کا ذکر آتا ہے۔ جب ان کی اخلاقی اور رُوحانی حالتیں بگڑیں تو عذاب نے انہیں آلیا۔ گناہ بھی ایک آگ ہے۔ اور طلب و جلب زر بھی ایک آگ ہے۔ یاجوج ماجوج کے ظہور اور غلبہ کے وقت بھی ایک آگ بھڑکائے جانے کا ذکر ہے۔ یہ آگ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام سے غفلت اور مادی دُنیا کے پیچھے بھاگ دوڑ کی آگ ہے۔ سب ہی اس آگ میں داخل ہونگے مگر وہ جن کے متعلق پہلے سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا حکم صادر فرما رکھا ہے۔ وہ لوگ جو خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ آپ نے اپنے سامعین کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ ہم اپنی اولاد کی صحیح تربیت سے بہت غافل ہیں۔ ان کی دُنیا کی بھلائی کے لئے تو کوشاں ہوتے ہیں لیکن ان کی دینی اصلاح کے متعلق نہیں سوچتے اور اپنا نمونہ درست نہیں کرتے۔ اپنے اہل و عیال کی اصلاح کے لئے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا نمونہ ہمارے سامنے ہے۔ آپؐ نے اپنی بیبیوں کا رُجحان دُنیا کی طرف دیکھا تو ان کی تنبیہہ کی خاطر ایک بہت بڑا قدم اٹھایا۔ اپنے گھر کیلئے کوئی آسائش پسند نہ فرمائی۔ گھر سے الگ ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب بیبیوں نے دُنیا سے کنارہ کشی کا اعلان کیا اور اُن کی زندگیاں پاک ہو گئیں۔ وہ مومن مردوں اور عورتوں کے لئے ایک پاک و صاف نمونہ بن گئیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ضمن میں خود ایک نمونہ قائم کیا۔ اور آپؐ کے اس نمونہ کو اپنایا گیا۔ اس زمانے میں بھی ہم نے اُس نمونہ کا عکس دیکھا۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ دین کو دُنیا پر مقدم کرو۔ ان چند جامع الفاظ میں ساری اسلامی تعلیم کا نچوڑ موجود ہے۔ کیونکہ دنیا حرص و ہوا کی غلامی اور دین اس سے آزادی اور بے تعلقی کا نام ہے۔ ہم جو آپ کی جماعت ہیں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو پورا کر کے زمانے میں اپنے اردگرد بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں سے بچائیں۔

دُوسرا اجلاس:۔

نمازِ جمعہ کے بعد ہمارا دُوسرا اجلاس زیرِ صدارت جناب نور سردار صاحب، صدر احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور۔ دن ہیگ، ہالینڈ ۳ بجے شروع ہوا۔ مولوی شفقت رسُول خاں صاحب نے قرآن مجید کی تلاوت کی، اور پروفیسر ڈاکٹر اصغر حمید صاحب نے ملفوظات حضرت صاحب پیش کئے۔ ملفوظات سے پہلے آپ نے پاکستان ٹائمز میں ۵ دسمبر ۱۹۸۰ء کو شائع ہونے والے ایک مضمون کا حوالہ دیا۔ جس میں محمد احمد مظہر صاحب کی اس تحقیق کے متعلق تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔ کہ عربی تمام زبانوں کی ماخذ اور ام الالسنہ ہے۔ ایم۔ اے مظہر صاحب کی اس سلسلہ میں پہلی کتاب ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی مگر افسوس کی بات ہے کہ مضمون مذکورہ کے مصنف نے اس تحقیق کا سارا سہرا محمد احمد مظہر کے سر باندھنے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے محقق حضرت مرزا غلام احمد مجدد وقت کا حوالہ دینا مناسب نہیں سمجھا۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہ تحقیق نئی نہیں ہے۔ آج سے تقریباً ۹۵ سال قبل ۱۸۸۵ء میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد صد چہاردہم نے "منن الرحمٰن" کے نام سے ایک کتاب اس بارے میں تصنیف کرنے کے لئے اشتہار دیا کہ عربی ہی اُم الالسنہ ہے۔ اور دُوسری ساری زبانیں جو اس وقت دنیا میں بولی جاتی ہیں۔ اسی زبان سے نکلی ہیں۔ اور یہ کتاب غالباً ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی۔ آپ کی توجہ اس طرف قرآن کریم کے ان الفاظ سے ہوئی۔

لتنذر ام القری ومن حولھا۔

کہ تو ام القریٰ اور اس کے اردگرد کی بستیوں کو ڈرائے۔ چونکہ قرآن کریم مکہ میں نازل ہونا شروع ہوا۔ اس لئے مکہ ام القریٰ ہے۔ اور قرآن کریم اس لحاظ سے اُم الکتٰب ہے۔ اور جس زبان میں یہ نازل ہوا وہی امّ الالسنہ ہو سکتی ہے۔ اس کے ثبوت میں آپ نے سورۃ الرحمٰن کی یہ آیات پیش کی ہیں:۔

خلق الانسان علمه البیان

جس کے معنی ہیں کہ خدا تعالےٰ نے انسان کو پیدا کیا اُس کو بولنا سکھایا۔ سو بیان سے مراد جس کے معنی بولنا ہیں زبان عربی ہے جیسا کہ دُوسری آیت اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے یعنی "عربی مبین" سو خُدا نے مبین کے لفظ کو عربی کے لئے ایک خاص صفت ٹھہرایا ہے۔" حضرت صاحب نے کسی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے کے لئے یہ پانچ خُوبیاں بیان فرمائی ہیں:۔

۱۔ اس کے مفردات کا نظام کامل ہو۔ اور انسانی ضرورتوں کو وہ مُفردات پوری مدد دیتے ہوں:۔

۲۔ اس زبان میں اسماء باری و اسماء ارکان عالم و نباتات و حیوانات و جمادات و اعضاء انسان اپنی اپنی وجہ تسمیہ میں بڑے بڑے علوم حکمیہ پر مشتمل ہوں۔

۳۔ اس زبان کا اعراد مواد الفاظ بھی پورا نظام رکھتا ہو۔ اور اس نظام کا دائرہ تمام افعال اور اسماء کو جو ایک ہی مادہ کے ہوں ایک سلسلہ حکمیہ میں داخل کر کے ان کے باہمی تعلقات دکھاتا ہو۔

۴۔ اس کی تراکیب میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں۔

۵۔ ایسے مفردات اور تراکیب اپنے ساتھ رکھتی ہو جو انسان کے تمام باریک در باریک ضمائر خیالات کا نقشہ کھینچنے کے لئے کامل وسائل ہوں۔

یہ پانچوں خُوبیاں سوائے عربی کے اور کسی زبان میں نہیں پائی جاتیں۔

آپ نے توریت۔ پیدائش باب ۱۱ کے حوالے سے بھی ثابت کیا ہے کہ ابتداء میں بولی ایک ہی تھی۔ پھر خُدا تعالےٰ نے بمقام بابل ان میں اختلاف ڈال دیا۔ بابل عراق عرب کے اندر تھا۔ جہاں عربی زبان ہی بولی جاتی ہو گی۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اُمّ الالسنہ عربی ہے۔ "منن الرحمٰن" کے ساتھ ہی آپ نے پانچ ہزار ۵۰۰۰/- رُوپے کا انعام مقرر کر کے میکسملر وغیرہ کو چیلنج کیا ہے۔ کہ وہ آپ کے اس دعویٰ اور تحقیق کو غلط ثابت کر کے انعام حاصل کرنے کے مستحق ٹھہریں لیکن اس چیلنج کا جواب نہ آیا۔ بلکہ مزید تحقیق نے حضرت صاحب کے دعویٰ کو ہی سچا ثابت کیا:۔

حضرت صاحب کی اس تحقیق کو آگے بڑھانے کے لئے حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بانی ووکنگ مسلم مشن نے ۱۹۱۵ء میں ایک کتاب موسومہ اُمّ الالسنہ لکھی اور اس میں یہ ثابت کیا کہ مختلف زبانوں میں موجود الفاظ کا مادہ عربی زبان میں پایا جاتا ہے۔ جس سے یہ الفاظ ماخوذ ہیں اس لئے "اُمّ الالسنہ" عربی ہی ہے۔ یہی الہامی زبان ہے جو ابتداء میں بولی جاتی تھی اور جس میں قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ اسی لئے اس کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ ساری نسلِ انسانی کے لئے زیورِ ہدایت ہے۔ درست ہے:۔

ملفوظات کے بعد مولانا عبدالرحیم جگو (ادٹرخٹ۔ ہالینڈ) نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں پندرھویں صدی کے آغاز پر اپنے تمام بہن بھائیوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ پندرھویں صدی کی ابتداء میں ہمارے پہلے جلسہ سالانہ میں شریک ہونے کے لئے ہماری بیرونی جماعتوں سے ۶۰ سے زیادہ نمائندے شامل ہوئے ہیں یہ حضرت صاحب کی صداقت کا ایک نشان ہے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ آنے والے مسیح کے تین کام ہونگے:۔

۱۔ صلیب کو توڑنا۔ ۲۔ قتلِ خنزیر۔ ۳۔ جنگوں کا التوا کیونکہ اس زمانے میں کفر و اسلام کے درمیان جنگ کے انداز بدل جائیں گے۔ یہ تلوار کی نہیں قلم کی جنگ ہو گی اور قلم ہی کے ذریعے اسلام کو کفر پر فتح نصیب ہو گی۔

آج ہم اپنی آنکھوں سے مغرب میں صلیب کے شکستہ ہونے کے مناظر دیکھ رہے ہیں لوگ

غلط سمجھتے ہیں کہ صلیب وہ ہے جو گرجوں پر یا عیسائی پادریوں کے گلے میں لٹکی ہوتی ہے۔ بلکہ یہ عیسائیت کے وہ باطل عقائد ہیں جن کی بنیاد کفارہ اور مسیح کی الوہیت پر ہے۔ آج گرجے بھی خالی پڑے ہوئے ہیں اور فروخت ہو رہے ہیں کیونکہ عیسائیوں کو اپنے عقائد کی معقولیت اور سچائی پر کوئی ایمان نہیں رہا۔ ـــــــــ مغرب میں اسلام کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں مسلمانوں کے اپنے لٹریچر کے حوالہ سے پھیلائی گئی ہیں۔ جب کوئی مذہبی مجلس منعقد ہوتی ہے جس میں قریباً ہر مذاہب کے لوگ ہندو، مسلمان، عیسائی وغیرہ شامل ہوتے ہیں اور ہم بھی اس میں شریک ہوتے ہیں تو ہم غیر مذاہب والوں کے اعتراضات کا جواب دیتے اور انہیں خاموش کر دیتے ہیں۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ بھائی تم اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ وہ اسلام کی تصویر ہے جو مجدد وقت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے پیش کی ہے۔ ہمارا لٹریچر پڑھو تمہیں صحیح اسلام کی طرف رہنمائی ہوگی۔ ایک عام اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اسلام نے تلوار کے ذریعے اسلام پھیلایا۔ جبر کیا اور لاکھوں بے گناہوں کو تہ تیغ کیا۔ حضرت مرزا صاحب نے قرآنی جہاد کا تصور پیش کر کے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ جب ہم مخالفین کو بتاتے ہیں کہ یہ غلط خیال ہے اور قرآن مجید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال ان کے سامنے رکھتے ہیں تو وہ حیران ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ عورتوں کے حقوق کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اسلام نے ان کو بہت سے حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ تو ہم قرآن ہی سے ان کی تردید کرتے ہیں۔ ہم بہت خوش قسمت ہیں کہ حضرت صاحب نے قرآن ہمارے ہاتھوں میں دیا۔ ہمارے لٹریچر کے ذریعے یورپ کا نقطۂ نظر اسلام کے متعلق بدل رہا ہے۔ دنیا اسلام کی طرف مائل ہو رہی ہے اور ـــــــ یہ پیشگوئی کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ پوری ہو رہی ہے۔

صرف لٹریچر پھیلا دینا کافی نہیں۔ اس میں جو کچھ ہم پیش کرتے ہیں۔ اس پر اپنا عمل بھی ضروری ہے عملی نمونہ وعظ سے بدرجہا زیادہ متاثر کرتا ہے۔ ہمارے لٹریچر کے غیر زبانوں میں لوگ خود ترجمہ کر کے پھیلا رہے ہیں۔ یہ جماعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت ہے۔ یہ انشاء اللہ العزیز زندہ رہے گی۔

”احمدیت زندہ باد“

باقی۔ باقی

بقیہ پندرہویں اور چودہویں صدی ہجری کا مُجدّد (آمدہ صـــ ۱۵)

صدی ہجری میں ایک ساتھ چلتا آیا ہے۔ عہد حاضر کے محققین اور حالیہ تاریخی واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ اس وقت عیسائیت کی گرفت روز بروز ڈھیلی پڑتی بلکہ ختم ہوتی چلی جا رہی ہے اور اس کے برعکس مسلمانوں کی بیداری اور حیات نو کے دور کا آغاز ہو چکا ہے۔ مسلم اقوام ایک بار پھر خواب غفلت سے بیدار ہو کر اپنے دین یعنی نشاۃ ثانیہ اسلامیہ کے آغاز کا موجب بن رہی ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ جب وہ تمام انقلابات آ چکے ہیں جو چودہویں صدی کے مجدد کی روحانی بعثت سے منسلک تھے۔ تو کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ اس ہستی کا ابھی تک ظہور نہیں ہوا؟

جن کا واضح ترین مقصد بعثت احیاء اسلام تھا۔ جب احیاء اسلام اور مسلمانان عالم کی بیداری کے آثار اظہر من الشمس ظاہر ہو چکے ہیں تو کیا قرین عقل ہے کہ یہ سب کچھ اس مرد خدا کے ظہور کے بغیر ہی ہوا ہے۔ جس کے پاک وجود سے یہ تمام خوش خبریاں منسلک کی گئیں ہیں۔

یہاں کراچی کے ماہنامہ ”البلاغ“ کے حالیہ الشوت میں سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے مدیر نے اپنے اداریہ میں ان حالیہ عوارض کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے جو مسلمانوں کے اتحاد اور ترقی کی بربادی کا موجب ہوئے ہیں۔ اس امید کا اظہار کیا ہے کہ خدا تعالےٰ پندرہویں صدی ہجری کے دوران ضرور وہ شخص مبعوث فرمائے گا جو آنحضرت صلعم کی مشہور حدیث مجدد کے تحت ایسی قیادت فراہم کرے گا۔ جس کی فی الوقت بے حد ضرورت ہے۔ وہ اقتباس یوں ہے:۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلعم کا ارشاد ہے:۔

”ان اللہ یبعث لهذه الامة علی راس کل مائة سنة من یجدد لها دینها۔“ (ابوداؤد۔ کتاب الملاحم، باب ما یذکر فی قرن المائۃ، حدیث ۴۱۲۳)

ترجمہ:۔ ”بلاشبہ اللہ تعالےٰ اس امت کے لئے ہر سو سال کے آغاز میں ایسے لوگ بھیجے گا جو دین کی تجدید کریں گے۔“

اس حدیث کی بنا پر اللہ تعالےٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ پندرہویں صدی کے آغاز پر بھی ایسے لوگ پیدا فرمائیں گے جو موجودہ دور کے بگڑے ہوئے ماحول میں رشد و ہدایت کی شمعیں روشن کریں گے، جن کے ذریعے دین حنیف کی نشر و اشاعت ہوگی۔ اور جو موجودہ دور میں اللہ تعالےٰ کے احکام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرنے کے لئے جدوجہد کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے۔ خوش نصیب ہوں گے وہ مسلمان جو اس جدوجہد میں ان کے ساتھی بنیں اور اسلامی تعلیمات کو دل و جان سے قبول کر کے زندہ جاوید ہو جائیں۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو انہی مسلمانوں کے قافلے میں شرکت کی سعادت عطا فرمائیں۔ آمین۔ ثم آمین۔ (البلاغ محرم ۱۴۰۱ھ)

* * *

حضرت امیر مولینا مرحوم کی دلی تڑپ

”میں آپ سے صرف ایک چیز مانگتا ہوں، وہ ہے دلوں کی تڑپ، اشاعت قرآن کے لئے ایک تڑپ اپنے دلوں میں پیدا کیجئے۔ خدا کے آگے گریئے اور گڑگڑایئے کہ اے خدا! یہ تیرا کلام پاک جس میں ایک بیش قیمت خزانہ ہے یہ کیوں آج بیکسی کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ تو اپنے فضل سے اس کی اشاعت کے لئے کوئی اسباب پیدا کر دے اور ہمارے قلوب میں اس کی خدمت کے لئے ایک تڑپ پیدا کر دے۔“

غلبۂ دین کے لئے تڑپ

”یہی ایک چیز ہے جس سے تم غلبہ پیدا کر سکتے ہو۔۔۔۔ اٹھو اور رو رو کر خدا سے مدد مانگو کہ وہ جلد دین کے غلبہ اور کامیابی کے دن لائے، جس دن جماعت کی یہ حالت ہو جائے کہ وہ راتوں کو اٹھ کر خدا کے آگے گریں اور یہ دعا کریں کہ اے خدا! تو نے اس قرآن کو دنیا کی ربوبیت اور اس کی اصلاح کے لئے اور امن قائم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اے خدا! یہ دنیا گمراہ ہو رہی ہے اور امن سے دور جا رہی ہے، اے خدا، تیرا وعدہ تھا کہ تو دین اسلام کو دنیا میں غالب کرے گا۔ تو وہ وقت لا اور اس قرآن کے ذریعے سے دنیا میں امن قائم کر۔ جس دن جماعت یہ دعا راتوں کو اٹھ کر گریہ وزاری سے کرے گی۔ اس دن کامیابی ہمارے قدموں میں ہو گی۔

از:۔ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

پندرہویں اور چودہویں صدی ہجری کا مجدد

عہد نامہ عتیق کے صحائف میں ایک نہایت ہی تاریک اور پُرآشوب زمانہ کے ظہور کی کثیر پیشگوئیاں موجود ہیں۔ جن میں بیان کیا گیا ہے کہ اُس زمانہ میں قومیں ایک دُوسرے سے دست بگریباں ہوں گی۔ زلزلے اور طوفان بکثرت آئیں گے اور قحط پڑے گا۔

اسلامی کتب میں چودھویں صدی ہجری کو بدترین زمانہ قرار دیا گیا ہے۔ کتب احادیث اسلام کے زوال و انحطاط کی تفصیلات سے بھری پڑی ہیں۔ جو اُن پر آخری زمانہ میں مسلط ہونے والا تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک نے مسلمانوں کی زبوں حالی کا نقشہ اِن الفاظ میں کھینچا ہے:۔

لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا من الایمان الا رسمہ ۔۔۔۔ الخ

"اِسلام میں سوائے نام کے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ اور بجز ظاہری رسومات کے دین اصلی رُوح سے بکلی تہی دامن رہ جائے گا۔ مساجد عبادت گذاروں سے خالی ہو جائیں گی! اور علماء دین آسمان کی چھت کے نیچے بدترین خلائق ہونگے قرآن صرف زبان پر رہ جائے گا! اور ہر فتنہ علماء کے وجود سے پھوٹے گا۔ اور اُنہی پر ختم ہوگا۔" پھر فرمایا۔

"یہ بدخصلت طائفہ ہوگا۔ نہ وہ مجھ میں سے ہونگے اور نہ میرا اُن سے کچھ سروکار ہوگا"

اسی طرح ایک اور حدیثِ نبویؐ میں آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب کو مخاطب کرکے فرمایا: "کہ تم لوگ یقیناً گذشتہ قوموں کے نقشِ قدم پر چلو گے۔" اس پر صحابہؓ نے دریافت فرمایا۔ "یارسول اللہ! کیا گذشتہ قوموں سے آپؐ کی مُراد یہود و نصاریٰ ہیں؟" تو حضورؐ نے فرمایا: "اور کون" جو شخص تیرہویں صدی ہجری کے علوم اِسلامی کا مطالعہ کرے گا۔ تو وہ اُن میں ظہور مہدی و مسیح کے متعلق خوش خبریوں سے بھرا پائے گا۔ جو اُس صدی کے اولیاء اللہ اور علماء دین نے دی تھیں یہ خوشخبریاں دراصل رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان پیشگوئیوں کی تصدیق تھیں جو حضورؐ اپنی اُمت کو سنا چکے تھے۔ مثلاً ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو تین بار اُس آسمانی بارش سے تشبیہ دی جس کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ آیا اس کی ابتدأ اچھی ہوگی یا اُس کا انجام، حضور اکرم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:۔

"وہ قوم کیونکر ہلاک ہو سکتی ہے جس کے شروع میں مَیں ہوں اور درمیان میں میرے بارہ نائب ہوں اور آخر میں مسیح ابنِ مریم ہو۔" (کتاب فصل الخطاب صفحہ ۔۔ از امام محمد پارسا)

اسی ضمن میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس حدیث کا بھی ذکر کر دیا جائے جو حدیثِ مجدّد کے نام سے مشہور و معروف ہے جس میں آیا ہے۔

"ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" (ابو داؤد)

یعنی "اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایسے شخص کو مبعوث فرمائے گا جو دین کی تجدید کیا کرے گا"

یہ حدیث مبارکہ جو ہر صدی کے سر پر ایک مجدّد کی رُوحانی بعثت کی خوش خبری دیتی ہے۔ قرآن پاک کی اُس پیشگوئی کے عین مُطابق ہے جو مندرجہ ذیل آیت مبارکہ میں بیان ہوئی ہے۔

وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ۖ ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا ط یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ط ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفسقون

(سورۃ نور آیت)

(ترجمہ) اللہ نے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جیسا انہیں خلیفہ بنایا جو اُن سے پہلے ہو گذرے۔ اور وہ اُن کے لئے ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مضبوطی کے ساتھ قائم کر دے گا۔ اور وہ اُن کے لئے ان کے خوف کے بعد بدل کر امن کی حالت کر دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے اور جو کوئی اس کے بعد انکار کرے تو وہی نافرمان ہیں۔"

یہ خدائی وعدہ گذشتہ تیرہ صدیوں میں لفظاً و معناً پورا ہوتا رہا ہے۔ مجدّد الف ثانی شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی۔ سید احمد بریلوی اور سید محمد جونپوری برصغیر پاک و ہند میں وہ معروف و مقبول بزرگ ہیں جو مجددین کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان سب کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ سب حکم الٰہی کے تحت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک کے مطابق مسلمانوں کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔

چودہویں صدی ہجری کو تمام بزرگانِ اُمت نے تاریخِ اِسلام کا تاریک ترین دور اس حد تک قرار دیا کہ گویا وہ قرب قیامت کا زمانہ ہوگا۔ چنانچہ کتاب حجج الکرامہ صفحہ ۲۹۵ مصنفہ نواب صدیق حسن خاں میں مذکور ہے کہ "اس تیرہویں صدی میں فتنہ ہائے عظیمہ آفات کثیرہ سے ظاہر ہے کہ ہم جب بچے تھے تو بوڑھی عورتوں کو یہ کہتے سنتے تھے کہ اس تیرہویں صدی سے حیوانوں نے بھی پناہ مانگی۔ اس ماجرا کی تشریح کی جائے تو ایک بڑا طومار بن جائے ۔۔۔ اور جو کچھ باقی ہے بس صرف ظہور مہدی موعود باقی ہے۔"

چنانچہ ان پیشگوئیوں کے مطابق اُن آخری ایّام کے تمام نشانات جو احادیث نبوی میں مذکور ہیں۔ پُورے ہو چکے ہیں۔ ان علامات میں سے علامتِ کبیرہ مسیح الدجال اکبر کا ظہور ہے جو روئے زمین پر فسق و فجور پھیلانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس کا دُوسرا نام یاجوج اور ماجوج بھی رکھا گیا ہے۔ اور اسے دابۃ الارض بھی کہا گیا ہے۔ آخری زمانہ کے اِن لوگوں کی بے شمار خصوصیات احادیث میں مذکور ہیں۔ قرآن مجید نے سورۃ کہف میں ان لوگوں کو عیسائی اقوام قرار دیا ہے۔ جن کے اعمال حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف ہونگے۔

یہ حقیقت اب تسلیم کی جا چکی ہے۔ کہ وہ دجالی خصوصیات زمانۂ حال کی یورپین اقوام میں پائی جاتی ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کا زوال اور عیسائیوں کا تغلب گذشتہ چودھویں

(بقیہ صفحہ ۱۴ پر)

کتاب اللہ اور واقعاتِ سیرت کی روشنی میں

علمائے کرام اور سیرت نگار حضرات کی دماغی اور علمی کاوشیں ملّت اسلامیہ بلکہ پوری انسانی دُنیا کے لئے مایۂ صد افتخار ہیں کہ انہوں نے انتہائی سعی و محنت سے کائناتِ انسانی کے رہنمائے کامل صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالاتِ زندگی جامعیت اور استیعاب کے ساتھ فراہم کئے اور ترتیب دیئے ہیں یہاں تک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی کوئی بات آپ کی کوئی جسمانی حرکت و سکون۔ فرحت و انبساط اور غم و غصہ کی کوئی ادا۔ بزم و رزم کی کوئی حرکت ایسی نہیں جو ضبط تحریر میں نہ آچکی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ختم رسالت کی کوئی دلیل موجود نہ ہو تو صرف یہی ایک دلیل کافی ہے کہ اگر آپ کے بعد کسی دُوسرے نبی کی بعثت کی ضرورت باقی ہوتی تو پہلے انبیاء علیہم السّلام کی طرح آپ کے حالاتِ زندگی بھی نسیًا منسیًا ہو چکے ہوتے اور اس طرح آپ کی ہر ہر بات اور ہر ہر حرکت ضبط تحریر میں نہ آئی ہوتی لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ انبیائے سالقین میں سے کسی کے تفصیلی حالاتِ زندگی آج تک محفوظ شکل میں موجود نہیں۔ حالانکہ ان میں سے ایسے بھی ہیں جن کے ماننے والے آج بھی کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اس کے برعکس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالاتِ زندگی پر سینکڑوں مستند کتابیں ہر زبان میں موجود ہیں تو اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی نبوت و پیشوائی تاقیامت جاری رہنے والی ہے۔ اِسی لئے خود قدرت کی طرف سے آپ کے حالاتِ زندگی کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ابن حاتم الرازی کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

لم یکن فی امۃٍ من الامم منذ خلق اللہ تعالیٰ ادم امۃٌ
یحفظون اثار نبیھم غیر ھذا الامۃ۔

جب سے اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ہے۔ اُمّتِ مسلمہ کے سوا کوئی ایسی اُمّت نہیں گذری جس نے اپنے نبی کے آثار کو محفوظ رکھا ہو۔

تاہم بعض دُوسری حیثیتوں سے سیرت نگاری کے کام کو علمی حیثیت سے جاری رکھنے کی ضرورت ہے مثلاً احیاء و اقامت دین کی دعوت کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر زمانہ کے مخصوص مزاج کے لحاظ سے پیغمبرانہ اصول دعوت کی تفسیر کی جائے اور ماحول کی جدید تبدیلیوں پر اس کا انطباق کیا جائے۔ اور جدید مملکتی مسائل کو زمانۂ رسالت کی سیاست کاری اور معاشی خاکہ بندی کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں حل کیا جائے اور عہدِ رسالت کے اصولِ دعوت اور اصول عمران و تمدن کی ترتیب و تدوین موجودہ دَور کے مخصوص اجتماعی مزاج کی رعایت کے ساتھ کیجائے، اور اسلام کے عالمگیر اور ابدی اصول و تصورات کی تعبیر اس ڈھنگ سے کیجائے کہ اس زمانہ کا ذہن و دماغ اس کو آسانی سے قبول کر سکے۔

دعوتِ نبوی کی اصل عظیم علم و عمل کی ہم آہنگی

پیغمبرانہ دعوت کا مزاج عام سیاسی، معاشی اور اصلاحی تحریکات سے بالکل مختلف ہے اس قسم کی تمام تحریکیں محدود اور وقتی مقاصد کے لئے اُٹھتی ہیں اور اُن کے حصول کے بعد ان کا کام ختم ہو جاتا ہے اس کے مقابلہ میں پیغمبرانہ دعوت مستقل اور ابدی مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے ہوتی ہے اور وقتی مسائل سے وہ صرف ناگزیر حد تک تعرض کرتی ہے اور زندگی کی مقصود بالعرض قدروں کو محض وسیلہ و ذریعہ کی حد تک مستحق توجہ سمجھتی ہے۔ اور اپنے عمل اور جدوجہد میں وہ زندگی کی حقیقی اور مقصود بالذات قدروں ہی کو سامنے رکھتی ہے اسی لئے انبیاء و رسل سب سے پہلے لوگوں کو زندگی کے حقیقی مقصد سے روشناس کرتے ہیں اور پھر اسی کے مطابق سیرت سازی کا کام شروع کرتے ہیں اور ذہن و فکر کی تعمیر کا کام اسوقت مسلسل جاری رہتا ہے۔ جب تک کہ مقصد حیات کی عقیدت و محبت دلوں کی گہرائیوں میں نہ اُتر جائے۔ اس طریقہ سے تربیت یافتہ اور پختہ کار انسانوں کا ایک گروہ تیار ہو جاتا ہے جس کا عزم و یقین کوہ باطل کے آہنی قلعوں کو پاش پاش کر دیتا ہے اور جس کی نگاہ بڑے بڑے پُر غرور سروں کو اپنے آگے جھکا دیتی ہے اور جس کی صدائے عشق ملوک و سلاطین کے سر بفلک ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر دیتی ہے۔

با سلاطیں درفتد مرد فقیر + از شکوہ بوریا لرزد سریر
قلب او را قوت از جذب و سلوک + پیش سلطان نعرۂ او لا ملوک

لیکن اس مقدس گروہ کی منزلِ مقصود روٹی کے چند ٹکڑے اور منصب و اقتدار کی سند نہیں بلکہ اس کی منزل ہر منزل سے آگے اور اس کا مقام ہر مقام سے اُونچا ہے۔ اس لئے اس کی سعی و کوشش مسلسل اور غیر منقطع ہوتی ہے۔ اگرچہ جس منزل تک پہنچنے میں دُوسرے لوگوں کو کئی کئی صدیاں لگ جاتی ہیں ان کو اہلِ ایمان کا بے سروسامان قافلہ چند دنوں میں پیچھے چھوڑ جاتا ہے مگر اس کا جذبۂ عشق اس کو کسی منزل پر ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتا کہ:۔

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا   حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

حاصل یہ ہے کہ حضرت انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تبلیغ، درس و تعلیم اور تربیت تینوں کام ساتھ ساتھ تکمیل پاتے ہیں، محض تبلیغ اس مقصد کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ ایک مشفق اور جفاکش استاد کی حیثیت سے درس و تعلیم اور تربیت بھی اس کے فرائض میں سے ہے۔ اس لئے پیغمبر کا وصف خاص یہ ہے کہ وہ ان سہ گانہ فرائض نبوت کو ایک ساتھ انجام دیتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم نے کارِ نبوّت کے ان تینوں مراحل کو متعدد مقامات میں بیان کیا ہے۔ وعظ اور تبلیغ کا تعلق بالعموم اُن لوگوں سے ہے جنہوں نے اب تک دعوت قبول نہ کی ہو اور تعلیم و تربیت ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنے سابقہ عقائد کو چھوڑ کر نبی کی جماعت میں شامل ہو گئے ہوں۔ وعظ و تبلیغ کی حسب ذیل آیات ہیں:۔

یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل
فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس

(المائدۃ)

”اے رسول! آپ ان اصول و احکام کی تبلیغ کریں جو آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف اتارے گئے ہیں اور اگر آپنے ایسا نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپنے اللہ تعالےٰ کا پیغام نہیں پہنچایا۔ اور اللہ آپکو لوگوں کی (شر انگیزیوں) سے محفوظ رکھے گا“

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ
وجادلھم بالتی ھی احسن   (نحل)

”آپ دعوت دیں اللہ کے دین کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ، اور اُن کے ساتھ

بحث کریں اس طریقہ سے جو بہت اچھا ہو۔

فاعرض عنھم و عظھم وقل لھم فی انفسھم قولا بلیغا

" پس اے نبی! آپ ان (کی شرانگیزیوں) سے اعراض کریں اور ان سے ایسی بات کہیں جو دل میں اتر جانے والی ہو۔"

الذین یبلغون رسلت اللّٰہ و یخشونہ ولا یخشون احدا الا اللّٰہ (احزاب - ۳۹)

" وہ جو اللہ تعالےٰ کے پیغاموں کی تبلیغ کرتے ہیں اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی دوسرے سے نہیں ڈرتے ۔"

"تزکیۂ نفوس اور تعلیم و تربیت پیغمبرانہ دعوت کے اہم عناصر ہیں اس لئے قرآن حکیم نے ان کا بار بار ذکر کیا ہے :۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (الجمعہ)

" وہ ذات جس نے عربوں کی اُمّی قوم میں رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے۔ وہ ان پر اللہ تعالےٰ کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کے دلوں کو (عقائد شرک) سے پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۔"

ان آیات میں تعلیم کتاب سے نظری تعلیم اور تعلیم حکمت سے عملی تعلیم و تربیت مُراد ہے حکمت کے معنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی عملی زندگی یعنی سُنّت کے ہیں ۔ چنانچہ امام شافعی نے کتاب الرسالہ میں لکھا ہے :۔

سمعت من ھو ارضی من اھل العلم بالقران الحکمۃ سنۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم۔

میں نے اس شخص کو جو علومِ قرآنی کے ماہرین میں سب سے زیادہ مقبول ہیں یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ حکمت سے مُراد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سُنّت ہے۔

اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حیاتِ طیّبہ نوعِ انسانی کے لئے نظامِ تعلیم و تربیت کا ایک مکمل عملی نمونہ ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللّٰہ والیوم الاٰخر و ذکر اللّٰہ کثیرا۔ (الاحزاب)

بلاشبہ تمہارے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زندگی میں بہترین نمونۂ عمل ہے۔ یہ اس کے لئے ہے جو اللہ اور یومِ آخرت کی آرزو رکھتا ہو۔ اور اللہ تعالےٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہو ؛

دراصل درسگاہ نبوت ایک چلتی پھرتی اور متحرک درسگاہ ہے جس کا طرزِ تعلیم کلاسیکی علوم کی طرح محض نظری استدلال پر مبنی ہے اور نہ مدرسہ و خانقاہ کی حدود کا پابند ہے بلکہ سفر حضر خلوت و جلوت بزم و رزم اور زندگی کے میدان اور ہر شعبہ میں اس کا کام برابر جاری رہتا ہے۔ شہسواری کی تعلیم گھر کی چار دیواری یا صحن مسجد میں نہیں دی جاتی بلکہ گھوڑے کی پیٹھ پر اس فن کی مشق کرائی جاتی ہے۔ پیراکی کے اصول خشکی پر نہیں بلکہ طوفانی لہروں کی کشاکش میں ڈال کر سکھائے جاتے ہیں۔ کتاب کے جامد نقوش انسانی قلوب میں وہ برقی رُوح کس طرح پیدا کر سکتے ہیں جو مردِ حق آگاہ کی نگاہ انقلاب انگیز سے پیدا ہوتی ہے۔ ؎

این کار حکیمے نیست دامانِ کلیمے گیر + صد بندۂ ساحل مست یک بندۂ دریا مست

اس لئے سرورِ دو جہاں صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرتِ طیّبہ کا مطالعہ زندگی کے ہر شعبہ میں کرنا چاہیئے۔ آپ جب گھر میں تشریف فرما ہوتے تو اطاعت و عبادت کے فضائل امورِ خانہ داری اور عام معاشرتی مسائل کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا۔ جب مسجد میں تشریف لاتے تو مسلمانوں کے اجتماع میں طہارت و عبادت، حلال و حرام، حقوق و فرائض اخلاق و معاشرت اور سیاست و معیشت کے نکات و معارف بیان فرماتے اور جب مجاہدین کا لشکر جرار جہاد کے لئے کوچ کرتا تو اثنائے سفر اور عین میدانِ جنگ میں بھی خُدا پرستی اخلاص، مقصد طہارت و پاکیزگی اور احترام آدمیت کا سبق دیتے ۔ غرض ہر لمحہ تعلیم و ارشاد کا سلسلہ جاری رہتا ؛

غزوہ اُحد میں چند لوگوں کی لغزش سے مسلمانوں کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ کفار کی ناگہانی یلغار سے اسلامی جمعیت درہم برہم ہوگئی اور ستّر مسلمان شہید ہوگئے، یہ بڑا نازک اور پریشانی کا وقت تھا۔ ہر طرف زخمیوں کی دردناک صدائیں کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ دشمنوں کا جذبۂ عداوت شہداء کی لاشوں تک سے انتقام لے رہا تھا مسلمانوں پر بدحواسی طاری تھی لیکن ایسے نازک وقت میں بھی خُدا کے سچے پیغمبر کے ثبات و استقلال میں فرق نہ آیا اور آپ صرف خُدا پرستی، توحید اور غیرت دینی کا سبق دیتے رہے۔ چنانچہ مخالف کیمپ سے جب ابوسفیان نے للکار کر کہا کیا قوم میں محمّد موجود نہیں ؟ تو آپ نے صحابہؓ سے فرمایا" جواب نہ دو ۔" ابوسفیان نے دوبارہ آواز دی کیا قوم میں ابی قحافہ (ابوبکرؓ) ہیں؟ آپ نے پھر فرمایا۔ خاموش رہو۔ تیسری مرتبہ ابوسفیان نے عمر بن خطابؓ کا نام لیا آپؐ نے اس دفعہ بھی فرمایا کوئی جواب نہ دو ۔" اس خاموشی پر ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا یہ لوگ مارے گئے اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ جب تک محض غیرتِ نفس کا سوال تھا اس وقت تک آپؐ نے جواب دینے سے منع فرمایا لیکن جب ابوسفیان نے اعل ھبل اعل ھبل کا نعرہ بلند کیا تو آپؐ نے بھی فرمایا تم بھی کہو اللّٰہ اعلیٰ و اجل ۔ اللہ بلند اور برتر ہے۔ اور جب ابوسفیان نے یہ مشرکانہ نعرہ لگایا لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم اور ہمارے لئے عزیٰ (بُت کا نام ہے) اور تمہارے لئے نہیں ہے۔ تو پھر آپ نے صحابہؓ سے فرمایا تم جواب دو " اللّٰہ مولانا ولا مولا لکم اللہ ہمارا مالک ہے اور تمہارا کوئی مالک نہیں ہے ؛

اس واقعہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ ان کی جدوجہد انتقام ذاتی اور غیرتِ نفس کے جذبہ کی تسکین کے لئے نہیں بلکہ محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ اللہ کے دین کی عظمت شخصیتوں کی موت و حیات سے وابستہ نہیں ہے۔ خواہ ہم لوگ رہیں یا نہ رہیں مُسلمان کی خواہش یہ ہونی چاہیئے کہ اللہ کا دین ہمیشہ غالب و سرفراز رہے۔

" آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا دستور تھا کہ سفر جہاد میں اگر مُسلمانوں سے کوئی لغزش ہوتی تو آپؐ فوراً تنبیہ فرماتے، سفر خیبر میں جب اسلامی لشکر خیبر کے قریب پہنچا تو کچھ لوگوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اس پر آپ نے سخت لہجہ میں فرمایا۔

اربعوا علیٰ انفسکم انکم لا تدعون اصم ولا غائبا انکم تدعون سمیعا قریبا وھو معکم (بخاری)

ضبطِ نفس سے کام لو۔ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ بلکہ تم سمیع و قریب کو پکار رہے ہو جو ہر لمحہ تمہارے ساتھ ہے۔

اثنائے سفر میں بھی تزکیۂ قلوب کا کام برابر جاری رہتا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ فرماتے ہیں کہ خیبر کی راہ میں مَیں زیرِ لب کچھ پڑھتا جا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا پڑھ رہے ہو میں نے عرض کیا لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ، فرمایا کیا میں تم کو ایک ایسا کلمہ بتا دوں جو جنت کے خزانہ میں سے ایک خزانہ ہے۔ میں نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم غزوہ بنی المصطلق (جو ابن اسحٰق ابن جریر اور ابن ہشام کی روایت کے مطابق سنہ ۶ھ میں اور موسےٰ بن عقبہ اور حاکم کی روایت کے مطابق سنہ ۵ھ میں واقع ہوا) میں یہ افسوسناک

واقعہ پیش آیا کہ ایک انصاری اور ایک مہاجر میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ مہاجر نے انصاری کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ اس پر انصاری نے یا للانصار (انصار کی دہائی) کا نعرہ لگایا۔ اس کے مقابلہ میں مہاجر نے یا للمھاجرین کا نعرہ بلند کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کانوں میں جب یہ نامانوس آواز پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے۔ اسکو چھوڑ دو کہ یہ بہت ناپاک نعرہ ہے۔"

غرض حضر کی طرح سفر میں بھی جس قدر دینی، اجتماعی اور ملی مسائل پیش آتے تو آپ نو نبوت سے ان کو حل فرماتے اور کسی حال میں بھی دعوت وارشاد کا سلسلہ بند نہ ہوتا۔ بلکہ کتب احادیث وسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے قرآنی احکام وفرائض اثنائے سفر ہی میں نازل ہوئے۔

شجاعت وتہوّر اور سخاوت وفیاضی عربوں کا مایہ حمر تھی لیکن وہ ان اوصاف کو بلند اخلاقی اصول ومقاصد اور انسانیت کی فلاح وسعادت کے لئے نہیں بلکہ قتل وغارت انتقام توہین آدمیت اور اس قسم کے دوسرے پست مقاصد کے لئے استعمال کرتے تھے، یہاں تک کہ قتل وسفّاکی لوٹ مار، انسانوں کو آگ میں جلانا، عورتوں کی بے آبروئی کرنا۔ بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنا۔ اس قسم کے بہیمانہ افعال ان کے قومی کردار بن گئے تھے۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بیشتر غزوات میں اسلامی فوجوں کی خود قیادت فرماتے تھے اس لئے قدم قدم پر اسلامی قوانین صلح اور جنگ کی تعلیم دیتے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی غزوہ میں مسلمانوں کو بھوک نے تنگ کیا۔ وہ کہیں سے بکریاں لوٹ لائے اور ذبح کر کے اُن کا گوشت پکانا شروع کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے دیگچیاں اُلٹوا دیں اور فرمایا۔

ان النھبۃ الیست باحل من المیتۃ (اخرجہ ابو داؤد)

"لوٹ مار کا مال مُردار سے زیادہ حلال نہیں ہے۔"

فتح مکّہ کے موقع پر آپ نے فرمایا۔

لا یجھزن علے جریح ولا یتبعن مدبر ولا یقتلن اسیر ومن

اغلق بابہ فھو امن.

"زخمی پر حملہ نہ کیا جائے۔ بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے۔ قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔ اور جو دروازہ بند کرلے اس کو امن دیا جائے۔"

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی دستور تھا کہ جب آپ کسی جنگ کے لئے مدینہ سے لشکر روانہ کرتے تو رخصت کرتے وقت اہل لشکر کو یہ ہدایت فرماتے تھے۔

اغزوا باسم اللہ فی سبیل اللہ تقاتلون من کفر باللہ

ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا

ولیداً ولا امرءۃ۔ (رواہ مالک)

"تم اللہ کی راہ میں اللہ کے نام سے جہاد کرو۔ اللہ کا انکار کرنے والوں سے لڑو۔ مال غنیمت میں چوری نہ کرو۔ بدعہدی نہ کرو۔ مثلہ نہ کرو۔ اور بچے اور عورت کو قتل نہ کرو۔"

پیغمبرانہ دعوت میں تعلیم وتربیّت اور علم وعمل کا اتحاد ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی واقف کار شخص کو (خواہ وہ مارکسزم پر ایمان رکھتا ہو یا کسی دوسرے جدید نظریہ زندگی کا علمبردار ہو) انکار نہیں ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں دورِ نبوّت اور عہد خلافت راشدہ کی جنگی مہموں کا مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوگا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کس طرح قدیم وحشیانہ جنگی طریقوں کی اصلاح کی اور جدید قانون صلح وجنگ کو کس طرح عملاً نافذ فرمایا اور صحابہؓ کے جوش عمل کا یہ حال تھا کہ ادھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زبانِ مبارک سے کوئی حکم جاری ہوتا اور ادھر اس پر عمل شروع ہو جاتا۔ اس کے مقابلہ میں اس زمانہ کی دوسری اقوام کی حالت یہ تھی کہ ان کے یہاں کسی شائستہ جنگی قانون کا وجود ہی نہ تھا جس کی وہ پابندی کرتے۔ اس لئے وہ ہر قسم کی اخلاقی پابندیوں سے آزاد تھیں اور خواہشِ نفس اور لاقانونی ہی اُن کا وجود تھا۔

یہ تو انسانوں کے دورِ جہالت کا حال تھا۔ دورِ حاضر کی مہذب اور شائستہ قوموں میں اگرچہ دو تین صدی سے قانون بین الممالک کی ترتیب کا کام ہو رہا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے بین المملکتی کانفرنسیں ہوتی رہی ہیں کہ جنگ کی ہلاکت کو ممکن حد تک کم کیا جا سکے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے جنگ سی سالہ کے اختتام پر ۱۶۴۸ء میں ہالینڈ کے مقنن گروٹیوس کی ان اصلاحی سفارشات کو قبول کیا گیا کہ جنگ میں بچوّں، عورتوں اور بوڑھوں، مذہبی رہنماؤں، کاشتکاروں تاجروں اور اسیرانِ جنگ کو قتل نہ کیا جائے۔ اس کے بعد دولِ مغرب نے جنیوا کانفرنس، برسلز کانفرنس، ہیگ کانفرنس اور واشنگٹن کانفرنس میں زہریلی گیسوں اور خود بخود پھٹنے والے زہریلے بلون کے استعمال کی ممانعت، تحدیدِ اسلحہ اور بعض دوسری تجویزیں منظور کی گئیں لیکن ان کوششوں کے باوجود پہلی جنگ عظیم میں ایک کروڑ جانوں کا نقصان ہوا اور دوسری جنگ عظیم میں تین چار کروڑ انسان مارے گئے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ واضعین قانون کی یہ تمام کوششیں محض ریاکاری اور منافقت پر مبنی ہیں اور نہ اُن کے دلوں میں تحفّظ انسانیت کا جذبہ پہلے تھا اور نہ اب ہے۔ اور جب قیامِ امن اور تحفظ انسانیت کی کوشش کرنیوالے خود ہی بہیمیت ودرندگی کا مظاہرہ کرنے لگیں تو انسانیت کے مرض کا علاج کیسے ممکن ہے؟

درد است طبیب است علاج ہمہ دردے

دردے کہ طبیب دہد آں را چہ علاجے

ان افسوسناک ناکامیوں کو دیکھ کر بعض مغربی مفکرّین اس درجہ مایوس ہو گئے کہ انہوں نے اِن کوششوں کی افادیت ہی کا انکار کر دیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر نیو لولڈ نے صاف صاف کہہ دیا کہ قانون اور جنگ باہم نقیض ہیں اور میدانِ جنگ میں قانونی پابندیوں کی رعایت کسی صورت سے ممکن نہیں ہے۔

اِن حقائق کے پیشِ نظر نسلِ انسانی کو رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اس عظیم الشان کارنامہ پر فخر کرنا چاہیئے کہ آپ نے صرف آٹھ نو سال کی مدنی زندگی میں عربوں جیسی اُجڈ اور وحشی قوم کے وحشیانہ جنگی طریقوں کی اصلاح کر کے ایک جدید بین المملکتی دستور اور احترام انسانیت پر مبنی قوانینِ جنگ کو عملاً نافذ کر دیا۔ اور جو لوگ درندوں کی طرح ایک دوسرے کو چیر پھاڑ کھاتے تھے اُن کے دلوں میں ہمہ گیر اخوتِ انسانی کا جذبہ پیدا کر دیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا یہ وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جس کا اعتراف دشمنوں کو بھی کرنا پڑا۔ پروفیسر داکر لکھتے ہیں۔

"یہ عجیب بات ہے کہ جرمنوں اور تاتاریوں ایسی وحشی اقوام کے برعکس عرب کے بدو جب یک دفعہ اپنے صحرائی براعظم سے نکل کر دوسرے ممالک پر حملہ آور ہوئے تو ان کی فتوحات کو عام تصور کی وحشیانہ فتوحات میں ہرگز شامل نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ان لوگوں میں سے پہلے ہی دن سے ان کے مفتوحوں سے بڑھ کر تہذیب اور پاکیزہ اخلاق نظر آتے تھے۔"

(دی ہسٹری آف دی لاز آف نیشنس)

پیغمبرِ خُدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا حقیقی کارنامہ

سطورِ بالا میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو کم وبیش تاریخ اسلام کا ہر واقف کار جانتا ہے لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا حقیقی کارنامہ اس سے بہت بلند ہے اور اس کو وہ مردِ مومن ہی سمجھ سکتا ہے جو ذوقِ عشق ومستی سے آشنا ہو۔ وہ کارنامہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تزکیہ نفوس اور تعلیم وتربیت نے عربوں کو وہ نگاہِ حق شناس اور دلِ زندہ آگاہ عطا کیا کہ کائناتِ ہستی کے نقش ونگار اور عالم رنگ وبو کی گوناگوں بوقلمونیوں میں

ان کو جلوۂ حق کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ اور ان کے ذوقِ یقین و ایمان کا یہ عالم تھا۔ کہ ان کی نگاہ ماورائے محسوسات کو پیکرِ مشہود کی صورت میں دیکھتی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت حارث سے دریافت کیا۔ حارث تمہارا کیا حال ہے عرض کی کہ یا رسول اللہ خدا پر صدقِ دل سے ایمان رکھتا ہوں۔ فرمایا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ کہا دنیا سے میرا دل اچاٹ ہو چکا ہے۔ رات کو جاگتا اور دن کو بھوکا رہتا ہے گویا عرشِ الٰہی مجھے سامنے نظر آ رہا ہے۔ اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ایمان کی حقیقت کو پا لیا اب اس پر قائم رہو۔

حضرت حنظلہ فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم سے جنت اور دوزخ کا ذکر فرماتے ہماری آنکھوں کے سامنے جنت و دوزخ کا سماں بندھ جاتا تھا۔

نگاہِ نبوت نے ان کے دلوں میں عشق کا ایسا ولولہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ ہر لحظہ ذکر و فکر میں رہتے اور ان کی راتیں یادِ الٰہی میں کٹتی تھیں، چنانچہ قرآن کریم میں ان الفاظ میں ان کی تعریف کی ہے۔

تتجافی جنوبهم عن المضاجع یدعون ربهم خوفا و
طمعا و مما رزقنٰهم ینفقون

ـ: ترجمہ :ـ

ان کے پہلو بسترِ استراحت سے الگ رہتے
ہیں وہ خوف و رجا سے خدا کو پکارتے
ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے راہِ خدا
میں خرچ کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ دعوت و تبلیغ یہ بھی تھا کہ آپ قرآنی آیات ایسے مؤثر لہجہ میں تلاوت فرماتے تھے کہ پتھر دل موم ہو جاتے تھے بہت سے لوگوں کے دلوں میں آپ کی تلاوت کے اثر سے اسلام اتر گیا چنانچہ حضرت عثمان بن مظعون، حضرت ارقم بن ابی الارقم، حضرت جبیر بن مطعم حضرت ابو عبیدہ بن الحارث اور کئی دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم آپ کی زبان مبارک سے قرآن سن کر مسلمان ہوئے۔

تلاوت قرآن کے وقت حضرات صحابہ پر عجیب رقت کا عالم طاری ہو جاتا تھا قرآن حکیم نے ان الفاظ میں اس کا نقشہ کھینچا ہے۔

تقشعر منه جلود الذین یخشون
ربهم ثم تلین جلودهم وقلوبهم
الی ذکر الله

اللہ کے کلام سے ان لوگوں کے جسم کانپ اٹھتے
ہیں۔ جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ پھر
ان کے جسم اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر
کی طرف پھر جاتے ہیں۔

انسانی شرف و سعادت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ جہالت اور قلب و نظر کی تیرگی ہے۔ جہالت کا پردہ اٹھ جانے کے بعد دوسرے تمام پردے آپ ہی سرکنے لگتے ہیں۔ اس لئے پیغمبرانہ دعوت سب سے پہلے قلب و نظر ہی سے تعرض کرتی ہے اور پیغمبرانہ تعلیم و ارشاد کے اثر سے جیسے ہی جہالت کی گرفت ڈھیلی ہوتی ہے زندگی کی مستور حقیقتیں اجاگر ہو کر آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہو جاتی ہیں۔

واقف نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

اس لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیثیت محض مبلغ اور واعظ کی نہیں ہے بلکہ ان کو معلم اور مربیِ دنیا بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ اور وہ منصب رسالت پر فائز ہوتے ہی فکر و ذہن کی تطہیر اور پھر سیرت کی تعمیر کا کام شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے ایک مرتبہ آپ مسجد میں تشریف لے گئے اس وقت وہاں دو گروہ الگ الگ بیٹھے تھے۔ ایک گروہ ذکر و عبادت میں مشغول تھا اور دوسرا مزاولتِ علم میں مصروف تھا آپ نے فرمایا اول الذکر گروہ بلاشبہ نیک کام کر رہا ہے وہ خدا سے کچھ مانگ رہا ہے۔ خدا کی مرضی ہے کہ اس کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشے۔ یا مسترد کر دے لیکن دوسرا گروہ تعلیم و تعلم کا کام کر رہا ہے وہ جو آئندہ نسلوں تک اپنا اثر چھوڑنے والا ہے۔ مجھے بھی چونکہ معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس لیے میں اس گروہ میں بیٹھنا پسند کرتا ہوں۔

اس بنا پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے جہل و تشکک کی تاریکیوں میں گھری ہوئی نسلِ آدم کو یقین و ایمان کی ضیا باریوں سے منور کیا اور اس کو ضلالت و غوایت کی راہ سے ہٹا کر سعادتِ ابدی اور شرفِ انسانیت کی شاہراہ پر لگایا۔

دعوتِ نبویؐ کا اقتضائے طبعی مصالحت و امن پسندی

پیغمبر کی سیرت عفت و پارسائی، عفو و حلم، صبر و ضبط، مروت و احسان، محبت و ہمدردی اور دوسرے فضائل اخلاق کا ایسا پاکیزہ اور حسین مرقع ہوتی ہے۔ کہ عام انسان تو کیا بڑے بڑے اہلِ علم و تقویٰ اور پاکیزہ سیرت لوگ بھی اس کے حسن و زیبائش کی تاب نہیں لا سکتے۔ اور عقلِ انسانی یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے کہ ایک شخص انسان ہوتے ہوئے بھی اتنے صبر و تحمل اتنے حوصلہ و ضبط اور اتنی فراخدلی اور وسعتِ قلبی سے متصف ہو سکتا ہے کہ برائی کرنے والوں سے نیک سلوک کرے راہ میں کانٹے بچھانے والوں کی عیادت کرے پتھروں سے زخمی کرنے والوں کے حق میں دعا کرے۔ اور شدید کینہ پرور اور انتقام کیش دشمنوں پر غالب پانے کے بعد ان کو معاف کر دے وہ اتنا پاکباز اور عفت مآب ہو کہ اس کی کتابِ زندگی کا کوئی صفحہ خواہشِ نفس کے دھبوں سے داغدار نہ ہو، اس کی بے غرضی کا یہ حال ہو کہ سونے چاندی کے ڈھیر اس کے قدموں پر نثار کئے جا رہے ہوں اور وہ نگاہِ غلط انداز سے کبھی بھی ان کی طرف نہ دیکھے۔ اس کو اپنے نصب العین سے اتنی محبت ہو کہ اپنی زندگی کا سارا عیش و آرام اس کے لئے قربان کر دے، اس کے دل میں انسانیت کا اتنا درد ہو کہ کسی پر ظلم ہوتے ہوئے دیکھ کر تڑپ اٹھے اور وہ اپنی ذات کے لئے ایک مرتبہ بھی کسی سے انتقام نہ لیا ہو؟ بلاشبہ عقل ایسے شخص کے متعلق یہی فیصلہ کرے گی کہ یہ شخص مقامِ انسانیت سے بہت بلند ہے۔ ورنہ یہ ممکن نہیں ہے کہ انسان میں خواہشِ انتقام ہوائے نفس اور دوسرے لوازمِ بشریت نہ ہوں۔

قرآن حکیم بار بار گذشتہ ایام و وقائع کا ذکر کرتا ہے اور اشرار و مفسدین کی معصیت کوشیوں اور شر انگیزیوں کے مقابلہ میں حضرات انبیاء علیہ السلام کی دعوت اصلاح و تعمیر کے حالات اور ان کی مقدس سیرتیں ایسے مؤثر انداز میں بیان کرتا ہے۔ کہ ایک نیک سرشت انسان کے دل میں ان مقدس نفوس کے لئے عقیدت و محبت کے جذبات کا طوفان امڈ آتا ہے۔ اور اس کی زبان بے ساختہ ان کی تعریف و توصیف میں زمزمہ سنج ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر اس کی چند مثالیں کافی ہوں گی۔

جب انبیاء علیہم السلام دیکھتے ہیں کہ ان کی دعوت کی مخاطب قومیں کفر و معصیت پر مصر ہیں اور بار بار سمجھانے کے باوجود ضلالت و گمراہی میں اور زیادہ سخت بلکہ انسانیت کے ان سچے خیر خواہوں کی ایذا رسانی اور قتل تک کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ تو اس حالت میں بھی ان کے دل جذبۂ انتقام سے بالکل پاک اور قوم کی فلاح و سعادت کیلئے بے چین ہوتے ہیں۔ اور ان کی فلاح و صلاح میں اپنے مساعی کی بے غرضی کا ان الفاظ میں اعلان کرتے ہیں۔

لا اسئلکم علیه مالا ان اجری الا علی الله (ہود- ۳)

میں دعوت و تبلیغ کے عوض تم سے مال و دولت نہیں مانگتا میرا اجر صرف اللہ کے ذمہ ہے۔

قل ما سئلتکم من اجرٍ فھو لکم ان اجری الا علی اللہ

اے نبی ان سے آپ کہہ دیں کہ میں نے اگر تم سے کوئی اجرت طلب کی ہے تو وہ تم اپنے اس کام کے ساتھ آپکے شدت تعلقات اور آپکے دل میں انسانی فلاح و سعادت کی تڑپ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اور ارشاد ہے:۔

لعلک باخعٌ نفسک ان لا یکونوا مؤمنین (الشعرا)

شاید آپ اپنے نفس کو اس لئے ہلاک کریں گے کہ وہ لوگ ایمان نہیں لاتے؟

حضرات انبیاء علیہم السلام کی پاکیزگی سیرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے جب حضرت موسیٰ کو ایک مدت کیلئے اجیر مقرر کیا تو اس وقت انہوں نے جو الفاظ کہے وہ انسانیت کی حقیقی خیر خواہی کے آئینہ دار ہیں۔

ما ارید ان اشق علیک ستجدنی انشاء اللہ من الصالحین

میں یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی سختی کروں انشاء اللہ تو مجھے صالحین میں سے پائے گا۔

ان حقائق سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سیرت۔ خلوص و دیانت اور انسانی محبت و ہمدردی سے معمور اور اندازِ قتل و سفاکی سے بالکل پاک ہوتی ہے اس لئے پیغمبروں کی نسبت یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ان کی دعوت قتل و سفاکی اور خون آشامی کو ضروری قرار دیتی ہے۔ بلکہ درحقیقت پیغمبرانہ دعوت کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ پُرامن طریقہ سے خدا کی زمین کو ظلم و معصیت سے پاک کیا جائے لیکن جب شر پسند قومیں مقابلہ پر اتر تی ہیں:۔ اس وقت قوت کا استعمال کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ۔

ع کارِ حق گاہ بہ شمشیر و سناں نیز کنند

پیغمبرانہ دعوت کی ایک اصل یہ ہے کہ مصالحت کے تمام ضروری وسائل و ذرائع استعمال کرنے سے پہلے قوت و طاقت کا ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ اور امکانی حد تک مخالفوں کو حسنِ سلوک اور مروت و احسان کی قوت سے تسخیر کیا جائے۔ فریضۂ دعوت کی تکمیل میں جنگ ہرگز شامل نہیں ہے۔ اس کا حقیقی مقصد انسانیت کی فلاح و نجات ہے لیکن اگر اس مقصد کی تکمیل میں شرارت پسند مزاحم ہوں اور وہ جنگ سے مجبور کریں تو عقل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی شر انگیزیوں کو قوت کے ذریعہ سے کچل دیا جائے۔ مگر اس کی اجازت بہت سی شرائط کے ساتھ ہے۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر۔ (الحج)

ان لوگوں کو جنگ کی اجازت دی گئی ہے جن سے جنگ کی جاتی ہے یہ اجازت اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین (البقرہ - ۲۴)

تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو۔ جو تم سے لڑتے ہیں۔ اور حد سے تجاوز نہ کرو بے شک اللہ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

لیکن یہی لوگ اگر جنگ سے دستبردار ہو کر صلح کی پیشکش کریں یا کم از کم ایسا رویہ اختیار کریں جس سے یہ یقین ہو جائے کہ وہ آئندہ جنگ کی خواہش نہیں رکھتے، تو اس حالت میں قرآن کریم کا صریح حکم ہے کہ ان لوگوں کے خلاف ہرگز جنگ نہ کی جائے۔

الا الذین یصلون الی قوم بینکم و بینھم میثاق او جاءکم حصرت صدورھم ان یقاتلوکم او یقاتلوا قومھم

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا (الانفال)

اگر اہل کفر صلح کے لئے جھکیں تو ان سے صلح کر لیں۔

اس ضمن میں سیرت نبوی کے بہت سے واقعات شہادت میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ کو مستقر دین بنایا گیا تو یہاں کے یہودیوں سے جو معاملہ ہوا تھا اس میں یہود کو شہری حقوق عطا کئے گئے تھے۔ لیکن ۲ھ فتح بدر کے بعد یہودیوں نے جب محسوس کیا کہ اسلام ایک ناقابل شکست طاقت بنا جاتا ہے تو ان کے سینوں میں حسد و عداوت کی آگ بھڑک اٹھی، قبائل یہود میں بنی قینقاع سب سے زیادہ جنگجو اور دلیر تھے۔ اس لئے پہلے انہوں نے معاہدہ کو توڑا اور مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ (ماخوذ)

بقیہ تقریر جناب ماسٹر محمد انور صاحب، آمدہ صفحہ نمبر ۲۲

ہمیں انسانی فطرت میں معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان جلد اپنے نفع کا طالب ہے۔ وہ ان اشیاء کے حصول کے لئے بے چین رہتا ہے جو اس کی فوری تسکین کا باعث ہوں۔ دنیاوی اشیاء چونکہ ٹھوس اور محسوس شکل میں ہوتی ہیں۔ اس لئے ہماری جسمانی ضروریات اور خواہشات کے عین مطابق ہیں۔ اور جوں جوں انسانی توجہ اور میلان اس طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ انسانی تگ و دو بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ انجام کار یہی چیزیں اور انکا حصول انسانوں کے درمیان امتیاز کا معیار بن جاتا ہے۔ جو زیادہ برتر ہے۔ زیادہ معزز سمجھا جاتا ہے۔ نتیجۃً آہستہ آہستہ اخلاقی و روحانی قدریں متاثر ہو جاتی ہے اور باہمی خلوص و محبت کی جگہ نفاق اور حصول مطلب اور ظاہر داری لے لیتی ہے۔ چنانچہ انہی کمزوریاں کے سدباب اور انسانی فطرت کو متوازن اور اس کے اصل مقام پر برقرار رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مذاہب اور انبیاء کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے۔ جب کوئی قوم اپنے نبی اور اس کے فیض سے اپنے عمل و وقت کے لحاظ سے دور ہوتی گئی اس کا جھکاؤ دنیا کی طرف بڑھتا گیا۔ اور اس نے ان تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا جو اس کی امن و سلامتی اور بقا کے لئے ضروری تھیں۔ اسی طرح اس کا خدا سے تعلق ٹوٹ گیا اور شہوات کی پیروی مقصد حیات بن گیا۔ قرآن کریم اس حقیقت کو یوں بیان فرماتا ہے فخلف من بعدھم خلفٌ اضاعوا الصلوۃ واتبعوا الشھوات ۲۴ یعنی انکے بعد انکے وارث آئے جو نمازوں میں سستی کرتے تھے۔ اور شہوات کی پیروی کرتے تھے جلد تباہی سے ملنے والے ہیں قرآن کریم نے مسلمانوں کو سابقہ قوموں کے یہی انداز اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ بلکہ ان کے بد انجام سے آگاہ فرمایا ہے۔

ان حالات و واقعات کی روشنی میں اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد اور بالخصوص زمانہ حال کا جائزہ لیا جائے تو قدرتی طور پر سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں۔ کہ آیا مسلمان تعلیمات قرآنی پر اس طرح عمل پیرا ہے جس طرح صحابۂ کرام تھے کیا خدا کے ساتھ اس کا تعلق اس طرح قائم ہے جس طرح اس زمانہ میں تھا؟ کیا مسلمان آج بھی اس فیض کے اثرات اسی طرح محسوس کر رہا ہے جس طرح صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے تھے۔ تو کیا وہاں حالات کا تقاضا نہ تھا۔ کہ اسلام کے کامل اور ابدی ہونے کے دعویٰ کو قائم رکھا جاتا اس کے خوبصورت چہرے پر دشمنوں کی پھینکی ہوئی گرد صاف کی جاتی۔ کیا یہ ضروری نہ تھا کہ اس کا سچا اور برحق ہونا ثابت کیا جاتا اور کیا ضروری نہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس چہرہ دنیا کو دکھایا جاتا۔ کیا اس امت کے ساتھ خدا کا وہ سلوک ضروری نہ تھا جو سابقہ امتوں کے ساتھ ایسے حالات میں روا رکھا جاتا رہا ہے ۲۵

۲۴ [illegible]

۲۵۔ کیا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کوئی کمی آگئی تھی کیا اس امت پر رحمت کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ حالانکہ اسے خیر الامت کہا گیا تھا۔

جناب ماسٹر محمد انور صاحب ایم اے کی جلسہ سالانہ پر تقریر

ان الدین عند اللّٰہ الاسلام۔ وما اختلف الذین اوتوا الکتب من بعد ما جاءھم العلم بغیا بینھم ط ومن یکفر بایت اللّٰہ فان اللّٰہ سریع الحساب ۝ فان حاجوک فقل اسلمت وجھی للّٰہ ومن اتبعن ط وقل للذین اوتوا الکتب والامیین ءاسلمتم ط فان اسلموا فقد اھتدوا ج وان تولوا فانما علیک البلغ ط واللّٰہ بصیر بالعباد ۝ ان الذین یکفرون بایت اللّٰہ ویقتلون النبیین بغیر حق ویقتلون الذین یامرون بالقسط من الناس فبشرھم بعذاب الیم ۝

ترجمہ:- "دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اور انہوں نے جن کو کتاب دی گئی اختلاف نہیں کیا مگر بعد اسکے کہ ان کے پاس علم آچکا آپس کی ضد سے۔ اور جو شخص اللہ کی آیتوں کا انکار کرتا ہے تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ پھر اگر وہ تجھ سے جھگڑا کریں۔ تو کہدے کہ میں نے اپنی توجہ کو اللہ کی فرمانبرداری میں لگا دیا اور انہوں نے بھی جو میرے پیچھے چلتے ہیں۔ ان لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی اور امیوں کو بھی کہدے کہ کیا تم فرمانبردار ہو۔ پھر اگر وہ فرمانبردار ہو جائیں تو یقیناً انہوں نے راہ پالی اور اگر وہ پھر جائیں تو تجھ پر پہنچا نا ہی ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور ان کو قتل کرتے ہیں جو لوگوں میں انصاف کا حکم دیتے ہیں تو ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دے"۔

"میرا موضوع "احمدیت اور اسلام" ہے جب کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ دو حصوں پر مشتمل ہے پہلا حصہ یعنی احمدیت نام ہے۔ ایک ایسے نظریے اور ایسے مکتب فکر کا جو اسلام کو بطور ضابطہ حیات نہ صرف عقلاً ثابت کرنے بلکہ عملاً دنیا کو اس کا خوبصورت چہرہ دکھلانے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کروانے کا دعویدار ہے جس پر میں آگے چل کر کچھ عرض کروں گا۔ دوسرا حصہ ان لوازمات اور ذرائع سے متعلق ہے۔ جو اسلام کو دنیا میں پھیلانے کے لیے ضروری ہیں۔ اور جو آپ کے لیے اجنبی نہیں ہیں۔ اور جو اس جماعت کے قیام کی بنیاد ہیں چونکہ یہ ہر دو حصے اپنے اصل یعنی اسلام سے متعلق ہیں۔ اس لیے میں اسلام پر کچھ عرض کرتے ہوئے ان آیات کی روشنی میں اپنے موضوع کی طرف آؤں گا مگر اس سے پہلے مجھے اس سوال کا جائزہ لینا زیادہ مناسب نظر آتا ہے۔ کہ آخر انسان کو مذہب کی ضرورت کیوں ہے ؟

اس کا سادہ سا جواب تو یہ ہے۔ کہ انسان کو عقل و شعور کی جو دولت دی گئی ہے۔ وہ مخلوقات میں سے کسی کو نہیں دی گئی نیز یہ کہ اسے اپنے اعمال کی بجا آوری کی پوری آزادی دی گئی ہے چنانچہ عقل و شعور کی یہ دولت ہی وہ شرف اور امتیاز ہے۔ جو انسان کو دوسری تمام مخلوقات پر فوقیت بخش کر اسے اشرف المخلوقات کا درجہ دیتی ہے۔ اور یہی وہ شے ہے جو اس حقیقت کی پوری طرح آئینہ دار ہے۔ کہ انسانی زندگی کا مقصد اس دنیا تک محدود نہیں ہے بلکہ اس سے آگے کہیں ہے جس کی طرف اس نے یہاں سے آغاز سفر کرنا ہے۔ اور اپنے مقصد تخلیق کو حاصل کرنا ہے۔ جیسا کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں۔ ہر شے اپنی فطرت میں رکھے ہوئے قوانین پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے مقصد تخلیق کو پورا کر رہی ہے۔ تو کیسے ممکن تھا کہ انسان جس کو عقل و شعور دیا گیا جس کا مقصد تخلیق یہ دنیا نہیں اور جس کو قوت عمل کو بروئے کار لانے کی آزادی دی گئی۔ اسے وہ راہیں نہ دکھائی جاتیں جو اس کے عظیم مقصد کیلئے ضروری ہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ نہایت ضروری یہ بھی تھا کہ ان راہوں پر عمل کرنے اور مقصد کو پا لینے کا نمونہ بھی سامنے ہوتا۔ سو یہ راہیں اور نمونہ جس ذریعہ سے ہمیں ملتا ہے۔ اصطلاحی معنوں میں وہ ذریعہ دین یا مذہب کہلاتا ہے۔ دوسری طرف اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا یعنی دنیا ہی مطلوب و مقصود انسان ہوتی۔ تو غور فرمائیے کہ عقل و شعور کا استعمال کیا ہوتا؟ اور کیا انسان حصول دنیا کی خاطر اسکو فتنہ و فساد۔ قتل و غارت اور خون بہانے کیلئے استعمال نہ کرتا؟ ظاہر ہے یقیناً کرتا۔ ورنہ اس کے علاوہ اور اس کا استعمال ہی کیا ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ روزمرہ کی زندگی کا عام مشاہدہ ہے۔ کہ دنیادار انسان اپنی ضرورتوں سے کہیں بڑھ کر پا لینے کے باوجود بھی مطمئن نہیں ہوتا۔ اور رات دن حصول دنیا کی خاطر وہ اس طاقت کا استعمال جس طرح مزید سے مزید کیلئے کرتا ہے۔ وہ آپ کے سامنے ہے۔ ہوس زر کا یہ نشہ اسے دوسرے انسانوں کے خون کا آخری قطرہ بھی چوس لینے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اور قرآن کریم نے بزبان ملائکہ اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ قالوا اتجعل فیها من یفسد فیها ویسفك الدماء اس سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ انسانی منزل یہ دنیا نہیں ہے۔ ورنہ جسمانی ضروریات کے تمام سامان بہم ہو جانے پر تو اطمینان ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حیوانات میں نظر آتا ہے۔

میرے اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ تسکین روح یا اطمینان قلب کا اس جسم کے لیے مادی اشیاء کے حصول سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا تعلق انسانی روح سے ہے۔ جس کے اطمینان پا جانے سے جسم بھی اطمینان پا جاتا ہے۔ اور اس کے تکلیف میں ہونے سے جسم بھی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ جسم تو محض روح کیلئے ان کیفیات کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اور بس خلاصہ سخن یہ کہ۔ صرف مذہب ہی ایسی چیز ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان سکون و اطمینان کی دولت حاصل کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اطاعت و بندگی کا جذبہ فطرت انسانی میں موجود ایک ایسی اٹل حقیقت ہے۔ جس کا انکار ممکن نہیں اس جذبہ کا اظہار آج بھی دنیا میں مختلف صورتوں میں نظر آتا ہے۔ اصنام پرستی مظاہر پرستی حیوان پرستی حتیٰ کہ انسان پرستی، اسی جذبے کی تسکین کی مختلف صورتیں ہیں۔ اس لئے کہ انسان ہمیشہ سے کسی برتر ہستی کی پناہ کا متلاشی رہا ہے۔ اور صحیح معنوں یعنی اللہ تعالیٰ کا پتہ صرف مذہب نے دیا بانیان مذاہب کے اٹھ جانے کے بعد روحانی انحطاط شروع ہوا۔ اور توحید پرستی کی جگہ ان چیزوں نے لی۔ بایں ہمہ بقول مولانا محمد علی "یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ انسان جب بھی اپنی بداعمالیوں کے نتیجے میں تباہی کے گڑھے میں پہنچا۔ تو اسے وہاں سے درِ کنج عافیت کی طرف کھینچ لانے والا مذہب ہی تھا۔ دنیا میں انسانی عظمت کی جتنی اعلیٰ اور برتر ترقیاں ہمیں نظر آتی ہیں۔ ان کی تہہ میں کوئی نہ کوئی مذہب یا مذہبی شخصیت ہی کارفرما نظر آتی ہے۔ یہ مذہب ہی تھا جس نے دنیا کو امن و سلامتی کا درس دیا۔ مذہب ہی نے انسان کو خدا کی ہستی کا پتہ دیا اور اسے اس سے ملایا۔ مذہب ہی نے اعمال کو مدار نجات ٹھہرایا۔ مذہب ہی نے حصول علم کی تلقین کی۔ اور مذہب ہی نے محنت کو انسانی زندگی کے لئے ناگزیر قرار دیا۔ قصہ مختصر مذہب کے بغیر نہ انسان اپنی منزل حاصل کر سکتا ہے اور نہ دنیا میں امن و سکون قائم ہو سکتا ہے۔

ہدایت کے بغیر اپنی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی ترتیب اور توازن سے نہ آگاہ ہو سکتا ہے اور نہ روح اور اس کے تقاضوں کو سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے پہلے تو کوئی جامع قوانین مرتب کرنا اس کے لئے ممکن ہی نہیں اور اگر کچھ کر بھی لے۔ تو بھی وہ ملک۔ قوم۔ نسل اور وقت کا ساتھ نہیں دے سکتے اور نہ تادیر طاقت کے بل بوتے پر انہیں قائم رکھا جا سکتا ہے۔ پذیرائی جن کو حاصل ہو سکتی ہے وہ صرف خالق کی طرف سے دیئے

گئے قوانین ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ کی ذات ہی انسانی تخلیق کی ترتیب۔ باریکیوں۔ تقاضوں اور منزل سے پوری طرح سے آگاہ ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دنیا میں قائلین مذہب کی تعداد ہمیشہ زیادہ رہی ہے بلکہ مخالفین مذہب بھی خدا کی ہستی کے بارہ میں اپنی فطرت کی آواز دبانے سے قاصر رہے ہیں۔

آج دنیا میں موجود تمام مذاہب کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ تو ان میں سے ہر ایک کے پیچھے ایک چمکتا ہوا انسانی وجود نظر آتا ہے۔ جو قادر حقیقی کی طرف سے بھیجے جانے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی پوجا کرتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی اس کی طرف بلاتا ہے۔ جو حکم وہ دوسروں کو دیتا ہے وہ اس پر خود سب سے پہلے عمل کرنے والا ہوتا ہے۔ یہی وجود مذہبی اصطلاح میں انبیاء کہلاتے ہیں۔ چونکہ وہ ایک ہی منبع سے نکلے ہوتے ہیں۔ اور ایک ہی غرض کے لئے آتے ہیں۔ اس لئے ان کی بنیادی تعلیمات ایک ہی ہوتی ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

اسلام جو دنیا میں خدا کا آخری کامل دین ہے۔ اس میں اس حقیقت کا اظہار بدرجہ اتم ہے اسلام جو اپنے معنوں کی رو سے صلح و سلامتی اور فرمانبرداری کا نام ہے جس کا مطلب احکام خداوندی کی برضا و رغبت تعمیل اور تعظیم و تکریم نیز اس کی مخلوق بالخصوص بنی نوع انسان کے صلح و سلامتی اور شفقت کا سلوک اور روا رکھنا ہے اصطلاحی معنوں میں خدا کی توحید۔ اس کے نازل کردہ ادیان۔ تمام نبیوں۔ تمام کتب۔ ملائکہ۔ حیات بعد الموت پر ایمان لانا ہے۔ چنانچہ **لا الٰہ الا اللہ** کے بعد **محمد رسول اللہ** کا مطلب ہی یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان تمام باتوں کی تصدیق فرمائی۔ اور ایمان لائے۔ سو یہ چھوٹی سی آیت **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** داخل اسلام ہونے کے لئے بنیاد ٹھہرائی گئی۔

اس جگہ میں ضمناً عرض کرنا بھی مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ مذہب چونکہ براہ راست خدا کی طرف سے انسان کو دیا گیا ہے۔ اور اس میں اس کی راہنمائی کے لئے نیکی اور بدی کی راہوں کو کھول کر بیان کیا گیا ہے اور اسے ان کے اختیار کرنے یا نہ کرنے کا پورا حق بھی دیا گیا ہے۔ اس لئے یہ بندے اور خدا کا آپس میں خالصتاً اور کلیتہً ذاتی اور انفرادی معاملہ ہے۔ اس معاملہ میں تو خود خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں **لا اکراہ فی الدین** فرما کر جبر کی نفی فرمائی ہے۔ دوسرے مقام پر قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر اس کو جبر ہی کرنا ہوتا۔ تو وہ انسان کو ہدایت پر مجبور کرتا۔ **ولو شاء اللہ یھدی الی صراط مستقیم** چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں اس کا سلوک اپنے ماننے اور نہ ماننے والوں کے ساتھ یکساں ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کی محنت کا معاوضہ دیتا ہے۔ سو جب خدا کی طرف دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں تو انسان انسان پر اس بارہ میں جبر کرنے کا کیونکر حق رکھتا ہے۔ اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالےٰ کے اس حق کو تسلیم نہیں کر رہا۔ یا نعوذ باللہ وہ اللہ تعالےٰ کو اس اختیار کے قابل نہیں سمجھ رہا۔ بدقسمتی سے دنیا میں مذہب کے معاملہ میں ایسے واقعات اکثر دیکھنے میں آتے ہیں۔ عیسائیوں نے اللہ تعالےٰ کے کسی حق کا انکار نہیں کیا تھا۔ بلکہ محبت کے غلو میں اس کی شان کے خلاف ایک بات منسوب کی تھی کہ عیسٰی بن مریم کو اس کا بیٹا بنا یا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ اس پر ذرا غور فرمائیے۔

قال اتخذ الرحمٰن ولدا۔ لقد جئتم شیئاً اداً ہ تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ و تنشق الارض و تخر الجبال ھداً۔

کہتے ہیں رحمٰن نے بیٹا بنا لیا۔ تم بہت بڑی بات کر گئے ہو۔ ہو سکتا ہے آسمان پھوٹ پڑیں۔ زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

یہ دل ہلا دینے والے الفاظ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کے خلاف ایک بات منسوب کرنے پر فرماتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں میرے خیال میں اس حق کو تسلیم نہ کرنا جو بندے کے درمیان تعلق کا واحد ذریعہ ہے۔ یا اسے کوئی اور نام دینا زیادہ سنگین ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام کلمہ گوؤں کو دانستہ یا نادانستہ ایسی جرأتوں سے باز رہنے کی ہدایت فرمائے۔ آمین۔

نیز تعلیمات اسلام کی سچی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ جو اس قدر ہمہ گیر اور عالمگیر ہیں۔ کہ نہ صرف زندگی کے ہر پہلو بلکہ ہر قوم اور ہر دور پر محیط ہیں۔ ابتدائی سانس سے لیکر زندگی کے آخری سانس تک انسان پر جو کیفیات وارد ہونا ممکن ہیں مثلاً عسر یسر۔ رنج و راحت۔ مال و دولت۔ محبت اور تندرستی۔ جذبات و احساسات۔ تعلیم و تربیت۔ امن و جنگ۔ فلاح و بہبود۔ غرضیکہ گھر سے لیکر تمام بنی نوع انسان تک کے انسانی تعلقات۔ ان سب کے مناسب حال رہنمائی موجود ہے۔ اور وہ نمونہ بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مبارک زندگی کی صورت میں موجود ہے جو انسان کی حیثیتوں یعنی بچہ۔ بھائی۔ بھتیجہ۔ دوست۔ خاوند۔ باپ۔ حاکم۔ منصف۔ کمانڈر۔ لیڈر اور جملہ دیگر حیثیتوں کیلئے ضروری ہے۔ چنانچہ یہ اسی نمونہ اور اسی تعلیم کا اثر تھا۔ کہ روئے زمین پر سب سے گری ہوئی قوم جہان گیر و جہانبان بن گئی۔ اس نے علم و حکمت کے سوتے سیکھنے لگے۔ اور ہر قسم کی برائیوں میں لتھڑی ہوئی قوم علم و عمل کا نمونہ بن گئی۔ تعلق باللہ اور روحانیت میں اس مقام تک پہنچ گئی۔ کہ اوروں کو روشنی دینے لگی۔ اسلام نے تو حصول علم پر اتنا زور دیا ہے عقل کے استعمال کی اتنی تاکید کی ہے۔ اور محنت کی اس قدر تلقین کی ہے۔ کہ انہیں کو حصول عظمت اور حصول منزل کے لئے بنیاد ٹھہرایا ہے۔ قرآن کریم کی پہلی ہی آیت جو نازل ہوئی۔ وہ یہ تھی۔ **اقرا باسم ربک الذی خلق** ۔ رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔ گویا پہلا سبق ہی حصول علم کا ہے۔ احادیث بھی تو اس بارہ میں بے شمار ہیں۔ گہوارے سے لیکر قبر تک علم حاصل کرو۔ اگر حصول علم کے لئے چین کا دور دراز کا سفر بھی کرنا پڑے تو ضرور کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح عقل کے استعمال پر تو قرآن کریم نے اس قدر تاکید فرمائی ہے۔ کہ پورا قرآن **افلا یعقلون۔ افلا تعقلون۔ افلا تبصرون** ۔ افلا کے ارشادات سے بھرا ہوا ہے۔ اور اس کے برعکس عقل سے کام نہ لینے والوں کے متعلق فرمایا۔ **اولئک کالانعام بل ھم اضل** یہ جانور ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا۔ **ومن کان فی ھذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی و اضل سبیلاً** اور جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے۔ اور گم گشتہ راہ ہے۔ اور عمل کے متعلق فرمایا۔ **لیس للانسان الا ما سعٰی** یعنی انسان کے لئے وہی کچھ ہے۔ جو وہ سعی کرتا ہے۔ یہ مختصر مگر انتہائی جامع فقرہ انسانی قوت عمل کو حرکت میں لانے کی کس قدر تاکید کرتا ہے اور ظاہر ہے۔ یہ سادہ بیان۔ بلکہ انسان کو خود اپنے اعمال کا محاسب بھی بناتا ہے۔

اسلام اپنی یہ تمام اور کامل تعلیمات لے کر انسان کے ارتقاء کے اس مرحلہ پر آیا جب کہ دنوں اور قوموں میں بٹی ہوئی انسانیت علاقائی و جغرافیائی قوم و ملت۔ رنگ و نسل اور زبان و لسان کی حدود سے نکل کر ایک عالمگیر وحدت اختیار کرنے والی تھی۔ جہاں بنی نوع انسان کے باہمی تعلق سے نئے نئے مسائل نے جنم لینا تھا جہاں سے علوم نے ابھرنا تھا۔ جہاں نئے تقاضوں کی ضرورت پیدا ہونی تھی۔ سو یہ انتہائی لازمی تھا۔ کہ آخری مذہب زبان و مکان کی قید سے ہٹ کر انسانی مسائل اور ان کے حل کی راہ میں تلقین کرتا۔ جو ہمیشہ انسان کے لئے مشعل راہ ہوتیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ہمیں سابقہ مذہبی کتب میں ایک کامل دین اور ایک عظیم الشان نبی کے آنے کی پیشگوئیاں بکثرت ملتی ہیں۔ اور یہ انہی پیشگوئیوں کا نتیجہ تھا کہ زبور اور انجیل کے علماء آنے والے کے انتظار میں سرزمین مکہ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ان پیشگوئیوں کو انہوں نے اپنے زاویہ نظر سے دیکھا۔ اسے اپنی قومی و نسلی اور ذہنی توقعات کا لباس پہنایا۔ نتیجۃً کبر نفس غرور علمی اور تعصب قومی نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اور اس روشنی کو دیکھنے سے دور ہو گئے جس کے وہ صدیوں سے منتظر تھے۔ حالانکہ وہ ان تمام پیشگوئیوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وجود اقدس میں پورا ہوتے بچشم خود دیکھ رہے تھے۔

یہ انسان کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے کہ وہ خدائی امور کو اپنے گمان اور توقع کے مطابق ضروری سمجھتا ہے۔ اور ان کے مطابق وقوع پذیر نہ ہونے سے مخالفت اختیار کر کے ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے چنانچہ جو آیات میں نے شروع میں پڑھی ہیں۔ ان میں یہ حقیقت کھول کر بیان فرمائی گئی ہے۔ یعنی یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس علم آچکا ہوتا ہے اور وہی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے مقابلے میں بڑھ بڑھ کر تکذیب حق کرنے اور حق کے ماننے والوں کو قتل کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک اور بات بھی

(بقیہ صفحہ ۲ کالم ۲ پر)

جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب

مبلغ اسلام امریکہ

کی تقریر

برموقع جلسہ سالانہ ۱۹۸۰ء

تمام حمد وثنا صرف اس قادر مطلق کے لئے ہے جس کی عنایات سے کوئی بشر محروم نہیں ہے۔ جس کی مہربانیوں سے کوئی خالی نہیں اور جس کی فیاضیوں سے کسی کو مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ جو فرد خدا تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہے وہ بے عزتی اور مایوسی کو محسوس نہیں کرتا۔ اس کی فیاضی اور بخشش ہر وقت اور ہمیشہ جاری ہے۔ اور اس کی مہربانیوں کا کبھی خاتمہ نہیں ہے۔

میں شہادت دیتا ہوں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی پرستش کے قابل نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور آخری پیغمبر ہیں۔

خواتین و برادرانِ ملت! السلام علیکم!

خداوند کریم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس کی مہربانی اور فضل وکرم سے اس ناچیز بندہ کو ایک عرصہ دراز کے بعد جلسہ سالانہ میں صرف دو بار توفیق نصیب ہوئی ہے۔ یعنی گزشتہ سال اور امسال۔ زندگی کے پچاس برس پردیس میں گذر گئے۔ اور وطن مالوف میں واپس آنے کا پہلا موقع چوالیس برس کی متواتر غیر حاضری کے بعد نصیب ہوا۔ اور اہلیہ صاحبہ جو میرے ہمراہ ہیں۔ ان کو پچاس سال کے بعد یہاں آنا نصیب ہوا ہے۔

لاہور میں تعلیم حاصل کرنے اور بدوملہی مسلم ہائی سکول میں دو تین سال بحیثیت مدرس کام کرنے کے بعد مجھے جزائر فیجی میں مسلمانوں کی تعلیمی اور اسلامی خدمات سرانجام دینے کا موقع ملا۔ میں اس گھڑی کو نہیں بھول سکتا۔ جب حضرت امیر قوم مولانا محمد علی مرحوم ومغفور خاکسار کو الوداع کہنے کے لئے ٹرین کے پانچ چھ منٹ چھوٹنے سے قبل ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر دوڑے دوڑے آ رہے تھے اور آپ سے مصافحہ کرنا ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میرا ہاتھ ایک بجلی کی بیٹری میں ہے جس کی لہریں میرے تمام جسم میں سرعت کر رہی ہیں۔ آپ کی آخری دعاؤں نے میری حالت میں ایک تغیر پیدا کر دیا اور میں اس خاکی جسم میں روحانیت محسوس کرنے لگا۔ میں پبلک لیکچرار نہیں تھا۔ عالم و فاضل نہیں تھا لیکن جب میرا ویلکم الوالون تھیٹر میں سینکڑوں ہندو و مسلمانوں اور عیسائیوں کے مجمع میں ہوا تو خداوند کریم نے مجھے اس قدر قوت گویائی عطا فرمائی کہ میری تقریر دو گھنٹے میں ختم ہوئی اور اس بھاری اجتماع میں کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد مسلم لیگ کے فنانشل سیکرٹری نے مجھے مبارکباد کہتے ہوئے کہا کہ آج جس قدر خرچ ہم نے آپ کے کرایہ جہاز و سفر خرچ پر کیا تھا وہ وصول ہو گیا۔

اٹھائیس برس تک متواتر خاکسار نے نصوری مسلم سکول میں بحیثیت ہیڈ ماسٹر کام کیا۔ اس عرصہ کے دوران نہ صرف سکول کی نئی عمارات کے قابل ہوا ہوں جو دیگر سکولوں کے لئے نمونہ ثابت ہوئیں بلکہ نتائج امتحانات اور تعلیمی معیار کے لحاظ سے یہ سکول جزائر فیجی کے اعلیٰ سکولوں میں شمار ہونے لگا۔ یہ تمام کامیابیاں اُن دعاؤں کا پھل تھیں جو حضرت امیر مرحوم ومغفور نے لاہور ریلوے اسٹیشن پر میرا ہاتھ پکڑ کر کیں۔

"ماسٹر محمد عبداللہ نے سکولی فیجی میں سکول کو چلانے اور باقاعدہ اسلامی مشن کو قائم کرنے کے لئے مالی امداد حاصل کرنے کے لئے جو قربانیاں کیں اُن کے متعلق چند دلچسپ حالات سنائے خصوصاً چندہ حاصل کرنے کے لئے ایک بزرگ کے مکان پر اٹھارہ گھنٹے کا روزہ رکھنا اور کامیابی حاصل کرنا۔" تقریر کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے کہا:۔

فیجی کو الوداع کہہ کر میں سرزمینِ امریکہ میں داخل ہوا۔ امریکہ میں ہمارا تبلیغی مشن چند سالوں کا تھا لیکن اسلامی لٹریچر کے ذریعہ خصوصاً تفسیر اور ترجمۃ القرآن انگریزی مؤلفہ حضرت مولانا محمد علیؒ تبلیغ کا سلسلہ کئی سال پیشتر جاری ہو چکا تھا۔ انجمن تبلیغ نہ بھیج سکی یہی لٹریچر کام کرتا رہا۔ اس ترجمۃ القرآن و تفسیر انگریزی کے متعلق جناب والا امام وارث الدین محمد آف شکاگو نے اپنی مسجد میں اپنی تقریر کے دوران ان الفاظ میں اعتراف کیا تھا:۔

"۱۹۲۹ء یا ۱۹۳۰ء کے آغاز میں ایک - - - - - شخص جس کا نام ماسٹر فرد محمد تھا میرے والد مرحوم کے پاس آیا اور ان کی خدمت میں آپ نے قرآن مجید مترجم مولانا محمد علیؒ کا ایک نسخہ پیش کیا۔ یہ قرآن مجید ہمارے لئے تریاق ثابت ہوا۔ اس سے ہماری قوم نے روشنی حاصل کی۔ یہ ہمارے لئے خالص سونا تھا جو آپ کی انجمن نے ہمارے پاس بھیجا۔ میں اس کے شکریہ کے لئے خالص سونا نہیں رکھتا البتہ جو سونا لایا ہوں اس میں کچھ ملاوٹ ہے۔"

آپ کی انجمن نے وہ کام امریکہ میں لٹریچر کے ذریعہ کیا جو بیسیوں مبلغوں سے نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے اثر سے ہزاروں انفاس دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا باعث ہوئے۔ گذشتہ عید الضحیٰ کی نماز خاکسار نے اوکلینڈ مسجد میں پڑھائی۔ نو مسلم نمازیوں کی تعداد اس میں تین صد سے تجاوز کر گئی۔

اس کے بالمقابل ربوہ جماعت کے کئی ایک مبلغ نصف صدی سے زائد عرصہ سے تبلیغی کام سرانجام دے رہے ہیں۔ اُن کے مراکز بھی امریکہ میں قائم ہیں لیکن اگر نتائج پر نظر ڈالی جاوے تو حوصلہ افزا معلوم نہیں ہوتے۔ اس سال حضرت میاں ناصر احمد صاحب سان فرانسسکو تشریف لائے اور تین چار روز قیام فرمایا۔ آپ کا ویلکم ایک ہوٹل کے ہال میں کیا گیا۔ ربوہ جماعت کے ممبر دور دراز علاقوں سے اپنے خلیفہ کی زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے اور - - صاحب کے ساتھ آٹھ ممبر اور سیکرٹری بھی تھے لیکن اس ایک سو کے مجمع میں صرف ایک بلالی احمدی تھا باقی پاکستانی احمدی تھے۔ یا ہماری جماعت کے چند ممبر تھے۔

"کسر رہ گئی"

آپ نے نٹوں و بازیگروں کا تماشہ دیکھا ہوگا۔ وہ رسّی پر چل کر مختلف کھیل دکھاتے ہیں۔ جب وہ دونوں پاؤں سے رسّی پر چلتے ہیں تو نیچے زمین پر کھڑا ہوا بازی گر پکار نکلتا ہے "کسر رہ گئی۔ کمال تب ہوگا کہ ایک پاؤں سے چل کر دکھاؤ۔" یہ ریمارک سنتے ہی بازی گر ایک پاؤں سے چلنے

لگتا ہے لیکن جب یہ کرتب دکھا کر تماش بینوں سے خراج تحسین حاصل کر چکتا ہے تو پھر نیچے زمین پر کھڑا ہوا بازیگر پکارتا ہے "کسر رہ گئی" کمال تو اس میں ہو گا کہ دونوں ہاتھ سر پہ رکھ لو اور پھر ایک پاؤں سے رسی پر چل کر دکھاؤ۔ جب بازیگر یہ کرتب دکھا چکتا ہے تو پھر وہ یہ آواز سنتا ہے "کسر رہ گئی"۔ باوجود اس کے کہ بازیگر چند کرتب دکھا کر تماش بینوں کو محو حیرت کر دیتا ہے "کسر رہ گئی" کی آواز جاری رہتی ہے۔

اپیل چندہ

کل حضرت ڈاکٹر سعید احمد صاحب نے اپنی تقریر دلپذیر کے بعد چندہ کی اپیل کی تھی جس طرز اور لہجہ سے آپ نے تقریر فرمائی اور اپیل کی۔ مجھے اسوقت حضرت مولٰینا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ یاد آ رہا تھا۔ بموجب حضرت ڈاکٹر صاحب آپ نے گذشتہ سال کی نسبت زیادہ قربانی کا نمونہ دکھایا لیکن میں کہتا ہوں "کسر رہ گئی"، آپ بخوبی جانتے ہیں یہ زمانہ انتہائی گرانی کا زمانہ ہے۔ روپیہ کی قیمت ہر سال گھٹ رہی ہے۔ حضرت امیر مولٰینا محمد علیؒ کے زمانہ میں اگر زیادہ سے زیادہ سالانہ جلسہ کی اپیل پر ایک لاکھ روپیہ آتا تھا تو اب دس لاکھ جمع ہو جانا چاہیئے۔ اس لئے میں یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ کسر رہ گئی۔ آج سے پچاس برس پیشتر محترم نصیر احمد فاروقی جبکہ آپ بمبئی کے صوبہ کے کمشنر تھے۔ اپنی تنخواہ کا چھٹواں حصہ ماہوار چندہ دیتے تھے۔ غالباً آپ ان دنوں شادی شدہ نہیں تھے۔ شادی کے بعد بعض بیویاں خاوند کی آمدنی پر کنٹرول کرتی ہیں۔ (نہیں میں شادی شدہ تھا۔ میری بیوی مجھ سے زیادہ فیاض ہے۔ فاروقی صاحب) ہماری جماعت کے بعض ممبران نے بڑی بڑی مالی قربانیاں پیش کی ہیں جن کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ ہمیں اپنی روایات کو جاری رکھنا چاہیئے۔ یاد رکھو تبلیغ اسلام کے لئے بلاد مغرب میں زمین تیار ہے۔ کام کرنے والوں کی ضرورت ہے

امریکہ میں رواداری

— میں ایک امریکن کی رواداری اور کوآپریشن کی مثال آپکے سامنے پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں جب میں فیجی سے امریکہ گیا تو میں نے سان فرانسسکو کی ایک سٹریٹ پر ایک ڈاڑھی والے امریکن کو دیکھا میں دوڑ کر اس کے نزدیک جا کر اس کو "السلام علیکم" کہا۔ اس نے تعجب سے کہا "کیا؟" میں نے پھر "السلام علیکم" کہا۔ اس نے دوبارہ پوچھا "کیا؟"، میں نے اس امریکن سے پوچھا "کیا آپ مسلمان نہیں ہیں؟" اس نے جواب دیا "نہیں"۔ میں نے کہا کوئی پرواہ نہیں۔ آپ مسلمان ہیں یا غیر مسلم۔ ہم دونوں میں ایک چیز مشترک ہے۔ آپ ڈاڑھی رکھتے ہیں اور میری بھی ڈاڑھی ہے۔ اس اشتراک کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم دونوں دوست بن سکتے ہیں۔ وہ میری بات سن کر بہت خوش ہوا اور اپنا ایڈریس مجھے دے دیا۔ خوش قسمتی سے یہ شخص ایک اخبار کے لئے ٹائپ سیٹنگ کیا کرتا تھا اور میں نے چار صفحہ کا بلیٹن نکالا ہوا تھا۔ میں اس کے پاس ٹائپ کرانے کے لئے گیا اس نے چالیس ڈالر کا کام مفت کر دیا۔ دوسرے ماہ پھر یہ کام اس سے کرایا اور کافی کے لئے دس ڈالر پیش کئے۔ اس نے کہا کافی کے لئے یہ رقم زیادہ ہے۔ پانچ ڈالر مجھے واپس کر دیئے۔ اسی طرح یہ شخص کئی ایک برس میرا کام تقریباً مفت کرتا رہا۔ میری کتاب ریلیجن اینڈ سوسائٹی کا ٹائپ اس نے مفت کیا۔ البتہ جب میں نے بلیٹن کے صفحات چار سے بتیس کر دیئے تو اس کو کچھ معاوضہ کارکردگی دینا شروع کیا۔ یہی شخص اب اسلامک ریویو کا ٹائپ سیٹ کرتا ہے۔ اور PASTE UP بھی کرتا ہے۔ اس کی رواداری کی کئی مثالیں پیش کر سکتا ہوں۔ لیکن وقت اجازت نہیں دیتا۔ اس جلسہ کی رونق اور کامیابی کو دیکھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے۔ میں اس کامیابی پر منتظمان اور کارکنان جلسہ کو مبارکباد کہتا ہوں اور اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ والسلام

⁂

دار السلام میں

دینی و تعلیمی شب و روز

خدا تعالٰی کے فضل سے مئی ۱۹۸۰ء سے دار السلام میں ادارہ تعلیم القرآن کے تحت ایک دینی و تعلیمی کلاس جاری ہے جس میں لاہور کے رہنے والے دوست جن میں طالب علم بھی شامل ہیں۔ اسی طرح ہماری معزز بہنیں اور بھائی مختلف حلقوں سے تشریف لا کر شامل ہوتے ہیں۔ اس کلاس کے سرپرست حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب ہیں اور تعلیم دینے کے فرائض مرزا محمد لطیف صاحب شاہد فاضل عربی ادا کرتے ہیں۔ اس کلاس میں شامل طلباء کو قرآن مجید۔ لغت، ربط، ترجمہ اور تفسیر کو سب سے اولیت دی جاتی ہے۔ حدیث۔ عربی گرائمر اور حضرت مجدد اعظم کا عربی علم الکلام بھی پڑھایا جاتا ہے۔ خدا تعالٰی کے فضل سے شامل ہونے والے اپنے اندر ایک نمایاں تبدیلی اور فرق محسوس کرتے ہیں۔ یہ کلاس ہفتہ میں دو بار جمعہ اور منگل کو احمدیہ ہوسٹل دار السلام میں سہ پہر کو منعقد کی جاتی ہے۔ ادارہ تعلیم القرآن کے تحت ۵ جنوری ۱۹۸۱ء سے ایک مستقل دینی و تعلیمی کا پہلی کلاس کے ساتھ ہی اجرا کیا گیا ہے۔ یہ کلاس ہر روز باقاعدگی سے صبح ۹ بجے سے ایک بجے تک احمدیہ ہوسٹل دار السلام میں منعقد ہو رہی ہے اس کلاس میں غیر ملکی طلبہ شامل ہیں جو کہ امریکہ اور انڈونیشیا سے تشریف لائے ہیں اس کلاس کا افتتاح ۵ جنوری ۱۹۸۱ء کو حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب نے فرمایا۔ محترم جناب مرزا مسعود بیگ صاحب ایم۔ اے۔ جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے اس کلاس میں شمولیت کے لئے دور دراز سے تشریف لانیوالے طلبہ کو خوش آمدید اور اھلاً و سہلاً مرحبا اور مبارکباد دی۔ کہ آپ لوگ بڑے ہی خوش قسمت ہیں جب کہ دنیا کے لوگ عموماً مادیت کی طرف دوڑ رہے ہیں آپ نے اپنے دین کو دنیا پر ترجیح دی ہے۔ آپ بڑے ہی خوش قسمت ہیں۔ خدا تعالٰی اپنے فضل سے آپ کی سعی کو مشکور فرمائے۔ ان سے قبل عزیزم یاتمین۔ عزیزم سعید احمد اور امام نور الدین نے بھی اختصار سے اپنے جذبات و قلبی احساسات کا اظہار فرمایا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے سورۃ الحمد کے معارف و حقائق کی طرف طلبہ و حاضرین کو توجہ دلائی اور نہایت زریں ہدایات سے نوازا۔ اس کلاس کے طلبہ کو انشاء اللہ قرآن شریف مع لغت، ترجمہ و تفسیر، جدید عربی موازنۂ مذاہب اور جملہ مسائل جن سے ایک مبشر کو اسلام کی اشاعت کے لئے ضرورت ہے۔ ان سب مضامین کو درسی رنگ میں پڑھایا جائے گا۔ ان کے وقتاً فوقتاً امتحانات لئے جایا کریں گے اور ان میں وہ تمام خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کی جاوے گی جن کی ایک مبلغ کو تبلیغ کے میدان میں ضرورت ہوتی ہے۔ ہر دو کلاسز کے اخراجات احمدیہ انجمن اشاعت اسلام برداشت کر رہی ہے۔ اور یہ امر بڑا خوش کن ہے کہ دار السلام کے ماحول میں دینی و تعلیمی ماحول کا ایک مثبت مشن جاری کیا گیا ہے۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب کی دعا سے اس کلاس کا اجرا کیا گیا۔ ان ہر دو کلاسز کو مرزا محمد لطیف شاہد پڑھا رہے ہیں۔ اور امید ہے کہ بعض اور اساتذہ بھی ان کے ساتھ اس نیک کام میں ان کی معاونت فرمائیں گے۔ آخر میں افتتاح کی تقریب میں شامل افراد کی خدمت میں ادارہ تعلیم القرآن کی طرف سے چاء اور بسکٹ وغیرہ سے تواضع کی گئی۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور، مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۸۱ء۔ جلد ۶۸ شمارہ ۲۸۱ رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین المجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح ۔ احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدّامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

❖

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

ہفت روزہ
پیغامِ صلح
لاہور

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

❖

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۳۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد
دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہاماتِ حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبد الرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے [illegible]
بیرونی ممالک سے [illegible] علاوہ محصول

جلد ۶۸ | یوم چہار شنبہ ۱۴ ربیع الاوّل ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲۱ جنوری ۱۹۸۱ء عیسوی | شمارہ ۳

ارشاداتِ حضرت مجدد صد چہاردہم

اللہ تعالےٰ کے محبوبوں کی علامات

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے + کرے پاک آپ کو تب اس کو پاوے

یہ تو ہر ایک قوم کا دعویٰ ہے کہ بہتیرے ہم میں ایسے ہیں کہ خدا تعالےٰ سے محبت رکھتے ہیں مگر ثبوت طلب یہ بات ہے کہ خدا تعالےٰ بھی اُن سے محبت رکھتا ہے یا نہیں اور خدا تعالےٰ کی محبت یہ ہے کہ پہلے تو اُن کے دلوں پر سے پردہ اُٹھائے جس پردہ کی وجہ سے اچھی طرح انسان خدا تعالےٰ کے وجود پر یقین نہیں رکھتا، اور ایک دھندلی سی اور تاریک معرفت کے ساتھ اس کے وجود کا قائل ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات امتحان کے وقت اس کے وجود سے ہی انکار کر بیٹھتا ہے۔ اور یہ پردہ اُٹھایا جانا بجز مکالمہ الٰہیہ کے اور کسی صورت سے میسر نہیں آسکتا۔ پس انسان حقیقی معرفت کے چشمہ میں اس دن غوطہ مارتا ہے جس دن خدا اس کو مخاطب کر کے اَنَا الموجود کی بشارت اس کو دیتا ہے۔ تب انسان کی معرفت اس کے خیالی ڈھکوسلے یا محض منقولی خیالات تک محدود نہیں رہتی بلکہ خدا تعالےٰ سے ایسا قریب ہو جاتا ہے کہ گویا اس کو دیکھتا ہے۔ اور سچ اور بالکل سچ ہے کہ خدا تعالےٰ پر کامل ایمان اسی دن انسان کو نصیب ہوتا ہے کہ جب اللہ جلّ شانہٗ اپنے وجود سے خبر دیتا ہے اور پھر دوسری علامت خدا تعالےٰ کی محبت کی یہ ہے کہ اپنے پیارے بندوں کو صرف اپنے وجود کی خبر ہی نہیں دیتا بلکہ اپنی رحمت اور فضل کے آثار بھی خاص طور پر اُن پر ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ اس طرح پر کہ اُن کی دُعائیں جو ظاہری اُمیدوں سے زیادہ ہوں قبول فرما کر اپنے الہام اور کلام کے ذریعہ سے ان کو اطلاع دے دیتا ہے تب اُن کے دل تسلی پکڑ جاتے ہیں کہ یہ ہمارا قادر خدا ہے۔ جو ہماری دُعائیں سنتا اور ہم کو اطلاع دیتا اور مشکلات سے ہمیں نجات بخشتا ہے۔ اسی روز سے نجات کا مسئلہ بھی سمجھ آتا ہے، اور خدا تعالےٰ کے وجود کا پتہ لگتا ہے۔ اگرچہ جگانے اور تنبیہہ کرنے کے لئے کبھی کبھی غیروں کو بھی سچی خواب آسکتی ہے مگر اس طریق کا مرتبہ اور شان اور رنگ اور ہے۔ یہ خدا تعالےٰ کا مکالمہ ہے جو خاص مقبولوں سے ہی ہوتا ہے۔ اور جب مقبول انسان دعا کرتا ہے تو خدا تعالےٰ اپنی خدائی کے جلال کے ساتھ اس پر تجلّی فرماتا ہے اور اپنی رُوح اس پر نازل فرماتا ہے۔ اور اپنی محبت سے بھرے ہوئے لفظوں کے ساتھ اس کو قبول کی بشارت دیتا ہے۔ اور جس کسی سے یہ مکالمہ کثرت سے وقوع میں آتا ہے اس کو نبی یا محدّث کہتے ہیں۔ اور سچے مذہب کی یہی نشانی ہے کہ اس مذہب کی تعلیم سے ایسے راستباز پیدا ہوتے ہیں جو محدّث کے مرتبہ تک پہنچ جائیں جن سے خدا تعالےٰ آمنے سامنے کلام کرے اور اسلام کی حقیقت اور حقانیت کی اوّل نشانی یہی ہے کہ اس میں ہمیشہ ایسے راستباز جن سے خدا ہمکلام ہو پیدا ہوتے ہیں۔ تتنزل علیہم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا سو یہی معیار حقیقی سچے اور زندہ اور مقبول مذہب کی ہے۔" (حجۃ الاسلام ص۳)

مسلمانوں کی موجودہ مشکلات کا حل قرآن پاک کی روشنی میں

جلسہ سالانہ ۱۹۸۰ء میں جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب کی تقریر

ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم ویبشر المؤمنین الذین یعملون الصالحات ان لھم اجرًا حسنًا۔

قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ قرآن پاک تمام انسانی معاشرے کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور دنیا کی صحیح راہنمائی صرف یہی آخری الہامی کتاب کر سکتی ہے۔ اور دنیا کی کسی اور الہامی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔

اس کتاب مقدس کو نازل ہوئے چودہ سو سال گزر چکے ہیں اور تاریخ عالم اس بات پر گواہ ہے کہ اس کتاب نے جو ضابطہ حیات پیش کیا ہے اس پر عمل کرنے سے دنیا کی کایا پلٹ گئی اور وہ لوگ جو تباہی اور بربادی کے گڑھے میں گر چکے تھے وہ اس پر عمل کرنے کے بعد زندہ جاوید ہو گئے اور تمام دنیا کے لئے ایک عظیم نمونہ بن گئے +

عربوں کی حالت

قرآن پاک کے نزول کے وقت عرب قوم کی حالت نہایت پست اور ادنیٰ تھی۔ ان میں نہ علم اور نہ ان کے پاس دولت اور طاقت۔ اس وقت عربوں کے اردگرد دنیا کی عظیم ترین اور نہایت طاقتور حکومتیں موجود تھیں۔ وہ قومیں عربوں کو کسی طرح خاطر میں نہ لاتی تھیں۔ تاریخ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ روم کی سلطنت اور فارس کی سلطنت اپنے عظیم کلچر اور سیاسی دبدبے کی وجہ سے مشہور تھیں اور ان کے مقابل پر اس وقت کے غریب، نادار اور بے ہنر عرب کچھ بھی نہیں تھے لیکن اس خستہ حال پسماندہ اور پراگندہ قوم نے اس وقت کی عظیم ترین مہذب اور دنیاوی جاہ و جلال کی مالک سلطنتوں کو تہ و بالا کر ڈالا۔ اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ اس پسماندہ قوم کے اندر قرآن پاک نے یہ عقیدہ اس قدر راسخ کر دیا تھا کہ سوائے اسلام کے اور کوئی نظام حیات کامل نہیں ہے۔ اسی لئے اس درماندہ اور دنیاوی ساز و سامان والی قوم نے صرف مضبوط ایمان کی وجہ سے ان زبردست اور طاقتور طاقتوں کو باآسانی فتح کر لیا اور ان کی جگہ ایک مضبوط اور مفید معاشرہ کی بنیاد ڈال دی۔ چنانچہ اس کارنامہ کو تاریخ عالم اب بھی حیرت اور استعجاب کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور اسے ایک محیر العقول اور فوق الفطرت معجزہ قرار دیتی ہے۔ اس مختصر سے عرصہ میں ان مسلمانوں نے دنیا میں ایک اور عظیم ترین مسلمان حکومت کی بنیاد رکھی۔

جو لوگ مذہب سے ناواقف ہیں اور خدائی طاقت اور خدائی علم سے بے خبر ہیں ان کے نزدیک یہ انقلاب ایک ناقابل اعتبار معجزہ ہے لیکن جو لوگ خدا تعالیٰ کی ہستی پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں اور اس کے تمام وعدوں کو سچا جانتے ہیں اور وہ اس خدا پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ علیٰ کل شیءٍ قدیر ہے۔ اور ان کی ذات پر ہمیشہ توکل اور بھروسہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں کے ساتھ وعدہ تھا کہ اگر تم اس قانون الٰہی اور اس ضابطہ حیات پر عمل کرو گے تو تم کامیاب اور کامران ہو گے۔ جیسے فرمایا:-

"انتم الاعلون ان کنتم مومنین"

چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ خدا کا وعدہ پورا ہوا +

اللہ تعالیٰ کا وعدہ اب بھی وہی ہے۔ انتم الاعلون ان کنتم مومنین جس طرح سے ان مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور طاقت پر بے پناہ بھروسہ اور اعتماد کیا اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو سچا سمجھا اور اپنی بے سر و سامانی کے باوجود وہ قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتوں کے مالک بن گئے۔ اموی دور حکومت کے زمانہ میں ہندوستان کی مشرک اور کافر سلطنت بھی مٹھی بھر مسلمانوں کے سامنے سر تسلیم خم کر گئی حالانکہ ہندوستان بھی اپنے سورماؤں اور بہادروں اور جنگجوؤں سے خالی نہ تھا لیکن حق کے سامنے باطل نہ ٹھہر سکا۔

غور سے سوچنے کا مقام ہے کہ کیا حیرت انگیز انقلاب عرب مسلمانوں کے زبردست جنگی ہتھیاروں یا فوجی کمال کی وجہ سے رونما ہوا نہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ حق کی فتح تھی۔ اس میں کسی سیاست، جوڑ توڑ اور ڈپلومیسی کو دخل نہ تھا۔ تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ انہوں نے اپنی طاقت کو مضبوط کرنے کے لئے قرض لئے ہوں یا ہتھیاروں کے لئے ہاتھ پیر مارے ہوں اور اپنی آزادی کو خطرے میں ڈالا ہو۔ ان کے پاس صرف ایک ہی ہتھیار تھا اور وہ ان کا راسخ عقیدہ اور پختہ ایمان کہ تمام دنیا کے لئے صرف اور صرف اسلام ہی ایک کامیاب ضابطہ حیات ہو سکتا ہے جس سے دنیا میں امن و امان اور خوشحالی قائم ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا اور وہ لوگ کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:-

لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا

مسلمان عربوں کی بے نظیر کامیابی صرف اسلامی ضابطہ حیات کی کامیابی تھی۔ یہ کمال کسی قوم یا کسی فرد کا نہیں۔ یہ کوئی حادثہ یا معجزہ نہیں۔ یہ تو ایک سچا وعدہ ہے اس ذات باری تعالیٰ کا جو قادر مطلق ہے اور جس کے قبضہ قدرت میں سب کائنات ہے۔ ہاں جو لوگ خدا کی ذات پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے یہ ایک عجیب بات ہے کہ عرب کے پسماندہ اور درماندہ لوگ کس طرح آندھی کی طرح اٹھے اور ایک قلیل عرصہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتوں کو سرنگوں کر دیا۔

بعض مؤرخ اور عالم اس انقلاب کی کامیابی کو ایک فرد کی کامیابی یا اس کی قوم کی بہادری پر محمول کرتے ہیں لیکن ایسا نہیں۔ اگر قرآن پاک کی ورق گردانی کریں تو آپ کو بخوبی معلوم ہو گا کہ وہ عظیم فرد جس کی عظمت اللہ تعالیٰ کی نگاہ پر بہت عظیم ہے۔ انک لعلی خلق عظیم فرمایا ہے۔ اور یہ ان کے ایمان اور یقین کا تقاضا تھا کہ صرف یہی نظام حیات انسان کی صحیح ترقی اور دنیا میں امن و امان کا ذمہ دار ہو سکتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ چونکہ مسلمانوں نے دین اسلام کے علاوہ دوسرے نظاموں کو عملی طور پر اپنانا شروع کیا اور اس کا نتیجہ ان کی تباہی اور ذلت میں نمودار ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں سے ایک یہ وعدہ تھا کہ "انتم الاعلون ان کنتم مومنین۔" ہر جگہ فتح تمہاری ہو گی۔ اگر تم اس قانون اور اس دین پر عمل کرو گے۔ میرا وعدہ سچا ہے اور میرا قانون اٹل ہے

لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا۔

اب ہم موجودہ مسلمانوں کی مشکلات کا جائزہ لیتے ہیں:-

(بقیہ صفحہ ۱۴ و صفحہ ۱۵ و صفحہ ۱۶)

قسط نمبر (۲)

بسلسلہ پیغام صلح مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۸۱ء

رپورٹ جلسہ سالانہ دسمبر ۱۹۸۰ء

مولانا عبدالرحیم جگو کے بعد مولانا **محمد عبداللہ** صاحب آف امریکہ کی تقریر تھی لیکن پروگرام میں تبدیلی کے باعث ان کی تقریر ۲۸ دسمبر کے پروگرام میں رکھی گئی اور ان کی جگہ U.S.A کی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) امریکہ کی طرف سے اس موقعہ کی مناسبت سے ارسال کیا گیا پیغام جو اس جماعت کے ایک سعید، مخیّر اور فعال کارکن ڈاکٹر نعمان الٰہی اپنے ساتھ لائے تھے پڑھ کر سنایا گیا۔ اس پیغام میں جس عزم کا اظہار کیا گیا تھا اور جو تجاویز پیش کی گئی تھیں وہ بڑی اطمینان بخش اور دل کو مضبوط کرنے والی تھیں۔ اس پیغام میں بہن بھائیوں کی خدمت میں السلام علیکم عرض کرنے کے بعد یہ کہا گیا تھا کہ حضرت مرزا صاحب نے ہمارے سامنے دین کو دنیا پر مقدم اور اسلام کو دوسرے دینوں پر غالب کرنے کا جو مقصد رکھا تھا وہ آپ کو معلوم تھا۔ کہ اسلام کی تعلیم ہی ایسی ہے جو مستقبل کے انسان کو قابلِ قبول ہوگی۔ آپ کے اس مشن کو جاری رکھنے کے لئے آپ نے ایک جماعت بنائی جو آپ کے بعد اسلام کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دے۔ حضرت مرزا صاحب کے اسی مشن کی تکمیل کے لئے امریکہ میں احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے نام سے بھی جماعت لاہور کی ایک شاخ قائم کی گئی ہے۔ اس جماعت نے تبلیغ اسلام کے لحاظ سے "اسلامک ریویو" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا ہے۔ اسی نام سے ایک رسالہ ووکنگ مسلم مشن سے سال ہا سال تک شائع ہوتا رہا ہے اور اس کے ذریعے اسلام کا پیغام مغربی دنیا میں پہنچا لیکن موجودہ "اسلامک ریویو" اس سے مختلف ہے۔ یہ رسالہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کا ترجمان ہے اور احمدیہ جماعت کے موقف کا نقیب اور حضرت مرزا صاحب نے اسلام کی جو خوبصورت تصویر دنیا کے سامنے رکھی ہے یہ اس کا عکاس ہے۔ اس کے اجراء سے ہمیں زندگی کا ایک مقصد مل گیا ہے۔ بچے، بوڑھے جوان سب اس کی تیاری میں نہایت ذوق و شوق سے حصہ لیتے ہیں اور اس کی مالی امداد کرتے ہیں۔ مالی امداد کا زیادہ تر بوجھ ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک نے اپنے سر لیا ہوا ہے لیکن اس کی تیاری، طباعت اور بیرون ملک ترسیل میں بہت سا خرچ اٹھتا ہے۔ اسے پورا کرنے کے لئے ہمیں جماعت کے مخیّر بزرگوں، بھائیوں اور بہنوں کے تعاون کی ضرورت ہے۔ پیغام میں یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کر لے اور ان کی اشاعت کی شدید ضرورت ہے۔ جماعت نے یہ پیشکش کی ہے کہ جن زبانوں میں **ہماری جماعت** کے طلباء تعلیم حاصل کریں گے ان U.S.A کی جماعت وظائف دے گی۔ پیغام میں یہ تجویز بھی پیش کی گئی تھی کہ دینی کتب کا نصاب مقرر کر کے امتحانات لئے جائیں۔ اس طرح جماعت میں علم دین کو فروغ حاصل ہوگا اور مبلّغین کی کمی بھی کسی حد تک پوری ہو جائے گی:۔

اس پیغام میں جو جو تجاویز بھی پیش کی گئیں تھیں وہ بڑی ٹھوس اور بنیادی اہمیت کی حامل تھیں اگر ان پر عمل درآمد شروع ہو جائے تو ہماری بہت سی خامیوں کا مداوا ہو سکتا ہے:۔

اس اجلاس کی آخری تقریر جناب چوہدری **شکر اللہ خان منصور** کی تھی۔ آپ کی تقریر کا عنوان تھا "ختمِ نبوت کا قرآنی مفہوم اور ملت کا سوادِ اعظم"، آپ نے اپنی تقریر کے اس عنوان کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ میں نے یہ عنوان "ختم نبوت کا قرآنی مفہوم" نامی کتاب سے جو دینیات انجمن **کراچی** کے تبلیغی مرکز کے نگران سعید بن وحید کی تصنیف ہے اخذ کیا ہے۔ مصنف موصوف نے یہ کتاب میاں ناصر احمد صاحب خلیفہ ربوہ کے ایک خطبہ جمعہ اور مولوی ابوالعطا اللہ دتہ جالندھری کے ایک ٹریکٹ کے جواب میں لکھی ہے۔ اس کتاب میں چونکہ جماعتِ لاہور کو بھی اجرائے نبوت کے عقیدہ میں ملوث اور شریک کیا گیا ہے۔ اس لئے اس پر اپنے موقف کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔ چوہدری صاحب نے مذکورہ کتاب کے صفحات (۹ و ۱۰) کے حوالے سے حاضرین کو بتایا کہ ان صفحات میں مصنفِ کتاب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ احمدی کلمہ گو ہونے پر مصر ہیں پانچوں وقت اذانیں دے کر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں۔ قرآن کو آخری اور مکمل کتاب مانتے ہیں۔ رمضان شریف کے روزے رکھتے ہیں۔ بلکہ تمام ارکانِ اسلام کی نقل مطابق اصل کرتے ہیں اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ بغیر کسی ترمیم یا اضافہ کے پڑھتے ہیں لیکن ان تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اعتراف کرنے کی بجائے کہ احمدی پکے مسلمان ہیں کیونکہ یہی ساری باتیں اسلام کی بنیاد ہیں، مصنف اپنا رخ اس ترمیم کی طرف بدل دیتے ہیں جس کے تحت احمدیوں کی دونوں جماعتوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس سے "ایک نیا الجھاؤ پیدا ہوا ہے"۔ (ص۴) اس الجھاؤ کا ذکر وہ "ہفت روزہ چٹان" اور "ماہنامہ فاران کراچی"، "ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک پشاور"، جماعت لاہور کے ہفت روزہ "پیغام صلح"، اور جماعتِ ربوہ کے ترجمان "الفضل" کی تحریرات کے حوالہ سے اس طرح کرتے ہیں کہ ایک طرف ملّت کے سوادِ اعظم کے ترجمان شکوہ کرتے ہیں کہ جب احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا ہے تو انہیں اس فیصلہ کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اور دوسری طرف احمدیوں کی دونوں جماعتیں اپنے آپ کو مسلمان کہنے پر بضد ہیں سوادِ اعظم کے نزدیک وہ غیر مسلم اور کافر ہیں لیکن اپنے آپ کو وہ مسلمان کہتے ہیں۔ اور ارکانِ اسلامی پر پوری وفاداری سے عمل بھی کرتے ہیں۔ اس عجیب و غریب صورت میں انہیں "کلمہ گو کافر"، یا کلمہ گو غیر مسلم اقلیت" کہا جائے:۔

چوہدری صاحب نے اس تمہید کے بعد اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ کہ پیغام صلح کا اقتباس پڑھ لینے کے بعد جسے وحید صاحب نے اپنے ہاتھ سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے وہ اگر انصاف کو ہاتھ سے نہ چھوڑتے تو دونوں جماعتوں کے عقائد کو سامنے رکھتے ہوئے ان میں تمیز و تفریق کرتے اور جماعتِ لاہور کو ختمِ نبوت پر مکمل ایمان رکھنے والی قرار دے کر اس کے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے لیکن انہوں نے ایسا کرنے کی جرأت نہیں کی۔ اس لئے ان کی اس دعوت کے کہ قادیانی جماعت کے ساتھ جماعتِ لاہور بھی اپنے عقائد کی تصحیح کر کے ملّتِ اسلامیہ کے سوادِ اعظم سے آملے تجزیہ کی ضرورت پیش آتی ہے:۔

صاحب مقرر نے اس تجزیہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا:۔

۱۔ نبی کے قرآنی معنی:۔
۲۔ ختمِ نبوت کا قرآنی مفہوم:۔
۳۔ ملّت کے سوادِ اعظم سے مصنف مذکور کی مراد:۔

۱:۔ نبی کے قرآنی معنی پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے مصنف کی کتاب کے صفحات ص۲۹، ص۳۰ و ص۳۴ اور سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱۳، النحل کی آیت ص۴۴ اور الحدید کی آیت ص۲۵ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مصنف خود یہ مانتے ہیں کہ ہر نبی صاحبِ شریعت اور مطاع تھا مطیع نہیں تھا۔ یہی عقیدہ جماعتِ لاہور کا ہے۔ اس لئے ما بہ النزاع نہیں۔

۲۔ ختمِ نبوت کا قرآنی مفہوم بھی یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی صاحب شریعت اور مطاع نبی نہیں آسکتا۔ جیسا کہ مصنف کو خود اقرار ہے۔ البتہ غیر قرآنی معنوں میں نبی یا نبوت کے نام اور لفظ کا استعمال یا اطلاق ممنوع نہیں۔ آپ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے مولانا روم اور علامہ اقبال کے مندرجہ ذیل اشعار کا حوالہ دیا جن میں لفظ نبی استعمال ہوا ہے:۔

مولانا روم پیر کو نبی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

او نبی وقت خویش است اے مرید + زاں کہ زو نور نبی آید پدید

اور علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

میں اقلیم شعر کا نبی ہوں گویا + نازل ہے میرے لب پہ کلام حالی

ان دونوں اشعار میں لفظ "نبی" غیر قرآنی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے بے شمار اکابر سلف۔ بزرگانِ دین۔ آئمہ۔ اولیاء۔ صوفیا اور علماء کے اقوال کا حوالہ اُن کی تصنیفات سے دیا اور بتایا کہ تیرہ سو سال تک سوادِ اعظم نبی کے غیر قرآنی معنوں میں استعمال پر متفق رہا ہے اور ان بزرگانِ دین کو نہ کبھی مدعی نبوت قرار دیا گیا ہے اور نہ ختم نبوت کے منکر۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "سوادِ اعظم" کا جو لفظ مصنف نے اپنی کتاب میں استعمال کیا ہے اس سے مُراد یہ تیرہ سو سالہ سوادِ اعظم نہیں بلکہ تحفر بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا مخالف چودھویں صدی کا سوادِ اعظم ہے۔

۳۔ چودھویں صدی کا سوادِ اعظم

چودھویں صدی کے سوادِ اعظم کو جناب چوہدری صاحب نے چار گروہوں میں تقسیم کیا۔ دیندار انجمن کا گروہ۔ عام لوگوں کا گروہ۔ علامہ اقبال کا گروہ اور غلام احمد پرویز صاحب کا گروہ

۱:۔ دیندار انجمن کا گروہ:۔

اس گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم جامع جمیع کمالات انبیاء ہیں اس لئے آپ کا اُمتی بھی وراثتاً جامع جمیع کمالات انبیاء ہے۔ اور جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا مرتبہ تمام دیگر انبیاء کے مجموعی مرتبہ سے بلند افضل اور اعلےٰ ہے اسی طرح مقام مُسلم بھی تمام انبیاء کے مجموعی مرتبہ سے بہت بلند۔ افضل اور اعلےٰ ہے۔ اس لئے کسی نبی کا مثیل ہو کر تمثیلی طور پر یا ظلی طور پر نبی ہونے کا اقرار کفر۔ کذب اور دجالیّت ہے۔ اور یہ مصنف کے نزدیک ختم نبوت کا قرآنی مفہوم ہے۔ ظاہر ہے ملّتِ اسلامیہ کا سوادِ اعظم ختم نبوت کے اس مفہوم میں ان سے متفق نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں توہینِ انبیاء جو صاحب شریعت اور مطاع نبی تھے مضمر ہے۔

۲۔ عام لوگوں کا گروہ

دُوسرا گروہ عام لوگوں کا ہے جن کے بارے میں سعید بن وحید صاحب یہ رائے ظاہر کرتے ہیں "بدقسمتی سے لوگ ختمِ نبوت کے ساتھ ختمِ ولایت کے قائل ہو گئے ہیں حالانکہ اللہ تعالےٰ نے ختمِ نبوّت کا اعلان کیا ہے ختم ولایت کا نہیں"۔ ولایت سے مُراد وہ اللہ تعالےٰ سے بندے کا ہمکلام ہونا لیتے ہیں۔ جیسے کہ لکھتے ہیں:۔

"اس سائنس اور استدلال کے دَور میں جبکہ ہر دعوےٰ کو مشاہدہ اور تجربہ کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے اگر یہ باور کر لیا جائے کہ اب اللہ تعالےٰ کسی سے کلام نہیں کرتا تو اس کا کیا ثبوت دیا جائے گا کہ اب سے پہلے اس نے کسی سے کلام کیا تھا"۔ جب وہ خود ہی اس بارے میں عام لوگوں سے الگ ہیں تو ہمیں بلا وجہ کیوں مطعون کرتے اور سوادِ اعظم میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں:۔

۳:۔ علامہ اقبال کا گروہ

تیسرا گروہ علامہ اقبال کا ہے۔ علامہ اقبال "اسلامی فکر کی تشکیل نو" میں وحی کو پیغمبرانہ شعور اور نبوت کو تصوّفانہ شعور کہتے ہیں۔ وحی اور نبوت کی اس تعریف کے بعد ختم نبوت کے متعلق لکھتے ہیں کہ چونکہ عقلِ پیغمبر اسلام کے زمانہ میں پختگی اور بلوغت کو پہنچ گئی۔ اس لئے غیر عقلی ذریعہ شعور یعنی وحی کو بند کر دیا۔ اب ہر امر میں اصولی ہو یا فروعی انسان کا رہبر و راہنما صرف اس کی عقل ہے۔ انسان اب وحی سے پُرانی ہو یا نئی ہمیشہ کے لئے آزاد ہو چکا ہے"۔ اس گروہ کے نزدیک یہ ہے ختم نبوت کا قرآنی مفہوم۔ اس مفہوم میں بھی مصنف نہ متفق ہو سکتے ہیں اور نہ سوادِ اعظم کے اندر رہ سکتے ہیں۔

۴۔ غلام احمد پرویز کا گروہ

چوتھا گروہ غلام احمد پرویز صاحب کا ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ:۔

"وحی صرف نبی کو ہوتی ہے۔ غیر نبی کو ہرگز نہیں ہوتی۔ خُدا کی طرف سے رؤیا کشوف۔ الہام۔ کلام سب وحی ہے ختم نبوت سے مراد ختم وحی ہے۔ لہٰذا ختم نبوت کے بعد کوئی بشر خدا کی طرف سے رؤیا کشوف۔ الہام۔ کلام نہیں پا سکتا۔ جو کوئی ایسا دعوےٰ کرے یا کسی دُوسرے کے متعلق ایسا عقیدہ رکھے وہ ختم نبوت کا مُنکر۔ نبوت کا مدعی اور جھوٹا ہے۔ پس ختم نبوت کے قرآنی مفہوم کے مطابق بعد از ختم نبوت کسی مجدد۔ مسیح۔ مہدی اور اولیاء اللہ کے آنے کے عقیدے ختم نبوت کے منافی مجوسی دشمنانِ اسلام کی سازش کی پیداوار جھوٹے ہیں"۔ اللہ تعالےٰ نے اب انسانوں کو بالکل آزاد چھوڑ دیا ہے اور اپنا اُن سے رابطہ تاقیامت منقطع کر لیا ہے۔ نہ کچھ کرتا ہے اور نہ کسی سے بولتا ہے۔ نہ کہیں دخل دیتا ہے اور نہ دخل دینے کا کوئی اختیار رکھتا ہے"۔ سوادِ اعظم کے اس گروہ سے کبھی سعید بن وحید اپنے معتقدات کے بموجب متفق نہیں ہو سکتے:۔

چوہدری صاحب یہ سوال کرتے ہیں کہ جب یہ چاروں گروہ اپنے اپنے عقیدے کے مطابق ختم نبوت کے قرآنی مفہوم پر متفق نہیں تو ہمیں کون سے سوادِ اعظم میں شامل ہونے کی دعوت دی جا رہی ہے

چوہدری صاحب نے ان تشریحات کے بعد فرمایا کہ ہو سکتا ہے مصنف موصوف یا ان کا کوئی ہم خیال یہ کہہ دے کہ باوجود اختلاف عقائد کے وہ سب اس تعریف پر متفق ہو گئے ہیں جو ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو آئینِ پاکستان میں ترمیم کے ذریعے کی گئی اور جو یہ ہے:۔

"جو شخص محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم جو آخری نبی ہیں کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا۔ یا محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد کسی معنی اور مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے۔ یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لئے مُسلمان نہیں ہے"

لہٰذا یہی مفہوم مِلّت کے چودھویں صدی کے سوادِ اعظم کا عقیدہ ٹھہرا جسے قبول اور اختیار کر لینے کی دعوت ہے لیکن اگر اسے مان لیا جائے تو ختم نبوت کے دو مفہوم ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ صاحب شریعت اور مطاع نبیوں کا آنا ختم ہو گیا کیونکہ نبی کے یہی قرآنی معنی ہیں۔ لیکن ولایت یا محدثیت کا رتبہ رکھنے والے کسی بھی فردِ اُمّت کے لئے غیر قرآنی معنوں میں نبی یا نبوت کے نام اور لفظ کا استعمال و اطلاق ختم نبوت کے منافی نہیں اور نہ دعوت نبوت ہے۔ جیسا کہ یہی بزرگانِ دین موصوف کے اقوال اور تحریرات میں بیان ہوا ہے۔

دُوسرا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف صاحب شریعت اور مطاع نبیوں کا آنا ختم ہو گیا ہے۔ بلکہ ہر قسم کے نبیوں کا آنا ختم ہو گیا ہے۔ خواہ قرآنی معنوں میں ہوں یا غیر قرآنی معنوں میں جیسا کہ ترمیم میں درج ہے۔ اب فیصلہ یہ مطلوب ہے کہ ان میں سے کس مفہوم کو ختم نبوت کا قرآنی مفہوم سمجھا جائے۔ سیاسی لحاظ سے نہیں دینی لحاظ سے؟ دینی لحاظ سے پہلا مفہوم بزرگانِ دین۔ آئمہ۔ اولیاء۔ صوفیا اور علماء کا بیان کردہ ہے۔ جو ماہرین دین اور راسخین فی العلم ہیں۔ اور دُوسرا مفہوم بقول "نوائے وقت" ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۴ء "ظلوم و جہول۔ انٹ شنٹ دنیادار۔ نیم درازمو۔ منہ سپھٹ۔ منہ دراز۔ نیم اشتراکی۔ نیم سرمایہ دار۔ نیم کمیونسٹ۔ نیم مُسلمان۔ کم عمر چھوکروں" کا متعین کردہ ہے۔ اس میں سے کون سا مفہوم قابلِ قبول ہے۔ یہ مصنف موصوف خود ہی انصاف سے کہہ دیں۔

مصنف موصوف کو چاہیئے تھا کہ وہ قرآن کے ان الفاظ پر غور کرتے "ان ربک هو اعلم بمن ضل عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین" یعنی یہ تمہارا رب ہی جانتا ہے کہ غلط کون اور صحیح کون ہیں۔

آسماں بارد نشان الوقت میگوید زمیں
ایں دو شاہد از پئے تصدیق من الیستادہ اند

مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۸۰ء ـــ بروز ـــ ہفتہ

پہلا اجلاس :-

تلاوت قرآن کریم اور حضرت مرزا صاحب کے منظوم کلام کے بعد زاہد جنجوعہ نے حضرت مرزا صاحب کے ملفوظات سنائے جو انہوں نے ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ چہارم، پنجم اور ازالۂ اوہام سے منتخب کئے تھے۔ ان ملفوظات میں حضرت صاحب نے اپنی جماعت کو تقوے کی باریک راہوں پر قدم مارنے عہدوں کی رعایت رکھنے۔ اپنے ظاہری اور باطنی اعضاء کی حفاظت کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ روحانی خوبصورتی لباس التقوٰے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو صرف تقوٰی کے ذریعے راضی کیا جا سکتا ہے۔ اور تقوٰے ایسے اعمال سے پیدا ہوتا ہے جو اخلاص اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے انجام دیئے جائیں۔ خدا کی عبادت دنیا کی شرطوں سے نہ کی جائے۔ خدا سے تعلق نماز کے ذریعے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے نماز کو رسماً نہیں پڑھنا چاہیئے بلکہ اس میں رونے اور گڑگڑانے کو اپنی عادت بنانا چاہیئے اور نجات کے لئے دین العجائز اختیار کرنا چاہیئے۔ متقی بننے کے لئے ضروری ہے کہ بُرے اخلاق سے منقطع ہو جاؤ۔ اور خدا کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جان تک قربان کر ڈالو۔

ملفوظات کے بعد شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب نے اپنی بلا عنوان تقریر میں تیرھویں صدی ہجری کے اواخر اور چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں مسلمانوں کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی پسماندگی اور زبوں حالی اور اُن کی حالت کو سنوارنے کے لئے مختلف تحریکات کے وجود میں آنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایسا تاریک دَور تھا جس میں مسلمان باہمی خانہ جنگی، بدعملی اور دینی اور علمی اعتبار سے کمزور ہو چکے تھے۔ ان کی اس گراوٹ سے فائدہ اٹھانے کے لئے عیسائی پادریوں اور مشنریوں نے انگریزی حکومت کے سائے میں انہیں عیسائی بنانے اور ان کی دیکھا دیکھی ہندوؤں نے ان کو شدھی کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ کیونکہ ہندوؤں کا خیال تھا کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ حکومت میں ہندوؤں کو جبراً مسلمان بننے پر مجبور کیا۔ اس لئے ان کو دوبارہ ہندومت میں شامل کرنا چاہیئے۔ مسلمانوں کی نوجوان نسل۔ نطشے، ہیگل اور دوسرے دہریہ یورپی مفکرین کے مادی نظریات سے متاثر ہو کر دہریت کی طرف مائل ہو چکی تھی۔ اسلام پر ہر طرف سے مخالفین کی یورش ہو رہی تھی۔ لیکن مسلمانوں کے علماء، فقہاء اور پیر و مرشد اس کا دفاع کرنے اور اس کی سچائی ثابت کرنے میں ناکام ہو چکے تھے۔ مسلمان اندھی تقلید اور پیر پرستی کی بھول بھلیوں میں کھو چکے تھے۔ ایسے میں سرسید کی تحریک علی گڑھ اٹھی جس نے مسلمانوں کی سیاسی اور مادی حالت بہتر بنانے کے لئے انہیں جدید علوم حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا اور اس مقصد کی خاطر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے قیام کی بنیاد رکھی۔ اس کی مخالفت میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا جس نے انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی سخت مخالفت کی اور سرسید پر کفر کا فتوٰے لگایا۔ ندوۃ العلماء نے دارالعلوم دیوبند سے بھی بڑھ کر تحریکِ علی گڑھ کی مخالفت میں قدم اٹھایا۔ یہ مسلمانوں کی کوئی بڑی خدمت نہ تھی۔ سید جمال الدین افغانی اور مولانا عبیداللہؒ سندھی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحریک سے متاثر تھے۔ ان کا فلسفہ نظر جسے "پان اسلامزم" کہا جاتا ہے۔ یہ تھا کہ اگر تمام اسلامی ممالک متحد اور متفق ہو جائیں تو غیر اسلامی مخالف قوتوں کا مقابلہ کر کے اسلام کی عظمتِ رفتہ کو سیاسی لحاظ سے بحال کیا جا سکتا ہے لیکن یہ تحریک بھی اس زمانے میں ناکام ہو گئی۔ کیونکہ اسلام کی ساری شان و شوکت کا دار و مدار اُس کی روحانی قوت پر ہے سیاسی اقتدار پر نہیں۔ مسلمانوں کی حالت سدھارنے کے لئے جتنی بھی تحریکیں سامنے آئیں وہ کامیاب نہ ہو سکیں۔ ـــــ یہ چودھویں صدی ہماری یعنی تحریک احمدیت کی صدی ہے۔ آئندہ زمانہ بھی حضرت ہی کے پیروؤں کا ہے۔ کیونکہ انہی کے ذریعے اسلام کا بول بالا ہوگا۔ اور اسلام کے متعلق دینی اصول دنیا کے لئے باعث کشش ہونگے جو حضرت مجدد زماں نے پیش کئے ہیں۔

جناب حافظ شبیر محمد صاحب مبلغ فیجی نے "قرآن و سنت کی روشنی میں مسلمان کون ہے؟" کے سوال پر فاضلانہ بحث کرتے ہوئے قرآن کریم اور احادیث سے مسلمان کی تعریف پیش کی۔ آپ نے اپنی بحث کا آغاز حضرت مجدد زماں کے اس شعر سے کیا:-

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں

اور فرمایا سنہ ۱۹۳۶۔۳۷ء میں یہ سوال اٹھا تھا کہ ہندو کی تعریف کیا ہے؟ آج بدقسمتی سے اسلامی حکومتوں کے اندر یہ سوال پیدا ہو گیا ہے کہ مسلمان کون ہے؟ اسلام تو نہایت سادہ اور آسان مذہب ہے جس نے مسلمان کی تعریف آج سے چودہ سو سال پہلے کر دی تھی۔..

اس میں اس قانونِ فطرت کی طرف اشارہ ہے جس کے تحت تمام جمادات۔ نباتات۔ حیوانات وغیرہ خواہ وہ دنیا کے کسی خطّہ میں بھی ہوں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ مسلمان ہیں۔ انسان اس سے باہر نہیں۔ دوسرا قانون قانونِ شریعت ہے جو انبیاء کے ذریعے انسانوں کی رہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً ضروریات زمانہ کے مطابق نافذ ہوتا رہا ہے۔ اس کے مطابق دیکھیں تو حضرت آدمؑ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جتنے بھی نبی تشریف لائے اُنہوں نے اپنے لئے لفظ "مسلم" ہی استعمال کیا۔ نوحؑ فرماتے ہیں۔ ان اجری الا علی اللہ وامرت ان اکون من المسلمین۔ حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں۔ اسلمت لرب العلمین اور ان ہی کے متعلق یہ الفاظ ہیں کہ ابراہیم نہ یہودی تھا نہ نصرانی بلکہ "حنیفا مسلما" راست رو مسلمان تھا۔ حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں نے کہا۔ ہم مسلمان ہیں۔ حضرت یوسفؑ فرماتے ہیں۔ میں "مسلمان" ہوں۔ سلیمانؑ ملکہ سبا کو کہتے ہیں "مسلمان" ہو۔ حضرت موسےٰؑ نے اپنی قوم کو

"کوئی بھی علاج ہو اسمیں اللہ تعالیٰ کی مدد کی استدعا کرنا چاہیئے۔"
حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قیمتی الفاظ ۱۹۴۳ء میں ـــــ

آفتاب الدّین ہومیو پیتھک فری دار الشفاء
کے افتتاح کے موقعہ پر فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ایسی خیر و برکت ڈالی کہ اب بے شمار افراد اس دار الشفاء سے مستفید ہوتے ہیں۔

اس انسان دوست ادارہ کی ترقی دردمند خواتین اور مخیّر احباب کے عطیات اور تعاون کی مرہون منّت ہے۔

عطیات: آفتاب الدین ہومیو پیتھک
فری دار الشفاء
کے نام ارسال فرمائیے :- (مہتمم ادارہ دار الشفاء)

مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم "مسلمان" ہو تو خدا پر توکّل کرو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوتی ہے "واشھد باننا مسلمون" گواہ رہ ہم مسلمان ہیں۔ آپ کے حواریوں نے بھی مسلمان ہونے کا اقرار کیا۔ تمام انبیاء مسلمان تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے انسان مسلمان ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم بھی مسلمان تھے مسلمان وہ ہے جو اپنے آپ کو کامل طور پر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ اور اس کا کوئی فعل اللہ تعالیٰ کے منشاء اور مرضی کے خلاف نہ ہو۔ قرآنِ کریم تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بعثت سے قبل بھی اُن لوگوں کو مسلمان کہتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ من یومن بآیتنا فھم المسلمون۔ جو ہماری آیتوں کو مان لیتے ہیں وہ مسلمان ہیں۔ قولوا اٰمنا باللہ وما انزل۔ ۔ ۔ ۔ ونحن لہ مسلمون۔ اے محمد عربی! آپ کہہ دیں کہ ہم اللہ پر، تمام وحیوں اور نبیوں پر ایمان لائے۔ اور ہم مسلمان ہیں۔

"ھو سمّٰکم المسلمون من قبل وفی ھذا" ہمارا نام تو ابراہیمؑ نے مسلمان رکھا ہے۔ اس نام کو چھیننے کا کسے حق حاصل ہو سکتا ہے۔ عام مسلمانوں کی شناخت کے لئے کہا گیا ہے کہ:۔

ولا تقولوا لمن القٰی الیکم السلام لست مومنا" "جو تمہیں السّلام علیکم سے مخاطب کرے اُسے یہ نہ کہو تو مسلمان نہیں"

آیئے اب اس تعریف کی طرف آئیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مسلمان کی فرمائی ہے۔ آپ سے سوال ہوتا ہے:۔

"اخبرنی من الاسلام" "مجھے اسلام کے متعلق بتایئے۔"

جواب ملتا ہے:۔

"یہ شہادت دینا کہ اللہ ایک ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ روزے رکھنا، اور حج کرنا ہی اسلام ہے۔ اور پھر فرمایا۔ جو ہماری طرح نماز پڑھتا۔ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتا اور ہمارے ہاتھ کا ذبیحہ کھاتا ہے وہ مسلمان ہے۔" حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس چیز سے اسلام میں داخل ہوتا ہے اُس کے انکار سے ہی اسلام سے خارج ہوتا ہے یعنی کلمہ پڑھنے سے ہی مسلمان ہوتا ہے اور کلمہ کے انکار سے ہی اسلام سے خارج ہو سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ تاریخی واقعات بھی اس پر شہادت دیتے ہیں۔ جنگ کا زمانہ تھا۔ ایک شخص نے السّلام علیکم سے مخاطب کیا لیکن اُسے قتل کر دیا گیا۔ حضورؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے یہ واقعہ پیش کیا گیا تو آپؐ کے استفسار پر کہا گیا کہ اس نے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا۔ حضورؐ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیّر ہو گیا اور فرمایا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا اور آپؐ نے اس فعل سے اللہ کے ہاں بیزاری کا اظہار کیا یعنی خدا کے سامنے میرا اس گناہ سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ میری تعلیم یہ نہیں۔ ایک بار ایک مسلمان نے تقسیم مال پر اعتراض کیا۔ ایک صحابی نے حضورؐ سے اس کا سر اڑا دینے کی اجازت چاہی۔ لیکن رحمت للعالمینؐ نے فرمایا۔ شاید نماز پڑھتا ہو۔ بات یقینی نہیں "شاید" کی ہے۔ لیکن اُسے مسلمان سمجھ کر معاف کر دیا جاتا ہے۔

ایسے لوگوں کے لئے جو قرآن وسنّت کے خلاف مسلمانوں کو کافر بنائیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا سخت وعید ہے لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم۔ دنیا میں اُن کے لئے رسوائی اور آخرت میں اُن کے لئے عذاب عظیم ہے۔

دراصل لوگ آج تک احمدیت کو نہیں سمجھے۔ بانی تحریک احمدیت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدّد اور ——— صد چہاردہم کے سامنے تین چیلنج تھے:۔

پہلا چیلنج:۔ یہ تھا کہ خدا مر گیا ہے۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو پہلے کی طرح آج بھی اپنی ہستی کا ثبوت دیتا یعنی وہ کسی سے ہمکلام ہوتا۔ غیب کی خبریں بتاتا۔ اور ہماری زندگیوں میں اس کے عمل دخل کا ثبوت ملتا۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنے الہامات۔ غیب کی خبروں۔ اور پیشگوئیوں کے ذریعے ثابت کیا کہ خدا زندہ ہے۔ اور وہ مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اور اخبار غیب سے میری تائید اور نصرت کرتا ہے۔

دوسرا چیلنج:۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کی طرف سے یہ تھا کہ سب نبی مر گئے ہیں لیکن حضرت عیسیٰ زندہ ہیں۔ یہ چیلنج حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے خلاف تھا۔ آپ نے ثابت کیا کہ حضرت عیسیٰ مر گئے ہیں طبعی لحاظ سے بھی اور اس لحاظ سے بھی کہ آج عیسائیوں میں سے کوئی یہ دعوےٰ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ حضرت عیسیٰؑ کی اتباع سے روحانی زندگی ملتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ کا شرف حاصل ہوتا ہے لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم زندہ ہیں اور میں اُنکی زندگی کا جیتا جاگتا ثبوت ہوں۔ مجھے آنحضورؐ کی کامل اتباع اور عشق سے یہ مقام اور رتبہ ملا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کلام کرتا ہے +

تیسرا چیلنج:۔ یہ تھا کہ ساری الہامی کتابیں جھوٹی ہیں سوائے ویدوں کے۔ آپ نے ثابت کیا کہ باقی سب کتابیں مُردہ ہیں صرف قرآن زندہ ہے جس سے انسان کو نجات ملتی ہے۔ اس کی تعلیم کامل اور اکمل ہے۔ جو انسان کی تمام ضروریات پر حاوی ہے۔ اور ان کو پورا کرتی ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے زندہ خدا۔ زندہ رسولؐ اور زندہ کتاب پر ایمان پیدا کیا اگر خدا سے عشق رسولؐ سے عشق اور قرآن سے عشق کفر ہے تو پھر واقعی ہم سخت کافر ہیں۔ اور اس کفر پر ہمیں فخر ہے۔ ع "گر کفر ایں بود۔ بخدا سخت کافرم"

اس تقریر کے بعد جناب مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے اپنی سالانہ رپورٹ پیش کی +

جناب ڈاکٹر سعید احمد خان سینئر نائب صدر کی تقریر

آپ کی تقریر کا موضوع تھا۔ "ہمارا ماضی۔ حال اور مستقبل" آپ نے سورۃ الحدید کی آیات ۱۶ تا ۱۹۔ الم یان للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اولٰئک اصحٰب الجحیم کی تلاوت کے بعد اپنے موضوع کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ماضی۔ حال اور مستقبل کی تقسیم زمانے کے لحاظ سے نہیں بلکہ احمدیت تحریک کے کام کے لحاظ سے کی ہے۔ تاکہ ہم یہ جائزہ لے سکیں کہ ہم کیا تھے۔ کیا ہیں اور ہمیں کیا ہونا چاہیئے۔ یہ زمانہ ٹھیک ایک صدی پر پھیلا ہوا ہے یعنی چودھویں صدی پر جو ہماری صدی اور تحریک احمدیت کی صدی ہے۔ آپ نے اپنا ماضی کو ۱۸۸۰ء سے ۱۹۵۱ء تک شمار کرتے ہوئے ۱۸۸۰ء کے قبل کے زمانے میں مسلمانوں کی حالت کو "دورِ انحطاط" سے تعبیر کیا کیونکہ اس زمانہ میں شائع ہونے والے

بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں
چھوڑو غرور و کبر کہ تقویٰ اسی میں ہے
ہو جاؤ خاک مرضیٔ مولیٰ اسی میں ہے

تقویٰ کی جڑھ خُدا کے لئے خاکساری ہے
عفّت جو شرط دیں ہے وہ تقویٰ میں ساری ہے

لٹریچر میں مسلمانوں کی اس حالت مایوسی پر بے شمار آنسو بہائے گئے تھے اور یہ امید ختم ہو چکی تھی کہ وہ پھر کبھی سنبھل سکیں گے۔ سیاسی لحاظ سے وہ انگریز کے غلام تھے اور اقتصادی طور پر ہندو کے۔ ان کے مذہب پر حملہ کرنے کے لئے دونوں قوتیں متحد ہو چکی تھیں۔ مسلمانوں کے پاس اُن کے اعتراضات کا کوئی جواب نہ تھا۔ پادریوں کے لشکر گاؤں گاؤں پھیل چکے تھے۔ انہوں نے سکولوں۔ کالجوں۔ ہسپتالوں۔ اپنی عورتوں اور دولت کے ذریعے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے اپنے ناخنوں تک زور لگا رکھا تھا جس کا افسوسناک نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے بڑے مسلمان علماء۔ امراء اور حافظ قرآن اسلام کو ترک کر کے اُن کے دام میں آ گئے۔ ایسے مایوس کن حالت میں اللہ تعالےٰ نے اپنی تائید و نصرت سے قادیان میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو تجدید دین اور غلبہ اسلام کے لئے مبعوث فرمایا۔ آپ نے ۱۸۸۳ء میں اپنی مشہور کتاب "براہین احمدیہ" تصنیف فرمائی جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم کی صداقت پر تین سو دلائل دیئے۔ اور اسلام کے مخالف مذاہب کے علماء کو چیلنج کیا کہ اگر اس کے پانچویں حصہ کی بھی تردید کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو دس ہزار روپیہ انعام لے لیں۔ مگر کوئی بھی یہ چیلنج قبول نہ کر سکا۔ اس سے مسلمانوں کی مایوسی امید میں بدل گئی۔ آپ نے اپنے مشاہدہ اور تجربہ کی روشنی میں اسلام کو ایک سائنٹیفک مذہب ثابت کیا۔ اور فرمایا کہ علوم جدیدہ جو سائنس کے روپ میں مذاہب پر حملہ آور ہو رہے ہیں انہیں اسلام کے مقابلہ میں شکست فاش ہو گی اور اسلام کے ٹھوس حقائق کے مقابلے میں اُن کی جہالتیں ثابت ہوں گی چنانچہ ایسا ہی دیکھنے میں آیا۔

آپ نے عیسائیت۔ آریہ دھرم اور دیگر مذاہب کے خلاف اسلام کے دفاع میں جو بھی لڑائی لڑی اور اُسے ان پر غالب کر کے دکھایا۔ آپ نے اپنی زندگی میں جو لٹریچر اسلام کے حق میں پیدا کیا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے مخالفین نے اس پر اپنی آراء لکھیں اور انہیں یہ اعتراف کرنا پڑا کہ حضرت مرزا صاحب نے عیسائیت اور آریہ مت کے خلاف جو کچھ لکھا وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ ہمارے ماضی کا یہ سنہرا اور روشن دور آپ کی وفات کے ساتھ ۱۹۰۸ء میں ختم ہو گیا۔

آپ نے ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۴ء تک کے مختصر زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تحریک احمدیت کا یہ قلیل عرصہ کئی لحاظ سے بہت درخشاں تھا۔ اس زمانہ میں قیادت ایک درویش صفت۔ عالم بے بدل۔ حاذق طبیب۔ عاشق قرآن اور عالم باعمل انسان حضرت مولانا نور الدین کے محفوظ ہاتھوں میں تھی۔ یہ احمدیت کی ترقی کا دور تھا۔ خواجہ کمال الدین صاحب کی سارے ہندوستان میں جگہ جگہ تقریروں سے احمدیت کے متعلق عوام الناس کا نقطۂ نظر بدل گیا تھا۔ احمدیت کو پڑھے لکھے طبقات میں مقبولیت حاصل ہونے لگی تھی۔ نفرت کا زہر ختم ہونے لگا۔ انگلستان میں تبلیغ کے لئے ووکنگ مسلم مشن قائم ہوا۔ قادیان میں اسلامی اور دنیوی علوم کے لئے اقامتی درسگاہیں قائم ہوئیں اور قادیان کو "صحیفہ اسلامی نمونہ" مرکز کہا جانے لگا لیکن یہ دور بھی حضرت مولانا کی وفات کے ساتھ ۱۹۱۴ء میں ختم ہو گیا۔ اور اس کے بعد ۱۹۱۴ء میں ہی جماعت کو ایک زبردست دھچکا لگا۔ عقائد میں اختلاف کی بناء پر جماعت دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک کثیر حصہ کے قائد نے حضرت مرزا صاحب کو مجدد سے نبوت کے مقام پر کھڑا کر کے آپ کے نہ ماننے والوں کو کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا۔ اور دوسرے مختصر گروہ نے جس کے قائد حضرت مولانا محمد علیؒ تھے اس کی شدید مخالفت اور حضرت صاحب کی اپنی کتب سے آپ کے دعاوی اور مسلمانوں کو کافر نہ کہنے کا ثبوت پیش کیا۔ حضرت مولانا محمد علیؒ اور آپ کے چھ اور ساتھی لاہور آ گئے اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد رکھی۔

یہ کہنا جھوٹ۔ افتراء اور قطعی غلط بیانی ہے کہ ان چند لوگوں نے اقتدار نہ ملنے کی وجہ سے قادیان چھوڑا۔ اس کے ثبوت میں جناب ڈاکٹر صاحب نے حضرت مولانا محمد علیؒ کا ایک خط پڑھ کر سنایا جس میں آپ نے حضرت مولانا نور الدین کو لکھا تھا کہ ہمارے دل میں بیعت لینے اور امام بننے کی کوئی خواہش نہیں۔ ہم ایک سازش کا شکار ہیں وغیرہ۔ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب اگر ان لوگوں کو اپنی بیعت پر مجبور نہ کرتے تو یہ حضرت مرزا صاحب کی مبارک بستی کو چھوڑنے کا خیال بھی دل میں نہ لاتے۔ یہ لوگ لاہور آنے پر مجبور ہوئے۔ اس میں بھی اللہ تعالےٰ کی ایک مصلحت تھی۔ اور وہ یہی تھی کہ یہ مبارک جماعت قائم ہوئی اور حضرت صاحب کی "الوصیت" کا منشا پورا ہوا۔

آپ نے فرمایا ہمارے ماضی کا تیسرا دور ۱۹۱۴ء سے اکتوبر ۱۹۵۱ء تک ہے۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جس میں جماعت کی قیادت ایک درویش صفت متقی اور عاشق قرآن حضرت مولانا محمد علیؒ کے ہاتھ میں رہی۔ اس عرصہ میں جو تصنیف و تالیف اور تبلیغ اسلام کے میدان میں جو کارہائے نمایاں انجام ہوئے وہ اسی بے لوث قیادت کے مرہون منت ہیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا تھا۔

این آتشے کہ دامن آخر زماں بسوخت
از بہر چارہ اش بخدا نہر کوثرم

یہ آگ جو زمانے کے دامن کو لگ رہی ہے۔ خدا کی قسم میں ہی اس کے علاج کے لئے نہر کوثر ہوں۔ وہ نہر کوثر قرآن کریم کے علوم و فنون اور دقائق و معارف تھے۔ اور حضرت صاحب کی خواہش کے مطابق دقائق و معارف کے یہ دریا انگریزی ترجمۃ القرآن اور بیان القرآن کی صورت میں حضرت مولانا محمد علی کے ہاتھوں بہائے گئے۔ ریلیجن آف اسلام۔ فتح الباری۔ سیرت خیر البشر۔ خلافت راشدہ۔ زندہ نبی کی زندہ تعلیم اور لاکھوں صفحات پر مشتمل لٹریچر آپ نے ہی پیدا کیا۔ تصنیف و تالیف اور تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب، مولانا صدرالدین صاحب۔ مولانا یعقوب خان صاحب، مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب، مولوی دوست محمد صاحب، ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، محمد یوسف گرتھی صاحب۔ مولوی عصمت اللہ صاحب، بابو منظور الٰہی صاحب، بابو غلام قادر صاحب اور خواجہ نذیر احمد صاحب کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔

آپ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ تحریک پاکستان میں بھی ہماری جماعت نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ لائٹ اور پیغام صلح کے صفحات نظریہ پاکستان کی اشاعت و تبلیغ کے لئے وقف تھے۔ مولانا محمد یعقوب خان ایڈیٹر لائٹ ایک سال جیل میں بھی رہے۔ اور میرا بیٹا بھی جو سٹوڈنٹ لیڈر تھا قید رہا۔ ایک تار کے ذریعے حضرت امیر مرحوم نے اپنی جماعت کو تاکید کی کہ ووٹ مسلم لیگ کے نمائندوں کو دو۔ یہ ۳۷ سالہ دور بھی آخر حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب کی ۱۹۵۱ء میں وفات کے ساتھ ختم ہو گیا۔ ہمارے ماضی کے یہ تین درخشندہ دور تھے۔

ہمارا حال:۔

ہمارے حال کا زمانہ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۷۴ء تک ہے۔ یہ زمانہ ہماری مشکلات کا زمانہ ہے۔ بعض ناقابل بیان وجوہات کی بناء پر ہمارے کام کی رفتار نہ صرف سست پڑ تی بلکہ کچھ عرصہ کے لئے ختم ہو گئی۔ لیکن چونکہ ہم نے ایک عہد کر رکھا تھا اس لئے بہت سی رکاوٹوں کے باوجود جماعت کے ساتھ اس اُمید کے ساتھ چلتے رہے کہ ممکن ہے یہ حالت بدلنے کا کسی وقت بھی ہمارے دل میں خیال پیدا ہو جائے۔ اور ہم زندگی کا نیا ورق اُلٹ دیں۔ خدا کا شکر ہے کہ جماعت قائم رہی اور جو تھوڑا بہت کام ہوتا رہا وہ بھی غنیمت ہے۔ آپ نے فرمایا ہم نہ تو ماضی کے سہارے زندہ رہ سکتے ہیں اور نہ "پدرم سلطان بود" کا دلخوش کن تصور ہی ترقی کی ضمانت دے سکتا ہے۔ ہمیں اپنی موجودہ حالت پر غور و فکر سے کام لے کر اپنی حالت کو بدلنے کے لئے کوئی نیا لائحہ عمل مرتب کرنا ہو گا۔ اس لئے اس کے ساتھ میں اب مستقبل کی بات کرتا ہوں۔

ہمارا مستقبل:۔

میں اپنے مستقبل کا ذکر ۱۹۷۴ء سے کروں گا۔ یہ سال ہماری تاریخ میں ایک تلخ یادگار کے طور ہماری نسلیں کبھی بھلا نہ سکیں گی۔ ۲۹ مئی تا ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء تحریک ختم نبوت کے نام پر جو ہم پر گندی اور ۷ ستمبر کو آئین پاکستان میں ایک ترمیم کے ذریعے ـــــــــ ہم کو غیر مسلم اقلیت

بتا دیا گیا وہ سب کچھ ہمیں یاد ہے۔ اس کے بعد بہت سے احباب کی طرف سے مجھے خطوط موصول ہوئے کہ اگر ہم "احمدیہ" کا لفظ انجمن کے نام اور اپنے ناموں سے حذف کر دیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس طرح ہم امن میں ہو جائیں گے۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ میں انجمن کو یہ مشورہ کبھی نہیں دے سکتا۔ اس ترمیم کے اعلان کے ۲۰ دن بعد یہاں خواتین کی مسجد میں ایک اجلاس ہوا۔ وہ ایک تاریخی دن تھا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا ہم احمدی ہیں یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان کیا کہ میں نے قرآن کریم کی تلاوت اور تشریح کے بعد اپنی تقریر میں کہا کہ ہم احمدی رہیں گے۔ اس مبارک نام کو اپنے نام کے ساتھ برقرار رکھنے کے لئے چھوٹے چھوٹے بچوں، نوجوانوں اور خواتین نے جو جدوجہد کی وہ بھی ایک یادگار کردار ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجر دے۔ جماعت نے بحیثیت جماعت یہ فیصلہ کیا کہ ہم احمدی ہی رہیں گے۔ جو نام کل ہمارے لئے درست تھا وہ آج بھی درست ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح ہمیں ایک نئی زندگی ملی:۔

آپ نے فرمایا کہ اکتوبر ۱۹۷۴ء میں میں اس عزم و ارادے کے ساتھ لاہور آ گیا کہ دین کے لئے اپنی زندگی وقف کروں گا لیکن میں نے یہاں اپنی توقعات پوری ہوتی نہ دیکھیں۔ کئی دردناک باتیں پیش آئیں۔ لیکن ان کے باوجود ہم اللہ تعالیٰ کی تائیدات سے محروم نہیں ہوئے۔ اور اس نے ہمیں ضائع نہیں کیا۔ اور نہ وہ ہمیں ضائع کرے گا لیکن اس کے لئے کوشش اور جدوجہد ضروری ہے۔ باہر سے آنے والے ہمارے ساٹھ مہمان اسی کی تائید کا نشان ہیں۔ آج سے پانچ چھ سال قبل مغربی نصف کرہ سے ایک وفد آیا۔ اس کے ایک رکن نے طعنہ آمیز لہجے میں کہا کہ یہاں تو ۵۰ سال سے اوپر کے سب بوڑھے بیٹھے ہیں۔ کل کی نوجوان قیادت کہاں ہے۔ خدا کا بڑا فضل ہے کہ آج اس شامیانے کے نیچے نوجوانوں کی کثرت ہے۔ اور ان میں نئی حرکت کے آثار دیکھنے میں آتے ہیں۔ اسی طرح اللہ مردہ کھیتیوں کو سرسبز اور بار آور کرتا ہے۔ میں پہلے سے اب زیادہ پُر امید ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو زندہ رکھے گا لیکن اس زندگی کے لئے مال اور جان دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے اُسے ہمارے مالوں کی حاجت نہیں:۔

واللہ الغنی وانتم الفقراء ... ثم لا یکونوا امثالکم ۔

محتاج ہم ہیں۔ اگر ہم نے زندہ رہنے کے لئے مال کی قربانی نہ دی۔ تو وہ اپنا مشن پورا کرنے کے لئے کسی اور قوم کو ہماری جگہ لانے پر قادر ہے۔ جو ہماری طرح نہ ہونگے۔ اس کے بعد آپ نے بغیر کسی قسم کے تعین کے چندہ کی اپیل کی۔ مالی قربانی کا یہ نظارہ قابل دید تھا۔ مسجد کے صحن میں شامیانے کے نیچے سمائی ہوئی چھوٹی سی غریب جماعت نے خدا کے دین کی سربلندی کے لئے آناً فاناً لاکھوں روپے ڈھیر کر دیئے۔ اور بعض خواتین نے اپنے زیور دے ڈالے۔ اور بعض کی آنکھوں میں اس حسرت سے نمی تھی کہ ان کے پاس دینے کے لئے بہت کم تھا۔ ایک اندازے کے مطابق یہ رقم اب چار لاکھ سے بھی بڑھ چکی ہے۔ اور ابھی اس میں اور اضافہ ہونے کی اُمید ہے۔

"فالحمد للہ علیٰ ذالک"

دُوسرا اجلاس:۔

یہ اجلاس جناب شوکت علی صاحب سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) فیجی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن کریم ملک غلام علی صاحب (شیخ محمدی پشاور) نے کی اور حضرت صاحب کا منظوم کلام "کس قدر ظاہر ہے نور اُس مبداء الانوار کا۔

سارا عالم بن رہا ہے آئینہ ابصار کا

نہایت سوز و گداز اور ترنم سے جناب فاروق احمد صاحب (سفید ڈھیری پشاور) نے سنایا جس کے دوبارہ سنانے کے لئے فرمائش کی گئی اور یہ نظم دوبارہ سنائی گئی۔

منظوم کلام کے بعد راجہ محمد سعید صاحب (کراچی) نے حاضرین کو مخاطب فرمایا۔ آپ نے سورۃ المائدہ کی آیت:۔

"یا ایہا الذین امنوا ---------- خبیر بما تعملون۔"

کی تلاوت کے بعد اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین احکامات صادر فرمائے گئے ہیں:۔

۱۔ خدا کی گواہی دینے کے لئے کھڑا ہونا۔
۲۔ دشمن کے ساتھ انصاف کرنا۔
۳۔ تقوٰے کی زندگی بسر کرنا:۔

جہاں تک خدا کے لئے گواہی دینے کا تعلق ہے قرآن کریم کے کئی دوسرے مقامات پر یہ ارشاد ہوا ہے کہ تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کر سکو۔ انصاف کرو۔ یہ تقوے کے بہت قریب ہے اور جھوٹی گواہی نہ دو۔ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور تقوای کی باتوں میں تعاون کرو۔ اور گناہ اور سرکشی اور ظلم و زیادتی کی باتوں میں ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو۔ کیونکہ خدا تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔

انہی قرآنی احکام کے پیش نظر حضرت مرزا صاحب نے اپنی جماعت کی بنیاد تقوے پر رکھی اور بار بار اپنی جماعت کو تاکید کی کہ محض بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جب تک تم میں خدا سے ڈر کر زندگی بسر کرنے کا جذبہ کماحقہ پیدا نہ ہو۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ہماری جماعت میں تقوے پیدا نہ ہو جو ہماری بعثت کی اصل غرض ہے۔ تو ہمارا سارا کاروبار عبث ہے۔ آپ نے سچی گواہی دینے پر بھی زور دیا اور نمونہ قائم کرنے کے لئے جائیداد کے ایک مقدمہ میں آپنے باپ کے خلاف سکھوں کے حق میں شہادت دی اور آپ کے ماننے والوں نے بھی اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے خلاف عدالتوں میں گواہیاں دیں۔ اور اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ قرآن کی تعلیم کو کس طرح اپنی زندگیوں میں سمویا جا سکتا ہے۔ اور کس طرح اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں کو عزت و شرف بخشتا ہے۔ یہ تقوی ہی ہے جس سے فتنہ و فساد دور ہو کر اعتماد و اتحاد پیدا ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔ دشمن ذلیل و رسوا ہوتا ہے۔ اسی سے احیائے اسلام اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ وابستہ ہے۔ آج پندرھویں صدی کو جسے اسلام کے عروج کی صدی بتایا جا رہا ہے یہ آواز چودھویں صدی کے شروع میں قادیان سے اُٹھی جس نے بانگ بلند یہ اعلان کیا کہ مسلمانوں اور اسلام کی زندگی قرآن کی طرف واپس لوٹ آنے میں ہے۔ اور ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنائی کہ اسلام تمام ادیان پر غالب آ کر رہے گا کیونکہ یہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط اور ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اور اس کی بنیاد اٹل اصولوں پر ہے۔ آج حضرت مرزا صاحب کے ان اعلانات کی سچائی ہماری آنکھوں کے سامنے ثابت ہو رہی ہے۔ مسلمانوں میں نئی زندگی کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ ان میں اتحاد کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ وہ "ملت واحدہ" بننے کے لئے کوشاں ہیں۔ لیکن "ملت واحدہ" بننے کے لئے ضروری ہے کہ تمام کلمہ گوؤں کو مسلمان کہا اور مسلمان سمجھا جائے۔ اور جب تک کوئی اس کا اقرار کرنے کے بعد خود انکار نہ کرے اُسے اسلام سے خارج کرنے کا کسی کو حق نہ ہو۔ کیونکہ قرآن اور سنت رسولؐ نے اس کا اختیار کسی کو نہیں دیا۔ یہی دو قومی نظریہ کی بنیاد ہے۔ کلمہ گو ایک ملت ہیں اور اس کے منکر دوسری ملت۔ اول الذکر مسلمان اور موخر الذکر "کافر" ہیں۔ جماعت احمدیہ لاہور ہی اسوقت ایک ایسی جماعت ہے جو صحیح معنوں میں اس نظریہ کی قائل ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک تمام کلمہ گو مسلمان ہیں۔ اور یہی وہ نظریہ ہے جس کی بنیاد پر پاکستان وجود میں آیا اور اس کے برعکس دوسرے کلمہ گوؤں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر اس کی مخالفت کی اور اس کو گناہ عظیم سمجھا ان کے نزدیک کلمہ اتحاد ملت اور ایک الگ قوم کی بنیاد نہیں تھا۔ بلکہ "ملت از وطن است" ان کی

بنیاد تھا یعنی "ہندو مسلم، بھائی بھائی۔" یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے جماعت احمدیہ کے خلاف بارہا تحریکیں چلائیں۔ اور آخر کار انہیں "غیر مسلم اقلیت" بنا دیا گیا۔ جماعت احمدیہ ہی وہ جماعت ہے جس نے اسلام کی اشاعت کے لئے عمدہ لٹریچر پیدا کیا۔ اس کو ختم نبوت کا منکر کہنا انصاف کا خون کرنا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر کا حوالہ دیتے ہوئے آپ نے پادری لیفرائے کے ہندوستان کے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے ارادے سے آنے اور حضرت مرزا صاحب کے مقابلے میں بھاگ جانے کا واقعہ بیان کیا۔ اور بتایا کہ مولانا اشرف علی تھانوی کی نئی ایڈیشن سے اس واقعہ کا ذکر حذف کر دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ کی خاطر انصاف پر مبنی شہادت دینے اور گناہ اور زیادتی کے مقابلہ میں نیکی پر تعاون کرنے کو مولانا اشرف علی کا گناہ تصور کیا گیا ہے۔ یہ "دیانت اور امانت" کی ایک روشن مثال ہے۔ مغرب کے غیر مسلم مفکرین نے اس جماعت کے اسلام کے لئے کارناموں کا اعتراف کیا ہے۔ لیکن جو اپنے آپ کو مسلمان اور عاشقِ رسولؐ سمجھتے ہیں انہوں نے ایک عاشقِ رسولؐ اور اس کی جماعت کو سب کچھ جانتے ہوئے ذاتی اغراض و سیاسی مفاد کی خاطر "غیر مسلم اقلیت" بنا دیا ہے۔ ؎

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر بنا دیا۔
اور کافر یہ سمجھتا ہے کہ مسلماں ہوں میں

ہمیں کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ٹھہرانے میں قرآن کریم کی اس تعلیم کو جس کا بیان آیت تلاوت کردہ میں ہے یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ یہاں نہ اللہ تعالےٰ کی خاطر گواہی دی گئی ہے۔ نہ انصاف سے کام لیا گیا ہے۔ اور نہ تقوٰی اختیار کیا گیا ہے۔ کیونکہ ہم حضرت مرزا صاحب کو اس سلسلہ میں ان کی اپنی بڑی واضح اور غیر مبہم تحریرات کے مطابق نبی نہیں بلکہ مجدد اور دین کے خادم مانتے ہیں۔ تمام دنیا اتحادِ اسلامی کے لئے زور لگا کے دیکھ لے:۔

ع ۔ "ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد"

کی خدائی آواز ہی پوری ہو کر رہے گی۔

راجہ محمد بیدار صاحب کے بعد جناب **محمد انور** ایم۔ اے تشریف لائے آپکی تقریر کا عنوان تھا "احمدیت اور اشاعت اسلام" آپ نے "ان الدین عند اللہ الاسلام ـــــ الخ" کی تلاوت کے بعد سب سے پہلے انسان کے لئے مذہب کی ضرورت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کو مخلوقاتِ کائنات میں اشرف المخلوقات کا مقام اس لئے حاصل ہے کہ اسے اللہ تعالےٰ نے عقل و شعور عطا کیا ہے جس سے دوسرے ذی روح حیوانات محروم ہیں۔ اپنے عقل و شعور سے کام لے کر وہ اپنے ماحول میں وقوع پذیر تغیرات کا تجزیہ کرنے کے بعد نتائج اخذ کر سکتا ہے۔ اور اپنے لئے وہ راہ متعین کر سکتا ہے جس پر قدم مار کر وہ اپنی تخلیق کے مقصد کو حاصل کر سکتا ہے۔ اسی سوچ بچار اور غور و فکر سے کام لیتے ہوئے وہ آج کی مادی ترقی کے عروج کے دور میں داخل ہوا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ امن و سکون اور اطمینان پانے میں ناکام رہا ہے کیونکہ اس کے مادی مفاد کی خاطر اپنی ہی نسل پر جبر و اکراہ سے قابو پانا اور اس کا استحصال کرنا چاہا ہے جس سے دنیا میں بے اطمینانی اور فتنہ و فساد پیدا ہوا ہے۔ بدقسمتی سے انسانوں میں یہ غلط اور خلافِ فطرت خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ان کی منزل یہی دنیا ہے۔ اس سے آگے کوئی منزل نہیں یہی ایک ایسا نکتہ ہے۔ جہاں مذہب کی ضرورت پیش آتی ہے کیونکہ جسم کے علاوہ انسان کے اندر ایک اور چیز بھی ہے۔ جسے "روح" کہتے ہیں۔ جیسے جسم کی طرح تربیت و تہذیب کی ضرورت ہے اور جس کے بغیر جسم کو بھی امن و سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔ مذہب دراصل نام ہی روح کی ایسی نشو و نما اور تہذیب کا ہے جو انسانوں کے درمیان کشمکش اور باہمی رقابت کو مٹا کر بین الاقوامی اخوت اور مروت کا جذبہ پیدا کرے۔ اور ایسا ہی مذہب۔ دین یا نظریہ کر سکتا ہے۔ جو وحدت نسلِ انسانی کا تصور پیش کرے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ:۔

"اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔" اور دوسری جگہ آیا ہے:۔

"اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ تمہاری شاخیں اور قبیلے محض تمہارے تعارف کے لئے ہیں ورنہ اللہ کے ہاں تو سب سے معزز وہ ہے۔ جو تقوٰی کی راہوں پر قدم مارنے والا ہو یعنی اپنے خالق اور اس کی مخلوق کے حقوق کی نگہداشت کرنے والا ہو۔"

انسان کی تہذیب اور تمدن کے ارتقاء کی یہ بنیادی اینٹ ہے۔ وحدت نسلِ انسانی کا سرچشمہ وہ ایک ہستی ہے جس نے انسان کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا یعنی یہ وحدت توحید باری تعالیٰ کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کی معرفت اور شناخت کے لئے ابتداء سے ہی ایسے لوگ ہر قوم میں پیدا ہوتے رہے ہیں جنہیں پیغمبر۔ رسول۔ نبی اور ہادی کہا جاتا ہے۔ ان سب کا بنیادی نظریہ "لا الٰہ الا اللہ" ہی تھا کیونکہ ان کی تعلیم کا سرچشمہ ایک ہی تھا جس نے اسے قبول کر لیا۔ وہ قرآن کے الفاظ میں "مسلمان" ٹھہرا اور جس نے نہ مانا وہ غیر مسلم۔ یہ منوانے میں جبر سے ہرگز کام نہیں لیا گیا کیونکہ یہ بندے اور خدا کے درمیان ذاتی تعلق ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ جبر سے کام لیتا تو آج اس کے نہ ماننے والوں کا نام و نشان تک نہ ہوتا۔ لیکن دیکھا جائے تو بظاہر اس وقت اس کے نہ ماننے والے ماننے والوں کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ اور طاقتور ہیں۔ کیونکہ "لیس للانسان الا ما سعیٰ" اور انسانوں میں اس کو ماننے اور نہ ماننے والے دونوں ہی شامل ہیں۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں مذہب ہی تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کرتا رہا ہے اس لئے ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں رسول۔ یاد دہانی کے لئے آتے رہے ہے۔ اور آخر میں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ایک کامل دین کے ساتھ تشریف لائے جس کا نام "اسلام" ہو اور جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس کے مطابق اسلام ہی تمام انسانوں کے لئے دین قرار پایا۔ اس دین نے تمام قوموں میں رسولوں اور کتابوں کے آنے پر ایمان لانے کو شرط ٹھہرا کر وحدت نسلِ انسانی اور توحید باری تعالےٰ کی یاد دہانی کرائی۔ اور بتایا کہ ایک اللہ پر ایمان لانے سے ساری قوموں اور مذاہب کے درمیان دشمنی۔ فساد۔ بغاوت اور باہمی رقابت کا خاتمہ ہو کر دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ توحید الٰہی ہی ایک مرکزی نکتہ ہے جس پر ساری قومیں جمع ہو سکتی ہیں اس کے ماننے سے اس طرف راہنمائی ہو سکتی ہے کہ جب سب کو پیدا کرنے والا ایک ہے تو انسان بھی رنگ نسل اور زبان کی تمیز کے باوجود ایک ہیں:

آپ نے فرمایا جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے مذہب کی اصلی شکل و صورت انسانی عمل دخل سے گرد آلود ہو کر دھندلاتی چلی جاتی ہے اور اس کے صحیح خدوخال نمایاں کرنے کے لئے اس کے خوبصورت چہرے کو اس گرد سے صاف کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے پہلی قوموں میں پے بہ پے انبیاء آتے رہے لیکن خاتم النبیّین صلعم کے بعد اس غرض کے لئے انبیاء کی بجائے امت مسلمہ میں مجددین کا سلسلہ شروع ہوا اور آنحضرتؐ نے مثیل موسیٰ کی حیثیت میں ان مجددین کو بنی اسرائیل کے انبیاء کا مثیل فرمایا۔ اس امت میں پہلی تیرہ صدیوں میں مجددین تشریف لاتے رہے لیکن عجیب بات ہے کہ چودھویں صدی کو اس نعمت الٰہیہ سے محروم گردانا جاتا ہے حالانکہ یہ صدی بڑے خطرناک فتن کی صدی تھی جن کے مقابلہ اور ازالہ کے لئے ایک عظیم ہستی کے مبعوث ہونے کی پیشگوئیاں بھی موجود تھیں اور یہ بھی لکھا گیا تھا کہ اسلام اس کے ذریعے غالب آئے گا۔ ہمارا ایمان اور یقین ہے کہ اس صدی کے مجدد اور موعود مسیح حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تھے۔ آپ نے اپنے ایک شعر میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے:۔ ؎

"منم مسیح ببانگ بلند مے گویم + منم خلیفۂ شاہے کہ بر سما باشد"

اور ایک اُردو شعر میں اس طرح فرماتے ہیں :۔

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت + میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا۔

یعنی جو بھی آتا وہ مسیح ہی ہو کر آتا ۔ کیونکہ یہ مقام اور منصب ایسا تھا کہ وہ اس زمانے کے فتنۂ مسیحیت ۔ دجالیت ۔ یاجوج ماجوج اور دہریت کا قلع قمع کرنا ۔ اسلام میں داخل کئے گئے باطل نظریات ۔ بدعات اور رسم کا نہ رسوم کا خاتمہ ۔ حضرت مرزا صاحب اور آپ کے شاگردوں کے پیدا کردہ کثیر لٹریچر اور بیرون ممالک مشنوں کے قیام اور مبلغین کے ذریعے عمل میں آیا ۔ اسلام پر ہر حملہ آور کو بڑی ہزیمت سے پیٹھ دکھانا پڑی ۔ مقابل پر آنے کے لئے چیلنج پہ چیلنج دیا لیکن کوئی دم نہ مار سکا ؎

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند + ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

تعجب ہے کہ اس حامئ دینِ متین اور خادم اسلام اور اس کی جماعت کو دینِ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے جرم میں ختم نبوت کے منکر کہہ کر ملّتِ اسلامیہ سے خارج کر دیا گیا ۔ ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ :۔

اے آنکہ سوئے من بدویدی بصد تبر + از باغباں بترس کہ من شاخ مثمرم ۔

اور یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ حقیقت کو سمجھنے کی توفیق دے ۔ آمین

محمد اللہ صاحب کے بعد ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب نے "مسلمانوں کی موجودہ مشکلات کا حل قرآن شریف کی روشنی میں" کے موضوع پر قرآنِ کریم کی متعدد آیات اور مسلمانوں کی موجودہ حالت کو سامنے رکھتے ہوئے اظہار خیال کیا ۔ آپ نے "قرآنِ کریم کی آیت ان ھذا القرآن یھدی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان لھم اجراً حسنا" کی تلاوت اور تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن کریم تمام انسانی معاشرہ کے لئے ایک مکمل ضابطہ ہدایت اور کامیابی کا ضامن ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کی خستہ حال ۔ پسماندہ اور پراگندہ قوم نے اس پر عمل کر کے روم و فارس جیسی مہذب اور دنیاوی جاہ و جلال کی مالک قوموں کو ایک مختصر سے عرصے میں تہ و بالا کر ڈالا جسے تاریخ عالم اب بھی حیرت و استعجاب سے دیکھتی اور معجزہ تصور کرتی ہے ۔ کیونکہ ان کی یہ کامیابی مال و دولت ۔ جنگی ہتھیاروں اور فوجی تنظیم و تربیت اور کثرت کی مرہونِ منت نہ تھی بلکہ ان کا سب سے بڑا ہتھیار ان کا اللہ اور اس کے رسول پر پختہ ایمان تھا ۔ انہیں اللہ تعالےٰ کے اس وعدے پر پورا پورا اور پختہ یقین تھا کہ انتم الاعلون ان کنتم مومنین اور انہوں نے مومن ہونے کی شرائط کی مکمل طور پر رعایت رکھی ۔ بقول علامہ اقبال کہ ؎

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ + مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

انہوں نے توکل علی اللہ کو اپنی شمشیر بنایا کیونکہ علی اللّٰہ فلیتوکل المومنون ۔ مومنوں کا بھروسہ صرف اللہ پر ہی ہوتا ہے ۔

آپ نے فرمایا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک غریب اور پسماندہ قوم دنیوی وسائل و اسباب کے قریب قریب فقدان کے باوجود دنیا کی عظیم ترین اور امیر ترین قوموں پر غلبہ پا گئی تو کیا وجہ ہے کہ موجودہ مسلمان قومیں باوجود اپنی کثیر تعداد ۔ متعدد سلطنتوں ۔ کثیر مال و دولت اور دیگر دنیوی وسائل کے غیر مسلم اقوام کے سامنے مجبور و بے بس ہیں ۔ حالانکہ اسلام بھی وہی ہے اور قرآن بھی وہی ۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس حدیث کا حوالہ دیا "ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللّٰہ وسنتی" کہ میں تمہارے درمیان اللہ تعالےٰ کی کتاب اور اپنی سنّت چھوڑ رہا ہوں ۔ جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تم کبھی گمراہ ہو کر ذلیل و رسوا نہ ہو گے اور پھر قرآن کریم کی یہ آیت پیش کی کہ "وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا" جس میں آنحضرت صلعم اپنے رب کے سامنے یہ شکایت کرتے ہیں کہ میری قوم نے اس قرآن کو اپنے پاس سے دور پھینک دیا ہے یعنی اس اعلےٰ اور مکمل ضابطۂ حیات کو ترک کر کے دوسری قوموں کے طور طریقے اور قوانین کو اپنا شروع کر دیا ہے ۔ یہی ہماری بیماری کی صحیح تشخیص ہے مسلمان تو قرآن اور اسلام کی تعلیم اور اصولوں سے غفلت اور بے اعتنائی برت رہے ہیں اور غیر مسلم مہذب دنیا بڑی تیزی کے ساتھ ان اصولوں کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے کی فکر میں شب و روز اسلام پر گہری تحقیقات میں مصروف عمل ہیں ۔ اسی تحقیق کا نتیجہ ہے کہ ایک مشہور عیسائی محقق نے اپنی تحقیق کے نتیجے میں آنحضرتؐ کو دنیا کے ان سو مشاہیرِ عالم میں سرِ فہرست رکھا ہے جنہوں نے دنیا کے تہذیب و تمدن پر ہمیشہ کے لئے ناقابلِ فراموش اثرات مرتب کئے ہیں ۔ اس فہرست میں حضرت عیسےٰ کو جنہیں عیسائی خدا کا بیٹا اور خدا اور نجات دہندہ سمجھتے ہیں تیسرے نمبر پر اور حضرت موسیٰ کو جنہوں نے بنی اسرائیل کو غلامی کی زندگی سے نجات دلائی پانچویں نمبر پر شمار کیا ہے ۔

جناب ڈاکٹر صاحب نے اللہ تعالےٰ کے احکام کی خلاف ورزی کے ثبوت میں قرآن کریم سے یہ دو آیات پیش کیں ۔ (۱) اے لوگو ! جو ایمان لائے ہو ! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ ۔ وہ تو ایک دوسرے کے دوست ہیں ۔ اور جو کوئی ان کو دوست بنائے گا وہ انہی میں سے ہو گا ۔ (اور ظالم ہو گا) یقیناً اللہ تعالےٰ ظالموں کو کامیاب نہیں کرتا ۔ (۲) اے لوگو ! جو ایمان لائے ہو ۔ ان لوگوں میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے ۔ اور کفار میں سے جو تمہارے دین کا مذاق اڑاتے اور اسے ایک کھیل کود سمجھتے ہیں ۔ اپنے دوست مت بناؤ اور اگر تم مومن ہو تو اللہ کا تقویٰ کرو ۔" جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کی دوستی سے منع کیا گیا ہے ان سے دوستی رکھنے والا نہ مومن ہے نہ متقی بلکہ ظالم ہے ۔ اس لئے وہ ہرگز کامیاب نہ ہو گا ۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت پر نظر کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عیسائیوں کے سامنے دوستی کے لئے ہاتھ پھیلا رہا ہے اور کوئی یہود کے سامنے ۔ جب قرآن کا حوالہ دیا جائے تو کہا جاتا ہے کہ سیاست اور مذہب دو جدا جدا چیزیں ہیں مگر ؏ " جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی " مسلمان کا ہر شعبۂ زندگی جب تک اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کے احکام کے تابع نہ ہو وہ قطعاً فلاح کا مستحق نہیں ہو سکتا ۔ اس کی کامیابی اور کامرانی کا راز نہ دولت میں ہے اور نہ علم و سائنس میں ۔ بلکہ ان اصولوں اور قوانین کی وفاداری سے اتباع میں ہے ۔ جن سے خدا کی رضا حاصل ہوتی ہے ۔ یہ قوانین اور اصول قرآن کریم میں موجود ہیں ۔

آنحضرتؐ کی اس حدیث پر "ان اللّٰہ یبعث ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ من یجدد لھا دینھا" سب کا اتفاق ہے کہ اس امت میں دینِ اسلام کو تر و تازہ رکھنے کے لئے مجدد دین آتے رہیں گے اور آتے رہے ہیں حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ بھی اسی حدیث کے ماتحت تھا لیکن ان کے سپرد اس صدی میں برپا ہونے والے فتنوں کا استیصال تھا تاکہ مسلمان ابھر سکیں ۔ اس صدی میں اسلام کی حالت بہت نازک ہو چکی تھی ۔ وہ غلامی پستی ۔ بے اعتمادی اور بے یقینی کا شکار تھے ۔ ہندو ۔ عیسائی اور یہودی مسلمانوں کو ختم کرنے پر متفق ہو گئے تھے ۔ — آپ نے تقریر کو مختصر کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کی موجودہ مشکلات کا حل قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے ۔ پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ قرآن و سنّت کو مضبوطی سے تھام کر اپنے کھوئے ہوئے مقام کو پھر حاصل کر لیں ۔ (باقی ـ باقی)

اِسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا
ترکِ رضائے خویش پئے مرضئ خدا
جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات
اِس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

مکرم مرزا محمد لطیف شاھد کی تقریر بر موقع جلسہ سالانہ ۱۹۸۰ء

اُمّتِ محمّدیہ اور وحیٔ ولائت

" الا ان اولیاء اللہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔ الذین اٰمنوا و کانوا یتقون۔ لھم البشرٰی فی الحیٰوۃ الدنیا و فی الاٰخرۃ ط لا تبدیل لکلمات اللہ۔ ذالک ھو الفوز العظیم۔ "

حضرات!

قرآنِ مجید دُنیا کا سب سے بڑا اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے۔ اور جس قدر مذہبی صداقتوں کو قرآنِ مجید اپنے اندر رکھتا ہے دُنیا کی اور کوئی کتاب نہیں رکھتی۔ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر خواہ اُن کا تعلق معاشرت اور تمدن سے ہو یا اخلاقِ فاضلہ سے، اللہ تعالےٰ پر ایمان سے یا تعلق باللہ سے، قرآن شریف ہر قسم کی ہدایات اپنے اندر جمع رکھتا ہے۔

حجۃ الوداع جو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا آخری حج تھا جس کے ۸۲ دن بعد آپؐ اللہ تعالےٰ کے پاس تشریف لے گئے۔ یہ آیت نازل ہوئی:۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً

" آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا۔ اور تمہارا دین اسلام ہونے پر میں راضی ہوا۔"

جو اغراض دین کی ہو سکتی ہیں ان سب کو اسلام نے پورا کر دیا ہے۔ کتاب ایسی کامل فیھا کتب قیمۃ۔ سب مضبوط کتابیں اس کے اندر ہیں۔ یعنی تمام وہ پہلی صداقتیں جن کا دُنیا میں رہنا ضروری تھا اس کے اندر جمع کر دی گئیں اور آئندہ بھی قیامت تک جو صداقتیں ظاہر ہوں گی وہ بھی قرآن کریم کے اندر ہیں۔ فرمایا:۔

ولا یاتونک بمثلٍ الا جئناک بالحق۔ کوئی نادر بات پیش نہیں کر سکیں گے مگر ہم حق کے ساتھ اسے پہلے بتا چکے ہیں۔ سب مذاہب پر بحث موجود اور ہر عقیدہ حقہ کی تائید اور عقیدہ باطلہ کی تردید موجود۔ ہر ایک دعوٰے بھی خود پیش کیا۔ اور دلائل بھی خود دئے کسی مسئلہ کو نامکمل، ادھورا یا تشنہ نہیں چھوڑا۔

جمیع العلم فی القراٰن لکن: تقاصر عنہ افھام الرجال

قرآنِ مجید کی رُو سے اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کیساتھ کسطرح کلام کرتا ہے

وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیاً او من ورآئِ حجابٍ او یرسل رسولاً فیوحی باذنہ ما یشآء۔ انہٗ علیٌّ حکیم۔

" اور کسی بشر کے لئے یہ میسّر نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا رسول بھیجے۔ پس اپنے حکم سے جو چاہے وحی کرے۔ وہ بڑا بلند حکمت والا ہے۔"

اس آیت کے نیچے امام راغب اپنی کتاب " المفردات فی غریب القرآن " میں لکھتے ہیں:۔

ویقال للکلمۃ الالٰھیۃ التی تلقٰی الٰی انبیائہ واولیائہ وحیٌ

اللہ تعالےٰ کے انبیاء اور اس کے اولیاء کی طرف جو کلام نازل ہوتا ہے اُسے وحی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وحی کے اصل معنی۔ الاشارۃ السریعۃ۔ تیزی سے اشارہ کرنا۔ کلام الٰہیہ جو انبیاء کی طرف ڈالا جاتا ہے وہ بھی وحی کہلاتا ہے۔ یہ تین طرح پر ہوتا ہے:۔

اوّلاً:۔ دل میں ایک بات کا ڈالنا۔ جیسے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

اِنّ رُوح القدس نفث فی روعی۔ رُوح القدس نے میرے دل میں ڈالا۔

دوم:۔ من ورآئِ حجاب۔ رویاء۔ کشوف۔ الہام۔ اسی میں وہ مبشرات آتی ہیں جن کا ذکر حدیث میں ہے۔

سوم:۔ بذریعہ رسول۔ جن کو دیکھا جاتا ہے اور اس کا کلام سُنا جاتا ہے۔ بذریعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام۔ ——— اور مکالمہ الٰہیہ کی تیسری قسم صرف انبیاء علیہم السلام سے مخصوص ہے۔ اب بعد حضرت خاتم النبیّینؐ جبرئیل کا وحی نبوت لے کر آنا موقوف ہو گیا۔

واوحینا الٰی اُمّ موسٰی ان ارضعیہ فاذا خفتِ علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین

اسی طرح حضرت مریم سے بھی واضح کلام خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ حواریوں کی طرف وحی کی۔

قرآنِ مجید کا اُمّتِ محمّدیہ سے خطاب:۔

وکذالک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شھدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیداً۔ اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اعلیٰ درجہ کا گروہ بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے پیشرو بنو اور رسول تمہارا پیشرو ہو۔

امۃ:۔ حالت۔ نعمت، شان، طریقہ، سنت۔ وقت، مدّت۔ شریعت اور دین امام اور ہادی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

ان ابراھیم کان امۃ قانتاً للہ حنیفاً۔ ابراہیم ایک امام اللہ کا فرمانبردار راست رو تھا۔ دین۔ امام اور جماعت بھی ہیں۔

وسطاً:۔ اعلےٰ اور اشرف۔ بخاری الوسط۔ العدل۔ ابن جریر۔ خیار۔ یعنی بہترین لوگ وسط افراط و تفریط سے پاک ہونے کی وجہ سے اعلےٰ سے اعلےٰ مقام پر پہنچا ہوا ہے۔

شھدآء:۔ شہید۔ شہداء سے مراد ایسے لوگ ہیں جو جس بات کو سُنتے ہیں اس کو اپنے دل میں حاضر رکھتے ہیں۔ جو علم انہوں نے حاصل کیا ہے اُسے لوگوں تک پہنچائیں۔

یہ تھی امتِ محمدیہ! کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ لام انتفاع۔ امت محمّدیہ کا کام دُوسروں کی تکمیل ہے۔ تکمیل ہو نہیں سکتی جب تک تم میں ہمیشہ ایسے افراد نہ پائے جائیں جن کا خُدا کے ساتھ تعلق ہو۔ اسی واسطے یہ بشارت دی:۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔ الذین اٰمنوا وکانوا یتقون لھم البشرٰی فی الحیٰوۃ الدنیا و فی الاٰخرۃ۔ لا تبدیل لکلمات اللہ ذالک ھو الفوز العظیم۔

" سنو اللہ کے دوستوں پر نہ کچھ خوف رہتا ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ جو ایمان لاتے اور تقوٰی اختیار کرتے ہیں۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں خوشخبری ہے۔" پھر فرمایا۔ اللہ تعالےٰ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔

اولیاء اللہ کو یہ بشارت دی کہ اُن کے لئے خوف اور حزن نہیں رہے گا۔ فوز عظیم کا وعدہ دیا۔

اُمّتِ محمدیہ کی ایک بہت بڑی ذمّہ داری

ھوالذی جعلکم خلائف فی الارض۔ امت محمدیہ کُل اُمتوں کی جانشین ہے۔ ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمّٰکم المسلمین من قبل و فی ھذا لیکون الرسول شھیداً علیکم و تکونوا شھدآء علی الناس۔

تکمیل دین اور ختم نبوت کے بعد اولیاء کرام۔ مجدّدینِ عظام کی بشارت دی۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا۔ تتنزل علیھم الملٰئکۃ مجدّد کے دامن کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ۔ یا یھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ۔ وکونوا مع الصّٰدقین "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقوٰی اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔"

اس واسطے نصیحت فرمائی کہ مجدد دین کے دامن کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ۔

آنحضرت صلعم کے بعد وحی ولایت کا دروازہ کُھلا ہے۔

ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت ولا رسول بعدی۔ ولا نبی قال فشق ذالک علی الناس فقال ولکن المبشرات۔ مکالمہ و مخاطبہ جو اصل نعمت ہے۔ وہ باقی ہے کیونکہ وہ معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

رجالٌ یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء

ان من عباد اللہ عباداً الانبیاء والشھدآء۔ وہ کون ہیں فرمایا۔ الا ان اولیاء اللہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔

وحی الٰہی کی ضرورت کو قرآن مجید نے کئی رنگوں میں بیان فرمایا ہے

اعلان فرماتا ہے:۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

اذا سالک عبادی عنی فانی قریب۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکۃ

اور یہی ہے صراطِ مستقیم جس کو ہم روز مانگتے ہیں۔ اسی واسطے حضرت رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:۔

لقد کان فیمن کان قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یک فی امتی منھم احد فعمر (بخاری)

میری امت کے لوگوں میں سے ایک عمرؓ ہے۔ مثال دی۔ دوسری روایت میں محدّث کا لفظ ہے طبرانی میں ہے:۔ قالوا یا رسول اللہ کیف محدثٌ قال تتکلم الملٰئکۃ علی لسانہٖ۔ فرشتے اس کی زبان پر کلام کرتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

وحی الٰہی کے نزول کا بند ہونا غضبِ الٰہی کی علامت ہے

وعدہ یہ دیا کہ یحببکم اللہ۔ اگر اللہ اپنے بندوں سے کلام نہ کرے۔ اور صراطِ مستقیم مانگنے کی تلقین بھی فرمادے اور کلام بھی نہ کرے۔ یہ تو نقص محبت اور ناراضگی کی دلیل ہوگی۔ تعشق اور محبت کا مادہ انسان کی فطرت میں ودلیت کیا گیا ہے۔ اور وہ ایسے محبوب جس کے دیدار اور گفتار سے محروم رہے۔ اسے کبھی اپنے عشق کا محل نہیں ٹھہراتا۔ اصل صورتحال تو یہ ہے کہ حقیقی عاشق اپنے محبوب سے ہمکلام ہونے کے لئے اپنے دل میں از حد تڑپ رکھتا ہے۔ اور اس سے کلام کو اپنے لئے تریاق اور آبِ حیات سمجھتا ہے۔ ؎

عشق می خواہد کلام یار را + رو بپرس از عاشق این اسرار را

قال اخسئوا فیھا ولا تکلمون۔ فرمائے گا اسی میں ذلیل ہو کر پیچھے ہٹ جاؤ۔ اور میرے ساتھ بات نہ کرو۔

اولٰئک ما یاکلون فی بطونھم الا النار ولا یکلمھم اللہ الی یوم القیامۃ

افلا یرون الا یرجع الیھم قولاً۔ اللہ تعالٰی جہنمی اور دوزخی لوگوں سے کلام نہیں کریگا

الم یروا انہ لا یکلمھم ولا یھدیھم سبیلاً

من لا یکون متکلما و ھادیاً الی السبیل لم یکن الٰھاً (تفسیر کبیر)

قرآنِ مجید یہ تعلیم دیتا ہے کہ خالقِ دو جہان خدا اپنے بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے۔ وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم۔ اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار۔

حضرت نبی کریمؐ صحابہ کرام اور مکالمہ الٰہیہ

اول ما بدی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصادقۃ فی النوم فکان لا یری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح

عبداللہ بن زید۔ اللہ تعالٰی نے ان کو وحی کے ذریعہ اذان سکھائی تھی۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:۔ کہ مجھے بھی خدا تعالٰی نے یہی اذان سکھائی تھی مگر بیس دن تک میں خاموش رہا۔ اس خیال سے کہ ایک اور شخص رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ بات بیان کر چکا ہے۔ (ابو داؤد) ایک اور روایت۔ ایک فرشتہ نے مجھے آکر اذان سکھائی اور میں اسوقت پوری طرح سویا ہوا نہیں تھا۔ کچھ کچھ جاگ رہا تھا (بذل المجہود فی حل ابو داؤد)

اللھم ایدہ بروح القدس۔ اے خدا تو جبرئیل کے ذریعہ سے اس کی مدد کر۔

سلف صالحین اور وحی ولائیت

۱۔ شیخ محی الدین ابنِ عربی۔ وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ

وھذا کلہ موجود فی رجال اللہ من الاولیاء والذی اختص بہ النبی من ھذا دون الولی الوحی بالتشریع (فتوحات مکیہ)

یہ تمام اقسام وحی کی جو قرآن مجید میں مذکور ہیں اور جن کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔ خدا کے بندوں اولیاء اللہ میں سب پائی جاتی ہیں اور وہ وحی جو نبی سے خاص ہے وہ ولی میں نہیں پائی جاتی وہ تشریعت والی وحی ہے۔

۲۔ حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات جلد ۲ ص ۹۹ میں فرماتے ہیں:۔

"اعلم ایھا الاخ الصدیق ان کلامہ سبحانہ مع البشر قد یکون شفاھاً۔ الخ۔ اے محترم بھائی تو جان لے کہ اللہ تعالٰی کا کلام کرنا بالمشافہ ہوتا ہے۔ اور یہ انبیاء کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی ان کے بعض کامل متبعین سے بطور اتباع اور وراثت کے ہو جاتا ہے۔ اور جب اس قسم کا کلام کثرت سے کسی کے ساتھ ہو تو اس کا نام محدّث ہوتا ہے۔

جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے اور یہ القاء فی الروح اور الہام اس کلام کے علاوہ ہے جو فرشتہ کے واسطہ سے ہوتا ہے:۔

انما یخاطب بھذا الکلام الانسان الکامل ۔ بلکہ اس قسم کے کلام سے انسان کامل کو مخاطب کیا جاتا ہے۔

معین الدین چشتی۔ دمبدم روح القدس اندر معینے می دمد
من نمے گویم مگر من عیسیٰ ثانی شدم

اسی طرح مولانا روم۔ اپنی مثنوی میں۔ مولانا اسماعیل شہید اپنی کتاب منصب امامت میں۔ امام غزالی۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب، حجج الکرامہ میں۔ امام عبدالوہاب شعرانی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور دوسرے ہزارہا سلف صالحین میں سے وحی والہام کا اپنے اپنے زمانہ میں مدعی رہے۔

چلتے چلتے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ایک حوالہ سن لیں:۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وھو یتولی الصالحین۔ یہ مقربین الٰہی کی علامت ہے اور اس قرب کی خصوصیتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فرشتے ایسے شخص کو پکارتے ہیں جس طرح مریم کو پکارا تھا۔ امت فرشتہ کی معرفت وحی اور اس کے حصہ سے محروم نہیں ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ اگر تمہارے اندر ایمان کی ایک حالت رہے تو فرشتے تم سے مصافحہ کریں۔

اور اپنے بارے میں فرماتے ہیں:۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل کی اور فرمایا میں تجھے وہ طریقہ دوں گا جو ان تمام طریقوں سے جو رائج ہیں سب سے زیادہ خدا تعالیٰ تک پہنچانے میں قریب ہوگا اور سب سے زیادہ مضبوط ہوگا۔

(تفہیمات الٰہیہ)

مولانا روم فرماتے ہیں:۔ ؎

وحی دل گیرش کہ منظرگاہ اوست
چوں خطا باشد کہ دل آگاہ اوست

تفاسیر:۔

یلقی الروح من امرہٖ علیٰ من یشاء من عبادہٖ لینذر یوم التلاق۔

روح سے مراد وحی ہے۔ روح المعانی۔ فان الالقاء لم یزل من لدن آدم علیہ السلام الیٰ انتہاء زمانِ نبینا صلعم وھو حکم متصل الیٰ قیام الساعۃ بان منہ من یقوم بالدعوۃ علیٰ ما روی ابو داؤد۔ عن ابی ھریرۃ عن النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ قال ان اللہ تعالیٰ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا ای باحیاء ما اندرس من العمل بالکتاب والسنۃ (بیضاوی) ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔ (بیضاوی) تلھمکم الحق وتحملکم علی الخیر

غرض قرآن کریم۔ احادیث، لغت، اولیاء اللہ۔ تفاسیر سے ثابت ہے کہ امتِ محمدیہ میں وحی کا سلسلہ جاری ہے۔ حضرت امام مہدی کے بارے میں اسعاف الراغبین میں لکھا ہے۔ حضرت امام مہدی الہام کے ذریعہ سے شریعت کی باریکیاں سمجھ کے لوگوں تک پہنچائے گا۔ اسی طرح امام سیوطی "اعلام" میں لکھتے ہیں کہ:۔

"عیسیٰ علیہ السلام (مسیح موعود) رسول اللہ کی شریعت کے مطابق حکم دیں گے۔"

قرآن مجید فرماتا ہے کہ مومنوں کو تسلی دینے، ان کا خوف دور کرنے اور خدا تعالیٰ کی محبت کے اظہار کے لئے وحی آتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ وحی قرب الٰہی کے اظہار کے لئے اور شریعت کے باریک اسرار کو ظاہر کرنے کے لئے اولیاء اللہ پر نازل ہوتی رہتی ہے۔

اور آج یہ عقیدہ عملاً و قولاً پیش کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ہمکلام نہیں ہوتا ایسا عقیدہ رکھنے والے علماء اسلام کے خدا کو سامری کے بت جیسا سمجھتے رہے۔

افلا یرون الا یرجع الیھم قولا ولا یملک لھم ضرا ولا نفعا
الم یروا انہ لا یکلمھم ولا یھدیھم سبیلا۔

امام رازی:۔ من لا یکون متکلما ولا ھادیا الی السبیل لم یکن الٰھا

حضرت ابراہیم کا بھی بت پرستوں پر یہی الزام تھا کہ میرا خدا بولتا ہے۔ تمہارا خدا نہیں بولتا۔

اب اگر یہ بات درست ہے کہ اب خدا اپنے نیک بندوں پر اپنا کلام نازل نہیں فرماتا تو پھر ہندوؤں کا یہ دعویٰ کہ ابتدائے عالم میں خدا نے وید نازل کئے اور پھر چپ ہو گیا درست ہونا چاہیئے۔ مگر کس طرح درست ہو سکتا ہے جو خدا پہلے سنتا تھا اب بھی سنتا ہے۔ جو پہلے دیکھتا تھا اب بھی دیکھتا ہے۔ اسی طرح جو پہلے بولتا تھا وہ اب بھی ضرور بولتا ہے۔

لیکن بدقسمتی ملاحظہ ہو۔ کتنی روشن تعلیم، کتنا شاندار نمونہ، مجددین عظام اور اولیاء کرام نے عمل و فعل و قول سے پیش فرمایا۔ لیکن جب محبت کے شعلے بجھ جاتے ہیں۔ دلوں کی انگیٹھیاں سرد پڑ جاتی ہیں اور ان پر حبِ دنیا کی برف کی تہیں جم جاتی ہیں تو پھر کیا ہوتا ہے۔

"یہ جو ہمارے ہاں عقیدہ ہے کہ حضرات اولیاء کرام کو کشف اور الہام ہوتا ہے اور مقصد اس سے یہ ہوتا ہے کہ ایسا علم جو خدا سے براہ راست حاصل ہو تو قرآن سے اس کی سند نہیں ملتی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

بعض علماء کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی پر وحی نہیں ہو سکتی اور جو اس کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے۔

"مسئلہ الہام کا حلت و حرمت کا مسئلہ نہیں۔ جو اس کا ثبوت صحابہ اور تابعین سے ضرور ہونا چاہیئے۔ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اس دم تک اگر کسی نے بھی دعویٰ نہ کیا ہو۔

میرا تو جی چاہتا ہے کہ سوامی دیانند کا ایک سوال ایسے علماء سے جو وحی والہام کے دروازے کو بند کرتے ہیں۔ ان سے کروں۔ سوامی صاحب فرماتے ہیں۔

"بھلا جب آج کل خدا کے فرشتے اور خدا کسی سے باتیں کرنے نہیں آتے تو پہلے کیوں کر آتے ہوں گے۔"

(ستیارتھ پرکاش ص ۶۸۹)

دوستو! ان تہی دستانِ عقل و بصیرت سے عرض ہے کہ:۔ ؎

فطرت کا تقاضا ہے کہ فطرت کا ہو اظہار
خوشبو ہے تو لہرائے بادل ہے تو برسے

(باقی آئندہ)

اے کرمِ خاک چھوڑ دے کبر و غرور کو
زیبا ہے کبر حضرتِ ربِّ غیور کو
تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول
تا تم پہ ہو ملائکۂ عرش کا نزول

بقیہ آمدہ صفحہ ۲

مُسلمانوں کی موجودہ مُشکلات :-

مُسلمان دُنیاوی اسباب کی کمی کی وجہ سے پست اقوام میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے پاس دُنیاوی اسباب اور سامان کی کمی ہے اور یہ اس لئے دیگر قوموں کے مقابل میں پسماندہ تصوّر ہوتے ہیں بعض بڑی قومیں مال و اسباب اور سائنس اور ٹیکنالوجی ایجادات کی دُنیا میں امام کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور سیاست اور ڈپلومیسی میں اپنا مقام رکھتی ہیں۔ دُوسری اقوامِ عالم ان کو ہڑپ کرنے کی فکر میں ہیں۔ خواہ ہندوستان ہو یا روس۔ یورپ، یہودی فتنہ گر، سب مسلمانوں کو دوبارہ غلام بنانے کی فکر میں ہیں۔ اگرچہ اس وقت دُنیا کے نقشے پر بہت سی مُسلمان حکومتیں اُبھر آئی ہیں لیکن وہ اس قدر کمزور اور پسماندہ ہیں کہ بمشکل اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکتی ہیں۔

ان مسلمان اقوام اور مسلمان حکومتوں میں اور پرانی مسلمان حکومتوں میں ایک بات مشترک ہے اور وہ ہے اسلام یعنی وہی ایک خدا۔ ایک رسولؐ۔ ایک کتاب اور ایک کلمہ ۔

اب سوال صرف یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک سادہ غریب اور نادار اور پس ماندہ قوم نے دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنتوں کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست دے کر ان کے نام کو ہی صفحۂ ہستی سے ختم کر دیا اور دُنیاوی فتح کے علاوہ ذہنی اور روحانی فتح بھی حاصل کی۔ اور وہی مُسلمان دُنیا کے ایک سرے سے دنیا کے دُوسرے سرے تک چھا گئے۔ کیا یہ ہتھیاروں کی فتح تھی۔ مال و دولت یا سائنس اور دیگر علوم کی فتح تھی۔ کیا یہ ان کی غیر معمولی طاقت اور شجاعت کی فتح تھی؟ ہرگز نہیں۔ یہ کمال اور معجزہ اس غیر متزلزل یقین اور ایمان کا تھا جو اس وقت کے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر تھا۔ اس نے کبھی اپنی طاقت اور تلوار پر بھروسہ نہیں کیا۔ بلکہ ان کا پختہ ایمان یہ تھا۔ اللّٰہ لا الٰہ الا ھو۔ وعلی اللّٰہ فلیتوکّل المؤمنون (۶۴:۱۳)

...... ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ......

تو معلوم ہوا کہ راز صرف یہی تھا کہ مالک حقیقی کی ذات اور قوت پر مکمل بھروسہ اور یقین کامل ہو اور عمل کامل صالح اور ان کی کامیابی کا راز تھا۔

اب حیرانی کی بات صرف اس قدر ہے کہ اگر ایک غریب اور پسماندہ قوم جن کے دنیاوی اسباب کی کمی کی مثال نہیں ملتی وہ اپنی کمی اسباب کے باوجود اس وقت کی دنیا کی عظیم ترین اور امیر ترین قوموں پر غلبہ حاصل کر گئیں تو اب موجودہ مُسلمان قومیں باوجود اپنی کثیر تعداد کے اور باوجود اپنی متعدد سلطنتوں کے اور باوجود اپنے دنیاوی علوم اور کافی وسائل کے غیر مسلم اقوام کے سامنے کیوں بے بس ہیں۔ ان کا اسلام بھی وہی، قرآن بھی وہی اور مسلمانوں کا دعویٰ بھی وہی کہ وہ اسلام کے وارث ہیں اور دُنیا میں امن و آشتی پھیلانا اُن کا فرض ہے ..... چنانچہ اسی حیرانی اور تضاد کو سمجھنے کے لئے میں آپ کی خدمت میں چند گزارشات بڑے مؤدبانہ طور پر پیش کرنے لگا ہوں۔

یہ تو ہم سب مانتے ہیں کہ دین صرف اسلام ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ ان الدّین عند اللّٰہ الاسلام۔ معلوم ہوا کہ آج سے چودہ سو سال پہلے بھی مسلمانوں کا یہی دین تھا۔ یعنی ان کی اخلاقی، روحانی اور دنیاوی زندگی کا ضابطۂ حیات دینِ اسلام ہی تھا اور ان کی تمام روحانی اور دنیاوی کامیابی صرف اسلام پر پورا پورا عامل ہونے کی وجہ سے ظہور میں آئی تھیں کیونکہ غیر اسلامی وسائل اور ضابطۂ حیات پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے نہایت سختی سے منع فرمایا ہے۔ جیسے فرمایا ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین۔ اللہ تعالیٰ حق ہے اور حق کو پسند کرتا ہے۔ اس لئے یہ ثابت ہوا کہ اس وقت کے مسلمانوں نے غیر اسلامی ضابطۂ حیات کبھی نہیں اپنایا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ اُن کے حق میں پورا کیا اور مسلمانوں کو حسبِ وعدہ دُنیا میں سرفراز اور کامران بھی بنایا جیسے اُس نے فرمایا:-

" انتم الاعلون ان کنتم مومنین "

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کو مانو گے تو کامیابی لازمی بات ہوگی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے قوانین کی پابندی نہ کی اور اس کے مقابل پر اپنی عقل اور اپنے جیسے دیگر انسانوں کی راہنمائی قبول کی تو پھر لازمی طور پر خسارہ ہی خسارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وعدے موجودہ مسلمانوں کے حق میں بھی ویسے ہی سچے ہیں لیکن ان وعدوں کے ساتھ شرائط بھی ویسی ہی ہیں کہ :-

"اگر تم اللہ کے بنائے ہوئے قواعد استعمال میں لاؤ گے تو تمہارے حالات بھی اچھے ہونگے اور تم کامیاب اور کامران ہو گے"۔ ملاحظہ ہو ارشاد باری تعالیٰ۔

" ولا تھنوا ولا تحزنوا ۔ وانتم الاعلون ان کنتم مومنین "

نیز قوانینِ الٰہی تمام اقوام عالم کے لئے یکساں ہیں اس لئے جو قوم بھی دیانتداری اور محنت کے ساتھ ان قوانین پر عامل ہوگی وہ لازمی طور پر کامیاب ہوگی اور جب کسی قوم کا عمل ان قوانین کے خلاف ہوگا تو ان سے یہ نعمت زائل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے کسی خاص قوم اور گروہ کو اپنی نعمت سے مستثنیٰ نہیں کیا۔ جب تک ان کے اعمال خراب نہ ہوں۔ چنانچہ فرمایا:-

" ان الارض یرثھا عبادی الصالحون "

یہاں صالح سے مُراد وہ عام معنے نہیں ہیں جیسا ہم کسی شخص کو عرفِ عام میں نیک کہہ دیتے ہیں صالح سے مُراد وہ لوگ ہیں جن کے اندر ذہنی۔ اخلاقی اور روحانی استعداد موجود ہوتی ہے اور وہ اپنی خداداد قابلیت اور فطرتی نیکی کی وجہ سے کسی کام کے اہل ہوتے ہیں۔ انہیں کو اللہ تعالیٰ قوموں اور ملکوں اور حکومتوں کا نظام سونپ دیتا ہے۔ حضرت علامہ اقبال مرحوم نے بھی یہی بات سمجھ کر فرمایا:- ؎

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی
میرے کلام پہ حجّت ہے نکتۂ لولاک

اس سلسلے میں حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مشہور حدیث ملاحظہ کیجئے:-

" ترکت فیکم امرین لن تضلّوا ما تمسکتم بھما کتاب اللّٰہ وسنتی "

اب ہماری بیماری اور خواری کی تشخیص بہت آسان ہو گئی۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

" وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا "

حضور سرورِ کائنات کا دل اس قدر دُکھ گیا کہ یہ قوم اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ ضابطۂ حیات سے غافل ہو گئی اور اس کے مقابل پر دیگر لوگوں کے ضابطۂ حیات اور قوانین کو اپنی بیماری کا علاج سمجھنے لگی۔ حالانکہ وہ تمام قومیں خود اپنی بے یقینی اور بے عملی کی وجہ سے تباہی کے گڑھے میں گر چکی ہیں اور ان کو خود اس تباہی و بربادی سے بچنے کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ جن قوموں کی طرف موجودہ مسلمان مدد کے لئے دست دراز کر رہے ہیں ان کی تمام تر تگ و دو مادی وسائل کی طرف لگی ہوئی ہے۔ اخلاقی اور روحانی اقدار سے یہ لوگ عاری ہیں لیکن مسلمانوں نے "کتاب اللّٰہ" سے غفلت برتی ہوئی ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسُول کے بتائے ہوئے راستے سے نامید ہو چکے ہیں علامہ اقبال مرحوم بھی اسی غفلت کا رونا روتے روتے چل بسے:-

بتوں سے تجھ کو امیدیں۔ خُدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے۔

پھر فرماتے ہیں:- بُرا نہ مان ذرا آزما کے دیکھا ہے
فرنگ دل کی خرابی۔ خرد کی معموری۔

اور پھر فرمایا:۔

بے حضوری ہے تیری موت کا راز
زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں۔

آج کل کے مسلمانوں کی بیماری اسلام اور قرآن سے غفلت اور بے اعتنائی ہے اس کو اسلام اور قرآن پر یقین نہیں رہا اس لئے وہ در در کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے حالانکہ زمانہ اس قدر بدل چکا ہے کہ مہذب دنیا بڑی تیزی کے ساتھ اسلام کے اصولوں کو اپنانے کی فکر میں ہے اور اسلام پر اس قدر ریسرچ شروع ہے کہ اس کی نظیر پہلے وقتوں میں نہیں ملتی۔ ایک مشہور امریکی اہل قلم عیسائی عالم نے ایک کتاب شائع کی ہے اور اس میں اس نے تمام دنیا کے ایک صد بڑے آدمیوں کی لسٹ تیار کی ہے جنہوں نے دنیا میں عظیم کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ ان ۱۰۰ آدمیوں میں نبی۔ ولی۔ فلاسفر، سیاست دان اور قومی راہنما شامل کئے ہیں۔ اس عیسائی عالم کی نگاہ میں ان تمام لوگوں سے نمبر ایک رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ حالانکہ اس کے سامنے حضرت موسےٰؑ اور حضرت عیسےٰؑ اور دنیا کے دیگر بڑے بڑے آدمی بھی تھے:۔

شاعر مشرق علامہ اقبال نے مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد
می شناسی عصر ما با ما چہ کرد؟
عصر ما ارا زما بیگانہ کرد
از جمالِ مصطفےٰ بیگانہ کرد۔

یہ اسی فریاد کا ترجمہ ہے جو نبیؐ نے اللہ تعالےٰ کے حضور کی تھی:۔

"وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا"

حالانکہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو یقین دلاتا ہے کہ:۔

"ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم و یبشر المؤمنین الذین یعملون الصالحات ان لھم اجراً حسنا"

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی دکھائی دیتے ہیں جو بظاہر اسلام کے نام پر جان دینے کو تیار ہوتے ہیں اور طرح طرح کی رسمی اور دکھاوے کی باتیں کرتے ہیں لیکن ان کے دل ان کے ساتھ نہیں ہیں اور اللہ جو نیتوں کو جاننے والا ہے اور وہ علیم اور بصیر ہے اور دلوں کی باتوں کو جانتا ہے وہ فرماتا ہے:۔

"ویقولون اٰمنا باللہ و بالرسول ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وما اولٰئک بالمؤمنین"

مقام غور ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خاتم النبیین ہیں اور اللہ کے محبوب ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:۔

"انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم"

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس ضابطۂ حیات سے غفلت نہیں برت سکتے تھے بلکہ آپ اس ضابطۂ حیات کا ایک عملی نمونہ تھے اور اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:۔

"ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"

۔ ۔ ۔ ۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کا یہ حال ہے کہ وہ اس دین کے احکام سے سر مو ادھر ادھر نہیں ہو سکتے تو پھر مسلمان کہلانے والے کس طرح جرأت کرتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی اور اپنی عقل کی پیروی کرکے اللہ تعالےٰ کے قانون کی مخالفت کرتے ہیں اور پھر توقع یہ کرتے ہیں کہ ان کو کامیابی کیوں نہیں ہوتی؟

اب میں چند آیات قرآن پاک سے پیش کرتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ کیا یہ اللہ تعالےٰ کے صریح احکام کی مخالفت نہیں اور اگر یہ اس کے احکام کی مخالفت ہے تو پھر مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی اور پستی اسی نافرمانی کی وجہ سے ہے:

۔ ۔ ۔ ۔ پھر فرمایا:۔

"یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا ولعبا من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء۔ واتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین۔"

اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی کس قدر حکومتیں ہیں لیکن یہ مسلمان عرب پہلے ہیں اور مسلمان بعد میں یہی حال ایران کا ہے کہ انہیں اپنے فارسی الاصل ہونے پر زیادہ فخر ہے۔ بہ نسبت مسلمان ہونے کے۔ افریقہ میں بھی کئی مسلمان حکومتیں ہیں لیکن انہیں اپنے ملک اور قوم کا زیادہ خیال ہے نتیجہ یہ ہے کہ یہ قومیں کھلم کھلا قومیت پر فخر کرتی ہیں اور اللہ تعالےٰ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیتی ہیں۔ مصر ایک بہت بڑا ملک ہے اور انہیں مسلمان کہلانے کا بھی دعوٰی ہے لیکن صدر انور السادات نے یہود اور نصارٰی کے ساتھ دلی دوستی کرکے صریح طور پر اللہ تعالےٰ کے حکم کی نافرمانی کی۔ صدر سادات نے علی الاعلان کہا کہ سیاست اور مذہب دو مختلف چیزیں ہیں تو پھر کون سی بات سچی ہے؟ اللہ تعالےٰ جل شانہ کا حکم "لا تتخذوا الیھود والنصارٰی اولیاء" صدر سادات اور ان کے ہمنوا دوست کہ سیاست اور مذہب دو مختلف چیزیں ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالےٰ سے کس مہربانی کی امید کر سکتے ہیں +

۔ ۔ ۔ ۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کے خیالات اور عقائد رکھتے ہیں وہ دین سے واقف نہیں۔ اسلام دراصل ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس کے اصولوں میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی کرنا شرک ہے اور شرک اللہ تعالےٰ کبھی معاف نہیں کرتا۔ "ان الدین عند اللہ الاسلام" پس اس کے سوا مسلمان کے لئے کوئی چارہ نہیں کہ وہ بغیر کم و کاست اسلام کی پیروی کرے اور جھوٹی سیاست اور منافقت یا مصلحت سے باز آئے ورنہ اس کی جنگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ ہے۔ اور اللہ اور اس کا رسولؐ ہمیشہ غالب رہیں گے۔ کیونکہ وہ اللہ مالک الملک ہے اور اسی کے قبضۂ قدرت میں عزت و ذلت ہے +

اگر نیک نیتی سے دیکھا جائے تو کیا یہ درست نہیں کہ جن لوگوں کے سہارے اور بل بوتے پر موجودہ مسلمان چل رہا ہے وہ تو خود مردہ ہیں۔ اقبال نے خوب کہا ہے کہ:۔ ؎

آہ! یورپ زیں مقام آگاہ نیست
چشم او ینظر بنور اللہ نیست
او نداند از حلال و از حرام
حکمتش خام است و کاوش ناتمام

یہ ایک کھلی حقیقت ہے مسلمان جہاں کہیں بھی ہیں وہ زیادہ قوم اور وطن پرست ہیں اور انہیں اسلام سے کچھ ہمدردی نہیں۔ ان کے اعمال اسلام کے خلاف ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دیگر مسلمان قرآن پاک پر ذرہ بھر بھی غور کریں اور گزشتہ اقوام کی تاریخ کو سامنے رکھیں تو اللہ تعالےٰ نے بار بار توجہ دلائی ہے کہ تم سے کہیں زیادہ بہادر اور طاقتور قومیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں لیکن جب انہوں نے صرف وسائل دنیاوی پر بھروسہ کیا اور اللہ تعالےٰ کے قوانین سے لاپرواہی برتی تو ان کو اچانک ہلاکت نے آن لیا اور ان کی دنیاوی وجاہت، دولت اور علم ان کو نہ بچا سکا۔ جیسے فرمایا:۔

"اولم یسیروا فی الارض کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم کانوا اشد منھم قوۃ و اثاروا الارض و عمروھا" لیکن مسلمان کو قرآن

پر غور کرنے کی فرصت نہیں۔ وہ صرف ان قوموں کی طرف دیکھتے ہیں جنہوں نے مادی دنیا میں بہت ترقی کی ہے۔ انہیں مسلمانی یا نامسلمانی سے کوئی غرض نہیں ۔۔۔ مسلمان کو اگر دنیا میں دینی اور دنیاوی کامیابی حاصل کرنی ہے تو اسے از سر نو قرآن پاک کو پڑھنے اور سمجھنے کی سخت ضرورت ہے۔ اسے اپنے خیالات اپنے اعمال کو صحیح اسلام کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کی پیروی کرنا ہوگی۔ اب میں چند صریح اور واضح آیات پیش کرتا ہوں جن کی پیروی کرنے میں صاف صاف مسلمانوں کی کامیابی کی ضمانت دی گئی ہے بلکہ صرف مسلمانوں کی نہیں بلکہ تمام لوگوں کی کامیابی کا اعلان ہے۔ جیسے فرمایا۔ ان الّذین ھادوا والنصارٰی۔۔۔۔

جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ کامیابی اور کامرانی کا راز نہ دولت میں ہے نہ علم اور سائنس میں ہے بلکہ صرف ایسے قواعد کی اتباع کرنے میں جن سے خُدا کی رضا حاصل ہوتی ہو۔۔۔

قرآن اور دینِ اسلام اللہ تعالےٰ کی ایک امانت ہے جو اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے سپرد کی ہے جس پر ہم نے خود عمل کرنا ہے اور غیروں تک بھی پہنچانا ہے۔ انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوات والارض ۔۔۔۔ ظلوماً جھولاً۔

یہ ایک بہت عظیم امانت ہے۔ اور اس کی حفاظت نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنے سے ہم اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کی نگاہ میں مجرم بنا دیتے ہیں۔ فرمایا:۔

" اوفوا بعھدی۔ اوف بعھدکم "

" تم میرا کہا مانو اور میں تمہیں کامیابی دوں گا "

لیکن ہم اپنے قول و فعل میں تضاد رکھتے ہیں چنانچہ ہم کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں جس سے اللہ تعالےٰ کی ناراضگی ظاہر ہوتی ہے ٭

اس جگہ میں آپ کو ایک ضروری بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں مسلمانانِ عالم کی غفلت اور سستی جو کہ پچھلے تیرہ سو سال میں ایک ضرب المثل بن چکی تھی حالانکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان اور کلمہ گو بھی کہلاتے تھے لیکن حقیقت میں انہوں نے اسلام اور قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا جس کا نتیجہ ان کی انفرادی اور اجتماعی قوت کی تباہی اور بربادی نکلا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ خاتم الانبیاء ہیں اور دین مکمل ہو چکا ہے۔ اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ حضرت مرزا صاحب نے خود بارہا فرمایا ہے کہ میرا دعویٰ مجددیت کا ہے۔ اور اس کی بنیاد یہ حدیث نبویؐ ہے:۔

" ان اللہ یبعث علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا "

چنانچہ باقی گزشتہ صدیوں کے مجدد بھی اسی حدیث کے ماتحت ظاہر ہوئے تھے اور اپنا کام کر کے چلے گئے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہار دہم بھی اسی زمرے میں شامل ہیں۔ صرف فرق اتنا ہے کہ اس گزشتہ صدی کے سپرد بہت مشکل کام ہوا تھا۔ اس صدی میں اسلام کی حالت بہت نازک ہو گئی تھی۔ مسلمان کئی وجوہات کی بناء پر پستی اور غلامی اور بے یقینی کا شکار ہو گئے تھے۔ ہندو۔ عیسائی اور یہودی اور دیگر لوگ دینی، سیاسی اور معاشی طور پر اسلام کو مٹانے پر متفق ہو گئے تھے لیکن اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ آخری نبیؐ کا دین آخری ہے اور اس کے بعد کوئی اور دین نہیں آسکتا جیسے فرمایا:۔

" ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ "

اور اللہ تعالےٰ نے خود اس دین کی حفاظت کا ذمّہ لیا۔

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب فرماتے ہیں:۔

"گذشتہ چودہ سو سال میں کسی شخص نے اسلام کی مالی۔ جانی قلمی اور لسّانی خدمت نہیں کی جتنی حضرت مرزا صاحب نے کی ہے"

بلکہ میں ایک ایسی ہستی کا حوالہ دیتا ہوں کہ جس نے علی الاعلان عام جلسہ میں کہا کہ اگر کسی نے ٹھیٹھ اسلام دیکھنا ہو تو وہ قادیان جا کر دیکھے۔

انہی بزرگوار نے اپنے حقیقی بیٹے کو دین کی تعلیم کے لئے قادیان بھیجا۔ اگرچہ بعد میں سیاسی مجبوریوں کی وجہ سے انہی بزرگوار نے مرزا صاحب پر کفر کا فتوےٰ بھی دے دیا۔ اور فرمایا کہ ایسی احادیث اسرائیلیات کا مجموعہ ہیں لیکن غضب ہے وہ اس قدر جلد بھول گئے کہ وہ خود اس عقیدے کے قائل تھے کہ مجدد آتے ہیں اور آتے رہیں گے ۔ نبوت کا دروازہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کلّی طور پر بند ہو چکا ہے۔

ذرا ملاحظہ فرمایئے حضرت علامہ اقبال مرحوم کا ایک شعر، آپ کس درد کے ساتھ فرماتے ہیں:۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدّد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

مگر افسوس ہے کہ دنیاوی وجاہت انسان کو مجبور کر دیتی ہے وہ ایسی باتیں بھی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو اسکے دین اور ایمان کی نقیض ہوتی ہیں۔ پس اگر مسلمان کو اپنا عہد جو اس نے خُدا اور اس کے رسول کے ساتھ کیا ہے یاد ہو اور وہ اس پر سختی سے پابند ہو تو وہ کبھی بھی دنیا اور آخرت میں ذلیل نہیں ہو سکتا۔

" انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین "

یہ وعدہ الٰہی آج سے چودہ سو سال پہلے مسلمانوں سے بھی تھا اور یہی وعدہ الٰہی اب بھی ایسا ہی سچا ہے بشرطیکہ مسلمان مومن بن جائے۔ اللہ تعالےٰ ہماری قوم کو مومن بننے کی توفیق دے اور ہمیں ان تمام انعامات اور احسانات کا وارث بنائے جس کے لئے اس نے ہمیں پیدا کیا اور ہمیں سچّی راہ بھی دکھائی۔ اور اس زمانہ کے مجدّد کے ذریعہ مزید راہنمائی فرمائی۔

ربنا اٰتنا ما وعدتنا علیٰ رسلك انك لا تخلف المیعاد

تقوٰی یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو
کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو
اِس بے ثبات گھر کی محبّت کو چھوڑ دو
اُس یار کیلئے رہ عشرت کو چھوڑ دو

وہ دُور ہیں خُدا سے جو تقوٰی سے دُور ہیں
ہر دم اسیر نخوت و کبر و غرور ہیں

⁂

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۸۱ء۔ جلد ۶۸ شمارہ نمبر (۳) رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین الحمدہ پرنٹرز۔ اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

◆

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

◆

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۵
تار کا پتہ۔ تبلیغ
فون۔ ۵۲۸۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمان

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے روپے
بیرونی ممالک سے پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہام حضرت مسیح موعود

جلد ۶۸ | یوم چہارشنبہ ۲۱ ربیع الاوّل سنہ ۱۴۰۱ ہجری بمطابق ۲۸ جنوری سنہ ۱۹۸۱ء | شمارہ ۴

آہ! میاں محمد احمد صاحب مرحوم

میاں محمد احمد صاحب خلف الصدق حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بروز جمعۃ المبارک مورخہ ۲۳ جنوری سنہ ۱۹۸۱ء لندن کے ایک ہسپتال میں انتقال فرمایا اور بروز سہ شنبہ مورخہ ۲۷ جنوری بعد نماز ظہر "دارالسلام" لاہور کے قبرستان میں انہیں سپرد خاک کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ جون سنہ ۱۹۲۰ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کوئین میری کالج میں حاصل کی اور پھر مسلم ہائی سکول لاہور سے آپ نے میٹرک پاس کیا۔ ازاں بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے آپ نے ایم۔ اے کی ڈگری لی اور پھر فنانس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہوئے جس میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے کامیاب ہو کر ریلوے کی اعلیٰ ملازمت کیلئے منتخب ہوئے اور ۳۵ سال تک محکمہ ریلوے کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ کر جون سنہ ۸۰ء میں چیف ٹریفک منیجر ڈرائی پورٹ کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ دوران ملازمت آپ حد درجہ نیک نام، شریف، خوش اخلاق اور انصاف پسند افسر مشہور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین دماغی و قلبی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں اور وہ اپنے عظیم والد کی کئی اعلیٰ صفات کے وارث تھے۔

میاں محمد احمد صاحب گذشتہ ۳۰ سال سے انجمن کی مجالس معتمدین و منتظمہ کے ممبر چلے آتے تھے۔ آپ ایک صالح، قابل، متدین، حق گو، معاملہ فہم اور صائب الرائے انسان تھے اور ان کا وجود ہماری جماعت کیلئے بڑی قوت کا موجب تھا۔ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے وقت انہیں دو تین اعلیٰ عہدوں کی پیشکش ہوئی کیونکہ وہ عمدہ صحت کے مالک تھے مگر آپ نے عمر کا باقی حصہ کلیتہً خدمت دین کے لئے وقف کرنے کے خیال سے کوئی پیشکش قبول نہ کی اور خدمت دین کے لئے منصوبہ بندی شروع کر دی۔ تین چیزیں خصوصیت سے ان کے پیش نظر تھیں۔ اوّل یہ کہ حضرت امیر مرحوم و مغفور حضرت مولانا محمد علی صاحب کے خطبات جمعہ و عیدین جو "پیغام صلح" میں شائع شدہ ہیں انہیں کتابی شکل میں شائع کیا جائے (۲) حضرت امیر مرحوم و مغفور کے انگریزی ترجمۃ القرآن بلا متن کو دوبارہ شائع کیا جائے۔ چنانچہ اس پر نظر ثانی کا کام جو آپ نے عرصہ سے شروع کیا ہوا تھا اپنی بیماری سے پہلے مکمل کر لیا (۳) تیسرا عظیم الشان اور اہم کام جس کا وہ ارادہ رکھتے تھے وہ حضرت امیرؒ کے انگریزی ترجمۃ القرآن کو فرانسیسی زبان میں منتقل کرنا تھا۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے باقاعدہ فرنچ زبان میں تعلیم حاصل کی تھی اور اس میں مزید دسترس حاصل کر کے قرآن مجید کے ترجمہ کا کام کرنا چاہتے تھے۔ میاں محمد احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علمی ذوق اور طرز تحریر میں مہارت عطا کی تھی اور ان کی ایک نہایت قابل قدر تالیف "مجاہد کبیر" سے احباب جماعت بخوبی واقف ہیں۔ حضرت امیر مرحوم کی اس سے بہتر سوانح عمری نہیں لکھی جا سکتی تھی جو محمد احمد صاحب نے ایام ملازمت میں تحریر فرمائی اور جو ہمیشہ کے لئے ان کی یادگار رہے گی۔ میاں محمد احمد صاحب مجالس معتمدین و منتظمہ کے علاوہ کمیٹی بلاد غیر کے بھی رکن تھے اور بلاد غیر سے اہم موضوعات پر خط و کتابت میں حصہ لیا کرتے تھے اور اس کام کو کلیتہً اپنے ذمہ لینے کا ارادہ رکھتے تھے مگر افسوس ہے یہ سارے کام ادھورے رہ گئے اور قضا و قدر نے انہیں اپنے منصوبوں پر عمل کرنے کی مہلت نہ دی۔ یہ ایسے بھید ہیں جنہیں انسان نہیں سمجھ سکتا اور اللہ تعالیٰ ہی انہیں بہتر جانتا ہے۔ اپنی ریٹائرمنٹ کے ایک ماہ بعد (جولائی سنہ ۱۹۸۰ء میں) آپ بیمار ہوئے اور طبی مشورہ کے تحت بغرض علاج انگلستان روانہ ہو گئے۔ دوران علاج کئی بار اطمینان بخش خبریں بھی آئیں اور کبھی تشویش بھی لاحق ہو جاتی۔ پھر گذشتہ دسمبر میں ان کے معالجوں نے انہیں چار ہفتہ کی رخصت دیدی کہ وہ پاکستان پھر آئیں۔ تاکہ اس تبدیلی ماحول سے بھی انہیں فائدہ پہنچے۔ اس رخصت کے بعد وہ ۱۶ جنوری سنہ ۱۹۸۱ء کو دوبارہ انگلستان تشریف لے گئے اور ایک ہفتہ بعد یعنی ۲۳ جنوری کو اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ زندگی کے آخری ہفتہ

(بقیہ ۲ کالم ۱)

بقیہ صفحہ اوّل سے آگے ،

ہیں بوجہ کمزوری اور طویل سفر اور لندن کی سخت سردی کے سبب وہ نمونیا میں مبتلا ہو گئے اور اسی عارضہ سے جاں بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالےٰ ان کی روح پر انوار و برکات کی بارش کرے اور اپنے والد گرامی قدر کا قرب انہیں نصیب ہو۔ آمین ؛

مرحوم کی یادگار دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہے۔ آپ کی صاحبزادی فریدہ احمد ایم بی بی ایس کرنے کے بعد کئی سال تک امریکہ میں اعلےٰ تعلیم بھی حاصل کرتی رہیں اور بطور ڈاکٹر بھی کام کرتی رہیں اور اپنے والد کی علالت کے دوران ان کی خدمت بھی کرتی رہیں۔ آپکے بڑے صاحبزادے شاہد احمد صاحب پنجاب سے انجینئرنگ کی ڈگری لے کر امریکہ گئے اور مزید اعلےٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور وہاں کام بھی کرتے ہیں۔ آپ کا چھوٹا بچہ طارق احمد سلمہ بارہ تیرہ سال کی عمر کا ہے۔ اور سکول میں پڑھتا ہے اللہ تعالےٰ ان سب کو نیز مرحوم کی بیگم صاحبہ اور جملہ اعزہ کو صبر جمیل عطا کرے اور ان کا حامی و ناصر ہو۔ آمین ؛

(مسز) مسعود بیگ۔ جنرل سیکرٹری۔

جلسہ

عید میلاد النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

بتاریخ ۴ فروری سنہ ۱۹۸۱ء بروز بدھ بوقت ۴ بجے شام بمقام
دار السلام۔ نیو گارڈن ٹاؤن ۔ لاہور

محترم خواتین و حضرات ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سرور کائنات ختم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جشن ولادت عالم اسلام میں ہر سال نہایت دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ ہم بھی ہر سال اس محسن انسانیت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہماری ذمہ داریاں دوسروں کی نسبت کچھ زیادہ ہیں کیونکہ ہم نے امام وقت کی بیعت میں شامل ہو کر تبلیغ اسلام و اشاعت قرآن کا عہد کیا ہوا ہے۔ امام وقت کے آنے کی غرض یہی تھی اور ان کا مشن یہی تھا کہ دنیا کے کونے کونے میں اسلام کا بول بالا ہو۔ جسکے لئے ضروری ہے کہ آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ اور سیرت طیبہ کو بار بار پیش کر کے آنحضرتؐ کی دلآویز شخصیت کے گرد اقوام عالم کو اکٹھا کر دیا جائے۔ میلاد النبیؐ کے اس جلسہ میں نبی اکرمؐ کی آفاق گیر شخصیت اور عالمگیر پیغام عافیت پر روشنی ڈالی جائیگی۔ آپ سے درخواست ہے کہ نہ صرف خود معہ اہل و عیال شامل اجلاس ہوں بلکہ دوسرے دوستوں کو بھی ساتھ لائیں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اس جماعت کو آنحضرتؐ سے کتنی عقیدت ہے، اور ان کی تعلیم کو کہاں کہاں تک پہنچا رہی ہے ؛

سنہ ۱۹۸۰ء میں ہم نے تھوڑی بہت خدمت سرانجام دی۔ اور جماعت کو فعال بنانے کی سعی کی۔ آیندہ سال یعنی سنہ ۱۹۸۱ء میں ایک قدم آگے رکھنے کے لئے آپ سب سے درخواست ہے کہ اپنی مفید تجاویز سے ہمیں آگاہ فرماویں۔ تاکہ سالانہ اجلاس میں ان پر غور ہو سکے۔ فعال عہدہ داران کا چناؤ اور پھر ان کے ساتھ پورا تعاون آپ سب کا اولین فرض ہے۔ اور اسی سے ہمارا مستقبل روشن ہو سکتا ہے۔ آپ ازراہ کرم ضرور تشریف لائیں اور اس چناؤ کو مفید تر بنانے میں ہماری امداد فرماویں۔ خدا آپ سب کا حامی و ناصر ہو ؛

والسلام (میاں فضل احمد)

ڈر لگتا ہے!

"پیارے محمدؐ[1] احمد کی اچانک وفات پر"

اب مجھے گردش ایام سے ڈر لگتا ہے،
صبح سے ڈرتا ہوں اور شام سے ڈر لگتا ہے،
میں نے جس کوشش ناکام کا منہ نوچا تھا
اب اسی کوشش ناکام سے ڈر لگتا ہے،
زندگی ایسی ہی "نعمت" ہے تو اے "ابن امیر"
مجھ کو اس "صورت انعام" سے ڈر لگتا ہے،
سر کو خم کر کے رضا جوئی دکھانے والے
یوں ہوئے بندۂ بے دام سے، ڈر لگتا ہے،
دینے آئی تھی اجل کون سا پیغام تجھے
سبھی ہیں لرزہ براندام سے ڈر لگتا ہے،
ولولے دین کے ہمت کیسے کہاں چھوڑے ہیں
ہم سے توڑے ہیں جو رشتے وہ کہاں جوڑے ہیں
نیک خو، نیک چلن، قلب و نظر کا اجلا
خوبرو۔ ماہ جواں، شرم و حیا کا پتلا
نرم رو، شیریں سخن، علم و عمل کا مخزن
اور جو تحریر میں، تقریر میں دریا، دریا
گفتگو ایسی کہ ہر دل میں اتر ہی جائے
مسکراتا ہوا، ہنستا ہوا، روشن چہرہ
علم قرآں تو ورثہ میں ملا تھا اس کو
علم دنیا سے بھی لے آیا تھا وافر حصہ
تھی یہ امید کہ اب فہم و فراست اس کی
تازہ تر کر دے گی پھر لوح و قلم کی دنیا
دیں کی خدمت کے لئے چھوڑ کے دنیا آیا
اب نظر آتا ہے وہ اور نہ اس کا سایہ

انا للہ وانا الیہ راجعون

—— (ابو ارشد)

---

[1] محمد احمد خلف الرشید حضرت امیر مرحوم

مکرم چوہدری شکر اللہ خان منصور — ایڈووکیٹ

عالمِ انسانیت کا آفتابِ عالمتاب

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے غیر مسلم مؤلفین کو اپنی اس تالیف میں یہ اعتراف درج کرنا پڑا کہ :۔ —

”محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کامیاب ترین مذہبی شخصیت ہے ۔“

اس اعترافِ حق کو کافی عرصہ ہو چکا ہے ۔ مگر حال ہی میں ایک غیر مسلم مغربی مفکر و عالمِ عمرانیات نے بنی نوعِ انسان کی معلوم تاریخ کے زمانہ سے زمانہ حال تک کے عرصہ میں گذرنے والے بڑے بڑے سو (۱۰۰) انسانوں کے انتخاب پر مشتمل ایک کتاب تالیف و ترتیب دی ۔ اور ان سو (۱۰۰) انسانوں میں سرِ فہرست حضرت محمد عربی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام مقدس کو رکھ کر اپنی اس فہرست کو سجایا ہے ۔ مؤلف و مرتب موصوف کا آنحضرت صلعم کی ذاتِ اقدس کو اوّل مقام پر رکھنا اُس کے کسی ذاتی اثر و رجحان پر مبنی نہیں ہے بلکہ سچائی اور حقیقت کی بناء و بنیاد پر وہ یہی کرنے پر مجبور تھا ۔

کائناتِ عالم میں حرارت اور روشنی پر ہر شئے کی زندگی کے قیام اور اس کی مناسب نشوونما کا انحصار ہے ۔ جسے مہیا کرنے میں آفتابِ آسمانی ایک منفرد مقام و حیثیت رکھتا ہے ۔ دنیا کے کسی کونے میں چلے جاؤ اس کی یہ منفرد حیثیت قائم رہتی ہے ۔ کائنات کی کوئی دوسری شئے ستارہ ہو کہ سیارہ اس کی اس حیثیت کو دھندلا نہیں سکتا ۔ اس لئے آفتاب کو تمام اشیاء و اجرام میں مقامِ اول حاصل ہے جس سے کسی انسان کو چارۂ انکار نہیں ۔

حضرت محمد عربی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ اقدس بھی بنی نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے اور مقصدِ حیات کے حصول کی جانب کامل رہنما ہونے میں عالمِ انسانیت کے اندر ایک درخشندہ آفتاب کی مانند ہے ۔ عالمِ کائنات کے آسمانی آفتاب کی طرح جو حرارت اور روشنی مہیا کرنے میں بے مثل ہونے کی حد تک انسانی نظروں کو چکا چوند کر رہا ہے ۔ اسی آنحضرت صلعم کی ذاتِ بابرکات بھی انسانی زندگی کے ہر پہلو کو اُجاگر کرنے اور اس بارے اس کے لئے بہترین نمونہ پیش کرنے میں اپنے اقوال و افعال اور کردار کی چمک دمک سے انسانی چشم ہائے بصیرت کو خیرہ کر رہی ہے ۔ اسی خیرگی کا شکار ہونے والوں میں سے کسی نے کہا :۔ ؎

حُسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری + آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری ۔

اور دوسرا کوئی بے اختیار پکار اُٹھا :۔ ؎

در دلم جوش شد ثنائے سرورے + آنکہ در خوبی نہ دارد ہمسرے

آفتابِ ہر زمین و ہر زماں + رہبرِ ہر اسود و ہر احمرے

انسانی زندگی کی کسی حیثیت کو اور اس کے کسی پہلو کو آپ نے تشنۂ تکمیل نہیں چھوڑا ۔ آپ نے ہر امر میں اپنے عمل و کردار سے ایسا کامل اسوہ پیش کیا کہ انسانی فلاح و بہبود اور نجات کے لئے جس سے بہتر نمونہ ممکن نہیں ۔ دنیا کے انسان اپنے عقل و خیالات دوڑائیں جس قدر چاہیں ۔ اپنے راہِ عمل کے طریقے اپنائیں جس قدر چاہیں ۔ فلاح و نجات کے لئے اپنی ذہنی اختراعیں آزمائیں جس قدر چاہیں مگر بالآخر بات یہی ثابت ہو کر رہے گی کہ انسانیت کی فلاح ۔ امن و امان اصلاح و نجات صرف اسی آفتابِ عالمتاب کے دائرہ کے اندر ہے ۔ خالقِ کائنات کا اعلان واضح ہے ۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ۔ حضرت محمد عربی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نسلِ انسانی پر احسانات اور اسکی کامرانی اور شادمانی کی جانب رہبری و رہنمائی کے کمالاتِ اسوہ کا ایک دیکھنے والے مردِ حق کے الفاظ میں بطور شکر گزاری تذکرہ بڑا حقیقت افروز اور روح پرور ہے ۔ جو دلی تڑپ و جذبہ کے ساتھ اس کی نوکِ قلم پر آ گیا :۔

”درود و سلام حضرت سیّد الرسل محمد مصطفےٰ اور ان کی آل و اصحاب پر کہ جس سے خدا نے ایک عالمِ گم گشتہ کو سیدھی راہ پر چلایا ۔ اور وہ مربّی و نفع رساں کہ جو بھولی ہوئی خلقت کو پھر راہِ راست پر لایا ۔ وہ محسن اور صاحبِ احسان کہ جس نے لوگوں کو شرک اور بتوں کی بلا سے چھوڑایا ۔ وہ نور اور نور افشاں کہ جس نے توحید کی روشنی کو دنیا میں پھیلایا ۔ وہ حکیمِ وقت و مصالحِ زماں کہ جس نے بگڑے ہوئے دلوں کا راستی پر قدم جمایا ۔ وہ کریم اور کرامت نشاں کہ جس نے مُردوں کو زندگی کا پانی پلایا ۔ وہ رحیم و مہرباں کہ جس نے اُمت کے لئے غم کھایا اور درد اُٹھایا ۔ وہ شجاع اور پہلوان کہ جو ہم کو موت کے منہ سے نکال کر لایا ۔ وہ حلیم اور بے نفس انسان کہ جس نے بندگی میں سر جھکایا اور اپنی ہستی کو خاک میں ملایا ۔ وہ کامل موحد اور بحرِ عرفاں کہ جس کو صرف خدا کا جلال بھایا ۔ اور غیر کو اپنی نظر سے گرایا ۔ وہ معجزۂ قدرتِ رحمٰن کہ جو اُمّی ہو کر سب پر علومِ حقانی میں غالب آیا اور ہر ایک قوم کو غلطیوں اور خطاؤں کا ملزم ٹھہرایا ۔“ (براہین احمدیہ)

چنانچہ سو (۱۰۰) بڑے آدمیوں کے شمار پر کتاب مذکور کے مصنف کی طرف سے آنحضرتؐ آفتابِ عالمتاب کو سرِ فہرست جگہ دینا حق اور حقیقت کا بے اختیارانہ اعتراف ہے ۔ کیا آفتابِ کائنات کو کسی کا دوسری جگہ لانا ممکن ہے آپ کی سیرت کے حسن و احسان نسلِ انسانی پر آپ کے احسانات اور آپ کی زندگی کے عمل و کردار کے جملہ پہلوؤں کا بیان و اظہار انسانی کم ظرفی کے حیطۂ اختیار میں نہیں جیسا کہ ایک مردِ حق آگاہ نے فرمایا :۔ ؎

شانِ احمد را کہ داند جز خداوندِ کریم + آنچناں از خود جدا شد کز میاں افتاد میم

زاں نمط شد محو دلبر کز کمالِ اتحاد + پیکرِ او شد سراسر صورتِ ربِّ رحیم

یعنے آپ صورتِ ربّ رحیم ہو گئے ۔ بالفاظِ دیگر آپ خدا کے مظہرِ اتم بن گئے تھے ۔ جب ربّ رحیم کی صفات و کلمات کا شمار ممکن نہیں تو وہ جو اس کی ذات کا مظہرِ اتم ہو گیا تھا اس کی صفات کا شمار کیونکر ممکن ہو ۔ بہرحال میں اپنی کم ظرفی اور کم علمی کے اعتراف کے ساتھ آپ کی سیرتِ طیبہ سے آپ کے اقوال و افعال و کردار کی چند ایک مثالیں بطور نذرانۂ عقیدت و شکر گزاری لکھتا ہوں ؏ ”گر قبول افتد زہے عز و شرف“

(۱) صداقت و امانت :۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت کم سنی میں پدری شفقت اور مادری مامتا سے محروم ہو گئے تھے ۔ بچپن سے لڑکپن میں آئے ۔ لڑکپن سے جوان ہوئے اور چالیس سال کی عمر کو پہنچے ۔ یہ عرصہ آپ نے عرب کے جاہلانہ تندو تیز معاشرہ میں گذارا ۔ گذر اوقات کیلئے کئی کام کرتے رہے اور مختلف کاروبار سرانجام دیتے رہے ۔ مکہ کی ایک دولت مند عورت کے لئے تجارتی کاروبار میں بھی مصروف ہوئے ۔ وہ امیر عورت آپ کی صداقت شعاری ۔ دیانتداری حسنِ عمل و کردار سے اس قدر متاثر ہوئی کہ آپ کے ساتھ شادی کر لی ۔ اور خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کے نام سے مشہور و معروف ہوئی ۔ اُس وقت کے معاشرہ میں عرب قبائل کے اندر آپ کی صداقت و امانت اس قدر مسلّم تھی کہ آپ کو سب لوگوں کی طرف سے بالاتفاق ”صادق“ اور ”امین“ کے

القابات سے جانا اور پہچانا جانے لگا۔ ایک دفعہ کعبۃ اللہ میں حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے پر قبائل مکّہ کے درمیان بہت پرانا زعم اٹھ کھڑا ہوا۔ ہر قبیلہ اس اعزاز کا دعویدار تھا اور فیصلہ نہ ہو پا رہا تھا۔ بالآخر آنحضرت صلعم کے ہاتھوں میں یہ کام سپرد کر کے ہر قبیلہ مطمئن اور خوش ہو گیا۔ اور آپ نے باکمال رنگ میں اس کام کو سرانجام دیا۔ وہ پہلی آپ کی معاملہ فہمی کی صفت کے کمال پر دال ہے۔ ایک ذرّہ جھوٹ یا غلط گوئی کا الزام تمام زندگی کوئی مخالف آپ پر نہ لگا سکا۔

۲۔ نیکی اور پرہیزگاری

عرب معاشرہ کے جس ماحول میں آپ نے لڑکپن اور جوانی کا زمانہ گذارا بدیوں اور برائیوں، جرائم اور بدکاریوں۔ بدطینیوں اور بدکرداریوں۔ حرص کاریوں اور سیاہ کاریوں میں اس کی مثال دنیا میں کہیں اور نہ تھی۔ زناکاری پر علانیہ فخر کیا جاتا۔ شراب خوری شب و روز کا مشغلہ تھا۔ جوا بازی، توہم پرستی اور بت پرستی زندگی کا معمول تھا۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ نیکی اور گناہ کا کوئی تصوّر ان میں موجود نہیں تھا۔ باہمی جنگ و پیکار، قتل و غارت، لوٹ و غلبہ باعث عزّو وقار تھا۔ جھوٹ اور غلط بیانی کوئی جرم و گناہ نہیں تھا جس کے ہر ممکن برائی اور ہر ممکن اچھائی سے وہ معاشرہ بھرپور اور محروم تھا لیکن دیکھنے والے حیرت سے دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد عربی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دامن گناہ اور ہر آلودگی سے مکمّل تک پاک و صاف رہا۔ اس معاشرتی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جسے اللہ تعالےٰ نے ظھر الفساد فی البرّ و البحر کے الفاظ میں بیان کیا آپ کا وجود اور ذات نیکی، اچھائی اور پاک دامنی کا ایک روشن آفتاب دکھائی دیتا ہے۔

۳:۔ ایمان باللہ اور استقامت :۔

آپ کی قوم اخلاقی، علمی، تمدنی اور اقتصادی لحاظ سے زمانہ کی پسماندہ ترین قوم تھی جس حصہ میں یہ قوم آباد تھی وہ سارے عرب علاقہ سے گھٹیا، بنجر، صحرائی اور بے آب و گیاہ تھا۔ ارد گرد کے مقابلتاً زرخیز علاقے وقت کی دو زبردست اور مہذب حالات ترقی یافتہ روم اور فارس کی حکومتوں کے زیر تسلط تھے۔ ان حالات میں اصلاح قوم خود اور پھر اس کے ذریعے اصلاح انسانیت کے لئے آپ کھڑے ہوئے۔ نئی نسل زیبا یا حیرت زدہ دیکھتی اور سوچتی ہے کہ محمد عربی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کیسے لیڈر تھے جو اُن کی بحیثیت قوم کے اندر مسلّم تھی۔ اس پوزیشن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قوم کی اکثریت کو ہمراہ لے کر چلتے۔ معاشرہ میں زیادہ تر افراد غریب اور ظلم و جور تلے دبے ہوئے تھے۔ معاشرہ میں قبیلہ سردار امراء اور ظالموں کے برخلاف غرباء کو ان کے دست استبداد سے نجات دلانے اور اقتصادی طور پر ان کی حالت کو بہتر بنانے کا پروگرام لے کر اٹھتے تاکہ آپ کو اکثریت کی ہمراہی حاصل ہو جاتی اور تسلط آپ کی رکابوں کو چومتا پھر اقتدار و اختیار کے بعد جو اصلاحات چاہتے کر ڈالتے۔ یہ آپ نے کیا کیا کہ سب کے خلاف اعلانِ حق کر دیا۔ سب کو اپنا دشمن جان بنا لیا۔ تنے کو شعب ابوطالب میں محصور اور بائیکاٹ کا شکار ہونا پڑا۔ رؤسائے عرب آپ کے چچا ابوطالب کے پاس پہنچے اور یہ تجویز آپ کے سامنے رکھی کہ اگر آپ بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر مال و دولت چاہتے ہیں تو اس کا ڈھیر آپ کے قدموں میں لا ڈالتے ہیں اور اگر کوئی حسین عورت کی خواہش ہے تو عرب کی حسین ترین عورت آپ کے حوالے کرتے ہیں۔ آپ صرف ہمارے بتوں اور ہمارے عقائد و عمل کی برائی بیان کرنے سے پرہیز کریں۔ ابوطالب نے ان کی یہ تجویز آنحضرت کے گوش گزار کی تو آپ نے جواب دیا :۔

> "اے چچا۔ اگر آپ کو تکلیف اور خوف ہے تو بے شک مجھ سے الگ ہو جائیں اور اکیلا چھوڑ دیں۔ خدا کی قسم اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی لا کر رکھ دیا جائے تو میں لا الٰہ الّا اللہ کے اعلان، بت پرستی، بدعملی اور بدکرداری کی مذمت کرنے سے ہرگز نہ ہٹوں گا۔ خواہ اس راہ میں قتل بھی کر دیا جاؤں۔"

آپ کا یہ جواب اس وقت اور ان حالات میں تھا جب آپ کا سارا موقف تبلیغ ان لوگوں کے صدیوں پرانے رسم و رواج۔ عادات و اعمال، خیالات و عقائد کے صریح متناقض اور متضاد تھا جس پر کفار و مشرکین مکہ کی عداوت میں سرگرمی بیش از پیش ہو گئی۔ اور تمام قبائل کے اشتراک عمل سے آپ کو قتل کر دینے کے منصوبے بنائے جانے لگے۔ ما سوا ایک دو ساتھیوں کے آپ یکہ و تنہا اور سارا جہان مخالف، لیکن آپ جس مقام پر شروع دن سے کھڑے ہوئے تھے اس سے کسی قسم کی جنبش کا واقعہ ہونا کسی نے نہ دیکھا بلکہ تیرہ سال اسی طوفانِ مخالفت پہاڑ استقامت کے ساتھ گذارنے کے بعد گھر بار چھوڑ کر بجانب مدینہ ہجرت کر جانا بہتر سمجھا۔

۴۔ شخصیّت اور تربیّت کا اثر :۔

مکہ میں جو چند افراد آپ کے ساتھ ملے اور آپ کے پیروکار بنے انہیں کفار و مشرکین شدید ترین اذیتوں اور صعوبتوں کا تختۂ مشق بنایا۔ ایسی ایسی غیر انسانی تکالیف سے گذارا گیا جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ ظلم سے مارے گئے۔ بیدردی سے چیرے گئے۔ ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے جلائے گئے۔ بھوکے اور پیاسے ترسائے گئے۔ یہ وہ اس الٰہی شمع کے پروانے یہ سب تکالیف و مصائب اور ظلم و جور بے مثال حوصلہ سے سہہ گئے لیکن حضرت محمد عربی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کے موقف سے انکار کرنا گوارا نہ کیا۔ دنیا حیرت سے دنگ ہو کر دیکھتی ہے کہ آنحضرت کی شخصیت میں کیسا غضب کا جادو تھا جس سے یہ انوکھا معجزہ ظہور پا گیا۔ دنیا کے لوگ دنگ کیوں نہ ہوں؟ ملک عرب کے ان جہلاء و تہذیب و تمدّن سے قطعی نابلد۔ اخلاق و عمل کے لحاظ سے اسفل السافلین میں گرے ہوئے انسانوں کی ایک قوم کو چند ہی سالوں میں جس بلند و بالا مقام پر پہنچا دیا گیا اس کی مثال تاریخ عالم میں کوئی دوسری نہیں ملتی۔ اس حیرت ناک انقلاب کا ذکر ایک مردِ حق نے اس طرح کیا ہے :۔

> "سب سے اعلیٰ نمونہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دکھایا کہ ایک قوم جو نجاست پر بیٹھی ہوئی تھی اس کو نجاست سے اٹھا کر گلزار میں پہنچا دیا اور وہ جو روحانی بھوک اور پیاس سے مرنے لگے تھے ان کے آگے روحانی اعلیٰ درجہ کی غذائیں اور شیریں شربت رکھ دیئے۔ ان کو وحشیانہ حالت سے انسان بنایا۔ معمولی انسان سے مہذب انسان بنایا اور پھر مہذب انسان سے کامل انسان بنایا اور پھر اس قدر ان کے لئے نشان ظاہر کئے کہ انہیں خدا دکھلا دیا۔ اور ان میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ انہوں نے فرشتوں سے ہاتھ جا ملائے۔ پس میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے۔ (ہزار ہزار درود و سلام اُس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے اس کے عالی مقام کا انتہاء معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منوّر رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔"
>
> (حقیقۃ الوحی)

۵:۔ تعلیم اخلاق و کردار کا عدیم المثال اثر :۔

جزیرہ نمائے عرب کے ملحق اس زمانہ میں روم اور فارس کی دو باجبروت اور زبردست سلطنتیں قائم تھیں جن کے حکمرانوں کی نظر کے سامنے ملک عرب قطعی بے وقعت تھا اور اس کے باشندے محض بادیہ نشیں، حقیر، کمزور اور درخور اعتناء ہی نہیں تھے۔ اپنی افرادی، مالی، وسائل اور جنگی اسلحہ اور تجربہ کی بنا پر وہ حکمران اس قدر جابر و متکبر تھے کہ جب ان میں سے ایک نے حضرت محمد عربی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کے دعوےٰ اور تبلیغ کا نام و ذکر سنا تو اپنے دو سپاہی مدینہ بھیجے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) کو گرفتار کر کے ہمارے روبرو پیش کرو۔ آنحضرتؐ کی قلب مطہر کی آتشی فراخی قابلِ غور ہے کہ آپ نے انہیں کچھ نہ کہا صرف یہ خبر دی کہ تمہارا بھیجنے والا آج رات مارا جا چکا ہے۔" یہ خبر اللہ تعالےٰ نے آپ کو پہنچا دی تھی +

پھر ایک ایسا معجزہ رونما ہوا جو دیکھنے والی انسانی دنیا کو ورطۂ حیرت میں گم کر دیتا ہے آنحضرت ؐ کو اللہ نے دنیا سے بلا لیا لیکن آپ کی تعلیم و تربیت سے مستفیض ہونے والے عرب کے بادیہ نشینوں نے چند ہی سالوں کے اندر ان دونوں عظیم سلطنتوں کو اپنے پاؤں کے تلے روند ڈالا اور صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ انسانی دنیا کی نظریں اس معجزہ کے نظارہ سے ابھی ہٹ نہیں پاتیں کہ اس کی عقل و خرد کو ایک دوسرے معجزہ کی روشنی چکا چوند کر دیتی ہے۔

عرب کے یہ بادیہ نشین جنہوں نے ان عظیم سلطنتوں کو روندا ـــ ان کے دیہاتوں شہروں، زمینوں اور آبادیوں کے قابض ہوئے۔ وہ تھے جو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اخلاق و کردار کی تعلیم سے پہلے زناکاری، سر بازار فخر طرۂ امتیاز سمجھتے تھے شراب خوری ان کی گھٹی میں ایسی ملی ہوئی تھی کہ اس کے بغیر کوئی دن اور کوئی رات نہ گزر سکتی تھی۔ لوٹ مار اور دوسروں کے حقوق غصب کرنا ان کا مشغلہ تھا عورتوں، کمزوروں پر ظلم و جور ان کی صدیوں کی عادت تھی لیکن یہاں ایک استعجاب انگیز انقلاب عدیم المثال برپا ہو جاتا ہے۔ اس انقلاب کی صحیح صحیح کیفیت جاننے کے لیے تاریخ دنیا پر ذرا نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ معمولی معمولی انقلابات پر دوران جنگ عورتوں بچوں اور بوڑھوں کی قتل و غارت ہوتی ہے فصلیں اور آبادیاں تباہ و برباد ہوتی ہیں۔ ہزاروں۔ لاکھوں آبروئیں فاتح فوجوں کی ہوس کا شکار ہو جاتی ہیں۔ حتٰی کہ اس تہذیب و تمدن کے زمانہ میں بھی دیکھا گیا ہے۔ کہ فاتح ملک کی فوجوں نے مفتوحہ ملک کی سڑکیں، گلیاں اور گھرانے حرام کی نسلوں کی نسلوں سے بھر دی ہیں۔ اور حیرت بالائے حیرت یہ کہ اس صورت حال پر شرمندگی اور ندامت محسوس کرنے کی بجائے اسے ہر انقلاب کا ایک لازمی نتیجہ قرار دیا جاتا ہے ـــ لیکن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں آپ کے فیض سے مستفیض ہونے والے آپ کے نام لیواؤں کے ذریعے وسیع اور عظیم انقلاب رونما ہوا۔ اس میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کوئی ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ کسی کے ناموس پر دست درازی گئی ہو۔ پس اب کوئی مفکر، تاریخ و عمرانیات دنیا میں کوئی انقلاب برپا کرنے والے تمام دنیا کے انسانوں کے ناموں میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام گرامی و مقدس کو سر فہرست رکھے نہ تو اور کیا کرے۔

(۶) شجاعت۔ عفو اور رحمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اصلاحِ معاشرہ کیلئے آواز بلند کی کسی شخص سے مشورہ نہ کیا کوئی گروہ اور پارٹی نہ بنائی۔ کیونکہ آپ دیکھ رہے تھے کہ یہ معاشرۂ انسانیت اپنے تمام افراد کے ساتھ بدیوں اور برائیوں سے بھرپور ہے چنانچہ آپ نے سارے معاشرہ کے خلاف تمام بدیوں اور برائیوں کی مذمت اور تغلیط میں بالجملہ تن تنہا یہ اعلان لیکر کھڑے ہو گئے۔ آپ کا یہ کردار ہمت مردانہ اور جرأت شجاعانہ کی ایک عظیم مثال ہے۔ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کی جانب رواں تھے تو راہ میں گرمی کی شدت اور تھکاوٹ کی وجہ سے ایک درخت کے سایہ میں آپ ذرا لیٹ گئے۔ کچھ وقت کے لیے آنکھ لگ گئی۔ اس دوران ایک بدو تلوار سے مسلح آپ کو تلاش کرتا ہوا وہاں آ نکلا۔ مکہ والوں نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ یا مردہ پکڑے گا اسے بہت بڑے انعام سے نوازا جائیگا اس بدو نے آپ کو پہچان کر موقعہ غنیمت جانا۔ اور برہنہ تلوار کے ساتھ سرہانے کھڑے ہو کر خوشی اور مسرت کامیابی سے پکارا ـــ اے محمد۔ بتاؤ کہ اب میری تلوار سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ ـــ جواباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا ہچکچاہٹ بے خوف و خطر با آواز بلند کہا ـــ اللہ ـــ اس شجاعانہ آواز میں کوئی رعب تھا کہ اس کے اس سماعت سے ٹکراتے ہی اس کے سراپا پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اور وہ تھرتھراتا آپ کے قدموں میں آگرا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ چلے جانے کے بعد بھی مشرکین مکہ نے آپ کا تعاقب ترک نہ کیا۔ مسلح لشکروں کے ساتھ مدینہ پر حملہ آوری شروع کر دی۔ کئی جنگیں برپا ہوئیں دشمنوں کی تعداد ہمیشہ زیادہ اور مسلمانوں کی کم ہوتی تھیں۔ ہر جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت کمانڈر صف اوّل میں ہوتے۔ ایک جنگ میں مسلمانوں کی غلطی سے دشمنوں کا داؤ چل گیا اور مسلمان شکست خوردہ بھاگ اٹھے لیکن رسول خدا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر قائم رہے اور بلند آواز سے پکارا۔

”میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں اور اللہ کا رسول ہوں“

اس شجاعانہ آواز کو سن کر شمع رسالت کے پروانے حوصلہ مند ہو کر آپ کے گرد دوبارہ آمادۂ جنگ اکٹھے ہو گئے۔ اور دشمن میدان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔

مکّہ کے کفار و مشرکین نے ۱۳ سالہ مکی زندگی آپ کے اوپر اور آپ سے آ ملنے والے قلیل ساتھیوں پر بڑے ظلم ڈھائے تھے طرح طرح کی اذیتوں کے ذریعہ بڑی ستم رانیاں کی تھیں۔ وطن اور گھربار سے نکالا۔ بلا وجہ کی جنگیں آپ کے پیارے ساتھیوں اور بڑے بڑے اعزہ اقارب کو شہید کیا آپ ؐ کے قتل کے درپے رہے۔ اور منصوبے بنائے۔ غرضیکہ آپ کی تباہی و بربادی آپ کے اصلاح انسانیت کے پیغام کو نیست و نابود کر دینے کے لئے کسی وجہ کے استعمال سے دریغ نہ کیا۔ لیکن بالآخر یہ سب دشمن اپنے تمام ساز و سامان اور قوت و جولانیوں کے علی الرغم آپ کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ اور آپ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ بحیثیت فاتح کے مکہ میں داخل ہوئے۔ وہ سب دشمن بے پر ہو کر آپ کے دست قبضہ میں تھے کیونکہ گناہوں کے پیش نظر مارے جانے سے بے جان ہو رہے تھے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس کو چاہتے اس کے جرائم کی سزا قتل کرا دیتے اور جس کسی کو چاہتے ذبح کروا دیتے وہ ہر سزا کے سزاوار بن چکے تھے۔ لیکن دنیائے انسان اس واقعہ عظیمہ کو بحیرت دنگ ہو کر دیکھتی چلی آ رہی ہے۔ کہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس روز اس اعلان کے ساتھ کہ :-

لا تثریب علیکم الیوم

یعنی آج کے دن اے لوگو! تمہارے سب قصور معاف۔ تم پر کوئی سزا نہیں۔ تاریخ عالم اس عفو و درگذر اور رحم و کرم کی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اور اب یہ شخص دنیا کے انسانوں میں انسان علیم نہیں ہوتا۔

(۷) سادہ زندگی ۔ بے لوثی ۔ دنیا سے لاتعلقی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفائی اور طہارت بہت پسند تھی۔ لیکن زندگی ابتداء سے سادہ گزارتے تھے لباس سادہ۔ غذا و خوراک سادہ۔ رہن سہن سادہ پیوند لگے کپڑے پہن لینے اور جوتی خود گانٹھ لینے میں کوئی عار نہ سمجھتے تھے۔ فرش زمین پر بیٹھتے۔ چٹائی پر سوتے اپنا ہر کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے۔ اپنے پاس جو کچھ ہوتا سائل کو دے ڈالتے۔ خود بھوکے رہ لیتے تھے۔ غریبوں کی ہمدردی۔ محتاجوں کی مدد کرتے تھے۔ نہ امیر تھے نہ امیرانہ ٹھاٹھ رکھتے تھے۔ ریوڑ آپ نے چرائے۔ بکریوں کا دودھ آپ نے دوہا۔ ایک بار جنگ خندق میں پتھر اپنی پیٹھ پر ڈھوتے تھے۔ یہ تھے آپکے اطوار و طرز اور حالات زندگی۔ مگر جن اصولوں کی تبلیغ کا آپ نے بیڑا اٹھا رکھا تھا وہ اس وقت کے معاشرہ کے رسم و رواج۔ خیالات اور المتقادات بالکل متضاد اور متناقض تھے آپ لوگوں میں یہ منادی کرتے اور ان سے منوانا چاہتے کہ

ایک ضروری اعلان :- ادارہ پیغام صلح، مکرم میاں کمال احمد مرحوم کی یاد میں مارچ کے پہلے ہفتے میں ایک ”یادگار نمبر“ شائع کر رہا ہے۔ اس مقدس اور واجب الاحترام خاندان کے بزرگوں عزیزوں اور دوستوں سے التماس ہے۔ کہ وہ مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مبنی اپنے مضامین فروری کے آخر تک ایڈیٹر پیغام صلح کے نام بھیج کر مشکور فرمادیں۔

(ادارہ)

۱:- اللہ کی ذات واحدہ یگانہ ہے اس کے ساتھ کوئی جاندار یا بے جان شئے انسان ہوں کہ بت، سیارے ہوں ستارے کوئی شریک نہیں۔ لا الٰہ الا اللہ۔

۲:- انسان ایک نفس سے پیدا شدہ سب برابر ہیں۔ عربی کو عجمی پر، گورے کو کالے پر، امیر کو غریب پر کوئی فضیلت نہیں۔ عظمت کا سبب صرف اتقاء ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ؛

۳:- انسان ہونے میں مرد اور عورت برابر ہیں۔ مرد کے حقوق عورت پر اور عورت کے حقوق مرد پر ہیں۔ عورت دیگر اشیاء کی مانند فروخت کا مال نہیں بلکہ جائیداد کی وارث اور مرد کی طرح اس پر مالک و متصرف ہے ؛

۴۔ انسان کو غلام بنانا اس کو خرید و فروخت کرنا گناہ ہے ؛

۵۔ یتیموں کا مال کھانا دوسروں کا حق غصب کرنا آتش جہنم میں جانا ہے ؛

۶۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا۔ زناکاری۔ شراب خوری۔ جوا بازی نار جہنم میں چلنا ہے۔

۷:- بت پرستی۔ عناصر پرستی۔ باہمی جنگ و جدال جہالت ہے ؛

۸:- سود خوری۔ سور کا گوشت حرام اور ممنوع ہے۔ اسی طرح مردہ کا گوشت کھانا اور خون پینا بھی حلال نہیں ؛

۹:- موت کے بعد ایک دوسری زندگی شروع ہوگی جس میں فلاح و بہبود کی ضامن ایک خدا کی عبادت نیکی اور پرہیزگاری اور غرور و تکبر سے احتراز کے کام ہیں۔ جو جنت میں جانے کی راہیں ہیں۔

۱۰:- انسانی زندگی کا مقصد اس کے روح کا خدا سے رابطہ قائم کر کے حصول جنت ہے جو صرف میری اطاعت میں ممکن اور مضمر ہے ؛

یہ تمام باتیں اس وقت کے معاشرہ کے ہم آہنگ نہ تھیں بلکہ ناممکن الوقوع وہمی اور خیالی نظر آتی تھیں۔ اس لئے لوگ آپ کو سحر زدہ اور دیوانہ کہتے تھے ؛

لیکن تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ زمین و آسمان بدل گئے۔ معاشرہ کی کایا پلٹ گئی ہوگی۔ حضرت محمد عربی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو اعلان کرتے اور چاہتے تھے وہ ان لوگوں کے دیکھتے دیکھتے سب کچھ معجزانہ طور پر ہوگیا۔ آپ فقیری سے بادشاہ بن گئے۔ فتوحات ہوئیں۔ زر و مال کے ڈھیر آئے۔ تہی دست مالبدست ہوگئے۔ تنگ حال خوش حال ہوگئے۔ مفلوک الحال آسائشوں اور سہولتوں کے حامل ہوگئے۔ مگر آپ نے اپنے گھر میں کچھ نہ رکھا۔ جو آیا لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ اپنا حال وہی رکھا جو شروع سے تھا۔ نہ تخت بچھا نہ کوئی قصر تعمیر ہوا۔ نہ تاج بنا نہ لباس۔ نہ کوئی انواع و اقسام کے کھانے پکے اور نہ نعمتوں کے دسترخوان بچھے۔ ایک بار آپ کی پیاری بیٹی فاطمۃ الزہرا نے جو آٹا چکی کے ذریعہ اپنے ہاتھوں سے پیسا کرتی تھی کہ گھر کے کام کے لئے کوئی ملازم و مددگار رکھ دیجیئے۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹی! عاقبت میں صرف اپنے اعمال کام آئیں گے دوسروں کے نہیں۔ پھر اس دختر نامدار نے دوبارہ یہ خواہش کبھی ظاہر نہ کی۔ اور ایک بار آپ کی ازواج مطہرہ۔ جو سب کام خود اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں بعض زیادہ سہولتیں جو دوسروں کو حاصل تھیں ان کو بھی مہیا کرنے کی فرمائش کی۔ آپ نے فرمایا " جس کسی کو دنیاوی آراموں اور آسائشوں کی خواہش ہے وہ مجھ سے الگ ہو جائے میں اسے بخوشی آزاد کر دوں گا۔ اور جسے میرے ساتھ رہنے کی چاہت ہے اسے اسی حال میں رہنا ہوگا "۔ ازاں بعد ان عالی مرتبہ نیک طینت امہات المؤمنین نے آنحضور کے سامنے اس امر کا کبھی ذکر نہ کیا۔ عقل انسانی حیران و ششدر ہے کہ یہ انسان کیسا انسان تھا؟ یہ ذات زمینی نہیں کوئی آسمانی تھی۔ بادشاہ ہے۔ ایک سلطنت کا با اختیار حکمران ہے جس کی حکمرانی اپنی رعایا کے صرف جسموں پر نہیں بلکہ ان کی جانیں اور روحیں اُس کے مکمل دست تصرف میں ہیں اور جس کے ایک اشارہ ابرو پر بغیر کسی لالچ مال و جاہ کے اپنی گردنیں بے دریغ کٹوا دینے پر آمادہ و تیار منتظر کھڑے رہتے ہیں۔ اور جو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ فرش زمین پر بیٹھنے کی عادت رکھتا ایسے طور پر کہ اس کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے باہر سے آنے والے وفود کو اسے پہچاننا مشکل ہو جاتا۔ جس کے نام لیواؤں اور جاں نثاروں نے تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا کے تین براعظموں کے وسیع و عریض علاقوں پر اپنی حکمرانی کا سکہ جما دیا۔ اور اس کی تعلیم و تربیت اور پیغام کے زیر اثر اس کے دین میں آنے والوں کی تعداد کروڑوں تک جا پہنچی۔ جو صحراؤں کو عبور اور سمندروں کو پار کر گئے اور ـــ وہ خود جب اس جہان فانی سے دار آخرت میں بلا لیا گیا تو اس کے گھر سے ماسوا پانی کے کچے لوٹے اور ایک چٹائی کے دنیا کے مال و متاع میں سے کوئی شئے نہ نکلی ـــ زندگی کی اس سادگی۔ حرص نفسانی کی اس بے لوثی اور دنیائے فانی سے اس لاتعلقی کی مثال ابتدائے دنیا سے آج تک کہیں پائی نہیں جاتی۔ اور نہ آئندہ کبھی پائی جائے گی۔ کیونکہ حضرت محمد عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) محض ایک انسان نہیں تھے بلکہ خالق ارض و سما کی طرف سے نوع انسان کے لئے آخری ہدایت لا کر دینے والے وہ خلیفۃ اللہ تھے جو اس کے مظہر اتم تھے ـــ جسے رب العالمین نے رحمۃ للعالمین کا نام دیا۔ وہ بلاشک دنیاوی نہیں آسمانی تھا۔ اسی کے لئے فرمایا گیا:-

" لولاک لما خلقت الافلاک "

اور جس کی شان میں اس کا عاشق زار یوں نغمہ سرا ہوتا ہے ـــ:- ؎

آں رحیم و رحم حق را آیتے ـــ آں کریم و جود حق را مظہرے
از بنی آدم فزوں تر در جمال ـــ وز لآلی پاک تر در گوہرے
بہر حق داماں ز غیرش برفشاند ـــ ثانی او نیست در بحر و برے
پہلوان حضرت رب جلیل ـــ بر میاں بستہ ز شوکت خنجرے
آیتے رحمٰں برائے ہر بصیر ـــ حجت حق بہر ہر دیدہ ورے
جائے او جائے کہ طیر قدس را ـــ سوزد از انوار آں بال و پرے
نے بعلمش کس رسیدے نے بزور ـــ در شکستہ کبر ہر مستکبرے
یک طرف حیران ازو شاہان وقت ـــ یک طرف مبہوت ہر دانشورے

سید الرسل محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات و کمالات کا ذکر ہو اور ختم ہو جائے یہ امر محال ہے۔ مگر وقت، ہمت اور علم کی کمی اور بے بضاعتی کا حائل ہونا امر دیگر ہے ؛

بقیہ سالانہ جلسہ رپورٹ آمدہ صفحہ ۱۰ سے آگے

اس جہاد کے لئے مالی قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ قرآن کریم کے عشق نے جو حضرت صاحب نے اپنی جماعت کے دلوں میں پیدا کیا۔ ہماری جماعت کو یہ قربانی کرنے میں سست نہیں ہونے دیا۔ اور وہ ہر سال بڑھ چڑھ کر اپنا مال پیش کرتی رہی۔ اس بار آج کے دن تک جو رقم وصول ہوئی ہے یا جس کا وعدہ کیا گیا ہے تین لاکھ اکیاون ہزار روپے ہے۔

الحمد للہ! یہ جلسہ ہماری توقعات سے بڑھ کر کامیاب رہا۔ جلسے میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس سے دل کی کدورتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اس جلسہ میں جو باتیں کہی گئی ہیں اور جو اعمال کئے گئے ہیں۔ وہ سب قابل قدر تھے۔ خدا انہیں قبول فرمائے۔ جو لوگ ہر طرح کی تکلیف اٹھا کر اور اپنا آرام قربان کر کے اس میں شریک ہوئے ہیں اللہ تعالےٰ انہیں اجر دے۔ ہمیں یہ دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں اشاعت اسلام کے کام میں صبر اور استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالےٰ آپ سب کو بخیر و عافیت اپنے اپنے گھروں کو واپس لے جائے اور اپنی حفاظت میں رکھے ؛ آمین!

اس دعا پر جلسے کا اختتام ہوا ؛

قسط نمبر (۳)

از:- محمد یا عزازی

(بسلسلہ پیغام صلح مؤرخہ ۲۱ جنوری ۱۹۸۱ء)

رپورٹ جلسہ سالانہ دسمبر ۱۹۸۰ء

مؤرخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۸۰ء بروز اتوار (اجلاس اوّل)

یہ اجلاس زیرِ صدارت جناب مولانا محمد عبد اللہ صاحب (امریکہ) منعقد ہوا۔ تلاوتِ قرآن کریم حافظ عبد الرؤف صاحب نے کی اور جناب محمد اعظم علوی صاحب نے اپنا کلام نہایت سوز و گداز اور ترنم سے سنایا۔ حاضرین پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ دوبارہ سنانے کی فرمائش کی گئی۔

نظم کے بعد ڈاکٹر کیپٹن جمیل الرحمٰن (پشاور) صدر شبان الاحمدیہ نے "الٰہی جماعتوں میں نوجوانوں کا کردار" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ تخلیقِ آدم کے قرآن کریم میں ذکر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو ادنیٰ حالت سے بلند کر کے اعلیٰ مقام تک پہنچانا مقصود تھا جہاں وہ مسجودِ ملائک بن جائے۔ اسے اس مقام پر پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی راہنمائی کے لئے حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پے در پے انبیاء مبعوث فرمائے۔ جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا وہ اللہ تعالیٰ کی جماعت کہلائے جو مخالفین پر ہمیشہ غالب رہی۔ آنحضرت صلعم سب سے آخر میں تشریف لائے اور یہی نوعِ انسان کو ایک مکمل ضابطۂ حیات دیا۔ جو لوگ اس ضابطۂ حیات پر پورے طور پر عمل کرتے ہیں وہی خدا کی جماعت یا حزب اللہ کہلانے کے مستحق ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ان ساتھیوں نے جن میں اکثریت نوجوانوں کی تھی۔ اسلام کے پیغام کو دنیا کے کناروں تک پہنچایا لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا اسلام کے عقائدِ صحیحہ کی غلط تاویلات ہونے لگیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں اسلام کے خوبصورت اور خوشنما چہرے سے غلط عقائد کا سیاہ نقاب اتارنے اور اس کی اصلی صورت عیاں کرنے کے لئے مجددین کا سلسلہ جاری کیا۔ اس سلسلہ کا چودھویں صدی کا مجدد مہدی کہلایا کیونکہ اس کا زمانہ پہلے زمانوں کی نسبت نہایت پُرفتن اور ایسے فسق و فجور کا دور تھا جس کی مثال چودھویں صدی سے قبل نہیں ملتی۔ یہ مسیح وقت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی تھے۔ آپ نے بھی اللہ کے حکم کے تحت ایک جماعت بنائی۔ اس جماعت میں شامل ہونے والے بھی اکثر جوان تھے۔ حضرت مولانا محمد علیؒ، خواجہ کمال الدین صاحب، ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، ڈاکٹر مرزا مسعود بیگ صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب، مولانا صدر الدین صاحب، مولوی عزیز بخش صاحب اور دیگر بزرگانِ سلسلہ سب ہی اس وقت جوان تھے۔ اور آج ہمارے سامنے جو بزرگ تشریف رکھتے ہیں وہ اس وقت بچے تھے۔ حضرت مرزا صاحب کی صحبت نے ان میں تقویٰ، اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ پیدا کئے اور وہ پاکیزگی اور طہارت کا نمونہ بن گئے۔ حضرت مولانا محمد علیؒ مرحوم بیان القرآن کے دیباچہ میں اس کا اعتراف اس شعر میں کرتے ہیں :- ؎

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اسلام کے لئے اپنے وقت کے ان نوجوانوں کی خدمات کا زمانہ معترف ہے۔ اس جماعت الٰہیہ میں اپنے اس وقت کے بزرگوں اور اس زمانے کے نوجوانوں کا عظیم کردار ہمارے سامنے ہے۔ اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ نوجوان غیر ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ان جماعتوں کے نوجوان جن کا نصب العین خدا کے آخری دین کی تبلیغ و اشاعت اور خدمت ہو وہ قطعاً غیر ذمہ دار نہیں ہو سکتے لیکن ان میں احساسِ ذمہ داری پیدا کرنے کے لئے بزرگوں کے اپنے نمونہ اور رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی جماعت کے نوجوان اس کی ریڑھ کی ہڈی اور بزرگ دماغ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب دماغ صحیح سالم ہو اور اپنا کام صحیح انجام دے رہا ہو تو سارے بدن پر اس کا صحت مند اثر پڑتا ہے۔ نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت، تائید اور تبلیغ کے لئے تقویٰ خشتِ اوّل ہے۔ اس لئے ہم نوجوانوں کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اپنے اندر تقویٰ پیدا کریں۔ لغویات سے پرہیز کریں۔ دجالی تہذیب کے بداثرات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں اور اس ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کا عملی نمونہ بن جائیں جس کے لئے قادیان حضرت مولانا نور الدینؓ کے زمانہ تک مشہور تھا کیونکہ ہمارا معاشرہ زبان، رنگ و نسل اور قومیت کے تصوّرات و قیود سے آزاد ایک احمدی معاشرہ ہے اور احمدیت نام ہے صاف ستھرے اور پاکیزہ اسلام کا جو ایسی آلودگیوں سے بھی پاک ہے جنہیں آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ ہماری کوئی حرکت ایسی نہیں ہونی چاہیئے جس پر غیر انگلیاں اٹھا سکیں کیونکہ ہم اشاعتِ اسلام کے دعویدار ہیں اور اسے اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں +

آپ نے فرمایا کہ کسی مشن کی ترقی کا دار و مدار اس کی تنظیم اور متحدہ کوشش پر ہوتا ہے۔ آپ نے مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کے جسم کے خلیات جب منظم طور پر اپنے افعالِ مقررہ سر انجام دیں تو بدن صحت مند ہوتا ہے جس سے زندگی میں خوشی، مسرت، اطمینان اور تسکین پیدا ہوتی ہے لیکن جب یہی غیر منظم ہو جائیں تو خطرناک سرطان کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جس کا انجام دردناک ہلاکت ہوتا ہے۔ تنظیم کا سب سے پہلا سبق اطاعتِ امیر ہے ایسی اطاعت جو فتورِ نیت اور بدظنی سے نہیں بلکہ حسنِ ظن اور نیک نیتی سے کی جائے۔ خواہشاتِ نفس کی پیروی جسم کی فربہی اور روح کی لاغری پر منتج ہوتی ہے۔ جس کا آخری نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے۔ ہم نوجوانوں کو ان راہوں سے بچنا چاہیئے جو تباہی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ تمام ترقی کا دار و مدار علم پر ہے۔ نوجوانوں کو علمِ دین اور علمِ دنیا دونوں حاصل کرنے چاہئیں اسی طرح ہم ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں گے جو معاشرہ کی طرف سے ہم پر عائد ہوتی ہیں اور خدا کے دین کی خدمت کر سکیں گے +

جناب شیخ نثار احمد صاحب :- (سیالکوٹ) نے قرآن کریم کی روشنی میں "تعلق باللہ" کے عنوان پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ جو انسان اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم کرنا چاہتا ہے وہ اپنے ظاہر و باطن کو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس کے سارے قویٰ اس کے نفس کے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور رضا کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اس کا مرنا جینا اور اس کی عبادت اور قربانیاں رب العالمین کے لئے ہو جاتی ہیں۔ جب وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو ایسے ہی لوگوں کے لئے قرآن کریم فرماتا ہے :-

"لا خوفٌ علیہم ولا ہم یحزنون۔"

وہ سود و زیاں سے بالاتر ہو جاتے ہیں۔ انہیں نہ کسی چیز کے کھو جانے کا غم ہوتا ہے اور نہ آئندہ کے لئے کوئی ڈر۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا جلال دنیا پر ظاہر ہوتا ہے۔ ایک طرف تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے لئے اپنی مرضی ترک کر دیتے ہیں اور ہر خواہشِ نفس کو کچل دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ جن روحانی لذات سے وہ خود مستفیض ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو بھی ان سے آشنا کریں تاکہ وہ اس کا جلال دیکھ کر گناہ کی زندگی کو ترک کر کے اس کی حفاظت

میں آجائیں۔ یہی شفقت علیٰ خلق اللہ ہے۔ یہی ان کی زندگی کا مطلوب و مقصود بن جاتا ہے۔ اور یہی قرآن کریم کے الفاظ "صبغۃ اللّٰہ احسن من اللّٰہ صبغۃ" کا مفہوم ہے یعنی اللہ کا رنگ اختیار کرو۔ اللہ کے رنگ سے بڑھ کر اچھا کوئی رنگ نہیں۔ اللہ کا رنگ اس کی صفات کو اپنے اندر سمونا ہے۔ یہ ساری صفات ربانی انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق ہیں۔ اسی کا نام صراط مستقیم ہے جس پر چل کر انسان نفس امارہ سے نجات حاصل کرنے کے بعد نفس لوامہ سے گذر کر نفس مطمئنہ کے مقام کو پا لیتا ہے جسے قرآن کریم جنت کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اور اس سے گریز کو جہنم کے نام سے۔

تعلق باللہ کے وسائل کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو اپنے اوپر مسلط کرنا، حسن و احسان پر یقین، اللہ تعالیٰ کی لامحدود نعمتوں کا ذکر و شکر، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی نگہداشت، اپنی لغزشوں اور فروگذاشتوں پر استغفار اور اللہ تعالیٰ کا خوف ہی وہ ذرائع ہیں جن سے تعلق باللہ قائم ہو سکتا ہے۔ ان سے روگردانی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے بطش شدید کا باعث ہوتی ہے۔ تعلق باللہ سے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں توازن قائم ہوتا ہے۔ مغربی دنیا جس نے مادی ترقی کے سبب مذہب کو اپنی زندگی سے خارج کر دیا تھا اور مادیت کو ہی اپنا مذہب بنا لیا تھا آج اس کے مفکرین کو بھی یہ احساس ہو گیا ہے کہ مذہب کے سہارے کے بغیر دنیوی مشکلات سے نجات نہیں بن سکتی۔ اور ایمانی قوت سے ہی انسان راستے کی مشکلات پر قابو پا سکتا ہے۔ یہ ایمانی قوت ایمان بالغیب ہے۔ آج ایمان بالغیب کمزور ہے۔ ورنہ یہی ایمان بالغیب تھا جس کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے اپنی جان۔ مال اولاد اور سب کچھ اللہ کی راہ میں پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرنا ان کے لئے باعث سکون اور راحت ہو گیا۔ اسلام کسی خاص زمانہ تک محدود نہیں۔ مکمل دین کی حیثیت میں یہ ہر زمانے کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ خواہ وہ طبعی ہوں۔ روحانی یا اخلاقی۔ اس لئے ہر زمانے میں اس کے کمالات کا مشاہدہ کرانے کیلئے اولیاء اور مجدد آتے رہے ہیں۔ اور اپنے نبی متبوع کا نمونہ پیش کرتے رہے ہیں۔ چودھویں صدی میں بھی اللہ تعالیٰ کا مامور آیا اور اس نے لوگوں کو گناہوں میں مبتلا دیکھ کر ان کی رہنمائی کی۔ انہیں تعلق باللہ قائم کرنے کا راستہ دکھایا جو ان کے آنے کی غرض و غایت ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے ان کے ہاتھ پر نشان ظاہر ہوتے ہیں۔ اور یہ خارق عادت نشان ہی ان کی صداقت اور تعلق باللہ کا ثبوت ہوتے ہیں۔ مجدد وقت کے ہاتھ پر بھی ہزاروں نشان ظاہر ہوئے ہیں۔ تین آریوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ انہوں نے کہا ہم نے مرزا صاحب سے کوئی نشان نہیں دیکھا۔ ان کے اس جھوٹ کی سزا اللہ تعالیٰ نے انہیں طاعون میں مبتلا کر کے دی اور وہ تینوں جہنم رسید ہو کر حضرت صاحب کی صداقت کا نشان بن گئے۔ جو لوگ کامل طور پر خدا کے ہو جاتے ہیں۔ ان پر روح القدس کا نزول ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آ جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ اصلاحِ خلق کیلئے مامور ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت صاحب نے فرمایا میں اصلاحِ خلق کے لیے آیا ہوں۔ اور کسی انسان کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ محسوس اور مشاہدہ نہ کرے کہ اس کا ایک خدا ہے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں۔ کیا ہی بدبخت وہ انسان ہے جس کو یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے۔ حضرت صاحب نے اسی لئے بار بار یہ فرمایا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم نہ ہو سرسری بیعت کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے اپنے اندر تقویٰ پیدا کرو تاکہ تم خدا کے ہو جاؤ اور خدا تمہارا ہو جائے۔

مولانا محمد عبد اللہ صاحب (امریکہ) صدر اجلاس کی تقریر

جناب شیخ نثار احمد صاحب کے بعد پروگرام کے مطابق کیپٹن عبد الواجد صاحب (نوشہرہ) کی تقریر تھی لیکن ناسازی طبیعت کی وجہ سے انہوں نے معذوری کا اظہار کیا اور یہ وقت مولانا محمد عبد اللہ صاحب صدر اجلاس کو دیا گیا۔ آپ نے موضوعات "مغرب میں طلوعِ اسلام" اور "اسلام ہم سے کیا چاہتا ہے" پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک طویل مدت کے بعد اس نے [illegible] اور آپ کی بیگم کو اس سالانہ اجتماع میں شرکت [illegible] کا موقع عطا فرمایا۔ آپ نے اپنا فیجی جانے کا واقعہ سناتے ہوئے فرمایا کہ میں مرزا مظفر بیگ ساطع صاحب کے کہنے پر۔ چونکہ میرے باعزت طور پر رخصت کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا لہٰذا [illegible] اسٹیشن پہنچا گاڑی روانہ ہونے میں پانچ منٹ باقی تھے کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت امیر مرحوم پلیٹ فارم پر دوڑے آتے ہیں۔ آپ نے مصافحہ کیا اور دعا کرتے رہے میں نے محسوس کیا کہ اس نے میرے اندر ایک برقی رو دوڑ رہی ہے۔ اس فقیر باخدا کی دعا کا اثر میں نے فیجی میں جا کر محسوس کیا۔ میں دبلا پتلا کمزور آدمی تھا۔ فیجی کے احباب مجھے دیکھ کر مایوس ہوئے کہ یہ مخالفین کا کیا مقابلہ کرے گا۔ ان کی نگاہیں میرے جسم پر تھیں۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اس کے پیچھے روحانیت کے ایک تنومند پیکر کی روحانی قوت کام کر رہی ہے۔ میں عوامی مقرر نہیں تھا لیکن مقام سوا فیجی میں جب ایک جلسہ منعقد ہوا تو میری تقریر دو گھنٹے میں ختم ہوئی۔ تمام لوگ دم بخود سنتے رہے اس کے بعد احباب فیجی نے کہا کہ ہمارا کرایہ وصول ہو گیا۔ میں نے وہاں کے سکول کی ٹوٹی پھوٹی شکستہ اور خستہ حال عمارت کو ایک شاندار عمارت میں تبدیل کر کے وہاں کے معیار تعلیم کو بطور ہیڈ ماسٹر بلند کیا۔ اس سب کے پیچھے حضرت امیر مرحوم کی دعائیں تھیں۔ جب کام بڑھ گیا۔ تو مرکز سے جناب مرزا مظفر بیگ ساطع وہاں تشریف لے گئے۔ آپ نے جس جرأت اور مردانگی سے وہاں آریہ سماج کے فتنے کا مقابلہ کیا اور ہر موقع پر انہیں شکست فاش دی۔ اس نے جماعت احمدیہ کے وقار کو اور بلند کیا۔ اور ہماری خدمات کا اعتراف ہونے لگا۔ میں نے وہاں ۲۸ سال تک کام کیا۔ پھر امریکہ جانے کا خیال پیدا ہوا۔ وہاں [illegible] سان فرانسسکو گیا۔ وہاں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے کئی امریکن مسلمان ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں ایک رسالہ کی اشاعت کے سامان بھی پیدا کر دیئے۔ ایک زمانہ تھا کہ امریکہ میں قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بڑی دل آزار کتابیں شائع ہوتی تھیں۔ اب وہ کتابیں دکھائی نہیں دیتیں۔ اسلام کے خلاف تعصب کے بادل چھٹتے جا رہے ہیں یہاں تک کہ اب خود عیسائی محققین آنحضرتؐ کو دنیا کے مصلحین میں پہلے نمبر پر شمار کرنے لگے ہیں۔ مذہب کی طرف دن بدن رجحان بڑھ رہا ہے اور سکون کی تلاش میں نوجوان نسل کے مارے مارے پھرنے کی وجہ سے وہاں اب کئی تحریکیں شروع ہو گئی ہیں۔ سنڈے سکول کو عام کرنے کے لیے بھی وہاں ایک تحریک ہے۔ ہماری طرف سے بھی اسلامی موومنٹ شروع ہے لیکن اسے وسیع پیمانے پر چلانے کی ضرورت ہے۔ ہماری انجمن نے زیادہ تر زور انگلستان پر دیا ہے۔ اس کے ۶۸ سالہ نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ جماعت ربوہ نے اپنی توجہ امریکہ پر مرکوز کی ہے۔ بلالی مسلمانوں کا نام آپ نے سنا ہو گا۔ ان کے لیڈر عالیجاہ محمد حضرت مولانا محمد علی کا ترجمان القرآن پڑھ کر مسلمان ہوئے۔ وہاں اسی قرآن کی برکت سے اسلام بڑھ رہا ہے۔ ہمارا لٹریچر بڑا قیمتی اور مؤثر ہے لیکن اس کے پھیلانے کے لئے بڑی بھاری قربانی کی ضرورت ہے۔ حضرت امیر مرحوم جب اپیل کرتے تھے تو اس زمانے میں ایک لاکھ روپیہ جمع ہوتا تھا جس کی قیمت آج کے انفلیشن کے دور میں کم از کم دس لاکھ روپے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "سیرت خیر البشر" انگریزی میں شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ جس پر پانچ ہزار ڈالر خرچ آئے گا۔ چار ہزار کا اللہ تعالیٰ نے بندوبست کر دیا ہے۔ باقی کا بھی ہو ہی جائے گا۔ اسلام کی اشاعت ہم سے بھاری قربانی مانگتی ہے۔ اس لئے ہمیں اس کے لئے جتنی قربانی کی ضرورت ہو قربانی کرنی چاہیئے۔

صاحب صدر کے بعد مولانا **بشیر احمد منٹو** تشریف لائے۔ آپ کی تقریر کا موضوع تھا "تحریکِ احمدیت کی بین الاقوامی ضرورت"۔ آپ نے "**اتقوا اللّٰہ وکونوا مع الصادقین**" کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ یہ مضمون بڑی تفصیل چاہتا ہے۔ اس لئے میں ضروری باتوں کو ہی بالاختصار بیان کروں گا۔ آپ نے تاریخ کے حوالے سے بیان کیا کہ آج سے چودہ سو سال پہلے بحر و بر میں ایک خوفناک فساد برپا تھا۔ مکہ میں دو برگزیدہ نبیوں کے [illegible] تعمیر کعبہ [illegible] مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت تھا لیکن انہی کی اولاد نے اس میں بت رکھ دیئے اور خدا کو [illegible] ان کی پرستش شروع کر دی۔ [illegible] بیٹیوں کو زندہ [illegible] دیتے۔ دشمنی اور عداوت میں ایک دوسرے سے اس قدر [illegible] کرنا ناممکن صدیوں سے جنگ و جدل، قتل و غارت اور لوٹ مار کے ماحول میں ان کی [illegible] ہو گئی تھی ایسی ظلمت کے دور میں اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنا رسول بھیجا اور [illegible] ناممکن کو ممکن بنا دیا۔ اور یہ

معجزہ رونما ہوا کہ ایک دوسرے کے دشمن آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ اور جب یہ مہاجر ہو کر مدینہ گئے تو وہاں کے مسلمانوں نے انہیں اپنی جائیدادوں میں شریک کر لیا۔ یہ سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے نمونہ کی وجہ سے ہوا۔ آپ نے لوگوں کے اندر ایک پاکیزہ تبدیلی پیدا کی اور چند ہی سالوں میں لوگ مہذب اور متمدن دکھائی دینے لگے۔ آپ نے فرمایا اسلام صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں اللہ پر ایمان۔ کتابوں پر ایمان۔ اور رسولوں پر ایمان بغیر نمونہ کے قائم نہیں ہو سکتا تعلیم کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو بغیر عمل کے وہ بے اثر اور بے لطف ہوتی ہے۔ جب تک نمونہ ان کے سامنے رہا یہ جوش عمل بھی باقی رہا اور مسلمان ترقی کی راہ پر بڑی سرعت سے آگے بڑھتے رہے۔ ایک نئی تہذیب نے ریگستان میں جنم لے کر باقی تہذیبوں کی چمک دمک کو خیرہ کر دیا لیکن جب انہوں نے قرآن کریم کو ریشمی کپڑوں میں لپیٹ کر پس پشت پھینک دیا۔ تو وہ روبہ تنزل ہو گئے۔ قرآن کریم تو ھدی للمتقین ہے۔ یہ وہ نسخہ ہے جس کے استعمال سے سینے کی بیماریاں دور ہوتی اور شفا ملتی ہے۔ جب کوئی مریض محض نسخہ کی دواؤں کو پڑھتا جائے اور انہیں استعمال نہ کرے تو اس کا مرض سے شفا پا جانا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ جن قلیل التعداد مسلمانوں نے قرآن کریم پر عمل کیا ان کے سامنے بڑی بڑی طاقتیں اور تہذیبیں افرادی قوت اور مال کی کثرت کے باوجود جھک گئیں۔ آج ۹۰ کروڑ مسلمان ہیں لیکن چھوٹی چھوٹی طاقتیں انہیں خاطر میں نہیں لاتیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ قرآن پر عمل نہیں کرتے تیرھویں صدی کے آخر تک مسلمانوں کے ہاتھوں سے ان کی حکومتیں۔ مال و دولت اور علم و حکمت سب کچھ جاتا رہا تھا۔ ان مایوس کن حالات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی سربلندی کی خاطر قادیان کے ایک گوشہ نشین کو ان کا نجات دہندہ بنا کر کھڑا کیا۔ وہ خدا کی محبت میں رنگین تھا۔ وہ اس راز سے واقف تھا کہ والذین امنوا اشد حبا للہ۔ کہ دلوں میں یقین اور ایمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق و محبت کی انتہا سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ جام اس نے خود ہی نہ پیا بلکہ ایک دعوت عام دی کہ آؤ تم بھی پیو اور صبغۃ اللہ سے اپنے آپ کو رنگین کر لو۔ اور جیسے میں نے یہ مقام اسوہ رسولؐ کو اپنا کر حاصل کیا ہے تم بھی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ یہ اسوہ تمہیں قرآن میں ملے گا کیونکہ بقول حضرت عائشہ صدیقہؓ ”کان خلقہ القرآن“ آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ الرحمٰن الرحیم ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ ”یہاں صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلئے“ اور ”جو بڑھ کے ہاتھ میں لے لے پیمانہ اسی کا ہے“ اس عشق خدا اور عشق رسولؐ میں فنا

حضرت مرزا صاحب نے جب دعویٰ مجدد کیا تو جن دلوں میں فرشتوں کی تحریک ہوئی وہ قادیان کی طرف آنے لگے۔ حضرت مولانا نورالدین جنہوں نے تحصیل علم کی خاطر جگہ جگہ کی خاک چھانی اور جن کے علم کا شہرہ ہندوستان سے باہر بھی تھا۔ مسیح وقت کے قدموں میں آ بیٹھے اور پھر اُٹھنے کا نام نہ لیا۔ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف شہید افغانستان سے حج کے ارادے سے آتے ہیں لیکن قادیان کا رُخ کر لیتے ہیں۔ حج کا ارادہ ترک کر کے افغانستان واپس جاتے ہیں اور مسیح وقت کی صداقت پر اپنے معصوم خون سے شہادت دیتے ہیں۔ ہم نے حضرت مرزا صاحب کو نہیں دیکھا لیکن مولانا محمد علی صاحب کو دیکھا ہے۔ یہ آپ کے تقویٰ۔ خلوص اور پاکیزگی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے انگریزی ترجمۃ القرآن نے سینکڑوں انسانوں کے دل کی دنیا بدل ڈالی۔ آپ نے اپنے سان فرانسسکو میں قیام کے دوران کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ایک امریکن نے آپ سے کہا مجھے یہ آواز آتی ہے۔ "GO AND READ THE QURAN" میں نے کا قرآن پڑھا مگر پھر بھی یہی آواز آئی۔ جب اُسے تیسری بار بھی یہی آواز آئی تو میرے پاس آیا میں نے اُسے حضرت مولانا کا ترجمہ دیا۔ اس کے پڑھنے کے بعد وہ آواز آنی بند ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس ترجمۃ القرآن کی مقبولیت کا ثبوت یہ ہے۔ اور ”لا یمسہ الا المطھرون“ کی تفسیر۔

حضرت مولینا وکالت کرنا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے ایک اور مقام منتخب ہو چکا تھا۔ جو مامور وقت سے تعلق کی وجہ سے انہیں ملا۔ آپ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ تحریک احمدیت کی غرض و غایت خدا۔ رسول اور قرآن کو پیش کرنا تھی۔ حضرت صاحب ذاتی اقتدار کے خواہاں نہ تھے بلکہ خدا کی طرف بلانا چاہتے تھے۔ خدا کی طرف بلانے والوں پر پتھر برسائے جاتے ہیں لیکن عزت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے۔ حضرت مرزا صاحب نے کسی مخالفت کی پرواہ نہیں کی۔ اور خدا کا مشن پورا کرتے رہے۔ آپ تو مامور وقت تھے۔ آپ کے مشن کو پورا کرنے والے آپ کے ادنیٰ غلاموں کو بھی اللہ تعالیٰ نے کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑا۔ اس ضمن میں اپنے متعلق بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا مجھے اپنی علمی بے بضاعتی کا اعتراف ہے لیکن میں نے ٹراونکور ڈالا بار میں اچھوتوں میں کام کیا۔ وہاں ۳۷۴ اچھوت مسلمان ہوئے۔ امریکہ میں کام کیا وہاں کالے گورے کی تمیز ہے لیکن میں نے کالوں اور گوروں کو بھائی بھائی بنا دیا اور یہ تفریق یہاں تک مٹ گئی کہ ناردن چرچ سے تعلق رکھنے والے آدمی نے ایک سیاہ فام لڑکی سے شادی کی۔ یہ سب احمدیت کی وجہ سے ہوا۔ اس دجال کا پتہ جس کی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہوا ہوگا اور اس کی دائیں آنکھ اندھی ہوگی۔ حضرت مرزا صاحب نے دیا۔ احمدیت نے ایک بین الاقوامی انقلاب پیدا کیا ہے۔ اس انقلاب کو منطقی نتیجے تک پہنچانے کیلئے جماعت کے اندر نیک ظنی۔ اعتماد۔ الفت۔ محبت۔ اتفاق و اتحاد اور یک جہتی کی ضرورت ہے اس جلسہ میں شریک ہر آدمی کو اس قسم کی فضا پیدا کرنے کا اپنے دل میں عہد کرنا اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ تب ہی احمدیت اپنی بین الاقوامی ضرورت کا احساس دنیا میں پیدا کر سکے گی۔

میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کی تقریر

آپ نے ”پندرھویں صدی کا خیر مقدم“ کرتے ہوئے فرمایا کہ چودھویں صدی کے متعلق مجھ سے پہلے آنے والے مقررین بہت کچھ کہہ چکے ہیں۔ جو میں نے کہنا تھا آپ نے نور سردار صاحب کی ”تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت صلعم کی جتنی پیشگوئیاں چودھویں صدی میں پوری ہوئی ہیں اور جتنے نشانات اس میں ظاہر ہوئے ہیں ان کی مثال گزشتہ صدیوں میں نہیں ملتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جتنے انقلابات چودھویں صدی میں آئے ہیں کسی اور صدی میں نہیں آئے۔ سیاسی لحاظ سے بادشاہتیں ختم ہوئیں سماجی لحاظ سے خانگی زندگی تباہ ہو گئی اور اولادیں باغی ہو گئیں۔ چودھویں صدی کے ابتدائی زمانہ کا جائزہ لیتے ہوئے آپ نے حاضرین پر واضح کیا کہ اس زمانے میں مغربی اقوام کا سیاسی اقتدار تمام دنیا پر قائم ہو چکا تھا۔ اپنے اس اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے انہوں نے محکوم اقوام کو عیسائی بنانے کا فیصلہ کیا اور ہر ملک میں اپنے بے شمار مشنری اور لٹریچر بھیجا۔ برطانوی حکومت کے وزیراعظم۔ وزیر ہند۔ وائسرائے اور پارلیمنٹ کے ارکان نے اعلان کئے کہ ہمیں یہ موقعہ ملا ہے تو ہمیں مسیحی حکومت قائم کرنی چاہیئے۔ اگر ایک شخص بھی عیسائی ہوتا ہے تو وہ ہماری سلطنت کے دوام کا باعث ہوتا ہے۔ عیسائی پادریوں اور مبلغین کی پشت پر حکومت کی طاقت اور بے پناہ دولت تھی جس کے بل بوتے پر ہندوستان میں مشنری اداروں کا ایک جال بچھا دیا گیا۔ ان کی دیکھا دیکھی کروڑوں بتوں کے پجاری ہندوؤں نے بھی اسلام پر حملے شروع کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید۔ اسلام۔ قرآن اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر بڑے شرمناک حملے کئے۔ اپنی طرف سے فرضی باتیں گھڑ کر اسلام کے خلاف غلط فہمیاں پھیلائیں۔ ان کا حملہ عیسائیت کے حملے سے کم خطرناک نہ تھا۔ عیسائی عورتیں گھر گھر جا کر اپنے مذہب کا پرچار کرتیں اور سادہ لوح مسلمان خواتین کو گمراہ کرتیں۔ اسلامی سلطنتوں کا نام و نشان باقی نہیں رہا تھا۔ ہر طرف مایوسی اور کم ہمتی کا دور دورہ تھا۔ بڑے بڑے علماء اور فضلاء عیسائی مبلغین کے اعتراضات کا جواب نہ دے سکنے کی وجہ سے منہ چھپائے پھرتے تھے۔ اور لاکھوں کی تعداد میں مسلمان عیسائی ہو چکے تھے۔ خواجہ کمال الدین صاحب بھی عیسائی ہونے لگے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے امور وقت کی برکت سے انہیں بچا لیا۔ علماء کا کام صرف مسلمانوں کی تکفیر ہی رہ گیا تھا۔ آج ہر کہہ و مہ کو حضرت مرزا صاحب پر اعتراض کی جرأت

ہو رہی ہے۔ ہر کوئی آپ کے خلاف زبان کھول رہا ہے لیکن اُس وقت اسلام کے مخالفین کے خلاف صف آراء ہونے کی جرأت تو کیا ہوتی کسی بات تک کی جرأت نہ تھی۔ حکومت کے خوف سے منہ بند تھے اور زبانیں گنگ تھیں۔

آج تمام یورپ اور امریکہ میں۔ لندن۔ کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹیوں کے بڑے بڑے پادری علماء جو طلباء کو عیسائیت کی تبلیغ کے لئے تیار کرتے ہیں یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے نہیں ایک اچھے انسان تھے۔ یہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہی تھے جنہوں نے انہیں یہ کہنے پر مجبور کیا۔ اس سے بڑھ کر کسرِ صلیب کا اور کون ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے۔ حضرت صاحب کے مقابلے میں چودھویں صدی میں کسی اور انسان کا نام بتا دیجئے جس نے حکومتِ وقت کے مذہب کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا۔ اور اسے شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا ہو۔ پہلے مسلمان منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ اب عیسائیوں کو منہ چھپانے کے لئے کوئی جگہ نظر نہیں آتی تھی۔ حضرت مرزا صاحب کی بعثت سے پہلے عیسائیت کے خلاف کوئی لٹریچر نہیں ملتا تھا کیونکہ یہ آپ کی آمد سے ہی وابستہ تھا اس کی گواہی انصاف پسند مسلمانوں نے بھی دی۔ مولوی عبداللہ العمادی نے آپ کی وفات پر لکھا کہ حضرت مرزا صاحب نے اسلام کی مدافعت میں لٹریچر پیدا کر کے عیسائیت کے پرخچے اڑا دیئے ہزاروں مسلمان عیسائی ہونے سے بچ گئے۔ اور عیسائیت کا طلسم دھواں بن کر اڑنے لگا۔ حیرت دہلوی نے لکھا ہے کہ پادریوں اور آریوں کو مرزا صاحب کے سامنے جرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ نے ان کے نامعقول اعتراضات کا اس معقولیت سے جواب دیا کہ انہیں جواب الجواب کی ہمت نہ پڑتی تھی۔

جناب فاروقی صاحب نے فرمایا کہ حضرت مرزا صاحب نے خدمت اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مشکوٰۃ شریف کے حوالہ سے آپ نے بتایا کہ مسیح موعود کے زمانے میں کوئی عیسائی کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ لیکن وہ مسیح موعود کی دعا سے ہلاک ہوگا۔ آپ نے فرمایا حضرت مرزا صاحب پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ نے انگریز کی خوشامد کی اور جہاد کو منسوخ کیا۔ لیکن کیا کسی ایسے خوشامدی کی مثال ملتی ہے جس نے عیسائی حکومتِ وقت کے لئے یہ دعا کی ہو کہ اے خداوند ان کو پکڑ جیسے تو مفسد کو پکڑتا ہے۔ ان کے گھر کو تباہ و برباد کر دے۔ اور تو اپنے بندوں کو ان کے جھوٹ۔ فریب اور دھوکے سے بچا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جنگوں کی صورت میں وہ تباہی اور بربادی نازل کی جس کا بددعا میں ذکر ہے۔ آپ نے جنگ کا ذکر اس پیشگوئی میں کیا کہ زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار" یہ نقشہ ہمارے سامنے پہلی عالمی جنگ میں آیا جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک آفت بن کر مغربی ممالک پر ٹوٹی۔ اور ۱۹۱۶-۱۷ء کے انقلاب نے روس کے شاہی خاندان کو ختم کر دیا۔ دوسری تباہی ۱۹۳۹-۴۵ء کی دوسری عالمی جنگ میں ہوئی جس کے بعد مغربی استعمار کی غلامی سے آزاد ہو کر بہت سی اسلامی مملکتیں وجود میں آئیں آج ۴۶ اسلامی سلطنتیں اقوام متحدہ کی رکن ہیں۔ اس طرح آپ کا یہ الہام پورا ہوا کہ "بخرام وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد" آج سے نوّے سال پیشتر کون یہ تصور کر سکتا تھا کہ مسلمان دنیا میں پھر ابھر سکیں گے۔ اور مغربی اقوام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکیں گے۔

—— اسلام کو تمام باطل دینوں اور نظریات پر فتح ستابار بھی حاصل ہوئی۔ مخالف اسلام طاقتوں کے اس غلبہ کو توڑنے کیلئے آپ نے "فتح اسلام" میں اس خواہش کا اظہار کیا کہ عمدہ عمدہ تالیفیں مرتب کر کے غیر ممالک میں بھیجی جائیں۔ اور ایک تفسیر انگریزی زبان میں تیار کر کے بھیجی جائے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ پیشگوئی بھی کی کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ آپ کی اس خواہش کی تکمیل حضرت مولانا محمد علیؒ نے کی اور انگریزی زبان میں جو بین الاقوامی زبان ہے اس قدر کثیر لٹریچر پیدا کیا جس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی۔ [illegible] صاحب کے ہاتھ میں سب سے بڑا ہتھیار قرآن کریم تھا۔ اور یہی بڑی دولت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ حضرت امیر مرحوم نے فرمایا تھا۔ قرآن کو دنیا میں پہنچانا میرا جنون ہے آپ ہمیشہ اپنی تقریر و تحریر میں اپنی جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کی اشاعت کے لیے اپنے دلوں میں تڑپ پیدا کرو اور آپ کی نیم شبی دعائیں بھی اس کے لئے وقف تھیں۔ آپ نے اپنے آخری وقت میں بھی یہی فرمایا کہ ہمارا کام ہے قرآن کو دنیا میں پہنچا دینا آگے یہ اپنا کام خود کرے گا۔ یہ کلمات آپ کی وصیت ہیں۔ جناب فاروقی صاحب نے فرمایا۔ دنیا کی مشکلات کا حل قرآن کریم میں ہے۔ اس لیے یہ پندرہویں صدی دنیا میں اسلام اور قرآن کی اشاعت کی صدی ہے دنیا اسلام میں اس سے قوت آئے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ جب اس کی مدد اور فتح آئیگی تو لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوں گے۔

تم میں بہتر وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو۔ (حدیث)

آپ نے فرمایا کہ انجمن نے قرآن کریم کے تراجم انگریزی کے علاوہ دوسری زبانوں میں کرانے کے لئے پانچ سالہ منصوبہ بنایا ہے۔ اس کے لئے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ کل حضرت ڈاکٹر صاحب کی اپیل پر جس قربانی کا مظاہرہ آپ نے کیا ہے وہ بے مثال ہے لیکن قرآن کے لئے اس سے بڑی قربانی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ حضرت صاحب نے ہمارے ذمے یہی کام لگایا ہے۔ آپ کے منشاء اور مقصد کو آپ کی صحیح جانشین جماعت ہونے کی وجہ سے پورا کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس کے لئے بھی آپ جتنا مال خدا کی راہ میں دے سکتے ہیں دیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کو قرضہ حسنہ دینا ہے وہ اس سے کئی گنا واپس کرے گا۔ اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے سبھی مردوں۔ خواتین اور بچوں نے مال کی قربانی کی جو مثال پیش کی اس پر سوائے الحمد للہ کہنے کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے مالی قربانیوں کا جو ذکر کیا جاتا ہے۔ ان کی یاد تازہ ہو گئی۔ اور قرآن کریم کے ان الفاظ کی "ھانتم ھؤلاء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ" کی زندہ تفسیر آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ کتنی خوش نصیب وہ جماعت ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنے راستے میں خرچ کرنے کیلئے بلائے۔ اور وہ لبیک کہے۔ اللہ غنی ہے اسے ہمارے مالوں کی ضرورت نہیں۔ محتاج ہم ہیں وہ ہماری محتاجی کو غنا میں بدلنا چاہتا ہے کیا یہ سعادت کچھ کم ہے کہ اس زمانے میں اس نے اس جماعت کو ہی اس نے اس قابل سمجھا ہے کہ ان سے ان کے مال طلب کرے اور انہیں غنی کر دے۔

اختتامی تقریر اور دعا:۔ خیال تھا کہ حضرت امیر مولانا صدر الدین صاحب اپنی اختتامی تقریر اور دعا کیلئے تشریف لائیں گے لیکن وہ تشریف نہ لا سکے اس لیے یہ فرض بھی ڈاکٹر سعید احمد خان سینئر نائب صدر کو ہی انجام دینا پڑا آپ نے قرآن کریم کی آیت وکاین من نبی قاتل معه ربیون کثیر ۔۔۔ الخ۔ کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس کے ساتھ ہو کر کثیر ربانی لوگوں نے کفر کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائے ہوں۔ اور انہیں مصائب اور مشکلات نہ پیش آئی ہوں لیکن وہ ان مشکلات کی وجہ سے نہ پست ہمت ہوئے۔ نہ ان کے قدم ڈگمگائے۔ اور نہ ہی انہوں نے کوئی کمزوری دکھائی بلکہ اللہ تعالیٰ سے استعانت کے لیے وہ یہی دعا کرتے رہے۔ کہ اے ہمارے رب گناہوں سے ہماری حفاظت فرما اور ہمارے معاملات میں اگر ہم سے کوئی زیادتی ہو گئی ہے تو اس سے بھی درگذر کر اپنی راہ میں ہمارے قدموں کو ڈگمگانے اور لغزش کھانے سے بچا لے تاکہ ہم تیرے مشن کو پورا کر سکیں۔ ان کی اس پکار کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کے انعام و اکرام بھی عطا کئے۔ اور آخرت میں جو انہیں اس کا اجر ملے گا وہ تو دنیا کے اس بدلہ سے بدرجہا احسن ہے۔ مجدد دین کی بعثت بھی علیٰ منہاج نبوت ہوتی ہے اس لیے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بھی اس قسم کی مشکلات پیش آتی ہیں۔ ہمیں بھی وقتاً فوقتاً مصائب جھیلنا پڑیں۔ اگرچہ ہمیں جنگیں نہیں لڑنی پڑیں کیونکہ اس زمانے میں دین کے لیے جنگوں کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن جہاد کی صورت بدل گئی تھی۔ اور یہ جہاد تھا جہاد بالقرآن یعنی باطل نظریات کو قرآن کریم کی تعلیم کی روشنی میں براہین و دلائل کے ذریعے ختم کرنا یہی وہ جہاد تھا جس کی طرف ہمیں بلایا تھا۔

(بقیہ صفحہ ۶ کالم ۲ پر)

حضرت مجدد صد چہاردہم اور وحی ولایت

خدا تعالیٰ کا قانون ہے جب دنیا میں روحانی طور پر خشکی آجاتی ہے۔ مخلوق خالق سے منہ موڑ لیتی ہے۔ جب دنیا پر غالب آجاتی ہے۔ اعتقادی اور عملی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اخلاقی انحطاط شروع ہوجاتا ہے۔ راستی کے سوتے خشک ہوجاتے ہیں۔ مایوسی اور تاریکی ڈیرے ڈال لیتی ہے۔ تب الٰہی سنت مستمرہ کے ماتحت اعلموا ان اللہ یحیی الارض بعد موتھا کے تحت مامور الٰہی، ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا کا ظہور ہوتا ہے۔

آج سے ایک صدی پیشتر ایسے ہی حالات پیدا ہوچکے تھے۔ جن کو قرآن مجید نے واللیل اذا عسعس۔ واللیل وما وسق۔ اور حدیث نبوی۔ لو کان الایمان بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس سے تعبیر دی گئی تھی۔ —

میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہر ایک دروازہ بند ہوجاتا ہے مگر روح القدس کے اترنے کا کبھی دروازہ بند نہیں ہوتا۔ تم اپنے دلوں کے دروازے کھول دو تا وہ ان میں داخل ہو۔

اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے :-

لا یظھر علی غیبہ احدًا الا من ارتضٰی من رسولٍ۔

یعنی خدا تعالیٰ کھلے کھلے طور پر کسی کو اپنے غیب پر بجز رسولوں کے مطلع نہیں کرتا۔

ان پر واضح رہے کہ ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگا دے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑتا ہے ؛

——— بعض کہتے ہیں کہ مکالمات الٰہیہ کا دروازہ بند ہے اور اس بدقسمت امت کے نصیب ہی نہیں کہ یہ نعمت حاصل کرکے اپنے ایمان کو کامل کرے حضرت موسےٰ کی ماں اور حضرت عیسےٰ کی ماں دونوں عورتیں تھیں۔ تاہم خدا تعالےٰ کے یقینی مکالمات و مخاطبات ان کو نصیب تھے۔ لہٰذا اگر اس امت کا ایک شخص اس قدر طہارت نفس میں کامل ہو کر ابراہیم کا دل پیدا کرے اور اتنا خدا تعالےٰ کا تابعدار ہو نفسانی جوا پھینک دے اور اتنا خدا تعالےٰ کی محبت میں محو ہو کر اپنے وجود سے فنا ہوجائے تب بھی وہ باوجود اس قدر تبدیلی کے موسیٰ کی ماں کی طرح بھی وحی الٰہی نہیں پا سکتا کیا کوئی عقلمند خدا تعالےٰ کی طرف ایسا بخل منسوب کرسکتا ہے۔

الہام کا چشمہ کبھی بند نہیں ہوسکتا۔ ؎

ہے غضب کہتے ہیں اب وحیٔ خدا مفقود ہے۔

اب قیامت تک ہے اس امت کا قصوں پر مدار

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم

اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

الہام کے لفظ سے یہ مراد نہیں کہ سوچ اور فکر کی کوئی بات دل میں پڑ جائے۔ الہام کیا چیز ہے۔ وہ پاک اور قادر خدا کا ایک برگزیدہ بندہ کے ساتھ یا اس کے ساتھ جس کو برگزیدہ کرنا چاہتا ہے۔ ایک زندہ اور باقدرت کلام کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے ؛

اس مرتبہ اور مقام کے لوگ اسلام میں ہمیشہ ہوتے رہے ہیں۔ اور ایک اسلام ہی ہے جس میں خدا تعالیٰ بندہ سے قریب ہوکر اس سے باتیں کرتا ہے۔ وہ اس کے اندر بولتا ہے۔ اور اس کے دل میں اپنا تخت بناتا ہے۔

گو وحی رسالت منقطع ہے لیکن الہام جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے باخلاص خادموں کو ہوتا ہے۔ کسی زمانہ میں منقطع نہیں ہوگا ؛

یہ عاجز شرف مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہے اور اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ وحی درحقیقت آسمان سے ہی نازل ہوتی ہے ؛

مجھے اللہ جل شانہٗ کی قسم ہے کہ یہ بات واقعی صحیح ہے کہ وحی آسمان سے دل پر ایسی گرتی ہے جیسے کہ آفتاب کی شعاع دیوار پر۔

مکالمہ الٰہیہ کی تین شرائط :-

جس پر کوئی کلام نازل ہو جب تک تین علامتیں اس میں نہ پائی جائیں۔ اس کو خدا کا کلام کہنا اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

(۱) وہ کلام قرآن مجید سے مخالف اور معارض نہ ہو ؛

(۲) وہ کلام ایسے شخص پر نازل ہو جس کا تزکیہ نفس بخوبی ہوچکا ہو ؛

(۳) تیسری علامت ملہم صادق کی یہ ہے کہ جس کلام کو وہ خدا تعالےٰ کی طرف منسوب کرتا ہے خدا (تعالےٰ) کے متواتر افعال اس پر گواہی دیں۔

سچا الہام جو خدا تعالےٰ کی طرف سے ہوتا ہے مندرجہ ذیل علامتیں اپنے ساتھ رکھتا ہے۔

(۱) (سچا الہام) وہ اس حالت میں ہوتا ہے جبکہ انسان کا دل آتشِ درد سے گداز ہوکر (ووجدک ضالاً فھدٰی۔ لعلک باخع نفسک - - - -)

(۲) سچا الہام اپنے ساتھ ایک لذت اور سرور کی خاصیت لاتا ہے۔

(۳) سچا الہام خدا تعالےٰ کی طاقتوں کا اثر اپنے اندر رکھتا ہے۔

(۴) سچا الہام انسان کو دن بدن نیک بناتا جاتا ہے۔

(۵) سچے الہام میں ایک شوکت اور بلندی ہوتی ہے۔

(۶) سچے الہام پر انسان کی تمام اندرونی قوتیں گواہ ہوجاتی ہیں ؛

(۷) سچا الہام ایک ہی آواز پر ختم نہیں ہوتا کیونکہ خدا تعالےٰ کی آواز ایک سلسلہ رکھتی ہے۔

(۸) سچے الہام کا انسان کبھی بزدل نہیں ہوتا۔

(۹) سچا الہام اکثر علوم اور معارف کے جاننے کا ذریعہ ہے ؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفیٰ مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۳۲۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید   وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد
دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا
الہاماتِ حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے
بیرونی ممالک سے [illegible] پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد ۶۸ | یوم چہار شنبہ ۲۸ ربیع الاوّل سنہ ۱۴۰۱ ھجری بمطابق ۴ فروری سنہ ۱۹۸۱ء | شمارہ ۵

ارشاداتِ حضرت مجدد صد چہاردہم

قرآنِ کریم کی پیروی اور حضرت محمّد مصطفےٰ صلعم سے سچّی محبّت

دُنیا ہزاروں بلاؤں کی جگہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سو تم خدا سے صدق کے ساتھ پنجہ مارو تا وہ یہ بلائیں تم سے دُور رکھے۔ کوئی آفت زمین پر پیدا نہیں ہوتی جب تک آسمان سے حکم نہ ہو اور کوئی آفت دور نہیں ہوتی جب تک آسمان سے رحم نازل نہ ہو سو تمہاری عقلمندی اسی میں ہے کہ تم جڑ کو پکڑو نہ شاخ کو۔ تمہیں دوا اور تدبیر کی ممانعت نہیں ہے مگر ان پر بھروسہ کرنے سے ممانعت ہے اور آخر وہی ہوگا جو خدا کا ارادہ ہوگا اگر کوئی طاقت رکھے تو توکّل کا مقام ہر ایک مقام سے بڑھ کر ہے۔ اور تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزّت دینگے وہ آسمان پر عزت پائینگے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدّم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائیگا۔ نوعِ انسان کیلئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کیلئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلعم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچّی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے ۔ (کشتئ نوح)

سیرت مجدد کا ایک ورق

جوانی میں

حضرت مجدد زمان کی عبادت و ریاضت

حضرت مرزا صاحب عنایتِ الٰہی سے قلب سلیم اور پاکیزہ فطرت لے کر پیدا ہوئے تھے۔ منشائے ایزدی یہی ہے کہ انسان کی ان فطری استعدادوں کی نشو و نما تا حد کمال کی جائے کہ یہی راہِ فلاح و ترکا ہے۔ قد افلح من زکھا و قد خاب من دسھا۔ جو فطری استعدادوں کی نشو و نما کرے گا وہ فلاح حاصل کرے گا اور ان کی طرف سے غفلت برتنے والا خسارے میں رہے گا۔ انسانی تاریخ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان پر عروج و ارتقا کے راستے کھولتے جاتے ہیں) کے ارشاد خداوندی کی ابدی درخشاں شمعوں سے تابندہ و روشن ہے

صالحہ والدہ کی آغوشِ محبت میں جو پاکیزہ دعائیں اور تمنائیں آپ کے کانوں سے ٹکرا کر دل و دماغ کی گہرائیوں اور وسعتوں میں نقش ہو گئیں۔ ان کا بیج دل کی زمین سے پھوٹا۔ نیک دل اساتذہ کی توجہ، کلام اللہ کی برکت، پنجگانہ صلوٰۃ اور اذکار مسنونہ کے آبِ رحمت نے اس ایمانی پودے کی آبیاری کر کے نشو و نما میں مدد دی۔ عمر کے ساتھ ساتھ ذوق شوق اور عبادتِ الٰہی میں لذت اور سوز و گداز بڑھتا گیا۔ دنیا کی محبت اور دلچسپیاں پیدا ہونے سے پہلے ہی فنا ہو گئیں۔ محبوب حقیقی کی یاد اور اتباع سنت کی تڑپ کشاں کشاں گنج تنہائی میں لے گئی۔

لبے سہل است از دنیا بریدن بیادِ حسن و احسانِ محمدؐ

انجمن خلوت اور عالمِ معرفت کے سامنے، انجمن ہستی کی چمک دمک ہیچ نظر آنے لگی۔ قرآنِ پاک کا مسلسل مطالعہ۔ سنت و احوالِ صالحین امت۔ اخبار و تعلیمات اولیاء اللہ۔ تہجد، نوافل درود و وظائف توبہ و استغفار، خلوتِ سحرگاہی کے جلو دں کے مقابل نرم و گداز بستر کی نیند اور دن کے ہنگامے بے کیف ہو گئے۔ نازنینان زہد شکن اور اولاد کی ایمان آنما محبت خواب و خیال ہو گئی۔ اور اہلِ دنیا کے لئے جو اشغالِ روحانی مشقت اور سخت ابتلاء کا موجب ہوتے ہیں ان ہی کو نیم شبانہ ذکر الٰہی کا کیف و سرور طلب لذت حضور اور نظارہ جمال کی سرمستیوں نے راحتِ دائمی میں بدل کر سہل بنا دیا۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا:۔

"میں نے کبھی ریاضاتِ شاقہ کبھی نہیں کیں، اور نہ زمانہ حال کے بعض صوفیوں کی طرح مجاہدات شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا۔ اور نہ گوشہ نشینی کے التزام سے کوئی چلہ کشی کی اور نہ خلافِ سنت کوئی ایسا عمل رہبانیت کیا جس پر خدا تعالیٰ کے کلام کو اعتراض ہو۔ بلکہ میں ہمیشہ ایسے فقیروں اور بدعت شعار لوگوں سے بیزار رہا جو انواع و اقسام کے بدعات میں مبتلا ہوں۔" (البریہ)

مذکورہ سطور کا مفہوم واضح ہے۔ آپ نے دیگر محدثین اور مامورینِ امت کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے عبادت و ریاضت کا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جو ارشاداتِ قرآنی۔ سنتِ نبویؐ یا بزرگانِ دین کے مسلک کے خلاف ہو۔ نہ ہی عیسائی راہبوں، ہندو جوگیوں اور قید شریعت سے آزاد درویشوں ایسی سخت ریاضتیں کیں جن کا اسلام سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ اور آپ کا عمل ہمیشہ

بہ زہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ

پر رہا۔ لیکن اس سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ آپ نے اتباعِ قرآن و سنت میں کوتاہی کی۔ یا ذکر و عبادت الٰہی میں جسمانی مشقت سے پہلو تہی کی۔ یادِ الٰہی میں کام و دہن کی لذات سے منہ موڑا جو اپنا کھانا دوسروں کو بانٹ دے اور خود متواتر چنوں، خشک ٹکڑوں، برائے نام روٹی، یا شوربے پر ہی گزارا کرے، جو شب و روز تلاوتِ قرآن میں محو رہے۔ جو گرمیوں اور سردیوں سے بے نیاز تہجد وظائف، درود اور استغفار میں مستغرق ہو۔ جس کی طاعت میں "مے و انگبیں" کی لاگ نہ ہو، جو شب و روز مسجد و خوابگاہ میں ذکر الٰہی اور تحصیل علم کا دلدادہ بن چکا ہو۔ جسے مسجد کی تنہائی اور چٹائی دربار و تخت جم سے زیادہ عزیز ہو۔ جو یاد حسن و احسانِ محمدؐ دنیا سے کٹ چکا ہو۔ جو رشتہ و پیوند اور مال و دولت دنیا کے تیانِ وہم و گمان سے منہ موڑ کر محبوب حقیقی کے آستانے کا ہو رہا ہو جسے ذکر اللہ کی طمانیت بخش شراب طہور نے نغمہ و شاہد و کباب کی سرمستیوں اور سفلی خواہشات سے بے نیاز کر رکھا ہو۔ جس کی آرزوؤں کی کائنات سمٹ سمٹا کر کھدر کے دو کپڑوں اور روکھی پھیکی روٹی کے ٹکڑوں میں ڈھل چکی ہو۔ اس کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ اس کی زندگی پھولوں کی سیج تھی۔ اور وہ ریاضتِ شاقہ سے الگ تھا۔ جبکہ فوق العادت سخت زندگی کے زیر اثر اسے کئی ایک حوصلہ شکن اور جان لیوا امراض نے گھیر لیا ہو۔

دراصل جن بزرگوں نے بظاہر غیر معمولی سخت ریاضتیں کیں اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی ابتدائی زندگیاں کسی قدر ناہموار تھیں۔ اس لئے پیرانِ طریقت نے ان کے قلوب کو ہر زنگ و آلائش سے پاک کرنے کے لئے انہیں غیر معمولی ریاضتوں پر لگایا۔ اور جب ان کے قلوب مصفّٰی ہو گئے تو وہ مسنون عبادات کی طرف لوٹ آئے۔ لیکن ماموران و اولیاء اللہ کی طرح حضرت مرزا صاحب کا معاملہ مختلف تھا۔ آپ کو دستِ قدرت اور عنایتِ الٰہی نے ہر قسم کی لغزشوں سے محفوظ رکھا تھا اور آپ کے سامنے صرف اتباعِ قرآن و سنت میں روحانیت کی منازل کا طے کرنا تھا۔ اس میں آپ کو غیر معمولی لذت بخشی گئی اور آپ پر جمالِ جہاں آرا کے پردے اٹھتے رہے۔ جنہوں نے آپ پر تمام جسمانی مشقتیں آسان کر دیں۔ اسی آسانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ اولیاء اللہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"اس جہت سے ان کا نام منعم علیہم رکھا گیا ہے کہ وہ بباعث غلبہ محبت آلام کو بزنگ انعام دیکھتے ہیں اور ہر ایک رنج اور راحت جو دستِ حقیقی کی طرف سے ان کو پہنچتی ہے جو بوجہ مستی عشق الٰہی لذت اٹھاتے ہیں۔ پس یہ ترقی فی القرب کی دوسری قسم ہے جس میں اپنے محبوب کے جمیع افعال سے لذت آتی ہے۔ اور جو کہ اس کی طرف سے پہنچے انعام ہی انعام نظر آیا۔ اصل موجب اس حالت کا ایک محبت کامل اور تعلق صادق ہوتا ہے۔ جو اپنے محبوب سے ہو جاتا ہے"

(براہینِ احمدیہ جلد چہارم ص۴۷۴ حاشیہ ۱۱)

پس جو انسان بچپن ہی سے ایک خاص درویشانہ طرز زندگی کا عادی ہو جائے اس کی نظر میں کپکپاتی سردی کی راتوں میں طویل قیام و سجود کب ریاضتِ شاقہ ہو سکتا ہے

خضر کیوں کر بتلائے، کیا بتائے
اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے۔

(ماخوذ)

رپورٹ :- از مدیر اعزازی

جلسہ سالانہ ۸۰ء کے موقعہ پر

۲۸ دسمبر ۱۹۸۰ء بروز ہفتہ ۷-۳۰ تا ۱۰-۳۰ بجے رات ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بیرون پاکستان شاخوں کی طرف سے تشریف لانے والے معزز مندوبین نے حاضرین سے خطاب فرمایا۔ اس اجلاس کی صدارت سرینام سے تشریف لانے والے بزرگ جناب یعقوب محمد ایوب صاحب نے فرمائی۔ پانچ مندوبین نے اپنے خیالات کا اظہار انگریزی میں کیا جن کا خلاصہ اردو زبان میں ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہماری باہر کی جماعتوں میں تبلیغ و اشاعت اسلام اور تحریک احمدیت سے وفاداری کا جذبہ کس حد تک پایا جاتا ہے اور وہ اپنے ملک میں کس طرح یہ کام کر رہی ہیں۔

۱۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر احمد محمد (انڈونیشیا) کی تقریر:-

ڈاکٹر احمد محمد صاحب نے بھائیوں اور بہنوں کو السلام علیکم سے مخاطب کرنے کے بعد فرمایا کہ میرے لئے یہ باعث شرف اور عزت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پندرہویں صدی کی ابتداء میں منعقد ہونے والے اس جلسہ میں شریک ہونے اور آپ سے مخاطب ہونے کا موقعہ بہم پہنچایا۔ یہ اجتماع اس لحاظ سے ایک عظیم الشان اجتماع ہے کہ اس میں دنیا کے مختلف ممالک سے ہمارے بھائی اور بہنیں اپنے باہمی رشتۂ اخوت کو مضبوط کرنے اور مل بیٹھ کر یہ سوچنے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں کہ ہم پندرہویں صدی میں کیا اور کیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ آپ نے اپنی تقریر کے مرکزی نقطہ کی طرف آنے سے قبل تمہید کے طور پر یہ فرمایا کہ اس کرۂ ارض پر اگر کوئی ڈکٹیٹر ہو سکتا تھا تو وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے لیکن "الشوریٰ" کی آیت ۳۸ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ڈکٹیٹر نہیں تھے بلکہ باہمی مشورہ سے معاملات کا فیصلہ کرنے کے حق میں تھے۔ اور اگر کسی شخص کی اندھی تقلید جائز ہوتی تو وہ بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات باصفا تھی لیکن اس کے برعکس سورہ النور کی آیت ۵۳ کے الفاظ "طاعۃ معروفۃ" سے ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ عقل و شعور سے کام لے کر طاعت ان باتوں میں کی جائے جو معروف ہوں۔ اس طرح یہ دو بنیادی باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ایک باہمی مشورہ سے اپنے معاملات کا طے کرنا اور دوسری طاعت میں عقل و شعور سے کام لے کر اندھی تقلید سے بچنا یعنی ہر انسان کو آزادیٔ فکر و رائے حاصل ہے۔ اسی کا نام اجتہاد ہے آپ نے فرمایا۔ اجتہاد سے میری مراد یہ ہے کہ قرآن اور سنت کو سامنے رکھتے ہوئے کسی متنازعہ فیہ مسئلہ پر غور و فکر کرنے کے لئے اپنے دل و دماغ کے قویٰ سے کام لینے کی حتی الوسع پوری کوشش کرنے کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچا جائے۔ جہاں تک قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرنے کا تعلق ہے اس بارے میں ہمیں سورہ آل عمران کی آیت ۶ کو اپنے سامنے رکھنا ہوگا جس میں دو قسم کی آیات کا ذکر ہے۔ (۱) محکمات اور (۲) متشابہات۔ محکمت وہ آیات ہیں جو بنیادی اصولوں کا حکم رکھتی ہیں اور ہر قسم کے شک و شبہ اور نقص سے مبرا ہیں اور ان کی تاویل کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ غیر مبدل اور غیر متبدل ہیں اور متشابہات وہ آیات ہیں جنہیں محکمت کے تابع رکھتے ہوئے ان کی تشریح اور تاویل کی جاتی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ان آیات کے حوالہ سے ہمارے سامنے یہ چار اہم نکات آتے ہیں:۔

۱:۔ لوگوں کے درمیان فیصلے باہم مشورے سے طے پانے چاہئیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام جمہوریت کے حق میں ہے۔

۲۔ جب تک ہر فرد کو آزادیٔ رائے اور فکر حاصل نہ ہو اور اسے اپنے افعال اور اعمال کے لئے ذمہ دارانہ ٹھہرایا جائے جمہوریت کے بنیادی تقاضے پورے نہیں ہوتے۔

۳۔ جب تک کسی کو اپنے اعمال و افعال کا پورا شعور اور ذمہ داری حاصل نہ ہو اسے اجتہاد کا موقعہ نہیں دیا جا سکتا اور نہ یہ فرض سونپا جا سکتا ہے۔

۴:۔ اجتہاد کے لئے سورہ آل عمران کی چھٹی آیت کے مطابق یہ اصول قائم کیا گیا ہے کہ یہ اجتہاد قرآن و سنت کے مطابق محکمت کے ماتحت کیا جائے۔

اس کے بعد آپ نے جماعت لاہور اور جماعت ربوہ کے درمیان عقائد کے اختلاف کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں اس بارے میں اس مقالہ کی روشنی میں بات کروں گا جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) فیجی کے ترجمان "پیغام حق" ستمبر ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا ہے۔ "پیغام حق" کے حوالے سے آپ نے حضرت صاحب کی مختلف کتب سے ان دس اقتباسات کا انگریزی میں ترجمہ سنایا جو جماعت ربوہ کے ضیاء الدین صاحب نے حضرت صاحب کی نبوت ثابت کرنے کے لئے پیش کئے ہیں کیونکہ ان کے خیال کے مطابق چونکہ ان عبارات میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنے لئے اپنے الہامات کی بنا پر لفظ نبی استعمال کیا ہے۔ اس لئے وہ نبی ہیں۔ اس کے برعکس آپ نے ان ۲۰ عبارات کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر سنایا جو جماعت لاہور کے اے ایل شریف صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی کتب سے پیش کی ہیں جن میں آپ نے اپنے آپ کو مجدد اور محدث فرمایا ہے۔ نبوت سے انکار کیا ہے اور اپنی وحی کو وحی ولایت فرمایا ہے۔

یہ دو قسم کی عبارات پیش کرنے کے بعد مقرر نے فرمایا کہ بظاہر ان مختلف عبارات میں تناقض پایا جاتا ہے کیونکہ کہیں حضرت مرزا صاحب نے لفظ نبی استعمال کیا ہے کہیں مجدد اور محدث کہا ہے اور کہیں نبوت سے انکار کیا ہے لیکن غور سے دیکھا جائے اور محکمات اور متشابہات کے اصول کو مدنظر رکھ کر اس کا حل تلاش کیا جائے تو اس تناقض کے دور کرنے میں ذرا بھر مشکل پیش نہیں آتی۔ محکم بات تو یہ ہے کہ قرآن اور سنت کے مطابق نبوت ختم ہو چکی ہے اور وحی نبوت بھی یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اب ایسا کوئی نبی اور رسول نہیں آ سکتا جو نئی کتاب اور نئی شریعت لائے۔ حضرت صاحب نے خود اپنی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ میری وحی وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت ہے۔ اگر وحی ولایت میں لفظ نبی استعمال بھی ہوا ہے تو اس کا مطلب کچھ اور ہوگا۔ اور یہ مطلب بھی حضرت صاحب نے اپنی ۳ فروری ۱۸۹۲ء کی تحریر میں بخوبی اور بلا شک و شبہ بیان فرما دیا ہے۔ کہ میری کتابوں میں جہاں بھی لفظ نبی استعمال ہوا ہے اسے کاٹا ہوا سمجھیں اور اس کی جگہ لفظ "محدث" رکھ دیں۔ اور محدث کی تعریف بھی آپ نے خود ہی فرما دی ہے کہ وہ شخص جسے مکالمہ مخاطبہ الہیہ کا شرف حاصل ہو۔

آخر میں آپ نے جماعت لاہور اور جماعت ربوہ دونوں سے اس دعا کی اپیل کی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھے رستہ پر چلائے۔ ہمارے قصور اور غلطیاں معاف فرمائے جو ہم سے دانستہ یا نادانستہ طور پر سرزد ہوئی ہیں ——

۲۔ مسٹر سوجیتنو (انڈونیشیا) کی تقریر:-

اس خصوصی اجلاس کی انگریزی میں دوسری اہم تقریر مسٹر سوجیتنو کی تھی۔ آپ نے پاکستان اور دنیا کے دیگر ممالک سے آنے والے بہن بھائیوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے ہم سب کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے اس اہم اجتماع میں جو پندرہویں صدی کی ابتدا میں منعقد ہو رہا ہے شریک ہونے کا موقعہ عطا فرمایا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم مختلف جگہوں اور قوموں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجدد صد چہاردہم

کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے اور ایک ہی نظریہ اور عقیدہ رکھنے کی وجہ سے ایک ہی قوم اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ہمارا یہ جلسہ اس لحاظ سے بھی بہت اہم ہے کہ ابھی دو ماہ قبل ہم نے چودہویں صدی کو الوداع کہا ہے اور آج ہم پندرہویں صدی میں داخل ہو چکے ہیں۔ توقع ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس حدیث

"ان اللّٰہ یبعث - - - - - - - - - من یجدد لھا دینھا"

کے مطابق اللہ تعالےٰ اس صدی میں بھی کوئی مجدّد مبعوث فرمائے گا۔

ہم خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ہم تھوڑے سے لوگوں کو چودہویں صدی کے مجدد کو شناخت کرنے کی توفیق عطا فرمائی جبکہ کروڑوں انسانوں کو ابھی تک اس کا علم نہیں کہ وہ مجدّد کون اور کہاں ہیں۔

اس کے بعد آپ نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) انڈونیشیا کا تعارف کرایا۔ آپ نے اس کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس انجمن کی بنیاد ۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء کو الحاج منہاج الرحمٰن سوجیتو نے رکھی تھی۔ ہم نے ابھی گزشتہ سال اس کی گولڈن جوبلی منائی ہے۔ اس انجمن کا پہلا نام احمدیہ مرکزی انجمن (لاہور) تھا لیکن ۱۹۷۳ء میں اس کا نام احمدیہ انجمن (لاہور) انڈونیشیا رکھا گیا انجمن کی تشکیل سے چند سال قبل لاہور سے ایک مبلغ مرزا ولی احمد بیگ صاحب انڈونیشیا تشریف لے گئے تاکہ وہاں حالات کا جائزہ لینے کے بعد وہ چین تشریف لے جائیں۔ لیکن ایک الٰہی فیصلہ کے مطابق وہ ۱۳ سال تک انڈونیشیا میں ہی مقیم رہے اور انہیں چین جانے کا موقع ہی نہ ملا۔ یہ دراصل اللہ تعالےٰ کی ہم پر رحمت اور فضل تھا۔ وہ دراصل کوئی انجمن بنانے کے لئے نہیں بلکہ حضرت مرزا صاحب کے پیش کردہ خوبصورت اسلام کی تبلیغ کے لئے وہاں تشریف لے گئے تھے۔ مذہب پر مرزا ولی احمد بیگ صاحب کی تقریریں پڑھے لکھے طبقہ اور علماء کے لئے باعث کشش اور مؤثر ہوئیں۔ یہ قدرتی بات ہے کہ ہر عمل کے خلاف ردعمل بھی ہوتا ہے۔ جہاں ہمدرد اور دوست ہوتے ہیں وہاں مخالف اور دشمن بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی مخالفت اور ردعمل کا نتیجہ تھا کہ وہاں احمدیہ تحریک شروع ہوئی اور احمدیہ انجمن وجود میں آئی۔ گورنمنٹ انڈونیشیا کے ہاں اسے ۴ اپریل ۱۹۳۰ء کو ایک قانونی ادارہ کی حیثیت حاصل ہو گئی اور اسے ۱۴ جنوری ۱۹۶۶ء کو دوبارہ رجسٹرڈ کرایا گیا۔

اگرچہ بعض لوگ نام "احمدیہ" سننا گوارا نہیں کرتے لیکن اس کے باوجود وہ ہمارا لٹریچر پڑھتے اور اسے اپنی تقریروں میں استعمال کرتے ہیں۔ ہم اسے اس لئے برا نہیں مناتے کہ وہ بالواسطہ وہی کام کر رہے ہیں جو ہم کرتے ہیں۔

اپنی جماعت کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہمارا ہر ایک رکن مبلغ ہے۔ ہم فرداً فرداً بھی لوگوں سے رابطہ قائم کرتے ہیں اور مختلف اداروں سے بھی۔ ہم بغیر یہ بتائے کہ ہم کون ہیں اپنے خیالات اور نظریات کا لوگوں کے سامنے اظہار کرتے ہیں اور خدا کا شکر ہے کہ وہ ہمارے خیالات سے متاثر ہوتے اور انہیں حق سمجھ کر قبول کرتے ہیں۔ ہمیں مختلف مساجد اور جماعتوں کی طرف سے تقریر کرنے یا خطبہ جمعہ دینے کے لئے دعوت نامے بھی بھیجے جاتے ہیں۔ میں خود بھی انڈونیشیا کی مساجد کونسل کا رکن ہوں۔ ہمارے نظریات کی مقبولیت اور اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یکم سے چار ستمبر ۱۹۷۹ء کو جکارتہ میں ابلاغ عامہ کے متعلق منعقد ہونے والی اسلامی کانفرنس میں ایک اسلامی ملک کے مندوب نے کہا کہ ہمیں محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور قرآن کی طرف واپس لوٹنا ہوگا۔ کیا یہ وہی نعرہ نہیں جو چودہویں صدی کے مجدّد نے بلند کیا؟ اللہ تعالےٰ ہماری امیدوں کو بارآور کرے۔ آمین۔ اس سے زیادہ اہم بات یا آپ کے لئے خوش خبری یہ ہے کہ رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل شیخ محمد نے یہ اعلان کیا ہے کہ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالےٰ ایک مصلح مبعوث فرماتا ہے۔ لیکن اس قول کے مطابق یہ تلاش نہیں کی جاتی کہ چودہویں صدی کا مجدّد کون اور کہاں ہے؟ صرف احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہی ایک ایسی جماعت ہے جو مخالفت اور مزاحمت کے باوجود اس اصول پر قائم ہے اور حق کی تبلیغ کے لئے مصروف جہاد ہے۔

اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہمارا مرکز جکارتہ (وسطی جاوا) میں ہے جہاں سے آج سے پچاس برس پہلے ہماری تحریک کا آغاز ہوا تھا۔ ہماری کل ۱۶ شاخیں ہیں جو سب کی سب جاوا کے مختلف مقامات میں ہیں۔ اسوقت ہمارے ایک ہزار باقاعدہ بیعت شدہ ممبر ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے ہمدردوں کی تعداد کئی لاکھ تک ہے جن میں باشعور اور خواندہ طبقہ بکثرت شامل ہے کیونکہ ولندیزی حکومت کے دوران میں وہاں کی لائبریریوں میں ہمارا لٹریچر بڑی تعداد میں موجود تھا جس سے پڑھے لکھے لوگوں نے استفادہ کیا۔ حضرت مرزا صاحب کی کتاب "فتح اسلام" میں مذکور تصنیف و تالیف کی شاخ کے مطابق ہم قرآن کریم۔ سیرت خیر البشر۔ ریلیجن آف اسلام اور دیگر احمدیہ لٹریچر کا ڈچ۔ جاوی اور انڈونیشی زبانوں میں ترجمہ کر کے تقسیم کرتے ہیں۔

ہماری جماعت دو قسم کے ادارے چلا رہی ہے:۔

۱۔ تعلیمی ادارے اور ۲۔ دارالکتب اسلامیہ

ہمارے تعلیمی ادارے پرائمری سے لے کر ہائی سکولوں تک ہیں۔ ان سب میں اسلامی تعلیم دی جاتی ہے تمام تعلیمی اداروں کو انڈونیشی حکومت کی طرف سے امداد ملتی ہے ہمارا ایک صنعتی سکول بھی ہے جسے ہالینڈ کی حکومت کی طرف سے امداد ملتی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ان اداروں کے فارغ التحصیل طلباء اسلام کی عموماً اور احمدیت کی خصوصاً خدمت کریں گے۔

دارالکتب اسلامیہ ایک قانونی ادارہ ہے جس کے ذمے لٹریچر کی طباعت اور اشاعت کا کام ہے۔

تنظیم:۔ تنظیمی لحاظ سے ہماری جماعت کے تین حصے ہیں:۔

شبان الاحمدیہ تنظیم خواتین اور مبلغین

شبان الاحمدیہ کے ذمے یہ کام ہے کہ وہ تمام شاخوں کے نوجوانوں کو مستقبل کے لئے تیار کرے تاکہ وہ اپنے بزرگوں کی جگہ لے سکیں۔ اس میں کچھ وقت لگے گا کیونکہ ابھی اس کی ابتداء ہے لیکن ہم اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اس منصوبہ کو کامیاب کرے تاکہ ہم اپنے مشن کو جاری رکھ سکیں۔

تنظیم خواتین ایک سرگرم اور فعال تنظیم ہے۔ یہ تنظیم ٹریکٹ تقسیم کرتی اور اجتماعات منعقد کرتی ہے۔ اور والدین کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق فرائض سے آگاہ کرتی ہے۔

مبلغین۔ ہمارے پاس مبلغین کی نہایت کمی ہے۔ ہمارے پاس اس وقت صرف دو تربیت یافتہ مبلغ سکندرا اور سرریمن ہیں جو مختلف علاقوں میں تبلیغ کا کام کرتے ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ مزید تربیت یافتہ مبلغ پیدا کئے جائیں۔ اسی لئے ہم نے دو اور نوجوانوں کو تعلیم و تربیت کے لئے لاہور بھیجا ہے۔

اپنی تقریر کے آخر میں آپ نے اپنی مجلس منتظمہ کے ممبروں کے نام بتائے۔ اور ان کتابوں اور ٹریکٹوں کا ذکر کیا جو انہوں نے ڈچ۔ انڈونیشی۔ جاوی زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کئے ہیں۔ ان کی تقسیم اس طرح ہے

۱۔ ڈچ	۳۳	۲۔ انڈونیشی	۳۰
۳۔ جاوی	۴	۴۔ انگریزی	۶۱

ان کے علاوہ انہی زبانوں میں ۱۲ چھوٹے چھوٹے کتابچے بھی شائع کئے گئے ہیں۔

کیپٹن شیخ کریم صاحب (سُرینام) کی تقریر:۔

جناب کیپٹن شیخ کریم صاحب نے بزرگوں بہنوں اور بھائیوں کی خدمت میں اپنی اور اپنی جماعت کی طرف سے السلام علیکم کہنے کے بعد فرمایا کہ جماعت سرینام کی طرف سے بطور نمائندہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے اس مبارک جلسہ میں شریک کرنا میرے لئے باعث فخر ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس جلسہ کے دوران میں ہم سب مل بیٹھ کر ان سوالات کا جواب معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جن کا ساری دنیا میں ہماری جماعت کو سامنا ہے۔ اور مستقبل میں اپنی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے کوئی قابلِ عمل اور مفید حکمت عملی تجویز کر سکیں گے ہماری یہ تحریک سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ہم ساری دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچائیں۔

ہماری جماعت کی رائے میں ہمارا یہ جلسہ نہ صرف تاریخ احمدیت بلکہ تاریخ اسلام میں ایک بے مثال اور غیر معمولی واقعہ ہے۔ خصوصاً اس لحاظ سے کہ جماعت احمدیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے اعلان کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ تمام دنیا سے احمدی اتنی کثیر تعداد میں اپنے مرکز میں جمع ہوئے ہیں۔

"اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ (اللہ تعالےٰ) مجھے شفا دیتا ہے"
(القرآن الحکیم)

جو لوگ قیمتی چیزوں کی تلاش میں خطرات کا جرأت اور دلیری سے سامنا کرتے ہیں اللہ تعالےٰ انہیں اسی دُنیا میں ان کاوشوں کا بھاری صلہ عطا کرتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات سے ہمیں نہ تو پست ہمتی کا شکار ہونا چاہیئے اور نہ ہی حوصلہ ہارنا چاہیئے انجام کار صحیح راستے پر صدق کے ساتھ چلنے والے ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نمونہ ہمارے سامنے ہے۔ جن لوگوں نے آپ کو اور آپؐ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ختم کر لے کی کوشش کی وہ کثیر تعداد میں تھے لیکن باوجود کثرت تعداد اور دنیوی طاقت کے وہ مغلوب ہوئے اور آپؐ کے سامنے انہیں ذلیل و رسوا ہونا پڑا کیونکہ اللہ تعالےٰ کے مشن کی کامیابی کا راز اخلاقی اور رُوحانی قوت میں مضمر ہوتا ہے نہ کہ دنیوی ساز و سامان اور افرادی قوت میں۔ میرا ایمان ہے کہ ہماری جماعت ایک نایاب عطر اور خوشبو ہے جو مستقبل قریب میں ساری دنیا میں پھیل کر اُسے معطر کر دے گی۔ یہی وہ حقائق ہیں جو ہمیں اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمیں مٹانے کے لئے مخالفت کے تند و تیز طوفان گاہے گاہے اُٹھتے رہیں گے لیکن میں یقین سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کا غیبی ہاتھ انہیں پسپا کر دے گا کیونکہ وہ ہر مشکل میں اپنے ماننے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ اخلاقی اور رُوحانی طاقت مادی طاقت پر ہمیشہ غالب آتی رہی ہے۔ اگر ہم دیانت داری، صدق اور وفاداری سے اپنی تحریک کا ساتھ دیں گے اور اخلاقی اور رُوحانی قوّت سے پوری طرح لیس ہونگے تو ہم ضرور کامیاب ہونگے۔

تمام مسلمانوں میں ہماری جماعت ایک بیش قیمت موتی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسے مزید قیمتی اور چمکدار بنانے کے لئے ہمیں آپس میں بنیان مرصوص ہونے کی ضرورت ہے جس کے سامنے مخالف طاقتیں نہیں ٹھہر سکیں گی۔ ہمارے دل میں کسی کے لئے کینہ اور بغض نہیں ہے۔ ہمیں اپنے مخالفین کے ساتھ ہمدردی ہے کیونکہ وہ غلطی پر ہیں۔ ہم اُن کے لئے دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ انہیں صحیح راستہ دکھلائے۔

آپ نے فرمایا:۔ کہ میرے نزدیک اس جلسے کا دوسرا اہم مقصد اس بارے میں ایک دوسرے کا نقطہ نظر سمجھنا ہے کہ دنیا کے بڑی تیزی کے ساتھ بدلتے ہوئے موجودہ حالات میں ہم تبلیغ اسلام کا کام کس طرح مؤثر طور پر جاری رکھ سکتے اور کس طرح ان عوامل کو اپنے راستے سے دُور کر سکتے ہیں جو اشاعت قرآن کے راستے میں روک بنے ہوئے ہیں۔ اس اجتماع نے ہمیں تبادلہ خیال اور تبلیغ اسلام کے میدان میں ایک دُوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کا موقع بھی فراہم کیا ہے تاکہ ہم اپنے کام کی رفتار تیز کرنے کیلئے مؤثر ذرائع اختیار کر سکیں۔ تمام احمدیہ جماعتوں کے درمیان بہتر طور پر رابطہ پیدا کرنے کے وسائل پر غور و خوض بھی لازمی ہے تاکہ باہمی فائدہ کے لئے ہمارے درمیان مختلف قسم کے اعداد و شمار کا تبادلہ ہو سکے۔

اس جلسہ کی سب سے بڑی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے جناب کیپٹن شیخ کریم صاحب نے فرمایا کہ یہ جلسہ چودہویں صدی کے خاتمہ کے بعد پندرہویں صدی ہجری کی ابتداء میں منعقد ہو رہا ہے۔

ہم اللہ تعالےٰ کے اس احسان اور فضل کے شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں اس صدی کے مجدّد اور محدث کی شناخت اور انہیں قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور آپ کے پیش کردہ صاف ستھرے اور سچے اسلام کو مشرق و مغرب میں پیش کرنے کا فریضہ ہمیں سونپا۔ انسانوں کو گناہ کی زندگی سے باز رکھنے اور ان کی نجات کے لئے مجددین آتے رہے ہیں اور جب تک دنیا قائم ہے آتے رہیں گے۔ وہ تبلیغ اسلام کا الٰہی مشن پورا کرنے کے لئے آتے ہیں جس سے انسانوں کی اصلاح وابستہ ہے۔ اکثریت نے ہمیشہ ان مصلحین کا انکار کیا ہے۔ اور اقلیت ہی انہیں قبول کرتی رہی ہے۔ حضرت مرزا صاحب اس سنت الٰہیہ سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے تھے۔ ہمیں جنہوں نے انہیں امام وقت تسلیم کیا ہے اس کام کو جو انہوں نے ہمارے سپرد کیا ہے بلاخوف و خطر پورے جوش و خروش کے ساتھ جاری رکھنا ہے۔ ہم سب کو اللہ تعالےٰ کے حضور یہ دُعا کرنی چاہیئے کہ وہ ہمیں اس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہمّت، حوصلہ اور طاقت بخشے۔ آمین!

آخر میں میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو اپنی جماعت سُرینام کی طرف سے پورے وثوق کے ساتھ یہ یقین دلاتا ہوں کہ ہماری جماعت پوری مضبوطی اور وفاداری سے اپنے مرکز کے ساتھ ہے جسے وہ اخلاقی اور رُوحانی قوت کا سرچشمہ اور تحریک احمدیت کا منبع سمجھتی ہے۔

مجھے یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی ہے کہ یہاں ہماری جماعت باوجود ناقابل عبور رکاوٹوں اور مشکلات کے خوشحال ہے اور کسی نہ کسی طرح اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہے۔

اللہ تعالےٰ ہم پر اپنا فضل کرے۔ ہماری حفاظت فرمائے اور صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت فرمائے اللہ کرے کہ ہمارا یہ جلسہ بخیر و عافیت اختتام پذیر ہو۔ آمین!

جناب شوکت علی۔ جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) فیجی کی تقریر

جناب شوکت علی نے سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۲ " واعتصموا بحبل اللہ - - - - - - بنعمتہٖ اخواناً " کا انگریزی میں ترجمہ سنانے کے بعد فرمایا کہ میں اپنی جماعت کی انتظامیہ اور اراکین کی طرف سے بہنوں اور بھائیوں کی خدمت میں السّلام علیکم اور اس جلسہ کی کامیابی کے لئے دعا کا پیغام لایا ہوں۔ ہمارے صدر جناب نبی دین صاحب نے بوجوہ جلسہ میں شامل نہ ہو سکنے کے لئے معذرت چاہی ہے۔ الحمد للہ کہ اس نے مجھے اس عظیم جلسہ میں شریک ہونے کا موقعہ عطا فرمایا۔ میرا یہاں آنے کا مقصد یہ تھا کہ میں دُنیا کے مختلف ممالک سے تشریف لانے والے اپنی جماعت کے بزرگوں سے ملوں گا اور جہاں تک ممکن ہو ان سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ چونکہ میری یہ پہلی تقریر ہے اس لئے اگر اس میں کوئی خامی نظر آئے تو میں معافی چاہوں گا۔ اپنی تقریر کے عنوان کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے آیت تلاوت کردہ کے حوالے سے بتایا کہ میرا موضوع "اتحاد بین المسلمین" تھا لیکن موقع کی مناسبت سے میں ابھی ابھی ختم ہونے والی چودہویں صدی میں تحریکِ احمدیت کے کارناموں کا عموماً اور جماعت فیجی کی سرگرمیوں کا خصوصاً ذکر کروں گا۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے رسُول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ دنیا میں اس لئے بھیجا تھا کہ آپؐ دینِ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر کے دکھائیں۔ اللہ تعالےٰ کے اس وعدہ کے مطابق اسلام جو بنی نوعِ انسان کے لئے امن، سلامتی اور انسانی اخوت کا پیغام لایا تھا گزشتہ تیرہ صدیوں میں کسی نہ کسی رنگ میں آگے بڑھتا رہا لیکن چودہویں صدی ہجری (۱۸۸۳ء تا ۱۹۸۰ء) اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس صدی میں تحریکِ احمدیت نے اسلام کا خوبصورت چہرہ تمام دُنیا کو عموماً اور مغربی دنیا کو خصوصاً دکھانے کا فرض اپنے ذمہ لیا اور اس کی بدولت لاکھوں دلوں میں اس کے لئے کشش پیدا ہوئی۔ اس لئے چودہویں صدی کے خاتمے پر تحریکِ احمدیت سے وابستہ لوگ اپنی ان کامیابیوں پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔

" ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین "

کا حوالہ دیتے ہوئے شوکت علی صاحب نے فرمایا:۔

اس آیت کے مطابق نبوت یقیناً ختم ہو گئی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بلا شک و شبہ خاتم النبیین ہیں لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو سننے والوں پر یہ بہت شاق گزرا کہ ہدایت کا سلسلہ آئندہ کے لئے بند ہو گیا۔ اس لئے ان کی تسلی کے لئے آپؐ نے انہیں یہ خوش خبری سنائی کہ اگرچہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا لیکن ہر صدی کے سر پر اللہ تعالےٰ اپنے دین کی تجدید کے لئے مجدد مبعوث فرمائے گا۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

" ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ " (ابوداؤد)

اس حدیث کے مطابق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے چودہویں صدی کا مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی احادیث کے مطابق اس راز سے بھی پردہ اُٹھایا کہ آنے والا مسیح مسلمانوں میں سے ہی ان کا امام ہوگا۔ چونکہ مجدد اپنے زمانے کا امام ہوتا ہے اس لئے چودہویں صدی کا مجدّد امام وقت ہے۔ اور آپ نے اللہ تعالےٰ کے حکم سے مجدد ہونے کا دعوےٰ کیا۔ ظہور مہدی کے متعلق لوگوں میں اختلاف رائے تھا اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ مہدی تلوار کے زور سے اسلام پھیلائے گا۔ حضرت مرزا صاحب نے اس غلط عقیدہ کی بھی تردید کی کیونکہ یہ قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف تھا کہ لا اکراہ فی الدین " دین میں کسی قسم کا کوئی جبر روا نہیں۔ اور اس بارے میں آپ نے ابوداؤد کی یہ حدیث بھی پیش کی جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ مہدی مجھ سے ہے۔ اونچی ناک اور روشن پیشانی

ایک ضروری اعلان

ادارہ پیغام صلح شروع مارچ میں "محمد احمد" کی یاد میں یادگار نمبر شائع کرنا چاہتا ہے۔ مضمون نگار احباب وعظیم باپ کے عظیم سپوت کو خراج تحسین پیش کرنے میں ادارہ کی مدد فرمادیں۔ آپکے مضامین ۲۵ فروری ۱۹۸۱ء تک پہنچ جانے چاہیئیں۔ (ادارہ)

والا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہوگی اور وہ اس ظلم و ستم کو ختم کر دے گا۔" حضرت مرزا صاحب نے مسیح اور مہدی کے ایک ہی شخص کے ہونے کے ثبوت میں ابن ماجہ کی یہ حدیث بھی پیش کی کہ "لا مهدی الا عیسٰی" کہ عیسٰی ہی مہدی ہے۔

حضرت امام وقت کو سب سے بڑا غم یہی تھا کہ وہ کس طرح مسلمانوں میں اتحاد پیدا کریں اور اسلام کی خوبصورت تعلیم دنیا کے سامنے پیش کر کے اسے تمام مخالف دینوں پر غالب کر کے دکھائیں۔ اس غرض کیلئے آپ نے ۱۸۸۹ء میں اللہ تعالےٰ کے حکم کے تحت ایک جماعت بنائی اور اس کا نام جماعت احمدیہ رکھا۔ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ "احمدیہ" کا لفظ حضرت مرزا صاحب نے اپنے نام "غلام احمد" سے اخذ کیا ہے لیکن جیسا کہ آپ نے خود فرمایا ہے آپ نے یہ نام آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام "احمد" پر رکھا ہے۔ اور احمد آپ کا جمالی نام تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی بے انتہا تعریف کرنے والا اور اس میں اشارہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں امن اور سلامتی کے پیغامبر بن کر تشریف لائے تھے۔ اور چودھویں صدی میں بھی اسی نام کا ظہور ہونے والا تھا۔ بانیٔ تحریکِ احمدیت نے مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے اپنی جماعت کے ہاتھوں میں قرآن دیا اور اس جماعت کا نعرہ بھی یہی ہے کہ قرآن کی طرف واپس لوٹ آؤ۔ آپ نے اپنی جماعت کو یہ نصیحت بھی کی وہ قرآن و سنت کی سختی سے پیروی کرے۔

آپ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا! ہم خوش قسمت ہیں کہ ہم نے اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے مامورِ وقت کو پہچانا۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم آپ کی توقعات پر پورے اتریں اور باقی دنیا کے لئے ایک مثال اور نمونہ ہوں۔ ہماری جماعت کا مقصد اس کے بغیر کچھ نہیں کہ ہم اسلام کو دنیا کے کناروں تک پہنچائیں۔ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام نے اپنے مبلغ اور اسلام پر لٹریچر بیرونِ پاکستان بھیج کر اپنا یہ فرض پورا کیا ہے۔ جماعتِ احمدیہ کے بیرونِ ملک تبلیغی مراکز نے اشاعتِ اسلام کے سلسلے اور مخالف عناصر کی طرف سے اسلام کے خلاف پھیلائی گئی غلط فہمیوں کے دور کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ انجمن نے قرآن کریم۔ حدیث۔ دوسرے اسلامی لٹریچر اور حضرت مرزا صاحب کی کتب کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کی ان ساری کوششوں کا مقصد مسلمانوں میں اتحاد اور اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان مفاہمت پیدا کرنا تھا۔ کیونکہ تمام مذاہب کی بنیادی تعلیم ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ کو واحدہٗ لاشریک ماننا اور تمام رسولوں اور ان کی کتب پر ایمان لانا۔ آپ نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج اس جلسہ میں دنیا کے مختلف ممالک کے نمائندے شریک ہوئے ہیں۔

۲۔ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام فیجی :۔

جناب شوکت علی نے احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام (لاہور) فیجی کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس انجمن کی بنیاد مرزا مظفر بیگ ساطع مرحوم کے وہاں پہنچنے کے بعد ۱۹۳۴ء میں رکھی گئی۔ اس کا وہاں کی آبادی پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً فوری اثر ہوا۔ ابتداء میں انجمن نے بہت ترقی کی لیکن مولانا مرحوم کے وہاں سے چلے آنے کے بعد کام کی رفتار بُری طرح متاثر ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض ارکین کی خواہش کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے ایک نئی تنظیم مسلم ایسوسی ایشن فیجی کے نام سے قائم کی گئی۔ لیکن مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوششیں ناکام ہو گئیں۔ ۱۹۶۷ء میں مولانا احمد یار ایم اے مرحوم کے وہاں پہنچنے پر انجمن کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔ مولانا احمد یار مرحوم نے وہاں تین سال گزارنے اور واپس چلے آئے لیکن اس کے بعد سے انجمن خدا کے فضل سے روبہ ترقی ہے۔ آج ہم میں مولانا حافظ شیر محمد جیسے عالم فاضل مبلغ موجود ہیں۔ جو وہاں ۱۹۷۳ء سے مقیم ہیں۔ اور ان کی راہنمائی میں انجمن نے بہت اچھی ترقی کی ہے۔ اس وقت ہماری تعداد تقریباً دو ہزار ہے اور پانچ اضلاع میں ہماری شاخیں قائم ہیں۔ ہماری پہلی مسجد ۱۹۷۴ء میں تعمیر ہوئی۔ اور دوسری انشاء اللہ آئندہ چند ماہ میں مکمل ہو جائے گی۔ یہ مسجد فیجی میں جدید طرز کی بڑی مسجدوں میں سے ایک ہوگی۔

آپ نے صاحبِ صدر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے اپنی تقریر کے چند اہم نکات دوبارہ دہرانا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہیں کہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور نے ہمیشہ قرآن کریم کے اصولوں کو مدّنظر رکھا ہے۔ اور وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ختم نبوت پر غیر مشروط ایمان رکھتی ہے۔ تحریکِ احمدیت کے بانی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے مسلمانوں پر ہمیشہ یہ زور دیا اور انہیں تنبیہہ کی کہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگا کر اپنی تعداد کم نہ کرو۔ اس بارے میں ہمارے یہ دلائل نہایت سادہ اور معقول ہیں کہ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو وہ اس کلمہ کو ترک کرنے سے ہی دائرۂ اسلام سے خارج ہو سکتا ہے۔ تحریکِ احمدیت کے بانی نے کوئی نیا کلمہ پیش نہیں کیا۔ ہم دوسرے مسلمانوں کی طرح یہی کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی پڑھتے ہیں۔ وہی نمازیں پڑھتے اور اسی قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان باتوں کے ہوتے ہوئے مسلمانوں میں تفرقہ کیوں ہے اس کا جواب بالکل سیدھا سادا ہے کہ عوام سادہ اور علمِ دین سے ناواقف ہیں۔ ان کی اس سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ابتدائی زمانہ میں جوں جوں اسلام دوسرے ممالک میں پہنچایا گیا۔ لوگوں نے اسے قبول کرنے سے پہلے اس کا بغور مطالعہ کیا۔ کیونکہ ان کے دلوں میں صداقت کی تلاش اور اس کا ساتھ دینے کی خواہش ہوتی تھی۔ آج کے مسلمان صرف اس لئے مسلمان ہیں کہ مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ ورنہ وہ اسلام کی صحیح تعلیم اور اس کی روح سے بالکل ناواقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی دنیا کو آج بہت سے مسائل کا سامنا ہے۔ اور ایک مخصوص طبقہ ان کی سادگی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ میں اپنی بہنوں۔ بزرگوں اور بھائیوں کو ایک خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ اب جبکہ ہم پندرہویں صدی میں داخل ہو چکے ہیں اور تحریکِ احمدیت مستحکم بنیادوں پر قائم ہو چکی ہے ہم بھی کہیں اپنی اس حالت پر مطمئن ہو کر بیٹھ نہ جائیں کیونکہ ایسی حالت میں ہمارے لئے بھی یہ خطرہ موجود ہے کہ ہم دوسرے مسلمانوں کی طرح جہالت کا شکار نہ ہو جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے اکثر نے تحقیق سوچ و بچار اور بڑی مخلصانہ دعاؤں کے بعد احمدیت کو قبول کیا ہے۔ آئیے ہم اس بات کا خیال رکھیں۔ کہ ہمارے بچے اس لئے احمدی نہ کہلائیں کہ وہ احمدی گھرانوں میں پیدا ہوئے ہیں بلکہ ہم ان کے لئے ایسی فضا اور ماحول پیدا کرنے کی کوشش کریں کہ وہ خود مذہب کا مطالعہ کریں اور صحیح معنوں میں مسلمان اور احمدی ہوں۔ ہمیں اپنی روزمرہ کی زندگی میں حضرت امام وقت کا یہ فرمان ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیئے کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔"

اللہ تعالےٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم خدمتِ اسلام کے لئے متحد اور متفق ہو جائیں۔ آمین!

مسٹر یحیٰی کیسکمپ۔ صدر جماعت ایمسٹرڈم۔ ہالینڈ کی تقریر :۔

مسٹر یحیٰی کیسکمپ کی اسلام اور احمدیت میں دلچسپی کا واقعہ بڑا دلچسپ تھا لیکن وقت کی کمی اور تمہید کے طوالت ہونے کے باعث وہ اپنی تقریر مکمل نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنا واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا کہ میری عمر گیارہ سال تھی اور میں سکول کا طالب علم تھا۔ گھر سے سکول آنے جانے والی ایک شاہراہ پر محکمہ سیر و سیاحت ہالینڈ کا ایک دفتر تھا۔ اس دفتر کی بڑے بڑے شیشوں والی کھڑکیوں میں سیاحوں کی دلچسپی کے لئے بڑی بڑی خوبصورت تصویریں اور چھوٹے چھوٹے کتابچے رکھے ہوئے تھے۔ جو میرے لئے باعثِ کشش تھے۔ میں ہر روز سکول سے واپسی پر ان شیشوں میں سے جھانک کر ان تصویروں کو دیر تک دیکھتا رہا۔ دفتر کے افسر اعلےٰ نے میری یہ دلچسپی دیکھتے ہوئے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ تم ہر روز کیوں اس طرح دیکھتے ہو۔ کیا تمہیں یہ تصویریں اور کتابچے پسند ہیں میں نے جواب دیا ہاں۔ اتفاق سے یہ افسر میرے باپ کا واقف تھا۔ وہ دونوں ایک ہی سکول میں پڑھے تھے۔ وہ مجھے اندر لے گیا۔ اور بہت سے باتصویر کتابچے مجھے دیئے۔ ان میں سے ایک مراکش کے متعلق تھا۔ اور باقی یورپی ممالک کے متعلق تھے مراکش سے متعلق کتابچے میں لکھا ہوا تھا :۔

"اللہ ایک ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔"

یعنی یہ کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ترجمہ ڈچ زبان میں لکھا ہوا تھا (یہ کلمہ غالبًا اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله تھا کیونکہ مسٹر یحیٰی نے بتایا کہ اس کتابچے میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ جب یہ الفاظ مسجدوں کے میناروں سے دن میں پانچ دفعہ دہرائے جاتے ہیں۔ تو مسلمانوں پر ان کا ایک خاص جذباتی اثر ہوتا ہے۔ مجھ پر بھی ان کا خاص اثر ہوا۔

اور میں نے کتابچے میں لکھ دیا۔

"بہت خوبصورت"

میں اپنی چھوٹی بہنوں کے سامنے یہ الفاظ دہراتا رہتا ہوں۔ اس سے میرا باپ بہت ناراض ہوتا لیکن میں اسوقت اس کی ناراضگی کی وجہ سمجھ نہ سکتا تھا۔ اس واقعہ کے سات سال بعد یعنی جب میں ۱۸ سال کی عمر کو پہنچ چکا تھا۔ ایک روز میں مذہب پر کتابوں کی تلاش میں ایک پبلک لائبریری میں گیا۔ وہاں میری نظر ایک عیسائی مصنف ڈاکٹر کیسر کے ڈچ ترجمۃ القرآن پر پڑی۔ میں نے یہ ترجمہ پڑھنا شروع کیا۔ اس میں ایک مقام پر لکھا تھا کہ "یہودیوں کا خیال ہے کہ انہوں نے عیسٰے کو صلیب پر مار ڈالا لیکن اللہ تعالٰے نے اُسے بچا لیا۔" یہ بات توریت کے عین مطابق ہے کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ جو کاٹھ کی لکڑی پر لٹکایا گیا۔ وہ ملعون ہوا۔ اس سے مجھ پر قرآن کریم کی صداقت واضح ہو گئی۔ اور میرے اندر مزید جستجو اور تحقیق کا شوق پیدا ہوا۔ میرے مطالعہ کے دوران میں مجھے معلوم ہوا کہ حضرت عیسٰے کے بارے میں مسلمانوں عیسائیوں اور یہودیوں کے عقیدہ میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہودی کہتے ہیں کہ وہ نعوذ باللہ جھوٹا نبی تھا۔ عیسائی اُسے خدا اور خدا کا بیٹا اور مسلمان اُسے سلسلہ بنی اسرائیل کا آخری سچا نبی مانتے ہیں

عیسائی عقیدہ کے متعلق میرے دل میں یہ سوالات پیدا ہوئے کہ :-

۱۔ اللہ تعالٰے کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ اس نے اپنے بیٹے کو صلیب دلوا دیا۔

۲۔ کیا اس نے عیسائیوں کے لئے جنت کے دروازے کھولنے کے لئے ایسا کیا؟

۳۔ کیا اس نے یہ بنی نوع انسان کو گناہ سے چھڑانے کے لئے کیا؟

۴۔ کیا اللہ تعالٰے بنی نوع انسان کو کسی اور طرح گناہ سے نجات دینے پر قادر نہیں تھا :

عیسائی اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مسیح نے اس لئے صلیب پر چڑھنا قبول کیا کہ یہ اس کے باپ کی مرضی اور خواہش تھی۔ میرے نزدیک اُن کے یہ عقائد بڑے خطرناک ہیں۔ اور ان کے خطرناک نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ میرے ذہن میں ایک الجھن سی تھی جسے دُور کرنے کے لئے میں نے ان مسائل پر سوچنا شروع کیا۔

چند سال بعد مجھے انڈونیشیا جانے کا اتفاق ہوا جو اس وقت ہالینڈ کی نو آبادی تھا اور ڈچ ایسٹ انڈیز کہلاتا تھا۔ اسوقت میری عمر قریباً ۲۲ سال تھی۔ ایک رات میں باہر سیر کے لئے نکلا تو چلتے چلتے میری نظر گاؤں کی ایک چھوٹی سی مسجد پر پڑی۔ میں نے اپنے جوتے پانی سے صاف کئے اور اندر چلا گیا۔ مسجد خالی تھی اور اس میں اندھیرا تھا۔ اسوقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ نماز کیسے پڑھی جاتی ہے۔ اور سوائے اللہ ایک ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ اللہ اکبر اور السّلام علیکم کے میں زیادہ نہیں جانتا تھا چنانچہ میں نے اپنے ہاتھ بلند کر کے یہی الفاظ اونچی آواز میں کہے۔ اتنے میں میری پشت کی طرف کا دروازہ کھلا اور ایک معمّر بزرگ اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ کیا کر رہے ہو۔ میں نے جواب دیا نماز پڑھ رہا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ نماز ایسے تو نہیں پڑھی جاتی میں نے اُن سے کہا کہ پھر کیسے پڑھوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں تو نہیں بتا سکتا تم شہر کی کسی بڑی مسجد میں چلے جاؤ۔ چنانچہ میں شہر کی ایک بڑی مسجد میں چلا گیا۔ وہاں دیکھا کہ دو آدمی شطرنج کھیل رہے ہیں۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ امام اور خطیب تھے۔ میں نے السلام علیکم کہا اور اُن سے ہاتھ ملایا۔ اس سے پہلے کہ وہ میرے آنے کا مقصد پوچھتے انہوں نے اپنے ہاتھ اور کپڑے صاف کرنے شروع کر دیئے۔ جب میں نے اپنا مقصد بیان کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ ہم نماز نہیں سکھا سکتے۔ تم ہمارے دفتر میں چلے جاؤ۔ میں دفتر میں چلا گیا۔ وہاں ایک نوجوان جس نے یہ سارا ماجرا دیکھ لیا تھا اُن کی اس عجیب حرکت پر ہنس رہا تھا کہنے لگا وہ تمہیں کافر سمجھتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے اپنے ہاتھ اور کپڑے صاف کئے۔ اس نوجوان نے مجھے کہا بہتر ہے تم جماعت احمدیہ (لاہور) کے دفتر میں چلے جاؤ۔ وہ بہت اچھے مسلمان ہیں۔ وہ تمہاری مدد کریں گے۔ اُن کے پاس انگریزی۔ ڈچ اور ملائی زبان میں کتابیں بھی موجود ہیں۔ میں وہاں گیا تو جماعت احمدیہ لاہور کے بزرگوں اور دوستوں سے ملاقات ہوئی۔ وہاں سے مجھے صحیح اسلام کی روشنی ملی۔ جسے جماعت احمدیہ لاہور آج تمام دنیا میں پھیلا رہی ہے۔ جو اسلام دُوسرے لوگوں کی طرف سے آج پیش کیا جا رہا ہے۔ اُس میں عیسائیوں کے لئے کوئی کشش نہیں کیونکہ حضرت مسیح کے بارے میں اُن کا عقیدہ عیسائیاں یہود کے عقیدہ سے مختلف نہیں۔ دونوں یہی کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم زندہ ہے اور آسمان پر بیٹھا ہے۔ وہی دوبارہ آئے گا۔ حالانکہ قرآن کریم عیسائیوں اور یہودیوں کے عقائد کو غلط ٹھہرا کر ان کی تصحیح کرتا ہے

اسلام صرف زبان سے اقرار کر لینے کا نام نہیں یہ قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کا نام ہے۔ اگر قرآن پر عمل ہوتا تو آج مسلمان ایک دُوسرے کا خون نہ بہا رہے ہوتے کیونکہ قرآن تو کہتا ہے کہ ایک مسلمان دُوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اسلام تو امن اور سلامتی کا نام ہے۔ قتل و غارت اور فساد کا نام نہیں۔ آج بہت سے اسلامی ملک آزاد ہو چکے ہیں۔ نو آبادیاتی نظام ختم ہو چکا ہے۔ ان آزاد ملکوں میں بہت امیر ملک بھی ہیں اور غریب بھی۔ اسلامی اخوت کا تقاضا ہے کہ امیر ملک غریب ملکوں کی امداد کریں اور ایک متحدہ قوت بن جائیں۔ لیکن وہ بھی آپس میں بٹے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سامنے صحیح اور سچا اسلام نہیں ہے۔ وہ قرآن و سنت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالٰے جماعت احمدیہ کو توفیق دے گا کہ وہ سچے اسلام کو تمام دنیا میں پھیلائیں کیونکہ یہی وہ اسلام ہے جس میں تمام دُنیا کے لئے امن اور سلامتی کا پیغام ہے۔ اگر وہ آپ لوگوں کی بات نہیں مانتے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ میری مثال ان کے سامنے ہے میں عیسائی تھا انہیں یہ سوچنا چاہیئے کہ ایک عیسائی اپنی تحقیق اور جستجو کی بدولت کیوں کر مسلمان اور احمدی ہو گیا۔ اگر وہ میری اور آپ کی بات بھی نہیں مانتے تو خود عیسائی مذہب کے عقائد کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں انہیں معلوم ہو جائے گا کہ سچائی کہاں ہے اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے عقائد میں کتنا فرق ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو اسلام سے پھیر سکتے ہیں کیونکہ اُن کے اور ہمارے عقائد میں کوئی فرق نہیں۔ وہ بھی مسیح ابن مریم کو زندہ مانتے ہیں اور ہم بھی۔ وہ بھی مانتے ہیں کہ وہ دوبارہ آئے گا اور ہم بھی۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ وہ آسمان پر ہے اور ہم بھی یہی مانتے ہیں۔ عیسائی جانتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے ان کے عقائد کو اپنے ناقابلِ تردید دلائل سے بے بنیاد اور باطل ثابت کر دیا ہے۔ اس لئے وہ احمدیوں کے مقابلے میں آنے یا ان سے ان مسائل پر گفتگو کرنے سے گھبراتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ عیسائی دُوسرے لوگوں کی نسبت حضرت مرزا صاحب کی تعلیم کو بہتر طور پر سمجھتے ہیں اور انہیں یقین ہے کہ اسلام کی حقیقی تعلیم یہی ہے۔ اگر جماعت احمدیہ کے مخالفین کو بھی حضرت مرزا صاحب کی کتابوں کا اتنا ہی علم ہوتا تو وہ یہ کبھی نہ کہتے کہ احمدی مسلمان نہیں اور اُن کا عقیدہ غلط ہے :-

لوگ اکثر اس بات پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ اس ڈچ کو حضرت مرزا صاحب کا کہاں سے علم ہو گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ علم کسی کی میراث نہیں جو چاہے اسے حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام اور قرآن پر بھی کسی کی اجارہ داری نہیں۔ وہ خود ایسی پُر حکمت کتاب ہے کہ بغیر عربی زبان جاننے کے بھی وہ جس زبان میں پیش کی جائے اُس سے روشنی حاصل کی جا سکتی ہے۔ میں نے اسلام اور حضرت مرزا صاحب کے متعلق ۴۰ سال تک مطالعہ کیا اور حقیقت کو پا یا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہی وہ تعلیم ہے جس کی بدولت اسلام کا سُورج مغرب سے طلوع ہو گا۔ اسلامی اور مغربی ممالک کی معاشی اور سماجی زندگی میں واضح فرق سے یہی آثار نمایاں ہوتے ہیں

ہالینڈ میں تبلیغ اسلام کے لئے ڈچ زبان میں بے شمار لٹریچر کی ضرورت ہے کیونکہ مناظروں اور بحث مباحثوں کی نسبت لٹریچر کے ذریعے تبلیغ زیادہ مؤثر اور وسیع پیمانے پر ہو سکتی ہے۔ ہالینڈ ہمیشہ سے مذہبی زندگی کا مرکز رہا ہے۔ اسوقت وہاں تین لاکھ پچاس ہزار مسلمان ہیں۔ جو گرجوں میں نماز ادا کرتے ہیں۔ ان میں اکثر مراکش اور ترکی کے مسلمان بھی شامل ہیں۔ وہ وقت دور نہیں کہ ہم ان مراکش اور ترک مسلمان احمدیوں سے تبلیغ میں [illegible] جب سے میں ایمسٹرڈم کی جماعت کا صدر بنا ہوں ہمیں عیسائیوں کی طرف سے مختلف قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ہم اپنا کام ٹھوس بنیادوں پر شروع کرنے کے لئے ایک منصوبہ بنا رہے ہیں میں آپ کی دعاؤں کا متمنی ہوں۔ اور آپ سے عملی تعاون کی درخواست کرتا ہوں۔ احمدیت کی بدولت ہی اسلام کا سُورج مغرب سے طلوع ہو گا۔ میری دُعا ہے اللہ تعالٰے آپ کو اپنے فضل و رحمت سے نوازے۔ آمین!

* * *

وہ ہمنشیں سب سے بہتر ہے جس کو دیکھنا خدا کی یاد دلا دے۔

(اقوال زریں)

مکرّم مرزا محمّد لطیف شاھد

ید اللہ فوق الجماعۃ

جس طرح قرآن کریم قیامت تک تمام بنی نوعِ انسان کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے اسی طرح حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ارشاداتِ مبارکہ ہر زمانہ میں لوگوں کی صحیح راہنمائی اور روشنی کا کام دے رہے ہیں۔ اور دیتے رہیں گے۔ اُوپر میں نے جو حدیث درج کی ہے۔ کتنی مختصر ہے۔ صرف چار لفظ ہیں لیکن حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ایک ایسی عمدہ نصیحت فرما دی ہے جس کو مدنظر رکھنے اور اس پر عمل کرنے کے نتیجہ میں انسان خیر و برکت کا وارث بن سکتا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے :۔

"ید اللہ فوق الجماعۃ۔"

"ید" کے معنی عربی میں ہاتھ۔ برکت اور امداد کے ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے برکت، امداد اور ہاتھ جماعت کے لئے ہے۔ جماعت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ گروہ جو ایک خاص نصب العین کو لے کر دُنیا میں کھڑا ہوتا ہے۔ اور اس دنیا میں جو فرض یا جو اس کی پیدائش کا مقصد ہے۔ اس کی روشنی خدا تعالےٰ کی کتاب سے لیتا ہے۔ ان کے تمام کام ایک خاص مقصد کے لئے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی عملی زندگی میں بے قید زندگی نہیں بسر کرتے۔ قرآن مجید کی ہدایت اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سنت پر پُورے طور پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

جماعت کو برکت ملنے کا پہلا ذریعہ یہ ہے کہ ان کا عقیدہ توحید باری تعالےٰ۔ قرآن مجید اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم پر چٹان سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ اور صرف عقیدہ ہی نہیں ان کے احکام پر سچے دل سے عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ان احکامات سے سر مو انحراف وہ اپنے لئے خسران و تباہ کا موجب سمجھتا ہے اور ہر دم اسی فکر میں رہتا ہے کہ نیکیوں میں قدم آگے بڑھائے۔ آج کے دن کے اعمال کل سے گونہ سبقت رکھنے والے ہوں۔ اور اس کے بعد اس کے اندر بنی نوعِ انسان کی سچی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو۔ خدا تعالیٰ کی مخلوق سے وہ اپنے دائرہ میں سب سے بڑھ کر خلوص و محبت کا پیکر ہو۔ اپنے بھائیوں کے دُکھ درد میں تڑپ رکھنے والا ہو۔ اور اس کے کسی فعل سے کسی رنگ میں کبھی دُوسرے بھائی کو کسی قسم کی تکلیف یا آزار نہ پہنچے۔

اگر کسی جماعت میں ایسے افراد پائے جائیں کہ اُن کے قلوب میں مافت و محبت کے بجائے شکر رنجی یا عدم الفت ہے۔ تو یہ روح جماعت کے قیام کی منافی ہے۔ قرآن مجید نے تحسبہم جمیعًا وّ قلوبہم شتّٰی (الحشر) تو انہیں اکٹھا سمجھتا ہے اور ان کے دل علیحدہ علیحدہ ہیں۔ یہ کفار کے قلوب کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس میں مسلمانوں کو ایک عظیم الشان نصیحت فرمائی۔ کہ دُوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے آپکے دِل آئینہ کی طرح صاف ہونے چاہئیں کبھی کسی مُسلمان بھائی کے بارے میں ایسی بات نہ سوچو۔ نہ کہو۔ جس سے اس کی دِل شکنی ہوتی ہو۔ مومنوں کی مثال تو یہ دی کہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم۔ کفار کے مقابلہ میں وہ اپنے دین پر بڑے پختہ ہوتے ہیں۔ ان کی بنیاد سنی سنائی باتوں پر نہیں ہوتی۔ ان کو دین کا حقیقی علم ہوتا ہے۔ سنی سنائی یا قیاسی باتوں پر ان کا انحصار نہیں ہوتا۔ اور مومنوں کے ساتھ ان کا بڑا خلوص و محبت کا تعلق ہوتا ہے۔ ان کی نظر میں ہمیشہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم وجہ فضیلت اور بزرگی ہوتی ہے۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مسلمانوں کو بڑی پیاری نصائح بیان فرمائی ہیں۔ اُن پر عمل کرنے سے دونوں جہانوں میں انسان کامیاب ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ ان پر عمل کرے۔ فرمایا۔

"لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہٖ۔"

تم میں سے کوئی شخص کامل مسلمان (مومن) نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ چیز جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اپنے بھائی کے لئے پسند نہ کرے۔ آج خدا کے فضل سے مُسلمان نوّے کروڑ کی تعداد میں ہیں۔ چالیس سے اُوپر اُن کی حکومتیں ہیں۔ اور ایسی ایسی حکومتیں بھی ہیں کہ محض خدا کے فضل سے اُن کے ذرائع اتنے وسیع اور لامحدود ہیں۔ ان کی نگاہ میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر تو ہماری کایا پلٹ جائے اور آج سب مُسلمان سب سے اُونچا مقام حاصل کئے ہوئے ہوں۔ اور اسی طرح جماعتی رنگ میں سارے افراد اس حُکم کو اگر پیشِ نظر رکھیں۔ ہر مسلمان دُوسرے کی خیر خواہی۔ بھلائی اور بہتری سوچے تو سارے فساد۔ اختلافات اور انتشار کا قلع قمع ہو جائے۔ اسی طرح آپ فرماتے ہیں۔ کہ مُسلمان ایک جسد واحد کی طرح ہیں۔ اگر جسم کے ایک حصہ میں تکلیف ہو تو سارا جسم اس حصہ کی تکلیف کی وجہ سے تکلیف، بے چینی اور بے خوابی محسوس کرے گا۔ اور کسی پل اس کو چین اور آرام نہیں آئے گا۔ اس میں کتنا پیارا سبق ہے۔ جماعت اس وقت اللہ تعالےٰ کی طرف سے برکت۔ امداد اور ہاتھ کی مستحق ہوگی۔ جب ہر ایک کی خوشی کو دُوسرے بھی اپنی خوشی محسوس کریں۔ اور دُوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھیں۔ اور اگر کسی بھائی پر کوئی ناگہانی افتاد آپڑے تو اس کو سارے مل کر دُور کرنے کی کوشش کریں۔

دُنیا میں سارے انسان برابر نہیں ہوتے۔ کئی طاقتور ہوتے ہیں اور کئی کمزور اور بعض صاحب ثروت ہوتے ہیں اور بعض محدود وسائل والے۔ اسی طرح خلقی طور پر بعض وجیہہ ہوتے ہیں اور بعض اُن سے کم تر۔ اسی طرح علم۔ ھُنر۔ ذرائع کسب بھی جدا جدا ہیں۔ اسی واسطے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسلمان جماعت کے کُل افراد کو یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اے مُسلمانو! تم اپنے عیب، کمزوری پر اپنی نظر کھلی رکھو اور دُوسرے مُسلمان بھائی کی کمزوری پر اپنی نظر کو بند رکھو۔ کتنا پیارا، مبارک اور محبت پیدا کرنے والا اصُول آپؐ نے بیان فرمایا ہے۔ لیکن اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ہم دوسروں کے عیوب دل کھول کر بیان کرتے اور سنتے ہیں۔ اور اپنی کمزوریوں پر اپنی نظر بند رکھتے ہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں ایک طرف تو یہ ارشاد فرمایا کہ :۔

"انما المؤمنون اخوۃ"

انما۔ حصر کے لئے ہے۔ یعنی اس کے بعد جو بات فرمائی گئی ہے وہ صحیح۔ سچی اور درست ہے۔ اور جو اس کے علاوہ سوچتا ہے۔ وہ غلطی پر ہے۔ فرمایا۔ اے مسلمانو! تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو۔ بڑا اور چھوٹا۔ امیر یا غریب۔ زیادہ وسائل والا یا کم والا۔

یہ سب اس کارخانہ حیات کو چلانے کے لئے ایسے بنائے گئے ہیں۔ اگر یہ تفریق نہ ہو تو زندگی کا کام ہی صحیح طور پر نہ چل سکے۔ اور عملی رنگ میں تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو۔ اور دُوسری طرف یہ فرمایا۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ایک قوم دُوسری قوم پر ہنسی نہ کرے۔ شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دُوسری عورتوں پر ہنسیں شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور اپنے لوگوں کو عیب نہ لگاؤ۔ اور نہ ایک دُوسرے کو نام دھرو۔ ایمان کے بعد بُرا نام کیا ہی برا ہے۔ اور جو توبہ نہ کرے تو وہی ظالم ہیں۔"

(الحجرات)

اور غیبت کے بارے میں تو یہاں تک فرمایا ہے کہ غیبت کرنے والا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ غیبت کرنے والے کی اللہ تعالےٰ دُعا قبول نہیں فرماتا۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے :۔

"کلوا جمیعًا ولا تفرقوا فان البرکۃ مع الجماعۃ" (ابن ماجہ)

"اے مسلمانو! کبھی کبھی آپس میں اتحاد و محبت پیدا کرنے کے لئے اکٹھے بیٹھ کر بھی کھایا پیا کرو۔ تاکہ تمہارے اندر موانست۔ مجالست۔ مواکلت۔ اور الفت کا دور دورہ ہو) اور کبھی آپس میں تفرقہ نہ کیا کرو۔ اور دیکھو اکٹھا بیٹھ کر کھانے میں برکت ہے۔" اور مُسلمان جماعت کی یہ ایک فضیلت ہے۔

دُنیا میں انسان جب اکٹھے رہتے ہیں۔ بعض اوقات کسی وجہ سے اختلاف بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

اگر کبھی کسی صورت پیدا ہو تو آپ اس کو بہت جلد ختم کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا:۔

"لا یحل للمومن ان یھجر اخاہ فوق ثلثہ ایام

کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہے۔ اور ایک حدیث میں فرمایا کہ اگر دو مسلمانوں میں آپس میں اختلاف پیدا ہو جائے تو جو صلح کرنے میں پہل کرتا ہے وہ دوسرے سے بہت پہلے جنت میں جائے گا۔

غرضیکہ سچی مسلمان جماعت جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے منشاء اور اس کے دین کی اشاعت و احیاء کے لئے رکھی گئی ہے۔ اس جماعت میں شامل سب افراد کا فرض ہے کہ وہ کونوا عباد اللہ اخوانا کہ وہ سب آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ قلبی طور پر حقیقی بھائیوں کی طرح ہو جائیں۔ قبائلی عصبی گروہی۔ علاقائی اور جغرافیائی حدود اسلامی تعلیم کی رُو سے عارضی حد بندی ہے۔ جو نظام ہائے دُنیا کے لئے قائم کی گئی ہے۔ مسلمان آپس میں نہ رنگ کی وجہ سے نہ مال کی وجہ سے نہ علاقہ کی جُدائی کی وجہ سے وہ صرف اسلام کی وجہ سے ادخلوا فی السلم کافۃ کے تحت ایک جسم و رُوح کی طرح ہیں۔ اور جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو گی ہم مجموعی طور پر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوں گے۔ ہمیں تو یہی تعلیم ہے کہ ایک ہو جاؤ۔ نیک ہو جاؤ۔ اسی واسطے ہماری زندگی کا چارٹر خطبہ حجۃ الوداع ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کسی کو کسی پر کوئی فخر نہیں۔ کوئی کسی سے بڑا نہیں کوئی شخص خواہ کتنا بھی بڑا ہو قانون سے بالا نہیں۔ قانون کی نظر میں تم سب برابر اور مساوی ہو۔ ایک اسلامی جماعت میں جو شاہ کے حقوق ہیں وہی ایک گدا کے بھی ہیں۔ خدا کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا ہے۔ جو بھی والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ پوری صحیح اور تسلسل سے کوشش کرے گا اس کے لئے رحمت خداوندی کا دروازہ ہوگا۔

اور دوسری طرف مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ دوسرے کی خوبیاں دیکھ کر۔ مالی وسعت کی فراوانی اور کثرت عدد۔ یا ذرائع کو دیکھ کر حسد نہیں کرنا۔ آگے بڑھنے کا راستہ ہر ایک کے لئے کھلا ہے۔ ہاں رشک کی اجازت ہے۔ کہ اپنی جدوجہد اور کوشش و محنت سے تم بھی اس کو پانے کی سعی کرو کسی کو گرانے کی فکر نہ کرنا کسی کے بارے میں دل میں بغض نہ رکھنا کسی کے سودے پر سودا نہ کرنا کسی کی غیر حاضری میں کبھی کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے اُس کا دل دُکھے۔ ہاں کلمہ خیر کی اجازت اور باعث برکت بات ہے۔ (مسلم)

کاش! آج مسلمان ان سُنہری اصولوں پر عملی طور پر عمل پیرا ہو جائیں۔ وہ ایک ہاتھ کے اُٹھنے کے ساتھ اُٹھ جائیں اور ایک کے بیٹھنے کے ساتھ بیٹھ جائیں۔ مسلمان کو تو ابتداء ہی سے جب کہ ابھی وہ بلوغت کی سرحد پر بھی نہیں پہنچتا۔ نماز میں اطاعت کا ایسا اعلیٰ سبق دیا ہے کہ اگر کی عادت ہو کہ کس طرح ایک صف میں بلا لحاظ رنگ و نسل۔ قرب و بعد سب کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک امام کی اقتداء میں اس کے اللہ اکبر کہنے پر سب سمعنا و اطعنا کہتے ہوئے صلوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور کوئی جُرأت نہیں کر سکتا۔ جب امام السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتا ہے تو سب اس کی اقتدا کرتے ہیں۔ لیکن وائے افسوس کہ کتنا نادر اور عمدہ سبق ہر روز دن میں ایک مسلمان کو عملی طور پر دیا جاتا ہے۔ لیکن قلبی و ظاہری طور پر اسی سبق کو جس کو وہ ہزار ہا مرتبہ دہرا چکا ہے۔ اس سے دُور ہے۔

آئیے! ہم سب عہد کریں کہ ہم سب ایک خاص مشن کے تحت ایک لواء کے نیچے کھڑے ہو جائیں ہم نے ایک عہد کیا ہوا ہے کہ

"میں دین کو دُنیا پر مقدم رکھوں گا۔"

ہمیں ہر دم اسی فکر میں رہنا چاہیئے کہ ہم ان راہوں پر چلیں جن سے ہمارا مولیٰ ہم سے راضی ہو جائے۔ اور سارے کاروبار کی بنیاد تقوےٰ پر رکھیں۔ کیسا پیارا ارشاد ہے:۔

"اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی"

جس مقصد کو لے کر تم کھڑے ہوئے ہو۔ یہ تقوےٰ کے بغیر حاصل نہیں ہوگا۔ انہی بنیادوں کو مضبوط بناؤ۔ بنیان مرصوص ایسی عمارت کو کہتے ہیں جس میں عمارت کا سارا میٹریل یکجا و یک جان ہو جاتا ہے۔ اس میں فرق محسوس و نظر نہیں آتا کہ یہ اینٹ ہے اور یہ مٹی یا لکڑی ہے اسی طرح جب تک ساری جماعت بڑے و چھوٹے۔ مرد و زن۔ اور خواتین سب سلک واحدہ میں۔ ہار میں پروئے ہوئے موتیوں کی طرح نہیں ہو جاتے اسوقت تک اپنے مقصد کو نہیں پا سکیں گے۔ اور اگر ایسی عمارت کی طرح جس کا ڈھانچہ تو کھڑا ہو۔ اینٹ۔ پتھر۔ لکڑی۔ چونہ وغیرہ دیکھنے والوں کو نظر آتے ہوں جس طرح کہ عمارت گرنے کے لائق ہوتی ہے۔ کوئی اس کو مکمل اور پناہ دینے والی۔ گرمی و سردی سے بچانے والی نہیں کہتا۔ بلکہ اس سے دُور رہتا ہے۔ اور اُسے مضبوط عمارت نہیں کہتے۔ اسی طرح وہ جماعت جس میں جماعت بندی کے سارے اسباب موجود ہوں۔ جب تک ان سب میں وہ وحدت قلبی۔ رحما بینھم۔ انما المؤمنون اخوۃ۔ اصبحتم بنعمتہ اخوانا۔ والی عملی کیفیت پیدا نہیں ہوگی۔ اسوقت تک ارشاد نبوی کے مطابق ید اللہ فوق الجماعۃ الٰہی نصرت اس جماعت کو نصیب نہیں ہوگی جو حقیقی صفات اپنے اندر پیدا کر لے گی۔ اور جب یہ صفات افراد میں جمیع احباب میں پیدا ہو جائیں گی تو یقیناً خدا تعالےٰ کی طرف سے برکت بھی آئے گی۔ ہر رنگ میں ترقی بھی نصیب ہوگی قلبی چین بھی نصیب ہوگا۔ اور یدخلون فی دین اللہ افواجًا کا نظارہ بھی نظر آئے گا۔

اے ہمارے مولیٰ! ہمیں اپنی کوتاہیوں کو دور کرنے کی توفیق عطا فرما۔

(باقی۔ ماقی)

ارشادات مجدد زماں!

عفو اور درگذر کی تعلیم

پہلا خلق ان میں سے عفو ہے یعنی کسی کے گناہ کو بخش دینا اس میں ایصالِ خیر یہ ہے کہ جو گناہ کرتا ہے وہ ایک ضرر پہنچاتا ہے اور اس لائق ہوتا ہے کہ اس کو بھی ضرر پہنچایا جائے سزا دلائی جائے قید کرایا جائے۔ جرمانہ کرایا جائے یا آپ اس پر ہاتھ اٹھایا جائے۔ پس اس کو بخش دینا اگر بخش دینا مناسب ہو تو اس کے حق میں ایصال خیر ہے اس میں قرآن شریف کی تعلیم یہ ہے: (۱) والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس (۲) جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ یعنی نیک آدمی وہ ہیں جو غصہ کھانے کے محل پر اپنا غصہ کھا جاتے ہیں اور بخشنے کے محل پر گناہ کو بخشتے ہیں۔ بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے جو کی گئی ہو۔ لیکن جو شخص گناہ کو بخش دے اور ایسے موقع پر بخش دے کہ اس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو کوئی شر پیدا نہ ہوتا ہو یعنی عین عفو کے محل پر ہو نہ غیر محل پر تو اس کا وہ بدلہ پائے گا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآنی تعلیم یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اور ہر جگہ شر کا مقابلہ نہ کیا جائے اور شریروں اور ظالموں کو سزا نہ دی جائے بلکہ یہ تعلیم ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ محل اور موقعہ گناہ بخشنے کا ہے یا سزا دینے کا۔ پس مجرم کے حق میں اور نیز عامہ خلائق کے حق میں جو کچھ فی الواقعہ بہتر ہو وہی صورت اختیار کی جائے۔ بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے اور بھی دلیر ہو جاتا ہے پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اندھوں کی طرح گناہ بخشنے کی عادت نہ ڈالو بلکہ غور سے دیکھ کہ حقیقی نیکی کس بات میں ہے۔ آیا بخشنے میں یا سزا دینے میں۔ پس جو امر محل اور موقعہ کے مناسب ہو وہی کرو۔

حافظ شیر محمد صاحب خوشابی

خواجۂ و مر عاجزاں را بندہ

نٓ والقلم وما یسطرون ٥ ما انت بنعمۃ ربک بمجنون ٥ ان لک لاجرًا غیر ممنون ٥ وانک لعلٰی خلقٍ عظیم ٥ فستبصر و یبصرون بایکم المفتون ٥

”دوات اور قلم اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں گواہ ہے کہ تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں اور یقیناً تیرے لئے اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا۔ اور تو یقیناً عظیم الشان اخلاق پر قائم ہے۔ سو تو دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کس کو جنون ہے۔“

یہ سورۃ القلم کی ابتدائی آیات ہیں ان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صداقت پر قلم اور دوات اوران کی مدد سے دنیا میں جس قدر علوم پھیلیں گے ان سب کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ جو انسان غربت میں افلاس حکومت اور بادشاہت میں اعلےٰ درجہ کے اخلاق کا مالک ہو وہ مجنون کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک دیوانہ تو غصہ کی حالت میں یا جوش کے وقت کبھی بھی اعلےٰ درجہ کے اخلاق نہیں دکھلا سکتا لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں کہ بڑی سے بڑی تکلیف میں اخلاق کے اعلےٰ مقام پر نظر آتے ہیں۔ آپ نے نہ صرف خود دکھوں سے نجات پائی بلکہ تمام دنیا کو دکھوں اور غموں سے نجات دلائی۔

یہ کوئی خوش عقیدگی کی بات نہیں واقعات کی بات ہے۔ جس سے مسلمان کیا غیر مسلم بھی انکار نہیں کر سکتے۔ اس بات کو ماننے سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ نسلِ انسانی پر سب سے بڑھ کر احسان حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ہے۔ آپ نے جو کچھ نسلِ انسانی کے لئے کیا دنیا کا کوئی دوسرا مصلح کسی قوم یا ملک کے لئے نہیں کر سکا۔ آپ نے بالکل مختصر عرصہ میں ملک عرب سے ہر قسم کے غلط خیالات اور غلط عقائد ہی کو دور نہیں کیا بلکہ ہر طرح کی بداخلاقیوں اور بدکرداریوں سے بھی انہیں نجات دلائی۔ آپ اس وقت دنیا میں تشریف لائے جب تمام دنیا پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ میور جیسا متعصب عیسائی بھی لکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ:-

”ساتویں صدی کی عیسائیت نہایت گری ہوئی اور ذلیل حالت میں تھی اگر ملک عرب میں حضرت محمدؐ نے اسوقت مشعل نہ جلائی ہوتی تو دنیا میں تاریکی کا ہی دور دورہ ہوتا اور تہذیب اور علم دنیا سے مفقود ہو جاتے۔“

میور کی شہادت واقعات کی شہادت ہے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پیشتر دنیا میں جتنے مصلح ریفارمر ہادی اور انبیاء گزرے ان کے ماننے والوں نے ان کے متعلق ایسے ایسے غلط خیالات پھیلا رکھے تھے کہ ان کا وجود ایک افسانہ نظر آتا تھا لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چودہ سو سال کے طویل عرصہ کے بعد بھی آج ہمیں اتنے ہی قریب نظر آتے ہیں جتنے کہ اپنے عہد اور اپنے زمانہ کے لوگوں کو نظر آتے تھے۔ کیونکہ آپؐ کے اقوال و افعال، ارشادات و تعلیمات، شمائل و خصائل کو تاریخ نے اسطرح محفوظ کر رکھا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے جزئیات تک بھی کتابوں میں لکھے ہوئے موجود ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غربت سے لے کر بادشاہت تک جو کیرکٹر اور اخلاق کا اعلےٰ نمونہ دکھلایا ہے دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی ہر قسم کے اخلاق کا مکمل مجموعہ تھا۔ خصوصًا سورۃ قلم کی ان آیات میں بیان کردہ دو باتیں جو حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی میں ہمارے سامنے آتی ہیں مخالف سے مخالف بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سامنے گردن جھکانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ یہ ہیں کہ فقر اور غربت کی حالت میں آپؐ بادشاہ ہیں اور بادشاہت اور سلطنت کے زمانہ میں آپ فقیر ہیں۔ ایک انسان کی زندگی پر روشنی ڈالنے کے لئے یہی دو باتیں کافی ہیں۔ انہی باتوں سے پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ یہ انسان کس قدر اخلاقِ فاضلہ کا مالک ہے۔ ان آیات میں انہی دو پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

یہ آیات اس زمانہ میں نازل ہوئیں جب آپ انتہائی تکلیف اور دکھوں کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ مخالفت زوروں پر تھی کوئی ساتھ دینے والا نہ تھا۔ بیگانے تو بیگانے رہے اپنے بھی بیگانے ہو چکے تھے۔ خود حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا ابولہب کا یہ حال تھا کہ جہاں آپؐ دعوتِ حق کو پہنچانے کے لئے تشریف لے جاتے یہ پیچھے پیچھے کہتا پھرتا کہ لوگو! میرا بھتیجا مجنون ہو گیا۔ دیوانہ ہو گیا۔ اس کی باتوں کی طرف توجہ نہ کرنا۔ خداتعالےٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں۔

”نٓ والقلم وما یسطرون“

قلم اور دوات اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں اس بات پر گواہ ہیں کہ آپ دیوانہ نہیں۔

آج آپ کو غریب اور تنہا سمجھ کر دیوانہ کہا جاتا ہے۔ ایک وقت آرہا ہے کہ آپؐ بادشاہ ہوں گے آپ کے قدموں میں دولت کے انبار لگے ہوئے ہوں گے پورا ملک آپ کے زیرِ نگیں ہوگا۔ تو جیسے آج آپ اخلاق فاضلہ کے مجسمہ ہیں اس زمانہ میں بھی آپ اخلاق کے اعلےٰ مقام پر ہوں گے۔ دولت اور حکومت کی وجہ سے کسی قسم کی کوئی تبدیلی آپ میں نہیں آئے گی۔

عمومًا دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ غریب آدمی کو جب کوئی اچھی سی پوسٹ مل جاتی ہے یا اس کے پاس دولت آجاتی ہے تو اس کا معیارِ زندگی بلند ہو جاتا ہے۔ سوسائٹی بدل جاتی ہے۔ حالات تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق فرمایا کہ آپ خواہ غربت کی حالت میں ہوں یا بادشاہت کے مقام پر آپ کے قلبِ مطہر میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی آپ نہ دیکھیں گے۔

”وانک لعلٰی خلقٍ عظیم“

آپ ہر حالت میں دکھ اور سکھ میں عسر اور یسر میں امیری اور غریبی میں افلاس اور بادشاہت میں اخلاق کے بلند ترین مقام پر نظر آتے ہیں۔ انسان پر جب ابتلاء آتے ہیں اس کا امتحان ہو جاتا ہے۔ تو بڑے بڑے آدمی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ کوئی طاقت سے مرعوب ہو جاتا ہے کوئی لالچ میں آکر ختم ہو جاتا ہے۔ کوئی جذبات کی رو میں بہہ جاتا ہے۔ کوئی عزت کو بچانے کے لئے اپنا پہلو بچا لیتا ہے۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی ذات ہے کہ نہ طاقت سے مرعوب ہوئے نہ ان کے کوئی محبت آڑے آسکی۔ نہ دولت و حکومت کا لالچ انہیں حق بات کہنے سے باز اور دور رکھ سکا نہ حسین و جمیل عورت کی پیشکش آپؐ کے جذبات کو مغلوب کر سکی۔ نہ لڑائی اور جنگ کے وقت آپ نے اخلاقِ حمیدہ کو چھوڑا۔

(۱) قریش کے بڑے بڑے آدمیوں کا ایک وفد ابوطالب کے پاس آیا جس نے آکر ابوطالب کو دھمکی دی کہ اب ہم اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتے۔ یا تو تم اپنے بھتیجے سے الگ ہو جاؤ یا خود بھی اس کے ساتھ مل جاؤ تاکہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو جائے۔ یہ بات ابوطالب کے لئے بڑی مشکل تھی آپؐ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بلایا اور کہا کہ مجھ پر اور اپنی ذات پر رحم کرو۔ مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جس کو میں اٹھا نہیں سکتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر یہ کتنا مشکل وقت تھا کہ دنیا میں صرف ایک چچا معاون رہ گیا تھا وہ بھی اب الگ ہونے لگا ہے۔ جس چچا کو آپؐ نے ساری زندگی جواب نہ دیا تھا

اور اس کے منشاء کے خلاف کوئی بات نہ کی تھی۔ اسے بڑے سکون اور اطمینان سے کہتے ہیں کہ اے چچا اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تو میں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ آپ نے اس درد کے رنگ میں یہ الفاظ کہے کہ چچا نے اسی وقت گلے لگا لیا اور کہا کہ اے بیٹے جاؤ اور جو چاہو کرو میں کسی صورت میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ کتنا کیرکٹر ہے کہ حق کے مقابلہ میں آپ کو کوئی طاقت مرعوب کر سکتی ہے نہ چچا کی محبت ۔

(۳) اسی بے کسی کی حالت کا ایک اور واقعہ ہے کہ کفار مکہ آپ کو لالچ دے کر اس مشن کو آپؐ سے چھڑانا چاہتے ہیں جس کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ کو آپؐ کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے اس نے آکر آپ کی خدمت میں تین باتیں پیش کیں۔ دولت۔ حکومت اور خوبصورت سے خوبصورت عورت ان تینوں باتوں میں سے جو چاہیں ہم دینے کو تیار ہیں آپؐ تبلیغ سے باز آ جائیں۔ مگر اس قلب مطہر میں دنیا کے مال و عزت کی خواہش کبھی بھی نہ آئی تھی۔ آپؐ اسے جواب دیتے ہیں کہ مجھے نہ مال و دولت کی خواہش ہے نہ حکومت کی نہ حسن و جمال کی۔ مجھے خدا تعالیٰ نے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ میں تم کو خدا کا پیغام پہنچاتا ہوں اگر قبول کرو گے خوشحال رہو گے اگر قبول نہ کرو گے تو خدا تعالیٰ فیصلہ کرے گا۔ عتبہ نے واپس آکر کہا کہ تم محمد صلعم کی مخالفت ترک کر دو وہ اس دنیا کا انسان نہیں۔ یہ ہے آپؐ کے قلب کا استغنا کہ آپ دنیا کی حکومت اور دولت کو ایک تنکا کے برابر وقعت نہیں دیتے اس بے کسی اور عاجزی کے زمانہ میں کتنی قوت اور طاقت اور خود اعتمادی کا اظہار ہے۔ یہی دراصل وہ چیز ہے جو انسان کو ایک عظیم انسان بناتی ہے۔

(۳) آپ کا اور آپ کے خاندان کا تین سال تک بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔ آپ پر وہ زمانہ آتا مشکلات کا زمانہ ہے کہ الامان والحفیظ۔ اس بائیکاٹ کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے بچے بھوک کے مارے بلبلاتے ہیں ان کے رونے کی آواز سے کئی راہ گذر لوگوں کے دلوں میں درد اور ٹیس پیدا ہوتی ہے۔ قوم کے ڈر سے کوئی ان کی مدد نہیں کر سکتا۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اطمینان سے وہ تکالیف برداشت کرتے ہیں کہ آپ کی پیشانی پر شکن تک نہیں آتی۔

(۴) آپ ایک دفعہ خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے طائف میں تشریف لے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا انہیں پیغام سناتے ہیں۔ جواب میں طائف کے سرداروں نے بچوں۔ اوباشوں اور بازاری لوگوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ مذاق کرتے ہیں۔ تالیاں بجاتے استہزا کرتے ہیں۔ آپ پر پتھر پھینکتے ہیں۔ آپ کو شہر سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔ پتھروں کی بوچھاڑ سے آپ لہو لہان ہو جاتے ہیں۔ اور تکلیف کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتے کہیں سستانے کے لئے اور آرام کرنے کے لئے بیٹھتے ہیں تو وہ بدبخت بازو سے پکڑ کر اٹھا دیتے ہیں کہ ہمارے علاقہ سے نکل جاؤ۔ تین میل تک وہ متواتر آپ کے پیچھے چلتے ہیں۔ جب وہ آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو آپ زخموں کی تاب نہ لا کر ایک باغ میں جو ایک کافر کا تھا آرام کرنے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں۔ آپ کے غلام زیدؓ بن حارث کو پتہ چلتا ہے وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی اس نازک حالت کو جب دیکھتا ہے تو درخواست کرتا ہے کہ حضور ان بدبختوں کے لئے بددعا کیجیئے۔ تو حضورؐ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں کہ اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔ یہ تو غربت کا زمانہ ہے۔ آپ کے جنگ کے حالات میں بھی اس قسم کے سینکڑوں واقعات ملتے ہیں۔

(۵) جنگ کی حالت میں بھی آپ نے اخلاق فاضلہ کو نہیں چھوڑا۔ آپؐ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ بچوں پر تلوار نہیں اٹھانی۔ عورتوں پر نہیں اٹھانی۔ بوڑھوں پر نہیں اٹھانی۔ جو اپنا دروازہ بند کر لیں انہیں کچھ نہیں کہنا۔

آپ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ان حالات کو ایک طرف رکھیں۔ دوسری طرف جب آپ مکہ فتح کرتے ہیں۔ آپ کو حکومت مل جاتی ہے۔ دولت کے ڈھیر آپ کے قدموں میں لگ جاتے ہیں۔ لاکھوں جان نثار اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ اس وقت بھی آپ کے گھر میں وہی افلاس ہے۔ وہی غربت ہے۔ نہ آپ اپنا معیار زندگی بلند کرتے ہیں۔ نہ سوسائٹی بدلتے ہیں۔ نہ کسی قسم کی آپ کے اندر کوئی تبدیلی آتی ہے۔

(۱) جب مکہ فتح ہو جاتا ہے تمام لوگ جنہوں نے آپؐ کو بڑے بڑے دکھ دیئے آپ کو تکالیف پہنچائیں وہ مجرم کی حیثیت سے آپ کے دربار میں حاضر کئے جاتے ہیں۔ آپ نے ان کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی۔ انہیں کوئی سزا نہیں دی۔ ملامت تک نہیں کی۔ بلکہ فرمایا:۔

"لا تثریب علیکم الیوم انتم الطلقاء"

۲۔ فتح مکہ سے پہلے ایک دفعہ خانہ کعبہ میں عبادت کرنے کے لئے آپؐ نے عثمان بن طلحہ سے خانہ کعبہ کی چابی مانگی تھی اس نے انکار کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اے عثمان ایک وقت آنے والا ہے کہ خانہ کعبہ کی چابیاں میرے پاس ہونگی۔ اس نے آپ سے مذاق کیا۔ کہ دیکھا جائے گا۔ فتح مکہ کے دن تمام لوگوں کی نظریں اس بات پر لگی ہوئی تھیں کہ حضور عثمان سے چابیاں لے کر کسی دوسرے کے سپرد کر دیں گے۔ آپ عثمان کو بلاتے ہیں اور خانہ کعبہ کو کھلوا کر دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ پھر چابیاں عثمان کو ہی واپس کر دیں اور فرمایا کہ اے عثمان یہ چابی ہمیشہ کے لئے تمہارے پاس اور تمہاری نسل میں ہی رہے گی۔ آپ نے قطعاً وہ پہلا واقعہ یاد بھی نہ کرایا کہ تم نے میرے ساتھ ایسا کیا تھا۔ آپ کے اتنے بڑے اخلاق کو دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔

(۳) ابوسفیان نے متواتر ۲۱ سال تک آپ کو دکھ دیا۔ اسلام کی بیخ کنی میں اس نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی نہ صرف اس کو معاف کیا بلکہ اعلان کرا دیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا وہ امن میں آ جائے گا۔

(۴) ہندہ جس نے حضرت حمزہؓ کا مثلہ کیا تھا اور جگر چبا لیا تھا اسے بھی معاف کیا گیا۔

(۵) وحشی جس نے حضرت حمزہ کو قتل کیا اس سے بھی درگذر کیا گیا۔

(۶) جس یہودی عورت نے آپؐ کو زہر دیا تھا اس کو بھی معاف کر دیا گیا۔

(۷) ہبار جس نے حضورؐ کی صاحبزادی کو پتھر مارے تھے جس کی وجہ سے ان کا انتقال ہو گیا تھا اسے بھی آپؐ نے معاف فرما دیا۔

(۸) حضرت انس کہتے ہیں کہ دس سال میں نے حضور کی خدمت کی اتنے بڑے عرصہ میں فما قال لی اُف ولا لم صنعت ولا الا صنعت۔ مجھے آپ نے اُف تک نہیں کیا۔ اور نہ یہ کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا۔ اور نہ یہ کہا کہ تم نے کیوں نہیں کیا۔

(۹) ایک دفعہ آپ کا غلام کسی سفر سے کچھ عرصہ بعد واپس آیا۔ جب نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا فقام الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عریانا یجر ثوبہ فاعتنقہ وقبلہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ننگے پاؤں اس کی طرف چل پڑے۔ آپ کی چادر زمین پر گھسٹتی جا رہی تھی آپ نے اسے گلے لگایا اور بوسہ دیا۔

(۱۰) ایک دفعہ یہودی کا جنازہ گذرا تو آپ کھڑے ہو گئے کسی نے کہا کہ یہ تو کافر کا جنازہ ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہودی انسان نہیں ہوتے۔

(۱۱) ایک دفعہ حضورؐ بازار جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بوڑھی عورت ملی وہ بے چاری بڑی مشکل سے چل سکتی تھی۔ اس کا سودا لینے کے لئے آپ خود چلے گئے اور اس کی چیزیں وغیرہ خرید کر اسے لا دیں بادشاہ ہو کر ایسے کام کرنے سے آپ کو کوئی شرم نہ آتی تھی۔

(۱۲) آپ کی نگاہ میں مال و دولت اگر خدا کے راستہ میں بنی نوع انسان کی خدمت میں خرچ نہیں ہوتی تو مال و دولت کی کچھ وقعت نہ تھی۔

(۱۳) جب آپ کی کافی علاقہ پر حکومت ہوئی اور مال و دولت کثرت سے آنے لگے تو حضورؐ کی ازواج مطہرات کے دل میں کبھی مال کی خواہش پیدا کی۔ آخر وہ بھی انسان تھیں۔ درخواست کی کہ ہمیں بھی کچھ دیا جائے تو حکم ہوتا ہے:۔

"اے نبیؐ! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دے دوں اور تم کو اچھی طرح سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ اور آخرت کے گھر کو پسند کرتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے ایسی محسن عورتوں کے لئے اجر تیار کیا ہے"

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد
وبارک وسلم

تاثرات مکرم شیخ اللہ بخش صاحب

ہمارا کامیاب جلسہ سالانہ

یوں تو ہر سال ہمارا جلسہ سالانہ بہت ہی برکات اپنے ساتھ لاتا ہے۔ مگر جلسہ سالانہ سنہ ۸۰ء کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ متعدد ممالک کی احمدیہ جماعتوں کے نمائندہ وفود اس میں شریک ہو کر حضرت مجدد وقت کے اس الہام کی متشکل تصدیق اور عملی تصویر پیش کر رہے تھے۔ کہ روئے زمین کی نیک روحوں کو جمع کرو۔

مختلف اوطان اور رنگ و نسل کے مخلص اور خداشناس لوگ یکجا دیکھ کر روح پر ایک وجد سا طاری ہو جاتا تھا اور نمازوں میں ان کا حضور قلب مشاہدہ کر کے حضرت مجدد صد چہاردہم کی صداقت اور خدا تعالیٰ کی مدد پر ایمان تازہ ہو جاتا تھا۔ یہ لوگ مرد و خواتین ہزاروں میل دور سے ہزاروں ہزار روپیہ اپنی جیب سے خرچ کر کے کوئی سیر سپاٹے نہیں کرنے آئے تھے۔ بلکہ یہ محبان اسلام، اشاعت اسلام کے عظیم مشن کی اپنے اپنے علاقوں میں تکمیل کی خاطر اپنے مرکزی اکابرین جماعت کی زیارت کے علاوہ ان سے تبلیغ اسلام اور تقسیم لٹریچر کے سلسلہ میں اپنے مساعی بتانے اور آئندہ کیلئے صلاح مشورہ کرنے آئے تھے۔ ۔ "خدا خود می شود ناصر اگر ہمت شود پیدا"

پاکستان میں دسمبر کے مہینہ میں سخت سردی ہوتی ہے۔ اور ایک دنیادار شخص ذاتی فائدہ کے لئے بھی اس موسم میں سفر تردد سے کرتا ہے۔ مگر ہمارے احباب جماعت پاکستان کے کونے کونے سے نصرت دین اسلام کی خاطر ہلکی ہلکی بارش جھیلتے اور سرد سرد ہواؤں کا مقابلہ کرتے مع بال بچوں کے کشاں کشاں اپنے مرکز کے جلسہ میں پہنچ رہے تھے۔ تاکہ اپنی گذشتہ سال کی کارگذاری کا جائزہ لیں اور آئندہ کیلئے دنیا کے تمام ممالک میں اپنے وسائل کی حد تک تبلیغ اسلام اور اشاعت قرآن کے پروگرام مرتب کریں۔ اور ایک جگہ جمع ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور گریں۔ مشن کے تقدس اور اس کی عظمت اور اس کی تکمیل کے راستہ میں حائل مشکلات کے مقابلہ میں اپنی بےمائگی کو اس کے حضور پیش کر کے اس کی نصرت اور مدد طلب کریں۔ کیونکہ ہمارے ذمہ یہ ایک اہم ذمہ داری ہے جس سے محض خدا تعالیٰ کے فضل ہی سے عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے۔

اگرچہ اس لحاظ سے ہمارا دل پروردگار کا بڑا شکر گذار ہے۔ کہ اس نے محض اپنے فضل سے ہماری بساط سے زیادہ ہمیں مختلف زبانوں میں اشاعت قرآن کی توفیق دی۔ مگر ابھی کام بہت زیادہ ہے۔ دنیا اسلام کی پیاسی ہے۔ ہر طرف بیداری کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ پاکستان کے علاوہ مختلف اسلامی ممالک اپنے وسائل سے اسلام و قرآن کا پیغام امن ساری دنیا تک پہنچانے میں مستعد نظر آتے ہیں۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔ یہ سب اس مرد نیک و صالح اور مامور وقت کی ایک عمر کے تضرع، نیم شبی دعاؤں کا نتیجہ اور فیضان نظر ہے۔ جس نے مسلمانوں کی سیاسی زبوں حالی اور اشاعت قرآن و اسلام سے روگردانی سے تڑپ کر فرمایا تھا۔

؎ دین حق را گردش آمد صعبناک و سہمگیں || سخت شورے اوفتاد اندر جہاں از کفر و کیں

خدا کے دین پر نہایت خوفناک اور پرخطر گردش آگئی۔ کفر و شقاوت کی وجہ سے دنیا میں سخت فساد برپا ہو گیا۔

؎ آنکہ نفس اوست از ہر خیر و خوبی بے نصیب || مے تراشد عیب ہا در ذات خیر المرسلین

وہ شخص جس کا نفس ہر خیر و خوبی سے محروم ہے۔ وہ بھی خیر الرسل ؐ کی ذات میں عیب لگاتا ہے

؎ ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواج یزید || دین حق بیمار و بےکس ہمچو زین العابدین

افواج یزید کی مانند ہر طرف کفر جوش میں ہے اور دین حق زین العابدین ؓ کی طرح بیمار و بےکس ہے

؎ پیش چشمان شما اسلام در خاک اوفتاد || چیست عذرے پیش حق اے مجمع متنعمین

تمہاری آنکھوں کے سامنے اسلام خاک میں مل گیا پس اے امیروں کے گروہ تمہارا خدا کے حضور میں کیا عذر ہے

اور حضور کی غم اشاعت قرآن کی تڑپ کا عکس درج ذیل اشعار میں ملاحظہ فرمائیے۔

؎ دردا کہ حسن صورت فرقاں عیاں نماند + آں خود عیاں مگر اثر عارفاں نماند

افسوس کہ قرآن کے چہرہ کی خوبصورتی پوشیدہ ہوگئی وہ خود تو ظاہر ہے مگر عارفوں کا نشان نہ رہا

؎ بینم کہ ہر یکے بہ غم نفس مبتلا است + کس را غم اشاعت فرقاں بجاں نماند

میں دیکھتا ہوں کہ ہر شخص اپنے ذاتی تفکرات میں مبتلا ہے کسی کو بھی قرآن کی اشاعت کا دلی فکر نہیں رہا۔

اور حضرت امام وقت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الرحمۃ کی یہی دلی تڑپ آپ کی جماعت میں بھی خدمت و اشاعت قرآن کا شوق اور محبت پیدا کر گئی اور اب خدا تعالیٰ نے اس کمزور جماعت کی کوششوں کو شرف قبول بخش کر مسلم ممالک کے مفکرین اور رہنماؤں کے دلوں کو بھی اشاعت قرآن و اسلام کی طرف پھیر دیا ہے۔

جلسہ سالانہ پر تقریریں بھی خوب تھیں مقررین نے علم و معرفت کے موتی لٹائے اور خدمت و اشاعت اسلام کے کام کو آگے بڑھانے پر زور دیا۔ اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان کا خطاب تو ایک خاص اہمیت اور کشش رکھتا تھا۔ تمام سامعین ہمہ تن گوش بر آواز تھے۔ اس مفسر ربانی کی پر درد اور پر از معلومات تقریر سے ایک روحانی سرور حاصل کر رہے تھے۔ آپ کی اختتامی دعا بھی بڑی رقت انگیز اور پراثر تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت سے رکھے۔ اور خدمت دین و سلسلہ کے لیے لمبی زندگی عطا فرمائے۔

آپ کو دیکھ کر غیروں نے کہا ہے اکثر
دیکھئے دین کے وہ روح رواں بیٹھے ہیں

اس دفعہ امیر قوم حضرت مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ کی استقبالیہ تقریر کو دل ترستا رہا۔ جو بڑھاپے کے ضعف اور خراب موسم کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے تھے۔ کیونکہ وہ جلسہ سالانہ پر پرجوش انداز میں تقریر فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس بابرکت وجود کو دیر تک قائم رکھے۔ آپ دین کی راہ میں اہل ہمت و اخلاص کے لئے نمونہ عمل ہیں۔

اخبار احمدیہ:-

حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ بخیریت سے ہیں۔ احباب کرام ان کی صحت اور آپ کی درازی عمر کے لئے دعا فرماتے رہیں۔

- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں مدظلہ العالی بخیریت ہیں مکرم میاں محمد احمد مرحوم کی موت کے شدید صدمہ کے باوجود آپ نہایت صبر و شکر اور مومنانہ استقامت کے ساتھ حسب سابق دینی خدمات میں مصروف ہیں۔ احباب سلسلہ آپ کی صحت و عافیت کے لئے دعا فرماتے رہیں۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۴ فروری سنہ ۱۹۸۱ء۔ جلد نمبر ۶۸، شمارہ نمبر ۵، رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸

باہتمام ناصرین پرنٹرز آب کاری روڈ میں چھپا اور پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح۔ براندرتھ روڈ احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفٰی ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
ملک و ہند سے [illegible]
بیرونی ممالک سے [illegible] پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
و پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہاماتِ حضرت مسیح موعود

جلد:- ۶۸ | یوم چہار شنبہ ۵ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۱ فروری سنہ ۱۹۸۱ء عیسوی | شمارہ:- ۶

کلام الامام

حضرت مجددِ صد چہار دہم کی ایک نظم

اِک نہ اِک دن پیش ہوگا تو خدا کے سامنے
چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے

چھوڑنی ہوگی تجھے دنیائے فانی ایک دن
ہر کوئی مجبور ہے حکمِ خدا کے سامنے

چاہیئے تجھ کو مٹانا قلب سے نقشِ دوئی
سر جھکا بس مالکِ ارض و سما کے سامنے

بارگاہِ ایزدی سے تو نہ یوں مایوس ہو
مشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کشا کے سامنے

حاجتیں پوری کریں گے کیا تیری عاجز بشر
کر بیاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے

چاہیئے نفرت بدی سے اور نیکی سے پیار
ایک دِن جانا ہے تجھ کو بھی خدا کے سامنے

راستی کے سامنے کب جھوٹ پھلتا ہے بھلا
قدر کیا پتھر کی لعلِ بے بہا کے سامنے

اسلام محبت کا مذہب ہے

خواجہ کمال الدین

اس موضوع پر کچھ لکھنے سے پہلے میں اولاً مذہب اور اس کے مقصد پر چند الفاظ لکھنا چاہتا ہوں مذہب کی حقیقت و غایت کے نہ سمجھنے نے دنیائے مذہب میں مختلف مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ اسی سے طرح طرح کے غلط عقائد اور ان سے غلط اصول تمدن و تہذیب پیدا ہو گئے۔ قرآن نے جس مذہب کا نام اسلام رکھا ہے وہ ان قوانینِ الٰہیہ کی اطاعت ہے جن سے انسان کے ودیعت شدہ اور مضمرہ قوے چمک کر بلوغت کو پہنچ جاتے ہیں۔ از روئے تعلیم قرآنی محض سجدہ و رکوع کرنا۔ چند فقروں کا زبان پر لانا چند باتوں کو مان لینا مذہب نہیں۔ یہ باتیں اجزائے مذہب تو ہیں مگر عین مذہب نہیں۔ مذہب تو زندگی کا وہ صحیح نظریہ ہے کہ جس کو عمل میں لانے سے انسان وہ چیز بن جاتا ہے جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے۔

کائنات میں ایک چیز بھی تو ایسی نہیں جس میں گوناگوں استعدادیں مخفی نہ ہوں۔ ان کے پنپنے کے لئے خاص خاص لاتبدیل قواعد مقرر ہیں جن سے تمسک کر کے ہر ایک چیز اپنی مخفی استعدادوں کو ظہور میں لے آتی ہے۔ انہی لاتبدیل قوانینِ الٰہیہ پر چلنے کا نام اسلام ہے۔ کسی درخت کا تخم لے کر دیکھ لو۔ اگر کوزے میں دریا بند ہو سکتا ہے تو پھر وہی تخم ہے۔ ایک رتی بھر چیز اور اسمیں ایک بڑا تناور درخت۔ شاخیں۔ پتے۔ پھل۔ پھول۔ رائحہ۔ ذائقہ اور نہ معلوم کیا کیا کچھ بھرا پڑا ہے۔ قدرت نے اس تخم کو درخت بنانے کے لئے چند قوانین وضع فرما دیئے ہیں جس وقت ان کی اطاعت ہوئی تخم درخت ہو گیا۔ کائنات کی ہر ایک چیز کا یہی حال ہے۔ ان سب کا ایک ہی مذہب ہے یعنی اپنے متعلقہ قوانین پر چل کر اپنے کمال پر پہنچ جانا۔ اسی کا نام لفظاً اور معناً اسلام ہے۔ اگر انسان کے اندر لاانتہاء استعداد کا خزانہ ہے۔ اس کا جسم اس کے جذبات، ادراک۔ تعقل۔ ارادہ۔ تصور وغیرہ۔ پھر ان کے صحیح استعمال سے اس میں قوت صنعت و ایجاد۔ تصنیف و تالیف۔ مختلف علوم و فنون۔ پھر جذبات کا صحیح شکل میں عمدہ اخلاق میں آجانا۔ اخلاقِ فاضلہ۔ روحانیات وغیرہ۔ غرض یہ سب کچھ انسان کے اندر ہیں کسی سے کسی کا اور کسی میں کسی کا ظہور ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک چیز کے ظہور کا ایک ہی بہترین صحیح و لاتبدیل طریق ہوتا ہے جس پر چلنے کا نام اسلام ہے۔ خواہ وہ جسمانیات سے تعلق رکھے یا روحانیات سے۔

ایک جسم انسانی کی صحیح پرورش کے لئے ہمیں کائنات کی ہر ایک چیز سے تمسک کرنا پڑتا ہے جن کے متعلق پھر الگ الگ قوانین ہیں۔ یہ جو طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں وہ انہی قوانین کی خلاف ورزی سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا عالم جسمانیات کے قوانین کا دریافت کرنا اور اُن پر چلنے کا نام بھی جہاں تک جسمانیات کا تعلق ہے اسلام ہی ہے۔ اس لئے سائنس کی مختلف شاخوں میں جس قدر تحقیق سے نئے علوم پیدا ہوتے رہتے ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو وہ سب کے سب اسلام ہی کے علوم ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا خود قرآن مجید کہتا ہے وله اسلم من فی السمٰوٰت والارض۔ ہر ایک چیز جو زمین اور آسمان میں ہے، خدا کے مقرر کردہ قوانین کے آگے سر جھکاتی ہے۔ اس کی بقا اس کے خواص کا ظہور ان قوانین کی پیروی پر منحصر ہے۔ انہی قوانین کی دریافت کا نام سائنس ہے۔ سائنس کیا ہے؟ دراصل اس ارادہ الٰہیہ کا علم حاصل کرنا ہے جو کائنات کی کسی چیز کے خلق۔ اس کے خواص، اور ان خواص کے طریق ظہور کے متعلق ہو۔ اسی وجہ سے میں نے سے بھی علوم اسلام کی ایک شاخ قرار دیا ہے۔

ہماری تحقیقات جسمانیات میں بھی جو تجربہ اور مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے۔ غلطی سے خالی نہیں ہوتی۔ پھر ذہنیات، اخلاق اور روحانیات تو کل کی کل نظریات ہیں۔ ان میں تو قدم قدم پر غلطی کا احتمال ہے۔ اس لئے مصلحت ربی نے ان آخرالذکر علوم کو بذریعہ وحی انسان پر القاء کیا۔ لہٰذا ان القا شدہ باتوں کی حقیقت سمجھنا اور ان پر چلنا، مخصوص معنی میں مذہب اسلام کہلاتا ہے۔

ان باتوں سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ مقصد مذہب از روئے تعلیم قرآن مخفی قوے کا ظہور اور ان کا کمال پر پہنچانا ہے۔ پھر جب ہر ایک چیز اپنے کمال پر پہنچنے کے لئے صدہا قوانین کی پیروی کی محتاج ہے۔ تو انسان جو ایک قسم کا عالم صغیر ہے۔ اور کائنات کی کل قوتیں استعدادًا اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہ بغیر کسی قانون اور اطاعت قانون کے کس طرح اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ سکتا ہے کسی بزرگ کے چند اخلاقی فقرے۔ چند دعائیں۔ اس کے منہ سے نکلی ہوئی چند لعنتیں یا چند معجزات مذہب حقہ کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ اسی طرح چند امور پر خواہ وہ صداقت ہی کیوں نہ ہوں ایمان لانا اور ان پر عمل پیرا نہ ہونا کسی نتیجہ کو پیدا نہیں کر سکتا۔ اگر اس بات پر ایمان لانے سے کہ فلاں خزانہ میں اسقدر زر و مال ہے۔ کوئی شخص دولت مند نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ اپنے قوائے کو صحیح طور پر استعمال نہ کرے کسی بات پر صرف ایمان رکھ لینے سے فطرتِ انسانی کے مخفی جوہر نشو و نما نہیں پا سکتے۔ یہ نظریہ ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ خود عشاء ربانی کے مسئلہ کو دیکھا جائے۔ اس کے متعلق عقیدہ یہ ہے کہ جس وقت ایک پرستار صدقِ دل اور صحیح اعتقاد سے شراب کا ایک قطرہ اور روٹی کا ایک ٹکڑا جسے باپ بیٹے کے نام پر تقدیس دی گئی ہے حلق سے اُتارتا ہے۔

انسان کا صحیح مذہب وہی ہے جو کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا ہے جس طرح کسی درخت کے تخم میں ہزار ہا ان گنت جوہر مضمر ہوتے ہیں۔ اسی طرح بے تعداد استعدادیں نطفۂ انسانی میں پنہاں ہیں اگر ایک تخم مقررہ قوانین اور راہوں پر چلنے ہی سے ایک باثمر درخت بن جاتا ہے۔ تو انسانی جوہر بھی صحیح قوانینِ الٰہیہ پر چلنے سے ہی بارور ہوتے ہیں۔

مکتوب سرینگر

مکرم جناب محمد یوسف تاثیر ۔۔ محترم جنرل سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی خدمت میں لکھتے ہیں:۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کا سالانہ اجلاس ۸۔ ۹ نومبر ۸۰ء بمقام (بہ مقام یاری پورہ کشمیر داشت ناک) منعقد ہوا اور یہ روحانی اور بابرکت اجلاس چودھویں صدی کا اختتام اور پندرھویں صدی کے آغاز مطابق یکم محرم الحرام ۱۴۰۱ھ کو ختم ہوا۔ ۸ نومبر پہلا اجلاس الحاج محمد صادق بٹ صاحب کی صدارت میں ہوا۔ افتتاحی تقریر خاکسار راقم الحروف نے کی۔ بعد ازاں حضرت امیر مرحوم مولانا صدرالدین ایدہ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی اور مکرم مرزا مسعود بیگ جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے۔ ۹ نومبر اتوار جلسہ کی پہلی نشست ڈاکٹر خورشید عالم دین صاحب اور دوسری جناب الحاج شیخ عبدالصمد کی صدارت میں منعقد ہوئی۔

دعا کے بعد پندرھویں صدی کے پہلے دن یہ جلسہ بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا۔ جملہ مہمانوں اور مندوبین کی رہائش کا انتظام جامع احمدیہ یاری پورہ میں کیا گیا تھا۔

والسلام

از مدیر اعزازی

کردار سازی

ماہ ربیع الاوّل کے پہلے عشرہ میں سیرت نبویؐ کے سلسلہ میں "کردار سازی" کے موضوع پر ٹی۔ وی سے نشر ہونے والا ایک علمی مذاکرہ جس میں نوجوان طلباء اور طالبات شریک تھیں۔ ہمیں بھی سننے کا موقعہ ملا۔ فاضل مقرر نے قرآن شریف کی یہ آیت "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ" پڑھنے کے بعد اس کی تشریح کی اور اپنی تقریر ختم کرنے کے بعد اپنے مخاطبین کو سوال و جواب کا موقعہ دیا۔ طلباء و طالبات کی طرف سے مختلف قسم کے سوالات پوچھے گئے۔ جن کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی۔ لیکن سائلین کے چہروں کے تاثرات سے دکھائی دیتا تھا کہ جوابات اطمینان بخش نہیں تھے۔ اور ابھی ان کی تشنگی باقی تھی۔ وہ کھل کر بحث کرنا چاہتے تھے لیکن غالباً وقت کی تنگی کی وجہ سے سیر حاصل بحث کر کے کسی نتیجے پر پہنچنا ممکن دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ایک بات بالکل عیاں تھی کہ آج کا طالب علم بہت ذہین اور حساس ہے۔ وہ بڑی شدت سے محسوس کرتا ہے کہ اُسے بے شمار مذہبی۔ معاشرتی اور معاشی مسائل کا سامنا ہے جسے وہ اپنے لئے ایک چیلنج سمجھتا ہے اور اس کے مؤثر مقابلہ کے لئے وہ علمی۔ فکری اور عملی رہنمائی کا متمنی ہے۔ وہ پرانے قصے کہانیوں سے اس لئے مطمئن نہیں ہوتا کہ اسے اپنے گرد و پیش میں ان پر عمل نظر نہیں آتا۔ اس واضح تضاد، تفاوت اور قول و فعل میں عدم تطابق کی وجہ سے وہ ذہنی اُلجھنوں اور پریشانیوں کا شکار ہے۔ جن کا مظاہرہ ملک کی اکثر تعلیمی، تربیتی اور ثقافتی درسگاہوں میں ایسی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی صورت میں ہوتا ہے جنہیں تخریبی کہا جاتا ہے۔ اور جن کی وجہ سے یہ ادارے اکثر بند رہتے ہیں۔ روز افزوں تعلیمی انحطاط کی ایک بڑی وجہ یہ شورشیں اور ہنگامے بھی ہیں۔ یہ بے حد افسوسناک المیہ ہے کہ جن اداروں کا مقصد علم و فکر اور رُشد و ہدایت کی روشنی پھیلانا ہے۔ وہ فتنہ و فساد پھیلانے کے لئے بطور محفوظ کمین گاہیں استعمال ہونے لگیں۔

طلباء کے اس قلبی اضطراب کا اندازہ اس سوال سے لگایا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اسوہ حسنہ کی جھلک ہمیں آج کے معاشرہ میں کیوں نہیں دکھائی دیتی۔ یہ بڑا چبھتا ہوا سوال تھا جس سے کنی کترا کر بچ نکلنا ممکن نہ تھا کیونکہ سائل نے دُکھتی رگ پر اُنگلی رکھ دی تھی۔ اس کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ ناقدین۔ واعظین اور ناصحین جو دن رات محراب و منبر سے اسوہ رسولؐ پر عمل کرنے کی تلقین اور نصیحت کرتے رہتے ہیں ان کا اپنا عمل ان کی گفتار کے معیار پر پورا نہیں اُترتا۔ اور حاضرین میں سے ایک نے بڑی جرأت سے یہ جتا بھی دیا۔

یہ قدرتی بات ہے کہ مخاطب کی نظر ناصح کے عمل پر بھی ہوتی ہے۔ اور اگر اس کا اپنا عمل اس بات کے مطابق نہ ہو تو طبیعت میں بیزاری پیدا ہوتی ہے۔ اس قسم کی بیزاری کا اظہار تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"لِمَ تقولون ما لا تفعلون۔ کبر مقتاً عند اللّٰہ ان تقولوا ما لا تفعلون"

یعنی تم ایسی بات منہ سے کیوں نکالتے ہو جس پر تمہارا اپنا عمل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بڑی بیزاری کی بات ہے کہ تم وہ کہو جو تم کرتے نہیں۔ اسی کا نام دوسرے لفظوں میں نفاق ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں اس کی تین بڑی نشانیاں بتائی ہیں۔ جھوٹ۔ وعدہ خلافی اور امانت میں خیانت۔ یہ تینوں ایسی خصوصیات ہیں جو تمام اخلاقی اور سماجی بُرائیوں کی جڑ ہیں۔ اور آج کے نوجوان کے سامنے جو معاشرہ ہے اس میں ان تینوں خرابیوں کا دور دورہ ہے۔ جو اس کی پریشانی اور اضطراب کا باعث ہے۔ وہ اگر اس سے نجات حاصل کرنا بھی چاہے تو اس کے سامنے کوئی راستہ نہیں۔ اسوۂ رسولؐ زبانی طور پر پیش کر کے اسے عملی طور پر نہ اپنانا ہمارے خیال میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی تضحیک اور توہین ہے۔

اسوہ رسول تو یہ تھا جس کی تعریف قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے "انک لعلی خلق عظیم" ذکر کی ہے۔ یعنی تو ایسے اخلاق کا مالک ہے جو کمال کی حد کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اور جس سے آگے کمال کی کوئی منزلت نہیں۔ اسی خلق عظیم کی وجہ سے آپ کو رحمۃ للعالمین کا خطاب ملا۔ بعثت سے قبل بھی آپ الامین کے لقب سے مشہور تھے۔ ابوجہل نے آپؐ کے دعوٰے نبوت کا انکار تو کیا لیکن اسے بھی انکار نہ کر سکا کہ آپؐ صادق اور امین ہیں۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا تھا کان خلقہ القرآن۔ کہ آپ سراسر قرآن کی تفسیر اور تعبیر تھے قرآن کریم میں نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کیا نظر آتا ہے۔ یہی کہ جو آپ نے فرمایا اس پر خود سب سے پہلے عمل کر کے دکھایا۔ آپ کی حیاتِ طیبہ میں کوئی موقعہ ایسا نہیں آیا کہ آپ نے لوگوں کی خوشنودی کی خاطر اللہ تعالیٰ کی رضا کو ایک طرف رکھتے ہوئے اس اصول کا دامن اپنے دستِ مبارک سے چھوڑ دیا ہو۔ آپ نے وہی کیا جو کہا اور جو کہا وہی کیا۔ اگر آپ نے لوگوں کو جھوٹ بولنے سے منع فرمایا تو مرتے دم تک شدید سے شدید دشمن بھی یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکا کہ آپ نے فلاں موقع پر خلاف واقعہ یہ بات کہی تھی۔ دیانت داری اختیار کرنے کے لئے فرمایا تو خود یہ مثال قائم کی۔ کہ ایک قرض خواہ یہودی کی درشت کلامی اور سختی کو معاف کرتے ہوئے اس کے قرضہ سے بڑھ کر رقم اس کو ادا کرتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس حلم۔ بردباری۔ فیاضی اور دیانت داری پر قربان جاتے ہوئے یہودی حلقہ بگوش اسلام ہو جاتا ہے۔ کاروبار میں ایمانداری کی نصیحت فرماتے ہیں۔ تو ایک لنگڑے اونٹ کی بھول کر پوری قیمت وصول کرنے اور بعد میں یاد آنے پر سودا منسوخ کر دیتے ہیں کیونکہ خریدار کو اس اونٹ کا نقص نہ بتا سکے تھے۔ عدل و انصاف کی تلقین کرتے ہیں تو مثال قائم کرنے کے لئے ایک مقدمے میں جس میں ایک فریق یہودی اور دوسرا مسلمان تھا واقعات کے مطابق مسلمان کے خلاف یہودی کے حق میں فیصلہ فرماتے ہیں۔ اور چوری کے ایک مقدمے میں فرماتے ہیں کہ اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اپنی قوم کو سادہ زندگی بسر کرنے کا فرماتے ہیں تو خود شہنشاہ عرب ہو کر انہی کچے کوٹھوں میں جن کا فرنیچر چارپائی۔ چٹائی اور پانی کی مشک کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا۔ ساری عمر بسر کر دیتے ہیں۔ سادہ لباس۔ گھر میں کبھی چولہا گرم ہوتا ہے کبھی ٹھنڈا۔ ستّو اور کھجور پر گذارا ہو جاتا ہے۔ آج کے معمولی حکمران بھی جو آنحضرت صلعم کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں محلوں میں رہتے اور عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہیں۔ بیبیاں کچھ سہولتوں کا مطالبہ کرتی ہیں تو فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں دنیا کا سامان چاہئے تو آؤ میں تمہیں مال و متاع دے کر رخصت کر دیتا ہوں۔ ہاں اگر اللہ اور اس کا رسول چاہیئے تو پھر یونہی زندگی بسر کرنا ہو گی۔ اور بیبیاں فرماتی ہیں کہ ہمیں اللہ اور اس کا رسول ہی چاہیئے۔

عہد کی پابندی کا ذکر آئے تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابوجندل رضؓ کا زخموں سے چور بدن دیکھ کر مسلمانوں کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔ وہ مرنے مارنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن معاہدہ پر دستخط ہو جانے کی وجہ سے ایک شرط کے ماتحت حضرت ابوجندل کو واپس مکہ بھیج دیا جاتا ہے۔ پس محسنِ انسانیت کو اور اس کی عظمت کو آسمانوں کی گرد بھی نہیں چھو سکتی۔ اور یہاں بات بات پر وعدہ خلافی اور عہد شکنی ہوتی ہے۔ اپنے آپ کو بڑا بنانے یا دکھلانے کا جسے آج کل کی زبان میں SELF PROJECTION کہتے ہیں۔ ذرا بھر خیال نہیں۔ اسی عہد نامے میں "رسول اللہ" کے الفاظ پر اعتراض ہوا تو انہیں قلم زن کر کے "محمد بن عبد اللہ" لکھ دیتے ہیں۔ اور یہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ جوا۔ شراب۔ بدکاری اور فحاشی سے منع فرماتے ہیں تو خود بعثت سے پہلے بھی ان افعال شنیعہ سے نفرت کرتے ہیں اور بعثت کے بعد تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور احسان کا حکم دیتے ہیں تو اپنی رضاعی والدہ

د حضرت حلیمہ سعدیہ) رضاعی والدہ اور رضاعی بہن کی خاطر کھڑے ہو جاتے اور اُن کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھا دیتے ہیں۔ کیا آج یہ نمونہ ہمارے سامنے ہے۔ آج کل تو اپنے ماں باپ، بہن بھائی کو زمین اور روپے کے لالچ میں بڑی بے رحمی اور بہیمیت سے ابدی نیند سلا دیا جاتا ہے۔

اکرموا اولادکم فرماتے ہیں یعنی اپنی اولادوں کی عزت کرو تو اپنی اولاد کی پہلے خود عزت کرتے ہیں۔ جب ماں باپ اپنی اولاد کی عزت کرتے ہیں تو اولاد بھی ماں باپ کی عزت کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ غلاموں کو آزاد اور اُن کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی نصیحت فرماتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے غلام کو آزاد کرتے ہیں۔ غضِ بصر یا نگاہیں نیچی رکھنے کا فرماتے ہیں تو کبھی کسی نے آپ کی نظر اُوپر اُٹھی ہوئی نہیں دیکھی۔ آپ کنواری لڑکی سے بھی بڑھ کر باحیا تھے۔ حالانکہ اُس معاشرہ میں حیا نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ سونا چاندی اور دولت جمع کرنے سے منع فرماتے ہیں تو اپنے گھر میں آخری دم تک ایک درہم تک رکھنا گوارا نہیں کیا۔ مفتوحہ علاقوں سے خراج یا مالِ غنیمت آتا ہے تو مسجد میں سب کچھ تقسیم کر کے چادر جھاڑ کر خالی ہاتھ گھر تشریف لے جاتے ہیں۔ عفو و درگذر کی یہ حالت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر لا تثریب علیکم الیوم کہہ کر اپنے بدترین دشمنوں، ایذا دینے والوں اور قتل کا منصوبہ کرنے والوں کو بھی معاف کر دیتے ہیں۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر جو اعلان مکہ ہوا اس میں فرمایا کہ ”آج تمام سود کی رقمیں چھوڑی جاتی ہیں“ تو سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباس کی رقم سود چھوڑ دی۔ فرمایا۔ آج تمام خون جو جاہلیت میں ہو چکے ہیں ان کا قصاص موقوف کیا جاتا ہے۔ تو سب سے پہلے اپنے چچا زاد بھائی ربیعہ ابن الحارث کے خون کا قصاص موقوف کرتے ہیں۔ غلاموں کے متعلق فرماتے ہیں تم ان کو وہ خوراک دو جو خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ آپ نے رشوت لینے اور رشوت دینے والے کو جہنمی کہا ہے۔ لیکن آج کے ”اسلامی معاشرہ“ میں یہ جہنم بڑے زوروں سے ہمارے اردگرد بھڑک رہا ہے۔ اس بہتی گنگا میں بلا استثنا سب کے ہاتھ کسی نہ کسی صورت میں رنگے ہوتے ہیں۔ جہاد کا حکم دیا تو سب سے پہلے میدانِ جنگ میں خود کود پڑے۔ اور اگلی صف میں نبرد آزما ہوئے۔

یہاں ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت کا مختصر سا خاکہ اس غرض کے لئے پیش کیا ہے کہ آپ نے دُوسروں کو جو حکم دیا۔ اُس پر پہلے خود عمل کر کے دکھایا جس کے نتیجے میں گناہوں میں لتھڑے ہوئے جاہل اور سرکش انسان عباد الرحمٰن بن گئے۔ جن کے دن لڑائی جھگڑا فتنہ و فساد، قتل و غارت میں اور راتیں شراب نوشی اور عیاشی میں گزرتی تھیں۔ اب وہی راتیں اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے وقف ہو گئیں انہوں نے فرشتوں کا مقام پا لیا۔ اور یہ سارا انقلاب ۲۳ سال کے مختصر عرصہ میں برپا ہو گیا جو آج کے مؤرخین کی نظروں میں ایک معجزہ ہے۔ قرآن آج بھی وہی ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے تھا۔ اُس پر عمل آج بھی وہی معجزہ دکھا سکتا ہے۔ وہ آج بھی لوگوں کے دلوں کو مسخر کر سکتا اور اُنہیں باخدا بنا سکتا ہے لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ کسی بھی اسلامی ملک میں قرآنی معاشرہ قائم نہیں ہو سکا۔ خود مملکت خداداد پاکستان میں ۳۴ سال سے اس قسم کے معاشرے کا قیام تشنۂ تکمیل ہے۔ اسی لئے تخلیق پاکستان کے بعد اس سرزمین پر آنکھیں کھولنے والی نوجوان نسل ذہنی انتشار اور بے اطمینانی کا شکار ہے اس کے سامنے جب ”پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ“ کا نعرہ لگایا جاتا اور اسے پاکستان کے قیام کا مقصد بتایا جاتا ہے تو اُسے اپنے گرد و پیش میں سوائے اللہ کے دولت، اقتدار اور ہوائے نفس جیسے معبودانِ باطل کی پرستش دکھائی دیتی ہے اس لئے اس نعرے میں اس کے لئے کوئی کشش باقی نہیں۔ اسلامی نظام کے نفاذ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسے اسلام کی مختلف توجیہات اور صورتیں نظر آتی ہیں جو ایک دُوسرے سے متصادم اور متفرق ہیں۔ جب اُسے اخلاقی اقدار اور سیرتِ طیبہ اپنانے کا وعظ کیا جاتا ہے۔ تو اسے ان پر عمل نظر نہیں آتا۔ سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام کی کوئی ٹھوس صورت اور اس پر عمل کے فقدان کے باعث وہ یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ جو نظام بقول مؤرخین آج سے چودہ سو سال قبل کامیاب ہوا تو وہ آج کیوں نہیں ہے۔ کیا واقعی یہ جدید نظام ہائے زندگی کے مقابلے میں نعوذ باللہ فرسودہ ہو چکا ہے۔ یا خرابی کہیں اور ہے۔ اس سوال کا اطمینان بخش جواب نہ ملنے کی وجہ سے اُس کے فکر و نظر میں تبدیلی واقع ہونا لازمی ہے۔ اس کی ذمہ داری لازماً اُن افراد پر عائد ہوتی ہے جن کا اس معاشرہ پر کنٹرول ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا کہ الناس علیٰ دین ملوکھم۔ کہ لوگ صاحب اختیار لوگوں کی روش اختیار کر لیتے ہیں اور صاحب اختیار لوگوں کے ضمن میں آپ نے فرمایا ہے۔ کہ تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور اس کی ایک رعایا ہے جس کے متعلق اُس سے پوچھا جائے گا کہ اُس نے کہاں تک اپنی اس رعایا کے متعلق ذمہ داریاں پوری کیں۔ ایک کنبے یا خاندان کا بزرگ اس کا راعی اور اس کے افراد اس کی رعایا ہیں۔ اگر بزرگ کا اپنا نمونہ اور مثال اچھی ہو گی تو اس کا اثر اس گھرانے کے افراد پر بھی پڑے گا۔ کسی سکول کالج یا یونیورسٹی کا سربراہ اسلامی شعائر کا پابند ہے تو ضرور ہے کہ اس کا سٹاف اور طلباء بھی اس سے متاثر ہوں گے۔ ٹیچر یا پروفیسر کا نمونہ سیرتِ نبویؐ کا مظہر ہو گا۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ طلباء میں وہ رنگ نظر نہ آئے۔ کسی سیاسی یا دینی جماعت کا قائد اگر اخلاقِ حسنہ اور قرآنی تعلیمات کے رنگ میں رنگین ہو گا تو ضرور ہے کہ اس کے ارکان بھی اُسی رنگ میں رنگین ہوں گے۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو اصلاحِ احوال کس طرح ممکن ہو سکتی ہے۔

اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنے کی بجائے اکثر یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی تمام خرابیاں غلامی کے دور سے ورثہ میں ملی ہیں لیکن اگر سامراجیوں نے مسلمانوں سے ان کے ملک اور دولت چھین لی تھی تو قرآن اور سنت تو نہیں چھینے تھے۔ اور کوئی حکومت یہ جرأت کر بھی نہ سکتی تھی۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ہر قسم کی برائیوں میں مُبتلا ہو گئے۔ جن سے قرآن کریم نے منع فرمایا تھا۔ اور نیکی کی قوتیں اُن سے چھن گئیں۔ بقول کسے:۔

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرتِ انسان پر + فعلِ بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پر

آنحضرتؐ نے فرمایا تھا میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ قرآن اور اپنی سنت جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو گمراہ نہیں ہو گے۔ آج کے حالات بتا رہے ہیں کہ مسلمانوں نے قرآن و سنت کو پس پشت ڈال دیا ہے! اور وہ طرح طرح کی پریشانیوں اور خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ نوجوان نسل کے اخلاق و کردار کو اگر سیرتِ نبوی کے سانچے میں ڈھالنا ہے تو ان کے سامنے اس کا عملی نمونہ پیش کرنا ہو گا صرف وعظ و نصیحت سے کام نہیں چلے گا۔ ہم لاکھ انہیں آنحضرتؐ، خلفائے راشدین، اولیاء اللہ اور دیگر بزرگوں کے قصے دن رات سناتے رہیں۔ جب تک ہمارا اپنا عمل اُن کے سامنے نہ ہو گا وہ قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ اور یہ نمونہ وہی لوگ پیش کر سکتے ہیں جو آنحضرتؐ کے کامل پیرو اور آپؐ کی محبت میں غرق ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی قدم خلاف قرآن و سنت اُٹھ ہی نہیں سکتا۔ وہ سیرتِ نبویؐ کے مکمل مظہر ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے پاس بیٹھنے والوں کو بھی عاشقِ رسول بنا دیتے ہیں۔ وہ اپنے قریب آنے والوں کے دلوں کی خشک کھیتیوں کو اخلاقِ محمدی کی آب یاری سے ہرا کر دیتے ہیں۔ صرف قانون اور ضوابط ایسا نہیں کر سکتے +

ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری نوجوان نسل کو اس کی توفیق عطا فرمائے اور وہ سیاسی اور جماعتی وابستگیوں سے بلند ہو کر قرآن کریم کو اپنے سینے سے لگا لیں۔ اسے اپنے لئے مشعل راہ بنا لیں اور اپنی آئندہ نسلوں کے لئے اپنے پیچھے وہ نور اور روشنی چھوڑ جائیں جو انہیں اندھیروں میں بھٹکنے سے بچا لے۔ آمین ؛

* * *

اخبارِ احمدیہ:۔ حضرت امیرِ قوم الحاج مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ خیریت سے ہیں۔ احباب سلسلہ ان کی صحت اور عافیت کے لئے دُعا کرتے رہیں۔

ــ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ حسب دستور خدماتِ دینیہ میں مصروف ہیں۔ احباب کرام اس پُر برکت اور احبابِ سلسلہ کے لئے نشانِ ہدایت وجود کی درازیٔ عمر کے لئے اپنی دُعائیں جاری رکھیں۔

* * *

نصرتِ الٰہی کے نظارے

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی بمقام جامع مسجد، دارالسلام، نیو گارڈن ٹاؤن - لاہور

> هو الذی ایدک بنصره وبالمؤمنین ۙ والف بین قلوبهم ۚ لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبهم ولکن الله الف بینهم ۚ انه عزیز حکیم ۝
>
> **ترجمہ** :- وہی تو اللہ ہے جس نے تیری مدد کی اپنی نصرت کے ساتھ اور مومنوں کے ساتھ۔ اور اُس نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ اگر تو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب خرچ کر دیتا تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتا۔ لیکن اللہ نے اُن کے درمیان الفت ڈال دی۔ بے شک وہ غالب، حکمت والا ہے۔
>
> (الانفال - آیات ۶۳-۶۴)

اللہ تعالیٰ جب ایک نبی کو بھیجتا ہے تو اُسے اکیلا نہیں چھوڑتا۔ بلکہ اُس کی نصرت آسمانی اور زمینی اسباب سے فرماتا ہے۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں تمام نبیوں کے ذکر میں ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی تھے اور آپؐ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا تو نبیوں کی تائید آسمانی و زمینی کا ذکر بار بار کیوں قرآن حکیم میں رکھا ہے؟ وہ اس لئے کہ اب نبی تو نہیں آئے گا مگر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء برنگِ مجددین آئیں گے۔ اسی طرح جو بھی مومن فرداً یا مومنین کی جماعت اللہ تعالیٰ کے کام کو کرتی ہے۔ ان سب کے ساتھ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ اسی قسم کی نصرت و تائید فرماتا ہے۔ اس لئے خدا کے رستہ میں کام کرنے والوں کی تقویتِ قلب و تقویتِ ایمان کے لئے اور اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہونے کے لئے بطور ثبوت وہ نصرت اور تائید الٰہی ظہور پذیر ہوتی ہے۔

ذاتی حفاظت :-

آیئے دیکھیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ تائید آسمانی کس طرح ظہور پذیر ہوئی۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن میں جو خطرات اور مشکلات پیدا ہوئیں وہ تو اتنی ہی عظیم تھیں جتنا کہ عظیم حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشن تھا۔ اُن کی نظیر تو اب کسی اور کو کیا پیش آئیں گی۔ اس لئے جو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں نصرتِ الٰہی کے نشان ظاہر ہوئے وہ تو اس قدر ہیں کہ اُن کو لکھنے کے لئے ایک کتاب چاہیئے۔ مختصراً حضورؐ تن تنہا مکّہ میں چلتے پھرتے تھے اور اگر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیا جاتا تو خونخوار دشمنوں کا مقصد حل ہو جاتا تھا۔ ابوجہل نے حضورؐ کے قتل کے لئے ایک سو سُرخ اونٹوں کا انعام مقرر کیا تھا۔ اُس زمانہ میں سُرخ اونٹ بہت بڑی دولت تھی۔ وہ تو اس طرح تھا جس طرح آج کسی کام کے لئے ایک سو مربعے زمین کا انعام مقرر کر دیا جائے۔ سو اس بیش بہا دولت کو پانے کے لئے کئی لوگ موقعہ کی تلاش میں تھے۔ یاد رہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتوں کو جھوٹے معبود اور شرک کو ننگِ انسانیت برملا کہنے سے تمام کفارِ عرب کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ اس لئے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سخت خطرے میں تھی۔ مگر آپؐ بلاخوف و خطر اور بلا کسی محافظ یا گارڈ کے دن رات اِن دشمنانِ جان کے درمیان پھرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کا بال بیکا نہیں ہونے دیا۔ اللہ نے اپنے وعدہ واللہ یعصمک من الناس (اور اللہ لوگوں سے تیری حفاظت فرمائے گا) کو ایسا پورا فرمایا کہ عقلِ انسانی حیران ہوتی تھی۔

بالآخر جب خونی دشمنوں نے مل کر آپؐ پر قاتلانہ حملہ کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کے لئے آپؐ کے گھر کو رات کو گھیر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرفِ تام (عزیز حکیم) کا ایسا ثبوت دیا کہ اہلِ عرب جو زنانہ میں گھس کر قتل نہیں کیا کرتے تھے وہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باہر نکلنے کے انتظار میں پچھلی رات اونگھ گئے اور حضورؐ اُن میں سے بخیریت نکل گئے۔ پھر جب حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے رفیق حضرت ابوبکر رضؓ غارِ ثور میں پناہ گزین تھے تو دشمن کھوجیوں کی مدد سے اُس غار کے منہ پر پہنچ گئے اور کھوجی نے کہا کہ یا تو اس غار میں ہیں یا پھر آسمان پر چڑھ گئے کیونکہ اس کے آگے کوئی پاؤں کے نشان نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کا کیا غیر معمولی نظارہ دکھایا؟ وہ یوں کہ :-

۱:- غار کے مونہہ کو مکڑی کے جالے نے بند کر دیا تھا۔

۲:- پھر بھی کھوجیوں کے قطعی بیان پر کیا حرج تھا کہ دشمن مکڑی کے جالے کو ہٹا کر دیکھ لیتے کہ حضورؐ اندر ہیں یا نہیں؟ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ایسا تصرف کیا کہ وہ بن دیکھے کھوجیوں پر استہزا کرتے ہوئے چلے گئے۔ اس قسم کی ذاتی حفاظت کے واقعات بے شمار ہیں۔ کتنوں کا ذکر کروں؟

غزوات میں نصرت

جنگوں پر بھی ایک مختصر نظر ڈالیں۔ جنگِ بدر میں کیا مقابلہ تھے؟ دشمن ایک ہزار جری اور مشہور لڑنے والوں کی ہر رنگ میں مسلح فوج لے کر آئے۔ بدر کے مقام پر پہلے پہنچ کر اُونچی اور مضبوط زمین پر قابض ہو گئے۔ بدر میں جو ایک کنواں تھا اُس پر بھی انہوں نے قبضہ کر لیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تین سو تیرہ کی مختصر جماعت کے ساتھ وہاں پہنچے تو اس میں بوڑھے اور ۱۲، ۱۴ سال کے لڑکے بھی تھے۔ تلواریں اور دُوسرے ہتھیار بھی پورے نہ تھے۔ جہاں مسلمانوں کو جگہ ملی وہاں ریت میں پاؤں دھنستے تھے اس لئے فوجی نقل و حرکت ممکن نہ تھی۔ پینے کو پانی تک نہ تھا۔ اب دیکھیئے نصرتِ آسمانی کا نظارہ۔ رات کو اتنی غیر معمولی بارش ہو گئی کہ ریت جم گئی اور مسلمانوں نے حوض بنا کر پینے اور وضو تک کے لئے پانی جمع کر لیا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو انفرادی مقابلوں میں تو مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا مگر جب دشمن نے مل کر ہلّہ بول دیا اُس وقت مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے اختیار ریت کی ایک مُٹھی اٹھا کر دشمن کی طرف پھینکی۔ تو دیکھیئے تائید آسمانی کا کرشمہ کہ اُسی آن زور کی آندھی آئی اور ریت اُڑ کر دشمنوں کی آنکھوں میں ایسی گھسی کہ وہ آنکھیں ملنے پر مجبور ہو گئے اور مسلمانوں نے موقعہ دیکھ کر جو ہلّہ بولا تو دشمنوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ بھاگ اُٹھے۔ آسمان سے بارش آنے اور دُوسری تائیدات آسمانی کا ذکر خود قرآن کریم میں موجود ہے خصوصاً آخری نشان کا کہ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی (الانفال - ۱۷)

اسی طرح جب جنگِ اُحد میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمنوں کی یورش سے زخمی ہو کر گر گئے اور صرف چند جاں نثار حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھیرے ہوئے تھے تو دشمنوں کی ہزاروں کی جمعیت کو کس چیز نے روک دیا کہ یکدم ہلّہ بول کر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نعوذ باللہ ختم نہ کر دیا اور عارضی برتری پر وہ راضی ہو کر واپس چلے گئے؟ انسانی عقل اس کو سمجھ نہیں سکتی۔ یہ صرف نصرت الٰہی اور

اللہ تعالیٰ کے عزیز حکیم ہونے کا نظارہ تھا۔

جنگِ احزاب میں بھی دشمن کا جمِ غفیر محاصرہ کے طول پکڑنے اور بالآخر آندھی کے آن کر ان کے خیموں کو اکھاڑ کر لے جانے اور ان کی کھانے کی دیگوں اور ساز و سامان کو الٹا پلٹا دینے سے بد دل ہو کر بے نیل و مرام گھر لوٹ گیا۔ کیا یہ کوئی دُنیاوی تائید تھی یا تائید آسمانی؟

اس موضوع کو مختصر کرتے ہوئے فتح مکّہ کو دیکھ لیجئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صرف دس ہزار آدمی تھے۔ اہلِ مکّہ کی تعداد قریباً نوّے ہزار تھی۔ اب جنگ کے ماہر بتاتے ہیں کہ مسلّمہ اصول ہے کہ اگر ایک آدمی حفاظت کی جگہ میں دفاع کر رہا ہو تو اس پر غلبہ پانے کے لئے کم سے کم تین آدمی چاہئیں۔ یہاں نوّے ہزار اہلِ مکّہ جن میں سے ہر ایک جنگ کرنا جانتا تھا اپنے گھروں اور شہر میں محفوظ بیٹھے تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاس دو لاکھ ستّر ہزار کی فوج ہوتی تو ہی کامیابی کی اُمید ہو سکتی تھی۔ مگر حضورؐ کی دس ہزار فوج کو دیکھ کر مکّہ کے نوّے ہزار آدمی دل ہار بیٹھے اور ہتھیار ڈال کر جان کے خواستگار ہوئے۔ کیا یہ تصرّفِ قلوب قدرتِ خداوندی کے سوا کچھ اور ہو سکتا تھا۔؟

مؤمنوں کے ذریعہ نصرت:۔

یہ تو تھے ھوالذی ایدك بنصرہٖ کے کچھ نظارے جن کی میں نے مختصر جھلک آپ کو دکھائی ہے۔ دُوسری تائیدِ الٰہی کا ذکر یُوں فـــرمایا۔ وبالمؤمنین یعنے مومنوں کے ساتھ بھی آپؐ کی تائید کی۔ کفّارِ عرب کی شدید مخالفت اور ہلاک کرنے کے لئے مسلسل کوششوں کے باوجود حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی تعداد دن بدن بڑھتی چلی گئی۔ اور مومن بھی کیا مومن تھے! اپنا سب کچھ اسلام اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کر دیا مگر اُف تک نہ کی۔ مکّہ میں ماریں کھائیں، جلتی بھُنتی ریت اور گرم آگ چٹانوں پر ہر قسم کی اذیت اٹھائی، دو اونٹوں کے درمیان باندھ کر چیر پھاڑ دئے گئے، شعب ابی طالب میں مدّت دراز تک محصور کئے گئے جہاں بالآخر کھانے کے لئے صرف جنگلی بیریوں کے پتّے رہ گئے تھے، ہجرت میں گھر بار، زمینیں، کاروبار، بیوی بچّوں اور عزیزوں کو چھوڑنا پڑا، پھر مدینہ آن کر بھی ایک دن کا چین نصیب نہ ہوا۔ بلکہ دشمن بار بار حملے کرتا تھا جن کے دفاع میں بھیڑ بکری کی طرح ذبح ہو گئے مگر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ان نامساعد حالات اور خطرات میں جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے وفاداری اور جان نثاری کا ثبوت دیا اس کی نظیر کسی اور نبی کے حالات میں نہیں ملتی۔ کیا یہ کسی دنیاوی غرض یا فائدہ کے لئے تھا یا تصرفِ الٰہی سے مؤمنوں کے قلوب مسخّر کر دیئے جانے سے تھا؟

باہمی اُلفت:۔

پھر ایک اور تائیدِ الٰہی تھی جس کا ذکر ان آیات میں تفصیل سے یُوں فرمایا "اور اللہ نے ان مومنوں کے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی۔ اگر تو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب خرچ کر دیتا تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتا لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی۔ بے شک وہ غالب، حکمت والا ہے۔" اس میں کیا شک ہے کہ انسانوں کے دل صرف اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اگر انسانوں کے ہاتھ میں ہوتے تو جتنی الفت اور قربانیاں، ماں باپ اپنی اولاد کے لئے کرتے ہیں کون کر سکتا ہے؟ مگر اکثر اولاد ناشکر گزار، شاکی بلکہ باغی نظر آتی ہے۔ میں تمام انسانوں کے تعلقات میں اس کی مثالیں دے سکتا ہوں۔ مگر خطبہ بہت لمبا ہو جائے گا۔ اس زمانہ میں دُنیا کی اقوام کو دیکھ لیجئے۔ یہ تہذیب اور روشن ضمیری کا زمانہ ہے۔ مگر قوموں کا کیا حال ہے؟ ایک دُوسرے پر ظلم و ستم ان کی حقوق تلفی کیا ان کا خون تک چوس رہی ہیں، ایک دُوسرے پر غرّا رہی ہیں، ایک دوسرے کی ہلاکت کی خطرناک کوششوں کے باوجود اب ایٹمی ہتھیاروں اور دُوسرے مہلک حربوں پر اپنی دولت کا بیشتر حصّہ ہر سال خرچ کر رہی ہے۔ کیا یہ تعلیم یافتہ، روشن ضمیر، سمجھدار قومیں جانتی نہیں کہ اس خطرناک طریقِ کار میں دونوں فریق کی ہلاکت ہے! خوب جانتی ہیں۔ مگر ان کے دلوں پر تصرّف ان کا اپنا نہیں بلکہ اُس ذات کا ہے جس نے چودہ سو سال پہلے اس بین الاقوامی منافرت اور خونخواری کو ان قوموں کی حرص دُنیا پرستی، نفع پرستی اور ایک دُوسرے پر بالادستی پر بطورِ سزا وارد کئے جانے پر ذکر قرآن حکیم میں فرما دیا تھا جو آج حرف بحرف پورا ہو رہا ہے۔ پہلی جنگِ عظیم سے قبل ساری دنیا کی سلطنتیں اور دولتیں انہی اقوام کے قبضہ میں تھیں۔ مگر کیا ساری دنیا کی دولت ان کے دلوں میں الفت پیدا کر سکی؟ کیا لیگ آف نیشنز کی اور بعد میں یونائیٹڈ نیشنز کی کوششیں ذہنوں میں الفت کو پیدا کر سکیں؟

اسلام سے پہلے عربوں کی حالت بالکل ایسی تھی کہ قرآن کریم نے خود فرمایا کہ کنتم علیٰ شفا حفرۃٍ من النّار یعنے تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے جو تم کو جلا کر خس و خاشاک کر دیتی مگر اللہ تعالےٰ نے تم کو بچا لیا اور اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے۔ جو عرب مسلمان ہوئے وہ ایک قبیلہ یا ایک جگہ کے لوگ نہ تھے۔ مگر اسلام لانے کے بعد وہ ایسے بھائی بھائی ہو گئے کہ اسلام سے باہر تو عرب حسبِ سابق لڑنے مرنے پر ہر وقت تیار ہوتے تھے مگر اسلام میں آن کر مختلف قوموں، مختلف قبیلوں، مختلف شہروں اور مختلف طبقات کے لوگ ایسے بھائی بھائی ہو گئے کہ اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہجرت مدینہ پر جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مہاجروں کو انصار کا بھائی بھائی بنایا تو انہوں نے اُس اُلفت کا مظاہرہ کیا کہ سگے بھائی نہیں کرتے۔ ایک انصاری اپنے مہاجر دینی بھائی کو لے کر گھر گئے اور کہا کہ میرے دو گھر ہیں ایک تمہارا ہے جو تم پسند کرو۔ میری جائیداد میں سے آدھا حصّہ تمہارا ہے۔ میری دو بیویاں ہیں ان میں سے جس کو تم پسند کرو میں طلاق دے دیتا ہوں تاکہ تم اس سے شادی کر سکو۔ کیا دو سگے بھائی بھی یہ نمونہ کبھی دکھا سکتے ہیں؟ مہاجر بھائی نے کہا تمہارے مکان تمہاری جائیداد اور تمہاری بیویاں تم کو مبارک ہوں۔ مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دو کہ میں وہاں جا کر محنت مزدوری کر سکوں اور جب تک میری اپنی چھت نہ ہو مجھے اپنی چھت کے نیچے پناہ دو تو تمہاری مہربانی ہو گی۔ دُنیا کی تاریخ ایسی برادرانہ اُلفت کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ تو یہ اللہ تعالےٰ کا رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کس قدر احسان تھا! جماعت جس کے دلوں میں برادرانہ الفت نہ ہو وہ بجائے ہاتھ بٹانے اور نبی کا بوجھ ہلکا کرنے کے اُس کے لئے دردِ سر بن جاتی ہے۔ اور جیسا کہ قرآن حکیم نے مکرر فرمایا ہے دلوں میں الفت پیدا کرنا نصرتِ الٰہی کا زبردست مظاہرہ تھا ورنہ انسانی کوششیں حتیٰ کہ تمام دنیا کی دولت کے باوجود اس زمانہ کی مزعومہ مہذب، تعلیم یافتہ، ترقی یافتہ، عقل مند اور روشن ضمیر قومیں بھی آپس میں الفت پیدا نہ کر سکیں اگرچہ انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر انہوں نے ہر تدبیر کر لی:۔

نصرتِ الٰہی کے حالیہ نمونے

جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نصرتِ الٰہی سے تائید کے ذکر کو قیامت تک کے لئے قرآن حکیم میں رکھ دینے کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء (یعنے مجدّدین) کو بھی ویسی ہی نصرتِ الٰہی ملتی تھی۔ ہمارے زمانہ میں چودہویں صدی کے مجدد کو بھی نصرتِ الٰہی سے نوازا گیا تاکہ اللہ تعالےٰ کی ہستی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زندہ رسُول اور قرآن کے زندہ کتاب ہونے کا ثبوت دیا۔ حضرت مجدد زماں کو بھی ہلاک کرنے کی کوششیں کی گئیں، پھر ساری عُمر ان کو مقدمات میں پھنسا کر یہاں تک کہ اقدامِ قتل کے مقدمہ میں پھنسا کر سولی کے تختہ پر چڑھانے کی کوشش کی گئی مگر اللہ تعالےٰ نے ہر قدم پر آپ کی نصرت اور تائید غیبی فرمائی۔

اسی طرح اس گاؤں میں رہنے والے اکیلے انسان کو اللہ تعالےٰ نے لاکھوں کی جماعت عطا فرمائی جس میں چوٹی کے علماء و فضلاء، رئیس، تاجر، وکیل، اور پڑھے لکھے لوگوں کے علاوہ ان پڑھ اور غریب بھی بکثرت تھے۔ مگر ہر شخص حضرت مجدد زماں پر فدا تھا۔ آپ کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں کرتا

تھا اور آپ کو مان کر بلا چون و چراں آگ کے گڑھے کو قبول کرتا تھا کیونکہ آپ کو ماننے کی پاداش میں بعض لوگوں کو شہادت کا جام پینا پڑا جس کی مشہور مثال شاہ عبد اللطیف صاحب مرحوم و مغفور کی شہادت تھی اور اکثر لوگوں کو سخت ذہنی اور جسمانی اور مالی اور سماجی اذیتیں اٹھانی پڑیں جن کو انہوں نے بخوشی قبول کیا۔ حضرت مولانا نور الدین صاحب، حضرت مولانا محمد احسن صاحب امروہی حضرت مولانا محمد علی صاحب، حضرت خواجہ کمال الدین صاحب اور دوسرے مشاہیر نے اپنے تمام دنیاوی فوائد اور آرام مجدد زماں کی خاطر چھوڑ کر خدمتِ دین کو اختیار کیا۔ اور آپ کی جماعت میں لوگ جو مختلف علاقوں، مختلف قوموں، مختلف طبقات اور مختلف مزاج اور مختلف طبیعتوں کے تھے ایسے بھائی بھائی بن گئے کہ دنیاوی بھائی چارے ان کے آگے ہیچ تھے۔

ہمارے زمانہ کی ایک جھلک:۔

حضرت مجدد زماں کے بعد بھی نصرت الٰہی کا فیض جاری رہا۔ ہماری جماعت پہ بڑے، بڑے ابتلاء اور آزمائشیں آئیں۔ اگر نصرت الٰہی ہاتھ نہ پکڑتی تو لوگ بہہ جاتے۔ قاتلانہ حملے ہوئے، گھر بار اور کاروبار اور بیش قیمت جائیدادیں تلف کر دی گئیں، ہر قسم کی دنیاوی اور روحانی اذیتیں پہنچائی گئیں مگر جماعت کی بھاری اکثریت کا قدم نہ ڈگمگایا بلکہ پہلے سے بڑھ کر خدا کے فضل سے مضبوط ہو گیا۔ بیرونی آزمائشوں کے علاوہ اندرونی یعنی خود جماعت کے اندر فتنے بار بار پیدا ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے قوم کو بچائے رکھا بلکہ ان کا قدم خدا کے فضل سے آگے بڑھ رہا ہے جس کا مظاہرہ ہم نے پچھلے سالانہ جلسہ پر دیکھا۔

جلسہ سالانہ

باوجود سخت سردی اور موسم کی خرابی کے اور اخراجاتِ سفر کے بڑھ جانے کے اور دیگر نامساعد حالات کے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارا پچھلا سالانہ جلسہ ہمیشہ سے زیادہ کامیاب رہا۔ تعداد بھی زیادہ تھی، تقاریر میں اور نمازوں میں خصوصاً علی الصبح فجر کی نماز اور درسِ قرآن میں مرد و زن ہمیشہ سے بڑھ کر تعداد میں شامل ہوئے۔ پھر باوجود ہوشربا گرانی کے اور اس کے نتیجہ میں تنگ دستی کے لوگوں نے توقع سے بڑھ کر خدمتِ اسلام اور خدمتِ قرآن کے لئے چندے دیئے جو پچھلے تمام ریکارڈ توڑ گئے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے دنیا کے دور دراز کونوں سے آئے ہوئے بھائی اور بہنیں جو مختلف ملکوں، مختلف قوموں، مختلف طبقات، مختلف طبیعتوں کے مالک تھے ایسے گھل مِل گئے کہ الّف بین قلوبہم کا زندہ مظاہرہ ہم نے دیکھا۔ باہر سے آئے ہوئے بھائی اور بہنیں جب رخصت ہوئے تو روتے گئے۔ امریکہ کے پرلے کونے اور سُرینام سے لے کر یورپ اور بھارت، اور مشرق بعید میں انڈونیشیا اور فیجی تک کے لوگ جو اس سے قبل ایک دوسرے سے بالکل اجنبی تھے۔ سوائے اس الٰہی سلسلہ میں بندھے ہوئے ہونے کے ان میں آپس میں اور کیا قدر مشترک تھی کہ وہ دور دراز کی کڑی طویل مسافت طے کر کے اور اخراجات کثیر برداشت کر کے، اور اپنا بہت سا حرج کر کے یہاں پردیس میں آئے مگر ایسے گھل مل گئے کہ گویا ساری عمر کے بھائی، بہن ہیں اور جاتے ہوئے روتے دھوتے گئے؟ یہ سوائے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اُلفت کے کچھ نہ تھا جس کا پیدا کرنا اس کی نصرت کا خاص نشان ہے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر گذار ہونا چاہیئے کیونکہ علاوہ ہمارے اخلاقی فرض کے اس نے یہ فرمایا ہے کہ لئن شکرتم لازیدنکم اگر تم شکر گذار بنو گے تو ہم ضرور بالضرور اپنی نعمتوں کو بڑھائیں گے۔

اللّٰھم زد فزد ۔ آمین

⁂

جلسہ

سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم

مؤرخہ ۴ فروری ۱۹۸۱ء بروز بدھ

بمقام دار السلام ـــ لاہور

اکنافِ عالم میں جمیع مسلمان ربیع الاوّل کے مبارک مہینہ میں آقائے نامدار فخر موجودات حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے محاسن۔ برکات۔ خلق اور اسوۂ کامل کو سننے اور سنانے کے لئے جلسہ ہائے منعقد کرتے ہیں۔ اسی ضمن میں احمدیہ بستی دار السلام میں ۲-۴ کو مقامی جماعتِ احمدیہ کی طرف سے ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی نے فرمائی۔ اور سٹیج سیکرٹری کے فرائض مرزا محمد لطیف شاہد نے انجام دیئے۔

جلسہ کی ابتدا ہمارے عزیز انڈونیشین طالب علم یاتیمین جو کہ گذشتہ ماہ تحصیل علمِ دین کے لئے تشریف لائے ہیں کی تلاوت قرآن کریم سے ہوئی۔ اور پھر اس کا اردو میں ترجمہ بھی پیش کیا محترم چوہدری محمد حیات صاحب نے حضرت صاحب کا منظوم کلام "وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا" ترنم سے سنایا۔ سب سے پہلے محترم جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب تقریر کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے حضورؐ کی بعثت کے وقت اقوامِ عالم۔ مذاہب۔ تہذیب و تمدن۔ رسم و رواج۔ اخلاق، عقائد نظریات پر سیر حاصل روشنی ڈالی اور بتایا کہ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں تشریف لا کر حضرت نبی کریمؐ نے جو انقلاب عظیم برپا فرمایا اس کی تفصیل و مثالیں دے کر آنحضرتؐ کی قوتِ قدسیہ کو اجاگر فرمایا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں سے بعض حصے سامعین کے سامنے پیش فرمائے۔ اصل میں اعلان کہ جس کے ساتھ اگر آج روئے زمین کے مسلمان وابستہ ہو جائیں تو ان کے اندر ایک ایسی تبدیلی پیدا ہو جائے گی جو اصل میں مقصودِ تخلیق جن و انس ہے۔

آپ کے بعد محترم حافظ شیر محمد صاحب مبلغ فیجی نے تقریر کی۔ آپ نے حضرت نبی کریمؐ کی تعلیم کے بعض حصے۔ آپ کے ذریعہ جو دنیا میں مذہبی، سیاسی۔ اخلاقی۔ مادی رنگ میں انقلاب آیا اس کی تفصیل بیان کی۔ آپ نے صدیوں کے مُردہ کو جو پیغام حیات دیا اس پر بھی روشنی ڈالی اور حاضرین کو دعوت دی کہ "نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز" اب بھی دنیا کا ایک بڑا حصہ تشنہ ہے ضرورت ہے کہ وہ لوگ جو حضرت نبی کریمؐ کے آبِ حیات کے حقیقی وارث ہیں وہ آگے آئیں۔ صاحبِ کردار ہوں۔ دل کے اندر تڑپ ہو۔ دین کو دنیا پر مقدم کریں۔ اور آپؐ کے مشن کی اشاعت کے لئے دنیا میں نکل کھڑے ہوں۔

محترم محمد اعظم علوی صاحب نے اپنا منظوم نعتیہ کلام پیش کر کے مجلس کو گرما دیا

آخر میں حضرت صاحب صدر محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی نے خطاب فرمایا۔ اور آیہ کریمہ لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ کی نہایت سوز سے تلاوت فرمائی۔ اور دوستوں کو اس مبارک جلسہ میں پُر زور

(باقی صفحہ نمبر ۱۲ کالم ۲ پر)

رپورٹ ۱ -

شیخ اللہ بخش صاحب

رپورٹ یوم عید میلاد النبیؐ

جماعت بدوملہی

جماعت بدوملہی نے ۱۹ جنوری ۱۹۸۱ء کو یوم عید میلاد النبیؐ پوری عقیدت و احترام سے منایا۔ خاکسار نے اپنی تقریر کا آغاز حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اس شعر سے کیا۔ ؎

بر تر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے۔

یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کا جمالی نام احمد ہے کی وہم و گمان سے برتر شان کا اندازہ اسی سے لگالو کہ امام وقت کو بھی آپ کی غلامی کا شرف حاصل ہے۔ اور وہ آپؐ کا غلام ہونے پر فخر کرتا ہے۔ ایک دوسرے شعر میں آپ فرماتے ہیں۔ ؎

زندگی بخش جام احمدؐ ہے۔
کیا پیارا یہ نام احمدؐ ہے۔

میں نے علوم و فیوض اور معرفتِ الٰہی کا یہ جو چشمہ خلقِ خدا کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لانے کے لئے جاری کیا ہے یہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کے سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ تو واقعی انسانی وہم و گمان اس سمندر کی وسعتوں اور گہرائیوں کا اندازہ لگانے سے عاجز ہے۔ جس کا ذکر اس شعر میں کیا گیا ہے۔

حضرت ختم المرسلین اور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دنیا کو گمراہی اور ضلالت سے نکالنے اور نورِ حق سے روشناس کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے کامل متبعین اور غلاموں کا ایک سلسلہ جاری کر رکھا ہے جنہیں زبانِ نبوتؐ سے کانبیاءِ بنی اسرائیل کا خطاب دیا گیا ہے اور آپؐ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو مختلف انبیاءِ بنی اسرائیل کا مثیل بھی قرار دیا ہے۔ مثلاً آپ فرماتے ہیں اگر ابراہیمؑ کو دیکھنا ہو تو ابوبکرؓ کو دیکھو۔ نوحؑ کو دیکھنا ہو تو عمرؓ کو دیکھو۔ ہارونؑ کو دیکھنا ہو تو علیؓ کو دیکھو۔ آپ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ ہستیاں ان انبیاء کے رنگ میں پورے طور پر رنگین تھیں۔ یعنی ان کے ساتھ ان کی مماثلت تام تھی۔

یہ سمجھ لینا کہ یہ سلسلہ اسی وقت تک محدود تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کی وسعت کو محدود کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ اگر آپ خاتم النبیین ہیں تو آپ کے انوار و برکات تاقیامت جاری رہیں گے۔ اس لئے مماثلت کا یہ سلسلہ وہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کو سابقہ انبیاء سے گہری مماثلت عطا فرمائی ہے۔

یہی وہ مراتب عالیہ ہیں جن کے متعلق حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہی یہ مدارج دیکھ کر پہلے انبیاء نے یہ آرزو کی تھی کہ کاش وہ بھی اس امت میں پیدا ہوتے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض کا یہ چشمہ تا ابد اسی طرح جاری و ساری رہے گا اور ہر دور کی ضروریات کے مطابق دینِ متین کا خوبصورت چہرہ ایسی ہی ہستیوں کے ذریعے چمکتا اور دمکتا رہے گا۔ لیکن چودھویں صدی میں اس لحاظ سے اس خصوصیت کی حامل ہے کہ اس میں خود مسلمانوں نے اسلام کی تعلیم پر عمل ترک کر دیا تھا اور وہ شدید بے عملی کی لپیٹ میں آگئے تھے۔ سیاسی طور پر وہ غیر ملکی سامراج کی غلامی کی زنجیروں میں بری طرح جکڑے گئے تھے۔ ان کی کشتیٔ حیات ڈوبنے ہی والی تھی کہ ناگہاں غیب سے یہ آواز سنائی دی "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد" اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ اور ان کی جماعت کے علمی جہاد کی راہ سے غلبۂ اسلام کے سامان پیدا فرمائے۔

خدا کے یہ بندے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ غلام اپنے اندر اس قدر اثر لئے ہوتے ہیں کہ اپنے ساتھیوں کو بھی اس سے متاثر کر دیتے ہیں۔ اور ان کو بھی خدا کے جلوے دکھا دیتے ہیں۔ مولٰنا عبدالرحمٰن مصری مرحوم ہندو تھے۔ جب مسلمان ہوئے تو ان کے ہندو رشتہ داروں نے ان سے بڑی سختی سے باز پرس کی۔ انہوں نے کہا مجھے تو مرزا صاحب نے خدا دکھا دیا ہے اب میں اسلام کے اس خدا کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم و مغفور نے جب احمدیہ بلڈنگس میں وفات پائی تو اس رات ایک خاتون نے خواب میں دیکھا کہ احمدیہ بلڈنگس میں ایک بزرگ فوت ہو گئے ہیں جن کا نور آسمان تک جا رہا ہے۔ اسی طرح خاتون موصوفہ نے چوہدری سرفراز خاں مرحوم کو بھی اعلیٰ مقام پر دیکھا۔ الغرض جس نے بھی کونوا مع الصادقین کے ارشاد ربانی کے مطابق آنحضرت صلعم کے ان غلاموں کی قدر کی وہ تقوٰی کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گیا۔ جو قرآن کریم کا اصلی مقصد اور روح ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو بھی حضرت مجدد وقت کے ساتھ صدق اور وفا سے یہ تعلق قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تاکہ اس کے واسطہ سے ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم کے ساتھ مضبوط اور مستحکم ہو۔ آمین

مکتوب بمبئی (بھارت)

از مکرم شیخ عبدالقادر شیخ :۔

محترم جناب حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

پندرہویں صدی کے آغاز پر مبارکباد قبول فرمایئے۔ ہم خداوند تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ یہ نیا اسلامی سال آپ کیلئے بابرکت اور خوشیوں سے بھرپور ہو۔ بفضل تعالیٰ اور آپ بزرگوں کی دعاؤں کے طفیل جماعت کے سبھی احباب بخیریت سے ہیں اور آپ تمام احباب کے لئے بارگاہ رب العزت میں دعاگو ہیں کہ "تبلیغ اسلام" کے لئے احباب میں جوش ولولہ، تڑپ و لگن میں اضافہ کرے۔ آج میں یہ رپورٹ پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔ اور یہ توقع رکھتا ہوں کہ احباب جماعت پسندیدگی کے علاوہ ہمیں نیک مشوروں اور دعاؤں سے نوازیں گے۔ اس صدی ہجری کے آغاز کیساتھ اراکین جماعت بمبئی نے "بمبئے بک میلہ ۱۹۸۰ء" (کتابوں کا میلہ ۱۹۸۰ء) میں حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور ہم بارگاہِ الٰہی میں شکرگزار ہیں کہ اس نے ہمیں یہ قیمتی موقع فراہم کیا۔ ہماری جماعت کی کتابوں اور مفت لٹریچر کو ہر خاص و عام کے ہاتھوں میں پہنچانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور ہمارے میلہ میں اسلامی کتب پر مشتمل ہمارا واحد سٹال تھا اور اس کا ذکر اخباروں میں بھی ہوا۔ یہ نمائش شروع دن سے آخری دن تک پُر رونق رہی۔ اسٹال پر ہزاروں کی تعداد میں "تعلیم اسلام"، "شہادت حقہ"، "دینیات کا پہلا رسالہ"، "دعوت عمل"، "شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات"، محمد دی پرافٹ، اسلام۔ دی ریلیجن آف ہیومینٹی (انگریزی) اور دیگر مفت پمفلٹ تقسیم کئے گئے۔ انگریزی لٹریچر غیر مسلموں میں بہت مقبول ہوا۔ آخری دنوں میں انگریزی لٹریچر ختم ہو گیا۔ کئی لوگ محروم رہے۔

آخر میں جناب عبدالرزاق صاحب۔ بیگم عبدالرزاق صاحب۔ جناب محمد عمر صاحب۔ جناب گل محمد بیگم و جناب خان محمد۔ جناب غلام محمد اور ان کے صاحبزادوں کے لئے آپ کی دعاؤں کا طالب ہوں۔ ان حضرات و خواتین نے باقاعدگی کے ساتھ اسٹال پر ڈیوٹی انجام دی۔ خدا انہیں ہر کام میں ترقی عطا فرمائے۔ یہ نمائش (کتابوں کا میلہ) ۱۵ دسمبر ۱۹۸۰ء کی رات شاندار کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد رحمۃ اللہ علیہ

تقدیر اور دکھ سکھ کا مسئلہ

تقدیر مبرم اور تقدیر معلق اور انکے متعلق قرآنی آیات

انسانی ترقی کے لئے ایک اعلیٰ ترین شاہراہ

کائنات کی ہر چیز کا مقصد و اندازہ

اس بات کا تو انکار نہیں ہو سکتا کہ اگر خدا نے اس کائنات کو کسی خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ تو پھر اس کی ہر چیز کو بلکہ اس کے ہر ایک ذرّہ کو کسی خاص مقصد و غرض حاصل کرنے کے لئے ایک خاص اندازہ کے ماتحت پیدا کیا ہے۔ دیکھو جب کوئی شخص ایک چھوٹی سی گھڑی بناتا ہے اور اس کے بنانے میں اس کی ایک خاص غرض ہوتی ہے۔ تو پھر اس کے ہر ایک کل پرزہ کو وہ کسی خاص مقصد کے لئے ایک خاص اندازہ کے ساتھ بناتا ہے۔ اسی طرح اتنا بڑا کارخانہ کائنات عالم کا جب اللہ جلّ شانہ نے بنایا اور کسی خاص غرض کو مدنظر رکھ کر بنایا تو پھر ایک ذرّہ اور ہر ایک چیز کو جو پیدا کی کسی خاص اندازہ کے ساتھ پیدا کی:۔

تقدیر اسی اندازہ کا نام ہے۔

اسی اندازہ کا نام تقدیر ہے جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے:۔ سبّح اسم ربّک الاعلیٰ الذی خلق فسوّیٰ۔ والذی قدّر فھدیٰ۔ یعنی اپنے رب کے نام کی تسبیح کر جو سب سے بلند و برتر ہے جس نے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک بنایا اور جس نے اندازہ کیا اور پھر ہر چیز کو اس کی پیدائش کی غرض حاصل کرنے کے لئے ایک خاص رستہ پر چلایا۔ یہاں صاف صاف فرما دیا کہ ہر چیز کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے وہ اپنے اندر ایسی ٹھیک ٹھاک ہے کہ اس سے بہتر اس خاص غرض کے لئے پیدائش نہیں ہو سکتی۔ اور ہر چیز کو ایک خاص اندازہ سے پیدا کر کے اسے اپنے کام میں لگایا ہے:۔

تقدیر مبرم

یہی تقدیر ہے اور اسے مبرم اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ یعنی خدا نے جو ہر ایک چیز کو ایک خاص اندازہ کے ماتحت پیدا کیا ہے۔ اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ وہ اندازہ اٹل ہے:۔

تدبیر کیا ہے؟

انسان کو دنیا میں جب خلافتِ الٰہیہ کے لئے پیدا کیا جیسا کہ انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو اسے اخلاقِ الٰہیہ سے رنگین کیا اور ادراک اور عقل، ارادہ اور خود شناسی اور خود اختیاری دے کر اس قابل بنایا کہ وہ علم حاصل کرے اور اسی کے مطابق عمل کرے اور اس علم و عمل کے ذریعہ تمام دنیا پر حکومت کرے۔ یہاں تک کہ ملائکہ کو جو مختلف عناصر اور قوتوں پر حکمران تھے۔ انسان کی فرمانبرداری کا حکم دے دیا۔ انسان اپنے ادراک اور عقل سے اپنے کرنے کے کاموں کو سوچتا، غور کرتا اور کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تجویزیں اور سعی کرتا ہے۔ اسے تدبیر کہتے ہیں۔

تقدیر و تدبیر کا باہمی تعلق۔ یوں سمجھ لو کہ جس طرح جناب الٰہی جب کسی چیز کو خلق کرنے لگتے ہیں تو اس کو کسی خاص اندازہ کے ماتحت پیدا کرتے اور چلاتے ہیں اور اس اندازہ کا نام تقدیر ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان جب اپنے کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو جو اس کے لئے اندازہ لگاتا ہے اسے تدبیر کہتے ہیں۔ اس کا یہ اندازہ اسباب پر مبنی ہوتا ہے، وہ جب کوئی مقصد اور نتیجہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے وہ ایک خاص اندازہ لگا کر اس کے مطابق اسباب کو تلاش کرتا ہے۔ اسباب کی اسی تلاش کا نام سعی ہے جس کے متعلق فرماتا ہے۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ کہ انسان کے لئے نہیں ہے مگر وہ جو سعی کرے گویا سعی کرنا اک فرضِ انسانی ہے جس کے بغیر انسان نہ کوئی ترقی کر سکتا ہے اور نہ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے:۔

انسان کی مقدرت و وسعت

اس تدبیر اور سعی کے سلسلہ میں جب انسان صحیح اسباب کو پا لیتا ہے تو نتیجہ اس کے حسب منشاء نکلتا ہے۔ اور جب اسے صحیح اسباب نہیں ملتے تو نتیجہ اس کے خلاف نکلتا ہے۔ بہرحال اسباب کو تلاش کرنا اور ان سے کام لے کر کسی نتیجہ پر پہنچ جانا انسان کی مقدرت اور وسعت کے اندر رکھا گیا ہے۔ ورنہ انسان کا دنیا میں پیدا ہونا بے معنی ہوتا۔ اور اس کے عقل و شعور اور فہم و ادراک کا کچھ فائدہ نہ ہوتا اور خلافتِ الٰہیہ ایک مہمل بات ہوتی:۔

تقدیر معلق

پس سلسلہ اسباب و نتائج میں ایک حد تک انسان کو دسترس حاصل ہونا یہ بھی پہلے ہی سے جناب الٰہی نے اندازہ کر لیا تھا۔ اس لئے ہر سبب پر جس سے انسان کام لیتا ہے جو نتیجہ نکلتا ہے اس کا نام تقدیر معلق ہے۔ تقدیر معلق سے مراد ہے ایسی تقدیر جو ٹل سکے مطلب یہ کہ جناب الٰہی نے پہلے ہی سے یہ اندازہ اور قاعدہ بنا دیا ہے کہ انسان جب کسی سبب سے صحیح طور کام لے گا تو نتیجہ حسب منشاء پائے گا۔ غلط اسباب سے کام لے گا تو نتیجہ خلاف منشاء نکلے گا۔ اس اندازہ کا نام تقدیر معلق ہے۔ اور اسی تقدیر معلق کے نیچے تمام سعی و عمل اور ترقیاتِ انسانی کا ظہور ہے۔ اس تقدیر کو معلق اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس کا وارد ہونا اور ٹل جانا انسان کی سعی اور اسباب کی کیفیت پر مبنی ہے۔ مثلاً ایک مریض کا غلط علاج ہو رہا تھا۔ وہ موت کی طرف جا رہا تھا۔ اچانک صحیح علاج مل گیا اور وہ مریض موت سے بچ گیا تو یہ کہا جائے گا کہ اس کی موت ٹل گئی۔ ایک تقدیر تھی جو اسباب کے ساتھ وابستہ تھی۔ جب صحیح اسباب مل گئے تو وہ ٹل گئی۔ اگر غلط اسباب چلے چلتے تو وارد ہو جاتی:۔

دکھ کا مسئلہ

تقدیر انسانی میں ایک مسئلہ انسان کے لئے بہت مشکل اور پیچیدہ رہا ہے۔ جو ہمیشہ اس کی ٹھوکر کا باعث ہوا ہے۔ اور جس کے نہ سمجھنے سے انسان کے ایمان۔ اعمال اور اخلاق پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ قرآن جو نوع انسان کے لئے ایک کامل اور اکمل ہدایت نامہ ہونے

کا دعویٰ ہے۔ اس مشکل کو بھی حل کرنا۔ وہ مسئلہ دکھ کا ہے۔ دُکھ ایک ایسی چیز ہے جس کا اثر انسان کے دل و دماغ پر بڑا قوی پڑتا ہے۔ اور اسی لئے یہ وہ حالت ہے جس کا اثر انسان کے اخلاق پر بڑا زبردست پڑنا لازمی ہے:۔

"دُکھ کے اثر سے انسان شیطان سے ولی بھی بن سکتا ہے۔ اور دُکھ کے اثر سے ہی انسان شیطان بھی بن سکتا ہے۔ دُکھ ہی وہ چیز ہے جس میں انسان کے صبر و استقامت اور دیانت راست بازی اور عصمت و عفت کے اخلاق بڑے زور اور سرعت سے نشو و نما پا سکتے ہیں دُکھ ہی وہ چیز ہے جس میں پڑ کر انسان پرلے درجے کا بزدل اور نہایت متبذل اور کمینہ، اور شیطانی حرکات کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ خدا کی طرف سے انسان کو اس معاملہ میں ایسی ہدایات دی جاتیں کہ انسان اس تقدیر کے جاری ہونے پر فائدہ اٹھاتا اور اخلاق میں ترقی کرتا اور تنزل نہ کرتا موت بھی دُکھ کی ہی ایک شکل ہے لیکن چونکہ موت کے ساتھ اس دنیا کی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اس لئے اس کا ذکر خاص طور پر میں الگ کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے دُکھ کو لے لو:۔

دُکھ کے دو سبب

قرآن کریم نے دکھ کے دو سبب بتائے ہیں۔ ایک تو وہ جو انسان اپنے ہاتھوں خود خریدتا ہے جیسا کہ فرمایا:۔ ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم۔ جو مصیبت تم کو پہنچی وہ تمہارے اپنے ہاتھ کی کمائی ہوئی تھی۔ دُوسرے وہ دُکھ جو خدا کے حکم سے پہنچتا ہے۔ وما اصابکم من مصیبۃ فباذن اللّٰہ۔ جو مصیبت تم کو پہنچی۔ خدا کے حکم سے پہنچی۔ معلوم ہوا کہ کبھی مصیبت ہمارے ہی کرتوتوں سے ہمیں پہنچتی ہے اور کبھی خدا کے حکم سے ہمیں پہنچتی ہے۔

اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہوا دُکھ تقدیر معلق ہے۔

ظاہر ہے کہ جو دُکھ ہمیں اپنے ہاتھوں سے پہنچتا ہے وہ تقدیر معلق ہے جو بوجہ کمی علم اور نقص عمل کے ہم کو پہنچ جاتا ہے۔ یعنی بعض دفعہ علم کی کمی کی وجہ سے ہم صحیح اسباب معلوم نہیں کر سکتے۔ جن کو کام میں لا کر ہم اپنے منشاء کے مطابق فائدہ اٹھاتے اور دُکھ سے بچ جاتے یا علم تو تھا لیکن ہمارے عمل میں نقص رہ گیا۔ اور ہم نے پوری کوشش ان اسباب سے فائدہ اٹھانے کی نہ کی۔ اس لئے ہمیں تکلیف پہنچ گئی۔ اگر ہمارے علم میں یا عمل میں نقص نہ رہ جاتا تو یہ تکلیف بھی ہمیں نہ پہنچتی اور تقدیر ٹل جاتی۔ اس لئے اس کا علاج قرآن نے بتایا ہے سعی اور دُعا جیسا کہ فرمایا لیس للانسان الا ما سعٰی۔ انسان کے لئے نہیں ہے مگر جو وہ سعی کرتا ہے اور واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ کہ خدا سے مدد مانگو استقامت اور دُعا کے ساتھ۔

زیادتی علم اور استقامت عمل کی سعی۔

سعی کسی کام میں کرو علم کے بڑھانے اور عمل میں استقامت دکھانے میں۔ علم کو بڑھانا اس لئے کہ تا صحیح اسباب کا پتہ لگ سکے جس سے حسب منشا نتائج حاصل ہو سکیں اور عمل پر استقامت اس لئے کہ جب تک صحیح اسباب پر استقامت کے ساتھ عمل نہ کیا جائے۔ نتیجہ مفقود رہے گا۔ دُعا بھی انہی دونوں مقاصد کے حصول کے لئے ہے۔ یعنی علم کے بڑھنے اور سعی میں استقامت پیدا کر لینے کے لئے خدا کی استعانت کا طلب کرنا یعنی انسان جب صحیح اسباب کی جستجو کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس جستجو میں اس کی مدد کرے اور اس کی استقامت میں فرق نہ آنے دے۔ جیسا کہ قل رب زدنی علماً اور اھدنا الصراط المستقیم سے ظاہر ہے۔ ایک طرف علم کے بڑھنے کے لئے دُعا ہے اور دُوسری صحیح اسباب اور سیدھے رستے پر ڈال کر اس پر استقامت طلب کی ہے۔ یہاں تک کہ منزل مقصود پر انسان جا پہنچے۔

خدا کا بھیجا ہوا دُکھ تقدیر مبرم ہے۔

دُوسرا وہ دُکھ ہے جو خدا کی طرف سے انسان کو پہنچتا ہے۔ یہ تقدیر مبرم ہے یہاں سعی اور دُعا کوئی چیز کارگر نہیں ہوتی۔ خدا کا اندازہ پہلے سے چلا آتا ہے۔ جو اٹل ہے۔ اس موقع پر انسان کیا کرے وہ بھی سن لو۔ فرماتے ہیں:۔

"ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصٰبرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ہ اولٰئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ و اولٰئک ھم المھتدون"

اور بے شک ہم آزمائیں گے۔ کچھ خوف اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو۔ ان لوگوں کو جن کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہہ اٹھتے ہیں بے شک ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی طرف سے برکات اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور یہی لوگ ہیں جو ہدایت پا گئے۔ اور منزل مقصود پر پہنچ گئے۔

گویا ایسی صورت میں خدا کی تقدیر کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کا حکم ہے۔ اور خدا سے سچی صلح کرنے اور راضی رہنے کا حکم ہے۔ تا اس پر خدا کی رحمتوں کا نزول ہو۔ اور ایسا آدمی ہدایت پا گیا یعنی جو دُکھ کے نزول کا مقصد تھا کہ اس کے اخلاق ترقی کریں۔ اور منازل سلوک طے ہوں۔ وہ حاصل ہو گیا اور انہوں نے منزل مقصود کو پا لیا۔

تقدیر معلق و مبرم سے نفع کس طرح اٹھایا جائے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی دُکھ آ دے تو یہ پتہ کس طرح چلے کہ یہ تقدیر معلق ہے یا مبرم۔ خدا کی مشیت اور تقدیر کا پتہ انسان کا علم ناقص تو نہیں لگا سکتا۔ یہ تو اب غیب کی بات ہے کہ یہ تقدیر معلق ہے۔ یا مبرم دُعا اور سعی سے کام لیا جائے یا نہ لیا جائے۔

سو اس کے لئے قرآن کریم نے جو انسان کو راہ بتائی ہے وہ یہی ہے کہ دُنیا میں ہر ایک کام جس کے لئے انسان سعی کرتا ہے۔ اسے وہ تقدیر معلق ہی فرض کرے اور اس کے لئے حتی المقدور سعی اور دُعا کرے تا کہ تقدیر معلق ہونے کی صورت میں وہ فائدہ اٹھائے اور اس سعی کے نتیجہ میں اگر ناکامی ہو۔ تو اس وقت اسے تقدیر مبرم سمجھ لے اور خدا کی تقدیر کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ دُوسرے لفظوں میں ہر کام کے شروع میں جس میں سعی کرنا فرض انسانی ہے اسے تقدیر معلق سمجھا جائے کہ کامیابی اسی طریق سے وابستہ ہے اور ہر سعی کا نتیجہ نکلنے کے وقت اگر وہ نتیجہ تمہارے حسب منشا نہیں۔ تو اسے تقدیر مبرم سمجھا جائے کہ دل و دماغ کی تسکین اور طمانیت اسی طریق سے وابستہ ہے۔

شروع میں تقدیر کو مبرم سمجھنے کا نتیجہ

اگر شروع ہی میں تقدیر کو مبرم فرض کر لیا جائے اور سعی اور دُعا سے غفلت کی جائے تو بالکل ممکن ہے کہ وہ تقدیر معلق ہو۔ اور سعی اور دُعا سے ٹل سکتی ہو اور اس طرح ناحق کا دُکھ اور نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اور سعی کے نتیجہ پر اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ تقدیر معلق تھی اور ہماری سعی کی کمی سے ہمیں دُکھ پہنچ گیا۔ تو پھر اس وقت سوائے اس کے کہ ایک جلن اور غم ناقابلِ برداشت پیدا ہو۔ اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ سعی پوری طرح کی گئی ہو۔ اگر سعی ہی نہ کی گئی ہو اور کوئی دکھ پہنچ جائے تو پھر وہ سوال ہی دُوسرا ہے۔ اس وقت تو دُکھ بطور سزا کے اس پر وارد سمجھا جائے گا۔ لیکن سعی اور دُعا کے باوجود اگر نتیجہ حسب منشا نہیں نکلا تو پھر اس وقت ایک ہی طریقہ سکینت قلب کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسے تقدیر مبرم سمجھا جائے اور خدا کی تقدیر سے راضی ہو جائے۔

تقدیر معلق کے مبرم ہونے کی وجہ

یہ سچ ہے کہ ممکن ہے وہ تقدیر معلق ہی ہو۔ اور بندہ کی سعی کی کمی کی وجہ ہی سے دُکھ پہنچ گیا ہو لیکن چونکہ وہ بندہ بقدر اپنے علم اور استطاعت کے سعی اور دُعا کر چکا۔ اس لئے اس کے

لئے وہ تقدیر مبرم ہی کا حکم رکھتی ہے اور اسے وہی ثواب اور درجات ملیں گے جو تقدیر مبرم کے جاری ہونے اور بندہ کے رضا بالقضا ہو جانے پر ملتے ہیں۔ یہیں سے بعض اولیاء کو یہ غلطی لگی ہے جو انہوں نے سمجھ لیا کہ تقدیر مبرم بھی ٹل سکتی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تقدیر مبرم وہی ہے جو ٹل نہیں سکتی۔ جو ٹل گئی وہ تقدیر معلق ہے۔ بات یہ ہے کہ جس انتہائی مقام تک انہوں نے اپنی دعا کو پہنچایا وہاں تک دوسرے آدمی کی دعا پہنچ نہ سکتی تھی۔ اس لئے وہ تقدیر جو ایک مقرب الٰہی کی دعا سے ٹل گئی وہ دراصل تھی تو تقدیر معلق مگر دوسرے بندہ کے لئے تقدیر مبرم تھی۔ کیونکہ اس کی دعا سے ٹل نہیں سکتی تھی اس لئے بہت سی تکالیف جو بظاہر تقدیر مبرم نظر آتی ہیں۔ یعنی ٹلتی نظر نہیں آتیں۔ دراصل تقدیر معلق ہوتی ہیں۔ چونکہ سعی اور دعا ان میں اس انتہائی مقام تک نہیں پہنچتی جہاں جانے سے وہ تقدیر ٹل جاتی اس لئے وہ تقدیر وارد ہو جاتی ہے۔

تقدیر معلق کے وارد ہونے پر صبر کا ثواب

لیکن چونکہ وہ بندہ جو سعی اور دعا کر رہا تھا بقدر اپنے علم اور استطاعت کے اپنی طرف سے سعی اور دعا میں پورا زور لگا چکا۔ اس لئے اس کے لئے وہ تقدیر معلق تقدیر مبرم ہی کا حکم رکھتی ہے اور اس لئے نتیجہ کے وقت اس کے صبر اور تسلیم پر وہی ثواب قرب اور رحمت و برکات کا نزول ہوگا جس کا تقدیر مبرم کے نزول کے وقت اور اس سے راضی رہنے پر وعدہ الٰہی ہے۔

مایوسی مومن کا کام نہیں

پس کام کے شروع میں جو لا ییئس من روح اللّٰہ الا القوم الکافرون کا ارشاد فرمایا کہ مومن کبھی خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔ اسی لئے فرمایا کہ شروع ہی سے تقدیر مبرم سمجھ کر مایوس ہو جانا اور ہاتھ پاؤں چھوڑ کر دعا اور سعی سے کام نہ لینا یہ شیوہ کفار کا ہے۔ مومن کا نہیں اور باوجود سعی و دعا کے مالوں اور جانوں کے نقصان پر صبر کرنا موجب اجر و رحمت بتایا۔ اسی وجہ سے کہ انسان بقدر اپنے علم اور استطاعت کے اپنا فرض ادا کر چکا۔ پس چاہیئے کہ مومن سعی اور دعا کر کے نتیجہ کو خدا پر چھوڑے اگر نتیجہ حسب منشاء نکل آیا۔ تو تقدیر معلق تھی جسے خدا نے اپنی مغفرت اور رحمت و فضل سے ٹال دیا اور حسب منشاء نہ نکلا تو کم از کم اس بندہ کے لئے تو وہ تقدیر مبرم تھی جس کے لئے وہ اپنے رب سے اجر کا امیدوار ہے ؎

موت تقدیر مبرم ہے۔

یہی معاملہ انسان کی موت کا ہے۔ اللہ تعالٰے نے انسان کو جب پیدا کیا اور اس کی ایک عمر مقرر کی جسے اجل مسمی سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی ایک وقت مقرر یہ تقدیر مبرم ہے جو ٹل نہیں سکتی۔ انسان پیدا ہوتا ہے۔ جوان ہوتا ہے۔ بوڑھا ہوتا ہے اور من نعمرہ ننکسہ فی الخلق کے ماتحت گھٹتا گھٹتا آخر کار اپنا وقت ختم کر جاتا ہے لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشیت الٰہی نے کسی کی عمر کم رکھی ہے کسی کی زیادہ۔ مثلاً کسی کو صرف ۳۰ سال کا وقت دیا گیا ہے تو کسی کو ۸۰ سال کا غرضیکہ جو وقت ابتداء سے مشیت الٰہی نے اپنے اندازہ سے ایک شخص کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ وہ اٹل ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ جیسا کہ فرمایا کہ ولن یؤخر اللّٰہ نفسًا اذا جاء اجلھا جب ایک شخص کا وقت مقررہ آ گیا تو پھر اللہ تعالٰے اس میں تاخیر نہیں ڈالتا۔ یہ تقدیر مبرم ہے۔

وقت سے پہلے موت تقدیر معلق ہے۔

لیکن کبھی موت انسان پر وقت سے پہلے بطور تقدیر معلق کے آ جاتی ہے۔ یعنی انسان سے ایسی غلط کاریاں ہوتی ہیں کہ وہ اپنے مقررہ وقت سے پہلے اپنی موت بلا لیتا ہے۔ خواہ یہ غلط کاریاں بد پرہیزیوں کے رنگ میں ہوں جس سے جسمانی صحت برباد ہو جائے۔ یا روحانی خرابیوں اور گندگیوں اور بداخلاقیوں کے رنگ میں ہوں۔ اسی کو قرآن نے اس طرح فرمایا ہے۔ وما یعمر من معمر ولا ینقص من عمرہ الا فی کتٰب (سورۃ فاطر) کوئی بڑی عمر کو نہیں پہنچتا اور اس کی عمر میں سے کم نہیں کیا جاتا مگر وہ کتاب میں ہے۔ یہاں کتاب سے مراد تقدیر ہے۔ یہاں عمر کے متعلق دو باتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی شخص کا اپنی لمبی عمر کو پہنچ جانا اور اپنا پورا وقت لے لینا جتنی اس کی لکھی ہوئی تھی۔ یہ تو تقدیر مبرم ہے۔ اور دوسری یہ کہ کبھی انسان کی عمر کم بھی ہو جاتی ہے۔ فرمایا یہ بھی کتاب میں ہے یعنی تقدیر میں ہے لیکن یہ تقدیر معلق ہے۔ کیونکہ یہ انسان کی اپنی ظاہری یا باطنی بد پرہیزیوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کا کتاب میں ہونا اسی رنگ میں ہوتا ہے کہ انسان کے اعمال اور اسباب پر بطور نتیجہ کے وارد ہو جانا۔ یہ خدا کا قانون ہے جو لکھا ہوا ہے۔ اگر وہ اسباب دور ہو جائیں جن سے یہ تقدیر وارد ہونے والی ہے۔ تو وہ تقدیر بھی ٹل جائے گی۔ اسی بات کو سورۃ ہود میں کفار کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یمتعکم متاعًا حسنًا الی اجل مسمی و یؤت کل ذی فضل فضلہ وان تولوا فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر۔ یعنی اپنے رب کے حضور میں استغفار کرو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ تو تمہیں وقت مقررہ تک دنیا میں اچھی طرح رسائے بسائے گا اور اگر تم منہ موڑو گے تو میں ڈرتا ہوں کہ تم پر ایک بڑے دن کا عذاب نازل ہوگا یہاں دونوں تقدیریں صاف نظر آ رہی ہیں۔ ایک تو عمر مقرر شدہ ہے۔ جو تقدیر مبرم ہے۔ اور جسے اجل مسمی کے لفظ سے تعبیر فرمایا اور جو اٹل ہے۔ اور دوسری تقدیر معلق جو ان لوگوں کے بداعمال کی وجہ سے موت کی شکل میں وارد ہونے لگی تھی اور جس کے متعلق یہ وعدہ فرمایا کہ اگر اپنی بداعمالیاں چھوڑ دو گے اور استغفار کرو گے تو اللہ تعالٰے اس تقدیر کو ٹال دے گا۔ اور وقت مقررہ تک تمہیں دنیا میں رہنے دے گا۔ گویا جو موت عذاب کے رنگ میں آتی ہے وہ تقدیر معلق ہوتی ہے۔ جو ٹل سکتی ہے

موت کو تقدیر معلق سمجھنا چاہیئے۔

پس یہاں بھی وہی سوال درپیش ہوتا ہے کہ کس طرح پتہ لگے کہ کسی شخص پر جو موت وارد ہوئی یہ تقدیر معلق تھی۔ یا تقدیر مبرم۔ موت بھی دکھ ہی کی ایک قسم ہے۔ اس لئے وہی اصول یہاں بھی چلے گا۔ یعنی موت وارد ہونے سے پہلے جو بھی تدبیر ممکن ہے۔ کی جائے گی سعی سے بھی اور دعا سے بھی اور جب موت وارد ہو گئی۔ تو پھر اسے تقدیر مبرم سمجھا جائے گا۔ چونکہ میں اس پر مفصل بحث کر آیا ہوں اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں ؎

قربانی اور ایثار کا نتیجہ تقدیر مبرم ہے۔

لیکن ایک بات خصوصیت سے ذکر کرنے کے قابل ہے۔ جو یہاں ذکر کرنے سے رہ گئی۔ وہ یہ کہ بعض دفعہ انسان کی ڈیوٹی اسے بلاتی ہے۔ اور اسے جان بوجھ کر ڈیوٹی ادا کرنے کے لئے مشکلات میں پڑنا پڑتا ہے جس کا نتیجہ بعض دفعہ موت بھی ہوتا ہے۔ آیا اس صورت میں دکھ یا موت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قربانی اور ایثار کا نمونہ دکھانا چاہیئے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ قربانی اور ایثار کے وقت دکھ یا موت کو کیا سمجھا جائے۔ تقدیر معلق یا تقدیر مبرم۔ قرآن نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جو اپنی ڈیوٹی ادا کرتا ہوا مصیبت میں پڑے یا مارا جائے وہ اس کے لئے تقدیر مبرم ہوتی ہے۔ نہ کہ معلق۔ گویا یہاں مطمح نظر کو بدل دیا۔ اسے بتایا ہے کہ جب فرض انسانی یا ڈیوٹی مصیبت یا موت کے منہ میں بلا رہی ہے۔ تو اسے اپنی مصیبت یا موت کے متعلق یہ مد نظر رکھنا چاہیئے کہ مجھے دکھ یا موت نہیں پہنچ سکتی۔ جب تک وہ مبرم نہ ہوگی۔ اگر میں اپنی ڈیوٹی ادا کرتا ہوا مصیبت میں پڑ گیا یا مارا گیا تو سمجھوں گا کہ تقدیر مبرم تھی جو اٹل ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ قرآن نے ایک جنگ کے موقعہ پر یہی ارشاد فرمایا ہے۔:۔

”یقولون لو کان من الامر شیء ما قتلنا ھھنا قل لو کنتم فی بیوتکم لبرز الذین کتب علیھم القتل فی مضاجعھم،،

کہتے ہیں کہ اگر ہمارا اختیار اس معاملہ میں ہوتا۔ تو ہم یہاں مارے نہ جاتے کہہ دے کہ اگر تم

اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن پر مارا جانا لکھا گیا تھا وہ خود گھروں سے نکل کر اپنے بچھڑنے کی جگہ آموجود ہوتے۔ قابل غور ہے کہ کس قدر مطمح نظر کو یہاں بدلا ہے۔ ایک طرف قرآن چاہتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو کبھی ہلاکت میں نہ ڈالے جیسا کہ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ سے ظاہر ہے۔ کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو مطلب یہ کہ موت کو ہمیشہ تقدیر معلق سمجھنا چاہیئے! اور موت سے بچنے کے لئے پوری پوری سعی کرنا چاہیئے۔ اور تمام ان اسباب سے کام لینا چاہیئے۔ جن سے انسان موت سے محفوظ رہے۔ یہ بنیاد ہے تمام حفظان صحت اور حفاظت جسمانی و روحانی کی لیکن جب قربانی اور ایثار کا وقت آوے۔ اس وقت بھی اگر یہی مطمح نظر سامنے رہے گا تو انسان پرلے درجے کا بزدل بن جائے گا۔ اور وہ کوئی قربانی نہیں کر سکتا۔ جو بنا ہے تمام قومی اور دینی ترقیات کی۔ اس لئے وہاں مطمح نظر کو بالکل بدل ڈالا۔ اور اس وقت کے لئے یہ ہدایت دی کہ ادائیگی فرض اور قربانی اور ایثار کے وقت دکھ اور موت کو ہمیشہ تقدیر مبرم سمجھو اور دل میں مطمئن رہو کہ ادائیگی فرض کے وقت جو موت آئے گی وہ تقدیر مبرم ہو گی۔ تقدیر معلق نہیں ہو سکتی اس لئے ایسے بہادری کے موقعہ پر یہ خطرہ تمہارے دل کے قریب بھی نہ آنے پائے کہ میں مر نہ جاؤں۔ فرمایا۔ ایسے موقعوں پر خدا کی طرف سے کبھی تم پر موت وارد نہیں ہو گی۔ جب تک وہ تقدیر مبرم نہ ہو۔ گویا قربانی اور ایثار ایسے اعلےٰ درجے کے اعمال ہیں کہ ان کا نتیجہ موت یا دکھ بطور تقدیر معلق کے کبھی وارد نہیں ہو سکتے۔ اگر وارد ہوں گے تو وہ تقدیر مبرم کے رنگ میں ہونگے۔ جو کبھی ٹل نہیں سکتی خواہ قربانی کر دیا نہ کرو پس ان مواقع پر بے خطر اپنے فرض اور ڈیوٹی کو ادا کرو۔ اور موت یا دکھ سے ہرگز نہ ڈرو۔ یہ بنیاد ہے تمام ان بہادریوں اور قربانیوں کی جو مسلمانوں نے خدا کی راہ میں دکھلائیں۔

خلاصہ بحث:۔

تقدیر تو ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایک کامل مذہب کا کام تھا کہ انسان کو ایسی ہدایات دیتا کہ اس دنیا سے بہتر سے بہتر رنگ میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اس لئے قرآن نے کیسی خوبصورت اور پاکیزہ و مفید ہدایات دی ہیں۔ جن پر انسان کا سارا سکھ اور تمام ترقیات ظاہری و باطنی مبنی ہیں۔ مختصراً پھر عرض کئے دیتا ہوں۔

(۱) ہر ایک کام جس میں انسان سعی کر سکتا ہے جب شروع کیا جائے تو اس کے نتیجہ کو ہمیشہ تقدیر معلق سمجھا جائے۔ لہٰذا اس کے لئے پوری پوری سعی اور دعا سے کام لیا جائے۔ یہی ساری کامیابیوں اور ترقیوں کی بنیاد ہے۔ اس لئے یہی طریق ہے جس سے انسان نفع میں رہتا ہے۔

(۲) اگر اس سعی اور دعا کا نتیجہ اپنے حسب منشاء نہ نکلے تو اسے تقدیر مبرم سمجھا جائے۔ اور اس کے آگے سر تسلیم خم کر کے، خدا کی تقدیر سے راضی ہو جائے۔ یہی طریق ہے جس سے انسان کے قلب کو سکینت ملتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی رحمتوں کا نزول اس پر ہوتا ہے۔ اس لئے نفع کی یہی راہ ہے۔

(۳) انسان کے لئے اس کی عمر کا ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت پورا ہو جاتا ہے تو موت آجاتی ہے۔ جو تقدیر مبرم ہوتی ہے۔ جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔

(۴) لیکن انسان اپنی جسمانی بد پرہیزیوں اور روحانی بداعمالیوں کی وجہ سے کبھی اپنی موت قبل از وقت بھی لے آتا ہے۔ جو تقدیر معلق ہوتی ہے اور جو صحیح طریق علاج اور حفاظت سے یعنی سعی اور دعا سے ٹل سکتی ہے۔ یہی طریق زندگی قائم رکھنے کا ہے۔

(۵) عام طور پر ہمیشہ موت کو تقدیر معلق سمجھنا چاہیئے اور اس لئے موت سے بچنے کے لئے حفاظت اور علاج یعنی سعی اور دعا سے پوری طرح کام لینا چاہیئے۔ لیکن اگر بایں ہمہ موت وارد ہو جائے تو پھر اسے تقدیر مبرم سمجھنا چاہیئے۔ یہی طریق سکینت قلب اور نفع ظاہری و باطنی کا ہے۔

(۶) لیکن قربانی اور ایثار کے موقعہ پر جہاں فرض شناسی اور ڈیوٹی اس بات کی متقاضی ہے کہ انسان اپنے تئیں خطرہ میں ڈال دے۔ وہاں انسان دل میں اچھی طرح سمجھ لے کہ ایسے موقعوں پر جو تکلیف پہنچتی یا موت وارد ہوتی ہے وہ ہمیشہ تقدیر مبرم ہوتی ہے کبھی تقدیر معلق نہیں ہوتی پس بے خوف و خطر بغیر کسی موت کے ڈر کے انسان اپنی ڈیوٹی ادا کرے۔ ایسے موقعوں پر خدا کی طرف سے کبھی اس پر موت نہیں آئے گی۔ جب تک تقدیر مبرم ہی نہیں اور اگر تقدیر مبرم کے رنگ میں موت آگئی ہے تو پھر خواہ وہ اپنے آپ کو ایثار اور قربانی کے رنگ میں خطرہ میں ڈالے یا نہ ڈالے موت تو اس پر آکر رہے گی ـــ لہٰذا قربانی اور ایثار کے وقت ایسی موت یا دکھ کا کوئی خطرہ نہیں۔ جو کبھی بغیر تقدیر مبرم کے انسان کے اپنے ہاتھوں سے اس پر آجایا کرتے ہیں۔ یہ وہ طریق ہے جس سے بے مثال بہادری اور سچی قربانی کی روح انسان میں پیدا ہوتی ہے۔

کیا مذکورہ بالا طریقوں سے بہتر کوئی طریق تقدیر الٰہی سے فائدہ اٹھانے کا انسانی ذہن تصور کر سکتا ہے پھر کتنا احسان ہے قرآن کا جس نے انسان کو تقدیر کے معاملے میں ایسے اعلےٰ اور اکمل رنگ میں صراط مستقیم پر ڈالا۔

بقیہ جلسہ سیرۃ النبیؐ ـــــــ آمدہ صفحہ نمبر (۷)

الفاظ میں تحریک فرمائی کہ ہمیں اللہ تعالےٰ کے ارشاد کے بموجب حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ سے روشنی لینی چاہیئے۔ اس مستعار زندگی کے ساتھ اتنا ہی دل لگاؤ کہ جتنا خدا تعالیٰ کے فرستادہ لگاتے تھے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہر رنگ میں ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ اس روشنی سے استفادہ کرو۔ اور اپنے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کرو ایسی تبدیلی جو کہ دوسروں کو بھی نظر آئے۔ صرف قیل و قال پر انحصار نہ کرو بلکہ عملاً اس پاک تعلیم پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

آخر میں محترم جناب میاں فضل احمد صاحب صدر جماعت احمدیہ لاہور نے تمام مقررین اور حاضرین جلسہ جو کہ باوجود موسم کی خرابی اور سخت سردی کے تشریف لائے تھے ان سب کا شکریہ ادا کیا۔

دعا پر یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ زاں بعد مقامی جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے حاضرین جلسہ معہ خواتین۔ بچے عشائیہ پیش کیا گیا۔

ایک ضروری اعلان

قارئین کرام نوٹ فرمالیں کہ:۔

"محمد احمد مرحوم نمبر" کی تیاری کے سلسلہ میں مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۸۱ء کے الیشوع کا ناغہ ہو گا۔ لہٰذا مورخہ ۲۵ فروری ۱۹۸۱ء کو ڈبل نمبر شائع ہو گا۔ قارئین کرام مطلع رہیں ـــــــ (ادارہ)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۸۱ء ـــ جلد ۶۸ شمارہ ـــ رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر:۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

میاں محمد احمد مرحوم نمبر

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور

مدیر اعزازی
[illegible]

نائب مدیر
عبدالرؤف [illegible]

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہامات حضرت مسیح موعود

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

جلد: ۶۸ | یوم چہارشنبہ ۱۲/۱۹ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ ہجری بمطابق ۱۸/۲۵ فروری ۱۹۸۱ء عیسوی | شمارہ ۷/۸

بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ یُرْزَقُوْنَ ○

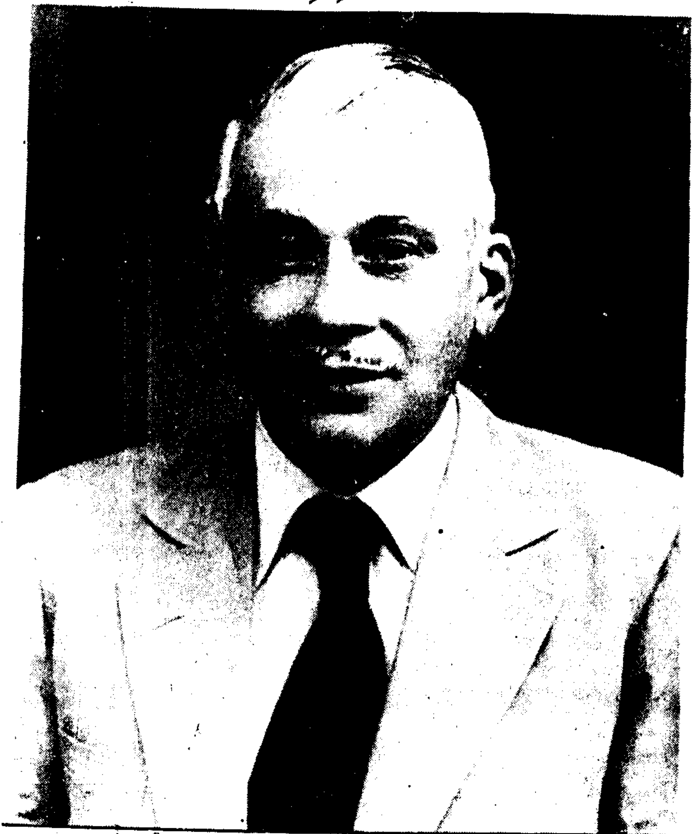

میاں محمد احمد مرحوم و مغفور

میاں محمد احمد مرحوم کا خط —— اپنی بیٹی فریدہ احمد کے نام

میاں محمد احمد صاحب مرحوم کی صاحبزادی فریدہ احمد، ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کرنے کے بعد دسمبر ۱۹۷۳ء میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے جب امریکہ تشریف لے گئیں تو میاں صاحب مرحوم نے انہیں ایک خط لکھا تھا جس کا ترجمہ انہوں نے "پیغام صلح" کے محمد احمد نمبر میں شائع کرنے کے لئے ہمیں بھیجا ہے۔ اس خط کے مندرجات سے ہمارے قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ میاں صاحب مرحوم کتنے شفیق باپ تھے۔ انہیں اپنے بچوں کی اخلاقی اور روحانی تربیت کا کس قدر خیال تھا۔ اور وہ انہیں اس لحاظ سے کتنا اعلیٰ مقام پر دیکھنے کے آرزومند تھے ——— (ادارہ)

پیاری فریدہ

میں یہ خط اسوقت لکھ رہا ہوں جب تم ایئرپورٹ روانہ ہو چکی ہوگی۔ ایک دو گھنٹے بعد میں فون کر کے تمہاری بخیر و عافیت روانگی کے متعلق معلوم کروں گا اور کل یہ خط بھیج دوں گا۔ ایسے موقعوں پر ماں باپ کے دلوں میں ہمیشہ خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات ہوتے ہیں۔ ہمیں خوشی اس لئے ہے کہ تم نے اس مقصد کے حصول کیلئے جس کی تمہیں ہمیشہ سے خواہش تھی پہلا قدم اٹھایا ہے۔ اور ہمیں اُمید ہے اور ہم دُعا کرتے ہیں کہ یہ تمہاری آئندہ زندگی میں تمہارے لئے سُود مند ثابت ہوگا۔ اور غم اس لئے ہے کہ یہ ایسا موقع ہے کہ جب بچے اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کے لئے اپنے ماں باپ سے جُدا ہو جاتے ہیں اور آخرکار ایک دُوسرا گھر بسا لیتے ہیں۔ اب تمہاری زندگی کا ایک نیا دَور شروع ہوا ہے۔ ہم انشاءاللہ تمہاری واپسی پر تمہارا خیرمقدم کرنے کے لئے چشم براہ ہونگے۔

میں نہیں جانتا کہ تمہارا یا نوجوان نسل کا اس بارے میں کیا تجربہ ہوگا لیکن جب کوئی ایک اجنبی ملک میں اکیلا ہوتا ہے تو وہ اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کرتا ہے۔ جب میں باہر گیا تھا تو پہلے چند ہفتے تک کم از کم مجھے یہی تجربہ ہوا لیکن تم یقین رکھو کہ یہ ایک عارضی صُورت ہوگی۔ نئے ملک۔ نئے ماحول نئے لوگوں اور کام کی نئی نوعیت کیوجہ سے بعض اوقات انسان پر مایوسی اور افسردگی طاری ہو جاتی ہے لیکن وہ ہمیشہ ایسے حالات سے مناسبت پیدا کر لیتا ہے۔ صرف وقت کی بات ہوتی ہے۔ زندگی کے اس دور میں تمہیں خوشیاں اور دشواریاں دونوں پیش آئیں گی اور آسان اور مشکل وقت کا بھی سامنا ہوگا لیکن تمہیں اس بات کا یقین ہونا چاہیئے کہ حالات جیسے بھی ہوں تمہارے والدین تمہارے بہترین دوست اور پناہ ہونگے اور ہمیشہ تمہارے خیرخواہ رہیں گے۔ ہاں یہ نہ سمجھ لینا کہ اتنے دور دراز سے سوائے دُعا کے ہم تمہاری اور کیا مدد کر سکیں گے لیکن تمہیں یقین ہونا چاہیئے کہ یہاں تمہاری جڑیں اور بنیادیں بڑی پختہ مضبوط اور پیار و محبت سے بھرپور ہیں۔ اور ہمیشہ ایسی ہی رہیں گی۔

اس وقت میں اس خط کے الفاظ نقل کر دینا بہتر سمجھتا ہوں جو میرے باپ اور تمہارے دادا نے تمہاری پیدائش سے پہلے حامد کے کوئٹہ سے انگلستان روانہ ہونے کے موقع پر اس کو لکھا تھا۔ اگرچہ یہ سب تمہارے مناسب حال تو نہیں لیکن میں اسے دُہرانا مناسب سمجھتا ہوں۔ کیونکہ یہ ایک ایسے انسان کی تحریر ہے جو نہ صرف حقیقی معنوں میں اللہ تعالےٰ کے ولی تھے بلکہ انتھک، مسلسل محنت کرنے والے ایک عظیم مجاہد بھی تھے۔ اس کے باوجود وہ ان معنوں میں دنیا پر نظر رکھنے والے انسان بھی تھے۔ کہ وہ اپنے اردگرد کی دُنیا سے باخبر تھے۔ انہیں اللہ تعالےٰ نے عقل سلیم اور فہم و شعور سے نوازا تھا۔ وہ بڑے موزوں، کم اور جامع الفاظ میں اپنے دل کی بات کہہ دیتے تھے۔ اور جذبات کی رو میں بہنے کے عادی نہ تھے میں نے شروع اور آخر کے چند فقرے حذف کر دیئے ہیں کیونکہ وہ ذاتی نوعیت کے تھے:

"۔۔۔۔۔ یہ چند نصائح لکھتا ہوں تاکہ اس لمبے سفر میں آپ کے ساتھ رہیں:۔

۱۔ اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ ہمارا ایک طاقتور خُدا ہے۔ جو انسان کے دُکھ اور مصیبت کے وقت اس کے کام آتا ہے۔ اور اس کے لئے ایسی راہیں کھول دیتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں:

۲:۔ یہ بھی نہ بھولنا کہ ہمارا ہر عمل خدا کے ہاں لکھا جاتا ہے۔ اگر وہ اچھا ہے تو اپنا اچھا اثر اور بُرا ہے تو بُرا اثر ہم پر چھوڑ جاتا ہے۔ انسانوں سے ہم چاہے کتنا بھی چھپ جائیں مگر خُدا سے نہیں چھپ سکتے:

۳:۔ شراب سب پلیدیوں کی جڑ ہے اس کے نزدیک کبھی نہ جانا۔ کبھی نہ جانا۔ اس مجلس میں شامل نہ ہونا جس میں شراب پی جاتی ہو:

۴:۔ نماز کی پابندی کرنا۔ روزانہ صبح اٹھ کر نماز ضرور پڑھ لینا اور دو چار آیات قرآن کی ضرور تلاوت کر لینا اس عبادت پر ایسی پختگی سے قائم ہونا کہ اور کوئی کام رہ جائے مگر یہ نہ رہے:

۵:۔ محنت اور سادگی۔ اگر یہ دو عادات قائم رہیں تو ساری عمر کے لئے ایک راحت کا سامان ہوگا:

۶:۔ اپنی پڑھائی پر خوب محنت کرنا لیکن دین کی خدمت اور بنی نوع انسان کی بھلائی کا کوئی کام بھی ضرور مدّنظر رکھنا۔ اس کے بغیر زندگی میں راحت پیدا نہیں ہوتی۔

۷:۔ اس بات کو کبھی نہ چھپانا کہ ہم خُدا کے فضل سے مسلمان ہیں اور اس صدی کے مجدد کو ہم اپنا امام مانتے ہیں۔ احمدی ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نبی کا آنا نہیں مانتے اور کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے:

اگر ان باتوں پر عمل کی آپ کوشش کریں گے تو خدا بھی آپ سے راضی ہوگا اور آپ کے ماں باپ بھی راضی ہونگے اور خود آپ کا نفس بھی راضی ہوگا۔ ۔ ۔ ۔"

والسّلام۔ محمد علی"

جب کبھی مجھے یہ سطریں پڑھنے کا موقع ملا ہے ان سے قادر مطلق خُدا پر میرا ایمان ہمیشہ تازہ ہوا ہے میں نے ان لوگوں کی زندگیوں میں جن کا ایمان حی و قیوم خدا پر پختہ ہوتا ہے اس کا ہاتھ کام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ظاہری مشکلات اور مصائب میں جو عارضی ہوتی ہیں میں نے ان لوگوں کے اطمینان قلب اور ذہنی سکون کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ جب میرے والد فوت ہوئے تو مجھے سب سے زیادہ افسوس اس بات کا تھا کہ میرے بچے حقیقی طور پر یہ نہیں جان سکیں گے کہ وہ کتنے عظیم متقی انسان تھے۔ ہم ان کی مثل تو نہیں ہو سکتے لیکن کم از کم یہ کوشش ضرور کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی مقرر کردہ حدود کو نہ توڑیں کیونکہ انسان کی کوشش اور ان حدود کی طرف انسان کا رویہ ہی ہے جس کی اللہ تعالےٰ کے ہاں اہمیت اور قدر ہوتی ہے:

اب ٹھیک ۱۱ بج کر ۳۰ منٹ ہوتے ہیں۔ اور تمہارا جہاز پرواز کرنے والا ہوگا۔ ایک بار پھر ہمارے خیالات اور ہماری دُعائیں آپ کے ساتھ ہیں کہ غیر ملک میں آپ کے قیام کو اللہ تعالےٰ پُرمسرت اور نفع بخش بنائے۔ آپ خوش رہیں اور اپنے قیام کا پُورا پُورا فائدہ اٹھائیں۔ آؤ یہ دعا کریں اور اُمید رکھیں کہ تمہیں جلد ہی کوئی کام مِل جائے جسے تم بخوبی کر سکو یہی ہمارے لئے کافی ہوگا۔ تمہاری خوشی میں ہماری خوشی ہے۔ اللہ تعالےٰ تمہارے ساتھ ہو۔

۔: تمہارے ابّا :۔

"خیرات بلا کو ٹال دیتی ہے۔" ——— ترجمہ حدیث نبوی ؐ

احمدیت کے اُفق پر اُبھرتا ہوا ایک روشن ستارہ ڈوب گیا

میاں محمد احمد خلف الرشید حضرت مولانا محمد علی بھی ہمیں داغ مفارقت دے گئے

انا للہ، وانا الیہ راجعون ؕ

از:- مدیر اعزازی

نوٹ:-

ذیل کی سطور میرے ذاتی جذبات کی عکاس ہیں کسی کو اختلاف ہو تو میں معذرت خواہ ہوں

مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ میں میاں محمد احمد مرحوم کی وفات حسرت آیات پر اپنے دلی جذبات اور قلبی احساسات کا اظہار کیسے اور کیونکر کروں۔ کیوں کہ اگر یہ صرف آپ کے عزیزوں۔ قریبیوں اور دوستوں کا ہی نقصان ہوتا تو یہ زخم رفتہ رفتہ مندمل ہو جاتا اگرچہ اس کی کسک تا عمر باقی رہتی لیکن یہ تو میری چھوٹی سی مفلس اور نادار قوم کا ناقابلِ تلافی نقصان ہے جس پر میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ جن کی سُرخی الفاظ میں دیکھنا ممکن نہیں۔ یہ میرا تأثر ہی نہیں۔ مجھے اپنے اس نقصان پر صدمے کی جھلک اپنے بزرگوں۔ بھائیوں اور بہنوں کی نمناک آنکھوں میں بھی نظر آئی۔ جن میں سے اکثر نے سسکیاں بھرتے ہوئے اپنے نا تمام کلمات میں یہ کہا کہ بہت کم لوگ ہیں جو محمد احمد کی خوبیوں اور قابلیت سے واقف ہیں۔ وہ ایک عظیم باپ کا بے نظیر بیٹا تھا جسے آج ہم اپنے ہاتھوں سے اس کی آخری آرام گاہ میں اتار آئے ہیں۔ کیا ہمیں اپنے اس ناقابلِ برداشت زیاں کا احساس بھی ہوگا یا نہیں کیونکہ اس سے پہلے بھی بہت سے خلا ایسے پیدا ہوئے ہیں جو پُر نہیں ہو سکے۔ کچھ میانی میں سپرد خاک ہیں اور کچھ دار السلام اور دوسرے مقامات پر:۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گوہر ہائے گرانمایہ کیا کئے۔

موتی خاک میں مل جاتے ہیں لیکن ہمارے ہاتھوں میں خاک چھان کر موتی تلاش کرنے کی سکت باقی نہیں رہی۔ ہم کتنے مجبور اور بے بس ہیں کیونکہ:۔

" چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے "

اگر ہم اس مقام پر ہوتے جہاں کہہ سکتے کہ:۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا + اُسی پر اے دل تو جاں فدا کر

تو ممکن ہے کہ " محمد احمد " کو اپنے پاس بلانے والے کے ہاں سے ہمارے لئے کسی تسکین اور اطمینان کا سامان بھی ہو جاتا۔ البتہ اپنے اس صدمے کو دیکھ کر فخرِ کائنات حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے کی وفات کا وہ واقعہ میری چشمِ تصوّر کے سامنے حقیقت بن کر آجاتا ہے۔ کہ جب آپ کے پیارے لختِ جگر کی آنکھیں بند ہوئیں تو بتقاضائے فطرتِ انسانی حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں بھی اس غم اور صدمے سے چھلک پڑیں اور آنسو آپ کے چہرۂ پُرنور پر ٹپک پڑے۔ آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے آپ کی یہ حالت دیکھ کر بڑی حیرت و استعجاب سے پوچھا حضورؐ آپ بھی؟ کیونکہ وہ یہ توقع ہی نہ کر سکتے تھے کہ صبر و استقامت کے اس عظیم پیکر کا دل بھی پگھل کر آنکھوں کی راہ بہہ نکلے گا۔ آپؐ نے فرمایا:۔

" میری آنکھیں اشکبار ہیں اور دل غمگین ہے لیکن میری زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکلے گی جس سے میرا اللہ راضی نہ ہو یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

اور پھر مجھے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق صادق

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ کا وہ شعر بھی یاد آجاتا ہے۔ جو آپ نے اپنے بیٹے مبارک احمد کی وفات پر کہا تھا:۔

جگر کا ٹکڑا مبارک احمد جو پاک شکل اور پاک خو تھا
وہ آج ہم سے جُدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر ،

میاں محمد احمد بھی پاک شکل اور پاک خُو تھے وہ بھی ہمارے دل کو حزیں بنا کر ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے ہیں لیکن ہمیں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں آنکھوں کے اشکبار اور دل کے حزیں ہونے کے باوجود یہی کہنا ہے کہ:۔

" انا للہ وانا الیہ راجعون "

اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہی وہ مرہم کا پھاہا ہے جو زخمی دل کو سکون اور آرام بخش سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اُسی کا تجویز کردہ نسخہ کیمیا ہے:۔

میاں محمد احمد مرحوم کو قریب سے دیکھنے کا مجھے بہت کم موقعہ نصیب ہوا۔ صرف اتنا جانتا تھا کہ یہ میری جماعت کے امیر حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں جن کے ہاتھ پر غالباً ۱۹۲۰ء میں میں بیعت کر کے باقاعدہ جماعتِ لاہور میں شامل ہوا۔ اس وقت میری عمر ۱۲ یا ۱۳ سال تھی۔ جلسہ سالانہ پر یا مجلس معتمدین کے اجلاس کے موقعہ پر جب وہ مجھے نظر آتے تو ایک جذبۂ بے اختیار کے ساتھ میں ان کی طرف بڑھ کر السلام علیکم کہہ کر مصافحہ کرتا اور ایک دوسرے کی خیریت پوچھنے پر ہماری گفتگو ختم ہو جاتی۔ ان کی کم گوئی خاموشی۔ متانت اور سنجیدگی ہمیشہ ہمارے درمیان حائل رہتی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ان پردوں کے پیچھے ایک ذہین متقی۔ نیک اندرون اور باحیا محمد احمد چھپا ہوا ہے۔ اس کا انکشاف مجھ پر ۱۹۷۵ء کے بعد ہوا۔ جب ایبٹ آباد میں ۱۹۷۴ء کے واقعات کے بعد مجھے کچھ عرصہ کے لئے لاہور آنا پڑا۔ اور انہیں تھوڑا تھوڑا قریب سے دیکھا۔ وہ ظاہر و باطن میں اپنے عظیم باپ کی خوبیوں کے امین تھے۔ ایک دفعہ میں نے اپنے کسی دوست سے جن کا نام یاد نہیں کہا کہ اگر محمد احمد داڑھی رکھ لیں تو دوسرے " محمد علی " نظر آئیں۔ چال ڈھال میں عاجزی اور انکساری اور گفتگو میں تہذیب و شائستگی کی مجسّم تصویر۔ کبھی کبھی باتوں میں لطیف مزاح کی جھلک بھی نظر آتی تھی۔ وہ " زاہدِ خشک " نہیں تھے جیسا کہ وہ کم گوئی کی وجہ سے نظر آتے تھے۔ خاموش سمندر کی تہوں میں پوشیدہ طوفانوں کی طرح اُن کی خاموشی کے پیچھے گہرے پیار و محبت سے لبریز ایک اخلاص بھرا دل چھپا ہوا تھا۔ جو ان کے نہ چاہنے کے باوجود کبھی کبھی اپنے آپ کو ظاہر کر دیتا۔

مجلسِ معتمدین کے اجلاس میں وہ اکثر خاموش بیٹھے دوسروں کے دلائل بڑے غور سے سنتے رہتے اور کبھی کبھار اپنی رائے کا اظہار کر دیتے۔ لیکن جب کسی نہایت ہی اہم معاملے پر بحث کے دوران میں نہایت جچے تلے الفاظ میں اپنے ٹھوس اور محکم دلائل پیش کرتے تو ان کی معقولیت کے سامنے حاضرین کی اکثریت کو اپنی رائے بدلنا پڑتی۔ نتائج سامنے آنے سے معلوم ہوتا کہ واقعی ان کی رائے صائب اور سوچ درست تھی ——— ؛؛

ان کی علمی قابلیت کا اندازہ مجھے " مجاہدِ کبیر " پڑھنے سے ہوا جس ترکیب و ترتیب سے انہوں نے حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے واقعات تحریری شہادتوں کی بنا پر بیان کئے ہیں۔ ان

ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں ایک سوانح نگار اور مصنف کے اوصاف بدرجہ احسن موجود تھے۔ جب ایک بیٹا اپنے باپ کی سوانح حیات لکھے، تو یہ عین ممکن ہے کہ فطرتی تعلق سے مجبور ہو کر وہ جذبات کی رو میں بہہ جائے اور واقعات کو غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے بیان نہ کر سکے لیکن محمد احمد مرحوم نے ان کے بیان میں تحریرات کے حوالے سے جو توازن برقرار رکھا ہے میں اگر یہ کہوں کہ یہ انہی کا حصہ ہے تو بے جا نہ ہو گا۔

وہ تقریروں اور خطبوں سے بھاگتے تھے۔ ۱۹۷۹ء کے جلسہ سالانہ پر نہ جانے کس طرح قابو میں آگئے۔ میں نے انجمن کے سٹیج سے تقریر کرتے ہوئے انہیں پہلی بار سنا۔ تقریر کا موضوع۔ مواد۔ اس کی ترتیب دلائل اور طرز ادا کم از کم میرے لئے حیرت کا باعث تھا۔ جب اجلاس کے خاتمہ کے بعد سامعین کے تاثرات معلوم ہوئے تو میں بہت خوش ہوا۔ کہ میری حیرت کسی ذاتی تجربہ کے تحت نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی تھی۔ میں سٹیج سیکرٹری تھا۔ بعد میں میں نے انہیں تلاش کر کے جب مبارک باد دی تو مسکرا کر فرمانے لگے کہ میں نے آپ کے ڈر سے اپنی بہت سی تقریر کاٹ دی کہ ابھی پروفیسر صاحب کی چٹ آ جائے گی کہ "پانچ منٹ باقی ہیں"۔ میں نے صرف اتنا کہا کہ نہیں جی چاہتا تھا آپ بولتے جائیں باقی تقریروں کا وقت بھی آپ کو دیا جائے۔

افسوس وہ طوطئ خوش بیاں اب خاموش ہو گیا ہے۔

میں ان کی ملازمت کے حالات سے واقف نہیں لیکن ان کی زندگی کے باقی حالات اور واقعات سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک سچے احمدی کی حیثیت سے صداقت۔ دیانت۔ امانت اور وقار کا دامن اپنے ہاتھ سے کبھی چھوٹنے نہیں دیا۔ ورنہ جس عہدہ سے وہ اپنی مرضی سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں وہاں تک پہنچنے والوں کے انداز زندگی بہت مختلف ہوتے ہیں۔ جن ہاتھوں اور گود میں ان کی پرورش اور تربیت ہوئی اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اس پر کوئی حرف نہ آئے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے اپنی زندگی اسلام۔ قرآن اور جماعت کی خدمت کے لئے وقف کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ان کے عزائم اور ارادے بہت بلند تھے۔ اگر زندگی وفا کرتی تو وہ اپنی علمی اور فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے عظیم باپ کے تصنیفی کارناموں کی یاد تازہ کر دیتے کیونکہ ان کی اردو انگریزی تحریروں میں بھی وہی تیزی اور چاشنی تھی۔ جو حضرت امیر مرحوم کے قلم میں تھی لیکن ہم اس راز سے واقف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا جلدی اپنے پاس بلا کر ہمیں کیوں محروم کر دیا۔ ہم اپنی اس بدنصیبی کا جتنا بھی ماتم کریں کم ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی نعمت کو نہیں چھینتا جب تک وہ خود اس سے محروم ہونے کا سامان نہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائے۔ آمین! اور محمد احمد کے لئے یہی دعا ہے کہ

"رب اغفرہ وارحمہ وادخلہ فی عبادك الذین لا خوف
علیهم ولا هم یحزنون۔"

* * *

جماعت کی شیرازہ بندی اطاعت امیر میں ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے میری اطاعت کی پس وہ صحیح معنوں میں اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری فرمانبرداری نہ کی وہ میری ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے بھی دست کش ہو گیا جس نے امیر قوم کی فرمانبرداری کی گویا اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے امیر کی فرمانبرداری سے انکار کیا (یقیناً) وہ میری فرمانبرداری سے نکل گیا۔ امیر بمنزلہ ڈھال کے ہے جس کی قیادت میں قتال دیا اعلائے کلمۃ اللہ کیا جاتا ہے اور اسی کی قیادت میں ہر شخص کا بچاؤ حاصل ہوتا ہے پس اگر وہ تقویٰ اللہ کا اور عدل و انصاف سے حکم کرے تو اس کے (امیر کے) لئے بہت بڑا اجر ہے۔ اگر تقویٰ اللہ اور عدل و انصاف کے سوا حکم کرے تو گناہ کا مرتکب ہو گا۔"

مکتوب تعزیت

عبدالعزیز صاحب، کچھی۔ مابل سر ہزارہ (سرحد)

آسمان احمدیت کا ایک درخشندہ ستارہ ڈوب گیا!

درج ذیل تعزیتی خط جناب نصیر احمد فاروقی صاحب کو موصول ہوا ہے۔ اس میں جس دکھ اور غم کا اظہار کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ روحانی رشتے جسمانی رشتوں سے بھی زیادہ مضبوط ہوتے ہیں کیونکہ یہ بے غرض اور بے لوث ہوتے ہیں۔ اور ان کی بنیاد صرف اللہ کی خاطر پیار و محبت اور اخلاص پر استوار ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی "انما المومنون اخوۃ" فرمایا ہے۔ (ادارہ)

بخدمت قبلہ بزرگوارم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آسمان احمدیت کا ایک درخشندہ ستارہ ڈوب گیا! انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میاں محمد احمد صاحب کی وفات نہ صرف آپ کے لئے (کہ وہ آپ کے روحانی اور جسمانی فرزند تھے) بلکہ پوری قوم کے لئے ایک سانحہ عظیم ہے۔

"ثم انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

خاموش طبیعت، عمل پیہم کی حقیقی تصویر، میرے آقا و مولیٰ حضرت امیر مرحوم کی نشانی اور ان کا کامل بروز! کیا لکھوں کیا نہ لکھوں۔ میرے بھائی آپ کتنے بے وقت ہم کو چھوڑ کر چلے گئے۔ ہم نے تو آپ سے بہت سی امیدیں باندھی تھیں۔ باغ احمدیت کو آپ جیسے مالیوں کی کتنی ضرورت تھی مگر آپ تو مثل بلبل یہاں آئے تھے۔ ؎

آئے تھے مثل بلبل سیر گلشن کر چلے + سنبھال مالی باغ اپنا ہم تو اپنے گھر چلے

اگر جانا ہی تھا تو خاموشی سے چلے جاتے: پچھلے جلسہ سالانہ پر کیوں چہچہانے تھے؟ ہمارے دلوں میں ہلچل ڈالنے کیلئے؟ ہمیں زیادہ سے زیادہ افسردہ کرنے کے لئے؟ ؎

اے گل چین اجل تجھ سے کیا نادانی ہوئی + پھول وہ توڑا کہ گلشن بھر میں ویرانی ہوئی

ہم کیوں نہ روئیں کہ اپنے پیاروں کا ہمیشہ کے لئے چلا جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا۔ نبی کریم صلعم اپنے فرزند کی موت پر روئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس بات پر رو پڑے تھے کہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم اس لئے نازل ہوئی ہے کہ حضورؐ کی وفات قریب ہے۔ حضرت یعقوبؑ اپنے یوسفؑ کی جدائی پر روتے ہیں۔ حضرت مولانا نورالدین اعظمؓ اس لئے اپنے بیٹے کی وفات پر روئے تھے کہ ان کا آقا محمد مصطفےٰ بھی رویا تھا۔ مگر کیا کیا جائے نظام الٰہی ہی ایسا ہے۔ جہاں موت کو کتاباً مؤجلاً کہا وہاں استعینوا بالصبر والصلوٰۃ کا علاج بھی بتا دیا۔

بزرگوارم! آپ کو صبر کرنے کی تلقین کرنا آپ کی توہین کے مترادف ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی میت گھر میں رکھ کر قرآن کریم کا درس دینے دارالسلام چلا جائے اس کے صبر کی انتہا مجھ جیسے حقیر انسان کے تخیل سے بھی بہت بلند ہے۔ لہٰذا دعا پر ختم کرتا ہوں۔ اے اللہ! تو ہم سب کو اس صدمہ عظیم کے برداشت کرنے کی توفیق عطا فرما۔ تو میرے مرحوم بھائی کے لواحقین کو صبر جمیل عطا کر اور اس روحانی انسان کو غریق رحمت فرما کہ تو قدرتوں کا مالک ہے۔ اور تو تمام خیر کا سرچشمہ ہے۔ آمین!

یہ خط کچھی کی جماعت کی طرف سے آپ کی اور باقی لواحقین کی خدمت میں تعزیت نامہ ہے۔

؎ اے خدا بر تربت او ابر رحمتہا بہ بار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم

آپ کا شریک غم روحانی فرزند
عبدالعزیز۔ سیکرٹری جماعت ہائے کچھی
مابل سر۔ ہزارہ

از:- محترمہ زکیہ شیخ صاحبہ - لاہور

راضیِ برضاء

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ + تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے۔

محمد احمد - آنسوؤں کے دھندلکے میں خواب کی طرح ایک رات شملے کے پہاڑی مقام کی یاد آ رہی ہے۔ ہم بہنیں آپس میں کھیل کود کر بستروں میں گھسیں کہ نانی جان کی آواز آئی "لڑکیو بھائی آیا ہے آکر دیکھو۔" اس وقت کا بچپن بہت بھولا بھالا ہوتا تھا۔ آواز کے آتے ہی دبے پاؤں کمرے میں گئے۔ نانی جان نے ایک ننھی سی ہستی لیٹی لپٹائی گودی میں اٹھائی ہوئی تھی۔ اور ابا جی کان میں اذان دے رہے تھے۔ چہرہ دکھایا تو ماتھے پر نظر نہ لگنے کا سرمے کا ٹیکا لگا ہوا ایک ننھی سی صورت نظر آئی۔ کوئی سوال نہ کیا اور نہ ہی یہ سوچنے کی سمجھ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ہمیں ہی نہیں بلکہ قوم کو ایک گوہرِ بے بہا کی نعمت بخشی تھی۔ دن گزرتے گئے اور ہمارا بھائی پروان چڑھتا گیا اس کے بعد خدا تعالیٰ نے دو بہنیں اور ایک اور بھائی عطا کئے۔ پُرنور اور پُرشفقت والدین کے زیرِ سایہ ہم لوگ زندگی کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل ہو گئے۔

محمد احمد بچپن ہی سے ایک علیحدہ طبیعت کا مالک تھا۔ نہایت ذہین۔ سوا یا ڈیڑھ برس کی عمر میں بڑوں کی طرح باتیں کرتا تھا۔ بہت سی نعتیں ازبر تھیں اور لہک لہک کر یہ نعتیں پڑھا کرتا تھا۔ سکول جانے کی عمر کو جب پہنچا تو بڑوں کی سی سنجیدگی اور متانت کا مالک تھا اگرچہ کم گو تھا لیکن نہایت ہردلعزیز۔ سکول کی استانیاں اس کی ذہانت اور اخلاق و آداب کی بہت مدّاح تھیں محمد احمد نے ابتدائی تعلیم کوئین میری کالج کے پرائمری سکول میں پائی۔ چونکہ ہم بھی کوئین میری کالج میں پڑھتی تھیں اور وہی استانیاں اُسے بھی پڑھاتی تھیں اسکی ذہانت سے متاثر ہو کر وہ اکثر ہم سے محمد احمد کی تعریف کرتی تھیں۔ ہر سال کے تقسیمِ انعامات کے موقعے پر یہ ننھا سا بچہ سب سے زیادہ انعامات سنبھالے نظر آتا تھا۔ جب پرائمری سکول کی تعلیم ختم ہوئی تو سیکنڈری سکول جانے کا سوال پیدا ہوا۔ قدرتی خواہش تو یہ ہونی چاہیئے تھی کہ اسی درسگاہ کے سیکنڈری سکول میں چلا جاتا جو کہ اس وقت چوٹی کی تعلیمی درسگاہ تھی لیکن ابا جی نے اُسے اپنی انجمن کے مسلم ہائی سکول میں داخل کیا۔ ہماری استانیوں کو نہایت مایوسی ہوئی۔ کیونکہ وہ یہی چاہتی تھیں کہ یہ ہونہار بچہ اسی سکول کی بڑی شاخ میں جائے۔ نہایت اعزاز کے ساتھ یہ لڑکا سکول و کالج کے تعلیمی مراحل سے گزر کر ریلوے کی ملازمت پر متعین ہو گیا اور خاموشی۔ انکساری اور دیانت داری کے ساتھ اپنے فرائض نبھاتا رہا۔ اس کے افسر۔ ماتحت۔ دوست۔ رشتے دار سبھی اس کی باحیا طبیعت۔ متانت۔ پاکبازی اور اعلٰے اخلاق کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ نوجوانی کا وقت تھا اور اس وقت عام طور پر دنیاوی اعزاز مدنظر ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس تمام عرصے میں وہ دینی تعلیم از خود حاصل کرتا رہا۔ اپنے ذہن میں اپنی منزل متعین کر لی تھی۔ یہ نوجوان عین جوانی کے عالم میں ہی کسبِ دنیا کے ساتھ کسبِ دین کر رہا تھا۔ اور قرآن کریم و دیگر اسلامی کتب کے مطالعے میں لگا ہوا تھا اور اس بات کا علم کم ہی لوگوں کو تھا۔ علاوہ عربی کی اعلٰے تعلیم کے اس نے فرنچ زبان سیکھنی شروع کر دی۔ اس خیال سے کہ اگر خدا نے توفیق دی تو وہ قرآن شریف اور اسلامی کتب کے تراجم کریگا۔ ملازمت کے دوران میں ہندوستان کے دور دراز مختلف مقامات پر متعین رہے۔ اور جب ۱۹۵۱ء میں ابا جی (حضرت امیر مرحوم) کی وفات ہوئی تو اس وقت ان کا تعین لاہور میں ریلوے ہیڈکوارٹر میں تھا۔ ابا جی کی وفات کے بعد سے ہی خاندانی و دینی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ اماں جی کی حالت ناگفتہ بہ تھی لیکن محمد احمد نے اپنا منصب پہچانا اور اماں جی کی دلجوئی میں لگ گئے (چھوٹا بھائی حامد فاروق انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہا تھا) زبانی جمع خرچ طبیعت میں نام کو نہ تھا ایک فعال انسان تھا۔

اب اس کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو اجاگر تھا۔ اور اس حدیث پر عمل کر کے دکھایا کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ وہ دفتر میں خواہ کتنے بھی مصروف ہوں۔ فون کر کے اماں جی کی طبیعت پوچھتے اور یہ کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ تاکہ شام کو آتے ہوئے ساتھ لیتے آئیں۔ روزانہ شام کو اماں جی کے پاس آتے تھے۔ خواہ بارش پانی ہو یا مصروفیت ہو یا طبیعت ٹھیک نہ ہو یا کام وغیرہ ہو لیکن اماں جی کے پاس آنے کا ناغہ نہ ہونے دیتے تھے جس طرح ایک مومن عبادت کے وقت خدا کے حضور حاضر ہوتا ہے اسی طرح وہ باقاعدگی اور لگن کے ساتھ اماں جی سے روزانہ ملنے آتے لیکن بایں ہمہ دیگر فرائض بھی ساتھ ساتھ نبھاتے تھے۔ اب ان کی تفریح گاہ کلب وغیرہ نہ تھا بلکہ اپنی ماں کا گھر تھا اگر کبھی کسی مجبوری کے تحت شام کی مصروفیت بڑھتی یا کوئی دفتری کام آن پڑتا تو اماں جی کو اطلاع کر دیتے کہ آج آنے میں دیر ہو جائے گی۔ اور ان کو انتظار کی زحمت تک نہ ہونے دیتے۔ کیونکہ اماں جی کی یہ حالت تھی کہ شام کا وقت ہوتا تو وہ کوٹھی کے پھاٹک پر نظریں جما دیتی تھیں کہ کب محمد احمد کی موٹر پھاٹک میں داخل ہو۔ ایک بار مجھ سے ذکر کیا کہ دو بار ترقی کی پیشکش آئی ہے (ابھی ریٹائر نہیں ہوئے تھے) لیکن میں نے رد کر دی ہے کیونکہ پنڈی جانا پڑے گا اور میں اماں جی کی خاطر لاہور میں رہنا چاہتا ہوں۔

جب اماں جی کمزوری صحت کے باعث بیمار رہنے لگیں تو دوا دارو۔ ڈاکٹر سے وقت لینا سب انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ بعض ادویہ اماں جی کو مستقل طور پر لینی ہوتی تھیں تو ان کی فراہمی کا فکر رہتا تھا۔ جب ملنے آتے تو سب سے پہلے ان کی ادویہ پر نظر ڈالتے کہ کتنی باقی ہیں۔ دوائیوں کا ایک سٹاک اپنے پاس رکھتے تھے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ میں نے محمد احمد کو فون کیا کہ فلاں دوائی ختم ہے میں منگوالوں تو کہتے کہ میرے پاس رکھی ہوئی ہے میں لیتا آؤں گا۔ بتاتے تھے کہ بعض دوائیوں کی سپلائی غیر یقینی ہے۔ اس لئے میں نے پہلے ہی زیادہ لے کر رکھی ہوئی ہے۔ اور وہ ہمیشہ قابلِ اعتبار کیمسٹ سے دوا خریدتے۔ جب کبھی کراچی دورے پر جاتے تھے تو وہاں سے بھی ان کے لئے ادویہ خرید لاتے تاکہ سٹاک رہے۔ کیونکہ جس زمانے میں دوائیوں کے جنیرک نام ہوئے تو کافی اونچ نیچ ہونے لگی تھی۔ اماں جی کو دمے کی ایک دوا بہت موافق تھی۔ اس موقعے پر انہوں نے فوراً اسٹاک جمع کر لیا کہ نہ معلوم نئی دوائی ان کو موافق آئے یا نہ، اور ان کو تکلیف نہ ہو۔ غرضیکہ حد درجہ ان کا خیال رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی کام اپنے ذمے لے رکھے تھے۔ نوکروں میں تنخواہیں تقسیم کرنا۔ بل وغیرہ جمع کروانا اور ان کا ریکارڈ رکھنا۔ اماں جی ایک دو ماہ کے لئے کراچی جاتیں تو بلاناغہ ان کو فون کر کے بات کرتے۔ حلیم طبع اس قدر تھے کہ بعض اوقات اماں جی کہتیں کہ "مردوں کا ہی نوکروں پر رعب ہوتا ہے۔ یہ پرابلم ہے تم ہی ان سے بات کرو۔" لیکن محمد احمد اور رعب! رعب جمانا تو وہ جانتے ہی نہ تھے۔ اس انکساری سے بات کرتے کہ نوکران پر فدا و شیدا تھے اور اپنی ہر تکلیف انہی سے بیان کرتے اور صلاح مانگتے۔ اماں جی کی ملازمہ کی بھی بہت خدمت کرتے تھے۔ وہ بیمار ہوتی تو اس کے علاج معالجے کا فکر ہوتا اور ڈاکٹر وغیرہ کو دکھاتے اور مجھے تاکید کرتے کہ تم دیکھنا کہ یہ باقاعدہ علاج پر عمل کر رہی ہے اور پھر۔۔۔

(بقیہ صـ [illegible] کالم ۲ پر)

از قلم:۔ **مکرم میاں نصیر احمد فاروقی، لاہور**

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝

محمد احمد کی بے وقت وفات ہمارے دلوں پر ایسا چرکہ لگا گئی ہے کہ شاید زمانہ اس زخم کو مندمل کر دے تو کر دے ورنہ ابھی تو یہ حالت ہے کہ جب اس کا خیال آتا ہے تو زخم ہرا ہو جاتا ہے اور یقین نہیں آتا کہ وہ ہم سے کھویا گیا ہے۔ اس کے چلے جانے نے بے ثباتیٔ دُنیا کی طرف ایک دفعہ پھر توجہ دلائی ہے۔ خدا کرے کہ یہ سبق ہمیں یاد رہے۔

مگر ذاتی غم واندوہ کا دوسروں سے ذکر کرنا میرا مقصد نہیں۔ مرحوم کے اچانک اور بے وقت چلے جانے سے جو ہمارا قومی نقصان ہوا ہے اُس کا کچھ ذکر میرا مقصد ہے۔ اور وہ بھی میں صرف اس لئے کرتا ہوں کہ اس کی جگہ لینے کے لئے دُوسروں کو ترغیب دوں۔ اللہ تعالیٰ کے کاموں کو نقصان نہ ہو یہ میری دلی خواہش ہے اور تڑپ ہے۔ اے اللہ تو ہی اُسے پورا فرما۔ ہم کیا ہیں اور کس قابل ہیں اور بہرحال ہم سب کو آج نہیں تو کل مرنا ہی ہے۔ مگر تیرے کاموں کو تو قائم رہنا اور پھلنا پھولنا ہے۔ اُن کو اس جماعت کے ہاتھوں سے ہی لے کر ہمیں سرخرو فرما۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اس سعادت سے محروم ہو جائیں۔

الولد سرٌّ لابیہ کا مصداق محمد احمد تھا۔ شکل وصُورت میں بھی حضرت امیر مرحوم کی جھلک اس میں نظر آتی تھی۔ اگر وہ داڑھی رکھتا تو بہت مشابہت پیدا ہو جاتی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ محمد احمد اپنی کسی سابقہ بیماری کی وجہ سے کچھ عرصہ میرے درسِ قرآن میں جو میں مُسلم ٹاؤن کی مسجد میں دیا کرتا تھا آ نہ سکا۔ ایک دفعہ وہ اچانک میرے درس کے دوران آکر خاموشی سے میرے پیچھے بیٹھ گیا۔ درس ختم ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ میرے پیچھے کوئی بیٹھا ہے۔ میں نے مُڑ کر دیکھا تو ایک سیکنڈ کے لئے مجھے خیال ہوا کہ حضرت امیر مرحوم اس کے اندر سے مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اُس کے جسم پر وہی چوغہ تھا جو حضرت امیر مرحوم پہنا کرتے تھے۔ اور اس کی مسکراہٹ اور آنکھیں حضرت امیر مرحوم کا دھوکہ دیتی تھیں۔ حضرت امیر مرحوم سے اس کی مشابہت تو عام طور پر بھی لوگوں کو نظر آتی تھی۔ مگر اس دن کی مشابہت، میں کبھی بھول نہیں سکتا۔

باطنی مشابہت

ظاہری مشابہت تو کئی ایک بیٹے اپنے باپ سے رکھتے ہیں مگر باطنی مشابہت اور وہ بھی حضرت امیر مرحوم جیسے انسان سے جن کی بعض خوبیوں پر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے رشک کا تحریراً اظہار فرمایا خاص قابل ذکر بات ہے۔ میں نے محمد احمد کو بچپن سے لے کر وفات کے وقت تک دیکھا۔ سال ہا سال میں نے اُسے حضرت امیر مرحوم کے مکان پر رہ کر دیکھا پھر وہ جوانی میں نوکری ملتے ہی میرے ساتھ بمبئی میں رہا۔ میں نے ساری عُمر قریب سے دیکھ کر جو محسوس کیا اس کا ذکر حضرت مجددِ زماں کے الفاظ میں کرتا ہوں جو حضور نے اپنے نوجوان مُرید (مولوی محمد علی صاحب) کے متعلق استعمال فرمائے:۔

”اور ہماری جماعت میں اوّل درجہ کے **مخلص** دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ہیں جنہوں نے علاوہ اپنی لیاقتوں کے ابھی وکالت میں امتحان پاس کیا ہے۔ اور بہت سا اپنا حرج اٹھا کر چند ماہ سے ایک دینی کام کے انجام کے لئے یعنے بعض میری تالیفات کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے میرے پاس مقیم ہیں۔۔۔۔ اور میں اس مدت میں یعنے جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر اُن کے حالات کا، اخلاق اور دین اور شرافت کی رو سے، تجسس کرتا رہا ہوں۔ سو خُدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری میں اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ **غریب طبع باحیا، نیک اندرون، پرہیزگار** آدمی ہے۔ اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے۔“

مَیں کچھ آج نہیں تو کل اللہ تعالیٰ کے حضور میں جواب دہی کر رہا ہوں گا جس میں کہ کچھ میرے اعمال ہیں اُن میں غلط بیانی یا مبالغہ آمیزی کی بھی جواب دہی ہوگی اُس وقت کا خیال کر کے یہ لکھتا ہوں کہ میں نے بھی اس عرصۂ دراز کے بہت سے قریب سے دیکھنے میں محمد احمد مرحوم میں یہی دیکھا کہ:۔

۱:۔ وہ اوّل درجہ کا مخلص مُسلمان اور احمدی تھا۔

۲:۔ اُس نے بھی اپنی دنیاوی لیاقتوں کو نہ صرف اپنے دنیاوی کام کاج اور سرکاری فرائض کو ادا کرنے میں پوری توجہ سے لگایا بلکہ وہ ساتھ، ساتھ دینی خدمات میں بھی انہیں لگاتا تھا جس کا کچھ ذکر میں تھوڑی دیر میں کروں گا۔

۳:۔ وہ بھی دیندار اور نہایت شریف انسان تھا۔

۴:۔ وہ بھی غریب طبع، باحیا، نیک اندرون، پرھیزگار آدمی تھا۔

۵:۔ وہ بھی بہت سی خُوبیوں میں رشک کے لائق تھا۔

حضرت امیر مرحوم کی وفات کے کچھ دن بعد میں نے ایک رؤیا میں حضرت مرحوم کے اپنے نُور سے جھک ایک ریل کے فرسٹ کلاس ڈبہ میں حضرت امیر مرحوم کو سفر کرتے دیکھا اور آپ نے میرے ہاتھ میں کاغذ کی ایک گولی دی جس کو میں نے ریل روانہ ہونے کے بعد کھول کر دیکھا تو اس میں آپ کے ہاتھ سے کچھ لکھے ہوئے الفاظ تھے جن میں سے ایک فقرہ تھا:۔

”میں وہاں ہوں جہاں محمد احمد ہے۔“

پورے رؤیا اور اس کی تعبیر کا ذکر میں دو دفعہ رسالہ رُوحِ اسلام اور اخبار پیغام صلح میں کر چکا ہوں۔ یہاں میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ الفاظ ”میں وہاں ہوں جہاں محمد احمد ہے۔“ کی ایک تعبیر یہ بھی ہے کہ ان کے صاحبزادے محمد احمد میں حضرت امیر مرحوم کی ہستی کی جھلک نظر آتی تھی۔ اور یہ بالکل سچ ہے۔

غیروں کی شہادت

میں اگر محمد احمد کی نسبت کچھ لکھوں تو شاید کوئی سمجھے کہ چونکہ وہ میرا بھانجا تھا اس لئے میں طرفداری سے لکھ رہا ہوں۔ مگر غیروں کی شہادت میں کچھ باتیں لکھتا ہوں:۔

۱:۔ محمد احمد کی وفات کی خبر سن کر اُس کے ایک سابق پروفیسر جو اَب بہت ضعیف اور معذور ہیں وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ اگرچہ انہیں میرا گھر معلوم نہ تھا وہ پتہ لیتے ایک عزیز نوجوان کے توسط سے میرے گھر پہ تعزیت کرنے آئے۔ منجملہ اور باتوں کے انہوں نے محمد احمد کے کالج کے دنوں میں بھی باحیا اور نیک اندرون ہونے کا خاص طور پہ ذکر فرمایا۔

۲:۔ تعزیت کرنے جو محمد احمد کے اپنے محکمہ یعنے ریلوے کے افسرانِ بالا تشریف لائے اُن میں

سے چند کے خیالات لکھتا ہوں۔ ایک چوٹی کے افسر نے کہا:۔ "دو میں نے ایسا دیانت دار اور بھلا مانس افسر نہیں دیکھا" ایک اور اُن کے سابق افسر بالا نے کہا:۔

"HE WAS A PERFECT GENTLE MAN

ایک اور افسر بالا محمد احمد کی قابلیت اور احساسِ ذمہ داری کی تعریف کر رہے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

۳:۔ ریلوے کے بعض ٹھیکیداروں نے جو تمام افسروں کے اندرونی حال سے واقف ہوتے ہیں محمد احمد کی کمال دیانت داری اور انصاف پسندی کی تعریف کی۔

۴:۔ جن عزیز کے ہاں محمد احمد نے اپنی زندگی کے آخری ماہ برائے علاج گزارے اُن کی بیگم صاحبہ نے ابھی وہ زندہ تھے اپنی والدہ محترمہ کو لکھا "ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے گھر میں ایک فرشتہ رہ رہا ہے"

مختصراً یہ کہ تمام لوگ، مرد و زن، جن سے محمد احمد کا کسی رنگ میں بھی واسطہ پڑا تھا۔ بے اختیار اس کی تعریفوں میں رطب اللسان تھے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو متوفی کے جنتی ہونے کی نشانی فرمایا ہے:۔

شہید کون ہے؟

قرآنِ کریم میں شہداء کے اعلیٰ انجام آخرت کے مختلف ذکروں میں سے ایک یہ ہے:۔

ولا تحسبنّ الّذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتاً ط بل احیاءٌ
عند ربّھم یرزقون ۙ فرحین بمآ اٰتٰھم اللّٰہ من فضلہٖ
ویستبشرون بالّذین لم یلحقوا بھم مّن خلفھم ۙ الّا خوف
علیھم ولا ھم یحزنون ۘ یستبشرون بنعمۃٍ مّن اللّٰہ و
فضلٍ وّ انّ اللّٰہ لا یضیع اجر المؤمنین ۚ (سورۃ آلِ عمران۳۔ آیات ۱۶۸ تا ۱۷۰)

ـــ "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مُردے خیال مت کرو۔ وہ زندہ ہیں اپنے ربّ کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ اس سے خوش رہتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا اور ان کی وجہ سے (بھی) خوش ہوتے ہیں جو اُن کے ساتھی انہیں ابھی نہیں ملے اور پیچھے (دُنیا میں) رہ گئے کہ اُن کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ خوش رہتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور (دیکھ کر) کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جب پوچھا کہ شہید کون ہے؟ تو صحابہؓ نے عرض کی کہ جو خدا کے رستہ میں مارا جائے تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ "تب تو میری اُمّت میں شہید بہت کم ہوں گے" پھر حضورؐ نے فرمایا کہ وہ بھی شہید ہے جو اللہ کے رستہ میں جنگ کرتا ہوا مارا جائے اور وہ بھی جو خدا کے رستہ میں کام کرتا ہوا مر جائے چاہے وہ طبعی موت سے ہو۔ اس حقیقت پر ایک سے زیادہ حدیثیں موجود ہیں۔

محمد احمد بھی اُن خوش نصیبوں میں سے تھا جو خُدا کے رستہ میں کام کرتے ہوئے فوت ہوئے اپنی ملازمت کے دَوران بھی وہ سال ہا سال متواتر خدمتِ دین میں لگا رہا جن خدمات میں سے کچھ کا ذکر کرتا ہوں:۔

۱:۔ حضرت امیر مرحوم کی عظیم الشان اور تاریخی خدمات دینی اور آپ کے حالات زندگی کو نہایت خوبی، ریسرچ، اور محنت شاقہ کے بعد محمد احمد نے کتاب "مجاہدِ کبیر" میں اکٹھا کر کے چھپوایا۔ اس بے نظیر تصنیف کا جوہر پڑھنے والے کو بہت متاثر کرتی ہے سہرا محمد احمد کے سر ہے۔ اس تصنیف پر بنیادی اور بیشتر کام محمد احمد نے ہی کیا۔

۲:۔ قرآن شریف کے انگریزی ترجمہ اور تفسیر کا جو نیا ایڈیشن اب چھپ رہا ہے اُس میں سے اغلاط کی نشاندہی کر کے دُور کرنے کے لئے کئی اصحاب کو لکھا گیا بعض نے نشاندہی کی مگر اس سلسلہ میں بے نظیر تجاویز ہمارے قابلِ رشک نوجوان زاہد عزیز صاحب نے انگلستان سے بھیجیں جس محنت شاقہ اور کاوش سے انہوں نے ایک، ایک لفظ بلکہ نقطہ تک پر باریک نگاہ ڈالی غلطیوں کی اصلاح کی تجاویز کیں اور بعض نہایت مفید تجاویز اس شاہکار کو بہتر بنانے کی کیں اُس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے مگر تمام احباب کی تجاویز پر نظرِ ثانی کرنے اور ان میں سے کن کو لیا جائے یا نہ لیا جائے ان پر غور کرنے میں محمد احمد مرحوم نے بہت اعلےٰ کام کیا اور اس ضروری اقدام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ عرصہ تک وہ روزانہ شام کو دفتر کا کام ختم کر کے میرے گھر پر آتا اور وہ اور میں اس کام میں شام کو دیر تک مصروف رہتے۔

۳:۔ حضرت امیر مرحوم کے دُوسرے شاہکار یعنے شہرہ آفاق کتاب "ریلیجن آف اسلام" پر نظرِ ثانی محمد احمد نے دو دفعہ کی۔ اور اب وفات سے پہلے میری آخری ملاقات میں اُس نے اس بات پر زور دیا کہ اس کتاب کو اب نئے ایڈیشن میں بہتر طور پر چھاپنے کی ضرورت ہے:۔

۴:۔ حضرت امیر مرحوم کے رُوح پرور خطبات، تقاریر اور خطوط جو وہ جماعت کے نام پہاڑ سے یا وفات سے پہلے لکھتے رہے جمع کر کے اور ایڈٹ کر کے چھپوانے کے لئے بھی وہ تیاری کر رہا تھا مگر افسوس کہ موت نے اُسے اس کام کو کرنے نہ دیا:۔

۵:۔ میں نے پچھلے سال ایک سکیم بلادِ غیر کی جماعتوں کی تنظیم اور مرکز سے اُن کے رابطہ کو بڑھانے کی بنا کر انجمن میں بھیجی۔ ابھی وہ منظور نہ ہوئی تھی کہ محمد احمد نے اسے دیکھ لیا اور میرے پاس آ کر کہنے لگا "ماموں جان، یہ کام میں کروں گا"، میں نے کہا "محمد احمد آپ سے بڑھ کر کون اس کام کو بخوبی کر سکتا ہے؟" مگر اجل نے اس ضروری کام کے لئے بھی ہمیں اُس کی قیمتی خدمات سے محروم کر دیا۔

۶:۔ اس کے علاوہ بھی محمد احمد عرصہ سے بلادِ غیر میں تبلیغ کے کام کو اپنی سرکاری ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ کرتا رہا اور اس کام کے لئے وہ اکثر رات کو ۱۲، ایک بجے تک جاگ کر کام کرتا رہا مگر جو کام کرتا وہ حضرت امیر مرحوم کی طرح کامل اور مکمل ہوتا تھا۔ خط و کتابت اور اس کے منسلکہ کاغذات کی فوٹوسٹیٹ کاپیاں بھی وہ خود جا کر بازار سے بنواتا تھا۔ اور خطوط کو بند کر کے یا تاروں کو لکھ کر وہ خود لے جا کر جنرل پوسٹ آفس یا سنٹرل تار گھر کے سپرد کرتا تھا۔

۷:۔ سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد اُسے دو نہایت عمدہ دنیاوی کام پیش ہوئے جن میں سے ایک میں اُسے ۵ و ۶ ہزار روپے ماہوار آمدنی ہوتی جو اس جیسے تنگ دست انسان کے لئے بہت مفید ہوتی مگر اس نے دونوں پیشکشیں ٹھکرا دیں اور اپنی زندگی کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا۔ پھر مرض الموت سے پہلے اُس نے دن، رات بھاگ دوڑ کر کے ایک اور عظیم دینی خدمت کی مستقل بنیاد رکھی جس کی تفصیل وقت آنے پر ظاہر ہو گی۔

اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد احمد خدا کے رستہ میں کام کرتا فوت ہوا اور بقول حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم وہ شہداء میں شامل ہوا جن کے بارہ میں مذکورہ بالا قرآنی آیات میں فرمایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو "مُردہ خیال مت کرو۔ وہ زندہ ہیں اپنے ربّ کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں" رزق کے معنی صرف کھانا پینا نہیں بلکہ تمام وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالےٰ سے انسان کو دی جاتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت مجدّد صد چہار دہم اور حضرت امیر مرحوم

نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے۔ پھر قرآن فرماتا ہے کہ " وہ خوش رہتے ہیں اُس سے جو اللہ اپنے فضل سے (یعنی اُن کے موعود اجر کے علاوہ) دیتا ہے۔" اور دُوسرے " وہ خوشی پاتے ہیں اُس علم سے جو اللہ تعالےٰ اُن کو دیتا ہے کہ اُن کے ساتھی جو پیچھے دنیا میں رہ گئے ان کو کوئی وجہ فکر کرنے کی یا حُزن کرنے کی نہیں۔" فکر کسی ناخوشگوار بات سے پہلے ہوتا ہے۔ حُزن اس بات کے ہو جانے کے بعد مثلاً کوئی عزیز بیمار ہو تو فکر ہوتا ہے۔ کہ وہ فوت نہ ہو جائے۔ اور جب فوت ہو جائے تو وہ غم جو دل کو کھائے اُسے حُزن کہا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں خوف اور حُزن کا نہ ہونے دینا اُس جنت کا نام ہے جو مؤمنوں کے دلوں میں اس دنیا میں اللہ تعالےٰ پیدا فرماتا ہے۔ تو گویا کہ دُنیا میں شہداء کے ساتھی جو خدمتِ دین میں اُنہی کی طرح لگے ہوتے ہیں۔ اُن کے دلوں میں اللہ تعالےٰ جنت پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ دُنیا کے تفکرات اور غموں میں دلگیر نہیں ہونے پاتے۔ اور اس کی اطلاع سے بھی شہداء خوش رہتے ہیں۔

آخری بات فرمائی کہ شہداء " خوش ہوتے رہتے ہیں اُن نعمتوں اور فضل سے جو اللہ تعالےٰ اُن پر فرماتا رہتا ہے۔ اور اس بات کو بھی دیکھ کر اللہ تعالےٰ مؤمنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔"

یہاں نعمتوں کے معنی رُوحانی نعمتیں ہیں جیسا کہ دُوسری جگہ مشہور آیت مع الذین انعم اللہ علیھم میں نبیوں۔ صدیقوں، شہداء اور صالحین کا ذکر فرمایا کہ انہیں سب سے بڑھ کر جو نعمت ملتی ہے وہ روحانی ہوتی ہے۔ اور جن کو اس دُنیا میں بھی کوئی رُوحانی نعمت نصیب ہو وہ جانتے ہیں کہ روحانی نعمت سے بڑھ کر انسان کو خوشی، راحت اور لذّت پہنچانے والی چیز نہیں ہوتی۔ اور شہداء کو " فضل " سے چیزیں ملنا وہ جنت کی ظاہری نعمتیں ہیں جن کا ذکر بالتفصیل قرآن کریم میں موجود ہے۔ آخر میں فرمایا کہ شہداء یہ جان کر بھی خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ مؤمنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ انسان ایمان لا کر جو نیک عمل کرتا ہے۔ یا بدیوں سے بچتا ہے اُس کا اجر بظاہر اس دنیا میں نہیں ملتا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے اور وہ عمل ضائع ہی ہو گئے۔ مثلاً نماز پڑھ کر یا روزہ رکھ کر یا خُدا کی راہ میں مال خرچ کر کے مؤمن کو اس دُنیا میں کچھ ملتا نہیں بلکہ گھاٹا ہی گھاٹا رہتا ہے۔ اسی طرح بدلیوں سے کنارہ کشی کرنے سے بھی بظاہر کوئی نفع نہیں ملتا۔ مؤمن کے اجر کو اللہ تعالےٰ نے آخرت میں اس لئے رکھا ہے کہ:

۱:۔ اوّل تو آخرت ہی ہمیشہ کا گھر ہے۔ جو اجر یہاں مل گیا وہ آج نہیں تو کل مرنے پر ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اس لئے یہ اللہ تعالےٰ کی بڑی مہربانی ہے کہ مومن کے اجر کو وہاں دیتا ہے جہاں وہ ہمیشہ انسان کے پاس رہے گا۔

۲:۔ اگر نیکی کرنے یا بدی سے رُکنے کا اجر اس دُنیا میں مِل جاتا تو لوگ نیکی کو نیکی کی خوبی کی وجہ سے نہ کرتے یا بدی سے بدی کی بُرائی کو جان کر نہ بچتے بلکہ اس اجر کی خاطر کرتے جو انہیں ملتا نظر آتا ہو۔ اس طرح نہ تو انسان کی دراصل اصلاح ہوتی اور نہ اس کی اخلاقی اور روحانی ترقی ہوتی۔

۳:۔ چونکہ مومن ایمان کی بناء پر اپنے عمل کرتا ہے (نہ کہ کسی ظاہری فوائد کو دیکھ کر) اس لئے اللہ تعالےٰ اس کے ایمان کا بھی اجر مومن کو دے گا۔ جیسا کہ تمام قرآن کریم میں ایمان اور اعمالِ صالحہ دونوں کے اجر میں جنت اور اس کی نعماء اور ترقیات کے ذکر میں فرمایا ہے۔

اپیل

محمد احمد کی بے وقت وفات اور اس سے جو قومی خدمت میں خلا پیدا ہوا ہے اُس کو پورا کرنے کے لئے میں احبابِ جماعت سے خصوصاً نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ خدمتِ دین کے لئے آگے آئیں۔ اگر زندگی کو کلی خدمتِ دین کے لئے وقف نہیں کر سکتے تو کم سے کم اپنے دنیاوی کاموں کے ساتھ ساتھ خدمتِ دین کو شروع کر دیں اور اس کے لئے کچھ وقت نکال کر انجمن کو لکھیں کہ وہ کیا خدمتِ دین کر سکتے ہیں۔ اور بہرصورت دین کا علم حاصل کرنا شروع کر دیں تاکہ وہ وقت آنے پر خدمتِ دین کے کام کو بوجہ احسن ادا کر سکیں۔ قرآن کریم اور حدیث بمعہ ترجمہ و تفسیر ہماری جماعت کے پیدا کردہ لٹریچر میں سرِفہرست ہیں۔ اس کے علاوہ سیرت اور دین کے تمام پہلوؤں پر بہترین لٹریچر حضرت مجدّدِ زمان اور حضرت امیر مرحوم کی کتب میں موجود ہے۔ اُسے بغور مطالعہ کریں۔ اگر ان کی نیت خدمت دین کی ہو گی تو اللہ تعالےٰ ان کی سعی میں برکت ڈالے گا اور انہیں اپنے فضل سے اپنی خدمت کے لئے چُن لے گا کہ اس سے بڑھ کر کوئی عزت اور راحت نہیں۔ اور آخرت کی نجات اور انعاماتِ ابدی کا کچھ ذکر میں کر آیا ہوں۔ اگر یہ تحریک جماعت کے دلوں میں پیدا ہو جائے تو محمد احمد کا نمونہ ضائع نہ جائے گا۔

بقیہ راضی برضاء (آمدہ ص ۵)

۔۔۔ وہ وقت آیا کہ امّاں جی بھی اپنے مولا کریم سے جا ملیں۔ اب محمد احمد نے وہ بے پایاں شفقت دکھائی کہ ماں باپ دونوں کی جگہ لے لی۔ دین کی دلچسپی اور خدمت کا پہلو تو اجاگر ہو ہی چکا تھا لیکن اب یہ پہلو بھی چمک اُٹھا اور محمد احمد ہمارے لئے ایک مقدّس مقام پر ہو گئے۔ ہم پانچ بہنوں سے چھوٹا تھا لیکن ہم اس کو اپنا بڑا بھائی سمجھنے لگیں۔ کوئی بات پوچھنی ہو یا صلاح مشورہ لینا ہو تو نہایت انہماک سے سُن کر اپنی ٹھوس رائے دیتے۔

محمد احمد ۔۔۔ اب یہ روحانیت کی کلی ایک خوبصورت پھول کی شکل میں نکل رہی تھی اور اپنا جوبن دکھانے کو تھی ۔۔۔ مگر دراصل یہ تو ایک جنت کا پھول تھا اور وہیں جا کھلا۔

دینی جذبہ زندگی کے ہر محاذ پر حاوی تھا۔ بیماری میں بھی تندرستوں کی طرح دین کی خدمت میں لگے ہوئے تھے اور وہ کم گو اور خاموش شخص اب دینی دلائل کا ایک وسیع اور گہرا سرچشمہ تھا۔ وہ اپنی دلآویز اور پُرمغز تقاریر سے دلوں کو مسخر کر رہا تھا۔ جو بھی تقریر کرتے لوگ ان کی دینی قابلیت، گرفت اور با موقع اور مضبوط دلائل پر عش عش کر اُٹھتے۔ نپے تلے الفاظ معنی زیادہ الفاظ کم۔ دین کے علم پر اس قدر عبور کہ حیرانی ہوتی تھی۔ کہ کہاں سے اور کب اتنا علم حاصل کیا۔ لیکن نوجوانوں کے لئے ایک مثال قائم کر گئے کہ اوائل عمر سے ہی دین کو گھن کی طرح لگ جاؤ۔ دنیا میں بھی مقام حاصل کیا لیکن دین میں ایک لافانی مقام حاصل کیا۔ اور زندگی کی اصل غرض پا کر زندہ جاوید ہو گئے۔

محمد احمد ۔ آہ! ۔ اگرچہ آج ہم میں نہیں ہیں لیکن اپنی شخصیت کی اہمیت غور و فکر کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ جب تک خدمت و اشاعت اسلام کا کام رہے گا۔ ان کی شخصیت بھی رہے گی۔ اپنی مختصر زندگی میں وہ کئی سبق چھوڑ گئے ہیں۔ اور ایک نمونہ قائم کر گئے ہیں۔ نیکیاں کیں تو اس طرح کہ دائیں سے کیں تو بائیں کو خبر نہ ہوئی۔ نمود و نمائش بالکل پسند نہ تھی۔ سادگی پسند تھے اور خودستائی تو چھو کر بھی نہ گزری تھی۔ صبر و قناعت کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ مہلک مرض ظاہر ہوا تو کسی قسم کا چڑچڑا پن طبیعت میں نہ آیا۔ بلکہ اپنی وجہ سے کسی قسم کی تکلیف بھی دُوسروں کو نہ ہونے دی۔ اور برضاء و رغبت سب سے علیحدہ ہو کر اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے اس پاکباز اور جان نثار مجاہدِ دین کو جنت الفردوس میں اعلےٰ مقام عطا فرمائے۔ اور اس پر اپنی برکتوں و رحمتوں اور انعامات کا نزول فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

میاں محمد احمد صاحب مرحوم کے اوصافِ حمیدہ

مرزا مسعود بیگ

میاں محمد احمد صاحب مرحوم کے متعلق ایک نہایت مختصر تعزیتی نوٹ میں ۲۸ جنوری ۱۹۸۱ء کے شمارہ میں لکھ چکا ہوں جس میں مرحوم کی زندگی کا بہت مجمل خاکہ دیا گیا تھا۔ لیکن مرحوم کی خوبیوں کا احاطہ کرنے کے لئے بہت سے مفصل مضامین کی ضرورت ہے۔ اور مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ کارپردازان "پیغام صلح" اپنا ایک شمارہ محمد احمد صاحب کی یاد میں وقف کر رہے ہیں اور مجھے ایک بار پھر مرحوم و مغفور کی سیرت پر کچھ لکھنے کا موقع مل گیا ہے:-

بچپن اور جوانی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سے اوصاف سے متصف کیا ہے اور اس میں کئی قسم کی استعدادیں رکھی ہیں جن سے کام لے کر وہ ایک مکمل انسان بنتا ہے اور ان کی مناسب نشوونما سے ہی اس کی شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ لیکن زندگی کی نہج اور پیشہ ورانہ مشاغل کی نسبت سے بعض استعدادیں زیادہ ترقی کرتی ہیں اور بعض عملی زندگی میں راہ نہ پانے کی وجہ سے مخفی رہتی ہیں۔ مگر جب انہیں اظہار کا موقع ملے تو وہ بھی پوری طرح اجاگر ہو جاتی ہیں۔ میاں محمد احمد صاحب اپنے بچپن میں لاڈلا بیٹا ہونے کے ساتھ ہی ہونہار بروا کے مصداق بھی تھے۔ اور اعلیٰ درجہ کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے اور بہترین گھریلو ماحول میں تربیت پانے اور پاکیزہ والدین کے سایہ میں پروان چڑھنے کے نتیجہ میں وہ ایک ذہین و فطین طالبعلم اور نہایت سعید، خوش اطوار اور صالح نوجوان کے روپ میں ابھرے۔ وہ نہایت نیک اور باحیا نوجوان تھے جیسے کوئی شرمیلی اور باحیا دوشیزہ ہوتی ہے اور علامہ اقبال نے اپنے بیٹے کے لئے جو دعا کی تھی۔ ع

خدا کرے کہ جوانی رہے تیری بے داغ !

محمد احمد کی جوانی بے داغ تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عمر کی بے راہ روی اور ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھا اور انہیں زمانہ کی ہوا تک نہ لگی۔

تعلیم اور ملازمت

گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ کل ہند مقابلہ کے امتحان میں شریک ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اپنی ذہانت و قابلیت کی بدولت آپ کامیاب ہوئے۔ اس زمانہ میں مقابلے کے امتحان بڑے سخت ہوا کرتے تھے اور ہندو طلبہ زیادہ محنت کر کے بالعموم سبقت لے جاتے تھے اور [illegible] ان نوجوانوں کے لئے مواقع کم ہوتے تھے۔ تاہم میاں محمد احمد صاحب خدا کے فضل سے [illegible] امتحان میں کامیاب ہو کر ریلوے کی اعلیٰ ملازمت کے لئے منتخب ہوئے اور سب سے [illegible] بی بی اینڈ سی آئی ریلوے پر تعینات ہوئے۔ برصغیر کی تقسیم کے بعد آپ پاکستان ریلوے میں آئے کوئٹہ، چٹاگانگ، لاہور وغیرہ مقامات پر آپ نے ممتاز حیثیتوں سے کام کیا۔ آپ کمرشل [illegible] پر فائز رہے اور لاہور کے ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر متمکن رہے اور پھر ڈپٹی اور جائنٹ ڈائرکٹر ٹریفک اور چیف ٹریفک منیجر لاہور ڈرائی پورٹ کے عہدوں پر [illegible] کام کیا۔ [illegible] تمام عرصہ میں آپ نے حسن کارکردگی، محنت، دیانت، صداقت، شرافت اور اخلاق و تہذیب کا ایک اعلیٰ نمونہ قائم کیا اور اپنے ہم عصروں، ماتحتوں اور افسرانِ بالا سے یکساں خراجِ تحسین وصول کیا اور پبلک میں ایک مثالی افسر کے طور پر معروف ہوئے۔ اس طرح میاں محمد احمد صاحب مرحوم نہایت عمدہ سروس ریکارڈ کے ساتھ ساٹھ سال کی عمر میں جون ۱۹ ۸ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے وقت آپ کو دو تین عہدوں کی پیشکش ہوئی مگر آپ نے چونکہ پہلے ہی یہ ارادہ کر لیا تھا کہ آپ بقیہ عمر دینی خدمات میں صرف کریں گے اس لئے آپ نے کوئی بھی پیشکش قبول نہ کی۔

مرحوم کی علمی خدمات:-

میاں محمد احمد صاحب مرحوم گزشتہ تیس سال یعنی ۱۹۵۱ء سے حضرت امیر مرحوم و مغفور کی وفات کے بعد انجمن کی مجالس معتمدین اور منتظمہ کے ممبر منتخب ہوئے اور بڑی باقاعدگی سے ان مجالس کی کارروائی میں حصہ لیتے رہے اور شاذ و نادر ہی کبھی غیر حاضر ہوئے ہونگے۔ جلد ہی آپ کی اصابتِ رائے اور معاملہ فہمی اور حق پرستی کا سب ممبران کو اندازہ ہوگیا اور آپ اپنی میعاد ممبری ختم ہونے کے بعد دوبارہ منتخب ہوتے رہے اور ان کی وفات تک یہ تسلسل قائم رہا۔ آپ نے اس عرصہ میں آنریری طور پر مختلف شعبوں میں خدمات سرانجام دیں بالخصوص تصنیفات اور صنعت اشاعت کے شعبوں میں۔ آپ بڑے مخلص اور خاموش کارکن تھے اور بڑی مستعدی سے اپنے کام میں لگے رہتے تھے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب علیہ الرحمۃ نے جو چھوٹے چھوٹے رسائل مثلاً پرافٹ آف اسلام، اسلام دی ریلیجن آف ہیومینیٹی۔ کال آف اسلام وغیرہ تصنیف تھے انہیں بار بار ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا جا چکا ہے اور بلادِ غیر میں کثرت سے ان کی مانگ ہے میاں محمد احمد صاحب نے ان تمام رسائل پر نظر ثانی کی اور نہایت مفید اضافہ کر کے انہیں زیادہ مقبول بنا دیا۔ چنانچہ ریلیجن آف ہیومینیٹی کا ۱۹۸۰ء کا ایڈیشن تقریباً ستر صفحات پر مشتمل ہے۔

ان مختصر رسائل کے علاوہ میاں محمد احمد صاحب مرحوم نے اپنے والد گرامی قدر کی شہرۂ آفاق تصنیف "ریلیجن آف اسلام" پر مکمل نظر ثانی کی اور بعض مفید تبدیلیوں کے علاوہ مثلاً ہر صفحہ پر فٹ نوٹ دیئے گئے جو قبل ازیں عبارت کے اندر تھے۔ اور چند اغلاط کی تصحیح کی گئی اور دو اہم موضوعات ETHICS اور THE STATE پر دو ابواب اس کتاب میں بڑھائے گئے جس سے یہ کتاب اور زیادہ مفید ہوگئی ہے۔ ریلیجن آف اسلام کی اس وقت چوتھی ایڈیشن چل رہی ہے اور ۱۹۳۶ء کی پہلی ایڈیشن کے مقابلہ میں اس کا حجم، سائز اور معیار طباعت میں جس قدر خوبیاں نظر آتی ہیں وہ سب میاں محمد احمد صاحب کی محنت۔ لیاقت اور حسن انتخاب کا نتیجہ ہیں۔ اسی طرح مشہور عالم انگریزی ترجمۃ القرآن کی آٹھویں ایڈیشن اس وقت زیر طباعت ہے لیکن بدقسمتی سے سابقہ ایڈیشن میں بہت سی غلطیاں رہ گئی تھیں۔ چنانچہ میاں محمد احمد صاحب نے ان اغلاط کی درستی کے لئے کئی ماہ مسلسل محنت کی اور دفتر کا وقت ختم ہونے کے بعد آپ سیدھا جناب این اے فاروقی صاحب کے ہاں تشریف لے آتے تھے اور ان کے ساتھ مقابلہ سے قرآن مجید کا متن، انگریزی ترجمہ اور تفسیری نوٹ پڑھتے اور غلطیوں کی اصلاح کرتے۔ اسی طرح انگریزی ترجمۃ القرآن بلا متن جس کی کثرت سے اشاعت کے محرک ملک فیروز خان نون صاحب مرحوم اور بمبئی کے ایک مخیر سیٹھ ہوئے تھے کی دوبارہ اشاعت کی تجویز زیر غور تھی اور میاں صاحب مرحوم نے ایک طویل عرصہ صرف کر کے اس پر مکمل نظر ثانی فرمائی۔ وہ اپنی شدید علالت کے دوران بھی ذہنی طور پر اس کام کی تکمیل کے لئے فکرمند رہتے تھے۔ اور جب بغرض علاج دوسری مرتبہ انگلستان گئے تو آپ

ہدایات چھوڑ گئے کہ یہ مسودہ ٹائپ ہو کر باقساط انہیں لندن میں ملتا رہے۔ مگر افسوس ہے اس کی نوبت نہ آئی۔

ایک اور کام جس کی طرف اُن کی توجہ تھی اور جس کے لئے جماعت کی طرف سے بار بار تقاضا ہوتا تھا وہ حضرت امیر مرحوم و مغفور کے خطبات جمعہ و عیدین کو کتابی شکل میں شائع کرنا تھا۔ امیر مرحوم نے ۳۷ سال جماعت احمدیہ لاہور کی تربیت اور قیادت فرمائی۔ اور آپ نے قرآن و حدیث اور فرمودات مجدد وقت کا جو علم جماعت کو بخشا اس میں ان خطبات کا بڑا حصہ ہے۔ آپ کا ہر خطبہ روحانی غذا کا ایک پیالہ اور بادۂ عرفان کے جام کی حیثیت رکھتا تھا اور ہر خطبہ میں آپ موقع و محل کی مناسبت سے جماعت کو قدم آگے بڑھانے اور مزید قربانی کرنے کا درس دیتے تھے اور جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے قدم بہ قدم آگے بڑھتی گئی۔ ان خطبات کو کتابی شکل میں شائع کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے اور محمد احمد صاحب مرحوم نے یہ مشکل کام بھی اپنے ذمہ لیا کہ وہ ان خطبات کو مدوّن کر کے شائع کریں گے لیکن قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا اور محمد احمد صاحب کے حین حیات یہ کام شروع نہ ہو سکا۔ اور وہ اس کی آرزو اور نیتِ خیر ہی لے کر اپنے پروردگار کے حضور پہنچ گئے اور اس کی تکمیل کا بار اپنے اعزہ پر چھوڑ گئے۔

حقِ تصنیف سے دستبرداری

حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف پر ان کے ورثاء کو قیمت فروخت کا دس فیصد بطور رائلٹی مل رہا ہے اور میاں محمد احمد صاحب مرحوم کا عرصہ سے یہ ارادہ تھا کہ وہ اپنے بہن بھائیوں کو آمادہ کر کے اس سے دستبردار ہو جائیں اگرچہ قانون رائج الوقت کے مطابق وہ آئندہ بیس سال تک یہ رقم وصول کرنے کے حقدار ہیں۔ یہ زیر غور معاملہ بھی میاں صاحب مرحوم طے کر گئے اور وسط جنوری میں جب آپ دوسری مرتبہ انگلستان گئے ہیں اس سے قبل تمام وارثان حضرت امیر مرحوم و مغفور کی طرف سے بطور مختار عام یہ تحریر لکھ کر آپ نے دفتر میں بھیج دی کہ شروع جنوری ۱۹۸۱ء سے ورثاء حضرت امیر مرحوم رائلٹی کی رقم وصول نہیں کریں گے اور یہ رقم ایک علیحدہ فنڈ میں خزانہ انجمن میں جمع ہوتی رہے گی۔ جس سے انگریزی ترجمۃ القرآن اور ریلیجن آف اسلام کی مفت تقسیم ہوگی۔ خصوصاً بیرونی ممالک میں ایسے متلاشیانِ حق جو یہ کتب خریدنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں انہیں یہ کتب بلاقیمت دی جائیں اور سیکرٹری انجمن کی صوابدید پر یہ کتب تقسیم ہونگی اور یہ فنڈ بھی انجمن کی تحویل میں ہوگا۔ البتہ آمد و خرچ کی اطلاع ورثاء حضرت امیر مرحوم و مغفور کو دی جائے گی۔ انجمن نے اس پیشکش کو بخوشی منظور فرمایا ہے اور انشاء اللہ اس کے مطابق عملدرآمد ہوگا۔

چند روز قبل مرحوم کے چھوٹے بھائی میاں حامد فاروق صاحب نے بھی ایک تحریر انجمن میں بھجوائی ہے۔ کہ حضرت امیر مرحوم کی کوٹھی واقع مسلم ٹاؤن کی فروخت سے جو رقم وصول ہوئی ہے اس کا معتدبہ حصہ ورثاء حضرت امیر مرحوم و مغفور نے ایک علیحدہ فنڈ میں جمع کر دیا ہے اور اُن کی خواہش ہے کہ یہ روپیہ قرآن مجید کے تراجم اور دیگر اسلامی کتب کی اشاعت پر اور قرآن مجید اور دیگر لٹریچر کی مفت یا رعایتی قیمت پر تقسیم پر صرف کیا جائے اور ابتداءً انہوں نے تین باتوں کی نشاندہی کی ہے:-

۱:- انگریزی ترجمۃ القرآن مع متن جو اس وقت زیر طبع ہے اس کی چار صد کاپیاں مفت تقسیم کی جائیں۔

۲:- حضرت امیر مرحوم کے خطبات کی تدوین اور اشاعت،

۳:- انگریزی ترجمۃ القرآن بلا متن کی اشاعت۔ یعنی جو کام میاں محمد احمد صاحب مرحوم کے پیش نظر تھے اور جو اُن کی وفات کی وجہ سے ادھورے رہ گئے انہیں پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے اور یہ کام وہ انجمن کی نگرانی میں اور انجمن کی وساطت سے کرانا چاہتے ہیں۔

چنانچہ انجمن نے اپنے اجلاس مؤرخہ ۲۰ فروری ۱۹۸۱ء میں اسے منظور فرمایا ہے اور ایک سب کمیٹی مقرر کر دی ہے جو اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور آئندہ بھی اس نوعیت کے امور سرانجام دیتی رہے۔

تحریر و تقریر کا ملکہ

جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا انسان کی بہت سی استعدادیں موقع نہ ملنے کی وجہ سے چھپی رہتی ہیں لیکن جب وہ ظاہر ہوں تو دوسروں کو حیران کر دیتی ہیں۔ محمد احمد صاحب ایک لائق اور فاضل انسان تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں تحریر و تقریر کا یکساں ملکہ عطا فرمایا تھا۔ ان کے فن تحریر کا زندہ ثبوت ان کی معرکۃ الآراء کتاب "مجاہد کبیر" ہے۔ جو انہوں نے عرصۂ ملازمت کے دوران لکھی اور ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی۔ کوئی اور شخص حضرت امیر مرحوم کی اس سے بہتر سوانح عمری نہیں لکھ سکتا تھا اور یہ کتاب باپ بیٹے کی زندہ جاوید یادگار ہے۔ جہاں تک تقریر کرنے کا ذکر ہے محمد احمد مرحوم اپنے طبعی شرمیلا پن کی وجہ سے ہمیشہ پیچھے پیچھے رہے اور کبھی سٹیج پر نہ آئے لیکن دو سال قبل انہیں زبردستی حضرت امیر مرحوم کے یوم وصال پر تقریر کے لئے کہا گیا تو مرحوم نے ایسی برجستہ اور فصیح و بلیغ تقریر فرمائی کہ سب نے اُن کے "چھپے رستم" ہونے کا اعتراف کیا۔ اور آئندہ اُن سے تقاریر کے اعادہ کی خواہش کی گئی۔

انجمن نے ۱۹۷۶ء میں بلاد غیر میں تبلیغ کے کام کو زیادہ مؤثر رنگ اور پوری قوت سے کرنے کے لئے جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی سرکردگی میں "تبلیغ بلاد غیر کمیٹی" قائم کی تھی اور مرحوم محمد احمد صاحب بھی اس کے ممبر تھے۔ اس کمیٹی کی کارکردگی میں مرحوم نے بالخصوص بہت حصہ لیا اور خط و کتابت اور انگریزی میں لمبے لمبے ڈرافٹ لکھنے کا کام رضاکارانہ طور پر اپنے ذمہ لیا اور ہر کام کو نہایت خوش اسلوبی سے نبھایا۔ ان میں بڑی استعدادیں تھیں اور ہمیں ان سے بڑی امیدیں تھیں۔ لیکن شاید عالم بالا میں ان کے مرحوم والدین بھی ان کے لئے بہت اُداس تھے اور انہوں نے بہت جلد انہیں اپنے پاس بلوا لیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی رحمت کے سایہ میں بہت اونچا مقام عطا کرے اور مرحوم کی اہلیہ اور اُن کے بچوں پر اپنے افضال نازل کرے اور ہماری انجمن کو ان کا بدل عطا فرمائے۔

ـــــ: اللّٰھم آمین :ـــــ

اعتذار و التماس:-

ہم حسب معمول ماہ ربیع الاوّل میں "سیرت النبیؐ نمبر" شائع کرنا چاہتے تھے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے ہم یہ نمبر اپنی خواہش کے مطابق وقت پر شائع نہ کر سکے۔ اور اس سلسلہ میں ہمیں جو مضامین موصول ہوئے وہ ہم نے پیغام صلح مؤرخہ ۷/۱۴ جنوری ۱۹۸۱ء شمارہ ۱-۲ میں شائع کر دیئے۔ اس غیر ارادی تاخیر کے لئے ہم اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ اب ہم یہ نمبر آخر مارچ ۱۹۸۱ء میں شائع کرنا چاہتے ہیں اور اپنے قلمی معاونین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے مضامین ۱۵ مارچ ۱۹۸۱ء تک ارسال کر دیں تاکہ ہم مزید تاخیر کے بغیر یہ نمبر شائع کر سکیں۔

مضامین بروقت نہ ملنے کی وجہ سے بھی خصوصی نمبر شائع کرنے میں اکثر تاخیر ہو جاتی ہے۔ ادارہ آپ کے تعاون کا مشکور ہوگا۔

ـــــ (ادارہ پیغام صلح)

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ (لندن)

بُلانے والا ہے سب سے پیارا

انگلستان کے خوبصورت علاقے سرے میں ماہِ جون کی یہ ایک روشن اور چمکیلی صبح تھی۔ جبکہ گھر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو سامنے ایک نوجوان کو منتظر پایا۔ یہ ایک متوسط قد و قامت اور گندمی رنگ کا انسان تھا۔ صاف ستھرے اور سادہ مغربی لباس میں ملبوس۔ جس کے چہرے پر ایک مصوّر کے مشہور شاہکار مونالیزا کی طرح ایک سہانی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ یہ کوئی بہت حسین یا فیشن کی انتہا اور قیمتی سوٹ بوٹ میں ملبوس ہستی نہ تھی۔ مگر ایک ایسی روشنی اور دلکشی سر تا سر اُس کے سراپا پر چھائی ہوئی تھی جو ایک پاکیزہ، نیک دل اور گہرے علم و معرفت سے لبریز دماغ اور پُر از ذہانت و متانت شخصیت سے پیدا ہو رہی تھی۔ اپنے ساتھ اپنی رفیقۂ حیات کو لئے مختصر مسافرانہ سامان اٹھائے جیسے ہی میرے اس مہمان نے گھر میں قدم رکھا ایک سکون، قناعت اور خوش دلی کی فضا بھی اس کے ساتھ اندر آ گئی۔ یہ سادہ اور خاکسار سے نوجوان میرے عزیز بھانجے مسٹر محمد احمد حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔

ان کا تعارف کراتے ہوئے کیوں نہ میں پہلے اُن کی مختصر سی روئیدادِ حیات بیان کر دوں۔

۲۶ جون سنہ ۱۹۲۰ء ہمالیہ کی سرسبز چوٹیوں کے نشیب و فراز پر آباد برٹش گورنمنٹ کے مشہور سمر سٹیشن شملہ کی ایک خوبصورت کاٹیج " وِلا " میں اس ہونہار بچے نے دنیا میں پہلی بار آنکھ کھولی۔ پانچ بہنوں کے اس بھائی کی پیدائش پر ہماری امّاں جان مرحومہ جو بچہ کی نانی جان تھیں خوشی خوشی حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس یہ خوشخبری لے کر گئیں۔ تو اس بے نفس عظیم باپ نے جس کے دل میں اپنی سب بیٹیوں کے لئے بھی بیٹوں سے بڑھ کر چاہ و محبت تھی سادگی سے فرمایا کہ "مجھے بھی بہت خوشی ہے کہ اللہ نے آپ کو یہ خوشی دکھائی۔" عموماً جو نعمت پہلے میسر نہ ہو اس کے مل جانے پر اُس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے مگر صراطِ مستقیم پر مضبوطی سے چلنے والے والدین نے اس بیٹے کو اپنی دوسری اولاد کی طرح محبت۔ پیار۔ توجہ سب کچھ دیا مگر زیادہ لاڈ پیار میں نہ تو بگاڑا اور نہ ہی یہ بچہ خود اپنی فطرت میں کوئی بگاڑ لے کر پیدا ہوا۔ نہ کوئی ناجائز ضد۔ نہ رونا دھونا۔ غل شور مچانا نہ ہی شرارت شیطانی نہ زیادہ ہنسنا ہا ہُو بپا کرنا۔ یہ پیارا سا متین و خاموش بچہ جلد ہی بچپن کی حدوں سے نکل کر لڑکپن میں آ گیا۔ اور درویش صفت باپ نے بغیر کوئی امتیاز برتے اپنی جماعت کے اور بچوں کی طرح اپنے سلسلہ کے مسلم ہائی سکول میں داخل کر دیا۔ جہاں کبھی کوئی خصوصی رعایت یا اہمیت حضرت امیر قوم کے بیٹے کے لحاظ سے اسے نہ دی گئی۔ اپنے اور ہم جماعتوں کے ساتھ ملا جلا یہ بچہ احمدیہ بلڈنگس کی گلیوں میں کھیلتا پھرتا رہا۔ مگر پڑھنے لکھنے اور علم کو حاصل کرنے میں اس کی تیزی و ذہانت نمایاں رہی۔ علم کی لگن اور محنت کی بدولت ہمیشہ کامیابی اس کے قدم چومتی رہی۔ اور جلد ہی اسکول سے نکل کر مزید حصولِ علم کے لئے کالج کی فضا میں قدم رکھا۔ جہاں اکثر نوجوان پہلی بار آزادی، جوانی کی سرشاری اور دُنیا کی دلفریبیوں سے آشنا ہو کر بھٹک جاتے ہیں مگر اس لڑکے کی حیاداری لہو و لعب سے بیزاری اور علم حاصل کرنے کی دُھن کی گواہی میں یہاں خود اس کے ایک پروفیسر کی زبانی پیش کرتی ہوں۔ سال ہا سال کے بعد اس کی جدائی کی خبر سن کر ایک کمر خمیدہ سفید ریش بزرگ لاٹھی ٹیکتے ہانپتے کانپتے میرے بھائی نصیر احمد فاروقی صاحب کے پاس اُن کا پتہ لگانے پہنچے۔ افسوس کے بعد فرمانے لگے کہ میں گورنمنٹ کالج میں محمد احمد کا پروفیسر تھا اور مجھے جب ہی یہ احساس ہو گیا تھا کہ یہ شوخی و شرارت سے الگ تھلگ رہنے والا باحیا اور خاموش محنتی بچہ کوئی خاص انسان اور بہت ہی سلجھی ہوئی نیک فطرت کا مالک ہے۔ چنانچہ ناکامی کا منہ دیکھے بغیر عربی اور انگریزی کا ایم۔ اے امتیاز سے پاس کرنے والا یہ نوجوان جلد ہی اس فلک کی انتہائی تعلیمی بلندی پر پہنچ گیا۔ اسوقت علم و سائنس کی روشنی مشرق سے نکل کر مغرب کی وادیوں میں اپنے عروج پر تھی اور صاحبِ استطاعت امیر و رئیس دھڑا دھڑ اپنے لڑکوں کو انگلستان اور امریکہ بھیج رہے تھے مگر محدود آمدنی رکھنے والا باپ دین کا امیر۔ دنیا کا فقیر تھا۔ اپنے اس نورِ نظر کیلئے نہ تو اس کے پاس کوئی ریاست، نہ جائیدادیں تھیں نہ کوئی مسندِ امیرانہ۔ نہ ہی باہر بھیجنے کی استطاعت۔ چنانچہ محکمہ ریلوے کے اگزیکٹیو افسروں کے انتخابی امتحان میں محمد احمد نے شرکت کی۔ اور کامیاب ہو کر اس محکمے میں دونوں ہاتھوں کی محنت سے روزی کمانے لگے۔ دُنیا جانتی ہے کہ اور سب محکموں کی طرح ریلوے میں بھی رشوت کھانے اور جائز ناجائز طریقوں سے دولت کمانے والے افسروں کو دنیاوی شان و شوکت کی کمی نہیں رہتی۔ مگر جونیئر افسر سے بڑھ کر یہ سینئر افسر ہو گئے۔ پھر کئی اہم جگہوں اور آخر میں ڈائرکٹری کے خود مختار عہدے پر آئے مگر دنیا کی پستی کو نظر انداز کر کے روحانی بلندیوں پر نگاہ رکھنے والے اس سادہ افسر کے گھر نہ تو دنیاوی قیمتی و اعلےٰ ساز و سامان آیا۔ نہ فرش فروش قالین۔ بڑھیا پردے۔ رنگ و روغن۔ بیش بہا فرنیچر۔ نہ نوکر چاکر نہ امیرانہ رُعب و داب اور افسرانہ غرور و تکبر کی پہنچ ہوئی۔ جہاں گئے ریلوے کے بنگلے ملتے رہے۔ اور انتہائی سادہ مختصر اور ضروری سامانِ زندگی سے سجا ہوا گھر رہا۔ اور اپنی محدود تنخواہ میں تنگی ترشی کا گزارا مگر اُن کے اس درویشانہ آشیانے میں قناعت و اطاعت صبر و شکر۔ امن و سکون کی فضا اس طرح چھائی رہتی تھی کہ نہ صرف مکین اُس میں خوش تھے بلکہ ملنے والوں کو بھی اُس سادہ گھروندے میں قدم رکھتے ہی احساس ہوتا تھا کہ ہم تکلف سے دور قناعت و سادگی کی فضا میں آ گئے ہیں۔ اس گھر کے مالک کے دل میں نہ رشک تھا نہ حسد۔ نہ شکوہ نہ شکایت نہ غرور نہ تکبر۔ سرکاری محکموں میں دیانت دار محنتی افسروں کی بہت حق تلفیاں ہوتی ہیں کیونکہ نہ وہ خوشامد کرتے ہیں نہ رشوت دے سکتے ہیں۔ نہ ہی زیادہ احتجاج اور واویلا مچاتے ہیں۔ چنانچہ ان کی بھی کئی حق تلفیاں ہوئیں۔ ان کے جونیئر آگے بڑھا کر سینئر بنا دیئے گئے۔ مگر انہوں نے صبر و شکر سے اپنے ذمے سونپے ہوئے کام سے کام رکھا۔ ویسے شور و غل ہائے وائے کرتا بھی کون۔ ساری عمر ہم نے تو نہ کبھی ان کو کسی کو ڈانٹتے ڈپٹتے دیکھا نہ کوئی سخت کلمہ کسی کو کہتے سنا نہ کسی پر زیادتی کی۔ ذاتی نوکروں سے بھی برابر کا سلوک رکھا۔ نتیجہ یہ کہ مزاج کا دھیما۔ کم گو۔ صابر و شاکر یہ انسان افسر بن کر بھی سب کا خادم رہا۔

تلاشِ معاش کی طرف سے اطمینان ہوتے ہی والدین اور خصوصاً ہماری باجی جان کو اپنے نورِ نظر کی شادی خانہ آبادی کی فکر ہوئی اور نگاہِ انتخاب حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی صاحبزادی عزیزہ زبیدہ بیگم پر پڑی۔ اور ۲۵ نومبر ۱۹۴۶ء کو بخیر و خوبی اور انتہائی سادگی سے یہ مبارک کام سر انجام ہوا۔ اور اللہ کے دو خاص بزرگ انسان اپنے بچوں کے اس مبارک

رشتہ کی وجہ سے روحانی و دنیاوی رنگ میں اور بھی ایک جان ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ بندھن بہت کامیاب رہا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اللہ نے ایک بیٹی اور دو بیٹے عطا فرمائے۔ ساتھ ہی اس کی عنایت سے ان کی اولاد کو نیک اور صحیح فطرت و صلاحیت بھی ملی اور ماں باپ کی خدمت و اطاعت کی بھی توفیق دی۔ اس طرح دیکھتے دیکھتے محمد احمد بظاہر اپنی زندگی کے راستہ پر صبر و شکر کی چھاؤں میں آسودہ رواں دواں ہو گئے لیکن دراصل دنیا کے اس سادہ سے انسان کے دل اور نگاہ میں شروع سے ہی دولت اسلام و قرآن۔ علم و معرفت کی چمک اور محبت سما گئی تھی۔ روٹی کمانے کو دنیا میں ڈال رکھا۔ باقی اپنے عظیم الشان باپ کا روحانی ورثہ سمجھنے اور سنبھالنے کی تڑپ رہی۔ ملازمت کے شروع میں کام کو قابو میں لانے کی مصروفیت رہی مگر جوں ہی ملازمت کا ڈھب آ گیا اور راہ زندگی ہموار ہو گئی۔ ان کا رجحان اور دلچسپی مذہب اور قرآن کریم کی طرف جھکتی گئی۔ علم کی نعمت سے دماغ تو پہلے ہی روشن تھا۔ قرآن اور مذہبی کتابوں کے مطالعہ اور ان میں غور و فکر نے اور بھی جلا بخش دی۔ مگر حیا۔ خاکساری اور کم گوئی کی صفت نے بہت مدت تک اس گوہر نایاب کی آب و تاب کو ڈھانپے رکھا۔ جوہر کچھ کچھ کھلنے لگے جب انہوں نے اپنے والد حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کے حالات زندگی اور ان کے عظیم الشان کام کی تفصیل کو مختلف مقامات سے تلاش کیا۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ بے شمار اخباروں۔ رسالوں۔ کاغذات سے تاریخ وار واقعات کو ڈھونڈھنا۔ ترتیب دینا۔ کھچڑی میں سے دال چاول الگ الگ کرنے والی بات تھی۔ مگر ان کی لگن اور مستقل مزاجی نے آخر فتح پائی۔ اور بعد میں ہمارے بھائی جان مسٹر ممتاز احمد فاروقی صاحب کی مدد و اصلاح سے یہ کتاب "مجاہد کبیر" کے نام سے شائع ہو کر احمدیت کی تاریخ میں ایک شاندار اضافہ کا باعث بنی۔ اس کے بعد بھی قرآن کریم کی طباعت میں حصہ لینا۔ ورق در ورق اسکو کاغذوں پر چسپاں کر کے نگاہ اصلاح ڈالنا بہت دشوار کام تھا مگر یہ چپ چاپ اپنے اس شغل میں لگے رہتے تھے۔

چونکہ اب ملازمت بھی مستقل ریلوے ہیڈ کوارٹر لاہور کی تھی۔ اس لئے انجمن کا بہت سا تحریری کام، خط و کتابت کے علاوہ مختلف کمیٹیوں کی ممبری بھی ان کے کندھوں پر آ پڑی۔ یہ دل و جان سے سارا بوجھ اپنے سر لیتے گئے۔ روز شام کو دارالسلام پہنچنا معمول بن گیا۔ علاوہ اس معمول کے ان کا ایک لگا بندھا طریقہ روزانہ اپنی ماں کی خدمت میں حاضری دینا تھا۔ سال کے بارہ مہینے گرمی و سردی۔ جلتی دھوپ ہو یا کپکپاتی سردی۔ آندھی ہو یا پانی ہر سہ پہر کو محمد احمد ماں کے پاس بیٹھے ملتے تھے۔ برس ہا برس کے بعد جب کتاب زندگی کا یہ باب ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا تو صرف دارالسلام کی کشش رہ گئی۔

اب ان کی عمر سخت دماغی۔ علم اور لیاقت۔ سب اپنے عروج پر پہنچ گئے تھے۔ لیکن وقت کے پیمانے گھٹ رہے تھے۔

انجمن کا دسمبر ۱۹۷۹ء کا وہ جلسہ اب تک میری نگاہوں میں پھر رہا ہے۔ جب محمد احمد نے پلیٹ فارم پر آ کر اپنی تقریر "میں وہی ہوں جو اصلاح خلق کے لئے وقت پر بھیجا گیا" شروع کی۔

خدایا! وہ کم گو خاموش سا انسان کس روانی سے بے تکان بول رہا تھا اور اپنی بات کی تائید میں تیرہ چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ سے کیسے کیسے ثبوت کیا کیا حوالے اور مستند تحریریں کس تیزی سے یکے بعد دیگرے پیش کر رہا تھا۔ سننے والے مدہوش بیٹھے تھے۔ کچھ محویت کچھ حیرت کہ یہ محمد علی کا لال کس گودڑ میں چھپا ہوا تھا۔ تقریر ختم ہو گئی مگر سننے والوں کا دل نہ بھرا۔ بعد میں میں نے محمد احمد کو کہا کہ یہ تقریر اردو اور انگریزی میں چھپوا کر دنیا میں پھیلانے کے لائق ہے۔ یہ بھلا دینے والی چیز نہیں۔ بہت کچھ سوچا تھا مگر وقت کا پیمانہ تیزی سے گھٹ رہا تھا۔

اب ان کی پینشن کا زمانہ آ گیا۔ اور ساتھ ہی ان کے عظیم الشان ارادوں اور تجویزوں کی بنیاد پڑنے لگی۔ دنیا نے ایک بار پھر ان کو گھیرنے اور اپنے میں لپیٹنے کا جال پھینکا۔ بڑے بڑے عہدوں اور بیش بہا تنخواہوں کے پیش کش ہوئی۔ مگر ٹھکرا دی گئی۔ اپنی زندگی اللہ کے لئے وقف کر دینے کا جذبہ سب پر غالب آ گیا۔

جلدی جلدی دنیا کی چند اینٹوں یعنی حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی واحد کوٹھی کو فروخت کر کے بہن بھائیوں، عزیز و اقارب کے حق ادا کئے۔ یہاں تک کہ والدین کے پرانے نمک خوار موٹر ڈرائیور کو سب بھائی بہنوں کی رضامندی سے وہیں ایک قطعہ زمین دے کر اور مکان بنوا کر اس کا نصیبہ بھلا کر دیا۔ اور قرآن شریف کی مستقل طباعت اور اشاعت کے لئے سب کی صلاح و امداد سے ایک بنیاد رکھنے کا عزم کیا مگر افسوس۔ جام حیات لبریز ہو رہا تھا۔ پیمانۂ وقت کا بالائی حصہ اب تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ اور ان کی آخری بیماری بلائے ناگہاں کی طرح نمودار ہوئی! اور یہ بیماری علاج کی تلاش میں ان کو ہمارے پاس انگلینڈ لے آئی۔

انگلینڈ آ کر علاج تو خیر جو ہوا سو ہوا۔ مگر وہاں کی احمدیہ یو۔کے۔ جماعت کا غم کھانے لگے۔ اس جماعت کے الجھاؤ سلجھانے بیٹھ گئے۔ ہمارے کاموں اور تقریبوں میں نہ صرف حصہ لینے لگے بلکہ ان کی روح رواں بن گئے۔ میرے وہاں کے مضامین "ہالینڈ جماعت لندن میں" اور "ہماری عیدیں" میں آپ نے انکا ذکر اور ان کے کام کا مختصر حال پڑھا ہو گا مگر یہ حال احوال تولنے میں رتی برابر بھی نہیں۔ اپنی بیماری کو پس پشت ڈال کر۔ دکھ کو بھول کر کس طرح وہ لمبے لمبے سفر، موسم کی سختیاں سہہ کر جماعت کی میٹنگوں میں شامل ہونے اور اپنے قیمتی مشورہ کے علاوہ دامے۔ درمے سخنے سے ساتھ دیتے تھے۔ اسکو بیان کرنے کو وقت اور ورق در ورق درکار ہیں۔

اس اثناء میں علاج کا ایک کورس ختم ہونے پر ان کے مرض میں افاقہ ہو گیا اور وہ دو ہفتے کے لئے امریکہ اپنے بیٹے کے پاس چلے گئے۔ مگر وہاں سے واپسی پر تکلیف پہلے سے بھی زیادہ شدت سے عود کر آئی۔ اسی فکر و پریشانی میں عید الضحیٰ آ گئی۔ ہماری چیئرمین مسز جمیلہ خان نے مجھے فون کیا کہ خطبہ اور نماز عید پڑھانے کے لئے دل تو چاہتا ہے کہ مسٹر محمد احمد سے درخواست کریں لیکن انکی حالت دیکھتے ہوئے ہمت نہیں پڑتی مگر جب یہ بات خود محمد احمد کو پہنچی تو وہ خود خوشی سے تیار ہو گئے۔ خطبہ عید تو خیر ہر طرح قابل تعریف تھا مگر اس کو ختم کر کے جب سورۃ العصر پڑھ کر سب سے مخاطب ہوئے تو کہا:۔

"حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ایک دوسرے سے رخصت کے وقت یہ سورت پڑھتے تھے کہ والعصر۔ ان الانسان لفی خسراً۔ یعنی وقت گواہ ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے۔ شاید یہ میری آخری تقریر آپ سب کے سامنے ہو اس لئے میں بھی یہ سورت پڑھ کر رخصت چاہتا ہوں۔" یہ سن کر میری طرح سامعین میں بہتوں کے دل بھر آئے ہوں گے لیکن یہ پتہ نہ تھا کہ سچ مچ ان کا وقت آ گیا ہے اور ہم گھاٹے میں رہ جائیں گے۔

ایک شام ہم سب ڈاکٹر پاشا کے ڈرائنگ روم میں اکٹھے بیٹھے تھے۔ بات دعا اور اس کی قبولیت پر چل پڑی۔ تو میرے بیٹے راس محمود کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ ایک دعا ایسی ہے کہ وہ ضرور قبول ہونی ہے۔ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ سے قرب کی دعا۔ خدا کا وعدہ ہے کہ وہ میں ضرور سنوں گا۔ اور ساتھ ہی یہ آیت پڑھی کہ:۔

واذا سالك عبادی عنی فانی قریبٌ ط اجیب دعوۃ الداعِ
اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون ٥

ترجمہ:۔ جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو بے شک میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے

والے کی دعا کو جب وہ مجھے پکارتا ہے قبول کرتا ہوں پس چاہیئے کہ میری فرمانبرداری کریں۔ اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ ہدایت پائیں۔ اس وقت یہ گمان نہ تھا کہ محمد احمد کی مانگی ہوئی دعا عملی صورت میں قبول ہونے والی ہے۔

اب ان کا مستقل قیام ڈارٹ فورڈ (DART FORD) میں ڈاکٹر پاشا کے ہاں تھا۔ ماہِ نومبر کی ایک شام جب اُن کی تکلیف اور علاج کا ردِ عمل زور پر تھا وہ ایک دن گزارنے میرے پاس آئے ہوئے تھے۔ اتفاقاً مجھے بھی کسی وجہ سے اُن دنوں بے خوابی کی تکلیف ہو گئی تھی میرا حال سن کر کہنے لگے کہ "خالہ نہ آپ یہاں سوتی ہیں نہ میں وہاں سو سکتا ہوں۔ بہتر ہے کہ ہم اپنی اپنی جگہ دعائیں مانگنے میں رات گزار دیا کریں۔ اب یہی ایک طریقہ تسکین و راحت کا رہ گیا ہے۔"

یہاں دعاؤں کا ذکر آ گیا تو یہ بھی عرض کر دوں کہ محمد احمد کی بیماری میں شروع سے لے کر آخر تک جس قدر دعائیں ان کی صحت و زندگی کے لئے مانگی گئیں ان کی مثال ملنی مشکل ہے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی اولاد سے بڑھ کر اپنا اشاعتِ اسلام اور قرآن کا مشن اور اس کام کو کرنے والی اپنی جماعت پیاری تھی، اور وہ اسی جماعت کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد و نصرت کی دعائیں مانگتے۔ اسی کے غم میں نالہ و گریہ فرماتے اپنے مولا سے جا ملے۔ اُن کے بعد ہم جیسے بھی تھے مگر ان کے اس بچہ کی جگہ اپنی اولاد کی طرح ان کی اس جماعت کے دلوں میں تھی۔ اور اس کی بیماری میں دور و نزدیک، گہنہ گار و نیک، بزرگ و خورد سب نے رو رو کر محمد احمد کی صحت اور زندگی اللہ سے مانگی۔ صرف اس لئے نہیں کہ وہ حضرت امیر مرحوم کے بیٹے تھے۔ بلکہ اس لئے کہ ہماری ساری جماعت کو ہماری قوم کو اپنے مشکلات کے اندھیروں میں افق پر اس ابھرتے ہوئے چمکدار ستارے کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ اُمید کی یہ پھوٹتی ہوئی نئی کرن اداس دلوں میں زندگی کے ولولے پیدا کر رہی تھی طوفانِ بے کسی اور بے بضاعتی کی موجوں اور تھپیڑوں میں قوم کو نزدیک آتا یہ ساحل نظر آ رہا تھا مگر یہ بات یوں مقدر نہ تھی۔

فنا کے افق سے دور یہ روشن ستارا تو بقا کے افق پر نمودار ہونے والا تھا۔ دریائے سرمدی کے پار ساحل پر پہلے سے پہنچے ہوئے صلحا و شہدا، مومنوں اور مجاہدوں کا گروہ بھی اس جانباز کے استقبال کے لئے منتظر تھا سو دعاؤں کے باوجود اس دور جانے والے مسافر کا وقت گھٹتا رہا۔

ان کا دوسرا علاج ڈاکٹروں نے بذریعہ انجکشن تجویز کیا۔ اور شروع میں فائدہ نہ ہوا تو دوا کی مقدار دوگنی کرنی پڑی۔ ان انجکشنوں کا ردِ عمل نہایت تکلیف دہ تھا۔ ان کی بھوک۔ قوتِ ہاضمہ زندگی کی اُمنگ سب ختم ہو گئے۔ کھانسی اور گلے کی خرابی مرض کے علاوہ جو بھی شکایت ہوئی وہ لاعلاج ہو کر رہ گئی۔

اب ماہِ اکتوبر شروع ہو چکا تھا اور انگلستان کا مختصر موسمِ گرما گزر کر خزاں اور جلد ہی جاڑے کی شدت شروع ہو گئی۔ طوفانِ باد و باراں کے ساتھ تاریکی اور اندھیروں کا دور دورہ آ گیا۔ ایک مجبور اور ناتواں مریض کے لئے یہ بہت ہی اداس اور ناقابلِ برداشت موسم گزارنا دشوار ہو گیا۔ خدا را سنئے کہ اس مریضِ زار و نزار نے اس مشکل کا حل کیا نکالا۔ وہ یہ کہ حضرت امیر مرحوم کی مشہور کتاب ریلیجن آف اسلام کے ایک پرانے ایڈیشن کی کاپی کی فرمائش کی۔ ہم سب نے اپنی اپنی کاپیاں پیش کیں مگر وہ اُن کے مطلب کی نہ نکلیں۔ آخر ڈاکٹر پاشا کی پرانی کاپی پسند آ گئی۔ اور ان سے اس وعدہ پر لی کہ میں ان شاء اللہ نئی منگوا کر یہ دے دوں گا۔ اپنے مختصر بیڈ روم کا ایک پلنگ نکلوا کر جگہ بنائی۔ وہاں ایک میز کرسی لگائی اور کہا کہ اب مجھے شام گزارنی مشکل نہ ہو گی میں اس کتاب پر نظرِ ثانی کروں گا۔ ایک ایک ورق نکال کر جدا جدا کاغذ پر چسپاں کر کے عبارت میں ضروری کمی بیشی ہوتی تھی۔ قرآن کریم کی تصحیح کا کام بھی دقیق و مشکل ساتھ ساتھ چلتا تھا۔

پاکستان کی خبروں سے پتہ چلا کہ انجمن کے جلسہ سالانہ کی آمد آمد اور تیاریاں ہیں کس حسرت سے کہتے تھے کہ میری تمام زندگی میں صرف دو جلسے ناغہ ہوئے۔ جبکہ میں مشرقی پاکستان میں تعینات تھا۔

اب ان کے علاج کا دوسرا کورس قریب الختم تھا اور اس سے فائدہ نظر آ رہا تھا۔

میں نے جو جلسہ میں آ کر شامل ہونے کا ارادہ کیا تو اس سے اُن کی بے چینی اور بڑھ گئی۔ بار بار کہتے تھے کہ "خالہ دعا کریں میرا علاج کا کورس ختم ہونے پر مجھے ایک بار پاکستان جانے کی مہلت اللہ دے دے۔ میں وہاں کی ضروری اور اہم کام جلدی میں ادھورے چھوڑ آیا ہوں"۔ اب ان کا تکیہ کلام یہی تھا کہ "اگر مجھے اللہ نے مہلت دی"۔ یہ مہلت یوں عطا ہوئی کہ علاج کا کورس ختم ہونے پر ایک ماہ گزرنے کا انتظار تھا اور ان کو پاکستان آنے کی اجازت مل گئی۔

۲۹ دسمبر ۱۹۸۰ء کو کس امید اور خوشی سے یہ چند روز کا مسافر لاہور میں وارد ہوا۔ دوسرے دن ہم سب عزیز اُن سے ملنے گئے تو اُن کی صحت اور اُن کا چہرہ سب اچھے نظر آ رہے تھے۔ وطن آنے اور سب سے ملنے کی خوشی ہر ادا سے صاف عیاں تھی۔ ہم لوگ محتاط تھے کہ وہ زیادہ تھک نہ جائیں مگر وہ جلدی جلدی اپنے کام اور معاملات سر انجام دینے میں مصروف رہے۔ پلک جھپکتے سترہ جنوری ان کی لاہور سے روانگی کا دن آ پہنچا۔ وقتِ رخصت خدا حافظ کہنے والوں نے محسوس کیا کہ آخری ہفتے میں اُن کی صحت اچانک بہت گر گئی تھی۔ اور کمزوری و نقاہت کا غلبہ ہو گیا تھا۔ مگر نئے علاج کی بائیس تاریخ آ رہی تھی اس فرمان پر کہ علاج کے لئے سعی کرو وہ روانہ ہو گئے۔ ایئرپورٹ پر بظاہر یہ کمزور و نحیف انسان بدقت تمام ہوائی جہاز کی سیڑھیاں اکیلا چڑھ رہا تھا مگر روحانی طور پر اللہ کا یہ بہادر مجاہد تن تنہا اپنے مولا سے قرب کے لئے صدق و صفا اور محبت و وفا کا آخری زینہ طے کر رہا تھا۔ دونوں زینے ختم ہوئے۔ ہوائی جہاز کا دروازہ آخری بار بند ہو گیا۔ جہاز اپنی پانچ ہزار میل دور کی اڑان پر روانہ ہو گیا اور سرزمین پاکستان محرومی کے اندھیرے میں ڈوب گئی۔

دیارِ مغرب اپنے آغوشِ شوق کو وا کئے منتظر تھا مگر راہی کی منزل یہ تو نہ تھی۔ اس نے تو دور آسمانی منزلوں کی بلندی کی طرف جانا تھا۔ چنانچہ لندن پہنچتے ہی حالت خراب ہو گئی۔ اور باوجود ہسپتال میں داخل کروا دینے کے سنبھل نہ سکی۔ ۲۳ جنوری ۱۹۸۱ء جمعہ کے دن وہاں عین وقت نماز پر اور پاکستان کے وقت میں بھی بعد نماز جب ان کے بے قرار چاہنے والے ان کی مضطرب حالت پر بچشمِ نم ان کے لئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ ان کی روح فرشتوں کی معیت میں اس جسدِ خاکی کو چھوڑ کر اعلیٰ علیین کی بلندیوں کی طرف اپنے ربّ کے بلاوے پر پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ محمد احمد کی قربِ الٰہی کی دعا قبول ہو چکی تھی۔

محمد احمد میرے بیٹے! اچھا ہی ہوا کہ جانے سے پہلے تم مجھے راہِ زندگی کے چوراہے پر آ ملے اور آئے بھی کیسے جس طرح ایک دکھی بچہ لپک کر ماں کا دامن تھام لیتا ہے تمہاری اس ادا نے میرے دل میں ممتا کے تاروں کو چھو لیا۔ اور جیسے ایک ماں اپنے بچے کی سچی اور صحیح فطرت اور طبیعت کو جانتی اور سمجھتی ہے اسی طرح میں نے تمہاری فطرت اور تمہاری روح کو بے نقاب اس کی اصلی صورت میں دیکھا کہ کیسی حسین روح تھی جو تمہیں اللہ کی طرف سے عطا ہوئی تھی۔ یہ کیسی پاک اور معصوم فطرت تھی جو تمہاری سرشت بنی۔ عمر کی رفتار اور زندگی کے برسوں نے اس پر ذرا بھی داغ نہ آنے دیا۔ تمہاری مختصر ردائے حیات کیسی اجلی اور چمکدار ہے۔ اس پر کوئی دھبہ یا کسی گناہ کا شائبہ و سایہ تک نہیں۔ آج جب ہماری جماعت کے فنا سے بقا کی طرف جانے والے بہادروں کی صف میں تم بھی شامل ہو گئے ہو تو میرا تصور فرشتوں کو تمہارا منور نامۂ عمل اٹھا کر بارگاہِ ایزدی

(بقیہ صفحہ ۱۵ کالم ۲)

از قلم :- ناصرہ ملک، لاہور

خدا حافظ میرے پیارے بھائی

مئی سنہ ۱۹۸۰ء کا آخری جمعہ تھا۔ خطبہ جمعہ کے بعد میرے ماموں جان محترم نصیر احمد فاروقی نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھوائے۔ اُن کے الفاظ کچھ اس طرح تھے۔

”سال ہا سال سے ایک چہرہ آپ یہاں (محراب کے سامنے) بیٹھا ہوا دیکھتے تھے جس میں حضرت امیر مرحوم کی جھلک نظر آتی تھی۔ ہمارے عزیز بھائی محمد احمد بیمار ہو کر آج لنڈن کے لئے روانہ ہو گئے ہیں۔ آیئے ہم اپنے اس جوان بھائی کے لئے دردِ دل سے دعا کریں جس کے ساتھ ہماری بہت سی امیدیں وابستہ ہیں اور جو ہماری جماعت کا ایک قیمتی وجود ہے“۔۔۔

میرے ماموں جان کے الفاظ کتنے صحیح تھے۔ ہم سب کو محمد احمد میں اپنے اباجی کی جھلک نظر آتی تھی۔ وہی پاکیزہ زندگی۔ رہن سہن میں وہی سادگی اور سب سے بڑھ کر دل میں دین کی خدمت کا وہی جذبہ اور قرآن کو دُنیا میں پہنچانے کی تڑپ۔

اسوقت مجھے اس کے بچپن کا زمانہ یاد آ رہا ہے۔ جو ہم سب نے ایک ہی گود اور ایک ہی ماحول میں گزارا۔ وہ پانچ بہنوں کے بعد پیدا ہوا۔ اور سب کو بے حد پیارا تھا۔ سب ہی اس پر جان چھڑکتے تھے۔ بچے جب زیادہ توجہ کا مرکز بن جائیں تو بگڑ جاتے ہیں۔ لیکن محمد احمد نہایت ہی سلجھی ہوئی طبیعت کا بچہ تھا۔ وہ بچپن سے ہی بے حد ذہین تھا۔ امّاں جی کا کہنا ہے کہ وہ ایک برس کی عمر میں فقروں میں باتیں کرتا تھا۔ اور جب دو برس کا تھا تو اسے کئی چھوٹی چھوٹی نظمیں اور نعتیں یاد ہو گئی تھیں۔ وہ اپنی بھولی بھالی آواز میں انہیں گا کر سناتا تھا۔ اس کی محبوب نعت کے الفاظ اب بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں :- ؎

نبی جی صورتیا دکھانی پڑے گی۔
یہ نیّا کنارے لگانی پڑے گی۔

چار برس کا تھا تو اباجی نے اُسے کوئین میری کالج میں داخل کروا دیا۔ چونکہ اس کی سب بہنیں وہاں پڑھنے جایا کرتی تھیں اور پانچویں جماعت تک وہاں لڑکوں کی تعلیم کا بھی انتظام تھا۔ اس لئے وہ بھی وہیں جانے لگا۔ سب استاد اس کی ذہانت اور سعید فطرت طبیعت کی تعریف کرتے تھے اور جب سالانہ امتحانات کے بعد سکول میں تقسیم انعامات کا جلسہ ہوا کرتا تھا تو محمد احمد چار پانچ انعامات اٹھائے ہوئے گھر آتا تھا اور اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا ہوتا تھا۔

پانچ برس کی عُمر میں اس نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ اور سات سال کی عمر میں اس نے قرآن ختم کر لیا۔ احمدیہ بلڈنگس کی مسجد میں نمازِ عصر کے بعد ایک سادہ سی تقریب میں اس کی آمین ہوئی :-

کوئین میری کالج میں پانچ جماعتیں پاس کر لینے کے بعد وہ مسلم ہائی سکول لاہور میں چلا گیا۔ اور یہاں بھی محنت اور لگن سے اپنی پڑھائی میں مصروف رہا۔ اس کی طبیعت میں شرم اور حیا بہت تھی۔ ہماری اماں جی اکثر کہا کرتی تھیں کہ اس کی بہت سی بہنیں ہیں اس لئے اس کی عادت اس طرح ہے۔ لیکن نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اس کی طبیعت ہی اس طرح بنائی تھی۔ احمدیہ بلڈنگس میں ہمارا چھوٹا سا مکان تھا اور وہیں ہم سب کا بچپن گزرا۔ محمد احمد کی عادت زیادہ گھر سے باہر جانے کی نہ تھی۔ گھر سے باہر اس کا زیادہ ملنا جلنا اپنے خالہ زاد بھائیوں یا قریبی عزیزوں کے لڑکوں سے تھا۔

محمد احمد نے سب امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کئے۔ ایم۔ اے انگریزی کے بعد اس نے مقابلے کے امتحان میں بیٹھنا تھا لیکن اس کی عمر ایک سال کم تھی۔ اس نے وہ سال ضائع نہ کیا۔ بلکہ عربی میں بھی ایم۔ اے کر لیا۔ دونوں امتحان اس نے فرسٹ ڈویژن میں نہایت اعلےٰ نمبروں پر پاس کئے۔ مقابلے کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ ریلوے میں ملازم ہو گیا۔ اور اپنی ٹریننگ کے سلسلے میں اسے بمبئی جانا پڑا۔ وہاں وہ اپنے ماموں جان نصیر احمد فاروقی صاحب کے پاس رہا۔ ان کا کہنا ہے کہ ضرورت کے علاوہ وہ کبھی کوئی بات نہ کرتا تھا۔ شام کے وقت کام سے واپس آ کر وہ اکثر فاروقی صاحب سے قرآن شریف کا درس لیا کرتا تھا۔ اسے اپنے میزبان کے آرام کا بے حد خیال تھا۔ اور اس نے انہیں کے اوقات اور طور طریقوں پر اپنے آپ کو ڈھال لیا تھا۔ بیگم فاروقی کا کہنا ہے کہ محسوس ہی نہ ہوتا تھا کہ گھر میں کوئی اور ٹھہرا ہوا ہے۔

پاکستان بن جانے کے بعد محمد احمد زیادہ لاہور ہی میں رہا۔ اور یہی وہ وقت ہے جب اس نے انجمن کے کاموں میں حصہ لینا شروع کیا۔ اباجی کی وفات کے بعد وہ مجلس معتمدین کا ممبر چنا گیا اور اسے اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس ہو گیا۔ اور وہ انجمن کے کاموں میں بھرپور حصّہ لینے لگا۔ قرآن کا فہم اسے اپنے اباجی سے ورثہ میں ملا۔ وہ کبھی درسِ قرآن کا ناغہ نہ کرتا تھا۔ اور فرصت کے وقت بیٹھ کر باقاعدگی سے قرآن کا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ اور پھر اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس نے انگریزی ترجمہ قرآن کو REVISS کیا۔ جب ممتاز احمد فاروقی مرحوم نے مجاہد کبیر کے لئے محمد احمد سے درخواست کی کہ وہ اس کام میں حصہ لیں خصوصاً کتابوں رسالوں اور اخبارات سے مواد اکٹھا کریں تو اس نے بخوشی یہ کام اپنے سر لیا اور محنت، لگن اور تندہی سے اس کام کو کیا۔ اور اس طرح تالیف میں ان کے ساتھ برابر کا شریک ہو گیا۔ بلکہ ایک لحاظ سے اس کتاب میں زیادہ حصہ محمد احمد کا ہے۔ کیونکہ مواد کا اکٹھا کرنا اس کے ترتیب دینے سے بہت زیادہ محنت طلب کام ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ انجمن کے کاموں میں زیادہ حصہ لینے لگا اور دینی کاموں میں بہت زیادہ مصروف ہو گیا مگر اس کے باوجود اس نے اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو کبھی نظر انداز نہ کیا۔ ماں کی خدمت کی تو اس طرح کہ دنیا کے لئے ایک مثال قائم کر دی۔ روزانہ شام کو دفتر سے کام کے بعد وہ اماں جی کے پاس ضرور آتا۔ اور اسقدر باقاعدگی سے آتا کہ اس نے بارش طوفان۔ گرمی سردی۔ کسی کی پرواہ نہ کی۔ طبیعت خراب ہونے پر بھی کبھی ناغہ نہ کیا۔ کئی مرتبہ جب مجلس معتمدین کا اجلاس لمبا چلتا یا کوئی اور میٹنگ ہوتی تو اماں جی کو یہی خیال گزرتا کہ اب وہ تھکا ہارا ضرور گھر جائے گا۔ لیکن نہیں ذرہ سی دیر میں دروازہ کھلتا اور محمد احمد حاضر ہو جاتا۔ تھکن کی وجہ سے سر میں درد ہو جاتا تو چائے منگوا کر اسپرین کھا لیتا۔ اور کچھ دیر اماں جی کے ساتھ گزارتا۔ اماں جی کے گھر کا حساب کتاب سب اس کے پاس تھا۔ ان کی ہر ضرورت وہ پوری کرتا۔ اور کسی چیز میں کمی نہ آنے دیتا۔ جب جنرک ناموں کی وجہ سے دوائیوں میں گڑبڑ شروع ہوئی تو اس نے فوراً ہی اماں جی کی تمام دوائیاں کافی مقدار میں خرید کر رکھ لیں۔ تاکہ وقت پڑے انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ بلکہ ایک دفعہ مجھے بھی ایک ایسی دوائی کی ضرورت پڑی جو اماں جی کے استعمال میں تھی مگر مجھے سارا بازار ڈھونڈھنے پر نہ ملی۔ اور میں اس وجہ سے بہت پریشان تھی کہ کہیں میری تکلیف زیادہ نہ بڑھ جائے۔ جب محمد احمد کو اس کا علم ہوا تو اس نے فوراً ایک بوتل لا کر مجھے

دے دی۔ اور کہنے لگا میرے پاس اس دوائی کا کافی سٹاک ہے۔ آپ اسے استعمال کریں اور اگر اور ضرورت ہوئی تو میں کراچی سے منگوا دوں گا۔ اسے اماں جی کے گھر کے ملازمین کا بھی بے حد خیال تھا وہ ان کی تکلیفیں، ان کی سب ضروریات پوری کرتا تھا کبھی کسی سے اونچا نہ بولتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ آج سب ملازمین رو رو کر محمد احمد کی خوبیوں کو یاد کر رہے ہیں۔

۱۹۷۱ء میں جب میرے چھوٹے بہنوئی احسان الحق دو سال تک ہندوستان میں جنگی قیدی بن کر رہے تو محمد احمد نے ان کے بچوں کے سر پر اس طرح ہاتھ رکھا کہ باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ دین کی خدمت کا جذبہ محمد احمد کے اندر دن بدن بڑھ رہا تھا۔ وہ بلادِ غیر کمیٹی کا ممبر بھی تھا اور اس کا زیادہ بوجھ اس کے سر پر تھا۔ اپنے ابا جی کی طرح اس کے دل میں یہ تڑپ بڑھتی چلی جا رہی تھی کہ کسی طرح قرآن شریف کو اور دیگر اسلامی لٹریچر کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں چھپوا کر باہر بھجوایا جائے۔ اس کے لئے اس نے ایک منصوبہ بھی تیار کر لیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ انگریزی ترجمہ قرآن بلا متن بہت زیادہ تعداد میں چھپے جیسا کہ ابا جی کے وقت میں بھی ہوا تھا۔ اور وہ مفت تقسیم ہو۔ اس نے دو سال کی انتھک محنت کے بعد یہ کام تیار کر لیا تھا۔ اور ابا جی کی مختلف کتابوں سے مواد اکٹھا کر کے ایک نہایت شاندار دیباچہ تیار کیا۔ اس وقت وہ ترجمہ انجمن کے پاس ہے اور انشاء اللہ جب وہ چھپ کر منظرِ عام پر آئے گا تو سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے اس پر کس قدر محنت کی ہوئی ہے۔

خاموش طبیعت محمد احمد جب تقریریں کرنے لگا تو اس قدر جامع اور دلچسپ کہ سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس کی تقریر سنتے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ کس قدر محنت اور جانفشانی سے اس نے تیاری کی ہو گی۔ وہ تھوڑے الفاظ میں ایک وسیع مضمون کو خوبصورتی سے بیان کر دیتا تھا۔ تقریر خواہ انگریزی میں ہو یا اردو میں نہایت ہی اعلیٰ پائے کی اور پُرمعارف ہوتی تھی۔ ۱۹۷۷ء میں جب وہ امریکہ گیا تو وہاں بلالی مُسلمانوں کے اجلاس میں اس نے نہایت اعلیٰ تقریر کی جس پر ان کے قائد جناب والس محمد کو اعتراف کرنا پڑا کہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور ہی دین کی خدمت کرنے والی واحد جماعت ہے۔ اور مولانا محمد علی کا انگریزی ترجمہ قرآن سب سے بہترین ہے۔

جب محمد احمد اپنی بیماری کے دوران لندن میں زیرِ علاج تھا تو اس نے تمام وقت جماعت کے استحکام پر خرچ کیا۔ تکلیف کی حالت میں بھی وہ کام سے نہ رکا اور وہاں کی جماعت کے لئے ایک نمونہ قائم کر گیا۔ اس کے دل میں دین کی خدمت کی چنگاری سلگتی جا رہی تھی۔ لندن سے اس کے جو خطوط آتے تھے تو ان میں یہی ذکر ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کچھ مہلت دے تو دین کا اور کام ہو جائے اس کے بہت سے نیک ارادے تھے اور اسے ان کی تکمیل کی بے حد فکر تھی۔

اب جب وہ وفات سے پہلے لاہور آیا تو انہیں کاموں کا ذکر کرتا رہا۔ اس کی باتوں سے اس کے دل کی تڑپ ظاہر ہوتی تھی۔ جب ہم سب ملنے گئے تو میرے بیٹے نعمان الٰہی سے بہت دیر تک امریکہ کے مشن کی باتیں کرتا رہا۔ اور میگزین THE ISLAMIC REVIEW کے متعلق بہت سے مفید مشورے دیئے۔ اور کہا کہ دیکھو کہ سیاست میں بالکل نہ پڑنا۔ ہمارا کام صرف اشاعتِ اسلام ہے۔ اسی تک اپنے آپ کو محدود رکھنا۔ میرے دوسرے بیٹے اعزاز الٰہی سے کہنے لگا کہ ہماری کتابوں کی چھپائی کا معیار اچھا نہیں۔ اس پر خوب محنت کرو۔ اور جو معیار باہر کی کتابوں کا ہے اسی طرح ہمارا بھی ہونا چاہیئے۔ یہ معلوم کر کے بے حد خوش ہوا کہ انگریزی ترجمہ قرآن زیرِ طباعت ہے اس کی باتوں کا اب رنگ ہی کچھ اور تھا۔ ان میں ابا جی کی باتوں کی جھلک تھی۔ اور اس کے چہرے پر بھی ایک نور کی ہلکی سی جھلک تھی۔ جو ابا جی کے چہرے پر نظر آتا تھا۔ وہ اپنے اعلیٰ کردار نیک ارادوں اور خدمتِ دین کی وجہ سے چودہویں کے چاند کی طرح چمکنے لگا۔ سب کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی تھیں۔ سب کی امیدیں اس سے وابستہ تھیں لیکن مشیتِ ایزدی کچھ اور ہی تھی۔ ہمارا پیارا بھائی سب کی امیدوں کا مرکز۔ جماعت کا روحِ رواں، حضرت صاحب کی فوج کا بہادر سپاہی سب کو روتا اور تڑپتا چھوڑ کر اپنے نفسِ مطمئنہ کے ساتھ اپنے مولا کے پاس چلا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ ایک لعلِ بے بہا تھا جو ہم سے چھن گیا لیکن اپنے پیچھے ہمارے جوان بچوں کے لئے ایک قابلِ تقلید نمونہ چھوڑ گیا۔ دنیا کے کام کرتے ہوئے بھی اس نے دین کو ہمیشہ مقدم رکھا۔ وہ احمدیت پر ہمیشہ چٹان کی طرح مضبوطی سے قائم رہا۔ اس کی ترقی روک دی گئی لیکن اس نے کسی چیز کی بھی پرواہ نہ کی۔ اور ریٹائر ہونے کے بعد اس نے اپنے عظیم باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی زندگی بھی دین کے لئے وقف کر دی اور صحیح معنوں میں ان کا جانشین بن گیا۔ اس نے اپنی بیماری کے دوران کمال صبر کا نمونہ دکھایا اور ہمیشہ اپنے مولا کی رضا پر راضی رہا۔

اے میرے رب العالمین ہمارا پیارا بھائی ہمارے پاس تیری امانت تھا۔ تو نے ہی وہ گوہرِ نایاب ہمیں عطا کیا تھا۔ اور اب تو نے ہی اُسے کسی مشیت کے تحت اپنے پاس بلا لیا۔ اے غفور رحیم تو محمد احمد پر اپنی بیش بہا نعمتیں اور رحمتیں نازل فرما۔ اُسے جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ عطا فرما۔ اس کے نیک ارادوں کا اُسے اجر دے۔ اور اسے وہ اونچا اور بلند مقام عطا فرما جو تو نے اس کے ابا جی کو عطا کیا۔

ـــ: وحسن اولٰئک رفیقا :ـــ

بقیہ: ”بلانے والا ہے سب سے پیارا“ (آمدہ صفحہ ۱۱)

میں پیش کرتے دیکھ رہا ہے۔ جس پر پہلے سے ہی خوشنودیٔ ربّ کی وہ مُہر ثبت ہے جس کا ذکر خود اللہ کی کتاب میں موجود ہے:۔

”یٰاَیَّتُہَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ۝ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ۝
فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝“

ترجمہ:۔ ”اے اطمینان پانے والی جان اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے۔ سو میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔“

اے ہمارے نورِ نظر! تمہاری اس عارضی جدائی پر تمہارے چاہنے والے عزیزوں اور تمہاری دلدادہ جماعت کے دل غم سے چُور ہیں لیکن اپنی آہوں کو دبا کر اپنے شکستہ دلوں کو تھام کر ہم مشیتِ ایزدی کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے وہی دہراتے ہیں جو ہمارے چودہویں صدی کے مجدد نے اپنے جگر گوشہ کی رخصت پر فرمایا کہ:۔

بُلانے والا ہے سب سے پیارا
اُسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

⁂

بے ثباتیٔ دُنیا

اے حُبِّ جاہ والو یہ رہنے کی جا نہیں۔
اس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں
دیکھو تو جا کے اُن کے مقابر کو اک نظر
سوچو کہ اب سلف ہیں تمہارے گئے کدھر؟

ازمکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

عظیم باپ کا عظیم سپوت

میاں محمد احمد مرحوم و مغفور

چودھویں صدی کے مجدد اعظم نے جب یہ بارگاہِ الٰہی میں تمنّا کی کہ اُن کی طرف سے ایک رسالہ انگریزی میں تعلیم اسلام کے کامل حسن کو ظاہر کرنے کے لئے نکالا جائے جیسے کہ اُن کی ذیل کی عبارت سے ظاہر ہے۔ تو آپ کی نظرِ انتخاب حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی۔

"یہ امر ہمیشہ میرے لئے موجبِ غم و پریشانی تھا کہ وہ تمام سچائیاں جو مجھ پر ظاہر ہوئیں اور ہو رہی ہیں اُن سے ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں اور یورپ کے حق کے طالبوں کو اب تک کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ اور یہ درد اس قدر تھا کہ آئندہ اس کی برداشت مشکل تھی۔ ۔۔۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے جو ہماری زندگی کی غرض حاصل مقصود ہے۔ ایک تدبیر پیدا ہوئی اور وہ یہ کہ ایک رسالہ میگزین انگریزی، مقاصد مذکورہ بالا کے اظہار کے لئے نکالا جائے۔"

چنانچہ ۱۸۹۹ء میں مولانا محمد علی نے جب ایل ایل بی امتیاز سے پاس کیا اور گورداسپور میں وکالت کے لئے کوٹھی و سامان تیار کر لیا اور حضرت اقدس کی خدمت میں جاکر یہ عرض کیا کہ میں نے آپ کے قریب ہی پریکٹس کا ارادہ کیا ہے تو حضرت نے فرمایا کہ ہمارا ارادہ ایک رسالہ انگریزی میں تعلیم اسلام پر نکالنے کا ہے۔ تو فوراً مولانا صاحب نے لبیک کہا اور آپ کے قدموں میں جا بیٹھے۔ گویا جوانی کی جملہ اُمیدوں اور دنیا کی تمام رعنائیوں اور رنگینیوں کو لات مار کر مجدد وقت پر قربان کر دیا کہ حضرت کے دل کے غم و بوجھ اور درد کا کچھ مداوا ہو۔

آپ کا معاوضہ حضرت اقدس نے پہلے ۵۰ روپے اور پھر ۱۰۰ روپے ماہوار مقرر کیا مگر قربانی کی انتہا دیکھیے کہ مولانا صاحب صرف بیس روپے ماہوار لیتے رہے تاکہ ریویو کے ابتدائی اخراجات پورے ہو سکیں نوبت یہاں تک پہنچی کہ مولانا صاحب پندرہ سو روپے کے مقروض ہو گئے۔ جب حضرت اقدس کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے خود اپنے قلم سے یہ لکھا کہ اسقدر رقم مولانا صاحب کو ریویو کی آمد سے واپس کی جائے۔ اندازہ لگایا جائے کہ کس قدر اخلاص ہے کیسی قدر عظیم قربانی ہے۔! اسی لئے حضرت اقدس نے مولانا صاحب کی تعریف میں یہ الفاظ لکھے: "ہماری جماعت میں اول درجہ کے مخلصین میں مولوی محمد علی ایم اے ہیں ۔۔۔ میں اس مدت میں یعنی جب سے وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور پوشیدہ طور پر اُن کے حالات کا اُن کے اخلاق کا دین اور شرافت کی رُو سے تجسس کرتا رہا ہوں۔ سو خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری میں، شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع۔ باحیا، نیک اندرون اور پرہیزگار آدمی ہے اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے ہونہار لڑکے جو ہر صفت موصوف ہوں اور ہر طرح سے لائق اور معزز درجہ کے آدمی تلاش کرنے سے نہیں ملتے۔"

(مجموعہ اشتہارات)

حضرت مولانا صاحب کی لیاقت و قابلیت کا یہ عالم تھا کہ انگریزی رسالہ ریویو آف ریلیجنز پڑھ کر انگریزوں کو یہ گمان ہوا کہ حضرت اقدس نے اپنے گھر میں کسی انگریز کو چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ جو ان کے لئے ایسی عمدہ اور بامحاورہ انگریزی تحریر کرتا ہے چنانچہ رسالہ کلکتہ ریویو میں ایک انگریز ایڈیٹر نے یہ تحریر کیا کہ:۔

"یہ اظہر من الشمس ہے کہ اس رسالہ میں جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ ایک یورپین کے قلم سے نکلتا ہے جو انگریز ہے۔"

"مولوی محمد علی صاحب نے ایک خط خالد سنو صاحب نومسلم انگریز کا سنایا اس میں راقم نے اس امر پر تعجب کا اظہار کیا کہ میگزین کی انگریزی مولوی محمد علی کی ہوتی ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ مولوی صاحب کا ایسی عمدہ انگریزی لکھنا ایک خارق عادت امر ہے چنانچہ انگریزوں نے بھی یہ خیال کیا ہے کہ ہم نے کوئی یورپین رکھا ہوا ہے جو انگریزی رسالہ لکھتا ہے۔" (بدر جلد ۱۔ نمبر ۲ ۱۴، ۱۱/۱۹۰۲ء ڈائری)

رسالہ ریویو کا خارق عادت اثر اس بات سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کئی انگریز حاکموں نے پڑھ کر اسے بند کرنے کا کہا مبادا کہ وہ اسلام کا اعلان کرنے پر مجبور نہ ہو جائیں (تفصیل کے لئے دیکھو کتاب "مجاہد کبیر" صفحہ نمبر ۴۶)

حضرت اقدس کی چند دلی آرزوؤں کو پورا کرنے والا مجدد صد چہاردہم نے اپنی تصنیفات میں اپنی دو تین آرزوؤں کا ذکر کیا ہے:۔

۱:۔ یہ کہ بلادِ مغرب میں اسلام کی تبلیغ کے لئے قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ و تفسیر ہو۔

۲:۔ یہ کہ دین اسلام پر ایک ایسی کتاب تصنیف کی جائے جس میں وہ سب کچھ موجود ہو جو کسی غیر مسلم کے جاننے کے لئے ضروری ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔ "سو میری صلاح ہے کہ بجائے واعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے انگریزی میں ترجمہ کرا کے اُن کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہ ہوگا جیسا مجھ سے یا اس سے جو میری شاخ ہے اور اس لئے مجھ میں داخل ہے۔" (ازالہ اوہام ص ۷۷۳)

اسی طرح اپنی دوسری دلی تمنا کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم اسلام لکھوں اور مولوی محمد علی صاحب اس کا ترجمہ کریں اس کے تین حصے ہوں گے۔" پھر لکھا ہے:۔

"۱۳ فروری ۱۹۰۷ء کو مولوی محمد علی صاحب کو بلا کر فرمایا ہم چاہتے ہیں کہ یورپ و امریکہ کے لوگوں پر تبلیغ کا حق ادا کرنے کے لئے ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی جائے اور یہ آپ کا کام ہے۔"

(اخبار بدر ۲۱ فروری ۱۹۰۷ء)

انگریزی میں ترجمہ و تفسیر کے بارہ میں تو حضرت اقدس کو رؤیا میں بتلا دیا گیا تھا کہ:۔

"پھر مجھے ایک کتاب دی گئی جس کی بابت بتلایا گیا کہ یہ قرآن کی تفسیر ہے جسے علی نے تصنیف کیا ہے اور اب علی یہ تفسیر تجھے دیتا ہے۔" (براہین احمدیہ)

اس رؤیا میں پہلے پنجتن پاک آپ کو آتے دکھلائے جاتے ہیں یعنی جناب حضرت رسالتماب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حسینؓ۔ اور پھر یہ کتاب کا دیا جانا دکھلایا گیا۔

اس سے صاف صاف ظاہر ہے کہ علی کی تفسیر میں جو علوم فرقانیہ مرکوز ہونگے ان کے بارہ میں پنجتن پاک کی برکات شامل ہونگی۔

اب ہمیں واقعاتِ حقہ کو دیکھنا ہے کہ حضرت مولانا نے جو انگریزی ترجمہ و تفسیر اور کتاب ریلیجن آف اسلام لکھیں تو دنیا میں اُن کو کیسی قبولیت حاصل ہوئی؟ مولانا عبدالماجد دریابادی جو خود مترجم قرآن ہیں نے لکھا:۔

"مولانا محمد علی کے ترجمہ و تفسیر انگریزی کی افضلیت اور تبلیغی افادیت سے انکار گویا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔ اس کی بدولت ہزاروں غیر مسلم اسلام قبول کر چکے ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں اسلام کے قریب آ گئے ہیں۔"

حافظ غلام سرور صاحب بھی اپنے ترجمہ قرآن انگریزی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولانا محمد علی کے انگریزی ترجمہ قرآن و تفسیر کے مقابل کوئی دوسری تفسیر انگریزی میں نہیں ۔۔۔۔

۔۔۔ اگرچہ مولانا صاحب کی تصانیف ایک لائبریری کا درجہ رکھتی ہیں مگر جس تصنیف کے ذریعہ آپ نے

نے اپنے آپ کو زندۂ جاوید کر لیا ہے وہ یہی انگریزی کا ترجمہ و تفسیر ہی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر کوئی اور شخص اس کام کو انجام دیتا تو سات برس کے عرصہ کی بجائے جو مولانا نے اس پر صرف کئے دو گنا یا تین گنا وقت لیتا اور پھر بھی ایسی عمدہ و اعلےٰ تصنیف نہ کر سکتا ۔"

اخبار وکیل امرتسر نے لکھا ۔

"گزشتہ ازمنہ کے رُوحانی اسلامی خزائن کا نچوڑ مولانا محمد علی صاحب نے اس میں جمع کر دیا ہے بڑی خوبی یہ ہے کہ فرقی تنازعات و مباحث سے یہ کتاب مبرّا رکھی گئی ہے ۔ اور اسلام پر موجودہ زمانہ کے اعتراضوں کو نئے علمی ہتھیاروں سے رد کیا گیا ہے ۔"

میاں محمّد احمد مرحوم و مغفور

میاں محمد احمد مرحوم کی ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ آپ نے اپنے ماموں میاں ممتاز احمد فاروقی سے مل کر حضرت مولانا کی سوانح حیات "مجاہد کبیر" لکھی ۔ احباب سلسلہ پر واجب ہے کہ مولانا صاحب کی معرکۃ الآرا خدمات اسلام سے واقفیت کے لئے کتاب "مجاہد کبیر" مطالعہ فرماویں ۔

میاں صاحب مرحوم کا ارادہ تھا کہ ریٹائرمنٹ کے بعد کلیتاً اپنے آپ کو دینی خدمت کے لئے وقف کر دیں بلکہ یہ عزم کیا تھا کہ مولانا صاحب کی مُسلم ٹاؤن کی کوٹھی کی فروخت سے جو رقم حاصل ہوئی ہے وُہ بھی آپ کی تصانیف کے وسیع طور پر اشاعت کے لئے وقف کی جائے ۔

چنانچہ آپ نے ان کتب کی فروخت پر جو رائلٹی کی رقوم ورثاء کو ملتی تھی وہ بھی اسی غرض کے لئے وقف کرنے کا اعلان کیا ۔ اس طرح یہ دیرینہ وسوسہ کہ فروخت کتب کا منشاء کاروباری تجارت ہے ختم کر دیا ہے ۔ چنانچہ اس امر کا ذکر بھی ان الہامات میں آیا ہے :۔

"لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں"

"لاہور میں ہمارے پاک محبّ ہیں ۔

" وسوسہ پڑ گیا ہے پرمُنی نظیف ہے ۔ وسوسہ نہیں رہے گا مگر مٹی رہے گی ۔"

اس وسوسہ کے مٹ جانے کے بعد اب حضرت مولانا کی کتب کا وسیع پیمانہ پر شائع ہونے کے سامان پیدا ہو گئے ہیں ۔

میاں صاحب مرحوم دورانِ ملازمت بھی حضرت مولانا کی تصانیف کے نئے نظر ثانی ایڈیشن کی تیاری میں معروف رہتے تھے چنانچہ کتاب " دی ریلیجن آف اسلام " آخری مرتبہ جس صورت میں شائع ہوئی وہ میاں صاحب موصوف کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے ۔ آپ نے بلا متن انگریزی ایڈیشن ترجمۃ القرآن کا مسودہ بھی اپنی وفات سے قبل تیار کر لیا ہوا تھا ۔ اور وفات سے قبل نہ صرف یہ مسودہ انجمن کو دے گئے ہیں بلکہ اس کی طبع کے لئے رقم کا انتظام بھی فرما گئے ہیں ۔

حضرت امیر مرحوم کی بیش قیمت کتب لائبریری میں بھی انجمن کو عطیہ دے گئے ۔ غرض اس طرح نہ صرف اپنی زندگی میں اشاعت و تالیف کتب کے کام میں ہمہ تن مشغول رہے بلکہ وفات کے بعد بھی ان کتب کے طبع و اشاعت کے صدقہ جاریہ کے کام کا مکمل انتظام کر گئے ۔ اللہ تعالےٰ میاں صاحب مرحوم کی رُوح پر اپنی بے شمار برکات اور رحمتیں نازل فرمائے ۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۹۲۰ء میں میاں صاحب کی پیدائش سے قبل حضرت امیر مرحوم کو الہاماً یہ بتلایا گیا تھا کہ :۔

"محمّد احمد آ گیا ۔"

⁂

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

"اور جو تمہیں السّلام علیکم کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ۔"

⁂

تقوٰی شعارے بود و رفت

از :ـــ نورالدّین زاہد ـــ (سرینگر)

حسرتا زیبِ چمن، جانِ بہارے بود و رفت
درمیانِ عندلیباں گل عذارے بود و رفت

نورِ چشمِ مرشدِ آفاق، مولائے زمان
یعنی مولانا علیؒ را جان پارے بود و رفت

قرّۃ العینِ بشارت، راحتِ قلبِ سعید
مونسِ فاروق آں والا تبارے بود و رفت

گر میانِ بزمِ دانش ہمچو کوکب ضوفشاں
درمیانِ عرصۂ دیں شہسوارے بود و رفت

در جوانی توبہ کردن شیوۂ اہلِ صفا
زبدۂ اہلِ صفا تقوٰی شعارے بود و رفت

میچکد از دیدہ ہائے اہلِ دیں خونِ جگر
کز امیرِ قوم احمد یادگارے بود و رفت

درمیانِ انجمن کو بود شمعِ انجمن
حسرتا آں نازشِ لیل و نہارے بود و رفت

بہرہ ور از خوانِ نعمائے امیرِ نامدار
بہرِ فیضِ احمدی یک کاسہ دارے بود و رفت

زاہدِ کشمیر شُد غرقِ تاسّف در غمش
مرجاناں را ہمیں بس اعتبارے بود و رفت

* * *

۱۴۰۱ھ
مقصدش خیر عاقبت بودہ + ہم روشش صدق و اتقا رفتہ

⁂

مکرم محمد انور صاحب ایم۔ اے

اِک شخصیّت ——— جو اُٹھ گئی

اِنّا للہ وانا الیہ راجعون

یہ ہفتہ کی گمبھیر صبح اور ۲۴ جنوری ۱۹۸۱ء کا نہایت صبر آزما دن تھا۔ ہم صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تھے اور میری طرف سے دُعا کی درخواست پر خاموشی تھی۔ ایک معنی خیز خاموشی میں نے اس درخواست کے بعد سر جُھکا لیا تھا۔ کچھ دیر ہو چکی تھی۔ دُعا کے لئے ہاتھ نہیں اُٹھ رہے تھے۔ ایک خیال زناٹے سے میرے ذہن میں کوند گیا۔ اللہ خیر کرے لیکن میں نے فوراً ہی اس خیال کو ذہن سے نکال دیا۔ مگر جذبات کو ایک ٹھیس سی لگی۔ میری درخواست پر دعا کیوں نہیں کی جا رہی تھی۔ کیا مجھے دُعا کے لئے نہیں کہنا چاہئیے تھا۔ کیا دعا کا وقت گزر گیا تھا۔ مجھے عجیب سا احساس ہونے لگا۔ قدرے ندامت بھی محسوس ہوئی میں اِسی کشمکش میں تھا کہ مسجد میں چھایا ہوا سکوت جن الفاظ سے ٹوٹا اُنہوں نے قلب کو رُوح کو ہلا کر رکھ دیا۔

یہ الفاظ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے تھے۔ جن میں اُس قلبی درد و رنج کا ایک طوفان تھا جو تسلیم و رضا کی عظمت کا مظہر ہو سکتا ہے۔ آپ نے نہایت درد بھرے اور رقت آمیز لہجے میں فرمایا۔ محمد احمد کو اب دُعاؤں کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ اب ان سے بے نیاز ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنے پاس بلا لیا ہے۔۔۔۔ یہ الفاظ ہم پر بجلی کی طرح گرے۔ سکتہ سا چھا گیا۔ بعض زبانیں حیرت و استعجاب سے گنگ ہو گئیں اور بعض سے بے ساختہ آہ نکلی ؛

دعاؤں کا کئی ماہ سے مسلسل سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ جمعۃ المبارک کی دُعا آخری کا اجتماعی دُعا ثابت ہوئی تھی اور تقریباً وقت کی اسی مناسبت سے وہ اس مبارک روز صبح لندن میں خالقِ حقیقی سے مل رہے تھے کہتے ہیں پیش آمدہ واقعات قبل از وقت اپنا سایہ ڈال دیتے ہیں۔ یہی کیفیت کچھ میری بھی تھی۔ جمعۃ المبارک کے دن بھی اور ہفتہ کی رات بھی بار بار اُن کا خیال تھا کہ اُمڈ اُمڈ کر آتا تھا۔ بے چینی تھی کہ بڑھتی چلی جاتی تھی۔ اور یہ اسی صورتِ حال کا نتیجہ تھا۔ کہ میں نے اس دن یعنی ہفتہ کی صبح سے لے کر مزید ہفتہ دس دن تک مسلسل اُن کی صحت یابی کے لئے درد دِل سے باجماعت دُعا کی درخواست کا فیصلہ کر لیا تھا۔

محترم میاں محمد احمد صاحب اب ہم میں نہیں تھے۔ تقدیر مبرم تھی۔ یہ تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔ دل پر اب کوئی اختیار نہ تھا۔ جو اپنا درد آنکھوں کی راہ اک سیلِ رواں کی طرح باہر نکل رہا تھا۔ آہیں اور سسکیاں دبائے نہیں دبتی تھیں۔

وہ ایک ہفتہ پہلے پاکستان میں تین ہفتہ قیام کے بعد اپنا علاج جاری رکھنے واپس لندن تشریف لے گئے تھے۔ یہ مختصر سا قیام ان کے علاج کا اگلا مرحلہ شروع ہونے سے قبل کا وقفہ تھا۔ جب وہ اس قیام کے لئے پاکستان تشریف لائے تھے تو حسنِ اتفاق سے میں بھی ائرپورٹ پر تھا۔ ان کے ہونٹوں پر بہت ہی دلکش مسکراہٹ تھی۔ بظاہر وہ کافی اچھے اور صحت مند نظر آ رہے تھے۔ ایک گونا اطمینان ہو چلا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخش دیا ہے۔ اور اب وہ ان شاء اللہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔

جامع مسجد دار السلام میں جمعۃ المبارک کے دن ان کو اپنے اندر پا کر ہر دل میں مسرت و انبساط کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ ایک چمک تھی جو سب کے چہروں پر نظر آتی تھی۔ ہر ایک خوش اور پُر امید تھا۔ الحمد للہ محمد احمد صاحب صحت یاب ہو گئے۔ وہ سب سے گلے مل رہے تھے۔ مُسکرا رہے تھے اور سب کا شکریہ ادا کر رہے تھے کہ ان کی دل سے نکلی ہوئی دعاؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ نے شفا بخشی ہے۔ اور سب ان کو اللہ تعالیٰ کے اس احسان پر مبارکباد دے رہے تھے۔ کون جانتا تھا کہ یہ ان کی آخری ملاقات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شاید ساری دُعائیں قبول فرما کر ہی یہ موقع عطا فرمایا ہوگا۔ کہ سب ان سے مل سکیں اور وہ سب سے مل سکیں۔ اور اپنے اَن مِٹ نقوش چھوڑ سکیں ؛

میں ائرپورٹ پر ملاقات کے بعد دُوسری بار ان سے ان کے لندن جانے سے دو تین روز قبل اُن کے گھر پر ملا۔ ان سے یہ ملاقات میری زندگی کی سب سے طویل ملاقات تھی۔ سردیوں کے اس موسم میں اُس دن دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ اور ہم برآمدہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تقریباً ساڑھے دس بجے صبح سے اڑھائی بجے بعد دوپہر تک مجھے اُن کی صحبت کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ وہ میرے سامنے تشریف فرما تھے۔ اتفاق سے کرنل شوکت صاحب بھی تشریف لے آئے۔ باوجودیکہ وہ اب کافی کمزور نظر آ رہے تھے۔ اور ان کی کمر میں درد بھی تھا لیکن وہ مسلسل بیٹھے رہے میری بار بار کی درخواست پر کہ آپ آرام فرمائیں۔ فرمانے لگے۔ نہیں۔ اسی طرح بیٹھنے سے مجھے آرام ملتا ہے۔ باتیں ہوتی رہیں۔ وہ اپنے پروگرام، مصروفیات۔ بیماری اور علاج کے بارے میں تفصیل سے بتاتے چلے گئے۔ بہرحال جو موضوع سب سے زیادہ زیر گفتگو رہا۔ وہ جماعتی امور۔ اسلام اور قرآن کی اشاعت تھا۔ میں نے بھی کچھ سوچا تھا مگر میری اتنی قسمت کہاں تھی کہ ان جیسے عظیم انسان کی معیت نصیب ہوتی۔

زندگی اور موت کارگہ حیات کے دو ایسے پہلو ہیں جن سے کسی کو مفر نہیں۔ ہر ذی رُوح جو اس عارضی مسکن میں آیا ہے بموجب ارشاد باری تعالیٰ "کُلّ نفسٍ ذائقۃ الموت"۔ اسے ایک دن واپس جانا ہے۔ یوں تو ہر موت اپنے ساتھ کچھ اثرات لئے ہوتی ہے۔ مگر ایک ذمہ دار انسان کی موت ایسی ویرانی لئے ہوتی ہے جہاں کا ہر تنکا جلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ایک عظیم باپ اور عظیم رہنما حضرت مولانا محمد علی کے عظیم فرزند میاں محمد احمد صاحب کی موت بھی ایک ایسا ہی ویران کن سانحہ ہے جس کے اثرات مدتوں محسوس ہوتے رہیں گے۔ خاندان میں اپنی مختلف حیثیتوں کے جو انمٹ نقوش وہ چھوڑ گئے ہیں۔ وہ تو اپنی جگہ۔ مگر ان کی وفات سے جماعت کو جو زخم لگا ہے۔ اس کے مندمل ہونے کے لئے ایک زمانہ درکار ہے ؛

وہ سنجیدہ و متین شخصیت ہر جمعہ و دیگر اجتماعات کے موقع پر سیاہ چشمہ لگائے جامع مسجد دار السلام میں محراب کے دائیں جانب دیوار سے ٹیک لگائے اب بھی بیٹھی نظر آتی ہے کم گوئی ان کی طبعی خصوصیت تھی۔ اس لئے اکثر اوقات وہ خاموش رہتے تھے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے۔ مجھ کو اُن کی صحبت سے کچھ زیادہ مستفیض ہونے کا موقع نہیں ملا۔ تاہم جب کبھی میں ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوتا چند منٹ اُن کے ساتھ بیٹھنے کا موقع مل ہی جاتا جس کے دوران میں عموماً جماعتی امور کے متعلق گفتگو ہوتی یا اشاعت اسلام کے کام کا ذکر ہوتا۔ جو انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ علاوہ ازیں گاہے گاہے مجھے ان کو مختلف نجی محفلوں اور جماعتی اجتماعات میں بھی سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں بلا خوف تردید اور پوری ذمہ داری سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایک منفرد ذہنی مقام رکھتے تھے۔ ان کی سوچ نہایت پُختہ۔ فراست نہایت بلند۔ گفتگو انتہائی ٹھوس اور طبیعت غالب درجہ متوازن تھی۔ ان میں صحیح معنوں میں بڑے لوگوں کا یہ

وصف تو اس طرح موجود تھا کہ جو بات وہ کہتے وہ بہت سادہ عام فہم اور جامع الفاظ میں کہتے۔ جس کے سمجھنے میں کسی کو کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔ ان کی گفتگو میں علم کا ایک وسیع دریا بہتا نظر آتا تھا جس کی سطح تو نہایت پرسکون ہوتی لیکن اس کی تہہ سے موتی نکل رہے ہوتے۔ کیا مجال جو کوئی ایسا لفظ زبان سے نکلنے پائے جو اعلےٰ ذوق یا عظمت اخلاق کے منافی ہو۔

وقت کے متعلق وہ ہمیشہ ہی محتاط رہے ہیں۔ تقریباً ہر مرتبہ میرے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ میں جب بھی ان کے ہاں حاضر ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے کمرہ میں کسی تحریری کام میں مصروف ہیں۔ تاہم وہ باہر تشریف لاتے کچھ دیر بیٹھتے۔ خیر خیریت دریافت ہوتی کچھ جماعت کی باتیں ہوتیں۔ اور پھر - - - - وہ معذرت چاہ کر اپنے کام میں لگ جاتے۔ جماعتی کام یا حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب سے ملنے اگر دارالسلام آنا ہو۔ تو بھی وقت کو بہت ملحوظ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ مجھ سے فرمانے لگے کیا کروں۔ کبھی کبھی (حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب) کے پاس ان کے فارغ ہونے کا مجھے بہت انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح میرا بہت سا کام پیچھے چلا جاتا ہے۔

بعض اوقات ان کی اس قدر جلدی پر حیرت ہوتی تھی۔ بھاگتے ہوئے آتے۔ آتے ہی متعلقہ کاموں کو نپٹانے میں مصروف ہو جاتے۔ ساتھ ساتھ گھڑی پر بھی نظر ہوتی جونہی کام ختم ہوتا ایک لمحہ توقف کے بغیر واپس چل دیتے۔ اب تو یوں لگتا ہے کہ وہ کچھ اس طرح کام سمیٹنے پر لگے ہوئے تھے جیسے کوئی مسافر اپنا سامانِ سفر باندھ رہا ہو اور ادھر اُدھر دیکھ رہا ہو کہ کہیں کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔

میں سوچ رہا ہوں کہ کیا واقعی انہیں احساس ہو چلا تھا کہ وقت کم ہے اور کارِ دیں زیادہ۔ کیا اس ہمہ وقت تگ و دو کے پسِ پردہ یہی راز تھا؟ کیا تالیف و تصنیف کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا؟ کیا زادِ راہ بندھ چکا تھا؟ اس کا کون جواب دے سکتا ہے میرے خیال میں تو ابھی بہت کام باقی تھا ہم نے تو ان سے بڑی اور سچی امیدیں باندھ رکھی تھیں۔ ہمارے لئے تو اس شمع کی لو کے پھیلنے کا وقت اب آیا تھا۔ ہمیں تو اس علم و فضل سے بہرہ ور ہونے کا انتظار تھا۔ مگر - - - - - مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

غالباً مالکِ حقیقی کو ہم سے زیادہ ان کا انتظار تھا۔ وہ اپنے اس پیارے کو بھی اپنے پیاروں میں شامل کرنے لے گیا۔ اس کی مرضی اور رضا تو سب پر غالب ہے۔ یقیناً جماعتی لحاظ سے اس سخت ابتلاء میں اللہ تعالےٰ کو ہماری کڑی آزمائش مقصود ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ آزمائش اور یہ امتحان ہماری قوتِ بقا۔ ہمارے پائے ثبات میں لغزش تو نہیں پیدا کر دیں گے کہیں بقول حضرت امیر مرحوم ہم اپنے بزرگوں کے جسموں کے ساتھ اپنی قومی روایات کو دفن تو نہیں کر دیں گے۔ کہیں ہم اپنے آپ کو یاس و نا امیدی کے غار میں تو نہیں دھکیل دیں گے۔ اگر ایسا نہیں ہے اور خدا کرے ایسا کبھی نہ ہو تو آئیے مل کر عہد کریں کہ ہم جن کو دنیا باوجود کوشش کے نہیں مٹا سکی۔ اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی اس نعمت اور اپنے بزرگوں کی عظیم روایات کو آگے بڑھائیں گے اور ہم اس علم کی دولت کو ضائع نہیں ہونے دیں گے جس نے ایک دنیا کو سیراب کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اس کام کو عزم اور حوصلہ سے آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین!

میری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ محترم میاں محمد احمد صاحب کو اپنے قرب کے اعلےٰ مراتب عطا فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اپنے خاص مقربین میں شامل فرمائے۔ ان کی روح پر رحمتوں کی بارش نازل فرمائے۔ آمین۔ وہ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ یقیناً ان کا مقام وہیں ہوگا۔

اللہ تعالےٰ ان کی بیگم صاحبہ کو ان تمام ذمہ داریوں سے بطریقِ احسن عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ جو اب ان کے سر آ پڑی ہیں۔ اور انہیں صبر و استقامت سے اس صدمہ کو جھیلنے کی طاقت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ان کی بلند حوصلہ اور قابلِ رشک صاحبزادی اور ہر دو صاحبزادے جن کی رگوں میں دو ایسے خاندانوں کا خون ہے جو علم و فضل اور زہد و اتقاء میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ اور جو ہزاروں بلکہ لاکھوں کی راہنمائی کا باعث بنے۔ کو اپنے بزرگوں کا صحیح جانشین بنائے جن سے دنیا کو روحانی و جسمانی شفا میسر ہوتی رہے۔ آمین۔ ثم آمین۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو بالعموم اور ان کے تمام اعزہ کو بالخصوص اس کڑے امتحان میں راضی برضا رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

میاں محمد احمد مرحوم کی یاد میں

از:- ملک ناصر الدین خان۔ بی۔ اے۔ محمد نگر لاہور

میرے دوست میاں محمد احمد صاحب ۲۳ جنوری ۱۹۸۱ء کو اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ وہ ایک زمانہ میں ریلوے ہیڈکوارٹرز میں سینئر ریٹس آفیسر کے عہدہ پر فائز تھے۔ یہ ریلوے کی کمرشل برانچ تھی میں اس محکمہ میں ان کے ساتھ ہی ریٹس انسپکٹر تھا۔ اسی دوران میں خاکسار کو انہیں قریب سے دیکھنا میسّر ہوا۔ آپ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ بہت جلد ہر فرد سے ذاتی لگاؤ پیدا کر لیتے اور اس کے ذاتی مسائل حل کرنے کے لئے مفید مشورے دیتے۔ وہ نہایت درجہ ذہین۔ زیرک۔ چاک و چوبند۔ مہذب اور باوقار افسر تھے۔

ان دنوں ریلوے میں مسافر اور مال گاڑی کے کرایہ میں رد و بدل ہوتا تھا۔ چونکہ کام فوری تھا۔ افسر بالا کے حکم سے اتوار کی چھٹی کے دن (ان دنوں جمعہ کی بجائے اتوار کو چھٹی ہوتی تھی) ریٹس برانچ کا سٹاف بلایا گیا تاکہ یہ کام جلد ختم ہو سکے۔ اس سارے کام کے انچارج جناب میاں صاحب مرحوم تھے۔ افسر بالا کی ہدایت تھی کہ کام ختم ہونے پر اس کو دکھلا کر فائنل کر لیا جائے۔ یہ افسر چونکہ زیادہ علیل تھے اس لئے اپنی کوٹھی پر ہی کام کرتے تھے۔ کام ختم ہونے پر جناب میاں صاحب نے اپنے ایک ہیڈ کلرک کو اس کام کے لئے ان کی کوٹھی بھیجا۔ تاکہ وہ دیکھ سکیں۔ ہیڈ کلرک نے واپسی پر بتایا کہ انہوں نے فائل پاس کر کے واپس کر دی ہے اور انہیں سرزنش کی ہے۔ یہ ہیڈ کلرک مصر تھے اس واقعہ کے بعد میاں صاحب مرحوم کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ ان کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا دکھائی دیتا تھا کہ انہیں افسر مذکور کے پاس خود جانا چاہیئے تھا۔ اس ہیڈ کلرک کو کیوں بھیجا کہ ان کو میری وجہ سے خفت اٹھانا پڑی۔ دفتر میں میری ان سے اکثر ملاقات رہتی۔ میں نے ان کو انتہائی خوش خلق ہمدرد غمخوار اور منکسر المزاج پایا۔ ریٹس کے سینئر افسر ہونے کے ساتھ انکو "والٹن ٹریننگ سکول" کے پرچہ جات بھی دیکھنے ہوتے تھے۔ اہم دفتری فرائض کی وجہ سے چونکہ جناب میاں صاحب کا وقت بہت قیمتی تھا۔ انکو خیال آیا کہ پرچوں وغیرہ کا دفتری کام راقم الحروف سے کرا لیا جائے۔ اس کا ذکر آپ نے مجھ سے کیا مگر شاید دوسرے کی تکلیف سے بے چین ہو جانے کی وجہ سے مجھے یہ کام نہ دیا۔ اور فرمایا کہ اچھا میں خود ہی کر لوں گا۔ آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ فوراً بات کی تہ تک پہنچتے اور مخاطب کا مافی الضمیر بخوبی سمجھ جاتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میری آپ بہت عزت کرتے تھے جہاں کہیں کسی کام میں زیادہ ذمہ داری کی ضرورت ہوتی وہ مجھے بھجوا دیتے حالانکہ ان کا میرے ساتھ قطعاً کوئی تعارف نہ تھا کہ میں کون ہوں۔ برادرم مکرم عبدالرؤف صاحب کے چھوٹے صاحبزادہ خالد محمود کی ناگہانی وفات کے موقع پر مجھے جناب میاں صاحب سے کوئی ایک گھنٹہ سے زیادہ گفتگو کا موقع ملا۔ دوران گفتگو ان کو پتہ چلا کہ میں احمدی ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے پہلے ہی یہ شک تھا کہ آپ احمدی ہوں گے۔

میرے برادرِ نسبتی ملک عبدالرحمٰن صاحب ابن ملک غلام محمد صاحب مرحوم آف قصور منزل فلور ملز کے ساتھ جناب میاں صاحب کے بہت دوستانہ مراسم تھے۔ دونوں کا ایک دوسرے کے ہاں اکثر آنا جانا ہوتا تھا اس وجہ سے مجھے ان کی سیرت کا بڑے غور سے مطالعہ کرنے کا موقعہ ملتا۔ میں نے ان کو ہمیشہ ہی نہایت خوش خلق منکسر المزاج۔ مہذب اور باوقار پایا۔ اللہ تعالےٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلےٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین!

؎
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے۔

از:- محمد صالح نورؔ

نذرانۂ تعزیت

وُہ سب کا پیارا مُحمّد احمد، امیر مرحوم کی نشانی
خُدا کی رحمت نے جس کو بخشی تھی پاکبازوں کی سی جوانی
وجود جس کا زمیں پہ رہتے ہوئے بھی لگتا تھا آسمانی
حصُولِ عرفان کی بدولت نہ چھوڑی جس نے روش پرانی
"وُہ آج ہم سے جُدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر
بلانے والا ہے سب سے پیارا اُسی پہ اے دل تُو جاں فدا کر"

علی[1] کی گودوں میں پلنے والا سعید[2] کی تربیت کا حاصل
نصیب سے تھا رگوں میں جس کی عظیم مادر کا خون شامل
قدم قدم میں حیا کا پیکر، نظر نظر میں خلوص کامل
شفیق صحبت نے جو سکھایا۔ رہا ہمیشہ اُسی پہ عامل
"وُہ آج ہم سے جُدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر
بلانے والا ہے سب سے پیارا اُسی پہ اے دل تُو جاں فِدا کر"

رفیق بیوی زبیدہ احمد، لئیق بیٹی فریدہ احمد
شکیل فرزند شاہد احمد، جمیل و معصوم طارق احمد
ہے سب کو محبوب نام احمد، رہے دلوں میں مقام احمد
دیارِ غربت میں مرنے والا، دلوں میں زندہ مُحمّد احمد
"وُہ آج ہم سے جدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر
بُلانے والا ہے سب سے پیارا اُسی پہ اے دل تُو جاں فِدا کر"

---

[1] :- امیر مرحوم حضرت مولانا مُحمّد علی رحمتہ اللہ علیہ
[2] :- قبلہ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی

مکتوباتِ تعزیت

مکرم عبدالحمید صاحب سانگلہ ہل سے تحریر کرتے ہیں۔

حضرت قبلہ ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کتنے دنوں سے آپ کی خدمت میں خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا اور اس میں مجھے آپ کی خدمت میں دعا کی درخواست کرنی تھی کہ میں کچھ پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ ۔۔۔۔

آج اس خط لکھنے کا باعث "پیغام صلح" کا وہ پرچہ ہے جو ابھی ابھی ڈاک سے وصول کیا اور جس میں جناب میاں محمد احمد صاحب خلف الصدق حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی اطلاع تھی۔ دل پکڑ کر بیٹھ گیا میرے مولا تیرے بھید تو ہی جانتا ہے۔ ان لوگوں کی تو تیرے دین کی اشاعت کے سلسلہ میں بڑی ضرورت تھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت قرآن کریم کی عظمت قائم کرنے کی ان کے دل میں تڑپ تھی میرے مولا زبانی دعوے کرنے والے بہت ہیں حقیقی درد اور عمدہ صلاحیت کے مالک نفوس قلیل ہیں۔ اے باغباں اپنے باغ کو ویرانی سے بچائیو۔ اللّٰھم آمین۔ میاں صاحب مرحوم نہایت متین خلیق حلیم الطبع اور شرمیلے منکسر المزاج نوجوان تھے۔ یقیناً بعض اوصاف عظیم باپ سے ورثہ میں پائے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

"بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر"

اس غم میں مجھے بھی اپنے ساتھ شریک سمجھئے آپ تو صابر و شاکر وجود کے مالک ہیں دعا ہے کہ مولا کریم آپ کو آپ کے اہل وعیال کو عزیز و اقارب کو ساری جماعت کو اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹے رکھے۔ آمین

قبلہ ڈاکٹر صاحب! قدرتاً انہی دنوں "مجاہد کبیر" میں نے بڑے انہماک سے پڑھی۔ حضرت مجدد صد چہاردہم کے اس روحانی فرزند کی سوانح پڑھنے سے بڑا لطف آتا ہے کس طرح حضرت مجدد کی شعاعوں سے منور ہو کر یہ وجود (حضرت مولانا محمد علیؒ) خود بھی نوری ہو گیا۔ اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی قلم اور اسکی مسیحائی ۵۱ء تک تثلیث کے قلعوں کو مسمار کرتی رہی۔ جب صبح قرآن شریف کی تلاوت اور حضرت کے تفسیری نوٹ پڑھتا ہوں۔ آپ کی ترجمہ شدہ بخاری شریف پڑھتا ہوں تو اس وجود کی عظمت دل پر ثبت ہو جاتی ہے اور مامور اعظم کی قوت قدسیہ کی عظمت دل پر بیٹھ جاتی ہے۔ واقعی اس شمع سے جس نے جتنا اکتساب نور کیا اتنا ہی اُسے ملا۔ معاف کیجئے گا میاں محمد احمد صاحب کی ذات سے ذہن ان کے مقدس والد کی طرف چلا گیا۔ دعا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر میاں صاحب مرحوم کو اپنے والد ماجد کے ساتھ رکھے۔ آمین

مکرم دوست محمد صاحب (ملتان) سے یوں رقمطراز ہیں۔

میں فوج کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر جب (B.B & C.I) ریلوے میں بطور ٹکٹ کلکٹر بھرتی ہو گیا۔ ڈویژنل آفس آبو روڈ میں حاضر ہوا تو ایک ریلوے افسر مسٹر پنل نے مجھے ماروار جنکشن سٹیشن پر پوسٹ کر دیا۔ وہاں کا سٹیشن ماسٹر ڈی سالومن اور چیف ٹکٹ انسپکٹر رن چھوڑ بھائی تھا۔ ایک دفعہ ڈپٹی چیف ریلوے انجینئر کنور شمشیر سنگھ جو مہاراجہ پٹیالہ کا بھانجا تھا دورہ پر آیا۔ تو میرا کام دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اپنی معائنہ رپورٹ میں مجھے انچارج ٹکٹ کلکٹر بنانے کا حکم صادر کیا۔ اس سلسلہ میں مجھے جو حکم نامہ ملا اس پر M. AHMAD نام کے دستخط تھے میں نے سوچا یہ تو مسلمان افسر کے دستخط ہیں۔ میں انہیں نہیں جانتا تھا کہ کون ہیں۔ ایک دن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ پانچ بجے ایک آفیسرز سپیشل ٹرین آنے والی تھی۔ اس کی اطلاع ملنے پر بہت سے درجہ سوئم اور چہارم کے ہندو ملازمین سٹیشن پر آ کر قطار میں کھڑے ہو گئے۔ میں نے انہیں وہاں سے چلے جانے کو کہا۔ لیکن وہ نہ مانے۔ میں نے اُن سے پوچھا آخر تم یہاں کیوں آئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا اس گاڑی میں کرشن جی مہاراج آ رہے ہیں۔ ہم ان کے درشن اور پرنام کریں گے پھر چلے جاویں گے۔ جیسے ہی گاڑی سٹیشن پر آ کر رکی ایک خوبصورت نوجوان افسر بوگی سے نکلے اور یہ سب لوگ بھاگ کر اس افسر کے قدموں میں گر گئے اور کہنے لگے اے مہاراج جی۔ رشی جی۔ وہ افسر چپ کھڑے مسکراتے رہے۔ انہوں نے "جے ہو" کا نعرہ لگایا اور واپس چل دیئے۔ میں نے ان سے پوچھا یہ کون افسر تھا۔ کہنے لگے تم کو پتہ نہیں تم تو نئے آئے ہو۔ یہ پنجاب کا رہنے والا ہے۔ رحم دل اور غریب پرور ہے۔ کسی بڑے بزرگ کا لڑکا ہے۔

میں ایک دن آبو روڈ گیا تو جناب خواجہ حامد حسن صاحب ڈی۔ ایس امرتسر سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کرشن جی مہاراج جن کی یہ ریلوے کے ملازمین زیارت کرتے ہیں کون ہیں؟ انہوں نے مجھے پنجابی میں جواب دیا کہ یہ مولانا محمد علی لاہوری احمدی کا بیٹا اور این۔ اے فاروقی صاحب کا بھانجا محمد احمد ہے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ ہندوؤں کے دل میں بھی ان کی اتنی عزت تھی۔

جب پاکستان بنا تو میاں صاحب کوئٹہ آ گئے اور میں بھی سبی میں ہیڈ ٹکٹ کلکٹر مقرر ہو گیا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ایک انجن اور دو بوگیاں پٹڑی سے اتر گئیں جس کی وجہ سے یارڈ ماسٹر کو برخاست کر دیا گیا کثیر العیال تھا۔ تنخواہ بھی بہت قلیل تھی بحالی کے لئے بہت اپیلیں کیں لیکن منظور نہ ہوئیں میں اُسے میاں صاحب کے پاس لے گیا۔ وہ بیوی بچوں سمیت دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ میاں صاحب نے انگریز ایکسیئن افسر کو جو غالباً میاں صاحب کے چچا زاد بھائی اور چھکسی کے رہنے والے تھے بلایا۔ کچھ رقم ان سے لی کچھ مجھ سے اور کچھ اپنے پاس سے دی اور یہ ساری رقم یارڈ ماسٹر کو دے دی۔ کہنے لگے غریبوں کی مدد کرنا بڑے ثواب کی بات ہے۔ اس کے معاملے کی دوبارہ تفتیش کرائی جس کے نتیجے میں وہ بحال ہو گیا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ میاں صاحب واقعی بہت رحم دل انسان ہیں یہ صفت احمدیوں کے سوا کسی میں نہیں۔

میاں صاحب مرحوم کے پاس میں اکثر لوگوں کی سفارش کرتا جس سے وہ بعض اوقات قدرے ناراض ہو جاتے۔ ایک دفعہ میں نے ان سے کہہ دیا کہ آپ غریب پروری چھوڑ دیں میں سفارش نہیں کروں گا۔ فرمانے لگے۔ ملک صاحب ہمیں امام وقت کے اقوال پر چلنا ہی ہوگا میں غریب مسلمانوں کی مدد کرتا رہوں گا۔ آپ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ کسی وقت پھر عرض کروں گا۔ اسوقت دل بہت غمزدہ ہے۔

مخدوم سعد اختر صاحب ڈیرہ غازی خان سے تحریر کرتے ہیں

مکرمی ومحترمی حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور کرم سے آئندہ جماعت کو ایسے صدمات سے محفوظ و مامون رکھے۔ پیارے محمد احمد کی وفات حسرت آیات کوئی معمولی صدمہ نہیں ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے آگے سر تسلیم خم ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے اور جماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین

ہفت روزہ پیغام صلح کا

خاتم النبیینؐ نمبر ماہ مارچ کے آخر میں شائع ہو رہا ہے۔ اہل قلم احباب سے درخواست ہے کہ وہ برائے مہربانی ۱۵ مارچ تک اپنے قیمتی مضامین ایڈیٹر پیغام صلح کے نام بھیج کر مشکور فرمائیں۔ ـــ

ـــ (چیف ایڈیٹر پیغام صلح لاہور)

بقیہ سب سے کا پیارا محمد احمد (آمدہ صفحہ ۲۴)

دیا جائے :

محمد احمد زندہ رہنا چاہتے تھے اور اس سے مطمئن تھے کہ اس خاطر جو موقع بھی انہیں ملا انہوں نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے اپنی اندرونی تکلیف کو کبھی کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا یہاں تک کہ انہوں نے ہسپتال میں داخل ہونے سے بھی انکار کر دیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ انسان کتنے بلند کردار کا مالک تھا۔ انہیں زندہ رکھنے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں اور آخر کار ۲۳ جنوری بروز جمعہ صبح ساڑھے آٹھ بجے بڑے سکون سے وہ اپنے مولائے حقیقی کے پاس چلے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پاشا جمعرات کی ساری رات اُن کے پاس بیٹھے قرآن پڑھتے اور اُن کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ جمعہ کی صبح ۵-۳۰ بجے وہ شاہد کو لینے ہیتھرو ایئر پورٹ چلے گئے۔ جب ۹-۳۰ بجے واپس پہنچے تو محمد احمد رخصت ہو چکے تھے۔ پاشا نے جب مجھے فون پر یہ حسرت ناک خبر سنائی تو مجھے بے حد رنج اور دُکھ ہوا اور میں فوراً ہسپتال روانہ ہو گیا۔ ہسپتال کی سینئر نرس نے جو سارا وقت اُن کے پاس رہی مجھے بتایا کہ محمد احمد نے ایک ولی کی طرح اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

میں جانتا ہوں کہ باوجود بہت سی مشکلات کے محمد احمد لندن مشن کے متعلق بہت پُر امید تھے یہ وہی ہیں جنہوں نے لندن مشن کو بچایا اور میری بیگم کی زندگی کا رُخ بدل دیا۔ وہ طفیل کی بہت معتقد تھیں لیکن مسٹر احمد نے ان کی رہنمائی کی اور انہیں قائل کیا کہ مرکزی انجمن کو کسی سے کوئی عناد نہیں ہم اس کے لئے ان کے بہت مشکور ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں دائمی آرام و راحت سے نوازے گا۔

میں لندن مشن کو کامیاب بنانے میں جمیلہ کی ہر ممکن مدد کروں گا۔"

اِن خطوط میں جو کچھ بیان ہوا اگر سب کو ملا کر پڑھا جائے تو محمد احمد مرحوم کی شخصیت کا پورا سراپا سامنے آ جاتا ہے۔ اور اُن کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے۔ اس کے ناقابلِ تلافی ہونے کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ رب العزت کی بارگاہ میں اب ہم سب اُن کے لئے یہی دُعا کر سکتے ہیں کہ:-

"رب اغفرہ وارحمہ وادخلہ فی عبادک الصالحین الذین
لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔"

آمین۔ ثم آمین

وفات :-

ہماری جماعت کے بزرگ حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم و مغفور کے فرزند اکبر ڈاکٹر مرزا داؤد بیگ صاحب جو عرصہ چالیس سال قبل ترک وطن کر کے ترکیہ چلے گئے تھے مورخہ ۲ فروری ۱۹۸۱ء استنبول میں وفات پا گئے ہیں اور وہیں دفن ہوئے ہیں۔ احباب جماعت سے درخواست ہے کہ اُن کے جنازہ غائبانہ پڑھ، دعائے مغفرت فرماویں۔

ادارہ پیغام صُلح اُن کے برادر خورد مرزا عبدالرحمٰن بیگ صاحب اور دیگر اعزہ سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

* * *

راولپنڈی سے جناب میاں فخر الدین احمد لکھتے ہیں کہ:- لاہور سے واپسی پر میں وزیر آباد اُتر گیا۔ شیخ غلام احمد صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ چوہدری امجد خان صاحب کراچی میں انتقال کر گئے تھے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تدفین کے لئے اُن کی میت اُن کے آبائی گاؤں سوہدرہ لائی گئی جہاں انہیں ۳ فروری ۱۹۸۱ء کو سپرد خاک کیا گیا۔ احباب سلسلہ سے مرحوم کی نماز جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

علامات المقربین

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار + جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب + کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب،

از :- پروفیسر نور الدین زاہد۔ سرینگر

نامۂ تعزیت

"..... وبشر الصابرین ہ الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ ۔ ۔ واولئک ہم المہتدون ہ" (البقرہ ۲ آیات ۱۵۵ - ۱۵۷)

محترم المقام جناب قبلہ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب دامت برکاتہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ کل میں جامع احمدیہ قلمدان پورہ سرینگر میں خطبہ جمعہ سنا رہا تھا کہ مکرم شورہ صاحب ایڈیٹر روزنامہ "روشنی" سرینگر نے ایک تار دے دیا تاکہ اس کا مضمون دورانِ خطبہ سامعین کو سنایا جائے۔ لندن سے آئے ہوئے اس تار میں عزیز القدر محترم میاں محمد احمد صاحب کی وفاتِ حسرت آیات کی اطلاع تھی۔ اسے سنتے ہی سامعین دریائے غم میں ڈوب گئے۔ میں نے خطبہ مختصر کیا اور بعد نماز جمعہ جنازہ غائبانہ محترم شیخ عبدالصمد صاحب نے پڑھایا۔ دردِ دل و تڑپ کے ساتھ مرحوم کے لئے رفع درجات کی دُعا مانگی گئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین!

مجھے مرحوم کے ساتھ ذاتی تعارف تو نہیں تھا لیکن میں اس کے رفیع الشان والد بزرگوار علیہ الرحمۃ والرضوان کے دامن کے ساتھ بے پناہ عقیدت اور گہری ارادت کے ساتھ وابستہ ہوں اور اس وابستگی پہ نازاں ہوں۔ اس لحاظ سے مرحوم صاحبزادہ صاحب میرے لئے حبیب الحبیب (محبوب کا محبوب) ہیں اور اُن کے انتقال پُرملال سے میں بُری طرح غمزدہ ہوں۔

اِن العین تدمع ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یا حِبّنا لمحزونون

دِل غم میں ڈوبا ہوا ہے۔ آنکھ اشکبار ہے۔ لیکن ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہے اے ہمارے محبوب! تیری جُدائی سے ہم غمزدہ ہیں۔"

باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ کلّ نفسٍ ذائقۃ الموت۔ ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے اگر موت سے کوئی بچتا تو حضرت نبی کریمؐ بچتے۔ لیکن انہوں نے خود فرمایا ہے:- "اے میرے صحابہ! مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم (انکی بیماری کی وجہ سے) اپنے نبیؐ کی موت سے ڈرتے ہو۔ کیا مجھ سے قبل کوئی نبی زندہ رہا ہے جو میں زندہ رہوں۔" پس موت سے مفر نہیں۔ شاعر نے سچ کہا ہے ؎ الموت حتمٌ فی رقاب العباد۔ پس محض "مرنا" قابل ماتم نہیں۔ خاصکر جب اعمالِ صالحہ کا پھل جنت اور نعماء جنت کی صورت میں مرنے والے کا منتظر ہو۔ ایسے خوش قسمت کو موت یا میّت کہنا ہی نہیں چاہیئے ....

پس صاحبزادہ محمد احمد صاحب "مردہ" نہیں ہیں۔ اس لئے ان کی وفات قابل ماتم نہیں۔ قابلِ غم جُدائی ہے۔ یعنی ایک عزیز ہم سے بچھڑ گیا۔ دُکھ اور افسوس اس بات کا ہے کہ قحط الرّجال کے وقت عزیزِ موصوف کا قائم مقام ملنا مشکل ہے۔ لیکن مسبّب الاسباب کی رحمت کی انتہا نہیں اسکے ہاں کوئی مشکل نہیں۔ اسی رحم کی درخواست ہے کہ وہ جماعت کو میاں صاحب مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین!

میں سوگوار خاندان اور باقی متعلّقین کی تعزیت کرنا چاہتا ہوں لیکن اس کے لئے حضرت سرور دو عالم خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلعم کے دہانِ حق ترجمان سے نکلے ہوئے اِن پاک الفاظ سے زیادہ موزوں الفاظ میرے پاس نہیں۔ "ان للّٰہ ما اخذ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ولتحتسب۔" بے شک اللہ ہی کا تھا۔ جو اس نے لے لیا اور اسی کا ہے جو کچھ اس نے دیا۔ اور اس کے پاس ہر چیز کے لئے ایک مقرّر وقت ہے۔ پس تو اس (حادثہ جانکاہ پر) صبر کر اور اس کو اپنے لئے باعثِ ثواب جان! براہ کرم انہی الفاظ کے ساتھ ہر سوگوار کی تعزیت کریں اور میرے لئے دعائے خیر جاری رکھیں۔

(آپکا شریکِ غم :- نُور الدّین زاہد)

از ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی۔

سب کا پیارا —— مُحَمَّد اَحْمَد

ادارہ پیغام صُلح کی طرف سے عزیزم محمد احمد مرحوم کی زندگی کے متعلق کچھ لکھنے کی مجھ سے بھی درخواست کی گئی ہے۔ میں اپنی موجودہ ذہنی اور قلبی حالت میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے کلماتِ طیبہ سے بہتر کوئی چیز نہیں پاتا جو بیان کر سکوں اور وہ الفاظ ہیں:-

" العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی بہ ربنا انا للہ وانا الیہ راجعون ۔"

" میری آنکھیں روتی ہیں اور دل غمگین ہے مگر میں صرف وہی کہوں گا جس سے میرا رب راضی ہو۔ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

اتنے قریبی تعلقات کے باوجود ان کی کم گوئی اور انتہائی سنجیدگی اور ہر قسم کی خود نمائی اور تصنع سے مبرا ہونے کی وجہ سے محمد احمد کو سمجھنے میں مجھے بھی دوسرے لوگوں کی طرح کچھ وقت لگا اور اُن کے صحیح مقام کا تعین مدتوں بعد ہوا۔ اور آہستہ آہستہ ان کی مخفی استعدادیں سامنے آئیں اور جب مرحوم کی عظمت پورے طور پر ہمارے لئے نمایاں ہو گئی تو مولا کریم نے اپنی کسی خاص حکمت کے تحت انہیں اپنے پاس بلا لیا اور وہ ہم سے جدا ہو گئے۔

زندگی کی مصروفیات اور بُعدِ مکانی یکجا ہونے میں ہمارے درمیان مدتوں تک حائل رہا۔ صرف ایک بار جب میں ڈاڈر سینی ٹوریم میں میڈیکل سپرنٹنڈنٹ تھا تو انہوں نے چند ہفتوں کی رخصت لے کر میرے پاس قیام کیا۔ وہ اُن دنوں "مجاہد کبیر" کی تالیف میں مصروف تھے۔ ڈاڈر کی پُر سکون اور پُر فضا وادی ایسے کام کے لئے بہترین ماحول مہیا کر رہی تھی جس محنت، لگن اور انہماک سے وہ تالیف کے اس کام میں شب و روز مصروف رہتے اس سے ان کی پوشیدہ قوتوں کا مجھے اندازہ ہوا اور حضرت امیر مرحوم رحمۃ اللہ علیہ جنہیں بارہا تصنیف و تالیف کا کام کرتے ہوئے دیکھا تھا، ان کی یاد میرے دل میں تازہ ہوئی۔ اس دوران بھی فراغت سے مل بیٹھنے کا موقع کم ہی نصیب ہوتا لیکن جو گفتگو وہ کرتے اس سے ان کی فہانت اور علم کا اندازہ ہونے لگا۔ رخصت ختم ہو جانے پر وہ واپس لاہور چلے آئے۔ اور اُن چند ایام کی خوشگوار یادیں پیچھے چھوڑ آئے۔

جب کتاب "مجاہد کبیر" شائع ہوئی تو مجھے محمد احمد مرحوم کی تصنیفی اور تالیفی قابلیت اور اُن کی بلند شخصیت کا پہلی بار صحیح اندازہ ہوا۔ تاریخ نگاری بڑا مشکل کام ہے۔ لیکن اپنے باپ کی سوانح حیات لکھنا مشکل تر ہو جاتا ہے لیکن جن لوگوں نے مجاہد کبیر پڑھی ہے وہ میری تائید کریں گے کہ محمد احمد نے واقعات کے بیان کرنے میں اپنے جذبات کو داخل ہونے نہیں دیا۔ بلکہ ہر مقام پر دستاویزی ثبوت کے ساتھ نہایت دیانتداری سے توازن برقرار رکھا ہے۔ اس سے بھی اُن کی شخصیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس کتاب نے سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں ایک زندۂ جاوید اضافہ کیا ہے۔ اور بہت سے ایسے واقعات سے پردہ اٹھایا ہے جو جماعت کی اکثریت کے علم میں نہ تھے۔ اور اس میں بہت سے ایسے اعتراضات کا جواب بھی ہے جو آج بھی ہوتے رہتے ہیں۔

۱۹۷۴ء میں میرے لاہور آنے کے بعد جب ہمیں زیادہ قریب رہنے کا موقع ملا۔ تو محمد احمد مرحوم کی شخصیت کے مختلف حسین پہلو مجھ پر زیادہ واضح ہوتے گئے۔ اور جب انہوں نے تبلیغ بلادِ غیر کے ایک رکن کی حیثیت سے میرا ہاتھ بٹانا شروع کیا تو اُن کے بارہ میں مجھ پر "الولد سر لابیہ" کے معنی کھلے اور اُن میں حضرت امیر مرحوم کی ظاہری اور باطنی خوبیاں نمایاں نظر آئیں۔ مرحوم کو میں نے تحریر و تقریر دونوں میں اپنے عظیم باپ کا مثنّٰی پایا۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت کے لئے ہماری بہت سی اُمیدیں اُن سے وابستہ ہو گئی تھیں لیکن اللہ تعالےٰ جو عالم الغیب ہے۔ اپنے راز خود ہی جانتا ہے اور ہم اس کی رضا پر راضی ہیں۔

محمد احمد کے بارے میں اپنے ذاتی خیالات بیان کرنا گویا اپنے ہی بارے میں تعریف سمجھی جا سکتی ہے۔ اس لئے میرے لئے یہی مناسب اور زیادہ آسان بھی ہے کہ جو بیسیوں خطوط اُن کی تعزیت کے سلسلہ میں مرحوم کے رفقائے کار، دوستوں اور واقف کاروں کی طرف سے موصول ہوئے ہیں اُن میں سے چند خطوط سے مختصر اقتباسات پیش کر دوں۔ ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں + گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

-: اقتباسات :-

۱:- ترجمہ خط، مسز جمیلہ خان۔ انگلستان

" بعض موقعے ایسے ہوتے ہیں کہ انسان اپنے جذبات کا اظہار الفاظ میں نہیں کر سکتا۔ گذشتہ ہفتے کچھ واقعات اتنی جلدی جلدی پیش آئے ہیں جنہوں نے ہماری قوت برداشت ختم کر دی ہے۔ جب محمد احمد نے تین ہفتے کیلئے واپس وطن جانے کا فیصلہ کیا تو ہم سب اس لئے خوش تھے کہ وہ بہت بہتر دکھائی دیتے تھے اور اپنے علاج سے بہت پُر امید تھے مگر اب دکھائی دیتا تھا کہ:- ع

—— کچھ نہ دوا نے کام کیا ——

میں آپ کو ڈونا، محمد احمد، مقدمے، سمجھوتے، انور، جلسہ اور اپنے بارے میں بہت کچھ بتانا چاہتی ہوں لیکن جب بھی لکھنے کے لئے قلم اٹھاتی ہوں۔ مجھے اپنے پر قابو نہیں رہتا۔ مجھے بار بار آپ کا اور زبیدہ کا خیال آتا ہے۔ کاش مجھ میں بھی آپ جیسا ایمان اور حوصلہ ہوتا ۔۔۔۔ ہم یو۔کے والے اب یہ شدت سے محسوس کر رہے ہیں کہ اس اعتماد کے علاوہ جو آپ کو ہم پر ہے ہم اخلاقی اور روحانی طور پر "محمد احمد سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ ہماری جماعت کے تمام اراکین کو اب یہ احساس ہو چلا ہے کہ محمد احمد نے ہمیں بڑی دردناک صورت حالات میں بچایا ہے اور اب ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم ان کے خواب اور اُمیدوں کو پورا کرنے کی حتی الوسع سعی اور کوشش جاری رکھیں۔ ان کے ایمان کی وجہ سے اللہ تعالےٰ ان کی روح کو جنت الفردوس میں جگہ دے گا۔ ہم ہر روز زبیدہ کے لئے دعا کرتے ہیں اور اب یہی ہے جو ہم کر سکتے ہیں۔"

۲:- ترجمہ خط جناب خواجہ حامد حسن۔ دیرینہ رفیق کار بنام بیگم میاں محمد احمد

میاں محمد احمد کی وفات حسرت آیات کی خبر سن کر مجھے جو دکھ ہوا میں اُس کا اظہار الفاظ میں کرنے سے قاصر ہوں۔ اُن سے میری پہلی ملاقات ۱۹۴۵ء میں ہوئی۔ جب وہ آلہ روڈ میں اے۔ ٹی۔ ایس کے عہدہ پر تشریف لائے۔ میری یہ خوش قسمتی ہے کہ بعد میں چیٹاگانگ اور لاہور ہیڈ کوارٹر میں انہوں نے میرے ماتحت کام کیا۔ ۱۹۴۵ء سے لے کر ملازمت سے ان کی سبکدوشی تک میں نے اُن کی زبان سے اپنے بدترین دشمن کے خلاف بھی کبھی کوئی کلمہ نہیں سنا۔ وہ ایک راست رو، دیانت دار، اور شریف النفس انسان تھے۔ جن لوگوں کو اُن سے کبھی واسطہ پڑا ہو۔ ان کے دلوں میں ان کی یاد ہمیشہ تازہ رہے گی۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا

الہامات حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک وہند سے [illegible]
بیرونی ممالک سے [illegible] پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد ۶۸
یوم چہارشنبہ ۲۶ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۱ ہجری بمطابق ۴ مارچ سنہ ۱۹۸۱ء
شمارہ ۹

ملفوظات حضرت مجدد صدچہاردہم

تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے

اخلاقِ فاضلہ کا حصول اور جماعتی ترقی کا راز

اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو اور اُس کے بندوں پر رحم کرو۔ اور اُن پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو اور کسی پر تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو۔... غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوقِ خُدا کے ہمدرد بن جاؤ تا تم قبول کئے جاؤ۔... بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو نہ اُن کی تحقیر، اور عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو نہ خود نمائی سے ان کی تذلیل، اور امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو نہ خود پسندی سے اُن پر تکبّر۔ ہلاکت کی راہوں سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور تقوٰے اختیار کرو۔ اور مخلوق کی پرستش نہ کرو۔ اور اپنے مولےٰ کی طرف منقطع ہو جاؤ۔ اور دُنیا سے دِل برداشتہ رہو۔ اور اسی کے ہو جاؤ۔ اور اسی کے لئے زندگی بسر کرو۔ اور اسی کے لئے ہر ایک ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو کیونکہ وہ پاک ہے چاہیئے کہ ہر ایک صبح تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے تقوےٰ سے رات بسر کی اور ہر شام تمہارے لئے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔ دنیا کی لعنتوں سے مت ڈرو کہ وہ دھوئیں کی طرح دیکھتے دیکھتے غائب ہو جاتی ہیں۔ اور وہ دِن کو رات نہیں کر سکتیں۔ بلکہ تم خُدا کی لعنت سے ڈرو۔ جو آسمان سے نازل ہوتی اور جس پر پڑتی ہے اس کی دونوں جہانوں میں بیخکنی کر جاتی ہے۔ تم ریاکاری کے ساتھ اپنے تئیں بچا نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ خُدا جو تمہارا خُدا ہے اس کی انسان کے پاتال تک نظر ہے۔ کیا تم اس کو دھوکا دے سکتے ہو۔ پس تم سیدھے ہو جاؤ اور صاف ہو جاؤ۔ اور کھرے ہو جاؤ۔ اگر ایک ذرّہ تیرگی تم میں باقی ہے تو وہ تمہاری ساری روشنی کو دُور کر دے گی اور اگر تمہارے کسی پہلو میں تکبر ہے یا ریاء ہے یا خود پسندی ہے یا کسل ہے تو تم ایسی چیز نہیں ہو جو قبول کے لائق ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تم صرف چند باتوں کو لے کر اپنے تئیں دھوکہ دو کہ جو کچھ ہم نے کرنا تھا کر لیا ہے۔ کیونکہ خدا چاہتا ہے کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آوے اور وہ تم سے ایک موت مانگتا ہے جس کے بعد وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ تم آپس میں جلد صُلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو۔ شریر ہے وہ انسان جو کہ اپنے بھائی کے ساتھ صُلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔ تم اپنی نفسانیت ہر پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچّے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلّل کرو تا تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لئے تم بلائے گئے ہو اس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔... تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے اور بد بخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا سو اس کا مجھ میں حصہ نہیں۔ خدا کی لعنت سے بہت خائف رہو۔ کہ وہ قدّوس اور غیوّر ہے بدکار خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ خائن اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ اور ہر ایک جو اس کے نام کے لئے غیرت مند نہیں اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا وہ جو دنیا پر کتوں اور چیونٹیوں یا گِدّوں کی طرح گرتے ہیں دُنیا سے آرام پا رہے ہیں وہ اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔ ہر ایک ناپاک آنکھ اس سے دُور ہے۔ ہر ایک ناپاک دل اس سے بے خبر ہے۔ وہ جو اس کے لئے آگ میں ہے نجات دیا جائے گا۔ وہ جو اس کے لئے روتا ہے وہ ہنسے گا۔ وہ جو اس کے لئے دنیا سے توڑتا ہے وہ اُس کو ملے گا۔

(کشتیٔ نوح)

آہ!
میاں محمد احمد صاحب

رحمۃ اللہ علیہ

مکرم شیخ اللہ بخش صاحب —— سیکرٹری جماعت بدوملہی

میاں محمد احمد صاحب کی وفات حسرت آیات ایک ایسا دل شکن واقعہ اور ایک ایسا قومی سانحہ ہے جس کی تلافی شاید مدتوں نہ ہو سکے۔ مجھے تین سال بحیثیت ممبر مجلس منتظمہ ان کو بہت ہی قریب سے دیکھنے اور سننے کا اکثر موقع ملا ہے۔ وہ خاموش طبع۔ نیک پارسا انسان جب کبھی مجلس منتظمہ میں تشریف لاتے تو اپنے نہایت قیمتی اور شستہ دلائل اور کمال فراست سے معاملات پر اظہار خیال فرماتے۔

جماعت کے اس بار کے انتخاب کے وہ صدر تھے۔ انہوں نے کمال خوبی اور پوری دیانت سے اس فرض کو نبھایا۔ آپ سے کبھی کسی انسان کو شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ خدمت دین کی تڑپ کا یہ حال تھا کہ حضرت امیر مرحوم کی جو کتب بھی طبع ہوتیں ان کا پانچواں حصہ آپ نے اصل لاگت پر تقسیم کرنے کا فرما رکھا تھا۔ رائلٹی کے متعلق بعض احباب مُصر تھے کہ جب تک میاں محمد احمد صاحب رائلٹی نہ لینے کا لکھ کر نہ دیں کتب پر اسوقت تک رائلٹی حسب ضابطہ لی جائے۔ میں نے یہ بات اُن کے گوش گذار کی۔ تو چند دنوں کے بعد انہوں نے لکھ کر دے دیا کہ مفت اشاعت میں جتنی کتب بھی جائیں گی اُن پر رائلٹی نہیں لی جائے گی۔

ملازمت سے سبکدوش ہو جانے کے بعد انہوں نے اپنا ہر لمحہ خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اپنی بیماری کے دوران بھی وہ ہمہ تن اس میں مصروف تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں عزلی رحمت فرمائے۔ آمین۔ ان کی صحت کے لئے میرے دل سے بہت ہی درد بھری اور پُرسوز دعائیں جاری رہیں۔ شائد قدرت کو ہمارا کوئی سخت امتحان مقصود ہے جس میں بحیثیت جماعت ہم ڈالے گئے ہیں۔ مجھے ان کی ذات سے بڑی اُمیدیں تھیں۔ وہ ایک لعل تھا جو ہم سے چھن گیا۔

اے خُدا! خدمتِ دین کی جو اُن کی لگن اور تڑپ تھی اسکے مطابق ان کو اعلیٰ مقام اور درجات عطا فرما۔ جو ایسے لوگوں کے لئے تُو نے مختص کر رکھے ہیں ؛

اے خُدا! اُن کو اپنے باپ کا قرب اور حضورِ اکرمؐ کے جھنڈے کے نیچے جگہ عطا فرما۔ آمین۔ ثم آمین۔

میں اور جماعت بدوملہی۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، بیگم محمد زبیدہ احمد صاحبہ۔ محترم این۔ اے فاروقی صاحب۔ محترم میاں فضل احمد صاحب، اور تمام دیگر لواحقین کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی جناب سے ان سب کو اس صدمۂ عظیم کے سہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ؛

⁂

احمدی بچوں کے لئے

دُعا

نہ بھٹکوں میں کبھی راہِ ہُدیٰ سے
یہی ہے التجا میری خُدا سے
خدا کے عشق کی دل میں تڑپ ہو
محبّت ہو محمّد مُصطفیٰ سے
نبی پاک احمد مجتبیٰ کی
اطاعت میں کروں صدق و صفا سے
کلام اللہ کا پروانہ بنوں میں
لگاؤں لو میں اُس شمعِ ہُدیٰ سے
خُدا کے دین کی خدمت کروں میں
قلم سے مال و دولت سے دُعا سے
ملے دین و دُنیا میں سربلندی
خُدا کے فضل اور جود و عطا سے
نہ آئے مُجھ پہ کُلفت کا زمانہ
رہوں محفوظ ہر رنج و بلا سے
مقدّر سے نہ کچھ مُجھ کو گلہ ہو
رہوں راضی میں خالق کی رضا سے
خُدا کا آستاں ہو اور مرا سَر
نہ ہو مجھ کو تعلّق ماسوٰی سے
بزرگوں کا ادب پیشِ نظر ہو
جھکی گردن رہے شرم و حیا سے
مجھے چھوٹوں پہ شفقت کی ہو عادت
کروں میں درگذر اُن کی خطا سے
کٹے اس طرح میری زندگانی
خدا راضی ہو مجھ سے میں خُدا سے
رضائے حق مجھے مدِّ نظر ہو
اگر ناراض دُنیا ہو بلا سے
رہے پیوند میرا تا دمِ مرگ
مسیحِ وقت حضرت میرزا سے

—— : مولانا مرتضیٰ خان حسن

تین اخلاقی اور روحانی بیماریاں

جو اس زمانہ میں بہت عام ہو گئی ہیں

خطبۂ جمعہ فرمودہ مکرم نصیر احمد فاروقی بتاریخ ۶ فروری ۱۹۸۱ء بمقام جامع احمدیہ، دار السّلام کالونی، لاہور

ویلٌ لکلّ ھمزۃٍ لمزۃ ۙ الذی جمع مالًا وعددہٗ ۙ یحسب ان مالہٗ اخلدہٗ ۚ کلا لینبذن فی الحطمۃ ۫ وما ادرٰىك ما الحطمۃ ۫ نار اللّٰہ الموقدۃ ۙ التی تطلع علی الافئدۃ ۫ انہا علیہم مؤصدۃ ۙ فی عمدٍ ممدّدۃ ۫

ترجمہ :- ”افسوس ہے ہر عیب لگانے والے طعن کرنے والے پر جو مال کو جمع کرتا ہے اور اُسے گنتا رہتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اُس کو ہمیشہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا۔ اور تجھے کیا خبر ہے کہ حطمہ کیا ہے؟ اللہ تعالےٰ کی جلائی ہوئی آگ جو دلوں پر ظاہر ہوتی ہے۔ وہ ان پر لمبے لمبے ستونوں میں بند کر دی جائے گی۔“ (سورۃ الھمزۃ ۱۰۴)

اس سورت سے پہلے سُورۃ العصر ہے۔ اُس میں کامیاب زندگی گزارنے کے تین اصول بیان فرمائے ہیں۔ اوّل تو ایمان لاکر اور نیک عمل کر کے اپنے نفس کی اصلاح۔ پھر حق کو پھیلا کر دُوسروں کی اصلاح اور تیسرے صبر نہ صرف اپنے نفس کی اصلاح میں مداومت اختیار کر کے بلکہ حق کو پھیلانے میں لگے رہنے میں۔ صبر حوادث زمانہ یا تکالیف اور آزمائشوں میں بھی دکھانا نہایت اہم ہے کہ انسان کی اصلاح جتنی تکالیف اور دُکھوں سے ہوتی ہے وعظ و نصیحت سے یا مذہبی ارکان ادا کرنے سے نہیں ہوتی۔ یہی حکمت ہے تکالیف اور مصائب آنے میں جو کہ نیکیوں کو ذرا زیادہ ہی آتے ہیں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ الانبیاء اشد البلاء یعنے نبیوں کو سب سے زیادہ آزمائشیں آتی ہیں۔

اس کے بعد سورت الھمزۃ میں جو میں نے ابھی پڑھی ہے سخت افسوس کا اظہار کیا گیا ہے تین قسم کے انسانوں پر :-

۱ :- اُس انسان پر جو دوسروں پر عیب لگاتا ہے۔

۲ :- اُس انسان پر جو دوسروں پر طعن کرتا رہتا ہے۔

۳ :- اُس انسان پر جو مال کو جمع کرنے میں اتنا حریص ہے کہ اُسے گِن گِن کر خوش ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ مال حوادثِ زمانہ یا مصائب میں اُسے بچا لے گا۔ (جو عدّدہٗ کے دوسرے معنیٰ ہیں) اور یہ بھی خیال کرتا ہے کہ وہ مال اُسے ہمیشہ اچھی حالت میں یا خوش رکھے گا؛

عیب جوئی :-

یہاں تین اخلاقی اور باطنی بیماریوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اول تو یہ عام مرض ہے کہ انسان اپنے عیبوں کو تو نہیں دیکھتا (اور اسی لئے ان کی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوتا) بلکہ دُوسرے کے عیبوں پر نگاہ رکھتا ہے اور دُوسروں پر عیب لگاتا پھرتا ہے جو کہ پیٹھ کے پیچھے ہوتا ہے۔ یہ تکبّر نفس کی وجہ سے ہوتا ہے۔ شیطان کی خصلت قرآن کریم نے بتائی ہے کہ ابیٰ واستکبر یعنے اُس نے انکار کیا اور تکبر کیا۔ اور یہی دو خصلتیں شیطان ہر انسان میں پیدا کرنا چاہتا ہے یعنے اپنے عیبوں سے عملی انکار اور تکبّر کی وجہ سے اپنے آپ کو بے عیب اور پاک و صاف سمجھنا۔ تکبّر نہ صرف انسان کو اپنے عیبوں سے اندھا کر دیتا ہے بلکہ دوسروں کے عیبوں کی طرف متوجہ کر کے اپنی بڑائی اور بہتری کے احساس کو بڑھاتا ہے۔ مگر دوسروں پہ عیب لگانا حسد کی وجہ سے بھی ہوتا ہے تو یہ حسد کی آگ دل میں پیدا ہوتی ہے تو سُلگتی ہے اور فوراً بجھائی نہ جائے تو بھڑک اٹھتی ہے جس کی وجہ سے انسان دوسروں پر طعن و تشنیع شروع کر دیتا ہے۔ اسی لئے آگے اس آگ کے دلوں پر ظاہر ہونے اور بھڑک اُٹھنے کا ذکر آتا ہے۔ پہلے تو انسان پیٹھ کے پیچھے دوسروں پر عیب لگاتا پھرتا ہے اور پھر یہ باطنی آگ بھڑک کر اُسے طعن و تشنیع کی جرأت دلاتی ہے یعنے وہ مونہہ پر لعن و طعن کرنے لگتا ہے۔

یہ امراض کس قدر عام ہیں خصوصاً اس زمانہ میں؟ انسان کے سب سے بڑے محسن اس کے ماں باپ ہوتے ہیں۔ مگر آج اولاد کو دیکھ لیجئے کہ وہ عام طور پر اپنے والدین کی پیٹھ کے پیچھے اُن کی عیب شعاری کرتی پھرتی ہے۔ اور جب یہ مرض بڑھ جائے تو ماں باپ کے مونہہ پر ان کو بُرا بھلا کہنے لگتی ہے۔ اسی طرح میاں بیوی کا رشتہ محبت اور احسان کا ہے مگر آج یہ فیشن ہو گیا ہے کہ بیویاں پہلے تو خاوندوں کے عیبوں کا ذکر کرتی پھرتی ہیں اور پھر اس مرض میں بڑھ کر خاوندوں کے مونہہ پر طعنہ بازی اور لڑائی جھگڑے کرنے لگتی ہیں۔ اسی طرح خاوند اپنی بیویوں کے عیبوں پر نگاہ رکھنے لگے ہیں اور ان کی خوبیوں کو نظر انداز کرنے لگے ہیں اسی لئے میاں بیوی میں ناچاقی اور جھگڑے بڑھ کر طلاقوں کو عام کرنے لگے ہیں حالانکہ پہلے زمانہ میں میاں بیوی ایک دُوسرے کے عیبوں کو سہتے تھے اور گزارہ کرتے تھے۔

اسی طرح بھائی، بھائی میں عیبوں کو دیکھتا اور لڑتا جھگڑتا ہے۔ بہن، بہن کے درمیان یہی حال ہے۔ ساس بہو کے جھگڑے مشہور ہیں۔ وہ بھی ایک دوسرے کے عیبوں کو دیکھنے اپنے عیبوں کو نہ دیکھنے بلکہ اُن سے انکار، اور ایک دُوسرے پر طعن و تشنیع کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ بھاوج، دیورانی اور دُوسرے رشتہ داروں کے لڑائی جھگڑے انہی وجوہات سے ہوتے ہیں۔ ہمسایوں میں بھی انہی وجوہات سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جماعتوں کو بھی یہی کمزوریاں

ہمیں قرآن پاک اور رسول اللہ صلعم نے ہدایت کی ہے کہ اللہ تعالےٰ کے اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرو سو اگر اللہ تعالےٰ لوگوں کے عیبوں پر نگاہ رکھتے ہوئے ان کو پکڑنے لگتا تو یہ دُنیا ایک دن میں ختم ہو جاتی۔ میں اوروں کا تو نہیں جانتا مگر اپنے بارہ میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر اللہ تعالےٰ نے صرف میرے عیبوں پر نگاہ رکھی ہوتی اور طعن کرنے والے کی طرح پکڑ کی ہوتی تو میں تو کبھی کا ہلاک ہو گیا ہوتا۔ اللہ تعالےٰ کی یہ صفت ہے کہ وہ انسانوں کی خوبیوں پر نگاہ رکھتا ہے تبھی تو یہ دُنیا چل رہی ہے۔ اس لئے اگر ہم اپنی فلاح چاہتے ہیں تو ہمیں بھی یہی خدائی صفت اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ علاوہ روحانی اور اخلاقی فائدہ کے دل کی ٹھنڈک، آپس کا پیار و محبت اور دُنیا کی جنّت اسی میں ہے ورنہ دِل کی آگ اور باہر کی آگ دونوں انسان پر وارد ہو جاتی ہے۔

تیسرا نقص

تیسری آگ جس نے انسانوں کی زندگی کو اور اس دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے وہ مال کا حرص اور طمع ہے جن کا ذکر اس سورت میں یُوں بیان فرمایا گیا ہے کہ مال کو جمع کر کے اور اُس کو گِن گِن کر خوش ہونا کہ وہ مال مصیبت میں یا بُرے وقت میں ان کو بچا لے گا یا ان کی ہمیشگی خوشی اور فلاح مال میں ہے۔ اللہ تعالےٰ نے مال کو دوسری جگہ اپنا فضل کہا ہے اور اس کو کمانے پر کوئی بندش نہیں لگائی سوائے اس کے کہ وہ مال حلال طریقہ سے کمایا گیا ہو اور اس میں سے اللہ تعالےٰ کے اور انسانوں کے حقوق جن کو قرآن پاک میں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے ادا کئے جائیں۔ اللہ تعالےٰ کے حقوق میں زکوٰۃ کے علاوہ انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر بار بار آیا ہے خصوصًا مال سے جہاد یعنے حق کو پھیلانے کے لئے مال کو خرچ کرنا ہے جو ہماری جماعت کے چندہ ماہوار اور خاص چندوں کے رنگ میں اس زمانہ کے مامور الٰہی نے ہم پر فرض کیا ہے۔ اور انسانوں کے حقوق میں بیواؤں، یتیموں، غریب رشتہ داروں، مسکینوں، ہمسایوں، مسافروں، سوالیوں، مقروض لوگوں کی امداد وغیرہ بالتفصیل قرآن میں بار بار تاکیدًا بیان فرمائی گئی ہے:۔

ھل من مزید

اس طرح مال کو خرچ کرنے سے مال کی محبت اور حرص اور طمع آگ بن کر ھل من مزید کا رنگ نہیں اختیار کرنے پاتیں کہ انسان کی ہوس اور حرص صرف اپنے لئے ہو جائے اور وہ مال کو اپنا خدا بنا لے۔ مال پہ بھروسہ کرنا کہ وہ نہ کہ اللہ تعالےٰ آڑے وقت میں یا حوادثِ زمانہ میں انسان کو بچا لے گا یا انسان کو ہمیشہ سکھی اور خوش رکھے گا شرک بن جاتا ہے۔ اس مال کی ہوس اور حرص بلکہ شرک نے لوگوں کے دلوں پہ ھل من مزید کی آگ عام کر دی ہے۔ اور باہر دنیا میں مہنگائی کے علاوہ جرائم مثلاً چوری، ڈاکہ، قتل و غارت، رشوت ستانی، بلیک مارکیٹ، ناجائز منافع خوری، سمگلنگ بلکہ جنگ و جدل کی آگیں بھڑکائی ہیں۔

ولنذیقنھم من العذاب الأدنیٰ دون عذاب الأکبر۔

یعنے ہم انسانوں کو ادنیٰ عذاب چکھاتے ہیں۔ بڑے عذاب سے پہلے۔ دُوسری جگہ بھی فرمایا کہ:۔

ولعذاب الآخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون

کہ عذاب آخرت اس دُنیا کے عذاب سے بڑھ کر ہے۔ اے کاش لوگ اسے جانتے۔

عام طور پر لوگوں کو آخرت پہ یقین نہیں ہوتا اسی لئے اللہ تعالےٰ اس دنیا میں اس کا کچھ مزہ چکھا دیتا ہے۔ دُنیا کا عذاب اُتنا سنگین نہیں ہوتا جتنا کہ آخرت کا عذاب کیونکہ دُنیا میں انسان کا جسدِ خاکی ایک حد سے زیادہ عذاب کو سہہ نہیں سکتا۔

بہرصورت اگر آخرت پہ پھر بھی یقین نہیں تو دُنیا کے بُرے نتائج تو انسان کو نظر آتے ہیں۔ کہ کس طرح انسانوں کی زندگی عیب جوئی اور طعن و تشنیع سے تلخ بلکہ جہنّم بن جاتی ہے۔ اور یہی حال مال کی حرص اور طمع کا ہے جو بدقسمتی سے اس زمانہ میں اہلِ مغرب نے ہمیں سکھائی ہیں۔ اُن کی طرح مال کو خُدا نہ بناؤ بلکہ حلال طریقہ سے کما کر اُس طرح خرچ کرو جو قرآن حکیم نے ہمیں بتایا ہے اور جس کی طرف میں نے اختصار سے اشارہ اس خطبہ میں پہلے کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو بھی اس پہ عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

* * *

حضرت محمّد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:۔

- وہ ہمنشیں سب سے بہتر ہے جس کا دیکھنا تمہیں اللہ تعالےٰ کی یاد دلائے۔
- کسی قسم کی نیکی کو حقیر نہ سمجھو۔ حتیٰ کہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی ہے۔
- اپنے بھائی کی ملاقات پر مُسکرانا صدقہ ہے۔ کسی اچھی بات کا حکم کرنا اور بُری بات سے منع کرنا بھی صدقہ ہے۔
- اظہارِ نعمت، منعم کا شکر ادا کرنے کے مترادف ہے
- طالب علم کے لئے ارض و سماء کی تمام چیزیں حتیٰ کہ پانی میں مچھلیاں بھی استغفار مانگتی ہیں۔
- کبھی اپنے بھائی کی بدحالی پر خوش مت ہو، ہو سکتا ہے کہ اللہ کبھی اس پر رحمت کر دے اور تجھے اس میں مبتلا کر دے۔
- طہارت نصف ایمان ہے۔
- خیرات بلاؤں کو ٹال دیتی ہے۔

رپورٹ برلین مسلم مشن

سہ ماہی رپورٹ
بابت ستمبر تا نومبر ۸۰ء

از:- مولانا محمد یحییٰ بٹ

احباب کرام ——— السّلام علیکم!

آج میں آپ احباب کی خاطر آپ کے اس اہم مشن کی تبلیغی مساعی کی سہ ماہی رپورٹ۔ بابت ماہ ستمبر۔ اکتوبر۔ اور نومبر ذیل میں لکھتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ آپ احباب کے لئے جن کے قلوب میں قرآن کریم کے پیغام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کی تڑپ اور محبت ہے۔ برلین مسلم مشن کی ان تبلیغی مساعی کا ذکر بڑی دلچسپی اور بڑی خوشی کا باعث ہوگا۔ انشاء اللہ

برلین مسلم مشن کی تبلیغی مساعی کا ذکر

میرے دو پبلک لیکچر:- ۱۔ ڈیموکریٹک کلب میں لیکچر۔ ۲۔ برلین کے ٹاؤن ہال میں لیکچر۔ تیسرا لیکچر ریڈیو میں۔ جسے لاکھوں جرمن مرد و جرمن خواتین نے نیز ہزاروں احباب نے سُنا۔

برلین میں اُنیس اجتماعات

عیدالاضحٰی کا مبارک اجتماع جس میں سات مختلف اسلامی ممالک سے آئے ہوئے احباب نے شرکت کی۔ جمعہ کے دن منعقد ہونے والے تیرہ اجتماعات ہیں جن میں قرآن کریم سے مختلف مضامین کو خطبات میں بیان کیا گیا۔ آسٹریا سے ایک بڑے گروپ کا مسجد کی زیارت کے لئے آنا۔ اور اُن کے سامنے ایک گھنٹہ تک اسلام کی بنیادی تعلیمات کو واضح کرنا۔ برلین سکول سے چار مختلف کلاسز کا مسجد میں آنا اور طلباء کو اسلام کے بنیادی اصولوں پر لیکچر دینا اور اُن کے سوالات کا جواب دینا۔ ان بڑے اجتماعات کے علاوہ میونخ جرمنی کی یونیورسٹی سے ایک لیکچرار کا مشنری انچارج کی ملاقات کے لئے آنا اور اس سے چار گھنٹہ تک تبادلۂ خیالات کرنا۔ انگلستان سے ایک مسلمان جرنلسٹ کا برلین حکومت کی دعوت پر برلین آنا اور اس معزز مہمان کا حسب پروگرام امام برلین مسجد کی ملاقات کے لئے آنا۔ ایک امریکن عیسائی کا متعدد بار مسجد میں آنا اور اسلام کے بارے میں علم حاصل کرنا۔ دو ججوں کو ان کی فیملی کے ساتھ مشن ہاؤس میں کھانے کی دعوت پر بلانا۔ اُن سے تبادلۂ خیالات کرنا اور انہیں جرمن ترجمۃ القرآن کا ایک ایک نسخہ تحفۃً دینا۔ قرآن کریم کا یہ تحفہ خاکسار راقم الحروف نے مشن سے خرید کر قبلہ والد صاحب مرحوم و مغفور اور والدہ صاحبہ مرحومہ کی ارواح کو ثواب پہنچانے کی نیت سے جج صاحبان کو دیا۔

برلین سے ایک پولیس آفیسر کا مسجد میں آنا اور اسکی خواہش پر پمفلٹس کی ایک ایک کاپی کا اُسے تحفہ دیا جانا۔ مغربی جرمنی سے ایک جرمن خاتون کا ٹیلی فون کرنا اور ٹیلی فون پر ایک لمبے وقت تک اسلام کے بارہ میں مختلف سوالات کرنا اور اُن کا جواب سننا۔ ایک پمفلٹ کو شائع کرنے کی تحریک کرنا اور احباب کا اس کے لئے عطیہ جات دینا۔

اس کے علاوہ دفتری امور یعنی خط و کتابت۔ ترسیل لٹریچر اور مسجد سے متعلق انتظامیہ امور کو نبھانا مشن کے لئے عطیہ جات کی تحریک کرنا اور خدا کے فضل سے مشن کی تبلیغی مساعی سے متعلق تمام اخراجات کا نیز مشنری انچارج سے متعلق اخراجات کا پورا ہو جانا۔ الحمدللہ رب العالمین۔

برلین مسلم مشن کی تبلیغی مساعی کی وضاحت

ڈیموکریٹک کلب میں لیکچر:- اس کلب میں لیکچر کی دعوت کس طرح ملی اس کا ذکر میں اپنی گزشتہ سہ ماہی رپورٹ ماہ جون تا اگست میں کر چکا ہوں۔ اس کلب کا فائنینشل سیکرٹری اور کلب میں چرچ گروپ کا لیڈر میرے اس لیکچر میں موجود تھا جو میں نے برلین میں سوداگروں اور صنعت کاروں کے جلسہ میں دیا تھا۔ اس لیکچر سے متاثر ہو کر اس نے مشن ہاؤس میں آ کر خواہش ظاہر کی تھی کہ میں ایک لیکچر اُن کے حلقہ میں بھی دوں۔ چنانچہ اس کلب کے چیئرمین نے مجھے خط لکھا اور اپنی خوشی کا اظہار بھی کیا کہ میں اُن کی کلب میں لیکچر دینے کے لئے تیار ہوں۔ موضوع تھا: "مسلمان ممالک۔ اُن کا مذہب اور سیاست"، حسب پروگرام ۲۶ ستمبر بروز جمعہ کلب کا فائنینشل سیکرٹری مشن ہاؤس میں آ کر مجھے جلسہ گاہ میں لے گیا۔ کلب کے چیئرمین نے حاضرین سے میرا تعارف کرایا اور مجھے لیکچر کے لئے کہا۔ میرا لیکچر ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ بعد میں ڈیڑھ گھنٹہ تک سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ اور یوں اسلام سے متعلق مختلف نظریات کو بیان کرنے کا موقعہ مل گیا۔ کلب کے چیئرمین مسٹر پاش نے میرا شکریہ ادا کیا اور حاضرین نے تالیاں بجا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ خدا کے فضل سے یہ لیکچر حاضرین کے لئے بڑا مفید ثابت ہوا۔

برلین کے ٹاؤن ہال میں لیکچر:-

برلین میں علاقہ شٹر لوٹن برگ کے ٹاؤن ہال میں لیکچر دینے کے لئے آل چرچز آرگنائزیشن کے سیکرٹری نے مجھے دعوت دی تھی۔ اس لیکچر کے لئے موضوع بھی انہوں نے خود ہی تجویز کیا تھا۔ گزشتہ سالوں میں میں کئی لیکچر اس ٹاؤن ہال میں "اسلام" پر دے چکا ہوں۔ اس دفعہ مسٹر راگوزے نے ایک ایسا موضوع چنا جس پر لیکچر دینے کے لئے اس نے میرے علاوہ پانچ اور مقررین کو بھی دعوت دی۔ ان میں عیسائی عالم، بدھ مذہب کے عالم شامل تھے۔ اس جلسہ کی خوب تشہیر کی گئی۔ موضوع تھا: "مختلف مذاہب کے شعراء کا کلام"۔ مجھے کہا گیا کہ حافظ شیرازی کے کلام سے اسلامی کلچر (اسلامی نظریات) کو پیش کروں۔ اس موضوع پر لیکچر دینے کے لئے میں نے حافظ شیرازی کے دیوان کا مطالعہ کیا۔ اور اُن کے کلام سے توحید و عشق الٰہی۔ اخلاقیات اور انسانی ہمدردی کے نظریات کو ان کے اشعار میں پیش کیا۔ میرا یہ لیکچر ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ حاضرین جلسہ حافظ شیرازی کے ان نظریات کو سُن کر بڑے ہی متاثر ہوئے۔ حافظ شیرازی کے ان نظریات کو پیش کرنے سے پہلے میں نے ان کی پیدائش اور ان کی بلوغت کے زمانہ کو بھی بیان کیا اور بتایا کہ کس طرح انہوں نے شاعری میں کمال حاصل کرنے کے لئے خدا کے حضور دُعا کی۔ اور وہ دُعا قبول ہو گئی۔ اس ضمن میں میں نے حافظ کا یہ شعر پڑھا ؎

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند
اندر آں ظلمت شب آب حیاتم دادند

آل چرچز آرگنائزیشن کے سیکرٹری مسٹر گوزے نے میرے لیکچر پر تعریفی کلمات کہے اور میرا شکریہ ادا کیا۔ بعد میں مسٹر راگوزے نے مجھے ایک خط لکھا جس میں حاضرین جلسہ کے علاوہ اپنے ذاتی تاثرات کو بیان کیا۔

ریڈیو میں لیکچر:-

۲۶ اکتوبر بروز اتوار میری تقریر ریڈیو پر نشر کی گئی جسے لاکھوں یورپین افراد نے پندرہ منٹ تک سنا۔ عیسائی دوستوں اور مسلمان احباب نے اس تقریر کو پسند کیا۔ اور ٹیلی فون پر اور بعض نے مسجد میں آ کر اپنے تاثرات کو بیان کیا۔ موضوع تھا۔ "مسلمانوں کے ہاں قربانی کا تہوار" اس سلسلہ میں میں نے مندرجہ ذیل نکات کو بیان کیا۔

حضرت ابراہیم اور اُن کی تین بیویاں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا اپنے بچے کے ساتھ مکّہ میں جانا۔ حضرت ہاجرہ کا توکل علی اللہ اور ان کا سعی کرنا۔ چشمہ کا جاری ہو جانا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب اور باپ و بیٹے کا قربانی کے لئے تیار ہو جانا۔ انسانی قربانی کی بجائے مینڈھے کا ذبح کیا جانا۔ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا خانہ کعبہ کا از سر نو تعمیر کرنا۔ اور ایک نبی کے ظہور کے لئے دُعا کرنا۔ دُعا کا قبول ہونا اور سیدنا حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی بعثت۔ آپؐ کا اپنی امت میں حج بیت اللہ و قربانی کو فرض قرار دینا۔ قربانی کا فلسفہ جانور کا خون و گوشت خدا کو نہیں پہنچتا بلکہ خدا کے ہاں صرف تقوٰی کو قبولیت کا شرف حاصل ہے۔ قربانی کی فلاسفی کو بیان کرتے ہوئے میں نے کہا۔

اسلام عیسائیت کی طرح خدا کو آسمان سے نیچے اُتار کر زمین پر نہیں لاتا۔ وہ انسان کو نجات دلانے کے لئے خود مرے اور اپنی جان قربان کرے بلکہ وہ انسان کو زمین سے اُٹھا کر آسمان کی طرف لے جاتا ہے تا وہ آسمان پر پہنچ کر خدا کے حضور گر کر اپنے جذبات اور اپنے ارادات کو قربان کر دے۔

احباب نے مشورہ دیا ہے کہ اس تقریر کو چھپوا کر عیسائی دوستوں میں تقسیم کیا جائے۔ اس تقریر کو چھپوانے کے لئے احباب نے عطیہ جات دے دیئے ہیں جس سے انشاء اللہ تمام اخراجات پورے ہو جائیں گے۔

عیدالاضحٰی کا مبارک اجتماع

عیدالاضحٰی کا مبارک اجتماع ۱۸ اکتوبر بروز ہفتہ منعقد ہوا۔

احباب کو اس اجتماع میں شمولیت کرنے کے لئے دعوت نامے بھیجے گئے۔ مختلف ممالک یعنی ترکی پاکستان، مصر، شام، الجیریا اور سینی گال سے آئے ہوئے احباب نیز جرمن نومسلمین نے اس مبارک اجتماع میں شرکت کی۔ نمازِ عید ادا کی گئی۔ خطبہ دیا گیا جو بیس منٹ تک جاری رہا۔ خطبہ میں حج اور قربانی کی فلاسفی کو بیان کیا گیا۔ خطبہ کے اختتام پر احباب کو عید مبارک کہی گئی۔

جمعہ کے نیرو کا اجتماعات

[illegible] ہوئے احباب شرکت کرتے رہے۔ ان اجتماعات میں قرآن کریم سے مختلف مضامین کو بیان کیا گیا جو حاضرین کے لئے خوشی کا باعث ہوئے۔ ایسے اجتماعات میں بعض اوقات مغربی جرمنی اور بعض اوقات مشرقی جرمنی سے آئے ہوئے جرمن دوست بھی حصہ لیتے رہے۔ جمعہ کی نماز کے بعد خطبہ میں بیان کئے گئے موضوعات پر احباب سے مزید گفتگو بھی ہوتی رہی۔ جو سامعین کے لئے بڑی مفید ثابت ہوئی۔

آسٹریا سے ایک بڑا گروپ مسجد میں

آسٹریا سے ایک بڑا گروپ مسجد میں آیا۔ اس گروپ میں ساٹھ افراد شامل تھے۔ اس گروپ کے قائد نے بتایا کہ وہ گذشتہ سالوں میں کئی بار مسجد میں گروپس کے ساتھ آ چکا ہے۔ یہ گروپ ایک گھنٹہ تک مسجد میں ٹھہرا۔ ان کے سامنے اسلام کی بنیادی تعلیمات کو بیان کیا گیا۔ بعد ازاں ان کے سوالات کے جوابات بھی دیئے گئے۔ گروپ کے قائد نے شکریہ ادا کیا۔

نیوروپ جماعت کے طلباء کا مسجد میں آنا

چار دفعہ چار مختلف سکولوں کے طلباء اپنے اپنے اُستاد کے ساتھ مسجد میں آئے۔ ان میں سے بعض دسویں اور بعض بارہویں، تیرہویں جماعت کے طلباء تھے۔ انہوں نے اسلام کے بنیادی اصولوں پر میرے لیکچر کو سنا۔ سوالات کئے اور جوابات سنے۔ جو ان کے لئے بڑے مفید ثابت ہوئے۔

میونخ یونیورسٹی کے ایک لیکچرار کا ملاقات کے لئے آنا

میونخ یونیورسٹی سے ایک لیکچرار میری ملاقات کے لئے مسجد میں آئے۔ وہ چار گھنٹہ تک میرے ہاں مشن ہاؤس میں ٹھہرے۔ اور انہوں نے مسلمان ممالک میں مذہبی اور سیاسی بیداری و تحریکات پر مجھ سے تبادلہ خیالات کیا۔ یہ گفتگو بڑی مفید رہی۔ جاتے ہوئے لیکچرار موصوف قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر از حضرت مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالےٰ امیر جماعت احمدیہ لاہور خرید کر لے گئے۔

انگلستان سے ایک مسلمان جرنلسٹ کا ملاقات کے لئے آنا

انگلستان سے ایک مسلمان جرنلسٹ حکومت کی دعوت پر برلین آئے۔ اُن کے پروگرام میں "برلین مسجد کے امام سے ملاقات" کا وقت بھی رکھا گیا۔ حسب پروگرام وہ مسجد میں آئے۔ مسجد کی تاریخ، مشن کی تبلیغی مساعی کے بارے میں انہیں آگاہ کیا گیا۔ انہوں نے مشن کی تاریخ اور اس کی مساعی کو سن کر خوشی کا اظہار کیا۔ ان کی تواضع پھل سے کی گئی۔

ایک امریکن عیسائی کا مسجد میں آنا

ایک امریکن عیسائی جو انگریزی اور جرمن جانتے تھے مسجد میں متعدد بار آئے۔ انہوں نے اسلام سے متعلق مختلف موضوعات پر سوالات کئے اور میرے جوابات کو سُنا۔ قرآن کریم انگریزی ترجمہ و تفسیر از حضرت [illegible] حصص کے مطالب اور ان کی تفسیر بتاتا تھا۔ درسِ قرآن کریم کا یہ سلسلہ اُن کے لئے بڑا مفید ثابت ہوا۔

دو ججوں کو معہ فیملی کھانے کی دعوت

دو ججوں کو اُن کی فیملی کے ساتھ کھانے کی دعوت دی گئی۔ اُن کی تواضع پاکستانی کھانے سے کی گئی۔ جس کو انہوں نے بڑا پسند کیا۔ کھانا تیار کرنے میں میری بیٹی منصورہ نے بڑی محنت کی۔ جزاھا اللہ۔ جج صاحبان کو مشن کی تبلیغی مساعی اور اس کی تاریخ سے آگاہ کیا گیا۔ بعد میں انہیں قرآن کریم جرمن ترجمہ کی ایک ایک کاپی تحفتہً دی گئی۔ اس تحفہ کو حاصل کر کے انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ یہ تحفہ میں نے انہیں اپنی طرف سے دیا۔ یعنی ان کو میں نے مشن سے خریدا۔ اور اپنے والدین کی ارواح کو ثواب پہنچانے کے لئے قرآن کریم کے ان نسخوں کو ہر دو جج صاحبان کو دیا۔

پولیس آفیسر کو جرمن زبان میں لکھے ہوئے پمفلٹس کا تحفہ

برلین سے ایک پولیس آفیسر مسجد میں آئے۔ انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔ اور کہا کہ وہ اسلام کے بارے میں علم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے جرمن زبان میں لکھے ہوئے پمفلٹس کو حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ ان پمفلٹس کو حاصل کر کے وہ بڑے خوش ہوئے۔

جرمن خاتون کا ٹیلی فون پر اسلام کے بارے میں علم حاصل کرنا

مسجد کے حلقہ سے ایک فیملی برلین چھوڑ کر جرمن کے شہر BEBRA میں منتقل ہو گئی ہوئی ہے۔ خاوند مسلمان ہیں اور عرب ہیں — ان کی اہلیہ جرمن عیسائی خاتون ہیں۔ ٹیچر ہیں۔ برلین میں قیام کے دوران اکثر مسجد میں آتی تھیں۔ BEBRA میں ایک عیسائی پادری نے اسلام پر لیکچر دیا۔ بعض باتیں اس پادری نے اسلام کے بارہ میں صحیح طور پر پیش نہ کیں۔ اس خاتون نے ان پر اعتراض کیا۔ یوں پادری صاحب سے ان کی لمبی گفتگو ہو گئی۔ پادری نے جو سوالات کئے۔ ان کے جوابات کے لئے خاتون نے مجھ سے ٹیلی فون پر ایک گھنٹہ تک بات کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پادری صاحب نے قرآن کریم جرمن ترجمہ کا نسخہ مشن سے خرید لیا۔

دفتری اور انتظامیہ امور

پبلک لیکچرز، ریڈیو میں لیکچر، گروپس میں لیکچرز اور خطبات دینے کے ساتھ ساتھ مشن سے متعلق انتظامیہ اور دفتری امور کو بھی نبھایا۔ اللہ غفور رحیم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل سے ان تمام تبلیغی مساعی کو نبھانے کی توفیق عطا فرمائی۔

الحمد للہ رب العالمین

تفسیر

بیان القرآن

تفسیر بیان القرآن کی تازہ ایڈیشن

جو ایک جلد میں شائع کی گئی ہے۔ گذشتہ جلسہ سالانہ سے صرف چند یوم قبل تیار ہوئی تھی جلد بندی کے وقت ایک سو کتابوں میں ایک فرمہ الٹ پلٹ ہو جانے کی وجہ سے صفحات کی ترتیب میں فرق آ گیا ہے۔ اس غلطی کی اصلاح ہو چکی ہے تاہم جن احباب کے پاس یہ جلدیں ہوں انہیں اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ اپنی جلد واپس کر کے اصلاح شدہ نسخہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس اعلان کی اشاعت کے دو ماہ بعد تک یہ تبادلہ ہو سکے گا۔

جنرل سیکرٹری

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور

ایک کمان کے دُو تیرے

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی معظمی ایڈیٹر صاحب، اخبار پیغام صلح۔ لاہور ——— السلام علیکم!

منسلکہ مضمون بعنوان "ایک کمان کے دُو تیرے" میں نے انگلینڈ میں پندرہویں صدی کے آغاز پر لکھا تھا۔ اس ارادہ کے ساتھ کہ بطور تقریر سالانہ جلسہ کے مجمع عام میں پیش کروں گی لیکن بعض مصلحتوں کی بناء پر یہ ارادہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ ایک شام عزیزی محمد احمد معہ اپنی صاحبزادی فریدہ ڈاکٹر پاشا اور اُن کی فیملی کے میرے ہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ مضمون زیر بحث آگیا۔ میں نے اس کی کاپی لاکر محمد احمد کے ہاتھ میں دے دی۔ کیا بتاؤں کہ وہ پڑھ کر کس قدر خوش اور متاثر ہوئے۔ بار بار اصرار سے کہتے کہ یہ ضرور ہماری نئی نسل کے سامنے پیش ہونا چاہیئے۔ یہ ضائع کر دینے والی چیز نہیں۔ اُن کے زور دینے پر میں نے اُسی وقت یہ تقریر اور سب کو بھی پڑھ کر سنائی۔ اور الحمد للہ کہ میری بات باثر ثابت ہوئی اور سب نے اس کو پسند کیا۔

یہ تقریر موقع و محل کے لحاظ سے ترتیب دی گئی تھی اور میں نے یہ سوچ کر کہ آئندہ کبھی اس میں مناسب ردّ و بدل کر کے نذرِ قارئین کر دوں گی اسے اُٹھا کر رکھ دیا۔

مگر افسوس کہ جلسہ کے چند دن بعد ہی اس کو پسند کرنے والے کو حکمِ سفر آگیا اور وہ غم خوارِ دین و قوم اس دار العمل سے دار الجزاء کو کُوچ کر گیا۔ اب میں اس تقریر کو من و عن بغیر بدلے نذرِ قارئین کرتی ہوں اور اس کو یہ کہہ کر محمد احمد کی یاد سے معنون کرتی ہوں کہ — ع "خُوب ہی تُو نے نبھایا عہد جو اُس سے کیا"۔ جس طرح اس جانثار نے اپنا عہد اللہ سے نبھایا، میری دُعا ہے کہ ہمارے ہر نوجوان بچے اور بچی کو اس کے نقشِ قدم پر چلنے، اللہ سے عہد باندھنے اور اس کو نبھانے کی توفیق ملے۔ آمین ——— اُمید ہے آپ مواس عریضہ کے میرے مضمون کو اپنے قیمتی جریدہ میں جگہ دے کر مجھے شکور اور عند اللہ ماجور ہونگے ——— والسلام ——— خاکسار رضیہ فاروقی۔ لندن (حال مقیم لاہور)

سب سے پہلے تو اُس رب العالمین کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ آج ہماری زندگیوں میں دورِ زمانہ اور گردشِ گردوں نے ایک صف اور لپیٹ لی اور ہم لوگوں کی زندگیوں میں ہی پندرھویں صدی کا آغاز ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ اس نئی صدی کو ہر طرح مبارک و بابرکت بنائے۔ اس بے چین و پُرآشوب دنیا کے لئے یہ پیامِ امن و آشتی بن کر آئے اور اس کی بھٹکتی ہوئی مخلوقِ خدا پہ دینِ اسلام کے صُلح و سکون بھرے دروازے کھُل جائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

گزر جانے والی چودھویں صدی کے سو سال کا جائزہ لینا تو تاریخ والوں کا کام ہے جو اپنے وقت پر کتابِ ہستی میں ایک اور باب کا اضافہ کریں گے لیکن یہ گزرنے والی صدی کیسی تھی کہ آج سے چودہ سو سال پہلے ہمارے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس خواب و خیال میں آئی اور اس کی فضیلت حضورؐ کی زبانِ مبارک سے بیان ہوئی۔

وہ فضیلت یہی تھی کہ اس صدی میں ایک ایسے فرزندِ اسلام کا ظہور ہو گا جو اللہ تعالےٰ کی جناب سے متعدد امتیاز و اعزاز سے مزیّن آئے گا۔ وہ مجدّدِ اسلام ہو گا۔ وہی مہدیٔ زمان ہو گا۔ وہ وعدے کا مسیح جو امتِ محمدیہ سے اُٹھے گا نہ صرف تجدیدِ اسلام کرے گا بلکہ اس کے للکارنے اور مقابلے پر بلانے اور قائل کرنے سے عیسائیت اور دُوسرے مذاہب کے حملہ آور سرکردہ مذہبی مبلغ مات کھا کر ناکام رہ جائیں گے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان گزرے سو سال میں وہ کون ایسا دعوے کا سچا بات کا پکّا بندۂ حق پیدا ہوا جس کا نام اور کام صدی گزر جانے پر بھی زندہ ہے اور انشاء اللہ زندہ رہے گا۔

صرف ایک ہی ایسی ہستی اور ایک ہی ایسا نام اس صدی کے صفحۂ صُبح و شام پر نظر آتا ہے اور وہ ہے حضرت مرزا غلام احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اسمِ گرامی۔ اور آج اس پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر اس کے چاہنے والے جاں نثار اس کو خراجِ تحسین ادا کرنے اور اس کے بنائے ہوئے مشن کو زندہ رکھنے کا عہدِ وفاداری جس کا دُوسرا نام بیعت ہے۔

اُس پر میں یہاں کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں۔

یہ حقیقت مجھ پر اکثر ظاہر ہوئی ہے کہ انسانی فطرت عہد یا بیعت کے نام سے بھڑکتی اور گھبراتی ہے۔ ثبوت کے لئے میں اپنے چند مشاہدے پیش کرتی ہوں۔

میرے ایک بہت قریبی نوجوان عزیز ہیں۔ جو بہت نیک اور سعید رُوح کے مالک ہیں۔ نہ صرف اُن کے دل و دماغ میں محبّتِ اسلام و سلسلہ رچی ہوئی ہے بلکہ عملی طور پر وہ ہمیشہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا اعلےٰ نمونہ دکھاتے ہیں مگر بیعت نہیں کرتے۔ میں اکثر ان کو کہتی ہوں کہ جب آپ اس قدر اخلاص سے جماعت کے ساتھ ہیں تو بیعت کر کے شاملِ سلسلہ کیوں نہیں ہو جاتے۔ ان کا جواب ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ "نہ جی بیعت کر کے میں اپنے پر عہد کی پابندی عائد نہیں کرنا چاہتا۔" ان کی یہ منطق مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی۔ اوّل تو ہر ایک انسان پیدائش سے ہی خدائی عہدِ فطرت میں بندھا ہوا آتا ہے۔ پھر یہ اقرارِ توحید۔ کلمہ شہادت۔ اسلام اور اس کے ارکان پر کاربند ہونا ایک عہد اور اسکی پابندی نہیں تو اور کیا ہے؟ اور یہ بیعت ہے کیا چیز؟ کیا یہ کوئی نیا اقرار یا عہد ہے؟ یا یہ اُسی قدیم اور سچے اقرار و عہد کی تجدید جو آفرینشِ زمانہ سے سب خدا کے نبیوں اور رسولوں نے خود کی اور کروائی۔ اور آخر میں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عہدِ خداوندی کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ہمیشہ کے لئے نسلِ انسانی پر یہ احسان کیا کہ وہ جب چاہیں اپنے انگھڑ عہدِ فطرت کو اس مکمل عہدِ اسلامی کے ذریعے کمال تک پہنچا دیں۔ یہ شرف صرف حضور کو حاصل ہے کہ آپ کے بعد جو بھی مجدّد۔ راہنما۔ ریفارمر یا ولی اللہ آپ کی اُمّت میں آئے انہوں نے اگر بحکمِ الٰہی کوئی عہدِ بیعت اپنے مریدوں سے لیا تو وہ وہی کلمۂ توحید و اقرارِ شہادت اور ارکانِ اسلام پر کاربند رہنے کا عہد ہے جو آپ نے اپنے وقت میں ہر ایک مسلمان سے لیا۔ یہاں تک کہ ہر پیدائشی مسلمان بچے کے کان میں سب سے پہلے جو آواز پڑتی ہے وہ اذان و اقامت کے ذریعے اُسی عہد کی تکرار ہوتی ہے۔ تو اگر ایک مسلمان پیدا ہی ایسے عہد و اقرار کے ساتھ ہوتا ہے تو جوان ہو کر خود اپنی عقل و سمجھ سے اس کا اقرار کر کے کوئی نیا بوجھ یا پابندی کس طرح کندھوں پر آ پڑے گی؟

بیعت پر ایک اور اعتراض میں نے ایک نوجوان خاتون سے سُنا جنہوں نے فرمایا کہ "یہ ٹھیک ہے کہ چودھویں صدی کے شروع میں مسلمان اپنے مذہب سے غافل تھے اور عیسائیت اور دیگر مذاہب کے حملوں سے اسلام خطرے میں تھا لیکن مرزا غلام احمد صاحب نے مسلمانوں کی خبر تو لی نہ۔ اُلٹا دھڑا دھڑ اُن کو احمدی بنانے میں مصروف ہو گئے۔"

سبحان اللہ! میں نے عرض کی کہ بی بی آپ نے کبھی یہ بھی سوچا یا سمجھنے کی کوشش کی کہ حضرت مرزا صاحب نے احمدی کیوں بنائے؟ یا وہ کیا بنے یہ حقیقت ہے کہ جب اور علمائے اسلام دھڑا دھڑ مسلمانوں کو بات بات پر کافر قرار دے رہے تھے۔ اس وقت حضرت مرزا غلام احمد صاحب بھولے بھٹکے مسلمانوں کو صحیح تعلیمِ اسلام سے روشناس کرا کے اُن کو دوبارہ پکّا اور سچّا مسلمان اور ساتھ ہی مبلّغِ اسلام بنا رہے تھے۔ احمدی نام تو صرف اُن جانباز سپاہیوں کی شناخت کے لئے دیا گیا۔ ورنہ ہر راستباز احمدی کا ایمان اور عمل ہو بہو وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مسلمان کے لئے فرض قرار

دیئے اور میں جس جماعت کی ممبر ہوں اُس کا یہی عقیدہ و ایمان ہے۔

تیسرا اعتراض جو اکثر نوجوانوں کی طرف سے ہوتا ہے یہ ہے کہ آخر بیعت کی ضرورت کیا ہے؟ ایک مُسلمان اللہ پر ایمان رکھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی مانے۔ ارکانِ اسلام کو پابندی سے ادا کرے تو اُس کو بیعت کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سب صحیح ہے مگر دشواری یہ ہے کہ ایک لمبے وقت کے گزرنے اور مرورِ زمانہ سے انسان یہ سب باتیں بھول جاتا ہے۔ دُنیا اِس کی کشش اور لالچ دھول بن کر صراطِ مستقیم کو ڈھانپ دیتی ہے۔ اس وقت خدا کے مامور یہ بھولا ہوا سبق یاد دلانے اور تجدید عہد کرانے آتے ہیں۔

میرے نزدیک تو بیعت کا تصور اللہ اور بندے کے درمیان ایک کمان کے دُو سِروں کی طرح ہے۔ جو ایک ہی لکڑی کو موڑ کر بنتے ہیں اگرچہ بظاہر اس کا خم دونوں سروں کو دُور دُور کر دیتا ہے لیکن اس کمان کا ایک سِرا اللہ تعالےٰ کی ذاتِ اعلےٰ صفات سے وابستہ ہوتا ہے اور اگر اس کا دُوسرا سِرا بندہ تھام لے تو کمان متوازن رہ کر اللہ اور بندے کے درمیان ایک واسطہ بن جاتی ہے۔

ذرا خیال تو فرمائیں کہ دنیاوی رشتے جو ایک انسان دُوسرے انسان سے باندھتا ہے کس قدر توجہ و خیال سے قائم کئے جاتے اور کیسی رسم و راہ اور بار بار کی مُلاقات سے زندہ رکھے جاتے ہیں اور وہ کیسے عزیز ہو جاتے ہیں۔ مگر کیا مقابلہ ان رشتوں کا اس اعلےٰ و ارفع رشتے و تعلق سے جو ایک بندے کا اپنے بندہ نواز سے قائم کیا جائے۔ یہ پائیدار خوبصورت اور حسین رشتہ جان دے کر بھی بندھ سکے تو باندھنے کی چیز ہے۔

کمان کا یہ سِرا نقدِ دل و جان اور مال دے کر بھی ہاتھ میں رہے تو سستا ہے لیکن انسان خطا و نسیان کا پتلا ہے۔ اپنی غفلت و کمزوری سے یہ سِرا بار بار اس کے ہاتھ سے چھُوٹ جاتا ہے۔ اور تنی ہوئی کمان اپنا توازن کھو کر عرش سے فرش کی طرف جھک جاتی ہے ایک بندہ، اللہ آپ کا بھلا چاہتے ہوئے اس جھکتی ہوئی کمان کو درمیان سے تھام کر وہ چھُوٹا ہوا سِرا دوبارہ آپ کے ہاتھ میں پکڑا دے تو اس محسن کے واسطہ کو باعثِ فخر سمجھنا چاہیئے۔ نہ کہ باعثِ شرمندگی و غیر ضروری؟

غفلت و گمراہی کے گڑھے میں پھسل کر گرنے والے کو ہاتھ پکڑ کر بچا لینے والے کے احسان کا بدلہ کیوں ہو کہ اس کا نام لے کر شکریہ ادا کرنا معیوب سمجھا جائے۔ ہر بیعت لینے والے کا نام اسی لئے درمیان میں آتا ہے کہ اس کی مہربانی اور واسطہ سے آپ دوبارہ وہ گم شدہ سِرا پکڑ کر اپنے مالک سے تعلق استوار کرتے ہیں۔

خود اللہ تعالےٰ کے نزدیک یہ ایک پسندیدہ طریقہ ہے اور جب صُلح حدیبیہ کے موقع پر حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذریعہ بیعت اپنے جاں نثاروں سے عہدِ وفا کی تجدید کروائی۔ تو اللہ تعالےٰ نے اس عہد کی تجدید و تازگی کو اس قدر پسند فرمایا کہ یہ آیت بطورِ خوشنودی نازل ہوئی کہ :-

"بے شک اللہ راضی ہوا اُن مومنوں سے جو تیری بیعت کر رہے تھے۔ درخت کے نیچے" (سُورۃ الفتح)

اور یہ کہ :-

"(جو تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ بے شک اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں)"

یہاں خود اللہ تعالےٰ نے درمیان میں آنے والے ہاتھ کو واسطہ فرمایا اور اس کو پہچانا۔ اور کتاب اللہ میں ہمیشہ کے لئے یہ بیعت بیعتِ رضوان کے نام سے درج ہوئی۔ اس عظیم الشان بیعت لینے والے نے کیوں اپنے جاں نثاروں سے اس طرح بیعت لی؟ جو پکے اور سچے مسلمان تو پہلے سے ہی تھے۔ اور آپ کے ہمراہ جان و مال فدا کرنے کو ہی آئے تھے۔ اب اپنے عہدِ وفا کو بھُول بسر جانے والے مسلمانوں سے اگر ایک مجدّد اللہ اور اس کے رسُول کے نام پر اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد پر بیعت لے تو وہ غیر ضروری کیوں مانی جائے؟

غیر ضروری سمجھنے اور اس سے بچنے کی کوشش اس لئے کی جاتی ہے کہ انسان اپنے لئے آسانی پسند کرتا ہے۔ عہد کی یاد دہانی اور پابندی کو بھُلا کر اپنے آپ کو اس سے آزاد سمجھتا ہے۔ مگر اس بھول سے نہ تو وہ عہد سے باہر ہو سکتا ہے اور نہ اللہ کے حضور عہد فراموشی پر باز پرس سے بچ سکتا ہے۔

میں خصوصیت سے یہاں اپنے نوجوان بچّوں اور بچیوں کو توجّہ دلانا چاہتی ہوں۔ جنہوں نے کارزارِ حیات میں ابھی قدم رکھا یا جلد رکھنا ہے اس دنیاوی میدان میں اپنی کامیابی و سرخروئی اور جاہ و اقبال کے لئے وہ کس قدر دُعائیں مانگتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی دُعائیں قبول فرمائے۔ مگر ؎

تری دُعا ہے کہ۔ ہو میری آرزو پوری
میری دُعا ہے۔ تیری آرزو بلند رہے۔

میرے بچّو! اپنے مقصدِ حیات کو بلند و بالا اور سرفراز رکھو اور اللہ سے خود اللہ کو بھی تو مانگو۔ عزم بالجزم سے اس چھُوٹے ہوئے سِرے کو پھر سے تھام لو۔ آؤ اور تجدید عہد کے لئے ہاتھ بڑھاؤ پھر آپ پر ظاہر ہو جائے گا کہ ؎

تیرا ہاتھ جو ہاتھ میں آ گیا تو چراغ راہ میں جل گئے۔

تم اپنے آپ کو ایک روشن و چراغاں شاہراہِ زندگی پر پاؤ گے۔ بات ختم کرنے سے پہلے ایک تازہ ترین اعتراض کا ذکر اور کر دوں۔

اکثر لوگ اب یہ کہہ کر بات ختم کرنا چاہتے ہیں کہ چودھویں صدی تو گئی۔ پندرہویں صدی کا مجدّد خود آ کر مسلمانوں۔ اسلام اور قرآن کی فکر کر لے گا۔ آپ کو اب اس کا غم کھانے اور دُوسروں کو پریشان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک صاحب نے تو یہاں تک کہا کہ "اب اس انجمن اور اس کے جھگڑوں کو دفن ہی کر دیں۔ اللہ جانے اور اس کا آنے والا نیا مجدّد جانے۔"

بے شک ایک نئی صدی کا آغاز ضرور ہے۔ اور اس میں مشیتِ ایزدی اپنی منشا و مقدر کو اپنے وقت پر پورا کرے گی۔ مستقبل اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن زمانہ حال تو ہمارا ہے۔ ہم آئندہ کی اُمید میں کیسے اپنے عہد اور فرض سے سبکدوش ہو کر اس عظیم الشان مشن اور اہم کام کو بھلا سکتے ہیں۔ جو چودھویں صدی کے مجدّد نے ہمارے سپرد کیا۔ ہم اسی طرح اپنے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو پورا کریں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

احمدیت کا یہ روشن چراغ جو اس بزرگ کی وساطت سے ہمارے ہاتھوں میں ہے ہم اس کو بجھانے کی بجائے اس چراغ سے اور چراغ جلائیں گے تاکہ دنیا اسلام و قرآن کے نور سے جگمگا اُٹھے۔ ہم اس صدی کے آغاز پر بجائے بھول جانے اور چھوڑ دینے کے اپنا وہ عہدِ وفا پھر سے تازہ کریں گے جو ہمیں ایک پکا و سچا مسلمان اور مجاہدِ اسلام بناتا ہے۔ اس عہد کو اپنانے اور نبھانے میں ہی نئی زندگی ہے۔ آؤ اور اس میں شامل ہو جاؤ تاکہ اللہ کی مدد و نصرت آپ کے شاملِ حال رہے۔ آخر میں مَیں اپنے محترم بزرگ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ یہاں سٹیج پر تشریف لا کر اقرار بیعت بیان فرمائیں تاکہ ہم سب کے سب خواہ زندگی کی کسی منزل پر ہوں ان کو دُہرا کر حیاتِ نو حاصل کر سکیں۔

اور اس طرح اس نئی صدی کی بسم اللہ ہو۔ آمین

آپ یکجہت ہیں گر ---------

مشعلِ دیں ہیں سعادت کے نشاں بیٹھے ہیں
سامنے چند جو یہ پیر و جواں بیٹھے ہیں
انکی افتاد نئی، ان کی روایات عجب
بن کے طوفاں یہ اُٹھے ہیں جہاں بیٹھے ہیں
شرق دھوم ہے گر غرب میں چرچا ان کا
سچ تو یہ نورِ دہِ کون و مکاں بیٹھے ہیں
ان کی پرواز نئی، ان کے پَر و بال نئے
کب یہ بیٹھے ہیں بھلا اور کہاں بیٹھے ہیں
موجِ فکر سے ہے جن کی تلاطم میں سکوں
کشتیِ نوح میں بے فکرِ زیاں بیٹھے ہیں
نصرتِ دینِ محمدؐ ہے مسیحا کے طفیل
یہ جو بیٹھے ہیں مسیحا کے نشاں بیٹھے ہیں
آپ کو دیکھ کے غیروں نے کہا ہے اکثر
دیکھئے دین کے وہ رُوحِ رواں بیٹھے ہیں۔
آپ یکجہت ہیں گر دونوں جہاں زیرِ نگیں
ورنہ بے سود ہے بے کار یہاں بیٹھے ہیں
زندگی جہدِ مسلسل سے نہ گھبرا جائے
اہلِ دل جب بھی اُٹھے ہیں وہ کہاں بیٹھے ہیں

* * * *

مذاکرہ علمیہ:- از حضرت ڈاکٹر بشارت احمد رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی تصوّف، تزکیۂ نفس کیلئے جدوجہد کا دوسرا نام ہے۔

اسلامی تصوف کے متعلق غلط فہمیاں

اسلامی تصوّف کے متعلق کچھ اس قدر غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں کہ حیرت ہو جاتی ہے۔ جب اچھے اچھے سمجھدار لوگ یوں کہتے پائے جاتے ہیں کہ یہ کوئی سینہ بسینہ علم ہے۔ جو ظاہری شریعت کے ساتھ ساتھ چلا آرہا ہے۔ اور جسے در پردہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کو سکھایا تھا اور اُن سے اُمّت میں اس کا سلسلہ چلا۔ حضرت علی کی طرف اس کی نسبت کی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اہلِ تصوّف کے اکثر سلسلوں میں شجرہ صوفیاء کا حضرت علیؓ پر جا کر منتہی ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے غلطی خوردہ بزرگوں کو غالباً یہ یاد نہیں رہتا کہ بعض سلسلوں کا شجرہ حضرت ابوبکرؓ پر جا کر ختم ہوتا ہے۔

ایک غلط عقیدہ

اس لئے یہ خیال تو غلط ٹھہرا کہ شریعت ظاہری کے علاوہ کوئی باطنی تعلیم در پردہ حضرت علی رضہ کو دی گئی تھی اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بلغ ما انزل الیک کا صریح حکم تھا کہ جو کچھ تیری طرف نازل کیا جاتا ہے وہ کھول کر لوگوں کو پہنچا دے۔ تو پھر اُسے '' کا مخفی رکھنا اور در پردہ اپنے ایک رشتہ دار کو سکھانا ان کی رسالت کے سخت منافی ہے۔ در پردہ تعلیم کے اس عقیدہ نے بدقسمتی سے لوگوں کو چالاکی کے لئے موقعہ دے دیا۔ چنانچہ طریقت کے نام سے سینکڑوں بدعات انہوں نے پیدا کر کے اسلامی شریعت کے علاوہ ایک نئی شریعت بنا کر رکھ دی۔ اور ان بدعات کے جواز کی صورت یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ وہ علم ہے جو سینہ بسینہ چلا آیا ہے۔ اور ظاہری شریعت کی نسبت یہ باطن کی راہیں خدا تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اندریں حالات بعض احباب کے ارشاد کی تعمیل میں چند سطور لکھ کر صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام میں تصوّف کا کیا مقام ہے؟۔ اس کے جاننے کے لئے سب سے بہتر طریق یہ ہے کہ قرآن کریم سے اس کا حل تلاش کیا جائے۔ جو ماخذ ہے تمام علوم دینیہ کا۔

رسول کی تین ڈیوٹیاں

قرآن کریم فرماتا ہے:-

هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم
یتلوا علیهم ایاته و یزکیهم
و یعلمهم الکتاب و الحکمة و ان کانوا
من قبل لفی ضلال مبین۔

وہی تو ہے جس نے معبوث کیا اُمیّوں میں انہیں میں سے رسول جو پڑھتا ہے اسکی آیتیں اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے (الجمعہ) گویا نوعِ انسان کو گمراہی سے نکالنے کے لئے اور ہدایت دینے کے لئے جو رسول معبوث فرمایا اس کی تین ڈیوٹیاں بتائیں۔

۱:- ایک تو لوگوں کے سامنے اللہ تعالےٰ کی آیات پڑھنا تا کہ خُدا کا کلام ہر ایک خاص و عام کو پہنچ جائے۔

۲- دوم اُن کا تزکیہ کرنا یعنی اپنے فیض روحانی سے ان کے قلب کو ہر ایک قسم کی گندگی اور آلائش سے پاک کرنا جس سے ان کی باطنی قوائے نشو و نما پائیں۔ اور ان میں خدا کی آیات پر ایمان بڑھے اور اُن کے مطابق عمل و شوق بیش از بیش پیدا ہو۔

۳- سوم اُن کو جو خدا کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور جن کا نام خُدا نے کتاب رکھا ہے اور جو سراپا حکمت ہے ان کو تعلیم قول و فعل دونوں طریق سے دے یعنی ان کی تشریح زبان اور اپنے نمونہ دونوں سے کر کے دکھلائے۔ تا لوگ اس کے مطابق عمل کر سکیں۔

حضرت نبی کریمؐ نے تینوں فرائض بوجہ احسن انجام دیئے۔

غرضیکہ خُدا کا نبی اور رسول جو دُنیا کی ہدایت کے لئے معبوث ہوتا ہے۔ اس کی تین ڈیوٹیاں ہوئیں (۱) تلاوت آیات (۲) تزکیہ (۳) تعلیم کتاب و حکمت۔ ظاہر ہے کہ خُدا کے رسول نے تینوں فرائض بوجہ احسن انجام دیئے۔ اس زمانہ کے لوگوں پر آیات بھی تلاوت کیں ان کا تزکیہ بھی کیا۔ اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم بھی دی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامل مُسلمان بن گئے۔ اور اللہ تعالےٰ کے قرب کے تمام مراحل اور ظاہری و باطنی تمام منازل سلوک انہوں نے طے کر لیں۔ اور جس مذہب پر وہ عامل تھے اس سارے ہی کا نام شریعت اسلام تھا۔ اور وہ ان تمام ہدایات پر مشتمل تھی جو انسان کے واسطے خدا کے قرب اور رضا کے مقام کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں غرضیکہ حضرت نبی کریم صلعم نے ہدایت کی راہوں میں سے کوئی باقی نہیں چھوڑی جو اپنی امت کو علی الاعلان نہ سکھا دی ہو۔ آنحضرت صلعم کے بعد جب آپ کی امت خلیفہ یعنی وارث نبوت ہوئی تو خلافت کے ورثہ میں تینوں امور آنے ضروری تھے۔

۱۔ تلاوت آیات تو امت میں سے ہر ایک مُسلمان کے حصہ میں آیا۔ نمازوں میں ہر ایک شخص تلاوت آیات کرتا تھا۔ ویسے بھی خواہ عالم ہو یا ایک عامی آدمی قرآن پڑھنے کو ہر ایک پڑھا لکھا مُسلمان اپنا سب سے پہلا فرض سمجھتا تھا یہاں تک کہ مسلمانوں میں سب سے پہلی تعلیم تلاوتِ قرآن کی ہی ہوتی تھی۔

۲:- تزکیہ کا ورثہ عمل اور عبادت کو چاہتا تھا۔

۳:- اور تعلیم کتاب و حکمت کا ورثہ دین کے علم کو چاہتا تھا۔ اس لئے یہ دونوں امور ان لوگوں کے حصہ میں آئے جو دین کا علم بھی رکھتے تھے اور عابد و باعمل بھی تھے۔

خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کا طرزِ عمل

ابتدائے اسلام میں جن لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے فیض صحبت سے استفاضہ کیا تھا۔ وہ تینوں امور اپنے اندر رکھتے تھے یعنی خلفائے راشدین اور صحابہ کرام تلاوتِ آیات بھی کرتے تھے اپنی پاک صحبت اور نمونہ اور فیض روحانی سے لوگوں کا تزکیہ بھی کرتے تھے اور لوگوں کو کتاب اور حکمت بھی سکھاتے تھے تابعین اور تبع تابعین تک تو یہ رنگ چل سکا۔

زمانہ عروج میں علماء کی بے عملی

آگے چل کر مسلمانوں میں سلطنت و حکومت اور دولت و حشمت نے دین کا نشہ کم کر دیا۔ اور وجاہت پسندی اور دنیوی تکلفات نے قلوب پر قبضہ کر لیا۔ اور ہر ایک طرح کی آرائش اور زیبائش میں پڑ کر مسلمان اسلامی سادگی کو کھو بیٹھے اور اگرچہ دین بظاہر تو قائم رہا لیکن دین کی رُوح اُن کے اعمال سے نکل گئی اور وہ دُنیا کے جھمیلوں میں پڑ کر خدا کو بھول گئے اور علماء جو تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ کیا کرتے تھے اور ایسے نازک وقت میں جن پر بڑی بڑی توقعات تھیں کہ وہ قوم میں دین کی رُوح کو از سرِ نو پھونک کر اُمت مرحومہ کو نئی زندگی بخشیں گے وہ خود بے عمل ہو کر تزکیہ سے خالی ہو گئے اور ان کی تعلیم کتاب و حکمت محض لفظ پرستی اور ظاہر پرستی میں تبدیل ہو کر رہ گئی اور اصل چیز جو تزکیہ نفس ہے۔ اس سے ان کی تعلیم بے بہرہ اور محروم ہو کر رہ گئی۔ گویا تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب و حکمت تو علماء کے ذریعہ موجود تھی۔ لیکن ان کی اصل رُوح تزکیہ جاتی رہی۔

اسلامی تصوّف شریعت اسلامی سے کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے

اس لئے ضروری ہوا کہ اللہ تعالےٰ جو اس دین کا محافظ تھا۔ ایسے لوگوں کو معبوث فرماتا جو صحیح معنوں میں نبوت کے وارث ہوتے اور تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب و حکمت کے ساتھ تزکیہ کے فرائض کو بھی انجام دیتے۔ جن کی پاک صحبتوں میں بیٹھ کر انسان تمام آلائشوں اور نفس کی گندگیوں سے نجات حاصل کرتا۔ ان لوگوں کو زبان مقدس نبوی سے تو اولیاء اور مجددین کا خطاب عطا ہوا تھا۔ لیکن زمانہ

کی دنیا پرستی اور نمائشی تکلفات کے مقابلہ میں ان کی اسلامی سادگی اور اخلاق فاضلہ اور دلوں کی پاکیزگی اور صفائی نے انہیں اہل صفا یا صوفیا کے لقب سے ملقب کیا۔ اور ان کے مجاہدات و عبادات جو تزکیہ نفس کے لئے وہ بجا لاتے تھے وہ عین مطابق شریعت قرآن اور سنت رسول صلعم ہوتے تھے۔ لوگوں کی اصطلاح میں تصوف کہلائے ورنہ تصوف اسلامی شریعت سے کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے۔

اسلامی تصوف کی بنیاد تزکیہ نفس ہے

پس اسلامی تصوف کی بنیاد تزکیہ نفس ہے۔ جو ایک نبی مامور کے فرائض سے ہے وہ نہ صرف اپنا تزکیہ نفس کرتا ہے بلکہ ان لوگوں کا بھی تزکیہ کرتا ہے جو اس کی صحبت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ جو نبی بھی آتا ہے وہ تزکیہ نفس کے لئے عبادات و مجاہدات لسانی ہوں یا قلبی۔ بدنی ہوں یا مالی جو ضروری ہوتے ہیں وہ سب سکھاتا ہے اور اپنے نمونہ سے سب کچھ کر کے دکھاتا ہے لیکن تزکیہ نفس کو کامل طور پر حاصل کرنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہوتا کیونکہ بقول مرزا غالب ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

اہل اللہ کے فیض صحبت اور توجہ باطنی کی اہمیت

دُنیا کی دلکشیاں اور خواہشات و جذبات کی دلچسپیاں طبیعت کو ادھر متوجہ ہی نہیں ہونے دیتیں بلکہ غفلت اور تساہل کا پردہ اس طرح انسان کی عقل پر ڈالے رکھتی ہیں کہ عمر بیت جاتی ہے اور انسان کچھ نہیں کرتا۔ لہٰذا نبی ہو یا کوئی وارث نبوت مجدد ہو یا ولی یا کوئی صاحب باطن و اہل حال تعلیم و تربیت کے فیضان کے علاوہ اس کا فیض صحبت و توجہ باطنی بھی کام کرتا ہے۔ جس سے وہ انسان میں ایک ایسی نفخ روح کرتا ہے جس سے قلب انسانی تمام گندگیوں اور آلائشوں اور دنیا کی محبت سے پاک ہو کر خدا کی محبت سے معمور ہو جاتا ہے اور اس کی عبادت میں وہ ذوق و شوق اور اعمال میں ایسا ایثار اور نفس کے ساتھ جہاد کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے جس کا معمولی حالات میں پیدا ہونا مشکل ہے۔ جس قدر اعلیٰ روحانیت کا مزکی ہو اسی قدر اس کی توجہ اور صحبت سے انسان پاکیزگی اور عبادات و مجاہدات کے لئے ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور ترقی کرتا ہے۔ اور اسی قدر جلد کثافت قلب دور ہو کر تقویٰ و طہارت کا رنگ پیدا ہوتا ہے اور تزکیہ نفس حاصل ہو کر انسان کمالات ظاہری و باطنی کا وارث ہو جاتا ہے۔

صحابہ کرام نے تزکیہ نفس کے تمام مراحل جس قدر جلد طے کئے ہیں وہ تاریخ عالم میں بے نظیر ہے کس طرح چند سالوں کے اندر شرک اور ہر قسم کی گندگیوں میں مبتلا قوم جو خدا سے بہت دور پڑی ہوئی تھی۔ توحید الٰہی اور تقویٰ و طہارت کے نور سے منور ہو کر خدا کی مقرب و محبوب بن گئی۔ تزکیہ نفوس کا یہ بے نظیر مرقع دلالت کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اس بے نظیر روحانیت پر جس کے کمال کا یہ ادنیٰ کرشمہ تھا۔

پس مجددین کاملین کے فیض روحانیت سے تزکیہ نفس کے منازل جس قدر جلد اور آسانی سے طے ہوتے ہیں وہ دوسرے زمانہ میں ناممکن ہوتے ہیں تزکیہ کے لئے عبادات و مجاہدات کے طریقوں کا علم ہوتا ہے۔ مگر ان کی تاثیر توجہ اور ان میں ذوق و شوق کا پیدا ہونا اکثر کسی اہل باطن کی توجہ اور فیض روحانی کو چاہتا ہے۔ وہی عبادات اور مجاہدات جو دوسرے وقت میں بڑے تکلف سے سرزد ہوتے ہیں ایک اہل اللہ کی صحبت میں رہ کر ذوق اور شوق اور سرگرمی ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بغیر ان کے چین نہیں پڑتا۔ اور وہی منازل سلوک جن کے طے کرنے میں ہزار دشواریاں تھیں بہت جلد اور باسانی تمام طے ہو جاتی ہیں اور اس طرح جس کمال پر قرآن کریم انسان کو پہنچاتا ہے اس کو حاصل کرنے میں ایک مسلمان کے راستہ میں مشکلات مشکلات نہیں رہتیں بلکہ وہ ہر ایک دکھ میں جو اسے خدا کی راہ میں پہنچتا ہے، لذت اٹھانے لگتا ہے۔

اسلامی تصوف، تزکیہ نفس کے لئے جد و جہد کا دوسرا نام ہے۔

غرضیکہ اسلامی تصوف تزکیہ نفس کے لئے جد و جہد کا دوسرا نام تھا۔ جب تک مسلمانوں میں علم اور عمل ساتھ ساتھ رہا ہر ایک مومن ولی تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ واللّٰہ ولی المومنین اور اللہ مومنوں کا ولی ہے۔ مگر جب اہل علم سے عمل اٹھ گیا اور کتاب و حکمت کے سکھانے کے مدعی خود باعمل نہ رہے اور خدا کے قرب سے محروم ہو گئے تو پھر وہ لوگ جو اپنے تزکیہ نفس اور علم کے ساتھ عمل اور روحانیت کا نور رکھتے تھے وہ الگ نمایاں نظر آنے لگے۔ یہی لوگ علماء ربانی اور اولیاء اور صوفیاء کہلائے۔ یہی لوگ تھے جو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سچے وارث تھے۔ کیونکہ نبوت کے ورثہ کی تینوں چیزیں تلاوت آیات اللہ تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت ان کے پاس تھیں ان کا ہر ایک قول و فعل کتاب و سنت کے مطابق اور ان کی بہترین تشریح تھا۔ رموز حقیقت سے ناآشنا علمائے ظاہر ان سے برسر پرخاش رہے۔ اور ان پر کفر کا فتویٰ لگاتے رہے لیکن مشک کی خوشبو کی طرح ان بزرگوں کی عزت و قبولیت دنیا میں پھیلی اور ان کے تقدس اور بزرگی کے سامنے اہل عالم کی گردنیں جھک گئیں۔ انہوں نے دنیا کو لات ماری لیکن اہل دنیا نے انہیں عقیدت کی آنکھوں پر بٹھایا۔ اس عزت کی ان بزرگوں کے دلوں میں کوئی خواہش نہ تھی۔ کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا تھا اپنے ادائیگی فرض کے رنگ میں کیا تھا لیکن اس خدمت خلق کا نتیجہ وہ عزت تھی جو خدا نے لوگوں کے قلوب میں پیدا کر دی۔

مجوسی اور ہندو فقراء کا اثر

مسلمانوں کی فتوحات نے ایران اور ہندوستان کے دروازے کھول دیئے تھے۔ مجوسیوں اور ہندوؤں میں ایسے فقراء اور جوگیوں کی کمی نہ تھی جو طرح طرح کی ریاضتوں سے اپنے باطنی قویٰ کو نشو و نما دیتے تھے اور علم توجہ اور ارادی قوتوں سے طرح طرح کے خوارق عادت کرشمے دکھا دیتے تھے۔ جیسے آج کل کے مسمرائزر اور ہپنوٹائزر دکھلاتے ہیں۔ ان باتوں کا تزکیہ نفس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ خدا کے قرب اور محبت اور اخلاق فاضلہ اور تہذیب نفس سے ان لوگوں کو کوئی سروکار نہ تھا۔ بلکہ ان میں سے بعض تو ان قوتوں کے نشو و نما سے نہایت ناجائز فائدہ اٹھاتے اور اعمال سیئہ کے مرتکب ہوتے تھے۔ علم کی پیاس کی وجہ سے جو مسلمانوں کو لگی ہوئی تھی سینکڑوں علوم مسلمانوں میں جذب ہو کر ان کا جزو بدن بن گئے۔ تو مجوسی مرتاض فقرا اور جوگیوں کے یہ علوم کیسے بچ سکتے تھے۔ یہ علوم جب مسلمانوں میں آئے تو صاحب کمال اور اہل حال صوفیا نے انہیں اچھی نظروں سے نہیں دیکھا۔ اور انہیں اصل مقصد دین سے الگ پا کر ان سے اجتناب کرنا مناسب سمجھا مگر کیونکہ ان کی دکان چلنے کا یہ بہترین ذریعہ تھا۔ انہوں نے اس میں تھوڑا بہت درک حاصل کر کے اپنی دکان سجا لی۔ اور غریب مسلمانوں کو خوب لوٹا۔ اور ان کا خون چوسا اور ان تماشوں اور شعبدوں کا ڈھول ان لوگوں نے یہاں تک پیٹا کہ اہل دنیا کی نگاہوں میں یہ باتیں تصوف قرار پا گئیں۔ حالانکہ اسلامی تصوف کو ان باتوں سے دور کی نسبت بھی نہیں۔ تزکیہ نفس کو اس نفس پرستی سے کیا سروکار :-

مجدد زمان کا عظیم الشان کارنامہ

ہر زمانہ کے مجددین کرام اور اولیائے عظام نے ان رنگے بھگتوں کے راز کو آشکار کرنے میں فروگذاشت نہیں کی۔ ہر ایک بزرگ مسلمانوں کو خطرہ سے آگاہ کرتے رہے۔ ہمارے زمانہ میں خدا بھلا کرے حضرت امام وقت مرزا غلام احمد کا۔ آپ نے جہاں ظاہر پرست لوگوں کی لفظ پرستیوں اور تنگ نظریوں سے نجات دلائی وہاں ان نام نہاد صوفیوں کی عجیب و غریب بدعات اور ان کے خلاف سنت وظائف و تعبادات کا پول کھول کر اہل تحقیق کو صحیح رستہ قرب الٰہی کا دکھایا۔

قرآن و سنت کے باہر کوئی راہ ہدایت نہیں

قصہ کوتاہ یہ کہ جسے آج کل غلطی سے تصوف سمجھا جا رہا ہے وہ اسلامی تصوف نہیں۔ اسلامی تصوف نام ہے تزکیہ نفس کے لئے جد و جہد کا اور وہ شریعت سے جدا نہیں۔ بلکہ مغز ہے شریعت کا۔ اور باطن ہے اس کے ظاہر کا۔ وہ شریعت کے ارکان ظاہر کے لئے بمنزلہ روح کے ہے۔ وہ کوئی ایسا علم نہیں۔ جو شریعت اسلامی کے علاوہ سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔ بلکہ وہی علم ہے جو قرآن کریم اور ہمارے نبی کریم صلعم نے سکھایا۔ اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور کل اولیا و مجددین۔ اور علمائے ربانی اور آئمہ سلف اور صلحائے امت اس سے مستفیض ہوئے۔ اور آج بھی ہو رہے ہیں۔ قرآن اور سنت سے باہر کوئی ہدایت کی راہ نہیں جو کچھ ہے اس کے اندر ہے :-

⁂

[illegible]

قُولُوا لِلنّاسِ حُسنا

(سبحان اللہ)

تمام دنیا کی ترقی و تہذیب کا نچوڑ اور تعلیم و تربیت کا ماحصل اسی قدر ہے کہ سوسائٹی میں ایسے اخلاق حسنہ پیدا ہو جائیں کہ کسی کو کسی کے قول سے فرمان وہ کیا کہتا ہے کہ مسلمان وہی ہے کہ اس کے ہاتھ یا زبان سے کسی دوسرے مسلمان کو دکھ نہ پہنچے۔ گویا اسلام ایک ایسی سوسائٹی پیش کرتا ہے جس کا کوئی فرد کسی دوسرے فرد کو سوسائٹی کے بنیادی اصول کے مطابق اپنے قول اور اپنے فعل سے دکھ نہیں پہنچا سکتا۔ اور یہی تہذیب کا اعلے سے اعلے مقصد اور اخلاقِ فاضلہ کا بہتر سے بہتر مطلب ہے اس بنیادی اصول کی تشریح سے قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ پُر ہیں اور اس کی تفصیل پر بحث کرنے کے لئے ایک ضخیم کتاب چاہیئے مگر میں صرف ایک امر کو پیش کرتا ہوں۔ کہ تہذیب و اخلاق کے حلقہ میں سب سے مشکل بات جو سمجھی جاتی ہے وہ دوسرے کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنا ہوا کرتا ہے کیونکہ جو شخص اپنی غلطی کے پکڑے جانے پر نادم اور خفیف ہو جاتا ہے اور ندامت اور خفت کا لازمی نتیجہ رنج و دکھ ہے۔ اسی لئے مہذب لوگوں کی نسبت اکثر کہا جاتا ہے کہ ان میں ظاہرداری زیادہ ہوا کرتی ہے اور حق پسندی اور صاف گوئی نہیں ہوتی۔ دوسرے کی دلداری کا خیال مداہنت پیدا کر دیتا ہے اور بعض دفعہ خطرناک نتائج پیدا ہوتے ہیں اس لئے داناؤں نے کسی کو اس کی غلطی بتلانے کے لئے مہذب طریقہ تلاش کرنے میں بہت سردردی سے کام لیا ہے مگر کوئی ایسی راہ نہ مل سکی کہ عین مجمع میں برسرِ موقع بڑے سے بڑے آدمی کو غلطی پر ٹوک بھی دیا جائے۔ اور تہذیب و خلق بھی ہاتھ سے نہ جائے اور دوسرے کو دکھ بھی نہ پہنچے۔ اس عقدہ کو اسلام نے حل کیا ہے نماز باجماعت ایک ایسی چیز ہے کہ اگر اس میں امام غلطی کر جائے تو اس غلطی کا اثر ایک جماعت پر پڑتا ہے اور بعد میں اس کی تلافی کرنے رہنا بہت سے لوگوں کے لئے تکلیف مالایطاق ہوا کرتا ہے۔ بوجہ عبادت الٰہی ہونے کے اور توجہ الی اللہ تام و کامل طور پر مقصود خاطر ہونے کے درمیان میں بات کرنا بھی منع ہے پھر امامت کا ممتاز مقام حاصل ہونے کی وجہ سے امام کو اپنی غلطی کے پکڑے جانے پر سخت ندامت ہونی لازمی امر ہے۔ ان سب باتوں کے تدارک کے لئے اسلام میں امام کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے جو فقرہ سکھایا گیا ہے۔ وہ ہے سبحان اللہ۔ یعنی ہر ایک غلطی اور سہو سے پاک ذات تو صرف اللہ ہی ہے۔ انسان سبحان نہیں اس لئے اگر انسان سے خواہ وہ امام ہی کیوں نہ ہو غلطی ہو جائے تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔ انسان خدا تو نہیں کہ وہ سبحان یعنی ہر ایک غلطی اور سہو سے مبرا ہو۔ پس امام کی غلطی پر جب مقتدی سبحان اللہ کہتا ہے تو ایک تو خود سبحان اللہ بوجہ تعریف الٰہی ہونے کے توجہ الی اللہ میں حارج نہیں ہوتا اور عبادت کا جزو ہو جاتا ہے دوئم مقتدی کے دل میں غلطی کرنے والے کی تحقیر نہیں ہوتی بلکہ غلطی پکڑنے والے بحیثیت ایک انسان کے اپنے ساتھ غلطی کرنے والوں کے زمرہ میں شامل ہوتا ہوا پاکر دل میں ایک تسکین پاتا ہے۔ جو خفت اور ندامت کو پیدا نہیں ہونے دیتی۔ پس میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے بہتر طریق غلطی پر متنبہ کرنے کا کوئی ہو سکے۔ دیکھو امام کو یہ نہیں کہا جاتا کہ تو غلطی کر رہا ہے۔ بلکہ صرف اتنا اشارہ کیا جاتا ہے کہ اللہ ہی ہے جو ہر ایک قسم کی غلطی و سہو سے پاک ہے! اور بس امام کے کان میں جب آواز پہنچتی ہے کہ صرف اللہ ہی غلطیوں سے پاک ہے تو وہ فوراً سمجھ جاتا ہے کہ بشریت کی وجہ سے مجھ سے غلطی ہوئی اور کہنے والے نے میری غلطی سے اپنے دل میں میری حقارت کے خیال کو جگہ نہیں دی بلکہ بشری کمزوریوں کو مدِنظر رکھ کر جس میں وہ خود بھی شامل ہے خدا کی تعریف و عظمت اور اس کی صفاتِ کاملہ پر لے گیا ہے:

غور کرو اسلام نے یہ مسئلہ سکھا کر مسلمانوں کو کیا سبق دیا ہے یہی کہ دوسرے کی غلطی کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔ کیونکہ وہ خدا نہیں کہ غلطی نہ کر سکے اور جب غلطی پر متنبہ کرنا ہو تو مخاطب کے دل میں ساتھ ہی یہ بٹھا دیا جائے کہ اس کی غلطی کی وجہ سے اس کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا گیا ہے۔ بلکہ ایسی ذات تو صرف اللہ ہی ہے جو غلطی نہ کر سکے ورنہ یاد رکھو خفت و ندامت سے رنج اور رنج سے نفرت اور نفرت سے ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ اور تمام وعظ و نصیحت بے اثر ہو جاتی ہے۔ اسی لئے موعظہ حسنہ کی قرآن کریم میں تاکید ہے اور لٹھ مار وعظ سے بجائے فائدہ کے جو نقصان ہوا کرتا ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کے حکم اور اسلامی تہذیب کو چھوڑ دیا ہے۔ غلطی سے متنبہ کرنے کے لئے جو طریق اسلام نے سکھائے ہیں ان پر بے اختیار دل سے نکلتا ہے کہ سبحان اللہ

انسان کا عملی نمونہ

عمل کا یہ مطلب ہے کہ انسان میں اعلے درجہ کے اخلاقِ فاضلہ پیدا ہو جائیں۔ جو اخلاقِ الٰہیہ کا پرتو ہیں۔ اور جن کی وجہ سے انسان خلیفۃ اللہ کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ اور ابدی ترقیات کا وارث ہوتا ہے۔ تو پھر ضرور تھا کہ انسان کو ارادہ اور اختیار دیا جاتا۔ تا وہ اپنی مرضی سے اپنے نفسانی جذبات کو اعتدال پر رکھ کر مستحق ترقی و انعام ہوتا۔ اور یہ بھی ضرور تھا کہ اسے مقام ابتلا میں رکھ کر ایک وقت مقررہ تک موقع دیا جاتا جس میں وہ اس مقصد کے حصول کے لئے سعی کرتا اور اپنی فطرت میں رکھی ہوئی استعدادوں کو نشوونما دیتا اس لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں صاف طور پر فرمایا:۔

ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین

کہ موت اور حیات کو پیدا کیا تا تمہیں آزمائے کہ کون اچھے عمل کرتا ہے۔

پس یہ تو ثابت ہو گیا کہ انسان اس دنیا میں اس لئے پیدا کیا گیا ہے تا وہ اچھے عمل کر کے اپنی پیدائش کے مقصد کو حاصل کرے اور اس کو ایک وقت خاص تک مہلت دی گئی ہے۔ یہ دنیا تو ارتقاء کے سلسلہ کی ایک منزل ہے۔ یہ وہ منزل ہے جہاں ارادہ اور اختیار انسان کی شکل میں معرضِ ہستی میں آ جاتا ہے۔ اور جہاں سے اعمال اور ان کی جزا پر آئندہ ارتقاء کا انحصار شروع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اب وہ منزل آ گئی جہاں سے مادی حدبندیوں کی قید ختم ہوتی ہے اور روحانیت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو پھر اس منزل کے اندر اگر انسان کچھ بداعمالیاں کرتا ہے تو درحقیقت وہ اپنی آئندہ ترقیات پر کلہاڑا چلا رہا ہے۔ ایک وقت مقرر جو سعی کے لئے اسے دیا گیا تھا اس سے آپ کیوں اسے محروم کرنا چاہتے ہیں ان اعمال کی جواب دہی کے لئے ایک اور عالم آتا ہے جہاں:۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن
یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ

کا نظارہ نظر آ جائے گا۔ اگر کسی نے ایک ذرّہ کے برابر بھی نیکی کی ہے وہ بھی دیکھ لے گا۔ اور اگر ایک ذرہ کے برابر بدی کی ہے تو اسے بھی دیکھ لے گا۔ آج لوگ فلسفہ کے بہت شائق معلوم ہوتے ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ اس عالم اسباب و نتائج میں اگر عمل سبب ہے تو جزا اس کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ کل عالم دارالعمل ہے تو دارالآخرۃ دارالنتائج ہے ہر سبب نتیجہ ضرور لائے گا۔ ہمیں ابھی نظر آئے یا نہ آئے۔ یاد رہے آئے۔ سبب بغیر نتیجہ پیدا کئے خالی نہیں جا سکتا۔ یہ تو ایک مسلّمہ مسئلہ ہے۔ (ماخوذ)

⁂

؎

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمدؐ است
دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش
در ہر مکاں ندائے جلالِ محمدؐ است

از :۔ خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ

خدا تعالیٰ کی ذات ہمارے واسطے بہترین نمونہ ہے"

آنحضرت صلعم نے اسی پر (بہترین معلّم دین) اکتفا نہیں کیا بلکہ آپؐ نے وہ سانچہ بھی مہیا کر دیا جس میں ہمیں اپنے جذبات وغیرہ کو ڈھال کر درست کرنا ہے یعنی آپ نے وہ نصب العین بھی ہمارے سامنے رکھ دیا جس تک ہمیں طبعی جذبات کو پہنچانا چاہیئے۔ سنا کرتے تھے کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے لیکن یہ بات انسانوں کے لئے معمّہ سے کم نہ تھی آپؐ نے اپنے متبعین کو یہ حکم دے کر کہ "اپنے آپ کو صفاتِ الٰہیہ سے متصف کرو اور اپنے میں اللہ تعالےٰ کے اخلاق پیدا کرو"۔ اس معمّہ کا حل فرما دیا۔ گویا انسان کی حیاتِ ارضی کا مقصد، ان لفظوں میں بیان کر دیا۔ روحانی طور پر ہم لوگ خدا کی صورت پر بنائے گئے ہیں اور ہمیں اس کا رنگ بھی اختیار کرنا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہم کو اس کا عرفان بھی حسبِ استطاعت انسانی، حاصل ہو جائے یہ دعوٰے کہ کوئی انسان خدا کو جان سکتا ہے یا یہ کہ خدا ہمارے احاطۂ شعور میں آنے کے قابل ہے غلط ہے۔ ہم خدا کے متعلق بہت ہی کم شعور رکھتے ہیں اور اس قلّتِ معلومات کی وجہ سے ہی اس قدر مذاہب مختلفہ دنیا میں پائے جاتے ہیں، جو سب کے سب خدا کے متعلق باہم دگر اختلاف رکھتے ہیں ظاہر ہے کہ خدا کے متعلق اقل معلومات سے کام نہیں چل سکتا۔ اگر ہم اس کے رنگ میں رنگین ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کے متعلق کچھ نہ کچھ یا تھوڑی بہت معلومات بھی ہونی چاہئیں ؛

آنحضرت صلعم اس معاملہ میں بھی تمام انبیاء میں ممتاز ہیں۔ کیونکہ خدا کے متعلق یعنی اس کی صفات کے متعلق جس قدر وضاحت آپؐ نے فرمائی دنیا میں کسی شخص نے نہیں کی ؛

قرآن کریم فرماتا ہے کہ خدا کو پورے طور پر کوئی شخص نہیں جان سکتا۔ لیکن اس میں بعض خدائی صفات کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ ہم لوگ اپنے اندر وہ صفات پیدا کر سکیں۔ قرآن میں خدا کی ننانوے صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مگر خدا کی صفات یہیں ختم نہیں ہوتیں۔ اس کے صفات تو لاانتہا ہیں۔ لیکن یہ تعداد اس لئے معیّن کی گئی ہے کہ انسان کے لئے ان کا اتباع ممکن ہے۔ ہمارے لئے اپنے اندر ادراک الٰہیہ پیدا کرنا ضروری ہے۔ اور یہ ننانوے صفات اس ادراک کی سیڑھیاں مختلفہ ہیں۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا کے سامنے خدا کے وہ صفات پیش کئے جو مکانی طور پر انسانی دماغ میں آ سکتے تھے۔ ان صفات بیان کردہ قرآن کریم کی صداقت پر ساری کائنات گواہ ہے۔ یہ نقشہ اخلاق الٰہی ان پاکیزہ اور محبوب صفات پر مشتمل ہے جو انسانوں میں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔

غرضیکہ جو نقشہ صفاتِ ربّانی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دنیا کے سامنے پیش کیا وہ دیگر سابق تخیّلات سے اپنی خوبی میں بڑھ چڑھ کر ہے۔ مثلاً محمدؐ (روحی فداہ) کا خدا وہ اللہ ہے جو ربّ ہے رحمان ہے۔ رحیم ہے اور مالک یوم الدین ہے۔ یہ چار صفات قرآن کریم کی پہلی ہی صورت (فاتحہ) میں بیان ہوئی ہیں۔ اور باقیماندہ جمیع اوصاف الٰہیہ مندرجہ قرآن ان صفات کی شاخیں ہیں۔ گویا سب صفات ان چار میں مضمر ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا خدا وہ ربّ ہے جو چیزوں کو پیدا کرتا اور ان میں مختلف استعدادیں رکھ دیتا ہے۔ اور ان کی پرورش اس طریقہ پر کرتا ہے کہ وہ اشیاء نشوونما کے مختلف منازل طے کر کے درجۂ کمال کو پہنچ جائیں۔ اور یہ منازل خود اسی نے مقرر فرمائی ہیں۔ تا کہ اس کی ہر مخلوق ارتقاء پذیر ہو سکے۔ وہ رحمٰن ہے جس نے محض اپنی مہربانی کی وجہ سے اپنے بندوں کے لئے وہ اشیاء مہیّا فرما دی ہیں جن کی انہیں ہر دم ضرورت ہے اور تمام برکات ان کو محض اس کی مہربانی سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان کا خدا پر کوئی واجبہ نہیں کوئی حق نہیں۔ وہ رحیم ہے۔ جو اپنی مہربانی کی وجہ سے بندوں کو ان کے نیک اعمال پر ہزار گُنا انعام دیتا ہے اور وہ انعام زیادہ تر ہماری مخفی قوتوں کو بروئے کار لانے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

لیکن اگر اس کے بندے اپنی نشوونما میں غلط راستہ اختیار کر لیتے ہیں تو وہ انہیں سزا نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ نہ تو ججوں اور مفتیوں یا قاضیوں کی طرح قانون کا پابند ہے اور نہ وہ "کلیسا" کا خدا ہے وہ اپنے قوانین کا خود مالک ہے اور اس لئے مالک یوم الدین ہے۔ وہ اکثر و بیشتر اپنے بندوں کے قصوروں کو معاف کر دیا کرتا ہے۔ اور جب وہ دیکھتا ہے کہ اب صرف سزا ہی سے خاطی انسان کی اصلاح ہو سکتی ہے تو وہ سزا بھی دیتا ہے۔ لیکن اس کا منشاء اس سزا دہی سے بھی وہی اصلاح اور بہبودی مخلوقات ہوتا ہے۔ اس لئے اسے مالک یوم الدین کہا گیا ہے ؛

ان چاروں صفاتِ حسنہ پر غور کیجئے۔ اور آپ دیکھیں گے کہ کائنات کا ہر ذرہ اپنی تخلیق۔ نشوونما۔ ترقّی اور پرورش کی بنا پر ان صفات پر شہادت دے رہا ہے۔ کاش ہم ان چاروں صفات میں اپنے خدا کی اتباع کریں۔ اگر ایسا ہو تو اس کی مرضی جیسی کہ آسمان پر پوری ہوتی ہے۔ زمین پر بھی پوری ہونے لگے۔ اس کے طریقے تو سب کے لئے یکساں ہیں۔ اس کی عنایات ہر شخص کے لئے عام ہیں۔ اگر دنیاوی بادشاہ، رب۔ رحمٰن۔ رحیم۔ اور مالک یوم الدین کے طریق پر حکومت کرنے لگیں تو وہ بادشاہت جس کی آرزو تمام عمر پیشتر نبیوں کو رہی آج اس دنیا میں قائم ہو جائے جس طرح آنحضرتؐ کے زمانہ میں ہو گئی تھی۔

* * *

اخبارِ احمدیہ

- حضرت امیر قوم، الحاج مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالےٰ بخیریت سے ہیں۔ صرف پیری کا ضعف غالب ہے۔ احباب کرام انکی صحت و عافیت کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی کی صحت اچھی ہے آپ کا دینی و جماعتی کاموں میں انہماک بڑھ گیا ہے احباب سلسلہ، الٰہی اخلاق کے اس عملی نمونہ کی درازی عمر کے لئے دعا فرماتے رہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ خدمتِ دین کے کاموں میں ان کی معاونت فرماتا رہے ؛
- وفات :۔ نہایت افسوس سے اطلاع دی جاتی ہے کہ مرحوم مولوی محمد فردوس صاحب آف شیخ محمدی کی بیوہ انتقال کر گئی ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ احباب سلسلہ سے مرحومہ کے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

خاتم النبیینؐ نمبر، پیغام صلح کا خاتم النبیین نمبر ماہ مارچ کے آخر میں شائع ہو رہا ہے۔ اہل قلم حضرات حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے ادارہ پیغام صلح کا ہاتھ بٹائیں —— (ادارہ)

تعلیمی وظیفہ

جماعت کے ایک مخیّر دوست نے یک صد روپیہ -/۱۰۰ روپیہ ماہوار کا تعلیمی وظیفہ ایسے طالبعلم کے لئے پیش کیا ہے جو پولی ٹیکنیک میں تعلیم حاصل کر رہا ہو۔ خواہشمند طلبہ اپنے مکمل کوائف کے ہمراہ پتہ ذیل پر درخواست کریں۔

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۴ مارچ ۱۹۸۱ء جلد ۶۸ شمارہ ۹، رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح۔ احمدیہ بلڈنگس۔ برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا ؛ (چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
مَیں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
و پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد
دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہامات حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ۱۰ روپے
بیرونی ممالک سے پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

شمارہ ۱۰	یوم چہارشنبہ ۴ / جمادی الاوّل سنہ ۱۴۰۱ھ ہجری بمطابق ۱۱ مارچ سنہ ۱۹۸۱ء عیسوی	جلد: ۶۸

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم

خُدا کے پسندیدہ لوگ

تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے۔ ہر ایک قوم دُنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خُدا راضی ہو اس کی طرف دُنیا کی توجہ نہیں۔ وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ اُن کے لئے موقعہ ہے کہ اپنے جوہر دکھلائیں اور خُدا سے خاص انعام پاویں۔

یہ مت خیال کرو کہ خُدا تمہیں ضائع کر دے گا۔ تم خُدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی۔ اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔ پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے۔ کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے تا خُدا تمہاری آزمائش کرے کہ کون اپنے دعوائے بیعت میں صادق اور کون کاذب ہے۔۔ مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے اور اُن پر مصائب کے زلزلے آئیں گے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی اور دُنیا اُن سے سخت کراہت سے پیش آئے گی۔ وہ آخر فتحیاب ہونگے اور برکتوں کے دروازے اُن پر کھولے جائیں گے۔

خُدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے ایسا ایمان جو اس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں۔ ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خُدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے۔

اے سننے والو سنو! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے بس یہی کہ تم اُسی کے ہو جاؤ۔ اُس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو۔ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خُدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا اور اب بھی بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا اور اب بھی سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا۔

خدا پرستی کا دعوٰے کرنیوالے خود اچھا نمونہ پیش کریں

موجودہ دور کو سچا طور پر الحاد و بے دینی کا دور کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک سچائی ہے کہ اسلام کے احیاء اور اس فلسفۂ زندگی کو عملی طور پر نافذ کرنے کے لئے یہ دور حد درجہ ساز گار ہے علم و عقل کے لحاظ سے آج انسان اسی مقام پر ہے کہ اسے ایک ایسی بات سمجھانے میں جو فی الواقعہ اچھی ہو زیادہ دقت پیش نہیں آتی۔

انسانی فطرت کے ساتھ کامل ہم آہنگی۔ انسانی نسل کے لئے نفع رسانی اور عملی زندگی میں بغیر کسی دشواری کے کام کرنے کی صلاحیّت اسلام کا طرّہ امتیاز ہے۔ اگر کسی سلیم الطبع انسان کو بغیر کسی ایچ پیچ کے اسلام کے حقیقی اصول سمجھائے جائیں تو وہ کسی قسم کی کراہت اور انقباض محسوس کرنے کی جگہ اس شخص کی سی آسودگی اور طمانیت محسوس کرے گا جسے انتہائی پیاس کے وقت ٹھنڈا میٹھا پانی فراہم کر دیا گیا ہو۔

آج اگر ذی شعور انسانوں کی ایک بڑی تعداد اس آب حیات کو اپنے لئے زہر خیال کرتی ہے۔ تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ دین فطرت کو ان کے سامنے حقیقی شکل میں پیش ہی نہیں کیا جاتا۔ اس کے علاوہ خود ان لوگوں کی حالت حد درجہ کراہت انگیز ہے جو اس کے محافظ وارث اور مبلّغ ہونے کے دعویدار ہیں۔ سب نہ سہی اکثریت ایسے ہی مسلمانوں کی نظر آتی ہے۔

اب سے کچھ عرصہ پہلے تو مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد عیسائی اقوام کی محکوم تھی۔ اب آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی کامل آزادی کی صورت نظر نہیں آتی۔ دُنیا کے بیشتر اسلامی ملک عیسائیوں کی امداد و اعانت کے محتاج اور ان کی تہذیب و ثقافت کے نقال ہیں۔

بظاہر یہ باتیں مذہب سے غیر متعلق معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقتاً غیر متعلق نہیں۔ انسانی نفسیات کا تقاضا ہے کہ جو لوگ کسی فلسفے کو نافذ کرنا چاہتے ہوں اُن کی پشت پر قوت اور وجاہت ہو۔ وجاہت اور قوت تقوٰے کی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ مادی اسباب کی طرح مسلمانوں کا دامن اس برکت سے بھی خالی ہے۔ پھر ان کی باتوں کا اثر ہو تو کیوں کر۔ اور وہ دُوسروں کو سرفرازی اور سربلندی کی بشارت دیں تو کس مُنہ سے!

اس کے علاوہ اسی سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلام کے وارث مُسلمان نہ صرف ایک اچھے پیغام رساں ثابت نہ ہوئے بلکہ ان کی ہیبت کذائی اور اعمال و افعال کی وجہ سے ان کا وجود اسلام کے راستے کا ایک وزنی پتھر ثابت ہوا۔ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔" کے مطابق جب غیر اقوام نے ہمیں اسی ہیبت اور اسی حیثیت میں دیکھا تو ان کے لئے یہ یقین کرنا مشکل ہو گیا کہ یہ قوم کسی بہتر فلسفۂ زندگی کی وارث ہو سکتی ہے چنانچہ یہی بے یقینی باکراہت ان قوموں کے اسلام سے دور رہنے کا سبب بنی ہوئی ہے۔ ایسی حالت میں بھی اگر کسی قدر کامیابی حاصل ہو رہی ہے تو اسے اسلام کا معجزہ خیال کرنا چاہیئے۔

آج انسان علم کی جس منزل میں ہے وہاں مشرکانہ عقائد کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اب تو صرف دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انسان غور کرے اور سچے دل سے اسلام قبول کر لے اور دُوسرے یہ کہ سرے سے مذہب کی ضرورت ہی سے منکر ہو جائے۔ اور اپنی ذات اور اپنے وسائل کو سب سے بڑی قوت مانے۔ انسانوں۔ دریاؤں، جانوروں اور بُتوں وغیرہ کو قابل پرستش خیال کرنے کا دور ختم ہو چکا۔ اور اگر ابھی ختم نہیں ہوا تو بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ ان دونوں مذاہب کی گرم بازاری بڑی حد تک سیاسی وجوہ سے ہے یا یہ کہ کاروبار جہالت کے باعث چل رہا ہے۔ ذرا اور آگے چل کر یہ صورت ہرگز باقی نہ رہے گی۔ انسان یا خدا کا بالکل انکار کرے گا یا ویسا مانے گا جیسا وہ ہے۔ اور زیادہ امکان یہی ہے کہ انسانوں کی غالب اکثریت خدا شناس اور خدا پرست ہو گی۔ خدا شناسی ہی علم کی معراج ہے۔

اسی دور کو نزدیک تر لانے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ خدا پرستی کا دعوٰے کرنے والے ہم مسلمان جلد از جلد اپنی ہر قسم کی خامیوں کو دور کر کے دنیا کے لئے ایک اچھا نمونہ بنیں اور خود کو اسی پیغام کے شایانِ شان بنائیں جو دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے جو کوششیں کی جا رہی ہیں ان میں کمی نہیں آنی چاہیئے لیکن سچی بات یہی ہے کہ اس سے بھی ضروری بات یہ ہے کہ جو لوگ مُسلمان کہلاتے ہیں انہیں سچّا مُسلمان بنایا جائے۔

زخموں کو چھپائے رکھنے کی بات اور ہے ورنہ اگر ہم غور کریں تو ہمارا پورا قومی وجود (ایک محدود تعداد کو نکال کر) غیر اسلامی اعمال و عقائد سے لہولہان ہے۔ اور اس سلسلے میں ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ جو لوگ سختی سے مذہبی اصولوں کے پابند نظر آتے ہیں وہ بھی ان مقدس اصولوں کی رُوح سے تقریباً ناآشنا ہیں۔ خوفِ خدا سے لرز کر گناہ سے پاک رہنے والے دل اور اس کی محبت سے سرشار ہو کر اس کی مخلوق کی تکلیفوں پر اشکبار ہونے والی آنکھیں کہیں نہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے ظاہری عبادات ہی کو لوگوں نے اپنی نجات کی ضمانت سمجھ لیا ہے۔ اپنے کردار میں تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے ہمیں اس بات کے لئے بھرپور کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ ہمارے کردار میں تبدیلی پیدا ہو۔ ہم حریص۔ بے اصول اور سفاک نہ رہیں۔ ہمارے دلوں میں اللہ اور اس کی مخلوق کی محبت پیدا ہو اور اپنے اسلاف کی طرح ہماری زندگیاں مخلوق کی خدمت کے لئے وقف ہو جائیں۔ ہم برائی کو مٹانے اور بھلائی کو پھیلانے کے لئے زمین کے آخری کناروں تک پھیل جائیں اور اعلٰے اخلاقی اوصاف کی ان قندیلوں کو پھر روشن کر دیں جن کا اجالا مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پوری دنیا میں پھیل گیا تھا۔

ہوسکتا ہے کوئی معجزہ رونما ہو جائے لیکن بظاہر اس انقلاب کے بغیر اسلام کا احیاء ناممکن نظر آتا ہے۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے سب سے زیادہ توجہ اس بات کی طرف فرمائی کہ عرب کے بگڑے ہوئے معاشرے میں سے سعید فطرت اصحاب کو چھانٹ لیں اور پھر اسلامی اصولوں کے مطابق ان کی تربیت فرمائیں۔ اگرچہ اس کام میں تیئیس سال کا طویل عرصہ لگا لیکن حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ اور مقدس لوگوں کی یہ جماعت تیار ہو گئی۔ تو اسلام ایک فاتح طاقت بن گیا۔ کوئی فلسفہ اور کوئی طاقت اس کے مقابلے پر نہ ٹھہر سکی۔ آج بھی احیائے اسلام کی تحریک انہی بنیادوں پر کامیاب ہو سکتی ہے۔ جو لوگ اسلام سے محبت رکھتے ہیں اور اسے ایک غالب قوت دیکھنے کے متمنی ہیں انہیں اس حقیقت کو جلد از جلد سمجھ لینا چاہیئے کہ غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچانے سے زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ جو لوگ مسلمان کہلاتے ہیں انہیں سچا مسلمان بنایا جائے۔ جیسے جیسے اس کوشش میں کامیابی ہوتی جائے گی کامیابی کی منزل نزدیک آتی جائے گی۔

(ماخوذ)

نبی کریمؐ نے فرمایا

۱: جو لوگ اللہ تعالٰے کا مال بے دردی سے لوٹتے ہیں وہ حشر کے دن آگ میں ہوں گے۔

۲: ایمان دار آدمی کو شایان نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کرے۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہؐ! وہ کس طرح اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ اس بلا میں ہاتھ ڈالے جس کے مقابلہ کی اسے طاقت نہیں۔"

قرآنِ کریم کا ایک اعجاز

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی بتاریخ ۱۳ فروری ۱۹۸۱ء بمقام جامع احمدیہ، دارالسلام، لاہور۔

ویلٌ لکلّ ھمزۃٍ لّمزۃ ۙ الّذی جمع مالاً وّعدّدہٗ ۙ یحسب انّ مالہٗ اخلدہٗ ۚ کلّا لینبذنّ فی الحطمۃ ۚ وما ادرٰک ما الحطمۃ ۚ نار اللہ الموقدۃ ۙ الّتی تطّلع علی الافئدۃ ۙ انّھا علیھم مّؤصدۃ ۙ فی عمدٍ مّمدّدۃٍ ۚ (سورۃ الھمزۃ آیات ۱ تا ۹)

ترجمہ:۔ "افسوس ہے ہر عیب لگانے والے، طعن کرنے والے پر جو مال کو جمع کرتا ہے اور اُسے گنتا رہتا ہے (یا اُسے مصائب اور حوادثِ زمانہ میں بچانے والا سمجھتا ہے)۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اُس کا مال اُسے ہمیشہ (خوش یا آرام سے) رکھیگا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا۔ اور تجھے کیا خبر ہے کہ حطمہ کیا ہے؟ اللہ کی جلائی ہوئی آگ جو دلوں پر ظاہر ہوتی ہے۔ وہ ان پر لمبے، لمبے ستونوں میں بند کی جائے گی۔"

میں نے پچھلے خطبۂ جمعہ میں اس سورت کے عام معنٰی کئے تھے۔ میں انہیں نہیں دہراؤں گا سوائے ایک اعتراض کا جواب دینے کے لئے جو خطبہ کے بعد میرے کانوں میں پڑا۔ میں نے اس سورت کے عام معنٰی بتلاتے ہوئے کہا تھا کہ یہ عام انسانی کمزوری ہے کہ انسان اپنے آپ کو بے عیب سمجھتا ہے اور یہ شیطن کا دھوکہ ہوتا ہے۔ شیطن کی خصلت قرآن حکیم نے ہمیں یوں بتلائی ہے:۔ ابٰی واستکبر "اُس نے انکار کیا اور اُس نے تکبر کیا۔" دوسری جگہ شیطان کا قول منقول ہے انا خیرٌ منہ "میں انسان سے بہتر ہوں"۔ یہی دو خصلتیں شیطان کے ورغلانے میں کام کرتی ہیں۔ وہ ہر انسان کو باطن میں دھوکہ میں رکھتا ہے کہ "میں اوروں سے بہتر ہوں" اور انسان شیطن کی طرح انکار کرتا ہے کہ اُس میں کوئی عیب ہے۔ اسی چکر میں آن کر اکثر انسان اپنے عیبوں سے تو غافل یا منکر رہتے ہیں اور شیطن کے پیدا کردہ تکبر سے دوسروں میں عیب نکال کر اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہیں۔ اور یہ دوسروں میں عیب نکالنا اگر جاری رہے تو بڑھ کر طعن بازی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے کہ انسان دوسروں کے مونہہ پر طعن کے رنگ میں اُن کے عیبوں کا ذکر کرتا ہے۔

تو خطبہ کے اس حصہ پر دو تین سامعین نے بعد میں فرمایا "اس کا مطلب تو یہ ہے کہ انسان بات کرے ہی نہ"۔ اُن کا یہ فرمانا اقرار یا ثبوت ہے کہ عیب جوئی یا طعن بازی کا مرض اس قدر عام ہے کہ عیب جوئی یا طعن بازی کے بغیر کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی!! چونکہ یہ امراض اکثر لوگوں کی عادت ثانیہ بن گئی ہیں تبھی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ بغیر عیب جوئی یا طعن بازی کے کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ میں ایک مثال دے کر اس خیال کو غلط ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے حضرت امیر مرحوم کے ساتھ سالہا سال دن رات گزارے۔ میں نے انہیں کبھی عیب جوئی یا طعن بازی کرتے نہیں سُنا۔ اس لئے یہ کہنا کہ ان کے بغیر بات ہو ہی نہیں سکتی غلط فہمی ہے۔ شاید کسی کو خیال ہو کہ ان کے بغیر بات چیت نہایت غیر دلچسپ اور خشک اور بدمزہ ہو جائے گی۔ سو میں اُسی مثال کو دہرا کر اس خیال کو بھی غلط ثابت کرنا چاہوں گا۔ حضرت امیر مرحوم کی عام بول چال میں بہت پاکیزہ مزاح اور لطیفہ گوئی ہوتی تھی۔ خود بھی کھل کھلا کر ہنستے تھے اور اوروں کو بھی ہنساتے تھے۔ وہ تو بعض صدمات اور قومی جھگڑوں نے انہیں کچھ سنجیدہ بنا دیا تھا۔ ورنہ وہ زاہد خشک ہرگز نہ تھے۔ تو یہ خیال کرنا کہ دوسروں میں عیب نکالے بغیر یا طعن بازی کے بغیر بات چیت میں نمک مرچ نہیں رہے گا غلط ہے۔ اس لئے ہمیں کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ ہماری بول چال میں دوسروں کی عیب جوئی یا دوسروں پر طعن بازی نہ رہے۔

خاص معنٰی

اب میں اس سورت کے ایک خاص معنٰی کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اُس سے قرآن کریم کا زبردست اعجاز اور اس کا منجانب اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس سورت میں ایک حیرت انگیز علم غیب ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے ایک اُمّی (صلعم) کی زبان سے جاری ہو ہی نہیں سکتا تھا اگر یہ کلام عالم الغیب اور قادر مطلق ذات کی طرف سے نہ ہوتا۔

اس خاص معنٰی کو لینے سے قبل میں توجہ دلاؤں کہ اس سورت سے پہلے جو سورت ہے یعنی العصر اُس کے بھی عام معنٰی تو بہت اعلےٰ ہیں مگر اس کے بھی ایک خاص معنٰی ہیں جس کا ذکر حضرت مسیح موعود نے دو تین جگہ کیا ہے اور تبلایا ہے کہ سورت العصر آپ کے یعنی موجودہ زمانہ سے خاص تعلق رکھتی ہے۔ اس تفسیر میں اگر میں پڑ گیا تو آج کا خطبہ رہ جائے گا۔ اس لئے صرف اس بات کی طرف توجہ دلا کر کہ سورۃ الھمزۃ سے قبل جو سورت العصر ہے اس کا موجودہ زمانہ سے خاص تعلق ہے میں آج کے اصل خطبہ کی طرف آتا ہوں کہ سورۃ الھمزۃ بھی اس زمانہ سے خاص تعلق رکھتی ہے۔

اس زمانہ کی مذہبی زندگی میں وہ عیب جوئی اور طعن بازی کی بدترین مثال ظاہر ہوئی جس کی نظیر ہمیں تمام دُنیا کی مذہبی تاریخ میں نہیں ملتی۔ میں اس سے قبل اپنے پیغام صلح کے مضامین اور پچھلے جلسۂ سالانہ کے اپنے لیکچر میں بتا چکا ہوں کہ پچھلے سو دو سو سال کی تاریخ پر نظر ڈالو تو ایک بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ مغربی اقوام کا تمام دُنیا پر تسلّط تھا۔ اس عالمگیر تسلّط کو ہمیشگی بخشنے کے لئے مغربی اقوام نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنی محکوم رعایا کو اپنا ہم مذہب یعنی عیسائی بنا لیں۔ اس کا تحریری ثبوت موجود ہے جس کی تفصیل میں پچھلے موقعوں پر دے چکا ہوں اس لئے یہاں نہیں دہراتا ورنہ خطبہ بہت لمبا ہو جائے گا۔ تو محکوم رعایا کو عیسائی بنانے میں مغربی اقوام کو اسلام کے سوا دوسرے مذاہب کو مغلوب کرنے میں کوئی دقّت نظر نہ آئی۔ جو لوگ پتھر کے بتوں کو یا جانوروں کو پوجتے ہوں اُن سے کہنا کہ ایک انسان کو پوجو آسان تھا۔ جو لوگ تینتیس کروڑ خداؤں کو پوجتے ہوں اُن سے منوا لینا کہ تین [illegible] کو پوجو بالکل آسان تھا۔

مجھے توجہ دلائی گئی ہے کہ حطمہ اور ایٹم بم ہم معنی ہیں ۔ نہ صرف ان الفاظ میں مشابہت ہے بلکہ حطمہ حطم سے ہے جس کے معنی توڑنے یا پھوڑنے کے ہیں ۔ سو ایٹم کو بھی پھوڑ کر ہی ایٹم بم اور اس کے الٹے عمل سے ہائیڈروجن بم بنایا گیا ہے ۔ گویا ایٹم کو پھوڑا نہ جاتا تو نہ تو ایٹم بم بن سکتا اور نہ ہائیڈروجن بم ۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے اور قرآن کریم کے علم غیب اور منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے :

اس تمام ذکر میں عبرت ہے ہم لوگوں کے لئے کہ ہم کو :۔

الف :۔ عیب جوئی اور طعن بازی کی عادتوں سے بچنا چاہیئے کہ ان کے پیچھے حسد کی آگ ہوتی ہے جو انسان کے دل پر ظاہر ہو کر رہ پڑتی ہے ۔

ب :۔ خدا کو چھوڑ کر دولت کو اپنا مقصد زندگی نہ بنانا چاہیئے ورنہ دولت کی تلاش ھل من مزید کی آگ دلوں پہ بھڑکاتی ہے اور بالآخر باہر لڑائی جھگڑوں اور بالآخر جنگ و جدل کی آگ کو انسان پر مسلط کر دیتی ہے ۔

اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو بھی ان باطنی اور ظاہری آگوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

یا ارحم الرّٰحمین ۔

* * *

توبہ کا مطلب

قانون مکافاتِ عمل میں تلافیٔ مافات کی گنجائش رکھنا، خدا کی رحمت ہے

آپ نے کسی گاؤں میں جانا ہے راستہ میں ایک دوراہے پر پہنچ کر آپ کا قدم غلط سمت کی طرف اٹھ گیا ۔ کچھ عرصہ آپ چلتے رہے ۔ اس کے بعد آپ کو قرائن سے احساس ہوا یا کسی سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ غلط راستہ کی طرف مڑ گئے تھے ۔ آپ کو دوراہے سے دوسری سمت مڑنا چاہیئے تھا ۔

اپنی اس غلطی پر آپ کیا کرتے ہیں ۔ آپ پچھلے پاؤں اسی دوراہے پر واپس آتے ہیں اور اس کے بعد صحیح سمت کی طرف مڑتے ہیں ۔ آپ نے غور فرمایا کہ آپ کو صحیح منزل پر پہنچنے کے لئے کیا کرنا پڑا

۱ ۔ سب سے پہلے آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ آپ کا قدم غلط سمت کی طرف اٹھ گیا تھا ۔ اگر آپ کو اس کا احساس یا علم ہی نہ ہوتا تو آپ اسی راستہ پر چلے جاتے اور کبھی منزل مقصود تک نہ پہنچ سکتے ۔ آپ کا وقت اور توانائی جو اس مسافت کے لئے طے کرنے میں صرف ہوئی سب رائیگاں جاتی (۲) اگر غلطی کا احساس ہونے پر آپ آگے چلنا تو بند کر دیتے لیکن اسی مقام پر بیٹھ جاتے تو کبھی آپ اپنی منزل تک کبھی نہ پہنچ سکتے ۔ (۳) غلطی کے احساس پر آپ پچھلے پاؤں واپس لوٹے اور اس طرح اس مقام پر پہنچ گئے جہاں سے آپ صحیح سمت کی طرف مڑ سکتے تھے اس طرح غلطی کے احساس کے بعد صحیح مقام کی طرف واپس لوٹنے کو عربی زبان (قرآن کریم کی اصطلاح) میں توبہ کہتے ہیں (۴) لیکن اگر آپ اس دوراہے پر واپس آکر صحیح سمت کی طرف نہ چلتے تو بھی آپ منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکتے ۔

اس طرح صحیح سمت کی طرف چلنے کا نام اصلاح ہے یعنی اپنی غلطی کے احساس اور اعتراف کے بعد اپنے نقصان کی تلافی کے لئے صحیح قدم اٹھانا ۔ قرآن کریم نے اس پروگرام کے دونوں اجزا (غلط مقام سے دوراہے کی طرف واپسی اور وہاں سے صحیح سمت) راستے پر گامزن ہونے کو تاب و اصلح سے تعبیر کیا ہے ۔ اس سے تلافی مافات ہوتی ہے ۔ اس سے آپ نے دیکھ لیا کہ توبہ کے معنی کچھ پڑھ کر خدا سے بخشش مانگنے نہیں اس سے مراد تلافی مافات کے لئے کچھ عملاً کرنے کے ہیں جس مقام پر آپکو غلطی کا احساس ہوا تھا ۔ اگر آپ وہاں بیٹھ کر سو سال تک بھی "یا اللہ میری توبہ ۔ یا اللہ میری توبہ" کا ورد کرتے رہتے تو بھی آپ اپنی منزلِ مقصود تک کبھی نہ پہنچ سکتے ۔ غلط اقدامات کے نقصان کی تلافی کی صورت یہی ہے کہ آپ اس کے بعد اتنے اچھے کام کریں جن کے تعمیری نتائج ان تخریبی نتائج کا ازالہ کر دیں ۔ قرآن کریم نے اس سلسلہ میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ ان الحسنٰت یذھبن السیئات ۱۱/۱۱۴ ۔ یاد رکھو غلط کاموں کے تخریبی نتائج کی تلافی اچھے کام کرنے سے ہوتی ہے اوپر کی مثال کے سلسلہ میں قرآن کریم میں ہے کہ غلط سمت کی طرف چلنے والے کے نقصانات

(باقی کالم ۱)

بقیہ توبہ کا مطلب

کا ازالہ اس طرح ہوتا ہے کہ من تاب و امن و عمل صالحا ثم اهتدیٰ ۲۰/۸۲ جو غلط راستہ سے واپس لوٹتا ہے ۔ (تاب) وہاں پہنچ کر اس بات کا اطمینان کر لیتا ہے کہ منزل مقصود کی طرف جاتا ہے ۔ (آمن) اور اس کے بعد پھر جادہ پیما ہو جاتا ہے ۔ (عمل صالحا) تو وہ منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے (اهتدیٰ اولٰئک یبدل اللہ سیاتھم حسنٰت ۲۵/۷۰) یہ وہ ہیں جن کی ناہمواریاں ۔ ہمواریوں میں بدل جاتی ہیں ۔ سورہ قصص میں ہے فاما ۔ ۔ ۔ ۲۸/۶۷ جو غلط راستہ سے لوٹ آیا پھر اس امر کا اطمینان کر لیا کہ صحیح راستہ کون سا ہے اور پھر اس پہ چل پڑا تو یہ لوگ ہیں کامیابیاں جن کے قدم چومیں گی ۔ دوسری جگہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو غلط راستے سے مڑ کر خدا کی طرف لے جانے والے راستہ پر چل پڑے اور اس طرح انہوں نے اچھے کام کر کے اپنی غلطیوں کا ازالہ کر لیا ۔

قانون مکافات عمل میں تلافی مافات کی گنجائش رکھنا خدا کی رحمت ہے اس لئے خدا نے اپنے آپ کو تواب رحیم کہا ہے ۔ ۲/۳۷ یعنی جو شخص غلط راستے سے مڑ کر صحیح سمت کی طرف قدم اٹھائے اسے منزلِ مقصود تک پہنچا دینے والا ۔ یہ اس کی رحمت ہے ۔ یاد رکھیئے خدا اہی کے لئے تواب رحیم ہے جو غلط راستہ سے واپس لوٹ کر صحیح راستہ اختیار کریں ۔

ماخوذ

مرسلہ چوہدری فضل داد صاحب، گجرات

از:- حضرت مجدد صد چہاردھم

مومن کی زندگی میں نماز کا مقام

نماز کیا ہے؟ یہ ایک خاص دعا ہے مگر افسوس ہے کہ لوگ اس کو بادشاہوں کا ٹیکس سمجھتے ہیں۔ نادان اتنا نہیں جانتے کہ بھلا خداتعالےٰ کو ان باتوں کی کیا ضرورت ہے۔

اس میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے۔

مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ آج کل عبادت اور تقوٰی اور دینداری سے محبت نہیں ہے۔

اللہ تعالےٰ کی محبت سرد ہو رہی ہے اور عبادت میں جس قسم کا مزہ آنا چاہیئے وہ مزہ نہیں آتا۔

دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں خداتعالےٰ نے کوئی نہ کوئی لذت نہ رکھی ہو۔ اللہ تعالےٰ نے بنی نوع انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس عبادت میں اس کے لئے ایک لذت اور سرور نہ ہو۔ لذت اور سرور تو ہے مگر اس سے حظ اٹھانے والا بھی تو ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

اب انسان جب کہ عبادت ہی کے لئے پیدا ہوا ہے تو ضروری ہے کہ عبادت میں لذت اور سرور بھی درجۂ غایت کا رکھتا ہو۔ اس بات کو ہم اپنے روزمرہ کے مشاہدہ اور تجربہ سے خوب سمجھ سکتے ہیں۔ مثلاً دیکھو اناج اور تمام خوردنی اور نوشیدنی اشیاء انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں تو کیا ان سے وہ ایک لذت اور حظ نہیں پاتا ہے؟

کیا دل خوش کن اور سریلی آوازوں سے اس کے کان محظوظ نہیں ہوتے؟ پھر کیا کوئی دلیل اور بھی اس امر کے اثبات کے لئے مطلوب ہے کہ عبادت میں لذت نہ ہو۔

خوب سمجھ لو کہ عبادت بھی کوئی بوجھ اور ٹیکس نہیں۔ اس میں بھی ایک لذت اور سرور ہے۔ اور یہ لذت اور سرور دنیا کی تمام لذتوں اور تمام حظوظ نفس سے بالاتر ہے۔

جیسے ایک مریض کسی عمدہ سے عمدہ خوش ذائقہ غذا کی لذت سے محروم ہے۔ اسی طرح پر ہاں ٹھیک ایسا ہی وہ کم بخت انسان ہے جو عبادت الٰہی سے لذت نہیں پا سکتا۔

مجھے سخت اضطراب ہوتا ہے اور کبھی کبھی یہ رنج میری جان کو کھانے لگتا ہے کہ ایک دن اگر کسی کو روٹی یا کھانے کا مزہ نہ آئے تو طبیب کے پاس جاتا اور کیسی کیسی منتیں اور خوشامدیں کرتا اور روپیہ خرچ کرتا اور دکھ اٹھاتا ہے کہ وہ مزہ حاصل ہو۔

مگر آہ وہ مریض دل وہ نامرد کیوں کوشش نہیں کرتا جس کو عبادت میں لذت نہیں آتی۔ اس کی جان کیوں غم سے نڈھال نہیں ہو جاتی۔ دنیا اور اس کی خوشیوں کے لئے تو کیا کچھ کرتا ہے مگر ابدی اور حقیقی راحتوں کی پیاس اور وہ تڑپ نہیں پاتا۔ کس قدر بے نصیب ہے؟ کیسا ہی محروم ہے! عارضی اور فانی لذتوں کے علاج تلاش کرتا ہے اور پالیتا ہے۔ کیا ہو سکتا ہے کہ مستقل اور ابدی لذت کے علاج نہ ہوں؟ ہیں اور ضرور ہیں۔ مگر تلاش حق میں مستقل اور پویہ قدم درکار ہیں۔

عبودیت اور ربوبیت کے جوڑے میں ایک ابدی لقا کے لئے حظ موجود ہے۔ صوفی کہتے ہیں کہ یہ حظ جس کو نصیب ہو جائے دنیا اور مافیہا کے تمام حظوظ سے بڑھ کر ترجیح رکھتا ہے۔ اگر ساری عمر میں ایک بار بھی اس کو معلوم ہو جائے تو وہ اس میں ہی فنا ہو جائے۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ دنیا میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے اس راز کو نہیں سمجھا اور ان کی نمازیں صرف ٹکریں ہیں۔ اور اوپرے دل سے ایک قسم کی قبض اور تنگی سے صرف نشست و برخاست کے طور پر ہوتی ہیں۔ مجھے اور بھی افسوس ہوتا ہے کہ جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ صرف اس لئے نمازیں پڑھتے ہیں کہ وہ دنیا میں معتبر اور قابل عزت سمجھے جائیں اور اس نماز سے یہ بات ان کو حاصل بھی ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ نمازی اور پرہیزگار کہلاتے ہیں۔ پھر کیوں ان کو یہ کھا جانے والا غم نہیں لگتا کہ جب جھوٹ موٹ اور بے دلی کی نماز سے ان کو یہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے تو کیوں ایک سچے عابد بننے سے ان کو عزت نہ ملے گی۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے کاموں میں مبتلا ہوتے ہیں اور مؤذن اذان دیتا ہے۔ پھر وہ سننا بھی نہیں چاہتے۔ گویا ان کے دل دکھتے ہیں۔ یہ لوگ بہت ہی قابل رحم ہیں۔ بعض لوگ یہاں بھی ایسے ہیں کہ ان کی دکانیں دیکھو تو مسجد کے نیچے ہیں مگر کبھی جا کر کھڑے بھی تو نہیں ہوتے۔ پس میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خداتعالےٰ سے نہایت سوز اور جوش کے ساتھ یہ دعا مانگنی چاہیئے کہ جس طرح اور پھلوں اور اشیاء کی طرح طرح کی لذتیں عطا کی ہیں نماز اور عبادت کا بھی ایک بار مزہ چکھا دے۔

پھر نماز میں لذت کیونکر حاصل ہو۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک شرابی اور نشہ باز انسان کو جب سرور نہیں آتا تو وہ پے در پے پیتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو ایک قسم کا نشہ آ جاتا ہے۔ دانشمند اور زیرک انسان اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور وہ یہ کہ نماز پر دوام کرے اور پڑھتا جائے یہاں تک کہ اس کو سرور آ جائے۔ اور جیسے شرابی کے ذہن میں ایک لذت ہوتی ہے جس کا حاصل کرنا اس کا مقصود بالذات ہوتا ہے اسی طرح سے ذہن میں اور ساری طاقتوں کا رجحان نماز میں اسی سرور کو حاصل کرنا ہو اور پھر ایک خلوص اور جوش کے ساتھ کم از کم اس نشہ باز کے اضطراب اور قلق و کرب کی مانند ایک دعا پیدا ہو کہ وہ لذت حاصل ہو تو میں کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ یقیناً یقیناً وہ لذت حاصل ہو جائے گی۔ پھر نماز پڑھتے وقت ان مفاد کا حاصل کرنا بھی ملحوظ ہو جو اس سے ہوتے ہیں اور احسان پیش نظر رہے۔

ان الحسنات یذھبن السیئات

نیکیاں بدیوں کو زائل کر دیتی ہیں۔ پس ان حسنات کو اور لذات کو دل میں رکھ کر دعا کرے کہ وہ نماز جو صدیقوں اور محسنوں کی ہے وہ نصیب کرے۔ یہ جو فرمایا ہے کہ ان الحسنات یذھبن السیئات یعنی نیکیاں یا نماز بدیوں کو دور کرتی ہے۔ یا دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ نماز فواحش اور برائیوں سے بچاتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ باوجود نماز پڑھنے کے بدیاں کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں مگر نہ روح اور راستی کے ساتھ وہ صرف رسم اور عادت کے طور پر ٹکریں مارتے ہیں۔ ان کی روح مردہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کا نام حسنات نہیں کہا اور یہاں جو حسنات کا لفظ رکھا اور الصلوٰۃ کا لفظ نہیں کہا باوجودیکہ معنی وہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تا نماز کی خوبی اور حسن و جمال کی طرف اشارہ کرے کہ وہ نماز بدیوں کو دور کرتی ہے جو اپنے اندر ایک سچائی کی روح رکھتی ہے۔ اور فیض کی تاثیر اس میں موجود ہے وہ نماز یقیناً یقیناً برائیوں کو دور کر دیتی ہے۔ نماز نشست و برخاست کا نام نہیں۔ نماز کا مغز اور روح وہ دعا ہے جو ایک لذت اور سرور اپنے اندر رکھتی ہے۔ ارکان نماز دراصل روحانی نشست و برخاست کے اظلال ہیں۔ انسان کو خداتعالےٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑتا ہے اور قیام بھی آداب خدمت گاران میں سے ہے۔ رکوع جو دوسرا حصہ ہے بتلاتا ہے کہ گویا تیاری ہے کہ وہ تعمیل حکم کو کس قدر گردن جھکاتا ہے اور سجدہ کمال ادب اور کمال تذلل اور نیستی کو جو عبادت کا مقصود ہے ظاہر کرتا ہے۔

اب ظاہری طریق میں (جو اندرونی اور باطنی طریق کا ایک عکس ہے) صرف نقال کی طرح نقلیں اتاری جائیں اور اسے ایک بارگراں سمجھ کر اتار پھینکنے کی کوشش کی جائے تو تم ہی بتلاؤ اس میں کیا لذت اور حظ آ سکتا ہے۔ اور جب تک لذت اور سرور

نہ آئے اُس کی حقیقت کیونکر متحقق ہوگی اور یہ اسوقت ہوگا جبکہ رُوح بھی ہمہ تن نیستی اور تذلل تام ہوکر آستانہ الوہیت پر گرے اور جو زبان بولتی ہے رُوح بھی بولے اس وقت ایک سرور اور نور اور تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔

اس طرح انصال کے وقت ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کا نام صلوٰۃ ہے جو سیئات کو بھسم کر جاتی ہے اور اپنی جگہ ایک نور اور چمک چھوڑ دیتی ہے۔ جو سالک کو راستہ کے خطرات اور مشکلات کے وقت ایک منور شمع کا کام دیتی ہے۔ اور ہر قسم کے خس و خاشاک اور ٹھوکر کے پتھروں اور خس سے جو اس کی راہ میں ہوتے ہیں آگاہ کرکے بچاتی ہے اور یہی وہ حالت ہے جب کہ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر کا اطلاق اس پر ہوتا ہے۔

یہ نماز جو اپنے اصلی معنوں میں نماز ہے دُعا سے حاصل ہوتی ہے غیر اللہ سے سوال کرنا مومنانہ غیرت کے صریح اور سخت مخالف ہے کیونکہ مرتبہ دُعا کا اللہ ہی کے لئے ہے جب تک انسان پورے طور پر حنیف ہوکر اللہ تعالیٰ ہی سے سوال نہ کرے اور اسی سے نہ مانگے۔ سمجھو کہ حقیقی طور پر وہ سچا مسلمان اور مومن کہلانے کا مستحق نہیں اسلام کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تمام طاقتیں اندرونی ہوں یا بیرونی سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی کے آستانہ پر گری ہوئی ہیں۔

لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا غیر اللہ سے سوال کرتا ہے اس کا دل اور رُوح دن بدن خدا تعالیٰ سے دُور ہو جاتی ہے۔ پس یہ بڑی خطرناک اور دل کپکپا دینے والی بات ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دُوسرے سے سوال کرے۔ اسی لئے نماز کا التزام اور پابندی بڑی ضروری چیز ہے۔ تاکہ اوّلاً وہ ایک عادت راسخہ کی طرح قائم ہو اور رجوع الی اللہ کا خیال ہو۔ پھر رفتہ رفتہ وہ وقت خود آ جاتا ہے کہ انقطاع کلی کی حالت میں انسان ایک نور اور ایک لذّت کا وارث ہو جاتا ہے۔

افسوس ہے مجھے وہ لفظ نہیں ملتے جس میں غیر اللہ کی طرف رجوع کرنے کی بُرائیاں بیان کرسکوں۔ لوگوں کے پاس جا کر منّت و خوشامد کرتے ہیں۔ یہ بات خدا تعالیٰ کی غیرت کو جوش میں لاتی ہے کیونکہ یہ تو لوگوں کی نماز ہے پس وہ اس سے ہٹتا اور اُسے دُور پھینک دیتا ہے۔

پس خوب یاد رکھو اور پھر یاد رکھو کہ غیر اللہ کی طرف جھکنا خدا سے کاٹنا ہے۔ نماز اور توحید کچھ ہی ہو کیونکہ توحید کے عملی اقرار ہی کا نام نماز ہے۔ اسی وقت بے برکت اور بے سود ہوتی ہے جب اس میں نیستی اور تذلل کی رُوح اور حنیف دل نہ ہو سنو! وہ دُعا جس کے لئے ادعونی استجب لکم فرمایا ہے اس کے لئے یہی سچی رُوح مطلوب ہے۔ اگر اس تضرع اور خشوع میں حقیقت کی رُوح نہیں تو وہ ٹیں ٹیں سے کم نہیں ہے۔

پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسباب کی رعایت ضروری نہیں ہے یہ ایک غلط فہمی ہے شریعت نے اسباب کو منع نہیں کیا ہے۔ اور سچ پوچھو تو کیا وہ دُعا اسباب نہیں؟ یا اسباب دُعا نہیں؟ تلاش اسباب بجائے خود ایک دُعا ہے۔ اور دُعا بجائے خود عظیم الشان اسباب کا چشمہ۔ انسان کی ظاہری بناوٹ اس کے دو ہاتھ دو پاؤں کی ساخت ایک دوسرے کی امداد کا ایک قدرتی راہنما ہے جب تک یہ نظارہ خود انسان میں موجود ہے پھر کس قدر حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ وہ تعاونوا علی البر والتقویٰ کے معنے سمجھنے میں مشکلات کو دیکھے۔

نماز کی لذت اور سرور کا مدار اسی بات پر ہے کہ جب تک بُرے ارادے ناپاک اور گندے منصوبے بھسم نہ ہوں انانیت اور شیخی دور ہو کر نیستی اور فروتنی نہ آئے خدا کا سچا بندہ نہیں کہلا سکتا۔ اور عبودیت کاملہ کے سکھانے کے لئے بہترین معلم اور افضل ترین ذریعہ نماز ہی ہے میں تمہیں پھر بتلاتا ہوں کہ اگر خدائے تعالیٰ سے سچا تعلق حقیقی ارتباط قائم کرنا چاہتے ہو تو نماز پر کاربند ہو جاؤ اور ایسے کاربند ہو کہ نہ تمہارا جسم نہ تمہاری زبان بلکہ تمہاری رُوح کے ارادے اور جذبے سب کے سب ہمہ تن نماز ہو جاویں۔ عصمت انبیاء کا یہی راز ہے یعنی نبی کیوں معصوم ہوتے ہیں؟ تو اس کا یہی جواب ہے کہ وہ استغراق محبت الٰہی کے باعث معصوم ہوتے ہیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں ان قوموں کو دیکھتا ہوں۔ جو شرک میں مبتلا ہیں جیسے ہندو جو قسم قسم کے اصنام کی پرستش کرتے ہیں

مگر میں کہتا ہوں کہ جب تک نفس گناہ موجود ہے وہ بیرونی صفائی اور خارجی معتقدات سے راحت یا اطمینان کا ذریعہ کیوں کر پا سکتے ہیں۔ جب تک اندر کی صفائی اور باطنی تطہیر نہیں ہوتی ناممکن ہے کہ انسان سچی پاکیزگی اور طہارت جو انسان کو نجات سے ملتی ہے پا سکے ہاں اس سے ایک سبق لو۔ جس طرح پر دیکھو بدن کی میل اور بدبو بدوں صفائی دور نہیں ہو سکتی اور جسم کو آنے والے خطرناک امراض سے بچا نہیں سکتی اسی طرح پر روحانی کدورات اور میل جو دل پر ناپاکیوں اور قسم قسم کی بیباکیوں سے جم جاتی ہے دور نہیں ہو سکتی۔ جب تک توبہ کا مصفا اور پاک پانی اس کو نہ دھو ڈالے جسمانی سلسلہ میں ایک فلسفہ جس طرح پر موجود ہے اسی طرح پر روحانی سلسلہ میں ایک فلسفہ رکھا ہوا ہے مبارک ہیں وہ لوگ جو اس پر غور کرتے ہیں اور سوچتے ہیں۔

میں اس مقام پر یہ بات بھی بتلانا چاہتا ہوں کہ گناہ کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ اس سوال کا جواب عام فہم الفاظ میں یہی ہے کہ جب غیر اللہ کی محبت انسانی دل پر مستولی ہوتی ہے تو وہ اس مصفیٰ آئینہ پر ایک قسم کا زنگ سا پیدا کرتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ بالکل تاریک ہو جاتا ہے۔ اور غیریت اپنا گھر کر کے اسے خدا سے دور ڈال دیتی ہے اور یہی شرک کی جڑ ہے۔ لیکن جس قلب پر اللہ تعالیٰ اور صرف اللہ تعالیٰ کی محبت اپنا قبضہ کرتی ہے وہ غیریت کو جلا کر اسے صرف اپنے لئے منتخب کر لیتی ہے۔ پھر اس میں ایک استقامت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس جگہ پر آ جاتی ہے۔

استقامت کے حصول کے لئے اولاً ابتدائی مدارج اور مراتب پر کسی قدر تکالیف اور مشکلات بھی پیش آتی ہیں لیکن اس کے حاصل ہو جانے پر ایک دائمی راحت اور خوشی پیدا ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ ارشاد ہوا۔

فاستقم کما امرت

تو لکھا ہے کہ آپ کے کوئی سفید بال نہ تھا۔ پھر سفید بال آنے لگے تو آپ نے فرمایا مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا غرض یہ ہے کہ جب تک انسان موت کا احساس نہ کرے وہ نیکیوں کی طرف جھک نہیں سکتا میں نے بتلایا ہے کہ گناہ غیر اللہ کی محبت دل میں پیدا ہونے سے پیدا ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ دل پر غلبہ کر لیتا ہے۔ پس گناہ سے بچنے اور محفوظ رہنے کے لئے یہ بھی ایک ذریعہ ہے کہ انسان موت کو یاد رکھے اور خدا تعالیٰ کے عجائبات قدرت میں غور کرتا رہے۔ کیونکہ اس سے محبت الٰہی اور ایمان بڑھتا ہے۔ اور جب خدا تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہو جائے تو وہ گناہ کو خود جلا کر بھسم کر جاتی ہے۔

دُوسرا ذریعہ گناہ سے بچنے کا احساس موت ہے۔ اگر انسان موت کو اپنے سامنے رکھے تو وہ ان بدکاریوں اور کوتہ اندیشیوں سے باز آ جائے اور خدا تعالیٰ پر اسے ایک نیا ایمان حاصل ہو اور اپنے سابقہ گناہوں پر توبہ اور نادم ہونے کا موقع ملے۔ انسان کی ہستی کیا ہے؟ صرف ایک دم پر انحصار ہے پھر کیوں وہ آخرت کا فکر نہیں کرتا اور موت سے نہیں ڈرتا اور نفسانی اور حیوانی جذبات کا مطیع اور غلام ہو کر عمر ضائع کر دیتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہندوؤں کو بھی احساس موت ہوا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھو صرف اس حکم نے کہ فاستقم کما امرت نے ہی بوڑھا کر دیا۔ کس قدر احساس موت ہے آپ کی یہ حالت کیوں ہوئی۔ صرف اس لئے کہ تاہم اس سے سبق لیں۔ ورنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک اور مقدس زندگی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہادی کامل اور پھر قیامت تک کے لئے اس پر کل دنیا کے لئے مقرر فرمایا۔ مگر آپ کی زندگی کے کل واقعات ایک عملی تعلیمات کا مجموعہ ہیں۔ جس طرح پر قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی قولی کتاب ہے اور قانون قدرت اس کی فعلی کتاب ہے۔ اسی طرح پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بھی ایک فعلی کتاب ہے جو گویا قرآن کریم کی شرح اور تفسیر ہے۔

کل انسانوں کے کمالات بہ حیثیت مجموعی ہمارے رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع ہیں۔ اور اسی لئے آپ کل دُنیا کے لئے نبی مبعوث ہوئے اور رحمۃ للعالمین کہلائے **انک لعلیٰ خلق العظیم** میں بھی اسی مجموعہ کمالات انسانی کی طرف اشارہ ہے۔ اسی صورت میں اخلاق محمدی کی نسبت غور ہو سکتا ہے اور وہ یہی وجہ تھی کہ آپ پر نبوت کاملہ کے کمالات ختم ہوئے۔ یہ ایک مسلم بات ہے کہ کسی چیز کا خاتمہ اس کی علّت غائی کے اختتام پر ہوتا ہے۔ جیسے کتاب کے جب کل مطالب بیان ہو جاتے ہیں تو اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پر رسالت اور نبوت کی علّت غائی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوئی اور یہی ختم نبوت کے معنے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک سلسلہ ہے جو چلا آیا ہے اور کامل انسان پر آکر اس کا خاتمہ ہو گیا۔

میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ استقامت پر میں نے ذکر چھیڑا تھا وہی ہے جس کو صوفی لوگ اپنی اصطلاح میں مقام فنا کہتے ہیں اور **اھدنا الصراط المستقیم** کے معنے بھی فنا ہی کے کرتے ہیں۔ یعنی رُوح جوش اور ارادے سب کے سب اللہ تعالےٰ کے لئے ہی ہو جاویں اور اپنے جذبات اور نفسانی خواہشیں بالکل مر جاویں۔ بعض انسان جو اللہ تعالےٰ کی خواہش اور ارادے کو اپنے ارادوں اور جوشوں پر مقدم نہیں کرتے وہ اکثر دفعہ دنیا ہی کے جوشوں اور ارادوں کی ناکامیوں میں اس دنیا سے اُٹھ جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ دیکھے ہیں جو اپنے ارادوں کو خدا پر مقدم کرتے ہیں۔ آخر کار اس تقدیم ہوائے نفس میں بھی وہ کامیاب نہیں ہوتے اور بجائے فائدہ کے نقصانِ عظیم اٹھاتے ہیں۔ اسلام پر غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ ناکامی صرف جھوٹا ہونے کی وجہ سے پیش آتی ہے جب خدا تعالےٰ کی طرف سے التفات کم ہو جاتی ہے تو اللہ تعالےٰ کا قہر نازل ہوتا ہے جو اس کو نامراد اور ناکام بنا دیتا ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کو جو بصیرت رکھتے ہیں جب وہ دنیا کے مقاصد کی طرف اپنے تمام جوش اور ارادے کے ساتھ جھک جاتے ہیں تو اللہ تعالےٰ ان کو نامراد کر دیتا ہے لیکن سعیدوں کو وہ پاک اصول پیشِ نظر رہتا ہے جو احساسِ موت کا اصول ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ جس طرح ماں باپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ یا جس طرح اور کوئی بزرگ خاندان فوت ہو گیا ہے اسی طرح مجھ کو بھی ایک دن مرنا ہے اور بعض اوقات اپنی عمر پر خیال کر کے کہ بڑھاپا آ گیا اور موت کے دن قریب ہیں۔ خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ غرض یہ بات خوب ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ آخر ایک نہ ایک دن دنیا اور اس کی لذتوں کو چھوڑنا ہے تو پھر کیوں انسان اس وقت سے پہلے ہی ان لذات کے ناجائز طریق حصول چھوڑ دے۔ موت نے بڑے بڑے راست بازوں اور مقبولوں کو نہیں چھوڑا۔ اور وہ نوجوانوں یا بڑے سے بڑے دولت مند اور بزرگ کی پرواہ نہیں کرتی۔ پھر تم کو کیوں چھوڑے گی پس دنیا اور اس کی راحتوں کو زندگی کے منجملہ اسباب سے سمجھو اور خدا تعالےٰ کی عبادت کا ذریعہ۔ سعدی نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے:۔ ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

یہ نہ سمجھو کہ خدا ہم سے خواہ مخواہ خوش ہو جائے گا اور ہم اپنے احتفاظ میں رہیں گے۔ مگر ایسے اندھوں کو اگر خدا کی طرف سے بھی پروانہ آ جائے تو وہ ان لذتوں کو جسمانی خواہشوں اور ارادوں کی پیروی میں سمجھتے ہیں نہ چھوڑیں گے۔ اور ان کو اس لذت پر جو ایک مومن کو خدا میں ملتی ہے ترجیح دیں گے خدا تعالےٰ کا پروانہ موجود ہے جس کا نام قرآن شریف ہے۔ جو جنت اور ابدی آرام کا وعدہ دیتا ہے مگر اس کی نعمتوں کے وعدہ پر چنداں لحاظ نہیں کیا جاتا اور عارضی اور خیالی خوشیوں اور راحتوں کی جستجو میں کس قدر تکلیفیں غافل انسان اٹھاتا اور سختیاں برداشت کرتا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ کی راہ میں ذرا سی مشکل کو دیکھ کر بھی گھبرا اُٹھتا ہے اور بدظنی شروع کر دیتا ہے۔ کاش وہ ان فانی لذتوں کے مقابلے میں اپنی ابدی اور مستقل خوشیوں کا اندازہ کرتا۔ ان مشکلات اور تکالیف پر فتح پانے کے لئے ایک کامل اور خطا نہ کرنے والا نسخہ ہے۔ جو کروڑ ہا راست بازوں کا تجربہ کردہ ہے۔ وہ کیا ہے؟ وہ وہی نسخہ ہے جس کو نماز کہتے ہیں۔ نماز کیا ہے؟ ایک قسم کی دُعا ہے جو انسان کو تمام برائیوں اور فواحش سے محفوظ رکھ کر حسنات کا مستحق اور انعام الٰہیہ کا مورد بنا دیتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ "اللہ" اسم اعظم ہے۔ اللہ نے تمام صفات کو اس کے تابع رکھا ہے اب ذرا غور کرو۔ نماز کی ابتدا اذان سے شروع ہوتی ہے۔ اذان اللہ اکبر سے شروع ہوتی ہے یعنی اللہ کے نام سے شروع ہو کر لا الٰہ الا اللہ یعنی اللہ پر ہی ختم ہوتی ہے۔ یہ فخر اسلامی عبادت ہی کو ہے کہ اِس میں اوّل و آخر میں اللہ ہی مقصود ہے نہ کچھ اور۔ میں دعوٰے سے کہتا ہوں کہ اس قسم کی عبادت کسی قوم اور ملّت میں نہیں ہے۔ پس نماز دعا ہے اور جس میں اللہ کو جو خدا تعالےٰ کا اسم اعظم ہے مقدّم رکھا ہے ایسا ہی انسان کا اسم اعظم استقامت ہے۔ اسم اعظم سے مراد یہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے انسانیت کے کمالات حاصل ہوں اللہ تعالےٰ نے **اھدنا الصراط المستقیم** میں اس کی طرف ہی اشارہ فرمایا ہے۔ اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ **ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا** یعنی جو لوگ اللہ تعالےٰ کی ربوبیت کے نیچے آ گئے اور اس کے اسم اعظم استقامت کے نیچے جب بغیرِ بشریت رکھا گیا پھر اس میں اس قسم کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ ملائکہ کا نزول اس پر ہوتا ہے۔ اور کسی قسم کا خوف و حزن ان کو نہیں رہتا۔ میں نے کہا کہ استقامت بڑی چیز ہے۔

پس میں چاہتا ہوں کہ آپ استقامت کے حصول کے لئے مجاہدہ کریں اور ریاضت سے اسے پائیں کیونکہ وہ انسان کو ایسی حالت پر پہنچا دیتی ہے جہاں اس کی دُعا قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہے۔ اسوقت بہت سے لوگ دنیا میں موجود ہیں جو عدم قبولیت دعا کے شاکی ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ افسوس تو یہ ہے کہ جب تک وہ استقامت پیدا نہ کریں دعا کی قبولیت کی لذت کو کیونکر پا سکیں گے۔

چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پا جانا تھا اس لئے ظاہری طور پر ایک نمونہ اور خدا نمائی کا آلہ دنیا سے اُٹھنا تھا اس کے لئے اللہ تعالےٰ نے ایک آسان راہ رکھ دی کہ **قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی**۔ کیونکہ محبوب اللہ مستقیم ہی ہوتا ہے زیغ رکھنے والا کبھی محبوب نہیں بن سکتا۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ازدیاد اور تجدید کے لئے ہر نماز میں درود شریف کا پڑھنا ضروری ہو گیا تا کہ اس دعا کی قبولیت کے لئے استقامت کا ایک ذریعہ ہاتھ آئے۔ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود ظلّی طور پر قیامت تک رہتا ہے۔ صوفی کہتے ہیں کہ مجددین کے اسماء آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر ہی ہوتے ہیں یعنی ظلی طور پر وہی نام ان کو کسی ایک رنگ میں دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے جو کمالات سلسلہ نبوت میں رکھے وہی مجموعی طور پر وہ ہادی کامل پر ختم ہو چکے۔ اب ظلی طور پر ہمیشہ کے لئے مجددین کے ذریعہ سے دنیا پر اپنا پرتو ڈالتے رہیں گے۔ اللہ تعالےٰ اس سلسلہ کو قیامت تک رکھے گا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اس وقت بھی خدا تعالےٰ نے دنیا کو محروم نہیں چھوڑا۔ اور ایک سلسلہ قائم کیا ہے۔ اور ہاں اپنے ہاتھ سے اس نے ایک بندہ کو کھڑا کیا اور وہ وہی ہے جو تم میں بیٹھا ہوا بول رہا ہے۔ اب خدا تعالےٰ کے نزول رحمت کا وقت ہے۔ دعائیں مانگو استقامت چاہو اور درود شریف جو حصول استقامت کا ایک زبردست ذریعہ ہے بکثرت پڑھو مگر نہ رسم اور عادت کے طور پر بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن اور احسان کو مدّ نظر رکھ کر اور آپ کے مدارج اور مراتب کی ترقی کے لئے اور آپ کی کامیابیوں کے واسطے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ قبولیت دعا کا شیریں اور لذیذ پھل تم کو ملے گا۔ قبولیت دعا کے تین ہی ذریعے ہیں اول:۔ **ان کنتم تحبون اللّٰہ**۔

دوئم:۔ **یا ایہا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما**

سوئم:۔ موہبت الٰہی۔

اللہ تعالےٰ کا یہ عام قانون ہے کہ وہ نفوس انبیاء کی طرح دنیا میں بہت سے نفوسِ قدسیہ ایسے پیدا کرتا ہے جو فطرتاً استقامت رکھتے ہیں۔

بہترین وظیفہ

نماز سے بڑھ کر اور کوئی وظیفہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں حمد الٰہی ہے استغفار ہے اور درود شریف ہے۔ تمام وظائف اور ان کا مجموعہ یہی نماز ہے۔ اور اس سے ہر ایک قسم کے غم و ہم دور ہوتے ہیں اور مشکلات حل ہوتے ہیں۔

از:۔ محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ ۔

اللہ کی امانت ۔ اور ۔ قوم کی دولت

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ کی یہ تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۸۰ء کی زنانہ نشست میں ہوئی تھی۔ اب یہ تقریر موصوفہ نے لکھ کر عطا فرمائی ہے۔ جو قارئین پیغام صلح کے استفادہ کے لئے عموماً اور احمدی خواتین کے لئے خصوصاً شائع کی جا رہی ہے۔

—— (ادارہ)

میری عزیز بہنو اور پیاری بیٹیو!

السّلام علیکم

سب سے پہلے تو اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے مجھے پھر یہ موقعہ دیا کہ میں یہاں حاضر ہو کر کچھ اپنی کہوں کچھ آپ کی سنوں۔ میری اس مختصر تقریر کا موضوع ہے اللہ کی امانت اور قوم کی دولت۔ اور اس سے میری مراد اللہ کی وہ امانت ہے جو اس کی مہربانی سے جب ایک خاتون کو عطا ہوتی ہے تو اس کا مرتبہ اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ اس کے متعلق ہمارے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا فرمان ہے کہ:۔

"جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔"

ماں جس کی گود سے نسلِ انسانی کی ابتداء ہوتی ہے۔ خواہ اس نسل میں انبیاء، صلحاء، شہداء۔ یا شہنشاہ امیر امراء اور درویش و گدا پیدا ہوں ان سب کی پہلی منزل ماں کی گود ہے۔ یہاں پہ مجھے انگریزی کی وہ مشہور کہاوت پھر یاد آتی ہے کہ:۔

"جو ہاتھ بچے کے پنگھوڑے کو ہلاتا ہے اُسی ہاتھ سے قوموں کی تعمیر ہوتی ہے۔" اور پھر ماں کے ساتھ بچہ کو بھی ایسی اہمیت حاصل ہے کہ جیسے کہتے ہیں کہ "بچہ انسان کا باپ ہوتا ہے۔" یا آج کے بچے کل کے باپ ہوں گے۔"

بچہ کے اہم مقام کو اگر پہچانا ہے یا اس کی قدر کی ہے تو وہ میرے نئے دیس انگلستان کا حصہ ہے۔ فرداً فرداً تو خیر ہر ملک اور قوم کے والدین اپنے بچوں کو چاہتے اور اُن پر صدقے قربان ہوتے ہیں لیکن پوری قوم کی قوم جس محبت اور قدر سے ایک بچہ کو ہاتھوں ہاتھ لیتی اور اس کی زندگی صحت۔ دیکھ بھال کو مقدم کرتی ہے اس کی مثال اور کہیں نظر نہیں آتی۔

میں یہاں سُنی سنائی دوہرانا نہیں چاہتی۔ صرف وہی کہوں گی جو میں نے خود دیکھا یا جس سے میرا سابقہ پڑا۔

وہاں بننے والی ماں شروع سے ہی گورنمنٹ اور ہیلتھ منسٹری یعنی محکمہ حفظانِ صحت کی ذمہ داری بن جاتی ہے اور وہ برابر اس کی عام صحت اور دیکھ بھال کی فکر کرتے ہیں۔ ضرورت کی سب دوائیں مفت دی جاتی ہیں۔ ہاسپٹل میں اس کے لئے جگہ مقرر ہو جاتی ہے اور بچے کی چیزوں کی تیاری کے لئے ایک معقول رقم وقت سے پہلے مل جاتی ہے۔

ماں اور بچہ جیسے ہی ہاسپٹل سے گھر آتے ہیں فیملی ڈاکٹر اور محکمہ صحت کی وزیٹر یعنی دائیاں آموجود ہوتی ہیں۔ گھر کی صفائی اور کمرے کے درجۂ حرارت کا خیال کیا جاتا ہے۔ اگر باپ کی تنخواہ ایک حد سے کم ہو تو اعلےٰ درجے کا خالص دودھ مفت دیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی تقریباً سو روپیہ ہفتہ وار یعنی چار سو روپیہ ماہوار ہر بچے کا وظیفہ مقرر ہو جاتا ہے جو اس کو سولہ سال کی عُمر تک ملتا رہتا ہے۔ اور اسی عُمر تک اس کا علاج اور ہر قسم کی دوا مفت ہوتی ہے۔ عملی طور پر بچّہ ہر ذی رُوح سے برتر مانا جاتا ہے۔

کئی بار ایسا ہوا کہ میرا ننھا سا پوتا بیمار پڑا اور میں نے کلینک کو فون کیا کہ مجھے گھر پر ڈاکٹر چاہیئے۔ نرس نے جواب دیا کہ ڈاکٹر کا آج کا وقت سب مقرر ہو چکا ہے اور گھر پہ آنا ممکن نہیں۔ "لیکن بیمار کون ہے؟" اور میرے کہنے پر کہ بچہ بیمار ہے فوراً جواب آیا کہ "لائن بند نہ کرو ڈاکٹر خود بات کرے گا۔" اور ڈاکٹر نے کہا کہ "بچہ اگر بیمار ہے تو میں ابھی آرہا ہوں۔"

ایک شام لندن کی مصروف ترین سڑک پر قیامت کا رش اور بھیڑ بھاڑ تھی کہ آناً فاناً تیز رفتار گاڑیاں بسیں۔ بھاری بھاری ٹرک آمنے سامنے رُک گئے۔ ایک دم بریکوں کے لگائے جانے اور کھنچنے کی چیخوں سے فضا گونج اُٹھی۔ سارا ٹریفک سکتے کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔ درمیان میں ایک نوعمر ماں اپنے ننھے سے بچے کو کندھے سے لگائے سڑک پار کر رہی تھی۔ شاید انگلستان کی ملکہ کی سواری گزرتی تو یہ کاروائی نہ ہو سکتی مگر ایک ننھی سی جان کی حفاظت کے لئے کل عالم دم بخود ہو گیا۔

مجھے ٹی۔ وی پر دکھایا گیا۔ وہ نظارہ بھی نہیں بھولتا جب ایک اڑھائی سال کی ننھی بچی انگلینڈ کے مشہور گھنے جنگل EPPIND FOREST میں گم ہو گئی۔ باوجود تلاش کے نہ ملی۔ اور اندھیرا پڑ گیا تو پولیس کی اپیل پر کہ دوسرے روز صبح نو بجے تلاش کے لئے والنٹیرز چاہییں تو ایک والنٹیر کیا صبح منہ اندھیرے وہاں بی بی سی کے فوٹوگرافرز۔ رپورٹرز۔ فلمی گاڑیاں۔ ایمبولنس موجود تھیں۔ اور صبح کی سردی اور دُھند میں سات سو انسانوں کی لمبی قطار لگ رہی تھی۔ جن میں ستّر اسّی سال کے بوڑھے اور بوڑھیوں سے لے کر سولہ سترہ برس کے لڑکے لڑکیاں جنگل کا چپّہ چپّہ چھان لینے کو مستعد کھڑے تھے۔ ایک اٹھارہ سال کے لڑکے کو وہ ننھی بچی بیٹھی جنگلی سٹرابری کھاتی مل گئی اور ہزاروں بے چین دلوں کو قرار آگیا۔

انگلینڈ کی ہر چھوٹی بڑی بستی میں بچوں کے سکول ہیں ہر ایک کے سامنے سڑک پر آدھ میل اِدھر اُدھر بورڈ لگے ہیں کہ "خبردار گاڑی آہستہ کر لو آگے سکول آرہا ہے۔" ساتھ گزرتے بچوں کی تصویریں لگی ہیں۔ اور پھر سکول کھلنے اور بند ہونے کے وقت ایک آدمی لمبا سا ڈنڈا جس کے اُوپر ایک گول بورڈ بہت شوخ زرد رنگ کا لگا ہوتا ہے تاکہ برف۔ بارش اور دُھند میں بھی نظر آسکے اور اس پر سیاہ بڑے بڑے حروف میں "STOP" یعنی رک جاؤ لکھا ہوتا ہے۔ لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ ننھے ننھے بچے اکیلے یا ماؤں کے ساتھ اس کے پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد وہ آدمی اس بورڈ کو لے کر عین سڑک کے درمیان کھڑا ہو جاتا ہے کیسا بھی بھاری ٹریفک ہو فوراً رک جاتا ہے۔ اور بچوں کی قطار بحفاظت سڑک پار کر لیتی ہے۔ چونکہ اس ڈنڈے پر گول بورڈ کی شکل بچوں کی مٹھائی "لالی پاپ" سے ملتی ہے اس لئے یہ آدمی بچوں میں "لالی پاپ مین" کہلاتا ہے۔ اور بچوں کو خاص طور پر سکھایا جاتا ہے کہ وہ سڑک پار کرنے کے لئے لالی پاپ مین کے پاس انتظار کریں۔ اکیلے پار نہ جائیں۔

اس سب کے باوجود وہاں مجھے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی فرمودہ وہ حدیث بار بار یاد آتی ہے کہ "دجال کی دائیں آنکھ اندھی ہو گی۔" افسوس کہ مغربی اقوام کی روحانی آنکھ اور مذہبی دنیا اندھیری پڑی ہے۔ یہ لوگ اللہ پر ایمان۔ اس پر بھروسہ بلکہ خدا کا تصوّر تک کھو چکے ہیں۔ اور یہی پھولوں کی طرح پالے ہوئے بچے بڑے ہو کر ناچ۔ گانے، اور نشہ کرنے میں سکونِ دل تلاش کرتے اور بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اور اسی تلاش میں اکثر وہ اتنی محنت سے بنائی گئی جسمانی صحت اور خوبصورتی کو بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ جہاں ان کو دیکھ کر یہ تمنا ہوتی ہے کہ کاش ان کے لئے اسلام کے ذریعے خدا کو پانے اور سکونِ دل حاصل کرنے کا سامان ہو جائے وہاں یہ اندیشہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے مشنری خصوصاً ہماری اس جماعت کے گھروں میں چراغ تلے اندھیرا تو نہیں۔ حال میں گزری ہوئی چودھویں صدی کے مجدد حضرت

مرزا غلام احمد صاحب کی بنائی ہوئی یہ جماعت جو اُن کے فیض سے اسلام کی حسین اصلیت اور قرآن کی پُر حکمت تعلیم کو دُوسروں تک پہنچانے کی سعی کر رہی ہے اُن کے اپنے ہاں اللہ کی دی ہوئی امانت اور قوم کی دولت ہمارے بچّوں اور ہماری آنے والی نسلوں کا کیا حال ہے؟ مغربی اقوام بچے کی جسمانی صحت اور زندگی کے لئے جو فکر و تردد کرتی ہیں دراصل وہ بھی اسلام کی تعلیم ہے اور بنی نوعِ انسان کی بھلائی۔ خدمت اور ہمدردی ہمارے مذہب کا ایک اہم جُز ہے۔ اور اسے ہمیں اختیار کرنا اور اپنانا چاہیئے۔

ساتھ ہی اسلام نے جو جسمانی و روحانی توازن مسلمان کی زندگی میں رکھا ہے اس کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اس کے لئے والدین میں مَیں تو ماں کو زیادہ ذمہ دار ٹھہراتی ہوں۔ جبکہ باپ باہر تلاشِ رزق میں سر کھپا رہا ہوتا ہے۔ ماں تقریباً اپنا سارا وقت بچوں کے ساتھ گزارتی ہے۔ وہ ابتدا میں ان کی توتلی زبان میں ہی ان کو اللہ کا نام اور کلمہ سکھا سکتی ہے۔ اس کو نماز پڑھتے دیکھ کر بچے اس کی نقل کر سکتے ہیں۔ وہ آسان کہانیوں میں ان کو تاریخِ اسلام اور ہمارے بزرگوں کے سنہرے کارنامے بتا سکتی ہیں۔ اور ہوش سنبھالنے پر دینی محفلوں اور جلسوں میں شامل ہونے اور حصہ لینے کا شوق پیدا کر سکتی ہے۔ وقت کم ہے۔ چودھویں صدی اور ہمارا ماضی گزر چکا ہے۔ حال گزر رہا ہے لیکن مجھے مستقبل کا فکر ستا رہا ہے۔ اپنے سینوں پر احمدیت کا تمغۂ امتیاز لگائے ہاتھوں میں اسلام کا روشن چراغ لئے ہمارے بہت سے مجاہد گزر چکے۔ گزر رہے ہیں اور گزر جائیں گے۔ لیکن خدا کرے کہ ہم اسلام کی تعلیم کو اس کے روشن چراغوں کو صرف اپنے ہاتھوں میں لئے گزر نہ جائیں بلکہ ان چراغوں سے اور چراغ جلائیں۔ یہ ورثہ اپنی آنے والی نسل کو دے جائیں۔ تاکہ ہمارے بعد روحانی اندھیرے میں بھٹکنے کی جگہ وہ اپنے کو اسلام کی روشن اور چراغاں شاہراہ پر گامزن پائیں۔ قرآن کا نور اُن کے گھروں اُن کے شہروں اور وہاں سے نکل کر مشرق و مغرب کو جگمگا دے۔ ؎

شگفتہ ہو کے کلی دِل کی پھول ہو جائے۔
یہ التجا میرے آقا قبول ہو جائے۔

آمین

تعلیمی وظیفہ

جماعت کے ایک مخیّر دوست نے یک صد روپیہ 100/- روپیہ ماہوار کا تعلیمی وظیفہ ایسے طالبعلم کے لئے پیش کیا ہے جو پولی ٹیکنیک میں تعلیم حاصل کر رہا ہو۔ خواہشمند طلبہ اپنے مکمل کوائف کے ہمراہ پتہ ذیل پر درخواست کریں۔

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

اِک حیّ لایموت وُہی ذاتِ پاک ہے۔

برہم ہماری بزم تری موت کر گئی
"ستم کیا گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی"
صابر بھی رو رہے ہیں کہ اے وائے حسرتا!
پیغامِ موت تجھ کو جوانی میں آگیا
ہر فردِ قوم آج رہینِ اَلم ہوا
دیکھو تمہاری بالیں پہ محشر ہے اک بپا
گو درد سے تڑپتی ہے جانِ حزیں مری
رگ رگ میں میری گویا ہے نشتر چُبھی ہوئی
لیکن بجز صبر کے چارہ نہیں کوئی
جو ہے رضا خدا کی وہی ہے رضا مری

اک حیّ لایموت وُہی ذاتِ پاک ہے
اِنسان چیز کیا ہے فقط مُشتِ خاک ہے

⁂

از:- حسنی

محمد شریف چوہدری

میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی تبلیغی مساعی اقصائے عالم سے آمدہ خطوط کی ایک جھلک

لیبیا سے سلیم محمد الخیلاری صاحب رقم طراز ہیں

برادرِ مکرم۔ السّلامُ علیکم! مجھے اپنے ایک دوست کی وساطت سے آپ کا پتہ ملا۔ حضرت مولانا محمد علیؒ کی تفسیر قرآن کریم (انگریزی) نظر سے گزری۔ یہ واقعی بے نظیر تفسیر ہے۔ اس کے چند اوراق کے مطالعہ سے میرے اندر ایک تڑپ پیدا ہوگئی ہے۔ خواہش ہے کہ میرے پاس اس تفسیر کی ایک کاپی ہو۔ تاکہ میں ہمیشہ اس کا مطالعہ کر سکوں میں ایک پیدائشی مسلمان ہوں۔ قرآن اور اسکی تعلیمات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ازراہ کرم میری گزارش کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے عنداللہ ماجور ہوں شکر گزار ہوں گا۔

نائجیریا سے حمود ح ما ہوصاحب لکھتے ہیں۔

مجھے یہ عریضہ لکھتے ہوئے بے حد مسرت ہو رہی ہے اُمید ہے آپ اور دیگر احباب جماعت بخیریت ہوں گے۔ میرا تعلق ایک عام خاندان سے ہے۔ لیکن افسوس کہ مجھے اسلام کے متعلق اتنا علم نہیں کیونکہ میں بچپن سے اپنے بھائی کے زیرسایہ تھا۔ جو مسلمان نہیں تھا۔ جب کہ دیگر رشتہ دار سب مسلمان ہیں۔ اب میں نے اپنے بھائی سے علیحدگی اختیار کرلی ہے۔ کیونکہ میں کوئی دُوسرا مذہب قبول نہیں کرنا چاہتا۔ بنابریں میں اسلام کی تعلیمات کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے دینی کتب کے ساتھ انگریزی ترجمہ قرآن بھی عنایت کر کے ممنون فرمائیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کی خدمات دینیہ کو قبول فرمائے اور اجر بخشے۔

گھانا مغربی افریقہ سے جناب الحسن جنگو صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں۔

جناب محترم مجھے بے حد خوشی ہوگی اگر آپ اپنے ادارہ کی مطبوعات مجھے ارسال کر سکیں۔ بندہ ایک سکول میں ٹیچر ہے۔ اور حال ہی میں اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ حضرت مولانا محمد علی کی کتاب "اسلامک لاء اینڈ میرج"، کا مطالعہ کرنے سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ دینِ حقہ جس کی مجھے تلاش تھی مل گیا ہے۔ اس سے قبل میں اندھیروں میں بھٹک رہا تھا۔ آپ کی جماعت کی تبلیغ واشاعتِ اسلام میں نمایاں کردار ادا کر رہی ہے۔ مہربانی فرما کر مذکورہ کتاب کی مزید کاپیاں اور دیگر اسلامی لٹریچر بھیج کر ممنون فرمادیں۔

کانو سٹیٹ نائجیریا سے ایف۔ ابن احمد لکھتے ہیں

برادر محترم۔ السلام علیکم:۔ آپ کی ارسال کردہ چار اسلامی کُتب کا پیکٹ موصول ہوا۔ آپ کی کرم فرمائی کا بے حد شکریہ میں ان کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ میرے رفقاء بھی انہیں ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں۔ خصوصی طور پر "اسلام اینڈ مسلم پریئر بک" اس کے علاوہ چند دیگر کتب جو آپ نے اپنے خط میں ارسال کرنے کا وعدہ فرمایا تھا وہ بھی بھیج کر مشکور فرمائیں۔

مشرقی ملائشیا سے جناب سام بنے حسن تحریر کرتے ہیں:۔

برادرِ مکرم۔ السلام وعلیکم:۔ مجھے مسلم پریئر بک اور دیگر اسلامی لٹریچر بھجوا کر شکریہ کا موقع دیں۔ میں دینِ اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کا خواہاں ہوں۔ تاکہ دُوسروں کو بھی اسلامی تعلیمات سے روشناس کرا سکوں۔

والسّلام

اخبار احمدیہ

- حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدرالدین ایدہ اللہ تعالےٰ خیریت سے ہیں، احباب جماعت ان کی صحت وعافیت کے لئے دُعا فرماتے رہیں۔

- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی بفضلہ تعالےٰ حسب معمول دینی مجاہدات اور خدمت سلسلہ میں معروف ہیں۔ آپ کا بیشتر وقت دینی وجماعتی کاموں میں صرف ہوتا ہے۔ نیز آپ کے روحانی وجسمانی فیوض سے ہر کہ ومہ مستفید ہوتا ہے۔ نماز فجر میں آپ کی قرأت سے دلوں پر ایک الٰہی نور نازل ہوتا ہے جو دنیا کی محبت کے خس وخاشاک کو بھسم کر دیتا ہے۔ اور مقتدیوں کے قلوب کو خدا تعالےٰ کی جانب کھینچ لے جاتا ہے روحیں دُعا کے لئے پگھلتی ہیں۔ آنکھیں آنسو بہاتی ہیں۔ اور انسان کچھ دیر کے لئے دنیا ومافیہا سے منقطع ہو جاتا ہے۔ دوست دعا کریں۔ کہ احمدیت کی یہ شمع فروزاں تادیر روشن رہے۔ اور اس کی روشنی میں خدمتِ اسلام کے کام میں جماعت آگے قدم بڑھاتی چلی جائے۔

- **دارالسّلام**:۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے دارالسلام میں تشریف لاتے ہی جامع احمدیہ میں درسِ قرآن کریم کا سلسلہ شروع فرما دیا تھا۔ آپ کی مصروفیات بڑھ جانے کے باعث اب مکرم ڈاکٹر اصغر حمید صاحب کچھ عرصہ سے بعد نماز عصر درس قرآن کریم دے رہے ہیں۔

- **ایک قدم اور آگے**:۔

مقامی جماعتِ احمدیہ لاہور کے زیر اہتمام، دارالسلام میں اب درس قرآن کریم کا ہفتہ وار ایک نیا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ یہ درس ۵ بجے قبل شام میاں نصیر احمد صاحب فاروقی دیتے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم ومغفور کو قرآن کریم سے جو عشق تھا۔ احباب جماعت اس سے بخوبی واقف ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور نے جہاں دوسروں کو قرآن کریم سے روشناس کرایا۔ وہاں اپنے خاندان میں بھی قرآنی علوم کو بطور وراثت چھوڑا ہے۔ اور مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کا درسِ قرآن کریم اس امر پر شاہد ناطق ہے (یہی دینی تڑپ اس مقدس خاندان کی محترم خواتین میں بھی پائی جاتی ہے) ایک صاحب عرفان کی زبانی کلام الٰہی کی تفسیر لطیف سن کر دل منوّر ہو جاتا ہے۔ اور سامعین پر اسکی کامل صداقت واضح ہو جاتی ہے۔ یہ درس ہر سوموار کو ۵ بجے شام سے شروع ہو کر نماز مغرب تک جاری رہتا ہے۔

- **وفات**:۔

سری نگر کشمیر سے جناب پروفیسر نورالدین زاہد صاحب لکھتے ہیں:۔

"سری نگر کے ایک قابل اور قدیم احمدی بزرگ جناب بابو نظام الدین صاحب فوت ہو گئے ہیں۔ مرحوم نے بحد رواہ کی جماعت کے قیام وتنظیم کے لئے اچھا کام کیا ہے۔ ۳۰ جنوری کو ان کا انتقال ہوا ہے۔ پیرانہ سالی کے باوجود دُور سے قلمدان پورہ آکر نماز جمعہ ادا کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ مغفرت کرے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

احباب جنازہ غائبانہ ادا کریں اور دعائے مغفرت فرمادیں۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:۔

- وہ ہمنشیں سب سے بہتر ہے جس کا دیکھنا تمہیں اللہ تعالےٰ کی یاد دلائے۔
- کسی قسم کی نیکی کو حقیر نہ سمجھو۔ حتیٰ کہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی ہے۔

* * *

از:- ڈاکٹر محمد عبدالحق

قرآن و سنت میں اخلاق

قرآن و سنت کی نظر میں زندگی دو مرحلوں میں منقسم ہے۔ مگر دونوں مرحلے ایک دوسرے کے ساتھ بے حد مربوط ہیں۔ ایک موت کے پہلے کا مرحلہ اور دوسرا موت کے بعد کا۔ بلاشبہ موت ایک عظیم تغیر ہے لیکن زندگی موت پر ختم نہیں ہوتی۔ دوسری زندگی یقیناً ایک نئی زندگی ہوتی ہے لیکن پہلی زندگی کے نہ منافی ہوتی ہے اور نہ اس سے یکسر مختلف۔ دراصل زندگی ایک وحدت اور ایک تسلسل ہے۔ اس وحدت و تسلسل کا تقاضا ہے کہ زندگی اعظم نہ صرف اس دنیا سے متعلق ہو اور نہ محض اُس دنیا سے دونوں کی بھلائی پر حاوی ہو۔ قرآن کریم نے اہل ایمان کو جو تعلیم دی ہے وہ یہ ہے:-

ربّنا اٰتنا في الدنيا حسنةً وفي الآخرة

حسنةً وقنا عذاب النّار (۲:۲)

"اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرمایئے اور آخرت میں بھی۔ اور ہم کو آگ کے عذاب سے محفوظ رکھیئے۔"

اس تعلیم کا یہ تقاضا ہے کہ دنیا کی بھلائی کو آخرت کی بھلائی کا محض ذریعہ قرار نہ دیا جائے۔ بلکہ اس کو بذاتِ خود مقصود سمجھا جائے۔ اسلام نے خیر کا جو تصور پیش کیا ہے دنیا کی فلاح اس کا جزو لاینفک ہے۔ قرآن و سنت میں زندگی کے مختلف پہلوؤں (سماجی، معاشی اور سیاسی) کی تعمیر و اصلاح کا جو اہتمام ملتا ہے وہ اس حقیقت پر شاہد ہے۔ اسلامی آئیڈیل کسی ایسے فرد کا آئیڈیل نہیں ہے جو سماج سے الگ تنہا ہو بلکہ ایسے فرد کا ہے جو سماج کا فعال اور سرگرم کارکن ہے۔ انسان انفرادی زندگی اور سماجی زندگی دونوں قرآن و سنت میں ایک کُل سمجھا ہے۔ چنانچہ قرآن و سنت کا تصورِ فلاح انفرادی ہی نہیں بلکہ سماجی بھی ہے۔ حیاتِ دنیا میں سماج کی جو اہمیت ہے وہ تو ہے ہی۔ آخرت کی زندگی کا نقشہ بھی جو قرآن و سنت میں ملتا ہے۔ وہ بالکل انفرادی نہیں ہے بلکہ ایک طرح کی سماجی زندگی ہے۔ اسلام میں جو اہمیت سماجی تعلقات جماعتی فرائض اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور جہاد کو حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اسلام کا خیر تصور اجتماعی ہے۔ سماج سے گریز یا اجتماعی فلاح سے بے تعلقی ایک جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس کی اجازت صرف ان انتہائی حالات میں دی گئی ہے جن میں دینی فرائض و ارکان کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی ہے۔ مگر ایسے حالات میں بھی ظلم و فساد کے خلاف جہاد کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیشہ عزیمت ہی قرار دیا ہے۔

اگرچہ دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی فی نفسہٖ مقصود ہے لیکن دنیا کی بھلائی کو آخرت کی بھلائی کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ فلاح دنیا فی نفسہٖ مقصود نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلہ میں چند روزہ ہے مزید یہ کہ دنیا کی زندگی دو اعتبار سے محدود ہے۔ ایک یہ کہ اس میں دین کے بہت سے حقائق کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ اس میں اعمال کے پورے نتائج برآمد نہیں ہوتے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اس دوگونہ حقیقت کے نتیجہ میں دنیا کی زندگی ایک آزمائش ہے۔ چونکہ انسان کی آزمائش اس میں ہے کہ وہ زمین پر خدا کی خلافت کے فرائض انجام دے اس لئے دنیا کی بھلائی آخرت کی بھلائی کے لئے شرط لازم بن جاتی ہے دنیا کی بھلائی سے بے اعتنائی آخرت کی فلاح کے امکانات ختم کر سکتی ہے۔

قرآن و سنت کے خیر میں جسم و روح دونوں کی رعایت ہے بعد کے فکر نے جسم و روح اور مادی و روحانی خیر میں جو تضاد نمایاں کیا ہے اس کی تائید قرآن مجید سے نہیں ہوتی۔ حسّی لذّات اور روحانی دونوں ہی خیر کا جزو ہیں جسمانی لذتوں میں فی الحقیقت کوئی برائی نہیں۔ دنیا فی نفسہٖ نہ بھلی ہے اور نہ بری۔ اس کی بھلائی اور برائی طریقۂ زندگی پر منحصر ہے جسے انسان اختیار کرتا ہے۔ مسیحیت کا یہ تصور کہ زمین پر انسان کا ورود سقوط کے ہم معنی ہے اور گناہ اول کی سزا ہے اسلامی عقیدے کے منافی ہے۔ قرآن مجید حیات دنیا کی تعمیر و اصلاح کو سعادت کا لازمی جزو قرار دیتا ہے۔ اسلام میں نہ ترک دنیا کی کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی دنیا کی لذتوں سے بالکلیہ دست کش ہونا جائز قرآن مجید نے رہبانیت کو بدعت قرار دیا ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

"لا رهبانية في الاسلام"

قرآن و سنت نے جو آئیڈیل پیش کیا ہے اس میں انسانی شخصیت کے کسی جزو کی نفی نہیں کی گئی ہے۔ عقل و وجدان، ذوق و تخیّل جذبہ و احساس۔ سب کو اس کے صحیح مقام پر رکھا گیا ہے۔ اگرچہ افراد کی زندگیوں میں ان عناصر کی اضافی اہمیت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے لیکن انفرادی حالات و صلاحیتوں کی رعایت کے باوجود اسلام نے یہ کبھی پسند نہیں کیا کہ ایک جزو کو دوسرے جزو پر قربان کر دیا جائے یا زندگی کے ایک پہلو کو اس قدر ابھارا جائے کہ دوسرا پہلو کچل کے رہ جائے۔ خدا کے رسولؐ نے اس امر کی طرف خصوصی توجہ فرمائی ہے کہ آپ کے اصحاب کے کسی پہلو کو ایک خاص حد سے زیادہ نہ دبائیں۔ اسلامی آئیڈیل میں جذبہ اور عمل، فکر اور احساس روح اور جسم کا ایک حسین امتزاج ہے مثال کے طور پر محبت کو لیجیئے۔ اسلامی آئیڈیل میں حبّ الوطنی کو جو بلند مقام حاصل ہے وہ ظاہر ہے مگر جس محبت کی تعریف قرآن و سنت میں آئی ہے وہ نرا جذبہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ قوت ہے جو ان گوناگوں اعمال کی محرک ہوتی ہے جو اسلام کو پسند اور مطلوب ہیں۔

قرآن و سنت نے ہمہ جہتی شخصیت کا جو آئیڈیل پیش کیا ہے اس میں اور مخصوص انفرادی صلاحیتوں اور رجحانات کی تکمیل میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اسلام میں شخصیت کا ایسا بے لچک تصور نہیں ہے جس کی ہو بہو نقل ہر شخص سے مطلوب ہو۔ حضرت ابوبکر، ابوہریرہ و ابوذر، خالد و علی، عثمان ابن عفان و عبدالرحمان بن خوف۔ ابن مسعود و ابن عباس اور حفصہ رضی اللہ عنہم کی شخصیتوں میں اگرچہ بنیادی یکسانیت ہے لیکن اس کے باوجود ہر ایک کی قوتیں اور صلاحیتیں جدا جدا ہیں۔

قارئین کرام

نوٹ فرمالیں

پیغام صلح کے "خاتم النبیّین نمبر"

کی تیاری کے سلسلہ میں ۱۸ مارچ کے

الیثوع کا ناغہ ہوگا اور اس سے اگلا

شمارہ "خاتم النبیّین نمبر" ہوگا

اور مؤرخہ ۲۵ مارچ ۱۹۸۱ء کو یہ

نمبر شائع ہوگا۔ انشاءاللہ

(ادارہ)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۱۱ مارچ ۱۹۸۱ء جلد ۶۸ شمارہ ۱۰، رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

خاتم النبیینؐ نمبر

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

◆

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

◆

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اَور کا وقت
مَیں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے
بیرونی ممالک سے

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۳۰۳۷

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید — وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد
دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہاماتِ حضرت مسیحِ موعود

جلد ۶۸ | یوم چہارشنبہ ۱۱/۱۸ جمادی الاول ۱۴۰۱ھ ہجری بمطابق ۱۸/۲۵ مارچ سنہ ۱۹۸۱ء عیسوی | شمارہ ۱۱/۱۲

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم

نذرانہ عقیدت بحضور سرورِ کائنات، صاحبِ لولاک، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

— حضرت مجدد صد چہاردہم رحمۃ اللہ علیہ

در دِلم جوشد ثنائے سرورے — آنکہ در خُوبی ندارد ہمسرے
اور میرے دل میں اس سرور کی تعریف جوش مار رہی ہے — جو خُوبی میں اپنا کوئی ہمسر نہیں رکھتا

آنکہ جانش عاشقِ یارِ ازل — آنکہ روحش واصلِ آں دِلبرے
وہ جس کی جان خُدائے ازل کی عاشق ہے — وہ جس کی رُوح اس دلبر میں واصل ہے

آنکہ مجذوبِ عنایاتِ حق است — ہمچو طفلے پروریدہ دربرے
وہ جو اللہ تعالےٰ کی عنایات کو جذب کئے ہوئے ہے — جیسے ایک بچہ گود میں پرورش پا رہا ہو۔

آنکہ در بّر و کرم بحرِ عظیم — آنکہ در لطفِ اتم یکتا درے
وہ جو نیکی اور سخاوت کا سمندر ہے۔ — اور کمال لطف میں ایک نایاب موتی ہے

احمدؐ آخر زماں کز نورِ اوست — شد دِل مردم زخور تاباں ترے
احمدؐ آخر زماں جس کے نُور سے — لوگوں کے دل سورج سے بھی زیادہ روشن ہو گئے

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
اس کے نفسِ پاک پر تمام کمالات ختم ہو گئے

لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے
اس لئے اس پر پیغمبروں کا آنا بھی ختم ہو گیا

کلام الامام

در مدح

خیر الانام

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

عجب نوریست در جانِ محمدؐ عجب لعلیست در کانِ محمدؐ
ز ظلمتہا دلے آنگہ شود صاف کہ گردد از مُحبّانِ محمدؐ
عجب دارم دلِ آں ناکساں را کہ رو تابند از خوانِ محمدؐ
ندانم ہیچ نفسے در دو عالم کہ دارد شوکت و شانِ محمدؐ
خدا زاں سینہ بیزارست صد بار کہ ہست از کینہ دارانِ محمدؐ
خدا خود سوزد آں کرمِ دنی را کہ باشد از عدوانِ محمدؐ
اگر خواہی نجات از مستئ نفس بیا در ذیلِ مستانِ محمدؐ
اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت بشو از دل ثنا خوانِ محمدؐ
اگر خواہی دلیلے عاشقش باش محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ
سرے دارم فدائے خاکِ احمدؐ دلم ہر وقت قربانِ محمدؐ
بگیسوئے رسول اللہ کہ ہستم نثارِ روئے تابانِ محمدؐ
دریں رہ گر کشندم ور بسوزند نتابم رو ز ایوانِ محمدؐ
بکارِ دیں نترسم از جہانے کہ دارم رنگِ ایمانِ محمدؐ
بسے سہل ست از دُنیا بریدن بیادِ حسن و احسانِ محمدؐ
فدا شد در رہش ہر ذرّۂ من کہ دیدم حسنِ پنہانِ محمدؐ
دگر استادے را نامے ندانم کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

بدیگر دلبرے کارے ندارم
کہ ہستم کُشتۂ آنِ محمدؐ

از:- ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

نسلِ انسانی کے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین (قرآنِ حکیم)

کل برکۃ من محمد ﷺ فتبارک من علم وتعلم ". (الہام حضرت مجدد صدچہاردہم)

اُمّی و در علمِ و حکمت بے نظیر — زیں چہ باشد حجّت روشن ترے

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مُرادیں غریبوں کی بر لانے والا

زندہ خدا کی تلاش و عبادت کس نے سب سے زیادہ کی؟ مخلوق کی بہبود و ہمدردی کے غم میں کون سب سے بڑھ کر تڑپا؟ کس نے جمیع نسلِ انسانی کی بے لوث خدمت کا حق ادا کیا؟ کسے افضل و اعلےٰ تعلیم و ہدایت عطا ہوئی؟ جملہ اعلےٰ صلاحیتوں کے کامل نشوونما کے مواقع کسے اور کیوں کر نصیب آئے؟ اپنے دوستوں کو اپنے رنگ میں رنگ کر کس نے ایک اُجڈ قوم کو دنیا کا معلّم و مزکّی بنا دیا؟ کس کے سوانح حیات تاریخی اعتبار سے اعلےٰ درجہ کے مستند پایہ کے ہیں؟ وہ کون سی شخصیت ہے جس کے پاکیزہ حالات اعلےٰ کمالات بے نظیر کامیابی کے معترف صرف اس کے پیرو ہی نہیں بلکہ اُن کے منکر و مخالف بھی ماننے پر مجبور ہیں؟

یقیناً محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ کامل اور اکمل انسان ہیں جو روحانی اتحاد کے مرکز و محور ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری و زندہ نبی ہیں۔ اس لئے اب روحانی فیض کے دروازے بجز آپ کے توسط کے بند کر دیئے گئے ہیں اللّٰھم صل علیٰ محمد و علےٰ آلِ محمد ۔ ۔ ۔ ۔

بانیانِ مذاہب کے متعلق تین اہم سوال

تاریخ عالم میں بہت سی اہم ہستیاں ہو گزری ہیں جن کے معتقد، ان کی تعریف میں بڑھ چڑھ کر بیانات دیتے ہیں۔ فوق القدرت معجزات ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ قادرانہ تصرفات کے وہ مالک بتائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض کو خدا یا خدا کے بیٹے کے مقام تک پہنچایا گیا ہے۔ غرضیکہ فرطِ عقیدت نے کیا کچھ مبالغہ آمیزی نہیں کی۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقدس ہستیاں انسان نہ تھیں اور اگر خدا نہ تھیں تو کم از کم بشر سے مافوق کچھ اور نوع رکھتی تھیں۔ کیا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت جو کچھ اُن کے پیرو بیان کرتے ہیں وہ بھی اسی قسم کی عقیدت مندی کا مظاہرہ ہے؟ ایک اور حقیقت بھی ہمارے سامنے ہے جب تاریخی نقطہ نگاہ سے ہم ان ہستیوں کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نسبت بیان کردہ واقعات بہت کچھ مبہم و مشکوک سے ہیں۔ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی بیان کردہ واقعہ کہاں تک درست ہے۔ اور کس حد تک اس میں مبالغہ آمیزی و خوش عقیدگی کا دخل ہے۔ یہ دوسرا سوال ہے جس کے زاویہ سے ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جانچنا ہے۔ تیسرا اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو کچھ واقعات ان مقدس اصحاب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ انہیں ہماری روزمرہ زندگی سے کیا تعلق ہے؟ کسی بات کو توہم پرستی کے رنگ میں مانتے چلے جانا اور اسے ایمانیات کا جزو قرار دے کر خوش عقیدگی میں مست رہنا زندگی کا ایک ایسا منفی نظریہ ہے جسے آج کے علم و سائنس کی دنیا میں کوئی وقعت حاصل نہیں کیونکہ ہمیں تو ان امور کی ضرورت لاحق ہے جو ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی کو بہتر و عمدہ بنا سکیں۔

عظمت و رفعت جانچنے کے معیار

ان کے علاوہ ہمیں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ کون سے معیار ہیں جن سے کسی شخص کی عظمت کو جانچا جا سکتا ہے۔ اور ان معیاروں کی محک پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کس بلندی پر نظر آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے مقدم سوال یہ ہے کہ قطع نظر اس کے کہ کام بڑا ہے یا چھوٹا۔ اس کے کرنے والے کی نیت کیا تھی آیا خودی کے کس جذبہ سے متحرک ہو کر وہ بات کی گئی یا محض خدا کی خوشنودی اور بنی نوع انسان کی بہبود کی خاطر؟ دوئم یہ کہ اس بھلائی کا دائرہ اثر کتنا وسیع ہے۔ آیا چند ایک اشخاص کی بہبود مدنظر تھی؟ اگر تھی تو ان کا اس کے ساتھ کیا رشتہ تھا اپنے فیملی خاندان، قبیلہ، قوم، اور وطن کی خاطر قربانی کرنا سب ترتیب وار منازل ہیں۔ لیکن سب سے اعلےٰ و ارفع وہ قربانی ہے جو بلاتخصیص رشتہ و خون یا خاندان و قوم، ساری نسلِ انسانی کی خاطر بجا لائی جائے۔ ان سوالات کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ نہ صرف مقاصد و قربانی کے لحاظ سے کسی شخص کا مقام کتنا بلند ہے بلکہ یہ کہ انسانی اخلاق کے جملہ شعبوں میں اس نے کیا نمونہ پیش کیا؟

کامل وہ شخص ہے جس نے حتی المقدور خودی کے ہر پہلو سے اجتناب کر کے جمیع نسلِ انسانی کی خدمت کے لئے اپنی طاقتوں کو وقف کر دیا ہو اور اخلاق کے جملہ پہلوؤں میں اس نے اعلےٰ ترین عملی زندگی پیش کی ہو لیکن اس کمال سے بڑھ کر ایک اور درجہ فائق ہے اور وہ ہم عصروں اور ہم جلیسوں کو اپنے رنگ میں رنگین کر کے انہیں بھی کامل بنا دینا۔ نہ صرف اپنی انفرادی زندگی کو بنی نوعِ انسان کی خدمت کے لئے لگا دینا بلکہ اجتماعی طور پر ایک ایسی قوم تیار کر دینا جو اس اعلےٰ ترین مقصد کی دنیا میں حامل ہو۔ یہ مقام نہ صرف اس لئے بلند ترین ہے کہ اس کے ذریعے بہبود و فلاح کا دائرہ وسیع اور ہمہ گیر ہو جاتا ہے اس لئے بھی کہ جو قوت عمل اعلیٰ اصولوں کو خود اپنی زندگی کی رفتار میں منتقل کرنے کے لئے ایک انسان کو بکار ہے۔ اس کے لئے کہیں بہت زیادہ قوت عمل اور جذبہ کشش اس غرض کی خاطر مطلوب ہے۔ کہ جو لوگ اس انسان سے لگاؤ رکھیں وہ بھی اسی نشہ میں سرشار و مست ہو جائیں جس کا عشق اس کے اپنے سینہ میں موجزن ہے۔ اعلےٰ اصول و عمل کے لحاظ سے ترتیب وار درجات اس طرح ہوں گے:۔

۱۔ اعلےٰ اصولوں اور خدمتِ نسلِ انسانی کا خود قائل ہونا۔
۲۔ ان اصولوں کو اپنی روزمرہ زندگی کا شغل بنا لینا۔
۳۔ دوسرے لوگوں کو بھی خدمت خلق و بہبود کا قائل کر لینا۔
۴۔ اپنے دوستوں پر ایسا قوی اثر ڈالنا کہ وہ اس کی غیر موجودگی میں بھی سچے معنوں میں اس مقصد کے صحیح نمائندے اور نائب کہلا سکیں۔

حالات اور ذرائع کا سوال

کسی شخص کے پیشِ نظر کیا مقاصد ہیں؟ وہ مقاصد خدمت خلق و فلاح انسانی کے لئے کس قدر مفید تھے؟ ان سوالات

کے حل پر جہاں کسی شخص کی بلندی کی تشخیص کی جائے گی وہاں یہ سوالات بھی زیرِ غور آنے چاہئیں کہ کن حالات میں اس انسان نے ان مقاصدِ عالیہ کو اپنایا اور وہ کس حد تک اس کے مدد و معاون تھے اور کہاں تک حصولِ مقصد کے منافی تھے؟ کیونکہ ظاہر ہے کہ جو شخص سازگار ماحول میں کام کرے گا وہ ہرگز اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو نہایت مخالف حالات کے باوجود کام کرتا ہے۔ پھر حالات کی موافقت یا مخالفت کے علاوہ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ جو ذرائع حصولِ مقصد کی خاطر استعمال کئے گئے وہ کیسے تھے؟ اگر مقصد و مدعا عالی اور پاک تھا تو کیا ذرائع اور اسباب بھی اسی قدر پاکیزہ تھے؟ اکثر مرتبہ یہ سننے میں آتا ہے کہ جب مقصد نیک ہو تو جس کسی ذریعہ سے بھی حاصل ہو سکے اسے حاصل کر لیا جائے لیکن اس قدر تو بہرحال تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ شخص جو نیک مقصد کی خاطر ادنیٰ ذرائع استعمال کرتا ہے ہرگز اس انسان کے برابر نہیں ہو سکتا جس کا نہ صرف مقصد پاک ہے بلکہ ذرائع بھی مطہر ہیں۔

کامیابی کا دائرہ اور تبدیلیٔ مزاج

جہاں کسی انسان کی بلندی کا معیار اس بات پر ہے کہ اس نے اپنی زندگی کو کیسے عالی خادمانہ مقاصد پر لگایا۔ کن حالات میں اور کیسے دشوار گزار ماحول سے اسے واسطہ پڑا۔ اور کس قسم کے ذرائع سے اس نے کام لیا وہاں اس کی عظمت کے ماننے کے لئے ہمیں یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ اس کی جد و جہد کیا نتیجہ لائی جن عالی اغراض کا وہ حامل رہا؟ واقعات کی دنیا میں کہاں تک ان کو پھل لگا؟ اس کے ساتھ ہی یہ سوال بھی ذہن میں آئے گا کہ اگر اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو گئی تو اس فتح کے حصول کے بعد اس کی حالت کیا رہی؟ اکثر مرتبہ یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ جب تک مقصد حاصل نہیں ہوتا وہ مقصد خدمتِ خلق سے متعلق ہو یا خودی کے کسی جذبہ کی تسکین سے، انسان کا کردار جس قسم کا ہوتا ہے مقصد حاصل ہو جانے کے بعد اس میں تبدیلی آجاتی ہے۔ یا تو انسان غافل اور مست ہو جاتا ہے۔ یا معاملات اور اخلاق میں اور قسم کا رنگ دکھلانے لگتا ہے۔ اگر عیش و عشرت کی جانب مائل نہ بھی ہو تب بھی دل میں کامیابی پر تکبر اور غرور کا پیدا ہو جانا اور دوستوں اور مخالفوں سے سلوک میں فرق کا پڑ جانا لازم امر ہے یہ عام انسانی گراوٹ ہے۔

قوتِ قدسی کا دائرہ عمل

ان تمام سوالات کے حل کر لینے کے بعد بالآخر ایک اور سوال بھی رہ جاتا ہے جس کا علم بہت کم لوگوں کو ہے کسی انسان کی بڑائی کو پرکھنے کے لئے جہاں ان سب سوالوں کا جواب ضروری ہے جو اوپر درج کئے گئے ہیں۔ وہاں ایک [illegible] ضروری اور ایک اہم سوال یہ بھی ہے [illegible] اپنی زندگی میں تو انسان جو کچھ اعلیٰ اعمال بھی [illegible] اس قدر باعث نجاح و اصلاح ہوتا ہے کسی حد تک اوروں کو نیکی و خدمت کی طرف مائل کرتا ہے لیکن فوت ہو جانے کے بعد اس کا دائمی اثر کس قدر باقی رہ گیا؟ اس کی اعلیٰ زندگی کے مطالعہ سے کتنے لوگوں میں جو اس کے بعد آئے کہاں تک اور کب تک وہ جوش اور ولولہ پیدا ہوا؟ اگرچہ دنیا کے لوگ اس حقیقت سے منکر ہیں تاہم جب کہ یہ صداقت ہے کہ جسمانی زندگی کے ختم ہونے سے کلی طور پر خاتمہ نہیں ہو جاتا بلکہ روحیں زندہ رہتی ہیں تو پھر کسی عالی و ارفع انسان کی عظمت اس نقطۂ نگاہ سے بھی جانچنی ضروری ہو جاتی ہے کہ وفات کے بعد اس شخص کی قوتِ قدسیہ اور روحانی تاثیراتِ قلب کے باعث کب تک اور کس قدر انسانوں کو نہ صرف ہدایت اور رشد بلکہ کمال کا درجہ نصیب ہوا۔ تمام اعلیٰ ہستیوں اور برگزیدہ صاحبِ کمال اشخاص کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک روح کے قلبی تاثیرات کا اثر نہ صرف دوسری روح پر دنیا کی اس زندگی میں پڑتا ہے بلکہ یہ بھی کہ اثر بعد الموت جاری و ساری رہتا ہے۔ تو آخری سوال آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی عظمتِ نشان کے پرکھنے کے بارہ میں یہ حل طلب ہے۔ کہ جسمانی زندگی کے بعد کب تک اور کہاں تک اور کس قدر لوگوں پر آپ کی روحانی قوتِ قدسیہ کا اثر ہوا؟ اگر اپنی زندگی میں آنحضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے ساتھیوں کو کامل بنایا تو بعد میں آپ کی روحانیت کے اثر سے کس قدر باکمال لوگ پیدا ہوئے؟

اہم سوالات کے حل کا ایک سہل طریقِ کار

ظاہر ہے کہ جس قدر یہ سوالات اہم ہیں اسی قدر اہم یہ بحث ہے جو ان کے متعلق کی جائے۔ اس مختصر مضمون میں اس کو کماحقہٗ نبھانا ناممکن ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس پر پوری روشنی ڈالنا ایک دفتر کو چاہتا ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زندگی کے جملہ سوانح حیات آجائیں۔ قطع نظر اس کے اس وقت ان سوالات کے جوابات کے لئے میں ایک طریقِ کار پر اکتفا کروں گا۔ جیسے کہ میں نے ابتداء میں کہا۔ اصل سوال ایک محقق کے سامنے یہ ہوگا کہ جو کچھ واقعات کسی انسان کے پیش کئے جاتے ہیں وہ کہاں تک قابلِ قبول ہیں۔ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے کیا وہ معتقد اصحاب کی محض حاشیہ آرائی اور عقیدت مندی کا جوش تو نہیں؟ اگر معتقدین کے علاوہ بعض غیر جانبدار محققین بلکہ مخالفین نے بھی کسی انسان کی زندگی کے واقعات کو مطالعہ کر کے انہیں تسلیم کیا ہو یا ان سے کچھ نتائج از روئے فکر و انصاف استدلال کئے ہوں تو یہ ایک ایسا حتمی اور ناقابلِ انکار ثبوت ہے کہ اس کے بعد کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔ الفضل ما شهدت به الاعداء جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ کسی انسان کی خوبی و افضلیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ اس سے کسی قسم کا دینی یا دنیوی رشتہ نہ رکھتے ہوں وہ اس کے معترف اور قائل ہوں۔ دراصل جب کمالات اس قدر بلند ہوں تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ منصف مزاج مخالف کو بھی جائے انکار نہیں رہتی۔ اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی عظمت و رفعتِ نشان کے بارہ میں جو کچھ بعض محققین و مفکرین نے جو آپ کے حلقۂ عقیدت میں شامل نہیں تحریر کیا ہے۔ اس کا کچھ حصہ مندرجہ بالا سوالات کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے:۔

لا مثل و ناقابلِ تردید واقعات

"مزید برآں ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن ایک ایسی انسانی دستاویز ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شخصیت کے ہر پہلو کی عکاسی کی گئی ہے۔ اور جس میں آپؐ کے متعلق خارجی واقعات کا بیان ہے۔ پس ہمارے پاس اسلام کے مبلغ اور اس کی ابتدائی نشو و نما کے حالات کے استخراج سے متعلق بے نظیر اور ناقابلِ تردید اسناد موجود ہیں کہ جو بدھ مت، عیسائیت یا کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتیں"

پروفیسر نکلسن کے اقتباس کا پہلا فقرہ عین بعین وہی ہے جو حضرت عائشہ رض کے قول سے مروی ہے یعنی جب آپ سے کسی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اخلاق کی بابت دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا:۔ کان خلقه القرآن۔ جس قدر مختلف سلسلہ روایات سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت بیان کی گئی ہے اس قدر مضبوط و مربوط سلسلہ بیان کیا اور کسی انسان کو تاریخِ عالم میں اپنے سوانح حیات کے بارہ میں میسر آیا؟ جس قدر چھان بین اور رد و کد راویوں کی زندگی کے بارہ میں کی گئی۔ اس کی مثال کسی دوسرے شخص کے لئے کہاں ملتی ہے۔

صحابہ کرام کی شہادت

"تم کہتے ہو کہ وہ آپ (آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو صرف پیغمبر ہی جانتے ہیں۔ کیا آپؐ ان کے رو برو کھلم کھلا صاف طور پر کھڑے نہ تھے۔ بغیر کسی قسم کے توہم پرستانہ خوش عقیدگی یا پراسرار و خفیہ راز ہونے کے۔ کیا آپؐ ان کے سامنے تمام افعال بجا نہ لاتے تھے جیسے مثلاً کبھی اپنے پیراہن کو پیوند لگا رہے ہیں۔ تو کبھی اپنی جوتی گانٹھ رہے ہیں۔ کبھی جنگی مصروفیات میں منہمک ہیں۔ تو کبھی صحابہ کرام کو مشورہ عطا فرما رہے ہیں۔ اور کبھی انہیں احکامات دے رہے ہیں۔ کیونکہ یہ تمام امور آپ ان کے مابین انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے یقیناً آپؐ کو بخوبی دیکھ لیا تھا کہ آپ کس قسم کے انسان ہیں۔"

(ٹامس کارلائل)

ایک اکھڑ قوم کی پرعقیدت بے لوث گواہی

"حضرت ابوبکر صدیق رض و حضرت عمر فاروق رض کی خلافت کے واقعات نے کس انسان کو متاثر نہیں کیا" ایچ جی ویلز ایسا معاند اعتراف کرتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خلوص پر حضرت ابوبکر صدیق رض و حضرت عمر فاروق رض کی تابعداری و وفا پوری طرح گواہ ہے۔ یہ تو ہر ایک کو معلوم ہے اور تسلیم ہے کہ ان حضرات نے شہنشاہ بن کر بھی کچھ حاصل نہ کیا تو پھر انہیں کیا ضرورت پڑی تھی کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بے نفس یا مخلص نہ تھے تو یہ لوگ خواہ مخواہ آپؐ

کی تعریف کریں؟"

یہی ٹامس کارلائل آگے چل کر لکھتا ہے:۔

"آپ کوئی بڑے انسان نظر نہیں آتے بلکہ اچھے ہی معلوم دیتے ہیں۔ آپ میں خودی کی تسکین کی بجائے کوئی اعلےٰ خوبیاں دکھائی دیتی ہیں۔ ورنہ کیسے ممکن تھا کہ عرب کے بدو لوگ جو آپؐ کے ساتھ آپ کے نزدیک ترین ساتھی ہو کر مسلسل تئیس برس تک لڑتے بھڑتے کودتے اچھلتے رہے کبھی آپؐ کی عزت و تکریم بجا لا سکتے؟ یہ عرب کے مفلس اکھڑ جو تنازع کرنے کو ہر وقت تیار رہتے۔ بھلا کیونکر کسی ایسے شخص کی حکومت اپنے اوپر قبول کر سکتے تھے جس میں وہ استحقاق، وہ اہلیت اور وہ جوانمردی نہ پائی جاتی ہو؟"

آنحضرت صلعم سے قبل دنیا کی حالت

یعنی آنحضورؐ کو کیسا ماحول میسر آیا

"مختصر یہ کہ کوئی برائی جو متصور ہو سکتی ہے ایسی نہ تھی جو ان میں موجود نہ تھی۔ اس مذموم حالت میں یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ عرب کے باشندے صورت کے لحاظ سے انسان مگر عادات کے لحاظ سے حیوان سے بھی بدتر تھے۔" (گبن)

گبن کا مذکرہ بالا فقرہ گویا فرقانی آیت کا ترجمہ ہے۔ لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغافلون۔ ان کے دل تو ہیں مگر ان سے فکر کا کام نہیں لیتے۔ آنکھیں بھی ہیں مگر دیکھتے نہیں کان ہیں لیکن سن کر سبق حاصل کرنا مفقود ہے۔ وہ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ یہ ان کی غفلت کا نتیجہ ہے۔

جے۔ ایچ۔ ڈینی سن اپنی کتاب "ایموشنز ایز دی بیس آف سولائزیشن (EMOTIONE AS THE - BASES OF CIVILISATION) میں صفحہ ۲۶۵ پر تحریر کرتے ہیں:۔

انسانیت کا غاتے دھندلا

"پانچویں و چھٹی صدی میں دنیا تباہی کے کنارے کھڑی تھی پرانے تصورات جن پر تہذیب کی بنا تھی اور جنہوں نے انسان کو اطاعت شعاری و استحاد کی تعلیم دی تھی ختم ہو چکے تھے اور ان کی بجائے خلا پُر کرنے کے لئے کسی چیز نے جگہ نہ لی تھی۔ چار ہزار برس کی تہذیب برباد ہونے والی تھی۔ انسانیت وحشت و بربریت کی جانب عود کرنے والی تھی ہر قبیلہ و قوم دوسرے کے خلاف برسر پیکار تھی اور لاقانونیت کا دور دورہ تھا۔ انسانی تہذیب گرنے کے قریب تھی جیسے کسی پرانے اور بڑے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں یا اندر سے کھوکھلی ہو چکی تھی واقعات و اقوام کی ایسی حالت میں ایک شخص جنم لیتا ہے۔ جو اس وقت کی معلوم دنیا کو جو مشرق و مغرب میں پڑی تھی متحد کرنے والا تھا"

اس مفکر کا یہ بیان کیا فرقانی کلام کے عین مطابق و مشابہ نہیں جہاں فرمایا:۔ ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔ خشکی و تری ہر جگہ فساد نے گھر کر لیا تھا اور پھر ارشاد ہوا:۔ واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا۔ خدا کی نعمت تم پر پوری ہوئی تم پراگندہ تھے تمہیں اتحاد کی برکت سے مالا مال کر دیا اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے تو تمہیں اس میں گرنے سے بچا لیا۔

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ مخالفین و منکرین کے تاریخی تحقیقات کے نتائج ان کے اپنی زبانی وہی ہوں جنہیں قرآن کریم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی بیان فرمایا۔

تاریخ عالم میں بے نظیر و حیرت انگیز کامیاب انقلاب

اب ذرا خود مغربی مفکرین کی رائے اس کامیابی کی بابت جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مقصد میں حاصل ہوئی ملاحظہ ہو

"محمدؐ جملہ انبیاء و مصلحین عالم میں سے کامیاب ترین انسان ہیں"

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ گیارھواں ایڈیشن)

"عربوں سے زیادہ پراگندہ، غیر منظم کوئی اور قوم نہ تھی یہاں تک کہ ایک معجزہ رونما ہوا۔ ایک شخص کا ظہور ہوا جس نے اپنی شخصیت اور اپنے خدا سے ہمکلامی کے دعوے کے باعث ناممکن کو ممکن بنا دیا یعنی تمام جنگجو قبیلوں کو متحد کر دیا"

(انز اینڈ آؤٹس آف میسوپوٹیمیا)

"یقیناً ہم صداقت کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ میں اور کوئی دوسرا واقعہ نہیں ملتا جس نے انسانی ذہن پر ایسا گہرا اثر ڈالا ہو۔ یا جس کے واقعات اس قدر تعجب انگیز ہوں جس قدر وہ واقعات ہیں جو ابتدائی مسلمانوں کی زندگیوں میں دکھلائی دیتے ہیں۔ چاہے ہم خلیفہ یا اس کے نائبوں کے حالات کا مطالعہ کریں جو ایک درخشندہ مثال پیش کرتے ہیں یا ہم ان کے طریق کار کو دیکھیں جس سے انہوں نے ممالک کو فتح کیا۔ یا اس شجاعت، نیکی و دیگر عالی خدمات کو ملاحظہ کریں جو ان کے سپاہیوں یا جرنیلوں میں کار فرما تھے"

(لائف آف محمدؐ۔ از کاؤنٹ)

مکہ و جزیرہ نمائے عرب روحانی موت میں گرفتار تھے۔

"ان تیرہ برسوں میں کیسا انقلاب رونما ہوا۔ مدینہ کے لوگوں میں بھی مدتوں سے یہودی مذہب کی آواز پہنچی ہوئی تھی مگر یہ خواب خرگوش سے نہ جاگے حتیٰ کہ انہوں نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پرور آواز کو سنا۔ اور پھر وہ بیک لخت ایک نئی صبح زندگی سے بیدار ہو گئے۔" (ولیم میور)

ہمارے قومی شاعر حالی نے اس مضمون کو اس شعر میں ادا کیا ہے

؎ وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

"اہل عرب ایک جاہل و مفلس قوم تھے جو صحرا نوردی کیا کرتے تھے ان میں ایک نبی مبعوث ہوتا ہے کس قدر حیرانی ہے کہ وہی لوگ جنہیں کوئی جانتا بھی نہ تھا کل دنیا میں مشہور ہو گئے۔ جو لوگ سب سے نچلے درجہ پر تھے وہ یک دم سب سے برتر و فائق بن گئے۔ ایک صدی کے بعد عربوں کا سکہ مشرق اور مغرب تک رواں ہو گیا۔ مشرق میں دہلی تک ان ہی کا طوطی بولنے لگا" (ٹامس کارلائل)

"۶۳۲ء میں ہجرت سے صرف نصف صدی بعد محمدؐ کے پیرووں نے مصر سر کیا۔ شمالی افریقہ و ایران تمام ملکوں کو فتح کر لیا اور پھر ایک صدی کے اندر وہ مغرب میں وسط یورپ اور مشرق میں ہند تک چھا گئے" (چیمبرز انسائیکلوپیڈیا)

آکسفورڈ جونیئر انسائیکلوپیڈیا میں لفظ محمدؐ کے تحت یہ فقرہ لکھا ہے: "اگلے اٹھارہ سالوں میں (یعنی ہجرت کے بعد) تاریخ عالم میں اس مذہبی تحریک کی بنیادیں پڑیں جس نے نہایت شاندار طور پر پھیلنا شروع کیا۔ چنانچہ بالآخر اس کے باعث وہ بنیادیں مغرب میں سپین سے لے کر مشرق میں دہلی تک محیط ہو گئیں"

پھر اسی انسائیکلوپیڈیا میں لفظ اسلام کے تحت اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"جس وقت اسلام دنیا میں آیا تو اس قدر جمود و انحطاط تھا کہ واقعی عرب ایک وقت تک ایک نئی اور شاندار زندگی اپنے ساتھ لائے۔ سماج کے لئے ایک نئے نظام اور ادب و فن کے لئے ایک تازہ جولانی کا باعث ہوئے۔ عربوں نے جو ادارے قائم کئے وہ اپنی نیکی، شرافت اور انسانیت نوازی کے باعث نہایت شاندار تھے۔ نیز یہ کہ ان میں اکثر عدل کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ موجودہ تہذیب بھی اسلام کی شرمندہ احسان ہے۔ کہ اس کے باعث زمانہ جہالت میں ادب و سائنس کو زندگی و فروغ نصیب ہوا۔ جب بغداد، قاہرہ اور کارڈووا بڑے بڑے مرکز تھے۔"

سب سے بڑا موجد اور خوش نصیب انسان

باسورتھ سمتھ اپنی کتاب "محمدؐ اینڈ محمڈن ازم" میں یوں رقمطراز ہے:۔

"تاریخ عالم میں یہ خوش نصیبی کسی اور کو حاصل نہ ہوئی جو آپؐ کی تقدیر میں لکھی تھی۔ محمدؐ بیک وقت تین چیزوں کے بانی ہوئے ایک نئی قوم، ایک نئی حکومت اور ایک نئے مذہب کے۔"

ڈاکٹر ڈاڈز اپنی کتاب "محمدؐ۔ بدھ اور مسیح" میں آنحضرت

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقابلہ باقی مصلحین سے اس طرح کرتے ہیں۔

"مشرکین میں کئی اور احباب بھی پیدا ہوئے ہیں مگر بجز آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی دوسرے کے ذریعہ ایک پائیدار وابدی مذہب جو توحید کی تعلیم دیتا ہو قائم نہ ہو سکا۔"

ولیم میور ہجرت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے یہ فقرہ لکھتا ہے۔

"اس حیرت انگیز انقلاب کی بدولت ہی مدینہ میں ایک ایسی جماعت تیار ہو گئی تھی جس نے انہیں اپنا حقیقی بھائی جانا۔"

جزیرہ نما عرب کی جاہلی حالت بیان کرنے سے قبل میورلین لکھتا ہے

"محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم بہت سادہ اور مختصر تھی ان کی تعلیم نے حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی۔ اوائل سمٹ سے ناامیدم لوگوں میں روحانی بیداری کسی وقت پیدا نہیں ہوئی۔ نہ لوگوں کے اندر ایسا ایمانی جوش بیدار ہوا۔ کہ وہ اپنے منبر کی خاطر ہر قسم کی جانی ومالی قربانیاں گوارا کر سکتے"

ایک مرتبہ لندن کے اخبار "ڈیلی ایکسپریس" نے اپنے ایشو مؤرخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۲۵ء میں یہ فقرہ تحریر کیا تھا۔

"اگر کسی شخص کی بڑائی کا اندازہ اس عزت سے ہو سکتا ہے جو اس کے منہ کے الفاظ ان لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتے ہیں جو ان کو الہامی مانتے ہیں تو اس لحاظ سے محمدؐ دنیا کے سب سے بڑے انسان ہو گزرے ہیں۔"

اب ان سوالوں کا جواب منکرین کے حوالوں سے دیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا مقاصد تھے؟ ان مقاصد کے حصول کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کون سے ذرائع استعمال کئے۔ کیا فتح وکامیابی حاصل کر کے آپؐ میں کوئی تبدیلی ہوئی؟

حقیقی وانتہائی مقاصد، زندہ خدا سے عشق وتبلیغ توحید کا ولولہ

ڈاکٹر مارکس ڈاڈز کا ذیل کا اقتباس آپ کی کتاب "محمدؐ۔ بدھ اور مسیح" سے ملاحظہ ہو:۔

"آنحضرت صلعم کی صداقت اور زندہ خدا کی تلاش میں جو اخلاص تھا اس میں کون شبہ کر سکتا ہے ورنہ کس چیز نے آپ کو اس امر پر آمادہ کیا کہ آپؐ اپنے گھر کے آرام وآسائش اور محبت شعار بیوی سے کئی کئی ماہ مسلسل علیحدگی اختیار کریں اور ایک تنگ وتاریک غار حرا میں پناہ لیں"

پھر یہی صاحب انصاف شخص اپنی تحقیق کا نتیجہ یوں بیان کرتے ہیں:۔

"اگر یہ سوال ہو کہ کیا محمدؐ کسی بھی معنی میں نبی نہ تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ یقیناً نبوت کی دو بڑی خصوصیات آپؐ میں پائی جاتی ہیں۔ اوّلاً آپ میں خدا تعالےٰ کی صداقت کی اشاعت کے لئے ایک اندرونی و بے پناہ ولولہ موجود تھا۔ اس خصوصیت کے لحاظ سے محمدؐ بنی اسرائیل کے ان انبیاء سے کسی سے کم مرتبہ نہ تھے جو بہادری اور نامردی کے باعث اعلےٰ پایہ کے تھے۔ سالہا سال تک روزانہ آپؐ نے صداقت کی خاطر اذیتیں برداشت کیں۔ اس کی خاطر آپؐ نے اپنی عزیز جان کی بھی بازی لگا دی۔ آخر کار اس کے لئے جلاوطنی بھی قبول کی۔ اپنی تمام جائیداد سے ہاتھ دھونا پڑا۔ نیک نامی کو خاک میں ملایا۔ دوستوں میں اعتماد کو کھو دیا تھا۔ غرضیکہ ہر ممکن قربانی جو ہو سکتی تھی آپؐ نے کی بلکہ یہ صرف ہجرت کے باعث تھا کہ آپؐ کی جان بچ گئی لیکن یہ تمام مصائب صداقت پھیلانے کے لئے آپؐ نے بخوشی خاطر قبول کئے مگر آنحضرت صلعم کو کوئی ثبوت کوئی دھمکی اور کوئی لالچ خاموش نہ کر سکے "اگرچہ وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنے مقصد سے باز نہ آؤں گا"، یہی وہ استقلال، یہی ولیقینِ محکم۔ ۔ ۔ آپؐ کو توحید باری تعالیٰ کے پھیلانے کے لئے تھا جس نے اسلام کو کامیابی عطا کی۔"

ڈاکٹر ڈاڈز نے جس واقعہ کا ذکر کیا ہے یہ دو مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش آیا۔ ایک مرتبہ ابوطالبؓ کی زندگی میں جب کفار نے ابوطالب سے کہا کہ آپ اپنے بھتیجے سے علیحدہ ہو جائیں اور اسے ہمارے حوالے کر دیں۔ ورنہ ہم آپ کو بھی اسی کے ساتھ شامل سمجھیں گے تو ابوطالب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا کر اپنی حمایت سے معذوری ظاہر کی اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اگر سورج وچاند کو بھی دے دیں تو میں اس مقصد سے باز نہ آؤں گا۔ یہ تخویف کا انتہائی موقعہ تھا۔ دوسرا موقعہ ایسا ہی تب پیش آیا جب چند برس بعد کفار کے وفد نے دنیا کی ہر عزیز چیز پیش کر کے مطالبہ کیا کہ بتوں کی مذمت نہ ہو لیکن آپؐ انتہائی لالچ کے وقت بھی آپؐ نے وہی جواب دیا۔

پھر یہی شخص اس سوال کا جواب خود دیتا ہے کہ وہ کونسی شئے تھی جس نے آپؐ کے قلب میں جارحانہ تبلیغ کا ولولہ پیدا کیا تھا لکھتا ہے:۔

"اس بارہ میں آنحضرت صلعم کی خصوصیت یہ عزم صمیم تھا کہ دوسرے بھی اس ایمان سے بہرہ ور ہوں جو آپ کو حاصل ہے۔ اگر یہ سوال ہو کہ محمدؐ کو کس چیز نے ایک جارح مبلغ بنایا جبکہ دوسرے صرف اس امر پر قانع ہو گئے کہ وہ اکیلے ہی مومن رہیں تو ہمیں اس کا جواب بجز اس کے کسی اور بات میں نہ ملے گا کہ یہ صرف آنجنابؐ کی زبردست وگہری قوتِ ایمان کا نتیجہ تھا جو آپ صداقت توحید کے متعلق رکھتے تھے۔"

چیمبرز انسائیکلو پیڈیا میں جس کا کچھ اقتباس پہلے دیا گیا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصد عالیہ کی بابت اس طرح تحریر ہے:۔

"آپؐ کی زندگی کی جد وجہد کا اصل محرک آپ کا وہ ایمان تھا جو آنجناب کو توحید کے متعلق تھا۔ نیز یہ خواہش کہ آپ کی قوم بھی اس ایمان کو حاصل کرے۔ یہ الزام لگایا گیا ہے کہ ہجرت کے بعد آپؐ کے اس مقصد میں کچھ تنزل واقع ہو گیا تھا لیکن یہ نقطہ نگاہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔"

مقصد عالی کے حصول کے ذرائع
خالصتاً روحانی واخلاقی تھے

مغرب کی طرف سے یہ اعتراض اکثر سنا گیا ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقاصد کے حصول کے لئے مادی طاقت حکومت کو استعمال کیا۔ اب انہی مفکرین کی اس بارہ میں رائے ملاحظہ ہو جو تعصب سے پاک ہو کر واقعات حقہ کی روشنی میں دی گئی ہے چنانچہ مسٹر باسورتھ سمتھ لکھتے ہیں:۔

"زمین پر خدا کی بادشاہت" یعنی روحانی طاقت کا جلوہ

"جب فاتح قریش نے اپنے ایک ایلچی کو جلاوطن اور ناقابل قبول انسان کے پاس مدینہ بھیجا تو اس نے واپس آکر یہ رپورٹ دی کہ میں قیصر وکسریٰ کے درباروں میں گیا ہوں اور انہیں تخت پر جلوہ افروز دیکھا ہے مگر بخدا جس طرح محمدؐ اپنے اصحاب کے سردار ہیں ایسی حکمرانی میں نے کہیں اور نہیں پائی۔ آپؐ ایک طرف مذہبی پیشوا تھے اور دوسری طرف ملک کے بادشاہ۔ گویا پوپ اور قیصر دونوں بہ یک وقت تھے لیکن پوپ بغیر ادنیٰ بناوٹ یا تکلف کے اور قیصر بغیر کسی لاؤ لشکر کے۔ آپؐ کے ہاں نہ کوئی مستقل فوجی محکمہ تھا اور نہ باڈی گارڈ نہ محل تھا اور نہ کوئی مال کا محکمہ اگر کسی انسان کے بارہ میں یہ بات صادق آسکتی ہے کہ اس کی بادشاہت خدا کی بادشاہت ہے تو وہ صرف محمدؐ کے بارہ میں صحیح ہے۔ اس لئے کہ آپؐ تمام ملک کے مالک تھے لیکن بغیر ان مادی ذرائع کے جن پر طاقت کا دارومدار ہوتا ہے۔"

پھر ٹامس کارلائل اپنے مشہور لیکچر "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" میں یوں رقمطراز ہیں:۔

"باوجود اپنے عظیم لاؤ لشکر کے دنیا کے کسی بادشاہ کو وہ اطاعت کبھی میسر نہیں آئی جس قدر اس انسان کو جو اپنے لباس میں خود پیوند لگاتا ہے تیئس سال کی عظیم الشان آزمائش کے بعد میرے سامنے وہی ایک ہیرو موجود ہے۔"

ابتدائی مسلمانوں کی فتوحات کی وجہ بیان کرتے ہوئے ایک صاحب مسٹر کرافورڈ لکھتے ہیں:۔

تلوار اور جبر کو دین کے لئے استعمال نہیں کیا

"سولہویں صدی عیسوی میں جس طرح ہسپانیہ والوں نے فتوحات حاصل کی تھیں مسلمان اس طرح کے فاتح ہرگز نہ تھے۔ نہ ہی مسلمانوں نے تلوار کو دین کے منوانے کے لئے کبھی استعمال کیا۔ نیز انہوں نے مفتوح لوگوں کو ذلیل وخوار کر کے اپنے آپ کو کبھی ایک اعلےٰ وبرتر قوم کے طور پر پیش نہیں کیا۔ بلکہ یہ لوگ محض تجارت کی غرض سے آئے مگر انہوں نے اپنے اعلیٰ کمالات وتہذیب کو اپنے دین کی خدمت میں لگایا اور ان سے نفسانی مفاد یا دولت جمع کرنے کا کام نہیں لیا۔"

مشہور پروفیسر براؤن اپنی کتاب "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" میں اسلام کی طاقت کے راز کی یوں تشریح کرتے ہیں:۔

"اسلام کی اصل طاقت اس کی سادگی اور اس کی لچک اور اس کے اعلےٰ مگر عملی رنگ میں حاصل ہونے والے اعلےٰ پایہ کے اخلاق میں مضمر ہے۔ ہم اس کا تو اعتراف کرتے ہیں کہ عیسائیت کا اخلاقی معیار بے شک اس سے بلند ہے مگر یہ اس لئے ہے کہ انفرادی طور پر قریباً قریباً ناقابل عمل ہے۔ اور اجتماعی طور پر تو یقیناً اس کا حاصل ہونا ناممکن ہے برخلاف اس کے ایک اسلامی ریاست کا امکان ہے بلکہ خلفائے راشدین

نما سے قریباً ملی جا رہ پہنا دیا تھا۔"

جامع کمالات:-

"• یہ خصوصیت صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپؐ نے ایک شاندار طریقے سے ایک صاحب کمال انسان کی خوبیوں کو طرح دوسری قسم کے کامل انسان کی صلاحیتوں کے ساتھ جمع کر کے دکھلایا۔" (بوسورتھ سمتھ)

اب اس سوال کو لیجیئے جو سب سے بڑا سمجھا جاتا ہے یعنی یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نعوذ باللہ مدینہ میں جا کر یا فتوحات حاصل کر کے اخلاقی وروحانی طاقت کی بجائے مادی طاقت وبادشاہت کے طلبگار ہو گئے تھے یا کم از کم ان سے امداد لینے کے روادار ہو گئے تھے یعنی الزام یہ ہے کہ ایک عظیم مصلح یا نبی کے مقصد کی بجائے آپ نے نعوذ باللہ اپنا مقصد تبدیل کر کے دنیاوی بنا لیا تھا یا یہ کہ دنیاوی طاقتوں سے اپنے مقصد کو تقویت پہنچائی۔

ابتداء سے آخر دم تک محض رسالت کے دعوٰی پر قائم رہے۔

پروفیسر نکلسن اپنی کتاب "ہسٹری آف عربک" میں لکھتے ہیں:-

"گو جی صاحب لکھتے ہیں کہ ہمیں آپ میں وہ خوبیاں نظر آتی ہیں جو آپ کے ہم قوم لوگوں میں پائی جاتی تھیں یعنی سنجیدہ فہم۔ وقار، توازن اور ضبط نفس یہ ایسی خصوصیات ہیں کہ جو ان لوگوں میں کبھی نہیں پائی جاتیں جو بیمار ہوں۔ حالات بے شک تبدیل ہو گئے یہاں تک کہ آپ نبی سے مقنن اور حاکم بھی ہو گئے لیکن آپؐ نے اپنے لئے کوئی بھی مقام تجویز نہ کیا۔ سوائے اس کے جو ابتدا میں ہی آپ کا تھا یعنی یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ بھی اس لئے کہ اس میں دین اسلام کا سارا خلاصہ آ جاتا ہے۔"

ٹامس کارلائل لکھتے ہیں:-

"آپؐ کے آخری الفاظ ایک دعا ہیں۔ ٹوٹے پھوٹے کلمات جو اس مجاہد قلب سے نکلے جو ڈرتے ہوئے اپنے رب کی بخشش کا امیدوار ہے۔ یہ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس شخص کا دین خراب تھا میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس کے مذہب نے اسے بلند کر دیا تھا آپ کی بابت نہایت عمدہ خیالات مروی ہیں۔ جب آپ کا صاحبزادہ فوت ہو گیا تو آپ نے اپنے محاورہ کے مطابق انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ عیسائیت کی زبان میں اس جملہ کے یہ معنی ہیں۔ وہی رب ہے جو عطا کرتا ہے اور وہی ذات ہے جو واپس لے لیتی ہے۔ خدا کی ذات مبارک ہے اسی قسم کے الفاظ آپؐ نے زید رضؓ کی شہادت پر فرمائے۔ زیدؓ آپؐ کا پیارا آزاد کردہ غلام تھا ایمان لانے والوں میں اس کا دوسرا نمبر تھا جنگ تبوک میں جو پہلی جنگ تھی جو شامیوں کے خلاف لڑی گئی تھی وہ شہید ہو گیا تو محمدؐ نے کہا۔ زید رضؓ کی شہادت مبارک ہو۔ زیدؓ نے اپنے مولیٰ کی رضا کو پورا کیا۔ مگر بعد میں زید رضؓ کی بیٹی نے دیکھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم زید رضؓ کی نعش پر جھکے ہوئے رو رہے ہیں۔ یہ بوڑھا آدمی یہ سفید ریش انسان آنسو بہا رہا تھا۔!! زیدؓ کی بیٹی نے حیرت سے پوچھا یا رسول اللہ آپؐ کیا کر رہے ہیں؟ تو فرمایا کچھ نہیں۔ ایک دوست دوسرے دوست کی جدائی میں آنسو بہا رہا ہے۔ اپنی وفات سے دو روز قبل مسجد میں جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ سے اگر کسی شخص کو اذیت پہنچی ہو۔ تو آپ کی پیٹھ اس سے مار کھانے کو حاضر ہے۔ پھر فرمایا کیا کسی نے آپؐ سے قرض لینا ہے ایک طرف سے آواز آئی کہ مجھ سے فلاں وقت تین درم آپ نے لئے تھے۔ اس پر آپ نے فوراً ادائیگی کی اور فرمایا اس وقت کی رسوائی قیامت کی شرمندگی سے بہتر ہے۔ پھر آپ کو دیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے ابتدائی وحی کے وقت آپ کو کیا کہا تھا۔ خدا کی قسم خدا آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔ کردار کی یہی تو وہ ادائیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس انسان کی اندرونی اصلیت کیسی ہے۔ یہ انسان ہم سب کا بھائی ہے۔ یہ بارہ صدیوں کے بعد بھی ہمیں صاف صاف انسان ہی دکھائی دیتا ہے۔ ایسا انسان جو ہمارے ہی جد امجد آدم کی اولاد میں سے ہے۔"

آنحضرتؐ کا سب سے بڑا معجزہ زبردست قوت عمل

باسورتھ سمتھ یوں رقمطراز ہیں:-

"جب ہم محمدؐ کے وقت کے حالات دیکھتے ہیں نیز آپ کے متبعین میں آپ کی بے حد عقیدت دیکھتے ہیں۔ پھر جب ہم اس وقت کے کلیساؤں فرمانرواؤں اور دور زمنہ وسطیٰ کے دیگر پیشواؤں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ محمدؐ کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ آپ نے مروجہ قسم کی معجزہ نمائی سے انکار کر دیا۔ جب کبھی آپ نے یہ دعوٰی کیا۔ کہ آپ کوئی بات کر سکتے ہیں تو آپ کے صحابہ نے فوراً یہ دیکھ لیا۔ کہ آپ فی الواقع وہ امر بجا بھی لا رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت آپ کے اخلاص پر درکار ہے۔ آپ آخری دم تک اپنے اس مقام پر قائم رہے جس کا دعوٰی ابتداء میں کیا۔ میں بلا جھجک اس یقین کو پیش کر سکتا ہوں کہ آخر کار اعلیٰ ترین حکمت اور حقیقی نیکی اس امر کا فتوٰی دینے میں متفق ہو جائیں گے کہ آپؐ نبی برحق تھے۔ اور آپ کا خدا کا رسول ہونے کا دعوٰی نہایت صحیح تھا۔"

کارلائل اور سمتھ کے یہ دو اقتباس کیا فرقانی ارشاد کی گونج نہیں۔ جہاں فرمایا قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد۔ "کہہ میں تمہاری ہی مانند ایک بشر ہوں البتہ مجھ پر یہ وحی ہوئی ہے کہ معبود ایک خدا ہی ہے۔" پھر مخالفوں کے مطالبہ پر کہ قوانین قدرت کے برخلاف آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں ان کے سامنے کتاب لے آئیں ان کے لئے فرشتے کھڑے ہوں وغیرہ قرآن کریم نے جواب یہ دیا قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولا۔ کہہ دو ایسی خلاف سنت معجزہ نمائی سے میرا رب پاک وبلند ہے میں تو صرف ایک بشر اور رسول ہوں۔ اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

ایک فقیر شہنشاہ کی دنیا سے بے نیازی:-

چیمبرز انسائیکلوپیڈیا میں مرقوم ہے:-

"آپؐ کی پرائیویٹ سیرت یہ تھی کہ آپ صلح جو، وفا شعار گھر والوں پر رحیم وغفور تھے۔ اپنی انتہائی شان وشوکت کے وقت آپؐ کی زندگی نہایت سادہ رہی آپ گہرے اخلاص کے مالک تھے۔ اور غیر معمولی جذب وشخصیت کے انسان تھے کیونکہ مختلف مزاج انسانوں کو اپنے ساتھ نہ صرف وابستہ کر لیا تھا۔ بلکہ ان کی عقیدت ومحبت کو دائمی طور پر موہ لیا ہوا تھا نتیجہ یہی ہوا کہ آپؐ کی وفات کے سو سال کے اندر اندر اللہ اکبر کا نعرہ سپین سے چین تک گونجا تھا۔"

مسٹر کارلائل آپ کی خانگی زندگی پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:-

"آپ کی خانگی زندگی نہایت غریبانہ قسم کی تھی آپ کی غذا صرف جو اور پانی تھے۔ مسلسل کئی ماہ آپ کے چولہے میں آگ نہ جلتی۔ اس میں کیا شبہ ہے۔ کہ بجا طور پر اس امر پر فخر کیا جاتا ہے کہ آپ اپنی جوتی کو گانٹھ لیتے اور اپنے لباس میں خود پیوند لگا لیا کرتے تھے۔ ایک غریب مشقت پیشہ اور کم مایہ انسان اس امر سے قطعی بے نیاز کہ لوگ کس غرض سے کماتے ہیں!! میں کہتا ہوں یہ کوئی بُرا انسان نہیں۔ آخر اس شخص میں خودی کے کسی بھی پہلو کی تشنگی کی بجائے کوئی خوبی ہی موجود ہے۔"

چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کا یہ فقرہ جو اس کتاب میں محمدؐ کے عنوان کے تحت موجود ہے ملاحظہ ہو۔

"اپنی انتہائی طاقت کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتہائی سادگی سے زندگی بسر کی۔"

کیا یہ ایک تاریخی حقیقت نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی یتیمی کی حالت سے اٹھ کر شہنشاہ بن گئے اور خزائن کے مالک ہوئے۔ لیکن کبھی ایک وقت سیر ہو کر نہ کھایا۔ جی بھر کر نہ سوئے بلکہ عبادت میں راتوں کو کھڑے رہنے سے پاؤں سوج جایا کرتے۔ زیب وزینت کا کوئی سامان نہ رکھا ورثاء کے لئے کچھ نہ چھوڑا۔ جو کچھ ہاتھ آیا سب تقسیم کر دیا۔ خدا کی راہ میں سب لٹا دیا۔ مرض الموت میں حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا کہ گھر میں کچھ ہے جو روپیہ موجود پایا۔ فوراً غرباء میں تقسیم فرمایا۔ بہ جبر کبھی کوئی بات نہ منوائی۔ دشمنوں سے بدلہ نہ لیا۔ گلہ تک نہ کیا۔ دوستوں سے اخلاص ووفا کو نہ چھوڑا ان تاریخی حقائق کی موجودگی میں یہ شبہ کرنا کہاں تک جائز ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نعوذ باللہ اپنی مدینہ کی زندگی میں تبدیل ہو گئے تھے خانگی زندگی یا انسانی تعلقات کون سی چیز میں تغیر آیا؟ بے شک بیرونی حالات بدل گئے۔ لیکن یہی تو کمال کا تقاضہ ہے۔ کہ انسان کے حالات ایسے تبدیل ہو جائیں۔ یہاں تک کہ زمین وآسمان کا فرق پڑ جائے مگر عادات واخلاق داخلی وخارجی زندگی کسی میں بھی قطعاً کوئی فرق نہ پڑے۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم با اختیار نہ ہوئے ہوتے تو یہ کیسے ثابت کیا جا سکتا کہ آپ جانی دشمنوں کو بھی بخش دینے پر رحیم

ہیں۔ اگر آپ کو بادشاہت نصیب نہ ہوتی تو یہ کیونکر دعویٰ کیا جا سکتا کہ مال و دولت کے مالک بن کر آپ کو اس دنیا سے محبت اور رغبت نہیں؟ اگر جنگیں نہ کرنا پڑتیں سلطنت نہ سنبھالنی ہوتی تو جرنیلوں۔ سپاہیوں، مقننوں۔ بادشاہوں کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زندگی میں کیا نمونہ ملتا؟ اگر خارجی واقعات تبدیل نہ ہوتے تو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ بیرونی تبدیلیاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی قلبی کیفیات اور نیّات پر کچھ بھی اثر انداز نہیں ہو سکیں۔ اگر مدینہ میں ایک جماعت کی تشکیل نہ پڑتی تو یہ کیونکر پتہ چلتا کہ مکی تعلیم کو عملی جامہ پہنانے میں بھی آپ کامیاب ہوں گے؟ فلسفیانہ اور ادیبانہ رنگ میں تو بہت سے لوگوں نے جمیع نسل انسانی کی خدمت کے درس دیئے ہیں۔ مگر یہ صرف مدنی زندگی کی برکت ہے۔ کہ خدمتِ خلق کا سبق ایک قوم کی عملی زندگی میں سرایت کرا دیا گیا۔ اس کے بجز اور کوئی راستہ کیوں کر ممکن تھا؟ کمال کے جس اعلےٰ مقام پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم خود فائز ہوئے اصحابِ کرام کو اگر اپنے ساتھ ساتھ اسی منزلِ مقصود تک نہ پہنچاتے تو پھر ایک عالم ہدایت یافتہ کیونکر ہوتا؟"

لا مثل و ممتاز خصوصیات

غیر مسلموں کی شہادت کے پیشِ نظر ہم یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مندرجہ ذیل خصوصیات کے لحاظ سے تمام انبیاءؑ سے ممتاز درجہ رکھتے ہیں یہ وہ کمالاتِ عالیہ ہیں جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم منفرد ہیں:۔

۱:۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے واقعات زندگی نہایت معتبر و مستند تاریخ ہیں۔ ان پر ایک ساری صادق قوم کی متفقہ شہادت موجود ہے۔

۲:۔ انقلاب عرب کا ماجرا تاریخ عالم میں ایسا اہم و اثر انداز واقعہ ہے کہ اس سے کل دنیا میں انقلاب انگیزی ہو گئی۔ اس سے انکار ممکن ہے نہ اس کی ہمہ گیر اعلےٰ اثر اندازی کو چھپایا جا سکتا ہے:۔

۳:۔ آنحضرتؐ کو انتہائی نامساعد و ناسازگار ماحول میں کام کرنا پڑا۔ عرب قوم پشتوں سے بگڑی ہوئی۔ سب سے زیادہ جاہل اور سب سے اسفل مقام پر تھی۔ بلکہ ساری دنیا ہی تباہی کے کنارے پر تھی پھر پیغام حق کی مخالفت۔ اور اسے منوانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا۔ اذیت کی کوئی کسر نہیں جو چھوڑ دی گئی ہو۔ دشمنی کی کوئی حد نہیں جو روا نہ رکھی گئی ہو۔ ترغیب و تحریص کی کوئی شکل نہیں جسے استعمال میں نہ لایا گیا ہو۔

۴:۔ آنحضرتؐ کے پیشِ نظر وہ عالی سے عالی مقاصد تھے جو ممکن العمل ہیں۔ زندہ خدا کی توحید اور نسلِ انسانی کی انتہائی خدمت۔

۵:۔ حصولِ مقاصد کی خاطر اخلاقی و روحانی ذرائع کو استعمال کیا گیا مادی ذرائع اور جسمانی طاقت نہ کبھی مقصود ہوئے نہ ہی مقصد کی تائید کے لئے کبھی انہیں استعمال کیا گیا:۔

۶:۔ انسانی حالات کے جن گوناگوں مراحل سے آنحضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زندگی کو گزرنا پڑا یعنی انتہائی بےکسی و یتیمی کی حالت سے لے کر انتہائی اقتدار و اختیار تک، ان سے بڑھ کر حالات کا کسی اور پر وارد ہونا ممکن نہیں اسی لئے ایسے متنوع حالات میں جملہ کمالات یا اخلاق عالیہ کے اظہار کے مواقع جیسے آنجنابؐ کو میسر آئے ان سے بڑھ کر زیادت ممکن نہیں۔

۷:۔ آنحضورؐ کی تعلیم، آپؐ کے حالات، کمالات، آپ کے معجزات وہ ہیں جن کو انسانی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ ابتداء سے آخر تک آپ کا دعویٰ انسان اور رسول ہونے کا ہی رہا۔ نہ دعوے میں کبھی کوئی تبدیلی آئی اور نہ ہی باطنی کیفیات و نیات میں فرق پڑا۔ بیرونی حالات میں زبردست انقلاب آیا لیکن آنحضورؐ کا قلب مبارک ذرّہ بھر ان تبدیلیوں سے قطعًا متاثر نہ ہوا۔

۸:۔ اگر آنحضورؐ نے زبردست قوتِ عمل سے اخلاقِ عالیہ کا بلند نمونہ دکھلایا تو اس سے بڑھ کر یہ کمال خصوصیت صرف آنجنابؐ کو میسر آئی کہ آپ نے ساتھیوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ کر انہیں کامل بنا دیا۔ اس طرح آپ کے نائب صحیح معنوں میں آپ کے خلیفے بن کر کل دنیا کے لئے معلّم و مزکّی ہو گئے:۔

۹:۔ یہ صرف آنحضرتؐ کی بے مثل خصوصیت ہے کہ نہ صرف غیر مسلم و مفکر بلکہ مخالف و معاند بھی آنحضورؐ کے کمالات کے معترف ہیں۔

۱۰:۔ جو بے نظیر کامیابی آنجنابؐ اور آپ کے ابتدائی نائبوں کو نصیب ہوئی تاریخ عالم کا ہمیشہ وہ ایک زندہ و حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

۱۱:۔ آنجنابؐ کی کتاب ابد تک ایک زندہ معجزہ ہے۔ جس کی مثل لانے سے انسان عاجز ثابت ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں منکرین کی آراء درج ذیل کی جاتی ہیں۔

* "یہ تعجب نہیں کہ عربوں کے بہترین اہلِ قلم قرآن کی مثل بنانے سے ہمیشہ عاجز رہے"۔ (پامر) "مدلّل و معقول فصیح اللسان، بلکہ علم ادب کی رُو سے بھی قرآن بے نظیر کتاب ہے۔ (ہیر شلفلڈ) دنیا میں اغلبًا کوئی دوسری کتاب ایسی محفوظ نہیں رہی جیسے کہ بارہ صدیوں تک قرآن کریم غیر مبدل رہا ہے۔ (ولیم میور) قرآن کریم کی خوبیوں کو صرف اس کے ظاہر الفاظ و معانی کے حسن کے لحاظ سے پرکھنا صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ اس نے جو اثر و انقلاب محمدؐ کے ہمعصروں و ہم قوم لوگوں پر کیا۔ اس سے اسے جانچنا چاہیئے۔ اگر یہ امر واقعہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنی قوی اثر و استدلال کے ذریعہ اپنے سامعین کو ایک متحد و منظم جماعت بنا دیا۔ جبکہ اس سے قبل بکھرے ہوئے افراد میں پڑے تھے۔ اور ان کے قلوب میں ایسے خیالات کی روح پھونک دی جو دلوں کو کبھی نہ سوجھے تھے۔ تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ قرآن کی فصیح اللسانی کامل و بے نظیر تھی۔ صرف اس لئے کہ اس نے وحشیوں کو ایک مہذب قوم بنا دیا اور نسلِ انسانی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ (ڈاکٹر سٹینگس)

"وہ آپ خود اُمّی تھے۔ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے مگر اس کے باوجود ایک ایسی کتاب لائے جو بیک وقت نظم بھی ہے۔ قانون کی کتاب بھی۔ اور عوام کے لئے دعائیہ آسمانی صحیفہ بھی جو آج تک روئے زمین کی آبادی کے چھٹے حصہ کے لئے قابلِ ادب و احترام ان کے نزدیک علم و ادب کا یہ بہترین شاہکار ہے۔ اور حق و حکمت کا مجموعہ۔ قرآن کریم ایک ہی معجزہ ہے جس کے لانے کا دعوےٰ محمدؐ نے کیا۔ ایک زندہ معجزہ کے نام سے وہ اسے پکارتا ہے۔ اور اس میں شبہ ہی کیا ہے کہ واقعی یہ ایک زندہ معجزہ ہے"۔ (باسورتھ سمتھ)

۱۲:۔ آنحضرتؐ کی بارہویں خصوصیت یہ ہے جسے آیت خاتم النبیین میں بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ آپ کا زمانہ نبوت قیامت تک ہے آپ آخری نبی ہیں۔ آپ بوجہ جمیع کمالات کا مجموعہ ہونے کے نسلِ انسانی کے روحانی استفادہ کا ہمیشہ کے لئے منبع و مرکز ہیں۔ اب جو اخلاقی و روحانی خیر و بھلائی حاصل ہوگی وہ صرف آنحضورؐ کے توسط و وسیلہ سے ہی ہوگی۔ اس لئے آنجنابؐ کا عالی مرتبہ کام تعلیم و تزکیہ صرف آپؐ کی زندگی تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ یہ مقصد ابد تک آپؐ کے وجود مبارک و ذاتِ مقدس سے وابستہ ہو چکا ہے۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نہ صرف صحابہ کرام کے روحانی استاد ہیں بلکہ آپؐ جس قدر کامل بزرگ اور مامورین اللہ اصلاح کے لئے آئیں گے ان کا تزکیہ و طہارت اور تعلیم حق و حکمت آنجناب ہی کرنے والے ہوں گے۔

؎ دگر استاد را نامے نہ دانم
کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

اس لئے جہاں پہلی اُمتوں میں براہِ راست خدا سے کامل تعلق رکھنے والے پیدا ہوئے وہاں ان سے تعداد میں بہت بڑھ کر اور مقاماتِ عالیہ میں بلند مراتب پر فائز اصحاب آپؐ کی امت مرحومہ میں ہوتے رہے ہیں۔ اور ہوتے رہیں گے۔

صد ہزاراں یوسفے اندریں چاہِ ذقن
واں مسیحِ ناصری شد، از دمِ او بے شمار

خاتم النبیین کے اندر یہی حقیقت مضمر ہے کہ آخری نبی ہمیشہ کے لئے ایک زندہ نبی ہے یعنی انوار و برکات نبوت اب آنحضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مبارک وجود سے جاری ہیں:۔

اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ وعلےٰ آلِ محمد

—— * * * * ——

خاتم النبیینؐ نمبر

خود پڑھیں اور دوسرے دوستوں کو بھی
پڑھائیں —— (ادارہ)

حضرت امیر قوم مولانا محمد علی رح

مصلحین عالم میں حضور خاتم النبیین صلعم کو ممتاز کرنے والے امور

وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین

"اور ہم نے تجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا"

دنیا میں بہت مصلح آئے۔ ہر ملک اور ہر زمانہ میں آئے لیکن کئی ایک امور ہیں جو حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سب پر ممتاز کرتے ہیں ان امور میں سب سے پہلی بات آپ کی حیرت ناک کامیابی ہے جس کا اعتراف دشمن و دوست کو یکساں ہے چنانچہ انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا میں "قرآن" کے عنوان پر جو مضمون ہے اس میں ذیل کے صاف الفاظ میں یہ اعتراف آنحضرت صلعم کے متعلق موجود ہے کہ آپ دنیا کے تمام انبیاء اور مذہبی اشخاص میں سب سے زیادہ کامیاب انسان ہیں"۔ یہ اعتراف بلا وجہ نہیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ دنیا میں کوئی مصلح نہیں آیا جس نے اپنی قوم کو اس گری ہوئی حالت میں پایا ہو جس میں آنحضرت صلعم نے ملک عرب کو پایا۔ یہ لوگ نہ مذہب کے صحیح اصول سے واقف تھے نہ سیاست کے نہ تمدن کے نہ معاشرت کے نہ علم ان کے اندر تھا نہ ان کے تعلقات بیرونی لوگوں سے تھے۔ نہ ان میں کوئی اتفاق و اتحاد تھا نہ ایک قوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ غرض ہر پہلو سے یہ قوم اصلاح طلب تھی اور خطرناک جہالت میں مبتلا تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہودی اپنا پورا زور ان کی اصلاح پر صرف کر چکے۔ عیسائی پورا زور لگا چکے اور دونوں ایسے ناکام ہوئے کہ کسی ایک امر میں بھی ملک کے اندر اصلاح پیدا نہ کر سکے حنیفیت کی اندرونی تحریک بھی پیدا ہو کر ختم ہو چکی تب آنحضرت صلعم کا ظہور ہوا اور چند ہی سال کے عرصہ میں ایک ایسا انقلاب پیدا کر کے دکھا دیا کہ ملک عرب کی زمین و آسمان بدل گئے۔ ذلیل سے ذلیل بت پرستی اور توہم پرستی سے نکال کر توحید کے اس بلند سے بلند مقام پر پہنچا دیا جس پر نہ اس سے پہلے کوئی قوم پہنچی نہ بعد میں پہنچ سکے گی۔ پھر اس توحید کے لئے ایسا جوش کہ دنیا کے ممالک میں چاروں طرف نکل گئے اور دور دور تک ندائے حق کو بلند کیا۔ خدا کی عبادت میں ان لوگوں کا مقام تمام راہبوں اور دنیا سے کنارہ کشی کر لینے والوں سے بڑھ کر تھا اس لئے کہ وہ دن کو کاروبار میں گذارتے ہوئے اللہ اکبر کی نداء سن کر دیوانہ وار خدا کے حضور جا کھڑے ہوتے تو راتوں کو بیداری میں گزارتے ہوئے عبادت الٰہی میں مصروف ہوتے وہ دُنیا میں ہونے کے باوجود دُنیا سے قطع تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے جو لذت اور جو خضوع خشوع ان کو عبادت میں حاصل ہوتا تھا وہ کسی گوشہ نشین زاہد کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ پھر اگر روحانیت کے لحاظ سے عبادت کے اعلےٰ سے اعلےٰ مقام پر کھڑے تھے تو دنیوی نقطہ نگاہ سے بھی اس اعلےٰ سے اعلےٰ مقام پر پہنچ گئے تھے جس پر انسان پہنچ سکتا ہے یعنی وہ دُنیا کے عظیم الشان فاتح بنے بڑی سے بڑی سلطنتیں ان کے سامنے یوں گرتی چلی گئیں کہ گویا ان کی کچھ حقیقت ہی نہ تھی۔ پھر وہ صرف فاتح ہی نہ تھے بلکہ فتح کے بعد ہر ملک میں ایسا انتظام کیا کہ پچھلے لوگوں کی غفلت کے باوجود دوبارہ صدیوں تک اس سلطنت کو کچھ نقصان نہ پہنچا۔ غرض وہ زاہدوں میں سب سے بڑے زاہد اور فاتحوں میں سب سے بڑے فاتح ہوئے۔ ان دونوں باتوں کے باوجود تیسری بات جس میں انہوں نے کمال کر دکھایا وہ علم تھا انہوں نے زاہد اور فتوحات کے ساتھ ساتھ علم کو ایسا کمال پر پہنچایا کہ آج انہی کی بدولت دنیا علم کے نور سے منور ہے۔ غرض حضرت نبی کریم صلعم نے ملک عرب کو ایسی حالت میں پایا جس سے بڑھ کر گری ہوئی حالت کسی ملک کی متصور نہیں ہو سکتی اور دنیوی اور روحانی ترقی کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچایا جس سے آگے کوئی مقام نہیں اور یہ سب کچھ بیس برس کے عرصہ میں ہو گیا۔ اس میں یہ بھی دکھانا مقصود تھا کہ آپ کی تعلیم قوائے انسانی کی کل شاخوں پر مشتمل ہے اور دنیا کی کوئی بیماری نہیں جس کا علاج آپ کی تعلیم میں نہیں۔ جس طرح سب سے بڑا طبیب وہ نہیں جو سب سے بڑھ کر دعوے کرے بلکہ وہ ہے جو سب سے زیادہ بیماروں کو اچھا کرے اسی طرح مصلحین عالم میں سب سے بڑا وہ نہیں جیسا بعض کا خیال ہے جو سب سے بڑھ کر دعوے کرے بلکہ وہ ہے جو سب سے بڑھ کر اصلاح کرے اور یہ وہ بات ہے جو محمد رسول اللہ صلعم کو دُنیا کے کُل انبیاء اور کل مصلحین کا سرتاج بناتی ہے۔

دنیا میں ہر ایک نبی ایک قوم کی اصلاح کے لئے آیا۔ وہ نور اور ہدایت لایا مگر صرف ایک خاص قوم اور خاص ملک کے لئے اس کے دنیا میں آنے کی غرض انسانوں کا تزکیہ نفس تھا مگر انہی کا جن کی طرف وہ بھیجا گیا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلعم کل دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے۔ وہ نور اور ہدایت جو آپ کو دیا گیا ایک قوم کے لئے نہ تھا۔ بلکہ دنیا کی کل قوموں کے لئے۔ تزکیہ نفوس کے لئے آپ کی قوت قدسیہ کا دائرہ اس قدر وسیع ہوا کہ تمام دنیا کو اپنے اندر شامل کر لیا یہی وہ بات ہے جس کی طرف آیت مندرجہ عنوان میں توجہ دلائی گئی ہے۔ اسی قسم کی اور آیات سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ لیکون للعٰلمین نذیراً ہ اور فرمایا ان ھو الا ذکر للعٰلمین ہ پھر فرمایا۔ انا ارسلنک کافۃ الناس پھر فرمایا قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا ہ مصلحت الٰہی کا یوں تقاضا ہوا کہ جب وقت نسل انسانی مختلف ملکوں میں علیحدہ علیحدہ پڑی ہوئی تھی اور قوموں کے باہمی میل جول کے ذرائع بہت کم تھے۔ ان کی ضروریات اور ان کے خیالات بھی محدود تھے تو اللہ تعالےٰ نے ہر قوم کی اصلاح کے لئے ایک نبی بھیجا یا بعض قوموں میں کئی کئی نبی بھی بھیج دیئے۔ ان انبیاء نے اپنے اپنے زمانہ کے مطابق ان قوموں کی اصلاح کی مگر جس طرح وہ قوم محدود تھی اسی طرح کا ان کا قوت قدسیہ بھی اسی دائرہ کے اندر رہتا اور نہ صرف مکان کے لحاظ سے بلکہ زمانہ کے لحاظ سے بھی ان کی قوت قدسی کا دائرہ ایک جگہ آکر ختم ہو جاتا۔ جہاں یا جب دُوسرے نبی کی ضرورت پیش آتی۔ لیکن جہاں اس طریق سے اللہ تعالےٰ نے کل عالم کی ربوبیت روحانی کا سامان کر دیا اس کے ساتھ ہی انسانوں کی تنگ ظرفی کی وجہ سے ہر قوم میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اللہ تعالےٰ نے فلاں خاص قوم کو ہی اپنی مہربانیوں کے لئے چُن لیا ہے۔ اور دُوسری کسی قوم کو اس نعمت سے حصہ نہیں ملا۔ پس ایک خطرناک قومی تفریق پیدا ہو گئی۔ اور ملکی حد بندیوں نے تعلقات انسانی کے اندر ایسی قیود پیدا کر دیں کہ ہر ایک قوم اپنے سوائے دوسروں کو ہیچ سمجھنے لگی۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے یوں مقدر فرمایا کہ تمام انبیاء کے آخر پر ایک ایسا نبی بھیجے جو کل قوموں کی طرف مبعوث ہو اور جس کی قوت قدسی جس طرح مکان کے لحاظ سے ساری زمین پر محیط ہو اُسی طرح زمانہ کے لحاظ سے اس کا دائرہ قیامت تک وسیع ہو اس لئے جب قومی نبیوں کا دائرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر منتہی ہو گیا اور حضرت عیسیٰ کو بھی یہی کہنا پڑا کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوائے اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ تو رحمۃ للعالمین کا ظہور دنیا میں ہوا۔ انبیائے سابقین کی مثال ایسی تھی جیسے ایک اندھیری رات میں مختلف چراغوں کی روشنی ہو۔ ان کا وجود تاریکی کے اندر ایک شمع نور افگن تھا مگر جس طرح چراغ ایک کمرہ کے اندر ہی روشنی دے سکتا ہے اسی طرح ان کے نور ان کی ہدایت ان کی قوت قدسی کا دائرہ بھی اس قوم کے اندر محدود تھا مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور آفتاب عالمتاب کا طلوع ہے جس کے ساتھ دنیا کے چاروں کناروں میں روشنی پہنچ جاتی ہے جس کی شعاعیں زمین کے ہر کونہ کو منور کر دیتی ہیں۔ انبیائے عالم روشن چراغ تھے مگر محمد رسول اللہ صلعم آفتاب عالمتاب تھے۔

از:- عبد الحمید، (سانگلہ ہل)

مقامِ حضرت خاتم النبیین صلّی اللہ علیہ وسلّم

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ - - - - -

" ان کو کہہ دے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے

مندرجہ بالا آیت کا تجربہ کروڑہا مومنوں اور اولیاء نے امّتِ مسلمہ میں کیا اور اس طرح وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب بندے بن گئے اور ان سے کرامات ظاہر ہوئیں بارہا ان کی زبانوں پر خدا تعالےٰ لے لولا

حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم روئے زمین کے کل بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے تشریف لائے اور آپؐ کو ایک کامل کتاب دی گئی جو قیامت تک کے لوگوں کے لئے شمع ہدایت ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے اور آپؐ کی جماعت (صحابہ کرام رضوان اللہ) نے اس شمع کو اکناف عالم میں روشن کیا۔ دور دور ملکوں میں پھیل گئے۔ تبلیغ کا حق ادا کیا اور دُنیا توحید کے نور سے جگمگا اٹھی۔ امام۔ مجدد۔ محدث اور اولیاء عشقِ رسولؐ میں سرشار ہو کر ایک عالم کو منور کرتے رہے لیکن ایک مجددؒ د حیہ تک لیکن اس زمانہ کا امام جو تڑپا اور اس قدر سوز اور درد اس کے بے تاب دل سے اٹھا کہ ایک دُنیا کو تڑپا گیا۔ رات دن عشقِ رسولؐ میں گم ہر وقت اس کی صفات گن گن کر مسرور، نہ دن کو چین نہ رات کو آرام، اس نے اس عشق کا اظہار اپنے معشوق کی صفات گنوانے میں نہ صرف براعظم ہند بلکہ مشرق و مغرب تک کیا نئے براعظموں میں شمعیں جلائیں اور دُنیا نے اس کا نظارہ بھی دیکھ لیا۔ آپ نے سوزِ عشق رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمع جلائی تو اس پگھلتی ہوئی شمع پر آپ پروانے اکٹھے ہوئے یعنی ایک جماعت کی جماعت عشقِ رسولؐ میں سرشار ہو کر غیروں کو نغماتِ رسولؐ سے مسحور کرنے لگ گئی۔ تمام دنیا میں تبلیغ اسلام یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ میں ہوئی یا پھر ان کے غلام حضرت بانی سلسلہ احمدیہ سے ہوئی۔ جتنا عشق ہوگا اتنا ہی عاشق تڑپے گا۔ اور بے نظیر عاشق وہ ہے جو ایسا تڑپے کہ غیروں کو بھی تڑپا دے۔ حضرت امام الزمان نے فرمایا:-

وقد غوّصت فی بحر الفناء

وعدت وفی یدی ابھی اللآلی

کہ میں اپنے (معشوق کے عشق میں) فنا فی الرسول کے سمندر میں ایسا غوطہ زن ہوا کہ جب میں باہر نکلا تو میرے ہاتھ قیمتی موتیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اور پھر زمانے نے یہ حقیقت دیکھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اوصاف حمیدہ کے بارے میں جو نکتے اور علوم اور معرفت آپ کے ذریعہ آشکار ہوئے اہلِ علم و دانش انگشت بدنداں رہ گئے۔ بجز عشقِ رسولؐ نہ خدا سے سچا اور حقیقی تعلق پیدا ہو سکتا ہے نہ اس کی کامل کتاب (قرآن کریم) کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی خداوند کریم کی کوئی عہدہ جلیلہ (حکومتِ الٰہیہ) میں مل سکتا ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

" اور ایسا ہی عجیب ایک اور قصہ یاد آیا ہے کہ ایک مرتبہ الہام ہوا جس کے معنی یہ تھے کہ ملاء اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں یعنی ارادۂ الٰہی احیاء دین کے لئے جوش میں ہے لیکن ہنوز ملاء اعلیٰ پر شخص محیی کی تعین ظاہر نہیں ہوئی۔ اس لئے وہ اختلاف میں ہیں۔ اسی اثنا میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک محیی کی تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اس نے کہا ھٰذا رجلٌ یحب رسول اللّٰہ یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔ اور اس قول سے یہ مطلب تھا کہ شرطِ اعظم اس عہدہ کی محبت رسولؐ ہے سو وہ اس شخص میں متحقق ہے۔"

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا ایک شعر ہے:- ؎

جسمی یطیر الیک من شوق علا

یا لیت کانت قوّۃ الطیرانِ

کہ میرا جسم شوق سے بلندیوں کی طرف اُڑا چلا جا رہا ہے۔ (حضرت عالم تصورِ شوقِ عشق میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے کمالات و فضائل اور علو مرتبت کی طرف اڑان کئے جا رہے ہیں) اور پھر فرماتے ہیں:- کاش (ایسی حقیقتاً صورت حال ہو جاتی) کہ مجھے آپ تک پہنچنے کے لئے اڑان کی طاقت مل جاتی۔

فرماتے ہیں:-

" اور جب میرے خدا نے اس نبیؐ کی وقعت اور قدر اور عظمت میرے پر ظاہر کی تو میں کانپ اٹھا اور میرے بدن پر لرزہ پڑ گیا۔۔۔۔۔ وہی ایک نبی ہے جو ایسے وقت میں آیا جب تمام دنیا بگڑ گئی تھی اور ایسے وقت میں گیا جب ایک سمندر کی طرح توحید کو دنیا میں پھیلا گیا۔ وہی ایک نبی ہے جس کے لئے ہر ایک زمانہ میں خدا اپنی غیرت دکھلاتا رہا ہے۔"

عالم ہونا احادیث اور تواریخ اسلامی سے واقفیت بڑی چیز ہے اور نعمتِ عظمیٰ ہے لیکن رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے عشق میں انسان کسی اور ہی عالم میں ہوتا ہے اور ایسے انسانوں کو غیب سے اسرار و رموز اور دنیاوی و آسمانی علوم سے مزیّن کیا جاتا ہے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں:-

" اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سیّد و مولیٰ فخر الانبیاء خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی راہوں کی پیروی نہ کرتا سو میں نے جو کچھ پایا اس پیروی سے پایا۔ اور میں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ انسان بجز پیروی اس نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ معرفت کاملہ کا حصہ پا سکتا ہے۔ اور میں اس جگہ یہ بھی بتلاتا ہوں کہ وہ کیا چیز ہے کہ سچی اور کامل پیروی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب باتوں سے پہلے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ سو یاد رہے کہ وہ قلب سلیم ہے یعنی دل سے دنیا کی محبت نکل جاتی ہے۔ اور دل ایک ابدی اور لازوال لذّت کا طالب ہو جاتا ہے۔ پھر بعد اس کے ایک مصفّی اور کامل محبّت الٰہی بباعث قلب سلیم کے حاصل ہوتی ہے اور یہ سب نعمتیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی پیروی سے بطور وراثت ملتی ہیں۔"

حضرت مرزا صاحب نے سارا زور اس بات پر دیا ہے کہ اگر خدا تعالےٰ کو شناخت کرنا ہو اور حقیقی یقین و ایمان کے ساتھ اس پاک ذات کے وجود کو پانا ہو اور توحید خالص کو حاصل کرنا ہو تو بجز اس پاک وجود (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کے پانے کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

" یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود و سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی "تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دُنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دُنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبّت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اولین و آخرین

پر فضیلت بخشی۔ اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں بلکہ ذریّتِ شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اس نبی ؐ کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی ہے۔ اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے۔ اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے۔ اور اسی وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں جب تک ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔"

اللہ تبارک و تعالےٰ کی ذات نہاں در نہاں ہے۔ اور یہ جو مادی دنیا ہم کو نظر آ رہی ہے۔ یہ اس ذات کی مخلوق اور جلوہ ہے لیکن خدا نما وہ انسانِ کامل (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی ٹھہرا جس کے ملنے سے خدا مل جاتا ہے۔ اور جسے خدا مل گیا اُسے ہر چیز میسّر آ گئی۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ تو اٹھتے بیٹھتے اسی پاک وجود کی یاد میں محو رہتے تھے۔ سوتے میں اپنے آقا پر درود و سلام بھیج رہے ہیں لیکن زبان سے نہیں بلکہ قلب سے اور آنکھ کے پانی سے پوری فراست اور فہم سے درود در دِ زباں ہے۔ کہ رقّت طاری ہو جاتی اور گریہ بکا کی حالت آ جاتی۔ فرماتے ہیں۔

"ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطّر ہو گیا۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ آبِ زلال کی شکل پر نور کی مشکیں اس عاجز کے مکان میں لئے آتے ہیں اور ایک نے اُن میں سے کہا کہ یہ وہی برکات ہیں جو تو نے محمدؐ کی طرف بھیجے تھے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم)

اب چلتے میں سنئے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب فرماتے ہیں:-

"کہ ایک دفعہ دوپہر کو میں مسجد مبارک میں داخل ہوا۔ تو دیکھا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ جناب مرزا صاحب اکیلے مسجد میں ٹہل رہے ہیں اور حضرت حسّان بن ثابت کا یہ شعر گنگناتے ہوئے آہستہ آہستہ پڑھتے جاتے ہیں اور ساتھ ٹہلتے بھی جاتے ہیں:- ؎

کنت السواد لناظری فعمی علیک الناظر
من شاء بعدک فلیمت فعلیک کنت احاذر

ترجمہ:- "تو میری آنکھ کی پتلی تھا پس تیری موت سے میری آنکھ اندھی ہو گئی۔ اب تیرے بعد جو چاہے مرے مجھے صرف تیرے مرنے کا ڈر تھا۔"

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت صاحب نے چہرہ پہ رومال رکھا ہوا تھا میری آہٹ سے حضرت اقدس نے چونک کر میری طرف دیکھا تو بے اختیار چہرہ پر سے رومال والا ہاتھ ہٹ گیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔" یہ ہے عشقِ رسول اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اپنے یار کا ذکر ہے اور پاک وجود کے ذکر سے آپ خود پاک ہوئے اور اس پاک ہستی سے تعلق قائم ہو گیا جو حیّ و قیوم ہے۔ المختصر آپ کی زندگی آپ کے اپنے اس شعر کی مصداق ہے۔ ؎

جان و دلم فدا بہ رہِ دینِ مصطفےٰ
ایں است کام دل اگر آید میسّرم

بقیہ مصلحین عالم میں سے حضور خاتم النبییّن ؐ کو ممتاز کرنے والے امور

بسلسلہ آمدہ صفحہ ۶

چراغ کی روشنی ایک مکان کے اندر محدود ہوتی ہے اور ایک وقت کے بعد وہ ختم ہو جاتی ہے یہی حالت ان انبیاء کی تعلیم کی تھی۔ آفتاب کل عالم کو روشن کرتا ہے۔ اور اس کی روشنی قیامت تک اس عالم کو منور کرتی رہے گی یہی کیفیت محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم کی ہے۔ پس یہ دوسری بات ہے جو آپؐ کو مصلحین عالم میں ممتاز کرتی ہے۔

دنیا میں کوئی ترقی بغیر ایک قید لگانے کے ممکن نہیں اس لئے ہر قوم نے اپنی قوم کی ترقی کو ہی اپنا نصب العین قرار دیا ہے لیکن اگر محمد رسول اللہ صلعم انہی لوگوں کا اتباع کرتے تو آپؐ کے آنے کی اصل غرض ہی پوری نہ ہوتی تھی۔ آپؐ کے آنے کی بہت سی اغراض میں سے ایک غرض قومی اور ملکی قیود کو توڑ کر ایک عالمگیر مذہب کی بنیاد رکھنا تھا اور ایک عالمگیر اخوت کا سلسلہ قائم کرنا تھا۔ اگر غور کیا جائے تو قومی اور ملکی قیود مصنوعی قیود ہیں۔ پس ایک فطری مذہب مصنوعی قیود کو قائم نہ رکھ سکتا تھا۔ اگر اور مذاہب کی غرض افراد کو اکٹھا کر کے ایک قوم بنانا تھا تو اسلام کی غرض قوموں کو اکٹھا کر کے نسلِ انسانی کا ایک اتحاد پیدا کرنا تھا اس لئے اسلام کی تعلیم نے قومی قیود کو اسی طرح توڑ کر نسلِ انسانی کی وحدت کی بنیاد ڈالی ہے جس طرح مختلف مذاہب نے شخصیت کی قیود کو توڑ کر قومی وحدت کی بُنیاد رکھی تھی وہ بھی ایک بڑا کام تھا جو پہلے انبیاء کے سپرد کیا گیا مگر یہ کام اس سے بدرجہا بڑا ہے۔ اس کی مشکلات کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ شخصیت کی قیود کو توڑ کر قومی وحدت کا پیدا کرنا ایک بڑا کام ہے۔ مگر قومی تفریقوں کو دور کر کے نسلِ انسانی کی وحدت کے پیدا کرنے کے سامنے ہیچ ہے۔ یہ تیسری خصوصیت ہے جو نبی کریم صلعم کو تمام انبیاء میں ممتاز کرتی ہے کہ وہ قومی وحدت قومی ترقی کا راز سکھانے آئے آپ نسلِ انسانی کی وحدت نسلِ انسانی کی ترقی کے عظیم الشان راز کے انکشاف کے لئے ظاہر ہوئے۔

چوتھی خصوصیت جو آپؐ کو تمام مصلحین پر ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ جہاں ہر ایک نبی فطرتِ انسانی کی ایک خاص شاخ کے نشو و نما کے لئے آیا اور اس کے وجود میں اخلاق انسانی کا ایک خاص پہلو ظہور پذیر ہوا۔ محمد رسول اللہ صلعم نے فطرتِ انسانی کی ساری شاخوں کی ایسی کامل تربیت کی اور آپؐ کے وجود مبارک میں اخلاق انسانی کے سارے پہلو ایسے روشن ہوئے کہ آپؐ کے بعد کسی نبی کی حاجت دنیا میں نہ رہی۔ سلسلہ بنی اسرائیل میں کتنے نبی آتے ہیں مگر ہر ایک فطرت انسانی کی ایک خاص شاخ کے نشو و نما کے لئے۔ انسانی زندگی کے لئے ایک خاص پہلو میں نمونہ بن کر مگر اُمت محمدیہ میں ایک ہی آتا ہے۔ اور وہ ان پہلوؤں سے بڑھ کر ہر ایک پہلو میں خود ہی نمونہ ہے۔ وہ موسیٰ کی جوانمردی۔ ہارون کی نرمی یشوع کی جرنیلی۔ ایوب کے صبر۔ داؤد کی سپہ گری سلیمان کی شان و شوکت۔ یحییٰ کی سادگی مسیح کی فروتنی اور حلیمی سب کو مگر ہر ایک سے بڑھ کر اپنے اندر جمع رکھتا ہے۔ اگر سلسلہ موسوی کے سرتاج حضرت موسیٰ مظہر جلال ہیں اور اس کے آخری نبی حضرت عیسیٰ مظہر جمال ہیں تو محمد رسول اللہ صلعم ان دونوں سے بہت بڑھ کر کمال کو لئے ہوئے جامع جمال و جلال ہیں۔ اگر آپ وحشیوں اور اخلاق سے عاری قوموں کو متمدن اور با اخلاق انسان بنا سکتے ہیں تو متمدن اور با اخلاق انسانوں کو با خدا بنا سکتے ہیں۔ ؎

حُسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ جہاں ہر ایک صاحب کمال کا کمال فطرت یا حالاتِ انسانی کے کسی خاص حصہ سے تعلق رکھتا ہے آنحضرت صلعم کے کمالات فطرتِ انسانی اور حالاتِ انسانی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں۔

بلغ العلےٰ بکمالہ
کشف الدجےٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلّوا علیہ وآلہٖ

سیرت خیر البشر

زندگی کا بہترین نمونہ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنۃ

خدا تعالیٰ سے تعلق

سیرت نبویؐ کا اوّلین پیغام یہ ہے کہ ہر انسان ہر وقت خدا کو اپنے سامنے سمجھے اور خدا کے لئے زندگی بسر کرے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک، ایسی ہی مبارک زندگی کا نمونہ کامل تھی۔ آپ کے دل و دماغ ہر وقت جلالِ خداوندی سے لبریز تھے۔ آپؐ اُٹھتے، بیٹھتے۔ چلتے پھرتے، ہر وقت یادِ خدا میں مصروف رہتے۔ جب بھی کوئی کام شروع فرماتے اللہ کا نام (بسم اللہ) ضرور لیتے۔ رات اور دن میں آٹھ مرتبہ وضو کر کے، پاک اور صاف جسم و لباس کے ساتھ نماز ادا فرماتے۔ جب رات ہوتی تو پھر خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا میں کھڑے ہو جاتے۔ ساری دنیا تھک کر سو جاتی مگر آپ کا دل اور زبان ذکرِ خدا سے سیر نہ ہوتا۔ بارگاہِ الٰہی میں اتنی دیر کھڑے رہتے کہ پاؤں پر ورم آ جاتا۔ اس طویل شب بیداری کے بعد جب بستر پر آتے تو قرآن شریف کی سورتیں شروع کر دیتے اور اس قدر رقت اور دلسوزی سے اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے کہ سننے والوں کے دل پگھل جاتے۔ کبھی راتوں رات قبرستان نکل جاتے اور خوفِ خدا سے آنسو بہاتے۔ خوشی ہوتی تو اللہ کو پکارتے مصیبت آتی تو خدا کو یاد فرماتے۔ زور کی ہوا چلتی تو سہم کر قبلہ رخ کھڑے ہو جاتے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیتے۔ جب قرآن کریم میں عذابِ الٰہی کی آیات نازل ہوئیں تو اللہ تعالیٰ سے اس قدر ڈرنے لگے کہ بڑھاپا آتر آیا۔ اور بال سفید ہو گئے۔ صحابہ کرام رضؓ جب یہ دل گداز حالتیں دیکھتے تو سوال کرتے، یا رسول اللہ، آپ تو اللہ کے رسول ہیں پھر اتنا غم کیوں فرماتے ہیں؟ جواب میں ارشاد فرماتے "کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"

خدمتِ خلق

اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں سے یادِ خدا کو منہا کر دیا جائے تو باقی جو کچھ بچتا ہے، وہ خدمتِ خلق ہے آپ کے مذہب میں خدا سے تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ انسان خدا کی مخلوق کا خادم بن جائے۔ آپ کا ارشاد ہے سیّد القوم خادمھم۔ قوم کا سردار وہ ہے جو قوم کا خادم ہو۔ ایک دوسرے موقع پر فرمایا الخلق عیال اللہ فاحبّ الخلق الی اللہ من احسن عیالہٖ تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ اللہ کے نزدیک سب سے محبوب انسان وہ ہیں جو اس کی مخلوق کے ساتھ بہتر سلوک کریں۔ حضورؐ کا ذاتی نمونہ ملاحظہ ہو:۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم غریبوں اور مسکینوں سے بہت محبت فرماتے تھے، دوست اور دشمن سب کے ساتھ خوش ہو کر ملتے اپنے خادم کے کام کاج میں امداد دیتے، بازار سے اپنی اور ہمسایہ عورتوں کی، جن کے آدمی موجود نہ ہوتے چیزیں خریدتے اور خود ہی اٹھا لاتے، ہر ادنیٰ اور اعلیٰ کو پہلے سلام کرتے۔ ہر ایک کو نیک مشورہ دیتے اور خیر و ثواب کی ترغیب فرماتے۔ کوئی نیک کام دیکھتے تو اسی وقت اس کی امداد پر تیار ہو جاتے۔ مسافر، مظلوم، بیوہ، یتیم کو ہر وقت پوچھتے اور انہیں سہارا دیتے۔ اپنوں اور بیگانوں کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے جاتے۔ بیمار کو تسلّی دیتے اور اگر وہ کسی غیر مضر چیز کو چاہتا تو مہیّا فرما دیتے۔ بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں پہلے السلام علیکم کہتے اور پیار فرماتے۔ بوڑھوں کی عزت کرتے۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ اپنے بوڑھے اور نابینا باپ کو بیعت کے لئے لائے۔ فرمایا۔ تم نے انہیں کیوں تکلیف دی۔ میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔ سائل کو کبھی رد نہ فرماتے۔ اگر کچھ پاس موجود نہ ہوتا تو قرض اٹھا کر بھی اس کا سوال پورا کرتے جب کوئی دوست گزر جاتا تو اس کا مال وارثوں کو دلاتے لیکن اگر وہ مقروض ہوتا تو قرضہ خود ادا فرماتے۔ کسی شخص نے آپ کو کیسی ہی تکلیف دی ہوتی۔ جب پاس آ جاتا تو شرم سے آنکھیں جھکا لیتے اور معاف فرما دیتے۔

خدمتِ خلق کی بہت ترغیب دیتے۔ فرماتے اپنے غلاموں کو برابری کے حقوق دو انہیں آزادی دلاؤ۔ اپنی لونڈیوں سے نیک سلوک کرو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔ یتیم بچوں کے مال کی حفاظت کرو، مقروضوں کی امداد کرو تا ان کے بوجھ ہلکے ہو جائیں۔ ہمیشہ صدقہ جاریہ کی ترغیب دیتے۔ فرماتے۔ پھلدار درخت لگاؤ، مسجدیں بناؤ، کنوئیں کھدواؤ اور انہیں خلقِ خدا کی آسائش کے لئے وقف کر دو۔ بے زبان حیوانات سے ہمدردی کا حکم فرماتے، ایک دفعہ تیز ہوا چلی اور ایک شخص کسی وجہ سے اسے گالیاں دینے لگا۔ فرمایا۔ گالی نہ دو۔ یہ اپنا فرض ادا کر رہی ہے۔

حضرت انس رضؓ آپ کی خدمت میں دس سال حاضر رہے فرماتے ہیں کہ اس عرصے میں جتنے کام میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئے۔ آپؐ نے اُن سے زیادہ میرے کام انجام دیئے ہیں۔

مدینہ میں ایک پاگل سی لونڈی تھی۔ اس نے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کام کے لئے راستہ میں پکڑ لیا۔ فرمایا۔ تو مدینہ کی جس گلی میں چاہے بیٹھ جا میں وہیں آ کر تیرا کام کروں گا۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گئی حضورؐ وہیں تشریف لے گئے اور اس کا کام کر دیا۔

محتاجوں سے اتنی ہمدردی تھی کہ ان کے دل کی بات سمجھ لیتے تھے ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ بھوک سے بے تاب ہو کر راستے میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ پاس سے گزرے تو حضرت ابو ہریرہ نے انہیں اپنے حال پر متوجہ کرنے کے لئے ایک آیت کے معنے پوچھے حضرت صدیق اکبر رضؓ نے معنی بتائے اور گزر گئے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضؓ وہاں سے گزرے اُن کے ساتھ بھی یہی واقعہ ہوا اور وہ بھی اسی طرح گزر گئے تھوڑا عرصہ بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے گزرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے آیت کے معنی پوچھے تو آپؐ ہنس پڑے اور فرمایا۔ میرے ساتھ چلے آؤ۔ گھر لے جا کر ایک دودھ کا پیالہ تھا وہ دیا اور فرمایا۔ یہ لے جاؤ اور صُفّہ کے دوسرے غرباء کے ساتھ تقسیم کر کے کھاؤ۔

ایک دن حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نماز پر کھڑے ہو چکے تھے کہ ایک بدو آیا۔ اور کہنے لگا۔ میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے۔ میں بھول جاؤں گا۔ پہلے اس کو کر دو۔ آپؐ اس کے ساتھ فی الفور مسجد سے باہر تشریف لے گئے اور اس کا کام کر کے نماز ادا فرمائی۔

اپنے ہاتھ سے کام کرنا

آپ ہر قسم کا کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ مویشیوں کو چارہ ڈالتے بکریاں دوہتے۔ کپڑے دھوتے اور ان میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے جوتے گانٹھ لیتے۔ گھر میں جھاڑو دے لیتے۔ خادم کے ساتھ مل کر کام کراتے۔ جب مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی تو آپ بھی مزدوروں کی صف میں شامل تھے۔ مٹی کھودتے تھے اور ڈھوتے تھے اس قدر بھاری پتھر اٹھاتے تھے کہ جسم مبارک لچک جاتا تھا۔ عقیدت مند عرض کرتے تھے۔ ہمارے ماں باپ فدا ہوں۔ آپ چھوڑ دیں۔ ہم خود اٹھا لے جائیں گے۔ فرماتے بہت اچھا۔ لیکن پھر ذرا سی دیر میں اسی وزن کا پتھر اٹھاتے اور مزدوروں میں شامل ہو جاتے۔ جب مزدور تکان مٹانے کو رجز پڑھتے تو آپ بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے۔

جنگِ احزاب میں خندق کی کھدائی شروع ہوئی تو آپ بھی سب کے ساتھ مٹی کھودنے لگے یہاں تک کہ جسم مبارک گرد و غبار سے اَٹ گیا۔

گفتگو کا نمونہ

آپ اکثر خاموش رہتے تھے۔ اور کبھی بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے جب بات کی ضرورت ہوتی تو بہت مختصر اور پُر معنے بات کرتے تقریریں اس قدر مختصر ہوتیں کہ صحابہ ایک ایک جملہ انگلیوں پر گن لیتے۔ وعظ و نصیحت کبھی کبھی فرماتے۔ کیسا بھی حقیر آدمی آپ کو

بلاتا۔ جواب میں ہمیشہ "لبیک" (حاضر ہوا) فرماتے۔ چھوٹی چھوٹی بات پر اپنے احباب کا شکریہ ادا کرتے۔ کوئی بے جا یا تکلیف دہ بات زبان پر نہ لاتے۔ ایک شخص نے پوچھا۔ یا رسول اللہ میرے لئے زیادہ خطرناک شے کون سی ہے؟ آپؐ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا "یہ" آپ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم جب صبح اٹھتا ہے تو تمام اعضا زبان سے درخواست کرتے ہیں کہ خدا سے ڈرنا۔ ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں اگر تو سیدھی ہوگی تو ہم سلامت رہیں گے۔ اور اگر تو بھٹک جائے گی تو ہم سب برباد ہو جائیں گے۔

مجلسی عادات کا نمونہ

سیّد عالم کی مجلسی عادات بے حد پاکیزہ اور مقبول تھیں۔ آپ غرباء میں رہ کر خوش ہوتے۔ ہر ادنیٰ اور اعلیٰ کو پہلے سلام کرتے اگر کوئی ساتھ چلتا تو ہاتھ میں ہاتھ دیتے۔ بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں بھی پہلے سلام کرتے۔ مصافحہ کے لئے پہلے ہاتھ بڑھاتے کوئی چیز خواہ کس قدر بھی کم ہوتی اس کے کھانے میں دوستوں کو ضرور شامل فرما لیتے۔ گھوڑے پر سوار ہوتے تو دوسروں کو پیچھے بٹھا لیتے خواہ کیسا ہی حقیر شخص دعوت دیتا قبول فرما لیتے۔ جو چیز سامنے لائی جاتی اسے محبت سے کھاتے۔ صبح کے کھانے میں سے شام کے لئے نہ اٹھا رکھتے تھے۔ آپ کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچی۔ کوئی ناگوار معاملہ پیش آ جاتا تو ہمیشہ درگزر سے کام لیتے۔ اور معاف فرماتے عیسائی اور یہودی بھی اگر کچھ تحفہ بھیجتے تو قبول فرماتے اور خود بھی انہیں تحفہ بھیجتے۔ اگر کوئی شخص پاس آ بیٹھتا تو نماز مختصر کر دیتے ...... مہمانوں کی خدمت کرتے اور انہیں اپنی چادر بچھا دیتے۔ کسی کی برائی اور عیب میں شامل نہ ہوتے، دوستوں سے فرماتے، میرے پاس کسی کی شکایت نہ کرو کہ جب دنیا سے جاؤں تو میرا دل سب کی طرف سے صاف ہو۔ دوستوں کے حق صحبت کو بہت ملحوظ رکھتے۔ آپ ایک دن کسی شخص کے ساتھ جنگل میں نکلے اور زمین کھود کر آپ نے دو مسواکیں نکالیں ایک سیدھی تھی اور دوسری ٹیڑھی۔ ہادیٔ برحق نے ٹیڑھی مسواک خود لی اور سیدھی اس شخص کو دی۔ اس نے عرض کیا اچھی مسواک آپ رہنے دیں۔ فرمایا: "نہیں اگر کوئی شخص ایک گھڑی بھی کسی کے ساتھ رہے تو قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ حق صحبت بجا لایا یا نہیں؟"

ایک غریب آدمی مسجد نبویؐ میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا تو کئی دفعہ آپ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ شخص آدھی رات کے قریب فوت ہوا اور اسی وقت دفن کر دیا گیا۔ صبح کے وقت آپ کو اطلاع ہوئی تو بہت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ پھر اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ ادا فرمائی۔

ذاتی حالات۔ غریبوں کیلئے نمونہ

پیغمبر اسلام نے فقیروں اور غریبوں کے لئے سادگی اور قناعت کی جو پاک مثال قائم فرمائی، اس کے بعض خد و خال ملاحظہ ہوں۔

۱:۔ آپؐ اکثر جَو کی روٹی کھاتے، گھر میں چھلنی نہ تھی۔ اس واسطے پھونکوں سے بھوسی جدا کی جاتی۔ بعض اوقات مہینہ بھر گھر میں آگ نہ جلتی اور آپ گھر والوں کے ساتھ کھجور اور پانی پر گزارہ کرتے۔ جب بھوک زیادہ تکلیف دیتی تو عادت مبارک یہ تھی کہ پیٹ پر کپڑا کس کر باندھ لیتے۔ ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے جس کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا آپؐ سے بھوک کی شکایت کی۔ اس پر حضورؐ نے اپنا کرتہ اٹھا دیا۔ آپؐ کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ ایک محتاج نے آپ نے سوال کیا کہ میں سخت بھوکا ہوں آپ نے اپنے تمام گھروں سے پچھوایا مگر کسی گھر میں پانی کے سوا کوئی چیز بھی موجود نہ تھی۔

۲:۔ آپ ہمیشہ سادہ اور مضبوط لباس پہنتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے انسان کا بہترین لباس اس کی پرہیزگاری ہے۔ رات کو چمڑے کے بستر پر جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی آرام فرماتے۔ کبھی ٹاٹ کو دُہرا کر کے بچھا لیتے۔ ایک رات حضرت عائشہ رضؓ (آپؐ کی بیوی) نے اس ٹاٹ کی چار تہیں کر دیں۔ صبح اٹھ کر فرمایا۔ یہ گدگدا فرش مجھے شب بیداری سے محروم رکھتا ہے۔ آئندہ اسے بدستور دُہرا کر کے بچھایا جائے۔

۳:۔ آپ جس حجرے میں رہتے تھے اس کی دیواریں کچی تھیں، کھجور کے پٹھوں اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضؓ آپؐ کے حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے۔ اور دیکھا کہ آپ کھردری چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ جسم پاک پر رسیوں کے نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ایک گوشے میں چند سیر جَو ہیں اور ایک کھونٹی پر ایک جانور کی کھال لٹک رہی ہے بس سرور کائنات کے گھر کی ساری کائنات یہی تھی۔ حضرت عمر رضؓ یہ حال دیکھ کر رونے لگے۔ فرمایا۔ عمر رضؓ! کیا تم خوش نہیں کہ قیصر و کسریٰ اس چند روزہ زندگی کے لئے عیش منائیں اور ہم دائمی راحت و آرام سے سرفراز کئے جائیں۔

۴۔ آپ کی بیٹی فاطمہ رضؓ چکی پیستی تھیں، کاندھے پر پانی کی مشک اٹھاتی تھیں۔ ایک دفعہ آپ نے ان کے گلے میں سونے کی زنجیر دیکھی۔ فرمایا۔ یہ مناسب نہیں کہ محمد کی بیٹی کے گلے میں آگ کا طوق ہو۔ سعادت مند بیٹی نے اسی وقت زنجیر فروخت کر دی اور اس کی قیمت سے ایک غلام آزاد کرایا گیا۔

۲ھ ہجری میں آپؐ نے اپنی تیسری بیٹی فاطمہ رضؓ کا حضرت علی رضؓ سے نکاح کیا۔ اس وقت حضرت علی رضؓ کے پاس صرف تین چیزیں تھیں ایک بھیڑ کی کھال۔ ایک پرانی یمنی چادر اور ایک زرہ۔ فرمایا۔ یہ کافی ہیں ۴۸۰ درہم میں زرہ فروخت کر کے سامانِ عروسی اور خوشبو خریدی گئی جب سیّد عالم نے اپنی بیٹی کو رخصت فرمایا تو آٹھ چیزیں جہیز میں دیں۔ ایک بان کی چارپائی۔ ایک چمڑے کا گدا۔ ایک صراحی۔ دو مٹی کے گھڑے، اور ایک مشک اور دو چکیاں۔ نکاح کے فوراً بعد الگ مکان کی ضرورت ہوئی۔ حارثہ رضؓ بن نعمان کے متعدد مکان تھے۔ جن میں سے کئی مکان وہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نذر کر چکے تھے اب بیٹی نے فرمائش کی کہ اب انہی سے سفارش فرمایئے۔ ارشاد فرمایا، بیٹی! کہاں تک کہوں؟ اب مجھے شرم آتی ہے۔ حارثہ رضؓ کو معلوم ہوا تو دوڑتے ہوئے آئے اور زبردستی حضرت فاطمہؓ کو اپنے ایک مکان میں لا کر بٹھا دیا۔

اہل و عیال کی زندگی

پیغمبر اسلام نے ۲۵ سے ۵۰ سال تک کی عمر تک ایک بیوی کے ساتھ زندگی بسر فرمائی۔ جب حضرت خدیجہ رضؓ نے بعثت نبویؐ سے دس سال بعد انتقال فرمایا تو آپؐ نے ضرورت اور مصلحت کے لئے کئی اور شادیاں کیں مگر سب میں عدل قائم رکھا۔ فتح خیبر کے بعد ہر ایک بیوی کا روزینہ ۲۰ وسق کھجور سالانہ مقرر فرمایا۔ دودھ کے لئے ایک اونٹنی علیحدہ دی جاتی۔ آپ عصر کے وقت روزانہ ہر ایک بیوی کے ہاں تشریف لے جاتے اور ضروریات کے انتظامات فرماتے، پھر نماز مغرب کے بعد سب سے ایک مختصر ملاقات فرماتے۔ رات کے وقت ہر ایک گھر میں باری باری قیام ہوتا۔ سفر پیش آ جاتا تو قرعہ اندازی کی جاتی جس کا نام نکلتا آپؐ اُسے ساتھ لے جاتے۔ یہ انتہا ہے کہ آپ نے آخری مرض میں اس قاعدے کی پوری پابندی فرمائی۔ آپؐ چلنے پھرنے سے معذور ہو چکے تھے۔ پھر بھی آپ دوسروں کا سہارا لیتے اور قدموں کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے روزانہ معمول کے مطابق ازواج کے ہاں قیام فرماتے آخر جب ازواج نے آپؐ کی تکلیف کا احساس کر کے خود اجازت دی تو آپ نے حضرت عائشہ کے گھر قیام فرمایا اور وہیں اس دنیا سے رخصت ہو گئے!

پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے خیرکم خیرکم لاھلیکم وانا خیرکم لاھلی۔ تم میں بہترین انسان وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے حق میں بہتر ہوں۔ اور میں اپنے اہل کے لئے تم سب سے بہتر ہوں۔ اور آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ناراض ہو تو وہ صرف اپنا بستر الگ کر لے۔ نہ خود گھر سے نکلے اور نہ بیوی کو گھر سے نکالے۔ اگر مارے بغیر چارہ نہ ہو تو منہ پر نہ مارے۔

افلاس و غریبی کے باوجود آپؐ نے نہایت عزت و محبت کی زندگی بسر فرماتے تھے۔ حضرت صفیہ اونٹ پر سوار ہوتیں تو آپ گھٹنہ پیش فرماتے اور وہ قدم رکھ کر بسہولت سوار ہو جاتیں۔ ایک دفعہ آپؐ صفیہ کے ساتھ اونٹ سے گر پڑے حضرت طلحہؓ آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو فرمایا۔ "پہلے عورت کی خبر لو"۔ مسجد نبویؐ میں حبشیوں کو تلوار کے کرتب دکھانے کی اجازت دی گئی تو آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو بھی یہ کرتب دکھائے۔ خود پردہ کر کے حجرہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو گئے اور جب تک حضرت عائشہ سیر نہ ہو گئیں کھڑے رہے۔ حضرت خدیجہ رضؓ کے انتقال کے بعد اگرچہ آپؐ نے متعدد شادیاں کیں مگر آپؐ ان کی محبت کو کسی وقت بھی نہیں بھولے۔ جب ان کا ذکر آتا آپؐ

آبدیدہ ہو جاتے۔ جب باہر سے تحفہ آتا، آپؐ ان کی سہیلیوں کو ضرور بھیجتے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضؓ اور دوسری ازواج رضؓ (بیویاں) میں کسی بات پر اَن بن ہو گئی۔ حضرت عائشہ رضؓ جو حق پر تھیں کچھ عرصہ تو خاموش رہیں مگر آخر میں جواب دینے لگیں۔ جب سکون ہو گیا تو آپ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا عائشہ رضؓ! تم حق پر تھیں اس لئے جب تک خاموش تھیں، خدا کے فرشتے ہر بات میں تمہاری طرف سے جواب دیتے تھے لیکن جب تم خود بولنے لگیں تو وہ تمہیں چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے۔

قرآن نے عورتوں کو مساوی حقوق دیئے ہیں انہیں جائیداد میں حصہ دیا ہے۔ وہ علیحدہ کمائی کر سکتی ہیں اور اپنی جائیداد بنا سکتی ہیں۔ ان احکام کی بنا پر پیغمبر اسلام کی بڑی کوشش یہ تھی کہ عورتیں معزز باکار اور آزاد زندگی بسر کریں چنانچہ ازواج مطہرات کی زندگی، تمام مردوں اور عورتوں کے لئے مساوات حقوق کا بہترین نمونہ ہے۔

حضرت خدیجہ رضؓ تجارت کرتی تھیں۔ حضرت سودہ رضؓ طائف کی کھالیں بناتی تھیں اور ان کی آمدنی اپنے طور پر نیک کاموں میں صرف کرتی تھیں۔ حضرت زینب رضؓ بہت اچھی دستکار تھیں۔ حضرت صفیہ رضؓ نے جب انتقال فرمایا تو اپنے بعد ایک لاکھ کا ترکہ چھوڑا جس میں سے ایک تہائی اپنے یہودی بھانجے کے لئے وصیت کر گئیں۔

حضرت حفصہؓ اور ام سلمہ رضؓ پڑھ سکتی تھیں اور حضرت حفصہ رضؓ لکھنا بھی جانتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضؓ بہت بڑی مقرر تھیں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضؓ کے سوا تمام صحابہ میں ایک شخص بھی تقریر کرنے میں حضرت عائشہ رضؓ کا ہم پلہ نہ تھا۔ عروہ بن زبیر رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن فرائض، حلال و حرام، شاعری، طب، تاریخ عرب اور علم نسب میں کوئی شخص بھی حضرت عائشہ رضؓ سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔ ازواج مطہرات کا خاص فرض یہ تھا کہ وہ عورتوں کو احکام دین سکھائیں۔ چنانچہ احکام کا بہت بڑا حصہ ازواج مطہرات ہی سے مروی ہے۔ احادیث کی کتابوں میں حضرت حفصہ رضؓ سے ۶۰، حضرت اُمّ سلمہ رضؓ سے ۳۷۸، اور حضرت عائشہ رضؓ سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں۔ اور ان میں اکثر احادیث بہت بڑے پایہ کی ہیں۔

ازواج مطہرات اپنے تمام کام اپنے ہاتھ سے سرانجام دیتی تھیں۔ آپؐ کی بیٹی فاطمہ رضؓ چکّی پیستی تھیں۔ کاندھے پر مشک اٹھاتی تھیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی طرف سے تمام بیویوں کو جو سامان دیا گیا اس میں تین چیزیں ضرور شامل تھیں۔ چکّی۔ گھڑا اور چمڑے کا گدا۔

اشاعت اسلام اور تعلیم دین کے علاوہ ازواج مطہرات کا حفاظت اسلام اور تنظیم ملّت کے کاموں میں بہت بڑا ہاتھ تھا۔ جنگ اُحد میں حضرت عائشہ رضؓ اور ام سلمہ رضؓ زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ یرموک کی لڑائی میں حضرت جویریہ رضؓ نے بڑی دلیری سے جنگ کی۔

۳۵ھ ہجری میں جب باغی جماعت نے حضرت عثمان رضؓ کا محاصرہ کر لیا تو حضرت صفیہ رضؓ نے آپ کو بہت مدد دی۔ پھر اسی سال جب نظام اسلام درہم برہم ہو گیا تو حضرت عائشہ رضؓ حفاظت اسلام کے لئے میدانِ عمل میں نکل آئیں۔ اور اصلاح کا عَلم بلند فرمایا۔ حضرت عائشہ کی فیاضی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے تنہا اپنی ذات سے ۶۷ غلام خرید کر آزاد فرمائے۔ ایک دفعہ امیر معاویہ نے ایک لاکھ درہم بھیجے مگر آپ نے شام سے پہلے سب کے سب خیرات کر دیئے۔ غروبِ آفتاب کے وقت جب روزہ کھولنے کا وقت آیا تو لونڈی نے عرض کیا۔ گھر میں روزہ کھولنے کے لئے کوئی چیز موجود نہیں، فرمایا۔ تو اس وقت مجھے کیوں نہ یاد دلایا؟

عروہ بن زبیر رضؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ نے ایک دن میں ۷۰ ہزار درہم خیرات کئے۔ آپ اس وقت ایک پیوند لگا کرتہ پہنے تھیں کسی شخص نے عرض کیا، آپ اپنا کرتہ بھی بنوا لیں۔ مگر آپ نے ذرا بھی توجہ نہ فرمائی اور آخری دم تک غریبوں ہی میں خیرات کرتی چلی گئیں۔

بخشش اور فیاضی :-

اُمّت پر زکوٰۃ، مال کا چالیسواں حصہ فرض تھی، لیکن پیغمبر اسلام نے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں نثار کر دیا۔ یہ عام حکم تھا کہ جو مسلمان مر جائے اس کا قرض میں ادا کر دوں گا۔ اگر اس نے ترکہ چھوڑا ہو تو وہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔

ایک دفعہ بحرین سے خراج کا مال آیا اور صحن مسجد میں زر و سیم کا انبار لگ گیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز صبح کے لئے تشریف لائے۔ صحابہ رضؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے اس ڈھیر کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ نماز سے فارغ ہو کر اس انبار کے پاس آ بیٹھے اور تقسیم فرمانے لگے۔ تھوڑی دیر میں دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

ایک دفعہ فدک سے غلّہ کے چار اونٹ آئے۔ چونکہ لینے والا کوئی باقی نہ رہا تھا اس واسطے وہ غلّہ شام تک تقسیم نہ ہو سکا۔ جب حضور کو اطلاع ملی تو فرمایا جب تک یہ دنیا کا مال باقی ہے، میں گھر میں نہیں جا سکتا چنانچہ رات مسجد میں بسر فرمائی۔ صبح کے وقت بلال رضؓ نے اطلاع دی حضورؐ! سب مال تقسیم ہو گیا ہے۔" آپؐ نے خدا کا شکر ادا کیا اور گھر تشریف لے گئے۔

ایک دفعہ نمازِ عصر کے فوراً ہی بعد حجرے میں تشریف لے گئے۔ صحابہ رضؓ کو بہت تعجّب ہوا۔ واپس آ کر فرمایا۔ گھر میں یہ سونے کا ٹکڑا پڑا رہ گیا تھا۔ رات سے پہلے اس کا فیصلہ کرنا ضروری تھا۔

آپ مرض الموت کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ کہ خیال آ گیا، گھر میں کچھ اشرفیاں پڑی تھیں۔ حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا انہیں خیرات کر دو۔ یہ مناسب نہیں کہ محمدؐ اپنے خالق کی بارگاہ میں جائے اور اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں۔"

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فیاضیاں نہایت حیرت انگیز ہیں۔ اپنا حال کیسی بھی تکلیف میں ہوتا۔ آپ سائل کو کبھی رد نہ فرماتے تھے گھر میں ایک آٹے کی ٹوکری تھی، سائل آ گیا۔ آپؐ نے ساری ٹوکری اس کے حوالے کر دی۔ اور گھر والوں نے رات فاقہ سے بسر کی۔ ایک سائل آیا فرمایا اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تم میرے نام پر قرض لے لو میں ادا کر دوں گا۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے چادر پیش کی۔ آپؐ کو ضرورت تھی اس لئے آپؐ نے اسے قبول فرما لیا۔ پاس سے ایک شخص نے چادر کی تعریف کی۔ حضورؐ نے اسی وقت چادر اتار دی اور اس کے حوالہ کر دی۔ آپ ایک دن اپنی بکریوں کے ریوڑ میں جو دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ کھڑے تھے ایک غریب آدمی نے چند بکریوں کا سوال کیا، حضورؐ نے تمام ریوڑ اس کے حوالے کر دیا اور آپ الگ ہو گئے۔

صدق و ثبات

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زندگی کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ آپ پہلے ہی دن ایک سچائی پر کھڑے ہوئے اور آخر تک کھڑے رہے۔ جب زندگی کی رفتار بدلتی۔ ساری دنیا اپنی جگہ سے ہل جاتی مگر آپؐ کے مزاج پر بال برابر بھی اثر نہ ہوتا تھا۔

کفّار نے آپؐ کے قتل کی سازش کی اور تمام قبیلوں کے منتخب بہادروں نے ننگی تلواروں کے ساتھ آپؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیا آپؐ چپ چاپ سپاہیوں کے پاس سے گزر گئے اور صدیق اکبر رضؓ کو ساتھ لے کر غارِ ثور میں جا بیٹھے۔ کفّار بھی وہیں غار کے منہ پر آ کھڑے ہوئے بس اب صرف ایک نگاہ پڑنے کی ضرورت تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ یہ حال دیکھ کر بے قرار ہو گئے مگر پیغمبر اسلامؐ نے پر ذرا اثر نہ تھا۔ فرمایا لا تحزن ان اللّٰہ معنا۔ صدیق! تم کیوں غم کرتے ہو۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

آپ لشکر اسلام سے دُور تنہا ایک درخت کے نیچے سوئے پڑے تھے کہ ناگہاں وہاں ایک دشمن آ پہنچا اور تلوار تان کر سرہانے کھڑا ہو گیا۔ ٹھیک اسی وقت آپؐ نے آنکھ کھولی۔ اور سر پر تلوار کو دیکھا۔ دشمن نے آواز دی۔ "اب تمہیں کون بچا سکتا ہے؟" اس سے زیادہ نازک وقت اور کیا ہو سکتا ہے۔ مگر رسول اللہ کی جمعیت خاطر میں ذرا فرق نہیں آیا آپؐ نے ایک لفظ میں دشمن کو جواب دیا۔ "اللہ"، اسی وقت اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ جب وہی تلوار آپؐ نے اٹھائی تو دشمن نے معافی کے لئے دوہائی مچا دی۔ پیغمبر اسلام کا دل اب بھی اپنی جگہ پر تھا۔ معاف کیا۔"

جنگِ حنین میں دس ہزار فوج آپؐ کے ساتھ تھی۔ دشمن نے ایک تنگ درّے میں بیٹھ کر ایسی بے پناہ تیر اندازی کی کہ تمام اسلامی فوج بے تحاشا بھاگ اٹھی اور ایک شخص بھی آپؐ کے ساتھ باقی نہ رہا۔ آپ اس نازک ترین وقت میں گھوڑے سے اتر آئے۔ زمین پر کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا

انا النبیّ لا کذب - انا ابن عبد المطلب

حضرت عباس نے آپ کو اس حال میں کھڑے دیکھا تو انصار و مہاجرین کو آوازیں دیں اب جانثار مسلمان واپس لوٹے اور آن کی آن میں میدان دشمن سے صاف ہو گیا۔

* * * * *

مکرم مرزا محمد لطیف شاہد

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے مختلف مقاماتِ عالیہ بیان فرمائے ہیں جو ازل سے کسی انسان کو نصیب نہیں ہوئے اور یہ کہ قیامت تک کے لئے آپ کا فیض جاری و ساری رہے گا۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد سے قبل ساری دنیا میں گمراہی پھیلی ہوئی تھی۔ دنیا میں کوئی ایک حصہ یا ٹکڑا ایسا نہیں تھا جہاں کہ روحانی طور پر کوئی روشنی ہو۔ اور آپ جس مقام پر مبعوث ہوئے وہ تو ہر ایک عیوب اور بے دینی کا آماجگاہ تھا۔ قرآن مجید کی آیت ظھر الفساد فی البر و البحر کا مکمل نمونہ اہلِ عرب تھے۔ آج جبکہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ مغرب کی تقلید اور دہریت کے سیلاب کی وجہ سے لوگوں میں بے دینی پھیل گئی ہے۔ عام طور پر لوگوں میں اخلاقی گراوٹ پیدا ہو گئی ہے اور مختلف قسم کے مفاسد پھیل چکے ہیں۔ اِن حالات میں اخلاق سے گرے ہوئے اعمال سرزد تو ہوتے ہیں لیکن ان کا برملا اظہار اور اعلان نہیں ہوتا۔ اور ایک طبقہ اب بھی ہے جو ان کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ اور جو لوگ یا افراد ان اعمال کو کرتے ہیں وہ کوشش کرتے ہیں کہ لوگوں کی نظروں سے چھپ کر یہ عیوب کئے جائیں لیکن اگر عرب کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے اور وہ قصائد جو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے خاص اجتماعات کے مواقع پر ان کے شاعر پڑھا کرتے تھے۔ آج کل تو تفریح کے مختلف رنگ پیدا ہو گئے ہیں۔ اسوقت عربوں کی تفریح کا سب سے بڑا مرکز جس میں بڑی رونق و گہما گہمی ہوا کرتی تھی اور جس میں وہ پوری طرح تیاری کر کے شامل ہوا کرتے تھے وہ ان کے میلے اور تجارتی منڈیاں ہوا کرتی تھیں اور ان میں جو اشعار اور قصائد پڑھے جاتے تھے آج بھی انسان ان کو پڑھ کر کانپ جاتا ہے کہ الامان الحفیظ۔ انسانیت اتنی گر چکی تھی کہ اس سے اور نیچے گرنے کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا! دوسرا فخر و مباہات، نسلی غرور۔ ہٹ دھرمی، جذبۂ انتقام اور انسانیت کی تذلیل اور ایک جان کا لے جانا حقیر سے حقیر کیڑے سے بھی زیادہ سستا تھا۔ خدا تعالےٰ نے اپنی رحمت سے ان لوگوں کی اصلاح اور ساری دنیا کی ہدایت و رہنمائی کے لئے آپؐ کو مبعوث فرمایا اور اعلان یہ فرمایا:۔

"اعلان فرما دیں! اے لوگو! تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔" بعض اوقات ظاہری ذرائع۔ دست و بازو۔ مال و منال کی وجہ سے ایک انسان ایک بات کہہ دیتا ہے لیکن آپؐ ایک فردِ واحد ہیں۔ دنیاوی اسباب بالکل نہیں ہیں۔ اور لوگوں سے زیادہ تعلقات بھی نہیں۔ زندگی کا معمول یہ ہے کہ آپؐ دنیا کے مشاغل سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ اوقات ذکر الٰہی میں گزارتے ہیں۔ اور دوسرے نمبر پر خدا کی وہ مخلوق جن کو کمزور ہونے کی وجہ سے لوگ ان کو دیکھ کر کترا جاتے تھے آپؐ ان سے پیار کرتے ہیں۔ جب خدا تعالےٰ کے حکم سے آپؐ نے ماموریت کا اعلان فرمایا۔ اس اعلان کو سن کر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ ان الفاظ میں آپؐ کی تصدیق فرماتی ہیں:۔

"خدا کی قسم! اللہ آپؐ کو کبھی بھی نہیں چھوڑے گا تمام وہ اخلاقِ عالیہ جو دنیا سے مٹ گئے ہیں صرف آپؐ ہی ان کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ جس کا بوجھ کوئی ہلکا نہیں کرتا اس کے آپؐ مددگار ہیں۔ جو اجنبی گلیوں میں پریشان پھرتا ہے کہ اسے کوئی شب بسری کے لئے جگہ دے آپؐ اس کو نہایت عزت سے پناہ دیتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے بڑے لوگ حقوق دبا لیتے ہیں۔ وہ مارے مارے پھرتے ہیں کوئی ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا آپؐ ان کے حق دلواتے ہیں اور ساتھ دیتے ہیں۔ آپؐ یقیناً کامیاب و بامراد ہوں گے۔"

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا

اعلان کی دیر تھی۔ یک دم رنگ ہی بدل گیا وہ نگاہیں جو کبھی احترام کی وجہ سے جھک جایا کرتی تھیں ان کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلنے شروع ہو گئے۔ وہ جو کبھی امین و صادق کہہ کر پکارتے تھے انہوں نے سب سے بڑا عیب یعنی کذاب کہنا شروع کر دیا وہ جو کبھی سرراہ حال احوال دریافت کر لیا کرتے تھے انہوں نے راستے تبدیل کر لئے۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کی کہ بول چال بند کر دی بلکہ الٹا زور بازو سے آپؐ کو اپنے مشن سے ہٹانے اور ختم کرنے کے منصوبے شروع کر دیئے۔ پہاڑ سے ٹکرانا آسان لیکن آپؐ کا کام مشکل تھا۔

وہ لوگ جو قدم قدم پر بتوں کو پوجتے تھے ان کو خدائے واحد کی تعلیم دی۔ وہ لوگ جو خاندانی فخر و غرور پر مرمٹنے والے تھے ان کو یہ سبق دیا کہ یہ خاندان۔ قبیلے وجہ فخر نہیں۔ یہ تو صرف ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے تجویز کئے گئے ہیں۔ اصل فخر تو یہ ہے کہ تم خدا سے ڈرو اور نیک اعمال بجا لاؤ۔ انسانوں میں سے ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جن کو غلام کہا جاتا تھا بھیڑ بکری کی بھی پہچان تھی۔ اس کا بھی ایک تھان ہوا کرتا تھا لیکن ایسے لوگ بھی تھے جو انسان ہوتے ہوئے بھی حیوانوں سے بدتر زندگی گزارتے تھے ان کی نہ اپنی کوئی خواہش تھی نہ آزادی تھی نہ ان کے کوئی حقوق تھے۔ اور نہ ان کی اپنی کوئی مرضی تھی۔ مالک جیسا چاہتا جس طرح چاہتا ان سے سلوک کرتا۔ نہ وہ بول سکتے تھے نہ شکایت کر سکتے تھے۔ اور نہ کسی سے دل کی بات کر کے اپنے بوجھ کو ہلکا کر سکتے تھے۔ آپؐ نے تعلیم دی:۔

ولقد کرمنا بنی آدم

"یقیناً ہم نے انسان کو سب سے بڑا۔ اونچا۔ اعلیٰ درجہ اپنی مخلوق میں دیا ہے۔ اور سارے انسان ایک ہی جیسے ہیں۔"

یا ایھا الناس انا خلقنا ------ واحدۃ

تم سب انسان ایک ہی طرح کی مخلوق ہو۔ ایک (اللہ) ہی تم کو پیدا کرنے والا ہے اور تم سب کی پیدائش ایک ہی طرح کی ہے اور تم سب آدم کی اولاد ہو۔ اور آدم کو ہم نے مٹی سے پیدا کیا تھا

آپ کے ان اعلانوں کی وجہ سے ان کے ایوانوں میں زلزلہ آگیا۔ وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سب لوگ آپس میں برابر ہیں۔ اور یہ ہمارے غلام بھی ہماری طرح کے انسان ہیں وہ لوگ جو اپنی طاقت سے لوگوں کے حقوق دبا لیتے تھے ایک انسانی جان کو لے لینا ان کے نزدیک ایک معمولی بات تھی۔ ان کو جب یہ اطلاع دی گئی:۔

کوئی شخص کسی کے حق کو مار نہیں سکتا۔ کوئی شخص قانون سے بالا نہیں۔ جو کسی کے کسی جسم کے حصہ کو نقصان پہنچائے گا ویسا ہی اسے خواہ وہ کتنی بھی بڑی حیثیت و طاقت کا مالک ہو اس کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔

ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے:۔

بنی مخزوم جو اپنے خیال میں اپنے آپ کو دوسروں سے اونچا سمجھتا تھا ان کی ایک عورت نے چوری کا ارتکاب کیا بجائے اس کے کہ وہ لوگ اس کی مذمت کریں اس کو لعن طعن کریں یہ سوچنا شروع کر دیا کہ کوئی اچھی سی سفارش تلاش کرو تاکہ اس عورت کو سزا نہ ملے۔ ورنہ ہمارے خاندان کی ناک کٹ جائے گی۔ ان کو ایک اونچی سفارش مل گئی۔ سفارش حضرت نبی کریمؐ کی خدمت میں گئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ مسجد میں اکٹھے ہو جاؤ۔ لوگ اکٹھے ہو گئے۔ آپؐ کا چہرہ غصہ کی وجہ سے انار کی طرح سرخ تھا۔ حدیث کے الفاظ میں تورم وجھہ کالرمان! اور فرمایا کہ جانتے ہو کہ پہلے کیوں قومیں تباہ ہوتی تھیں۔ وہ اس وجہ سے تباہ ہوتی

تھیں کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تھا تو اس سے مواخذہ نہیں کرتے تھے لیکن اگر کمزور آدمی جرم کرتا تھا تو فوراً اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ پھر فرمایا کہ تم اس عورت کی سفارش کرتے ہو۔

لو سرقت فاطمۃ بنت محمدٍ لقطعت یدھا

اگر میری پیاری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔"

زندگی کا کوئی ایک شعبہ بھی ایسا نہیں تھا جس میں کہ بگاڑ نہ ہو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا۔ ان سب کے بارے میں آپ نے حقیقی تعلیم کوشش کیا۔ اپنا کامل نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جن کے اندر مفاسد اتنی مضبوط جڑیں پکڑ چکے تھے۔ بظاہر ان کا ٹھیک ہونا ناممکن نظر آتا تھا۔ آپؐ نے اپنی قوتِ قدسیہ سے ان کو پاک صاف کر دیا۔ وہ مخلوق جو شرک میں غرق تھی ہر دن کا جدا بت۔ ہر حاجت براری کا الٰہ۔ ان سب معبودان باطلہ سے ان کو پاک و صاف کر دیا عجیب حالت تھی۔ وہ جب سفر پر جاتے تھے تو ایک بت کو ساتھ لے جاتے تھے۔ تاکہ وہ ان کی حفاظت کرے اور ان کو دشمن سے بچائے۔ ایک صحابی رضؓ اپنے حالتِ کفر کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سفر پر گیا۔ ایک بت ساتھ لے گیا۔ میرا پانی ختم ہو گیا پانی رستہ پر ہٹ کر تھا۔ میرے پاس سامان بھی ساتھ تھا۔ میں سامان کے پاس بت کو رکھ کر پانی لینے چلا گیا کہ میرے سامان کی یہ بت حفاظت کرے گا۔ حالتِ اسلام میں فرماتے ہیں کہ جب میں پانی لے کر واپس آیا تو ایک لگڑ بھگڑ میرے بت کے سر پر پیشاب کر رہا تھا۔ فوراً پکار اٹھے کہ یہ کس طرح خدا ہو سکتا ہے۔ اپنے آپ کو تو بچا نہیں سکا۔ مجھے یہ کیا فیض پہنچائے گا۔ یہ میرا کس طرح رب ہو سکتا ہے۔ اپنے آپ کو بچا نہیں سکا مجھے کس طرح بچائے گا لیکن اندازہ لگائیں کہ عمومی حالت کیا تھی۔ آپؐ نے اس مخلوق کو رُو بخدا کیا۔

تاریخ مثال پیش کرنے سے عاجز ہے کہ کس طرح صدیوں کے مُردے دلوں میں زندہ ہو گئے۔ وہ جو اپنی آن پر سب کچھ لٹا دیتے تھے۔ جان دے دیتے تھے۔ لیکن اپنی انا پر آنچ نہ آنے دیتے تھے کیسے سلیم ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کے رعب۔ دبدبہ خاندان اور عزت سے کون واقف نہیں۔ لیکن اسلام نے کیا انقلاب پیدا کیا کہ ایک موقع پر اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اعتق سیدنا ابوبکر سیدنا بلال

ہمارے آقا، سردار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمارے آقا سردار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کروایا تھا۔ اللہ اللہ کتنا بڑا انقلاب پیدا فرمایا۔ یہ وہی بلال ہیں کہ اسلام سے قبل کس کسمپرسی میں تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد ایک لمبا عرصہ آپ اپنے حاکموں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے رہے اور اسلام کی برکت سے فرش سے اٹھ کر عرش تک جا پہنچے۔ آج ان مالکوں کا کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ لیکن حضرت بلال رضؓ کا روضہ دمشق میں ہے۔ ایک کوچہ میں واقع ہے کئی گلیاں گزر کر وہاں جانا پڑتا ہے دمشق میں باہر سے آنے والوں کو جو تعارفی کتابچہ دیا جاتا ہے کہ یہاں پر یہ مقامات دیکھنے کے قابل ہیں۔ سب سے پہلے یہ لکھا ہے کہ یہاں پر حضرت بلال کا روضہ ہے۔ اور جب گلیوں میں سے گزرتے ہیں تو بچے اجنبیوں کو دیکھ کر پوچھتے ہیں:۔

انتم تریدون تزورا روضہ سیدنا بلال

معلوم ہوتا ہے کہ آپ بلال رضؓ کا روضہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس شہر میں نو وارد ہیں۔"

عورت کا تو اسلام سے پہلے کوئی مقام ہی نہیں تھا اسلام نے ان کے خیالات میں ایک زبردست تبدیلی پیدا فرما دی۔ اور خدا کی اس مخلوق کو وہ مقام دیا جس کی وہ حقدار تھی۔ اور پھر ایسا بھی وقت آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ایک دفعہ خطبہ دے رہے تھے۔ آپ نے بعض لوگ جو حد سے بڑھ کر حقِ مہر باندھنے لگ گئے تھے آپ اپنے رنگ میں ان کو خیر الامور اوسطہا کی تلقین فرما رہے تھے۔ ایک خاتون نے بلند آواز سے کہا:۔

اللہ یعطینا و انت تمنعنا۔ اے عمر رضؓ۔ اللہ ہم کو دیتا ہے۔ یعنی قرآن مجید میں اجازت دیتا ہے۔ آپ روکتے ہیں۔ حضرت عمر رضؓ سن کر ہلکا سا تبسم فرماتے ہیں اور گویا ہوتے ہیں۔

ان نساء المدینۃ افقہ من عمر

اب تو مدینہ کی عورتیں عمر سے زیادہ دین جانتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ اور کسی جہت سے دیکھیں ہر رنگ میں آپ کامل طور پر دنیا کے لئے نمونہ ہیں اور آپؐ کا وجود ہر رنگ میں باعثِ برکت ہے۔

عالی مرتبہ نبی

حضرت مجدد زمان فرماتے ہیں:۔

"میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کی انتہا معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ بنی نوع کی ہمدردی سے اس کی جان گداز ہوئی۔ وہی ہے جو سر چشمہ ہر ایک فیض کا ہے۔ توحید حقیقی ہم نے اس نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی ہے۔"

آج ضرورت ہے اس بات کی کہ تمام مسلمانانِ عالم سچے دل سے توبہ کریں اور عہد کریں کہ وہ پاک تعلیم جو حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے اس پر حقیقی طور پر کاربند ہوں گے اور آپؐ کے اسوہ حسنہ کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں گے۔ اور کونوا عباد اللہ اخوانا۔ اے مسلمانو! تم سب آپس میں حقیقی بھائیوں کی مانند بن جاؤ۔ یہ انقلاب اگر مسلمانوں کے اندر پیدا ہو جائے تو مسلمانوں کی یہ زندگی بھی قابلِ رشک ہو گی اور عقبیٰ بھی سنور جائیگا۔

اے میرے مولیٰ آپ ہم پر اپنا فضل نازل فرمائیں اور ہم کو توفیق دیں کہ ہم تیرے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پر چلیں۔ اور تیری رضا کو حاصل کر لیں۔

اللّٰھم آمین

صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم

حسن

رحمتِ یزداں ہادیٔ اعظم صلے اللہ علیہ وسلم
فخرِ رسل سرتاجِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم
مجد و شرف میں اُنکا ثانی کوئی نہیں ہے کوئی نہ ہو گا
ارفع و اعلےٰ افضل و اکرم صلے اللہ علیہ وسلم
ساقیٔ کوثر شافعِ محشر خلق ہوا جن کے لئے عالم
نازاں اُن پر ذرہ ذرہ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم
پوری ہو گئی حق کی حجت ہو گئی ان پر ختم نبوت
ہیں وہی خاتم اور وہی خاتم صلے اللہ علیہ وسلم
موسیٰ عمران عیسیٰ مریم مقتدیوں میں انکے ہیں شامل
ان کی امامت سب پہ مسلم صلے اللہ علیہ وسلم
عرشِ بریں سے فرشِ زمیں تک جلوہ گر انوار ہیں اُنکے
خیرہ ہے جن سے دیدۂ عالم صلے اللہ علیہ وسلم
ان کی شریعت شرعِ مبیں ہے کامل ان کا دینِ مبین ہے
سب پہ فائق سب پہ مقدم صلے اللہ علیہ وسلم
ذاتِ مقدس کانِ مروت، منبعِ احساں آیۂ رحمت
صلے اللہ علیہ وسلم۔ صلے اللہ علیہ وسلم

از:- حضرت مجدّد زمان

رسولِ کریم صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شان

پیکرِ او شد سراسر صورتِ ربِّ رحیم

جناب سیدنا و مولانا سیّد الکل و افضل الرسل حضرت خاتم النبیّین محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لئے ایک اعلےٰ مقام اور برتر مرتبہ ہے جو اسی ذات کامل الصفات پر ختم ہو گیا ہے۔ جس کی کیفیت کو پہنچنا بھی کسی دُوسرے کا کام نہیں چہ جائیکہ وہ کسی اور کو حاصل ہو سکے؛ ؎

شانِ احمد را کہ داند جُز خداوند کریم
آنچناں از خود جُدا شد کز میاں افتاد میم
زاں نمط شد محو دلبر کز کمالِ اتحاد
پیکرِ او شد سراسر صورتِ ربِ رحیم
بوئے محبوب حقیقی می دمد زاں رُوے پاک
ذاتِ حقانی صفاتش مظہر ذاتِ قدیم
گرچہ منسوبم کند کس سوئے الحاد و ضلال
چوں دلے احمد نمے بینم وگر عرشِ عظیم
منت ایزد را کہ من برغم اہل روزگار
صد بلا را میخرم از ذوقِ آں عین النعیم
از عنایات خدا و ز فضلِ آں دادار پاک
دشمن فرعونیانم بہر عشق آں کلیم
آں مقام و رتبتِ خاصش کہ بر من شد عیاں
گفتمے گر دیدمے طبعے دریں راہے سلیم
در رہِ عشق محمد ایں سر و جانم رود
ایں تمنّا ایں دُعا ایں در دلم عزم صمیم

اب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے درجۂ عالیہ کی شناخت کے لئے اس قدر لکھنا ضروری ہے کہ مراتب قُرب و محبّت باعتبار اپنے روحانی درجات کے تین قسم پر منقسم ہیں۔

سب سے ادنیٰ درجہ جو درحقیقت وہ بھی بڑا ہے یہ ہے کہ آتشِ محبّت الٰہی لوحِ قلب انسان کو گرم تو کرے اور ممکن ہے کہ ایسا گرم کرے کہ بعض آگ کے کام اس محرورسے ہو سکیں لیکن یہ کسر باقی رہ جائے کہ اس متاثر میں آگ کی چمک پیدا نہ ہو۔ اس درجہ کی محبت پر جب خدا تعالیٰ کی محبّت کا شعلہ واقع ہو تو اس شعلہ سے جس قدر رُوح میں گرمی پیدا ہوتی ہے اس کو سکینت و اطمینان اور کبھی فرشتہ و ملک کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

دُوسرا درجہ محبّت کا وہ ہے جس میں دونوں محبّتوں کے ملنے سے آتشِ الٰہی لوحِ قلب انسان کو اس قدر گرم کرتی ہے کہ اس میں آگ کی صورت پر ایک چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس چمک میں کسی قسم کا اشتعال یا بھڑک نہیں ہوتی۔ فقط ایک چمک ہوتی ہے جس کو رُوح القدس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تیسرا درجہ محبّت کا وہ ہے جس میں ایک نہایت افروختہ شعلہ محبت الٰہی کا انسانی محبّت کے مستعد فتیلہ پر پڑ کر اس کو افروختہ کر دیتا ہے اور اس کے تمام اجزاء اور تمام رگ و ریشہ پر استیلاء پکڑ کر اپنے وجود کا اتم اور اکمل مظہر اس کو بنا دیتا ہے اور اس حالت میں آتشِ محبت الٰہی لوحِ قلب انسان کو نہ صرف ایک چمک بخشتی ہے بلکہ معًا اس چمک کے ساتھ تمام وجود بھڑک اُٹھتا ہے۔ اور اس کی لوئیں اور شعلے اردگرد کو روز روشن کی طرح روشن کر دیتے ہیں۔ اور کسی قسم کی تاریکی باقی نہیں رہتی۔ اور پورے طور پر اور تمام صفاتِ کاملہ کے ساتھ وہ سارا وجود آگ ہی آگ ہو جاتا ہے۔ اور یہ کیفیت ایک آتش افروختہ کی صورت پر دونوں محبتوں کے جوڑ سے پیدا ہو جاتی ہے اس کو رُوح امین کے نام سے بولتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہر ایک تاریکی سے امن بخشتی ہے اور ہر ایک غبار سے خالی ہے۔ اور اس کا نام شدید القوٰی بھی ہے کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقتِ وحی ہے۔ جس سے قوی تر وحی متصور نہیں اور اس کا نام ذو الافق الاعلیٰ بھی ہے۔ کیونکہ یہ وحی الٰہی کے انتہائی درجہ کی تجلّی ہے اور اس کو رَاٰی مَارَاٰی کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے کیونکہ اس کیفیت کا اندازہ تمام مخلوقات کے قیاس اور گمان اور وہم سے باہر ہے۔

اور یہ کیفیت صرف دنیا میں ایک ہی انسان کو ملی ہے جو انسان کامل ہے جس پر تمام سلسلہ انسانیہ کا ختم ہو گیا۔ اور دائرہ استعداداتِ بشریہ کا کمال کو پہنچا ہے اور وہ درحقیقت پیدائش الٰہی کے خط ممتد کی اعلیٰ طرف کا آخری نقطہ ہے جو ارتفاع کے تمام مراتب کا انتہاہی ہے۔ حکمتِ الٰہی کے ہاتھ نے ادنیٰ سے ادنیٰ خلقت سے اور اسفل سے اسفل مخلوق سے سلسلہ پیدائش کا شروع کر کے اس اعلےٰ درجہ کے نقطہ تک پہنچا دیا ہے جس کا نام دُوسرے لفظوں میں محمّدؐ ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ نہایت تعریف کیا گیا۔ یعنی کمالاتِ تامہ کا مظہر سو جیساکہ فطرت کے رُو سے اس نبی کا اعلےٰ اور ارفع مقام تھا ایسا ہی خارجی طور پر اعلےٰ اور ارفع مرتبہ وحی کا اس کو عطا ہوا اور اعلیٰ و ارفع مقام محبت کا ملا۔ یہ وہ مقامِ عالی ہے اس کا نام مقام جمع اور مقامِ وحدتِ تامہ ہے۔ پہلے نبیوں نے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تشریف آوری کی خبر دی ہے اسی تہ و نشان پر خبر دی ہے اور اسی مقام کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ایسا ہی یہ وہ عالی شان مقام ہے کہ گزشتہ نبیوں نے استعارہ کے طور پر صاحب مقام ہٰذا کے ظہور کو خدا تعالیٰ کا ظہور قرار دے دیا ہے۔ اور اس کا آنا خدا تعالیٰ کا آنا ٹھہرایا ہے جیساکہ حضرت مسیح نے بھی ایک مثال کو پیش کر کے فرمایا ہے کہ انگورستان کا پھل لینے کے لئے اوّل باغ کے مالک نے (جو خدا تعالیٰ ہے) اپنے نوکروں کو بھیجا یعنی ابتدائی قرب والوں کو جس سے مراد وہ تمام صلحا ہیں جو حضرت مسیح کے زمانہ میں اور اسی صدی میں مگر کسی قدر ان سے پہلے آئے۔ پھر جب باغبانوں نے باغ کا پھل دینے سے انکار کیا تو باغ کے مالک نے تاکید کے طور پر اپنے بیٹے کو ان کی طرف روانہ کیا تا اس کو بیٹا سمجھ کر باغ کا پھل اس کے حوالہ کریں بیٹے سے مراد اس جگہ مسیح ہے جن کو دوسرا درجہ قُرب اور محبّت کا حاصل ہے۔ مگر باغبانوں نے اس بیٹے کو بھی باغ کا پھل نہ دیا۔ بلکہ اپنے زعم میں اسے قتل کر دیا۔ بعد اس کے حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ اب باغ کا مالک خود آئے گا یعنی خدا تعالیٰ خود ظہور فرمائے گا تا باغبانوں کو قتل کر کے باغ کو ایسے لوگوں کو دے دے کہ اپنے وقت پر پھل دے دیا کریں۔ اس جگہ خدا تعالےٰ کے آنے سے مراد حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا آنا ہے جو قرب اور محبت کا تیسرا درجہ اپنے حاصل رکھتے ہیں۔

اور یہ سب روحانی مراتب ہیں کہ جو استعارہ کے طور پر مناسب حال الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ نہیں کہ حقیقی ابنیت اس جگہ مراد ہے۔ یا حقیقی الوہیت مُراد لی گئی ہے۔“

(توضیح مرام صد ۲۲ و صد ۲۳)

اخبار احمدیہ

- حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ خیریت سے ہیں احباب سلسلہ انکی صحت و عافیت کے لئے دُعا فرماتے رہیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی حسب دستور دینی و جماعتی خدمات میں دن رات مصروف ہیں۔ احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ جماعت کو اس چراغِ راہ کی روشنی سے دیر تک مستفید فرمائے۔

از:- ابو طاہر عرفانی

سید الانبیاء صاحبِ لولاک صلے اللہ علیہ وسلم

ہر سال میں ایک مہینہ اس فخر موجودات خلاصۂ کائنات، آفتاب فلک سعادت، ماہتاب بُرج ہدایت سید الانبیاء حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ؎

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بو سے میری زباں کے لئے

کی یاد عطر بیز لئے آتا ہے۔ وہ انسان کامل جو ارض وسما کی محفل میں عدیم النظیر اور بے ہمتائی کا مظہر اتم بنا جو دُعائے خلیل بن کر صدیوں تک طالبانِ حق کے دلوں میں چٹکیاں لیتا رہا اور آخر مکہ کی سرزمین سے معلّم کتاب وحکمت بن کر افق رشد وہدایت پر چمکا اور جناب مسیح علیہ السلام کی بشارت مجسم بن کر بھٹکی ہوئی انسانیت کے لئے امن وسلامتی کا شہزادہ بنا۔ چشم فلک آج تک تکمیل انسانیت کی آرزو میں جس وجود مسعود کی منتظر تھی وہ رُخِ انور فاران کی وادی سے ضیاپاش ہوا۔ یہی وہ محبوب رب العالمین ہے۔ جسے لولاک لما خلقت الافلاک کا سہری تاج پہنایا گیا۔ جس کی پذیرائی کے لئے بزم کونین کو آراستہ کیا گیا۔ جس کے اعزاز میں ورفعنا لک ذکرک کے جھنڈے اقصائے عالم میں لہرائے گئے۔ دنیا کا چپہ چپہ اشھد ان محمد رسول اللہ کی رُوح پرور صداؤں سے گونج اٹھا۔ جس پر درود وسلام کے پھول برسانے کے لئے خالقِ ارض وسما نے فرشتوں اور بندگانِ حق کے ساتھ صلوا علیہ وسلموا تسلیما کی محفل سجائی۔ جس کے سجدات نیاز نے کون ومکاں کی رفعتوں کو آپ کے قدموں میں لا ڈالا۔ جو معراجِ انسانیت کی انتہائی بلندیوں سے گزرتا ہوا لامکاں کی سرحدوں تک جا پہنچا اور ثم دنیٰ فتدلیٰ کے اسرار سے ہم آغوش ہوا۔ ؎

محمد است امام وچراغ ہر دو جہاں
محمد است فروزندۂ زمین وزماں

(مجدد زماں)

؎ وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
جہانِ عشق ومستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

(اقبال)

رب العالمین کی صفت رحیمیت کا یہ مظہر اتم رحمۃ للعالمین کے تخت پر سوار بلکتی سسکتی کراہتی انسانیت کے لئے رحمت وشفقت کا پیغام بن کر آیا۔ اور مقہوروں، مظلوموں، یتیموں، مسکینوں، غلاموں اور خاک نشینوں کو ذلت وبے بسی کی پستیوں سے اٹھا کر عظمت اور خودداری کی بلندیوں پر لا بٹھایا۔ آپ نے تکمیل اخلاق کی۔ آپ کا اسوۂ حسنہ بنی نوع انسان کے لئے مشعل ہدایت بن گیا اور خلق عظیم کے رُوح پرور جھونکوں سے اخلاقی ورُوحانی قدروں کو حیات جاویدبخشی۔ آپ کے حسن واحسان کے آبِ حیات نے اسود واحمر کے قلوب کو نئی زندگی عطا کی انسانیت کی قسمت نے پلٹا کھایا، آپ کے ہاتھوں دین اور انسانیت کی تکمیل ہوئی۔ وحی ورسالت کی تکمیل کے بعد انسان کی ذات پر اعتماد بحال کیا گیا۔ اور اسے موقعہ دیا گیا کہ آپ کی کامل اتباع اور ہدایت قرآن کی روشنی میں روحانی ترقی کی منازل طے کرے۔ اور ختم نبوت کے ساتھ نہ صرف رضائے الٰہی کے حصول کی راہ متعین کر دی بلکہ نسل انسانی کے عالمگیر اتحاد کی بنیاد رکھی اور تمام انسانیت کو آپ کے جھنڈے تلے جمع کرنے کا دائمی سامان کر دیا۔

آپ کی ذات بے نظیر قیادت اور کامیابی کے لالہ زاروں میں منفرد نظر آتی ہے۔ آپ انسانیت کی بقاء کا واحد سہارا ہیں آپ نے یتیمی کے عالم میں دُنیا میں آنکھ کھولی۔ لیکن اس دُرِّ یتیم کی آب وتاب سے نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ ظاہری اسباب کے پرستاروں نے آپ کو ابتر اور نامراد ٹھہرایا۔ لیکن ان کا اپنا نام ونشان ہمیشہ ہمیشہ مٹ گیا۔ آپ کے منوّر ودرخشاں نام، آپ کی حیات ابدی اور فیض گستری پر زندہ شاہد ہیں مخالف کی موجیں آپ کے عزم کی چٹان سے ٹکرا کر تحلیل ہوتی رہیں۔ آپ لاغلبن انا ورسلی (میں اور میرا رسول ضرور غالب رہیں گے) کے مصداق دشمنان حق پر غالب رہے۔ قلیل ترین مدت میں مٹھی بھر جاں نثاروں کے ساتھ عرب کی وسعتوں پر چھا گئے۔ اور بے بسی اور گمنامی کی تاریکیوں سے ابھر کر اقوام عالم کو لیظھرہ علی الدین کلہ کا منظر دکھایا۔ بحر وبر سے فسادات کے بادل چھٹ گئے اور دنیا حق وانصاف کی شمیم سے مہک اٹھی صدیوں سے جاگیرداری اور استبداد کے کچلے ہوئے انسانوں کی ذہنی، روحانی اور مادی زنجیروں کو کاٹ ڈالا۔ اور ھلک قیصر ولا قیصر بعدہٗ (قیصر ہلاک ہوا اور اب کوئی قیصر نہیں آئے گا) ھلک کسریٰ ولا کسریٰ بعدہٗ (کسریٰ ہلاک ہو گیا اور اب کوئی کسریٰ نہیں آئے گا) کا مژدہ جانفزا سنا کر اپنے ماحول کو ملوکیت اور اس کے مضر اثرات سے پاک کر دیا۔ اور انسان کو پہلی بار روشن وتابندہ مستقبل نظر آیا ؎

باسیاہ فاماں ید بیضا کہ داد
مژدۂ لا قیصر وکسریٰ کہ داد

عرب کے سیاہ رنگ لوگوں کو ید بیضا کس نے دیا؟ اور کس نے قیصر وکسریٰ کی ہلاکت کی خوش خبری دی۔ اس نیلی چھت کے نیچے وہ کون ذات ہے۔ جس نے ملوکیت کے عفریت کا سر کچلا اور دیو استبداد کو پاؤں تلے روندا۔ جس نے ۲۳ سال کی قلیل مدت اور بے سروسامانی کی حالت میں ایک عظیم سلطنت کی طرح ڈالی۔ دنیا کو ایک پائیدار آئین دیا۔ اخلاقیات اور روحانیات کا ایک محکم حکیمانہ اور ہمہ گیر ضابطۂ حیات عطا کیا۔ تہذیبی وسیاسی مرکزوں سے دور صحرانشینوں کو جہانگیری اور جہانبانی کے آداب واصول سکھائے۔ کہنہ اخلاقی امراض دور کئے۔ اور صدیوں کی شراب نوشی، جوا بازی، بدکاری، ڈاکہ زنی۔ دختر کشی اور خانہ جنگی کی پشتینی عادات کو ابرو کے ایک اشارے سے آنِ واحد میں حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔ آپ کی قوتِ قدسی سے نفسِ امارہ کے سپرد اخلاق وروحانیت کے معلّم بن گئے۔ آپ نے علم وحکمت کے چراغ روشن کئے۔ علوم وفنون کے سوتوں سے انسانیت کی کشتِ ویراں کی آب یاری کی۔ پسی ہوئی اقوام عالم کو عدل ومساوات، اخوت اور حریت سے بہرہ ور کیا۔ آزادیٔ فکر ونظر بخشی، انسان کی عظمت کا درس دیا۔ اقوام عالم کی آسمانی کتب اور پیغمبروں کی تعظیم کو جزو ایمان قرار دیا۔ کچلی ہوئی نسوانی دنیا کو مرد کے پہلو بہ پہلو کھڑا کیا۔ محمود وایاز کو ایک ہی رشتہ اخوت میں منسلک کر دیا۔ بلال حبشیؓ، سلمان فارسیؓ اور صہیب رومیؓ ایسے غلاموں اور اسامہ بن زیدؓ غلام زادہ کو عرب کے متکبر ومغرور نسب پرست سرداروں کا آقا اور سپہ سالار بنا دیا۔ شہنشاہ ہو کر فقیرانہ زندگی بسر کی۔ مسند خسروی پہ لیٹنے اور چٹائی کو فضیلت دی۔ رحمت خداوندی کے دروازے انسانیت پر کھول دیئے۔ اور جب دس سال کی جانکاہ اور خون آشام جنگوں کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے خونخوار دشمنوں پر غلبہ پایا اور فاتحانہ مکّہ کے دار الامن میں داخل ہوئے تو زبان پر تسبیح وتحلیل تھی، پیشانی جھک کر اونٹ کی گردن سے چھو رہی تھی۔ دشمن اپنے اعمال سے خائف اور اُمید وبیم اور خوف ورجا کی کشمکش میں مبتلا تھا تو رحمتِ عالم نے دُنیا کے فاتحوں کے برعکس "آج تم سب آزاد ہو" کے زندگی بخش الفاظ میں عام معافی کا اعلان فرمایا۔ ؎

آں ترحمہا کہ خلق از وے بدید
کس ندید اندر جہاں از مادرے

ترجمہ:- جو رحمت خلقت نے آپؐ سے دیکھی وہ کسی نے اپنی ماں سے بھی نہیں دیکھی۔

آسمان سے یہ کس کی شان میں آواز آرہی ہے" اے میرے محبوب نبی! ہم نے تجھے شاہد، مبشر، نذیر، حق کی طرف دعوت دینے والا اور روشن کرنے والا آفتاب بنا کر بھیجا"

"اے رحمت للعالمین، اے مشکوٰۃ ہدایت، اے نور مجسّم، پیکر جود وکرم، حامل خلقِ عظیم، اسوۂ حسنہ صاحب قاب قوسین، رازدارِ

ءء کے لئے مٹ گیا اور آج آپ کے لاتعداد روحانی فرزند۔ اولیا اللہ۔ تو نے اکلھا کل حسین کے شیریں۔۔

منزل اسریٰ"۔۔۔ فرشتوں کے سردار جبریل علیہ السلام کی صدا فضا میں گونج گئی۔ مقام محمد امیری وہاں تک رسائی کہاں؟

اگر یک سر موئے برتر پرم + فروغ تجلی بسوزد پرم
جلتے ہیں جبریل کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تمہیں تو ہو

یہ حوروں سے بڑھ کر معصوم اور پیاری بچیوں کی شیریں آواز فضا میں کیا شہد گھول رہی ہے۔ یہ تو مدینے کے انصار کی جگر گوشہ ہیں جو اپنے پیارے نبیؐ کو خوش آمدید کہہ رہی ہیں۔ ؎

طلع البدر علینا
من ثنیات الوداع
ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب
چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا
وجب الشکر علینا
ما دعا للہ داع
کیسا عمدہ دین ہے تعلیم ہے
شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا
ایہا المبعوث فینا
جئت بالامر المطاع
ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی
بھیجنے والا ہے تیرا کبریا

شمع رسالت کے یہ پروانے خندق کھودتے ہوئے کیا الاپ رہے ہیں ؎

نحن الذین بایعوا محمداً + علی الجہاد ما بقینا ابداً

ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر زندگی بھر جہاد کی بیعت کر رکھی ہے)

یہ خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہراؓ رطب اللسان ہیں ؎

ماذا علی من شم تربت احمدا
ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

"جس نے احمدؐ کی قبر کی مٹی سونگھ لی وہ ہمیشہ کے لئے خوشبو سے بے نیاز ہو گیا۔"

پاس ہی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے الفاظ کان میں گونج رہے ہیں دریغ! وہ نبیؐ جس نے فقر کو غنا پر اور مسکینی کو تونگری پر ترجیح دی جو عاصی امت کی فکر میں کبھی پوری رات آرام سے نہ سویا جس کے بر و احسان کے دروازے ارباب فقر و احتیاج پر کبھی بند نہ ہوئے ۔۔۔۔ اور یہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں جن کا یہ نغمہ نوائے جبریل کے ہم آہنگ ہو کر مدینہ کی فضاء کو معطر و معتبر کر رہا ہے۔

شبیہک بدر اللیل بل انت انور
و وجہک من ماء الملاحۃ ازہر
فیا زینۃ الدنیا ویا غایۃ المنیٰ
فمن ذا الذی عن وجہک یبصر
فما ولدت حواء من صلب آدم
ولا یجتبان الخلد مثلک آخر

"آپ کا روئے مبارک بدر کامل کی مانند بلکہ اس سے بھی روشن تر ہے اور آپ کا چہرہ حسن صبح سے تاباں تر ہے۔ اے دنیا کی زینت اور تمناؤں کی غایت کون ہے جو آپ کے روئے انور کی طرف نگاہ اٹھا سکے۔ حوا نے آدم کی صلب سے تجھ کو جیسا کوئی نہیں جنا اور نہ ہی دائمی جنت میں تیری کوئی نظیر ہے۔"

اور ایک دوسرے مقام پر یوں نغمہ سنج ہوا۔

"اور تجھ سے حسین میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور تجھ سے جمیل کوئی خاتون نہیں جن سکی۔ تجھے ہر عیب سے مبرا پیدا کیا گیا گویا کہ جس طرح آپ نے چاہا ویسے ہی پیدا ہو گئے۔"

اور جب یہ سراجاً وہاجاً فکر انسانی کی پہنچ سے بلند تر ہو کر عظمتوں کی پنہائی میں اوجھل ہو گیا تو شمع رسالت کا یہ پروانہ بے قرار ہو کر پکار اٹھا۔

"آپ میری آنکھ کی پتلی تھے۔ پس میری آنکھ آپ کی وفات پر اندھی ہو گئی۔ اب جو چاہے مرے مجھے تو آپ کی موت کا ہی ڈر تھا۔"

اور امت مسلمہ میں کتنے حسان بن ثابت تھے جنہوں نے اس توصیف سے بالاتر ذات کی مدح و ستائش نعت و منقبت کو اپنے لئے ذریعہ نجات دنیوی و اخروی یقین کیا اور سب کچھ لکھنے کے باوصف عاجز ہو کر قلم ڈال دیئے۔

حریف نعت پیمبر سخن نہیں حالی
کہاں سے لایئے اعجاز اس بیاں کے لئے

یہ دیکھئے گلشن شیراز کا طوطی شیریں مقال، شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ۱۲۰ سال کی عمر تک حضور آیۂ رحمت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں نغمہ سنج رہا اور یہ کہنے کے باوجود کہ:-

یا صاحب الجمال ویا سید البشر۔ من وجہک المنیر لقد نور القمر

"اے پیکر حسن و جمال، اے بنی آدم کے سردار آپ کے منور چہرے سے چاند نے نور پایا۔"

لیکن الفاظ نے جذبات و احساسات کا ساتھ نہ دیا تو بے بسی کا یوں اظہار کیا:- ؎

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ کی کما حقہٗ ثنا ناممکن ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ خدا کے بعد آپؐ ہی سب سے بزرگ ہیں۔

لا یمکن الثناء کے الفاظ احسن تقویم کی رفعت شان اور شیخ موصوف کے عجز کے غماز ہیں۔

ادھر امیر خسروؒ ۔۔۔ اگر بادۂ معرفت کی سرمستیوں میں ۔۔۔

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمدؐ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

کے نظارے ہیں دربار خداوندی میں امام الانبیاء کے مقام سے پردہ کشائی کرتا ہے تو دوسری طرف مولانا جامی پکار اٹھتے ہیں۔ ؎

وصلی اللہ علی نورٍ کزو شد نورہا پیدا
زمیں از حب او ساکن، فلک در عشق او شیدا
ازو در ہر تنے ذوقے وزو در ہر دلے شوقے
ازو در ہر زباں ذکرے وزو در ہر سرے سودا
محمدؐ، احمدؐ و محمود وے را خالقش بستود
ازو شد جود ہر موجود زو شد دیدہ ہا بینا
ز سر سینہ اش جامی الم نشرح لک برخواں
ز معراجش چہ می خوانم کہ سبحان الذی اسریٰ

"اللہ تعالیٰ اس نور پر رحمتیں برسائے۔ اس سے نور کے سوتے پھوٹے۔ زمین اس کی محبت سے ساکن ہے۔ اور آسمان اس کے عشق میں دیوانہ ہے۔ اس کی بدولت ہر تن میں ذوق اور ہر دل میں شوق موجزن ہے۔ اس کی وجہ سے ہر زبان پر ذکر اور ہر سر میں محبت کا جنون ہے۔ خدا نے اس کی محمدؐ، احمدؐ اور محمود کے نام سے پکار کر تعریف کی ہے۔ اس کی بدولت سخاوت کا وجود اور آنکھوں کا نور ہے۔ اے جامی اگر تو اس کے سینہ کے بھیدوں کو جاننا چاہتا ہے تو الم نشرح لک کے الفاظ پڑھ اور میں اس کے معراج کا کیا ذکر کروں اس پر سبحان الذی اسریٰ کے الفاظ شاہد ہیں۔"

شاہجہان کا دربار لگا ہوا ہے۔ شاہی دربار میں مصاحب اپنے اپنے منصب کے مطابق درجہ بدرجہ رونق افروز ہیں۔ بادشاہ کی اجازت سے ملک الشعراء قدسی مجرا بجا لاتے ہیں اور یوں رطب اللسان ہوتے ہیں:- ؎

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی
نسبتے خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی
شب معراج عروج تو ز افلاک گزشت
بہ مقامیکہ رسیدی نرسید ہیچ نبی
نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی
بر در فیض تو استادہ بصد عجز و نیاز
رومی و طوسی و ہندی، یمنی و حلبی

"اے مکیؐ مدنی عربیؐ مرحبا! میرے جان و دل آپ پر فدا ہوں آپ کا لقب کیا ہی پیارا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم

کے کوچہ کے کتّے سے نسبت دی ہے۔ اور میں بہت نادم ہوں کیونکہ آپ کے کوچے کے کتّے سے نسبت دینا بھی بے ادبی ہے۔ معراج کی رات آپ بلندی میں افلاک سے گزر گئے جس مقام پر آپ پہنچے کوئی نبی نہیں پہنچا۔ مدینہ کے باغ کا نخل تا ابد سرسبز ہے۔ اور اس وجہ سے اس کا شیریں ثمر دنیا میں مشہور ہے۔ آپ کے در فیض پر رومی طوسی۔ ہندی۔ یمنی اور حلبی سب دست بستہ کھڑے ہیں۔ اپنے محبوب نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تعریف سن کر شاہجہان جھوم اُٹھا اور بار بار قدسی کا منہ موتیوں سے بھرا، اسی دور میں شاہ ابو المعالی نے اپنے عجز کا یوں اظہار کیا۔

درثنائے ذاتِ پاکت می شود عاجز زباں
زانکہ ہر وصفیکہ گویم تو از آں بالاتری

اور قدسی و ابوالمعالی ہی کیا، کون ہے جو اس محبوب خالق ارض و سما کا مدح سرا نہیں۔ اسد اللہ خاں غالب اس گلِ حسن وخوبی کی دلفریبیوں سے حیران ہو کر پکار اُٹھتا ہے ؎

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمدؐ است
آرے کلامِ حق بہ زبانِ محمدؐ است
آئینہ دار پرتو مہر است ماہتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمدؐ است
واعظ حدیث سایہ طوبیٰ فرو گذار
کاینجا سخن ز سرو روانِ محمدؐ است
غالب ثنائے او بہ یزداں گذاشتیم
او قدر و منزلت ہمہ دانِ محمدؐ است

"اللہ تعالےٰ کا جلوہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان سے ظاہر ہے۔ اور خدا کا کلام سرور دو عالم کی زبان میں ہے جیسا کہ مولانا روم نے فرمایا :۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

پھر غالب کی نظر میں جس طرح چاند سورج کے حسن کا آئینہ دار ہے اسی طرح اللہ تعالےٰ کی شان سیرت محمدیہ میں جلوہ گر ہے۔ اے واعظ تو شجر طوبیٰ کے ذکر کو چھوڑ اور میرے سرو قد حبیبؐ کا حال بیان کر، اے غالب ہم نے اپنے آقا کی تعریف خدا پر چھوڑ دی ہے۔ کیونکہ اس ذات پاک کے سوا آپؐ کے مرتبہ کو کوئی کماحقہٗ نہیں جان سکتا۔

اور یہ ہیں سرسید احمد رحمۃ اللہ علیہ
کا سرمایہ یوں پیش کرتے ہیں :۔

خدا دارم دلے بریاں ز عشق مصطفےٰ دارم
ندارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم

میں خدا رکھتا ہوں اور مصطفےٰ کے عشق کی آگ میں جلا ہوا دل رکھتا ہوں۔ کسی کافر کے پاس وہ سامان نہیں جو میرے پاس ہے۔

سرسید احمد کے قریب ہی مولانا حالی رطب اللسان ہیں :۔

بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دو جہاں کے لئے
سخن زباں کے لئے اور زباں دہاں کے لئے
وہ پھول جس سے ہوئی سعیٔ باغباں مشکور
رہی نہ آمد و رفتِ چمن خزاں کے لئے
اسی کا دیں ہے کہ ہے گلشن ہمیشہ بہار
وگرنہ ہر گل و گلزار ہے خزاں کے لئے
حریفِ نعتِ پیمبر نہیں سخن حالیؔ
کہاں سے لایئے اعجاز اس بیاں کے لئے

پھر انہیں جذبات کا اظہار ان کے ہم عصر محسن کاکوروی نے کن حسین الفاظ میں بیان فرمایا ہے :۔

سخن کو رتبہ ملا ہے مری زباں کے لئے
زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لئے
ازل سے چن لئے خالق نے رنگ رنگ درود
بجائے لعل و گوہر تیرے ارمغاں کے لئے
نہ دی کبھی تیرے عارض کو مہر سے تشبیہہ
رہا یہ داغ قیامت تک آسماں کے لئے
سوائے آئینۂ جلوۂ شہِ لولاک
نہ تھا محل کوئی تصویرِ کن فکاں کے لئے

مداحانِ گلشنِ حسن وخوبی کی صف میں ہماری نظر آپؐ کے سب سے بڑے قصیدہ گو حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ پر آ کر رک جاتی ہے لیکن یہ کیا ؟ "شانِ احمد را کہ داند جز خداوند کریم" ؟ عجز کا اظہار :۔

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی و عطّار ہم مست

اس میخانے میں تنہا میں ہی مست نہیں ہوں۔ جنید۔ شبلی اور عطّار بھی مست ہیں۔

آدمی زاد تو کیا چیز فرشتے بھی تمام
مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے

یہ کس عاشق خستہ جان کی آواز ہے :۔

حسنِ رویش بہ ز ماہ و آفتاب
خاک کویش بہ ز مشک و عنبرے
یک نظر بہتر ز عمر جاوداں
گر فتد کس را براں خوش پیکرے
جائے او جائے کہ طیرِ قدس را
سوزد از انوار آں بال و پرے

—

حسن روئے او بہ از صد آفتاب و ماہتاب
خاک کوئے او بہ از صد نافۂ مشکِ تتار
خوشتر از دورانِ عشق تو نباشد ہیچ دور
خوبتر از وصف و مدح تو نباشد ہیچ کار
صد ہزاراں یوسفے بینم دریں چاہِ ذقن
واں مسیح ناصری شد از دم او بے شمار
زندگانی چیست جاں کردن براہ تو فدا
رستگاری چیست در بند تو بودن صید وار

آپ کے چہرے کا حسن چاند اور سورج سے زیادہ ہے۔ اور آپ کے کوچے کی خاک مشک وعنبر سے بڑھ کر ہے۔

اگر کسی کی نظر اس حسین چہرے پر پڑ جائے تو وہ ہمیشہ کی زندگی سے بہتر ہے۔

اس کا مقام وہ مقام ہے۔ کہ حریم قدس کے طائر کے پر بھی وہاں آپ کے انوار سے جل جاتے ہیں۔

آپ کے چہرے کا حسن سو قمر و سورج سے بہتر ہے۔ اور آپ کے کوچے کی خاک سو تاتار کے مشک نافہ سے عمدہ تر ہے۔

آپ کے عشق و محبّت کے دور سے بہتر کوئی دور نہیں۔ اور آپ کے اوصاف کی مدح سے زیادہ اچھا اور کوئی کام نہیں۔

اس کے چاہ ذقن میں ہزاروں یوسف نظر آتے ہیں اور آپ کے دم سے بے شمار بندگانِ حق مسیح ناصریؑ کے مرتبہ کو پا گئے۔

زندگانی کیا ہے۔ تیرے راستے میں جان قربان کر دینا اور آزادی کیا ہے۔ شکار کی طرح تیری قید میں اسیر ہونا۔

"برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے۔"

اور پھر اپنی کوتاہی بیان کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا :۔

چوں زمن آید ثنائے سرورِ عالی تبار
عاجز از مدحش زمین و آسمان و ہر دو دار

اہل دل نے آپ کی مدح و ثنا میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس محبوب رب العالمین کے بحرِ اوصاف کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ ذرہ حقیر آفتاب جہاں تاب کے بے پایاں نور کی حقیقت کو کب جان سکتا ہے ؟ اور ایک قطرہ بحرِ بے کراں کی اتھاہ گہرائیوں سے کہاں تک آشنائی کا دم بھر سکتا ہے۔ خدایا تو اس قطرے کو بحرِ رسالت کی آغوش میں آسودگی و سکون بخش اور اس ذرے کو نورِ آفتاب نبوت کے فیض سے مستنیر فرما اور حیات مستعار کو اس مظہر صفات خداوندی کی مدح و ستائش میں بسر کرنے کی توفیق بخش۔

این است کام دل گر آید میسّرم

اللّٰھم صلّ علےٰ سیدنا محمد
وعلےٰ آلِ سیدنا محمد وبارک
وسلّم

* * *

مظہرے نورے کہ پنہاں بود از عہدِ ازل

چوں زمن آید ثنائے سرورِ عالی تبار
عاجز از مدحش زمین و آسمان و ہر دو دار
آں مقامِ قُرب کو دارد بدلدارِ قدیم
کس نداند شانِ آں از واصلانِ کردگار
سرورِ خاصانِ حق شاہِ گروہِ عاشقاں
آنکہ روحش کرد طے ہر منزلِ وصلِ نگار
از ہمہ عالم فزوں تر درہمہ نوعِ کمال
آسماں ہا پیشِ اوجِ ہمّتِ او ذرّہ وار
مظہرے نُورے کہ پنہاں بود از عہدِ ازل
مطلعِ شمسے کہ بود از ابتدا در استتار
حسنِ روئے او بہ از صد آفتاب و ماہتاب
خاکِ کوئے او بہ از صد نافۂ مشکِ تتار
ہست او از عقل و فکر و وہمِ مردم دور تر
کے مجالِ فکر تا آں بحرِ ناپیدا کنار
زندہ آں شخصے کہ نوشد جرعہ از چشمہ ات
زیرک آں مردے کہ کرد است اتباعت اختیار
عارفاں را منتہائے معرفت علمِ رُخت
صادقاں را منتہائے صدق بر عشقت قرار
یا نبی اللہ توئی خورشیدِ رہ ہائے ہدیٰ
بے تو نارد رُو براہے عارفِ پرہیزگار
یا نبی اللہ لبِ تو چشمۂ جاں پرور است
یا نبی اللہ توئی در راہِ حق آموزگار
یا نبی اللہ فدائے ہر سرِ موئے تو ام
وقفِ راہِ تو کنم گر جاں دہندم صد ہزار
راغب اندر رحمتت یا رحمت اللہ آمدیم
اے کہ چوں ما بر درِ تو صد ہزار اُمیدوار
یا نبی اللہ نثارِ روئے محبوبِ تو ام
وقفِ راہت کردہ ام ایں سر کہ بر دوش است بار
بینم انوارِ خُدا در روئے تو اے دلبرم
مستِ عشقِ روئے تو بینم دلِ ہر ہوشیار

خوشتر از دورانِ وقتِ تو نباشد ہیچ دور
خوب تر از وصف و مدحِ تو نباشد ہیچ کار

(حضرت مجدد صد چہار دہم)

از:۔ چوہدری شکراللہ خان منصور (ایڈووکیٹ)

حضور خاتم النبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم

قرآن حکیم میں اللہ تعالٰے نے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "خاتم النبیین" قرار دیا جس سے ختم نبوّت اسلام کا بنیادی عقیدہ قرار پایا۔ اور مسلمان کہلانے والا ہر شخص اس عقیدہ کو اپنا جزو ایمان یقین کرتا ہے۔ آیت مقدسہ موصوفہ قرآنی کے الفاظ یہ ہیں:۔

"ماکان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیّین"

یعنے محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں مگر اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے۔

قرآن کریم میں نبیوں اور رسولوں کا بہت ذکر ہے۔ اللہ تعالٰے نے آیت موصوفہ میں آنحضرت صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو پہلے "رسول" کہا اور پھر خاتم النبیّین قرار دیا۔ حالانکہ بلحاظ سیاق عبارت خاتم المرسلین کہا جانا چاہیئے تھا۔ اللہ تعالٰے کی طرف سے الفاظ کے اس ترک واختیار سے دو باتیں لازماً مترشح ہوتی ہیں۔

۱۔ نبی اور رسول کے الفاظ میں اللہ تعالٰے کے نزدیک ضرور کوئی فرق ہے۔

۲۔ آیت موصوفہ میں الفاظ کے اس ترک و اختیار میں اللہ تعالٰی کی ضرور کوئی حکمت ہے۔

کیونکہ اللہ تعالٰے علیم وحکیم ہے۔ اس کی کوئی بھی بات حکمت سے خالی نہیں ہو سکتی۔ اس فرق کے اظہار کے لئے علماء کی طرف سے نبی اور رسول کی مندرجہ ذیل تعریفیں میری نظروں سے گزری یا سننے میں آئی ہیں

۱۔ رسول وہ فرد کامل ہے جو نئی شریعت لائے اور نبی وہ جو نئی شریعت نہ لائے۔ یعنے ان دونوں میں نئی شریعت لانے یا نہ لانے کا فرق ہے۔

۲۔ رسول وہ فردِ کامل ہے جس کے ذریعے قوم پر بوجہ انکار عذاب شدید نازل ہو اور نبی وہ جو ایسے عذاب شدید کا موجب نہ ہو یعنے ان دونوں میں عذاب شدید کے نزول یا عدم نزول کا فرق ہے

رسول اور نبی کی مختلف تعریفوں میں یہ دوسرا نظریہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے ان لیکچروں کے سلسلہ میں سے ایک لیکچر میں بیان کیا جو گزشتہ دنوں انہوں نے ٹیلی ویژن پر سنائے تھے اور تو پہلے سے مشہور ہے جو کئی علماء اپنی تحریروں میں لکھتے رہے ہیں۔ چنانچہ غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی ایک کتاب بعنوان "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" میں اپنی صریح غلطی اور لاعلمی سے یہ نظریہ جماعت احمدیہ لاہور کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ اس جماعت کا یہ نظریہ قطعاً نہیں۔ بلکہ ایسے بعض علماء کا ہے جو احمدی نہیں ہیں۔

اس لئے ان تعریفوں کا بالفاظِ دیگر یہ مطلب ہوگا کہ:۔

"ہر رسول نبی نہیں ہوتا اور ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔"

اور ان تعریفوں کے اس مطلب کی رُو سے آیت موصوفہ کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ

"نبیوں کا آنا تو ختم ہوگیا مگر رسولوں کا آنا ختم نہیں ہوا۔"

بالفاظِ دیگر یہ کہ ایسے افراد کا آنا ختم ہوگیا جو نئی شریعت یا عذاب شدید لانے کا موجب نہ ہوں۔ مگر ایسے افراد کا آنا ختم نہیں ہوا جو نئی شریعت یا عذاب شدید لانے والے ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ نتیجہ بالکل غلط۔ نہایت خطرناک اور ناقابلِ قبول ہے۔

حکمت کیا ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالٰے کی طرف سے آیت موصوفہ میں آنحضرت صلعم کو رسول کہنے کے بعد خاتم المرسلین کی بجائے خاتم النبیّین قرار دینے میں ضرور کوئی حکمت ہے لیکن نبی و رسول کے مابین متذکرہ بالا فرق اور تعریفوں کے اندر کوئی حکمت نہیں ہے۔ حکمت تو درکنار ان کا صحیح ہونا ہی ایک امر محال ہے۔ اور جو امر مستلزم محال ہو وہ بھی محال ہوتا ہے۔ اس پر سوال پیدا ہوگا کہ پھر حکمت کیا ہے؟

اس حکمت کو سمجھنے کے لئے انسان کو اپنے متعصبانہ خیالات سے خالی الذہن ہو کر انصاف کے ساتھ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم میں ایسے انسانوں کے لئے بھی لفظ رسول استعمال کیا گیا ہے جو نبی نہ تھے مثلاً:۔

۱۔ عیسٰے بن مریم علیہ السلام کے حواریوں کی نسبت ہے:۔

فقالوا انا الیکم مرسلون

۲۔ عزیز مصر نے جو قاصد قید خانہ میں حضرت یوسف کے پاس بھیجا اس کے متعلق قرآن کریم میں ہے۔

فلمّا جاءہ الرسول

اس سے ثابت ہے کہ ہر رسول نبی نہیں ہوتا بلکہ ہر نبی رسول ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالٰے کی طرف سے مبعوث و مامور کیا جاتا ہے۔ اور رسول کا لفظ بالفاظِ دیگر "بھیجا ہوا" ہونے کے لحاظ سے "مامور" کے معنے رکھتا ہے۔ اور قرآن کریم کی رُو سے ختم نبوت کے بعد "غیر نبی ماموروں" کا دنیا میں آنا ممنوع نہیں ہے۔ بلکہ ایسے افراد کے آنے کا مسلمانوں کو وعدہ دیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

"وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم"

یعنے اللہ تعالٰے وعدہ کرتا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائیں گے اور اعمال صالح بجا لائیں گے کہ ان کو دنیا میں اسی طرح خلیفے بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے لوگوں کو بنایا گیا۔ اب پہلے لوگوں پر ہم نظر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ انہیں دو طرح کے خلیفے بنایا گیا:۔

۱۔ مادی طور پر یعنی حکمران و بادشاہ

۲۔ روحانی طور پر یعنی مرسلین و انبیاء

لہٰذا یہ دونوں طرح کے خلیفے امت محمدیہ میں بھی بنائے جانے کا اللہ تعالٰے کا وعدہ ہے۔ یعنے (۱) حکمران اور (۲) مامور۔ اور چونکہ نبوت ختم ہوگئی ہے بوجہ خاتم النبیّین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے آجانے سے اس لئے امت محمدیہ میں آنے والے مامور نبی نہیں ہونگے بلکہ غیر نبی ہوں گے اور چونکہ زبان عربی کی رُو سے مامور کو بالفاظ دیگر رسُول یا مرسل کہا جاتا ہے لہٰذا اللہ تعالٰے نے آیت موصوفہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے رسول کہہ کر پھر خاتم النبیّین قرار دیا۔ خاتم المرسلین قرار نہیں دیا۔ کیونکہ گویا:۔

"ایسے رسولوں کا آنا ختم کر دیا گیا تھا جو نبی بھی ہوں۔" مگر ایسے ماموروں کا آنا ممنوع نہیں کیا گیا تھا جو غیر نبی ہوں۔

پس یہی وہ حکمت تھی جو اللہ تعالٰے کے ارشاد یعنے آیت خاتم النبیّین موصوفہ میں الفاظ کے ترک و اختیار میں ملحوظ تھی۔ بہت سے لوگ شاید میری اس بات سے اختلاف کریں لیکن ضرورت انصاف اور حق طلبی کے ساتھ غور و فکر کرنے کی ہے۔

ہدیۂ نعت

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمدؐ است
دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش
در ہر مکاں فدائے جمالِ محمدؐ است
ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم
یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است
ایں آتشم ز آتشِ مہرِ محمدی است
ویں آبِ من ز آبِ زلالِ محمدؐ است

(حضرت بانی سلسلہ احمدیہ)

* * *

بہتر زگمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے

(مجددؒ زمان)

محمدؐ است امام و چراغ ہر دو جہان + محمدؐ است فروزندۂ زمین و زمان
خدا نگویمش از ترس حق مگر بخدا + خدا نماست وجودش برائے عالمیان

پس میں ہمیشہ تعجب کی نگہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود و سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبیؐ ہے اسکے مقام کا انتہاء معلوم نہیں ہو سکتا اور اسکی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اسکے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اسکو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع انسان کی ہمدردی میں اسکی جان گداز ہوئی اسلئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اسکو تمام انبیاء اور تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اسکی مرادیں اسکی زندگی میں اسکو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر افاضہ اسکے کسی فضیلت کا دعوٰی کرتا ہے وہ انسان نہیں ذریتِ شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اسکو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے ہم کافر نعمت ہونگے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اسی نبیؐ کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبیؐ کے ذریعہ سے اور اُس کے نور سے ملی اور خدا کے مکالمات و مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبیؐ کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے۔ ---

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سب انبیاء سے بڑھ کر، سب سے افضل اعلیٰ اکمل، ارفع، اجلیٰ اور اصفیٰ ہیں

(مجددِ زمان)

چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنی پاک باطنی و انشراح صدری و عصمت و حیا و صدق و صفا و توکل و وفا اور عشق الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھکر اور سب سے افضل و اعلیٰ و اکمل و ارفع و اجلیٰ و اصفیٰ تھے اس لئے خدائے جلّشانہ نے ان کو عطرِ کمالاتِ خاصہ سے سب سے زیادہ معطر کیا اور وہ سینہ اور دل جو تمام اولین و آخرین کے سینہ و دل سے فراخ تر و پاک تر و معصوم تر و روشن تر و عاشق تر تھا وہ اسی لائق ٹھہرا کہ اس پر ایسی وحی نازل ہو کہ جو تمام اولین و آخرین کی وحیوں سے اقویٰ و اکمل و اتم ہو کر صفاتِ الٰہیہ کے دکھانے کے لئے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو۔ سو یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف ایسے کمالاتِ عالیہ رکھتا ہے جو اس کی تیز شعاعوں اور تیز کرنوں کے آگے تمام صحف سابقہ کی چمک کالعدم ہو رہی ہے کوئی ذہن ایسی صداقت نکال نہیں سکتا جو پہلے ہی سے اس میں درج نہ ہو کوئی فکر ایسی برہان عقلی پیش نہیں کرسکتا جو پہلے ہی سے اس نے پیش نہ کی ہو کوئی تقریر ایسے قوی اثر کو دل پر ڈال نہیں سکتی جیسے قوی اور پُر برکت اثر لاکھوں دلوں پر وہ ڈالتا آیا ہے۔ وہ بلاشبہ صفاتِ کاملہ حق تعالیٰ کا ایک نہایت مصفّٰی آئینہ ہے جس میں وہ سب کچھ ملتا ہے جو ایک سالک کو مدارجِ عالیہ تک پہنچنے کیلئے درکار ہے

القصیدۃ

فی مدح حضرت سید الکونین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

از حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ

یا عین فیض اللہ والعرفان   لیسعی الیک الخلق کالظمآن
اے اللہ تعالیٰ کے فیض اور عرفان کے سرچشمے   تمام مخلوق تیری طرف پیاسے کی طرح دوڑ رہی ہے

یا بحر فضل المنعم المنان   تہوی الیک الزمر بالکیزان
اے خدائے منعم و محسن کے فضلوں کے سمندر   تمام لوگ تیری طرف آبخورے لئے چلے آ رہے ہیں۔

یا شمس ملک الحسن والاحسان   نورت وجہ البر والعمران
اے ملک حسن و احسان کے سورج   تُو نے خشکی اور تری دونوں کو روشن کر رکھا ہے

قوم رأوک وامۃ قد اخبرت   من ذالک البدر الذی اصبان
بہت سے لوگوں نے تیرا دیدار کیا اور بہتوں نے اس بدر کامل کے متعلق خبریں دیں جس نے مجھے اپنا عاشق بنالیا

یبکون من ذکر الجمال صبابۃ   وتألما من لوعۃ الہجران
جب تیرے جمال کا ذکر ہوتا ہے تو وہ عشق اور آتش فراق کے درد کی وجہ سے روتے ہیں

یا من غدا فی نورہ وضیائہ   کالنیّرین ونور الملوان
اے وہ مرد خدا جو اپنے نور اور روشنی میں سورج اور چاند کی مانند ہے بلکہ اس نے دو جہانوں کو روشن کر رکھا ہے ؛

یا بدرنا یا آیۃ الرحمٰن   اہدی الہداۃ واشجع الشجعان
اے ہمارے چودھویں کے چاند! اے نشانِ رحمٰن   بے شک تو سب ہادیوں کا ہادی اور بہادروں کا بہادر ہے

انی اری فی وجہک المتہلل   شانا یفوق شمائل الانسان
میں تیرے چمکدار چہرے میں وہ شان دیکھتا ہوں جو کسی اور انسان میں نہیں پائی جاتی

وقد اقتفاک اولو النہی وبصدقہم   ودعوا تذکر معہد الاوطان
سب عقلمندوں نے تیری اتباع کی اور اپنے صدق و ایمان کی وجہ سے اپنے وطنوں کی یاد تک کو خیرباد کہہ دیا

⁂

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰے مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اَور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے
بیرونی ممالک سے
۱۰ پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد ۶۸ | یوم چہارشنبہ ۲۵ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ بمطابق یکم اپریل سنہ ۱۹۸۱ء | شمارہ ۱۳

ارشادات مجدد زمان رحمۃ اللہ علیہ

ادعونی استجب لکم

پورے صدق و وفا سے دعا کرو وہ تم پر رحم فرمائے گا

اصل امر یہ ہے کہ انسان کا نفس کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ ایسے طریق کو زیادہ پسند کر لیتا ہے جس میں کوئی محنت اور مشقت نہیں۔ مگر سچی پاکیزگی بہت سے دکھ اور مجاہدات کو چاہتی ہے اور وہ پاک زندگی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک انسان موت کا پیالہ نہ پی لے۔

ہر ایک شخص جو خدا تعالیٰ کی طرف آیا ہے اسی دروازے سے داخل ہوا ہے۔ ہاں یہ دروازہ بہت تنگ ہے اور اس کے اندر داخل ہونے والے بہت تھوڑے ہیں۔ کیونکہ اس دروازہ کی دہلیز موت ہے اور خدا کو دیکھ کر اس کی راہ میں اپنی ساری قوت اور سارے وجود سے کھڑے ہو جانا اس کی چوکھٹ ہے۔ پس بہت ہی تھوڑے ہیں جو اس دروازے میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ انسان کا کمال یہ ہے کہ اس میں حقیقی معرفت اور سچی فراست جو ایمانی فراست کہلاتی ہے (جس کے ساتھ اللہ کا ایک نور رہتا ہے جو اس کی ہر راہ میں راہ نمائی کرتا ہے) پیدا ہو۔ بدوں اس کے انسان دھوکے سے بچ نہیں سکتا۔ اور رسم و عادت کے طور پر کبھی کبھی نہیں بلکہ بسا اوقات سم قاتل پر بھی خوش ہو جاتا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان نہ تو واقعی طور پر گناہ سے نجات پا سکتا ہے اور نہ سچے طور پر خدا سے محبت کر سکتا ہے اور جیسا کہ حق ہے اس سے ڈر سکتا ہے۔ جب تک کہ اسی کے فضل اور کرم سے اس کی معرفت حاصل نہ ہو۔ اور اس سے طاقت نہ ملے اور یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ ہر ایک خوف اور محبت معرفت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں جن سے انسان دل لگاتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے یا ان سے ڈرتا ہے۔ اور دور بھاگتا ہے۔ یہ سب حالات انسان کے دل کے اندر معرفت کے بعد ہی پیدا ہوتے ہیں ہاں یہ سچ ہے کہ معرفت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک خدا تعالیٰ کا فضل نہ ہو۔ اور فضل کے ذریعہ سے معرفت آتی ہے۔ تب معرفت کے ذریعہ سے حق بینی اور حق جوئی کا ایک دروازہ کھلتا ہے۔ اور پھر بار بار دورِ فضل ہی سے وہ دروازہ کھلا رہتا ہے۔ اور بند نہیں ہوتا۔ غرض معرفت فضل کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اور پھر فضل کے ذریعہ سے ہی باقی رہتی ہے فضل معرفت کو نہایت مصفّٰی اور روشن کر دیتا ہے۔ اور حجابوں کو درمیان سے اٹھا دیتا ہے۔ اور نفسِ امارہ کو امارگی کے زندان سے نکالتا ہے۔ اور بد خواہشوں کی پلیدی سے پاک کرتا ہے اور نفسانی جذبات کے تند سیلاب سے باہر لاتا ہے۔ تب انسان میں ایک تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنی گندی زندگی سے طبعاً بیزار ہو جاتا ہے۔ کہ بعد اس کے پہلی حرکت جو فضل کے ذریعہ سے روح میں پیدا ہوتی ہے وہ دعا ہے۔ یہ خیال بھی مت کرو کہ ہم بھی ہر روز دعا کرتے ہیں اور تمام نماز دعا ہی ہے جو ہم پڑھتے ہیں کیونکہ وہ دعا جو معرفت کے بعد اور فضل کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے وہ اور رنگ اور کیفیت رکھتی ہے۔ وہ فنا کرنے والی چیز ہے وہ گداز کرنے والی آگ ہے۔ وہ رحمت کو کھینچنے والی ایک مقناطیسی کشش ہے۔ وہ موت ہے پر آخر کو زندہ کرتی ہے۔ وہ ایک تند سیل ہے پر آخر کو کشتی بن جاتی ہے ہر ایک بگڑی ہوئی بات اس سے بن جاتی ہے۔ اور ہر ایک زہر آخر اس سے تریاق ہو جاتا ہے۔

مبارک وہ قیدی جو دعا کرتے ہیں۔ تھکتے نہیں کیونکہ ایک دن رہائی پائیں گے۔ مبارک وہ اندھے جو دعاؤں میں سست نہیں ہوتے کیونکہ ایک دن دیکھنے لگیں گے۔ مبارک وہ جو قبروں میں پڑے ہوئے دعاؤں کے ساتھ خدا کی مدد چاہتے ہیں کیونکہ ایک دن قبروں سے نکالے جائیں گے۔ مبارک تم جبکہ تم دعا کرنے میں کبھی ماندہ نہیں ہوتے اور تمہاری روح دعا کیلئے پگھلتی اور تمہاری آنکھ آنسو بہاتی اور تمہارے سینہ میں ایک آگ پیدا کر دیتی ہے۔ اور تمہیں تنہائی کا ذوق اٹھانے کے لئے اندھیری کوٹھڑیوں اور سنسان جنگلوں میں لے جاتی ہے۔ اور تمہیں بے تاب اور دیوانہ اور از خود رفتہ بنا دیتی ہے کیونکہ آخر تم پر فضل کیا جائے گا وہ خدا جس کی طرف ہم بلاتے ہیں نہایت کریم و رحیم۔ حیا والا۔ صادق۔ وفادار۔ عاجزوں پر رحم کرنے والا ہے۔ پس تم بھی وفادار بن جاؤ۔ اور پورے صدق اور وفا سے دعا کرو وہ تم پر رحم فرمائے گا۔ دنیا کے شور و غوغا سے الگ ہو جاؤ اور نفسانی جھگڑوں کو دین کا رنگ مت دو۔ خدا کیلئے ہار اختیار کر لو اور شکست کو قبول کر لو تا بڑی بڑی فتحوں کے تم وارث بن جاؤ۔"...

* * *

رپورٹ:- مرزا محمد لطیف شاہد

دارالسلام میں صالحہ ظہور احمد میموریل لائبریری کی افتتاحی تقریب

احباب اس خبر کو پڑھ کر خوشی محسوس فرمائیں گے کہ مؤرخہ ۲۰/۳/۸۱ بروز جمعۃ المبارک گیارہ بجے دن دارالسلام میں صالحہ ظہور احمد میموریل لائبریری کی افتتاحی تقریب محترم جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ تلاوتِ قرآن مجید ہمارے نووارد بھائی امام نورالدین آف امریکہ نے اپنے مخصوص انداز میں کی جس کا سامعین پر بہت اچھا اثر ہوا۔ موصوف اپنے وطن سے انجمن کے پاس دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔

محترم جناب مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے موقع کی مناسبت سے نہایت عمدہ دلنشیں انداز میں لائبریریوں کی تاریخ پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ لائبریریوں کا وجود زندہ جماعتوں کے لئے بڑا اہم اور ضروری ہوتا ہے۔ تاریخ اسلام سے پتہ لگتا ہے کہ پہلے بھی مسلمانوں کے اندر بھی عظیم الشان لائبریریاں ہوا کرتی تھیں اور اہل علم ان سے کما حقہ استفادہ کیا کرتے تھے۔ اور اس زمانہ میں جب کہ پریس نہیں ہوا کرتے تھے مختلف دیار و امصار میں اپنے اہلِ علم کو ان کتابوں کے نقل کرنے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ پریس تو سترھویں صدی عیسوی میں جاری ہوا ہے۔ لیکن اس سے پہلے بھی مسلمانوں نے بعض بڑی بڑی لائبریریاں قائم کی تھیں اور لائبریری کا کلچر و تہذیب میں بڑا گہرا حصہ ہوتا ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اسلامی دنیا میں دو جگہوں پر بڑی عظیم الشان لائبریریاں تھیں

۱۔ بغداد میں خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ میں علم کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اور ان کو فلسفہ، سائنس، ریاضی، علم نجوم اور مختلف زبانوں کی علمی کتابوں کا اتنا شوق تھا کہ انہوں نے بہت سارے سکالرز مختلف ممالک میں بھیجے ہوئے تھے۔ جو وہاں سے کتابیں نقل کر کے لایا کرتے تھے۔ اور اس طرح علم کے متلاشی اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ جب ہلاکو خاں نے حملہ کیا اور بغداد کو تاخت و تاراج کر دیا تو اس نے یہ نادر کتب خانہ بھی جلا دیا۔

۲۔ دوسری بڑی لائبریری قرطبہ میں تھی جو کہ خلیفہ حکم نے قائم کی تھی یہ بڑا علم دوست آدمی تھا۔ کہتے ہیں اس کی لائبریری میں چھ لاکھ کتابیں تھیں۔ اور صرف کیٹیلاگ ہی چوالیس جلدوں میں تھا۔ اور اس کو علم کا اتنا شوق تھا کہ اس نے ان میں سے ہزاروں کتابوں کو پڑھا اور اس پر اس نے اپنے ہاتھ سے نوٹس بھی لکھے۔

گذشتہ صدی میں بھی مسلمانوں میں بعض بڑے اہل علم گزرے ہیں۔ جن کی بڑی عظیم الشان لائبریریاں تھیں۔ ان میں ہی ایک عالم فاضل ہمارے سلسلہ کے بزرگ حضرت مولانا نورالدین رح تھے جن کی ایک بڑی عظیم الشان لائبریری تھی۔ اور ان کی اس لائبریری سے علامہ شبلی اور سر سید بھی استفادہ کیا کرتے تھے۔ مولانا موصوف کو کتابوں سے بڑا عشق تھا اور انہوں نے ایک بڑا ذخیرہ کتابوں کا جمع کیا تھا۔ حضرت مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور نے بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا تھا۔ انجمن احمدیہ کی اپنی لائبریری قائم ہونے سے پہلے اہلِ علم حضرات مولانا محمد علی صاحب رح کی کتب سے ہی استفادہ کیا کرتے تھے ۱۹۲۰ء میں باقاعدہ انجمن احمدیہ کی لائبریری قائم کی گئی تھی۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء میں انفلوائنزا کی خطرناک وبائی بیماری میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب جو کہ اس وقت انگلستان میں تبلیغ اسلام میں مصروف تھے ان کے صاحبزادہ بشیر احمد اور بہو بادشاہ بیگم نصف گھنٹہ کے وقفہ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کی وفات پر حضرت خواجہ صاحب کو حضرت مولانا محمد علی صاحب رح نے یہ تار دی۔

BELOVED BASHIR CALLED BACK SORROWFULLY WE SUBMITS

ان کی جدائی سے جماعت کو بڑا صدمہ ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں یہ لائبریری حضرت خواجہ کمال الدین صاحب رح کی تعمیر کردہ عمارت کے نچلے حصہ میں "بشیر بادشاہ میموریل لائبریری" کے نام سے جاری کی گئی۔ اس لائبریری میں انجمن احمدیہ کی کتب کے علاوہ (۱) حضرت مرزا خدا بخش صاحب رح (۲) مولانا عصمت اللہ صاحب رح (۳) مولانا عزیز بخش صاحب رح، ان ہر سہ مرحومین کی ذاتی تمام کتب بھی انجمن کی مرکزی لائبریری میں منتقل ہو گئیں۔

اب خدا کے فضل سے اس لائبریری میں ایک بہت ہی بڑا مفید اضافہ ہوا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب رح کی بھی ذاتی تمام کتب اس لائبریری میں منتقل ہو گئی ہیں۔ حضرت امیر مرحوم کی کتب میں بڑی نادر کتابیں ہیں۔ یہ قیمتی اثاثہ ہے جو مرحومین کے اعزہ نے انجمن کو دیا ہے۔ اب ان کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہی لگا لیں کہ حضرت امیر مرحوم کی لائبریری میں چار انسائیکلوپیڈیا بھی موجود ہیں اس واسطے ایک علیحدہ کمرہ اس لائبریری میں مختص کر دیا ہے تاکہ دلچسپی رکھنے والے اہلِ علم ان سے استفادہ کریں۔ خدا کے فضل سے ہماری اس لائبریری میں گیارہ ہزار سے اوپر کتب ہیں۔ نوجوانوں کو خاص طور پر اس علمی ورثہ سے استفادہ کرنا چاہیئے۔ اس کے اوقات ایسے مقرر کئے گئے ہیں کہ دن کو بھی ایک بجے تک اور شام کو بھی مغرب سے عشاء تک اس لائبریری سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے دوستوں کو ضرور وقت نکال کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

موجودہ عمارت

محترم مرزا صاحب موصوف نے فرمایا! موجودہ لائبریری کے محرک اوّل ہمارے بزرگ بھائی محترم چوہدری ظہور احمد صاحب تھے۔ آپ کی بڑی خواہش تھی کہ اس بستی میں ایک عمدہ لائبریری قائم کی جائے۔ تاکہ اس علاقہ کے لوگ اس سے استفادہ کر سکیں۔ اس بستی کی زمین کے حصول میں بھی محترم چوہدری صاحب موصوف کا بڑا حصہ ہے۔ چنانچہ آپ نے اور آپ کی بیگم صاحبہ محترمہ مرحومہ اور بچوں نے مجموعی طور پر اس لائبریری کے لئے دو لاکھ روپیہ کا عطیہ دیا ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء خرچ اس لائبریری پر دو لاکھ ستر ہزار روپیہ آیا ہے۔ بقیہ ستر ہزار روپیہ انجمن نے دیا ہے۔ یہ لائبریری مرحومین اور ان کے بچوں کی طرف سے صدقہ جاریہ ہے۔ خدا کے فضل سے ان کی اولاد بڑی صالح ہے ان کے لئے بھی دعا کریں کہ مولا کریم ان کی اولاد پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے آمین! موجودہ لائبریرین مولوی احمد گل صاحب بیس سال سے خدمت کر رہے ہیں۔ ان کے معاون غلام حیدر صاحب ہیں جو نہایت محنت سے کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے باقاعدہ لائبریری کی ٹریننگ لی ہے۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے نہایت پرسوز و لحن میں سورۃ فاتحہ کی تلاوت فرمائی۔ اور فرمایا کہ فاتحہ کے بھی اپنے ROOT کے اعتبار سے معنے افتتاح کے ہیں۔ انہی آیات مبارکہ سے لائبریری کا افتتاح کرتا ہوں۔ یہ علم کا دور ہے۔ قرآن مجید میں باری تعالیٰ نے ایک پیشگوئی بیان فرمائی کہ "ایک زمانہ آئے گا جب کہ کثرت سے اشاعت ہو گی"۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ یہ پیشگوئی ہمارے زمانہ میں پوری ہوئی۔ خوشی کی بات ہے کہ یہاں اتنی بڑی عظیم الشان لائبریری قائم کی گئی ہے۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ جو غرض ان کتب کی ہے وہ پوری ہو۔ حقیقی طور پر فائدہ اٹھانے والے آگے آئیں نیکی پر عامل ہوں۔ اور اپنا اچھا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ آپ نے دردِ دل والحاح سے ان مرحومین کے لئے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے جنہوں نے ایک خطیر رقم فی سبیل اللہ خرچ کی۔ آج وہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنے انعامات نازل فرمائے۔ آمین! اور ان کی اولاد کو باقیات الصالحات بنائے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ خدا کرے کہ ہماری آنے والی نسلیں حقیقی علم حاصل کریں۔ دین کی محبت ان کے دلوں میں پیدا ہو اور ایسے افراد پیدا ہوں جن سے سلسلہ کو تقویت ملے۔

* *

قرآن کریم کی ایک پیشگوئی میں ہمارے لئے سبق

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی بتاریخ ۲۰ فروری ۱۹۸۱ء بمقام جامع احمدیہ، دارالسلام، لاہور

الم تر کیف فعل ربك باصحٰب الفیل ۝ الم یجعل کیدهم فی تضلیل ۝ وارسل علیهم طیرًا ابابیل ۝ ترمیهم بحجارة من سجیل ۝
فجعلهم کعصفٍ مأکول ۝ (سورة الفیل ۱۰۵)

ترجمہ:- کیا تو نے غور نہیں کیا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ کیا ان کی تدبیر کو برباد نہیں کر دیا اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرند بھیجے جو اُن پر سخت پتھر مارتے تھے۔ سو انہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔

جس واقعہ کی طرف اس سورت میں اشارہ ہے وہ عام طور پر لوگ جانتے ہیں۔ مگر بچوں اور نوجوانوں کی خاطر میں مختصراً دہرائے دیتا ہوں۔ سن ۵۷۰ء میں (یہ وہی سال ہے جس میں کہ رسول اللہ صلعم کی ولادت ہوئی) یہ واقعہ ہوا۔ سر ولیم میور جیسے اسلام پر تنقید کرنے والے مؤرخ نے لکھا ہے کہ اسلام سے پہلے یہودیوں نے اور پھر عیسائیوں نے ایام جاہلیت کے عربوں کی اصلاح کی کوشش کی مگر وہ اس میں ناکام رہے۔ یہ اسی کوشش کا ایک واقعہ ہے۔ اُس زمانہ میں شاہ حبش کی طرف سے یمن میں اُس کا وائسرائے ابرہہ نامی تھا۔ اُس نے اہلِ عرب کو عیسائی بنانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اُس نے دیکھا کہ اہلِ عرب کا مذہبی مرکز خانۂ کعبہ ہے (جو حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے خدا کا گھر سمجھا جاتا تھا) تو اُس نے سوچا کہ اگر میں خانۂ کعبہ کو ڈھا دوں تو پھر شائد اہلِ عرب اس کے اپنے بنائے ہوئے عظیم الشان گرجا کی طرف متوجہ ہوں جو اُس نے اپنے دارالخلافت صنعاء میں خانہ کعبہ کی جگہ خدا کا گھر منوانے کے لئے بنوایا تھا۔ سو اُس نے ایک بڑا لشکر تیار کیا جس کی یہ خصوصیت تھی کہ اُس کے ساتھ افریقہ سے لائے ہوئے ہاتھی تھے۔ جن سے اہلِ عرب مانوس نہ تھے اور اُن کا مقابلہ کرنا نہیں جانتے تھے۔

اُس وقت سردارِ مکہ حضرت عبدالمطلب (حضور صلعم کے دادا) تھے۔ اُنہوں نے خانہ کعبہ کے دروازہ کی کُنڈی پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اپنے اس گھر کو تو ہی بچا، ہم تو دشمن کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور اہلِ مکہ کو لے کر اردگرد کے پہاڑوں میں چلے گئے۔ اب خدا کا کرنا کیا ہوا کہ پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ آئے جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں جو انہوں نے ہاتھیوں اور اہلِ لشکر پر ماریں۔ اُن کنکریوں میں چیچک کی چھوت تھے۔ چنانچہ وہ وبا بجلی کی طرح ابرہہ کے لشکر میں پھیل گئی اور نہ صرف اس کے ہاتھی اور اس کے سپاہی مرنے لگے بلکہ خود ابرہہ کو بھی چیچک نکل آئی اور وہ یمن کو بھاگا جہاں جا کر وہ مر گیا۔

اس تاریخی واقعہ کا ذکر قرآنِ حکیم میں ہمیشہ کے لئے کیوں مذکور ہے؟ مفسرین کہتے ہیں اس لئے کہ جو بھی خدا کے گھر کو ڈھانے آئے گا اُس کا یہی انجام ہوگا۔ ٹھیک ہے اسی لئے ہماری جماعت کے ایک مرحوم شاعر جو "جوگی" تخلص کرتے تھے نے لکھا ہے:۔ ؎

کعبہ ڈھانے کو جو آئے گا کوئی فیلوں سے

کارِ زیپلن تجھے لے دیں گے ابابیلوں سے

زیپلن اُن دنوں جرمنوں نے ہوائی حملے کرنے کے لئے نیا نیا نکالا تھا۔

قرآنِ کریم کا اعجاز

مگر قرآنِ کریم کی حکمتوں کی کوئی انتہا نہیں۔ اور یہ اس کا اعجاز ہے کہ اگر اس کے کلام کا کسی خاص واقعہ سے جو ماضی میں ہوا تعلق ہے تو بھی اس کا اطلاق ہر زمانہ کے واقعات پر ہو سکتا ہے جو کہ اسی رنگ کے ہوں خواہ وہ ظاہری رنگ کے ہوں یا باطنی رنگ کے۔ اور یہ اعجاز کسی انسانی کلام میں نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آئندہ کے واقعات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور یہ حیرت انگیز اعجاز صرف اسی کے کلام میں ہو سکتا ہے کہ وہ ہر زمانہ کے واقعات پر صادق آئے۔

اس سورت کے مضمون کا اعجاز سمجھنے کے لئے اس سورت سے پہلی دو سورتوں کی طرف اختصار سے اشارہ کرنا ضروری ہے۔ کلام الٰہی جو انسانی کلام سے ہر رنگ میں اعلیٰ اور حیرت انگیز طور پر برتر ہوتا ہے اُس کی خصوصیتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سورتوں کی ترتیب میں بھی حکمت اور معرفت ہوتی ہے: ——— یہاں تک کہ غیروں نے بھی اس کا اعتراف کیا اور آپ لوگوں نے خود بھی اپنے بزرگوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ کس اعلیٰ تقوای اور اعمالِ صالحہ کے مقام پر تھے۔ اس طرح وعملوا الصالحات بھی پورا ہوگیا۔ اور جہاں تک تواصوا بالحق کا تعلق ہے تو وہ بھی اس زمانہ کے مجدد کی نمایاں خصوصیت ہے کہ اُس نے اشاعتِ اسلام کے کام کو ہمیشہ جاری رکھنے کے لئے ایک جماعت بنائی۔ اور تواصوا بالصبر کی جیسی اس جماعت کو ضرورت پیش آئی کسی جماعت کو نہیں آئی کہ جو مصائب اور ابتلاء اس پر آئے وہ ابتدائے اسلام کے عظیم الشان صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اس شدت سے کسی پر نہیں آئے۔

سورۃ الہمزۃ

اُس کے بعد کی سورت الھمزۃ کی تفسیر میں نے پچھلے خطبہ میں کی تھی کہ اس سورت کے عام

؎

دولتِ وصل چاہیئے تجھ کو اگر اے بے خبر!
دل میں گداز پیدا کر آنکھ کو اشک بار کر
تیرِ بلا کو ٹال دے آہِ سحر وہ چیز ہے
پیش خدائے ذوالمنن گریہ شب شعار کر (حسن)

معنوں کے علاوہ ایک خاص مفہوم اور پیشگوئی اس میں مذکور ہے اور وہ بھی اس زمانہ سے خاص ہے کہ تیرہویں صدی کے آخر میں اور چودھویں صدی کی ابتداء میں مغربی اقوام نے اپنی عالمگیر سلطنتوں کو دوام بخشنے کے لئے اپنی محکوم رعایا کو اپنا ہم مذہب یعنے عیسائی بنانے کے لئے ایک زبردست مہم شروع کی۔ انہیں اسلام کے سوا دوسرے مذاہب سے کوئی خطرہ یا دقت کی توقع نہ تھی کیونکہ وہ بدتر شرک میں مبتلا تھے۔ مگر اسلام کی خالص توحید سے وہ خائف ہوئے کیونکہ باطل حق کے آگے ٹھہر نہیں سکتا۔ مگر توحید کے خلاف تو انہوں نے ایک حرف نہیں کہا اور نہ کہہ سکتے تھے پر اسلام، قرآن پاک اور حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے خلاف انہوں نے ہر قسم کی ہرزہ سرائی کی اور جھوٹی عیب جوئی اور طعن بازی کی تاریخ کی بدترین مثال قائم کی۔ اسی کا ذکر ویل لکل ھمزۃ لمزۃ (افسوس ہے یا ہلاکت ہے ہر عیب لگانے والے طعن کرنے والے پر) میں ہے پھر چودھویں صدی ہجری میں ہی جو ابھی ختم ہوئی ہے ان مغربی اقوام نے نہ صرف خود دولت پرستی اور زرپرستی شروع کی بلکہ اسے تمام دُنیا میں پھیلایا اور دولت میں ہی انسان کی فلاح اور بہبود کو سمجھا جس کا ذکر سورت الھمزۃ کی باقی آیات میں ہے۔ ساتھ ہی اس سُورت مبارکہ میں پیشگوئی ہے کہ ان اخلاقی اور روحانی جرائم کے نتیجہ میں یہ قومیں اور ان کی اتباع کرنے والے اپنے دل کے اطمینان کو کھو کر دل میں ہی ھل من مزید کی آگ میں جا پڑیں گے اور بطور سزا اُن پر آگ باہر لمبے لمبے ستونوں میں بند کر دی جائے گی جو کہ عالمگیر جنگوں کی شکل میں دو دفعہ صاف دُنیا نے دیکھ لیا ہے اور ابھی اس کے مزید خطرات اُن پر ہر آن مسلّط ہیں۔

سورت الفیل :-

اسی طرح آج کی سُورت الفیل کے عام معانی کے علاوہ جو میں شروع خطبہ میں بتا آیا ہوں اس کے اندر ایک وسیع تر مفہوم ہے وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ کا گھر تو کوئی نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ مکان اور مکین کی بندشوں سے پاک ہے۔ فرق یہ ہے کہ خانہ کعبہ نہ صرف مرکزی مسجد ہے بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے قبلہ بھی ہے۔ اسی طرح

اسی طرح مجازی رنگ میں خدا کا گھر انسان کے دل میں بھی ہے۔ انسان کے دل سے اللہ تعالےٰ کا تعلق قرآن میں کئی جگہ مذکور ہے مگر طوالت کے خوف سے صرف ایک جگہ سے نقل کرتا ہوں کہ :-

واذا خذ ربك من بنیٓ ادم من ظهورهم ذریّتهم واشهدهم علیٓ انفسهم ۚ الست بربّكم ۖ قالوا بلیٰ ۛ شهدنا ۛ ان تقولوا یوم القیمة انا كنّا عن هٰذا غفلین ٥ (الاعراف۔ ۱۷۲) یعنے "جب تیرے رب نے بنی آدم سے اُن کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی اور ان کو اپنے آپ پر گواہ ٹھہرایا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں، ہم گواہ ہیں (یہ اس لئے کیا) تاکہ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم کہو کہ ہم تو اس (یعنے خدا کی ہستی) سے بے خبر تھے۔" تو یہ خُدا کا تعلق انسان کے دل سے اس کی پیدائش کے وقت سے ہوتا ہے۔ جو ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے اور خدا کو پانے کو اپنی زندگی کا مقصد پیدائش بنانے سے جو کہ لا الٰہ الا اللہ کا آخری مفہوم ہے آہستہ آہستہ انسان کے دل کو خدا کا گھر ایسا بناتا ہے کہ انسان کے دل میں اللہ تعالےٰ بسنے لگتا ہے۔ اسی راز کو رسول اللہ صلعم نے بھی بتلایا ہے جس کو مولانا روم نے اپنی مثنوی میں یوں باندھا ہے :-

گفت پیغمبرؐ کہ حق فرمودہ است + من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست

در دلِ مؤمن بگنجم اے عجب + گر مرا خواہی درآن دلہا طلب

یعنے پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ میں زمین اور آسمان میں نہیں سماتا مگر یہ عجب ہے کہ میں مؤمن کے دِل میں سما جاتا ہوں اس لئے اگر مجھے تلاش کرنا ہے تو اس دل میں طلب کرو۔

اور چونکہ اس مقام پر جبکہ خود حضور رسول اللہ صلعم پہنچے کوئی نہیں پہنچا اسی لئے حضرت مجدد صد چہاردہم نے فرمایا ہے کہ :-

از دلِ احمدؐ نمے بینم دگر عرشِ عظیم

یعنے میں رسول اللہ صلعم کے دل سے بڑھ کر کوئی عرشِ عظیم نہیں دیکھتا جس پر اللہ تعالےٰ تشریف فرما ہے۔ اسی راز کو دوسرے اللہ تعالےٰ کو پانے والوں نے بھی بتلایا ہے۔ مثلاً حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں :-

درونِ قصرِ دل دارم یکے شاہے کہ گر گاہے + اگر بیروں زند خیمہ بہ بحر و بر نمی گنجد

یعنے میرے دل کے محل میں ایک شہنشاہ رہتا ہے جو اگر کبھی باہر خیمہ لگائے تو خشکی و تری میں نہیں سما سکتا۔ اسی طرح خواجہ میر دردؔ نے فرمایا ہے :-

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے + میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

حضرت بلّھے شاہ صاحب نے بھی فرمایا ہے :-

آپے ہر دل وچ پئے وسدے او + سانوں لامکانی دسدے او

تاریخ کا دُہرانا

تو خدا کے گھر کو مسمار کرنے کے لئے جس طرح ابتدائی زمانہ میں ابرہہ اپنے لاؤ لشکر لے کر آیا تھا اسی طرح اس زمانہ میں انسان کے دل میں جو خدا کا گھر ہے اُسے مسمار کرنے کے لئے مغربی اقوام نے اپنے سازوسامان کے ساتھ پورا زور لگایا ہے۔ یہ اتفاقیہ امر نہیں بلکہ مماثلت تامہ ہے۔ کہ دونوں عیسائی تھے۔ اور تاریخ وار دیکھئے کہ مرزا صاحب کے زمانہ (والعصر) میں مغربی اقوام نے پہلے تو عیب جوئی اور طعن بازی کی دُنیا میں بدترین مثال قائم کی جس کا ذکر میں پہلے کر آیا ہوں۔ (ویل لکل ھمزۃ لمزۃ) پھر دولت پرستی اختیار کی جس کا ذکر اسی سورت مبارکہ میں ہے اور اب دنیا میں دہریت پھیلانے کی وہ عالمگیر مہم چلائی ہے کہ اس کی نظیر بھی دنیا میں نہیں ملتی۔ پہلے تو دونوں عالمگیر جنگوں کے بعد جن کا ذکر سورت الھمزۃ میں تھا کمیونزم یا اشتراکیت کو روس نے چین بلکہ دوسرے بہت سے ممالک میں پھیلایا۔ جس سے دہریت عام ہوئی اور اب باقی کے مغربی ممالک جو ویسے تو سرمایہ دار ہیں مگر دولت کو خدا بنا کر انہوں نے اس جھوٹے خدا کو دل میں بسا لیا اور اصل خدا کے گھر کو جو انسان کے دِل میں ہے۔ یوں مسمار کرنا چاہا (سورت الفیل) کہ کہا کہ یا تو خُدا تھا ہی نہیں یا اب نعوذ باللہ مر گیا ہے۔ تو جس طرح ابرہہ کی کوشش کو اللہ تعالےٰ نے آسمان سے آفت لا کر خائب و خاسر کیا تھا۔ اسی طرح آئندہ ہونے والا ہے۔ خود بائبل سے اسکی پیشگوئی سُن لیجئے۔ حضرت حزقیلؑ نبی نے بہت سی پیشگوئیاں کی ہیں جن میں رسول اللہ صلعم کے متعلق بھی زبردست پیشگوئی ہے

وہاں یاجوج ماجوج (روس اور اینگلوامریکن) کے متعلق بھی پیشگوئی کی ہے۔

"پس اے آدم زاد (یعنے حزقیلؑ) تو جوج (جو یاجوج کا مخفف ہے) کے خلاف نبوت کر (یعنی خدا سے خبر پاکر پیشگوئی کرنے کے ہے) اور کہہ کہ خداوند خدا یُوں فرماتا ہے دیکھ اے جوج روش اور مسک اور توبال (جو روس کے شہر ہیں) کے فرمانروا میں تیرا مخالف ہوں اور میں تجھے پھرا دوں گا اور تجھے لئے پھروں گا اور شمال کی دُور اطراف سے چڑھا لاؤں گا اور تجھے اسرائیل کے پہاڑوں پر پہنچاؤں گا اور تیری کمان تیرے بائیں ہاتھ سے چھڑا دوں گا اور تیرے تیر تیرے دائیں ہاتھ سے گر جائیں گے اور تو اسرائیل کے پہاڑوں پر اپنے سب لشکر اور حمائیتوں سمیت گر جائے گا اور میں تجھے ہر قسم کے شکاری پرندوں اور میدان کے درندوں کو دوں گا کہ کھا جائیں (نوٹ:- اصحاب فیل کے بارہ میں بھی ترمیہم بحجارۃ کے ایک معنی پرندوں کا لاشوں کو پتھروں پر مار مار کر توڑ کر کھانا ہے) ... اور میں ماجوج پر اور اُن پر جو بحری ممالک میں امن سے سکونت کرتے ہیں آگ بھیجوں گا اور وہ جان لیں گے کہ میں خداوند ہوں۔" (حزقیل باب ۳۹ آیات ۱ تا ۶)

اس زمانہ میں سر ونسٹن چرچل نے بھی اس خطرہ سے آگاہ کیا۔ وہ جب برطانیہ کے پرائم منسٹر تھے تو حسب دستور لندن کے لارڈ میئر نے ان کے اعزاز میں لنچ (ظہرانہ) دیا جو کہ گلڈ ہال میں تھا جو کہ لندن کا ٹاؤن ہال ہے۔ جب سر ونسٹن چرچل گلڈ ہال میں داخل ہوئے تو اس کے دروازہ پر یاجوج اور ماجوج کے بُت جو ہمیشہ سے نصب ہیں اُن کی نظر پڑے۔ یہ بُت دروازہ کے دائیں اور بائیں ہاتھ پر نصب ہیں۔ تو اپنی تقریر میں سر ونسٹن چرچل نے کہا "مائی لارڈ میئر اسی میں خیر ہے کہ یاجوج اور ماجوج کے درمیان فاصلہ ہے۔ انہیں ایک دُوسرے سے دُور ہی رکھنا ورنہ اگر ان کی مٹھ بھیڑ ہوگئی تو دنیا پر قیامت آجائیگی"

اسی قیامت خیز جنگ کو حضرت مجدّد زماں نے اپنی ایک پیشگوئی میں "اول الحشر" فرمایا ہے یعنے ایسا حشر برپا ہوگا جیسا نہ کبھی ہوا تھا نہ ہوگا۔ اور آپ نے بھی اس کی ابتداء اسی مقام سے بتائی ہے جو حضرت حزقیلؑ کی پیشگوئی میں مذکور ہے۔

ہماری ذمّہ داری

رسول اللہ صلعم کا ایک رؤیا حدیث میں مذکور ہے۔ حضورؐ نے دیکھا کہ دجّال خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے۔ اور اس کے پیچھے مسیح موعود بھی طواف کر رہا ہے۔ اب دجّال (یعنے عیسائی اقوام کا) ظاہری خانہ کعبہ میں جانا یا طواف کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس رؤیا میں بھی خانہ کعبہ سے مراد خدا کا گھر ہے جو کہ انسان کے دل میں ہے۔ تو اس رؤیا میں ایک زبردست پیشگوئی ہے جو اس زمانہ میں حیرت انگیز طور پر پوری ہوئی کہ مغربی اقوام انسان کے دل کے اندر کے خدا کے گھر کے گرد اس طرح پھر رہی ہیں جس طرح کہ ایک نقب لگانے والا کسی گھر میں داخل ہونے کے لئے کرتا ہے اور مسیح موعود چوکیدار کی طرح اس کے پیچھے اس خانۂ خدا کی حفاظت کے لئے پھرا جو انسان کے دل میں ہے۔

تو حضرت مرزا صاحب نے انسان کے دل میں خدا پر ایمان کو محفوظ رکھنے کے لئے دنیا میں قرآن کریم کے تراجم کر کے اشاعت پر زور دیا ہے جس کی تفصیل میں پچھلے سالانہ جلسہ کے اپنے لیکچر میں بتا چکا ہوں۔ اگر اللہ تعالےٰ عذاب میں مہلت دیتا یا تاخیر فرماتا ہے تو اسی لئے کہ قومیں اپنی اصلاح کرلیں اور ہلاکت سے بچ جائیں۔ اس لئے نسلِ انسانی کو ہلاکت سے بچانے کے لئے اور لوگوں کے دلوں میں خدا پر ایمان کو قائم کرنے کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ قرآن کریم کی اشاعت دنیا میں کی جائے کیونکہ اگر غیر مسلموں کے دلوں میں سے خدا پر ایمان اُٹھ گیا تو اسی لئے کہ اس سائنس اور عقل کے زمانہ میں کوئی انسان پتھر کے بُتوں یا گائے یا اپنے جیسے انسان کو خدا نہیں مان سکتا۔ اس سائنس اور علم و عقل کے زمانہ میں صرف وہی خدا کا تصوّر قابلِ قبول ہوسکتا ہے جسے قرآن کریم پیش کرتا ہے جو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کر کے تمام قرآن کریم میں بھرا ہوا ہے۔ آج قرآن کریم کے تراجم کر کے تمام دنیا میں پہنچانا سب سے بڑی دینی اور انسانی خدمت ہے۔ ورنہ سخت ہلاکت درپیش ہے۔

ہمارے پاس قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ و تفسیر بہترین موجود ہے۔ انجمن اس کا نیا ایڈیشن چھپوا رہی ہے۔ اسے دنیا میں پہنچاؤ کہ دنیا کی اب سب سے زیادہ معروف زبان انگریزی ہے۔ اور دوسری زبانوں میں بھی قرآن کریم کے تراجم کی کوشش میں آپ کی انجمن لگی ہوئی ہے۔ دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ ہماری مدد فرمائے۔ بقول حضور صلعم اللّٰھم لا سھل الا ما جعلتہ سھلاً اے اللہ کوئی چیز سہل نہیں سوائے اس کے جسے تو سہل کر دے۔ آمین یا ارحم الرحمین۔

اخبارِ احمدیہ

- حضرت امیر قوم، الحاج مولانا صدرالدین صاحب بخیریت ہیں۔ احباب سلسلہ ان کی صحت و عافیت کے لئے دُعا فرماتے رہیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی کی صحت اچھی ہے۔ حسب معمول خدمت اسلام و قرآن کے کاموں میں آپ محنت شاقہ فرما رہے ہیں۔ بیرون جات سے دوست آپ کی ملاقات کے لئے بھی تشریف لاتے رہتے ہیں۔ احباب کرام اس قیمتی اور نافع الناس وجود کی درازیٔ عمر کے لئے اپنی دُعائیں جاری رکھیں۔

وفات:-

میاں فخرالدین احمد نے راولپنڈی سے یہ افسوسناک خبر دی ہے کہ اخویم ملک روح اللہ خاں مرحوم کی بیگم صاحبہ بھی وفات پاگئی ہیں۔ آپ شیخ غلام قادر ڈار مرحوم کی صاحبزادی تھیں۔ ۳ مارچ ۱۹۸۱ء کی شام کو حرکتِ قلب بند ہوجانے سے آپ کا انتقال ہوا۔ ۴/مارچ کو مرحومہ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ بیرونی جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

شانِ خاتم النبیّین صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

برگزیدہ و زندہ نبی

حضرت مجدّدِ صدِ چہار دہم کی نظر میں

نجات یافتہ کون ہے۔ وہ جو یقین رکھتا ہے کہ
خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم
اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے
اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم رتبہ کوئی اور رسول ہے۔

راجہ محمد بیدار صاحب کراچی

آنحضرت صلعم کی قبل از نبوت زندگی کے مختصر حالات

یہ مضمون خاتم النبیینؐ نمبر کے لئے لکھا گیا تھا مگر دیر سے موصول ہونے پر بعد کی اشاعت میں شائع کیا جا رہا ہے

(ادارہ)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا قبیلہ قریش کے سردار عبدالمطلب کے کئی بیٹے تھے۔ مثلاً ابو طالب۔ عبداللہ۔ زبیر حمزہ اور عباس۔ وغیرہ۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وہب کے ساتھ کی۔ جو قریش کے ایک قبیلہ بنی زہرہ کی عزیز ترین بیٹی تھیں۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد حضرت عبداللہ نے بسلسلہ تجارت مکہ سے شام کا سفر اختیار کیا۔ دوران سفر مدینہ کے قبیلے بنو نجار نے جہاں حضرت عبداللہ کا ننہال تھا ٹھہر گئے اور بیمار پڑ گئے۔ اور چند دن بیمار رہ کر وہیں وفات پا گئے۔

ان کی وفات کے چند ماہ بعد دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاوّل (بقول بعضے ۱۲ ربیع الاول) مطابق ۲۰۔ اپریل ۵۷۱ء کو جس سال اصحاب فیل کا مشہور واقعہ رونما ہوا تھا نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ دادا نے اپنے مرحوم بیٹے کی یادگار گود میں اٹھایا اور خانہ کعبہ میں جاکر دعا کی۔ ساتویں دن تمام قبیلہ کو دعوت دی اور اس مبارک بچہ کا نام محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) رکھا۔ لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ آپ نے اپنے خاندانی ناموں کو چھوڑ کر یہ نام کیوں رکھا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میری خواہش ہے کہ یہ بچہ دنیا بھر کی تعریف اور ستائش کا مالک ہو اور ماں نے آپ کا نام احمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھا۔ بہت سے مؤرخین کا خیال ہے کہ اس زمانہ میں عرب شرفاء اپنے بچوں کو صحرانشین بدوؤں کے ہاں بھیج دیتے تھے تاکہ ان کی ابتدائی پرورش کھلی فضا میں ہو۔ اور ان میں فصاحت و بلاغت کے جوہر پیدا ہوں۔ اس دستور کے مطابق آپ کو بھی پرورش کے لئے بنو سعد کے قبیلہ کی ایک خاتون حلیمہ کے حوالے اجرت پر کیا گیا۔ لیکن علامہ مشرقی مرحوم نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ کی وفات کے جانکاہ حادثہ کی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ بہت کمزور ہوگئی تھیں اور آپ کا دودھ بھی خشک ہوگیا تھا۔ جس کی وجہ سے ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے دودھ پلایا اور حضرت ہالہ جوکہ آپ کی چچی تھیں حضورؐ نے ان کا بھی دودھ پیا ہے۔ پھر اجرت پر حلیمہ سعدیہ کے حوالے کیا گیا جو ہر سال بچہ کو اپنی ماں کے پاس لایا کرتی تھیں۔ مجھے مؤرخین کی بات سے یہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر ڈھائی سال بھی دودھ پلایا جائے تو اس مدت میں بچہ بلکہ پانچ چھ سال کا بچہ بھی فصاحت و بلاغت نہیں سیکھ سکتا۔ دودھ پلانے کی مدت ختم ہوتے ہی حلیمہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کی والدہ کے حوالے کر دیا۔ اور اب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ اور دادا کی آنکھوں کے سامنے رہنے لگے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی والدہ ہر سال مکہ سے مدینہ اپنے خاوند کی قبر کی زیارت کے لئے جایا کرتی تھیں اور عموماً حضرت عبدالمطلب خود ان کے ہمراہ جایا کرتے تھے۔

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم چھ برس کے ہوئے تو آپ کی والدہ مدینہ گئیں۔ اس دفعہ حضرت عبدالمطلب کسی وجہ سے نہ جا سکے ان کی لونڈی برکت (جسے ام ایمن بھی کہا جاتا ہے) جو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو اپنے خاوند کے ورثہ میں ملی تھی۔ ہمراہ تھی واپسی پر حضرت آمنہ بیمار پڑ گئیں اور ابواء کے مقام پر جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے وفات پا گئیں۔ اور وہیں دفن ہوئیں۔ اس صبر آزما مرحلہ کے بعد برکت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر مکہ پہنچیں اور انہیں دادا جان کے سپرد کیا۔ دادا اس یتیم پوتے کو دیکھ کر جذبات میں بہہ گئے اور ان کے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ اپنے اس یتیم پوتے سے بے حد محبت رکھتے تھے اور انہیں اپنی عزیز ترین اولاد سمجھتے تھے۔

خانہ کعبہ کے سائے میں حضرت عبدالمطلب کے لئے فرش بچھایا جاتا تھا۔ عام لوگ اور ان کے بیٹے ادب سے اس فرش کے کناروں پر بیٹھتے تھے۔ آنحضرتؐ جب آتے تو سیدھے فرش پہ چلے جاتے ان کے چچا انہیں پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے کہ اپنے برابر بٹھائیں۔ دادا کہتے نہیں انہیں چھوڑ دو۔ پھر انہیں اپنی گود میں بٹھا لیتے۔ اور کہتے واللہ میرا یہ فرزند بہت بڑا آدمی ہونے والا ہے۔ اور پھر شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرتے۔ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو وہ مہربان دادا بھی مکہ میں انتقال کر گئے اور وفات سے قبل انہوں نے اپنے بیٹے ابوطالب کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ پرورش کی وصیت فرمائی۔ آنحضرت صلعم کے دادا کے دس بیٹوں میں ابوطالب۔ عبداللہ اور زبیر حقیقی بھائی تھے۔ اور ان تینوں کی والدہ فاطمہ مخزومیہ تھیں۔

اللہ تبارک وتعالےٰ جس ہستی کو رسالت کے لئے چنتا ہے اس کی تربیت بھی شروع ہی سے اسی انداز کی جاتی ہے اس کی فطرت سعید ہر غیر فطری مسلک سے انکار کر دیتی ہے۔ حضرت ابراہیم دنیا کے سب سے بڑے پجاری بلکہ بت گر کے گھر پیدا ہوئے۔ بت پرستی اور ستارہ پرستی کے ماحول میں پرورش پائی۔ لیکن اس رشد و سعادت کی بناء پر جو اللہ تعالےٰ نے انہیں عطا فرمائی تھی کبھی کسی فانی معبود کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ اور باپ اور قوم کے مسلک کے خلاف کھلی بغاوت کر دی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش بھی ایسے ہی ماحول میں ہوئی۔ جہاں شرک اور بت پرستی عام تھی۔ جس کعبہ میں عبدالمطلب دعا کے لئے اپنے پوتے کو لے گئے تھے۔ اس میں سینکڑوں بت نصب کر دیئے گئے تھے اور آپ کا خاندان اس بت کدہ کا متولی تھا۔ اس ماحول میں آپ کی عمر بسر ہوئی۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام عمر مراسم شرک سے اعراض برتا حتیٰ کہ ایک دعوت میں آپ کے سامنے ایک جانور کا گوشت آیا جو کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔ تو آپ نے کھانے سے انکار کر دیا۔ مراسم شرک و کفر تو کجا بداخلاقی کی عام باتیں جن کا عربوں میں عام رواج تھا۔ حضورؐ کی سیرت کو آلودہ نہ کر سکیں۔ مثلاً عربوں میں ننگا ہو جانا کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ طواف کعبہ کے وقت بھی کپڑے اتار کر طواف کرتے تھے۔ حضورؐ کا بچپن اس مسموم معاشرے میں سانس لے رہا تھا لیکن آپ کی حالت یہ تھی کہ ایک دفعہ خانہ کعبہ کی مرمت ہو رہی تھی حضورؐ اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھے پر رگڑ لگ گئی تو آپ کے چچا حضرت عباس نے تہ بند کھول کر زبردستی کندھے پر رکھ دیا لیکن ننگا ہونے کے احساس سے آپ بے ہوش ہو گئے۔ اور ہوش میں آنے پر فرمایا میرا تہ بند۔ حضرت عباس نے فوراً تہ بند باندھ دیا۔ یہی بچپن جب جوانی کو پہنچا تو شرم و حیا کی کیا کیفیت تھی اسے آپ صحابہ کی زبانی سنیئے:۔

كان النبيّ صلى الله عليه وسلم اشد احياءً
من العذراء في خدرها (بخاری)

کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلے تھے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب نو سال کے تھے تو آپ کو ان کے چچا حضرت ابوطالب قافلہ تجارت کے ہمراہ شام لے

گئے۔ جب مقام بصرہ پر پہنچے تو ایک راہب نے جس کا نام بحیرہ تھا آپ کو دیکھ کر حضرت ابو طالب سے کہا۔ اس عظیم الشان بچہ کو واپس اپنے وطن لے جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دشمن اس کو نقصان پہنچا دے کیونکہ اس میں وہ علامتیں پائی جاتی ہیں جو نبی آخر الزماں کی ہیں۔ چنانچہ وہ مال فروخت کر کے وہیں سے لوٹ آئے۔

حربِ فجّار اور حلف فضول

جب آپؐ پندرہ سال کے ہوئے تو قریش کے قبیلہ کنعانہ اور قیس قبیلوں کے ساتھ لڑائی ہو گئی۔ چونکہ یہ لڑائی حدودِ حرم میں ہوئی اس لئے یہ لڑائی حربِ فجّار کے نام سے مشہور ہوئی۔ قریش کے سپہ سالار حرب بن امیّہ تھے۔ بنی عبد المطلب کے سردار زبیر تھے اس لڑائی میں حضورؐ دشمنوں کے تیر چن چن کر اپنے چچاؤں کو دیتے تھے۔ حرب فجار کے بعد قبائل بنو ہاشم۔ بنی اسد اور بنی تیم وغیرہ نے مل کر قسم کھائی اور عہد کیا کہ مظلوم خواہ کوئی ہو۔ خواہ کسی قبیلہ کا ہو جب مکہ میں آئے گا تو ہم اس کی حمایت کریں گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اس میں موجود تھے اور زمانۂ رسالت میں فرمایا کرتے تھے کہ میں خوش ہوں کہ میں اس معاہدہ میں شریک تھا۔ اور اگر آج اسلام میں بھی کوئی اس قسم کا معاہدہ کرنا چاہے تو میں تیار ہوں اس حلف کو حلفِ فضول اس لئے کہتے ہیں کہ جن تین سرداروں نے مل کر قسم کھائی تھی ان تینوں کے نام فضل تھے۔

عقدِ نکاح :۔

قریش کا ذریعہ معاش عموماً تجارت تھا اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ کئی تجارتی سفر کر چکے تھے اور حضور جب عمرِ بلوغت کو پہنچے تو تجارت کو ہی اپنا ذریعہ معاش اختیار فرمایا۔ اور نہایت قلیل عرصہ میں حسنِ معاملہ اور دیانت داری کی شہرت تمام مکّہ میں پھیل گئی۔ جس سے ہر کوئی یہ خواہش رکھتا تھا کہ وہ کاروبار میں آپ کو شریک کرے روایات اور تاریخ میں ایسی شہادتیں کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے تمام معاملات نہایت راست بازی اور دیانت داری سے سرانجام دیتے تھے۔ یہی وہ پاکیزگی اخلاق اور دیانت داری تھی جس کی وجہ سے تمام مکہ نے متفقہ طور پر امین کا لقب دے دیا۔ اس زمانہ میں بینک نہیں ہوتے تھے۔ جب کوئی آدمی باہر جانے لگتا تو اسے ایسے لوگوں کی تلاش ہوتی تھی جن کے پاس اس کا مال محفوظ رہ سکے۔ تمام مکہ بلکہ گرد و نواح کے لوگ بھی اپنا مال و سامان لا کر آپ کے پاس امانت رکھتے تھے۔ آپ کی راست بازی اور دیانت داری کی دھوم پورے ملک عرب میں مچی ہوئی تھی جس سے متاثر ہو کر قبیلہ اسد کے سردار خویلد کی بیٹی حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے جو اپنی شرافت اور پاکیزگی کی وجہ سے ایّام جاہلیت میں بھی طاہرہ کے نام سے پکاری جاتی تھیں حضور صلعم کو اپنا مال شام اور یمن کے بازاروں میں لے جانے کی درخواست کی جسے آپؐ نے منظور فرمایا۔ آپؐ ملک شام میں ان کا مال لے کر گئے۔ حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ بھی ہمراہ تھا اور حضورؐ کے حسنِ معاملہ نے اُسے بے حد متاثر کیا اور جب واپس آیا تو حضورؐ کے اخلاق کا حضرت خدیجہ سے ذکر کرنے سے نہ رہ سکا۔ اور مال سے منافع بھی بہت حاصل ہوا تھا۔ اور آنحضرت صلعم کا حساب دیکھ کر خود بھی حیران رہ گئی۔ اور آنحضرت صلعم کے پاس اپنی لونڈی بھیج کر نکاح کی درخواست کی۔ ان کی دو شادیاں پہلے بھی ہو چکی تھیں اور اب بیوہ تھیں۔ اور حضورؐ کی عمر اس وقت ۲۵ سال تھی اور حضرت خدیجہ کی عمر اس وقت چالیس سال تھی۔ اس زمانہ میں عورتوں کی کمی نہیں تھی اور اگر کمی ہوتی بھی تو بنو ہاشم کے ایک بلند پایہ اور عظیم الشان اخلاق کے مالک فرزند کے لئے جو حسن سیرت و صورت کے لحاظ سے دنیا کی واحد شخصیت تھا۔ برابر کے رشتوں کی کیا کمی ہو سکتی تھی۔ لیکن حضورؐ نے نجابت و شرافت کے پیشِ نظر اس پیغام کو قبول فرمایا۔ اور حضرت ابو طالب سے اس کا ذکر کیا اور ان کی خوشنودی معلوم کرنا چاہی۔ جسے انہوں نے بھی بخوشی قبول فرمایا۔ پھر انہوں نے حضرت خدیجہ کے چچا کو پیغام بھیجا۔ دونوں طرف سے لوگ جمع ہوئے اور نکاح ہو گیا۔ اس طرح پر آپؐ کی عائلی زندگی کی ابتدا ہوئی۔ جو آخر تک نہایت خوشگوار رہی جس کی کہیں اور مثال ملنی نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ حضرت خدیجہ مالدار خاتون تھیں۔ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تجارتی کاروبار کو فروغ حاصل ہوا۔ اور معاش کی طرف سے آپؐ فارغ البال ہو گئے۔ جیسے قرآن کریم نے اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے :۔

ووجدک عائلاً فاغنیٰ ۰

اور تجھے تنگ دست پایا تو غنی کر دیا۔

اس سے اس طرف اشارہ کم از کم ضرور ملتا ہے کہ آپ نے ہمیشہ متوسط طرزِ زندگی بسر کی اور امرائے قوم میں آپؐ کا شمار کبھی نہیں ہوا۔ چنانچہ آپ کی بعثت کے خلاف مخالفین کی طرف سے یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ اس منصب کے لئے طائف یا مکہ کے رؤسا میں سے کسی کو کیوں منتخب نہیں کیا گیا۔ جیسے قرآن کریم نے اِن الفاظ میں بیان فرمایا :۔

وقالوا لولا نزل ھٰذا القرآن علیٰ رجلٍ
من القریتین عظیم ۰ (الزخرف آیت ۳۱)

اور کہنے لگے کیوں یہ قرآن دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر نہیں اتارا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ حضورؐ ایک متوسط طرز پر زندگی بسر کر رہے تھے۔

تجدیدِ کعبہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر جب ۳۵ سال کی ہوئی تو قریش نے کعبہ کی عمارت کو جو سیلاب کی وجہ سے بہت خستہ ہو گئی تھی از سرِ نو تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن پرانی عمارت کو گرانے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ آخر میں ولید بن مغیرہ نے ابتدا کی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ وہ کسی آفت میں مبتلا نہیں ہوا تو وہ اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ جن بنیادوں پر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ کھود کر انہی بنیادوں پر از سرِ نو تعمیر شروع ہوئی۔ ان دنوں جدہ کے ساحل پر ایک رومی جہاز ٹوٹ گیا تھا۔ اس کی لکڑی خریدی گئی۔ ایک رومی نجار جس کا نام باقوم تھا کو اس کے گھڑنے کا ٹھیکہ دیا گیا۔ اور باقی تمام کام قریش نے خود کیا۔ آخر میں وہ سرمایہ جو اس کی تعمیر کے لئے جمع کیا گیا تھا گھٹ گیا جس کی وجہ سے عمارت کو بنیاد ابراہیمی سے شمال کی طرف تقریباً چھ گز چھوڑ دیا گیا۔ اور جب حجر اسود لگانے کا وقت آیا تو تمام قبائل میں جھگڑا پیدا ہو گیا کیونکہ ہر قبیلہ خواہشمند تھا کہ اس کا سردار اس پتھر کو اس کی جگہ پر نصب کرے۔ جب فیصلہ نہ ہو سکا تو تمام لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم مانا۔ آپ کی فراست نے تمام دنیا کو حیران کر دیا۔ آپ نے نبوت سے پانچ سال پہلے یہ عظیم الشان فیصلہ کر کے تمام عرب قبائل کو جنگ کی آگ سے بچا لیا۔ وہ عظیم فیصلہ یہ ہے :۔

آپ نے اس پتھر کو اٹھا کر ایک چادر پر رکھا اور تمام رؤسائے قبائل کو کہا کہ اس چادر کے کنارے پکڑ کر اٹھاؤ۔ جس وقت وہ اپنی جگہ پہنچ گیا۔ تو آپ نے اٹھا کر اسے نصب کر دیا۔

اس فیصلہ سے تمام عرب قبائل خوش ہو گئے اور کسی قسم کی رنجش نہیں ہونے پائی۔

اس امر پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نبی ہونے سے قبل بھی اپنی قوم میں بلکہ پورے عرب میں اخلاقی حیثیت سے ممتاز تھے۔ ان کی راست گوئی اور دیانت داری ایک مسلّمہ حقیقت تھے۔ ترکہ پدری سے کوئی خاص ملکیت نہیں ملی تھی۔ اپنی کمائی سے گزر اوقات کرتے تھے۔ حضرت خدیجہ سے نکاح کے بعد ان کے مال سے تجارت کرنے لگے جس سے کافی نفع ہوتا تھا۔ کبھی کبھی دوسرے لوگوں کو بھی تجارت میں شریک کر لیا کرتے تھے۔ لیکن جوں جوں عمر گزرتی جاتی تھی غور و فکر آپ کا بڑھتا جاتا تھا۔ جب وہ انسانوں کی گردنوں کو اپنے ہاتھوں مٹی اور پتھر کی بنائی مورتیوں کے سامنے جھکا ہوا دیکھتے تھے تو حیرت میں ڈوب جاتے تھے یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ کہ انسان اپنے ہاتھ سے سنگ تراش کر اور اس کے آگے جھک کر کس طرح انسانیت کی تذلیل کر رہا ہے۔ جب وہ سر بازار سردارانِ قریش کو اپنی عالی نسبی پر فخر کرتے دیکھتے تو باوجود قریش کے ممتاز گھرانے کا فرد ہونے کے آپ کا دل گواہی نہیں دیتا تھا کہ یہ حسب نسب بھی کوئی قابلِ فخر چیز ہے۔ وہ چیز جس میں عمل کو دخل نہ ہو کیسے قابلِ فخر بن سکتی ہے۔ جیسے شراب خانے اور قمار خانے قدم قدم پر نظر آتے تھے۔ مگر آپ کو وہاں مہذب انسانوں کے بھیس میں بھیڑیئے دکھائی دیتے تھے۔ ان مجالس میں جو عرب لوگ منعقد کرتے تھے اپنے لئے ان مجالس میں کوئی تسکین کا سامان نہ پاتے تھے۔ انہوں نے سنا کہ عیسائی اور یہودی علماء زندگی کی حقیقت کا علم رکھتے ہیں۔ تو آپ باوجود اُمّی ہونے کے ان سے پوچھتے

مکرم شاہد عزیز صاحب لندن

یادیں

یاں تو آیا جو مسافر یونہی شب بھر ٹھہرا + یہ سرائے ہے۔ یہاں کس کا ٹھکانہ ڈھونڈو

رشتے میں وہ میرے دادا تھے لیکن وہ مجھے "یار شاہد" کہہ کر بلاتے اور میں انہیں "انکل محمد احمد"۔ میں نے انہیں انکل کس طرح کہنا شروع کیا یہ بھی ایک کہانی ہے۔ دو سال پہلے جب میں پاکستان میں ان سے ملا تو ایک دن میں نے انہیں پوچھا کہ آپ لگتے تو میرے دادا ہیں اب سوال یہ ہے کہ میں آپ کو ایڈریس کس طرح دوں۔ کہنے لگے مجھے انکل محمد احمد کہہ کر بلایا کرو۔ میں نے جواباً "انکل" پر زور دے کر کہا "انکل بات یہ ہے ..." تو کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ گو اس سے ایک دو سال پہلے لندن میں ان سے ملاقات ہوئی تھی لیکن اصل ملاقات پاکستان ۷۸ء کے جلسہ سالانہ کے بعد ہوئی۔

پاکستان میرے قیام کے دوران ان سے بہت دفعہ ملا۔ ہر دفعہ بات چیت کا موضوع ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ مغرب میں کس قسم کے لٹریچر کی ضرورت ہے۔ میں نے ذکر کیا کہ انگلستان میں غیر مسلم حضرات نے کئی تراجم قرآن پیپر بیک ایڈیشن کے طور پر شائع کئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ انجمن ایک ترجمہ قرآن بلامتن اور مختصر تفسیر کے ساتھ شائع کرے۔ سن کر بہت خوش ہوئے اور ایک مسودہ اٹھا لائے۔ کہنے لگے کہ حضرت امیر مرحوم کے ترجمے پر مبنی ایک مختصر ترجمہ اور تفسیر تیار کی ہے۔

اس کے بعد ان سے خط و کتابت شروع ہو گئی۔ موضوع ہمیشہ جماعتی امور ہی تھے پھر اطلاع ملی کہ انجمن کا کام کل وقتی طور پر کرنے کے لئے وہ ریٹائر ہو رہے ہیں سن کر خوشی ہوئی۔ ان کا خط ملا جس میں انہوں نے اپنا پروگرام لکھا تھا۔ لکھتے ہیں:۔

"پہلا کام جو ہاتھ میں لے لیا ہے وہ ترجمہ قرآن بلامتن اور مختصر تفسیر ہے۔ اس کا انٹروڈکشن نیا ہو گا۔ اس کے تین حصے ہوں گے اول اسلام دوم قرآن اور سوم رسول کریم کی زندگی کا مختصر خاکہ لیکن یہ سب میرے مرحوم والد کی تحریرات سے لئے گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اگر مجھے وقت اور موقع دیا تو میں اس کو اسلام اور قرآن پر ایک مکمل کتاب جو خاص طور پر غیر مسلموں کے لئے ہو گی کی شکل میں شائع کروں گا۔ قرآن کے ابتدائی ترجمے کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ جونہی ٹائپنگ مکمل ہو گئی اور میں نے مسودہ چیک کر لیا مرکزی انجمن سے درخواست کروں گا کہ وہ ہمارے خرچ پر اسکو چھپوا دے۔ دوسرا ضروری کام جو ابھی شروع نہیں ہوا وہ "RELIGION OF ISLAM" کا مختصر ایڈیشن ہے اور اس کے بعد موجودہ کتاب کو اعلےٰ طور پر چھپوانا۔ آپ نے فرنچ اور سپینش میں ترجمہ قرآن کی تجویز پیش کی ہے۔ حقیقت میں یہ کام عرصہ پہلے ہو جانا چاہیئے تھا۔ ہمیں اس کام کے لئے اعلےٰ قسم کے عالم تلاش کرنے ہوں گے۔ کیا آپ اس سلسلے میں ہماری مدد کر سکتے ہیں؟"

اس کے بعد اچانک اطلاع ملی کہ محمد احمد لندن تشریف لا رہے ہیں۔ سن کر حیرانگی ہوئی لیکن دو ایک دن بعد غالباً حضرت ڈاکٹر سعید احمد صاحب کے خط سے سارے حالات کا علم ہوا۔ بیماری کا سن کر انتہائی افسوس ہوا لیکن امید تھی کہ جلد ہی آرام آ جائے گا۔ ان دنوں ان کی صحت بھی اچھی تھی ڈاکٹر پاشا کے گھر ملاقات ہوئی تو دل کو اور بھی تسلی ہوئی کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔

ٹسٹ ہوئے اور علاج بھی شروع ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے یہی کہا کہ فکر کی ضرورت نہیں جلد ہی آرام آ جائے گا لیکن علاج کے ساتھ ساتھ درد اور تکلیف بھی شروع ہو گئی۔ پہلے سخت خوراک بند ہوئی پھر تمام ٹھوس غذا۔ صرف بہت نرم غذا چبا سکتے تھے اور کچھ بھی نہیں۔ ڈاکٹروں نے البتہ یہی کہا کہ رمضان سے پہلے صحت یاب ہو جائیں گے۔ ان دنوں پال جانسن جو حضرت امیر مرحوم کا ترجمہ قرآن پڑھ کر مسلم ہوئے اور خانہ آبادی کے لئے ایک مسلمان لڑکی کی تلاش میں تھے ہمیں ملے۔ ہالینڈ سے کوئی پچاس بھائیوں کا گروپ بھی ان دنوں لندن میں تھا۔ جماعت نے انہیں SLOUGH میں عصرانہ دیا اور محترم محمد احمد مرحوم سے درخواست کی کہ وہ اپنے ہاتھ پر پال جانسن کو مسلمان کریں۔ انہوں نے بڑی خوشی سے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا۔

علاج کچھ لمبا ہو گیا اور امیدوں کے برعکس وہ واپس نہ جا سکے۔ باوجود درد اور تکلیف کے ہر افطاری میں شامل ہوئے اور نہ صرف نماز پڑھائی بلکہ جماعت احمدیہ کے موضوع پر تقریریں بھی کیں عیدالفطر کی نماز کی امامت بھی کی اور خطبہ اس قدر اعلےٰ دیا کہ سب دنگ رہ گئے۔ جب تک باقی نمازی چلے نہ گئے خود پڑے رہے اسی طرح آپ نے ہی عیدالاضحیٰ بھی پڑھائی۔ خطبے کے بعد کہنے لگے:۔

"جماعت کے اتنے بڑے گروپ کے ساتھ میری یہ غالباً آخری ملاقات ہے۔ اس لئے میں آپ سے اجازت چاہوں گا۔ میری آپ سے ایک درخواست ہے جو امید ہے کہ آپ یاد رکھیں گے۔ ہمارا کام اشاعت اسلام ہے۔ اور یہ کام ہمارے سپرد کیا ہے۔ ہم یہ کام کریں یا نہ کریں خدا کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر ہم یہ کام نہ کریں گے تو وہ اس کام کے لئے ایک اور جماعت کھڑی کر دے گا۔ یاد رکھیں کہ اس مختصر سے گروہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے ہمیشہ دوسروں سے بڑھ کر اسلام کی راہ میں قربانیاں کی ہیں۔ آپ نے میرے قیام کے دوران جو کچھ میرے لئے کیا اس کے لئے میں آپ کا مشکور ہوں۔ میں اس بات کی آپ سے معذرت بھی چاہتا ہوں کہ میں اپنی بیماری کی وجہ سے آپکے لئے زیادہ کام نہ کر سکا"

عیدالفطر سے عید قربان تک دو ماہ میں ان کی صحت میں نمایاں فرق آ گیا تھا۔ اب وہ کمزور اور واقعی بیمار دکھائی دیتے تھے۔ لیکن اپنے قیام کے دوران انہوں نے کبھی جماعت انگلستان کی کسی بھی درخواست کو رد نہ کیا۔ کسی میٹنگ کا بتایا تو وقت، جگہ اور اپنی تکلیف کا احساس کئے بغیر گاڑیاں بدلتے پہنچ گئے۔ عید قربان کی نماز کے بعد ان کی طبیعت خراب ہو گئی لیکن کسی سے کچھ نہ کہا خاموشی سے باہر نکل گئے۔ مجھے نظر آئے تو میں نے حال پوچھا۔ کہنے لگے "یار میں نے صبح سے کچھ کھایا نہیں۔ کھانا کھانے تکلیف ہوتی ہے۔ چائے مل سکتی ہے؟" والدہ نے چائے دی۔ دو ایک گھونٹ پی کر کچھ طبیعت سنبھلی تو مجھے کہا "یار مجھے افسوس تو صرف اس بات کا ہے کہ جس کام کے لئے میں جلد ریٹائر ہوا وہ رکا پڑا ہے اور یہاں وقت ضائع ہو رہا ہے۔

پھر سے بجھ جائیں گی شمعیں جو ہوا تیز چلی + لا کے رکھو سرِ محفل کوئی خورشید اب کے

اس کے کچھ عرصے بعد پتہ چلا کہ بیماری پر قابو پا لیا گیا ہے۔ فوراً ہی مجھے فون کیا۔ اور کہنے لگے کہ آپ مختلف ممبران کے گھر میٹنگیں کیوں نہیں رکھتے تاکہ میں جا کر درس قرآن دوں۔ میں نے محترمہ جمیلہ خان

سے ذکر کیا وہ بھی خوش ہوئیں اور پاشا کو فون کر کے پوچھا۔ پاشا نے کہا کہ دوائیوں کی وجہ سے کمزوری اتنی ہے کہ سفر اور تقریروں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تھوڑے عرصے بعد معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں نے "چھٹی" گزارنے انہیں پاکستان جانے کی اجازت دے دی ہے۔

جس روز وہ واپس لندن پہنچے میں انہیں لینے ہوائی اڈے پر نہ جا سکا۔ اگلے روز پیر کو دفتر سے فون کیا۔ میری آواز سن کر بہت خوش ہوئے۔ جلدی جلدی پاکستان کی خبریں سنانے لگے۔ جلسے کی کامیابی پر بہت مسرور تھے۔ کھانسی اتنی زیادہ تھی کہ بہت مشکل سے بات کر سکتے تھے۔ میں نے بار بار چاہا کہ انہیں کہوں بس کریں لیکن وہ اتنے خوش تھے کہ حوصلہ نہ پڑا۔ کوئی پون گھنٹہ باتیں کرتے رہے۔ دو دن بعد پھر فون کیا تو معلوم ہوا کہ طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی اس لئے ہسپتال میں داخل ہو چکے ہیں۔ میرا ارادہ تھا کہ جمعے کے روز دفتر کے بعد ملاقات کے لئے جاؤں گا۔ جمعے کو صبح دس بجے کے قریب فیض خاں صاحب نے میرے دفتر فون کر کے اطلاع دی کہ محمد احمد وفات پا چکے ہیں۔ چونکہ تکلیف زیادہ تھی، انہیں ہسپتال جہاں وہ زیر علاج تھے اور جو دنیا کے بہترین ہسپتالوں میں سے ہے وہاں منتقل کر دیا گیا تھا۔ دفتر چھوڑ کر اسی وقت ہسپتال بھاگا گیا۔ وہاں پہنچا تو ان کے بیٹے شاہد احمد اور ڈاکٹر پاشا ملے۔ دونوں پریشان تھے کہ کیا ہو گا۔ علم ہوا کہ جب تک ہسپتال سرٹیفکیٹ جاری نہ کرے کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ڈر تھا کہ اگر انہوں نے فیصلہ کیا کہ پوسٹ مارٹم ضروری ہے تو کافی دن میت نہیں ملے گی۔ انگریز قوم میں دنیا کی سب برائیاں ہوں لیکن ان میں کم از کم یہ خوبی ضرور ہے کہ تکلیف میں دوسرے کا خیال ضرور کرتے ہیں۔ ڈاکٹروں نے جتنی جلدی ہو سکا یہ فیصلہ کر کے کہ پوسٹ مارٹم کی ضرورت نہیں وفات کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیا۔ یہ سرٹیفکیٹ لے کر میونسپل کارپوریشن سے "سرکاری" سرٹیفکیٹ بھی حاصل کرنا تھا لیکن خدا کے فضل سے ہر کام خود بخود انجام پاتا چلا گیا۔ سب کام ختم کرنے کے بعد اس کمپنی کے پہنچے جس نے میت تیار کر کے نماز جنازہ کا انتظام کرنا تھا۔ وہاں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو "خدا کی راہ میں مرنے والے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں" کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ محترم فیض خاں (جو سارا دن ہمیں لئے دوڑتے رہے تھے) نے کمپنی کے باہر کے دفتر میں ایک صاحب سے ذکر کیا کہ مرحوم مولانا محمد علی کے فرزند تھے۔ وہ صاحب بولے کونسے محمد علی، محمد علی جوہر؟ میرے انکار پر پوچھنے لگے محمد علی لاہوری؟ میرے ہاں کہنے پر بھاگے گئے اور ایک اور صاحب کو بلا لائے۔ شاہد (احمد) کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے ان سے ملیں یہ ان مولوی صاحب کے پوتے ہیں جن کا ترجمہ قرآن آپ نے ۱۹۳۰ء میں خریدا تھا۔

اگلے روز نماز جنازہ تھی۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ اتنی سردی کے موسم میں یہ دو دن موسم اچانک بہت ہی خوشگوار ہو گیا۔ ہفتے کے دن سردی غائب ہو گئی اور دھوپ نکل آئی۔ خزاں کے جھڑے ہوئے پتوں پر چمکتی دھوپ یوں لگتا تھا کسی نے چمن میں آگ لگا دی ہو۔ لیکن جو آگ ہمارے دلوں میں بھڑک رہی تھی وہ ہم ہی جانتے تھے۔ اسے ہمارے آنسو تو نہ بجھا سکے لیکن ہماری ہر آہ اسے بھڑکا دیتی تھی۔ کمپنی کے دفتر کے ساتھ جو زمین تھی وہاں کسی زمانے میں بڑی شاندار عمارت تھی۔ دوسری جنگ میں وہ تباہ ہو گئی۔ کارپوریشن نے بلڈنگ گرا کر ملبہ تو اٹھا لیا لیکن کسی نے دوبارہ وہاں کچھ نہ بنوایا۔ ہم وقت سے کچھ پہلے پہنچ گئے تھے۔ کار وہاں پارک کر کے وقت کا انتظار کرنے لگے۔

ایک ایک دو دو کر کے لوگ پہنچنے لگے۔ لوگ آتے یا نہ آتے وقت نے تو آنا ہی تھا وہ بھی آ پہنچا۔ نماز سے پہلے منہ دیکھنے کے لئے میت والا کمرہ کھول دیا۔ باری باری سبھی اندر گئے۔ باہر آنے پر میں نے ہر ایک کو روتے دیکھا۔ وہ دوست بھی جن کے متعلق کبھی خواب و خیال نہ تھا کہ ان کی آنکھوں میں آنسو اترے ہونگے زار زار رو رہے تھے۔ ان چند مہینوں میں جو انہوں نے یہاں گزارے، یو۔کے جماعت کے ممبروں کے دلوں میں ان کے لئے بہت ہی عزت، احترام اور پیار پیدا ہو گیا تھا۔ سب نے میت کو کندھا دیا۔ اور اٹھا کر ہال میں لے گئے۔ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ یہ سعادت زیادہ اسی کے حصے آئے۔ اباجی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور بعد میں مرحوم کے متعلق چند الفاظ کہے۔ جتنی دیر باقی انتظامات ہوتے نصر الدین قرآن کریم پڑھتے رہے۔ انتظامات مکمل ہونے پر سب نے مل کر میت کو وین میں رکھا۔ اس دوران سورج آہستہ آہستہ ڈوبنا شروع ہو چکا تھا۔ وین احاطے سے نکل کر ہوائی اڈے جانے والی سڑک پر مڑ گئی۔ چھلکتی آنکھوں کے سامنے تیزی سے دور ہوتی وین کا سایہ دھندلا گیا۔

انگلستان کے ایک وزیر اعظم لارڈ جارج کی بیٹی نے فوت ہوتے ہوئے کہا تھا: "ابا تم گھر کب آؤ گے؟" شاید باپ کی روح نے بیٹے سے یہی پوچھا کہ بیٹا تم گھر کب آؤ گے اور سعادت مند بیٹا بوریا بستر باندھ کر چل پڑا۔ لیکن انکل آپ نے تو ہمارے ساتھ مل کر کام کرنے کے بڑے پروگرام بھی تو بنائے تھے ان سب کو چھوڑ کر آپ چل دیئے۔ جائیے ہم آپ سے نہیں بولتے۔ ؎

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی
بقیہ۔ قبل از نبوت زندگی کے مختصر حالات

کہ آپ کے پاس وہ کونسی روشنی ہے جسے آپ آسمانی روشنی کہہ کر پکارتے ہیں۔ لیکن آپ کو ان کے آسمانی نور پر انسانی ساخت کے پردے ہی نظر آئے۔ جنہوں نے شمع کی اصل روشنی کو ڈھانپ رکھا تھا۔ ان علماء سے بھی آپ مایوس ہو جاتے ہیں۔ لیکن تلاش حق کی تڑپ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ وہ ان انسانوں کی آبادیوں میں اپنے دل کی آواز کا جواب نہیں پاتے تو شہر سے باہر کا رخ کرتے ہیں۔ اور آسمانوں، فضاؤں اور صحراؤں کی وسعتوں میں غور کرتے ہیں اور مظاہر قدرت کی مختلف النوع کی نیرنگیوں پر تدبر کرتے ہیں کہ یہ عظیم الشان کائنات کیسے وجود میں آ گئی۔ اور کونسی ہستی ہے جو اسے اس خوبی سے چلا رہی ہے اور اس کا بالآخر مقصد کیا ہے۔

ان کو ان سوالات کا جواب کہیں نہیں ملتا۔ اس سے آپ کے دل کا اضطراب اور بڑھ جاتا ہے لیکن آپ کو اپنے اوپر مکمل کنٹرول ہے کہ اس اضطراب کو اپنی روزمرہ کی زندگی پر قطعاً اثر انداز نہیں ہونے دیتے۔ اپنے بال بچوں کی پرورش، تجارت، دوست احباب سے میل ملاپ میں قطعاً کچھ فرق نہیں پڑنے دیتے۔ اور آپ کے ہم عصران میں اور اپنے میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے سوائے اس کے کہ وہ آپ کے بلند پایہ اخلاق کے رطب اللسان تھے اور ان کی سچائی اور امانت داری کا ہر فرد کو اعتراف تھا۔ چھوٹے بڑے سب آپ کی عزت کرتے تھے لیکن عام حالات کو دیکھ کر حضور کا دل سخت بے قرار رہتا تھا کہ یہ مخلوق کدھر جا رہی ہے۔ چنانچہ یہی بے قراری آپ کو غار حرا تک لے گئی۔ آپ غار حرا میں عبادت کے لئے چلے جاتے ہیں۔ اور وہاں کئی کئی دن تک رہتے تھے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آپ کے دادا بھی اس غار میں جا کر عبادت کرتے تھے۔ غار حرا میں جو عبادت آپ کرتے تھے اس کی کیفیت معلوم نہیں ہو سکی۔ غالباً خدا کی صفات اور مخلوق خدا کے حالات پر غور و فکر کرتے ہوں گے۔ کیونکہ نبوت سے پہلے حقیقت تک رسائی حاصل نہیں ہوئی تھی جسے قرآن کریم نے بھی اس طرح ارشاد فرمایا۔ و وجدک ضالا فھدی۔ تجھے طالب پایا تو ہدایت دی۔

صلے اللہ علیہ وسلم

حجّۃ الوداعُ

> الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی (المائدہ ۳۰)
>
> آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا۔

نویں سال کے آخر تک ملک عرب کے اندر کچھ مشرک لوگ باقی تھے۔ اس لئے اس وقت تک آپ نے جتنے حج کئے وہ عمرہ کے رنگ میں تھے یعنی ایّام حج میں آپ نے حج نہیں کیا۔ نویں سال میں جب اسلام کثرت سے پھیل گیا اور مشرک قومیں تھوڑی رہ گئیں تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مسلمانوں کا امیر مقرر کر کے حج کرنے کے لئے بھیجا۔ اور اس کے بعد ہی سورۃ براۃ کی ابتدائی آیات کے اعلان کے لئے حضرت علی کو بھیجا کہ اب آئندہ کوئی مشرک بیت اللہ شریف کا حج نہ کرے گا۔ اس میں درحقیقت ایک پیشگوئی بھی تھی کہ ایک سال کے اندر کل عرب مسلمان ہو جائے گا اور کوئی مشرک باقی نہ رہ جائے گا جو حج کرے گا۔ چنانچہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں دسویں سال میں کل عرب مسلمان ہو گیا۔ اس سال نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم خود حج کے لئے نکلے۔ کیا عجب نظارہ تھا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انسان مختلف اطراف عرب سے حج کے لئے جمع ہوتے ہیں اور ان میں ایک بھی مشرک نہیں۔ وہی مقام جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم اکیلے پھرتے اور کوئی آپ کی بات نہ سنتا تھا آج یہ کیفیت ہے کہ ہر طرف جان نثاروں کے جمگھٹے نظر آتے ہیں اور ایک اسلام ہی اسلام نظر آتا ہے۔ قدرت خداوندی کا کیا کرشمہ تھا اور کس قدر اس سے لوگوں کے دلوں میں جو یہاں جمع تھے عظمت الٰہی کا پرتو پڑا ہوگا۔ جب یہ کامیابی کا بے نظیر نظارہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ان کی آنکھوں سے دکھا دیا اور کل عرب ملک کو بھی دکھا دیا گیا تو یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ آپ کا کام اب پورا ہو چکا۔ اور وہ کامیابی آپ کو مل چکی جو نہ آپ سے پہلے کسی انسان کو ملی نہ بعد میں ملے گی۔ اس لئے اب آپ کے رخصت ہونے کا وقت آتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ یہ کامیابی۔ یہ کل عرب کا اسلام کے آگے گردن جھکا دینا۔ منشا الٰہی کے عین مطابق اور عین اپنے وقت پر ہوا ہے۔ کیونکہ ایک طرف اگر کل عرب مسلمان ہو گیا تو دوسری طرف دین بھی اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ اب تاقیامت دنیا کو یہ ضرورت نہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالےٰ کی طرف سے سفارت کے منصب پر مامور ہو۔ نبوت کا کام کمال کو پہنچ چکا۔ اور خدا کی نعمتیں پوری ہو چکیں۔ انسان کی ساری مذہبی ضروریات کا انتظام قرآن شریف میں کر دیا گیا۔ اور اس ایک ہی چشمہ سے لوگ ہمیشہ کے لئے سیراب ہوں گے بلاشبہ کمال دین کی خوشخبری سنانے کے لئے اس سے بہتر کوئی جگہ اور کوئی مجمع تجویز نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یہ وہ مقام تھا جو دنیا کے فسادوں سے اور دنیوی جنگ و جدل سے ہمیشہ خالی رہا اور یہ وہ مجمع تھا جو سارے کا سارا تمام تعلقات دنیوی کو قطع کر کے محض اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے ایک جگہ جمع ہوا تھا اور جس میں مساوات کا یہ عالم تھا کہ فقیر اور بادشاہ کا کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا۔ کل کے کل ایک حیثیت میں اپنے خالق کے حضور حاضر تھے اور دلوں میں عظمت الٰہی کا رُعب تھا۔

اس حج میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا مشہور خطبہ پڑھا۔ آپ اونٹنی پر سوار تھے اور سب لوگ آپ کے اردگرد میدان منا میں جمع تھے۔ آپ جو کچھ فرماتے جاتے دُوسرے لوگ بلند آواز سے دہراتے جاتے تھے تاکہ سارے مجمع کو آپ کی بات پہنچ جائے۔ اسوقت عرب کی ساری اقوام اور قبائل کے لوگ جمع تھے۔ اور یوں یہ آواز گویا عرب کے کناروں تک پہنچائی گئی۔ آپؐ نے فرمایا:۔

”اے لوگو! میری بات کو اچھی طرح سن لو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد پھر بھی میں کبھی اس موقع پر تمہارے درمیان ہونگا“

آپ نے اپنی وفات کے قرب کو نہ صرف اس سے سمجھ لیا تھا کہ آپ کا جو کچھ کام تھا ہو چکا۔ بلکہ اس سے بھی کہ آپ پر آیت تکمیل دین نازل ہو گئی۔ یہ آیت میدان عرفات میں نویں ذی الحجہ کو نازل ہوئی تھی اور یہ خطبہ اس کے بعد پڑھا تھا۔ آپ کو مبعوث اس لئے کیا گیا تھا کہ تا آپ دین کو کمال تک پہنچا دیں۔ پس ظاہر تھا کہ جب آپ کو یہ بتا دیا گیا کہ آج کے دن دین کامل ہو چکا تو اب آپ کے دنیا میں اور قیام کی ضرورت نہ رہی۔ پھر آپ نے فرمایا:۔

” تم جانتے ہو یہ کونسا دن ہے؟ یہ یوم النحر یعنی قربانی کا دن ہے تم جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے۔ یہ شہر حرام یعنی حرمت والا مہینہ ہے۔ پس میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اسی طرح ایک دُوسرے پر حرمت کا استحقاق رکھتی ہیں۔ جیسے اس حرمت والے شہر میں اس حرمت والے مہینہ میں یہ حرمت والا دن۔ دیکھو حاضر غائب کو یہ بات پہنچا دے اور تم اپنے رب سے ملنے والے ہو سو وہ تم کو تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا“

”آج تمام سود کی رقمیں چھوڑ دی جاتی ہیں اور عباس بن عبدالمطلب کی رقم سود بھی چھوڑ دی جاتی ہے“

” آج تمام خون جو جاہلیت میں ہو چکے ان کا قصاص موقوف کیا جاتا ہے۔ اور سب سے پہلے ربیعہ ابن الحارث ابن عبدالمطلب کے خون کا قصاص موقوف کیا جاتا ہے“

اے لوگو! آج شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ تمہاری سرزمین میں اس کی عبادت پھر کبھی ہو لیکن اس کے سوائے (یعنی بت پرستی چھوڑ کر) اگر اور امور میں اس کی اطاعت کی گئی۔ ایسے اعمال میں جن کو تم حقیر خیال کرو۔ تو یہ اس کی خوشی کا موجب ہو گا پس اپنے دین میں اس سے بہت احتیاط کرو“

”پھر اے لوگو! تمہارے تمہاری بیبیوں پر حق ہیں اور تمہاری بیبیوں کے تم پر حق ہیں۔ وہ تمہارے ہاتھوں میں خدا تعالےٰ کی امانت ہیں پس تم اُن سے نیک سلوک کرو اور تمہارے غلام۔ دیکھو تم ان کو وہ خوراک دو جو خود کھاتے ہو۔ اور وہ لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو“

”اے لوگو! میری باتوں کو سن لو اور ان کو سمجھ لو۔ جان لو کہ ہر مسلم دُوسرے مسلم کا بھائی ہے۔ اور تم سب بھائی یکساں ہو (یعنی ایک سے حقوق اور ذمہ داریاں رکھتے ہو) اور تم سب ایک ہی سلسلہ اخوت میں ہو پس کسی شخص کے لئے اپنے بھائی سے کچھ لینا جائز نہیں مگر وہی جو وہ اپنے نفس کی خوشی سے خود دے پس اپنے لوگوں پر کوئی ظلم مت کرو یعنی ان کا کوئی حق مت چھینو“

تب آپ نے بلند آواز سے کہا:۔

” اللھم ھل بلغت

کیا میں نے پیغام پہنچا دیا۔ اور ہزار ہا انسانوں کی زبان کے اس جواب نے اللھم نعم بیشک آپ نے پہنچا دیا۔ وادی میں ایک گونج پیدا کر دی۔ اگر وہ پیغام کامل تھا جو آپ لائے تو اس کے پہنچانے میں بھی کمال کر دیا۔

احباب جماعت سے

ایک اہم گزارش

اخویم مکرم ——— السلام علیکم

محترم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب نے تجویز کیا ہے کہ میں تحریک احمدیت پر سوال و جواب کے رنگ میں ایک کتابچہ تحریر کروں۔ یہ ایک نہایت عمدہ اور بروقت تجویز ہے جس کی طرف موصوف نے توجہ دلائی ہے۔ اس لئے جملہ برادران جماعت سے گزارش ہے کہ جو جو سوالات غیر از جماعت احباب ان پر تحریک و جماعت کے بارہ میں کرتے ہوں ان سے اس خاکسار کو اطلاع دیں۔ مہربانی ہو گی

ڈاکٹر اللہ بخش
چیف ایڈیٹر پیغام صلح و
لائیٹ

چوہدری محمد شریف

"میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

۱:۔ امریکہ سے جناب منیر عبدالمحیمن لکھتے ہیں:۔

میں امریکہ میں بفضلِ تعالیٰ مسلم ہوں۔ دو سال قبل مجھے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ موجودہ مادیت کے دور میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو انسان کے لئے سکون قلب اور امن و سلامتی کا ضامن ہے۔ اور حضرت نبی کریم صلعم کی تعلیمات دُنیا کے لئے رحمت کا موجب ہیں میں اپنے مشرقی بھائیوں سے ملتمس ہوں کہ ازراہ کرم میرے ملک میں تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں میری مدد فرمائیں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی کتب یا لٹریچر یہاں دستیاب نہیں اس لئے ان کتب کا حصول میرے لئے انتہائی مشکل مسئلہ بن گیا ہے۔ آپ مجھے ترجمہ و تفسیر انگریزی ترجمہ قرآن از حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ ارسال فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

۲:۔ نائیجیریا سے طاہرہ یوسف ہارون صاحب لکھتے ہیں:۔

مجھے آپ کی اسلامی مطبوعات سے بے حد دلچسپی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ان کا مسلسل مطالعہ جاری رکھوں تاکہ اپنے دینی علم میں مزید اضافہ کرسکوں۔ آپ مجھے مندرجہ ذیل کتب بھجوا کر شکریہ کا موقع دیں۔ میں آپکے جواب کا منتظر ہوں۔ اُمید ہے میری درخواست کو شرفِ قبولیت بخشیں گے۔ مطلوبہ کُتب یہ ہیں۔

اسلام اینڈ مُسلم پریئر۔ نماز اور ترقی کی تین راہیں۔ فتح اسلام انگریزی۔ فہرست کتب، میں ان کُتب کو دیکھنے کا بے چینی سے انتظار کروں گا۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اس کا اجر دے گا۔

آپ کا مُسلم بھائی

۳:۔ تادن پلاننگ ڈیپارٹمنٹ اباداں نائیجیریا سے جناب نسمو نو الدوجی لکھتے ہیں۔

برادر مکرم السّلامُ علیکم

آپ کا نومبر ۱۹۸۰ء کا خط ملا معذرت خواہ ہوں کہ جواب لکھنے میں قدرے تاخیر کر دی۔ یہ معلوم ہو کر مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے کہ آپنے مجھے کچھ اسلامی کُتب بھجوائی ہیں۔ آپنے میری درخواست قبول کر کے میری عزت افزائی فرمائی ہے۔ اس کے لئے آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ آپ کا لٹریچر میرے دینی علم میں اضافہ کا باعث ہوگا۔ کتب وصول کر کے پھر آپ کی خدمت میں لکھوں گا۔ والسّلام

۴۔ نائیجیریا سے میمن تانی رقمطراز ہیں:۔

جناب محترم! میں الوان یونیورسٹی میں ایک مسلمان طالب علم ہوں۔ مجھے انگریزی ترجمہ قرآن کی اشد ضرورت ہے تاکہ میں عربی کے معانی و مطالب اور مفہوم کو اچھی طرح سمجھ سکوں۔ حضرت مولانا محمد علی کا انگریزی ترجمہ قرآن آسان فہم اور تشریح و تفسیر بہت دل نشیں ہے اُمید واثق ہے کہ آپ خوبصورت ترجمہ و تفسیر بلامعاوضہ مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔ آپ کا مخلص

۵:۔ گھانا مغربی افریقہ سے بابا محمد لکھتے ہیں:۔

برادر مکرم!

آپ کی خدمت میں چند سطور تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ دُعا ہے اللہ تعالےٰ تمام مسلمانوں کو اتحاد کی توفیق بخشے۔ آمین — میں بفضلِ تعالیٰ مسلمان ہوں گھانا میں ہر دو انگریزی و عربی سکولوں میں تعلیم حاصل کر رہا ہوں۔ مجھے ترجمہ قرآن کی ضرورت ہے، آپ اس مقدس کتاب کا تحفہ مرحمت فرما کر شکر گزاری کا موقع دیں۔ اللہ تعالےٰ تبلیغ اسلام اور فروغِ اسلام کے لئے آپ کی مدد فرمائے۔ آمین!

۶:۔ مرد نو علی ہانسٹی نائیجیریا سے لکھتے ہیں:۔

مکرّم جناب!

یہ خط آپ کی خدمت میں بحسرت رقم کر رہا ہوں اور آپ کو زحمت دے کر معذرت خواہ ہوں کہ آپ نے مجھے جو کتب گزشتہ سال ارسال کی تھیں وہ ہمارے ڈاک خانہ نے آپ کو واپس بھیج دی ہیں جس کا مجھے بڑا دُکھ ہے۔ براہ کرم ان کتب کو واپس میرے نام ارسال فرما کر مشکور فرما دیں۔ میں روزانہ ڈاک خانہ سے دریافت کرتا رہوں گا۔ اس کے علاوہ درج ذیل کتب بھی بھجوا دیں۔ انگریزی ترجمہ قرآن و تفسیر۔ احادیث اور فقہ۔ مسنون دعائیں مناجات اور دیگر مذہبی لٹریچر۔

اُمید ہے کہ آپ انتہائی توجہ کر کے شکر گزاری کا موقع دیں گے اللہ تعالےٰ آپ کو اس کا اجر دے گا۔ والسّلام،

۷:۔ نائیجیریا سے لسانے صداقت صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں:۔

مکرّمی جناب — آپ نے ستمبر ۱۹۸۰ء میں جو لٹریچر بھیجا تھا ابھی تک موصول نہیں ہوا۔ مجھے ان کُتب کا بڑی بے چینی سے انتظار ہے کیونکہ اب میں نے ڈویژنل ٹیچر کالج کورس مکمل کر کے سکول میں ایک معلم کے فرائض سرانجام دینے شروع کئے ہیں۔ میرا اپنا پتہ نوٹ فرمالیں میں کولہ لوکل گورنمنٹ ایریا میں ایک اسلامک سوسائٹی تشکیل دے رہا ہوں جس کا نام "نوجوان مبلغ اسلام" ہوگا۔ اسلامی تفصیلات اور سرگرمیوں کے بارے میں جلد ہی آپ کو آگاہ کیا جائے گا۔ مہربانی فرما کر اسلامی و دینی کُتب جن کا آپنے وعدہ کیا تھا بھیج کر عنداللہ ماجور ہوں۔

۸:۔ نورین سلیمی نائیجیریا سے رقم طراز ہیں:۔

مکرمی جناب!

اگر آپ پہلی فرصت میں اپنا دینی لٹریچر و مطبوعات میرے نام ارسال کرسکیں تو نہایت شکر گزار ہوں گی۔ ان کتب کا مطالعہ دینی لحاظ سے حقائق آفرین معلومات کا باعث ہوگا۔

دو احمدی نوجوانوں کیلئے رشتوں کی ضرورت

جماعت احمدیہ لاہور سے وابستہ دو احمدی نوجوانوں کے لئے مناسب رشتوں کی ضرورت ہے ان میں سے ایک انجینئر ہیں اور ڈیڑھ ہزار روپیہ ماہانہ پر کام کر رہے ہیں اور دوسرے ڈسپنسنگ کا کام کرتے ہیں۔ لڑکیاں جماعتِ احمدیہ لاہور کے خاندانوں سے تعلق رکھتی ہوں۔ دینی تربیت یافتہ اور اسلامی معاشرت پر کاربند ہوں۔ ترجیح لیڈی ڈاکٹر۔ لیڈی لیکچرار اور نرسنگ میں کام کرنے والیوں کو دی جائے گی۔ عمر تقریباً پچیس برس تک ہو۔

خط وکتابت کے لئے
(چیف ایڈیٹر پیغام صلح)
(ڈاکٹر اللہ بخش سے)
سے رابطہ قائم کریں۔

از :- مکرّم میاں رحیم بخش صاحب کراچی

یادِ رفتگاں

برادرم محمد احمد مرحوم و مغفور کی تعزیت کے سلسلہ میں جب میں لاہور میں تھا تو اخبار پیغام صلح کے خاص نمبر "محمد احمد" کے لئے کچھ لکھنے کے لئے مجھے کہا گیا تو میں سوچوں میں پڑ گیا اور سوچتا رہا کہ میں کیا لکھوں۔ اپنے غم و اندوہ کے اظہار کیلئے مجھے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ اخبار پیغام صلح کا محمد احمد نمبر نکلا تو اسکو پڑھ کر دل بھر آیا۔ جذبات اُمنڈ آئے۔ آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ خیال کہ میں بھی اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اُس رنج و غم کا اظہار کروں جس نے نہ صرف اُس کے اقرباء اور لواحقین کو بلکہ تمام جماعت کو مبتلا کر دیا۔ اس ضمن میں مجھے کسی شاعر کا یہ مصرعہ یاد آیا :۔ ؎

حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مُرجھا گئے

گو یہ جملہ عام طور پر اُن بچوں کی موت پر بولا جاتا ہے جو اپنی صغر سنی اور بچپنے میں اس دُنیا سے رحلت کر گئے ہوں مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ مصرعہ محمد احمد کی وفات حسرت آیات پر چسپاں ہوتا ہے کیونکہ تفہیم دین اور خدمتِ قرآن کے بارہ میں اُن کی صلاحیتیں جو عمر بھر اُن کے اندر نشوونما اور تربیت پاتی رہیں وہ اسوقت ایک غنچہ کی صورت میں نمودار ہوئیں مگر افسوس کہ یہ غنچہ کھلے بغیر مرجھا گیا۔ اور ان کی وہ استعدادیں اُبھرے بغیر سپردِ خاک ہو گئیں۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

عزیزم محمد احمد کے محاسن اور اوصافِ حمیدہ کے بارہ میں پیغام صلح کے محمد احمد نمبر میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ بلکہ اپنی قرابت داری کے باوجود ان کی کئی ایک صفات سے میں اب تک ناواقف تھا۔ مجھے جب اُن کی وفات کی خبر ۲۴ جنوری ۱۹۸۱ء کی صبح کو بذریعہ فون ملی تو میں سکتہ میں رہ گیا۔ اور مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ وہ اتنی جلد اور یکلخت ایک دیارِ غیر میں ہم سے جُدا ہو جائیں گے۔ ابھی تو ہم نے تھوڑے دن ہوئے انہیں لاہور میں روبصحت حالت میں دیکھا تھا۔ اور ، اگلی شام کو ہم کراچی میں اُن سے مل کر ان امیدوں کے ساتھ آئے تھے کہ وہ لندن میں علاج کے بعد مکمل صحت یاب ہو کر واپس آئیں گے۔ مگر مشیت ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا اور ان کے جسدِ خاکی کو لاہور بلا کر اُن کی نماز جنازہ ادا کر کے ان کو زیرِ زمین مدفون کرنا پڑا۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

میں اُن کی ہمشیرہ کے ہمراہ جب محمد احمد کی تجہیز و تکفین اور تعزیت کے سلسلہ میں جب دوبارہ لاہور گیا تو پھر بھی مجھے یقین نہ آتا تھا کہ ہمارے یہ بلند پایہ عزیز وفات پا چکے ہیں۔ بلکہ میں اب بھی سمجھتا ہوں کہ وہ زندہ ہیں لیکن ہم سے دُور بہت دُور اپنے سفرِ آخرت میں روانہ ہو گئے ہیں اور وہ اس منزلِ مقصود کو پہنچ جائیں گے۔ جس مقام کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین
بما اٰتاھم اللّٰہ من فضلہ

ہماری بھی یہی دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اُن کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور اپنی رحمتوں اور برکات سے نوازے۔ اس کے ساتھ یہ بھی دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اُن کے عزیزوں۔ لواحقین اور تمام غمزدہ احباب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

میں بتا چکا ہوں کہ محمد احمد کی تجہیز و تدفین اور تعزیت کے لئے جب میں لاہور گیا تو کئی دن ان کے مکان نیو گارڈن میں ٹھہرنے کا موقع ملا۔ مگر اس دوران بھی میرے لئے یہ یقین کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ وہ اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے ہیں۔ چنانچہ میری نظریں اپنے تصوّر میں اُس ہنس مکھ مسکراتے چہرہ کو مکان میں ہر طرف کمروں میں۔ برآمدہ میں۔ باہر دالان میں تلاش کرتی رہیں۔ اور مجھے خیال آتا رہتا کہ وہ دلکش شخصیت کسی وقت میرے سامنے آئے گی اور میں اُن سے ملاقات کروں گا مگر اب راضی برضائے الٰہی کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

محمد احمد کی وفات پر جتنے پیغاماتِ تعزیت موصول ہوئے ہیں وہ اخبار پیغام صلح کے خاص نمبر میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں اُن کے حُسنِ اخلاق اور اوصافِ حمیدہ کا ذکر ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی ملازمت میں ایک قابل معزز اور پُروقار حیثیت رکھتے تھے۔ اور اپنی ہردلعزیزی سے سب کو متاثر کرتے تھے۔ میں نے اپنے ذاتی قریبی تعلق کی بنا پر بھی اُن کو تمام خوبیوں کا حامل پایا۔ وہ اپنی خوش خلقی منکسر المزاجی۔ مہمان نوازی میں ایک قابلِ تقلید نمونہ تھے۔ لیکن ان کی سب سے بڑی خوبی اُن صلاحیتوں میں مضمر تھی جو خدمتِ قرآن کے سلسلہ میں اُن سے ظہور پذیر ہونے والی تھیں۔ خدمتِ دین کے لئے ان کے بلند عزائم تھے خاص کر طباعت و اشاعتِ قرآن مجید مترجم بزبانِ انگریزی و اردو کے متعلق اُن کے خیال میں عظیم الشان منصوبے تھے۔ جن کا خاکہ وہ بنا گئے۔ لیکن اُن منصوبوں کی تکمیل وہ ہم پر چھوڑ گئے۔ ان کی المناک وفات کے غم کا مداوا اب اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ خدمتِ قرآن کا وہ منصوبہ جس کی ابتداء وہ کر گئے یعنی انگریزی ترجمۃ القرآن مع تفسیری نوٹ مگر بلا عربی متن۔ کی تکمیل کا کام بڑی تندہی سے سرانجام دیا جائے اور اس کی طباعت و اشاعت اتنے وسیع پیمانہ پر کی جائے کہ بائبل کی طرح اس قرآن کا نسخہ دنیا میں خاص کر مغربی ممالک میں۔ ہر گھر میں موجود پایا جائے۔ اسی ترجمۃ القرآن مع عربی متن و تفسیری نوٹ کو بہت اعلیٰ کوالٹی ڈی لکس صورت میں اتنے پیمانہ پر طبع اور اشاعت کیا جائے کہ اس کا دیدہ زیب نسخہ ہر سنجیدہ اور مقتدر شخصیت کے پاس پہنچ جائے۔ اس کے علاوہ خدمتِ قرآن کے سلسلہ میں اور بھی اہم اور عالمگیر تجاویز ہیں جن کو بروئے کار لانا اشد ضروری ہے۔ اس کام کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ حضرت امیر مرحوم علیہ الرحمۃ اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردہم کی دلی تڑپ و آرزوئیں وابستہ ہیں حضرت امیر مرحوم علیہ الرحمۃ کے لب پر آخری لمحاتِ حیات میں جو الفاظ تھے وہ مکرم جناب این اے فاروقی صاحب کی زبانی یہ تھے :۔

" ہمارا کام قرآن کو دنیا میں پہنچانا ہے باقی وہ اپنا کام
خود کرے گا "

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب علیہ الرحمۃ کس درد دل سے اپنی قوم اہلِ اسلام سے اپیل کرتے ہیں :۔ ؎

اے بے خبر بخدمتِ فرقاں کمر بہ بند
زاں بیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

* * *

ایک ولندیزی خاتون

کا

قبولِ اسلام

ہمارے مکرم بھائی احمد بخش اللہ صاحب سیکرٹری جماعت ہیگ (ہالینڈ) اپنے تازہ خط میں اطلاع دیتے ہیں کہ مولانا حافظ شیر محمد صاحب نے فجی واپس جانے سے قبل چند دن ہالینڈ میں قیام فرمایا۔ اور خطبہ جمعہ کے علاوہ نہایت مؤثر تقاریر بھی فرمائیں جن میں جماعت کے تین سو سے زائد احباب شریک ہوئے۔ ایک ولندیزی خاتون مسز میرین (MES MARIAN) دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔ اور سب جماعتوں نے مسرت سے انہیں خوش آمدید کہا۔ جملہ احباب سے التماس ہے کہ وہ اس نومسلم بہن کے لئے دُعا فرماویں کہ اللہ تعالےٰ انہیں "استقامت" عطا فرماوے۔ اور وہ دینی و روحانی ترقیات سے بہرہ ور ہوں۔

باہتمام ریاض حسین الجدید پرنٹرز اُردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح - احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر :- ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں
◆
وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام
◆
ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۰۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد
دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہاماتِ حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے [illegible]
بیرونی ممالک سے [illegible]

جلد ۶۸ | یوم چہارشنبہ ۲ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ مطابق ۸ اپریل ۱۹۸۱ء عیسوی | شمارہ ۱۴

ارشاداتِ عالیہ حضرت مجدد صد چہاردہم

خدا تعالیٰ کے نام سے

جو رحمٰن اور رحیم ہے

اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو اور اے وہ تمام انسانی رُوحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو!

میں پُورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت دیتا ہوں کہ اب زمین پر سچّا مذہب صرف اسلام ہے اور سچّا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن شریف نے بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ کی رُوحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا **حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم** ہیں۔ جن کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت مِلا ہے کہ اس کی پیروی اور محبّت سے ہم رُوح القدس اور خدا کا مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔

پاک زندگی کے حصول کیلئے

تین باتیں ضروری ہیں

حقیقی پاکیزگی تب حاصل ہوتی ہے جب انسان گندی زندگی سے توبہ کر کے ایک پاک زندگی کا خواہاں ہو اور اس کے حصول کے لئے صرف تین باتیں ضروری ہیں۔

۱: ایک تدبّر و مجاہدہ کہ جہاں تک ممکن ہو گندی زندگی سے باہر آنے کے لئے کوشش کرے۔

۲: دُوسرے دعا کہ ہر وقت جناب الٰہی میں نالاں رہے۔ تا وہ گندی زندگی سے اپنے ہاتھ سے اس کو باہر نکالے۔ اور ایسی آگ اس میں پیدا کرے جو بدی کے خس و خاشاک کو بھسم کر دے اور ایک ایسی قوت عنایت کرے جو نفسانی جذبات پر غالب آ جاوے اور چاہیئے کہ اسی طرح دُعا میں لگا رہے جب تک کہ وہ وقت آ جاوے کہ ایک الٰہی نور اس کے دل پر نازل ہو اور ایک چمکتا ہوا شعاع اس کے نفس پر گرے کہ تمام تاریکیوں کو دور کر دے اور اس کی کمزوریاں دُور فرما دے۔ اور اس میں پاک تبدیلی پیدا کرے کیونکہ دُعاؤں میں بلاشبہ تاثیر ہے۔ اگر مُردے زندہ ہو سکتے ہیں تو دعاؤں سے اور اگر اسیر رہائی پا سکتے ہیں تو دعاؤں سے اور اگر گندے پاک ہو سکتے ہیں تو دعاؤں سے مگر دُعا کرنا اور مرنا قریب قریب ایک ہی ہے۔

۳: تیسرا طریق صحبت کاملین اور صالحین ہے کیونکہ ایک چراغ کے ذریعہ سے دُوسرا چراغ جلتا ہے۔

مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

خودی کے جذبات کی بے راہ روی ہی دنیا میں فساد، بے امنی اور ہلاکت کا موجب ہے

رضائے الٰہی کے ماتحت جذبات خودی کو تابع کرنے میں ہی عقل و علم کی ترقی اور محرکات زندگی کو فروغ حاصل ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والٰھکم الٰہ واحد ۔ لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ان فی خلق السمٰوٰت والارض ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لاٰیٰت لقوم یعقلون ۔ ۔ ۔ ۔ والذین

اٰمنوا اشد حبا للہ

ترجمہ:۔ اور تمہارا معبود ایک ہی ہے ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ وہ بے انتہا رحم والا بار بار رحم کرنے والا ہے ۔ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے ردّ و بدل میں اور کشتیوں میں جو سمندروں میں چلتی ہیں ۔ کہ اس کے ساتھ لوگوں کو نفع دے ۔ اور پانی میں جو اللہ بادل سے اتارتا ہے پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اس کے اندر ہر قسم کے جانور پھیلاتا ہے اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان کام میں لگایا گیا ہے ۔ ان لوگوں کے لئے یقینی نشان ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں ۔ اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے سوا (اس کے) ہمسر بنا لیتے ہیں ۔ ان سے اللہ کی محبت کی طرح محبت کرتے ہیں مگر جو ایمان لائے وہ اللہ کی محبت سب سے بڑھ کر رکھتے ہیں ۔ اور اگر وہ جو ظالم ہیں دیکھیں جب عذاب کو دیکھیں گے کہ سب طاقت اللہ ہی کے لئے ہے اور کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ۔

آیات تلاوت کردہ میں ارشاد ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے ۔ جو رحمٰن اور رحیم ہے ۔ رحمٰن وہ ہستی ہے جو ہر چیز کی پیدائش سے پہلے اس کی نشو و نما کے لئے سامان پیدا کرتی ہے اور انسان کے اعمال پر نتیجہ پیدا کرنے والی ذات رحیم ہے ۔ ایک طرف قوانین قدرت کی طرف توجہ دلائی ہے ۔ کہ بادلوں ۔ ہواؤں اور دن رات کے تغیرات میں ان لوگوں کے لئے نشان ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں گویا ایک طرف انسان کو توجہ دلائی ہے کہ اگر وہ عقل سے کام لے تو وہ کبھی خدا کے ساتھ کسی اور چیز کو شریک نہیں ٹھہرا سکتا ۔ اور دوسری طرف بتایا ہے کہ مشرکین خدا کو چھوڑ کر معبودان باطل سے محبت کرتے ہیں ۔ جو سراسر عقل کے خلاف بات ہے ۔ ماسوای اللہ سے اظہار محبت و عشق اپنے صحیح انسانی مقام عقل و دانش سے گر کر ہی کیا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ اگر عقل سے کام لیا جائے تو خدائے واحد پر ایمان پیدا ہوتا ہے ۔ توحید کا مطلب یہ ہے کہ جملہ تعلقات میں سب سے مقدم خدا سے محبت ہونی چاہیئے انسان کے محض تخیلاتی طور پر خدا کو مان لینے سے خدا کی محبت دل میں جاگزیں نہیں ہوتی ۔ جب تک ہمارے جذبات و احساسات محبت و عقیدت اس ایک ذات سے عملی زندگی میں متحقق نہ ہوں اگر تدبر و تفکر کو کام میں لایا جائے تو اس کائنات کی کسی چیز کو وہ عظمت حاصل نہیں ہے ۔ جس کے سامنے انسان اپنی گردن کو جھکا دے ۔ ایسی ہستی ایک اور صرف ایک یعنی خدائے واحد ہی ہے جس کی عظمت و کبریائی کا اعتراف عالم کا ذرّہ ذرّہ کر رہا ہے ۔ اس لئے کوئی شخصیت یا چیز ایسی نہیں ہے جو خدا کی ہمسر ہو سکے ۔ خدا کی محبت و عشق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہماری زندگی کا ہر تعلق اسی ذات کی رضامندی اور خوشی کا مظہر ہو ۔ اس حقیقت کو قرآن پاک نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے ۔ قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین وبذالک امرت وانا اول المسلمین ۔ کہہ کہ میری نماز، میری قربانی بلکہ میری ساری زندگی کی تگ و دو کا خلاصہ صرف خدا تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے ہی وقف ہے ۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے ۔ کہ خدا پر ایمان محض تصور کی حد تک ہی قابل قبول بات نہیں بلکہ زندگی کی ہر حرکت و سکون اور ہر عمل زندگی میں اسی حقیقت کا کارفرما ہونا ضروری ہے ۔ ورنہ انسان مقام انسانیت سے گر کر محض حیوانیت میں مبتلا ہو جاتا اور مادر پدر آزاد ایسے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے جو انسانی زندگی میں ہیجان و اضطراب انتشار و فساد کا باعث بنتے ہیں اور انسان کو تباہی و بربادی کی جانب لے جاتے ہیں ۔ اگر خدا سے تعلق محبت قائم ہو جائے تو انسان کی محبت و دشمنی محض للہ ہو جاتی ہے ۔ اس کے برعکس اگر انسان کی الفت خدا کے ماسوای اللہ کے ساتھ ہو جائے تو اس کے نتائج بھی ہوتے ہیں جیسا کہ آجکل امریکہ کے صدر جناب رونالڈ ریگن صاحب پر جان ہنکلے جیسے نوجوان کا خطرناک حملہ تھا ۔ کیونکہ اس کے اس حملہ میں کوئی سیاسی یا عداوت پر مبنی جذبات کارفرما نہیں تھے بلکہ اس کے محرکات محض شہرت طلبی کے جذبات اور اپنی محبوبہ پر اپنی عظمت کا سکہ بٹھانا تھے ۔ ویسے بھی اس قسم کے کارنامے ایسے نوجوان ہی انجام دیتے ہیں جو محض ناموری اور شہرت کے طالب ہوتے ہیں ۔ مثل مشہور ہے "گر بدنام ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا" کے مقولہ کے مصداق بننا چاہتے ہیں آجکل اس قسم کے اذہان موجود ہیں جن میں یہ بات سمائی ہوئی ہے ۔ کہ بڑے اور عظیم لوگوں کو قتل کرو تو نام پیدا ہو گا ۔ اور تم مشہور (بدنام) زمانہ ہو جاؤ گے ۔ ایسے ہی اس قاتل کو بہت شہرت ملی ہے ۔ اب سائیکلوجسٹ قاتل کے دماغ کے محرکات معلوم کرنے کے لئے کوشاں ہیں یہ شخص کسی فلم ایکٹریس کی محبت میں مبتلا ہونے پر اس گھناؤنے فعل کا مرتکب ہوا ہے ۔ قرآن پاک نے نہایت عمدہ انداز میں بیان فرمایا ہے ۔ کہ غیر اللہ کی شدید محبت تباہ کن ہے ۔ مگر خدا کی محبت میں سب کچھ کھونا عقل کی کمی نہیں بلکہ عین تقاضائے عقل و فہم ہے ۔ اس لئے فرمایا ہے والذین اٰمنوا اشد حبا للہ ۔ کہ اہل ایمان کو صرف خدا سے ہی شدید محبت ہوا کرتی ہے ۔ انسان کی جملہ پرستیاں خواہ وہ شخصیت پرستی ہو ۔ قبر پرستی ہو ۔ پیر پرستی اور لفظ پرستی ہو یا خواہشات پرستی ۔ یہ سب مہلک اور تباہ کن نتائج پیدا کرتی ہیں ۔ عربی کا مقولہ ہے ۔ حب الشئی یعمی و یصم کسی چیز کی بے جا محبت میں انسان اندھا اور بہرا ہو جایا کرتا ہے ۔ اور انسان اپنے محبوب سے الفت اور محبت کے باعث عقل سے ہاتھ دھو لیتا ہے ۔ جذبات محبت اس قدر ناقابل برداشت بن جاتے ہیں ۔ کہ انسان اپنے محبوب کو پانے کے لئے معقولیت کی تمام حدود کو پھاند جاتا ہے

اور یہ ایک [illegible] ہم ان واقعات سے ہر روز آشنا ہوتے ہیں کہ جب کسی شخص کی کوئی وہ حالتِ حقیقی ہے تو عاشق کے لئے باعثِ تشویش نہیں بلکہ ایسی محبت باعثِ سکون و امن بن جاتی ہے کیونکہ وہ محبوب حیّ و قیوم ہے زندہ اور قائم ہے۔ اور ہماری عقل و فکر، غور و تدبر ہمیں اس مقام پر لے جاتی ہے کہ جہاں ہم اس حقیقت پر ایمان لاتے ہیں کہ عبادت کے لائق صرف خدائے واحد کی ذات ہے۔ اسی طرح اگر ہم خدا سے محبت کریں گے تو ہمیں کوئی تکلیف اٹھانا نہیں پڑے گی بلکہ تمام تکالیف ہیچ و حقیر بن کر رہ جائیں گی۔ کیونکہ وہ خدا لافانی محبوب ہے جس پر کبھی فنا نہیں۔ مومن اس کی رضا کے لئے اپنی مرضی و منشا اور محبت کو ترک کر دیتا ہے۔ اور اس کے ماسوای جملہ ارکانِ کائنات خواہ وہ انسان ہے۔ یا حیوان۔ مال و منال ہے یا جاہ و حشمت سب فانی ہیں۔ فنا پذیر ہیں اور ہیچکارہ ہیں اسی لئے ہمارا محبوب خدا ہی ہونا چاہیئے۔ اور ہماری زندگی کا ہر عمل خدا کی خوشنودی اور رضا کے حصول کے لئے ہو۔ قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین۔ جملہ کاروبارِ زندگی خدا کی منشاء و رضا کی روشنی میں انجام پانے چاہیئں۔ حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین

ایمان کی حد یہ ہے کہ اولاد۔ ماں باپ اور جملہ انسانوں سے زیادہ محبت خدا اور اس کے رسول سے ہو اور جب یہ مقام میسر ہو تو انسان اس قسم کے غلط اقدامات ہرگز نہیں کر سکتا۔ یہ صرف موجودہ تہذیب ہی ہے جو ایمان باللّٰہ و بالرسول سے محروم ہے۔ اب دینی اقدار بھی دولتِ ایمان سے محروم ہوتی جا رہی ہیں۔ جاہ طلبی اور شہرت و ناموری کا حصول جذبات کی حدود سے بڑھ کر جنون کی حدود میں داخل ہو چکا ہے۔ اس کا نتیجہ یقیناً انسان کی تباہی و بربادی ہے۔ دوسری جانب عاشقانِ خدا ہیں یعنی اولیاء اللہ کا گروہ جن کو خدا کے ساتھ ایک جنون کی حد تک عشق و محبت ہوتا ہے گرچہ لوگ ان کو دیوانہ اور مجنون خیال کرتے ہیں مگر خدا تعالےٰ نے اس کی تردید کی ہے۔ کہ اے نبی تو مجنون ہرگز نہیں ہے۔ ما انت بنعمۃ ربک بمجنون۔ تو اللہ کے فضل سے دیوانہ نہیں ہے کیونکہ لوگ دیکھتے تھے کہ آپؐ ہر طرح کی تکالیف و مصائب برداشت کرتے ہیں لیکن خدا کی توحید کو پھیلانے میں شب و روز لگے رہتے ہیں اور ہر دم یہی دھن ہے کہ انسان خدا کے ماسوا کی پوجا سے بچ کر توحید پر ایمان لائیں اور ہر وقت مخلوق کی بھلائی اور اس کو نفع رسانی کے لئے کوشاں ہوتے ہیں حتیٰ کہ لوگ کہتے ہیں کہ "محمدؐ اپنے خدا کے عشق میں دیوانہ ہے۔ وانک لعلیٰ خلق عظیم۔ تو تعلقاتِ انسانیہ کے میدان میں خلق بلند ترین مقام پر فائز ہے۔

حضرت مرزا صاحبؒ نے اپنے لیکچر "اصولِ اسلام کی فلاسفی" جو آپ نے جلسہ مذاہب عالم میں اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے دیا تھا۔ کیونکہ اس وقت لوگ آپ کو اسلام کا نمائندہ یقین کرتے تھے — — — — — — — — نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مومنین۔ اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو کیا آپ اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے، ان کی تڑپ اور کیفیت صفحاتِ تاریخ پر پھیلی ہوئی ہے کتب تاریخ و سیر میں مفصل و شرح ثبت ہے۔ آپ نے اپنی پیاری اور محبوب بیوی سے الگ ہو کر اور مال و متاع [illegible] بھلائی اور خیر کا پیکر تھی۔ صحابہ کرام رضہ آنحضرتؐ کے رنگ میں رنگے گئے گویا وہ آنحضورؐ کی عکسی تصویر بن گئے۔ جن لوگوں نے صحابہ رضہ کو دیکھا ان کی دنیا بدل گئی اور جنہوں نے ان تابعین کی زندگیوں کی جھلک پائی وہ بھی مجسمۂ خیر و برکت بن گئے۔ یہ خدا سے شدید محبت کا انجام اور نتیجہ ہے کہ تمام جہان امن و آشتی اور علم و دانش کا گہوارہ بن گیا۔ اس کے برعکس جان منگلے جیسے نوجوانوں کی شہرت طلبی اور ناموری انسان کو صرف تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔ اگر وہ اپنے ان جذبات کو اعلےٰ اور مفید کام میں لگاتا تو یہ انسانی بھلائی اور فلاح کا کام ہوتا۔ کتب طب میں اطباء و حکماء نے وضاحت کی ہے کہ اس قسم کے جذباتی لوگ جب اعلےٰ مقاصد کی طرف گئے ہیں تو انہوں نے عظیم کارنامے سرانجام دیئے جن لوگوں کو مذہبی صحیح جذبہ و عشق تھا انہوں نے ہی اپنی جانیں قربان کر کے بھی مذہب کی اعلےٰ ترین خدمت کی ہے۔ جذباتِ عشق اگر صحیح خطوط پر ہوں تو وہ محمود ہیں مگر اس کے برعکس مہلک جذبات ناپسندیدہ اور مردود ہیں۔ اس لئے اپنے جذبات پر نظر رکھو کہ وہ مفید اور بھلائی کے کاموں میں مبذول ہوں۔ خدا کی راہ میں جان دینے پر فخر ہونا چاہیئے اور ہدایت کے لئے قربانیاں دنیا ہمیشہ ہی مقبول رہا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اندر اعلےٰ جذباتِ محبت پیدا کرے کہ ہم خدا سے راضی ہوں۔ اور شر کی باتِ بد سے اپنی پناہ میں رکھے۔ عشقِ خدا اور رسولؐ کا ہمیں مرغوب و محبوب ہو۔ آمین ثم آمین

بعد از خدا بعشقِ محمد مخمرم ٭ اگر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

ارشادات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ارشاد باری تعالےٰ ہے کہ:۔

"توبہ گناہ کو کھا جاتی ہے۔"

- اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔
- اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور عمل میں صادق رہو۔
- ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہو جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔
- اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو کبھی نہ گن سکو گے۔
- کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو عزت پاؤ گے۔
- ظاہر و باطن یکساں رکھو۔
- جھوٹی بات کہہ کر ال بچنا بڑا گناہ ہے۔
- صلہ رحمی سے کام لو۔
- کسی پر مت ہنسو۔ ممکن ہے وہ تم سے بہتر ہو۔
- بدگمانی سے بچو کہ بہت سے گمان گناہ ہوتے ہیں۔

گھر کی جنّت

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب بتاریخ ۱۳ر مارچ ۱۹۸۱ء بمقام جامع احمدیہ، دارالسلام، لاہور

وقلنا یآدم اسکن انت وزوجک الجنّۃ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انّہٗ ھوالتوّاب الرّحیم ٥

ترجمہ :- ”اور ہم نے کہا اے آدم تو اور تیری بیوی جنّت میں رہو اور اس میں سے بافراغت کھاؤ جہاں سے چاہو۔ اور اس درخت کے پاس تم دونوں نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پس شیطان نے ان دونوں کو پھسلا دیا۔ سو ان کو اس سے نکال دیا جس میں وہ تھے۔ اور ہم نے کہا اُتر جاؤ تم ایک دُوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک کے لئے رہنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔ پھر آدم نے اپنے ربّ سے کچھ باتیں سیکھیں پس اُس نے اس پر رحمت سے توجہ کی۔ بیشک وہ رحمت سے بار بار توجہ کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔“ (البقرۃ ۲۔ آیات ۳۵ تا ۳۷)

آج کل یورپ اور امریکہ ہیں، بلکہ جہاں جہاں یہ قومیں آباد ہیں، خانگی زندگی اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ کبھی نہ ہوئی تھی۔ طلاقوں کی دن دوگنی، رات چوگنی بڑھتی تعداد وہاں کے گھریلو حالات کی مکمل نشاندہی نہیں کرتی۔ روز، روز کے جھگڑے، خانگی بدمزگیاں، بلکہ مار کوٹ اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ لوگ شادی بیاہ کو مصیبت سمجھنے لگ گئے ہیں اور نوجوان نسل کے بہت سے لڑکے لڑکیاں بغیر نکاح کے اکٹھا رہتے ہیں تاکہ جب چاہیں آسانی سے علیحدہ ہو جائیں۔ مگر ان حالات میں اولاد پیدا کرنا یا ان کی تربیت کرنا ناممکن ہے۔ اِس لئے نسلِ انسانی کا مستقبل خطرہ میں ہے۔ بدقسمتی سے مشرق میں بھی خانگی زندگیاں تلخ سے تلخ تر ہوتی جا رہی ہیں۔ انسانی قوانین اور انسانی کوششیں اس گھُن کو جو گھریلو زندگی کو لگ گیا ہے مار نہیں سکتیں۔ اِسلام کے سوا دوسرے مذاہب اس مرض کا کوئی علاج نہیں بتاتے۔ اِسلام نے اِن مشکلات کا کیا حال پیش کیا ہے؟

میاں بیوی :-

سب سے پہلے تو آئیے دیکھیں کہ مرد و زن کو پیدا کرنے والے نے ان کے تعلقات کے بارہ میں کیا فرمایا ہے :- ومن اٰیٰتہٖ ان خلق لکم من انفسکم ازواجًا لتسکنوٓا الیھا وجعل بینکم مودّۃً ورحمۃً ۚ انّ فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون (الرّوم ۳۰۔ ۲۱) یعنے اللہ تعالےٰ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہارے نفسوں (وہ رُوح جو انسان کے اندر رہ کر اور اس کی زندگی کے نیک و بد سے متاثر ایک شخصیت بن جاتی ہے اُسے نفس فرمایا) سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم اُن سے تسکین پاؤ اور تمہارے درمیان محبّت اور رحم پیدا کیا جائے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں نشان ہیں۔“ یعنے مرد و عورت کو ایک ہی روح سے پیدا کرنے میں جو حکمت ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے تسکین پائیں اور اُن کے درمیان محبّت اور رحم کے جذبات پیدا کرنے کو اللہ تعالےٰ نے اپنی ہستی کا ایک ثبوت اور نشان فرمایا ہے۔ تو پھر یہ خوبصورت اور اعلےٰ جذبات کیوں بگڑ کر ازدواجی زندگی کو بجائے جنت کے جہنّم بنا رہے ہیں۔؟

اس کا جواب اُن آیات میں ہے جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی ہیں۔ احمدی حضرات درسِ قرآن اور خطبات سن سن کر ان آیات کے مندرجہ ذیل معانی سے واقف ہیں کہ :-

۱ :- آدم اور حوّا کو جس جنّت میں پیدا کیا گیا تھا وہ آخرت کی جنّت نہ تھی بلکہ اس دُنیا کی جنّت کی سی حالت تھی (۲ : ۳۰)

۲ :- آدم اور حوّا کے واقعات میں تمام نسلِ انسانی کے مرد و زن کے حالات مذکور ہیں (۷ : ۲۷)

۳ :- جس جنّت میں آدم و حوّا یا نسلِ انسانی کے مرد و زن پیدا کئے جاتے ہیں وہ آخرت کی جنّت نہیں بلکہ اس دنیا میں دِل کی جنت ہوتی ہے جو انسان کی پیدائشی معصومیّت اور باطنی پاکیزگی کی وجہ سے ہوتی ہے (۵۵ : ۴۶)

۴ :- انسان کو اس دُنیا میں بافراغت کھانے پینے کی اجازت ہے مگر جس چیز سے روکا گیا ہے وہ وہ درخت ہے جس کے لئے اشارۂ قریب ”اِس درخت“ کے الفاظ ہیں۔ قرآن حکیم میں اچھی بات کو اچھے درخت اور بُری بات کو بُرے درخت سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ (سورۃ ابراہیم ۱۴ : آیات ۲۴ و ۲۶) تو ”اس درخت“ سے مراد وہ بُرائی ہے جس کا ذکر اس کے مقابل شیطانی خصلت ابیٰ واستکبر کے الفاظ میں ہے کہ شیطان نے اللہ تعالےٰ کا حکم ماننے سے انکار کیا اور اس کی وجہ اُس کا تکبّر تھا۔

۵ :- مگر باوجود الٰہی تنبیہہ کے مرد و زن شیطان کے ورغلانے میں آن کر اسی بدی میں پڑتے ہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کا حکم نہیں مانتے جس کی وجہ اُن کا اپنی بڑائی کا جذبہ ہے جسے شیطان تحریک دیتا ہے۔ بجائے عاجزی سے اللہ تعالےٰ کے احکام کے آگے سر جھکانے کے وہ اپنے نفس کی ہدایت کو کافی سمجھتے ہیں۔ اور یوں وہ اپنے دل کی جنّت کو کھو بیٹھتے ہیں بلکہ باہر بھی اپنی زندگی جہنّم بنا لیتے ہیں۔

۶ :- اِس کھوئی ہوئی جنّت کو انسان دوبارہ صرف وحی الٰہی کی اتباع کر کے پا سکتا ہے جس طرح آدم اور حوّا کو وحی الٰہی نے آکر بچایا۔ اُن کا اپنا نفس انہیں شیطان کے ہتھکنڈوں سے نہ بچا سکا۔

بدیاں

بدی اور اس کی تمام اقسام کو انسان خوب پہچانتا ہے۔ تمام مذاہب نے ان سے روکا تھا۔ مگر انسان پھر بھی ان میں مُبتلا ہو جاتا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو تقوےٰ کا راستہ اختیار کرتے ہیں اِسلام کے سوا دُوسرے مذاہب کی چونکہ الہامی کتابیں کھوئی گئیں یا اُن میں سخت اور بنیادی تحریفیں

ہوگئیں اس لئے ان کی شکل بگڑ گئی اور آج علم اور سائنس اور معقولیت کے زمانہ میں وہ مذاہب پڑھے لکھے لوگوں کو اپیل نہیں کرتے۔ تو مذاہب کی کشش کھوئی جانے کی وجہ سے دوسری قوموں میں اگر بدیاں پھیل رہی ہیں تو یہ مقام تعجب نہیں۔ مگر مسلمانوں میں ان کی طرف رجحان پیدا ہونا افسوسناک ہے اور اس کی وجہ اوّل تو قرآن پاک کی تعلیمات پر عمل نہ رہنا ہے اور دوئم اہلِ مغرب کی اندھا دھند تقلید ہے۔

بہرحال بدیوں کا پھیلنا خواہ وہ مغرب میں ہوں یا مشرق میں بڑی وجہ ہے خانگی زندگیوں میں بدمزگیاں، تلخ کلامیاں، لڑائی جھگڑے، طلاقم طلاق وغیرہ کے ہو جانے کا۔ ظاہر ہے کہ اگر خواہ وہ میاں ہو یا بیوی گناہ کرے گا تو خانگی زندگی بگڑ جائے گی یا برباد ہو جائے گی۔ شراب خوری۔ زناکاری، بدزبانی۔ فضول خرچی وغیرہ وغیرہ وہ گناہ ہیں جن سے قرآن حکیم نے روکا ہے۔ یہ بدیاں اور دوسری بھی جو قرآن پاک میں صاف الفاظ میں مذکور ہیں گھر کی جنّت کو جہنّم میں بدل دیتی ہیں۔ ان کا حل صرف قرآن حکیم کی تعلیم پر دوبارہ قائم ہونا ہے۔

دُوسری وجہ

بدیوں کے علاوہ جس بات سے خانگی زندگی میں بدمزگیاں اور تلخیاں پیدا ہو جاتی ہیں وہ اختلاف مزاج ہوتا ہے۔ جہاں میاں اور بیوی کی جنس اور طبائع علیحدہ علیحدہ ہیں وہاں اللہ تعالےٰ نے جو کام ان کو سونپے ہیں وہ بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اس لئے اختلاف رائے ہونا لازمی بات ہے پھر اسلام نے عورت کو جو حقوق دیئے ہیں وہ کسی اور مذہب یا قانون نے نہیں دیئے۔ یہاں تک کہ فرمایا:۔

ولھنّ مثل الّذی علیھن بالمعروف (البقرۃ ۲ ۔ آیت ۲۲۸) یعنے عورتوں کے مردوں پر وہی حقوق ہیں جو مردوں کے عورتوں پر ہیں جو عمدگی سے ادا کرنے چاہیئں۔ تو جب اس قدر برابری ہوگی تو اختلافِ رائے کی صُورت میں کیا حل ہو؟ پہلے تو عورتیں مردوں سے دب کر رہتی تھیں۔ مگر اب تعلیم پاکر اور اپنے حقوق کو جان کر وہ برابری کا دعویٰ کرتی ہیں۔ اور جب اختلافِ رائے ہو تو عورتوں کو اصرار ہوتا ہے کہ اُن کی بات مانی جائے۔ سوائے اس کے کہ خاوند زن مرید بن کر ہتھیار ڈال دے گھروں میں امن و چین قائم نہیں رہتا۔ مگر اللہ تعالےٰ کے حکم کے یہ خلاف ہے کیونکہ اسی آیت میں جس میں فرمایا کہ مردوں اور عورتوں کے حقوق برابر ہیں یہ الفاظ بڑھائے ہیں۔ وللرّجال علیھن درجۃ "اور مردوں کو عورتوں پر ایک فضیلت ہے" اس کا مطلب کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کا اختلافِ رائے افہام و تفہیم سے اور آپس کی محبّت و عمدہ تعلقات کی بناء پر خوش اسلوبی سے طے ہو جائے تو فبہا ورنہ مرد کی رائے مانی جائے۔ اس پر خواتین بہت ناراض ہوتی ہیں۔ اور ان کا کہنا یہ ہے کہ کیا اگر مرد کی رائے غلط ہو تب بھی وہ مانی جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ کس کی رائے غلط ہے؟ آخر اختلاف رائے تبھی پیدا ہوتا ہے جب میاں بیوی دونوں سمجھتے ہیں کہ اُن کی اپنی رائے ٹھیک ہے اور دُوسرے کی غلط ہے۔ تو عورتوں کا یہ کہنا کہ مرد ہی ہمیشہ غلط ہوتا ہے بہت بے انصافی کی بات ہے۔

تو پھر کسی جھگڑے کے موقع پر فیصلہ کون کرے؟ آخر اختلاف رائے تو روز، روز پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ تو کیا عدالت کی طرف ہر روز رجوع کیا جائے؟ کیا پنچوں کو روز بلایا جائے کہ وہ آن کر فیصلہ کریں۔؟ کیا والدین دونوں فریق کے روز آن کر سمجھوتا کرایا کریں؟ والدین تو اکثر اپنی، اپنی اولاد کی پچ کرتے ہیں۔ نہیں صاحب اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں سوائے اس کے جو قرآن کریم نے بتایا ہے کہ اگر اختلاف رائے عمدگی سے نہ سلجھایا جا سکے تو پھر مرد کی بات مانی جائے۔

مرد کیوں؟

اکثر اختلاف رائے جو بدمزگی پیدا کرتے ہیں ان کا تعلق پیسہ سے ہوتا ہے۔ عام طور پر مرد کمانے والا اور عورت خرچ کرنے والی ہوتی ہے۔ اس لئے مرد کی کمائی کو کفایت شعاری سے خرچ کرنا۔ فضول خرچی سے بچنا اور بُری گھڑی کے لئے کچھ بچا کر رکھنا یہ عورت کا فرض ہے۔ علاوہ کپڑے۔ زیور کے جن باتوں میں اکثر خواتین فضول خرچی کرتی ہیں وہ رسم و رواج ہوتے ہیں۔ چونکہ کمانے والا مرد ہوتا ہے اس لئے خرچ اخراجات سے تنگ آکر ہی وہ بیوی کو روکتا ٹوکتا ہے یا پھر وہ مجبور ہو کر رشوت لینا، خیانت کرنا اور دوسری بددیانتیاں کرنے لگتا ہے۔

پھر عورت کو اللہ تعالےٰ نے گھر جیسی محفوظ جگہ میں رہنا نصیب کیا ہے اور مرد کو باہر کے دھکوں کے لئے بنایا ہے۔ اس لئے جو تجربات اور پختگی مرد میں یہ دھکے اور دنیا کے دھوکے کھا کر آتے ہیں عورت میں نہیں آتے۔ اس لئے مرد کی رائے صائب ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

بہرحال میاں بیوی جیسے دن رات کے نزدیکی رشتہ میں ناقابلِ حل اختلاف رائے کا یہی حل ہے کہ مرد کی رائے مانی جائے نہ صرف اس لئے کہ مرد کے اُوپر عورت کا نان و نفقہ اور گھر کے اخراجات کو مہیا کرنا فرض ہے بلکہ عورت کی ہر رنگ کی حفاظت بھی اُسی کی ذمہ داری ہے۔ (النساء آیت ۳۴)

عورت سے رعایت

سچ پوچھو تو قرآن کریم نے عورتوں سے رعایت پر رعایت کی ہے۔ نہ صرف ان کو مردوں کے برابر کے حقوق دیئے بلکہ ان کو گھر کے امن و امان میں رہنا سہنا نصیب کیا۔ مردوں پر عورتوں کے نان و نفقہ اور تمام ضروری اخراجات پورے کرنا اور اُن کی حفاظت کا بوجھ ڈالا۔ بلکہ ناقابل حل اختلاف رائے کی صورت میں صرف اپنے سے محبّت کرنے والے خاوند کی رائے ماننے کو کہا اُدھر مرد کو دیکھئے کہ اُسے اپنے کاج میں ایک نہیں بیسیوں کی باتیں ماننی پڑتی ہیں بلکہ عمر بھر میں سینکڑوں ہزاروں کی باتیں ماننی پڑتی ہیں خواہ وہ کتنی ہی ناواجب یا غلط ہوں۔ مثلاً افسر اور ماتحت میں ماتحتوں کو اور ہر افسر کو اپنے سے اُوپر کے افسروں کی باتیں بہر صورت ماننی پڑتی ہیں خواہ وہ ناواجب یا غلط بھی ہوں۔ اور اگر خاوند خود افسر نہ ہو بلکہ نوکر شاہی سے باہر ہو (جو اکثر مرد ہوتے ہیں) تو انہیں دفتروں میں جا کر مٹوارلوں، کلرکوں بلکہ چپڑاسیوں تک کی جھڑکیاں کھانی پڑتی اور اُن کی باتیں ماننی پڑتی ہیں"، خواہ وہ کتنی ہی ناواجب یا غلط ہوں۔ اس لئے بیویاں تو بہت سستی چھوٹ جاتی ہیں کہ انہیں کبھی کبھار اپنے سے محبت کرنے والے مرد کی بات ماننی پڑتی ہے۔ جو کہ اکثر دوسرے وقت وہ خود ہی چھوڑ دیتا ہے۔

بُرے نتائج:۔

اگر قرآن کریم کا بتایا ہوا حل عورتیں قبول نہیں کرتیں تو اس کے جو نتائج ہونگے وہ بھولنے نہیں چاہیئں۔ وہ یہ ہیں:۔

۱۔ روز، روز کے جھگڑے، بدمزگیاں اور تلخ کلامیاں

۲۔ اگر مرد نے کبھی عورت کی ضد مان بھی لی تو اس کا دل عورت کی طرف سے میلا [illegible] ہو جائے

گا اور جس عورت نے اپنے خاوند کی محبت کو کھو دیا وہ سخت گھاٹے اور نقصان میں ہے خواہ اُس نے کوئی اپنی بات منوا بھی لی۔

۳ :- یورپ اور امریکہ کی طرح میاں بیوی میں علیحدگی یا طلاقم طلاق بڑھ جائے گی۔

۴ :- یورپ اور امریکہ کی طرح مردوں نے تنگ آکر شادی کرنا چھوڑ دینا ہے۔ اور عورت کے لئے داشتہ (MISTRESS) بن کر رہنے میں جو کہ یورپ اور امریکہ میں عام ہو رہا ہے نہ تو اس کی عزت ہے، نہ وہ محفوظ ہو گی، نہ وہ اولاد کو پیدا کر کے پال پوس سکے گی جو کہ اس کی سب سے بڑی فطرتی خواہش ہوتی ہے۔

۵ :- سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور سزا کو کسی صورت وارد نہیں ہونے دینا چاہیئے۔ یہ اُس کا حکم ہے کہ ناقابلِ حل اختلاف رائے کی صورت میں مرد کی بات مان لی جائے خود مرد کو اس نے وہیں خبردار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر غلبہ رکھتا ہے اور اگر تو اپنے اِس حق کا ناجائز فائدہ اٹھائے گا تو تُو بھی اللہ تعالیٰ کے آگے جوابدہ ہے جس طرح عورت جوابدہ ہے۔ اگر وہ خودسری کرے۔

ابنِ رحیم

اُمّتِ مُسلمہ کا گُلِ سَرسَبدْ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ختم المرسلین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پہلے جانشین اور مملکتِ جمہوریہ اِسلامیہ کے پہلے خلیفہ تھے جن کا انتخاب عین اسلامی جمہوری نظریہ کے مطابق عمل میں آیا۔ ان کی خلافت سے اِسلامی جمہوری طرزِ خلافت کا آغاز ہوا اور انہی کی طرز فکر و عمل سے اسکی قدریں پروان چڑھیں۔ حضرت نبی کریمؐ کی وفات کے بعد امیر قوم کے انتخاب کا مرحلہ پیش آیا تو بڑے غور و فکر کے بعد قوم نے فیصلہ کیا کہ ہم نے محض خدا اور رسول ؐ کی رضا چاہنے کے لئے اپنے جان و مال راہ خدا میں نثار کئے ہیں اور اب بھی دین و ملّت کی فلاح و صلاح کے پیشِ نظر اس بات پر راضی ہیں کہ محسنِ رسولؐ قبیلہ قریش میں سے خلیفہ رسول چُنا جائے۔ اور ہم جس طرح پہلے اپنے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہؐ کے معاون و ناصر تھے اسی طرح حضورؐ کے خلیفہ اور جانشین کے مددگار رہیں گے۔

حضرت نبی کریمؐ کی تجہیز و تکفین کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ کے اس مشورہ پر۔ نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے۔ حضورؐ کی قبر وہیں حجرے میں ہی بنائی گئی۔ بعد ازاں حضرت ابوبکر رضؓ کی عام بیعت مسجد نبوی میں ہوئی اور حضرت ابوبکر نے خلیفۂ اسلام اول کی حیثیت سے قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :-

"مجھے یہ حکومت سپرد کی گئی ہے اور میں اس کی خواہش نہیں رکھتا اور میں چاہتا تھا کہ تم میں سے کوئی اور میری جگہ اس کام کو سنبھال لیتا۔ لیکن اگر تم مجھے اس بات پر مکلّف کرو کہ میں تم میں اسی طرح کام کروں جس طرح رسول اللہ صلعم کرتے تھے تو میں اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلعم ایک انسان تھے جن کی اللہ تعالیٰ نے وحی کے ساتھ عزت افزائی کی۔ اور اس کے ساتھ آپ کو محفوظ کیا۔ اور میں صرف ایک بشر ہوں اور تم میں سے کسی سے اچھا نہیں۔ پس تم میری رعایت کرو۔ اور جب تم مجھے دیکھو کہ میں سیدھا چلتا ہوں تو میری پیروی کرو۔ اور اگر تم مجھے دیکھو کہ میں ٹیڑھا چلتا ہوں تو تم مجھے درست کر دو" ایک دُوسری روائیت کے مطابق خلیفۂ اولؓ نے اس موقعہ پر فرمایا :-

"اے لوگو! مجھے تمہاری حکومت سپرد ہوئی ہے اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اور کمزور میرے نزدیک قوی ترین ہے۔ یہاں تک کہ اس کا حق اس کے لئے لے لوں۔ اور قوی میرے نزدیک سب سے کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق جو اس کے ذمّہ ہے لے لوں۔ اے لوگو! میں پیروی کرنے والا ہوں کوئی نئی بات نہیں لایا۔ اگر میں نیک کام کروں تو تم میری مدد کرو۔ اور اگر بُرا کام کروں تو تم مجھے درست کر دو"

اور فرمایا :-

لَا یدع قوم الجهاد فی سبیل اللہ الا ضربهم اللہ بالذل

یعنی کوئی قوم اللہ کے راستے میں جہاد کو نہیں چھوڑتی مگر اللہ تعالیٰ ان پر ذلت وارد کرتا ہے"

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے اس جمہوری انتخاب سے معلوم ہو گیا کہ دین متین اِسلام میں

بقیہ :- حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ

میں بادشاہت اور خلافت کا جمہوری اصول انتخاب ہے نہ کہ وراثت، یہی اصول خلفاء راشدہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے انتخاب کے وقت قوم کے پیشِ نظر رہا۔ لیکن بعد میں اس اصول کو چھوڑ کر مسلمانوں نے خلافت اور بادشاہت کو ورثہ بنا دیا۔ اس سے دین و ملّت کو جو نقصان اور ضعف پہنچا ہے وہ سب کے سامنے ہے اور اس جُرم کی سزا آج تک اُمّتِ مسلمہ بھگت رہی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے سوا دو سال تک بار خلافت اُٹھائے رکھا۔ اس مختصر سے دورِ خلافت میں آپ کے علم، زہد۔ ایمان و ایقان، فہم دین، معاملہ فہمی، قوتِ فیصلہ، دوراندیشی اور مومنانہ سیرت و کردار کی خوبیوں کے باوصف دینِ اِسلام کو حیاتِ نو نصیب ہوئی۔ ملّتِ اسلامیہ میں قوت پیدا ہوئی۔ عرب کا افتراق و انشقاق ختم ہو کر خلافت اسلامیہ جمہوریہ کا قیام عمل میں آیا۔ اور حکومت کا اس قدر استحکام ہوا کہ قیصر و کسریٰ سے ایک ہی وقت دو دو ہاتھ ہو کر اُن کو اپنے کئے کی سزا دی۔

پیغام صُلح کا خاص نمبر

مجدد صد چہاردہم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الرحمۃ کا وصال ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوا تھا ادارہ پیغام صلح اس موقعہ پر ہر سال ایک خاص نمبر شائع کرتا ہے جس میں حضرت مرزا صاحبؒ کے احیائے اِسلام کی کوششوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ سلسلہ کے صاحب علم احباب حضورؑ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ حسب سابق ماہ مئی کے آخر میں یہ خاص نمبر شائع ہو رہا ہے۔ مضمون نگار احباب سے التماس ہے کہ وہ اپنے مضامین دس مئی ۱۹۸۰ء تک ایڈیٹر پیغام صلح کے نام ارسال فرما دیں۔

(ادارہ)

مکرم چوہدری مسعود اختر صاحب

دین اور دنیا

میں نے اپنے مضمون کے لئے ایک نہایت مشکل موضوع منتخب کیا ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ خدا معلوم میں اس موضوع سے انصاف بھی کر پاؤں گا یا نہیں۔ چونکہ یہ موضوع نسلِ انسانی کی بقا کے لئے بہت اہم ہے اور جیسے جیسے مادی اور اقتصادی ترقی ہوتی چلی جائے گی۔ اس کی اہمیّت بڑھتی چلی جائے گی جس کے نتیجہ میں بنی نوعِ انسان کی بڑی تعداد اللہ اور دین کے تصوّر ہی سے منہ موڑ جائے گی اور کثیر تعداد ایسے انسانوں کی اب بھی ہے جو اللہ اور دین کا نام تو لیتی ہے لیکن عملی طور پر اس نے اللہ اور دین دونوں کو چھٹی دے دی ہے۔ صرف ایک قلیل تعداد ایسی ہے جو اللہ پر ایمان رکھتی ہے یا کسی مذہب، دین کی پابند ہے۔ ان مادی وسائل اور اقتصادی ترقی کا رُخ اب اسلامی دنیا کی طرف ہے جس کے اثرات اب مسلمان معاشرہ میں ظاہر ہونے لگے ہیں۔ اس لئے اگر مسلمان بھی مغرب کی تقلید میں اس طوفان میں بہہ گئے تو نوعِ انسانی کی تباہی یقینی ہے۔ یہی وہ اہم مرکزی نقطہ ہے جس کی وجہ سے میں نے اس مشکل موضوع کو اپنے مضمون کے لئے منتخب کیا ہے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے الوصیّت میں تحریر فرمایا:۔

”دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خُدا سے جدا کرتی ہیں۔“

پھر لکھا:۔

”خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے جب تک تم اپنی رضا چھوڑ کر اپنی لذات چھوڑ کر۔ اپنا مال چھوڑ کر اپنی جان چھوڑ کر اس کی راہ میں وہ تلخی نہ اُٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے۔“

پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

”دیکھو میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ آدمی ہلاک شدہ ہے جو دین کے ساتھ کچھ دُنیا کی ملونی رکھتا ہے۔“

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

”پس اگر تم دُنیا کی ایک ذرّہ بھی ملونی اپنے اغراض میں رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں۔“

اور پھر فرماتے ہیں:۔

”تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے ہر ایک قوم دُنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اس کی طرف دُنیا کی توجّہ نہیں۔“

قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے:۔

”وما الحیٰوۃ الدنیا الا لعبٌ ولہو“

حضرت مرزا صاحب کے ان ارشادات اور قرآن شریف کی ان آیات سے تو یہ تاثر بھی لیا جا سکتا ہے کہ دُنیا ایک مکروہ چیز ہے جس سے تعلق نہ رکھنا چاہیئے۔ اگر یہ مفروضہ درست قرار پائے تو پھر راہب اور تارک الدنیا قِسم کے لوگ ہی دین کی راہ پر قائم قرار پائیں گے لیکن قرآن شریف کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رہبانیت اور ترکِ دنیا کی اللہ تعالےٰ نے کھلے کھلے الفاظ میں مناہی فرمائی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تخلیقِ کائنات کا ذکر فرمانے کے ساتھ ہی کہا ہے کہ کائنات تمہارے لئے مسخر کی گئی ہے اور پھر فرمایا ہے:۔

ولکم فی الارض مستقرٌ ومتاعٌ الیٰ حین

یعنی تمہارے لئے اس دنیا میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔ پھر ارشاد ہوا ہے۔

کلوا واشربوا من رزق اللہ ولا تعثوا

فی الارض مفسدین۔

پھر روزی کی تلاش میں نکلنے کو اللہ کے فضل کی تلاش قرار دیا۔

آیئے پہلے یہ دیکھیں کہ دُنیا اور دین ہیں کیا۔ سورۃ آل عمران میں آیا ہے:۔

زیّن للناس حب الشھوات من النسآء

والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب

والفضۃ والخیل المسوّمۃ والانعام

والحرث ط ذالک متاع الحیٰوۃ الدنیا

واللہ عندہ حسن المآب“

یعنی لوگوں کو ان نفسانی خواہشات کی محبّت بھلی معلوم ہوتی ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور ڈھیروں ڈھیر سونا اور چاندی اور پلے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیت۔ یہ اس دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔“

اگر ہم غور کریں تو انسان کی دنیاوی زندگی اسکی معاشرتی زندگی کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور باقی چیزیں اس کی معیشت سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایک جگہ اور ارشاد ہوا:۔

المال والبنون زینۃ الحیٰوۃ الدنیا

یہاں مال جو کہ CAPITAL یا سرمایہ کا بدل ہے اور منقولہ و غیر منقولہ دونوں قِسم کی جائدادوں پر استعمال ہوتا ہے۔ معیشت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور البنون میں انسان کی معاشرتی زندگی کی طرف اشارہ ہے۔ تو گویا انسان کی دُنیا عبارت ہے اس کے معاشرتی اور معیشی عمل سے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ انسان کے معاشرتی اور معیشی عمل کا نام حیاۃ الدنیا ہے۔

اور دین وہ ضابطہ ہے جو اللہ تعالےٰ نے انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے اپنے نبیوں کے ذریعہ وحی کیا۔ اس طرح دین ان قواعد و ضوابط کا نام ہے جو اللہ تعالےٰ نے خود انسانوں پر لازم کئے۔ ہاں دین جزا و سزا کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے یوم الدّین قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ حیات بعد الممات اور جزا و سزا پر ایمان لانے پر بار بار اصرار نظر آتا ہے۔ دراصل یہی ایمان انسان کے تمام اعمال کو ایک خاص ڈھب پر چلانے کا باعث بنتا ہے۔ اللہ تعالےٰ پر مکمل ایمان کا تقاضا ہے کہ انسان اللہ کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرے اور اسی کی بتائی ہوئی راہ پر چلے اور اس خلاف ورزی سے انسان تب ہی بچ سکتا ہے جب اُسے یقین ہو کہ خلاف ورزی کی صورت میں اُسے اس کا بدلہ ملے گا اچھا ہو یا بُرا اسی کو جزا و سزا کہتے ہیں اور جزا و سزا اسی صورت میں ممکن ہیں کہ موت کے بعد انسان نے محض راکھ بن کر نہیں جانا بلکہ ایک دوسری زندگی پانا ہے۔ جہاں اُسے اپنا حساب کتاب دینا ہوگا۔ اس طرح حیات بعد الموت اور جزا و سزا پر یقین کی حد تک ایمان لانا باریتعالے پر ایمان لانے کا لازمی جزو ہے اور قرآن کریم کے مطابق صرف اسی سے ہی عملِ صالحہ پیدا ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد ہوا:۔

من اٰمن باللہ والیوم الاٰخرۃ وعمل

صالحًا فلھم اجرھم عند ربّھم

اور عملِ صالحہ نام ہے اللہ تعالےٰ کے مقرر کردہ ضابطوں پر عمل کرنے کا۔

اب جزا و سزا کا تصوّر بھی صرف اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب کوئی ضابطے مقرر ہوں۔ یا کوئی قواعد ہوں۔ جیسا کہ مَیں نے عرض کیا ہے کہ حیاتِ دنیا انسان کے معاشرتی اور معیشی عمل پر مشتمل ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں انسان کی معاشرتی اور معیشی زندگی دونوں کے لئے ضابطے مقرر کئے ہیں۔ معاشرہ کی بنیادی اکائی فرد اور کنبہ یا گھرانہ ہیں۔ حقوق العباد نہایت تفصیل سے کھول کر بیان کر دیئے گئے۔ شادی بیاہ۔ طلاق۔ وراثت وغیرہ پر اور بنی نوعِ انسان سے عام میل جول کے معاملات پر تفصیلی احکامات قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اسی طرح انسان کی زندگی کے اس عمل کو باقاعدہ بنانے کے لئے بھی جس کا تعلق معیشت سے ہے اللہ تعالےٰ نے قوانین عطا فرمائے ہیں۔ انتہائی مادی اور اقتصادی ترقی کے اس دور میں انسانوں کی معاشرت اب معیشت کی غلام بن کر رہ گئی ہے اس لئے ضروری ہے کہ اُن ضابطوں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے جن

کا تعلق معیشت سے ہے لیکن ان ضابطوں سے متعلق کچھ کہنے سے پیشتر میں ایک اور بات عرض کرنا چاہتا ہوں ۔ وہ یہ ہے کہ آج کی دنیا میں جتنے بھی سیاسی یا معاشی نظام رائج ہیں اُن سب نے اپنے اپنے معاشرے کو ضابطوں میں جکڑ رکھا ہے ۔ آج کا انسان زندگی کے کسی بھی پہلو سے آزاد مطلق نہیں بلکہ غور سے مطالعہ کیا جائے تو آج سے صدیوں پہلے کا غیر ترقی یافتہ انسان آج کی نسبت کہیں زیادہ آزاد تھا ۔ سوشلسٹ معاشرہ کی تو بنیاد ہی قواعد و ضوابط بلکہ قیود پر اٹھائی گئی ہے ۔ جہاں انسان محض ایک غلام کی حیثیت رکھتا ہے ۔ شخصی اور انفرادی آزادی یا حقوق کوئی وقعت نہیں رکھتے اور ان کو اجتماعی بھلائی کے نام پر چھین لیا گیا ہے لیکن خود وہ ممالک جو آزاد معیشت اور فرد کی آزادی کے علمبردار ہیں وہاں بھی مختلف النوع ضابطوں کی بھرمار ہے اور ہر آنے والا دن وہاں کے افراد کی آزادی پر کوئی نہ کوئی نئی پابندی لے کر طلوع ہوتا ہے ۔ اور اگر یہ ضابطے اور پابندیاں نہ ہوں تو معاشرہ فساد کی نظر ہو جائے معاشرہ کا تمام ڈھانچہ ہی گر کر رہ جائے ۔

یہ عرض کرنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ وہ تصوّر کہ انسان کو ہر کام میں مکمل آزادی ہونی چاہیئے ۔ اور اس کے فکر و عمل پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ ہونی چاہیئے اب فرسودہ ہو کر رہ گیا ہے اور اس پر عمل اب دُنیا کے کسی خطّہ میں بھی ممکن نہیں ۔ اور جب انسان اپنے بھائی بندوں کے بنائے ہوئے ضابطوں پر کاربند ہونے پر مجبور ہے تو پھر وہ ان ضابطوں سے کیوں بدکتا ہے ۔ جو اس کے لئے اللہ تعالےٰ نے خود اس کی اپنی فلاح کے لئے عطا فرمائے ہیں ۔ اپنے جیسے انسانوں کے احکام پر آزادی کھو دینے کی نسبت اپنے سے اعلےٰ وارفع ہستی کے احکام پر اپنی آزادی نچھاور کرنا یقیناً بہتر، سودمند اور زیادہ باعزّت سودا ہے

معیشت کے متعلق ضابطوں کا ذکر کرنے کے لئے میں سرمایہ کو لیتا ہوں ۔ مال کے معاملہ میں انسان کی سرگرمی یا عمل تین جہت کا ہوتا ہے ۔ اوّل مال کمانا ۔ دُوسرے مال کا خرچ کرنا اور تیسرا مال کا جمع کرنا سب سے پہلے مال جمع کرنے کا ذکر کر لوں کیونکہ یہ بہت آسان ہے ۔ قرآن شریف میں مال جمع کرنے کا کبھی کوئی حکم ہوتا تو تجا الٹا مال جمع کرنے والوں کے خلاف احکامات صادر ہوئے ہیں ۔ سُود ارتکاز سرمایہ کی ایک صُورت ہے اس کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے ۔ بلکہ یہاں تک کہا ہے کہ سود انسانوں کو باؤلا کر دیتا ہے ۔

بخل بھی مال جمع کرنے کی ایک صورت ہے اس کو بھی بُرا کہا گیا ہے ۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زندگی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ قرار دی گئی ہے ۔ حضورؐ نے کبھی بھی مال جمع نہ کیا ۔ اصل میں سرمایہ کو روک رکھنا سرمایہ سے محبت پیدا کرتا ہے اور مقصود زندگی بن جاتا ہے ۔ اسی لئے مال جمع کرنے سے منع کیا گیا ہے ۔ یہاں یہ بھی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنی روزی کا سامان کرنا یا سر ڈھانپنے کے لئے مکان بنانا بشرطیکہ ان میں اسراف سے کام نہ لیا گیا ہو احسن کام ہیں ۔ ہاں اپنے مکانوں کے ماتھوں کو دلہنوں کی طرح سجانا اسراف اور قبیح ہے ۔ کھانا پینا اور مکان جسے عام الفاظ میں روٹی ۔ کپڑا ۔ اور مکان کہا جاتا ہے تو راہبوں اور تارک الدنیا انسانوں نے بھی ہر دور میں اپنے لئے حلال سمجھے ہیں ۔

اب مال کمانے کی طرف آئیں تو اوّل حلال اور طیّب کی شرط عائد کر دی ہے ۔ پھر ارشاد ہوا :۔

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل
وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقاً
من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون

یعنے ایک دُوسرے کا مال ناجائز طریق سے مت کھاؤ اور نہ ہی مال کے ذریعہ حاکموں تک پہنچو تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصّہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ ۔ جب کہ تم جانتے ہو ۔

اِس میں اموال الناس کے معنے قومی سرمایہ بھی ہو سکتا ہے یعنی رشوت کے ذریعہ حاکموں کو پہنچکر جانتے بوجھتے ہوئے دوسروں کا حصّہ کھا جانا یا ٹیکس کا مار لینا ۔ ملاوٹ کرنا ۔ کم تولنا اور اسی نوع کی بہت سی ہدایات ملتی ہیں ۔

اب اگر سرمائے کے خرچ کو دیکھیں تو قرآن شریف میں معاشی ضابطوں کا بنیادی نقطہ تقسیم زر ہے ۔ خرچ کے لئے بہت وسیع احکامات ملتے ہیں ۔ والدین ۔ اقربا ۔ مساکین ۔ یتامیٰ ۔ مسافر سب کو انسان کے مال میں حق رکھنے والے بنایا ۔ اور حق وہ چیز ہے جس کو ادا کرنا فرض ہے ۔ پھر صدقات ہیں ۔ زکوٰۃ کو ایمان کا جزو قرار دیا ۔ بلکہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ جو زکوٰۃ نہیں دیتا اس کا ایمان نہیں ہے ۔ پھر ویسئلونک ماذا ینفقون کے جواب میں قل العفو کہہ کر بتا دیا کہ تمام فاضل رقم خرچ کر دو اور SURPLUS کا تصور ضروریات اور سہولتوں سے وافر سرمایہ ہے ۔ غرضیکہ خرچ کرنے کے معاملہ میں بہت سی مدّیں بتا دیں ۔ اور ساتھ ہی تفصیل بھی بتا دی کہ کیا خرچ کرنا ہے اور کس طرح خرچ کرنا ہے ۔

سرمایہ سے محبت کا ذکر سورۃ آل عمران میں شروع ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ :۔

انسان نیکی کو اس وقت تک پا نہیں سکتا جب تک وہ اسے خرچ نہ کرے جس سے اسے محبت ہے ۔ لن تنالوا البرّ حتّٰی تنفقوا مما تحبّون ۔ ان تمام ضابطوں کے ساتھ جب انسان کو دُنیا میں کسب معاش کے لئے کہا تو ساتھ ہی یہ پابندی بھی عائد کر دی کہ دن میں پانچ بار دُنیا کے تمام دھندوں سے منہ موڑ کر اپنے خالق حقیقی کے حضور جھک کر فلاح کا طالب ہو اور فلاح کی راہ پہ چلنے میں اللہ کی استعانت کا طلبگار ہو ۔ نماز ایک بار بھی ہو سکتی تھی ۔ لیکن دن میں پانچ بار نماز میں یہ فلسفہ بھی مضمر ہے کہ بار بار انسان کو دُنیا کے مشاغل سے کھینچ کر اللہ کے حضور جھکا دے تاکہ انسان دُنیا اور دنیاوی خواہشات کا غلام بن کر نہ رہ جائے اور اللہ تعالےٰ کے احکام سے روگرداں نہ ہو

حضرت امام زماں نے جب ہم سے عہد لیا کہ :۔

” دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا “

تو انہوں نے اس فلسفہ کو عام فہم زبان میں ہم تک پہنچایا اور ہمیں اس کا پابند کیا ۔ جب ہم اپنی اس دنیا کو ان حدود کا پابند کر لیتے ہیں تو ہماری دُنیا بھی دین بن جاتی ہے اور اسی طرح دین ہی دین ہمارا مقصود بن جاتا ہے ۔

عُسر اور یُسر کا ذکر کر کے کہا کہ تنگی مقصود نہیں ہے ۔ اس سہولتوں کا جواز موجود ہے ۔ لیکن اسراف جو میرے خیال میں تعیش کا بدل ہے ۔ اس کو عمل شیطان بتایا کہ اس سے تکبّر پیدا ہوتا ہے اور تکبّر شیطان کی صفات میں سے ہے ۔

⁂

اولیاء اللہ کی مقناطیسی شخصیت اور جذب روحانی

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خُدا
او نشیند در حضور اولیاء

جو شخص خُدا کے دربار میں باریابی چاہتا ہے ۔ وہ اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھتا ہے

خاک شو در پیش شیخ با صفا
تا ز خاک تو بروید کیمیا

باصفا شیخ کے سامنے خاک کی مانند عاجز بن جا ۔ تاکہ تیری خاک کیمیا کا اثر پیدا کرے

گر تو سنگ خارا مرمر شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

تو سخت سنگِ مرمر ہی کیوں نہ ہو ۔ جب کسی صاحب دل کی خدمت میں پہنچے گا تو گوہر بن جائیگا

پیر کامل صورتِ ظلّ الٰہ
یعنی دید پیر دید کبریا

کامل مرشد ظلِّ الٰہی ہوتا ہے یعنی پیر کے دیدار میں صفاتِ خداوندی کا عکس ہے

پیر را گزین کہ بے پیر ے سفر
ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

کسی مرشد کا دامن پکڑ ۔ کیونکہ کسی آسمانی راہنما کے بغیر سفر خطرات سے بھرپور ہے

مکرم میرزا مسعود بیگ صاحب، لاہور

سیرتِ عمرؓ کے چند اوراق

درویشی و بادشاہی کا مرقّع

مُلکی انتظام اور مجلسِ شوریٰ

اِس امر کے باوجود کہ حضرت عمرؓ کو اللہ تعالیٰ نے معاملہ فہمی اور مردم شناسی کا خاص جوہر عطا کیا تھا - - - -

- - - - - - - - -

- - - - ۔ آپ سلطنت کے تمام ضروری امور میں مسلمانوں سے مشورہ لینے اور مجلس شوریٰ اتفاق رائے سے جو بات طے کرتی اسی کو اختیار فرماتے۔ جس روز کوئی مشورہ طلب امر سامنے آجاتا آپ نقیب کو منادی کا حکم دیتے۔ وہ الصلوٰۃ جامعۃ کی منادی کرتا۔ لوگ نماز کے لئے جمع ہوتے اور نماز کے بعد امرِ مشورہ طلب پر بحث و تمحیص ہوتی۔ اور کثرتِ رائے سے جو فیصلہ ہوتا خواہ وہ حضرت عمرؓ کی منشاء کے خلاف ہی کیوں نہ ہوتا اختیار کیا جاتا۔ حضرت عمرؓ کے رعب اور وجاہت کے باوجود آپ نے لوگوں میں آزادیٔ رائے کا مادہ اس قدر پیدا کیا تھا کہ نہ صرف معمولی سے معمولی شخص آپ کی تردید ہی کر سکتا تھا۔ بلکہ سخت سست الفاظ بھی کہہ لیتا اور آپ برداشت کرتے۔

حضرت عُمرؓ بحیثیت کمانڈر انچیف

گو اپنے عہدِ خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بنفسِ نفیس کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے لیکن آپ نے افواج کے انتظام میں ایسی قابلیّت کا ثبوت دیا کہ آج تک باوجود تہذیب و تمدّن کی ترقی کے اس سے بہتر فوجی نظام کسی حکومت نے قائم نہیں کیا حکومتِ اسلامی کے قیام سے قبل دو بڑی سلطنتیں موجود تھیں جن کی طاقت کا دُور دور تک اثر تھا۔ ایک رومن ایمپائر اور دوسری حکومتِ ایران۔ رومۃ الکبریٰ کا فوجی نظام یہ تھا کہ بڑے بڑے امراء اور رؤساء کو جاگیریں دی جاتی تھیں اور اس کے عوض ان سے بوقتِ ضرورت فوجی سپاہی لئے جاتے تھے۔ یہ طریق فیوڈل سسٹم کہلاتا ہے۔ اور آج سے چند صدیاں قبل یورپ میں بھی رائج تھا۔ لیکن اس کے نقصان اور خرابیوں کو محسوس کرتے ہوئے بالآخر یورپین اقوام کو یہ طریق ترک کرنا پڑا۔ اور حضرت عمرؓ کا جاری کردہ طریق اختیار کیا گیا۔

ایران میں بھی اسی قسم کا طریق رائج تھا کہ بڑے بڑے زمیندار جو مرزبان اور دھقان کہلاتے تھے حصولِ اراضی کے عوض حکومت کی سپاہیوں سے امداد کیا کرتے تھے۔ یہ طریق جس میں بغاوت کا خطرہ رہتا تھا اور طرح طرح کی خرابیاں تھیں حضرت عُمر نے شروع ہی سے اختیار نہیں کیا۔ آپ نے باقاعدہ فوج کی بھرتی کا طریق اختیار کیا۔ اور ایک رجسٹر یا دیوان تیار کیا جس میں تمام فوجیوں کے نام اور ان کی تنخواہوں وغیرہ کا حساب ہوتا تھا تمام افواج براہِ راست مرکزی حکومت کے ماتحت ہوتیں۔ ان کو باقاعدہ تنخواہیں دی جاتیں اور مالِ غنیمت سے بھی حصہ ملتا۔ سپاہیوں کی رسد وغیرہ بھی حکومت کی طرف سے ملتی اور لباس بھی سرکاری ہوتا سپاہیوں کو خوش رکھنے کے لئے حضرت عمرؓ نے انہیں طرح طرح کی سہولتیں دے رکھی تھیں۔ ہر سپاہی کو سال میں ایک دو مرتبہ رخصت دی جاتی۔ ان کی شکایات کو بغور سنا جاتا۔ اور اگر کوئی جرنیل یا کمانڈر سختی اور تشدد کرتا ہوا پایا جاتا تو اسے سزا دے کر سپاہیوں کی شکایات کو رفع کیا جاتا اور مسلمان سپاہی یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ اور ان کے افسر اور جرنیل آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

حضرت عُمرؓ کی ذہانت اور فوجی قابلیّت

خلافت کے بار اور کثیر الاشغال ہونے کے باعث حضرت عُمر مدینہ سے باہر تشریف نہیں لے جا سکتے تھے لیکن مدینہ کے اندر بیٹھے بیٹھے بھی آپ ایسی عمدہ تجاویز اپنے جرنیلوں کو لکھا کرتے تھے۔ کہ ان پر عمل کرنے سے ہمیشہ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ ایک دفعہ منبر پر خطبہ فرما رہے تھے کہ حالتِ کشف میں معاذ بن جبلؓ کو شام کی سرحد پر لڑتے دیکھا اور معاذ کی پوزیشن کو کمزور دیکھتے ہوئے باآوازِ بلند پکارا کہ "پہاڑ کی پناہ لو"، لکھا ہے کہ مدینہ کی فضا سے گونجتی ہوئی یہ آواز معاذ کے کانوں تک بھی جا پہنچی اور فاروقِ اعظم کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے اس نے فتح پائی جرنیلوں کے تقرّر۔ افواج کی نقل و حرکت، سرحدوں کی مضبوطی طریقِ جنگ، قلعوں کے محاصرے اور اس قسم کے تمام امور میں حضرت عمرؓ کی رائے بہترین رائے ثابت ہوتی اور آپ کی تجویز پر عمل کرنے کے باعث مسلمانوں نے کبھی ہزیمت نہیں اُٹھائی۔

فوج کی رہائش کے لئے حضرت عمرؓ نے موزوں مقامات پر چھاؤنیاں قائم کیں نئے شہر آباد کئے۔ جیسے کوفہ۔ بصرہ۔ موصل فسطاط وغیرہ۔ اپنی سرحدوں کو مضبوط کیا اور ہر طرح سلطنتِ اسلامیہ کو مستحکم بنایا۔

مفتوح رعایا سے سلوک:۔

اسی جگہ یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہے کہ آپ نے مفتوح رعایا کو جو ذمّی کہلاتی تھی ہر طرح کی آزادی اور مراعات بخشیں۔ یہود و نصاریٰ یکساں طور پر مسلمانوں کی غلامی کو اپنی پہلی آزادی پر ترجیح دیتے تھے کیونکہ مسلمانوں کے زیرِ سایہ وہ محفوظ ہونے کے علاوہ اپنے مذہبی امور میں بھی بالکل آزاد تھے۔ اور اُن پر کوئی پابندی عائد نہ تھی یہی وجہ تھی کہ اسلامی فتوحات اس سرعت سے ترقی کر رہی تھیں حضرت عمرؓ نے غیر مسلم رعایا سے نہایت ہی فیاضانہ سلوک کیا اور جس کے دوست دشمن سب گواہ ہیں اور آپ کے عدل و انصاف کی داستانیں اتنی کثیر ہیں کہ ان کے لئے ایک علیحدہ مضمون کی ضرورت ہے۔

حضرت عُمرؓ بحیثیت امیر المؤمنین

حضرت عُمر فاروق رضؓ کی طبیعت میں غصہ اور شدت ہونے کے سبب بعض صحابہ کا خیال تھا کہ اگر خلافت ان کے سپرد ہوئی تو یہ لوگوں کے ساتھ سختی سے پیش آئیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل جب اکابر صحابہ سے مشورہ کیا تو بعض نے اسی رائے کا اظہار کیا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کی نگاہ دوربین نے صحیح اندازہ کیا کہ جب بارِ خلافت ان کے کاندھوں پر رکھا جائے گا تو خود بخود اُن کی طبیعت میں ملائمت آجائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خلافت کے پہلے ہی دن آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں یہ دُعا کی۔

اللّٰھم انی غلیظ فلیّنی اللھم انی ضعیف فقوّنی ۔

ترجمہ:۔ "اے خدا میں سخت ہوں۔ مجھے نرم کر۔ میں کمزور ہوں مجھے قوت بخش۔"

خلافت کے فرائض اور ذمہ داریوں نے حضرت عمرؓ کی طبیعت میں نمایاں تبدیلی پیدا کر دی اور آپ ہر موقع پر حضرت نبی کریم کا اسوۂ حسنہ

پرعمل کرتے رہے ۔

عدل وانصاف

حضرت عمر فاروق رضہ کے عدل وانصاف کی داستانوں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم رعایا بھی آپ کے عہدِ خلافت میں بے فکری، خوشحالی، امن اور چین کی زندگی بسر کرتی تھی۔ ہر روز صبح کی نماز کے بعد آپ کا معمول تھا کہ مسجد کے صحن میں بیٹھ جاتے۔ جس کسی کو کوئی شکایت ہوتی وہ بلا روک آکر پیش کرتا کوئی دربان نہیں تھا نہ کوئی سیکرٹری۔ انصاف طلبی اور دادرسی کے لئے کسی کورٹ فیس یا لاگت کی حاجت نہ تھی۔ ہر کس و ناکس خود امیرالمومنین کے دربار میں حاضر ہو کر فریاد کر سکتا تھا۔ اور ہر شخص کی شکایت رفع کرنے کے لئے خود خلیفۂ وقت موجود تھے۔

رعایا کی خبر گیری

تمام دن ہی امیرالمومنین رعایا کی خدمت، نگہبانی اور امورِ خلافت کی انجام دہی میں گزارتے۔ اور اگر شب کو مکمل آرام فرمایا کرتے تو ایسا کرنے میں حق بجانب تھے۔ مگر عمر رضہ کو ایسا کرنا بھی گوارا نہ تھا۔ تمام رات مدینہ کی گلیوں میں چکر لگاتے اور شب بھر گشت میں گذرتی۔ کہ کہیں رعایا کے کسی آدمی پر ظلم نہ ہو رہا ہو۔ کوئی محتاج اور مظلوم ایسا نہ ہو جس کی شکایت آپ تک نہ پہنچی ہو۔ اور قیامت کے دن خدا، اس کی نسبت آپ سے بازپرس کرے۔ یہی ایک خیال تھا جو ہر وقت آپ کو بے تاب رکھتا تھا۔ اور آپ دن رات لوگوں کو آرام اور آسائش پہنچانے کی فکر میں رہتے تھے۔ ایک رات عشاء کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا دروازہ آکھٹکھٹایا۔ انہوں نے اس بے وقت تشریف آوری کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ مدینہ کے باہر ایک قافلہ آکر ٹھہرا ہوا ہے۔ ایسا نہ ہو کوئی ان کے مال و اسباب کا نقصان کرے چلو۔ ان کی خبرگیری کریں۔ عبدالرحمٰن کو ہمراہ لے گئے لیکن انہیں وہاں پہنچا کر سُلا دیا۔ اور خود رات بھر پہرہ دیتے رہے۔

ایک دفعہ حسبِ معمول گشت کر رہے تھے کہ کسی خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ جاکر دیکھا کہ ایک عورت چولہے کے آگے بیٹھی ہے اور اردگرد بچے بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضرت عمر نے وجہ دریافت کی تو عورت نے کہا کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔ اور بچے بھوک سے بلبلا رہے ہیں حضرت عمر اسی وقت واپس تشریف لائے اور بیت المال سے کچھ کھجوریں ایک آٹے کی بوری اور دیگر ضروری چیزیں باندھ کر پیٹھ پر اٹھالیں۔ آپ کا غلام بھاگتا ہوا آیا۔ اور عرض کرنے لگا کہ بوری اس کی پیٹھ پر رکھی جائے۔ مگر آپ نے فرمایا "تم اس دنیا میں تو میرا بوجھ اٹھا سکو گے لیکن خدا کے حضور میرا بوجھ کون اٹھائے گا۔ اپنے فرض کو میں خود ہی ادا کروں گا" یہ کہتے ہوئے آپ نے وہ چیزیں اٹھائیں اور اس غریب عورت کے سامنے لا حاضر کیں۔

ایک رات کسی خیمہ سے کراہنے کی آواز آئی۔ آپ نے پکارا تو اندر سے ایک بدو نکلا جس سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بدو کی حاملہ بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے اور کوئی اس کی خبرگیری کرنے والا نہیں حضرت جلدی جلدی واپس گھر تشریف لائے اور اپنی بی بی اُم کلثوم سے فرمایا کہ چلو تمہاری ایک بہن تکلیف میں ہے اس کی مدد کرو تھوڑی دیر کے بعد بدو کے گھر لڑکا پیدا ہوا تو خیمہ کے اندر سے اُمّ کلثوم نے پکارا "امیرالمومنین! اپنے بھائی کو مبارکباد دیجئے" امیرالمومنین کے الفاظ سُن کر بدو سناٹے میں آگیا۔ اس کو یقین نہیں آتا تھا کہ آدھی رات کے وقت اس کی خبرگیری کرنے والا خود عمر فاروق رضہ تھا اور اس کی غریب بیوی کی دایہ بننے والی عورت عرب و عجم کی ملکہ اُمّ کلثوم تھی۔

امانت داری

ایک روز دوپہر کے وقت کچھ لوگ سائے میں بیٹھے تھے کیا دیکھتے ہیں کہ دور صحرا میں سخت دھوپ کے اندر اور جلتی ریت کے اُوپر ایک کملی پوش شخص بھاگا چلا جا رہا ہے۔ سب لوگ حیران تھے کہ اس دوپہر اور شدت کی گرمی میں کون شخص دیوانہ وار بھاگ رہا ہے۔ کچھ دیر بعد وہ شخص قریب آیا تو اُسے پہچان کر سب لوگ تصویر حیرت بن گئے۔ یہ کوئی دیوانہ۔ مجنوں۔ یا معمولی انسان نہیں۔ بلکہ امیرالمومنین عمر فاروق رضہ تھا۔ لوگ پوچھنے لگے کہ امیرالمومنین اس وقت کیا مصیبت پیش آئی تھی کہ آپ اس سخت گرمی میں آگ سی تپتی ریت پر بھاگ رہے تھے۔ فرمایا کہ بیت المال کا ایک اونٹ رسّی ٹوٹ جانے کے باعث بھاگ گیا تھا۔ اور آپ اسی کی تلاش میں اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ یہ تھا آپ کی امانت داری کا حال۔ بیت المال کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کی حفاظت اپنا فرضِ اولین سمجھتے تھے۔ اور قوم کی کوئی چیز خواہ وہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو قوم کی اجازت کے بغیر کہیں خرچ نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ بیمار ہو گئے۔ حکیم نے شہد استعمال کرنے کا مشورہ دیا مگر آپ کے ہاں شہد موجود نہ تھا۔ گو بیت المال میں شہد کافی تھا لیکن آپ اسے استعمال کرنے کے مجاز نہ تھے۔ ایک روز جب تکلیف زیادہ ہو گئی تو آہستہ آہستہ مسجد میں تشریف لائے۔ لوگ صحن میں بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ بھائی میں بیمار ہوں۔ مجھے شہد کھانے کی ضرورت ہے بیت المال میں شہد موجود ہے۔ اگر تمہاری اجازت ہو تو تھوڑا سا لے لوں۔ جب لوگوں نے بخوشی اجازت دے دی تب آپ نے اس کو استعمال کرنا جائز سمجھا۔

ایک دفعہ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت اُمّ کلثوم نے قیصر روم کی ملکہ کو عطر کی چند شیشیاں بطور تحفہ بھیجیں۔ ملکہ روم نے تحفہ کے عوض میں وہی شیشیاں جواہرات سے پُر کر کے اُمّ کلثوم کی خدمت میں ارسال کردیں۔ حضرت عمر رضہ کو جب پتہ چلا تو آپ نے وہ جواہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے۔ اور اُمّ کلثوم سے فرمایا کہ چونکہ قاصد سرکاری آدمی تھا اور اس کی تنخواہ قومی خزانہ سے ملتی ہے اس لئے یہ جواہرات تمہارا مال نہیں ہو سکتے۔ انہیں تھوڑا سا معاوضہ دے کر جواہرات قومی خزانہ میں داخل کر دیئے۔

سادگی اور بے نفسی

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ملک عرب کے علاوہ شام، ایران، مصر، کرمان، خوزستان، آذربائیجان اور کئی وسیع ملکوں کے والی اور بادشاہ تھے لیکن اس کے باوجود نہایت ہی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک معمولی مزدور کے گھر کا اثاثہ اور زر و مال امیرالمومنین کے اثاثہ سے کہیں زیادہ تھے۔ عرب و عجم کا یہ عظیم القدر بادشاہ صرف دو درہم یعنی قریباً دس آنے یومیہ پر گذر اوقات کرتا تھا۔ لاکھوں اور کروڑوں روپیہ ہر سال بیت المال میں آتا۔ لیکن وہ سب مسلمانوں میں تقسیم ہو جاتا اور حضرت عمر رضہ کی ذات پر بہت کم خرچ ہوتا تھا۔ قیصر و کسریٰ کے خزانے مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ بڑی بڑی حکومتوں کی دولت اور زر و مال، جواہرات اور اشرفیاں اسلامی خزانہ میں جمع ہوئیں۔ اور سب کی سب قوم کی فلاح و بہبود پر خرچ ہوئیں اور حضرت امیرالمومنین نے عیش و عشرت تو کیا آسودہ حالی کے لئے بھی قوم کا روپیہ خرچ نہ کیا۔ ایک طرف تو روم اور شام پر فوجیں بھیجی جا رہی ہیں۔ اور قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ درپیش ہے۔ کہیں خالد رضہ اور معاویہ رضہ سے بازپرس ہو رہی ہے اور کہیں سعد رضہ اور موسیٰ اشعری رضہ کے نام احکام لکھے جا رہے ہیں۔ اور دوسری طرف یہ حالت ہے کہ بدن پر بارہ پیوند کا کرتا۔ سر پر پھٹا عمامہ اور پاؤں میں پھٹی ہوئی جوتی اور کاندھے پر مشک اٹھائی ہے کہ بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی دے آئیں۔

⁂

قرآن کریم جیسا کہ تاریخ اس پر شاہد ہے وہ کتاب ہے جس نے دنیا میں ایک ایسا انقلاب عظیم پیدا کیا جس کی دوسری نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ مگر اس سے بڑھ کر اس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ آج بھی دنیا میں وہی انقلاب پیدا کر سکتی ہے۔

قرآن ہماری طاقت کا سرچشمہ ہے اور وہ امن اور صلح جس کے بغیر تہذیبِ انسانی زندہ نہیں رہ سکتی صرف قرآن ہی دنیا میں پیدا کر سکتا ہے۔

خطبۂ جمعہ فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب بتاریخ ۲۔ اپریل ۱۹۸۱ء، بمقام احمدیہ بلڈنگس۔ برانڈرتھ روڈ لاہور

رپورٹ مولوی شفقت رسول خان

حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خیر کثیر دیا گیا

یہ خیرِ کثیر غیر منقطع اور ابدی ہے

انا اعطینک الکوثر ہ فصل لربک
وانحر ہ ان شانئک ھو الابتر ہ
(الکوثر ۱ تا ۳)

یہ چھوٹی سی سورت تین آیات کی ہے۔ یہ چند الفاظ پر مشتمل سورۃ اور بعض دیگر سورۃ ایسی جامع اور اہم ہیں کہ ان کی تفسیر و تشریح میں ہر اہل علم و قلم نے بڑی ضخیم کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ ان میں سے ہر سورہ کلام الٰہی کا ایسا معجزہ ہے کہ جس کی مثل لانے میں کوئی قادر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس سورہ میں فرمایا ہے کہ ہم نے تجھے کوثر عطا کیا ہے یعنی خیر کثیر دیا ہے پس اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی کر۔ اور یقیناً تیرا دشمن ہی خائب و خاسر اور ابتر ہے۔ یعنی اس سورہ میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق زندگی کا انجام بتایا ہے۔ یعنی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توحید کے موقف پر کاربند ہونے اور اس پر استقامت و پامردی اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانی کے عملی مظاہرہ نے ان کو مقبول بارگاہ بنا دیا اور پھر حضورؐ کی مخالفت کرنے والوں کے انجام بتائے اور ان لوگوں کا بھی جو آپ کو نہیں مانتے یا مانتے تو ہیں لیکن عملاً اس پر ایمان کا اظہار نہیں کرتے۔ فرمایا کہ تمہارا بدخواہ اور دشمن ہی ابتر ہے جس کا کوئی نام لیوا نہیں ہوگا اور آپ کو کثیر روحانی اولاد دی جائے گی جو آپ کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھے گی۔ کفار عرب کو اپنے عربی ادب و فن شعر و سخن پر بڑا ناز تھا اپنی شعر و سخن کی برتری کے اظہار کے لئے شعراء اپنے کلام کو کعبہ میں معلق کر دیتے تھے جس کو صاحب ذوق اساتذہ فن پرکھتے تھے اور اپنی رائے دیتے تھے۔ چنانچہ سبعۃ معلقۃ مشہور عربی قصائد ہیں جو کعبے میں لٹکائے گئے تھے

ایک موقع پر ایک مسلمان نے اس سورۃ کوثر کی تین آیات کو کعبہ میں معلق کر دیا۔ ان آویزہ آیات کو انہیں ماہر فن میں سے ایک نے پڑھا تو پکار اُٹھا۔ ما ھذا من قول البشر۔ یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔ گویا ادیب و شاعر لوگوں نے اعتراف کر لیا کہ یہ کلام انسان کا نہیں ہو سکتا۔ خدا کا کلام ہے۔ یہ خدا کے کلام کا اعجاز ہے۔ قرآن پاک ایک موزوں کلام ہے۔ اس کی مختصر ترین آیت بھی اعجاز کی حامل ہے اور اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ قرآن پاک میں مخالفین کو مقابلہ کا چیلنج کیا ہے۔

ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا
فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم
ان کنتم صادقین فان لم تفعلوا ولن تفعلوا
فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ
اعدت للکافرین

'' اگر تمہیں اس کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے منجانب اللہ ہونے میں شک ہو تو اس جیسی کوئی سورت بنا لاؤ۔ اور اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو اگر تم اپنے قول میں سچے ہو۔ اور اگر تم ایسا نہ کر سکو اور تم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے تو اس آگ سے بچاؤ کر لو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اور وہ انکار کرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے ''۔

اس سورہ کی صورت میں بھی چیلنج ہے جس کے سامنے ادباء و شعراء عرب سرنگوں ہو گئے اور جھٹ قرآن پاک کی برتری اور خدا کا کلام ہونے کا اعتراف ان الفاظ میں کیا۔

'' ماھذا قول البشر ''

کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔ یہ اعتراف انہوں نے یونہی نہیں کیا بلکہ یہ سورہ واقعیت درحقیقت میں علم و ادب اور معانی میں اہمیت کی حامل ہے۔ اگر یہ بات کوئی معتقد کہتا تو یہ قابلِ اعتراض بات ہوتی کہ صاحب یہ محض عقیدت سے کہا گیا لیکن یہ اس کے برعکس دشمن و مخالف کی شہادت ہے۔ الفضل ما شھدت بہ الاعداء

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت گھر سے مسلح ہو کر برہنہ شمشیر بکف نکلتے ہیں اور اس ارادہ سے نکلتے ہیں کہ آج محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے ہمیشہ کے لئے اس مذہبی فتنہ کو ختم کر دوں جس نے سارے عرب کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اور یہ فساد عظیم کی جڑ ختم کر دوں جو محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پھیلا رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ ایک جری۔ بہادر۔ شاہ زور انسان تھے بڑے حوصلہ مند، پختہ عزم و حوصلہ کے مالک تھے۔ جب اس حالت میں جا رہے تھے کہ ایک مسلمان ان کو سر راہ مل گیا۔ اور اس نے پوچھا عمرؓ کہاں جاتے ہو؟ تو جواب میں عمرؓ نے کہا کہ محمد (صلعم) کو قتل کرنے جا رہا ہوں تاکہ یہ اسلام کی جڑ ہی ختم ہو جائے۔ تو اس نے کہا عمر تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سنتے ہی ان کی آتش غضب بھڑک اٹھی اور وہ سیدھے بہن اور بہنوئی کے گھر پہنچے وہ حضرت خبیب سے قرآن پاک پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے دستک دی تو انہوں نے ان کے خوف سے قرآن پاک چھپا دیا اور یہ اندر داخل ہوئے اور پوچھ گچھ کے سلسلہ میں بہن اور بہنوئی کو شدید مارا کہ ان کے جسموں سے خون بہنے لگا۔ آخر بہن نے کہا کہ بھائی اگر تو ہمیں قتل بھی کر دے تو بھی ہم اسلام سے دستکش نہیں ہو سکتے۔ ان کے اس جواب پر آپ نے قرآن سننے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ طٰہٰ۔ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ کے رکوع کی تلاوت سنی تو دل پگھل گیا۔ قرآن پاک کی تاثیر نے قلب ماہیت کر دی اور عمرؓ ایمان لانے کے لئے بے قرار و بے چین ہو گئے۔ اور حضور رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اظہار ایمان کے لئے حاضر ہوئے۔ اس حال میں کہ تلوار گلے میں پڑی ہوئی تھی۔ صحابہؓ نے عمرؓ کو آتے دیکھا تو گھبرائے لیکن حضور صلعم کے حکم پر دروازہ کھلا اور وہ حضور صلعم کے قدموں میں گر کر خدا سے گناہوں کی معافی کے طالب ہوئے۔ اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے۔ گویا قرآن پاک کی تاثیر نے انہیں خدا کے حضور جھکنے پر مجبور کر دیا۔ اسی لئے آج تک کسی مخالف کو جرأت نہیں ہوئی کہ قرآن پاک کے اس چیلنج کو قبول کرتا۔ اور اگر کوئی جرأت کرتا تو یقیناً شکست ہی اس کا مقدر ہوتی۔ کیونکہ یہ خدا کا کلام ہے جو اس نے اپنے بندے اور رسول پر نازل کیا۔ خدا بے مثل ہے تو اس کا کلام بھی بے مثل ہے۔ اور اس کے بندوں سے کسی کو مقابلہ کی جرأت نہیں ہوتی۔

قرآن پاک خدا کا کلام ہے اس لئے پُر صداقت و پُر حکمت کلام ہے اور خدا فرماتا ہے، اے نبیؐ! ہم نے آپ کو خیر کثیر دیا کیونکہ آپ خدا کے ہو گئے ہیں۔ اور اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیا ہے۔ اور حضور کی اس قربانی کی مثال تخلیق انسانی سے لے کر آج تک نہیں ملتی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فقر کو غنا پر ترجیح دی ہے اور توحید کے مقابل کوئی نعمت قبول نہیں کی جس کا بڑے سے بڑا آدمی بھی خواہش مند ہوتا ہے۔ کفار مکہ نے آپ کو مقام توحید سے پھرنے کے لئے اپنا بادشاہ ماننے۔ دولت کا ڈھیر دینے اور ان کی پسند کی عورتیں پیش کرنے کی پیشکش کی ہے لیکن آپ نے ٹھکرا دیا بلکہ توحید کی خاطر اپنے آرام و آسائش۔ اپنا گھر۔ اپنا پیارا وطن،

چشمِ رحمت

چشمِ رحمت ذرا ادھر کر دے
شاخِ اُمید بارور کر دے
مہر تاباں بنے وہ ذرّہ خاک
جس پہ تو مہر کی نظر کر دے

— حسن

اپنا مال و متاع بھی ترک کر دیا اور ہجرت کی تکالیف برداشت کیں لیکن پائے ثبات میں ذرّا بھر لغزش نہیں آئی حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اہل مکّہ نے دو مرتبہ پیشکش کی۔ ایک مرتبہ حضرت ابوطالب کی وساطت سے کہلوایا کہ آپ اپنے بھتیجے سے کہئے کہ وہ ہمارے بتوں کو جھوٹا نہ کہے اور اس کے عوض ہم اُسے اپنا بادشاہ بنانے یا وہ چاہے تو دولت کا ڈھیر دینے یا اس کی خواہش پر حسین و جمیل عورتیں دینے کو تیار ہیں ورنہ آپ اپنے بھتیجے کی حمایت سے ہٹ جائیں۔ تو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:۔

"چچا جان! اگر وہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں اور میرے سامنے احد پہاڑ جتنا سونا ڈال دیں تب بھی میں ان چیزوں کو ٹھوکر مار دوں گا اور مقام توحید سے نہیں ہٹ سکتا۔ اگر چہ آپ بھی میری حمایت سے ہٹ جائیں۔ میرے لئے میرا خدا کافی ہے۔"

حضرت ابوطالب باوجود حضورؐ پر ایمان نہ لانے کے آپؐ کے حامی رہے۔ ایسا ہی ہجرت سے قبل، اہل کفر کی جانب سے پیشکش ہوئی لیکن آپ نے طلب مال دنیا، خواہشات نفس، سب کو خدا تعالےٰ کی راہ میں قربان کر دیا۔ سب جانتے ہیں کہ خواہشات نفسانی اور آرزوہائے سفلی انسان پر اس قدر غالب ہوتی ہیں کہ وہ موت کو قبول کر لیتا ہے۔ لیکن خواہشات کو نہیں چھوڑتا۔ اس قدر آپ کی خواہشات سے بلندی کا انعام خداوند تعالےٰ نے الکوثر کی صورت میں یعنی خیر کثیر کی صورت میں عطا فرمایا۔ آپؐ کا خیر کثیر زمانوں پر ممتد ہے اور آج بھی آپ کے کامل متبعین بھی اس خیر کثیر سے حصہ پاتے ہیں اور خدا سے واصل ہوتے ہیں۔ اور مخالف تباہ و برباد ہو جاتے ہیں

قرآن پاک خدا کا کلام ہے جس کی تاثیر عظیم ہے۔ جب حضرت ابوبکر رضہ قرآن پاک پڑھتے تھے تو کفار کے بچے اور عورتیں سننے کے لئے جمع ہو جاتیں جس پر کفار نے مطالبہ کیا کہ آپ قرآن پاک کو بلند آواز سے تلاوت نہ کیا کریں کیونکہ ہمارے اہل و عیال متاثر ہوتے ہیں اور قرآن پاک کا یہ اثر تو کسی کی بھی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے کہ عرب کی اجڈ، جاہل۔ غیر مہذب و غیر متمدن قوم جب اس قرآن پاک کے اثر کے نیچے آئی تو اس قوم کی کایا پلٹ ہو گئی۔ اور ایک انقلاب آ گیا۔ اور وہ یکسر بدل گئے۔ اور ایسے مہذب۔ متمدن۔ شریف اور بلند کردار بنے کہ انہوں نے خود ایک جہان کو تہذیب و تمدن سے آشنا کیا اور فاتح عالم بن گئے۔ اور اس مقدس کلام کو تمام جہان میں پھیلانے کا باعث ہوئے۔ اور:۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کا غلغلہ عالم میں بلند کر دیا۔ آج بھی اسی قرآن کے نور کو پھیلانے کی ضرورت ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کو اپنی زندگی کا اسوۂ عمل بنائیں تا کہ برکات کے اور خیر کثیر کے وارث ٹھہریں۔

وباللہ التوفیق

حدیث نبویؐ

* بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔

* * *

خداوندا کرم کر حامیٔ دینِ محمّدؐ پر

کرو ہمت عزیزو! گلشنِ دیں میں بہار آئے
نگارِ ملّتِ بیضا کے چہرے پر نکھار آئے

فدا ہو جاؤ گر تم شوکتِ اسلام کی خاطر
سرِ محشر نبیؐ کے جانثاروں میں شمار آئے

سراپا عزم بن جاؤ جو تم، پھر درگہِ حق سے
خدا کی فتح و نصرت بے حساب بے شمار آئے

تمہارے خون میں جوشاں اگر ہو دین کی غیرت
نچھاور تم پہ عزت ہو۔ شکوہ آئے، وقار آئے

رہِ اسلام میں گر مال و دولت کو کرو قرباں
تعجب کیا جو نصرت کو تمہاری کردگار آئے

فدا کر اس سے پہلے رہِ حق میں عمرِ دو روزہ
کہ پیغامِ رحیلِ ہستیٔ ناپائیدار آئے

تبلیغ کر نبیؐ کے عاشقوں کی جانثاری کا
کہ دیں کی نصرتوں کے ساتھ عز و افتخار آئے

زہے قسمت، تجھے ملتا ہے نصرت کا اجر ورنہ
مقدر ہے کہ پھر دیں کے چمن میں برگ و بار آئے

مرے آئینۂ دل میں مشیت حق کی ہے رقصاں
جہاں میں عہدِ مسعودِ شہ ذی الاقتدار آئے

خداوندا کرم کر حامیٔ دینِ محمّدؐ پر
سکونِ قلب دے اسکو جو کوئی بے قرار آئے

مرے مولا! عطا کر اس کو دائم راحت و عشرت
تری تائید اور رحمت قطار اندر قطار آئے

(ماخوذ)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۸۔ اپریل ۱۹۸۱ء جلد ۶۸ شمارہ نمبر ۱۴ رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۸

دفتر مقامی جماعت

اہتمام، از مطبع: الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفےٰ مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بر و شد اختتام

◆

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبری

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

◆

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے — روپے
بیرونی ممالک سے — پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید — و پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

الہاماتِ حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۶۳۷۳۷

شمارہ ۱۵	یوم چہار شنبہ ۹ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۵ اپریل ۱۹۸۱ء	جلد :- ۶۸

حضرت مجدد صد چہاردہم کے ارشادات عالیہ

ایمان بڑی دولت ہے

ایمان بڑی دولت ہے اور ایمان کی تعریف یہ ہے کہ اس حالت میں مان لیا جائے جبکہ علم ابھی کمال کے درجہ تک نہ پہنچا ہو۔ اور ابھی شکوک و شبہات سے ایک جنگ جاری ہو۔ ایسی حالت میں جو شخص تصدیق قلبی اور تصدیق لسانی سے کام لیتا ہے وہ مومن ہوتا ہے اور حضرت احدیت میں اس کا نام راست باز اور صادق رکھا جاتا ہے اور اس کے اس فعل پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے موہبت کے طور پر معرفتِ تامہ کے مراتب کھولے جاتے ہیں اور اصل بہشت اسی ایمان سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں جہاں بہشت کا ذکر فرمایا ہے وہاں پہلے ایمان کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے بعد اعمالِ صالحہ کا اور ایمان و اعمال ہر دو کی جزا جنتٍ تجری من تحتها الانهار فرمائی ہے۔ یعنے ایمان کی جزا جنت اور جنت کو ہمیشہ سرسبز رکھنے کے لئے چونکہ نہروں کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے جنت کی نہروں کو اعمالِ صالحہ کا نتیجہ فرمایا ہے۔ اور فی الحقیقت اس زندگی کے اعمال صالحہ آئندہ زندگی میں انہار جاریہ کے رنگ میں متمثل ہو جائیں گے۔ اس دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جوں جوں انسان اعمالِ صالحہ میں ترقی کرتا جاتا اور اللہ تعالےٰ کی نافرمانیوں سے بچتا اور سرکشی اور حدود اللہ سے اعتداء کرنے کو چھوڑ جاتا ہے۔ اسی قدر اس کا ایمان ترقی کرتا ہے۔ اور ہر نئے عمل صالح پر اس کے ایمان میں ایک زیادتی اور دل میں ایک قوت پیدا ہو جاتی ہے اور خدا تعالےٰ کی معرفت میں اُسے ایک لذت آنے لگتی ہے۔ اور یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ اس کے دل میں ایک ایسی کیفیت محبت اور عشقِ الٰہی کی اللہ تعالےٰ کی موہبت اور فیض سے پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کا سارا وجود اس محبت اور سرور سے جو اس کا نتیجہ ہوتا ہے پیالہ کی طرح لبالب بھر جاتا ہے۔ اور انوارِ الٰہی اس کے دل پر بکلی احاطہ کر لیتے ہیں اور ہر قسم کی ظلمت تنگی اور قبض دور کر دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں تمام مصائب اور مشکلات بھی جو مومن کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں پیش آتے ہیں ایک لحظہ کے لئے بھی اس کے دل کو پراگندہ اور منقبض نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ بجائے خود محسوس اللذت ہوتے ہیں اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہوتا ہے۔

سچ بولنا باعثِ نجات اور جھوٹ ہلاکت کا موجب ہے۔ (اقوالِ زریں)

مختار احمد

حضرت مجدد صد چہاردہم

احباب جماعت سے کیا توقع رکھتے ہیں

خدا تعالےٰ اس جماعت کو ایک ایسی جماعت بنانا چاہتا ہے جس کے نمونہ سے لوگوں کو خدا یاد آئے اور جو تقویٰ اور طہارت کے اول درجہ پر قائم ہوں اور جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کر لیا ہو حضور فرماتے ہیں کہ وہ کام جس کے لئے خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ خدا میں اور اس کی مخلوق کے رشتہ میں جو کدورت واقع ہو گئی ہے اس کو دور کر کے محبت اور اخلاص کے تعلق کو دوبارہ قائم کروں اور سچائی کے اظہار سے مذہبی جنگوں کا خاتمہ کر کے صلح کی بنیاد ڈالوں اور وہ دینی سچائیاں جو دنیا کی آنکھ سے مخفی ہو گئی ہیں ان کو ظاہر کر دوں۔ وہ روحانیت جو نفسانی تاریکیوں کے نیچے دب گئی ہے اس کا نمونہ دکھلاؤں۔ اور خدا کی طاقتیں جو اس کے اندر داخل ہو کر توجہ یا دعا کے ذریعہ نمودار ہوتی ہیں۔ حال کے ذریعہ سے نہ محض قال سے ان کی کیفیت بیان کروں اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ خالص اور چمکتی ہوئی توحید جو ہر ایک شرک کی آمیزش سے خالی ہے۔ اس کا دوبارہ قوم میں دائمی پودہ لگا دوں۔ اور یہ سب کچھ میری قوت سے نہیں ہوگا۔ بلکہ خدا کی طاقت سے ہوگا۔ جو آسمانوں اور زمینوں کا خدا ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔

تمہارا فرض ہے کہ سچی توبہ کرو اور اپنی سچائی اور وفاداری سے خدا کو راضی کرو تا کہ تمہارا آفتاب غروب نہ ہو اور تاریکی کے چشمہ کے پاس جانے والے نہ ٹھہرو۔ اور نہ تم ان لوگوں سے بنو جنہوں نے آفتاب سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ پس تم پورا فائدہ حاصل کرو اور پاک چشمہ سے پانی پیئو۔ تا کہ خدا تم پر رحم کرے۔ وہ انسان بدقسمت ہوتا ہے جو خدا تعالےٰ کے وعدوں پر ایمان لا کر وفاداری اور صبر کے ساتھ ان کی انتظار نہیں کرتا۔ اور شیطان کے وعدوں کو یقینی سمجھ بیٹھتا ہے۔ اس لئے کبھی بد دل نہ ہو جاؤ۔ اور تنگی اور عسر کی حالت میں گھبراؤ نہیں۔ اللہ تعالےٰ خود رزق کے معاملہ میں فرماتا ہے۔ ورزقکم فی السمآء وما توعدون۔"

(الحکم ۲۴ مئی ۱۹۰۳ء)

حضور کا ارشاد ہے۔

"تمہارا کام اب یہ ہونا چاہیئے کہ دعاؤں اور استغفار اور عبادت الٰہی و تزکیہ و تصفیہ نفس میں مشغول ہو جاؤ۔ اس طرح اپنے تئیں مستحق بناؤ۔ خدا تعالےٰ کی عنایت اور توجہات کا جن کا اس نے وعدہ فرمایا ہے اگرچہ خدا تعالےٰ کے بڑے بڑے وعدے اور پیشگوئیاں ہیں۔ جن کی نسبت یقین ہے کہ پوری ہوں گی مگر تم خواہ مخواہ اُن پر مغرور نہ ہو جاؤ۔ ہر قسم کے حسد، کینہ، بغض، غیبت اور کبر اور رعونت اور فسق و فجور کی ظاہری اور باطنی راہوں اور کسل اور غفلت سے بچو۔ اور خوب یاد رکھو کہ انجام کار ہمیشہ متقیوں کا ہوتا ہے جیسے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ:-

والعاقبۃ للمتقین۔ متقی بننے کی فکر کرو۔"

(الحکم ۳۱ مئی ۱۹۰۴ء)

پھر فرماتے ہیں:-

استغفار کرتے رہو اور موت کو یاد رکھو۔ موت سے بڑھ کر اور کوئی بیدار کرنے والی چیز نہیں۔ جب انسان سچے دل سے خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو خدا تعالےٰ اپنا فضل کرتا ہے۔ جس وقت انسان خدا تعالےٰ کے حضور سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو خدا تعالےٰ پہلے گناہ بخشتا ہے اگر ان کا کوئی ذرہ سا بھی نقصان کرے تو وہ ساری عمر اس کا کینہ اور دشمنی رکھتا ہے۔ گو زبانی معاف کر دینے کا اقرار بھی کرے لیکن پھر بھی جب اس کو موقع ملتا ہے تو اپنے اس کینے اور عداوت کا اس سے اظہار کرتا ہے۔ یہ خدا تعالےٰ ہی ہے کہ جب بندہ سچے دل سے اس کی طرف آتا ہے تو وہ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ رجوع برحمت فرماتا ہے اور فضل نازل فرماتا ہے۔ اور گناہ معاف کرتا ہے۔ اس لئے تم بھی ایسے ہو جاؤ جو پہلے نہ تھے۔ نماز سنوار کر پڑھو۔"

اسی طرح حضرت مرزا صاحب اپنی جماعت کو اخلاق فاضلہ اور باہمی الفت اور محبت سے زندگی بسر کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:-

" اخلاق کا درست کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ جب تک انسان اپنا مطالعہ نہ کرتا رہے۔ یہ اصلاح نہیں ہوتی۔ انسان کی بد اخلاقی دشمنی ڈال دیتی ہے۔ اس لئے اپنی زبان کو ہمیشہ قابو میں رکھنا چاہیئے۔ دیکھو کوئی شخص ایسے شخص کے ساتھ دشمنی نہیں کر سکتا جس کو وہ اپنا خیر خواہ سمجھتا ہے۔ پھر وہ شخص کیسا بے وقوف ہے جو اپنے نفس پر بھی رحم نہیں کرتا۔ اور اپنی جان خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ ہماری جماعت تب تک کبھی کامیاب نہیں ہوگی جب تک وہ آپس میں سچی ہمدردی نہ کریں۔ جس کو طاقت ہے وہ کمزور سے محبت کرے۔ اگر کسی میں کوئی عیب ہے۔ تو اس کی نرمی اور اخلاق سے اصلاح کرے۔ خدا تعالےٰ نے اس جماعت کو ایک خاص جماعت بنانے کا ارادہ کیا ہے۔ کوئی آدمی جو دراصل جماعت میں ظاہری طور پر شامل ہوتا ہے اور اس کے عمل نیک نہیں۔ وہ جماعت میں نہیں رہ سکتا۔ اس پر کوئی وقت ایسا آ جائے گا کہ وہ الگ ہو جائے گا۔ اس لئے اپنے اعمال کو اس تعلیم کے ماتحت کرو جو دی جاتی ہے۔"

(الحکم ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

ایک اور جگہ حضرت مرزا صاحب اپنی جماعت کو توبہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

" توبہ کے معنے گناہ کو ترک کرنا اور خدا کی طرف رجوع کرنا بدی چھوڑ کر نیکی کی طرف آگے قدم بڑھانا۔ جو ایک موت کو چاہتی ہے جس کے بعد انسان زندہ کیا جاتا ہے پھر نہیں مرتا۔"

لہٰذا احباب جماعت کو چاہیئے کہ اپنے پیارے امام کے مقدس اور پاکیزہ کلمات جو نہایت ہی بیش قیمت ہیں زیر نظر رکھ کر اپنی زندگی کو ایسے سانچے میں ڈھالیں جس سے حضور کی خواہش پوری ہو۔ خدا تعالےٰ ہمیں حضور کے فرمودات پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین!

عشق قرآن

جمال و حسن قرآن نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
بہار جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ ایسا کوئی بستاں ہے
کلام پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز
اگر لولوئے عماں ہے وگر لعل بدخشاں ہے

* * *

نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں
مئے عرفان کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا

قرآن سے محبت اور عشق کے متعلق ایک اور شعر۔

دل میں یہی ہے ہردم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

خطبۂ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب، بتاریخ ———— بمقام جامع احمدیہ، دارالسلام، لاہور

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ . . . . واللّٰہ یرزق من یشآء بغیر حساب ٥ (سُورۃ النور ۲۴، آیات ۳۵ تا ۳۹)

ترجمہ: "اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جس میں ایک چراغ ہے۔ چراغ ایک شیشہ میں ہے۔ شیشہ گویا ایک چمکتا ہوا تارہ ہے۔ وہ چراغ ایک بابرکت زیتون کے درخت سے روشن ہو رہا ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ قریب ہے کہ اس کا تیل روشنی دے گو اسے آگ بھی نہ چھوئے۔ نور پر نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں قائم کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ وہ نور اُن گھروں میں بھی ہے جن کے متعلق اللہ نے اذن دے دیا ہے کہ وہ بلند کئے جائیں اور ان میں اس کا نام یاد کیا جائے۔ ان میں اس کی تسبیح کی جاتی ہے صبح اور شام کے وقتوں میں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت یا خرید و فروخت اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی۔ تاکہ اللہ انہیں اس کا بہترین بدلہ دے جو وہ عمل کرتے ہیں اور ان کے لئے اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔"

جو۔۔ میں نے پڑھی ہیں اُن میں سے پہلی آیت "اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔۔۔۔ اور اللہ ہر چیز جاننے والا ہے۔" قرآنِ حکیم کی مشکل ترین آیات میں سے ہے۔ مفسرین نے اس کے مختلف معانی کئے ہیں مگر جہاں تک میرا تعلق ہے ان میں سے کوئی بھی بکلی تسلی بخش نہیں ہیں۔ میں بھی آج اس کی تشریح کی کوشش کروں گا۔ وما توفیقی الا باللّٰہ العلی العظیم

سب سے پہلے تو لفظ نور کو سمجھنا ضروری ہے۔ یہ لفظ قرآنِ حکیم میں دو تین جگہ تو ظاہری روشنی کے معنوں میں آیا نظر آتا ہے مگر اکثر اور بیشتر جگہ لفظ نور باطنی روشنی کے معنوں میں آیا ہے یعنی وہ روشنی جو باطنی امور کو یا مخفی امور کو روشن کر دے مثلاً اللّٰہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور"۔ یعنے "اللہ دوست بن جاتا ہے اُن لوگوں کا جو ایمان لاتے ہیں، انہیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے۔" تو پھر اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض کے معنی کیا ہوئے؟ کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالےٰ محض ایک نور ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آسمانوں یا زمین کی جتنی مخفی باتیں ہیں وہ روشن ہو جاتی ہیں یعنے سمجھ آجاتی ہیں اگر اللہ تعالےٰ کو مان لیا جائے۔ مثلاً یہ کہ آسمانوں کا عظیم الشان نظام جس کی عظمت، وسعت اور عجائبات جو اب کچھ کچھ پتہ لگ رہی ہیں وہ کس نے پیدا کی ہیں؟ کیوں پیدا کی ہیں؟ اسی طرح زمین کے ذرہ ذرہ (ایٹم) میں جو عجائبات ہیں وہ کس نے بنائی ہیں؟ اس عظیم الشان کائنات کو جس کا ایک ایک ذرہ اپنے اندر عجائبات کی کائنات رکھتا ہے جن کا کچھ، کچھ پتہ اب سائنس لگا رہی ہے کون چلا رہا ہے؟ انسان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ کیوں پیدا کیا ہے وغیرہ وغیرہ ان تمام باتوں کو جو مخفی تھیں قرآنِ حکیم نے آن کر کھولا جب اس نے اس خدا کی معرفت دی جس کا نام اللہ ہے۔ تو اللہ کو مان لو تو آسمانوں اور زمین کی تمام مخفی باتیں اور راز کھل جاتے ہیں۔ اور انسان کے لئے سب سے بڑا عقدہ لاینحل کھل جاتا ہے کہ اس کی زندگی یا پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ جو کہ اللہ کو پانا ہے۔

رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ ہر آیت قرآنی کے سات باطنی معانی ہیں اور وہ سب اپنے اپنے رنگ میں ٹھیک ہوتے ہیں۔ سمٰوٰت کے معنی جہاں ظاہر آسمان ہیں وہاں اگلی زندگی کے جو آسمانوں میں ہے سات آسمان بھی ہیں۔ اسی طرح الارض کے معنی جہاں مادی زمین کے ہیں وہاں زمینی زندگی کے بھی ہیں۔ تو ان معنوں کی روشنی میں اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض کے کیا معنی ہوئے؟ یاد رہے کہ لفظ نور کے معنی وہ روشنی ہیں جو باطنی امور کو ظاہر کرے۔ تو اللہ تعالیٰ کا باطن کس طرح ظاہر ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کی صفات کے ذریعہ، جس طرح کہ انسان کا باطن بھی اس کی صفات کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ انسان کا اصل پتہ نہیں لگتا جب تک کہ اس سے واسطہ نہ پڑے اور اس کی صفات کا پتہ نہ لگے۔ تو اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض کے معنی ہوئے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ کی صفات جو نور کی طرح جگمگاتی ہیں ان کا اصل پتہ تو مرنے کے بعد اگلی زندگیوں میں انسان کو لگے گا اور اسی لئے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے لکھا ہے کہ مرنے کے بعد انسان اللہ تعالےٰ کی معرفت میں ہمیشہ ترقی کرتا رہے گا اور انسان کی اس ترقی کی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم اس دنیا (الارض) میں بھی لگتا ہے اُس نور کے ذریعہ سے جو اس نے قرآنِ پاک کے ذریعہ اتارا ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے کہ:-

قد جآءکم من اللّٰہ نور وکتٰب مبین (المائدہ ٥ - ۱۵)

کہ بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا ہے اور کھول کر بیان کرنے والی کتاب، اور واقعی اللہ تعالےٰ کی صفات کا جو علم قرآنِ پاک نے دیا ہے وہ کسی اور الہامی کتاب نے نہیں دیا۔ مزید برآں اللہ تعالےٰ کی صفات کو حاصل کرنے کے لئے قرآن حکیم نے اور رسول اللہ صلعم نے زور دیا ہے۔

اور جیسا کہ قرآنِ پاک پر رسول اللہ صلعم نے عمل کیا ہے کون کر سکتا ہے۔ اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے فرمایا کہ کان خلقہ القرآن یعنے قرآنِ پاک کی آپ عملی تصویر تھے اور

خود قرآن نے آپؐ کو اوّل المسلمین کا فخر عطا فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے احکام پر عمل کرنے میں آپؐ سب سے بڑھ کر تھے۔ تو اسی لئے صفاتِ الہٰیہ کا جیسا نور آپ میں جگمگایا کسی میں نہیں جگمگایا۔ اسی لئے سابقہ انبیاء نے رسول اللہ صلعم کے آنے کو خود اللہ تعالےٰ کے آنے کو مجازی رنگ میں قرار دیا۔ اور جیسی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضورؐ کی اتباع کی وہ بھی مذہبی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ اسی لئے وہ نور الہٰیہ جو رسول اللہ صلعم کی ذات پاک میں جگمگایا اس کی جھلک ہمیں صحابہؓ میں بھی نظر آتی ہے اسی لئے رسول اللہ صلعم نے فرمایا:۔ اصحابی کالنجوم فبایّ ما اقتدیتم اھتدیتم یعنے میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں سو ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کروگے تو ہدایت پر ہوگے"۔ (عرب لوگ عام طور پر دن کی گرمی میں سفر نہ کر سکتے تھے اس لئے رات کو کرتے تھے اور ریگستان میں جہاں کوئی روشنی اور کوئی سڑک نہ تھی وہ ستاروں کو دیکھ کر چلتے تھے) رسول اللہ صلعم نے وہی بات باطنی سفر کے لئے فرمائی تھی۔

رسول اللہ صلعم اور صحابہ رضؓ کا ہی ذکر آج کی آیات میں بھی ہے۔ اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا نور تو آسمانوں میں یعنے اگلی زندگیوں میں جا کر انسان کو نظر آئے گا مگر اس زمین میں بھی وہ ان لوگوں میں منعکس ہوتا ہے جو اللہ تعالےٰ کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرتے ہیں جیسا کہ اگلی آیات ظاہر کرتی ہیں۔ فرمایا "اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں جس میں ایک چراغ ہے"، اب دیوار میں طاق کی وہی جگہ ہے جو انسان کے جسم میں دل کی ہے اور طاق میں چراغ روشنی کے لئے رکھا جاتا ہے۔ تو انسان کے دل میں بھی اللہ تعالےٰ نے نور فطرت یعنے باطنی روشنی رکھی ہے۔ جس سے وہ اپنی باطنی حالت کو (جو ویسے اندھیرے میں ہوتی ہے) دیکھ سکتا ہے۔ اسی لئے قرآنِ حکیم نے فرمایا ہے کہ ان الانسان علیٰ نفسہٖ بصیرۃ ہر انسان اپنے نفس کو جو اس کا باطن ہے دیکھ سکتا ہے۔ اس خداداد بصیرت کو جیسا حضور صلعم نے استعمال کر کے اپنے باطن کو پاک و صاف کیا ویسے کس نے کرنا ہے اور حضورؐ کا ہی ذکر آگے آتا ہے۔ قرآن بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرماتا ہے "وہ چراغ ایک شیشہ میں ہے"، جن لوگوں نے پرانے زمانے کے لیمپ جلائے ہیں وہ جانتے ہیں کہ چراغ یا لیمپ کی بتّی ہوا سے ٹمٹمانے لگتی ہے اور ڈر ہوتا ہے کہ کسی وقت وہ بجھ جائے گی مگر جیسے ہی اُس پر شیشہ کی چمنی لگا دو تو وہ بتّی مضبوطی سے قائم ہو جاتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ ہوا کے جھونکے اب اسے بجھا نہیں سکتے بلکہ شیشہ کی چمنی رکھنے سے بتی کی روشنی بہت تیز ہو جاتی ہے۔ تو انسان کے اندر جو باطنی روشنی ہے اُسے محفوظ کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے قلب کی چمنی یا شیشہ اس پر رکھ دیا ہے۔

اب چراغ کی روشنی چمنی رکھنے سے کتنی تیز ہوتی ہے اس کا انحصار چمنی کے شیشہ کی صفائی پر ہوتا ہے۔ تو قرآن فرماتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک کی چمنی کا شیشہ ستارہ کی طرح چمکتا تھا۔ اللہ، اللہ، اس مبارک انسانؐ نے اپنے قلب کے شیشہ کو کیا چمکایا۔! علاوہ عبادت و ریاضت کے حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میں کسی انسانی محفل سے اُٹھتا ہوں تو ستّر دفعہ استغفار کرتا ہوں تاکہ دل کے شیشہ پر اگر کوئی گرد و غبار یا میل دوسرے انسانوں کی صحبت سے یا باتوں سے یا خیالات سے آگئی ہو تو وہ صاف ہو جائے۔

چراغ کی روشنی کا انحصار نہ صرف شیشہ کی صفائی پر ہوتا ہے بلکہ اس تیل پر بھی ہوتا ہے جو اس میں جل رہا ہے۔ گھٹیا یا گندے تیل سے چراغ دھواں دیتا ہے۔ تیلوں میں زیتون کا تیل سب سے صاف ہوتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک کا چراغ جس تیل سے جل رہا تھا وہ زیتون کے درخت سے نکلا ہوا تیل تھا۔ قرآنِ حکیم نے دوسری جگہ اسلام کو زیتون کے درخت سے تشبیہ دی ہے جیسا کہ فرمایا والتّین والزّیتون (۹۵-۱) تو فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک پر اسلام نے آن کر سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ زیتون یعنے اسلام کے درخت کے متعلق فرمایا کہ وہ شجرۃٍ مبارکۃٍ یعنے برکت والا درخت ہے۔ برکت کے معنی ہیں وہ خیر یا بھلائی جو ہمیشہ رہے تو اس میں پیشگوئی ہے کہ اسلام کی بھلائی ہمیشہ رہے گی۔ اب اس کے بعد خدا کی طرف سے کوئی دین نہیں آئے گا۔ پھر زیتون کے درخت کے متعلق فرمایا کہ وہ لا شرقیّۃٍ ولا غربیّۃٍ ہے یعنے نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ اس کے معنی مفسرین نے کئے ہیں اور وہ بھی ٹھیک ہیں کہ اسلام کی تعلیم نہ صرف مشرق کے لئے ہے اور نہ صرف مغرب کے لئے بلکہ کل دنیا کے لئے ہے اور رسول اللہ صلعم کے جھنڈے کے تلے بالآخر مشرق اور مغرب کے لوگ جمع ہو جائیں گے۔ مگر ایک معنیٰ اور بھی ممکن ہیں اور میں اُن کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ مشرق کا نقطۂ نظر زیادہ تر روحانی ہے اور مغرب کا دنیاوی۔ اسلام میں یہ خوبی ہے کہ اس میں نہ تو رہبانیت ہے اور نہ دنیا پرستی بلکہ یہ روحانی اور دنیاوی دونوں پہلوؤں کی تکمیل فرماتا ہے۔ اب فرمایا یکاد زیتھا یضیٓءُ ولو لم تمسسہ نار، یعنے قریب ہے کہ اس کا تیل روشنی دے گو اُسے آگ نے بھی نہ چھوا ہو۔ اس میں فرمایا کہ اسلام کی روشنی بذاتِ خود عیاں ہے اور جب یہ انسان کی نورِ فطرت سے جا ملے تو جو باطنی طور پر روشنی پیدا ہوتی ہے اس کو یوں بیان فرمایا نورٌ علیٰ نورٍ، اور اس کی بہترین مثال رسول اللہ صلعم کی ذاتِ مبارک تھی جو پہلے ہی اپنے باطنی نور کو بوجہ کمال رکھتی تھی اس پر جو اللہ تعالےٰ کا نور قرآن اور اسلام کی شکل میں جلوہ گر ہوا تو حضورؐ نورٌ علیٰ نور ہو گئے اور انسانی اور خدائی صفات سے آپ جگمگا اُٹھے۔ تو اس بیان کو سن کر ہر صحیح الفطرت انسان کے دل میں یہ خیال اٹھتا ہے کہ کیا میں بھی اس اللہ کے نور کو پا سکتا ہوں؟ اس لئے قرآن فرماتا ہے یھدی اللّٰہ لنورہٖ من یشاء کہ اللہ جسے چاہے اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے و یضرب اللّٰہ الامثال للناس" اور اسی لئے تو اللہ لوگوں کے لئے مثالیں قائم کرتا ہے"، جیسا کہ رسول اللہ صلعم یا دوسرے انبیاء اپنی اپنی قوموں کے لئے نمونہ بنائے گئے مگر پھر انسان کے قلب میں خیال آتا کہ میں تو وہ روحانی جدوجہد نہیں کر سکتا جو رسول اللہ صلعم یا دوسرے انبیاء نے کی تو فرمایا واللّٰہ بکلّ شیءٍ علیم یعنے اللہ تعالےٰ ہر چیز کو جانتا ہے یعنے یہ کہ ہر شخص کی دماغی یا روحانی استعداد کیا ہے اور وہ کس قدر جسمانی ریاضت یا مجاہدات کر سکتا ہے اور وہ ہر شخص کی باطنی اور ظاہری مجبوریوں کا خیال کر کے اُس سے معاملہ فرماتا ہے۔

یہ کہ اللہ کا نور رسول اللہ صلعم سے خاص نہیں بلکہ آپؐ کے کامل متبعین بھی اُسے پا سکتے ہیں اُس کے بارہ میں فرمایا۔

فی بیوتٍ اذن اللّٰہ ان ترفع و یذکر فیھا اسمہٗ یسبح لہٗ فیھا
بالغدوّ والآصال رجالٌ لا تلھیھم تجارۃٌ ولا بیعٌ عن ذکر اللّٰہ

واقام الصلوٰۃ و ایتآء الذکوٰۃ یخافون یومًا تتقلب فیہ القلوب والابصار ۵ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے جنہوں نے رسول اللہ صلعم کی اتباعِ کامل ایسی کی کہ کسی نبی کی امت نے وہ نمونہ نہیں دکھایا۔ فرمایا کہ اللہ کا نور صحابہؓ کے اُن گھروں میں بھی اُترا ہے جو گھر کہ آج جھونپڑیاں ہیں مگر اللہ تعالےٰ نے اذن دے دیا ہے کہ انہیں بلند کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہاں ظاہری معنٰی مراد نہیں بلکہ استعارہ کی زبان میں فرمایا کہ ان جھونپڑیوں میں رہنے والے یہ لوگ دنیا میں مشہور ہونگے۔ سو اس کی تشریح کی ضرورت نہیں کسی قوم کو بحیثیت قوم وہ شہرتِ دائمی نہیں ملی جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو نصیب ہوئی کہ بحیثیت قوم ان پر قیامت تک اللّٰھم صلّ علےٰ محمد وعلیٰ اٰل محمدؐ میں اربہا ارب لوگ درود پڑھیں گے اور قرآن کریم اور احادیث ان کے ذکر خیر اور خوبیوں کو اور ان کی مثال کو امتِ مسلمہ کے لئے بطور مثال پیش کرتے ہیں

فرمایا کہ اللہ نے اذن یہ بھی دیا ہے کہ ان گھروں میں اس کا نام یاد کیا جائے۔ اس لئے کسی گھر میں اللہ کو یاد کیا جانا یہ بھی اس کے فضل سے ہوتا ہے۔ تو اگر ہم اس فضل کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ کے نور کو اپنے گھروں کی طرف کھینچنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ اپنے گھروں میں خدا کی یاد کو فروغ دیں۔ اپنے، اپنے گھروں کو دیکھیئے کہ کیا اس میں اللہ یاد رہے؟ اس کے لئے خدا کا ذکر زبانوں پہ آنا مدد کرتا ہے۔ کیا ہمارے بیوی بچوّں بلکہ خود گھر کے مردوں کو ہر وقت اللہ یاد ہوتا ہے؟ یا ہم دُنیا اور اس کی زینتوں اور عیش و آرام میں پڑ کر یا اُن کے ذکر میں ہر وقت مشغول رہ کر خدا کو بھولے ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ان گھروں میں صبح و شام اللہ کی تسبیح ہوتی ہے۔ اس کا مطلب تسبیح کے دانے پھیرنا نہیں۔ بلکہ اللہ کی تسبیح یعنے اس کے ہر عیب اور نقص سے پاک ہونے کو یاد کرتے ہوئے انسان کا اپنے گھر اور گھر کے لوگوں کو ہر عیب اور گناہ اور بُرائی سے پاک کرنا ہے۔ تو ایسے ہی ظاہری اور باطنی طور پہ پاک گھروں میں اللہ کا نور اُترتا ہے جس کا ذکر ان آیات میں ہے۔ پھر فرمایا رجالٌ لا تلھیھم تجارۃٌ ولا بیعٌ عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتآء الزکوٰۃ یخافون یومًا تتقلب فیہ القلوب والابصار ۵ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں نہ تو تجارت اور نہ خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے غافل کرتی ہیں۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی۔"

فرمایا کہ اللہ کے نور کو پانے کے لئے راہب یا نن یا سادھو یا بھکشو بننے کی ضرورت نہیں بے شک دنیا کے کام کاج کرو (تجارت اور بیع کے الفاظ میں دنیا کے دھندوں کا اس لئے ذکر فرمایا کہ تجارت اور بیع میں زیادہ سے زیادہ منافع کی طلب کی وجہ سے سخت انہماک ہوتا ہے) مگر ان میں اللہ کو یاد رکھو اور نماز کے وقت اُٹھ کھڑے ہو۔ (نماز روح کی غذا ہے جیسا کہ سورۃ طٰہٰ کی آیت ۱۳۲ سے ظاہر ہے۔ فرمایا کہ دنیاوی رزق کی تلاش میں روحانی رزق کو نہ بھول جانا) اور روپیہ پیسہ حلال طریقوں سے جتنا چاہو کماؤ مگر خدا اور غرباء کے حق کو مت بھولو اور زکوٰۃ کے وقت دل تنگ مت ہونے دو بلکہ خوف کرو اس وقت سے جس میں کہ دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔ نہ صرف اس میں موت کا ذکر ہے بلکہ اس بات کا بھی کہ موت کے وقت انسان کا دل اور آنکھیں دُنیا سے پھر کر دُوسرے عالم کی طرف لگ جاتی ہیں۔

آخیر میں فرمایا کہ اللہ تمہیں ان باتوں کی طرف بلاتا ہے تا کہ وہ اس کا بہترین بدلہ دے جو تم کرتے رہے اور اپنے فضل سے تمہارے اعمال سے بڑھ چڑھ کر دے اور اللہ جسے چاہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔ گویا آخرت کے اجر کے علاوہ اس دنیا میں بھی بغیر حساب کے رزق یعنے اپنی نعمتیں دے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا نور جو اصل میں تو مرنے کے بعد اگلی زندگیوں میں نظر آئے گا وہ اس دُنیا میں بھی اترتا ہے اس قلب پر جس کو پاک و صاف کیا جائے۔ یا اس گھرانہ میں جو ظاہری اور باطنی رنگوں میں پاک و صاف رکھا جائے۔ گھرانہ کا نور تو دنیا کی زندگی کو سکھی اور اصل خوشی و راحت کا مسکن بناتا ہے ورنہ گھروں میں وہی بدیاں اور لڑائی جھگڑے اور تلخیاں پیدا ہوتی ہیں جن سے آج دنیا کے اکثر گھرانے جہنّم بنے ہوئے ہیں۔ مگر ظاہری گھرانہ کے علاوہ خود اللہ تعالےٰ کا گھرانہ انسان کے قلب میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ میں پچھلے خطبوں میں بتا آیا ہوں۔ جو اس کو پاک و صاف کرے تو اللہ کا نور اس انسان کے اندر اُتر کر اور اس کے فطرتی نور کو اُجاگر کر کے نورٌ علیٰ نور بنا دیتا ہے اور مرنے کے بعد یہی نُور آگے جائے گا اور اگلے جہانوں میں (جہاں اس عالم کی فضا کی طرح اندھیرا ہوگا سوائے اس روشنی کے جو اللہ تعالےٰ نے پیدا کی ہے) کوئی روشنی انسان کی مشعلِ راہ نہ ہوگی سوائے اس نُور کے جو ہر نفس اپنے ساتھ لے گیا ہوگا۔ اس کا نقشہ سورۃ الحدید میں یُوں کھینچا ہے۔

یوم تری المؤمنین والمؤمنٰت یسعٰی نورھم بین ایدیھم وبایمانھم،

یعنے "اس دن تو دیکھے گا مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو کہ اُن کا نور اُن کے آگے دوڑ رہا ہوگا اور اُن کے دائیں ہاتھ پہ"۔ پھر اُن کے جنّت اور کامیابی کا ذکر فرما کر قرآن پاک فرماتا ہے:۔

"اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں (یعنے جو ایمان تو لائے تھے مگر ان کے ایمان اور اعمال میں کمزوری رہی) انہیں کہیں گے جو ایمان لائے کہ ہمارا انتظار کرو ہم بھی [illegible]ے نُور سے روشنی لیں۔ تو انہیں کہا جائے گا کہ پیچھے ہٹ جاؤ اور اپنے نور کو تلاش کرو۔"

پھر اُن کے عذاب دیئے جانے کا ذکر ہے۔

ہم میں سے ہر مرد و زن پہ وہ وقت آنے والا ہے۔ اس لئے اس وقت سے خوف کر کے ہمیں اپنی اور اپنے بیوی بچوّں کی فکر کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔

ایک آخری بات کہہ کر میں اپنے اس خطبہ کو ختم کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ سورۃ نور کے مضمون کو دیکھیں کہ اس میں زنا اور بے حیائیوں کا سدباب کیا ہے۔ وہاں دو قسم کے احکام ہیں۔ ایک تو زنا کی سزا کے بارہ میں۔ دُوسرے زنا کو روکنے کے بارہ میں امتناعی احکامات بالتفصیل دیئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مرد و عورت دونوں اپنی نگاہوں کو نیچے رکھا کریں، غیر محرم مرد و عورت کا اختلاط یعنے MIXED SOCIETY نہ ہو یا عورتیں باہر نکلیں تو اپنی زینت کو ڈھانپ کر نکلیں وغیرہ وغیرہ۔ تو ان امتناعی احکامات کو جو کسی اور مذہب نے نہیں دیئے لوگ غیر ضروری اور ناقابلِ عمل سمجھتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں کہ مثلاً غیر محرم عورت یا مرد کو دیکھنے سے

زناکاری تھوڑی ہو جاتی ہے۔ ٹھیک ہے مگر انسان کا دل تو ناپاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بے حیائی کے تمام کام جنہیں اِس سورت میں روکا ہے وہ انسان کے دل کو ناپاکی سے بچانے کے لئے ہیں۔

اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے آج کی آیات پر جو ان احکامات کے درمیان بظاہر نعوذ باللہ بے تعلق رکھی نظر آتی ہیں دوبارہ نظر ڈالئے۔ ان آیات میں دل کی پاکیزگی اور گھروں کی پاکیزگی پر زور دیا ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا نور اس قلب میں نہیں اُترتا جو ناپاک ہو اور اُن گھرانوں میں نہیں اُترتا جو ناپاک ہوں۔ گھرانوں کو پاک رکھنے سے تو اِس دُنیا کی زندگی امن اور چین کی گزرتی ہے اور قلب کو پاک رکھنے سے نہ صرف انسان کو اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے بلکہ مرنے کے بعد اسی قلب نے آگے جانا ہے۔ اگر اس میں پاک ہونے کی وجہ سے اللہ کا نُور چمک اُٹھا ہوگا تو ہی مرنے کے بعد وہ نُور انسان کی آخرت میں رہنمائی کرے گا۔ جیسا کہ سورت الحدید، ۵ کی آیات ۱۲، ۱۳ کا ذکر کر کے میں پہلے بتا آیا ہوں۔ ورنہ انسان اندھیروں میں کھویا جائے گا۔ اِس لئے قلب کو پاک کر کے اُس میں اللہ کے نور کو پانے کی ہمیں فکر کرنی چاہیئے۔

سورۃ نُور کے جامع احکامات کی اس لئے اس زمانہ میں سخت ضرورت ہے کہ زناکاری آج کل اسقدر پھیل گئی ہے خصوصاً یورپ اور امریکہ میں کہ وہ سب میں بڑا جرم اور گناہ ہے جو آج دنیا میں سرزد ہو رہا ہے۔ لوگ چوری چکاری کو سب میں عام جُرم سمجھتے ہیں۔ بے شک جُرم کی تعداد کے لحاظ سے وہی سب سے بڑھ کر ہے۔ مگر چوری چکاری کرنے والے چند لوگ ہوتے ہیں زناکاری اس سے بہت زیادہ لوگ آجکل کر رہے ہیں۔ اس لئے وسعت کے لحاظ سے آج یہ سب سے بڑا جُرم ہے۔ اور بے حیائی اس سے بھی بڑھ کر عام ہے۔ تو بے حیائی اور زناکاری کو صرف قرآن کے بتائے ہوئے طریق سے روکا جا سکتا ہے نہ کسی اور طریق سے۔ ورنہ نسلِ انسانی تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم فرمائے اور قرآنِ پاک کے ذریعہ سے انہیں بچائے۔ آمین یارب العالمین!

★ جموں سے جناب "غلام مصطفےٰ صاحب" مبلغ اِسلام تحریر فرماتے ہیں:

۲۲ فروری سنہ ۱۹۸۱ء اتوار کو مسجد جموں میں "تعارف تحریکِ احمدیت" کے سلسلہ میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ اس میں سرینگر، پاری پورہ، صوفی پورہ اور بھدرواہ کے احمدی حضرات نے شمولیت فرمائی۔ جلسہ ہر لحاظ سے کامیاب ہوا۔

مسجد پیر مٹھا جموں کی جملہ جائیداد واگذار کروانے کے لئے قانونی کارروائی شروع کر دی گئی ہے مسجد میں نمازیں اور جمعہ شریف باقاعدہ پڑھا جاتا ہے۔ نیز پڑھے لکھے اور دلچسپی رکھنے والے احباب کو جماعت کا لٹریچر برائے مطالعہ دیا جاتا ہے جس کا مفید اثر ہو رہا ہے مساجد کے علماء و خطیب اور سرکاری عہدیداران کو خاص طور پر باقاعدگی سے لٹریچر بھیجا جاتا ہے۔

احبابِ جماعت ہمارے لئے دُعاؤں کا سلسلہ جاری رکھیں۔

* * *

درسِ قرآنِ کریم

۳۰ مارچ سنہ ۱۹۸۱ء کو مسجد "دارالسلام" میں درسِ قرآنِ مجید میں شرکت کا موقع ملا۔ الحمدللہ خواتین و احباب کی کثیر تعداد دیکھ کر خوشی ہوئی۔ اور یقین محکم تر ہو گیا کہ جماعت میں نورِ قرآن کی تلاش ہے۔ اور اس کے معارف سے بہرہ ور ہونے کی تڑپ۔ یہ بھی درست ہے کہ جناب فاروقی صاحب کا طرزِ بیان اور علم تفسیر بھی کشش کا باعث ہے اور احباب کھچے چلے آتے ہیں۔ ع

"دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی"

کچھ لوگ جو احمدیہ بلڈنگس سے تشریف لائے۔ میں اُن کی ہمت کی داد دیتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ انہوں نے احمدیہ بلڈنگس میں بھی درسِ قرآن جاری کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ یہ نیک خیال ہے اور ہمارے لئے تقویت اور حوصلہ کا باعث بھی ہے۔ میری آپ سب سے یہی درخواست ہے کہ آپ درسِ قرآن میں شمولیت کے لئے تیار رہوں۔ بندوبست کروانا ہمارا فرض ہے۔ میں آپ سے رابطہ رکھوں گا۔ آپ بھی میرے ساتھ رابطہ رکھیں۔ تاکہ احمدیہ بلڈنگس میں درس کے لئے قطعی تاریخ کا اعلان کیا جائے۔ اور پہلے درس میں جملہ خواتین و احباب جماعت لاہور کو مدعو کیا جائے۔ عزیز ناصر احمد صاحب نے اس امر کی ذمہ داری قبول کی ہے کہ وہ اپنے حلقہ (احمدیہ بلڈنگس) میں مشورہ کر کے مجھ سے رابطہ قائم کریں گے۔ اور پھر قطعی تاریخ کا اعلان ہو گا۔ یہ خبر میرے لئے بہت حوصلہ افزا ہو گی۔ کاش کہ دیگر جماعتوں میں بھی درسِ قرآن کا سلسلہ شروع ہو اور ہفتہ میں ایک بار احباب و خواتین اکٹھے ہو کر ایک دُوسرے سے رابطہ بھی پیدا کریں۔ اور درسِ قرآن سے بھی استفادہ کریں۔

میں ممبران لاہور جماعت کا مشکور ہوں جو انہوں نے جوق در جوق شامل ہو کر اس مبارک سلسلہ کو مُفید اور بابرکت بنایا۔ خدا کرے یہ ذوق و شوق نہ صرف قائم رہے بلکہ روز بروز اس میں اضافہ ہو۔ آمین

یہ ہماری جماعت کی خصوصیت ہے جو قرآن کے ساتھ عشق رکھتی ہے۔ اور حضرت مجدد صد چہاردہم کی رفاقت کا حق ادا کرتی ہے۔ ؎

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چُوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے۔

(میاں) فضل احمد

صدر مقامی جماعت لاہور

الحاج مولانا صدرالدین ایدہ اللہ تعالیٰ

جماعت سازی کے متعلق حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم

اور

امام زمان کا طریق عمل

جماعت کے ہر چھوٹے بڑے کی قدر و منزلت اور حسنِ سلوک

قرآن کریم میں

والدین اور معاشرہ کے ہر فرد کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم

جماعت اور اس کی برکات ،

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار الجماعة الجماعة فرما کر جماعت کی افادیت و اہمیت کی نشاندہی فرمائی ہے اور اسی ضمن میں فرمایا:

ید اللہ علی الجماعة

یعنے جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اسی لئے جماعت بابرکت ہے کیونکہ وہ بڑے بڑے امور انجام دے سکتی ہے۔ اور ایسا کرنے سے اس کا شرف اور بزرگی بڑھتی ہے۔

افرادِ جماعت انسانی اعضاء کی طرح ہیں

فرمایا۔ جماعت ایک ایسا ہی وجود ہے جیسا انسان کا اپنا وجود۔ انسان کے مختلف اعضاء ہیں لیکن یہ اعضاء باہمی تعاون اور اتحاد کی برکت سے اپنی حاجات اور کاروبار چلا سکتے ہیں۔ ایک پہلوان جو تندرست اور قوی الجثہ ہو اس کے پاؤں کی ایک انگلی کو کسی صدمے سے شدید چوٹ لگ جائے یا اس میں دکھ دہ زخم آجائے تو وہ معذور ہو جاتا ہے جسم انسانی میں دماغ یا قلب ہے، جو اس سارے نظام کا بادشاہ ہے لیکن ایک انگلی کی بیماری سے بادشاہ اور اس کی بادشاہت نکمی ہو جاتی ہے خود اٹھ کر پانی نہیں پی سکتا۔ بازار سے ضروری چیزیں نہیں لا سکتا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توجہ دلائی ہے کہ جسم کے تمام کے تمام اعضاء مل کر ہی مفید کام انجام دے سکتے ہیں۔ اور اگر ایک عضو کام کرنے سے جواب دے دے اور خراب ہو جائے تو پھر سارے کا سارا جسم کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ جماعت کی حالت بھی ایسی ہی ہے۔ جماعت کے چھوٹے بڑے، امیر غریب منصب دار اور غیر منصب دار سب مل کر کام کریں تو تب ہی جماعت کے اغراض و مقاصد احسن طور پر پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتے ہیں۔

نبی کریم صلعم کی نصرت مومنین کے ذریعہ

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ عرفان قرآن کریم کے ذریعہ نصیب ہوا۔ قرآن کریم میں ہے ھو الذی ایدک بنصرہٖ وبالمؤمنین یعنی خدا تعالیٰ نے ہی آپ کی نصرت فرمائی ہے۔ مشکلات بے اندازہ تھیں۔ چاروں طرف دشمن ہی دشمن تھے جن کی وجہ سے مشکلات کے پہاڑ کھڑے ہو گئے۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی نصرت فرمائی مومنین کے زور بازو سے بھی آپ کو فائدہ پہنچایا:

نبی کریم صلعم کی طرف سے بڑے چھوٹے ہر ایک کی عزت افزائی

اسی وجہ سے حضورؐ نے ہر بڑے چھوٹے کی عزت کی۔ ایک طرف تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے احسان کو یاد رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں ان امن الناس علیّ فی صحبتہ وامواله ابابکر۔ جس نے میری دلی طور پر خدمت کی ہے اور جس نے مجھ پر بے انداز روپیہ خرچ کر کے سب سے بڑھ کر مجھ پر احسان کیا ہے وہ ابوبکر رضؓ ہیں۔ یہ حضورؐ کا کلیجہ ہے اور تہذیب کی عظمت اور اخلاق کی بلندی کی باتیں ہیں کہ اپنے ساتھی کے اس قدر ممنون احسان ہیں، ان کے احسان کو بھلاتے نہیں اظہار تشکر فرماتے ہیں۔

پھر حضورؐ جناب الٰہی میں دعا کرتے ہیں کہ مجھے عمرؓ کا ساتھ میسر آجائے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلعم کو اس بات کی پوری معرفت حاصل ہے کہ اکیلا انسان جماعت کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر رضؓ کے متعلق حضور صلعم نے فرمایا جس رستہ پر عمرؓ چلیں میں ساری دنیا کے راستے چھوڑ کر ان کے رستہ پر چلوں گا۔

ایک دفعہ کشف میں جنت کے اندر ایک محل دیکھا جو بڑا بے نظیر ہے۔ حضور صلعم نے ارادہ فرمایا کہ اس کے اندر جا کر دیکھا جائے حضورؐ چل کر دروازہ تک جاتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ محل عمر رضؓ کا ہے۔ تو آپ رک جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ عمر رضؓ تو بڑا باغیرت انسان ہے میں اس کے محل میں بلا اجازت نہیں جا سکتا۔ ایک طرف ان دو عظیم شخصیتوں کی قدر ہے اور دوسری طرف مسجد میں ایک جھاڑو دینے والی عورت کی قدر افزائی ہے۔ اس عورت کو مسجد میں نہ پایا تو اس کی بابت استفسار فرمایا۔ معلوم ہوا کہ رات کو وہ فوت ہو گئی تھی۔ لوگوں نے حضورؐ کو اطلاع دینا ضروری نہ سمجھا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا مجھے اس کی قبر کا پتہ دو۔ وہاں تشریف لے گئے اور اس عورت کی قبر پر مغفرت کے لئے دعا کی۔ حضورؐ کی اس عزت افزائی کا قوم نے مشاہدہ کیا اور ایک نہایت قیمتی سبق سیکھا۔

عمر بھر حضور صلعم نے اپنے ساتھیوں کی تعظیم و تکریم فرمائی اور ان سے محبت و مودت کا سلوک کیا۔ ان کے لئے مرید کا لفظ استعمال نہ فرمایا۔ اس لئے یہ دونوں الفاظ یعنی اخی اور صاحب یعنی کامریڈ کے نام سے ہی یاد فرمایا۔ یہ دونوں الفاظ قرآن کریم میں ان کے متبعین کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ ایک جگہ فرمایا انما المؤمنون اخوة اور دوسری جگہ ہے ما ضل صاحبکم اپنے ساتھیوں کی حضور صلعم نے اس قدر اور اس حد تک عزت افزائی کی ہے کہ فرمایا اصحابی کالنجوم۔ میرے ساتھی لوگوں کی رہنمائی کے لئے ستاروں کا کام دیں گے۔

قوم سازی کا گُر

یہی گُر قوم سازی کا ہے۔ قوم کے ہر فرد کی تکریم کرنے سے قوم سازی کا کام انجام پاسکتا ہے۔ کوئی ہیڈ ماسٹر ہے تو کوئی چپڑاسی، کوئی کالج کا پرنسپل ہے تو کوئی دفتر کا کلرک۔ کوئی مزدوری کرتا ہے تو کوئی کارخانہ دار ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب جماعت کے کل پرزے ہیں۔ ان سب کی عزّت اور احترام کرنے سے قوم میں محبت، اعتماد اور اتفاق و اتحاد پیدا ہوتا اور قوم مضبوط ہوتی ہے۔

سفر میں نبی کریم صلعم کا دوسروں کے ساتھ باری باری اُونٹ کی مُہار پکڑنا

یہ ایک دو باتیں میں نے ذکر کی ہیں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اس طرح کی بے شمار باتیں ہیں۔ کس کس کو بیان کیا جائے۔ ایک دفعہ جہاد پہ جا رہے تھے۔ سواریاں کم تھیں۔ حضور صلعم نے فرمایا تین تین آدمی ایک ایک سواری پر باری باری سفر کریں۔ حضورؐ نے بھی دو آدمی اپنی سواری پر بٹھا لئے۔ سفر جاری ہے۔ ہر کوئی اپنی اپنی باری پر نیچے اترتا اور اُونٹ کی مہار پکڑتا ہے۔ حضور صلعم کی جب باری آئی تو آپ نیچے اترے دُوسرے ساتھیوں نے عرض کی حضورؐ آپ بیٹھے رہیئے۔ ہم مہار پکڑتے ہیں۔ اِس پر آپ نے ارشاد فرمایا :-

"میں بھی پیدل چل سکتا ہوں۔ پیدل چلنے میں تم مجھ سے زیادہ طاقت نہیں رکھتے۔ اور تمہیں اس مشقت سے جو اجر ملتا ہے میں بھی اس اجر کا تم سے کم محتاج نہیں ہوں۔"

مجلس میں ابوبکرؓ کے مقابلہ میں ایک نوجوان کی رعایت

ایک دفعہ مجلس لگی ہوئی تھی۔ دائیں طرف ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ اور بائیں طرف حضرت ابوبکرؓ تشریف رکھتے تھے۔ ایک پینے والی چیز آئی تو حضور صلعم نے خود پی کر نوجوان سے فرمایا کہ ہمارا طریقہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں دائیں طرف سے تقسیم کرنا شروع کرتے ہیں۔ اور اب تم دائیں طرف ہو اور ایک بزرگ ابوبکرؓ بائیں طرف بیٹھے ہیں تمہاری اجازت ہو تو ان کی بزرگی کے احترام میں پہلے ان کو دیا جائے۔ نوجوان نے عرض کی کہ نہیں حضورؐ میں اپنی باری نہیں دے سکتا۔ حضور صلعم نے نوجوان کی اس بات پر کوئی غصہ کا اظہار نہیں فرمایا۔ اور نہ اس کو بے ادبی قرار دیا بلکہ پہلے اس نوجوان کو پیالہ دے دیا۔

اعتکاف میں زوجہ محترمہ کی مدارات

ایک اور بات یاد آگئی۔ ایک دفعہ اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت صفیہ رضؓ کسی کام کی غرض سے تشریف لے آئیں اور وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے لگ گئیں۔ حضورؐ نے ان کو یہ نہیں فرمایا کہ میں تو گھر چھوڑ کر یہاں آگیا ہوں تم اب اعتکاف کے دنوں میں بھی یہاں پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ ایسی کوئی بات نہیں فرماتے۔ بلکہ ان کی عزت کرتے ہیں جب تک اُنہوں نے باتیں جاری رکھیں آپ سنتے رہے اور یہ بھی نہیں کہا کہ آپ چلی جاؤ۔ جب وہ جانے لگتی ہیں تو ان کے ساتھ دروازے تک جاتے ہیں۔ وہاں حضرت صفیہ کھڑی ہو کر باتیں کرنے لگ جاتی ہیں۔ حضور آرام سے دروازے میں کھڑے ہو کر ان سے باتوں میں مصروف رہے۔ دو صحابی اُدھر سے گزرے آپ ان کو ٹھہرا لیتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ میری بیوی ہے۔ جن سے میں باتیں کر رہا ہوں۔ اور حضرت صفیہ رضؓ سے کہا ذرا پردہ اُٹھاؤ تاکہ وہ تمہیں دیکھ لیں۔

حضرت امام زمان کی طرف سے اپنے ساتھیوں کی قدر و منزلت

اس زمانہ کے امام نے بھی اپنے ساتھیوں کی بہت عزت افزائی فرمائی ہے۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب کی آپ نے بڑی عزت کی۔ اور فرمایا کہ مجھے ان کی ذات پر رشک آتا ہے۔ قرآن کریم میں جنّوں کے ذکر میں ایک لفظ عبقری آتا ہے۔ عبقری لاجواب چیز کو کہتے ہیں۔ حضرت امام زماں نے حضرت مولانا نورالدین رحؒ کے متعلق بھی یہی عبقری کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا عبدالکریم رحؒ سیالکوٹی کی بڑی قدر و منزلت فرمائی۔ ساری عمر ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ کبھی بہانہ سازی سے نہیں کہا کہ میں آج امامت کرواتا ہوں۔ مولانا سید محمد احسن امروہی اور حضرت مولانا نورالدین رحؒ کے متعلق فرمایا کہ یہ دو فرشتے ہیں جن کے کندھوں پر میں اترا ہوں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب، حضرت خواجہ صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب وغیرہ تمام ساتھیوں کی عزت کرتے اور اُن سے محبت و مودت کا اظہار فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت کے اہل و عیال لدھیانہ میں گئے ہوئے تھے۔ حضرت صاحب کے مکان میں پلنگ پر مولوی عبدالکریم صاحب سو گئے۔ حضرت صاحب پلنگ کے نیچے فرش پر لیٹ گئے۔ جونہی مولوی عبدالکریم صاحب کی نیند کھلی وہ حضور کو نیچے لیٹا ہوا دیکھ کر ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے۔ فرمایا آپ کیوں اُٹھ بیٹھے ہیں۔ میں تو پہرہ دے رہا تھا کہ بچے شور و غل نہ کریں۔ اور آپ کی نیند میں خلل واقع نہ ہو۔ ایسا ہی ایک واقعہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بھی پیش آیا۔

سنّتِ رسولؐ ـــ ایک دُوسرے کی تعظیم کی جائے

میں نے آپ کو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کچھ باتیں سنائیں ہیں۔ اس کو کہتے ہیں سنتِ رسول پر عمل یہ ضروری ہے کہ قوم کے ہر فرد کے اندر یہ پختہ ارادہ ہو کہ ہم نے اس سنت کی پیروی کرنا اور ایک دُوسرے کی تعظیم کرنا ہے۔

- - - - - - - - - -

اخبارِ احمدیہ

- حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدرالدین ایدہ اللہ تعالےٰ خیریت سے ہیں۔ احباب سلسلہ ان کی صحت و عافیت کے لئے اپنی دُعائیں جاری رکھیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی خیریت سے ہیں اور حسبِ معمول خدمت و اشاعت اسلام کے کاموں میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ احباب جماعت اس مجسمۂ خیر و برکت وجود کی درازی عمر کے لئے دعا فرماتے رہیں۔
- جناب شیخ عزیز احمد صاحب وزیر آباد سے تحریر کرتے ہیں خاتم النبیین نمبر نہایت ہی اعلےٰ ہے۔ پڑھ کر بہت ہی خوشی ہوئی ہے۔ میرے دیئے ہوئے پتہ پر اس خاص نمبر کا ایک پرچہ روانہ فرما دیں۔

خدا تعالےٰ چاہتا ہے

کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دینِ واحد پر جمع کرے یہی خدا تعالےٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دُنیا میں بھیجا گیا ہوں سو تم اِس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے رُوح القدس پاکر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو۔

(الوصیت)

اعتذار

پیغام صلح مجریہ ۴/۸۱ صفحہ ۵ اخبار احمدیہ کے کالم میں مکرم رُوح اللہ خاں صاحب کے نام کے ساتھ سہو کتابت سے "مرحوم" لکھا گیا ہے۔ اصل عبارت یوں ہے:-

"اخویم ملک رُوح اللہ خاں خلف الرشید حکیم شاہنواز مرحوم کی بیگم انتقال کر گئی ہیں"

ہم اِس افسوسناک غلطی پر خبر نگار اور اخویم روح اللہ خاں اور جملہ متعلقین سے معذرت خواہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ ملک صاحب کی عمر دراز فرمائے۔ آمین۔

(ادارہ)

خدا — اور — آخرت — پر — ایمان

خدا پر ایمان لانے کے بغیر کوئی انسانی نظام قائم نہیں رہ سکتا کیا تمام افعالِ انسانیہ کا حقیقی سرچشمہ انسانی دِل نہیں ہے؟ کیا ہماری اندرونی خواہشات ہی ہمارے تمام کاموں کی ذمّہ دار نہیں ہیں؟ کیا افعال کی باقاعدگی دِل کی باقاعدگی پر منحصر ہے؟ دل کی پاکیزگی ہی کاموں میں پاکیزگی پیدا کرتی ہے اور سفلی جذبات ہی افعالِ شنیعہ کو معرضِ وجود میں لاتے ہیں۔ محکمہ پولیس کے کارندے بے شک تمہارے افعال سے تمہاری نیتوں کو معلوم کرنے کے عادی ہیں۔ مگر کیا دل کے اسرارِ پنہانی تک ان کو رسائی حاصل ہو سکتی ہے؟ کیا وہ بطینِ انسانی کے عجائبات کو مطالعہ کر سکتے ہیں۔ یہ ناممکن ہے۔ پس اسی لئے ایک ایسی ہستی کی ضرورت ہے جو تمہارے دلوں کے بھیدوں کو جانتی ہو۔ یا بالفاظِ قرآن ایک علیم بذات الصدور چاہیئے جو تمہارے دلوں کو نیکی اور خیر کا چشمہ مصفا بنا دے۔ مزید برآں کیا جرائم کا پردۂ خفا میں رہنا ہی مزید جرائم کے ارتکاب کا موجب نہیں؟ کیا مجرمین اکثر خلوت میں ارتکاب جرم نہیں کرتے۔ اور پولیس کی نظروں سے پوشیدہ رہنے کی کوشش نہیں کرتے؟ اگر حالت ایسی ہو تو کیا تم نے کوئی ایسی بیدار آنکھ مقرر کر رکھی ہے جو ہر آن انسانی افعال کی نگہداشت کرے؟ نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے۔ تمہارے دنیاوی حکمرانوں میں حاضر و ناظر ہونے کی صفات نہیں ہیں؟

اگر جرائم کی بیخ کنی صرف اس صورت میں ممکن ہو سکتی ہے جبکہ تمام مجرمین کو سزا دی جائے تو پھر ان سینکڑوں اور ہزاروں مجرموں کو کیا کرو گے جن کی عیاری تمہارے محکمۂ تفتیش کو دھوکا دے جاتی ہے۔ آئے دن ایسے جرائم کا ارتکاب ہوتا رہتا ہے جو قانون کی گرفت سے محفوظ رہتے ہیں۔ کیا دنیا میں اس قسم کے جُرم نہیں ہوتے جن کے واقع ہونے کے بعد سزا پانے سے پہلے مجرم مر جاتے ہیں۔ اب تمہارا نظامِ حکومت ان کو سزا دینے سے قاصر ہے۔ پس اگر سزا سے غرض اصلاح ہے تو تمہاری حکومتیں نہ تو تمام مجرموں کو سزا دے سکتی ہیں اور نہ ہی ایک عالمگیر اصلاح کی بنیاد رکھ سکتی ہیں۔ اس لئے انتظام اور تمدن کو مکمل صورت میں برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک احکم الحاکمین کا وجود ہو جو ہر جگہ حاضر و ناظر رہے۔ جو تمہارے قلوب کے رازہائے سربستہ کو جانتا ہو۔ اور علاوہ ازیں دیگر صفات سے متصف ہو نیز تمہاری سزاؤں میں اصلاح کا اثر پیدا کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لوگ جو یہاں سزا سے بچ جائیں۔ قیامت کے دن یعنی آخرت میں اپنے کیفر کردار کو پہنچیں۔

اسلام دنیا میں اس لئے نہیں آیا کہ تمہیں چند مہمل معمّے تلقین کرے جن کے بغیر بھی دنیا کے معلومات میں کچھ کمی واقع نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی اسلام تمہیں رسوم اور ظاہری پابندیوں میں مقید کرنے آیا ہے۔ اسلام تمہارے سامنے ایک زندگی کا دستورالعمل پیش کرتا ہے اور تمہیں دنیا کا ایک شریف شہری بنانا چاہتا ہے۔ تمہاری ہدایت کے لئے وہ چند اصول بتاتا ہے اور ان اصولوں کو عملی رنگ دینے کے لئے چند عبادتیں سکھلاتا ہے۔ وہ مذہب کلیسا کی طرح تمہیں اخروی زندگی کی تمنّا میں موجودہ زندگی کو ناقابلِ التفات نہیں بتاتا بلکہ وہ سکھاتا ہے کہ اسی زندگی کے نیک و بد افعال اخروی زندگی کا جنت یا دوزخ بنیں گے۔

وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ أَعْمٰى، فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمٰى

"یعنے جو شخص اس زندگی میں اندھا رہتا ہے آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا۔"

قرآنِ کریم کی ایک آیت ہے جس میں صداقت کا ایک دفتر بھرا پڑا ہے۔ اور وہ ہمیں نیکی اور خیر کی طرف مائل کرنے کی ایک زبردست ترغیب ہے۔

اسلام یعنی سلامتی اور امن کی راہ

اپنے متبعین میں صحیح اسلامی سپرٹ پیدا کرنے کے لئے پیغمبر خدا نے ایمان کی زبردست عمارت پانچ مضبوط ستونوں پر رکھی ہے۔ یعنے کلمہ طیبہ۔ صلوٰۃ۔ صوم۔ زکوٰۃ اور حج۔

اسلام جیسا کہ اس لفظی معنوں سے عیاں ہے امن اور سلامتی کا مذہب ہے۔ اور ان پانچ اصولوں کے ذریعے اس دنیا میں اور عقبےٰ میں امن و سلامتی قائم کرنی چاہتا ہے۔ جو حقیقت میں خدائی مذہب کی علّتِ غائی ہے۔ مختلف مذاہب نے مذکورہ بالا نصب العین کو پورا کرنے کے لئے مختلف اصول قائم کئے ہیں۔ مگر وہ مذہب جو محمد رسول اللہ صلعم دنیا میں لائے ان سب سے اس معاملہ میں متمیّز ہے۔ کہ اس میں حصولِ مفاد کے لئے عقلِ انسانی کو معیار مقرر کیا گیا ہے۔ امن اور سلامتی کے جو یا نہایت بابرکت انسان ہیں۔ نہایت خوبصورت اور موثر الفاظ ہیں مگر الفاظ میں ایک حقیقت کو بیان کرنا ایک الگ امر ہے۔ اور ان طریقوں اور راستوں کو بتا دینا جن پر چل کر وہ حقیقت خود بخود عملی رنگ میں آشکارا ہو جائے ایک جداگانہ امر ہے۔ اسلام کسی مفید نظام کی ترقی کے راستہ میں جو جو مشکلات ہیں۔ ان کو حل کرتے ہوئے انسانی فطرت کو ملحوظ رکھتا ہے۔ پس اگر ہمارا منتہائے نظر امن اور سلامتی ہے تو ہمیں ان تمام واقعات پر غور کرنا ہوگا جو امن اور سلامتی کو تباہ کر دیتے ہیں۔ ہمارے قومی اور پرائیویٹ جنگ باہمی حسد اور عناد اور انسانی سوسائٹی کے دیگر جرائم حقیقت میں بدامنی اور بے چینی کے مترادف ہیں۔

میری اور تیری کی حقیقت

ہماری تمام بدامنیاں اور بدمزگیاں ایک مشترکہ چشمہ سے پیدا ہوتی ہیں جو ان تمام چیزوں کی حقیقت میں اصل اصول ہے یعنے یہ چیز میری ہے۔ اور وہ چیز تمہاری ہے۔ ایک خاندان کی زندگی کے مختلف مدارج میرے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے عمدہ مثال ہیں۔ ایک وقت ہوتا ہے جب کہ خاندان کے تمام بچّے ایک ہی جسم کے مختلف جوارح کا کام دیتے ہیں۔ والدین خاندان کی تمام ضروریات کے کفیل ہوتے ہیں اور محبت کا رشتہ تمام افراد کو باہم منسلک کئے رکھتا ہے مگر جوں ہی "میری" اور "تمہاری" کا جذبہ زبانوں میں الفاظ بن کر نکلتا ہے اور بچّوں کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں اس کا اثر ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اسی وقت سے خاندان کی مضبوطی اور آشتی کا معرضِ خطر میں ہو جاتے ہیں۔ یہ جذبہ نہ صرف خاندان ہی کی تباہی کا موجب بنتا ہے بلکہ انسانی تمدن کا اس سے بڑا اجتماع یعنی قومیّت بلکہ اس سے بھی بڑھ کر خود انسانیت اسی جذبہ کے زیرِ اثر جنگ و جدال اور باہمی خون ریزی پر اتر آتی ہیں۔ ایک قوم کا دوسری قوم سے برسرِ پیکار ہو جانا بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح خاندان کا ایک ممبر "میری" اور "تمہاری" کے فلسفہ کے ماتحت دوسرے ممبر سے اُلجھنے لگتا ہے۔

پس یہ "میری" اور "تمہاری" دنیا کے تمام فساد کی جڑ ہے۔ * * *

ھدیۂ عقیدت

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمّد دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیغمبر اِک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیرالوریٰ یہی ہے
وہ یارِ لامکانی وہ دلبرِ نہانی
دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے
وہ طیب و امیں ہے اسکی ثنا یہی ہے
حق سے جو حکم آئے اس نے وہ کر دکھائے

تم دنیا کی پرواہ نہ کرو بلکہ اپنے اندر کو صاف کرو

اور تم اپنے اعمال اور افعال سے ثابت کر کے دکھا دو کہ واقعی تم نے سچّی تبدیلی کر لی ہے۔ تمہاری مجلسوں میں وہی ہنسی اور ٹھٹھا نہ ہو جو دوسرے لوگوں کی مجلسوں اور محفلوں میں پایا جاتا ہے۔ یقیناً سمجھو کہ زمین و آسمان کا خالق ایک خدا ہے۔ وہ خدا ہے جس کے قبضۂ قدرت میں زندگی اور موت ہے۔ کوئی شخص دنیا میں کسی قسم کی راحت اور کوئی نعمت حاصل نہیں کر سکتا۔ مگر اسی کے فضل و کرم سے۔ ایک پتہ بھی اس کے فضل کے بغیر ہرا نہیں رہ سکتا۔ اس لئے ہر وقت اسی سے سچّا تعلق پیدا کرے اور اسی کی رضا جوئی کی راہوں پر مضبوط قدم رکھے۔ اگر وہ اس بات کی پابندی کرے گا تو یقیناً اسے کوئی غم نہیں ہے۔ ہر قسم کی راحت، صحت، عمر و دولت یہ سب اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری میں ہے جب انسان کا وجود ایسا نافع اور سودمند ہو تو اللہ تعالےٰ اس کو ضائع نہیں کرتا۔ جیسے باغ میں کوئی درخت عمدہ پھل دینے والا ہو تو اسے باغبان کاٹ نہیں ڈالتا بلکہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح نافع اور مفید وجود کو اللہ تعالےٰ بھی محفوظ رکھتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا و اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ جو لوگ دنیا کے لئے نفع رساں لوگ بنتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی عمریں بڑھا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کے وعدے ہیں جو سچے ہیں اور کوئی ان کو جھٹلا نہیں سکتا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے سچّے اور فرمانبردار بندے الٰہی بلاؤں سے محفوظ رہتے ہیں۔ پس اس بات کو کبھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ نری بیعت اور اقرار سے کچھ نہیں بنتا۔ بلکہ انسان زیادہ ذمّہ دار اور جوابدہ ہو جاتا ہے۔ اصل فائدہ کے لئے ضرورت ہے حقیقی ایمان اور پھر اس ایمان کے موافق اعمالِ صالحہ کی۔ جب انسان یہ خوبی اپنے اندر پیدا کرتا ہے تو جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ متقی حقیقی مومن اور اس کے غیر میں ایک امتیاز رکھ دیا جاتا ہے۔ اسے ممتاز کیا جاتا ہے اور اس امتیاز کا نام قرآن شریف کی اصطلاح میں فرقان ہے۔ آخرت میں بھی مومن اسی فرقان سے شناخت کئے جائیں گے۔ اس دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ مومن ہمیشہ ممتاز رہتا ہے۔ اس کے اندر ایک سکینت اور اطمینان بخش روح ہوتی ہے۔ اگرچہ مومن کو دکھ بھی اٹھانے پڑتے ہیں اور قسم قسم کے مصائب اور شدائد کے اندر سے گزرنا پڑتا ہے خواہ لوگ اس کے کتنے ہی برے نام رکھیں اور خواہ اس کے تباہ اور برباد کرنے کے لئے کچھ بھی ارادے کریں لیکن آخر وہ بچا لیا جاتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ اس سے محبّت کرتا ہے۔ اور اسے عزیز رکھتا ہے۔ اس لئے دنیا اس کو ہلاک نہیں کر سکتی۔ مومن اور اس کے غیر میں امتیاز ضرور ہے اور یہ میزان خدا تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔ خدا تعالےٰ کی آنکھیں دیکھتی ہیں۔ کہ کون بد اور شریر ہے۔ خدا کو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا۔ پس تم دنیا کی پرواہ نہ کرو۔ بلکہ اپنے اندر کو صاف کرو۔ یہ دھوکہ مت کھاؤ کہ ظاہری رسم ہی کافی ہے۔ نہیں۔ امن اس وقت آتا ہے جب انسان سچّے طور سے خدا تعالےٰ کے حرم میں داخل ہو۔

پس اب بڑی تبدیلی کا وقت ہے اور خدا تعالےٰ سے سچّی صلح کے دن ہیں۔

—— (تقریر حضرت مجدّد صد چہاردہم)

تسلیم و رضا شیوۂ اربابِ وفا ہے

سینوں میں نہاں بغض ہی کینہ ہی دغا ہے
آفاق میں پھیلی ہوئی ہر سُو یہ وبا ہے

کافر ہوں میں بے دین ہوں گمراہ بہت ہوں
یہ مجھ کو صلہ دین کی خدمت کا مِلا ہے

بے وجہ نہیں آہ و فغاں میری زباں پر
سینہ میں مرے تیرِ محبت کا لگا ہے

تدبیر تو لازم ہے بشر کے لئے لیکن
مٹتا نہیں ہرگز جو مقدّر میں لکھا ہے

آفاق سے مٹنے کو ہے اب کفر کی ظلمت
اِک مردِ مسلماں نے مجھے رات کہا ہے

عالم پہ ضیاء بار ہو پھر نیّرِ اسلام
خالق سے یہی مری دُعا صُبح و مسا ہے

دُنیا ہی گئی ہاتھ سے دین بھی صد حیف!
اے گردشِ افلاک! یہ کیا تُو نے کیا ہے

مائل بہ ستم دشمنِ خونخوار ہے لیکن
کیا خوف و خطر مجھ کو مِرے ساتھ خُدا ہے

مومن کبھی اللہ کا شکوہ نہیں کرتے
تسلیم و رضا شیوۂ اربابِ وفا ہے

سب ایک ہی تسبیح کے دانے ہیں مسلماں
پوشیدہ اسی راز میں ملّت کی بقا ہے

لازم ہے مُسلماں سے مسلماں کو محبّت
فرمانِ نبی ہے یہی فرمانِ خدا ہے

دنیا کی ہوس میں ہے نہاں نارِ جہنّم
دوزخ جسے کہتے ہیں یہی حرص و ہوا ہے

— (حسن)

چوہدری محمد شریف

میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا

* گھانا سے محمد بابا نے ہمیں عربی میں خط تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

جناب محترم۔ السلام علیکم !

اس عریضہ کے ارسال خدمت کرنے کی غرض یہ ہے کہ میں مدرسہ ناصیہ گھانا میں زیر تعلیم ہوں میں چاہتا ہوں کہ آپ فی سبیل اللہ قرآن کریم اور دیگر دینی لٹریچر مجھے ارسال فرما دیں تاکہ اپنے دینی علم میں اضافہ کر سکوں اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد اطلب العلم۔۔۔ پر عمل کر سکوں۔

والسلام

* نائیجیریا سے سادھو سینو صاحب رقمطراز ہیں

جناب محترم۔ السلام علیکم

میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اسلامی کتب روانہ کی ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ یہ کتابیں میرے لئے بے حد مفید ثابت ہوں گی اور ان کے لئے بھی جو اسلام سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے ملک کی فضا اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے لئے بہت سازگار ہے اور ہم لوگ جو مسلمان ہیں ہمارا فرض ہے کہ حتی الوسع نائیجیریا کے پریشان قلوب کو اسلامی پیغام سے تسلی دیں، یہ ایک زریں موقع ہے۔ اگر ہم نے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا تو یہ ہمارے لئے شرم کی بات ہوگی۔ پس میں تمام دنیا کے مسلمانوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس موقع سے فائدہ اُٹھائیں۔ میری خواہش ہے کہ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ میرے پاس ہو۔ کیا آپ اس بارے میں میری مدد فرمائیں گے۔؟

* فیئر پلے میموریل کالج نائیجیریا سے محترمہ منورہ شعلہ صاحبہ تحریر فرماتی ہیں۔

برادران و خواہران دینی !

میں یہ سطور اس غرض سے لکھ رہی ہوں کہ مجھے چند مسائل کا سامنا ہے۔ ان مسائل کا حل صرف آپ کے پاس ہے۔ اگر آپ مجھے اسلام کے متعلق یہ کتب ارسال کر دیں تو مجھے ان مسائل سے نجات مل سکتی ہے۔ آپ کی بہت شکر گزار ہوں گی۔ کتب یہ ہیں۔

میرا قبول اسلام۔ محمد اینڈ کرائسٹ آئیڈیل پرافٹ۔ انگریزی ترجمہ
جیسز ان ہیون آن ارتھ۔

* موسیٰ وکیل آدم نائیجیریا سے لکھتے ہیں۔

پیارے اسلامی بھائی۔ السلام علیکم

میں آپ کے عنایت نامہ مؤرخہ ۱ ستمبر ۱۹۸۰ء کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور ان کتابوں کا جو آپ نے بھیجیں نہایت دلچسپی سے مطالعہ کر رہا ہوں۔ مجھے خواجہ کمال الدین صاحب کی کتاب اسلام اینڈ مسلم پرئیر بہت پسند آئی ہے۔ یہ کتاب انگریزی بولنے والوں کے لئے نہایت مفید اور قیمتی چیز ہے۔ طریقہ نماز اور فلسفہ نماز کے متعلق اس کتاب سے مجھے بے حد معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

آپ کا صادق۔

* * *

ایک قابل قدر مثال

ہمارے ایک مخلص بزرگ بھائی جناب ماسٹر محمد عبد اللہ صاحب آف سان فرانسسکو (امریکہ) آجکل پاکستان آئے ہوئے ہیں۔ اور دارالسلام ہوگارڈن ٹاؤن لاہور میں مقیم ہیں آپ تیس پینتیس برس سے امریکہ میں محض للہ تبلیغ اسلام میں مصروف ہیں۔ بلالی مسلمانوں کے پیشوا عالیجاہ محمد سے آپ کے بہترین مراسم تھے اور ان کے موجودہ لیڈر جناب والس ڈی محمد بھی آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ غرضیکہ امریکہ میں آپ کی اسلامی خدمات اور آنریری تبلیغی مساعی قابل تعلید ہیں۔

دارالسلام میں ہر پیر کو قبل نماز مغرب جامع دارالسلام میں درس قرآن کریم ہوتا ہے۔ جس میں جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب بڑے شیریں انداز میں معارف قرآن بیان فرماتے ہیں۔ درس سے قبل مقامی جماعت کی طرف سے سامعین (احباب و خواتین) کی چائے سے تواضع کی جاتی ہے۔ مؤرخہ ۸-۳-۸۱ اس مجلس علم و عرفان کے اختتام پر جناب ماسٹر محمد عبد اللہ صاحب کی جانب سے سامعین کے لئے دعوت طعام کا اہتمام کیا گیا۔ جس کا اعلان ایک ہفتہ قبل ہی کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ احباب و خواتین کو اجتماعی کھانے کی اس بابرکت تقریب میں باہمی اظہار خلوص و محبت کا موقع ملا۔ کھانے کے بعد اس موقع پر میزبان محترم جناب ماسٹر محمد عبد اللہ صاحب نے احباب و خواتین سے مختصر سا خطاب کیا اور فرمایا کہ ہمارے بزرگ اسی طرح سے ایسے دینی اجتماعات کے موقع پر دوستوں کی ضیافت کا اہتمام کیا کرتے تھے کیونکہ یہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ اور اس سے تبلیغ و اشاعت اسلام اور خدمت سلسلہ کے بھی راستے کھلتے ہیں۔

اپنے اس خطاب میں میزبان ممدوح نے ایسی ہی چند یادوں کا ذکر کیا جو نصف صدی پیشتر احمدیہ بلڈنگس کی ایسی ہی تقریبات سے متعلق تھیں اور دوستوں کو ترغیب دلائی کہ گاہے گاہے صاحب ثروت احباب ایسی ہی کھانے کی نشستیں منعقد کیا کریں کیونکہ دل اس سے ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں۔ اور اجنبیت دور ہو کر اپنائیت بڑھتی ہے۔ اور باہمی اُنس پیدا ہوتا ہے۔

اس موقع پر جناب مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار فرمایا اور محترم ماسٹر محمد عبد اللہ صاحب کے جذبہ کو سراہا اور جملہ شرکاء تقریب اور انجمن کی طرف سے ماسٹر صاحب موصوف کا شکریہ ادا کیا۔ اس ضیافت کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ کھانا محترم امام نور الدین صاحب نے جو کہ امریکہ سے حصول تعلیم دین کے لئے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اپنے دو ساتھی انڈونیشین طالب علموں کی مدد سے تیار کیا تھا۔ خدا تعالےٰ ان سب کو جزائے خیر دے اور اپنے نیک عزائم میں کامیاب فرمائے۔

(رپورٹر)

نماز مومن کا معراج ہے

"اور وہ اسی سے اطمینان قلب پاتا ہے۔ کیونکہ نماز میں اللہ تعالےٰ کی حمد اور عبودیت کا اقرار اور استغفار اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہوتا ہے۔ اور یہ سب امور روحانی ترقی کے لئے ضروری ہیں ہو۔"

(ملفوظات احمدیہ حصہ چہارم)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۱۵-اپریل ۱۹۸۱ء ، رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۴۰۸

باہتمام ریاض حسین الجنہ پرنٹرز اُردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا ** (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

مسلمانیم [illegible] خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبری

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں بر منارِ بلندتر محکم افتاد
دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہاماتِ حضرت مسیح موعود

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ۔۔۔ روپے
بیرونی ممالک سے ۔۔۔ پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد ۶۸

یوم چہارشنبہ ۱۷ جمادی الثانی سنہ ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲۲ اپریل سنہ ۱۹۸۱ء

شمارہ ۱۶

ہمیشہ ڈرتے رہو اور خدا تعالےٰ سے اُس کا فضل طلب کرو،

اِسلام کی اصل جڑ توحید ہے۔ یعنی خدا تعالےٰ کے سوا کوئی چیز انسان کے اندر نہ ہو اور خدا تعالےٰ اور اُس کے رسولوں پر طعن کرنے والا نہ ہو خواہ کوئی بلا یا مصیبت اُس پر آئے، کوئی دُکھ یا تکلیف یہ اُٹھائے مگر اُس کے منہ سے شکایت نہ نکلے۔ بلا جو انسان پر آتی ہے وہ اُس کے نفس کی وجہ سے آتی ہے۔ خدا تعالےٰ ظلم نہیں کرتا۔ ہاں کبھی کبھی صادقوں پر بھی بلا آتی ہے مگر دُوسرے لوگ اُسے بلا سمجھتے ہیں درحقیقت وہ بلا نہیں ہوتی وہ ایلام برنگ انعام ہوتا ہے۔ اس سے خدا تعالےٰ کے ساتھ ان کا تعلق بڑھتا ہے اور اُن کا مقام بلند ہوتا ہے اس کو دُوسرے لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے لیکن جن لوگوں کو خدا تعالےٰ سے تعلق نہیں ہوتا اور ان کی شامتِ اعمال اُن پر کوئی بلا لاتی ہے تو وہ اور بھی گمراہ ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے فرمایا ہے۔ فی قلوبھم مرضٌ فزادھم اللّٰہ مرضًا

پس ہمیشہ ڈرتے رہو اور خدا تعالےٰ سے اس کا فضل طلب کرو۔ تا ایسا نہ ہو کہ تم خدا تعالےٰ سے قطع تعلق کرنیوالوں میں ہو جاؤ۔ جو شخص خدا تعالےٰ کی قائم کردہ جماعت میں داخل ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں کرتا بلکہ یہ اللہ تعالےٰ کا فضل اور احسان ہے کہ اُس نے اسکو ایسی توفیق عطا کی۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ ایک قوم کو فنا کر کے دوسری پیدا کرے۔ یہ زمانہ لوطؑ اور نوحؑ کے زمانہ سے ملتا ہے۔ بجائے اس کے کہ کوئی شدید عذاب آتا اور دنیا کا خاتمہ کر دیتا اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و رحم سے اصلاح چاہی ہے اور اِس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔

از:- مُرتضیٰ خان حسنؔ

آج — نہیں — تو — کل — سہی

یارِ ازل سے دِل لگا چھوڑ دے فکر ماسوٰے
دولتِ وصل پائے گا آج نہیں تو کل سہی

دستِ دُعا دراز کر ہو کے رہے گا غم نہ کر
نخلِ مراد بار ور آج نہیں تو کل سہی

بڑھنے دے اضطرابِ دل ہونے دے حال زارِ دل
آئے گا یُوں قرارِ دل، آج نہیں تو کل سہی

تجھ پہ خدا کے اے نبیؐ ختم ہوئی پیغمبری
مانے گی خلق سب یہی، آج نہیں تو کل سہی

نعتِ جنابِ مصطفٰےؐ، نغمۂ مدح میرزا
ایک زمانہ گائے گا، آج نہیں تو کل سہی

آتی ہے غیب سے صدا گلشنِ دینِ مصطفٰےؐ
خوب ہی لہلہائے گا، آج نہیں تو کل سہی

فرشِ زمیں پہ سربسر نُورِ خدائے بحر و بر
ہوگا ضرور جلوہ گر، آج نہیں تو کل سہی

زخمِ جگر کا ماجرا ان کو ذرا سنائے جا
دیں گے مرہمِ شفا، آج نہیں تو کل سہی

عمرِ فراق میں کٹی کہتا میں دل میں تھا یہی
آئے گی وصل کی گھڑی، آج نہیں تو کل سہی

حُسن کی بے نیازیاں عشق کی بے قراریاں
لے کے رہیں گی میری جاں، آج نہیں تو کل سہی

مجھ کو یہ ڈر ہے ہمنشیں، میری یہ آہِ آتشیں
آگ لگائے گی کہیں، آج نہیں تو کل سہی

میں نے کہا بچشمِ تر، ہوگی کرم کی کب نظر
کہنے لگے کہ صبر کر، آج نہیں تو کل سہی

تسبیح و تحمیدِ الٰہی

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی بتاریخ ۱۰/اپریل ۱۹۸۱ء بمقام جامع احمدیہ، دارالسلام ــ لاہور

سبحٰنہ وتعٰلی عمّا یقولون علوًّا کبیرًا ○ تسبّح لہ السّمٰوٰت السّبع والارض ومن فیھنّ ط وان من شیءٍ الّا یسبّح بحمدہٖ ولکن لّا تفقھون تسبیحھم ط انّہ کان حلیمًا غفورًا ○

(سورۃ بنی اسرائیل، آیات ۴۳، ۴۴)

ترجمہ:۔ وہ (اللہ) پاک ہے اور جو یہ کہتے ہیں اس سے بہت ہی بلند ہے۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان کے اندر ہے وہ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور کوئی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ وہ بہت بردبار ہے بخشنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ہستی بنیاد ہے تمام کائنات کی۔ ہماری زمین کا ایک ایک ذرّہ عجائبات کی دنیا اپنے اندر رکھتا ہے جیسا کہ اس زمانہ میں ایٹم کے پھٹنے سے پتہ لگا ہے۔ پھر یہ عظیم الشان زمین بذاتِ خود ایک ذرّہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تمام کائنات میں جس کے اندر اربہا ارب بلکہ کھربہا کھرب ستارے ہیں (جن میں سے ہمارا سورج بھی ایک ستارہ ہے) اور ہر ستارے کے اپنے، اپنے سیّارے اور ہر سیارے کے اپنے اپنے چاند ہیں۔ اور ہر ستارے (سورج) اور اُس کے سیاروں اور چاندوں کے عجائب در عجائب اسرار ہیں جو اب سائنس کو کچھ، کچھ پتہ لگ رہے ہیں۔ بہرحال یہ تمام کائنات ایک ہی مادہ سے بنی ہے۔ اور اس تمام کائنات کا جزو لاینفک وہ ایٹم ہے جو بذاتِ خود اپنے اندر ایک کائنات رکھتا ہے جس کا کچھ کچھ علم اس زمانہ میں سائنس کو ہو رہا ہے۔ اور ایٹم خود اتنا چھوٹا ہے کہ نہ تو انسانی آنکھ اُسے دیکھ سکتی ہے نہ طاقتور سے طاقتور خوردبین سے وہ نظر آ سکتا ہے۔ تو پھر سائنسدانوں نے کس طرح ایٹم کا پتہ لگایا یا اُسے پھوڑا یا اس کے اندر کی عجائبات کا پتہ لگایا؟

سُبحٰنہ وتعٰلی

ایٹم اور اس کے اندر کی عجائبات اور کائنات کا ایک طرف اور دوسری طرف اس تمام کائنات کا جو اس قدر وسیع و عریض ہے کہ روشنی جو ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل چلتی ہے وہ اربہا ارب بلکہ کھربہا کھرب سالوں میں ہم تک پہنچتی ہے، تو اس محیّر العقول کائنات کا پتہ اس طرح لگا کہ سائنس نے یہ پایا ہے کہ تمام کائنات باوجود اپنی لامحدود وسعت اور عظمت اور طاقتوں کے ایک زبردست نظام اور قانون میں جکڑی ہوئی ہے۔ اس نظام اور قانون کا پتہ لگا کر سائنسدانوں نے ایک طرف تو کائنات کی وسعتوں کے باوجود اس کی عجائبات کا پتہ کچھ کچھ لگایا ہے۔ اور دوسری طرف ایٹم اور اس کے اندر کی کائنات اور عجائبات کا بھی تھوڑا بہت پتہ لگایا ہے۔

اس باہر کی لامحدود کائنات اور ایٹم کے اندر کی مخفی کائنات کا علم اسی طرح ممکن ہو سکا کہ یہ محیّر العقول کائنات اور عجائبات ایک بے عیب اور بلا نقص نظام میں جکڑی ہوئی ہیں۔ اسی لئے دہریہ سائنس دان بھی آج ماننے پر مجبور ہیں کہ اس عجیب و غریب کائنات کا پیدا کرنے والا اور چلانے والا (خالق اور ربّ) کوئی ہے۔ اور وہ ایک ہے۔ کیونکہ یہ تمام کائنات باوجود اپنی وسعت و عظمت کے ایک ہے اور ایک ہی قانون کے ماتحت چل رہی ہے۔

تو کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس بے عیب کائنات کے پیدا کرنے والے اور چلانے والے کے لوگوں نے ہر قسم کے شریک بنا لئے۔ اور وہ شریک گھڑے ہی گئے خدا تعالیٰ میں کوئی عیب دھر کے۔ اسی لئے قرآن کریم میں جہاں شرک کا ذکر آتا ہے تو معاً بعد سبحٰنہ کا لفظ لا کر اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ تم غور نہیں کرتے، دیکھتے نہیں کہ وہ بے عیب ہے۔ مشرکوں نے یا تو اللہ جلّ شانہ کو اکیلا اس کائنات کا خالق اور چلانے والا نہ بنا کر اس کے ۳۳ کروڑ شریک فرض کر لئے یا اس میں عیب دھر گیا کہ وہ معاف نہیں کر سکتا یا رحم نہیں کر سکتا اس لئے ایک اور خُدا کو اپنی جان کی قربانی دے کر نسلِ انسانی کو بخشوانا پڑا۔ نہ صرف یہ کہ تمام انبیاء اور الہامی کتابیں توحید کا سبق دیتی رہیں بلکہ عقلِ انسانی شرک کے بنیادی تصوّرات کو ردّ کرتی ہے۔ اور فطرتِ انسانی بھی ایک خُدا مانگتی ہے۔ اسی لئے شرک کرنے والے بھی ایک سے زیادہ خدا مان کر بھی بیک وقت ایک کو ہی پکارتے ہیں خصوصاً تکلیف یا آزمائش کے وقت۔ اور اب تو سائنس کے انکشافات نے معاملہ کو بالکل واضح کر دیا ہے کہ اس تمام کائنات کا خالق اور چلانے والا ایک ہی ہے اور وہ بے عیب ہے۔ کیونکہ زمین اور آسمان کی تمام مخلوق ایک بے عیب اور کامل خدا کو ثابت کر رہی ہے۔

اب دیکھئے ان آیات کی صداقت کو جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی تھیں کہ ”اللہ پاک ہے اور جو یہ (مشرک) کہتے ہیں اس سے بہت بلند ہے“

میں نے لفظ تعالیٰ کے معنی بلند کئے ہیں۔ دراصل اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ صفات اور خوبیوں کا مالک ہے، نہ کہ یہ اس کے متعلق یہ سمجھا جائے کہ وہ پتھر کے بُت یا کمزور انسان یا کسی اور مخلوق کی طرح ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ لیس کمثلہٖ شیءٌ

پھر آیات مذکورہ بالا میں فرمایا ”ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی اُن کے اندر ہیں وہ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور کوئی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے مگر تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔“ ساتوں آسمانوں سے لوگوں نے یہ مراد لیا ہے کہ ہماری زمین سے اُوپر جو کائنات ہے، یہ سات آسمانوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اگر یہ بھی مراد لے لی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ آسمانوں کے متعلق سائنسدانوں کا علم ابھی ناقص ہے۔ مگر ایک دوسرے معنی جو ممکن ہیں، اور قرآن اور حدیث کی دوسری شہادتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے، وہ یہ کہ یہ سات آسمان اگلی زندگیوں کے سات آسمان ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد اصل میں اگلے عالموں میں جا کر دن بدن کھلتی رہیں گی۔

بہرحال سات آسمانوں اور زمین اور جو اُن کے اندر ہیں ان کی تسبیح کی نسبت فرمایا کہ "تم ان کی تسبیح اور حمد کو سمجھتے نہیں۔" اس کی بہترین تفسیر یہ ہے کہ یہ تسبیح وحمد زبانِ حال سے ہے (نہ کہ زبانِ قال سے) یعنے آسمانوں اور زمین کی تمام کائنات اپنی حالت سے اللہ تعالےٰ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے اور یہ سچ ہے کہ اسے انسان اب تک سمجھتا نہ تھا۔ اور ابھی بھی دن بدن اس کا علم بڑھتا جائے گا۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ "بہت بردبار ہے، بخشنے والا ہے۔" یہ اس لئے کہ جتنے مشرکانہ خیالات ہیں اور اللہ تعالےٰ کی اعلےٰ اور کامل صفات کے متعلق جتنے ناقص خیالات ہیں جن میں دُنیا مبتلا ہے وہ تو اس قابل تھے کہ ان ہتک آمیز خیالات کی وجہ سے انسانوں کو سزا دی جاتی بلکہ انہیں فنا کر دیا جاتا مگر نسلِ انسانی اگر بچ رہی تو وہ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ کا تحمل بہت وسیع ہے اور وہ بہت بخشنے والا ہے۔

نماز کی تسبیح وتحمید

اللہ تعالےٰ کی نسبت جو غلط خیالات عام ہیں اُن کے تریاق کے لئے ہی اسلامی نماز کی ابتداء ہی تسبیح اور حمد سے ہوتی ہے تاکہ اللہ تعالےٰ جو جسمانی آنکھ سے نظر نہیں آتا اور نہ جسمانی آنکھ اُسے دیکھنے کی تاب لا سکتی ہے یا اُس کا احاطہ کر سکتی ہے۔ (لا تدرکہ الابصار) اُسے انسان کے قلب کی آنکھ اُس کے پورے حسن وجمال سے دیکھ سکے۔ بجائے ایک بُت یا انسان یا کسی اور ناقص تصوّر کے جو تصوّر اسلامی نماز انسان کے قلب کی آنکھ کے آگے لاتی ہے وہ کیا عجیب واعلےٰ ہے "سُبحٰنکَ اللّٰھُمَّ وبحمدک" سبحٰنک کے معنی ہیں۔ اے اللہ تو تمام نقائص، کمزوریوں، عیبوں سے پاک ہے۔ یہاں مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی سبحانیت میں یہ معنی بھی شامل ہیں کہ وہ کسی بندش باحد یا مجبوری سے بالاتر ہے۔ مثلاً انسان جو اشرف المخلوقات ہے وہ ایک جسم کے اندر محدود ہے (جس طرح اور مخلوق بھی ہے) اسی طرح انسان کا جسم بیماریوں اور بڑھاپے کا شکار ہوتا اور بالآخر مر جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ کی ذات ان تمام بندشوں، قیود اور کمزوریوں سے پاک ہے۔ اسی طرح انسان کی طاقت اور اختیارات محدود ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے نہیں ہیں۔

تو اللہ تعالےٰ نہ صرف تمام عیبوں، کمزوریوں، بندشوں اور مجبوریوں سے پاک ہے بلکہ وبحمدک کے بموجب تمام تعریفیں اُسی کے لئے ہیں۔ تعریفوں یا اوصاف کا انسان کے دماغ میں (جو مادی چیز ہے اور دوسرے جانوروں کے دماغوں کی طرح ہے) تصوّر آ ہی نہیں سکتا تھا اگر وحی الٰہی آ کر اللہ تعالےٰ کے اوصاف اور تعریفوں سے انسان کو مطلع نہ کرتی۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ قابلِ تعریف باتوں یا خوبیوں کو انسان ہمیشہ سے کچھ نہ کچھ جانتا ہی تھا۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ وحی الٰہی بموجب قرآن کریم حضرت آدمؑ سے شروع ہوئی اور تمام [illegible] پر اترتی رہی۔ وحی الٰہی نے نہ صرف اللہ تعالےٰ کی ہستی اور اس کی توحید سے انسان کو آگاہ کیا بلکہ اللہ تعالےٰ کے اوصاف اور خوبیوں سے بھی مطلع کیا اور انسان کو ترغیب دی کہ وہ خدائی صفات کو اپنے اندر پیدا کرے جیسا کہ قرآن پاک نے الحمد للہ رب العالمین ۝ الرّحمٰن الرّحیم ۝ ملکِ یوم الدّین سے جو اللہ تعالےٰ کی جامع صفات کا ذکر شروع کیا تو قرآن کریم کی بیشتر آیات پر اللہ تعالےٰ کی صفات کو لا کر بیان فرمایا کہ کس طرح وہ دنیا اور آخرت میں کام کرتی ہیں اور انسان کو ترغیب دی کہ صبغۃ اللّٰہ ومن احسن من اللّٰہ صبغۃ یعنے اللہ کا رنگ (اختیار کرو) اور اللہ سے بڑھ کر کون خوبصورت رنگ رکھتا ہے۔ اسی بات کو حضور صلعم نے فرمایا کہ تخلّقوا باخلاق اللّٰہ یعنے اللہ تعالےٰ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو۔ تو وحی الٰہی نے جب سے انسان پیدا ہوا اللہ تعالےٰ کی صفات کا بیان کر کے لوگوں کو انہیں حاصل کرنے کی ترغیب دی اور اس طرح انسان کی فطرت میں خوبیوں کا احساس فطرتِ ثانیہ بن گیا۔ اگر وحی الٰہی نے یہ اعلےٰ کام نہ کیا ہوتا تو انسان حیوانی سطح سے اُوپر نہ اُٹھ سکتا تھا۔

اِسمِ اعظم

تو جب نماز کے ابتدائی الفاظ سُبحٰنکَ اللّٰھُمَّ وبحمدک نے ایک نہایت دلکش تصوّر انسان کے قلب کی آنکھ کے آگے پیدا کیا تو لازمی طور پر انسان کے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس طرح ان جامع صفاتِ الٰہی سے استفادہ کر سکتا ہے۔ ان صفات میں وہ بھی ہیں جن سے انسان کا جسم اور دنیاوی زندگی فائدہ اٹھا سکتی ہے (جیسے اللہ کا ربّ ہونا یا رازق ہونا یا محافظ ہونا، یا دنیاوی اسباب کا مالک ہونا وغیرہ) اور وہ صفات بھی جن سے انسان کی رُوح اور انسان کی آخرت سنور سکتی ہے۔ تو انسان کے اس فطرتی سوال کا کہ وہ صفات الٰہی سے کس طرح استفادہ حاصل کر سکتا ہے جواب اگلے الفاظ میں ہے کہ وتبارک اسمک تیرا نام بابرکت ہے۔

اللہ ہی وہ اسم اعظم ہے جس کی برکات کے بارہ میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ کلّ امرٍ لا یبدء فیہ ببسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم فھو اجذم یعنے ہر وہ بات جس کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے نہ کی جائے تو وہ بے برکت ہوتی ہے۔ یہی بات تبارک اسمک میں مذکور ہے کہ تیرے نام سے ہر برکت ہے۔ اب برکت اُس خیر یا بھلائی کو کہتے ہیں جو ہمیشہ رہے انسان دولت یا حکومت یا عیش وآرام کو ہی بھلائی سمجھتا ہے مگر یہ آنی جانی اور عارضی چیزیں ہیں موت پر بہرحال ختم ہو جاتی ہیں اگر اس سے پہلے نہ ختم ہو جائیں۔ تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے جو خیر یا بھلائی ملتی ہے وہ اگرچہ دنیاوی بھلائیوں کی رنگ میں ہو یا نہ ہو، بہرحال ہمیشہ کے رہنے والے اجر کے رنگ میں ضرور ہوتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اگر انسان بموجب فرمان رسول اللہ صلعم اپنے ہر کام کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرے تو اس انسان کا ہر کام پھر اللہ کے لئے ہو جاتا ہے اور اس کا اجر اگر اس دنیا میں ملے یا نہ ملے اس کا ہمیشہ کا رہنے والا اجر آخرت میں جو ہمیشہ کا گھر ہے ضرور مل جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی دُعا سے شروع کئے ہوئے کام کا اجر اس دنیا میں مل جائے اور انسان اس پر شکر گزار ہو، یا نہ ملے تو اس پر راضی برضا رہے، تو دونوں صورتوں میں اس کا ابدی اجر اللہ تعالےٰ کے ہاں ہے۔ اسی طرح واضح ہو کہ انسان جس کام کو دل کی توجہ سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر یعنے اللہ کو حاضر وناظر جان کر کرے گا وہ اچھا ہی کام ہوگا اور اس میں کوئی برائی یا خلاف تقویٰ بات نہیں ہو سکتی۔ اور جب اس کام کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اللہ تعالےٰ کو DEDICATE یعنے معنون کئے جائے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے چاہے وہ اس کام کو فوری طور پر پورا کر دے یا نہ پورا کر کے اپنی مرضی کو صادر فرمائے۔

تعالٰی جدُّک

"تیری بڑائی بہت بلند واعلےٰ ہے۔" اللہ تعالےٰ سے بڑھ کر کون بڑا اور برتر ہو سکتا ہے؟

اسی لئے ہم اللّٰہ اکبر، رہ، کہتے ہیں۔ یہ کائنات کس قدر عظیم الشان ہے کہ انسانی عقل اس کا احاطہ کر سکتی ہی نہیں۔ اسں عظیم کائنات کا خالق اور رب اور مالک کس قدر عظمت اور بڑائی کا مالک ہوگا! تعالیٰ جدّک کے الفاظ انسانی قلب کو بتاتے ہیں کہ باوجود اس قدر بڑائی اور عظمت اور انتہائی طاقت کے وہ ان کا غلط استعمال کبھی نہیں کرتا۔ (حالانکہ انسان تھوڑی سی طاقت ملے تو فرعون بن جاتا ہے۔ الاّ ماشاءاللہ) بلکہ اس کی عظمت اور کبریائی ہمیشہ اچھے مقاصد کے لئے استعمال ہوتی ہے فسبحٰن اللّٰہ وبحمدہٖ سبحٰن اللّٰہ العظیم۔

لاالٰہ غیرک

اِلٰہ کے معنی ہیں معبود۔ محبوب اور مطلوب یا مقصود۔ یہ جامع معنے حضرت مجدّد زمانہ نے کئی جگہ لکھے ہیں۔ یعنے اگر فرمانبرداری کے لائق ہے (معبود) تو وہ اللّٰہ تعالیٰ ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور وہ ہی جانتا ہے کہ کس مقصد کے لئے اُسے پیدا کیا ہے اور کس راستہ پر چل کر وہ اس مقصد کو پاسکتا ہے۔ "محبوب"، یعنی اللّٰہ کی فرمانبرداری محبت سے کی جائے کیونکہ وہ انسان کا سب سے بڑھ کر محسن اور خیر خواہ ہے۔ جو فرمانبرداری محبت سے کی جائے وہی بہترین نتائج پیدا کرتی ہے۔ مثلاً ایک بچہ ماں باپ کی فرمانبرداری محبت سے کرے تو ہی وہ ان کی ربوبیت سے پُورا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور اگر مار پیٹ کھا کر یا روتے بسورتے یا دولتیاں چلاتے ماں باپ کی مانی جائے تو اس سے کماحقہٗ فائدہ نہیں ہوتا ——— ؛

مطلوب یا مقصود کے معنی ہیں کہ انسان کی زندگی کا مقصد ہے اللّٰہ تعالیٰ کو پانا۔ یہ وہ عظیم الشان علم ہے جو کہ قرآن حکیم میں ہی آج ملتا ہے۔ میں اس مضمون پر بارہا لکھ یا بیان کر چکا ہوں اس لئے مزید تشریح نہیں کرتا۔ مختصر یہ کہ اللّٰہ تعالیٰ کی خوبصورت ترین اور دلکش ترین ہستی کو قلب انسانی کی آنکھ کے آگے لا کر اس بات پر بات کو ختم کیا کہ یہ وہ ہستی ہے جس کو تم نے پانا ہے۔ کیا ایک بت یا اپنے جیسے انسان کا تصوّر انسان کے دل پر وہ اثر اور کشش پیدا کر سکتے ہیں یا وہ مقصد سامنے رکھ سکتے ہیں جو یہ عظیم الشان مگر سادے الفاظ رکھتے ہیں؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک،

اللّٰہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق دے کہ ہم نماز کو بخوبی سمجھ کر اور ادب اور احترام سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں تاکہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں؛ — آمین

پیغام صُلح کا خاص نمبر

مجدّد صد چہاردہم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کا وصال ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوا تھا ادارہ پیغام صلح اس موقعہ پر ہر سال ایک خاص نمبر شائع کرتا ہے جس میں حضرت مرزا صاحب کی احیائے اسلام کی کوششوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور سلسلہ کے صاحب قلم احباب مجدد وقت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں حسب سابق مئی کے آخر میں یہ خاص نمبر شائع ہو رہا ہے مضمون نگار احباب سے التماس ہے کہ وہ اپنے مضامین وسط مئی ۱۹۸۱ء تک ایڈیٹر پیغام صُلح کے نام ارسال فرمائیں ——— (ادارہ)

یاد رکھو

روحانیت فوق العادت افعال یا خوارق کے ظہور سے وابستہ نہیں۔ یہ باتیں روحانی بندے میں خود بخود اظلالاً پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور اگر روحانیت خدا کے رنگ میں رنگین ہونے سے پیدا ہوتی ہے تو یہ ربانی رنگ بھی اُن کے حصّے میں آجاتا ہے جو اخلاقِ الٰہیہ سے متخلق ہو جاتے ہیں انہیں کا نام اخلاقِ فاضلہ ہے اور انہی کی تکمیل کا نام روحانیت ہے۔

یوں تو اخلاقیات پر کوئی چاہے تو جلدوں کی جلدیں لکھ دے اور اپنی تحریر میں کل مذاہب کے دستور اخلاق جمع کر دے لیکن ان سب تعلیمات کا عملی خلاصہ یہی ہے کہ جہد للبقاء میں کسی سے کسی کو نقصان نہ پہنچے اور ایک کے مکسوبات دوسرے کے لئے نفع بخش ہوں۔ ان دو اصولوں کو سامنے رکھ کر اسلام نے دو چار مختصر سے مختصر اصول انسان کے لئے ہادیٔ عمل تجویز کر دیئے۔ سب سے اوّل اگر اسلام کی تعریف کرتے ہوئے نبی کریم صلے اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مخلوقِ الٰہیہ سے شفقت کے ساتھ پیش آنے کو اسلام کی ایک جزو ضروری قرار دیا تو آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مسلم وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ آپ کے یہ ارشادات قرآن کریم کے ایک حکم کی تشریح ہیں

ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان وایتآءِ ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشآءِ والمنکر والبغی

یعنی لین دین میں اللّٰہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم عدل کرو۔ اپنا حق لے لو اور دوسرے کا حق دوسرے کو دے دو۔ بلکہ اگر کوئی ایک کام کرے تو اسے عوض میں کئی گنا دو۔ اس کا نام احسان ہے۔ تمہارا سلوک اس سے بھی زیادہ بڑھ جائے۔ تم غیروں سے وہ مراعات برتو جو تم اپنے اقربا سے برتتے ہو۔ جہاں نہ کوئی مروت ہوتی ہے نہ کوئی احسان بلکہ یہ حسن سلوک از خود تم سے سرزد ہوتا ہے۔ ایسا ہی کسی کو کوئی ذاتی نقصان نہ پہنچاؤ۔ نہ کسی کے حقوق کا انکار کرو۔ اور نہ کوئی ایسا فعل کرو جس سے نظام سوسائٹی میں خلل آئے۔ یہ اخلاق کا مختصر سے مختصر ضابطہ اُن تمام اخلاقی تعلیمات کا نچوڑ ہے جو کسی مذہب یا سوسائٹی نے تجویز کیا۔ بالمقابل یہ تین حسنات (عدل احسان، ایتاء ذی القربیٰ) اور تین منہیات (فحش، منکر، بغی) دراصل خدا کی صفات مالک، رحیم اور رحمٰن کے مقتضیات و مطالبات ہیں۔ یعنی اس انسان میں مالکیت رحیمیت اور رحمانیت کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کا دستور العمل آیت بالا ہو جاتی ہے۔ وہی انسان اخلاقِ فاضلہ سے متصف ہو کر روحانیت کو پالیتا ہے۔

روحانیت اگر نفسانیت سے پاک ہونے پر ہی حاصل ہوتی ہے تو ان صفاتِ ربّانی کی پیروی میں تو نفسانیت پر کامل فنا طاری ہو جاتی ہے۔ اب انسان تو اپنے لئے نہیں جیتا بلکہ اس کی زندگی دوسروں کے لئے وقف ہوتی ہے۔ (ماخوذ)

از:- محمد صالح نور

امر بالمعروف کے تقاضے

دُوسرا قدم

پہلا قدم امر بالمعروف کے لئے خدا کے راستہ میں تکالیف کا برداشت کرنا ہے اور ہر موقعہ پر صبر سے کام لینا اور کسی قسم کے حالات بھی ہوں اپنے پائے استقلال میں ذرّہ برابر لغزش نہ آنے دینا کیونکہ اللہ تعالےٰ جلّ شانہٗ نے فرمایا ہے۔

اگر تم بلندی اور عظمت حاصل کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم خدا کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہو، اگر دینی و دنیاوی نعماء سے مالا مال ہونا چاہتے ہو اگر آسمان کی رفعتوں کو چھونا چاہتے ہو۔ اگر قیصر و کسریٰ کے خزانے اپنے قدموں میں دیکھنا چاہتے ہو، اگر دشمن کی کثرت پر فتح و نصرت کے معجزات کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہو، اگر آسمان سے فرشتوں کا نزول اپنی مدد کے لئے اترنا بچشم خود دیکھنا چاہتے ہو تو اپنی محبوب سے محبوب چیز کو بھی خدا کے دین کی خاطر، اس کی رضا کی خاطر، اس کی خوشنودی کے حصول کے لئے اس کے قرب کو پانے کے لئے، اس سے ایک علاقہ پیدا کرنے کے لئے اس کے راستہ میں نثار کرنے سے دریغ نہ کرو۔ اور بلا توقف قربان کردو۔ فرمایا۔

لن تنالوا البرّ حتّٰی تنفقوا ممّا تحبّون۔

اگر خدا کی طرف بلانے والے کو مصیبتوں، دُکھوں اور تکلیفوں کا سامنا ہو تو محض خدا کی رضا کی خاطر بخوشی انہیں قبول کرے اور صبر کا اعلےٰ نمونہ دکھائے۔ اگر دشمن حق و انصاف، ایذا رسانی میں حد سے گزرتے ہوئے تمام حدود و قیود کو توڑ کر آواز حق کو دبانے کی کوشش کرے تو اس مقام کو ترک کرنے کی قربانی سے بھی دریغ نہ کرے مقام چھوڑنے، ہجرت کر جانے، مولد و مسکن کو ترک کرنے۔ عزیز و اقربا سے جدائی کے دُکھ کو برداشت کرنے کی قربانی بھی دے۔ اگر راہِ حق میں اس کے مال کی ضرورت پیش آئے تو بسر و چشم بطیب خاطر پیش کر دے اور اس مال کو اپنا مال تصور نہ کرے۔ خدا تعالےٰ کی امانت سمجھے اور یہ یقین رکھے کہ خدا کی رضا کی راہوں پر مال خرچ کرنے والوں کو برکات ابدی کا وارث بنایا جاتا ہے۔

وان شکرتم لا زیدنکم

مقام شکر یہی ہے کہ جب خدا کے دین کو ضرورت پیش آئے تو اپنا سب کچھ اس کے لئے قربان کردے اور اس سے بڑھ کر اگر راہِ حق میں اس کی جان کی ضرورت پیش آئے تو اسے بھی پیش کردے خدا تعالےٰ ان لوگوں کو جو زبان سے وفاداری کا دعویٰ کرتے ہیں فرماتا ہے:۔

فتمنّوا الموت ان کنتم صٰدقین

اگر اپنے دعوای وفاداری میں حق پر ہو تو ان جاں نثاران اسلام کی طرح راہِ حق میں موت قبول کر کے دکھاؤ۔ اور حقیقتاً اسلام ہم سے جو فدیہ مانگتا ہے وہ اس کی راہ میں موت قبول کرنا ہے کہ اسی میں اسلام کی زندگی مضمر ہے اور جو لوگ اس قدر قربانیاں اس کی راہ میں برداشت کرتے ہیں خدا تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے لئے رضا الٰہی کا حصول اور عبودیت کی منزل آسان کردی جاتی ہے اور برکات ارضی و سماوی کے دروازے ان پر کھول دیئے جاتے ہیں۔

فرمایا:۔

ان اللّٰہ اشترٰی من المؤمنین انفسھم

واموالھم بان لھم الجنّۃ

ع

ترکِ جان و ترکِ مال و ترکِ سر

در طریقِ عشق اوّل منزل است

دُوسری صفات:۔

امر بالمعروف کی راہ میں دوسری چیز انسان دوستی ہے! امر بالمعروف کا داعی تنافر اور تعصّب اور عداوت کو یکسر اپنے دل سے مٹا کر رکھ دے ہمدردیٔ خلائق اور بنی آدم کو اپنا شیوہ بنائے اور کسی سے اس کی قوم، رنگ یا نسل کی وجہ سے کمتر سلوک روا نہ رکھے خدا تعالےٰ کے پیغام کو دُنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے ہر گورے اور کالے، مشرقی اور مغربی سے یکساں سلوک کرے کسی قوم کو کسی وجہ سے کسی پر فضیلت یا برتری نہ دے۔ اور صبغۃ اللّٰہ کے رنگ میں رنگین ہو کر خدائی صفات سے متصف ہوتے ہوئے۔

- اس ہوا کی طرح چلے جو کافر و مؤمن۔ عربی و عجمی پر ایک جیسی چلتی ہے۔
- اس مینہہ کی طرح برسے جو خشک و تر، بحر و بر، عام و خاص پر یکساں اپنی نوازشات کرم کرتا ہے۔
- اس سُورج کی طرح چمکے جو یہاں اور وہاں سب جگہ ایک جیسی تپش اور روشنی پہنچاتا ہے۔
- اس چاند کی طرح نکلے جو تمام رُوئے زمین کو اپنے حسن و جمال اور ٹھنڈک سے بلا تفریق نوازتا ہے۔
- ان ستاروں کی طرح جھلملائے جو سب بنی نوع انسان کی ایک جیسی راہنمائی کرتے ہیں۔
- اس کہکشاں کی طرح جگمگائے جس کے نزدیک کوئی گورا اور کالا نہیں۔ کوئی چھوٹا اور بڑا نہیں۔
- اس بادِ نسیم کی طرح چمن میں آئے جو صبحدم ہر کسی کے گلشن کو اپنی نرم روی اور عطر بیز لمس کے دلکش انداز سے مسحور کرتی چلی جاتی ہے

امر بالمعروف کا داعی کسی کی کمزوری کو دیکھ کر اُسے مطعون نہ کرے اُسے اپنے تیروں کا نشانہ نہ بنائے۔ اُسے نامناسب خطابات سے یاد نہ کرے بلکہ اس کی اصلاح کی کوشش کرے اس کو اپنا ایک بھٹکا ہوا بھائی یقین کرے اور اسے راہِ راست پر لانا اپنا فرض سمجھے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

ولا تقولوا لمن القٰی الیکم السّلام

لست مؤمناً۔

جو بھی تمہارے حق میں سلامتی کی دعا کرتا ہے تمہارا کوئی حق نہیں کہ تم اس کے ایمان میں کیڑے نکالو۔ اس پر نامناسب الزام لگاؤ۔ اگر کسی میں کوئی خامی پائی جاتی ہے۔ کوئی کمی یا نقصان کی بات محسوس کرتے ہو تو اس کی اصلاح کے درپے ہو جاؤ۔ اور نہایت خوبصورتی ملائمت اور حسن معاملگی سے اس سے سلوک کرو اور اسے ہدایت کی طرف لانے کے لئے اعلےٰ درجہ کے اخلاق سے اچھے اچھے جتن کرو۔ افہام و تفہیم کی راہیں تلاش کرو۔ وصال کی راہیں ڈھونڈو۔ اتصال کے مشورے کرو۔ اپنی حرکات و سکنات سے اصلاح کے تمام امکانات کو بروئے کار لاؤ۔ جو لوگ زبان سے اصلاح کے علمبردار بنتے اور عمل سے افہام و تفہیم کی راہیں مسدود کرنے کے لئے نفرت کی اُونچی اُونچی دیواریں کھڑی کر دیتے اور اپنے عمل سے بے عملی کا ثبوت دیتے ہیں وہ خدا کو کب پسند ہیں۔

امام زمان کی دلی خواہش

اس زمانہ میں امر بالمعروف کے لئے خدا تعالےٰ کا ایک مجدد آیا اور اس نے اس نیک مقصد کے لئے چند نیک اور پاک ممبروں پر مشتمل ایک جماعت بنائی۔ وہ امام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہیں انہیں اپنی جماعت سے جو توقعات ہیں۔ ان کو ملحوظ رکھنا ہی ازبس ضروری ہے۔ حضور نے اپنی ایک تحریر میں امر بالمعروف کرنے والی جماعت سے جو توقعات وابستہ کی ہیں وہ جماعت کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ آپ یہ ارشادات گوش بر آواز ہو کر سنیں۔ اور دُعا کریں کہ خُدا تعالےٰ ہمیں حضور کے ان ارشادات کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ حضور فرماتے ہیں۔

"اے نادانو! خوب سمجھو۔ اے غافلو! خوب سوچ لو کہ بغیر سچی پاکیزگی ایمانی اور اخلاقی اور اعمالی کے کسی طرح رہائی نہیں اور جو شخص ہر طرح سے گندہ رہ کر پھر اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے وہ خدا تعالےٰ کو نہیں

بلکہ اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے اور مجھے ان لوگوں سے کیا کام جو سچے دل سے دینی احکام اپنے سر پر نہیں اٹھا لیتے اور رسول کریم کے جوئے کے نیچے صدق دل سے اپنی گردنیں نہیں رکھ دیتے اور راست بازی کو اختیار نہیں کرتے اور فاسقانہ عادتوں سے بیزار ہونا نہیں چاہتے اور ٹھٹھے کی مجالس کو نہیں چھوڑتے اور ناپاکی کے خیالوں کو ترک نہیں کرتے اور انسانیت اور تہذیب اور صبر اور نرمی کا جامہ نہیں پہنتے بلکہ غریبوں کو ستاتے اور عاجزوں کو دھکے دیتے اور اکڑ کر بازاروں میں چلتے اور تکبر سے کرسیوں پر بیٹھتے ہیں اور اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہیں۔ اور کوئی بڑا نہیں مگر وہی ہے جو اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے۔ مبارک وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں اور شرم سے بات کرتے ہیں اور غریبوں اور مسکینوں کی عزت کرتے اور عاجزوں کو تعظیم سے پیش آتے اور کبھی شرارت اور تکبر کی وجہ سے ٹھٹھا نہیں کرتے اور اپنے رب کریم کو یاد رکھتے ہیں۔ اور زمین پر غریبی سے چلتے ہیں۔ سو میں بار بار کہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے نجات تیار کی گئی ہے۔ جو شخص شرارت اور تکبر اور خود پسندی اور غرور اور دنیا پرستی اور لالچ اور بدکاری کی دوزخ سے اسی جہان میں باہر نہیں وہ اس جہان میں بھی کبھی باہر نہ ہوگا۔ میں کیا کروں اور کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں جو اس گروہ کے دلوں پر کارگر ہوں۔ خدایا مجھے ایسے الفاظ عطا فرما اور ایسی تقریریں الہام کر جو دلوں پر اپنا اثر ڈالیں اور اپنی تریاقی خاصیت سے ان کی زہر کو دور کر دیں۔ میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے۔ کہ وہ بھی دن ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا۔ اور ایک سچا عہد اپنے خدا سے کر لیا۔ کہ وہ ہر ایک شر سے اپنے تئیں بچائیں گے اور تکبر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے بالکل دور جا پڑیں گے اور اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے مگر ابھی تک بجز خاص چند آدمیوں کے ایسی شکلیں مجھے نظر نہیں آتیں ہاں نماز پڑھتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ نماز کیا شے ہے جب تک دل فروتنی کا سجدہ نہ کرے صرف ظاہری سجدوں پر امید رکھنا طمع خام ہے۔ جیسا کہ قربانیوں کا خون اور گوشت خدا تک نہیں پہنچتا صرف تقویٰ پہنچتا ہے۔ ایسا ہی جسمانی رکوع و سجود بھی ہیچ ہے جب تک دل کا رکوع و سجود و قیام نہ ہو۔ دل کا قیام یہ ہے کہ اس کے حکموں پر قائم ہو اور رکوع یہ ہے کہ اس کی طرف جھکے اور سجود یہ ہے کہ اس کے لئے اپنے وجود سے دستبردار ہو۔ سو افسوس ہزار افسوس کہ باتوں کا کچھ بھی اثر میں ان میں نہیں دیکھتا مگر دعا کرتا ہوں اور جب تک مجھ میں دم زندگی ہے کئے جاؤں گا۔ اور دعا یہی ہے کہ۔ خدا تعالیٰ میری اس جماعت کے دلوں کو پاک کرے اور رحمت کا ہاتھ لمبا کر کے ان کے دل اپنی طرف پھیر دے اور تمام شرارتیں اور کینے ان کے دلوں سے اٹھا دے اور باہمی سچی محبت عطا کر دے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ دعا کسی وقت قبول ہوگی اور خدا میری دعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا۔ ہاں میں یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری جماعت میں خدا تعالیٰ کے ارادہ میں بدبخت ازلی ہے جس کے لئے یہ مقدر نہیں کہ سچی پاکیزگی اور خدا ترسی اس کو حاصل ہو تو اس کو اے قادر خدا میری طرف سے بھی منحرف کر دے جیسا کہ وہ تیری طرف سے منحرف ہے اور اس کی جگہ کوئی اور لا جس کا دل نرم اور جس کی جان میں تیری طلب ہو۔ اب میری یہ حالت ہے کہ بیعت کرنے والے سے میں ایسا ڈرتا ہوں جیسا کہ شیر سے۔ اسی وجہ سے میں نہیں چاہتا کہ کوئی دنیا کا کیڑا رہ کر میرے ساتھ پیوند کرے۔"

(شہادت القرآن صفحہ ۱۰۳ و ۱۰۴)

* * *

ابو ارشد

احمدیت میں کیا پایا؟

نہ پوچھو کہ کیا احمدیت میں پایا ؟
خدا کی محبت ، محمد کا سایہ ،
بہت دور و نزدیک دیکھا نہ پایا ،
صداقت کا جوہر یہیں ہاتھ آیا ،
ـــــــــ نہ پوچھو کہ کیا احمدیت میں پایا ؟
خلوص و محبت ، اخوت کی دنیا ،
زمانہ میں شرف و شرافت کی دنیا ،
غم دین و صبر و قناعت کی دنیا ،
یہ غم میری دنیا میں طوفاں بھی لایا ،
ـــــــــ نہ پوچھو کہ کیا احمدیت میں پایا ؟
یہ طوفاں بنتے ، بکھرتے رہے ،
بہت سے بھنور بھی ابھرتے رہے ،
میرے کام پھر بھی سنورتے رہے ،
ابھر کر تلاطم نے ساحل دکھایا ، نہ پوچھو کہ کیا احمدیت میں پایا؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :-

"توبہ گناہ کو کھا جاتی ہے۔"

- اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

گاہے گاہے باز خواں ——— حضرت امیر مرحوم

آج دنیا میں پھر ظلم و فساد کا دور دورہ ہے

نفس پرستی، بندوں کو خدا سے دُور لے جا رہی ہے

تم خدا تعالیٰ کی طرف اسی تیز رفتاری سے بڑھو جس تیز رفتاری سے لوگ خُدا سے دُور جا رہے ہیں

سخت ترین تاریکی کا زمانہ

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تشریف آوری سے پہلے جو حالت فساد کی دنیا میں پیدا ہوئی وہ آج دنیا میں مُسلّم ہے۔ کہ وہ زمانہ ایک سخت ترین تاریکی کا زمانہ نظر آتا ہے۔ شرک۔ بُت پرستی توہم پرستی۔ یہ تو خیر عقائد سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں۔ مگر اعمال کے رنگ میں دنیا بدترین حالات تک پہنچ چکی تھی۔ ظلم اور استبداد کا دور دورہ تھا۔ کمزوروں اور غریبوں کے حق کو دنیا میں پہچانا نہیں جاتا تھا۔ اس کے لئے دلوں میں درد پیدا نہ ہوتا تھا۔ بلکہ طاقتور اور دولت مند جہاں تک ممکن تھا غریبوں اور بے کسوں پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے اور یہ حالت ساری دنیا کی تھی۔ اخلاق کی پستی اور فواحش کا ارتکاب کھُلا نظر آتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا اور خدا کے درمیان کوئی بڑا سخت پردہ حائل ہو گیا ہے۔ اور دنیا خُدا سے دور ہوتی جا رہی ہے۔

حضرت نبی کریم صلعم کا پیدا کردہ انقلاب

اس وقت اللہ تعالےٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور وہ ایک شخص پر اپنی رُوح نازل فرما کر دنیا کی ان بیماریوں کا علاج کرتا ہے۔ کس قدر زبردست انقلاب ہے جو محض اللہ تعالےٰ کی اس رُوح کے نزول کی وجہ سے پیدا ہوا۔ کون سی طاقت ایسی تھی جو ان بدلیوں کا علاج کر سکتی۔ صرف وہ رُوح جو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر نازل ہوئی۔ اس نے آہستہ آہستہ اوّل ملک عرب میں اور اس کے بعد اس کے ذریعہ سے تمام دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔

توحید کا شور بلند ہو گیا۔ ظلم اور استبداد کی جگہ رحم اور غریبوں اور بے کسوں کی حق رسی نے لے لی۔ طاقتور اور کمزور کو یکساں کر دیا گیا۔ دولت مند اور غریب میں فرق مٹا دیا گیا۔ بڑا عظیم الشان انقلاب ہے۔

پیغمبر یا مُصلح کی رُوح اس کے پیرووں میں سرایت کر جاتی ہے

پھر وہ انسان اور دیگر اسی قسم کے انسان جن پر خدا کی رُوح نازل ہوتی ہے وہ آخر انسان ہوتے ہیں۔ اپنی زندگی کا پیمانہ ختم کر کے اپنے مولا کی طرف چلے جاتے ہیں۔

ظلم و استبداد کو مٹانا مذہب کی ایک بھاری غرض ہے

میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضہ کا ایک چھوٹا سا خطبہ ہے جو نہایت جامع ہے۔ اسی خطبہ میں یہ بھی لفظ ہیں کہ:-

> ”تم میں سے قوی تر انسان میرے نزدیک کمزور ترین ہے یہاں تک کہ میں وہ حق جو اس کے ذمہ ہے اس سے لے لوں۔ اور تم میں سے کمزور ترین انسان میرے نزدیک قوی ترین ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اُسے دلا دوں“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جہاں خدا کا نام بلند کرتے تھے دوسری طرف استبداد اور ظلم کو مٹاتے بھی تھے۔ یہ لفظ بتاتے ہیں کہ دنیا میں استبداد کا دور دورہ نہ رہنے کو مذہب کی عظیم الشان اغراض میں سے ٹھہرایا۔

صحابہ رضہ کے ذریعہ یہ رُوح تمام دنیا میں پھیلی نیکی کا دور دورہ شروع ہوا۔ اور صرف مسلمانوں پر نہیں بلکہ غیر مسلموں پر بھی اس کا اثر ہوا۔ اسلام کی پاکیزہ تعلیم غیر مسلموں پر بھی اثر کر گئی۔

آج پھر ظلم و فساد کا دور دورہ ہے

ظہر الفساد فی البرّ و البحر۔ آج پھر ہم کو اسی کا نظارہ نظر آتا ہے۔ کہا جائے گا کہ آج کل دنیا میں شرک نہیں۔ بُت پرستی نہیں۔ ممکن ہے کہ آج پتھروں کے بنائے ہوئے بُتوں کی پوجا نہ ہو۔ مگر یہ سچ ہے کہ آج بھی شرک اور بُت پرستی عام ہے۔ کہیں ملک اور وطن بُت بنا ہوا ہے۔ کہیں طاقت بُت بنی ہوئی ہے۔ کہیں مال اور دولت بُت بنا ہوا ہے۔ یہ بُت ہیں جن کی آج پوجا ہو رہی ہے۔ اور وہ یورپ کی مادی تہذیب، وہ کیا چیز ہے۔ وہ درحقیقت ان تمام بتوں کی پوجا ہے خدا کی عبادت چھوڑ کر۔ اس کا نتیجہ آج ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ آج دُنیا میں پھر ایک طرف شرک پھیلا ہوا ہے۔ تو دُوسری طرف ظلم کا دور دورہ ہے۔

مسلمان سب سے زیادہ کس مپرسی کی حالت میں ہیں

طاقتور کمزور کو کھانے اور دولت غریب کا خون چوسنے کے لئے تیار ہیں۔ دنیا میں یہ آپ کو صاف نظر آ جائے گا۔ ہاں یہ بھی نظر آتا ہے۔ کہ اس ظلم اور استبداد کے دور دورہ میں مسلمان سب سے بڑھ کر کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ یہ کیوں ہے؟ بما کسبت ایدی الناس خدا ظلم نہیں کرتا مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے ہاتھوں سے کیا ہے اور اسی کا نتیجہ آج بھگت رہے ہیں۔

اسلام کا بے مثال کارنامہ عالمگیر برادری بنانی

مسلمانوں کی ایک برادری بنائی گئی تھی۔ اور یہ برادری کا بنانا۔ ایک عالمگیر برادری کا بنانا اسلام کے عظیم الشان کارناموں میں سے تھا۔ ملک۔ زبان۔ رنگ۔ نسل، جن سے کوئی

برادری بن سکتی تھی۔ ان سب حدبندیوں کو توڑ کر ایک وسیع اخوت کا سلسلہ قائم کیا گیا۔ جو مشرق مغرب شمال، جنوب، کالے، گورے میں غرضیکہ ہر جگہ پھیل گیا۔

مسلمانوں کی بربادی کا سبب نفاق ہے

مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں سے اس عالمگیر اور شاندار اخوت کو توڑا اور اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ جب مسلمان، مسلمان کا خبر گیر نہ رہا تو اس کو کھانے کے لئے دنیا کی قومیں دوڑنے لگیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے ترجمہ "وقت آئے گا کہ دنیا کی قومیں مسلمانوں کو اس طرح کھانے کو دوڑیں گی جس طرح بھوکے شوربے کے پیالے کی طرف دوڑتے ہیں۔"

کامیابی یکساں طریق پر نہیں ہوتی

یہ خیال کبھی نہ کرنا چاہیئے کہ کامیابی یکساں طریق پر ہوا کرتی ہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام آتے ہیں۔ ان پر خدا کی رُوح نازل ہوتی ہے مگر اُن کا پیغام تین سو سال تک کس مپرسی کی حالت میں رہتا ہے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ تو ۲۳ سال کے اندر اندر خدا کے نام کو بلند سے بلند معیار پر پہنچا دیتے ہیں۔ یہاں بھی ایک مسیح آیا۔ شاید خدا کے علم میں یہی بات ہو کہ اس مسیح کو اس پہلے مسیح کے ساتھ اس رنگ میں مماثلت ہے کہ ایک لمبا وقت درکار ہے۔ اس انقلاب کے لانے کے لئے جس غرض کے لئے اللہ تعالےٰ کی رُوح نازل ہوئی۔

ہماری جماعت کے قیام کا مقصد

خدا نے ہماری اس جماعت کو کھڑا کیا۔ کس غرض کے لئے؟ اس غرض کے لئے کہ دنیا جو خدا سے دور جا رہی ہے، اُسے خدا کی طرف واپس لایا جائے ـــ کتنا بڑا کام ہے۔ ایک بے کس جماعت جس کی تعداد کچھ نہیں — — — — — — — — — — — —

— — — — —

ہماری کامیابی کے لئے لازمی شرط

کیا یہ کام اس جماعت کے لئے ممکن ہے؟ یقیناً ہے۔ بشرطیکہ ہماری قوم خدا کی طرف اس تیز رفتاری سے بڑھے جس تیز رفتاری سے لوگ خدا سے دور جا رہے ہیں۔ اگر آپ نے اپنے منصب کو سمجھا ہے۔ اگر آپ جانتے ہیں۔ اور جاننے کے باوجود اگر آپ کے اندر وہ رُوح کام نہیں کر رہی جو حضرت مجدد صد چہاردہم کے اندر تھی تو تم کبھی اشاعت اسلام کے کام میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

خدا کے ساتھ اپنے تعلقات بڑھاؤ

خدا کے ساتھ اپنے تعلقات بڑھاؤ۔ ایک چنگاری تمہارے اندر یقیناً حضرت صاحب نے ڈال دی ہے۔ اب اسے مشتعل آگ کی صورت میں تبدیل کرنا آپ کا کام ہے۔

مجھے بعض وقت افسوس ہوتا ہے کہ ایک دنیا دار دنیا کے کام میں وہ جوش دکھاتا ہے جو ہماری جماعت کے بعض لوگ خدا کے دین کے کام کے لئے نہیں دکھاتے۔

ایک دنیا دار جب دنیوی تجارت کو نفع مند سمجھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کا مال بڑھ رہا ہے۔ تو اپنی تمام پونجی اور طاقت اس کام کے لئے لگا دیتا ہے۔ مگر دین کے خدمت گزاروں میں وہ لوگ بھی نظر آتے ہیں جو خدا کے دین کی خدمت کو نفع مند دیکھ کر اور اس میں کامیابی حاصل کر کے بھی اپنی پونجی اور طاقتوں کو اس کام میں لگانے سے پیچھے رہتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کی نصرت تمہارے ساتھ ہے

کیا یہ سچ نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے تمہارے چھوٹے چھوٹے کاموں میں وہ برکت ڈالی ہے کہ آج یہ کمزور جماعت دنیا میں وہ کام کر رہی ہے جو بڑی سے بڑی جماعت سے نہیں ہو سکا۔ پھر بھی تمہارے دل میں وساوس اُٹھتے ہیں۔ کیا ہوگا۔ ہمارا مال کہاں جائے گا۔ تم نے جو چھوٹی چھوٹی قربانیاں کی ہیں خدا تعالےٰ نے ان میں اتنی برکت ڈالی ہے کہ گویا تم نے خدا کی راہ میں خزانے لٹا دیئے ہیں۔

زیادہ ہمت اور کوشش کے ساتھ کام کرو

تمہاری اتنی چھوٹی سی قربانی سے تنے عظیم الشان کام کی بنیاد رکھی گئی ہے اور اگر خدا تعالےٰ چاہے تو وہ بنیاد ایسی عظیم الشان ہو کہ قیامت تک اس پر عمارت بنتی چلی جائے۔ اور تمہارا تعمیر کردہ مینار اتنا بلند ہو کہ اس سے دنیا میں روشنی پھیلتی رہے۔

ان عظیم الشان کامیابیوں کو دیکھ کر کیوں دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ ہم پہلے سے دُگنی۔ چوگنی بلکہ دس گنی طاقت خرچ کریں۔ کیوں ہم خدا کے آگے نہیں جھکتے اور عاجزی نہیں کرتے۔ اور زیادہ نہیں گڑگڑاتے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ایک طرف ہم اور زیادہ عاجزی سے خدا کے حضور گریں اور دُوسری طرف اپنی طاقت کو اور زیادہ اس کے راستہ میں لگائیں تو خدا تعالےٰ کی نصرت کا وہ کھلا نظارہ دنیا دیکھ لے گی جس سے خدا کی ہستی پر یقین پیدا ہو جائے گا۔ اور جس مقصود کو حاصل کرنا آج دنیا کی نگاہ میں بالکل ناممکن نظر آتا ہے وہ مقصود ہم حاصل کر لیں گے۔

* * *

اخبار احمدیہ

- حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالےٰ بخیریت سے ہیں۔ احباب کرام ان کی صحت وعافیت کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی بخیریت ہیں اور حسب معمول خدمات دینیہ میں مشغول ہیں، احباب کی درخواست پر مؤرخہ ۲۲/اپریل ۱۹۸۱ء بروز بدھ قبل نماز عشا. جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس میں آپ نے درس قرآن کریم دیا۔ جس میں یک صد سے اوپر سامعین نے ایک صاحب حال، عارف ربانی کی زبانی معارف وحقائق قرآنی سن کر اپنا ایمان تازہ کیا۔

معرفت واسرار کلام الٰہی کے مغز سے سادہ اور عام فہم زبان میں بیان ہوئے۔ قرآنی سیرت کے اس حامل بزرگ کے انداز و بیان کی کشش اور لب ولہجہ کی مقناطیسیت دلوں کو اپنی جانب کھینچتی رہی۔ کافی عرصہ کے بعد اتنی بڑی تعداد میں درس قرآن حکیم سننے کے لئے احباب یہاں جمع ہوئے۔ البتہ کمزور سماعت کے دوستوں کو سننے میں دقت پیش آئی۔ منتظمین کرام اگر اس کا کوئی علاج کر سکیں تو زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔

درس کے اختتام پر سامعین کی تواضع فروٹ سے کی گئی۔ احباب کرام حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کی درازی عمر کے لئے دعا فرماتے رہے ہیں تا معارف قرآن کے اس حسین زمزمہ خواں اور گلشن اسلام کے بلبل خوشنوا کے روحانی فیض سے انسان زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں۔

از خواجہ کمال الدین رح

انسان کی عملی اور اخلاقی راہنمائی کیواسطے بہترین نمونہ

حضور خاتم النبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اُسوۂ حسنہ

اے رب العالمین! تیری ہی حکمت بالغہ نے ضعیف البنیان انسان کو قوائے کی نشوونما کے لئے محتاج نمونہ بنایا۔ اور تیری ہی ربوبیت نے انسان کی اس فطری پیاس کو ان مقدس نمونوں کے ذریعہ بجھایا کہ جنہیں دنیا کی راہنمائی کے لئے تو نے ہر ملک وملت میں اٹھایا تیرے ہی حکیم ہاتھ نے ہماری کشتِ فطرت میں گوناگوں اخلاق کا بیج ڈالا۔ اور تو نے ہی اس کی آبیاری اُن مستند ہاتھوں سے کرائی۔ کہ جن کی پاک زندگیاں تیرے ہی اخلاق کاملہ کا مظہر بنیں تیرے ہی ایک چشمہ ہدایت سے اے ہادیٔ برحق! کل ہادیانِ ہدیٰ نے پانی پیا۔ اور تیرے ہی ہاتھ نے ان سب کو ایک صراطِ مستقیم پر چلا کر اُن کے نقشِ قدم کو دوسروں کا محضرِ راہ بنایا۔ زمانہ نے آئے دن اگرچہ پاک نقشوں کو دھندلا کیا۔ لیکن تیری ربوبیت کاملہ نے ہماری تربیت کے لئے اور آنے والے مقدس قدموں کے ذریعہ ان سابقہ نقوش کو پہلے سے بھی زیادہ روشن فرمایا۔ ہاں اقوام عالم نے اس رازِ حقیقت کو نہ سمجھ کر سابقہ مندرس شدہ نقوش پر قدم مارنے کے لئے اصرار کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہم سب کے سب مسلم ہوں یا ہنود عیسائی ہوں یا یہود۔ اگرچہ تیرے ہی جلال کو دنیا میں قائم کرنے کا ادعا رکھتے ہیں۔ لیکن پھر اس ایک ہی نصب العین کے حصول کے لئے ہم ایک دوسرے کو قطاع الطریق نظر آرہے ہیں۔ اے دنیا کے حقیقی نور! دنیا سے اب ظلمت جہالت کو دور فرما اور اس رازِ حقیقت کو دنیا پر کھول۔ اے حیّ وقیوم میں بصد عجز والحاح تیرے حضور حاضر ہو کر التجا کرتا ہوں۔ تو مجھے محض اپنے فضل وکرم سے توفیق عطا فرما کہ میں دنیا کی رہنمائی کے لئے تیرے اس مظہر اتم کے مقدس قدموں کے زندہ نقوش دنیا کے سامنے پیش کر سکوں۔ کہ جن کو دستِ بُردِ زمانہ آج تک مندرس اور دھندلا نہیں کر سکی۔ اور جو پاک نقوش انھیں مطہر انسانوں کے نقوش کی اس وقت یادگار ہیں کہ جنہوں نے وقتاً فوقتاً تجھ سے ہی راہِ ہدایت پا کر صراطِ مستقیم پر قدم مارا۔ اور اسی طرح مختلف ممالک میں اپنی اپنی قوم کے ہادیٔ راہ بنے۔ اے دلوں کے مالک خدا تو ہم سے تنگ دلی اور تنگ ظرفی دور فرما۔ تو ہمیں وسعتِ قلب عطا کر۔ تاکہ ہم تعصب وضدیت سے الگ ہو کر حقیقی نور وہدایت کو جہاں کہیں وہ ہمیں مل سکے اخذ کریں۔ آمین-----

دنیا میں جس قدر نبی۔ رسول، رشی، اوتار، رہنما ہو کر آئے وہ کسی نہ کسی ملک میں ہمارے لئے اخلاق اور سیرت کا اعلیٰ نمونہ چھوڑ گئے۔ ان میں سے ہر ایک بزرگ دنیا کی اصلاح کے لئے ایک ایسے وقت آیا جب دنیا اہل دنیا کی بداخلاقیوں سے تنگ وتاریک ہو رہی تھی۔ انہوں نے ایسے وقت میں اپنے قدسی نفوس اور پاک نمونہ سے دنیا کو بداخلاقیوں سے پاک کر کے اخلاق فاضلہ کا ایک کافی ذخیرہ دنیا کی ہدایت کیلئے اپنے پیچھے چھوڑا۔ اور چونکہ وہ سب کے سب خدا کے ہاتھ سے پاک صاف کئے گئے تھے۔ خواہ وہ جناب عیسےٰ کی شکل میں تھے یا حضرت موسےٰ کے لباس میں۔ خواہ ان کا نام شری مہاراج رام چندر جی تھا یا شری کرشن بھگوان۔ وہ بالضرور متصف باخلاق ستودہ تھے۔ ان کی مقدس زندگیاں اس وقت بھی اور آج بھی اہلِ دنیا کے لئے نیک مثال اور اُن کے کارنامے انسان کے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان کے اخلاقِ حمیدہ اور اعمالِ حسنہ سب کے واسطے آج بھی چشمۂ ہدایت ہیں۔

اطاعت والدین میں شری رامچندر جی کا نمونہ اور دشمنانِ صداقت کی بیخکنی کے لئے کرشن جی کا جہاد کرنا یہ وہ باتیں ہیں جو اپنے اپنے محل وموقع پر ہر ایک شریف طبع کے لئے قابلِ پیروی ہو سکتے ہیں۔ مگر جس امر نے مجھ پر قرآن کریم کا یہ دعوےٰ متحقق کر دیا ہے کہ صرف آنحضرت صلعم کی ذات مبارک ہی اتباع عالم کے لئے من کل الوجوہ کامل نمونہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین میں اور دنیا کے تمام رشی منی اور راست بازوں میں سے آپ کی مطہر زندگی اس قدر جامع واقع ہوئی ہے کہ وہ کل ضروریاتِ انسانی پر حاوی ہو سکتی ہے۔ آپ کی زندگی میں وہ تمام حالاتِ مختلفہ پیدا ہو گئے جن کے ماتحت آپ کو کل اخلاقِ فاضلہ کے اظہار کا موقع ملا۔ اور اسی طرح جہاں مشاہیرِ زمانہ کی زندگیاں مختلف رنگوں میں مختلف الحال لوگوں کی پیروی کیلئے عمدہ نمونے پیش کرتی ہیں۔ وہاں آنحضرت صلعم کی ایک ہی زندگی مختلف الحال لوگوں کے لئے حالات مختلفہ میں کامل ہدایت کا باعث ہو سکتی ہے

یہ امر ظاہر ہے کہ ہر ایک خلق کا اظہار ایک محل وموقع چاہتا ہے مثلاً عفو کے دکھلانے کا موقع کسی انسان کو اسی وقت ملے گا جب اس کے ستانے والے ذلیل وخوار ہو کر اس کے سامنے بغرض سزا پیش ہوں اور اس وقت وہ ان کے قصور معاف کرنے والا وہ انسان جس نے عدمِ استطاعتِ انتقام کے باعث اپنے دشمنوں کو کچھ نہ کہا ہو صاحب عفو کہلانے کا ہرگز مستحق نہیں۔ شجاعت کے اظہار کا وقت بھی اسی وقت ہوگا جب خطرۂ جان کے وقت کوئی شخص سینہ سپری کرے۔ الغرض محل وموقع کے پیدا ہونے پر ہی کسی خلق کا اظہار ہوا کرتا ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ مصلحتِ ربی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں وہ تمام مواقع پیدا کر دیئے۔ کہ جن کے ماتحت آپ سے تمام کے تمام اخلاقِ فاضلہ ظاہر ہوئے۔ ہم تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر دیگر مرسلین اور اوتاروں کو بھی اظہار اخلاق مختلفہ کے محل وموقع ملتے جو ہمارے اسوۂ حسنہ کو میسر آ گئے تو وہ بزرگ بھی بالضرور اسی قسم کے اخلاق دکھلاتے۔ لیکن مشکل تو یہ پڑی ہے کہ ان بزرگان زمانہ کی زندگی میں ہر ایک خلق کے اظہار کے لئے محل ومواقع پیدا نہیں ہوئے۔ کہ جن کے ماتحت ان کا طریق عمل ہمارے لئے ایک عمدہ سبق ہوتا۔ اور بالفرض اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ان کی زندگی میں بھی ان مواقع کے مناسب حال اخلاق فاضلہ کا ظہور ہوا تھا۔ لیکن مشکل تو یہ پڑی ہے کہ دستِ بُردِ زمانہ نے اُن تمام کے تمام حالات کو محفوظ نہیں رہنے دیا۔ ان کی سوانح عمریوں میں وہ باتیں ہی ہم کو نہیں ملتیں کہ جن سے ہم کسی خاص خلق یا سیرت کا پتہ لگا سکیں۔ لہٰذا ناچار ہماری نگاہ اسی کامل فرد کی طرف پڑتی ہے کہ جس کی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے حالات سے لے کر اہم بالشان امور تک اس وقت محفوظ وموجود ہیں۔ اور اسی لئے کل رہنما ومرسلین اور کل ہادیان ہدایت مختلفہ کے مقابل آپ کو ہی ایک کامل نمونہ اور اسوہ حسنہ تسلیم کرنا پڑتا ہے بلکہ اس معاملہ میں تو کل مشاہیر دنیا کے مقابل آپ کو ایک خارق عادت خصوصیت حاصل ہے۔ قرآن کریم کی تعلیمات کو جب ہم آپ کے حالات ماثورہ سے مقابلہ کرتے ہیں تو ان دونوں میں ایک عجیب مطابقت ہم کو نظر آتی ہے۔ ایک طرف قرآن کریم کا کوئی حکم ایسا نہیں جس کی تعمیل آپ نے اپنی ذات سے نہ کر دی ہو۔ بالمقابل آپ کا کوئی قول وفعل ایسا نظر نہیں آتا جو قرآن مجید کے کسی نہ کسی حکم کے ماتحت نہ آسکے۔ آپ کی زندگی دراصل کیا ہے۔ قرآن کریم کی عملی تفسیر اور قرآن اس کے مقابل آپ کی زندگی کی کامل تصویر۔ اب اگر کسی انقلاب زمانہ کے ماتحت بالفرض روئے زمین سے کل کی کل تحریریں مٹ جاویں تو اس کے ساتھ ہی کل مشاہیر کے حالات بھی لازماً صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے لیکن قرآن مجید جو قوت حافظہ کے لکھو کہا مضبوط صندوقوں میں محفوظ ہے وہ آپ کے حالات ایسے فناکن انقلاب میں بھی دنیا سے محو نہ ہونے دے گا۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو کسی اور کو حاصل نہیں۔

* * *

قولوا للناس حسنًا

مکرم مرزا محمد لطیف شاہد — لاہور

"دنیا کے جملہ مذاہب کی تعلیمات پر جب انسان غور کرتا ہے تو نظر آتا ہے کہ سب سے پہلی چیز جو بنیادی حیثیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کا عقیدہ صحیح ہو۔ خدا تعالےٰ کی توحید کو صحیح طور پر مانتا ہو اور اس کی وحدانیت کے ساتھ شرک کی ملونی نہ ہو تو ایسا دین صرف اسلام ہی ہے جو ایک فرد کے لئے دنیا میں دینی رنگ اور دنیوی رنگ میں صحیح راہنمائی کرتا ہے۔ یہ اعجاز صرف قرآن کریم اور اسلام کی پاکیزہ تعلیم میں ہے کہ اس کے اندر ہر طرح کی روشنی موجود ہے۔ کوئی ایک پہلو بھی ایسا نہیں جس کو اس نے تشنہ چھوڑا ہو۔ عام طور پر بعث بعد الموت کے بارے میں جملہ مذاہب کوئی واضح تعلیم نہیں دیتے جس کی وجہ سے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اس دنیا میں انسان جد و جہد اور سعی للخیر کرے لیکن اسلام نے کامل رنگ میں ہدایات دی ہیں۔ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ ایک یہودی نے حضرت عمر رضہ سے عرض کی کہ آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

کہ میں نے آج کے دن سے تمہارے فائدے اور بہتری کے لئے دین اسلام کو مکمل طور پر نازل فرما دیا ہے۔ اور اپنی نعمتوں کو بھی تم پر پورا کر دیا ہے۔ اور اب (اللہ) فرماتا ہے کہ میں نے اسلام کو تمہارے لئے بھیجا ہے۔ اور میں اسلامی احکام پر چلنے والوں سے راضی ہوں۔ اور انہیں کامیاب کروں گا۔ وہ شخص حضرت عمر رضہ سے کہنے لگا کہ اگر یہ آیت ہماری شریعت میں نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید یعنی خوشی کا دن مقرر کرتے۔ اور ہر سال اس خوشی میں جشن مناتے۔ حضرت عمرؓ فرمانے لگے تم تو ایک عید کہتے ہو اس آیت کے نزول والے دن ہمارے لئے دو عیدیں تھیں اور ہیں۔ ایک عید تو یہ تھی کہ جس دن یہ آیت نازل ہوئی وہ عرفہ کا میدان تھا اور وہ حج کے ایام تھے ایک عید تو یہ تھی کہ ایک لاکھ سے اوپر مسلمان وہاں جمع تھے اور دوسری عید یہ ہے کہ وہ جمعہ کا دن تھا۔ جو مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے۔

یہ ایک خوشی اور فخر "حق" ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہماری کتاب کامل و مکمل ہے۔ قیامت تک رہے گی۔ ہمارے رسول خاتم النبیین ہیں۔ دنیا خواہ کتنی بھی ترقی کرے ہمیں روحانی تازگی اور برکت اسلام سے ہی ملے گی اور ملتی رہے گی۔ لیکن یہ صرف دعوای ہی کافی نہیں جب تک کہ اس پاک تعلیم کی تمام جزئیات پر بھی انسان عمل نہ کرے۔ یہ چیز اپنی جگہ بڑی عظمت والی ہے کہ اس کا عقیدہ درست ہو۔ اس کی معلومات صحیح ہوں۔ وہ اس تعلیم کو آگے پھیلانے کے لئے بھی کوشش کرتے ہوں۔

لیکن ان سب خوبیوں کے باوجود اگر عملی رنگ میں وہ ارشادات باری تعالےٰ اور اسوۂ رسولؐ اور تعلیمات نبوی۔ جن کا عام بنی نوع انسان کے ساتھ تعلق ہے۔ اگر ان پر عمل پیرا نہیں اور ان کا اس پر اثر نہیں یا اس کی زندگی وہ اس سے ملنے والوں۔ دیکھنے والوں۔ جہاں وہ رہتا ہے۔ جن سے اس کا رات دن ملنا جلنا ہے ان تعلیموں کا اثر نہ ہو اور وہ ان کا عملاً مظاہرہ نہ کرے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا نیک اثر نہیں پھیلے گا۔ وہ فرد ایک فرد ہی رہے گا اس کا فیض آگے جاری نہیں ہوگا۔ اور دنیا کی پیاسی روحیں ایسے شیریں چشمے سے فیضیاب نہیں ہوں گی۔ جب تک ایثار، اخلاص۔ قول سدید۔ صلہ رحمی اور نافع الناس کا چرچا اور اظہار نہیں ہوگا۔ اور اس وقت تک دوسروں کے قلوب بھی فتح نہیں ہونگے۔ کسی نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضورؐ دوسرے لوگوں کے دلوں کو انسان کس طرح موہ سکتا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

جبلت القلوب علیٰ حبّ من احسن علیہا

دوسرے کے دل کو فتح کرنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے (۱) کہ تمہارے اندر اتنا حسن ہو جو تمہیں دیکھنے والے کو کسی اور میں ایسا نظر نہ آتا ہو۔ اس لفظ سے ظاہری حسن مراد نہیں۔ بلکہ حقیقی حسن جو عبادات کے نتیجہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ مراد ہے۔ اور دوسرا تمہارے اندر احسان کی صفت ایسی اعلےٰ جو اس کو دوسروں میں نظر نہ آئے۔ یعنی تمہارے اندر یہ صفت ایسے رنگ میں ظاہر ہو کہ تمہارے ساتھ رہنے والے اس کو واضح طور پر محسوس کریں۔ کہ اس میں اور ہمارے میں یہ نمایاں فرق ہے۔

عام طور پر دیکھا ہے کہ ہم لوگ ظاہری قیل و قال پر بڑا زور دیتے ہیں لیکن عملی طور پر اسلام کی تعلیم جس پر توحید و رسالت کے اقرار کے بعد خدا تعالےٰ نے بڑا زور دیا اور صبغۃ اللہ کا رنگ اپنے اوپر چڑھانے کی تلقین کی ہے اس سے تدرے ہٹتے رہتے ہیں۔ ہمارے کامل معلّم و استاد حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ تو حضرت امّ سلمہؓ نے اپنے بیٹے حضرت انس رضہ کو آپؐ کی ذاتی خدمت کے لئے پیش فرما دیا۔ حضرت انس رضہ سے اکثر لوگ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندرون خانہ، آپ کی عبادات، اور دوسرے معاملات کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے۔ حضرت انس رضہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دس سال تک خدمت کی ہے (یعنی اس وقت تک جب کہ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو اپنے پاس نہیں بلایا) آپ نے اس سارے عرصہ میں مجھے اُف تک بھی نہیں فرمائی۔ اور اگر میں کوئی کام کرتا تھا تو آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا ہے۔ اور اگر میں کوئی کام نہیں کرتا تھا تو آپؐ نے کبھی نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ اے میرے پیارے دوستو! اس عمل کی روشنی میں اپنے بارے میں غور کریں۔ کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دوستوں اور خدّام سے کیسا سلوک کرتے تھے۔ اور یہی وہ BEAUTIES تھیں جن سے آپ نے چند سالوں میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ آج بھی اسی کی ہی ضرورت ہے۔

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز۔

قرآن مجید میں تمام مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے۔

وقولوا للناس حسنًا

اب اس آیت میں للناس کے الفاظ ہیں للمسلمین کے الفاظ نہیں۔ للناس کا مطلب ہے۔ تمام بنی نوع انسان سے ایسی باتیں کہو جن سے ان کی بہتری مطلوب ہو۔ خیر خواہی ہو جس سے کسی کا دل پریشان نہ ہو۔ کسی کے جذبات و احساسات پر چوٹ نہ پڑے کسی کا دل نہ ٹوٹے۔ کوئی پریشان نہ ہو کسی کے دل کے آئینہ پر تمہاری طرف سے داغ نہ لگے۔ کسی کے فکر کو پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔ آب شیریں کی طرح ہر ایک کو سیراب کرو۔ کسی کے لئے تمہارا وجود ضرر کا سبب نہ بنے۔ مومن لاضرر ولاضرار ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر کامل مومنوں کی ایک مثال اللہ تعالےٰ یہ فرماتا ہے۔

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس
واللہ یحب المحسنین

اللہ تعالےٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

اگر دوستوں میں رہتے ہوئے ان میں سے کسی ایک سے ایسی بات سرزد ہو جائے جس سے دوسرے کو غصہ آ سکتا ہے۔ آتا ہے۔ لیکن اچھے مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ غصہ کو "پی" جاتے ہیں۔ کیونکہ ایسے موقع پر غصہ کا اظہار معاملہ کو سلجھانا نہیں بلکہ بگاڑنا ہے۔ بات تُو تُو میں میں سے تجاوز کر کے مکے لات کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ فرمایا۔ مومنوں کو اپنے اوپر کنٹرول رکھنا چاہیئے۔ اگر وہ نہیں رکھتے تو ان میں اور غیروں میں فرق کیا ہے۔

دوسرا امتیاز مومن کو یہ اپنے اندر پیدا کرنے کا سبق دیا والعافین عن الناس۔ پانچوں انگلیاں

برابر نہیں۔ فہم۔ حالات۔ تعلیم۔ فرائض۔ کے نتیجہ میں کئی باتیں مختلف وقتوں میں اپنے دوستوں پر اثر ڈالتی ہیں اس وقت اگر کبھی کسی سے ایسی بات واقع ہو جائے جو تمہارے خیال۔ اندازے۔ مرتبہ۔ حکم۔ رائے سے ٹکراتی ہے۔ تو اس پر سیخ پا ہونا۔ درشت کلمات کا استعمال کرنا۔ نفرت کا اظہار کرنا۔ یا اونچا بولنا لوگوں میں چرچا کرنا۔ مناسب نہیں۔ عفا کے معنے ہیں۔ محا اثر القدم۔ گیلی مٹی یا نرم جگہ پر جب پاؤں انسان رکھتا ہے تو اس سے ایک نشان پڑ جاتا ہے۔ دوسرا دیکھنے والا سمجھ جاتا ہے کہ کسی کے پاؤں کا نشان ہے۔ وہ یہاں سے گزرا ہے۔

والعافین عن الناس میں ارشاد فرمایا کہ اگر کبھی کوئی ایسی بات ہو جائے جو تمہاری تعلیم یا ہدایت کے خلاف ہے تو اس پر چیں بہ جبیں ہونے کے بجائے اس کو دل سے مٹا دو۔ تمہارے ڈانٹنے ڈپٹنے سے معاملہ دگرگوں ہوگا اصلاح پذیر نہیں ہوگا۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ:۔

واللہ یحب المحسنین

اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ احسان کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ چشم پوشی سے کام لو۔ ہمیشہ گرفت معاملہ کو بگاڑتی ہے سلجھاتی نہیں۔ ہم آئے دن گھروں میں دیکھتے ہیں۔ جہاں غصہ کو دبایا جاتا ہے۔ درگزر سے کام لیا جاتا ہے۔ چشم پوشی کی جاتی ہے حسن سلوک کا دور دورہ ہے۔ وہاں پر خیر و برکت کے دروازے کھلے ہیں۔ اور جہاں لٹھ کی طرح اکڑ کر بات کی جاتی ہے وہاں معاملے بگڑتے دیکھے ہیں۔ اسی آیت کے ذیل میں حضرت زین العابدین کا ایک واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ ان کے غلام سے پینے کی کوئی چیز جو وہ لا رہا ہے اس کی غفلت کی وجہ سے ان کے کپڑوں پر گر گئی جب آپ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار اس نے دیکھ کر فوراً یہ آیت پڑھ دی:۔

والکاظمین الغیظ۔ حضرت نے فوراً فرمایا کظمت۔ کہ میں غصہ کا اظہار نہیں کرتا۔ پھر اس نے اگلا حصہ پڑھا:۔

والعافین عن الناس

فرمایا۔ عفوت۔ میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اس نے اگلا حصہ پڑھ دیا۔

واللہ یحب المحسنین

فرمایا۔ جاؤ۔ اب میں تم کو آزاد بھی کرتا ہوں۔

انسان غور کرے تو کتنا بڑا سبق اس کو ملتا ہے۔ حضرت مجدد زماں نے اس دور میں تشریف لا کر ایک کشتی تیار فرمائی۔ اس کا نام رکھا کشتی نوح۔ دوسرا نام دعوۃ الایمان اور تیسرا نام تقویۃ الایمان۔ یعنی اس تعلیم پر عمل کرو گے تو تمہارا ایمان بڑا مضبوط ہو جائے گا۔ فرماتے ہیں۔

"سو تم اپنے خدا سے ربط پیدا کرو۔ ٹھٹھا۔ ہنسی۔ کینہ وری۔ گندہ زبانی۔ لالچ۔ جھوٹ۔ بدکاری۔ بدنظری۔ دنیا پرستی۔ تکبر۔ غرور۔ خود پسندی۔ شرارت۔ کج بحثی۔ سب چھوڑ دو۔ پھر یہ سب کچھ تمہیں آسانی سے ملے گا۔ جب تک وہ طاقت بالا جو تمہیں اوپر کی طرف کھینچ کر لے جائے۔ تمہارے شامل حال نہ ہو اور روح القدس جو زندگی بخشتا ہے۔ تم میں داخل نہ ہو۔ تب تک تم بہت ہی کمزور اور تاریکی میں پڑے ہوئے ہو — وہ نیک عمل دکھاؤ جو اپنے کمال میں انتہا کے درجہ پر ہو — تم اپنے دلوں کو سیدھے کر کے اور زبانوں اور آنکھوں اور کانوں کو پاک کر کے اس کی طرف آ جاؤ کہ وہ تمہیں قبول کرے گا۔

اور اسی طرح اپنی کتاب ازالہ اوہام میں تحریر فرماتے ہیں۔

باہم بخل اور کینہ اور حسد اور بغض اور بے مہری چھوڑ دو اور ایک ہو جاؤ۔ قرآن شریف کے بڑے حکم دو ہی ہیں۔ ایک توحید و محبت و اطاعت باری عزّ اسمہٗ دوسری ہمدردی اپنے بھائیوں اور بنی نوع کی — اور شرائط بیعت میں نویں شرط یہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا۔ اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد صلاحیتوں اور نعمتوں سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائے گا۔"

خدا تعالیٰ ہم سب کو ان ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

⁂

تنظیم خواتین جماعت احمدیہ اشاعت اسلام

ہیگ۔ (ہالینڈ)

یہ پیغام نامعلوم وجوہات کی وجہ سے لیٹ موصول ہوا۔ جواب شائع کیا جا رہا ہے۔
— ادارہ

تمام پاکستانی بہن بھائیوں کو السلام علیکم!

چودھویں صدی ہجری کے اختتامی اور پندرھویں صدی کے ہمارے ابتدائی جلسہ میں دنیا بھر سے احمدیہ جماعت کے لوگ شرکت کے لئے پہنچے ہوں گے۔ ان سب کو بھی ہماری طرف سے —

السلام علیکم پہنچے،

ہمارے صدر نور سردار صاحب اور دوسرے لوگ بھی شمولیت کر رہے ہیں۔ گو ہم سب ایک جگہ نہیں ہیں مگر ہماری دلی دعائیں اور جذبہ خدمت اسلام آپ کے ساتھ ہے۔

وہ کام جو چودھویں صدی کے مجدد اور امام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے ہمارے اور آپ کے ذمہ لگایا ہے۔ اس کی تکمیل میں آپ کے شانہ بشانہ ہم بھی مصروف ہیں اور پوری قوت سے اسے آگے بڑھانے میں کوشاں ہیں۔ مقامی ریڈیو، سٹیج اور اخبارات میں ہمارے تبلیغی اور اشاعت اسلام کے پروگرام آتے رہتے ہیں۔

فالحمد للہ علیٰ ذالک

ہمیں یہاں آپ کی دعاؤں اور علمی لٹریچر کی ضرورت ہے۔ جو ہمارے پاس کم ہے۔

— خدا حافظ
— آپ کی بہنیں
— از ہیگ
— (ہالینڈ)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۲۲ اپریل ۱۹۸۱ء — جلد ۶۸ شمارہ ۱۶ رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین المجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم بٹالوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفٰے ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون :- ۵۳۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبد الروف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے
بیرونی ممالک سے پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد : ۶۸ | یوم چہار شنبہ ۲۳ جمادی الثانی ۱۴۰۱ ہجری بمطابق ۲۹ اپریل ۱۹۸۱ عیسوی | شمارہ :- ۱۷

حضرت مجدد صد چہاردہم

سرِ من در رہِ یارے نثارے

خداوندیکہ جاں بخش جہاں است
وہ خدا دنیا کو زندگی عطا کرنیوالا ہے
کریم و قادر و مشکل کشائے
وہ کرم کرنے والا، ہر بات پر قدرت رکھنے والا مشکل کشا ہے
چوں آں یارِ وفادار آیدم یاد
جب وہ وفادار یار مجھے یاد پڑتا ہے
بغیر او چساں بندم دلِ خویش
اس کے سوا اور دل کہاں لگاؤں؟
دلِ من دلبرے را تخت گاہے
میرا دل محبوب کی تخت گاہ ہے
چگویم فضلِ او برمن چگونست
میں کس طرح بیان کروں کہ اس کا مجھ پر کس قدر فضل ہے

بدیع و خالق و پروردگارے
کائنات کی ابتدا کرنے والا، ہر شئے کا پیدا کرنے اور پالنے والا ہے
رحیم و محسن و حاجت برآرے
وہ رحم کرنے والا، احسان کرنے والا، اور حاجتیں پوری کرنے والا ہے
فراموشم شود ہر خویش و یارے
تو پھر مجھے تمام دوست و احباب بھول جاتے ہیں۔
کہ بے رویش نمے آید قرارے
کیونکہ اس کا حسین چہرہ دیکھے بغیر مجھے چین نہیں آتا
سرِ من در رہِ یارے نثارے
اور میرا سر دوست کے راستے میں قربان ہے
کہ فضلِ اوست ناپیدا کنارے
کیونکہ اس کے فضل کا سمندر کا کوئی کنارہ نہیں

اللہ تعالیٰ کی صفات اپنانے والا انسان خُدا نما بن جاتا ہے

حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ نے اسلام کا درخشاں چہرہ دنیا کو دکھایا

حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں کو اپنے اوپر اللہ کا رنگ چڑھانا چاہیئے۔ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تخلقوا باخلاق اللہ۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کی صفات اور اس کے اخلاق اپنے اندر پیدا کریں۔ ان کے عمل سے خدا نظر آنا چاہیئے۔ قرآن کریم کی تعلیم کا یہ کمال اور حضور صلعم کی تربیت کا یہ کرشمہ ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کی صفات کو اپنا لیتا ہے اور اس کا خاکی وجود خدا نما بن جاتا ہے ایسے انسان کا ہر عمل اور ہر حرکت خدا نما ہوتی ہے۔ وہ فنا فی اللہ کے مقام پر ہوتا ہے۔ یہی صبغۃ اللہ ہے۔ ومن احسن من اللہ صبغۃ اللہ تعالےٰ کے اس رنگ سے زیادہ اچھا کونسا رنگ ہو سکتا ہے مسلمان قوم جس نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سے فائدہ اٹھایا، اس کو اللہ تعالےٰ حکم دیتا ہے کہ الٰہی اخلاق اپنے اندر پیدا کرو، اپنے عمل سے ثابت کرو کہ تم مسلمان ہو جو خدائی صفات اپنے اندر رکھتے ہو رحمۃ للعالمین کی امت ہو۔ تمہارا وجود دنیا کے لئے موجب رحمت ہے۔ گھر میں۔ کاروبار میں۔ دفتر میں ہر جگہ تمہارے اخلاق اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی صداقت کے گواہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو صرف زبان سے مان لینے کا کیا فائدہ ہے؟ تمہاری خدا پرستی، تمہارے عمل سے ظاہر ہونی چاہیئے۔ دکانداری ہو۔ یا کارخانہ داری یا ملازمت، ہر جگہ الٰہی رنگ تمہارے اندر تمہارے وجود سے نمایاں ہو خدا کی صفات اپنے اعمال سے ظاہر کرو۔ تمہارے ملازم شہادت دیں، کہ یہ شخص محمد رسول اللہ صلعم کا ماننے والا ہے اور اس صدی کے مجدد حضرت مرزا صاحب کو بھی ہم نے دیکھا ہے۔ وہ بھی الٰہی صفات اپنے اندر رکھتے اور رسول کریم صلعم کے اخلاق کا نمونہ تھے۔ ان کے نمونہ کو اپنے وجود میں پیدا کرنا چاہیئے۔ صبغۃ اللہ وہ مقام ہے جہاں اخلاق کی سب تعلیمات مکمل ہو جاتی ہیں۔ اور اس سے بہتر اور کوئی تعلیم نہیں۔

انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے پس چاہیئے کہ تم اپنے حسن عمل سے خلیفۃ اللہ ہونا ثابت کرو۔ مسلمانوں کو بحیثیت قوم کے اللہ تعالےٰ حکم دیتا ہے کہ گھر کی چاردیواری میں ہو یا دفتر کے کمرہ میں۔ سب کے ساتھ کریمانہ اخلاق سے پیش آؤ۔ ہر اس شخص کا جس کا تمہارے ساتھ کوئی معاملہ ہو۔ دل گواہی دے کہ تم سچے مسلمان ہو۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے محمد رسول اللہ صلعم کے ماننے والوں کے لئے یہ مقام تجویز ہوا ہے کہ تمہارے سلوک میں وہ رنگ نظر آنا ضروری ہے جس کو دیکھ کر لوگ کہہ اٹھیں کہ یہ محمد رسول اللہ صلعم کا ماننے والا ہے

خدا رب العالمین ہے وہ اپنے نہ ماننے والوں کو بھی رزق پہنچاتا ہے۔ اور اپنے دشمنوں کی بھی ربوبیت فرماتا ہے۔ اسی طرح تمہارے مخالف بھی تمہارے فیض سے محروم نہیں رہنے چاہیئں۔ یہ اخلاق کی سب سے بلند اور ارفع چوٹی ہے جس تک انسانوں کو پہنچانے کے لئے حضور نبی کریم صلعم اس دنیا میں تشریف لائے۔ حضورؐ نے پہلے خود خدائی صفات کو اس طرح اپنایا کہ آپ کے تمام معاملات میں خدا کا جلوہ نظر آتا تھا۔ آپ ایک کامل انسان تھے اور خدا تعالےٰ نے آپ کو ایک کامل اور قیامت تک کے لئے قابل عمل کتاب دے کر اور خاتم النبیینؐ کے بلند مرتبہ پر فائز کر کے دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ صبغۃ اللہ کی تعلیم دی جس سے اونچا اخلاق کا کوئی درجہ نہیں ہے۔ اسی مقام پر اللہ اور اس کا رسول مسلمانوں کو پہنچانا چاہتا ہے تمہاری ہر حالت اور ہر بات سے الٰہی رنگ جھلکنا چاہیئے۔ جس کی تفسیر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تخلقوا باخلاق اللہ کے حکم میں کی ہے۔ یہ تعلیم کسی دوسرے مذہب نے نہیں دی۔

اسلام انسان کو فطرتاً گنہگار نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ ولقد کرمنا بنی آدم بنی نوع انسان کو ہم نے معزز بنایا ہے۔ انسان کا اعزاز اس میں ہے کہ وہ اپنے وجود پر الٰہی رنگ چڑھائے۔ اور بلندیٔ اخلاق کا مظاہرہ کرے۔ اس تعلیم کا کامل نمونہ رسول کریم صلعم کے وجود میں دنیا نے دیکھا۔ چنانچہ آپ کی شانِ اقدس میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ رسول اللہ صلعم کے وجود میں تمہارے لئے بہتر نمونہ ہے۔ حضور یتیم پیدا ہوئے۔ نہایت بے بسی کی حالت میں دنیا میں تشریف لائے۔ نبوت کے مقام پر فائز ہوئے تو قسم قسم کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ گالیاں سنیں۔ ماریں کھائیں۔ لہولہان ہوئے۔ حتیٰ کہ وطن چھوڑنا پڑا۔ بھوکے رہے۔ پیٹ پر پتھر باندھے۔ اور خدا کے راستہ پر وہ تکالیف سہیں جن کے تصور ہی سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دشمنوں کے مقابلہ میں جنگیں کرنی پڑیں۔ خود زخمی ہوئے۔ اور آپ کے جاں نثار صحابہ، خدا کی راہ میں شہید ہوئے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی۔ اور دشمنوں کو ذلت اٹھانی پڑی۔ اور آپ کو بادشاہت مل گئی۔ لیکن اس وقت بھی آپ کے اخلاق کریمانہ میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور لا تثریب علیکم الیوم (آج تم پر کوئی ملامت نہیں) کہہ کر صبغۃ اللہ کا وہ بلند نمونہ پیش کیا کہ دشمن بھی حیران رہ گئے۔ کیا اللہ تعالےٰ کے اس رنگ سے بہتر کوئی اور رنگ ہو سکتا ہے؟

عام طور پر انسان نعمت اور اقتدار میں اعتدال کو چھوڑ دیتا ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلعم کی حیاتِ اقدس میں دکھ سکھ اور رنج و راحت میں ایک ہی قسم کے اخلاق نظر آتے ہیں۔ سخت مصائب کے ذریعہ آپ کی آزمائش بھی ہوئی۔ غربت اور تنگ دستی میں آزمائے گئے۔ شدید ترین مظالم آپ پر ڈھائے گئے۔ مگر نہ اس وقت کوئی اخلاقی کمزوری آپ سے صادر ہوئی نہ بادشاہ بن جانے کے بعد کوئی فخر و مباہات کا اظہار کیا نہ عیش و عشرت کی زندگی اختیار کی۔ وہی سادہ کپڑے اور سادہ خوراک آپ کی زندگی کا معیار رہا۔ جو غربت اور تنگ دستی میں تھا (سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی) کہہ لینا جتنا آسان ہے۔ اتنا ہی عمل کر کے دکھانا مشکل ہے۔

* * *

فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم نصیر احمد فاروقی صاحب بتاریخ ۲۴ر اپریل ۱۹۸۱ء بمقام مسجد جامع، دارالسلام، لاہور

اِنّما المؤمنون اخوۃٌ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ان اللّٰہ توّاب رحیم (الحجرات ۴۹: آیات ۱۰ تا ۱۲)

ترجمہ: بے شک مومن بھائی، بھائی ہیں۔ سو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔ اور اللہ کا تقوٰی کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ایک قوم دوسری قوم پر ہنسی نہ کرے شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں پر ہنسی کریں شاید وہ اُن سے بہتر ہوں۔ اور نہ اپنے لوگوں پر عیب لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کے نام دھرو۔ ایمان کے بعد بُرا نام کیا ہی بُرا ہے۔ اور جو توبہ نہ کرے تو وہی ظالم ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو بہت گمان بد کرنے سے بچو۔ کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے۔ اور نہ ایک دوسرے کے بھید ٹٹولو۔ اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو تم اس سے کراہت کرتے ہو۔ اور اللہ کا تقوٰی کرو۔ اللہ توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

لفظ اسلام کے معنی اللہ تعالےٰ کی کامل فرمانبرداری کرنا ہے۔ اور اس لفظ کے دوسرے معنی ہیں صلح و امن میں داخل ہونا۔ تو کیا ان دو معنوں میں نعوذ باللہ تضاد ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ دونوں معنی صحیح ہیں اور ان میں زبردست تعلق ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ کی مکمل فرمانبرداری میں ہی صلح و امن ہے نہ صرف انسان کے اندر بلکہ باہر بھی۔ اسلام نے اطمینانِ قلب حاصل کرنے کا کیا راستہ بتایا ہے وہ میرا آج کا مضمون نہیں۔ نہ میں بین الاقوامی صلح و امن قائم کرنے کے اسلامی اصولوں پر آج کچھ کہوں گا۔ بلکہ اسلامی برادری میں یا کسی جماعت یا خاندان میں صلح و امن قائم رکھنے کے لئے جو باتیں قرآنِ حکیم نے بتائی ہیں اُن میں سے بعض کا ذکر کروں گا۔

مؤمن بھائی، بھائی ہیں

پہلی بات اُن آیات میں جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی ہیں یہ فرمائی کہ مومن سب بھائی، بھائی ہیں۔ اسلامی اخوت یا بھائی چارہ ایسی حقیقت ہے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یعنی مہاجر اور انصار نے جس اخوت یا بھائی چارے کا نمونہ دکھایا اس کی نظیر کسی قوم میں نہیں ملتی۔ خونی بھائی چارگی اس کے آگے ہیچ تھی۔ آج گئی گزری حالت میں بھی کوئی غیر مسلم مسلمان ہو جائے خواہ وہ بھنگی ہو تو مسلمان اُسے فوراً گلے لگا لیتے ہیں اور اسے اپنے دل کے اس قدر قریب پاتے ہیں کہ خونی بھائی بھی اکثر اس قدر دل میں سما نہیں سکتا۔ یہ ایک عجیب بھائی چارہ ہے جو بے اختیار (اس لئے تصرف الٰہی سے فوراً) دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔

مگر کسی دو بھائیوں میں بھی لڑائی جھگڑا پیدا ہو سکتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ دو بھائیوں میں خواہ وہ خونی رشتہ سے بھائی ہوں یا دینی رشتہ سے ان میں اگر لڑائی جھگڑا ہو جائے تو ان کی صلح کرا دیا کرو۔ چونکہ شیطان فتنہ و فساد کو پسند کرتا ہے اس لئے وہ انسانوں کے دلوں میں ایسے موقعوں پر یہ شرارت پیدا کرتا ہے کہ کسی دو بھائیوں میں لڑائی جھگڑا ہو تو لوگ یا تو کھلم کھلا اس میں کود کر آتے ہیں اور بھڑکاتے ہیں یا پھر ادھر کی بات اُدھر لگا کر یا دونوں فریق کی ہاں میں ہاں ملا کر لڑائی جھگڑے کو اور طول دیتے ہیں۔ تو پہلی بات تو یہ فرمائی کہ خدا کا خوف کیا کرو۔ تقوٰی اللہ کے معنی ہوتے ہیں اللہ تعالےٰ کے مواخذہ یا سزا سے اپنے آپ کو بچانے کے۔ اور یہ الفاظ ان احکام پر آتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالےٰ کی جناب میں خاص طور پر مواخذہ یا پکڑ ہوگی۔ تو بجائے لڑائی جھگڑا بڑھانے کے اگر صلح صفائی کرا دی جائے تو فرمایا کہ اللہ تعالےٰ تم پر رحم کرے گا۔ اس کے معنے صرف دنیاوی رنگ میں رحم کے نہیں۔ بلکہ روحانی ترقی کے ہیں۔ صلح و صفائی کے لئے جو نفس کو مارنا پڑتا ہے اُس میں روحانی فلاح بڑھتی ہے۔

تمسخر

اس کے بعد آج کی آیات میں فرمایا کہ آپس میں لڑائی جھگڑے پیدا ہی نہ ہونے دو۔ آپس کی بدمزگیاں اور لڑائی جھگڑے کئی وجوہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ ایک دوسرے پر تمسخر کرنا ہے۔ تمسخر دراصل ایک شرارت ہے جو شیطان اُس کو سوجھاتا ہے جس میں تکبّر ہو یعنی وہ اپنے آپ کو تو بڑا یا امیر یا بے عیب سمجھتا ہو اور دوسروں کو حقارت سے دیکھے۔ تو تمسخر سے اگلے کا دل بہت دُکھتا ہے کیونکہ وہ اپنی بے عزتی یا رسوائی یا اپنے پر جگ ہنسائی کو پسند نہیں کرتا۔ نتیجۂ لڑائی جھگڑا یا دنگا فساد ہو گیا۔ حضرت مولانا نور الدّین نے تو فرمایا ہے کہ کافر تک پر تمسخر مت کرو۔ اس سے وہ حق سے اور دور ہو جائے گا اور اس کا گناہ تم پر ہوگا۔ اسی طرح کسی کی غربت پر ہنسنا یا کسی کے عیب پر ہنسنا کتنی بُری بات ہے۔ تمسخر کو روکنے کے لئے قرآنِ حکیم نے عورتوں کو خاص طور پر مخاطب فرمایا اس لئے کہ یہ عیب اُن میں خاص طور پر زیادہ ہوتا ہے۔

فرمایا کہ تمسخر میں جو تم دوسرے کی حقارت چاہتے ہو تو بہت ممکن ہے کہ وہ تم سے (مرد ہو یا عورت) بہتر ہو۔ یعنے اگر تم سچ مچ بھی اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہو تو بھی بہت ممکن ہے

کہ وہ تم سے بہتر ہو۔ اس لئے کہ عالم الغیب تو صرف اللہ تعالےٰ ہے۔

عیب جوئی

دُوسری بُرائی جس سے روکا اس کے لئے لفظ لمزۃ استعمال فرمایا جس کے معنی منہ پر عیب لگانا ہے۔ یہاں پھر اپنے اندر تکبر اور اپنے آپ کو بے عیب سمجھنا مخفی ہوتا ہے اور دُوسرے کو حقیر سمجھنا ہوتا ہے۔ لوگ اسے اپنی "حق پرستی" یا "صاف گوئی" کے خوبصورت نام دے کر اپنے مذموم فعل کو ڈھانپنا چاہتے ہیں۔ یا پھر کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد دُوسرے کی اصلاح ہوتی ہے۔ تو برملا عیب جوئی یا طعنہ بازی سے اگلے کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر اصلاح مقصود ہو تو فرعون جیسے بد انسان کے لئے بھی اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو فرمایا کہ:۔

فقولا لہ قولاً لیناً لعلہ یتذکر او یخشیٰ (طٰہٰ ۲۰ ۔ آیت ۴۴) یعنے تم دونوں اس سے نرم بات کرنا تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے خوف کھائے۔ اصلاح کرنے کا یہ طریق ہے نہ کہ مونہہ پر عیب لگانا اور طعن کرنا۔

خود ہمارے امام اور مُرشد کا بھی طریق تھا کہ وہ اگر کسی میں کوئی عیب دیکھتے تو اس کا نام لے کر یا اُسے مخاطب کر کے اس کا ذکر نہ کرتے بلکہ اس عیب کا ذکر عام طور پر فرماتے اور دور کرنے کی نصیحت کرتے۔ جس میں عیب ہوتا تھا اس کے دل کے اندر کے چور کو کھٹک جاتی تھی اور حضرت اقدس کے خوش اسلوبی سے عام طور پر ذکر کرنے پر وہ شخص سمجھ جاتا اور مشکور ہو کر اپنی اصلاح کر لیتا۔ میں نے تو آج تک برملا عیب لگانے یا طعن کرنے پر کسی کی اصلاح ہوتی دیکھی نہیں اور نہ ہو سکتی ہے۔ البتہ لڑائی جھگڑے کھڑے کرنے کا یہ مؤثر طریق ہے۔

نام دھرنا

تیسری بات جس سے قرآن پاک نے منع فرمایا وہ ایک دوسرے پر نام دھرنا ہے۔ یہ پھر وہی اپنے اندر مخفی تکبر اور دُوسرے کی تحقیر یا تضحیک کرنا ہوتا ہے۔ اکثر کسی کے کسی عیب پر نام دھرا جاتا ہے اور جب وہ عیب جسمانی ہو تو اس سے خصوصاً اگلے کا دل خون ہوتا ہے۔ اور اگر وہ عیب روحانی ہو یا دینی تو یہ بھی بُری بات ہے۔ جیسا کہ مثالعہ فرمایا کہ کسی کے ایمان کے بعد اُس پر بُرا نام دھرنا تو بہت ہی بُری بات ہے۔ جو لوگ بات بات پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔ یا ایک دوسرے کو فاسق یا فاجر یا منافق یا بے ایمان کہتے ہیں انہیں خدا کا خوف کرنا چاہیئے۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ جو توبہ نہ کرے تو وہ ظالم ہے۔ فرمایا کہ اگر تم ایسی غلطیاں جن کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے کرتے رہے ہو تو اب فوراً توبہ کرو اور اس کے بعد کبھی نہ کرنا ورنہ تم سے سلوک وہی ہوگا جو ظالموں سے ہونا چاہیئے۔ قرآن پاک ظالموں کے بُرے انجام سے بھرا پڑا ہے۔ اس سے ڈرنا چاہیئے۔ خود رسول پاک صلعم نے دو باتیں فرمائی ہیں جن کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اوّل تو فرمایا کہ انصر اخاک ظالماً او مظلوماً یعنے اپنے بھائی کی مدد کرو۔ خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ حضورؐ مظلوم کی مدد تو ہم سمجھ سکتے ہیں مگر ظالم کی مدد ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ تو حضور صلعمؐ نے فرمایا "اسے ظلم سے روک کر"۔

سبحان اللہ! کیا حکمت کے موتی کتنے سیدھے سادھے الفاظ میں حضور صلعم نے بکھیرے ہیں۔

حضرت مجدّد زماں نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

اُمّی و در علم و حکمت بے نظیر ÷ زیں چہ باشد حجّتے روشن ترے

یعنے حضور صلعمؐ اُمّی ہو کر علم و حکمت میں بے نظیر تھے۔ تو اس سے بڑھ کر روشن دلیل کیا ہو سکتی ہے۔ کہ حضورؐ کو علم و حکمت پڑھانے والا خود اللہ تبارک و تعالےٰ تھا۔ اور آپ خدا کے فرستادہ تھے۔

دُوسری بات حضور صلعم نے فرمائی کہ مظلوم کی آہ سے ڈرو کہ اس کے اور آسمان کے درمیان کوئی روک نہیں ہوتی۔ یاد رہے کہ آیت مندرجہ بالا میں تمسخر کرنے والوں، عیب جوئی یا طعن بازی کرنے والوں اور بُرے نام دھرنے والوں کو ظالم کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو ان کے تختۂ مشق ہوں وہ مظلوم ہیں۔ ان کی آہ سے ڈرنا چاہیئے۔

بدظنی

چوتھی مکروہ بات جس سے قرآن پاک نے روکا ہے وہ بدظنی ہے جب فرمایا کہ "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بہت بدظنی سے بچو کیونکہ بعض بدظنی گناہ ہوتی ہے"۔ بدظنی یا بدگمانی عام انسانی کمزوری ہے۔ اور یہ اکثر بدظنی کرنے والے کے اپنے کسی مخفی عیب کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے ورنہ حدیث شریف میں کیا عمدہ بات فرمائی ہے کہ ظن المؤمنین خیرا یعنے مومن ہمیشہ حسن ظن سے کام لیتا ہے۔ یعنے حسن ظنی کرو۔ یہاں تک کہ ثابت ہو جائے کہ کسی میں کوئی بدی واقعی ہے تب بھی اس کے مونہہ پر مت طعن دو بلکہ عام ذکر کر کے اصلاح چاہو۔

بدظنی سے بچنے کی نصیحت فرماتے ہوئے حضرت مجدد وقت نے ایک واقعہ کا ذکر فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس زمانہ میں جبکہ بغداد اسلامی دارالسلطنت تھا دجلہ یا فرات دریا سے کشتی میں بغداد میں آیا تو اس نے دریا کے کنارے ایک نوجوان اور خوبرو لڑکے اور لڑکی کو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہنس بول رہے ہیں اور ایک لمبی بوتل میں سے کوئی سُرخ چیز پی رہے ہیں۔ تو شیطان نے فوراً اس کے دل میں بدظنی پیدا کی کہ یہ کوئی عاشق و معشوق ہیں جو دریا کے کنارے عشق بازی کرنے آئے ہوئے ہیں۔ اور شراب پی رہے ہیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ بغداد میں داخل ہونے کے کچھ دن بعد اس شخص کا اس نوجوان لڑکے سے ملنے کا اتفاق ہو گیا۔ تو مسافر نے اُسے کہا۔ چند روز ہوئے میں نے آپ کو دریا کے کنارے بھی بیٹھے دیکھا تھا۔ نوجوان نے پوچھا یہ کب کی بات ہے؟ تو مسافر نے دن کا تعین کر دیا۔ تو وہ نوجوان بولا ہاں اُس دن میں دریا پر اپنی بہن کے ساتھ تفریح کے لئے گیا ہوا تھا۔ تب تو مسافر کو اس کے ضمیر نے ملامت کی کہ تو نے خواہ مخواہ ان بھائی بہن پر بدظنی کی کہ یہ کوئی عاشق معشوق ہیں۔ اور بطور تلافی مسافر نے اپنی اس بدظنی اور اپنی پشیمانی کا انکشاف جب نوجوان پر کیا تو وہ ہنسنے لگا اور کہنے لگا کہ جو چیز ہم پی رہے تھے وہ شراب نہ تھی بلکہ شربت تھا جو ہم دریا پر ٹھنڈا کر کے پی رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ بدظنی یا بدگمانی فوراً کر لینا کتنی بُری بات ہے۔ صحیح طریق یہی ہے کہ حسن ظنی سے کام لو۔ یہاں تک کہ کسی کی بدی ثابت ہو جائے۔

بدظنی بنیاد بن جاتی ہے بہت سی اور بُرائیوں کی۔ مثلاً ان دُوسرے کا خواہ مخواہ دشمن بن جاتا ہے اور مرد و زن کے تعلقات کے بارہ میں تو بدظنیوں سے بلا ضرورت لڑائی جھگڑے، ناچاقی بلکہ طلاقم طلاق اور قتل تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

تجسس

اگلا حکم یہ ہے ولا تجسسوا یعنے ایک دوسرے کے بھید مت ٹٹولو۔ کس قدر عام ہے یہ مرض! جہاں کوئی بُری بات ہو جائے تو مرد و زن اس ٹوہ میں لگ جاتے ہیں کہ کیا ہوا؟ کیوں ہوا وغیرہ وغیرہ۔ فرض کیجئے کہ کسی میاں بیوی میں ناچاقی ہوگئی ہو یا طلاق ہوگئی ہو تو لوگوں کے پیٹ میں مروڑ ہونے لگ جاتے ہیں کہ معلوم کریں کہ کیوں ہوئی، کس کا قصور تھا وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر ان باتوں پر تبصرہ کرنا اور ان کو پھیلانا ان کا مرغوب شغل بن جاتا ہے۔ یہ دوسروں کے معاملات میں خواہ مخواہ تجسس کرنا نہ صرف غیر ضروری ہوتا ہے بلکہ گندگی میں منہ ڈالنے کے مترادف ہوتا ہے۔ دوسروں کے عیب یا کمزوریاں یا برائیاں معلوم کر کے کیوں لوگوں کو خوشی محسوس ہوتی ہے۔؟

غیبت

اس کے بعد غیبت سے منع فرمایا۔ یہ ایک اور بُرائی ہے جو بہت عام ہے مگر ایک مکروہ فعل ہے۔ غیبت یہ ہے کہ انسان دوسروں کے عیبوں یا عیب کا ذکر ان کی پیٹھ کے پیچھے کرے جبکہ اس کی ضرورت نہ ہو۔ یعنے فرض کرو کہ کسی کی لڑکی کی شادی ہونی ہو اور وہ آپ سے پوچھے کہ ہونے والے دولہا کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں تو اس وقت جو حالات قطعی معلوم ہوں ان کا ذکر کر دینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ضروری ہوتا ہے کیونکہ قرآن پاک کا حکم ہے کہ گواہی کو مت چھپاؤ۔ یا مثلاً کسی شخص کو ملازم رکھنے سے پہلے آپ سے کوئی اس کے متعلق پوچھے تو انسان کے علم میں جو بات ہو اس کا ذکر کرنا صحیح ہوتا ہے۔ مگر اگر علم قطعی نہ ہو بلکہ سنی سنائی بات ہو تو کہہ دینا ضروری ہے کہ میں نے ایسا سنا ہے۔ آپ اس کی تحقیق کر لیں۔

غیبت کی نسبت ایک دلچسپ حدیث ہے۔ رسول اللہ صلعم نے غیبت کی یوں تشریح فرمائی کہ:۔

ذکرک اخاک بما یکرہ

یعنے غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے متعلق جب وہ موجود نہ ہو ایسی بات کرو جسے اگر وہ موجود ہوتا تو ناپسند کرتا۔ تو جب حضورؐ سے پوچھا گیا کہ اگر وہ بات جو کہی جاتی ہے تب بھائی میں پائی جاتی ہو تب بھی وہ غیبت ہے۔ تو حضور صلعم نے فرمایا کہ تب بھی غیبت ہے۔ اور اگر نہ پائی جاتی ہو تو وہ بہتان ہے۔

غیبت کی بابت قرآن پاک نے انہی آیات میں ایک عجیب بات فرمائی ہے۔ فرمایا۔ "کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تو تم اس سے کتنی کراہت کرتے ہو"۔ اس مثال کے کیا معنی ہیں؟ میری حقیر سمجھ میں جو آئے ہیں وہ میں عرض کئے دیتا ہوں۔

فرض کر لیجئے کہ وہ بھائی زندہ ہوتا اور تم اس کے گوشت پر منہ مارتے تو کیا وہ خاموش تمہیں اپنا گوشت کھانے دیتا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ فوراً تمہیں ایک تھپڑ مارتا یا اس کے بھی زیادہ بدلہ لیتا۔ مگر جو بھائی موجود نہ ہو چونکہ وہ اپنے دفاع میں کچھ کہہ یا کر نہیں سکتا تو وہ ایک مردہ کی طرح ہے۔ جو اپنی حفاظت یا دفاع نہیں کر سکتا۔ فرمایا کہ غیبت مُردے کے گوشت پر منہ مارنے کی طرح ہے۔

تقویٰ اللہ:۔ پھر اس مضمون کو یوں ختم فرمایا۔ واتقوا اللہ۔ تقویٰ کے لفظ کے معنی جب وہ اکیلا آئے تو برائی سے یا گناہ سے بچنے کے ہوتے ہیں۔ تقویٰ اللہ کے معنی ہیں اللہ تعالےٰ کی پکڑ یا سزا سے اپنے آپ کو بچانا۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہاں تقویٰ اللہ کے الفاظ آئے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم یا بات کے بارہ میں اللہ تعالےٰ خاص طور پر محاسبہ فرمائے گا اور سزا دے گا۔

آخیر میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ تواب ہے اور رحم کرنے والا ہے۔ یعنے اگر تم سے وہ غلطیاں جن کا ان آیات میں ذکر ہے ہوگئی ہیں یا وہ تم اب تک کرتے رہے ہو تو اب توبہ کرو تو وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم سے رجوع کرنے والا ہے۔ اللہ تعالےٰ مجھے اور ہم سب کو اپنی فوری اصلاح کا موقعہ دے کہ خبر نہیں کہ کب موت آجائے اور تب توبہ یا اصلاح کا موقع نہیں رہتا۔

دعا مانگنے کا بہترین طریقہ نماز ہے

نماز اللہ تعالیٰ کی حضوری ہے اور اس کی تعریف کرنے اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کی مرکب صورت کا نام نماز ہے۔ اس شخص کی ہرگز نماز قبول نہیں ہوتی جو اس غرض اور مقصد کو مدنظر رکھ کر نماز نہیں پڑھتا:

پس نمازوں کو بہت سنوار سنوار کر پڑھو۔ کھڑے ہو تو ایسے طریق سے کہ تمہاری صورت صاف طور پر بتا دے کہ تم اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں دست بستہ کھڑے ہو اور جھکو تو ایسے جس سے صاف معلوم ہو کہ تمہارا دل جھکتا ہے اور سجدہ کرو تو اس آدمی کی طرح جس کا دل ڈرتا ہے۔ اپنی نمازوں میں اور اپنے دین اور دنیا ہر دو کیلئے دعائیں کرو - - - - - - - - - - - اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف کے شروع میں یہ دعا سکھائی ہے اور اس کے ساتھ ہی دعا کے آداب بھی بتا دیئے ہیں۔ سورۃ فاتحہ کا نمازوں میں پڑھنا ضروری ہے۔ اور یہ سورۃ ساری کی ساری دعا ہی ہے۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اصل دعا نماز ہی ہوتی ہے .... یاد رکھو دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب کہ دل میں درد اور رقت پیدا ہو اس سے مصائب اور غضب الٰہی دور ہو جاتا ہے۔ لیکن جب بلا سر پر آپڑے تو گو اس میں شک نہیں کہ اسوقت بھی دل میں ایک درد پیدا ہوتا ہے لیکن وہ درد قبولیت دعا کا جذب اپنے اندر نہیں رکھتا۔ یقیناً سمجھو کہ اگر مصیبت کے درد سے پہلے اپنے دلوں کو گداز کر لو گے اور خدا تعالےٰ کے حضور اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت کے لئے گریہ و بکا کرو گے تو تمہارا خاندان اور تمہارے بال بچے عذاب سے بچا لئے جائیں گے۔

(ملفوظات حصہ چہارم ۱۲۱/۱۴۴ مرتبہ ابو منظور الٰہی مرحوم)

* *

سیرت خیر البشرؐ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک مثالی شوہر

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انسانِ کامل تھے۔ آپ کی زندگی کا ہر گوشہ اور آپ کے کردار کا ہر رُخ مسلمانوں کے لئے نمونہ اور اسوہ ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے آپ کو انسانوں میں پیدا کیا اور انسانوں کی طرح پیدا کیا۔ اور آپ نے انسانوں کی طرح سے اپنی پوری زندگی گزاری۔ آپ بیٹے بھی تھے اور باپ بھی۔ شوہر بھی تھے اور بھائی بھی۔ عمر میں چھوٹے بھی تھے اور بزرگ بھی۔ آپ نے تجارت بھی کی اور زمیں بھی لڑائیں۔ محنت کشی بھی کی اور حکمرانی بھی۔ آپ ہر حیثیت سے شاہراہِ حیات پر ایسے نقوشِ قدم چھوڑ گئے جو قیامت تک لوگوں کے لئے نمونہ اور معیار بنے رہیں گے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

(بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی قابلِ تقلید نمونہ ہے)

چنانچہ ایک شوہر اور رفیقِ حیات کی حیثیت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جو کردار ہے وہ ہر شوہر کے لئے نمونہ کا کردار ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے مسلمان شوہروں کے لئے آپ کے چند احکام سماعت فرمائیے۔ ارشاد فرمایا:-

"خیرکم خیرکم لاھلہ (ترمذی۔ دارمی۔ ابن ماجہ)

تم میں سے بھلا آدمی وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے لئے بھلا ہو۔

دوسرا ارشاد ہے:-

خیارکم خیارکم لنسائھم (ترمذی)

تم میں سب سے بھلے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے بھلے ہوں۔

ایک بار ایک صحابی کو جو زہد و عبادت کی طرف زیادہ متوجہ ہونے کی وجہ سے اپنے "اہل" سے غافل رہتے تھے بلوایا اور فرمایا:-

"اور تمہاری رفیقہ کا بھی تم پر حق ہے۔" (بخاری)

صنفِ ضعیف کے حقوق کا سرکارؐ کو کتنا خیال تھا اس کا اندازہ اس سے کیجیئے کہ آپ نے اپنی حیات کے آخری خطبہ حج میں جن اہم تر مسائل پر احکام و نصائح فرمائے تھے ان میں عورت کے حقوق کا مسئلہ بھی تھا۔ فرمایا

"لوگو! عورتوں کے حق میں میری نیکی کی نصیحت کو مانو کہ یہ تمہارے ہاتھوں میں قید ہیں۔ اور تم اس کے سوا کسی بات کا حق نہیں رکھتے اِلّا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں۔ اگر ایسا کریں تو ان کو خواب گاہ میں علیحدہ کر دو۔ اور ان کو ہلکی مار مارو۔ تو اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر ان پر الزام لگانے کے پہلو نہ ڈھونڈو۔ بے شک تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ تمہارا حق تمہاری عورتوں پر ہے۔ کہ وہ تمہارے بستر کو دوسروں سے پامال نہ کرائیں۔ جن کو تم پسند نہیں کرتے۔ اور نہ تمہارے گھروں میں اُن کو آنے کی اجازت دیں۔ جن کا آنا تم کو پسند نہیں۔ اور ہاں ان کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کے پہنانے اور کھلانے میں نیکی کرو۔" (ابن ماجہ) ـــــ بیوی کے حق کی وضاحت ایک اور موقعہ پر ایک سوال کے جواب میں یوں فرمائی:-

"بیوی کا حق شوہر پر یہ ہے کہ جب خود کھائے تو اس کو کھلائے۔ جب خود پہنے تو اس کو پہنائے نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے نہ اس کو بُرا بھلا کہے۔ نہ گھر کے علاوہ (سزا کے لئے) اس کو علیحدہ کرے۔"

اختصار کے خیال سے میں نے یہ چند ارشادات نقل کئے ہیں۔ ورنہ بیویوں کے حقوق کے سلسلہ میں آپ کے احکام و ہدایات بکثرت ہیں۔

ایک شوہر کی حیثیت سے حضورؐ کیسے تھے اس کا جواب عرض کرنے سے پہلے ہم یہ سوچتے چلیں کہ ایک شوہر کے لئے عمومی شرائط کیا ہونی چاہیئں:-

۱:- یہ کہ وہ بیوی کے لئے محبت کوش ہو۔

۲:- یہ کہ اس کی ضروریات اور خواہشات کا حتی الامکان پورا پورا خیال رکھے۔

۳:- یہ کہ جہاں تک اس کے اصول اجازت دیں بیوی کی ان فرمائشوں اور خواہشوں کی تکمیل و تعمیل میں سعی کرے جو چاہے اس کے مزاج کے خلاف ہوں۔

۴:- یہ کہ اگر ازواج ایک سے زیادہ ہوں تو اپنی محبت، وقت، مال اور توجہات کی ان میں ٹھیک ٹھیک اور عادلانہ تقسیم کرے۔

اب ان شرائط کی روشنی میں شوہر کا ایک مثالی کردار ملاحظہ ہو:-

جہاں تک شرطِ اوّل یعنی محبت کوش ہونے کا تعلق ہے اس کے لئے تو کچھ سوچنا ہی تحصیلِ حاصل ہے۔ کیونکہ وہ ایک پاک ہستی سراپا محبت تھی۔ محبت کیش تھی۔ جس کا پیغام محبت کا پیغام تھا جس کا مشن محبت کا مشن تھا۔ جس نے محبت اور صرف محبت ہی کے زور پر ساری دنیا کو فتح کیا تھا۔ جسے دوستوں ہی سے نہیں دشمنوں سے بھی محبت تھی۔ ایسے ایسے محبت کیش کی محبت کوشیوں کا کیا ٹھکانا ہوگا۔ اور وہ بھی اپنی ازواجِ مطہرات کے لئے۔

آپ نے چھٹی صدی کے عرب کے سے معاشرے میں عورت سے جیسی محبت کر کے دکھائی اور کرنا سکھائی ہے۔ اس کا اندازہ کرنے کے لئے سیدنا عمرؓ کا یہ قول سنیئے:-

"ہم لوگ اسلام سے قبل عورتوں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ اسلام نے عورتوں کے لئے احکام نافذ کئے اور اُن کے حقوق مقرر کئے۔" (بخاری)

ان احکام و ہدایات کا اثر کیا ہوا؟ عورت کو کیا حقوق ملے؟ اس کا جواب بھی حضرت عمرؓ اپنے اسی ارشاد کے دوسرے حصہ میں دیتے ہیں:-

"ایک بار میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا تو اس نے بھی برابر کے جواب دیئے۔"

(بخاری)

⁂

دو متقابل نظریئے حیات یعنی مادی اور اسلامی

اسلامی نظام حیات کے حقیقی معنی اور اس کے نفاذ کا طریق کار

مسلمانوں کی زندگیوں میں دجالی نظریہ کی بجائے ایمانی نظریہ پر یقین محکم یا قلبی و باطنی انقلاب

خطبہ جمعہ مؤرخہ ۸۱/۴ ، از مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب بمقام جامع احمدیہ ، احمدیہ بلڈنگس ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زین للناس حب الشھوٰت من النسآء ..... واللہ عندہ حسن المآب
(آل عمران : ۱۴)

متاع قلیل ثم ماوٰھم جھنم وبئس المھاد (آل عمران ۱۹۷)

ترجمہ :۔ لوگوں کو نفسانی خواہشوں کی محبت بھلی معلوم ہوتی ہے (جیسے) عورتیں اور بیٹے اور ڈھیروں ڈھیر سونا اور چاندی اور پلے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی ۔ یہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے مگر اللہ کے پاس اس سے اچھا و بہتر ٹھکانا ہے ۔ (۱۴)

"،:۔ یہ اس زندگی کا تھوڑا و عارضی سامان ہے ۔ بالآخر پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جو بہت بری جگہ ہے ۔ (۱۹۷)

سورۃ آلِ عمران کی یہ آیت بتا رہی ہے کہ بعض انسانوں کا نظریہ حیات کیا ہے ۔ ان کا نظریہ زندگی یہ ہے کہ اس میں بڑھ چڑھ کر سامانِ عیش و عشرت ہوں ۔ بیویاں ہوں ۔ بیٹے ہوں ۔ اور سونا چاندی کے ڈھیر لگے ہوں ۔ مال و اسباب ۔ جائیداد کثیر ہو یعنی زندگی پوری طرح متاعِ حیات کی فراوانی سے عبارت ہو ۔ زندگی کے اس نظریہ کے حامل لوگوں کی نگاہ اس کے علاوہ کہیں نہیں ٹھہرتی ۔ یہی مال و متاعِ دنیا ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہوتا ہے ۔ اور یہی چیزیں ان کو مطلوب و محبوب ہوتی ہیں اور اس کے حصول کے لئے ہی ان کی زندگی کی تمام مساعی ہوتی ہے ۔ اور شب و روز اسی دھن میں مگن رہتے ہیں کہ کسی طرح یہ سامانِ دنیا بڑھ چڑھ کر حاصل ہوں ۔ اس کے لئے ان کے ذہن سے جائز و ناجائز کا تصور بھی غائب ہو جاتا ہے جس طرح بھی یہ سامانِ تعیش حاصل ہوں لے لئے جانے جائز ہیں ۔ اسی طلب میں صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے ۔ سچائی سے منہ موڑ لیتے ہیں ۔ خدا کی نافرمانی فسق و فجور ان کا شیوہ ہوتا ہے ۔ خدا کی راہ میں دینے سے گھبراتے ہیں مخلوق خدا کی بھلائی کے لئے خرچ کرنا موت سے بدتر دکھ کا موجب ہوتا ہے ۔ اور خدا کے ساتھ مخلوق کے حقوق کو بھی بھول جاتے ہیں ۔ گویا ان کا معبود خدا نہیں بلکہ وہ مال و منال ہے جس سے وہ دل لگاؤ لگاتے ہیں ۔

اس کے برعکس اہل تقویٰ اور اہل ایمان اصحاب کا نظریۂ حیات بالکل جداگانہ ہوا کرتا ہے ۔ جیسے اس سے اگلی آیت میں ہے ۔

الصابرین والصادقین والقانتین والمنفقین والمستغفرین بالاسحار

ان کے اندر صبر و قناعت ۔ صدق و امانت ۔ فرمانبرداری و اطاعت کی صفات جلوہ گر ہوتی ہیں انہیں مال دنیا سے محبت نہیں بلکہ وہ خدا کے عطا کردہ رزق اور مال و متاع کو دوسرے انسانوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کرتے ہیں ۔ اس کے ساتھ ہی وہ خدا کے حضور گڑگڑاتے رہتے ہیں اور ان کی صبحیں خدا کے حضور استغفار کرنے میں بسر ہوتی ہیں ۔ مدعا یہ کہ ان کے کاروبارِ حیات ، خدا کے ساتھ تعلق سے مانع نہیں ہوتا ۔ اور وہ ہمیشہ اسی کوشش میں رہتے ہیں کہ وہ کہیں صحیح راستہ سے بھٹک نہ جائیں ۔ اس لئے وہ خدا کی رضا کی راہوں پر چلتے ہیں ۔ اس طرح یہ دو نظریات ہیں ایک یہ کہ دنیا کا سامان جیسے بھی ہو سکے لے لو ۔ اور دوسرا یہ کہ اخلاقی و روحانی قدروں کی جھلک پیش کرے ۔

دنیاوی ساز و سامان کی کشش اور محبت و ہوس

آج اس دجالی تہذیب کے زیرِ اثر ہم سب اسی تگ و دو میں بھاگے چلے جا رہے ہیں ۔ اسی لئے خدا کے ساتھ تعلق و واسطہ بے حقیقت نظر آتا ہے ۔ دینی اور اخلاقی قدریں ختم ہوتی جا رہی ہیں دجال کا اثر ہمہ گیر ہے جس کے سامنے انسانیت بے حقیقت معلوم ہوتی ہے ۔ انسان صرف حصولِ زر کے لئے سرگرداں اور کوشاں حیران و پریشان ہے ۔ اعلیٰ انسانی صفات سے انسان عاری ہوتا جا رہا ہے ۔ اس لئے یہ دن بدن ہلاکت کے گڑھے کی طرف بڑھ رہا ہے ۔ جنت اور جہنم دو الفاظ قرآن کریم نے ان دو نظریہ حیات کے لئے استعمال کئے ہیں ۔ ان الفاظ کے لغوی معنوں میں ہی ان نظریوں پر عمل پیرائی کے انجام کی اصل حقیقت بتلا دی گئی ہے ۔ چنانچہ جنت کے معنی ہیں مخفی شئے ۔ پس اگر انسان اعلیٰ اقدارِ زندگی کو اختیار کرے تو اس کا لازمی نتیجہ امن و سلامتی ، ترقی و خوشحالی اور عافیت و راحت نکلتا ہے لیکن مادی اقدار و سفلی جذبات کے اختیار کرنے سے بالآخر ادنیٰ جذبات انسان کے اندر مشتعل ہو کر اس کے اندر جہنم پیدا کر دیتے ہیں ۔ جب صرف یہی زندگی اس کا مقصود و مطلوب ہے ۔ انسان اپنے اعمال سے یہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ اگلی زندگی کے بارے میں کوئی یقین نہیں رکھتا ۔ اس لئے وہ ابن ہوس و بندہ خواہشات بنا ہوا ہے گویا انسان کو نہ ختم ہونے والی اشتہا کا مرض لاحق ہو گیا ہے ۔ یعنی یہ جوع البقر کے مرض میں مبتلا ہے ۔ کہ پیٹ بھرتا ہی نہیں اور ھل من مزید کی صدا اندر سے شعلہ زن ہوتی ہی رہتی ہے ۔ جیسے کتا مردار پر جھپٹتا ہے اور خواہ اس کا پیٹ کتنا بھرا ہو لیکن وہ یہ گوارا نہیں کرتا کہ دوسرا اس مردار سے حصہ پائے ۔ خود قرآن

کریم میں دنیاوی حرص و ہوس کا شکار ہونے والوں کو کتے سے تشبیہ دی ہے۔ اور اس کے طالب کتے ہیں یہی منظر آج نظر آتا ہے۔ آج اس قدر ہوسِ دنیا کا مرض پھیلا ہوا ہے کہ الامان الحفیظ۔ بہرکیف انسان اس جانب مائل ہے کہ وہ جس طرح بھی ہو حصول متاع دنیا کی کوشش کرے۔ اسلامی نظام کے نفاذ میں کشش اور فرحت بخش بات رُوح کی آسودگی کا سامان ہے لیکن اس کا ایک مفہوم یہ لیا جا رہا ہے کہ صرف اسلامی تعزیرات و حدود کا نفاذ ہو جائے۔ دوسرا نکتہ نظر یہ ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کا مطلب ظاہر ارکان اسلام کی پابندی میں محدود ہے۔ پھر ایک اور نکتہ خیال یہ ہے کہ مسائل پر علمی مباحث ہوں۔ دلائل و شواہد سے اپنے مافی الضمیر کی تصدیق کی جائے۔ وضو و طہارت کے مسائل پر زور دیا جائے۔ اور جو ان باتوں کو نہ کرے اس کو سزا دی جائے۔ لیکن بُرا ہو ہوس طلب زر اور جلب منافع کا کہ اس سب کے باوجود اعتماد و ایمان کی فضا پیدا ہونے کی بجائے عناد و فساد کی فضا ترقی پذیر ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا کی محبت و جستجو پیدا ہو جائے اور اس کا اظہار انسان کے دلی جذبات اور اعمال سے ہوتا ہو۔ باہمی برتاؤ اور انسانی سلوک سے یہ بات مترشح ہو کہ بندے خدا کے طالب ہیں۔ نہ کہ اپنے نفس کی خواہشات کے پیرو۔ اور ایسے اوصاف و خواص مسلمان کے اندر پیدا ہو جائیں کہ وہ دوسروں کے لئے بھی مشعلِ راہ کا کام دیں۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کی جماعت پیدا کی جب وہ مدینہ منورہ میں تھے اسوقت ۳۱۳ صحابہ رضؓ نے وہ عالمگیر انقلاب پیدا کیا کہ دنیا کے لئے تعجب اور حیرت انگیز اور لاثانی بات ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اعلےٰ اوصاف کی وجہ سے ہی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں۔ جس کے پیچھے چل پڑو گے درست راستے پر چل پڑو گے۔ گویا قرآن پاک کی تعلیم سے ایک انقلاب پہلے انسانوں کے اندرون میں پیدا ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ انقلاب پیدا نہیں ہوا تو گویا ہم نے عملاً و حقیقتاً اسلامی نظام کو قبول نہیں کیا۔

اسلامی و اخلاقی اقدار کیوں روبہ تنزل ہیں؟

اسلامی نظام کا نفاذ ہر آدمی کے لئے انفرادی اور بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ جب ہر فرد قوم میں اعلیٰ اخلاقی اوصاف پیدا ہونگے تو یقیناً نہ قتل ہونگے نہ چوریاں ہونگی۔ نہ بُرائیاں اور بدیاں پھیل سکیں گی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں ایک شاندار و لاثانی ریکارڈ ہیں اسلامی نظام کے نفاذ کا۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ کہ تمہارے اموال تمہاری جانیں۔ تمہاری عزتیں تم پر اس طرح قابل احترام ہیں جس طرح آج کا دن۔ یہ جگہ اور یہ مہینہ محترم ہے۔ تو گویا اصل مقام انسانیت کا یہ ہے کہ ہماری نظر میں دُوسروں کے اموال جان۔ عزت و آبرو کی قدر دانی ہو۔ ہمارے اندر سے حرص و ہوس اور حسد و بغض کے جذبات نکل جانے چاہئیں۔ بلکہ اپنی بساط پر ہمیں دُوسرے لوگوں کی جان مال اور آبرو کی حفاظت کرنا چاہیئے۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ ہمارے اندر من حیث القوم وہ اوصاف تو قریب قریب ختم ہو گئے ہیں اس کے برعکس جذبات سفلیہ و ردیہ کا ایک ریلا ہے۔ جو ہمیں بہائے لئے جا رہا ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے جو ہماری حالت تھی آج اس سے نمایاں طور پر بدتر ہے۔ اعلےٰ اخلاقی اقدار سے ہم محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہماری نظر میں دنیا کی چمک دمک خیرہ کن ہے۔ ہمارے لبوں پر اسلامی نظام حیات کا نعرہ ہے۔ مگر ہمارے قلب دجالی تہذیب و اقدار کے گھائل ہو چکے ہیں۔ بلندی اور اعلیٰ صفات اسی صورت میں پیدا ہو سکتے ہیں کہ ہمارا مطمع نظر آسمانی اور روحانی جذبات ہوں۔ ہمارے علماء کو اس قدر اعلےٰ اخلاق کا نمونہ ہونا چاہیئے کہ دوسروں کے لئے باعثِ تقلید ہوں۔ ہر خیر و خوبی دل کی گہرائیوں میں جنم لیتی ہے اس لئے دل میں عمدہ جذبات و خیالات پیدا کرو۔ کیونکہ وہی بات مؤثر ہوتی ہے۔ جو دل سے نکلے۔ جب تک قلوب و اذہان میں یہ سنہری اصول و قوانین رہے۔ ۱۰ سال کے قلیل عرصہ میں مسلمانوں نے وہ عملی نمونہ دکھایا کہ تمام جہان کے لئے پُرکشش تھا اور لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور دنیا ایک گہوارہ امن و آشتی بن گئی۔ حضرت مرزا صاحبؒ نے اپنی کتاب "فتح اسلام" میں لکھا ہے کہ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی وہ موت ہے جس پر مسلمانوں کی زندگی، اسلام کی فتح اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے۔ فتح و غلبہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ ایک جماعت ایسی ہو جو اسلام کا عامل نمونہ ہو۔ اسلامی نظام کا نفاذ اسی صورت میں ممکن ہے کہ مسلمان اپنے اندر اسلامی صفات و آسمانی جذبات پیدا کریں۔ کیونکہ حب الدنیا راس کل خطیئۃ "دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔" اس کے لئے حضرت مرزا صاحبؒ نے ہمارے لئے ایک شاندار اصول پیش فرمایا ہے کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا" اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں اسلام فروغ پائے تو ہمیں چاہیئے کہ ہماری نظر دین پر ہو اور ہر فعل سے پہلے دیکھیں کہ اسلام کا بھی اس کے بارہ میں کیا حکم ہے اور آیا اس عمل سے دین کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچتا؟ اگر ہم اس اصول کو اپنی عملی زندگی میں اپنانے میں کامیاب ہو جائیں تو یقیناً اسلامی نظام کا نفاذ اپنا پھل لانے میں بے نظیر ہوگا۔ اس لئے دنیا کی دلفریبی سے کنارہ کشی کرو کہ یہ متاع قلیل ہے اور آخرت کو مدنظر رکھو کہ اس میں اجر عظیم ہے۔ اور خدا کی خوشنودی اور رضا کی راہ ہے۔ اور خُدا سے توفیق مانگو کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں۔ آمین

اسلامی تہذیب کا انقلاب اندرونی قلبی و ایمانی تبدیلی کا طالب ہے

اسلامی تہذیب کا انقلاب اگر لانا مقصود ہو تو اس کے لئے ابتدائی طور پر نظریہ حیات میں یکسر تبدیلی کی حاجت ہے۔ رائج الوقت تہذیب اس نظریہ پر مبنی ہے کہ مادی اقدار مقدم و قابل ترجیح امور ہیں۔ لیکن دینِ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ مادی اقدار کا درجہ مؤخر ہے۔ ان پر اخلاقی و ایمانی اقدار و اوصاف کو افضلیت حاصل ہے۔ لہٰذا جہاں اخلاقی و مادی اقدار میں باہم ٹکراؤ ہو وہاں اخلاقی اقدار کو مقدم کر کے مادی اقدار کو نظر انداز کر دو لیکن اس کے برعکس دجالی تہذیب کی بنا اس امر پر ہے کہ اخلاقی اقدار کو نظر انداز کر کے مادی اقدار کو مقدم کرو۔ مثلاً کسی معاملہ میں اگر انصاف کا تقاضا یہ ہو کہ انسان اُسے مقدم کر کے اپنے منافع کو ترک کر دے تو یہ اصول اسلامی تہذیب کی بنا ہے۔ مگر اس کے برعکس دجالی یا مادی تہذیب کا تقاضا یہ ہے کہ ہر حالت میں اپنا منافع مدنظر رہے اور اس کے لئے اگر دُوسرے فرد یا قوم پر ظلم یا اس سے بے انصافی ہو تو بھی مضائقہ نہیں۔ پس قوموں اور بین الاقوامی سطح پر جو فساد و ظلم بپا ہے۔ اس کا اصل باعث یہی تقدیم و تاخیر کا سوال ہے۔ دینِ اسلام کے نزدیک رہبانیت کے لئے کوئی جگہ نہیں کیونکہ یہ ایک مثبت نظریہ حیات ہے۔ مگر اس کے ساتھ اسلامی تہذیب کا تقاضا یہ بھی ہے کہ دوسروں سے معاملات کے بارے میں انصاف و عدل کا اصول بھی نظر انداز نہ ہو۔ بلکہ احسان و مروّت کے اصول پر باہمی لین دین میں رواج ہو۔

* *

از :- ارشد علوی (لاہور)

رزقِ حلال کی برکت

آج دنیا میں یہ باتیں عام سننے میں آتی ہیں کہ اولاد نافرمان ہے۔ رشتہ داروں کے خون سفید ہو گئے ہیں۔ دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ چہروں پر رونق نہیں ہے۔ صحت و تندرستی نہیں ہے۔ دنیا سے دل بیزار ہے۔ سکونِ دل نصیب نہیں ہے۔ اگرچہ دولت کی فراوانی ہے، کار ہے، بنگلہ ہے خدمت کے لئے نوکر چاکر ہیں مگر ذہنی سکون حاصل نہیں ہے۔ یہ سب کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ رزقِ حلال نہیں کھایا جاتا۔ اگر رزقِ حلال کی کمائی ہو تو یہ سب بیماریاں بھی نہ ہوں۔

دل جو کہ انسانی جسم کا ایک قیمتی پرزہ ہے گوشت کا لوتھڑا ہے اور اس کا کام دورانِ خون قائم رکھنا ہے۔ جسم کے انگ انگ میں تازہ خون پہنچانا اور وہاں سے فاسد مادے واپس لاکر خارج کرنا اس کا اہم کام ہے۔ اگر اس لوتھڑے کو رزقِ حلال کا خون مل جائے تو جسم تمام بیماریوں سے پاک و صاف ہو جائے اور دماغ روشن ہو جائے تو نورانیت کی جھلکیاں بھی نمودار ہونی شروع ہو جائیں۔

رزقِ حلال کو تمام دنیا کے مذاہب فوقیت دیتے ہیں۔ اسی لئے یورپ وغیرہ میں چوری۔ رشوت خوری اور دیگر ناجائز ذرائع آمدنی کو خلافِ قانون ہونے کے علاوہ سماجی جرم قرار دیا گیا ہے۔ رزقِ حلال کا ایک واقعہ روحانی دنیا کے رسالہ میں ایک مرتبہ شائع ہوا تھا جو کہ بابا نانک صاحب سے متعلق ہے۔ ایمن آباد کے کسی امیر نے ایک دعوت کی اور بابا نانک صاحب کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ بابا نانک صاحب نے ٹال دیا۔ مگر وہ امیر بضد تھا۔ خیر بابا نانک صاحب تشریف لائے۔ آپ کے لئے ہر قسم کے پرتکلف کھانے دسترخوان پر چن دیئے گئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تمہارا کھانا حلال نہیں ہے۔ تجربہ کر کے دیکھ لو۔ آپ نے اپنے مرید کے گھر سے بھی کھانا منگوایا وہ سادا کھانا تھا۔ باجرے کی روٹی تھی۔ بابا نانک نے ایک مٹھی میں مرید کا کھانا لیا اور دوسری مٹھی میں امیر کا کھانا لیا اور دونوں ہاتھ اوپر کر کے ان کو دبایا۔ امیر کے کھانے والی مٹھی سے خون نکلا اور مرید کے کھانے والی مٹھی سے دودھ نکلا۔ بابا نانک صاحب نے فرمایا کہ تمہارے کھانے میں لوگوں کا خون شامل ہے۔ میں کیسے کھاؤں۔ اس بات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ دوسرے مذہب کے پیشوا بھی حرام رزق کے خلاف جہاد کرتے تھے۔

ہمارے لباس میں اگر ایک پیسہ بھی حرام کی کمائی کا ہے تو نماز قبول نہ ہو گی۔ جگہ یا مکان کی تعمیر میں بھی اگر حرام کی کمائی خرچ کی ہو گی تو وہاں پڑھی گئی نمازیں بھی قبول نہیں ہوں گی اور نہ ہی نمازوں میں حضورِ قلب حاصل ہو گا۔ یہ نماز محض ایک رسم کی ادائیگی ہو گی۔ ہم کیوں نہ رزقِ حلال کو اپنی جانوں کے لئے کمائیں اور خیر و برکت کے نمونے بنیں۔ ہماری نمازیں، ہمارے روزے، اور ہماری دعائیں خدا کے حضور قبول ہو جائیں۔ اور دنیاوی حسرتوں کا جنازہ نکل جائے۔ ؎

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات + ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے

رزقِ حرام سے روح مردہ ہو جاتی ہے۔ ہر اچھی چیز کا احترام دل سے نکل جاتا ہے ادب و لحاظ چھوٹ جاتا ہے۔ اور حسیں مردہ ہو جاتی ہیں۔ دنیاوی لذتوں میں انسان ایسا کھو جاتا ہے کہ گرد و پیش کا جائزہ ہی نہیں لے سکتا۔ اس کی آنکھوں پر حرام رزق کی پٹی چڑھ جاتی ہے اور وہ کائنات کے تمام رشتوں سے ناطہ توڑ کر ہوسِ زر پورا کرنے کی تگ و دو میں کوشاں رہتا ہے۔ وہ اس دلدل میں دھنستا ہی چلا جاتا ہے اور بالآخر رزقِ حرام کی ایسی سیاہ دلدل کی اتھاہ گہرائیوں میں پہنچ جاتا ہے جس سے اس کا نکلنا محال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے ظاہری جسم کی نشوونما کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے حالانکہ یہ جسم تو مٹی کا ہے اور مٹی ہی میں دفن ہونا ہے۔ اگلی دنیا میں روحانی جسم نے ساتھ دینا ہے۔ تو ہم کیوں نہ اس جسم کی پرورش کریں جو ہمارا لافانی دنیا میں ساتھ دے گا۔ رزقِ حلال میں گزر بسر کر کے ہم اپنی جانوں اور نسلوں کو ہر مصیبت سے نجات دلا سکتے ہیں۔ ابھی دینی اور دنیاوی زندگی کو جنت کا نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔ خدا ہمیں رزقِ حلال کمانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!۔

اسلام کا زندہ ہونا

ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے

ارشاداتِ حضرت مجدد صد چہاردہم

اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا، جو پہلے وقتوں میں آ چکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا، جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے لیکن ابھی ایسا نہیں ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں۔ اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں۔ اور اعزازِ اسلام کے لئے ساری ذلتیں قبول نہ کر لیں۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے، جس پر اسلام کی زندگی مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلّی موقوف ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے۔ اسی اسلام کا زندہ کرنا خدا تعالےٰ اب چاہتا ہے۔

(فتح اسلام)

بچوں کا صفحہ

ابن رحیم

ہمارے امام کا پیارا بچپن

پیارے بچو!

ہم تمہیں اپنے پیارے امام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے بچپن کے کچھ تعلیمی حالات سُناتے ہیں۔ ہمارے پیارے امام کا بچپن بڑا پاکیزہ تھا۔ کہتے ہیں:۔

”ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات“

بچپن ہی میں آپ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ جب آپ چلنے پھرنے لگے تو آپ کے لئے بہت سے کھلونے خریدے گئے۔ محلہ کے ننھے منّے بچوں کو بھی اپنے گھر میں لایا گیا۔ تاکہ آپ ان سب کے ساتھ کھیلیں کودیں۔ لیکن آپ کھیل کود میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے تھے۔

طالب علمی کے زمانہ میں بھی آپ نے کھیل کود اور ہنسی مذاق میں حصہ نہیں لیا۔ اپنی پڑھائی میں لگے رہتے۔ اپنے استادوں کا بے حد ادب کرتے۔ آپ کسی سے نہ لڑتے نہ جھگڑتے۔

آپ زیادہ وقت مسجد میں ہی گزارتے۔ پڑھتے رہتے تھے اور ٹہلتے رہتے تھے۔ اس طرح آپ کی جسمانی ورزش بھی ہو جاتی تھی۔ آپ کو قرآن شریف سے بہت محبت تھی۔ اس کو پڑھتے وقت آپ زار زار رونے لگتے تھے۔

آپ کو تنہائی بڑی پسند تھی۔ استاد صاحب سے سبق پڑھتے اور بالا خانے پر سب سے الگ بیٹھ کر یاد کرتے رہتے۔ جُوں جُوں بڑے ہوتے گئے دینِ اسلام اور ذکر الٰہی سے محبت بڑھتی گئی یہ تنہا پسندی آپ کے ابّا جان کو پسند نہ تھی اور کبھی کہہ دیتے۔ ”یہ ہمارے گھر میں مُلّاں کہاں سے پیدا ہو گیا ہے۔“ اور اگر کوئی آپ کے متعلق پوچھتا تو اُسے کہتے:۔

”مسجد کے سقادہ کی کسی ٹونٹی میں جا کر دیکھو۔ اگر وہاں نہ پاؤ تو مسجد کے اندر کسی گوشہ میں تلاش کرو۔ اگر وہاں بھی نہ ہو تو دیکھنا کسی صف میں کوئی لپیٹ کر کھڑا کر گیا ہوگا۔ کیونکہ وہ زندگی میں ہی مرا ہوا ہے۔“

پیارے بچو!

دیکھا تم نے کہ ہمارے پیارے امام اپنی ابتدائی عمر میں ہی خدا تعالیٰ، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے کس قدر شیدائی تھے۔ اور آپ کے دن رات کیسے عبادتِ الٰہی میں گزرتے تھے۔ کہ آپ اپنے والد صاحب کے نزدیک جیتے جی ہی مر چکے تھے۔ گویا آپ بچپن ہی سے:۔

موتوا قبل ان تموتوا (مرنے سے پہلے مر جاؤ) کی پوری تصویر تھے۔ سچ ہے اللہ تعالےٰ کے بندوں کو خدا کے سوا کسی چیز سے لگاؤ نہیں ہوتا:

⁂

اولیاء اللہ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ

بزرگو! اس جماعت اولیاء اللہ نے سچی نیتوں اور خالص ارادوں سے اللہ تعالےٰ کے ساتھ عہد کیا ہے بکثرت مجاہدہ کرانے اور مراقبات اور طاعات کی پابندی کرنے اور تمام باتوں پر صبر کرنے کا۔ ان ہی کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ

یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اس بات کو پورا کر دکھایا جس کا اللہ سے عہد کیا تھا۔ گو یہ آیت حضرات صحابہؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ مگر جو لوگ صحابہ کے طریق پر کام کرنے والے ہیں وہ بھی ان میں داخل ہیں۔ ان لوگوں نے پختہ ارادہ اور پوری ہوشیاری کے ساتھ عزیمتوں (مشکل کاموں) کے بجا لانے میں سبقت کی۔ پس انہوں نے نیند ترک کر دی، کھانا پینا قریب قریب ترک کر دیا۔ اور رات کی تاریکیوں میں اللہ کے حضور عبادت کے لئے کھڑے ہو گئے اور خشوع اور بیداری اور لمبے لمبے قیام سے اور رکوع اور سجود اور روزہ سے اللہ کی عبادت کی اور اپنے محبوب کے سامنے محراب میں کھڑے ہو کر مقصود حاصل کرنے کے لئے خوشامدیں کیں۔ یہاں تک کہ مقام قرب تک پہنچ گئے اور اللہ تعالےٰ سے ان کو انس حاصل ہو گیا۔ اور اُن پر اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کا بھید ظاہر ہو گیا کہ انا لا نضیع اجر من احسن عملا۔ یعنی ہم اچھا عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے انہوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ واقعی اللہ تعالےٰ نیک کاموں کا اجر ضرور عطا کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالےٰ نے ان کو بلند درجہ اور قرب کا مرتبہ عطا فرمایا۔ اور اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ قریب کا قریب قریب ہوتا ہے۔ محبوب کے دوستوں کا دوست بھی محبوب ہوا کرتا ہے۔

پس یہ لوگ اپنے مشائخ کے محبوب اور مقرب ہیں اور وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقرب ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حق تعالےٰ کے محبوب و مکرم ہیں۔ تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقرب ہوئے۔ ان کا محبوب ان کے چاہنے والوں کا بھی محبوب ہے۔ اس کی محبّت کی برکت اسکو محبوبیت کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے۔ پھر جو کچھ اللہ تعالےٰ چاہتا ہے ہو کر رہتا ہے۔ یعنی محبوبیت کے درجہ تک پہنچ جانے کے بعد اللہ تعالےٰ جو نعمت چاہے دیتے ہیں

اے بزرگو!

اولیاء اللہ کے قرب کی کوشش کرو۔ جو اللہ کے ولی سے دوستی رکھتا ہے اللہ سے دوستی رکھتا ہے۔ ایسے ہی جو اللہ کے ولی سے دشمنی رکھتا ہے وہ اللہ سے دشمنی رکھتا ہے۔

⁂

ضرورت الہام

خدا پر خدا سے یقین آتا ہے

یہ سچ ہے کہ جو پاک ہو جاتے ہیں — خدا سے خدا کی خبر لاتے ہیں
اگر اس طرف سے نہ آوے خبر — تو ہو جائے یہ راہ زیر و زبر
طلب گار ہو جائیں اس کے تباہ — وہ مر جائیں دیکھیں اگر بند راہ
مگر کوئی معشوق ایسا نہیں — کہ عاشق سے رکھتا ہو یہ بغض و کیں
خدا پر تو پھر یہ گماں عیب ہے — کہ وہ راحم عالم الغیب ہے
اگر وہ نہ بولے تو کیوں کر کوئی — یقین کر کے جانے کہ
نہ جانا کہ الہام ہے کیمیا — اسی سے تو ملتا ہے گنج لقا
اسی سے تو عارف ہو جائے بادہ نوش — اسی سے تو آنکھیں کھلیں اور گوش
یہی ہے کہ نائب ہے دیدار کا — یہی ایک چشمہ ہے اسرار کا
اسی سے ملے آن نازک علوم — اسی سے تو ان کی ہوئی جگ میں دھوم
خدا پر خدا سے یقیں آتا ہے — وہ باتوں سے ذات اپنی سمجھاتا ہے
کوئی یار سے جب لگاتا ہے دل — تو باتوں سے لذت اٹھاتا ہے دل
کہ دلدار کی بات ہے اک غذا — مگر تو ہے منکر مجھے اس سے کیا

وہ ہے مہربان و کریم و قدیر
قسم اس کی۔ اس کی نہیں ہے نظیر

حضرت (بانئ سلسلہ احمدیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبری

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد
ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردیگا
الہام حضرت مسیح موعود

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ۔۔ روپے
بیرونی ممالک سے ۔۔ پونڈ علاوہ محصول ڈاک

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۸۳۷

جلد: ۶۸ | یوم چہارشنبہ یکم رجب المرجب ۱۴۰۱ھ بمطابق ۶ مئی ۱۹۸۱ سنہ | شمارہ ۱۸

حضرت مجدد صد چہاردہم

اسلام چیز کیا ہے؟ خدا کے لئے فنا

عاشق جو ہیں وہ یار کو مر مر کے پاتے ہیں — جب مر گئے تو اس کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔
ناپاک زندگی ہے جو دوری میں کٹ گئی۔ — دیوار زاہدِ خشک کی آخر کو پھٹ گئی۔
وہ دور ہیں خدا سے جو تقوے سے دور ہیں — ہر دم اسیر نخوت و کبر و غرور ہیں
تقوے یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو — کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو
اس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو — اس یار کے لئے رہ عشرت کو چھوڑ دو
لعنت کی ہے یہ راہ، رہ لعنت کو چھوڑ دو — ورنہ خیالِ حضرتِ عزت کو چھوڑ دو
تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول — تا تم پہ ہو ملائکۂ عرش کا نزول
اسلام چیز کیا ہے؟ خدا کے لئے فنا — ترکِ رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا
جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات — اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات
اے کرم خاک چھوڑ دے کبر و غرور کو — زیبا ہے کبر حضرتِ ربِ غیور کو
بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں — شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں

تقوے کی جڑ خدا کے لئے خاکساری ہے
عفت جو شرطِ دین ہے وہ تقوے میں ساری ہے

از:- حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نبی کریم صلعم کے

آدابِ ملاقات

مسلمانوں میں آج کس قدر کم لوگ ہیں جو اس کا علم رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اخلاقِ فاضلہ کیا تھے۔ دوستوں سے ملنے جلنے اور بات چیت کرنے کا طریق کیا تھا لہٰذا آدابِ ملاقات کے متعلق چند کلمات عرض کرنا چاہتا ہوں تا ہمارے احباب اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا معمول تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ کرتے (ہمارے وہ متمول مسلمان غور کریں جو ہمیشہ دُوسروں سے سلام کے متوقع رہتے ہیں) کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود ہاتھ نہ چھوڑتا آپ اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ کوئی شخص جھک کر کوئی بات کان میں کہتا تو آپ اس وقت تک اس کی طرف سے رُخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود اپنا منہ نہ ہٹالے۔ آپؐ کسی کے گھر پر تشریف لے جاتے تو دروازہ کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے عین سامنے نہ کھڑے ہوتے۔ اور السّلام علیکم کہہ کر اذن طلب کرتے۔ اگر صاحب خانہ اذن نہ دیتا تو لوٹ آتے چنانچہ ایک دن حضور سعد بن عبادہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور باہر کھڑے ہو کر اذن طلبی کے لئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا۔ سعد نے اس طرح آہستہ سلام کا جواب دیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے نہیں سُنا۔ حضرت سعد کے فرزند قیس بن سعد نے کہا کہ آپ رسول اللہ کو اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے۔ حضرت سعد نے کہا چپ رہو رسول اللہ بار بار سلام کریں گے تو ہمارے لئے برکت کا باعث ہوگا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوبارہ السّلام علیکم کہا اور سعد نے پھر اسی طرح جواب دیا۔ آنحضرت صلعم نے تیسری دفعہ پھر اسی طریقہ سے اذن طلب کیا اور جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ واپس چلے۔ حضرت سعد رضؓ نے جب آپؐ کو جاتے دیکھا تو دوڑ کر گئے اور عرض کی کہ میں آپؐ کا سلام سن رہا تھا۔ لیکن آہستہ جواب دیتا تھا کہ آپ بار بار سلام فرمادیں۔ آپ واپس تشریف لے آئے اور اُن کے لئے بہت خیر و برکت کی دعا کی۔ کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو ممتاز مقام پر بیٹھنے سے پرہیز فرماتے۔ ایک بار آپ عبداللہ ابن عمر کے مکان پر تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ کے بیٹھنے کے لئے چمڑے کا ایک گدّا ڈال دیا لیکن آپ زمین پر بیٹھ گئے۔ اور گدّا آنحضرت صلعم اور اُن کے درمیان پڑا رہا۔ مجلس میں بیٹھتے تو آپؐ کے زانو کبھی ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔ جس طرح آپ خود کسی سے ملنے جاتے تو اجازت مانگتے اسی طرح آپؐ سے جو شخص ملنے آتا اسے بھی یہی تعلیم تھی کہ سلام کر کے اجازت لے کر آوے۔ ایک دفعہ بنو عامر کا ایک شخص آیا اور دروازے پر کھڑا ہو کر پکارا کہ اندر آسکتا ہوں۔ آپؐ نے صحابہ رضؓ کو فرمایا کہ جا کر ان کو اجازت طلبی کا طریق سکھا دو۔ یعنے پہلے سلام علیک کرے۔ پھر اجازت مانگے۔ آپ مجلس میں کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے۔ جو بات ناپسند ہوتی اس سے تغافل فرماتے۔ اور ٹال جاتے۔ کوئی شخص شکریہ ادا کرتا تو آپ لے اگر واقعی اس کا کوئی کام انجام دیا ہوتا تو شکریہ قبول فرماتے۔ مجلس میں جس قسم کا ذکر چھڑ جاتا آپ اس میں شامل ہو جاتے اور مہذب ظرافت میں بھی شریک ہوتے۔ خود بھی کبھی مذاقیہ باتیں فرماتے۔ کسی قبیلہ کا کوئی معزز شخص آجاتا تو حسبِ مرتبہ اس کی تعظیم کرتے۔ اور فرماتے اکرموا کریم کل قوم یعنی ہر ایک قوم کے معزز لوگوں کی عزّت کیا کرو لیکن اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ ایک شخص تو بیٹھا ہے اور دوسرے سب تعظیماً اس کے لئے کھڑے رہیں۔ کوئی شخص ملنے آتا تو آپ اس سے ضرور پوچھ لیتے کہ اسے کوئی ضرورت اور احتیاج تو نہیں ہے۔ اگر ہوتا اس کی امداد کی جائے۔ صحابہ سے بھی فرمایا کرتے کہ جو لوگ مطالب مجھ تک نہیں پہنچا سکتے مجھ کو اُن کے حالات اور ضروریات کی خبر دو۔ لیکن آپ بلاوجہ سوال کرنے کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے۔ یہاں تک فرمایا کہ سوال نہ کرو۔ اگرچہ اپنے باپ ہی سے کیوں نہ ہو۔ ایک دفعہ حکیم بن حزام ایک صحابی نے آپ سے کچھ مانگا۔ آپ نے خلوت میں انہیں جو مانگا تھا سو دیا۔ لیکن ساتھ ہی ایک نصیحت کی کہ جو ہاتھ اُوپر ہوتا ہے (لینے دینے والا) وہ اس ہاتھ سے بہتر ہے جو نیچے ہے (لینے لینے والا ہاتھ) اس نصیحت کا ایسا اثر حضرت حکیمؓ بن حزام پر ہوا کہ اس کے بعد تمام عمر کسی سے سوال نہیں کیا۔ جب کوئی شخص ملنے آتا تو آپ اس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے۔ مجلس نبوی میں جگہ بہت کم ہوتی تھی۔ جو لوگ پہلے سے آکر بیٹھ جاتے ان کے بعد جگہ نہ رہتی تھی۔ ایسے موقعہ پر اگر کوئی آجاتا تو اس کے لئے اپنی ردائے مبارک بچھا دیتے تھے۔ ایک دفعہ مجلس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تشریف فرما تھے اور اپنے ہاتھ سے لوگوں کو گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک عورت آئی اور آپؐ کے پاس چلی گئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیکھا تو اس کی نہایت تعظیم کی اور اپنی چادر مبارک اس کے لئے بچھا دی۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ عورت کون تھی تو لوگوں نے کہا کہ یہ حضورؐ کی رضاعی ماں تھی۔ اسی طرح ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلعم تشریف فرما تھے کہ آپؐ کے رضاعی والد آئے آپؐ نے اُن کے لئے چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا۔ پھر رضاعی ماں آئیں۔ آپؐ نے دُوسرا گوشہ بچھا دیا۔ آخر میں رضاعی بھائی آئے تو اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا۔ کسی کی کوئی بات بُری معلوم ہوتی تو مجلس میں نام لیکر اس کا ذکر نہیں فرماتے تھے بلکہ عمومیت کے رنگ میں فرماتے تھے مثلاً یوں فرماتے۔ کہ لوگ ایسا کرتے ہیں۔ لوگ ایسا کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہے۔ یہ طریقۂ ابہام اس لئے اختیار فرماتے تھے کہ شخص مذکور کی ذلّت نہ ہو اور اس کے احساس غیرت میں کمی نہ آئے۔ آپؐ نے اس بات کو منع فرمایا تھا کہ آپؐ کے سامنے ... کسی کے عیب یا کمزوری کا ذکر کیا جائے۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں چاہتا ہوں کہ اس دُنیا سے سب کی طرف سے دل صاف لے کر جاؤں۔

محبّت کیا چیز ہے؟

"جاننا چاہیئے کہ محبّت کوئی تصنّع اور تکلّف کا نام نہیں بلکہ انسانی قوٰی میں سے یہ بھی ایک قوت ہے اور اسکی حقیقت یہ ہے کہ دل کا ایک چیز کو پسند کر کے اسکی طرف کھینچے جانا۔ اور جیسا کہ ہر ایک چیز کے اصل خواص اسکے کمال کیوقت بدیہی طور پر محسوس ہوتے ہیں۔ یہی محبّت کا حال ہے کہ اس کے جوہر بھی اسوقت کھلے کھلے ظاہر ہوتے ہیں کہ جب اتم اور اکمل درجہ تک پہنچ جائے - - - - - - جو شخص خدا سے محبت کرتا ہے وہ ظلّی طور پر بقدر اپنی استعداد کے اس نور کو حاصل کر لیتا ہے جو خدا تعالےٰ کی ذات میں ہے۔" (نور القرآن)

شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالرحمٰن بیصار نے بادشاہی مسجد لاہور سے ملحقہ علماء اکیڈمی میں علماء اور مذہبی سکالروں کے ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے تین بڑی فکر انگیز اور غور طلب باتیں کہی ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ:۔

۱۔ اسلام (مادیت) کے برعکس وجدانی اقدار اور تصورات پر زور دیتا ہے جس میں انسان کی تمام روحانی اور دنیوی ضرورتوں کا جواز موجود ہے۔

۲۔ پاکستان اور دوسرے ممالک کے علماء کو دنیا کے تمام حصوں میں تبلیغ اسلام میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

۳۔ مبلّغین اسلام کو چاہیئے کہ وہ نظریہ اسلام کو ایسے جامع انداز میں پیش کریں کہ غیر مسلموں کو اس بارے میں کوئی ابہام باقی نہ رہے اور وہ قرآن کریم کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔

جن ممالک میں مسلمانوں کو اسلام پیش کرنے میں دقتیں پیش آ رہی ہیں انہیں ہم چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:۔

۱۔ اشتراکی ممالک مثلاً روس۔ چین اور مشرقی یورپ کے ممالک جو روس کے زیر اثر ہیں۔
۲۔ عیسائی ممالک مثلاً مغربی یورپ شمالی اور جنوبی امریکہ۔ یو۔ کے وغیرہ۔
۳۔ یہودی ملک یعنی فلسطین جہاں اسرائیلی سٹیٹ قائم ہوئی اور
۴۔ بت پرست یا مشرکین کا ملک یعنی ہندوستان بمع ان ممالک کے جہاں بدھ مت رائج ہے۔ ان کے علاوہ افریقہ ایک ایسا براعظم ہے جہاں یا تو کوئی مذہب نہیں اور یا مسلمان اور عیسائی ہیں، کہیں مسلمان کثرت سے ہیں اور کہیں عیسائی۔

اس وقت اسلام کا مقابلہ زیادہ تر اشتراکیت اور عیسائیت سے ہے۔ اشتراکی ممالک میں تبلیغ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خدا کی ہستی سے کلیتاً انکار ہے۔ اشتراکی فلسفہ کی بنیاد ہی یہ ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق اور مالک نہیں۔ یہ کائنات مادہ کی پے در پے تبدیلیوں کی وجہ سے وجود میں آئی اور اب بھی اس میں جو تبدیلیاں وقتاً فوقتاً واقع ہوتی رہتی ہیں وہ بھی مادہ کے اندر موجود مختلف قوتوں کے آپس میں تصادم اور جوڑ توڑ سے پیدا ہوتی ہیں۔ کسی مافوق البشر ہستی کا تصور جس کے ہاتھ میں کائنات کا سارا نظام ہے بورژوائی تصوّر ہے۔ جو پرولتاریوں کے استحصال کے لئے پیش کیا جاتا رہا ہے۔ مذہب جس کی بنیاد خدا کی ہستی پر ہے افیون ہے جو عوام کو اس لئے کھلائی جاتی ہے کہ وہ اس کے نشے میں سرشار رہیں۔ ان میں اپنے حقوق کا شعور پیدا نہ ہو۔ اور وہ جانوروں کی طرح برسر اقتدار اور مفاد پرست طبقہ کی ذلیل سے ذلیل خواہشات کی تکمیل کو اپنا ایسا فرض سمجھیں جو ان پر خدا کی طرف سے عائد کیا گیا ہے۔ اور کیوں وہ حیوان کی سطح سے بلند نہ ہو سکیں۔ علامہ اقبال مرحوم نے اس کا اظہار اپنے ایک شعر میں ایک مختلف انداز میں اس طرح کیا ہے:۔ ؎

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم گر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

موجودہ اشتراکی روس کے بانی لینن نے ۲ر اکتوبر ۱۹۲۰ء کو روس کے اشتراکی نوجوانوں کی لیگ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:۔

"بورژوا ہمیں اکثر یہ الزام دیتے ہیں کہ ہم اشتراکی اخلاقیات کے منکر ہیں۔ یہ ان کا ذہنوں میں انتشار پیدا کرنے اور بات کو الجھا کر پیش کر کے مزدوروں اور کسانوں کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کا فریب کارانہ انداز ہے۔ ہم اس اخلاقی فلسفہ سے انکاری ہیں جس کی بنیاد بورژوا خدا کے احکام پر رکھتے ہیں۔ اس نقطہ [illegible] انہیں بے وقوف بنانا ہے۔"

جاگیرداروں۔ صنعت کاروں اور پادریوں کی مذہب کے نام پر لوٹ کھسوٹ اور مظالم نے تین خداؤں کے ماننے والے کٹر عیسائی ملک کو خدا سے بیزار کر کے اسے دہریہ بنا دیا۔ اور یہی کچھ فرانس میں بھی اس سے قبل ہوا۔ ایک عمل کا ہمیشہ ردعمل ہوتا ہے اور جب انسان انتہائی مایوسی کا شکار ہو جائے تو یہ ردعمل بھی انتہائی شدید ہوتا ہے۔ اور خودکشی پر منتج ہوتا ہے۔ خدا کی ہستی سے انکار بھی اسی قسم کی مایوسی کا نتیجہ تھا۔ جو مذہبی خودکشی پر منتج ہوا۔

اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے ان اشتراکی دہریہ ممالک کے سامنے خدا کا حقیقی تصوّر پیش کرنے کی ضرورت ہے جو اخلاقیات اور روحانیات کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ یہ تصور دو طرح پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایک عقلی دلائل اور فلسفیانہ بحثوں کے ذریعے اور دوسرا اللہ تعالےٰ کے مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعے۔ جو لوگ عقل کے لحاظ سے اس نقطہ عروج پر ہیں کہ ستاروں اور سیاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں انہیں عقلی دلائل سے قائل کرنا ممکن نہیں کیونکہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ تم جو ہمیں عقلی دلائل دیتے ہو اور خدا اور مذہب کے بھی قائل ہو ذرا اپنی اخلاقی۔ روحانی اور مادی حالت پر بھی غور کرو کہ تم کس مقام پر ہو۔ اور ہم جو خدا کے منکر اور کسی قسم کے مذہب سے انکاری ہیں تمہارے مقابلے میں کم از کم مادی لحاظ سے اتنے ترقی یافتہ ہیں کہ ہماری تمہاری کوئی نسبت ہی نہیں۔ کیا ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب نہیں کہ مذہب کی وجہ سے تمہاری یہ حالت ہے جیسی ہماری آج سے ساٹھ ستر سال پہلے تھی اور جب سے تم نے مذہب اور خدا سے پیچھا چھڑایا ہے ہمارا قدم آگے ہی بڑھتا رہا ہے۔ اور آج ہم ایک سُپر پاور ہیں جس کے دانت اسلامی ممالک کی گردن میں پیوست ہو چکے ہیں۔ ہم خدا کا مشاہدہ اور تجربہ چاہتے ہیں۔ ہم اسے اپنی زندگیوں میں اس طرح محسوس کرنا چاہتے ہیں جیسے کہ وہ ہر قدم پر ہمارے ساتھ ساتھ رہتا اور ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اُس نے بندوں کے درمیان کوئی تفریق روا نہیں رکھی وہ صلح۔ امن۔ پیار۔ محبت اور ایک دوسرے سے ہمدردی کا پیغام دیتا ہے۔ وہ نسلِ انسانی کو طبقات میں بانٹ کر ان میں نفرت پیدا نہیں کرتا وہ ایک انسان کو دوسرے انسان کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ ہر انسان کی کوشش اور سعی کو پھل لگاتا ہے چاہے وہ اسے مانتا ہو یا نہ مانتا ہو۔ وہ رب العالمین ہے کسی ایک قوم کا رب نہیں۔ دیکھو تمہارے اپنے قرآن میں ہے کہ:۔

"سنو! اللہ کے دوستوں (اولیاء اللہ) پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔ جو ایمان لائے اور تقوٰی کرتے تھے۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارتیں ہیں اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔ (یونس ۶۲ تا ۶۴)

اس کے علاوہ یہ بھی تو ہے کہ:۔

"جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اس کی راہ میں استقامت اختیار کئے رکھتے ہیں اُن پر فرشتے اُترتے ہیں کہ تم نہ ڈرو نہ غم گین رہو اور اس جنت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ہم دنیا کی زندگی اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے لئے اس میں سب کچھ ہے جو تمہارے دل چاہیں اور تمہارے لئے اس میں وہ سب کچھ ہے جو تم مانگو۔ تمہاری یہ مہمانی بخشنے والے رحم کرنے والے کی طرف سے ہے۔" (حم السجدہ ۳۰ تا ۳۲)

تمہارے قرآن میں یہ بھی ہے کہ:۔

"وہ فرشتوں کو روح (وحی) کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اتارتا ہے۔ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو میرا تقوٰی اختیار کرو۔"

(النحل: ۲)

ایک دوسرے مقام پر ہے کہ:۔

"(اللہ) درجوں کا بلند کرنے والا صاحب عرش ہے۔ وہ رُوح (وحی) کو اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے ڈالتا ہے تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔" (المؤمن: ۱۵)

کیا تم ہمارے سامنے کوئی ایسا انسان پیش کر سکتے ہو جو ولی اللہ ہو۔ جس کو اس زندگی میں بشارتیں ملی ہوں۔ جس پر فرشتے اترے ہوں یا اترتے ہوں۔ جس پر فرشتوں کے ذریعے وحی اتری ہو اور جس نے اپنے مشاہدہ اور تجربہ سے خدا کو دکھا دیا ہو۔ اگر نہیں تو پھر:۔

"خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے اقرار کرے۔

خود ہی کہے کہ مجھے پکارو اور میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا اور پکارنے والے مضطر کو اپنے دروازے سے مایوس لوٹا دے اس کی حیثیت تو ایک پتھر کے بت اور سامری کے بچھڑے سے بڑھ کر نہیں رہتی جو نہ سن سکتا ہے۔ نہ جواب دے سکتا ہے۔ نہ مصائب و مشکلات میں کسی قسم کی مدد کر سکتا ہے۔ ایسے خدا کو ماننے سے کیا حاصل۔

یہ بالکل واضح ہے کہ مسلمان مبلغین کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں کیونکہ ان کی اپنی زندگیاں خدانما نہیں اور بدقسمتی سے مسلمانوں میں خود ایسی تحریکیں سر اُٹھا رہی ہیں جو یہ تبلیغ کر رہی ہیں کہ خدا اب بالکل خاموش ہے۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے:۔

"تمت کلمۃ ربک صدقا و عدلا"

کہ تیرے رب کی باتیں ختم ہو گئیں۔ اور آیت کے سیاق و سباق کو نہیں دیکھا جاتا۔ یہ بات بھی اشتراکیوں کے حق میں جاتی ہے۔ اسلام کی تبلیغ کی راہ میں خود مسلمان رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں۔ مخالفین سے کیا شکوہ۔

بقول شیخ الازہر اسلام مادیت کے برعکس اگر وجدانی اقدار اور تصورات پر زور دیتا ہے اور اس میں مادی ضرورتوں کے علاوہ روحانی ضرورتوں کا جواز بھی موجود ہے۔ تو وہ اشارہ اور کنایہ میں یہ بات کہہ گئے ہیں کہ:۔

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم   اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

کیونکہ جس طرح دنیوی مادی ضروریات کو حاصل کرنے کے لئے اسباب کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بھی کچھ اسباب چاہئیں۔ اور وہ اسباب ہیں خدا سے تعلق اور آسمانی روشنی اور اس کا لازمی نتیجہ ہے اللہ تعالےٰ سے شرف ہمکلامی پانا ہے۔ یہی ایک محکم دلیل ہے جو دہریہ کو خدا کی طرف واپس لا سکتی ہے۔ مسلمان آج کسی ایک انسان کی مثال پیش نہیں کر سکتے۔ جس کا یہ دعوٰے ہو کہ وہ اپنے وجود سے زندہ خدا کی شہادت دے سکتا ہے۔ ہاں ایک انسان ۱۸۸۳ء سے ۱۹۰۸ء تک چیختا چلاتا اور اعلان پر اعلان کرتا اور ساری دنیا کو چیلنج کرتا رہا کہ:۔

"اب اگر عیسائیوں میں کوئی طالب حق ہے (روس بھی اسوقت عیسائی تھا) یا ہندوؤں اور آریوں میں سے سچائی کا متلاشی ہے تو وہ میدان میں نکلے اور اگر اپنے مذہب کو سچا سمجھتا ہے تو بالمقابل نشان دکھلانے کے لئے کھڑا ہو جائے لیکن میں پیشگوئی کرتا ہوں کہ ہرگز ایسا نہ ہوگا ۔۔۔۔۔ کیونکہ ان کا مذہب مردہ ہے اور کوئی ان کے لئے زندہ فیض رساں موجود نہیں جس سے وہ روحانی فیض پا سکیں اور نشانوں کے ساتھ چمکتی ہوئی زندگی حاصل کر سکیں۔ اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو اور اے تمام وہ انسانی روحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو! میں پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے۔ اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے جس کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے کہ اس کی پیروی اور محبت سے ہم روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۱۱، ۱۲)

لیکن افسوس ہے کہ اُسے اور اس کے ماننے والوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا گیا۔

"اشتراکی ممالک میں تبلیغ اسلام کی راہ میں رکاوٹ اس وقت تک دور نہ ہوگی جب تک مسلمان مبلغین اپنے وجود سے زندہ خدا، زندہ رسولؐ اور زندہ کتاب پر شہادت نہ دیں گے۔ اور ایسے نشان نہ دکھائیں گے جو انسانی تصرف سے باہر ہوں اور ان میں اللہ تعالےٰ کی تائید شامل ہو۔ کیا کوئی ہے جو یہ دعوٰی کر سکے؟ اللہ تعالےٰ کی نہاں در نہاں ہستی پر ایمان پیدا کرنے کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں کہ وہ اپنے کسی بندے پر غیب کی باتیں۔ پوشیدہ واقعات، آئندہ زمانے کی خبریں اور ایسے اسرار ظاہر کرے جن کا دریافت کرنا انسانی طاقتوں سے بالاتر ہو۔ کیونکہ وہی عالم الغیب ہے اور جب چاہے اور جس پر چاہے غیب کی باتیں ظاہر کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ محض وعظ و نصیحت۔ اسلام کی خوبیاں اور اس کے زریں اصول بیان کرنے سے اسلام کے لئے کشش پیدا نہیں کی جا سکتی کیونکہ جو اصول عمل کی تائید سے محروم ہوں وہ غیر مؤثر اور ناقابل پذیرائی ہوتے ہیں۔ معترض کہہ سکتا ہے کہ اگر اسلام کے اصول اتنے عمدہ اور کامیابی کے ضامن ہیں تو تمہاری اپنی حالت کیوں ایسی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:

"کہ تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔"

اور سورۃ الصف ۳ کے الفاظ ہیں:۔

"یا ایہا الذین امنوا لم تقولون ما تفعلون"

"اے مومنو! تم وہ بات کہتے ہی کیوں ہو جس پر تمہارا اپنا عمل نہیں۔"

لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اور اس پر اپنا عمل نہ ہونا تبلیغ اسلام کی راہ میں بھاری رکاوٹ ہے۔ مسیحی دنیا میں تبلیغ اسلام کی راہ میں مسلمانوں کے بعض اپنے عقائد بھی بھاری روک ہیں عیسائیت کی بنیاد تثلیث اور کفارہ پر ہے۔ ایک طرف تو وہ تین خداؤں۔ خدا باپ۔ خدا بیٹا اور رُوح القدس پر ایمان رکھتے ہیں اور دوسری طرف ان کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا باپ نے نسل انسانی کو گناہوں سے نجات دینے کے لئے اپنے پیارے بیٹے یسوع مسیح کو مصلوب کرا دیا۔ اور یہ دونوں باتیں حضرت مسیحؑ کی اپنی تعلیم کے بالکل برخلاف ہیں۔ اور جب تک ان من گھڑت عقائد کو باطل ثابت نہ کیا جائے اسوقت تک عیسائی دنیا کا رُخ اسلام کی طرف نہیں موڑا جا سکتا۔

ان عقائد کا باطل ہونا اسی وقت ثابت ہو سکتا ہے جب قرآن کریم اور انجیل کی روشنی میں یہ ثابت کیا جائے کہ حضرت مسیحؑ قانونِ قدرت کے مطابق عام انسانوں کی طرح پیدا ہوئے۔ دیگر انبیاء کی طرح اسی زمین پر تبلیغ و اشاعت میں اپنی زندگی گزاری اور انہی کی طرح طبعی موت مر گئے لیکن مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے یعنی عیسائیوں کا انہیں خدا کا بیٹا کہنا درست ہے اور اس لحاظ سے ان میں خدائی صفات پائی جاتی ہیں۔ وہ عیسائیوں کی طرح حضرت مسیحؑ کے کفارہ کے تو قائل نہیں لیکن قرآن کریم کی اس آیت کے مطابق کہ:۔

"بل رفعہ اللہ الیہ"

ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح نہ تو قتل ہوئے اور نہ صلیب پر فوت ہوئے بلکہ اللہ تعالےٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور چونکہ احادیث کے مطابق وہ قیامت کے نزدیک نازل ہوں گے (جس کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں کہ کب واقع ہو گی) اس لئے اسوقت تک وہ بغیر کسی تغیر و تبدل کے آسمانی ماحول میں زندہ رہیں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی حیی و قیوم کی جو صفت ہے وہ حضرت عیسےٰ میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور وہ صفات الوہیت سے متصف ہیں۔ مسیحی بھی یہ مانتے ہیں کہ ان کے یسوع مسیح ان کے نجات دہندہ بن کر دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ وہی مسیح یا عیسٰی جو یہودیوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے ان کا نجات دہندہ بن کر دوبارہ آسمان سے نازل ہوں گے مسلمانوں کے بعض

[illegible] ذان دیتے اور وہ فضاؤں میں اُڑنے پھرنے لگتے وغیرہ۔

غرضیکہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے عقائد میں یہ اشتراک عیسائی ممالک میں تبلیغ اسلام کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے

آج عیسائی محققین خود یہ تسلیم کرنے لگے ہیں کہ یسوع مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ جرمن محقق کرٹ برا کی کتاب "JESUS DIDNOT DIEON THECROSS" یعنی یسوع مسیح مصلوب نہیں ہوئے اس پر گواہ ... ہے۔

"تبلیغ اسلام کی راہ میں ایک اور مشکل مسلمانوں کی آپس میں تفرقہ بازی بھی ہے۔ انگلستان میں ایک مسجد میں مسلمانوں کے دو گروہوں میں جب جوتیوں میں دال بٹی تو امن قائم کرنے کے لئے برطانوی پولیس کو مداخلت کرنا پڑی اور مسجد کو قفل لگا دیا گیا"

الشیخ الازہر نے جو یہ فرمایا ہے کہ :-

"مبلغین اسلام کو چاہیئے کہ وہ نظریہ اسلام کو ایسے جامع انداز میں پیش کریں کہ غیر مسلموں کو اس بارے میں کوئی ابہام نہ ہے اور وہ قرآن کریم کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔"

اس کا اشارہ بھی مسلمانوں کے آپس کے انتشار، تفرقہ اور اسلام کے متعلق مختلف انداز فکر اور ان کی اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کی طرف ہے جس میں کوئی دوسرا مسلمان نہیں سما سکتا۔ اسی سے غیر مسلموں کو اسلام کے بارے میں ابہام ہے۔ کہ آخر اسلام کیا ہے۔ جامع اور اجتماعی انداز فکر اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب ارباباً من دون اللہ کی کورانہ تقلید کو ترک کر کے قرآن کریم کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر پہلے خود چل کر نمونہ قائم کیا جائے اور قرآن کریم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بتائی ہوئی مسلمان کی تعریف کے مطابق ہر اس شخص کو مسلمان سمجھا جائے جو اس کے نیچے آتا ہو۔ اور اختلاف رائے کو قرآنی تعلیم کی روشنی میں دور کیا جائے۔

حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر مسلمان اگر سیاسی لحاظ سے متحد بھی ہو جائیں جس کا امکان زمانہ قریب میں تو نظر نہیں آتا تب بھی یہ اتحاد اس وقت تک عارضی اور وقتی مصلحت کے تحت ہوگا جب تک اس اتحاد کی اصلی حقیقی، ٹھوس اور مضبوط محکم بنیاد حبل اللہ یعنی قرآن پر اس کی بنیاد نہ رکھی جائے۔ کیونکہ اس میں مسلمانوں کی ساری مشکلات کا حل ہے۔ ورنہ مسلمانوں کا کوئی خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔

چاہر طرف سے یہ آواز تو اٹھ رہی ہے کہ ہماری نجات قرآن و سنت پر عمل کرنے میں ہے لیکن اس کی عملی صورت کسی طرف سے پیش نہیں کی جاتی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ زندہ خدا پر زندہ ایمان نہیں اور خشک مواعظ

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے
اس پر ہر اک نظر ہے بدر الدجیٰ یہی ہے
پہلے تو راہ میں ہارے پار اس نے ہیں اُتارے
میں جاؤں اس کے وارے بس ناخدا یہی ہے

اخبارِ احمدیہ

- حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدر الدین صاحب ایدہ اللہ تعالےٰ خیریت سے ہیں احباب سلسلہ ان کی خیریت اور درازیٔ عمر کے لئے دُعا فرماتے رہیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی کی صحت خدا تعالےٰ کے فضل سے اچھی ہے اور آپ دینی کاموں میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ احباب کرام اس نمونہ اسلام و احمدیت اور سراپا شفقت وجود کی صحت و سلامتی اور درازیٔ عمر کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

شکریہ احباب

- مکرم چوہدری مسعود اختر صاحب امریکہ سے اطلاع دیتے ہیں کہ اب ان کی صحت بفضلہ تعالےٰ اچھی ہے۔ وہ ان تمام دوستوں کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے ان کی صحت کے لئے دعائیں کیں۔ چوہدری صاحب موصوف جماعت کے ایک سرگرم اور فعال رکن ہیں۔ آپ جہاں بھی ہوں اپنا دینی و جماعتی فریضہ ادا کرتے رہتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کے فضل سے یہ سب بہن بھائی خدمت دین میں سرگرم عمل رہتے ہیں (آپ پچھلے دنوں علیل ہو گئے تھے۔)

رابطہ اجلاس

۲۴ اپریل ۱۹۸۱ء کو مسجد احمدیہ مسلم ٹاؤن میں مقامی جماعت کا رابطہ اجلاس ہوا۔ جو خاصہ بارونق تھا۔ اس کی میزبانی کے فرائض خان رشید احمد خاں صاحب (خلف الرشید شاعر احمدیت خان مرتضےٰ خان حسن مرحوم) نے بڑی خوش اسلوبی سے ادا کئے۔ اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر دے۔ اور اپنے والد نامدار کی جملہ خوبیوں کا وارث بنائے۔

احباب کرام ۲۹ مئی (بروز جمعۃ المبارک) کو یاد رکھیں

۲۹ مئی ۱۹۸۱ء کو مسجد احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس میں حضرت مجدد صد چہاردھم کا (بعد از نماز جمعہ) یوم وصال منایا جا رہا ہے جس میں چودہویں صدی کے اس عظیم خادم اسلام کو خراجِ عقیدت پیش کیا جائے گا جس نے اپنے علم کلام اور خدا کی نصرت کے ذریعے دیگر تمام مذاہب پر اسلام کی برتری اور بالادستی ثابت کر دی۔

تمام دوست اس تقریب میں شرکت کے لئے اپنے عزیز و اقارب اور بچوں کو بھی ہمراہ لائیں۔

(ادارہ)

الٰہی جماعتوں میں نوجوانوں کا کردار

تقریر کیپٹن ڈاکٹر جمیل الرحمٰن، صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ ۔ بموقع جلسہ سالانہ ۱۹۸۰ء

انفروا خفافاً و ثقالاً وجاهدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذٰلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ٥

فرح المخلفون بمقعدھم فی سبیل اللہ وقالوا لا تنفروا فی الحر

قل نار جھنم اشد حرًّا ۚ لو کانوا یفقھون ٥ ....

"خدا کی راہ میں پیچھے بیٹھ جانے والے خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گرمی میں مت نکلو۔ کہہ دیجیئے کہ جہنم کی آگ زیادہ گرم ہے۔ اگر وہ سمجھتے ۔ پس انہیں تھوڑا ہنسنا اور زیادہ رونا چاہیئے تھا۔ یہ بدلہ ہے اُس کا جو انہوں نے کیا۔ پس خدا آپ کو ان میں سے کسی گروہ کی طرف لوٹائے اور آپ سے خروج کی اجازت مانگیں تو کہہ دیجیئے کہ تم کبھی میرے ساتھ نہ نکلو گے اور نہ میرے ساتھ دشمن سے لڑو گے۔ یقیناً تم پہلی مرتبہ پیچھے رہنے پر راضی ہوئے پس پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اور ان کے مرجانے پر ان کے لئے ہرگز نماز نہ پڑھیئے اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں اور یقیناً ان لوگوں نے خدا اور رسولؐ کے حکم سے انکار کیا اور مر گئے اور فاسقوں میں تھے ۔"

خداوند عزوجل کی منشاء تخلیق آدم سے یہ تھی کہ وہ انسانوں کو کمال کے اس اعلیٰ درجہ تک پہنچائے جہاں وہ مسجودِ ملائک بن جائے۔ اس غرض کے لئے اس نے اپنے رسولوں کے ذریعے اس کی راہنمائی کی جو لوگ اس کی بتائی ہوئی راہوں پر چلے وہ خدا کی جماعت کہلائے۔ ارتقاءِ انسانی کی یہ منزلیں طے ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے اپنا آخری اور مکمل قانون نافذ کرنا مناسب سمجھا جو لوگ اس قانون کی پیروی کرتے اور کراتے رہے ہیں وہی خدا کی جماعت ہیں۔

حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسےٰ تک ہر نبی کے ساتھ ایک ایسی ہی جماعت رہی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نسلِ انسانی کی فلاح کے لئے شریعت کو پھیلایا۔ آخر میں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ بھی ایک ایسی ہی جماعت تھی۔ جس نے دنیا کے کناروں تک اللہ کی شریعت کو پھیلا دیا۔ لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ سابقہ امتوں کی طرح امتِ محمدیہ میں بھی رفتہ رفتہ شریعت اور اس کے احکام اور عقائد کی حقیقی صورت آنکھوں سے اوجھل کی جانے لگی۔ یہاں تک کہ ان غلط عقائد کی بنا پر شریعت کے وجود کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ اسلام کی صحیح تعلیم کو ہر دور میں قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے ایک سلسلۂ مجددین قائم فرمایا جنہوں نے اپنی اپنی صدی میں یہ خدمت سرانجام دی۔ اسی سلسلہ کی کڑی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مجددِ صدِ چہاردہم ہیں۔ جنہیں اللہ تعالےٰ نے چودہویں صدی میں بپا ہونے والے دجال اور یاجوج ماجوج کے عظیم فتنوں کا قلع قمع کر کے اسلام کو تمام دینوں پر غالب کر کے دکھانے کے لئے مبعوث فرمایا اور اسلام میں پھیلائی گئی سب غلط فہمیاں اور بدعقیدگیاں دور کر کے شریعتِ اسلامی کی اصل صورت دکھانے کے لئے بھیجا۔ آپ کا پیغام مہر و محبت اور صلح و آشتی کا پیغام تھا۔ اس اہم لیکن محنت طلب کام کے لئے خدا نے آپ کو ایک جماعت عطا فرمائی۔ یہی جماعت آج خدا کا منشاء پورا کرنے والی الٰہی جماعت ہے اور جیسا کہ پیشگوئیوں سے ظاہر ہے کہ یہ جماعت زمین پر خدا کی آخری جماعت ہے اس لئے ہر پیر و جوان احمدی مرد اور عورت پر خواہ وہ کسی قوم اور ملک سے تعلق رکھتا یا رکھتی ہو فرض ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے اور دین کو دنیا پر مقدم رکھتے ہوئے اللہ تعالےٰ کے مشن کو پورا کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرے لیکن نوجوانوں پر یہ ذمہ داری بقدرِ اولیٰ عائد ہوتی ہے۔

جناب نصیر احمد فاروقی صاحب نے گذشتہ سال ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ میں محترم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب اور دوسرے معمر دوست، سب نوجوان ہیں۔ یہ بالکل درست ہیں۔ پشتو میں کہا کرتے ہیں۔ کہ جوانی کا تعلق دل سے ہوتا ہے جسم بوڑھا ہو جائے لیکن دل بوڑھا نہ ہونے پائے ۔ ہمارے بزرگوں کا یہ جذبہ قابلِ ستائش اور تقلید ہے ۔ یہ خدمت دین کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ۔ خدا ان کا حامی و ناصر ہو اور انہیں کامیاب فرمائے ۔ آمین !

میں اس لحاظ سے نوجوان اور معمر لوگوں میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ حدیث میں ہے کہ جنت میں سب نوجوان ہوں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر احمدی نوجوان ہے اور عمر کی بیشی اس کے فرائض کو کم و بیش نہیں کرتی۔ البتہ ایک پہلو سے نوجوان اور عمر رسیدہ بزرگوں میں فرق پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ وسیع تجربہ اور علم رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی ذمہ داریوں میں بھی فرق پیدا ہو جاتا ہے اپنے علم اور تجربہ کی بنا پر بزرگوں کو نوجوانوں کے لئے قیادت اور راہنمائی کا فرض انجام دینا ہوتا ہے اس صورت میں نوجوانوں پر بزرگوں کے احکامات اور ہدایات کی مکمل پیروی کرنا لازم ہوتا ہے علم اور تنظیم کسی جماعت کی ترقی کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور یہ دونوں چیزیں بزرگوں سے ہی حاصل کی جاسکتی ہیں۔ پس نوجوان احمدی کا بنیادی کردار جماعت میں ایک منظم گروہ کی طرح رہنا اور اپنے تمام قوٰے کو تحصیلِ علم کے لئے وقف کر دینا ہے ۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ نوجوان مرد اور خواتین ایک جماعت کا مستقبل ہوتے ہیں کیونکہ انہیں آگے چل کر قیادت و راہنمائی کے فرائض انجام دینے ہوتے ہیں اور وہ تمام ذمہ داریاں سنبھالنی ہوتی ہیں جو من حیث الجماعت ان پر عائد ہوتی ہیں۔ پس یہی وہ وقت ہوتا ہے جب انہیں اپنے کردار میں ایسی خوبیاں پیدا کرنا اور اپنی تمام کمزوریوں کو نکال پھینکنا ہوتا ہے۔ جو بعد میں ان کے جماعتی کردار کے لئے نقصان دہ ثابت ہوں۔ یعنی انہیں اپنے اندر تقوٰی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ جس پر جماعت کی عمارت قائم رہ سکتی ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں۔

"اے تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت میں شمار کرتے ہو آسمان پر تم اس وقت میری جماعت میں شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقوٰی کی راہوں پر قدم مارو گے۔ ..... یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقوٰی سے خالی ہے ۔"

اس سلسلے میں بزرگوں کو اہم کردار ادا کرنا ہوتا ہے یعنی نوجوانوں کی صحیح تربیت کا کام ان کے ذمّہ ہوتا ہے ۔ تیسرے درجہ پر جماعت کے وہ تمام کام جس میں جسمانی بھاگ دوڑ اور انتظامات شامل

ہوتے ہیں وہ سب نوجوانوں کے ذمہ ہیں۔ یہ تقسیم کار ہے۔ بزرگوں کی ہدایت کے مطابق ہر ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے پورا کرنا، اور جو جو کام سپرد کیا جائے اُسے بلا کسی بحث و تنقید کے انجام دینا۔ نوجوانوں کا کام ہے

مختصراً یہ کہ نوجوان طبقہ اپنے بزرگوں کی نگرانی میں اپنی تنظیم اور جذبہ برائے حصول علم کے ذریعے خود کو مستقبل کی ذمہ داریوں کے لئے تیار کرتا ہے۔ دراصل یہی وقت ہے جب کہ کسی بڑے جماعتی کام کا بیڑہ اٹھایا جا سکتا ہے اور اسی عُمر سے کام کو شروع کیا جائے تبھی اُسے نقطہ عروج تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا محمد علی رح کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ نوجوانی ہی سے تصنیف و تالیف میں مصروف ہوئے اور اسی عمر میں اس فن کو کمال تک پہنچایا۔ اس کے نتیجے میں آپ کے ہاتھوں سے انگریزی تفسیر قرآن کا مایہ ناز کارنامہ انجام پایا۔ پس اگر نوجوانی میں ہی جماعت کے افراد اپنی راہیں متعین کر لیں تو جماعت اپنے مستقبل کی فکر سے بے نیاز ہو سکتی ہے۔ ہمارے بزرگ جو اپنی نوجوانی میں

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی صحابیت کا شرف حاصل کر چکے تھے جب حضرت صاحب کی معیت میں چلا کرتے تھے تو لوگ کہتے تھے کہ مرزا صاحب کے ارد گرد فرشتے چلتے ہیں۔ ان اصحاب کی جوانیاں بے داغ اور پاکبازی کا مرقع نظر آتی ہیں۔ وہ لوگ جو پختہ عُمر میں متقی اور پارسا ہوتے ہیں ان کی جوانیاں بھی تقوا ے اور پارسائی میں گزرتی ہیں۔ اس بہانے سے اپنا دامن نہیں چھڑایا جا سکتا کہ جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ یہ فرار کا راستہ ہے۔ بے شک انسان کمزور ہے لیکن حقیقی پاکبازی اور تقوای کی بنیاد جوانی سے بھی پہلے لڑکپن میں پڑ سکتی ہے۔ پس نوجوانوں کے کردار کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جماعت کے چلتے پھرتے مزین و آراستہ اور خوبصورت عکس ہوں۔ اور ایسا تب ہوگا جب متقیانہ اور پاکبازانہ زندگی کا نمونہ ہو۔ اسی حصہ کردار کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ میں اپنی زیادہ تر بحث کو اسی تک محدود کرتا ہوں پہلی بات تو یہ ہے کہ نوجوان اسی عمر سے اپنے لئے کوئی مقصد متعین کر لیں تاکہ وقت کے ساتھ ساتھ وہ اس جانب ترقی کرتے جائیں۔ نوجوانی میں انسان جلدی کچھ سیکھ سکتا ہے اور طبیعت بھی جلدی کسی چیز پر مائل ہو جاتی ہے اپنے لئے علم کا جو شعبہ بھی منتخب کیا جائے اسی میں کمال حاصل کیا جائے۔ جن بزرگوں کے علم و تقوا ے ہم مثالیں دیتے ہیں انہوں نے اوائل سے ہی اس طرف اپنی پوری توجہ مبذول کی تھی بلکہ اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ عالم تب ہی پیدا ہوں گے جب ابتداء ہی سے اس طرف توجہ کی جائے۔ زیادہ مناسب تو یہی ہے کہ ہر نوجوان اپنے دنیوی مشاغل کے ساتھ ساتھ دینی ضروریات کو بھی مدنظر رکھے بلکہ انہیں اولیت دے کیونکہ جب دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کیا ہے تو اس پر عمل کرنے سے گریز نہیں ہونا چاہیئے۔ ایک وقت تھا کہ لوگ اپنے دنیاوی مستقبل کو دین پر قربان کر دیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی درخشاں مثال ہمارے سامنے ہے۔ اُس وقت آپ جیسے پڑھے لکھے اور فاضل آدمی کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ موجود تھا جس پر فائز ہو کر آپ ترقی کی اعلیٰ ترین منازل تک جا سکتے تھے لیکن آپ نے ان کی طرف سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا۔ یہی خدمتِ دین کا جذبہ تھا جس کے سبب سے آپ کا نام رہتی دُنیا تک زندہ رہے گا۔ بادشاہوں کا دور گزر جاتا ہے اور لوگ انہیں بھول جاتے ہیں لیکن ان متوالوں کا نام جریدہ عالم پر ہمیشہ ثبت رہتا ہے۔ انہیں ایک دائمی زندگی مل جاتی ہے۔ جس کے لئے کوئی موت نہیں

پس ضروری ہے کہ نوجوان اپنے ان بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلیں اور کسی نہ کسی طور دین کے حصول کے لئے تگ و دو کریں۔ ہم جس نازک دور سے گزر رہے ہیں اس میں ہمارے پاس لغویات اور لہو و لعب کے لئے کوئی وقت نہیں۔ ہم نے اپنے آپ کو اُس جہاد کے لئے تیار کرنا ہے جس کا مقصد دلائل و براہین کے ذریعے اسلام کو مخالف مذاہب پر غالب کر کے دکھانا ہے۔ کیونکہ اس وقت جماعتِ احمدیہ ہی خُدا کے حکم سے جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہے۔ اور سچ پوچھیے تو جہاد فرض بھی ہم پر ہی ہے کیونکہ صرف یہ فریضہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہی سونپا ہے۔

یہ آیاتِ مقدسہ جو میں نے ابتداء میں تلاوت کی ہیں اور ان کا ترجمہ بھی پیش کیا ہے، جہاد کے حکم پر پیچھے ہٹ کر بیٹھ جانے والوں کے متعلق ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے اور رسول ؐ کو ان سے قطع تعلق کا حکم دیا ہے اور انہیں فاسق قرار دیا ہے۔

پس اگر اس جہاد میں جو جہاد بالقلم، یا تبلیغ کا جہاد ہے اس میں کوئی احمدی نوجوان حصہ نہیں لیتا تو اس کے لئے افسوس ہے۔

ایک اور جہاد بھی ہے جو جہاد بالنفس یا تربیت کا جہاد ہے۔ یہ میری بیان کردہ دوسری بات کے ضمن میں آتا ہے۔ اور دوسری بات نوجوانوں کے اپنے ذاتی اخلاقی کردار کی بلندی اور پاکیزگی کی ہے۔ آجکل کے ماحول میں یہ بات بے شک بہت مشکل اور ناممکن ہی نظر آتی ہے کہ اپنے اخلاق و اعمال کو احمدی معاشرہ کے مطابق لیا جائے۔ آج کل کی مغربی تہذیب کے بد اثرات تمام لوگوں پر اور احمدی نوجوانوں پر بھی ہوتے ہیں لیکن بد تہذیب، فتنۂ دجال کا ایک حصہ ہے۔ وہ فتنہ جسے ختم کرنے کے کام بھی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اور آپ کی جماعت کے سُپرد ہے۔

مغربی تہذیب کی دیگر بے شمار قباحتوں کے علاوہ بے پردگی اور مرد و عورت کا اختلاط بھی ہے۔ اس خود نمائی کے شوق اور بے پردگی کو بڑے مضبوط ہاتھ سے روکنے کی ضرورت ہے۔ قرآن حکیم کا اس بارہ میں یہ پُرحکمت حکم ہے۔

> ”مومن مردوں کو کہہ دے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ بات انہیں پاک رکھنے کے لئے حد درجہ بہتر ہے۔ اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دے کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی نمائش نہ کریں سوائے اس کے جس کا پوشیدہ رکھنا ممکن نہ ہو“

پس بے پردگی کے حق میں کوئی بھی دلیل مؤثر نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ماڈرن دور کے تقاضوں کو آڑ بنا کر اس کا جواز پیدا ہو سکتا ہے۔

مجموعی حیثیت سے وہ تمام باتیں جو مغربی تہذیب اپنے ساتھ لے کر آئی ہے یعنی موسیقی کا بڑھتا ہوا شوق۔ سینما اور اس سے متعلقہ مخربات، یہ نام نہاد جدید معاشرہ میں اٹھنے بیٹھنے کے طریقے، یہ سب باتیں ہماری جماعت کے نوجوانوں کو زیب نہیں دیتیں۔ ہمارا فرض ہے کہ اس دجالی فتنہ کو پاش پاش کر دیں نہ کہ ان لغویات میں بہہ کر اپنے حقیقی مقاصد سے خود کو دور کر لیں۔ اس سلسلے میں ایک ذمہ داری والدین اور بزرگوں پر بھی عائد ہوتی ہے۔ جیسا کہ خطبہ جمعہ میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا اور جناب محترم فاروقی صاحب نے بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

”یا ایہا الذین اٰمنوا قوا انفسکم ــــــــــــــــــــ ـــ ھا یؤمرون ٥

” اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں ــــــ اس کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کی مفصل

تشریح حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ بیان فرما چکے ہیں۔

میرا مدعا صرف اس قدر ہے کہ والدین پر بنیادی طور پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اپنے بچوں کی تربیت کی طرف ابتدا ہی سے توجہ دیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ اگر والدین اس طرف دلی توجہ دیں تو یہ مقصد حاصل نہ ہو سکے۔ لڑکپن میں جب بچوں پر توجہ نہیں دی جاتی تو وہ رفتہ رفتہ مذہبی امور سے بے گانہ ہوتے [illegible] ہے۔ پس والدین پر یہ بھاری فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے بچوں کی مذہبی تربیت اعلیٰ طریق سے کریں اور انہیں سلسلہ سے بخوبی آگاہ رکھیں۔

میں ایک بار حضرت خلیفۃ المسیح حکیم الامت نورالدین کی سوانح حیات پڑھ رہا تھا۔ اور پڑھ کر حیران ہو رہا تھا کہ جو کمالات و عجائبات آپ کی شخصیت میں ہیں ایسے کمالات تو اولیاء ہی میں پائے جاتے ہیں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:-

"میں نے اپنے والدین کو کبھی ترش رو نہیں دیکھا۔ سبحان اللہ۔ ایسے ہی والدین کے ہاں نیک اور متقی اولاد پیدا ہوتی ہے مشہور عالم سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام کے بارے میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے۔ آپ سے بھی روایت ہے کہ آپ نے اپنے والدین کے درمیان کبھی تلخی یا ترش روی نہیں دیکھی۔ گویا والدین کا باہمی تعلق بھی اولاد کے تشکیل کردار میں ایک فیصلہ کن عمل ثابت ہوتا ہے۔ اس بیان سے مدعا یہ ہے کہ والدین اپنی اولاد کی تربیت کے لئے جواب دہ ہیں۔ لازم ہے کہ اچھے لباس اور اچھی دنیاوی تعلیم کے ساتھ آپ انہیں حسن سیرت اور علم دین سے بھی آشنا کریں۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو گویا نص صریحہ سے انکار کرینگے۔ اور اس کے وبال سے سب آشنا ہیں۔

اس کے بعد میں ایک اور اہم بات بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ نوجوانوں کا بنیادی کردار ایک منظم گروہ کی شکل میں بزرگوں کی ہدایات پر عمل کرنا ہے۔ بزرگ ایک جماعت کا دماغ ہوتے ہیں اور نوجوان حرام مغز، دماغ کا کام سوچنا، فیصلے کرنا اور ہر شعوری عمل ہے۔ محسوس کرنے اور اس پر عمل کرانے کا کام بھی دماغ ہی انجام دیتا ہے۔ جبکہ حرام مغز کی ذمہ داری احکامات کو بجالانا ہے۔ اگر حرام مغز میں کوئی نقص پیدا ہو جائے تو دماغ سے دیئے گئے احکامات پر عمل نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف اگر حرام مغز کا رشتہ دماغ سے کٹ جائے تو اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ بلکہ جسم کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس مثال سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ تنظیم جماعت کی بنیاد ہے۔ کائنات کا ہر نظام جماداتی۔ حیاتیاتی یا فلکیاتی ایک مخصوص تنظیم اور قوانینِ قدرت کے ماتحت چل رہا ہے۔ جہاں کہیں یہ تنظیم ٹوٹ جاتی ہے اس کا انجام تباہی ہوتا ہے جب جسم انسانی کے خلیئے غیر منظم ہو جاتے ہیں تو سرطان پیدا ہوتا ہے۔ جو جسم کو ختم کر کے رکھ دیتا ہے پس غیر منظم ہونا گویا سرطان کے خلیہ جیسا ہونا ہے جو تباہی کا پیغامبر ہوتا ہے۔ جہاں پہنچتا ہے وہاں تباہی پھیلاتا ہے۔ تنظیم کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دو آدمی بھی اگر سفر میں ہوں تو ایک کو امیر منتخب کر لیں۔ یہ ایک سادہ سی مثال ہے۔ اگر زندگی کے ایک معمولی معاملہ میں تنظیم کی اس قدر ضرورت ہے تو ایک عظیم الشان کام میں تنظیم کی کس قدر حاجت ہو گی۔

پس تنظیم جماعتی ترقی کی بنیاد ہے اور تنظیم کا اصل اطاعتِ امیر ہے۔ فرمایا کہ:-

"اے ایمان والو! خدا اور رسول کی پیروی کرو اور اپنے اولی الامر کی۔"

اطاعتِ امیر ہر ایک پر فرض ہے اور تنظیم کا تقاضا ہے کہ امیر کے ان تمام احکامات کی پیروی کی جائے جو شرعی حدود کے اندر ہوں۔

پس ہم سب پر لازم ہے کہ صدق و دیانت داری سے امیر کی پیروی کریں اور جو حکم ہمیں وہ دیں اُس [illegible] کی طرح دل اختیار کرو تا تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لئے تم بلائے گئے ہو اُس میں ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔"

حضور ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:-

نہ صرف یہ کہ بظاہر عزت و تکریم کی جائے بلکہ دل سے اُس کی عظمت و تکریم کو تسلیم کیا جانا چاہیئے:-

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

"نظام کی بنیاد ایک ہی بات پر ہے کہ اسمعوا و اطیعوا سنو اور اطاعت کرو۔ جب تک یہ روح نہ پیدا ہو جائے۔ جب تک تمام افراد جماعت ایک آواز پر حرکت میں نہ آجائیں جب تک تمام اطاعت کی ایک سطح پر نہ آجائیں ترقی محال ہے۔ (خطبہ جمعہ۔)

یہ وہ پہلو ہے جس پر جس قدر زور دیا جائے کم ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگ بوجوہ اپنی ذات ہی کے گرد گھومتے ہیں اور اپنے آپ کے علاوہ انہیں کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ اور یہ رویہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے حکم کے خلاف ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ امیر کی نافرمانی گویا خدا کی نافرمانی ہے۔ ہنسی آتی ہے کہ بعض لوگ جمہوریت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی ہر بات مانی جائے۔ اور اکثریت کے فیصلے کی پیروی کرنا وہ خود پر لازم نہیں سمجھتے۔

میری ان تمام گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ نوجوان اپنے پاکیزہ اخلاق کا مکمل نظم و ضبط اور علم کے لئے کوشش کر کے جماعت کی زندگی میں ایک اہم کردار ادا کر سکتے ہیں لیکن اس کے لئے بزرگوں اور والدین کی مساعی لازم ہیں۔

عہدیداران شبان الاحمدیہ برائے سال ۱۹۸۱-۸۲ء

صدر:- کیپٹن ڈاکٹر جمیل الرحمن صاحب پشاور
نائب صدر:- زاہد جنجوعہ لاہور
عبدالعزیز خاں۔ فاروقیہ (ہزارہ) اختر علی خلیل۔ سفید ڈھیری۔ پشاور
جنرل سیکرٹری:- عبدالعزیز شیخ لاہور
جائنٹ سیکرٹری:- چوہدری تنویر احمد "
سیکرٹری نشر و اشاعت: عبداللہ جان پشاور
خازن محمد ارشد علوی لاہور

* * *

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مصری مرحوم

سیدنا حضرت مرزا صاحب کی تعلیم کی چند جھلکیاں

تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا۔۔۔۔

سو اے وہ تمام لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت میں شمار کرتے ہو آسمان پر تم اسوقت میری جماعت میں شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقوٰی کی راہوں پر قدم مارو گے سو اپنی پنج وقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالےٰ کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورے کرو ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے۔ اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے نیکی کو سنوار کر ادا کرو۔ اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقوٰی سے خالی ہے۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقوٰی ہے۔ جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں ہوگی وہ عمل بھی ضائع نہیں ہوگا۔ ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے۔ سو خبردار رہو ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ۔ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی۔ اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے نہ دشمن کے ہاتھوں سے۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں ایک لازوال عزت آسمان پر دے گا۔ سو تم اس کو مت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دکھ دیئے جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کئے جاؤ۔ سو ان صورتوں سے تم دلگیر مت ہو کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے۔ کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو یا نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو اور گالیاں سنو اور شکر کرو۔ اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو۔ تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ عمل نیک دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہو۔ دیکھو میں بہت خوشی سے خبر دیتا ہوں کہ تمہارا خدا درحقیقت موجود ہے۔ اگرچہ سب اسی کی مخلوق ہے لیکن وہ اس شخص کو چن لیتا ہے جو اس کو چنتا ہے۔ وہ اس کے پاس آ جاتا ہے۔ جو اس کے پاس جاتا ہے۔ جو اس کو عزت دیتا ہے وہ بھی اس کو عزت دیتا ہے۔

تم اپنے دلوں کو سیدھا کر کے اور زبانوں اور آنکھوں اور کانوں کو پاک کر کے اس کی طرف آ جاؤ۔ کہ وہ تمہیں قبول کرے گا عقیدہ کے رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے۔ اور وہ خاتم الانبیاء ہے۔ اور سب سے بڑھ کر ہے۔ اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں۔

میں نے سنا ہے کہ بعض تم میں سے حدیث کو بکلی نہیں مانتے۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو سخت غلطی کرتے ہیں۔ میں نے یہ تعلیم نہیں دی کہ ایسا کرو بلکہ میرا مذہب یہ ہے کہ تین چیزیں ہیں جو تمہاری ہدایت کے لئے خدا نے تمہیں دی ہیں۔ سب سے اول قرآن ہے۔ جس میں خدا کی توحید اور جلال اور عظمت کا ذکر ہے۔ اور جس میں ان اختلافات کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ جو یہود اور نصاریٰ میں تھے جیسا کہ یہ اختلاف اور غلطی کہ عیسےٰ بن مریم صلیب کے ذریعہ قتل کیا گیا۔ اور اسی طرح قرآن میں منع کیا گیا ہے کہ بجز خدا کے تم کسی چیز کی عبادت کرو نہ انسان کی نہ حیوان کی نہ سورج کی نہ چاند کی اور نہ کسی اور ستارہ کی اور نہ اسباب کی اور نہ اپنے نفس کی۔ سو تم ہوشیار رہو اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اٹھاؤ۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ الخیر کلہ فی القرآن کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے۔ اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔۔۔ ؛

* * *

از جناب عبدالعزیز خان صاحب

تقریر بر موقع جلسہ سالانہ شبان الاحمدیہ ۸۰ء

بمقام لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هوالذی ارسل رسوله بالهدٰی ودین الحق لیظهره علی الدّین
کله وکفٰی باللّٰه شهیدا ٥ - - - - - - - - - - -
- - - - - واجراً عظیما۔

میں نے سورۃ الفتح کی آخری دو آیات تلاوت کی ہیں پہلی آیت ھوالذی ارسل۔۔۔ کا ترجمہ ہے
" وہی تو اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کرے اور اس پر خدا کافی گواہ ہے۔"

تمام مفسرین قرآن اس بات پر متفق ہیں کہ ادیان باطلہ پر یہ غلبہ اسلام مسیح موعود کے ذریعہ ہوگا۔ واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے یہ دیکھا ہے کہ آیا تمام ادیان باطلہ پر اسلام کا غلبہ مسیح موعود کے ذریعہ ہوا کہ نہیں۔

آج سے تقریباً ایک صدی قبل قادیان سے ایک آواز بلند ہوئی۔ ؎

منم مسیح بہ بانگِ بلند مے گویم   منم خلیفۂ شاہے کہ بر سما باشد

دنیا نے اس اعلان کا مذاق اڑایا۔ مخالفت کا ایک طوفان اٹھا اور اگر دنیا کے بس میں ہوتا تو قادیان کو فنا کر دیتی ایک اکیلے شخص کی آخر وقعت ہی کیا تھی۔ مگر خدا تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ اس کے ہاتھ کا بویا ہوا بیج بڑھے گا پھلے گا پھولے گا اور اس درخت کے سائے میں مشرق و مغرب کی سعید روحیں آرام کریں گی۔ حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۴ پر فرماتے ہیں:۔

"کون جانتا تھا اور کس کے علم میں یہ بات تھی کہ جب میں ایک چھوٹے سے بیج کی طرح بویا گیا اور بعد اس کے ہزاروں پیروں تلے کچلا گیا اور آندھیاں چلیں اور طوفان آئے اور ایک سیلاب کی طرح شور بغاوت میرے اس چھوٹے سے تخم پر ہو گیا۔ پھر بھی میں ان صدمات سے بچ جاؤں گا۔ سو وہ تخم خدا کے فضل سے ضائع نہ ہوا بلکہ بڑھا اور پھولا اور آج وہ ایک بڑا درخت ہے جس کے سایہ کے نیچے تین لاکھ آدمی آرام کر رہا ہے یہ خدائی کام ہیں جن کے ادراک سے انسانی طاقتیں عاجز ہیں وہ کسی سے مغلوب نہیں ہو سکتا۔"

ایک وہ وقت تھا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ روتے تھے گڑگڑاتے تھے خدا سے فریاد کرتے تھے۔

دن چڑھا ہے دشمنانِ دین کا ہم پر رات ہے
اے مرے سورج دکھا اس دیں کے چمکانے کے دن
کچھ خبر لے تیرے کوچہ میں یہ کس کا شور ہے
کیا مرے دلدار تو آئے گا مر جانے کے دن
ڈوبنے کو ہے یہ کشتی آ مرے اے ناخدا
آ گئے اس باغ پر اے یار مرجھانے کے دن
کون روتا ہے کہ جس سے آسماں بھی رو پڑا + لرزہ آیا اس زمیں پر اس کے چلانے کے دن
صبر کی طاقت جو تھی مجھ میں وہ پیارے اب نہیں
میرے دلبر اب دکھا اس دل کے بہلانے کے دن

اور آپ کی زندگی ہی میں وہ یار وہ دلبر اپنی چمکار دکھانے کے لئے آیا۔ چنانچہ ۱۹۰۷ء میں اپنی رحلت سے ایک سال قبل اس باغ کو پھلتا پھولتا دیکھ کر فرماتے ہیں:۔

دوستو اس یار نے دیں کی مصیبت دیکھ لی۔
آئیں گے اس باغ کے جلد لہرانے کے دن
اک بڑی مدت سے دیں کو کفر تھا کھاتا رہا۔
اب یقیں سمجھو کہ آئے کفر کو کھانے کے دن
دن بہت ہیں سخت اور خوف و خطر ہے درپیش
پر یہی ہیں دوستو اس یار کے پانے کے دن
دیں کی نصرت کے لئے اک آسماں پر شور ہے
اب گیا وقتِ خزاں آئے ہیں پھل لانے کے دن

اس مصرعہ کو دوبارہ پڑھتا ہوں:۔

دیں کی نصرت کے لئے اک آسماں پر شور ہے
اب گیا وقتِ خزاں آئے ہیں پھل لانے کے دن

مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی آمد سے قبل اسلام اور اسلامیانِ عالم کی کیا حالت تھی۔ اس حالت کا نقشہ میرے آقا و مولیٰ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنیئے۔ فرماتے ہیں:۔

خیر القرون قرنی   ثم الذین یلونهم   ثم الذین یلونهم
ثم یفشوا الکذب   یعنی بہترین صدی میری صدی ہے۔ پھر وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔ پھر جھوٹ کا دور دورہ ہوگا یعنی تین صدیوں کے بعد یدبر الامر من السماء الی الارض   ثم یعرج الیه فی یوم کان مقداره الف سنة مما تعدون کے مطابق ایک ہزار سال تک مسلمان کمزور ہوتے چلے جاویں گے۔ اور ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جبکہ اسلام کا نام ہی نام رہ جائے گا۔ اور قرآن بھی صرف رسمی طور پر پڑھا جائے گا۔ اور کوئی اس پر عمل کرنے والا نہ ہوگا۔ مسجدیں ہدایت سے خالی ہوں گی۔۔۔۔۔ جس قدر فتنہ و فساد پیدا ہوں گے سب ان ہی سے ہوں گے اور ان کا وبال بھی انہی پر پڑے گا۔   کنزالعمال جلد ۱۴ صـ ۴۳

لیکن انسانیت کے محسنِ اعظمؐ نے ساتھ ہی یہ بشارت بھی دے دی کہ اس گری ہوئی حالت میں مسیح موعود و مہدی موعود تشریف لاویں گے اور اگر ایمان ثریا پر بھی چلا گیا ہوگا تو وہ واپس لے

آویں گے ———————— ہم نے ثابت کیا ہے کہ اب آسمان کے نیچے اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے۔ عیسائیت کی صف ہم نے دنیا سے لپیٹ دی ہے۔ یہ بڑا دعوٰے نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے خود عیسائی محققوں نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ مشہور برطانوی مدبر جارج برنارڈ شا نے بھی اپنی کتاب ON GETTING MARRIED میں لکھا ہے:۔

مجھے یقین ہے کہ اس صدی کے اختتام پر ساری برطانوی سلطنت ایک اصلاح شدہ اسلام قبول کر لے گی۔ میں نے محمد مصطفٰےؐ کے دین کو ہمیشہ وقعت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ میرے نزدیک یہی ایک مذہب دنیا کے بدلتے ہوئے زمانہ کے مقابل ایسی اہلیت رکھتا ہے جس کی وجہ سے یہ ہر زمانہ کے لوگوں کو اپیل کرتا ہے۔ میری پیشگوئی کو ان حالات کے ماتحت سمجھنا چاہیئے۔ موجودہ وقت میں بھی میری قوم اور یورپ کے کئی لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ یورپ کے اسلام لانے کا آغاز ہو چکا ہے۔

اسی طرح مشہور برطانوی مؤرخ پروفیسر ٹائن بی اپنی کتاب ON TRIAL میں لکھتا ہے۔

مذہب سے ٹکراؤ کے نتیجہ میں اب اسلام میں پھر جوش پیدا ہو رہا ہے۔ اور اس میں ایسی تحریکات پیدا ہو رہی ہیں جو ممکن ہے آگے چل کر عالمگیر مذہب اور تہذیب کی بنیاد بن جائیں مثلاً احمدیہ تحریک۔ عیسائی پادریوں کا ذکر کرتے ہوئے یہی مؤرخ آگے چل کر لکھتا ہے:۔

قرون وسطیٰ کے پادریوں نے یا تو جہالت کیوجہ سے یا تعصب کی بنا پر محمدؐ کے دین کی نہایت تاریک تصویر کھینچی تھی۔ فی الحقیقت انہیں محمدؐ کے مذہب سے نفرت کرنے کی ٹریننگ دی گئی تھی ان کے نزدیک محمدؐ یسوعؑ کے دشمن تھے۔

لیکن میں نے اس عظیم الشان شخصیت کا مطالعہ کیا ہے میری رائے میں وہ نہ صرف دشمن مسیح نہ تھے بلکہ انسانیت کے نجات دہندہ تھے۔ میرا ایمان ہے کہ اگر موجودہ زمانہ میں محمدؐ جیسا انسان دنیا کا حکمران بن جائے تو وہ ہمارے زمانہ کی مشکلات کا ایسا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ جس کے نتیجہ میں حقیقی مسرت اور امن حاصل ہو جائے۔ اب یورپ محمد کے اصولوں کو سمجھنے لگا ہے اور آئندہ صدی میں یورپ اس بات کو اور بھی زیادہ تسلیم کرے گا کہ اسلام کے اصول اس کی الجھنوں کو حل کر سکتے ہیں۔

"آئندہ صدی" کے الفاظ پر غور کریں۔ ٹائن بی کی آئندہ صدی تو ۲۰ سال بعد شروع ہوگی اب جبکہ پندرہویں صدی ہجری کا آغاز ہوا تو ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ پندرہویں صدی اسلام کے غلبہ کی صدی ہوگی۔

یہاں غلبۂ اسلام کا مژدہ سنانے والے بھائیوں کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔

۱۳ نومبر کی شام کو ریڈیو پاکستان پر ایک مذاکرہ تھا (مغربی زبانوں میں سیرت طیبہ پر کتابیں) پاکستان کے تین نامور ماہرین تعلیم شریک محفل تھے انہوں نے ساتویں صدی سے لے کر آج تک جتنی کتابیں انگریزی جرمن۔ اطالوی۔ فرانسیسی زبان میں چھپی ہیں ان سب کے نام لئے خواہ ان میں حضور نبی کریمؐ کے بارے میں کتنا ہی گند بھرا ہوا ہو گا لیکن افسوس ہے کہ ان ماہرین تعلیم کی نظروں سے محمد دی پرافٹ، اور محمدؐ ان ورلڈ سکرپچر اوجھل ہو گئیں جن کی مثل گزشتہ چودہ سو سال میں کوئی سیرت طیبہ پر کتاب نہ چھپ سکی۔ یہ اس لئے ہوا کہ ان کتابوں کے مصنف ———————— حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ امیر جماعت احمدیہ لاہور اور مولانا عبدالحق ودیارتھی مرحوم و مغفور تھے۔

اسلام کو غالب کرنے والوں کی صفات کا ذکر ان آیات میں آیا ہے جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں۔

محمد رسول اللہ والذین معہ - - - - - -

ترجمہ:۔ "محمدؐ رسول اللہ اور آپ کے ساتھی کافروں پر کے مقابل پر سخت اور آپس میں محبت اور شفقت سے پیش آنے والے ہیں تو انہیں رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے دیکھتا ہے۔ وہ اپنے رب کا فضل اور رضا چاہتے ہیں۔ ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ظاہر ہے یہ انکی مثال توریت میں ہے۔ اور ان کی مثال انجیل میں ہے۔ کھیتی کی طرح جس نے اپنی سوئی نکالی پھر اُسے مضبوط کیا سو وہ موٹی ہوئی پھر اپنی نالوں پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ کسانوں کو خوش کرتی ہے تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو غضب میں ڈالے۔ اللہ نے اُن میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں حفاظت اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔"

ہر دور میں اسلام کا غلبہ ایسی ہی صفات کے حامل لوگوں کے ہاتھوں مقدر رہا ہے۔ اور رہے گا۔ چودہویں صدی میں بھی ایسے ہی بزرگوں نے ایک فتح نصیب جرنیل کے زیر علم اسلام کو غالب کر کے دکھلایا۔

یہ کسی دیوانے کا خواب یا مجذوب کی بڑ نہیں بلکہ میں تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کیونکہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ "تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۴" پر فرماتے ہیں۔

"اے تمام لوگو سن رکھو یہ اس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان کو بنایا وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا۔ اور حجت و برہان کی رو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب (اسلام) ہوگا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب (اسلام) اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کی فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ قیامت آ جائیگی۔"

اب یہ شبان الاحمدیہ کو سوچنا ہے کہ آیا وہ اپنے آپ کو اس پیشگوئی کا مصداق ٹھہراتی ہے یا کہ نہیں۔

۱۔ ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء۔ کہ تیری مدد کریں گے ایسے لوگ جن پر ہم آسمان سے وحی کریں گے۔" اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:۔

جان و دلم فدائے جمال محمدؐ است
خاکم نثار کوچہ آل محمدؐ است

ز ظلمتہا دلے آنگہ شود صاف ٭ کہ گردد از محبان محمدؐ
خدا زاں سینہ بیزار است صد بار ٭ کہ ہست از کینہ داران محمدؐ
خدا خود سوزد آں کرم دنی را ٭ کہ باشد از عدوان محمدؐ
اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس ٭ بیا در ذیل مستان محمدؐ

۲:۔ وجب علیٰ کل مومن نصرہ او قال اجابتہ

ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ مسیح موعود کی مدد کرے اور اس کی دعوت پر لبیک کہے اور ایسے آڑے وقت میں اللہ تعالیٰ قرآن میں مومنوں کو مدد کے لئے بلاتا ہے۔

۳۔ یا ایہا الذین امنوا کونوا انصار اللّٰہ ۔۔۔۔

اے مومنو میری مدد کو آؤ۔

یہ خدا کی مدد کرنے کا وقت ہے یہ محمد رسول اللہ کی مدد کرنے کا وقت ہے یہ مسیح موعود کی مدد کرنے کا وقت ہے۔ اور دوست وہی ہوتا ہے جو مصیبت کے وقت کام آئے۔ یورپ امریکہ اور افریقہ کو خدا کے در پہ لانے کے لئے محمد رسول اللہ کے قدموں میں گرانے کے لئے ہمیں اپنی زندگیاں وقف کرنی ہوں گی۔ آپ میں سے کوئی ڈاکٹر بنیں گے کوئی انجینئر بنیں گے تو کوئی سیاست دان بنیں گے لیکن ہمیں یہ فکر کرنا ہے کہ مجاہد کون بنے گا اور مبلغ کون بنے گا۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کے اجراء کے موقعہ پر ۳۰ رنومبر ۱۹۰۵ء کو مدرسہ کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا :۔

"ہماری غرض مدرسہ کے اجراء سے محض یہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کیا جائے۔ مروجہ تعلیم کو اس لئے ساتھ رکھا جائے کہ یہ علوم خادم دین ہوں۔ ہماری غرض یہ نہیں ہے کہ ایف اے یا بی اے پاس کر کے دنیا کی تلاش میں مارے مارے پھریں ہمارے پیش نظر تو یہ امر ہے کہ ایسے لوگ خدمت دین کے لئے زندگی بسر کریں اور اس کے لئے مدرسہ ضروری سمجھتا ہوں کہ شاید دینی خدمت کے لئے کام آسکے۔ مشکل امر یہ ہے کہ جس کو ذرہ بھی استعداد ہو جائے وہ دنیا کی طرف جھک جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں۔ جیسے مولوی محمد علی صاحب کام کر رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اب وہ اکیلے ہیں۔ کوئی ان کا ہاتھ بٹانے والا نہیں مقام نظر نہیں آتا۔"

(الحکم ۳۰ نومبر ۱۹۰۵ء)

بھائیو! زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں کل ہمارا پیارا بھائی اسحاق اختر بلی ہم میں موجود تھا آج نہیں ہے۔ اپنی زندگیاں خدا کی راہ میں وقف کرو آج ہی اپنی خدمات انجمن کو پیش کر کے جاؤ۔ خدا کی نصرت آپ کی راہ دیکھ رہی ہے۔ خدا آپ کو دینی اور دنیوی دونوں نعمتوں سے مالا مال کرے گا

جزاکم اللہ

وعد اللّٰہ الذین امنوا وعملوا الصالحات منہم مغفرۃ واجرا عظیما۔ اللہ کے وعدے پر مجاہد کو یقین ہے۔ وہ فتح مبین۔ فتح مبین ہے۔

زکوٰۃ ۔ کا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ احباب کرام اپنی زکوٰۃ قومی بیت المال میں جلد از جلد جمع کروا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(افسر تحصیل)

قارئین کرام مطلع رہیں

کہ پیغام صلح کا حضرت مجدد صد چہاردہم نمبر ۲۰ رمئی ۱۹۸۱ء کو شائع ہوگا۔ لہٰذا اس کی تیاری کے سلسلہ میں مؤرخہ ۱۳ رمئی ۱۹۸۱ء کے الیشوع کا ناغہ ہوگا۔ (ادارہ)

وہ پیکرِ تنویر جو پیری میں جواں ہے

گرامیٔ قدر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی کا دورۂ بلادِ غیر

حضرت ڈاکٹر صاحب اس ماہ کے آخر میں بیرون ملک کی جماعتوں کے دورہ پر تشریف لے جا رہے ہیں آپ اوترخت میں ۳۰ مئی کو مسجد احمدیہ کا افتتاح فرمائیں گے اور ۵ رجون ۱۹۸۱ء بروز جمعہ راٹرڈیم احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نیدرلینڈ کے جلسہ کا آغاز ہوگا۔ اس کے بعد ہیگ اور ایمسٹرڈیم ہر دو مقامات پر یک روزہ اجلاس منعقد ہوں گے۔ آپ ان تقریبات میں بھی شرکت فرمائیں گے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب بعد میں جرمنی، انگلستان اور امریکہ بھی تشریف لے جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ مرکزی انجمن کے سات کے قریب دیگر مندوبین بھی شمولیت کر رہے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس للّٰہی سفر میں آپ کا حافظ و ناصر ہو۔

اور آپ کا یہ مبارک سفر بخیر و خوبی اختتام پذیر ہو اور تبلیغ و اشاعت اسلام کے حق میں بہتر نتائج کا حامل ہو۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۶ مئی ۱۹۸۱ء، جلد ۶۸، شمارہ ۱۸ — رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین، الحمد پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

حضرت مجدد صد چہاردہم نمبر

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین
دل سے ہیں خدام ختم المرسلین
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۴۳۷

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

مدیر اعزازی
فضل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

جلد ۶۸ | یوم چہارشنبہ ۸/ رجب المرجب ۱۵ رجب المرجب ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۳/۲۰ مئی ۱۹۸۱ء عیسوی | شمارہ نمبر ۱۹/۲۰

مجدد صد چہاردہم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم
گر کفر این بود بخدا سخت کافرم

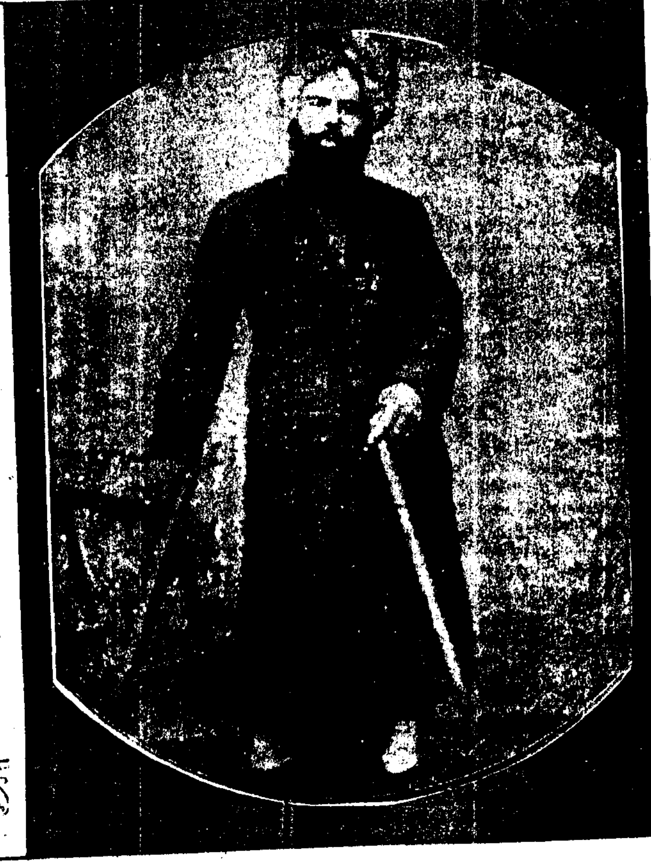

جان فدا شود برہ دین مصطفیٰ
این است کام دل اگر آید میسرم

پیغام صلح لاہور مورخہ ـ

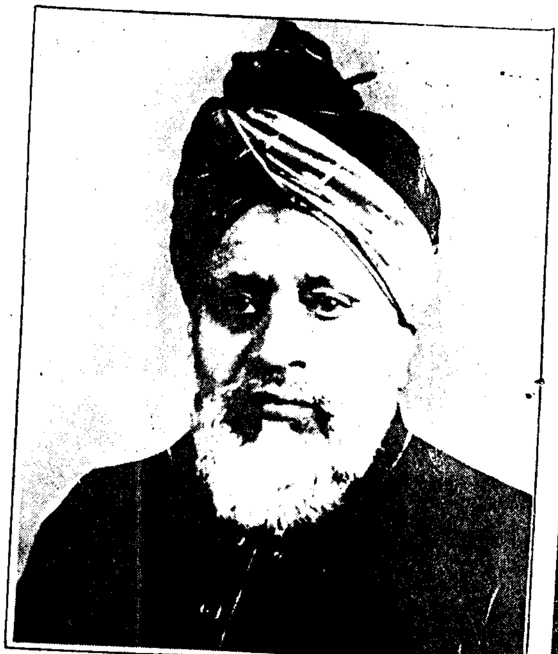

پنج ہزاری فوج کا منصور سپہ سالار

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

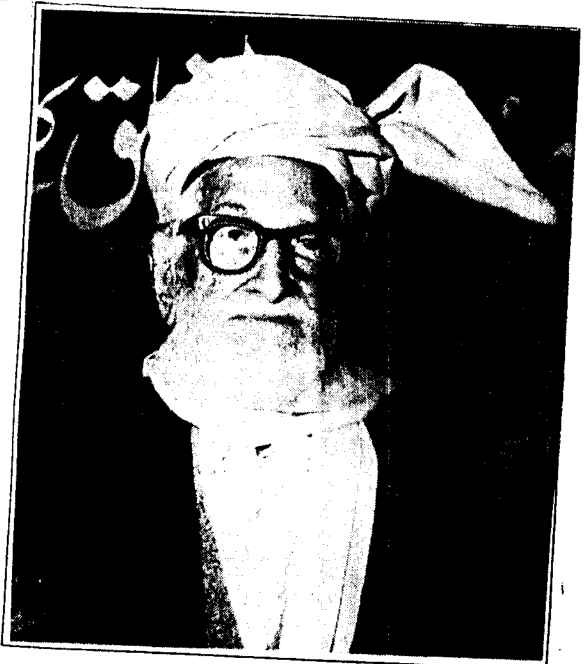

حضرت امیر قوم

حضرت مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ

بر جبینش نورِ یزداں جلوہ گر
در دلش حبِّ محمدؐ مستتر

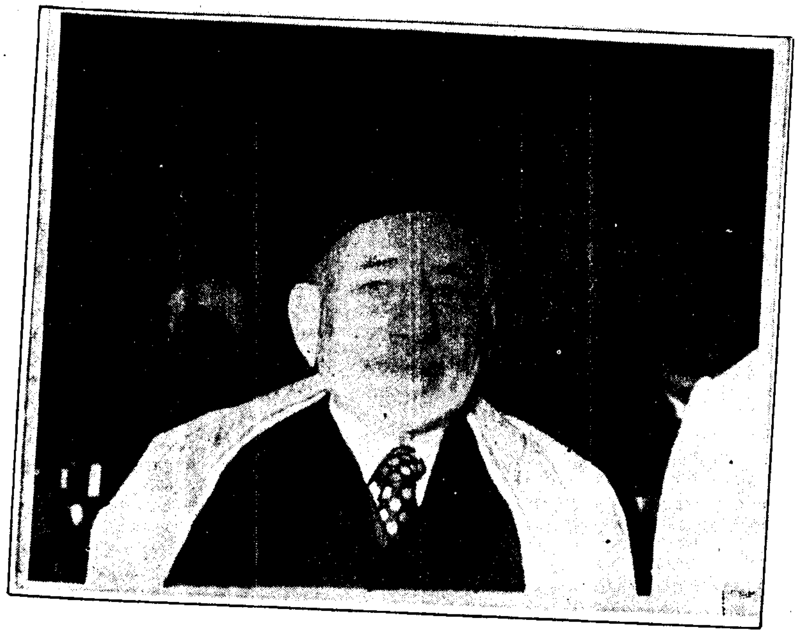

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی

یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے

ہمارے اس مضمون کا عنوان حضرت مرزا غلام احمد قادیانی جنہیں ہم مجدد صدِ چہاردہم مانتے ہیں کے اس شعر کا دوسرا مصرعہ ہے :۔ ؎

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشان دکھلائے
یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے

یہ "باغِ محمدؐ" کیا ہے۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں :۔ ؎

اسلام کے محاسن کیونکر بیاں کروں میں
سب خشک باغ دیکھے پھولا پھلا یہی ہے۔

یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باغ اسلام ہے جو تمام کمالات اور خوبیوں کا جامع ہے۔ یہ ہر زمانے میں سرسبز و شاداب اور پھلا پھولا رہتا ہے اور رہے گا۔ اس سے پہلے جتنے بھی باغ یا دین تھے وہ سب خشک ہو گئے ہیں۔ اپنے اپنے زمانے میں بے شک وہ بھی پھل لائے جن کے کھانے سے انسانوں کو جسمانی اور روحانی قوت ملی لیکن حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے آخری اور مکمل دین کے بعد وہ سب کے سب خشک ہو گئے ہیں۔ ان کی پیروی سے اب کوئی انسان اس اعلیٰ اور ارفع مقام کو نہیں پا سکتا جہاں تک اُسے بلند کرنا اور اس کی تمام قوتوں کی نشوونما کرنا مشیتِ ایزدی میں شامل تھا۔ اب اگر کوئی انسان اُس بلندی کو حاصل کرنے کی تڑپ جذبہ اور خواہش اپنے دل کے اندر رکھتا ہے جس پر پہنچ کر وہ مسجودِ ملائک بن جائے تو اُسے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل پیروی اور اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یعنی اسے اسلام کی پاک اور مصفیٰ تعلیم کے سامنے کامل وفاداری سے سرِ تسلیم خم کرنا ہوگا۔ اور اسلام کا حقیقی مفہوم اور مطلب کیا ہے؟ ؎

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا + ترک رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا
اُس نے درختِ دل کو معارف کا پھل دیا + ہر سینہ شک سے دھویا ہر دل بدل دیا

درختِ دل کو معارف کے پھل کب لگتے ہیں۔ ہر سینہ شک سے کب دھویا جاتا ہے اور ہر دل کب بدلتا ہے۔ جب انسان اسلام کی حقیقت سے آشنا ہو جائے۔ اور اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ :۔

"اپنی گردن خدا کے آگے قربانی کے بکرے کی طرح رکھ دینا اور اپنے تمام ارادوں سے کھوئے جانا اور خدا کے ارادہ اور رضا میں محو ہو جانا اور خدا میں گم ہو کر ایک موت اپنے پر وارد کر لینا اور اسکی محبتِ ذاتی سے پورا رنگ حاصل کر کے محض محبت کے جوش سے اس کی اطاعت کرنا نہ کسی اور بناء پر۔ اور ایسی آنکھیں حاصل کرنا جو محض اس کے ساتھ دیکھتی ہوں اور ایسے کان حاصل کرنا جو محض اس کے ساتھ سنتے ہوں اور ایسا دل پیدا کرنا جو سراسر اس کی طرف جھکا ہوا ہو۔ اور ایسی زبان حاصل کرنا جو اُس کے بلائے بولتی ہو۔ یہ وہ مقام ہے جس پر تمام سلوک ختم ہو جاتے ہیں اور انسانی قویٰ اپنے ذمہ کا تمام کام کر چکتے ہیں اور پورے طور پر انسان کی نفسانیت پر موت وارد ہو جاتی ہے۔ تب خدا تعالیٰ کی رحمت اپنے زندہ کلام اور چمکتے ہوئے نوروں کے ساتھ دوبارہ اس کو زندگی بخش دیتی ہے اور وہ خدا کے لذیذ کلام سے مشرف ہوتا ہے۔" (لیکچر لاہور۔ صفحہ ۱۴-۱۵) ؎

واہ رے باغِ محبت موت جس کی راہ گزر + وصلِ یار اُس کا ثمر پر اردگرد اسکے ہیں خار

وصلِ یار کا یہ میٹھا ثمر عشق و محبت کے وہی رازداں کھا سکتے ہیں جو اس خار زار سے گذرنے کے اسرار و رموز سے واقف ہوتے ہیں۔ یہ حسن پرستی ہر بوالہوس کا شعار نہیں ہو سکتی۔

حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رح اپنے ملفوظات میں اسی نکتہ کو اپنے انداز میں اس طرح بیان فرماتے ہیں :۔

"اور جب تم مخلوق سے مر جاؤ گے تو تمہیں کہا جائے گا کہ تم پر اللہ کی رحمت ہو اور جب تم اپنی خواہشات سے مر جاؤ گے اور رضائے الٰہی کے ساتھ زندہ و باقی ہو گے تو کہا جائے گا اور اللہ تم پر رحمت فرمائے۔ اور اپنی لازوال نعمتوں کا دروازہ تم پر کھولے گا اور پھر جب تم مشیتِ ایزدی کے احترام میں اپنے ارادہ اور آرزو سے مر جاؤ گے تو تمہارے لئے کہا جائے گا اللہ تم پر رحم و کرم فرمائے اور تمہاری تقدیر میں اس کی طرف سے خیر و برکت ہو اس وقت اللہ تعالےٰ تمہیں حقیقی معنوں میں زندہ کر دے گا اور تم ایسی حیاتِ جاوداں پاؤ گے جس کے بعد موت نہیں۔ ایسا مقرب بارگاہِ الٰہی کہا جائے گا کہ پھر اُس سے دور نہ ہو گے اور ایسی فضیلت اور بزرگی ملے گی جس کے بعد حقیر نہ کیا جائے گا۔ اور ایسا پاک اور معصوم کیا جائے گا کہ پھر گناہوں میں آلودہ نہ ہو گے۔ یہ رتبہ پانے پر تم خدا کے محبوب اور ملجا و ماویٰ بن جاؤ گے اور تمہاری شان میں لوگوں کی مدح و ثنا بالکل سچ اور بجا ہو گی۔ تم ازالہ مرض روحانی کے لئے بذاتِ خود اکسیرِ اعظم بن جاؤ گے۔ پھر لوگ تمہاری باطنی صفات اور تمہارے بلند درجات کو پہچان ہی نہ سکیں گے اور تم ایک ایسے بزرگ بن جاؤ گے جس کا مثل نہ ہوگا۔ ایسے مرد نادر و یکتا ہو جاؤ گے جس کا کوئی ہم مرتبہ و ہم جنس نہ ہوگا ایسی حالت میں تم طاق۔ فقید المثال۔ غیب الغیب اور سر الاسرار ہو جاؤ گے۔ اس وقت تم ہر رسول، ہر نبی اور ہر صدیق کے روحانی ورثے پا جاؤ گے اور ولایت کے انتہا کو پہنچ جاؤ گے۔" یعنی :۔ ؎

میں کبھی آدم، کبھی موسیٰ، کبھی یعقوب ہوں + نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

(حضرت مجدد صدِ چہاردہم)

حضرت غوث الاعظم اپنے ایک عربی قصیدہ میں اپنے اس مقام فنا فی اللہ کو یوں بیان فرماتے ہیں :۔

انا الواحد الفرد الکبیر بذاتہ + انا الواصف الموصوف علم طریقتی

یعنی میں ہی وہ واحد فرد کبیر بذاتِ خود ہوں۔ میں ہی واصف اور میں ہی موصوف اور اپنے طریقہ کا نشان ہوں۔

اگر مضمون کے طویل ہو جانے کا خوف نہ ہو جاتا ہم یہ سارا قصیدہ نقل کر دیتے تاکہ قارئین جان

لیتے کہ آپ نے کیا کیا دعوے کئے ہیں۔ اس قصیدہ میں آپ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ نوحؑ، ابراہیمؑ، یعقوبؑ، اسماعیلؑ، موسیٰؑ، الیاسؑ اور داؤدؑ کے ساتھ میں ہی تھا اور ان کی مشکلات و مصائب میری ہی وجہ سے دور ہوئیں۔ اور حضرت عیسٰےؑ کے متعلق فرماتے ہیں :۔ ؎

وکنت عیسٰی فی المھد ناطقًا + وانیت داؤد حلاوت نغمتی

اور میں ہی تھا عیسٰےؑ کے گہوارہ میں بولنے والا اور میں نے ہی داؤدؑ کو اپنی خوش الحانی عطا کی تھی۔

اور کبھی بے شمار اولیائے امت ایسے ہیں جنہوں نے "وسقھم ربھم شرابًا طھورًا" کے مطابق اپنے رب کے ہاں سے شرابِ محبت کا پیالہ اور اس کے نشے اور سرور میں مست ہو کر فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کے مقام کے متعلق بہت کچھ کہا ہے۔ یہ دیوانے ہزار ہا فرزانوں سے بڑھ کر اور بہتر ہوتے ہیں۔ ہر دو جہانوں سے بے نیاز اور بے پرواہ ہو کر فرماتے ہیں :۔

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی + دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند
خواہی بقہرم کن جدا خواہی بلطفم رہنما + خواہی بکش یا کن رہا ئے ترک آں داماں کنم۔

(مجدد وقت)

اللہ تعالٰے اور اس کے رسول کے عشق کے جرم میں اگر انہیں گھسیٹا جائے۔ آگ میں ڈالا جائے یا بہ زنجیر کیا جائے۔ کوڑے لگائے جائیں یا دار پہ لٹکایا جائے یا کھال ہی کیوں نہ اتار دی جائے ان کے پائے وفا میں لغزش نہیں آنے پاتی۔ ہر حالت میں ان کی زبان پر یہی ہوتا ہے :۔ ؎

سرِ دارم فدائے خاک احمدؐ + دلم ہر وقت قربانِ محمدؐ
دریں رہ گر کشندم در بسوزند + نتابم رو ز ایوانِ محمدؐ
فدا شد در رہش ہر ذرہ من + کہ دیدم حسن پنہانِ محمدؐ

(حضرت مجدد صد چہاردہم)

ان کے اس پیار، محبت، اخلاص اور عشق کا سرچشمہ کیا ہوتا ہے؟ وہی قرآن شریف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی جس کی عملی تفسیر ہے۔ ان کی روح اس چشمۂ صافی سے پیتی اور نہ صرف خود سیراب ہوتی ہے بلکہ دوسروں کو بھی سیراب کر کے مردہ روحوں کو نئی زندگی بخش جاتی ہے۔

؎ ہست فرقاں طیب و طاہر شجر + از نشانہائے دہد ہر دم ثمر

امت مسلمہ میں پیدا ہونے والے تمام اولیائے امت اسی پاک و صاف درخت کے ثمر ہیں جن کے ذریعے زندہ اسلام، زندہ خدا اور زندہ رسولؐ پر ہر دور میں زندہ ایمان پیدا ہوتا رہا ہے۔ ہر زمانے کو اپنی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق ایسے انسانوں کی ضرورت رہی ہے جو اپنے وجود سے اللہ کی ذات پر شہادت دے سکیں۔ اس پر خود قرآن کریم گواہ ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے :۔

الم تر کیف ضرب اللہ مثلًا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء ۝ تؤتی اکلھا کل حین باذن ربھا ۝ ویضرب اللہ الامثال للناس لعلھم یتذکرون ۝

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے اچھی بات کی مثال کس طرح بیان کی جیسا ایک پاکیزہ درخت اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل ہر موسم (زمانہ) میں دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔"

(ابراہیم ۔ ۲۴ ۔ ۲۵)

یہ عام مشاہدہ اور تجربہ کی بات ہے کہ جس درخت کی جڑیں ثابت، مضبوط اور زمین کے اندر شاخ در شاخ دور دور تک پھیل کر پانی جذب کر کے اس کی شاخوں اور پتوں تک پہنچانے کا ذریعہ نہ بن سکیں وہ خشک ہو جاتا ہے اور اس میں کبھی پھول اور پھل نہیں آتا۔ اُسے کاٹ کر ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ مذہب بھی جس کے اصول محکم اور ہر زمانے میں کام آنے والے نہ ہوں وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اُس کے اندر ایسے لوگ پیدا نہیں ہو سکتے جو اس مذہب کی زندگی پر اپنے وجود سے شہادت دے سکیں لیکن اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کے اصول بڑے محکم اور مضبوط ہیں۔ یہ ہر زمانے کا ساتھ دے سکتے ہیں اور ان پر چل کر انسان بلندی کے اُس نقطہ تک پہنچ سکتا ہے جہاں وہ خدا کا ولی اور دوست ہو جاتا ہے۔ ایسا جگری دوست کہ ان کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں رہتا۔ ایک سدابہار پھل دار درخت کی طرح اسلام بھی ایک سدابہار، زندہ اور پھل دار مذہب ہے باقی سب مذاہب خشک ہو چکے ہیں۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صد چہاردہم نے اس نکتے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے :۔ ؎

سب خشک ہو گئے ہیں جتنے تھے باغ پہلے + ہر طرف میں نے دیکھا بستاں مرا ہی ہے
شادابی و لطافت اس دیں کی کیا کہوں میں + سب خشک ہو گئے ہیں پھولا پھلا یہی ہے

اس کی سرسبزی، شادابی و لطافت اور ثمر بار ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ اس میں ہر زمانے میں اقطاب، ابدال، اور اولیاء اللہ پیدا ہوتے رہے ہیں جن میں سے بعض کو اللہ تعالٰے نے مجددیت کے مقام پر فائز کر کے اصلاحِ خلق کے لئے مبعوث فرمایا۔ ؎

الغرض ذاتِ اولیائے کرام + ہست مخصوص ملتِ اسلام

اگر اسلام کی اس خصوصیت کو تسلیم نہ کیا جائے تو یہ بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک خشک اور بے ثمر درخت ہی ثابت ہوتا ہے لیکن نہیں اس کی زندگی اور پھل دار ہونے کا ثبوت ہر زمانے میں موجود رہا ہے۔ اور قرآن کریم اس کی تائید کرتا ہے۔ جب تک دنیا قائم ہے یہ زندہ رہے گا اور اس میں پھل پھول آتے رہیں گے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام کے شجرِ طیبہ پر چودہویں صدی میں موسم خزاں ہی طاری رہا؟ اس کے پتے اور پھل پھول جھڑ گئے۔ ٹہنیاں خشک ہو گئیں۔ اس کی جڑیں ثابت نہ رہیں۔ اور نہ ان میں پانی جذب کرنے کی خاصیت قائم رہی۔ اس پہ بھی ایک قسم کی موت طاری رہی جیسے موسم خزاں میں دوسرے درختوں پر طاری نظر آتی ہے۔ کیا اس پہ کبھی بہار نہ آئی اور اللہ تعالٰے کا یہ قانون بدل گیا کہ خزاں کے بعد بہار آتی ہے۔ اور تنگی کے بعد آسانی اور آسائش۔ اللہ تعالٰے تو خود قرآن کریم میں فرماتا ہے :۔

"جان لو اللہ تعالٰے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔" اور فرماتا ہے۔

(الحدید : ۱۷)

"وہی ہے جس نے اوپر سے پانی اتارا۔ پھر اس کے ساتھ ہم ہر طرح کی روئیدگی نکالتے ہیں پھر اس سے ہم سبز کونپلیں نکالتے ہیں۔ اس سے ہم گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور سے اُس کے

گا بھے میں سے جھکے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے۔ اس کے پھل کو دیکھو جب وہ پھل لائے اور اس کے پکنے کو دیکھو۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں ؛“ (الانعام : ۹۹)

مگر افسوس ہے جو دہویں صدی میں یہ قانون خداوندی بدل گیا؟ یہ مردہ زمین زندہ نہ ہوئی۔ نہ اس میں آسمانی بارش کا نزول ہوا اور نہ سبز کونپلیں پھوٹیں۔ نہ گتھے ہوئے دانے نکلے اور نہ کھجور سے جھکے ہوئے گچھے۔ انگوروں اور زیتون کے باغ خشک ہو گئے۔ نہ اناروں میں پھل آیا۔ نہ وہ ایمان والے رہے۔ جو اِن پھلوں کے آنے اور ان کے پکنے کو دیکھنے اور اللہ تعالےٰ کی نشانیوں پر غور کرتے لیکن یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلام کے شجرِ طیبہ پر بہار بھی آئی۔ اس میں سرسبز کونپلیں بھی پھوٹیں۔ پھل اور پھول بھی آئے۔ اور چند ایک خوش نصیبوں نے جنہیں اللہ تعالےٰ نے بصیرت عطا کر رکھی تھی اللہ تعالےٰ کی اِن نشانیوں اور پھلوں کے پکنے کو دیکھا اور کھایا۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو چودہویں صدی کا مجدد مانا اور اس خاطر ہر قسم کے خطرات کو قبول کیا۔ مگر بقول حضرت غوث الاعظمؒ ”لوگ تمہاری باطنی صفات اور تمہارے بلند درجات کو پہچان ہی نہ سکیں گے ؛“ آپ کو شناخت نہ کیا جا سکا۔ جیسا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں :۔ ؎

امروز قوم من نہ شناسد مقامِ من
روزے بگریہ یاد کند وقت خوشترم

چودہویں صدی میں مسلمانوں کی حالت اور اس کے رفتہ رفتہ بدلنے کے واقعات پر اگر نظرِ غائر ڈالی جائے تو یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ مایوسی اُمید میں بدل گئی۔ غیر مذاہب کے اسلام پر حملوں کی ایسی مؤثر مدافعت ہوئی کہ وہ میدان چھوڑ گئے۔ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی ابتدا ہوئی۔ اسلام کا سورج اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ طلوع ہوا۔ سامراجی اور استحصالی طاقتوں پر اندھیرا چھا گیا۔ ان کے دن راتوں میں بدل گئے۔ اور آج ہر زبان پر ہے کہ پندرہویں صدی اسلام کے عروج کی صدی ہوگی۔ انسان اسے مانیں یا نہ مانیں لیکن خدا تو جانتا ہے کہ اس نے کس کے ذریعے مایوسیوں میں اُمید کے چراغ جلائے۔ اور کس کے ہاتھوں یہ انقلاب برپا ہوا۔ کس نے یہ اعلان کیا کہ :۔ ؎

باغ مرجھایا ہوا تھا گر گئے تھے سب ثمر
میں خُدا کا فضل لایا پھر ہوئے پیدا ثمار

اور یہ ثمار پیدا کرنے کے لئے کس کی آنکھیں اشک بار ہوئیں ؛ ؎

پیشہ ہے رونا ہمارا پیشِ ربِ ذوالمنن
یہ شجر آخر کبھی اس نہر سے لائیں گے بار

شجرِ اسلام کی آبیاری کے لئے تیس سال تک اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کی نہر بہانے والا یہ شخص آخر کار ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو یہ کہہ کر رخصت ہو گیا :۔ ؎

بھر گیا باغ اب تو پھولوں سے + آؤ بلبل چلیں کہ وقت آیا۔

اور اُس کی وفات پر کسی منصف مزاج انسان نے اسلام کے لئے اس کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

”مرحوم کی وہ اعلےٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں وہ واقعی بہت تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ ایک محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔ جو بے نظیر کتابیں آریوں اور عیسائیوں کے مذاہب کی رد میں لکھی گئی ہیں اور جیسے دندان شکن جواب مخالفینِ اسلام کو دیئے گئے آج تک معقولیت سے ان کا جواب الجواب ہم نے تو نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ آریہ نہایت بدتہذیبی سے اسے یا پیشوایانِ اسلام یا اصولِ اسلام کو گالیاں دیں کوئی معقول جواب اب تک نہ دیا نہ دے سکتے ہیں۔ اگرچہ مرحوم پنجابی تھا مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ سارے ہند میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں۔ ۔۔۔ اس کا پرزور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے اور واقعی اس کی بعض بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اگرچہ کوئی باقاعدہ تعلیم عربی علم ادب اور صرف نحو کی کہیں حاصل نہیں کی تو بھی اپنی خداداد ذہانت اور طبیعت کی جودت سے (یہ خدا کی تائید تھی ناقل) اتنی قابلیت عربی میں پیدا کر لی کہ بے تکلف عربی لکھتا تھا۔“

(مرزا حیرت دہلوی۔ ایڈیٹر کرزن گزٹ یکم جون ۱۹۰۸ء)

؎ خوش تر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

اس کامیابی کا راز یہ تھا کہ :۔

”کیرکٹر کے لحاظ سے مرزا صاحب کے دامن پر سیاہی کا چھوٹا سا دھبہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ ایک پاکباز جینا جیا اور اُس نے ایک متقی زندگی بسر کی۔ غرضیکہ مرزا صاحب کی ابتدائی زندگی کے پچاس سالوں نے بلحاظ اخلاق و عادات اور پسندیدہ اطوار اور کیا بلحاظ خدمات و حمایت دین مسلمانان ہند میں ان کو ممتاز، برگزیدہ اور قابلِ رشک مرتبہ پر پہنچا دیا ؛“

(اخبار وکیل امرتسر، ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء)

پاکباز لوگوں اور متقیوں کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ :۔

”اولٰئک علیٰ ھدی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون ؛“ حضرت مرزا صاحب کا اپنی زندگی کے بارے میں یہ چیلنج تھا کہ :۔ ”فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ ط افلا تعقلون“ میں نے تم میں ایک عمر بسر کی ہے۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کے تقوےٰ۔ پاکبازی۔ اسلام کے لئے بیش بہا خدمات۔ خدا۔ رسولؐ اور قرآن سے عشق۔ فنافی اللہ اور فنافی الرسول کے مقام سے انکار کی وجہ لوگ آج بھی اپنا خنجر آزما رہے ہیں اور ہم اپنا صبر آزما رہے ہیں۔ اور اس امید پہ جیئے جا رہے ہیں کہ قدر ناشناسی کے گرد و غبار کے نیچے دبے ہوئے ”اس اسلام کے خادم“ کو کبھی تو زمانہ ڈھونڈ نکالے گا جیسا کہ پہلے مجددین کے ساتھ ہوتا آیا ہے ؛

* * * *

حضرت اقدس کے چند احسانات

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب، بمقام جامع احمدیہ، دارالسلام ——— لاہور

ان الذین آمنوا ——————————— واللہ غفورٌ رحیم (البقرۃ ۲ - آیت ۲۱۸)

وقال اللہ تعالےٰ :-

ان الذین اٰمنوا ——————————— واللہ عندہٗ اجرٌ عظیم (توبہ ۹ - آیات ۲۰ تا ۲۲)

ترجمہ :- "جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اور اللہ مغفرت کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔"

اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ "جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اُن کا درجہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے اور وہی کامیاب ہیں۔ اُن کا رب اُن کو خوشخبری دیتا ہے اپنی رحمت کی اور رضامندی کی اور اُن کے لئے باغ ہیں جن میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور اللہ کے پاس اُن کا بہت بڑا اجر ہے۔"

یہ چار آیات قرآن کریم کی متعدد آیات میں سے ہیں جن میں کچھ خوشخبریاں اور وعدے اور کچھ خاص لوگوں سے مذکور ہیں۔ اِن آیات میں جو خوشخبریاں اور انعامات مذکور ہیں ان کو سن کر یا پڑھ کر کس انسان خصوصاً مسلمان کا دل نہیں چاہتا کہ وہ ان کو پائے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اِن خوشخبریوں اور انعامات کا بظاہر وعدہ صرف اُن سے ہے جنہوں نے ہجرت کی یا جہاد کیا۔ دوسری مشکل یہ پڑتی ہے کہ قرآنِ کریم میں دُوسری جگہوں میں جنت کو پانے کے لئے ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ بطور لازم و ملزوم آئے ہیں مگر اعمالِ صالحہ یہاں مذکور نہیں۔ تو کیا اُن کی ضرورت نہ رہی ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ہجرت کی یا جہاد کیا؟ ایسے معنے بالبداہت غلط ہوں گے۔ اور یہ تو معاذ اللہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اعمالِ صالحہ کا ذکر سہواً یہاں رہ گیا ہے۔ تو پھر کیا بات ہے؟ ذرہ سا تدبّر اور مطالعہ اِن مشکلات کو بہت عمدگی سے دور کر دیتا ہے۔

پہلی مشکل یہ تھی کہ یہ خوشخبریاں اور انعامات صرف ہجرت اور جہاد کرنے والوں کے لئے بظاہر مخصوص نظر آتی ہیں۔ تو پہلے ہجرت کو لے لیں۔ عام طور پر مہاجر صرف اُن لوگوں کو سمجھا جاتا ہے جنہوں نے مکّہ سے حبشہ ہجرت کی تھی یا بعد میں مکّہ سے مدینہ منوّرہ ہجرت کی تھی۔ یا اب جو لوگ ہندوستان سے پاکستان آئے ہیں اُنہیں بھی مہاجر کہا جاتا رہا۔ بے شک جن لوگوں نے حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں مکّہ سے حبشہ کو ہجرت کی یا بعد میں مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی وہ ضرور مہاجر تھے۔ مگر خوش قسمتی سے مہاجر کے معنے صرف گھر بار کو چھوڑنے والے کے نہیں۔ بلکہ خود حضور محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلعم نے مہاجر کی تفسیر فرمائی کہ :-

" المھاجرُ من ھاجر مانھی اللہ عنہ"

یعنے مہاجر وہ ہے جو اُن تمام باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالےٰ نے روکا ہے۔

تو لیجیئے اس بے نظیر تفسیر سے بیک قلم دو مشکلات حل ہو گئیں۔ اوّل تو وہ خاص لوگ مہاجر نہ رہے جو گھر بار کو چھوڑیں۔ دوسرے اعمالِ صالحہ جو بظاہر اِن آیات میں مذکور نہ تھے وہ بھی یہاں ایک مخفی خزانہ کی طرح نکل آئے۔ وہ یوں کہ قرآن کریم نے یہ بے نظیر علم دیا ہے کہ انسان کے جو عمل ہوتے ہیں اگر اُن کے بُرے پہلوؤں سے اجتناب کیا جائے یعنے انہیں نہ کیا جائے تو باقی کے عمل اعمالِ صالحہ بن جاتے ہیں۔

اس کی ایک مثال کافی ہوگی۔ وقت ہوتا تو میں انسان کے تمام اعمال کا ایسا ہی تجزیہ کر کے دکھاتا مثلاً دولت کمانا انسان کا دن رات کا شغل ہے۔ اب دولت کس طرح کماؤ۔ کس طرح نہ کماؤ۔ کس طرح اُسے خرچ کرو۔ کس طرح نہ کرو۔ اور دولت کو خدا نہ بناؤ بلکہ خدا کا فضل سمجھ کر تلاش کرو جیسا کہ فرمایا :-

" وابتغوا من فضل اللہ "

اور دولت سے کس طرح اللہ کے حقوق اور نسلِ انسانی کے حقوق ادا کرو۔ یہ احکامات بالتفصیل قرآنِ کریم میں مذکور ہیں۔ اگر اس بارہ میں جن باتوں سے اللہ تعالےٰ نے روکا ہے اُن سے انسان دُور رہے تو پھر خود دولت کمانا یا خرچ کرنا بھی اعمالِ صالحہ بن جاتے ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحٰن اللہ العظیم۔ کیا اعلےٰ تعلیم اور حکمت ہے جو قرآن کریم نے ہمیں سکھائی ہے۔ کاش لوگوں کو اس کا علم ہوتا اور کاش وہ اس قرآن عظیم کی قدر کرتے۔

جن باتوں سے اللہ تعالےٰ نے روکا ہے وہ وہی ہیں جن میں انسان کا اپنا نقصان ہے یا اُسے دُکھ پہنچنے کا امکان ہوتا ہے۔ اور یہی معنی تقوےٰ کے ہیں کہ اُن چیزوں سے بچنا جن سے انسان کو نقصان یا تکلیف یا دُکھ پہنچنے کا امکان ہو۔ تو اُن باتوں سے بچا جائے تو باقی کے عمل اعمالِ صالحہ بن جاتے ہیں۔ اسی لئے قرآنِ پاک کو ھدًی للمتّقین فرمایا کہ جو لوگ بدیوں سے، برائیوں سے بچنا چاہیں یعنے اعمالِ صالحہ کرنا چاہیں اُن کے لئے یہ کتاب مکمل ہدایت اپنے اندر رکھتی ہے۔

الغرض جو شخص متقی ہے یا بالفاظِ دیگر اعمالِ صالحہ کرتا ہے وہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا تفسیر کے مطابق مہاجر ہے۔ اور وہ اُن خوش نصیبوں میں سے بن جاتا ہے جن کے لئے

انتہائی دل خوش کن انجام اور انعامات کا ذکر قرآن کریم میں بار بار آیا ہے۔ جن میں سے وہ آیات ہیں جو میں نے آج پڑھی ہیں:۔

دُوسری دِقّت اس شرط کی تھی جو وہاں مذکور ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد بھی کرنے والا ہو۔ سو یہ دِقّت بھی لفظ جہاد کے معنے بخوبی نہ سمجھنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ ورنہ دراصل وہ وہاں نہیں ہے۔ عام طور پر جہاد کے معنے یہ سمجھے جاتے ہیں کہ تلوار لے کر جنگ کی جائے۔ اس کے لئے قرآن حکیم میں لفظ قتال آیا ہے۔ لفظ جہاد کے لغوی معنی ہیں جد وجہد کرنا۔ انتہائی کوشش کرنا۔ خود رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے لفظ جہاد کو انہی معنوں میں استعمال فرمایا جب فرمایا کہ:۔

" جاھدوا اھواءکم کما تجاھدون اعداءکم "

یعنے اپنی گری ہوئی خواہشات کے خلاف اس طرح جد وجہد کرو جس طرح تم اپنے دشمنوں کے خلاف جہاد کرتے ہو۔ یا حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جنگ سے واپس آتے ہوئے فرمایا کہ:۔

رجعنا من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر

یعنے ہم چھوٹے جہاد سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ سو جہادِ اکبر کیا ہے؟ اس کی تفسیر خود قرآن حکیم نے فرمائی ہے کہ:۔

وجاھدھم بہٖ جھاداً کبیراً

یعنے قرآن سے باطل کے خلاف جد وجہد کرنا جہادِ اکبر ہے۔

تو اُن آیات کی طرف ہم دوبارہ نظر کرتے ہیں جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی ہیں۔ تو وہاں جن باتوں پر اللہ تعالےٰ کی مغفرت اور رحمت اور نعمائے جنّت وآخرت کے ملنے کا ذکر تھا وہ تھیں: (۱) ایمان (۲) ہجرت یعنے تقوٰے یا اعمال صالح (۳) جہاد فی سبیل اللہ اپنے مالوں سے اور جانوں سے۔ سو اس صدی کے مجدّد اور اس زمانہ کے امام حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا ہم پر کس قدر احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں ان شرائط کو پورا کرنے کا اہل بنایا۔

پہلے تو ایمان کو لے لیجئے۔ یہ کہ ایمان کی بنیاد وحی الہٰی پر ہے مسلّم ہے۔ اس لئے حضرت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح البخاری کے پہلے باب الایمان کو شروع یوں فرمایا ہے کہ:۔

کیف کان بدء الوحی

یعنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر وحی کس طرح آنی شروع ہوئی۔ اسی حکمت کو قرآن کریم نے بھی مختلف جگہوں پر واضح کیا ہے مثلاً:۔

اٰمن الرّسول بما انزل الیہ من ربّہٖ والمؤمنون۔

یعنے رسولؐ ایمان لایا اُس وحی پر جو اس پر نازل ہوئی اور مومن بھی۔

وحی زندہ خُدا پر ایمان پیدا کرتی ہے مگر چونکہ وحی نازل ہوتے سوائے رسولؐ کے کوئی نہیں دیکھ سکتا تو کافروں نے اُس زمانہ میں بھی جب حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا انسان جسے وُہ جانتے تھے کہ کتنا صادق اور راست باز انسان ہے۔ اُن میں موجود تھا اور وحی دن رات اُترتی تھی اور اُن کے دلوں کے اندر کے راز کھولتی تھی اور آئندہ کی پیشگوئیاں جو بظاہر ناممکن نظر آتی تھیں اور وہ دن رات پوری بھی ہوتی رہیں۔ تو ان حالات میں بھی انکار کرنے والوں نے وحی کے نازل ہوتے نہ دیکھ سکنے کا فائدہ اٹھایا اور اس کا انکار خود بھی کیا۔ اور دوسروں کو بھی ورغلایا۔ سو آج چودہ سو سال بعد اور اس دہریّت کے زمانہ میں تو وحی کا انکار کرنا اور بھی آسان تھا۔ سو اللہ تعالےٰ نے اس زمانہ کے مجدّد پر (پچھلی تیرہ صدیوں کے مجدّدین کی طرح بلکہ اور اولیاء اللہ کی بھی طرح) وحی نازل فرمائی اور بکثرت نازل فرمائی جس نے اُس زمانہ میں بھی لوگوں کے ایمان تازہ کئے اور آج بھی وہ پوری ہو کر زندہ خُدا پر زندہ ایمان ہم میں پیدا کرتی ہیں تو یہ تو حضرت اقدس کا ہم پر پہلا احسان ہے۔

دُوسری بات ہجرت یعنے تقوٰے کا پان تھا۔ سو تقوٰے کے لئے پہلی ضرورت اللہ تعالےٰ پر زندہ ایمان کا ہونا ہے۔ ورنہ انسان زبانی ایمان کے ہوتے ہوئے بھی خلافِ تقوٰے باتیں دن رات کرتا ہے۔ سو زندہ خُدا پر زندہ ایمان قائم کر کے ایک متقی جماعت بنانا حضرت اقدس کا دُوسرا کارنامہ تھا۔ احمدیوں کے تقوٰے اور طہارت کا اعتراف علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم جیسے باریک بین انسان نے بھی کیا۔ جب انہوں نے اپنے علی گڑھ کے لیکچر میں کہا کہ اگر اس زمانہ میں ٹھیٹھ اسلامی سیرت کسی کو دیکھنا ہو تو وہ احمدیوں میں جا کر دیکھ لے۔

تیسری بات جہاد تھی۔ اور جیسا کہ میں اُوپر بتا آیا ہوں قرآن کریم کو دُنیا میں پھیلانا جہادِ اکبر ہے سو حضرت اقدس کا کس قدر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں اس جہاد پر لگایا۔ اسے جاری رکھنا بہترین یادگار ہوگی۔ اس مقدس ہستی کی جس نے ہمیں اس راہ پر لگایا۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اس کی دن دوگنی رات چوگنی توفیق بخشے۔ آمین۔ ٭٭٭۔

یاد آگیا

جب بہار آئی مجھے اپنا چمن یاد آگیا ٭ حضرت اقدس کا دورِ ضو فگن یاد آگیا
دل میں "نورِ دیں" کی باتیں چٹکیاں لینے لگیں ٭ خواجۂ "حسن بیاں" شیریں سخن یاد آگیا
طوطیٔ اسلام وہ جادو بیاں عبد الکریم ٭ تھا نقیبِ مہدئ شاہِ زمن یاد آگیا
آتشِ خوں سے بھی کھیلے ہیں شہید عبد اللطیف ٭ حق کی خاطر تھا ہمارا کیا چلن یاد آگیا
اور پھر اقصائے عالم پر اُٹھی میری نظر ٭ ایک "سلطان القلم" باطل شکن یاد آگیا
ہے محمدؐ اور علی کے نام سے مشہور وُہ ٭ تھا جو رُوح وجسم وجانِ انجمن یاد آگیا
نورِ عرفاں سے بھری وہ مجلسیں یاد آگئیں ٭ جوشش فتح بحر و بر کوہ و دمن یاد آگیا

اور اُن قدوسیوں کے درمیاں بیٹھا ہوا
وہ مسیحِ وقت گویا من وعن یاد آگیا۔

(ابو ارشد)

از قلم :۔ جناب عبدالحمید سانگلہ ہل

چودہویں کا چاند

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو اللہ تعالےٰ نے نورِ بصیرت اور نورِ قلب سے اس قدر منوّر کر رکھا تھا کہ آپ کو جہاں گزشتہ انبیاء اور اُن کی قوموں پر گزرے ہوئے حالات و واقعات سے آگاہ کر رکھا تھا وہاں قیامت تک کا نقشہ آپ کی آنکھوں کے سامنے تھا یہ ایک حقیقت ہے کہ چودہویں صدی کے حالات و واقعات کا حضور اکثر تذکرہ فرمایا کرتے اور بے حد متفکر رہتے۔ مسلمانوں کے زوال اور دجّالی فتنہ نے آپ کو سخت پریشان کر رکھا تھا۔ جہاں آپ صلعم کو یا رب ان قومی اتخذوا ھٰذا القرآن مھجورا۔ چودہویں صدی کے مسلمانوں کے اس نقشہ نے تڑپا رکھا تھا وہاں دجّال کے فتنہ یاجوج ماجوج کے وھم من کل حدبٍ ینسلون نے بھی سخت گھبراہٹ پیدا کر رکھی تھی۔ دیکھئے آپ کو عام آدمی گفتگو کرتا ہوا دورانِ گفتگو کہتا ہوا ملے گا کہ "جناب چودہویں صدی جو ٹھہری"۔ گزشتہ الیکشن کے دنوں میں عام لوگ چودہویں صدی کے علماء پر احادیث کا تذکرہ تکرار کرتے۔ چودہویں صدی کا نقشہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس طرح کھینچا ہے کہ ایک فلم ساز فلم تیار کر سکتا ہے۔ آج کل کی کھیلوں کا نقشہ موجود ہے آج کل کے لباس بالوں کے سٹائل۔ آجکل کی عورتوں کے طور طریقے۔ ہوائی سمندری سفر جنگوں کے طریقے سواریاں۔ ذرائع مواصلات و ابلاغ۔ مال و زر کی پرستش اور ہوس دور دراز کے ملک کے لوگوں کا آپس میں ملاپ و تعلقات، آج کل کے علوم خدا اور اُس کے دین سے دُور کرنے والے اور اہلِ بصیرت کو ہستی باری تعالےٰ سے قریب کرنے والے علوم غرضیکہ اس صادق مصدوق نے پوری تصویر بنا دی ہے اور کمال یہ ہے کہ یہ دُنیا ہم گھر بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کیا کیا فتنے سر اُٹھا رہے ہیں۔ صحف اخبار و رسائل کیا کیا گُل کھلا رہے ہیں۔ گھروں میں طرزِ زندگی بدل گئی ہے۔ ہر کام مشین سے کھانا پکانا کپڑے دھونا صفائی رنگ و روغن سب سائنس کر رہی ہے۔ دُنیا ہے کہ دوڑ رہی ہے لیکن کدھر دوڑی جا رہی ہے یہ ساری دوڑ اس دُنیوی زندگی اور مادیّت کی طرف دوڑ ہے۔ انسان کی اس زر پرستی اور ہوس نے کل بنی نوع انسان کی طرف بھیجے گئے، بنی نوع انسانی کے غم کھانے والے مصلحِ اعظم صلعم کو تڑپا دیا اور اس پاک وجود نے اپنے رب کے حضور فریاد کی اور اب تعالیٰ سے خبر پا کر چودہویں صدی ہاں اس پُرفتن صدی کے لئے ایک عظیم مصلح کی بشارت دی اور پھر اس مصلح کے بارے میں اس قدر علامتیں بتلائیں اور اتنی تاکید کی کہ ایک دفتر بھر جاتا ہے۔

اس آرائش و زیبائش کے دور میں جبکہ مُردار پر گری ہوئی خلقت زمین سے خزانے اُگلوا رہی ہے۔ آسمان کو تسخیر کر رہی ہے۔ اس مصلح کی یہ علامتیں تبلائیں کہ زمین پر طاعون کا دور دورہ ہوگا۔ زلازل آئیں گے اور دُنیا پر پھیلے ہوئے فسق و فجور کی وجہ سے جنگیں ہولناک جنگیں ہوں گی کہ آسمان بھی آگ برسائے گا۔ پانیوں کے اندر آگ کی ہولی کھیلی جائے گی اور پھر اس سائنس کے دور میں جبکہ آسمانوں کی تسخیر ہو رہی ہے۔ اس مصلح کی علامت یہ ہوگی کہ آسمان پر چاند اور سُورج کو گرہن لگے گا۔ رمضان شریف میں چاند گرہن کی راتوں میں سے پہلی تاریخ کو اور سورج گرہن کی تاریخوں میں سے درمیانی تاریخ کو گرہن ہوگا۔ تاکید فرمائی کہ میری طرف سے اس عیسیٰ وقت کو سلام کہنا کبھی فرمایا تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب تم میں سے تمہارا امام ابنِ مریم بن کر آوے اسے حکم و عدل فرمایا۔ اسے مسیح اور مہدی فرمایا اور فرمایا اس کی آواز پر تکلیفیں اُٹھا مشقتیں اُٹھا کر گواڑ لوڑ کر گھسٹ گھسٹ کر پہنچنا پڑے تو پہنچو۔ معلوم ہوتا ہے یہ تاکید اس لئے تھی کہ اس قدر مسلمان پستی میں چلے گئے تھے کہ وہ اس وجود کی معرفت ایک مشکل امر مسلمانوں کے لئے ہوگا"۔ کا علم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو تھا اور آنحضرت صلعم اس غم میں ڈوبے رہتے تھے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس چودہویں صدی میں جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تبلائی ہوئی تمام علامتیں پوری ہو چکی ہیں اور واقعی یہ نہایت درجہ پُرفتن اور زر پرستی کا دور ہے تو یہ بات بھی یقینی ہے کہ اس صدی کے اندر وہ مصلحِ اعظم کبھی ضرور آیا ہوگا جو زندہ خدا کو دنیا کے سامنے پیش کرے سو ہم ایک اور صرف ایک وجود کو پاتے ہیں جس نے بڑے زور اور تحدّی سے خُدا کی طرف سے مامور ہونے کا دعویٰ کیا۔ جس نے اس دہریّت، کمیونزم کے دور میں صدہا معجزات سے زندہ خدا کا ثبوت دیا۔ جس نے یہ چیلنج کیا کہ جس کو خُدا نظر نہ آوے وہ میرے پاس آوے میں اسے یقین اور ایمان سے بھر دوں گا۔ یہ شخص کون تھا جو اس مادی طوفان اور تُند سیلاب کے آگے بند بن کر کھڑا ہو گیا۔ یہ تھے حضرت میرزا غلام احمد قادیانی، یہ نہ تو کوئی بڑے نواب تھے نہ کوئی سیاستدان لیڈر نہ کسی اعلےٰ یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم ہی حاصل کی تھی بلکہ بقول آپکے، فرماتے ہیں:۔ ؎

میں تھا غریب و بے کس و گم نام و بے ہُنر
کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیان کدھر

اسی طرح فرماتے ہیں:۔ ؎

جانتا تھا کون کیا عزت تھی پبلک میں مجھے + کس جماعت کی تھی مجھ سے کچھ ارادت یا پیار
تھے رجوعِ خلق کے اسباب مال و علم و حکم + خاندان فقر بھی تھا باعثِ عزّ و وقار
لیک ان چاروں سے میں محروم تھا اور بے نصیب + ایک انساں تھا کہ خارج از حساب و از شمار

آپ کے بھائی صاحب ایک عزت والے عہدہ پر تھے اور آپ کی بھاوجہ صاحبہ آپ سے کچھ بے رخی سے پیش آتی تھیں اور آپ کی خوراک وغیرہ کی طرف کوئی توجہ نہ دیتی تھیں اور آپ کی گھر میں بھی یہ حالت تھی کہ موٹا جھوٹا پہن لیتے اور جو بچا کھچا ملتا کھا لیتے۔ فرماتے ہیں

لفاظات الموائد کان اکلی - وصرت الیوم وطعام الاھالی

کہ دسترخوان کے بچے کھچے ٹکڑے میری خوراک ہوا کرتی تھی۔ (اور تحدیثِ نعمت کے طور پر فرماتے ہیں) کہ آج بے شمار لوگ یہاں سے کھا رہے ہیں۔

لیکن یہی گمنام انسان جب فنا فی اللہ کے مقام حاصل کر کے عشقِ رسول سے سرشار ہو کر قرآن حکیم کو اپنا رہبر بنا کر اشاعت اسلام کی تحریک چلاتا ہے تو باطل کو رگیدتا ہوا شہرت کی بلندیوں کو مشرق و مغرب میں جا چھوتا ہے۔ وہ بڑی ہی جُرأت اور دلیری سے باطل کو للکارتا ہوا حملہ آور ہوتا ہے وہ بڑے

زور شور سے اپنے دعویٰ کا اعلان کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

لقد ارسلت من رب کریم   رحیم عند طوفان الضلال

کہ یقیناً میں رحیم و کریم ربّ کی طرف سے اس طوفان اور گمراہی کے دور میں (بنی نوع انسان کی فلاح) کے طور پر لایا گیا ہوں۔ اسی طرح فرمایا:۔

رسید مژدہ ز غیبم کہ من ہماں مردم   کہ او مجدد ایں دین و رہنما باشد
منم مسیح بہانگ بلند مے گویم ،   منم خلیفہ شاہے کہ بر سما باشد

فرماتے ہیں اس مسیحی اور دجّالی فتنہ میں ایک مصلح اور ابن مریم نے ضرور آنا تھا کیونکہ یہ آنحضورؐ کا فرمان تھا ایک شعر میں فرماتے ہیں:۔

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت + میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا۔

اسی طرح فرماتے ہیں۔ "میں وہ پانی ہوں جو اترا آسماں سے وقت پر
میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

فرماتے ہیں۔ "اسی طرح اس زمانہ میں بھی اس پاک نبیؐ کی بہت توہین کی گئی اس لئے خدا کی غیرت نے جوش مارا اور سب گزشتہ زمانوں سے زیادہ جوش مارا اور مجھے اس نے مامور کر کے بھیجا تا کہ اسؐ کی نبوت کے لئے تمام دنیا میں گواہی دوں۔ اگر میں بے دلیل یہ دعویٰ کرتا ہوں تو جھوٹا ہوں لیکن خدا اپنے نشانوں کے ساتھ اس طور سے میری گواہی دیتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرق سے مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک اس کی نظیر نہیں تو انصاف اور خدا ترسی کا مقتضا یہی ہے کہ مجھے میری اس تمام تعلیم کے ساتھ قبول کریں۔"

یہی وقت حضرت مجدد صد چہاردہم کے ظہور کا وقت ہے اور میں ہی وہ ایک شخص ہوں جس نے اس صدی کے شروع ہونے سے پہلے دعویٰ کیا اور میں ہی وہ ایک شخص ہوں جس کے دعویٰ پر پچیس برس گزر گئے۔ اور اب تک زندہ موجود ہوں۔ اور میں ہی وہ ایک ہوں جس نے عیسائیوں اور دوسری قوموں کو خدا کے نشانوں کے ساتھ ملزم کیا پس جب تک میرے اس دعویٰ کے مقابل پر انہیں صفات کے ساتھ کوئی دوسرا مدعی پیش نہ کیا جائے تب تک میرا یہ دعویٰ ثابت ہے کہ وہ مجدد وقت جو آخری زمانہ کا مجدد ہے وہ میں ہی ہوں۔"

حضرت مرزا صاحب کا سب سے بڑا کام:۔

اس دور میں جبکہ دنیا مادہ پرستی اور زر و سیم کی پرستش میں منہمک تھی مذاہب اپنی حقیقت کھو چکے تھے حتیٰ کہ لم یبقیٰ من الاسلام الا اسمہ و لم یبقیٰ من القرآن الا سمہٗ اسلام کا صرف نام باقی رہ گیا تھا اور قرآن بطور رسم کے ہو گیا تھا اور مساجد تک کی یہ حالت تھی کہ مساجدھم عامرۃ وھی خرابٌ من الھدیٰ۔ مساجد کی عمارتیں موجود تھیں لیکن ہدایت گم ہو چکی تھی۔ مرزا صاحب نے زندہ خدا کا چہرہ دکھلا دیا۔ خدا کو بولتا ہوا ثابت کیا کہ - - - - - - آپ نے اعلان کیا کہ میرا قرآن کہتا ہے کہ ہر امت میں رسول ہو گزرا ہے اور یہ کہ میرا رسولؐ سب قوموں کو اکٹھا کرنے کے لئے اتحاد بنی نوع انسان کے لئے سب قوموں کی طرف رسول ہے۔

آپ نے زندہ خدا کے ثبوت کے لئے جہاں دہریت کے گھر میں زار روس کی حالت زار کا نقشہ کھینچا فاتحہ کی بے نظیر تفسیر کر کے دنیا کو چیلنج دیا۔ اور قرآن کریم کی برکت سے اپنی عربی دانی پر بھی دنیا کو چیلنج دیا۔ نہ کوئی عربی سامنے آیا نہ عجمی۔ فرماتے ہیں:۔ ؎

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند + ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

زندہ خدا:۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"کیا بد بخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دف سے میں بازاروں میں یہ منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں۔ اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔ اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے اور خدا اسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔ تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں اور اگر تم جانتے تو تم پر کوئی ایسا دن نہ آتا کہ تم دنیا کے لئے سخت غمگین ہو جاتے ..... خدا ایک پیارا خزانہ ہے۔ اس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے۔"

زندہ کتاب، زندہ رسولؐ : ـــــــ۔ آپ اور آپ کے متبعین نے قرآن پاک سے وہ وہ مطالب و دقائق نکالے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا قرآن اب نازل ہوا ہے۔ آپ کے پیروؤں نے انگریزی اور اردو میں تراجم اور تفاسیر سے نئی روشنی اور نئے علوم پر ناز کرنے والوں کو مبہوت کر دیا۔ شرک

؎

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا
ترک رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا
جو مر گئے انہیں کے نصیبوں میں ہے حیات
اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

⁂

اور تثلیث میں مبتلاء عیسائیوں اور آسمان پر بجسد عنصری یسوع مسیح کو دو ہزار سال سے زندہ کہنے والوں کو قرآن سے عیسیٰؑ کی وفات ثابت کر دکھلائی اور ساختہ تاریخی اور واقعاتی دلائل سے یہ شرک کی عمارت کردہا انسانوں کے سامنے دھڑام سے آرہی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرنے والوں کو نہ صرف دلائل سے قائل کیا بلکہ اُن کے گھروں (مغرب) میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اخلاقِ فاضلہ اور قوتِ قدسیہ کی تبلیغ واشاعت کی اور گستاخوں کو عملاً واصل جہنم اور تہ تیغ ثابت کر کے زندہ خُدا کا اور اس زندہ خُدا کے زندہ رسولؐ کا ثبوت دیا۔ منہ آنے والوں کو ڈرایا کہ، اے دشمنِ ناداں و بے راہ۔ بترس از تیغِ بُرّانِ محمدؐ

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"نوعِ انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔ اور آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے وہ جو یقین رکھتا ہے کہ خُدا سچ ہے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے۔ اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے اور کسی کے لئے خُدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خُدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخر کار اس کی روحانی فیض رسانی سے اس ماموُر کو دُنیا میں بھیجا۔"

الغرض یہ چودھویں صدی کا چاند پوری صدی کو اپنی روحانیت سے منور کر گیا۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس کی ضیاء سے منوّر ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

قرآن خُدا نما ہے خدا کا کلام ہے

ہے شکرِ ربِّ عزّوجل خارج از بیاں — جس کے کلام سے ہمیں اس کا ملا نشاں
وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں — ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں
اس سے ہمارا پاک دل و سینہ ہوگیا — وہ اپنے منہ کا آپ ہی آئینہ ہوگیا
اس نے درختِ دل کو معارف کا پھل دیا — ہر سینہ شک سے دھو دیا ہر دل بدل دیا
اس سے خدا کا چہرہ نمودار ہوگیا — شیطان کا مکر و وسوسہ بے کار ہوگیا
وہ رہ جو ذاتِ عزّوجل کو دکھاتی ہے — وہ رہ جو دل کو پاک و مطہّر بناتی ہے
وہ رہ جو یارِ گمشدہ کو کھینچ لاتی ہے — وہ رہ جو جامِ پاک یقیں کا پلاتی ہے
وہ رہ جو اس کے ہونے پر محکم دلیل ہے — وہ رہ جو اس کے پانے کی کامل سبیل ہے

ارشاداتِ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ

جو شخص چندہ دینے کو اپنے لئے بوجھ خیال کرتا ہے

بعض لوگوں کے دل میں خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آئے دن ہم پر چندے لگائے جاتے ہیں، کہاں تک برداشت کریں میں جانتا ہوں کہ ہر شخص ایسا دل نہیں رکھتا کیونکہ ایک طبیعت کے ہی سب نہیں ہوتے۔ بہت سے تنگ دل اور کم ظرف ہوتے ہیں اور اس قسم کی باتیں کر بیٹھتے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی کیا پرواہ ہے، ایسے شبہات ہمیشہ دنیاداری کے رنگ میں پیدا کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو توفیق بھی نہیں ملتی لیکن جو لوگ محض خدا تعالےٰ کے لئے قدم اُٹھاتے ہیں اور اسکی مرضی کو ہی مقدم کرتے ہیں اور اس بناء پر جو کچھ بھی خدمتِ دین کرتے ہیں، اس کے لئے اللہ تعالےٰ خود انہیں توفیق دے دیتا ہے اور اعلائے کلمۃ الاسلام کے لئے جن اموال کو وہ خرچ کرتے ہیں، ان میں برکت رکھ دیتا ہے، یہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے اور جو لوگ صدق اور اخلاص سے قدم اُٹھاتے ہیں، انہوں نے دیکھا ہوگا کہ کس طرح پر اندر ہی اندر انہیں توفیق دی جاتی ہے۔ وہ شخص بڑا نادان ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ آئے دن ہم پر بوجھ پڑتا ہے، وہ سست بڑا ہو جائیں اور بخل سے یہ کہیں کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ تو خدا تعالےٰ ایک اور قوم پیدا کر دے گا جو اِن سب اخراجات کا بوجھ خوشی سے اُٹھائے گی اور پھر بھی سلسلہ کا احسان مانے گی۔

(ملفوظات جلد ہشتم ص ۳۲۸)

از قلم :- محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ (لندن)

بندۂ خاص

مئی کا مہینہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہار دہم کی اس دنیا سے رخصت کا ہے اور میں سوچ رہی ہوں کہ جس طرح صبح صادق نمودار ہونے سے پہلے رات زیادہ تاریک ہو جاتی ہے اسی طرح اس گزری ہوئی چودہویں صدی کا ابتدائی زمانہ اسلام اور مسلمانوں پر ایک اندھیرے کا زمانہ تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ دنیاوی حکومت اور جاہ و حشمت تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل ہی گئی تھی۔ اپنے مذہب سے بھی وہ جس طرح غافل و لاپرواہ ہو گئے تھے اس وقت کا نقشہ اس وقت کے شاعرِ قوم مولانا حالی کی اس درد بھری رباعی سے نظر آتا ہے کہ :- ؎

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے ۔ اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے

مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد ۔ دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

اللہ بھلا کرے اسوقت کے لوگوں کا جن کے ہاتھوں میں مذہب کی باگ ڈور تھی کہ عام انسان کے لئے انہوں نے اسلام کو ایک چھوئی موئی کی جھاڑی بنا دیا تھا کہ نزدیک گئے نہیں کہ وہ سکڑ کر کملا گئی۔ اللہ پر ایمان اور بھروسہ بہت دور ستاروں کی بلندی پر جا چکا تھا۔ پیر فقیر گنڈے تعویذ دم درود کا آسرا تھا۔ قرآن کریم ریشم اور مخمل کے غلافوں میں لپٹا رہتا تھا۔ رہی تبلیغ اسلام تو وہ بجائے پھیلائے جانے کے الٹے رخ پر جا رہی تھی جس کا ذکر اسی زمانہ کے ایک عالم اور شاعر علامہ شبلی نعمانی کا جنہوں نے کس خوبی سے بیان کیا ہے کہ :- ؎

ایک مولوی صاحب سے کہا میں نے کہ آپ + کچھ حالتِ یورپ سے خبردار نہیں ہیں۔

آمادۂ اسلام ہیں مغرب میں ہزاروں + ہر چند ابھی درپئے اظہار نہیں ہیں

افسوس مگر یہ ہے کہ واعظ نہیں پیدا + اور ہیں بھی تو آمادۂ بہ کار نہیں ہیں

کیا آپ کے دل میں نہیں یہ درد + کیا آپ بھی اس کے لئے تیار نہیں ہیں

جھنجھلا کے وہ بولے کہ یہ کیا سوء ادب ہے، + کرتے ہو وہ باتیں جو سزاوار نہیں ہیں

کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر

بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بے کار نہیں ہیں

اب اس طرف سے نگاہِ تصور ہٹا کر حضرت مرزا صاحب کی دنیاوی زندگی پر نظر ڈالیں تو وہ اچھی خاصی تھی۔ حسب نسب کے ناطے اور گھر کی زمینداری اور فارغ البالی کے لحاظ سے آپ کا خانہ اس وقت کے شرفا اور اونچے نوابی خاندانوں سے ٹکر لیتا تھا۔ چنانچہ خود آپ کی رفیقۂ حیات نواب لوہارو کے گھرانے سے تھیں۔ غدر اور سکھا شاہی کے بعد انگریزی حکومت میں امن و امان اور مذہبی آزادی تھی۔ سستا سماں تھا اگر آپ چاہتے تو آرام و راحت سے ایک رئیس زادے کی بے فکری کی زندگی گزار سکتے تھے مگر یہاں آکر مجھے حضرت مولانا نور الدین صاحب رح کے ایک بزرگ استاد مولوی عبد القیوم صاحب کی نصیحت جو انہوں نے وقتِ رخصت اپنے شاگرد کو کی یاد آتی ہے کہ میاں "خدا نہ بننا اور رسول نہ بننا" (مطلب یہ تمہاری خواہش ہو اور وہ پوری نہ ہو تو تم اپنے نفس سے کہو کہ میاں تم کوئی خدا ہو کہ تمہاری سب باتیں ضرور پوری ہوں) اور رسول کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آتا ہے۔ وہ یقین کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی سے لوگ جہنم میں جائیں گے۔ اس لئے اس کو بہت رنج ہوتا ہے۔" انہوں نے تو مختصر بات فرمائی مگر سچ پوچھئے تو رسول تو خیر بہت ہی اونچے مقام پر کھڑے ہوتے ہیں لیکن ان کے بعد بھی اللہ کا کوئی فرستادہ مجدد۔ ولی۔ ریفارمر اس کی طرف سے حکم پا کر اٹھا نہیں اور دنیا نے اس کی گت بنائی نہیں۔ ابتدائے زمانہ سے دنیا کی تاریخ کے اوراق پلٹ لیں یہی ماجرا دہرایا ہوا ملتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب دشمنان اسلام کے حملوں کا جواب دینے کے لئے اٹھے تو ان کا خیر مقدم خوشی اور جوش و خروش سے کیوں ہوتا ان کی تو وہ مخالفت ہوئی کہ ابھی تک اس کا سلسلہ جاری ہے۔ خود آپ کے ایک شعر سے اس بات کا سرسری سا اندازہ ہوتا ہے کہ :- ؎

کافر و ملحد و دجال ہمیں کہتے ہیں ۔ نام کیا کیا غمِ ملت میں رکھایا ہم نے

ساتھ ہی ان کا اپنا رویہ یوں تھا کہ :- ؎

گالیاں سن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو

رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

آپ کا آنا اور چلے جانا اب قصۂ ماضی بنتا جا رہا ہے۔ لیکن گزرے ہوئے حالات و واقعات کے نتائج تو اب سامنے آئے ہیں اور آتے رہیں گے۔ کہاوت ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح انسان ہر خدائی امر کے نتیجے کو دیکھے تو حقیقت نظر آ جاتی ہے۔

باوجود حضرت مرزا صاحب کی شدید مخالفت اور ان کو ناکام رکھنے کی سرتوڑ کوشش کے ان کے کام کی جڑ کٹنی تو دور رہی آج وہ بیج ہرا بھرا پھلا پھولا درخت بن گیا ہے۔ آپ کا مشن باوجود رکاوٹوں اور اندرونی اختلافات اور جھگڑوں سے زندہ ہے مگر تعصب کا برا ہو کہ وہ حقیقت کو پہچاننے نہیں دیتا۔ ورنہ کوئی عالم و فاضل چھوڑ میرے جیسا معمولی انسان بھی واقعات کو دیکھے اور سوچے تو اس کو نظر آ جائے کہ آخر اس چھوٹے سے گم نام گاؤں میں جس بندۂ خاص کو خدا نے کھڑا کیا اگر وہ جھوٹا۔ مفتری یا مجنوں ہوتا تو کیا اس زمانہ کے بہت سے چوٹی کے عالم و فاضل اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ذہین اور ادراک و فہم رکھنے والے نوجوان۔ دانا و بینا مسلمان بھی عقل و ہوش سے عاری ہو گئے تھے کہ دیوانہ وار اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ چلیے یہ بھی مان لیتے ہیں کہ ان سب پر مرزا کی دیوانگی کا سایہ پڑ گیا تو پھر یہ دیکھیے کہ اس کے ان دیوانوں نے کیا کیا کام کئے۔ ان کے نام ان کے کام چودہویں صدی کے ورق سے مٹائے نہیں جا سکتے۔ بہتوں میں سے دو تین کا ذکر کر دوں حضرت حکیم الامت مولانا نور الدین صاحب رح۔ حضرت مولانا محمد علی رح اور حضرت خواجہ کمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ،

پہلے دیوانے نے قادیان میں قرآنِ کریم کھول کر اپنے درسوں میں علم و حکمت معرفت و بصیرت کے دریا بہا دیئے۔ دوسرے نے عمر عزیز قرآن کے انگریزی اردو ترجمے تفسیر اور اسلام پر بے بہا

کتابیں رسالے تصنیف کرنے میں گزار دی۔ تیسرا حضرت مرزا صاحب کے ایماء پر اسلام کا پیغام لے کر مغرب کی وادیوں میں جا پہنچا۔ ابھی تو مغربی کرّہ کے وہ جزیرے اور قومیں دورِ ماضی کی کہانیاں نہیں بنیں جہاں کے مسلمانوں کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی مذہب اسلام پر لکھی ہوئی کتابوں اور لٹریچر نے عیسائی ہونے سے بچایا۔ انڈونیشیا۔ فیجی۔ ٹرینیڈاڈ۔ گیانا۔ سُرینام کے مذہب سے ناواقف مسلمان سب ان دیوانوں کی دیوانگی سے عقل و ہوش میں آکر اسلام کی راہ پر مضبوط کھڑے ہو گئے۔ اگر اسی کا نام دیوانگی ہے، جنون ہے تو پھر اس پر سے عقل و ہوش کو قربان کر دینے کو دل چاہتا ہے۔

میں سمجھتی ہوں کہ ان کھلے ثابت شدہ نتائج اور حقائق کو پہنچاننے اور ماننے میں تعصب کے بعد رشک اور حسد سدِّ راہ بن جاتا ہے۔ بڑے بڑے لوگ اپنے زہد و اتقاء کے دعوے پر سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی مجدّد یا اللہ کے کسی وعدے کا موعود آئے تو اس کا چناؤ ان میں سے ہونا چاہیئے۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ مجھے یہاں اُردو کے ایک پُرانے شاعر کا شعر یاد آتا ہے کہ:۔

تُو نے جس خاک کو چاہے وہ بنے بندۂ خاص
میں خدا کس کو بناؤں جو خفا تو ہو جائے۔

اللہ جس کو چاہے بندۂ خاص بنانے کو چن لیتا ہے۔ خُدا کے اس کام میں خود اپنی پسند اور خواہش کو راستہ دے کر معترض ہونا اور مخالفت کرنا بجائے اپنے اور اپنی قوم کے لئے بھلائی اور بہتری کا موجب بننے کے اللہ کی ناراضگی اور عتاب کے محل ہو سکتا ہے۔ سو اللہ کی حکمت سے راضی رہ کر ہی اس کے بندوں کا گزارا ہے کیونکہ ؎

"میں خُدا کس کو بناؤں جو خفا تو ہو جائے"

میں کیسی عاجزی اور انکسار کا اظہار ہے۔ انسان اللہ کی مصلحتوں کو مان کر اور اس کے نیک اور خاص بندوں کے بارے میں شک و شبہ نہ کر کے مخالفت کو ترک کر دے تو اللہ کی بندگی اور اطاعت میں رہ کر اس کے دین و دُنیا سنور سکتے ہیں۔ اللہ ہمیں ایسی ہی توفیق دے۔ آمین!

* * * *

ہدیۂ عقیدت بحضور سرورِ کونینؐ

اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت ۔ ؛ بشو از دل ثنا خوانِ محمدؐ
اگر خواہی دلیلے عاشقش باش ؛ محمدؐ ہست بُرہانِ محمدؐ
سرے دارم فدائے خاکِ احمدؐ ؛ دِلم ہر وقت قربانِ محمدؐ
بسے سہل است از دنیا بریدن ؛ بیادِ حسن و احسانِ محمدؐ
فدا شُد در رہش ہر ذرّۂ من ؛ کہ دیدم حُسنِ پنہانِ محمدؐ
من آں خوش مرغ از مرغانِ قدسم
کہ دارد جا بہ بستانِ محمدؐ

(از حضرت بانی سلسلہ احمدیہ)

اخبارِ احمدیہ

- حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدرالدّین ایدہ اللہ تعالےٰ بخیریت ہیں۔ احباب کرام اُن کی صحت و عافیت والی زندگی کے لئے اپنی دُعائیں جاری رکھیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی کی صحت خدا تعالےٰ کے فضل سے اچھی ہے جیسا کہ پہلے اطلاع دی جا چکی ہے۔ آپ ماہِ رواں کے آخر میں ممالک مختلفہ کے دورہ پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ احباب سلسلہ اور جماعت کے تہجّد گزار بزرگوں سے خصوصاً دعا کی درخواست ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ آپ کو وہاں صحت و عافیت سے رکھے اور حضرت موصوف کے خدمت و اشاعتِ اسلام کے پروگراموں اور ترقی جماعت کی کوششوں کو کامیاب فرمائے اور سفر و حضر میں ان کا حامی و ناصر ہو۔

دعائے صحت کی درخواست:۔

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے نامور اور ہر دلعزیز مبلّغ محترم جناب حافظ شیر محمد صاحب خوشابی حال مقیم فیجی بعارضہ قلب بیمار ہیں۔ انہوں نے اپنے خط میں تمام احبابِ جماعت کی خدمت میں السلام علیکم کے بعد دعائے صحت کی درخواست کی ہے۔ حافظ صاحب موصوف جماعتِ احمدیہ لاہور کا ایک قیمتی وجود ہیں۔ جیّد عالم دین۔ خوش بیان واعظ اور اسلام و سلسلہ کے سچّے عاشق ہیں۔ اسوقت آپ وطن سے ہزاروں میل دور فیجی میں خدمت و - - - - - - تربیّت جماعت کے اہم کام میں مصروف ہیں، تمام احبابِ جماعت سے عموماً اور سلسلہ کے تہجّد خواں بزرگوں سے دعا کی خصوصی درخواست ہے کہ اللہ تعالےٰ انہیں صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ آمین،

درخواستِ دُعا:۔ خاکسار نائب مدیر پیغام صُلح تقریباً دو ہفتہ سے بعارضہ ہائی بلڈ پریشر علیل ہیں۔ احباب کرام سے دُعائے صحت کی درخواست ہے۔

وفات:۔ راولپنڈی سے جناب نسیم احمد صاحب نے بحوالہ مولانا بشیر احمد منٹو یہ افسوسناک اطلاع دی ہے کہ مکرم خواجہ شریف احمد صاحب کے داماد خواجہ علی محمد صاحب کی والدہ رضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔ احباب جماعت سے مرحومہ کے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

وفات:۔ مکرم ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب پشاور کی صاحبزادی محترمہ جمیلہ رحمٰن رضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔ احباب سلسلہ سے جنازۂ غائبانہ کی درخواست ہے۔

* * *

مکرم جناب فخر الدین احمد - راولپنڈی

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی نصائح اور وصایا

خدا کے مامور بشیر بھی ہوتے ہیں اور نذیر بھی۔ چنانچہ مجدد صد چہار دہم جو مامور من اللہ تھے انکے کلام میں بشارتیں بھی تھیں اور انذار بھی۔ ذیل میں ہم حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے چند ارشادات پیش کرتے ہیں جن میں آپ نے اپنے متبعین کو بشارتیں بھی دی ہیں اور نصیحتیں بھی:۔

”سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالے دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا دے۔ سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالے اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے۔ اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا۔ جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔ جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا۔ سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے۔ وہ سب کچھ تمہیں دکھائے گا جس کا اس نے وعدہ فرمایا۔“

”خدا تعالے چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیاء۔ ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالے کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔ سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے روح القدس پاکر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو۔“

”تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے۔ ہر ایک قوم دنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اس کی طرف دنیا کو توجہ نہیں۔ وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے موقعہ ہے کہ اپنے جوہر دکھلائیں اور خدا سے خاص انعام پاویں۔“

”یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کرے گا۔ تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔ پس مبارک وہ جو خدا تعالے کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے تا خدا تمہاری آزمائش کرے کہ کون اپنے دعوائے بیعت میں صادق اور کون کاذب ہے۔ وہ جو کسی ابتلاء سے لغزش کھائے گا وہ کچھ بھی خدا کا نقصان نہیں کرے گا۔ اور بدبختی اس کو جہنم تک پہنچا دے گی۔ اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا تھا۔ مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے اور ان پر مصائب کے زلزلے آئیں گے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی اور دنیا ان سے سخت کراہت سے پیش آئے گی وہ آخر فتحیاب ہونگے اور برکتوں کے دروازے اُن پر کھولے جائیں گے۔

خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے ایسا ایمان جو اس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں۔ اور وہ ایمان نفاق اور بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں۔ ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں۔ اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے۔“

”اے سننے والو سنو! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اسی کے ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا۔ اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا۔ اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ وہ پہلے سنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سنتا ہے مگر بولتا نہیں بلکہ وہ سنتا ہے اور بولتا بھی ہے۔ اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں۔ کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہوگی۔ وہ وہی واحد لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔ وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں۔ اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں جس کا کوئی ہم صفات نہیں اور جس کی کوئی طاقت کم نہیں وہ قریب ہے باوجود دور ہونے کے اور دور ہے باوجود نزدیک ہونے کے۔“

(الوصیّت)

”یاد رکھو نری بیعت سے کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالے اس رسم سے راضی نہیں ہوتا جب تک کہ حقیقی بیعت کے مفہوم کو ادا نہ کرے۔ اس وقت تک یہ بیعت بیعت نہیں نری رسم ہے اس لئے ضروری ہے کہ بیعت کے حقیقی منشاء کو پورا کرنے کی کوشش کرو یعنی تقوٰے اختیار کرو۔ قرآن شریف کو خوب غور سے پڑھو اور اس پر تدبر کرو اور پھر عمل کرو کیونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ اللہ تعالے نرے اقوال اور باتوں سے کبھی خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالے کی رضا کے حاصل کرنے کیواسطے

ری ہے کہ اس کے احکام کی پیروی کی جائے اور اس کے سے بچتے رہو"

(الحکم ۱۹۰۴ء)

نیچے ہیں۔ اور وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں لیکن آگ سے نہیں جلائے جاتے بلکہ ان سے کہ تا خدا تعالٰے کی قدرتیں ظاہر ہوں اور ان سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے اور لعنت کی جاتی ہے اور وہ ہر طرح سے ستائے جاتے ہیں۔ اور دُکھ دیئے جاتے ہیں۔ اور طرح طرح کی بولیاں ان کی نسبت بولی جاتی ہیں اور بدظنیاں بڑھ جاتی ہیں یہاں تک کہ بہتوں کے خیال و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ سچے ہیں۔ بلکہ جو شخص ان کو دُکھ دیتا اور لعنتیں بھیجتا ہے وہ اپنے دل میں خیال کرتا ہے کہ بہت ہی ثواب کا کام کر رہا ہے۔ پس ایک مدت تک ایسا ہی ہوتا رہتا ہے اور اگر اس برگزیدہ پر بشریت کے تقاضا سے کچھ قبض وارد ہو تو خدا تعالٰے اس کو ان الفاظ سے تسلی دیتا ہے کہ صبر کرے جیسا کہ پہلوں نے صبر کیا اور فرماتا ہے کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں پس وہ صبر کرتا ہے یہاں تک کہ امر مقدر اپنی مدت مقررہ تک پہنچ جاتا ہے۔ تب غیرت الٰہی اس غریب کے لئے جوش مارتی ہے اور ایک ہی تجلی میں اعداء کو پاش پاش کر دیتی ہے۔ سو اوّل نوبت دشمنوں کی ہوتی ہے اور اخیر میں اس کی نوبت آتی ہے۔"

(ملفوظات احمدیہ جلد اوّل)

" یاد رکھو خدا کے بندوں کا انجام کبھی بد نہیں ہوا کرتا۔ اس کا وعدہ کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی بالکل سچا ہے اور یہ اس وقت پورا ہوتا ہے جب لوگ اس کے رسولوں کی مخالفت کریں۔ فریبی مکاروں کی دنیا مخالفت نہیں کرتی کیونکہ دنیا دنیا سے مل جاتی ہے لیکن جسے خدا برگزیدہ کرتا ہے اس کی مخالفت ہونی ضروری ہے۔ سچے کے ساتھ ایک بڑے طوفان کے بعد لوگ ملا کرتے ہیں۔ اور عقلمند لوگ جان جاتے ہیں کہ اگر یہ خدا تعالٰے کی طرف سے نہ ہوتا تو اتنی مخالفت پر کیسے کامیاب ہوتا۔ یہ سب امور مخالفت وغیرہ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور اس میں وہ اپنے بندے کا صبر دیکھتا ہے اور دکھلاتا ہے کہ دیکھو جس کو میں انتخاب کرتا ہوں وہ کیسے بہادر ہیں۔"

(البدر - ۱۹۰۴ء)

"اور میں اس جگہ اس بات کا اظہار بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ جس قدر لوگ میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہیں وہ سب کے سب ابھی اس بات کے لائق نہیں کہ میں ان کی نسبت کوئی عمدہ رائے ظاہر کر سکوں۔ بلکہ بعض خشک ٹہنیوں کی طرح نظر آتے ہیں جن کو میرا خداوند جو میرا متولّی ہے مجھ سے کاٹ کر جلنے والی لکڑیوں میں پھینک دے گا۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ اول ان میں دلسوزی اور اخلاص بھی تھا مگر اب ان پر سخت قبض وارد ہے۔ اور اخلاص کی سرگرمی اور مریدانہ محبت کی نورانیت باقی نہیں رہی۔ بلکہ صرف بلعم کی طرح مکاریاں باقی رہ گئی ہیں۔ اور بوسیدہ دانت کی طرح اب بجز اس کے کسی کام کے نہیں کہ منہ سے اکھاڑ کر پیروں کے نیچے ڈال دیئے جائیں۔ وہ تھک گئے اور درماندہ ہو گئے اور نابکار دنیا نے اپنے دامِ تزویر کے نیچے انہیں دبا لیا سو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ عنقریب مجھ سے کاٹ دیئے جائیں گے۔ بجز اس شخص کے کہ خدا تعالٰے کا فضل نئے سرے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیوے ایسے بھی

* * *

غلبہ و فتح کی شرائط

قدمِ صدق، نفسانی اغراض پر موت :-

دیکھو میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ آدمی ہلاک شدہ ہے جو دین کے ساتھ کچھ دنیا کی ملونی رکھتا ہے۔ اور اس نفس سے جہنم بہت قریب ہے۔ جس کے تمام ارادے خدا کے لئے نہیں ہیں بلکہ کچھ خدا کے لئے اور کچھ دُنیا کے لئے پس اگر تم دنیا کی ایک ذرّہ بھر بھی ملونی اپنے اغراض میں رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں۔ اس صورت میں تم خدا کی پیروی نہیں کرتے بلکہ شیطان کی پیروی کرتے ہو۔ تم ہرگز توقع نہ کرو کہ ایسی حالت میں خدا تمہاری مدد کرے گا بلکہ تم اس حالت میں زمین کے کیڑے ہو اور تھوڑے ہی دنوں تک اس طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح کیڑے ہلاک ہوتے ہیں۔ اور تم میں خدا نہیں ہوگا۔ بلکہ تمہیں ہلاک کر کے خدا خوش ہوگا۔

نرمی و گرمی محض خُدا کے لئے

لیکن اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے تب خدا میں ظاہر ہو جاؤ گے اور خدا تمہارے ساتھ ہوگا اور وہ گھر بابرکت ہوگا جس میں تم رہتے ہو گے اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہوگی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں۔ اور وہ شہر بابرکت ہوگا جہاں ایسا آدمی رہتا ہوگا۔ اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی و گرمی محض خدا کے لئے ہو جاوے گی اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان نہیں کرو گے اور تعلق کو نہیں توڑو گے بلکہ آگے قدم بڑھاؤ گے تو میں سچ سچ کہتا ہوں تو خدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤ گے تم بھی انسان ہو جیسا کہ میں انسان ہوں۔ اور وہی میرا خدا ہے جو تمہارا خدا ہے۔ پس اپنی پاک قوتوں کو ضائع مت کرو۔ اگر تم پورے طور پر خدا کی طرف جھکو گے تو دیکھو میں خدا کے منشاء کے موافق تمہیں کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک قوم برگزیدہ ہو جاؤ گے۔ خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو۔ تا کہ خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے۔ کینہ وری سے پرہیز کرو اور بنی نوع سے سچی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ۔ ہر ایک راہ نیکی کی اختیار کرو۔ نہ معلوم کس راہ سے تم قبول کئے جاؤ۔ تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے۔ ہر ایک قوم دُنیا سے پیار کر رہی ہے۔ اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اس کی طرف تو دنیا کو توجہ نہیں۔ وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازے میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے موقع ہے کہ اپنے جوہر دکھلائیں اور خدا سے خاص انعام پاویں یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا۔

مکرم مرزا محمد لطیف صاحب شاہد۔

چودھویں صدی کا بطلِ جلیل

اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جس طرح انسان کی مادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اس نے یہ کائنات بنائی ہے اور اس میں اتنی چیزیں پیدا کی ہیں جن کی انسان حدبست نہیں کر سکتا۔ اور یہ اتنی اہم اور ضروری ہیں کہ ان کے بغیر انسان ایک لمحہ بھی دنیا میں زندہ و قائم نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح انسان کی روحانی اور دائمی زندگی کے قرار کے لئے روحانی سلسلہ بھی جاری فرمایا ہے اور ہمیشہ سے دنیا کے رہنے والوں کی تربیت کے لئے اپنے مامور مبعوث فرمایا کرتا ہے۔ قرآن مجید گواہی دیتا ہے کہ ہر ملک، قوم علاقہ۔ زمانہ میں ایسے پاکیزہ افراد تشریف لاتے رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے علم پاکر اس کی مخلوق کی راہنمائی کرتے رہے ہیں۔ اور ان ہادیوں کا وجود اسی طرح ہمیشہ سے تسلسل کے ساتھ آتا رہا ہے جس طرح یہ دنیاوی نظام ابد سے جاری و ساری ہے۔ عموماً انسان کی نظر محدود اور وقتی فائدہ کی طرف جلد مائل ہوتی ہے اور اگر کبھی اس میں کچھ عرصہ تک تعطل یا تاخیر واقع ہو تو وہ پریشانی اور بے چارگی کا اظہار کرتا ہے لیکن اصل زندگی کے لئے جو اللہ تعالیٰ نے انتظام مقرر فرمایا ہے اس کو قائم و دائم رکھنے کے لئے جو اسباب مقرر فرمائے ہیں ان سے صرفِ نظر کر جاتا ہے۔ اپنے آپ کو ان سے وابستہ نہیں کرتا اور غفلت کے پردوں میں پڑا رہتا ہے۔ حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

کونوا مع الصّٰدقین

ہمیشہ ان لوگوں کے ساتھ وابستہ رہنا۔ ان کے ساتھ تعلق رکھنا۔ ان کے بتلائے ہوئے رستہ پر چلنا۔ ان سے روشنی لینا جن کو اللہ تعالیٰ نے راہنمائی کے لئے مقرر فرمایا ہے :۔

اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے کہ ہم مسلمان قرآن مجید کو مانتے ہیں۔ یہ کامل و مکمل کتاب ہے۔ ہر رنگ میں ہمیں سیدھا رستہ بتاتی ہے ایسی پاکیزہ تعلیم دیتی ہے جس کا سیکھنا۔ اس پر چلنا بڑا سہل ہے اور انسان زندگی میں جو امور دنیاوی حیات کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا آخرت کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں ان سب پر روشنی ڈالتی ہے اور قیامت تک اس کتاب نے ہی رہنا ہے۔ اور دوسری طرف حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا وجود باجود سراج منیر ہے۔ اب دنیا میں وہی چراغ روشن ہوگا جس کا تعلق حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ ہوگا۔ اور تاریکی میں آپؐ کی لائی ہوئی تعلیم اور ہدایت روشنی کا کام دے گی۔

آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر اطلاع دی۔

ان اللّٰہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ (ابوداؤد)

ہر صدی میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک راہنما پیدا ہوا کرے گا۔ ۔ہمارے زمانہ میں بھی ایک مامور تشریف لائے۔ کیا فرماتے ہیں۔ اسوقت یہ حالت تھی :۔

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید + دینِ حق بیمار و بے کس ہمچو زین العابدین

مردم ذی مقدرت مشغول عشرت ہائے خویش

خرم و خنداں نشستہ با بتانِ نازنین

عالماں را روز و شب باہم فساد از جوشِ نفس

زاہداں غافل سراسر از ضرورت ہائے دین

ایک طرف "اپنوں" کی یہ حالت ہے جس کا نقشہ آپ نے مندرجہ بالا سطور میں کھینچا ہے۔ دوسری طرف ادیانِ باطلہ اپنی پوری طاقت سے اسلام پر حملہ آور ہیں۔ اتنا بڑا خطرناک حملہ تھا کہ آج بھی انسان تصور کر کے کانپ اٹھتا ہے۔ جو مذاہب صدیوں سے اپنی عمر طبعی پوری کر چکے تھے وہ بھی اسلام ایسے زندۂ جاوید دین پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ جگہ جگہ جلسے کر رہے تھے۔ کتابیں لکھ رہے تھے۔ رسالے شائع کر رہے تھے مسلمانوں سے مناظرے کر رہے تھے۔ ربنا المسیح، ربنا المسیح کی آوازیں بلند کر رہے تھے۔ زندہ رسول۔ زندہ نبیؐ اصلی زندہ نبی اور اصلی زندہ رسول کو چھوڑ کر دوسرے کو ثابت کر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس ناؤ کے ناخدا لمبی تان کر سو رہے تھے۔ انہی حالات میں حضرت مرزا صاحب مبعوث ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"سو میں صلیب کے توڑنے اور خنزیر کے قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ میں آسمان سے اترا ہوں اور ان پاک فرشتوں کے ساتھ جو میرے دائیں بائیں تھے جن کو میرا خدا جو میرے ساتھ ہے میرے کام کے پورا کرنے کے لئے ہر ایک مستعد دل میں داخل کرے گا۔ بلکہ کر رہا ہے۔ اور اگر میں چپ بھی رہوں اور میری قلم لکھنے سے رکی بھی رہے تب بھی وہ فرشتے جو میرے ساتھ اترے ہیں اپنا کام بند نہیں کر سکتے۔ اور ان کے ہاتھ میں بڑی بڑی گرزیں ہیں۔ جو صلیب توڑنے اور مخلوق پرستی کے ہیکل کچلنے کے لئے دیئے گئے ہیں۔"

(فتح اسلام)

یہ ہزارہا اقتباسات میں سے ایک اقتباس ہے۔ جو کہ آج سے ایک صدی پیشتر تحریر فرمائے گئے اس وقت عیسائی پوا در پورے زور کے ساتھ میدان میں اترے ہوئے تھے اور علی الاعلان یہ کہہ رہے تھے کہ اب اسلام چند دن کا مہمان ہے جس طرح ہماری مملکت (انگریزی حکومت) پر سورج ظاہری طور پر غروب نہیں ہوتا اسی طرح عقیدہ کی رو سے بھی ہمارے یسوع ناصری کے ماننے والے روئے زمین پر پھیل رہے ہیں۔ جن کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ کر سکے گا۔

آج تاریخ شہادت دیتی ہے۔ واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور وہ خود گواہی دیتے ہیں :۔

HAS THE CHURCH FAILD

میں سینٹ جونیئر کالج آکسفورڈ کے پریذیڈنٹ سر ساؤل نارووڈ لکھتے ہیں :۔

"یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے کہ یورپ اور امریکہ کے مردوں اور عورتوں کا ایک بڑا حصہ اب عیسائی نہیں رہا ہے اور شاید یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ ان کی اکثریت اب ایسی ہی ہے"

اسی طرح ایڈورن لوئیس نے جو امریکہ میں ایک مذہبی ادارے میں مسیحی دینیات کے پروفیسر

ہیں۔" اے مینول آف کرسچین بلیفس" میں لکھتے ہیں:۔

"بیسویں صدی کے لوگ مسیح کو خدا ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔"

یہ انقلاب کس نے پیدا کیا۔ وہ صرف اور صرف چودہویں صدی کا بطلِ جلیل حضرت مرزا صاحب غلام احمد قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ ہی ہیں۔ جن کو اس صلیبی فتنے کو پاش پاش کرنے کے لئے خدا نے مبعوث فرمایا ہے فرماتے ہیں:۔

"اس زمانہ کے عیسائیوں پر گواہی دینے کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تا میں لوگوں پر ظاہر کر دوں کہ ابن مریم کو خدا ٹھہرانا ایک باطل اور کفر کی راہ ہے۔ اے عیسائیو! یاد رکھو کہ مسیح ابن مریم ہرگز ہرگز خدا نہیں ہے۔ تم اپنے نفسوں پر ظلم مت کرو۔ خدا کی عظمت مخلوق کو مت دو۔ سچے خدا کی طرف آجاؤ۔ تا تمہارا بھلا ہو اور تمہاری عاقبت بخیر ہو۔"

(کتاب البریہ)

اور زبردست دلائل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی وفات کو ثابت فرمایا۔ عقلی و نقلی دلائل کا ایک پہاڑ کھڑا کر دیا۔ اب کیا حالت ہے۔

ہالینڈ کا ایک مشہور اخبار زیر عنوان "اسلامی ہلال یورپ کے افق پر" لکھتا ہے:۔

"یورپ کا نوجوان طبقہ عیسائیت سے بیزار ہو رہا ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ کسی بھی دوسری چیز کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف اسلام اتحاد کا علم لئے ہوئے ہے اور یہ نوجوان ادھر مائل ہو رہے ہیں۔ اس میلان کو روکنے اور تبلیغ کے اثرات کو دور کرنے کے لئے جس کا سب سے طاقتور انجمن جماعت احمدیہ ہے۔ ہمیں اس کی راہ میں ایک مضبوط ستون گاڑنا ہوگا۔"

کجا وہ یہ خواب دیکھ رہے تھے کہ اب ساری دنیا پر عیسائیت محیط ہو جائے گی۔ اب چرچ یہ اعلان کر رہا ہے دی آرچ بشپ آف ایسٹ افریقہ ریورنڈ لینرڈ (ٹانگانیکا) سنڈیڈو ۲۳ دسمبر ۱۹۶۱ء میں لکھتے ہیں:۔

"چرچ کے لئے اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ عیسائیت بڑی تیزی کے ساتھ تنزل کی طرف جا رہی ہے۔"

پس ہم لوگ کتنے خوش قسمت ہیں جن کو اس مبارک وجود کے ساتھ منسلک ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"پس یہ مت خیال کرو کہ میں تلوار چلانے آیا ہوں۔ نہیں بلکہ تمام تلواروں کو میان میں کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ دنیا نے بہت کچھ اندھیرے میں کشتی کی۔ بہتوں نے اپنے سچے خیر خواہوں پر حربے چلائے اور اپنے دردمند دوستوں کے دلوں کو دکھایا۔ اور عزیزوں کو زخمی کیا مگر اب اندھیرا نہیں رہے گا۔ رات گزری۔ دن چڑھا۔ اور مبارک وہ جو محروم نہ رہے۔" (مسیح ہندوستان میں)

حضرت مرزا صاحب! آپ حیات لے کر تشریف لائے ہیں۔ واقعی دن چڑھ گیا ہے۔ دلوں کے زنگ دور ہو گئے ہیں۔ ہر طرف اجالا ہی اجالا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"میں یقین رکھتا ہوں کہ جو صبر اور صدق دل سے میرے پیچھے آتا ہے وہ ہلاک نہ کیا جائے گا۔ بلکہ وہ اس زندگی سے حصہ لے گا جس کو کبھی فنا نہیں۔"

اس زندگی کو پانے کے لئے ایک رستہ طے کرنا ہے۔ ایک مجاہدہ کی ضرورت ہے۔ قیل و قال بہت ہو چکی ہے۔ اب عمل کا دور شروع ہے۔ فرمایا:۔

"اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی، مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے۔" (فتح اسلام)

یہ روحانی زندگی کس طرح ملے گی؟ فرماتے ہیں:۔

"دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جدا کرتی ہیں۔ اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو۔ وہ درد جس سے خدا راضی ہو اس لذت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضب الٰہی ہے۔ اس محبت کو چھوڑ دو۔ جو خدا کے غضب کے قریب کرے۔ اگر تم صاف دل ہو کر اس کی طرف آجاؤ۔ تو ہر ایک راہ میں وہ تمہاری مدد کرے گا اور کوئی دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے جب تک تم اپنی رضا چھوڑ کر، اپنا مال چھوڑ کر۔ اپنی جان چھوڑ کر اس کی راہ میں وہ تلخی نہ اٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے لیکن اگر تلخی اٹھا لو گے تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آجاؤ گے اور تم ان راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے جو تم سے پہلے گزر چکے۔"

آپ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

زندگی بخش جام احمدؐ ہے + کیا ہی پیارا نام احمدؐ ہے۔
باغِ احمدؐ سے ہم نے پھل کھایا + میرا بستان کلام احمدؐ ہے

اور اپنی کتاب الوصیت میں اپنی جماعت کو یہ تعلیم دیتے ہیں:۔

"خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے ایسا ایمان جو اس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں۔ ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے۔"

پس آؤ! اس عظیم دن کی آمد پر اپنے عہد کی تجدید کریں۔ اور اس پر عزم بالجزم کر کے پختہ طور پر کاربند ہو جائیں۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

ہدیۂ نعت — از حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ

دیدم بعین قلب و شنیدم بگوش ہوش
در ہر مکاں ندائے جلال محمدؐ است
ایں چشمۂ رواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرۂ ز بحر کمال محمدؐ است
ایں آتشم ز آتش مہر محمدی است
وین آب من ز آب زلال محمدؐ است

پشاور میں تقریبِ شادی

(زاہد جنجوعہ (نائب صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ)

مؤرخہ ۲۳ ؍اپریل ۱۹۸۱ء بروز جمعرات صدر شبان الاحمدیہ

جناب ڈاکٹر جمیل الرحمٰن کی تقریبِ نکاح یونیورسٹی ٹاؤن پشاور میں منعقد ہوئی جس میں احباب جماعت احمدیہ کے علاوہ علاقہ کے معززین۔ یونیورسٹی اور میڈیکل کالج پشاور کے اساتذہ اور طلباء شریک ہوئے۔ مرکز سے خاکسار نے شبان الاحمدیہ کے نمائندہ کے طور پر شرکت کی۔ دلہن پشتو کے معروف شاعر اور صحافی صاحبزادہ حبیب الرحمٰن قلندر مہمند کی بھتیجی ہیں۔ ۲۴ ؍اپریل کو نمازِ جمعہ سے پیشتر دعوت ولیمہ دی گئی جس میں روائتی انداز میں کھانے چنے گئے تھے مہمانوں نے لذیذ کھانوں سے خوب لطف اٹھایا اور ڈاکٹر جمیل الرحمٰن صاحب کے والد محترم اور افرادِ خاندان کو مبارکباد دی اور تحائف پیش کئے اور اِس تعلق کی کامیابی کیلئے دعا کی۔ کھانے کے بعد مسجد احمدیہ پشاور میں نمازِ جمعہ ادا کی گئی۔ جناب وسیم خلیل الرحمٰن صاحب نے بے حد عالمانہ انداز میں سورۃ التکاثر اور الھمزۃ کی تفسیر فرمائی اور اپنے بصیرت افروز خطاب میں اس بات پر زور دیا کہ ایک دوسرے سے بڑھ کر مال بڑھانے کی ہوس ایک ایسی آگ ہے جو آج کے انسانوں کو اپنی لپیٹ میں لیے رہی ہے اور سماج میں طبقاتی تقسیم اور باہمی نفرت اور فساد کا موجب بن رہی ہے۔ انکے مابین تصادم کی بنیاد بھی یہی تفاوت ہے لیکن اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے جو ایک متوازن معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ جماعت احمدیہ کا ہر فرد بالعموم اور نوجوان بالخصوص اپنی زندگی میں اسلام کو داخل کریں کیونکہ اسلام کی فتح و نصرت کا علم امامِ وقت کو دیا گیا ہے اور اسکے بلند رکھنے کی ذمہ داری ہمیں سونپی گئی ہے۔۔۔ خطبہ کے بعد مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی اقتداء میں نمازِ جمعہ ادا کی گئی۔ نماز کے بعد احباب کرام سے ملاقات ہوئی اور انہیں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب مدظلہ کی خیریت و مصروفیات اور مرکز کے حالات سے باخبر کیا گیا۔ ۲۵ ؍اپریل خاکسار کو شیخ محمدی جانے کا اتفاق ہوا لیکن زیادہ تعداد میں دوستوں سے ملاقات نہ ہو سکی۔ تاہم محترم فردوس احمد مرحوم کے صاحبزادے اور محترم بزرگ عطاء الرحمٰن خان کے خلف الرشید ناصر احمد سے ملاقات ہو گئی۔ ان سے تنظیمی مسائل پر گفتگو ہوئی اور عنقریب منعقد ہونے والے تربیتی کورس کو کامیاب بنانے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ پشاور میں قیام کے دوران نائب صدر شبان الاحمدیہ جناب اختر علی خان خلیل اور جناب عبداللہ جان (سیکرٹری نشر و اشاعت شبان الاحمدیہ) کے تعاون سے ممبران سے ملاقات اور رابطہ ممکن ہو سکا اور ان ساتھیوں نے خود تکلیف اٹھا کر بھی خاکسار کے آرام کا ہر طرح سے خیال رکھا۔ اللہ تعالیٰ ان بھائیوں کو جزائے خیر دے اور ان کے وجود کو تنظیم کے لئے مفید اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے مشن کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

* * *

سچا مسلمان وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی خاطر ہزاروں موتیں قبول کرنے کیلئے تیار ہو۔

وہ خلق اللہ کی حقیقی بے غرضانہ اور سچی ہمدردی اور مدد کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔

حقیقی طور پر اُسی وقت کسی کو مُسلمان کہا جائے گا کہ جب اس کی غافلانہ زندگی پر ایک سخت انقلاب وارد ہو کر اس کے نفسِ امّارہ کا نقشِ ہستی مع اس کے تمام جذبات کے یک دفعہ مٹ جائے اور پھر اس موت کے بعد مُحسن للہ ہونے کی نئی زندگی اس میں پیدا ہو جائے اور وہ ایسی پاک زندگی ہو، جو بجز طاعتِ خالق اور ہمدردیٔ مخلوق کے اور کچھ بھی نہ ہو۔ خالق کی طاعت اس طرح سے کہ اس کی عزت و جلال اور یگانگت ظاہر کرنے کے لئے بے عزتی اور ذلّت قبول کرنے پر مستعد ہو۔ اور اسی کی وحدانیت کا نام زندہ کرنے کے لئے ہزاروں موتوں کو قبول کرنے پر تیار ہو۔ اور اس کی فرمانبرداری میں ایک ہاتھ دوسرے کو بخوشی کاٹ سکے اور اس کے احکام کی عظمت کا پیار اور اس کی رضا جوئی کی پیاس گناہ سے ایسی نفرت دلائے کہ گویا وہ ایک کھا جانے والی آگ ہے۔ یا ہلاک کرنے والی ایک زہر ہے یا بھسم کرنے والی ایک بجلی ہے جس سے اپنی تمام قوتوں کے ساتھ بھاگنا چاہیئے۔ غرض اس کی مرضی ماننے کے لئے اپنے نفس کی سب مرضیات چھوڑ دے اور اس کے پیوند کے لئے جانکاہ زخموں سے مجروح ہونا قبول کرلے اور اس کے تعلقات کا ثبوت دینے کے لئے سب نفسانی تعلقات توڑ دے اور خلق اللہ کی خدمت اس طرح سے کہ جس قدر خلقت کی حاجات ہیں اور جس قدر مختلف وجوہ اور طرق کی راہ سے قسّام ازل نے بعض کو بعض کا محتاج کر رکھا ہے ان تمام امور میں محض للہ اپنی حقیقی اور بے غرضانہ اور سچّی ہمدردی سے جو اپنے وجود سے صادر ہو سکتی ہے ان کو نفع پہنچا دے اور ہر ایک مدد کے محتاج کو اپنی خداداد قوت سے مدد دے اور اُن کی دُنیا و آخرت دونوں کی اصلاح کے لئے زور لگا دے۔

آئینہ کمالات اسلام

* * *

ہر احمدی کو اپنی حیثیت و توفیق کے مطابق سلسلہ کی خدمت میں حصّہ لینا چاہیئے

جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر چندہ دیتا ہے اس کے رزق میں برکت دی جاتی ہے :-

جو شخص اپنی حیثیت و توفیق کے موافق اس سلسلہ کی چند پیسوں سے امداد نہیں کرتا اُس سے اور کیا توقع ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ کو اس کے وجود سے کیا فائدہ؟ ایک معمولی انسان بھی خواہ کتنی ہی شکستہ حالت کا کیوں نہ ہو۔ جب بازار جاتا ہے تو اپنی قدر کے موافق اپنے لئے اور اپنے بچّوں کے لئے کچھ نہ کچھ لاتا ہے تو پھر کیا یہ سلسلہ جو اپنی عظیم الشان اغراض کے لئے اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے، اس لائق بھی نہیں کہ وہ اس کے لئے چند پیسے بھی قربان کر سکے۔؟ دنیا میں آج تک کون سا ایسا سلسلہ ہوا ہے یا ہے جو خواہ دُنیوی حیثیت سے ہے یا دینی کہ بغیر مال کے چل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں ہر ایک کام کو اسباب ہی سے چلایا ہے۔ پھر کس قدر بخیل و ممسک وہ شخص ہے جو ایسے عالی مقصد کی کامیابی کے لئے ادنیٰ چیز مثل چند پیسے خرچ نہیں کر سکتا ——— ایک وہ زمانہ تھا کہ الٰہی دین پر لوگ اپنی جانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح نثار کرتے تھے، مالوں کا تو کیا ذکر؟ ... مگر ایک وہ ہیں کہ ... اقرار بھی کر جاتے ہیں کہ ہم دین کو دُنیا پر مقدّم کریں گے مگر مدد و امداد کے موقع پر اپنی جیبوں کو دبا کر پکڑ رکھتے ہیں بھلا ایسی محبّت دُنیا سے کوئی دینی مقصد پا سکتا ہے اور کیا ایسے لوگوں کا وجود کچھ بھی نفع رساں ہو سکتا ہے ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لن تنالوا .... مما تحبّون۔

جب تک تم اپنی عزیز ترین اشیاء کو اللہ جلّ شانہٗ کی راہ میں خرچ نہ کرو تب تک نجات نہیں پا سکتے۔ چاہیئے کہ ہماری جماعت کا ہر ایک متنفّس عہد کرے کہ میں اپنی حیثیت کے مطابق اتنا چندہ دیا کروں گا کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے عہد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے رزق میں برکت دیتا ہے،

(ملفوظات)
جلد ششم

دنیا کو سکھ اور امن کیسے مل سکتا ہے؟

خطبۂ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب بتاریخ ۱۵ مئی ۱۹۸۱ء بمقام جامع احمدیہ، دارالسلام ۔ لاہور

> تلنا اھبطوا منھا جمیعاً ج فامّا یاتینّکم منّی ھدًی فمن تبع ھدای فلا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون ۝ (البقرۃ ۲ ۔ آیت ۳۸)
>
> وقال اللہ تعالیٰ :۔
>
> واللہ جعل لکم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ واکثرھم الکٰفرون ۝ (النحل ۱۶ ۔ آیات ۸۱ تا ۸۳)
>
> ترجمہ :۔ "ہم نے کہا سب اس (حالت) سے نکل جاؤ۔ پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے تو جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی سو نہ اُن کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ — "اور اللہ نے تمہارے لئے اس سے جو پیدا کیا سائے بنائے اور تمہارے لئے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنائیں۔ اور تمہارے لئے کپڑے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں۔ اور ایسے کپڑے جو تمہیں جنگوں میں بچاتے ہیں۔ اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمت کو پورا کرتا ہے تاکہ تم سلامتی میں داخل ہو جاؤ پھر اگر وہ پھر جائیں تو تجھ پر صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر کافر ہیں"۔

قرآنِ کریم کے منجانب اللہ ہونے کے بے شمار ثبوتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آج دنیا کے دو بڑے دکھوں کا حل سوائے اس پاک کتاب کے نہیں ملتا۔ آپ لوگوں میں سے جو نیک اور متقی ہیں اُن کو شاید اس بات کا پورا احساس نہ ہو مگر جو لوگ دنیا کے حالات سے باخبر ہیں وہ بہرحال جانتے ہیں کہ دنیا کو جو دکھ لگے ہوئے ہیں ان میں سے ایک تو انسان کے دل کو چین اور سکھ نصیب نہ ہونا ہے۔ اور دوسرے باہر بھی امن و سلامتی نہ ہونا بلکہ ہر آن ایک اور مہیب اور عالمگیر جنگ چھڑ جانے کا خطرہ ہے۔ قرآن حکیم تو ہدایت، حکمت اور نور کا ایک اتھاہ سمندر ہے۔ اس میں سے چند قطرے آج کے موضوع پر ہماری راہنمائی کے لئے کافی ہیں۔

دل کا چین اور سکھ :۔

دل کے چین اور سکھ کے بغیر انسان کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ خواہ اس کے پاس دنیا کی ہر دوسری نعمت موجود ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے بچے کے دل میں بے فکری۔ حالتِ اطمینان اور بے خوفی ہوتی ہے۔ پھر وہ کیوں کھوئی جاتی ہے؟ اس کا جواب ہمیں حضرت آدمؑ اور حوّا کے ذکر میں ملتا ہے اُن کے بارہ میں قرآنِ حکیم سے صاف ظاہر ہے کہ جس جنّت میں انہیں پیدا کیا گیا تھا وہ اسی دنیا کی جنّت تھی جیسا کہ اُن کے ذکر کو شروع بیان فرمایا اِن الفاظ سے کہ :۔

" واذقال ربك للملٰٓئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ ۔"

یعنے "اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں"

مرنے کے بعد جو جنّت ہے اُس میں سے تو کوئی نکالا جائے گا ہی نہیں جیسا کہ فرمایا :۔

ماھم منھا بمخرجین ۔ (الحجر ۱۵ ۔ ۴۸)

اور نہ وہاں شیطان کا داخلہ ممکن ہوگا۔ تو جس جنّت میں حضرت آدمؑ اور حوّا کو رکھا گیا۔ وہ اسی دنیا کی ہی جنّت تھی۔ اور وہ دل کی جنّت تھی جیسا کہ ان الفاظ سے ظاہر ہے جو اسی رکوع کے آخیر میں فرمائے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی کرتے ہیں۔ کہ فلا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون کہ اُن پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوف کسی بات سے پہلے دل میں ہوتا ہے اور غم اُس بات کے واقع ہو جانے کے بعد۔ یہ دل کی جنّت ہے۔ اور کھوئی جاتی ہے ابٰی واستکبر ("اُس نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے اور تکبر کیا") کے جرم سے جو کہ شیطان نے کیا تھا اور جس سے آدمؑ اور حوّا کو روکا گیا تھا۔ اور اسی خطرہ سے تمام نسلِ آدم کو متنبہ کیا گیا تھا کہ :۔

یٰبنیٓ ادم لا یفتننّکم الشّیطٰن کما اخرج ابویکم من الجنّۃ (الاعراف ۲۸)

یعنے اے آدم کی اولاد شیطان تم کو دکھ میں نہ ڈالے جس طرح اُس نے تمہارے ماں باپ کو جنّت سے نکلوا دیا۔

تو ہر انسان کے بچّہ کو جس معصومیت کی قلبی حالت میں پیدا کیا جاتا ہے اور جس میں اُسے نہ خوف ہوتا ہے نہ غم، اُس حالت سے انسان نکال دیا جاتا ہے جب وہ شیطان کے ورغلانے میں آ کر اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے سے انکار کر دیتا ہے جو زبانی ہو یا نہ ہو عملاً ضرور ہوتا ہے۔ اور اب انسان اپنی بڑائی کے خیال میں (جو کہ تکبّر ہے) یہ سوچتا ہے کہ میں جو چاہوں کروں مجھے کسی کی ہدایت کی ضرورت نہیں اور نہ میرے اُوپر کوئی پکڑ ہے۔ اس کے برخلاف جو لوگ اپنے اعمال کی اللہ تعالیٰ کے آگے جوابدہی سے ڈرتے ہیں اُن کو اس دنیا میں دل کی جنّت اور مرنے کے بعد آخرت کی ظاہری جنّت ملتی ہے جیسے کہ فرمایا :۔

ولمن خاف مقام ربّہٖ جنّتٰن (الرحمٰن ۵۵ ۔ ۴۶)

"اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا ہے اُس کے لئے دو جنّتیں ہیں"

چنانچہ جتنے متقی انسان ہوتے ہیں انہیں اسی دنیا میں دل کی جنّت نصیب ہو جاتی ہے۔ اور اسی دل کی جنّت کو لے کر جب وہ آخرت میں جاتے ہیں تو وہاں آخرت کی ظاہری جنّت بھی انہیں عطا ہوتی ہے ؛

الغرض اس دنیا میں دل کا چین اور سکھ نصیب نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ہدایت یعنے احکام کی پیروی نہ کرے۔ آج نسلِ انسانی نے جیسی کیسی کہ دینی ہدایت اُس کے پاس تھی اُسے ردّ کر دیا اور اپنی من مانی کرتی ہے جو کہ ابیٰ و استکبر کی تفسیر ہے۔ اس لئے نسلِ انسانی آج دل کی جنّت کو کھو بیٹھی ہے جیسا کہ اُس آیت سے صاف ظاہر ہے جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی کہ:۔

"قلنا اهبطوا منها جميعا"

یعنے ہم نے کہا کہ تم سب کے سب اس حالت (قلبی جنّت) سے نکل جاؤ۔ اور اس کا علاج اگلے الفاظ میں فرمایا:۔

"فاما يأتينكم منّي هدًى فمن تبع هداى فلا خوفٌ عليهم ولا هم يحزنون۔"

"پس اگر تم میری طرف سے تمہیں ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی اتباع کرے گا تو انہیں نہ کوئی خوف باقی رہے گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

یہی دل کی جنّت ہے یہی وہ دل کا سکھ اور چین ہے جس کی تلاش میں دنیا حیران و پریشان ہے۔ کئی تو ہپّی (HIPPIE) بن کر دنیا میں سرگرداں پھر رہے ہیں اور کئی نشہ آور چیزیں کھا کر اپنے غم کو غلط کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے آج کل منشیات یعنے شراب کے علاوہ بھنگ اور چرس اور کوکین کھا کر بہت لوگ اپنی زندگیوں کو برباد کر رہے ہیں۔

اگر ان لوگوں نے اپنی اپنی دینی ہدایت کو ردّ کر دیا تو ظاہر ہے کہ وہ بگڑ کر اس قابل نہ رہی تھی کہ اس سائنس اور علم اور عقل کے زمانہ میں اُسے مانا جاتا۔ صرف ایک آسمانی ہدایت آج محفوظ ہے اور کامل ہے اور وہ قرآن کریم میں میسّر ہے۔ اسی لئے اس پاک کتاب پر عمل کرنے والے (میں دوبارہ "عمل" کی طرف توجّہ دلاتا ہوں۔) اس زمانہ میں بھی دوسروں سے بہتر ہیں۔ اور منشیات کی انہیں ضرورت نہیں کہ اُن سے اپنا غم غلط کریں جن کے بارہ میں غالبؔ نے لکھا ہے:۔ ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
یک گونہ بےخودی مجھے دن رات چاہیئے۔

آج دل کا چین اور سکھ صرف قرآن پر عمل کرنے سے مل سکتا ہے۔ اور اسے ہی دنیا کو پہنچانے ہیں دنیا اپنے دل کی بےچینی اور خوف و اضطراب سے نجات پا سکتی ہے۔ جیسا کہ حضرت مجدّد زماں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں فرمایا:۔ ؎

ایک عالم مر رہا ہے تیرے پانی کے بغیر
پھیر دے اے میرے مولیٰ اس طرف دریا کی دھار

اہلِ مغرب کی حیرت انگیز ترقّیات:۔

اس زمانہ میں اہلِ مغرب نے جو دنیاوی ترقیات کی ہیں وہ واقعی حیرت انگیز ہیں اور جس قدر دنیاوی علوم اور سائنس اور ٹیکنالوجی کو انہوں نے ترقی دی ہے وہ انسانی تاریخ میں کبھی نہ ہوئی تھی۔ علوم کی ترقیات کے ساتھ ساتھ لازماً اُن کی عقل، سمجھ بوجھ اور ہوشیاری بھی ہم سے زیادہ ہے۔ مگر باوجود علوم کی حیرت انگیز ترقیات کے اور عقل اور سمجھ بوجھ کی افراط کے وہ دو باتوں میں حیرت انگیز طور پر ناکام ہوئے ہیں۔

الف:۔ اُن کی اخلاقی حالت بہت گر گئی ہے اور ابھی دن بدن اور گر رہی ہے۔ علاوہ ہر قسم کی اخلاقی برائیوں کے خصوصاً (SEX یعنی جنسی تعلقات کے بارہ میں) وہ شراب، اور اب بھنگ، چرس، کوکین اور دوسری منشیات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اس لئے کہ ان کو اطمینانِ قلب میسّر نہیں اور منشیات میں پڑ کر وہ اپنا غم غلط کرنا چاہتے ہیں۔ کیا وہ منشیات کی برائیوں کو نہیں جانتے؟ ضرور جانتے ہیں اور ہم سے بہتر جانتے ہیں مگر اپنے پیدا کردہ حالات سے مجبور ہیں۔

ب:۔ عالمی امن جتنا اس زمانہ میں خطرہ میں ہے کبھی نہ تھا۔ دو عالمگیر جنگوں کی ہولناک تباہی اہلِ مغرب نے ہی زیادہ تر سہی ہے۔ اور ابھی مزید ہولناک جنگیں (جو ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں کی وجہ سے ایسی تباہیاں لائیں گی اور خوفناک نتائج پیدا کریں گی کہ اُن کا خیال کر کے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں) اُن کے سروں پر ہر آن منڈلا رہی ہیں۔ کیا مغرب کے انتہائی عقل مند اور ہوش مند لوگ اِن خطرات اور ہولناک نتائج سے باخبر نہیں؟ ضرور باخبر ہیں اور ہم سے زیادہ باخبر ہیں۔ کیا وہ اِن خوفناک جنگوں کو روکنے کے لئے کچھ نہیں کر رہے؟ ضرور کر رہے ہیں اور انتہائی کوشش کر رہے ہیں مگر نہ تو پہلی دو عالمگیر اور مہیب جنگوں کو اُن کی انتہائی کوشش روک سکی اور نہ اب تیسری اور بدتر جنگ کو روک سکتی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ انسان کی علمی ترقیات اور دنیاوی ترقیات اُسے نہ تو اخلاقی برائیوں سے بچا سکتی ہیں اور نہ دل کا چین یا باہر کا امن و سلامتی جیسی نعمتیں عطا کر سکتی ہیں جن کے آگے تمام مادی فوائد ہیچ ہیں۔ تو یہ بیش بہا نعمتیں کہاں سے مل سکتی ہیں:۔

وحی الٰہی:۔

آدم اور حوّا کے ذکر میں یہ آچکا ہے کہ دل کی جنّت اور باہر کے خوف اور حزن سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت جو وحی الٰہی کے ذریعہ سے انسان کو ملتی ہے وہ ہی انسان کو دل کی تسکین اور باہر کی سلامتی جیسی نعمتیں عطا کر سکتی ہے بشرطیکہ انسان اس کی اتباع کرے۔ وحی الٰہی کی ہدایت لانے والے انبیاء اور اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کی سورۃ النحل ۱۶ کا مضمون خاص طور پر وحی الٰہی سے متعلق ہے۔ اس کی سورت مبارکہ میں سے وہ آیات ہیں جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی تھیں۔ وحی الٰہی کے مختلف قسم کے تذکرہ میں فرمایا:۔

"اور اللہ نے تمہارے لئے اس میں سے جو پیدا کیا (درختوں کے) سائے بنائے اور تمہارے لئے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنائیں۔ اور تمہارے لئے کپڑے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں۔ اور ایسے کپڑے جو تمہیں جنگوں میں بچاتے ہیں۔ اور اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمت کو پورا کرتا ہے تاکہ تم سلامتی میں داخل ہو جاؤ۔ پھر وہ اگر پھر جائیں تو تجھ پر صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر کافر ہیں"۔ (آیات ۸۱ تا ۸۳)

ان آیات میں جو باتیں فرمائی ہیں ان کو مختصراً عرض کرتا ہوں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے خود درختوں کے سائے اور پہاڑوں میں غاروں کو بنایا ہے اُن کا فائدہ اٹھا کر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء نے جو نسلِ انسانی کی نجات کی خاطر گریہ وزاری کی تو انہیں وحی الٰہی

سے اللہ تعالیٰ کی ہدایت ملی جس کو انہوں نے اپنی، اپنی قوموں کو پہنچایا۔

۲۔ پھر فرمایا کہ:۔

"اللہ نے تمہارے لئے کپڑے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے کپڑے جو تمہیں جنگوں سے بچاتے ہیں۔"

دوسری جگہ قرآن کریم نے واضح فرمایا ہے کہ جس طرح ظاہر میں کپڑا انسان کے عیبوں کو چھپاتا ہے اور اس کے لئے باعثِ زینت ہے اسی طرح باطن میں تقوٰے کا لباس ہے جو انسان کے عیبوں کو ڈھانپتا ہے اور اس کے لئے باعثِ زینت ہوتا ہے۔ اور تقوٰی کا لباس ظاہری لباس سے کہیں بہتر ہے جیسا کہ فرمایا:۔

یٰبنیٓ آدم قد انزلنا علیکم لباسًا یّواری سواٰتکم وریشًا ولباس التقوٰی ذٰلک خیر (الاعراف۔ آیت ۲۶)

تو وحیِ الٰہی ہی انسان کو تقوٰے کی راہیں بتاتی ہے جیسا کہ قرآن کریم کے بالکل شروع میں فرمایا ھدًی للمتقین (البقرۃ ۲۔ آیت ۲)

آج اگر اہلِ مغرب کو ضرورت ہے تو تقوٰے کے لباس کی تاکہ ان کی اخلاقی برائیاں دُور ہوں۔ اسی تقوٰے کے نہ ہونے سے وہ ظاہری لباس کو بھی ترک کر کے عُریانی کی طرف نکل گئے ہیں۔ قرآن حکیم بھی عجیب کتاب ہے۔ فرمایا: "تمہارے لئے کپڑے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں۔" اگرچہ کچھ حد تک گرمی سے بچاؤ بھی کپڑے سے ہوتا ہے مگر زیادہ تر تو کپڑے سردی سے بچاتے ہیں۔ اس لئے اس آیتِ مبارکہ میں صرف گرمی سے بچانے کے ذکر میں صاف اشارہ ہے کہ یہ تقوٰے کے لباس کا ذکر ہے۔ جو انسان کو جذبات اور خواہشات نفسانی کی گرمی سے بچاتا ہے۔ متقی انسان اُس آگ کی گرمی سے بچا رہتا ہے جو جذبات اور خواہشاتِ نفسانی بھڑک کر انسان کے اندر جہنم کو تیار کر رہے ہوتے ہیں۔

(۳) پھر فرمایا کہ:۔

"وہ لباس بھی بنائے جو تمہیں جنگوں سے بچاتے ہیں۔"

یہ جنگیں بھی نہ صرف انسان کے اندر کی شیطان سے جنگ ہے بلکہ باہر کی جنگیں بھی ہیں۔ اگر لوگ متقی بن جائیں اور خدا سے خوف کریں تو باہر کی جنگیں کہاں ہوں؟ اگر دنیا میں تقوٰے نہیں پیدا ہوگا تو نہ صرف دنیا کو دل کا سکھ اور چین نہیں نصیب ہوگا بلکہ اخلاقی تنزّل اور جنگ وجدل بھی ختم نہ ہوں گے۔ تقوٰے کی تمام راہیں جو قرآن کریم نے بتائی ہیں وہ کسی اور الہامی کتاب میں آج نہیں پائی جاتیں۔ اسی لئے قرآن پاک کو ھدًی للمتقین بتایا کہ جو لوگ تقوٰے سیکھنا چاہیں ان کے لئے مکمل ہدایت ہے۔ قرآن کریم وہ واحد الہامی کتاب ہے جس نے دعوٰے کیا کہ:۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (المائدہ ۵۔ آیت ۳)

یعنے "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا۔"

(۴) جو آیت میں نے سورۃ النحل ۱۶ سے پڑھی ہے اس کو بھی ایسے ہی الفاظ پر ختم فرمایا کہ:۔

"اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمت کو پورا کرتا ہے تاکہ تم سلامتی میں داخل ہو جاؤ۔" قرآن کریم میں جس ہدایت کو پورا کیا گیا ہے اور تقوٰے کی باریک تر راہیں بھی بتائی گئی ہیں اسی پر عمل کر کے انسان دل کے اندر سلامتی اور امن پا سکتا ہے۔ اور باہر دنیا میں بھی سلامتی اور امن قائم ہو سکتا ہے۔

(۵) پھر فرمایا کہ:۔

"پھر اگر وہ پھر جائیں تو تجھ پر صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔"

ان پُرحکمت الفاظ میں فرمایا کہ اگر لوگ قرآن کو نہ بھی قبول کریں تو بھی تیرا کام صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔ یعنے قرآن حکیم کو پہنچانا حضور سرورِ کائنات صلعم کا کام ہے۔ اس لئے اگر آج ہم اسے کریں تو یہ حضور صلعم کا کام ہے جسے کرنے سے بڑھ کر کوئی سعادت اور خوش نصیبی نہیں ہو سکتی۔ ہاں ہمیں "کھول کر پہنچانا" چاہیئے۔ یعنے قرآن کریم کے تراجم اور تفسیر کر کے دنیا میں پہنچانا چاہیئے۔

(۶) آخر میں فرمایا کہ:۔

"اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر کافر ہیں۔"

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کیا نعمت ہے اسے خود اہلِ مغرب نے پہچانا بھی ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ مثلاً مشہور جرمن فلاسفر اور شاعر گوئٹے نے لکھا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے کہ اگر انسان دل میں نفرت لے کر بھی اسے پڑھنا شروع کرے تو وہ اسے ختم نہیں کرتا مگر یہ کتاب اس کے دل میں انتہائی محبت پیدا کر دیتی ہے۔ تو کیا گوئٹے پھر مسلمان ہو گیا؟ نہیں۔ مشہور مستند کتاب انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا نے قرآن کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ محمد (صلعم) نے وہ کام کیا کہ آپ دنیا کے تمام مصلحین میں کامیاب ترین ہے۔ تو کیا پھر اس مضمون کو لکھنے والا مسلمان ہو گیا یا اس کو پڑھنے والے مسلمان ہو گئے؟ نہیں وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے سچ فرمایا کہ:۔

"اللہ کی نعمت کو پہچانتے بھی ہیں اور پھر اس کا انکار بھی کرتے ہیں۔"

اور اس کی وجہ بھی بتائی کہ ان کے دل میں انکار کی عادت ہے یا اللہ تعالیٰ کی ناشکرگزاری جو کہ لفظ "کفر" کے دو معنٰی ہیں۔ مگر یہ تو آج کے حالات کی تصویر ہے۔

قرآنِ کریم بالآخر کامیاب ہوگا۔

دُوسری جگہ قرآنِ کریم میں کئی جگہ فرمایا ہے کہ بالآخر اس کامل ہدایت کو دنیا کی اکثریت قبول کرے گی اور یہ کتاب دنیا میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کرے گی۔ مگر ان آیات کو میں آج بیان نہیں کر سکتا کیونکہ خطبہ آگے ہی لمبا ہو گیا ہے۔ آپ ان میں سے اکثر کو جانتے ہیں اور ان میں سے کچھ میں نے پچھلے جلسہ سالانہ پر اپنی تقریر میں پڑھ کر سنائی بھی تھیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کو دنیا میں پہنچا کر دُنیا کی نجات اور سلامتی کا سامان کرنے کی ہمیں توفیق بخشے: آمین۔

۵

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا ۔۔۔ نُور ہے نُور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
تھک گئے ہم تو انہی باتوں کو کہتے کہتے ۔۔۔ ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند ۔۔۔ ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

تاریخ احمدیت کا ایک ورق

حضرت مجددِ زماںؒ کے انوار کا پرتو

حضرت بانی سلسلہ احمدیہؒ کی ذات ستودہ صفات کی وجہ سے (قادیان) کی گمنام بستی مرجع خلائق بن چکی تھی، اے خوش آں شہرے کہ آنجا دلبر است، آفتاب ہدایت کی کرنیں اقصائے عالم کو منوّر کر رہی تھیں۔ اس شیرِ حق کی گرجدار آواز دشمنانِ اسلام کے قلوب میں لرزہ پیدا کر رہی تھیں۔ اور جہاں دماغ کے ذریعے روشنی کے طالب نورِ بصیرت سے محروم تھے وہاں جنہوں نے دل کی منزلوں میں تلاش حقیقت کی وہ گروہ در گروہ اس مسحور کن آواز پر کان رکھے قادیان پہنچ گئے۔

جس بات نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ قادیان کی دینی فضا تھی۔ حضرت اقدس کی قوتِ قدسی کے اثرات اس مبارک بستی کے در و دیوار سے ظاہر تھے۔ بوئے انس آید مرا از کوئے تو، مساجد میں ہزارہا افراد کا پابندی سے پنجگانہ صلوٰۃ ادا کرنا، رکوع، سجود اور قیام میں سسکیوں اور آہوں کی دبی دبی صدا، درود و سلام، توبہ و استغفار، ذکر و اذکار کی گونج سے راتیں بیدار تھیں۔ حضور کا ہر نام لیوا زہد و اطاعت کا پیکر، ایثار و قربانی کا مجسمہ اور دینِ احمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فدائی تھا۔ مساجد میں صبح و مسا درسِ قرآنِ کریم و حدیث، حضرت مولانا نور الدین رحمۃ اللہ علیہ کی گوہر ریزیاں، حضرت مولانا عبدالکریم کی مسحور کن، روح افزا، پُراثر قرأت اور خطباتِ جمعہ، اور اہلِ ایمان جھوم جھوم جاتے۔ حضرت مولانا محمد حسن امروہوی اور دیگر اکابرینِ دین کی معارف گستری اور ہر مجلس، ہر موڑ اور ہر مقام پر اسلام کی عظمت، ترقی، اور برتری کے چرچے، ہر فرد کے دل و دماغ پر قبضہ کئے ہوئے تھے۔ پھر اٹھتے بیٹھتے، خلوت و جلوت، گھر اور باہر امامِ زماں کی بیش بہا نصائح، انمول نکات معرفت، شفقت و رافت، اپنے مقصد کی سربلندی اور کامرانی پر بے پناہ یقین، راہِ حق میں زبردست استقامت، مردہ دلوں پر مسیحائی کا کام کر رہی تھی۔ لوگ دشمن بن کر گالیاں دینے آتے اور خادم اور مدح خواں بن کر رہ جاتے تھے۔ جو کوئی ایک بار قلبِ سلیم لے کر حاضر ہوا، فدائی بن گیا۔ مرد و زن کہتر و مہتر خورد و کلاں سب اسلام کی محبت میں سرشار، عبادت الٰہی کے والہ و شیدا، خلاصۂ کائنات سید البشر حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے رنگ میں اس طرح رنگے ہوئے تھے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوگئی تھی ؎

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

اسلام کی محبت نے حضرت مرزا صاحب کے وابستگان دامن کے دلوں کو باہمی محبت اور رحمت کی خوشبو سے معطر کر رکھا تھا۔ ان کی ملاقات عید کا چاند ہوتی تھی۔ وہ باہم ملاقات کو ملاقاتِ مسیحا و خضر، سے بڑھ کر سمجھتے تھے۔ ایک دوسرے کی خوشی اور رنج کو عزیزوں سے بڑھ کر کرتے تھے اور عشقِ اسلام کے ان بادہ کشوں کی باہمی محبت اہلِ عالم کے لئے ایک مثال بن گئی تھی۔ اس اسلامی فضا کو ہر حساس مسلمان نے محسوس کیا۔ ملک کے دین پسند عناصر کی نگاہیں قادیان کی طرف اُٹھنے لگیں اور جو اہل دل چاہتے تھے کہ ان کے بچے اسلامی تہذیب و ثقافت کا نمونہ بنیں، انہوں نے اختلافِ عقائد اور شدید مخالفت کے باوجود اپنے بچے تعلیم و تربیت کے لئے قادیان، حضرت صاحب کی خدمت میں بھیجے۔ ان ہی اکابرین میں مفکرِ ملّت علامہ محمد اقبالؒ بھی تھے وہ حضرت امام زماں کی تحریر و تحریک سے متاثر تھے۔ وہ حکیم نور الدینؒ صاحب کے بے حد مداح اور عقیدت مند تھے اور اُن سے گہرا انس رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے لاہور کے علمی ماحول کو ترک کر کے اپنے بڑے صاحبزادے کو تعلیم کے لئے قادیان بھیجا۔ وہ قادیان کے دینی ماحول سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے علی گڑھ میں "ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر" کے موضوع پر تقریر کے دوران فرمایا:— "میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالمگیر ذات ہے ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے اور ہماری کوشش ہونی چاہیئے کہ اس نمونہ کو ترقی دی جائے۔ اور مسلمان ہر وقت اس کو پیشِ نظر رکھیں۔ پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی صورت میں ظاہر ہوا جسے قادیانی جماعت کہتے ہیں۔" ڈاکٹر صاحب نے جس دور کی طرف اشارہ کیا ہے وہ حضرت مرزا صاحب اور حکیم نور الدین کا دور تھا فرقہ وارانہ جذبات سے بلند اور عشقِ اسلام سے معمور یہ مسحور کن فضا مسلمانانِ عالم کے لئے نقطۂ جاذب بن چکی تھی۔ یہ عام تاثر تھا کہ قادیان پہنچ کر طالب علم ہر گونہ ذہنی، جسمانی اور روحانی بیماریوں سے نجات حاصل کر لیتے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان ایک بین الاقوامی ادارہ بن چکا تھا۔ جس میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کے بچے بخوشی داخلہ لیتے تھے اور اس جاذبیت کا سہرا حضرت مولانا صدر الدین صاحب کے سر پہ تھا۔ جن کی پُراثر اور جاذب شخصیت اور حسنِ سیرت و نفاست پسندی نے طلباء کی زندگیوں پر گہرا اثر ڈالا۔

یہ سب کچھ اس دور کے کیمیا گر حضرت مجدد صد چہاردہم رحمۃ اللہ کی نظر کا فیضان تھا ؎

مصرع

خدا رحمت کند ایں عاشقِ حق، پاک طینت را،

خدا تعالیٰ چاہتا ہے

خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں۔ کیا یورپ اور کیا ایشیاء ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دینِ واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا۔ سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے روح القدس پا کر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو۔

اور چاہیئے کہ تم بھی ہمدردی اور اپنے نفسوں کے پاک کرنے سے روح القدس سے حصہ لو کہ بجز روح القدس کے حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتی اور نفسانی جذبات کو بکلی چھوڑ کر خدا کی رضا کے لئے وہ راہ اختیار کرو جو اس سے زیادہ کوئی راہ تنگ نہ ہو۔ دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جدا کرتی ہیں اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو۔ درد جس سے خدا راضی ہو اُس لذت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے۔ اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اُس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضب الٰہی ہو۔ اُس محبت کو چھوڑ دو جو خدا کے غضب کے قریب کرے۔ اگر تم صاف دل ہو کر اس کی طرف آجاؤ تو ہر ایک راہ میں وہ تمہاری مدد کرے گا اور کوئی دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے۔ جب تک تم اپنی رضا چھوڑ کر اپنی لذات چھوڑ کر اپنی عزت چھوڑ کر اپنا مال چھوڑ کر اپنی جان چھوڑ کر اس کی راہ میں وہ تلخی نہ اُٹھاؤ۔ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے لیکن اگر تم تلخی اٹھا لو گے تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آجاؤ گے اور تم ان راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے لیکن تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں۔ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تقویٰ ایک ایسا درخت ہے جس کو دل میں لگانا چاہیئے۔ وہی پانی جس سے تقویٰ پرورش پاتی ہے تمام باغ کو سیراب کر دیتا ہے۔ تقویٰ ایک ایسی جڑ ہے کہ اگر وہ نہیں تو سب کچھ ہیچ ہے اور اگر وہ باقی رہے تو سب کچھ باقی ہے۔ انسان کو اس فضولی سے کیا فائدہ جو زبان سے خدا طلبی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن قدم صدق نہیں رکھتا۔ دیکھو میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ آدمی ہلاک شدہ ہے جو دین کے ساتھ کچھ دنیا کی ملونی رکھتا ہے۔ اور اس نفس سے جہنم بہت قریب ہے جس کے تمام ارادے خدا کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ کچھ خدا کے لئے اور کچھ دنیا کے لئے۔ پس اگر تم دنیا کی ایک ذرہ بھی ملونی اپنے اغراض میں رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں۔ اس صورت میں تم خدا کی پیروی نہیں کرتے بلکہ شیطان کی پیروی کرتے ہو۔ تم ہرگز توقع نہ کرو کہ ایسی حالت میں خدا تمہاری مدد کرے گا۔ بلکہ تم اس حالت میں زمین کے کیڑے ہو اور تھوڑے ہی دنوں تک تم اس طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح کہ کیڑے ہلاک ہوتے ہیں اور تم میں خدا نہیں ہوگا۔ بلکہ تمہیں ہلاک کر کے خدا خوش ہوگا لیکن اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے تب تم خدا میں ظاہر ہو جاؤ گے۔ اور خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔ اور وہ گھر بابرکت ہوگا جس میں تم رہتے ہو گے اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہوگی۔ جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں۔ اور وہ شہر بابرکت ہوگا۔ جہاں ایسا آدمی رہتا ہوگا۔ اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی اور گرمی محض خدا کے لئے ہو جائے گی اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان نہیں کرو گے اور تعلق کو نہیں توڑو گے بلکہ قدم آگے بڑھاؤ گے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤ گے۔ تم بھی انسان ہو جیسا کہ میں انسان ہوں۔ اور وہی میرا خدا تمہارا خدا ہے۔ پس اپنی پاک قوتوں کو ضائع مت کرو۔ اگر تم پورے طور پر خدا کی طرف جھکو گے تو دیکھو میں خدا کی منشاء کے موافق تمہیں کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک قوم برگزیدہ ہو جاؤ گے۔ خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ۔ اور اس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو۔ تا خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے۔ کینہ وری سے پرہیز کرو۔ اور بنی نوع انسان سے سچی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ۔ ہر ایک راہ نیکی کی اختیار کرو۔ نہ معلوم کس راہ سے تم قبول کئے جاؤ۔

تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے۔ ہر ایک قوم دنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اس کی طرف دنیا کو توجہ نہیں۔ وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ اُن کے لئے موقع ہے کہ اپنے جوہر دکھلائیں۔ اور خدا سے خاص انعام پاویں۔ یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا۔ تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا۔ اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی۔ اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔

پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے ڈرے کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے۔ تا خدا تمہاری آزمائش کرے کہ کون اپنے دعوائے بیعت میں صادق اور کون کاذب ہے۔ وہ جو کسی ابتلاء سے لغزش کھائے گا وہ کچھ بھی خدا کا نقصان نہیں کرے گا اور بدبختی اس کو جہنم تک پہنچا دے گی ۔ ۔ ۔ ۔

کلام الامامؑ

رنگِ تقویٰ سے کوئی رنگت نہیں ہے خوبتر
ہے یہی ایماں کا زیور ہے یہی دیں کا سنگار

اِس جہاں میں خواہشِ آزادگی بے سود ہے۔
اِک تیری قیدِ محبت ہے جو کر دے رُستگار

دِل جو خالی ہو گدازِ عشق سے وہ دِل ہے کیا
دِل وہ ہے جس کو نہیں بے دلبرِ یکتا قرار

فقر کی منزل کا ہے اوّل قدم نفیٔ وجود
پس کرو اس نفس کو زیر و زبر از بہرِ یار

تیرے بن اے میری جاں یہ زندگی کیا خاک ہے
ایسے جینے سے تو بہتر مَر کے ہو جانا غبار

سب پیاسوں سے نکوتر تیرے منہ کی پیاس ہے
جس کا دل اُس سے ہے بریاں پا گیا وہ آبشار

عاشقی کی ہے علامت گریۂ دامانِ دشت
کیا مبارک آنکھ جو تیرے لئے ہو اشکبار

رنگِ تقوٰے سے کوئی رنگت نہیں ہے خُوبتر
ہے یہی ایماں کا زیور ہے یہی دیں کا سنگار

اِس جہاں کو چھوڑنا ہے تیرے دیوانوں کا کام
نقد پا لیتے ہیں وہ اور دوسرے اُمیدوار

کون ہے جس کے عمل ہوں پاک بے انوارِ عشق
کون کرتا ہے وفا بِن اس کے جس کا دل فگار

غیر ہو کر غیر پر مرنا کسی کو کیا غرض
کون دیوانہ بنے اِس راہ میں لیل و نہار

کون چھوڑے خوابِ شیریں کون چھوڑے اکل و شرب
کون لے خارِ مغیلاں چھوڑ کر پھُولوں کے ہار

کوئی راہ نزدیک تر راہِ محبت سے نہیں
طے کریں اِس راہ سے سالک ہزاروں دشتِ خار

جاودانی زندگی ہے موت کے اندر نہاں
گلشنِ دلبر کی راہ ہے۔ وادیٔ غربت کے خار

وہ خدا اب بھی جسے چاہے بناتا ہے کلیم
اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

دُشمنو! ہم اُس کی رہ میں مر رہے ہیں ہر گھڑی
کیا کرو گے تم ہماری نیستی کا اعتبار

سَر سے میرے پاؤں تک وہ یار ہے مجھ میں نہاں
اے میرے بدخواہ کرنا ہوش کر کے مجھ پہ وار

میں وُہ پانی ہوں کہ اُترا آسماں سے وقت پر
میں وہ ہوں نُورِ خُدا جس سے ہوا دِن آشکار

تشنہ بیٹھے ہو کنارِ جُوئے شیریں حیف ہے
سرزمینِ ہند میں چلتی ہے نہرِ خُوشگوار

حضرت مُجدّد صد چہار دہمؑ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفٰے ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تارکا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمان

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے روپے
بیرونی ممالک سے پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا

شمارہ ۲۱	یوم چہارشنبہ ۲۲ رجب المرجب ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲۷ مئی ۱۹۸۱ء	جلد ۶۸

ارشاداتِ حضرت مجددِ صد چہاردہم

کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولی ہیں

"تم ہوشیار رہو اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اٹھاؤ۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکموں میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔ حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا:۔ الخیر کلہ فی القرآن۔ کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔ پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے یہ بڑی دولت ہے۔"

(کشتی نوح صفحہ ۲۶)

الہیات

بندگان خدا کی صفات

۱:- جو کہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ (۲) جو نماز کو قائم کرتے ہیں ؛

۳:- جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

۴:- جو کچھ تجھ پر اتارا گیا ہے (قرآن) اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر بھی جو تجھ سے قبل اتارا گیا۔ (صحائف آسمانی از مثل توریت۔ زبور۔ انجیل)

۵:- آخرت (قیامت) پر یقین رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی طرف سے راہ ہدایت پر ہیں اور یہ لوگ پورے کامیاب ہیں یا فلاح پانے والے ہیں۔ (پ ۱۔ س ۲۔ آیت ۱-۵)

۶:- اللہ تعالیٰ کے بندے وہ لوگ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں ؛

۷:- جب ان سے جاہل خطاب کرتے ہیں وہ سلام کر کے الگ ہو جاتے ہیں۔ (۸) جو لوگ رات اپنے رب کے حضور سجدہ اور قیام میں گزارتے ہیں۔ (۹) وہ کہتے ہیں اے ہمارے ربّ ہم سے دوزخ کا عذاب دور رکھنا کیونکہ یہ تباہی ہے وہ جگہ عارضی قیام کے لئے بھی بری ہے۔ اور دائمی قیام کیلئے بھی بری ہے۔ (۱۰) اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگیں تو بے جا نہیں اڑاتے اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں۔ بلکہ ان دونوں حالتوں کے درمیان اعتدال کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ ساتھ (کسی) دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔ وہ اسے قتل نہیں کرتے جس شخص کا قتل کرنا اللہ نے حرام فرمایا ہے مگر حق کے لئے۔

۱۱:- اور وہ زنا بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے وہ بڑے گناہ میں جا پڑا۔ قیامت کے دن اس کے لئے عذاب بڑھتا چلا جائے گا۔ اور وہ ذلیل ہو کر اس میں ہمیشہ پڑا رہے گا۔ سوائے اس کے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے سو اللہ ایسے لوگوں کی بدیاں نیکیوں میں تبدیل کر دے گا اور اللہ فی الحقیقت بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے اور جس نے توبہ کر لی اور نیک کام کئے تو بے شک وہ اللہ کی طرف آتا ہے۔ جو توبہ کی جگہ ہے ؛

۱۲:- اور وہ جھوٹے کاموں میں شامل نہیں ہوتے اور جب بے ہودہ مشغلوں کے پاس سے ان کا گذر ہو تو بزرگانہ سنجیدگی سے نکل جاتے ہیں۔

۱۳:- اور جب ان کو ان کے پروردگار کی آتیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے ؛

۱۴:- اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے رب .... ہماری ازواج اور اولاد کی طرف سے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیش رو بنا (۲۵: ۷۴)

۱۵:- اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو (اس ایمان میں) اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے

۱۶:- اور جو لوگ دیتے جو کچھ دیتے ہیں (باوجود دینے کے) ان کے دل اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے ربّ کے پاس جانے والے ہیں۔ یہ لوگ (البتہ) جلد جلد نیکیاں حاصل کر رہے ہیں اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں ہم کسی کو ان کی طاقت سے زیادہ کام کرنے کو نہیں کہتے اور ہمارے پاس ایک دفتر نامۂ اعمال کا محفوظ ہے جو ٹھیک ٹھیک حال بتا دے گا۔ اور لوگوں پر ظلم نہ ہوگا۔ (۲۳- ۵۷ - ۶۲)

* * *

ارشادات

رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم

★ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:-

"مومنوں میں سے ایمان میں کامل ترین وہ ہیں جو خلق میں سب سے اچھے ہوں اور تم میں سے بہترین وہ ہیں جو اپنی بیویوں سے بہترین سلوک کرتے ہیں۔"

★ حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:-

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ظالم کے سپرد کرتا ہے۔ جو اپنے بھائی کی حاجت کو پورا کرتا ہے اللہ اس کی حاجت کو پورا کرے گا اور جو مسلمان پر سے کسی مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے بڑی مصیبت کو اس سے دور کر دے گا۔ اور جو مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالے تو اللہ قیامت کے دن اس (کے عیب) پر پردہ ڈالے گا ؛"

★ حضرت نعمانؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے کہ:-

"تو مومنوں کو آپس میں رحم اور محبت اور مہربانی میں ایک جسم کی طرح دیکھے گا۔ جب ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو بیداری اور بخار سے سارے جسم کو چین نہیں پڑتا ؛"

★ حضرت ابوموسیٰؓ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ:- "مومن مومن کے لئے اس طرح (قوت کا موجب) ہوتا ہے جس طرح عمارت کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا (یعنی جس طرح ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل ہو کر مضبوطی کا کام دیتی ہے اور ایک کے خلا کو دوسرا مضبوط کر دیتا ہے۔ اسی طرح مومن ایک دوسرے کے لئے قوت کا موجب ہوتے ہیں۔ دیوار بھی وہی مضبوط ہوتی ہے جس کی اینٹیں ایک دوسرے کے اندر داخل ہو جائیں) ؛"

★ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ:-

"آپس میں بغض اور حسد نہ رکھو اور ایک دوسرے سے مقاطعت نہ کرو۔ اور اللہ کے بندے ہو کر بھائی بھائی بن جاؤ۔ اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے قطع تعلق کرے۔"

★ حضرتِ ابوبکر رضہ سے روایت ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ:-

"جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابلہ پر آجائیں تو قاتل اور مقتول دونوں آگ میں ہوں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ قاتل تو (آگ کا مستحق) ہوا مگر مقتول کا کیوں یہ حال ہوگا۔ فرمایا اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنا چاہتا تھا ؛"

★ حضرت عائشہ رضہ نبی کریمؐ سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ:-

"جبریلؑ برابر مجھ کو ہمسائے کے ساتھ نیک سلوک کی تاکید کرتا رہا یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ اسے وارث بنا دے گا۔"

* * *

مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

عالم اسلام جاگ پڑا!

دین اسلام کی روشنی سے چار دانگ عالم جگمگا اٹھا!!

آ رہی اب تو خوشبو میرے یوسف کی مجھے + گو کہو دیوانہ میں کرتا ہوں اس کا انتظار
اک بڑی مدت سے تھا کفر اس دین کو کھاتا رہا + اب یقیں سمجھو کہ آئے کفر کو کھانے کے دن

(مجدد صد چہاردھم)

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا + سنا ہے میں نے قدسیوں سے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا۔ (علامہ اقبالؒ)

سورۃ النور میں مشہور آیت استخلاف اس طرح ہے:۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصالحات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ من بعد خوفھم امناً۔

خدا تعالےٰ نے یقیناً یہ وعدہ کیا ہے کہ امت مسلمہ میں ایمان و عمل صالحہ اصحاب کو زمین میں خلیفے بنائے گا جس طرح پہلی امتوں میں خلفاء بنائے۔ تاکہ اس دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے تمکنت عطا کرے اور تاکہ وہ ان کی حالت خوف امن میں تبدیل کر دے۔ قرآن کریم کا یہ ارشاد امت مسلمہ کے لئے ایک عظیم بشارت ہے، اس آیت شریفہ میں دین الٰہی کی تقویت اور خوف سے امن کی حالت پیدا کرنے کی خاطر خلفاء ربانی کی بعثت کی بشارت دی گئی ہے۔ چنانچہ اس وعدہ ربانی کے مطابق بہت سے بادشاہوں اور اولیاء اللہ نے دین اسلام کی تقویت کے سامان پیدا کئے۔ یاد رہے کہ یہ وعدہ دین کی تمکنت کے بارہ میں ہے نہ کہ محض مسلمانوں کی دنیاوی بہبود و بہتری کے لئے مگر چونکہ یہ دونوں امور باہمی لازم و ملزوم ہیں اس لئے اسلام میں بعض اصحاب کو دونوں قسم کی خلافت ملی یعنی دنیاوی یا بادشاہت کے رنگ میں اور دینی یعنی ولایت کی شکل میں بھی۔ جیسے مثلاً خلفائے راشدین المھدیین اور کئی دوسرے بادشاہ جن کی حکومت کا مقصد نیکی و راست بازی کو فروغ دینا۔ انسانی حقوق آزادی و انصاف کا قیام بذریعہ سلطنت تھے۔ چونکہ روحانی و اخلاقی حالتوں کو اسلام میں تقدیم حاصل ہے۔ اور دنیوی حالتوں کا سنورنا دینی تقاضوں کے پورا کرنے سے وابستہ ہے۔ اس لئے خلافت روحانیہ یا ولایت کو دنیاوی خلافت یا بادشاہت پر فوقیت حاصل ہے۔

مستند و صحیح حدیث میں بعثت مجدد دین کا واضح وعدہ

فرقان حمید نے جو خلافت ربانی کا وعدہ امت مسلمہ کو دیا الحمد علیٰ ذالک اس کی وضاحت حدیث شریف میں مجدد دین کی ربانی بعثت کے وعدہ کے رنگ میں دی گئی۔ جو دراصل اسی فرقانی وعدہ خلافت کا دوسرا نام ہے۔ فرمایا:۔ "ان اللہ یبعث من یجدد لھا دینھا" یعنی ہر صدی کے سر پر خدا تعالےٰ اپنی طرف سے اس امت کی اصلاح کے لئے ایک مجدد مبعوث کرے گا۔ منجانب اللہ کسی مصلح وقت کا نام فرقان و حدیث میں خلیفہ یا مجدد کیوں رکھا گیا؟ اس نام میں حکمت یہ ہے کہ دین اسلام قرآن شریف کے کلام اللہ اور سنت نبویؐ کے اسوۂ حسنہ پر کامل ہو چکا۔ نہ صرف دین کامل و مکمل ہو چکا بلکہ اس کی حفاظت کے سامان بھی خدائے تعالےٰ نے خود کر دیئے۔ جیسے فرمایا۔ انا نحن نزلنا الذکر ۔ ۔ ۔ ۔ ہم ہی اس دین کے نازل کرنے والے ہیں اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ہمارے سر پر ہے۔ تکمیل دین کے بارے میں فرمایا: الیوم اکملت لکم دینکم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تکمیل دین اسلام بھی فرقان کی ہدایت اور سنت رسولؐ کے اسوۂ مبارک پر ہو چکی۔ دین اسلام کے کمال کئے جانے پر یہ آیت بالکل حتمی اور صریح ہے پس جب دین نہ صرف کامل و مکمل ہو چکا بلکہ محفوظ بھی کر دیا گیا تو اب اس کے بعد کسی نئے دین کی قطعاً ضرورت نہ رہی اور اسی لئے کوئی نبی مبعوث ہونے کی گنجائش نہ رہی۔ روحانی عالم میں نبی ایک خود مختار بادشاہ یا حاکم کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ نہ صرف نیا دین۔ نئے احکام، نئی شریعت لاتا ہے بلکہ وہ نئی امت بناتا۔ اپنا کلمہ پڑھواتا۔ اور اپنے احکامات کی تابعداری کرواتا ہے جیسا کہ متعدد انبیاء کی بعثت کے مقصد کو قرآن کریم نے ان الفاظ

اسلام کے فتح و اقبال کے دن نزدیک ہیں!

"اس زمانہ میں جو مذہب اور علم کی نہایت سرگرمی سے لڑائی ہو رہی ہے اسکو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کر کے بیدل نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ اب کیا کریں؟ یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب و عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں۔ بلکہ اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار کا ہے۔ جیسے کہ وہ پہلے کسی وقت اپنی ظاہری طاقت دکھلا چکا ہے یہ پیشگوئی یاد رکھو۔ عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا اور اسلام فتح پائے گا۔ حال کے علوم جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں۔ کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ چڑھ کر آویں مگر انجام کار ان کے لئے ہزیمت ہے۔ میں شکر نعمت کے طور پر کہہ سکتا ہوں۔ کہ اسلام نہ صرف فلسفہ جدیدہ کے حملہ سے اپنے تئیں بچائے گا بلکہ حال کے علوم مخالفہ کو جہالتیں ثابت کرے گا۔ اسلام کی سلطنت کو ان چڑھائیوں سے کچھ بھی اندیشہ نہیں جو فلسفہ و طبعی کی طرف سے ہو رہی ہیں۔ اس کے اقبال کے دن قریب ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ آسمان پر اس کی فتح کے نشان نمودار ہیں۔ اس کا یہ اقبال روحانی ہے۔ اور فتح بھی روحانی تا باطل علم کی مخالفانہ قوتوں کو اسکی الٰہی طاقت ایسا ضعیف کرے کہ کالعدم کر دے۔"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۵۴)

میں بیان کیا ہے۔ ان اعبدوا اللہ واتقوہ واطیعونی۔ یعنی قرآن کریم کے مطابق ہر نبی کی صدا یہ ہوا کرتی ہے۔ صرف ایک خدا کی عبادت بجا لاؤ۔ اور مخلوق خدا سے ہمدردی و محبت کا طریق کار اختیار کرو۔ نیز تم میرے احکامات کی اتباع کرو۔ اب جب دین اسلام میں ہدایت فرقان و سنت نبویؐ کی شکل میں کامل و محفوظ کر دی گئی تو آئندہ انہی دو بنیادوں پر دین کی بنا قائم ہے۔ آئندہ نہ کوئی نئی ہدایت و شریعت نازل ہوگی نہ فرقان و سنت میں کوئی تبدیلی یا ترمیم کی گنجائش رہی۔ بلکہ رجوع الی الفرقان والسنۃ مجددین کی بعثت کی غرض رہ گئی۔ دین کا کمال و حفاظت اس لئے بھی ضروری امر ٹھہرتا ہے کہ ایک عالمگیر روحانی اخوت کی وحدت قائم ہو یعنی جو شخص بھی قرآن و سنت کی اتباع کا متعہد ہو وہ بلا کسی اور تمیز و اختلاف کے عالمگیر اخوت اسلامیہ کا فرد بن سکے پس دو وجوہ سے نبوت ختم ہو چکی۔ ایک کمال ہدایت و شریعت کے باعث، دوئم وحدت عالمگیر اخوت کے باعث۔ تو اب خاتم النبیین کے بعد نبوت کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔ ؎

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال + لاجرم شد ختم بر پیغمبرے

البتہ انسانی طبع میں جو ایک کمزوری لاحق ہے کہ انسان نمونہ کے بغیر اعلیٰ سے اعلیٰ و اکمل سے اکمل ہدایت پر قائم نہیں رہتا وہ ضرورت تو ہمیشہ کے لئے موجود ہے۔ پس اس کمی کو دور کرنے کے لئے امت مسلمہ میں انبیاء کی بجائے خلفاء یا مجددین کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ یہ اصحاب فنا فی الرسول کے مقام پر پہنچنے کے باعث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت و اطاعت کرنے والے ہوں گے نہ کہ خود مختارانہ حیثیت کے مالک۔ یہی وجہ ہے کہ ان اصحاب کو خلیفہ رسولؐ یا دین کی تجدید کرنے والے کہا گیا نہ کہ خود مختارانہ حیثیت کے مالک یا نبی یا نئے دین لانے والے؛ اب یہ ثابت ہو گیا کہ ان کے نام خلیفہ یا مجدد رکھنے میں کس قدر حکمت پنہاں ہے۔ چنانچہ حدیث میں بھی اس کا ذکر یوں آیا ہے۔

"کہ اسرائیلی امت میں نبی مبعوث ہوا کرتے تھے۔ جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو اس کی جگہ خدا تعالیٰ دوسرا نبی بھیج دیتا۔ مگر میں اب آخری نبی ہوں۔ اس لئے میرے بعد خلفاء آئیں گے۔"

پس حضرت مجدد صد چہاردہم کا دعوےٰ و منصب چودھویں صدی کے مجدد یا خلیفہ رسولؐ ہونے کا ہے۔ نہ کہ نبی ہونے کا۔ حضرت اقدسؑ نے اپنے دعویٰ کی بنیاد اسی آیت شریفہ اور انہی احادیث پر رکھی ہے۔ اور یہی دلائل دیئے ہیں۔ نہ کبھی نبی ہونے کا دعوےٰ کیا اور نہ ہی اس منصب پر کھڑا ہونے کا۔ اور نہ ہی حدیث سے ایسے دعویٰ کی تائید میں دلائل دیئے۔

امت مسلمہ میں دعوائے مجددیت ایک مسلمہ عقیدہ رہا ہے۔

مجدد الف ثانی رح مجدد سرہندی کا لقب ہو چکا ہے۔ ہر سال آپ کے مزار سرہند میں لاکھوں مسلمان جمع ہو کر آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ حضرت مجدد نے خود اپنے دعوے کی بنیاد اس حدیث مجدد پر رکھی اور فرمایا کہ میری نسبت دوسرے مجددین کے ساتھ وہی ہے جو ہزار کو سو سے ہے باقی تو سو کے مجدد تھے اور میں ہزار سال کا مجدد ہوں۔"

اسی برصغیر میں تین چار اور مجدد بھی ہو گزرے ہیں جن کے مجدد ہونے میں کسی کو کوئی بھی کلام نہیں مثلاً حضرت شاہ ولی اللہؒ۔ حضرت احمد بریلوی۔ حضرت محمد جونپوری۔ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چودھویں صدی مجدد سے خالی کیوں چلی گئی؟ کراچی کے ایک رسالہ نے حال ہی میں یہ تحریر لکھی کہ چودھویں صدی تو گزر گئی اور کوئی مجدد اس صدی میں نہ آیا۔ مگر وعدہ نبویؐ کہ ہر صدی کے سر پر مجدد مبعوث ہوگا کے مطابق مسلمانوں کو توقع رکھنا ضروری ہے کہ اب پندرہویں صدی میں مجدد ضرور آئے گا۔

عجب بات ہے! اگر چودھویں صدی مجدد کی بعثت سے محروم رہ سکتی ہے تو پھر ایک منکر یہ کہہ سکتا ہے کہ پندرہویں صدی میں مجدد کیوں آئے گا۔ جبکہ چودھویں صدی اپنے مفاسد و فتن کے مناسب ایک مجدد کے ظہور کا سب سے بڑا تقاضا کرتی ہے مگر وہ خالی چلی گئی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ دیگر ادوار میں لادینی و الحاد کا اس قدر زور و شور کبھی نہ ہوا تھا جتنا چودھویں صدی میں بپا ہوا چنانچہ یہ امر بلا خوف تردید اس قدر مسلم و واقعاتی ہے کہ کسی کو اس کے ماننے میں کچھ کلام نہیں۔ ہم ایک حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں اپنی کتاب حجج الکرامہ ص ۳۹۵ پر یوں رقمطراز ہیں۔

"اب زمانہ سے جو بحساب جمل سنہ ہجری تیرہویں صدی ہے اور بارہ سو ہجری سے نوّے برس اوپر ہو چکے ہیں۔ مہدیؑ جہان میں ظاہر نہیں ہوا۔ دل میں آتا ہے کہ شاید چودہویں صدی میں اس کا ظہور ہوگا۔ . . . اسی کی موید فتن صغریٰ کا وجود ہے۔ جہاں میں سب کے سب ظاہر ہو چکے ہیں اور اس کا سلسلہ برابر تاریک راتوں کے ٹکڑوں کی رنگت میں یا موتیوں کی لڑی کی طرح ایسا ظاہر ہے کہ ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ان کا ذکر ہے۔ ہم جب کہ ابھی بچے تھے۔ بوڑھی عورتوں کو یہ کہتے سنتے تھے کہ اس تیرہویں صدی سے حیوانوں نے بھی پناہ مانگی ہے۔ . . . . پیشتر ازیں زمانہ کا رنگ اس طرح کا نہیں تھا۔ اس ماجرا کی اگر تشریح کی جائے تو ایک بڑا طومار پیدا ہو جائے۔ بطور نمونہ تھوڑا سا مبالغہ باتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ باقی کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے اور جو کچھ باقی ہے بس صرف ظہور مہدی موعود باقی ہے۔"

اسی قسم کے حوالجات شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رح اور مجدد الف ثانی رح کے بھی مکتوبات میں موجود ہیں۔ نعمت اللہ ولی صاحب نے اپنی مشہور نظم میں تو صاف صاف وقت ظہور و نام و دیگر واقعات بیان فرمائے ہیں۔ چند اشعار ان کے قصیدہ سے ملاحظہ ہوں۔

غین و رے سال چوں گذشت از سال ۔ بوالعجب کاروبارے بینیم
غم مخور زآنکہ من دریں تشویش ۔ خرمی وصل یارے بینیم
صورت و سیرتش چوں پیغمبر ۔ علم و حلمش شعارے بینیم
اح م و دال مے خوانم ۔ نام آں نامدارے بینیم

(جاری)

بسفر رفتنت مبارک باد

بسلامت روی و باز آئی

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ حسب اعلان بیرون ملک کی جماعتوں کے دورہ پر تشریف لے گئے ہیں حضرت امام وقت کے لگائے ہوئے شجر کی آبیاری کے لئے پیرانہ سالی میں جس جواں ہمتی کے ساتھ آپ اس طویل سفر پر روانہ ہوئے ہیں۔ دلوں سے بے اختیار اس شیدائے امام کے حق میں دعا نکلتی ہے۔ صبح کی نماز میں آپ کے سفر میں کامیابی اور کامرانی کے لئے ایک طویل دعا ہوئی۔ دعا کے بعد آپ ہر دوست سے فرداً فرداً گلے ملے۔ گیارہ بجے دن کے قریب ایئر پورٹ پر دوستوں نے غمگین دل اور نمناک آنکھوں سے آپ کو الوداع کہا۔

⁂

از:- محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ

مسجدیں آباد رہیں

محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ کا یہ مضمون مجدد صد چہاردہم نمبر کے لئے لکھا گیا تھا۔ مگر تاخیر سے موصول ہوا۔ ہم معذرت کے ساتھ یہ مضمون زیر نظر اشاعت میں شائع کر رہے ہیں۔ صاحبِ مضمون ایک وسیع تعلیمی و تدریسی تجربہ کے علاوہ سماجی بہبود کے کاموں میں رضاکارانہ حصہ لینے والی خاتون ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوفہ کو اس کا بہتر اجر عطا فرمائے۔ (ادارہ)

کسی عظیم شخص کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا ایک اہم ذریعہ اس کی تعلیمات پر عمل ہے۔ کیونکہ پیغامِ صلح کا یہ پرچہ حضرت مرزا غلام احمد مجدد صد چہاردہم کی یاد میں لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ لہٰذا انہی کے مشن یعنی اشاعتِ اسلام کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھنے میں جو بنیادی چیز انہوں نے ارشاد فرمائی وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھنا ہے۔ میں مانتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ مٹھی بھر جماعت دین اور اشاعتِ دین کے لئے مالی اور جانی قربانی میں لاثانی ہے۔ لیکن ان مساعی کو تیز تر کرنے کے لئے مصطفیٰ مارا امام و پیشوا کا نسخہ ترجمہ حدیث۔ کہ "نماز دین کا ستون ہے۔" اور پھر مجدد زماں کا اتباع سنتِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی نے بچپن میں ہی حضرت صاحب کو "   " کا خطاب دلوایا۔ کی تقلید ضروری ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے۔

"دنیا کے تمام گھروں میں سے اللہ تعالیٰ کو مسجد پسند ہے۔"

وہ لامکاں ہے مگر اس نے اپنا تاریخ عالم میں پہلا گھر مکہ معظمہ میں بنایا۔ وہ مقام جہاں خالق و مخلوق کا رابطہ قریب ترین ہے۔ اور پھر وہ مقام قبولیتِ دُعا میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس گھر کی حفاظت کا تو حضور کے جدِ امجد کے قول کے مطابق خود مالک کون و مکاں ذمہ دار ہے۔ مگر اس گھر کے علاوہ کل عالم میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں شاہی مسجد لاہور اور بلیو ماسک استنبول کی طرح ہزاروں عظیم اور پھر آبادی کی لحاظ کے مطابق چھوٹی بڑی مساجد ذکر اللہ اور ذکر رسول کے لئے موجود ہیں۔ جن کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔

مسجد سے محبت کی ایک زندہ مثال تو آپ کے شہر میں موجود ہے۔ جو زندہ دلانِ لاہور نے خشت اول سے شروع کر کے شب بھر میں نہ صرف مکمل ہی کر لی بلکہ معمار اور محافظ جن میں میرے والد مسلم کا بزرگ شہر کے ساتھ شب بیدار رہے اور فجر کی نماز وہیں ادا کر کے لوٹے۔

کہتے ہیں مکان مکین سے ہے اگر مکین نہ رہے تو مکان ویران ہو جاتے ہیں۔ گھر کی ویرانی ایک خاندان کی ویرانی ہے۔ خاندان تو بستے اجڑتے رہتے ہیں۔ یہ قانونِ قدرت ہے لیکن خدا کا گھر؟ یہ گھر سدا دائم و قائم رہنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ حیّ و قیوم کا گھر ہے۔ مساجد بنانے میں مسلم قوم اپنا جواب نہیں رکھتی۔ ایک محلے میں اتنے نمازی نہیں ہوتے جتنی مساجد ہوتی ہیں۔ "نمازی نہ ہونے کا گلہ" ہماری مساجد کو کبھی ماضی میں نہ تھا۔ مجھے تو احمدیہ بلڈنگ کی یاد ہے۔ جہاں پانچ وقت "لاہور کے پک مبر" اکٹھے ہوتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میرے والد مرحوم فجر کی نماز کے لئے جب خود اٹھتے تو گھر کے ہر فرد جن میں نوکر بھی شامل تھے ہر ایک کا نام لے کر پکارتے اور نماز ادا کرنے کے لئے مسجد جانے کو کہتے اسی طرح ہر گھر سے والدین مع بچوں کے نماز ادا کرنے جاتے۔ نماز کے بعد سنتِ رسولؐ کے اتباع میں وہاں تمام امور دینی و دنیاوی پر تبادلۂ خیال ہوتا۔ اکثر گھروں سے کھانا مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں آ جاتا وہیں مل کر کھانا بھی کھاتے اور دسترخوان پر ہی مسجد میں بڑے بڑے امور کا فیصلہ بھی ہو جاتا۔ کیونکہ یہ سب ممبران مصروف ترین اشخاص تھے۔ ڈاکٹر، تاجر، وکیل اور پروفیسر۔

احمدیہ بلڈنگ کی موجودہ عمارت بننے سے پہلے جو بوتزہ ہی تھا۔ جمعہ کی نماز میاں چراغ دین مرحوم کے مکان بیرون دہلی دروازہ میں ہوتی ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء میں حضرت مجدد صدی چہاردہم نے اس مسجد کا پہلا اور غالباً اپنی زندگی کا آخری جمعہ اس چبوترے پر پڑھایا۔ یہ خطبہ حجۃ اللہ کے نام سے شائع ہوا اسی چبوترے پر حضرت مولانا نور الدین رح نے ایک کثیر مجمع کے سامنے لیکچر دیا۔ اور پھر اسی مقام پر ہر اتوار خواجہ کمال الدین عوام الناس کو لیکچر دیتے جن میں رؤسا، سرکاری افسر اور تعلیم یافتہ اصحاب شریک ہوتے۔ اور پھر ۳۰ سال تک مولانا محمد علی مرحوم روحانیت سے بھرپور خطبے اسی مسجد سے دیتے رہے اور پھر یہی مسجد سال ہا سال تک سالانہ جلسوں کا پنڈال بھی رہی۔

دُنیا کی آبادی سدا متحرک رہی ہے۔ اور رہے گی۔ گنجان شہروں سے نکلنا اور کھلی آبادیوں میں انتقال بھی ناگزیر ہے۔ کسی قوم کے بقا کا راز اپنے اسلاف کا ورثہ نہ صرف سنبھالنا ہے۔ بلکہ سنوارنا بھی ہے۔ اسی ورثہ عظیم میں احمدیہ بلڈنگ کی مسجد بھی ہے۔ اس کے ذرے ذرے میں ہمارے بزرگوں کے آنسو ہیں۔ جن سے وہ مالک کون و مکاں سے گریہ و زاری کے ساتھ سر بسجود ہو کر اسلام کی فتح و کامرانی کی دُعائیں مانگتے۔ نمبر دو مسلم ٹاؤن کی مسجد ہے۔ جو آپ کی توجہ کی طالب ہے۔ شہر میں بسنے والے بالخصوص اور بیرون شہر بسنے والے بالعموم اسے فرصت کے اوقات میں ان مساجد میں حاضری دیں۔

دار السلام کی مسجد اب جماعت کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے روحانی فیوض کے باعث آپ کی توجہ کا مرکز ہے۔ جہاں پر لائبریری ہاسٹل تبلیغ اسلام کے لئے مبلغین از بلادِ مغرب کی درس و تدریس کا بندوبست ہے۔ مقامی جماعت کی مساعی سے انشاء اللہ بالطہ اخلاص سے یہ تینوں مساجد سدا آباد رہیں گی اور انہیں کبھی گلا نہ ہو گا کہ۔

"نمازی نہ رہے۔"

ایک نیک دل خاتون کی وفات

احباب جماعت کو یہ سن کر بے حد دکھ ہو گا کہ لپشاور جماعت کے صدر ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب کی صاحبزادی اور جنرل سیکرٹری انجمن مرزا مسعود بیگ صاحب کی خواہر نسبتی محترمہ جمیلہ خانم اہلیہ شیخ عبدالرحمان صاحب دجھوی) جنرل ہسپتال میں ایک ماہ تک مسلسل بے ہوش رہنے کے بعد گیارہ ماہ کی ایک بچی یادگار چھوڑ کر ۲۳ مئی ۱۹۸۱ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مغرب کے بعد نماز جنازہ دارالسلام میں ادا کی گئی اور مرحومہ کی تدفین قبرستان دارالسلام میں ہوئی۔ احباب کرام جنازہ غائبانہ پڑھ کر مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔

(ادارہ)

مکرم شیخ اللہ بخش صاحب، بدوملہی

کامیاب وہی ہے جس کا دین اسلام ہے اور وہ مومن ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

"ان الدین عند اللہ الاسلام"

کہ اب آسمان کے نیچے دینِ خدا صرف اسلام ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہو چکی ہے کہ:۔ "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" (المائدہ: ۳) کہ آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا۔ اور تمہارا دین اسلام ہونے پر میں راضی ہوا۔" یہ آیت حجۃ الوداع میں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری حج تھا۔ عرفہ کے دن جو جمعہ کا دن تھا میدانِ عرفات میں بعد از عصر نازل ہوئی۔ اس آیت کی عظمت کے متعلق بخاری شریف میں حضرت عمرؓ سے ایک روایت ہے کہ یہود میں سے ایک شخص نے اُن سے کہا اے امیر المومنین تمہاری کتاب میں ایک آیت ہے جسے تم پڑھتے ہو۔ اگر یہ آیت ہم یہود پر کے گروہ پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ آپ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے۔ اُس شخص نے آیت پڑھ کر سنائی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ہم اس دن کو اور اس جگہ کو پہچانتے ہیں جس میں یہ آیت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتری اور آپ عرفات میں جمعہ کے دن کھڑے تھے۔ حجۃ الوداع۔ عرفات کا میدان۔ جمعہ کا دن اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری حج سب اس پر گواہ ہیں کہ یہ ایک بہت عظیم آیت ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام کے بعد کوئی دین نہیں۔ شریعتِ محمدیہ کے بعد کوئی شریعت نہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں اور قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں۔ کیونکہ انسان کی شخصیت کی متوازن اور اعلےٰ ترین تربیت کے لئے جو جو اصول اور طریقے درکار ہو سکتے تھے وہ سب کے سب قرآنِ کریم یا یوں کہیئے کہ اسلام میں پائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا کردہ جتنے بھی قوای ہو سکتے ہیں اُن کی بہترین نشوونما انہی اصولوں کے پیشِ نظر ممکن ہو سکتی ہے اور ان پر وفاداری سے چلنے والا انسان اُس بلند تر مقام کو پہنچ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقدر کر رکھا ہے۔ اسلام کے بعد پھر کسی اور دین کی کیا حاجت ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر فرمایا ہے:۔

"ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخسرین۔" جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہتا ہے تو اس سے قبول نہیں کیا جائیگا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔" (آلِ عمران: ۸۵) پھر کون بدبخت ہے کہ اسلام کو ترک کر کے کسی اور دین کو پسند کریگا اور دنیا اور آخرت میں رسوائی اور "خسران و تباب" کا مُنہ دیکھے گا۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی جنہیں ہم چودھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں تکمیلِ دینِ اسلام کے اس نکتے کو اپنی نظم و نثر میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔ ؎

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ھدیٰ یہی ہے + اے سونے والو جاگو شمس الضحیٰ یہی ہے
مجھ کو قسم خدا کی جس نے ہمیں بنایا + اب آسماں کے نیچے دینِ خدا یہی ہے

اسلام کی سچائی ثابت ہے جیسے سورج + پر دیکھتے نہیں ہیں دشمن بلا یہی ہے۔

(قادیان کے آریہ اور ہم صفحہ ۴۸ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا + نور ہے نور اُٹھو دیکھو، سنایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا + کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ ۱۸۹۳ء)

اسی تکمیلِ دین کا ذکر اپنی ایک عربی عبارت میں اس طرح کرتے ہیں:۔

..... ترجمہ:۔ "اور نبوت ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تحقیق منقطع ہو گئی اور قرآن کے بعد جو تمام صحیفوں سے اعلےٰ اور بہتر ہے اور کوئی کتاب نہیں۔ اور شریعتِ محمدیہ کے بعد اور کوئی شریعت نہیں"۔

جب نبوت ہی ختم ہو گئی تو اس کے بعد دین کیسا۔ کتاب کیسی اور شریعت کیسی۔

اس اسلام کو وہی قبول کرتا ہے جس کا سینہ اللہ تعالیٰ اسکے نور کو حاصل کرنے کے لئے کھول دے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں آیا ہے:۔

"فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام"

"سو جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ کرے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔" ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست + تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ سعادت زورِ بازو سے حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا بخشنا اللہ تعالیٰ کے ارادے میں نہ ہو۔

دیکھیئے صہیبؓ رومی اور بلالؓ حبشی کو تو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہ دُور دراز سے آکر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں میں بیٹھ کر لازوال برکتوں اور شہرت کے مالک بن گئے لیکن ابوجہل کی شومئ قسمت کہ خاکِ مکّہ سے پیدا ہو کر بھی اللہ تعالیٰ کے افضال اور رحمتوں سے محروم رہا۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کس قسم کے اسلام کے لئے انسان کا سینہ کھولنا چاہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھنے سے ایک غیر مسلم اسلام کی وسیع برادری کا فرد بن جاتا ہے لیکن اس میں داخل ہونے کے بعد اسے اس اعلےٰ مقام کو حاصل کرنا ہوتا ہے جس کا حصول ان مختصر سے الفاظ کے اندر پوشیدہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بغیر اس کا کوئی مطلوب، مقصود اور محبوب نہ رہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے بعد اسے کوئی اور دین قبول کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا محبوب تب ہی بن سکتا ہے جب وہ اپنے نفس کی قربانی دینے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے جیسا کہ حضرت مجدد وقت نے فرمایا ہے:۔

"ہم صرف ایک قربانی کے محتاج ہیں۔ جو اپنے نفس کی قربانی ہے۔ جس کی ضرورت کو ہماری فطرت محسوس کر رہی ہے۔ ایسی قربانی کا دُوسرے لفظوں میں نام اسلام ہے۔ اسلام کے معنی ہیں ذبح ہونے کے لئے گردن آگے رکھ دینا۔ یعنی کامل رضا کے ساتھ اپنی رُوح کو خدا کے آستانہ پر رکھ دینا۔ یہ پیارا نام (اسلام)

تمام شریعت کی روح اور تمام احکام کی جان ہے۔ ذبح ہونے کے لئے اپنی دلی خوشی اور رضا سے گردن آگے رکھ دینا کامل محبت اور کامل عشق کو چاہتا ہے اور کامل محبت کامل معرفت کو چاہتی ہے۔ پس اسلام کا لفظ اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حقیقی قربانی کے لئے کامل معرفت اور کامل محبت کی ضرورت ہے نہ کسی اور چیز کی ضرورت۔" (لیکچر لاہور)

اور اگر اسلام کے معنی امن۔ صلح اور آشتی بھی لئے جائیں جیسا کہ عام طور پر لئے جاتے ہیں تب بھی اس سے یہی مراد ہے کہ انسان کے اندر متضاد قوتوں کے درمیان ایک کشمکش اور جنگ مسلسل جاری رہتی ہے وہ قوتیں جو انسان کو مقام انسانیت سے نیچے گرانا چاہتی ہیں ان کا مجموعی نام نفس امارہ ہے جو قرآنی الفاظ "ان النفس لامارۃ بالسوء" کے مطابق انسان کو ہر وقت بدی پر اکساتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس انسان کے اندر کچھ دوسری قوتیں ہیں جو نفس امارہ کے فساد اور فتنہ کو کچل کر رکھ دیتی اور اس کی اس طرح سرکوبی کرتی ہیں کہ وہ دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہیں رہتا۔ انسان کے اندر کی جنگ ختم ہو کر ایک امن کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی حالت نفس مطمئنہ یا جنت ہے۔ جہاں خوف و حزن کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس اندرونی امن کے قیام کے بعد ہی انسان بیرونی امن کے قیام کی طرف لوٹ سکتا ہے جو اس امر کا متقاضی ہے کہ جس مسلسل جدوجہد اور قربانیوں کے ذریعے اس نے اپنے اندر امن قائم کیا ہے انہی کے ذریعے وہ اپنے گرد پھیلے ہوئے فساد کو مٹانے کے لئے جہاد کرے اور یہ صرف قرآنی حکمت کے ماتحت ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی یہ زمین ایک جنت ارضی میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ اور یہی وہ مرتبہ ہے جسے مقام مومن کہا جا سکتا ہے۔ اور اسی مقام کو پانے کے بعد اس کے ساتھ فلاح کا وعدہ پورا کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

"مومن یقیناً کامیاب ہیں (اور وہ کون ہیں) جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں اور جو لغو سے منہ پھیرنے والے ہیں۔ اور جو پاکیزگی کے لئے کام کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ۔۔۔ اور جو اپنی امانتوں اور عہد کا پاس رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی وارث ہیں جو فردوس کو ورثہ میں لیتے ہیں۔ وہ اسی میں رہیں گے۔" (المومنون: ۱ تا ۱۱)

اللہ تعالےٰ کے رنگ میں رنگین اور اس کی مرضی پر چلنے والے لوگوں کے ساتھ ایک اور عظیم الشان وعدہ یہ بھی ہے کہ:۔ "اللہ تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے (مومن) اور اچھے عمل کرتے ہیں۔ (جن کا مختصراً ذکر اوپر آ چکا ہے) وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جیسا انہیں خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے۔ اور وہ ان کے لئے ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا (اسلام) مضبوطی سے قائم کر دے گا۔ اور وہ ان کے لئے ان کے خوف کے بعد بدل کر امن کی حالت پیدا کر دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی نافرمان ہیں" اللہ تعالےٰ کے ساتھ ایک ناقابل شکست تعلق قائم کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے سے روحانی خلافت عطا ہوتی ہے جس کے بعد انسان اس دنیا کے انعامات کا بھی مستحق ہو جاتا ہے اور انہی انعامات میں سے ایک حکومت بھی ہے۔ (النور: ۵۵)

ایک وعدہ یہ بھی ہے کہ:۔

ترجمہ:۔ "اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے (مومن) اور اچھے عمل کرتے ہیں (اپنی) حفاظت اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔" (الفتح: ۲۹)

حفاظت سے بھی یہاں مراد امن ہے۔ اور اجر عظیم سے مراد اس کی خوشنودی۔ رضا اور معرفت کا حصول ہے جو بغیر انتہائی محبت اور عشق کے حاصل نہیں ہو سکتی جیسا کہ حضرت مرزا صاحب نے محولا بالا عبارت میں فرمایا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک دنیا کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ اسے بقا حاصل نہیں۔ یہ بقا انسان کو صرف اللہ تعالےٰ میں فنا ہونے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

مسلمان اور مومن میں اللہ تعالےٰ نے خود ہی فرق اور امتیاز بھی بتا دیا ہے:۔

ترجمہ:۔ "یہ دیہاتی بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو ہم مسلمان ہوئے اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ ۔۔۔۔ مومن صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر کچھ شک نہیں کرتے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ یہی سچے ہیں۔" (الحجرات ۱۴۔ ۱۵)

یعنی زبان سے کلمہ پڑھ لینے کے بعد تم مسلمان کہلانے کے مستحق تو ہو گئے ہو لیکن اس کی تہہ میں جو راز پوشیدہ ہے وہ ابھی تک تم پر پوری طرح منکشف نہیں ہوا۔ ورنہ تم اس سے پہلے ہمارے خلاف ہاتھ نہ اٹھاتے اور اپنے اموال اور اپنی جانیں سب کچھ اللہ کے لئے قربان کرنے کے واسطے تیار ہو جاتے۔ کیونکہ:۔

"اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں ۔۔۔ سو اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو کون پورا کرنے والا ہے۔ سو اپنے سودے پر جو تم نے اس سے کیا ہے خوش ہو جاؤ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔" (التوبہ: ۱۱۱)

خدا سے اس سودے اور تجارت کا نتیجہ کیا ہو گا؟ کہ

"وہ تمہارے گناہوں سے تمہاری حفاظت کرے گا اور تمہیں باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور پاکیزہ مکانوں میں جو ہمیشگی کے باغوں میں ہیں یہ بڑی کامیابی ہے۔" (الصف ۔ ۱۲)

اگر کوئی خوش قسمت اس راز کو پا لے تو واقعی یہ بڑا سستا سودا ہے۔ اتنی قلیل سی قیمت میں اس قدر اجر عظیم کا پانا ایک اچنبھے کی بات اور حیرت انگیز کامیابی ہے۔ مگر یہ جن شرائط کے ساتھ وابستہ ہے ان کا پورا کرنا شرط اولین ہے۔

جب مومن اللہ تعالےٰ کی مقرر کردہ شرائط پر پورا اترتا ہے تو پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ترجمہ:۔ "پھر ہم اپنے رسولوں کو اور انہیں جو ایمان لائے بچاتے ہیں۔ اسی طرح ہمارا ذمہ ہے کہ ہم مومنوں کو بچائیں گے۔" (یونس: ۱۰۳)

اور:۔ "ہم نے تجھ سے پہلے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا پس وہ ان کے پاس کھلے دلائل لے کر آئے۔ سو ہم نے ان کو سزا دی جو مجرم ہوتے (جنہوں نے ان کا انکار کیا اور انہیں ایذائیں اور دکھ دیئے) اور مومنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے۔" (الروم: ۴۷)

سارا قرآن کریم بے شمار مثالوں سے بھرا پڑا ہے کہ اس نے کس طرح مومنوں کی آڑے وقتوں میں دستگیری فرمائی اور بڑے ناساعد حالات میں انہیں ایسی زبردست کامیابی عطا فرمائی کہ واقعات پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ قرآن کریم میں فتح و نصرت اور کامیابی کا ذکر جہاں کہیں بھی آیا ہے۔ وہ مومنوں کے لئے ہی آیا ہے۔ مسلمون یا مسلمین کا لفظ کہیں نظر

(بقیہ صـــ کالم ۱ پر)

مکرم میاں رحیم بخش صاحب ۔ کراچی

کلمۂ طیبہ اتحادِ اسلام کی کنجی ہے

اِس میں کچھ کلام نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم بموجب ارشاد قرآن خاتم الانبیاء ہیں جیساکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے :۔

ماکان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیّین

(سُورۃ الاحزاب ۴)

"یعنی محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں :"

کیوں نہ ہو جس طرح رسالت مآب سرورِ کائنات سردارِ دو عالم رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے انسانیت کو اوجِ کمال تک پہنچایا اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک افق الاعلیٰ کا مقام حاصل کیا۔ اسی طرح آپ پر تمام کمالاتِ نبوت ختم ہو گئے۔ اس لئے آپ کے ذریعہ اسلام دینِ کامل ہو گیا اور قرآن ایک مکمل شریعت کی صُورت میں آخری کتاب قرار پائی اور تمام انسانوں کے لئے تاقیامت مکمل ہدایت نامہ اور ضابطۂ حیات ٹھہری۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالےٰ ہے :۔

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"

(سُورۂ مائدہ : ۴) ۔ یعنی "آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ......" جناب عالی مقام سرورِ کونین آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاتم الانبیاءؐ قرار پانے میں دینِ اسلام کی ہمہ گیر صداقت اور حضور نبی کریم کی نبوت تامّہ کی حقیقتیں پنہاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو خاتم النّبیین تسلیم کرنا مسلمان کے لئے جزوِ ایمان ہے اور یہی وجہ ہے کہ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ کے اقرار سے ہر شخص مسلمان ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خاتم النّبیین ہونے کے اعتقاد پر لازم آ جاتا ہے اور اس طرح ہر کلمہ گو دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر اُمّت محمّدیہ کا فرد بن جاتا ہے۔ فی الحقیقت کلمہ طیبہ ایسے جامع اور پُرحکمت جملۂ الفاظ پر مشتمل ہے کہ اس میں قرآن کا نچوڑ اور دینِ اسلام کا خلاصہ موجود ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یُوں ہے کہ دینِ اسلام کے تین بنیادی اصول ہیں جن پر ایمان لانا مسلمان بننے کے لئے لازم ہے یعنی اوّلاً توحید باری تعالےٰ، دوئم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رسالتِ تامّہ و ختمِ نبوت اور سوئم قرآن کریم کو شریعتِ کاملہ و تامّہ تسلیم کرنا۔ اب مقامِ غور ہے کہ کلمہ طیبہ کے اِن جامع الفاظ کے ادا کرنے سے کس طرح ان تین بنیادی اسلامی اصولوں پر اعتقاد لازم ہو جاتا ہے۔ کلمہ طیبہ کا جملہ دو حصوں پر مشتمل ہے پہلا حصہ لا الٰہ الا اللّٰہ کے اقرار سے کامل توحیدِ باری تعالےٰ پر ایمان لازم ہو جاتا ہے اور دوسرا حصہ محمّد رسول اللّٰہ کے اقرار سے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت تامّہ اور قرآن کی شریعتِ کاملہ پر ایمان لازم ہو جاتا ہے۔ یعنی کلمہ طیبہ کے اس دُوسرے حصہ کا اقرار کنندہ اسبات پر ایمان لاتا ہے کہ اب بھی اور تاقیامت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رسالت قائم و دائم ہے اور جو کتاب یعنی قرآن اِن پر بحیثیت رسول اللہ نازل ہوئی وہی تاقیامت قابلِ قبول شریعتِ کاملہ ہے۔

"خاتم النبیین" کے جامع الفاظ کی حقیقت اور اسکے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لئے چند حقائق جو قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں کو مدِّنظر رکھنا ضروری ہے۔ اِن حقائق کو اکثر نظرانداز کیا جاتا ہے جس سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔

رسالت اور نبوت کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے قرآن کریم نے چند اصول قائم کئے ہیں جن کو ہر نبی اور رسول کے ذکر میں فرداً فرداً اور سب انبیاء کے لئے مجموعی طور پر بیان کیا ہے۔ یہ اصول حسب ذیل امور پر مشتمل ہیں :۔

۱ :۔ سب سے پہلے یہ بات ضروری ہے کہ ہر نبی اور رسول کو اللہ تعالےٰ مبعوث کرتا ہے اور ہر نبی اور رسول پر فرض ہوتا ہے کہ وہ اس دعوٰی نبوت کا اعلان اپنی قوم کو کرتا ہے چنانچہ سورۃ نحل آیت ۳۶ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔ "ولقد بعثنا فی کل اُمّۃٍ رسولاً ان اعبدوا اللّٰہ واجتنبوا الطاغوت"

یعنی "اور یقیناً ہم نے ہر ایک قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔" اسی طرح سورۃ الشعراء میں حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کے بعد کئی ایک نبیوں کا ذکر ہے جس میں ہر ایک نبی اپنی رسالت کا یُوں اعلان کرتا ہے :۔ "انی لکم رسولٌ امین فاتقوا اللّٰہ واطیعون" یعنی میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ سو اللہ کا تقوٰے کرو اور میری فرمانبرداری کرو۔" آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے پہلے جتنے رسول گزرے وہ مختلف قوموں کی طرف الگ الگ مبعوث کئے گئے جن کا مجموعی طور پر قرآن کریم میں یُوں ذکر ہے :۔

کان الناس اُمّۃً واحدۃً فبعث اللّٰہ النبیّین مبشرین ومنذرین ...

(البقرۃ : ۲۱۳) یعنی "سب لوگ ایک ہی جماعت ہیں۔ پس اللہ نے (سب کی) طرف نبیوں کو بھیجا خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے ....." لیکن جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تمام انسانوں کے لئے اور تمام زمانوں کے لئے رسول مبعوث ہو کر آئے تو قرآن کریم فرماتا ہے :۔

"قل یا ایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعًا ..." (الاعراف : ۱۵۸)

یعنی "کہہ دے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول (مبعوث ہو کر آیا) ہوں :"

لہٰذا رسول اور نبی کے لئے سب سے اوّل شرط لازم ہے کہ اس کو اللہ تعالےٰ رسالت اور نبوت کے مقام پر مبعوث کرتا ہے اور ہر نبی اور رسول اس بات کا اعلان کرتا ہے۔

۲ :۔ دُوسری شرط جو بروئے قرآن نبوت اور رسالت کے ساتھ لازم و ملزوم ہے یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے قبل جتنے رسول اور نبی مختلف قوموں میں اور مختلف زمانوں میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے۔ ان ہر ایک پر اللہ تعالےٰ نے ایک کتاب نازل کی جو گویا ہر ایک کے لئے ان کی اپنی شریعت ٹھہری جس پر وہ خود بھی پابند تھے اور ان کی قوم کے لئے اس کی پیروی لازمی تھی۔ قرآن کریم

میں مختلف مقامات پر ہر نبی اور رسول کے لئے کتاب کے نزول کا ذکر ہے۔ کئی ایک انبیاء کی کتابوں کے نام بتائے گئے ہیں مثلاً حضرت موسےٰؑ کی توریت، حضرت داؤدؑ کی زبور، حضرت عیسےٰؑ کی انجیل، لیکن جس طرح تمام انبیاء کے نام مذکور نہیں حالانکہ ہر قوم اور ہر امت میں ہزاروں کی تعداد میں نبی اور رسول آئے۔ اسی طرح جتنے رسولوں اور نبیوں کے نام قرآن میں دیئے گئے ہیں ان میں ہر ایک پر نازل شدہ کتاب کا نام نہیں دیا گیا لیکن قرآن کریم نے قاعدہ کلیہ کے طور پر بتا دیا کہ ہر نبی اور رسول اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک کتاب لایا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالےٰ ہے:۔

"کان الناس امۃ واحدۃ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
فیما اختلفوا فیہ۔ ۔ ۔ " (البقرۃ: ۲۱۳)

یعنی سب لوگ ایک ہی جماعت ہیں (یعنی ایک ہی نوعِ انسان ہیں) پس اللہ نے نبیوں کو بھیجا خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور ان (ہر ایک) کے ساتھ (ایک) کتاب حق کے ساتھ اتاری تاکہ لوگوں میں ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے۔ ۔ ۔ "

لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کے نزول کے ذریعہ دینِ اسلام ایک مکمل دین تمام دنیا کے لئے اور تا قیامت ہر زمانے کے لئے ایک شریعت کا ملہ قرار پائی۔ اس لئے قرآن کے بعد کوئی اور کتاب یا شریعت نازل نہیں ہو سکتی۔ اور اس لحاظ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین اور ختم المرسلین ٹھہرے۔

۳:۔ تیسرا لازمہ جو ہر نبی اور رسول کے ساتھ وابستہ ہے وہ بروئے قرآن یہ ہے کہ ہر نبی اور رسول اپنی امت کو اللہ تعالےٰ کی اطاعت کے بعد اپنی اطاعت کراتا ہے۔ چونکہ ہر نبی اور رسول پر ایک کتاب نازل ہوتی ہے اس لئے وہ اپنی شریعت کا خود اور اپنی امت کو پابند کرتا ہے۔ اس نکتہ کی ایک دو مثالوں سے وضاحت ہو جاتی ہے۔ موسوی شریعت ایک عرصہ دراز تک یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے زمانہ تک قائم رہی لیکن اس کے باوجود موسوی شریعت کے پیروؤں میں کئی نبی پیدا ہوئے۔ اور ان سب پر ان کی اپنی کتاب بمنزلہ شریعت نازل ہوئی۔ جس پر ان کو اور ان کی امت کو اطاعت لازم تھی جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل ہوئی۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر انجیل۔ یہاں تک کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام جو بذاتِ خود نبی تھے ان پر الگ شریعت نازل ہوئی اور انہوں نے بنی اسرائیل کو اپنی اطاعت کے لئے کہا۔ حالانکہ بنی اسرائیل حضرت موسےٰ کی امت تھے۔ سورۃ طٰہٰ آیت ۹۰ میں حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں یوں ذکر ہے:۔

ترجمہ:۔ "اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ اے میری قوم۔ تم اس سے صرف آزمائش میں ڈالے گئے ہو اور تمہارا رب بہت رحم کرنے والا ہے۔ سو میری پیروی کرو اور میرے حکم کی فرمانبرداری کرو۔"

یہاں یہ غور طلب ہے کہ گو حضرت موسےٰؑ بنی اسرائیل کے لئے نبی مبعوث ہوئے اور بنی اسرائیل پر حضرت موسےٰ کی اطاعت ہی لازم تھی۔ مگر حضرت موسےٰ کی غیر موجودگی میں جب وہ کوہِ طور پر گئے ہوئے تھے۔ حضرت ہارون بھی بنی اسرائیل کو اپنی اطاعت کرنے کو کہتے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہر نبی بذاتِ خود مطاع ہوتا ہے وہ دوسرے نبی کا مطیع نہیں ہوتا۔ اور وہ اپنی امت کو اپنی اطاعت کی دعوت دیتا ہے۔ اس نکتہ کو قرآن کریم نے ایک با قاعدہ کلیہ کی صورت میں یوں بیان فرمایا ہے:۔

"وما ارسلنا من رّسول الا لیطاع باذن اللہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " (النسا: ۶۴)

یعنی "اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔"

اس امر کی تصدیق میں سورۃ شعراء میں کئی انبیاء کا ذکر ہے۔ مثلاً حضرت نوحؑ۔ حضرت ہودؑ۔ حضرت صالحؑ حضرت لوطؑ۔ حضرت شعیبؑ۔ ان میں ہر ایک نے رسالت ملنے پر اپنی قوم کو ایک ہی الفاظ میں یوں خطاب کیا:۔

"انی لکم رسول امین فاتقوا اللہ واطیعون:"

"میں تمہارے لئے رسول امین ہوں سو اللہ کا تقویٰ کرو اور میری فرمانبرداری کرو۔"

چنانچہ اس قاعدہ کی رو سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ آخری نبی ہیں اور تمام دنیا کے لئے تا قیامت آپ کی نبوت قائم ہے اس لئے اب اللہ تعالےٰ کے بعد صرف آپ کی اطاعت لازم ہے اور امتِ مسلمہ کے لئے صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مطاع ہیں۔ اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (النور: ۵۴)
کہدو کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔"

پھر سورۃ محمد میں ہے:۔

"یا یھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (محمد، آیت ۳۳)
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ ۔ ۔

اس لئے یہ واضح ہے کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کی اطاعت کرتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے یا اس کی اطاعت کی طرف بلاتا ہے وہ مسلم ہے اور امتِ مسلمہ میں شامل ہے۔

نبوت اور رسالت کے متعلق مندرجہ بالا توضیحات کے ضمن میں ایک اور وضاحت ضروری ہے جس کو ملحوظِ خاطر رکھنے سے نبوت اور رسالت کا صحیح مفہوم سمجھ آسکتا ہے۔

نبی اور رسول۔ عربی زبان کے الفاظ ہیں جو لفظ نباء اور رُسل سے مشتق ہیں۔ لغت کے لحاظ سے نباء کے معنی خبر اور رُسل کے معنی پہنچانا ہے۔ اس لئے نبی کے لغوی معنی خبر دینے والا یا خبر پانے والا ہے۔ اور رسول کے معنی پیغام دینے والا یا پیغام پہنچانے والا۔ مگر اصطلاح قرآن میں نبوت اور رسالت یا نبی اور رسول کے الفاظ چند لوازمات اور شرائط سے مختص ہیں۔ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

قرآن مجید میں لفظ رسول اپنے لغوی معنوں میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ مگر اس سے مراد وہ نبوت نہیں جس کی بعثت اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو رسالت مآبؐ پر ختم ہو چکی بلکہ عمومی معنوں میں بولا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر میں جہاں فرعونِ مصر نے اپنی خواب کی تعبیر اپنے مصاحبوں سے پوچھی تو کوئی نہ بتا سکا۔ اسوقت حضرت یوسف کے ایک ساتھی قیدی نے حضرت یوسف سے پوچھ کر اس کی تعبیر بتائی۔ تو فرعونِ مصر نے کہا:۔

ترجمہ:۔ "بادشاہ نے کہا۔ اُسے میرے پاس لاؤ۔ سو جب (بادشاہ) ایلچی اس کے (یعنی حضرت یوسف کے پاس آیا) تو اس نے کہا اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ ۔ ۔ "

قرآن کی آیت محولہ بالا سے واضح ہے کہ اس موقعہ پر "رسول" کا لفظ محض لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے

یعنی فرعون مصر کی طرف سے جو شخص اس کا پیغام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس لایا اُسے ایک ایلچی کی حیثیت سے قرآن نے رسول کہا۔ اسی ضمن میں یہ بھی قابلِ غور بات ہے کہ ربّ کا لفظ اصطلاحی معنوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن اس آیت میں ربّ کو بھی محض لغوی معنوں میں حضرت یوسف علیہ السلام نے فرعونِ مصر کے لئے استعمال کیا۔ اور جو فرعون مصر کا ایلچی حضرت یوسفؑ کو بلانے آیا تھا تو حضرت یوسفؑ نے اس سے یہ کہا کہ پہلے تو اپنے رب یعنی بادشاہ کے پاس جا اور اُسے یہ حضرت یوسف کا یہ پیغام دے کہ ان عورتوں کے بارے میں بادشاہ کا کیا فیصلہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ اسی طرح لفظ نبی نباء سے مشتق ہے اور نباء کے معنی خبر ہے۔ اور لفظ نبا قرآنِ مجید میں انہی لغوی معنی میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے مثلاً:۔

یا یھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسقٌ بنباءٍ ....

(سورۃ الحجرات : ۶)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو نادانی سے دُکھ پہنچاؤ۔ پھر اس پر جو تم نے کیا پشیمان ہو۔“

ان قرآنی حوالجات سے صریحاً ثابت ہے کہ اصطلاحِ قرآن میں نبوت، رسالت، اور نبی اور رسول جن کا اطلاق ختم نبوت پر ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا تین شرائط سے مشروط ہیں۔ اور صرف ان لوازمات سے لازم و ملزوم ہیں۔

لا الٰہ الا اللہ بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث کے مطابق اسلامی عقیدہ کے رکن اوّل یعنی کلمہ طیبّہ کا پہلا جزو ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ گویا بندگی اور عبادت کے لائق صرف اللہ واحد ہے۔ محمد رسول اللہ اس کا دُوسرا جزو ہے۔ جس میں ہدایت کی گئی ہے کہ اللہ کی بندگی اور عبادت کا طریقہ صرف محمدؐ رسول اللہ سے حاصل کیا جائے گا۔

اِسلام قبول کرنے کی اولین شرط یہ ہے کہ کلمہ طیبّہ زبان سے ادا کیا جائے۔ اور اُس پر ایمان لایا جائے اسی طرح جب کسی مسلمان کے بچہ کی ولادت ہوتی ہے تو بچّہ کے دونوں کانوں میں اذان دی جاتی ہے جس میں کلمہ کے الفاظ موجود ہوتے ہیں۔

کلمہ کے دونوں اجزاء پر ایمان لانے کے بعد اسلام کے باقی جتنے ارکان اور احکامات ہیں وہ دراصل اس ایمان ہی کے تقاضے میں پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ملائکہ، اللہ تعالیٰ کی کتابوں، اللہ کے رسولوں آخرت پر ایمان۔ اسی طرح نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ حج حدود و تعزیرات، حلال و حرام۔ معاملات۔ قوانین اسلامی ہدایات و تعلیمات ان سب کی بنیاد اللہ کی عبودیت پر استوار ہوتی ہے اور ان سب کا سرچشمہ وہ تعلیم ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے اللہ کی جانب سے ہم تک پہنچائی ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل کے ذریعہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے موافق زمین پر کوئی چیز نہیں بھیجی گئی۔ اور اس کلمہ سے زمین آسمان۔ پہاڑ۔ درخت خشکی اور سمندر قائم کئے گئے ہیں۔ اور رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ اگر ترازو کے ایک پلڑے میں کلمہ لا الٰہ الا اللہ رکھا جائے اور دُوسرے پلڑے میں تمام آسمان اور زمین تو کلمہ کا پلڑا بھاری ہوگا۔

سبحان اللہ! کلمہ طیبّہ کے فضائل اور برکات لامتناہی ہیں اور ہر انسان اس کے اقرار اور اس پر ایمان لانے سے مسلمان ہو کر اس کی برکات سے فیضیاب ہوتا ہے۔ گویا دین کے معاملہ میں کلمہ طیبّہ باب الاسلام کی حیثیت رکھتا ہے۔ کلمہ طیبّہ کے اقرار سے اِسلام کا دروازہ کھل جاتا ہے اور ہر کلمہ کا اقرار کنندہ اِسلام کے وسیع دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح امتِ مسلمہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ اس دائرہ میں اپنے ایمان اور اعمال کی بدولت اپنا مقام بنا لیتا ہے

علامہ اقبالؒ اتحادِ اسلام کے لئے یُوں لب کشا ہیں:۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی، اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مُسلمان بھی ایک

مندرجہ بالا اشعار میں علامہ اقبال نے کس خوبی سے مُسلمان کی تعریف بیان کر دی۔ یہی تعریف کلمہ طیبّہ میں سمو دی گئی ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر آئین پاکستان میں مُسلمان کی صحیح تعریف کلمہ طیبّہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے جامع اور پُر حکمت الفاظ پر مشتمل ہونی چاہیئے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

بقیہ:۔ کامیاب وہی ہے جس کا دین اسلام ہے اور وہ مومن ہے۔ (بسلسلہ صفحہ ــــ)

نہیں آتا۔ میرا خیال ہے (اور یہ غلط بھی ہو سکتا ہے) کہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد انسان بلا شک مسلمان تو ہو جاتا ہے لیکن اس کے بعد اگر وہ ترقی کرتے کرتے مومن کے درجہ تک نہیں پہنچ جاتا تو اللہ تعالےٰ کی نصرت اور تائید کو جذب کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔ اس لئے تمام مسلمان عموماً اور ہم خصوصاً اگر یہ آرزو رکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی نصرت اور تائید کے مستحق ہو جائیں اور جو وعدے اس نے مومنوں کے ساتھ کر رکھے ہیں وہ ہمارے حق میں بھی پُورے ہوں تو ہمیں مسلمان کہلانے کے بعد مومن بھی بننا ہوگا۔ ورنہ کامیابی اور کامرانی کے جو سہانے خواب ہم دیکھ رہے ہیں وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکیں گے۔ عمل سے تہی نرے زبانی دعوے ہمیں مشکلات اور مصائب سے نجات نہیں دلا سکیں گے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ صرف مومنوں کے ساتھ ہے۔ میری دُعا ہے اللہ تعالےٰ ہمیں حق کی شناخت اور مومن بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اخبار احمدیہ

حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالےٰ بخیریت سے ہیں۔ احباب سلسلہ اس مبترک اور تاریخ احمدیت کے اہم وجود کی صحت والی زندگی کے لئے اپنی دُعائیں جاری رکھیں۔

* * *

* * *

ارشادات

حضرت

مجدد صد چہار دہم

تفسیر قرآن میں دخل

اس بات کا ذکر آیا کہ آج کل لوگ بغیر سچے علم اور واقفیت کے تفسیریں لکھنے بیٹھ جاتے ہیں اس پر فرمایا۔ تفسیر قرآن میں دخل دینا بہت نازک امر ہے مبارک اور سچا دخل اس کا ہے جو خدا کے روح القدس سے مدد لے کر دخل دے ورنہ علوم مروجہ کی شیخی پر لکھنا دنیاداروں کی چالاکیاں ہیں ؏

بیعت میں صدق و اخلاص

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ اگر آپ کو ہر طرح سے بزرگ مانا جائے اور آپ کے ساتھ صدق اور اخلاص ہو مگر آپ کی بیعت میں انسان شامل نہ ہووے تو اس میں کیا ہرج ہے۔ فرمایا۔ بیعت کے معنے ہیں اپنے تئیں بیچ دینا اور یہ ایک کیفیت ہے جس کو قلب محسوس کرتا ہے جبکہ انسان اپنے صدق اور اخلاص میں ترقی کرتا کرتا اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اُس میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو وہ بیعت کے لئے خود بخود مجبور ہو جاتا ہے اور جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو جائے تو انسان سمجھ لے کہ ابھی اُس کے صدق و اخلاص میں کمی ہے ؏

نماز میں اپنی زبان میں دُعا

سوال ہوا کہ آیا نماز میں اپنی زبان میں دُعائیں مانگنا جائز ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ "سب زبانیں خدا نے بنائی ہیں چاہیئے کہ اپنی زبان میں جس کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے نماز کے اندر دُعا مانگے کیونکہ اس کا اثر دل پر پڑتا ہے تاکہ عاجزی اور خشوع پیدا ہو کر کلام الٰہی کو ضرور عربی میں پڑھو اور اس کے معنی یاد رکھو اور دُعا بے شک اپنی زبان میں مانگو جو لوگ نماز کو جلدی جلدی پڑھتے ہیں اور پیچھے لمبی دُعائیں کرتے ہیں وہ حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ دُعا کا وقت نماز ہے نماز میں بہت دُعائیں مانگو ؏

حاکم ظالم ہو تو ——— !

فرمایا۔ اگر حاکم ظالم ہو تو اس کو بُرا نہ کہتے پھرو بلکہ اپنی حالت میں اصلاح کرو۔ خدا اس کو بدل دے گا یا اسی کو نیک کر دے گا جو تکلیف آتی ہے وہ اپنی ہی بد اعمالیوں کے سبب آتی ہے۔ ورنہ مومن کے ساتھ خدا کا سایہ ہوتا ہے مومن کے لئے خدا تعالےٰ آپ سامان مہیا کر دیتا ہے میری نصیحت یہی ہے کہ ہر طرح سے تم نیکی کا نمونہ بنو۔ خدا کے حقوق بھی تلف نہ کرو اور بندوں کے حقوق بھی تلف نہ کرو ؏

ایفائے عہد یا وعدہ کا پورا کرنا

زمانہ نبوت سے پہلے کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص عبداللہ ابن ابی اسمار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تجارت کا معاملہ طے کیا۔ اسی اثنا میں اسے کسی دوسری جگہ کا خیال آ گیا۔ اس نے آپ سے عرض کی کہ آپ یہیں انتظار کیجئے۔ میں ابھی ایک کام کر کے واپس آتا ہوں۔ اور پھر آپ سے معاملہ طے کرتا ہوں۔ یہ کہکر وہ شخص چلا گیا۔ لیکن اتفاقاً اپنا وعدہ بھول گیا اور تین دن کے بعد اس کو خیال آیا۔ کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وعدہ دے آیا تھا کہ میں ابھی واپس آتا ہوں۔ وہ اس جگہ پر آیا جہاں پہلے ملاقات ہوئی تھی دیکھا کہ حضور بدستور اس جگہ موجود ہیں اس کو دیکھ کر حضور نے فرمایا میں تین دن سے آپ کی راہ دیکھ رہا ہوں۔ وہ شخص بہت نادم ہوا لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے آپ کے ایفائے عہد کی تعریف کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو بھی اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ حضور نے کبھی عہد کی خلاف ورزی نہیں کی چنانچہ قیصر روم نے ابوسفیان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سوالات کئے ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا کبھی محمد (صلعم) نے عہد کی خلاف ورزی کی ہے؟ ابوسفیان نے نہایت کھلے لفظوں میں اقرار کیا کہ حضور نے کبھی عہد کی خلاف ورزی نہیں کی ہمیشہ اپنے قول و قرار کا پاس کیا ہے اور ہمیشہ ایفائے عہد کیا ہے

صلح حدیبیہ کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی مکہ کا باشندہ اسلام لاکر مدینہ آ جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پناہ ڈھونڈے تو آپ اس شخص کو فوراً مکہ والوں کے پاس بھیج دیں گے۔ اس کے تھوڑے دنوں کے بعد ایک نومسلم ابوجندل مکہ والوں کی قید سے بھاگ کر مدینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور پناہ کا خواستگار ہوا جب اس نے اپنی درد بھری کہانی سنائی اور کفار کے ظلم و ستم بیان کئے اور اپنے جسم کے زخم دکھائے تو مسلمانوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور خود حضور بھی آبدیدہ ہو گئے لیکن چونکہ عہد کر چکے تھے کہ مکہ سے آنے والوں کو پناہ نہیں دیں گے اسلئے حضور نے بڑی سنجیدگی سے فرمایا۔

"ابوجندل! صبر کرو۔ خدا تمہاری مشکلات دور فرمائے۔ تمہاری تکلیفوں کا ہم سب کو بہت احساس ہے۔ مگر مجبوری یہ ہے کہ ہم مکہ والوں سے عہد کر چکے ہیں کہ کسی آنے والے کو پناہ نہیں دیں گے عہد کی پابندی ضروری ہے"

ان الفاظ کے ساتھ حضور نے باچشم تر ابوجندل کو واپس مکہ میں بھیج دیا۔ ابوجندل کی تکلیفات پر حضور کو رحم تو بہت آیا مگر عہد کو توڑنا حضور کو کسی صورت میں منظور نہ تھا۔

کلام الامام

وہ یار لامکانی وہ دلبر نہانی — دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے
وہ آج شاہ دیں ہے وہ تاج مرسلیں ہے — وہ طیب و امیں ہے اس کی ثنا یہی ہے
حق سے جو حکم آئے اس نے وہ کر دکھائے — جو راز تھے بتائے نعم العطا یہی ہے
آنکھ اس کی دوربیں ہے دل یار سے قریں ہے — ہاتھوں میں شمع دیں ہے عین الضیا یہی ہے
جو راز دیں تھے بھارے اس نے بتائے سارے — دولت کا دینے والا فرمانروا یہی ہے

میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا

◆

چوہدری محمد شریف

سری لنکا سے ڈاکٹر ایم ایم قاسم لکھتے ہیں :-

سال گزشتہ آپ نے حضرت مولانا محمد علی مرحوم کی تفسیر انگریزی قرآن مجید کا مقدس اور قیمتی تحفہ ارسال کر کے مجھ پر نہایت کرم فرمائی کی ہے۔ میں آپ کی مساعی تبلیغ و اشاعت اسلام کے بارے میں ایک مدت سے سنتا چلا آرہا ہوں۔ کہ آپ راہ حق میں جہاد کر رہے ہیں۔ اور باوجود مخالفت اور مشکلات کے اسلام کے علم کو تمام دنیا میں بلند کئے ہوئے ہیں۔ اس کا معترف ہوں کہ آپ کی جماعت نے اسلام کی عظمت بڑھائی ہے۔ آپ کا یہ تحفہ موصول کرنے کے بعد مجھے آپ کے ادارہ پر رشک آتا ہے کہ آپ ایثار اور قربانی کے ساتھ خدمات دینیہ میں مصروف ہیں۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالےٰ آپ کی تحریک کو استحکام و استقامت بخشے اور اپنی برکات و افضال سے نوازے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جماعت احمدیہ کے لٹریچر نے مغربی دنیا کو اسلام و قرآن کے قریب لانے اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بے نظیر پیغام سے روشناس کرانے میں ایک تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو مزید استقامت بخشے۔

آخر میں ملتمس ہوں کہ حدیث بخاری۔ جو مولانا اسد صاحب نے تصنیف کی ہے کی ضرورت ہے۔ یہ کتاب لاہور ہی سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے لئے میں زحمت دے رہا ہوں۔

نائیجیریا سے یونس عبدالکریم تحریر کرتے ہیں۔

پیارے بھائی ! السلام علیکم

مجھے آپ کا ۲۵ دسمبر ۱۹۸۰ء کا خط ملا یہ پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی کہ آپ نے چار اسلامی کتب مجھے بھجوائی ہیں۔ ان کے لئے میں بے حد مشکور ہوں۔ اگرچہ ان کتب کو میں بے حد پسند کرتا ہوں لیکن مجھے قرآن مجید کی اشد ضرورت ہے۔ امید ہے کہ آپ حسب وعدہ طباعت کے بعد ایک نسخہ ارسال فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔

آپ کا وفادار

یحییٰ عبیدی محمد اوال گھانا سے رقمطراز ہیں :-

مکرمی جناب ! السلام علیکم

میں گھانا سیکنڈری سکول میں اسلامیات کا طالب علم ہوں۔ اسلامیات میرا لازمی مضمون ہے اس مضمون کو یونیورسٹی تک مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن میری مشکل یہ ہے کہ میرے پاس اسلامی لٹریچر کی کتب نہیں۔ جون ۱۹۸۱ء میں امتحان کی تیاری کر رہا ہوں۔ اس کے لئے مجھے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ تفسیر اور دیگر کتب جو مفید ہیں ارسال کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔

انڈونیشیا سے پروفیسر ڈاکٹر ایچ احمد محمد رقمطراز ہیں :-

پیارے بھائی ! السلام علیکم !

ہم آپ کے تہ دل سے مشکور ہیں کہ آپ نے ہمیں ۹ مذہبی کتب ارسال کیں۔ ان کتب سے ہمیں ان غلط فہمیوں سے بچنے میں نجات ملے گی جو ہمیں ان کتب کے تراجم سے ہوتی ہیں جو متعصب ذہن رکھتے ہیں۔

جب میں جلسہ سالانہ ۱۹۸۱ء میں لاہور میں آپ کی میزبانی میں تھا۔ اسوقت ستارہ احمد فاروقیؒ کی یہ کتب نہیں ملی تھیں اگر ان کی ایک ایک کاپی انڈونیشیا ارسال کر دیں تو بے حد شکر گزار ہوں گا۔ جماعت کے تمام ممبران کی خدمت میں سلام۔

گھانا سے عبیدی ادریس فاروق لکھتے ہیں۔

محترم جناب ! السلام علیکم !

آپکی خدمت میں یہ لکھتے ہوئے از حد مسرت محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے آپ پاکستان میں بفضل تعالیٰ خیریت سے ہوں گے۔

چند روز قبل اپنے ایک دوست کے ہاں آپ کی مطبوعات دیکھیں۔ ان کے مطالعہ سے یہ محسوس ہوا کہ ان کتب میں رسول مقبولؐ کی حیات طیبہ اور مقام ، قوانین شادی کے متعلق سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ میرے دوست نے مجھے بتایا کہ آپ مجھے عربی انگریزی تفسیر قرآن مجید بھیج کر میری مدد کر سکتے ہیں۔ میں ایک مسلمان ہوں عربی پڑھنے کا شوق ہے۔ کسی عربی سکول میں داخل نہیں ہو سکا۔ اس لئے آپ مجھے ایسا لٹریچر خصوصاً انگریزی ترجمہ قرآن بطور تحفہ ارسال کریں جس سے میرے علم میں اضافہ ہو سکے۔

گھانا سے ایم باکو الحسن تحریر کرتے ہیں :-

مکرمی و محترمی ! السلام علیکم !

آپ کی مساعی جمیلہ برائے تبلیغ دین و اشاعت اسلام میں اللہ تعالےٰ آپ کو کامیابی عطا فرمائے۔ میں نے آپ کی یکے از مطبوعات پنجسورہ کا مطالعہ بڑے ذوق و شوق سے کیا۔ یہ کتب میرے جیسے پیدائشی مسلمان کو قرآن کے معانی و معارف سمجھنے میں بڑی مددگار ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ تمام دوست آپ کے اس قلمی جہاد کو سراہیں گے جو آپ تبلیغی میدان میں کر رہے ہیں۔

میرے مطالعہ کے لئے ایک کاپی پنجسورہ اور دیگر اسلامی لٹریچر ارسال فرما دیں۔ بے حد شکر گزار ہوں گا۔ نیز مجھے دوسرے اسلامی مشنز کے پتہ جات بھی ارسال فرما دیں تو مہربانی ہوگی۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۲۷ مئی ۱۹۸۱ء ، جلد ۶۸ شمارہ ۲۱ رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین لجدہ پرنٹرز۔ اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح ، احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا

نائب مدیر
عبدالروف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے [illegible] روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد ۔ ۶۸

یوم چہار شنبہ ۳۰ رجب المرجب ۱۴۰۱ھ مطابق ۳ جون ۱۹۸۱ء عیسوی

شمارہ ۔ ۲۲

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

اپنے بھائیوں کو حقیر نہ سمجھو

حقیقی مکرمت اور عظمت کا باعث فقط تقویٰ ہے

میں نہیں چاہتا کہ میری جماعت والے آپس میں ایک دوسرے کو چھوٹا یا بڑا سمجھیں۔ ہماری جماعت کے احباب یہ غم کل دنیوی غموں سے بڑھ کر اپنی جان پر لگاویں کہ ان میں تقویٰ ہے یا نہیں۔ اہل تقویٰ کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ اپنی زندگی غربت اور مسکینی میں بسر کرے۔ یہ تقویٰ کی ایک شاخ ہے جس کے ذریعہ سے ہمیں ناجائز غضب کا مقابلہ کرنا ہے۔ بڑے بڑے عارف اور صدیقوں کے لئے آخری اور کڑی منزل غضب سے بچنا ہی ہے۔ عجب و پندار غضب سے پیدا ہوتا ہے اور ایسا ہی کبھی خود غضب پندار کا نتیجہ ہوتا ہے کیونکہ غضب اسوقت ہوگا جب انسان اپنے نفس کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری جماعت والے آپس میں ایک دوسرے کو چھوٹا یا بڑا سمجھیں۔ یا ایک دوسرے پر تکبر کریں۔ یا نظر استخفاف سے دیکھیں۔ خدا جانتا ہے کہ بڑا کون ہے یا چھوٹا کون ہے۔ یہ ایک قسم کی تحقیر ہے جس کے اندر حقارت ہے ڈر ہے کہ یہ حقارت بیج کی طرح بڑھے اور اسکی ہلاکت کا باعث ہو جائے۔ بعض آدمی بڑوں کو مل کر بڑے ادب سے پیش آتے ہیں لیکن بڑا وہ ہے جو مسکین کی بات کو مسکینی سے سنے۔ اس کی دلجوئی کرے۔ اس کی بات کی عزت کرے۔ کوئی چڑ کی بات منہ پر نہ لاوے کہ جس سے دکھ پہنچے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن یتب فاولٰئک ھم الظالمون۔ تم ایک دوسرے کے چڑ کے نام نہ ڈالو۔ یہ فعل فساق و فجار کا ہے۔ جو شخص کسی کو چڑاتا ہے وہ نہ مرے گا جب تک وہ خود اس میں مبتلا نہ ہوگا۔ اپنے بھائیوں کو حقیر نہ سمجھو۔ جب ایک ہی چشمہ سے سب پانی پیتے ہو۔ تو کون جانتا ہے کہ کس کی قسمت میں زیادہ پانی پینا ہے۔ مکرم و معظم کوئی دنیاوی اصولوں سے نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالےٰ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو متقی ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر۔ یہ جو مختلف ذاتیں ہیں یہ کوئی وجہ شرافت نہیں۔ خدا تعالےٰ نے محض عرف کے لئے یہ ذاتیں بنائیں اور آج کل تو صرف بعد چار پشتوں کے حقیقی پتہ لگانا ہی مشکل ہے۔

متقی کی شان نہیں کہ ذاتوں کے جھگڑے میں پڑے۔ جب اللہ تعالےٰ نے فیصلہ کر دیا کہ میرے نزدیک ذات کوئی سند نہیں۔ حقیقی مکرمت اور عظمت کا باعث فقط تقویٰ ہے۔ خدا کے کلام سے پایا جاتا ہے کہ متقی وہ ہوتے ہیں جو حلیمی اور مسکینی سے چلتے ہیں۔ وہ مغرورانہ گفتگو نہیں کرتے ان کی گفتگو ایسی ہوتی ہے جیسے چھوٹا بڑے سے گفتگو کرے۔ ہم کو ہر حال میں وہ کرنا چاہیئے جس سے ہماری فلاح ہو۔ اللہ تعالےٰ کسی کا اجارہ دار نہیں وہ خالص تقویٰ کو چاہتا ہے جو تقویٰ کرے گا وہ مقام اعلےٰ کو پہنچے گا۔"

از محترمہ رضیہ مددعلی صاحبہ

خواتین کا صفحہ

احمدی خواتین ۱۹۱۴ء سے یعنی جب سے احمدیہ انجمن ا   ہ عالم وجود میں آئی ہمیشہ سے فعال کردار ادا کر رہی ہیں۔ اور دامے۔ درمے سخنے احمدی خواتین دین کو دنیا پر مقدم کرنے میں پیش پیش ہیں۔ وہ دستکاری سال بھر کرتی ہیں اور جلسہ سالانہ پر نمائش دستکاری اور اشیاء خوردنی کے اسٹال لگا کر ان کی فروخت سے ہزار ہا روپے ہر سال اشاعت   ہ کے لئے دیتی ہیں۔

دینی خدمات کے لئے بھی اسی طرح ایک مربوط اور منظم انتظامیہ کی ضرورت ہوتی ہے جیسے دنیاوی کاموں کے لئے۔ لہٰذا مرکز کے علاوہ ہر شہر میں خواتین کی تنظیمی جماعتیں ہیں۔ یہ تنظیم خواتین احمدیہ محض دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کے لئے ہے۔ تنظیم خواتین لاہور کے اس سال منتخب عہدیداران یہ ہیں:-

صدر :- بیگم رضیہ مددعلی صاحبہ
نائب صدر :- بیگم زبیدہ محمد احمد صاحبہ و بیگم صابرہ رحمٰن صاحبہ
سیکرٹری :- بیگم عصمت خالد صاحبہ
جوائنٹ سیکرٹری بیگم طاہرہ فضل احمد صاحبہ
خزانچی بیگم درجینا وحید صاحبہ
معاون خزانچی :- بیگم نگین ملک صاحبہ

ان کے علاوہ بیس ممبران مجلس انتظامیہ کا بھی انتخاب ہوا۔ اس سال باہمی رابطہ کے لئے علاوہ دوسرے امور کے وقف کیا گیا ہے گرمیوں میں لاہور کے مختلف علاقوں میں ہر گھر میں جاکر بہنوں اور بچیوں سے ملاقات اور جماعتی اور دینی مسائل پر باہمی تبادلۂ خیال کرنے کے لئے لاہور کے حلقہ دار VISITORS کی ایک لسٹ تیار کی گئی ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

۱:- حلقہ دارالسلام۔ ماڈل ٹاؤن و گلبرگ :-

بیگم رضیہ مددعلی صاحبہ، بیگم عصمت خالد صاحبہ، بیگم درجینا وحید صاحبہ، بیگم ذکیہ اقبال صاحبہ۔ بیگم چوہدری عبدالحق صاحبہ، بیگم رضیہ بشیر صاحبہ،

۲:- حلقہ شادباغ۔ وسن پورہ۔ مصری شاہ

بیگم رضیہ مددعلی صاحبہ، بیگم عصمت خالد صاحبہ، بیگم صابرہ رحمٰن صاحبہ، بیگم حامدہ رحمٰن صاحبہ۔ بیگم عظمت رفیق صاحبہ،

۳:- حلقہ احمدیہ بلڈنگس :-

بیگم رضیہ مددعلی صاحبہ، بیگم عصمت خالد صاحبہ، بیگم حامدہ رحمٰن صاحبہ، محترمہ محمودہ دختر حضرت امیر، بیگم سلمیٰ ناصر صاحبہ۔ بیگم عظمت رفیق صاحبہ،

۴:- حلقہ کرشن نگر۔ چوبرجی پارک۔ ساندہ کلاں۔ ذیلدار روڈ

بیگم رضیہ مددعلی صاحبہ۔ بیگم عصمت خالد صاحبہ۔ بیگم خدیجہ منصور صاحبہ،

ر،

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حلقہ دارالسلام میں ۱۸۔۵۔۱۷ کو راقم الحروف، بیگم عصمت خالد اور بیگم درجینا وحید نے پروگرام کے مطابق بہنوں کو ملنے اور تبادلۂ خیالات کی سعادت حاصل کی۔

اور پھر دارالسلام میں ہی یوم وصال حضرت مرزا غلام احمد مجدد صدی چہاردہم کی تقریب پر جلسہ زیر صدارت بیگم ڈاکٹر سعید احمد خاں ہوا۔ باوجود شدید گرمی اور غیر موزوں وقت کے یعنی ۴½ بجے بعد از دوپہر بہنیں تشریف لائیں۔ آغاز صاحب صدر کی تلاوت قرآن سے ہوا۔ راقم الحروف کے علاوہ بیگم صبیحہ سعید۔ بیگم نگین ملک اور آنسہ ساجدہ رحمٰن نے پُر معارف تقاریر کیں۔ میری خوش الحان بہن طاہرہ جنجوعہ نے تلاوت کلام پاک اور زاہدہ جنجوعہ نے در ثمین سے کلام سنایا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض میری فعال بہن بیگم عصمت خالد صاحبہ نے ادا کئے۔ بعد ازاں حاضرین کی تواضع مشروبات سے کی گئی۔

آئندہ انتظامیہ کمیٹی کا اجلاس راقم الحروف کے گھر پر ہوگا۔

دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی تائید شامل حال رہے۔ آمین!

* * *

بھارت سے ایک غیر از جماعت دوست کا خط

بنام :- حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدرالدین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مکرمی و مخدومی حضرت اقدس جناب مولانا صدرالدین صاحب، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

اُمید ہے کہ آنجناب بخیر و عافیت ہونگے۔ گذارش آنکہ یہ عاجز آپ کی شخصیت اور آپکے سلسلہ کی کتابوں سے ناواقف تھا لیکن خدا کو منظور تھا کہ اوّل ملاقات کتابوں کے ذریعہ ہو بعد اسکے شائد ملاقات بھی ہو جائے۔ ملاقات تو بذریعہ کتب جناب عبدالرزاق بھائی کے ذریعہ ہوئی ہے میں ان کا بہت ہی ممنون و مشکور ہوں کہ بجائے زبانی بات چیت کے آپ کی جماعت کے کتابوں کے مطالعہ کی تلقین فرمائی جس سے میرے سارے شکوک و شبہات متعلقہ جماعت احمدی لاہوری کے رفع ہوگئے ہیں۔ دلی تمنا ہے کہ آپ ایسے مفکر اسلام سے جلد ملاقات ہو۔ دیکھئے خدائے تعالیٰ کب موقع عنایت فرمائے۔ دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میرے جذبہ کو برقرار رکھتے ہوئے عمل کی توفیق عنایت فرمائے۔ میری جانب سے آپ کو اور آپکے جملہ متعلقین و احباب کو سلام قبول ہو۔ اُمید ہے کہ آنجناب ناچیز کو اپنے جواب سے نوازیں گے۔

فقط والسلام

محبوب عالم

سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

بیمار پُرسی :- عیادت کو جانا یا بیمار پرسی کرنا سنت نبوی میں داخل ہے اور احادیث شریف میں بیمار پرسی کرنے والوں کا بڑا درجہ لکھا ہے۔

رپورٹ:۔ مولوی شفقت رسول خان۔

تقریب یوم وصال حضرت بانی سلسلہ احمدیہ رحمۃ اللہ علیہ

مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۸۱ء بروز جمعۃ المبارک حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ کے "یوم وصال" کے سلسلہ میں احمدیہ مسجد "دارالسلام" لاہور میں جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت جناب میاں نصیر احمد صاحب فاروقی نے فرمائی۔ جلسہ کا آغاز تلاوت قرآنِ پاک سے ہوا۔ جو مولوی شفقت رسول خاں صاحب نے کی۔ ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم منصور جاوید صاحب نے "ازالہ اوہام" سے پیش کئے۔ جناب چوہدری محمد حیات صاحب نے حضرت مرزا صاحب کا منظوم کلام ترنم سے پیش کیا۔ جناب میاں فضل احمد صاحب صدر مقامی جماعت نے استقبالیہ خطاب کرتے ہوئے احباب و خواتین کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اس شدید گرمی میں تشریف لاکر حضرت صاحب سے اظہارِ عقیدت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اس جلسہ کا پروگرام احمدیہ بلڈنگس کی جامع مسجد احمدیہ میں کرنے کا تھا کیونکہ حضرت صاحب کا وصال احمدیہ بلڈنگس میں ہوا تھا چونکہ مسجد کی حالت مخدوش تھی اس لئے یہ جلسہ یہاں منعقد کرنا پڑا۔ آپ نے واضح کیا کہ ہمارا یوم وصال منانا صرف نشست و برخاست کی حد تک نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ ہمیں اپنی زندگیوں کو حضرت صاحب کے نقشِ قدم پر چلانا چاہیئے۔ ہمیں عملاً اس مشن کو چلانے کے لئے ہمہ تن تیار کرنا چاہیئے جو انہوں نے ہمارے سپرد کیا ہے۔ میں خاص طور پر جوانوں سے پُرامید ہوں کہ وہ آگے آئیں اور انجمن کے کاموں میں ترقی کا باعث بنیں۔ اور حضورؑ کے اسوۂ حسنہ کو اپنا کر دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ انہوں نے ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے دورۂ امریکہ وغیرہ ملتوی کر کے "یوم وصال" کے جلسہ کو رونق بخشی۔ چوہدری غفور احمد صاحب اور اُن کے معاون حضرات کا بھی شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے جلسہ کو کامیاب کرنے میں بے حد اعانت فرمائی ہے۔

امام نور الدین صاحب آف امریکہ نے سورۃ اخلاص اور کلمہ شہادت کی تلاوت کے بعد انگلش میں پُرجوش تقریر کی۔ جس کا خلاصہ جناب نصیر احمد صاحب فاروقی نے اُردو میں بیان فرمایا اور بتایا کہ جناب امام نور الدین صاحب بلالی مسلمانوں کے امریکہ میں امام ہیں اور تحصیلِ علم کے لئے تشریف لائے ہیں۔ اُردو زبان نہیں جانتے اور ان کا تعلق عالی جاہ محمد کے گروہ سے ہے جن کے صاحبزادے والس ڈی محمد یہاں تشریف لائے تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ہم سیاہ فاموں کو امریکن سفید فام ۱/۵ حصہ انسان تصور کرتے ہیں۔ ماؤں کو بچوں سے الگ کر دیتے اور وہ اس قدر زیادتی کرتے کہ ماں بیٹے کو اور بیٹے ماں کو بھول جاتے تھے۔ ان حالات میں ہم نے مصائب اُٹھا کر خود کو اسلام سے وابستہ رکھا۔ انہوں نے بتایا حضرت مولانا محمد علی کی تفسیر قرآن انگریزی ہماری شمعِ راہ ہوئی اور اب پوری قوم جو ہر طرح کی برائیوں میں مبتلا تھی اب اللہ کے فضل سے باعفت و بلند کردار قوم بن گئی ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی سلسلہ احمدیہؒ نے اپنے شاگردوں میں جذبہ پیدا کیا تو انہوں نے قرآنِ پاک کی خدمت کی۔ آپ گھبرائیں نہیں بلکہ ہمت اور حوصلے بلند رکھیں کیونکہ آج صرف تمہارے پاس ہی وہ شمعِ اسلام ہے جو دُنیا کی تاریکیوں کو دور کر سکتی ہے۔ پھر

مولانا مرزا محمد لطیف شاہد نے: وعد اللہ الذین آمنوا منکم ..... سورۃ النور استخلاف تلاوت کی اور کہا آج ہم حضرت مجدد صد چہاردہم کا یوم وصال منا رہے ہیں جو خدا کی جانب سے مجددیت کے بلند مقام پر فائز ہوئے۔ ہم اُن کے کارنامے سننے سنانے اور اُن کی صفاتِ حسنہ معلوم کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے تاکہ ہم عملی زندگی میں استفادہ کرسکیں۔ حضرت مرزا صاحب بانی سلسلہ احمدیہ ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء کو قادیان میں پیدا ہوئے جب پنجاب میں سکھوں کی حکومت تھی۔ ۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے ہندوستان کی عنانِ حکومت سنبھالی۔ اس زمانے میں مسلمان علماء فروعی مسائل میں ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے اور ہندو دھرم کے پرچاری مسلمانوں پر حملہ آور تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی پادریوں نے مسلمانوں کو عیسائیت میں داخل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ حضرت مرزا صاحب کو خدا نے احیائے اسلام کے لئے پیدا کیا تھا۔ اس لئے وہ ہمہ وقت ترقی و کامیابی اسلام کے متعلق سوچتے رہتے۔ ان کے والد صاحب انہیں دنیاوی معاملات میں الجھانا چاہتے تھے لیکن ان کے حسب ارشاد کام تو سرانجام دیتے لیکن ان کا مقصد حیات صرف احیائے اسلام رہتا۔ ان کے دل میں خُدا کی محبت قرآنِ پاک کی اُلفت اور حضرت رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مودت موجزن تھی۔ ۱۸۷۱ء میں آپ بسلسلہ ملازمت سیالکوٹ تشریف لے گئے جس کے بارے میں علامہ شمس العلماء میر حسن صاحب نے ۱۹۲۲ء میں یہ شہادت دی کہ مرزا صاحب کے سیالکوٹ آنے سے پہلے یہاں عیسائی فاتح تھے لیکن آپ کی آمد کے بعد عیسائی مفتوح اور مسلمان فاتح ہو گئے۔ آپ کی پاک طینتی سے آپ کے آفیسران بالا بھی آپ کے معترف اور قدر دان تھے چنانچہ ڈپٹی کمشنر بے حد احترام کرتا تھا۔ حضرت صاحب کے مضامین ایک رسالہ "منشور محمدی" میں ۱۸۷۶ء میں چھپا کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ تبلیغ اسلام میں لگے رہے ۱۸۸۸ء میں جب وہ مجددیت کے مقام پر فائز ہوئے تو ان کے فرائض اور کام پہلے سے زیادہ ہو گئے۔ ہمیشہ آپ تصنیف و تالیف مناظرہ تقاریر وغیرہ میں مصروف رہتے اور اسلام کا دفاعی جہاد جاری رکھتے۔ آپ مخالفین کو محبت سے اسلام کی تبلیغ کرنے کے عادی تھے لیکن جو اسلام اور بانی اسلام سے بدزبانی یا نفرت کرتا آپ کبھی اس سے خوش نہ ہوتے۔ آپ کا عشقِ قرآن ضرب المثل ہے۔ آپ خُدا اور اس کے رسولؐ کے عشق میں بے مثال تھے۔ آپ کا اس حدیث پر کامل عمل تھا۔ اللّٰھُمَّ اذقنا حبك وحب من حبك وحب من يقربنا اليك۔ حضور پر بے حد مشکلات آئیں لیکن آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی حضور نے ہمارے ذمہ جو ہم اُس کی جماعت ہیں اور تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا کام ہمارے سپرد ہے۔ اس لئے ہماری ذمہ داری ہے کہ نہ صرف اپنی اصلاح اسلام کے مطابق کریں بلکہ اپنا بہترین نمونہ دُنیا کے سامنے رکھ کر تبلیغ اسلام کریں۔

اس کے بعد جناب محمد اعظم علوی صاحب نے حضرت مرزا صاحب کے اشعار پر "جمال و حُسن قرآن نورِ جان ہر مسلماں ہے" پر تضمین کر کے اشعار پیش کئے جو نہایت پسند کئے گئے۔

بعدہٗ محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے قرآنِ پاک کی آیت هو الذى ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ..... ولو كره المشركون کے حوالہ سے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم یوم وصال اس مناسبت سے مناتے ہیں کہ حضرت صاحب کا وصال لاہور میں احمدیہ بلڈنگس میں ہوا۔

لاہور میں یہ اُن کی وفات اتفاقی واقعہ نہ تھی بلکہ عین منشائے خداوندی تھا۔ جس کا علم حضرت صاحب کو پہلے سے تھا اور آپ جانتے تھے کہ ان کی وفات لاہور میں ہوگی کیونکہ

حضور کا ایک الہام ہے۔

"۲۷ کو ایک واقعہ ہمارے متعلق خوشیاں منائیں گے۔"

آپ ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو بیمار ہوگئے اور ۲۶ کو وفات پاگئے۔ اور ۲۷ تاریخ کو مخالفین نے بڑے جشن منائے اور خوشیاں منائیں۔ یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ حضرت صاحبؒ کو پورا پورا علم تھا اپنی وفات کا۔ حضرت صاحبؒ نے ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء تک براہینِ احمدیہ تصنیف کی اس وقت مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی لیکن جب آپ نے ۴۴ اسلام کی تبلیغ کی تو تمام مخالفین کی کمریں توڑ کر رکھ دیں۔ آج اگر اسلام کا غلبہ ہے تو صرف انہی اصولوں پر ہو رہا ہے جو مرزا صاحبؒ نے ہمیں دیئے ہیں۔ آج صرف جماعتِ احمدیہ لاہور کے لٹریچر کو مقبولیت حاصل ہے۔ اور وہی لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام بنائے گا۔ حضرت اقدسؒ نے ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۵ء تک کتاب "براہینِ احمدیہ علیٰ حقیقۃ القرآن و النبوۃ المحمدیہ" شائع فرمائی۔ اب اسے شائع ہوئے ایک صدی کا عرصہ گزرتا ہے۔ اس صدی میں کیا انقلاب پیدا ہوئے۔ مجھے اگر کوئی پوچھے تو میں اس عظیم ذہنی انقلاب کو پیش کروں گا جو دینِ اسلام کے بارہ میں رونما ہوا ہے۔ آج سے ایک صدی پیشتر تمام عالم پر عموماً اور مسلمانانِ قوم پر خصوصاً مایوسی و انتہائی شکست خوردگی کا عالم طاری ہو چکا تھا۔ اس کا کچھ نقشہ "مسدس حالی" اور "شکوہ" میں پیش کیا گیا ہے۔ دُنیا میں یہ امر بطور مسلّمہ کے مان لیا گیا تھا کہ اسلام بطور دین اب ختم ہو چکا ہے۔ اس علم و سائنس کے دور میں بھلا اسلام ایسے شکست خوردہ دین کا بجز خاتمہ اور کیا انجام ہو سکتا ہے مگر کتاب "براہینِ احمدیہ" نے صداقتِ اسلام و نور کمال حضرت خیر الانام کو ایسے مدلل و معقول پیرایہ میں مزین فرمایا کہ مسلمانوں کے ایمانوں میں تازگی آگئی اور حوصلے بلند ہو گئے۔

[illegible]

مگر ۱۹۱۳ء حضرت اقدس کے ایک شاگرد رشید حضرت خواجہ کمال الدین نے جب انگلستان میں جاکر علم اسلام گاڑا اور آپ کی تبلیغی مساعی سے اشاعتِ اسلام کا غلغلہ بلند ہوا۔ تو انگریز قوم میں سے لارڈ اور سر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ پھر ۱۹۲۷ء میں حضرت خواجہ صاحب اور لارڈ ہیڈلے نے حج بیت اللہ شریف فرمانے کے بعد ملک ہند کا دورہ کیا تو ہر شہر میں جہاں جہاں آپ گئے مسلمانوں کی شادمانی کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا جب انہوں نے سٹیج پر سے ایک انگریز لارڈ کی اسلام کے برحق دین ہونے پر تقاریر سنیں اور ان پر پھولوں کی بارشیں کیں۔ اسی کے مطابق جب لاہور میں ان دونوں صاحبوں کا ورود مسعود ہوا۔ تو عزیز منزل احمدیہ بلڈنگس لاہور میں خواجہ کے مکان پر جہاں لارڈ ہیڈلے مقیم تھے پھول برسائے گئے یہ واقعہ بذریعہ رؤیا حضرت اقدس کو مئی ۱۹۰۸ء میں جب آپ اپنی وفات سے قبل اسی مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے دکھلایا گیا تھا۔ ایک روز جب دوپہر کو حضرت اقدس استراحت فرما رہے تھے۔ خواجہ صاحب مرحوم کے والد خواجہ عزیز الدین صاحب اسی کمرہ میں آگئے۔ تو حضرت اقدس جاگ پڑے اور فرمانے لگے کہ میں یہ رؤیا دیکھ رہا تھا کہ اس مکان پر پھولوں کی بارش ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس صادق رؤیا کے مطابق ۱۹۲۷ء میں لارڈ ہیڈلے کی خوش آمدید پر خواجہ صاحب کے مکان پر پھولوں کی بارش کی گئی۔ پھر ۱۹۳۲ء میں جب خواجہ صاحب کی وفات ہوئی تو جنوری ۱۹۳۳ء اسلامیہ کالج کے حبیبیہ ہال میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا اس کی صدارت ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب صدر انجمن حمایتِ اسلام نے کی۔ اپنے صدارتی ریمارکس میں ڈاکٹر خلیفہ صاحب نے فرمایا کہ جب حضرت خواجہ کمال الدین تبلیغ اسلام کے لئے انگلستان گئے اس وقت میں وہاں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ جب میں نے یہ سُنا تو میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ جاکر خواجہ صاحب کو اس کام سے باز رکھو کیونکہ یہاں اسلام کو کون مانتا ہے۔ اگر تبلیغ اسلام کا ایسا ہی شوق ہے تو خواجہ صاحب کسی مشرقی ملک میں جاکر قسمت آزمائی کریں۔

اس کے بعد ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب نے فرمایا کہ میں آج اس سٹیج سے اعلان کرتا ہوں کہ میں غلطی پر تھا۔ خواجہ صاحب درست تھے، انہوں نے انگلستان میں کامیابی سے فتح اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سی چیز تھی اور کہاں سے آئی تھی کہ جس کے باعث خواجہ صاحب مرحوم کے دل میں تو اسلام کی کامیابی کا یقین کامل موجود تھا مگر دُوسرے مسلمانوں کے قلوب مایوسی و ناکامی کی اندھیری گھاٹیوں کی آماجگاہ بن چکے تھے؛ دینِ اسلام کی کامیابی کا یہ یقین کامل حضرت خواجہؒ نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ سے لیا تھا۔ اسی طرح جناب فاروقی صاحب نے بھی آپ کو اس جلسہ میں تبلایا ہے کہ حضرت مولانا محمد علیؒ کی کتاب "دی ریلیجن آف اسلام" کا جب ترکی زبان میں ترجمہ شائع ہوا تو ترک زعماء جو اسوقت الحاد و دہریت اور تشکک کی خار دار وادیوں میں بھٹک رہے تھے انہوں نے اس کتاب کے مطالعہ کے بعد برملا یہ رائے ظاہر کی کہ اگر اسلام وہ ہے جو اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے تو پھر یہ تصویر اسلام ہم مانتے ہیں لیکن اسکے برخلاف اگر کوئی اور تصویر اسلام کی ہے تو وہ ہم ماننے کو تیار نہیں۔

ایسا ہی حضرت مولانا محمد علی کے تراجم قرآن اور دیگر علم کلام کے متعلق اکابرینِ اہلِ اسلام کی آراء اکثر شائع ہوتی رہتی ہیں کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کا ایمان قرآن کریم پر دوبارہ قائم ہوا۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ ان دونوں اصحاب کی خدمات کے باعث اگر اسلام پر مسلمانوں کا ایمان پھر سے قائم ہوا تو یہ یقین ان خادمان کے قلوب میں کہاں سے آیا؟ یہ حضرتِ اقدس کے انفاس طیبہ کی برکت سے ہی روح نفخ کی گئی تھی۔ پس آج کے دور میں مسلمان اقوام کا رجوع الی القرآن والسنۃ کی طرف لوٹ کر آنا اس یقین و ایمان کے باعث ہی ہے جو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے آج سے ایک صدی پیشتر بو دیا تھا۔ لو کان الایمان معلقاً بالثریا ..... کی حدیث میں جو پیشگوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک لبوں سے فرمائی گئی تھی یہ اسی کی صحیح و حقیقی تعبیر ہے۔

نصیر احمد فاروقی صاحب نے صدارتی خطبہ کے طور پر چند باتیں ارشاد فرمائیں کہ یہ ہم حضرت صاحب کا عُرس نہیں مناتے بلکہ ہم ان کی زندگی کو سننے اور معلوم کرنے آئے ہیں تاکہ ہم اس پر عمل پیرا ہو سکیں۔ حضرت صاحب کی تحریروں میں اور الہامات میں لفظ نبی اور رسول موجود ہے۔ لیکن انہوں نے وضاحت فرما دی ہے کہ میں رسول یا نبی نہیں ہوں۔ یہ مجازی معنوں کے اعتبار سے ہے۔ لیکن میں مجدد ہوں۔ مولانا محمد علی صاحبؒ نے اپنی کتاب النبوۃ فی الاسلام میں اسکی وضاحت کر دی ہے۔ حضرت صاحب صرف مجدد تھے اور انہوں نے ہمیں تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے کام پر مامور کیا ہے۔ بعد ازاں احباب کو دوپہر کا کھانا پیش کیا گیا اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ نے جمعۃ المبارک کا خطبہ ارشاد فرمایا اور نماز جمعہ کے بعد یہ جلسہ بخیر و خوبی اختتام کو پہنچا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالے حاضرینِ جلسہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

آمین

* * *

عبداللہ خان

حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ

خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو دنیا میں بلند کرنا چاہتے تھے

"ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بعد ما جاءھم البیّنۃ فاولٓئک لھم عذاب عظیم"

(آل عمران ۱۱)

تبلیغ کے کام میں یگانگت، تعاون، اتفاق چاہیئے۔ اور اختلاف نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں جماعت احمدیہ کو اس مبارک مشن کے لئے چنا ہے۔ دلوں کو ہر طرح کے غل وغش سے پاک کر کے خدا کی رضا حاصل کرنے، اس کے نام کو بلند کرنے، اس کے رسولؐ کے نام کو بلند کرنے کے لئے ایک ٹیم کی طرح کام کرنا چاہیئے۔ حضرت مجدد صد چہاردہم کی غرض وغایت یہی تھی کہ خدا اور اس کے رسولؐ کے نام کو دنیا میں بلند کیا جائے۔ اس ایک نکتہ معرفت کو دل ودماغ سے محو نہ ہونے دینا چاہیئے۔ کہ تمہاری ذمہ داری ایک فوج کی ذمہ داری کی طرح ہے۔ فوجی جس نے فوج کی وردی زیب تن کی ہو اگر وہ جرنیل چھوڑ کسی چھوٹے سے چھوٹے فوجی افسر کو بھی سلام نہ کرے تو کورٹ مارشل ہو جاتا ہے اور سزایاب ہوتا ہے۔ لیکن اگر بڑے سے بڑا جرنیل اپنے فوجی فل ڈریس میں گزر رہا ہو اور سویلین شخص اس کو سلام نہ کرے تو اس پر کوئی گرفت نہیں۔ ہم حضرت مجدد صد چہاردہم کی بیعت کر کے اپنی رضا ورغبت سے حزب اللہ میں داخل ہوئے ہیں کوئی جبری بھرتی نہیں ہوئی۔ اگر اس خدائی وردی کی جو ہم نے پہنی ہوئی ہے احترام کو قائم نہ رکھیں گے تو یاد رکھو اس فوجی کی طرح ہم قابلِ سزا ہونگے۔ دوسرے لوگ جنہوں نے حزب اللہ کی وردی زیب تن نہیں کی اس سویلین کی طرح ہیں جو فوجی نظام کے ماتحت نہیں۔ ہم چھوٹے چھوٹے حکموں کی بے احترامی اور غفلت کے لئے قابلِ سزا ہوں گے جیسے ایک فوجی کو صرف سلام نہ کرنے کی چھوٹی سی غفلت کے لئے کورٹ مارشل ہو جاتا ہے۔ اسلام ہم سے قربانی چاہتا ہے۔ کیونکہ ہم اس فوج میں بھرتی ہوئے ہیں جو اسلام کی خدمت کیلئے کھڑی کی گئی ہے۔ اسلام کے لئے جہاد ہمارا کام ہے۔ اور اس جہاد کے لئے ایسے اتفاق اور اتحاد چاہیئے

کانھم بنیان مرصوص۔ حضرت مرزا صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے۔

غلامِ ہمت مردانِ کارزار بباش + کہ امن مرد و زن از مردم دغا باشد
پناہ بیضہ اسلام آں جوانمردیست + کہ خونِ دل زپئے دینِ مصطفیٰؐ باشد

دوسرا ضروری امر جس کی طرف ہماری جماعت کی توجہ مرکوز ہونی چاہیئے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔

یہاں امر معروف اور نہی عن المنکر کے حکم کے بعد تؤمنون باللہ آیا ہے۔ یعنی تم مومنوں کے لئے نمونہ بنو جب تک ہم خود نمونہ نہ بنیں اور جب تک ہمارے اعمال اور اخلاق میں چمک پیدا نہ ہو دوسروں کی توجہ کب جذب کر سکتے ہیں۔ انسان فطرتاً چمک دار چیزوں کی طرف جھکتا ہے۔ لوگ یورپین ملمع کی ہوئی چیزوں کے کیسے دلدادہ ہیں۔ ان کی چمک دمک جاذب طبائع ہے۔ اس لئے ہمارے اعمال اور ہمارے اخلاق اور عام لوگوں کے اعمال اور اخلاق میں کھلا اور امتیازی فرق ہونا چاہیئے۔ ہمارے اعمال اور اخلاق میں جب تک چمک پیدا نہیں ہوگی اس وقت تک ہماری بات، تقریر اور گفتگو میں جاذبِ قلوب نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے فوج میں قاعدہ ہے۔ وردی صاف ستھری جوتے پالش شدہ کمربند روغن شدہ ہو اور چمک رہا ہو۔ بلکہ بٹنوں تک میں چمک دمک ضروری ہے۔ چاہیئے کہ ہم میں سے ہر طبقہ کے احباب اپنے ہم پیشہ طبقہ کے لوگوں سے اخلاق اور اعمال میں سبقت لے جائیں۔ جب انسان ارادہ کر لے تو خدا تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ ہمارے اعمال پر قانونِ الٰہی کے مطابق فوراً نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ جیسے ہی ہم کمرہ کے کواڑ بند کریں گے تو سورج کی روشنی آنی کم یا بند ہو جائے گی اور جب کواڑ کھولیں گے تو معاً روشنی اندر آجائے گی۔ روشنی کا آنا اور نہ آنا ہمارے فعل پر منحصر ہے پہلے حرکت ہم کریں گے اور کواڑ کھولیں گے تو روشنی آجائے گی۔ جیسے روشنی بند نہیں اسی طرح فیضانِ الٰہی بھی بند نہیں۔ ہم نے حرکت کر کے کواڑ کھولنے ہیں۔ جتنا زیادہ کواڑ کھولوگے اتنی زیادہ روشنی آئے گی۔ اسی لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ما اصابکم من حسنۃ فمن اللہ وما اصابکم من سیئۃ فمن نفسک

ہمارے مسلمان بھائیوں اور ہم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہم سب ایک ہی قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ قبلہ کا قیام وتقرر اتباع رسولؐ کی پرکھ کے لئے ہے جیسے ارشاد ہے:۔

وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علیٰ عقبیہ (۲/۱)

یعنی قبلہ کی طرف منہ متبعین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کریں گے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

من صلوتنا واستقبل قبلنا فھو منا۔

یعنی جس نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا وہ ہم میں سے ہے۔ لیکن ہمیں اس حکم کو پیشِ نظر رکھنا ہے کہ:۔

ولکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات

ہر ایک کا ایک قبلہ ہے لیکن تم نے قبلہ کی طرف منہ کرنے کے علاوہ ایک اور کام بھی کرنا ہے وہ کیا ہے؛ تمہارا قبلہ عمل بھی ہونا چاہیئے۔ اور وہ کیا ہونا چاہیئے فاستبقوا الخیرات نیکیوں میں سب سے سبقت لے جانا اور دوسروں سے بڑھ کر اعمالِ خیر بجالانا۔ اس دجالی زمانہ کے لئے خدائے علیم اور قدیر نے اس زمانہ کی بیماریوں کے لئے تریاق اور اسلام کی خدمت کے لئے علم اور نشانات سے مجدد صد چہاردہم کو بھیجا اور اس نے ہمارے لئے بحکم ومنشائے الٰہی قبلۂ عمل خدمتِ اسلام کو معین ومقرر فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواج یزید + دینِ حق بیمار و بے کس ہمچو زین العابدین۔

بیکسے شد دین احمد ہیچ خویش و یار نیست + ہر کسے در کار خود با دین احمد کار نیست

یہ خدمتِ اسلام مجدّد زماں کی جماعت کے لئے مقدر تھی۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور اُن کے پاک صحابہ رضہ کا زمانہ تھا اور جہاد بالسیف کا زمانہ تھا اُس وقت مشرکین مکّہ رومن امپائر کے عیسائی اور ایران کا کسریٰ ان کو تلوار سے مٹانا چاہتے تھے۔ خُدا نے مسلمانوں کو تلوار سے مدافعت کا حکم دیا اور نصرت بھی فرمائی اب دجّالی زمانہ ہے۔ دجّالوں نے اسلام پر قلمی یورش کر رکھی ہے۔ اس لئے کسرِ صلیب کے لئے خُدا نے اس صدی کے مجدّد کو مقرر کیا۔ اور وہ کام اس کے سُپرد ہوا جو گزشتہ صدیوں میں کسی کے سُپرد نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ خدمت اس زمانہ کے امام اور اس کی جماعت کے لئے مقدر تھی۔ اس جہاد کو خدا تعالٰے نے قرآن شریف میں جہاد کبیر کے نام سے موسوم کیا ہے۔

جاھدھم بہٖ جہادًا کبیرًا۔

اس لئے ہمارا قبلہ عمل حضرت مرزا صاحب کے الفاظ میں یہ ہے:۔ ؎

اے بے خبر بخدمت قرآں کمر بہ بند + زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

اس لئے ہمارے نوجوانوں۔ بوڑھوں۔ خواتین اور مردوں کو فخر کرنا چاہیئے کہ انہوں نے حزب اللہ کی وردی پہنی ہے۔ اور اس کام کے لئے خُدا نے انہیں چُنا ہے۔ اور یہ وہ خدمت ہے جو بے نظیر و بے مثال ہے جس پر خُدا نے تمہیں لگا دیا ہے۔ اور آج جن دلائل کے ہتھیاروں سے تم مُسلّح ہو دوسرا کوئی نہیں ہے اس لئے دشمنانِ اسلام کا مقابلہ تمہارا ہی فرض ہے۔

اس لئے اے عزیزو! فخر کرو کہ تم کو خُدا نے خدمتِ اسلام کے لئے اور اس کو دُوسرے ادیان پر غالب کرنے کا کام سپرد کیا ہے۔ قول اور عمل کا فرق واضح ہوتا ہے۔ اور ہونا چاہیئے بھی۔ چنانچہ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:۔ ؎

میاں من و زاہد ایں قدر فرق است در ظاہر

کہ او در خانہ و من در کوچہ و بازار می رقصم

حضرت مرزا صاحب نے جوانانِ قوم کو فرمایا:۔

بکوشید اے جواناں تا بدیں قوت شود پیدا

بہار و رونق اندر روضہ ملّت شود پیدا

اس لئے ہمیں پہلے سے زیادہ سعی کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہمیں علم اور عمل کے دونوں محاذوں پر سرگرمی دکھانے کی ضرورت ہے۔ اپنے بزرگوں اور ساتھیوں پر اعتبار کرو۔ تاکہ ہم خدا کے انعامات کے وارث ٹھہریں۔ جیسے کہ حضرت صاحب نے فرمایا کہ:۔

"مجھے بشارت دی گئی ہے کہ تیرے پیرو ہمیشہ اپنے دلائل صادقہ میں غالب رہیں گے اور دُنیا میں وہ بڑی بڑی عزتیں پائیں گے۔ خدا ہمیں عمل کی توفیق بخشے۔ آمین!"

سخن شورے بر فلک افتاد زاں عجز و دُعا

قدسیاں را نیز شد چشم از غم آں اشک بار

آخر از عجز و مناجات و تضرّع کردنش

شُد نگاہِ لطفِ حق بر عالمِ تاریک و تار"

اللہ تعالےٰ پرہیزگاروں اور محسنوں کے ساتھ ہے

سلسلہ آمدہ صفحہ نمبر ——— (۸) سے آگے ،

رمضان شریف کو اللہ تعالےٰ کا ایک قیمتی انعام سمجھ کر اس کے آنے کے لئے بے قرار ہونا ہی ایمان کی پرکھ ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضہ دیوانہ وار اس مہینے کی برکات کو سمیٹتے تھے۔ انہیں دن کا آرام اور رات کی نیند بھول جاتی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سخاوت پہلے ہی ضرب المثل تھی۔ لیکن رمضان شریف کے مہینے میں اس کی کوئی انتہا نہ رہتی تھی۔ اسی مہینے میں آپ رُوح القدس کی معیت میں قرآنِ پاک کو دہراتے تھے۔ حتّٰی کہ حیاتِ طیبّہ کے آخری سال آپ نے دو بار تلاوت فرمائی۔ پھر رمضان شریف میں آپ نے مسجد نبوی میں تہجّد پڑھی تو صحابہ کرام رض بھی ٹوٹ پڑے اور آپ نے اس خیال سے مسجد میں تہجّد ترک کر دی کہیں اس کی فرضیّت کا حکم نہ ہو جائے یہی تہجّد آپ کے بعد تراویح میں تبدیل ہو گئی۔ اور مُسلمانوں کا یہ ولولہ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود برقرار ہے۔

تقوٰے ہی کے متعلق اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

من یتق اللہ یجعل لہٗ مخرجًا و یرزقہ من حیث لا یحتسب

"جو اللہ کا تقوٰے اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس پر برکات وسعادت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اور اسے وہاں سے رزق عطا کرتا ہے جو اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا"

آج جماعتِ احمدیہ لاہور ہی وہ جماعت ہے جو کفر و بدعت کے جھگڑوں سے دامن بچا کر کتاب و سُنّت پر عامل اور خدا کے دین کو اپنے عملی نمونہ سے دنیا میں پھیلانے پر مامور ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ کامل جوش۔ خلوص، محبت۔ تڑپ اور پابندی کے ساتھ اس ماہ کا حق ادا کریں۔ اللہ تعالےٰ کی رحمت کو سمیٹیں اور دُنیا کے ہم و غم سے آزاد ہو کر "دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کا عہد" پورا کریں:

عشقِ الٰہی

اے خُدا اے کارساز و عیب پوش کردگار — اے میرے پیارے میرے محسن میرے پروردگار
کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس — وہ زباں لاؤں کہاں جس سے ہو یہ کاروبار
بدگمانوں سے مجھ کو بچایا خود بن کر گواہ — کر دیا دشمن کو اک حملہ سے مغلوب اور خوار
کام جو کرتے ہیں تیری راہ میں پاتے ہیں جزا — مجھ سے کیا دیکھا کہ یہ لطف و کرم ہے بار بار
تیرے کاموں سے مجھے حیرت ہے اے میرے کریم — کس عمل پر مجھ کو دی ہے خلعتِ قرب و جوار
یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند — ورنہ درگہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار
دوستی کا دم جو بھرتے تھے وہ سب دشمن ہوئے — پر نہ چھوڑا ساتھ تُو نے اے میرے حاجت برار
اے میرے یارِ یگانہ اے میری جان کی پناہ — بس ہے تو میرے لئے مجھ کو نہیں تجھ بن بکار
میں تو مر کر خاک ہوتا گر نہ ہوتا تیرا لطف — پھر خدا جانے کہاں یہ پھینک دی جاتی غبار
اے خدا ہر تیری رہ میں میرا جسم و جان و دل — میں نہیں پاتا کہ تجھ سا کوئی کرتا ہو پیار
ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے — گود میں تیری رہا میں مثلِ طفلِ شیرخوار
نسلِ انساں میں نہیں دیکھی وفا جو تجھ میں ہے — تیرے بن دیکھا نہیں کوئی بھی یارِ غمگسار
لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول — میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار
اس قدر مجھ پر ہوئیں تیری عنایات و کرم — جن کا مشکل ہے کہ تا روزِ قیامت ہو شمار

(حضرت بانی سلسلہ احمدیہ)

إنّ اللّٰہ مع الّذین اتّقوا والّذین ھم محسنون

اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں اور محسنوں کے ساتھ ہے۔

از :۔ مُسلم فارانی

رمضان شریف کا مہینہ اپنی برکات کے جھرمٹ میں پھر آ رہا ہے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس قدر مہلت دی کہ وہ ایک بار پھر اپنے مالک کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کے بتلائے ہوئے طریق پر ماہ رمضان کے روزے رکھیں گے اپنے محبوب کی رضا جوئی کے لئے جسمانی آسائشوں کو قربان کریں گے دُنیا سے منہ موڑ کر عبادت الٰہی میں محو ہو جائیں گے۔ ہر قسم کی اخلاقی کمزوریوں کو پاؤں تلے روندیں گے۔ اپنی محنت کی کمائی ہوئی دولت اس کی خوشنودی کے لئے اپنے مسکین و غریب بھائیوں پر صرف کریں گے۔ اور خدا کی پاک کتاب کا کثرت سے مطالعہ کریں گے اور اپنے سینوں کو نُور سے منوّر کریں گے۔

روزے کی غرض و غایت تقویٰ ہے۔ لعلکم تتقون (تاکہ تم متقی ہو جاؤ) کا بلند مقصد روزے کی جان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ساخت اور فطرت میں جو استعدادیں رکھی ہیں، ان کی نشوونما کرکے انسان بلندیوں تک پہنچتے رہے ہیں۔ اور پہنچتے رہیں گے۔ قرآن حکیم نے اسی حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

ونفس وما سواھا۔ فالھمھا فجورھا وتقوٰھا قد افلح من زکّٰھا
وقد خاب من دسّٰھا

ترجمہ :۔ "اور نفس انسانی اور اس کی تکمیل کی۔ پھر اسے تخریبی اور اصلاحی امور دونوں کا علم دیا۔ وہ شخص کامیاب ہوا جس نے نفس کی قوتوں کی نشوونما کی۔ اور نامراد رہا جس نے ان استعدادوں کو دبا رہنے دیا۔"

قرآن پاک کی تمام تعلیم کا یہی نچوڑ ہے کہ انسان کی فطرت میں جو استعدادیں بالقوۃ رکھی گئی ہیں ان کی اس طریق سے نشوونما کی جائے کہ وہ استعدادیں تکمیل کو پہنچیں اور قدرت نے انسان کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ وہ پورا ہو جس طرح ایک باغبان زمین کو نرم اور درست کر کے اس میں بیج ڈالتا ہے۔ پانی دیتا ہے اسے گرمی اور سردی کے بداثرات سے بچاتا ہے۔ اس کے قرب و جوار میں اگنے والے پودوں کو اکھاڑ پھینکتا ہے سال ہا سال تک اسی کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ننھّا سا پودا ایک تناور درخت بن جاتا ہے۔ اس میں شاخیں پھوٹتی ہیں۔ پتے نکلتے ہیں۔ وہ پھل اور پھول دیتا ہے۔ لوگ اس کے سائے میں آرام پاتے ہیں۔ اور صدیوں تک اس کے وجود سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح اسلام بھی چاہتا ہے کہ انسان کی صلاحیتیں بارور ہوں۔ وہ خدا کی ربوبیت سے بہرہ ور ہو کر نہ صرف اپنے محبوب حقیقی کو پہچان سکے بلکہ اپنی زندگی سے برادران نوع کے لئے ایسی فضا پیدا کرے جو ان کی تکمیل ذات میں ممد و معاون ہو۔ اسلام اسی لئے دینِ فطرت ہے کہ وہ فطری استعدادوں کو کچلتا نہیں۔ بلکہ ان کو برباد اور بے راہ ہونے سے بچا کر ان کی کامل نشوونما کی راہیں کھولتا ہے۔

رمضان المبارک کی جملہ برکات اور خصوصیات میں سے تین خصوصی توجّہ کی مستحق ہیں۔

۱۔ رحمت الٰہی کے حصول کے لئے تمام انبیاء، صلحا اور حق پرست اقوام روزے رکھتی چلی آئی ہیں۔

۲۔ اسی مبارک مہینے میں قرآن حکیم نازل ہوا جو بنی نوع انسان کے لئے ہدایت، روشنی اور حق و باطل میں امتیاز کا سرچشمہ ہے۔ جو قلب انسانی کی تاریکیوں کو دور کر کے معرفت الٰہی کے دروازے اس پر کھولتا ہے۔

۳۔ ارشاد الٰہی کے مطابق جب کوئی نیک بندہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی خاطر روزے رکھتا ہے۔ اور اپنی حاجت براری کے لئے خدا کو پکارتا ہے تو اسے اجیب دعوۃ الداع کی بشارت ملتی ہے۔ اور اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

رمضان شریف کا مجاہدہ آسمانی برکات کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس مبارک مہینے میں انسان کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ قرآن پاک کا مطالعہ کر کے از سر نو خدا کے پُر نور چہرے کو دیکھے، اپنے مقام کو جان لے۔ ان باتوں کو اختیار کرے جو اس کی عظمت کی ضامن ہیں۔ اور ان خرابیوں سے دامن بچا کر زندگی گزارے جو اس کی جسمانی، اخلاقی اور ذہنی اور روحانی ترقی کے لئے مُضر ہیں۔ وہ ان رذائل سے بچے جن کی وجہ سے وہ اپنے گھر، خویش و اقربا، اہل محلّہ اور قوم و انسانیت کے لئے وبال جان بنا ہوا ہوتا ہے۔ وہ صحیح معنوں میں خدا کا چلتا پھرتا نُور بن جائے۔ اس کا ماحول، اس کی پاکیزگی، شرافت، نیکی اور انسان دوستی کی وجہ سے جنت کا نمونہ بن جائے اور وہ عملاً اپنے پیدا کرنے والے سے عہد کرے کہ میری تمام مدّت تیری رضا کے حصول اور انسانی زندگی کو حسین تر بنانے میں گزرے گی۔

تقویٰ ہی کے ذریعے انسان خدا کے پیارے چہرے کو دیکھ سکتا ہے اور اس کے ابدی قرب کو حاصل کر سکتا ہے۔ آیت شریفہ:۔

ان اللّٰہ مع الذین اتقوا، والذین ھم محسنون

میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت سے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں اور اس کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ان کا مددگار ہے۔ ان کو دُنیا کی آلائشوں سے بچاتا ہے۔ خطرات میں ان کی پُشت پناہی کرتا ہے۔ یہ معیت الٰہی ہی تھی جس نے لا تحزن ان اللّٰہ معنا کے الفاظ میں غار ثور میں حضرت ابوبکرؓ کے حُزن و غم کو ختم کر دیا تھا معیت الٰہی ہی نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار ہونے کا حوصلہ بخشا وھو معکم اینما کنتم کا وعدہ ہی انسان کو مصائب برداشت کرنے کی طاقت بخشتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس معیّت کی راہ رمضان شریف کا مجاہدہ ہے۔

قرآن پاک نے بھی متقین کی یہ صفات بیان کی ہیں۔

(۱) وہ ان دیکھے خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ (۲) نماز کو کما حقہ قائم کرتے ہیں۔
(۳) خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔
(۴) آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتاری ہوئی ہدایت پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔
(۵) پہلے انبیاء کی وحی پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔
(۶) مرنے کے بعد زندگی پر یقین رکھتے ہیں۔ (البقرۃ)

(بقیہ ص ۸ کالم ۲)

اسلام کا غلبہ تبلیغ و اشاعت اسلام سے وابستہ ہے

تقریر محترمہ بیگم صبیحہ سعید صاحبہ "جلسہ یوم وصال" مؤرخہ ۲۳ مئی ۱۹۸۱ء۔ دارالسلام۔ لاہور

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولًا منهم یتلوا علیهم اٰیٰته ویزکیهم ویعلمهم الکتٰب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین ٥ وآخرین منهم لما یلحقوا بهم وهو العزیز الحکیم ٥

"وہی ہے جس نے اُمیوں کے اندر اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ اور وہ پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں پڑے تھے۔ اور ان میں سے اوروں کو بھی۔ جو ابھی ان کو نہیں ملے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔"

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں جس میں یہ خبر دی گئی تھی کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو جماعتیں ہیں۔ ایک تو وہ جماعت ہے جو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کی شکل میں تیار ہوئی۔ اور ایک دوسری جماعت بھی آپ کی ہے جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئی۔

لیکن جب وہ پیدا ہو گی تو وہ بھی صحابہ کی اپنے اعمال کی وجہ سے مثیل ہو گی۔ اس پر ایک شخص نے تین مرتبہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسجد میں پوچھا۔ من هم یا رسول اللہ۔ یا حضرت وہ کون لوگ ہیں اور کب ہوں گے۔ اس پر آپ نے اپنے ایک صحابی حضرت سلمان فارسی جو کہ ایران کے رہنے والے تھے ان کی پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:۔

لو کان الایمان معلقًا بالثریا لناله رجلٌ من هؤلاء (بخاری)

جب ایمان دُنیا سے اُٹھ کر ثریا پر چلا جائے گا۔ اس وقت ایک آدمی اس کی نسل میں سے کھڑا ہو گا۔ وہ دوبارہ ایمان کو دنیا میں قائم کرے گا۔

اس حدیث میں یہ خبر دی گئی ہے کہ اس وقت عقیدہ اور عمل دونوں کی نسبت سے مسلمانوں کی حالت بڑی کمزور ہو گی اور اعتقادی رنگ میں انحطاط پیدا ہو گا۔ نیکی کم ہو جائے گی اور عملی رنگ میں :۔

مساجدهم عامرة وهی خراب من الهدٰی

تعمیری رنگ میں مسجدیں بڑی شاندار ہوں گی لیکن ان میں مخلصانہ عبادت کرنے والے کم ہوں گے یعنی حقیقی عبادت کرنے والے مفقود ہو جائیں گے۔ کیا یہ حالت مسلمانوں کی نہ تھی۔ جب چودہویں صدی کا آغاز ہوا تو دینی اور دنیاوی دونوں رنگ میں مسلمانوں کی حالت بڑی کمزور تھی۔ مسلمانوں کی سلطنتیں ختم ہو چکی تھیں۔ دولت، علم اور شان و شوکت سب غیر مسلموں کے ہاتھوں میں تھے۔ عامتہ المسلمین دین کے علم اور اس کی رُوح سے بالکل ناواقف تھے اور ان کی راہنمائی کا فرض انجام دینے والے اکابر علماء اور مشائخ دن رات اختلافی مسائل میں اُلجھے ہوئے تھے۔ وہ اپنی جھوٹی عزت اور دنیاوی فوائد کی خاطر سیدھے سادے مُسلم عوام کو اپنی پارٹی میں شامل رکھنا کافی سمجھتے تھے۔

اب غور فرمائیں کہ مسلمانوں کی یہ حالت کمزوری کی ہے اور دُوسری طرف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدٰی ودین الحق لیظهره علی الدین کله - (توبہ)

یعنی وہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ وہ اُسے تمام دینوں پر غالب کرے۔

جب صحابہ کرام نے یہ خوشخبری سنی کہ ایک وقت آئے گا کہ اسلام ساری دنیا پر غالب آ جائے گا۔ تو انہوں نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کس طرح اور کون اسلام کو ساری دُنیا میں غالب کرے گا۔ فرمایا:۔

" وذالك عند زمن المهدی"

میری امت میں میرا ایک فرمانبردار پیدا ہو گا۔ وہ بڑا ہدایت یافتہ شخص ہو گا۔ وہ اسلام کو ساری دنیا میں دلائل سے غالب کرے گا۔ چنانچہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے تمام دنیا میں اسلام کو غالب کرنے کے لئے ایک جماعت بنائی اور ہم نے دیکھ لیا کہ اُس نے اور اس کی جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے دلائل سے اسلام کی فوقیت تمام مذاہب پر ثابت کی اور اپنی لگن اور قربانی سے اسلام اور قرآن کریم کی تعلیم کو دُنیا کے کونوں تک پہنچایا اور پہنچا رہی ہے۔ اور انشاء اللہ وہ وقت ضرور آئے گا کہ اسلام کا دُنیا میں وہ غلبہ ہو گا جس کی بشارت حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی۔

دنیا میں غلبۂ اسلام کے وقت کو نزدیک لانے کے لئے ہماری جماعت مقدور بھر کوشش کر رہی ہے۔ اس جماعت میں حضرت مولانا محمد علی۔ خواجہ کمال الدین اور حضرت ڈاکٹر بشارت احمد جیسے مردِ مجاہد پیدا ہوئے۔ یہ غلبۂ اسلام تو ضرور ہو گا۔ مگر ہم کتنے خوش قسمت ہیں جو جہادِ کبیر میں حصہ لے رہے ہیں۔ جیسا کہ حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ ہمیں تو مفت کا اجر نصرت مل رہا ہے۔ ؎

ایں بمفت ایں اجر نصرت را دہندت اے اخی ورنہ

قضائے آسمانست ایں بہر حالت شود پیدا

آج ۲۶ مئی کی تاریخ اور آج بھی منگل کا دن ہے۔ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو بھی منگل کا دِن تھا۔ آج سے ۷۳ سال قبل احمدیہ بلڈنگس میں ہمارے اس محسن اعظم بانئے سلسلہ احمدیہ نے رحلت فرمائی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

آج کا دن تجدید عہد کا دن ہے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا اور حضرت صاحب کے مشن غلبۂ اسلام کے لئے ہر ممکن کوشش کروں گا۔ حضرت صاحب نے بھی فرمایا ہے:۔

میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا۔ اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

دیکھو! وہ زمانہ چلا آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا اس سلسلہ کی دنیا میں بڑی قبولیت پھیلائے گا اور یہ سلسلہ مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب میں پھیلے گا۔ یہ باتیں انسان کی باتیں نہیں۔ یہ اس خدا کی باتیں ہیں جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے۔
جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا ایک الہام ہے:۔

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اپنے قدموں میں مضبوطی پیدا کریں۔ کیونکہ ایک بہت بلند مینار کی چڑھائی ہمارا انتظار کر رہی ہے۔

و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

صحابہ کرامؓ کا جذبۂ ایثار

مسلمانوں کو تعلیم دی گئی تھی کہ وہ اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو مقدم رکھیں۔ چنانچہ وہ اکثر دوسروں کو کھانا کھلا دیتے تھے اور خود بھوکے رہتے۔ اپنے کپڑے دوسروں کو پہنا دیتے اور خود تکلیف سے گزارہ کر لیتے۔ دوسروں کے لیے اپنی جان پر تکلیف اٹھا لینا اس زمانے کے مسلمانوں کے لیے ایک معمولی بات تھی قرآن مجید میں ایسے ہی مسلمانوں کے لیے آتا ہے **ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ** یعنی یہ لوگ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال کر دوسروں کو آرام اور راحت پہنچاتے ہیں اور دوسروں کی حاجت پوری کرتے ہیں۔ ایک لڑائی کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ تین مسلمان عکرمہ، سہیل اور حارث زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے ان کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا اور نزع کی حالت طاری تھی، تینوں کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ ایک مسلمان جلدی سے پانی کا پیالہ لایا۔ اور جلدی سے عکرمہ کے لبوں سے لگایا لیکن عکرمہ نے اپنے ساتھی سہیل کی طرف اشارہ کیا پہلے انکو پلاؤ جب سہیل کے سامنے پیالہ گیا تو انہوں نے حارث کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے انکو پلاؤ۔ لیکن جب حارث کی طرف پیالہ لایا گیا تو انہوں نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے انکو پلاؤ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بچارے تینوں ایک دوسرے کے لیے ایثار کرتے ہوئے خدا سے جا ملے۔

اس مثال میں ایثار کی حد ہو گئی۔ زخمی ہو کر زمین پر گرے ہوئے ہیں۔ زخموں سے خون جاری ہے شدت کی پیاس لگ رہی ہے۔ نزع کی حالت طاری ہے۔ پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس رہے ہیں لیکن کس قدر ایثار ہے کہ خود نہیں پیتے اور دوسرے کی ضرورت کو مقدم سمجھتے ہیں۔ اور اس طرح سے ایک دوسرے کے لیے اپنے نفس کی قربانی کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہوتے ہیں مردان خدا وہ دوسروں کے لیے اپنی جان بھی دے دیتے ہیں۔

درحقیقت یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا نتیجہ تھا۔ اے خدا! تو ہم کو بھی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور ہمارے اندر وہ خوبیاں پیدا کر جو پہلے زمانہ کے مسلمانوں کے اندر تھیں تاکہ ہم بھی دین و دنیا میں سرخرو ہوں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ ارشادات

قرب الٰہی کا مقام اور کثرت دعا:۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ سجدہ کے مقام پر اپنے پروردگار سے نزدیک تر ہوتا ہے پس (سجدہ کی حالت میں) دعا کیا کرو۔ نوافل اور سنتوں کے سجدوں میں اپنی زبان میں دعا کرنی جائز ہے۔

مخلصانہ اُٹھے ہوئے ہاتھ:۔

حضرت سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

تمہارا پروردگار بہت شرم اور بخشنے والا ہے اسے اس بات سے حیا آتی ہے کہ جب اس کا بندہ دونوں ہاتھ اُٹھا کر اس کے حضور (مخلصانہ طور پر اور نہایت عاجزی سے) دُعا کرے تو وہ ان اُٹھے ہوئے ہاتھوں کو خالی لوٹائے۔

آدابِ دُعا:۔

فضالہ ابن عبید اللہ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دُعا مانگتے ہوئے سُنا کہ اس نے (دُعا کرنے سے پہلے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہیں پڑھا تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے جلدی کی۔ پھر حضورؐ نے اس شخص کو بلا کر فہمائش کی کہ جب تم میں سے کوئی شخص دُعا مانگے تو دُعا مانگنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجے پھر اس کے بعد اپنی حاجات اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور پیش کرے۔

قبولیتِ دُعا درود شریف سے وابستہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دُعا (مانگی ہوئی) آسمان و زمین کے درمیان اس وقت تک رُکی رہتی ہے اور اُوپر نہیں چڑھتی جب تک کہ مجھ پر درود نہ بھیجا جائے۔ پس تم لوگ مجھے سوار کا پیالہ نہ بناؤ۔ (جو لاپرواہی سے کہیں لٹکا دیتا ہے) دعا کرنے سے پہلے دعا کے وسط میں اور دُعا کے اختتام پر محمد پر درود بھیجا کرو۔ دوستوں کو ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔"

* * *

ابورشید

بچوں کی تربیت میں والدین اور اساتذہ کا کردار

[illegible] ہے ۔ اور یہ اس قدر اہم ہے کہ مسلمان والدین کو اس کی طرف خاص توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اسے والدین کی غفلت سمجھیئے یا بے پرواہی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بہت کم والدین اس معاملے میں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہیں عام مسلمان تو الگ رہے متمول گھرانوں میں بھی بچوں کی تعلیم کا خیال رکھا جاتا ہے مگر ان کی اس تربیت پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی جس پر ان کی سیرت و کردار کے اعلیٰ معیار کا انحصار ہے۔ قومی تعمیر اور اسلامی سیرت و کردار کے زاویہ نگاہ سے یہ واقعی ایک قابلِ غور سوال ہے۔ کہ والدین عام طور پر کیوں اپنے بچوں کی تربیت سے غافل رہتے ہیں۔

اس غفلت کی سوائے اس کے اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ خود والدین تربیت کے مفہوم اور اس کی غیر معمولی نوعیت سے آگاہ نہیں۔ جب والدین اپنے بچوں کو پانچ یا چھ سال کی عمر میں تعلیم کی غرض سے مدرسے میں داخل کرواتے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ استاد کی محنت سے ان کا بچہ تعلیم کی منزلیں بتدریج طے کرتا جائے گا۔ جب بچہ پہلی سے دوسری جماعت میں چڑھتا ہے اور ہر سال اس طرح ترقی کرتا جاتا ہے تو والدین کو قدرتی طور پر اپنے ہونہار بچے کی اس کامیابی سے خوشی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ تعلیم کے اس طریقہ کار کی تربیت سے کوئی تعلق نہیں جو اس کی سیرت و کردار کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ مثلاً بچہ جب اپنے سبق میں پڑھتا ہے کہ اسے کسی صورت میں جھوٹ نہیں بولنا چاہیئے اور اگر اس سے کوئی قصور ہو جائے تو وہ استاد یا ماں باپ سے صاف صاف کہہ دے کہ مجھ سے یہ قصور ہو گیا لیکن ایسا سبق پڑھنے کے باوجود بچے محض اس لئے جھوٹ بولنا شروع کر دیتے ہیں کہ وہ استاد یا ماں باپ کی ڈانٹ ڈپٹ سے بچے رہیں۔ انہیں جب یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جھوٹ بولنے سے ڈانٹ ڈپٹ کا خطرہ ٹل جاتا ہے تو وہ اپنے اس فعل کو بُرا نہیں بلکہ اچھا سمجھتے ہیں۔

سیرت و کردار کے اعلیٰ معیار کے زاویہ نگاہ سے بچے نے جو کچھ پڑھا وہ سب کچھ رائیگاں گیا۔ تعلیم کا اصل مقصد یہی ہے کہ سیرت و کردار کے اعتبار سے بچہ سربلند نظر آئے لیکن اس نے علم پڑھ کر بھی عمل سے کوئی سروکار نہ رکھا اور وہی کام کیا جو علم کے مقصد کے خلاف ہے۔ جھوٹ کی طرح اور بہت سی بُری عادتیں ہیں جن سے بچے کی سیرت و کردار پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ غصہ۔ تکبّر۔ لالچ۔ خود غرضی بے رحمی فضول خرچی اور اسی نوعیت کے عیوب سے اگر بچے کی سیرت محفوظ نہ رکھی جائے تو علم کی دستارِ فضیلت باندھنے کے باوجود ایسے نوجوانوں کا وجود ملک و ملت کے لئے باعث فخر ثابت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس امر کا قوی امکان ہے کہ مذکورہ بالا عیوب کے حامل ہونے کے باعث اس کی زندگی سے لازمی اور یقینی طور پر ملکی اور ملی مفاد کو نقصان پہنچے گا۔ لیکن اگر تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔ یعنی روزمرہ کی زندگی میں علم کو عمل میں منتقل کرنے کا اصول اسلام کے ضابطۂ حیات (قرآنی احکام) کے مطابق ملحوظ رکھا

ان حقائق کے پیشِ نظر سیرت و کردار کی تعمیر کی ذمہ داری والدین اور استاد دونوں پر ہوتی ہے۔ اگر والدین کی یہ دلی آرزو ہے کہ ان کا بچہ علم و عمل کے اعتبار سے ممتاز نظر آئے تو سیرت و کردار اور عادات و اطوار کے اعتبار سے ان کی اپنی زندگی بھی بچے کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہونا چاہیئے۔ اگر وہ اپنے دنیاوی فائدہ کی خاطر خود جھوٹ بولنے یا فریقِ ثانی کو فریب دینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تو وہ بچے سے حق گوئی اور انصاف پسندی کی کیسے توقع رکھ سکتے ہیں۔ جب گھر میں یہ حالت ہو اور مدرسے میں استاد کی فرض شناسی صرف سبق پڑھانے تک محدود ہو تو بچے کی سیرت و کردار کا معیار کیسے بلند ہو سکتا ہے۔

دُنیا کے کامل انسان اور مصلح اعظم (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کے رفقاء کار یعنی صحابہ کرامؓ سراپا عمل تھے اور وہ رحمت للعالمینؐ کے نقش قدم پر چلنا اور اس راہ میں شدید سے شدید مصیبت برداشت کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ اسی لئے وہ قلیل التعداد ہونے کے باوجود اپنے کثیر التعداد دشمنوں پر غالب رہتے تھے۔ خُدا کے فرشتے ان کے مددگار تھے۔ یہ خدا کی ذات پر کامل بھروسے اور ان کی بے پناہ قوت عمل کا نتیجہ تھا کہ خداوند کریم نے عرب کے گلہ بانوں کو خلافت ارضی عطا فرمائی اور وہ ایک حیرت انگیز قلیل عرصے کے اندر تمام دُنیا پر چھا گئے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یہ انقلاب آفریں کامیابی رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھی۔ اسی تعلیم و تربیت کی بدولت ان کے دلوں میں خدا کا خوف جاگزین تھا۔ پاکستان کی اسلامی مملکت کے مدارس میں تعلیم تو بے شک دی جاتی ہے اور اس تعلیم پر ہر سال کروڑوں روپے صرف ہوتے ہیں۔ لیکن ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اس تعلیم کے ساتھ اس تربیت کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ جو انہیں رفعت و عظمت کے اعلیٰ مقام تک پہنچا سکتی ہے۔ اس مقصد عظیم کی تکمیل صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ سرکاری اور غیر سرکاری مدارس میں مذہبی تعلیم اس قدر لازمی قرار دی جائے کہ اگر طالب علم مذہبی مضمون میں فیل ہو جائے تو وہ سارے مضامین میں فیل سمجھا جائے۔ اس کے علاوہ والدین اور استاد دونوں سیرت کی تعمیر کے پیشِ نظر رحمت للعالمین (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اسوۂ حسنہ کو اپنا دستور العمل قرار دیتے ہوئے اپنی زندگی کو طلبہ کے لئے نمونہ بنائیں۔

صرف یہی ایک ایسا طریق کار ہے جس کی بدولت ہمارے بچے اخلاقی اور روحانی پہلو سے ایک کامیاب زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ یہ ایک گھٹیا ذہنیت ہے کہ بچوں کو صرف اس غرض سے تعلیم دلائی جائے کہ انہیں شکم پُری کے خیال سے نوکری مل جائے۔ بلکہ تعلیم صرف اس مقصد سے ہی دی جانی چاہیئے کہ بچے کو پاکستان کا ایک معزز شہری اور ایک نیک اور مجاہد مسلمان بنایا جائے۔

* * *

از:- حضرت مولانا صدر الدین صاحب ایدہ اللہ

قرآن کریم تاقیامت قابلِ عمل کتاب ہے

قرآن کریم کی تعلیمات کے متعلق تین امتیازی وخصوصی رنگ ہیں۔

اوّل:- یہ فطرتِ انسانی کا دین ہے۔ دُوسرے ان تعلیمات کو جو انسان کی طبعی وفطری تقاضوں کے موافق ہونے کے باعث اپنے اندر قدرتی دلربائی اور جذب رکھتی ہیں۔ اس بات کی ضرورت نہیں کہ یہ جبر واکراہ سے منوایا جائے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس کے احکام ایسے نہیں کہ جو انسان کی طاقت سے باہر ہوں۔ اور اس پر گراں گزریں۔ اور ان کی تعمیل اس پر دوبھر ہو جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

فطرت اللّٰہ التی فطر الناس علیھا ط لا تبدیل لخلق اللّٰہ ط ذالک الدین القیّم (سورۃ الروم ۳۰ آیت ۳۰)

ترجمہ:- اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر قائم رہو جس پر اس نے لوگوں کو اصل حالت میں پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی حالت کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ قائم رکھنے والا دین ہے۔“

اور پھر فرمایا:۔

لا اکراہ فی الدّین (سورۃ البقرہ ۲، آیت ۲۵۶)

ترجمہ:- ”دین میں کوئی زبردستی (منوانا) نہیں۔“

لا یکلف اللّٰہ نفسًا الا وسعھا (سُورۃ البقرہ آیت ۲۸۶)

ترجمہ:- اللہ کسی پر کچھ لازم نہیں کرتا مگر جس قدر اس کی طاقت ہو۔“

یہ آیات نہایت ہی خوش کن خوشخبریوں کا اعلان کرتی ہیں۔ اس زمانے کے لئے یہ بہت بڑی خوشخبری اور مژدہ ہے کہ دین فطرت کے مطابق ہے۔ اور وہ اکراہ سے منوایا نہیں جاتا۔ اور اس کے نظریات اور احکامات انسان کی سمجھ اور استعداد پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ہیں۔ جتنا بھی انسان کا علم بڑھے گا اتنا ہی جلد تو وہ قرآن کریم کی تعلیمات کو اپنا لے گا۔ کیونکہ ہر وہ چیز جو فطرتِ انسانی کے موافق ہو گی۔ وہ اس کے لئے مرغوب ہو گی۔ اور ہر وہ چیز جو فطرتِ انسانی کے خلاف ہو نفرت پیدا کرتی ہے۔ زمین وآسمان اور ساری کائنات کا ایک خدا ماننا بہت بڑا علمی نقطہ ہے۔ اور نہایت ہی مفید اور صحیح نظریہ ہے۔ اس کو کون رد کر سکتا ہے۔ اسی طرح تمام کی تمام انسانیت کو ایک قوم یقین کرنا بھی نہایت ہی بلند پایہ نظریہ ہے۔ بھلا کون ہے جو اس کا انکار کرے۔ اور تمام قوموں کی ربوبیت کرنے والا ایک ہی خدا ہے۔ اور اس نے تمام قوموں کے لئے راہبر بھیجے ہیں۔ اس نظریے کو کون تسلیم نہ کرے گا۔ خدا کی عبادت کرنا اور اس کی مخلوق کی خدمت کرنا بھی نہایت ہی دلکش اور اطمینان بخش نظریہ ہے۔ تمام انسانوں کے حقوق مساوی ہیں۔ یہ نظریہ روس اور امریکہ اور یورپ والیشیاء اور ہند وپاکستان اور تمام ممالک کے باشندوں کے لئے عظیم الشان مژدہ ہے۔ ان تعلیمات کے اندر قدرتی کشش ہے اور ضرور ہے کہ ان کو مقبولیت عامہ نصیب ہو۔ ان تعلیمات کے اندر ایک خوشخبری اور پیشگوئی ذیل کے الفاظ میں درج ہے۔

بل ھو اٰیات بیّنٰت فی صدور الذین اوتوا العلم وما یجحد باٰیٰتنا الّا الظالمون (سورۃ العنکبوت ۲۹ آیت ۴۹)

ترجمہ:- یعنی یہ کہ تعلیمات اسلامی اہلِ علم کے سینوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس لئے وہ اس کا انکار نہیں کر سکتے۔“

اسلامی تعلیمات کی دلکشی اور قبولیّت عامہ

ایسی دلکش اور دلربا تعلیمات کے لئے اکراہ وجبر کی قطعًا کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تعلیمات تمام کی تمام عرب نے قبول کیں اور ان تعلیمات کو اگر اہلِ افریقہ نے قبول کیا تو اہلِ یورپ بھی ان تعلیمات کے گرویدہ ہو رہے ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ قسطنطنیہ اور سلطنت روم نے اس کو قبول کیا تھا اور ایک زمانہ وہ تھا کہ روس کے بعض حصص نے اس کو قبول کیا تھا۔ ایک زمانہ میں فنلینڈ جیسی دور دراز بستی نے اس کو قبول کیا تھا۔ ایک زمانہ میں روس کے مغربی کنارہ کی آبادیوں نے اس کو قبول کیا تھا۔ اور آج برطانیہ وجرمنی اور امریکہ کے باشندوں نے اس کو قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔ یورپ کے پادری اس مشاہدے سے خوف زدہ وہراساں ہیں کہ جس دین کے برخلاف ہم نے نہایت ہی خطرناک طور پر پروپیگنڈہ کیا تھا اس نے آ کر خود ہمارے ہی وطنوں میں فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں۔ ہم کہتے تھے اسلام بزورِ تلوار پھیلا تھا لیکن ہمارا یہ پروپیگنڈا خود ہماری قوم کے ہاتھوں غلط قرار دیا جا چکا ہے۔ کیونکہ یورپ کے لوگ یقین کر اٹھے تھے کہ اسلام کی تعلیمات اس قدر معقول اور مفید ہیں کہ اسکو قطعًا کسی تلوار کی حاجت نہیں ہے۔

اسلامی تعلیمات طبیعت پر گراں نہیں گزرتیں۔ ان تعلیمات میں کوئی ایسا غیر معقول اور بعید از عقل معمّہ نہیں ہے۔ جو انسانی استعداد اور عقل وفہم کے مخالف ہو اور جس کو قبول کرنے سے انسان کو روکتا ہے۔ تلوار سے گردن تو جھک سکتی ہے لیکن تلوار دلوں میں اخلاص پیدا نہیں کر سکتی۔ تلوار کے خوف سے دین قبول کرنے والا انسان منافقت اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور وہ دین کے لئے تقویت کا موجب بننے کی بجائے کمزوری کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن اسلام جہاں جاتا ہے ایسے مخلصین کی جماعت پیدا کر لیتا ہے جو اپنا مال وجان اس پر فدا کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

⁂

صدر بزمِ عاشقاں حجۃ اللہ بر زمیں
ذاتِ خالق رانشانے بس بزرگ واستوار
ہر رگِ تارِ وجودش خانۂ یار ازل
ہردم و ہر ذرّہ اش پُر از جمال دوستدار
یانبی اللہ فدائے ہر سرِ موئے توام
وقفِ راہِ تو کنم گر جاں دہندم صد ہزار

⁂

بیرون ملک ہمارے اسلامی لٹریچر کی طلب و تقسیم

اور اس کے پاکیزہ اثرات

ترجمہ :- چوہدری محمد شریف صاحب

جناب محمد صابر انصاری مہاراشٹر (بھارت) سے اپنے تازہ مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

مکرم جناب ! السّلام علیکم !

۱۹۷۴ء سے میں نے جماعت کے لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا۔ ۱۹۷۸ء میں سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شمولیت کا شرف حاصل کر لیا۔ اور جناب عبدالرزاق صاحب بمبئی سے رابطہ قائم کیا۔ تو انہوں نے تبلیغ کے لئے کوشش کرنے کی تحریک کی بعد میں اُن کی مساعی جمیلہ سے مزید تین افراد شامل بیعت ہوئے۔ ان میں دو ہندو دوست تھے جو حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

اسوقت اچل کرنجی میں ایک چھوٹی سی جماعت قائم ہو گئی ہے اور جماعت دن بدن ترقی پذیر ہے۔ نامساعد اور ناگزیر حالات کے باوجود ہماری تبلیغ کا دائرہ دن بدن وسیع تر ہوتا جا رہا ہے سینکڑوں ہندو مسلمان ہماری اس تبلیغی جد و جہد سے بہت متاثر ہیں۔ اور تشنہ لب ہیں۔ لیکن اُن کی پیاس بجھانے کے لئے ہمارے پاس کوئی سامان نہیں۔ نہ ہی جماعت کا کوئی لٹریچر ہے جس سے وہ مستفید ہو سکیں۔ اور اپنی پیاس کو بجھا سکیں۔ ہمیں غیر احمدیوں اور غیر مسلموں میں تقسیم کرنے کے لئے کافی لٹریچر کی ضرورت ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اگر ہم نے خلوص دل سے اپنی تبلیغی مساعی کو جاری رکھا اور خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت ہمارے شامل حال رہی تو ہندوؤں کی ایک بہت بڑی تعداد انشاء اللہ اسلام قبول کر لے گی اور اچل کرنجی اشاعت اسلام کا مرکز بن جائے گا۔

اس لئے آپ سے پُر زور اپیل کی جاتی ہے کہ ہمیں سلسلہ کی تمام کتب اور لٹریچر انگریزی و اُردو زبانوں میں مہیا کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔ ہم آپکے بے حد شکرگزار ہونگے۔ آپ کا یہ اقدام جماعت کی ترقی کے لئے بہت مفید ہو گا۔ مرکزی جماعت کے تمام احباب کو سلام۔ حضرت امیر ایدہ اللہ اور دیگر بزرگان جماعت سے جماعت کے استحکام اور ترقی کے لئے دُعا کی درخواست ہے۔

دہلی (انڈیا) سے ایس ایم شریف قریشی صاحب رقمطراز ہیں :-

مکرمی جناب ! السلام علیکم ،

"گذشتہ سال آپکے دفتر کی طرف سے بہت ہی خوشنما دیدہ زیب اور قیمتی کتب مثلاً مولانا محمد علی صاحب مرحوم کا ترجمہ قرآن پاک، زندہ نبی کی زندہ تعلیم (انگریزی و اُردو) آئیڈیل پرافٹ مصنفہ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم اور عبدالخالق صاحب ودیارتھی اور جناب مولانا صدرالدین صاحب کی تصنیفات موصول ہوئیں۔ ان کتب سے نہ صرف میں مستفید ہوا بلکہ میرے دُوسرے رفقاء اور غیر مسلم بھائی بھی متاثر ہوئے۔

دہلی یونیورسٹی بد شعبہ کے پروفیسر جناب سنگوسین صاحب سیرت رسول پاک پر ایک کتاب پالی زبان میں یا سنسکرت یا پھر ہندی میں ترتیب دینا چاہتے ہیں۔ آجکل مواد فراہم کر رہے ہیں چونکہ راقم الحروف خود تقابل مطالعہ مذاہب کا ذوق رکھتا ہے۔ اور غیر مسلم اسلمان بھائیوں میں اسلام کا صحیح تعارف اور غلط فہمیوں کا ازالہ کرانے کا ذوق رکھتا ہے۔ اور شعبہ اُردو میں سکالر ہے۔ انہیں کچھ کُتب فراہم کر سکا ہوں۔ البتہ باقی کتب پروفیسر موصوف کو درج ذیل پتہ پر ارسال کر کے مشکور فرما دیں۔ پروفیسر صاحب نے محمدان ورلڈ سکریچر کی خصوصی فرمائش کی ہے۔ اور میرے لئے مولانا محمد علی کی کتاب "دین اسلام" جس کی تعریف اور حوالہ میں نے اکثر دیکھے ہیں ضرور بھیجئے گا۔

اس کے علاوہ جو بھی مفید لٹریچر غیر مسلموں میں تقسیم کرنے کے قابل ہو بھیجنے کی زحمت کریں۔ خداوند کریم آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین !

تمام سٹاف ممبران اور امیر جماعت کو ایک ہندوستانی مسلمان بھائی کا سلام ،

اخبار احمدیہ

- حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدرالدّین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہٖ العزیز خیریت سے ہیں۔ احباب سلسلہ حضرت کی صحت والی زندگی کے لئے دُعا فرماتے رہیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی بیرون ملک تبلیغی دورہ پر ہیں۔ احباب کرام دعا فرمادیں کہ اللہ تعالےٰ تبلیغ اسلام، اشاعت قرآن اور تربیت جماعت کے کاموں میں آپ کی معاونت فرمائے۔ اور سفر و حضر میں آپ کا حافظ و ناصر ہو۔
- **ایک احمدی بچے کی نمایاں کامیابی اور عطیہ**

عصمت محمود بنت چوہدری محمود احمد صاحب کلرک پیغام صلح امتحان مڈل سٹینڈرڈ میں ۶۵۲ نمبر حاصل کر کے اپنے سکول میں اول آئی ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس ہونہار بچی کے حاصل کردہ اس اعزاز کو مزید کامیاب بنائے اس خوشی میں چوہدری صاحب نے دس روپے بمد اشاعت اسلام عطا فرمائے ہیں۔

دُعائے صحت

مکرم حکیم رحمت اللہ صاحب ہماری جماعت کے پُرانے رکن ہیں۔ اور وہ آجکل سخت بیمار ہیں احباب جماعت سے ان کی صحت عاجلہ و کاملہ کے لئے دُعا کی درخواست ہے۔

ہفت روزہ پیغام صلح مؤرخہ ۳ رجون ۱۹۸۱ء۔ جلد ۶۸ شمارہ ۲۲ رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اُردو بازار لاہور سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر:- ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اَور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰی ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

رجسٹرڈ ایل ۸۳۶
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۰

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ [illegible]

جلد : ۶۸ { یوم چہار شنبہ ۷ شعبان المعظم ۱۴۰۱ ہجری بمطابق ۱۰ جون ۱۹۸۱ء } شمارہ : ۲۳

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

غفلت دل کا علاج

نماز اور استغفار دل کی غفلت کے عمدہ علاج ہیں۔ نماز میں دعا کرنی چاہیئے کہ اے اللہ! مجھ میں اور میرے گناہوں میں دوری ڈال۔ صدق سے انسان دعا کرتا ہے تو یہ یقینی بات ہے کہ کسی وقت منظور ہو جائے۔ جلدی کرنی اچھی نہیں ہوتی۔ زمیندار ایک کھیت بوتا ہے تو اسی وقت نہیں کاٹ لیتا۔ بے صبری کرنے والا بے نصیب ہوتا ہے۔ نیک انسان کی یہ علامت ہے کہ وہ بے صبری نہیں کرتا۔ بے صبری کرنے والے بڑے بے نصیب دیکھے گئے ہیں۔

اگر ایک انسان کنواں کھودے اور بیس ہاتھ کھودے اور ایک ہاتھ رہ جائے تو اس وقت بے صبری سے چھوڑ دے تو اپنی ساری محنت کو برباد کرتا ہے۔ اور اگر صبر سے ایک ہاتھ اور بھی کھودے تو گوہر مقصود پالے۔

یہ اللہ تعالےٰ کی عادت ہے کہ ذوق اور شوق اور معرفت کی نعمت ہمیشہ دکھ کے بعد دیا کرتا ہے۔ اگر ہر ایک نعمت آسانی سے مل جائے تو اس کی قدر نہیں ہوا کرتی۔ سعدیؒ نے کیا عمدہ کہا ہے:۔

گر نباشد بدوست راہ بردن ۔ شرط عشق است در طلب مردن

(ملفوظات ، جلد چہارم)

* * *

ابتلاء سے گھبرانا نہیں چاہیئے

دیکھو اصحابہ رضؓ کو کچھ تھوڑے ابتلاء نہیں آئے تھے۔ ان کو اپنا وطن، مال و دولت، اپنے عزیز رشتہ دار، سب چھوڑنے پڑے۔ لیکن انہوں نے خدا تعالےٰ کی راہ میں ان چیزوں کو مری ہوئی مکھی کے برابر بھی نہیں سمجھا۔ خدا تعالےٰ کو اپنے لئے کافی سمجھا۔ پر خدا تعالےٰ نے بھی ان کی کس قدر، قدر کی اس سے وہ خسارہ میں نہیں رہے۔ بلکہ دنیا و آخرت میں انہوں نے فائدہ پایا:۔ جو اس کے بغیر انہیں مل سکتا ہی نہیں تھا۔

اس لئے:۔

اگر کوئی ابتلاء آوے تو گھبرانا نہیں چاہیئے۔ ابتلاء مومن کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت روح میں عجز و نیاز اور دل میں ایک سوزش اور جلن پیدا ہوتی ہے جس سے وہ خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور اس کے آستانہ پر پانی کی طرح گداز ہو کر بہتا ہے۔ ایمانِ کامل کا مزا ہم و غم ہی کے دنوں میں آتا ہے۔

* * *

تسلیم و رضا

درحقیقت ہیں وہی لائق ثنا کے واسطے،
زندگی جو وقف کرتے ہیں خُدا کے واسطے

دولتِ دُنیا کو خاطر میں کبھی لاتے نہیں
خاک میں ملتے ہیں شانِ کبریا کے واسطے

عِلم رکھتے ہیں مگر کرتے نہیں اس پر غرور
رکھتے ہیں سجدے میں سر دائم دُعا کے واسطے

اُن کے اوقاتِ گرامی کے ہیں مالک اور لوگ
جیتے ہیں وہ اصل میں خلقِ خُدا کے واسطے

اپنے بیماروں کی کرتے ہیں مسیحائی بھی وہ
فکر رکھتے ہیں دوا کے اور شفا کے واسطے

کارزارِ زندگی میں ہے محبّت ان کی تیغ
سختیاں سہتے ہیں آئینِ وفا کے واسطے

ہے جوانی میں بھی عقل اُن کی بڑھاپے سے سوا
خضر بن سکتے ہیں خود وہ راہنما کے واسطے

سر جھکاتے ہیں قضا و قدر کے احکام پر
رہتے ہیں تیّار تسلیم و رضا کے واسطے

عزم سے ٹلتے نہیں محنت سے کنیاتے نہیں
ہے روش ان کی نمونہ اصفیاء کے واسطے

نوجوانی میں بھی ہیں وہ پاک دل اور پاک باز
زندگی اُن کی ہے زہد و اتقا کے واسطے

چشم پوشی کرتے ہیں احباب کے اعمال سے
آنکھ ہے اُن کی بنی گویا حیا کے واسطے

نام سے ان کو غرض ہے اور نہ کچھ شہرت سے کام،
کام جو کرتے ہیں، کرتے ہیں خُدا کے واسطے

ولولہ ہے اُن کے دل میں خدمتِ اسلام کا
درد رکھتے ہیں وہ دینِ مصطفٰے کے واسطے

انسان کا مقصدِ پیدائش

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب بتاریخ ۵ر جون ۱۹۸۱ء، بمقام مسجد جامعہ۔ دارالسلام۔ لاہور

قل انما انا بشر مثلکم - - - - - - - لھم اجر غیر ممنون (حٰم السجدۃ ۴۱ آیات ۶ تا ۸)

ترجمہ:- ”کہہ میں صرف تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمہارا الٰہ صرف ایک ہے۔ سو اسی کی طرف سیدھے راستہ پر لگے رہو اور اسی کی حفاظت مانگو۔ اور مشرکوں کے لئے افسوس ہے۔ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں ان کے لئے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔“

جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ صلعم کو دنیا کی اصلاح کے لئے کھڑا کیا گیا تو سب میں بڑی گمراہی جس میں تمام قومیں، تمام ملک، تمام مذاہب مبتلا تھے وہ شرک تھا۔ بتوں کا پوجنا تو خیر عام تھا ہی، مگر جانوروں مثلاً گائے کو یا سانپ تک کو پوجا جاتا تھا۔ اسی طرح انسانوں کو بھی پوجا جاتا تھا جیسا کہ حضرت مسیحؑ کو یا مہاتما بدھ کو یا کرشن جی اور رامچندر جی یا حضرت زرتشت کو۔ اسی طرح آگ کو یا ستاروں کو اور فرشتوں کو، غرض ہر چیز کو پوجا جاتا تھا۔ اور اس زمانہ کے عرب لوگ تو بِن گھڑے پتھروں پر کھانا پکا کر بعد میں اُن میں سے ایک پتھر کو سامنے رکھ کر اس کی پوجا کر لیا کرتے تھے۔ اس نسلِ انسانی کے بدترین اور عام ترین اور ہزارہا سال پرانے شرک کو اس کی جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک دینے کا ازحد مشکل کام حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سپرد کیا گیا جو خاص طور پر مشکل تھا۔ عرب کے ایّام جاہلیت کے سنگدل اور اکھڑ لوگوں میں سے۔

مخالفت اور اذیّت

تو لازمی طور پر حضورؐ کی سخت مخالفت کی گئی۔ حضورؐ کو اور حضورؐ کے ساتھیوں کو کونسا دکھ اور اذیّت ہے جو نہیں پہنچائی گئی۔ مارا کوٹا گیا۔ چیرا پھاڑا گیا۔ گھروں سے نکال دیا گیا۔ اور تپتی ریت پر جلتے بھنتے پتھروں کو سینہ پر رکھ کر توڑا گیا۔ خود حضورؐ پر طائف میں اس قدر پتھر برسائے گئے کہ حضورؐ لہولہان ہو گئے۔ کبھی گلی میں سے گزرتے ہوئے حضورؐ کے سر پر گندگی پھینکی گئی کبھی رستہ میں کانٹے بچھائے گئے۔ کبھی خانہ کعبہ میں سجدہ کی حالت میں حضورؐ کی گردن پر اُونٹ کی گندی اور لوجھل اوجھڑی رکھ دی جاتی۔ بالآخر شعب ابی طالب میں حضورؐ کو اور حضورؐ کے خاندان کے لوگوں کو عرصہ تک محصور کر دیا گیا اور کھانے پینے سے بھی محروم کر دیا گیا۔ اور جب ہجرت پر آپؐ مجبور ہو کر مدینہ میں پناہ گزین ہوئے تو آپؐ پر فوج کشی بار بار کی گئی۔ جس میں ایک دفعہ یعنے جنگِ اُحد میں حضورؐ کو اس قدر ضربیں آئیں کہ حضورؐ زخموں سے چکنا چور ہو کر گر پڑے۔ اس کے علاوہ حضورؐ کی جان ہر وقت خطرہ میں رہتی تھی۔ اگر ان اذیّتوں اور قاتلانہ حملوں سے کام نہ نکلا تو حضورؐ کو دلکش ترین لالچیں دی گئیں۔ اگر دولت چاہیئے (جو ہر انسان کو چاہیئے ہوتی ہے) تو ہم سونے چاندی کے ڈھیر تمہارے آگے لگا دیتے ہیں۔ حکومت کے بھوکے ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ مان لیتے ہیں۔ حسن کے دلدادہ ہو تو حسین سے حسین عورت یا عورتوں کو تمہارے حوالے کر دیتے ہیں۔ مگر حضورؐ کا پاک دل ان دنیاوی کششوں سے اس قدر بالاتر تھا کہ حضورؐ کا جواب مشہور ہے۔ کہ ”اگر تم سورج کو آسمان سے اتار کر میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دو اور چاند کو بائیں ہاتھ پر تب بھی میں اُس کام کو نہیں چھوڑوں گا جو میرے سپرد کیا گیا ہے۔“

جن آیات کو میں نے خطبہ کے شروع میں پڑھا ہے اُن میں کہا گیا ہے کہ ان لوگوں کو کہو کہ سوچو تو کہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔ تم سارے شرک میں فخریہ مبتلا ہو۔ تو میں کیوں تمہاری طرح شرک میں مبتلا نہیں اور اس پر فخر تو کیا کرنا میں اس سے اس قدر نفرت کرتا ہوں کہ اسے جڑوں سے اکھیڑ پھینکنے کے لئے میں تمہاری تمام اذیتیں اور دکھ سہہ رہا ہوں؟ اور چونکہ میں تمہاری طرح انسان ہوں تو میرے اُوپر کیوں دولت، بادشاہت اور حسن پرستی کی کششوں اور لالچوں کا اثر نہیں۔؟

فرمایا کہ یہ اس لئے کہ میں جس راہ پر ہوں اُس پر چل کر میں نے خدا کو پا لیا ہے اور وہ مجھ سے کلام کرتا ہے۔ اور میرے اُوپر وحی کی گئی ہے کہ تمہارا یعنے نسل انسانی کا اِلٰہ صرف اللہ ہے۔ اِلٰہ کے معنی مجدد دھندھم جہاں نے یہ بیان فرمائے ہیں کہ ”معبود، محبوب، اور مطلوب و مقصود“ معبود کے معنی ہیں وہ جس کی عاجزی سے فرمانبرداری کی جائے۔ اور محبوب کے یہاں معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالےٰ کو اپنا ایسا محسن جان کر کہ انسان اس کی نعمتوں اور احسانوں کو گن نہیں سکتا۔ اس کی فرمانبرداری محبّت سے اور چاہت سے کرے اور مقصود اور مطلوب کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کو پانا انسان کی پیدائش کا۔ انسان کی زندگی کا مقصد ہے۔

مقصد پیدائش

ظاہر ہے کہ انسان کو پیدا کرنے والا ہی انسان کو بتا سکتا ہے کہ اس کی پیدائش کا کیا مقصد ہے جن لوگوں نے خدا کی بات کو نہیں سنا اُن کا کیا حال ہے؟ اگرچہ علوم اور سائنس اور ٹیکنالوجی میں یورپ اور امریکہ ترقی کے عروج پر ہیں اور انہوں نے حیرت انگیز انکشافات کر لئے ہیں مگر ان کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ انسان کی پیدائش کا مقصد کیا ہے۔ کھانا پینا اور جنسی تعلقات سے اولاد پیدا کر لینا یہ تو حیوانی سطح ہے۔ ایک کتّا بھی کر لیتا ہے۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اور جس میں خدا کی رُوح میں سے پھونکا گیا ہے۔ اس کا یہ مقصد پیدائش نہیں ہو سکتا۔

تو قرآن اور حدیث ہم کو یہ بتلاتے ہیں کہ انسان کا مقصد پیدائش اتنا اعلےٰ ہے کہ وہ کسی انسان کے دماغ میں کبھی نہیں آیا۔ وہ ہے خدا کو پانا۔ آپ کو معلوم ہے کہ سورۃ فاتحہ قرآن کریم کا خلاصہ ہے جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس کو اُم الکتٰب بتا کر واضح فرما دیا۔ تو خود سورۃ فاتحہ کی جان اھدنا الصراط المستقیم کی دُعا ہے۔ اب ہر راستہ کی ایک منزل ہوتی ہے۔ یعنے کسی طرف وہ لے کر جاتا ہے

تو اس صراطِ مستقیم پر جس کی دُعا سورۃ فاتحہ میں کی گئی اور جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ وہ ہدایت جو تم مانگتے ہو اس قرآن پاک میں ہے۔ (ذالک الکتٰب لا ریب فیہ ھدًی للمتّقین) تو یہ صراطِ مستقیم کس منزل کی طرف لے کر جاتا ہے؟ اس کا جواب قرآن میں بار ہا آیا ہے مثلاً:۔

ان ربّی علی صراطٍ مستقیم (یعنے میرا رب صراطِ مستقیم پر چلنے سے ملتا ہے)

ھٰذا صراطٌ علیّ مستقیم (یہ راستہ سیدھا میری طرف لے کر آتا ہے) یا

فاما الذین اٰمنوا باللّٰہ واعتصموا بہٖ فسید خلھم فی رحمۃٍ منہ وفضلٍ ویھدیھم الیہ صراطاً مستقیماً ○ (النساء: ۱۷۵)

یعنے "سو وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کو مضبوط پکڑا تو وہ ان کو اپنی رحمت (یعنے روحانی نعمتوں) سے نوازے گا اور اپنے فضل (یعنے دُنیاوی نعمتوں میں) داخل کرے گا اور وہ ان کو اپنی طرف صراطِ مستقیم پر چلائے گا۔"

تو اللہ تعالےٰ جو تمام روحانی اور دنیاوی نعمتوں کو پیدا کرنے والا ہے وہ خود کتنی بڑی نعمت ہے۔ اس کا اندازہ وہ لوگ جنہوں نے خدا کو پایا نہیں وہ نہیں جان سکتے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ:۔

کنت کنزاً مخفیّاً فاردت ان اعرف فخلقت الانسان

یعنے میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ سو میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں سو میں نے انسان کو پیدا کیا۔

ایک شہادت :۔

اس مخفی خزانہ کو اس زمانہ کے مجدّد نے بھی پالیا اور آپ نے جو اس بارہ میں لکھا ہے اُس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

"کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھادوں۔ کس دف سے میں بازاروں میں منادی کرادوں کہ تمہارا یہ خدا ہے۔ تا لوگ سُن لیں۔ اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خدا ایک پیارا خزانہ ہے۔ اس کی قدر کرو۔ کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے۔ تم بغیر اس کے کچھ بھی نہیں۔" (کشتیٔ نوح صفحہ ۱۹)

حضرت اقدس کا یہ وحدانہ اعلان اُس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے کہ قل ھٰذہٖ سبیلیٓ ادعوٓا الی اللّٰہ قف علی بصیرۃٍ انا ومن اتّبعنی ط (یوسف ۱۲۔ آیت ۱۰۸) جس میں کہ رسول اللہ صلعم کو اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

"کہدے کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے خود اسے دیکھا ہے (بصیرت جو یہاں لفظ ہے وہ قلب کی آنکھ سے دیکھنے کو کہتے ہیں جبکہ بصارت ظاہری آنکھ سے دیکھنا ہوتا ہے) اور جو میری اتباع کرے گا وہ بھی خدا کو دیکھ لے گا (قلب کی آنکھ سے)۔"

صراطِ مستقیم :۔

تو اب میں اُس آیتِ مبارکہ کی طرف آتا ہوں جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی تھی۔ جس میں رسول اللہ صلعم کے مُنہ سے یہ کہلوایا گیا کہ:۔

اگر میں تمہاری طرح بشر ہونے ہوئے تم سب سے علیحدہ راہ اختیار کئے ہوئے ہوں تو وہ اس لئے ہے کہ میں نے خدا کو پالیا ہے۔ اور اس کی وحی نے مجھے بتایا ہے کہ انسان کا مقصدِ پیدائش خدا کو پانا ہے اور میں اُس نعمتِ عظیم وغیر فانی دولت کو جو اللہ تعالےٰ ہے چاہتا ہوں کہ تم سب پالو۔ تو اس کو پانے کے لئے تم فاستقیموا الیہ یعنے اُس سیدھے رستہ پر چلتے رہو جو قرآن کریم نے بتایا ہے۔ اگر انسان سیدھے رستہ پر رہے تو آج نہیں تو کل ضرور اپنی منزل کو پالے گا۔ جو روحانی طور پر تیز رفتار لوگ اس دنیا میں خدا کو پالیتے ہیں اُن سے تو وہ کلام کرتا ہے۔ جو کہ خدا کو پانے کا ہمیشہ نشان رہا ہے۔ اُن پر وحی نازل ہوتی ہے اور یہ قرآن کریم کی صداقت اور رسول اللہ صلعم کے زندہ نبی ہونے کا زبردست ثبوت ہے کہ ان دونوں کی اتباع سے آج بھی انسان خدا کو پاسکتا ہے۔ جیسا کہ میں نے حضرت مجدّد زماں کے کلام کے اقتباس سے بتایا ہے۔ تو جو اتنے تیز رفتار نہ بھی ہوں وہ بھی اگر اس صراطِ مستقیم پر چلتے رہیں گے جو قرآن پاک نے بتایا ہے وہ آج نہیں تو کل، اس دنیا میں نہیں تو آخرت میں (جہاں روحانی ترقی جاری رہے گی) خدا کو ضرور پالیں گے۔

صراطِ مستقیم پر چلتے رہنے کے علاوہ فرمایا واستغفروہ یعنے اللہ کی حفاظت مانگتے رہو کیونکہ انسان کا نفس اور شیطان انسان کو کسی وقت بھی پھسلا کر صراطِ مستقیم سے ہٹا سکتے ہیں۔

مشرکوں کا انجام

پھر فرمایا وویلٌ للمشرکین "اور مشرکوں پر افسوس ہے"، کیونکہ وہ خدائے واحد کی تلاش اور اُسے پانے کی بجائے جو انسانی کی پیدائش کا مقصد ہے۔ غلط راستوں پر بھٹکتے پھرتے اور تباہ ہو جاتے ہیں۔ یہ تو تھا عام مشرکوں کے متعلق بیان۔ مگر اس کے بعد عجیب الفاظ آتے ہیں۔ الذین لا یؤتون الزکوٰۃ وھم بالاٰخرۃ ھم کٰفرون ○ یعنے جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے بھی وہ منکر ہیں۔ مشرک کے زکوٰۃ دینے کے کیا معنی؟ اس میں صاف اشارہ ہے کہ جو مسلمان لوگ زکوٰۃ جو دولت پر ٹیکس ہے۔ ادا نہیں کرتے وہ بھی دولت پرستی کے شرک کے مجرم بن جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ "وہ آخرت کے بھی منکر ہیں"، یعنے اگر انہیں آخرت پر ایمان ہوتا تو وہاں کے محاسبہ سے خوف کرتے کہ وہاں ولتسئلن یومئذٍ عن النعیم یعنے جو تمہیں نعمتیں دی جاتی ہیں ان کا ضرور بالضرور محاسبہ ہوگا۔ تو دولت کے محاسبہ کے علاوہ اگر انسان اپنی دولت سے اتنا پیار کرے کہ اسے خدا کی راہ میں خرچ نہ کرے تو وہ اپنی آخرت کے لئے آگے کیا بھیج رہا ہے؟ آخرت میں جو ہمیشہ کی زندگی ہے وہی مال جا سکتا ہے۔ جو انسان خود اپنی زندگی میں خدا کی راہ میں دے جائے۔

آج دیکھ لیجئے کہ شرک کی پُرانی شکلیں یعنے بُت پرستی یا انسان پرستی بہت کم رہ گئی ہیں۔ اُن کی جگہ دولت پرستی اور دُنیا پرستی نے لے لی ہے۔ ساری دنیا کا مقصدِ زندگی دولت کمانا اور دُنیا کی نعمتوں کو حاصل کرنا بن گیا ہے نہ کہ خدا کو راضی کرنا اور اس تک پہنچنا۔ تو ا (مجدد صدی چہاردہم کا کس قدر احسان ہے کہ اُس نے ہمارے لئے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو اس قدر ضروری کر

دیا کہ فرمایا کہ جو شخص تین ماہ تک چندہ نہ دے اُس کا نام جماعت میں سے خارج کر دیا جائے۔ اور دُنیا پرستی کا علاج آپ نے یہ کیا کہ ہم سے عہد لیا کہ "میں دین کو دُنیا پر مقدم کروں گا"۔

ابدی اجر :-

آخری آیت جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی تھی اُس میں فرمایا گیا ہے کہ "بے شک جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ان کے لئے ایسا اجر ہے کہ وہ کبھی ختم نہ ہو گا"۔

اب اس دُنیا کے اجر تو انسان کی زندگی میں ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ چاہے وہ دولت ہو، حکومت ہو یا خواہشاتِ نفسانی ہوں مگر اگر زندگی بھر چلیں بھی تو انسان کی موت پر ضرور ختم ہو جاتے ہیں اور موت آج نہیں تو کل آجانے کی۔ مگر انسان کی فطرتی خواہش ہے کہ اُس کے اجر کبھی ختم نہ ہوں۔ تو یہ تو آخرت میں ہی ممکن ہو سکتا ہے جو کہ ہمیشہ کا گھر ہے۔ اس لئے ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے کے اجر کو اللہ تعالےٰ نے آخرت پر اُٹھا رکھا ہے۔ اگر اس دنیا میں بھی مل جائے تو یہ اُس کی مہربانی ہے مگر اصل اجر آخرت میں ہی ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "ایک شخص کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنا اجر دنیا میں بھی لے لے اور آخرت میں بھی مگر اس نے آخرت کو ترجیح دی"۔ اور وہ شخص خود حضور صلعم تھے۔

زکوٰۃ :-

میں نے آج کے خطبہ میں زکوٰۃ کے مضمون کا اسی لئے ذکر کیا ہے کہ رجب کا مہینہ ختم ہو گیا ہے۔ اور ابھی تک ہماری جماعت کے احباب نے بہت کم زکوٰۃ ادا کی ہے۔ اس بارہ میں یعنے زکوٰۃ کے لئے حضور صلعم خواتین کو خاص طور پر مخاطب فرماتے تھے کیونکہ زیورات ان کی ملکیت ہوتے ہیں۔ اس لئے ان پر زکوٰۃ دینا ان کا فرض اولین ہے۔ اس کے لئے اگر زیورات کا کچھ حصہ بیچنا بھی پڑے تو بھی زکوٰۃ کو ضرور ادا کرنا چاہیئے۔ ورنہ بموجب قرآن کریم اور احادیث نبویؐ وہ زیورات یا سونا چاندی جن پر زکوٰۃ نہ ادا کی جائے آگ بن کر انسان کو آخرت میں چمٹ جائیں گے۔ اس لئے میں احباب جماعت اور خصوصاً خواتین کو توجہ دلاتا ہوں کہ اگر انہوں نے ابھی تک زکوٰۃ نہیں دی یا پوری نہیں دی تو اب وہ فوراً خزانہ انجمن میں بھجوا دیں۔

نصاب :-

زکوٰۃ تب واجب ہوتی ہے کہ کسی کے پاس سونا ۷½ تولہ ہو یا چاندی ۵۲½ تولہ۔ زیورات کی بنوائی یا ان میں جو پتھر جڑے ہوئے ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ تو اگر کسی کے پاس ۷½ تولہ یا اس سے زیادہ سونا ہو یا ۵۲½ تولہ یا اس سے زیادہ چاندی ہو تو پھر سارے وزن پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے آج کل سونے چاندی کا نرخ گراموں میں بتایا جاتا ہے۔ تو کوئی سنارہ یعنے زیورات بنانے والا آپ کو بتا دے گا کہ آپ کے سونے یا چاندی کی قیمت کتنی بنتی ہے۔ اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا فرض ہے مال جو تجارت میں لگایا گیا ہو بشرطیکہ وہ ۵۲½ تولہ چاندی کی قیمت کا یا اس سے زیادہ ہو تو اس کی سال بھر کی آمدنی کا چالیسواں حصہ دینا ضروری ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے حصص یعنے SHARES خریدے ہوں ان کو بھی بشرطیکہ حصص کی قیمت ۵۲½ تولہ چاندی کی قیمت سے زیادہ ہو تو اُن حصص کی سالانہ آمدنی کا چالیسواں حصہ واجب الادا ہوتا ہے۔

میں پھر کہوں گا کہ اس چالیسویں حصہ کو ادا کر کے آخرت کے محاسبے سے اپنے آپ کو بچالیں اور اپنی آخرت کے لئے آگے یہ رقم بھیجیں ورنہ انسان خالی ہاتھ قبر میں اُترتا اور خالی ہاتھ آخرت میں اُٹھتا ہے۔ اور دولت کی جوابدہی علیحدہ ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اس بُرے انجام سے بچائے۔

آمین !

تین باتیں ضروری ہیں

حقیقی پاکیزگی تب حاصل ہوتی ہے جب انسان گندی زندگی سے توبہ کر کے ایک پاک زندگی کا خواہاں ہو اور اس کے حصول کے لئے صرف تین باتیں ضروری ہیں۔

۱ :- ایک تدبّر اور مجاہدہ کہ جہاں تک ممکن ہو گندی زندگی سے باہر آنے کے لئے کوشش کرے۔

۲ دُوسری دُعا کہ ہر وقت جناب الٰہی میں نالاں رہے۔ تا وہ گندی زندگی سے اپنے ہاتھ سے کو باہر نکالے۔ اور ایسی آگ اس میں پیدا کرے جو بدی کے خس و خاشاک کو بھسم کر دے اور ایک ایسی قوت عنایت کرے جو نفسانی جذبات پر غالب آجاوے اور چاہیئے کہ اسی طرح دُعائیں لگا رہے جب تک کہ وہ وقت آجاوے کہ ایک الٰہی نور اس کے دل پر نازل ہو اور ایک چمکتا ہوا شعاع اس کے نفس پر گرے کہ تمام تاریکیوں کو دور کر دے اور اس کی کمزوریاں دُور فرما دے۔ اور اس میں پاک تبدیلی پیدا کرے کیونکہ دُعاؤں میں بلاشبہ تاثیر ہے۔ اگر مُردے زندہ ہو سکتے ہیں تو دعاؤں سے اور اگر اسیر رہائی پا سکتے ہیں تو دعاؤں سے اور اگر گندے پاک ہو سکتے ہیں تو دعاؤں سے مگر دُعا کرنا اور مرنا قریب قریب ایک ہی ہے۔

۳ تیسرا طریق صحبت کاملین اور صالحین ہے کیونکہ ایک چراغ کے ذریعہ سے دُوسرا چراغ جلتا ہے۔

بقیہ تقریر یوم وصال - آمدہ صفحہ ۱۱

آپ کو مسجدوں کے مینار نظر آتے ہیں۔ یہ اسلام کا ڈنکا نہیں۔ تو اور کیا ہے، ہمارے جلسوں میں دور دور سے لوگ شمولیت کے لئے آتے ہیں۔ تو صرف اس لئے کہ ان کے دل حدیث کے جوش بھرپور ہیں۔ اور وہ محض روحانی غذا کے حصول کے لئے اپنا وقت اور روپیہ خرچ کرتے ہیں۔

ہمارا نصب العین اب یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنی ساری قوت اشاعت اسلام پر صرف کریں اور جو وعدہ ہم نے کے ساتھ کیا ہے۔ کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے۔ پورا کر کے دکھائیں۔ ہم میں سے ہر فرد کو چاہیئے کہ ہم اپنی استطاعت کے مطابق اس تحریک میں حصہ لیں کیونکہ اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ اللہ کے کام تو ہو کر رہتے ہیں۔ اگر ہم نے اس میں حصہ نہ لیا تو ہم خود ایک اعلیٰ مقصد کے حصول سے محروم رہ جائیں گے۔

دین کی نصرت کے لئے اک آسمان پر شور ہے۔

اب گیا وقت خزاں آئے ہیں پھل لانے کے دن

اسلامی نظام حکومت

قومی مشورے سے امورِ سلطنت طے کرنے کی بنیاد جس شخصیت نے سب سے پہلے رکھی وہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہیں۔ طرزِ حکومت کا یہ طریق موجب برکات ہے۔ اس سے قوم کے دلوں میں اپنی سلطنت سے گہری دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے پوری جدوجہد کرتے اور ہر طرح کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو اس کے متعلق یہ حکم ہوا :-

وشاورھم فی الامر

حکومت کے معاملہ میں اپنی قوم سے مشورہ لیا کریں۔ اور خود مسلمانوں کی اس شان کا یوں ذکر کیا ہے :- امرھم شوریٰ بینھم۔ مسلمانوں کی یہ شان ہونی چاہیئے کہ وہ امورِ سلطنت کو باہمی مشورہ سے سرانجام دیا کریں۔ جس طرح حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی حینِ حیات میں اپنے قومی مشاورت سے حکومت کرنا ضروری سمجھا تھا۔ اسی طرح حضوؐر کے خلفاء راشدین بھی امورِ سلطنت کو قومی مشاورت سے سرانجام دیتے رہے۔ خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر رضؓ حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے عہد میں سلطنت بہت وسیع ہو گئی تھی۔ ایران و شام، مصر و لیبیا۔ الجزائر۔ طیونس مراکو۔ سپین وغیرہ تمام ممالک خلفائے راشدین کے زیرِ نگیں آ چکے تھے۔ ان سب ممالک میں پارلیمانی حکومت رائج تھی۔ اس طرزِ حکومت کو آہستہ آہستہ یورپین ممالک نے اختیار کیا۔ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ مغربی ممالک کے بادشاہوں نے از خود ایسی حکومت کو قائم نہ کیا۔ بلکہ بادشاہوں کی مخالفت میں رعایا کی طویل جدّ و جہد اس قسم کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ اس کے مقابل پر جس شخص نے اپنے ارادے سے، قوم کو مشاورتی نظامِ حکومت سے نوازا۔ وہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہیں۔ ان کی ذاتِ اقدس کو ذاتی خواہشات پر پورا قابو حاصل تھا اور ظاہر ہے کہ ذاتی خواہشات پر قابو حاصل کرنا نہایت ہی مشکل ہے۔ شاہی شان و شوکت، شاہی جاہ و جلال، شاہی اختیارات، شاہی خزانے کے خرچ کرنے کا پورا اختیار اپنے ہاتھ سے قوم کے سپرد کر دینا مشکل ترین امر ہے۔ حضور علیہ السلام نے ذاتی قربانی کر کے اپنی قوم کو ایسے بلند مقام پر کھڑا کیا اور دنیا کی قوموں کو پارلیمنٹری حکومت کرنا سکھایا۔ جن حالات میں جس ماحول میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پارلیمنٹری حکومت قائم کی وہ اس طرزِ حکومت کے قائم کرنے کے لئے مقتضی نہ تھے۔ ایران کا بادشاہ مطلق العنان تھا۔ شام کا بادشاہ مطلق العنان تھا۔ مصر کا فرعون مطلق العنان بادشاہوں کا سرتاج تھا۔

ایسے ماحول میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم پارلیمانی حکومت قائم کرتے ہیں بالخصوص جب کہ ان کی اپنی قوم کو اس قسم کی حکومت کا خواب بھی نہ آ سکتا تھا بلکہ قوم تو اُن کے اشارے پر جان و مال دینے کی عادی تھی۔ اندریں حالات آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی لاجواب بے نفسی اور بے نظیر علم و حکمت کا اظہار ہوا :-

حضور نبیٔ کریم بادشاہوں کیلئے نمونہ ہیں

ملوکیت میں پبلک خزانہ کا بہت بڑا حصہ بادشاہوں اور اُن کے اقرباء پر صرف ہوتا رہتا ہے۔ یہ نفس پرستی اس جمہوریت کی رُوح کے خلاف ہے جو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے قائم کی تھی۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا رہنا سہنا عامۃ الناس کا رہنا سہنا تھا۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس عام لوگوں کا سا تھا۔ وہی کھانا کھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے :-

انا اجلس کما یجلس العبد واکل کما یاکل العبد ؕ

یعنی میں اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح خدا کا کوئی بندہ بیٹھتا ہے اور اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح خدا کا کوئی بندہ کھاتا ہے۔ اور حضور رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم غرباء کے ساتھ گھل مِل کر مجلس کرتے تھے۔ اور غرباء اس پر فخر کرتے تھے اور کہا کرتے تھے :-

کان رسول اللہ علیہ وسلم یقعد منا ویدنوا منا حتیٰ تمس رکبۃ رکبتنا ۝

یعنی حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہمارے ساتھ گھل مل کر بیٹھتے تھے۔ یہاں تک کہ حضوؐر کا گھٹنا ہمارے گھٹنے سے چھوتا تھا۔ غرض حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ ہی امتیازی لباس زیبِ تن کیا۔ اور نہ ہی طرح طرح کے کھانے اپنے دسترخوان پر آنے دیئے۔ نہ محل اور سیرگاہیں تعمیر کرائیں نہ اپنی ذات کے لئے خزانہ شاہی کا روپیہ پانی کی طرح بہایا اور نہ ہی اپنے اعزہ و اقارب کے لئے جاگیریں مقرر فرمائیں بلکہ آپ فرماتے تھے الفقر فخری۔ بادشاہت کے ہوتے ہوئے فقیری کا رنگ اختیار کرنا میرے لئے فخر کا موجب ہے جس طرح آپؐ کی زندگی نے بادشاہوں کے لئے حقیقی جمہوریت کا نمونہ قائم کیا۔ اس طرح آپ کی موت نے جمہوریت کی شان کو قائم کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ حضوؐر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو دو چادروں میں لپیٹ کر سپردِ خاک کیا گیا تھا۔ اُن کے جسم پر نہ ہی قمیض تھی نہ ہی اُن کے سر پر عمامہ تھا بلکہ اُن کی تدفین ایسی سادہ ہوئی جو غریب سے غریب شخص کو میسّر آ سکتی ہے۔ یعنی ان کے لئے نہ ہی صندوق تیار کیا گیا اور نہ ہی قبر کی تیاری میں کوئی ایسا امتیازی رنگ اختیار کیا گیا تھا جو کسی عامی کو نصیب نہ ہو سکے۔ زمین میں قبر کھود دی گئی اور اس میں جسدِ اطہر کو رکھ دیا گیا۔ قبر کی لمبائی پر مٹی کی لمبوتری ڈھیری استوار کی گئی جو اونٹ کے کوہان کے مشابہ تھی۔ اس پر کنکریاں بچھا دی گئیں۔ در اس پر پانی چھڑک دیا گیا۔ مختصراً یہ کہ حضور ستودہ صفات کی زندگی اور موت دونوں بادشاہوں کے لئے اور عامۃ الناس کے لئے نہایت قابلِ قدر نمونہ ہے۔

بین الاقوامی حکومت یعنی مُسلموں اور غیر مُسلموں پر حکومت

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا :-
مُسلم اور غیر مُسلم کے حقوق اِسلامی حکومت میں برابر ہیں۔ البتہ غیر مُسلم کے ساتھ اللہ اور اُس کے

رسولؐ کا یہ عہد ہے کہ اس کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کی جائے گی۔ اس قسم کے عہد کے لئے عربی زبان میں لفظ ذمۃ اللہ ہے جس سے غیر مُسلم کی عزت افزائی مقصود ہے۔ خالی عہد کا لفظ کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ اس عہد کو ذمۃ اللہ و ذمۃ الرسول کے الفاظ سے مقدس کر کے بیان کرنا ضروری سمجھا گیا۔ تاکہ حکمران آگاہ رہے کہ یہ الفاظ محکوم کے لئے نہایت درجے کے حزم و احتیاط اختیار کرنے کا حکم رکھتے ہیں چنانچہ حضرت عمرِ فاروق رضؓ جیسے عظیم المرتبت خلیفہ نے غیر مسلموں کے معاملہ میں اس قانونِ الٰہی کی پابندی کرنے میں انتہائی خداخوفی سے کام لیا۔ اور اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو بھی ان الفاظ میں وصیت کی۔

واوصیہ بذمۃ اللہ و ذمۃ رسولہ ان یوفی لھم بعھدھم ان
یقاتل من ورائھم وان لا یکلفوا فوق طاقتھم

یعنی میں اپنے جانشین کو غیر مسلموں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ اللہ اور اُس کے رسول کا عہد ہے۔ اس عہد کو پورا کیا جائے۔ ان کی جان و مال کی حفاظت کی جائے اور اُن کے بچاؤ کے لئے اگر لڑنا پڑے تو لڑائی کی جائے اور اُن سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔ یہ تاریخی حقائق و شواہد ثابت کرتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اور اُن کے خلفائے راشدین نے غیر مسلموں کے ساتھ حقیقی ہمدردی کر دکھائی۔ اور حضورؐ نے مزید برآں غیر مسلم کی رعایت و بہبود کی خاطر مسلمان حاکم کو ان ڈرا دینے والے الفاظ میں تنبیہہ کی ہے۔

من قتل معاھدًا لم یرح رائحۃ الجنۃ ہ

جو مسلمان غیر مسلم معاہد کو قتل کرے گا وہ جنّت کی بو بھی نہ پا سکے گا۔ چاہیئے کہ یورپ کے مہذّب حکمران اس مقدس تاریخ سے فائدہ اٹھائیں۔ مغربی دُنیا کے حکمرانوں کو جب مشرقی اقوام پر حکومت کرنے کا موقع ملتا ہے تو وہ اہلِ مشرق اور اہلِ مغرب کے معاملات میں مساوات نہیں برتتے۔ بلکہ اہلِ مشرق پر ظلم کرتے ہیں۔ اور ایسا کرتے وقت اُن کو رحم نہیں آتا۔

اہلِ مغرب جس کسی مشرقی قوم پر مسلّط ہوئے ان کو اپنی بے راہ روی سے اور انتہا درجے کی بدسلوکی سے اور حقارت بھرے اطوار سے اپنا دشمن بنا کر چھوڑا۔ اس بارہ میں ان کی تاریخ کے اوراق بُری طرح سیاہ ہیں۔ اب وہ سیاہی مٹانے سے نہیں مٹ سکتی۔ بیسویں صدی کی مغربی اقوام کو اپنے علم اور تہذیب پر فخر ہے۔ لیکن باوجود اس ترقی کے وہ مشرقی اقوام سے اچھا سلوک کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتیں۔ اہلِ مغرب کو چاہیئے کہ پیغمبرِ اسلام کی طرزِ حکومت پر غور کریں۔ جنہوں نے آج سے چودہ سو سال بلند پایہ عدل اور انصاف قائم کیا۔ اور مُسلم اور غیر مسلم کے لئے صرف مساوی حقوق قائم کئے بلکہ غیر مُسلم کے لئے خصوصی مراعات نافذ فرمائیں۔

عدل وانصاف

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم عدل و انصاف کے احکام جاری کرنے میں مُسلم اور غیر مُسلم میں امتیاز نہیں کرتے۔ چنانچہ فرمایا:۔

لا یجرمنکم شنان قوم ان لا تعدلوا۔

اگر کسی غیر مُسلم قوم نے مُسلمانوں سے دشمنی بھی کی ہو۔ تو بھی اُن سے پورا پورا عدل و انصاف کا برتاؤ کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی دشمنی کے باعث تم عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو۔ یاد رکھو اعدلوا۔ ضرور انصاف کرو۔ ھوا قرب للتقوٰی ہ ایسا کرنے سے ہی انسان خُداخوفی کے مقام کے قریب تر ہو جاتا ہے۔ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم واحد شخصیت ہیں جو غیر مُسلم اقوام سے عدل و انصاف کرنے کو خُداخوفی کا معیار قرار دیتے ہیں۔ وہ بار بار تلقین کرتے ہیں کہ خدا ربّ العالمین ہے یعنی خُدا ساری اقوامِ عالم کا پرورش کرنے والا ہے۔ اس کی نگاہ میں ساری قومیں ایک جماعت کا حکم رکھتی ہیں اور ساری قومیں اس کا کنبہ ہے۔ اس کنبہ کے لئے جو لوگ زیادہ سے زیادہ نفع رساں ہوں گے وہی خدا کے محبوب ہونگے۔

سیاسیات میں غیر اقوام کے ساتھ حقیقی عدل و انصاف کا برتاؤ کرنے میں بے شمار قومیں ناکام رہی ہیں۔ کیونکہ اکثر قوموں کے لئے تعصّبات نسلی و مذہبی وغیرہ وغیرہ سے پاک و بالاتر ہونا نہایت مشکل ہے۔ اکثر قوموں کے پیشِ نظر ذاتی مفاد و منافع ہوتے ہیں اس لئے ان کے دل میں محکوم قوم کے حقوق کا خیال نہیں آتا۔ اس کے برعکس وہ لوگ محکوم قوم کے گاڑھے پسینے کی کمائی کھانے کا مصمّم ارادہ کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ محکوم قوموں کی محنت و مشقت سے جو خام مال پیدا ہوتا ہے وہ حاکم قوم اپنے وطن میں لے جاتی ہے۔ اور مالامال ہو جاتی ہے۔ یہ ذاتی اغراض ان کو مجبور کرتی رہتی ہیں کہ محکوم قوم کی غلامی کی زنجیریں مضبوط سے مضبوط تر کرتے رہیں۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان رجحانات اور خواہشات کا قلع قمع کر کے رکھ دیا۔ یعنی جب اُنھوں نے اپنے حکام کو یہ تلقین فرمائی۔

ایاکم وکرائم اموالھم۔ محکوم قوم کے اعلیٰ درجہ کے اموال کے ہڑپ کرنے کے قریب نہ جانا۔

غیر مُسلم اقوام سے عدل وانصاف کرنے کے نظائر

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جب کبھی کوئی ہدایت صادر فرمائی تو موقع آنے پر اس کو عملی جامہ پہنا کر دکھایا۔ اس لئے کہ اُن کی تعلیمات خلوص پر مبنی تھیں۔ اور وہ تصنع سے کام لینا نہ جانتے تھے اور فرماتے تھے "وما انا من المتکلفین۔ میں تکلّف و بناوٹ سے کام نہیں لیتا۔ چنانچہ اُن کے سامنے ایک مسلمان اور یہودی کا مقدّمہ آتا ہے۔ یہودی غیر قوم کا ہی نہیں بلکہ اہلِ اسلام سے دشمنی بھی رکھتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں طعمہ جو مقدمہ کا دوسرا فریق ہے انصاری ہے۔ اہلِ مدینہ نے ہجرت کے موقعہ پر حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور مہاجرین کے ساتھ جو اعلیٰ درجہ کا سلوک کر دکھایا تھا اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ انصار کی لاجواب مخلصانہ ہمدردی کے باعث مسلمان اور خود حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ان کے بیحد ممنون تھے۔ طعمہ بھی انصار کا ایک فرد تھا۔ جس کے خلاف یہودی نے یہ استغاثہ دائر کیا تھا کہ وہ زرّہ بکتر جو میرے گھر سے برآمد ہوئی ہے وہ طعمہ نے میرے گھر پھینک دی تھی۔ اس لئے طعمہ مجرم ہے نہ کہ میں۔ طبعی طور پر اس مقدمہ کے باعث مدینہ کے انصار کو تشویش لاحق ہوئی۔ وہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہودی خبیث جھوٹا ہے وطعمہ پر ناحق الزام لگاتا ہے۔ اگر طعمہ کو مُجرم قرار دیا گیا تو انصارِ مدینہ کی انتہا درجہ کی ہتک ہوگی اس لئے حضور دیکھ لیں کہ یہ صرف طعمہ کا معاملہ نہیں۔ قوم کی عزّت کا معاملہ ہے اس لئے حضورؐ توجّہ فرمائیں۔ مگر حضور نے جب تحقیقات کی تو یہودی کو حق پر پایا۔ اور طعمہ چوری کا مرتکب پایا گیا۔ حضورؐ نے یہودی کو بری کر دیا اور طعمہ کو سزا دی۔ یہ ہے خدا کی جانب سے سب قوموں کا پیغمبر۔ جس کا دل تمام قسم کی کدورتوں سے پاک ہے۔ اور جس کے دل میں بنی نوعِ انسان کی سچّی ہمدردی بھری ہوئی ہے۔

* * *

ممتاز احمد

حیات بعد الممات

مادہ پرست اور دہریہ منش لوگ تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہی منکر ہیں۔ اُن کے خیال میں دُنیا ایک سلسلۂ ارتقاء کے ماتحت انرجی (بجلی کی قسم کی طاقت) اور مادہ کے امتزاج اور قوانینِ قدرت کے ماتحت عالمِ ظہور میں آئی اور اسی سلسلۂ ارتقاء کے ماتحت پانی سے نباتات، حیوانات اور بالآخر انسان عالمِ وجود میں آیا اور اپنی دماغی عقل اور تجربہ سے ترقی کرتا گیا۔ اور یہ کہ جب انسان کی دنیاوی زندگی ختم ہو جاتی ہے تو ہمیشہ کے لئے نابود ہو جاتا ہے۔ اس کی نسل البتہ چلتی رہے گی۔ یہاں تک کہ کروڑوں سال بعد کوئی وقت آسکتا ہے جب کہ سُورج کی روشنی اور حرارت بتدریج ماند پڑ جائے گی اور ساتھ ہی دُنیا بھی ختم ہو جائے گی۔

یہ سب فلسفہ دانوں اور بعض سائنسدانوں کے قیاسات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو اس سب کائنات کا خالق اور رب ہے اور حیّ و قیّوم ہے اور جس نے انسان کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا اور اس کو اشرف المخلوقات بنایا اُسی نے ہی انسان کی ہدایت اور اخلاقی و روحانی ترقی اور اس کی رُوح کی فلاح کے لئے اپنے پیغمبر اور ہادی بھیجے۔ جنہوں نے وحی الٰہی سے خبر پا کر انسان کو اس کی زندگی کی اصل غرض اور اس کے اعمال کی جزا و سزا اور رُوحِ انسانی کے غیر فانی (یعنی منشائے ایزدی کے ماتحت) اور حیات بعد الممات اور یوم الحساب اور بہشت و دوزخ سے آگاہ کیا۔ مگر موت کے بعد کیا اور کس قسم کی زندگی ہوگی اس کے متعلق سوائے اس علم کے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعے دیا اور کوئی باوثوق ذریعہ انسان کو حاصل نہیں۔ مگر انسان آئندہ زندگی کے متعلق حالات معلوم کرنے کے لئے بے چین اور بے قرار رہتا ہے اور کئی سپرچیولٹ اور ارواح کو بلانے والے چالاکیوں اور مختلف ڈھکوسلوں سے کمزور ایمان والے لوگوں کو دھوکا دیتے پھرتے ہیں۔ ان میں حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی رُوح اور حیات بعد الممات اور اعمال کی جزا و سزا اور بہشت و دوزخ کی زندگی کے متعلق قرآن کریم میں جا بجا ذکر کیا ہے اور اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے وحی خفی کے ماتحت عالمِ آخرت اور وہاں کی جزا و سزا کے متعلق ارشادات فرمائے ہیں اور تمثیلات کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی ہے مگر اس زندگی کی اصل شکل کیا ہوگی اور اس عالم کی جزا و سزا کا کیا رنگ ہوگا اس کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور چونکہ مرنے کے بعد کوئی شخص دُنیا میں واپس نہیں آسکتا۔ اس لئے اصل حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر رویا، کشوف والہامات اور وحی خفی کے ماتحت وہاں کے کچھ کچھ حالات اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ایمان مضبوط کرنے کو ظاہر کرتا رہتا ہے۔ اور انہیں ذرائع سے ہم کچھ علم پا کر آگے لوگوں کو بتلا سکتے ہیں۔

۱۔ ارتقائے جسم انسانی

جسم انسانی مع اپنے حواس اور قوای، ادراک اور زندگی کے نتیجہ ہے ارتقاء کا۔ پہلے یہ تھیوری تھی کہ جسم انسانی کے ظہور سے پہلے عالم کی ابتداء ان ذرات مادی سے ہوئی جنہیں ایٹم کہتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد سائنٹفک تحقیقات نے ثابت کیا کہ ذرات مادی ازلی نہیں بلکہ اس سے قبل بجلی کے مفردات تھے۔ بجلی کے مفردات سے سلسلۂ ارتقاء کے ماتحت گیسیں اور پھر ذرات مادی بنتے ہیں اور ذرات ترقی کر کے مختلف قسموں کی دھات اور جمادات بن جاتے ہیں۔ پھر آکسیجن اور ہائیڈروجن گیسوں کی کیمیاوی ملاوٹ سے پانی بن جاتا ہے۔ اور پھر پانی کے ذریعے ایسے عمل اور حالات پیدا ہوتے ہیں جن سے نباتات اور پھر حیوانات کی تخلیق عمل میں آئی۔ اور بالآخر منشائے ایزدی کے ماتحت اس ترقی کا نچوڑ "انسان" معرضِ وجود میں آیا۔ چنانچہ جناب الٰہی بھی قرآن کریم میں فرماتے ہیں:۔

وجعلنا من الماء کلّ شیءٍ حیّ ۔۔۔۔ (الانبیاء ۳۰)

یعنی ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے بنایا۔ جو چیزیں ابتداء میں ادنیٰ حالت میں موجود تھیں وہ انسان میں اعلیٰ سے اعلیٰ حالت میں موجود ہیں۔ اور تنفس اور خوراک کے ذریعے بے جان خارجی چیزیں عالم باطن میں بدل کر زندگی کے کام کو چلاتی ہیں۔ مگر انسان میں آ کر یہ باطنی نظام ایسی مکمل شکل اختیار کر لیتا ہے کہ انسان کے اندرونی جذبات اور قوای کی ایک مکمل ہستی جسم ظاہری کے اندر پنہاں نظر آتی ہے۔ یہاں تک یہ باطنی ہستی بھی جسم ظاہری کے حواس کی طرح اپنے حواس الگ رکھتی ہے۔ اور اس ہستی میں وہ ادراک پیدا ہو جاتا ہے جو انسان کی ہستی کی صفت خصوصی ہے اور جو اس سارے ارتقاء کا معراج ہے۔ اور عقل اور تمیز پر مشتمل ہے۔

۲:۔ انسانی رُوح

قرآن کریم میں آتا ہے:۔

ویسئلونک عن الروح ۔ قل الروح من امر ربّی ۔ و ما اوتیتم من العلم الّا قلیلا۔ (بنی اسرائیل ۸۵)

اور تجھ سے رُوح کے متعلق سوال کرتے ہیں "کہو" روح "میرے رب کے حکم سے ہے۔ اور انہیں تھوڑا سا ہی علم دیا گیا ہے۔

یہاں رُوح سے مُراد رُوحِ حیوانی بھی ہے۔ اور رُوحِ انسانی یا نفس ناطقہ بھی اور حیاتِ اخروی والی روح یعنی وحی الٰہی بھی۔ ان کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ مگر اس کا کچھ علم اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں اور برگزیدہ بندوں پر بھی ظاہر کرتا ہے۔ یہاں میں مجدد صد چہاردہم کے کچھ ارشادات بیان کرتا ہوں۔

• روح ایک لطیف نُور ہے جو اس جسم کے اندر ہی سے پیدا ہو جاتا ہے جو رحم مادر میں پرورش پاتا ہے۔ پیدا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اوّل مخفی اور غیر محسوس ہوتا ہے۔ پھر نمایاں ہو جاتا ہے۔ اور ابتدائی طور پر اس کا خمیر نطفہ میں موجود رہتا ہے۔ بے شک وہ آسمانی خدا کے ارادہ سے اور اس کے اذن اور اس کی مشیّت سے ایک مجہول الکنہ علاقہ کے ساتھ نطفہ سے تعلق رکھتا ہے اور نطفہ کا وہ ایک روشن اور نورانی جوہر ہے۔ نہیں کہہ سکتے کہ وہ نطفہ کی ایسی جزو ہے جیسا کہ جسم، جسم کا جزو ہوتا ہے۔

(باقی باقی)

تبرکات

نفسِ انسانی کے تین مدارج

اب واضح ہو کہ پہلا سوال انسان کی طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتوں کے بارے میں ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ کے پاک کلام قرآن شریف نے ان تین حالتوں کی اس طرح پر تقسیم کی ہے۔ کہ ان تینوں کے لئے علٰحدہ علٰحدہ تین مبدء ٹھہرائے ہیں یا یوں کہو کہ تین سرچشمے قرار دیئے ہیں جن میں سے جدا جدا یہ حالتیں نکلتی ہیں۔

پہلی حالت نفس امّارہ

چنانچہ پہلا سرچشمہ جو تمام طبعی حالتوں کا مورد اور مصدر ہے۔ اس کا نام قرآن شریف نے نفس امارہ رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ (پ۱۳ ع۱) یعنی نفس امّارہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو بدی کی طرف جو اس کے کمال کے مخالف اور اس کی اخلاقی حالتوں کے برعکس ہے جھکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بد راہوں پر چلانا چاہتا ہے۔ غرض بے اعتدالیوں اور بدیوں کی طرف جانا انسان کی ایک حالت ہے جو اخلاقی حالت سے پہلے اس پر طبعاً غالب ہوتی ہے۔ اور یہ حالت اس وقت تک طبعی حالت کہلاتی ہے جب تک کہ انسان عقل اور معرفت کے زیر سایہ نہیں چلتا بلکہ چارپایوں کی طرح کھانے پینے سونے جاگنے یا غصہ اور جوش دکھلانے وغیرہ امور میں طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہے۔ اور جب انسان عقل اور معرفت کے مشورہ سے طبعی حالتوں میں تصرف کرتا اور اعتدال مطلوب کی رعایت رکھتا ہے۔ اس وقت ان تینوں حالتوں کا نام طبعی حالتیں نہیں رہتا بلکہ اس وقت یہ حالتیں اخلاقی حالتیں کہلاتی ہیں جیسا کہ آگے بھی کچھ ذکر اس کا آئے گا۔

دوسری حالت نفسِ لوّامہ

اور اخلاقی حالتوں کے سرچشمہ کا نام قرآن شریف میں نفس لوّامہ ہے جیسا کہ وہ قرآن پاک میں فرماتا ہے وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ (پ۲۹ ع۱۷) یعنی میں اس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو بدی کے کام اور ہر ایک بے اعتدالی پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے یہ نفس لوامہ انسانی حالتوں کا دوسرا سرچشمہ ہے جس سے اخلاقی حالتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور اس مرتبہ پر انسان دوسرے حیوانات کی مشابہت سے نجات پاتا ہے۔ اور اس جگہ نفس لوامہ کی قسم کھانا اس کو عزت دینے کے لئے ہے۔ گویا وہ نفس امارہ سے نفس لوامہ بن کر بوجہ اس ترقی کے جناب الٰہی میں عزت پانے کے لائق ہو گیا۔ اور اس کا نام لوّامہ اس لئے رکھا کہ وہ انسان کو بدی پر ملامت کرتا ہے اور اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ انسان اپنے طبعی لوازم میں شتر بے مہار کی طرح چلے۔ اور چارپایوں کی طرح بسر کرے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے اچھی حالتیں اور اچھے اخلاق صادر ہوں۔ اور انسانی زندگی کے تمام لوازم میں کوئی بے اعتدالی ظہور میں نہ آوے۔ اور طبعی جذبات اور طبعی خواہشیں عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر ہوں پس چونکہ وہ بُری حرکت پر ملامت کرتا ہے اس لئے اس کا نام نفس لوامہ ہے یعنی بہت ملامت کرنے والا۔ اور نفس لوامہ اگرچہ طبعی جذبات پسند نہیں کرتا بلکہ اپنے تئیں ملامت کرتا رہتا ہے لیکن نیکیوں کے بجالانے پر پورے طور پر قادر بھی نہیں ہو سکتا اور کبھی نہ کبھی طبعی جذبات اس پر غلبہ کر جاتے ہیں تب گر جاتا ہے اور ٹھوکر کھاتا ہے گویا وہ ایک کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے جو گرنا نہیں چاہتا ہے۔ مگر کمزوری کی وجہ سے گرتا ہے۔ پھر اپنی کمزوری پر نادم ہوتا ہے غرض یہ نفس کی وہ اخلاقی حالت ہے۔ جب نفس اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر جمع کرتا ہے اور سرکشی سے بیزار ہوتا ہے۔ مگر پورے طور پر غالب نہیں آسکتا۔

تیسری حالت نفسِ مطمئنّہ

پھر ایک تیسرا چشمہ ہے جس کو روحانی حالتوں کا مبدء کہنا چاہیئے۔ اس سرچشمہ کا نام قرآن شریف نے نفس مطمئنہ رکھا ہے جیسے کہ وہ فرماتا ہے یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (پ۳۰ ع۱۴) یعنی اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پا گیا۔ اپنے خدا کی طرف واپس چلا آ۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے بہشت کے اندر آجا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس میں نفس تمام کمزوریوں سے نجات پا کر روحانی قوتوں سے بھر جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے ایسا پیوند کر لیتا ہے کہ بغیر اس کے جی بھی نہیں سکتا اور جس طرح پانی اوپر سے نیچے کی طرف بہتا اور بسبب اپنی کثرت اور نیز روکوں کے دور ہونے سے بڑے زور سے چلتا ہے اسی طرح وہ خدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے وہ نفس جو خدا سے آرام پا گیا اسکی طرف واپس چلا آ۔ پس وہ اسی زندگی میں نہ موت کے بعد ایک عظیم انسان تبدیلی پیدا کرتا ہے اور اسی دنیا میں نہ دوسری جگہ ایک بہشت اس کو ملتا ہے۔ اور جیسا کہ اس آیت میں کہا کہ تو اپنے رب کی طرف یعنی پرورش کرنیوالے کی طرف واپس آ۔ ایسا ہی اس وقت یہ خدا سے پرورش پاتا ہے اور خدا کی محبت اس کی غذا ہوتی ہے۔ اور اسی زندگی بخش چشمہ سے پانی پیتا ہے۔ اس لئے موت سے نجات پاتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (پ۳۰ ع۱۶) یعنی جس نے ارضی جذبات سے اپنے نفس کو پاک کیا وہ بچ گیا۔ اور نہیں ہلاک ہوگا۔ مگر جس نے ارضی جذبات میں جو طبعی جذبات ہیں۔ اپنے تئیں چھپا دیا۔ وہ زندگی سے ناامید ہو گیا

غرض یہ تین حالتیں ہیں جن کو دوسرے لفظوں میں طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتیں کہہ سکتے ہیں۔ اور چونکہ طبعی تقاضے افراط کے وقت بہت خطرناک ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات اخلاق اور روحانیت کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔ اس لئے خدا تعالےٰ کی پاک کتاب میں ان کو نفس امارہ کی حالتوں سے موسوم کیا گیا ہے۔

پیغام صلح لاہور مورخہ ۱۰ جون ۱۹۸۱ء — ۱۰

از: محترمہ نگینہ ملک صاحبہ

"وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت"

تقریر یوم وصال، ۲۶ مئی ۱۹۸۱ء، جامعہ احمدیہ ـ دارالسلام ـ لاہور

اہل دنیا کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ جب کوئی نبی یا مامور اللہ تعالےٰ کی طرف سے آتا ہے۔ تو ہر کوئی اپنی رائے اور خواہش نفس کو سامنے رکھ کر ہی آواز اٹھاتا ہے کہ اس شخص نے یہ نہیں کیا۔ اور وہ نہیں کیا۔ کبھی اس بات پر نظر نہیں ڈالتا کہ اس نے کیا کیا؟ یہی طریق کار حضرت مرزا صاحب کے ساتھ بھی اختیار کیا گیا۔ اس لئے میں آپ کے سامنے مختصر الفاظ میں بیان کرتی ہوں۔ کہ انہوں نے کیا کیا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ جس شخص کو کسی عظیم الشان مقصد کے لئے کھڑا کرتا ہے۔ تو اس کے لئے راہ عمل اور اس کے کام کا نصب العین بھی خود تجویز کرتا ہے۔ چودھویں صدی کے شروع میں حضرت مرزا صاحب سے قبل مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی حالت انتہائی تنزل پر پہنچ چکی تھی۔ اسلامی سلطنتیں یکے بعد دیگرے مفتوح ہو رہی تھی، عیسائی مشنری پوری منصوبہ بندی کے ساتھ اسلامی عقائد پر حملہ آور تھے۔ دوسرے مذاہب کے پیروں نے مخالفت میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ عالم اسلام پر ایک یاس کی حالت طاری تھی۔ اس زمانے کے مفکرین اور دانشور بھی کسی مجدد آنے کو وقت کا تقاضا خیال کر رہے تھے۔ علامہ اقبال نے اپنے اس خیال کو یوں بیان کیا۔

نشان راہ دکھاتے ہیں جو ستاروں کو
ترس رہے ہیں کسی مرد راہ داں کے لئے

چنانچہ مرد راہ داں کی طلب۔ - - - - - -

- - - - - - - - -

- - - - - - اگر حضرت مرزا صاحب - - - آ - - - اس طوفان کے مقابلہ کے لئے نہ اٹھتے۔ تو دشمنان دین کو کھیل کھیلنے کا موقع مل جاتا اور وہ دین کو نعوذ باللہ نعوذ باللہ) ناپید کر دیتے۔ حضرت مرزا صاحب کے سامنے دو سب سے اہم کام تھے۔ اوّل غیر مذاہب کے لوگوں میں اشاعت دین اور دوم مسلم عوام میں جو رسمی عقائد پیدا ہو گئے تھے۔ انہیں دور کرنا اور دین کی صحیح تصویر پیش کرنا۔ حضرت مرزا صاحب کی دین کی خدمت اس قدر ہیں۔ کہ انہیں تقریر میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ اگر آپ دین کا صحیح رخ نہ پیش کرتے۔ تو یا تو بددل ہو کر دہریہ ہو جاتے یا عیسائیت قبول کر لیتے۔

میں آپ کے سامنے حضرت مرزا صاحب کی زندگی کا وہ پہلو پیش کرتی ہوں جس میں اشاعت دین کی تڑپ نظر آتی ہے۔ آپ کی تحریریں ہی آپ کے اندرونی جذبات کا آئینہ ہیں۔ سب سے پہلی کتاب براہین احمدیہ میں ہی آپ نے اپنے کو بطور مجدد کھڑا کیا جانے کی اصل غرض یہ قرار دی تھی۔ کہ تا دین کا دوسرے ادیان پر دلائل سے غلبہ ثابت ہو سکے۔ سب سے پہلا رسالہ جو آپ نے اس دعوے کے متعلق لکھا وہ "فتح اسلام" نام کا ہے۔ اور اس میں یہی ذکر ہے۔ کہ اسلام دنیا پر کس طرح غالب آ سکتا ہے؟ اس میں اپنے آنے کی غرض کو یوں بیان فرمایا ہے

"تم اس سے تعجب مت کرو۔ کہ خدا تعالےٰ نے اس ضرورت کے وقت میں اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی۔ اور ایک بندہ کو مصلحت عام کے لئے خاص کر کے بغرض اعلائے کلمہ اسلام و اشاعت نور حضرت خیر الانام اور تائید مسلمانان کے لئے اور نیز ان کی اندرونی حالت کے صاف کرنے کے ارادہ سے دنیا میں بھیجا۔"

ایک اور جگہ ان خیالات کا یوں ذکر کیا۔

"اور سچائی کی فتح ہوگی۔ اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا۔ جو پہلے وقتوں میں آ چکا ہے۔ اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔ لیکن ابھی ایسا ضروری ہے۔ کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رکھے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں۔ اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذلتیں قبول نہ کریں۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے۔ ہمارا اسی راہ میں مرنا یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے۔ اسی اسلام کا زندہ کرنا خدا تعالےٰ اب چاہتا ہے۔

ان تمام تحریرات سے ظاہر ہے۔ کہ اشاعت اسلام کا بلند جذبہ آپ کے دل میں موجود تھا۔ اور ان خیالات سے آپ کی تحریریں بھری ہوئی ہیں۔ کہ یہ وقت اسلام کے غلبے کا وقت ہے۔ سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ نہ آپ انگریزی جانتے تھے۔ اور نہ ہی اس زمانے میں مشرقی اور مغربی ممالک ایک دوسرے کے اتنے قریب آچکے تھے، جیسے کہ اس جدید زمانے میں ہیں۔ اور آپ، ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ مغرب میں اسلام پھیلانے کا خیال تھا۔ آپ کو خواب بھی اس قسم کے آتے تھے کہ آپ مغرب میں اسلام پھیلا دیتے ہیں۔ اور آپ کو ان خوابوں پر اتنا یقین تھا۔ کہ اپنے قرآن کریم کی انگریزی تفسیر لکھنے کے ارادے کا بھی اظہار فرمایا۔ مغرب میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے کی غرض سے آپنے ایک انگریزی رسالہ جاری کیا۔ اس بنیادی فرض کی تکمیل کے لئے دنیا کے بیشتر ممالک میں آج احمدی جماعتوں کی بنیادیں رکھی جاچکی ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کا وعدہ کہ ”میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا“ پورا ہوتا نظر آتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو اشاعت اسلام پر ہی اسلام کی کامیابی کامیابی کا سارا دارومدار ہے۔ اشاعت اسلام سے ہم یورپ کے ان اعدائے اسلام کو جو صدیوں سے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے پورا زور لگا رہے ہیں۔ اسلام کا خادم بنا سکتے ہیں۔ یورپی اقوام کی پوری طاقت اسلام کی مخالفت کرنے میں صرف ہوتی ہے۔ اور کسی اور مذہب کے ساتھ ان کا اتنا اختلاف نہیں۔ وہ اپنی تحریرات میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کو نشانہ بناتے تھے۔ اور ان کی ذات سے نازیبا باتیں منسوب کرتے تھے۔ ان سب الزامات کا مقابلہ حضرت مرزا صاحب نے کیا، اب اتنی تبدیلی آچکی ہے۔ کہ اب بیشتر عیسائی مفکرین یہاں تک کہتے ہیں کہ اسلام اور عیسائیت دو ایسے مذہب ہیں۔ جو آپس میں قریب تر ہوسکتے ہیں۔

اشاعت دین کی راہ میں دو بڑی رکاوٹیں جو حضرت مرزا صاحب نے دور کیں۔ نمبر ایک اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلانے کا عقیدہ اشاعت کے راستہ میں بھی بڑی روک تھی۔ لہٰذا اس غلط فہمی کا دور کرنا بے حد ضروری تھا۔ دعوت دین کے کام کو حضرت مرزا صاحب نے غیر معمولی طور پر [illegible] اپنی جماعت کے سامنے نہیں رکھا۔ بلکہ اسے دین کا جہاد قرار دیا۔ اور تزکیہ نفس کا بھی بہترین ذریعہ قرار دیا۔ پس احمدیت کا صحیح مفہوم اسی قدر ہے کہ وہ تبلیغ دین کی ایک زبردست تحریک ہے۔ اور اس کی تمام خصوصیات اسی عظیم الشان غرض کو حاصل کرنے کے ذرائع ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کے سلسلہ سے منسلک ہونے سے انسان کے اندر ایک زبردست قوت پیدا ہوجاتی ہے جو اسے خدا کی رضا کے حصول کے لئے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے قابل بنا دیتی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو شخص آپ کی صحبت میں بیٹھا یا جس نے آپ کی وفات کے بعد آپ سے روحانی رشتہ قائم کیا۔ ایسے شخص کے اندر تبلیغ دین کا نہ صرف جوش پیدا ہوا بلکہ یہ ایمان بھی پختہ ہوگیا۔ کہ دین یقیناً دنیا پر غالب آئے گا۔ اور اس کے غلبے کا وقت بھی آچکا ہے یہ صرف ہماری کوتاہی ہے۔ ہم اسے دنیا میں ضرورت کے مطابق پیش نہیں کر پاتے ورنہ اسلام میں وہ قوت موجود ہے جس کے سامنے ہر طاقت سرنگوں ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ مولانا محمد علی رح نے اپنی وفات سے پہلے فرمایا تھا۔ ہمارا کام ہے قرآن پاک کو دنیا میں پہنچا دینا، آگے قرآن پاک اپنا کام خود کرے گا۔

آج اس کا عملی رنگ ہم اپنی نظروں سے خود دیکھ رہے ہیں۔ دنیا کے ہر کونے سے اسلام کے بلند ہونے کی آواز آتی ہے جہاں قرآن پاک پہنچا اور لوگوں نے پڑھا وہ اس سے متاثر ہوتے بغیر نہ رہ سکے۔ اور یہ لوگوں کے دلوں پر یوں اثر اکر وہ اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔

پچھلے سالانہ جلسہ پر باہر سے آنے والے مہمانوں میں ایک انگریز خاتون بھی تھیں۔ جنہوں نے صرف اسلامی لٹریچر پڑھ کر اسلام قبول کیا۔ اور وہ اس قدر احمدیت اور حضرت مرزا صاحب کی احسان مند تھیں۔ کہ اگر انہیں دین کے صحیح رخ کا پتہ نہ چلتا تو وہ شاید اس عظیم مذہب سے محروم رہ جائیں۔ اس طرح امریکہ میں بلالی مسلمانوں کی جو اتنی بڑی تعداد آج موجود ہے وہ بھی مولانا محمد علی کے قرآن پاک کے انگریزی ترجمہ کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ ابھی تک انہوں نے صحیح رنگ میں اسلام کو نہیں اپنایا مگر آہستہ آہستہ وہ اس طرف آرہے ہیں۔ اور وہ وقت دور نہیں جب وہ اسلام کی صحیح روح کو پہچان جائیں گے۔ گو مذہب کی تبدیلی ابھی مغرب میں وسیع پیمانے پر ہورہی ہے۔ کیونکہ اسلام کے متعلق غلط فہمیاں دور ہورہی ہیں اور دینی لٹریچر جو احمدی جماعت نے پیش کیا ہے وہ فطرت انسانی اور عقل انسانی کو اپیل کرتا ہے اور وہ اپنا اثر ڈال کر رہے گا۔ اور ڈال رہا ہے۔ دنیا کے ہر بڑے شہر میں

(بقیہ صہ ۵ کالم ۲ پر)

محبوب عالم خان سونیکو

اللہ تعالےٰ کا فضل و احسان

حمد کامل کی مستحق صرف اللہ تعالےٰ کی ذات ہے جس نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا۔ اور اس کی تربیت کا بھی خود انتظام کیا۔ ایک طرف سُورج۔ ہوا۔ پانی۔ آگ، پہاڑ اور درخت وغیرہ کو اس کی جسمانی نشو و نما کے لئے کام میں لگایا۔ دُوسری طرف اس کی روحانی نشو و نما کا مکمل انتظام کر کے اسے اشرف المخلوقات بنایا۔ اللہ تعالےٰ نے لوگوں کی روحانی تربیّت کے لئے انبیاء کرام کا ایک طویل سلسلہ قائم کیا۔ یہ برگزیدہ حضرات ہر قوم اور ہر ملک میں مبعوث ہوئے۔ اور آسمانِ روحانیت کے ستارے بن کر کاروانِ انسانیت کی راہنمائی کرتے رہے۔ آخر اس سلسلہ انبیاء کا آخری فرد رُشد و ہدایت کا آفتاب حق بن کر مبعوث ہوا۔ اور اس آفتابِ حق سے دین کا کمال اور نعمت کا اتمام ہوا اور اس آفتابِ حق کے طلوع ہونے کے بعد کسی تارے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔

اللہ تعالےٰ کا ہم پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں اُسی آفتابِ رُشد و ہدایت خاتم الانبیاء احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا حلقہ بگوش ہونے کا شرف بخشا اور آپ کی ہی حلقہ بگوشی کی بدولت ہمیں کفر و شرک، اوہام و بدعات کی ضلالت سے بچایا۔ اور ہم فخر سے کہتے ہیں کہ :-

ہم تو رکھتے ہیں مُسلمانوں کا دیں + دل سے ہیں خدّام ختم المرسلینؐ
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں + خاک پائے احمدِ مختار ہیں۔

حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا زندۂ جاوید اور لاثانی معجزہ یعنے قرآن حکیم ہمارا سرچشمہ عرفان ہے۔ یہی لافانی دستاویزِ رسالت ہمارے عقائد و اخلاق، ہمارے افکار و اقوال کا سند جواز ہے۔ اور اس سے گریز یا انحراف ہمارے نزدیک سراسر کفر و خسران ہے۔ ہمارا دعوےٰ ہے کہ :-

آں کتابِ حق کہ قرآں نام اوست + بادۂ عرفانِ ما از جامِ اوست
یک قدم دوری ازاں روشن کتاب + نزدِ ما کفر است خسران و تباب

قرآنِ حکیم کے بعد ہم احادیث کو دُوسرا ذریعۂ ہدایت مانتے ہیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پُرحکمت ارشادات کو ہم باقی سب بزرگوں کے اقوال پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور دل و جان سے اُن کی تعظیم کرتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کا ہم پر دوسرا بڑا احسان یہ ہے کہ اُس نے ہمیں حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سچّے وارثوں اور نائبوں اور جانشینوں یعنی اولیاء کرام اور مجدّدین عظام کی معرفت و عقیدت کی دولت بھی بخشی۔ اور ہم ہر مذہبی بزرگ کی عزت و احترام اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

اِس صدی کے مجدّد حضرت میرزا غلام احمد علیہ الرحمۃ اور آپ کے فرزندِ معنوی حضرت سیّدنا و مولٰنا محمد علیؒ کے سلسلۂ عالیہ سے وابستہ ہو کر ہم اہلِ قبلہ کی تکفیر و تفسیق سے بیزار اور اخوّت بین المسلمین کے علمبردار ہیں۔ ہم ایک انسان کے ساتھ (مسلم ہو یا غیر مسلم) نفرت و غضب اور حسد کے بجائے مہر و محبّت، الفت، بردباری۔ اور وسیع القلبی کے قائل ہیں۔ ہم اس مذہب کو مذہب قطعاً نہیں کہہ سکتے ہیں جو جھوٹ، فریب، ڈاکہ زنی، آتش زنی۔ لُوٹ مار، قتل و غارت، توہین معابد اور نفرت اور بغض و حسد سکھائے۔ یا آدمی کو اوہام کی افیون کھلا کھلا کر اوہام پرست بنائے اور اس کی غور و فکر کی صلاحیتوں کو ناکارہ بنا ڈالے جو "مذہب" احترامِ آدمیت نہیں سکھاتا ہے۔ وہ مذہب کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے۔ وہ انسانیت کے ماتھے پر داغِ رُسوائی ہے۔

ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ دراصل مذہب خود یہ بُرائیاں نہیں سکھاتا ہے بلکہ وہ انہی بُرائیوں کو مٹانے کے لئے آتا ہے لیکن مذہب کی تاریخ گواہ ہے کہ بُرے آدمی مذہب کو اپنے بُرے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور اس طرح مذہب کے نام پر ان سب بُرائیوں کا ارتکاب ہوتا ہے :-

اللہ تعالےٰ کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں مذہب کی صحیح معرفت بخشی۔ اور ان بُرائیوں سے بچایا۔ ان احسانات کا شکر ادا کرنا ہم پر واجب ہے، اور اس کا بہترین طریقہ اس معرفت کی تبلیغ و اشاعت ہے اس سلسلے میں ہم نے آج تک جو لٹریچر شائع کیا اس میں اللہ تعالےٰ نے برکت ڈالی۔ اس لئے اس سلسلہ میں جو بھی کوشش کی گئی اللہ تعالےٰ نے کامیابی بخشی۔

۔۔۔۔لیکن ہمارا تصوّرِ دین عام تصوّر سے مختلف ہے۔ ہمارے تصوّر کے مطابق دین صرف چند اعتقادی اور فروعی مسائل کا نام نہیں ہے۔ اس کا تعلق صرف چند عبادات و رسوم سے نہیں ہے۔ دین فقہی مسائل کے اندر محدود نہیں ہے۔ یہ ایک مکمل نظامِ زندگی ہے اور عبادات و رسوم کے علاوہ معاملات سے بھی مستحکم رشتہ رکھتا ہے۔ یہ معاشرت، اخلاق، معیشت، سیاست وغیرہ، غرض ہر میدانِ عمل میں ہماری راہنمائی کرنے والا خدائی نظام ہے۔ یہ ہمارا تصوّرِ دین ہے اور اسی کے مطابق ہم اپنی ہر صلاحیت اور پُوری طاقت کو اس کی خدمت میں لگانا چاہتے ہیں۔

ہماری کوشش ہے کہ یہ مجلّہ ایک فیملی میگزین بن کر بچّوں، بوڑھوں، لڑکوں، لڑکیوں مرد اور عورتوں کی پاکیزہ دلچسپی کا سامان معلّم اور مربّی بن جائے مُسلم و غیر مسلم حلقوں میں پیغامِ محمّدیؐ کی مؤثر تبلیغ کرے اور ہر ذی شعور قاری کا رفیق بن جائے۔

حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا مشہور ارشادِ گرامی ہے۔

الحکمۃ ضالۃ المؤمن

اِس ارشادِ گرامی کے تحت ہم ہر پُرحکمت بات کو اپنی ہی متاعِ عزیز سمجھتے ہیں۔ اس کی بازیافت اور تبلیغ کے وقت ہم قائل یا ماخذ کے ساتھ اپنے اختلافات کو کوئی اہمیّت نہیں دیتے ہیں۔ ہماری نظر حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے تحت ماقال پر ہے۔ ہم حق بات قبول کرتے وقت من قال (کس نے کہا) نہیں دیکھتے ہیں۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۱۰ جون ۱۹۸۱ء ـ جلد ۶۸ شمارہ ۲۳ رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین المجدہ پرنٹرز۔ اُردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح، احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے
بیرونی ممالک سے ۔ پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفی ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں م ں
دل سے ہیں لیں
شرک ا ہم بیزار ہیں
ے احمد مختار ہیں

ے تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

جلد ۶۸ | یوم چہار شنبہ ۱۴ شعبان المعظم سنہ ۱۴۰۱ ہجری بمطابق ۱۷ جون سنہ ۱۹۸۱ء | شمارہ ۲۴

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

میرا دوست کون ہے؟ اور میرا عزیز کون؟

اے میرے عزیزو! میرے پیارو! میرے درخت وجود کی سرسبز شاخو!

خدا تعالیٰ کی رحمت سے جو تم پر ہے میرے سلسلۂ بیعت میں داخل ہو ۔ اور اپنی زندگی اور اپنا مال اس راہ میں فدا کر رہے ہو اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میں جو کچھ کہوں تم اسے قبول کرنا اپنی سعادت سمجھو گے اور جہاں تک تمہاری طاقت ہے دریغ نہیں کرو گے۔ لیکن میں اس خدمت کے لئے معین طور پر اپنی زبان سے تم پر کچھ فرض نہیں کر سکتا تاکہ تمہاری خدمتیں نہ میرے کہنے کی مجبوری سے بلکہ اپنی خوشی سے ہوں۔ میرا دوست کون ہے اور میرا عزیز کون ہے؟ وہی جو مجھے پہچانتا ہے۔ صرف وہی جو مجھ پر یقین رکھتا ہے کہ میں بھیجا گیا ہوں۔ اور مجھے اس طرح قبول کرتا ہے جس طرح وہ لوگ قبول کئے جاتے ہیں جو بھیجے گئے ہوں۔

دنیا مجھے قبول نہیں کر سکتی کیونکہ میں دنیا میں سے نہیں ہوں۔ مگر جن کی فطرت کو اس عالم کا حصہ دیا گیا ہے وہ مجھے قبول کرتے ہیں اور کریں گے۔ جو مجھے چھوڑتا ہے وہ اس کو چھوڑتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ اور جو مجھ سے پیوند کرتا ہے۔ وہ اس سے کرتا ہے جس کی طرف سے میں آیا ہوں۔

میرے ہاتھ میں ایک چراغ ہے۔ جو شخص میرے پاس آتا ہے ضرور وہ اس روشنی سے حصہ لے گا۔ مگر جو شخص وہم اور بدگمانی سے دور بھاگتا ہے وہ ظلمت میں ڈال دیا جائے گا۔ اس زمانے کا حصن حصین میں ہوں۔ جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں اور قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا۔ مگر جو شخص میری دیواروں سے دور رہنا چاہتا ہے ہر طرف سے اس کو موت در پیش ہے۔ اور اس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی۔

مجھ میں کون داخل ہوتا ہے؟ وہی جو بدی کو چھوڑتا ہے اور نیکی کو اختیار کرتا ہے۔ کجی کو چھوڑتا اور راستی پر قدم مارتا ہے اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا ایک مطیع بندہ بن جاتا ہے۔ تب وہ اس کے نفس کی دوزخ کے اندر اپنا پیر رکھ دیتا ہے۔ تو وہ ایسا ٹھنڈا ہو جاتا ہے کہ گویا اس میں کبھی آگ نہیں تھی۔ تب وہ ترقی پر ترقی کرتا ہے۔ جہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی روح اس میں سکونت کرتی ہے اور ایک تجلی خاص کے ساتھ رب العالمین کا استواء اس کے دل پر ہوتا ہے۔ تب پرانی انسانیت اس کی جل کر ایک نئی اور پاک انسانیت اس کو عطا کی جاتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ بھی ایک نیا خدا ہو کر نئے اور خاص طور پر اس سے تعلق پکڑتا ہے۔ اور بہشتی زندگی کا تمام پاک سامان اسی عالم میں اس کو مل جاتا ہے۔

(فتح اسلام صفحہ ۵۷، ۵۹)

حقیقی مسلمان عمل سے بنتا ہے

ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والنبیین الخ۔ بلکہ اپنے عمل سے ثبوت دیا جائے کہ تم مومن ہو، تمہارا عمل اس پر شاہد ہو۔ واللہ یعلم سرکم وجہرکم۔ ہم تمہارے ظاہر و باطن کو جانتے ہیں۔ تم ہم سے چھپاؤ یا نہ چھپاؤ۔ ظاہر کرو یا نہ کرو۔ ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ کوئی کاروبار ہو، کوئی معاملہ ہو۔ کوئی جھگڑا ہو۔ بیوی بچے کا معاملہ ہو، اپنوں اور غیروں کا معاملہ ہو خدا ان باتوں سے واقف ہے۔ تمہارے اعمال سے نظر آنا چاہئے کہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ تم فرشتوں پر ایمان رکھتے ہو،

عبدالمجید۔ جودھپور (بھارت)

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

بندگی کرتے ہیں ہم جس کی وہ تیری ذات ہے۔
تو ہمارا دستگیر و قاضی الحاجات ہے۔

ہم تیرے بندے ہیں تو اور صرف تو معبود ہے!
تو ہے مقصد زندگی کا تو مدارِ فکر ہے۔
روح کو وجد آیا تیری دلنشیں آواز پر
ہم نے سر رکھ دیا ہے تیرے در پر جھوم کر
منتیں کرنے سے اک اعزاز ملتا ہے یہاں
تیرے در پر مانگ کر ہوتی نہیں شرمندگی
ہم کہاں جائیں یہاں سے جبہہ سائی کے لئے
سرنگوں ہو کر یہاں ہو جاتے ہیں ہم سربلند
سب کے احوال و کوائف پر نظر رکھتا ہے تو
روز و شب کرتے ہیں ہم تجدید پیمان وفا
کون سنتا ہے کس کی اور سُنے تو کیا کرے
تیرے ہاتھوں سے ہوئی جو زندگی کی ابتداء
بندگی سے پیدا ہوتا بندگی جاوداں،
ہم مجسّم آنکھ بھی بن جائیں تو بھی کچھ نہیں
گو بنیں سجدہ سراپا ہم تیری درگاہ میں
حق طاعت ہو نہیں سکتا ادا کچھ بھی کریں۔
مانگتے ہیں مانگنے کا گو سلیقہ بھی نہیں
کام آئے گا تو تیرا فضل ہی کام آئے گا
ہم نہیں ہیں محرم آداب و اسرارِ نیاز
ہم تیری آواز سُن کر آستاں پر آ گئے

جس کو ہم کرتے ہیں سجدہ تو وہی مسجود ہے
تو سمایا روح میں تیرا ہی تیرا ذکر ہے
ہم نے اک رنگیں غزل گائی ازل کے ساز پر
سر ہٹایا تو ہٹایا پائے اقدس چُوم کر
دینے لینے کا نیا انداز ملتا ہے یہاں،
بندگی کی زندگی میں آتی ہے پائندگی
ہے یہی اِک آستاں ساری خدائی کے لئے
انکسار و عجز کر دیتا ہے ہم کو ارجمند
چپّہ چپّہ ذرّہ ذرّہ کی خبر رکھتا ہے تُو
تیرے قدموں پر ادا کرتے ہیں ارکانِ وفا
کام یہ اُس کا ہے جو پیدا کرے مارے مار کر زندہ کرے
ہم نے سر آنکھوں سے کر لی بندگی کی انتہاء
ہم بنا لیں زندگی کو زندگیٔ جاوداں
جلوہ گر رگ رگ میں تجھ کو پائیں تو بھی کچھ نہیں
ہو گا یہ ناکافی تسلیم و رضا کی راہ میں
ناصیہ فرسائی تسبیح و دُعا کچھ بھی کریں
یاد ہم کو شکر نعمت کا طریقہ بھی نہیں
کامگاروں میں ہمارا حشر میں نام آئے گا
سر زمیں پہ رکھ کے کر دیتے ہیں اظہارِ نیاز
اک زمیں سر پر اُٹھائے آسماں پر آ گئے

جانتے ہیں تو ہے رب پہچانتے ہیں تو ہے رب
جاننا پہچاننا کیا مانتے ہیں تو ہے رب

ممتاز احمد، (قسط ۲ سلسلہ پیغام صلح مورخہ ۱۰ جون ۱۹۸۱ء)

حیات بعد الممات

خدا کی کتاب کا یہ منشا نہیں ہے کہ رُوح الگ طور پر آسمان سے نازل ہوتی ہے یا فضا سے زمین پر گرتی ہے اور پھر کسی اتفاق سے نطفہ کے ساتھ مل کر رحم مادر کے اندر چلی جاتی ہے۔ کیونکہ قانون قدرت اس خیال کو باطل ٹھہراتا ہے۔ کیونکہ گندے کھانوں اور گندے زخموں میں ہزارہا کیڑے پڑ جاتے ہیں اور میلے کپڑوں میں جوئیں پڑ جاتی ہیں۔ اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ باہر سے آتے ہیں۔ سو صحیح بات یہ ہے۔ کہ رُوح جسم میں سے ہی نکلتی ہے اور اس دلیل سے اس کا مخلوق ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ اور یہی مذہب اہل تحقیق کا بھی ہے۔ جیسا کہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے۔

"جس قادر مطلق نے رُوح کو قدرت کاملہ کے ساتھ جسم میں سے ہی نکالا ہے اس کا یہی ارادہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ رُوح کی دوسری پیدائش کو بھی جسم کے ذریعہ ہی سے ظہور میں لائے۔ رُوح کی حرکتیں ہمارے جسم کی حرکتوں پر موقوف ہیں۔ اس لئے انسان کی طبعی حالتوں کی طرف متوجہ ہونا خدا تعالےٰ کی سچی کتاب کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے انسان کی طبعی حالتوں کی اصلاح کے لئے بہت توجہ فرمائی ہے کیونکہ انسان کی جسمانی حالتوں کو روحانی حالتوں پر بہت ہی مؤثر قرار دیا ہے اور خدا نے اپنی تعلیم میں انسان کو اس کی طبعی حالتوں کی اصلاح کے قواعد عطا فرما کر آہستہ آہستہ اُوپر کی طرف کھینچا ہے۔ اور اعلےٰ درجہ کی روحانی حالت تک پہنچانا چاہا ہے":

ویسے بھی اگر سلسلۂ ارتقا صحیح ہے تو ضروری ہے کہ اس ظاہری خول جسم انسانی کے فنا ہو جانے پر آگے بھی ترقی جاری رہے اور ٹڈی کے بچّہ کی طرح اپنے ظاہری خول میں سے نکل کر اور اسے زمین پر چھوڑ کر اُوپر پرواز کرے۔ سو نفس انسانی (رُوح) اپنے نئے باطنی اور روحانی جسم کے ساتھ اپنے ظاہری مادی جسم کو چھوڑ کر اڑ جاتا ہے۔ چونکہ انسان کی یہ نئی ہستی مادی نہیں ہوتی بلکہ روحانی ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے دوسرا عالم تلاش کرے جو روحانی ہو۔ اور اپنے حسب حال عالم کو پا کر ارتقاء کو جاری رکھے۔ قانون ارتقاء کا یہ تقاضا ہے کہ جو چیز ایک حالت سے ترقی کر کے دُوسری اعلےٰ حالت میں چلی گئی۔ وہ پھر واپس اس ادنیٰ حالت میں نہیں آسکتی۔ دُوسرے لفظوں میں انسان کی روحانی ہستی پھر تنزّل کر کے اس عالم سفلی مادی میں نہیں آسکتی۔

نفس انسانی (یعنی رُوح) حیوانی زندگی سے مختلف ہے

زندگی جسم۔ اور نفس انسانی (جس کو نفس ناطقہ بھی کہا جاتا ہے) اور جو کہ عام بول چال میں "رُوح" کہلاتی ہے وہ جُدا جُدا چیزیں ہیں۔ زندگی جسم تو حیوانات اور نباتات اور انسان سب میں مشترک ہے اور موت کے ساتھ ہی اس زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یا یوں سمجھو کہ جسم کی زندگی کے خاتمے کا نام موت ہے مگر نفس انسانی ایک جدا چیز ہے۔ جو موت کے ساتھ فنا نہیں ہوتا۔ نفس انسانی اس حقیقت کا نام ہے۔ جو اپنے آپ کو پہچانتا ہے۔ کہ میں انسان ہوں۔ اس کو خود شناسی کہتے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے ذمہ کچھ فرائض ہیں۔ وہ اچھے بُرے کے امتیاز کو جانتا ہے۔ اس علم کے تحت وہ اپنے ارادے اور منشاء سے کام کرتا ہے۔ یہ حقیقت اور کسی جاندار میں موجود نہیں۔ اس لئے ان کی زندگی محض اضطراری ہے۔ وہ حواس بھی رکھتے ہیں حرکات بھی کرتے ہیں مگر وہ سب اضطراری ہیں۔ نہ ان میں خود شناسی ہے اور نہ خود شناسی کے ماتحت ان میں خود اختیاری ہے۔ ان کی حالت اسی طرح ہے جس طرح انسان کے جسم میں بہت اعضاء بغیر انسان کے سمجھنے اور منشاء اور ارادہ کے تحت الشعور اور فطری رجحان کے ماتحت عمل کرتے ہیں۔ مثلاً آنکھ کے سامنے تیز روشنی لاؤ تو وہ فوراً جھپک جائے گی۔ یہ جھپکنا سمجھ کر ارادہ نفع ونقصان کو خیال کر کے نہیں ہوتا بلکہ اس کا تحت الشعور بے اختیار ایک کام کروا دیتا ہے۔ جو فطرت میں موجود ہے۔ چونکہ انسان کے سوا کوئی مخلوق جاندار ایسی نہیں جو خود شناسی اور خود اختیاری رکھتی ہو۔ اس لئے انسان کے سوا اور کسی مخلوق سے اُن کے افعال پر باز پرس کبھی نہیں کی جاتی۔ مثلاً کوئی بیل سینگ مار کر کسی کو زخمی کر دے تو اسے مجرم قرار دے کر سزا نہیں دی جاتی۔ پس نفس انسانی اس حقیقت کا نام ہے جو خود شناسی کے ذریعہ اپنی ہستی کو پہچانتی ہے اور خود اختیاری کے ذریعہ اپنے ارادہ پر عمل کرتی ہے۔ اسی عقل انسانی کی بدولت انسان نیکی و بدی میں تمیز کر کے اپنے اعمال کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔

ضمیر:-

جہاں انسان میں دیگر حیوانات کی طرح اپنی خوراک حاصل کرنے، سردی گرمی سے بچنے، رات کو آرام کی جگہ تلاش کرنے اور اپنی نسل چلانے کے جذبات موجود ہوتے ہیں وہاں وہ مشاہدات عالم اور اپنے تجربات سے علم بھی سیکھتا ہے۔ اور اسے اپنے فائدے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ مگر ان عام مادی ضروریات کے علاوہ اس میں کچھ اور فطرتی اچھی باتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً رحم کا جذبہ۔ عدل کا تقاضہ احسان کرنے کی صفت۔ نیکی اور ہمدردی کی خواہش، احساس بدی اور شکریہ ادا کرنے کا خیال وغیرہ۔ پھر فطرتاً اس کو کسی اعلےٰ ہستی کا احساس ہوتا رہتا ہے جس کے آگے وہ سر جھکانا چاہتا ہے اور مصیبت کے وقت مدد مانگنا چاہتا ہے۔ یہ وہ نور کی چنگاری ہے جسے اللہ تعالےٰ ہر انسان کے قلب میں کچھ نہ کچھ ودیعت کرتا ہے۔ اس کو عام اصطلاح میں انسانی ضمیر کہتے ہیں۔ اور یہی وہ الہٰی نور کی چنگاری ہے جس سے بُرے سے بُرے اور نفسانی خواہشات کے غلام اور دنیا کا کیڑا کہلانے والے انسان کو بھی کبھی کبھی غیر متوقع سچّے خواب آ جاتے ہیں۔ جس سے جناب الہٰی اسی کو اپنی ہستی کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں ـــ:

ربوبیت الہٰی کے ماتحت نفس انسانی کی ہدایت اور بقا

انسان اپنی عقل اور سمجھ سے جہاں مادی ترقی کرتا ہے وہاں وہ بھی اخلاقی ترقی بھی ایک حد تک کرتا ہے کیونکہ وہ فطرتاً سوشل یعنی اپنے ہم جنسوں کے ساتھ مِل جل کر رہنا چاہتا ہے۔ اور اس قسم کی زندگی کے لئے کچھ قاعدے قانون بھی بنانے پڑتے ہیں۔ مگر وہ ایک اعلےٰ ہستی کا احساس کرتے ہوئے بھی بذات خود روحانی ارتقاء اور منازل طے نہیں کر سکتا جب تک اُسے اُس اعلےٰ ہستی کی طرف سے (جس نے اُسے پیدا کیا ہے) اپنے کسی نبی اور رسول سے (بذریعہ الہام و وحی ربّانی) ہدایت حاصل نہ ہوں۔ اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے احکامات انسان کو دیئے جاتے ہیں اور وہ اپنی عقل اور تمیز سے ان کو قبول کرتا اور ان پر عمل کرتا ہے۔ یا اپنی ضد اور حماقت سے ان کا انکار کرتا ہے۔ تو جناب الہٰی اس پر جزا اور سزا کامل مرتب کرتے ہیں۔ کچھ جزا اور سزا کا مزہ تو انسان اسی دُنیا میں ہی چکھ لیتا ہے۔ مگر رُوح غیر فانی ہے اور وہی ان اعمال کی ذمہ دار ہوتی ہے تو پھر صرف حیات بعد الممات (یعنی مرنے کے بعد دُوسری زندگی) میں ہی ان اعمال کا حساب ہو سکتا ہے۔ اور جہاں اللہ تعالےٰ شدید العقاب (سختی پکڑنے والا) ہے وہاں وہ غفور رّحیم (بخشنے والا رحم کرنے والا) بھی ہے۔ جو چاہے اپنے بندوں سے سلوک کرے۔

نفس انسانی کی تربیت اور احساس لذّت و درد:- نفس انسانی میں یہ خصوصیت ہے

کہ جو کچھ محسوس کرتا ہے اُسے سمجھتا بھی ہے اور جو کچھ سمجھتا ہے وہ علم کے رنگ میں اس میں محفوظ ہوتا چلا جاتا ہے۔ گویا نفسِ انسانی کو اس جسم کے حواس کے ذریعہ تعلیم و تربیت ملتی رہتی ہے۔ اور جیسے جیسے جسم نشو و نما پاتا ہے اور عمر کی منازل طے ہوتی ہیں یہ علم پختہ اور احساسات لذّت و درد مستقل اور مستحکم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ موت کے ساتھ نفسِ انسانی اس جسم سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر نفسِ انسانی اس جسم سے علیحدہ ہوتے وقت کوئی فطری تقاضے، حواس و علم اپنے ساتھ لیتا گیا ہے تو وہ وہی ہو سکتے ہیں جو اس میں اور جسمِ انسانی میں مشترک تھے اور جن کے ذریعہ سے ہی اس کی ساری تعلیم و تربیّت ہوتی رہی۔ لہٰذا آئیندہ لذّت و درد کا احساس بھی جو اسے ہوگا وہ انہیں حواس کے ذریعہ ہو سکتا ہے جو اس میں اب موجود ہوں گے۔ اور اس کے لئے بھی لابدی ہے کہ وہاں بھی اسی رنگ میں یہ تینوں باتیں موجود ہوں جس رنگ میں یہ دُنیا میں موجود تھیں یعنی:-

۱۔ فطری تقاضوں کا موجود ہونا۔

۲۔ ان کے پورا ہونے کا سامان خارج میں موجود ہونا۔

۳۔ ان کے پورا ہونے یا نہ ہونے کو محسوس کرنے کے لئے نفسِ انسانی میں حواس کا موجود ہونا وغیرہ وغیرہ۔

جسم کے ساتھ نفسِ انسانی کا تعلّق

جب تک انسان کا جسم زندہ رہتا ہے اور کام کرتا رہتا ہے یہ نفسِ انسانی اس سے تعلق رکھتا ہے۔ جب جسم کے مرکز ہائے دماغی حالتِ سکون میں ہوتے ہیں، خواہ وہ سکون عارضی ہو یا دائمی تو یہ نفس اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔ نیند کے وقت مرکز ہائے دماغی حالتِ سکون میں ہوتے ہیں یعنی انسان کو ہوش نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ نفس اُس سے الگ یا بے تعلق ہو جاتا ہے۔ نہ انسان میں خودشناسی باقی رہتی ہے اور نہ خود اختیاری۔ بعض لوگ نیند میں بڑبڑاتے ہیں مگر ان کو علم نہیں ہوتا کہ کیا کہہ رہے ہیں اور نہ ان کے کہنے کا کوئی خیال کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ نیند میں چل بھی پڑتے ہیں۔ مگر وہ معذور سمجھے جاتے ہیں۔ نیند میں مراکز دماغی کا سکون چونکہ عارضی اور ناقص ہوتا ہے اس لئے بیداری کے وقت نفس کا تعلق پھر جسم سے قائم ہو جاتا ہے مگر موت کے وقت چونکہ دماغی مرکزوں کا سکون یا بے حسی دائمی اور کامل ہوتی ہے اس لئے نفس کا تعلق پھر اس سے قائم نہیں ہوتا۔ یہی قرآن کریم فرماتا ہے۔

اللہ یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها فیمسك التی قضی علیها الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمّیٰ۔

(سورۃ الزمر ۴۲)

"یعنی اللہ روحوں کو قبض کرتا ہے۔ ان کی موت کے وقت۔ اور جو مرے نہیں اُن کی نیند میں۔ پھر انہیں روک رکھتا ہے جن پر موت کا حکم ہو چکا ہے اور دُوسروں کو ایک مقررہ وقت تک بھیج دیتا ہے۔"

گویا توفّیِ نفس دو وقتوں میں ہوتا ہے۔ ایک موت کے وقت اور ایک نیند میں۔ توفی میں وہ چیز جو اللہ تعالےٰ لے لیتا ہے۔ وہ نفس ہے۔ نفس کے معنی ہیں زندگی، جسم (یا اُسے رُوحِ حیوانی کہہ لو) اور نفسِ انسانی (یا نفس ناطقہ) یعنی سارا انسان۔ توفی میں ان میں سے کون چیز لی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ سارا انسان نہیں لیا جاتا کیونکہ نیند اور موت دونوں میں جسم یہیں رہ جاتا ہے۔ اور کبھی بھی اللہ تعالیٰ اسے اٹھا کر کہیں اور نہیں لے جاتا۔ پس سارا انسان اگر ایک جگہ سے دُوسری جگہ جائے تو اس پر لفظ توفی نہیں بولا جائے گا۔ یہاں جسم انسانی موجود رہتا ہے۔ پھر کیا چیز لی جاتی ہے۔ زندگی، جسم (یا رُوحِ حیوانی) تو انسان کے جسم کے اندر موجود رہتی ہے۔ پس وہ چیز جو لی جاتی ہے وہ نفسِ انسانی (یا نفس ناطقہ) ہے جس سے عقل و تمیز پیدا ہوتی ہے۔ اور توفیِ نفس (موت پر) وہ جزا و سزا اعمال کے لئے ہے۔ گو اعمال کے کرنے میں جسم اور رُوحِ حیوانی شریک ہوتے ہیں مگر اعمال کی ذمہ داری اور نیکی کا احساس، تمیز یا عقلِ انسانی سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے وہی چیز لی جانی چاہیئے جس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور وہ نفسِ انسانی یا نفسِ ناطقہ ہے جسے عام اصطلاح میں رُوح کہا جاتا ہے۔

رُوح اور نفس میں ایک لطیف فرق:-

جہاں قرآن کریم نے انسانی پیدائش کا ذکر کیا ہے تو فرمایا:-

ثم سوّٰه و نفخ فیه من روحه (سورۃ السجدہ)

"یعنی پھر ہم نے اسے (انسان کو) ٹھیک ٹھاک بنایا اور اس میں اپنی رُوح پھونکی۔"

یہاں عالمِ نُور کے اس جزو کو جو جسم انسانی کی پیدائش کے وقت اس سے داخل ہوتا ہے رُوح فرمایا لیکن جب انسانی موت کا ذکر کیا:-

اللہ یتوفی الانفس حین موتها ـــ (یعنی اللہ نفسوں کو قبض کرتا ہے ان کی موت کے وقت) یہاں رُوح کو قبض کرنا نہیں فرمایا بلکہ نفس کو قبض کرنا فرمایا۔ جس سے ظاہر ہے کہ عالمِ نُور کا ذرّہ یا نطفہ جسم انسانی سے تعلق پکڑنے کے بعد نفس کہلاتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک خاص جسمِ انسانی سے تعلق پکڑ کے اس کے حواس اور ادراک سے اُسی کے مطابق علم اور خودشناسی حاصل کر کے اور اس کے قوٰے اور جذبات کے مطابق عمل کر کے اپنی ایک خاص اور دُوسروں سے ممیز ہستی بنا چکی ہے اور وہ باقی رہتی ہے ***

اخبارِ احمدیہ

- حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز خیریت سے ہیں احباب کرام اس مبارک وجود کی صحت و سلامتی کے لئے اپنی دُعائیں جاری رکھیں۔

- **سُورینام سے ایک معزز مہمان کی آمد:-**

سُرینام جنوبی امریکہ سے جناب محمد رشید پیر خان صاحب معہ اپنی بیگم صاحبہ کے پاکستان تشریف لائے۔ ان کے اعزاز میں انجمن کی طرف سے مورخہ ۱۰/۶ بروز بدھ قبل دوپہر حضرت امیر ایدہ اللہ کے کمرہ ملاقات میں استقبالیہ دیا گیا۔ جس میں جملہ کارکنانِ انجمن اور دیگر احباب شریک ہوئے۔ معزز مہمان اپنے کسی کاروباری سلسلہ میں ہندوستان آئے ہوئے تھے تو اپنا مرکز جماعت دیکھنے کی تڑپ اور حضرت امیر ایدہ اللہ اور دیگر عمائدین مرکز سے ملنے کی خواہش آپ کو لاہور لے آئی۔ آپ چند روز پاکستان میں رہے۔ استقبالیہ میں مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے احباب سے موصوف کا تعارف کرایا۔ اور سُرینام میں جماعت کی مختصر تاریخ بیان کی۔ جواب میں محترم محمد رشید پیر خان صاحب نے بھی اپنے جذبات کا اظہار فرمایا۔ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ موصوف اور ان کی بیگم صاحبہ کے جذبہ سے بے حد متاثر ہوئے۔ اور دُعا کی کہ اللہ تعالےٰ جملہ جماعت پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ دُوسرے روز دارالسلام میں معزز مہمان کی ایک پُرتپاک دعوت کی گئی جس میں بہت سے احباب اور معزز خواتین شریک ہوئے۔ (اس کی تفصیل صفحہ ۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی بیرون ملک جماعتوں کے دورہ پر ہیں خدمت اسلام اور اشاعت قرآن نیز تربیتِ جماعت کے سلسلہ میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ ساری جماعت سے عموماً اور تہجّد گزار احباب سے خصوصاً درخواست ہے کہ وہ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کی صحت و عافیت کے لئے دُعا فرماتے رہیں تا اللہ تعالےٰ اشاعتِ اسلام اور خدمتِ قرآن کریم کے ان کاموں میں ان کا مددگار ہو۔ آمین!

* * *

سُورۃ فاتحہ کی دُعا تقاضائے فطرت ہے

آدابِ دُعا:-

سُورۃ فاتحہ ایک دُعا ہے۔ اس میں خدا کو مخاطب کر کے انسان کو دُعا کرنا سکھایا گیا ہے۔ ایاك نعبد و ایّاك نستعین میں جمع متکلّم کا صیغہ انسان کے لئے ہی ہے۔ اس دُعا میں انسان کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ وہ کس طرح جناب الٰہی کو مخاطب کر کے دُعا کرے۔ یہ کس قدر جناب الٰہی کی غریب نوازی اور بندہ پروری ہے کہ انسان کو دُعا کا طریق خود ہی سکھا دیا۔ اگر جناب الٰہی میں دُعا کرنا ایک بڑی ضروری چیز ہے۔ اور یہی وہ کڑی ہے جو بندہ کو خُدا سے جوڑتی ہے تو سب سے پہلے کیا یہ ضروری نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انسان کو دُعا اور اس کے طریق و آداب سکھاتا۔ قرآن تو ایک ایسی کتاب ہے جو بندہ کو ہر ایک قسم کی ہدایت کی تعلیم دیتی ہے۔ دعا جیسی اہم چیز اور خدا جیسی وراء الوراء ہستی، انسان تو قطعاً ناقابل تھا کہ وہ اس عالی شان ہستی کے حضور میں عرض مدعا کرنے کے آداب جانتا۔ یہاں دُنیا کے معمولی بادشاہوں اور حاکموں کے دربار میں عرض مدعا کرنے کے خاص طریق اور آداب ہوتے ہیں۔ تاکہ ایک ناواقف انسان عرض مدعا کرتے وقت اپنی لاعلمی کی وجہ سے آدابِ شاہی کو نظر انداز نہ کر دے اور کوئی ایسی غلطی نہ کر بیٹھے جو تعظیم اور صحیح خطاب کے مخالف ہو تو جناب باری احکم الحاکمین کے دربار میں بندۂ ہیچمدان جب کچھ عرض کرنے کے لئے کھڑا ہو تو کیا یہ ضروری نہیں کہ اس سرکار عالی کو صحیح طور پر خطاب کرنے اور اپنے عرض مُدعا کرنے کے آداب اسے سکھائے جائیں۔ اسی غرض کو سُورۃ فاتحہ کے ذریعہ پورا کیا گیا ہے۔ اس میں تعلیم دی گئی ہے کہ کن صفات اور تعریف کے ساتھ جناب باری کو مخاطب کیا جائے۔ اور اس سرکار عالی سے اپنا تعلق کیا اور کس طرح جتایا جائے۔ اور وہ کیا اہم مدعا ہے جسے اس آستانہ الوہیّت پر پیش کرنے کے لئے بندہ کو بار بار اس چوکھٹ پر گرنے کی ضرورت ہے۔

قرآن اور سورۂ فاتحہ

پس سُورۃ فاتحہ ایک دُعا ہے جو انسان کو اللہ تعالےٰ نے سکھلائی اور یہ دُعا بھی وہ دُعا ہے جس کے بغیر نہ تو مقصد تخلیق انسانی حاصل ہو سکتا ہے اور نہ وحی الٰہی کی ضرورت ثابت ہو سکتی ہے۔ اسی لئے اس کو قرآن کے شروع کرنے سے قبل رکھا گیا۔ گویا اس سے بتانا یہ مقصود تھا کہ قرآن کا نزول اسی دُعا کی قبولیّت کا نتیجہ ہے۔ یعنی اگر اس دُعا کا وجود نہ ہوتا تو قرآن ہی نازل نہ ہوتا۔

میرا مطلب اس طرح زیادہ واضح ہو سکتا ہے کہ پہلے آپ دعا کو سمجھ لیں کہ دُعا کیا چیز ہے۔

دُعا کیا چیز ہے:-

دُعا فطرت صحیحہ کا ایک تقاضاء لابد ہے۔ ہر ایک انسان بچّہ سے لے کر بوڑھے تک اور غریب سے لے کر امیر تک اور جاہل سے لے کر عالم تک اپنے علم یا طاقت کی کوتاہی پر اپنے سے زیادہ علم یا طاقت رکھنے والے سے استمداد کرتا ہے۔ یہی اصل دُعا کی بنیاد ہے۔ اور یہ ایک فطرت ہے جس سے کوئی فرد بشر خالی نہیں۔ ایک بچہ جب کسی بوجھل چیز کو اُٹھا نہیں سکتا تو وہ کر اپنے باپ کی طرف دیکھتا ہے یعنی باپ سے استمداد کرتا ہے۔ باپ اس کی طاقت کی کمی کو دیکھ کر اُسے وہ چیز اُٹھا دیتا ہے اسی طرح بچّہ بار بار مختلف چیزوں کی نسبت اپنے باپ سے سوال کرتا رہتا ہے۔ اور باپ اپنے علم سے اس کے علم کی کمی کو پورا کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح ایک بیمار جب اپنے مرض کی تشخیص نہیں کر سکتا تو وہ ڈاکٹر سے استمداد کرتا ہے۔ یعنی اپنی کمی علم کی تلافی اپنے سے زیادہ علم والے سے کرانا چاہتا ہے۔ ایک شخص اگر ایک بوجھ کو خود نہیں اُٹھا سکتا تو وہ اپنے سے زیادہ طاقت ور شخص سے استمداد کرتا ہے۔ ایک شخص اگر خود اپنی طاقت سے دشمن کے مقابل میں اپنی حفاظت نہیں کر سکتا تو وہ پولیس یا حاکم وقت سے جو اس سے بڑھ کر طاقت رکھتے ہیں استمداد کرتا ہے۔ اسی طرح جب ایک عقلمند انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ باوجود ڈاکٹر سے استمداد کرنے کے اس کی دوائیں اس کے اوزار اس کا علم سب ایک حد تک مرض پر اثر ڈالتے ہیں اور اس سے آگے قدرت کے قوانین کے سامنے کچھ زور نہیں چلتا۔ کیونکہ نہ اس کا علم ہر ایک دقیقہ قدرت پر حاوی ہے۔ نہ ہر ایک باریک در باریک اور مخفی در مخفی اسباب پر اسے قدرت حاصل ہے۔ تو وہ اس قادر مطلق اور عالم کل کے آستانہ پر استمداد کے لئے گرتا ہے۔ جس کا علم ہر چیز پر حاوی اور جس کی قدرت ہر بات پر حکومت کرتی ہے۔ اسی طرح جب ایک شخص دیکھتا ہے کہ حالات ایسے جمع ہیں کہ نہ پولیس اس کی کچھ مدد کر سکتی ہے نہ حاکم ہی کچھ بنا سکتا ہے تو وہ پھر اس احکم الحاکمین سے استمداد کرتا ہے جس کی حکومت ذرّہ ذرّہ پر محیط ہے۔

فطرت کا تقاضائے لابد

غرضیکہ دُعا فطرت کا تقاضائے لابد ہے۔ کون انسان ہے جو اپنی کمی علم یا طاقت کی کوتاہی کو دیکھ کر اپنے سے بڑھ کر صاحب علم اور صاحب قدرت ہستی کی طرف رجوع نہیں کرتا فرق صرف دُور بینی اور معرفت کا ہے۔ مادہ پرست انسان کی استمداد مادی چیزوں تک ہی محدود رہ جاتی ہے اور ایک عارف کی استمداد اس سے آگے بڑھ کر خدا تک پہنچ جاتی ہے۔ بلکہ وہ شروع سے ہی اس مسبب الاسباب اور قادر مطلق سے ہی استمداد کرتا ہے اور اسباب دُنیوی کو اس کی طرف سے سمجھتا ہے۔ اور اُن سے کام لینے میں در حقیقت وہ اس وقت اس فضل کو تلاش کرتا ہے جس کا اصلی منبع جناب الٰہی ہے گویا جن اسباب سے وہ کام لیتا ہے۔ درحقیقت انہیں وہ ایک دروازہ سمجھتا ہے جس راہ سے فضل ربّی کو آنا ہے۔ پس اس کی استمداد محض جناب باری سے ہوتی ہے نہ کہ کسی اسباب دنیوی سے۔ وہ اسباب دنیوی کو محض ایک خادم کی صُورت سے دیکھتا ہے۔ وہ بیمار ہوتا ہے تو اپنے ربّ سے شفا کی درخواست کرتا ہے۔ اور پھر ایک ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ کہ شاید وہ فضل جو میں نے اپنے رب سے مانگا تھا اسی راہ سے آتا ہو۔ اسے ایک ظالم ستاتا ہے تو وہ اپنے ربّ سے پناہ مانگتا ہے اور پھر ایک حاکم کے دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہے کہ شاید وہ پناہ اور امن جو جناب الٰہی سے مانگا تھا اس کے آنے کا دروازہ یہی ہو۔ پس جناب باری سے یہی استمداد دُعا کہلاتی ہے جس سے کوئی عقل مند انکار نہیں کر سکتا۔

حصولِ خلافتِ الٰہی کا راستہ

انسان جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا تھا یعنی خلافتِ الٰہی۔ اس کا حصول دُنیا کی پیچیدگیوں اور نیرنگیوں میں کوئی آسان کام نہ تھا۔ قدم قدم پر ٹھوکر اور لغزش کا خطرہ اور ہر پیچ پر مختلف راہیں تھیں انسان حیران تھا کہ کدھر جائے۔ اور کون سی راہ اختیار کرے۔ جس سے موردِ انعام الٰہی اور خلافت کا وارث ہو اور ہلاکت اور تنزل اور ذلّت وضلالت سے بچ جائے۔ اس کوتاہی اور کمی طاقت کا فطرتی تقاضا تھا کہ انسان جناب الٰہی سے استمداد و اعانت کرتا کہ اسے صراطِ مستقیم بتائی جائے جس پر چل کر وہ اپنے مقصد تخلیق کو حاصل کر سکے۔ لیکن غفلت کے پردے اس قدر زبردست اور خواہشات کی بھول بھلیاں اس قدر دلچسپ تھیں کہ ایک عامی محجوب انسان سے خود اپنی فطرت اپنی نگاہ سے مخفی ہو گئی تھی۔ وہ بھول ہی گیا تھا کہ میں کس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ مگر ایسے قلب صافی تھے۔ جنہوں نے اس کمی علم اور کوتاہی

طاقت کو محسوس کر کے آستانۂ الوہیت پر اُس خشوع و خضوع اور تضرع و زاری سے صراطِ مستقیم کے لئے ہدایت طلب کی مشیت الٰہی نے اپنے علم کامل سے انسانی علم ناقص کی کمی کو پورا کیا اور اُن کے قلب پر وحی کے ذریعہ علمِ الٰہی کا نزول فرمایا۔ اس طرح ان قلوب صافی رکھنے والے کاملینِ زمانہ نے خدا سے اس صراطِ مستقیم کو پاکر جس پر چل کر تخلیق انسانی کا مقصد پورا ہوتا اور انسان خلافتِ الٰہی کا وارث ٹھہرتا ہے۔ نوعِ انسان کو اس کی طرف ہدایت کی۔ ان پاک اور مطہر انسانوں میں سب سے بڑھ کر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رُوح تھی۔ جس کی تضرع و زاری اور استمداد و استعانت نے جناب باری سے قرآن جیسا مکمل ہدایت نامہ پایا جس نے صراطِ مستقیم کو اس طرح واضح اور روشن کیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا۔

فاتحہ کو شروع میں رکھنے کی غرض

پس جب قرآن کا نزول دعائے فطرت انسانی کے تقاضا پر تھا تو ضرور تھا کہ قرآن شروع کرنے سے قبل اس دعا کو رکھا جاتا وہ اس بات پر حجت ہوئی کہ وحی کا نزول انسان کے تقاضائے فطرت کو پورا کرنے کے لئے ہے یعنی انسان کی فطرت اپنی کوتاہی علم اور کمی طاقت کو محسوس کر کے جو خدا سے صراطِ مستقیم کا صحیح علم اور کامیابی کی طاقت چاہتی تھی اس تقاضا کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن کو نازل فرمایا ہے۔

چنانچہ اسی لئے سورۃ فاتحہ کے بعد ہی جب قرآن شروع ہوتا ہے تو ان آیات سے شروع ہوتا ہے کہ:۔

الم ذالک الکتاب لا ریب فیہ ھدًی للمتقین

یعنی اے انسان جو صراطِ مستقیم کی ہدایت کا طلب گار ہے میں اللہ کامل علم رکھنے والا اپنے علم سے تجھے خبر دیتا ہوں کہ یہ کتاب وہ ہے جو بلا شک و شبہ تقوےٰ کی راہ اختیار کرنے والوں کے لئے مکمل ہدایت نامہ ہے۔ پس جس ہدایت کا تو طلب گار تھا وہ اس کتاب کے ذریعہ تجھے عطا کی گئی۔

ایک پُر مسرّت تقریب

جماعت سُرینام

(۱۱-۱۸)

جماعت سُرینام (جنوبی امریکہ) کے معتمد جناب محمد شبیر خان صاحب جوبلی کے ٹرسٹی بھی ہیں۔ ۳ جون ۱۹۸۱ء کو اپنی بیگم صاحبہ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے اور جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کے دولت کدہ پر قیام فرمایا۔ ۴ جون ۱۹۸۱ء کو دارالسلام تشریف لائے اور دفاتر انجمن، ہوسٹل اور لائبریری اور مسجد کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے۔ احباب سے مل کر خوش ہوئے اور کئی گروپ فوٹو اتارے گئے۔ ۵ جون کو نماز جمعہ دارالسلام میں ادا کی ان کی آمد کی اطلاع احباب لاہور کو قبل از نماز جمعہ پہنچا دی گئی تھی اس لئے بہت سے دوست اظہار محبت کے لئے جمع ہو گئے۔ اور اُن سے ملاقات کر کے بہت خوش ہوئے۔ بعد از نماز جمعہ شبیر خان صاحب نے جماعت سرینام کے حالات اور تفصیلات سے احباب کو محظوظ فرمایا۔ یہ جماعت تعداد کے لحاظ سے بہت بڑی ہے اُن کی ۱۸ مساجد ہیں اور کئی مدرسے بھی۔ جماعت کے دو فرد وزارت کے عہدہ پر متمکن تھے اور اب ایک دوست سُرینام کے صدر کے مشیر اعلیٰ ہیں۔ یہ جماعت سلسلہ سے وابستگی میں پُر خلوص اور جذبہ اخوت سے سرشار ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اسے مالی لحاظ سے آسودگی عطا فرمائی ہے۔ شبیر خان صاحب تاجر پیشہ ہیں سُرینام میں ان کا اپنا ریڈیو سٹیشن بھی ہے۔

۶ جون کو وہ اسلام آباد دیکھنے کے لئے راولپنڈی تشریف لے گئے اور کرنل چوہدری عبد اللطیف صاحب نے طے شدہ پروگرام کے مطابق ان کا استقبال کیا اور میزبانی کے فرائض سرانجام دیئے۔ ۱۰ جون کو واپس لاہور آئے اور احمدیہ بلڈنگس میں حضرت امیر سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ دفاتر انجمن دیکھے اور کتب خانہ میں کئی کتب کا آرڈر بک کرایا۔

۱۱ جون کو شام ۷ بجے شام مرکزی انجمن کی طرف سے ان کے اعزاز میں عشائیہ دیا گیا جس میں جماعت کے معزز افراد (مرد و زن) نے جمع ہو کر معزز مہمانوں کو خراج عقیدت پیش کیا۔ یہ تقریب اپنی نوعیت کی نہایت منفرد تقریب تھی جس کی دلکشی اور دلآویزی مدتوں یاد رہے گی جس میں جناب فاروقی صاحب (صدر مجلس) اور جنرل سیکرٹری مرزا مسعود بیگ صاحب کے افتتاحی کلمات اور حسن بیان نے چار چاند لگا دیئے۔ رات کو دس بجے تک اس تقریب کی گہما گہمی قائم رہی۔ اختتام پر معزز مہمان نے دوستوں سے الوداعی معانقہ کیا کیونکہ ۱۲ جون کی صبح کو ان کی روانگی تھی۔ (رپورٹر)

مرتضےٰ خان حسن

"شعورِ خدمتِ قرآں نہیں

تو کچھ بھی نہیں"

لقا سے یار کا ارماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
دلوں میں جوشِ ایماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ مانا بیش بہا ہے متاعِ حسن و شباب
رفیقِ دولت ایماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ سچ ہے قدر کے قابل بہت ہے جان عزیز
نثارِ حضرت جاناں نہیں تو کچھ بھی نہیں

بڑے ہی لطف کی ہے چیز خارِ غم کی خلش
رہین درد و دل و جاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

رموزِ حکمت یونان و علم و عقل فرنگ
ہمارے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

بہار و سبزہ و گل جامِ عیش و بزم طرب
خمار بادۂ عرفاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

کمالِ زیرکی و عقل تام و ہوش و خرد
شعورِ خدمت قرآں نہیں تو کچھ بھی نہیں

* * *

تاریخ اسلام

سیرت خیر البشر

صلح حدیبیہ

(ایفائے عہد کی ایک نادر اور تابندہ مثال)

غزوۂ احزاب نے جو ۵ھ کے آخر میں ہوا یہ ثابت کر دیا کہ اسلام کے اندر یا اس کے پیچھے کوئی ایسی غیبی طاقت ہے کہ عرب کی متفقہ قوت بھی اس کو تباہ کرنے کے قابل نہیں۔ قریش نے اپنا پورا زور پہلے جنگِ بدر میں اور پھر جنگِ اُحد میں لگایا مگر اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ قبائلِ عرب نے علیحدہ علیحدہ کوشش کر کے دیکھ لیا۔ اسلام کے مضبوط قدم کو جنبش نہ دے سکے۔ منافقوں اور یہودیوں نے اندر سے اسلام کو تباہ کرنا چاہا مگر نامراد رہے۔ بالآخر قریش۔ قبائلِ عرب یہودی اور منافق بیرونی اور اندرونی کل دشمنوں نے ایک متفقہ کوشش کی مگر وہی ناکامی ان کے حصہ میں آئی جو پہلے آتی رہی تھی یہ قریش کی آخری کوشش تھی اس کے بعد ان کو مدینہ پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں ہوئی جن لوگوں کے کان ہمیشہ اس آواز سے آشنا رہے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا وہ ان واقعات کو پڑھ کر جن کا اعتراف دشمن اور دوست کو یکساں ہے معلوم کریں گے کہ یہ کیسا اُلٹا اتہام اسلام پر ہے۔ حق یہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلایا گیا بلکہ تلوار کے زور کا مقابلہ کرتا ہوا پھیلا۔ کسی مذہب نے اس طاقت کا ثبوت نہیں دیا جس طاقت کا ثبوت اسلام نے دیا ہے۔ کہ چاروں طرف سے اس پر تلواریں پڑتی ہوں مگر وہ سب اس کی تباہی نہیں بلکہ اس کی ترقی کا موجب ثابت ہوتی ہوں۔

تین حملے جو پانچ سال کے عرصہ میں یکے بعد دیگرے مدینہ پر ہوئے جن کی غرض اسلام و مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا تھا۔ جن میں پہلے سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا بڑھ کر شدّت اور زور سے ہوا۔ وہ اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکے بلکہ مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں ترقی نظر آتی ہے۔ اگر بدر میں تین سو تیرہ آدمی نکلتے ہیں تو ایک سال بعد اُحد میں سات سو آدمی ہیں اور دو سال بعد احزاب کے مقابلہ میں ڈیڑھ دو ہزار سے کم جمعیت نہیں۔ پس جتنی زیادہ کوشش اعدائے اسلام اسلام کے نیست و نابود کرنے کے لئے کرتے تھے اسی قدر یہ خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودہ زیادہ سرسبز ہوتا جاتا تھا کوئی آندھی اس کی جڑوں کو ہلا نہ سکی۔ کوئی بادِ سموم کا جھونکا اس کی سرسبز شاخوں کو جلا نہ سکا بلکہ یہ تمام مخالفت کھاد ہی کا کام دیتی رہی۔

جنگِ احزاب پر تقریباً ایک سال کی مدت گذر گئی۔ موسم حج قریب آیا۔ نبی کریم صلعم نے رؤیا میں دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ سمیت خانہ کعبہ کا حج کر رہے ہیں۔ آپ نے خیال کیا کہ اب قریش اور قبائلِ عرب اپنا پورا زور صرف کر کے دیکھ چکے ہیں کہ وہ اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس لئے صداقت اسلام ضرور ان کے دلوں میں گھر کر چکی ہوگی۔ دوسری طرف خانہ کعبہ کا حج ایک ایسا امر تھا کہ جس سے کبھی خطرناک سے خطرناک دشمن کو نہ روکا گیا تھا اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ کفار حج کرنے میں آپ کے مزاحم ہوں۔ چنانچہ آپ چودہ پندرہ سو کے درمیان صحابہ کے ساتھ ذیقعد ۶ ہجری میں عمرہ کے لئے عازم مکہ ہوئے۔ مزید احتیاط کے لئے آپ نے حکم دیا کہ جنگ کے ہتھیار اور سامان ساتھ نہ لیا جائے تاکہ قریش کے دلوں میں کسی قسم کی تشویش پیدا نہ ہو۔ اور مزاحمت کے لئے بہانہ نہ بنا لیں۔ صرف تلوار اور وہ بھی نیام میں ساتھ رہے کیونکہ یہ ایک ایسی چیز تھی جس کو عرب کسی حالت میں نہ چھوڑتے تھے۔ چودہ سو جاں نثاروں کے ساتھ آپ روانہ ہوئے۔ قربانی کے جانور ساتھ تھے۔ عمرہ کا احرام آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے باندھ لیا۔ مکہ معظمہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش مقابلہ کے لئے تیار ہو کر نکل آئے ہیں۔ قبیلہ خزاعہ اسلام نہ لایا تھا مگر اسلام کے حامیوں میں سے تھا۔ اس کے رئیس بُدیل نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قریش مکہ کے ارادے سے خبر دی آپ نے اسے قاصد بنا کر قریش کے پاس بھیجا کہ وہ اُن سے کہدیں کہ ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے بلکہ صرف حج کے ارادہ سے آئے ہیں۔ اور بہتر ہے کہ قریش ایک مدّت کیلئے ہمارے ساتھ صلح کر لیں۔ اور خود حدیبیہ کے مقام پر جہاں ایک کنواں تھا نزول فرمایا۔ یہ مقام مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔

بُدیل نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیغام قریش کو پہنچایا تو تجربہ کار لوگوں کو جو دیکھ چکے تھے کہ اُن کی ساری طاقت بھی اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکی یہ تحریک پسند آئی۔ کیونکہ خود اُن کی تجارت مُلک شام سے بھی رُکی ہوئی تھی۔ عروہ نے کہا مجھے جا کر محمد (صلعم) سے گفتگو کر لینے دو چنانچہ اس نے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے کچھ بات چیت کی اور یہ بھی کہا کہ "اگر آپ پر کوئی مصیبت پڑی تو یہ لوگ جو آپ کے ساتھ اکٹھے ہوئے ہیں گرد کی طرح اُڑ جائیں گے"۔ حضرت ابوبکر رض کو یہ سن کر غصہ آیا اور آپ نے اس کو سختی سے جواب دیا۔ اتفاق سے نماز کا وقت آگیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وضو کیا تو صحابہ کے عشق کی یہ حالت تھی کہ آپ کے وضو کا پانی زمین پر گرنے نہ پاتا تھا۔ عروہ اس عشق کی حالت کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ بات تو کوئی طے نہ ہوئی مگر اس اثر کو عروہ اپنے ساتھ لے گیا اور قریش سے کہا کہ میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے ہیں مگر جو جاں نثار محمد رسول اللہ صلعم کو ملے ہیں اس کی نظیر میں نے کہیں نہیں دیکھی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پھر ایک دوسرا قاصد قریش کے پاس بھیجا مگر اس کے ساتھ انہوں نے یہ سلوک کیا کہ اس کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا۔ اور ایک دستہ فوج کا مسلمانوں پر ناگہاں حملہ کرنے کے لئے نکلا مگر خود گرفتار ہو گیا۔ آپ کی غرض چونکہ جنگ نہ تھی اس لئے آپ نے ان کو چھوڑ دیا۔ بالآخر حضرت عثمان رض کو سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا جن کا مکہ میں اچھا رسوخ تھا مگر قریش نے ان کو نظر بند کر دیا۔ اور یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ مارے گئے۔ اب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سمجھا کہ کفار جنگ پر تُلے ہوئے ہیں۔ موقع بڑا نازک تھا۔ ہتھیار اور سامانِ جنگ ساتھ نہیں۔ قریش اپنے گھر میں ہیں۔ آپ کے ہمراہ جمعیت بھی بہت تھوڑی ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ کی حفاظت پر اس قدر یقین تھا کہ جب بار بار صُلح کے پیغاموں کی پرواہ قریش نے نہ کی تو آخر آپ نے صحابہ سے یہ عہد لیا کہ اسلام کی حفاظت کیلئے اپنی جانوں کی پرواہ نہ کریں۔ پیٹھ دکھانا مسلمانوں کا شیوہ نہ تھا۔ ایک ببول کے درخت کے نیچے تمام صحابہ سے جان نثاری کی بیعت لی جو بیعت الرّضوان کے نام سے مشہور ہے۔ سب لوگوں نے عہد کیا کہ اگر کفار نے جنگ کی تو ہم اپنی جانوں کو فدا کر دیں گے۔ مگر باوجود رسول اللہ صلعم پر اس قدر جان نثاری کے توحید کا اس قدر غلبہ خیالات پر تھا کہ بعد کے زمانہ میں جب لوگوں نے اس درخت کی زیارت شروع کر دی جہاں ایسا اہم واقعہ پیش آیا تھا تو حضرت عمرؓ نے اس درخت کو کٹوا دیا۔

قریش مسلمانوں کے ہاتھ تو بارہا دیکھ چکے تھے ان کو جب یہ پتہ لگا کہ مسلمان مرنے مارنے

پر تیار ہیں تو صلح کے شرائط طے کرنے کے لئے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا۔ مگر ساتھ یہ قید لگا دی کہ اس سال ہم حج کی اجازت نہ دیں گے۔ سہیل نے یہاں آ کر چند شرائط طے کیں جن میں مسلمانوں کو ایک مغلوب فریق کی حیثیت دی گئی۔ یہ معاہدہ دس سال کے لئے تھا اور بڑی شرائط یہ تھیں۔

۱۔ مسلمان اس سال بغیر حج کئے واپس چلے جائیں۔
۲۔ اگلے سال آئیں مگر تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں۔
۳۔ مکہ میں جو مسلمان ہیں ان کو ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔
۴۔ مکہ والوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ جائے تو مسلمان پابند ہوں گے کہ اس کو واپس کر دیں لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں چلا جائے تو قریش اسے واپس نہ کریں گے۔
۵۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ جس فریق کے ساتھ چاہیں شریک معاہدہ ہو جائیں۔

معاہدہ لکھنا شروع ہوا تو اول بسم اللہ الرحمن الرحیم پر اعتراض ہوا کہ ہم باسمک اللّٰھم جو عرب میں مروّج چلا آتا تھا لکھیں گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس کو منظور کر لیا۔ پھر جب یہ لکھا گیا کہ یہ معاہدہ مابین محمد رسول اللہ اور فلاں کے ہے تو سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو یہ لڑائیاں کیوں ہوتیں۔ حضرت علی رضؓ جو معاہدہ لکھ رہے تھے عرض کیا کہ میں رسول اللہ کا لفظ اپنے ہاتھ سے نہیں مٹا سکتا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جگہ بتانے پر خود اس کو مٹا دیا۔ اور اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھا گیا۔

یہ شرائط مسلمانوں کو سخت ناگوار گزریں مگر بپاس ادب خاموش تھے۔ اتنے میں ابو جندل جو سہیل کے فرزند تھے اور مکہ میں اسلام لا چکے تھے اور بوجہ مسلمان ہونے کے سخت اذیّت ان کو دی جاتی تھی آ پہنچے۔ اپنی حالت زار رسول اللہ صلعم کو دکھائی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہترا چاہا کہ کسی طرح ابو جندل معاہدہ سے مستثنیٰ ہوں مگر سہیل نے ایک نہ مانی اور آخر کار آنحضرت صلعم کو مجبوراً ماننا پڑا کہ ابو جندل قریش کے قبضہ میں رہے۔ مگر مسلمانوں سے ابو جندل کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی ایک طرف پابندیٔ عہد اور دوسری طرف ایک مسلمان کی ظلم وستم سے یہ حالت۔ آخر حضرت عمر رضؓ نہ رہ سکے اور مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی بارگاہِ نبویؐ میں کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ رسول برحق نہیں؟ آپؐ نے فرمایا یقیناً ہوں۔ پھر عرض کیا کیا ہم حق پر نہیں؟ آپ نے فرمایا بے شک ہیں۔ عرض کیا پھر دین میں ہم پر ایسی ذلت کیوں ڈالی جاتی ہے آپ نے فرمایا میں خدا کے حکم کے مطابق کرتا ہوں۔ پھر عرض کیا آپؐ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم حج کریں گے؟ آپ نے فرمایا لیکن یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے۔ یہی باتیں حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابو بکر رضؓ سے کہیں اور وہی جواب حضرت ابو بکر رضؓ نے دیا کہ رسول اللہ صلعم جو کچھ کرتے ہیں خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔

غرض ابو جندل کی وجہ سے مسلمانوں کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا مگر کچھ نہ کر سکتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہم عہد کی پابندی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ کافروں کے ساتھ عہد کی عزت ہے۔ آپ نے ابو جندل کو سمجھایا کہ اللہ تعالےٰ تمہارے لئے بھی کوئی راہ کھول دے گا۔ لیکن ہم شرائط کے خلاف نہیں کر سکتے۔

واپسی پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سورۃ فتح نازل ہوئی۔ جس کی شروع کی آیات کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ کہ ہم نے تم کو فتح مبین عطا فرمائی ہے۔ جس کو مسلمان ذلت کی صلح سمجھ رہے ہیں اس کو اللہ تعالےٰ اسلام کی کھلی فتح قرار دیتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت عمر رضؓ کو یاد فرمایا۔ آپ ڈرتے ہوئے گئے کہ بارگاہِ نبویؐ میں گستاخی کی ہے کوئی عتاب نہ نازل ہوا ہو۔ مگر وہاں مژدہ تھا۔ آپ نے دریافت کیا کہ کیا یہی فتح مبین ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ پھر کون مسلمان تھا جو اس کو فتح یقین نہ کرتا۔ سب لوگ یا تو اس کو اپنی سخت ذلت سمجھتے تھے اور یا اب خوش ہو ہو کر سورۃ فتح پڑھ رہے تھے مگر کیا ان کا یہ مجنونانہ فعل تھا۔ واقعات ان کو بتا چکے تھے کہ جہاں اسلام کی شکست نظر آتی ہے وہاں درحقیقت اسلام کی فتح ثابت ہوتی ہے۔

واقعات نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین ثابت کر دیا اس پر کھلی شہادت یہ ہے کہ ڈیڑھ یا پونے دو سال بعد جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عازم مکہ ہوتے ہیں تو چودہ سو آدمیوں کی جگہ دس ہزار قدّسی آپ کے ہمرکاب تھے۔ یہ ترقی کیونکر ہوئی؟ پہلے اسی قدر عرصہ میں اس قدر ترقی مسلمانوں کی تعداد میں کبھی نہیں ہوئی بات یہ ہے کہ اسلام کی ترقی میں لڑائیاں ایک بھاری روک تھیں۔ اسلام جس کے معنی صلح اور آشتی ہیں صلح اور آشتی کے اندر جو ترقی کر سکتا ہے وہ دوسرے حالات میں نہیں کر سکتا۔ جب سے آنحضرتؐ مکہ سے نکلے قریش میں بلکہ کل عرب میں اور مسلمانوں میں جنگ چھڑ گئی جس کی غرض اسلام کو نیست و نابود کرنا تھا پس ہر ایک دل میں مسلمانوں کی طرف سے تنفّر بیٹھا ہوا تھا۔ کون تھا جو ان حالات میں ٹھنڈے دل کے ساتھ اسلام کی تعلیم پر غور کرتا؟ وہاں تو اسلام کو تباہ کرنے کے جذبات سینوں میں موجزن ہو رہے تھے۔ کون تھا جو یہ دیکھتا کہ مسلمان کی زندگی کیسی پاک زندگی ہے جن لوگوں نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا ہے وہ کس طرح ہر ایک قسم کی آلائشوں سے پاک ہو کر ایک بلند مقام پر کھڑے ہو گئے ہیں۔ جن کو اپنا دشمن سمجھا جائے ان کے حالات پر غور کہاں ہو سکتا ہے۔ اب جو صلح ہوئی تو میل جول اور تعلقات از سر نو قائم ہوئے کفار کو موقع ملا کہ مسلمانوں کے اندر آ کر رہیں۔ اور ٹھنڈے دل سے تعلیم اسلام پر غور کریں۔ اور مسلمانوں کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کریں۔

اس میل جول سے وہ تمام خیالات جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے متعلق انہوں نے اپنے دلوں میں بٹھائے ہوئے تھے کہ آپ قطع رحمی کرتے ہیں اور فساد پھیلاتے ہیں۔ یک قلم دور ہو گئے۔ اور نبی کریمؐ کے بلند اخلاق کے دیکھنے کا ان کو موقع ملا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ کفار نے بے تعصّبی کی نگاہ سے آپ کے حالات کا مطالعہ کیا اور اس مطالعہ کے ساتھ ان تمام خیالات باطلہ کا ازالہ ہو گیا۔ جو رسول اللہ صلعم کے متعلق ان کے دلوں میں تھے۔ جو ذنوب وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف منسوب کرتے تھے اب ان کو معلوم ہوا کہ وہ سب ان کی غلطیاں تھیں۔ یا لوگوں نے دھوکا دے رکھا تھا اسلام اور محمد رسول اللہ کی پاک تصویر نے ان کو اپنا شیدا بنا لیا۔ اور وہ لفظ قرآن کریم کے پورے ہوئے جو حدیبیہ سے واپسی کے وقت آپؐ پر نازل ہوئے تھے۔ کہ جو جو برائیاں آپؐ کی طرف منسوب ہوتی ہیں ان سب کو خدا دور کر دے گا اور آپ کی پاکیزگی اور طہارت کو لوگوں پر ظاہر کر دے گا۔ ہاں جو برائی کی باتیں آپ کی طرف ما تاخر کے ماتحت بعد میں منسوب ہوئیں ان کو بھی اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ اسی طرح دور کر دے گا۔ اور ہم اپنی آنکھوں سے آج دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ تاریک تصویر جو یورپ میں ایک زمانہ میں کھینچی جاتی تھی آج خود بخود مٹ رہی ہے۔ اور اس کی بجائے آپؐ کے مقام بلند

آپ کے حسن اخلاق، آپ کی پاکیزگی کا اعتراف پھیلتا جاتا ہے۔ ہاں اسلام کو دنیا میں پھیلنے کے لئے صلح درکار ہے اور وہ صلح شاید اب مستقل طور پر قائم ہو گئی ہو۔ جب کہ یورپ کی ہوس ملک گیری کے لئے ھل من مزید کا نعرہ لگانے کے لئے جگہ باقی نہیں رہی۔ مسلمانوں کو جو دور کی نگاہ سے نسل انسانی کا دشمن سمجھا جاتا تھا اب وقت آگیا ہے کہ ان کے قریب ہو کر ان کے حالات سے واقف ہو کر وہ خیال بدل جائے۔ اور اسلام کی اصلی تعلیم کی طرف توجہ ہو۔ یہ خدا کے کام ہیں کہ اس زمانہ میں پھر اسلام کی ظاہری شکست میں اس کی حقیقی فتح کا راز مضمر ہے۔

اس صلح کی شرائط اوّل مسلمانوں کو ناگوار معلوم ہوئیں مگر اس میں بھی بڑی مصلحت مخفی تھی کہ ایسی کڑی شرائط پر آنحضرت صلعم نے صلح کو قبول کر لیا اوّل تو یہ واقعہ خود بتاتا ہے کہ آپ کو جنگ سے کس قدر نفرت تھی۔ مسلمان اب تک کسی میدان میں کفار کے ہاتھ سے مغلوب نہیں ہوئے۔ شکست نہیں کھائی اب بھی وہ لڑ مرنے کو تیار ہیں اور مغلوب نہیں ہوئے۔ مگر باوجود اس کے جب صلح کی طرف کچھ کفار کا میلان نظر آتا ہے تو آپ باوجود مغلوب نہ ہونے کے مغلوب فریق والی شرائط منظور کر لیتے ہیں جس شخص کا یہ منشا ہو کہ تلوار سے اپنی بات منوائے اس کے لئے ایسا طریق اختیار کرنا ناممکن ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کس قدر صلح کے خواہش مند تھے۔ قرآن شریف میں صاف تعلیم ہے کہ اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو تم بھی صلح اختیار کرو۔ عملی طور پر یہی آپ نے کر دکھایا اور صلح کی خاطر ان شرائط کو بھی منظور کر لیا جو خود صحابہ کو ذلت کی شرائط نظر آتی تھیں۔

اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ مکّہ میں لوگ مسلمان ہونے سے رکتے نہیں۔ ان کے سامنے اب بھی مسلمانوں کی بے کسی کا نقشہ ہے۔ کہ وہ ان لوگوں کو جو دین اسلام اختیار کریں کفّار کے مظالم سے چھڑا نہیں سکتے۔ نہیں بلکہ اگر وہ خود کسی طرح ان مظالم سے نجات حاصل کر کے بھاگ کر ان کے پاس پہنچیں تو وہ ان کو اپنے پاس بھی نہیں رکھ سکتے۔ انسان کے لئے دکھ برداشت کرنا بعض وقت یوں بھی آسان ہو جاتا ہے کہ اس کے آس پاس اس کے ہم خیال لوگ ہوں گو وہ بھی دکھ اٹھا رہے ہوں۔ مسلمانوں کو جواب تک یہ موقع میسّر تھا کہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جائیں صلح حدیبیہ کے بعد یہ موقعہ بھی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ اب وہ کس آسرے پر اسلام اختیار کریں۔ گھر میں جو دکھ ملتے ہیں وہ ناگفتہ بہ۔ مدینہ میں بھاگ کر جانے کا رستہ بھی رک گیا۔ ابو جندل کا قصّہ سامنے ہے کہ کس طرح پابہ زنجیر اسے ظالموں کا تختۂ مشق بننے کے لئے واپس کرنا پڑا۔ غرض اب نومسلموں کے لئے کوئی بھی چارۂ کار نہ رہا چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کے بعد اسلام کی ترقی بالکل ہی مسدود ہو جاتی مگر بجائے اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اسی زمانہ میں ان حالات کے ماتحت اسلام پہلے سے دہ چند ترقی کر رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر ذاتی خوبیاں اس قدر تھیں کہ اس کے عشّاق کو دنیا کی سب مصائب ہیچ نظر آتی تھیں۔ نہ کفار اذیت میں کمی کرتے ہیں نہ مسلمان اپنے پاس پھٹکنے کی اجازت دیتے ہیں۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن مگر کیا ہی حسن و جمال اسلام اور اس کے پاک پیغمبر صلعم کے اندر نظر آتا تھا کہ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے دکھوں کی آگ میں کودتے اور مطلق پروا نہ کرتے کہ دنیا میں ان کے لئے کوئی امن کی جگہ ہے یا نہیں۔ کیا یہی بزور شمشیر مسلمان ہونا ہے۔ اگر اسلام کی تاریخ پر ایک بھی ایسی نگاہ معترضین اسلام نے ڈالی ہوتی تو یہ لفظ ان کے منہ سے کبھی نہ نکلتے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ حدیبیہ کی تاریخ میں یہ زبردست حقیقت آنکھوں کے سامنے آ جلوہ گر ہوتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا ہے۔ بلکہ تلوار کے زور کے باوجود پھیلا۔ ہر طرف سے تلوار اس پر گرتی ہے مگر تلوار اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ہاں اس پر تلوار چلانے والے خود ہی تباہ ہو جاتے ہیں اور یہ مسیحؑ کے ان الفاظ کا مصداق ثابت ہوتا ہے " جو اس پتھر پر گرے گا چور ہو جائے گا جس پر وہ گرے اسے پیس ڈالے گا۔"

ابو جندلؓ کا واقعہ اوپر بیان ہو چکا ایک اور نو مسلم عتبہ بن اسید کفار کے ہاتھ سے تنگ آکر مکہ سے بھاگا اور مدینہ پہنچا۔ ساتھ ہی قریش کے دو قاصد پہنچے کہ عتبہ کو مطابق شرائط واپس کیا جائے آنحضرت صلعم نے عتبہ سے فرمایا کہ واپس جاؤ۔ اس نے حیران ہو کر عرض کیا کہ کیا آپ مجھے کفر پر مجبور کرتے ہیں؟ کتنا بڑا امتحان ہے؟ اگر آپ عتبہ کو رکھ لیں تو زیادہ سے زیادہ قریش چڑھ آئیں گے اور وہ مدینہ میں آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ مگر عہد کا اس قدر پاس ہے کہ اس کے الفاظ کی وجہ سے اگر مسلمان بھی کفر کی طرف جاتا ہے تو جائے۔ آپ عتبہ سے فرماتے ہیں کہ ہم تم کو واپس کرنے پر مجبور ہیں فان اللّٰہ تعالےٰ کوئی راہ نکال دے گا۔ اگر رسول اللہ صلعم کی پابندیٔ عہد ایک طرف حیرت انگیز ہے۔ تو اس نو مسلم کا عشق اس کی فرمانبرداری بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔ یہ نہیں کہتا کہ مجھے ایسا دین قبول کرنے سے کیا فائدہ جب آپ خود ہی کفار کے ہاتھ میں مجھے واپس دیتے ہیں۔ نہیں حکم مانتا ہے۔ واپس چلا جاتا ہے۔ ہاں خوب جانتا ہے کہ اب مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اب دنیا میں کوئی اس کا بچانے والا نہیں۔ کوئی اس کا حامی نہیں اس لئے وہ حفاظت خود اختیاری کرتا ہے جن دو شخصوں کی حراست میں ہے موقعہ پا کر ان میں سے ایک کو قتل کر دیتا ہے۔ دوسرا خود بھاگ جاتا ہے۔ عتبہ پھر مدینہ آتا ہے۔ اور عرض کرتا ہے۔ کہ آپ نے اپنا عہد پورا کر دیا۔ اب میں آزاد ہوں اور وہاں سے نکل کر مقام عیص جو سمندر کے کنارہ پر ہے سکونت اختیار کر لیتا ہے۔ اور وہ ایسی جگہ ہے جہاں نہ نبی کریم صلعم کا تسلّط ہے نہ قریش کا اسی طرح اب دوسرے ستم رسیدہ مکّہ سے نکلنا شروع ہوتے ہیں۔ وہ مدینہ نہیں جا سکتے۔ اس لئے عتبہ کے پاس عیص پہنچتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہاں ایک بڑی نوآبادی بن جاتی ہے۔ اور چونکہ یہ لوگ ان شرائط کے پابند نہیں جو رسول اللہ صلعم کے ساتھ حدیبیہ میں طے ہوئی تھیں، اس لئے قریش کو یہ خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی شام کی تجارت میں یہ لوگ مخل ہوں گے اس لئے وہ خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم معاہدہ کی اس شرط کو چھوڑتے ہیں جس کے بموجب مکّہ سے بھاگے ہوئے لوگوں کو واپس کرنا ضروری ہے۔

* * *

رسول کریمؐ کی نصیحت
اپنی پھوپھی اور بیٹی کو۔

اللہ تعالےٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ہماری زندگیوں میں ایسا ہی انقلاب چاہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یا صفیة عمة رسول اللّٰہ۔ اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! حضور صلعم نے میری پھوپھی نہیں کہا، رسول اللہ کی پھوپھی فرمایا ویا فاطمة بنت محمد۔ اور اے محمّد کی بیٹی فاطمہ! ایتونی یوم القیامة باعمالکم قیامت کے دن اعمال لے کر آنا ولا بانسابکم وہاں حسب نسب کچھ کام نہیں آئے گا۔ میرا وہاں قطعاً کچھ اختیار نہیں ہے لا املك من اللّٰہ شیئاً۔ میں قیامت کے دن تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ صرف میرا دامن پکڑ کر یا صرف کلمہ پڑھ کر تم کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کلمہ کا ثبوت تمہارے اعمال کے اندر نظر نہ آئے۔

ماضی میں صلحائے امت پر کیا گزری ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رح

اُنہوں نے آئمۂ اہلِ بیت سے عِلم حاصل کیا

خلافت کا دور ختم ہو چکا تھا ملوکیت کا آغاز ہو گیا تھا، اب حکمرانوں کے لئے ظلم باعث ننگ اور انصاف باعث افتخار نہیں رہا تھا۔ مناظرہ بازی کا میدان گرم تھا۔ اسلام کی روحانی برکتوں کا کوئی نشان نہ رہا تھا جو شخص کبھی عدل و انصاف کی بات کرتا ظلم و ستم اور ناانصافی کا نشانہ بنتا۔ عبدالملک کی حکومت اور حجاج بن یوسف کی عراق پر گورنری کا زمانہ تھا۔ ہر طرف ایک قیامت خیز نقشہ تھا۔ انسانیت کا سانس گھٹ رہا تھا۔ حجاج بن یوسف کا ظلم اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ بقول حضرت عمر بن عبدالعزیز "اگر تمام پیغمبروں کی امتیں مل کر اپنے اپنے زمانے کے سفاک پیش کریں اور ہم ان کے مقابل میں حجاج بن یوسف کو لائیں تو واللہ ہمارا پلڑا بھاری رہے گا۔" اس نازک اور پرآشوب دور میں خدائے واحد لاشریک نے عالم رنگ و بو میں ایک ایسی شخصیت کو نمودار کیا جس نے حالات کو بدل کر رکھ دیا۔ انسانیت نے ایک دفعہ پھر موسم بہار کو دیکھا۔ تاریخ کے صفحات پر اس عظیم انسان کا نام امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ ہے۔

آپ کا نام نعمان تھا آپ کی کنیت ابوحنیفہ ہے۔ لقب امام اعظم آپ کے والد ماجد کا نام ثابت اور آپ کے دادا کا نام نعمان بن مرزبان ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رح کی آنکھ کھلی تو آپ نے مختلف مذاہب کو دیکھا۔ سب میں غور و فکر کے بعد آپ پر سب کی حقیقت واضح ہو گئی۔

آپ کا ایام طفولیت میں ذہانت و فطانت اور فراست کا یہ عالم تھا جو آپ کو دیکھتا اس کی نظر آپ پر جم جاتی۔ آپ نے تعلیم کا آغاز علم کلام پاک سے کیا اس علم میں مہارت تامہ حاصل کی اور مخالفین سے مناظرے بھی کئے۔ تمام علوم کو آپ نے ایک ایک کر کے دیکھا مگر آپ کا رجحان فقہ کی طرف تھا آپ نے علم فقہ ہی کو ترجیح دی۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں ایک دفعہ امام اعظم سے پوچھا گیا کہ آپ کو فقہ کی توفیق کیسے ہوئی تو آپ نے فرمایا فقہ کی توفیق خداوند لم یزل کی بارگاہ سے تھی۔ میں نے جب حصول علم کے لئے رخت سفر باندھا تو میں نے تمام علوم پر ایک ایک کر کے نظر دوڑائی ان کے نفع کے نتیجے پر غور کیا میرے دل میں آیا کہ میں علم کلام حاصل کروں۔ غور کرنے پر معلوم ہوا اس کا انجام اچھا نہیں۔ اگر اس علم میں انسان مہارت بھی حاصل کر لے تو پھر بھی اپنا مقصد بیان نہیں کر سکتا کیونکہ اس پر کئی قسم کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ اور اس علم والے کو صاحب بدعت کہا جاتا ہے۔ نحو و ادب کے بارے میں غور کیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ آخر اس میں سوا اس کے کیا فائدہ ہو سکتا ہے کہ بیٹھ کر بچوں کو ادب و نحو پڑھاؤں پھر شعر و شاعری پر غور کیا تو خیال ہوا کہ اس میں سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہیں ہے۔ پھر تجوید قرأت کے بارے میں غور کیا تو اس بات پر پہنچا کہ اس کے حصول کے بعد چند نوعمر میرے پاس آکر تلاوت قرآن کریں گے اور مفہوم و معانی سے تو بے خبری ہی رہے گی۔ ان علوم میں غور و فکر کے بعد میں نے فقہ کا مطالعہ شروع کر دیا۔ جوں جوں مطالعہ وسیع ہوتا گیا دل میں اس کا شوق بڑھتا گیا اور اس میں مجھے کوئی عیب نظر نہ آیا۔ میں نے سوچا کہ علم فقہ میں علماء کی مجلس اور صحبت اور ان کے اخلاقِ عالی سے مستفید ہونے کا موقع بھی میسر آ جائے گا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ادائے فرض اقامتِ دین متین اور عبادت خداوندی اور دنیا و آخرت کا حصول بغیر فقہ کے ممکن نہیں۔ اگر کوئی شخص فقہ کے ذریعہ دنیا کمانا چاہے تو اعلیٰ مقام حاصل کر سکتا ہے۔ اگر عبادت میں مصروف ہو تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ بغیر علم کے عبادت کر رہا ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے گا وہ صاحب علم فقہ ہے۔

آپ نے علم فقہ میں ابوحماد بن سلیمان کو اپنا استاد بنایا اور تاحیات ان کے ساتھ رہے آپ کی وفات کے بعد آپ ہی کے مسند پر جلوہ نگن ہوئے ان کے علاوہ بھی آپ نے زمانے کے بڑے بڑے شیوخ سے استفادہ کیا آپ نے متعدد مرتبہ حج بیت اللہ زیارت گنبد خضرا کی اور وہاں کے علماء سے ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ اور اکثر ملاقاتیں علمی استفادہ کے لئے ہوتی رہیں آپ نے جن حضرات سے اکتساب فیض کیا ان میں امام زید بن علی زین العابدین حضرت جعفر صادق عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی۔

امام اعظم رح اپنے استاد محترم کی موجودگی میں ہی اجتہاد کا درجہ حاصل کر چکے تھے عمر بھی اتنی تھی کہ وہ اپنا دربار الگ لگا دیتے مگر پہلے زمانوں میں اساتذہ کے ساتھ محبت قلبی کا جو رشتہ ہوتا تھا آج کے زمانے میں اس کا گمان بھی مشکل ہے۔ خود امام اعظم نے فرمایا:۔

"جب تک میرے استاد ابوحماد زندہ رہے میں نے کبھی ان کے مکان کی طرف پاؤں نہیں پھیلایا

اسی احترام کا نتیجہ تھا کہ ابوحماد کی زندگی میں امام اعظم رح نے اپنی کوئی علیحدہ درس گاہ قائم نہ کی۔ جب ابوحماد رح اس دنیا فانی سے رحلت فرما گئے تو لوگوں کے اصرار پر مجبوراً امام اعظم رح آپ کی مسند پر بیٹھے استقلال کا دامن تھام کر تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور امام ابوحماد رح کے پرانے شاگرد بھی آپ کے درس میں شریک ہوئے۔ حتیٰ کہ آپ کے اساتذہ بھی استفادہ کے لئے درس میں شامل ہونے لگے دنیا کے ہر کونے سے تشنگان علم آتے اور سیراب ہو کر جاتے جن مقامات سے لوگ آپ کے پاس استفادہ کرنے کے لئے آتے ان میں مکہ مدینہ۔ دمشق۔ بصرہ۔ واسطہ۔ موصل۔ جزیرہ رقہ۔ رملہ۔ مصر۔ یمن۔ بحرین۔ کرمان۔ اصفہان۔ اور حلوان شامل ہیں۔

الغرض خلیفہ وقت کی خلافت کی حدود اتنی نہیں تھی جتنی حدود آپ کی استادی کی تھی۔ کرتے کرتے عراق میں آپ کا ملکی اثر قائم ہو گیا۔ ملک میں جو بھی انقلاب ہوتا لوگوں کو آپ کی شرکت کا گمان ہوتا۔ زید بن علی نے جب بغاوت کی جو اس وقت ہشام بن عبدالملک تخت نشین تھا۔ امام اعظم رح نے فرمایا زید کا نکلنا آنحضرت ﷺ کے بدر کے دن نکلنے سے مشابہ ہے۔ ہشام نے ۱۲۵ھ میں وفات پائی اس کے بعد ولید بن یزید۔ یزید الناقص ابراہیم ابن الولید مروان الحمار نے یکے بعد دیگرے حکومت سنبھالی۔ مروان کے عہد میں ابومسلم خراسانی نے تمام ملک میں ہلچل مچا دی۔ اور مروان کی حکومت کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں کیونکہ زیادہ تر فساد عراق اور کوفہ میں تھا۔ اس لئے مروان نے عمر بن ہبیرہ کو وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا جو ایک فیاض صاحب تدبر، با صلاحیت اور دلیر شخص تھا۔ اس نے حکومت مروانی کی ترکیب میں غور و فکر کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس مشینری میں سب کچھ موجود ہے مگر مذہبی پرزے اس میں نہیں اس سلسلے میں اس نے سوچا کہ ایوان کو مذہبی ستون پر قائم کیا جائے تو عراق کی بڑی بڑی مذہبی شخصیتوں کو جمع کر کے ملکی اہم امور پر مقرر کیا جن میں قاضی ابی لیلیٰ ابن شبرمہ یا داؤد بن ہند بھی شامل تھے۔ اور امام اعظم کو انہوں نے افسر اور وزیر خزانہ مقرر کرنا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا۔ قریبی دوستوں اور بزرگوں نے سمجھایا مگر آپ اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ اس بات سے عمر بن ہبیرہ نے غصے میں آکر حکم دیا کہ روزانہ آپ کو دس درّے لگائے جائیں۔ اس کے اس حکم کی تعمیل ہوئی اور روزانہ علم کے عمل کے اس کوہ گراں کو دس درّے لگائے جاتے تھے۔ آخر اس نے آپ کو چھوڑ دیا۔ آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ اور آخر کار کائنات انسانی کو ساری عمر فیض پہنچانے والا یہ فیض رساں یکم شعبان ۱۵۰ھ کو بحالت سجدہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(بشکریہ مشرق) مورخہ ۱۰ جون ۱۹۸۱ء

رپورٹ مکرم مرزا محمد لطیف صاحب شاہد

جماعت احمدیہ ملتان کا جلسہ یوم وصال

خاکسار مرکز کے حکم پر مورخہ ۲۱/۵/۸۱ صبح ملتان روانہ ہوا۔ اور تین بجے کے قریب ملتان پہنچ گیا۔ میرا قیام عزیز ہوٹل میں رہا۔ وہاں پہنچتے ہی میں نے مکرم میاں نشاط احمد صاحب کو اپنی آمد کی اطلاع دی تو انہوں نے ازراہِ محبت اپنے ہاں قیام کی دعوت دی لیکن میرا پروگرام جلسہ سے قبل انفرادی طور پر بعض احباب سے ملاقات کرنے کا تھا اس واسطے میں ہوٹل میں ہی مقیم رہا۔

جلسہ سے قبل مندرجہ ذیل دوستوں سے انفرادی طور پر ملاقات کی گئی۔

- محمد شریف خاں صاحب
- محمد صدیق خاں صاحب
- میاں نثار احمد صاحب
- ڈاکٹر مرزا رفیق بیگ صاحب،
- میاں فیاض احمد صاحب
- ظہیر احمد صاحب

ان دوستوں کو جلسہ میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی۔ اتحاد۔ اتفاق اور ایثار و قربانی کی اہمیت و ضرورت اور الگ تھلگ زندگی کے نقصانات اور اجتماعی زندگی کی برکات بتائی گئیں۔

فیصلہ یہ تھا کہ خطبہ کوئی مقامی دوست دیں گے۔ ازاں بعد دوستوں کی خواہش پر میں تفصیل سے حضرت صاحب بانی سلسلہ احمدیہ کی حیاتِ طیبہ اور کارناموں پر تقریر کروں گا۔ جب مسجد مبارک پہنچے تو دوستوں نے فرمایا کہ خطبہ بھی میں ہی دوں۔ چنانچہ پہلے نصف گھنٹہ تک خطبہ دیا گیا۔ جلسہ کی صدارت محترم مرزا رفیق بیگ صاحب نے فرمائی۔ محترم پروفیسر خادم صاحب کی خدمت میں درخواست کی گئی کہ آپ اپنے خیالات کا اظہار فرما دیں۔ آپ نے نہایت احسن رنگ میں حضرت صاحب کے بارے میں تقریر فرمائی۔ آپ کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا۔

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

خاکسار نے اپنی تقریر کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔

ا۔ حضرت مرزا صاحب کے بارے میں الٰہی بشارتیں اور آپ کے زمانے کے بارے میں مخبر صادق صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ارشادات

ب۔ آپ کی دعوے سے پہلے کی زندگی اور دعوے سے بعد کی زندگی

ج۔ آپ کا خدا تعالیٰ سے عشق۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے محبت اور شفقت علی خلق اللہ

د۔ آپ کی تعلیم، کارنامے۔ خدمتِ قرآن مجید۔ غیر مسلموں کے اسلام کے اوپر اعتراضات کے جوابات۔ مسلمانوں کے اندر علمی۔ عملی۔ اعتقادی کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں قرآن کی روشنی میں آپ نے ان کو کیسے دور فرمایا۔ اور کس طرح اسلام کی صحیح تصویر کو لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ آپ اس عظیم الشان مشن میں کامیاب ہوئے۔ مخالفین نے بھی اس کا اعتراف کیا۔ اور آپ کو فتح نصیب جرنیل کا نام دیا۔

ہ۔ اسلام کے احیاء اور غلبہ علی الادیان کے لئے ایک فعال، زندہ، حقیقی جانشین جماعت کو اپنا وارث بنا کر ایک اعلیٰ و ارفع مشن وجاهدهم به جهادا كبيرا پر لگایا۔

یہ تقریر تقریباً ۲ گھنٹے تک جاری رہی۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے نہایت دلچسپی سے سنی گئی۔ محترم میاں نشاط احمد صاحب نے متاثر ہو کر فرمایا کہ اب ہم آپ کو تکلیف دیا کریں گے ہمیں ایسی ہی تقاریر کی اپنے لئے اور اپنی نئی نسل کے لئے ضرورت ہے۔ اور آپ کی آمد و رفت کا خرچ ہم دیا کریں گے۔

اصل خوشی کی بات یہ ہے کہ سارے دوست جمع ہو گئے۔ اور جلسہ میں شامل ہوئے۔ مجموعی طور پر حاضرین کی تعداد ۵۰ سے اوپر تھی۔ چار پانچ غیر از جماعت دوستوں نے بھی شمولیت فرمائی۔ ملتان کی جماعت کا ایک دوست بھی غیر حاضر نہ رہا۔ محترم میاں نشاط احمد صاحب نے فرمایا کہ اب ہم دوسرا جلسہ محترم میاں نثار احمد صاحب کی قیام گاہ پر کریں گے۔ رات گئے تک بعض دوست خاکسار سے تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ محترم شریف خاں صاحب آنے والوں کی نہایت خندہ پیشانی سے تواضع کرتے رہے۔ جزاهم الله احسن الجزا۔ رات کھانے پر محترم میاں نثار احمد صاحب نے مدعو فرمایا

دوسرے دن محترمہ جسارت خانم صاحبہ نے خاکسار کو اپنے بچوں کے ذریعہ پیغام بھجوایا کہ ان سے بھی ملوں۔ یہ ہماری بہت ہی نیک۔ دیندار۔ سلسلہ کی تڑپ رکھنے والی بہن ہیں اُن کی قیام گاہ پر جا کر اُن سے ملاقات کی گئی۔ دیر تک ان سے دینی مسائل پر تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔ اسی طرح ایک اور دوست بھی گھر لے گئے۔ جہاں پر دو کنبوں کے افراد سے ملاقات ہوئی۔ اور ان کے سامنے جماعت احمدیہ لاہور کا تعارف اور کام بیان کیا گیا۔ انہوں نے خواہش کی کہ پھر جب آئیں تو ہم تفصیل سے یہ تمام باتیں سننا چاہتے ہیں۔

میرے اپنے خیال میں سال میں کم از کم دو مرتبہ ہر جماعت میں ایسے تربیتی جلسے ہونے چاہئیں۔ ان کا علمی اور تربیتی رنگ میں بڑا اچھا اثر ہوتا ہے۔

جلسہ ملتان کو کامیاب بنانے میں محترم حافظ عبدالرؤف صاحب کا مع اپنے معاونین کے بہت بڑا حصہ ہے۔

بارگاہ الٰہی میں پہلی صدا

ہم درماندہ درویشوں کی پہلی صدا اس بارگاہ عالی میں جو تمام جہانوں کی ربوبیت فرماتا ہے یہ ہے۔ الحمد للہ رب العلمین

اے تمام مخلوق کی ربوبیت فرمانے والے تو نے اپنے بندوں پر مادی رزق کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ اور زمین و آسمان کی مادی طاقتوں کو ان کی خدمت پر لگا دیا ہے۔ مگر مادی رزق کی فراوانی اور ظاہری کشش انہیں تجھ سے غافل کر کے ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جا رہی ہے اس لئے تو ان پر روحانی رزق کے دروازے کھول دے تاکہ یہ نسلِ انسانی تباہی اور بربادی سے بچ کر اپنے حقیقی کمال کو حاصل کر لے۔ اے خدا جو ہمیشہ انسانوں کی روحانی ربوبیت فرماتا رہا ہے اور جس نے بالآخر ساری نسلِ انسانی کی روحانی ربوبیت کے لئے اپنا آخری نبی محمد رسول اللہ صلعم اور اپنا آخری اور کامل پیغام قرآن بھیجا تو اب نسلِ انسانی کی ربوبیت کے لئے اپنے قرآن اور پیغمبر کی قبولیت کی ہوا چلا دے اور ہمیں بھی وہ سامان عطا فرما کہ ہم تیرے قرآن اور تیرے پیغمبر کی خوبصورت تصویر ساری دنیا میں پہنچا دیں۔

ارشد علوی

آرزوئے امامؑ

ہمارے امام حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی سلسلہ احمدیہ کی دلی آرزو تھی کہ قرآن کریم کی اشاعت ہو اور یہ دنیا کے کونے کونے میں پہنچ جائے۔ ہمارے امام نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ ان کے دل میں ـــــ کے لئے بڑی تڑپ، لگن اور محبت تھی۔ بڑے خلوص کے ساتھ قرآن کریم کو پڑھا اور لوگوں کو سنایا'

ـــــ اس کے باوجود حضرت صاحب نے ہمت نہ ہاری اور ایک مضبوط چٹان کی مانند دنیا میں اس دین کی تبلیغ کرتے رہے۔ آپ چاہتے تھے کہ جس طرح میں جذبۂ محبت دین رکھتا ہوں۔ میری جماعت کا ہر فرد بھی اس کا نمونہ ہو۔ اشاعت دین کے لئے دنیا میں پھیل جائیں۔ خاص طور پر نوجوانوں کے لئے تو نصیحت ہے کہ احمدیت کی تعلیم حاصل کرو۔ امام زماںؑ کی آرزوؤں کی تکمیل کافی حد تک ہمارے بزرگ کر چکے ہیں۔ اب نوجوان نسل کو آگے بڑھ کر اس جھنڈے کو تھامنا ہے۔ امیر جماعت مرحوم بھی نوجوان نسل کو آگے آنے کی تلقین کرتے تھے۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمیں احمدیت ورثہ میں ملی۔ حضرت صاحب نے قرآن سے ایسا عشق کیا کہ وہ اسی میں کھو گئے۔ ؎

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں۔
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے۔

اگر یہی عشق قرآن ہر کسی کو ہو جائے تو وہ خدا کو پا لے۔ جس نے خدا کو پا لیا اس نے دنیا جہان کو پا لیا۔ حضرت صاحب نے قرآن کو اپنے دل میں ایسے اتارا جیسے دل کو خون کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس دل میں قرآن اتر جائے تو اس کا خون بھی صاف ہو جاتا ہے۔ اور جسم ایک پاکیزہ روح بن جاتا ہے۔ اس جسم سے جو کلمات نکلیں گے وہ بھی روحانی ہوں گے۔ جدھر نظر پڑے گی وہ بھی روحانی ہوگی۔ کان بھی روحانی باتیں سنیں گے ہاتھ بھی روحانی الفاظ لکھیں گے۔

کتنا پیارا سبق سکھایا ہے احمدیت نے قرآن کو پڑھنے کا، حضرت صاحب نے فرمایا ہے:-

"قرآن کی آیات ایک ایک روز پڑھا کرو وہ خود ہی دل میں اترتی جائے گی۔"

اس طرح عادت بن جائے گی۔ نمازوں کا حکم ہے۔ ایسی نمازیں پڑھو کہ خداوند کریم بھی عرش سے نیچے آ جائے۔ کہ میرا بندہ مجھے یاد کر رہا ہے میں اس کی فریاد سنوں۔ ہمیں جماعت کی ترقی اور اپنی ذہنی استعداد بڑھانے کے لئے دعاگو رہنا چاہیئے۔ ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں۔ اس جماعت کے لئے بلکہ جہان کیلئے۔

حضرت صاحب نے بردباری اور تحمل سے کام لینا سکھایا ہے۔ اگر کوئی زیادتی کرتا ہے۔ تو کرنے دو اپنا مسئلہ خدا کے دربار میں رکھو۔ خدا سے دعا کرو گڑگڑاؤ سجدے کرو اور آنکھوں سے آنسو بہاؤ۔ تاآنکہ رحمت خداوندی جوش میں آئے اور فیصلہ کرے۔ اس دنیا میں انصاف کے تقاضے بعض اوقات پورے نہیں ہوتے مگر اس کے دربار میں پورا پورا انصاف ہوتا ہے۔ اور وہی ہوگا جو ان کے لئے بہتر ہوگا۔ اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ جب چاہتا ہے ہمارے حق میں فیصلہ دیتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے ہمارے خلاف فیصلہ دیتا ہے اس میں بھی حکمت عملی ہوتی ہے۔ وہ ہمارا امتحان ہوتا ہے اور اس امتحان میں جو کامیاب ہوگا وہ خدا کے نزدیک جنتی تصور ہوگا۔ ہمیں چاہیئے کہ اپنے پیارے امام کی پیاری تعلیم کو دنیا میں پھیلا کر اس کی آرزوؤں کی تکمیل کریں۔

آمین!

* * *

بلادِ غیر سے
آمدہ خطوط کی جھلک

اک الہام حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

"میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا"

کی تکمیل

ترجمہ :- چوہدری محمد شریف

مالٹا سے نیری صلاح الدین شونز تحریر کرتے ہیں:-

برادر محترم السلام علیکم!

مہربانی فرما کر مجھے اپنے جواب سے نوازیں کہ جرمن اور فرانسیسی زبان میں کون سا لٹریچر دستیاب ہے۔ اگر آپ کے پاس کوئی پمفلٹ ہو تو مجھے ارسال کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔ ڈاک خرچ کے لئے میں آج دو مالٹا پونڈ کی رقم بذریعہ منی آرڈر ارسال کر رہا ہوں۔ رقم وصول کر کے مطلع فرمادیں کہ پاکستانی کرنسی میں کتنی رقم وصول ہوئی ہے۔ انگریزی فہرست کتب ضرور بھجوائیں شکرگزار ہوں گا۔

نائیجیریا سے محمد الحاج ناگی ماسکی رقمطراز ہیں:-

مکرمی جناب السلام علیکم!

میں اپنے تمام پاکستانی بھائیوں کا شکرگزار ہوں جنہوں نے مجھے کتب ارسال کی ہیں۔ یہ کتب میرے علم میں گراں قدر اضافہ کر رہی ہیں۔ درج ذیل چند کتب ارسال کر کے مشکور فرمادیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اجر عظیم عنایت فرمائے۔

گھانا سے اسماعیل قصانے تحریر کرتے ہیں

پیارے بھائی! السلام علیکم!

میرے لئے یہ بات باعث فخر ہے کہ میں اپنا پہلا خط اپنے بھائیوں کو تحریر کر رہا ہوں۔ جو حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی امت میں سے ہیں۔

میں آپ کا مسلمان بھائی ہوں۔ اسلام کے متعلق تحقیق و مطالعہ کا شوق رکھتا ہوں۔ میری التماس ہے کہ تفسیر عربی انگریزی قرآن مجید، احادیث العمل، اور تاریخ خلافت راشدہ ارسال کر دیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ جماعت احمدیہ کو اپنی حفاظت میں رکھے جو اسلامی لٹریچر کو اکناف عالم میں پہنچا کر تبلیغ دین کے اہم فریضہ کو سرانجام دے رہی ہے۔

والسلام

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۱۷ جون ۱۹۸۱ء۔ جلد ۶۸ شمارہ ۲۴، رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز۔ اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبری

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے
بیرونی ممالک سے

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا

جلد :- (۶۸) یوم چہارشنبہ ۲۱ شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲۴ جون ۱۹۸۱ء عیسوی شمارہ - (۲۵)

ارشادات حضرت مجدد زمان رحمۃ اللہ علیہ

آنحضرت صلعم کی قوت قدسیہ کا سب سے بڑا معجزہ

پہلا مقصد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عرب کی اصلاح تھی اور عرب کا ملک اس زمانہ میں ایسی حالت میں تھا کہ بمشکل کہہ سکتے ہیں کہ وہ انسان تھے۔ کون سی بدی تھی جو اُن میں نہ تھی اور کون سا شرک تھا جو اُن میں رائج نہ تھا۔ چوری کرنا۔ ڈاکہ مارنا اُن کا کام تھا اور ناحق کا خون کرنا ان کے نزدیک ایک ایسا معمولی کام تھا جیسا کہ ایک چیونٹی کو پیروں کے نیچے کچل دیا جائے۔ بچوں کو قتل کر کے ان کا مال کھا لیتے تھے۔ لڑکیوں کو زندہ بگور کرتے تھے۔ زناکاری فخر کے ساتھ کرتے تھے۔ اور علانیہ اپنے قصیدوں میں ان گندی باتوں کا ذکر کرتے تھے۔ شراب خوری اس قوم میں اس کثرت سے تھی کہ کوئی گھر بھی شراب سے خالی نہ تھا اور قمار بازی میں سب ملکوں سے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ حیوانوں کی عار تھی اور سانپوں اور بھیڑیوں کی ننگ۔

پھر جب ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے اور اپنی باطنی توجہ سے ان کے دلوں کو صاف کرنا چاہا تو اُن میں تھوڑے ہی دنوں میں ایسی تبدیلی پیدا ہو گئی کہ وہ وحشیانہ حالت سے انسان بنے۔ اور پھر انسان سے مہذب انسان اور مہذب انسان سے باخدا انسان۔ اور آخر خدا تعالیٰ کی محبت میں ایسے محو ہو گئے کہ انہوں نے ایک بے حس عضو کی طرح ہر ایک دکھ کو برداشت کیا۔ وہ انواع اقسام کی تکالیف سے عذاب دیئے گئے اور سخت بے دردی سے تازیانوں سے مارے گئے۔ اور جلتی ہوئی ریت میں لٹائے گئے۔ اور قید کئے گئے اور بھوکے پیاسے رکھ کر ہلاکت تک پہنچائے گئے مگر انہوں نے ہر ایک مصیبت کے وقت آگے قدم رکھا اور بہتیرے اُن میں سے ایسے تھے کہ اُن کے سامنے ان کے بچے قتل کئے گئے اور بہتیرے ایسے تھے کہ بچوں کے سامنے سولی دئے گئے اور جس صدق سے انہوں نے خدا کی راہ میں جانیں دیں۔ اس کا تصور کر کے رونا آتا ہے۔ اگر ان کے دلوں پر یہ خدا کا تصرف اور اس کے نبی کی توجہ کا اثر نہ تھا تو پھر وہ کیا چیز تھی جس نے ان کو اسلام کی طرف کھینچ لیا۔ اور ایک فوق العادت تبدیلی پیدا کر کے ان کو ایسے شخص کے آستانہ پر گرنے کی رغبت دی کہ جو بے کس اور مسکین اور بے زری کی حالت میں مکہ کی گلیوں میں اکیلا اور تنہا پھرتا تھا آخر کوئی روحانی طاقت تھی جو ان کو سفلی مقام سے اٹھا کر اوپر کو لے گئی اور عجیب تر بات یہ ہے کہ اکثر ان کے کفر کی حالت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانی دشمن اور آنجنابؐ کے خون کے پیاسے تھے۔

پس میں تو اس سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہیں سمجھتا کہ کیونکر ایک غریب، مفلس، تنہا، اور بے کس نے ان کے دلوں کو ہر ایک کینہ سے پاک کر کے اپنی طرف کھینچ لیا۔ یہاں تک کہ وہ فخریہ لباس پھینک کر اور ٹاٹ پہن کر خدمت میں حاضر ہو گئے۔

حضرت مجدد صد چہار دہم کا التزام صوم

روزہ کا مجاہدہ

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

میں نے کبھی ریاضات شاقہ نہیں کیں اور نہ کبھی زمانہ حال کے بعض صوفیوں کی طرح مجاہداتِ شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا اور نہ گوشہ نشینی کے التزام سے کوئی چلّہ کشی کی اور نہ خلافِ سنّت کوئی ایسا عمل رہبانیت کیا جس پر خدا تعالیٰ کے کلام کو اعتراض ہو ..... ہاں حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جب کہ ان کا زمانۂ وفات بہت قریب تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا۔ اور اُس نے یہ ذکر کرکے کہ کسی قدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنّتِ خاندانِ نبوّت ہے، اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس سنّت اہلِ بیت رسالت کو بجالاؤں سو میں نے کچھ مدّت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اس امر کو مخفی طور پر بجالانا بہتر ہے۔ پس میں نے یہ التزام کیا کہ گھر سے مردانہ نشست گاہ میں اپنا کھانا منگواتا اور وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچّوں کو جن کو میں نے پہلے سے تجویز کرکے وقت پر حاضری کی تاکید کردی تھی دے دیتا۔ اور اس طرح تمام دن روزہ میں گزارتا اور بجز خدا تعالیٰ کے ان روزوں کی کسی کو خبر نہ ہوئی۔

پھر دو تین ہفتوں کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر کر روٹی کھالیتا ہوں مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں ہوتی بہتر ہے کہ کسی قدر کھانے کو (اور) کم کردوں۔ سو میں اس روز سے کھانے کو کم کرتا گیا یہاں تک کہ میں تمام رات دن میں صرف ایک روٹی پر کفایت کرتا تھا اور اسی طرح میں کھانے کو کم کرتا گیا یہاں تک کہ صرف چند تولہ روٹی میں سے آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔

غالباً آٹھ یا نو ماہ تک میں نے ایسا ہی کیا اور باوجود اس قدر قلّت غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچہ بھی اس پر صبر نہیں کرسکتا خدا تعالیٰ نے ہر ایک بلا اور آفت سے مجھے محفوظ رکھا۔ اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے۔

چنانچہ بعض گزشتہ نبیوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور جو اعلیٰ درجہ کے اولیاء اس امت میں گزر چکے ہیں ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو مع حسینؓ و علی رضؓ کے دیکھا اور یہ خواب نہ تھی بلکہ بیداری کی ایک قسم تھی۔ غرض اس طرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں جن کا ذکر بخوفِ طوالت چھوڑ رہا ہوں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

"روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔"

رمضان المبارک میں

تہجّد اپنے اُوپر لازم کر لیں

رمضان المبارک کا مہینہ آرہا ہے، یہ ایک مجاہدہ کا مہینہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے بہت سے قیمتی اور بابرکت مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ رحمت باری جوش میں ہوتی ہے۔ قلوب دُعا اور عبادت کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ اس سے ہمیں فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ پنجوقتہ نماز باجماعت کی پوری پابندی کے علاوہ کم از کم اس ماہِ مبارک میں نمازِ تہجّد کو اپنے اُوپر لازم کرلینا چاہیئے۔

دُعاؤں پر خاص زور ہو۔ تنہائی میں اور مل کر دونوں طریق پر دُعائیں کی جائیں۔ خدمتِ دین اور اشاعتِ قرآن ہمارا سب سے بڑا مقصد اور غلبۂ اسلام ہماری سب سے بڑی آرزو ہے۔ لہٰذا ہماری دُعائیں بھی زیادہ تر اسی مقصد کے حصول کے لئے ہونی چاہیئں کہ:

اے اللہ! تو اسلام کو غالب کر اور ہمیں توفیق دے کہ ہم تیرے پاک دین اور تیری مقدس کتاب قرآن کریم کو دُنیا کے دور دراز گوشوں میں پہنچا سکیں تو اس غرض کے لئے ہمیں ہمّت و عزم اور سامان و ذرائع عطا فرما۔ صحیح دُعا وہی ہے جو انسان دلی تڑپ اور خلوص کے ساتھ کرے۔ خواہ وہ کسی زبان میں ہو۔ لیکن قرآن و حدیث کی بعض دُعائیں ایسی ہیں جو مفرد عربی الفاظ میں ہیں اور زیادہ مؤثر اور جاذبِ برکات ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا ان دعاؤں کو نماز تہجّد اور دیگر نمازوں کے اوقات میں ضرور پڑھیں اور بار بار دُہرائیں۔

یہ دُعائیں "مسنون دُعائیں" مؤلفہ جناب میاں نصیر احمد فاروقی میں ملاحظہ فرمائیں۔

❀

روزہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے

روزہ ان اسباب میں سے ہے جو خدا کا قرب پیدا کرتے ہیں دُوسرا ذریعہ یہ بتایا۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان کوئی بلانے والا ہونا چاہیئے اس کی دُعا کو میں قبول کرتا ہوں تو رمضان میں دُعا کے اندر لگے رہنا اشد ضروری ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر اس قرب کو پانا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہوں پر چلو۔ اور خدا تعالیٰ پر ایمان رکھو۔ بہت سے لوگ ہیں جو دعائیں کرتے ہیں مگر جلدی تھک جاتے ہیں۔ حالانکہ دُعا کرتے وقت دل میں ایسا سوز و گداز پیدا ہونا چاہیئے جس سے دل پگھل جائے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہو چیخیں نکل رہی ہوں۔ پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کس طرح جوش مارتی اور اپنے عاجز بندہ کی نیک آرزوؤں کو پورا کرنے کے سامان پیدا فرماتی ہے۔ (ادارہ)

آداب جمعہ

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب، بمقام جامع احمدیہ۔ دارالسلام۔ لاہور

> یٰٓایّھا الّذین اٰمنوآ اذا نودی للصّلٰوۃ من یّوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکراللہ ---------- واللہ خیر الرازقین
>
> ترجمہ :- اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کی طرف جلدی آ جاؤ اور کاروبار کو چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہوتے۔ پس جب نماز ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل میں سے تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور جب تجارت یا کھیل دیکھتے ہیں تو اس کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور تجھے کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔ کہو جو اللہ کے پاس ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے۔ اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔
>
> (سورۃ الجمعہ ۶۲: ۹ تا ۱۱)

جمعہ کے آداب پر میں ایک دفعہ پہلے بھی خطبہ دے چکا ہوں۔ اب دوبارہ دے رہا ہوں تو وہ اس لئے کہ میں نے کچھ عرصہ سے دیکھا ہے کہ ہم لوگ پھر ان آداب سے غافل ہو گئے ہیں میں نے سوچا کہ اس کا کیا علاج ہے، تو میری توجہ قرآن حکیم کے اس حکم کی طرف گئی کہ فذکّر ان نفعت الذکرٰی (الاعلیٰ، ۸ - ۹) یعنے تو نصیحت کرتا رہ بے شک نصیحت فائدہ دیتی ہے۔ سو میرا یا کسی خطیب کا فرض ہے کہ وہ نصیحت کرتا رہے۔ آگے سننے والے اس سے فائدہ اُٹھائیں یا نہ یہ اُن کی مرضی ہے۔

تمام مذاہب میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ہفتہ میں ایک خاص دن مقرر تھا۔ اُسے سبت کہئیے یا کسی اور نام سے پکار لیئے۔ یہودیوں میں سنیچر کا دن تھا تو عیسائیوں میں اتوار کا۔ اُن چوبیس گھنٹوں میں وہ کوئی اور دنیاوی کام کاج نہیں کر سکتے تھے۔ اور سارا وقت یادِ الٰہی کے لئے رکھا گیا تھا۔ چونکہ چوبیس گھنٹے کی مسلسل عبادت کرنا آسان نہ تھا اس لئے دوسرے مذاہب کے لوگ عبادت تو تھوڑی بہت کرتے ہیں مگر اکثر وقت گھر کے کام کاج یا سیر تفریح کرتے ہیں۔ یہود نے تو سبت کی یہاں تک بے حرمتی کی کہ دوکان کا دروازہ بند کر کے اس کے اندر بزنس کرنے لگے اور بجائے یادِ الٰہی کے سبت کے دن مچھلی پکڑنے میں لگ گئے کیونکہ جانور جوان باتوں کو سمجھتا ہے سنیچر کے دن شکار شروع میں نہ ہونے کی وجہ سے اس روز پانی کے اوپر نکل آتا تھا الغرض یادِ الٰہی سے کنارہ کشی کی وجہ سے اُن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت گری۔ لعنت کے معنے دوری کے ہیں۔ چنانچہ یہ قوم جس میں بقول تورات کے ایک وقت میں بہت سے نبی پیدا ہوتے تھے (جیسے مثلاً حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ) اور بموجب حدیث نبویؐ جب ایک نبی فوت ہوتا تو فوراً دوسرا نبی کھڑا ہو جاتا، اس قوم کی یہ حالت ہے کہ اب ہزاروں سال گزر گئے مگر ان میں کسی نبی نے تو کیا کھڑا ہونا تھا کسی شخص نے اللہ تعالیٰ کو پانے یا اُس سے ہمکلامی تک کا دعویٰ نہیں کیا۔

انہی یہود کا ذکر سورۃ جمعہ کے پہلے رکوع میں ہے جس کے دوسرے رکوع میں مسلمانوں کو فرمایا کہ تم نے اُن کی طرح نہ کرنا بلکہ جب جمعہ کی نماز کے لئے تمہیں پکارا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف لپک کر آنا۔ اسی پہلے رکوع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دنیا کی تاریخ میں بے نظیر انقلاب لانے کا ذکر ہے کہ کس طرح آپؐ نے جو خود اُمّی تھے اپنی اُمّی قوم کو جو انتہائی جہالت اور گندگیوں میں پڑی ہوئی تھی پاک و صاف کیا (یزکّیھم) اور کتاب الٰہی کے علم کے نور سے اور اپنی حکمت کی باتوں سے ان کے دلوں کو منوّر کر دیا۔ اور یہ مشکل ترین انقلاب آپؐ نے زیادہ تر جمعہ کے خطبہ کے ذریعہ سے کیا۔

اِس لئے خطبہ جمعہ کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ اُس میں وقت پر شامل ہونا اور اسے توجہ سے سننا فرض کر دیا گیا اور خطیب کا بھی فرض ہے کہ وہ بجائے لکھے ہوئے بلکہ چھپے ہوئے غیر زبان کے خطبہ کے جو سامعین سمجھ نہ سکیں قرآنِ پاک کی تلاوت کے بعد سامعین کے تزکیئے کو مقدم کرے کہ اپنی قوم میں جو کمزوریاں یا اخلاقی اور روحانی بیماریاں نظر آئیں انہیں قرآنِ پاک کے پُر اثر کلام سے دور کرنے کی کوشش کرے اور قرآن حکیم اور احادیث نبویؐ کے علم و حکمت سے لوگوں کو بھی علم پہنچائے۔ اِس لئے خطبہ جمعہ کے بارہ میں سُستی یا بے پرواہی بہت بُری بات ہے۔ یہ سمجھنا کہ ہم جب چاہیں جا کر شامل ہو جائیں یا نماز مل گئی تو جمعہ کا فرض ادا ہو گیا بالکل غلط ہے۔ جو خطبہ میں بر وقت نہیں پہنچا اس کا جمعہ نہیں ہوا۔ قرآنِ حکیم نے تو فرمایا کہ جب جمعہ کی اذان ہو تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو۔ یہ اذان وہ ہے جسے ہم پہلی اذان کہتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں تو صرف یہی ایک اذان ہوتی تھی۔ دوسری اذان تو بعد میں حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں بطور تاکید مزید بڑھا دی گئی۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے لپکنے یا دوڑ کر آنے کا حکم جو قرآنِ کریم نے دیا ہے وہ پہلی اذان کے بارہ میں ہے۔ اور حدیث نبوی صلعم میں آیا ہے کہ جب یہ اذان دی جاتی ہے تو مسجد کے ہر دروازہ پر دو دو فرشتے کھڑے ہو جاتے ہیں جو آنے والوں کے نام لکھتے رہتے ہیں اور جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو جائے تو وہ فرشتے اپنی کتاب بند کر کے خطبہ سننے کے لئے سامعین میں جا بیٹھتے ہیں۔ کس قدر عظمت خطبہ کی ہے۔ کہ جو اس میں بر وقت نہ آیا تو اس کا نام خدا کے ہاں جمعہ میں شامل ہونے والوں میں نہیں ہوتا۔ اور خطبہ سننے کے لئے فرشتوں تک کو حکم ہے کہ وہ وہاں بیٹھیں اور وہاں سے چلے نہ آئیں۔

پھر یہ بھی حکم ہے کہ خطبہ کو توجہ اور خاموشی سے سنا جائے۔ اُس میں کوئی نہ بولے۔ بعد میں آنے والا السلام علیکم نہ کہے اور اگر وہ غلطی سے کہہ دے تو حاضرین اس کا جواب نہ دیں۔ بلکہ غلطی سے بول پڑنے والے کو ٹوکنا بھی منع ہے۔ اسقدر مکمل خاموشی اور توجہ سے خطبہ سننے کا حکم ہے اگر سامعین میں سے کسی کے دل میں اعتراض پیدا ہو تو وہ خطبہ کے دوران نہ بولے بلکہ خطبہ کے بعد خطیب سے پوچھ لے۔ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ حتی الوسع امام یا خطیب سے دور بیٹھتے ہیں۔ کیا کامل ہے۔ دینِ اسلام کہ اس بارہ میں بھی حکم موجود ہے کہ امام کے جہاں تک ہو سکے نزدیک جا کر بیٹھو اور جو جتنا دور بیٹھے گا وہ اتنا ہی جنت میں دیر سے داخل ہو گا اگر وہ جنت میں داخل ہوا بھی تو! مگر ساتھ ہی حکم ہے کہ جو بیٹھے ہیں ان کے کندھوں پر سے پھلانگتے آگے مت جاؤ۔ اور نہ کسی آگے بیٹھے ہوئے کو کہو کہ تم میرے لئے جگہ خالی کرو۔

یہ بھی حکم ہے کہ جمعہ کے دن غسل کیا جائے اور حتی الوسع صاف کپڑے پہنے جائیں۔ لوگ غربت کا بہانہ بناتے ہیں کپڑے نہ صاف پہننے کے لئے۔ تو رسول اللہ صلعم سے تو کوئی زیادہ غریب نہ تھا۔ آپؐ کے ہاں مہینوں آگ نہ جلتی تھی اور کئی کئی وقت فاقے چلتے تھے حضرت عائشہ رضؓ کا فرمانا ہے (اور یہ اس وقت تک تھا جبکہ بعد میں آسائش عام ہو چکی تھی) کہ میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتی مگر رسول اللہ صلعم کو یاد کر کے روتی ہوں کیونکہ حضورؐ نے کبھی دو وقت پیٹ بھر

کر کھانا نہیں کھلایا۔ اس غربت میں بھی رسول اللہ صلعم فداہ ابی و اُمّی ہمیشہ صاف کپڑے میں ہوتے تھے اگر دوسرا جوڑا نہ بھی ہو تو حضورؐ اپنے واحد جوڑے کو خود دوپہر کی فرصت اور گرمی میں دھو لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضورؐ نمازِ عصر کے لئے ذرہ دیر سے نکلے تو صحابہؓ سے معذرت کی کہ میں نے اپنا جوڑا دھو کر ڈالا تھا تو وقت پر خشک نہ ہوا تھا۔ تو جمعہ میں بالخصوص حضورؐ نہا دھو کر اور صاف کپڑا پہن کر تشریف لاتے۔ بلکہ جب ممکن ہوتا تو خوشبو بھی لگاتے تھے بلکہ اس کا آپ نے حکم بھی دیا کہ جمعہ کے دن جو خوشبو استعمال کر سکتا ہو ضرور کرے۔ اسی طرح جمعہ سے قبل مسواک یا منجن کر کے آنے کا بھی حکم ہے تاکہ منہ سے بدبو نہ آئے۔ اور پیاز اور لہسن یا دوسری بودار چیز نہ کھا کر آنے کا حکم ہے۔

یہ ظاہری صفائی پر زور کیوں ہے؟ اوّل تو مومن کو انسانِ کامل بنانا مقصود ہے کہ اگر وہ تقویٰ سے اپنے باطن کو پاک و صاف بناتا ہے تو ظاہر میں بھی پاک و صاف ہو۔ اسلام میں دوسرے مذاہب کی طرح عُریانی یا گندگی دینداری کا نشان تو کیا ہونا تھا منع ہے۔ دوم جمعہ میں اجتماع ہوتا ہے۔ اگر جسم یا کپڑوں یا مونہہ سے بُو آتی ہو تو وہ دوسروں کے لئے نفرت و کراہت کا باعث ہوتی ہے۔ پھر وہ جو کہتے ہیں کہ دیکھ کر مکھی نگلنا مشکل ہوتا ہے بالکل صحیح ہے۔ باطنی گندگی تو ایک باطنی امر ہے۔ جو انسان ظاہری گندگی سے جو دنیادار سے دنیادار انسان کو بھی نظر آتی ہے نفرت نہیں کرتا اُس نے باطنی گندگی کو کیا پہچاننا یا دور کرنا ہے جو ظاہری گندگی تک میں خوش ہے۔

باطنی گندگیوں میں سے عام اور دُور کرنے میں بہت مشکل گندگی مال کی محبت ہے۔ اسی لئے دُوسرے مذاہب نے راہب بن جانا یا نن بننا یا سادھو یا بھکشو بننا باطنی تزکیہ کے لئے ضروری سمجھا۔ اسلام نے مال کمانے کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ اُسے اپنا فضل کہا جیسا کہ آج کے رکوع کی دوسری آیت میں ہی مذکور ہے کہ جب نمازِ جمعہ ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کے فضل (دنیاوی نعمتوں) کو بے شک تلاش کرو۔ تو مال کی محبت ایک تاجر یا صنعت کار کو زیادہ پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اپنا کاروبار ہی مال کے بل بوتہ پر کرتا ہے اور ایسے لوگوں کو ہی یادِ الٰہی کے لئے وقت نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آج کل بین الاقوامی تجارت کے زمانہ میں ٹیلیفون یا تار ٹیلیکس (TALEX) یا ریڈیو کی خبروں تک سے بین الاقوامی تجارت اور منڈیوں کے کاروبار چلتے ہیں۔ تو ایسے آدمیوں کے لئے کاروبار کو چھوڑ کر خطبہ کے مقررہ وقت پر نہا دھو کر شامل ہونا مشکل ہوتا ہے بہ نسبت ملازمت پیشہ لوگوں کے جن کو رخصت ہوتی ہے جبکہ بین الاقوامی تجارت جمعہ کے دن چل رہی ہوتی ہے بلکہ زیادہ زوروں پر ہوتی ہے کیونکہ آگے ہفتہ اتوار تقریباً تمام دُنیا میں چھٹیاں ہوتی ہیں۔ تو کاروباری آدمی جو مصروف ترین ہوتا ہے اُسے بھی کہا کہ جب نماز جمعہ کے لئے پکارا جائے تو دُنیا کے کاروبار چھوڑ کر اللہ کے ذکر کی طرف لپکو۔ یہ اس لئے کہ دولت کمانا انسان کی پیدائش کا مقصد نہیں۔ بلکہ اللہ کو پانا انسان کا مقصدِ پیدائش ہے۔ تو فرمایا کہ اس اعلیٰ ترین مقصد یا دولتِ بیش بہا یعنے اللہ تعالیٰ کو پانے کو ترجیح دو۔ پیسہ کمانے پر یہی مطلب ہے ان پاک الفاظ کا کہ ذٰلکم خیرٌ لکم ان کنتم تعلمون یعنے اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے دولت کی تلاش کو چھوڑ کر آنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہوتے۔

اسی لئے اگلی آیت میں جہاں نمازِ جمعہ کے بعد زمین میں پھیل جانے اور خُدا کے فضل یعنے دنیاوی نعمتوں کو تلاش کرنے کا حکم دیا وہاں پھر فرمایا واذکروا اللّٰہ کثیرًا لعلکم تفلحون یعنے دُنیا کے کام کاج میں بھی اللہ کو بہت یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ فلاح کے معنے مخفی جوہروں کے نکلنے کے ہیں۔ یعنے کہ دنیاوی ہیروں جواہرات سے بڑھ کر وہ روحانی جواہرات ہیں جو انسان میں مخفی ہیں۔ اور جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے سے دُنیاوی کام کاج میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

آخری آیت میں فرمایا کہ جب وہ کوئی تجارت (دنیاوی منافع) دیکھتے ہیں یا کھیل کود تو ان کی طرف بھاگ پڑتے ہیں اور تجھے کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ یہ منافقین مدینہ کا ذکر ہے۔ مگر آج بھی جو شخص دنیاوی منافعوں یا کھیل کود (مثلاً شکار یا پکنک یا ٹیسٹ میچ) کے لئے جمعہ کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے وہ ڈرے کہ یہ تو منافقوں کا کام تھا۔ فرمایا کہ انہیں بتاؤ کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ دنیاوی منافعوں یا کھیل کود سے بہتر ہے۔ یہ عارضی اور حیوانی چیزیں ہیں۔ ہمیشہ رہنے والی وہ رُوح ہے جو اللہ میں سے آئی ہے اور انسان کے اندر رکھ کر اس کو وہ دولت اور نعمت بخشی گئی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی اللہ تعالیٰ کی نعمت نہیں۔ فرمایا۔ اس رُوح کی غذا اور پاکیزگی اور نشو و نما کو جو نمازِ جمعہ اور خصوصاً خطبہ جمعہ سے ملتی ہے ترجیح دو۔ عارضی فائدوں سے جو تجارت یا کھیل کود میں تمہیں ملتے ہوں۔ پھر فرمایا واللّٰہ خیر الرازقین۔ اللہ بہترین رزق دینے والا ہے یعنے اگر دنیاوی رزق کی طلب ہے تو وہ بھی تو اللہ تعالیٰ بہترین دینے والا ہے۔ اس کی طرف آؤ تو وہ تمہیں دنیاوی رزق بھی دے گا۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو بھی توفیق دے کہ دین کو دنیا پر ترجیح دیں جس کا عہد ہم نے امامِ زمانہ کے ہاتھوں پر کیا ہے اور اس کا ایک امتحان جمعہ کے دن بھی ہوتا ہے۔

اہلاً وسہلاً و مرحبا اے ماہ صیام

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا والصوم جنّۃ روزہ ڈھال ہے۔ روزہ گناہوں اور جہنّم سے بچاؤ کا باعث ہے، جب انسان روزہ سے ہو تو چاہیئے کہ فحش باتوں لڑائی جھگڑے یا گھر میں چیخنے چلّانے سے اجتناب کرے۔ روزہ دار کے منہ کی خوشبو کو اللہ تعالےٰ نے مشک کی خوشبو سے تشبیہ دی ہے۔

یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس کا ابتدائی حِصّہ اللہ کی رحمت ہے۔ درمیانی حِصّہ مغفرت ہے اور آخری حِصّہ آگ سے آزادی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

جبرئیل میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا ہلاکت ہو اس شخص کی۔ جس نے رمضان کا مُبارک مہینہ پایا اور پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی۔ میں نے اس کی دُعا پر کہا۔ آمین۔

(حدیث نبویؐ)

جب رمضان آتا ہے تو جنّت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جنّت کے آٹھ دروازے ہیں۔ جن میں سے ایک کا نام ریان ہے اس میں صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔ (بخاری شریف)

ماہ رمضان المبارک کی تقدیس و عظمت کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ کریم و تبارک نے اہلِ عالم کی فلاح و نجات کے نسخوں (الہامی کُتب) کے نزول کے لئے ماہ صیام ہی کو منتخب کیا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جنہوں نے ان ایّام برکت و رحمت اور ماہ رشد و ہدایت کو غنیمت سمجھا اور زیادہ سے زیادہ اپنے گناہوں کی معافی طلب کی۔ جب رمضان کی آخری رات آتی ہے تو اللہ تعالےٰ روزہ داروں کو شرفِ قبولیت بخشتے ہیں۔ اُن کی بخشش اور مغفرت کا حکم صادر فرماتے ہیں۔

نسخۂ شفا

علامہ محمد علیؒ

مومنوں کے بلند اوصاف

اللہ تعالےٰ نے پانچ باتیں (مومنوں کی) مدح کے مقام پر بیان فرمائی ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ یہ نہیں بتلایا کہ ان کو کیا ملے گا یا کیا نہیں ملے گا بلکہ صرف ان کے بلند مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے ذکر کیا ہے اس کو عربی میں نصب علی المدح کہا جاتا ہے۔

پہلا وصف :- الصّٰبرین

پہلا وصف جو بیان کیا گیا ہے اس کو الصّٰبرین کے لفظ سے ظاہر فرمایا ہے۔ صابر کا لفظ عام طور پر ہماری زبان میں بھی مشہور ہے مگر قرآن شریف کی اصطلاح میں صبر کا ذکر دو رنگوں میں آیا ہے۔ صبر اصل میں روک رکھنے کا نام ہے۔ یہ روکنا بھی دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک تو بُری بات سے اپنے آپ کو روکنا کہ انسان کا قدم بُرائی کی طرف نہ اُٹھے۔ دوسرا یہ کہ انسان کا جو بھی قدم اُٹھے وہ اچھی بات کے لئے ہو اس کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔

الصّبر عن المعصیۃ والصّبر علی الطاعۃ

معصیت یا بُرائی سے روکنا اور نیکی کی طرف فرمانبرداری کا قدم اُٹھانا۔

دُوسرا وصف - الصادقین

دُوسرا وصف صادقین کے لفظ کو اختیار کر کے بیان فرمایا ہے۔ صادق بھی ہماری زبان میں مستعمل ہے۔ عام طور پر سچ بولنے والے کو صادق کہا جاتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ان خوبیوں میں سے جو آپؐ کی بعثت سے پہلے قوم کے اندر روشن ہو چکی تھیں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ کا سچ بولنا ہر ایک پر مسلّم تھا۔ آخر عمر تک اسلام کے بڑے بڑے دشمنوں نے بھی اس بات کی گواہی دی کہ حضورؐ کی زبان سے سچ کے سوائے کوئی دوسری بات نہیں سنی گئی۔ ابوسفیان جب آپؐ کا دشمن تھا قیصر نے اس کو دربار میں پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے اس شخص پر جو پیغمبری کا دعوےٰ کرتا ہے جھوٹ صادر ہوتے دیکھا۔ جس کا اس نے نفی میں جواب دیا۔ لیکن یہاں پر صادق کے معنے صرف سچ بولنے والے کے نہیں بلکہ صادق وہ ہے جو اپنے فعل میں سچائی کا اظہار کرتا ہے۔ قول کی سچائی تو یہ ہے کہ انسان سچ بول دے لیکن فعل کی سچائی یہ ہے کہ انسان خُدا تعالےٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے مصیبت کے وقت بھی اسی طرح قدم آگے بڑھائے جس طرح خوشی یا خوشحالی کی حالت میں بڑھاتا ہے۔ پس صابر کے اُوپر کا جو درجہ ہے وہ صادق ہے۔ یعنی صابر وُہ ہے جو تکلیف کو برداشت کرنے کے لئے پہاڑ کی طرح مضبوط اور قائم رہتا ہے۔ اور صادق وہ ہے جو مشکل اور تکلیف میں اسی طرح قدم بڑھاتا ہے جس طرح وہ خوشی یا خوش حالی میں بڑھاتا ہے۔

تیسرا وصف :- قانتین

تیسرا وصف لفظ قانتین میں بتلایا ہے۔ قانت۔ فرمانبردار۔ صبر اور صدق کے ساتھ تیسرا مرتبہ قنوت کا ہے۔ یعنی خدا تعالےٰ کی کامل فرمانبرداری کسی حالت میں نہیں چھوڑتے۔ دُکھ کی حالت میں ہوں یا مصیبتوں سے چکنا چور ان کا قدم فرمانبرداری میں آگے ہی بڑھتا ہے۔

چوتھا وصف :- المنفقین

چوتھا وصف المنفقین کے لفظ سے ظاہر فرمایا ہے۔ یہ خرچ کرنے والے ہیں مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ بیاہ شادی کے موقعوں پر خرچ کرنے والے یا اپنی برادری میں ضرورت یا ضرورت سے بڑھ کر خرچ کرنے والے۔ اور یہ بھی مراد نہیں کہ اپنی نمود و نمائش کے لئے خرچ کرنے والے اور یہ بھی مُراد نہیں کہ اپنی جائیدادیں بنانے کے لئے خرچ کرنے والے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ یعنی جو وہ مال خرچ کرتے ہیں وہ خدا تعالےٰ کے رستہ میں اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اور اس انفاق سے صرف مال کا خرچ کرنا مراد نہیں بلکہ اپنی طاقتوں اور قوتوں کا جو خُدا نے انسان کو دی ہیں انہیں خدا کی راہ میں لگا دیتے ہیں۔ اور چونکہ مال بھی انسان انہی طاقتوں اور قوتوں کو خرچ کر کے حاصل کرتا ہے اس لئے اس طرح کمائے ہوئے مال کو خُدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

تلاوتِ قرآن کا مقصد کیا ہونا چاہیئے۔

یہ چار مرتبے ہیں۔ ان چاروں مرتبوں کے اُوپر ایک اور بات بیان فرمائی۔ عام طور پر مسلمان قرآن کریم کو پڑھتے ہیں (اور ہم میں سے بھی بہت سے ایسے ہوں گے) جو ثواب کی نیت سے پڑھتے ہیں لیکن اس غرض سے نہیں پڑھتے کہ جو کچھ قرآن کے اندر ہے اپنے آپ کو اس کے مطابق بنائیں۔ بے شک قرآن کو بڑی خوبصورت قرأت کے ساتھ پڑھو اور ایسے رنگ میں اس کی تلاوت کرو کہ دلوں پر اس کا اثر ہو جائے۔ اور قرآن کریم کے پڑھنے سے دلوں پر اثر یقیناً ہوتا ہے۔ لیکن خدا تعالےٰ نے اپنے پاک کلام کو اس لئے نازل فرمایا ہے کہ ہم اس کو اپنے عمل میں لانے کی کوشش کرتے رہیں۔ آج یہ عمل مفقود ہے۔

اپنی تعریف سُننے کی خواہش

عام طور پر مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ تحبّون ان یحمدوا بما لم یفعلوا کے مصداق ہیں چاہتے ہیں کہ اُن کی تعریف ہو کہ مسلمان ایسا ہوتا ہے بما لم یفعلوا لیکن جو کرتا ہوتا ہے وہ نہیں کرتے تعریف کا راگ سُننا چاہتے ہیں۔ دونوں باتیں مذموم ہیں تعریف کی خواہش یا یہ کہ لوگ میری تعریف کریں مذموم فعل ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی دوسرے کی تعریف کی تو حضورؐ نے فرمایا قطعت عنق اخیک تُو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی۔ اس فعل کو حضورؐ نے کس قدر مذموم سمجھا ہے باوجود اس کے عام طور پر مسلمان ایسا ہی چاہتے ہیں کہ دُوسرے ان کی تعریف کریں۔ اور اچھا کام کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی شاید ہماری جماعت میں بھی بہت لوگ ہیں جو اپنی تعریف تو چاہتے ہیں لیکن جب قربانیوں کے لئے بلایا جاتا ہے تو وہ ٹال دیتے ہیں۔

قرآن نسخۂ شفا ہے جو عمل چاہتا ہے۔

یہ چار مقام صبر، صدق۔ فرمانبرداری اور انفاق فی سبیل اللہ حاصل کرنے کی تو چنداں کوشش نہیں کی جاتی۔ مثلاً ایک انفاق کو ہی لے لیجیئے۔ مال کا خرچ کرنا کس قدر دشوار ہے۔ ہر شخص خوب جانتا ہے کہ اس مال کے جمع کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا لیکن اس جاننے کے باوجود خدا کے رستہ میں خرچ کرنا کتنا دشوار ہے۔ یہاں تک کہ اس سے بڑھ کر مسلمانوں کو کوئی دوسری چیز مشکل نہیں نظر آتی۔ قرآن کو پڑھو مگر اس نیت سے نہیں کہ خُدا کے ہاں سے ثواب مل جائے گا۔ ثواب تو وہ ہو گا جو آپ کے نفس کے اندر ظاہر ہو گیا۔ یہ خیال کہ قرآن کے محض پڑھنے سے خدا تعالےٰ نے رجسٹروں میں تعریف لکھ دی ہے غلط ہے۔ ڈاکٹر کے نسخہ کو آپ پڑھتے پڑھاتے رہیں مگر وہ ادویہ استعمال نہ کریں اس کا کیا فائدہ ہو گا۔ کیا اس حرکت کی قدر و منزلت اس طبیب کے نزدیک ہو گی یا کیا وہ طبیب اس کو اچھا سمجھے گا کہ نسخہ کو بار بار پڑھا جائے۔ لیکن اس کا استعمال نہ کیا جائے۔؟ خدا تعالےٰ نے بھی قرآن کی شکل میں شفا کا نسخہ دنیا پر نازل کیا ہے۔ ایسے ہی جیسے طبیب کا نسخہ اجزا میں ہوتا ہے۔ بڑی دفعہ دوہرائیے کچھ حاصل نہیں ہو گا جب تک کہ اس نسخے کو استعمال نہ کرو گے۔

صحیح جذبہ عمل پیدا کرو :- صبر، صدق، فرمانبرداری اور انفاق فی سبیل اللہ

کا صحیح جذبہ تمہاری زندگیوں میں بھی نظر آنا چاہیئے۔ مشکلات مصائب اور بدی کے مقابلہ میں پہاڑ کی طرح کھڑے رہو سچ بولو اور جو کچھ منہ سے کہا ہے اس کو سچ کر دکھلاؤ۔ خدا تعالےٰ کی فرمانبرداری کو ہر وقت مدنظر رکھو۔ خدا کے رستہ میں خرچ کرنے کا موقعہ آئے دل میں کشادگی پیدا ہو۔ فمن یرد اللّٰہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام جس کی ہدایت کا اللہ تعالےٰ ارادہ فرماتا ہے اس کے سینہ کو کھول دیتا ہے دل میں فراخی یا وسعت پیدا کر دیتا ہے۔ ایک دوسری قسم کا بھی انسان ہوتا ہے۔ ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقاً حرجاً جس کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور کسی قسم کی کشادگی نہیں کانما یصعد فی السماء جس طرح اُوپر چڑھنے سے دم رُکنے لگتا ہے اسی طرح وہ لوگ خرچ کرنے میں تنگی محسوس کرتے ہیں۔

ترقی کا آخری مرتبہ۔ شب بیداری

ان چار مرتبوں کے بعد پانچویں بات جو بیان فرمائی گئی ہے اس کا مقام سب سے اُوپر اور اُونچا قرار دیا ہے۔ والمستغفرین بالاسحار خدا کی حفاظت مانگنے والے۔ خدا سے غفر ذنوب مانگنے والے صبح کے وقتوں میں یا سحریوں کے وقتوں میں۔ میں اس قدر جانتا ہوں کہ یہ خدا کے الفاظ ہیں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ قوم اپنے آپ کو ان الفاظ میں نہیں ڈھال رہی۔ ہماری قوم کی عادات اس قدر بدل چکی ہیں کہ کوئی شخص اگر ہماری قوم کو دیکھے تو یقیناً وہ اس نتیجے تک پہنچے گا کہ گو انگریزوں کی حکومت جسموں سے اُٹھ چکی ہے لیکن دلوں پر بدستور ان کی حکومت باقی ہے۔ صبح کے بعد آٹھ بجے اُٹھنے کی کونسی رسم ہے۔ حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ صحابہ کرامؓ۔ مجددین، اور اولیاء اللہ کے علاوہ دوسری قوموں کے اندر بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو صبح کے وقت اُٹھنے والے تھے۔ چار دل مراتب کے بعد اس کے لانے سے صاف بتا دیا ہے کہ شب بیداری ترقی کے لئے آخری مرتبہ ہے۔

سحری کے وقت اُٹھنے کی عادت ڈالو۔

آجکل سحری کا وقت ۵ بجے کے قریب ہوتا ہے کیا صبح کے قریب ہماری آنکھ کھل جاتی ہے اور یہ جو اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ سحریوں کے وقت خدا کی حفاظت مانگنے والے ہیں۔ ہمارا اس پر عمل رہا ہے۔ استفادہ تو دوسری بات ہے۔ کہ سحری کے وقت ہم جاگتے ہیں۔ مجھے افسوس سے یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ ہم لوگ اولاد پر بھی بُرا اثر ڈال رہے ہیں۔ اور ہم اولاد کی اصلاح نہیں کرنا چاہتے۔ اگر ہم میں سے کسی شخص نے ڈیوٹی پر جانا ہو یا پرائم منسٹر نے کہیں باہر جانا ہو اور ہم نے ان کو سلام کرنا ہو تو کیا ہم تین بجے رات کو ہی اس کے لئے تیاری شروع نہ کر دیں گے؟ یا ہم میں سے کسی نے ۵ بجے صبح کی ریل میں سوار ہونا ہو تو کیا ہم تیاری کر کے اس میں سفر کرنے کے لئے روانگی سے قبل ہی ریلوے سٹیشن پر نہیں آ جاتے۔ اس لئے اس قسم کے عذر تراشنا کہ صبح کے وقت اُٹھا نہیں جا سکتا اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔ دیکھئے مسلمان قوم کی خصوصیت ہے اور اسلام کے کلچر میں یہ بات داخل ہے کہ انسان علی الصبح بیدار ہو۔ وہ عادات جو انگریزی تہذیب نے لگا دی ہیں۔ ان کو چھوڑ دو۔ ذرا کوشش کرو گے تو چھوٹ جائیں گی۔ بات یہ ہے کہ ہم علی الصبح اُٹھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔

موجودہ تہذیب کا اثر

میں نے دیکھا ہے کہ اس تہذیب سے اولاد پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ علی الصبح اُٹھنے کو ہنسی اور تمسخر قرار دیتے بلکہ اس سے بڑھ کر نماز پر تمسخر ہے۔ روزوں پر تمسخر ہے۔ میں نے اسی قسم کے بڑے بڑے لوگوں کو بھی نماز پر تمسخر کرتے دیکھا ہے۔ اور چھوٹوں کو بھی تمسخر کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان کے نزدیک رکوع میں جانا اور سجدے کے لئے زمین پر گرنا تہذیب سے گری ہوئی بات ہے کیونکہ انہوں نے انگریزی تہذیب میں پرورش پائی ہے۔ اس لئے ان کو علم ہی نہیں کہ نماز، روزہ خدا کے فرائض میں داخل ہیں۔ الغرض نماز پر تمسخر اور قرآن پر تمسخر کی اصل وجہ والدین کی غفلت اور لاپرواہی ہے۔ حالانکہ یہ وہ چیزیں ہیں جو انسان کی زندگی کو بنانے والی ہیں لیکن عدم توجہی کے باعث ہم اپنی اولاد کو ایسا نہیں بناتے کسی یعنی عیسائیوں کی تربیت گاہ میں اپنے بچوں کو پڑھانے کے لئے پچاس روپیہ ماہوار خرچ برداشت کر لیں لیکن نماز سکھانے کے لئے تھوڑا سا خرچ بھی برداشت نہ کریں گے بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ ان کو مفت آدمی بھی مل جائے پھر بھی اس کی پرواہ نہیں کریں گے۔ حیوانی خواہشات کی تربیت کریں گے مگر روحانی تربیت کا انتظام نہیں کیا جاتا۔ میں اپنے دوستوں کو علی الصبح اُٹھنے کی تاکید کروں گا خدا تعالےٰ کی شہادت قرآن میں ہے کہ بالاسحار ھم یستغفرون صبح کے وقت میں خدا کی حفاظت مانگتے ہیں۔

جلدی سو جاؤ اور سویرے اُٹھو۔

علاوہ ازیں یہ وقت قبولیت دعا کا بھی ہے۔ یہ بھی عذر کیا جاتا ہے کہ رات کو دیر سے سونا ہوتا ہے اس لئے صبح نہیں اُٹھا جاتا۔ یہ امر تو عادات پر منحصر ہے۔ جو جلدی سونے کی کوشش کریں گے وہ جلدی اُٹھ سکیں گے۔ یہ انگریزی تہذیب کا صبح آٹھ بجے سو کر اُٹھنا سمجھ نہیں آتا۔ کیسے ان میں رواج پا گیا حالانکہ انگریزی میں بھی ایک مثل ہے یعنی جلد سو جاؤ اور جلد اُٹھو۔ یہ رات کو دیر سے سونا اور سونے کے وقت میں لچر اور لغو باتوں میں لگے رہنا یہ خدا کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے کیونکہ اسی وجہ سے انسان صبح سویرے اُٹھنے سے محروم رہتا ہے۔

میٹھی نیند کا نسخہ

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طرز عمل یہ تھا کہ عشا کی نماز کے بعد بات کرنا ناپسند کرتے تھے۔ بات بھی ٹھیک ہے تاکہ اس حالت میں سو جائیں جب دل خدا کی طرف لگا ہو۔ نیند ایک قسم کی موت ہے۔ جس حالت میں انسان سوئے گا اسی حالت میں اُٹھے گا۔ نیند میں انسان پورے طور پر نہ سہی لیکن ادھورے طور پر خدا کے قبضہ میں چلا جاتا ہے۔

٭ اللہ تعالےٰ جانوں کو (دو طرح پر) قبض کرتا ہے۔ موت میں بھی اور نیند میں بھی۔ تو جن کو پہلی رات میں نیند نہیں آتی اور ان کے لئے بھی جو جلد سو جانے کے عادی ہیں میٹھی نیند کا نسخہ بتلانا چاہتا ہوں۔ اگر اس نسخہ پر عمل کیا جائے گا تو بڑی بھاری نعمت ثابت ہو گا۔ ابتداء میں کسی قدر مشکل نظر آئے گا ذرا کوشش کیجئے یہ نسخہ ساری کوفتوں کو دور کر دے گا۔ عشاء کی نماز پڑھتے ہی بستر پر چلے جاؤ۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ نیند کے وقت بھی تمہارا تعلق خدا کے ساتھ رہے گا۔ خدا کے ساتھ اگر تعلق ہو تو انسان کے نفس کو غموں اور فکروں سے ہلکا کر دیتا ہے۔ اس حالت میں نیند آ جائے اور عادت تم پر مستقل ہو جائے اور یہی حالت ہمیشہ کے لئے تمہارے نفس پر مسلّط ہو جائے گی۔

سوتے وقت کی دُعا

اور جب بستر پر جانے لگو تو وہ دُعا جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھلائی ہے ایک دفعہ دو دفعہ ضرور پڑھا کرو۔ ایسی میٹھی نیند آئے گی اور ایسی بابرکت نیند ہو گی کہ نیند کا وقت بھی عبادت میں شمار ہو گا۔ اللھم انی اسلمت نفسی الیک اے اللہ اپنے نفس کو تیرے سپرد کرتا ہوں اور اپنی سب خواہشات کو تیرے فرمان کے تابع کرتا ہوں۔ فوضت امری الیک اور اپنے معاملات کو بھی تیرے ہی سپرد کرتا ہوں۔ یہ اب میرے لئے کسی پریشانی کا موجب نہ ہوں۔ ووجھت وجھی الیک اپنا منہ یعنی اپنی ساری توجہ تیری طرف پھیرتا ہوں والجاءت ظھری الیک اپنی پیٹھ کے لئے بھی تیرا ہی سہارا تلاش کرتا ہوں۔ کس قدر پاکیزہ کلام ہے جو منہ بھی خدا کی طرف ہے پیٹھ بھی خدا کی محتاج ہے۔ رغبۃ ورھبۃ منک تیری طرف آنے کا بھی شوق ہے اور تیری گرفت کا بھی خوف ہے۔ لاملجاء ولا منجاء منک الا الیک تیرے سوائے میرے لئے کوئی پناہ کی جگہ کہیں نہیں ہے۔ سو تو مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔ اٰمنت بکتابک الذی انزلت وبنبیک الذی ارسلت میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے اتاری اور اس نبی پر ایمان لایا جسے تو نے بھیجا۔ ان الفاظ کو دہراتے جاؤ یہاں تک کہ نیند تم پر غالب آ جائے۔

(بقیہ صد کالم ۳ پر ملاحظہ فرمایئں)

رمضان کا بابرکت مہینہ

مکرم مرزا محمد لطیف شاہد

چند دنوں تک رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہو جائے گا۔ وہ مسلمان بڑے ہی خوش قسمت ہوں گے جو ان مبارک ایّام میں پورا پورا فائدہ اُٹھائیں گے۔ قرآن مجید میں اس ماہ میں روزے رکھنا مسلمانوں پر فرض قرار دیئے گئے ہیں۔ فرمایا کہ اگر کوئی شخص مریض ہو یا مسافر ہو تو وہ یہ دن مرض کے ختم ہونے کی صورت میں اور سفر کی حالت میں جب نہ رہے اس وقت پورا کرے۔ اور ان ایام میں صاحب حیثیت لوگوں کو چاہیئے کہ وہ حاجت مندوں کی حاجت براری خاص طور پر کیا کریں تاکہ وہ بھی آسانی اور آرام کے ساتھ روزہ رکھ سکیں۔ اور ہماری پاک کتاب قرآن مجید کا نزول بھی اسی مقدس مہینہ میں شروع ہوا تھا اور کوئی شخص جو بیمار یا مسافر نہیں وہ کسی حالت میں بھی روزہ کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اور اس مہینہ کا قبولیت دُعا کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ پس جو لوگ اللہ تعالےٰ کے حکم کو بجا لاتے ہیں ان کے اوپر اللہ تعالےٰ اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اور اسی مہینہ میں ایک رات ایسی بھی آتی ہے جسے ایک ہزار مہینہ سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ جو رمضان کے آخری عشرہ میں طاق راتوں میں آتی ہے۔ مومن لوگ اولاً تو رمضان کے روزے رکھتے ہیں دوسرے جن کو اللہ تعالےٰ توفیق دیتا ہے وہ اعتکاف میں بھی بیٹھتے ہیں۔

قرآن مجید نے اس مبارک مہینہ کے دو نام بیان فرمائے ہیں۔ الصّیام۔ یہ صوم کی جمع ہے دوسرے رمضان۔ صوم کے لغوی معنے ہیں کہ انسان کسی فعل سے رُکے۔ کھانا پینا دونوں مراد ہیں۔ رمضان کا لفظ رمض سے نکلا ہے۔ ایک تو اس کے ظاہری معنے ہیں یعنی تپش۔ سوزش۔ جلن اور دوسرے باطنی معنیٰ ہیں کہ انسان ان ایام میں خدا تعالےٰ کی اتنی عبادت کرتا ہے۔ قال اللہ اور قال الرسول پر اتنا عمل کرتا ہے کہ اس مجاہدہ کے نتیجہ میں روحانی طور پر اس کے اندر ایک نار پیدا ہو جاتی ہے۔ جو ہر طرح کے عیوب۔ نقائص۔ سستیوں اور کمزوری کو دور کر دیتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کا مقرب ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے پورے شرائط کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے تو وہ اس کے نتیجہ میں ایک نومولود بچہ کی طرح پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا۔

الصوم لی انا اجزی بہ

جس نے میری خاطر میرے حکموں پر چلتے ہوئے روزہ رکھا اس کی پوری پوری جزا میں خود ہو جاتا ہوں۔

قرآنِ مجید نے روزہ کی فلاسفی یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان متقی بن جاتا ہے اس کے نتیجہ میں انسان کے اندر جو طاقتیں اس کو خدا تعالےٰ کے احکام کو بشاشت قلب سے ادا کرنے سے دُور لے جاتی ہیں وہ روزہ کی برکت سے دور ہو جاتی ہیں اور نیکیوں میں اس کا قدم ترقی کرتا ہے اور نیکی کو ادا کرنے کی ایک قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنی خواہشات پر غالب آ جاتا ہے۔ اور اطاعت کا بڑا عمدہ سبق بھی یہ مہینہ ہمیں دیتا ہے۔ کھانے پینے کے اوقات مقرر فرما دیئے کہ سپیدۂ سحر کے بعد کھانا پینا ترک کر دو۔ اور جب سورج غروب ہو جائے اس وقت روزہ کھول لو حدیث میں آتا ہے:۔

اذا غاب قرص الشمس فافطروا۔ جب سورج کی ٹکیہ تمہاری آنکھوں سے غائب ہو جائے تو روزہ کھول لو۔ اس میں بڑا افراط و تفریط ہوتا ہے۔ جب مغرب کے وقت بلیے وقفے سے اذانوں کی آوازیں گونجتی ہیں تو سخت حیرت اور افسوس ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ فرماتے تھے کہ جب رمضان میں مغرب کی اذان کے بعد مسجد میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ ہم نماز ادا کر کے گھروں کو واپس جاتے تھے تو اس وقت بھی اتنی روشنی ہوتی تھی کہ اگر کوئی تیر انداز تیر پھینکے تو ہم کو یہ بھی نظر آتا تھا کہ تیر کہاں گرا ہے۔ اور اب کیا حال ہے ہمارے بھائی خود فیصلہ کریں۔

رمضان میں مریض اور مسافر روزہ نہ رکھیں

اس میں بھی بڑا افراط و تفریط کا بازار گرم ہے۔ ایک انسان شدید بیمار ہے لیکن روزہ رکھ رہا ہے۔ مسافر ہے پھر بھی روزہ رکھتا ہے۔ ہر انسان خود اپنا محاسب ہے وہ خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ میں بیمار ہوں یا مسافر ہوں۔ بعض بیماریاں ایسی ہیں جن کے بارے میں انسان خود فیصلہ نہیں کر سکتا وہ اپنے طبیب سے مشورہ لے لیں۔ اگر طبیب کہہ دے کہ آپ لمبا عرصہ کھانے پینے سے رکنے کی وجہ سے آپ اپنی بیماری کو بڑھائیں گے تو اسے چاہیئے کہ روزہ نہ رکھے۔ سفر کے بارہ میں وہ خود فیصلہ کرے۔ اسلامی شریعت کی بنیاد۔ اطاعت و فرمانبرداری پر ہے۔ زبردستی پر اسلامی احکام انسان کو مجبور نہیں کرتے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کسی حدیث میں بھی سفر کے میل مقرر نہیں فرمائے یہ سب زیادتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ مریض اور مسافر یہ گنتی دُوسرے دنوں میں پوری کر لیں۔ اور جن لوگوں کو بعد میں گنتی پوری کرنے میں مشقت ہے وہ فدیئے دیا کریں۔ اسی میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو کہ دائم المریض ہیں اور اسی حکم میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو کہ بہت بوڑھے ہیں اور اسی طرح حدیث میں آتا ہے حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورتیں بھی روزہ نہ رکھیں۔ کیونکہ روزہ کے نتیجہ میں حمل یا بچہ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ فدیہ دے دیا کریں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ باوجودیکہ بڑھاپا ان پر غالب ہوتا ہے۔ صحت ان کی اجازت نہیں دیتی پھر بھی روزہ رکھتے ہیں۔ ان کو روزہ نہیں رکھنا چاہیئے۔ وہ فدیہ دے دیا کریں۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ حضرت انسؓ جب بہت بوڑھے ہو گئے تو روزہ کی بجائے فدیہ دے دیا کرتے تھے۔ اسی واسطے حدیث میں آتا ہے کہ بوڑھے مرد اور عورتیں مریض کے حکم میں داخل ہیں۔

آجکل جن لوگوں کے لئے رخصت ہے وہ تو پوری کوشش کرتے ہیں کہ روزے رکھیں اور جن پر فرض ہیں وہ کوتاہی کرتے ہیں۔ بخاری میں ایک حدیث ہے کہ کسی شخص نے اگر رمضان کا ایک روزہ بھی بغیر کسی معقول عذر یا بیماری کے چھوڑا تو اگر وہ ساری عمر کے روزے بھی رکھے تب بھی اس کی قضا نہیں ہو سکتے۔ پھر روزہ کا مطلب صرف منہ باندھنا نہیں بلکہ عبادات۔ مجاہدات۔ ذکر الٰہی۔ تلاوت قرآن مجید۔ سخاوت۔ قول خیر۔ اور عمل صالح کی ٹریننگ کا مہینہ ہے۔ اور جو یہ احکام بجا نہیں لاتا تو وہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اس ارشاد پر غور کرے کتنے ہی روزے دار ہیں جنہیں اپنے روزوں سے سوائے پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور کتنے ہی راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت کرنے والے ہیں جنہیں اس عبادت سے رات کی نیند کی محرومی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ (دارمی) بلکہ اصل مطلب روزے اور عبادت کی ظاہری شکل نہیں بلکہ اس کی حقیقی روح ہے۔

روزے کا اصلی مقصد رضا الٰہی ہے۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں۔ من صام رمضان ایماناً و احتساباً غفرلہ ماتقدم من ذنبہ (بخاری) جو شخص رمضان میں اس حالت میں روزہ رکھے کہ اس کا ایمان بھی پختہ ہو اور نیت یہ ہو کہ اس روزے سے خدا تعالےٰ کی رضا حاصل کروں اور وہ اس کو تلاش بھی کرے تو ایسا شخص اپنے اس مقصد عظیم کو پا لیتا ہے۔ اور روزہ کو ڈھال بھی قرار دیا ہے

اور رفث سے منع فرمایا ہے۔ ایسی باتوں سے پرہیز کرے جن سے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے اور ایسی باتیں کبھی نہ کرے جو ایک مسلمان کی شان کے منافی ہیں۔ بلکہ ہمیشہ اس کی زبان ذکر اللہ سے رطب اللسان رہے اور دل خشیت الٰہی سے پُر ہو اور آنکھیں اللہ کے احسانوں کو یاد کر کے تر رہیں اور چلنا اس کا وقار سے ہو۔ بیٹھنا اس کا ادب سے ہو۔ عمل اس کا صالح ہو اس وقت ایسا شخص کہہ سکتا ہے کہ میں روزہ دار ہوں۔ (الغزالی) پس ہمیں رضاء الٰہی کو حاصل کرنے کے لئے یہ خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

رمضان میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے سخاوت فرمایا کرتے تھے حدیث میں اس کے لئے تیز ہوا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس ماہ میں عید الفطر سے بہت قبل فطرانہ ہر ذی نفس کی طرف سے ادا کرنا ضروری ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ عین عید والے دن لوگ فطرانہ ادا کرتے ہیں۔ یہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی صحیح ترجمانی نہیں ہے، آپ تو فرمایا کرتے تھے کہ ہر مسلمان فطرانہ ادا کرے۔ اور عید سے بہت پہلے ان کو مستحقین میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ تاکہ وہ بھی عید کی خوشیوں میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں۔ اگر عید کی نماز سے پہلے ادا کیا تو ایسی حالت میں وہ مسلمانوں کی عید کی خوشی میں کس طرح شریک ہوں گے۔ ہاں مجبوری دوسرا امر ہے۔ اور یہ کبھی ہوتی ہے نہ اس کو روایت اور رواج بنا لیا جائے۔ اس کی خاص طور پر زور دے کر اصلاح کرنی چاہیئے۔

ہمارے امام مجدد صد چہار دہم رمضان المبارک کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ صوفیاء نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے۔ کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں۔ صلوٰۃ تزکیہ نفس کرتی ہے۔ اور صوم تجلی قلب کرتا ہے۔ تزکیہ نفس سے یہ مراد ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جائے اور تجلی قلب سے مراد یہ ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لے۔ پس انزل فیہ القرآن میں یہی اشارہ ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ روزہ کا اجر عظیم ہے۔ لیکن امراض اور اغراض اس نعمت سے انسان کو محروم رکھتے ہیں۔

روزہ کی برکات اور ہماری ذمہ داریاں

حضرت مجدد صد چہار دہم فرماتے ہیں:-

ا:- صلوٰۃ کے بعد روزہ کی عبادت ہے۔ افسوس ہے کہ اس زمانہ میں بعض مسلمان کہلانے والے ایسے بھی ہیں جو ان عبادات میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اندھے ہیں اور خدا تعالیٰ کی حکمت کاملہ سے آگاہ نہیں۔ تزکیہ نفس کے واسطے یہ عبادت لازمی پڑی ہوئی ہے۔ کم کھانا۔ اور بھوک برداشت کرنا بھی تزکیہ نفس کے واسطے ضروری ہے۔ اس سے کشفی طاقت بڑھتی ہے۔ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ ابدی زندگی کا خیال چھوڑ دینا اپنے اوپر قہر الٰہی کا نازل کرنا ہے۔

ب:- روزہ دار کو خیال رکھنا چاہیئے کہ روزہ سے صرف یہ مطلب نہیں کہ انسان بھوکا رہے بلکہ خدا کے ذکر میں بہت مشغول رہنا چاہیئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بہت عبادت کرتے تھے۔ ان ایام میں کھانے پینے کے خیالات سے فارغ ہو کر ان ضرورتوں سے انقطاع کر کے رجوع الی اللہ حاصل کرنا ہے۔ بدنصیب ہے وہ شخص جس کو جسمانی روٹی ملی مگر اس نے روحانی روٹی کی پرواہ نہیں کی۔ جسمانی روٹی سے جسم کو قوت ملتی ہے۔ ایسا ہی روحانی روٹی روح کو قائم رکھتی ہے۔ اور اس سے روحانی قوٰے تیز ہوتے ہیں۔

- اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور عمل میں صادق رہو۔
- ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہو جنہوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔
- اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو کبھی نہ گن سکو گے۔

عبادت کی دو قسمیں اور نوجوانوں کے لئے لمحہ فکریہ

حضرت امامؑ فرماتے ہیں:-

"عبادات دو قسم کی ہوتی ہیں۔ عبادات مالی۔ اور بدنی۔ مالی عبادتیں تو اس کے لئے ہیں جس کے پاس مال ہو۔ اور جس کے پاس مال نہیں وہ معذور ہے۔ بدنی عبادتیں بھی انسان جوانی میں ہی کر سکتا ہے۔ ورنہ ساٹھ سال کے بعد طرح طرح کے عوارضات لاحق ہو جاتے ہیں۔ نزول الماء وغیرہ شروع ہو کر نابینائی آجاتی ہے۔ سچ ہے پیری و صد عیب۔ چنیں گفتہ اند۔ اور جو کچھ انسان جوانی میں کر لیتا ہے اس کی برکت بڑھاپے میں بھی ہوتی ہے۔ اور جس نے جوانی میں کچھ نہیں کیا اسے بڑھاپے میں بھی صدہا رنج برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

موئے سفید از اجل آرد پیام

اس لئے انسان کو چاہیئے کہ حسب استطاعت خدا کے فرائض بجا لائے۔ روزے کے بارے میں خدا فرماتا ہے۔ ان تصوموا خیر لکم۔ یعنی اگر تم روزہ رکھ ہی لیا کرو تو اس میں تمہارے لئے بڑی خیر ہے۔"

اے میرے بھائیو! یہ مبارک دن بہت ہی قریب ہیں۔ آؤ ہم سچے دل سے عہد کریں۔ ہم نے تو ایک عہد کیا ہوا ہے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ جیسے دنیا میں خاص مواقع اور دنوں میں انسان خاص تیاری کرتا ہے تاکہ ان سے اچھی طرح استفادہ کر سکے اور ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے۔ اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اگر ہو سکے تو وہ سب سے آگے ہو اور لوگ اس کا اعتراف کریں۔ اور جب لوگ اس کی خوبی کا اعتراف کرتے ہیں تو بڑا خوش ہوتا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو دنیا کے اعتراف رضاء الٰہی کے مقابلہ میں کس قدر حصہ رکھتے ہیں۔ ان ایام کے بارے میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ..... (لمبی حدیث ہے۔ اس کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ (بعض حصے چھوڑ رہا ہوں)

حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ شعبان کے آخری جمعہ میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک عظیم الشان اور مبارک مہینہ کو پانے کا موقع دیا ہے۔ یہ بڑا ہی بابرکت مہینہ ہے ــــ اس میں تم سب پر روزہ رکھنا فرض قرار دیا ہے ــــ ــــ فرمایا۔ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا پہلا عشرہ سراسر تمہارے لئے رحمت ہے۔ اور دوسرا عشرہ تمہارے لئے بخشش اور حفاظت کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اور تیسرا عشرہ تمہیں ہر طرح کے نقائص اور کمزوری سے بچانے کی نوید لے کر آیا ہے۔ پس ان ایام میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرو اور خدا تعالیٰ کی رحمت جوش مار رہی ہے اس سے اپنی جھولیاں بھر لو۔

آج عالم اسلام پر خطرناک اور مہیب بادل منڈلا رہے ہیں۔ پس ہم سب کو ایک پختہ عزم کے ساتھ اس مبارک مہینہ کا استقبال کرنا چاہیئے اور اتنی کوشش و سعی کرنی چاہیئے تاکہ ہم رضاء الٰہی کو حاصل کر سکیں۔ اپنے ملک کے رہنے والوں کے لئے خاص طور دعائیں کریں۔ اور اپنے اندر اس مبارک مہینہ میں اتنی تبدیلی پیدا کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمارے اوپر رحم فرمائے اور ہماری خطائیں معاف فرما دے اور ہم عاجز بندے اس کی پاک تعلیم پر عمل پیرا ہو کر اس کی حفاظت، ترقی، کامیابی، بخشش اور رضاء الٰہی کے مورد بنیں اور حضرت صاحب کا یہ الہام کتنا پیارا ہے۔

"جے توں میرا ہو رہیں۔ سب جگ تیرا ہو"

مولانا احمد گل صاحب، فاضل دیوبند

روزہ تزکیہ نفس اور تقرب الٰہی کا بہترین اور یقینی ذریعہ ہے

وہ قوم جو قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے انزل فیہ القرآن کے مہینہ میں خاص مجاہدہ سے کام لے۔

رمضان المبارک خدا تعالےٰ کی برکات کا مہینہ ہے۔ اس مہینہ کو روزوں کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس میں قرآن مجید نازل ہوا اور ایک دنیا نے ان انوار روحانی کا مشاہدہ کیا جو انسانیت کی دینی اور دنیوی فلاح و بہبود کا موجب ہیں۔ انہی انوار روحانی کا نتیجہ تھا کہ عرب جیسی قوم جو انتہا درجہ کی ذلت اور بداخلاقیوں میں مبتلا تھی قرآن مجید کی متابعت کر کے بلند ترین مقام پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے عمل سے دکھایا کہ اس پاک کتاب کی متابعت سے خدا مل سکتا ہے۔

روزے کا مقصد

اسلام میں روزہ کسی مصیبت یا غم کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ دوسری عبادات کی طرح ایک عبادت اور اصلاح اخلاق۔ نیز تزکیہ نفس اور تقرب الی اللہ کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اور اس کے مقصود صرف تقوےٰ اور قرب الٰہی حاصل کرنا ہے۔ قرآن مجید نے اس مقصد کو روزوں کے حکم کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

یا یہا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیّام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ٥ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

قرآن مجید اور اسلام کا یہ خصوصی امتیاز ہے کہ اس نے روزوں کو محض مصیبت اور دکھ کے وقت کے لئے مخصوص نہیں کیا بلکہ سال بھر میں ایک مہینہ روزوں کے لئے مختص کر دیا ہے تاکہ انسان اس میں روزے رکھ کر تقوےٰ حاصل کرے۔ لیکن اسلام سے پہلے مختلف قوموں میں روزہ رکھنے کے مختلف طریقے اور مختلف اغراض تھیں۔ ان میں اکثر قومیں موت۔ غم اور مصیبت کے وقت روزہ رکھا کرتی تھیں۔ اس سے ان کی غرض اپنے ناراض معبود کو خوش کرنا اور اس کے رحم کو جوش دلانے کے لئے تھا تاکہ آئندہ کے لئے ان کا خدا یا دیوتا ان پر مہربان ہو کر ان کے لئے فلاح اور بھلائی مہیا کرے۔ لیکن اسلام نے اس عمل کو ایک نہایت بلند مقام دیا ہے اور محض فاقہ کشی کے ذریعہ سے خدا کے غضب کو ٹھنڈا کرنے یا اس کے رحم کو جوش میں لانے کے تصور کو رد کیا ہے۔ پس اہل اسلام اور دوسری قوموں کے روزوں میں فرق یہ ہے کہ دیگر اقوام خدا کی خوشنودی کے لئے فاقہ کشی کرتی ہیں اور اہل اسلام اپنی تہذیب نفس اور اس ابدی سعادت اور لازوال و دائمی حیات کے لئے روزہ رکھتے ہیں جس سے بہتر اور برتر کوئی دوسرا ذریعہ بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے نہیں ہو سکتا۔

کیفیت روزہ

اسلامی روزہ یہ ہے کہ ایک مقررہ وقت یعنی صبح صادق سے غروب آفتاب تک انسان کھانے پینے اور اپنے تمام قوائے بہیمیہ کو کام میں لانے سے رک کے رکھے بالفاظ دیگر اسے قوت شہوانی۔ قوت غضبیہ اور قوت نفسانی پر پورا کنٹرول ہو۔

کھانا پینا۔ جماع کرنا اور لذّات دنیوی، یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا تعلق قوت شہوانی سے ہے۔ قتل و غارت۔ جبر و تشدد سب و شتم وغیرہ یہ افعال قوت غضبیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حسد بغض ریاء۔ غرور۔ نخوت۔ طمع۔ جھوٹ۔ چوری۔ عیاری۔ بدکاری۔ بدمعاشی وغیرہ جیسے امور کا تعلق قوت نفسانی سے ہے۔

یہ وہ جذبات ہیں جن سے کم و بیش کوئی بشر خالی نہیں اپنی اپنی استعداد اور طاقت کے مطابق ہر آدمی ان میں سے کسی نہ کسی جذبے سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ پس ان جذبات اور خواہشات پر قابو پانے کا نام روزہ ہے۔

رمضان کی اہمیت اور ضبط نفس:

انسان جب مندرجہ بالا قوتوں یا سفلی جذبات پر قابو پا لیتا ہے تو ایک گونہ وہ اپنی خواہشات اور جذبات کو اپنا غلام بنا لیتا ہے۔ اس صورت میں اس کی قوت ارادی اس قدر ترقی کر جاتی ہے کہ وہ اپنے نفس پر حکومت کرنے کی صلاحیت پیدا کر لیتے ہیں۔ اس کی ہر قوت یوں سمجھیئے کہ اس کی ہر خواہش اس کے قبضے میں ہو جاتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ رزق حلال جو اللہ تعالےٰ نے اسے دیا ہے محض خدا کے حکم کے تحت ایک خاص وقت کے لئے اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے۔ اور سخت ترین بھوک اور شدید تر پیاس کے ہوتے ہوئے اندھیری کوٹھڑی میں بھی جہاں اسے کوئی دیکھنے والا نہیں۔ وہ کچھ بھی کھانے پینے کی جرأت نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگرچہ کوئی انسان اسے نہیں دیکھتا لیکن وہ خدا جس کے حکم کے ماتحت اس نے روزہ رکھا ہے ہر وقت اور ہر جگہ اسے دیکھتا ہے۔ اسی لئے ایک حدیث قدسی میں فرمایا ہے:۔

یترک طعام وشرابہ وشہوتہ من اجلی الصیّام لی وانا اجزی بہ والحسنۃ عشر امثالہا۔

روزہ دار صرف میری رضا کے لئے کھانا پینا اور شہوات کو چھوڑتا ہے۔ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ اور نیکی کا بدلہ اس سے دس گنا ہے۔

روزے کی اسی غرض کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات بڑی آسانی سے سامنے آجاتی ہے اور روزہ صرف ظاہری بھوک پیاس کا نام نہیں بلکہ یہ درحقیقت دل اور روح کی بھوک اور پیاس کا نام ہے۔ اگر روزہ کی یہ غرض حاصل نہ ہو تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ روزہ رکھا ہی نہیں گیا یا یہ کہ جسم کا روزہ ہو گیا لیکن روح کا روزہ نہ ہوا۔ اسی اخلاقی تربیت کی بنا پر حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے:۔

من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ ان یدع طعامہ وشرابہ۔ یعنی جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل پیرا ہونا نہیں چھوڑتا اور جہالت کی باتوں سے پرہیز نہیں کرتا تو اللہ تعالےٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بالفاظ دیگر روزہ رکھنا بے کار ہے۔ جو جھوٹ بولتا ہے اور اس پر عمل کرنے سے پرہیز نہیں کرتا۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے:۔

کم من صائم لیس لہ من صیامہ الا الظماء وکم من قائم لیس لہ من قیامہ الا السہر۔ بہت سے روزے دار ایسے ہوتے ہیں جن کو روزے سے تشنگی کے سوائے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور بہت سے شب بیدار ایسے ہوتے ہیں جن کو رات کی عبادت سے سوائے رات کی بے خوابی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

یہ امر یقینی ہے کہ کسی انسان کے جھوٹ سے بچنے سے خدا کو بداہتہً کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس سے خود انسان کا اپنا اخلاقی فائدہ ہے۔ اس لئے بتایا گیا ہے کہ نہ تو انسان خود روزے میں کسی قسم کا جھوٹ

بولے اور نہ ہی کوئی عملاً جھوٹا فعل اس سے سرزد ہو۔ یعنی قولاً و فعلاً ہر طرح جھوٹ سے اجتناب کرے اور یہ ظاہر ہے کہ جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اور بدیوں کا سرچشمہ ہے اس سے بچنے میں تہذیب اور اخلاق کو کس قدر اعلیٰ مدد ملتی ہے۔

یہ ہے وہ روزہ جو اسلام سکھاتا ہے۔ وہ صرف فاقہ کشی کی تعلیم نہیں دیتا۔ صرف راتوں کو اُٹھنا اور سحری کھا لینا یا نماز تراویح پڑھ لینا روزہ رکھنے کے لئے کافی نہیں بلکہ ہر قسم کے فواحش سے بچنا ہر قسم کے جھوٹ سے پرہیز کرنا لڑائی جھگڑا اور گالی گلوچ سے اجتناب کرنا۔ ظلم و زیادتی سے دوسروں کے اموال کھانے سے بچنا اور احکام الٰہی کی پوری پوری فرمانبرداری کرنا روزے کے ان لوازمات میں سے ہے جن کے بغیر روزہ نہیں رہ سکتا اور نہ قرب الٰہی حاصل ہو سکتا ہے جو روزہ کا اصل مقصد ہے۔

رمضان میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا عمل :۔

حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اقوال اور ارشادات کے علاوہ آپؐ کی سنّت اور عمل سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ شعبان سے ہی رمضان کی تیاری کے لئے کمر باندھ لیتے تھے اور رمضان میں اعمالِ صالحہ کی طرف خصوصیت سے توجّہ فرماتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ :۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ہمیشہ طریق رہا ہے کہ آپ رمضان المبارک میں تمام قسم کی عبادات کثرت سے بجا لاتے تھے اور اسی مہینہ میں جبرائیل علیہ السلام آپ کے ساتھ قرآن کریم کا ورد کرتے تھے اور جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم جبرائیل علیہ السلام سے ملتے تھے تو آپؐ میں سخاوت باد و باراں کی طرح ہو جاتی تھی اور رمضان میں آپؐ سب سے بڑھ کر سخی ہوتے تھے۔ صدقات، احسان تلاوت قرآنِ مجید، نماز اور ذکر الٰہی اور اعتکاف میں بہت بڑھ جاتے تھے اور رمضان کو دوسرے مہینوں سے بڑھ کر عبادتِ الٰہی کے لئے مخصوص کر دیتے تھے۔

حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جہاں رمضان المبارک کی فضیلت اور اہمیت بیان فرمائی ہے۔ اور اس کے احکامات پر چلنے کی خاص تاکید فرمائی ہے۔ وہاں آپؐ نے اپنے عملی نمونہ سے ان تمام امور کو کر کے دکھا بھی دیا ہے۔ رمضان المبارک سب مسلمانوں کے لئے مجاہدہ کا مہینہ ہے مگر اس لحاظ سے کہ انزل فیہ القرآن کی مصداق ہے ان لوگوں کے لئے جو اس قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے کھڑے ہوئے ہوں۔ یہ سب سے زیادہ مجاہدہ کرنے کے دن ہیں اس لئے سب بڑوں نوجوانوں اور خواتین کو اس مبارک وقت سے فائدہ حاصل کرنا چاہیئے اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

■ ■

بقیہ ۔ آمدہ سلسلہ صفحہ (۵)

نسخۂ شفا

تجربہ کر کے دیکھ لو نیند بڑی میٹھی ہو گی۔ نیند کے بعد سب کوفت دور ہو چکی ہو گی۔

چار پانچ گھنٹہ کی نیند اور نو دس گھنٹہ کی نیند

قرآن کریم اور احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم آدھی آدھی رات۔ دو تہائی رات یا ایک تہائی رات خدا تعالےٰ کے حضور کھڑے رہتے تھے تین چار گھنٹہ یا اس سے بھی کم عرصہ کی نیند سے حضورؐ کے قویٰ کے اندر اتنی طاقت پیدا ہو جاتی تھی کہ دن رات خدا کے کام میں لگے رہتے تھے۔ اسی طرح پر اگر چار پانچ گھنٹے کی نیند میں آپ کو کامل سکون میسر آ جائے تو آپ کو کام کرنے کے قابل بنا دے گی۔ لیکن بے چینی کی نیند خواہ دس گھنٹہ کی بھی ہو یہ اثر پیدا نہ کر سکے گی۔

قرآن کی حکومت قبول کر لو ۔ اس نسخہ پر عمل کرو اور یہ بھی خوب سمجھ لو کہ

قرآن کریم کا عمدہ عمدہ جزدانوں میں لپیٹ کر رکھنا یا سونے کے حروف سے لکھ کر رکھنا بے سود ہے جب تک ہم اس قرآن کی حکومت کو اپنے دل پر قبول نہ کریں۔ اگر تم قرآن کریم کی حکومت کو اپنے دلوں پر اپنے بیوی بچّوں کے دلوں پر اپنے عزیز و اقارب کے دلوں پر قبول کر لو گے تو پھر تمہارے دل سے بلند تر دل کسی اور کا نہ ہو گا۔

کوشش کرو۔ کہ جو لفظ ہم قرآن سے پڑھتے ہیں۔ ان کا عمل بھی ہم پر ظاہر ہو۔ اگر ایسا ہو گیا تو دین اور دُنیا دونوں میں تم نے کامیابی حاصل کر لی۔

اللہ تعالےٰ توفیق عطا کرے کہ ہم سب اس کے قرآنِ پاک پر عمل کرنے والے ہوں ؛

آمین

"اور غروب آفتاب سے تاریکی پھیلنے تک نماز قائم کرو اور صُبحدم قرآن پڑھو کیونکہ صُبح کو تلاوتِ قرآن مشہود ہے"۔ ______

"اور رات کی اتھاہ تاریکی میں نیند سے بیدار ہو اور خدا کو یاد کرو اور کیا ہی اچھا ہو گا کہ اس سے تیرا خداوند تجھے ایک بلند تر مقام محمود پر فائز کر دے"۔ ______

"اور کہہ اے میرے پالنہار میرے لئے (زندگی کے اتار چڑھاؤ میں) داخل ہونے اور نکلنے کی راہیں محفوظ اور ہموار کر دے اور خود میری پُشت پناہی فرما"۔ ______

ـــــ قرآنِ مجید

ارشادِ خداوندی ہے :۔

"اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلی قوموں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔" (البقرہ ۱۸۳)

روزے کے لئے قرآن پاک نے صوم و صیام کے الفاظ بیان کئے ہیں۔ جس کے معنی ہیں کسی شئے سے رک جانا قرآن کریم کی اصطلاح میں صیام سے مراد یہ ہے کہ صبح صادق سے پہلے ہی آدمی کھانے پینے سے کنارہ کرے اور سورج غروب ہونے تک رکا رہے۔ انسانی معراج کی فلاح و کامرانی اسی امر میں مضمر ہے کہ اپنے نفس کو تقوے کے بلند معنوں میں جکڑے اور خواہشات کی تقلید سے اسے روک دے۔

مولانا آفتاب الدین احمدؒ

اشتراکیت کے اصول اور عقائد

اسلام کی جنگ لڑنے کے لئے ایک نئے علم کلام کی ضرورت ہے

علم نہ ہونے کی وجہ سے عام لوگوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ مغربی اشتراکیت کے بانی کارل مارکس دنیا کے سامنے صرف ایک اقتصادی نظام پیش کرتے ہیں اور یہ کہ ان کی تحریک سے مذہب کو کوئی واسطہ نہیں۔ جس کا جو مذہب ہو اس پر مجوزہ نظام کے قائل ہونے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بالفاظ دیگر ایک مسلمان مسلمان رہتے ہوئے اس اشتراکی تحریک کا ممبر رہ سکتا ہے۔ مگر یہ ایک سراسر غلط خیال ہے جو لاعلمی پر مبنی ہے۔ میرے سامنے اس وقت لینن صاحب کی جو کارل مارکس کی روسی تحریک کو روسی بالشویک ریاست میں عملی جامہ پہنانے والے تھے اور اس لحاظ سے اس تحریک کے بانی ثانی کہلانے کے مستحق تھے ایک کتاب ہے جس کا نام (ریلیجن) مذہب ہے۔ اس میں آپ فرماتے ہیں کہ پرولتاری اشتراکی پارٹی کے نزدیک مذہب کوئی انفرادی معاملہ نہیں ہے ایسی سوسائٹی (یعنی اشتراکی پارٹی) کو اس جہالت اور تاریکی سے جو مذہبی خیالات کی شکل میں موجود ہے لاپرواہ نہیں ہونا چاہیئے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

" ہماری تحریک کا ایک مقصد بلاشبہ تمام مذہبی ڈھکوسلوں کے جن کے مزدور لوگ شکار ہیں کے خلاف جنگ کرنا ہے۔ ہمارے نزدیک تصوریت کی کشمکش کوئی انفرادی معاملہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسی چیز ہے جس کا تعلق ہماری ساری پارٹی کے ساتھ ہی اور اس طرح ساری پرولتاری دنیا کے ساتھ ہے۔ جب ایسا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر کیوں نہیں ہم اپنے پروگراموں میں دہریہ ہونے کا اعلان کرتے اور کیوں نہیں ہم عیسائیوں کو خدا کے ماننے والوں کو اپنی پارٹی میں شامل ہونے سے روکتے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارا پروگرام سراسر مادی فلسفے پر مبنی ہے۔ ہمارا پروگرام لامحالہ دہریت کے پروپیگنڈا پر مشتمل ہے۔"

ان صریح الفاظ کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ اشتراکی تحریک کے ساتھ مذہب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جیسے آج سے کچھ عرصہ پہلے سائنس کی ایجادات کی حیرت انگیز جلوہ گری کی آڑ میں مذہب تثلیث مغرب سے مشرق میں مسلمانوں کو مرتد کرنے آیا تھا۔ اسی طرح جب مذہب کے پاؤں میدان سے اکھڑ گئے تو مغرب کے یاجوج ماجوج ایک خوشنما اقتصادی نظام کی آڑ میں برہنہ لامذہبیت یا دہریت لے کر مسلمانوں کے ایمان کو ایک نئی سرگرمی کے ساتھ خراب کرنے آئے۔

نئے علم کلام کی ضرورت:۔

مسلمانوں کا اور خاص کر جماعت احمدیہ کا یہ فرض ہے کہ جس طرح مغرب کے پہلے حملے کو فلسفہ اور منطق کے میدان میں شکست فاش دے کر مذہب اور معاشرۂ اسلام کو خراب ہونے سے بچایا اسی طرح ایک نئے قلعے کو بھی خیالات کے میدان میں پچھاڑ کر نئے سرے سے مذہب اور معاشرہ اسلام کو محفوظ کر لیں۔ انہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ کارل مارکس کا مادی نظریہ تاریخ ـــ MATERIALISTIE INTERPRETATION OF HISTORY اور قدر زائد SOR PLUS - VALUE وغیرہ مسائل نے مسائل تثلیث اور کفارہ کی جگہ لے لی ہوئی ہے۔ ہمارے دشمن وہی لوگ ہیں جو پہلے تھے مگر میدان بدل چکا ہے۔ اور میدان کیساتھ ہتھیار بھی۔ اسلام کی جنگ لڑنے کے لئے اب ایک نئے علم کلام کی ضرورت ہے۔ میرا ذاتی ایمان یہ ہے کہ جس طرح پہلے حملہ کا دفاع کرتے ہوئے اسلام میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی اور اس میں اتنی قوت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ مغرب میں جا کر اپنا جھنڈا گاڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسی طرح اس نئے فتنے کو سر کرتے ہوئے اسلام کی قوت میں ایک اور اضافہ ہو گا غالباً اس دفعہ وہ دشمن کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے میں کامیاب ہو گا۔

اشتراکی معتقدات طشت از بام

میرا دل چاہتا ہے کہ احمدی علماء اور مبلغین اسی جوش و خروش کے ساتھ دہریت کے خلاف میدانِ عمل میں نکل آئیں جس طرح کسی زمانے میں وہ عیسائیت اور آریہ مذہب کے خلاف نظر آتے تھے۔ ہماری نظر سے یہ بات مخفی نہ ہونی چاہیئے کہ کارل مارکس کے فلسفے سے ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کا طبقہ ہی نہیں عام لوگ بھی اسی قدر متاثر ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ جیسے کسی زمانے میں عیسائیت کے پروپیگنڈا سے متاثر تھے۔ میرے خیال میں ابتداً نظام معاشرہ اور اس کی تفصیلات کے بارہ میں اشتراکیوں سے نہ الجھا جائے بلکہ بجائے اس کے ان کے فلسفہ اور معتقدات کو طشت از بام کر دیا جائے اس طرح جب ان کے مسلمات کی نامعقولیت ظاہر ہو جائے گی تو ان مسلمات کی بناء پر جو نظام وہ پیش کرنا چاہتے ہیں اس پر لوگوں کا اعتقاد ٹوٹ جائے گا۔ یاد رہے کہ یہ وہی حربہ ہے جس کو ہم نے مغربی سرمایہ دار تہذیب کے خلاف استعمال کیا تھا۔ جب ہم نے ان کے مسلمات کو توڑ کر رکھ دیں گے تو لابدی طور پر ان کی تہذیب اور نظام معاشرہ کا غلط ہونا دنیا پر خود بخود آشکارا ہو جائیگا۔

اشتراکیت کا ردّ آسان ہے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں کو عام طور پر اشتراکی تحریک کے فلسفہ اور مسلمات کا علم نہیں۔ اگر یہ علم ان کو حاصل ہو جائے تو مجھے یقین ہے کہ وہ ان کا بطلان ثابت کرنے میں اس سے کم تکلیف محسوس کریں گے جتنی تکلیف ان کو ردّ عیسائیت میں کرنی پڑتی تھی۔ وجہ یہ ہے کہ مذہب عیسائیت کے بنانے والے کسی قدر روحانیت کے مالک ہونے کی وجہ سے ایک نظر اور فہم رکھتے تھے اور اس وجہ سے ان کے خیالات میں ایک حد تک ربط پایا جاتا ہے۔ مگر بانیان اشتراکیت سراسر مادہ پرست لوگ ہیں جن کی نظر تاریک اور دل سیاہ ہیں اور اس وجہ سے ان کے خیالات میں باہم اس قدر تضاد ہیں کہ ایک بچہ بھی اگر غور کرے تو وہ بھی ہنس پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ فلسفہ اور مسلمات اشتراکیت کا کمزور ترین پہلو ہے اور اس پر ہم آسانی سے ضرب لگا سکتے ہیں۔

ان وجوہ کی بنا پر اس عاجز نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ عام طور پر مسلمانوں کو اور خاص کر جماعت احمدیہ کو تحریک اشتراکیت کے فلسفہ اور مسلمات سے روشناس کرایا جائے۔

جدلیاتی مادیت

مارکسی فلسفہ کا پہلا اور سب سے اہم زینہ یہ ہے کہ حالات دنیا جس کے اندر انسانی دنیا بھی شامل ہے ایک سکون کی حالت میں نہیں ہیں بلکہ ان میں ایک مسلسل تغیر ہے جس کا رخ ہمیشہ ایک ارتقا کی طرف ہے۔ مارکس کے نزدیک یہ ارتقاء ایک کشمکش کے اندر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ کشمکش یوں ہے کہ ایک نظام جو کسی خاص وقت میں قائم ہے، اس کے اندر اس کی تباہی کے سامان بھی موجود ہوتے ہیں ان دونوں کی کشمکش سے ایک تیسری چیز پیدا ہوتی ہے جو کہ پہلے نظام سے بہتر ہوتی ہے۔ جو چیز یا نظام کہ موجود ہے اس کو اپنی اصطلاح میں THESIS کہتے ہیں۔ جو چیز اس کی ضد اور تباہی کے درپے ہے اس کو وہ ANTI - THESIS کہتے ہیں۔ ان دونوں کی کشمکش

ہے [illegible] چیز پیدا ہوتی ہے اور جو ارتقاء کے منازل میں دوسرا زینہ ہے اس کو وہ SYNTHESIS کہتے ہیں اور اس PROCESS یا طریقہ کار کو اپنی اصطلاح میں DIALECTICS یعنی (عمل) جدلیاتی کہتے ہیں۔ اس کو جدلیاتی اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں ایک بحث یا مناظرہ یا جدل کا رنگ پایا جاتا ہے جس میں دونوں فریق ایک ایک انتہائی خیال کو ایک دوسرے کے مقابل میں پیش کر کے ایک اکھاڑہ سا بنا لیتے ہیں اور آخر میں ایک ثالثی فیصلہ کے ذریعے سے اس کی مصالحت ہوتی ہے جو ان دونوں انتہائی راؤں کو ایک طرف کر کے ایک نئی رائے قائم کرتا ہے۔

قانونِ اختلاف اور قرآن کریم

جہاں تک ہستی کے اس قانون کا سوال ہے، اس حد تک تو قرآن کے خلاف اس میں کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ قرآن پاک نے ہستی کے ہر شعبہ میں اس اختلافِ رجحان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اختلاف کے اندر اتحاد وہ اصول ہے جس کی طرف نزولِ قرآن سے پہلے انسان کی توجہ کبھی نہیں گئی تھی۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے:۔

ان فی خلق السموٰت والارض .... لاٰیٰت لقوم یعقلون

ہر قسم کی آیتوں سے جن میں قانون اختلاف کا ذکر آیا ہے۔ قرآن کریم بھرا پڑا ہے چنانچہ اختلاف الوان، اور السنہ کو بھی قرآن کریم نے آیات اللہ قرار دیا ہے۔ آج بیسویں صدی میں سائنسدانوں کی تحقیقات کی روشنی میں تو یہ بات بالکل معمولی سی نظر آتی ہے کیونکہ آجکل تو ہستی کے ہر گوشے میں اجتماعِ ضدین کام کرتا نظر آتا ہے۔ بجلی میں POSITIVE مثبت اور NEGATIVE منفی انسان کے جسم میں RED-CORPOSLE سرخ ذرات اور WHITE-CORPOSLE اور سفید ذرات، اخلاقی زندگی میں صفت ملکوتیت اور صفت بہیمیت ازیں قبیل ہستی کے ہر معاملے میں اسی قسم کے مخالف رجحانات کے ایک ہو جانے سے اور ان کی کشمکش کے ذریعے سے ہستی قائم رہتی ہے۔

مارکس کا غلط نظریہ

یہاں تک تو مسلّمہ امر ہے لیکن کارل مارکس کی صرف اتنی جدّت ہے کہ انہوں نے اس قانون کو انسان کی اجتماعی زندگی پر چسپاں کیا ہے۔ ایک مسلمان کو اس میں خوشی ہے کہ موجودہ زمانے کے مفکّر نے ہستی کے اس پہلو میں بھی اس قانون کا نفاذ دیکھنا چاہا ہے۔ مگر مارکس صاحب یہیں بس نہیں کرتے وہ ایک صحیح قانون کو بنیاد بنا کر ایک غلط نظریہ قائم کرنا چاہتے ہیں کہ انسانی تہذیب میں جو ارتقاء کی روح پائی جاتی ہے اس کی بنیاد انسانی ذہن میں نہیں ہے بلکہ یہ ارتقاء ابتداً مادی سامانِ معیشت میں ہے۔ اور اس مادی ارتقاء سے انسانی ذہن بھی اثر پذیر ہو کر ایک ثانوی ارتقائی رنگ اختیار کر لیتا ہے۔

اجتماعی زندگی میں انسان ایک دوسرے کے ساتھ جو تعلق پیدا کرتا ہے۔ وہ سامانِ معیشت یا مادی اسباب کی ایک خاص ارتقائی منزل کے اثر کے ماتحت مجبور ہو کر کرتا ہے۔ اور یہ اقتصادی تعلقات ہی اصل بنیاد ہے جس کے اوپر کسی قوم کا قانونی اور سیاسی اور اخلاقی ڈھانچہ کھڑا ہوتا ہے جو اس قوم کو ایک خاص اجتماعی شعور عطا کرتا ہے۔ مارکس صاحب کی رائے میں مذہب۔ فلسفہ، اخلاق وغیرہ تمدن کے سارے ذہنی کرشمے اقتصادی تعلقات کا محض ایک عکس ہے۔ اسی نظریئے کو جدلیاتی مادیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ تاریخ کو کارل مارکس اور ان کے پیرو اسی نقطۂ نگاہ سے پڑھتے ہیں۔ اور اسی میں سے اپنے نظریہ کی تائید تلاش کرتے ہیں اس لئے اس کو تاریخی مادیّت بھی کہتے ہیں۔

مادہ کو خدا کا مقام

خلاصہ یہ ہے کہ مادہ میں اور خاص طور پر انسانی مادی زندگی کے سامان میں یہ لوگ ایک ارتقاء کے قائل ہیں، جو ان کے نزدیک اصلی اور بنیادی ارتقاء ہے۔ اور جو ذہن انسانی کے تاثرات کا محتاج نہیں۔ دوسرے لفظوں میں زندگی اور ارتقاء اور تہذیب کا سرچشمہ مادہ ہے نہ کہ روح۔ مادے میں ارتقاء مانتے ہوئے دراصل مارکس نے مادہ کو خدا کا مقام دے دیا ہے۔ جہاں خدا کو ماننے والے خدا کو ایک مدبّر بالارادہ ہستی مانتے ہیں اور کائنات کے تمام تغیّر و تبدل حتیٰ کہ انسانی ذہن کی ارتقائی منازل کا سرچشمہ بھی مانتے ہیں۔ وہاں مارکس کے فلسفے کی رو سے اس تمام تغیّر و تبدل کا سرچشمہ مادہ ہے۔ جس طرح خدا کے ماننے والے خیال کرتے ہیں کہ خدا قائم بالذات اور واجب الوجود ہے۔ اور باقی تمام چیزیں اس کی مرہونِ منّت ہیں اور اس کے اپنے آپ کو ظاہر کرنے پر ہی دوسری ہستیاں اس کو محسوس کرتی ہیں۔ اسی طرح سے مارکس کے فلسفے میں سامانِ معیشت قائم بالذات ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی مشیت بھی ہے یا کم از کم قوتِ حرکت جس کے ذریعہ سے وہ نہ صرف خود ارتقائی منازل کو طے کرتا رہتا ہے بلکہ انسان کے اوپر اپنے آپ کو ظاہر کر کے اس کو اپنے وجود کا ثبوت دیتا رہتا ہے مثال کے طور پر جس واقعہ کو آج تک ہم اس طرح بیان کرتے رہے ہیں کہ اسٹیونسن نے بھاپ کی طاقت کو آشکارا کیا۔ اس کو مارکس کے فلسفے کی روشنی میں یوں بیان کرنا پڑے گا کہ بھاپ کی طاقت نے صفحۂ ہستی پر نمودار ہو کر ان کے شعور کو اپنی ہستی کے متعلق آگاہ کر دیا۔

ایک اور واقعہ لیجئے۔

ملکہ نور جہاں حمام میں کچھ گلاب کے پھول چھوڑ آتی ہیں۔ چند دنوں کے بعد پھر وہاں جاتی ہیں تو ان پھولوں کے حمام میں پڑے رہنے سے اس میں روغن جیسی ایک چیز انہیں تیرتی ہوئی نظر آتی ہے اس کو وہ سونگھتی ہیں تو اس میں سے گلاب کی سی عجیب خوشبو محسوس کرتی ہیں۔ اس کو عطر کا نام دیا جاتا ہے۔ جو کہ معیشت کے سامانوں میں ایک بیش بہا چیز سمجھی جاتی ہے۔ مارکس کے فلسفے کے مطابق ملکہ نور جہاں نے عطر کو دریافت نہیں کیا بلکہ عطر نے ایک ارتقائی منزل پر پہنچ کر خود اپنے آپ کو نور جہاں پر ظاہر کیا۔ یہ مادہ کو خدا ماننا نہیں تو اور کیا ہے۔ انسان عجیب مخلوق ہے۔ کہاں مارکس کا یہ نعرہ کہ خدا کو آسمان سے اتار پھینکو اور بادشاہت کو تخت سے، اور کہاں اس طرح پر ان کا مادہ کو خدا مان لینا کیونکہ سامانِ معیشت کو خود بخود متحرک ارتقاء پذیر اور انسانی ذہن اور تمدن کا رب ماننا اس کو خدا قرار دینے کا ہی مترادف ہے (جاری ہے)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

اس مبارک (رمضان) مہینے میں انسان کے ہر عمل کا ثواب دس گنے سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ اس قانون سے مستثنیٰ ہے کیونکہ روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزا دوں گا۔ بندہ اپنی خواہشوں اور اپنے کھانے کو میرے لئے چھوڑتا ہے۔ پھر فرمایا روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت اور دوسری اس وقت ہوگی جب وہ خدا سے ملاقات کرے گا۔ (روایت از ابوہریرہ رض)

روزے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے بندہ خالق کے وصف کو ایک حد تک اپنے اندر پیدا کرنے کی سعی کرتا ہے۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۲۴ جون ۱۹۸۱ء۔ جلد ۶۸ شمارہ ۲۵ رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین الہدیٰ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰی مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۰۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے روپے
بیرونی ممالک سے پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

جلد :- ۶۸ ✦ یوم چہار شنبہ ۲۸ شعبان المعظم ۱۴۰۱ہ ہجری مطابق یکم جولائی ۱۹۸۱ء عیسوی ✦ شمارہ :- ۲۶

ارشادات حضرت مجدد صد چہار دہم

روزہ سے تزکیہ نفس ہوتا ہے

روزہ دار کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے

.... پھر تیسری بات جو اسلام کا رکن ہے وہ روزہ ہے۔ روزہ کی حقیقت سے بھی لوگ ناواقف ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جس ملک میں انسان جاتا نہیں اور جس عالم سے واقف نہیں اس کے حالات کو کیا بیان کر سکتا ہے۔ روزہ اتنا ہی نہیں کہ اس میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے بلکہ اس کی حقیقت اور اس کا اثر ہے جو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں ہے کہ جس قدر کم کھاتا ہے تزکیہ نفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کا منشاء اس سے یہ ہے کہ ایک غذا کو کم کرو اور دوسری کو بڑھاؤ۔ ہمیشہ روزہ دار کو یہ مدنظر رکھنا چاہیئے کہ اس کا اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ بھوکا رہے بلکہ اس کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تاکہ تبتل اور انقطاع حاصل ہو۔ پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے دوسری روٹی کو حاصل کرے جو روح کی تسلی اور سیری کا باعث ہے اور جو لوگ محض خدا کے لئے روزے رکھتے ہیں اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے انہیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح و تہلیل میں لگے رہیں جس سے دوسری غذا انہیں مل جاوے۔

* * * * * * *

حقیقی نفع رساں خدا تعالےٰ کی ذات ہے

نیستی اور تذلّل کا لباس پہن کر آستانہ الوہیت پر گرو

دنیا میں لوگ حکام یا دوسرے لوگوں سے کسی قسم کا نفع اٹھانے کی ایک خیالی امید پر ان کو خوش کرنے کے لئے کس کس قسم کی خوشامد کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ادنےٰ ادنےٰ درجہ کے اہلیوں اور خدمتگاروں تک کو خوش کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ حاکم راضی اور خوش ہو جاوے تو اس سے صرف چند روز تک یا کسی موقع مخصوص پر نفع پہنچنے کی امید ہو سکتی ہے۔ اس خیالی امید پر انسان اس کے خدمتگاروں کی ایسی خوشامدیں کرتا ہے کہ میں تو ایسی خوشامدوں کے تصور سے کانپ اٹھتا ہوں۔ اور میرا دل ایک رنج سے بھر جاتا ہے۔ کہ نادان انسان اپنے جیسے انسان کی ایک وہمی اور خیالی امید پر اس قدر خوشامد کرتا ہے مگر اس معطی حقیقی کی جس نے بدون کسی معاوضہ کے اور التجا کے اس پر بے انتہا فضل کئے ہیں۔ ذرا بھی پرواہ نہیں کرتا حالانکہ اگر وہ انسان اس کو نفع پہنچانا بھی چاہے تو کیا پہنچائے گا۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ کوئی نفع خدا تعالے کے بدون نہیں پہنچ سکتا۔ ممکن ہے کہ اس سے پیشتر کہ وہ نفع اٹھائے۔ نفع پہنچانے والا یا خود یہ اس دنیا سے اٹھ جائے۔ یا کسی ایسی خطرناک مرض میں مبتلا ہو جائے کہ کوئی حظ اور فائدہ ذاتی اس سے نہ اٹھا سکے غرض اصل بات یہی ہے کہ جب تک اللہ تعالے کا فضل اور کرم شاملِ حال نہ ہو انسان کسی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ پھر جبکہ حقیقی نفع رساں اللہ تعالے ہی کی ذات ہے پھر کس قدر بے حیائی ہے کہ انسان غیروں کے دروازے پر ناک رگڑتا پھرے۔ ایک خدا ترس مومن کی غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ وہ اپنے جیسے انسان کی ایسی خوشامد کرے جو اس کا حق نہیں۔ متقی کے لئے خود اللہ تعالے ہر ایک قسم کی راہیں نکال دیتا ہے۔ اس کو ایسی جگہ سے رزق ملتا ہے کہ کسی دوسرے کو علم بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالے خود اس کا ولی اور مربی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالے کے بندے جو دین کو دنیا پر مقدم کر لیتے ہیں ان کے ساتھ وہ رأفت اور محبت کرتا ہے۔ جیسا کہ خود فرماتا ہے:۔

واللہ رؤفٌ بالعباد۔

بندگانِ حق کون ہیں،

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی کو جو اللہ تعالے نے ان کو دی ہے۔ اللہ تعالے ہی کی راہ میں وقف کرتے ہیں اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا۔ اپنے مال کو اس کی راہ میں خرچ کرنا۔ اس کا فضل اور اپنی سعادت سمجھتے ہیں مگر جو لوگ دنیا کی املاک و جائیداد کو اپنا مقصود بالذات بنا لیتے ہیں۔ وہ ایک خوابیدہ نظر سے دین کو دیکھتے ہیں۔ مگر حقیقی مومن اور صادق مسلمان کا یہ کام نہیں ہے۔ سچا اسلام یہی ہے کہ اللہ تعالے کی راہ میں اپنی طاقتوں اور قوتوں کو ما دام الحیات وقف کر دیں تاکہ وہ حیاتِ طیبہ کا وارث ہو جائے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالے اس للّٰہی وقف کی طرف ایما کر کے فرماتا ہے۔

من اسلم وجہہ للّٰہ وھو محسنٌ فلہٗ اجرہ عند ربّہٖ ولا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔

اس جگہ اسلم وجہہ للّٰہ کے معنے یہی ہیں کہ نیستی اور تذلّل کا لباس پہن کر آستانہ الوہیت پر گرے۔ اور اپنی جان۔ آبرو۔ غرض جو کچھ اس کے پاس ہے خدا ہی کے لئے وقف کرے اور دنیا اور اس کی ساری چیزیں دین کی خادم بنائے۔

مقصود ہر حال میں دین ہو،

کوئی یہ نہ سمجھ لیوے کہ انسان دنیا سے کوئی غرض اور واسطہ ہی نہ رکھے میرا یہ مطلب نہیں ہے اور نہ اللہ تعالے دنیا کے حصول سے منع کرتا ہے بلکہ اسلام نے رہبانیت کو منع فرمایا ہے۔ یہ بزدلوں کا کام ہے۔ مومن کے تعلقات دنیا کے ساتھ وسیع ہوں وہ اس کے مراتبِ عالیہ کا موجب ہوتے ہیں کیونکہ اس کا نصب العین دین ہوتا ہے۔ اور دنیا اس کا مال و جاہ دین کا خادم ہوتا ہے۔ پس یہ بات ہے کہ دنیا مقصود بالذات نہ ہو۔ بلکہ حصولِ دنیا میں اصل غرض دین ہو۔ اور ایسے طور پر دنیا کو حاصل کیا جاوے کہ وہ دین کی خادم ہو۔ جیسے انسان کسی جگہ سے دوسری جگہ جانے کے واسطے سفر کے لئے سواری اور زادِ راہ کو ساتھ لیتا ہے۔ تو اس کی اصل غرض منزلِ مقصود پر پہنچنا ہوتی ہے۔ نہ خود سواری اور راستہ کی ضروریات، اسی طرح پر انسان دنیا کو حاصل کرے مگر دین کا خادم سمجھ کر،

دنیا و آخرت کے حسنات،

اللہ تعالے نے جو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے کہ:۔

ربّنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ۔ اس میں بھی دنیا کو مقدم کیا ہے۔ کس دنیا کو؟ حسنۃ الدنیا کو جو آخرت میں حسنات کا موجب ہو جاوے۔ اس دعا کی تعلیم سے صاف سمجھ میں آ جاتا ہے کہ مومن کو دنیا کے حصول میں حسنات الاٰخرۃ کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور ساتھ حسنۃ الدنیا کے لفظ میں ان تمام بہترین ذرائع حصولِ دنیا کا ذکر آ گیا ہے۔ جو ایک مومن مسلمان کو حصولِ دنیا کے لئے اختیار کرنی چاہیئے۔ دنیا کو ہر ایسے طریق سے حاصل کرو جس کے اختیار کرنے سے بھلائی اور خوبی ہی ہو۔ نہ وہ طریق جو کسی دوسرے بنی نوع انسان کی تکلیف رسانی کا موجب ہو۔ نہ ہم جنسوں میں کسی عار و شرم کا باعث۔ ایسی دنیا بے شک حسنۃ الآخرۃ کا موجب ہو گی۔

واقفِ زندگی بے دست و پا نہیں ہو جاتا۔

پس یاد رکھو، کہ جو شخص خدا کے لئے زندگی وقف کر دیتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ بے دست و پا ہو جاتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ دین اور للّٰہی وقف انسان کو ہوشیار اور چابکدست بنا دیتا ہے سستی اور کسل اس کے پاس نہیں آتا۔ حدیث میں عمارہ بن خزیمہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے میرے باپ کو فرمایا کہ تجھے کس چیز نے اپنی زمین میں درخت لگانے سے منع کیا ہے۔ تو میرے باپ نے جواب دیا کہ میں بوڑھا ہوں، کل مر جاؤں گا۔ پس اس کو حضرت عمر نے فرمایا۔ کہ تجھ پر ضرور ہے کہ درخت لگاوے پھر میں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ خود میرے باپ کے ساتھ مل کر ہماری زمین میں درخت لگاتے تھے اور ہمارے نبی کریم صلعم ہمیشہ عجز اور کسل سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ سست نہ ہو۔ اللہ تعالے حصولِ دنیا سے منع نہیں کرتا بلکہ حسنۃ الدنیا کی دعا تعلیم فرماتا ہے۔ اللہ تعالے نہیں چاہتا کہ انسان بے دست و پا ہو کر بیٹھ رہے۔ بلکہ اس نے صاف فرمایا ہے لیس للانسان الا ما سعٰی اس لئے مومن کو چاہیئے کہ جد و جہد سے کام کرے لیکن جتنی مرتبہ مجھ سے ممکن ہے یہی کہوں گا کہ دنیا کو مقصود بالذات نہ بناؤ۔ دین کو مقصود بالذات ٹھہراؤ۔ اور دنیا اس کے لئے بطور خادم اور مرکب کے ہو دولت مندوں سے بسا اوقات ایسے کام ہوتے ہیں کہ غریبوں اور مفلسوں کو وہ موقع نہیں ملتا۔ رسول اللہ صلعم کے وقت میں خلیفہ اول نے جو ملک التجار تھے مسلمان ہو کر بے نظیر مدد کی اور آپ کو یہ مرتبہ ملا کہ صدیق کہلائے۔ اور پہلے رفیق اور خلیفہ ہوئے۔

(الحکم ۱۶؍ اگست ۱۹۰۰ء)

* * * *

دینِ اسلام زندگی کے دائمی اور صادق اصولوں کا نام ہے۔

دینِ حقّہ کی بُنیاد برجوع الی القرآن والسنّت پر قائم ہیں

خطبہ جمعۃ المبارک فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب بتاریخ ۱۹ جون ۱۹۸۱ء بمقام جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس لاہور (رپورٹ مولوی شفقت رسول خاں)

وما محمد الا رسول ج قد خلت من قبله الرسل - - - - - - - - - -

واللّٰہ یحبّ المحسنین ٥ (آلِ عمران ۱۴۴ تا ۱۴۸)

سورۃ آلِ عمران کے اس رکوع میں اس واقعہ کا ذکر ہے جو جنگِ اُحد میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور صحابہ کرام رضہ کو پیش آیا۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافی زخم آئے حتیٰ کہ آپ کے دندانِ مبارک بھی شہید ہوئے۔ آپ پر غشی طاری ہو گئی تھی اور مشہور ہو گیا تھا کہ حضورؐ کی وفات ہو گئی ہے۔ تو اس موقعہ پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ان میں ارشاد ہے "اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ایک رسول ہیں (گویا رسالت سے بڑھ کر آپ کا کوئی دعویٰ نہیں) جیسا آپ سے پہلے سارے رسول گزر گئے تو کیا اگر آپ بھی طبعی موت مر جائیں یا شہید کئے جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے (دین کو چھوڑ دو گے؟) اور جو کوئی اُلٹے پاؤں پھر جائے (یعنی دینِ اسلام کو چھوڑ دے) تو وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ موت تو آنی ہے کیونکہ یہ سنت اللہ ہے جو اٹل ہے جو لوگ ثابت قدمی سے دین پر قائم رہتے ہیں۔ اور اس دین کے حصول پر خدا کی شکر گزاری کرتے ہیں وہ خدا کی جانب سے جزائے خیر کے پانے والے ہیں۔ کسی شخص کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر مر جائے (ہر انسان کی موت کا) وقت مقرر ہے۔ لیکن جو شخص دنیا کا منافع چاہتا ہے ہم اس کو دیتے ہیں اور جو شخص آخرت کا بدلہ چاہتا ہے تو ہم اس کو بھی دیتے ہیں۔ اور شکر کرنے والوں کو ہم جلد بدلہ دیں گے اور کتنے ہی نبی آئے ہیں جن کے ساتھ مل کر خدا رسیدہ لوگوں نے جہاد کیا ہے۔ پھر ان کو اس راہ میں جو تکالیف و مصائب آئے تو نہ وہ اُن کے سبب سے سست پڑے اور کمزور ہوئے اور نہ تھکے اور نہ ہی اظہارِ عجز کیا نہ وہ عقیدتاً کمزور ہوئے اور نہ ہی عمل میں سست ہوئے بلکہ نہایت صبر و استقلال سے استقامت دکھلائی اور صبر کی وجہ سے خدا کے پسندیدہ اور محبوب بن گئے۔ اور ان کی دُعا یہ رہی کہ اے خدا ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمیں بخش دے اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور ہم کو کافر قوم کے خلاف مدد دے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھلائی اور آخرت کی بھلائی دی۔ ۔ ۔ اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" (ترجمہ آیات)

میں نے ان آیات کی اس موقعہ پر اس غرض سے تلاوت کی ہے کہ قرآن پاک کے نزدیک اور اسلام میں دین کا مفہوم کیا ہے؟ تمام مذاہب میں لوگوں نے دین کو شخصیتوں سے منسلک کر دیا ہے یعنی جو دین صرف اس رہبر کی ذات سے تعلق رکھتا ہے جس نے وہ مسلک پیش کیا یعنی رہبر ہی دین سے مقصود بالذات ہے لیکن قرآن پاک کی ان آیات میں اس خیال کی تردید ہے۔ اور بتایا ہے کہ دینِ اسلام تو صرف زندگی کے اصولوں کا نام ہے۔ جہاں شخصیت پرستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ حتیٰ کہ اسلام کا تعلق کسی انسان کی حیات اور وفات سے بھی نہیں۔ کیونکہ یہ تو زندگی کے محکم اصول ہیں جن کو کوئی انسان قبول کرتا ہے اس لئے فرمایا کیا تم (محمد) صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی وجہ سے دین چھوڑ دو گے؟ جب جنگِ اُحد جاری تھی صحابہ کی ایک جماعت نے حضورؐ کے گرد گھیرا ڈال لیا تاکہ آنحضورؐ کو کفار مزید گزند نہ پہنچا سکیں جبکہ بعض دوسرے صحابہؓ نے کہا کہ اگر حضورؐ شہید ہو گئے ہیں تو تم کیوں فکر کرتے ہو قاتلوا علیٰ ما قاتل محمد تم کفار سے اسی وجہ سے لڑو جس بنیاد پر حضرت محمد صلعم جنگ کرتے تھے۔ اور اس اصول پر اہلِ کفر سے جنگ جاری رکھو کیونکہ دین کے اصول اٹل ہیں اگر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو اصولِ دین تو ختم نہیں ہوئے۔ دین کی اقدار ابدی اور لازوال ہیں جو اٹل اور انمٹ ہوتی ہیں۔ اور ان ہی آیات کو حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے پڑھا جب حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعتاً مدینہ منورہ میں وصال ہوا اور بعض صحابہؓ نے مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار سونت کر کہا کہ اگر کوئی کہے گا کہ حضورؐ فوت ہو گئے ہیں میں اُسے قتل کر دوں گا کیونکہ محض شدتِ غم سے وہ پسند نہیں کرتے تھے اور برداشت نہیں کرتے تھے کہ حضورؐ کو وفات یافتہ کہا جائے۔ لیکن جب ابوبکر صدیق رضہ نے مذکورہ بالا آیات تلاوت کر کے فرمایا کہ حضورؐ سابق انبیاء کی طرح سنت اللہ کے مطابق فوت ہو گئے ہیں تو ان کی گردن جھک گئی۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ابدی قانون سے جو دینِ اسلام لانے والی ہستی ہیں لیکن موت کے قانون سے وہ بھی مستثنیٰ نہیں اس پر تمام صحابہ رضہ نے اپنی گردنیں جھکا دیں اور حضورؐ کی وفات پر متفق ہو گئے اور حضرت عمر رضہ اپنی تلوار نیام میں ڈال کر چشم پُرآب ہو گئے

دین ایک روشن طرزِ زندگی اور نظام کا نام ہے جس پہ کوئی شخص عمل پیرا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص عمل کافروں جیسے کرے اور دعوےٰ اسلام کا کرے تو وہ دعوےٰ غلط ہوگا۔ کسی بڑے شخص کے خیالات کی پیروی میں اپنے دعوے کی سند پیش نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ دینِ اسلام کا حامل وہی شخص ہوگا جو اسلام کے دیئے ہوئے اصول و قواعد پر عمل کرتا ہے۔ اسلام کامل اور مکمل دین ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے انسان کا تعلق خدا سے ہو جاتا ہے۔ کامل پیروی سے انسان خدا رسیدہ بن جاتا ہے اور خدا سے تعلق کے اظہار کے طور پر شرفِ مکالمہ و مخاطبہ سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ پچھلی صدیوں میں ایسے لوگ تاریخِ اسلام میں ہو چکے ہیں جن کو مکالمہ الٰہیہ کا شرف ملا۔ یعنی وہ خدا سے ہمکلام ہوئے لیکن کیا اس چودھویں صدی میں کوئی شخص ہوا ہے جس نے یہ دعوےٰ کیا ہو کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہمکلام ہوتا ہے؟ آج خدا کی ہستی کا انکار کیا جا رہا ہے۔ لیکن کسی نے یہ چیلنج نہیں کیا کہ میرے وجود سے راہنمائی حاصل کرو۔ کیونکہ خدا مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں کثرت سے لوگ نیک اور خدا رسیدہ ہیں لیکن کسی کو ہمت نہیں کہ وہ خدا کے ساتھ ہمکلامی کا دعوےٰ کرے اور اپنے دعوے اس کا ثبوت بھی مہیا کرے۔ اب تو چودہویں صدی کے گزر جانے سے مسلمانوں پہ اتمامِ حجت ہو گئی کہ جس صدی کے متعلق مسلمان علماء اس قدر خیال کرتے تھے کہ اس میں مسیح ابنِ مریم کا نزول ہوگا اور مہدی کا ظہور ہوگا۔ اور یوں منتظر تھے کہ بس وہ آیا کہ آیا۔ لیکن نہ آسمان سے اترا اور نہ ہی علماء میں سے کسی نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ اس کا تعلق خدا سے ہے اور وہ شرفِ مکالمہ سے فیضیاب ہے۔ اور نہ کسی نے اس نظریہ کو ظاہر کیا کہ دین کیا ہے؟ انسانوں کی تابعداری کرنا دین نہیں ہے۔ وما محمد الا رسول کی آیات نے یہ واضح کر دیا ہے کہ دین ان کی ذات ستودہ صفات

* اسلام ہمیں سادہ زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔
* بچت زندگی کو مشکلات سے بچا لیتی ہے۔

ـــــــ ** اقوالِ زرّیں

سے بھی وابستہ نہیں کیونکہ دین اصول ہائے زندگی کا نام ہے جو دائمی ہیں۔ جبکہ انسان خواہ وہ کسی مرتبہ اور مقام کا ہو آغوشِ فنا میں چلا جائے گا۔

۱۸۹۶ء کی بات ہے ہندوستان کے اہلِ مذاہب نے سوچا کہ لوگ مذہبی جھگڑے کرتے ہیں کیوں نہ ان کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو کر اپنے اپنے مذہب کی صداقت ثابت کرنے کی دعوت دی جائے۔ اور انہیں پابند کیا جائے کہ وہ دوسرے کسی مذہب پر اعتراض کئے بغیر اپنے دین و مذہب کی خوبیاں اور صداقت کے دلائل دیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ کس مذہب کو دیگر مذاہب پر برتری اور فوقیت حاصل ہے۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے جلسہ مذاہب عالم کے لئے "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے نام سے ایک بیان تحریر کیا۔ اس میں آپ نے لکھا کہ:۔

" میں نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ جو کچھ بیان کروں خدائے تعالیٰ کے پاک کلام قرآن شریف سے بیان کروں۔ کیونکہ میرے نزدیک یہ بہت ضروری ہے کہ ہر ایک شخص جو کسی کتاب کا پابند اور اس کتاب کو ربانی کتاب سمجھتا ہو وہ ہر ایک اصول میں اسی کتاب کے حوالہ سے جواب دے۔ چنانچہ دعویٰ اور دلیل الہامی کتاب سے ہونا چاہیئے۔ اور دیگر اہلِ مذاہب کو بھی اس بات کا التزام کرنا چاہیئے کہ وہ بھی اپنا دعویٰ اور دلیل اپنی الہامی کتاب سے پیش کریں؟"

چنانچہ آپ کا سارا مضمون دعوے اور دلائل کے لحاظ سے قرآن پاک سے ذرہ بھر اِدھر اُدھر نہیں کیونکہ قرآن ایک کامل کتاب ہے۔ چونکہ دین کسی شخصیت سے وابستہ نہیں بلکہ دین کا تعلق اصولِ توحید اور علم و معرفت پر ہے۔ اسی لئے مختلف فرقوں میں اختلاف کی صورت میں رجوع الی القرآن والسنۃ کی ضرورت ہے۔ اس رجوع الی القرآن والسنۃ کی طرف بھی حضرت مرزا صاحب نے توجہ دلائی کہ کسی ملہم کے الہام و کشف سے قوانین شریعت تبدیل نہیں کئے جا سکتے۔ چنانچہ رمضان المبارک ســـھ کی آخری تاریخ کو حضرت صاحب کو الہام ہوا کہ:۔

"عید تو آج ہے چاہے کرو یا نہ کرو"

تو آپ کے مریدوں نے کہا کیا ہم روزہ کھول دیں آپ نے فرمایا "شریعت میں روزہ کھولنے اور رکھنے کا معیار چاند کا دیکھنا ہے۔ یا اس کے دیکھے جانے کی خبر آنا ہے میرا الہام نہیں۔" مزید فرمایا کہ گو میرا الہام سچا ہے۔ لیکن وہ شریعت کے ماتحت ہے۔ اس لئے چاند نظر آ جائے تو عید کرو ورنہ روزہ رکھے رہو"

ایک دفعہ آپ کے پاس ایک مرید شیخ قمر الدین جہلمی کے بارے میں یہ شکایت کی گئی کہ وہ حضرت مسیح کی پیدائش بن باپ کے قائل نہیں حالانکہ آپ خود قائل تھے۔ جب شیخ صاحب آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے ان سے پوچھا کیا آپ حضرت مسیح کی پیدائش بن باپ نہیں مانتے تو انہوں نے کہا ہاں کیونکہ میں قرآن و سنت کی روشنی میں ایسا دیکھتا ہوں یعنی٭٭ حضرت صاحب نے اپنا عقیدہ زبردستی نہیں منوایا کیونکہ ان کا اصول تھا کہ اگر قرآن و سنت سے کسی کو کوئی بات معلوم ہوتی ہے تو وہ اس کو صحیح سمجھنے میں حق بجانب ہے۔ تو اس طرح انہوں نے لوگوں کو قرآن و سنت کی طرف رجوع کی تحریک کی۔

یاد رکھیئے دین اصولوں اور ضابطوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے اور ان پر عمل کرنے کا نام ہے اس لئے آپ دین کے اصولوں کو محکم پکڑیں کیونکہ اسی سے تم اپنا تعلق خدا سے پیدا کر سکتے ہو۔ یاد رکھو کہ کسی وجود سے دین بندھا ہوا نہیں ہے۔ کہ وہ موجود ہو گا تو دین ہو گا۔ ورنہ ناپید ہو جائے گا بلکہ دین کے اصول ابدی ہیں جو ہمیشہ بارآور اور اس کے انوار سے ایک جہان روشن ہو گا۔

بے ثباتئ دنیا

اے حُبّ جاہ والو یہ رہنے کی جا نہیں۔
اس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں
دیکھو تو جا کے ان کے مقابر کو اک نظر
سوچو کہ اب سلف میں تمہارے گئے کدھر؟

دینی تربیتی کورس ۱۹۸۱ء

امسال دارالسلام لاہور میں ۱۵ اگست سے ۲۴ اگست ۱۹۸۱ء تک ایک دس روزہ دینی تربیتی کورس کے انعقاد کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ اس میں شامل ہونے کے لئے ان نوجوانوں کو خاص طور پر شرکت کی دعوت دی جاتی ہے جو تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور آجکل تعطیلات کی وجہ سے آسانی سے وقت نکال کر دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے اس کلاس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ جماعت کے دیگر نوجوان یا ملازمت پیشہ اصحاب جو دس روز کی رخصت حاصل کر سکیں وہ بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ جماعتوں کے صدر، اور سیکرٹری صاحبان سے التماس ہے کہ وہ اپنے ہاں اس کورس میں شرکت کے لئے پرزور اور مسلسل کوشش فرما دیں۔ اور کورس میں شرکت کرنے والے اصحاب کے نام ۳۰ ؍جولائی ۸۱ء تک مرکز میں ارسال فرما دیں۔

دارالسلام ہوسٹل میں شرکاء کورس کے لئے رہائش اور خوراک کا خاطر خواہ انتظام ہو گا شرکاء سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ جمعۃ المبارک مورخہ ۱۴ اگست صبح تک دارالسلام لاہور پہنچ جائیں۔ تاکہ نماز جمعہ میں بھی شریک ہو سکیں۔ باقاعدہ کلاسیں ہفتہ کی صبح سے شروع ہوں گی۔ نیز کورس میں شامل ہونے والے اصحاب اپنے ہمراہ چار کاپیاں اور قلم وغیرہ بھی لائیں تاکہ نوٹس لے سکیں۔ شکریہ

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام
دارالسلام ۵ ـ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن
لاہور

وفات

کیلیفورنیا (امریکہ) سے مولانا محمد عبداللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

" ۱۹ مئی کو یہاں ایک نہایت دردناک سانحہ وقوع میں آیا۔ مولوی عبدالجلیل صاحب پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کیلیفورنیا کے بڑے صاحبزادے مسٹر عبدالمناف سٹینڈرڈ آئل کمپنی جس کے وہ ملازم تھے کمپنی کے ٹرک میں کچھ لوہے کے پائپ لادے ہوئے چلا رہے تھے۔ کہ ٹرک کنٹرول سے باہر ہو گیا اور پہاڑ کے کنارے سے گر کر گہرے گڑھے میں چلا گیا۔ اس حادثہ سے ان کے سر پر شدید چوٹ آئی۔ ضرب انتہائی شدید تھی جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم خاموش طبع۔ صلح کل اور مذہبی امور میں دلچسپی رکھنے والے تھے۔ آپ کو فجی سے یہاں آئے ہوئے تین برس ہو گئے تھے۔ آپ کے جنازہ پر مذہب و ملت کے لوگ حاضر تھے۔ خداوند کریم مرحوم کو غریق رحمت کرے۔"

جملہ احباب جنازہ غائبانہ پڑھ کر دعا فرما دیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

" اور جو تمہیں السلام علیکم کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔"

* * *

٭٭ تو آپ نے یہ عقیدہ انہیں رکھنے کی بخوشی اجازت دے دی۔

خواجہ کمال الدین

قرآن پڑھو

قرآن کریم نے ہر ایک امر میں صاحب کمال بننے کا طریق سکھایا ہے۔ جو شخص چاہے کہ اس خسران سے خود بھی بچے اور اپنی قوم کو بھی بچائے۔ جو زمانہ کی ہر ایک چیز کے لاحق ہے۔ وہ سورۃ العصر کے مطالب کو دائرہ عمل میں لائے جو شخص خیر و برکت میں کثرت و بہتات اور اپنے بد خواہوں کے لئے ناکامی دیکھنا چاہے وہ سورہ کوثر کو زیر نظر رکھے۔ مال و اولاد کی کثرت کے لئے سورۃ ہود لزوماً عمل زیر نظر رکھے الغرض دنیوی فلاح کا کون سا طریق ہے جو قرآن نے نہیں بتلایا مگر اس سے بڑھ کر اور کیا بدقسمتی ہو سکتی ہے کہ ہم قرآن پڑھتے ہی نہیں۔ ہمارے واعظ ہمارے معاملات دنیوی میں قرآن کے احکام ہمیں بتلاتے ہی نہیں میں یہاں مثال کے طور پر وہ جامع مانع طریق لکھتا ہوں جو کسی فن یا کسی روزگار میں دوسروں سے سبقت لے جانے کے لئے ہی نہیں بلکہ اس فن میں یکہ و ماہر بننے کے لئے قرآن نے تجویز کیا ہے۔ اور ماہر بھی وہ ماہر جو اس فن میں صاحب تدبیر کہا جائے۔ اور لوگ بطور سند اس کی طرف دیکھیں۔

والنّٰزعٰت غرقاً ۝ والنّٰشطٰت نشطاً ۝ والسّٰبحٰت سبحاً ۝ فالسّٰبقٰت سبقاً ۝ فالمدبّرٰت امراً ۝

تم اگر کسی فن میں سبقت لے جانا چاہو اور سبقت بھی وہ سبقت کہ تمہاری شان اس معاملہ میں ایک مدبر فی الامر کی ہو جائے تو والنّٰزعٰت غرقاً سب سے اول تم ہر ایک دوسرے کام کو قطعاً چھوڑ دو۔ اور اس ایک کام میں ایسا انہماک پیدا کر دو کہ گویا تم اس میں غرق ہو گئے۔ اور تم میں اور باقی کاموں میں نزاع کلی ہو گئی۔ اس یکسوئی سے تمہاری طبیعت ضرور اکتائے گی لیکن تم اس میں لگے رہو۔ آہستہ آہستہ تم اس میں دلچسپی لینے لگ جاؤ گے۔ اور تمہیں اس میں اتنا مزہ آئے گا کہ وہ کام تمہارے نشاط قلب کا موجب ہو گا والنّٰشطٰت نشطاً پھر بھی اس کام میں لگے رہو اور کچھ ایسی مہارت پیدا کر لو کہ تم والسّٰبحٰت سبحاً اس فن کے پیراک ہو جاؤ۔ جب اس مقام پر پہنچو گے تو پھر تم اوروں سے سبقت لے جاؤ گے فالسّٰبقٰت سبقاً اور سبقت کیا معنی فالمدبّرٰت امراً تم اس فن کے پیر استاد ہو جاؤ گے۔

واحسرتا! خدا را غور کرو۔ تم کسی فن میں کسی ماہر کا نام لو۔ اس کی زندگی کا مطالعہ کرو۔ تم ان مراحل بالا کو ہی اس کے زیر عمل پاؤ گے۔ پھر تم کو تمہارا خدا حکم دیتا ہے۔ ان پر چلنا تو ایک مومن کی شان تھی۔ تم کو کیا ہو گیا۔ تم انہیں چھوڑ بیٹھے ہو۔ لیکن اس وقت ہندو، عیسائی، یہودی، آتش پرست غرض کہ دوسری قومیں ان ہدایات کو اپنا خضر راہ بنا کر اس دنیا میں ہم سے سبقت لے جا رہی ہیں ہم نے ان ہدایات خداوندی کی پرواہ نہ کی۔ ہم سب سے پیچھے رہ گئے۔

الغرض کسی فن کا ماہر کوئی اسی وقت ہو سکتا ہے۔ کہ جب دوسرے امور سے نزاع کلی یعنی انقطاع تام کر کے دلچسپی اور نشاطِ قلب کے ساتھ اس میں لگ جاتا ہے۔ خدا رسی کا بھی یہی طریق ہے۔ اسی کو قرآن نے تبتل کہا ہے سلوک کی یہ پہلی منزل ہے جو اس منزل اول یعنی انقطاع الی اللہ میں استقامت سے کھڑا ہو گیا اور یہ حالت اس کے سرور کا موجب ہونے لگے تو وہ خلعت ابدالیت سے مزین کیا گیا۔

الغرض اگر والنّٰزعٰت غرقاً والنّٰشطٰت نشطاً کا رنگ ابدالیت کے لئے ضروری ہے تو مچھلی کی طرح بحر حقیقت میں غواصی کرنا مقام قطبیت کے مطالبات میں سے ہے۔ ان میں سے دوسروں پر سبقت لے جانے والا چادر غوثیت میں لپیٹا جاتا ہے۔ ہاں اس کے بعد پھر کوئی غوث الاقطاب بنے یا سید الاولیاء ٹھہرے۔ یہ اس کی اپنی مزید کوشش و عمل سے تعلق رکھتا ہے۔

میدانِ عمل میں چلنے والے کے سامنے جو بات ہونی چاہیئے وہ فالسّٰبقٰت سبقاً ہے۔ یعنی میں اپنے نصب العین میں دوسروں پر سبقت لے جاؤں۔ اسی جذبہ کے پیدا کرنے کے لئے دنیا میں توحید کا ایمان لانا سکھایا گیا ہے۔ اس سے بڑھ کر مشرک کون ہے۔ جو "ہر چہ انسان کند کند انسان" پر ایمان نہیں رکھتے۔ توحید کے راگ میں شہنائی نبوت ہے۔ انا بشر مثلکم کا خوش کن نغمہ اسی لئے ہمارے کانوں تک پہنچا کہ امور اکتسابیہ میں ہم کسی انسان کو اپنے سے بڑا نہ کہیں۔ نبوت تو اکتسابی نہیں بلکہ امر وہبی یعنی عطیہ ربی ہے مگر اس کے سوا ہر ایک دوسرے امر کسبیہ میں جس نے یہ سمجھا کہ جو امر زید کر سکتا ہے۔ وہ کوئی اور انسان نہیں کر سکتا۔ وہ شرک عظیم کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ اس شرک سے بچنے پر ہی انسان میں جذبۂ سبقت پیدا ہو کر اسے مدبر فی الامر بنا دیتا ہے۔

اس مقام پر پہنچنے والا اپنے اندر شرح صدر رکھتا ہو تو پھر ایک طرف اس کی پیٹھ ہر قسم کے بارہائے گراں سے آزاد ہو جائے گی۔ اور دوسری طرف اس کا ذکر بلند ہو جائے گا۔

یاد رہے کہ قرآن کریم نے جہاں آنحضرت صلعم کے مقاماتِ عالیہ کا مختلف پیرایوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ پھر اگر وہ مقامات مناسب حد و د کے اندر دست اکتساب کے لئے کھلے ہیں تو اسی جگہ قرآن ہمیں ان مقامات پر پہنچنے کا راستہ بھی بتا دیتا ہے۔ قرآن آنحضرت صلعم کی ذات کے متعلق تو امور مستقبل کو بصیغہ ماضی اس لئے بول دیتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے متعلق ان کا حصول ایک امر منفصل شدہ ہے ہاں جو کام کرنے کے لئے آنحضرت کو حکم دیتا ہے وہ دراصل اس مقام پر پہنچنے کا راستہ ہوتا ہے جس پر چل کر کوئی دوسرا بھی ایک حد تک پہنچ جاتا ہے۔ مثلاً:۔

انا اعطینٰک الکوثر ۝ فصل لربک وانحر ۝ ان شانئک ھو الابتر۔

کیا ہم نے تجھے کثرت سے خیر و برکت نہیں دی۔ تو اب صلوٰۃ اور قربانی کا پابند ہو جا تیرا دشمن ہی ابتر ہو گا۔ تیرے نام لیوا تو ہمیشہ دنیا میں رہیں گے۔

جو شخص کثرت سے خیر و برکت حاصل کرنا اور اپنے بدخواہوں کو اپنے مقابل نامراد دیکھنا چاہتا ہے وہ اس صورت شریف میں فصل لربک وانحر کی حقیقت سمجھے اور اس پر عمل کرے جس کی تشریح ان شاء اللہ اپنے مقام کی جائے گی یہاں ہمیں یہ دکھلانا تھا کہ جو مقامات عالیہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقیناً ملنے تھے ان کے حصول کا راستہ بھی قرآن ہمیں بیان کر دیتا ہے

آج کل جہاں صحیح اور سچے لیڈروں کی ضرورت ہے وہاں لیڈری کا بازار بھی گرم ہے خیالِ شہرت ان کو اس میدان میں لے آتا ہے۔ اس میں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ یہ لوگ صحیح طور پر اپنا فرض ادا کریں۔ اس قحط الرجال میں یہ سب غنیمت ہے۔ بالمقابل جو سچا لیڈر بننا چاہے اسے اپنی پیٹھ بھی مضبوط کر لینی چاہیئے۔ اس وقت فرائض لیڈری اس قدر بارگراں ہے کہ اس سے مضبوط سے مضبوط پیٹھ ٹوٹ سکتی ہے۔ لیکن قرآن کریم نے ہمیں وہ راہ بتلائی ہے جس سے انسان سبکبار ہی رہے۔ اور مناسب شہرت بھی ہو۔ طبعاً ہر ایک انسان میں دو باتوں کی خواہش ہوتی ہے۔ پہلے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے بوجھوں سے سبکبار ہو۔ پھر وہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کا ذکر خیر کریں۔ اس کا نام روشن ہو۔ اور وہ اس بلندی کو پہنچ جائے جہاں دوست دشمن کی نگاہ پڑے۔

ان دو امور کی طلب ایک فطری طلب ہے کیونکہ اسی سے قوت عمل حرکت میں آتی ہے۔ اسی لئے مبداء فیاض نے اسے ہماری فطرت میں رکھ دیا ہے۔ ہاں ان کے لئے حدود مقرر ہیں جن سے آگے جانا دنیا کے لئے موجب تباہی ہوا ہے۔ اس امر میں حدود سے تجاوز کرنے کا نام خود پسندی۔ خود نمائی۔ دوسروں کی نکتہ چینی۔ عیب جوئی۔ نمامی۔ غیبت۔ مضحکہ۔ ناجائز ہنسی ٹھٹھا کرنا۔ یہ سب باتیں جو ایک دوسرے

کے ساتھ بہ تسلسل مربوط ہیں۔ وہ جذبۂ رفعتِ ذکر کے غلط استعمال یا اس کے غلط طریق پر حاصل کرنے سے پیدا ہوجاتی ہیں۔ اس سے علی الخصوص ہمارے لیڈر بچیں۔

یہ ایک لطیف فلسفۂ اخلاق ہے جسے قرآن نے ہی کھولا۔ لوگوں نے اخلاق کی تقسیم تو اخلاقِ ذمیمہ اور اخلاقِ حسنہ میں کردی لیکن قرآن نے ہی اس راز کو دنیا پر آشکارا کیا کہ ہر نیکی اور بدی کی بنیاد فطری جذبات ہیں جن کے ایک استعمال کا نام نیکی اور ایک استعمال کا نام بدی ہے۔ مذہب دنیا میں مقررہ حدود دکھانے آتا ہے۔ کاش خدا کسی کو موقع اور فرصت عطا کرے۔ وہ فلسفۂ اخلاقِ قرآنی کو ذی علم دنیا کے آگے پیش کرے اور اسے قرآن کی حکومت تلے لے آئے۔ مغرب کا مسلمان کرنا آج مشکل نہیں۔ اس قسم کا لٹریچر مسلمان پیدا کریں۔ آج دنیا حلقہ بگوش اسلام ہوجائے گی۔ جو چیز مسلم تلوار کے لوٹنے سے جاچکی ہے اسے تیغ علوم قرآنی سے واپس لے لے گی۔

انسان کی فطرت میں جیسا کہ بیان ہوا خدائے تعالیٰ نے جو یہ دو جذبات ڈال دیئے ہیں یعنی بوجھوں سے رستگاری اور رفعتِ ذکر۔ یہ دونوں جذبات نعمتِ الٰہی ہیں۔ یہ دونوں باتیں اسی نسبت سے کسی کو حاصل ہوجاتی ہیں جس نسبت سے اس میں وسعتِ قلب اور شرحِ صدر ہوتی ہے۔ لیکن سینہ اس کا کھلا ہوتا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ سے شرحِ صدر ہوتی ہے۔ اور اس ذکرِ خیر اور بارگراں سے سبکساری ہوجاتی ہے۔ شرحِ صدر اور انفاق تو گویا لازم و ملزوم ہیں اور سبکساری اس کا لازمی نتیجہ ہے۔

جس کا کھاتے ہیں اسی کا گاتے ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے کہ جس کے آگے ہر ایک سر جھکاتا ہے تمہاری داد و دہش۔ تمہاری جود و سخا۔ تمہارا دوسروں کے فائدہ کے لئے ایثار۔ تمہارا اپنا ہرج کرکے دوسروں کے کام آجانا یقیناً تمہارے ذکرِ خیر کا موجب ہوگا۔ اور یہ وہ شانِ انفاق و عمل ہے جس کی طرف وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اشارہ کررہا ہے۔ لیکن اس حکم پر تمہارا عمل اسی نسبت سے ہوتا ہے جس قدر تم میں وسعتِ قلب ہوتی ہے۔ اسی طرح تمہاری پیٹھ سے بھی تمہارے بوجھوں کے ہلکا ہونے کا راستہ کھلا یہی ہے۔

وہ بات جو زید کو گھبرا ہی نہیں دیتی بلکہ اس کو ہلاکت تک پہنچا دیتی ہے۔ وہ ایک وسیع القلب کی نگاہ میں پرِ پشہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ یہ حقیقت شاید قارئین کرام پر اور بھی کھل جائے اگر گراں باری کی بنیاد کو سمجھ لیں۔ یہ دو امور سے پیدا ہوتی ہے۔ جو چیزیں ہمیں محبوب ہوں۔ ان کا ہونا نہ ہونا یا ان کا ہم سے چھن جانا۔ اگر تم اپنی زندگی کا مطالعہ کرو تو جو چیز آج تمہاری نگاہ میں عزیز و محبوب ہے وہ دوسرے حالات کے پیدا ہوجانے پر ایسی بے ذقیع ہوجاتی ہے کہ اگر وہ تم سے چھن جائیں یا تمہارے پاس ہی نہ ہوں تو تمہیں ذرا بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ کل کا بارِگراں آج خس و خاشاک کی حقیقت نہیں رکھتا۔ لیکن وہ بات جو ایک امیر غریب انسان کی نگاہ میں دنیوی چیزوں کو عزیز اور محبوب رہنے نہیں دیتی وہ اس کی بلند نظری یا سینہ کی کشادگی ہے۔ اس کی مثال تمہارے اپنے بچپنے اور اس کے مابعد بقیہ زندگی ہے۔ ایک بچے سے اگر چند پیسے چھن جائیں یا اسے اس کی ضرورت ہو اور نہ ملیں تو اس کی نگاہ میں دنیا جہان اندھیر ہوجاتا ہے۔

عمر کے بڑھ جانے پر اس کی نگاہ بلند ہوئی۔ سینہ کشادہ ہوگیا۔ اب چھ پیسے کیا چھ روپے بھی تکلیف نہیں دیتے۔ وہ بات جو پہلے اپنے وزن میں پہاڑ کی طرح نظر آتی تھی آج وہ ایک ادنیٰ کنکری کی طرح نظر آتی ہے۔ وہی بچہ جو کل چند پیسوں کی چیز کسی اور بچہ کو نہ دینا چاہتا تھا آج بڑا ہوکر کیسا ہی تنگدست ہو کسی محتاج کو آسانی سے چند روپے دے کر اپنے لئے ذکرِ خیر پیدا کر لیتا ہے۔

یہ مثال جو میں نے بچہ کی دی ہے یہ ٹھیک ہم پر حادی ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بارگراں سے انسان کا آزاد ہونا اور اس کے ذکر سے معمور ہونا کشادگیِ سینہ کو چاہتا ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کو قرآن نے سورۂ انشراح کے پہلے تین جملوں میں بیان کیا ہے:-

الم نشرح لك صدرك ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك ورفعنا لك ذكرك؛

کیا ہم نے تیرا سینہ کشادہ نہیں کردیا۔ اور تجھ سے وہ بوجھ اٹھا نہیں لئے جو تیری پیٹھ کو دبا رہے تھے۔ اور تیرا ذکر بلند نہیں کیا۔ ان مختصر فقروں نے مسلمانوں کو سبق دے دیا ہے کہ رفعتِ ذکر اور سبکدوشی بارگراں کی کنجی شرحِ صدر ہے۔

یہ شرحِ صدر کیسے پیدا ہو۔ اس کا تفصیلی جواب تو تم قرآن کی ان آیات میں تلاش کرو جن میں تقوےٰ اور بِر کے حصول کی راہیں لکھی ہیں۔ اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہم محبوب چیزیں دوسرں کو دینے کی عادت ڈالیں۔ اس سے یہ چیزیں ہماری نظروں میں کم حیثیت ہوکر ہمیں ان اغلال سے آزاد کردیں گی جو ان چیزوں کے چھن جانے یا نہ ہونے سے کوہ کی طرح ہماری کمر کو دوہرا کردیتے ہیں اسی لئے فرمایا:-

لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون

تم ہرگز نیکی تک نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی محبوب ترین چیزیں تم دوسروں کے فائدہ کے لئے خرچ نہ کرو۔

کیا مقامِ حسرت ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کے ہونے پر ہی سوسائٹی وہ مضبوط سوسائٹی بنا کرتی ہے کہ اس کے ممبر دنیا کو ہلا نا جانتے ہیں۔ ان سے ہی انسان میں سیرت اور کیریکٹر پیدا ہوتا ہے جو ہم میں نہیں۔

مزہ یہ ہے کہ ان امورِ عالیہ کی حقیقت سے ہم بہت دور ہیں تم پہلے افرادِ قوم میں وہ باتیں پیدا کرو۔ انہیں اس راہ پر چلاؤ جس سے ان میں بلند نظری پیدا ہو۔ وہ ان چیزوں کو وقعت دینی چھوڑ دیں جو ان کی نگاہ میں محبوب ہیں۔ اور اگر وہ چیزیں ان کی نگاہ میں عزیز یا کفیل کار ہیں تو تمہاری سب کوششیں بیکار ہیں۔ تم مسلمانوں کو لن تنالوا البر..... کے حکم کی طرف راغب کرو۔ ان میں انفاق فی سبیل اللہ کی روح پیدا کرو۔ طبعًا ان کی نگاہ میں آج کی عزیز چیزیں بے وقعت ہوجائیں گی۔ پھر تعاون کیا چیز ہے۔ خود بخود ان کے اندر روحِ ہجرت پیدا ہوکر انہیں مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی قربانی پر تیار کردے گا۔

وہ دن تمہارے لئے روزِ عید ہوگا جب تم میں روحِ قربانی پیدا ہوگی۔ یہ بھی یاد رکھو کہ محض باتیں عمل کو بھی کمزور کردیا کرتی ہیں۔ یہ اس متانت اور سنجیدگی کے خلاف ہے جس کے بغیر حقیقی کیریکٹر نہیں بنا کرتا۔ میں یہ کہے بغیر بھی نہیں رک سکتا کہ جس قدر کوشش دنیاوی کاموں کے لئے ضروری ہے اس سے کئی گنا زیادہ کوشش افراد میں انفاق فی سبیل اللہ و ایثار وغیرہ کی روح پیدا کرنے میں خرچ کرو اور یہ اقدامات زیادہ تر نئی نسل میں سے ہونے چاہئیں.....

ان کا نصب العین بدلو۔ ان کے روزگار میں وہ نوعیت پیدا کرو جہاں ان کا دل و دماغ ان کی قوتِ فیصلہ و تدبر فی الجملہ ان کی قوتِ عمل خارجی دباؤ سے آزاد رہے۔ وہ ایک طرف مال پیدا کرنا اور دوسری طرف اس مال سے مانوس نہ ہوکر اسے فی سبیل اللہ یعنی قومی اغراض میں خرچ کرنا سیکھیں۔ ان کے نزدیک کسی قومی کام کو کردینا آج کل کے شادی بیاہ رچانے سے زیادہ معزز ہوجائے گا۔ قرآن نے صد ہا راہیں اس سیرت کے پیدا کرنے کی بتائی ہیں۔ خدارا ہمارے متکلمین قرآن سے وہ باتیں اخذ کرکے انہیں حکیمانہ اور دلآویز پیرایہ میں پیش کریں۔ کہ وہ آسانی سے ان مغربی مزاج نوجوانوں کے حلق سے اتر جائیں۔ میرے نزدیک یہ جہادِ اکبر ہے۔ فلسفۂ قرآنیہ پر مختلف رنگوں میں کتابیں لکھو۔ اگر وہ نصابِ تعلیم نہیں ہوسکتے تو تم یہ کتابیں اپنے طلباء تک پہنچا دو۔ وہ خالی وقت میں پڑھ سکتے ہیں ؛ ؛ ؛

* * *

مکرم مرزا محمد لطیف شاہد

رمضان المبارک میں روزہ دار ایک خاص کردار کا حامل ہوتا ہے

اس ماہ میں لیلۃ القدر کو حاصل کرنے کی کوشش کرو

ہر مسلمان یہ جانتا ہے کہ یہ بڑی برکتوں کا مہینہ ہے۔ قبولیتِ دعا کا اس ماہ میں خاص مقام ہے۔ روحانی طور پر انسان اس میں ایک نیا انسان بن جاتا ہے اور جس کو یہ مبارک مہینہ ملا اس کو ہر طرح کی خیر، کامیابی اور ترقی نصیب ہوتی ہے۔ آج کی صحبت میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشادات تحریر کئے جاتے ہیں جن کو لازم کرنے کی وجہ سے یہ نعمتیں اور برکتیں نصیب ہوتی ہیں۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

الصّیام جُنّۃ :۔

روزہ ایک ڈھال ہے۔ پرانے زمانہ میں لوگ جب دشمن کے ساتھ دست بدست جنگ کیا کرتے تھے تو ایک لوہے کا مضبوط ہتھیار اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔ جب کوئی دشمن ان پر حملہ کرتا تھا تو اس ہتھیار کے اوپر اس کے وار کو روک لیتے تھے۔ اور اس کے حملے سے محفوظ رہتے تھے۔ الصّیام جنّۃ میں آپ نے فرمایا کہ انسان کے اوپر بھی شیطان ہر طرح کے حملے کرتا رہتا ہے۔ یہ رمضان کا مہینہ بڑا برکت والا ہے جس کی وجہ سے ایک انسان ان وساوس اور وہ افعال جو اللہ اور رسول مقبولؐ کے ارشادات کے منافی ہیں ان سے محفوظ رہتا ہے۔

فلا یرفث ولا یجہل :۔

اس زمانہ میں نہ وہ رفث کرے اور نہ وہ جہل کرے۔ رفث وہ خیالات اور باتیں ہیں جن سے انسان نیکی سے دور ہو جاتا ہے۔ اور جہل وہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ نیکی کے کاموں سے محروم رہتا ہے۔ اور اس حدیث میں آگے فرمایا کہ "اگر کوئی انسان اس مہینہ میں اس سے لڑے۔ جھگڑا کرے یا ایسی زبان استعمال کرے جس کو شرفاء میں پسند نہیں کیا جاتا۔ تو روزے دار ایسے شخص کے جواب میں کہے کہ میں روزہ دار ہوں۔" اس سے معلوم ہوا کہ روزہ دار ان ایام میں ایک مخصوص کردار کا حامل ہوتا ہے۔ زاں بعد روزے دار کیونکہ لمبا وقفہ کھانے پینے سے احتراز کرتا ہے۔ منہ میں ایک قسم کی ہوا سی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے بارے میں آپؐ فرماتے ہیں۔ والذی نفسی بیدہٖ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک۔ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ روزہ دار کے منہ میں جو ہوا پیدا ہو جاتی ہے (بظاہر حالات میں یہ ہوا پسندیدہ نہیں ہوتی لیکن کیونکہ یہ روزہ دار کی ہوا ہے اس کے بارے میں فرمایا) وہ ہوا اللہ تعالیٰ کے نزدیک (اس شخص یعنی روزہ دار کی نیکی کی وجہ سے) کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور اس پسندیدگی کی وجہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بیان فرماتے ہیں کہ ایسا شخص "میرے حکم پر کھانا بھی ایک معین وقت کے لئے چھوڑ دیتا ہے پیاس بھی لگتی ہے لیکن پانی بھی نہیں پیتا۔ اور دوسرے حوائج جو کہ بشریت کے لازمہ ہیں ان کو بھی اختیار نہیں کرتا۔ کہ سب کام اس نے میری خاطر کئے ہیں۔ اس واسطے میں خود ہی اس کی جزا ہوں۔"

پس یہ ایام بڑے ہی برکت والے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ پھر بھی اس کو ایسا قیمتی سنہری موقع ملے گا بھی یا نہیں۔ آؤ ایک پاک ارادے کے ساتھ ساری قوم اٹھ کھڑی ہو۔ اور جب ہم چل کر جائیں گے وہ دوڑ کر آئے گا۔ حضرت صاحب کیا خوب فرماتے ہیں؟

"تم اپنے دلوں کو سیدھا کر کے اور زبانوں اور آنکھوں اور کانوں کو پاک کر کے اس کیطرف آجاؤ کہ وہ تمہیں قبول کرے گا۔" پس اے بھائیو! یہ دن بڑے ہی مبارک ہیں۔ ضرورت، احساس اور ذمہ داری کو ادا کرنے کی ہے۔ اے میرے مولیٰ ہم سب کو۔ ہاں سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین!

ایک طرف آپ نے پڑھا کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ دار کو کتنی بڑی بشارت دیتے ہیں کہ اس کے روزہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کو مل جائے گا۔ دوسری طرف ایک روزہ دار کی بڑی نشانی یہی ہے کہ وہ سحری سے لے کر افطار تک کھانے پینے سے بچا رہتا ہے۔ وہ خود بھی کہتا ہے کہ میں روزہ دار ہوں لوگ بھی اس کو روزہ دار سمجھتے ہیں۔ اس کے اوپر بڑے اونچے پیمانے پر زور دیا جاتا ہے۔ اور آپ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فرماتے ہیں۔

من لم یدع قول الزور والعمل بہٖ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہٗ وشرابہٗ (بخاری) اگر کوئی شخص روزہ دار ہے لیکن وہ چیزیں جو روزہ کو فاسد کرتی ہیں ان کو نہیں چھوڑتا۔ ایک اہل کار ہے۔ اپنا کام بروقت اور دیانتداری سے نہیں کرتا۔ تاجر ہے تو وہ اسی طرح ناقص مال بیچتا ہے۔ قیمت اچھے مال کی لیتا ہے۔ چیز ناقص دیتا ہے اور ڈنڈی مارتا ہے۔ زبانی جمع خرچ پر اگلے کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لفافہ میں اوپر اچھی چیز رکھتا ہے نیچے گندہ پھل وغیرہ ڈال دیتا ہے۔ وغیرہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ایسے شخص کا روزہ صرف منہ کو باندھنا اور بے فائدہ ہے وہ بھوکا اور پیاسا رہتا ہے۔ ایسا فرد اپنے لئے دو لعنتیں خریدتا ہے۔ ایک خالق کی دوسری مخلوق کی۔ اصل کام تو یہ ہے کہ ہمارے دل مسلمان ہو جائیں۔ تب یہ ناؤ بھی پار لگے گی اور اس دنیا کی کشتی پر سوار لوگ منزلِ مقصود تک پہنچیں گے اور جب ہم آپ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق روزہ رکھیں گے۔ ہمارے لئے رحمت کے دروازے وا ہو جائیں گے اور ان بابرکت ایام سے ہم بھی حصہ لے لیں گے۔ اس مقام کو پانے کے لئے حضرت مرزا صاحب کیا فرماتے ہیں :۔

"خدا کی طرف مجھ کو اور جس قدر دنیا میں کسی سے محبت ممکن ہے تم اس سے کرو اور جس قدر دنیا میں کسی سے انسان ڈر سکتا ہے تم اپنے خدا سے ڈرو۔ پاک دل ہو جاؤ۔ اور پاک ارادہ۔ اور غریب اور مسکین اور بے شر تا تم پر رحم ہو۔ یہ ایام اس مقام کے حصول کا بہترین ذریعہ ہیں۔

رمضان کی برکات سے وافر حصہ لینے کے بارے میں ایک ارشاد حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ہے :۔

عن عائشہ (رضی اللہ عنہا) ـــ و یقول تحرّوا لیلۃ القدر فی العشر الاواخر من رمضان (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ لیلۃ القدر کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کرو۔ (تحرّ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے اندر گرمی پیدا کرو۔ کوشش کرو) جو کہ رمضان کے آخری عشرہ میں آتی ہے یہ رات بھی بڑی ہی بابرکت رات ہے۔ قرآن مجید نے اسے ایک ہزار مہینہ سے بہتر قرار دیا ہے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مطہرہ یہ ہے کہ آپ ہر سال اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ خاص طور پر

محفلیں ہوئیں ان لمحوں کو اپنی بعثت سے بیدار کرکے ذکرِ الٰہی کیا جاتا تھا۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں [illegible] وقت آباد

”اے سونے والو بیدار ہو جاؤ۔ اے غافلو اٹھ بیٹھو کہ ایک انقلاب عظیم کا وقت آگیا ہے۔“

یہ رونے کا وقت ہے نہ سونے کا اور تضرع کا وقت ہے۔ نہ ٹھٹھے کا ــــ سو بچاؤ! نفسانیت سے باز آ جاؤ ــــ توبہ کرو اور خدا سے ڈرو اور حد سے مت بڑھو“

تب جا کر وہ مبارک رات نصیب ہوتی ہے۔ صرف ایک رات کو شب بیداری رسم تو کہلا سکتی ہے مگر وہ برکت نصیب نہیں ہوتی۔

آپ لوگ ایک عظیم الشان مجدّد کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جو اس وقت ایک آبِ حیات لے کر تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے روحانی مُردوں کو زندہ کیا تھا۔ ہم بھی اصلاحِ احوال اور یگانگت و وحدت الفت و محبت۔ اتحاد و اتفاق۔ اخلاص و ایثار۔ قربانی و فرض شناسی اور حقیقی اخوت کے حامل ہیں عہد کریں۔ اور اِن بابرکت ایّام کی بابرکت راتوں میں ایسی گریہ وزاری کریں۔ عمل و جوارح ساتھ دے رہے ہوں تب ہماری یہ تاریک رات روشن دن کی صورت میں تبدیل ہو جائے گی۔

ربنا تقبل منّا انک انت السمیع العلیم وتُب علینا انک انت التواب الرّحیم

(بقیہ کالم نمبر ۲ سے آگے)

رمضان المبارک اور روزہ کی اہمیّت

کے حاصل کرنے کے لئے سعی کرتا ہے روزہ رکھتا ہے تقوٰے اختیار کرتا ہے اس پر اللہ تبارک تعالےٰ کا ہاتھ ہو جاتا ہے۔ تو یہاں تو صرف روزہ رکھنا کھانے پینے سے پرہیز رفث اور فسوق سے پرہیز ہے کوئی لمبا سفر یا جنگ نہیں کہ جانیں ہی نذر کرنی پڑ جاویں۔

سخاوت۔ صدقہ و خیرات:۔

آنحضرت صلعم اِن ایام میں صدقہ و خیرات بہت دیا کرتے تھے حضرت ابنِ عباس سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حد سخی تھے اور رمضان شریف میں تو اتنی سخاوت کرتے کہ جو کچھ ان کے امکان میں ہوتا سخاوت کرتے اور آپ بھلائی کرنے میں تیز ہوا سے بھی زیادہ فیاض تھے۔ تو ان دنوں صدقہ و خیرات کرنا چاہیئے کہ دُعا کی قبولیّت کے لئے یہ ایک ہتھیار ہے۔

دُعا:۔

اِن دنوں دُعایٔں بہت کرنی چاہیٔں اور سحری کے وقت نوافل میں دُعاؤں پر زور ہونا چاہیئے حدیث شریف میں ہے تسحّروفان فی السحور برکۃ کہ سحری کیا کرو کہ سحری کے وقت کھانے اور دُعاؤں میں برکت ہوتی ہے۔

پس یہ مبارک مہینہ ہے نہ جانے اگلے رمضان تک کون جیتا رہتا ہے کون دائمی اجل کے پاس چلا جاتا ہے۔ آیئے اِس پُرفتن دور میں ہم رضائے الٰہی کے حصول اور غلبۂ اسلام کے لئے دعایٔں مانگیں۔ خیرات کریں اور عملی زندگی میں تبدیلی لادیں۔

و ما توفیقی الا باللّٰہ العلی العظیم

* * *

روزہ عبدالحی صاحب احمد میاں نگی [illegible]

رمضان شریف کی آمد آمد ہے کیا ہی خوش قسمت ہونگے وہ وجود جو اس کو پالیں گے اور اس سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھاویں گے ورنہ ع :۔ پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار۔ روزہ کیا ہے؟ کہ انسان جہاں غلط کاریوں سے بچتا ہے ساتھ ہی کچھ جائز چیزوں کو خدا تعالےٰ کو حاصل کرنے کے لئے ترک کر دیتا ہے اور اسی کو تقوٰے کہتے ہیں۔ اور ایک حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ خداوند کریم روزہ کی غرض و غایت یہ بتلاتے ہیں کہ روزہ مجھے حاصل کرنے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اور جو مجھے پالینے کے لئے روزہ رکھتا ہے میں اسے مل جاتا ہوں! اور اس کا ہو جاتا ہوں۔ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔ یا یہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیّام ــــ۔ لعلکم تتقون ہ

یعنی مومنوں کو خطاب ہے کہ روزے اس لئے تم پر فرض کئے ہیں کہ مجھے ملو میرے ساتھ عشق کرو نا جائز باتوں اور افعال کو ہی ترک کرو بلکہ مجھے ملنے کے لئے کچھ جائز امور کو بھی کچھ محبت اور لذّت والی چیزوں کو بھی میری محبت اور لذّت کے لئے ترک کر دو۔ اور یہی تقوٰے کا اصل مقام ہے۔ قرآن ھدی للناس بھی ہے۔ اور ھدی للمتقیّن بھی کہ وہ ہر ایک کو راستہ دکھلاتا ہے۔ جو بھی اس سے راستہ طلب کرے اور متقیوں کو منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔ حضرت مولٰنا محمد علی فرماتے ہیں ”روزہ انسان کی زندگی کے اعلےٰ ترین مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے“۔ یہی مفہوم ...... (ترجمہ) یعنی جب میرے بندے (میرے بندے کے لفظ میں کتنا پیار ہے اللہ تعالےٰ کا اپنے بندے سے) مجھ سے وصل کے حصول کے لئے دریافت کریں (تو انہیں اے رسولؐ) اطلاع دے دے کہ میں ان کے پاس ہی ہوں مجھے پکاریں میں جواب دوں گا شرط ہے کہ صرف زبانی پکار نہ ہو بلکہ میری پوری پوری فرمانبرداری کریں۔ اور مجھ پر کامل یقین ہو پُورا ایمان ہو۔ اور یہی ہدایت کا اعلےٰ مقام ہے۔ پس ان روزوں کے ایّام میں لقائے الٰہی (جو اصل غرض بندہ کی ہے) کے لئے پوری پوری سعی کرے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید کا نزول شروع ہوا۔ شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لعلکم تشکرون کہ اس مبارک مہینہ میں بنی نوع انسان کو راہ دکھلانے کے لئے کتاب نازل کی گئی اور فرمایا اس ماہ مبارک میں ذکرِ الٰہی اور ذاتِ کبریا کی کبریائی بیان کی جاوے اور اس طرح تکبیر و تحمید و تسبیح کی جاوے جس طرح اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ کامل فرمانبرداری اور تقوٰے شامل ہو۔ پھر اسی طرح الہاماتِ ربانی کا جب نزول شروع ہوتا ہے تو مومن کی رُوح وجد کرتی اور حمد کے ترانے گاتی ہے اور اسی میں اشارہ لعلکم تشکرون۔ میں ہے۔

اس دفعہ اگرچہ شدت کی گرمی کے دوران روزے آرہے ہیں دن لمبے ہونگے لیکن اگر ہم تھوڑا سا بھی قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی عملی زندگی کا مطالعہ کریں تو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے یہ کتنے جفاکش لوگ تھے جنگِ تبوک میں جا رہے ہیں شدید گرمی لمبا سفر پیدل اور جانور کی سواری۔ بھوک پیاس کی شدت۔ بیعت رضوان دیکھئے جنگی ہتھیار و ساز و سامان ساتھ نہیں اور پھر اپنے آقا و مولےٰ سیّدنا محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے دم (خون) دینے کی بیعت کر رہے ہیں۔ یہ کیوں ہو رہا ہے۔ ان کا مقصد وحید صرف اور صرف یہ ہے کہ خدا تعالےٰ راضی ہو جائے۔ اس عشقِ الٰہی میں وہ خون کا نذرانہ دے کر اپنے رب کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ اور مولیٰ کریم بھی وجد میں آکر رضی اللہ عنہم کا سرٹیفکیٹ ان کو عطا فرما رہے ہیں اور فرماتا ہے:۔

ید اللّٰہ فوق ایدھم

کہ ان پر خدا کا ہاتھ ہے۔ یعنی پھر اس طرح وہ خداوند کریم کی حفاظت میں آگئے۔

محاورہ بھی ہے کہ فلاں شخص پر فلاں بڑے سرمایہ دار یا حاکم کا ہاتھ ہے۔ تو جو رضائے الٰہی

(بقیہ کالم ۱)

مولانا آفتاب الدین

گذشتہ سے پیوستہ (۲)

اشتراکیت کے اصول و عقائد

اسلام کی جنگ لڑنے کے لئے ایک نئے علم کلام کی ضرورت ہے

بودہ فلسفہ

ایک معمولی فکر کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ بھاپ کی طاقت تو ہمیشہ سے دنیا میں موجود ہے۔ کم ازکم اس وقت سے جب سے کہ عناصر موجود ہیں جب اسٹیولنسن کے سامنے یہ ظاہر ہوئی تو کونسا ارتقاء اس کو میسر ہو گیا تھا۔ اسی طرح جب سے پانی اور پھول اور ان دونوں کے اکٹھا ہونے کا امکان موجود ہے۔ اس وقت سے کیا عطر بھی صفحۂ ہستی پر موجود نہیں؟ یہ تو نوجوان کے شعور کی شکل میں انسانی ذہن کا ارتقاء تھا کہ اس نے اس کے وجود کو محسوس کر لیا۔ اسی طرح کسی وقت اگر انسان نے چپّو کی جگہ پہیئے کی شکل کا پیڈل دریافت کر لیا تو ایسا تو نہیں کہ PADLE . N [illegible] خود بخود کہیں بنا پڑا تھا اور وہ انسان کے سامنے آکر اس کو اپنا استعمال بتا گیا۔ بلکہ انسان اپنی ضرورت کے ماتحت مختلف طریقوں کو آزما آزما کر کوئی ایک صحیح چیز یا طریقہ معلوم کر لیتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ ضرورت کا محسوس ہونا ایک خود رو تحریک ہے۔ تو یہ بھی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے ذہن سے متعلق ہے۔ نہ کہ مادہ سے۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ اس بودے فلسفے کو جس کا ناقص ہونا ایک معمولی انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔ اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کارل مارکس صاحب ذہن انسانی کو تسلیم کرنے سے گھبراتے ہیں۔ ان کے دوسرے نظریئے بنام زائد قدر یا پرولتاری کی آمریت بھی اسی گھبراہٹ کا نتیجہ ہے۔ اس کے متعلق بحث آگے چل کر آئے گی

کلیسائی نظریہ کا ردِّ عمل

سچی بات یہ ہے کہ مجھے اب تک سمجھ نہیں آئی کہ ذہن انسانی کی مستقل ہستی ماننے سے مارکس صاحب کیوں گھبراتے ہیں۔ شاید اس لئے ہو کہ ذہن انسانی ماننے سے روح کا ماننا لازم آتا ہے اور روح کے ماننے سے رفتہ رفتہ نہیں خدا کو نہ ماننا پڑ جائے۔ ممکن ہے کہ یہ کلیسا کے اس نظریہ کا ردِّ عمل ہو جس کی رو سے انہوں نے جسم اور مادہ کو بالکل لاشے سمجھا ہوا تھا۔ اور اس نے جسمانی صفائی اور خوبصورتی کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہ کی مغربی اقوام مردہ نہیں ہیں۔ وہ ایک سرگرم اجتماعی زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں۔ تہذیب اور تمدن کو فروغ دینا چاہتی ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ روحانی زندگی کو اس مادی دنیا کے اندر انسان کو حاصل کرنا ہے اس زندگی سے انکار بہرحال ممکن نہیں۔ مگر عیسائیت نے تو شروع ہی سے شریعت کو لعنت قرار دیا تھا۔ اور شریعت ہی ایک چیز ہے جو زندگی کے مادی پہلو کو سنبھال سکتی ہے۔ مگر کلیسا اپنے نظریہ میں کسی قسم کی ترمیم کے لئے تیار نہیں ہوا اور بالآخر رہبرانِ قوم کو مجبوراً قوم کی اجتماعی زندگی کے لئے مذہب کے باہر کوئی نہ کوئی ضابطہ عمل بنانا پڑا۔ نتیجہ وہی ہونا تھا۔ جو مارکسی فلسفے کی شکل میں آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ یعنی مذہب کی ضرورت سے ہی مطلقاً انکار اور ساتھ ہی روحانی زندگی بلکہ اس سے آگے چل کر ذہن انسانی سے بھی انکار،

اسلامی نظریہ کی خوبصورتی

اسلام کو اس سے کوئی فکر لاحق نہیں ہو سکتا۔ اسلام تو شروع سے ہی روح اور جسم کا آپس میں چولی دامن کا تعلق تسلیم کرتا ہے۔ وہ اس بات کو مانتا ہے کہ روح جسم کے اندر ہی رہ کر پرورش پاتی ہے۔ اس جسمانی ماحول کا درست اور خوبصورت ہونا ازبس ضروری ہے۔ اسلام اس بات کو مانتا ہے کہ گندہ جسم یا گندہ جسمانی ماحول روح کو بھی گندہ کر دیتا ہے۔ جس طرح کہ دوسری طرف گندی روح اپنے جسمانی ماحول پر گندہ اثر ڈالتی ہے اس لئے خدائے اسلام نے یہ دعا سکھائی ہے ربنا

ہیں کسی قسم کی ترمیم کے لئے تیار نہیں ہوا اور بالآخر رہبرانِ قوم کو مجبوراً قوم کی اجتماعی زندگی کے لئے

اسلامی نظریۂ زندگی کی اس خوبصورتی کو جرمنی کے مشہور فلاسفر نیٹشے نے خوب سمجھا ہے۔ وہ اپنی کتاب ANTI - CHRIST میں فرماتے ہیں کہ اگر اسلام عیسائیت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو وہ حق بجانب ہے۔ کیونکہ جہاں عیسائیت انسان کے (یعنی انسان کی جسمانی زندگی کے) انکار سے اپنی ابتدا کرتی ہے۔ اسلام اس کو تسلیم کرنے سے اپنا پروگرام شروع کرتا ہے۔ یہ ایک زبردست غیر جانبدارانہ بیرونی شہادت ہے۔ جس پر مارکسی فلسفے کے قائلین کو کافی غور کرنا چاہیئے معلوم رہے کہ قرآن کی رو سے ذہن انسانی اسباب معیشت پر حکمران ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ قرآنی نقطۂ نگاہ سے آسمان اور زمین کے درمیان جو بھی چیزیں ہیں وہ سب کی سب انسان کے فائدے اور خدمت کے لئے بنائی گئی ہیں۔ قرآن بآواز بلند کہتا ہے سخر لکم ما فی السمٰوٰت والارض اس کے برعکس کارل مارکس صاحب فرماتے ہیں کہ انسان اور اس کا ذہن خود مادہ پروردہ ہے۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

تاریخی مادیت:۔

مارکس نے تاریخ سے یہ استدلال کرنا چاہا ہے کہ انسانی تہذیب اور اس کی ترقی کی تہ میں انسان کی مادی کشمکش کے سوائے اور کچھ نہیں ہے اور اس کی اس نے HISTORICAL - MATERIALISM - یا تاریخی مادیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ابتدا میں انسان کی اجتماعی زندگی اشتراکی ملکیت پر مبنی تھی۔ بعد میں لوگوں نے بادشاہت کی بنیاد ڈالی مگر قانون ارتقاء حرکت میں آیا اور انسانی اجتماعیت اپنی اصلی حالت کی طرف رجوع کرنے لگی۔ بادشاہوں کی مطلق العنانی کے خلاف جاگیرداروں نے علمِ بغاوت بلند کیا۔ اب عوام النّاس ایک بادشاہ کی بجائے بہت سارے جاگیرداروں کے ماتحت ہو گئے۔ لہٰذا بادشاہ اور جاگیرداروں کی کشمکش کے درمیان انہوں نے بہت حد تک اپنی اقتصادی آزادی حاصل کر لی۔ جاگیرداروں نے تو اس آزادی کو پوری طرح حاصل کیا۔ اور اس کو وہ FEDAL SYSTEM کہتے ہیں۔ مگر اس آزادی کی روح اور ترقی کرتی گئی۔ اور ان نوابوں کے خلاف ان کے نچلے طبقے کا ایک اور بڑا حصہ سر اٹھانے لگا۔ یہ کاروباری لوگ تھے ایک وقت آیا جب ان کاروباری لوگوں نے اپنی دولت کے زور سے نوابوں کی حکومت کو توڑ دیا۔ اور ریاست پر انہیں اختیار حاصل ہو گیا۔ مروجہ نظام یہی نظام ہے اور اسکو CAPITALISM یا سرمایہ داری کا لقب دیا گیا۔

کارل مارکس کا یہ خیال ہے کہ زمانہ اس بات کا منتظر ہے کہ یہ طبقہ جن کے ہاتھ میں اس وقت سب ریاستوں کی باگ ہے یہ بھی اس فلسفہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں گے جس کو یہ دبائے بیٹھے ہیں اور جو اس کی نظر میں دنیا کی دولت کے اصل پیدا کرنے والے ہیں اور اس بنا پر اس کے حقیقی مالک ہیں یعنی مزدور طبقہ۔

جب سماج ارتقاء کی اس منزل کو پہنچ جائے گی اسوقت یہ طبقاتی نزاع جو کہ بادشاہت کیساتھ چلتی آ رہی ہے۔ اس کا خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ طبقات کوئی باقی نہیں رہیں گے۔ بلکہ سب ایک طبقہ کے لوگ ہو جائیں گے اور اس طرح سے مارکس کا خیال ہے کہ ریاست یا سٹیٹ کی بھی ضرورت نہیں رہے گی

تاریخ کے اس رحجان کو جس کو وہ رحجان سمجھتے ہیں انہوں نے تاریخی مادیت کا خطاب دیا ہے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک اس کی حرکت مادی کش مکش کا نتیجہ ہے۔

ایک اور مفکر کا اعتراض :-

اس نظریہ پر ایک دُوسرے مفکر نے بہت جرح قدح کی ہے۔ ان کا خاص اعتراض یہ ہے کہ اس قانون کا اطلاق خاص طور پر اس ریاست پر نہیں ہوا جو کہ اس وقت تنہا اس فلسفہ کی علمبردار ہے۔ یعنی سوویت روس۔ کیونکہ کارل مارکس کے نزدیک جب تک کہ سماج یعنی قوم صنعتی زمانہ کو نہ پہنچے اور اس کے حکمران سرمایہ دار لوگ نہ ہوں۔ اس وقت تک وہ قوم مزدور راج کے قابل نہیں ہو سکتی اور سوویت روس جاگیرت کے زمانہ سے چھلانگ لگا کر ؛

ایک قوم قدرتی طور پر خاندانوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور ایک خاندان کی بنیاد جذبۂ محبت پر ہوتی ہے۔ نہ کہ مادی ضروریات پر۔ مارکس کے فلسفہ کے قائل اس صداقت سے کتنا ہی انکار کرنا چاہیں مگر یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے جو حیوانوں کی زندگی سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ ایک مرد اور عورت ..... اپنے چھ سات بچوں کی پرورش کرتے ہیں اور اس کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈالتے ہیں۔ اس وقت انہیں اپنی مادی ضروریات کا خیال نہیں ہوتا پھر انسان کا بچہ مذہبی خیالات کے ماتحت بڑھاپے میں اپنے والدین کی خدمت کرے تو کرے مگر حیوانوں کے بچے کبھی بھی اپنے والدین کے کام نہیں آتے۔ قدرت کا یہ قانون جو حیوانوں میں کارفرما ہے اور جس کے ماتحت والدین مجبور ہو کر اپنے بچوں کی خاطر ہر ایک قسم کی مشقت برداشت کرتے ہیں انسان اس سے مستثنٰی نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ تقاضائے فطرت ہے ؛

اعلٰی ترین اجتماعی جذبہ :-

اس کو قرآن کریم نے ایتاءِ ذی القربٰی کہا ہے۔ اور اسی کو اعلٰی ترین اجتماعی جذبہ قرار دیا ہے قرآن انسانی جذبات کو اس بلندی تک پہنچانا چاہتا ہے جہاں ایک انسان ہر دُوسرے انسان سے اس محبت کا اظہار کر سکے۔ جو کہ والدین اپنے بچوں سے کرتے ہیں ہماری شریعت قرآنی انسان کے خیالات اور جذبات کو اس راستے پر چلانا چاہتی ہے اور جذبات کی یہ مصفا حالت محض ایک خیالی بات نہیں ہے۔ انبیاء اور اولیاء اس مقام تک پہنچ کر دُنیا کے سامنے اس کا نمونہ بھی پیش کر چکے ہیں۔ کارل مارکس کے اس فلسفہ کو دُور سے دیکھتے ہوئے قرآن کریم نے اس بات کو بڑے زور سے پیش کیا ہے۔ کہ انسان کی اجتماعی زندگی اعلٰے جذبہ پر ہے نہ کہ مادی ضروریات پر ـــ ؛

چنانچہ فرماتا ہے :-

والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ---- یعنی کارل مارکس نے انسان کو جس پستی کی حالت میں دیکھا ہے یعنی مادی ضروریات کا غُلام۔ اور یہ صحیح بات ہے کہ اس زمانہ میں انسان بظاہر ایسا معلوم دیتا ہے ..... لیکن وہ انسان کی اصل فطرت نہیں بلکہ ایک پست حالت ہے اور اس پست حالت سے اس کو نجات حاصل کرنی ہے :-

مذہب عالم کی شہادت :-

تمام مذاہب اپنی ابتدائی اچھی حالت میں اس بات کے شاہد ہیں کہ انسان کی خلقت بڑے اعلٰی جذبات سے پُر ہے۔ بدھ مذہب کو دیکھو جس کا نشان تین یعنی بوڑھ کا درخت ہے۔ بجائے اس کے کہ مادی ضروریات کے ماتحت انسان ایک دُوسرے کا گلا کاٹتا پھرے۔ ایک شہزادہ بنی نوع انسان کے دُکھوں سے اتنا بے چین ہو گیا کہ اپنی سلطنت کو ترک کر کے اور معاشرتی تفکرات سے بے نیاز ہو کر انسانی اجتماعی زندگی کی خرابیوں کا علاج تلاش کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اور جب اس نے اس علاج کو پالیا تو کثیر تعداد کو اپنی طرح بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی طرح عیسائی مذہب کی تاریخ گواہ ہے کہ ایک قوم کی قوم یعنی رومی لوگوں نے اپنی حیوانی زندگی کو ترک کرتے ہوئے اور دنیاوی عیش و عشرت کو خیرباد کہتے ہوئے عزلت اور ترکِ دنیا کی زندگی اختیار کر لی۔ چونکہ زیتون کا درخت اور اس کا پھل عیسائیت کا ایک نشان ہے۔ اس لئے زیتون کے لفظ میں اس مذہب کی تاریخ کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح کوہ طور جو یہودیت کی زبردست یادگار ہے۔ وہ بھی اس بات پر شاہد ہے کہ انسانی فطرت مادہ پرست نہیں ہے۔ بلکہ مادہ کو حقیر جان کر اپنی اصلی طاقت اور تخلیق قدرت کے اصل مقصد کو ظاہر کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔ اس سلسلے کی آخری کڑی اسلام ہے۔ جس کا مرکزی نقطہ مبلد الٰہی ہے یعنی [illegible]

فلاسفر اور پیغمبر میں فرق

اس لئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ کارل مارکس کی نظر انسان کی اجتماعی زندگی کے اس پہلو پر پڑی ہے جہاں تک اس کی اہلیت تھی۔ اور یہیں آ کر ایک فلاسفر اور ایک پیغمبر میں کھلا فرق نظر آتا ہے۔ فلاسفر کی نظر انسانی فطرت کی ان گہرائیوں تک نہیں پہنچتی جہاں ایک پیغمبر کی نظر پہنچتی ہے۔ اور نہ ہی وہ ان گہرے جذبات کو متحرک کر کے اجتماعی زندگی میں ایسی سرگرمی پیدا کر سکتے ہیں جیسا کہ ایک پیغمبر کر سکتا ہے۔ مغربی اشتراکیوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ انہوں نے بعض فلاسفروں کو پیغمبر سمجھ کر ان کی ایسی اطاعت کرنی شروع کر دی جس کا حق دار صرف ایک پیغمبر ہی ہو سکتا ہے۔

مارکس کے فلسفہ میں نفرت و خود غرضی کی فضا۔

اس موقعہ پر یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ انسانی اعلٰے جذبات سے جو اجتماعی شعور پیدا ہوتا ہے وہ اپنے اردگرد ایک محبت اور قربانی کی فضا پیدا کرتا ہے۔ مادی یا سفلی جذبات سے جو اجتماعیت پیدا ہوتی ہے وہ اپنے گرد صرف ایک نفرت اور خودغرضی کی فضا پیدا کرتی ہے۔ کارل مارکس نے اس آخرالذکر جذبہ کو اپیل کر کے دُنیا میں اس دُوسری فضا کو پیدا کیا ہے۔ اس کا مستقبل اس قدر تاریک ہے کہ بیان سے باہر ہے خدا اپنے نیک بندوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھے۔

کمیونسٹ مینی فیسٹو کا بیان ،

اس ضمن میں ہمیں بانیان مغربی اشتراکیت سے ہمدردی بھی ہے۔ کارل مارکس کے انگریز رفیق مسٹر ANGLES نے اس کے ساتھ مل کر COMMUNIST MANIFASTOL کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا ہے جس کا مقصد لوگوں تک اشتمالیت کے اعلان کو پہنچانا ہے۔ یہ کتابچہ گزشتہ صدی کے آخری ربع میں شائع ہوا تھا۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا موجودہ طرزِ عمل ایک مایوسی پر مبنی ہے چنانچہ وہ اس مینی فیسٹو میں نہایت دُکھ کے ساتھ لکھتے ہیں۔

" سرمایہ دار طبقہ کو جہاں کہیں بھی اقتدار حاصل ہے جاگیریت، سرداری قبیلہ داری زمانے کے تمام تعلقات کو انہوں نے یک قلم ختم کر دیا ہے۔ بڑی بے دردی کے ساتھ انہوں نے جاگیریت کے زمانے کے ان مختلف رشتوں کو جو ایک انسان کو اس کے قدرتی بزرگوں کے ساتھ وابستہ رکھتے تھے۔ توڑ دیا۔ اور انسانوں کے درمیان برہنہ خودغرضی اور بے رحم نقد اجرت کے سوا اور کوئی تعلق رہنے نہ دیا۔ اس طبقہ نے مذہبی سرگرمی، بہادری کا جوش اور سادگی کے جذبات کی بہشتی حرارتوں کو خودغرضانہ حساب کتاب کے برفانی پانی میں ملا دیا۔ ذاتی قابلیت کو انہوں نے بازاری قیمت دے دی ..... اُنہوں نے طبیب، وکیل، پروہت شاعر اور سائنسدان کو پیسے پر کام کرنے والا مزدور بنالیا ہوا ہے۔ سرمایہ دار طبقہ نے خاندان کے اندرونی تعلقات کو جذبات سے عاری کرتے ہوئے انہیں زر کے رشتے میں متبدل کر دیا ہے "

جناب میاں فضل احمد صاحب

احمدیہ کنونشن ہالینڈ

۴/۸۱ء کو صدر جماعت یوٹریکٹ (Utrecht) ہالینڈ نے ایک خط کے ذریعے سے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کو اطلاع دی کہ ان کا تبلیغی مرکز خدا تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہو گیا ہے۔ اور ۳۰ مئی کو اس کی افتتاحی تقریب منعقد ہو رہی ہے۔ آپ دیگر بزرگانِ سلسلہ شمولیت فرمادیں۔ اس پر کمیٹی تبلیغ بلادِ غیر اور مجلس منتظمہ نے حضرت ڈاکٹر صاحب کو بھیجنے کا فیصلہ کیا اور ان کے علاوہ دیگر احباب بھی میاں فضل احمد صاحب مع بیگم صاحبہ، سید سلطان علی شاہ صاحب۔ چوہدری فضل حق صاحب۔ مع بیگم صاحبہ اور صاحبزادہ نے اپنے خرچ پر ان تقریبات میں شمولیت کی۔ محترم میاں فضل احمد صاحب نے ان تقریبات کے بارے میں آٹھ جون تک کے جو حالات لکھے ہیں وہ نہایت دلچسپ اور حوصلہ افزا ہیں۔ ملاحظہ فرماویں۔ (ادارہ)

آج ۸ جون ہے اور ہم لندن روانہ ہو رہے ہیں۔ یکم جون کو ۳۰ء۶ پر ہالینڈ پہنچے تھے۔ گویا آٹھ دن یہاں قیام رہا۔ یہ آٹھ دن انتہائی مصروفیت کے دن تھے۔ صبح سے شام تک باہم ملاقاتیں، سیر و تفریح اور شام کو چھ بجے سے آٹھ بجے تک تمام ممبران جماعت مرد و زن کا کھانا، اور پھر رات کے بارہ بجے تک جلسہ۔ جلسہ کے لئے کرایہ پر ہال لیا جاتا ہے جو رات کے بارہ بجے تک استعمال کیا جا سکتا ہے ورنہ یہ لوگ ساری رات ہی جلسہ کرتے رہیں۔ سُرینام کے لوگ (جو ہالینڈ میں آکر آباد ہوئے ہیں) اپنے پروگرام مرتب کرنے میں امتیازی خصوصیات کے حامل ہیں۔ انواع و اقسام کے پُر تکلف کھانے، پینے کے لئے پانی کے سوا ہر قسم کا جوس، کوکا کولا، سیون اپ بہ افراط اور پھر جلسہ کے دوران میں وقفہ وقفہ کے بعد شیرینی اور مشروبات کی پیش کش، غرض ان کے پروگرام مؤثر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سی دلچسپیاں بھی سمیٹے ہوئے ہوتے تھے۔ جو ان کی دین کے لئے گہری دلچسپی، ایثار، وسعت قلبی، سلیقے اور قرینے کی آئینہ داری کرتی ہیں۔ یہ لوگ اکثر اردو بولتے اور سمجھتے ہیں۔ اگرچہ نوجوان اس زبان سے کم دلچسپی رکھتے ہیں لیکن اب ہندوستانی فلموں اور اردو کے گانوں اور نغموں کے کیسٹ نے اردو سے ان کا لگاؤ بڑھا دیا ہے۔ شاید بھارت میں بھی یہ زبان انہی وجوہات کی بناء پر زندہ ہے۔

ہم لوگ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی بابرکت قیادت میں یکم جون کو کراچی سے صبح ۶ بجے پی آئی اے کے جہاز بوئنگ 720 سے روانہ ہوئے۔ سید سلطان علی شاہ صاحب بھی اسی جہاز میں تھے اور میں اور میری اہلیہ صاحبہ جہاز میں آئے تو ان دونوں بزرگوں کا مسکراتا ہوا نورانی چہرہ دیکھ کر ایسا محسوس ہوا گویا ہم اپنے ہی گھر میں آگئے ہیں۔ جہاز ۷ بجے روانہ ہوا کیونکہ مسلسل ایک گھنٹہ شناخت پریڈ ہوتی رہی چند مسافر جو سامان بغیر پڑتال کرائے سوار ہو گئے تھے انہیں بلوا کر سامان کی شناخت کروائی گئی اور ایک گھنٹہ اسی کشمکش کی نذر ہو گیا۔ راستہ میں جہاز کو دوبئی اترنا تھا مگر موسم کی خرابی کی وجہ سے شارجہ اترنا پڑا اور جب موسم ٹھیک ہو گیا تو پھر دوبئی کا رُخ کیا۔ دوبئی اور شارجہ کے درمیان صرف ۳۰ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ ہم یہاں ایک گھنٹہ بیس منٹ تک ٹھہرے رہے۔ اور جب دوبئی سے روانہ ہوئے تو جہاز دو گھنٹہ لیٹ ہو چکا تھا۔ پھر دمشق اترے اس طرح ایمسٹرڈم پہنچنے تک ½ ۳ گھنٹے لیٹ ہو گئے اور ہم ½ ۶ بجے شام پاکستان کے وقت کے مطابق ½ ۹ بجے رات ایمسٹرڈم پہنچے۔ ایئرپورٹ پر جناب نور سردار صاحب اور مولانا عبدالرحیم جگو صاحب مع ۲۵ افراد جماعت (مرد و زن) استقبال کے لئے موجود تھے۔ جنہوں نے گرم جوشی اور والہانہ محبت کا مظاہرہ کیا اور پھر کاروں کا یہ قافلہ "یوٹریکٹ" کی جانب رواں دواں ½ ۸ بجے پہنچا۔ کیونکہ وہاں پر مسجد میں رات کے کھانے کا انتظام اور احباب سے ملاقاتوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ یہاں سے رات گیارہ بجے فارغ ہوئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب باوجود ۲۲ گھنٹہ جاگنے کے اور ۵ گھنٹہ ملاقاتیں کرنے کے تازہ دم نظر آتے تھے ان کے چہرے پر تھکن کے کوئی آثار نہ تھے۔ احباب و خواتین جوق در جوق ان کو دیکھنے ملاقات کرنے مصافحہ اور بغل گیر ہونے کے لئے آتے رہے اور حضرت ڈاکٹر صاحب ایک ایک سے ان کی خیریت اور نام لے لے کر بچوں کا حال پوچھتے رہے جبکہ ہم لوگ تھکن سے چُور بستر پر کمر سیدھی کرنے کے لئے بے چین تھے۔ اور جب نظر اس جواں ہمت بزرگ پر پڑتی تو ساری نیند اُڑ جاتی، ہمیں ایسا نظر آ رہا تھا کہ یہ سلسلہ ساری رات جاری رہے گا۔ نہ تو ملاقاتیوں کا شوقِ دیدار کم ہوتا دکھائی دیتا تھا اور نہ ہی ان کا محبوب رہنما ان سے دور ہو جانے کو تیار تھا۔ غرض اخوت و محبت کی مظہر نور عرفاں سے بھرپور یہ مجلس طویل سے طویل ہوتی گئی اور ہم لطف اندوز ہوتے رہے۔

۲ جون:۔ یہ دن یوٹریکٹ میں ہی گزرا۔ لندن سے عزیز احمد صاحب شاہد عزیز، ان کی بیگم اور امام لندن مشن محمد انور صاحب مع بیگم آئے۔ عزیز احمد کے نومسلم داماد اور بیٹی بھی آئے۔ برلین مسجد کے امام بٹ صاحب بھی موجود ہیں۔ مقامی جماعت کے لوگ اور یہ سب ایک لگژری کوچ میں سیر و تفریح کو گئے۔ ہم دونوں ایک بجے کوچ چھوڑ کر ٹرین پر واپس یوٹریکٹ لوٹ آئے۔ کیونکہ مجھے دوپہر آرام کرنا ضروری ہے۔ شام سات بجے پھر مسجد میں الوداعی تقریب ہوئی۔ پہلے کھانا ہوا اور بعد میں تقاریر۔ چوہدری فضل حق صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ بھی آئے تھے۔ بیگم صاحبہ نے نہایت عمدہ تقریر بھی کی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے بھی تقریر فرمائی۔ رات گیارہ بجے ہم سب ہیگ (HAAG) آگئے۔ اور جماعت یوٹریکٹ کے احباب یہاں تک ہمیں چھوڑنے ساتھ آئے۔ یہاں احباب جماعت پہلے سے استقبال کے لئے تیار تھے۔ یہاں پر مختصر سی تقریب ہوئی اور رات کے ۱۲ بج گئے۔ اور یہاں کے میزبان ہمیں اپنے گھروں میں لے گئے۔ رات پھر آرام کیا۔ ہم شکور حسینی صاحب کے ہاں۔ ڈاکٹر صاحب اور شاہ صاحب رفیق صاحب کے ہاں مقیم ہیں۔

۳ جون:۔ یہاں سے ایک لگژری کوچ سب احباب کو HAAG کی سیر کو لے گئی اور مختلف مقامات دکھائے۔ میں بوجہ کاروباری مصروفیت کے نہ جا سکا بلکہ شکور حسینی صاحب کے ہمراہ ایمسٹرڈم کچھ لوگوں سے ملنے گیا۔ میری اہلیہ اور بیگم حسینی سیر و تفریح کے لئے کوچ میں گئیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب بھی شاملِ سفر رہے۔ دوپہر کے وقت ہم لوگ گھر لوٹ آئے۔ اور شکور حسینی صاحب کے ہمراہ شام کو BEACH پر سیر کو گئے۔ واپسی پر حضرت ڈاکٹر صاحب کو ملنے گئے۔ وہاں کھانا ہو رہا تھا۔ اور یکے بعد دیگرے احباب حضرت صاحب کو ملنے آ رہے تھے اور سلسلہ احمدیہ کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ رفیق صاحب جو میزبان ہیں ان کی بیگم اور بیٹی سب کی دیکھ بھال میں چاک و چوبند ہیں اور سب کو چائے، مشروبات پیش کئے۔ ہم لوگ رات ۹ بجے گھر آئے کیونکہ ہمیں پھر اپنے گھر بمقام ایمسٹرڈم لے جانے کو محترمہ خالدہ ایوب آ رہی ہیں۔ وہ ۱۰ بجے آگئیں۔ اور ہمیں اپنی کار میں لے گئیں۔ جہاں ہم رات ۱۲ بجے پہنچے۔ رات وہاں قیام کیا اور اگلے روز ایمسٹرڈیم کی سیر کی۔ دوپہر کو کھانا کھایا اور شام ۴ بجے ہیگ آئے۔ رات کو حضرت ڈاکٹر صاحب کا کھانا حسینی صاحب کے ہاں تھا۔ اور ان کے اعزاز میں اور کئی لوگ مدعو تھے۔ یہ تقریب بھی رات ۱۲ بجے ختم ہوئی۔ اور لوگ حضرت صاحب کی باتوں سے مستفید اور محفوظ ہوتے رہے۔ یہ بھی دیکھنے کا سماں تھا۔ لوگ پوری توجہ سے گوش برآواز بیٹھے تھے۔ اور ڈاکٹر صاحب انہیں پند و نصائح سے مستفید فرما رہے تھے۔

۵ جون:۔ آج رات جماعت راٹرڈیم ـــــــ کا جلسہ ہے۔ ہمیں ۵ بجے وہاں مدعو کیا گیا۔ تاکہ ہم وہ مکان دیکھ لیں جو مسجد اور جماعت کی دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لئے خریدا گیا ہے۔ مکان تین منزلہ ہے۔ نہہ خانہ میں باورچی خانہ، سٹور، وضو کے کمرے ہیں ٹائیلٹ وغیرہ گراؤنڈ فلور پر مسجد کا کمرہ جس میں یکصد آدمی نماز پڑھ سکیں گے۔ پہلی منزل پر سکول اور دفاتر اور دوسری پر دو کمرے مہمانوں کی رہائش کے لئے۔ اس مکان پر ۱۵۰۰۰ گلڈر (۶۰۰۰۰۰ روپیہ) کا قرضہ ہے۔ جو جماعت کے لئے دردِ سر بنا ہوا ہے

مکان دیکھ کر جلسہ گاہ گئے۔ یہ ہال ترک لوگوں کا ہے۔ اور اس میں بہت کھلی جگہ ہے۔ جہاں پہلے تو کھانا ہوا۔ پھر جلسہ تین چار صد مرد و خواتین موجود تھیں۔ یہ ہال زیر مرمت ہے۔ اور کام لگا ہوا ہے۔ کرسیاں بہت [illegible] اور بار بار اُٹھ کر باہر چلے جاتے اور پھر لوٹ آتے رہے۔ لیکن مہمان خصوصی یعنی حضرت ڈاکٹر صاحب اپنی خصوصیت کی وجہ سے یہ بھی نہ کر پائے۔ ۱۱ بجے تقریر شروع ہوئی۔ تقریر میں انہوں نے مکان اور مسجد کا قرضہ اتارنے کی اپیل کی اور اپنی طرف سے ۵۰ گلڈر کا اعلان کیا۔ تھوڑی سی دیر میں ۱۸۰۰۰ گلڈر جمع ہو گئے۔ یہ بھی خوب نظارہ تھا۔ لوگ بڑے جوش سے سٹیج پر آتے اور گلڈر دیے جاتے۔ ۱۲ بجے معلوم ہوا کہ قرضہ اتر گیا اور ۳ ہزار گلڈر بچ رہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کو اب لوگ مبارک دے رہے ہیں۔ شکرگزار ہیں کہ ان کی پُراثر اپیل سے احباب کے دل پگھل گئے۔ امام مسجد ڈاکٹر ڈی ہم اور ان کی بیگم نے ۲۰۰۰ گلڈر دیئے۔ ہم سب نے شمولیت کی۔ شاہ صاحب محترم نے تو ایک ہزار جرمن مارک جو ۱۰۱۰ گلڈر بنتے ہیں پیش کر دیئے۔ یہ اجلاس بخیر و خوبی ختم ہوا۔ اور ہمارا قافلہ بارش میں ہیگ روانہ ہوا۔

آج ۷ جون ہے اور شام ایمسٹرڈم میں کھانا اور جلسہ ہے۔ ہیگ سے بس بھر کر جائے گی۔ پہلے پہر ۱۰ بجے مسجد میں نیدرلینڈ — کا اجلاس ہوا جس میں یوٹریخت، راٹرڈیم، ہیگ، ایمسٹرڈیم اور المیر کے صدر اور اہم ممبران نے شمولیت کی۔ پاکستان اور انگلستان کے ممبران بھی شامل ہوئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے صدارت کی۔

شام حسب معمول ۶ تا ۸ بجے ایمسٹرڈیم میں کھانا ہوا۔ اور پھر جلسہ۔ یہاں بھی ہال کرایہ پر لیا گیا اور یہ چھوٹا سا ہال ہے۔ حاضری ۱۵۰ ہو گئی۔ یہاں کے صدر یحییٰ محمد علی ہیں جو ڈچ مسلمان ہیں۔ یہ صاحب انڈونیشیا میں مسلمان ہوئے تھے۔ اُردو بول نہیں سکتے۔ صرف ڈچ یا انگریزی بولتے ہیں۔ انہوں نے صدر انجمن کو اپنی خدمات بطور اعزازی مبلغ پیش کی ہیں۔ اور کہا کہ وہ سفر جو ہالینڈ میں کریں گے اس کا بھی کچھ نہیں لیں گے۔ یہ بہت قیمتی پیشکش تھی۔ یہاں بھی مکان خریدا جا چکا ہے۔ اور قرضہ میں پھنسا ہوا ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی تقریر یہاں بہت ہی عمدہ رہی اور بے حد تاثر دیتی رہی۔ چندہ کے لئے اسحاق صاحب جو جماعت کے سیکرٹری ہیں نے اپیل چندہ کی۔ رقومات تھوڑی بہت رہیں لیکن رفتار آہستہ رہی۔ اسی موقعہ پر حضرت ڈاکٹر صاحب نے پھر اپیل کی اور لوگ جوش میں آ گئے۔ اور رفتار تیز ہو گئی۔ حضرت صاحب کے ارشاد پر تقاریر کا پروگرام ختم ہو گیا۔ حضرت صاحب کی اپیل تھی کہ ہر ایک کچھ نہ کچھ دے۔ فضل حق صاحب نے ٹرے (طشت) لے کر گھومنا شروع کر دیا۔ اور لوگوں کی جیب خالی کرا دی۔ اعلان تو نہ ہوا کہ کس قدر رقم جمع کی گئی۔ محتاط اندازے کے مطابق ۱۵۰۰۰ گلڈر مل گئے ہوں گے۔ اسی ہنگامہ میں واپسی کا وقت آ گیا اور ہم لوگ واپس آنے کے لئے باہر نکلے، رات ایک بجے واپس ہیگ پہنچے۔

میں غور کر رہا تھا کہ اس سرزمین میں تحریک احمدیت کس قدر مقبول ہوئی ہے۔ تو میرا دھیان ۱۹۴۸ء کی طرف گیا۔ جب حضرت امیر مرحوم نے ہالینڈ مشن کھولنے کا خیال ظاہر کیا اور حضرت میاں محمد صاحب مرحوم نے اخراجات برداشت کرنے کا وعدہ کیا۔ جلد ہی یہ مشن انہی کے نام پر کھولا گیا۔ ۱۹۵۱ء میں ملکہ ہالینڈ کو رمضان المبارک میں حضرت میاں صاحب نے ڈچ ترجمہ قرآن پیش کیا۔ اسوقت سید لال شاہ بخاری ہمارے سفیر تھے۔ انہوں نے یہ میٹنگ کرائی اور ترجمہ پیش کیا گیا۔ یہاں سے پہلے مبلغ جناب کوغے تھے دوسرے طفیل صاحب اور پھر غلام احمد بشیر صاحب کئی سال حضرت میاں محمد صاحب مرحوم یہاں آتے رہے اور ہر بار ایک ماہ قیام کرتے۔ میں بھی کئی بار ان کے ہمراہ آتا اور یہاں تحریک کو اُبھرتے دیکھتا رہا۔

ڈاکٹر آر۔ ایل۔ میلما مسلمان ہوئے۔ پھر ایک معروف اخبار نویس مسٹر ہوئیک شامل ہوئے۔ اور اسی طرح کئی اور ڈچ نومسلم مجھے اس سفر میں ملے اور اپنی خدمات پیش کیں۔ کچھ وقت رسالہ الفارق بھی نکلتا رہا۔ جو بیج ۱۹۵۰ میں بویا گیا اب ایک تناور درخت بن کر پھل پھول بن رہا ہے۔ یہ سب شہ پیغام کے احباب کے یہاں آباد ہونے کی وجہ سے ہے۔ خدا مزید کامیابی بخشا [illegible]

اخبارِ احمدیہ

- حضرت امیر قوم الحاج مولینا صدرالدین ایدہ اللہ تعالےٰ خیریت سے ہیں۔ احباب سلسلہ آپ کی صحت و عافیت کے لئے دُعا فرماتے رہیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی مغرب میں دینِ اسلام اور حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام روشن کرنے کے لئے بیرون ملک دورہ پہ ہیں۔ حضرت موصوف کی اپنے اس مقدس مشن میں کامیابی کے لئے ساری جماعت عموماً اور تہجد گزار احباب خصوصاً ان بابرکت ایام میں دردِ دل سے دعا فرمائیں۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنے خاص فضل سے اس للّٰہی سفر میں آپ کی مدد اور نصرت فرمائے۔ اور آپ کی مساعی میں فوق العادت برکت ڈالے۔ آمین!
- مکرم اللہ دتہ مؤحد صاحب چنڈر کے منگولے ضلع سیالکوٹ سے تحریر فرماتے ہیں:۔

نہایت افسوس سے یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ ہماری جماعت چنڈر کے منگولے کے ایک اہم ممبر لوری محمد علی صاحب ملک قضائے الٰہی سے ۱۸/۶ ۸۴ کو فوت ہو گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم نہایت مخلص اور جوشیلے احمدی تھے اور جماعت کے استحکام اور ترقی کے لئے بڑا درد رکھتے تھے۔ احباب سے نماز جنازہ غائبانہ اور دُعا کی درخواست ہے۔

- درخواست دُعائے صحت: میری خود صحت نہایت کمزور ہے۔ میں روزے نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا مبلغ ۵۰ روپے فدیہ ماہِ رمضان بھیج رہا ہوں دُعا کریں کہ اللہ تعالےٰ مجھے صحت دے اور میں مزید خدمتِ دین کر سکوں اور روزے رکھنے کے قابل ہو سکوں۔ آمین۔

اللہ دتہ مؤحد

رمضان المبارک

کا مہینہ شروع ہو گیا ہے۔ موسم گرما میں روزوں کا مجاہدہ یقیناً بڑا مجاہدہ ہے۔ جو بہت بڑے افضال الٰہی کا موجب ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ پورے اخلاص کے ساتھ محض رضائے الٰہی کے لئے روزہ رکھا جائے اور اس کی اصل غرض کو بھی پورا کیا جائے۔ کاش! ہم اس مبارک مہینہ میں خود کو برکات الٰہی کے جذب کا موجب بنا سکیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ان دنوں میں خصوصیت سے اپنے اوپر تہجد لازم کر لیں۔ اور چشم گریاں سے خداتعالےٰ کی نصرت اور مدد چاہیں تا وہ ہمارے قصور معاف اور ہم پر رجوع برحمت فرمائے:۔

(ادارہ)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور، مؤرخہ یکم جولائی ۱۹۸۱ء — جلد ۶۸ شمارہ ۲۷ رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین الحمد پرنٹرز۔ اُردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس۔ براندرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا (چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰے ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸۰
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

نائب مدیر
عبدالروف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس ۳۰ روپے
بیرونی ممالک سے تین پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد :- (۶۸) * یوم چہار شنبہ ۵ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ مطابق ۸ جولائی ۱۹۸۱ء عیسوی * شمارہ :- (۲۷)

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

اخلاص و وفا

"میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایک مخلص اور وفادار جماعت عطا کی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جس کام اور مقصد کے لئے میں ان کو بلاتا ہوں، نہایت تیزی اور جوش کے ساتھ ایک دوسرے سے پہلے اپنی ہمت اور توفیق کے موافق آگے بڑھتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ ان میں ایک صدق اور اخلاص پایا جاتا ہے۔ میری طرف سے کسی امر کا ارشاد ہوتا ہے اور وہ تعمیل کے لئے تیار۔ حقیقت میں کوئی قوم اور جماعت تیار نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس میں امام کی اطاعت اور اتباع کے لئے اس قسم کا جوش اور اخلاص اور وفا کا مادہ نہ ہو :۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو صدق و وفا کا نمونہ دکھایا اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ انہوں نے آپؐ کی خاطر ہر قسم کا دکھ اُٹھانا سہل سمجھا، یہاں تک کہ عزیز وطن چھوڑ دیا۔ اپنی املاک و اسباب اور احباب سے الگ ہو گئے اور بالآخر آپ کی خاطر جان دینے سے بھی تامل اور افسوس نہیں کیا۔ جس نے ان کو آخر کار بامراد کیا۔ اسی طرح میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے میری جماعت کو بھی اس کی قدر اور مرتبہ کے موافق جوش بخشا ہے۔ اور وہ وفاداری اور صدق کا نمونہ دکھاتے ہیں :"

بعجز تام استغفار کردم

خطا ہائے خدا بسیار کردم
بسے بر معصیت اِصرار کردم

بدرگاہِ تو اے ربِّ غفورم + بعجز تام استغفار کردم
خداوندا! تو دانی حالِ زارم + نہ گاہے بر کسے اظہار کردم
مسخّر شد نہ دیوِ سرکشِ نفس + بسے با ایں لعیں پیکار کردم
بگوشِ دل شنو پندم جواناں + من از ہمدردیت گفتار کردم
خیالِ تفرقہ از سر بدر کُن + تبو ایں التجا صد بار کردم
بحمد اللہ میسّر شد مرادم + دل و دیدہ نثارِ یار کردم
بہ نا اہلاں رموزِ عشق گفتم + پریشانم چرا ایں کار کردم
دلِ مجروحِ بلبل را چو دیدم + بگلشن نالہائے زار کردم
ز آہ و زاریم ہمسائیگاں را
حسنؔ شام و سحر بیزار کردم

دِل آخر خُدا سے لگانا پڑیگا"

کھُلیں گے جب اعمال کے میرے دفتر
ندامت سے سر کو جھکانا پڑے گا

نہ اس میں مجھے چین آئیگا اکدم + اسے منّتوں سے منانا پڑیگا
اگر جان بھی جائے پرواہ نہیں ہے + وہاں نامہ بر تجھ کو جانا پڑیگا
نہ اِک جام سے ہوگی تسکین ساقی + تجھے خُم کا خُم ہی لنڈھانا پڑیگا
بڑی دیر سے دل کی بستی ہے ویراں + یہ اُجڑا دیار اب بسانا پڑیگا
میں جاتا وہاں ہوں جہاں سے عزیزو! + نہ آنا پڑے گا نہ جانا پڑیگا
بُتوں کی خُدائی میں رکھا ہی کیا ہے + دل آخر خدا سے لگانا پڑیگا
ازل سے ہی آئینِ ہستی یہی ہے + جو آیا یہاں اُسکو جانا پڑیگا
مسلّم ہے میری وفا یا عدو کی؟ + یہ قصّہ مجھے اب چکانا پڑیگا
اگر قابلِ دار ہوں میں تو جاناں!
میرا جُرم تم کو بتانا پڑے گا۔

خان مرتضےٰ خان حسنؔ

* * *

★ "وہ چاہتا ہے کہ اسلام کی ساری تصویر تمہارے وجود میں نمودار ہو اور تمہاری پیشانیوں میں اثرِ سجود نظر آئے۔ اور خدا تعالےٰ کی بزرگی تم میں قائم ہو۔ اگر قرآن و حدیث کے مقابل پر ایک جہان عقلی دلائل کا دیکھو تو ہرگز اسے قبول نہ کرو۔ اور یقیناً سمجھو کہ عقل نے لغزش کھائی ہے۔ توحید پر قائم رہو اور نماز کے پابند ہو جاؤ۔ اور اپنے مولائے حقیقی کے حکموں کو سب سے مقدم رکھو۔ اور اسلام کے لئے سارے دُکھ اٹھاؤ۔

۔ ولا تموتنّ الا وانتم مسلمون (از حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ)

ایک ضروری اعلان

میرا لڑکا احسان الٰہی میرا نافرمان اور خود سر اور کردار کا ناپسندیدہ ہے۔ لہٰذا میرا اور اس کے دیگر بہن بھائیوں و جملہ رشتہ داروں کا اس سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔

۲۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور سے کوئی تعلق نہیں۔ جملہ احباب جماعت آگاہ رہیں اور کوئی دوست اس پر کسی قسم کا اعتماد نہ کرے ورنہ وہ خود ذمہ دار ہوگا۔

۳۔ دارالسلام ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور ۱۶ میں احسان کا داخلہ قطعی بند ہے۔

خاکسار۔ محمد علی۔ فیصل آباد۔

"مسلمان اور یہود و نصارٰی کی تقلید"!

از:—— مدیر اعزازی

یہ ایک مقالہ کا عنوان ہے۔ جو "نوائے وقت۔ راولپنڈی۔ ۲ جون ۱۹۸۱ء" کے صفحہ ۶ پر شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کے اختتام پر مقالہ نگار یہ سوال کرتے ہیں کہ:۔

"کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ملت اسلامیہ خصوصاً پاکستان کے مسلمان سنجیدگی کے ساتھ اس امر کا جائزہ لیں کہ وہ کس حد تک علم یعنی وحی الٰہی کی پیروی کرتے ہیں۔ اور کتنے فیصد اہبار یعنی یہود و نصارٰی کے پیروکار ہیں؟"

قرآن کریم کی فصیح و بلیغ زبان میں یہ سوال اس طرح کیا گیا ہے:۔

"الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل
من الحق ۙ ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتب من قبل فطال علیھم
الامد فقست قلوبھم ؕ وکثیر منھم فسقون ۝ (الحدید-۱۶)

"کیا ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالٰے کے ذکر کے لئے نرم ہو جائیں اور اس کے لئے جو حق سے اترا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی۔ پھر ان پر ایک لمبا زمانہ گذر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔"

ظاہر ہے جن لوگوں کو آنحضرت صلعم کی بعثت سے قبل کتاب دی گئی وہ یہود اور نصارٰی ہیں اور اس آیت میں مومنوں کو یہود اور نصارٰی کی مثل ہو جانے سے منع کیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ وہ ان کی تقلید اور پیروی نہ کریں ورنہ ان کا بھی وہی انجام ہو گا جو ان کی مسلسل اور پے در پے نافرمانیوں کی وجہ سے یہود اور نصارٰی کا ہوا۔ یعنی "وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ ۚ وباءو بغضب من اللہ ؕ" ان پر اللہ تعالٰے کی طرف سے ذلت اور محتاجی ڈالی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں آ گئے"۔ یہ اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی باتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ اور یہ اس لئے ہوا کہ وہ (اللہ کے احکام کی) نافرمانی کرتے تھے اور اس میں حد سے بڑھ جاتے تھے۔" (البقرہ: ۶۱)

بنی اسرائیل (یہود) وہ قوم ہے جس کے متعلق اللہ تعالٰے فرماتا ہے:۔

"اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا کی اور یہ کہ میں نے تمہیں دنیا کی قوموں پر فضیلت دی۔" (البقرہ: ۴۷)

اس قوم کو اللہ نے جو نعمت عطا کی وہ یہ تھی کہ حضرت موسٰےؑ کے بعد اس قوم میں یکے بعد دیگرے نبی تشریف لائے تاکہ انہیں راہ ہدایت پر قائم رکھیں اور ادھر ادھر بھٹکنے سے بچا لیں اور اس قوم کو حکومت بھی عطا کی۔ یعنی روحانی اور مادی دونوں رنگوں میں اسے اپنے انعامات سے نوازا۔

یہ فضیلت عطا کرنے کے بعد اس قوم کو دوبارہ اپنی نعمت یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا کی اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرو۔" (البقرہ: ۴۰)

وہ عہد یا میثاق جو اللہ تعالٰے نے بنی اسرائیل سے لیا اس کا ذکر قرآن کریم میں جگہ جگہ آیا ہے اور اسے پورا کرنے کے لئے بار بار یاد دہانی کرائی گئی ہے۔ ہم اس کا مختصراً ذکر کئے دیتے ہیں۔

۱۔ "اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا کہ سوائے اللہ کے تم کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں کو اچھی بات کہو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ پھر تم پھر گئے مگر تم میں سے تھوڑے اور تم منہ موڑنے والے ہو۔" (البقرہ: ۸۳)

۲۔ "اور جب ہم نے تم سے اقرار لیا کہ تم اپنے لوگوں کے خون نہ گراؤ گے۔ اور نہ اپنے لوگوں کو اپنے گھروں سے نکالو گے۔ پھر تم نے اقرار کیا اور تم گواہ ہو۔" (البقرہ: ۸۴)

۳۔ "اور جب اللہ نے اُن سے اقرار لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ ضرور تم اس کو لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرتے رہو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے۔ پھر انہوں نے اس کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت لے لی۔ سو کیا ہی برا ہے جو وہ لیتے ہیں۔" (آل عمران: ۱۸۷)

۴۔ "اور ہم نے ان کے اقرار کے وقت پہاڑ کو ان پر بلند کیا اور ہم نے ان کو کہا کہ فرمانبرداری کرتے ہوئے دروازے میں داخل ہو جاؤ اور ہم نے ان کو کہا کہ سبت کے بارے میں حد سے نہ گزر جانا اور ہم نے ان سے مضبوط وعدہ لیا۔" (النساء ۱۵۴)

۵۔ "اور یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا۔ اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کئے اور اللہ نے کہا میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز قائم کرو۔ اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کیا کرو۔ اور اللہ کی راہ میں اچھا اور پاکیزہ مال دو گے تو میں بالضرور تمہاری برائیاں تم سے دور کر دوں گا۔ اور بالضرور تم کو باغوں میں داخل کروں گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جو کوئی تم میں سے اس کے بعد انکار کرے وہ بلاشبہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔" (المائدہ: ۱۲)

۶۔ "یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ اور ان کی طرف رسول بھیجے۔ جب کبھی ان کے پاس رسول وہ چیز لے کر آیا جس کو ان کے دل نہیں چاہتے تھے۔ ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کرنے لگے۔"
(المائدہ: ۷۰)

۷۔ "اور جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور تمہارے اوپر پہاڑ بلند کیا (اور کہا) کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے (تورات) اسے زور سے پکڑ رکھو اور جو اس میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم متقی بنو۔" (البقرہ: ۶۳)

تورات کے مطابق بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا وہ یہ تھا۔

۱۔ خداوند تیرا خدا جو تجھے ملک مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا۔ میں ہوں۔ میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔

۲۔ تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا۔ نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔ اور جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں ان کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پشت تک باپ دادا کی بدکاری کی سزا دیتا ہوں۔

۳۔ تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا کیونکہ جو اس کا نام بے فائدہ لیتا ہے۔ خداوند اسے بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔

۴۔ یاد کر کے تو سبت کا دن پاک ماننا۔ چھ دن تک تو محنت کر کے اپنا سارا کام کاج کرنا لیکن ساتواں دن خداوند تیرے خدا کا سبت ہے۔ اس میں نہ تو کوئی کام کرے۔ نہ تیرا بیٹا۔ نہ تیری بیٹی۔ نہ تیرا غلام نہ تیری لونڈی۔ نہ تیرا چوپایہ۔ نہ کوئی مسافر جو تیرے ہاں تیرے پھاٹکوں کے اندر ہو۔۔۔ خدا نے سبت کے دن کو برکت دی اور اُسے مقدس بنایا۔

۵۔ تو اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا تاکہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔

۶۔ تو خون نہ کرنا۔

۷۔ تو زنا نہ کرنا

۸۔ تو چوری نہ کرنا۔

۹۔ تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔

۱۰۔ تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا۔ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا اور نہ اس کے غلام اور اس کی لونڈی اور اس کے بیل اور اس کے گدھے کا اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا لالچ کرنا۔

مختصر یہ کہ بنی اسرائیل سے سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کرنا۔ ماں باپ۔ رشتہ داروں۔ یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے۔ لوگوں کو اچھی بات کہنے یعنی نیکی کی طرف بلانے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے۔ اپنے لوگوں کے خون نہ گرانے اور انہیں اپنے گھروں سے نہ نکالنے۔ توریت کی تعلیم کی اشاعت کرنے اور اسے نہ چھپانے۔ سبت کے بارے میں حد سے نہ گزرنے۔ رسولوں پر ایمان لانے اور اُن کی مدد کرنے۔ اور توریت کو مضبوطی سے پکڑنے یعنی اس کی تعلیم پر پورا پورا عمل کرنے کا عہد لیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس عہد کی پابندی نہ کی اور توریت کو پس پشت پھینک کر اپنے نفس کی ذلیل اور گری ہوئی خواہشات کے پیچھے چل پڑے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ:۔

"سو اُن کے عہد کو توڑ دینے کی وجہ سے اور اللہ کی آیات کا انکار کرنے اور اپنے نبیوں کے ناحق قتل کرنے اور اُن کے یہ کہنے سے کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں ...... اور اُن کے کفر کے سبب سے۔ اور اُن کے مریم پر بڑا بہتان باندھنے کی وجہ سے اور اُن کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کر دیا اور انہوں نے نہ اُسے قتل کیا اور نہ اُسے صلیب پر مارا مگر وہ ان کے لئے اس جیسا بنا دیا گیا اور بے شک وہ لوگ جنہوں نے اس کے متعلق اختلاف کیا اس بارے میں شک میں ہیں۔ ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور انہوں نے اس کو یقیناً قتل نہیں کیا ...... اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے اور ان کے لوگوں کا مال ناحق کھانے کی وجہ سے۔ اور ہم نے اُن میں سے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔" (النساء ۱۵۵، ۱۵۶ - ۱۶۱)

"اور تو ان میں سے اکثر کو دیکھے گا کہ وہ گناہ اور زیادتی میں اور حرام کھانے میں جلدی کرتے ہیں بے شک جو وہ کرتے ہیں بُرا ہے۔ کیوں ان کو ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے یقیناً بُرا ہے جو وہ کرتے ہیں۔" (المائدہ ۶۲، ۶۳)

"جن لوگوں نے بنی اسرائیل میں سے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو بُرے کام سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے۔ کیا ہی بُرا ہے جو وہ کرتے تھے۔" (المائدہ ۷۸: ۷۹)

بنی اسرائیل کی نافرمانیوں۔ ناشکر گزاریوں اور بدعہدیوں کا ذکر جگہ جگہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ کہیں انہیں ذلیل بندر کہا گیا ہے اور کہیں بندر اور خنزیر۔ انہوں نے مذہب کی رُوح کو ترک کر دیا اور ظاہر پرست بن کر اپنی طرف سے اُس میں نئی نئی باتیں اپنی خواہشات کے مطابق داخل کر کے عوام کو یہ دھوکا دیا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں۔ جس کے متعلق قرآنِ کریم میں آتا ہے کہ:۔

"سو اُن کے لئے ہلاکت ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اُس کے عوض تھوڑی سی قیمت لے لیں۔ پس اُن کے لئے ہلاکت ہے اس کی وجہ سے جو اُن کے ہاتھوں نے لکھا اور اُن کے لئے ہلاکت ہے اس کی وجہ سے جو وہ کماتے ہیں۔" (البقرۃ: ۷۹)

بنی اسرائیل اور نصاریٰ کے قرآن کریم میں اس کثرت سے ذکر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے مسلمانوں کو متنبہ کرنا مقصود تھا تاکہ وہ بھی ان کی تقلید کر کے انہی جیسے نتائج سے دوچار نہ ہو جائیں۔ اور سورۃ فاتحہ میں اسی لئے یہ دُعا سکھائی گئی تھی کہ:۔ "اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ٥" مغضوب اور ضالین سے مراد یہودی اور نصاریٰ ہی لئے گئے ہیں لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس کے بعد کے واقعات صاف بتاتے ہیں کہ مسلمانوں نے قرآنِ کریم کو اسی طرح پسِ پُشت ڈالتے ہوئے جس طرح یہود و نصاریٰ نے توریت اور انجیل کو پس پشت پھینک دیا تھا۔ اپنے لئے نئے نئے راستے تجویز کر لئے اور یہود و نصاریٰ کی پیروی شروع کر دی جس کی تصدیق آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے:۔

۱۔ "لیاتین علیٰ امتی ما اتیٰ علیٰ بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتیٰ ان کان منھم من اتیٰ امہ علانیۃ لکان فی امتی من یصنع ذالک وان بنی اسرائیل تفرقت علیٰ ثنتین وسبعین ملۃ وتفرق امتی علیٰ ثلاث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا واحدۃ قالو من ھی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی۔" رواہ بیہقی عن ابن عمرؓ

ترجمہ:۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میری اُمت پر بھی بعینہٖ وہی وقت آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیا۔ یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں ...... تو میری امت سے بھی بعض ایسا کریں گے اور بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں منقسم ہو گئے تھے لیکن میری اُمت کے لوگ ۷۳ فرقے بن جائیں گے۔ اور بجز ایک فرقہ کے باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ جب پوچھا گیا یا رسول اللہ وہ کون سا فرقہ ہوگا تو فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریق پر چلیں گے۔

۲۔ عن ابی سعیدؓ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من قبلکم شبراً بشبرٍ و ذراعاً بذراعٍ حتیٰ لو سلکوا جحر ضب لسلکتموہ۔ قلنا یا رسول اللہ الیھود والنصاریٰ قال فمن۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ۔ بخاری نے ابوسعیدؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم ان قوموں سے جو تم سے پہلے ہوئی ہیں ایسی پوری پوری مشابہت پیدا کر لو گے کہ اگر وہ سوسمار کے بل میں گھسے ہیں تو تم بھی گھسو گے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم کیا یہود اور نصاریٰ سے مشابہت ہوگی۔ فرمایا اور کیا۔

۳۔ یا یھا الناس خذوا من العلم قبل ان یقبض العلم وقبل ان یرفع العلم قیل یا رسول اللہ کیف یرفع العلم وھذا القرآن بین اظھرنا فقال ای ثکلتک امک وھذا الیھود والنصاریٰ بین اظھرھم المصاحف لم یصبحوا یتعلقون بالحرف مما جاءت بہ انبیاءھم الا وان ذھاب العلم ان یذھب حملتہ ثلاث مرات۔ رواہ احمد والدارمی والطبرانی وغیرہ

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو علم کے قبض ہونے یا علم کے اُٹھائے جانے سے پہلے کچھ علم حاصل کر لو۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم علم کیونکر اُٹھ جائے گا۔ حالانکہ یہ قرآن شریف ہمارے درمیان موجود ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تیری ماں تجھے پیٹے کیا تو نہیں جانتا کہ یہودی اور نصرانی باوجودیکہ صحیفے ان میں موجود ہیں لیکن پھر بھی ان کو اس تعلیم سے ذرا بھی تعلق نہیں جو اُن کے انبیاء لائے تھے۔ یاد رکھو کہ علم کے چلے جانے سے مراد یہ ہے کہ علم پر عمل کرنے والے نہیں رہیں گے۔ اسی جملہ کو تین دفعہ دہرایا۔ (کنز العمال جلد ۵۔ صفحہ ۲۰۸)

یہ حدیث قرآنِ کریم کی اس آیت کی مؤید ہے:۔

مثل الذین حملوا التورٰۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا ؕ بئس مثل القوم الذین کذبوا بایٰت اللہ ؕ واللہ لا یھدی القوم الظٰلمین ؕ

"ان لوگوں کی مثال جن پر توریت کا بوجھ ڈالا گیا پھر انہوں نے اسے نہ اُٹھایا۔ گدھے کی مثال کی طرح ہے جو کتابیں اُٹھاتا ہے۔ کیا ہی بُری مثال ان لوگوں کی ہے۔ جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور اللہ تعالےٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ظالم ہیں اور ظالم اللہ تعالےٰ کی طرف سے کسی ہدایت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ خدا کی ہدایت سے محروم لوگ دُنیا اور آخرت میں کامیابی کی اُمید کیسے رکھ سکتے ہیں۔ آیئے اب قرآن کریم اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں یہ جائزہ لیں کہ اُمتِ مسلمہ نے کہاں تک یہود و نصاریٰ سے

مماثلت پیدا کرلی ہے۔

یہودیوں سے اقرار لیا گیا تھا کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کرنا لیکن انہوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا [illegible] دولت [illegible] بنالیا جاتا ہے [illegible]

یہودیوں کو ایک دوسرے کا خون گرانے اور اپنے ہی لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالنے سے منع کیا گیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ۱۸ ذوالحج ۳۵ھ کو قرآن شریف پڑھتے ہوئے شہید کرنے کے بعد مذہب اور سیاست کے نام پر مسلمانوں نے ایک دوسرے کا جو خون بہایا ہے اس سے تاریخ اسلام کے صفحات خون آلود ہیں۔ آج پندرہویں صدی میں ایران میں سیاسی اقتدار کی خاطر کس قدر خون بہایا جارہا ہے۔ ایران اور عراق دونوں مسلمان ملک ہیں وہ کس طرح ایک دوسرے کا خون بہارہے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں نے مذہب کے نام پر ایک دوسرے کا کس قدر خون بہایا ہے۔ اور لوگوں کو اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ افغانستان میں افغان فوجیں کس طرح ایک غیر ملکی فوج کی مدد کرکے اپنے لوگوں کا خون بہارہی ہیں اور کتنے لاکھ انسان بے گھر ہوچکے ہیں۔ کیا یہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت نہیں ہے۔

بنی اسرائیل سے یہ بھی اقرار لیا گیا تھا کہ تمہیں جو کتاب دی گئی ہے اُسے لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کرتے رہو گے۔ یعنی اس کی صحیح صحیح تعلیم اور احکامات کی تعلیم لوگوں کو دیتے رہو گے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا اور اپنی طرف سے من گھڑت باتیں بیان کرکے انہیں خدا کے احکام کہہ کر لوگوں کو گمراہ کرتے رہے اور اس طرح ناجائز طور پر ان کے اموال ہڑپ کرتے رہے۔ کیا مسلمان آج یہی سب کچھ نہیں کررہے۔ کیا انہوں نے قرآن کی سچی تعلیم کو لوگوں سے چھپائے نہیں رکھا تاکہ ان کا کاروبار چلتا رہے۔ مومنوں کو قرآن کریم نے پہلے ہی خبردار کردیا تھا کہ "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یقیناً بہت سے علماء اور مشائخ لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں"۔ (التوبہ۔ ۳۴) اللہ کی راہ سے روکنا یہی ہے کہ وہ لوگوں کو قرآن کریم کی صحیح تعلیم سے ناواقف رکھ کر ان کی لاعلمی اور ناواقفیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہودیوں نے توریت کو پس پشت پھینک دیا۔ تو مسلمانوں نے بھی قرآن کریم کو چھوڑ دیا جیسا کہ آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے حضور آپ نے اپنی قوم کی شکایت کی ہے کہ :

"یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجوراً" (فرقان، ۳۰)

اے میرے رب میری قوم نے تو اس قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔

سبت کے بارے میں یہودیوں سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ اس دن کوئی کام کاج نہ کریں گے اور یہ دن عبادت الٰہی کے لئے وقف ہوگا۔ لیکن انہوں نے اس دن کو بھی اپنے دنیا کے کاروبار کے لئے وقف کردیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور یاد کو فراموش کردیا۔ مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن عبادت کے لئے مقرر کیا جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ ان پر سارے دن کی عبادت کا بوجھ نہیں ڈالا گیا بلکہ صرف اتنا حکم ہے کہ جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان ہو جائے تو کاروبار بند کرکے خدا کی عبادت کے لئے دوڑ پڑو۔ اور جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو پھر اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے کے لئے بکھر جاؤ۔ یعنی پھر اپنے کاروبار میں لگ جاؤ۔ مگر کتنے لوگ ہیں جو جمعہ کی نماز کے لئے مسجدوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ دکانیں تو بند ہوتی ہیں اور دفتر بھی بند ہوتے ہیں لیکن مسجدوں میں نمازیوں کی تعداد نسبتاً بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ کیونکہ لوگ اپنے دنیوی مشاغل میں مصروف ہوتے ہیں۔

بنی اسرائیل کو نماز قائم کرنے۔ زکوٰۃ دینے۔ رسولوں پر ایمان لانے اور خدا کی راہ میں پاکیزہ مال خرچ کرنے کو کہا گیا تھا۔ لیکن وہ اس اقرار کے پابند نہ رہے۔ اور اس وجہ سے ان کا جو حشر ہوا وہ قرآن کریم اور تاریخ میں درج ہے۔ آج کتنے مسلمان ہیں جو نماز پڑھتے۔ زکوٰۃ دیتے۔ پاکیزہ مال کماتے اور خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ جہاں تک رسولوں پر ایمان لانے کی بات ہے۔ بنی اسرائیل میں تو حضرت موسیٰ کے بعد انبیاء آتے رہے لیکن اس امت میں اس حدیث کے مطابق "ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔" اللہ تعالیٰ نے مجددین کا سلسلہ قائم فرمایا جن کے ساتھ [illegible] پہلے ہم ان چار اماموں کا ذکر کرتے ہیں جن کے نام پر آج بھی چار مکاتب فکر مالکی۔ شافعی۔ حنبلی اور حنفی مسلمانوں میں مشہور ہیں۔

حضرت امام مالک رح ۲۵ برس تک جمعہ و جماعت کے لئے باہر نہ نکل سکے۔ ذلت کے ساتھ قید میں رکھے گئے۔ ایسی بے رحمی کے ساتھ لوگوں نے ان کی مشکیں باندھیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا۔ ایک مسئلہ کے انکار کی وجہ سے ستر کوڑے مارے گئے۔

حضرت امام شافعی رح کو اپنے زمانے کے مولویوں نے اضر من ابلیس کہا۔ رافضی نام رکھا۔ یمن سے بغداد تک بے عزتی کے ساتھ قید کرکے بھیجے گئے۔ راہ میں لوگ انہیں گالیاں دیتے جاتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رح کو خلق قرآن کا اقرار نہ کرنے پر قید میں ڈالا گیا۔ چار چار بوجھل بیڑیاں پاؤں میں ڈالی گئیں۔ اسی عالم میں بغداد سے طرطوس لے جائے گئے۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں بھوکے پیاسے جلتی دھوپ میں بٹھائے گئے اور لگاتار کوڑے مارے گئے۔ ایک جلاد تھک جاتا تو دوسرا تازہ دم آجاتا۔ لیکن آپ یہی فرماتے تھے کہ خلق قرآن کے متعلق کوئی آیت قرآن سے پیش کردو یا اللہ کے رسول کا کوئی قول پیش کردو تو میں مان لوں گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رح کو لوگوں نے جاہل۔ بدعتی۔ زندیق کا لقب دیا (نعوذ باللہ) قید خانے میں زہر دے کر آپ کو قتل کیا گیا۔ شاہ اسمٰعیل نے آپ کی قبر کو جو بغداد میں تھی اکھاڑا اور آپ کی ہڈیوں کو جلایا اور ایک کتے کو اس کی جگہ دفن کیا اور اس جگہ کو اہل بغداد کا پاخانہ بنادیا۔

حضرت امام محمد محی الدین ابن عربی کو جو شیخ اکبر کے نام سے معروف ہیں علماء زمانہ نے ملحد اور لامذہب قرار دیا۔ اور نہایت زور سے آپ کی تکفیر کی گئی۔ وہ ایک فقیر کامل اور عالم ربانی تھے اور اصول و عقائد میں آزادانہ رائے رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ پر فتوے لگائے گئے۔

حضرت امام غزالی رح کے متعلق کہا گیا کہ ان کے عقائد زندیقانہ اور ملحدانہ ہیں۔ احیاء العلوم کا مطالعہ کرنا گناہ ٹھہرایا گیا۔ آپ کی تصنیفات سب کی سب جلادی گئیں۔

حضرت امام ابن تیمیہ رح کو مصر میں قید کیا گیا۔ ان کے متعلق کہا گیا کہ انہوں نے ایک نیا دین نکالا ہے۔ اور بہت سے اشرار۔ بد اطوار۔ جہلاء۔ فسقاء اس کے حلقہ ارادت میں شامل ہیں اور انہوں نے بلاد اسلامیہ میں ایک عجیب ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رح نے دین الٰہی اور دوسری بدعات کے خلاف جو اسلام میں داخل ہوچکی تھیں جب آواز بلند کی تو آپ کو فریبی، مکار، معرفت فروش، کافر، زندیق، بے عقل، بے خرد، مغرور اور خود پسند کہا گیا۔ آپ کو قتل کرنے کے فتوے دیئے گئے اور قلعہ گوالیار میں قید رکھا گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لوگوں کو قرآن کی صحیح تعلیم سے واقف کرنے کے لئے جب فارسی میں اس کا ترجمہ کیا تو چند علماء آپ کے قتل کے درپے ہوگئے اور آپ کو ملک ہند چھوڑ کر عرب میں پناہ لینی پڑی۔

حضرت سید احمد شہید مسلمانوں کی سازش کی وجہ سے سکھوں کے ہاتھوں بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

ہم نے صرف چند ایک مجددین امت کی مثالیں پیش کی ہیں ورنہ ظلم و ستم کی یہ داستان بہت طویل ہے۔ اولیاء امت کو جو جو دکھ دیئے گئے اور ان پر جو جو ظلم و ستم ڈھائے گئے انہیں پڑھنے اور سننے کے لئے پتھر کا کلیجہ چاہیئے۔

بنی اسرائیل نے اگر اپنے انبیاء کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا تو مسلمانوں نے مجددین امت اور اولیاء امت کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ کیا یہ یہودیوں کے ساتھ مماثلت نہیں ہے ؟

یہودیوں نے حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا بنایا تو نصاریٰ نے حضرت مسیح ابن مریم کو خدا کا بیٹا کہا اور تین خداؤں کی پرستش شروع کر دی۔ یہ تین خدا، خدا باپ، خدا بیٹا اور رُوح القدس ہیں جسے تثلیث کہا جاتا ہے کفارہ پر ایمان نے مغربی دُنیا میں جو فحاشی اور اخلاقی بے راہ روی پیدا کی ہے وہ آج ہمارے سامنے ہے مُسلمان بھی آج تک یہ تسلیم کرتے آرہے ہیں کہ حضرت عیسےٰ دو ہزار سال سے آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قیامت کے وقوع پذیر ہونے تک زندہ رہیں گے۔ اس سے چند سال پہلے آئیں گے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ انسانوں کی طرح ان میں کوئی جسمانی تغیر واقع نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ ناقابلِ تغیر ہستی صرف اللہ تعالےٰ کی ذات ہے اس طرح اگر بلاواسطہ نہیں تو بالواسطہ مسلمان بھی حضرت عیسےٰ میں خدا کی صفات کے قائل ہیں جو شرک ہے مذہب کے نام پر کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عیسائیوں نے جس ظالمانہ اور وحشیانہ طور پر ایک دوسرے کا خون گرایا ہے۔ وہ بھی تاریخِ انگلستان کا ایک خونیں باب ہے۔ عیسائی دنیا میں سات سالہ۔ صد سالہ گلاب کی جنگ، دو عالمی جنگیں بھی اس پر گواہ ہیں کہ عیسائی قومیں ایک دوسرے کا بے دریغ خون بہاتی رہی ہیں۔ سودخوری اور مادہ پرستی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ان کا اقتصادی نظام ہی سود پر مبنی ہے۔ سورہ کہف میں ان کی مادہ پرستی کی نشاندہی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

" الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعاً "

یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری تگ و دو اور جد و جہد دنیا کی زندگی میں رائیگاں چلی گئی مگر وہ اس غلط فہمی میں مُبتلا ہیں کہ وہ بڑی اچھی اچھی صنعتیں قائم کر رہے ہیں۔ مگر ان کے یہ اعمال ان کے کسی کام نہیں آئیں گے۔ ان کی سزا دوزخ ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری باتوں اور میرے رسولوں کو ہنسی بنایا۔" (۱۰۴ - ۱۰۶)

آج یہ قومیں اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے دوزخ تیار کر رہی ہیں۔ ان آیات میں ان کی صنعتوں کی تباہی اور بربادی کا ذکر ہے۔ جو سامنے نظر آرہا ہے۔ مسلمان ممالک بھی ان کی دیکھا دیکھی دنیا کی محبّت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ انہوں نے بھی اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر اپنی خواہشاتِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔

" ارءیت من اتخذ الٰھہٗ ھواہ افانت تکون علیہ وکیلا "

کیا تُو نے اُسے دیکھا جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے۔ تو کیا تو اس کا ذمہ دار ہو سکتا ہے۔

مسلمانوں کو اس غلط فہمی کو اپنے دل و دماغ سے نکال باہر پھینکنا چاہیئے کہ وہ چاہے اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی ہی کیوں نہ کریں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ان کی شفاعت کی ذمہ داری لیں گے یہاں تو اللہ تعالےٰ نے خود ذمہ داری اُٹھانے سے آپ کو منع فرما دیا ہے۔

مسلمانوں نے " لا الٰہ الا اللہ محمّد رسول اللہ " پڑھ کر اللہ تعالےٰ سے یہ اقرار کیا ہے کہ سوائے اللہ تعالےٰ کے ان کا نہ کوئی محبوب ہے۔ نہ معبود ہے اور نہ مطلوب ہے اور نہ مقصود ہے اور محمد رسول اللہ قرآن کی شکل میں ان کے لئے جو تعلیم چھوڑ گئے ہیں اُس پر وہ پُورے خلوص اور دیانتداری سے عمل کریں گے۔ لیکن اس عہد کی جو مٹی اسلامی ممالک میں پلید ہو رہی ہے اور قدم قدم پر اس اقرار کے جو ٹکڑے کئے جا رہے ہیں اس سے کون منصف مزاج انسان انکار کر سکتا ہے۔ اور یہ سب کچھ یہود و نصاریٰ کی اندھی تقلید اور اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی وجہ سے ہو رہا ہے لیکن

" اُن کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں۔ اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور اُن کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی بڑھ کر گمراہ۔ یہی (اپنے انجام سے) بے خبر ہیں۔" (الاعراف - ۱۷۹)

اور وہ عبرتناک انجام کیا ہوتا آیا ہے اور کیا ہوگا۔

" اگر تم پھر جاؤ گے تو وہ تمہارے سوائے کسی اور قوم کو بدل کر لے آئے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔"

(محمد - ۳۸)

اگر مسلمان خدا کے غضب اور اس دردناک انجام سے بچنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنی روش یکسر بدلنی ہوگی انہیں خدا کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہو کر اپنے گناہوں۔ ظلموں۔ زیادتیوں اور بے راہ رویوں اور کلمۂ طیبہ کی توہین کے لئے رات دن رو رو کر معافی مانگنی ہوگی۔ اپنی موجودہ حالت میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا کرنی ہوگی۔ تبھی وہ رحمتِ خداوندی کو جوش میں لا کر اللہ تعالےٰ کی مغفرت کے مستحق اور بُرے انجام سے بچ سکتے ہیں۔ ورنہ سنت اللہ کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

* * *

امر بالمعروف :-

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی جماعت سے جو توقعات وابستہ کی تھیں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ ان کے مطابق ہمیں اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضور فرماتے ہیں " اے نادانو! خوب سمجھو۔ اے غافلو! خوب سوچ لو کہ بغیر سچی پاکیزگی ایمانی اور اخلاقی اور اعمال کے کسی طرح رہائی نہیں اور جو شخص ہر طرح سے گندہ رہ کر پھر اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے وہ خدا تعالےٰ کو نہیں بلکہ اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے۔ اور مجھے ان لوگوں سے کیا کام جو سچے دل سے دینی کام اپنے سر پر نہیں اٹھا لیتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے جوئے کے نیچے صدقِ دل سے اپنی گردنیں نہیں رکھ دیتے اور راستبازی کو اختیار نہیں کرتے اور فاسقانہ عادتوں سے بیزار ہونا نہیں چاہتے۔ . . . . . اور ناپاکی کے خیالوں کو ترک نہیں کرتے اور انسانیت اور تہذیب اور صبر اور نرمی کا جامہ نہیں پہنتے بلکہ غریبوں کو ستانے اور عاجزوں کو دھکے دیتے اور اکڑ کر بازاروں میں چلتے اور تکبّر سے کرسیوں پر بیٹھتے ہیں اور اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہیں۔ اور کوئی بڑا نہیں مگر وہی جو اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے۔ مبارک وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں اور شرم سے بات کرتے ہیں اور غریبوں اور مسکینوں کی عزت کرتے اور عاجزوں کو تعظیم سے پیش آتے . . . . اور اپنے رب کریم کو یاد رکھتے ہیں اور زمین پر غریبی سے چلتے ہیں۔ سو میں بار بار کہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے نجات تیار کی گئی ہے۔ جو شخص شرارت اور تکبّر اور خود پسندی اور غرور اور دنیا پرستی اور لالچ کی دوزخ سے اسی جہان میں باہر نہیں وہ اس جہان میں کبھی باہر نہیں ہوگا میں کیا کروں اور کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں جو اس گروہ کے دلوں پر کارگر ہوں، خدایا مجھے ایسے الفاظ عطا فرما اور ایسی تقریریں الہام کر جو ان دلوں پر اپنا نور ڈالیں اور اپنی تریاقی خاصیت سے ان کے زہر دور کر دیں۔

میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ وہ کبھی دن ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں۔ جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا - اور ایک سچا عہد اپنے خدا سے کر لیا۔ کہ وہ ہر ایک شر سے اپنے تئیں بچائیں گے اور تکبّر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے بالکل دور جا پڑیں گے۔ اور اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے۔ مگر ابھی تک بجز خاص چند آدمیوں کے ایسی شکلیں مجھے نظر نہیں آئیں ہاں نماز پڑھتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ نماز کیا شے ہے ؟ جب تک دل فروتنی کا سجدہ نہ کرے صرف ظاہری سجدوں پر امید رکھنا طمع خام ہے۔ . . . (صرف) جسمانی رکوع و سجود بھی ہیچ ہے جب تک دل کا رکوع و سجود و قیام نہ ہو۔ دل کا قیام یہ ہے کہ اس کے حکموں پر قائم ہو اور رکوع یہ ہے کہ اس کی طرف جُھکے اور سجود یہ ہے کہ اس کے لئے اپنے وجود سے دستبردار ہو۔ . . . . . دعا کرتا ہوں اور جب تک مجھ میں دمِ زندگی ہے کئے جاؤں گا۔

ایمان بالغیب اور روزہ

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب بمقام جامع احمدیہ، دارالسلام لاہور، مؤرخہ ۳ جولائی ۱۹۸۱ء

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ :۔ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے اوپر روزہ رکھنا فرض کر دیا گیا جس طرح اُن پر فرض کیا گیا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم تقوٰے حاصل کرو۔

کل سے روزہ ہے۔ اور خطیب کا فرض ہے کہ وہ سامعین کو قرآن کریم سے بتائے کہ کیوں یہ ایک ماہ کا اس گرمی میں سخت مجاہدہ ان پر فرض ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی شخص بیمار ہو یا مسافر ہو یا بڑھاپے کی وجہ سے اس پر روزہ ناقابل برداشت مشقت ہو۔ ممکن ہے کہ کسی کے دل میں یہ خیال آئے کہ ان باتوں کو ہم سن چکے ہیں اور کیوں کسی بات کو بار، بار دوہرایا جائے؟ سو سال میں ایک دفعہ ان باتوں کو دوبارہ سن لینے میں حرج تو نہیں؟ قرآن کریم نے خود فرمایا ہے کہ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّکَّرُوْا (بنی اسرائیل۔ ۴۱) یعنے ہم نے ضرور اس قرآن میں باتوں کو دوہرایا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ اس لئے جب قرآن کی کسی بات کو دوہرایا جائے تو انسان کو اپنے سے پوچھنا چاہیئے کہ کیا میں نے اس سے نصیحت حاصل کی ہے؟

ایمان بالغیب

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کا یہ کمال ہے کہ روزہ جیسے اہم مسئلہ کو چار پانچ آیات میں نہایت سادہ الفاظ میں بیان فرما دیا ہے۔ یہ ہے اصل معنوں میں فصاحت اور بلاغت نہ کہ جیسا کہ اکثر انسان تگ کرتے ہیں جہاں ایک لفظ سے معنے نکلتے ہوں وہاں پانچ چھ الفاظ کی بھرمار ہو اور ایسے ثقیل اور دقیق الفاظ استعمال کئے جائیں کہ سامعین کے کچھ پلّے نہ پڑے اور یوں وہ مرعوب ہو کر اُن کے علم و فضل کو سراہیں۔

پہلی یہ بات فرمائی کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو“ اس میں ایک سیدھی سی بات فرمائی کہ جب کہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو پھر اس کی بات کو بلاچون و چرا مان لو۔ یہ کیا ہے کہ اللہ پر ایمان کا دعوٰے بھی ہے مگر اس کے کہنے پر عمل نہیں۔ مشکل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ غیب میں ہے۔ سامنے ہوتا تو پھر میں دیکھتا کہ انسان اس کی ہر بات کو کیسے نہ مانتا۔ اللہ تعالےٰ نے کیوں اپنے آپ کو پردہ غیب میں رکھا ہے۔ اس کی حکمتوں کو میں بارہا بیان کر چکا ہوں اور وہ میرا آج کا مضمون نہیں۔

آج کا مضمون تو روزہ ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ نہ صرف بھوکا پیاسا رہنا اور وہ بھی اس گرمی میں مشکل ہوتا ہے (اور پھر راتوں کو اُٹھنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے) بلکہ دوسری طرف روزہ کا بظاہر کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ آپ جیسے دیندار انسانوں کو تو آتا ہوگا مگر ایک دنیادار کو بالکل نظر نہیں آتا۔ اب تو ڈاکٹر روزہ کے طبی فوائد بتاتے ہیں مگر اُن کی خاطر کوئی دنیادار اس مہینہ بھر کے چلّہ کو کھینچنے کو تیار نہیں۔ روزہ کا جو دینی فائدہ بتایا جاتا ہے یعنے تقوٰے کو پانا تو وہ بھی ایسی چیز نہیں جو کہ ایک دنیادار کو نظر آئے۔

سو میں ایک دنیادار انسان کی خدمت میں بھی عرض کرتا ہوں کہ آپ دنیا کا بھی کوئی کام نہیں کرتے جو ایمان بالغیب پر مبنی نہ ہو۔ مثلاً ایک تاجر ہزاروں۔ لاکھوں، کروڑوں روپے کے سودے کرتا ہے۔ تو کیا اس کا منافع اس وقت اُسے ٹھوس رنگ میں نظر آرہا ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ بعد میں بعض وقت سخت نقصان ہو جاتا بلکہ دیوالہ نکل جاتا ہے۔ تو انسان اپنے تمام دھندے بیوپار اس ایمان بالغیب پر کرتا ہے کہ اسے منافع ہوگا۔ اسی طرح ایک شخص اپنی پیاری بیٹی کا رشتہ کرتا ہے تو اس ایمان بالغیب پر کہ وہ ہنسی خوشی، کامیاب زندگی گزارے گی اگر وہ دیکھ سکتا کہ اس کی لڑکی ساری عمر دکھی اور غمزدہ رہے گی یا خاوند کے ہاتھوں نالاں تو وہ رشتہ کبھی کوئی ماں باپ کرتے؟

آج دنیا دن رات ہوائی جہاز کے سفر کرتی ہے۔ اور وہ اس ایمان بالغیب پر کرتی ہے کہ وہ اپنے منزل مقصود پر بخیریت پہنچ جائے گی۔ اگر پہلے سے نظر آجاتا کہ ہوائی جہاز کو آگ لگ جائے گی یا وہ گر کر تباہ ہو جائے گا یا ہائی جیک (اغوا) ہو جائے گا تو وہ مسافر سفر کرتے؟ اسی طرح تمام دنیا دن رات دوائیاں کھاتی اور آپریشن کراتی ہے اس ایمان بالغیب پر کہ ان سے شفا ہوگی یا صحت میں ترقی ہوگی۔ اگر پہلے سے نظر آجاتا کہ ان دوائیوں سے نفع تو کیا ہونا ہے یا تھوڑا بہت ہوا بھی تو نقصان زیادہ ہو جائے گا یا اُن سے یا آپریشن سے مریض مر جائے گا تو کیا کوئی وہ دوا کھاتا یا آپریشن کراتا؟ اسی طرح دنیا دن رات موٹروں۔ بسوں۔ موٹر سائیکلوں اور سکوٹروں پر پھرتی ہے اس ایمان بالغیب پر کہ بخیریت اپنی منزل کو پہنچ جائے گی۔ اگر پہلے سے نظر آجاتا کہ حادثہ ہو جائے گا اور ہاتھ بازو ٹوٹنے کے علاوہ موت تک آجائے گی تو کیا دنیا اس طرح دن رات گردش میں رہتی؟

علمی ترقیات

اسی طرح تمام سائنس کی ترقیات ایمان بالغیب پر ہوئی ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ اس زمانہ کی سائنٹیفک ترقیات کی ابتداء سر آئزک نیوٹن کے اس واقعہ سے ہوئی کہ وہ ایک دن باغ میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا کہ ایک سیب کے درخت سے سیب ٹوٹ کر اس کے آگے گر پڑا۔ تو اس کے دماغ میں خیال آیا کہ یہ سیب نیچے کیوں گرا؟ کیونکہ زمین تو لٹو کی طرح اپنے محور پر گھوم رہی ہے اور اس کی وجہ سے اس سیب کو ہوا میں اوپر کی طرف جانا چاہیئے تھا تو اسے ایمان بالغیب پیدا ہوا کہ کوئی مخفی طاقت ہے جو چیزوں کو نیچے کی طرف کھینچتی اور زمین پر قائم رکھتی ہے اور یوں کشش ثقل کا پتہ لگا جو آج بھی دنیا کی چار بنیادی طاقتوں میں سے ہے۔ اور اس انکشاف سے اور انکشاف ہوتے چلے گئے جن کی وجہ سے نیوٹن موجودہ زمانہ کی سائنس کی ترقیات کا بانی مبانی بنا۔

اسی طرح تمام (جی ہاں تمام) سائنس کی حیرت انگیز ترقیات ایمان بالغیب سے پیدا ہوئی ہیں۔ وقت اجازت نہیں دیتا ورنہ میں اُنہیں گنواتا۔ اس زمانہ میں ایٹم اور اس کو پھوڑ کر جو ایک نئی عظیم الشان سائنس کی بنیاد پڑی ہے اور اس ایٹم کے اندر ایک کائنات بسی معلوم دی ہے تو آپ میں سے اکثر کو معلوم نہیں کہ ایٹم اتنی چھوٹی چیز ہے کہ انسان کی آنکھ نے تو اسے کیا دیکھنا ہے تیز سے تیز خوردبین تک اسے دیکھ نہیں سکتی۔ ایٹم کا پتہ یعنے اس کی موجودگی کا علم صرف قرائن سے ہوتا ہے۔ گویا ایٹم کی ہستی پر ایمان بھی ایمان بالغیب ہے۔ اور ایٹم کے اندر جو کائنات بسی ہوئی ہے اس کا پتہ تو بالکل ایمان بالغیب لاکر ہوا۔ اور اس ایمان بالغیب پر ہی وہ حیرت انگیز انکشافات اور ترقیات ہوئی ہیں جن سے ایک نئے زمانہ ATOMIC AGE کی ابتدا ہوئی ہے۔

روحانی معاملات میں ایمان بالغیب :۔ تو جب دنیا کے تمام کام

اور علوم کی ترقیات اور انسان کی دنیاوی ترقیات ایمان بالغیب سے ہوئیں اور ہوتی ہیں تو دینی یا روحانی معاملات میں کیوں ایمان بالغیب پر اعتراض کیا جائے؟ ایک ڈاکٹر کے کہنے پر تو ہم ایمان بالغیب لاکر دوا کھاتے اور آپریشن تک کراتے ہیں حالانکہ ڈاکٹر ایک معمولی انسان ہوتا ہے۔ اور اپنے علم میں یا تشخیص میں ہزار بار ٹھوکر کھا سکتا ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ کہ جو کبھی غلطی نہیں کھا سکتا یا اس کا علم کبھی ناقص نہیں ہو سکتا تو ہم کیوں ایمان بالغیب لاکر اس پر عمل نہیں کرتے؟ چلیئے صاحب اللہ تعالےٰ تو نظر نہیں آتا۔ وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء جنہوں نے روزہ کو اپنے باطنی تزکیہ اور تقوٰی کے لئے اس قدر ضروری اور مفید پایا کہ انہوں نے مہینہ بھر تو کیا لمبے لمبے عرصہ تک متواتر روزے رکھے اور ان کے فوائد ان لوگوں کی زندگیوں میں۔ ان کے کردار میں ان کے اعمال میں دوسروں کو بھی نظر آگئے تو کیا اُن کی گواہی کافی نہیں کہ روزہ نہایت مفید اور ضروری چیز ہے؟ یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اپنی صداقت اور راست گوئی کی وجہ سے مانے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ لاکھوں نہیں کروڑہا کروڑوں اولیاء اللہ اور نیک لوگوں کا بھی یہی تجربہ ہے کہ روزہ اپنے نفس کو قابو میں لانے اور باطنی پاکیزگی کے لئے نہایت مفید چیز ہے۔ اور ایسے لوگ آج بھی ہمارے آگے کواہ موجود ہیں تو کیا اتنی زبردست گواہی اور تجربہ کے بعد گواہی اور دوسروں کو بھی نظر آجانے والے فوائد کافی ترغیب نہیں کہ روزہ رکھا جائے؟

اسلام کا روزہ

کہا جا سکتا ہے کہ صاحب صرف اسلام میں ہی مہینہ بھر کا روزہ ہے۔ اگر تمام انبیاء نے کبھی روزہ کے چِلّے کئے تو انہوں نے کیوں نہ اپنی قوموں کو اتنے لمبے روزہ رکھنے کی تلقین کی؟ یا اللہ تعالےٰ نے کیوں ان قوموں پر مہینہ بھر کے روزے فرض نہ کئے جو آج کل صرف تین دن کے روزے ایسٹر کے موقعہ پر رکھ لیتے ہیں جیسے کچھ عیسائی پادری صاحبان رکھ لیتے ہیں۔ یا صرف چند غذا کی چیزیں چھوڑ کر اُسے روزہ کہتے ہیں جیسا کہ ہندو کرتے ہیں۔

قربان جایئے قرآن کریم کے کہ وہ کسی بات کا جواب دیئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ یہیں فرمایا:۔

کما کتب علی الذین من قبلکم

"جیسا کہ روزے فرض کئے گئے تھے اُن قوموں پر جو تم سے پہلے ایمان لانے والے تھے۔"

اس میں صاف فرمایا کہ پہلی قوموں پر بھی مہینہ بھر کے روزے فرض کئے گئے تھے۔ مگر انہوں نے جہاں اپنی کتابوں کو گما دیا یا تحریفیں کر ڈالیں وہاں اُن کے نہ ہونے کا فائدہ اُٹھا کر روزے بھی یا تو سرے سے اُڑا دیئے یا کم کر ڈالے۔ باوجود دوسری قوموں کے موجودہ رویہ کے توریت اور انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ دونوں چالیس، چالیس دن تک برابر روزے رکھتے تھے۔ اور مہاتما بدھ نے تو روزے رکھ کر اپنے بدن کو بالکل ہڈی اور چمڑا بنالیا تھا جیسا کہ اُن کے مجسموں سے صاف نظر آتا ہے۔

تو قرآنِ پاک نے مسلمانوں کو کہا کہ پچھلی قوموں نے روزہ کی بے قدری کی تم ایسا نہ کرنا۔ اور چونکہ قرآنِ کریم واحد الہامی کتاب ہے جو محفوظ رہی اسی لئے اسلام واحد مذہب ہے جس میں روزہ اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔

اب چونکہ میرا مقررہ وقت ختم ہو گیا ہے اس لئے اس خطبہ کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ اگر زندہ رہا تو پھر باقی انشاء اللہ۔ مگر اتنی بات کہہ دوں (کہ روزہ تو کل سے شروع ہے) رمضان شریف میں قرآن مجید کو ایک بار ختم کرنا اور پچھلی رات کو اللہ تعالےٰ کے آگے گرنا یہ اس ماہ کے اتنے ہی ضروری لوازم ہیں جتنے کہ کھانا پینا چھوڑنا۔ اگلے خطبوں میں مَیں انشاء اللہ اس پر روشنی ڈالوں گا۔ مگر یہ دن اور برکت کی راتیں ہاتھ سے نہ جائیں۔ قرآنِ پاک کا روزانہ ایک یا سوا پارہ پڑھنا اور پچھلی رات خدا کے آگے گرنا نہ بھولیں اگر آپ روزہ کما حقہ کر کے روحانی اور باطنی فوائد پورے اُٹھانا چاہتے ہیں۔

* * * *

ارشادات امیر مرحوم حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

زندگی کی غرض

خدا کا نام بلند کرنا ہو

پہلی بات تو یہ ہے کہ مال کے متعلق تمہارا نظریہ، تمہارا نقطۂ خیال بدل جائے۔ میں کماؤں گا لیکن وہ میرا مال نہیں ہوگا وہ خدا کا ہوگا۔ اور دوسری بات جو اس رشتہ سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ غلام کے لئے ضروری ہے کہ اپنے آقا کا کام کرے جس نے آقا کا کام کیا وہ اس کا غلام بن گیا زندگی کی غرض یہ نہ ہو کہ میں بڑا بن جاؤں بلکہ غرض یہ ہو کہ میرے آقا کا نام بلند ہو جائے۔ بعض وقت انسان کتنا دھوکا کھاتا ہے۔ اپنی ہوا و ہوس کا مطیع ہوتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ میں خدا کا کام کر رہا ہوں۔ جو شخص خدا کے کام میں لگ جاتا ہے اس کا قدم کوئی چیز سست نہیں کر سکتی۔ اس کی جان پر مصیبت آجائے۔ بال بچوں پر مصیبت آجائے اس کا مال جاتا رہے تب بھی اس کے قدم میں لغزش نہیں آتی اور خدا کا کام کرتا چلا جاتا ہے۔

خدا کی غلامی انسان کا انتہائی مقام ہے۔

خوب یاد رکھیئے کہ خدا کی غلامی میں داخل ہونا انسان کا انتہائی مقام ہے۔ خدا نے ہزارہا قسم کی غلامیوں سے ہم کو نکالا۔ پتھروں۔ ہواؤں۔ سورج اور عناصر پرستی انسان پرستی کی تمام غلامیوں سے چھڑایا۔ حتیٰ کہ اس آخری غلامی سے بھی نکالا جو انسان کی اپنی غلامی ہے۔ جس کے متعلق فرمایا ہے:۔

ارایت الذی اتخذ الٰھہ ھواہ بعض لوگ سب غلامیوں سے نکل کر اپنی حرص و ہوا کے غلام بن جاتے ہیں۔ جب انسان اپنی ہوا و ہوس کی غلامی سے بھی نکل جاتا ہے تو وہ خدا کی غلامی میں جاتا ہے۔

محمد رسول اللہ کا نمونہ اور ٹھیٹھ اسلامی سیرت پیدا کرو۔

یہی محمد رسول اللہ صلعم کا نمونہ ہے۔ اس لئے میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ محمد رسول اللہ کی زندگی کو دیکھیں۔ آپؐ کے اخلاق کو اپنے اندر لینے کی کوشش کریں۔ اور اسی سانچہ میں ڈھل جائیں۔ جو محمد رسول اللہ صلعم کا ڈھانچہ ہے۔ تاکہ لوگوں کو تمہیں دیکھ کر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تصویر نظر آنے لگے۔ خدا تو دیکھتا ہی ہے لوگ بھی دیکھ لیں کہ واقعی یہ جماعت سیرتِ اسلامی کا نمونہ ہے کیا وہ ڈاکٹر محمد اقبال نہ تھے جنہوں نے اس جماعت کے متعلق کہا تھا کہ اگر کسی نے ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ دیکھنا ہو تو احمدیہ جماعت کو دیکھے۔ دنیا نمونہ کو دیکھتی ہے کوشش کرو کہ تمہارے اندر پھر وہ نمونہ پیدا ہو جائے۔ تو ہم نے دو کام کرنے ہیں۔ ایک تو مسلمانوں کو خدا کے حضور جھکانا ہے اور دوسرے غیر مسلموں کو اسلام پہنچانا ہے اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ آپ رسول اللہ صلعم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ اور جب کبھی آپؐ کی کوئی اعلےٰ صفت نظر آجائے تو اس کو اپنے اندر لینے کی کوشش کریں۔ خدا تعالےٰ ہم سب کا مددگار رہو۔

* * *

جناب ڈاکٹر ایم اے عزیز

اسلامی فلسفہ میں قوّتِ محرکہ

مذہبی عقیدہ کی اساس ٹھوس افکار کی اس ترقی پذیر پرورش اور نشوونما کے اصولِ اساسی پر ہوتی ہے جس کی اسلام نے کم از کم اپنی تہذیبی اور ثقافتی نشوونما کے ابتدائی مراحل میں پرورش کی۔ تصوف کے نیاز مند اور مسلمہ مکاتبِ فکر نے اسلام میں مذہبی تجربہ کے ارتقاء کی اساس اور تشکیل میں قابلِ قدر اور اہم کام سرانجام دیا ہے۔ لیکن ان کے جانشین عصرِ حاضر کے ضمیر سے عدمِ شعور کی وجہ سے موجودہ افکار اور تجربات سے نئی زندگی نہ پا سکے۔ پس انہوں نے ایسے مسالک اور طریقوں کو ابدیت بخشی جو ایسی نسلوں کے لئے وضع کئے گئے تھے جن کا ثقافتی پسِ منظر اور نقطۂ نظر موجودہ دور کے لوگوں سے کلیتہً مختلف تھا۔ یہ بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ فلسفیانہ افکار میں خاتمیت کے نام کا لفظ نہیں ملتا اور جوں جوں علم میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور جدید افکار کے نئے نئے گوشے بے نقاب ہوتے جا رہے ہیں ہمیں بھی انسانی خیالات کی ترقی کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنا ہے۔ اور اس سے متعلق ایک آزادانہ تنقیدی نقطۂ نگاہ رکھنا ہے۔ جہاں تک حقیقتِ اولیٰ کا تعلق ہے، اسلام ذہنِ انسانی کی تحدید کا مخالف ہے۔ اور آزادانہ تحقیق و تفتیش کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ پس اسلام تجربات کے تضادات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے تحقیق کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرتا۔ اور نہ ہی اس ماحول کی صداقت اور معقولیت ترک کر سکتا ہے جس میں انسانیت گھری ہوئی ہو۔

اسلام میں معقولیت یا عقلی استدلال کی اساس خود حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے رکھی۔ آپ ہمیشہ دعا کیا کرتے تھے کہ "اے اللہ مجھے اشیاء کی ماہیت کا علم عطا کر۔"

حصولِ علم کی نہ بجھنے والی پیاس معرفتِ الٰہی اور اس کی محبت کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور یہ وہ خصوصیت ہے جو اسلام کے اصول و نصب العین پر عمل پیرا ہونے سے نصیب ہوتی ہے۔

"یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لئے نشان ہیں جو اللہ تعالےٰ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے رب تو نے اسے بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔" (۳: ۱۸۹)

"اللہ دن اور رات کو پھیرتا رہتا ہے۔ اس میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت ہے۔"

(۲۴: ۴۴)

قرآنِ کریم کی یہ آیات کائنات کے متعلق انسان کی ذات میں معنرِ حقیقت اور شعور کو پیدا کرتی رہتی ہیں۔ اس تجرباتی رجحان نے پیروانِ اسلام کے قلوب میں ہمیشہ حقیقت کا احترام پیدا کیا ہے۔ اور موجودہ سائنس کا بانی بنا دیا ہے۔ قرآنِ کریم نے ہمارے اذہان میں تغیّر کی حقانیت کا تجرباتی گوشہ بے نقاب کر دیا ہے۔

ذرا کائنات کی خصوصیت پر نظر ڈالیئے۔ یہ ایسی غیر متحرک حقیقت نہیں کہ کھڑ در خلا میں پیدا ہوئی بلکہ یہ واقعات کا تسلسل ہے۔ جو دائمی تخلیقی بہار کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے۔ نیچر یا خیر ذات خدا کی زندگی کی ایک جھپک سے بھی کم ہے۔ خدا کی خودی مکان و زمان کی قیود سے آزاد اور بسیط ہے اور ہمارے لئے اس کا مطلق تصوّر ناممکن ہے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ہے۔

"کوئی شے اس کی مانند نہیں مگر وہ سنتا اور دیکھتا ہے۔"

کائنات کا خدا سے وہی تعلق ہے جو کیرکٹر (کردار) کا انسان کی ذات سے ہے۔ کسی خاص وقت میں آگے کی طرف حرکت کے لحاظ سے یہ محدود ہے۔ لیکن چونکہ جس ذات کی یہ نمود ہے وہ تخلیقی ہے اس میں اضافے کا امکان ہے۔ اور اس لحاظ سے بے حد و نہایت ہے۔ کہ اس کی وسعت کی کوئی حد بھی آخری نہیں۔ جیسا کہ قرآنِ کریم فرماتا ہے۔

"اور بے شک تیرے رب کی طرف ہی منتہا ہے۔" (۵۳: ۱۴)

اس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کا کائنات میں کیا کردار اور وظیفہ ہے۔ ہماری زندگی کو خارجی اسباب متاثر کرتے ہیں۔ اور ہم مختلف محرکات مثلاً اُمید۔ آرزو۔ مقصد۔ ناکامی۔ کامیابی وغیرہ کے زیرِ اثر ہوتے ہیں۔ اور ایک تبدیلی سے دُوسری تبدیلی کا مسلسل شکار ہوتے رہتے ہیں جو قوتِ محرکہ کی ایک خصوصیت ہے۔ پس جب انسان میں خودی تکمیل کے اعلےٰ مقامات تک پہنچتی ہے وہ آسمانی قوتِ تخلیق میں موزوں مقام حاصل کر لیتی ہے اور اِردگرد کی اشیاء کے مقابلے میں حقیقت سے زیادہ قریب ہو جاتی ہے۔

تمام مخلوق میں سے یہ شرف انسان کو حاصل ہے کہ وہ اپنے خالق کی تخلیقی زندگی میں شعوری طور پر شرکت کر سکتا ہے۔ اس میں بہتر دنیا کے ادراک کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اور وہ "جو ہے" کو "جو ہونا چاہیئے" میں ڈھال سکتا ہے۔ اس کی خودی ایک جامع الکمالات اور بے نظیر شخصیت کا جامہ پہننا چاہتی ہے۔ جس سے اُسے زندگی بھر میں واسطہ پڑتا ہے۔ اور انسان ماضی سے متعلق علم اور تجربے کو منظم اور مربوط کرتا ہے۔ ہماری روزمرہ ذہنی مصروفیت میں کبھی کوئی مفید خیال سوجھتا ہے۔ جو گراں قدر وسائل کا حامل ہوتا ہے تب وہ تصور ہمارے سامنے مرکب کافی کی صورت میں آ جاتا ہے۔ لیکن اس کے مختلف پہلوؤں کا درست طور پر عمل میں آنا طویل وقت چاہتا ہے۔ وجدانی طور پر تصوّر کے تمام امکانات ذہن میں موجود ہوتے ہیں۔ اگر کسی خاص وقت کوئی مخصوص امکان تصوّر میں نہ آئے۔ تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ ہمارا علم ناقص ہے بلکہ علم اور تجربے کی روشنی میں وقت کے ساتھ ساتھ تصور کے عملی امکانات واضح ہوتے جاتے ہیں۔

قرآنی تعلیم انسانی کردار اور قدرتی قوتوں پر جو اس کی دسترس میں ہیں دن بدن ترقی پر یقین رکھتی ہے اور وسعت پذیر کائنات کو تسلیم کرتی ہے۔ اور اُمید رکھتی ہے کہ آخر الامر انسان بدی کی قوتوں پر غالب آ جائے گا۔ اس کی شخصیت میں حیات کا محدود مرکز اپنی غیر محدود گہرائی میں غرق ہو جاتا ہے۔ اور پھر نئی قوت کے ساتھ اُبھرتا ہے تاکہ معنوی کو برباد کر کے زندگی کی نئی سمتیں متعین کرے۔ اپنی خلقت کے ساتھ انسان کا یہ ربط انسان ہی سے مخصوص ہے۔

بلاشبہ قرآن میں لفظ وحی جس مفہوم میں ادا ہوا ہے ظاہر کرتا ہے کہ وحی زندگی کا عالمگیر اثاثہ ہے اگرچہ ارتقائے حیات مختلف مراحل پر اس کی نوعیت اور کردار مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً جو پودا آزادانہ خلا میں بڑھتا ہے۔ جو حیوان نئے ماحول کے مطابق نئے اعضا حاصل کرتا ہے۔ اور جو انسان زندگی کی داخلی گہرائیوں سے روشنی حاصل کرتا ہے یہ سب وحی کی صورتیں ہیں۔ جو موردِ وحی کے مطابق اپنی نوعیت اور عمل میں مختلف ہوتی ہیں۔ قوتِ استدلال اور تنقیدی استعداد کی نشوونما کے ساتھ ہی زندگی اپنے مفاد میں غیر معقول رویّہ کی تخلیق و ترقی کا اظہار بھی کرتی ہے۔ بنیادی طور پر انسان جذبات اور جبلتوں کے زیرِ اثر ہوتا ہے صرف استقرائی استدلال کا حصول ہی جو انسان کو اس کے ماحول پر غالب کر دیتا ہے ایک کامیابی ہے۔ اسلام کے آغاز کے ساتھ ہی استقرائی استدلال صورت پذیر ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی وحی نبوت کامل ہو کر ختم ہو گئی۔

"آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا ہے۔" (۵: ۳)

قرآن کریم نے بار بار عقل اور تجربے کی دعوت دے کر انسان کو اصل مقام دلا دیا ہے۔ اور اس طرح پاپائیت اور بادشاہت سے نجات دلا دی ہے۔ انسانی علم اور الہام کے لئے فطرت اور تاریخ

قرآن کریم سورج۔ چاند۔ طویل سالوں، شب و روز کی تبدیلی۔ انسانی الوان و السنہ کے تنوع بلکہ تمام عالم محسوسات میں اللہ تعالیٰ کی آیات کا تذکرہ کرتا ہے۔ اب ایک مسلم کا فرض ہے کہ وہ ان تمام آیات پر غور و فکر کرے اور ان کے پاس سے "اندھوں اور بہروں کی طرح" نہ گزر جائے۔ کیونکہ:۔

"جو شخص ان آیات کا مشاہدہ دنیا کی زندگی میں نہیں کرتا وہ اُخروی زندگی میں بھی حقائق کے مشاہدے سے محروم رہے گا۔"

مذکورہ بالا بصائر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلامی ثقافت کی رُوح ٹھوس فکر اور تجربہ سے مرکب ہے اگر ہم اپنی ماضی کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ مسلمان علماء اور مفکروں نے فلسفیانہ سوچ کو ایک نظریے کے طور پر نہیں بلکہ سائنس کے طور پر ترقی دی۔ ابن حزم نے استقرائی حسی کو علم کا ذریعہ بنایا۔ ابن تیمیہ نے اس بات پر زور دیا کہ استقراء ہی قابلِ اعتماد استدلال کی اساس ہے۔ اور اس طرح مشاہدے اور تجربے کے اسلوب کی بنیاد رکھی۔ پھر البیرونی نے عمل اور ردِ عمل کے نظریہ کو دریافت کیا تو الکندی نے یہ مفروضہ پیش کیا کہ ہیجان مہیج کی نسبت سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ مفروضہ موجودہ زمانے میں عملی نفسیات کی اساس ہے۔

بریفالٹ کی تصنیف "میکنگ آف ہیومینیٹی" کی رو سے ہمارے پاس اس امر کا مستند ثبوت موجود ہے کہ مسلمان عربوں نے سائنس کی تخلیق کی۔

"موجودہ تہذیب میں عربوں کا انتہائی عظیم حصہ سائنس کی تخلیق ہے لیکن اس کا پھل پکنے بہت دیر لگی۔"

"عربوں کی ثقافت کو گمنامی کے غار میں گرے مدت ہو چکی تھی کہ جس دیو کا وہ خالق تھا وہ بزدہ کر قوی ہیکل ہو گیا۔ یہ عربوں کی سائنس نہ تھی جس نے یورپ کو نئی زندگی بخشی بلکہ اسلام کے دوسرے کئی قسم کے اثرات یورپ میں زندگی کی ابتدائی ترکت کا موجب ہوئے۔" (صـ ۲۰۲)

اگرچہ یورپی زندگی کا کوئی ایک بھی ایسا پہلو نہیں جس پر اسلامی ثقافت کے اثرات نہ ہوئے ہوں تاہم کسی اور میدان میں یہ اثر اس قدر نمایاں اور عظیم نہیں جتنا کہ طبعی علوم اور سائنسی رُوح میں۔ جو موجودہ دنیا کی جدید نمایاں قوت اور فتح و کامرانی کا سرچشمہ ہے۔ دنیا کو اس عظیم بنیادی حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیئے کہ اسلام اس بات میں کسی کا ممنونِ احسان نہیں کہ اس نے اصول اور نوعیت میں ہم آہنگی پیدا کی اور حریت مساوات اور اخوت کی دائمی صداقتوں کو یکجا کر دیا جس طرح سائنسی صداقتوں کی عالمگیریت سائنسی قومی ثقافتوں کی مختلف اقسام کی تخلیق کرتی ہے۔ جو مجموعی طور پر انسانی علم کو پیش کرتی ہیں۔ اسی طرح عالمگیر اسلامی صداقتیں بھی مختلف النوع قومی، اخلاقی اور مجلسی نظریات کو جنم دیتی ہیں۔

* * *

:۔ اخبار احمدیہ :۔

- حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ خیریت سے ہیں۔ احباب سلسلہ ان کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے بدرگاہ قاضی الحاجات سربسجود رہیں تاکہ یہ مبارک وجود دیر تک قائم رہے۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی کے دورہ ہالینڈ و انگلینڈ کی مختصر رپورٹ مکرم میاں فضل احمد صاحب کے قلم سے گذشتہ الشورہ میں شائع ہو چکی ہے۔ قارئین کرام ملاحظہ فرمالیں۔ رپورٹ بڑی حوصلہ افزا اور بیرون ملک جماعتوں کی اپنے محبوب قائد سے والہانہ عقیدت کی آئینہ دار ہے۔ قبولیت دعا کے ان خصوصی ایام میں نصرت اسلام کی راہوں میں رواں دواں اس مرد خدامست کے لئے احباب اپنی دعائیں جاری رکھیں۔ تا اللہ تعالیٰ غلبۂ اسلام اور اشاعت قرآن کی مساعی میں حضرت کی نصرت فرمائے۔

یہ عمر یہ تبلیغ کا جذبہ یہ عزیمت + حیرت زدہ اس بزم کا ہر پیر و جواں ہے۔
اس مرد خدامست کا حق حامی و ناصر + جو نصرت اسلام کی راہوں میں رواں ہے۔

عورت کا مقام

اسلام سے آنے سے قبل صنفِ نازک یعنی عورتوں کے حالات۔ ان کی زندگی۔ ان کی عزت۔ ان کا وقار سب سے سب نہایت پسماندگی اور ناگفتہ بہ شکل و صورت میں تھے۔ چین۔ مصر۔ روما۔ عرب سب ممالک میں عورتیں کی حیثیت ایک حقیر لونڈی کی مانند سمجھی جاتی تھی۔ اور بعض علاقوں اور ملکوں میں ان کو فروخت کر دیا جاتا تھا۔ نیز کئی مرد اپنی مرضی سے کئی کئی شادیاں کرتے جاتے تھے اور پھر جب چاہتے ان اپنی بیویوں کو فوراً الگ کر دیتے اور بے کس جانور کی طرح چھوڑ دیتے۔ کئی علاقوں میں عورتیں بطور ترکہ وراثت تقسیم ہوتی تھیں۔ عرب میں اور بعض دوسرے ملکوں میں لڑکیوں کو زندہ زمین میں دفن کیا جاتا تھا۔ یتیم لڑکیوں کے اموال اور جائیدادیں ان کے متولی ہضم کر جاتے تھے۔ بعض علاقوں اور ملکوں میں ایک ایک عورت کو کئی کئی خاوند استعمال کرتے تھے۔ ہندوستان میں خاوند کے وفات پا جانے پر عورت کے لئے نہایت ضروری تھا کہ وہ بھی فوراً اپنی زندگی آگ میں جل کر ختم کر دے ایسی عورت کو بدترین منحوس چیز خیال کیا جاتا تھا۔

اسلام وہ پہلا پیغام رحمت تھا جس نے عورت کی مظلومیت پر سب سے پہلے توجہ دی۔ اس کی دادرسی کی۔ عورت کے لئے ایسے مساوی حقوق مقرر کئے کہ وہ قعرِ ذلت اور آگ سے نکل کر جنت میں آ گئی اور بام عروج پر پہنچ گئی۔

اسلام نے عورت کا شادی کے موقعہ پر مہر مقرر کیا۔ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ اے لوگو! تم نکاح کرتے وقت اپنی بیویوں کو مہر ادا کرو۔ اس مہر کے ادا کرنے میں یہ بات بتلا دی کہ عورت بیوی ہونے کے باوجود اور خاوند کے ساتھ ایک جگہ رہنے کے باوجود اپنی الگ جائیداد بھی بنا سکتی ہے۔ اور رکھ سکتی ہے۔

اسلام نے عورت کے حق کو محفوظ رکھنے کے لئے اتنا زور دیا ہے اور اس قدر اہمیت دی ہے کہ حضور نبی کریم ؐ نے اپنی وفات کے وقت بھی عورت کے حقوق پر ارشاد فرمایا۔ "اے لوگو! مستورات کا خیال رکھنا" اتنا ہی نہیں بلکہ اسلام میں عورت کے حقوق کا اس قدر پاس ہے کہ اگر بالفرض کسی غفلت اور بے معنی کی وجہ سے خاوند نے اپنی زندگی میں عورت کا مہر ادا نہ کیا ہو تو اس کا مہر ترکہ وراثت سے فوراً ادا کیا جائے۔

اسلام نے لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کو حرام قرار دیا۔ اور یہاں تک خدا کی طرف سے مہربانی فرمائی گئی کہ جو شخص اپنی بیٹیوں کی اچھی طرح پرورش کرے وہ جنتی ہے۔

اسلام نے خاوند کی وفات کے بعد عدت کا وقت گزارنے کے بعد عورت کو شادی کرنے کا پورا حق عطا کیا ہے۔ عدت کے بعد وہ بناؤ سنگھار کر سکتی ہے اس کو شادی کرنے سے کوئی شخص یا ولی وغیرہ جبراً نہیں روک سکتا۔ ہاں اس کو مشورہ دے سکتے ہیں۔ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ۔ اپنی بیوہ عورتوں کا نکاح کر دیا کرو۔ اس سراسر رحمت اسلامی حکم کے مقابل ہندو مذہب میں خاوند کی موت پر عورت کے لئے جل کر اور آگ میں پڑ کر مرنا ضروری ہے۔

حضور نبی کریم ؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بیوہ کی مدد کے لئے تگ و دو کرنے والا شخص ایسا ہی عظیم القدر ہوتا ہے جیسا خدا کی راہ میں تگ و دو کرنے والا شخص ہوتا ہے۔

اسلام نے عورت کو یہ مقام بلند بھی عطا کیا کہ اے لوگو! اپنی ماں کی فرمانبرداری اختیار کرو۔ عزت کرو ماں سے حسنِ سلوک کرو۔ کیونکہ جنت اور عزت ماں کے قدموں کے نیچے ہیں۔

* * *

ملک ظفر اللہ خان صاحب راولپنڈی

وَاستعینوا بالصبر وَالصلوٰۃ

صَبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگتے رہو

اس حکم کی وضاحت کے لئے تمہید کے طور پر حضرت مجدد صد چہار دہم کے دو اقتباس پیش کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

ــ (۱) ــ

"آں خدائے کہ از و اہلِ جہاں بے خبر اند ــ بر من او جلوہ نمود است گر اہلی بپذیر"

یہ تو ہر قوم کا دعویٰ ہے کہ بہتیرے ہم میں سے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں مگر ثبوت طلب یہ بات ہے کہ خدا تعالیٰ بھی ان سے محبت رکھتا ہے یا نہیں؟ اور خدا تعالیٰ کی محبت یہ ہے کہ پہلے دلوں سے پردہ اُٹھا دے جس پردہ کی وجہ سے اچھی طرح انسان خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین نہیں رکھتا اور ایک دھندلی سی اور تاریک معرفت کے ساتھ اس کے وجود کا قائل ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات امتحان کے وقت اس کے وجود سے انکار کر بیٹھتا ہے اور یہ پردہ اُٹھایا جانا بجز مکالمہ الٰہیہ کے اور کسی صورت سے میسّر نہیں آ سکتا۔ پس انسان حقیقی معرفت کے چشمہ میں اس دن غوطہ مارتا ہے جس دن خدا تعالیٰ اس کو مخاطب کر کے انا الموجود کی اس کو بشارت دیتا ہے۔ تب انسان کی معرفت صرف اپنے قیاسی ڈھکوسلہ یا محض منقولی خیالات تک محدود نہیں رہتی بلکہ خدا تعالیٰ سے ایسا قریب ہو جاتا ہے گویا اس کو دیکھتا ہے۔

ــ (۲) ــ

"انسان کی اس دنیا میں آنے کی غرض صرف اتنی ہی ہے کہ اس دُنیا میں اس مقام کو حاصل کر کے اس کو دیکھنے کی روحانی آنکھ حاصل کر لے۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں اس مقام پر پہنچنے والے آدمی کو بینا کہا جاتا ہے اور اگر اس مقام تک نہ پہنچے اور مر جائے تو پھر قرآن کریم کی اصطلاح میں ایسے آدمی کو اندھا کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے:۔

من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی وھو فی الاٰخرۃ اعمٰی۔

اور یہ مقام اس وقت حاصل ہوتا ہے جس وقت معبودِ حقیقی راضی ہو جائے اور کہ قرآن مجید نے خدا تعالیٰ کی رضا کو سب سے اعلیٰ جنّت قرار دیا ہے۔ و رضوان من اللّٰہ اکبر۔ ذالک ھو الفوز العظیم (التوبہ ۹/۷۲) اس مقام تک پہنچنے کی کوشش کرنے والے سالک کو متقی کہتے ہیں۔ واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ میں متقی بن کر صراطِ مستقیم پر چلنے کا حکم ہے۔ گویا متقی کو راہِ تقویٰ میں اس قدر دقتوں کا مقابلہ ہے کہ مشکل سے وہ منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے اس لئے بے صبر ہو جاتا ہے۔ تقویٰ کی شرط یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے احکام دیئے ان کو اخیر تک پہنچائے اور بے صبر نہ ہو جائے۔ بوستان میں ایک عابد کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب کبھی وہ عبادت کرتا تو ہاتف یہی آواز دیتا کہ تو مردود و مخذول ہے۔ ایک دفعہ ایک مرید نے یہ آواز سُن لی۔ اور کہا اب تو فیصلہ ہو گیا اب ٹکریں مارنے سے کیا فائدہ ہوگا وہ بہت رویا اور کہا کہ میں اس جناب کو چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ اگر ملعون ہوں تو ملعون ہی سہی غنیمت ہے کہ مجھ کو ملعون تو کہا جاتا ہے ابھی یہ باتیں مرید سے ہو رہی تھیں کہ آواز آئی تو مقبول ہے۔ سو یہ سب صدق و صبر کا نتیجہ تھا جو متقی میں ہونا شرط ہے۔ یہ جو فرمایا کہ والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سُبلنا۔ یعنی ہماری راہ کے مجاہد رستہ پا لیں گے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس راہ میں صبر کے ساتھ جد و جہد کرنا ہوگا۔ ایک دو گھنٹہ کے بعد بھاگ جانا مجاہد کا کام نہیں۔ بلکہ جان دینے کے لئے تیار رہنا اس کا کام ہے۔ ؎

گر نباشد بدوست راہ بردن
شرطِ عشق است در طلب مُردن

پس متقی کی نشانی استقامت ہے جیسے فرمایا:۔

ان الذین قالوا ربّنا اللّٰہ ثم استقاموا۔

یعنے جنہوں نے کہا کہ رب ہمارا اللہ ہے اور استقامت دکھائی اور ہر طرف سے منہ پھیر کر اللہ کو ڈھونڈا ــ مطلب یہ کہ کامیابی استقامت یعنی صبر اور نماز پر موقوف ہے اور وہ اللہ کو پہچاننا اور کبھی ابتلاء اور زلازل اور امتحان سے نہ ڈرنا ہے۔ ضرور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ موردِ مخاطبہ و مکالمہ الٰہی ہوگا۔

استعانت:۔ کے معنی طلب عون۔ یعنی مدد چاہنا۔

صبر:۔ اصل میں تنگی کے اندر روک رکھنے کا نام ہے اور پھر اپنے آپ کو روک رکھنے کا نام ہے اس چیز پر جس کو عقل اور شریعت چاہتی ہوں۔ بالفاظِ دیگر طاعت پر قائم رہنے اور معصیت سے رُکے رہنے کا نام صبر ہے۔ پس صبر ایک عام لفظ ہے، اور مصیبت میں استقلال جنگ میں ثبات اور روزہ کو صبر کہا ہے۔

صلوٰۃ کے اصل معنی دُعا اور برکت دینا ہیں۔ پھر صلوٰۃ کا لفظ صلّی سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں کسی لکڑی کو گرم کر کے سیدھا کرنا۔ اور چونکہ نماز سے بھی انسان کی تمام کجی نکل کر وہ سیدھا ہو جاتا ہے۔ اس لئے نماز کو صلوٰۃ کہتے ہیں۔ وہ کجیاں کیا ہیں فحش اور غیر پسندیدہ امور کی طرف انسان کا میلان۔ ان سے یہ نماز روکتی ہے۔ ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر۔ صلوٰۃ کے معنی دعائے رحمت کے بھی ہیں اور اختصاراً یہاں تمام حقوق الٰہی پر شامل ہے۔ اسی لحاظ سے یقیمون الصلوٰۃ کے یہ معنی بھی ہوئے کہ وہ تمام حقوقِ الٰہی کو قائم کرتے ہیں۔ ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

گویا صلوٰۃ ایک دُعا ہے جو درد و سوزش اور ... حرقت کے ساتھ خدا تعالیٰ سے طلب کی جاتی ہے۔ تاکہ یہ بدخیالات اور بُرے ارادے دفع ہو جاویں اور پاک محبّت اور پاک تعلق حاصل ہو جائے۔ اور خدا تعالیٰ کے احکام کے ماتحت چلنا نصیب ہو۔ صلوٰۃ کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دُعا صرف زبان سے نہیں بلکہ اس کے ساتھ سوزش، جلن اور حرقت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ خدا تعالیٰ دعا کو قبول نہیں کرتا جب تک انسان حالتِ دُعا میں ایک موت تک نہیں پہنچتا تھوڑے ہیں جو دعا کی ان معنی سے آگاہ ہیں۔ صرف زبان کی دُعا بغیر لوازم اس کے تو قبول نہیں ہو سکتی۔ دُعا کے واسطے لازمی امر ہے کہ انسان کا دل خدا تعالیٰ کے آگے پگھل جائے۔ اور وہ صبر اور استقامت کے ساتھ اس کے فضل کا مانگنے والا ہو۔ جب نماز کے تمام آداب کا لحاظ رکھا جاتا ہے تب اس کی قبولیت کی اُمید ہو جاتی ہے۔ نماز بڑے بھاری درجہ کی دعا ہے۔ گویا قرآن کریم نے مومن کو مشکلات کے وقت جو طریقِ استعانت تبلایا ہے وہ صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ ہے۔ صبر اصولِ حقّہ پر مضبوط رہنے کا نام ہے۔ اور صلوٰۃ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے کا۔ صبر تو یہ چاہتا ہے کہ انسان ایک بات پر ایسا اڑا ہے کہ کسی کی مخالفت کی اور کسی روک کی اسے کچھ پرواہ نہ ہو۔ تمام دُنیا بھی اس کے خلاف ہو تو ایک مضبوط پہاڑ کی طرح اس کے قدم میں جنبش نہ آئے۔ اور صلوٰۃ یہ چاہتی ہے کہ وہ اس قدر عاجز ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گرا رہے اور اپنے آپ کو کچھ بھی نہ سمجھے۔ جب انسانوں کے سامنے حد درجہ کی مضبوطی اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں حد درجہ کی عاجزی انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے تب کامیابی کی راہیں سہل ہو جاتی ہیں اور مشکلات کے پہاڑ

سمجھ ہوں تو اُڑ جاتے ہیں۔ ؎

خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں۔ جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں" (اقبال)

معلوم ہوا کہ صبر کمال درجہ کی مضبوطی جس کو استقامت کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور صلوٰۃ کمال درجہ کی عاجزی جو اپنے اندر عبودیت کا مفہوم رکھتی ہے۔

حکیم الامت مولانا نورالدینؓ فرماتے ہیں:۔

جہاں تک میں نے تجربہ کیا ہے۔ دُکھوں۔ رنجوں مصیبتوں وغیرہا مسائل کے صاف کرنے میں اور پیش آمدہ مسائل و امور کے متعلق فیصلہ دینے میں اللہ جل شانہ نے جو راہ انسان کو دکھائی ہے اس سے بہت کم لوگ کام لیتے ہیں۔ چنانچہ [illegible]
سے مراد روزہ اور بدلیوں سے بچنا اور صلوٰۃ سے مراد ہے دُعا۔

ہر ایک تم میں سے غور کرے کہ لوگ اپنے مقصود کے پورا کرنے کے لئے باریک در باریک فکر کرتے ہیں یہاں تک کہ میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے۔ کہ وہ رستہ میں انگلی اِدھر اُدھر گھماتے ہیں کہ ہم یہ کریں گے وہ کریں گے مگر یہ طریق جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بدلیوں سے بچ کر روزہ رکھ کر جناب الٰہی میں خضوع و خشوع سے دعا کریں اس طریق پر انبیاء کے سوا دُوسرے لوگ کم ہی چلتے ہیں۔

ان اللّٰہ مع الصابرین

ایسے لوگ جو صبر اور دُعا سے استعانت کرتے ہیں ان کے ساتھ ہم ہو جاتے ہیں۔

فرماتے ہیں:۔

میں نے مشکل سے مشکل امور میں اس طریق کا تجربہ کیا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ و لم اکن بدعائک رب شقیًا میرے رب تجھ سے دُعا کر کے میں محروم نہیں رہا۔ افسوس کہ مسلمانوں کے پاس ایسا عمدہ نسخہ ہو اور پھر بھی وہ ناکام رہیں۔ کسی کو بیٹیوں کی نسبت شکایت، کسی کو قرض کی نسبت کسی کو عدم ترقی کا شکوہ۔ یہ کچھ کیوں ہے۔ اس لئے کہ استعانت کا یہ طرز چھوڑ دیا ہے۔ جب سلطنت اسلام موجود تھی تو اس وقت کی حالت کا شیخ سعدی نے یوں نقشہ کھینچا ہے۔

شب چو عقد نماز بربندم   چہ خورد بامداد فرزندم

دُنیا طلبی نے لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ فرمایا:۔

اہل اللہ لوگ اپنی خواہشیں بہت مختصر رکھتے ہیں۔ اور انہیں حصولِ مطلب کا ایک گُر آتا ہے اور وہ گُر یہی ہے جو اُوپر بیان ہوا ہے۔

سیدنا حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

انبیاء کے اس دُنیا میں آنے کی سب سے بڑی غرض اور اُن کی تعلیم اور تبلیغ کا عظیم الشان مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ خدا تعالےٰ کو شناخت کریں اور اس زندگی سے جو انہیں جہنم اور ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے اور جس کو گناہ آلود زندگی کہتے ہیں نجات حاصل کریں۔ حقیقت میں یہی بڑا بھاری مقصد اُن کے زیرِ نظر ہوتا ہے۔

جماعت کو صبر کی تلقین

تم جو میرے مرید ہو۔ مخالفوں کی دُکھ دہی کے مقابلہ میں صبر کرو اور حلم اختیار کرو اگر کوئی تمہیں گالی دے تو چپ کر رہو بلکہ یہ لوگ تمہیں زدوکوب کریں تب بھی خاموش رہو۔ خود انتقام نہ لو دعا کرو۔ اگر خدا کی طرف سے دل سخت نہ ہوتے تو یہ لوگ کیوں تمہارے ساتھ سختی کرتے۔ اگر ہماری جماعت بھی مخالفوں کے مقابلے میں ان کو مارنے کے واسطے تیار ہو جائے تو پھر ان میں اور اُن میں کیا فرق ہوگا۔ ایسا نمونہ دکھاؤ کہ مخالف شرمندہ ہو جاوے۔ نیکی کے ساتھ دشمن کو شرمندہ کرو۔ خدا نے ہمیں یہی فرمایا ہے کہ امن کے ساتھ اور نرمی کے ساتھ کام کریں۔ ساری مصیبتیں بلائیں برداشت کرو اور اپنا معاملہ خدا پر چھوڑ دو یقینًا سمجھو کہ جو شخص ہر ایک حملہ کے وقت صبر کرتا ہے۔ اور انتقام کو خدا پر چھوڑتا ہے۔ خدا اُس پر نظر رکھتا ہے اور اس کو ہرگز ضائع نہیں کرتا یاد رکھو کہ جو کچھ میں نے کہا ہے جو اس پر عمل نہ کرے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔

..... ایسے موقعہ پر صبر کرنا چاہیئے اگر دشمنوں سے مار کھاتے ہو تو صحابہ رضہ کی طرف نظر کر کے دیکھو کہ اُن کے تو خون گرائے گئے تھے۔ دیکھو کہ انسان خدا کو کس طرح راضی کر سکتا ہے اس کی رضامندی کے واسطے صحابہ کرام کا اسوۂ حسنہ اختیار کرو۔ کہ کس طرح وہ دین کے لئے دُنیا سے باہر ہو گئے تھے [illegible]

کیسے بُرے الفاظ اُن کے حق میں بولے گئے ناپاک لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر گند اور نجاست سے بھری ہوئی چیزیں پھینکیں۔ مگر آپؐ نے صبر کیا۔ خدا فرماتا ہے کہ اگر تم مجھ سے پیار کرتے ہو تو اس نبی کی اتباع کرو۔ دیکھو اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو رسولؐ کے پیچھے چلو اس میں شک نہیں کہ مشتعل ہو جانا ایک عام فطرت ہے مگر جو شخص اس پر ترقی نہیں کرتا وہ جانور ہے۔ تم کو جو دُکھ اور گالیاں دی جاتی ہیں وہ کچھ چیز نہیں اس کی ہرگز پرواہ نہ کرو۔ اور انسانوں کے راضی رکھنے کے پیچھے نہ پڑو۔ بلکہ اپنے خدا کو راضی کرو۔ لا الٰہ الا اللّٰہ کا یہی مضمون ہے۔ اگر تم لوگوں کو راضی رکھنے کے واسطے ان کے ساتھ مداہنہ سے پیش آؤ گے تو اس میں ہرگز کامیابی نہیں ہوگی۔ اگر خدا راضی ہو جائے تو انسان کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔

ضروری امر ہے ہر ایک جو سنتا ہے غور سے سُنے اور دُوسروں کو سنا دے خود دُعا میں لگے رہو کہ تمہارا ہتھیار دُعا ہی ہے۔ دنیا میں جس قدر گناہ۔ اور مصیبت ہے تم اس کو وعظ اور تدبیر کے ساتھ دُور نہیں کر سکتے۔ اس مصیبت کو دور کرنے کے لئے ہر ایک حیلہ بے کار ہے۔ صرف دُعا کے ساتھ تم اِن مشکلات کو دور کر سکتے ہو۔ خدا نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ اس زمانہ میں لوگوں کے خیالات کو نیکی اور پاکیزگی کی طرف پھیرنا ایک بڑا انقلاب چاہتا ہے۔ یہ خدا کے ہاتھ میں ہے کہ اتنا بڑا انقلاب پیدا کرے۔ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دُعائیں کرو۔ عام لوگوں کی عادت ہے کہ صرف دُنیا کے واسطے دُعائیں کرتے ہیں وہ دُنیا کے کیڑے ہیں۔ اصل دُعا دین کے واسطے ہے۔ اور اصل دین دُعا میں ہے۔ یہ خیال نہ کرو کہ ہم گنہگار ہیں ہماری دُعا کیوں کر قبول ہوگی۔ انسان خطا کرتا ہے۔ مگر دُعا کے ساتھ آخر نفس پر غالب آ جاتا ہے۔ اور نفس کو پامال کر دیتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے انسان کے اندر یہ قوت بھی فطرتًا رکھ دی ہے کہ وہ نفس پر غالب آ جائے۔ دیکھو پانی کی فطرت میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ وہ آگ کو بجھا دے پس پانی کو کتنا ہی گرم کرو اور آگ کی طرح کر دو پھر بھی جب وہ آگ پر پڑے گا تو ضرور ہے کہ آگ کو بجھا دے۔ جیسا کہ پانی کی فطرت میں برودت ہے ایسا ہی انسان کی فطرت میں پاکیزگی ہے ہر ایک شخص میں خدا تعالےٰ نے پاکیزگی کا مادہ رکھ دیا ہوا ہے۔ اس سے مت گھبراؤ کہ ہم گناہوں سے ملوث ہیں گناہ اس میل کی طرح ہے جو کپڑے پر ہوتی ہے۔ اور دُور کی جا سکتی ہے۔ تمہارے طبائع کیسے ہی جذبات نفسانی کے ماتحت ہوں خدا تعالےٰ سے رو رو کر دعا کرتے رہو تو وہ ضائع نہ کرے گا۔ کیونکہ وہ حکیم ہے اور غفور رحیم ہے۔

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۸ جولائی ۱۹۸۱ء، جلد ۶۸ ، شمارہ ۲۷ رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغامِ صلح
لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰی ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ تبلیغ
فون ۵۲۰۳۰

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

نائب مدیر
عبدالرؤف ...

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے
بیرونی ممالک سے ... پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد: ۶۸ * یوم چہارشنبہ ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ ہجری بمطابق ۱۵ جولائی ۱۹۸۱ء * شمارہ: ۲۸

ارشاداتِ حضرت مجدد صد چہاردہم

وہ راہ جہاں انسان کبھی ناکام نہیں ہو سکتا

اللہ تعالیٰ کیسا رحیم ہے اور وہ کیسا خزانہ ہے کہ جہاں کوڑی بھی جمع ہو سکتی ہے اور روپیہ اور اشرفی بھی نہ وہاں چور چکار کا اندیشہ اور نہ دوالا نکل جانے کا خطرہ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی ایک کانٹا راستہ سے ہٹا دے تو اس کا بھی اس کو ثواب دیا جاتا ہے۔ اور پانی نکالتا ہوا اگر ایک شخص اپنے بھائی کے گھڑے میں ایک ڈول پانی ڈال دے تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی اجر ضائع نہیں کرتا۔ پس یاد رکھو کہ وہ راہ جہاں انسان کبھی ناکام نہیں ہو سکتا وہ اللہ تعالیٰ کی راہ ہے۔ اس کے خلاف دنیا کی شاہراہ ایسی ہے جہاں قدم قدم پر ٹھوکریں اور ناکامیوں کی چٹانیں ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے سلطنتوں کو چھوڑ دیا۔ آخر بے وقوف تو نہ تھے جیسے حضرت ابراہیم ادھم رح۔ شاہ شجاع۔ شاہ عبدالعزیز رح جو مجدد بھی کہلاتے ہیں۔ ان سب نے حکومتوں، سلطنتوں اور دنیا کی تمام شوکت کو چھوڑ دیا۔ اس کی یہی تو وجہ تھی کہ دنیا کی راحت میں ہر وہ قدم پر ٹھوکر پاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ایک موتی ہے جس کی معرفت کے بعد انسان دنیاوی راحت و آرام کو ایسی حقارت اور ذلت سے دیکھتا ہے کہ ان کی طرف نظر کرنے کے لئے کبھی اسے اپنی طبیعت پر ایک جبر اور اکراہ کرنا پڑتا ہے۔ پس تم کو بھی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت چاہو۔ اور اس کی طرف ہی قدم اٹھاؤ۔ کہ کامیابی اور فلاح اسی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے اصلاح چاہنا اور اپنی قوت خرچ کرنا یہی ایمان کا طریق ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص یقینِ کامل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنا ہاتھ دعا کے لئے اٹھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کبھی رد نہیں کرتا۔ پس اللہ تعالیٰ سے مانگو اور صدق نیت اور یقین سے مانگو۔

—— (ملفوظات احمدیہ جلد اوّل) ——

روحِ اخوّت

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ کسی بھائی کا عیب دیکھ کر اس کے لئے دعا کریں لیکن اگر وہ دعا نہیں کرتے اور اس کو بیان کر کے دور سلسلہ چلاتے ہیں تو گناہ کرتے ہیں۔ کون سا ایسا عیب ہے جو کہ دور نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہمیشہ دعا کے ذریعہ سے دوسرے بھائی کی مدد کرنی چاہیئے ------

بات یہ ہے کہ ابھی جماعت کی ابتدائی حالت ہے۔ بعض کمزور ہیں جیسے سخت بیماری سے کوئی اٹھتا ہے۔ بعض میں کچھ طاقت آگئی ہے۔ پس چاہیئے کہ جسے کمزور پاوے اُسے خفیہ نصیحت کرے اگر نہ مانے تو اس کے لئے دعا کرے اور اگر دونوں باتوں سے فائدہ نہ ہو تو قضا و قدر کا معاملہ سمجھے۔ جب خدا تعالیٰ نے ان کو قبول کیا ہوا ہے تو تم کو چاہیئے کہ کسی کا عیب دیکھ کر سردست جوش نہ دکھلایا جائے ممکن ہے کہ وہ درست ہو جاوے۔ قطب اور ابدال سے بھی بعض وقت کوئی عیب سرزد ہو جاتا ہے ------ جلدی اور عجلت سے کسی کو ترک کر دینا ہمارا طریق نہیں ہے۔ کسی کا بچہ خراب ہو تو اس کی اصلاح کے لئے وہ پوری کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی اپنے کسی بھائی کو ترک نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کی اصلاح کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ قرآن کریم کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ عیب دیکھ کر اسے پھیلاؤ اور دوسروں سے تذکرہ کرتے پھرو بلکہ وہ فرماتا ہے:۔

تواصوا بالصبر و تواصوا بالمرحمۃ

خواتین کا کالم

—— ۱

از محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ لاہور

میری پیاری بچیو! — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ صحیح ہے کہ آپ بفضلِ تعالیٰ مسلمان ہیں لیکن صرف برائے نام مسلمان ہی نہیں بلکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے حضرت مجدد صد چہاردہم کے ساتھ یہ عہد بھی کیا ہوا ہے کہ آپ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گی۔ آئیے! احکاماتِ دین کی افادیت پر غور کریں۔ ماہِ رمضان کیا کہنے! اسی ماہ میں دنیا کے نجات دہندہ حضور خاتم الانبیاء سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآنِ پاک کا نزول شروع ہوا۔ جو میرے لئے، آپکے لئے اور کل کائنات کے لئے دین و دنیا کی بھلائی اور اصلاح کے لئے احکام لے کر نازل ہوا۔ آج اس پیغام کے ذریعہ میں بیگم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ مرحوم کی یاد میں ایک تحریری انعامی مقابلے کا اعلان کرتی ہوں جس میں سکول کی طالبات حصہ لے سکتی ہیں۔ خوشخطی اور اختصار سے لکھنے والی بچیوں کیلئے پہلا انعام مبلغ پچاس ۵۰ روپیہ دوسرا انعام تیس ۳۰ روپیہ اور تیسرا انعام بیس ۲۰ روپیہ ہوگا۔ اور مضمون بھیجنے کی آخری تاریخ پندرہ اگست ۱۹۸۱ء ہے۔

مضمون کا عنوان یہ ہے :۔

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اُجلا نکلا
پاک ہے وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

منصفین کے نام حسب ذیل ہیں :۔

راقم الحروف، بیگم صنیمہ سعید صاحبہ، آنسہ طاہرہ جنجوعہ صاحبہ

مضامین مندرجہ ذیل پتہ پر آنے چاہیئں :۔

(محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ) ۴۷۔ K بلاک، ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

انعامات خواتین کے سالانہ جلسہ کے موقع پر تقسیم ہونگے، کالج کی طالبات کے لئے تحریری مقابلے کے موضوع کا اعلان انشاءاللہ اکتوبر ۱۹۸۱ء میں ہوگا۔

پیارے بیٹو!۔ آپ ضرور پوچھیں گے کہ آپ کو اس انعامی مقابلے میں کیوں شامل نہیں کیا گیا۔ آپ ماشاءاللہ ذہین ہیں اور حقیقتِ حال سے اچھی طرح واقف ہیں آپ کی بہنوں کو، وسائل محدود اور روایات کے بندھن کے باعث ترقی کرنے کے مواقع کم نصیب ہوتے ہیں۔ بہنوں اور بیٹیوں کی تربیت پر قوم کی ترقی کا انحصار ہے۔ یہ کبھی مت بھولیں۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے پوری اُمتِ مسلمہ کی تربیت کی۔ انہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آیئے ہم بھی بچیوں کی تربیت کریں۔ یہ پہلا قدم ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور ہم سب کو ثابت قدم رکھے۔ اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی توفیق دے۔ آمین!

* * * *

ہر دلے از درد ملت زار بودے کاشکے

مومنے با مومنے غمخوار بودے کاشکے
ہر مسلماں با مسلماں یار بودے کاشکے

دو نکوئی نفس ما ہشیار بودے کاشکے
از بدی از بدکنی بیزار بودے کاشکے

ہر مسلماں کاش بودے مردِ میدانِ جہاد
ہر مسلماں جعفرِ طیار بودے کاشکے

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری ست
در جوانی ذوقِ استغفار بودے کاشکے

ہر کسے اے کاش بودے عاشقِ حسنِ ازل
از دل و جاں طالبِ دیدار بودے کاشکے

بر پریشاں حالیٔ اسلام و جود ناکساں
دیدۂ ہر اہلِ دیں خونبار بودے کاشکے

تو نمیدانی دریغا! رشتہ دنیا و دیں
دست با کارت، دلت با یار بودے کاشکے

بر سرِ دار از لبِ منصور می آمد صدا
ایں فقیہاں محرمِ اسرار بودے کاشکے

آنچہ از جور و جفا ہا بر دل ما بگذرد
پیش جاناں طاقتِ اظہار بودے کاشکے

—— o —— مرتضیٰ خان حسن

دینِ اسلام کی ترقی کا راز مسلم اقوام کے باہمی اتحاد میں مضمر ہے

مسلمانوں کے باہمی تعلقات جبر و منافرت اور تشدد کے بجائے امن و آشتی، محبت اور اخوت پر مبنی ہونے چاہئیں

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب بتاریخ ۳ جولائی ۱۹۸۱ء بمقام جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس لاہور

افغیر دین اللّٰہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض ...

.... وھو فی الاخرۃ من الخاسرین ○

(آل عمران: ۸۳ تا ۸۵)

ترجمہ: ۔ تو کیا اللہ کے دین کے سوا کچھ اور چاہتے ہیں اور جو آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی یا ناخوشی سے اُسی کے فرمانبردار ہیں اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ کہہ دے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور اس پر جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اس کی اولاد پر اتارا گیا۔ اور جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دیگر نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے تو اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

یہ آیات بتلا رہی ہیں کہ اسلام میں دین کے بارے میں کیا نقطۂ نظر ہے یعنی اسلام فطرتِ انسانی کے مطابق ہے جس کو خوشی و ناخوشی سے انسان اختیار کرنے پر مجبور ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: ۔

فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذالک الدین
القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون ○

ترجمہ: ۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ یہ قائم رہنے والا دین انسانی فطرت کے مطابق ہے اور فطرت غیر متبدل ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اسلام کسی جنتر منتر کا نام نہیں اور نہ محض چند جسمانی حرکات و اعمال کا نام ہے بلکہ ایک قلبی اور روحانی کیفیت کی حامل حرکات کا نام ہے۔ قرآن پاک میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ رب ارنی کیف تحی الموتیٰ۔ اے میرے رب مجھے دکھا کہ تو کیسے مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تو اس بات پر ایمان نہیں رکھتا۔ عرض کیا ایمان تو ہے لیکن اطمینانِ قلب چاہتا ہوں۔ تو جب تک اطمینانِ قلب کی روشنی حاصل نہ ہو انسان ایمان میں ترقی نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی ارکان و اعمال کو صحیح طور پر بجا لا سکتا ہے۔ جس زمانے میں مسلمانوں کو ارکانِ اسلام پر قلبی اطمینان حاصل تھا اور ارکانِ اسلام کو کما حقہ ادا کرتے تھے تو نہ صرف عرب کو بلکہ جہاں جہاں پہنچے ان ممالک کو امن و آشتی، سلامتی و سکون کی فضا سے معمور کر دیا۔ اس بات کو مخالفین اسلام بھی مانتے ہیں۔ مگر اسلام کی ترقی کو اسلامی فتوحات کے سبب خیال کرتے ہیں لیکن اس بات کے معترف ہیں کہ جہاں مسلمانوں نے غلبہ حاصل کیا تو وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کی عملداری میں سکون اور سکھ کا سانس لیا۔ اور مسلمانوں کے اخلاق کے اعلیٰ نمونے سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے ورنہ یہ حقیقت ہے کہ جبر و اکراہ اور جور و ستم والی حکومت دلوں کو بدل نہیں سکتی بلکہ اگر دل کے جذبات کے خلاف انسان پر جبر و تشدد ہوگا تو وہ بغاوت میں بدل جائے گا۔ مسلمانوں نے گیارہ بارہ صدیوں تک مشرقی اور مغربی ممالک پر حکمرانی کی اور ایمانی اور اخلاقی اصولوں پر کاربند رہے اور ان اصولوں پر زندگی بسر کرنے کی وجہ سے نہ صرف وہ ایک مضبوط قوم تھے بلکہ وہ سلامتی اور امن کے پیامبر بنے اور انہوں نے دُنیا کو امن اور سلامتی سے بھر دیا۔ مگر آج ہماری حالت کس قدر قابلِ رحم ہے۔ ہمارے اپنے ہمسایہ ملک ایران کی حالت پر نگاہ ڈالیے وہاں خانہ جنگی برپا ہے۔ چنانچہ آج اخبارات کی شہ سرخی ہے کہ حکومت ایران کے خلاف ایک لاکھ چھاپہ مار تربیت حاصل کر چکے ہیں جو حکومت کے خلاف برسرِ پیکار ہوں گے وہاں مسلمانوں میں اتحاد نہیں ہے۔ پاکستان میں اب ایک مسلمان حکومت قائم ہوئی۔ قائداعظمؒ نے کوئی جنگ نہیں لڑی تھی نہ انگریزوں سے اور نہ ہی گاندھی نے تلوار پکڑی لیکن دونوں قوموں کے اتحاد نے غیر ملکیوں کو ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اور اس ملک میں مسلمانوں کی سلطنت کا قیام ایک معجزہ خداوندی ہے۔ قائداعظم نے مسلمانوں کو اس مؤقف پر متحد کر دیا تھا اور اُن کا متفقہ مطالبہ تھا کہ ہم علیحدہ ملک چاہتے ہیں جس میں ہم قرآن و سنت کے مطابق اپنی حکومت چلا سکیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ دینِ اسلام تمام ادیان پر غالب آنے والا دین ہے۔ یہ صرف اپنے حقوق کا مطالبہ تھا جو کیا گیا اور خدا نے یہ ہمارے لئے مقدر کر دیا کہ ہم کو ایک عظیم سلطنت سے نوازا۔ خدا کے اس انعام پر ہمیں شکر ادا کرنا چاہیئے اور اپنی زندگی کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنا چاہیئے۔ ایران کی حالت سن کر اور پڑھ کر بے حد افسوس ہوتا ہے۔ وہاں اختلاف رکھنے والوں کے لئے عفو کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ابتدا میں جب شاہ سے حکومت لی گئی تو شاہ پسندوں کو بے دریغ تہ تیغ کیا گیا اور اب اپنے ہی ایک ساتھی بنی صدر کے حامیوں سے کسی رعایت کے برتنے کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔

افسوس کا مقام ہے کہ ہم نام لیوا تو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہیں جنہوں نے جب مکہ کو فتح کیا تو ان لوگوں کو جنہوں نے طرح طرح کے مظالم کئے تھے اور مسلمانوں کو وطن عزیز کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لا تثریب علیکم الیوم کہہ کر عفو و درگزر کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔ اب یورپ والے کہتے ہیں کہ ایران میں بھائی بھائی کو کیوں قتل کر رہا ہے۔ حالانکہ سبھی مسلمان ہیں یہ کہاں تک اسلام اور مسلمانی ہے؟ یقیناً ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں کیونکہ واقعات کا جواب دلائل نہیں ہوتے واقعات ہی ہوتے ہیں۔ یعنی عملی زندگی سے اسلامی اصولوں کی سچائی کو ثابت کرنا ہوگا۔ نہ کہ محض الفاظ کی صورت میں۔ ایک دفعہ ہمارے ایک مبلغ نے ذکر کیا کہ میں بحری جہاز میں سفر یورپ سے واپس آ رہا تھا تو میں نے جہاز میں سوار ایک انگریز خاتون کو اسلام کی خوبیاں اور پاکیزہ اصول بیان کر کے تبلیغ شروع کی وہ سنتی رہی اور سر دھنتی رہی آخر جب جہاز مصر کی بندرگاہ سکندریہ کے قریب پہنچا تو جہاز پر بورڈ آویزاں کر دیئے گئے کہ اپنے اپنے سامان کی حفاظت کا خیال رکھیں۔ اب اس انگریز عورت نے کہا کیوں صاحب یہ وہی مسلمان قوم ہے جو اسلام کے اصولوں کو قبول کرتی ہے تو کیا یہ اثر ہے ان اصولوں کا؟ کیونکہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ مجھے اپنی بے عملی پر شرمندگی ہوئی۔ ایسے ہی اخبار لائیٹ کے صفحات میں ایک انگریز معترض نے اعتراض کیا تھا کہ جو اسلام تم پیش کرتے ہو۔ مسلمانوں کے معاشرہ میں اس کا اجتماعی نمونہ بھی پیش کرو۔ آج اسلام کی ترقی نہ کرنے کے اسباب میں نہ صرف غلط اعتقادات کو دخل ہے بلکہ اسلامی اصولوں پر عملی نمونہ پیش نہ کر سکنا بھی اس کی بڑی اور اصل وجہ ہے۔ اسلام کے اصول تو مسلّمہ طور پر سچے ہیں۔ جن پر کسی جہت سے بھی اعتراض کی گنجائش نہیں لیکن ہمارے اعمال ان کے مطابق نہیں ہیں بلکہ اُن سچے اصولوں کی نفی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو جماعت امن اور سلامتی کا پیغام لے کر نکلی تھی

نہ قوم بھی انتشار و افتراق کا شکار ہو گئی اور اس کی عملی حالت کا بھی وہ اعلیٰ معیار نہ رہا۔ یہ ایک عبرتناک داستان ہے۔ حضرت مرزا صاحب ایک عظیم اور صادق انسان تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں دین کے اصولوں پر ایک جماعت بنانے آیا ہوں۔ اس زمانہ کی ضرورت یہ نہیں ہے کہ حکومتیں حاصل کی جائیں بلکہ دلوں میں دین کے اصولوں پر ایمان کا مضبوط کرنا ضروری ہے۔ اور عملی حالت کو درست کرنا ضروری ہے جیسے ایس اے رحمٰن صاحب مرحوم ایک دفعہ یہاں تشریف لائے وہ "اسلام میں مرتد کی سزا" پر تحقیق کر رہے تھے انہوں نے لکھا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔ میں نے اس بارہ میں ان سے دریافت کیا تو انہوں نے وضاحت کی کہ ایمان کا معاملہ دل سے متعلق ہے اور دل پر جبر نہیں ہو سکتا۔

بہوش باش کہ جبر است خود دلیل گریز + تسلیٔ دلِ مردم ازیں کجا باشد

اس لئے ہر انسان کو فطری طور پر حق حاصل ہے کہ وہ جو چاہے اپنے اطمینان قلب کے ساتھ عقیدہ رکھے۔ ہاں انسانی تعلقات کیسے ہونے چاہئیں تو اس کے لئے قرآن پاک کا ارشاد ہے :-

لنا اعمالنا و لکم اعمالکم۔ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ اس سے خدا کے ہاں سزا و جزا مرتب ہو گی۔ دوسرے مقام پر فرمایا ہے :-

فاستبقوا الخیرات

بھلائیوں میں ایک دوسرے سے بڑھو۔

نیکی میں سبقت کی کوشش تمام جھگڑوں کو ختم کر دیتی ہے۔ اس لئے جو شخص جن عقائد کا حامل ہے وہ انہیں کو سچا سمجھتا ہے۔ اس کے مقابل اپنے اعلیٰ اخلاق اور اعمال کا مظاہرہ یقیناً اس کا جواب شافی ہے۔ نہ کہ تشدد و نفرت۔ اس سے یقیناً مخالف قوتوں کو اُبھرنے کا موقع ملتا ہے۔ جیسے ایران کے انتشار سے کمیونسٹ نظریہ کی حامل تودہ پارٹی (ایران کی کمیونسٹ پارٹی) فائدہ اُٹھائے گی اور اسلامی نظریہ کے حامل افراد کو نقصان پہنچے گا۔ ملک کا یہ انتشار اسلام کی کوئی خدمت نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان ممالک متحد ہوں۔ تاکہ اسلام کا بول بالا ہو۔ کیونکہ اتحاد میں ہی اسلام کی ترقی ہے۔

* * *

بقیہ :- آج دُنیا میں پھر ظلم و فساد کا دور دورہ ہے۔

(موم) کامیاب نہیں ہو سکتے۔

خُدا کے ساتھ اپنے تعلقات بڑھاؤ :- خدا کے ساتھ اپنے تعلقات بڑھاؤ۔ ایک چنگاری تمہارے اندر یقیناً حضرت مرزا صاحب نے ڈال دی ہے۔ اب اسے مشتعل آگ کی صورت میں تبدیل کرنا آپ کا کام ہے۔

مجھے بعض وقت افسوس ہوتا ہے کہ ایک دنیادار دنیا کے کام میں جو جوش دکھاتا ہے جو ہماری جماعت کے بعض لوگ خُدا کے دین کے کام کے لئے نہیں دکھاتے۔

ایک دنیادار جب دنیوی تجارت کو نفع مند سمجھتا ہے۔ اور دیکھتا ہے کہ اس کا مال بڑھ رہا ہے تو اپنی تمام پونجی اور طاقت اس کام کے لئے لگا دیتا ہے۔ مگر دین کے خدمت گزاروں میں وہ لوگ بھی نظر آتے ہیں جو خُدا کے دین کی خدمت کو نفع مند دیکھ کر اور اس میں کامیابی حاصل کر کے بھی اپنی پونجی اور طاقتوں کو اس کام میں لگانے سے پیچھے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہارے ساتھ ہے۔

کیا یہ سچ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہارے چھوٹے چھوٹے کاموں میں وہ برکت ڈالی ہے۔ کہ آج یہ کمزور جماعت دُنیا میں کام کر رہی ہے۔ جو بڑی سے بڑی جماعت سے نہیں ہو سکا۔ پھر بھی تمہارے دل میں وساوس اُٹھتے ہیں۔ کیا ہوگا۔ ہمارا مال کہاں جائے گا؟ تم نے جو چھوٹی چھوٹی قربانیاں کی ہیں خدا تعالیٰ نے ان میں اتنی برکت ڈالی ہے کہ گویا تم نے خدا کی راہ میں خزانے لُٹا دیئے ہیں۔

بقیہ آج دنیا میں پھر ظلم و فساد کا دور دورہ ہے ۔۔۔ آمدہ صفحہ

نہیں ملتی :

حضرت مجدد صد چہاردہم کے کام کی تکمیل اسکے پیروؤں کے ذمہ ہے

ہم میں سے ہر ایک کا ایمان ہے کہ اس فساد کو جو اس مادی تہذیب پر مبنی تھا جسے دجالیت سے موسوم کیا گیا ہے۔ مٹانے کے لئے اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت پھر جوش میں آئی اور اس وقت یہ بوجھ حضرت مرزا صاحب نے اپنے ذمہ لیا۔ اور وہ کام آج اس مجدد کے کچھ پیروؤں کے ذمہ ہے۔

کامیابی یکساں طریق پر نہیں ہوتی !

یہ خیال کبھی نہ کرنا چاہیئے کہ کامیابی یکساں طریق پر ہوا کرتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آتے ہیں۔ اُن پر خدا کی رُوح نازل ہوتی ہے۔ مگر ان کا پیغام تین سو سال تک کسمپرسی کی حالت میں رہتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں تو ۲۳ سال کے اندر اندر خدا کے نام کو بلند مینار پر پہنچا دیتے ہیں۔ کامیابی کے لئے ایک لمبا وقت بکار ہوتا ہے۔

تم کس طرح غالب آسکتے ہو؟

مگر یاد رکھو کہ آپ لوگ جو آج حضرت مرزا صاحب کی جگہ پکڑے ہیں اگر آپ کے اندر خدا کی وہ رُوح سرایت نہیں کر گئی جو حضرت صاحب پر نازل ہوئی تھی تو ہمارے تمام دعوے مذہبی تبلیغ .... کے اور جماعت کی طاقت کو بڑھانے کے بے سود ہیں۔ ان کا نتیجہ کچھ نہیں۔ تم اگر غالب آسکتے ہو تو اس رُوح کے ساتھ غالب آسکتے ہو جس کے ذریعہ سے اس سے قبل لوگ غالب آئے۔

محمد رسول اللہ صلعم اور آپ کے صحابہ دنیا کی طاقت اور مال کے ذریعہ غالب نہیں آئے۔ بلکہ خدا کی اس رُوح کے ساتھ غالب آئے جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اور صحابہ کے اندر سرایت کر گئی۔ آپ بھی اگر غالب آسکتے ہیں تو اس رُوح کے ساتھ ہی غالب آسکتے ہیں جو حضرت صاحب پر نازل ہوئی۔ اور آپ کی جماعت کے اندر سرایت کر گئی۔ ہما اسے سرایت کر جانا چاہیئے۔

مسلمان بھی دجالی تہذیب کے زیر اثر آرہے ہیں

سو بے شک ایک طرف دنیا میں یہ حالت نظر آئے کہ دنیا خُدا سے بڑی تیز رفتار سے دُور جا رہی ہے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ خود مسلمان بھی خُدا سے دُور جا رہے ہیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ ہر چیز کے لئے ان کی طبیعتوں کے اندر جوش، غیرت اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ اور قرآن کے لئے جوش اور ولولہ پیدا نہیں ہوتا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ یہ لوگ خدا سے دُور جا رہے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ قرآن کی تہذیب کے پیرو بھی یورپ کی تہذیب جس کی بنیاد ہی مادیت پر ہے متاثر ہو رہے ہیں اور اس تہذیب کا اثر جہاں اور قوموں پر ہے وہاں مسلمانوں پر بھی ہے۔

ہماری جماعت کے قیام کا مقصد

خُدا نے ہماری اس جماعت کو کھڑا کیا کس غرض کے لئے؟ اس غرض کے لئے کہ دُنیا جو خُدا سے دُور جا رہی ہے اُسے خدا کی طرف واپس لایا جائے۔ کتنا بڑا کام ہے۔ ایک بے کس جماعت جس کی تعداد کچھ نہیں۔ جس کے پاس مال نہیں۔ ایک طرف وہ ہے اور دُوسری طرف دنیا اپنے سارے ساز و سامان سے خُدا سے دُور جا رہی ہے۔

ہماری کامیابی کے لئے لازمی شرط

کیا یہ کام اس جماعت کے لئے ممکن ہے؟ یقیناً ہے۔ بشرطیکہ ہماری قوم خدا کی طرف اس تیز رفتاری سے بڑھے جس تیز رفتاری سے لوگ خدا سے دور جا رہے ہیں۔ اگر آپ نے اپنے منصب کو سمجھا ہے اگر آپ جانتے ہیں کہ حضرت صاحب ایمان کو ثریا سے واپس لانے کے لئے آئے تھے اور یہ جاننے کے باوجود اگر آپ کے اندر وہ رُوح کام نہیں کر رہی جو حضرت صاحب کے اندر تھی تو تم کبھی اشاعت دین کے کام میں

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عادات و اخلاق

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیراً ۔ (الاحزاب : ۲۱)

یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول میں نیک نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔

کی رنگ آپ کی روزمرہ کی زندگی میں سطر رائی تھی۔ اور آپ قرآن شریف کی تعلیم مجسم تھے۔ پس جس طرح قرآن شریف زندگی کے سارے شعبوں میں اور قوائے انسانی کی ساری شاخوں کی پرورش کے لئے اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم دیتا ہے اسی طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہر قسم کے اخلاق کا مکمل مجموعہ ہے۔ اور ایک مسلمان کے لئے اگر علمی رنگ میں تعلیم قرآن شریف میں موجود ہے تو عملی رنگ میں آنحضرت صلعم کی زندگی میں موجود ہے۔

آپ کی عادات اور اخلاق کی روح سادگی اور اخلاص تھے گویا نیکی سے محبت اور اخلاقِ فاضلہ آپ کی فطرت میں ودیعت کئے گئے تھے۔ یہ باتیں آپ کی جبلت میں داخل تھیں۔ کچھ اکتساب سے حاصل نہ ہوئی تھیں آپ ہر قسم کا کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے اگر کسی سائل کو کچھ دینا ہوتا تو اپنے ہاتھ سے اس کے ہاتھ میں دیتے۔ خانگی امور میں اپنی بیویوں کو مدد دیتے تھے۔ خود اپنی بکریوں کا دودھ دوہ لیتے تھے۔ اپنے کپڑوں کی مرمت کر لیتے اپنی جوتی گانٹھ لیتے۔ خود گھر میں جھاڑو دے لیتے۔ اپنے اونٹ کو باندھ لیتے اور اس کے آگے گھاس ڈال لیتے تھے۔ دنیا کے کسی کام کو اپنے ذلیل نہیں سمجھا۔ جب مسجد بنائی گئی تو آپ خود مزدوروں کے ساتھ ٹوکری اٹھاتے تھے۔ دشمن سے حفاظت کے لئے خندق کھودنی پڑی تو آپ اپنے سپاہیوں کے اندر ایک معمولی مزدور کی حیثیت میں کام کرتے نظر آتے تھے۔ آپ بازار سے اپنا سودا خرید لاتے بلکہ دوسروں کا بھی خرید کر لا دیتے تھے۔ غرض کسی قسم کے کام کو باوجود اس کے کہ آپ نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی اپنے لئے ذلیل نہیں سمجھا اور یوں بتا دیا کہ انسان کی شرافت یا ذلت کا معیار کوئی پیشہ نہیں بلکہ اس کا برتاؤ اور اس کی راست روی ہے۔ ایک موچی ایک درزی ایک مزدور جو ٹوکری اٹھاتا ہے اسی طرح اسلامی سوسائٹی کا ایک فرد ہے جس طرح ایک تاجر یا ایک ملازم یا ایک عہدہ دار

تکلف آپ کے کسی کام میں نہ تھا۔ آپ جانور پر سوار ہوتے تو دوسرے کو پیچھے بٹھا لیتے قیس بن سعد کہتے ہیں ایک دفعہ آپ سعد کی ملاقات کے لئے تشریف لائے چلتے وقت سعد نے اپنا گدھا آنحضرت صلعم کو سواری کے لئے دیا اور قیس سے کہا کہ تم ساتھ جاؤ۔ آپ نے قیس سے فرمایا کہ میرے ساتھ سوار ہو جاؤ بلکہ آگے تم ہو کیونکہ جانور کا مالک اس کا زیادہ حقدار ہے۔ اور چونکہ آپ نے شرط لگا دی کہ ساتھ چلو تو ساتھ سوار ہو کر چلو ورنہ پھر جاؤ اس لئے میں ساتھ نہ گیا۔ جب مجلس میں آتے تو پسند نہ فرماتے کہ صحابہ رضہ آپ کے لئے کھڑے ہوں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ میرے لئے کھڑے نہ ہوا کرو جس طرح عجمی لوگ کرتے ہیں اور فرمایا میں بندہ ہوں جس طرح بندے کھاتے ہیں میں کھاتا ہوں۔ اور جس طرح وہ بیٹھتے ہیں میں بیٹھتا ہوں۔ ایک شخص ایک دفعہ آپ کا ہاتھ چومنے کے لئے آگے بڑھا تو آپ نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور فرمایا یہ عجمی لوگ اپنے بادشاہوں سے کرتے ہیں۔ غلام بھی اگر آپ کو دعوت دیتا تو آپ چلے جاتے۔ کھانے پر بیٹھتے تو بالکل بے تکلفی سے ہر قسم کے لوگوں حتیٰ کہ غلام تک کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے مجلس میں بیٹھتے تو بعض اوقات بہت دیر خاموشی میں گزر جاتی کوئی بات آ جاتی تو کر لیتے۔ ہر وقت گفتگو کرتے رہنا جیسا کہ تکلف سے لوگ مجلس کو مشغول رکھنے کی کوشش کرتے ہیں آپ کی عادت میں نہ تھا۔ جب چلتے تو لوگ آپ کے آگے اور پیچھے چلتے۔ جب بیٹھتے تو بھی دوسروں کے اندر ایسے ملے ہوئے ہوتے کہ کوئی نووارد آپ کو پہچان نہ سکتا تھا اور پوچھنے کی ضرورت پیش آتی کہ نبی صلعم کون ہیں۔ آپ کا زانو اپنے اصحاب سے آگے نہ بڑھتا۔ جب کوئی دوسرا بات کرتا تو آپ اس کی بات کو کاٹتے نہ تھے۔ جب لوگ کسی بات پر ہنستے تو آپ بھی ان کے ساتھ شامل ہوتے۔ آپ گفتگو اس قدر [illegible]

کھانے کے لئے سامنے آتی تو اگر اسے اس قابل پاتے کہ کھالیں تو کھا لیتے اگر اس میں کوئی نقص ہوتا کہ کھانے کے قابل نہ ہوتی تو اسے نہ کھاتے لیکن اس کا نقص نہ نکالتے۔ کھجور۔ جو۔ گیہوں۔ گوشت دودھ جو چیز بلا تکلف مل جاتی اسے کھا لیتے۔ اگر کوئی مہمانی میں اچھی چیز سامنے رکھ دیتا تو اسے بھی کھا لیتے۔ یہ تکلف نہ کرتے تھے کہ اسے نہ کھائیں ہاں عموماً صرف ایک ہی کھانا کھاتے تھے۔ نظافت پسند تھے میلے برتن میں کھانا پسند نہ کرتے تھے۔ سڑی ہوئی یا بودار چیز کے قریب نہ جاتے تھے۔ شہد آپ کو خاص طور پر مرغوب تھا سبزیوں میں کدو تو بہت پسند کرتے تھے۔ ایسی چیزیں جن کے کھانے سے منہ سے بدبو آئے آپ پسند نہ کرتے تھے۔ جیسے پیاز۔ لہسن۔ کھانے پر بیٹھتے تو ٹیک لگا کر نہ بیٹھتے۔ اگر آپ کی کہیں دعوت ہوتی اور آپ کے ساتھ اور لوگ بھی ہوتے تو کھانے سے پہلے بلا تکلف صاحب خانہ سے کہہ دیتے کہ اتنے آدمی مدعو ہیں اور یہ زائد ہیں کھانے سے پہلے اور پیچھے ہاتھ دھوتے اور منہ کو خوب صاف کرتے۔

آپ کے لباس میں بھی سادگی تھی۔ پیوند لگا ہوا کپڑا پہن لینے میں مضائقہ نہ کرتے۔ اچھا کپڑا مل جاتا تو اسے پھینک نہ دیتے۔ البتہ ریشمی لباس آپ مردوں کے لئے پسند نہ کرتے تھے۔ جس کپڑے میں ذرا بو ہو جائے آپ اسے فوراً اتار دیتے تھے۔ اور لباس گو سادہ مگر صاف رکھتے تھے انگوٹھی آپ نے اس وقت بنوائی اور پہنی جب بادشاہوں کو خطوط لکھنے کے لئے مہر لگانے کی ضرورت پیش آئی بعدہ یہ انگوٹھی آپ پہنتے رہے۔

دیگر عادات میں بھی اسی طرح سادگی اور صفائی کو آپ جمع رکھتے تھے مکان جس میں رہتے تھے نہایت سادگی سے بنے ہوئے تھے۔ کچی اینٹ اور گارے کے چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ ان کے اندر سامان کوئی نہ تھا ایک چارپائی ایک پانی کی ٹھلیا اور بس۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب آپ خیبر فتح کر چکے تھے۔ خیبر کی فتح سے واپس آتے ہوئے حضرت صفیہ کے ساتھ شادی کے بعد دعوت ولیمہ کی تو صحابہ کو فرمایا کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے دستر خوان پر لے آئے۔ ستو اور کھجوریں جمع ہو گئیں اور یہ دعوت ولیمہ تھی۔ آپ کے گھروں میں برابر کئی کئی دن تک آگ نہ جلتی تھی۔ صرف کھجوریں کھا کر اور پانی پی کر گزارہ کرتے تھے۔ دنیا کو آپ ایک عارضی آرامگاہ سمجھتے تھے۔ فرمایا کہ دنیا میں میری مثال اس سوار کی ہے جو چلتے چلتے دوپہر کے وقت ایک درخت کے سایہ کے نیچے کچھ آرام کر لے۔ دنیوی مال اور دنیوی آسائشوں کی کوئی محبت آپ کے دل میں نہ تھی مسواک کا استعمال آپ بہت کرتے تھے اور دن میں کئی کئی مرتبہ منہ کو صاف کرتے تھے۔ جیسا کہ اب معلوم ہوا ہے انسان کی صحت کا بہت کچھ انحصار منہ کی صفائی پر ہے جسم کو بھی آپ نہایت صاف رکھتے تھے داڑھی اور سر کے بالوں کو کنگھی کرنے اور دھونے سے صاف رکھتے تھے۔ خوشبو کا استعمال بھی کرتے تھے آپ کے پاس بیٹھنے والے یہ شہادت دیتے ہیں کہ کبھی آپ کے جسم سے۔ لباس سے یا منہ سے بو نہیں آئی۔ بلکہ آپ کے پسینہ تک میں خوشبو تھی۔ آپ اپنے جسم۔ لباس وغیرہ کو ہر طرح پاک و صاف رکھتے تھے۔ حوائج ضروریہ سے فراغت کے بعد مٹی اور پانی کا استعمال کرتے اور رفع حاجت کے بعد ہاتھ کو مٹی سے رگڑ کر صاف کرتے آپ کا باطن تو بہت ہی پاک اور نرا نور ہی نور تھا مگر آپ کا ظاہر بھی باوجود سادگی کے نہایت پاکیزہ تھا۔

آپ کے تعلقات اپنے دوستوں سے حد درجہ کی محبت کے تھے۔ جب کوئی شخص آپ سے مصافحہ کرتا تو آپ اس کا ہاتھ چھوڑنے میں پہل نہ کرتے تھے جس سے ملتے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ جریر بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے جب آپ کو دیکھا تبسم کرتے ہوئے دیکھا یعنی ہر وقت خندہ پیشانی پایا۔ آپ اپنے اصحاب سے مزاح کر لیتے اور بے تکلف بات چیت کرتے تھے۔ پیروں کی طرح کی خاموشی اختیار نہ کرتے تھے۔ اور نہ بات کرنے میں اپنی بڑائی کا اظہار کرتے تھے۔ اپنے صحابہ کے بچوں کو گود میں لیتے اور ان کو پیار کرتے بسا اوقات بچے آپ پر پیشاب بھی کر دیتے مگر آپ کے چہرہ پر شکن نہ آتا۔ اپنے پاس بیٹھنے والوں سے فرماتے کہ میرے پاس کسی میرے دوست کی برائی بیان نہ کرو کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ سب کی طرف سے میرے سینے میں صفائی ہو آپ اپنے اصحاب سے سلام کرنے اور مصافحہ کرنے میں پہل کیا کرتے تھے۔ ان کو پکارتے تو عزت کے لئے کنیت سے مخاطب کرتے یا اُن کا محبوب نام لیتے۔ جس شخص نے ایک دفعہ آپ سے دوستی کی آپ نے اس کی دوستی کی ہمیشہ قدر کی۔ حضرت ابوبکرؓ سے آپ کا تعلق شدید محبت اور دوستی کا تھا۔ حضرت خدیجہؓ کی رفاقت کو اسوقت یاد کرتے تھے جب آپ کے ہاں کئی بیویاں موجود تھیں۔ زید ایک آزاد کردہ غلام سے جب اس کے باپ نے اپنے ہمراہ چلنے کے لئے کہا تو اس نے گھر جانے پر رسول اللہ صلعم کو ترجیح دی۔ اگر آپ کے کسی دوست سے کوئی خطا ہو جاتی تو آپ بہت چشم پوشی کو کام میں لاتے اور اشارۃً بھی اس کا قصور اس کو نہ جتلاتے۔ ہاں عام نصیحت میں کہا دیتے کہ کس طرح انسان کو ایسی باتوں سے بچنا چاہیئے۔ جھوٹ سے آپ کی طبیعت بہت متنفر تھی۔ اور اب ہی اس شخص سے متنفر ہو جاتے جو جھوٹ بولتا لیکن محض قصور پر خواہ کتنا ہی بڑا ہو آپ گرفت نہ کرتے تھے۔ جب اُحد کے میدان میں تیر اندازوں کے جگہ چھوڑ دینے کی وجہ سے مسلمانوں پر سخت مصیبت آئی آپ کے خود زخم بھی لگے آپؐ کے بہت عزیز دوست بھی مارے گئے۔ تو آپ نے اس وقت بھی نہ ان نافرمانی کرنے والوں پر کورٹ مارشل کیا نہ ان کو کوئی سزا دی حتیٰ کہ ملامت تک بھی نہیں کی۔ جو لوگ میدان جنگ سے بھاگ گئے ان سے جب وہ تیسرے دن واپس آئے صرف اس قدر کہا کہ تم بہت دُور چلے گئے۔

دشمنوں تک سے آپ اس قدر فیاضی سے پیش آتے کہ اس کی نظیر کسی دوسرے انسان کی زندگی میں نہیں مل سکتی۔ عبداللہ بن اُبی جس کی ساری عمر آپ سے سخت عداوت رکھنے میں کٹی اور بارہا یہودیوں کو اور کفار کو مسلمانوں کے خلاف اکساتا رہا جب وہ فوت ہوا تو آپ نے اس کے لئے دعائے مغفرت کی۔ اور اپنی قمیص عطا کی جس کا اسے کفن پہنایا گیا۔ مکہ کے خطرناک دشمن جنہوں نے ایسے ایسے ظلم مسلمانوں پر اور خود آپ پر کئے تھے جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جب آخرکار اُن پر فتح حاصل کرتے ہیں تو ان کے قصور پر ان کو ملامت تک بھی نہیں کرتے ایسے حالات میں کوئی دوسرا فاتح ہوتا تو عبرتناک سزا اہل مکہ کو دیتا مگر بیس سال کے لگاتار مظالم کو۔ ہاں ان منصوبوں کو جو اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے کئے گئے بغیر کسی درخواست کے معاف کر دیا۔ دشمنوں کے چھ چھ ہزار قیدی بعض وقت صرف ان کی درخواست پر آزاد کر دیئے گئے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں آپ نے اپنی ذات کے متعلق کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں ایسے لوگوں کو بعض وقت سزائیں بھی دیں جنہوں نے غداری کر کے اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہا تھا۔ جہاں عفو سے اصلاح ہوتی وہاں آپ عفو کرتے لیکن جہاں سزا کی ضرورت ہوتی وہاں سزا بھی دیتے۔ اُن شریروں کو جو شرارت سے باز نہ آتے تھے۔ سزا نہ دینا بدی کی اعانت کرنا تھا۔ آپ کی فیاضی بلاتفریق قوم و ملت کام کرتی تھی۔ ایک عیسائی ایک یہودی ایک مشرک سے آپ اسی طرح فیاضی کا اظہار کرتے جس طرح ایک مسلمان سے مسلمانوں کی خیرات کو آپ نے مسلمانوں تک محدود نہیں کیا۔

انصاف کے معاملہ میں آپ ایسے اعلیٰ اصول پر قائم تھے کہ سخت سے سخت دشمن اور عزیز سے عزیز دوست میں کوئی فرق نہ کرتے تھے۔ بعثت سے پہلے بھی آپ کی انصاف پسندی اور دیانت اور امانت اس قدر مسلم تھی کہ لوگ اپنے جھگڑوں کے فیصلے آپ سے کراتے تھے۔ مدینہ میں جب تشریف لائے تو مشرکوں اور یہودیوں نے بھی آپؐ کو اپنے مقدمات اور تنازعات میں حکم تسلیم کیا یہود کو جس قدر عداوت اسلام سے تھی وہ احاطہ تحریر میں آ چکی ہے۔ لیکن ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مقدمہ آپ کے سامنے آتا ہے۔ تو آپ فیصلہ یہودی کے حق میں کرتے ہیں اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ ایک ایک مسلمان اسلام کی حفاظت کے لئے کس قدر قیمتی معاون ہے۔ اور بعض وقت ایک کی علیحدگی ایک قبیلہ کی علیحدگی ہے۔ آپ نے اپنی بیٹی سیدۃ النساء الجنۃ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمہارے عمل ہی تمہارے کام آئیں گے اور فرمایا کہ اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرے تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جائیں۔ وفات سے پیشتر عام مجمع میں فرمایا کہ کسی کا کچھ قرضہ مجھ پر ہو تو وہ وصول کر لے کسی کو مجھ سے تکلیف پہنچی ہو تو وہ قصاص لے لے۔

آپ دوسروں کے ساتھ معاملات میں کسی قسم کی بڑائی اختیار نہ کرتے تھے۔ لین دین اور تمام اور معاملات میں اپنے تئیں ایک معمولی انسان کی طرح رکھتے تھے۔ ایک یہودی کا آپ پر کچھ قرضہ تھا وہ طلب کرنے آیا اور نہایت خشونت اور بداخلاقی سے پیش آیا۔ اور کہا کہ تم بنی ہاشم جب کسی سے کچھ لے لیتے ہو تو دیتے ہی نہیں۔ یہ مدینہ کا واقعہ ہے جہاں آپ بادشاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو اس کی گستاخی پر بہت غصہ آیا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اے عمر مناسب تھا کہ تم ہم دونوں کو نصیحت کرتے قرض خواہ کو کہ مطالبہ کرنے میں سہولت سے کام لینا چاہیئے۔ اور مجھ کو کہ قرضہ نیکی کے ساتھ واپس ادا کرنا چاہیئے۔ پھر اس کے قرضہ سے بڑھ کر رقم اس کو ادا کی۔ اس حسنِ اخلاق کا ایسا اثر اس پر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ ایک موقعہ پر آپ اپنے احباب کے ساتھ کسی جنگل میں تھے۔ کھانا تیار کرنے کی ضرورت پیش آئی تو سب کے سپرد ایک ایک کام کر دیا اور فرمایا کہ ایندھن کے لئے لکڑیاں میں چن کر لاتا ہوں۔ باوجود بادشاہ اور معلّم روحانی ہونے کے رعایا کے ایک معمولی آدمی کی طرح کام کرتے تھے اپنے ماتحتوں اور نوکروں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرتے تھے۔ حضرت انس کہتے ہیں میں دس سال آپ کی خدمت میں رہا مگر آپ نے کبھی مجھے جھڑکا تک نہیں۔ نوکر سے کوئی قصور ہو جائے تو اسے ملامت نہیں کرتے تھے۔ آپ نے کوئی غلام اپنے پاس نہیں رکھا جو آیا اس کو آزاد کر دیا۔ آپ نے ساری عمر کبھی کسی نوکر یا عورت کو نہیں مارا۔

فیاضی آپؐ کی طبیعت میں اس قدر تھی کہ لکھا ہے کسی سائل کو آپ نے کبھی نفی میں جواب نہیں دیا۔ اگر پاس کچھ نہ ہو تو اس انتظار میں رہتے تھے کہ کہیں سے کچھ آ جائے تو اس کے سوال کو پورا کر دیں۔ خود تکلیف اور بھوک اُٹھا کر بھی سائل کے سوال کو پورا کر دیتے تھے۔ مال دنیا کو اپنے پاس رکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ وفات سے پیشتر فرمایا کہ جو کچھ ہمارے گھر میں ہے نکال لاؤ۔ اور جو کچھ تھا اُسے خُدا کی راہ میں دے دیا۔ غربا سے محبت آپ کی فطرت میں تھی۔ یتیموں بیکسوں۔ بیواؤں کی آپ جائے پناہ تھے۔ اور یہ بات بچپن سے آپ کی طبیعت میں تھی۔ غریبوں ضعیفوں اور ناتوانوں کا ایسا کوئی ہمدرد پیدا نہیں ہوا۔ آپ فرمایا کرتے تھے انا و کافل الیتیم کھاتین۔ جو شخص یتیم کی خبر گیری کرتا ہے۔ وہ میرے ساتھ اس طرح ملا ہوا ہے جس طرح انگلی سے انگلی۔ قرآن شریف میں ایک سورت میں ہے کہ جو شخص یتیم کو دھتکارتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ وہ دین کو جھٹلاتا ہے۔ قرآن شریف یتیموں اور ناتوانوں مسکینوں کی ہمدردی کے قوانین سے بھرا پڑا ہے۔ آپ پر جو بڑی سے بڑی مصیبت آتی آپ اسے آسانی سے برداشت کر لیتے۔ مگر دوسروں کی مصیبت پر آپ کا دل بہت پگھلتا تھا جس شخص پر ظلم ہوتا دیکھا اسی کی حمایت میں آپ کھڑے ہو گئے۔ بچوں اور عورتوں کے حقوق آپ نے مردوں پر قائم کئے۔ غلام کے حقوق آقا پر قائم کئے۔ محکوم کے حقوق حاکم پر قائم کئے۔ رعایا کے حقوق بادشاہ پر قائم کئے۔ عجیب دل خدا نے آپ کے سینے میں دیا تھا کہ جس میں مخلوقِ خدا کی ہمدردی جوش مار مار کر پھوٹتی تھی۔ بچوں سے آپ کو بڑی محبت تھی۔ راستے چلتے چلتے بچوں کو پیار کرتے کسی دوست کی بیماری کا حال سنتے تو خود عیادت کے لئے جاتے اور تسلی دیتے۔ کوئی فوت ہو جاتا تو جنازہ کے ساتھ جاتے۔ (ماخوذ)

* * * * *

"مصیبت کی برداشت کے لئے نماز کا اور صبر کا سہارا پکڑو۔"

"اللہ کی نعمتوں کا شکر کرنا واجب ہے اور شکر کا بہترین طریقہ نماز ہے۔"

گاہے گاہے باز خواں

حضرت امیر مرحوم

آج دنیا میں پھر ظلم و فساد کا دور دورہ ہے، نفس پرستی بندوں کو خدا سے دور لے جا رہی ہے،

سخت ترین تاریکی کا زمانہ

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے جو حالت فساد کی دنیا میں پیدا ہوئی وہ آج تمام دنیا میں مسلم ہے کہ وہ زمانہ ایک سخت ترین تاریکی کا زمانہ نظر آتا ہے۔ شرک۔ بُت پرستی۔ توہم پرستی۔ یہ تو خیر عقائد سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں مگر اعمال کے رنگ میں دنیا بدترین حالت تک پہنچ چکی تھی ظلم اور استبداد کا دور دورہ تھا۔ کمزوروں اور غریبوں کے حق کو دنیا میں پہچانا نہیں جاتا تھا اس کے لئے دلوں میں درد پیدا نہ ہوتا تھا۔ بلکہ طاقتور اور دولت مند جہاں تک ممکن تھا غریبوں اور بے کسوں پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے۔ اور یہ حالت ساری دنیا کی تھی۔ اخلاق کی پستی اور فواحش کا ارتکاب کھلا نظر آتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا اور خدا کے درمیان کوئی بڑا سخت پردہ حائل ہو گیا ہے اور دُنیا خدا سے دُور بھاگی جا رہی ہے۔

حضرت نبی کریم صلعم کا پیدا کردہ انقلاب

اس وقت اللہ تعالےٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور وہ ایک شخص پر اپنی رُوح نازل فرما کر دنیا کی ان بیماریوں کا علاج کرتا ہے کس قدر زبردست انقلاب ہے جو محض اللہ تعالےٰ کی اس رُوح کے نزول کی وجہ سے پیدا ہوا۔ کون سی طاقت ایسی تھی جو ان بدیوں کا علاج کر سکتی۔ صرف وہ رُوح جو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس نے آہستہ آہستہ اوّل ملک عرب میں اور اس کے بعد اس کے ذریعے تمام دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔

توحید کا شور بلند ہو گیا۔ ظلم اور استبداد کی جگہ رحم اور غریبوں اور بے کسوں کی حق رسی نے لے لی طاقتور اور کمزور کو یکساں کر دیا گیا۔ دولت مند اور غریب میں فرق مٹا دیا گیا۔ بڑا عظیم الشان انقلاب ہے۔

پیغمبر یا مصلح کی رُوح اس کے پیروؤں میں سرایت کر جاتی ہے:

پھر وہ انسان اور دیگر اسی قسم کے انسان جن پر خدا کی رُوح نازل ہوتی ہے۔ وہ آخر انسان ہوتے ہیں۔ اپنی زندگی کا پیمانہ ختم کر کے اپنے مولا کی طرف چلے جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ رُوح جو پیغمبر یا مصلح پر نازل ہوتی ہے۔ وہی رُوح اگر اس کی اُمت کے اندر سرایت نہ کر جائے تو پھر بھی کام نہیں چل سکتا سو وہ رُوح ان کے پیروؤں کے اندر سرایت کر جاتی ہے۔

ظلم و استبداد کو مٹانا مذہب کی ایک بھاری غرض ہے۔

میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا ایک چھوٹا سا خطبہ ہے جو نہایت جامع ہے۔ اسی خطبہ میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ :-

"تم میں سے قوی تر انسان میرے نزدیک کمزور ترین ہے یہاں تک کہ میں وہ حق جو اس کے ذمہ ہے اس سے لے لوں اور تم میں سے کمزور ترین انسان میرے نزدیک قوی ترین ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے دلا دوں۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جہاں خدا کا نام بلند کرتے تھے دوسری طرف استبداد اور ظلم کو مٹاتے بھی تھے۔ یہ الفاظ بتلاتے ہیں کہ دنیا میں استبداد کا دور دورہ نہ رہنے کو مذہب کی عظیم الشان اغراض میں سے ٹھہرایا۔

صحابہ رضؓ کے ذریعہ یہ رُوح تمام دنیا میں پھیلی نیکی کا دور دورہ شروع ہوا۔ اور صرف مسلمانوں پر نہیں بلکہ غیر مسلموں پر بھی اس کا اثر ہوا۔ اسلام کی پاکیزہ تعلیم غیر مسلموں پر بھی اثر کر گئی۔

آج پھر ظلم و فساد کا دور دورہ ہے۔

ظہر الفساد فی البّر و البحر۔ آج پھر ہم کو اسی کا نظارہ نظر آتا ہے۔ کہا جائے گا کہ آج کی دنیا میں شرک نہیں۔ بُت پرستی نہیں۔ ممکن ہے کہ آج پتھروں کے بنائے ہوئے بُتوں کی پوجا نہ ہو مگر یہ سچ ہے کہ آج بھی شرک اور بُت پرستی عام ہے۔ کہیں ملک اور وطن بت بنا ہوا ہے۔ کہیں طاقت بُت بنی ہوئی ہے۔ کہیں مال اور دولت بت بنا ہوا ہے۔ یہ بُت ہیں جن کی آج پوجا ہو رہی ہے۔ اور وہ یورپ کی مادی تہذیب۔ وہ کیا چیز ہے۔ وہ درحقیقت ان تمام بُتوں کی پوجا ہے خدا کی عبادت چھوڑ کر۔ اس کا نتیجہ آج ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ آج دنیا میں پھر ایک طرف شرک پھیلا ہوا ہے تو دُوسری طرف ظلم کا دور دورہ ہے۔

مسلمان سب سے زیادہ کسمپرسی کی حالت میں ہیں

طاقتور کمزور کو کھانے اور دولت مند غریب کا خون چوسنے کے لئے تیار ہیں۔ دنیا میں یہ آپ کو صاف نظر آجائے گا۔ ہاں یہ بھی نظر آتا ہے کہ اس ظلم اور استبداد کے دور دورہ میں مسلمان سب سے بڑھ کر کسمپرسی کی حالت میں ہیں۔ یہ کیوں ہے ؟ بما کسبت ایدی النّاس۔ خدا ظلم نہیں کرتا مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے ہاتھوں سے کیا ہے۔ اور اسی کا نتیجہ آج بھگت رہے ہیں۔

اسلام کا بے مثال کارنامہ —— عالمگیر برادری بنائی

مسلمانوں کی ایک برادری بنائی گئی تھی اور یہ برادری کا بنانا۔ ایک عالمگیر برادری کا بنانا اسلام کے عظیم الشان کارناموں میں سے تھا۔ ملک، زبان، رنگ، نسل، جن سے کوئی برادری بن سکتی تھی۔ ان سب حد بندیوں کو توڑ کر ایک وسیع اخوت کا سلسلہ قائم کیا گیا۔ جو مشرق، مغرب، شمال، جنوب، کالے اور گورے میں غرضیکہ ہر جگہ پھیل گیا۔

مسلمانوں کی بربادی کا سبب نفاق ہے

مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں سے اس عالمگیر اور شاندار اخوّت کو توڑا۔ اور اس کا نتیجہ کیا ہوا ؟ جب مسلمان، مسلمان کا خبر گیر نہ رہا تو اس کو کھانے کے لئے دنیا کی قومیں دوڑنے لگیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے :-

"وقت آئے گا کہ دُنیا کی قومیں مسلمانوں کو اس طرح کھانے کو دوڑیں گی جیسے بھوکے شوربے کے پیالے کی طرف دوڑتے ہیں۔"

آج اگر دُنیا کے مُسلمان اتنا ہی عزم کر لیں کہ ہم اور کسی رنگ میں مقابلہ نہیں کر سکتے تو ایسے ظالموں کی تجارت کو فروغ نہیں ہونے دیں گے۔ آخر دنیا کے ۵۰، ۶۰ کروڑ انسان یہ ارادہ کر لیں تو آپ جانتے ہیں کہ اس تجارت پر کتنا اثر پڑے گا۔ مگر افسوس اول تو مسلمان کو اس طرف توجہ ہی نہیں اور اگر توجہ دلائی بھی جائے تو ان میں قوتِ عمل نہیں ہے۔ دو دن شور ہو گا اور پھر بس۔ لیکن اگر ایک دفعہ مسلمان عزم کر لیں تو بڑی سے بڑی طاقت کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ زندہ قوم ہے۔ اسے چھیڑنا مفید نہیں۔ مسلمان مسلمان کی حمایت کے لئے اُٹھے۔ مگر کیسے اُٹھے اسے تو گھر کے جھگڑوں سے ہی فرصت

(بقیہ صفحہ ۳ کالم ۱، ۲)

مذاکرہ علمیہ

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد

وحی کے نزول کی کیفیت از روئے قرآن کریم و سائنس

انسانی وحی کی تعریف اور تشریح قرآن کریم میں

قرآن کریم ایسی مفصّل کتاب ہے کہ اس نے کسی بھی اہم امر کو جس کا تعلق دینی یا روحانی علوم سے ہو صاف کئے بغیر نہیں چھوڑا۔ انسانی وحی کی تعریف اور تشریح ایسے صاف الفاظ میں خود فرما دی ہے کہ ان کی موجودگی میں سرسیّد مرحوم یا اُن کے ہم خیال لوگوں کا وحی الٰہی کو محض انسانی فطرت کی ہدایت جو اندر سے اُٹھتی ہے قرار دینا کم سے کم میری سمجھ سے تو باہر اور بڑی جرأت ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں صاف بتلا دیا ہے کہ وحی الٰہی مکالمہ الٰہیہ کا نام ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وما کان لبشرٍ ان یکلمہ اللہ الا وحیًا او من ورآئ حجاب او یرسل

رسولًا فیوحی باذنہ ما یشاءُ انہ علیٌ حکیم ۰

ترجمہ:۔ "اور کسی بشر کے لئے یہ میسّر نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے سوائے اس کے یہ وحی سے ہو یا پردہ کے پیچھے سے ہو یا رسول بھیجے پھر اللہ اپنے حکم سے جو چاہے وحی کرے وہ بلند و بالا حکمت والا ہے۔" (الشوریٰ ـ ۵۱)

یہاں صاف طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے ساتھ کلام کرتا ہے مگر تین صورتوں میں:۔

۱:۔ ایک وحی جس کے معنے یہاں بالاتفاق القاء فی الروع ہیں یعنی دل کے اندر ایک بات کا ڈالنا۔

۲:۔ دوسرا پردہ کے پیچھے سے یعنی اس کلام کا بولنے والا یا کوئی نظارہ دکھانے والا نظر نہیں آتا۔

۳:۔ تیسرے بذریعہ فرشتہ کے کلام کا خدا کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے۔

وحی ولایت اور وحی نبوّت

پہلی دو قسم وحی کی وحی ولایت کہلاتی ہے کیونکہ وہ ولی اور نبی دونوں میں مشترک ہے اور تیسری قسم وحی کی وحی نبوّت کہلاتی ہے۔ جو بذریعہ جبریل نازل ہوتی ہے اور انبیاء سے مخصوص ہے گویا یوں سمجھو کہ پہلی دو قسم کی وحی تو پرائیویٹ رنگ کی وحی ہے یعنی ہر ایک انسان کو یہ شرف میسّر ہے کہ اگر وہ نیکی اور تقوےٰ و طہارت میں ترقی کرے اور اپنے قلب کو اللہ تعالےٰ کے انوار کا جلوہ گاہ بنائے تو ان دو قسم کی وحی یا مکالمات الٰہیہ کے شرف سے ممتاز و مفتخر ہو سکتا ہے۔ مگر تیسری قسم وحی کی جسے وحی نبوت کہتے ہیں وہ سرکاری وحی ہے۔ کیونکہ نبوت ایک منصب ہے جس پر کسی بندہ کو جب سرفراز کیا جاتا ہے تو وہ علاوہ دیگر مکالمات الٰہیہ کے اُس پیغام کا بھی حامل ہوتا ہے۔ جو بذریعہ جبریل اس پر نازل کیا جاتا ہے اور جسے من وعن نسلِ انسانی کو پہنچانے کے لئے وہ بندہ مکلّف ہوتا ہے۔ یہ وحی الٰہی ان ہدایات پر مشتمل ہوتی ہے جسے انسانوں تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالےٰ اپنے کسی خاص بندہ کو منصب نبوت پر مامور کرتا ہے۔ اور اسی لئے اس کی حفاظت خاص طور پر کی جاتی ہے وہ بذریعہ جبریل نبی تک پہنچائی جاتی ہے کیونکہ وہ ایک شاہی فرمان ہوتا ہے۔ جسے نہایت حفاظت کے ساتھ بذریعہ پیغام بر کے نبی تک پہنچا دیا جانا ضروری ہے اور بعض دفعہ اُس فرمان کی عظمت و شان کے مطابق اس کے جلو میں فرشتوں کی ایک جماعت ہوتی ہے چنانچہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب سورۃ احقاف نازل ہوئی تو اس کے جلو میں ستّر ہزار فرشتہ ساتھ تھا۔

قلب انسانی اور نفس انسانی

قلب انسانی پر وحی الٰہی کے نزول کو جو مذکورہ بالا آئین رنگ میں بیان فرمایا ہے سائینٹفک رنگ میں سمجھنے کے لئے میں قلب انسانی اور اُس کے حواس ظاہری و باطنی کی تھوڑی سی تشریح کر دیتا ہوں۔ ایک تو نفس انسانی ہے۔ جسے موجودہ سائنس کے زمانہ میں EGO ایگو کہتے ہیں جو کچھ کر یہ کہتا ہے کہ میں ہوں۔ اور دُوسرے قلب ہوتا ہے جو حواس کے ذریعہ علم حاصل کر کے ہر ایک امر کو عقل کے ذریعہ تولتا سمجھتا اور پھر نفس کے آگے پیش کرتا ہے بمثال کے طور پر یُوں سمجھ لو کہ نفس ایک بادشاہ ہے اور قلب ایک وزیر کی حیثیت رکھتا ہے جو ہر ایک امر کو سوچ سمجھ کر عقل کے ترازو میں تول کر نفس کے آگے پیش کرتا ہے نفس اکثر طور پر تو اسی کے مطابق عمل کرتا ہے مگر جہاں وہ جذبات حیوانی سے مغلوب ہو جاتا ہے وہاں وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا اور عقل کو بالائے طاق رکھ کر حیوانیت کے افعال کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ مثلاً غصہ میں گالیاں دینا مارنا قتل کر دینا یا شہوات سے مغلوب ہو کر فسق و فجور کا مرتکب ہو جانا۔

قلب انسانی کے حواس ظاہری

قلب انسانی کو جو عقل و فہم ادراک شعور کا مرکز ہے علم دینے کے لئے اللہ تعالےٰ نے حواس ظاہری و باطنی عطا فرمائے جنہیں حواسِ خمسہ کہا جاتا ہے۔ لیکن موجودہ تحقیقات کے رُو سے وہ پانچ کے عدد میں محدود نہیں رہے بلکہ پانچ سے زائد ہیں۔ البتہ اُن میں پانچ بہت نمایاں ہیں اور آسانی سے سمجھے جا سکتے ہیں اور وہ یہ ہیں:ـــ

۱۔ باصرہ : دیکھنے کی حس ۔ ۲۔ سامعہ : سننے کی حس

۳۔ ذائقہ : چکھنے کی حس ۔ ۴۔ شامّہ : سونگھنے کی حس

۵۔ لامسہ : چھُونے کی حس

قلب انسانی کے حواس باطنی۔

جاننا چاہیئے کہ جس طرح یہ حواس خمسہ ظاہری طور پر انسان کے جسم میں ہیں اور جو اعضا اُن کے لئے مخصوص ہیں وہ ہیں آنکھ۔ کان۔ زبان۔ ناک اور جِلد۔ اسی طرح اور ٹھیک ان کے بالمقابل حواس خمسہ باطنی ہیں۔ یعنی اس ظاہری آنکھ۔۔۔ یعنی حس باصرہ کے بالمقابل ایک باطنی آنکھ یا حس باصرہ ہے جس کا مرکز دماغ میں ہے۔ اسی طرح ظاہری کان یعنی حس سامعہ کے بالمقابل ایک باطنی کان یا حسِ سامعہ ہے۔ ظاہری حواس ذائقہ۔ شامہ اور لامسہ کے بالمقابل باطنی حواس ذائقہ۔ شامہ اور لامسہ ہیں جن کا مرکز دماغ میں ہے۔

عالم ظاہر کے احساس کے لئے ظاہری حواس کے ساتھ باطنی حواس کی شمولیت ضروری ہے۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہی باطنی حواس اصل ہیں اور ان کے بالمقابل ظاہری حواس محض محرکات و تاثرات۔ عالمِ ظاہر کو حواسِ باطنی تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہیں۔ مثلاً آنکھ جو ایک چلتے ہوئے آدمی کو دیکھتی ہے۔ وہ محض ایک ذریعہ ہے۔ اس آدمی اور اس حرکت کو قلب کی باطنی آنکھ تک پہنچانے کا۔ دراصل یہ قلب کی آنکھ ہے جو دیکھتی ہے۔ ورنہ یہ ظاہری آنکھ بغیر قلب کی آنکھ کے شامل ہوئے دیکھنے سے قاصر رہتی ہے۔ آپ نے بہت دفعہ تجربہ کیا ہوگا کہ اگر ہم کسی خیال میں مستغرق ہوں تو کوئی شخص آنکھوں کے سامنے سے نکل جائے تو پتہ ہی نہیں لگتا کیونکہ قلب کی آنکھ اُس وقت اس ظاہری آنکھ کے ساتھ شامل نہیں ہوتی۔ اسی طرح بعض دفعہ لوگ قریب ہی باتیں کر رہے ہوتے ہیں اور ہم کسی خیال میں منہمک ہوں تو پتہ ہی نہیں لگتا کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ حالانکہ آواز کان کے پردہ پر برابر پڑتی رہتی ہے۔ وجہ یہی ہے کہ ہمارے قلب کا کان اُس وقت اس ظاہری کان کے ساتھ شامل نہیں ہوتا اسی طرح دُوسرے حواس کا حال ہے۔ جب تک قلب کے حواس جنہیں حواس باطنی کہا جاتا ہے ظاہری حواس کے ساتھ شامل نہ ہوں انسان کچھ بھی محسوس نہیں کرتا۔ پس حواس ظاہری عالم ظاہر کے محرکات و تاثرات

کو عالمِ باطن یعنی قلبِ انسانی کے حقیقی حواس تک پہنچانے کے لئے محض ذرائع یا دروازے ہیں۔ دیکھنے، سننے چکھنے، سونگھنے، چھونے کے احساسات کو محسوس کرنے والے درحقیقت وہ حواس باطنی ہیں جن کا مرکز قلب میں موجود ہے جو نظارہ یا آواز یا محرکاتِ حواس میں سے کوئی اور چیز عالمِ ظاہر میں رونما ہوگی ضروری ہے کہ قلبِ انسانی تک پہنچنے کے لئے وہ اُن حواسِ ظاہری کے دروازوں میں سے گزر کر حواسِ باطنی پر اثر ڈالے۔

عالمِ باطن کے احساس کے لئے ظاہری حواس کی شمولیت کی ضرورت نہیں ⁂

لیکن جو نظارہ یا آواز یا محرکاتِ حواس میں سے اور کوئی چیز عالمِ باطن میں رونما ہوا سے قلب تک پہنچنے کے لئے ان حواسِ ظاہری میں سے گزرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ براہِ راست قلب کے حواس کو تحریک دے گی۔ وہ اگر کوئی نظارہ ہے تو قلب کی آنکھ اُسے بغیر وساطت حواسِ ظاہری کے اسی طرح دیکھے گی جیسے وہ عالمِ ظاہر کے نظارہ کو دیکھتی ہے۔ اگر کوئی آواز ہے تو قلب کا کان اسے بغیر وساطت حواسِ ظاہری کے اسی طرح سنے گا جس طرح وہ عالمِ ظاہر کی آواز کو سنتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ عالمِ ظاہر کی چیزوں کو دیکھنے کے لئے قلب کی آنکھ کو ظاہری آنکھ میں سے جھانکنا پڑتا ہے۔ اور عالمِ ظاہر کی آواز کو سننے کے لئے اسے ظاہری کان میں سے سننا پڑتا ہے۔ لیکن جب کوئی نظارہ ہو ہی عالمِ باطن کا تو اس کا عالمِ ظاہر میں سے گزر کر آنا ایک بالکل بے معنی سی بات ہے۔ وہ تو براہِ راست قلب کی دیکھنے کی حس پر پڑے گا اور انسان اسے دیکھے گا۔ اسی طرح عالمِ باطن کی آواز کو عالمِ ظاہر میں سے گزر کر آنے کی ضرورت نہیں وہ براہِ راست قلب کے کان پر پڑے گی اور انسان اُسے سنے گا۔ اسی کو قرآنِ کریم نے فرمایا:۔

قل من کان عدواً لجبریل فانہ نزلہ علیٰ قلبک باذن اللہ۔

کہہ دے جو شخص جبریل کا دشمن ہے سو ہوا کرے۔ پس بے شک اُس نے اس قرآن کو تیرے قلب پر نازل کیا (البقرہ)

اس کے معنے یہی ہیں کہ جبریل کے نزول کا نظارہ اور قرآنِ کریم کی وحی کی آواز (جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا قلب دیکھتا اور سنتا تھا) تو اس کی یہی وجہ تھی کہ نظارہ اور آواز چونکہ عالمِ باطن سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے اسے عالمِ ظاہر میں سے حواسِ ظاہری میں سے ہوکر آنے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ ایسا کرنا تو ایک غیر حکیمانہ فعل ہوتا کہ خواہ مخواہ ایک چیز کو عالمِ باطن سے عالمِ ظاہر میں منتقل کیا جاتا اور پھر اُسے عالمِ باطن کی طرف لوٹایا جاتا۔ وجہ یہ کہ بہرحال کسی نظارہ کو دیکھنا یا آواز کا سننا تو قلب کے حواس سے تعلق رکھتا ہے۔ حواسِ ظاہری تو قلب کے حواس کے لئے محض دروازوں کا حکم رکھتے ہیں تو پھر جو راستہ نزدیک کا اور براہِ راست قلب سے تعلق رکھتا ہے اس کے لئے غلط رستہ کیوں استعمال کیا جاتا۔ جب عالمِ باطن کا تعلق قلب کے حواسِ باطنی سے براہِ راست ہے۔ اور حواسِ ظاہری عالمِ ظاہر کے تعلق کو قلب سے پیدا کرنے کے لئے محض دروازے کے طور پر ہیں تو پھر خواہ مخواہ عالمِ باطن کے نظاروں یا آوازوں کا عالمِ ظاہر کے دروازوں کی راہ اختیار کرنا بالکل بے معنی اور غیر حکیمانہ فعل ہے۔:

* * * * * * *

بقیہ کالم ۲ اسلامی سادگی اور کفایت شعاری

مایوس ہوکر چل پڑے ان کے اس طرح مایوس ہوکر لوٹنے پر آپ کو بہت ترس آیا۔ آپ نے فرمایا۔ تمہیں کچھ قرآن یاد ہے۔ عرض کیا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اس عورت کو کم سے کم چالیس آیات قرآن کی یاد کرا دو۔ انھوں نے منظور کر لیا۔ آپ نے عورت کی رضامندی کے ساتھ نکاح پڑھ دیا۔ اس واقعہ پر مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اس صحابی رضہ نے لوہے کا چھلا جو ایک پیسہ یا ایک آنہ کا ہوگا کسی سے قرض کیوں نہیں لے لیا۔ قرض لیکر نکاح کر لیتے یا آج کے زمانہ کے لوگوں کی طرح کہہ دیتے حضور جیئیں گے تو بھر دیں گے۔ جتنا مرضی چاہے مہر باندھ دو۔ لیکن اُنہوں نے قرض نہیں لیا۔ نکاح نہ کرنا منظور کر لیا۔ کیا ہم اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں؟

سیرتِ اسلاف

اسلامی سادگی اور کفایت شعاری

حضرت مولانا نورالدین مرحوم بھیرہ میں صحیح بخاری کا درس دے رہے تھے۔ حدیث شریف میں لکھا ہوا تھا کہ سود لینے والے اور سود دینے والے، سود لکھنے والے اور اُس پر گواہی دینے والے سب پر لعنت ہے اتفاق سے عین اس وقت بھیرہ کا ایک بہت بڑا ساہوکار جس کا کام ہی سود کے لین دین پر چلتا تھا اور ہزارہا روپے کا مالک تھا مسجد کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ سود کے متعلق تذکرہ سُن کر وہ مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ مذکورہ بالا حدیث سُن کر وہ چونکا۔ حضرت مولانا مرحوم سے کہنے لگا کیا سود دینا بھی حرام ہے؟ فرمایا۔ ہاں۔ کہنے لگا۔ اگر آپ کی لڑکی کا بیاہ ہو اور آپ کے پاس روپیہ نہ ہو تو کیا کرو؟ حضرت مولانا نے فرمایا۔ میں کبھی سود پر روپیہ نہ لوں گا بلکہ نہایت سادگی سے مسجد میں لڑکی کا نکاح پڑھ دوں گا۔ اسلام میں نکاح پر تو ایک پیسہ خرچ نہیں ہوتا جہیز حسبِ استطاعت ہوتا ہے۔ روپیہ نہیں تو جہیز بھی کوئی نہیں۔ اس پر وہ ساہوکار بولا۔ شادی تو خیر یوں گزر گئی اگر آپ کے ہاں موت ہو جائے تو کیا کرو گے؟ فرمانے لگے نہلا کر گڑھا کھود کر دفن کر دیں گے۔ کفن کے لئے پیسہ نہ ہوگا تو جن کپڑوں میں مردہ ہے اُنہی میں دفن کر دیں گے۔ اس پر ساہوکار بولا۔ اگر کھانے کو گھر میں نہ ہوگا تو کیا کرو گے؟ فرمانے لگے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤں گا سر پر گٹھا رکھ کر بیچوں گا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالوں گا مگر سودی قرضہ نہ لوں گا۔ اس پر لالہ جی بہت متاثر ہوتے کہنے لگے۔ مولوی صاحب! آپ کو جب کبھی روپے کی ضرورت ہو آپ مجھ سے لیں، میں کبھی آپ سے سود نہیں لوں گا۔ لیکن حضرت مولانا نے کبھی بھی اس سے قرضہ نہیں لیا۔ افسوس ہے مسلمان اپنے سید و مولیٰ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوہ حسنہ کو بھول گئے آپ پرلے درجے کے فیاض واقع ہوئے تھے۔ آپ کی فیاضی غربا اور حاجت مندوں پر ابر بہار کی طرح برستی تھی لیکن خود اپنی زندگی نہایت سادہ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضہ آپ کے حجرہ میں تشریف لے گئے تو دیکھا ایک کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں جس کے نشان آپ کے جسم مبارک پر پڑے ہوئے ہیں، ایک طرف مشکیزہ رکھا ہوا ہے اور ایک کونہ میں جَو کا چھوٹا سا ڈھیر ہے بس ختم! یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب آپ کل عرب کے بادشاہ بن چکے تھے۔ آپ کی غذا نہایت سادہ تھی۔ یہ بہت پسند تھا کہ ہانڈی میں پانی ڈال کر سالن کو پتلا کر کے اس میں غریب ہمسایوں کو شامل کر لیا جائے۔ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ حضورؐ کے نواسے تھے۔ جوان ہونے پر ایک بزرگ صحابیہ سے فرمائش کی کہ ہمیں وہ کھانا پکا کر دو جو ہمارے نانا حضرت رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کھایا کرتے تھے۔ وہ ہنسنے لگیں کہنے لگیں کہ وہ تم کھا نہیں سکتے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ نہیں ضرور پکاؤ۔ پکایا تو سچ مچ وہ کھا نہ سکے۔ کیونکہ نہایت ہی سادہ اور سب چیزیں ملی جلی ایک ہی جگہ پکی ہوئی تھیں۔ آپ نے نکاح بھی کیا تو اس میں بھی کوئی تکلف کبھی نہیں کیا۔ ایک دفعہ دعوتِ ولیمہ کے لئے کچھ نہ تھا۔ تو سب اصحاب کو کہہ دیا کہ اپنے اپنے گھر سے کھانا لے آؤ۔ آپ بھی اور وہ سب بھی اپنے اپنے گھر سے کھانا لے آئے تو سب نے مل کر کھا لیا۔ آپ کی صاحبزادی حضرت زینب فوت ہوئیں تو کفن کے لئے کچھ نہ تھا۔ فرمایا۔ میری تہہ بند میں لپیٹ کر قبر میں رکھ دو۔ یہی حال صحابہ رضہ کی زندگی کی سادگی کا تھا جس کی مثالوں سے اسلامی تاریخ بھری ہوئی ہے لیکن ایک واقعہ سے مجھے بہت تعجب ہوا کرتا ہے وہ یہ ایک دفعہ ایک عورت نکاح کے لئے حاضر ہوئی آپ نے صحابہؓ سے دریافت کیا کسی کو نکاح کی ضرورت ہے۔ کسی کو نکاح کی ضرورت نہ تھی۔ سوائے ایک مفلس اور نادار صحابی کے جو صرف ایک تہہ بند باندھے ہوئے تھے۔ بدن میں کرتا بھی نہ تھا۔ آپ نے فرمایا مہر میں کیا دو گے؟ عرض کیا کہ حضور میرے پاس تو اس تہہ بند کے سوا کچھ بھی نہیں فرمایا۔ جاؤ ایک لوہے کا چھلا لے آؤ۔ وہ تھوڑی دیر بعد واپس آئے تو عرض کیا کہ حضورؐ میں تو تلاش کر آیا۔ میرے گھر تو لوہے کا چھلا بھی نہیں۔ آپ نے نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر وہ صحابی نہایت

(بقیہ کالم ۲)

رمضان اور اس کی برکات کے ذکر میں!

ارشادِ باری تعالےٰ ہے:۔ انی قریب

"میرے بندو میں تم سے بہت قریب ہوں۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ کوئی مجھے پکارے میں دعا کو قبول کرتا ہوں"۔ اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں "رمضان آتا ہے تو رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔" یہ ایک حقیقت تھی جس پر ہمارے ہادیؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کی زندگیاں گواہ ہیں۔

اور آج یہ ایک قصہ ہے

اسلئے کہ ہمارے دلوں میں خدا کے لئے تڑپ پیدا نہیں ہوتی ہمارے جسم خدا کے آگے گرتے ہیں مگر دل نہیں گرتے اور دعا دل میں تڑپ پیدا ہونے کا نام ہے آیئے اس رمضان میں ہم لوگوں کے ظلموں پر نہیں اپنے ظلم پر آنسو بہائیں کہ اے خدا ہم نے تیری قدر نہیں کی تیرے کلام کی قدر نہیں کی ہم نے تیرے پیغام کو چھپا کر رکھا ہوا ہے ہم نہیں چاہتے کہ ہماری زندگیاں تیرے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کیلئے وقف ہوں نہیں چاہتے کہ ہمارے مال تیرے پیغام کو دنیا میں پہنچانے میں صرف ہوں اس کام کو کرتے ہیں جن پر تیری طرف سے لعنت کا کھلا وعید ہے

اولئك یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون اولئك علیھم لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین

اور آس یہ لگائے بیٹھے ہیں۔ تیری رحمت کے دروازے ہم پر کھل جائیں۔ منہ سے کہتے ہیں کہ تو ہم سے قریب ہے مگر دل تجھ سے اتنی دور ہیں کہ اس سے دور تر کوئی چیز نہیں۔ ہمارے ماتھے تیری دہلیز پر ہوتے ہیں جہاں جنت ملنی چاہیئے اور دل جمع مالا وعددہ یحسب ان مالہ اخلدہ کا ورد کر رہے ہوتے ہیں۔ زبان پر یہ ہوتا ہے۔ ہم تیرے غلام ہیں انا عبدك اور جو ہمارا مال ہے وہ ہمارا مال نہیں وہ تیرا مال ہے۔ اور دل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنے کے لئے چند کوڑیاں خرچ کرنی پڑیں تو وہ ہمیں پہاڑ نظر آتا ہے اور ہم جھوٹے بہانے بنا کر ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ ہمارا مال ہم سے جدا نہ ہو۔ اے خدا تو اس جھوٹی زندگی سے ہمیں باہر نکال ہم زمین پر رات کی خاموشی میں ماتھا رکھتے ہیں تو وہاں سے ہمیں یہ آواز آتی ہے کہ: "تو نے اپنے ریاکاری کے سجدوں سے مجھے ناپاک کر دیا" اے خدا تو ہمیں اپنی جناب میں سجدہ کرنے کی توفیق دے ہمیں اپنا غلام بنالے کہ ہمیں تیرا نام دنیا میں بلند کرنے کے سوائے کوئی فکر نہ ہو اور تو ہمارا رب بن جا کہ تیری توجہ امت محمدیہ کو دنیا میں سربلند کرنے کی طرف ہو جائے۔

خاکسار:۔ محمد علی (حضرت امیر قوم مرحوم)

یاایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ○

روزہ تمام انبیاءؑ اور صلحاءؒ کی تجربہ کردہ عبادت ہے

حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ

"یاایھا الذین اٰمنوا (وقفہ) کتب علیکم الصیام (وقفہ) کما کتب علی الذین من قبلکم (وقفہ) اور پھر لعلکم تتقون۔"

اس آیت میں چار مضمون ہیں پہلا مضمون یہ ہے کہ یاایھا الذین اٰمنوا۔ اے ہمارے دوستو! جنہوں نے ہمیں مان لیا ہے اور جو ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے ہو ہم تم سے ایسی بات کہنا چاہتے ہیں جس میں تمہاری بھلائی ہے۔ یہ پہلا حصہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہمیں قوم کو، جماعت کو، کسی فرد کو، بیٹے کو، اور بیٹی کو کس طرح مخاطب کرنا چاہئیے۔ دیکھئیے خدا زمین و آسمان کا بادشاہ ہے اور اپنی ذات میں غنی ہے۔ کوئی حاجت نہیں رکھتا۔ باوجود اس شان و شوکت اور کبریائی کے ہمیں یوں مخاطب فرماتا ہے۔ کہ اے ہماری ہستی کے ماننے والو اور ہمارے پیغمبرؐ کی رسالت پر ایمان لانے والو! یہ فرما کر زمین و آسمان کے بادشاہ نے ہم عاجز بندوں سے تعلق جوڑا ہے۔ پھر ایک بات کہی ہے:۔

وہ بات یہ ہے:۔ کتب علیکم الصیام۔ ہم نے روزے رکھنا تم پر فرض قرار دیا ہے۔ یہ عبادت شاقہ ہے۔ اس میں مشقت ہے۔ اس کو نرم کرنے اور بندوں کو تیار کرنے کے لئے اپنا تعلق جتلایا ہے۔ کہ ہمارا تمہارا تعلق ہے۔ ہم بادشاہ ہیں۔ تم مخلوق ہو اور مربوب ہو۔ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اور ہم نے تمہاری معیشت کے وہ سامان پیدا کئے ہیں جو تمہارے جسموں کے لئے ضروری ہیں۔ ہم تمہاری روحانی تربیت کے لئے ایک بات کہتے ہیں۔ بظاہر اس کے اندر مشقت نظر آتی ہے لیکن یہ نہایت مفید ہے۔ اور اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔

کما کتب علی الذین من قبلکم۔ تم سے پہلے جس قدر انبیاءؑ آئے اور جس قدر قوموں کے رہنما پیدا ہوئے ان سب نے روزے رکھے ہیں۔ اور اس عبادت شاقہ کا تجربہ کیا ہے۔ انہوں نے اس کو مفید پایا ہے ہمیشہ تجربہ شدہ چیز پر یقین کیا جاتا ہے۔ کہ یہ ہمارے لئے بھی مفید ثابت ہوگی۔

میرے دیکھنے کی بات ہے۔ ڈاکٹر ایک ننھے سے بچے کو ٹیکا لگا رہا تھا۔ وہ روتا اور چلاتا تھا۔ مگر ڈاکٹر نے اس کی پرواہ نہ کی اور ٹیکا لگا دیا۔ اس کو دلاسا دیا کہ ڈرو نہیں اس سے تکلیف نہیں ہوگی تمہیں آرام ہو جائے گا معلوم ہوا کہ تجربہ شدہ چیز پر عمل کرنے کے لئے انسان تیار ہو جاتا ہے اگرچہ وہ کسی قدر ناگوار یا تھوڑی سی تکلیف کا موجب ہو۔ یہی بات روزہ کے متعلق فرمائی کہ روزہ اور اس کی افادیت تجربہ شدہ ہے۔

اقوام سابقہ کے تمام انبیاءؑ اور پیشرؤوں نے روزے رکھے ہیں۔ اس کی افادیت یہ ہے کہ اس سے قرب الٰہی میسر آتا ہے۔ فرمایا کہ اسی افادیت کی وجہ سے تم پر روزے رکھنا فرض قرار دئیے ہیں لعلکم تتقون تم اس سے متقی ہو جاؤ گے۔ یعنی خدا خوف اور خادم مخلوق بن جاؤ گے۔

قرآن کریم بار بار اور کئی رنگوں میں بیان فرماتا ہے کہ اسلام دین واحد ہے جس کی تلقین تمام انبیاءؑ نے کی ہے ایک جگہ فرمایا:۔ مصدق لما بین ایدیھم اور فرمایا ولقد وصینا الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ۔ ہم نے تم سے پہلے لوگوں کو بھی جنہیں کتاب دی گئی وصیت کی تھی اور یہی وصیت تمہیں بھی کی ہے۔ کہ اللہ کا تقوٰے اختیار کرو۔ اور فرمایا ولقد اوحینا الیک کما اوحینا الیٰ نوح والنبیین من بعدہٖ۔ اسی طرح کما کتب علی الذین من قبلکم میں بھی ظاہر فرمایا ہے، روزہ رکھنا ہر نبی نے سکھایا ہے۔ غرض اصول دین ایک سا ہے اور دین اسلام انہی چیزوں کی تلقین کرتا ہے جن کی تلقین پہلے انبیاء کرامؑ نے کی ہے۔

روزہ کی غرض کیا ہے؟ بغیر غرض کے کوئی بادشاہ حکم جاری نہیں کرتا۔ روزہ کی غرض ہے لعلکم تتقون۔ ہم تقوے کی راہ سکھانا چاہتے ہیں۔ تم یہ یقین کر کے کہ خدا ہم کو ہر جگہ اور ہر وقت دیکھتا ہے اس کے حکم سے کھانا پینا چھوڑ دیتے ہو۔ سردی کے موسم میں سارا دن چائے تک نہیں پیتے۔ گرمی کے موسم میں برف کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔ سوڈا واٹر لیمونیڈ۔ ٹھنڈا پانی بھی استعمال نہیں کرتے کیونکہ یقین ہے کہ خدا دیکھتا ہے۔ چھ سات سال کے بچے جب روزہ رکھتے ہیں۔ ماں باپ کو عصر کے وقت فکر ہو جاتی ہے کہ بچہ بھوکا رہے۔ کچھ کھا پی لے۔ پیسے دیتے ہیں کہ جاؤ بازار کی سیر کر آؤ۔ مگر وہ کچھ خرید کر کھانے پینے کے بغیر واپس لے آتا ہے۔ وہ روزہ کو توڑ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اسی یقین سے قرب الٰہی میسر آتا ہے۔

انسان کی کچھ خواہشات، کچھ ضروریات ہیں۔ اور کچھ حیوانی خواہشات ہیں۔ لیکن روزہ میں خدا کے حکم کو سامنے رکھتے ہوئے وہ اپنی تمام خواہشات کو ٹھکرا دیتا ہے۔ اور حلال طیب چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ مہینہ بھر پریکٹس کی جاتی ہے کہ خدا کے حکم سے فلاں وقت سحری کھاؤ اور فلاں وقت افطار کرو۔ مہینے بھر کی مشقت سے ایمان و عمل کے نقوش دل پر ثبت ہو جاتے ہیں اور ایسا کرنے سے تقوے کا سبق اچھی طرح سے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

تقوٰے کیا ہے؟ انسان کے دل میں یہ نقش پکا ہو جائے کہ خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے اس کے حکم کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ اور جس بات سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس سے رکنا ہے۔ ان لا یراک مولاک حیث نہاک۔ تقوٰے یہ ہے کہ تمہارا خدا تمہیں وہاں نہ دیکھے جہاں جانے سے اس نے منع کیا ہے۔ اس مجلس میں نہ جائے جہاں جانے سے خدا کے حکم کی نافرمانی ہوتی ہے۔ یعنے تقوٰے خدا کی رضا حاصل کرنے کا سبق دیتا ہے۔ اور جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس سے اجتناب کرنے کو کہتا ہے۔ ڈاکٹر اور طبیب کہتے ہیں کہ فلاں چیز نہ کھاؤ۔ اس لئے کہ وہ مضر ہے تو ہم اس سے اجتناب کرتے ہیں اور ہمارا مولا کہتا ہے کہ گناہ کی زندگی سے کنارہ کش رہو کیونکہ اس سے صحت برباد ہوتی ہے۔ روپیہ ضائع ہوتا ہے اور عزت برباد ہو جاتی ہے۔

روزہ کا مقصد بڑا بلند ہے۔ اس سے بدیوں اور برائیوں سے انسان بچ جاتا ہے۔ اس کو طہارت و تزکیہ حاصل ہوتا ہے جس سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ سابقہ اقوام کے انبیاء نے بھی روزہ رکھا ہے۔ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی روزے رکھے ہیں۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راتوں کو خدا کے حضور میں قیام فرمایا۔ ساری عمر آپ نے قیام فرمایا۔ جب نادار تھے تب بھی روزے رکھتے تھے۔ رات کو اٹھتے اور اپنا وقت ذکر الٰہی میں گزارتے تھے۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب آپؐ بادشاہ ہو گئے۔ عام طور پر یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی کو بادشاہت یا کوئی بڑا عہدہ و اقتدار مل جائے تو وہ غافل اور آرام طلب ہو جاتا ہے خدا کو بھول جاتا ہے لیکن حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر آخری دن تک تہجد پڑھتے رہے اور اس قدر لمبا قیام فرماتے کہ حضرت عائشہ رضہ کا بیان ہے کہ آپؐ کے پاؤں سوج جاتے۔ حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ ایک رات میرے ہاں قیام کیا۔ پچھلی رات اٹھے مشکیزہ سے پانی لے کر وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ فجعل یبکی اور سجدہ میں رونا شروع کر دیا۔ پھر قیام کیا۔ اور پھر سجدہ میں رونے لگ گئے۔ یہاں تک کہ زمین آپؐ کے آنسوؤں سے تر ہو گئی ظاہر ہوا کہ آپؐ بادشاہ ہو کر بھی عبادت الٰہی سے غافل نہ ہوئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا جہان کے بادشاہوں کے لئے نمونہ ہیں حضورؐ کے نقش قدم پر چل کر امت میں اولیاءؒ، مجددؒ، غوثؒ و قطبؒ پیدا ہوئے۔

اس زمانہ کے مجدد صد چہاردہم نے بھی روزے رکھے ہیں۔ راتوں کو جاگے ہیں۔ قیام فرمایا ہے

ذکر الٰہی میں مصروف رہے ہیں۔ حضرت صاحب نے ریاضت کی ہے۔ روزے رکھے ہیں عبادت کی ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلعم کی متابعت کی ہے۔ تمام صلحاء امت نے ریاضتیں کی ہیں روزے رکھے ہیں۔ اس ریاضت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: ہم تمہیں مشقت کی زندگی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ضروری سمجھتے ہیں اگر تم پارس اور سونا بننا چاہتے ہو تو گناہ کی زندگی ختم کر کے روزہ کی مشقت اٹھاؤ۔

دُعا کیوں کی جاتی ہے؟ سو اس کی تحقیق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہر ایک مقدر میں قانون قدیم یہی ہے کہ اگرچہ اس نے ہر امر کے بارے میں جو انسان کے مقسوم میں ہے اسی کا حاصل ہونا مقدر کر دیا ہے لیکن اس کے حاصل کرنے کے طریق بھی ساتھ ہی رکھے ہیں اور قانون الٰہی تمام اشیاء میں جاری اور ساری ہے۔ جو شخص مثلاً پیاس بجھانا چاہے اس کو لازم پڑا ہوا ہے کہ پانی پیوے۔ اور جو شخص روشنی کو ڈھونڈھتا ہے اس کو مناسب حال یہ ہے کہ آفتاب کے سامنے آوے اور اندھیری کوٹھڑی میں بیٹھا نہ رہے۔ اسی طرح دُعا اور صدقات اور خیرات اور دیگر اعمال صالحہ کو شرط حصول مرادات ٹھہرا رکھا ہے اور جیسے ابتداء سے کسی چیز کا حصول مقدر ہوتا ہے ساتھ ہی اس کے یہ بھی مقدر ہوتا ہے کہ وہ دُعا یا صدقہ وغیرہ بجا لائے گا۔ تو وہ چیز اس کو حاصل ہوگی پس جس شخص کا مطلب روز ازل میں دُعا پر موقوف کر رکھا ہے سو اگر تقدیر مبرم اس کے حق میں یہ ہے کہ اس کا مطلب حاصل ہو جائے گا تو ساتھ ہی اس کے حق میں یہ بھی تقدیر مبرم ہے کہ وہ دُعا بھی ضرور کرے گا۔ اور ممکن نہیں وہ دُعا سے رک جائے۔ تقدیر مبرم پوری ہو کر رہے گی۔ اور بہر حال اس کو دُعا کرنی پڑے گی: اور دُعا میں ضرور نہیں کہ صرف زبان ہی سے کرے بلکہ دُعا دل کی اس عاجزانہ التجا کا نام ہے کہ جب دل نہایت ہی بے قرار اور مضطرب ہو کر روبخدا ہو جاتا ہے اور جس بلا کو آپ دور نہیں کر سکتا اس کا دور ہونا طاقت الوہیت سے چاہتا ہے۔ پس حقیقت میں دُعا انسان کے لئے ایک طبعی امر ہے۔ جو اس کی سرشت میں ہے یہاں تک کہ شیر خوار بچہ بھی اپنی گرسنگی کی حالت میں گریہ و زاری سے اپنا انداز ایسا بنا لیتا ہے کہ جس کو عین دُعا کی حالت کہنا ہے۔ غرض بذریعہ دُعا کے خدا سے مدد ڈھونڈنا کوئی بناوٹ کی بات نہیں بلکہ یہ فطرتی امر ہے اور قوانین متعینہ مقررہ میں سے ہے۔ جو شخص دُعا کی توفیق دیا جاتا ہے۔ اس کے حق میں قبولیت اور اجابت بھی مقدر ہوتی ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ اسی صورت میں اجابت ہو۔ کیونکہ ممکن ہے کہ انسان کسی مطلب کے مانگنے میں غلطی کرے۔ جیسے بچہ کبھی سانپ کو پکڑنا چاہتا ہے اور والدہ مہربان جانتی ہے کہ سانپ کے پکڑنے میں اس کی ہلاکت ہے۔ پس وہ بجائے سانپ کے کوئی خوبصورت کھلونا اس کو دے دیتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دعا کا مانگنا مقدرات ازلیہ میں سے ہے اور اسی جہت سے انسان بالطبع نزول حوادث کے وقت دُعا کی طرف جھک جاتا ہے۔ اور عارفین کا ذاتی تجربہ ہے کہ جو دُعا مانگتا ہے اس کو ملتا ہے۔ ہر ایک زمانہ میں خدا کے مقبولین کی دُعا کے ذریعہ سے عجیب طوروں پر مشکل کشائیاں کی ہیں اور اپنے فضلوں کو منکشف کیا ہے۔ بعض لوگ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔ اور اس کی اصلیت یہ ہے کہ حکیم مطلق نے مقدر کیا ہوتا ہے کہ بہت سے اہل حاجات ان کی دُعاؤں سے اپنے مطلب کو پہنچ گئے۔ سو اہل حاجات اس شخص مستجاب الدعوات کو آ ملتے ہیں۔ اور امر مقدر پورا ہو جاتا ہے۔ سو مستجاب الدعوات کی طرف جھکنا ایک نیک فال ہے کیونکہ غالباً جو شخص مستجاب الدعوات کی طرف آیا ہے اور اس کی طرف میل کرنا اس کو توفیق دیا گیا ہے۔ وہ انہی لوگوں میں سے ہوگا کہ جن کے حق میں قلم ازلی نے کامیاب ہونا اس کی دُعا سے لکھا ہے مگر یہ بات نہیں کہ جو مستجاب الدعوات مانگتا ہے۔ وہ بعینہٖ پورا ہو جائے۔ اس کی وجہ پہلے لکھ چکا ہوں۔

احباب برطانیہ میں خیریت سے ہیں۔

محترمہ صدر صاحبہ جماعت U.K. لاہور نے لندن سے اطلاع دی ہے کہ بحالت تمام احباب جو لندن۔ یا انگلستان کے دوسرے شہروں میں مقیم ہیں خیر و عافیت سے ہیں۔ احباب سلسلہ اپنے ان بھائیوں کو رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں تاکہ وہ موجودہ ہنگاموں سے محفوظ رہیں۔

اخبارِ احمدیہ

- حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدرالدین ایدہ اللہ تعالیٰ خیریت سے ہیں۔ احباب کرام حضرت موصوف کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے دُعا فرماتے رہیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی ابھی تک بیرون ملک دورہ پر ہیں اور ہالینڈ و انگلینڈ میں حضرت کی پُربرکت مجالس وعظ و تلقین اور رشد و ہدایت کے بعد اب آپ دیگر جماعتوں میں تشریف لے جا چکے ہیں۔ آپ کے جانے سے جماعتوں میں خدمت دین کا نیا جوش، نئی روح اور نیا ولولہ ابھرتا ہے۔ ہر جگہ احباب سلسلہ اس چشمۂ صافی سے اپنی روحانی پیاس بجھاتے ہیں۔ دیگر متلاشیان حق بھی آپ سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ قبولیت دُعا کے ان خصوصی ایام میں احباب بڑے عجز اور اضطرار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور جھکیں اور اس مرد حق آگاہ کے خدمت اسلام اور اشاعت قرآن کے کاموں میں نمایاں کامیابیوں کے لئے دُعا مانگیں۔
- راولپنڈی سے جناب فخرالدین احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

سالہائے ماسابق کی طرح امسال بھی مسجد مبارک راولپنڈی میں نماز تراویح باجماعت ادا کی جا رہی ہے۔ مولانا عبدالرحمان صاحب ہر شب باقاعدگی سے قرآن کریم سناتے ہیں۔ انشاءاللہ ۲۷ رمضان المبارک کو ختم قرآن ہوگا۔

مقامی احباب کی ایک خاصی تعداد نماز تراویح میں شریک ہوتی ہے۔ نماز کے بعد دین اسلام اور سلسلہ حقہ کے لئے دُعا کی جاتی ہے۔

- کوہ مری میں محترم میاں بشیر احمد منٹو مبلغ اسلام نے برائیٹ لینڈ ہوٹل میں درس قرآن اور نماز جمعہ کی باجماعت ادائیگی کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ ان اجتماعات میں جماعت کے احباب خواتین اور نوجوان جو موسم گرما گزارنے کوہ مری میں مقیم ہیں کافی دلچسپی لے رہے ہیں۔
- برکتوں اور رحمتوں والے اس مہینے میں اکابرین اور احباب سلسلہ اپنے بیمار بھائیوں اور بہنوں کے لئے اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے دُعائیں کرنا نہ بھولیں۔

دین غار میں چھپا ہے اک شور کفر کا ہے۔
بس اب دُعائیں کر لو غار حرا یہی ہے۔

فطرانہ عید

اس سال چونکہ گندم کا بھاؤ بڑھ گیا ہے اس لئے شرح فطرانہ عید ۴/- روپے فی کس مقرر کی گئی ہے۔

فطرانہ عید سعید کی ادائیگی نماز عید سے پہلے گھر کے ہر فرد کی طرف سے ضروری ہے۔ اگر کوئی بچہ اسی دن پیدا ہو تو اس کا فطرانہ بھی ادا کرنے کا حکم ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ جملہ احباب جماعت کا فطرانہ بحساب ۴/- روپے فی کس وصول کر کے مرکز میں بھجوا کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عید کی خوشیوں سے نوازے۔ آمین

(مرزا) مسعود بیگ (جنرل سیکرٹری)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۱۵ جولائی ۱۹۸۱ء - جلد ۶۸ شمارہ ۲۸

باہتمام: باسن حسین الجیدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح - احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بر و شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اَور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۰۳۰

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے روپے
بیرونی ممالک سے پونڈ (علاوہ محصول)

جلد :- ۶۸ ★ یوم چہارشنبہ ۱۹ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲۲ جولائی ۱۹۸۱ء ★ شمارہ ۲۹

ارشاداتِ حضرت مجددِ صدِ چہاردہم

عزیزاں بے خلوص و صدق نکشایند راہے را — مصفا قطرہ باید کہ تا گوہر شود پیدا

اے میرے دوستو! جو میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو، خدا ہمیں اور تمہیں ان باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے۔ آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر سے دیکھے گئے ہو۔ اور ایک ابتلاء کا وقت تم پر ہے۔ اسی سنت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے۔ ہر ایک طرف سے کوشش ہو گی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننی پڑیں گی اور ہر ایک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دکھ دے گا وہ خیال کرے گا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے ـــــ اور کچھ آسمانی ابتلاء بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ۔ سو تم اس وقت سن رکھو کہ تمہارے فتح مند اور غالب ہو جانے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو۔ یا تمسخر کے مقابل تمسخر سے کام لو یا گالی کے مقابل گالی دو۔ کیونکہ اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں گی۔ جن سے خدا تعالیٰ نفرت کرتا ہے۔ اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ سو تم ایسا نہ کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو۔ ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی۔

یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدا تعالیٰ کی لعنت کے ساتھ نہ ہو کچھ بھی چیز نہیں اگر خدا ہمیں نابود کرنا نہ چاہے تو ہم کسی سے نابود نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر وہی ہمارا دشمن ہو جائے تو کوئی ہمیں پناہ نہیں دے سکتا۔ ہم کیونکر خدا کو راضی کریں اور کیونکر وہ ہمارے ساتھ ہو۔ اس کا اس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا کہ تقویٰ سے۔

سو اے میرے بھائیو! کوشش کرو کہ متقی بن جاؤ۔ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ سو تقویٰ یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچ کر خدا تعالیٰ کی طرف قدم اٹھاؤ اور پرہیزگاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔

احبابِ جماعت کو دلی عید مبارک

(ادارہ)

ھدیۂ عقیدت بحضور سرورِ کونین صلعم

"وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گزرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے الٰہی رنگ میں ڈھل گئے۔ اور آنکھوں کے اندھے بینا ہو گئے۔ اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے۔ اور دنیا میں ایک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا ـــ

ـــ کچھ جانتے ہو وہ کیا تھا؟ ـــ

وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں ایک شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں جو اس اُمی و بےکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اللّٰھم صل وسلم وبارک علیہ وآلہ ـــ"

پورے مسلمان بنو:- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم دنیا سے بالکل انقطاع کر کے اس کی طرف آ جاؤ گے تو وہ خود تمہارا متولی اور متکفل ہو جائے گا۔ جو آدمی تبتل تام نہیں کرتا بلکہ کچھ تو دنیا رہتا ہے اور کسی قدر رو بخدا بھی رہتا ہے وہ کبھی بھی مقصود اصلی کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اسے نہ دین کی عزت مل سکتی ہے نہ دنیا کی۔

خدا تعالیٰ تم سے یہ چاہتا ہے کہ تم پورے مسلمان بنو۔ مسلمان کا لفظ ہی دلالت کرتا ہے کہ انقطاع کلی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو مسلمان پیدا کر کے انتہائی فضل کئے ہیں بشرطیکہ وہ غور کرے اور سمجھے۔

"مصیبت کی برداشت کے لئے صبر اور نماز کا سہارا پکڑو۔"

★ ★ ★

مکرم میاں نصیر احمد فاروقی

ایک قابلِ قدر تصنیف

ـ: تبصرہ :ـ

نام کتاب :۔ "ناموسِ رسولؐ"

مصنف :۔ جناب حافظ محمد سرور قریشی صاحب

ہمیں اس کتاب کو دیکھ کر اور پڑھ کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ دیکھ کر یوں کہ یہ ۳۴۸ صفحات کی کتاب نہایت خوبصورت طریقہ پر چھاپی گئی ہے۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی، دیدہ زیب اور قابلِ تعریف ہیں مگر اس کتاب کی اصل خوبصورتی اس کے مضمون میں ہے۔ قابل مصنف کے سینہ میں ایک دل ہے جو عشق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تکریم و تعظیم اہل بیتؓ سے صحیح معنوں میں سرشار ہے۔ یہ دل تڑپ اٹھا جب آپ کو معلوم ہوا کہ خود مسلمانوں کے بعض چیدہ مصنفین اور مذہبی راہنماؤں کی رائے ہے کہ جناب رسول پاک صلعم نے حضرت ماریہ قبطیہ جن کے بطن سے حضورؐ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے تھے ان خاتون کو حضور صلعم نے اپنے حرم میں (نعوذ باللہ) بلا نکاح اور بطور ملک یمین (لونڈی) رکھا ہوا تھا۔

چنانچہ اس عاشقِ رسول صلعم نے نہایت محنت اور کاوش سے قرآن پاک اور احادیثِ نبویؐ و دیگر مذہبی لٹریچر، تاریخ اور علمایانِ اسلام کی تصانیف سے اس غلط خیال کی بہت جامع اور قاطع طریق پر تردید کی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ حضور صلعم نے حضرت ماریہ قبطیہ سے باقاعدہ نکاح کیا تھا اور وہ ازواجِ مطہرات میں سے تھیں۔

اس ضمن میں اور ما ملکت ایمانکم کی تشریح میں لازماً غلامی کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا۔ اور اس پر بھی فاضل مصنف نے نہایت جامع اور مفصّل طریق پر روشنی ڈالی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسلام میں غلامی جائز نہیں اور ما ملکت ایمانکم کے معنی وہ قیدی ہیں (مرد ہوں یا عورتیں) جو جنگ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔ اس مضمون پر قطعی آیت مبارکہ خود قرآن پاک کی ہے کہ :۔

ماکان لنبیٍ ان یکون لہٗ اسریٰ حتّٰی یثخن فی الارضؕ تریدون عرض
الدّنیاۖ واللہ یرید الاٰخرۃؕ (الانفال ۔ ۶۷)

یعنے "ایک نبی کے لئے یہ شایاں نہیں کہ اس کے قبضہ میں قیدی ہوں سوائے اس کے کہ وہ زمین میں جنگ کر کے کامیاب ہو۔ تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت کو چاہتا ہے۔"

اس لئے سوائے جنگ کے قیدیوں کے اور کوئی ما ملکت ایمانکم نہیں (مرد ہوں یا عورتیں) اور انہیں بھی قرآن کریم نے بطور احسان یا معاوضہ لے کر چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔

مگر جو عورتیں جنگ کے نتیجہ میں قیدی ہو کر آئیں انہیں ان کے مرد (خصوصاً غیر مسلم) اکثر واپس نہیں لیتے۔ اس بدظنی کی بناء پر کہ اور سپاہیوں کی طرح مسلم سپاہیوں نے بھی ان عورتوں کو نعوذ باللہ خراب کیا ہوگا تو ایسی صورت میں ان بیچاری جنگی قیدی ہو کر آنے والی عورتوں کا کیا مستقبل ہوگا؟ اس کا علاج قرآن پاک نے یہ بتایا ہے کہ ان سے مسلمان خصوصاً وہ مسلمان جو کہ اتنا مال نہیں رکھتے کہ ایک آزاد عورت کا مہر اور بری کا خرچ برداشت کر سکیں نکاح کر لیں۔ تو ان عورت ملک یمین سے جو قید ہو کر رہ گئی ہوں کسی ایک سے ایماندار مسلمان نکاح کرے۔ بشرطیکہ وہ عورت بطیب خاطر اسلام قبول کر لے۔ چنانچہ فرمایا :

ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنٰت المؤمنٰت فمن ما ملکت ایمانکم من فتیٰتکم المؤمنٰتؕ واللہ اعلم بایمانکمؕ بعضکم من بعضٍۚ فانکحوھن باذن اھلھنّ واٰتوھنّ اجورھنّ بالمعروف محصنٰتٍ غیر مسٰفحٰتٍ ولا متخذٰت اخدانٍ
(النساء ۔ ۲۵)

یعنے "جو شخص تم میں سے اتنی فراخی کی طاقت نہیں رکھتا کہ آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرے تو تمہاری ان مومن لونڈیوں سے نکاح کرے جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے (یعنے وہ قیدی ہو کر آئیں) اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ (اس لئے ایمان کے معاملہ میں بہت چھان بین مت کرو) (ناقل) تم ایک دوسرے سے ہی ہو۔ سو انہیں ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح میں لاؤ اور ان کو دستور کے موافق (یعنے حسب حیثیت) مہر دے دو۔ پاکدامن ہوں نہ کھلی بدکاری کرنے والی یا در پردہ آشنا رکھنے والی"

ایسی قیدی عورتیں (مرد جنگی قیدیوں کی طرح) عام طور پر مسلمان سپاہیوں یا دوسرے گھرانوں میں بانٹ دی جاتی تھیں اس لئے ان گھرانوں کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کر لینے کا حکم دیا۔ اور جس صورت میں کہ وہ عورتیں کسی سرکاری ادارے کی نگرانی میں ہوں تو ظاہر ہے کہ اس ادارہ کے سربراہ کی اجازت سے نکاح کیا جائے۔ نہ کہ چوری چھپے دوستی لگا کر۔

اسلام میں بہرحال نکاح کے بغیر کوئی جنسی تعلق پیدا کرنے کی اجازت نہیں جیسا کہ قرآن پاک کی اس محکم آیت سے ظاہر ہے :۔

ولیستعفف الّذین لا یجدون نکاحاً (سورۃ النور ۲۴ ۔ آیت ۳۳) یعنے "وہ لوگ جو نکاح نہیں کر سکتے وہ اپنے آپ کو روکے رکھیں۔"

اس محکم آیت کے علاوہ سورۃ النساءؔ کی آیت ۲۵ جو اوپر لکھی گئی ہے اس میں بھی صاف حکم ہے کہ ملک یمین (قیدی عورتوں) سے بھی نکاح کے باہر کوئی تعلق قائم کرنا منع ہے۔ خود رسول اللہ صلعم نے بھی جنگوں کے دوران جو عورتیں قید ہو کر آئیں ان میں سے مختلف موقعوں میں ملا کر تین خواتین کو جو جنگی قیدی (ما ملکت ایمانکم) ہو کر آئی تھیں بعض دینی اور ملکی مصلحتوں کے ماتحت بطور سربراہ سلطنت اپنے حرم میں نکاح کر کے لیا تھا۔ اس لئے حضور صلعم کی سنت بھی اس بات کی مزید تائید کرتی ہے کہ ما ملکت ایمانکم سے بھی نکاح کے بغیر کوئی جنسی تعلق پیدا نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت ماریہ قبطیہ کی پوزیشن تو اور بھی اعلےٰ و برتر تھی۔ وہ جنگ میں بطور قیدی پکڑی نہیں آئی تھیں بلکہ مقوقس مصر نے حضور صلعم کی دعوتِ اسلام کے جواب میں حضورؐ کی عزت و تکریم میں جو تحائف بھیجے ان میں حضرت ماریہ قبطیہ بھی تھیں۔ ساتھ ہی خط میں جو محفوظ ہے۔ یہ لکھا کہ یہ خاتون (اور ان کی ہمشیرہ جو ساتھ آئی تھیں) مصر کے نہایت بلند خاندان کی خواتین ہیں جنہیں مصر میں نہایت عزت سے دیکھا جاتا ہے۔ مصر سے مدینہ تک کے لئے اونٹ کے سفر میں یہ دونوں خواتین مسلمان سفیران وفد کے جو انہیں لے جا رہے تھے اعلےٰ اخلاق اور خدا پرستی سے مذہب اسلام کی طرف راغب ہوئیں۔ اور مسلمان محافظوں کی تلقین سے وہ مدینہ پہنچنے سے پہلے مسلمان ہو چکی تھیں۔ یہ تمام واقعات تاریخ اور حدیث میں محفوظ ہیں جن کا حوالہ فاضل مصنف نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔

اس لئے جیسا کہ عام طور پر غلط کہا جاتا ہے حضرت ماریہ قبطیہ نہ تو لونڈی تھیں (بلکہ مصر کے ایک معزز خاندان کی خاتون تھیں) اور نہ عیسائی رہی تھیں۔ حضور صلعم نے مقوقس مصر کے تحفہ کی قدر کرتے ہوئے اور حضرت ماریہ قبطیہ کی باعزت پوزیشن کی وجہ سے ان کو اپنے حرم میں نکاح کر کے لے لیا۔ نکاح کی

(بقیہ صـ کالم ۲ ر)

روزہ سے تقوےٰ کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

خطبۂ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی، بتاریخ ۱۰ جولائی ۱۹۸۱ء بمقام مسجد جامع، دارالسلام۔ لاہور

یاایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیّام - - - - - - - لعلکم تتقون ٥

ترجمہ:۔ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے اوپر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے کہ اُن لوگوں پر فرض کئے گئے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بنو"۔

(البقرۃ ۲ - آیت ۱۸۳)

میں نے پچھلے جمعہ اس آیتِ مبارکہ پر تقریر کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ اگر انسان اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلعم اور کتاب پر ایمان لایا ہے تو پھر اُن کے فرمان پر بلا تامّل عمل کرنا چاہیئے ورنہ پھر ایمان کے کیا معنی ہیں؟ دوئم میں نے عرض کیا تھا کہ اگر کسی حکم الہٰی کا فائدہ بظاہر نہ بھی نظر آتا ہو تو بھی انسان کو کوئی تامل نہیں پیدا ہونا چاہیئے کیونکہ انسان اپنے تمام دنیاوی کام کاج بھی ایمان بالغیب لا کر کرتا ہے یعنی مخصوص نتائج شروع میں نظر نہیں آتے۔ اس کی بے شمار مثالیں میں نے پچھلے خطبہ میں انسان کے دنیاوی کام کاج سے دی تھیں جن کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں تو اگر انسان کے تمام دنیاوی کام کاج ایمان بالغیب پر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ تمام سائینٹیفک ترقیات بھی ایمان بالغیب سے ہوئی ہیں تو پھر اخلاقی اور رُوحانی معاملات میں ایمان بالغیب لا کر عمل کرنے پر کیوں اعتراض کیا جائے۔ جب دنیا جو مادی چیز ہے اُس میں ایمان بالغیب کے سوا کام نہیں چلتا تو اخلاقی اور روحانی امور تو مادی نہیں کہ چھُوئے جا سکیں یا ظاہری آنکھ سے دیکھے جا سکیں تو اُن میں ایمان بالغیب تو اور بھی لازمی ہونا ہوا۔ آج میں انشاء اللہ بتاؤں گا کہ روزہ کا فائدہ تو اسی دنیا میں نظر آجاتا ہے۔ اور اس لئے یہ بالکل غیب پر ایمان لانے کا بھی معاملہ نہیں۔ اس بات کو تو دیکھئے کہ اب ڈاکٹر صاحبان روزہ کے طبّی یعنی مادی فوائد بھی بتانے لگے ہیں۔ اُن کی خاطر کتنے مغرب زدہ نوجوان اس مہینہ بھر کے چلّے کو کرنے کے لئے تیار ہوں گے؟

ایمان کا اجر کیوں؟

ایمان بالغیب کا ذکر چھوڑنے سے پہلے میں عرض کر دوں کہ حضرت مجدّد زمان نے ایک عجیب بات فرمائی ہے اور وہ یہ کہ تمام قرآن حکیم میں ایمان اور اعمالِ صالحہ دونوں کے اجر کا ذکر بار بار آیا ہے۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ ایمان کا اجر اسی لئے ہے کہ مومن ایمان بالغیب لا کر تمام عملِ صالحہ کرتا ہے نہ تو اللہ تعالےٰ ظاہری آنکھ سے نظر آتا ہے، نہ اگلا عالم۔ نہ جنت، نہ دوزخ، اسی طرح تمام عبادات کا اجر بھی تو کوئی نظر نہیں آتا۔ روزہ کا ذکر ہو چکا کہ وہ بظاہر اس گرمی اور تپش میں مہینہ بھر کا بے فائدہ فاقہ اور اپنی جان پر دُکھ مول لینے کے برابر ہے بھوک، پیاس کے علاوہ پچھلی رات کی میٹھی نیند سے اُٹھنا محال ہوتا ہے۔ نماز کو لے لیجئے کہ ساری عمر پانچ وقت کی (بقول مغرب زدہ نوجوانوں کے) اُٹھک بیٹھک نظر آتی ہے۔ اسی وقت کو انسان تجارت میں لگائے یا کسی اور دھندے میں تو کتنا فائدہ ہو؟ زکوٰۃ تو خیر صاف اپنے مال کا نقصان ان مغرب زدہ لوگوں کو نظر آتی ہے۔ اسی طرح حج سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ اور جہاد فی سبیل اللہ چاہے وہ اپنی جانوں سے ہو چاہے اپنے مال سے وہ جان اور مال کا ضائع کرنا ہے۔ ہماری جماعت میں چندہ ماہوار بھی بظاہر پیسہ کا ضیاع ہے۔ تو تمام اسلامی عبادات کا بظاہر کوئی فائدہ مغرب زدہ لوگوں کو نظر نہیں آتا مگر مومن اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام پر ایمان بالغیب لا کر اُن تمام عبادات کو بجا لاتا ہے اور اپنے مال، اپنی جان۔ اپنے آرام، اپنے وقت کو ان عبادات میں بے دریغ خرچ کرتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ اس ایمان بالغیب پر اور اس کے نتیجہ میں اعمالِ صالحہ دونوں کا اجر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا۔

فان اللہ لا یضیع اجر المؤمنین

بے شک اللہ ایمان لانے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اس اجر کو اس دنیا میں نہیں دکھا کہ تب لوگ نیک عمل کو نیک عمل سمجھ کر نہیں بلکہ اُن کے اجر کی لالچ میں کرتے اور بہر حال اس دنیا کا اجر آج نہیں تو کل انسان کے مرنے پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور آخرت جو ہمیشہ کا گھر ہے وہاں جو اجر ملے گا وہ ہمیشہ انسان کے پاس رہے گا۔

دُنیا اور آخرت:۔

میں نے پچھلے خطبہ میں تفصیل سے بتایا تھا کہ انسان دُنیا کے تمام کام کاج بھی ایمان بالغیب سے کرتا ہے اُس ایمان کا اجر کبھی ملتا ہے تو بہت دفعہ نہیں بھی ملتا۔ کیونکہ وہ ایمان خدا کے لئے نہیں ہوتا اس لئے جب وہ چاہے اجر دے جب چاہے نہ دے۔ جیسا کہ فرمایا من کان یرید العاجلۃ عجّلنا لہٗ فیھا ما نشآء لمن نّرید (بنی اسرائیل۔ ۱۸) یعنی جو کوئی اس دنیا کے جلد مل جانے والے نفع کو چاہتا ہے۔ ہم اُسے اسی دنیا میں جتنا چاہتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں جلد ہی دے دیتے ہیں مگر آج دینی امور میں ایمان بالغیب اور اعمال صالحہ کبھی ضائع نہیں جاتے جیسا کہ میں پہلے بتا آیا ہوں۔ اور دُنیا کے اجر تو محدود ہوتے ہیں۔ مگر آخرت کے اجر کے لئے فرمایا کہ وہ اجرٌ غیرُ ممنون۔ یعنی کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہوگا۔ بلکہ بڑھ چڑھ کر ملتا رہے گا۔

ابدی اجر کیوں؟

آخرت کے ابدی اجر کے بارہ میں بھی حضرت مجدّد وقت نے عجیب بات فرمائی ہے۔ دُوسرے مذاہب میں تو عمل کے مطابق اجر کا ذکر ہے۔ اور انسان کے عمل تو محدود ہی ہوتے ہیں۔ موت پر بہر حال ختم ہو جاتے ہیں۔ تو حضرتِ اقدس نے کیا عجیب بات فرمائی ہے کہ موت دینا تو خدا کا فعل ہوتا ہے۔ انسان کا نہیں ہوتا۔ اس لئے اگر موت پر مومن کے اعمال منقطع ہو گئے تو اس میں مومن کا قصور کوئی نہیں۔ اگر وہ اس دنیا میں ہمیشہ زندہ رہتا یا زندہ رہتا تو وہ اپنے اعمالِ صالحہ پہ قائم رہتا بلکہ بڑھتا۔ اس لئے مومن کا اجر دائمی ہے اور بڑھتا چڑھتا رہتا ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کا کرم و فضل ہے۔

مقصدِ عبادت:۔

روزہ کے مضمون کی طرف واپس آتے ہوئے میں عرض کروں کہ قرآن کریم واحد الہامی کتاب ہے کہ جو عبادت انسان پر لازم کرتا ہے اس کی وجہ یا فائدہ بھی بتاتا ہے تاکہ انسان اس مقصد عالیہ کو سامنے رکھ کر عمل کرے۔ روزہ کے بارہ میں بھی اس کا مقصد فوراً اور واضح طور پہ بتا دیا کہ لعلکم تتقون کہ تا تم تقوےٰ حاصل کر سکو۔

تقوےٰ کیا ہے؟

تقوےٰ جیسا کہ آپ جانتے ہیں نقصان دہ باتوں، تکلیف دہ باتوں سے اپنا بچاؤ کرنا ہے۔ ایسی ہی باتوں سے، اور انسان کے فائدہ کے لئے ہی اللہ تعالےٰ نے انسان کو ان باتوں سے روکا ہے تو کون انسان ہے جو اپنا نقصان یا اپنے لئے تکلیف دہ باتیں پسند کرتا ہے۔ مگر پھر بھی اکثر لوگ گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کا انجام انسان کے لئے تکلیف دہ اور باعثِ نقصان ہوتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

انسان کا جسم حیوانی ہے۔ اور اس قدر حیوانوں سے مشترک ہے کہ ڈاکٹر اور سائنس دان

نئی دوائیاں ہوں یا سرجری کا تجربہ پہلے حیوانوں پر کرتے ہیں پھر انسانوں کو دیتے ہیں۔ تو جن جسمِ انسانی سے جذبات اور خواہشات پیدا ہوتی ہیں وہ بھی حیوانی ہوتی ہیں۔ ان کا کیا فائدہ ہے یہ ایک وسیع مضمون ہے ان سے نہ صرف دنیاوی ترقیات ہیں بلکہ ان کے صحیح استعمال سے اخلاقی اور روحانی خوبیاں بھی پیدا ہوتی ہیں مثلاً رزق کی تلاش اور اس کے لئے تگ و دو سے نہ صرف تمام دنیاوی ترقیات ہوئی ہیں۔ بلکہ ان کے صحیح استعمال کر اخلاقی اور روحانی قدریں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً محنت، ایمانداری۔ امانت داری۔ راست گوئی۔ وغیرہ اور غرباء اور مساکین پر خرچ کر کے ان سے ہمدردی اور رحم کے اعلےٰ جذبات پیدا ہوتے ہیں یا خدا کے رستہ میں خصوصاً اشاعتِ اسلام پر خرچ کرنے سے بنی نوعِ انسان کی ہر قسم کی اور دنیا و آخرت کی بھلائی کے سامان کرتا ہے۔ مگر اکثر لوگ اپنی حیوانیت کے بے قابو ہونے سے لالچ، طمع، بے ایمانی، نفس پرستی، چوری۔ رشوت ستانی، منافع خوری۔ بلیک مارکیٹ۔ سود خوری۔ ڈاکہ۔ قتل جیسے جرائم کر بیٹھتے ہیں اس لئے ان حیوانی جذبات اور خواہشات کا کس حد تک استعمال انسان کے لئے فائدہ مند ہے۔ اور کس حد سے آگے نقصان دہ اس کا علم دینا انسان کو پیدا کرنے والے یعنی اللہ تعالیٰ نے خود کیا اور قرآن حکیم جیسی لاجواب اور ارشد ضروری کتاب کو نازل فرمایا جس کے شروع میں ہی فرمایا کہ وہ **ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ** ہے یعنی تقویٰ چاہنے والوں کے لئے مکمل ہدایت ہے۔ انسان کو بتاتی ہے کہ کون سا عمل کس حد تک جائز اور فائدہ مند ہے۔ اور کیسے اس حد کے آگے وہ انسان کے لئے نقصان دہ اور ضرر رساں ہو جاتا ہے۔

حصولِ تقویٰ کیوں مشکل ہو جاتا ہے؟

مگر لوگ قرآن کریم کو پڑھتے بھی ہیں اور بعض ان میں سے اُس پر عمل بھی کرنا چاہتے ہیں مگر آزمائش کے وقت فیل ہو جاتے ہیں۔ اور خدا کی واضح بتائی ہوئی حدود سے آگے نکل جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ انسان کی خواہشات اور جذبات بنیادی طور پر حیوانی ہوتی ہیں۔ اور حیوان ہمیشہ شروع میں منہ زور ہوتا ہے اور وہ بندشوں اور قیود کو پسند نہیں کرتا۔ اس ابتدائی سٹیج پر جو کہ حیوانی سٹیج ہے انسان کا نفس جو اسے حکم دیتا ہے وہ اُسے مان کر عمل کر بیٹھتا ہے۔ اس سٹیج کو قرآن حکیم نے نفسِ امّارہ کہا ہے اور فرمایا ہے۔ کہ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ یعنی انسان کا نفس اُسے بدی کا حکم دیتا رہتا ہے۔

روزہ اور تقویٰ:-

تو اس حیوانی سطح سے اُٹھنے کے لئے اور اپنے اندرونی منہ زور حیوان کو قابو میں لانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو روزہ کا حکم دیا ہے۔ روزہ میں کھانا۔ پینا اور SEX یعنی جنسی تعلقات سے منع فرمایا۔ اب یہ تینوں خواہشات حیوان کا خاص رنگ ہوتی ہیں۔ حیوان کی زندگی کا مقصد کھانا پینا اور جنسی خواہشات کو پورا کرنے سے کچھ زیادہ نہیں ہوتا اور جو لوگ اپنی حیوانیت کو قابو میں نہیں لاتے اور نہ اپنے حیوان کو سدھا کر کے اور تابع کر کے اُسے ان حدود پر روک سکتے ہیں جو قرآن کریم نے تقویٰ کی حدود بتاتی ہیں۔ وہ پھر اپنے حیوان کی اتباع میں کھانے، پینے اور جنسی تعلقات تک ہی اپنی زندگی کو محدود کر لیتے ہیں اور گناہوں میں پڑ جاتے ہیں جو کہ خالق کی حدود سے آگے نکل جانے کا نام ہے۔ دنیاوی علوم اور سائنس کی ترقیات بھی ان کی مدد نہیں کرتیں۔ آج دنیا میں یورپ اور امریکہ علم اور سائنس اور ٹیکنالوجی میں انتہائی ترقی کر گئے ہیں مگر وہاں جا کر دیکھ لیجئے کہ کیا حیوانیت کا دور دورہ ہے۔ ان کی زندگیاں کھانے، پینے اور جنسی تعلقات تک نہ صرف محدود ہو کر رہ گئی ہیں بلکہ ان کی تلاش میں اس قدر گناہ کبیرہ نخریہ ہونے لگے ہیں کہ انسان کا دل کانپتا ہے۔ کہ ان کا انجام کیا ہو گا؟

تو انسان کے اندر کے حیوان کو کس طرح قابو میں لایا جائے؟ جس طرح باہر حیوان کو قابو میں لاتے اور سدھاتے ہیں۔ جانوروں کو سدھانے والوں یعنی سرکس کے لوگوں سے جا کر پوچھ لیجئے وہ حیوان کو کھانے، پینے اور جنسی تعلقات سے روک کر ہی اُسے سدھاتے ہیں۔ یہی تین چیزیں بنیادی طور پر روزہ میں بھی منع کی گئی ہیں۔

پھر یہ ہے کہ جب انسان پورے ایک ماہ تک اپنے **جائز** اور **حلال** کھانے پینے اور جنسی تعلقات کو اس لئے چھوڑ دیتا ہے کہ اگر کوئی اور نہیں بھی دیکھ رہا تو خدا تو دیکھ رہا ہے۔ تو اس سے اس میں زندہ خدا پر زندہ ایمان پیدا ہوتا ہے۔ کہ پھر اس انسان کے لئے **ناجائز** اور **حرام** چیزوں کو کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہی تقویٰ ہے۔

تقویٰ اور جنّت

تو اگر انسان تقویٰ کے اعلےٰ مقصد کو سامنے رکھ کر روزہ رکھے تو وہ ضرور اس بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ جو کہ متقی کا ہے۔ اور جس سے اس دنیا میں اس کے دل میں جنّت اور مرنے کے بعد آخرت کی باہر کی جنت ملتی ہے۔ اسی لئے جنت کے لئے وعد المتقون فرمایا کہ متقیوں کے لئے اس کا وعدہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور اس کے وعدے بڑھ کر کون سی بات یقینی ہو سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو تقویٰ کی نعمت عطا فرمائے۔ آمین!

* * * *

بقیہ:- ایک قابلِ قدر تصنیف بسلسلہ آمدہ صفحہ

کی شہادت ایک صریح حدیث میں ہے۔

عن عبد الله الزبيري قال ثم تزوج رسول الله صلعم مارية بنت شمعون وهي التي اهداها الى رسول الله المقوقس صاحب الاسكندرية

(صحیح المستدرک حاکم جلد ۴۔ کتاب معرفۃ الصحابہ۔ ماریہ قبطیہ ص ۳۸)

یعنی "عبداللہ الزبیری سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلعم نے ماریہ بنت شمعون سے نکاح کر لیا تھا۔ وہی ماریہ ہیں جن کو مقوقس حاکم اسکندریہ نے رسول اللہ کے پاس مدینہ تحفۃً بھیجا تھا۔"

اس کے علاوہ صحیح بخاری میں بھی صاف مذکور ہے کہ رسول اللہ صلعم نے وفات کے وقت کوئی مال یا غلام یا لونڈی نہیں چھوڑی۔ اگر نعوذ باللہ حضرت ماریہ بطور لونڈی کے تھیں تو وہ تو حضورؐ کی وفات کے کئی سال بعد تک زندہ رہیں۔ پھر انہیں وہی وظیفہ ملتا تھا جو دوسری ازواج مطہراتؓ کو ملتا تھا۔ اور جب انہوں نے وفات پائی تو حضرت عمرؓ نے جو خلیفۂ وقت تھے خود اپنی امامت میں نماز جنازہ پڑھائی۔ جب یہ سب واقعات احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں تو حضرت ماریہ کو عیسائی لونڈی کہنا سخت بے انصافی بلکہ ظلم ہے جس سے ہر مسلمان کا دل کانپ جانا چاہیئے۔

فاضل مصنف نے ما ملکت ایمانکم اور غلامی کے موضوع پر جو سیر کن اور مفصل بحث کی ہے وہ ہر تحقیق اور صداقت کے طالب کو اس قابلِ قدر تصنیف "ناموسِ رسولؐ" میں خود پڑھنی چاہیئے۔ آج جبکہ اسلام بین الاقوامی مذہب کے طور پر زور سے اُٹھا ہے اور دنیا کی توجہ اس کی طرف ہے تو یہ ضروری ہے کہ جو غلط خیالات بعض حلقوں میں ابھی تک بغیر تحقیق کئے قبول کئے جاتے رہے۔ انہیں حقائق اور شہادت کی روشنی میں پرکھ کر اسلام پر سے ان داغوں کو دور کیا جائے تاکہ اسلام اپنے اصلی حسن اور خوبی کی چمک دمک سے دنیا میں آ سکے۔

یہ کتاب جو تحقیق اور سیر کن بحث سے پُر ہے۔ اور جو نہایت اعلیٰ کاغذ اور لکھائی چھپائی کی حامل ہے اس کی قیمت آج کل کے حساب سے تیس روپے کچھ زیادہ نہیں۔ محصول ڈاک اس کے علاوہ ہے۔ یہ کتاب اس پتہ سے مل سکتی ہے۔

مکتبہ جماعت اسلامیہ
معرفت کوہاٹ کلاتھ ہاؤس۔ نزد کنگ گیٹ جیل روڈ۔ کوہاٹ شہر (صوبہ سرحد)

روزہ کس طرح انسان کو خدا کے ہاں مقبول کرتا ہے

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من لم یدع قول الزور والعمل بہ ولیس للہ حاجۃ ان یدع طعامہ وشرابہ

حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو خدا تعالےٰ کو اس کی حاجت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے۔

اس ضمن میں حضرت مرزا صاحب کی تعلیم پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ جو لوگ ان کی بیعت کئے ہوئے ہیں وہ غور کریں کہ آیا وہ ان کی تعلیم کی روشنی میں جادۂ مستقیم پر ہیں اور پوری طرح اس پر عمل کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

"واضح رہے کہ صرف زبان سے بیعت کا اقرار کرنا کچھ چیز نہیں جب تک دل کی عزیمت سے اس پر پورا پورا عمل نہ ہو۔ پس جو شخص میری تعلیم پر پورا پورا عمل کرتا ہے وہ میرے اس گھر میں داخل ہو جاتا ہے جس کی نسبت خدا تعالےٰ ...... کا یہ وعدہ ہے کہ:۔

"انی احافظ کل من فی الدار"

یعنی ہر ایک جو تیرے گھر کی چار دیواری کے اندر ہیں میں اس کو بچاؤں گا۔ اس جگہ یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہیں جو میرے اس خاک و خشت کے گھر میں بود و باش رکھتے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ بھی جو میری پوری پیروی کرتے ہیں میرے روحانی گھر میں داخل ہیں۔ پیروی کرنے کے لئے یہ باتیں ہیں کہ وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے۔ جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا نہ کوئی اس کا بیٹا۔ وہ دکھ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے۔ وہ ایسا ہے کہ باوجود دور ہونے کے نزدیک ہے۔ اور باوجود نزدیک ہونے کے دور ہے اور باوجود ایک ہونے کے اس کی تجلیات الگ الگ ہیں۔ انسان کی طرف سے جب ایک نئے رنگ کی تبدیلی ظہور میں آوے تو اس کے لئے وہ ایک نیا خدا بن جاتا ہے۔ اور ایک نئی تجلّی کے ساتھ اس سے معاملہ کرتا ہے اور انسان بقدر اپنی تبدیلی کے خدا میں بھی ایک تبدیلی دیکھتا ہے۔ مگر یہ نہیں کہ خدا میں کچھ تغیر آجاتا ہے بلکہ وہ ازل سے غیر متغیر اور کمال تام رکھتا ہے لیکن انسانی تغیرات کے وقت جب نیکی کی طرف انسان کے تغیر ہوتے ہیں تو خدا بھی ایک نئی تجلّی سے اس پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور ہر ایک ترقی یافتہ حالت کے وقت جو انسان سے ظہور میں آتی ہے۔ خدا تعالےٰ کی قادرانہ تجلّی بھی ایک ترقی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ وہ خارق عادت قدرت اس جگہ دکھلاتا ہے۔ جہاں خارق عادت تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔ اور خوارق اور معجزات کی یہی جڑ ہے۔ یہ خدا ہے جو ہمارے سلسلہ کی شرط ہے۔ اس پر ایمان لاؤ اور اپنے نفس پر اور اپنے آراموں پر اور اس کے کل تعلقات پر اس کو مقدم رکھو۔ اور عملی طور پر بہادری کے ساتھ اس کی راہ میں صدق و صفا دکھلاؤ۔ دنیا اپنے اسباب اور اپنے عزیزوں پر اس کو مقدم نہیں رکھتی مگر تم اس کو مقدم رکھو تا تم آسمان پر اس کی جماعت لکھے جاؤ۔ رحمت کے نشان دکھلانا قدیم سے خدا کی عادت ہے مگر تم اس حالت میں اس عادت سے حصّہ لے سکتے ہو کہ تم میں اور اس میں کچھ جدائی نہ رہے۔ اور تمہاری مرضی اس کی مرضی اور تمہاری خواہشیں اس کی خواہشیں ہو جائیں۔ اور تمہارا سر ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت مرادیابی اور نامرادی میں اس کے آستانے پر پڑا رہے تا جو چاہے سو کرے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم میں وہ خدا ظاہر ہوگا جس نے مدت سے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے۔ کیا کوئی تم میں ہے جو اس پر عمل کرے اور اس کی رضا کا طالب ہو جائے۔ اور اس کی قضا و قدر پر ناراض نہ ہو۔ سو تم مصیبت کو دیکھ کر اور بھی قدم آگے رکھو کہ یہ تمہاری ترقی کا ذریعہ ہے اور اس کی توحید زمین پر پھیلانے کے لئے اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو اور اس کے بندوں پر رحم کرو اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو اور کسی پر تکبر نہ کرو گو اپنا ماتحت ہو اور کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو غریب اور حلیم اور نیک نیت اور مخلوق کے ہمدرد بن جاؤ تا مقبول کئے جاؤ۔

دینی تربیتی کورس ۱۹۸۱ء

امسال دارالسلام لاہور میں ۱۵ اگست سے ۲۴ اگست ۱۹۸۱ء تک ایک دس روزہ دینی تربیتی کورس کے انعقاد کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ اس میں شامل ہونے کے لئے ان نوجوانوں کو خاص طور پر شرکت کی دعوت دی جاتی ہے جو تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور آجکل تعطیلات کی وجہ سے آسانی سے وقت نکال کر دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے اس کلاس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ جماعت کے دیگر نوجوان یا ملازمت پیشہ اصحاب جو دس روز کی رخصت حاصل کر سکیں وہ بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ جماعتوں کے صدر اور سیکرٹری صاحبان سے التماس ہے کہ وہ اپنے ہاں اس کورس میں شرکت کے لئے پُرزور اور مسلسل کوشش فرما دیں۔ اور کورس میں شرکت کرنے والے اصحاب کے نام ۳۰ جولائی ۸۱ء تک مرکز میں ارسال فرما دیں۔

دارالسلام ہوسٹل میں شرکاء کورس کے لئے رہائش اور خوراک کا خاطر خواہ انتظام ہوگا۔ شرکاء سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ جمعۃ المبارک مورخہ ۱۴ اگست صبح تک دارالسلام لاہور پہنچ جائیں۔ تاکہ نماز جمعہ میں بھی شریک ہو سکیں۔ باقاعدہ کلاسیں ہفتہ کی صبح سے شروع ہوں گی۔ نیز کورس میں شامل ہونے والے اصحاب اپنے ہمراہ چار کاپیاں اور قلم وغیرہ بھی لائیں تاکہ نوٹس لے سکیں۔ شکریہ

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
دارالسلام ۵ - عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن
لاہور

فطرانہ عید

اس سال چونکہ گندم کا بھاؤ بڑھ گیا ہے اس لئے شرح فطرانہ عید ۴ روپے فی کس مقرر کی گئی ہے۔

فطرانہ عید سعید کی ادائیگی نماز عید سے پہلے گھر کے ہر فرد کی طرف سے ضروری ہے۔ اگر کوئی بچہ اسی دن پیدا ہو تو اس کا فطرانہ بھی ادا کرنے کا حکم ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ جملہ احباب جماعت کا فطرانہ بحساب ۴ روپے فی کس وصول کر کے مرکز میں بھجوا کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو عید کی خوشیوں سے نوازے۔ آمین

(مرزا) مسعود بیگ (جنرل سیکرٹری)

سُبحان اللہ وبحمدہٖ

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ، لندن

۱۲ اپریل کو جو نظارہ دیکھا وہ اب تک نگاہوں میں پھرتا ہے۔ یوں تو بہت دنوں سے اخباروں اور ٹی۔ وی کے ذریعہ خبر دی جا رہی تھی کہ امریکہ کا خلائی جہاز (SPACE CRAFT) "کولمبیا" عنقریب خلاء میں پرواز کرنے والا ہے۔ یہ عظیم الشان خلائی جہاز کئی برس سے اور کروڑوں بلکہ اربوں ڈالرز کی لاگت سے بن رہا تھا۔ بغیر کسی انسان کے یا ایک دو انسانوں کے ساتھ تو کئی خلائی چھوٹے چھوٹے سٹلایٹ روس اور امریکہ کے بھیجے ہوئے خلاء میں جاتے رہے۔ لیکن ایک ایسا جہاز جو خلاء میں مسافروں کو لے جائے اور پھر بخیریت واپس آئے اب تک نہ چھوڑا گیا تھا۔ چنانچہ "کولمبیا" کی تعمیر میں درجنوں سائنس دان دن رات لگے ہوئے تھے اور اس کی کامیاب روانگی اور بخیریت واپسی ابھی تک صرف سائنسدانوں کے دماغوں۔ اُن کی تدبیروں اور حساب و کتاب میں پنہاں تھی۔

آزمائش کا دن پہلے تو ۱۰ اپریل ۱۹۸۱ء مقرر ہوا۔ اور بی۔ بی سی نے اعلان کیا کہ اس روز وہ براہِ راست امریکہ سے اس کی روانگی ٹی۔ وی پر دکھائیں گے۔ انگلینڈ میں بارہ بجے دن کو یہ پروگرام شروع ہونا تھا۔ انگلینڈ میں اپریل کا مہینہ ویسے تو موسم بہار نہیں تو اس کا پیغام ضرور سمجھا جاتا ہے۔ مگر اب کے سال تو بس بادل، بارش اور سردی نے توبہ کروا دی تھی۔ لیکن حسنِ اتفاق کہ ۱۰ اپریل ۱۹۸۱ء کا دن صاف آسمان اور سورج کے درشن لے کر نکلا۔ ایسا دن ملے تو یہاں گھر کے اندر کوئی نہیں رہتا۔ چنانچہ میں بھی باغ میں کام کرتی رہی اور وقت کا دھیان نہ رہا۔ بارہ بجے کے بعد اچانک خیال آیا کہ آج تو کولمبیا کی روانگی کا پروگرام تھا۔ بہت افسوس ہوا کہ دنیا کا ایسا اہم سائنس کا کرشمہ دیکھنے میں غفلت ہو گئی۔ خیر دوڑی ہوئی آئی اور ٹی وی چلایا تو اس پر اعلان ہو رہا تھا کہ بعض خامیوں کی وجہ سے آج کولمبیا روانہ نہیں ہوگا اور اب دوبارہ دن اور وقت بتایا جائے گا۔ میں نے شکر کیا کہ اللہ کے فضل سے میری بھول افسوس میں نہ بدلی۔ نقص کے متعلق بی۔ بی سی نے بہت پُرمذاق انداز میں ذکر کیا کہ کولمبیا کے خلاء سے حالات بھیجنے والے کمپیوٹر اور زمین پر ان کو وصول کرنے والے کمپیوٹر دو مختلف کمپنیوں نے بنائے ہیں اور وہ ایک دوسرے سے بات نہیں کر رہے۔ ٹی۔ وی کے پردے پر دونوں کمپیوٹر سامنے آئے۔ ایک نیلے رنگ کا تھا دوسرا گلابی رنگ کا۔ بنانے والے نے کہا کہ:۔

"THEY DO NOT TALK WITH EACH OTHER"

جیسے کوئی دو انسان ایک دوسرے سے رُوٹھے ہوئے ہوں۔

چنانچہ اس نقص کی اصلاح کے لئے ذمہ دار ماہرین پھر سر پاؤں سے جُٹ گئے۔ خطرہ یہ تھا کہ اگر دو تین دن میں روانگی نہ ہوئی تو پھر وقت اور موسم مناسب نہ رہے گا۔ اس بارے میں جلد ہی اعلان ہوا کہ اب ۱۲ اپریل کو اسی وقت کولمبیا اپنے آزمائشی سفر پر روانہ ہوگا۔ اس دن بہت یاد سے میں اپنا ٹی۔ وی چلا کر بیٹھ گئی۔

سائنس کے اس کمال کی کہ ہزاروں میل دور کے ملک اپنی ہر تفصیل کے ساتھ ٹی وی کے پردے پر صاف نظر آتے ہیں اب طبیعت عادی ہو گئی ہے اور حیرت نہیں ہوتی۔ طاقتور کیمرے اور جادو نما مشینیں اس خوبی اور تفصیل سے بال کی کھال تک دکھا دیتی ہیں کہ موقعہ پر موجود لوگوں کی نسبت دُور بیٹھے ہوئے انسان زیادہ بہتر اور مکمل نظارہ کر لیتے ہیں۔ خصوصاً رنگین ٹی۔ وی میں تو حقیقت اور تصویر میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

میں نے جیسے ہی ٹی وی کھولا امریکہ کی وسیع و عریض کیپ کینیڈی نظروں کے سامنے تھی جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی موٹروں۔ بسوں۔ اور انسانوں کا ہجوم تھا۔ اور اپنی جگہ پر خلائی جہاز کولمبیا ایک عظیم الشان مخروطی مینار کی طرح اپنی فیکٹری کی بلند و بالا عمارت سے لگا کھڑا تھا۔ اس کے بازوؤں میں دو اور مخروطی شکل کے لمبے لمبے سلنڈر لگے ہوئے تھے۔ جن کا کام کرۂ زمین کی فضا سے نکلتے ہوئے کولمبیا کی رفتار کو تیز کرنا تھا اور پھر یہ واپس سمندر میں آ گرنے تھے۔ جہاز کے نیچے چیونٹیوں کی طرح ذمہ دار ماہرین اور کارکن مصروف و مشغول تھے۔ کولمبیا کے دو پائیلٹ جو دنیا کے اُن چند چوٹی کے خلا پرواز ماہرین میں سے ہیں جو چاند سے ہو کر صحیح سلامت واپس آئے ہیں اپنے خلائی لباس پہنے اپنی مخصوص گاڑی سے اُتر کر کولمبیا میں داخل ہو گئے اور ساتھ ہی امریکہ کے پریذیڈنٹ اور دوسرے حکومت اور علم و سائنس کے اعلیٰ سرکردہ افسر اپنی اپنی جگہ سے مبارک اور خیر سگالی کے پیغام دیتے نظر آنے لگے۔ اب وقت ہو رہا تھا۔ کولمبیا کا داخلی دروازہ بند ہو گیا اور اس کے بلند اور وسیع چبوترے سے سب کام کرنے والے نیچے اتر آئے۔ عین نو بجے روانگی کی اُلٹی گنتی اس طرح سنائی دینے لگی کہ "دس۔ نو۔ آٹھ۔ سات۔ چھ۔ پانچ۔ چار۔ تین۔ دو۔ ایک"، گنتی کے شروع میں ہی کولمبیا کے پیندے سے آگ کے شعلے نکلنے لگے اور "ایک" پکارتے ہی ایک عظیم الشان سفید دھوئیں کے ستون کے اوپر کولمبیا فضا میں چڑھنا شروع ہو گیا۔ اللہ اکبر! کیا عظیم پُر ہیبت اور پُرشکوہ نظارہ تھا۔ وہاں موجود اور لاکھوں ٹی۔ وی کے ناظرین کی حیرت بھری نگاہوں کے سامنے وہ عظیم مخروطی ٹیوب نما جہاز فضا کی بلندیوں میں پہلے ایک آگ کے جلتے ہوئے گولے اور پھر ایک روشن ستارے کی طرح آسمان کی وسعتوں میں غائب ہو گیا۔ ماہرین کے حساب سے عین مقررہ وقت پر دونوں مددگار سلنڈر سمندر میں آ گرے۔ انسان کی دماغی سوچوں۔ تدبیروں اور حساب و کتاب کی بے مثال صحیح ترتیب کا ایک عظیم خواب حقیقت کی شکل میں پورا ہو گیا۔ اور دنیا کی فضا سے باہر خلاء میں سفر کرنے کا راستہ نظر آنے لگا۔

اس تمام مشاہدے کے دوران میری زبان پر یہ دو لفظی کلمہ جاری تھا کہ:۔

"سبحان اللہ وبحمدہٖ"

مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ خالقِ اکبر کی پاک اور زندہ کتاب قرآن کریم کے ورق میرے سامنے پلٹ رہے ہیں اور آدم کے پیدا کرنے۔ اس کو علم و حکمت عطا ہونے۔ اور تمام ملائکہ اور عناصرِ عالم پر فوقیت و تصرف ملنے کی قرآنی آیات میرے سامنے حقیقت بن کر آ رہی ہیں۔ عنایاتِ ربّی اور انسانی جذبات کی بے صبری سے متاثر ہو کر فلاسفر شاعر علامہ اقبال نے قرآنی آیات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جب رُوحِ آدم اپنے خالق سے جُدا ہو کر اس ارضِ خاکی پر آئی تو وہ اس جدائی پر بے چین تھی۔ اس کو ارشاد ہوتا ہے کہ ؎

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں گھرا دیکھ   ایامِ جدائی کے ستم دیکھ جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو ماجرائے بیم و رجا دیکھ

پھر آگے چل کر عنایات و عطائے ربّی ملتے ہیں کہ ؎

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ ہوائیں + یہ کوہ یہ دریا یہ معمور فضائیں

کوہ و دریا پر تو زمانۂ دراز سے انسان کا تصرف تھا۔ لیکن آج اپنے خالق و مالک کی عطا کردہ عقل و حکمت سے آسمانوں اور خلاؤں میں بھی راستہ مل گیا۔ لیکن ساتھ ہی انسان اپنی حقیقت بھول کر اپنے آپ کو نعوذ باللہ اس خالقِ کل کا ہمسر نہ سمجھنے لگے اس کا بھی انسداد کر دیا ہے۔ یہاں مجھے یاد آتا ہے کہ جب پہلی دفعہ انسان چاند پر پہنچا تو مذہبی علماء نے اس کو مذہب پر ایک چوٹ سمجھا اور اس کے

خلاف آواز اٹھی۔ اس وقت ہم لوگوں نے اپنے بھائی جان نصیر احمد فاروقی صاحب سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ اسلام اور قرآن سے باہر بات نہیں اور ساتھ ہی انہوں نے قرآنِ کریم سے سورۃ الرحمٰن کی یہ آیت پڑھی کہ:۔

یٰمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوٰت
والارض فانفذوا۔ لا تنفذون الا بسلطٰن ۃ (سورۃ الرحمٰن)

ترجمہ: "اے جنوں اور انسانوں کے گروہ اگر تمہیں طاقت ہے کہ دنیا کے کناروں سے نکل جاؤ۔ تو نکل جاؤ۔ مگر تم غلبہ کے ساتھ نہیں نکل سکتے۔"

پھر نصیر بھائی نے تفسیر کی کہ انسان اگر کرۂ ارض سے نکل کر کائنات کی فضاؤں اور خلاؤں میں پہنچ بھی جائے تب بھی وہ غالب نہیں کیونکہ کل عالمِ کائنات بھی تو اسی غالب و خالقِ اکبر کی ملکیت ہیں۔ غلبہ تو یہاں دنیاوی جسمانی۔ اور روحانی طور پر صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ دنیا میں یا دنیا کے باہر یا دوسرے عالم میں انسان پہنچ کر بھی غالب نہیں آسکتا۔ گویا ہمارے زندہ مذہب اور زندہ خدا نے اس بات کا امکان تو بتا دیا کہ انسان اللہ کی دی ہوئی عقل حکمت اور طاقت کے زور پر کرۂ ارض سے نکل بھی جائے تو بھی خدا کی خدائی سے باہر یا اس پر غالب نہیں آسکتا۔ غالب تو صرف وہی خالق و مالک عالمِ کائنات دنیا و آخرت ہے۔ کہیں پہنچ جائے انسان نہ خدا بن سکتا ہے اور نہ ہی خدا کی خدائی سے باہر نکل سکتا یا اس پر غالب آسکتا ہے اور میری اس بات کی تائید امریکہ کے پریذیڈنٹ مسٹر ریگن کے اس رخصتی پیغام سے ہوتی ہے جو انہوں نے کولمبیا کے پائیلٹ جانے والوں کو دیا۔ اس میں جہاں ان کی اور سائنس کی اس عظیم کامیابی پر مبارکباد تھی وہاں اس کا آخری فقرہ یہ تھا کہ:۔

"MAY GOD GVING YOU BACK SAFELY TO US -"

"کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخیریت ہمارے پاس واپس لائے۔"

دیکھا آپ نے یہ ہے فطرتِ انسانی کی گواہی۔ اور اپنی بندگی اور عاجزی کا اقرار کہ اتنی طاقت، دولت، ملکیت کے سربراہ ہو کر سائنس کی معجزہ نما کامیابیوں کے باوجود انسان غالب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج ہے۔ پھر میرے جیسے غریب و عاجز بندے سے بے اختیار سبحان اللہ و بحمدہٖ نہ نکلا دیں تو جائیں کہاں۔ کیونکہ انسان کی اس قدر عقل و حکمت۔ نمائش و طاقت میں سے بھی بڑائی اور تعریف اسی خالقِ اکبر کی نکلتی ہے۔ جس نے یہ سب کچھ بندے کو بخشا۔

آخر میں بتا دوں کہ اندازے کے مطابق کولمبیا ۱۴ر اپریل کو بخیریت زمین پر اتر آیا۔ اب پھر دوبارہ اس کی روانگی کا اعلان ہوگا جس میں دوسرے مسافر بھی جا سکیں گے۔ آخر میں یہی کہہ کر بات ختم کرتی ہوں کہ:۔ "سبحان اللہ و بحمدہٖ۔"

* * *

تشکر و امتنان } ایک شرط قبولیت دعا کے لئے خدا کی جناب میں اس کے سابقہ عطیات کا شکریہ ادا کرنا ہے چنانچہ اگلی ہی آیت میں اس کا ذکر ہے:

ولم اکن بدعائک رب شقیا!

میرے رب میں نے تو کبھی بھی دعا تجھ سے نہیں مانگی۔ جو منظور نہ ہوئی ہو۔

جناب زکریا عرض کرتے ہیں۔ کہ میں ہمیشہ ہدایت اسباب کے لئے دعا مانگتا ہوں۔ اور میری ہمیشہ ہی دعا قبول ہوتی ہے۔ خدا کا شکریہ لفظی شکریہ نہیں ہونا چاہیئے۔ نہ خدا اس بات کا محتاج ہے۔ کہ اس کے شکریہ میں انسان کی زبان پر الفاظ جاری ہوں۔ وہ غنی اور حمید ہے۔ ہماری حمد و ثنا سے بہت ارفع ہے۔ کسی محسن کا حقیقی شکریہ یہ ہے کہ اس کے عطیات کو انسان ٹھیک طور پر استعمال کرے۔ کسی کی بے عزتی اس سے بڑھ کر متصور نہیں ہو سکتی۔ کہ اس کی دی ہوئی چیز کی قدر نہ کی جائے۔ (ماخوذ)

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے

علمی و روحانی کمالات

دامانِ نگہ تنگ گلِ حسنِ تو بسیار + گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

حضرت صاحب کی ذات جامع صفات تھی:۔ یہ ایک حقیقت نفس الامری ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دماغی اور قلبی دونوں قسم کے کمالات عطا کئے تھے۔ دنیا میں ایسے لوگ بہت شاذ ہوتے ہیں جو ان دونوں خوبیوں کے جامع ہوں۔ ایک شخص باوجود علم و فضل کے روحانیت سے بالکل صحرا اور ایک شخص جو قلبی یا روحانی خوبیوں کا مالک ہو علم و فضل سے بالکل تہیدست ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمارے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ بفضلہٖ جامع صفتین تھے۔ آپ زبردست دل و دماغ لے کر آئے جہاں ایک طرف بہت بڑے عالم متبحر تھے۔ اس کے ساتھ ہی آپ روحانیت کے بلند مقام پر فائز تھے یہ دونوں کمالات آپ کی زندگی میں بوجہ اتم موجود اور معرض ظہور میں آئے۔ جس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ یہاں بطور اختصار محض چند اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

آپ اسلام کے ایک بہت بڑے فلاسفر، ایک نہایت زبردست مناظر، بہترین مفسر، زبردست مقرر، اور ایک بلند پایہ کے مصنف تھے۔

آپ نے کم و بیش اسی کتب تصنیف فرمائیں۔ جن میں بہت سی کتب عربی میں ہیں جو فصاحت و بلاغت میں نظیر نہیں رکھتیں۔

حضرت مرزا صاحب کے علمی کارنامے:۔ بے شک ان تیرہ چودہ صدیوں کے عرصہ میں اسلام میں بہت بڑے بڑے مصنف، مفسر اور متکلم ہو گزرے ہیں جن پر دنیائے اسلام الیٰ یوم القیامت فخر کرے گی۔ بحمد اللہ ان کے علمی کارنامے ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مرزا صاحب کا پایہ اسلام کی ان مایہ ناز ہستیوں سے کسی طرح کم نہیں بلکہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ یہ ہماری ہی رائے نہیں بلکہ اس زمانہ کے چوٹی کے علماء نے اسی رائے کا اظہار کیا ہے

حضرت صاحب کی جلسہ مذاہب والی تقریر:۔ ۱۸۹۶ء میں ایک عظیم الشان جلسہ مذاہب لاہور میں منعقد ہوا۔ جس میں تمام مذاہب کے نمائندوں نے اپنے اپنے مذاہب کی خوبیوں پر لیکچر دیئے۔ بڑے بڑے علمائے کرام نے اسلام کے محاسن پر علمی جوہر دکھائے۔ پنڈتوں اور پادریوں نے اپنے عقائد مخصوصہ کی خوبیوں کو الم نشرح کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ لیکن یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا مضمون سب پر غالب رہا اور آپ کے قلم سے اسلام کو تمام ادیان پر ایک روشن اور بین فتح حاصل ہوئی۔ اور ایک منظر آنکھوں کے سامنے پھر گیا کہ گویا:۔

لیظھرہ علی الدین کلہ

اسی دن اور اسی موقعہ کے لئے وارد ہوا تھا۔ یہ حضرت مرزا صاحب کا وہ علمی کارنامہ ہے کہ تاریخ مذہب میں مثل مہر و ماہ ابد الآباد تک چمکتا رہے گا۔

* * *

جسم اور روح میں باہمی اثر پذیری کا ایک گہرا تعلق ہے

روزہ جسمانی صحت اور روحانی قویٰ کی نشوونما کیلئے ضروری ہے۔

خطبہ جمعہ مؤرخہ ۱۷-۷-۸۱ فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور ——— رپورٹ: مولوی شفقت رسول خاں۔

یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ..... وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۝

(البقرہ: ۱۸۳، ۱۸۴)

"اے ایمان والو تم پر روزے ضروری ٹھہرائے گئے ہیں جیسا کہ پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو، چند دن ہیں پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں گنتی پوری کرے۔ مگر جو اس میں مشقت پاتے ہوں (کہ وہ کبھی روزے رکھنے کی قوت پا ہی نہیں سکتے) تو وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں۔ پھر جو کوئی تکلف سے نیکی کرتا ہے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہو جائے۔"

یہ آیات جن میں روزے کے بارے میں مفصل ہدایات و احکام ہیں روزہ کے بارے میں بڑی جامع ہیں اور ان پر جس قدر غور کیا جائے عقل حیران رہ جاتی ہے۔ کہ یہ کس قدر حقائق کی حامل ہیں یہ آیات قرآنی جن میں بتایا ہے کہ روح اور جسم کا گہرا تعلق ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنی تصنیف "اسلامی اصول کی فلاسفی" میں بڑی وضاحت فرمائی ہے۔ روح اور جسم کے تعلق میں فرماتے ہیں۔

"اور جیسا کہ جسمانی افعال اور اعمال کا روح پر اثر پڑتا ہے ایسا ہی روح کا اثر بھی جسم پر پڑتا ہے جس شخص کو کوئی غم پہنچے آخر وہ چشم پُرآب ہو جاتا ہے۔ اور جس کو خوشی ہو آخر وہ مسکراتا ہے۔ جس قدر ہمارے افعال ہیں یعنی ہمارا کھانا پینا۔ سونا جاگنا۔ حرکت کرنا۔ آرام کرنا۔ غسل کرنا وغیرہ افعال طبعیہ ہیں یہ تمام افعال ہماری روح پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ آج علم و سائنس کی دنیا کو بھی اس کا علم نہیں۔ اسی لئے وہ مادہ جسم کو ہی توجہ کا مرکز گردانتی ہے۔ اور یہ تصور پیش کرتی ہے کہ سب کچھ جسم ہی جسم ہے اور مادیت کے سوا روح کوئی چیز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم روح کی حقیقت سے ناآشنا ہیں اور ہمیں اس کا علم نہیں ہے تو اس بے خبری کی وجہ سے ہم روح کی بالیدگی کے منکر ہیں اگر ہمیں علم ہو جائے تو حقیقت واضح ہو جائے۔ تو پھر ہم یقیناً روح کی طرف توجہ دیں۔ ان کنتم تعلمون میں اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ روح کا جسم پر اثر و نفوذ یقینی ہے جسم کی تکالیف روح کو متاثر کرتی ہے جس قدر انسان جسمانیت سے بالا ہوگا اسی قدر اس کی روح جسمانی تاثرات سے بلند ہوگی۔

اگر کسی کا کوئی عزیز اچانک کسی حادثہ کا شکار ہو کر فوت ہو جائے تو بعض اوقات وہ اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ اس کا دل فیل ہو جاتا ہے۔ یا اگر کسی کے مال یا تجارت میں ناگہانی نقصان ہو جائے تو وہ دماغی توازن کھو بیٹھتا ہے۔ لیکن اگر انسان کی روحانیت طاقتور ہو تو اس قسم کے حادثات اسے متاثر نہیں کرتے۔ یہ شواہد اس حقیقت کے اظہار کے لئے کافی ہیں کہ جسم اور روح کا تعلق شدید ہے۔ ہم ساری توجہ جسم کی طرف کر کے روح سے غافل ہو جاتے ہیں یہی چیز ہمیں کمزور بنا دیتی ہے۔ اس لئے ہم آفات و حادثات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں۔ لعلکم تتقون میں اسی طرف اشارہ ہے کہ تا تمہاری روح طاقتور ہو جائے تاکہ تم ناگہانی آفات کا مضبوطی سے مقابلہ کر سکو۔ ہمارے میڈیکل کالج کے پروفیسر سدرلینڈ انگریز تھے وہ جب بھی ہیضہ کی وبا پر لیکچر دیتے تو کہا کرتے تھے کہ جو لوگ کسی بیماری سے ڈرتے ہوں وہ جلد تر اس مرض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہمیں یہ بات بڑی عجیب محسوس ہوتی تھی مگر یہ حقیقت ہے کہ اگر خوف و ہراس روح میں موجود ہو تو جسم یقینی طور پر متاثر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح لوگوں کو حیرت ہوتی ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اعلان فرمایا کہ میرے مخلص مرید طاعون سے محفوظ رہیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان احتیاطی تدابیر اختیار نہ کرے بلکہ مدعا یہ ہے کہ اس تعلق سے روح کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور جسم میں قوت مدافعت بڑھ جاتی ہے۔ ورنہ جسم بیماری کو جلد قبول کر لیتا ہے۔ یہ روزہ جسمانی اور روحانی بہتری کے لئے ہے ان تصوموا خیر لکم روزہ رکھو اسی میں تمہاری بھلائی ہے اور اس بات کو اطباء اور ڈاکٹروں نے تسلیم کیا ہے کہ روزہ یا فاقہ صحت انسان کے لئے نہایت مفید ہے۔ مذہب جسم پر روح کے غلبہ کا تصور پیش کرتا ہے۔ گو اس روشنی اور سائنس کے زمانے میں بھی شاید اس کی پوری وضاحت نہ ہو سکے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ روح جسم پر غالب اور مؤثر ہے۔ اور جسم روح کے تابع ہے۔ اسی غلبہ کی تقویت کے لئے روزہ فرض کیا گیا ہے۔ روزہ بالغ اور صحت مند لوگوں پر فرض ہے مسافروں، بچوں اور مریضوں پر فرض نہیں ہے۔ اور وہ لوگ جو دائمی طور پر روزہ رکھنے میں ناقابل برداشت مشقت پاتے ہوں وہ روزہ نہ رکھیں بلکہ فدیہ دیں یعنی کسی مستحق شخص کو کھانا کھلائیں۔ ان ہدایات پر عمل کیا جائے اور روزہ رکھا جائے تو حقیقتاً روزہ صحت کے لئے مفید اور نفع بخش ہے۔ قرآن پاک میں بنی اسرائیل کا واقعہ درج ہے جب وہ حضرت طالوتؑ کی کمان میں مخالفوں سے جنگ کے لئے جا رہے تھے۔ تو ان کے کمانڈر نے انہیں کہا کہ دیکھو سامنے نہر یا دریا ہے اس سے پیٹ بھر کر پانی نہ پینا۔ ایک آدھ گھونٹ پینے میں مضائقہ نہیں ورنہ تم دشمن کے مقابل کمزور ہو جاؤ گے لیکن بنی اسرائیل کی قوم حکم عدولی میں ضرب المثل ہے۔ انہوں نے حکم عدولی کرتے ہوئے پیٹ بھر کر پانی پیا اور ان کے قدم بوجھل ہو گئے۔ اور وہ جنگ کے لئے دشمن کے مقابل نہ ہو سکے۔ تو یہ خیال کہ زیادہ کھانے پینے سے قوت ملتی ہے ایک دھوکا ہے۔ یہ انسان کی کم علمی اور زبان کے چسکے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ پُرخوری سے صحت تباہ ہوتی ہے۔ اور انسان بے شمار امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے جس میں ذیابیطس اور اختلاج قلب وغیرہ جیسے امراض انسانی صحت کے لئے مہلک ہیں۔ زیادہ خورد و نوش سے جسم کے اندر موٹاپا اور چربی بڑھ جاتی ہے۔ اور چربی کی زیادتی امراض قلب کا باعث ہوتی ہے۔ ایسے مریضوں کو کھانے پینے میں محتاط ہونا چاہیئے۔ بلکہ غذا کی ایک مقررہ مقدار استعمال کرنا چاہیئے۔ تاکہ موٹاپا کم ہو اور روحانیت مضبوط ہو۔ جب روح طاقتور ہو گی تو جسم کی صحت بھی درست ہو جائے گی۔ اور انسان مریض ہونے نہیں پاتا۔

ان تصوموا خیر لکم۔ روزہ رکھنے میں بہتری اور بھلائی ہے۔ اور پھر وہی انسان روزہ کے لئے مکلف ہے۔ جو اس کی برداشت رکھتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا۔

کسی انسان پر اس کی قوت برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا۔

خدا تعالیٰ انسان کے لئے عبادات میں آسانی اور سہولت چاہتا ہے۔ اس لئے روزہ میں بھی سہولت اور بہتری مدنظر ہے۔ ہندو دھرم میں یوگا بھی روح کی تقویت کے لئے کیا جاتا ہے اور اس میں بھی یہی فلسفہ ہے کہ کم خوری سے بہتر زندگی گزاری جا سکتی ہے۔ اور روح کو تقویت ملتی ہے۔ لیکن خدا نے جسم کی ضرورت کو ترک کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ضروریات کی حدود مقرر کی ہیں کیونکہ لا رہبانیۃ فی الاسلام اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ اس لئے جسم کے لئے جسم کی ضرورت کے مطابق توجہ دو اور روح کی تقویت کے حدود متعینہ کے اندر رہ کر روح کی مضبوطی کا سامان کرو۔ تاکہ تم خدا سے تعلق قائم کر سکو۔ جب روح

میں کامل قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو پھر اسے کوئی خوف و خطر نہیں رہتا۔ لاخوفٌ علیہم ولا ھم یحزنون۔ جو خدا سے تعلق پیدا کر لیتا ہے وہ شخص غم اور خوف سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ اور جو خوف اور غم سے لاپرواہ ہو گیا تو وہ مضبوط اور توانا بھی ہو گیا۔ اسلام کی تعلیم میں میانہ روی ہے وہ یہ تعلیم نہیں دیتا کہ جسم کی طرف توجہ ہی نہ دو اور اسے نظر انداز کر دو۔ اور نہ ہی کہ سارے تگ و دو اور کوشش جسم پروری میں صرف ہو اور روح کمزور اور ناتواں ہو جائے۔ اور جو شخص خدا پر توکل اور بھروسہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے اور وہ بلند مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ اور ان تمام قوٰے کو تقویت دو۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ فرمان الٰہی کے مطابق روزے کو ترک نہ کریں۔

* * *

قسط (۲) بسلسلہ پیغام صلح مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۸۱ء

آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صرف بنی نوع انسان سے ہی ہمدردی نہ تھی بلکہ بے زبان مخلوق خدا پر بھی رحم آپ کے اندر بھرا ہوا تھا۔ ملک عرب میں جو ظلم جانوروں پر ہوتے تھے ان کو موقوف کیا۔ ایک عورت کے متعلق فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے اس لئے کہ وہ بلی کو بھوکا باندھ رکھا کرتی تھی۔ جانوروں کا باہم لڑانا ان کا نشانہ بنانا بھی منع فرمایا۔ ایک صحابی نے ایک پرند کا انڈا اٹھا لیا تو فرمایا کہ اسے وہیں رکھ دو۔ ایک نے کسی پرند کے چھوٹے چھوٹے بچے جھاڑی سے نکال لئے تو آپ نے حکماً وہیں رکھوا دیئے۔ لاغر جانور کو دیکھتے تو فرماتے کہ بے زبانوں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔

مہمان نوازی کی سنت بھی آپ میں کمال کو پہنچی ہوئی تھی اپنے مہمان کی ہر قسم کی خاطر مدارات خود کرتے تھے جس قدر گنجائش ہوتی کہ ملا ہوتا اس قدر مہمانوں کو رکھ کر باقی کو صحابہ تقسیم کر دیتے۔ جو وہ بھی اپنے آقا کے اخلاق کے رنگ میں رنگین تھے۔ اور بعض وقت ایسا ہوا ہے کہ خود بھوکے سو رہے اور گھر میں جو کھانا ہے وہ مہمان کو کھلا دیا ہے۔

آپ نے کبھی کسی کو گالی نہیں دی۔ بلکہ سخت کلامی سے بھی آپ کسی سے پیش نہ آتے تھے جس کو کچھ کہنا ہوتا نہایت نرمی اور محبت سے کہتے۔ بلکہ دوسروں کو بھی سخت کلامی سے روکتے۔ یہودی آپ کو بجائے السلام علیکم کے السام علیکم کہا کرتے تھے یعنی تم پر موت آئے۔ حضرت عائشہؓ نے سنا تو بے اختیار بول اٹھیں کہ خدا تمہیں ہلاک کرے تمہیں پر موت آئے آپ نے فرمایا عائشہ خدا سخت کلامی کو پسند نہیں کرتا۔

امانت صدق اور راست بازی آپ کی سارے عرب میں مشہور تھی۔ یہاں تک کہ آپ کا نام ہی الامین ہو گیا تھا۔ خود ابوجہل کا اعتراف موجود ہے۔ جب اس نے نبی صلعم سے کہا کہ ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ اس پیغام کو جھوٹا کہتے ہیں جو آپ لائے ہیں۔ نضر بن الحرث نے خود اپنے ساتھیوں کو جب رسول اللہ علیہ کے خلاف مشورے کر رہے تھے یوں ملزم کیا کہ محمد صلعم تم میں ایک لڑکا تھا سب سے پسندیدہ۔ بات میں سب سے سچا۔ امانت میں سب سے بڑھ کر اور جب وہ بوڑھا ہو گیا اور تمہارے پاس کچھ پیغام لایا تو تم اسے ساحر کہتے ہو۔ خدا کی قسم وہ ساحر نہیں۔ آپ نے جو عہد کیا وہ کو بڑے بڑے نقصان اٹھا کر بھی پورا کیا۔ کفار کے ساتھ جو عہد حدیبیہ میں طے ہوا کہ اہل مکہ میں سے کوئی مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے تو اسے واپس کر دیں گے اس کو آپ نے ایسے ایسے حالات میں پورا کیا کہ خود مسلمانوں کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا۔ عفت اور پرہیزگاری کے لحاظ سے بھی آپ نے کامل نمونہ دکھایا۔ پچیس برس کی عمر تک شادی نہیں کی مگر آپ کی عفت پر کوئی شخص ہلکے سے ہلکے دھبہ کا نشان بھی نہیں بتا سکتا۔

عفو کی صفت کا اظہار آپ میں اس درجہ کمال پیدا ہوا کہ دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی آپ کو قرآن میں یہ حکم دیا جاتا ہے۔ خذ العفو جس کی تفسیر یوں بتائی گئی کہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے۔ کہ جو شخص تمہارے ساتھ قطع رحمی کا معاملہ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرو۔ اور جو شخص تم کو محروم کرتا ہے اسے تم دو اور جو شخص تم پر ظلم کرتا ہے اسے معاف کر دو منہ سے عفو کی تعلیم دینے والے بہت گذرے ہیں مگر اس کو موقعہ پر عمل میں لانے والے بہت کم ہیں۔ جنگ احد میں آپ کے دانت مبارک شہید ہو گئے منہ زخمی ہو گیا آپ گر گئے۔ بعض صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ان لوگوں پر جنہوں نے خدا کے رسول کو اس قدر دکھ پہنچایا ہے بددعا کیجیئے۔ فرمایا۔ مجھے لعنت کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ داعی خیر بنا کر اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اے خدا میری قوم کو ہدایت کر کیونکہ وہ جانتے نہیں۔ کس قدر رحمت قلب میں جوش زن ہے۔ کہ سخت دکھ اٹھاتے ہوئے بھی صرف بددعا سے خاموشی اختیار نہیں کی۔ بلکہ اپنے دشمنوں کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک اعرابی نے آپ کے گلے میں چادر ڈال کر زور سے کھینچا۔ جب آپ نے اس دیہاتی

(کالم ملا پر)

بقیہ کالم ملا، آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات

کہا کہ کیا اس کا تم سے بدلہ لیا جائے تو اس نے کہا کہ نہیں اس لئے کہ آپ بدی کا مقابلہ بدی سے نہیں کرتے فتح مکہ میں جو عفو کا نمونہ آپ نے دکھایا۔ کمال غلبہ کے وقت جو نرمی ان دشمنوں سے کی جنہوں نے مسلمانوں کو اذیت دینے میں۔ ان کو قتل کرنے میں، اسلام کو نیست و نابود کرنے میں، خود رسول اللہ صلعم کو قتل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔ بے نظیر ہے۔ ایسے معاف کیا کہ ان سے باز پرس تک بھی نہ کی۔ ابوسفیان جیسا دشمن جب سامنے آیا تو اس کے کسی فعل پر گرفت نہیں کی۔ حالانکہ وہ اسلام کو تباہ کرنے کے لئے پورا زور لگا چکا تھا اور جنگ احد میں حضرت حمزہ کی لاش کا مثلہ اسی کی عورت سے وقوع میں آیا۔ بلکہ یوں فرمایا کہ اے ابوسفیان تم پر افسوس کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟

حیا آپ میں اس قدر تھی کہ صحابہ کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلعم پردہ میں بیٹھنے والی کنواری لڑکیوں سے زیادہ حیادار تھے۔ قرآن شریف میں شہادت موجود ہے کہ آپ کو جب بعض لوگوں کی ناسمجھی سے بڑی بڑی تکلیف بھی پہنچتی تو آپ ان کو کچھ نہ کہتے۔ ان ذالکم کان یوذی النبی فیستحی منکم اس بات سے نبی کو ایذا پہنچتی ہے مگر وہ تم سے حیا کرتے ہیں۔ نام لے کر کسی کا عیب بیان نہ کرتے بلکہ یوں کہا دیتے کہ ان لوگوں کا حال ہے جو ایسا کرتے ہیں۔ ایک شخص پر کچھ رنگ دیکھا تو دوسروں کو فرمایا کہ بہتر ہو کہ کوئی سمجھائے کہ وہ اس کو دھو ڈالے۔ آپ نے حیا کو ایمان کی ایک شاخ قرار دیا۔ الحیاءُ شعبۃٌ من الایمان مگر دین کے معاملے میں بہت غیور تھے۔ دین کے خلاف کوئی امر دیکھتے تو روک دیتے۔ جب آپ کے صاحبزادہ ابراہیم فوت ہوئے تو اسی دن سورج کو گرہن لگا اور بالکل تاریک ہو گیا۔ لوگوں نے آپس میں باتیں کرنی شروع کیں کہ حضرت ابراہیم کی وفات کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے۔ آپ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ سورج کو گرہن کسی کی زندگی یا موت کی وجہ سے نہیں لگا بلکہ یہ خدا کی قدرت کے نشان ہیں۔ یوں توہم پرستی کو جڑ سے کاٹا۔

آپ کی کامل شفقت اور رافت اور رحمت کی شہادت قرآن کریم کے ان الفاظ سے ملتی ہے کہ آپ کو رؤف و رحیم کا خطاب دیا گیا ہے۔ آپ کو اپنی امت کا بہت خیال رہتا تھا۔ کہ آپ کی کسی ہدایت سے ان پر کوئی ایسا بوجھ نہ پڑے جو وہ برداشت نہ کر سکیں۔ اپنی امت کے لئے آپ نے دعائیں بھی بہت کی ہیں اور آخری زمانہ میں جو ان پر مصائب آنے والے تھے ان کا نقشہ بھی کھینچ دیا ہے۔ اور ان کو ان مصائب کے اندر تسلی بھی دی ہے۔ اپنوں پر شفقت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جب غیروں پر اس قدر شفقت ہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کر دو گے کہ لوگ حق کو نہیں مانتے۔ جن لوگوں کے تعلقات آپ کے دوستوں سے ہوئے یا ان پر کوئی احسان انہوں نے کیا۔ ان کے احسان کو نہیں بھلایا۔ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ جن بیبیوں کے کوئی تعلقات محبت تھے آخر عمر تک ان کو تحفے بھیجتے رہے۔ ایک دفعہ حاتم طائی کی بیٹی قیدیوں میں آئیں تو آپ نے فرمایا کہ ایسے سخی آدمی کی بیٹی قید میں نہیں رہ سکتی۔ اور پھر اس کی خاطر سب قیدیوں کو رہا کر دیا۔

* * *

مرتضیٰ خان حسن

نہ جانے کیا ہوا

کیا ہوا دیں کی بہاروں کو نہ جانے کیا ہوا
لہلہاتے سبزہ زاروں کو نہ جانے کیا ہوا

کیا ہوئے وہ ولولے اور وہ اُمنگیں کیا ہوئیں
دین کے خدمت گزاروں کو نہ جانے کیا ہوا۔

جامِ وحدت کا کوئی اب پینے والا ہی نہیں
مے کشوں کو مے گساروں کو نہ جانے کیا ہوا

ڈھونڈنے سے بھی اب جِنسِ وفا ملتی نہیں
دوستوں کو دوستداروں کو نہ جانے کیا ہوا

گرمئ مہر و محبّت اب کسی دل میں نہیں
آہ! اُلفت کے شراروں کو نہ جانے کیا ہوا

حلّت و حرمت کی قیدوں سے ہوئے آزاد وُہ
ہائے ان پرہیزگاروں کو نہ جانے کیا ہوا

جیفۂ دُنیا پہ مائل ہر کس و ناکس ہے آج
اتقا کے دعوے داروں کو نہ جانے کیا ہوا

غفلتوں پر ان کی ہے نالہ کُناں مُرغِ سحر
نیم شب کے اشک باروں کو نہ جانے کیا ہوا

وہ محبّت کی نگاہیں وہ خلوص اور وُہ وفا
ان اخوّت کے نظاروں کو نہ جانے کیا ہوا

بزمِ ہستی میں نہ ہاو ہو نہ شورِ الغیاث
دل جلوں کو دل فگاروں کو نہ جانے کیا ہوا

گلشنِ عالم میں اب زاغ و زغن کا شور ہے
عندلیبوں کو ہزاروں کو نہ جانے کیا ہوا

اس قدر مدہوش ہیں وہ ہوش میں آتے نہیں
ہائے تیرے ہوشیاروں کو نہ جانے کیا ہوا

رات بھر روتا رہا ہوں درد سے میں غم نصیب
آشناؤں، غمگساروں کو نہ جانے کیا ہوا۔

* * * *

مذاکرۂ علمیہ

وحی الٰہی از روئے فلسفہ

قرآن کریم نے جو مذہب اسلام کی الہامی کتاب ہے انسان کی حقیقت کو تین فقروں میں نہایت مدلل اور ابلغ طریق پر بیان فرمادیا ہے۔ فرماتا ہے کہ :۔

سبح اسم ربک الاعلیٰ ۝ الذی خلق فسوّیٰ ۝ الذی قدر فھدیٰ

اے انسان تیرے رب نے تجھے جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور اپنی ربوبیت کے فیضان سے تجھے جس اعلیٰ مقام تک پہنچانا چاہتا ہے اُسے حاصل کرکے اپنے رب کے نام کی پاکیزگی اور بلندی کو ظاہر کر تاکہ مخلوق کے اعلیٰ مقام ترقی کو دیکھنے سے اس کے پیدا کرنے والے کی اعلیٰ شان و صفاتِ کاملہ عالیہ کا علم پیدا ہو لیکن اس اعلیٰ مقام کو انسان اس ہدایت الٰہی کے ماتحت چل کر حاصل کرسکتا ہے۔ جس کے ماتحت قدرت کی ہر چیز چل کر اپنے مقصد پیدائش کو حاصل کررہی ہے۔ صحیفہ فطرت پر نظر ڈال اور دیکھ کہ تیرے رب نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا۔ پھر اسے ٹھیک بنایا یعنی جس مقصد کے لئے اُسے پیدا کیا اس کے مناسب حال نہایت عمدہ قوے اور استعدادیں بھی عطا فرمائیں۔ پھر اس میں ہر ایک امر کا اندازہ مقرر کردیا اور پھر اسے ان راہوں پر چلایا جن پر چل کر وہ اپنے مقصد پیدائش کو حاصل کرلیتی ہے۔ پس تو بھی خدا کی بتائی ہوئی راہوں پر چل کر اپنے مقصد پیدائش کو حاصل کر۔

ان آیات میں چار باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جن کا پایا جانا کائنات کی ہر ایک چیز میں لازمی ہے۔

(۱) ایک تو اس کی پیدائش

(۲) دوم اس کی پیدائش کی غرض کے مناسب حال اس میں قوے کا پایا جانا۔

(۳) سوم اس کی قوتوں میں ایک خاص انداز کا پایا جانا اور اس چیز کا دوسری اشیائے کائنات سے ایک خاص نسبت رکھنا۔

(۴) چہارم پھر اس خاص اندازہ کے مطابق قدرت کا ان طاقتوں کو ان راہوں پر چلا دینا جن پر چل کر وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے جس کے لئے یہ چیز پیدا ہوئی۔

پس جب یہ چار باتیں کائنات کی ہر چیز میں لازمی طور پر پائی جاتی ہیں تو ضرور ہے کہ انسان بھی ان چاروں باتوں سے خالی نہ ہو یعنی :۔

(۱) ایک تو اس کی پیدائش

(۲) دوم اس کی پیدائش کی غرض کے مناسب حال اس میں قوے کا پایا جانا۔

(۳) سوم اس کی قوتوں میں ایک خاص اندازہ کا موجود ہونا اور دوسری اشیائے کائنات سے اس کا ایک خاص نسبت رکھنا۔

(۴) چہارم اس خاص اندازہ کے ماتحت قدرت کا اس کی قوتوں کو ان راہوں پر چلانا جن پر چل کر وہ ان مقاصد کو حاصل کرے جس کے لئے یہ پیدا ہوا ہے۔

ہمارے زیر بحث یہاں چوتھی بات ہے یعنی قدرت کی ہدایت جس کے ماتحت چل کر انسان اپنے مقصد پیدائش کو حاصل کرلیتا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو کائنات کی دوسری اشیاء سے ایک حد تک تو اشتراک ہے مگر ایک حد کے آگے خاص طور پر امتیاز بھی حاصل ہے۔

اشتراک تو اس امر میں ہے کہ اس کی حیوانی زندگی کے لئے جو قوے اسے عطا ہوئے ہیں وہ اسی طرح بلا ارادہ اور بے اختیار قدرت کی ہدایت کے ماتحت کام کرتے ہیں جس طرح دوسری اشیاء کائنات کرتی ہیں۔ مثلاً کھانے کا ہضم ہونا۔ دل کی حرکت۔ دوران خون۔ غرض کہ تمام جسم انسانی کا نظام بالعموم بغیر ارادہ اور بے اختیار قدرت کی ہدایت کے ماتحت چل رہا ہے۔ یہ حصہ تو وہ ہے جو انسان اور دوسری اشیائے کائنات میں مشترک ہے۔

مگر انسان میں علاوہ ازیں ایک اور حصہ بھی ہے جسے تمام دیگر اشیائے کائنات پر ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ اور درحقیقت اسی کا نام انسانی زندگی ہے۔ اور وہ ہے اس کا قلب جس میں خود شناسی اور خود اختیاری کی صفات موجود ہیں جس کے ذریعے انسان اپنی ہستی کو پہچانتا ہے۔ اپنی نسبت کائنات کی دوسری چیزوں سے اور ان کی آپس کی نسبت کو پہچانتا ہے۔ پھر اس علم کے ساتھ اپنے ارادہ اور سمجھ کے مطابق ان میں دخل دینے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ حصہ ہے جس میں ترقی کرنا انسان کی پیدائش کی غرض اصلی ہے۔ اس حصہ میں ترقی کرنے کے لئے ضرور ہے کہ انسان علم صحیح حاصل کرے اور دنیا میں جو چیزیں بھی ہیں ان میں اپنے صحیح مقام کو پہچان کر اور دوسری چیزوں کی ماہیت کا علم حاصل کرکے ان میں اپنے ارادہ اور مرضی سے تصرف کرے اور اس طرح کائنات کی کل اشیاء پر حکومت کرے۔ اور ترقیات لامتناہی کا وارث ہو۔ اس لئے اس حصے میں اگر خالق فطرت کی ہدایت اسی طرح ہوتی جس طرح دوسری اشیاء میں ہوتی ہے۔ یعنی بلا اختیار و بلا ارادہ اس کی قوتیں اور استعدادیں کام کرتیں تو ظاہر ہے کہ پھر امتیاز انسانی ہی مٹ جاتا اور انسان کی پیدائش کی اصلی غرض ہی فوت ہو جاتی۔ پس اس حصۂ انسانی یعنی قلب انسانی کو خالق فطرت کی طرف سے ہدایت اسی طرح ہوسکتی تھی کہ انسان کو اس کی پیدائش کے مقصد کا اور اس کے حصول کی راہوں کا اس کے خالق کی طرف سے صحیح علم دے دیا جاتا۔ اور وہ اس علم کو حاصل کرکے اپنے ارادہ و مرضی سے اس پر عمل کرتا۔

دوسرا امر قابل توجہ یہ ہے کہ کوئی انسان اپنی فطرت میں علم لے کر پیدا نہیں ہوتا۔ یعنی علم اس کے قلب کے اندر سے نہیں پھوٹتا بلکہ علم ہمیشہ قلب کے خارج سے آتا ہے۔ البتہ انسان میں علم کو قبول کرنے کی استعداد اور اس کے حاصل کرنے کے ذرائع یعنی حواسِ خمسہ فطرتاً موجود ہوتے ہیں۔ انسان ان حواسِ خمسہ کے ذریعہ علوم حاصل کرکے ان کو سمجھتا اور اُن سے نتائج نکالتا اور فیصلے کرتا ہے۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوتا کہ علم انسان کے قلب کے اندر سے خود بخود پیدا ہو۔ مثلاً جب تک انسان سُرخ اور سبز رنگ کو نہ دیکھے وہ نہیں سمجھ سکتا کہ سُرخ اور سبز رنگ کیا ہوتا ہے۔ جب دیکھ کر علم حاصل کرلیتا ہے تو پھر ان کو سمجھتا ہے۔ اور ان میں امتیاز بھی کرسکتا ہے۔ اسی لئے خالقِ فطرت نے انسان کو حواسِ خمسہ عطا فرمائے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے انسان علم حاصل کرتا ہے۔ یعنی قوتِ باصرہ۔ قوت سامعہ۔ قوتِ شامہ۔ قوتِ ذائقہ۔ قوتِ لامسہ۔ جب تک یہ پانچوں حواس یعنی دیکھنے۔ سننے، سونگھنے۔ چکھنے اور چھونے کی قوتیں انسان میں موجود نہ ہوں وہ کوئی علم حاصل نہیں کرسکتا۔ ان قوتوں میں دیکھنے اور سننے کی قوتیں حصول علم کے ذرائع میں سب سے بڑھ کر مقام رکھتی ہیں۔ یہ قوتیں خارج کی چیزوں کو محسوس کرکے انسان کے اندر علم پیدا کرتی ہیں۔

اب ایک اور امر بھی سمجھ لینا چاہیئے جو علم فزیالوجی اور سائیکالوجی کا ایک مسلّمہ مسئلہ ہے اور سچ پوچھو تو یہی وہ بات ہے جو انسان کے حواسِ خمسہ میں خاص طور پر امتیازی رنگ میں نمایاں نظر آتی ہے اور جس کی وجہ سے انسان اپنے احساس سے جس علم کو حاصل کرتا ہے۔ اسے سمجھتا اور اس سے نتائج نکالتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کے حواسِ خمسہ یعنی دیکھنے۔ سننے۔ سونگھنے۔ چکھنے۔ چھونے میں سے ہر ایک

حس کے بالمقابل اسی قسم کی ایک ایک حس اس کے اندر قلب انسانی (MIND) میں موجود ہے اور دماغ میں ان کے مرکز موجود ہیں۔ جب تک وہ حس کام نہ کرے ظاہری حواس خمسہ میں سے کسی حس سے بھی کوئی علم ملے اسے قلب انسانی محسوس نہیں کر سکتا۔ مثلاً قلب کی بصارت کی حس کا مرکز اگر خراب ہو جائے تو ایک انسان ایک چیز کو دیکھتا رہے گا مگر اسے تمیز نہ کر سکے گا کہ کیا کچھ دیکھ رہا ہے۔ خواہ اس چیز کو ہزار بار دیکھا ہوا اور جانتا بھی ہو۔ وہ گھوڑے کو دیکھ رہا ہے۔ مگر نہیں جانتا کہ وہ گھوڑا ہے۔ کیونکہ اس کے قلب کی بصارت کی حس کام نہیں کر رہی۔ اسی طرح قلب کی قوت سامعہ اگر خراب ہو جائے تو وہ ایک آواز کو سنے گا مگر سمجھے گا نہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے خواہ اس کی اپنی زبان ہو اور سو دفعہ سن چکا ہو۔ تو معلوم ہوا کہ جسم انسان کے حواس خمسہ کی طرح قلب انسانی کے حواس خمسہ انہی کے بالمقابل الگ ہیں۔ اور حواس ظاہری کا دیا ہوا علم اسی صورت میں مل سکتا ہے کہ اس کے اپنے حواس خمسہ خود خارج سے کسی چیز کو محسوس کریں اور اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) یا تو حواس خمسہ ظاہری اپنے احساس کو حواس خمسہ باطنی تک منتقل کریں یعنی حواس خمسہ باطنی حواس خمسہ ظاہری کی وساطت سے علم حاصل کریں۔

(۲) یا حواس خمسہ باطنی بلا وساطت حواس خمسہ ظاہری کے کسی چیز کو محسوس کریں۔ دونوں صورتیں میں چونکہ قلب انسانی کے اپنے حواس جو اس کے لئے ذرائع علم ہیں کام کریں گے اس لئے دونوں طریق پر قلب انسانی علم حاصل کر سکے گا۔

حواس خمسہ ظاہری جس علم کو حواس خمسہ باطنی تک منتقل کرتے ہیں وہ مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ سے انسان کی اپنی کوشش اور سعی سے بتدریج ملتا ہے اور اس میں انسان بوجہ ناتجربہ کاری اور علم و عقل کی کمزوریوں کے بار بار ٹھوکریں کھاتا اور غلطیاں بھی کرتا ہے۔ اگر اس طریق سے اسے اپنے مقصد پیدائش اور اس کے حصول کی راہوں کا علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی پڑتی تو وہ غلطیاں کر کر کے ہلاک ہو جاتا اور یہ اس پیدائشی حق کے خلاف ہوتا۔ جو کائنات کی ہر چیز کو حاصل ہے۔ جیسا کہ میں اوپر ذکر کر آیا ہوں۔ یعنی ہر ایک چیز جو پیدا کی گئی ہے خود اس کے پیدا کرنے والے کی غرض سے اس کو ان صحیح راہوں پہ چلایا جاتا ہے جن پر چل کر وہ اپنے مقصد پیدائش کو پالیتی ہے۔ پس انسان کے اس پیدائشی حق کا تقاضا یہ تھا کہ اُسے اپنے پیدا کرنے والے کی طرف سے کسی کوشش کے نتیجہ میں نہیں بلکہ وہبی طور پر وہ علم براہ راست ملتا جس کے ذریعے سے وہ صراط مستقیم پر چل کر اس مقصد کو پالیتا جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ جب سے انسان عالم وجود میں آیا ہے قلب انسانی کو اس کے خالق کی طرف سے یہ علم بھی ملتا آیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ علم جو بطور موہبت کے قلب انسانی کو ملتا ہے۔ وہ بلا وساطت حواس ظاہری کے ملنا چاہیئے۔ کیونکہ حواس ظاہری تو اس لئے ہیں کہ انسان ان کے ذریعے اپنی کوشش سے علم حاصل کرے۔ اور جو علم بطور موہبت ملے گا اس میں ان حواس کی وساطت عبث ہے۔ پس قلب کو جو علم اس صورت میں ملتا ہے براہ راست اس کو اپنے انہی حواس باطنی کے ذریعہ ملتا ہے۔ جو اس میں موجود ہیں۔ یعنی قوت باصرہ۔ قوت سامعہ۔ قوت شامہ۔ قوت ذائقہ۔ قوت لامسہ کے ذریعے سے۔ یہ حواس باطنی چونکہ ظاہری حواس سے عین مشابہ ہیں اس لئے یہ بھی اسی طرز میں احساس کو قبول کرتے اور علم کو حاصل کرتے ہیں جس طرز میں حواس ظاہری علم حاصل کرتے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ قلب انسانی کو اگر کوئی علم خالق فطرت کی طرف سے بلا وساطت حواس ظاہری کے براہ راست دیا جائے گا تو ضرور ہے کہ وہ بھی یا تو آواز کے رنگ میں با الفاظ معنی ہو جسے اصطلاح میں وحی و الہام کہتے ہیں۔ نظارہ و مشاہدہ کے رنگ میں ہو جسے کشف و رؤیا کہتے ہیں۔ یا قلب کو احساس لمس ہو جسے القاء و نور فراست کہا جاتا ہے یا خوشبو یا بدبو اور ذائقہ کی شکل میں احساس ہو کیونکہ یہی وہ حواس ہیں جن کے ذریعہ قلب علم حاصل کر سکتا ہے بغیر ان حواس باطنی کے قلب کوئی علم حاصل نہیں کر سکتا۔ پس جب ان حواس پر براہ راست اثر ڈال کر قلب کو کوئی علم دیا جائے گا تو وہ اسی طرح دیا جائے گا۔ جس طرح حواس ظاہری کے ذریعہ سے دیا جاتا ہے۔ اور قلب اُسے اسی طرح محسوس کرے گا جس طرح اس وقت کرتا ہے۔ جب کوئی علم حواس ظاہری کے ذریعہ حواس باطنی کو منتقل ہوتا ہے۔ قلب کے اپنے حواس دونوں صورتوں میں یکساں کام کریں گے۔ یعنی خواہ کوئی علم حواس ظاہری سے حواس باطنی کی طرف منتقل ہو رہا ہو۔ یا براہ راست حواس باطنی کو اس کے خالق کی طرف سے مل رہا ہو۔ قلب انسانی کو اس کا احساس یکساں ہوگا۔ وہ اپنے خالق کی آواز کو اسی طرح سنے گا اور اس کے عجائبات کو اسی طرح دیکھے گا جس طرح اس وقت آواز کو سنتا یا کسی مشاہدہ کو دیکھتا ہے۔ جب یہ احساس حواس ظاہری سے حواس باطنی کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ جب حواس باطنی براہ راست کسی علم کو حاصل کرتے ہیں اس وقت حواس ظاہری معطل ہوتے ہیں۔

پس جب یہ ثابت ہو چکا کہ قلب انسانی میں بھی اسی قسم کے حواس ہیں جس طرح ظاہر بدن میں حواس ہیں اور ان حواس کے ذریعے وہ اپنے خالق کی آواز کو اسی طرح سن سکتا ہے اور اس کے باطنی تجلیات کو اسی طرح مشاہدہ کر سکتا ہے جس طرح انسان ظاہری حواس سے سنتا اور دیکھتا ہے۔ تو پھر ظاہر ہے کہ ہر ایک انسان کم و بیش ان حواس سے علم حاصل کر سکتا ہے لیکن ہر ایک انسان کی فطری استعداد الگ ہے اور سب کی قوتیں یکساں نہیں ہوتیں۔ جس طرح ظاہری حواس اور قوتیں بعض میں تیز اور طاقتور ہوتی ہیں اور بعض میں کمزور اور بعض میں کسی وجہ سے پوری طرح نشو و نما نہیں پاتیں۔ اسی طرح باطنی حواس بھی سب کے یکساں طور پر تیز اور طاقتور نہیں ہوتے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دنیا میں انہماک کی وجہ سے ان کا نشو و نما کما حقہٗ نہیں ہوتا۔ اس لئے خالق فطرت کی طرف سے انسان کو اس کا پیدائشی حق یعنی ہدایت دینے کے لئے ایسے لوگوں کا انتخاب ہو جاتا ہے جن کی استعداد اور حواس باطنی کی ذکاوت اور لطافت نہ صرف فطرتی طور پر دوسرے لوگوں سے امتیاز خاص رکھتی ہے بلکہ ان کی توجہ الی اللہ ان کے حواس اور قوائے باطنیہ کو کامل طور پر نشو و نما دے دیتی ہے۔ یہ لوگ خالق فطرت کی آواز کو سنتے اور اس علم کو حاصل کرتے ہیں جس پر عمل کرنے سے انسان اپنے مقصد پیدائش کو حاصل کر لیتا ہے۔ اس علم کا نام وحی الٰہی ہوتا ہے، اور یہ لوگ نبی کہلاتے ہیں۔ جس طرح تیز نگاہ رکھنے والا انسان پہلی رات کا چاند دیکھ کر کمزور نگاہ والوں کو بتلاتا ہے۔ اسی طرح انبیا اپنے حواس قلبی کی تیزی اور ان کے پورے نشو و نما پائے ہوئے ہونے کی وجہ سے اس قابل ہوتے ہیں کہ ہدایت الٰہی کا علم حاصل کر کے دوسرے لوگوں کو دیں اور اسی وجہ سے وہ اس کام کے لئے خالق فطرت کی طرف سے منتخب کئے جاتے ہیں۔ تا انسان کو اس کا پیدائشی حق دیا جائے۔ اور تا ہر کس و ناکس اس علم سے بہرہ یاب ہو سکے۔ انبیاء کی بتائی ہوئی ہدایات پر عمل کرنے سے نہ صرف یہی ہوتا ہے کہ انسان اپنے مقصد ہستی کو پالیتا ہے بلکہ اس طرح اس کی اپنی باطنی قوتوں کا نشو و نما بھی اس قدر ہو جاتا ہے۔ کہ وہ خود بھی حسب استعداد اس مزہ کو چکھ لیتا ہے۔

* * * *

اخبارِ احمدیہ:۔ حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ بخیریت ہیں احباب سلسلہ موصوف کی صحت و عافیت کے لئے دعا فرماتے رہیں۔

- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی ابھی تک بیرون ملک دورہ پر ہیں۔ آپ کی بخیریت واپسی کے لئے احباب جماعت رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں خصوصیت سے دعا فرماویں۔

- **درخواست دعائے صحت:۔** جناب خواجہ محمد نصیر اللہ صاحب سیکرٹری جماعت راولپنڈی تحریر فرماتے ہیں کہ میں لو لگنے کی وجہ سے بیمار ہوں۔ اب افاقہ ہے۔ احباب جماعت صحت کاملہ کے لئے دعا فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح۔ احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔
چیف ایڈیٹر:۔ (ڈاکٹر اللہ بخش)
ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۲۲ جولائی ۱۹۸۱ء، جلد ۶۸ شمارہ ۲۹ رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰے ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بر و شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبری

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۴۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے
بیرونی ممالک سے [illegible]

جلد:- ۶۸ ★ یوم چہارشنبہ ۲۶ رمضان المبارک ۴ شوال المکرم ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲۹ جولائی ۱۹۸۱ء / ۵ اگست ۱۹۸۱ء ★ شمارہ ۳۰/۳۱

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردھم

للّٰہی وقف کا شاہکار حضرت ابوبکر صدیقؓ

دولت مند اور متمول لوگ دین کی خدمت اچھی طرح کر سکتے ہیں، اسی لئے خدا تعالیٰ نے مما رزقنٰھم ینفقون، متقیوں کی صفت کا ایک جزو قرار دیا ہے یہاں مال کی کوئی خصوصیت نہیں ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کسی کو دیا ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ انسان اپنے بنی نوع کا ہمدرد اور معاون بنے اللہ تعالیٰ کی شریعت کا انحصار دو ہی باتوں پر ہے۔ تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ، پس مما رزقنٰھم ینفقون میں شفقت علیٰ خلق اللہ کی تعلیم ہے۔ دینی خدمات کے لئے متمول لوگوں کو بڑے بڑے مواقع مل جاتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روپیہ کی ضرورت بتلائی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کا کل اثاثہ لے کر حاضر ہو گئے۔ آپؐ نے پوچھا، ابوبکر! گھر میں کیا چھوڑ آئے تو جواب میں کہا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا نام چھوڑ آیا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نصف لے آئے آپؐ نے پوچھا عمر! گھر میں کیا چھوڑ آئے تو جواب دیا کہ نصف! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے فعلوں میں جو فرق ہے وہی ان کے مراتب میں فرق ہے ...... حقیقی اتقا اور ایمان کے حصول کے لئے فرمایا لن تنالوا البرّ حتّٰی تنفقوا مما تحبون ۰ حقیقی نیکی کو ہرگز نہ پاؤ گے جب تک کہ تم عزیز ترین چیز خرچ نہ کرو گے کیونکہ مخلوقِ الٰہی کے ساتھ ہمدردی اور سلوک کا ایک بڑا حصہ مال کے خرچ کرنے کی ضرورت بتلاتا ہے۔ اور ابنائے جنس اور مخلوق الٰہی کی ہمدردی ایک ایسی شے ہے جو ایمان کا دوسرا جزو ہے۔ جس کے بغیر ایمانِ کامل اور راسخ نہیں ہوتا۔ جب تک انسان ایثار نہ کرے دوسرے کو نفع کیونکر پہنچا سکتا ہے۔ دوسرے کی ہمدردی اور نفع رسانی کے لئے ایثار ضروری شے ہے اور اس آیت میں لن تنالوا البرّ حتّٰی تنفقوا مما تحبون میں اسی ایثار کی تعلیم اور ہدایت فرمائی گئی ہے۔ پس مال کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا بھی انسان کی سعادت اور تقوے شعاری کا معیار اور محک ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں للّٰہی وقف کا معیار اور محک وہ تھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ضرورت بیان کی اور وہ گھر کا تمام اثاثہ لے کر حاضر ہو گئے۔

(ملفوظات احمدیہ جلد اوّل ۱۱۳/۱۱۴)

میاں فضل احمد صاحب کا مکتوب گرامی

پیغام صلح کی گزشتہ اشاعت (یکم جولائی ۸۱ء) میں قارئین امریکہ سے احمدیہ کنونشن ہالینڈ کے بارے میں محترم میاں فضل احمد صاحب کی رپورٹ جو ہالینڈ کی جماعتوں کی تقریبات کے متعلق تھی پڑھ چکے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی کی قیادت میں جو وفد بیرونی ممالک کے دورہ پر ہے۔ میاں صاحب موصوف بھی اس میں شامل ہیں۔ یہ وفد ہالینڈ کے بعد لندن ہوتا ہوا اب امریکہ پہنچ گیا ہے۔ مکرم میاں صاحب نے اس خط میں جو ۱۰ جولائی ۱۹۸۱ء تک کے حالات لکھے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اپنی صحت کے بارے میں جو کرب انگیز تشویش کا اظہار کیا ہے۔ صرف اُن کے عزیز و اقارب کے لئے ہی نہیں بلکہ پوری جماعت کے لئے موجب فکر ہے۔ میاں صاحب کے دل کا آپریشن ۵ اگست کو ہونا ہے۔ ہر فردِ جماعت اُن کے لئے دعا کرے کہ جماعت لاہور کا یہ اہم فرد، جس سے مستقبل کی بہت سی اُمیدیں وابستہ ہیں شب بیدار بزرگ اپنی نیم شبی دُعاؤں میں موصوف کی صحت اور بخیریت واپسی کے لئے دُعا فرمادیں۔

میاں صاحب لکھتے ہیں:۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ـــ میں ناصر صاحب کے خط کا جواب نہ دے سکا۔ دیری کی معافی چاہتا ہوں۔ خیال تھا کہ کچھ نتیجہ خیز بات ہو تو لکھوں۔ یہاں اپنے دل کے معائنہ میں گھر گیا اور ڈاکٹروں نے آپریشن کا مشورہ دیا۔ اُن کا کہنا ہے کہ تین شریان بند ہیں۔ اور صرف ایک شریان کام کر رہی ہے لیکن دل کو خون کی کمی اس وجہ سے نہ ہو سکی کہ ایک شریان جو کھلی ہے پھول کر لانی چوڑی ہو گئی ہے کہ دل کو پورا خون پہنچا رہی ہے۔ اور اسی وجہ سے دل اپنا کام کر رہا ہے۔ شکر ہے کہ حضرت دل بچ نکلے اور بیماری کی نذر نہ ہو گئے۔ دُعا فرمادیں کہ آپریشن کا مسئلہ خیر و عافیت سے طے ہو اور میں مع تین شریانوں اور دل کے واپس آکر آپ دوستوں کے ساتھ کام کر سکوں۔

یہاں گزشتہ تین دن سے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ تشریف لائے ہوئے ہیں اور خوب گہما گہمی ہے۔ پہلی رات ڈاکٹر عبداللہ جان (خلف الرشید ڈاکٹر کرم الٰہی مرحوم) مع بیگم صاحبہ تشریف لائے اور کھانا بھی یہاں ہی کھایا۔ مدد عشاء کی نماز بھی ہمارے ساتھ ہی ادا کی۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ کی پُرسوز تلاوت سے بڑا ہی لطف آیا۔ اس نورانی انسان کی نماز میں قرآن کے سن کر دل گداز ہو کر پانی بن کر آنکھوں کی راہ نکلنے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی حضوری حاصل ہو جاتی ہے۔ اور جذب و سرور کی یہ کیفیت مدتوں یاد رہتی ہے۔ عبداللہ جان صاحب نے اپنی گفتگو میں حضرت ڈاکٹر صاحب سے امریکہ میں تحریکِ احمدیت کو جاندار اور آگے بڑھانے کا وعدہ بھی کیا۔ ان تین ایام میں حضرت ڈاکٹر صاحب سے متعدد امریکن، چینی۔ جاپانی اور روسی نژاد لوگوں نے بھی ملاقاتیں کیں۔ یہ سب اس ملک کی مختلف یونیورسٹیوں میں پروفیسر ہیں۔ یہ قرآن کریم کا ترجمہ جاپانی۔ چینی، روسی اور فرانسیسی زبانوں میں کرنے کو تیار ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے ان سے اس بارے میں تفصیلی گفتگو کی۔ ایک روسی خاتون جو صرف چار سال سے یہاں آکر آباد ہوئی ہیں حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی گفتگو اور تلاوتِ قرآن سن کر کہنے لگیں کہ میرا پس منظر کمیونسٹ ہے اور میں خدا کی تلاش میں نکلی ہوں۔ یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے تو زبان تھرائی اور آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے جواب میں فرمایا آپ کا شیشۂ دل بالکل صاف ہے۔ تلاش جاری رکھیں خدا کا پرتو صاف شیشۂ دل پر جلد اُترے گا۔ ساتھ ہی انہوں نے حضرت امیر مرحوم کی کتابوں کا سیٹ اور اسلامی اصول کی فلاسفی (انگریزی) تحفۃً دی۔ ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک صاحب کا گھر بھی ایک لحاظ سے ایک اسلام کا مرکز ہے۔ ہر کمرہ میں ہر الماری میں اسلامی لٹریچر اور اپنی جماعت کی کتب کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ اسی سٹاک میں سے حضرت ڈاکٹر صاحب نے اس خاتون اور دیگر ملاقاتیوں میں لٹریچر تقسیم کیا۔ نعمان الٰہی صبح ۸ تا ۵ بجے شام اپنے ہسپتال میں کام کرتے ہیں بعد میں جماعتی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ اور پروفیسر حضرات سے خط و کتابت بھی کرتے رہتے ہیں، یہاں پر لاتعداد یونیورسٹیاں موجود ہیں جن میں دُنیا کی ہر زبان پڑھانے کے لئے قابل ترین پروفیسر موجود ہیں اور وہ ایک زبان سے دُوسری زبان میں بہترین ترجمہ بھی کرتے ہیں۔ بغرضیکہ امریکہ میں جناب ماسٹر محمد عبداللہ۔ ظفر عبداللہ، نعمان الٰہی ملک صاحب اور چوہدری مسعود اختر اپنے فارغ اوقات میں جماعت کی بہتری کی تدبیریں سوچنے اور اُسے منظم اور فعال بنانے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں اور چوہدری مسعود اختر صاحب نے تو اپنی جودت طبع سے بہترین رسالہ نکال کر جماعت کے ہاتھ میں قلم دے دی ہے۔ خدا کرے یہ ٹیم اسی طرح مل کر کام کرتی رہے۔ اور ایک فعال جماعت تیار ہو جائے۔ کوشش یہ ہے کہ ہم سال میں تین ترجمے مکمل کر ڈالیں اور خُدا نے چاہا تو یہ ہو کر رہے گا۔

فرانسسکو میں امریکہ کے تمام احمدی مل کر عید منائیں گے۔ عید کی تقریب ہفتہ کے دن ہوگی اور اتوار کو ایک بڑا جلسہ ہوگا۔ دیکھیں مجھے شمولیت کی توفیق نصیب ہوگی یا نہیں۔ ہسپتال میں پڑا ہوں گا۔ مگر خدا کو تو پوری قدرت ہے کہ وہ مجھے اس کی توفیق دے دے۔

ملہ نوٹ:- تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مکرم میاں فضل احمد صاحب پر بڑا فضل کیا ہے۔ اور اُن کے دل کا آپریشن کامیاب ہو گیا ہے۔ احباب سلسلہ اپنی نیم شبی دُعاؤں میں میاں صاحب موصوف کی صحتِ کاملہ کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

دینی تربیتی کورس ۱۹۸۱ء

امسال دارالسلام لاہور میں ۱۵ اگست سے ۲۴ اگست ۱۹۸۱ء تک ایک دس روزہ دینی تربیتی کورس کے انعقاد کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ اس میں شامل ہونے کے لئے اُن نوجوانوں کو خاص طور پر شرکت کی دعوت دی جاتی ہے جو تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور آجکل تعطیلات کی وجہ سے آسانی سے وقت نکال کر دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے اس کلاس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ جماعت کے دیگر نوجوان یا ملازمت پیشہ اصحاب جو دس روز کی رخصت حاصل کر سکیں وہ بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔ جماعتوں کے صدر اور سیکرٹری صاحبان سے التماس ہے کہ وہ اپنے ہاں اس کورس میں شرکت کے لئے مؤثر اور مسلسل کوشش فرمادیں۔ اور کورس میں شرکت کرنے والے اصحاب کے نام ۳۰ جولائی ۸۱ء تک مرکز میں ارسال فرمادیں۔

دارالسلام ہوسٹل میں شرکاء کورس کے لئے رہائش اور خوراک کا خاطر خواہ انتظام ہوگا۔ شرکاء سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ جمعۃ المبارک مؤرخہ ۱۴ اگست صبح تک دارالسلام لاہور پہنچ جائیں۔ تاکہ نمازِ جمعہ میں بھی شریک ہو سکیں۔ باقاعدہ کلاسیں ہفتہ کی صبح سے شروع ہوں گی۔ نیز کورس میں شامل ہونے والے اصحاب اپنے ہمراہ چارپائی اور قلم وغیرہ بھی لائیں تاکہ نوٹس لے سکیں۔ شکریہ

جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
دارالسلام [illegible]
لاہور

محترم نصیر احمد فاروقی صاحب، لاہور

کُن فَیَکُوْن

جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں یہ الفاظ قرآن کریم میں پانچ جگہ آئے ہیں۔ اول تو فرمایا:۔

بدیع السمٰوٰت والارض ط واذا قضیٰ امراً فانما یقول لہ کن فیکون ہ

(البقرۃ ۲ - ۱۱۷)

ترجمہ:۔ (وہ اللہ) آسمانوں اور زمین کا عجیب بنانے والا ہے۔ اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو صرف اُسے کہہ دیتا ہے کہ ہو۔ وہ ہو جاتا ہے۔

بدیع کے معنے دراصل کسی چیز کو ایسا بنانا ہے جس کا نمونہ پہلے موجود نہ ہو۔ حضرت امام راغب جو قرآن کی لغت کے اُستاد کامل تھے وہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنے ہوتے ہیں کہ بغیر آلہ اور مادہ اور زمان یا مکان کے کسی چیز کو وجود میں لانا۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ جب قرآن کریم نے یہ عظیم الشان تصوّر ہمارے آگے پیش کیا تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ چودہ سو سال بعد آج اس زمانہ میں مشہور جرمن سائنسدان آئن سٹائن یہ ثابت کرے گا کہ زمانہ یعنے وقت اور مکان یعنے جگہ کا تصوّر ایک نسبتی امر ہے۔ ان دونوں کی ہستی بنفسہٖ کوئی نہیں بلکہ ہر شخص کا اپنا اپنا تصوّر ہوتا ہے۔ یہ ایک نہایت دقیق سائنس اور حساب اور فلسفہ کا مسئلہ ہے۔ جو ابھی تک پڑھے لکھے لوگوں تک کو سمجھ نہیں آتا مگر دنیا کو آج سے چودہ سو سال پہلے ایک اُمّی صلعم کی زبان مبارک سے بتایا گیا۔ کسی نے سچ لکھا ہے:۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا

وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

اب میں دوبارہ اپنے اصل مضمون کی طرف آتا ہوں۔ دوسری جگہ کن فیکون یوں آیا ہے:۔

خلقہٗ من تراب ثم قال لہٗ کن فیکون (آل عمران ۳ - ۵۹)

ترجمہ:۔ (انسان کو) مٹی سے پیدا کیا پھر اُسے کہا ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔

تو گویا زمین و آسمان کی پیدائش کے بعد خود انسان کی پیدائش کن فیکون سے ہوتی ہے۔ انسان جس کا تکبّر اس کے دل میں یہ خیال پیدا کر سکتا ہے کہ وہ کسی اور طریقہ سے پیدا ہوا ہے۔ اس کو بھی اس کی اصلیت بتا دی۔

تیسری جگہ کن فیکون یوں آتا ہے:۔

وھو الذی خلق السمٰوٰت والارض بالحق ط ویوم یقول کن فیکون

(الانعام ۶ - ۷۳)

ترجمہ:۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور جس دن کہے گا ہو تو وہ ہو جائیگا۔

قرآن میں لفظ بالحق جہاں آتا ہے تو اکثر معنے ضرورت حقّہ یعنے اعلیٰ مقصد کے ہوتے ہیں تو اس آیت شریفہ کے معنے یہ ہوئے کہ انسان کے لئے زمین کی زندگی اور اس کے بعد آسمانوں میں اس کی اگلی زندگیاں ایک بڑے اعلیٰ مقصد کے لئے بنائی گئی ہیں اور جس دن اللہ تعالیٰ موت کے بعد اس اعلیٰ مقصد کے لئے انسان کو زندہ ہونے کا حکم دے گا تو وہ ہو جائے گا۔

چوتھی جگہ یوں فرمایا:۔

انما قولنا لشیءٍ اذا اردنٰہ ان نقول لہٗ کن فیکون (النحل ۱۶ - ۴۰)

ترجمہ:۔ جب ہم کسی شے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہمارا قول اس کو صرف اتنا ہوتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے

تو گویا زمین اور آسمانوں اور انسان کی تخلیق کے عظیم الشان امور کے علاوہ معمولی شے کے لئے بھی جو روزانہ کی زندگی میں ہوتی ہیں جب اللہ تبارک و تعالیٰ کا کوئی ارادہ ہو تو صرف کن فیکون کہنا کافی ہوتا ہے کہ وہ ہو جائے بڑے سے بڑے امور سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی شے جو اللہ تعالیٰ چاہے وہ محض اس کے حکم سے ہو جاتی ہے۔

پانچویں بار یہ الفاظ یوں آتے ہیں:۔

اولیس الذی خلق السمٰوٰت والارض بقٰدرٍ علیٰ ان یخلق مثلھم ط

...... ان یقول لہٗ کن فیکون ...... کل شیءٍ والیہ ترجعون ہ

(یٰسٓ ۳۶ - ۸۱ تا ۸۳)

ترجمہ:۔ کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ ان کی مثل بنا سکے؟ ہاں ضرور۔ اور وہ زبردست پیدا کرنے والا اور علم رکھنے والا ہے۔ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے صرف حکم دیتا ہے کہ ہو تو وہ ہو جاتی ہے۔ سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

ان آیات مبارکہ میں موت کے بعد کی زندگی کی یہ دلیل دی ہے کہ جس عظیم الشان خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کیا وہ اس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ انسانوں کو دوبارہ پیدا کر سکے۔ مثلھم کا لفظ قابل غور ہے۔ ہم کی ضمیر ذوی العقول کے لئے آتی ہے۔ اس لئے انسانوں کو فرمایا کہ تمہاری دوسری تخلیق ویسی نہیں ہو گی جیسی کہ پہلی تھی۔ بلکہ اس کی مثل ہو گی۔ اور جس طرح اس نے پہلے انسان کو کن فیکون کے حکم سے پیدا کیا اس کی مثل بھی دوبارہ اسی حکم سے پیدا کر سکتا ہے۔ فرمایا کہ اگر اس نے انسان کو محض اس دنیا کی چند روزہ زندگی کے لئے پیدا کیا ہوتا کہ وہ کھا پی کر ایک کتے کی طرح مٹی میں جا مرے تو پھر آسمانوں اور زمین کی عظیم الشان تخلیق کا (جو سب انسان کے لئے بنے ہیں) کوئی مقصد نہ ہوتا اور وہ ذات پاک ہے کہ ایسی عبث حرکت کرتا۔ تو ہر شے کی پیدائش کا جہاں مقصد ہے انسان کی پیدائش کا بھی بڑا اعلیٰ مقصد ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جائے۔

ان تمام آیات میں الفاظ کن فیکون آتے ہیں اور انسان جو مٹی کا ایک کھلونا ہے اس کے لئے سمجھنا ذرا مشکل ہو جاتا ہے۔ کہ کس طرح اس عظیم الشان کائنات یا انسان کی کسی بھی چھوٹی سے چھوٹی شے کی تخلیق محض حکم کن فیکون سے ہو جاتی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور قدرت اور موجودگی کے بارہ میں اور بھی آیات ہیں جن میں ایسے تصوّرات پیش کئے گئے ہیں کہ ایک ظاہر بین انسان کے لئے انہیں سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً کہیں فرمایا:۔

ھو معکم این ما کنتم (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو) سمیعٌ بصیرٌ (وہ تمہاری بات کو سنتا ہے اور تم کو دیکھ رہا ہے) علیمٌ بذات الصدور (وہ تمہارے سینہ کے راز دل کو جانتا ہے) نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ہم انسان سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں) الحیّ القیّوم (وہ اپنی ذات سے ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور ہر چیز جو زندہ ہے وہ اسی کی وجہ سے زندہ ہے۔ اور وہ اپنی ذات سے قائم ہے اور ہر چیز کو قیام اسی کی وجہ سے ہے۔)

اس سلسلہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہار دہم کی ایک تفسیر بھی لکھ دوں۔ وہ اپنی کتاب نور القرآن حصہ دوم میں فرماتے ہیں:۔

”پھر یہ بھی جاننا چاہیئے کہ چونکہ اسلامی عقیدہ میں خدا تعالیٰ تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے اور کیا ارواح اور کیا اجسام سب اسی کے پیدا کردہ ہیں اور اسی کی قدرت سے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ لہٰذا قرآنی عقیدہ یہ بھی ہے کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ ہر چیز کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے اس طرح

وہ ہر ایک چیز کا واقعی اور حقیقی طور پر قیوم بھی ہے یعنے ہر ایک چیز کی اس کے وجود کے ساتھ بقا ہے اور اس کا وجود ہر ایک چیز کے لئے بمنزلہ جان ہے اور اگر اس کا عدم فرض کر لیں تو ساتھ ہی ہر ایک چیز کا عدم لازم ہوگا۔ غرض ہر ایک وجود کی بقا اور قیام کے لئے اس کی معیت لازمی ہے۔"

پھر فرماتے ہیں:-

"ہر ایک چیز سے خدا تعالےٰ کا ایسا تعلق ہے کہ ہر ایک چیز اس کی قدرت اور ارادہ کا نتیجہ ہے۔"

حضرت مجدد وقت کی یہ تحریر ۱۸۹۵ء کے قریب کی ہے جب کہ مادہ پرستی اور اسباب پرستی اپنے زوروں پر تھی اور اسی وجہ سے دنیا میں دہریت پھیل رہی تھی۔ دراصل سترہویں اور اٹھارہویں اور خصوصاً انیسویں صدی عیسوی میں سائنس نے غیر معمولی ترقی کی اور اس ترقی کے ساتھ ساتھ مادہ پرستی اور دہریت ترقی کرتی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سائنس کی تحقیقات سے سائنس دانوں نے جب یہ پایا کہ مادہ کا تجزیہ یعنے اس کے جزوں کو علیحدہ علیحدہ کرنے سے وہ ایٹم پر جا کر رک گئے تو انہوں نے سمجھ لیا کہ اس کے آگے مادہ کو پھاڑا نہیں جا سکتا۔ تو مادہ تو ایٹموں سے بنا ہوا ہے۔ تو جب ایٹم کو توڑا یا تباہ نہیں کیا جا سکتا تو خود مادہ بھی INDESTRUCTIBLE ہوا یعنی مادہ کو تباہ نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرز استدلال سے جب سائنسدانوں نے دیکھا کہ مادہ اپنی شکل تو بدلتا رہتا ہے مگر اس کا آخری جزو یعنے ایٹم قائم رہتا ہے اور وہ پیدا ہوتا نظر نہ آیا تو سائنسدانوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مادہ پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ ان سائنسدانوں کو صرف مادہ ہی مادہ نظر آتا تھا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مادہ کو نہ تو پیدا کیا جا سکتا ہے۔ نہ ختم کیا جا سکتا ہے تو پھر خدا کی کیا ضرورت ہے اور آخرت کہاں ہوگی؟۔ آریوں کے نظریہ قدامت روح و مادہ کی بنیاد بھی اسی مادہ پرستی اور دہریت پر تھی اور چونکہ مادہ پرستی اور دہریت اس زمانہ کا سب سے بڑا روگ تھا تو مجدد زمانہ نے اس موضوع پر بتفصیل قلم آرائی کی۔

پھر سائنسدانوں نے انیسویں صدی کے آخر تک یہ رائے بھی قائم کی کہ یہ تمام کائنات ایک مشین کی طرح ہے جو LAW OF CAUSATION یعنے سبب اور نتیجہ کے چکر میں چل رہی ہے۔ کائنات میں ہر چیز کا ایک مادی سبب ہوتا ہے اور اس سبب کا ایک نتیجہ نکلتا ہے اس لئے سائنسدانوں کے نزدیک یہ کائنات ایک بے جان مادی مشین کی طرح خود بخود چل رہی ہے۔

ان خیالات کو پہلا دھکا تو انیسویں صدی کے آخر میں QUANTUM THEORY کے مسلّم ہو جانے سے لگا جس نے بتایا کہ سبب اور نتیجہ کا سلسلہ کوئی مسلسل نہیں ہوتا بلکہ اس میں وقفے اور ٹوٹنا پیدا ہوتا ہے۔ پہلے تو خیال ہوا کہ کائنات کی مشین گھڑی کی سوئی کی طرح چل رہی ہے جو جھٹکے کھا کر چلتی ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ گھڑی کی سوئی کی طرح کے توقف نہیں بلکہ غیر متعین وقفے پیدا ہوتے ہیں جو کسی نامعلوم طاقت یا بیرونی اثرات کے ماتحت ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ سبب اور نتیجہ کا لازم و ملزوم ہونا اور کائنات کا سبب اور نتیجہ کے چکر میں ایک مشین کی طرح چلنا ہی وہ غلط خیال تھا جس نے مادہ پرستی اور دہریت کو تقویت پہنچائی تھی۔ سو اس بت کو کوانٹم تھیوری نے آن کر توڑ دیا۔ اس سلسلہ میں مشہور سائنسدان سر جیمز جینز (SIR JAMES JEANS) کی مشہور کتاب THE MYSTERIOUS UNIVERSE سے مندرجہ ذیل دو حوالے عام پڑھنے والے کے لئے کافی ہوں گے۔

"WE WOULD NO LONGER THINK OF THE EXTERNAL REALITY AS A MACHINE. THE OPERATION MIGHT BE MECHANICAL BUT IN ESSENCE IT WOULD BE A REALITY OF THOUGHT"

ترجمہ:- ہم سائنسدان اب آئندہ کے لئے ظاہری دنیا کو ایک مشین نہیں سمجھ سکتے اگرچہ خارجی حقیقت کا مظاہرہ تو میکانکی ہوتا ہے۔ مگر وہ اپنی اصلیت یا حقیقت میں ایک تصوراتی حقیقت ہوتی ہے

"IT IS CONCEIVABLE THAT HAPPENINGS ENTIRELY OUTSIDE THE CONTINUUM DETERMINE WHAT WE DESCRIBE AS THE COURSE OF EVENTS INSIDE CONTINUUM."

ترجمہ:- "اب یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ کائنات کے اندر جو واقعات ہو رہے ہیں وہ نتیجہ ہیں اس کائنات سے باہر کے اسباب کا۔"

دوسرا بُت یعنے یہ کہ مادہ تباہ نہیں کیا جا سکتا یا یہ کہ مادہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، یوں ٹوٹا کہ انیسویں صدی کے بالکل آخر میں ایٹم کو توڑ دیا گیا اور معلوم ہوا کہ وہ بجلی کے ذرات سے بنا ہوا ہے بعد میں یہ پتہ لگا کہ جو بظاہر ہمیں بجلی کے ذرات نظر آتے تھے وہ دراصل WAVES یعنے موجیں ہیں جو ذرات یعنے مادہ کی شکل نہیں رکھتیں بلکہ انرجی یا طاقت کی موجیں ہیں۔ تیسرا بُت یوں ٹوٹا کہ بیسویں صدی میں مشہور زمانہ جرمن سائنسدان آئن سٹائن نے یہ ثابت کیا کہ دنیا کے کون و مکان یعنے SPACE جو مادی چیز سمجھی جاتی تھی اور وقت یعنے TIME جو کہ ایک غیر مادی چیز ہے دونوں علیحدہ چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں جو علیحدہ نہیں کئے جا سکتے۔ اس نے ثابت کیا کہ کائنات میں SPACE (کون و مکان) جو بظاہر تین اطراف رکھتے ہیں (لمبائی۔ چوڑائی اور اونچائی) اس کی ایک چوتھی طرف وقت کی ہے اور یہ چاروں مل کر ہی کائنات کی شکل بناتے ہیں اور یہ علیحدہ دو چیزیں نہیں۔ پھر اس نے یہ بھی ثابت کیا کہ کون و مکان (SPACE) اور وقت کا تصور SUBJECTIVE ہے یعنے کسی سوچنے والے یا خیال کرنے والے کا اپنا تصور ہے اور ان دونوں کی کوئی OBJECTIVE REALITY یعنے بنفسہٖ حقیقت ہی نہیں۔

غرض سائنس نے جوں جوں بیسویں صدی میں ترقی کی پچھلی صدیوں کے تمام خیالات جو مادی کائنات کے متعلق تھے وہ بدلتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ سائنس دان اب جن نتائج کی طرف آ رہے ہیں وہ میں کچھ بتاتا ہوں۔ اس مضمون پر بہت سی مختلف اور دقیق کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مگر سب سے عام فہم جو کتاب ہے وہ وہی ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے اور جس میں سے دو اقتباسات میں لکھ چکا ہوں۔ اس کتاب کا مصنف دہریہ تھا جس کا اعتراف اس نے خود اپنی کتاب کے شروع میں کیا تھا اس لئے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کسی مذہبی اعتقادات رکھنے والے سائنس دان نے لکھا ہے۔ بلکہ یہ تو "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے" کا معجزہ ہے۔ وہ سائنس کے نئے انکشافات کا ذکر کرنے کے بعد اپنی کتاب کے آخری باب کی سرخی دیتا ہے "سائنس گہری مشکلات میں" اور اس کی تفصیل دیتے ہوئے لکھتا ہے:-

"MANY PEOPLE THINK THAT THE CHIEF WORK OF TWENTIETH CENTURY PHYSICE LIES NOT IN THE THEORY OF RELATIVITY WITH ITS JOINING TOGETHER OF SPACE AND TIME, NOT IN THE THEORY OF QUAANTE WITH ITS PRESENT IDEA THAT THERE IS NO LAW OF CAUSATION, NOT IN THE BREAKING OF THE ATOM WITH THE RESULTING DISCOVERY THAT THINGS ARE NOT WHAT THEY SEEM; BUT IN THE GENERAL RECOGNITION THAT WE HAVE NOT YET REACHED TRUE REALITY."

ترجمہ:- "بہت لوگ اب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بیسویں صدی کی فزکس کا شاہکار نہ تو نظریہ اضافیت RELATIVITY بمع اپنے تصور زمان و مکان کے، نہ ہی QUANTA کا نظریہ جس کا موجودہ تصور یہ ہے کہ دنیا میں اب قانون علّت و معلول موجود نہیں رہا اور نہ ہی ایٹم کو توڑنے میں ہے جس سے یہ پتہ چلا کہ دنیا کی اشیاء دراصل وہ نہیں جو وہ نظر آتی ہیں بلکہ (سائنس کا سب سے بڑا کارنامہ) یہ احساس دلانا ہے کہ ہم ابھی تک اصل حقیقت کو نہیں پا سکے۔"

پھر لکھتا ہے :۔

" OBJECTIONS ARE OFTEN MADE THAT MANY OF THE MATHEMATICIAN'S IDEAS, FOR EXAMPLE, THAT SPAACE IS NOT ENDLESS, THAT IT CAN BE CURVED, THAT IT IS GROWING IN SIZE, AND SO ON, HAVE NO MEANING FOR THE ORDINARY PERSON. IT IS TRUE THAT IF WE ACCEPT THE NINETEENTH CENTURY IDEA THAT THE UNIVERSE CAN BE MATERIALLY REPRESENTED, THEN WE ARE TALKING NONSENSE. BUT MODERN SCIENCE CAN NOT POSSIBLY ACCEPT NINETEENTH CENTURY IDEAS ABOUT SPACE; THE UNIVERSE CAN NOT BE MATERIALLY REPRESENTED. THE REASON IS, I THINK, THE UNIVERSE MAY BE PICTURED, VERY ROUGHLY AND IMPERFECTLY, AS CONSISTING OF PURE THOUGHT."

ترجمہ :۔ "اکثر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ریاضی دانوں کے اکثر خیالات مثلاً یہ کہ کون و مکان کی کوئی حد نہیں یا اسے خم دیا جا سکتا ہے یا یہ کہ وہ حجم میں بڑھ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ ایک آدمی کے لئے کوئی معنے نہیں رکھتے۔ یہ سچ ہے کہ اگر ہم انیسویں صدی کے خیال کو قبول کریں کہ کائنات کی مادی توجیہہ کی جا سکتی ہے تو ہم ایک نہایت لغو بات کہہ رہے ہوں گے۔ موجودہ سائنس کون و مکان کی بابت انیسویں صدی کے سائنسدانوں کے خیالات قبول نہیں کر سکتی۔ کائنات کی مادی توجیہہ نہیں کی جا سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات اب دن بدن کسی ایک ذہن کا خیال ثابت ہو رہی ہے۔ کائنات کو ہم سادہ اور ذرا مبہم الفاظ میں یوں پیش کر سکتے ہیں کہ یہ خیالِ محض سے بنی ہے۔"

پھر وہ کہتا ہے :۔

A THOUGHT OR IDEA CANNOT, HOWEVER, EXIST WITHOUT A MIND IN WHICH TO EXIST.

ترجمہ :۔ "مگر کوئی خیال یا تصور موجود نہیں ہو سکتا جب تک کہ کوئی قلب نہ ہو جس میں وہ موجود ہو۔" دیکھیے کس طرح سائنس اللہ تعالےٰ کی ہستی کی طرف آ رہی ہے۔ جو کہ قیوم ذات ہے یعنے اس کی وجہ سے ہر چیز قائم ہے۔ اور ہر چیز اس کے خیال اور ارادہ کی تشکیل ہے۔ اس نتیجہ کو وہ سائنسدان خود واضح کرتا ہے۔

BERKELEY SAID:-

" ALL THOSE BODIES WHICH MAKE UP THE FRAME OF THE WORLD HAVE NOT ANY SUBSTANCE WITHOUT THE MIND...... SO LONG AS THEY ARE NOT ACTUALLY SEEN BY ME, OR DO NOT EXIST IN MY MIND, OR THAT OF ANY OTHER HUMAN BEING, THEY MUST EITHER HAVE NO EXISTENCE AT ALL, OR ELSE EXIST IN THE MIND OF A "HIGHER BEING."

MODERN SCIENCE SEEMS TO ME TO LEAD, BY A VERY DIFFERENT ROAD, TO VERY MUCH THE SAME IDEA. WE COME TO THE SAME IDEAS AS BERKELEY, BUT WE REACH THEM FROM THE OTHER END, THAT IS WHY WE COME TO THIS THIRD IDEA, FIRST, AND THE OTHERS APPEAR UNIMPORTANT BY COMPARISON. IT DOES NOT MATTER WHETHER OBJECTS" EXIST IN MY MIND, OR THAT OF ANY OTHER HUMAN BEING" OR NOT, THE FACT THAT THEY ARE OBJECTS IS BECAUSE OF THEIR EXISTENCE" IN THE MIND OF A HIGHER BAING."

ترجمہ :۔ بارکلے نے کہا تھا کہ تمام وہ اجسام جن سے کائنات بنی ہے ان کی ذہن کے باہر کوئی اصلیت نہیں یعنے جب تک کہ وہ چیزیں میں واقعی دیکھتا نہیں یا جب تک کہ وہ میرے ذہن میں یا کسی اور انسان کے ذہن میں موجود نہیں تب تک ان چیزوں کا کوئی وجود نہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ مانا جائے کہ یا تو ان کا وجود ہی نہیں ہوتا یا وہ ایک اعلےٰ ہستی کے ذہن میں موجود ہوتی ہیں۔"

بارکلے کا یہ مقولہ لکھ کر بیسویں صدی کا یہ سائنسدان لکھتا ہے کہ :۔

"موجودہ سائنس میرے نزدیک اسی نتیجہ پر پہنچی ہے اگرچہ ایک دوسرے رستے سے۔ ہم بھی بارکلے کے نتیجہ پر ہی پہنچے ہیں مگر دوسری طرف سے۔ اس لئے ہم اس کے تیسرے نتیجہ پر پہلے پہنچے ہیں (یعنے کائنات کی ہستی اللہ تعالےٰ کے قلب میں موجود ہونے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ اس کی کوئی ہستی نہیں۔ ناقل) اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہ کائنات کی چیزیں میرے ذہن میں موجود ہوتی ہیں یا کسی اور کے ذہن میں۔ اصل وجہ ان کی ہستی کی یہ ہے کہ وہ ایک اعلےٰ ہستی کے ذہن میں اپنا وجود رکھتی ہیں۔"

سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ کس طرح ایک دہریہ سائنس دان نہ صرف اللہ تعالےٰ کی ہستی کا اقرار کر رہا ہے بلکہ اس قرآنی تخیل کا بھی کہ ہر چیز اللہ تعالےٰ کے خیال کہو نئے سے وجود میں آتی ہے جو کہ کن فیکون کا مطلب ہے۔ اس پر مزید روشنی بعد میں پڑے گی۔

سائنسدان مذکور پھر لکھتا ہے :۔

THIS DOES NOT MEAN THAT WE ARE PUTTING MATTER INTO THE GLASS OF DREAMS OR IMAGINATION. THE MATERIAL UNIVERSE REMAINS AS FULL OF SUBSTANCE AS BEFORE; THIS STATEMENT MUST, I THINK, REMAIN TRUE THROUGH ALL CHANGES OF SCIENTIFIC OR PHILOSOPHICAL THOUGHT

ترجمہ :۔ "اس کا (کائنات کے خدا کا خیال ہونے کا) یہ مطلب نہیں کہ ہم مادہ کو خواب یا تخیل کے ذیل میں ڈال رہے ہیں۔ مادی دنیا پہلے ہی کی طرح باحقیقت ہستی ہے۔ میری رائے میں سائنس اور فلسفے میں تبدیلیوں کے باوجود اس بیان کی صداقت ہمیشہ قائم رہے گی اور سنیئے :۔

AND SINCE A STUDY OF NATURE DOES NOT SHOW ANY THING IN IT, WHICH LASTS FOR EVER, WE MAY EXPECT THE UNIVERSE TO COME TO AN END AT SOME TIME, IN THE FAR DISTANT FUTURE. IF SCIENTIFIC THOUGHT IS CORRECT, NATURE CAN DO ONLY ONE OF TWO THINGS- PROGRESS OR DIE.

AT PRESENT THE GENERAL VIEW IS THAT THE UNIVERSE IS STILL PROGRESSING AND HAS NOT REACHED ITS HIGHEST POINT. THEREFORE, IT MUST HAVE HAD A BEGINNING; AT SOME TIME IN THE FAR OFF PAST IT WAS MADE OR "CREATED"

ترجمہ:۔ "اور چونکہ کائنات کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ اس میں کوئی شے ایسی نہیں جو ہمیشہ قائم رہے اس لئے ہم یہ اُمید کر سکتے ہیں کہ کائنات مستقبل بعید میں ضرور ختم ہو جائے گی۔ اگر سائنس کا یہ خیال صحیح ہے تو قدرت صرف دو میں سے ایک بات کر سکتی ہے ۔ یا تو ترقی کرے یا مر جائے۔ بر دست عام خیال یہی ہے کہ یہ کائنات ابھی ترقی کر رہی ہے اور اپنی ترقی کی انتہائی منزل تک نہیں پہنچی۔ اس لئے ضرور اس کی کبھی ابتدا بھی ہوئی ہوگی ماضی بعید میں کبھی اس کو بنایا یا تخلیق بھی کیا گیا ہوگا۔"

دیکھئے کس طرح قرآن کریم کا چودہ سو سال قبل دیا ہوا علم آج سائنس قبول کرتی چلی جا رہی ہے۔ قرآن نے کہا تھا کل من علیہا فان ٥ و یبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام ٥ (اس کائنات کی ہر چیز کو فنا ہے اور بقا صرف تیرے رب کی ذات کو ہے جو نہایت جلال اور عزت والی ہستی ہے۔ الرحمٰن ۵۵۔ ۲۶، ۲۷) اور اللہ تعالیٰ کا تمام عالموں سے تعلق رب العالمین فرمایا تھا کہ تمام جہانوں کو پیدا کرنے والا اور ادنیٰ سے اعلیٰ حالت کی طرف لے جانے والا ہے۔ ان حقائق کو جنہیں آج سے چودہ سو سال پہلے ایک اُمّی صلعم کی زبان مبارک سے بتایا گیا تھا آج دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان قبول کر رہے ہیں۔ یہ لوگ جو کہتے تھے کہ مادہ کو کبھی پیدا نہیں کیا گیا اب ماننے لگے کہ کبھی نہ کبھی مادہ ضرور پیدا کیا گیا اور یہ لوگ جو برملا کہتے تھے کہ مادہ کو تباہ یا ختم نہیں کیا جا سکتا اب ماننے لگے کہ مادہ ختم ہو جائے گا۔ مادی دنیا فنا ہو جائے گی۔ ابھی اور سنیئے:۔

IF THE UNIVERSE IS A UNIVERSE OF THOUGHT, THIS CREATION MUST HAVE BEEN AN ACT OF THOUGHT. INDEED, OUR IDEAS THAT SPACE AND TIME ARE NOT LIMITLESS THEMSELVES MAKE US PICTURE CREATION AS AN ACT OF THOUGHT; WHILE TIME AND SPACE, WHICH FROM THE FRAMEWORK OF THE THOUGHT, MUST HAVE COME INTO BEING AS PART OF THIS ACT."

ترجمہ:۔ "اگر کائنات خیال سے بنی ہے تو اس کی تخلیق ضرور خیال کرنے سے ہوئی ہوگی (سبحان اللہ کیا کن فیکون کو سائنس نے تسلیم کیا ہے۔ ناقل) بے شک ہمارے موجودہ خیالات کو کون و مکان اور وقت لامحدود نہیں بذاتِ خود ہمیں سمجھاتے ہیں کہ تخلیق کائنات خیال کرنے سے ہوئی ہوگی اور وقت اور کون و مکان جو کہ خیال کا ڈھانچہ ہیں وہ ضرور تخلیق کے خیال کا حصہ ہوں گے۔"

اب سنیئے کہ سائنس کس طرح کائنات کے ایک مشین ہونے یا ایک اتفاقیہ حادثہ یا زندگی کے بلا مقصد ہونے کے پرانے خیالات کو چھوڑ رہی ہے:۔

FORTY OR FIFTY YEARS AGO, WE THOUGHT WE WERE COMING TOWARDS A REALITY OF A MECHANICAL KIND. IT SEEMED TO CONSIST OF A COLLECTION OF ATOMS, ARRANGED BY CHANCE AND FATED TO PERFORM MEANINGLESS DANCES TILL ALL ACTIVITY STOPPED AND THE WORLD BECAME DEAD. IT WAS THOUGHT THAT LIFE HAD COME BY ACCIDENT INTO THIS WHOLLY MECHANICAL WORLD, AND THAT IT, TOO, WOULD IN THE END DIE OUT.

TODAY THERE IS A FAIRLY GENERAL AGREEMENT IN THE WORLD OF SCIENCE THAT THE STREAM OF KNOWLEDGE IS GOING TOWARDS A NON-MECHANICAL REALITY. THE UNIVERSE BEGINS TO LOOK MORE LIKE A GREAT THOUGHT THAN A GREAT MACHINE."

ترجمہ:۔ "آج سے چالیس پچاس سال پہلے (یہ کتاب جب چھپی اس کے حساب سے ۴۰ یا ۵۰ سال قبل انیسویں صدی کا اخیر بنتا ہے۔ ناقل) ہم سمجھتے تھے کہ ہم ایک میکانکی حقیقت کی طرف دن بدن بڑھ رہے ہیں اور کائنات ایسے ذرات کا مجموعہ نظر آتی تھی جو اتفاقیہ طور پر اکٹھے ہو گئے تھے۔ اور جن کا مقدر تھا کہ وہ بے ڈھنگا ناچ ناچتے رہیں۔ یہاں تک کہ تمام قسم کی حرکت بند ہو جائے۔ اور کائنات مر جائے۔ اس وقت یہ خیال تھا کہ اس پوری میکانکی کائنات میں زندگی اتفاقیہ طور پر پیدا ہوئی اور بالآخر وہ زندگی اتفاقیہ طور پر ہی ختم ہو جائے گی مگر آج سائنسدانوں کے درمیان یہ عام اتفاق رائے ہے کہ علم کا دھارا ہمیں ایک غیر میکانکی حقیقت کی طرف بہا کر لے جا رہا ہے۔ کائنات اب ایک عظیم الشان میکانکی شے سے زیادہ ایک عظیم خیال نظر آتی ہے۔"

میں اس مضمون کے شروع میں لکھ آیا ہوں کہ انیسویں صدی کی مادہ پرستی اور دہریت کا ایک بڑا باعث سائنس کا یہ نظریہ تھا کہ کائنات ایک بے جان مشین کی طرح سبب اور نتیجہ کے چکر میں خود بخود چل رہی ہے۔ اُوپر کے حوالوں سے معلوم ہوا کہ نہ تو کائنات ایک مشین ہے نہ اسباب اور نتیجہ کا تسلسل لازم و ملزوم ہے (یہ انکشاف QUANTUM تھیوری نے کیا) بلکہ یہ تو کسی اعلیٰ ذات کے خیالات کی تکمیل ہے۔

ابھی اور عجیب بات سنیئے:۔

MIND NO LONGER APPEATS AS AN ACCIDENT IN THE KINGDOM OF MATTER. WE ARE BEGINNING TO SUSPECT THAT WE OUGHT TO CONSIDER IT AS THE CREATOR AND GOVERNOR OF THE KINGDOM OF MATTER. BY "MIND" WE DO NOT MEAN, OF COURSE, OUR OWN SEPARATE MINDS, BUT THE MIND IN WHICH THE ATOMS MAKING UP THE UNIVERSE EXIST AS THOUGHTS.

THE NEW KNOWLEDGE MAKES US CHANGE OUR EARLIER IDEAS ABOUT MIND AND MATTER BEING SEPARATE, EVEN OPPOSING THINGS. MATTER IS THE CREATION OF MIND, BUT THIS DOES NOT MEAN THAT IT LOSES ITS SUBSTANCE IN ANY WAY. WE THUS SEE THAT THE UNIVERSE SHOWS PROOF OF A CONTROLLING POWER THAT HAS SOMETHING IN COMMON WITH OUR OWN MINDS, PARTICULARLY IN THE WAY WE THINK.

ترجمہ:۔ "اب مادی عالم میں ذہن محض اتفاق کی پیداوار تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اب تو ہمیں شک ہونے لگا ہے،

کہ ذہن مادی عالم کا خالق اور حاکم ہے۔ اس ذہن سے ہماری مُراد افراد کے الگ الگ ذہن نہیں بلکہ وہ ذہن ہے جس میں وہ اجزاء و عناصر جن سے کائنات بنتی ہے۔ بہ حیثیت تصورات اپنا وجود رکھتے ہیں نئے علم نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم اپنے پہلے خیالات بدل ڈالیں کہ ذہن اور مادہ علیحدہ علیحدہ کوئی چیز ہیں اور ایک دوسرے کے مخالف ہیں (اور اب یہ انکشاف ہوا کہ) مادہ تو ذہن کی تخلیق ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس سے اپنی حقیقت کھو دیتا ہے۔ اب ہمیں یہ احساس ہونے لگا ہے کہ کائنات ایک مکمل اختیار اور چلانے والی ذات کا ثبوت مہیا کر رہی ہے۔ جس کا سوچنے کا انداز ہمارے ذہنوں سے ملتا جلتا ہے۔"

سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم دیکھیئے کس طرح مادہ پرست اور دہریہ سائنس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا خدا ہے۔ اور یہ کائنات جو بالآخر ایٹموں سے بنی ہوئی ہے۔ یہ خدا کے قلب میں وجود پانے کی وجہ سے قائم ہے۔ مادی دنیا کو اسی قلب الٰہی نے پیدا کیا ہے۔ اور وہ قلب الٰہی ہی مادی دنیا کا حاکم ہے۔ اور وہ قلب اور انسانی قلوب میں بہت مشابہت ہے۔ خصوصاً سوچنے کی طرز میں۔

قرآن کریم بھرا پڑا ہے ان پیشگوئیوں سے کہ دنیا بالآخر خدا کی ہستی کو ماننے پر مجبور ہو گی خصوصاً اقوام کے عروج اور ان کی مادہ پرستی اور دہریت کے بعد۔ ایک مثال سورۃ لقمان سے سن لیجئے جہاں ان کافروں کو عارضی طور پر دنیا کا مال و متاع ملنے کے بعد ایک سخت عذاب کی طرف ہنکائے جانے کی پیشگوئی کے بعد قرآن فرماتا ہے:۔

ولئن سالتھم من خلق السموٰت والارض لیقولن اللہ ط قل الحمد
للہ بل اکثرھم لا یعلمون ٥ (لقمان ۲۱-۲۵)

ترجمہ:۔ "(دنیاوی مال و متاع کے ملنے اور بعد میں عذاب شدید ملنے کے بعد وہ زمانہ آئے گا کہ) اگر تو ان سے پوچھے گا کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ تو وہ یقیناً کہیں گے کہ اللہ نے تو پھر تو (یعنی حامل قرآن) انہیں بتانا کہ وہ اللہ تو بہت تعریفوں والا ہے۔ اس لئے کہ اکثر ان میں سے یہ علم نہ رکھتے ہوں گے۔"

سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ کیا صاف اور کھلی پیشگوئی ہے۔ جو آج سے چودہ سو سال پہلے ایک اُمّی صلعم کی زبان سے اس الٰہی کلام نے کہلوائی کہ یہ لوگ اس نتیجہ پر تو خود پہنچ جائیں گے کہ کائنات کا خالق اللہ ہے مگر اللہ کی صفات کا یہ خود علم نہ پا سکیں گے کہ وہ علم تو صرف وحی الٰہی ہی دے سکتی تھی۔ وہ علم قرآن سے ہی مل سکے گا اور قرآن کو ان تک پہنچانا اور اس کا علم انہیں دینا ہر مسلمان کا اور خصوصاً اس زمانہ کے مجدد اور امام کی جماعت کا کام ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی معرفت کا پانا (اس کی صفات کے علم کے ذریعہ سے) اس کا احساس خود سائنسدانوں کو اب ہے۔ چنانچہ یہی مصنف لکھتا ہے:۔

"AGAIN, WE MAY THINK OF THE LAVIS OF NATURE AS LAWS OF THOUGHT OF A UNIVERSAL MIND. THE UNIFORMITY OF NATIIRE PROCLAIMS THE SELF-CONSISTANCY OF THIS M.ND."

ترجمہ:۔ اب ہم قوانینِ فطرت کے متعلق یوں تصور کر سکتے ہیں کہ وہ کائناتی ذہن کے تصورات کے قوانین ہیں، وحدت کائنات اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ یہ ذہن بھی ایک ہی ہے۔

اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ بیسویں صدی کی سائنس کی ترقیات کی بنیاد ریاضی پر ہے یہ مصنف لکھتا ہے:۔

"IN BRIEF, A MATHEMATICAL FORMULA CAN NEVER TELL US WHAT A THING IS, BUT ONLY HOW IT BEHAVES; IT CAN ONLY SPECIFY AN OBJECT THROUGH ITS PROPERTIES"

ترجمہ:۔ مختصراً یہ کہ ریاضی کا کوئی فارمولا ہمیں یہ کبھی بتا نہیں سکتا کہ کوئی شے فی الحقیقت ہے کیا، بلکہ صرف یہ بتا سکتا ہے کہ وہ شے کس طرح کام کرتی ہے۔ یہ کسی وجود کا تعین اس کی صفات و خصائص سے کر سکتی ہے۔

دیکھیئے کس طرح سائنس نے اقرار کیا ہے کہ وہ اس دنیا کی کسی شئے کی اصلیت بیان کرنے سے قاصر ہے۔ وہ کسی شے کا پتہ اس کی صفات کے ذریعہ سے بتا سکتی ہے یہی وہ بات ہے جو اسلام نے چودہ سو سال پہلے کہی تھی کہ خدا کو بھی اس دنیا میں صرف اس کی صفات کے ذریعہ سے پہچانا جا سکتا ہے۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے میں دو باتوں کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ اول تو یہ کہ جن مشکلات کا میں نے شروع میں ذکر کیا تھا کہ خدا کی صفات ھو معکم این ما کنتم (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو) علیمٌ بذات الصدور (سینے کے رازوں کا اللہ واقف ہے) نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ہم انسان سے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں) سمیعٌ بصیر (اللہ تعالیٰ تمہاری بات کو سنتا اور تمہارے عمل کو دیکھتا ہے) الحیّ القیوم (وہ ہی صرف زندہ ہے اور باقی سب اسکی وجہ سے زندہ ہیں اور وہ ہی صرف اپنی ذات سے قائم ہے اور باقی سب اس کی وجہ سے قائم ہیں) یہ تمام مشکلات موجودہ سائنس کے ان انکشافات سے دُور ہو گئیں کہ اس کائنات کا کوئی وجود ہی نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے قلب کے اندر ایک خیال کے یعنی جب وہ چاہتا ہے تو ہم پیدا ہو جاتے ہیں۔ (بلکہ کائنات اور اس کے اندر جو کچھ ہے وہ پیدا ہو جاتا ہے۔) اور جب تک وہ چاہتا ہے ہم قائم رہتے ہیں۔ یہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور حکم کے ماتحت ہے کیونکہ یہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور حکم کے ماتحت ہے۔ اور یہ تمام کائنات اور اس کا وجود ذہنِ خداوندی کی پیداوار (بقول سائنس دانوں کے ACT OF THOUGHT) ہے۔

اسی طرح کن فیکون بھی صاف ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے قلب مبارک میں جب کوئی خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ کوئی ارادہ کرتا ہے تو وہ خیال ہی اس بات کو وجود میں لے آتا ہے۔ اس دقیق بات کو آپ اس طرح شاید سمجھ سکیں کہ میں جو اس وقت آپ کے آگے تقریر کر رہا ہوں۔ اس دوران میں بھی آپ غور کریں کہ کیا ہو رہا ہے۔ میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے۔ وہ خیال تو غیر مادی شئے ہے نا؟ مگر اس خیال کے پیدا ہوتے ہی کیا ہوتا ہے۔ جب میں چاہتا ہوں کہ اس خیال کو ظہور میں لاؤں تو میرے دماغ میں سے ایک بجلی کی رو پیدا ہوتی ہے۔ (یاد رہے کہ یہ وہی بجلی ہے جس سے تمام ایٹم یعنے تمام کائنات بنی ہوئی ہے) اور وہ بجلی میرے اعصاب کے ذریعہ چلتی ہوئی میری زبان کو حرکت میں لاتی ہے اور اس سے وہ الفاظ بن جاتے ہیں جو آپ سُن رہے ہیں۔ تو اللہ تبارک تعالیٰ کی کن فیکون کی مثال تو آپ کے سامنے دکھا رہا ہے کہ اسی کے حکم اور قانون کے مطابق میرا خیال جو ایک غیر مادی چیز ہے بجلی کی طاقت کو پیدا کرتا ہے (جس سے تمام کائنات بنی ہے اور جو کہ مادی شے ہے) اور اس سے وہ خیال جو غیر مادی تھا اب مادی شکل اختیار کر کے اس خیال کو پورا کر دیتا ہے۔ جس طرح میں جب یہ الفاظ کن فیکون کہنا چاہتا ہوں تو وہ بطور ایک غیر مادی خیال کے میرے قلب میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور میرے ارادہ سے کہ میں ان الفاظ کو وجود میں لاؤں بجلی کی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ (جس سے کہ تمام کائنات بھی وجود میں آئی) اور وہ ارادہ یا خیال جو غیر مادی تھا ایک مادی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

فسبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔

رب زدنی علما۔

* * * *

دین کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ چاہتا ہے اور وہ ہے ہمارا اسی راہ میں مرنا

روزہ روحانی قویٰ کی نشوونما کے لئے ضروری ہے

خطبہ جمعۃ الوداع مؤرخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۱ء فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، جامع احمدیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور، رپورٹ:۔ مولوی شفقت رسول خان

قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

یسئلونک عن الروح ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الا قلیلا

(بنی اسرائیل آیات ۸۱، ۸۵)

فرمایا۔ آج رمضان المبارک کا آخری جمعہ یعنی جمعۃ الوداع ہے۔ جو ایک طرف اپنی برکات کے اعتبار سے بڑا اہم ہے۔ اور دوسری طرف ان افضال کی طرف بھی توجہ مبذول کراتا ہے کہ اس مبارک ماہ میں رحمت و بخشش اور انعامات الٰہی کے دروازے کھلے رہے اور اس صبر و استقلال کے نتیجہ میں جو ہمیں اس ماہ کے روزوں سے حاصل رہا اللہ تعالیٰ نے عید سعید کی مسرت عطا فرمائی۔ اس جمعۃ الوداع کے موقعہ پر ایک اور خوشی خدا کے فضل سے حاصل ہوئی ہے کہ آپ کی اس مسجد یعنی جامع احمدیہ کی چھت (جو بارشوں میں گر گئی تھی) جناب شیخ فضل الرحمٰن صاحب مہتمم عمارات کی مساعی سے تکمیل کو پہنچ گئی جس کی وجہ سے آج ہم اس جمعۃ الوداع ادا کرنے کے قابل ہو گئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالك

معزز سامعین! آیات تلاوت کردہ آیت ۸۵ کے معنے ہیں کہ "آپ سے لوگ روح کے متعلق سوال کرتے تو ان کو کہہ دیجیئے کہ روح خدا کے حکم سے ہے مگر تمہیں اس کے متعلق تھوڑا علم دیا گیا ہے"۔ اور پہلی آیت کا مفہوم ہے:۔ "کہہ دو حق آگیا اور باطل بھاگ گیا یقیناً باطل بھاگنے والا ہے"۔

علماء نے روح کے معنی کئی طرح پر بیان کئے ہیں۔ روح حیوانی۔ روح انسانی یا نفس ناطقہ اور وحی الٰہی یا روح الامین اور اس مقام پر کس روح کے متعلق سوال ہے۔ ارواح آدم سے یا روح الامین سے تو در حقیقت یہاں روح سے مراد انسانی روح سے ہے۔ روح کسی حیثیت میں بھی ہے اس کا تعلق امر خداوندی سے ہے۔ اور تمہیں اس کے بارے میں بہت کم علم دیا گیا ہے۔ چونکہ روح مادی چیز نہیں ہے اس لئے حواس ظاہری سے اس کا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی نہ وہ دیکھی جا سکتی ہے نہ سنی جا سکتی ہے۔ نہ چھو کر معلوم کی جا سکتی ہے۔ نہ اس کا ادراک قوت ذائقہ سے ہوتا ہے اور نہ ہی قوت شامہ سے۔ ہاں یہ روح جب کسی جسم میں حلول کرتی ہے تو وہ عظمت کا حامل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم کے تذکرہ میں فرمایا۔

فاذا سويته ونفخت فيه من روحي فقعوا له سٰجدين ٥

سو جب میں اس کو تکمیل تک پہنچاؤں اور اپنی روح اس میں پھونکوں تو تم اس کے لئے فرمانبرداری کرتے ہوئے گر پڑنا۔

چنانچہ تمام فرشتوں نے خدا تعالیٰ کے حکم پر سر تسلیم جھکا دیا اور اس حقیقت کو مان لیا کہ یقیناً انسان حکم خداوندی کے مطابق اولیت اور برتری کا مستحق ہے۔ قرآن پاک جو کہ وحی الٰہی ہے وہ بھی روح ہے۔ کیونکہ وہ بھی خدا کی طرف سے نازل شدہ وہ ضابطہ اور قانون ہے جو انسان کے اخلاقی اور روحانی قویٰ کو جلا دیتا ہے۔ اور اس کا نزول روحانی زندگی کی برتری کو منوانے کے لئے ہے۔ قرآن پاک ایک ایسے مذہب کا علمبردار ہے۔ جو انسان کے سامنے اس حقیقت کو واضح کرتا ہے۔ کہ زندگی صرف جسمانی ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس زندگی کے ختم ہو جانے کے بعد ایک اور زندگی ہے جس کا تعلق عالم روحانیت سے ہے۔ یعنی جسم کے فنا ہونے کے بعد روح باقی رہتی ہے۔ اور جو لوگ مذہب کے قائل نہیں بلکہ صرف مادی نظام کے قائل ہیں اور جسمانیت کے سوا کسی روحانی حقیقت کو قبول نہیں کرتے روحانی امور کا تعلق چونکہ دوسرے عالم سے ہے اور وہاں تک علم انسان کی رسائی نہیں ہے۔ کیونکہ وما اوتيتم من العلم الا قليلا

لیکن روحانی حقیقتوں کا انکار ممکن نہیں ہے اور ان کے قبول کئے بغیر چارہ بھی نہیں ہے۔ جسمانی ضروریات اور تقاضوں کی تکمیل کے لئے بھی روحانی قویٰ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ قرآن پاک نے جو ضابطہ حیات ہمیں دیا ہے اس میں نماز ہو یا زکوٰۃ حج ہو یا روزہ سب ہی جسمانی ضروریات کے ساتھ ساتھ روحانیت کی تکمیل کے لئے ہیں چنانچہ روزہ روحانی غذا کا مظہر ہے۔ تاکہ ہماری جسمانی ضروریات کم ہوں اور روحانی قویٰ کو قوت اور طاقت ملے۔ آخری عشرہ رمضان المبارک میں اعتکاف بھی اسی غرض کے لئے ہے کہ انسان اپنی جسمانی حاجتوں سے فارغ ہو کر اپنے خدا سے لو لگائے اور اپنی قوت روحانی میں اضافہ کر کے خدا کے قرب کو حاصل کرے۔ لیلۃ القدر بھی اسی حقیقت کی آئینہ دار ہے۔ کہ انسان کی روح کا تعلق خدا سے ضروری ہے تاکہ انسان خدا کے قریب ہو جائے اور اپنی اصلاح کر کے خدا کو پا لے۔ اس لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے: انی قریب۔ میں قریب ہوں۔ فریضہ حج کے ارکان کی ادائیگی کا حکم بھی اسی قرب خداوندی کے لئے ہے اور اس میں انسان جملہ لذات جسمانی اور ضروریات حیوانی سے دست کش ہو جاتا ہے۔ اور صرف ایک سادہ لباس جو ان سلا ہوتا ہے پہنے ہوئے اپنے خدا کی بارگاہ میں اپنے آپ کو حاضر پاتا ہے۔ اور پکار کر کہتا ہے اللھم لبیك (دو بار) اے خدا میں حاضر ہوں۔ قرب الٰہی کا یہ کس قدر عظیم تصور ہے نماز جمعہ کی پکار ہے تو وہ ذکر الٰہی کے لئے ترک تجارت کو ضروری خیال کرتا ہے۔ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع جب نماز جمعہ کے لئے اذان ہو جائے تو ذکر الٰہی کے لئے دوڑ پڑو اور تجارت کو چھوڑ دو۔ اور روزوں میں کھانے پینے اور خواہشات نفس کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ انسانی روح لطیف ہو جائے۔ اور اس حقیقت کی حامل ہو جائے کہ اس نے انقطاع عن الدنیا کر کے شہادت کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ تو روزے نہ صرف روحانیت کی تکمیل کے لئے از بس ضروری ہیں بلکہ جسمانی صحت کے لئے بھی نہایت مفید ہیں۔ حقیقت ناآشنا لوگ مسلمانوں کے روزہ رکھنے پر استہزا کرتے ہیں کہ یہ لوگ بلاوجہ دن بھر بھوکے پیاسے مرتے رہتے ہیں۔

روزہ کے فوائد بروئے طب جدید

لیکن آج جدید علم طب وعلم صحت نے اس حقیقت کو ثابت کر دیا ہے کہ روزہ صحت جسمانی کے لئے مفید ہے اور فاقہ اور روزہ جس قدر انسانی جسم کے لئے مفید ہے اسی قدر پرخوری اور شکم سیری نقصان دہ اور مہلک ہے۔ کثرت غذا سے دوران خون کی مقدار معدہ کی طرف زیادہ اور دماغ کی طرف کم ہو جاتی ہے چنانچہ یہ عام تجربہ ہے کہ جب انسان پیٹ بھر کر کھا لیتا ہے تو اس پر غنودگی طاری ہونے لگتی ہے پنجابی ضرب المثل ہے کہ پیٹ بھاری اور سر بھاری چونکہ جوں ہی غذا معدہ میں جاتی ہے تو انسان کے دوران خون کا میلان معدہ کی طرف ہو جاتا ہے اور دماغی قویٰ سست ہو جاتے ہیں اور انسان نیند میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یعنی بیداری اور چوکسی مفقود ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف معدہ کا السر بھی کثرت خورد و نوش کے سبب پیدا ہوتا ہے۔ جب آدمی کثرت سے روغن غذا کھاتا ہے تو جسم کے اندر چربی بڑھ جاتی ہے اور یہ بات صحت کے لئے مضر ہے۔ جس سے امراض قلب اور جگر کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں غرضیکہ خدا تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ اس نے روزہ جیسی نعمت کا حکم دے کر ہماری جسمانی اور روحانی صحت کا سامان بہم پہنچایا۔ روزہ وہ نعمت غیر مترقبہ ہے۔ جو جملہ انبیاء و صلحاء اور اولیاء کا معمول

رہا ہے اور اُن کا مجرب نسخہ ہے جس سے وہ خدا کے ساتھ ہمکلامی کا شرف حاصل کرنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں۔ روزہ سے رُوحانی حواس کو جلا ملتی ہے اور قربِ خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ تو وہ اپنے سوال اور درخواست کا جواب بارگاہِ ایزدی سے پاتے ہیں جیسے فرمایا:۔

اجیب دعوۃ الداع اذا دعان

ہاں خدا کی فرمانبرداری اور اس پر ایمان شرط ہے۔ آج یہ تصوّر کیا جاتا ہے کہ خدا نے اپنا آخری کلام اتار کر سلسلہ ہمکلامی بند کر دیا ہے۔ اگرچہ یہ بات تو سچ ہے کہ اب قرآن پاک کے بعد کسی اور کتاب ہدایت کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ محفوظ کلام ہے۔ اور شریعتِ آخری کا حامل ہے لیکن یہ چیز خدا سے تعلق سے مانع نہیں۔ خدا تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف تو قرآن پاک کی صداقت کا ایک ثبوت ہے۔ بلکہ قرآن پاک کی کامل پیروی اور شریعت پر عمل ہی انسان کو خدا سے ہمکلامی کے قابل بناتا ہے۔ اس کلام خدا پر عمل سے انسان کے رُوحانی اور باطنی حواس روشن ہو جاتے ہیں اس لئے انسان خدا سے وہ کچھ سن لیتا ہے جو کسی اور کے کان نہیں سن سکتے۔ اور اس کی آنکھ وہ کچھ دیکھتی ہے جو کسی اور کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ یہ سب نظارے محض رُوحانی بلندی اور بالیدگی سے حاصل ہوتے ہیں اور انسان کا اپنے خدا پر ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ مقام ولایت پر فائز ہو جاتا ہے۔ حدود کے اندر رہتے ہوئے ترکِ دنیا کر دیتا ہے۔ یعنی امورِ دنیا کو جائز طریقہ سے سرانجام دیتا ہے۔ اور خدا کے حکموں کے مطابق ڈر کر زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کی توجہ خدا کی طرف ہوتی ہے۔ اگر دنیا طلبی میں جائز اور ناجائز کا تصوّر انسان کھو دیتا ہے۔ تو یقیناً وہ اپنے دل و دماغ سے خدا کے تصور کو نکال دیتا ہے تو اس کی توجہ خدا کی طرف سے ہٹ جاتی ہے۔ اور انسان محض حیوانیت کا پیکر بن کر رہ جاتا ہے۔ اور رُوحانیت مر جاتی ہے۔ ایسی عبادت کسی مصرف اور مقصد کے لئے مفید نہیں ہے۔ ؎

بر زبان تسبیح در دل گاؤ خر + ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

دین کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ چاہتا ہے اور وہ ہے اپنے آپ کو خدا کی راہ میں لگا دینا اور دُنیا کے تعلق کو کم کرنا اور زندگی کو رُوحانی امور سے مزین کرنا۔ اگر ہم روزوں میں اپنے اندر ایک انقلاب پیدا کر چکے ہیں تو یہ ہمارے لئے مبارک ہے کہ ہمیں خدا کی راہ میں ہر تعلق کو چھوڑنا آسان ہو گیا ہے۔ اور جب ہم نے حق پا لیا تو حق کے آگے باطل کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور حق ہی کا بول بالا ہوتا ہے۔

قل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۔

حق آگیا باطل بھاگ گیا اور باطل بھاگنے والا ہی تھا۔

اطاعتِ امیر بہرحال ضروری ہے

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

" جو شخص امیر قوم میں ایسی چیز دیکھے جسے وہ ناپسند کرے تو چاہیئے کہ وہ صبر کرے (اور معاملہ پر غور کر لے شاید وہ خود غلطی پر ہو) پس جو شخص بھی جماعت سے ایک بالشت جدا ہو (اور جماعت میں انتشار پیدا کیا) وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔"

دُکھ برداشت کر کے جماعت کو انتشار سے بچانا چاہیئے۔

وائل بن حجرؓ سے روایت ہے اسلمہ بن یزید الجعفی نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا نبی اللہ اس بات کے متعلق ہمیں ہدایات صادر فرمائیں کہ اگر ہم پر ایسے امرا مسلط ہوں جو ہم سے اپنا حق (اطاعت) مانگیں مگر ہمارے حق (حقوق العباد) کی رعایت نہ رکھیں حضورؐ نے فرمایا۔ ان کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔ (بغاوت سے باز آؤ کیونکہ جماعت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اور کمزور ہو کر وہ تباہ ہو جائے گی۔) یقیناً وہ (امرا) اپنے کئے کی سزا پائیں گے اور تم اپنے اعمال (صبر و تحمل) کی جزا پاؤ گے (اللہ تعالیٰ خود ایسی صورت پیدا کر دے گا جس سے اصلاحِ حال ہو اور قوم اتفاق و اتحاد کی مضبوط چٹان پکڑی ہو جائے گی۔)

حضرت نبی کریمؐ کے

پاکیزہ ارشادات

از: ——— شیخ غلام قادر

اہل اللہ ہر وقت فانی فی اللہ نہیں رہتے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں کیا ہو جاتا ہے کہ جب تک حضورؐ کی خدمت میں رہتے ہیں ہمارے دل گداز رہتے ہیں اور دُنیا سے بالکل بے رغبت ہو جاتے ہیں اور آخرت گویا آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتی ہے لیکن جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں اور گھر والوں کی طرف رغبت کرتے ہیں تو ہماری حالت پلٹ جاتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر تم اسی حال پر رہتے جو کہ تمہارا حال میری صحبت میں ہوتا ہے تو فرشتے (اللہ کا سلام ہو ان پر) تمہارے گھروں میں جا کر تمہاری ملاقات کرتے اور راستوں میں تم سے ہاتھ ملاتے (یعنی تم پھر انسان نہیں بلکہ فرشتے ہوتے) اگر تم سعی فی الارض کر کے ٹھوکریں نہ کھاتے تو پھر اللہ تعالیٰ تمہیں اٹھا لیتا اور دُوسری خلقت کرتا جو صحیح طور پر انسانیت کے لوازمات سے متصف ہونے اور دُنیا کی تگ و دو میں کبھی جادۂ صواب پہ چلنے اور کبھی ٹھوکر کھا کر اللہ تعالیٰ کی پناہ ڈھونڈتے اور اللہ تبارک تعالیٰ انہیں پھر اپنے دامن عاطفت میں لے لیتا۔ (ترمذی)

شیخ سعدی علیہ الرحمت نے اس مضمون پر حضرت یعقوب کی زبانی اس طرح لکھا ہے:۔

۱۔ یکے پرسید زاں گم کردہ فرزند ؛ کہ اے روشن گہر پیر خردمند
۲۔ ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی ؛ چرا در چاہ کنعانش ندیدی
۳۔ بگفت احوال ما برق جہاں است ؛ دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
۴۔ گہے بر طارم اعلیٰ نشینیم ؛ گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم
۵۔ اگر درویش بر حالے بماندے ؛ سر دست از دو عالم بر فشاندے

ترجمہ

(۱) کسی نے اس کھوئے ہوئے لڑکے والے سے پوچھا کہ اے روشن گہر عقلمند بزرگ (۲) مصر سے اس کی قمیص کی بو تو نے پالی۔ تُو نے کنعان کے کنوئیں میں کیوں نہ دیکھ لیا (۳) اس نے کہا ہمارا حال کوندنے والی بجلی کی طرح ہے ایک لحظہ چمکتی ہے اور دوسرے لحظہ پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ (۴) کبھی ہم بالاخانہ پہ بیٹھ کر نظارہ عالم کرتے ہیں کبھی ہمیں اپنے پاؤں کے پاس پڑی ہوئی چیز نظر نہیں آتی (۵) اگر صاحب حال درویش ایک ہی حال پر رہتا تو دونوں جہان سے بے پرواہ ہو جاتا۔

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ ۔ لندن

اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت جب چھن جائے تو اس کی قدر آتی ہے ۔ ویسے تو اس کی بے شمار نعمتیں ہیں مگر ان میں سے ایک بہت بڑی نعمت دنیا اور پھر ہر ملک میں امن و اماں کا قائم رہنا اور چین و آرام سے انسان کو زندگی بسر کرنے کا موقع ملتا ہے ۔

آج سے تیرہ برس پہلے جب میرے بیٹے اور میں نے انگلینڈ آکر رہنا سہنا شروع کیا تو اس ملک کی پُرامن فضا اور قومی لحاظ سے یہاں کے لوگوں کی خاموشی اور صُلح صفائی سے رہنے کی عادت قابلِ رشک تھی ۔ اچھے بُرے انسان تو ہر ملک اور ہر قوم میں ہوتے ہیں ۔ کوئی یہ نہیں کہ انگلینڈ میں چوری چکاری ۔ مار کٹائی یا قتل و خون نہیں ہوتے تھے مگر یہ کہ باوجود ان جرائم کی موجودگی کے نہ تو ان کی کثرت تھی جیسے کہ بعض دوسرے ملکوں یا امریکہ کے بعض شہروں کے متعلق مشہور ہے ۔ اور نہ ہی ملک کا قانون اور پولیس ان کے آگے عاجز تھی ۔

سرد ملک ہونے کی وجہ سے یہاں کے عام گھروں میں عموماً صرف دو دروازے باہر آنے جانے کے ہوتے ہیں ایک دروازہ گھر کے سامنے اور ایک پیچھے ۔ اور صرف ان دو دروازوں میں تالے چابی کا انتظام ہوتا ہے ۔ باقی گھر بھر کے دروازوں میں کوئی تالہ وغیرہ نہیں ہوتا ۔ دن رات صرف بھیڑے رہتے ہیں ۔ چوری اور اٹھائی گیری کے واقعات لندن جیسے مشہور شہر کے بعض بدنام علاقوں کو چھوڑ کر عام طور پر زیادہ سننے میں نہیں آتے تھے ۔ خصوصاً ہمارے علاقہ میں تو کچھ اللہ کے فضل سے ایسی خاموشی پُرامن فضا ہے کہ میں تو باہر کے دروازوں سے بھی بہت لاپرواہ رہتی تھی چونکہ مجھے تازہ ہوا اور دھوپ کا بہت خیال ہے اس اکثر باغ میں کام کرتے ہوئے کھلا دروازہ گھنٹوں کھلا چھوڑ دیتی تھی ۔ بعض وقت میری انگریز ہمسائی اس بات پر مجھے ٹوکتی بھی تھی مگر کچھ عرصہ سے یہاں کے حالات بدل رہے تھے ۔ تمام دنیا کے اور ملکوں کی طرح یہاں بھی مہنگائی اور بے روزگاری بڑھ رہی تھی ۔ اوپر سے یہاں مزدوروں اور کاریگروں کی متعدد یونین کی ہڑتالوں سے مالی طور پر اکثر محکموں اور کمپنیوں کو گھاٹے پڑ رہے تھے ۔ عوام میں بے چینی اور شکائتیں بڑھ رہی تھیں ۔ آئے دن لوگوں کے احتجاجی جلسے اور جلوس ہونے لگے تھے ۔ گورنمنٹ کی پالیسی پر نکتہ چینی بڑھ رہی تھی ۔ کہ اس سال ماہ اپریل میں پہلا فساد یہاں کے ایک شہر برسٹل میں ہوا ۔ شائد کچھ کالے گورے آپس میں جھگڑے یا اور وجوہات بھی تھیں ۔ دکانیں اور سٹورز لوٹے اور جلائے گئے ۔ اور حسب دستور آئی گئی پولیس کے ماتھے گئی ۔ اس کے بعد دوسرا ہولناک فساد اور بلوہ خود لندن کے ایک حصہ میں ہوا ۔ اس کی تفصیل میں جانے سے پہلے میں ذرا اس عظیم الشان بین الاقوامی شہر کا مختصر خاکہ بتا دوں ۔ یہ انگلینڈ کا تاریخی دارالخلافہ ہے ۔ اور اس کا پھیلاؤ آس پاس کے بے شمار قصبے گاؤں اور آبادیاں لپیٹ گیا ہے ۔ اگر کوئی کہے کہ اس نے تمام لندن دیکھا ہے تو سمجھ لیں کہ مبالغہ سے کام لے رہا ہے ۔ لندن کا درمیانی علاقہ چھوڑ کر باقی اس کا اردگرد گریٹر لندن GREATER LONDON کہلاتا ہے ۔ اور ان آبادیوں میں اکثر مختلف بین الاقوامی لوگوں کے علاقے سے بن گئے ہیں ۔ جیسے ایسٹ لندن میں زیادہ تر بنگالی اور ہندوستانی بسنے لگے ہیں ۔ لندن کے شمال مغربی حصے میں گولڈرز گرین GOLDERS GREEN کی خوبصورت اور امیرانہ آبادی یہودیوں کی ہے ۔ مغرب کی طرف ہیتھرو ائرپورٹ کے پاس ساؤتھ ہال میں ملے جلے ہندو ۔ سکھ ۔ پاکستانی اور حبشی کثرت سے ہیں ۔ اور جنوب مشرقی حصے بالہم اور ٹوٹنگ میں زیادہ تر پاکستانی بس رہے ہیں ۔ اس کے پاس ہی برکسٹن BRIXTON کا علاقہ حبشیوں کا گڑھ ہے ۔ تو لندن کے اس حصے برکسٹن سے اس فساد اور بلوے کی آگ پھوٹی ۔ دنیا کا عام تاثر تو یہ ہے کہ یہ نسلی فساد تھا ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کالے گورے دونوں نسلوں کے نوجوان اٹھے اور انہوں نے مل کر تباہی مچادی ۔ سارا برکسٹن آگ کے شعلوں میں گھر گیا ۔ بے شمار دکانوں ۔ کیفے ۔ سٹورز کو پہلے تو توڑا ۔ لوٹا اور پھر آگ لگا دی یہاں گھروں کے ساتھ گیراج نہیں ہوتے ۔ اس لئے قطار در قطار سینکڑوں موٹریں سڑکوں پر کھڑی رہتی ہیں ۔ ان کو نذرِ آتش کر دیا ۔ پولیس جب بچاؤ کے لئے آئی تو اس پر اینٹ اور پتھروں کی بوچھاڑ شروع کر دی ۔ اور پیٹرول بم مارنے شروع کر دیئے ۔ میں نے تو زندگی میں پہلی بار یہ بم دیکھے ۔ عام کانچ کی بوتل میں پیٹرول بھر کر جلنے کے ذریعہ آگ لگا کر پھینک دیتے ہیں ۔ یہ بوتل جہاں پھٹے وہاں آناً فاناً آگ بھڑکنے لگتی ہے ۔ اور کیا انسان اور سامان سب جلنے لگتے ہیں ۔ تین دن یہی تباہی بپا رہی ۔ چونکہ ان بلوائیوں کا ٹکراؤ گورنمنٹ سے تھا اس لئے تمام مار کٹائی اور حملوں کا نشانہ پولیس تھی ۔ یہاں کی پولیس کی تاریخی روایت یہ ہے کہ وہ اصل معنوں میں شہریوں کی محافظ نگران اور ہمدرد و مددگار ہوتی ہے ۔ اس لئے عام طور پر سوائے ایک معمولی سے ڈنڈے کے ان کے پاس نہ پستول ۔ برچھی یا خطرناک ہتھیار ہوتا ہے اور نہ کوئی اپنے بچاؤ کا سامان ۔ فسادات وغیرہ میں حملے سے بچنے کو صرف پلاسٹک کی ایک ڈھال سی سامنے رکھتے ہیں ۔ جو اینٹ پتھروں کی بوچھاڑ اور پیٹرول بموں سے برائے نام بچاؤ کرتی ہے ۔ چنانچہ دھڑا دھڑ پولیس والے زخمی اور جل کر ہسپتالوں میں پہنچ گئے ۔

یہاں ٹی وی پر ہر طرح کی خبریں با تصویر ہوتی ہیں ۔ اور بی ۔ بی ۔ سی اور آئی ۔ ٹی ۔ وی کے دلیر جرنلسٹ اور فوٹوگرافر پتھروں کی بوچھاڑ اور برستی آگ میں جان جوکھوں سے اصل حالات کی تصویریں اتارتے ہیں تاکہ ان کو دیکھ کر سب لوگ خود اصلیت اور حقیقت کا اندازہ کر سکیں ۔ اس لئے میں تو خدا لگتی کہوں گی کہ پولیس نے ان تمام قیامت خیز فسادات میں کہیں بھی خود حملہ یا زیادتی نہیں کی ۔ برابر بچاؤ اور دفاع کے لئے مقابلہ کرتے رہے ۔ اس کی تائید میں کھلا ثبوت یہ ہے کہ جہاں سینکڑوں پولیس والے زخمی ہوئے وہاں فسادی سب بچے رہے سوائے گرفتاریوں کے جو لازمی تھیں ۔ برکسٹن کے بعد ساؤتھ ہال اور پھر وہاں سے لورپول برمنگھم ۔ مانچسٹر لیڈز ۔ جن جن شہروں میں یہ فساد کی آگ پھیلی ہر جگہ یہی نقشہ نظر آتا تھا کہ سولہ سترہ برس کے نوجوان اور پھر تو آٹھ اور نو برس کے بچے رات رات بھر پیٹرول بم اور پتھر مارتے نظر آتے تھے ۔ لورپول کی آبادی بہت ہی مختلف قسم کے لوگوں کی ملی جلی بستی ہے ۔ اس کی آگ تو رات کو دس دس میل سے بھڑکتی نظر آتی تھی ۔ تقریباً دو ہفتے یہی ہلڑ مچا رہا ۔ ایک جگہ ذرا فساد ہلکا ہوتا تو کسی دوسری جگہ سر اٹھاتا تھا ۔ بہت سی تاریخی عمارتیں سینما ۔ کلب ۔ بڑے بڑے ہال ۔ مشہور سٹورز ۔ ہوٹل ۔ کیفے ۔ دکانیں اور ہزاروں کاریں بسیں ۔ ٹرک جل کر خاک سیاہ ہو گئیں ۔ صرف لندن میں پانچ سو سے اوپر پولیس والے ہسپتالوں میں زخمی ہو کر پڑ گئے ۔ چھوٹی بڑی تجارتیں ختم ہو گئیں ۔ اور نقصان کا اندازہ کروڑوں اربوں پونڈز میں جا رہا ہے ۔ سیاسی پارٹیاں ایک دوسرے کو الزام دے رہی ہیں ۔ لیبر لیڈر اور فسادی پولیس کو برا کہہ رہے ہیں ۔ لیکن سچ یہ ہے کہ میں انگریز قوم اور انگریز پولیس کے حوصلے اور برداشت کی تعریف کرتی ہوں ۔ سوائے ساؤتھ ہال کے جہاں گورے لڑکوں نے جو سکن ہیڈ SKIN HEAD کہلاتے ہیں ایک سینما پر حملہ کر کے فساد شروع کیا ۔ باقی سب جگہوں پر حبشی اور دیسی لوگوں نے فساد کی ابتداء کی ۔ دکانیں توڑنے ۔ لوٹنے ۔ آگ لگانے ۔ موٹروں کو جلانے اور پولیس کو پتھروں اور بموں سے مارنے میں وہ آگے آگے تھے ۔ اگر ان کی تعداد دو حصہ تھی تو گورے لڑکے ایک حصہ تھے ۔ اور ساتھ لگے پھرتے تھے ۔ اس طوفان کے بعد تحقیقات میں بھی افسروں اور مختلف پارٹیوں کے لیڈروں کے سامنے ایشیائی اور حبشی ہی زیادہ شکایتیں کرتے اور بپھرتے نظر آتے تھے ۔

بہرحال بطور ایک تماشائی کے ان سب جھگڑوں کا جائزہ لینے کے بعد مجھے جو جڑ ان مصیبتوں کی نظر آئی میں یہاں اس کو بتانا چاہتی ہوں ۔ اس میں شک نہیں کہ بے روزگاری بھی ایک نمایاں وجہ ہے ۔ کہتے ہیں کہ :

"مردِ بے کار یا شود دزد یا بیمار"

یعنی بیکار آدمی یا تو چور بن جاتا ہے یا بیمار ہو جاتا ہے ۔ مگر یہاں کی ویلفیئر اسٹیٹ میں بے روزگار کبھی بھوکا نہیں مرتا ۔ سولہ سال کی عمر تک ہر بچے کو وظیفہ ملتا ہے ۔ اور اس کے بعد اگر کسی کو نوکری نہ ملے یا چھٹ جائے تو بے روزگاری کی پنشن ملتی ہے ۔ جو آج کل کے پاکستانی روپے میں دو ہزار روپے ماہوار بنتی ہے ۔

اور باوجود مہنگائی کے انسان اس میں اچھی طرح کھا پی سکتا ہے۔ سو بھوک جو اکثر جرائم کرواتی ہے یہاں اس کی شکایت نہیں۔ ہاں کھا پی کر پیٹ بھرے پر بے کاروں کو شرارت و شیطانی سوجھے تو ان جرائم کی کثرت کی وجہ پوری سزا کا نہ ملنا ہے۔ یہاں پھانسی کی سزا نہیں اور دوسرے جرائم کی بھی بہت نرم سزائیں ہیں۔ یہاں آ کر اسلام کے قائم کردہ سوسائٹی کے قانون کی حکمت نظر آتی ہے۔ کہ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ کان کے بدلے کان۔ دانت کے بدلے دانت اور جان کے بدلے جان۔ اسی میں نسلِ انسانی اور قوموں کے لئے بچاؤ اور زندگی ہے۔ اس ملک میں یہ دلیری ہے کہ شراب سے بدمست نوجوان صرف تفریح کے لئے ٹھوکریں مار مار کر ضعیف بوڑھے بوڑھیوں کو زخمی کر دیتے اور کئی بار تو جان سے مار دیتے ہیں تو اُن کو پھانسی کا پھندا نظر نہیں آتا صرف چند سال کی قید ملتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جرائم اور اس کی سزا میں توازن نہیں رہا۔ اور معاشرہ کا حال بگڑتا جا رہا ہے۔ بدمعاشوں کی نازک مزاجی اتنی بڑھ گئی ہے کہ لورپول میں جب عاجز آ کر پولیس نے ٹیئر گیس TEAR GAS چھوڑی تو نہ صرف بلوائیوں بلکہ لیبر پارٹی کے لیڈروں نے شور مچا دیا کہ یہ زیادتی کیوں کی گئی۔ اور اب غنڈوں کا تقاضا ہے کہ اُن کے علاقوں سے پولیس کا محکمہ سرے سے ہی ہٹا دیا جائے۔ گویا معصوم اور امن پسند شہریوں کو صرف اُن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر ان تمام پھیلی ہوئی خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ:-

"مغرب کی قوموں کو خدا کھو گیا ہے۔"

پرانی گوری نسلوں میں جو بھی عقیدہ۔ ایمان اور خدا کا تصور تھا۔ وہ اس پر کچھ نہ کچھ قائم تھے۔ گرجا جانا۔ عبادت کرنا اور سب سے بڑھ کر خوفِ خدا دلوں میں تھا۔ اب نئی گوری نسل خدا کے تصور سے بھی ناآشنا ہے۔ خدا کو جان کر اس کے خوف اور حکم کے ماتحت دنیا کی زندگی بسر کرنا تو دور رہا۔ ان کو کچھ پتہ نہیں کہ ان کو اس دنیا میں کس نے بھیجا۔ کیا کرنے کو بھیجا اور مر کر کس کے حضور جانا ہے۔ رہے کالے تو ان کا تو اور بھی بدتر حال ہے کہ جنگل کے وحشیوں کو عیسائی مشنریوں نے بے شمار جانی اور مالی قربانیاں دے کر عیسائی تو بنا دیا لیکن چونکہ خود عیسائیت میں خدا کا تصور ایک برابر تین کے اور تین برابر ایک کے ہو کر ناقابلِ فہم اور الجھا ہوا ہے اس لئے انہوں نے دنیاوی ساز و سامان۔ آرام و آسائش اور چمک دمک دکھا کر ان قوموں کو عیسائی تو بنا لیا۔ مگر خدا کے صحیح تصور اور کسی مذہب کی خوبی اور ضرورت سے وہ بالکل ناواقف ہیں۔ ویسے بھی قدرتی طور پر یہ قومیں جنگلی اور اکھڑ ہیں۔ ان میں اپنا کوئی طرزِ تمدن یا ضابطہ نہیں۔ صرف مغربی مشنریوں کی نقل ہیں۔ چنانچہ اب جو یہ نوجوان یہاں فسادی سیاہ نظر آتے ہیں تو ان کے چہروں سے ہی بوکھلائے ہیں اور گم کردہ راہ ہونے کے آثار نظر آتے ہیں کوئی ذہانت سمجھ بوجھ معلوم نہیں ہوتی۔

اب یہاں آ کر مجھے اللہ تعالیٰ کی اس دین و عنایت کا صحیح احساس ہوتا ہے کہ اس نے ہمیں اسلام ایسی نعمت عطا کی۔ ایک خدا کو ماننا اور پہچاننا نہ صرف انسان کو اپنا مقصدِ حیات معلوم ہو جاتا ہے بلکہ وہ خود اپنی حقیقت سے بھی اس طرح آشنا ہو جاتا ہے۔ اور دائرہ اسلام میں قدم رکھ کر کوئی ہو متمدن اور سائنس کی دنیا کا فلاسفر یا جنگل کا وحشی اس کو بنا بنایا لائحہ حیات و عمل مل جاتا ہے۔ اس کے علاوہ فطرتِ انسانی کسی نہ کسی سہارے کو ڈھونڈتی ہے۔ ماں باپ۔ اولاد۔ میاں بیوی۔ عزیز رشتہ دار۔ پھر ان کے بعد مال و دولت۔ آرام و آسائش یہ سب انسانی سہارے ہیں۔ لیکن اگر اس کو اللہ تعالیٰ کا سہارا مل جائے اور اس پر مکمل ایمان اور بھروسہ پیدا ہو جائے تو وہ باقی سہاروں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ خدا کے فضل اور ماں باپ نیز بزرگوں کی توجہ سے میرے جیسی کمزور ناکارہ ہستی بھی اس سہارے پر رہ سکتی ہے۔ جب سے میرے بیٹے راس محمود خیر سے پردیس سدھائے، یہاں مجھے اکثر تنہائی کا سامنا ہوتا ہے۔ ان فسادات اور بلوؤں کی خبر جب راس محمود کو پہنچی تو دوسری رات اس کا فون آیا کہ آپ اکیلی نہ رہیں فوراً ملک چھوڑ کر ہمارے پاس آ جائیں یا پاکستان چلی جائیں۔ تو میں نے اس کو یہی کہا کہ بیٹا ان اللہ معنا۔ دعا کرتے رہو کہ اللہ کا ساتھ رہے۔ اور اس کے بھروسے پر میرا دل مضبوط ہے تو ان شاء اللہ یہ آزمائش بھی گزر جائے گی۔

اگرچہ ہمارے علاقے میں اللہ کا فضل رہا لیکن کچھ مشتبہ لڑکوں نے بہانے سے گھر میں داخل ہونا چاہا اور پھر ڈرانے والے اشتہار بھیجے۔ تو میں نے پولیس کے دفتر میں جا کر رپورٹ کر دی۔ وہاں سے فوراً کرائم برانچ (محکمہ جرائم) کا ایک افسر دیکھ بھال کرنے آ گیا۔ اُس نے جہاں احتیاط اور حفاظت کی ضروری ہدایات دیں وہاں آخر میں یہی کہا کہ "خاتون یہ سب تو کرو لیکن اپنا بھروسہ اللہ پر رکھو۔" یہ انسان کی فطرت کی آواز تھی۔ میں نے جواب دیا کہ "شکر الحمد للہ! میں مسلمان ہوں اور ہماری تعلیم بھی یہی کہتی ہے کہ احتیاط اور کوشش ضرور کرو لیکن اپنا توکل اور آسرا اللہ پر رکھو۔" سو ہم کبھی اکیلے نہیں ہوتے بلکہ ان اللہ معنا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ ہمارے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے غارِ ثور میں اپنے غمخوار ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضہ کو یہ ایمان افروز ارشاد فرمایا تھا۔ وہاں دو میں تیسرا اللہ تھا۔ تو یہاں ایک اُسی کی عاجز کمزور بندی کے لئے وہ ایک کے ساتھ دوسرا رہے تو اس کی غریب نوازی سے بعید نہیں کیا تسلی ہے کہ ان اللہ معنا۔ اور کیسا مضبوط ساتھ ہے۔ بے شک اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

* * * *

احباب کو کتاب

"مجاہدِ کبیر" کے مطالعہ کی ضرورت

ڈھاکہ سے ایک دوست نے عزیزم محمد احمد مرحوم کی وفات پر تعزیت کرتے ہوئے حال ہی میں مجھے یہ تحریر فرمایا ہے کہ اُس نے کتاب "مجاہد کبیر" کے پڑھنے سے بہت فائدہ حاصل کیا ہے کیونکہ جب کسی انسان کے سوانح حیات کا مطالعہ کر کے یہ معلوم ہو کہ اُس نے کسی خاص شعبہ علم یا فن میں کیا کمال حاصل کیا تھا اور کیسی لگن و عشق سے وہ اپنے اس جذبہ سے عمر بھر سرشار رہا تو ایسے مطالعہ حالات سے دل پر جو اثر پڑتا ہے وہ کسی دوسری طرح نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا مرحوم کے جذبۂ عشقِ قرآن سے تو ہر احمدی بخوبی واقف ہے مگر آپ کی زندگی کے حالات پڑھ کر ہی یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ اس صادق جذبہ سے کس طرح سرشار رہتے تھے۔ ان صاحب نے یہ بھی تجویز کیا ہے۔ کہ اس کتاب کا بنگلہ زبان میں ترجمہ کر کے اسے پھیلایا جائے۔ اس پر عمل ہونے میں کچھ عرصہ درکار ہے۔ لیکن جو احباب اردو زبان سے واقفیت رکھتے ہیں اُن کے لئے کتاب "مجاہد کبیر" موجود ہے۔ جو اصحاب اس کا مطالعہ کرنا پسند فرمائیں وہ انجمن کے شعبہ مفت تقسیم کو خاکسار کی معرفت لکھ کر طلب کر سکتے ہیں ــــــ۔

(ڈاکٹر) اللہ بخش

خطبۂ عید الفطر

فرمودہ حضرت مولانا نور الدین رض، بتاریخ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۹ء

حضرت امیر نے کلمہ شہادت کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ قبل اس کے کہ میں تمہیں اس کی تفسیر سناؤں چند ضروری باتیں سنانی چاہتا ہوں وہ یہ کہ جنہوں نے روزہ رکھا ہے ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ صدقۃ الفطر دیں یہ حکم قرآن مجید میں ہے چنانچہ فرمایا وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ **طعام مسکین** اور جو لوگ اس فدیہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ طعام مسکین دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین رنگوں میں اس کی تفسیر فرمائی ہے۔ اول یہ کہ انسان عید سے پہلے صدقۃ الفطر دے۔ دوم جو روزہ نہ رکھے وہ بدلے میں طعام مسکین دے۔ دائم المریض ہو یا بہت بوڑھا یا حاملہ یا مرضعہ ان سب کے لئے یہ حکم ہے۔ سوم یہ کہ یہ الٰہی ضیافت کا دن ہے۔ پس مومن کو چاہیئے کہ کھانے میں توسیع کرے اور غرباء کی خبر گیری کرے۔ ہر قوم میں کوئی نہ کوئی دن ایسا ضرور ہوتا ہے جس میں عام طور سے خوشی منائی جاتی ہے بہت عمدہ لباس پہنا جاتا ہے اور عمدہ کھانا کھاتے ہیں چنانچہ حدیث میں بھی ہے:۔

لکل قوم عید فھذا عیدنا۔

ہر قوم کی ایک عید ہے ہماری بھی ایک عید ہو تو مناسب ہے۔

دوسری بات جس کے لئے کئی وقت میں گھبرا رہا ہوں یہ ہے کہ مجھے دن میں پانچ وقت[1] وعظ کرنا پڑتا ہے۔ وعظ کے متعلق بڑی دقتیں ہیں ایک واعظ کو، ایک اسے جسے وعظ کیا جائے۔ وعظ کی دقتیں سات قسم کی ہیں:۔

۱۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن بعض آدمیوں کو دوزخ میں لے جائیں گے اور انہیں کے سامنے بعض کو بہشت میں۔ بہشت میں جانے والے تعجب کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو انہی دوزخ میں جانے والوں کے وعظ سننے کے سبب اور اس پر عمل کرنے کے ذریعہ سے بہشت میں جاتے ہیں۔ پھر یہ کیا معاملہ ہے۔ وہ کہیں گے کہ ہم عمل نہیں کرتے تھے۔ دیکھو واعظ کے لئے کس قدر اشکال ہیں۔

۲۔ پھر واعظ کے لئے یہ دقت ہے کہ بعض واعظ پہلے بڑی بڑی مشاقی کرتے ہیں عجیب عجیب لفظ سوچے جاتے ہیں بعض کو [illegible] کے لئے مقرر کرتے ہیں۔ گویا یہ وعظ ریاء کے لئے ہوتا ہے۔ اسی کی نسبت آتا ہے:

یراؤن الناس۔

۳۔ پھر وعظ سمعہ کے لئے بھی کہا جاتا یعنی وعظ محض اس ارادے سے کیا جاوے کہ لوگ سنیں اور کہا جاوے کہ فلاں بڑا مقرر ہے۔ بڑا بولنے والا ہے۔

۴۔ واعظ کے لئے وہی مشکل ہے جو شاعر کے لئے بھی ہے اگر اور کوئی شعر پچھلا سنا دیا تو یہ کہا جاتا ہے یہ تو پہلے بھی سنا چکے ہو۔

ب۔ مضمون کسی سے مل جائے تو پھر کہا جاتا ہے فلاں کا چرایا ہوا ہے۔

ج۔ مذاق کے مطابق نہ ہو تو کہہ دیا پھیکا ہے۔

د۔ اور اگر پسند بھی آ گیا تو سوائے اس کے کہ واہ وا ہو گئی نتیجہ کچھ بھی نہیں۔ اوّل تو جدت کا آنا ہی مشکل ہے کیونکہ جس واعظ کو ہر روز ایک تنگ دائرے میں کھڑے ہو کر واعظ کرنا پڑے اس میں جدت کہاں سے آئے؟

۵:۔ پانچواں اشکال سنت کی اتباع کے متعلق ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علیہم اجمعین فرماتے تھے روز وعظ نہیں کرنا چاہیئے تا بات معمولی نہ سمجھی جائے۔

۶: اس سے بڑھ کر ایک اور بات ہے۔ کل ہی ایک سجادہ نشین نے مجھے خط لکھا ہے کہ مرزا صاحب کی طرف بلانے کا تو ہی واسطہ تھا اب ان سے گمراہ کرنے والا بھی تو ہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کو کان رس ہوتا ہے بعضوں کو آنکھ رس۔ وہ واعظ کے وعظ اپنے خیالات پر کستے رہتے ہیں اگر ذرا بھی اپنے ذوق کے خلاف پائیں تو بگڑ بیٹھتے ہیں۔ میں نے اسے لکھا کہ تمہارا خط میری انتہائی راحت کا موجب ہوا کیونکہ قرآن شریف کی صفت میں بھی یہی آیا ہے:۔

یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا

پس اگر میں اور قرآن وعظ میں ایک مقام پر کھڑے ہو گئے تو پھر اس دنیا میں مجھ سا خوش نصیب اور کامیاب کوئی نہیں۔

۷:۔ ایک اور مشکل واعظ کے ساتھ لگی ہوتی ہے وہ یہ کہ بعض بہادر اس کی طرف ہمیشہ نکتہ چینی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کی نگرانی ہوتی رہتی ہے۔ اگرچہ انہوں نے:۔ ع

"نوشتن است پند بر دیوار"

وغیرہ کہہ کر بہت کچھ اپنے تئیں چھڑایا ہے مگر معترضین نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ جو معرفت کے خزانے اگلتا ہے اس کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتے اور نکتہ چینی کرنے پر تلے رہتے ہیں غرض اسی قسم کے ۶، ۵ دکھ ہیں جن میں سے میں نے بہت کم تم لوگوں کو سنائے ہیں کیونکہ یہ بھی آیا ہے:۔ ما سلم المکثار۔ بہت بولنے والا غلطی سے محفوظ نہیں رہتا۔ اسی طرح سننے والوں کو بھی مصیبتیں ہیں۔ میں نے ایک لڑکے سے پوچھا کہ آج قرآن شریف کا درس کہاں تک ہوگا۔ تو اس نے کہا کہ گو میں دس برس سے سنتا ہوں مگر کوئی دلچسپی نہیں۔ اس لئے مجھے معلوم نہیں دوسرا جو پاس بیٹھا تھا جب اس سے پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ وعلی الناس۔ مجھے خوشی بھی ہوئی اور رنج بھی ہوا۔ خوشی اس لئے کہ بہت سی مخلوق ایسی بھی ہوتی ہے جو ینظرون الیک وھم لا یبصرون۔ اور یسمعون ولا یسمعون کی مصداق ہے۔ غرض بعض تو ایسے ہیں جو سن کر کچھ نہیں سنتے اور بعض سامعین ایسے ہیں کہ ہر مجلس وعظ میں محض کسی کی دوستی یا ذاتی غرض لاتی ہے۔ بعض نکتہ چینی کے لئے جاتے ہیں۔ ان کا خیال وعظ کی زبان کی طرف رہتا ہے بس جونہی کوئی انگریزی یا سنسکرت یا عربی لفظ اس کے مونہہ سے نکل گیا تو یہ مسکرائے۔ بس ان کے سننے کا ماحصل صرف یہی ہے کہ وہ گھر میں آ کر وعظ کی نقل لگایا کریں۔ پھر ایک مشکل ہے وہ یہ کہ چور کی داڑھی میں تنکا۔ واعظ ایک بات کتاب اللہ سے پیش کرتا ہے۔ اب اگر سننے والے میں بھی وہی عیب ہے جو اس نے بتایا تو یہ سمجھتا ہے کہ مجھ کو سنا سنا کر یہ باتیں کرتا ہے۔ اور گویا مجھے طعنے دے رہا ہے۔ حالانکہ واعظ کے وہم میں بھی یہ بات نہیں ہوتی۔ غرض دو طرفہ مشکلات ہیں۔ ایک طرف واعظ کو اور ایک طرف سامعین کو۔ فطرت کا خالق چونکہ اس بعید کو سمجھتا ہے اس لئے اس نے فرمایا:۔

یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا

عجیب عجیب غلط فہمیاں الفاظ سے پھیلتی ہیں اور جب کسی قوم میں ادبار آتا ہے تو اس کی اصطلاحات بھی بدل جاتی ہیں۔ دیکھو مغل۔ ترک۔ قریشی۔ پٹھان یہ چار قومیں باہر سے آئیں۔ یہ فاتح بھی تھے لیکن جب ادبار کا وقت آیا اور ان میں بدی پھیلی تو قلعہ فتح کرنا اوہ پنجاب میں۔ نہایت برے معنوں میں لیا جانے لگا۔

اسی طرح علم کا لفظ ہے:۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

اس زمانہ میں آیا ہے مگر علم کے ذریعہ لوگ اکڑباز ہو جاتے ہیں اور یہ حجاب اکبر بن گیا۔

میں نے ایک شخص کو ریل میں تفسیر کا ایک نہایت اعلیٰ نکتہ سنایا مگر اس نے مجھے کہا کہ تم کوئی طب

---

[1] نوٹ: حضرت مولانا روزانہ تین درس صبح عورتوں کو دیتے، ایک درس دوپہر کو پھر حدیث کا درس ہوتا۔ پھر بعد عصر قرآن شریف کا درس ہوتا۔ (ایڈیٹر)

کی بات کرو۔ قرآن شریف تمہیں نہیں آتا۔ میں حیران ہوا۔ آخر اس کی وجہ معلوم ہوئی کہ وہ علم قرأت پڑھا ہوا تھا چونکہ میں نے لفظ قرآن کو اس ترتیل و تجوید کے اصول کے مطابق ادا نہ کیا اس لئے وہ بگڑ گیا اور وہ نکتہ نہ سن سکا اس طرح پر اس کا علم بجائے خشیت کے تکبر کا موجب ہو گیا۔

اسی طرح غنیمت کا لفظ ہے۔ عرب میں ایک بچہ کو بھی رخصت کرتے ہیں تو ماں باپ کہتے ہیں:۔

یؤ سالمًا غانمًا۔

" جا تجھے اللہ سلامتی کے ساتھ واپس لائے۔"

حدیث میں ہے:۔

له غنمه وعليه غرمه

جس سے ثابت ہے کہ غنیمۃ کے معنے ہیں مفاد کا حصول۔ مگر ہماری زبان میں اس کا ترجمہ کچھ اور کیا گیا ہے:۔

اس لئے ضروری ہے کہ لفظوں کے بولنے اور سمجھنے میں احتیاط سے کام لیا جاوے اور ان لوگوں کی بات مان لی جائے جن کو خدا نے اپنے فضل و کرم سے فہم عطا کیا ہے۔ اور یہ عطیہ الٰہی ہے چنانچہ فرمایا ففهمنها سليمٰن ہم نے سلیمان کو فہم عطا کیا:۔

اس قدر تمہید کے بعد میں سورۃ فاتحہ کی طرف تم لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اللہ تعالٰے نے اس میں تین فرقوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک انعمت علیھم، ایک مغضوب علیھم، ایک ضآلین

میرا اعتقاد ہے کہ تمام قرآن سورۃ الحمد کی تفسیر ہے اور اس میں ایک خاص ترتیب سے انہی تینوں گروہوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ ہی کو لیجئے کہ ھدًی للمتقین میں منعم علیہم کا ذکر ہے ان الذین کفروا میں مغضوب علیہم کا اور اولٰئك الذين اشتروا الضللة بالهدٰی میں ضالین کا۔ یہ ابتداء کا حال ہے۔ اب جہاں قرآن ختم ہوتا ہے وہاں سورۃ نصر اذا جآء نصر اللہ والفتح میں منعم علیہم کا بیان ہے اور تبت یدآ ابی لہب میں مغضوب علیہم کا اور ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد میں ضآلون کی تردید ہے۔ اس واسطے ہم کو چاہیئے کہ بہت فکر کریں اور اپنا محاسبہ کریں اپنے اعمال کو دیکھیں کہ ہم کس فریق کے کام کر رہے ہیں۔ آیا منعم علیہم کے یا مغضوب علیہم کے یا ضالین کے۔

میں جو کچھ کہتا ہوں صاف صاف کہتا ہوں۔ میں منافق نہیں جو کچھ میری عمر ہے وہ آج کل عمروں کی کے مطابق انتہائی زمانہ ہے۔ ستر برس سے تجاوز ہے۔ اب اتنی عمر مجھے اور پانے کی امید نہیں اور اگر ہو بھی تو یُرد الیٰ ارذل العمر کی مصداق ہے۔ پھر وہ قوٰی نہیں مل سکتے جو پہلے تھے۔ پھر میری اولاد میرے بعد کس طرح اپنا گزارہ کرے گی کیونکہ جب میں نے اپنے باپ دادا کے مال سے پرورش نہیں پائی تو میں بڑا مشرک ہوں اگر اپنی اولاد کی نسبت میں یہ خیال کروں کہ ان کا گزارہ میرے مال پر موقوف ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تقتلوا اولادكم من املاق نحن نرزقكم واياهم

جب رزق دینے کا خدا وعدہ کرتا ہے تو مجھے کیا فکر ہے۔ پس اگر مجھے فکر ہے تو یہ کہ قبر اور قیامت میں میرے ساتھ جانے والا کوئی نہیں پس میں تم کو وعظ کرتا ہوں تو کیا اپنے تئیں بھلا دوں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

تم ان تینوں گروہوں کے اوصاف پر غور کرو۔ منعم علیہم گروہ کے لئے سب سے پہلی صفت بیان کرتا ہے کہ:۔

یؤمنون بالغیب۔ ایمان بالغیب ایسا ضروری ہے کہ دنیا کا کوئی کام اس کے بغیر نہیں ہوتا پہاڑے۔ مساحت۔ اقلیدس۔ طبعیات۔ سب کے لئے فرضی بنیاد پر کام ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ پولیس کبھی ایک بدمعاش کے کہنے پر بعض مکانوں کی تلاش شروع کر دیتی ہے۔ تو کیا وجہ کہ انبیاء کے کہنے پر کوئی کام نہ کیا جائے جس کا تجربہ بارہا کئی جماعتیں کر چکی ہیں۔ پھر فرمایا:۔

یقیمون الصلوٰۃ۔ دعاؤں میں نمازوں میں قائم رہتے ہیں۔ وہ مالوں کو خرچ کرتے ہیں بما انزل الیك اور من قبلك اور آخرۃ پر ان کا ایمان ہوتا ہے۔

پھر دوسرے گروہ کی صفات بیان کیں کہ ان کے لئے تذکیر و عدم تذکیر مساوات کا رنگ رکھتی ہے۔ وہ سنتے ہوئے نہیں سنتے۔ ان میں عاقبت اندیشی نہیں ہوتی۔ صمٌّ بکمٌ ہوتے انہی کی نسبت آخیر قرآن میں فرمایا کہ ایسے لوگوں کو ماکسب یعنی جتھا اور مال دونوں پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہے مگر خدا تعالےٰ دونوں کو غارت کر دیتا ہے۔

پھر تیسرے گروہ ضآلون کا ذکر فرمایا کہ ان کو صفات الٰہی کا صحیح علم نہیں ہوتا۔ اور ان میں نہ تو قوت فیصلہ ہوتی ہے نہ تابِ مقابلہ۔ قرآن شریف کے ابتداء کو آخر سے ایک نسبت ہے۔ پہلے مفلحون فرمایا تو اذا جآء نصر اللہ والفتح میں اس کی تفسیر کر دی اور مغضوب علیھم کی تبت یدآ ابی لہب میں اور ضآلین کا رد قل ھو اللہ احد میں کر دیا ہے۔ غرض عجیب ترتیب سے ان تینوں گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ ان سب کی صفات بیان کر کے میں تمہیں مکرر نصیحت کرتا ہوں کہ تم سوچو منعم علیھم میں سے ہو یا مغضوب علیھم میں ...... یا ان لوگوں میں جن کو ضآلین کہا گیا ہے۔

میں نے تمہیں بہت کچھ کہہ دیا ہے۔ اور گول بات ہرگز نہیں کی۔ میں مومن ہو کر مرنا چاہتا ہوں۔ میں اللہ سے اس کی رحمت کا امیدوار ہوں جیسے اس نے اس عمر تک میری تربیت کی اور میری ہدایت کا موجب ہوا۔ اسی طرح میں امید رکھتا ہوں کہ وہ میرا خاتمہ بالخیر کرے گا اور میری موت قرآن اور رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی فرمانبرداری کی حالت میں کرے گا۔

ضرورتِ وحدت:۔

میں اس سے بھی کھول کر تم کو سنانا چاہتا ہوں کہ کوئی قوم سوائے وحدت کے نہیں بن سکتی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ کوئی انسان سوائے وحدت کے انسان نہیں بن سکتا۔ کوئی محلہ سوائے وحدت کے محلہ نہیں بن سکتا۔ اور کوئی گاؤں سوائے وحدت کے گاؤں نہیں بن سکتا اور کوئی ملک سوائے وحدت کے ملک نہیں بن سکتا۔ اور کوئی سلطنت سوائے وحدت کے سلطنت نہیں بن سکتی۔ دیکھو میری آنکھ تو کہتی ہے کہ یہ زہر ہے اب ہاتھ کہے کہ مجھے آنکھ کی پرواہ نہیں اور وہ اٹھا کر وہ زہر کھا لیتا ہے۔ تو اس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ اسی طرح گھر کی بات ہے۔ کہ اگر بچہ اپنے مربی اپنے باپ اپنی ماں کی بات نہیں سنتا تو اس کی تعلیم و تربیت کا ستیاناس ہو جائے اسی طرح محلہ ملک اور سلطنت کا حال ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں میں نے مرزا صاحب سے سنا ہے کہ اھدنا میں نا اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ کہ سوائے جماعت کے اللہ تعالےٰ سے بعض خاص فضل کوئی انسان نہیں لے سکتا۔

* * *

کلام الامام

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے ۔ کوئی دیں دینِ محمد سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے ۔ یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا ۔ نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا ۔ کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
تھک گئے ہم تو انہی باتوں کو کہتے کہتے ۔ ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کے لیے کوئی نہ آیا ہر چند ۔ ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے
آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے
مصطفٰے پر ترا بیحد ہو سلام اور رحمت ۔ اس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے
ربط ہے جانِ محمد سے مری جاں کو مدام ۔ دل کو وہ جام لبالب ہی پلایا ہم نے

رپورٹ :۔ مولوی شفقت رسول خان

افطار پارٹی کی تقریب سعید

جمعۃ الوداع کا مبارک دن تھا۔ اس نہایت ہی بابرکت دن کی برکات حاصل کرنے کے لئے مقامی جماعت لاہور نے احمدیہ بلڈنگس کے نوجوانوں کی مدد سے افطار پارٹی کا اہتمام کیا۔

اس تقریب کا آغاز ۶½ بجے شام تلاوتِ قرآن مجید سے ہوا جو امریکہ سے آئے ہوئے ہمارے نوجوان بلالی مسلمان امام نورالدین نے کی۔ انہوں نے ناظرہ قرآن مجید پڑھنا یہاں آکر سیکھا۔ احباب نے اس کو بے حد سراہا۔ اس کے بعد ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے روزہ کی جسمانی اور روحانی برکات اور انسانی زندگی میں اس کی اہمیت پر ایک مدلل اور ایمان افروز تقریر کی۔ انہوں نے قرآن مجید اور جدید طب کی روشنی میں روزہ کے مجاہدہ کی افادیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ آخر میں محترم ڈاکٹر صاحب نے مسجد احمدیہ بلڈنگس سے وابستہ ان یادوں کا ذکر کیا جو تحریک احمدیت کی تاریخ کا اہم حصہ ہیں۔ اسی مسجد میں حضرت بانی سلسلہ تشریف لاتے رہے۔ یہیں حضرت مولانا نورالدین نے قرآن مجید کے معارف بیان فرمائے۔ یہیں سے حضرت مولانا محمد علی رح اور حضرت خواجہ کمال الدین رح نے دنیا میں تبلیغ اسلام اور اشاعتِ قرآن کے کئی ایک نہایت عظیم الشان منصوبوں اور دور رس نتائج کی حامل تحریکوں کا آغاز کیا۔ غرضیکہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے اہم اور تاریخی کاموں کی تحریک کا آغاز اس مسجد سے ہوا۔ اسی اہمیت کے پیشِ نظر محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے نہایت اخلاص اور جوش سے سامعین سے اپیل کی کہ مسجد احمدیہ بلڈنگس کے لئے دل کھول کر عطیہ جات دیں۔ اس میں بارش کے دوران پانی اندر گھس آتا ہے ضرورت ہے کہ اس کے فرش کو اونچا کیا جائے اور مختلف حفاظتی اقدامات کئے جائیں تاکہ بارش کا پانی اندر نہ گھس سکے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے اس اپیل کو عید کے موقع پر بھی دہرایا۔ اور خود سب سے پہلے پانچصد روپیہ دینے کا اعلان کیا۔ پھر چوہدری ریاض احمد صاحب نے ۱۰۰ روپیہ دینے کا اعلان کیا۔ پھر احباب نے اس اپیل کے جواب میں بہت سے نقد عطیہ جات دیئے یا وعدے کئے جن کی تفصیل آئندہ اشاعت میں دی جائے گی۔

اس سے پیشتر چھت مسجد احمدیہ بلڈنگس کے لئے مندرجہ ذیل عطیہ جات موصول ہوئے۔ جزاکم اللہ۔ یہ کام خدا کے فضل سے مکمل ہو چکا ہے۔ جناب شیخ فضل الرحمن صاحب نے بڑی محنت سے اس کام کو مکمل کروایا۔ جزاک اللہ۔

نام	رقم
مولوی عبدالرؤف صاحب	۵۰/- روپے
محمد حسن خاں صاحب کراچی	۲۰۰/- روپے
شیخ فضل الرحمان صاحب	۵۰/- روپے
صوفی محمد رمضان صاحب	۵۰/- روپے
قاضی غلام رسول صاحب	۲۵/- روپے
بیگم صاحبہ مولوی عبدالرؤف صاحب	۱۰/- روپے
صابر پرویز صاحب	۲۵/- 〃
صوفی نذر محمد صاحب	۵۰۰/- 〃
چوہدری علی محمد صاحب کسوہر	۱۰۰۰/- روپے
شیخ اللہ بخش صاحب بدوملہی (بذریعہ معلوم الاسم)	۵۰/- 〃
بذریعہ انچارج عمارات	۴/۵۰ 〃
شیخ اللہ بخش صاحب بدوملہی	۴۵/- 〃
ماسٹر اصغر علی صاحب	۵۰/- روپے
سید ناصر احمد صاحب	۲۵/- 〃
لال محمد وغیرہ بذریعہ فیض الرحمن صاحب	۶۱/- 〃
فیض الرحمن صاحب	۲۵/- 〃
بیگم صاحبہ حکیم عبدالوہاب صاحب	۱۰۰/- 〃
مولوی شفقت رسول صاحب	۵۰/- 〃
میاں بشارت احمد صاحب	دو بوری سیمنٹ
کرنل محمد سعید صاحب	۵ بوری سیمنٹ
چوہدری منصور احمد صاحب	دو بوری سیمنٹ

* * *

اخبارِ احمدیہ :۔

- حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین ایدہ اللہ تعالیٰ خیریت سے ہیں۔ احباب سلسلہ حضرت کی صحت اور عافیت والی زندگی کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔
- جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس میں نمازِ عید سے فارغ ہونے کے بعد احباب حضرت امیر کی خدمت میں ان کے مکان پر ملاقات کے لئے گئے۔ حضرت نے انہیں خوش آمدید کہا۔ اور اظہار مسرت فرمایا۔ اور ساری جماعت کے لئے دعا فرمائی۔ کہ اللہ تعالیٰ سب کو حفظ و امان میں رکھے۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی ابھی تک ملک سے باہر ہیں۔ اسی پرچہ کے دوسرے صفحات میں مکرم میاں فضل احمد صاحب کی رپورٹ میں قارئین کرام حضرت موصوف کی امریکہ میں دینی و اشاعتی سرگرمیوں کی کچھ جھلک ملاحظہ فرمائیں گے۔ احباب سلسلہ حضرت ڈاکٹر صاحب کی صحت و عافیت اور بخیریت واپسی کے لئے دعا فرماتے رہیں۔
- جامع احمدیہ، دارالسلام میں عید کے دن بڑی رونق رہی۔ نمازِ عید مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب نے پڑھائی اور ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔ مکرم ماسٹر اصغر علی صاحب کی اطلاع کے مطابق فطرانہ عید سعید مسجد فنڈ میں   روپے جمع ہوئے۔
- بدوملہی سے مکرم شیخ اللہ بخش صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس دفعہ نمازِ عید میں خاصی رونق تھی سارے دوست جمع ہوئے۔ فطرانہ عید فنڈ اور مسجد فنڈ میں خلافِ توقع زیادہ رقم آگئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے

وفات :۔

مغلپورہ (لاہور) سے جناب نورالحق مجاہد لکھتے ہیں کہ :۔

"بڑے دکھ اور افسوس کے ساتھ میں آپ کو اطلاع دے رہا ہوں کہ میرے والد محترم محمد عبدالحق حمایہ امرتسری وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک اور پرجذبہ احمدی تھے کبھی کبھی پیغام صلح کے لئے مضامین بھی لکھا کرتے تھے۔ ہمیں اس صدمہ میں ان کے فرزند جناب نورالحق اور دیگر لواحقین سے دلی ہمدردی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ اور اپنے قرب سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی، بتاریخ ۳۱ جولائی ۱۹۸۱ء، بمقام جامع احمدیہ، دار السلام، لاہور

واذا سالک عبادی عنّی فانی قریب ط اجیب دعوۃ الدّاع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون ۵ (البقرۃ ۲ - آیت ۱۸۶)

ترجمہ :۔ ”اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں، تو میں تو قریب ہوں۔ میں دُعا کرنے والے کی دعا کو جب وہ مجھے پکارتا ہے قبول کرتا ہوں۔ پس چاہیئے کہ وہ میری فرمانبرداری کریں، اور چاہیئے کہ وہ مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ وہ سیدھے راستہ پر ہوں“

روزہ کے بارہ میں قرآن حکیم نے پہلی بات یہ فرمائی ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ تم تقوٰے کو پاسکو تقوٰے کے معنی ہیں اپنے نفس کی حفاظت کرنا اس سے جو اس کو ایذا دے - یا نقصان پہنچائے یا جس کا خوف کیا جاتا ہو۔ تو یہ تو ایسی باتیں ہیں کہ کوئی ہوشمند انسان ایسا نہیں جو ان سے اپنے آپ کو بچانا نہیں چاہتا۔ تو پھر تقوٰی کو پانا کیوں اتنا قدر مشکل ہے کہ اس کے لئے انسان کو ہر سال کم سے کم ایک ماہ کے روزے رکھنے کا حکم ضروری ہو۔ خصوصاً گرمیوں کی تپش اور پیاس کے دنوں میں؟

حیوانی جذبات اور خواہشات

انسان کا جسم بنیادی طور پر وہی ہے جو دوسرے حیوانوں کا (تبھی تو ڈاکٹر لوگ اور ریسرچ کرنے والے نئی دواؤں کو پہلے حیوانوں پر آزماتے ہیں پھر انسانوں کو دیتے ہیں) اور اس حیوانی جسم انسانی سے جو جذبات اور خواہشات اٹھتی ہیں وہ سبھی حیوانی ہوتی ہیں۔ جب تک انسان ان جذبات اور خواہشات کی اتباع ایسی کرتا ہے کہ جو انہوں نے حکم دیا وہ انسان کر گزرے تو وہ انسان دُوسرے حیوانوں کی طرح ہے۔ اور اس کا نفس، نفس امّارہ ہے جس کی بابت قرآن حکیم نے ہمیں آگاہ کیا ہے۔ کہ وہ بدی کا حکم دیتا ہے سوائے اُس کے جس پر اللہ کا رحم یعنے روحانی فضل ہو۔ ان النفس لامّارۃ بالسّوٓء الا ما رحم ربّی۔ یاد رہے کہ حیوان کو نیکی اور بدی کی تمیز نہیں ہوتی اور اس کے جذبات اور خواہشات بے لگام ہوتی ہیں سوائے اس حیوان کے جسے سدھا لیا جائے۔ اور چونکہ حیوان کے لئے سب میں مؤثر مار پیٹ کی ہوتی ہے اسی لئے سرکس والے حیوانوں کو بھوکا اور پیاسا رکھ کر انہیں سدھاتے اور اپنا فرمانبردار بنا لیتے ہیں یہی حال انسان کے اندر کے حیوان کا ہے۔ جو روزہ سے حاصل ہوتا ہے ؛

سفرِ حیات کیلئے سواری:۔

ہزار ہا سال تک انسان گھوڑے یا اونٹ یا خچر یا گدھے پر سفر کرتا رہا۔ اسی ظاہری سواری کی طرف توجہ دلاکر قرآن حکیم نے انسان کے باطن میں جو حیوان ہے اُس پر سواری کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جب فرمایا:۔

والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا (النحل ۱۶ - ۸)

” اور (اللہ نے بنائے ہیں) گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سواری کر سکو“

پھر مضمون کو باطن کی طرف موڑتے ہوئے فرمایا کہ یہ نہ سمجھو کہ سواری مل گئی تو سفر زندگی کی تمام ضروریات پوری ہو گئیں بلکہ :۔

وعلی اللہ قصد السّبیل ومنھا جآئر ط (النحل ۱۶ - ۹)

”اور اللہ پر لازم ہے کہ وہ تم کو صحیح راستہ بتائے کیونکہ راستے تو ٹیڑھے بھی ہوتے ہیں“

یعنے اللہ تبارک و تعالےٰ جس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اُسی پر لازم تھا کہ تمہیں بتائے کہ سفر زندگی کا صحیح راستہ کون سا ہے کیونکہ وہی جانتا ہے کہ اُس نے انسان کو کس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور کس راستہ پر چل کر انسان اُس مقصد کو پا سکتا ہے۔

پہلے اس سے کہ میں بتاؤں کہ قرآن حکیم نے انسان کو سیدھا راستہ دکھانے کا اور ٹیڑھے راستوں سے متنبہ کرنے کا کیا بندوبست فرمایا ہے، یہ ضروری ہے کہ میں اس وسوسہ کا ازالہ کر دوں جو ایک مغرب زدہ انسان کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ آج کل تو کم لوگ گھوڑے یا خچر یا گدھے پر سواری کرتے ہیں اور بیشتر دنیا تو موٹروں، بسوں، ریلوے ٹرینوں یا ہوائی جہازوں میں سفر کرتی ہے۔ یہ صحیح ہے مگر بات وہیں آجاتی ہے کہ جس طرح جانور پر کامیاب سواری کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ انسان کا فرمانبردار ہو۔ اسی طرح موٹر یا بس یا ریل یا ہوائی جہاز پر بھی ضروری ہے کہ اس کا انجن (جو حرکت کی طاقت پیدا کرتا ہے اور عجیب بات ہے کہ اُسے بھی HORSE POWER میں گنتے ہیں یعنے اس میں کتنے گھوڑوں کی طاقت ہے) وہ انسان کا فرمانبردار ہو ورنہ انسان چاہے گھوڑے پر سوار ہو چاہے اس زمانہ کی سواریوں پر نتیجہ ہلاکت ہو جاتا ہے۔

قرآن کی ہدایت

قرآن حکیم پر صدقے ہو جانے کو جی چاہتا ہے۔ روزہ کے ہی رکوع میں یہ فرماکر کہ روزہ سے تقوٰے پانے میں آسانی ہو جاتی ہے (کیونکہ انسان کے اندر کا حیوان جو نیک و بد کی تمیز نہیں جانتا اور منہ زور اور تند خو ہوتا ہے۔ وہ بھوک اور پیاس کی مار سے انسان کا فرمانبردار بنایا جا سکتا ہے) فرمایا:۔

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدًی للناس وبیّنٰت من الھدٰی والفرقان (البقرۃ آیت ۱۸۵)

یعنے رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت اور ہدایت کی کھلی دلیلیں دیتا ہے۔ اور حق اور باطل کو الگ الگ کر کے دکھا دیتا ہے۔

آپ کو یاد ہو گا کہ سورۃ النحل کی جو آیات میں نے پہلے پڑھی تھیں ان میں فرمایا تھا کہ سفر زندگی کے لئے صرف سواری کافی نہیں۔ کون سا راستہ صحیح ہے اس کا جاننا بھی ضروری ہے اور سیدھا راستہ بتانا اللہ تعالےٰ کا کام تھا جس نے انسان کو پیدا کیا اور وہی جانتا ہے کہ کس مقصد کے لئے اُسے پیدا کیا ہے اور کس راستہ پر چل کر وہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ تو روزہ کے ذریعہ سے انسان کے اندر کے حیوان کو فرمانبردار بنانے کے ذکر کے معاً بعد یہ فرمایا کہ ہم نے رمضان کے مہینہ کو اس لئے روزوں کے لئے چنا ہے کہ اسی مہینہ میں قرآن پاک نازل ہونا شروع ہوا تھا۔

ھدًی للمتّقین

آپ کو معلوم ہے کہ قرآن حکیم کی ابتدا میں ہی اھدنا الصراط المستقیم کے جواب میں فرمایا تھا کہ جس ہدایت کو تم نے مانگا ہے وہ اس کتاب (قرآن) میں ہے جو متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔ اس فرمانِ الٰہی کے دو معنی ہیں۔ اول یہ کہ جو تقوٰے حاصل کرنا چاہیں ان کے لئے یہ کتاب ہدایت اس رنگ میں ہے کہ نہ صرف یہ وہ باتیں کھول کر بیان کرتی ہے۔ جن سے انسان کو بچنا چاہیئے بلکہ بچنے کا طریق بھی

بتاتی ہے جیسا کہ اسی رکوع میں روزہ کو تقوٰے حاصل کرنے کا ذریعہ بتایا۔ دوئم یہ فرمایا کہ قرآن پاک کی ہدایت سے پورا فائدہ اٹھانا ہو تو اپنے میں تقوٰے پیدا کرو۔ اہل مغرب اب یہ تو کہنے لگ گئے ہیں کہ قرآن کریم ایک اعلےٰ ہدایت کی کتاب ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ تعجب سے کہتے ہیں کہ پھر مسلمانوں کی حالت عموماً کیوں ویسی اعلیٰ نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم لوگ تقوٰے کو اپنے اندر پیدا نہیں کرتے۔

تو رمضان المبارک کو اسی لئے روزوں کے لئے چُنا گیا کہ روزوں سے اگر ان کا صحیح مقصد سامنے رکھ کر انسان تقوٰے حاصل کرے تو پھر ہی وہ قرآن پاک کی ہدایت سے کما حقہٗ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص چوری کرتا یا زنا کرتا یا دوسری بُرائیاں کرتا ہے۔ تو اس کا محض قرآن پاک کو پڑھ لینا اُسے کما حقہٗ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

اس آیت ۱۸۵ میں قرآن کے مکمل ہدایت ہونے کا علاوہ یہ بھی فرمایا کہ وہ ہدایت پر دلیلیں دیتا ہے اور اپنی ہدایت کو زبردستی نہیں منواتا۔ مثلاً اسی رکوع میں روزہ کا حکم دیا تو ساتھ دلیل دی کہ اس سے تقوٰے پیدا ہوگا جس میں انسان کی نجات اور فلاح ہے۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ یہ قرآن سیدھی راہ اور ٹیڑھی راہ یا حق اور باطل میں فرق کر کے دکھاتا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ سورۃ النحل کی جو آیات میں نے پہلے پڑھی ہیں اُن میں فرمایا کہ بہت سی راہیں ٹیڑھی ہوتی ہیں۔ سیدھی راہ صرف ایک ہوتی ہے اور اس کا بتانا انسان کے خالق پر لازم تھا

فسبحان اللہ وبحمدہٖ وسبحان اللہ العظیم کہ قرآن کریم کے اس دعوٰے کو کہ یہ کتاب نہ صرف ہدایت کی راہیں انسان کی زندگی کے ہر موڑ پر بتاتی ہے بلکہ اپنی ہدایت پر دلیلیں بھی دیتی ہے۔ اور حق و باطل میں بھی فرق کر کے دکھاتی ہے۔ اس زمانہ کے مجدد اعظم نے بڑے زور و شور سے غیر مسلم مخالفین اور مناظرین پر پیش کیا اور کہا کہ وہ الہامی کتاب ہی کیا ہے جو ہدایت کی تمام ضروری باتیں خود نہ بتائے یا اپنی بتائی ہوئی ہدایت کی تائید میں دلیل نہ دے سکے۔ یا باطل کی طرف سے اعتراض آئے تو اس کا خود جواب نہ دے سکے بلکہ اپنے ماننے والوں کا منہ تکے کہ تم جواب دو۔

چنانچہ اس چیلنج کو پورا کرنے کے لئے حضرت اقدس نے فرمایا کہ میں اسلام کی صداقت یا قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے یا رسول اللہ صلعم کے کامل اور زندہ نبی ہونے کے بارے میں جو دعوٰے کروں گا وہ قرآن سے کروں گا۔ جو دلائل دوں گا وہ قرآن حکیم سے دوں گا اور تم (یعنی مخالفین) جو اعتراض کرو گے اس کا جواب بھی قرآن کریم سے دوں گا۔ کیا تم اپنی الہامی کتاب سے ایسا کر دکھاؤ گے؟ تو مخالفین نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا اور یوں قرآن کریم کی برتری کو مان لیا۔ اور حضرت اقدس نے باوجود مخالفین کے چیلنج کو قبول نہ کرنے کے اپنی پیش کردہ شرائط پر عمل اپنے اُوپر واجب کر کے قرآن کریم کی صداقت کو روز روشن کی طرح آشکارا کیا۔

انسان کا مقصد پیدائش :۔

ان پہلی آیات سے انسان کو واضح کیا کہ اپنا سفرِ زندگی کامیابی سے کاٹنے کے لئے وہ اپنی سواری کو کس طرح تیار کرے اور پھر قرآن کی ہدایت یعنے بتائے ہوئے راستہ پر چلے مگر محض سواری کا ہونا یا صحیح راستہ کا معلوم ہونا خالی کافی نہیں ہوتا۔ مسافر کو یہ بھی بتانا ضروری ہوتا ہے کہ اس کے سفر کی منزل کیا ہے مقصد کیا ہے۔ سو ان کیوں نہ قرآن کریم پر ہزار جان سے نثار ہو کہ اس نے اس بات کو بھی فوراً یعنے اسی کورؔ کی اگلی آیت میں بتا دیا۔

واذا سالک عبادی عنی فانی قریب

(اگر میرے بندے تجھ سے میری بابت پوچھیں تو میں تو قریب ہوں) یعنے سفر زندگی کی منزل مقصود خود اللہ تبارک و تعالےٰ کی ذات ہے۔

اس مضمون پر میں پہلے کئی بار بتا چکا ہوں کہ قرآن کریم اس راز کو کہ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ واضح طور پر بتاتا ہے۔ مختصراً یہ کہ آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم کا خلاصہ یا عطر نچوڑ کر سورۃ فاتحہ میں بتایا ہے جیسا کہ حضور رسول اللہ صلعم نے خود اسے ام الکتب اور دوسرے ہم معنے ناموں کو دست کر شروع فرمایا ہے۔ اور خود سورۃ فاتحہ کی جان دعا اھدنا الصراط المستقیم ہے جو ہر ایک راستہ کی ایک منزل مقصود ہوتی ہے۔ اس صراط مستقیم کی [illegible] انسان پہنچ گیا گویا منزل مقصود خود اللہ تعالےٰ ہے جیسا کہ متعدد جگہ فرمایا ہے ان میں سے چند آیات درج ذیل ہیں

فاما الذین اٰمنوا باللہ واعتصموا بہٖ فسیدخلھم فی رحمۃ منہ وفضلٍ و یھدیھم الیہ صراطًا مستقیما (النساء: ۱۷۵)

ترجمہ :۔ سو وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کو مضبوط پکڑا تو وہ ان کو عنقریب (یعنے اسی زندگی میں) اپنی رحمت (یعنے روحانی نعمت) میں داخل کرے گا اور فضل (یعنی دنیاوی فضل) میں داخل کرے گا اور ان کو اپنی طرف صراطِ مستقیم پر چلائے گا۔

ان ربی علیٰ صراطٍ مستقیم (سورۃ ہود: ۵۶)

ترجمہ :۔ میرا رب صراطِ مستقیم پر چلنے سے ملتا ہے۔

قل ھذہٖ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃٍ انا ومن اتبعنی (یوسف: ۱۰۸)

ترجمہ :۔ کہہ دے کہ یہ ہے میرا راستہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں علیٰ بصیرت (یعنے میں نے اپنے دل کی آنکھ سے اللہ کو اس راستہ پر چل کر دیکھ لیا ہے) اور جو میری اتباع کرے گا وہ بھی (دل کی آنکھ سے) دیکھ لے گا۔

ان ھذہٖ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الیٰ ربہٖ سبیلا (الدھر: ۲۹)

ترجمہ :۔ یہ قرآن بے شک یاد دہانی ہے سو جو چاہے اپنے رب کی طرف اس راستہ کو اختیار کر لے (جو یہ قرآن بتاتا ہے)

اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ ایک حدیث نبوی بھی سُن لیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ :۔

کنت کنزاً مخفیاً فاردت ان اُعرف فخلقت الانسان۔

"میں ایک مخفی خزانہ تھا سو میں نے ارادہ کیا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے انسان کو پیدا کیا"۔

خُدا کو پانے کے آداب

تو لیجئے انسان پر اس کے سفرِ زندگی کے تمام راز کھول دیئے گئے کہ اس کی سواری وہ حیوان ہے جو اس کے اندر ہے اور جسے وہ تقوٰے حاصل کر کے اپنا فرمانبردار کرے۔ راستہ اس نے وہ اختیار کرنا ہے جو قرآن کریم نے بتایا ہے۔ اور اس سفر کا مقصد اللہ تعالےٰ کو پانا ہے۔ اب میں اس آیت کو لیتا ہوں جس سے میں نے خطبہ شروع کیا تھا کہ :۔

"جب میرے بندے تجھ سے میری بابت پوچھیں تو میں تو قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دُعا کو جب وہ مجھے پکارے قبول کرتا ہوں۔ پس چاہیئے کہ وہ میری فرمانبرداری کریں۔ اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ وہ سیدھے راستہ پر ہوں"۔

"جب میرے بندے تجھ سے میری بابت پوچھیں" کے الفاظ نہ صرف یہ بتاتے ہیں کہ انسان کی سفرِ زندگی کا مقصد اللہ تعالےٰ کو پانا ہے بلکہ جس انسان نے اپنی منزلِ مقصود کو دیکھا نہ ہو وہ لازماً اس کی بابت اُس سے پوچھتا ہے جس نے اس منزل کو دیکھا ہو۔ سو رسول اللہ صلعم سے بڑھ کر کس نے زود در زود اللہ تعالےٰ کو دیکھا (معراج ہوئی) میں اور دوسرے موقعوں پر) اس لئے آپ سے بڑھ کر کون اچھی طرح بتا سکتا تھا کہ اللہ تعالےٰ کیا نعوت عظمیٰ ہے۔ اور اسے کس طرح پایا جا سکتا ہے۔ ؎

کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

مگر جواب بجائے یُوں دینے کے کہ تو کہہ دے کہ میں قریب ہوں۔ خود براہ راست اپنے بندوں کو

جواب دیا کہ "میں تو قریب ہوں"، اس سفر میں دل مت چھوڑو۔ یہ براہِ راست جواب دینا اپنے قرب کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

پھر فرمایا کہ میں دعا کرنے والے کی دُعا کو جب وہ مجھے پکارتا ہے قبول کرتا ہوں۔ دُوسری جگہ خود فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس دُعا کو چاہے قبول کرتا ہے (الانعام - ۴۱) اور یہی انسانی تجربہ ہے کہ سب دُعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ تو وہ کون سی دُعا ہے جو ضرور قبول ہو کر رہتی ہے؟ سیاق وسباق صاف بتاتے ہیں کہ وہ دُعا خود اللہ تعالیٰ کو پانے کی ہے۔ (اھدنا الصراط المستقیم) کہ انسان کے تقوٰے اور ہدایتِ قرآنی پر عمل کے مطابق یہ دعا ضرور قبول ہو کر رہتی ہے خواہ اسی زندگی میں ہو خواہ مرنے کے بعد پتہ لگے۔ اس دعا کی قبولیت کی شرائط خود اگلے الفاظ میں بتا دیں۔ پہلے تو فرمایا "فلیستجیبوالی" واپس چاہیئے کہ میرے حکموں کو مانیں" اس چھوٹے سے فقرہ میں تمام اسلام آگیا۔ پھر فرمایا "والیؤمنوابی" اور چاہیئے کہ مجھ پر ایمان کو قائم رکھیں" جتنا بڑا انعام یا نعمت ہو اُتنا ہی اُسے پانے میں محنت اور انتظار کرنا پڑتا ہے۔ تو خدا فوراً نہ مل جائے تو دل نہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ لگے رہو اس کی فرمانبرداری میں اور اُس سے وفاداری میں لعلھم یرشدون "تاکہ یہ سیدھے راستے پر رہیں"۔ جب انسان سیدھے راستہ پر ہو تو وہ اپنی منزلِ مقصود پر ضرور پہنچ جاتا ہے، خواہ جلدی ہو یا بدیر۔ اور وہ سیدھا راستہ آج نہیں تو کل، اس دنیا میں نہیں تو آخرت میں اللہ تعالیٰ تک انسان کو پہنچا دے گا۔ اور اس کا قرب اور وصال نصیب کرے گا۔ وہ وہی ہے جس کا پچھلے الفاظ میں ذکر تھا۔

اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی فرمانبرداری اور اس سے وفاداری چاہے راستہ میں کتنے ہی ابتلاء مصائب اور انتظار کی مدتیں جھیلنی پڑیں۔ حضرت مجدد زماں نے اس بات کو کیا خوب فرمایا ہے۔

؎ خواہی بقہرم کن جدا ۔ خواہی بلطفم رُو نما
خواہی بکشش یا کن رہا ۔ کے ترک آں داماں کنم

حضرتِ اقدس اللہ تعالیٰ سے اپنے کمالِ عشق اور وفاداری کا یوں اظہار فرماتے ہیں کہ تو چاہے تو اپنا قہر دکھا کر مجھے جدا کر دے۔ اور چاہے تو مہربان ہو کر اپنا چہرہ مجھے دکھا دے، یا چاہے تو مجھے مار ڈال یا چاہے تو مجھے اس غم سے رہا فرما دے۔ میں نے تو تیرا جو دامن پکڑا ہے وہ میں ہرگز نہیں چھوڑنے لگا۔

کاش ہم سب کے دل کی یہی حالت ہو!

* * *

بقیہ سلسلہ کالم ۲ سے آگے

احمدیہ انجمن ہالینڈ ترقی کی جانب

ہے۔ غرضیکہ یہ خصوصی نمبر ایک قیمتی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نہایت خوبصورت نمبر کی تدوین اور اشاعت کے لئے ہم اس رسالہ کے جواں سال مدیر نظام الدین صاحب، اس کے ناشر محترم غلام نبی ڈین صاحب اور غلام داحمد صاحب اور ہمارے نہایت محترم مبلغ اسلام حافظ مولینا شیر محمد صاحب کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ اشاعت اسلام کے سلسلہ میں ان کاوشوں کو زیادہ سے زیادہ کامیابیوں سے ہمکنار کرے۔

لقائے یار کا ارمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
دلوں میں جوشِ ایماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ مانا بیش بہا ہے متاعِ حسن و شباب
رفیقِ دولتِ ایماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
(حسن)

احمدیہ انجمن ہالینڈ

ترقی کی جانب

ماہنامہ اشاعتِ اسلام اور رسالہ احمدیہ کا اجراء، پیغام حق فیجی کے خصوصی نمبر پر

ایک نظر

مرتبہ: ناصر احمد صاحب

احباب نے یکم جولائی ۱۹۸۱ء کے شمارہ میں احمدیہ انجمن ہالینڈ کے آٹھ روزہ کنونشن کی چند جھلکیاں ملاحظہ کی ہوں گی جو محترم میاں فضل احمد صاحب نے ارسال کی تھیں۔ چند دن ہوئے جماعت ہیگ کے نہایت مخلص اور سرگرم رکن محترم شکور حسینی صاحب کا خط موصول ہوا ہے جس میں انہوں نے یہ نہایت مبارک خبر دی ہے کہ جماعت ہیگ کی طرف سے ماہنامہ اشاعت اسلام کی اشاعت شروع ہو گئی ہے۔ پہلے شمارے کی دو کاپیاں ارسال کی ہیں جو مضامین اور طباعت کے اعتبار سے خوبصورت اور دلکش ہے۔ محترم شکور حسینی صاحب کے ساتھ جناب دوست محمد صاحب بھی اس رسالہ کی ادارت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں احباب کو یاد ہو گا کہ محترم شکور حسینی صاحب بمعہ اپنی بیگم صاحبہ کے جلسہ سالانہ ۱۹۸۰ء پر تشریف لائے تھے اور ملنے والوں پر اپنے اخلاص اور خوش خلقی کا اثر چھوڑ گئے۔

اسی طرح ایمسٹرڈیم سے یہ خبر آئی ہے کہ ہمارے علم دوست اور نہایت سرگرم ڈچ نومسلم بھائی یحییٰ محمد علی صاحب نے بھی ایک ماہنامہ رسالہ "احمدیہ" کے نام سے جاری کیا ہے۔ اس کے تمام اخراجات وہ خود ہی برداشت کر رہے ہیں۔ ہماری دُعا ہے کہ خداوند قدوس محترم شکور حسینی صاحب، محترم دوست محمد صاحب اور یحییٰ محمد علی صاحب کی کاوشوں کو بارآور کرے اور دونوں رسالوں کو ہالینڈ کی سرزمین پر اسلام کے پیغام کو پھیلانے کا مؤثر ذریعہ بنائے۔

پیغامِ حق کا خصوصی نمبر

اس وقت ہمارے پیشِ نظر فیجی جماعت کے سہ ماہی رسالہ پیغام حق کا خصوصی نمبر ہے۔ جو پندرہویں صدی ہجری کے آغاز کے موقع پر شائع کیا گیا ہے۔ اس کا سرورق نہایت خوبصورت اور خیال انگیز ہے اس سرورق کے درمیان میں خانہ کعبہ کی تصویر ہے اور اس کے چاروں طرف گولائی میں چودہ چاند بنائے گئے ہیں جو ہلال سے شروع ہو کر چودہویں رات کے چاند تک کی حالتوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان چودہ حالتوں میں پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے لے کر چودہویں صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد بانی سلسلہ احمدیہ کے ناموں کو درج کیا گیا ہے۔ اس سرورق کا ڈیزائن فیجی جماعت کے نہایت مخلص بھائی نثار احمد صاحب کے ذہن رسا کا نتیجہ ہے۔ اس خصوصی نمبر میں فیجی جماعت کے اکتوبر ۴۲ء میں قیام کے وقت رجسٹریشن سرٹیفیکیٹ اور دیگر اہم تاریخی مواقع کی تصاویر دی گئی ہیں اس کے علاوہ مرکزی انجمن کے مبلغین کی فیجی میں کارہائے نمایاں اور فیجی احمدیہ انجمن کی اب تک کی سرگرمیوں کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ چند ایک مضامین لاہور احمدیہ تحریک کی مختصر تاریخ اور عقائد سے متعلق بھی شامل اشاعت ہیں اس خصوصی نمبر کے لئے حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ، حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب محترم نصیر احمد فاروقی صاحب اور محترم مرزا مسعود بیگ صاحب کے پیغامات کو نمایاں جگہ دی گئی

(باقی کالم ۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

تاریخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا فراموش شدہ باب

از رشحات قلم مورخ اسلام علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا سنگِ بنیاد

مرتبہ :- ڈاکٹر خورشید عالم ترین، سرینگر، کشمیر

"۲۸ نومبر ۱۹۰۹ء میں عمارت کے سنگِ بنیاد کی تاریخ قرار پائی اور جناب ہز آنر (ہیوٹ صاحب لیفٹیننٹ گورنر بہادر ممالک متحدہ آگرہ اودھ، مرتب) موصوف سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے ہاتھ سے عمارت کا پتھر نصب فرمائیں۔ عجیب حسنِ اتفاق ہے۔ ہندوستان کا سب سے بڑا دارالعلوم لکھنؤ کا فرنگی محل تھا۔ جو درس نظامیہ کا بانی ہے۔ اور جس کے دامنِ فیض سے مولانا بحر العلوم، ملا احمد اللہ، ملا حسن وغیرہ تعلیم پاکر نکلے۔ یہ محلہ فرنگی محل اس لئے کہلاتا ہے کہ ایک فرنگی اس میں آکر رہا تھا۔ اور اسی لئے محلہ اس کی طرف منسوب ہو گیا۔ اس جدید دارالعلوم کی بنیاد، ہز آنر لیفٹیننٹ گورنر نے رکھی کہ وہ بھی اہلِ فرنگ ہیں۔ ہمارے معزز دوست میر اکبر حسین صاحب نے اس موقع پر اس حسن اتفاق سے شاعرانہ کام لیا۔ چنانچہ کہتے ہیں :- ؎

رکھی بنائے ندوہ ہز آنر نے آ کے خود
سچ پوچھیئے اگر تو فرنگی محل یہ ہے۔

سنگِ بنیاد کی رسم بڑی شان و شوکت سے ادا ہوئی۔ تمام معزز رؤسا، حکام ضلع اور علماء و فضلا شریکِ جلسہ تھے۔ اس موقع پر ارکان ندوہ کی طرف سے جناب ہز آنر کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا جس کا جواب ہز آنر موصوف نے انگریزی میں دیا جس کے ساتھ اُردو ترجمہ بھی شامل تھا۔ اصل سپاسنامہ عربی زبان میں تھا۔ چنانچہ اصل سپاسنامہ مع ترجمہ اور ہز آنر کے جواب کے درج ذیل ہے۔ (ہم یہاں سپاسنامہ کا صرف اُردو ترجمہ ہی نقل کر رہے ہیں۔ خورشید)

ترجمہ ایڈریس :

بحضور جناب آنرایبل سر جان پرسکاٹ ہیوٹ صاحب بہادر کے، سی، ایس، آئی، سی۔ آئی۔ ای
لفٹیننٹ گورنر بہادر ممالک متحدہ آگرہ و اودھ

حضور عالی :-

ہم ارکانِ ندوۃ العلماء نہایت ادب کے ساتھ حضور کا خیر مقدم عرض کرتے ہیں۔ حضور نے دارالعلوم ندوۃ کی سنگِ بنیاد کا اپنے ہاتھ سے رکھنا منظور فرما کر، مسلمانوں کو عموماً اور ارکانِ ندوہ کو خصوصاً جو عزت دی ہے اس کا شکریہ ہم لوگ تہ دل سے ادا کرتے ہیں۔

حضور نے اس موقع پر جو عزت افزائی ہماری کی ہے ہم یقین کرتے ہیں کہ ہندوستان کے تمام مسلمان دل سے اس کے شکرگزار ہوں گے۔ کیونکہ ہندوستان کا کوئی گوشہ ندوہ کے ہوا خواہوں سے خالی نہیں۔ حضور نے ایک مذہبی چیز کی سنگِ بنیاد قائم کرنے سے، اُس سامحت اور بے تعصبی کی ایک اور مثال قائم کی ہے۔ جو انگریزی قوم کا خاصہ، اور انگریزی گورنمنٹ کا عمود حکومت ہے۔ ہم حضور سے اجازت چاہتے ہیں کہ مختصر طور پر ندوہ کی ابتدائی تاریخ اور اس کے حالات... عرض کریں جس کا ایک بڑا ثمرہ یہ دارالعلوم ہے۔

یہ عموماً معلوم ہے کہ مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ سے آج تک اُن میں ایک فرقہ چلا آتا ہے جو علماء کے نام سے موسوم ہے وہ درحقیقت اسلامی تہذیب اور اخلاق کا صحیح نمونہ تھا۔ اور عموماً قوم ان کے نقشِ قدم پر چلتی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی قومیت (اور قوموں کی طرح) ملک، نسل یا رنگ کے لحاظ سے نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص گو وہ کسی قوم، کسی ملک اور کسی نسل کا ہو صرف اسلام قبول کرنے سے دفعتہً تمام مسلمانوں کے برابر ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ مسلمانوں میں کوئی باقاعدہ مذہبی صیغہ نہیں، اسی لئے ضرور تھا کہ اُن میں ایک فرقہ موجود رہے جو اُن کی مذہبی رفتار کا راہنما اور اُن کی قومیت کا محافظ ہو۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ علماء اور فضلا کی تعداد میں اسلام کی دنیا کسی قوم سے پیچھے نہیں ہے۔ اسلام ایسے بزرگوں کی تعداد کثیر پیش کر سکتا ہے۔ جنہوں نے ہزاروں مصائب برداشت کر کے علم کو صرف اس لئے حاصل کیا کہ وہ علم ہے۔ مسلمانوں نے ہمیشہ علم کی جو قدر اور عزت کی ہے تمام دنیا اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ یہاں تک کہ علماء کے سامنے وہ سر بھی جھک جاتے تھے جو تاج سے مزین ہوتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی رفتارِ ترقی اُسی دن سے رکی جب علماء کی علمی قابلیت میں فرق آگیا۔ اور اُن کا علمی اقتدار جاتا رہا۔

زمانہ حال کے علماء کی تنگ خیالی کی وجہ سے جدید تعلیم یافتہ فرقہ کی نظروں میں اُن کی وہ وقعت نہ رہی علماء کی ہمتیں پست ہو گئیں اور اب اُن کی تمام عملی زندگی صرف جزئی مذہبی جھگڑوں میں محصور ہو گئی جس کا نتیجہ مقدمہ بازی ہوا۔ اور کبھی کبھی حکام مجاز کو دست اندازی کی زحمت اُٹھانا پڑی۔ اس بناء پر چند روشن خیال علماء کو اصلاح کا خیال پیدا ہوا۔ اور ندوۃ العلماء اسی خیال کی ایک عملی صورت تھی۔ اس کا سب سے پہلا اجلاس ۱۸۹۴ء میں بمقام کانپور منعقد ہوا۔ ۱۸۹۸ء میں حسب منشائے ایکٹ ۲۱ ۱۸۶۰ء اس کی رجسٹری ہوئی۔ اس کے بعد ہندوستان کے مختلف مقامات میں اس کے بارہ جلسے ہوئے جس میں نہایت کثرت سے قدیم اور جدید دونوں فرقوں کے لوگوں نے شرکت کی۔

ندوہ کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں۔

(۱) عربی مدرسوں کی اصلاح و ترقی (۲) رفع نزاع مذہبی (۳) اصلاح معاشرت

(۴) رفاہ عام اور اشاعتِ اسلام —— ابتداء میں ندوہ کا ہر گوشہ ملک کی طرف سے خیر مقدم کیا گیا اور اس بناء پر ندوہ نے اپنے تمام مقاصد کے انجام دینے پر توجہ کی۔ اس کی پہلی کوشش یہ تھی کہ اسلام کے مختلف فرقوں میں جو رات دن جھگڑے قائم رہتے ہیں ان کو مٹا دے اور اس میں اس کو کسی قدر کامیابی ہوئی۔ شادی اور غمی کے مصارف کے گھٹانے میں اس نے کوشش کی اور بعض بعض مقامات میں کامیاب ہوا۔ اس نے لکھنؤ میں ایک دارالافتاء قائم کیا اور کانپور میں ایک یتیم خانہ کھولا

لیکن سب کاموں کا سنگِ بنیاد یہ تھا کہ وہ عربی تعلیم کی اصلاح کرے اور ایسے علماء پیدا کرے جو زمانہ حال کی ضرورتوں سے آگاہ ہو کر قوم کی مذہبی رہنمائی کر سکیں۔ کیونکہ جو امراض اندر اندر قوم کو کھائے جاتے ہیں اُن کا علاج صرف ایک کامل اور اعلیٰ تعلیم ہے۔ اس بناء پر ندوہ نے ۱۸۹۸ء میں ایک مکتب ابتدائی پیمانہ پر کھولا، جو ۱۹۰۱ء میں ترقی کر کے ایک دارالعلوم بن گیا۔ اور جو درحقیقت ایک مذہبی مدرسۂ اعظم (یونیورسٹی) کا خاکہ ہے۔

لیکن چونکہ تعلیم سے بھی زیادہ مقدم چیز تربیت ہے اسی لئے اس نے مدرسہ کے ساتھ ایک دارالاقامۃ (بورڈنگ) بھی قائم کیا لیکن بدقسمتی سے قوم نے ندوہ کو اُس نگاہِ قدردانی سے نہ دیکھا جس کا وہ مستحق تھا۔ پرانے خیال کے علماء نے یہ سمجھا کہ جدید فلسفہ اور سائنس کی تعلیم کے شامل کرنے سے مذہبی عقائد کے ارکان

لے خاکسار مرتب کی قارئین کرام سے صرف اتنی گزارش ہے کہ وہ تاریخ کے مندرجہ ذیل اوراق پڑھتے وقت ایک بات کو ضرور دھیان میں رکھیں کہ زیرِ نظر تاریخ بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی رح کی وفات کے بعد کی ہے ؛ خورشید

متزلزل ہو جائیں گے۔ چنانچہ کثیر التعداد کتابیں اور رسالے اس موضوع پر لکھے گئے کہ ندوہ میں شریک ہونے سے مسلمان دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔

اس سے زیادہ بدقسمتی یہ تھی کہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں سے بھی ایک گروہ نے ندوہ کی طرف سردمہری ظاہر کی کیونکہ وہ خیال کرتے تھے کہ ندوہ آزاد خیالی کے لئے زنجیر پا ہے۔ ان دونوں مخالف صفوں کے تزاحم کے ساتھ ندوہ، اپنی رفتار پر قائم رہا اور اس نے ایک ایسا درمیانی راستہ پیدا کیا جو دونوں گروہ کے افراط اور تفریط سے جدا تھا۔ اس نے ایک نصاب تیار کیا جس میں عربی علم ادب اور دینیات پر خاص زور دیا۔ اس نے تھوڑی سی مدت میں ایسے طلباء پیدا کئے جو عربی زبان میں برجستہ تقریر کر سکتے ہیں۔ اور یہ وہ خصوصیت ہے جو نہ صرف آج بلکہ عین اسلامی حکومت کے زمانہ میں بھی فخر خیال کی جا سکتی تھی۔ نصاب تعلیم میں فلسفۂ جدیدہ بھی داخل کیا گیا جو قدیم الخیال علماء کے نزدیک قریباً کفر خیال کیا جاتا ہے۔ انگریزی زبان کی تعلیم بھی لازمی قرار دی گئی ہے لیکن اس کی وجہ سے ندوہ کو دفعتہً ایک معتدبہ ماہوار رقم کھو دینا پڑی۔ ایک مسلمان بزرگ نے اپنی موقوفہ جائداد اسی لئے واپس لینی چاہی کہ ندوہ نے انگریزی زبان بھی اپنے درس میں شامل کر دی ہے۔

ہم نے یورپ کے مستشرقین کی تحقیقات علمی سے استفادہ کرنے میں بھی دریغ نہیں کیا۔ چنانچہ ان مصنفوں کی اکثر شائع کردہ کتابیں ندوہ کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ اور طلباء اُن سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ندوہ کے کتب خانہ میں ایسی بہت سی کتابیں ہیں جو ایک عمدہ کتب خانہ کی زیب و زینت ہو سکتی ہیں۔

ندوہ کا ایک خاص ماہوار علمی رسالہ ہے جس میں اکثر ہمارے طلباء علمی مضامین لکھتے ہیں۔ اور ان سے طلبہ کی علمی لیاقت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ بھی قرار دیا گیا ہے کہ ایک ایسی انجمن طلباء کی قائم کی جائے جس میں صرف وہ لوگ ممبر ہوں جنہوں نے اپنی زندگی کو صرف علمی کوششوں پر محدود کر دیا ہو۔ (جیسا کہ یورپ میں فیلو سسٹم کا طریقہ ہے) قدیم اسلامی طریقہ کے موافق، ہم طلباء سے تعلیم کی کچھ فیس نہیں لیتے۔ اور اس سے اشاعتِ تعلیم میں زیادہ ترقی کی اُمید ہے۔

مسلمانوں میں اکثر ایسے طلباء ہوتے ہیں جو مفلسی کی وجہ سے یا والدین کے تعصب اور تنگ خیالی کی وجہ سے سرکاری اسکولوں میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے اس قسم کے طلباء کے لئے صرف ندوہ کا دارالعلوم مرجع ہو سکتا ہے اور ہے۔

ہم حضور کی خدمت میں اس بات کی عرض کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ ندوہ نے اس کم عمری کے ساتھ تعلیم و تربیت میں اور عربی مدارس کی نسبت نمایاں امتیاز حاصل کیا ہے۔ ہمارے طلباء تعصب، تنگ خیالی اور بیہودہ جوش اور خودسری سے بری ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ہمارے طلباء انگریزی ڈگریوں کے حاصل کرنے کے قابل نہ ہوں لیکن یہ یقینی امر ہے کہ ہمارا طریقۂ تعلیم ایسا گروہ پیدا کر سکے گا جو آجکل کے ان فتنہ زا جوش خیالات سے زیادہ بچنے کے قابل ہونگے۔ جو خداوندی اور انسانی دونوں حکومتوں سے سرتابی کے لئے آمادہ ہے یہ ایسا گروہ ہوگا جو بزرگوں کا ادب کرنے والا، ہمسایہ کا دوست، عام لوگوں کا ہوا خواہ اور گورنمنٹ کا وفادار ہوگا۔

ہمارے مدرسہ میں بے تعصبی کا اثر صاف پایا جاتا ہے۔ حال ہی میں لکھنؤ میں جو سخت افسوس ناک مذہبی نزاعیں برپا ہوئیں۔ اس کی کسی قسم کی شرکت سے ہمارے طلبہ اور مدرسین بالکل بری رہے۔ اور لوگوں کو صلح و آشتی کی تعلیم دیتے رہے۔ ہم کو اُمید ہے کہ ہمارے مدرسہ کے تعلیم یافتہ طلباء قوم پر اپنا اثر قائم کر لیں گے اور اس ذریعہ سے وہ مذہبی جھگڑوں کو مٹا سکیں گے۔ اس کے ساتھ زمانۂ موجودہ کے خیالات سے آشنا ہونے کی وجہ سے جدید تعلیم یافتہ اور قدیم گروہ کے درمیان میں رابطۂ اتحاد کا کام کریں گے۔

حضور والا نے دارالعلوم کو جو زمین عطا فرمائی ہے ہم اس کے تہہ دل سے شکرگزار ہیں۔ حال ہی میں حضور والا نے پانچ سو روپیہ ماہوار کا جو عطیہ عنایت فرمایا ہے ہم اس کی شکرگزاری کے حق ادا کرنے سے عاجز ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس موقع پر اپنے اور محسنوں کا ذکر کریں جن میں سب سے پہلے ہم حضور نظام حیدرآباد کے شکرگزار ہیں جن کی سلطنت نے ابتداء ہی سے ہمارے بغیر طلب ہم کو مالی مدد دی۔ حالانکہ ہم کو اب تک موقع نہیں ملا کہ ہم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر باقاعدہ شکرگزاری کا اظہار کرتے۔ ہم سرکار عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال کے شکرگزار ہیں جنہوں نے ایک سالانہ رقم مقرر کی ہے۔ ریاست بہاولپور کے ہم خاص طور پر شکرگزار ہیں کہ علاوہ سالانہ رقم کے جناب بیگم صاحبہ بہاولپور نے پچاس ہزار دارالعلوم کی عمارت کے لئے عطا فرمائے جس کی بدولت ہم کو اس فخر کے حاصل کرنے کا موقع ملا کہ حضور کے ہاتھ سے اس عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا جا رہا ہے۔

منجملہ اور صاحبوں کے جنہوں نے ہماری ہمدردی کی ہمارا فرض اولین ہے کہ ہم جناب کرنل خان بہادر عبدالمجید خاں صاحب وزیر خارجیہ ریاست پٹیالہ کے نام نامی کا اظہار کریں۔

ہم مسٹر اے۔ ال۔ سانڈرس صاحب، مسٹر اس۔ ایچ۔ بٹلر صاحب سی آئی اے اور مسٹر جاہلنگ صاحب کی عنایت اور امداد کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں کہ جو قطعۂ اراضی ہم کو عطا ہوا ہے اس میں ان کی سعی کا بڑا حصہ ہے۔

ہم دوبارہ حضور کی اس عنایت کا شکر ادا کرتے ہیں اور اب ہم حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ حضور اپنے ہاتھ سے سنگ بنیاد نصب فرمائیں۔"

[منقول از رسالہ روداد دارالعلوم ندوۃ العلماء بابت ۱۹۰۷ء تا ۱۹۰۹ء مرتبہ
شبلی نعمانی سیکرٹری دارالعلوم ندوۃ العلماء - ص ۲۴ تا ۳۳]

سپاسنامے کا جواب دیتے ہوئے انگریز آقا نے اس بات کا خصوصی ذکر کیا کہ:۔

"مجھ کو یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے گورنمنٹ برطانیہ کی نسبت خیالات وفاشعاری کا اظہار ایسے صاف الفاظ میں کیا ہے جن کے معنی میں کچھ شک نہیں ہو سکتا ہے۔ اور مجھ کو یقین ہے کہ آپ کا ندوہ اپنا اثر اس طرح ڈالے گا کہ حکام کی تائید ہو اور شورش و فساد و خیالات بداندیشی کی مخالفت کیجائے۔"

(ترجمہ اسپیچ مندرجہ روداد دارالعلوم ندوۃ العلماء ص ۳۴ و ۳۵)

اب ناظرین کی خدمتِ عالیہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سنگِ بنیاد کا عظیم الشان جلسہ کی روداد پیش ہے۔ یہ روداد رسالہ الندوہ بابت دسمبر ۱۹۰۸ء میں درج ہے۔ وھو ھذا

" بگذر ازیں حرف و مکرر مپرس — خوابِ خوش دیدم و دیگر مپرس
تند مے بود۔ خمارم ہنوز — دیدۂ من باز بخوابم ہنوز

ہماری آنکھوں نے حیرت فزا تماشاگاہوں کی دلفریبیاں بارہا دیکھی ہیں۔ جاہ و جلال کا منظر بھی اکثر نظر سے گزرا ہے۔ کانفرنسوں اور انجمنوں کا جوش و خروش بھی ہم دیکھ چکے ہیں۔ وعظ و پند کے پُر اثر جلسے بھی ہم کو متاثر کر چکے ہیں۔ لیکن اس موقع پر جو کچھ آنکھوں نے دیکھا وہ ان سب سے بالاتر ان سب

تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو — کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو
اس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو — اس یار کیلئے رہ عشرت کو چھوڑ دو

سے عجیب تر ان سب سے حیرت انگیز تھا۔

ہز آنر لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک متحدہ نے منظور فرمایا تھا کہ وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھیں گے۔ یہ تقریب ۲۸ نومبر ۱۹۰۸ء کو عمل میں آئی۔ چونکہ ندوہ کا سالانہ جلسہ بھی انہی تاریخوں میں ہونے والا تھا اس دو طرفہ کشش کی وجہ سے گویا تمام ہندوستان اُمنڈ آیا۔ افسوس یہ ہے کہ یہ کوئی تعطیل کا زمانہ نہ تھا۔ ورنہ شاید منتظمینِ جلسہ انتظام مہمان داری میں ہمت ہار جاتے:۔

معزز شرکائے جلسہ

میں علماء میں سے مولوی مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی۔ مولوی شاہ ابوالخیر صاحب غازی پوری۔ مولانا ذاکر حسین صاحب، مولوی ابن حسن صاحب مجتہد العصر۔ مولوی شاہ سلیمان صاحب پھلواروی۔ مولوی نظام الدین صاحب جھجری۔ مولوی مسیح الزمان خان صاحب استاذ حضور نظام۔ اور اربابِ جاہ و ثروت میں سے جناب آنرایبل راجہ صاحب محمود آباد۔ جناب سر راجہ صاحب جہانگیر آباد۔ نواب وقار الملک' کرنل عبدالمجید خان فارن منسٹر پٹیالہ۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خان۔ شیخ عبدالقادر بیرسٹر۔ حاجی محمد موسیٰ خان صاحب، رئیس علی گڑھ۔ خان بہادر سید جعفر حسین صاحب۔ مولوی محمد حسین صاحب مقبہ رئیس بمبئی۔ بالو نظام الدین رئیس امرتسر۔ حاجی شمس الدین صاحب سیکرٹری حمایت اسلام لاہور۔ مرزا ظفر اللہ خان صاحب سب جج جالندھر۔ شیخ سلطان احمد رئیس ہوشیار پور۔ خان بہادر شیخ غلام صادق صاحب رئیس امرتسر۔ راجہ نوشاد علی خان صاحب۔ صفی الدولہ نواب علی حسن خان لکھنؤ۔ حافظ نذر الرحمن صاحب رئیس عظیم آباد جلسہ میں شریک تھے۔

تین بجے سے ذرا پہلے تمام لوگ بہ اسلوب بیٹھ گئے اور ارکانِ انتظامیہ ندوہ ہز آنر کے استقبال کے لئے لب فرش دو رویہ صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

کمشنر صاحب لکھنؤ نے سیکرٹری دارالعلوم (شبلی نعمانی) کو لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر سے ملایا۔ اور پھر سیکرٹری موصوف نے تمام ارکانِ انتظامیہ کا ایک ایک کر کے لفٹنٹ گورنر سے تعارف کرایا۔ ہز آنر سرخ بانات کے خیمہ میں لیڈی صاحبہ کے ساتھ چاندی کی کرسی پر رونق افروز ہوئے۔ اول دارالعلوم کے قاری نے قرآنِ مجید کی چند آیتیں تلاوت کیں۔ شاہ سلیمان صاحب پھلواروی نے ہز آنر سے اڈریس پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ مولوی مشیر حسین صاحب قدوائی نے اڈریس پڑھا۔ ہز آنر نے نہایت خوش لہجگی اور صفائی سے اڈریس کا جواب دیا مولوی خلیل الرحمن صاحب نے مولوی اڈریس جو ساٹن پر چھپا ہوا تھا زریں کارچوبی خریطہ میں رکھ کر پیش کیا۔ ہز آنر نے خود اپنے ہاتھ میں لے کر اے ڈی کانگ کے حوالہ کیا۔ اور پھر سنگِ بنیاد نصب کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔

مولوی ابوالخیر صاحب۔ کرنل عبدالمجید خان صاحب۔ آنرایبل راجہ صاحب محمود آباد۔ نواب وقار الملک حافظ عبدالحلیم صاحب رئیس کانپور، نواب علی حسن خان صاحب رئیس بھوپال، منشی احتشام علی صاحب رئیس کاکوری۔ منشی اطہر علی صاحب بی۔ اے وکیل لکھنؤ۔ حکیم عبدالعزیز صاحب، حکیم عبدالولی صاحب، مولوی محمد نسیم صاحب وکیل، ان کے ساتھ گئے۔ سنگ بنیاد کے نصب کرنے کے وقت دوبارہ قاری صاحب نے قرآن مجید کی تلاوت کی۔ واپسی کے وقت ارکانِ انتظامیہ نے موٹر کار تک مشایعت کی۔ اور یہ دلفریب تماشا ختم ہو گیا۔

(منقول از مقالات شبلی ج ۸۔ ص ۹۴ تا ۹۶ طبع ۱۹۶۲ء)

وہ دُور ہیں خدا سے جو تقویٰ سے دُور ہیں
ہر دم اسیر نخوت و کبر و غرور ہیں

لیلۃ القدر

ابوالاسرار رمزی۔ ٹی۔ ڈی۔ ایم۔ اے (علیگ) جودھپور (بھارت)

(۱)

کہوں تم سے کیا لیلۃ القدر ہے ہزاروں مہینوں کی یہ صدر ہے
فضیلت بیاں کیا ہو اس رات کی امیں نے امیں سے ملاقات کی
پیمبرؐ نے جبریلؑ سے بات کی
ملی "قسط اوّل" ہدایات کی
فرشتوں کے لشکر اترنے لگے ہر اک سمت پرواز کرنے لگے
عجب کیف سا روح پر چھا گیا کہ ہر موئے تن وجد میں آگیا
نمودار تازہ اُجالا ہوا
اندھیروں کا منہ آج کالا ہوا

(۲)

یہ اک فیصلہ کن اہم رات تھی یہ زائندۂ انقلابات تھی
یوں رحمت خدا کی ہویدا ہوئی جہاں میں نئی قوم پیدا ہوئی
نزولِ صحیفہ سے ہوش آگیا
عرب کے جوانوں میں جوش آگیا
سیاست تمدن میں اخلاق میں ہوئے نامور سارے آفاق میں
طلسمِ کہن آج زائل ہوا
اندھیرا، اجالے کا قائل ہوا

اعتذار:۔ کاتب صاحب پیغام صلح کی علالت طبع کے باعث پرچہ ہذا کی اشاعت میں تاخیر ہو گئی ہے۔ قارئین کرام معذرت قبول فرمائیں۔ (ادارہ)

پورے مسلمان بنو:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم دنیا سے بالکل انقطاع کر کے اس کی طرف آجاؤ گے تو وہ خود تمہارا متولی اور متکفل ہو جائے گا۔ جو آدمی تبتل تام نہیں کرتا بلکہ کچھ رُو بدنیا رہتا ہے اور کسی قدر رُو بخدا بھی رہتا ہے وہ کبھی بھی مقصود اصلی کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اسے نہ دین کی عزت مل سکتی ہے نہ دنیا کی۔

خدا تعالیٰ تم سے یہ چاہتا ہے کہ تم پورے مسلمان بنو۔ مسلمان کا لفظ ہی دلالت کرتا ہے کہ انقطاع کلی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو مسلمان پیدا کر کے انتہائی فضل کئے ہیں بشرطیکہ وہ غور کرے اور سمجھے۔

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح۔ احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر:۔ (ڈاکٹر اللہ بخش)

پیغام صلح لاہور مورخہ ۲۹ جولائی و ۵ اگست ۱۹۸۱ء۔ جلد: ۶۸، شمارہ ۳۰ و ۳۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغامِ صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفٰی ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

◆

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

◆

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اَور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۸۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے روپے
بیرونی ممالک سے پونڈ (علاوہ محصول)

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
و پائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دیگا

جلد: ۶۸ * — یوم چہارشنبہ ۱۱ر شوال المکرم سنہ ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۲ر اگست سنہ ۱۹۸۱ء — شمارہ: ۳۲

ملفوظاتِ حضرت مجددِ صد چہاردہم

آنحضرتؐ کے اخلاق زمانۂ مصائب اور فتوحات میں

انبیاء اور اولیاء کا وجود اس لئے ہوتا ہے کہ تا لوگ جمیع اخلاق میں اُن کی پیروی کریں اور جن امور پر خدا نے ان کو استقامت بخشی ہے اسی جادۂ استقامت پر سب حق کے طالب قدم ماریں اور یہ بات نہایت بدیہی ہے کہ اخلاقِ فاضلہ کسی انسان کے اسوقت بپایۂ ثبوت پہنچتے ہیں کہ جب اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوں اور اسی وقت ان کے دلوں پر ان کی تاثیریں بھی ہوتی ہیں مثلاً عفو وہ معتبر اور قابلِ تعریف ہے کہ جو قدرتِ انتقام کے وقت میں ہو اور پرہیزگاری وہ قابلِ اعتبار ہے کہ جو نفس پروری کی قوت موجود ہوتے ہوئے پھر پرہیزگاری قائم رہے ؛

غرض خدا تعالیٰ کا ارادہ انبیاء اور اولیاء کی نسبت یہ ہوتا ہے کہ اُن کے ہر ایک قسم کے اخلاق ظاہر ہوں اور بپایۂ ثبوت پہنچ جائیں۔ سو اللہ تعالیٰ اسی ارادہ کو پورا کرنے کی غرض سے اُن کی نورانی عمر کو دو حصہ پر منقسم کر دیتا ہے۔ ایک حصہ تنگیوں اور مصیبتوں میں گذرتا ہے اور ہر طرح سے دُکھ دیئے جاتے ہیں اور ستائے جاتے ہیں تا وہ اعلیٰ اخلاق اُن کے ظاہر ہوں کہ جو بجز سخت تر مصیبتوں کے ہرگز ظاہر اور ثابت نہیں ہو سکتے۔ اگر ان پر وہ سخت تر مصیبتیں نازل نہ ہوں تو یہ کیونکر ثابت ہو کہ وہ ایک ایسی قوم ہے کہ مصیبتوں کے پڑنے سے اپنے مولیٰ سے بیوفائی نہیں کرتے بلکہ اور بھی آگے قدم بڑھاتے ہیں اور خداوند کریم کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے سب کو چھوڑ کر انہیں پر نظرِ عنایت کی اور انہیں کو اس لائق سمجھا کہ اس کے لئے اور اس کی راہ میں ستائے جائیں۔ سو خدا تعالیٰ اُن پر مصیبتیں نازل کرتا ہے تا ان کا صبر اور ان کا صدقِ قدم ان کی مردی اُن کی استقامت ان کی وفاداری ان کی فتوت شعاری لوگوں پر ظاہر کر کے الاستقامت فوق الکرامت کا مصداق ان کو ٹھہرا دے کیونکہ کامل صبر بجز کامل مصیبتوں کے ظاہر نہیں ہو سکتا اور اعلیٰ درجہ کی استقامت اور ثابت قدمی بجز اعلیٰ درجہ کے زلزلہ کے معلوم نہیں ہو سکتی ؛

اور یہ مصائب حقیقت میں انبیاء اور اولیاء کے لئے روحانی نعمتیں ہیں جن سے دنیا میں اُن کے اخلاقِ فاضلہ جن میں وہ بے مثل و مانند ہیں ظاہر ہوتے ہیں اور آخرت میں ان کے درجات کی ترقی ہوتی ہے۔ اگر خدا اُن پر یہ مصیبتیں نازل نہ کرتا تو یہ نعمتیں کبھی اُن کو حاصل نہ ہوتیں اور نہ عوام پر ان کے شمائلِ حسنہ کما حقہٗ کھلتے بلکہ دوسرے لوگوں کی طرح اور ان کے مساوی ٹھہرتے اور گو اپنی چند روزہ عمر کو کیسے ہی عشرت اور راحت میں بسر کرتے پر آخر ایک دن اس دارِ فانی سے گزر جاتے اور اس صورت میں نہ وہ عیش اور عشرت ان کی باقی رہتی نہ آخرت کے درجاتِ عالیہ حاصل ہوتے نہ دنیا میں اُن کی فتوحات اور جوانمردی اور وفاداری اور شجاعت شہرۂ آفاق ہوتی جس سے وہ ایسے ارجمند ٹھہرے جن کا کوئی مانند نہیں اور ایسے یگانہ ٹھہرے جن کا کوئی ثانی نہیں اور ایسے غیب الغیب ٹھہرے جن تک کسی ادراک کی رسائی نہیں اور ایسے کامل اور بہادر ٹھہرے کہ گویا ہزارہا شیر ایک قالب میں ہیں اور ہزارہا پلنگ ایک بدن میں جن کی قوت اور طاقت سب کی نظروں سے بلند تر ہو گئی اور جو قرب کے اعلیٰ درجات تک پہنچ گئے ؛ (براہینِ احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۵۰)

امریکہ میں عید الفطر کی شاندار تقریب

رمضان المبارک کا مہینہ ہمیں ہر سال حوائج بشری پر کنٹرول کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تلاوت قرآن اور ملکوتی تقریر سے امریکن مہمانوں پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔

[رپورٹر۔ ظفر عبد اللہ۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ لاہور (ان کارپوریٹڈ) نے یکم اگست ۱۹۸۱ء بروز ہفتہ عید الفطر کی تقریب سعید نیوارک کمیونٹی سنٹر NEWARK COMMUNITY CENTER کیلیفورنیا میں نہایت شاندار طریق سے منائی۔

جناب حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سینئر وائس پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور پاکستان کی اقتداء میں نماز عید ادا کی گئی۔ مقامی احمدی خواتین و حضرات کے علاوہ جناب میاں فضل احمد صاحب و بیگم طاہرہ فضل احمد۔ جناب ملک اعجاز الہی صاحب و بیگم ناصرہ ملک۔ جنابہ بیگم زبیدہ محمد احمد۔ اور ان کے فرزند جناب طارق احمد۔ جناب میاں طاہر جہانگیر صاحب پاکستان کی جماعت احمدیہ لاہور سے ڈاکٹر نعمان الہی ملک صاحب کولمبس OHIO سے ڈاکٹر محمد احمد صاحب و بیگم لبنیٰ محمد احمد اور ان کے بچے لوزیانا USIANA سے ڈاکٹر زاہد احمد سعید صاحب اوکلاہاما OKLAHOMA سے اس تقریب میں شامل ہونے کے لئے تشریف لائے۔ پندرہ سے زائد غیر از جماعت پاکستانی مسلمانوں اور افغانستان کے مہاجرین مسلمانوں میں سے خواتین و حضرات نے نماز عید ہمارے ساتھ ادا کی۔

اوک لینڈ سے بن یامین ہیریز صاحب جو کہ ہسپانوی مسلمان ہیں اور SANMATEO کیلیفورنیا سے ہمارے فلپائنی مسلمان بھائی عبد الرحمان صاحب اور KEST ریڈیو کے اردو پروگرام کے پروگرام ڈائریکٹر جناب احسان الحق صاحب جو VOICE OF PAKISTAN پروگرام کے اناؤنسر بھی ہیں نماز عید میں ہمارے ساتھ شامل ہوئے۔ اس طرح دنیا کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کا یہ اجتماع امریکی مہمانوں کے لئے مختلف ملکوں میں مسلمانوں کے حالات و مسائل سے متعلق معلومات حاصل کرنے کا نہایت عمدہ موقع ثابت ہوا ـــ

ہفتہ وار اخبار آبزرور WEEKLY OBSERVER کے ایڈیٹر مسٹر MR AL FRIED اپنی اہلیہ اور اوک لینڈ ٹربیون کی سٹی ایڈیٹر KATHY WATSON ہماری اس تقریب میں شمولیت کے لئے تشریف لائے۔ علاوہ ازیں نیوارک سکول ڈسٹرکٹ اور میئر آف نیوارک سٹی کی نمائندہ کے طور پر SANDY SUBLETT اور ایک امریکی دوست مسٹر ریڈ رینالڈ مع اپنی اہلیہ اور ایک روسی دوست جو امریکہ میں سیاسی پناہ لے چکے ہیں اور کیلیفورنیا یونیورسٹی میں روسی زبان کے پروفیسر ہیں ہماری تقریب میں شامل ہوئے۔ چند ایک پاکستانی مسلمان بھائی SACRAMENTO سے جو کیلیفورنیا کا دار الخلافہ ہے اور یہاں سے .. میل سے زیادہ فاصلہ پر واقع ہے ہمارے ساتھ نماز عید میں شمولیت کے لئے تشریف لائے۔ سان فرانسسکو شہر سے جنجوعہ برادران مع فیملی اور جناب صدیق ترکش مرزا صاحب جو کہ پاکستان ایسوسی ایشن کے سابق صدر اور روح رواں ہیں اور کیلیفورنیا میں پاکستانی کمیونٹی کے مشہور سوشل ورکر ہیں ہمارے ساتھ نماز عید میں شریک ہوئے۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی کی روح پرور تلاوت قرآن مجید اور پر مغز خطبہ نے ایک سماں باندھ دیا۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے سورۃ الحجر کی آیات ان المتقین فی جنٰت وعیون ---------- وان عذابی ھو العذاب الالیم ۰ کی تلاوت اور انگریزی زبان میں ان آیات کے معانی بیان کرنے کے بعد تفصیل سے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا کہ کس طرح قرآن مجید نے انسان کو دو جنتوں کا وعدہ دیا ہے اور کیسے ایک جنت انسان اسی زندگی میں پا سکتا ہے اور کیسے انسان اور دیگر جانداروں میں بھوک، پیاس اور جنس وغیرہ کی حوائج مشترک ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ رمضان کا مہینہ ہر سال ہمیں ان حوائج پر کنٹرول کرنے کی مشق کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اور اس طرح جب انسان اپنے اندر کے جانور پر کنٹرول پا کر خود کو دیگر جانوروں سے ممتاز و اشرف ثابت کرتا ہے تو وہ اپنی پیدائش کے اصل مقصد کو حاصل کر لیتا ہے۔ ایسا انسان اپنے دل میں ایک اطمینان سکون اور امن کا چشمہ رواں دیکھتا ہے۔ اس کو دنیاوی لالچ و حرص و ہوا کی پرواہ نہیں رہتی۔ وہ خود ایک ایسا چشمہ بن جاتا ہے جس سے دیگر انسان سیرابی حاصل کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی تعلیمات انسان کو اسی بلندی کے مقام پر پہنچانا چاہتی ہیں۔ اور رمضان کا مہینہ ہر سال ہمیں اس عظیم مقصد کی طرف قدم بڑھانے کا موقع فراہم کرتا ہے اور اسی لئے مسلمان تمام دنیا میں اس ماہ کے اختتام پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے عید مناتے ہیں۔ جناب ڈاکٹر صاحب کے خطبہ سے تمام حاضرین بہت متاثر ہوئے۔ خاص طور پر امریکن مہمانوں پر تو جیسے وجد کی حالت طاری ہو گئی بہت سے کہنے لگے IT IS SOMETHING NEW WE NEVER EXPERIENCED BEFORE - خطبہ کے بعد خاکسار ظفر عبد اللہ نے مہمانوں کا تعارف کرایا۔ بعد ازیں مسلمان حاضرین نے روایتی انداز میں گلے مل کر ایک دوسرے کو عید مبارک کہی۔ آبزرور اور اوک لینڈ ٹربیون اور سکول ڈسٹرکٹ کے نمائندگان نے اسلام کے متعلق بہت سی معلومات سوالات کے ذریعہ حاصل کیں۔ آبزرور کے مسٹر AL FRIED اور ان کی اہلیہ نے کھانے سے پہلے چوہدری مسعود اختر صاحب سے بہت سے سوالات اسلام کی تعلیمات سے متعلق کئے۔ بعد ازاں کھانے کے دوران اور پھر تین بجے بعد دوپہر تک وہ میاں بیوی ڈاکٹر زاہد احمد سعید صاحب اور جنابہ زبیدہ محمد احمد صاحبہ سے معلومات حاصل کرتے رہے۔ جنابہ بیگم زبیدہ محمد احمد صاحبہ نے خوب حق تبلیغ ادا کیا۔ تمام امریکن مہمان ان کے علم اور شخصیت سے بہت متاثر ہوئے۔ ان کے متعلق اپنے تاثرات ریڈ رینالڈ اور ان کی اہلیہ نے چوہدری مسعود اختر صاحب سے ان الفاظ میں بیان کئے۔

MRS AHMAD IS AN ACCOMPLISHED AND THOROUGHLY KNOWLEDGEABLE. LADY

جس انداز سے آبزرور کے نمائندے سوالات کئے جا رہے تھے یوں لگتا تھا جیسے برسوں کا پیاسا بہر طور چشمہ تک آ پہنچا ہے۔ اور اب اپنی تمام پیاس ایک ہی سانس میں بجھانا چاہتا ہے۔ ان کو انگریزی ترجمۃ القرآن۔ محمد دی پرافٹ TEACHINGS OF ISLAM - EARLY CALIPHATE اور احمدیہ مومنٹ دی گئیں وہ بہت شکر گزار ہوئے اور کہنے لگے اب میں اسلام پر اپنے آرٹیکل کے ساتھ انصاف کرنے کے قابل ہو گیا ہوں اور ان کتب سے مجھے بہت فائدہ ہو گا۔ انہوں نے آبزرور کے لئے اسلام پر آرٹیکل لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اسی طرح اوک لینڈ ٹربیون کی سٹی ایڈیٹر اور نیوارک سکول ڈسٹرکٹ کی نمائندہ کو بھی کتب کا سیٹ دیا گیا۔ علاوہ ازیں اسلامک ریویو کے تمام شمارے ان کو دیئے گئے۔ حاضرین اور مدعوین کو دوپہر کا کھانا کھلانے کا انتظام انجمن نے کیا ہوا تھا بقول میاں فضل احمد صاحب جلسوں پر اتنا عمدہ اور خوش ذائقہ کھانا انہوں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ مٹن قورمہ، چکن کری، بٹر پلاؤ، سویوں کا شیر قورمہ، دہی بھلے، سلاد، کابلی نان، مشروبات اور چائے کا انتظام تھا۔ تمام

(بقیہ صفحہ ۵ کالم ۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

ہفت روزہ پیغام صلح ——— لاہور ——— مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۸۱ء

لو اب وہ بھی یہی کہنے لگے ہیں!

راولپنڈی سے شائع ہونے والے ایک معروف روزنامہ میں پانڈیچری (جنوبی ہند) میں سینکڑوں ہریجنوں کے اسلام قبول کرنے کی خبر شائع ہوئی ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ انہوں نے کسی طاقت کے سامنے جھک کر مجبوراً اسلام میں داخل ہونا منظور نہیں کیا بلکہ اسلام میں پائی جانے والی مساوات سے متاثر ہو کر انہوں نے برضا و رغبت دینِ اسلام میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان نومسلموں کے قائد نے عیسائیت قبول نہ کرنے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں اسی خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ عیسائیت بھی انسان کو مساوات کا وہ اعلیٰ مقام نہیں دلا سکتی جو اُسے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر اسلام کی وسیع برادری میں داخل ہونے کے بعد ملتا ہے۔ اس کے حقوق و فرائض میں کوئی تمیز و تفریق باقی نہیں رہتی۔ اُسے وہ تمام مراعات حاصل ہو جاتی ہیں جو ایک پیدائشی مسلمان کو حاصل ہوتی ہیں۔ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر ایک ہی صف میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال کسی دوسرے مذہب میں دکھائی نہیں دیتی۔

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ظلم و ستم کے اس ناروا سلوک کا ردّ عمل ہو جو سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں سال سے اونچی ذات کے ہندوؤں کی طرف سے ہریجنوں پر روا رکھا جا رہا ہے۔ ان کے گھر جلائے جاتے رہے ہیں اور اُن کی عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی رہی ہے۔ انہیں اُن کے سیاسی۔ سماجی اور معاشی حقوق سے بڑی بے رحمی اور سفاکی سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ بڑے بڑے پڑھے لکھے۔ عالم فاضل ہریجنوں کے لئے بھی ذات پات میں تقسیم شدہ معاشرہ میں کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مقام پانے کی کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی۔ تقسیم ہند سے قبل اسی قسم کی محرومی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ہریجنوں کے مشہور و معروف لیڈر ڈاکٹر امبیدکر آنجہانی نے یہ دھمکی دی تھی کہ اگر ان حق تلفیوں اور زیادتیوں کا ازالہ اور خاتمہ نہ کیا گیا تو ہندوستان کے آٹھ کروڑ ہریجن بدھ مت یا اسلام قبول کر لیں گے۔ ان کی یہ سیاسی دھمکی کسی حد تک کارگر ثابت ہوئی۔ اونچی ذات کے ہندوؤں میں یہ کھلبلی مچ گئی کہ دس کروڑ مسلمانوں کے ساتھ اگر آٹھ کروڑ ہریجن بھی شامل ہو گئے تو آدھا ہندوستان ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ہندو سامراج کا خواب بکھر کر رہ جائے گا۔ نہ صرف یہ بلکہ مسلمانوں کی غلامی میں جانے کے امکانات بھی بڑھ جائیں گے۔ ان خدشات کو بھانپتے ہوئے گاندھی جی نے ہریجنوں کی بستی میں جا ڈیرہ لگایا۔ ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے مرن برت رکھنے کا اعلان کر دیا۔ ڈاکٹر امبیدکر اور دوسرے با اثر ہریجن لیڈروں کی منت سماجت ہونے لگی۔ انہیں رام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ انہیں یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ بحیثیت اقلیت ایک مقررہ تناسب کے مطابق انہیں ہر شعبۂ زندگی میں نمائندگی دی جائے گی۔ ڈاکٹر امبیدکر دام ہمرنگ زمیں کا شکار ہو گئے اس کی سزا آج تک ہریجن بھگت رہے ہیں۔ ہریجنوں کو اسلام قبول کرنے سے روکنے کے لئے پرانے شکاری نیا جال بچھانے کی کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۱۲ کروڑ ہے۔ ہریجنوں کی آبادی بھی قریباً قریباً اتنی ہی ہوگی۔ یہ دونوں بڑی اقلیتیں اپنے حکمرانوں کے ہاتھوں سخت نالاں ہیں۔ ہریجنوں میں اسلام قبول کرنے کی اگر یہی رفتار رہی تو وہ دن دور نہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی ۲۴ کروڑ ہو جائے اور بھارت کے سر پر پھر وہی خطرہ منڈلانے لگے جو تقسیم سے پہلے پیدا ہو گیا تھا۔ اب بھی اگر ہریجن اپنے حکمرانوں کے بھرے میں آ گئے تو اُن کا جینا دوبھر ہو جائے گا۔ کیونکہ چانکیہ کے فلسفہ میں وعدہ خلافی کوئی گناہ نہیں۔ انہیں یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ خواہ حزب اختلاف ہو یا حزب اقتدار جب کبھی بے بس اور بے یار و مددگار اقلیت کا سوال پیدا ہوتا ہے تو دونوں یک زبان ہو جاتے ہیں کیونکہ دونوں کا مفاد اسی میں ہوتا ہے۔ اگر ڈاکٹر امبیدکر والا تجربہ پھر دہرایا گیا تو آخر کار اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو آج ہوا ہے اور ممکن ہے کہ اس سے بھی تلخ تر ہو جس کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یا تو انہیں ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے اور یا اُن کی نسل کشی کی تدابیر بروئے کار لائی جائیں۔ اسلام میں جو مساوات کی خوبی انہیں دکھائی دی ہے اس کے علاوہ بھی اگر وہ ہندو کی غلامی سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اُن کے لئے صرف ایک ہی راستہ کھلا ہے اور وہ ہے اسلام کی آغوش میں پناہ لینے کا۔ اس سے ہماری مراد وہ اسلام ہے جو قرآن کریم پیش کرتا ہے اور جس کی تفسیر ہمیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرام رضؓ کی حیاتِ طیبہ میں دکھائی دیتا ہے۔

یہ تو کچھ جملہ ہائے معترضہ تھے۔ اصلی نکتہ جس کی طرف ہم اپنے قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں بھی اسلام پہنچا ہے اُس نے اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے ہی لوگوں کے ذہن میں گھر کیا اور انہیں اپنی طرف کھینچا ہے۔ اس کی کسی عسکری اور مادی قوت کی وجہ سے ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ اگر اس کی تبلیغ اور اشاعت کا اہتمام طاقت اور اقتدار کے بل بوتے پر کیا گیا ہوتا تو سپین اور ہندوستان میں مسلمانوں کے آٹھ آٹھ سو سالہ دورِ حکومت میں وہاں ایک بھی غیر مسلم نہ ہوتا یا کم از کم ان ملکوں میں تین چوتھائی آبادی تو مسلمان ہو چکی ہوتی۔ سپین میں مسلمانوں کا جو حشر ہوا وہ نہ ہوا ہوتا اور ہندوستان میں بھی ملک کا ایک چوتھائی حصہ پاکستان نہ بنتا۔

مخالفینِ اسلام کی طرف سے اسلام کے متعلق جہاں اور غلط فہمیاں پھیلائی گئیں وہاں ایک یہ بھی بڑی بھاری خلاف واقعہ غلط فہمی پھیلائی گئی کہ اسلام تلوار اور طاقت کے زور سے پھیلایا گیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی تصویریں شائع کی گئیں کہ ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور ایک میں قرآن۔ دکھانا یہ مقصود تھا کہ یا اسلام قبول کرو یا اس تلوار سے تمہاری گردن اڑا دی جائے گی۔ سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہوئی کہ اس غلط قسم کے پروپیگنڈا سے مسلمانوں میں بھی یہ غلط نظریہ رواج پا گیا کہ اسلام کو دنیا میں پھیلانے کے لئے طاقت اور تلوار کی ضرورت ہے۔ اور مثال ان جنگوں کی دی جانے لگی جو مسلمانوں کو اپنے دفاع میں لڑنی پڑیں۔ حالانکہ قرآن کریم ان جنگوں کے جواز میں یہ فرماتا ہے:۔

> ”ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے اور وہ اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اس پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھڑیاں اور گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرا دی جاتیں اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اُس (کے دین) کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ طاقتور غالب ہے۔“ (الحج ۳۹۔۴۰)

ان مظالم اور ایذا رسانیوں کی کہانی بڑی دردناک اور طویل ہے۔ اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ اسلام کی تبلیغ کو روکنے کے لئے کفار مکہ نے کیا کیا حربے استعمال نہیں کئے۔ ترغیب و تحریص سے کام لیا۔ ترہیب و تعذیب پر اُتر آئے۔ بائیکاٹ کیا۔ حبشہ اور مدینہ میں ہجرت پر مجبور کیا۔ جب کوئی تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو تلوار کے ذریعے مٹانے پر اتر آئے۔ ۱۵ سال تک یہ مٹھی بھر مظلوم اللہ تعالےٰ کے حکم کے تحت صبر سے کام لیتے رہے۔ ہر دکھ برداشت کیا لیکن زبان پر حرفِ شکایت نہ آیا۔ جب انتہا ہو گئی تو اللہ تعالےٰ نے بھی ان کو تلوار کے مقابلے میں تلوار اٹھانے کی اجازت دے دی لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ:۔

> اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ اللہ زیادتی کرنے والوں سے پیار نہیں کرتا...... پھر اگر وہ رُک جائیں تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے (البقرۃ ۱۹۰۔۱۹۲)

تلوار انہی کے خلاف اُٹھائی ہے جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف تلوار اُٹھائی ان کے علاوہ اگر دوسرے مخالفین کے خلاف تلوار اُٹھائی گئی تو وہ زیادتی ہوگی یعنی وہ جارحیت ہوگی اور اللہ جارح کو پسند نہیں کرتا۔

جنگِ بدر کے موقعہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دُعا فرمائی اُس کے الفاظ بھی بڑے قابلِ غور ہیں:۔

> ”اے اللہ اگر آج کے دِن مومنوں کی یہ چھوٹی سی جماعت ختم ہو گئی تو تیری عبادت کرنے والا اور تیرے پیغام کو دنیا میں پہنچانے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔“

مقصد اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنا اور اسلام کو دُنیا میں پہنچانا ہے۔ یہ دُعا نہیں کی گئی کہ ہمیں سلطنت اور حکومت نہیں ملے گی جس کے بل بوتے پر ہم لوگوں کو تلوار کے ذریعے اسلام میں داخل کریں گے۔

تلوار کے ذریعے اشاعتِ دین کا یہی غلط نظریہ تھا جسے لوگوں کے ذہن سے مٹانے کے لئے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے سنہ ۱۹۰۰ء میں ”گورنمنٹ انگریزی اور جہاد“ کے نام سے ایک

رسالہ شائع کیا جس میں یہودیوں ۔ عیسائیوں اور مشرکین کی طرف سے مسلمانوں کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں :۔

"وہ اسی فکر میں لگ گئے کہ کسی طرح اسلام کو صفحۂ دنیا سے مٹا دیں اور چونکہ مسلمان اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھوڑے تھے اس لئے ان کے مخالفوں نے بباعث اس تکبر کے جو فطرتاً ایسے فرقوں کے دل اور دماغ میں جاگزین ہوتا ہے جو اپنے تئیں دولت میں ۔ مال میں ۔ کثرت جماعت میں ۔ مرتبت میں دوسرے فرقہ سے برتر خیال کرتے ہیں ۔ اس وقت کے مسلمانوں یعنی صحابہ رضہ سے سخت دشمنی کا برتاؤ کیا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ آسمانی پودہ زمین پر قائم ہو بلکہ وہ ان راست بازوں کے ہلاک کرنے کے لئے اپنے ناخنوں تک زور لگا رہے تھے اور کوئی دقیقہ آزار رسانی کا اٹھا نہیں رکھا تھا اور ان کو خوف یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ اس مذہب کے پیر جم جائیں اور پھر اس کی ترقی ہمارے مذہب اور قوم کی بربادی کا موجب ہو جائے ۔ سو اسی خوف سے جو ان کے دلوں میں ایک رعبناک صورت میں بیٹھ گیا تھا نہایت جابرانہ اور ظالمانہ کارروائیاں ان سے ظہور میں آئیں اور انہوں نے دردناک طریقوں سے اکثر مسلمانوں کو ہلاک کیا اور ایک زمانہ دراز تک جو تیرہ برس کی مدت تھی ان کی طرف سے یہی کارروائی رہی اور نہایت بے رحمی کی طرز سے خدا کے وفادار بندے اور نوع انسان کے فخر ان شریر درندوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور یتیم بچے اور عاجز اور مسکین عورتیں کوچوں اور گلیوں میں ذبح کئے گئے ۔ اس پر بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو چنانچہ ان برگزیدہ راست بازوں نے ایسا ہی کیا ۔ ان کے خونوں سے کوچے سرخ ہو گئے ۔ پر انہوں نے دم نہ مارا ۔ وہ قربانیوں کی طرح ذبح کئے گئے پر انہوں نے آہ نہ کی ۔ خدا کے پاک اور مقدس رسول کو جس پر زمین اور آسمان سے بے شمار سلام ہیں بارہا پتھر مار مار کر خون سے آلودہ کیا گیا مگر اس صدق اور استقامت کے پہاڑ نے ان تمام آزاروں کی دلی انشراح اور محبت سے برداشت کی ۔۔۔۔۔۔ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے زمانہ میں خود سبقت کر کے ہرگز تلوار نہیں اٹھائی بلکہ ایک زمانہ دراز تک کفار کے ہاتھ سے دکھ اٹھایا اور اس قدر صبر کیا جو ہر ایک انسان کا کام نہیں اور ایسا ہی آپ کے اصحاب رضہ بھی اسی اعلیٰ اصول کے پابند رہے اور جیسا کہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ دکھ اٹھاؤ اور صبر کرو ایسا ہی انہوں نے صدق اور صبر دکھایا ۔ وہ پیروں کے نیچے کچلے گئے انہوں نے دم نہ مارا ۔ ان کے بچے ان کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے وہ آگ اور پانی کے ذریعے سے عذاب دیئے گئے مگر وہ شر کے مقابلہ سے ایسے باز رہے کہ گویا وہ شیرخوار بچے ہیں ۔۔۔۔۔۔ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جو اسلام نے خدائی حکم سے تلوار اٹھائی وہ اسوقت اٹھائی گئی کہ جب بہت سے مسلمان کافروں کی تلواروں سے قبروں میں پہنچ گئے ۔ آخر خدا کی غیرت نے چاہا کہ جو لوگ تلواروں سے ہلاک کرتے ہیں وہ تلواروں سے ہی مارے جائیں ۔ خدا بڑا کریم اور رحیم اور حلیم ہے اور بڑا برداشت کرنے والا ہے ۔ لیکن آخر کار راست بازوں کے لئے غیرت مند بھی ہے ۔" (الجہاد)

"تریاق القلوب" میں ان جنگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"میں اللہ تعالیٰ کی قسم سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمان بنانے کے لئے کبھی جبر نہیں کیا ۔ اور نہ تلوار کھینچی اور نہ دین میں داخل کرنے کے لئے کسی کے ایک بال کو بھی نقصان پہنچایا ۔ بلکہ وہ تمام نبوی لڑائیاں اور آنحضرت ؐ کے صحابہ کرام رضہ کے جنگ جو اس وقت کئے گئے یا تو اس واسطے ان کی ضرورت پڑی کہ تا اپنی حفاظت کی جائے اور یا اس لئے ضرورت پڑی کہ تا ملک میں امن قائم کیا جائے اور جو لوگ اسلام کو اس کے پھیلنے سے روکتے ہیں اور ان لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں جو مسلمان ہوں ان کو کمزور کر دیا جائے جب تک کہ وہ اس نالائق طریق سے توبہ کر کے اسلام کی سلطنت کے مطیع ہو جائیں ۔" (صفحہ ۱۰۴/۵۴)

جناب صفدر حسین صفدر اپنے ایک مضمون "قوانین جنگ طلوع اسلام کے بعد" جو روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی) مؤرخہ ۵ اگست ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا ہے فرماتے ہیں کہ :۔

"اسلام کے نزدیک جنگ کا مقصد حریف مقابل کو ہلاک کرنا یا نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اس کے شر کو ختم کرنا ہے ۔ اسلامی اصول کا تقاضا ہے کہ جنگ میں رفع شر کے لئے صرف اتنی ہی قوت استعمال کی جائے جتنی ضروری ہو ۔ اس سے تجاوز نہ کیا جائے ۔ جنگ صرف ان لوگوں سے ہونی چاہیئے جو عملاً فتنہ و فساد پھیلا رہے ہوں ۔ باقی لوگوں کو جنگ کے اثرات سے محفوظ رہنا چاہیئے ۔۔۔۔۔۔ دفع مضرت کے لئے صرف اتنی کوشش ہونی چاہیئے جتنی ضروری ہو ۔ کوشش نیکی اور بدی دونوں کی جہت میں ہو سکتی ہے اس لئے مزید تحدید کے لئے فی سبیل اللہ کی قید لگا دی تا کہ کسی نفس کی کسی خواہش ۔ کسی ملک کی تسخیر ۔ کسی عورت کا وصال ۔ کسی ذاتی عداوت کے انتقام یا مال و دولت یا حکومت و اقتدار یا شہرت و ناموری کے حصول کی خاطر کوشش کرنا اس میں داخل نہ ہو سکے اور صرف وہی کوشش مراد لی جائے جو محض اللہ کے لئے ہو ۔ جس میں ہوائے نفس کا شائبہ تک نہ ہو اور جس کو ایسے مقاصد کے حصول کے لئے صرف کیا جائے جنہیں اللہ نے پسند کیا ہو ۔۔۔۔۔ جنگ صرف اور صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے جب فتنہ کی ابتداء دوسرے کی طرف سے ہو ۔ صرف اصلاح حال اور رفع ضرر کے لئے شمشیر اٹھائی جا سکتی ہے اس کے علاوہ تلوار اٹھانے کی گنجائش نہیں ۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود ہی فرما دیا ہے کہ :۔

"دشمن سے مقابلہ کی تمنا مت کرو بلکہ اللہ سے امن و عافیت کی دعا کیا کرو مگر جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو پھر جم کر لڑو اور جان لو کہ جنت تلوار کے سایہ تلے ہے"۔۔۔۔۔۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب کہیں فوج بھیجتے تھے تو ہدایت کر دیتے تھے کہ معابد کے بے ضرر خادموں اور خانقاہ نشین زاہدوں کو قتل نہ کرنا ۔" کیا یہ انہی الفاظ کی بازگشت نہیں ہے جو آج سے اسی سال قبل حضرت مرزا صاحب نے تحریر فرمائے تھے ۔

ابھی چند روز ہوئے کسی اخبار میں اسی نوعیت کا ایک اور مضمون ہماری نظر سے گذرا تھا اس کا بھی لب لباب یہی تھا کہ اسلام اپنے اصولوں اور خوبیوں کی وجہ سے دنیا میں پھیلا ہے یہ مغربی مستشرقین کا غلط اور بے بنیاد الزام ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دین کی اشاعت کے لئے تلوار اٹھائی ۔ تاریخ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انہیں اپنے اور اپنے دفاع کے لئے تلوار اٹھانے پر سخت مجبور کیا گیا ۔

میناکشی پورم (جنوبی ہند) میں سینکڑوں اچھوتوں کے اسلام قبول کرنے کے واقعات کا جائزہ لیتے ہوئے ایک ہندو تحقیقی افسر نے اس الزام کی تردید کی ہے کہ عرب ریاستوں کی طرف سے انہیں کوئی رشوت دی گئی ہے یا انہیں مجبور کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے اونچی ذات کے ہندوؤں کے مظالم سے نجات حاصل کرنے کے لئے برضا و رغبت اسلام میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ اس مذہب میں انہیں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ برابر کے حقوق حاصل ہو جاتے ہیں ۔ ان اچھوتوں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے میں نہ کسی نے تلوار اٹھائی نہ مال و دولت کا لالچ دیا اور نہ اقتدار کی پیشکش کی ہے ۔ اسلام کی اس ایک ہی خوبی نے کہ وہ تمام انسانوں کو مساوی سمجھتا اور برابر کے حقوق دلاتا ہے انہیں اس مذہب کو قبول کرنے کا راستہ دکھا دیا ہے ۔ اخبار میں یہ بھی پڑھنے میں آیا ہے کہ ہندوستان کے یوم آزادی کے موقع پر پچیس ہزار اچھوتوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا ہے ۔

مغربی مفکرین کے زہریلے پروپیگنڈا کے زیر اثر بعض پڑھے لکھے مسلمان بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ چونکہ مکہ میں مسلمان کمزور تھے اس لئے وہ طاقت کا جواب طاقت سے دینے کے قابل نہ تھے لیکن ہجرت کے بعد مدینہ میں انہیں قوت حاصل ہو گئی اور انہوں نے تلوار کا سہارا لیا ۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے مکہ کے تیرہ سال کے عرصہ میں بچوں کے علاوہ تین سو مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کیا جن میں سے ایک سو بارہ نے حبشہ میں ہجرت کی اور باقی اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ چلے گئے ۔ بعثت کے تیرہویں سال میں ۷۳ مرد اور دو عورتیں یعنی کل ۷۵ مدینہ میں مسلمان ہو چکے تھے اور اسی سال حج کے موقع پر مکہ آئے اور انہوں نے اس موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مدینہ تشریف لے جانے کی درخواست کی اور وہاں دشمنوں کے خلاف آپ کی حفاظت کا عہد کیا ۔ یہ ۷۵ مرد اور خواتین کس طاقت اور لالچ سے مجبور ہو کر اپنا سب کچھ مال ۔ دولت ۔ جان اور عزت اسلام کے لئے قربان کرنے پر تیار ہو گئے تھے اور آخر تک ثابت قدم رہے ۔

کفار مکہ بدر ۔ اُحد اور جنگ احزاب میں مسلمانوں کی طاقت آزما چکے تھے ۔ ان کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھا چکے تھے ۔ ان جنگوں میں طاقت کا توازن دیکھنا ہو تو بدر میں ۳۱۳ نہتے مسلمانوں کے مقابلے میں اس زمانے کے جنگی ساز و سامان سے لیس ایک ہزار کفار مکہ تھے ۔ جنگ اُحد میں ایک ہزار مسلمانوں کے مقابلے

میں تین ہزار کفار تھے۔ عین جنگ کے موقعہ پر عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر مدینہ واپس آگیا اور اس طرح سات سو مسلمان رہ گئے۔ ان کے مقابلے میں کفار کی طاقت تقریباً ساڑھے چار گنا ہو گئی جنگ احزاب میں تو سارا عرب ہی مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے مدینہ پر چڑھ دوڑا تھا۔ چوبیس ہزار کی فوج نے مدینہ کا ایک ماہ تک محاصرہ کئے رکھا۔ باہر سے یہ حملہ اور اندر سے یہودیوں کی سازش اور تخریب کاری کا خدشہ۔ طاقت کا کیا مقابلہ تھا اور مسلمانوں نے کونسی طاقت حاصل کر لی تھی۔ ماہرین حرب و ضرب ان فتوحات پر انگشت بدنداں ہیں۔ یہ کہنا کہ مسلمانوں نے مدینہ میں طاقت حاصل کر کے تلوار اٹھائی۔ اسلام کے چہرے پر بدنما داغ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذات اقدس پر بڑا بھاری الزام ہے۔ جس سے کم از کم مسلمانوں کو تو باز رہنا چاہیئے۔

اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ مسلمانوں نے مدینہ میں طاقت حاصل کرنے کے بعد کفار کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے تلوار اٹھائی تو آخر کیا وجہ تھی کہ اپنے حق میں بڑی کمزور ترین شرائط پر عہد نامہ حدیبیہ منظور اور اس پر مجبور ہو گئے تھے۔ کہ مسلمان کسی نہ کسی طرح اس سال واپس چلے جائیں کیونکہ وہ ان کی طاقت آزما چکے تھے۔ کمزور شرائط پر صلح نامہ قبول کر لینا ہی یہ ظاہر کرتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کا مقصد مذہب کی خاطر خون بہانا نہیں تھا۔ بلکہ فتنہ و فساد اور شر کو دفع کر کے امن قائم کرنا تھا تاکہ لوگ مسلمانوں کے قریب آکر اسلام کے اصولوں اور خوبیوں کا جائزہ لے سکیں اور اپنی خوشی اور مرضی سے اس دین کو قبول کر سکیں۔

فتح مکہ کے روز لاتثریب علیکم الیوم۔ کہنے کی بجائے آپ یہ اعلان بھی کر سکتے تھے کہ وہ تمام کفار مکہ جو اسلام قبول نہیں کریں گے تہ تیغ کر دیئے جائیں گے۔ آپ نے کیوں ایسا نہ کیا۔ آپ کو یہ یقین تھا کہ اسلام اپنی خوبیوں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر گھر کرے گا۔ تلوار یہ کام نہیں کر سکتی۔

افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ غیروں کی نسبت خود مسلمانوں نے اپنے غلط نظریات اور نمونے سے اسلام کو بدنام کر دیا ہے۔

بقیہ سلسلہ آمدہ صفحہ نمبر (۲) سے آگے

بعنوان:- امریکہ میں عید الفطر کی شاندار تقریب

کھانا بیگم زینت جعفر حسین صاحبہ۔ بیگم ذکیہ ظفر عبداللہ صاحبہ۔ بیگم قدسیہ مسعود اختر صاحبہ اور بیگم شاہین ستار صاحبہ نے مل جل کر تیار کیا تھا۔ خانم ہما احسان پٹھان صاحبہ نے کابلی نان بنائے۔ جناب جعفر حسین صاحب نے کھانا تیار کرانے اور مہمانوں تک پہنچانے کے کام کی نگرانی نہایت عمدگی سے کی۔ تمام حاضرین نے نہ صرف خوب مزے لے لے کر کھانا کھایا بلکہ کھانے اور انتظام کی بہت تعریف کی اس لئے وہ تمام خواتین جنہوں نے جانفشانی سے لذیذ کھانے تیار کئے اور جناب جعفر حسین صاحب قابل تحسین و مبارکباد ہیں۔

عید کی یہ تقریب ½ ۳ بجے بعد دوپہر کے قریب جا کر اختتام پذیر ہوئی۔

احباب سلسلہ دعا فرمائیں کہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ کی زندگی ہی میں امریکہ میں اسلامی برکات پھیل جائیں اور حضرت کی مساعی جمیلہ جلد بارآور ہوں۔ پیری میں اس مجاہد دین کی یہ علو ہمتی ہم نوجوانوں کیلئے مشعل راہ ہے۔ دعا ہے کہ احمدیت کی یہ تابندہ تصویر قائم رہے۔

* * *

- اللہ کی نعمتوں کا شکر کرنا واجب ہے اور شکر کا بہترین طریقہ نماز۔

اخبار احمدیہ

- امیر قوم حضرت مولٰینا صدر الدین ایدہ اللہ تعالےٰ خیریت سے ہیں۔ احباب سلسلہ حضرت کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے دعا فرماتے رہیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی تاحال بیرون ملک تبلیغی و تربیتی دورہ پر ہیں۔ امریکہ میں تقریباً سب ہی دوستوں نے نیوارک کمیونٹی سنٹر کیلیفورنیا میں حضرت کی اقتدا میں نماز عید الفطر ادا کی اور آپ کی دلوں کو خدا کی طرف کھینچ لے جانے والی پرسوز قرأت اور درد و خلوص سے بھرپور خطبہ سے احمدی
- **الوداعی تقریب:-**

مکرم نور الدین صاحب جو قرآن پاک اور دیگر اسلامی مسائل کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے امریکہ سے مرکز لاہور میں تشریف لائے ہوئے تھے تکمیل تعلیم کے بعد واپس وطن روانہ ہو گئے۔ آپ کے اعزاز میں انجمن کی طرف سے مؤرخہ ۱۰ اگست ۱۹۸۱ء بروز پیر ایک الوداعی تقریب منعقد ہوئی۔ جس سے جنرل سیکرٹری مرزا مسعود بیگ اور مکرم ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب نے خطاب کیا اور مکرم نور الدین صاحب طالب علم کے جذبہ حصول تعلیم دین کی تعریف کی۔ جواب میں نور الدین صاحب نے بھی امریکہ واپس پہنچ کر تبلیغ دین اور اشاعت قرآن کریم کے سلسلہ میں اپنے بلند عزائم کا ذکر کیا۔ نیز سب بزرگوں اور دوستوں سے دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالےٰ مجھے اشاعت اسلام و قرآن کے عزائم کی تکمیل کی توفیق بخشے۔

دُکھ سُکھ کا مسئلہ

اللہ تعالےٰ چاہتا تو انسان کو ایک حالت میں رکھ سکتا تھا لیکن بعض مصالح اور امور ایسے ہوتے ہیں کہ انسان پر بعض عجیب و غریب اوقات اور حالتیں وارد ہوتی رہتی ہیں۔ اور ان میں سے ایک ہم و غم کی حالت بھی ہے۔ ان اختلاف حالات اور تغیّر و تبدل اوقات سے اللہ تعالےٰ کی عجیب و غریب قدرتیں اور اسرار ظاہر ہوتے رہتے ہیں کسی نے کیا اچھا کہا ہے:- ؎

اگر دنیا بیک دستور ماندے ⁂ بسا اسرار ہا مستور ماندے

جن لوگوں کو دنیا میں ہم و غم نہیں پہنچتا اور جو اس وجہ سے اپنے آپ کو بڑا ہی خوش قسمت اور خوشحال سمجھتے ہیں (وہ غلطی پر ہیں) اور اس میں سلسلہ تعلیم کے ساتھ یہ بھی لازمی رکھا گیا ہے کہ ایک خاص وقت تک تمام لڑکے ورزش بھی کیا کریں۔ اور اس ورزش اور قواعد سے جو بچوں کو سکھائی جاتی ہے۔ . . . اس کا اصل مدعا و منشا یہ ہوتا ہے کہ وہ اعضاء جو حرکت کو چاہتے ہیں اگر انہیں بالکل بے کار چھوڑ دیا جائے تو ان کی تمام طاقتیں اور نشوونما زائل اور ضائع ہو جاتا ہے۔ جسے ورزش کے ذریعہ سے پورا کیا جاتا ہے۔

ورزش کرنے سے گو بظاہر اعضاء کو تکلیف اور نقصان ہوتی ہے لیکن آخر کار وہی ان کی پرورش اور رحمت کا موجب ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح پر فطرت انسانی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ تکلیف کو بھی چاہتی ہے۔ تاکہ اس کے جملہ قویٰ کی تکمیل ہو جائے اسی وجہ سے یہ اللہ تعالےٰ کا فضل اور احسان ہوتا ہے جبکہ وہ انسان کو بھی بعض وقت ابتلا میں ڈال دیتا ہے۔ جس کے ذریعہ انسان کی رضا بالقضا اور صبر کی قوتیں بڑھتی رہتی ہیں۔"

(حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ)

خطبہ عید

فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی بتاریخ ۲؍اگست ۱۹۸۱ء، بمقام جامع احمدیہ، دارالسلام، لاہور

اذ قال الحواریون .... احداً من العلمین ۵ (المآئدۃ آیات ۱۱۲ تا ۱۱۵)

ترجمہ:۔ اور جب حواریوں نے کہا اے عیسےٰ ابن مریم کیا تیرا رب طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کھانا نازل کرے (حضرت عیسیٰؑ نے کہا) اللہ کا تقویٰ کرو اگر تم مومن ہو۔ انہوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل اطمینان پائیں اور ہم جان لیں کہ ضرور تو نے ہم سے سچ کہا ہے اور اس پر گواہ ہوجائیں۔ عیسیٰؑ ابن مریم نے کہا اے اللہ ہمارے رب ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما! جو ہمارے لئے عید ہو، ہمارے پہلوں کے لئے اور پچھلوں کے لئے، اور تیری طرف سے بطور نشان کے ہو۔ اور ہم کو رزق دے کہ تو بہترین رزق دینے والا ہے۔ اللہ نے کہا میں اس کو تم پر اُتارنے والا ہوں۔ پھر جو کوئی تم میں سے اس کے بعد ناشکری کرے گا تو میں یقیناً اسے ایسا عذاب دوں گا کہ تمام جہان میں اور کسی کو ایسا عذاب نہیں دوں گا۔

آج عید ہے۔ عید کا لفظ عود سے ہے جس کے معنے لوٹ کر آنے کے ہیں۔ اور لفظ عید وہ خوشی ہے جو بار بار لوٹ کر آئے۔ ایک رنگ میں یہ لفظ بطور دعا کے ہے کہ عیدین کی خوشیاں ہم پر لوٹ لوٹ کر آئیں۔ قرآن کریم میں جہاں تک مجھے علم ہے لفظِ عید صرف ان آیات میں آیا ہے جو ابھی میں نے پڑھی ہیں۔ پہلے اس سے کہ میں اِن آیات کی تشریح کروں ضروری ہے کہ ان کے نفسِ مضمون کا پسِ منظر بھی بتا دوں۔

حضرت عیسیٰؑ کے واقعات

جب حضرت عیسےٰؑ نے "یوحنا بپتسمہ دینے والے" (یعنے حضرت یحیےٰؑ) سے بپتسمہ لے کر اپنے آپ کو باطنی طور پر پاک و صاف کیا تو اس کے بعد انہوں نے مختلف عبادات و ریاضتیں کیں جن میں چالیس دن تک روزہ رکھنا بھی تھا۔ اور اس کے بعد ہی وہ شیطان کے ورغلانے والا واقعہ ہوا جس نے حضرت عیسےٰؑ کو کہا کہ اگر تو مجھ کو سجدہ کرے تو میں یہ تمام دنیا کی سلطنتیں (جو پہاڑ پر سے اُس نے انہیں دکھلائیں) تجھے دوں گا۔ حضرت عیسےٰؑ نے تو اُسے "دور ہو جا مردود شیطان" کہہ کر دھتکار دیا۔ مگر بعد میں آنے والوں نے کیا کیا یہ اور معاملہ ہے۔ اُس عبادت و ریاضت کے چلہ کے بعد حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے جو پند و نصائح اپنی قوم کو کئے اُن میں سے دو ہمارے آج کے مضمون سے تعلق ہیں۔ اول تو آپ نے فرمایا کہ:۔

MAN DOES NOT LIVE BY BREAD ALONE

یعنی انسان صرف روٹی سے ہی زندہ نہیں رہتا۔ اس کا صاف مطلب تھا کہ روٹی کمانے کو اپنی زندگی کا مقصد بنا کر اُس سے اعلےٰ اور زیادہ ضروری رزق کو نہ بھول جاؤ جو کہ رُوح کی غذا ہے۔ اور اسی روحانی رزق کی طرف بلاتے ہوئے ہی حضرت عیسےٰؑ نے فرمایا کہ "میں وہ روٹی ہوں جو آسمان سے آیا ہوں"۔ ظاہر ہے کہ یہ فرمان بطورِ استعارہ تھا۔ اور باطنی امور کو جنہیں انسان دیکھ نہیں سکتا سمجھانے کے لئے ظاہر کے امور کو بطورِ استعارہ لایا جاتا ہے۔ قرآن حکیم کے سمجھانے کی یہ طرز عام ہے۔ مگر بدقسمتی سے انسان ظاہر پرست ہے سوائے اُن صاحبِ باطن اور صاحبِ فہم و فراست لوگوں کے جنہیں اللہ تعالےٰ اپنی اور اپنے انبیاء اور ماموروں کی باتوں کو سمجھنے کی توفیق بخشتا ہے۔

ظاہر پرستی:۔

عام انسانوں کی طرح حضرت عیسےٰؑ کے حواری بھی ظاہر پرست تھے۔ اسی لئے وہ حضرت عیسیٰؑ کی باتوں کو سمجھ نہ سکتے تھے جن میں وہ دقیق روحانی اور باطنی امور کو ظاہر کی زبان میں سمجھانے کے لئے مثالوں اور استعاروں کی زبان عام طور پر استعمال کیا کرتے تھے۔ اسی لئے حواری کہتے تھے کہ "اُستاد تو مثالوں میں باتیں کیوں کرتا ہے؟" بہرحال آسمانی روٹی والی مثال یا استعارہ کو حواری سمجھے یا نہیں یا اگر سمجھے بھی تو بجائے ظاہر سے باطن کی طرف خیال جانے کے اُن کا خیال باطن سے ظاہر کی طرف گیا اور اُنہوں نے وہ بات کہی جو آج کی آیات کی پہلی آیت میں بیان کی گئی ہے کہ "اے عیسیٰؑ ابنِ مریم کیا تیرا رب یہ طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کھانا نازل کرے؟"

نوٹ کرنے کے قابل بات ہے کہ حواریوں نے کہا "تیرا رب"۔ اس سے قبل حواریوں کے ایمان لانے کا ذکر اس سے پچھلی آیت میں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایمان لانے کے بعد ہی وہ حواری کہلائے۔ مگر ایمان لانے کے باوجود اللہ تعالےٰ کو اُنہوں نے اپنایا نہیں۔ قرآن کریم سے واضح ہے کہ حضرت موسےٰؑ سے بھی اُن کی قوم ہمیشہ یہی کہتی رہی کہ "تیرا رب"، "ہمارا رب" اُنہوں نے کبھی نہ کہا۔ اسی لئے کہ لمّا یدخل الایمان فی قلوبھم (ابھی ایمان اُن کے قلوب میں داخل نہ ہوا تھا)۔ یہ کمال رسول اللہ صلعم کی تلقین اور تبلیغ کا تھا کہ آپؐ کی قوم نے پہلے دن سے ربّنا اللہ ہی کہا یعنے "اللہ ہمارا رب ہے"۔

عام غلطی:۔

حواریوں کے قول میں دُوسری بات قابلِ توجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کو اپنی طرح کا ایک انسان سمجھا ہوا تھا تبھی تو کہا کہ "کیا تیرا رب یہ طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کھانا نازل کرے"۔ یہ غلطی عام ہے کہ اللہ تعالےٰ کو اپنی طرح کا سا انسان سمجھا جاتا ہے۔ بہرحال حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "اللہ کا تقوٰی کرو اگر تم مؤمن ہو"۔ یعنے اللہ تعالےٰ سے اس قسم کے مطالبات کرنے یا اُس کے امتحان لینے سے انسان کو خوف کھا کر باز رہنا چاہیئے اگر وہ اپنے دعوٰی ایمان میں سچا ہے۔ دُوسرے نبی تقوٰے سکھانے آتا ہے۔ روٹی تو اس کے مقابل پر ایک گھٹیا اور ادنیٰ ضرورتِ جسمانی ہے جسے اللہ تعالےٰ بہرحال پورا کرتا ہی ہے۔ وما من دآبۃٍ فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا۔ "زمین میں کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رزق اللہ پر ہے"۔ اس لئے سوائے اس کے کہ اللہ تعالےٰ رزق کو بطور سزا یا بطور امتحان روک لے، اپنی مخلوق کو رزق دینا اُس نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔

مگر حواری جو مچھلی پکڑنے والے یا چونگی کے ملازم تھے بچارے بھوکے لوگ تھے۔ اسی لئے انہوں نے کہا کہ "ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل ایمان پائیں اور ہم جان لیں کہ تُو نے ضرور ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس پر گواہ ہوجائیں"۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچارے بھوکے لوگ تھے تبھی تو پیٹ بھر کر کھانے کا انہوں نے ذکر کیا اور ساتھ ہی بچاروں کو اپنی کمزوریٔ ایمان کا بھی اعتراف تھا تبھی تو اُنہوں نے کہا کہ تا "ہم جان لیں کہ ضرور تو نے ہم سے سچ کہا ہے (کہ روٹی تو بہرحال ملے گی ہی) اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں"۔

نبی کا رحم اور ہمدردی

نبی اپنی قوم کا دلی ہمدرد اور محبّ ہوتا ہے۔ اپنے ماننے والوں کے بھوکے ہونے اور ان کی عاجزی

اداقرار کمزوری سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دل میں نہ صرف اپنی قوم سے ہمدردی اور رحم کا جوش پیدا ہوا بلکہ اُنہوں نے یہ بھی سوچا کہ اگر جسمانی روٹی ملنے سے ہی اُن کی بھوک دور ہوتی ہے اور اُن کے ایمان مضبوط ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسی ذریعہ سے اُن کی اصلاحِ ظاہری و باطنی کرے۔ اس لئے آپ نے کس درد سے دُعا فرمائی کہ "اے اللہ ہمارے رب ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما جو ہمارے لئے عید ہو، ہمارے پہلوں کے لئے اور پچھلوں کے لئے، اور تیری طرف سے بطور نشان کے ہو۔ اور ہم کو رزق دے کہ تو بہترین رزق دینے والا ہے"۔

اِس دُعا کی بعض باریک باتوں کو نوٹ فرمائیے۔ یہ حضرت عیسٰےؑ نے کیوں کہا کہ "ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما"، اس کی دو وجہ تھیں۔ اوّل تو زمین پر کوئی سامان نہ تھا کہ ان غریب لوگوں کا رزق بڑھے۔ دوئم زمین پر جو کچھ ہونا ہے اُس کا فیصلہ پہلے آسمان پر ہی ہوتا ہے والی اللہ ترجع الامور اور زمین پر سامان پیدا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا ہی احسان ہے۔ سوئم جو چیز بھی اللہ تعالیٰ سے انسانوں کو عطا ہوتی ہے اسکے لئے آسمان سے نازل کا محاورہ ہی اللہ تعالیٰ نے بھی استعمال فرمائے۔ وان من شیءٍ الا عندنا خزآئنہٗ وما ننزلہٗ الا بقدرٍ معلوم (الحجر ۱۵-۱۹) "اور کوئی چیز نہیں مگر اُس کے خزانے ہمارے ہی پاس ہیں اور ہم اُس میں سے ایک مناسب اندازہ سے اُتارتے رہتے ہیں"۔

دُوسری جگہ فرمایا وانزلنا الحدید "اور ہم نے لوہا اُتارا"، حالانکہ لوہا زمین کے اندر کان میں سے ملتا ہے مگر اللہ تعالیٰ سے جو چیز بھی انسان کو ملے اُس کے لئے آسمان سے نازل کرنے کا محاورہ نہ صرف قرآن کریم نے استعمال فرمایا ہے بلکہ تمام انبیاء نے بھی کیونکہ وہ بھی رازدانِ حقیقت ہوتے ہیں۔

دُوسری بات نوٹ کرنے کے قابل اس دُعا میں حضرت عیسٰےؑ کا اللہ تعالیٰ کی متعلقہ صفات کو پکار کر اُنہیں جوش میں لانا تھا۔ پہلے تو فرمایا "اے اللہ ہمارے رب" یعنی اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کو پکارا کہ جہاں تو ہماری روحانی ربوبیت فرماتا ہے جسمانی بھی فرما اور ہمیں رزق عطا فرما دوسرے اللہ تعالیٰ کی صفت خیر الرّازقین کو بھی پکارا تاکہ وہ جوش میں آئے۔

(۲) دو پیشگوئیاں

تیسری بات جو قابلِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ حواریوں نے تو صرف اپنے لئے کھانا مانگا تھا مگر حضرت عیسٰےؑ نے اپنا دل تنگ نہیں کیا بلکہ اگلوں پچھلوں سب کے لئے رزق کی فراوانی کو مانگا۔ اس کا جواب یہ آیا قال اللہ انی منزلھا علیکم فمن یکفر بعد منکم فانّی اعذبہٗ عذابًا لآ اعذّبہٗ احدًا من العلمین "اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کو (یعنے جیسا رزق تم نے مانگا ہے اُس کو) تم پر نازل کرنے والا ہوں مگر جو کوئی تم میں سے اس کے بعد ناشکری کرے گا تو میں یقیناً اُسے ایسا عذاب دوں گا کہ تمام جہان میں اور کسی کو نہیں دیا ہوگا"۔ سو قرآن حکیم کی اِن گنت صداقتوں اور منجانب اللہ ہونے کے ثبوتوں میں سے اس دعا کا ہر طرح پُورا ہونا بھی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ:-

(۱) جو رزق عیسائی اقوام کو دیا گیا تاریخ میں اس کی مثال نہیں کہ ان کے ممالک میں خود جہاں رزق نہیں بھی تھا مثلاً انگلستان کہ وہاں سوائے آلو کے اور پیٹ بھرنے کے سامان تھوڑے تھے وہاں تمام دُنیا سے رزق آیا۔ یہاں تک کہ وہاں صرف ڈبل روٹی اور مکھن کھانے والے کو فاقہ مست کہا گیا۔

(HE IS STARVING ON BREAD AND BUTTER)

اور اب دُنیا بھر کے ممالک کی سلطنتیں کھو دینے کے باوجود بھی وہاں دُنیا بھر کا رزق پہنچ رہا ہے اور امریکہ اور آسٹریلیا اور کینیڈا میں تو رزق خصوصاً گیہوں اس قدر پیدا ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف خود کفیل ہیں بلکہ دُوسرے ممالک کو برآمد کرکے بہت سا زرمبادلہ کماتے ہیں۔

(۲) مگر ان قوموں نے خدا کی ناشکری کی کہ محکوم قوموں کے پیٹ کاٹ کر خود اپنے پیٹ بھرے یا امریکہ وغیرہ میں گیہوں کو سؤروں کو کھلایا گیا یا ذخیرہ کردہ گیہوں اور دُوسرے رزقوں کو جگہ نہ ہونے یا خراب ہو جانے پر جلا دیا گیا مگر دنیا کے کم خوش قسمت ممالک کے لوگ جو دو وقت کی روٹی کے محتاج تھے اُنہیں نہ دیا گیا اور جنہیں دیا بھی تو پوری قیمت لگا کر جو وہ بمشکل ادا کر سکتے تھے اور پھر اس روپے کو کس طرح خرچ کیا گیا وہ ایک اور قصہ ہے۔

(۳) آیات مذکورہ بالا میں عربی کے لفظ کفر کے معنی سیاق و سباق کے لحاظ سے ناشکری کئے گئے ہیں۔ مگر اُس کے بنیادی معنی انکار کرنے کے ہیں۔ سو مغربی (عیسائی) اقوام نے ان معنوں میں اللہ تعالیٰ کا کفر کیا کہ نہ صرف خود دہریہ بنے بلکہ اشتراکیت کے ذریعہ (جو روس یعنے یورپ) سے پیدا ہوئی تقریباً آدھی دُنیا پر چھا گئی دہریّت کو دُنیا میں عام کر دیا۔ دوسرے یعنے سرمایہ دار ممالک میں بھی کہا جانے لگا ہے کہ خدا نعوذ باللہ یا تو تھا ہی نہیں یا اب مر گیا ہے۔ واقعی جن قوموں کا خدا کا تصوّر ایک انسان کا ہو گا جو (بقول اُن کے) سُولی پر چڑھایا جا کر مر گیا تو پھر ایسا خدا اگر نعوذ باللہ مرنے کا خیال اگر اب پھیل رہا ہے تو یہ مقام تعجب نہیں۔

(۴) خُدا کی ناشکری اور اب انکار کا نتیجہ وہی ہوا جو قرآن پاک نے چودہ سو سال قبل فرما دیا تھا کہ ان قوموں پر خدا کا عذاب شدید ان دو عالمگیر جنگوں کی شکل میں آیا جن کی ہلاکت اور تباہی کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی اور اگلی جنگ جو ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں سے ہو گی اُس کی ہولناک تباہی اور عذاب کا تصوّر کرنے سے ہی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان جنگوں کے علاوہ بھی ان قوموں میں جونشہ آور چیزوں کی وبا پھیل رہی ہے اور ان کی نئی نسلوں کی بغاوت، ان کی خانگی زندگی کے دن بدن بد سے بدتر ہونے، اور جنگ کا خوف ہر آن سر پر مسلّط ہونے کے مختلف عذاب ان پر ہر آن محیط ہیں۔

ہمارے لئے سبق

قرآنِ حکیم نے جو ان قوموں کے متعلق پیشگوئیاں اور وعید کی خبر دی ہے اُس میں ہمارے لئے بھی سبق ہے۔ اور وہ وہی ہے جو قرآن میں مذکور ہے کہ:-

(۱) انسان کی پیدائش کا مقصد روٹی کھانا نہیں۔ روٹی تو صرف زندگی قائم رکھنے کے لئے ہوا اور پانی سے اُتر کر ایک حاجت ہے جن حاجتوں کو وہ خالقِ اکبر خود پُورا کرتا ہے۔

(۲) رزق کی فراوانی بعض وقت قوموں کو بگاڑ دیتی ہے۔ اسی لئے ہمارے سرورِ کائنات صلعم نے اپنی امت کے لئے جو رزق مانگا وہ صرف اتنا جو اُن کے لئے کافی ہو جائے (اللّٰھم ارزق اٰلِ محمدٍ کفافًا)

(۳) جسمانی رزق سے بہت بڑھ کر اخلاقی اور رُوحانی ترقیات ہیں جن کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ اسی لئے تقوٰے حاصل کرنے کے لئے روزہ کے ذریعہ سے انسان ایک وقت کی روٹی کی قربانی کرتا ہے۔ اپنے اندر کے حیوان کو قابو میں لانے اور بدیوں سے بچنے کے لئے۔ تو رمضان المبارک میں منجملہ اور باتوں کے رزق کی ہر وقت کی ہوس کو قابو میں لانا سکھایا گیا ہے۔ اسی لئے وقت پڑنے پر مسلمان قوم پیٹ کی مار کھا سکتی ہے جو دُوسروں کے لئے ممکن نہیں۔

مگر تقوٰے تو پہلا سٹیج ہے اُس ہدایت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے جو قرآن کریم نے بالتفصیل دی ہے اور بالآخر خدا کو پانے کے لئے جو انسان کی پیدائش کا مقصدِ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین ٭

روئے زمین کی نیک رُوحوں کو جمع کرو۔

خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا۔ ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دینِ واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالےٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔ سو تم اس مقصد کی پیروی کرو۔ مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے اور جب تک کوئی خدا سے روح القدس پاکر کھڑا نہ ہو سب میرے بعد مل کر کام کرو ٭ (الوصیت صفحہ ۱)

مقامِ مُحمّد مُصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلّم

آنحضرت صلعم سب نبیوں سے افضل ۔ افضل الرّسل

؎

محمد مہیں نقشِ نورِ خدا است — کہ ہرگز چنوئے بگیتی نخاست

یاد رہے کہ کسی رسول اور کتاب کی اسی قدر عظمت سمجھی جاتی ہے جس قدر ان کو اصلاح کا کام پیش آتا ہے اور جس قدر اس اصلاح کے وقت مشکلات کا سامنا پڑتا ہے ۔ سو یہ بات ظاہر ہے کہ ابتدائے زمانہ میں جو کتاب نازل ہوئی ہوگی وہ کسی طرح کامل و مکمل نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ ابتدائے زمانہ میں ان مشکلات کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا جو بعد میں پیدا ہوئیں ۔ ایسا ہی قومی وحدت کے زمانہ میں اس وقت کے نبیوں اور رسولوں کو وہ مشکلات ہرگز پیش نہیں آ سکتی تھیں جو اقوامی وحدت کے زمانہ میں اس نبی کو پیش آئیں جس کو یہ حکم ہوا کہ تمام قوموں کو ایک وحدت پر قائم کر دے ۔ چونکہ خدا کو منظور تھا جو بنی آدم ایک ہی قوم اور ایک ہی قبیلہ کی طرح ہو جائیں اور غیریت اور بیگانگی جاتی رہے اور جیسے یہ سلسلہ وحدت سے شروع ہوا ہے وحدت پر ہی ختم ہو ۔ اس لئے اس نے آخری ہدایت کو تمام دنیا کے لئے مشترک بھیجا اور اس وقت زمانہ بھی وہ آ پہنچا تھا کہ ۔ باعث کھل جانے راستوں اور مطلع ہونے ایک قوم کے دوسری قوم سے اور ایک ملک کے دوسرے ملک سے اتحاد سلسلہ نوعی کی کارروائی شروع ہو گئی تھی اور بوجہ میل ملاپ دائمی کے خیالات بعض ملکوں کے بعض ملکوں میں اثر کرنے لگے تھے ۔ چنانچہ یہ کارروائی اب تک ترقی پر ہے ۔ اور سارے سامان جیسے ریل ۔ تار اور جہاز وغیرہ ایسے ہی دن بدن نکلتے آئے ہیں کہ جن سے یقیناً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قادرِ مطلق کا یہی ارادہ ہے کہ کسی دن تمام دنیا کو ایک قوم کی طرح بنا دے بہرحال پہلے نبیوں کی محدود کوشش تھی کیونکہ ان کی رسالت بھی ایک قوم میں محدود ہوتی تھی اور آنحضرت صلعم کی غیر محدود اور وسیع کوشش تھی کیونکہ ان کی رسالت عام تھی ۔ یہی وجہ ہے جو فرقان مجید میں دنیا کے تمام مذاہب باطلہ کا رَدّ موجود ہے ۔ اور انجیل میں صرف یہودیوں کی بدچلنی کا ذکر ہے ۔

پس آنحضرت ؐ کا دوسرے نبیوں سے افضل ہونا ایسی غیر محدود کوشش سے ثابت ہے ۔ ماسوا اس کے یہ بات اجلیٰ بدیہات ہے کہ شرک اور مخلوق پرستی کو دور کرنا اور وحدانیت اور جلالِ الٰہی کو دلوں پر جمانا سب نیکیوں سے افضل اور اعلیٰ نیکی ہے ۔ پس کیا کوئی اس سے انکار کر سکتا ہے کہ یہ نیکی جیسی آنحضرت م سے ظہور میں آئی ہے کسی اور نبی سے ظہور میں نہیں آئی ۔ آج دنیا میں بجز فرقانِ مجید کے اور کون سی کتاب ہے کہ جس نے کروڑہا مخلوقات کو توحید پر قائم کر رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ جس کے ہاتھ سے بڑی اصلاح ہوئی وہی سب سے بڑا ہے ۔

وجوہ افضلیّت :۔

سب نبیوں سے افضل وہ نبی ہے کہ جو دنیا کا مربّیِ اعظم ہے ۔ یعنی وہ شخص کہ جس کے ہاتھ سے فسادِ اعظم دُنیا کا اصلاح پذیر ہوا جس نے توحید گم گشتہ اور ناپدید کو پھر زمین پر قائم کیا جس نے تمام مذاہب باطلہ کو حجت اور دلیل سے مغلوب کر کے ہر ایک گمراہ کے شبہات مٹائے جس نے ہر ایک گمراہ کے وسواس دور کئے اور سچا سامان نجات کا اصولِ حقّہ کی تعلیم سے ازسرِ نو عطا فرمایا ۔ پس اس دلیل سے کہ اس کا فائدہ اور افاضہ سب سے زیادہ ہے ۔ اس کا درجہ اور رتبہ بھی سب سے زیادہ ہے ۔ اب تواریخ بتلاتی ہیں ، کتاب آسمانی شاہد ہے اور جن کو آنکھیں ہیں وہ آپ بھی دیکھتے ہیں کہ جو نبی بموجب اس قاعدہ کے سب نبیوں سے افضل ٹھہرتا ہے ۔ وہ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلّم ہیں ۔ اور جیسا کہ اس دلیل سے حضرت خاتم الانبیاء کا نبی صادق ہونا ثابت ہوتا ہے ۔ ایسا ہی اس سے آنحضرت م کا دوسرے نبیوں سے افضل ہونا بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت م کو تمام عالم کا مقابلہ کرنا پڑا اور جو کام حضرت ممدوح کے سپرد ہوا وہ حقیقت میں ہزار دو ہزار نبی کا کام تھا ۔

سیدالانبیاء

چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم افضل الانبیاء اور سب رسولوں سے بہتر اور بزرگ تر تھے اور خدا تعالےٰ کو منظور تھا کہ جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنے ذاتی جوہروں کی رُو سے فی الواقعہ سب انبیاء کے سردار ہیں ایسا ہی ظاہری خدمات کی رُو سے بھی ان کا سب سے فائق اور برتر ہونا دُنیا پر ظاہر اور روشن ہو جائے ۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رسالت کو کافہ بنی آدم کے لئے رکھا ۔ تا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی محنتیں اور کوششیں عام طور پر ظہور میں آویں ۔ موسٰے اور ابنِ مریم کی طرح ایک خاص قوم سے مخصوص نہ ہوں ۔ اور تا ہر ایک طرف سے اور ہر ایک گروہ اور قوم سے تکالیف شاقہ اٹھا کر اس اجرِ عظیم کے مستحق ٹھہر جائیں کہ جو دوسرے نبیوں کو نہیں ملے گا ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو وہ بزرگی اور فضیلت حاصل ہے جو اور کسی نبی کو حاصل نہیں ہوئی آپ ایسے وقت میں مبعوث ہوئے جب دنیا پر ایک تاریکی چھائی ہوئی تھی اور عملی اور اعتقادی طور پر دنیا ضلالت میں پڑی ہوئی تھی ۔ عرب کے لوگ جو بلاواسطہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مخاطب تھے ان کی یہ حالت تھی کہ بدیوں میں غرق تھے اور اخلاقِ فاضلہ کا نام تک نہیں جانتے تھے ۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے ایک عظیم الشان تبدیلی ان کی زندگی میں پیدا کر دکھائی اور تمام بدیوں سے جن میں وہ مبتلا تھے ان کو نجات دی ۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ جزیرہ عرب جو بجز بُت پرستی کے اور کچھ بھی نہیں جانتا تھا ایک سمندر کی طرح خُدا کی توحید سے بھر گیا ۔ چنانچہ کون اس سے ناواقف ہے کہ اس سرزمین میں جو بتوں سے بھری ہوئی تھی ہمیشہ کے لئے بُت پرستی دور ہو کر ایک خدا کی پرستش قائم ہو گئی اور آپ اس وقت رخصت ہوئے جب آپ نے لاکھوں انسانوں کو ایک خدا کے حضور جھکا دیا اور توحید پر قائم کر دیا ۔ پس میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے ۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں ۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا ۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا ۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی ۔ اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی ۔ اس لئے خُدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اسکو دیں ۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے ۔ اور ہر ایک فضیلت کی کُنجی اس کو دی گئی ہے ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبیؐ کے ذریعہ سے اور اس کے نُور سے ملی ؛

ہالینڈ میں نمازِ عید کا اِجتماع

احمدیہ کنونشن ہالینڈ اور مسجد کے افتتاح کے بارہ میں محترم میاں فضل احمد صاحب کی رپورٹ پیغام صلح مؤرخہ ۲۸/۷ میں شائع ہو چکی ہے ۔ اب مولنا عبدالرحیم جگو صاحب مبلغ ہالینڈ اپنے خط مؤرخہ ۲ راگست میں رقمطراز ہیں کہ "اوٹرخت" (ہالینڈ) میں جماعت کی مسجد کے افتتاح کی تقریب نہایت عمدہ طریق پر ہوئی ۔ اس تقریب میں تقریباً ایک ہزار افراد نے شمولیّت فرمائی ۔ چالیس افراد بیرون ملک سے تشریف لائے ہوئے تھے ۔ پاکستان سے چوہدری فضل حق صاحب معہ بیگم صاحبہ شامل ہوئے اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب میاں فضل احمد صاحب معہ بیگم صاحبہ اور سید سلطان علی شاہ صاحب دو دن کے بعد پہنچے اور عزت افزائی اور رونق افروزی کا موجب ہوئے ۔ الحمدللہ یہ بابرکت تقریب بخیر و خوبی انجام پائی اور آج ہم عید منا رہے ہیں تقریباً سات سو افراد نماز عید کیلئے آئے ہوئے ہیں جو ۳۰ ۔ ۳۰ مختلف شہروں اور گاؤں سے آئے ہوئے ہیں ۔ اس سے قبل اتنا بڑا اجتماع عیدین پر کبھی نہیں ہوا ۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک ۔ اللہ تعالےٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے ۔ اس نے ہماری کوششوں میں برکت ڈالی ؛

م۔ برا عزازی

"ایک نہایت اہم سوال!"

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوٓا أَنْ تَخْشَعَ
قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ
مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ
أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ
الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ
مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ ٥

قرآن کریم میں اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ:۔

"کیا اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالٰی کے ذکر کے لئے نرم ہو جائیں اور اس کے لئے جو حق سے اُترا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی۔ پھر ان پر لمبا زمانہ گزر گیا تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں:" (الحدید ترجمہ آیت ۱۶)

اس کے مًعالبعد یہ ذکر ہوتا ہے:۔

"جان لو کہ اللہ تعالٰی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرے گا۔ ہم نے تمہارے لئے آیتیں کھول کر بیان کر دی ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو" (الحدید۔ ترجمہ آیت ۱۷)

جب ہم عقل سے کام لیتے ہوئے ان آیات پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ ان مومنوں کے متعلق نہیں ہو سکتے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے کیونکہ اُن کے دل تو ایسے نرم تھے کہ اللہ کا نام سنتے ہی ان کی روحیں سجدہ ریز اور آنکھیں اشک بار ہو جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر ان لوگوں کا جو میرے زمانے کے لوگوں سے ملیں گے اور پھر ان کا جو ان کے بعد ہوں گے۔ اس کے بعد جھوٹ اور تاریکی کے زمانہ اور اس کے بعد آنے والے زمانہ میں بھی ایمان کا دعوٰے کرنے والے مسلمانوں کے دل اہل کتاب کی طرح جو ان سے پہلے تھے اور جن کے پاس توریت کی شکل میں کتاب ہدایت موجود تھی سخت ہو جائیں گے۔ گوناگوں مشکلات اور مصائب میں گھرے ہونے کے باوجود ان کے دلوں میں نرمی پیدا نہیں ہو گی حالانکہ ان کے پاس قرآن کریم جیسی کتاب ان کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے موجود ہو گی لیکن انہوں نے اُسے پسِ پُشت پھینک رکھا ہو گا۔ اور ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد ان پر موت کی سی حالت طاری ہو گی۔ اس کے فوراً بعد اگلی آیت میں یہ خوشخبری دی ہے کہ اللہ تعالٰی یقیناً مردہ زمین کو زندہ کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا۔ سنت اللہ اسی طرح سے جاری رہی ہے۔ کہ روحانی مقتدا کی وفات کے بعد جب ایک طویل مدت گزر جاتی ہے۔ تو لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں۔ وہ گناہ اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان میں مذہب سے دُوری اور بیگانگی پیدا ہو جاتی ہے۔ تب اللہ تعالٰی ان روحانی مُردوں کو زندہ کرنے کے لئے کسی نئے روحانی انسان کو کھڑا کرتا ہے۔ اسی سنتِ قدیم کے مطابق ہمیں بنی اسرائیل میں انبیاء کا ایک طویل سلسلہ نظر آتا ہے۔ اس سلسلہ کے آخری نبی حضرت عیسٰیؑ تھے۔ آپ کے تقریباً چھ سو سال بعد حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے جو خاتم النبیین ہیں یعنی آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ قیامت تک آپ ہی نسلِ انسانی کے راہنما، قائد اور مقتدا ہیں۔

قرآن کریم کی جن آیات کا ذکر میں نے اُوپر کیا ہے اُن کی روشنی میں ہمارے لئے قابلِ غور امر یہ ہے کہ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اللہ تعالٰی کی یہ قدیم سنت بدل گئی کہ ایک لمبی مدّت کے بعد نہ لوگوں کے دل سخت ہوئے۔ نہ ان کے خشوع و خضوع میں کوئی کمی واقع ہوئی۔ نہ وہ خُدا سے دُور ہوئے اور نہ وہ گناہوں اور فسق و فجور میں مبتلا ہوئے اور نہ ہی انہوں نے مذہب سے بیگانگی اور بے رخی اختیار کی؟ لیکن گذشتہ چودہ صدیوں کے تاریخی واقعات اس کے برخلاف گواہی دیتے ہیں اور قرآن کریم بھی یہی فرماتا ہے کہ:۔

"ایسا ہی اللہ کا قانون ان میں رہا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں اور تو اللہ کے قانون میں کوئی تبدیلی نہ پائے گا۔" (الاحزاب ۶۲)

اگر یہ قانون اور سنت غیر مبدل ہے تو پھر ضرور ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی ایک طویل عرصہ گزرنے پر آپ کی امت کے لوگوں کے دل سخت ہو جائیں اور ان پر بھی ایک روحانی موت وارد ہو جائے جس سے زندہ کرنے کے لئے بنی اسرائیل میں انبیاء کے سلسلہ کی طرح امت محمدیہ میں بھی ایک سلسلہ قائم ہو اور اللہ تعالٰی کا مردہ زمین کو زندہ کرنے کا وعدہ پورا ہوتا رہے۔

کیا ایسا ہوا ہے؟ قرآن کریم کے حکم کے مطابق میں اس سوال کو جواب کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی طرف لوٹاتا ہوں اور ان ہی سے اس بارے میں فتوٰے طلب کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" (ابوداؤد)

یعنی اللہ تعالٰی ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے ایک شخص مبعوث فرمائے گا جو اس کے لئے دین کو تازہ کرے گا۔

اس حدیث کی صحت سے کسی کو انکار نہیں کیونکہ بڑے بڑے علماء اور فقہا مثلاً امام سیوطیؒ، حاکمؒ، بیہقی ابوالفضل عراقی۔ امام ابنِ حجر۔ ابنِ عساکر۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ اور حضرت مجدّد الف ثانی وغیرہ اس کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کر چکے ہیں اور واقعاتی شہادت بھی موجود ہے۔ اگر یہ سوال اُٹھایا جائے کہ یہ حدیث صحیح سہی لیکن کیا اس کے مطابق گذشتہ تیرہ صدیوں میں مجدّد آتے رہے ہیں؟ اور وہ کون کون تھے؟ تو میں اس کے جواب میں ایک ایسی عظیم اور نامور شخصیت کے الفاظ نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں جنہیں تو ہم شیخ احمد سرہندی کے نام سے کم اور مجدد الف ثانی کے نام سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"ایں علوم مقتبس از مشکوٰۃِ انوارِ نبوت اند۔۔۔۔ صاحبِ ایں علوم و معارف مجدد ایں الف است و بدانند کہ بر سر ہر مائۃ مجدد گذشتہ است اما مجدّدِ مائۃ دیگر است و مجدد الف دیگر"

"یہ علوم انوارِ نبوت کے چراغ سے لئے گئے ہیں اور ان علوم و معارف کا مالک اس ہزار کا مجدّد ہے۔ اور جاننا چاہیئے کہ ہر صدی کے سر پر مجدّد گزرا ہے لیکن صدی کا مجدّد اور ہے اور ہزار کا اور"

حضرت مجدّد الف ثانی کے اسم گرامی سے کون واقف نہیں۔ لفظ مجدّد آپ کے نام کا ایک جزو لاینفک بن گیا ہے۔ آپ کی شہادت سے بڑھ کر کس کی شہادت ہو سکتی ہے۔ آپ نے خود مجدد ہونے کا دعوٰے کیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا ہے کہ آپ سے پہلے بھی ہر صدی کے سر پر مجدد گزر چکا ہے۔ آپ گیارہویں صدی کے

مجدد تھے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ گیارہ صدیوں تک تو مجدد آتے رہیں لیکن گیارہویں صدی کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو جائے۔ اس طرح تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متذکرہ صدر حدیثِ مجدّد پر بڑا بھاری اعتراض واقع ہوتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ وہ کون کون تھے؟ اس کے ثبوت میں تین ایسے مجددین کے نام جو اسی برصغیر پاک و ہند میں گزرے ہیں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ گیارہویں صدی میں حضرت مجدد الف ثانی ؒ۔ بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور تیرہویں صدی میں حضرت سید احمد شہید۔ اس سے پہلی دس صدیوں میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رح۔ حضرت امام مالک ؒ۔ حضرت امام احمد بن حنبل رح۔ حضرت امام شافعی رح۔ حضرت امام ابو حنیفہ ؒ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رح۔ حضرت امام غزالی رح۔ حضرت امام تیمیہ ؒ وغیرہ کے نام مجددین کی فہرست میں شامل ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ تیرہ صدیوں تک کوئی صدی ایسی نہیں گزری جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث کے مطابق کوئی مجدد نہ گزرا ہو اور اس نے اپنی صدی میں اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا قلع قمع نہ کیا ہو۔ اس سے قطعی پر ثابت ہوتا ہے کہ سلسلہ بنی اسرائیل کی مماثلت پر اللہ تعالےٰ نے امتِ محمدیہ میں ایک سلسلہ مجددین قائم فرمایا جو مسلمانوں کی رشد و ہدایت کے لئے وہ کام سر انجام دیتے رہتے۔ اسی لئے حضرت نبی آخر الزماں ؐ نے فرمایا تھا کہ :۔

علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل "

میری امت کے علماء یعنی مجددین بنی اسرائیل کے انبیاء کے قائم مقام ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ نبی ہوا کرتے تھے اور یہ نبی نہیں بلکہ مسیح کے نائب اور مجدد ہیں۔ وہ بھی روحانی مردوں کو زندہ کرتے تھے اور ان کا کام بھی روحانی مردوں کو زندہ کرنا۔ اسلام کے اندر پڑ گئے مفاسد کو دور کرنا اور مسلمانوں کو قرآن و سنت کے پیش کردہ اسلام کی طرف دعوت دینا ہوگا۔ یہ کام تیرہ صدیوں تک متواتر ہوتا رہا ہے۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ قرآن کریم اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث کے مطابق چودہویں صدی میں بھی جسے گزرے ہوئے آج تقریباً ۹ ماہ ہو چکے ہیں اللہ تعالےٰ کسی مجدّد کو مبعوث فرماتا تاکہ وہ بھی سنت اللہ کے مطابق تجدید دین کا کام سر انجام دیتا۔ حالانکہ بڑے بڑے فتنوں کے برپا ہونے کا جتنا کثرت سے ذکر اسلامی ادب میں چودہویں صدی کا آیا ہے۔ اتنا اس سے پہلے کسی صدی کا نہیں آیا۔ یہی وہ صدی ہے جس میں دجال اور یاجوج کے فتنوں کے برپا ہونے کا ذکر ہے۔ اور یہی وہ صدی ہے جس میں مہدی اور مسیح کے آنے کی پیشگوئیاں ہیں۔ ساری دنیا اس صدی میں مسیح اور مہدی کے آنے کی منتظر تھی۔ تو کیا یہ صدی بغیر کسی مجدّد۔ مہدی اور مسیح کے جو ان فتنہ ہائے عظیم کو فرو کرتا یونہی گزر گئی؟ کیا اللہ تعالےٰ نے اس صدی میں اپنا وعدہ پورا نہ کر کے مسلمانوں کو بے بس و مجبور اور بے یار و مددگار چھوڑ دیا؟ ایسا تو کبھی نہیں ہو سکتا جس کے آنے کے متعلق قرآن۔ حدیث۔ توریت۔ عیسائیوں اور ہندوؤں کی کتب میں پیشگوئیاں موجود ہیں۔ اور انہی پیشگوئیوں کی روشنی میں مسلمان اولیاء اللہ۔ صوفیائے کرام اور مسلمان علماء نے بھی لکھا ہے کہ یہ چودہویں صدی ہجری میں آئے گا۔ ذیل میں درج کی گئی تحریرات کو پڑھیں اور غور کریں۔

۱۔ **توریت کی شہادت** :۔ توریت کی کتاب دانیال کے باب ۱۲ کو کھول کر پڑھیں۔ وہاں لکھا ہے

"اے دانیال چلا جا کیونکہ یہ باتیں آخر تک پوشیدہ اور سر بمہر رہیں گی۔ اس وقت بہتوں کا امر کیا جائے گا اور بہتوں کو سفید کیا جائے گا۔ اور بہتوں کو آزمائش میں ڈالا جائے گا۔ اور شریر شرارت سے شور و غوغا مچائیں گے۔ اور شریروں میں سے کوئی نہ سمجھیگا پر اہل دانش سمجھ لیں گے اور اس وقت سے جبکہ دائمی قربانی موقوف ہوگی اور بتوں کو تباہ کیا جائے گا اس وقت ۱۲۹۰ دن ہوں گے۔ مبارک ہے جو انتظار کیا جائے گا اور اپنا کام محنت سے کریگا ۱۳۳۵ روز تک"

میری عقل تو یہی کہتی ہے کہ یہودیوں میں سوختنی قربانی کا دائمی سلسلہ آنحضرت صلعم نے ختم کیا اور بتوں کو بھی آپ ہی نے تباہ کیا۔ آپ کی ہجرت کے بعد ۱۲۹۰ دن سے مراد ۱۲۹۰ھ ہی ہو سکتی ہے۔ اور ۱۳۳۵ سے مراد ۱۳۳۵ھ یعنی اس انسان کے آنے کا زمانہ چودہویں صدی ہی ہے۔

۲۔ **انجیل کی شہادت** :۔

زیتون کے پہاڑ پر جب شاگردوں نے آکر حضرت مسیح ؑ سے پوچھا کہ تیرے آنے اور دنیا کے آخر ہونے کا نشان کیا ہوگا تو حضرت مسیح ؑ نے فرمایا کہ :۔

"تم لڑائیاں اور لڑائیوں کی افواہ سنو گے۔۔۔۔ قوم پر قوم اور سلطنت پر سلطنت چڑھائی کرے گی۔ اور جگہ جگہ کال پڑیں گے اور بھونچال آئیں گے۔۔۔۔ اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی اور اس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا۔ اس وقت زمین کی سب قومیں چھاتی پیٹیں گی اور ابنِ آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی اور وہ نرسنگے کی بڑی آواز کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اس کنارے سے اس کنارے تک جمع کریں گے۔"

(متی باب ۲۴)

اب ذرا عقل و فکر سے کام لے کر تاریخ عالم کو سامنے رکھتے ہوئے سوچئے کہ یہ سارے واقعات چودہویں صدی میں رونما ہوئے یا نہیں۔ اور کیا اس میں کسی مسیح کو جسے یہاں ابنِ آدم کہا گیا ہے نہیں آنا چاہیئے تھا۔ اور کیا انجیل کے ان الفاظ کے مطابق جن کی تصدیق آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ کہ "ابنِ آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا۔" کیا مشرق و مغرب نے ۱۳۱۱ھ میں رمضان کے مہینے میں سورج اور چاند کو گرہن لگتے نہیں دیکھا جس نے نجومیوں کے حساب کو غلط کر دکھایا۔ اس کی تصدیق جیسا کہ میں نے کہا ہے اس حدیث سے ہوتی ہے۔

"عن محمد بن علیؓ قال ان لمهدينا اٰيتين لم تكونا منذ خلق السموٰت والارض ينكسف القمر لاول ليلة من رمضان و تنكسف الشمس في النصف منه و لم تكونا منذ خلق الله السموٰت والارض۔"

(سنن دارقطنی۔ جلد ۸ صفحہ ۱۸۸ مطبع انصار دہلی)

"محمد ابن علی رضہ نے فرمایا کہ ہمارے مہدی کی دو نشانیاں ہیں اور جب سے آسمان و زمین پیدا ہوئے ہیں اب وقوع میں نہیں آیا ایک نشانی یہ ہے کہ ماہِ رمضان میں چاند (قمر) کو اپنی مقررہ راتوں میں سے پہلی رات کو اور سورج کو مقررہ دنوں میں سے درمیانے دن کو گرہن لگے گا اور ایسا جب سے آسمان و زمین وجود میں آئے ہیں کبھی نہیں ہوا۔" جس شخص کے لئے یہ نشانی آسمان پر ظاہر ہوئی اور ساری دنیا نے دیکھی آخر وہ مہدی کہلانے والا کہاں گیا؟

(۳) قرآن کریم کی شہادت :۔

اس سلسلے میں میں صرف سورۃ التکویر کا حوالہ دینا ہی مناسب سمجھتا ہوں کیونکہ اس میں تین چار آیات ایسی ہیں جن کی مصدق انجیل بھی ہے اور وہ یہ ہیں :۔

۱۔ "جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔" سورج کے لپیٹ لئے جانے کے بعد چاند کا روشنی دینا بھی ممکن نہیں۔

۲۔ "اور جب ستارے جھڑ جائیں گے۔"

(۳) "اور جب آسمان کی کھال اتاری جائے گی۔"

ان تین باتوں کے علاوہ پہاڑوں کا چلایا جانا۔ اونٹنیوں کا بطور سواری بے کار ہونا۔ وحشیوں یعنی غیر مہذب قوموں کا ایک جا ہونا۔ دریاؤں کا خشک ہو جانا۔ لوگوں کا باہم ملایا جانا۔ عورتوں کو معاشرہ میں اُن کا جائز مقام ملنا۔ اخبارات۔ رسائل جرائد اور کتب کی نشر و اشاعت۔ کیا یہ سب کچھ چودہویں صدی کی نشاندہی نہیں کرتا۔ جس میں کسی مجدد، مسیح اور مہدی نے آنا تھا؟ اگر نہیں تو اس سے قبل کسی ایک صدی کا حوالہ پیش کریں جس میں یہ سارے واقعات یکبارد رونما ہوئے ہوں۔

(۴) حدیث کی شہادت :۔

سوجھ بوجھ رکھنے والے بھائیوں کے لئے اس ایک ہی حدیث کا نقل کر دینا کافی ہے :۔

"عن ابی جعفر القمی هذا باسناده عن علی رضی الله تعالیٰ عنه انه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ابشروا ثم ابشروا ثلاث مرات انما مثل امتی کمثل غیث لا یدری اوله خیر ام آخره وکیف یهلك امة انا اولها واثنا عشر خلیفة من بعدی والمسیح عیسی بن مریم آخرها"

ترجمہ:۔ "ابوجعفر قمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک اسناد کے ساتھ یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے تین دفعہ فرمایا کہ خوش ہو۔ خوش ہو۔ خوش ہو کہ میری امت کی مثال اُس بارش کی ہے کہ جس کی نسبت یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس کا اوّل اچھا ہے یا آخر اور وہ امت کیونکر ہلاک ہو سکتی ہے کہ جس کی ابتداء میں مَیں ہوں اور درمیان میں میرے بعد ۱۲ خلیفے ہوں گے اور سب سے آخر میں مسیح عیسیٰ بن مریم ہے۔" (فصل الخطاب۔ امام محمد پارسا صفحہ ۴۶۸)

اِس حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ کے تابعین اور تبع تابعین کی تھی۔ اُس کے بعد ۱۲ (بارہ) صدیوں میں خلفا یا مجددین ہوئے۔ اِس لحاظ سے یہ تیرہ ہجری صدیاں ہو گئیں۔ اب چودہویں صدی میں جو خلیفہ یا مجدّد آئے گا وہی مسیح ابنِ مریم کے نام سے منسوب ہوگا فرض کر لیجئے کہ حضرت مسیح کو عوام کے عقیدہ کے مطابق قیامت کے قریب ہی آنا ہے اور چودہویں صدی کا مجدّد مثیلِ مسیح نہیں ہوگا تو کم از کم اس مجدّد کو تو اس صدی میں موجود ہونا چاہیئے ورنہ حدیث مجدد غلط ٹھہرتی ہے۔

(۵) اولیاء اور علماء کی شہادت:۔

ا:۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ مہدی کی پیدائش کا سن الفاظ "چراغ دین" میں بیان کرتے ہیں جس کے اعداد ۱۲۶۸ ہوتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ پیدا تو تیرہویں صدی میں ہوگا لیکن اس کا ظہور چودہویں صدی میں ہوگا۔

ب:۔ نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی کتاب "حجج الکرامہ" کے صفحہ ۳۹۵ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"چوں از قرن که در حساب از سنین ہجرت وے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سیزدہم است نود سال گزشتہ و مہدی در عالم ظاہر نشدہ بخاطر مے رسد کہ شاید صد چہاردہم ظہورِ وے اتفاق افتد۔ و موید این است وجود فتن صغریٰ بتمامہا در عالم و تسلسل وے در رنگ پارہ ہائے شب تار و سلکے گوہر کہ یکے بعد دیگرے بیفتد و بودن ایں سیزدہم موقع فتن و آفات کثیرہ عظیم چیزیست کہ بر زبان کہ و مہ شہرت دارد۔ و با آنکہ طفل بودیم پیر زنان را مے شنیدیم کہ مے گفتند حیوانات ازیں تیرہ پناہ خواستہ اند۔ و ہر چند ایں معنی بعینہٖ از حدیث ثابت نیست اما ملاحظہ انقلاب عالم تقلب احوال بنی آدم کہ دریں زمان آخر است شاہد عدل است۔ ہر آنکہ پیش ازیں رنگ گیتی بایں عنوان نبود۔ شرح ایں ماجرا طوامیر طویلہ و دفاتر ثقیلہ میخواہد مشتے نمونہ از خروارے و اندکے از بسیارے۔ در ابواب سابقہ جلوہ گر شدہ ما بقی را بر آں قیاس باید کرد و آنچہ باقی است ہمیں ظہور مہدیؑ موعود است۔"

ترجمہ:۔ اور جب زمانہ سے جو بحساب حل سن ہجری تیرہویں صدی ہے اور سنہ ۱۲۰۰ھ سے۔ ۹۰ سال اُوپر چڑھ گئے ہیں اور مہدی جہان میں ظاہر نہیں ہوا تو دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ شاید چودہویں صدی میں اس کا ظہور ہوگا اور اس کی تائید فتنِ صغریٰ سے ہوتی ہے۔ جو جہان میں سب کے سب ظاہر ہو چکے ہیں اور ان کا سلسلہ تاریک راتوں کے ٹکڑوں کی صورت یا موتیوں کی لڑی کی طرح یکے بعد دیگرے برابر جاری و ساری ہے اور اِس تیرہویں صدی میں فتنہ ہائے عظیم و آفات کثیرہ کے وقوع ہونے کا ذکر ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر جاری ہے ہم جب چھوٹے بچے تھے تو بوڑھی عورتوں کی زبانی یہ سنا کرتے تھے کہ اس تیرہویں صدی سے حیوانات نے بھی پناہ مانگی ہے۔ اگرچہ یہ معنی بعینہٖ حدیث سے تو ثابت نہیں مگر عالمی انقلابات اور بنی آدم کے تغیر حالات کے دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے اور اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کیونکہ اس سے قبل دُنیا کا رنگ ایسا نہ تھا اِس تشریح کے لئے ایک بڑا طومار اور بھاری دفتر چاہیئے نمونہ کے طور پر سابقہ ابواب کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا گیا ہے باقی کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے۔ اب جو کچھ باقی ہے وہ صرف ظہور مہدی ہے۔"

ج:۔ حافظ برخوردار ساکن موضع جیٹی ضلع سیالکوٹ اپنی ایک پنجابی نظم میں ظہور عیسےٰ کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

پچھے اک ہزار دے گزرے ترے سے سال ٭ عیسیٰ ظاہر ہوسی آکر سی عدل کمال

یعنی سنہ ۱۳۰۰ھ کے بعد عیسیٰ نازل ہوں گے۔ "حکما" عولا"

د:۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی اپنی کتاب "ظہور مہدی" میں لکھتے ہیں کہ شیخ سنوسی اور عرب اور شام کے صوفیاء اور علماء اِس بات پر متفق ہیں کہ چودہویں صدی میں سنہ ۱۳۳۰ھ یا ۱۳۳۵ھ یا غالب سنہ ۱۳۴۰ھ تک ضرور ظاہر ہوں گے۔ تاریخوں میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن وہ مہدی کا آنا چودہویں صدی میں تسلیم کرتے ہیں۔

(۶) مسیحیوں کی شہادت:۔

اب میں اِس زمانہ کے چند انگریزی اخبارات اور کتب کے حوالہ سے عرض کرتا کہ مسیحی بھی چودہویں صدی میں حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کے قائل تھے۔

ا:۔ "سینٹ فرانسس ڈی پال نے سنہ ۱۲۶۹ء میں بیسویں صدی کی نسبت یہ پیشگوئی کی تھی کہ تمام دُنیا میں صرف ایک ہی بڑا دینی راہنما ہوگا اور خلیفہ بھی۔ تمام بادشاہ اور شاہزادے اُسی کے تحت میں ہو جائیں گے (بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے) اور وہ سب کے سب اولیاء اللہ ہوں گے (یہ دنیوی نہیں۔ روحانی بادشاہت ہوگی ناقل) اور اس وقت ایک آخری سلسلہ مذہب قائم ہوگا۔ (اسلام کا غلبہ تمام دیگر مذاہب پر ثابت کیا جائے گا)" اب دیکھئے بیسویں صدی یکم جنوری سنہ ۱۹۰۱ء کو شروع ہوئی اور چودہویں صدی سنہ ۱۹۸۰ء میں ختم ہوئی۔ یعنی چودہویں صدی کے ۸۰ سال بیسویں صدی میں شامل ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بڑا دینی راہنما اور خلیفہ چودہویں صدی میں ہوگا۔ (انگریزی اخبار ٹِٹ بٹ لندن۔ مؤرخہ ۵ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء صفحہ ۲۶۹)

ب:۔ "اب عنقریب دنیا میں ایک نہایت عظیم الشان واقعہ ہونے والا ہے۔ چاروں طرف سے اس کے واسطے نشان جمع ہو رہے ہیں ایسے نشان کہ زمانہ نے اس قسم کے پہلے کبھی نہیں دیکھے اور نہ دنیا کی تواریخ میں اس کی مثال ملتی ہے اور نہ کلیسا کی تاریخ میں۔ اس واقعہ عظیم کے وقوع پر دنیا اور مذہب ہر دو میں ایک تغیر عظیم پیدا ہوگا۔ وہ واقعہ ہمارے خداوند یسوع مسیحؑ کے دوبارہ آنے کا ہے جو قوت اور جلال کے ساتھ ہوگا۔"

(ہز گلوریس اپیرنگ۔ لندن HIS GLORIOUS APPEARING)

ج:۔ "کیا کوئی عقل والا اِس بات میں شک کر سکتا ہے کہ یہ نشانات بلاریب یقیناً اس بات کی خبر دیتے ہیں کہ انجام آیا کھڑا ہے۔" (کرائسٹس سیکنڈ کمنگ۔ لندن صفحہ ۱۵)

د:۔ "نشانات پورے ہو گئے۔ وہ نسل دنیا میں موجود ہو گئی ہے جس کے وقت میں مسیح نے آنا تھا۔ کیسے شان اور شوکت اور جلال کے وقت آتا ہے۔" (دی کمنگ آف دی لارڈ۔ لندن صفحہ ۱)

بقیہ شکر کیا ہے۔ بسلسلہ آمدہ صفحہ نمبر (۱۲) سے آگے۔

الخ کہ دوزخ کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے تب سے میں اس خوف کے مارے رو رہا ہوں تب انہوں نے حضرتِ باری سے پتھر کی نجات کے لئے دعا کی جس پر وحی ہوئی کہ ہم نے اسے دوزخ سے نجات دی۔ وہ پیغمبر دُعا سے فارغ ہو کر پتھر کی طرف لوٹے دیکھا کہ پہلے سے بھی زیادہ پانی اس سے بہہ رہا ہے۔ اس پر پوچھا کہ اب کیوں روتا ہے؟ تو تو دوزخ کی جلن سے نجات پا گیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اب بطور شکر خوشی سے روتا ہوں۔ اور ارشاد باری تعالےٰ ہے۔ ان اللہ مع الصابرین۔ اللہ تعالےٰ اس کی راہ میں دُکھ اٹھانے والوں کے ہمراہ ہے ــ ــ ــ اور کہا گیا ہے کہ حمد اس چیز پر ہوتی ہے جو دُور کی جاتی ہے اور شکر اس پر جو دی جاتی ہے۔ (غنیۃ الطالبین)

عارف ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

شکر کیا ہے؟

شکر کی اصل کے متعلق تو اللہ جلّ شانہٗ کا یہ ارشاد ہے:۔ لئن شکرتم لا ذید نکم اگر تم شکر کرو گے تو میں انعامات میں اضافہ کرتا رہوں گا اور حدیث میں عطاءؒ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضہ سے جاکر عرض کیا کہ آپ نے آنحضرت صلعم کی جو تعجب انگیز بات دیکھی بیان کیجئے۔ پس وہ آبدیدہ ہو گئیں اور فرمایا کہ آپ کی کوئی بھی بات عجب سے خالی نہ تھی۔ آپ ایک رات میرے پاس تشریف لائے۔ میرے بستر پر لیٹ گئے۔ تھوڑا عرصہ آرام کیا۔ پھر فرمایا اے ابوبکرؓ کی بیٹی مجھے اجازت دے کہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کر لوں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور! مجھے آپ کا قرب محبوب ہے۔ پھر آپ پانی کے ایک مشکیزے کے پاس کھڑے ہو کر وضو کرنے لگے۔ آپنے خوب اچھی طرح وضو کیا۔ پھر آپ کھڑے ہو کر نوافل ادا کرنے لگے۔ کر رو پڑے اور آنسو سینہ پر جاری ہو گئے۔ پھر آپنے رکوع کیا اور اس میں بھی روتے رہے۔ پھر سجدہ کیا اس میں بھی روتے رہے۔ پھر سر اٹھاتے وقت بھی روتے رہے پس آپ اسی طرح روتے ہوئے نماز پڑھتے رہے کہ بلال رضہ نے فجر کی جماعت کے لئے اطلاع دی کہ وقت ہو گیا ہے۔

پھر عائشہ رضہ فرمانے لگیں میں نے آپسے پوچھا کہ آپ کو کس بات کا غم اس قدر رُلا رہا ہے۔ آپ کی اللہ تعالےٰ نے اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دی ہیں۔ تو آپنے فرمایا کیا میں اللہ تعالےٰ کا شکر نہ کروں کیا میں اس کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔ اور کیوں نہ ایسا کروں جبکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔ ان فی خلق السمٰوٰت والارض لاٰیٰت۔ کہ زمین و آسمان کی تخلیق میں اللہ تعالےٰ کی حکمت اور عبرت کے نشانات ہیں اور محققوں کے نزدیک شکر دراصل منعم کی نعمتوں کا عاجزی کے ساتھ اقرار کا نام ہے۔ اور اسی لحاظ سے اللہ تعالےٰ نے اپنے آپ کو الشکور سے موصوف کیا ہے کہ وہ شکر ادا کرنے پر بندوں کو مزید دیتا ہے تو شکر کی جزا کا نام شکر رکھا گیا۔ جیسے ارشاد باری ہے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا برائی کی سزا اس جیسی برائی ہے اور کہا گیا ہے کہ شکر درحقیقت محسن کی تعریف کو کہتے ہیں۔ جو اس کے احسان کے سلسلے میں کی جائے۔ اور اللہ تعالےٰ کا شکر بندہ کے لئے یہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ بندہ کی اپنے احسان کے ذکر پر تعریف کرتا ہے۔ پھر بندہ کا احسان اللہ تعالےٰ کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ اور خدا تعالےٰ کا احسان بندہ پر انعام کرنا ہے۔ اور درحقیقت بندہ شکر کی زبان سے خدائی انعامات کا ذکر اور دل سے ان کا اقرار کرنا ہے۔

پھر شکر کی چند قسمیں ہیں۔ ایک زبانی شکر، وہ نعمتوں کا نیازمندی سے اقرار کرنے کا نام ہے۔ اور دوسرا بدن اور اعضاء کا شکر کہ وہ وفاداری اور خدمت مولا سے موصوف ہونے کا نام ہے۔ اور تیسرا دلی شکر کہ حرمت کی دائمی حفاظت کرتے ہوئے حضوری و شہود کے فرش پر کھڑا ہونے کا نام ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ آنکھوں کا شکر اپنے دوست کے عیب چھپانے کا نام ہے۔ اور کانوں کا شکر یہ ہے کہ دوست کے جن عیبوں کو سنے چھپا دے خلاصہ کلام یہ ہے کہ خدا تعالےٰ اور اس کی نعمتوں کی نافرمانی نہ کرے۔ اور کہا گیا ہے کہ شکر لوگوں کی شکر گذاری کا نام ہے۔ جن میں لوگوں کے اقوال حسنہ بھی شامل ہیں۔ اور عابدوں کا شکران کے افعال اور عبادت سے عبارت ہے۔ اور عارفوں کا شکران کا اللہ تعالےٰ کی عبادت میں اپنے جمیع حالات اور اعتقادات میں استقامت اختیار کرنا ہے۔ کہ سب بھلائی جو ان میں پائی جاتی ہے۔ اور جو اطاعت اور بندگی اور ذکر الٰہی کہ ان سے ظاہر ہوتا ہے سب اللہ تعالےٰ کی توفیق و انعام اور مدد اور قوت سے ہے۔ اور ہر حال میں فناءِ مولےٰ میں فنا ہو جانے اور عاجزی قصور اور جہالت کے انکسار سے اقراری ہوتے ہیں۔ اور ابوبکر وراق رحہ نے کہا ہے کہ نعمت کا شکر یہ ہے کہ محسن کے احسان کو دیکھ کر اس کی حرمت کی نگہداشت کی جائے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ شکر یہ ہے کہ شکر ادا کرنے سے عجز کی معرفت حاصل ہو جائے اور یہ خیال کرے کہ میں شکر ادا کرنے سے عاجز ہوں۔ اور کہا گیا ہے کہ شکر پر شکر ادا کرنا شکر سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور اپنے شکر کو توفیق الٰہی سے خیال کرے۔ اور توفیق بھی خدا کا انعام ہے۔ جس پر شکر واجب ہے، اور یہ شکر پر شکر لامتناہی ہے۔ اور جنید رحہ نے کہا ہے کہ شکر یہ ہے کہ اپنے نفس کو [illegible] کے لائق نہ سمجھے اور کہا گیا ہے کہ شاکر وہ ہے کہ موجودہ چیز پر شکر کرے اور شکور وہ ہے جو غیر موجود چیز پر شکر ادا کرے۔ اور کہا گیا ہے کہ شاکر وہ ہے کہ انعام پر شکر کرے اور شکور وہ ہے جو اس کی بندش پر شکر کرے۔ اور کہا جاتا ہے کہ شاکر وہ ہے جو عطیہ پر شکر کرے اور شکور وہ ہے جو تکلیف پر شکر کرے۔ کہا جاتا ہے کہ شاکر وہ ہے کہ خرچ کرتے وقت اور سخاوت کرتے وقت شکر کرے اور شکور وہ ہے کہ نعمت کی تاخیر کے وقت شکر کرے۔

اور شبلی رحہ نے کہا ہے کہ شکر منعم کے دیکھنے کا نام ہے نہ کہ نعمت کے، اور کہا گیا ہے کہ شکر حاصل شدہ نعمت کو مضبوط پکڑ کر غیر موجود نعمت کے فراہم کرنے کا نام ہے۔ اور ابوعثمانؒ نے کہا ہے کہ عام لوگوں کا شکر کھانے پینے کی چیزوں پر ہوتا ہے اور خواص کا ان نعمتوں اور بخششوں پر جو ان کے قلوب پر معانی اور حقائق غیبیہ کے نزول سے ہوتی ہیں اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے وقلیلٌ من عبادی الشکور کہ میرے شکور بندے کم ہیں۔ اور داؤد علیہ السلام نے فرمایا "خدایا میں تیرا شکریہ کس طرح ادا کروں کیونکہ میرا شکر بھی تیری نعمتوں میں سے ایک ہے جس پر خدا تعالےٰ نے وحی کی۔ "اب تو میرا شکر گزار ہو گیا"، اور کہا گیا ہے کہ جب نعمتوں کی مکافات عوض دینے کی طاقت نہ ہو تو پھر زبان سے بہت شکر گزاری کا نام شکر ہے اور کہا گیا ہے کہ جب ادریسؑ مغفرت کی بشارت دیئے گئے اور زندگی کی خواہش کی۔ تو پوچھا گیا۔ یہ کیوں؟ کہا اس لئے کہ میں اس میں اور شکر ادا کر دوں۔ کیونکہ اس سے پہلے تو استغفار اور عبادت کرتا تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ ایک نبی کسی پتھر کے پاس سے گزرے۔ کیا دیکھا کہ پتھر تو چھوٹا ہے مگر اس سے بہت سا پانی پھوٹ رہا ہے۔ حیران ہوئے۔ خدا نے پتھر کو زبان دی۔ پوچھا کہ یہ کیا بات ہے تو اس نے بتایا کہ جب سے یہ آیت سنی ہے کہ وقودھا الناس والحجارۃ

بقیہ صـ۱۱ کالم ۲ پر ملاحظہ فرمائیں

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس۔ برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر:۔ ڈاکٹر اللہ بخش

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور۔ مؤرخہ ۱۲ اگست ۱۹۸۱ء۔ جلد ۶۸، شمارہ ۳۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

◆

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

◆

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۸۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

نائب مدیر
عبدالروف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد:- ۶۸ * یوم چہارشنبہ ۱۸ شوال المکرم سنہ ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۹ اگست سنہ ۱۹۸۱ء * شمارہ:- ۳۳

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم

اللہ تعالےٰ کو خوش کرنے کی فکر کرو

دل اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ جب چاہتا ہے بدل دیتا ہے،

انسان جب اللہ تعالےٰ کا ہو جاتا ہے اور ساری راحت اور لذت اللہ تعالیٰ ہی کی رضا میں پاتا ہے تو کچھ شک نہیں دنیا بھی اس کے پاس آجاتی ہے، البتہ راحت کے طالب اور ہو جاتے ہیں گے، وہ دنیا اور اُس کی راحتوں میں کوئی لذت نہیں پاتا۔ اسی طرح پر انبیاء اور اولیاء کے قدموں میں دنیا کو ڈال دیا گیا ہے مگر اُن کو دنیا کا کوئی مزہ نہیں آیا کیونکہ اُن کا رُخ خُدا کی طرف تھا یہی قانون قدرت ہے، جب انسان دُنیا کی لذت چاہتا ہے وہ لذت اُسے نہیں ملتی لیکن جب خدا تعالےٰ میں فنا ہو کر دنیا کی لذت چھوڑتا ہے اور اس کی آرزو اور خواہش باقی نہیں رہتی تو دنیا ملتی ہے مگر اس کی لذت باقی نہیں رہتی۔ یہ ایک مستحکم اصول ہے اس کو بھولنا نہیں چاہیئے۔

خدا یابی کے ساتھ دنیا یابی وابستہ ہے

خُدا تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ جو تقویٰ اختیار کرے گا اُسے تمام مشکلات سے نجات ملے گی۔ اور ایسے طور پر اُسے رزق دیا جائے گا کہ اسے علم بھی نہ ہوگا یہ کس قدر برکت اور نعمت ہے کہ ہر قسم کی تنگی اور مشکل سے آدمی نجات پا جاوے اور اللہ تعالےٰ اس کے رزق کا کفیل ہو لیکن یہ بات جیسا کہ خود اُس نے فرمایا تقویٰ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور کوئی امر اس کے ساتھ نہیں بتایا۔ اللہ تعالےٰ کے بندوں کی علامات میں سے یہ بھی ایک علامت ہے کہ وہ دُنیا سے طبعی نفرت کرتے ہیں پس جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس سے خُوش ہو جائے اور دنیا اور آخرت کی راحت اُسے مل جاوے وہ یہ راہ اختیار کرے۔۔۔ میں پھر کہتا ہوں کہ خُدا تعالےٰ کو خوش کرنے کی فکر کرو کیونکہ اگر خدا تعالیٰ مہربان ہو جاوے تو ساری دُنیا مہربان ہو جاتی ہے لیکن اگر وہ ناراض ہو تو کوئی بھی کام نہیں آ سکتا۔

تم خُدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو:-

تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے ہر ایک قوم دُنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خُدا راضی ہو اس کی طرف دنیا کو توجہ نہیں وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے موقعہ ہے کہ اپنے جوہر دکھلائیں اور خدا سے خاص انعام پائیں۔

"دنیا میں میرا کوئی دشمن نہیں ہے۔ میں بنی نوع انسان سے ایسی محبت کرتا ہوں جیسے والدہ مہربان اپنے بچوں سے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر میں صرف ان باطل عقائد کا دشمن ہوں جن سے سچائی کا خون ہوتا ہے۔ انسان کی ہمدردی میرا فرض ہے۔ اور جھوٹ، شرک، ظلم اور ہر ایک بد عملی و ناانصافی اور بد اخلاقی سے بیزاری میرا اصول ہے۔"

(حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ)

فلسفۂ عروج وزوال

اقوامِ عالم کی تباہی کی داستانیں آپ نے سنی ہیں۔ شاندار تمدنوں اور بلند بانگ تہذیبوں کا مرثیہ آپ نے پڑھا ہے۔ اس کے اسباب وعلل پر کبھی غور کیا ہوگا۔ آیئے آج کی فرصت میں ہادیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلّم کی زبان فیض ترجمان سے قوموں کی تباہی کے اسباب وعلل پر ایک بلیغ تقریر سنیں۔ تقریر کوئی لمبی چوڑی نہیں مگر عروج وزوال کے فلسفے پر جس سادہ اور حکیمانہ انداز میں روشنی ڈالتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے مفکروں اور ادیبوں اور فلسفیوں کی ساری لن ترانیاں ہیچ نظر آتی ہیں۔

اسلام کا ابتدائی عہد ہے چوری کے جرم میں ایک معزز عورت پکڑی جاتی ہے۔ جو اونچے خاندان کی ہے۔ اس لئے لوگ اس پر حد جاری کرنا نہیں چاہتے۔ مگر دربارِ رسالتؐ میں اس کے لئے کون سفارش کرے یہ ایک مشکل کام ہے۔ اس لئے کوئی آگے نہیں بڑھتا۔ بالآخر انتخاب ہوتا ہے۔ اور حضرت اسامہؓ بن زید کو سفارشی بنا کر بھیجا جاتا ہے۔

سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت اسامہ رضؓ کو اولاد کی طرح عزیز رکھتے ہیں مگر جب ان کی زبان سے یہ بات سنتے ہیں کہ چوری کرنے والی عورت کو چھوڑ دیا جائے تو چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے زبانِ نبوت کی پرجلال آواز حضرت اسامہ رضؓ کے کانوں سے ٹکراتی ہے۔ کیا تم مجھے حکم خداوندی میں سفارش کرتے ہو۔ حضرت اسامہ رضؓ کانپ جاتے ہیں ہوش بھی نہیں رہتا مجھے کیا کہنا ہے یوں عرض کرتے ہیں "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ مگر بات دور سے چلی ہے اس لئے نماز کے بعد ایک خطبہ بھی ارشاد ہوتا ہے:۔

یا ایھا الناس انما ضل من قبلکم انھم کانوا اذا سرق الشریف منھم
نوکوہ و اذا سرق الضعیف فیھما قاموا علیہ الحد و ایم اللہ لوان
فاطمہ بنت محمد سرقت لقطع محمد یدھا۔

لوگو! تم سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کا یہی سبب ہوا کہ وہ نیچے طبقے کے لوگوں پر تو احکام جاری کیا کرتے مگر بڑے لوگوں سے کوئی باز پرس نہ کرتے۔ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو مجھے اس کا ہاتھ کاٹنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ (بخاری کتاب الحدود)

حاضرین دم بخود ہیں خطبے کے الفاظ دل کی گہرائیوں تک اتر جاتے ہیں۔ اور بلا تامل چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ راوی حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ بیان کرتی ہیں۔ یہ عورت اکثر میرے پاس آیا کرتی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے ساتھ ترحم فرماتے ایک روز اس نے پوچھا یا رسول اللہ میری توبہ قبول ہوئی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں آج تو ایسی ہے جیسے گناہوں سے پاک اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھی۔ خطبہ حدیث کی تمام کتابوں میں مذکور ہے۔ اس سے صرف یہی ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ قانون کی نظر میں چھوٹے بڑے یا اپنے پرائے کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ کسی قانون کا مان لینا یا اس کا سمجھ لینا تو آسان ہے مگر اس پر صحیح طریقہ سے عمل کرنا دشوار ہے۔ اور اس دشواری کا صحیح اندازہ اسوقت ہوتا ہے جب کوئی شریف یا معزز آدمی کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس لئے کمزوروں پر قانون کی تلوار چلا کر یہ سمجھ لینا کہ قانون پر عمل ہوگیا ایک مہمل بات ہوگی صحیح طریقہ یہ ہے کہ قانون چلانے والے خود قانون کا احترام کریں اور اپنے خویش واقارب کے لئے کوئی امتیاز نہ برتیں کیونکہ اس کے بغیر قانون کی اصل خوبی واضح نہیں ہوسکتی۔ افسوس آج کی دنیا کا سب سے بڑا روگ یہی ہے کہ جزا وسزا کے قانون میں رنگ ونسل اور قوم و مذہب کا امتیاز برتا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اچھے سے اچھے قانون کا اثر زائل ہو کر رہ گیا ہے۔

خطبے کے بین السطور سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجرموں کے لئے سفارش ایک مذموم چیز ہے خصوصاً جب جرم عیاں ہو اور پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ سفارش کوئی مذموم شے ہے۔ بلکہ صرف یہ کہ سفارش کے ذریعہ عیب کو چھپایا نہیں جاسکتا۔ سفارش کے ذریعہ عیب کو ہنر بنانے کا فن تو صرف دورِ حاضر کی پیداوار ہے اور اب تو خود سفارش نے اپنا رنگ روپ بدل دیا ہے۔ اور ہر رنگ میں اس کی شناخت کر لینا کوئی آسان کام نہیں۔ اربابِ اقتدار سے لے کر ہماری نجی زندگی تک اس کا خیال پھیلا ہوا ہے۔ افسوس نجی زندگی میں بھی اسی شخص کو مجرم قرار دیتے ہیں جس سے ہمارا کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہو تعلقات اور رشتے کی بنا پر نہ صرف بڑے بڑے عیوب اور جرائم نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں بلکہ طرح طرح سے ان کی تاویل بھی کی جاتی ہے۔ بہرکیف کسی نظام کے قانون میں امتیاز اور استثناء کے پردے میں برائیاں جنم لیتی ہیں۔ اخلاقی قدریں تباہ ہو جاتی ہیں۔ انسان میں اس کے ذریعہ غلط کاری کا رجحان صرف پیدا ہی نہیں ہوتا بلکہ پرورش پاتا۔ پروان چڑھتا اور برابر ترقی کرتا رہتا ہے جس کی وجہ سے پوری سوسائٹی کا متاثر ہونا یقینی ہے۔ دیکھنے میں یوں ہر اتنی شائی حالت بہت نظر نہیں آتی لیکن اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ اس کی کوکھ سے تباہی وبربادی کا سارا سیلاب ابھرتا بڑھتا اور سارے عالم کو اپنی رَو میں بہا لے جاتا ہے۔ اسی لئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک لمحے کے لئے اس چیز کو گوارا کنا برداشت نہیں کرتے۔ آپ کے خطبے سے اور بہت سی باتوں پر روشنی پڑتی ہے مگر یہاں تفصیل سے قطع نظر ہم صرف یہ بتا دینا ہی کافی سمجھتے ہیں کہ اسلام صرف عبادات اور وظائف کے طریقوں اور اصولوں ہی کا نام نہیں وہ حکمرانی اور جہانبانی کا بھی ایک مکمل دستور ہے جس کی خوبیاں اسی وقت ظاہر ہوسکتی ہیں جب ہم آگے بڑھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان آج تک صرف اس لئے زندہ ہیں کہ انہوں نے جس بات کو حق سمجھا اس پر عمل بھی کیا۔ ہم زندہ ہیں مگر ہماری مردوں سے بدتر حالت اس لئے ہے کہ ہم میں ہمت واولوالعزمی جیسے اوصاف نہیں۔ دنیا اور دنیا کے کاموں کو حقیر سمجھتے ہیں تاکہ کچھ نہ کرنا پڑے۔ توکل اور تقدیر کو بھی ہم نے تن آسانی اور آرام طلبی کا بہانہ بنایا اور اپنی اصل مذہبی زندگی کا کوئی ایسا عملی نمونہ ہم نے پیش نہیں کیا جسے دیکھ کر دنیا کو اسلام کی طرف جھکنے کی خواہش ہو۔

(ماخوذ)

دعا مانگنے کا بہترین طریقہ نماز ہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کی حضوری ہے اور اس کی تعریف کرنے اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کی مرکب صورت کا نام نماز ہے۔ اس شخص کی ہرگز نماز قبول نہیں ہوتی جو اس غرض اور مقصد کو مدنظر رکھ کر نماز نہیں پڑھتا:

پس نمازوں کو بہت سنوار سنوار کر پڑھو۔ کھڑے ہو تو ایسے طریق سے کہ تمہاری صورت صاف طور پر بتا دے کہ تم اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں دست بستہ کھڑے ہو اور جھکو تو ایسے جس سے صاف معلوم ہو کہ تمہارا دل جھکتا ہے اور سجدہ کرو تو اس آدمی کی طرح جس کا دل ڈرتا ہے۔ اپنی نمازوں میں اور اپنے دین اور دنیا کیلئے دعائیں کرو۔

(حضرت امیر مرحومؒ)

مضمون نگار حضرات

کی خدمت میں گذارش ہے کہ موجودہ مسائل پر قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں مضامین لکھیں سلسلہ احمدیہ کی تاریخ اور افادیت اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ کی خدماتِ دینیہ پر بالکل جدید اور سائنٹفک اسلوب میں مضامین ہمیں بھجوائیں۔ آپ کے مضامین نہایت شکریہ کے ساتھ پیغام صلح میں شائع کئے جائیں گے

ـــــ مضامین ارسال کرنے کا پتہ:۔ ـــــ

چیف ایڈیٹر:۔ ڈاکٹر اللہ بخش، ادارہ پیغام صلح۔ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام۔ لاہور ۔

اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰہَ بِدِیْنِکُمْ

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی بتاریخ ۷۔ اگست ۱۹۸۱ء، بمقام جامع احمدیہ۔ دار السّلام ــــ لاہور

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰہَ بِدِیْنِکُمْ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○

ـــــــــ (الحجرات ۴۹ - ۱۶)

ترجمہ:۔ کہو کیا تم اللہ کو اپنا دین سکھلاتے ہو؟ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا بہترین علم رکھتا ہے۔

دین سکھلانا اللہ تعالےٰ کا کام ہے۔ اُس نے قرآنِ حکیم میں دین کو مکمل فرما دیا جیسا کہ فرمایا:۔

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتى ورضيت لكم الاسلام دينًا ؕ

یعنے آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔ رسول اللہ صلعم نے جو دین کی تشریح کی (خواہ وہ اپنے عمل سے ہو خواہ اپنے قول سے) اللہ تعالےٰ کی طرف سے وحیٔ خفی پا کر کی جیسا کہ قرآنِ حکیم نے خود فرمایا ہے:۔

ما ينطق عن الهوٰى ○ ان هو الا وحىٌ يّوحىٰ ○

"یہ اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہ وحی الٰہی سے ہوتا ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے" (النجم ۵۳ - ۴ تا ۵) تو اللہ تعالےٰ نے اور اُس کے رسولؐ نے دین کو مکمل کر دیا۔ تبھی تو حضور صلعم خاتم النبیین کہلائے کہ چونکہ دین مکمل ہو گیا اس لئے اب کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہ رہی۔ یہ لطیف نکتہ حضرت مرزا صاحب نے ختم نبوّت کی تائید میں لکھا ہے۔

اسی لئے جب حضرت مرزا صاحب سے لوگ پوچھتے تھے کہ فلاں بات یا فلاں عمل جو دینی سمجھا جاتا ہے وہ ہم کریں یا نہ تو حضرت اقدس ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ کیا قرآنِ حکیم میں اس کا حکم موجود ہے؟ یا کیا رسول اللہ صلعم نے اس کا حکم دیا یا اس پر عمل کیا؟ اگر نہیں تو پھر ایسی تمام باتیں بدعت ہیں اور وہ اس آیت کے ماتحت منع ہیں جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی تھی کہ "کیا تم اللہ کو اپنا دین سکھلاتے ہو؟" یعنے جو دین کا علم ضروری تھا وہ تو اللہ تعالےٰ نے قرآنِ حکیم کے ذریعہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ دے دیا۔ اب اگر اس دین کے علاوہ تم کوئی بات دین میں شامل کرتے ہو تو وہ نعوذ باللہ اللہ تعالےٰ کو اپنا دین (یعنے خود دین بنا کر) سکھلانے کے مترادف ہے جس سے بڑھ کر بے ادبی اور گستاخی نہیں ہو سکتی۔

یہ زندگی اور آخرت:۔

دینِ اسلام جو اللہ تعالےٰ نے خود ہمیں دیا ہے اُس کے جامع اور کامل ہونے کو مزید واضح کرتے ہوئے قرآنِ حکیم آج کی آیت میں فرماتا ہے:۔

واللّٰہ یعلم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض ط واللّٰہ بکلّ شیءٍ علیم

یعنے "اور اللہ تو جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اُس کو جانتا ہے اور اللہ ہر چیز کا کامل علم رکھتا ہے۔" قرآنِ حکیم میں بار بار آسمانوں اور زمین کا ذکر آتا ہے۔ تو جہاں ظاہری آسمانوں اور زمین کی طرف بعض دفعہ اشارہ ہوتا ہے وہاں اکثر جگہ "آسمانوں" سے مراد انسانوں کی مرنے کے بعد سات آسمانوں میں زندگی اور وہاں روحانی و اخلاقی ترقیات کا ذکر مقصود ہوتا ہے۔ اور "زمین" سے مراد انسانوں کی زمینی زندگی ہوتی ہے۔ تو اس آیت مبارکہ میں جو میں نے ابھی پڑھی ہے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ تو تمہاری آسمانوں میں جو زندگیاں مقدر ہیں اُن کی کیا ضروریات ہیں اُن کو جانتا ہے کیونکہ اسی نے تو ان آسمانوں کو بنایا اور اُن میں انسان کی زندگی اور ترقیات رکھی ہیں۔ اور زمینی زندگی کے لئے جو کچھ ضروری ہے اُسے بھی اللہ تعالےٰ بخوبی جانتا ہے کیونکہ اُسی نے یہ زمینی زندگی کو بنایا اور انسان کو نہ صرف پیدا کیا بلکہ زمینی زندگی میں اُس کی آسمانوں کی زندگی کی تیاری کو بنایا ہے۔ اور چونکہ "اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے" اس لئے کوئی ایسی بات نہیں جو تمہاری زمینی زندگی میں ضروری ہے یا آسمانی زندگی کے لئے ضروری ہے جو وہ نہیں جانتا اور تمہاری دونوں زندگیوں کے لئے جو ضروری تعلیم تھی وہ اس نے تم کو دے دی۔

بدعات

اسی لئے اللہ کے دین میں کچھ بڑھانا یا گھٹانا بہت بُری بات ہے۔ اسی خطرہ سے اپنی جماعت کو بچانے کے لئے حضرت مرزا صاحب سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا کہ فلاں بات یا عمل یا ریاضت میں کروں یا نہیں، تو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ ہمیشہ جس معیار پر رکھ کر جواب دیا کرتے تھے وہ یہ تھا: کیا قرآن حکیم میں اس کا حکم ہے؟ کیا رسول اللہ صلعم نے اسے کیا یا اس کا حکم دیا؟ اگر دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہو تو آپ فرمایا کرتے کہ پھر یہ بدعت ہے اور اس کو نہیں کرنا چاہیئے۔

لفظی معنی کے لحاظ سے ہر نئی چیز کو بدعت کہا جا سکتا ہے۔ اور ہماری روزمرہ زندگی میں بہت سے امور ایسے ہیں جو حضور نبی کریم صلعم کے زمانہ میں جزوِ زندگی نہ تھے مثلاً ریل گاڑی۔ موٹر یا ہوائی جہاز کا سفر، یا ہمارے لباس یا خوراک میں کئی قسم کی تبدیلیاں۔ یہ سب چیزیں بدعت میں شامل نہیں بلکہ مباح ہیں۔ اور بدعت یہ ہے کہ کسی ایسی بات یا ایسی رسم کو دین کا رنگ دے دیا جائے جو کتاب اللہ یا سنت نبویؐ سے ثابت نہ ہو۔ اور اس لحاظ سے حضورؐ کا ارشاد کل بدعة ضلالة صحیح ہے۔ اسی لئے ہم تمام نئے پیدا کردہ وظائف اور رسومات کو اس معیار پر پرکھتے ہیں کہ کیا قرآن کریم یا سنت نبویؐ یا احادیثِ صحیحہ سے وہ کرنے فرض یا واجب ہیں یا نہیں +۔

پچھلے رمضان المبارک میں ہمارے ہاں تراویح کا انتظام نہ ہونے پر ہماری جماعت کی ہی ایک نہایت معزز خاتون نے سوال کیا۔ سو رمضان المبارک میں روزے رکھنا اور تمام خلاف تقوےٰ باتوں سے بچنا اور قرآنِ پاک کا سمجھ کر پڑھنا اور ختم کرنا اور پچھلی رات کو اللہ تعالےٰ کے حضور گرنا ان تمام باتوں کا ذکر قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبوی صلعم میں ہے سو یہ تمام باتیں ضروری ہیں اور بفضلہ تعالےٰ ہم کرتے ہیں۔ مگر تراویح کا حکم نہ قرآنِ حکیم میں ہے اور نہ احادیثِ نبوی صلعم سے صریحاً ثابت ہے بلکہ یہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رائج ہوئیں۔ اس لئے ہم نمازِ تہجد کو جس کی سند قرآنِ پاک اور احادیث نبوی سے بکثرت موجود ہے ترجیح دیتے ہیں تراویح پر۔ کیونکہ لوگ دونوں نمازیں تو نہیں پڑھ سکتے۔ اور اگر

ان دونوں میں ترجیح ہے تو وہ قطعی طور پر نمازِ تہجد کو ہے۔

تراویح کے علاوہ دُوسرے وظائف یا چلّے یا مجاہدات جو لوگ بناتے ہیں اور ماننے والے ان کو قبول کر کے ان میں لگ جاتے ہیں وہ اکثر قرآن کریم اور سنتِ نبویؐ سے باہر ہوتے ہیں اور ان میں پڑ کر لوگ قرآن حکیم اور سنت نبویؐ (جو قرآنِ پاک کی عملی تشریح) کے ضروری احکام چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیئے کہ وہ قیامت کے دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے اس الزام کے ماتحت تو نہیں آتے کہ:۔

وقال الرسول یٰرب ان قومی اتخذوا ھٰذا القرآن مھجورا یعنے رسول کہے گا کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو ہاتھوں میں تو پکڑا ہوا تھا مگر عملاً چھوڑا ہوا تھا۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو قرآنِ حکیم اور سنتِ نبویؐ پر ہی زندہ رکھے اور انہیں پر موت دے۔

آمین! ۞۔

رسول اللہ صلعم کے سانچہ میں اپنی زندگیوں کو ڈھالیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اس طرح نمونہ بنا کر بھیجا گیا ہے کہ گویا آپؐ ایک سانچہ ہیں جس میں انسانی زندگی کو ڈھالا جا سکتا ہے۔ لیکن حقیقت ہے کہ اگر ہم آپ کے کارناموں کو دن رات بیان کرتے رہیں اور اس پر خوش ہوتے رہیں۔ اور ان سے فائدہ کوئی نہ اٹھائیں۔ تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے پہلے لوگ آپ کے معجزات کو بیان کر کے خوش ہو لیتے تھے۔ آپؐ کی سیرت کو بیان کرنے کا فائدہ یہی ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کو اس سانچہ میں ڈھالیں اور اپنے اندر آپؐ کا نمونہ پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اور اپنے اخلاق سے دنیا کو دکھائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کیسے تھے جس جگہ دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر یہ خوبی کی بات ہے۔ یہ نیکی ہے تو فوراً اسے اندر لینے کی کوشش کریں۔ اگر ہم یہ ارادہ کر لیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق کو اپنے اندر لینا ہے۔ اس رنگ کو اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔ تو اپنی اپنی استعداد کے مطابق کچھ نہ کچھ اس میں سے ضرور لے لیں گے؟ اس لئے کہ پہلے بھی ایسا ہوا صحابہ کرامؓ کی یہی خصوصیت تھی، کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ایک ایک بات کو اپنے اندر لیتے تھے۔ آپؐ کے ایک ایک خلق کو اپنے اندر پیدا کرتے تھے۔ ہماری یہ حالت ہے کہ ہم سن لیتے ہیں۔ سن ہی نہیں لیتے بیان بھی کرتے ہیں۔ کہ آپؐ نے یہ کیا وہ کیا۔ لیکن اس چیز کو اپنے اندر لینے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس چیز کو لینے کی کوشش کرو۔ (حضرت امیرؒ)

خُداوندا کرم کر حامئ دینِ محمدؐ پر

کرو ہمّت عزیزو! گلشنِ دیں میں بہار آئے
نگارِ ملّتِ بیضا کے چہرے پر نکھار آئے

فدا ہو جاؤ گر تم شوکتِ اسلام کی خاطر
سرِ محشر نبیؐ کے جانثاروں میں شمار آئے

خداوندا کرم کر حامئ دینِ محمدؐ پر
سکونِ قلب دے اسکو جو کوئی بے قرار آئے

❦

خانؔ مرتضےٰ خان حسنؔ

دردِ من دردِ نہانِ دیگراست

ازدرِ شاہاں فراغم دادہ اند
آستانم آستانِ دیگراست

با بتانِ ایں جہاں مارا چہ کار
دل ربائم دلستانِ دیگراست

خستگی باشد نشانِ زندگی
خستہ جاناں را روانِ دیگراست

عشق را با دلق و سبحہ کار نیست
عشق را جانم نشانِ دیگراست

"ما رمیت اذ رمیت" حق بگفت
تیر احمد از کمانِ دیگراست

ہر نبی را ہست شانے از الٰہ
مصطفےٰؐ را لیک شانِ دیگراست

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
ایں فقیہاں را گمانِ دیگراست

کس ز دردم در جہاں آگاہ نیست
دردِ من دردِ نہانِ دیگراست

کایں زمیں را آسمانِ دیگراست
ایں زمانے مازمانِ دیگراست

دردوغم رنج والم میں عمر بھر سہتا رہا
خونِ دل آنکھوں سے مری روز و شب بہتا رہا
میرے حالِ زار کی اُن کو نہ دی تُو نے خبر
تجھ کو اے بادِ صبا میں بارہا کہتا رہا

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ

(الواقعہ ۱۰۔۱۱)

اور پہلے (ایمان لانے والے) سب سے آگے ہی ہیں وہی مقرب ہیں۔

پہلے ایمان لانے والے :-

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والی آپ کی حرم محترم حضرت خدیجہ رضہ تھیں آپکے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ شک نہیں گزرا کہ آپ اپنے دعوے میں صادق نہیں بلکہ تلمّوں کی گھڑیوں میں وہ ہمیشہ آپکے لئے موجب تسکین ہوئیں۔ اس پاک بی بی سے بڑھ کر کوئی شخص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نہ راز دار تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ پندرہ برس گزر چکے تھے کہ وہ نبی کریم صلعم کی زوجیت میں آئیں اور اگر شادی سے پہلے آپکے اوصاف حمیدہ نے جن کو انہوں نے ایک اجنبی انسان کی نظر سے دیکھا آپکے دل میں گھر کر لیا تھا تو شادی کے بعد جس قدر زیادہ واسطہ آپ سے ان کو پڑا اسی قدر وہ نقش گہرا ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر پہلی مرتبہ نزول وحی ہوا اور آپ خائف تھے کہ اس عظیم الشان ذمہ داری کے کام سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکیں گے تو اس وقت یہ مقدس خاتون اپنے قلب کی شہادت پیش کرتی ہے۔ کہ محمد رسول اللہ جیسا نیک اور بنی نوع کا ہمدرد انسان کبھی ضائع نہیں ہو سکتا کبھی ناکام نہیں رہ سکتا۔ وہ آپکے اندرونی حالات سے واقف ہے اور بیوی سے بڑھکر اندرونی حالات سے کون واقف ہو سکتا ہے مگر با ایں ہمہ وہ اس قدر آپ کی راستبازی پر ایمان رکھتی ہے انصاف کہہ اٹھتی ہے کہ ایسا راستباز ہمدرد مخلوق انسان ناکام نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد وہ آپ کو ورقہ کے پاس لیجاتی ہیں ورقہ اسوقت موت کے قریب ہی معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایام فترت کے گزرنے سے پہلے ان کا انتقال ہو جاتا ہے لیکن گو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابھی انذار کا حکم نہیں ہوا تاہم ورقہ آپ پر ایمان لائے یعنی آپ کے رسول برحق ہونیکی شہادت ادا کی اور گو ان کو موقعہ نہ ملا۔ مگر وہ اول ایمان لانے والوں میں ہی شامل ہیں۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضہ ہیں۔ آپ مکے کے مشہور اشخاص میں سے تھے دولتمند تاجر ہونے کیساتھ آپ حد درجہ کے فیاض اور بڑے صاحب الرائے تھے۔ ہر دلعزیز بھی بہت تھے۔ بعثت سے پہلے آنحضرت صلعم سے بہت دوست [illegible] رکھتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قبول کرنے میں آپ کو ذرا بھی تامل نہیں ہوا۔ بلکہ سنا اور فوراً ایمان لے آئے اور مردوں میں اول المومنین ہوئے اور آپ کا نام صدیق ہوا۔

حضرت علی رضہ ابوطالب کے فرزند تھے جن کی نگرانی میں آٹھ سال کی عمر سے آنحضرت صلعم نے پرورش پائی تھی۔ حضرت علی رضہ بچپن سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ وہ بھی سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ عمر کے لحاظ سے وہ ابھی لڑکے ہی تھے :

زید بن حارثہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اور جو تعلق محبت کا ان کو آپ سے تھا اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ انہوں نے اپنے باپ کے ساتھ وطن جانا قبول نہ کیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے کو ترجیح دی۔ یہ بھی سابقین میں سے ہوئے۔

حضرت خدیجہ رضہ۔ ابوبکر رضہ۔ علی رضہ اور زید رضہ چاروں آپکے سب سے بڑے رازدار اور سب سے قریبی تھے اور اس قدر آپ کی خوبی اور راست بازی کے قائل تھے کہ نبوت کے عظیم الشان دعوے پر ان میں سے کسی کو یہ وہم نہ گزرا کہ آپ نے خدا پر جھوٹ بولا ہے۔ اس لئے وہ آپ کی صداقت آپ کی راست بازی اور آپ کی امانت کو اس سے بہت بلند جانتے تھے۔ دعوے سنتے ہی ان کے قلوب نے یہ شہادت دی کہ جس شخص نے ساری عمر انسان پر جھوٹ نہیں بولا وہ خدا پر جھوٹ کیوں کر بول سکتا ہے۔ وہ آپکے اخلاق کے نہاں در نہاں پہلوؤں سے واقف تھے اور جس قدر زیادہ کسی کو آپ سے قرب حاصل تھا۔ اسی قدر زیادہ وہ آپکے اخلاق کا شیدا ہوا اور اسی قلبی مسابقت اس نے آپ پر ایمان لانے میں دکھائی یہ شان آپ کی زندگی کی ایسی ہے کہ میور اور سپرنگر تک کو یہ اعتراف کرنا پڑا ہے کہ آپ کا دعوے اخلاص کی بنا پر تھا۔ منافقت کا رنگ اگر آپکے اخلاق یا حالات میں ہوتا تو سب سے زیادہ بدظن آپ سے وہی لوگ ہوتے جو سب سے زیادہ آپ کے قریبی تھے مگر سب سے بڑھ کر آپ کی صداقت کے وہی شیدا ہوئے۔

حضرت ابوبکر رضہ خود مشرف باسلام ہوتے ہی دوسروں کو اس نعمت سے متمتع کرنے کی کوشش میں لگ گئے اور ابتداء ہی میں آپ کی بدولت ایسے لوگوں نے دین اسلام قبول کیا جن کا نام آج [illegible] ہی کی نہیں دنیا کی تاریخ میں روشن ہے۔ ان میں سے حضرت عثمان بن عفان حضرت زبیر بن العوام حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت طلحہ رضہ ہیں۔ دوسری طرف ضعفاء کے گروہ میں سے حضرت بلال بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ یاسر اور ان کی بیوی سمیہ اور ان کا فرزند عمار رضہ نہایت ابتدائی زمانہ کے مسلمان ہیں۔ اسی زمانہ میں عبداللہ بن مسعود اور خباب بھی اسلام میں داخل ہوئے۔ اسی اوائل زمانہ میں ارقم بھی اسلام لائے جن کا گھر بعثت کے چوتھے سال آنحضرت صلعم کی تبلیغی کوششوں کا مرکز بن گیا۔ اس وقت تک یعنی پہلے تین سال میں قریباً چالیس اشخاص اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کر چکے تھے اور اس سے اس خیال کی کہ فترت وحی کا زمانہ تین سال تھا قطعی تردید ہوتی ہے کیونکہ اس صورت میں چوتھا سال محض ابتدائے دعوت کا ہوتا۔ حالانکہ اس وقت تک اسلام خاصی جمعیت حاصل کر چکا تھا اور اس جمعیت کی وجہ سے ہی اس قدر مخالفت کا بھی آغاز ہو گیا تھا کہ آنحضرت صلعم کو ایک تنہائی کی جگہ اختیار کرنی پڑی جہاں دشمنوں کی مداخلت سے الگ ہو کر فرائض تبلیغ اور عبادت بجا لائیں۔

اس کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا اور بعض بڑے بڑے عظیم الشان انسان اس نئی جماعت کے لئے موجب تقویت ہوتے رہے۔ ان میں سے خاص طور پر قابل ذکر حضرت حمزہ رضہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں جو آپکے رضاعی بھائی بھی تھے۔ ان کو سپاہ گری اور شکار کا بہت شوق تھا اور ان کے اعلےٰ اخلاق کی وجہ سے قریش ان کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کو خاص محبت تھی۔ ایک دن ابوجہل نے حسب معمول آنحضرت صلعم کو جو تکلیف پہنچائی اور آپکے ساتھ گستاخی کی تو حضرت حمزہ کی لونڈی دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہ شکار سے واپس آئے تو لونڈی نے ان سے وہ سب ماجرا عرض کیا، جو ایذائیں آپ کو دی جاتی تھیں ان کا حال سن کر غیروں کے دل بھی پگھل جاتے تھے۔ حضرت حمزہ جو آپ کی صداقت اور راست بازی سے پہلے ہی متاثر تھے اب گوارا نہ کر سکے کہ ایسے راست باز انسان کا ساتھ نہ دیں۔ اب اور علیحدہ رہنا اخلاق و مروت سے بعید سمجھا مگر زیادہ تر ان ایذا رسانوں کو سمجھانا مقصود تھا کہ تم لوگ ایذائیں دے کر حق کو نہیں دبا سکتے۔ سیدھے حرم میں پہنچے جہاں ابوجہل مجلس جمائے بیٹھا تھا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔

دوسرا عظیم الشان انسان جس سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی حضرت عمر ابن الخطاب رضہ تھے۔ زید جو حنیفوں میں سے تھے حضرت عمر رضہ کے چچا تھے۔ ان کی وجہ سے اس گھرانے میں توحید کی آواز پہنچی ہوئی تھی۔ زید کے بیٹے سعید اسلام لا چکے تھے اور ان کی شادی حضرت عمر رضہ کی بہن فاطمہ سے ہوئی تھی۔ وہ بھی مسلمان ہو چکی تھیں۔ حضرت عمر رضہ میں تشدد بہت تھا اور ابتداء میں یہ تشدد مخالفت کے رنگ میں ظہور پذیر ہوا۔ یہاں تک کہ مصمم ارادہ کر لیا کہ آنحضرت صلعم کو قتل کر کے اس

ساری تحریک کو جڑ سے کاٹا جائے تلوار لگا کر چلے کہ فیصلہ ہی کر کے آئیں گے۔ ابھی تک ان کو بہن اور بہنوئی کے اسلام لے آنے کی اطلاع نہ ہوئی تھی۔ راستہ میں ایک مسلمان سے ملے انہوں نے حضرت عمر کو غضب کی حالت میں دیکھ کر پوچھا کہ کیا ارادہ ہے؟ کہا محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا تمہارے بہن اور بہنوئی تو مسلمان ہو چکے ہیں پہلے اپنے گھرانے کی خبر تو لو۔ محمد صلعم کا قتل آسان امر نہیں۔ چنانچہ یہ بہن کے گھر پہنچے۔ اس وقت خبابؓ ان کو قرآن شریف پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر رضہ کی آواز سن کر خوف کے مارے قرآن کریم کے اوراق چھپا دیئے۔ مگر وہ سن چکے تھے اور داخل ہوتے ہی کہا کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تم دونوں مسلمان ہو چکے ہو۔ یہ کہہ کر سعید کو پکڑا اور مارنا شروع کر دیا۔ بہن اپنے خاوند کے بچانے کو آگے بڑھیں مگر حضرت عمر رضہ اس قدر غصہ سے بےتاب تھے کہ بہن کے بھی سخت چوٹ لگی یہاں تک کہ وہ لہولہان ہو گئیں اور کہنے لگیں کہ جو تمہارا جی چاہتا ہے کرو ہم اسلام لا چکے ہیں۔ ثبات و استقلال کے ان الفاظ نے حضرت عمر کے غصہ کی آگ پر پانی ڈالا۔ اور مارنے سے رک کر کہنے لگے کہ اچھا مجھے وہ دو جو تم پڑھ رہے تھے۔ پہلے وہ ڈریں کہ اوراق قرآن کی بےادبی نہ کریں۔ آخر عہد لے کر وہ اوراق ان کو دیئے۔ یہ حصہ سورت طٰہٰ کا تھا اسے سن کر حضرت عمر کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اور وہ سوچ میں پڑ گئے کہ کس بات کی مخالفت کے درپے ہیں۔

خباب بھی جو ان کے خوف سے چھپ گئے تھے باہر نکلے اور موقع دیکھ کر تبلیغ شروع کی۔ آخر وہیں حضرت عمر صداقت اسلام کا شکار ہو گئے اور خباب سے آنحضرت صلعم کا پتہ پوچھ کر ارقم کے گھر پہنچے جہاں اسوقت نبی کریم صلعم کوئی چالیس زن و مرد کے ساتھ تھے۔ ان میں حضرت حمزہ بھی تھے اور حضرت ابوبکر صدیق بھی۔ حضرت عمر نے دروازہ پر دستک دی۔ ایک شخص نے جھانکا اور عمر کو تلوار لگائے ہوئے دیکھ کر گھبرایا کہ یہ کسی بد ارادے سے آئے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دروازہ کھول دو اور آنے دو۔ جب اندر آئے تو ابھی آنحضرت صلعم نے ایک ہی کلمہ کہا تھا کہ حضرت عمر بولے کہ یا رسول اللہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہوں۔ مسلمانوں کو اس سے اس قدر خوشی ہوئی کہ تکبیر کی آواز سے پہاڑ گونج اٹھا۔

حضرت حمزہ اور حضرت عمر کے ایمان لانے کے واقعات بعثت نبویؐ کے چھٹے سال یا سنہ ۶۱۵ء کے ہیں۔

حضرت عمر رضہ کے اسلام لانے کے ساتھ مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی ان کی شجاعت کے سامنے بعض منافق دم نہ مار سکتے تھے۔ یہاں تک کہ پہلی مرتبہ خانہ کعبہ میں نماز باجماعت اسی کے بعد ادا ہوئی۔ اسی اثنا میں بہت سے ضعفا بھی اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ ان میں سے کچھ غلام بھی تھے اور لوگ تو اپنے خاندانی تعلقات کی وجہ سے کفار کی ایذا رسانی سے کسی وقت بچ بھی جاتے تھے مگر بیچارے غلاموں کی تو کوئی حیثیت نہ تھی۔ ان کو بہت دکھ دیئے جاتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے فضائل میں جو ان کو سب صحابہ پر ممتاز کرتے ہیں یہ بھی ہے کہ آپ نے ان میں سے بہتوں کو کفار کے ظلم سے چھڑایا یعنی ایسے لوگوں کو خرید کر آزاد کر دیا۔ حضرت بلال رضہ۔ عامر بن فہیرہ۔ لبنیہ۔ زنیرہ۔ نہدیہ ام عبیس نے حضرت ابوبکر صدیق رضہ کی بدولت کفار کی خطرناک اذیتوں سے نجات پائی۔

یہ امر ضرور قابل توجہ ہے کہ مکہ میں بڑے بڑے سرداران قریش ایمان سے محروم رہ جاتے ہیں اور زیادہ تر ضعفا ہی دین اسلام کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ اس نکتہ کو ابن ام مکتوم کا واقعہ خوب واضح کرتا ہے۔ ابن ام مکتوم ایک نابینا شخص تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اشراف قریش کو جو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے دین اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے۔ عین اسوقت کہ آپ ان باتوں میں مشغول تھے ابن ام مکتوم مجلس میں پہنچے اور نابینائی کی وجہ سے نہ جان کر کہ آنحضرت صلعم کس سے اور کیا کلام کر رہے ہیں۔ پہنچتے ہی کچھ سوال کر کے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ آنحضرت صلعم نے ان کو کچھ کہا نہیں جھڑکا نہیں مگر بتقاضائے بشریت آپ کی پیشانی پر شکن آیا۔ ابن ام مکتوم پر تو اس بات کا کوئی اثر نہ پڑ سکتا تھا مگر وہ خدا جو آپ کو صاحب خلق عظیم بنانا چاہتا تھا اس کی جناب میں یہ پیشانی کا شکن بھی پسند نہ آیا۔ اور آپ پر وحی نازل ہوئی۔ عبس وتولی ان جاءہ الاعمیٰ پیشانی پر شکن ڈالا اور منہ پھیر لیا اس بات پر کہ اندھا آپ کے پاس آیا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ تم کو کیا علم ہے کہ یہی شخص اس سے فائدہ اٹھائے کیونکہ قرآن ایک تذکرہ ہے جس کے ساتھ کمزور اور عاجز انسان اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات پر پہنچائے جائیں گے۔ پس بڑے آدمیوں کا زیادہ خیال مت کرو کہ ان کے اسلام قبول کرنے نہ کرنے پر اسلام کا غلبہ مقدر نہیں بلکہ انہیں چھوٹے انسانوں کو اٹھا کر اسلام اس بلند مقام پر پہنچائے گا کہ جہاں ان کا وہم و گمان بھی نہیں جاتا اور فی الحقیقت اسلام کے اندر پہلے ضعفاء کو داخل کر کے یہی بتانا مقصود تھا کہ چونکہ اس کی تائید میں خدا کا طاقتور ہاتھ ہے اس لئے عاجز انسان دنیا میں وہ کام کر کے دکھائیں گے جو بڑے بڑے طاقتوروں سے نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے ضعفاء کو اٹھا کر نہ صرف دنیا کے فاتح اور بادشاہ بنا دیا۔ بلکہ اخلاق میں علوم میں حکمت اور فلسفہ میں۔ سائنس میں۔ دنیا کے لئے معلّم اور رہبر بنایا اور یوں بتا دیا کہ قرآن کے اندر یہ طاقت ہے کہ یہ اپنے اس پیرو کو جو اس پر عامل ہو کس بلند مقام تک پہنچا سکتا ہے۔

سورۃ عبس وتولی اب بھی قرآن کریم کا حصہ ہے اور چالیس کروڑ انسان اس کو دن رات پڑھتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا اپنا قلب ہی وہ سرچشمہ نہ تھا جس سے پھوٹ کر وحی الہی نکلتی ہو۔ کیونکہ گو اس میں تو شک نہیں کہ انسان بعض وقت دوسرے سے بدسلوکی کر کے خود پچھتاتا ہے مگر اول تو یہاں کوئی بدسلوکی نہیں۔ دوسرے جو انسان اپنے کسی فعل پر پچھتائے وہ اس فعل کو ایسا مٹانا چاہتا ہے کہ اس کا ذکر بھی باقی نہ رہے مگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس کلام کو جس میں آپ کی کسی بشری کمزوری کا ذکر ہے تمام دنیا میں ہمیشہ کے لئے پھیلاتے ہیں اور ان خدام کے منہ سے شب و روز یہ لفظ کہلواتے ہیں جن کے دل آپ کی غایت درجہ کی عزّت و محبّت سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہاں جس قلب صافی پر یہ وحی نازل ہوتی ہے اس کی بے انتہا وسعت کا بھی اس واقعہ سے پتہ لگتا ہے۔ کہ جس بات کو دوسرے لوگ مخفی کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ خود شرح صدر سے دنیا میں اس کا اعلان کرتا ہے۔

(ماخوذ)

* * *

ھدیۂ نعت

آں مبارک پے کہ آمد ذات او رحمتے زاں ذات عالم پرورے
وہ ایسا مبارک قدم ہے کہ اس کی ذات خدا کی طرف سے رحمت بن کر آئی ہے
احمدؐ آخر زماں کز نور او شد دل مردم ز خور تاباں ترے
اس احمدؐ آخر زماں کے نور سے لوگوں کے دل آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئے
کرد ثابت بر جہاں عجز بتاں وانمودہ زور آں یک قادرے
اس نے دنیا پر بتوں کا عجز ثابت کر دیا اور خدائے واحد کی طاقت کھول کر دکھا دی
آں ترحمہا کہ خلق از وے بدید کس ندیدہ در جہاں از مادرے
وہ مہربانیاں جو مخلوق نے اس سے دیکھیں وہ کسی نے اپنی ماں سے بھی نہیں پائیں
امیؐ و در علم و حکمت بے نظیر زیں چہ باشد حجتے روشن ترے
وہ امیؐ ہے مگر حکمت و علم میں بے نظیر ہے۔ اس سے زیادہ اسکی صداقت پر اور کیا دلیل ہوگی

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
اس کے پاک نفس پر ہر کمال ختم ہو گیا
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے
اس لئے اس پر پیغمبروں کا خاتمہ ہو گیا

(حضرت مجدد صد چہاردہم)

مذاکرہ علمیہ

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم و مغفور

معجزہ اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کا مظاہرہ ہے

معجزہ یا آیت اللہ کی تعریف :۔

یاد رہے کہ معجزہ کسی سنت اللہ کے توڑنے کا نام نہیں جیسا کہ عام خیال ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ معجزہ بجائے خود ایک سنت اللہ ہے۔ جو وحی الٰہی کے منجانب اللہ ہونے پر بطور ایک نشان کے ظاہر ہوتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اہلِ دنیا کی نظروں میں وحی الٰہی کے منجانب اللہ ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی علیم اور قدیر صفات کے ماتحت اپنے علم اور قدرت سے نشان قائم کرتا ہے جو اپنے اندر ایک ایسا امتیازِ خصوصی رکھتا ہے کہ انسانی دل و دماغ اس کا مثل لانے سے عاجز ہوتا ہے۔ اس کو اصطلاحِ اسلام میں معجزہ اور قرآن کریم کی زبان میں آیت اللہ کہا جاتا ہے۔

قانونِ قدرت اور سنت اللہ میں فرق :۔

قبل اس کے کہ میں معجزہ پر کچھ لکھوں پہلے میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اصطلاحی طور پر قانونِ قدرت اور سنت اللہ بالکل ہم معنی نہیں ہیں بلکہ ان دونوں میں ایک فرق ہے جسے کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ قانونِ قدرت تو وہ ہے جو انسان نظائرِ قدرت کے مشاہدہ سے قانون اخذ کرتا ہے۔ اس علم کا نام نیچرل فلاسفی یا اصطلاحِ عام میں سائنس ہے۔ اور سنت اللہ وہ قوانین الٰہیہ ہیں جن کا ذکر ہم قرآن کریم میں پڑھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انسان کا علم ناقص ہے، وہ خواہ کس قدر بھی غور و خوض کے ساتھ مشاہدوں اور تجربوں کے بعد ایک قانون اخذ کرے اور وہ ممکن ہے کہ بالکل صحیح ہو مگر انسان یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس کے ہر ایک پہلو پر حاوی ہو گیا ہے بالکل ممکن ہے کہ اس میں کچھ امور ایسے ہوں جو اس کی نظر سے رہ گئے ہوں اس لئے سائنس کے دریافت کردہ قوانینِ قدرت کے خلاف اگر ہمیں کچھ سنایا جائے گا تو ہم فوراً اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ یہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ ہمارے تجربہ اور مشاہدہ سے اخذ کئے ہوئے قانون کے خلاف ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ہمارا مشاہدہ اور تجربہ ہر امر پر حاوی نہ ہو لیکن جو قوانین الٰہیہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرما دیئے ہیں جنہیں سنت اللہ کے نام سے قرآن کریم نے تعبیر فرمایا ہے۔ اُن کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ممکن ہے کوئی پہلو رہ گیا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم کامل ہے۔ وہ جس امر کی نسبت فرما دے کہ میری سنت یعنی قانون ہے تو پھر وہ ایک علم کامل ہوگا اور اسی کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا کہ تو اللہ کی سنت یعنی قانون میں تبدیلی نہیں پائے گا۔

کوئی معجزہ سنت اللہ کے خلاف نہیں ہو سکتا :۔

پس کوئی معجزہ ایسا نہیں مانا جا سکتا جو سنت اللہ کے خلاف ہو۔ مثلاً قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ فیمسک التی قضی علیہا الموت کہ جس پر موت وارد ہو جائے اللہ تعالیٰ اس نفس کو روک لیتا ہے۔ یعنی اس دنیا میں واپس نہیں بھیجتا۔ ایسا ہی دوسری جگہ فرمایا ہے حرامٌ علی قریۃ اھلکنھا انھم لا یرجعون۔ یعنی جس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کر دیں اُن پر حرام ہو جاتا ہے کہ وہ دنیا کے لوگوں کی طرف واپس لوٹائے جائیں۔ اس سنت اللہ کے علم کے بعد ہم نبی یا ولی کا اس قسم کا کوئی معجزہ مان نہیں سکتے کہ اُس نے کسی سچ مچ کے مردہ کو جس کی روح قبض ہو چکی تھی زندہ کر دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ تو اس کی سنت میں کبھی تبدیلی نہیں پائے گا۔ پس کوئی ایسا خارق عادت امر قابلِ قبول نہیں ہو سکتا جو سنت اللہ کے خلاف ہو۔

معجزہ خدا کے علم اور قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے :۔

پس معجزہ جو ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی بیان کردہ سنت کے خلاف کبھی نہیں ہوتا لیکن تاہم وہ اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کا ایک شاندار مظاہرہ ہوتا ہے۔ اور اس طرح خدا کی وحی کے منجانب اللہ ہونے پر وہ ایسا نشان روشن قائم کرتا ہے کہ ایک سلیم الفطرت انسان کا دل بے اختیار اُس کے آگے جھک جاتا اور یقین سے پُر ہو جاتا ہے۔ پس معجزہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کا ایک مظاہرہ ہے جو وحی الٰہی کے منجانب اللہ ہونے پر بطور ایک نشان کے ہو۔

حضرت مجددِ وقت کا شاندار کارنامہ :۔

میں حضرت مجدد وقت حضرت مرزا غلام احمد کے کارناموں میں سے ایک بڑا کارنامہ یہ بھی سمجھتا ہوں کہ انہوں نے معجزہ کو بھی ایک سائنس بنا کر عقلمند دنیا کے آگے پیش کیا۔ انہوں نے مادہ پرستوں سے گھبرا کر نیچریوں کی طرح معجزہ کا انکار نہیں کیا بلکہ معجزہ کو ایسی معقولیت اور سائنٹیفک رنگ میں پیش کیا جس سے انکار کرنے کی کسی عقلمند کو گنجائش باقی نہیں رہتی۔

قرآن کریم ایک مکمل معجزہ ہے :۔

اللہ تعالیٰ جب وحی کے ذریعہ انسان کو ہدایت دینے لگتا ہے تو ضرور ہے کہ اس کے ساتھ ایسے نشانات کو بھی ظاہر کرے جن سے اغیار پر اس کے منجانب اللہ ہونے پر حجت قطعی قائم ہو سکے اور وہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس کلام میں اپنے علم اور قدرت کا ایسا نشان رکھ دے جس کی مثل لانے سے انسانی دل و دماغ عاجز ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل کتاب قرآن کریم کو جب نازل فرمایا تو اس کے منجانب اللہ ہونے پر جو ایک دائمی اور زندہ نشان قائم کیا وہ اس رنگ میں تھا کہ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین ۝ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکٰفرین۔ کہ اگر تمہیں شک ہے اس سے جو ہم نے نازل کیا ہے اپنے بندہ پر تو اس کی مثل ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم ایک سورت بھی بنا کر نہ لا سکے اور ہرگز ہرگز نہ لا سکو گے پس پھر ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور وہ منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ (البقرہ) کس قدر عظیم الشان تحدی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کو پیش کر کے چیلنج دیا ہے کہ یہ ایک علمی معجزہ ہے اور خدا کی قدرت کا اس میں ایسا نشان ہے کہ انسان اس کی مثل لانے سے عاجز ہے کیا بلحاظ فصاحت و بلاغت۔ کیا بلحاظ علم و حکمت اور معارف و حقائق اور ہدایتِ کاملہ کے جو اس کے اندر ہے اور کیا بلحاظ اس انقلاب روحانی کے جو اس کتاب نے پیدا کر کے دکھایا تم ایک سورت بھی بنا کر نہیں لا سکتے جو اس کی مثل ہو کیونکہ انسان کا علم اور قدرت خدا کے علم اور قدرت کے برابر نہیں ہو سکتا بلکہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ فرما کر بتلایا کہ اگر کل دنیا کے جن و انس مل کر بھی اس کی مثل بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے کیونکہ جب ساری دنیا کے انسان خدا کے بنائے ہوئے ایک گھاس کے پتے یا ایک کیڑے کی ٹانگ بھی نہیں بنا سکتے تو خدا کے کلام کے مانند کوئی کلام بنانا کب ممکن ہے۔ اسی امر کو حضرت مرزا صاحب کیا خوبصورت الفاظ میں نظم فرماتے ہیں۔ ؎

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز + تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اُس پہ آساں ہے
خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو + وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے

خدا تعالیٰ کے دقیق علم اور قدرت کا مظاہرہ :۔

پھر اتنا ہی نہیں ایک اور دقیق علم اور قدرت کا مظاہرہ ان الفاظ میں فرمایا کہ ولن تفعلوا تم ہرگز ہرگز اس کی مثل نہیں لا سکو گے یعنی ہمیشہ کے لئے تحدی کر دی کہ نہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی تم مثل نہ لا سکو گے بلکہ قیامت تک بھی تم اس کی مثل نہ لا سکو گے۔ غور کر لو۔ آج تک پادری آریہ دہریہ سبھی نے تو ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور طرح طرح کے اعتراض اپنی کم علمی یا تعصب سے قرآن پر کئے مگر یہی نہ کر سکے جسے قرآن کریم نے بطور اعجاز اور نشانِ آسمانی کے بڑی تحدی سے پیش کیا تھا کہ اس کی مثل ایک سورت بنا لائیں۔ بڑے بڑے عربی دان پادری اور دشمنانِ اسلام اور عرب کے فصحا اور بلغاء جو دشمنِ اسلام تھے اسی ایک چیلنج کا جواب نہ دے سکے۔ انہوں نے قرآن کریم کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر کس قدر

حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ اس چیلنج کا علم ہوتے ہوئے وہ قرآن کے اسی اعجازی نشان کو توڑ نہ سکے جو بطور بنیاد کے ہے کسی کو اس چیلنج کے جواب کے لئے جرأت ہی نہیں ہوتی۔ ریل اور انجن۔ اسٹیمر اور ہوائی جہاز بنانے والے جس طرح شہد کی مکھی کا پر بنانے کی جرأت نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے۔ اسی طرح بڑے بڑے دشمنانِ اسلام عربی دان فلسفی اور فصحاء و بلغاء بڑی بڑی عربی کتابیں لکھ لینے کے باوجود اسی ایک امر کے کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دل مانتا ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ اللہ تعالےٰ کے علم اور قدرت کا یہ نشان خود قرآن کریم کی اس صداقت کے متعلق اب عظیم الشان ہے کہ ایک سلیم الفطرت عقلمند انسان حیران رہ جاتا ہے اور قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے پر اسے یقین پیدا ہو جاتا ہے۔

قرآنِ کریم کے چند معجزات :۔

لیکن اتنا ہی نہیں قرآنِ کریم کے اندر صدہا معجزات بالعموم پیشگوئیوں کے رنگ میں ایسے ہیں جو اللہ تعالےٰ کے علم اور قدرت پر بدیہی نشان ہیں اور جس کتاب میں وہ موجود ہیں اس کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل واضح ہیں۔ ان سب کے ذکر کرنے کے لئے تو ایک مستقل اور ضخیم کتاب چاہیئے۔ میں مثال کے طور پر ایک دو مثالیں لیتا ہوں مثلاً جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے دعوےٰ نبوت کیا تو تمام عرب آپ کا دشمن ہو گیا۔ آپ یکہ و تنہا بالکل بے کس و بے بس بے یار و مددگار تھے اور ادھر سارا ملک سارا زمانہ دشمن تھا اور شب و روز آپؐ کے استیصال اور آپ کی تعلیم کو مٹانے کے درپے تھا۔ مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم پر جو کلام نازل ہوتا ہے وہ بار بار تحدی کے ساتھ اعلان کر رہا ہے کہ تم جو ممکن ہے زور لگا لو۔ مخالفت کر لو کامیابی میرے لئے ہی مقدر ہے! اور تمہارے ان اعمال اور اس مخالفت کا نتیجہ ہلاکت اور ذلّت و ناکامی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے :۔

انما توعدون لاٰت ۙ وما انتم بمعجزین قل یٰقوم اعملوا علےٰ مکانتکم
انی عامل فسوف تعلمون ۙ من تکون لہ عاقبۃ الدار ط انہ لا یفلح
الظٰلمون ○ (الانعام)

بے شک جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آکر رہے گا۔ اور تم خدا کو اس معاملہ میں ہرا نہیں سکتے کہہ دے کہ اے میری قوم اپنی جگہ اپنے مقدور بھر عمل کر لو اور زور لگا لو میں بھی اپنی جگہ عمل کر رہا ہوں۔ آنے والے واقعات تمہیں بتا دیں گے کہ کس کا انجام بخیر اور کون آخر کامیاب ہوتا ہے۔ یاد رکھو بے شک ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے"۔

اس قسم کی صدہا آیات ہیں جن میں نہایت بے کسی اور بے بسی کے باوجود اپنی کامیابی اور دشمنوں کی طاقت و شوکت کے ہوتے ہوئے انجام کار ان کی ذلت و ناکامی اور ہلاکت و رسوائی کو کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ پھر جیسے جیسے دشمنوں کی مخالفت بڑھتی گئی ویسے ویسے آپ کی وحی میں ان کی ناکامی اور اپنی کامیابی پر تحدی بڑھتی گئی جس سے دشمنوں کو اور بھی ضد اور چڑ پیدا ہوئی انہوں نے آپ کو ہلاک کر دینے کی تدبیریں کیں اور آخر کار آپ کو مکہ سے نکال دینے میں کامیاب ہوئے لیکن عین اسوقت جب آنحضرت صلعم نہایت بے کسی کی حالت میں مکہ چھوڑ کر مدینہ کو بھاگے جا رہے تھے یہ کلام الٰہی نازل ہوتا ہے کہ :۔

ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد (القصص)

"کہ بے شک وہ ذات جس نے قرآن کو تجھ پر فرض کیا ہے یقیناً تجھے اپنے اس ٹھکانے کی طرف یعنی مکہ کی طرف لوٹا کر لائے گا"۔

اللہ اللہ جب جان کے لالے پڑے ہوئے ہوں اور جان کے خطرہ سے شہر کو چھوڑا جا رہا ہو اسوقت کا یہ اعلان کس قدر دقیق غیب پر مشتمل ہے کہ بہت اچھا وقت آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اسی شہر میں تمہیں مظفر و منصور فرما کر لائے گا۔ پھر اتنا ہی نہیں بلکہ نقشہ کھینچ دیا کہ دشمن فوجیں لے کر چڑھ کر آئیں گے اور شکست کھا کھا کر واپس ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے سیھزم الجمع و یولون الدبر (القمر) سو کوئی وقت جاتا ہے کہ ان کی جمعیت شکست کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ غرضکہ ایسے مخالف حالات میں اس قدر دقیق علم جس پر انسانی دماغ بطور خود قادر نہیں ہو سکتا کسی کلام میں نازل ہونا اور پھر اس کے مطابق حالات کا اس قدر پلٹتے جانا اور غیب سے ایسے اسباب کا جمع ہوتے چلے جانا جو قبل از وقت کسی انسان کے ذہن میں نہ آسکتے تھے اور آخر کار لفظاً بلفظ ان کے مطابق واقعات کا ظہور پذیر ہونا کیا صاف دلیل اس امر پر نہیں کہ جس کلام میں یہ دقیق علم نازل ہوا اور پھر اس کی بتائی ہوئی باتوں کے پورا کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے اس قدر اپنی قدرت نمائیوں کا مظاہرہ فرمایا وہ یقیناً خدا کا کلام تھا۔ اسی کا نام معجزہ ہے :۔

سچے نیکوں کی یہ عادت ہوتی ہے

کہ وہ محض خدا کی محبّت کے لئے وہ کھانے جو آپ پسند کرتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تم پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ یہ کام صرف اس بات کے لئے کرتے ہیں کہ خدا ہم سے راضی ہو اور اس کے منہ کے لئے یہ خدمت ہے۔ ہم تم سے نہ تو کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ تم ہمارا شکر کرتے پھرو۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ایصال خیر کی تیسری قسم جو محض ہمدردی کے جوش سے ہے وہ طریق بجا لاتے ہیں۔ سچے نیکوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنے قریبیوں کو اپنے مال سے مدد کرتے ہیں۔ اور نیز اس مال میں سے یتیموں کے تعہد اور ان کی پرورش [illegible] خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اور مسکینوں کو فقر و فاقہ سے بچاتے ہیں۔ اور مسافروں اور سوالیوں کی خدمت [illegible] کرتے ہیں اور ان مالوں کو غلاموں کے آزاد کرانے کے لئے اور قرضداروں کو سبکدوش کرنے کے لئے [illegible] کرتے ہیں اور نہ تنگ دلی کی عادت رکھتے ہیں اور میانہ روش رکھتے ہیں۔ [illegible] اور خدا سے ڈرتے ہیں اور ان کے مالوں میں سوالیوں اور بے زبانوں کا حق بھی ہے۔ بے زبانوں سے مراد کتّے بلیاں چڑیاں بیل۔ گدھے۔ بکریاں اور دوسری چیزیں ہیں۔ وہ تکلیفوں اور کم آمدنی کی حالت اور قحط کے دنوں میں سخاوت سے تنگ دل نہیں ہو جاتے۔ بلکہ تنگی کی حالت میں بھی اپنے مقدور کے موافق سخاوت کرتے رہتے ہیں وہ کبھی پوشیدہ خیرات کرتے رہتے ہیں اور کبھی ظاہر۔ پوشیدہ اس لئے کہ تا ریاکاری سے بچیں اور ظاہر اس لئے کہ تا دوسروں کو ترغیب دیں۔ خیرات اور صدقات وغیرہ پر جو مال دیا جائے اس میں یہ ملحوظ رہنا چاہیئے کہ پہلے جس قدر محتاج ہیں ان کو دیا جائے۔ ہاں جو خیرات کے مال کا تعہد کریں یا اس کے لئے انتظام و اہتمام کریں اُن کو خیرات کے مال سے کچھ مل سکتا ہے اور نیز کسی کو بدی سے بچانے کے لئے بھی اس مال میں سے دے سکتے ہیں۔ ایسا ہی وہ مال غلاموں کے آزاد کرانے کے لئے اور محتاج اور قرضداروں اور آفت زدہ لوگوں کی مدد کے لئے بھی اور دوسری راہوں میں جو محض خدا کے لئے ہوں ... وہ مال خرچ ہو گا۔ تم حقیقی نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے۔ جب تک کہ بنی نوع کی ہمدردی میں وہ مال خرچ نہ کرو جو تمہارا پیارا مال ہے۔ غریبوں کا حق ادا کرو مسکینوں کو دو۔ مسافروں کی خدمت کرو اور فضولیوں سے اپنے تئیں بچاؤ۔ یعنی جو بیاہ شادیوں میں اور طرح طرح کی عیاشی کی جگہوں میں اور لڑکا پیدا ہونے میں ہوتے ہیں جو اسراف سے مال خرچ کیا جاتا ہے اس سے اپنے تئیں بچاؤ۔ تم ماں باپ سے نیکی کرو۔ اور قریبیوں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور ہمسایہ سے جو تمہارا قریبی ہے۔ اور ہمسایہ سے جو بیگانہ ہے اور مسافر سے اور نوکر اور غلام اور گھوڑے اور بکری اور بیل اور گائے اور حیوانات سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں کیوں کہ خدا کو جو تمہارا خدا ہے یہی عادتیں پسند ہیں۔ وہ لاپرواہوں اور خود غرضوں سے محبّت نہیں کرتا۔ اور ایسے لوگوں کو نہیں چاہتا جو بخیل ہیں۔ اور لوگوں کو بخل کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور اپنے مال کو چھپاتے ہیں یعنی محتاجوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ⁘⁘

(حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ)

راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر گریہ وزاری کرو

خدا تعالےٰ بڑا کریم ہے۔ اس کی کریمی کا بڑا گہرا سمندر ہے۔ جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اور جس کو تلاش کرنے والا اور طلب کرنے والا کبھی محروم نہیں رہا۔ اس لئے تم کو چاہیئے کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں مانگو اور اس کے فضل کو طلب کرو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب انسان اللہ تعالےٰ کے دروازہ پر گر پڑتا ہے۔ تو الوہیت کا کرم جوش میں آتا ہے۔ اور ایسے شخص پر رحم

اسلام کے غلبہ کا وقت قریب آ پہنچا ہے

یہ غلبہ علمی دلائل اور براہین ہی سے مقدر ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب بتاریخ ۷ اگست ۱۹۸۱ء بمقام جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ۔ لاہور (رپورٹ مولوی شفقت رسول خان)

واذ قال عیسی ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد ط فلما جاءھم بالبینٰت قالوا ھذا سحر مبین ٥ ...... فایدنا الذین اٰمنوا علی عدوھم فاصبحوا ظٰھرین ٥

(الصف ۶ تا ۱۴)

ترجمہ: "اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا۔ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اس کی تصدیق کرتا ہوں جو میرے سامنے تورات سے ہے۔ اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہے۔ سو جب وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ صریح جادو ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر افترا کرتا ہے حالانکہ اُسے اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرے گا گو کافر بُرا منائیں۔ وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اُسے سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک بُرا منائیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو میں تمہیں ایسی تجارت بتاتا ہوں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے۔ تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے رستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ وہ تمہارے گناہوں سے تمہاری حفاظت کریگا اور تمہیں باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور پاکیزہ ٹھکانوں جو ہمیشگی کے باغوں میں ہیں۔ بڑی کامیابی ہے اور ایک اور چیز جسے تم پسند کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور نزدیک فتح ہے اور مومنوں کو خوشخبری دے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے (دین) کے مددگار بن جاؤ جس طرح عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا تھا اللہ تعالیٰ کی خاطر کون میرے مددگار ہیں۔ حواریوں نے کہا ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں سو بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے انکار کیا سو ہم نے مومنوں کی اُن کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی سو وہ غالب ہو گئے۔"

ان آیات مقدسہ میں پہلی بات جو مذکور ہے وہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی اس شہادت کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے حواریوں کو دی تھی کہ "میرے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام احمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہوگا" اور اس کی آمد پر اس کو قبول کرنا ہی موجب نجات ہوگا لیکن جب وہ موعود رسول آگیا اور کھلے دلائل کیساتھ آیا تو بجائے اس بات کے کہ ایمان لاتے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ اگلی آیات میں اس رسول کی رسالت کی وجہ یہ بیان کی کہ اس کا مقصد دین اسلام کا دیگر ادیان پر غلبہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ۔ اس میں مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ اسلام کا تمام ادیان پر غلبہ یقینی ہے اور تمہارے لئے یہ ایک خوشخبری ہے کہ تم ایمان لاؤ اور خدا کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو تو یقیناً تمہارے لئے نہایت خوشی کا مقام ہے۔ یعنی اس عظیم نبیؐ کی نصرت کے لئے کھڑے ہو جاؤ تو یقیناً خدا کی طرف سے تمہارے لئے غلبہ مقدر ہے کیونکہ جیسا کہ حضرت مسیح ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہے جو خدا کی راہ میں میرا مددگار اور انصار ہے تو حواریوں نے اس دعوت پر لبیک کہا اور مدد کے لئے کھڑے ہو گئے لیکن انہیں غلبہ کئی صدی بعد حاصل ہوا لیکن نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا نے ان کی زندگی میں ہی غلبہ عطا فرمایا کیونکہ خاتم النبیینؐ کے انصار کے لئے فتح قریب مقدر تھی چنانچہ وہ اس فتح قریب کی بشارت سے بہرہ مند ہوئے۔ ھوالذی ارسل رسولہ

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

اسلام کے فروغ کا زمانہ قریب ہے، اور اسلام کو پھر دیگر ادیان پر غلبہ حاصل ہوگا۔ چنانچہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا ایک شعر ہے:-

؎ اک بڑی مدت سے تھا کفر دیں کو کھاتا رہا + اب یقیں سمجھو کہ آئے کفر کو کھانے کے دن

اس لئے انہوں نے جب سب سے پہلی کتاب تصنیف کی اور جس میں لوگوں کو دعوت دی اس کا نام "فتح اسلام" رکھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی زندگی میں کوئی کامیابی حاصل نہ کی ان کو یہودیوں نے پکڑا اور تشدد کیا

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

---- اور حواری حضرت مسیح علیہ السلام کے قریب سے منتشر ہو گئے اور ایک مدت دراز تک عیسائیت کو غلبہ حاصل نہ ہوا لیکن تقریباً تین صدی بعد عیسائیت کو غلبہ حاصل ہوا اور سارا یورپ عیسائیت کا پیروکار ہو گیا۔ اور دوسری طرف ہم تعجب سے دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ تمام عرب پر غلبہ کے بعد شام، یونان، روم پر غالب ہو جاتے ہیں۔

جس دور سے ہم گذر رہے ہیں یہ بھی مسیحی دور کے مماثل ہے کیونکہ وہ اسوقت جس بے بسی کی حالت میں تھے کہ وہ غالب آنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن آخرکار وہ غالب ہوئے ایسے ہی ہم بھی آج غلبہ کا تصور نہیں کر سکتے لیکن غلبہ یقینی اور قطعی ہے۔ جیسے اس دور میں مسیحی یہ توقع نہیں کر سکتے تھے لیکن یہ ایک معجزہ ہے کہ وہ کمزور دین والے کیسے کامیاب ہوئے کہ حضرت عیسےؑ کی محبت دلوں میں پیدا ہو گئی اور لوگ ان کو مافوق البشر خدا اور خدا کا بیٹا سمجھنے لگے۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اپنی زندگی میں کامیابی حاصل کر لی۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح کی بشارت کا نظارہ انہوں نے بچشم خود دیکھ لیا۔ حج الوداع کے موقع پر جہاں آپ کھڑے تھے وہاں سوا لاکھ انسانوں کا مجمع جو جاں نثار و وفا شعار تھے موجود تھا۔ اور بڑے بڑے جابروں کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں اور آپ کے سامنے مغلوب تھے اور ایک صدی کے اندر اندر مسلمان قوم تمام اطراف عالم میں غالب آگئی۔ چین اور سندھ کی حدود تک اسلام پھیل چکا تھا۔ یہ کامیابی ایسی عظیم الشان ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

دیکھنا یہ ہے کہ حضرت ------ کے غلبہ کو خدا کیسے پورا فرماتا ہے۔ آپ کو ایک الہام ہوا:- ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء۔ ہم تمہاری مدد ایسے لوگوں سے کریں گے جن کو ہم آسمان سے وحی کریں گے بالکل اسی طرح ہے جیسے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اذ اوحیت الی الحواریین۔ میں نے حواریوں کی طرف وحی کی۔ گویا فرشتے دلوں میں استقامت پیدا کر دیتے ہیں اور انسان دینی خدمات کے لئے ثابت قدم ہو جاتا ہے اور استقامت کے ساتھ اپنے تن من دھن سے دین کے کام میں لگ جاتا ہے۔ جنگِ احزاب یعنی جنگِ خندق میں دشمنانِ اسلام ۲۰ ہزار کی تعداد میں مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے لیکن خدا کی طرف سے فتح کا وعدہ تھا کہ انجام کار دشمن خاب و خاسر لوٹا اور پھر ہمیشہ کے لئے ان کی ہمت ٹوٹ گئی حالانکہ مسلمان خندق کھود کر محصور ہو چکے تھے اور یہ توقع نہیں تھی کہ مسلمان اب ان دشمنوں کے ہاتھوں سے بچ جائیں گے۔ لیکن بغیر تلوار چلائے اور کوئی مقابلہ کئے ایک رات کی آندھی اور طوفان سے دشمن اس قدر خوفزدہ ہوا کہ محاصرہ اٹھا کر بھاگ اٹھا۔ خیمے اکھڑ گئے اور دشمن راہ فرار اختیار کر گیا۔ یہ خدا کی نصرت کا کتنا صاف نظارہ ہے۔

ہمارے سلسلہ پر بھی ایسا ہی وقت آیا ہوا ہے۔ اور بظاہر غلبہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی لیکن حضرت صاحب کے ایما پر جو مولانا محمد علی رح نے لٹریچر پیدا کیا وہ تمام دنیا سے خراجِ تحسین حاصل کر رہا ہے اور اہل یورپ اس کو ہاتھوں ہاتھ لے رہے ہیں اور لٹریچر کے مطالعہ کے بعد وہ ---- گرویدہ نظر آنے لگتے ہیں حضرت مولانا کی تصنیفات عربی، فارسی اور ترکی میں ترجمہ کر کے لوگ استفادہ کر رہے ہیں اور جماعت کے پیش کردہ نظریہ ---- کو لوگ قبول کرتے جا رہے ہیں۔ حضرت مولانا کی تصنیف سیرۃ خیر البشر کا ترجمہ بھی عربی زبان میں ہو گیا ہے۔ اور عرب ممالک کے لوگ اس سے استفادہ کر رہے ہیں۔

خدا کو خدا کے ذریعے پانے کی سب سے پیاری دعا

اپنی تمام توانائیاں خدا کی راہ میں وقف کر کے وصال کی دعا کرتے رہو

ہم اس نبی و فہیم کو محض اپنی ہی تدبیروں سے نہیں پا سکتے بلکہ اس راہ میں صراطِ مستقیم یہ ہے کہ پہلے ہم اپنی زندگی مع اپنی تمام قوتوں کے خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر کے پھر خدا کے وصال کے لئے دعا میں لگے رہیں تا خدا کو خدا ہی کے ذریعے سے پاویں اور سب سے زیادہ پیاری دعا جو عین محل اور موقعہ سوال کا ہمیں سکھاتی ہے اور فطرت کے روحانی جوش کا نقشہ ہمارے سامنے رکھتی ہے وہ دعا ہے جو خدائے کریم نے اپنی پاک کتاب قرآن شریف میں یعنی سورۃ فاتحہ میں ہمیں سکھائی ہے اور وہ یہ ہے:۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للّٰہ رب العالمین۔ تمام پاک تعریفیں جو ہو سکتی ہیں اس اللّٰہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا اور قائم رکھنے والا ہے۔ الرحمٰن الرحیم۔ وہی خدا جو ہمارے اعمال سے پہلے ہمارے لئے رحمت کا سامان میسر کرنے والا ہے اور ہمارے اعمال کے بعد رحمت کے ساتھ جزا دینے والا ہے۔ مالک یوم الدین۔ وہ خدا جو جزا کے دن کا وہی ایک مالک ہے کسی اور کو وہ دن نہیں سونپا گیا۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ اے وہ جو ان تعریفوں کا جامع ہے۔ ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور ہم ہر ایک کام میں توفیق تجھ ہی سے چاہتے ہیں۔ اس جگہ ہم کے لفظ سے پرستش کا اقرار کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمارے تمام قویٰ تیری پرستش میں لگے ہوئے ہیں۔ اور تیرے آستانے پر جھکے ہوئے ہیں کیونکہ انسان باعتبار اپنے اندرونی قویٰ کے ایک جماعت اور امت ہے۔ اور اس طرح تمام قویٰ کا خدا کو سجدہ کرنا یہی وہ حالت ہے جس کو اسلام کہتے ہیں اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ ہمیں اپنی سیدھی راہ دکھلا اور اس پر ثابت قدم کر کے ان لوگوں کی راہ دکھلا جن پر تیرا انعام و اکرام ہے اور تیرے مورد فضل و کرم ہو گئے ہیں غیر المغضوب علیہم ولا الضالین اور ہمیں ان لوگوں کی راہ سے بچا جن پر تیرا غضب ہے اور جو تجھ تک نہیں پہنچ سکے۔ اور راہ کو بھول گئے۔ آمین۔ اے خدا ایسا ہی کر۔ یہ آیات سمجھا رہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے انعامات جو دوسرے لفظوں میں فیوض کہلاتے ہیں ان ہی لوگوں پر نازل ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کی خدا کی راہ میں قربانی دے کر اور اپنا تمام وجود اس کی راہ میں وقف کر کے اور اس کی رضا میں محو ہو کر پھر اس وجہ سے دعا میں لگے رہتے ہیں کہ تا جو کچھ انسان کو روحانی نعمتوں اور خدا کے قرب اور وصال اور اس کے مکالمات و مخاطبات میں سے مل سکتا ہے۔ وہ سب ان کو ملے۔ اور اس دعا کے ساتھ اپنے تمام قویٰ سے عبادت بجالاتے ہیں اور گناہ سے پرہیز کرنے اور آستانۂ الٰہی پر پڑے رہتے ہیں۔ اور جہاں تک ان کے لئے ممکن ہے اپنے تئیں بدی سے بچاتے ہیں اور غضب الٰہی کی راہوں سے دور رہتے ہیں۔ سو چونکہ وہ ایک اعلیٰ محبت اور صدق کے ساتھ خدا کو ڈھونڈتے ہیں اس لئے اس کو پا لیتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی پاک معرفت کے پیالوں سے سیراب کئے جاتے ہیں۔ اور اس آیت میں جو استقامت کا ذکر فرمایا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچا اور کامل فیض جو روحانی عالم تک پہنچاتا ہے کامل استقامت سے وابستہ ہے۔ کامل استقامت سے مراد ایک ایسی حالت صدق و وفا ہے جس کو کوئی امتحان ضرر پہنچا سکے یعنی ایسا پیوند ہو جس کو نہ تلوار کاٹ سکے نہ آگ جلا سکے۔ اور نہ کوئی دوسری آفت نقصان پہنچا سکے۔ عزیزوں کی موتیں اس سے علیحدہ نہ کر سکیں۔ پیاروں کی جدائی اس میں خلل انداز نہ ہو سکے۔ بے آبروئی کا خوف کچھ رعب نہ ڈال سکے۔ ہولناک دکھوں سے مارا جانا ایک ذرہ دل کو نہ ڈرا سکے۔ سو یہ دروازہ نہایت تنگ ہے اور یہ راہ نہایت دشوار گزار ہے کس قدر مشکل ہے آہ صد آہ۔ اس کی طرف اللّٰہ جلشانہٗ اس آیت میں ارشاد فرماتا ہے۔

قل ان کان اٰباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال ن اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا و مسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللّٰہ و رسولہ و جھاد فی سبیلہ فتربصوا حتیٰ یاتی اللّٰہ بامرہ واللّٰہ لا یھدی القوم الفاسقین۔ یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر

حضرت امیرِ قوم مولانا محمد علی رحمت اللّٰہ علیہ کا آخری پیغام

جو آپ نے قوم کو دیا

”آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح نسلِ انسانی بربادی کی طرف دوڑی جا رہی ہے اور قریب ہے کہ یہ آگ کے گڑھے میں گر کر بھسم ہو جائے۔ وہ نسخہ جس سے یہ نسلِ انسانی بچ سکتی ہے وہی ہے جس نے ایک مرتبہ پہلے تباہ ہوتی ہوئی نسلِ انسانی کو بچایا۔ یہ خدا کا آخری کلام ہے یہ قرآن ہے۔ جو ہمارے ہاتھوں میں ہے مگر ہم اس نسخۂ شفا کو دنیا میں نہیں پہنچا رہے۔ اس کے پہنچانے کے لئے ایک پاک نفس جماعت کی ضرورت ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے سینوں کو ٹٹولو کیا تمہارے دلوں میں وہ ۔ ۔ ۔ ۔ کی ڈالی ہوئی چنگاری کی گرمی موجود ہے؟ اگر ہے تو وہ حرکت تم میں کیوں نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے پاس بیٹھنے والوں میں نظر آتی تھی۔ تمہارا قدم دیوانہ وار آگے کیوں نہیں بڑھ رہا؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ خدا اور رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم کی جگہ دنیا کی محبت تمہارے دلوں میں اثر کرتی جا رہی ہے اور تم دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو فراموش کرتے جا رہے ہو۔ اور جہاد کی روح کی جگہ تمہارے اندر آرام طلبی کی روح سرایت کرتی جا رہی ہے۔ خدا سے ڈرو اور اس کے مسکین بندے بن جاؤ۔“

* * *

نوائے درد

”میں اسوقت اس طرح اس کام میں مصروف ہوں جیسے وہ مسافر جس نے کل سفر کرنا ہے اور تھوڑا سا وقت سفر کے سامان کی تیاری کے لئے اُسے ملا ہے۔ میرے دوست میرے خیر خواہ رکتے ہیں کہ زیادہ کام نہ کرو مگر میرے لئے **وہ موت آسان ہے جو کام کی حالت میں آجائے۔** اس لئے میں اپنے احباب سے ملتجی ہوں کہ اب **میرے پیغام کو وہ وقعت دیں جو دوسرے عالم سے آئے ہوئے آدمی کو دینی چاہیئے۔** کوئی غریب ہے تو اعلائے کلمۃ اللّٰہ کے کام کو سامنے رکھ کر اپنے عزم کو اتنا بلند کرے کہ خدا کے عرش کو ہلا دے۔ کسی کو خدا نے مال دیا ہے تو اُسے خدا کی راہ میں اس طرح بہا دے کہ ایک دنیا اس سے سیراب ہو جائے کسی کو خدا نے رتبہ دیا ہے تو اس بارگاہِ عالی میں رتبہ حاصل کرنے کے لئے تیار ہو جائے میرے دوستو! یہ کرنے کے کام ہیں۔ ۔ ۔ ۔ خدا کا احسان ہے کہ اس نے مجھے بڑی کامیابی عطا فرمائی ہے۔“

——— (حضرت امیر قوم مولنا محمد علی رح)

* * * * *

(بقیہ سب سے پیاری دعا سلسلہ آمدہ کالم ۱)

تمہارے باپ اور اگر تمہارے بیٹے اور اگر تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہاری برادری اور تمہارے وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں اور تمہاری سوداگری جس کے بند ہو جانے کا تمہیں خوف ہے اور تمہاری حویلیاں جو تمہیں دل پسند ہیں خدا سے اور اس کے رسولؐ سے اور خدا کی راہ میں جان لڑانے سے زیادہ پیارے ہیں تو تم اسوقت تک منتظر رہو۔ جب خدا اپنا حکم ظاہر کر دے اور خدا بدکاروں کو کبھی اپنی راہ نہیں دکھائے گا۔“ ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ خدا کی مرضی کو چھوڑ کر اپنے عزیزوں اور اپنے مالوں سے پیار کرتے ہیں وہ خدا کی نظر میں بدکار ہیں۔ وہ ضرور ہلاک ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے غیر کو خدا پر مقدم رکھا۔ یہی وہ تیسرا مرتبہ ہے جس میں وہ شخص با خدا بنتا ہے۔ جو اس کے لئے ہزاروں بلائیں خریدے۔ اور خدا کی طرف ایسے صدق اور اخلاص سے جھک جائے کہ خدا کے سوا کوئی اس کا نہ رہے۔ گویا سب مر گئے۔

جامعہ احمدیہ دارالسلام میں دس (۱۰) روزہ دینی تربیتی کورس کا افتتاح

مؤرخہ ۱۵ ۶/۸۱ بروز ہفتہ صبح آٹھ بجے مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر و تشریح سے اس کا آغاز فرمایا۔ کراچی۔ راولپنڈی۔ پشاور۔ شیخ محدی۔ سفید ڈھیری اور بدوملہی سے نوجوانانِ جماعت پہنچے ہوئے تھے۔ یہ امر بڑا خوش آئند اور اُمید افزا ہے کہ مرکزی اکابرینِ جماعت سے علمی و روحانی استفادہ کے لئے یہ نوجوان اس گرمی کے موسم میں بڑے شوق کے ساتھ دور دراز سے تشریف لائے تھے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ کی لاہور تشریف آوری کے بعد غالباً یہ چوتھا تربیتی کورس تھا۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالے اور اسے پھل پھول لگائے۔ پروگرام حسبِ ذیل تھا۔

مجوزہ نصابِ دینی تربیتی کلاس :۔

دارالسلام، ۵ عثمان بلاک۔ نیوگارڈن ٹاؤن۔ لاہور

آ :۔ **قرآنِ مجید** :۔ سورۃ فاتحہ، سورۃ بقرہ از الٓمّٓ ذالک الکتاب سے تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون آیت ۱۴۱ تک لفظی ترجمہ پیش آمدہ مسائل اختصار سے مختصر لغت و تفسیر،

بَ :۔ **حدیث** :۔
ا :۔ علم الحدیث کے بارے میں ضروری معلومات
ب :۔ تیس منتخب احادیث مع ترجمہ و تشریح

مطالعہ کے لئے کتب :۔ ۱۔ مقامِ حدیث (۲) ضرورتِ حدیث، تجویز کی جاتی ہیں۔

ج :۔ **فقہ** :۔
ا :۔ فقہ کے بارے میں ضروری معلومات دی جائیں گی۔
ب :۔ قدوری سے کتاب الصلوٰۃ پڑھائی جائے گی۔

تَ :۔ موازنۂ مذاہب، اسلام اور مذاہبِ عالم

ہندو دھرم، بدھ مت، یہودیت، عیسائیت سکھ ازم کے بارے میں ضروری معلومات، اور ان ادیان کی تعلیم کے تقابل میں اسلام کی عالمگیر، عظیم الشان، ہمہ گیر اور دائمی شریعت کی افضلیت ثابت کی جائے گی۔

دَ :۔ **تحریکِ احمدیت** :۔

مندرجہ ذیل عنوانات پر لیکچرز کے ذریعہ سیر حاصل بحث کی جائے گی۔

۱۔ سیرت حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے چیدہ چیدہ واقعات،
۲۔ حضرت مجدد صد چہاردہم کی صداقت کے دو نشانات،
۳۔ بعض اعتراضات کے جوابات،
۴۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے کارنامے،
۵ :۔ احمدیت کیا ہے؟

ھ :۔ **اکابرینِ سلسلہ احمدیہ کا تعارف** :۔

۱۔ اکابرینِ جماعت لاہور کا تعارف (۲) انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے
۳۔ حضرت مولانا محمد علی رح کی خدماتِ اسلامیہ،

و :۔ معلوماتِ عامہ کے لئے لیکچر :۔

۱۔ نظم و ضبط۔ ۲۔ ایک صالح اور صاحبِ اخلاق مسلمان کی تصویر
۳۔ تعلیم اور اس کے مقاصد۔

درس و تدریس

۱۔ قرآن مجید۔ روزانہ نمازِ فجر کے بعد محترم ڈاکٹر اصغر حمید صاحب مسجد دارالسلام میں قرآن مجید کا درس دیں گے۔ وقت پندرہ منٹ،

قرآنِ مجید :۔ صبح ۸ تا ۹ بجے محترم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب پڑھائیں گے۔

۲۔ حدیث :۔ صبح ۹ تا ۱۰ بجے مرزا محمد لطیف صاحب شاہد پڑھائیں گے۔

وقفہ :۔ ۱۰ تا ۱۰½ بجے برائے چاء

۳ :۔ **فقہ** :۔

۱۰½ تا ۱۱ بجے محترم مولوی احمد گل صاحب پڑھائیں گے۔

۴ :۔ **موازنہ مذاہب عالم** :۔ ۱۱ تا ۱۱½ بجے محترم ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب،

۵ :۔ **روزانہ تقاریر** :۔

۱۱½ تا ۱۲½ بجے، جن میں مختلف مضامین پر مندرجہ ذیل حضرات خطاب فرمائیں گے۔

۱۔ میاں نصیر احمد فاروقی صاحب، ۲۔ محترم جناب مرزا مسعود بیگ صاحب ایم۔ اے
۳۔ محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، ۴۔ محترم ڈاکٹر اصغر حمید صاحب،
۵ :۔ محترم ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب، ۶۔ مرزا محمد لطیف شاہد صاحب،
۷ :۔ چوہدری محمد حیات صاحب، ۸۔ محترم سید سلطان علی شاہ صاحب،

ہر تقریر کے بعد سوال و جواب کا موقع دیا جائے گا۔

◆

ضروری ہدایات

۱۵ ۶/۸۱ صبح آٹھ بجے محترم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب کی صدارت میں افتتاحی اجلاس ہوگا

اوقاتِ طعام

صبح کا ناشتہ، ۷½ بجے دوپہر کا کھانا ۱½ بجے
عصر کی چاء ۵½ " شام کا کھانا ۷½ "

ظہر سے عصر تک طلباء انفرادی طور پر مطالعہ کریں گے اور آرام بھی کریں گے مطالعہ کے لئے فتح اسلام، تحریکِ احمدیت، خلافت راشدہ از مولانا محمد علی مرحوم اور ضروری پمفلٹ وغیرہ مہیا کئے جائیں گے۔ عصر سے مغرب تک مختلف کھیلوں کا انتظام بھی کیا جائے گا۔

نیز

دورانِ کورس دو مرتبہ پچھلے پہر لاہور کے بعض تاریخی مقامات کی سیر بیرونِ لاہور سے آنے والے طلباء کو کرائی جائے گی۔

۲۴ ۶/۸۱ کو ختم کورس کا تحریری امتحان صبح ۸ تا ۱۲ بجے دوپہر ہوگا۔ ازاں بعد الوداعی تقریب محترم جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوگی جس میں طلباء بھی اپنے اپنے تاثرات کا اظہار فرمائیں گے۔

* * *

کردار کی عظمت

کردار تبلیغ اسلام کرنے والے کے لئے ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اور جس کی اولیت ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ وہ انسان کا ذاتی کردار ہے۔ انسان کے ذاتی کردار سے جو عمل کے پھل پھول پیدا ہوتے ہیں وہ محض اس کے ہی گلشن کو خوشنما اور خوشگوار نہیں بناتے بلکہ اس سے سارا ماحول اور سیاق و سباق بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اس ذاتی کردار کے نور سے ایک دنیا منور ہوتی ہے اور اس کے سایہ تلے ہزاروں دُکھوں کے مارے ہوئے آرام اور آسرا تلاش کرتے ہیں اور انسان کا ذاتی کردار صرف اسے ہی ایک عظیم انسان نہیں بناتا بلکہ وہ پارس کی طرح ہو جاتا ہے جو اس سے تعلق اور رابطہ پیدا کرتا ہے۔ وہ بھی عظیم بن جاتا ہے۔ اور اس طرح ایک جماعت وجود میں آجاتی ہے۔ جو خدا کی حمد کے ترانے گا گا کر دنیا میں نیکی کے پودے لگاتی اور بھولے بھٹکوں کے لئے راہِ ہدایت کی نشاندہی کرتی چلی جاتی ہے۔ وہ لوگ جو اپنے لئے ابنیت یا نسل یا تخم کو وجہ فضیلت قرار دیتے ہیں اور ذاتی کردار سے منہ موڑ کر اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات کے مصداق ہو جاتے ہیں ان کی مثال اللہ تعالےٰ نے یوں بیان فرمائی ہے:۔

ومثل کلمۃٍ خبیثۃٍ کشجرۃٍ خبیثۃ ن اجتثت من فوق الارض مالھا من قرار۔

انسان کا اپنی عظمت کے لئے اپنے آباؤ اجداد کا سہارا تلاش کرنا یا اسلاف کے کارہائے نمایاں یا خدماتِ دینیہ کو بیان کرنا یا کسی قسم کے نسبی و نسلی تفاخر کو وجہ فضیلت قرار دینا بجائے اس کو بلندی کی طرف لے جانے کے۔۔۔ آہستہ آہستہ گہرائیوں کی طرف لئے چلی جاتی ہے۔ اسلام نے ساری نسبتوں اور امتیازوں کو مٹا کر صرف ایک نسبت نوعِ انسان کو عطا کی ہے۔ اور اس نسبت سے بڑھ کر اور کون سی نسبت ہو سکتی ہے جس کی ایک سچے مسلم کو تلاش ہو۔ اور وہ اللہ تعالےٰ نے اس حسین جملہ میں گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے اور خیر الکلام ما قل و دل کے مصداق تھوڑی بات مگر بڑی بات بیان کی ہے۔ فرمایا۔

ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ وعمل صالحًا

خدا تعالےٰ کے نزدیک وہی پیارا ہے جو خدا تعالےٰ کے راستہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہو مگر اس کی خاصیت یہ ہو کہ بات کہے تو سچی۔ سچی اور کھری اور عمل کرے تو نیک سیدھا اور سادا۔ یہی زندگی حسین ہے اور یہی راستہ مستقیم ہے۔ اور اسی کو راہِ ہدایت کہا جاتا ہے۔ جو اس پر چلتے ہیں انہی کے متعلق اللہ تبارک و تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

اولٰئک علی ھدًی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون۔

انسان کے لئے معیارِ شرف و بزرگی صرف جوہرِ ذاتی اور خود حاصل کردہ علم و عمل ہے۔ نہ کہ اسلاف کی روایاتِ پارینہ۔ اور نسب یا نسل کا غرور باطل۔ حقیقتاً ہم کو ایسا بننا چاہیئے کہ ہماری نسبت سے ہمارے خاندان کو لوگ پہچانیں نہ یہ کہ ہم اپنی عزت و بزرگی کے لئے خاندان کے شرفِ رفتہ کے محتاج ہوں۔ نسلی تفاخر کو اسلام نے مٹا کر رکھ دیا ہے۔ اور بزرگی اور اکرام کی بنیاد تقوےٰ پر رکھی ہے۔ اسلام ہر اس شخص کو جو اس کے جھنڈے تلے جمع ہوتا ہے مسلمان دیکھنا چاہتا ہے۔ خواہ وہ کسی قبیلے۔ خاندان۔ کسی رنگ یا کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو۔ علامہ اقبال رح نے سچ ہی تو سوال کیا ہے:۔

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

ارباب عقل و دانش اور اصحاب ہمت و مردانگی نے ہمیشہ اپنی راہ خود نکالی ہے۔ اور عظمت و رفعت کی تعمیر اس کردار سے کی ہے جو ان کی ذات میں جوہر آبدار بن کر چمک رہا تھا۔ انہوں نے اپنی منزل کے حصول کیلئے پہاڑوں کی چٹانوں سے راستوں کو تراشا ہے۔ کوہکن کا نام اسی لئے زندہ ہے کہ اس نے اپنی طاقت اور عمل پر بھروسہ کیا اور اپنے کردار کو اپنا رہنما بنایا اور کسی غیر کا محتاج نہ ہوا ؎

کوہکن گزر گیا عزتِ ہنر گئی ——— ہمارے اسلاف کے نام جو آج تک کتاب زندگی میں سنہری حروف سے منور اور روشن نظر آتے ہیں وہ سب ان کے ذاتی کردار کے مرہونِ منت ہیں تاریخ میں ایک واقعہ آتا ہے کہ جب نپولین پروشیا کی فتح کے بعد فریڈرک اعظم کی قبر پر گیا تو اس نے دیکھا کہ فریڈرک کی تلوار اس کی قبر پر لٹک رہی ہے۔ نپولین نے تلوار اتار کر اپنے ایک جرنیل ساتھی کو دی کہ اسے میری طرف سے پیرس کے عجائب گھر کی نذر کر دینا۔ اس پر اس جرنیل نے کہا کہ خدا کی قسم اگر مجھ کو ایسی باعظمت اور تاریخی تلوار ملتی تو میں کبھی کسی دُوسرے کو نہ دیتا۔ نپولین کا وہ قول جو اس نے اس کے جواب میں کہا وہ جہاں نپولین کے ایک عظیم انسان ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ وہاں عقیدت کی آنکھوں سے لگانے کے قابل ہے۔ اس نے کہا:۔

"کیا میرے پاس میری تلوار نہیں ہے؟"

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سچی عظمت اور حقیقی رفعت اس میں نہ تھی کہ فریڈرک کی تلوار لوگوں کو دکھائی جاوے سچی عظمت وہ ہے جو خود ہماری تلوار کو ہماری نسبت سے ملے۔ ہم کو اپنی نیام میں صرف اپنی ہی جوہر دار تلوار رکھنی چاہیئے۔

خاندان اور نسب کا بُت بھی عہدِ جاہلیت کی ایک بڑی یادگار ہے۔ جہاں اسلام نے انسان کے بنائے ہوئے ہزاروں بتوں کو توڑا وہاں اس خود تراشیدہ بت کو بھی پاش پاش کر دیا۔ اور ایک عام اعلان کے ذریعہ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم کا ارشاد فرمایا کہ معزز و مکرم وہی ہے جو احساسِ فرض اور حسنِ عمل کی دولت سے زیادہ مالا مال ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ایک غلام۔ چوڑا یا چمار اپنے حسنِ عمل سے وہ مرتبہ پا جائے جو کسی ولی خلیفہ امام۔ مجدد یا شیخ الاسلام کی اولاد کو عمل سے کورا ہونے کی وجہ سے حاصل نہ ہو سکے۔ ہم دنیا میں آئے دن دیکھتے ہیں کہ عمل کا فرشتہ کتنے ہی بڑوں کو چھوٹا اور چھوٹوں کو بڑا کر دیتا ہے ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

جن وجودوں میں صرف نسل اور نسب کو وجہ فضیلت قرار دیا جاتا ہے اور وہ حسنِ عمل سے یکسر کورے ہوتے ہیں وہ کاغذ کے وہ پھول ہیں جن میں خوشبو نہیں وہ چھلکا ہیں جن میں مغز نہیں وہ مردہ ہیں جن میں روح نہیں۔

سیرت نہیں تو عارض و رخسار سب غلط
خوشبو اڑی تو پھول فقط رنگ رہ گیا

حسنِ عمل کے طفیل بظاہر کمتر اور چھوٹا نظر آنے والا خدا کے حضور میں مقبول ہو جاتا ہے۔ اور بظاہر بڑا شمار ہونے والا عدمِ عمل سے ذلت و خواری کا شکار ہو جاتا ہے۔ ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم
ز خاکِ مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی است

بادی النظر میں کم درجہ کے لوگ گنے جانے والے جنہیں کفار "ھم اراذلنا بادی الرای" کہہ دیا کرتے تھے۔ اسامہ بن زید۔ زید بن حارث۔ بلال حبشی۔ صہیب رومی۔ سلمان فارسی اور ابوذر غفاری کن کن بزرگ ہستیوں کے اسمائے گرامی گناؤں انہوں نے اپنی زندگیوں کو عمل کی زندگی بنایا۔ آج ہم ان پر فخر کرتے ہیں اور اُن کی طرف منسوب ہونا باعث فخر و مباہات جانتے ہیں۔ حضرت فاروقِ اعظم رض کے جنازہ میں ہزاروں خاندانی شرف اور بزرگی و برتری کے مالک قریشیوں اور ہاشمیوں نے صہیب رومی کی قیادت میں نماز ادا کی۔ اسامہ بن زید کی زیرِ کمان مہمات کو نکلنے کے لئے بڑے بڑوں نے اپنے لئے باعثِ فخر جانا۔ اس کی صرف اور صرف یہی وجہ تھی کہ خدا کے رسولؐ نے فرمایا تھا کہ کسی کو کسی دوسرے پر سوائے دین اور تقوےٰ کے کوئی فضیلت نہیں ہے سب آدم کی اولاد ہیں۔ وآدم من تراب اور آدم مٹی سے تھا۔۔۔۔۔

ماخوذ

* * *

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز۔ اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ۔ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور، مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۸۱ء، جلد ۶۸، شمارہ ۳۳ رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰے ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بر و شد اختتام

◆

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمدِ مختار ہیں

◆

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۴۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے ۲ دو پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

جلد :- (۶۸) * یوم چہار شنبہ ۲۵ شوال المکرم ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲۶ اگست ۱۹۸۱ء * شمارہ :- (۳۴)

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم

سچی خوشحالی اور نجات کیونکر حاصل ہو؟

طالبِ حق کے لئے جو قابلِ غور سوال ہے وہ یہی سوال ہے کہ سچی خوشحالی کیونکر حاصل ہو، جو دائمی مسرت اور خوشی کا موجب ہو اور درحقیقت سچے مذہب کی یہی نشانی ہے کہ وہ اس خوشحالی تک پہنچا دے، سو ہم قرآن شریف کی ہدایت سے اس دقیق در دقیق نکتہ تک پہنچتے ہیں کہ وہ ابدی خوشحالی خدا تعالےٰ کی صحیح معرفت اور پھر اس یگانہ کی پاک اور کامل اور ذاتی محبت اور کامل ایمان میں ہے جو دل میں عاشقانہ بیقراری پیدا کرے۔ یہ چند لفظ کہنے تو بہت تھوڑے ہیں لیکن ان کی کیفیت کو بیان کرنے کے لئے ایک دفتر بھی متحمل نہیں ہو سکتا۔

...... نجات کا تمام مدار خدا تعالےٰ کی محبت ذاتیہ پر ہے اور محبت ذاتیہ اس محبت کا نام ہے جو روحوں کی فطرت میں خدا تعالےٰ کی طرف سے مخلوق ہے ... جیسا کہ اس کا قول ہے الست بربکم قالوا بلیٰ یعنی میں نے روحوں سے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو روحوں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسانی روح کی فطرت میں یہ شہادت موجود ہے کہ خدا اس کا پیدا کنندہ ہے، پس روح کو اپنے پیدا کنندہ سے طبعاً و فطرتاً محبت ہے اس لئے کہ وہ اس کی پیدائش ہے ؛

اصل حقیقت اور اصل سرچشمہ نجات کا محبت ذاتی ہے جو وصالِ الٰہی تک پہنچاتی ہے وجہ یہ کہ کوئی محب اپنے محبوب سے جدا نہیں رہ سکتا اور چونکہ خدا خود نور ہے اس لئے اس کی محبت سے نورِ نجات پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ محبت جو انسان کی فطرت میں ہے خدا تعالےٰ کی محبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے اسی طرح خدا تعالےٰ کی محبت ذاتی انسان کی محبت ذاتی میں ایک خارق عادت جوش بخشتی ہے اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے ایک فنا کی صورت پیدا ہو کر بقا باللہ کا نور پیدا ہو جاتا ہے اور یہ بات کہ دونوں محبتوں کا باہم ملنا ضروری طور پر اس نتیجہ کو پیدا کرتا ہے کہ ایسے انسان کا انجام فنا فی اللہ ہو۔ اور خاکستر کی طرح یہ وجود ہو کر (جو حجاب ہے) سراسر عشقِ الٰہی میں روح غرق ہو جائے اس کی مثال وہ حالت ہے کہ جب انسان پر آسمان سے صاعقہ پڑتی ہے تو اس آگ کی کشش سے انسان کے بدن کی اندرونی آگ یکدفعہ باہر آجاتی ہے تو اس کا نتیجہ جسمانی فنا ہوتا ہے ؛

پس دراصل یہ روحانی موت بھی اسی طرح پر دو قسم کی آگ کو چاہتی ہے۔ ایک آسمانی آگ اور ایک اندرونی آگ اور دونوں کے ملنے سے وہ فنا پیدا ہو جاتی ہے جس کے بغیر سلوک تمام نہیں ہو سکتا یہی فنا وہ چیز ہے جس پر سالکوں کا سلوک ختم ہو جاتا ہے اور جو انسانی مجاہدات کی آخری حد ہے۔ اسی فنا کے بعد فضل اور نعمت کے طور پر مرتبہ بقا کا انسان کو حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے :-

صراط الذین انعمت علیہم

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو یہ مرتبہ ملا انعام کے طور پر ملا یعنی محض فضل سے نہ کسی عمل کا اجر۔

—— چشمہ مسیحی ——

عشقِ الٰہی

بہر دم از دل و جاں وصفِ یار بکنم
میں ہر دم دل و جان سے اپنے یار کی تعریف کرتا ہوں
من آں نیم کہ تغافل زکارِ خود بکنم
میں وہ نہیں ہوں کہ اپنے کام سے غفلت کروں

بہر زماں بدلم ایں ہوس ہمے جوشد
ہر وقت میرے دل میں یہ شوق جوش مارتا ہے۔
کہ ہر چہ ہست نثارِ نگارِ خود بکنم
کہ جو کچھ بھی میرے پاس موجود ہے وہ اپنے معشوق پر قربان کر دوں

اگرچہ در رہِ جاناں چوں خاک گردیدم
اگرچہ میں محبوب کی راہ میں خاک کی طرح ہو گیا ہوں
دلم تپد کہ فدائش غبارِ خود بکنم
مگر میرا دل تڑپتا ہے کہ اپنا غبار بھی اس پر فدا کر دوں

رسید مژدہ کہ ایامِ نو بہار آمد
مجھے خوشخبری ملی ہے کہ پھر موسم بہار آگیا
زمانہ را خبر از برگ و بارِ خود بکنم
تا کہ زمانہ کو میں اپنے پھلوں اور پتوں کی خبر کر دوں

جُز محمدؐ کی غلامی کے خُدا ملتا نہیں

بحرِ عالم میں اگرچہ لعل و گوہر ہیں بہت
جانِ عالم! تجھ سا لعل بے بہا ملتا نہیں

کو بکو پھرتی ہے آوارہ تعجب ہے مگر
کوئے جاناں کا پتہ تجھ کو صبا ملتا نہیں

کہتے ہیں ملتی ہے دنیا میں ہر اک دُکھ کی دوا
کیوں علاجِ دردِ دل اے کبریا ملتا نہیں

کیا کروں جاؤں کدھر میں تیرے در کو چھوڑ کر
کوئی در مجھ کو ترے در کے سوا ملتا نہیں

آسماں پر لاکھ چمکیں آفتاب و مہتاب
چاہتا ہوں جس کو میں وہ ماہ لقا ملتا نہیں

ماسوی اللہ سے چھڑا دے اور خُدا سے دے ملا
دوستو! ایسا کوئی مردِ خُدا ملتا نہیں

"سبزہ بے گانہ۔ صبا آوارہ۔ گُل ناآشنا"
گلشنِ عالم میں کوئی باوفا ملتا نہیں

کامرانی کے لئے حسنِ عمل درکار ہے
گوہرِ مقصود جز رنج و عنا ملتا نہیں

میری کشتی کا محافظ اور نگہباں ہے خُدا
کچھ نہیں خوف و خطر گر ناخُدا ملتا نہیں

دِل سے دل مل جائے گر سب مشکلیں آساں ہوں
کیا کریں ہر ایک دل سے دُوسرا ملتا نہیں

رہنمائی کر مری للّٰہ اے جوشِ جنوں
منزلِ مقصود کا مجھ کو پتہ ملتا نہیں

اس سے ملنے کے لئے رہتا ہوں از بس مضطرب
صبر مجھ کو ایک دم صبح و مسا ملتا نہیں

رات مجھ کو کہہ رہا تھا ایک مردِ باخُدا
جُز محمدؐ کی غلامی کے خُدا ملتا نہیں

(مرتضیٰ خان حسن)

جامع مسجد فیجی کی تکمیل

جماعت فیجی کے سیکرٹری جناب شوکت علی صاحب اپنے تازہ خط میں اطلاع دیتے ہیں کہ فیجی کے دارالسلطنت صوا میں زیرِ تعمیر جامع مسجد بفضل تعالیٰ مکمل ہوگئی ہے اور اس میں نمازوں کی ادائیگی شروع ہوگئی ہے۔ اس مسجد کا نام "مسجد نُور" رکھا گیا ہے۔ اور مؤرخہ ۶ جنوری ۱۹۸۱ء (۶/۱/۸۱) جماعت فیجی نے اس مسجد میں "یوم مسیح موعود" منایا اور اسی دن مسجد کا افتتاح ہوا۔ اس جلسہ میں سات سو حاضرین شریک ہوئے جن میں کثیر تعداد غیر از جماعت دوستوں کی تھی۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔ گزشتہ ماہ رمضان میں ایک سو ممبران جماعت ہر شب نمازِ تراویح کے لئے "مسجد نور" میں جمع ہوتے رہے۔ اور جماعت کی دیگر شاخوں نادی۔ لٹوکا وغیرہ میں بھی خاطر خواہ تعداد میں احباب اکٹھے ہوتے رہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے تعمیر مسجد کے منصوبہ کا باقی حصہ اس سال کے آخر تک مکمل ہو جائے گا۔

ہم اس خوشخبری پر جماعتِ فیجی کے مخلص اور مستعد احباب جناب غلام نبی دین صاحب، جناب شوکت علی صاحب، جناب عبدالواحد خان صاحب، جناب عزیز خان صاحب، جناب اے حمید خان صاحب، جناب الیف کے دین صاحب اور دیگر احباب جماعت اور اُن کے قائدِ جواں ہمت جناب مولانا حافظ شیر محمد صاحب کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں اور مرکزی انجمن اور تمام جماعت ہائے کی طرف سے انہیں مرحبا کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہیں کہ جماعتِ فیجی مزید ترقی کرے اور خوب پھلے پھولے۔ آمین

والسلام خاکسار مرزا مسعود بیگ — جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

اَخبارِ احمدیہ

- امیر قوم حضرت مولنا صدرالدین ایدہ اللہ تعالیٰ خیریت سے ہیں احباب جماعت حضرت کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے دُعا فرماتے رہیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی عنقریب وطن واپس آنے والے ہیں۔ سلسلہ کے تہجّد گزار بزرگ اپنی نیم شبی دعاؤں میں اس مردِ عالی کی درازیٔ عمر کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی دعائیں جاری رکھیں۔ تاکہ اس مجاہد فی سبیل اللہ اور مردِ حق آگاہ کی ایمانوں کو جلا بخشنے والی باتوں سے زیادہ سے زیادہ انسان مستفید ہو سکیں۔

عینا یشرب بھا عباداللّٰہ یفجرونھا
تفجیرًا ٥ یوفون بالنذر ویخافون
یومًا کان شرّہٗ مستطیرًا ٥ (الدہر)

" وہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پانی پیتے ہیں۔ وہ منّت پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت پھیلی ہوئی ہوگی"

درسِ قرآن مجید

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی نے دارالسلام میں تشریف لاتے ہی جامع احمدیہ دارالسلام میں درسِ قرآنِ کریم کا آغاز فرما دیا تھا اور وہ اب تک باقاعدہ جاری ہے۔ جب حضرت ڈاکٹر صاحب کی مصروفیات بڑھ گئیں تو آپ نے یہ مقدس فریضہ مکرم ڈاکٹر اصغر حمید صاحب کو سونپ دیا۔ محترم ڈاکٹر صاحب اس فرض کو بڑی باقاعدگی اور خوبصورتی سے نبھا رہے ہیں درسِ قرآن مجید کبھی جماعتِ احمدیہ کا طرۂ امتیاز ہوا کرتا تھا۔ اب تو ہر جگہ یہی چرچا ہے کہ:۔ ؎

بہار اب جو دُنیا میں آئی ہوئی ہے۔
یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے۔

◆

؎
خُدا کے دین کا جو غم گسار ہوتا ہے
خُدا کا اُس پہ کرم بے شمار ہوتا ہے
خُدا کی نصرت و تائید اس کو آتی ہے
خُدا کے فضل سے بابرگ و بار ہوتا ہے
خدا کے قرب کی دولت سے بہرہ ور ہو کر
عزیزِ خاطرِ پروردگار ہوتا ہے۔

(مرتضیٰ خان حسن)

"خیرات بلا کو ٹال دیتی ہے" (حدیث نبوی ؐ)

صحبت صادقین میں رہنا اور صلحائے سے تعلق پیدا کرنا زندگی میں نیک تبدیلی کیلئے ضروری ہے

فلاح اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے خدائی صفات اپناؤ

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش، بتاریخ ۲۱ر اگست ۱۹۸۱ء، بمقام جامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس۔ برانڈرتھ روڈ لاہور * رپورٹ:۔ مولوی شفقت رسول خان

قد افلح المؤمنون ٥ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خلدون ٥
(المؤمنون ۲۳: ۱ تا ۱۱)

مؤمن کی صفات:۔

سورہ مومنون کی ان آیات میں مومنوں کی بعض صفات کا ذکر ہے اور بتایا کہ ایسی صفات کے حامل لوگ یقیناً فلاح پانے والے ہیں۔ وہ صفات یہ ہیں:۔

اوّل خشوع فی الصلوٰۃ یعنی رجوع الی اللہ دوم لغویات سے اعراض یعنی ان باتوں اور کاموں سے اجتناب جن کا اثر انسان کی ترقی اور بہتری پر اچھا نہیں پڑتا۔ سوم فعل زکوٰۃ یعنی ہر ایک فعل میں پاکیزگی اور مخلوق خدا کی عملی بہبود یا قوائے انسانی کی نشو و نما کو مدنظر رکھنا۔ چہارم قوائے شہوانی پر پورا غلبہ حاصل کرنا یعنی حفاظت فروج پنجم امانتوں اور عہد کا پاس رکھنا ششم محافظت نماز۔ خشوع و خضوع نماز کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی کمزوریوں پر نظر رکھے اور اپنی خامیاں تلاش کرتا رہے اور اُن کی اصلاح میں کوشاں رہے۔ اسی لئے نماز کے بارے میں ارشاد ہے کہ:۔

الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر

یعنی نماز سے انسان کمزوریوں اور خامیوں سے نجات حاصل کر لیتا ہے جس کی وجہ سے انسان خدا سے واصل ہو جاتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے:۔ الصلوٰۃ معراج المؤمنین۔ نماز مؤمنوں کا معراج ہے۔ گویا اپنی باطنی کمزوریوں کو دور کرنے کی وجہ سے انسان معراج کا حامل ہو جاتا ہے اور اگر انسان اپنی ان کمزوریوں سے نجات نہیں پاتا تو پھر نہ وہ نمازی ہے اور نہ ہی وہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ رجوع الی اللہ کے ساتھ ساتھ مقصد سے دور لے جانے والی باتوں سے احتراز کیا جائے۔ بے مقصد باتوں میں اگر بظاہر کوئی نقصان نظر نہ آئے تو کم از کم وقت کا ضیاع تو یقینی ہے۔ زندگی دو طریقوں سے سنور سکتی ہے۔ اول اپنی کمزوریوں کو دُور کیا جائے اور دوسرے اپنے اوقات کا یا زندگی کا ضیاع نہ کیا جائے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ مجالس لگا کر گپیں ہانکتے ہیں۔ قابل اعتراض اور ناشائستہ باتیں کرتے ہیں۔ تاش شطرنج وغیرہ قسم کے لغو کھیلوں میں کئی کئی گھنٹے بلکہ پورا دن ضائع کر دیتے ہیں۔ تاش وغیرہ میں زندگی کی قیمتی گھڑیاں ضائع ہوتی ہیں مگر ہمارے ہاں زندگی کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ وقت لمحہ بہ لمحہ کم ہوتا جا رہا ہے۔ ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی۔

زندگی لمحہ بہ لمحہ مسلسل کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اس لئے چاہیئے کہ زندگی کے اوقات کو مفید مطلب کاموں میں صرف کیا جائے اور زندگی کے بیش قیمت اوقات کو لہو و لعب کی نذر ہونے سے بچایا جائے۔

تیسری صفت:۔

ھم للزکوٰۃ فاعلون۔ مومن دوسروں کی خدمت میں اپنے مال اور اوقات کو لگا دیتے ہیں۔

چوتھی صفت:۔ ھم لفروجھم حافظون۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی صرف منکوحہ عورت کے علاوہ ہر قسم کے شہوانی امور سے اجتناب کرتے ہیں۔ اگر انسان نکاح کی حدود کو توڑتا ہے تو وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے یعنی اس کی ترقی میں یہ سفلی جذبات روک بن جاتے ہیں۔ اور پانچویں صفت امانتوں اور معاہدوں کی پابندی ہے۔ حدیث میں لا ایمان لمن لا عھد لہٗ "جو عہد کی پابندی نہیں کرتا وہ مؤمن نہیں ہے۔" اور منافق کے تذکرہ کے ضمن میں صفات کا ذکر کرتے ہوئے حدیث نبوی میں فرمایا اذا ائتمن خان کہ جب اس کے سپرد امانت کی جاتی ہے تو وہ خیانت کرتا ہے۔ مومن کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ امین ہو اور عہد کا پابند ہو۔ دنیاوی کاروبار کی انجام دہی کے لئے امانتوں و عہدوں کی وفا شعاری نہایت اہم ہے۔ چھٹی بات علیٰ صلوٰتھم یحافظون فرمائی کہ مومن نمازوں کی حفاظت کرتا ہے۔ یعنی کسی قیمت پر نماز کو ضائع نہیں کرتا۔ حفاظت صلوٰۃ کا مطلب ہے قیام صلوٰۃ و یقیمون الصلوٰۃ نمازوں کو قائم کرتے ہیں۔ اپنی کمزوریوں کو ان ہدایات کی روشنی میں دور کرنا اور اپنی طبیعت کو بدل ڈالنا بڑی ہمت اور جرأت کی بات ہے اور مشکل ترین کام ہے۔ عام طور پر کمزوریوں پر دھیان نہیں دیا جاتا۔ بلکہ کمزوریوں کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ اپنی برائیوں کا کھوج نہیں لگایا جاتا۔ نماز کمزوریوں کو دور کرنے میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

مجاہدہ نفس ضروری ہے:۔

دوسروں کے عیوب کا دیکھنا آسان ہے لیکن اپنا عیب دیکھنا دشوار ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ:۔

"دوسروں کی آنکھ کا تنکا بھی نظر آ جاتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔"

اس لئے باطنی جہاد یہ ہے کہ انسان اپنی کمزوریوں پر نظر رکھے اور اپنے دیگر معاملات کو ان احکامات کی روشنی میں درست کرے۔ اگر انسان دو سمتوں میں اپنے اعمال درست کرے یعنی خدا سے تعلق کو مضبوط کرنے کے ساتھ مخلوق سے عمدہ اور شفقت اور مہربانی کا سلوک کرتا ہے تو یہ وصف انسان کو عباد الرحمٰن میں شامل کر دیتا ہے۔

خدا کی صفات کا مظہر ہونا:۔ عباد الرحمٰن وہ ہستیاں ہیں جو صفات خداوندی سے متصف ہو جاتی ہیں۔ اور تخلقوا باخلاق اللہ کی مظہر ہوتی ہیں۔ تو جب تک انسان صفات خداوندی سے حسب استطاعت حصہ نہیں لیتا اور اپنے اخلاق کو نہیں سنوار لیتا اس وقت تک کامیابی ناممکن ہے اور یہ اخذ اخلاق بھی ان وجودوں سے ممکن ہے جو خود الٰہی اخلاق کے حامل ہوں۔ اس غرض کے لئے "دارالسلام" میں نوجوانوں کی تربیت کے لئے دینیات کی کلاس جاری ہے۔ میں نے توجہ دلائی تھی کہ "یادِ رفتگاں" میں جماعت کے ان بزرگوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے صفات خداوندی کو اپنایا۔ اور صبغۃ اللہ سے رنگین ہو گئے تھے۔ ومن احسن من اللہ صبغۃ "اور خدا کے رنگ سے کون سا رنگ بہتر ہو سکتا ہے۔" یعنی صفات خداوندی کا حامل ہونا ہی فضیلت کا حامل ہونا ہے۔ ایسے پاک بزرگوں کی نگاہ مؤثر ہوتی ہے۔ اور لوگوں کے اندر انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ علامہ اقبال رحمہ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے کہ:۔ ؎

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسا کہنا غیر سائنٹیفک ہے۔ لیکن یہ ایک یقینی بات ہے کہ اہل اللہ کی صحبت انسان میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ ایک دفعہ حضرت مولانا نورالدین رحمہ کو ان کے ایک ہم عصر عالم مولانا حسن علی مسلم مشنری نے لکھا کہ آپ نے مرزا صاحب کی بیعت کیوں کی ہے۔ حالانکہ آپ تو خود بہت بڑے عالم ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ مرزا صاحبؑ کی بیعت میں نے اس لئے کی کہ میرے اندر ایک کمزوری تھی جو میں باوجود کوشش کے دور نہ کر سکا لیکن مرزا صاحبؑ کی صحبت نے اس سے نجات دلائی۔ ابن مریم ہوا کرے کوئی۔ میرے دکھ کی دوا کرے کوئی۔ "انصارِ احمدیہ" میں ڈاکٹر جلال دین صاحب کا ذکر موجود ہے وہ گوجرہ کے رہنے والے تھے اور اپنی پہلی زندگی میں دین سے لاتعلق تھے لیکن جونہی انہوں نے بیعت کی تو ان کے اندر ایک انقلاب آ گیا تو مخلوق کی خدمت کے علاوہ قرآن اور حدیث کا درس بھی دینے لگے۔ سیالکوٹ کے میر حامد شاہ صاحب کا واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے خلاف قتل کے مقدمہ میں گواہی دی جب اس کے ہاتھ سے ایک نوجوان مارا گیا۔ تو ذہنی تبدیلی کے لئے صحبت صالحین اور دینی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے نوجوانوں کو دینی تربیتی کورس میں شامل ہونا چاہیئے۔ ہم نشینی سے اثر پڑتا ہے ورنہ تعلیمی اداروں کی ضرورت نہ ہوتی۔ رابطہ بڑا ضروری ہے۔ نیک لوگوں سے رابطہ پیدا کریں۔ حضرت مولانا نورالدین رحمہ نے لکھا ہے کہ میں ایک دفعہ اپنے مرشد سے دیر بعد ملا تو وہ کہنے لگے کہ نورالدین! تمہیں معلوم ہے کہ قصاب گوشت بنانے ہوئے چھری کو چھری پر کیوں رگڑتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ جو چھری پر چربی چڑھ جاتی ہے اور تیزی میں مانع ہوتی ہے دور ہو جائے۔ یعنی چھری کو ایک دوسرے پر رگڑنے سے ان کی تیزی اور کاٹ بڑھ جاتی ہے ورنہ کاٹ میں کمی آ جاتی ہے۔ اگر صحبت اور ہم نشینی کا تعلق نہ رہے تو دل و دماغ زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ کونوا مع الصّٰدقین

(بقیہ صفحہ ۱۲ کالم ۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

امر بالمعروف ۔ حضرت مرزا صاحب کی ایک دلی خواہش

اس زمانہ میں امر بالمعروف کیلئے مجدد زماں حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے ایک جماعت بنائی۔ حضور نے اس جماعت سے جو توقعات وابستہ کی تھیں وہ پیش خدمت ہیں۔ دعا کریں کہ خدا تعالیٰ ہمیں حضور کے ان ارشادات کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(ادارہ)

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"اے نادانو! خوب سمجھو۔ اے غافلو! خوب سوچ لو کہ بغیر سچی پاکیزگی ایمانی اور اخلاقی اور اعمالی کے کسی طرح رہائی نہیں اور جو شخص ہر طرح سے گندہ رہ کر پھر اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو نہیں اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے اور مجھے ان لوگوں سے کیا کام جو سچے دل سے دینی کام اپنے سر پر نہیں اٹھا لیتے اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوئے کے نیچے صدق دل سے اپنی گردنیں نہیں رکھ دیتے اور راست بازی کو اختیار نہیں کرتے اور فاسقانہ عادتوں سے بیزار ہونا نہیں چاہتے۔۔۔۔ اور ناپاکی کے خیالوں کو ترک نہیں کرتے اور انسانیت اور تہذیب اور صبر اور نرمی کا جامہ نہیں پہنتے بلکہ غریبوں کو ستاتے اور عاجزوں کو دھکے دیتے اور اکڑ کر بازاروں میں چلتے اور تکبر سے کرسیوں پر بیٹھتے ہیں۔ اور اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہیں۔ اور کوئی بڑا نہیں مگر وہی جو اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے۔ مبارک وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں اور شرم سے بات کرتے ہیں اور غریبوں اور مسکینوں کی عزت کرتے اور عاجزوں کو تعظیم سے پیش آتے۔۔۔۔۔ اور اپنے رب کریم کو یاد رکھتے ہیں اور زمین پر غریبی سے چلتے ہیں۔ سو میں بار بار کہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے نجات تیار کی گئی ہے جو شخص شرارت اور تکبر اور خود پسندی اور غرور اور دنیا پرستی اور لالچ کی دوزخ سے اسی جہان میں باہر نہیں وہ اُس جہان میں کبھی باہر نہیں ہوگا۔ میں کیا کروں اور کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں جو اس گروہ کے دلوں پر کارگر ہوں۔ خدایا مجھے ایسے الفاظ عطا فرما اور ایسی تقریریں الہام کر جو ان دلوں پر اپنا نور ڈالیں اور اپنی تریاقی خاصیت سے ان کے زہر کو دور کر دیں۔

میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ وہ کبھی دن ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا۔ اور ایک سچا عہد اپنے خدا سے کر لیا۔ کہ وہ ہر ایک شر سے اپنے تئیں بچائیں گے اور تکبر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے بالکل دُور جا پڑیں گے اور اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے۔ مگر ابھی تک بجز خاص چند آدمیوں کے ایسی شکلیں مجھے نظر نہیں آتیں۔ ہاں نماز پڑھتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ نماز کیا شے ہے؟ جب تک دل فروتنی کا سجدہ نہ کرے صرف ظاہری سجدوں پر امید رکھنا طمع خام ہے۔۔۔۔ صرف جسمانی رکوع و سجود بھی ہیچ ہے۔ جب تک دل کا رکوع و سجود و قیام نہ ہو دل کا قیام یہ ہے کہ اس کے حکموں پر قائم ہو اور رکوع یہ ہے کہ اس کی طرف جھکے اور سجود یہ ہے کہ اس کے لئے اپنے وجود سے دستبردار ہو۔۔۔۔۔ دعا کرتا ہوں اور جب تک مجھ میں دمِ زندگی ہے کئے جاؤں گا۔ اور دعا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ میری اس جماعت کے دلوں کو پاک کرے اور رحمت کا ہاتھ لمبا کرے۔ ان کے دل اپنی طرف پھیر دے اور تمام شرارتیں اور کینے ان کے دلوں سے اٹھا دے اور باہمی سچی محبت عطا کرے اور میں یقین رکھتا ہوں۔ میری یہ دعا کسی وقت قبول ہوگی اور خدا میری دعاؤں کو ضائع نہیں کرے گا۔

ہاں میں یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری جماعت میں خدا تعالیٰ کے ارادہ میں بدبخت ازلی ہے جس کے لئے یہ مقدر نہیں کہ سچی پاکیزگی اور خدا ترسی اس کو حاصل ہو تو اس کو اے قادر خدا! میری طرف سے بھی منحرف کر دے جیسا کہ وہ تیری طرف سے منحرف ہے اور اس کی جگہ کوئی اور لا جس کا دل نرم ہو اور جس کی جان میں تیری طلب ہو۔۔۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی دنیا کا کیڑا کہ میرے ساتھ پیوند کرے"

(شہادت القرآن صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴)

پشاور میں ایک الوداعی تقریب

محترم ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب صدر جماعت پشاور کی مستقلاً نقل مکانی (پشاور سے لاہور) کے سلسلہ میں مقامی جماعت کی طرف سے مکرم ڈاکٹر صاحب کے اعزاز میں مؤرخہ ۲۱/۸ جامع احمدیہ پشاور میں ایک الوداعی تقریب منعقد ہوئی (آپ اوائل ستمبر میں مستقل طور پر پشاور سے لاہور منتقل ہو رہے ہیں) جس میں جماعت ہائے پشاور، سفید ڈھیری، شیخ محمدی اور بازید خیل کے احباب نے شرکت کی۔ بعد از نماز جمعہ تقریب کا آغاز ہوا۔ جناب محمد الرحمٰن صاحب سیکرٹری جماعت کا تحریر کردہ الوداعی سپاسنامہ خاکسار نے پڑھ کر سنایا۔ (کیونکہ وہ خود بوجہ ناسازیٔ طبع پڑھ نہ سکتے تھے) الوداعی ایڈریس میں محترم ڈاکٹر صاحب کی جماعتی خدمات کو سراہا گیا تھا۔ جن دوستوں کو ڈاکٹر صاحب موصوف کے ساتھ جماعتی کام کرنے کا موقع ملا تھا اُن پر رقت طاری تھی، تعمیر مسجد اور تربیت نوجوانانِ جماعت کے سلسلہ میں آپ کے بیش بہا احسانات کو خاص کر پشاور میں یاد رکھا جائے گا۔

سپاسنامے کے جواب میں مکرم ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب نے چند کلمات ہی فرمائے تھے کہ آبدیدہ ہو گئے اور آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ آواز رُندھ گئی۔ آپ نے بصد مشکل احباب جماعت کو اپنی نصائح سے نوازا۔ یہ نظارہ بڑا رقت انگیز تھا اور ہر دوست ڈاکٹر صاحب کی جدائی کے احساس سے بے چین تھا۔ کیونکہ جماعت ہائے پشاور آپ کی سرپرستی سے محروم ہو رہی تھیں اور ایک طویل عرصہ کی رفاقت کے بعد آپ پشاور کو چھوڑ کر جا رہے تھے اور سب دوستوں پر اس جدائی کا احساس غالب تھا۔

مکرم ڈاکٹر صاحب کے اختتامی کلمات کے بعد احباب کی پُرتکلف چائے سے تواضع کی گئی۔ چائے کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب نے ہر دوست سے فرداً فرداً مصافحہ و معانقہ کیا۔ آپ کی رخصت سے جماعت کے دل غمگین ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ آپ جہاں بھی رہیں اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین!

عبدالرحمان امام مسجد احمدیہ
برائے محمد الرحمٰن صاحب سیکرٹری جماعت پشاور

وفات:۔ مرزا محمد حیات صاحب تاثیر فاضل عربی قضائے الٰہی سے حجرہ شاہ مقیم میں مؤرخہ ۲۱/۸ اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم نوجوان ہی تھے کہ احمدیہ تحریک سے متاثر ہو کر احمدیت قبول کی۔ آپ کے گھر والوں نے آپ سے قطع تعلق کر لیا۔ مرزا صاحب قادیان آ گئے اور جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی۔ پنجاب یونیورسٹی سے فاضل کی ڈگری حاصل کر کے طبیہ کالج دہلی میں داخلہ لے لیا۔ ایک سال بعد فسادات کے دوران دہلی سے نکلنا پڑا۔ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ ربوہ نے ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کی وجہ سے ان کو لائبریری کا انچارج مقرر کر دیا۔ ۵۳ء منیر انکوائری کورٹ میں جب خلیفہ ربوہ نے اپنے گزشتہ عقائد سے انحراف کیا تو مرزا صاحب نے اپنی زندگی وقف کو خیرباد کہا اور ربوہ چھوڑ کر ضلع ساہیوال میں گورنمنٹ سکول میں بطور عربی ٹیچر ملازمت کر لی اور اکابرین احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے عقائد کو صحیح سمجھ کر ان سے تعاون شروع کر دیا۔ آپ حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علیؒ کے علم اور خدمات دینیہ کے بہت معترف تھے۔ اور موجودہ امیر حضرت مولانا صدر الدین صاحب سے آپ کو بہت محبت تھی۔ اپنے حلقہ احباب میں تبلیغ اُن کا وطیرہ ہو گیا تھا۔ احباب دعائے مغفرت فرمائیں اور اپنے ہاں غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائیں۔ (نامہ نگار)

دس روزہ دینی تربیتی کلاس کی الوداعی تقریب

رپورٹ :- شفقت رسول خاں

جیساکہ احباب کو علم ہے یہ دینی تربیتی کلاس ۱۵ اگست سے ۲۴ اگست ۱۹۸۱ء تک جاری رہی جس میں جماعت کے تقریباً ۶۲ طلباء نے حصہ لیا جس میں باہر کی جماعتوں میں سے تقریباً ۳۵ نوجوان طلباء نے شرکت کی۔ اس تربیت میں طلباء کو تفسیر قرآن پاک۔ حدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم۔ فقہ و دیگر دینی اعمال کی تعلیم اور عملی تربیت دی گئی۔ اس کلاس کے اختتام پر یہ الوداعی تقریب مؤرخہ ۲۵ اگست ۱۹۸۱ء کو منعقد ہوئی جس میں اساتذہ اور طلباء اور مندوبین نے اپنے اپنے تاثرات بیان کئے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اس الوداعی تقریب کے اجلاس کی صدارت جناب نصیر احمد فاروقی صاحب نے کی جبکہ سیکرٹری کے فرائض مرزا محمد لطیف صاحب شاہد نے انجام دیئے۔ اجلاس کی کارروائی تلاوت قرآن پاک سے شروع ہوئی جو انڈونیشین طالب علم جناب یمین صاحب نے کی۔ انہوں نے سورہ انفال کا پہلا رکوع نہایت عمدہ اور سحر کن لحن اور تجوید کے قواعد و ضوابط کے مطابق پڑھا جزا ک اللہ، بعدہٗ عزیز فاروق احمد صاحب نے حضرت مجدد صد چہار دہم کا کلام (جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے) نہایت خوش الحانی سے پڑھ کر سنایا اس کے بعد تربیت حاصل کرنے والے طلباء میں سے مسٹر شوکت علی صاحب نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ یہ تربیتی کورس دین کے حصول کے لئے ایک عمدہ کوشش ہے۔ ہمیں اپنے بزرگوں سے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا سبق ملتا ہے۔ اور ہمیں یہ احساس ہوا ہے کہ ہم بھی ہمیشہ دین کو دنیا کے امور پر مقدم رکھیں۔ قرآن اور حدیث اور فقہ اور احمدیت کے بارے میں نہایت مفید اور ایمان افروز لیکچر ملے جس کی وجہ سے ہم اپنے اساتذہ اور بزرگوں کے مشکور ہیں۔

جناب طاہر محمود صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا کہ ہم نے نہ صرف دین کے علم کو حاصل کیا بلکہ اس طرح ہمیں اپنے دور رہنے والے بھائیوں سے ملاقات کا بھی موقع ملا۔

جناب احسان اللہ صاحب بدوملہی نے کہا کہ یہ تربیتی کورس نہایت گراں قدر دینی معلومات کا حامل تھا۔ جناب فاروقی صاحب کے درس قرآن اور جناب مرزا مسعود بیگ صاحب اور جناب مولانا مرزا محمد لطیف صاحب اور محترم ڈاکٹر الٰہ بخش صاحب کے لیکچرز سے ہمارے ایمانوں کو تازگی ملی ہے۔ جناب ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب نے ہمارے دل و دماغ میں اس حقیقت کو ٹھوس طریقے سے داخل کیا ہے۔ کہ اسلام ہی تمام مذاہب عالم میں ایک مکمل دین ہے اور انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اسلام کا حلقہ بگوش ہو۔

شہزاد عزیز صاحب (اوکاڑہ) نے بتایا کہ ہم نے یہاں آکر دین کے بارے میں بہت کچھ سیکھا جس کے لئے ہم اپنے اساتذہ کے بے حد ممنون ہیں۔

شاہد حمید صاحب راولپنڈی نے اپنے تاثرات کو یوں ظاہر کیا کہ میں انتظامیہ تربیتی کلاس کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ہمارے لئے علم حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا۔ ہمیں وقت کی کمی کا شدت سے احساس ہوا کیوں کہ قلیل وقت کی وجہ سے ہماری علمی پیاس نہ بجھ سکی بلکہ اس سے مزید طلب بڑھی ہے۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ آئندہ اجلاس کا وقت کم از کم بیس دن ضرور ہونا چاہیئے۔ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت اور حیات اور اسلامی تاریخ اور تاریخ احمدیت کے لئے مزید وقت دیا جاتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔

جناب ناصر احمد صاحب (شیخ محمدی) نے بتایا کہ ہمیں اپنے بزرگوں سے علمی و روحانی استفادہ کر کے بڑی خوشی ہوئی اور ہم نے اپنے دینی علم میں اضافہ کیا ہے۔ انہوں نے تجویز کیا کہ ایسے کورسوں میں زیادہ سے زیادہ احمدی نوجوانوں کو حصہ لینا چاہیئے کہ یہ کورس علم میں اضافہ اور ایمان میں مضبوطی کا باعث بنتے ہیں۔

محترم اختر علی صاحب (سفید ڈھیری) نے بتایا کہ یہ تربیتی کورس بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کورس سے وہ خدا کا حکم پورا ہوتا ہے کہ "تمہارے اندر ایک جماعت ہونی چاہیئے جو نیکی کا حکم دینے والی اور برائیوں سے روکنے والی ہو"

محترم فاروقی صاحب کی تفسیر قرآن سے میں بہت متاثر ہوا ہوں اور دیگر اساتذہ جناب مرزا مسعود بیگ صاحب اور مولانا مرزا محمد لطیف صاحب اور دیگر اساتذہ کی شفقت اور توجہ کے ہم ممنون ہیں ایسے کورس یقیناً دینی تربیت کے لئے نہایت ضروری اور مفید ہیں۔

شیخ الٰہ بخش صاحب (بدوملہی) نے تربیتی کلاس کے اجراء پر اظہار اطمینان کیا اور جناب فاروقی صاحب کو تحریک کی کہ وہ بھی قرآن پاک کی تفسیر لکھیں کیونکہ ان کا انداز تفسیر بہت ہی عمدہ ہے جس سے افراد جماعت کا استفادہ کرنا مفید ہوگا۔ جس کے لئے فاروقی صاحب نے معذرت کر لی شیخ صاحب نے تربیتی کلاس کو بے حد مفید اور نتیجہ خیز قرار دیا۔

مکرم ڈاکٹر الٰہ بخش صاحب نے اس کورس میں شامل طلباء کا شکریہ ان الفاظ میں کیا۔ میں اس موقعہ پر تقریر کے لئے کھڑا نہیں ہوا بلکہ ان دور و نزدیک سے اس تربیتی کورس میں شامل ہونے کے لئے اس قدر گرمی میں تشریف لانے والے طلباء کا شکریہ ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں اور ان تشریف لانے والوں کو میں مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے یہ دینی مرحلہ اپنے وہ اوقات جو ان کے کھیل اور تفریح کے لئے وقف تھے صرف کر کے دینی تربیت کے حصول میں خوشی اور مسرت پائی۔ اس لئے وہ صد مبارکباد کے مستحق ہیں اور آپ نے تجویز کیا کہ آئندہ بھی ایسی تربیتی کلاسوں کا سلسلہ بڑھ چڑھ کر جاری رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے ان بزرگوں کا خلا پُر کرنے کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ جو ہم سے جدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ طلباء اپنے بزرگوں کے اخلاق و عادات علم اور عمل سے فائدہ اٹھائیں۔ اس جماعت میں مجاہدین اسی صورت میں پیدا ہو سکتے ہیں ان کی مناسب تعلیم حاصل کرنے کا انتظام ہو۔ اس لئے یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ جاری رہنا چاہیئے۔ جب ہم علم کلام الٰہی کی اشاعت کا فریضہ ادا کر رہے ہیں تو ہمارے اندر تربیت یافتہ افراد کی اشد ضرورت ہے جو صاحب ایمان و اخلاق و علم ہوں اور صاحب عزم و اہل تنظیم ہوں۔ ایسا افراد اپنے اچھے کردار کے اثرات سے لوگوں کے لئے دینی تحریک کا باعث ہوں اور یہ مرکز ایسے لوگوں کا اجتماع بن جائے اور یہ مرکز دارالعلوم کی حیثیت اختیار کر جائے جس سے دین کے پیاسے اپنی اپنی پیاس بجھا سکیں اور جماعت احمدیہ کا وجود لوگوں کے لئے نجات دہندہ ہو اور ہم ایک اور نیک بن کر دنیا کے لئے مشعل راہ ہوں۔ محض عمدہ قسم کا علم کلام کافی نہیں جب تک تعلیم اور درس و تدریس کا تنظیم سلسلہ بھی ساتھ ہی ساتھ جاری نہ ہو۔ زندگی کسی پہلی زندگی سے ہی پیدا ہونی ممکن ہے۔ چنانچہ مدارس۔ دارالعلوم اور یونیورسٹیوں کی ضرورت نہ تھی اگر صرف کتب کے مطالعہ سے یہ مقصد حاصل ہونا ممکن ہوتا۔ لہٰذا ان طلباء کو جس قدر اہمیت دی جائے کم ہے۔ کیونکہ یہ وجود ہی اشاعت دین کے لئے مفید اور اہم وجود ہیں جو تربیت پاتے ہیں۔ میں ان کی مساعی کو سراہتے ہوئے پھر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ یہ رسمی بات نہیں بلکہ مجھے واقعتاً دلی خوشی حاصل ہوئی ہے۔

جناب محمد اعظم علوی صاحب نے "اے عزیزانِ مکرم الوداع" کے مطلع سے ایک پُر مغز الوداعی نظم پڑھی جو نہایت مؤثر نظم تھی۔

محترم مرزا مسعود بیگ صاحب نے اپنے مختصر خطاب میں فرمایا کہ مقام شکر ہے کہ یہ کورس بخیر و خوبی اختتام کو پہنچا اور بہت سے عزیز طالب علموں نے استفادہ کیا۔ نصاب نہایت عمدگی سے مرتب کیا گیا تھا۔ پچھلے سالانہ جلسہ پر بیرون ملک سے احباب جنہوں نے شرکت کی ان کی تعداد تقریباً ۵۰ تھی۔ انہوں نے بھی تربیت یافتہ افراد کے ہونے کی خواہش کی تھی ۱۹۷۶ء میں کمیٹی تبلیغ بلاد غیر بنائی گئی تھی تو ہمیں تربیت یافتہ افراد کی ضرورت کا احساس ہوا چنانچہ یہ کورس اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ بیرونی جماعتوں سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے نوجوان بھیجیں جن کی تربیت کی جائے چنانچہ انڈونیشیا سے دو نوجوان تربیت کے لئے تشریف لائے ہوئے ہیں اور امریکہ سے آمدہ ایک نوجوان حال ہی میں تربیت حاصل کرنے کے بعد واپس گیا ہے۔ گیانا سے بھی تین طلباء آئیں گے ایک نیا نصاب مرتب کیا جا رہا ہے۔ اس نصاب کا امتحان ہوگا جس میں پارہ اول کا ترجمہ تفسیر اور حدیث کا کچھ ضروری حصہ ہوگا۔ اجتماعی زندگی گزارنے کا تجربہ اس سے حاصل ہوتا ہے۔

جناب فاروقی صاحب نے جناب شیخ الٰہ بخش صاحب (بدوملہی) کی تحریک تفسیر قرآن کے متعلق بتایا کہ الحمدللہ ہمارے پاس مقبول دارین تفسیر قرآن "بیان القرآن" کی موجودگی کی وجہ سے مزید تفسیر کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ ہر پہلو سے قرآن پاک کی مکمل تفسیر ہے۔ میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے بھی کوئی تفسیر نہیں لکھ سکتا۔ ڈاکٹر زاہد علی صاحب نے سپلیمنٹری تفسیر لکھنے کا خیال کیا تھا۔ ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک صاحب نے میرے درس قرآن کریم کے

(بقیہ صفحہ ۱۲ کالم ۳)

تاریخ اسلام کے زرّیں اوراق ـــــــ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم

کامل مذہبی رواداری کے تابندہ نمونے

حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے دنیا میں یہ اصول قائم کیا کہ دین کے معاملات میں کسی پہ جبر نہیں کیا جا سکتا اور اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا۔ مذہبی معاملات میں اختلافات آراء کا احترام کیا گیا اور آزادیٔ ضمیر کی توسیع و اشاعت کی گئی۔ انفرادی رائے کا ہر شخص کو حق دیا گیا اور آپؐ نے فرمایا کہ ہر شخص اپنے معتقدات مذہبی کا خود خدا کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ یہ معاملہ بندہ اور خدا کے درمیان منحصر ہے۔ دوسری قوموں نے تو مذہبی جور و تعدی کے بدترین نمونے پیش کئے۔ اختلاف رائے سے خون کے دریا بہا دیئے۔ اس لئے اس معاملہ میں اصلاح کی ضرورت تھی اور آپؐ نے اس کمی کو پورا فرما دیا۔ تاریخ اسلام میں کسی مذہبی جبر کا تذکرہ نہیں مِل سکتا۔ بدعت کی مذمت ضرور کی گئی ہے لیکن کسی فرقہ یا جماعت مبتدعین کو زندہ آگ میں نہیں ڈالا گیا لیکن نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو دوسرے کی مذہبی زندگی میں دخل دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اور نہ کوئی کسی کو ضمیر کی آزادی کی بناء پر مستوجب سزا قرار دے سکتا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ کسی شخص کو غلط عقائد کی وجہ سے اس دنیا میں کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔ یہ بات آخرت پہ موقوف ہے۔ اس زندگی میں تو صرف اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ عقائد کا معاملہ آخرت میں طے ہوگا۔ اس طرح آپؐ نے ایسی مذہبی رواداری کا اصول قائم فرمایا جس کی نظیر ماقبل اسلام میں نہیں مِل سکتی۔ آپؐ نے اصولِ رواداری پر عمل کر کے بھی دکھا دیا جس طرح آپؐ نے مسلمانوں کے نفوس اور اموال کی حفاظت کی اسی طرح غیر مسلموں کے۔ اور ان کو اپنے عقائد پر قائم رہنے کی مکمل آزادی تھی۔ عیسائیوں کو بھی آپؐ نے بڑی مراعات عطا فرمائیں۔ سید امیر علی لکھتے ہیں :۔

”دنیا میں مسلمانوں سے بڑھ کر کسی مذہبی جماعت فاتحین نے غیر مذاہب کو مراعات عطا نہیں کیں۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کو مندرجہ ذیل دستاویز عنایت فرمائی تھی: ”نجران اور اس کے گرد و جوار کے عیسائیوں کو خدا تعالےٰ کی حفاظت اور اس کے رسولؐ کی نیک نیتی اور وعدہ کا یہ الفاظ دیا جاتا ہے کہ ان کے نفوس اموال اور عقائد سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے گا۔ اور ان کے مذہبی مراسم میں کسی قِسم کی مداخلت نہ کی جائے گی اور ان کے حقوق اور مراعات میں کمی نہ کی جائے گی۔ کسی اسقف یا راہب کو اس کی جائے مقررہ سے برطرف نہ کیا جائے گا اور ان کی پوزیشن اور عزت برقرار رہے گی۔ کوئی مورت یا صلیب نہ توڑی جائے گی۔ نہ اُن پر کوئی دوسرا ظلم کرے گا اور نہ وہ کسی پر ظلم کر سکیں گے۔ ایام جاہلیت کا طریق قصاص موقوف کیا جاتا ہے۔ ان سے عشر نہ لیا جائے گا۔ نہ اُن کو سامان رسد مہیا کرنا پڑے گا۔“ ؎

مجوسیوں کو بھی اسی طرح کا اقرار نامہ عطا کیا گیا۔ آپؐ نے ان کے پیر مغاں فرخ ابن شخصان کو جو خط لکھا تھا۔ اس کے چند فقرے اس جگہ نقل کرتا ہوں ”محمد رسول اللہ کی طرف سے سلمان فارسی کے بھائی فرخ ابن شخصان اور اس کے عیال کو یہ دستاویز ہمیشہ قائم رکھنے کی غرض سے دی جاتی ہے۔ خواہ اس کی اولاد اسلام لائے یا مذہب اجداد پر قائم رہے یہ دستاویز اس بات کی ضمانت ہے کہ اس کو اور اس کی اولاد کو خدا کی حفاظت میں رکھا جائے گا اور ان کے اموال و املاک کی حفاظت کی جائے گی خواہ کوہی ہوں یا میدانی۔ ان کو چراگاہوں اور کنوؤں کے استعمال کی اجازت ہوگی۔ ان پر کسی قِسم کا ظلم روا نہ رکھا جائے گا۔ اور جس مسلمان کی نظر سے یہ خط گزرے اس پر مجوسیوں کی حفاظت فرض ہے۔ اسے لازم ہے کہ دوسروں کو ان پر ظلم کرنے کا موقعہ نہ دے اور نہ ان کو زبان یا ہاتھ سے آزار پہنچائے، وہ اپنے معابد اور املاک پر بدستور قابض رہیں گے۔ قیمتی ملبوسات کے استعمال کی اجازت ہوگی۔ مکانات کی تعمیر، اور رسوم مذہبی کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی جائے گی۔ اور تمام غیر مسلموں سے بڑھ کر ان کے ساتھ حسنِ سلوک روا رکھا جائے گا ؎

اِسلام میں مسلم اور ذمی دونوں شریعت کی نگاہ میں یکساں ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے :۔

” ذمی کا خون، مسلمان کے خون سے کم نہیں “

رواداری کی یہ رُوح اِسلامی حکومت کے عروج میں ہر جگہ جلوہ فرما تھی۔ خلیفہ اوّل کے زمانہ میں خالد ابنِ ولید نے جو ان کے سپہ سالار تھے، ایک اعلان شائع کیا جس کی رو سے تمام نصاریٰ کے نفوس اور املاک کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا تھا اور یہ کہ ان لوگوں کو تہواروں کے زمانہ میں صلیبیں نکالنے اور ناقوس بجانے کی اجازت ہوگی۔ خلیفہ وقت نے بھی اس اعلان پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔ فتح مصر کے بعد حضرت فاروقِ اعظمؓ نے ان املاک کو باحتیاط برقرار رکھا جو معابد سے متعلق تھیں۔ اور نصاریٰ کے مذہبی علماءؒ کو جو وظائف دیئے جاتے تھے وہ بھی برقرار رکھے۔ خلیفہ سوم کے زمانہ میں اسقف مرو نے جو خط اسقفِ فارس کو بھیجا تھا۔ اس میں اِسلامی رواداری کی رُوح پر بے حد اظہارِ تشکر و امتنان کیا تھا۔ خلیفہ چہارم نے بھی ایران کے ایک مجوسی معبد کے سردار کو دستاویز لکھ کر بھیجی جس کا مضمون مندرجہ ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کی طرف سے بہرام ابن خمادارس مجوسی کو یہ دستاویز عطا کی جاتی ہے۔ جو اپنی جماعت کا مسلّم پیشوا ہے۔ نیز اس کا اثر اس کی اولاد اور احفاد میں بھی باقی رہے گا۔ میں تمہارے نفوس، املاک، ازواج اور احفاد کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ خدا اور اس کے رسول کی طرف سے بھی حفاظت جان و مال کا وعدہ کرتا ہوں۔ میں نے ان مسلمانوں کو بھی جو سرحدوں پر جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہیں اسی قسم کا فرمان بھیج دیا ہے۔ کہ وہ تمام مجوسیوں کی حفاظت کریں اور ان کے ساتھ مہربانی کا سلوک کریں۔ اور کسی کو ان پر ظلم نہ کرنے دیں۔ جو ٹیکس تم سے وصول کیا جاتا تھا اسے منسوخ کرتا ہوں اور تمہارے مویشی بھی کلیتہً آزاد کئے گئے۔ اب اُن میں سے کوئی جانور وصول نہ کیا جائے گا۔ تم لوگ اپنے معابد اور ان سے متعلق جائیداد کے خود مختار ہو۔ اور تم کو مالکانہ تصرف کا حق دیا جاتا ہے۔ اور تم میں جو یہ رسم ہے کہ ہر مجوسی ایک درہم سالانہ اپنے گاؤں کے مذہبی پیشوا کی نذر کرے اس کو بھی برقرار رکھا جائے گا۔ چونکہ میں نے آنحضرت صلعم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو لوگ مختلف العقائد والدین کی اولاد ہیں وہ میراث کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اس قسم کے لوگوں کی جائیدادیں میرے حکم سے مذہبی پیشواؤں کو ملیں گی۔ میں نے یہ باتیں تمہیں اسوقت لکھیں جبکہ مجھے تمہارے مرتبہ اور وجاہت دینی سے پوری واقفیت ہو گئی۔ اور یہ بھی تحقیق ہوا کہ تمہارے اس مرتبہ پر قائم رہنے سے تمہاری قوم کا بھلا ہوگا۔ اور یہ کہ تم اپنی قوم کے بہی خواہ اور مشیر کار ہو۔ اور تمام مسلمین اور مسلمات پر فرض ہے کہ وہ تمہاری اور تمہارے ہم قوموں کی حفاظت کریں۔ اور تمہاری رسوم مروجہ کو برقرار رکھیں اور تمہارے اوپر کسی قِسم کی قیود عائد نہ کریں۔ تمہارے عیوب سے چشم پوشی کریں۔ اور تمہارے بڑوں کے ساتھ حسن سلوک روا رکھیں اور تم سے کبھی کسی قِسم کا تاوان طلب نہ کریں۔ اور تمہیں تبدیل مذہب پر مجبور نہ کریں۔ کیونکہ قرآن مجید فرماتا ہے: ”مذہبی معاملات میں کسی پر جبر نہ ہوگا!“ قرآن نے ہدایت اور ضلالت میں فرق بیّن (بدلائل) کر دیا ہے :“ (۲ : ۷ : ۲۰۰)

”آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں بعض مسیحی علماء مذہبی گفتگو کے لئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ازراہ مہمان نوازی ان لوگوں کو مسجد نبوی کے متصل مکانات میں ٹھہرایا۔ اور جب اتوار کا دن آیا جس دن عیسائی عبادت کرتے ہیں تو انہیں گرجا کی تلاش ہوئی۔ ایک مسلمان کو عبادت کے لئے مسجد کی ضرورت نہیں کیونکہ ساری زمین اس کے لئے پاک کر دی گئی ہے۔ وہ جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن بیچارے پادری مشکل میں پھنس گئے کہ عبادت کرنے کہاں جائیں۔ اس موقع پر آپؐ نے ان کی مشکل کو اپنی مسجد کو ان کی عبادت کے لئے پیش کر کے دور فرما دیا۔ اسی رواداری کی وجہ سے اِسلام میں مذہبی دل آزاری کا نشان نہیں ملتا۔ خیال فرمائیے کہ نبی کریم صلعم نے کس قدر کشادہ دلی کا ثبوت دیا وہ مسجد جس میں خدائے واحد، صمد، لم یلد و لم یولد، کی عبادت ہوتی تھی اُسے ان لوگوں کو استعمال کے لئے دے دیا جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خدا کی اولاد بھی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر منگانا نے حال ہی میں ایک چارٹر کا پتہ لگایا ہے جو مکتفی ثانی خلیفہ بغداد نے نسطوری کلیساء کے عمائدین کو عطا کیا تھا۔ اس میں یہ بھی تحریر تھا ”تمہارے ہم مشربوں کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی اور تمہاری اجتماعی بہبودی کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جائے گا۔ تمہارے گرجوں کا احترام کیا جائیگا۔ اور طریق تدفین میں مداخلت نہ کی جائے گی اور دیگر تمام مراعات خلفائے راشدین کی تقلید میں عطا کی جاتی ہیں“۔

* * *

تقوٰی یہی ہے یار کہ نخوت کو چھوڑ دو
کبر و غرور و بُخل کی عادت کو چھوڑ دو

اس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو
اس یار کے لئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو

ـــــ (دُرِّ ثمین)

حضرت مرزا صاحب کے دو عالی مقاصد اشاعت دین اور اشاعت علوم فرقان

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی بعثت کا مقصد ایک عظیم و عالمگیر بعثت کی بشارت دینا تھا۔ چنانچہ اسی مناسبت سے آپ کی کتاب کا نام بھی انجیل یا بشارت تجویز ہوا۔ آپ نے خود بھی اپنے حواریوں سے فرمایا تھا کہ چونکہ تم میں ابھی وہ طاقت برداشت نہیں اس لئے میں تمہیں سچائی کی تمام راہیں نہیں بتلا سکتا۔ مگر وہ روح حق جب آئے گا تو تمہیں ہمیشہ کے لئے سچائی کی تمام راہیں بتلا دے گا۔ اسی طرح مجدد صد چہاردہم کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا کہ عالمگیر پیغمبر کی صداقت اور آنجناب کے دین کی اشاعت ہو۔ دین اسلام کامل صداقتوں کا محفوظ مجموعہ اور رسول خدا تمام روحانی فیوض کا منبع ہے چنانچہ آپ نے جس تحریک و جماعت کی بناء ڈالی اس کے مقاصد بھی یہی دو ستون تھے۔ یعنی اشاعت دین اسلام اور اشاعت علوم فرقان۔

ان دونوں عظیم مقاصد کی اہمیت کے نہ صرف مسلمان قائل ہیں بلکہ آئے دن ان تحریکات کی مقبولیت عام کے آثار پیدا ہو رہے ہیں چنانچہ دین اسلام کی اشاعت کے بارے میں آج سے قریباً ایک صدی پیشتر آپ یہ تحریر فرماتے ہیں:۔

جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ ہندوؤں کا اسلام کی طرف زور کے ساتھ رجوع ہوگا۔

جوں جوں زمانہ گزرتا ہے ان خدائی تحریکوں کی ترقی و فروغ کے سامان آئے دن پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں چنانچہ ایک طرف اگر مغرب کی اقوام جو سائنس کے علم میں خاص مقام رکھتی ہیں قبولیت اسلام کی جانب مائل ہو چکی ہیں تو دوسری طرف ایشیائی اقوام میں بھی قبولیت دین اسلام کی ہوا چل رہی ہے گرچہ مسلمان اقوام کی بحیثیت قوم نہ تو اپنے دین کی معقول و عالمگیر تصویر پیش کرنے کی جانب کوئی حرکت نظر آتی ہے اور نہ ہی اپنے پیارے دین کے اصولوں پر عمل پیرائی کی کوئی اجتماعی صورت۔ قرآن کریم کی تعلیم کو مدلل و معقول اور مطابق قوانین فطرت و کائنات پیش کرنے کی سب سے پہلی کوشش تو حضرت مجدد وقت کی عالیشان تصنیف براہین احمدیہ ہے جو ایک انعامی چیلنج کی شکل میں جملہ غیر ادیان کے مقابل پیش کی گئی اور جسے آج تک کسی نے قبول کرنے کی ہمت اور جرأت نہیں کی،،

"اگر اس دین اسلام پر [illegible] مرزا غلام احمد نے اس جلسہ میں پیش کیا مسلمانوں کا عمل بھی ہو تو پھر ان جیسا دنیا میں اور کون ہو سکتا ہے؟"

ملک ہند کی اچھوت یا نیچ اقوام میں بھی وقتاً فوقتاً قبولیت اسلام کی لہریں بلند ہوتی ہیں اور اس وقت جو اٹھ رہی ہیں اس کا باعث بھی یہی تعلیم اسلام کا بنیادی مقصد انسان کے حقوق کے حفاظتی سامان ہیں۔

آج سائنس و علوم کی ترقی کے باعث جہالت و توہم پرستی کے پردے چاک ہو چکے ہیں، نیز ان علوم کی ترویج اور اقوام عالم کے باہمی روابط و اختلاط کی وجہ سے مساوات و جمہوریت انسانیت کی شمعیں روشن ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اس زمانہ میں اب منافرت و حقارت اور ذلت و رسوائی قبول کرنے کے لئے کوئی قوم تیار نہیں۔ یہ تحریکیں کبھی بند نہ ہوں گی جب تک جملہ اقوام و ذاتیں اپنے اپنے بنیادی حقوق انسانیت کو حاصل نہ کرلیں۔ ان منصفانہ تحریکوں کو کسی طرح دبایا یا کچلا نہیں جا سکتا تا آنکہ دین اسلام کا تمام باطل ادیان پر غلبہ نہ ہو جائے!

چنانچہ اسی کے مطابق بانی سلسلہ احمدیہ نے ۱۹۰۸ء میں اپنی وفات سے قبل ہندو قوم کو "پیغام صلح" دیا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر ہندو ہمارے پیغمبر صلعم کو صادق انسان تسلیم کرلیں اور آپ کے برخلاف دشنام دہی سے باز آجائیں تو آپ ہندوؤں کے جذبات کی خاطر گئو کشی نہ کریں گے اور اگر ایسی صلح ہندو مسلم میں ہو جائے تو سیاسی مقاصد کے لئے یہ ایک مضبوط و پائیدار صلح ہوگی مگر ہندو قوم اس کیلئے تیار نہ ہوئی۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک وقت آنے والا ہے جب ہندو مذہب کا زور کے ساتھ اسلام کی طرف رجوع ہوگا۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہو کر رہیگا مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان من حیث القوم سیاسی اور ملکی معاملات سے بالاتر ہو کر اپنے محبوب دین اسلام کی اشاعت و ترویج اور اس کے قابل عمل اصولوں پر عمل پیرا ہو کر نمونہ پیش کرنیوالے ہوں مفصلہ ذیل اقتباس احباب کرام کے مطالعہ کے لئے مشرق میگزین سے دیا جاتا ہے۔

(ادارہ)

مشکل سے کوئی دن ایسا گزرتا ہے جب بھارت کے کسی نہ کسی علاقے میں فرقہ وارانہ کشیدگی، ذات پات کے جھگڑوں یا رنگ و نسل کی منافرت کی بناء پر قتل و غارت گری نہ ہوتی ہو۔ بھارت کا کوئی بھی اخبار اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ ہمالیہ سے جنوب اور آسام سے مہاراشٹر تک کہیں نہ کہیں ہندوؤں اور مسلمانوں اچھوتوں اور برہمنوں یا پنجابیوں، بنگالیوں مدراسیوں اور مرہٹوں کے درمیان خون خرابے کی خبریں ضرور چھپتی ہیں۔ ذات پات کی تفریق یا نسلی منافرت کی بناء پر جتنا انسانی خون بھارت میں بہایا جا چکا ہے اتنا دنیا کے کسی دوسرے ملک میں نہیں بہایا گیا۔ ذات پات کی بنیاد پر انسانوں سے نفرت کا سلوک ہندو معاشرے کا ایک لازمی جزو ہے۔ پچھلے دنوں گجرات کے صوبے میں تشدد کی جو لہر اٹھی تھی وہ ابھی تک اسی شدت سے جاری ہے۔ صوبائی حکومت کے اعداد و شمار کے مطابق اب تک ڈیڑھ سو کے لگ بھگ افراد ہلاک اور دو ہزار سے زائد زخمی ہو چکے ہیں۔ اس جھگڑے کی بنیاد یہ ہے کہ صوبے کے میڈیکل کالجوں میں شودروں کی نشستوں کے لئے جو کوٹا منظور کیا گیا ہے اسے منسوخ کیا جائے۔

اونچی ذات کے ہندوؤں کا یہ خیال ہے کہ شودروں کو ڈاکٹری جیسے معزز پیشے سے منسلک نہیں ہونا چاہئے بھارت کے آئین کے مطابق اچھوتوں اور نیچی ذات کے ہندوؤں کے لئے تعلیمی اداروں، سرکاری ملازمتوں اور اعلٰے عہدوں کے لئے ایک خاص کوٹا مقرر کیا گیا ہے۔ گو عملی طور پر کوٹا کبھی انہیں الاٹ نہیں کیا گیا۔ تاہم یہ شق آئین میں شامل ہے اور اسی شق کے تحت گجرات کے میڈیکل کالجوں میں بھی اچھوتوں کے لئے نشستوں کی ایک تعداد مخصوص کی گئی ہے جس کے خلاف اونچی ذات کے ہندوؤں نے پورے صوبے میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ بھارت کے اچھوت اب اتنے پس ماندہ اور نا سمجھ نہیں ہیں جتنے آزادی سے پہلے تھے اب وہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے میدان میں نکل آئے ہیں اور پوری قوت سے اونچی ذات کے ہندوؤں سے ٹکر لے رہے ہیں۔ بھارت کے کارخانوں اور کھیتوں میں کام کرنیوالے مزدور وغیرہ زیادہ تر اچھوت ہیں چنانچہ صوبہ گجرات میں اونچی ذات کے ہندوؤں کی ایجی ٹیشن کے جواب میں انہوں نے کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرنا بند کر دیا ہے جس کے نتیجہ میں گجرات اور گجرات کے سب سے بڑے صنعتی شہر احمد آباد کی ۶۰ سے زائد ملیں بند ہو گئی ہیں۔ صوبے بھر کے کھیتوں میں گندم اور دھان کی تیار فصلوں کی کٹائی کرنے والا کوئی نہیں اور صوبے میں قحط کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ سیاسی مبصروں کے بیانات کے مطابق سیاست کے بازار میں بھی ذات پات کی بنیاد پر لین دین ہو رہا ہے الیکشن میں حصہ لینے والی پارٹیاں جو اچھوتوں کے ووٹوں کی محتاج ہوتی ہیں انہیں زیادہ سے زیادہ ملازمتیں اور کالجوں میں نشستیں فراہم کرنے کے وعدے کرتی ہیں اور الیکشن کے بعد چونکہ ملازمتیں زیادہ تر ووٹوں کے بدلے دی جاتی ہیں اس سے اہل اور مستحق افراد خواہ وہ اچھوتوں میں سے ہوں یا اونچی ذات کے ہندوؤں میں سے حق تلفی ہوتی ہے اس طرح پورے ملک میں مسائل کا ایک انبار لگتا چلا جاتا ہے۔ بھارت میں ذات پات کا مسئلہ تین ہزار سال پرانا ہے۔ اور ہندو سوسائٹی میں اس مسئلے کی بڑی اہمیت ہے۔ سچ پوچھئے تو پورا ہندو معاشرہ اسی ڈھانچے پر کھڑا ہوا ہے لیکن ہندو معاشرے کی تباہی کا راز بھی ذات پات کے مسئلے میں پوشیدہ ہے۔

اونچی ذات کے ہندو اچھوتوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں انہیں اپنے کنوؤں سے پانی نہیں لینے دیتے۔ انہیں اپنے مندروں میں داخل نہیں ہونے دیتے یہاں تک کہ انہیں اپنے دیہات اور محلوں میں آباد ہونے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ اگر صبح سویرے کسی اونچی ذات کے ہندو کو کوئی اچھوت نظر آئے تو وہ دوبارہ اشنان کئے بغیر کاروبار پر نہیں جاتا۔ اس لئے بیچارے اچھوت اپنی علیحدہ بستیوں میں رہتے ہیں۔ اونچی ذات کے ہندو بھی بہت سی ذاتوں میں تقسیم ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق بھارت کے ہندو تین ہزار کے لگ بھگ ذاتوں میں منقسم ہیں لیکن ڈاکٹر امبیڈکر کی تحریک کے بعد اچھوتوں میں بیداری کی لہر دوڑ گئی پھر مہاتما گاندھی نے بھی اچھوتوں کو ہریجنوں کا نام دے کر انہیں ہندو معاشرے میں ان کا جائز مقام دلانے کی کوشش کی۔ شہروں میں ذات پات کی بنیاد پر منافرت نسبتاً کم ہے لیکن دیہات میں اونچی ذات کے ہندو ابھی تک اچھوتوں سے نفرت کا برتاؤ کرتے ہیں جس کی وجہ سے ملک کے مختلف حصوں میں اکثر ہنگامے ہوتے رہتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

اسلام میں عزو شرف کا معیار صرف تقویٰ ہے

ہمیں آج بھی ذات قبیلے اور رنگ و نسل کے بت کو پاش پاش کرنا ہے

پاکستان اور بیرون پاکستان احیائے اسلام کی جو کوششیں کی جا رہی ہیں اس سے اس حقیقت کا از سر نو انکشاف ہوتا ہے کہ مسلمان قوم کا قدم کس طرح آہستہ آہستہ قرآن و سنت رسولؐ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اگرچہ یہ امر صحیح ہے کہ ابھی تک یہ قدم صرف قول تک ہی محدود ہے لیکن امید کی جاتی ہے کہ آخر اس کا نتیجہ ان کے عمل میں تبدیلی کا موجب ثابت ہوگا۔

جو اصحاب احمدیہ سلسلہ کی تاریخ کا کچھ بھی علم رکھتے ہیں انہیں خوب معلوم ہے کہ اس زمانہ میں قرآن و سنت کو مسلمانوں نے طاق نسیاں پر رکھ چھوڑا تھا۔ یہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور آپ کی جماعت کا زرّیں کارنامہ ہے کہ اس نے دین اسلام کے اصل ماخذوں (قرآن اور سنت) کی طرف قوم کو توجہ دلائی چنانچہ انہی کی مساعی جمیلہ سے تراجم و تفاسیر قرآن کی دنیا میں اشاعت عام ہوئی درس و تدریس قرآن کے مشاغل اور سیرت و کردار نبویؐ کی تقریبات کا مسلمانوں میں اجراء ہوا۔

ایک عام غلط فہمی جو اس بارہ میں سرایت کر چکی ہے وہ مسلمانوں کے عقائد و اعمال کو لازماً اسلام کے صحیح عقائد اور سچے اعمال سے تعبیر کرنا ہے۔ حالانکہ بہت سے عیسائی اور ہندو جو اسلام میں داخل ہوئے وہ اپنے ساتھ اپنے پہلے عقائد و اعمال اور رسوم لے آئے، اسلام کے مطابق سچی تبدیلی ان کے علم و عقائد اور کردار و سیرت میں پیدا نہ ہوئی، بلکہ وہ انہی مروجہ رسوم و روایات کو صحیح اسلام سمجھنے لگ پڑے۔ اسلام کے احیاء نو کا بنیادی پتھر رجوع الی القرآن والسنۃ ہے جس کی طرف علمی اور عملی قدم بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اٹھایا تھا۔ درج ذیل مضمون اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

قرآن حکیم پوری انسانیت کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری برادریاں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ مکرم و محترم وہی ہے جو اپنے اندر زیادہ خدا خوفی رکھتا ہے۔ اور پرہیزگار ہے۔“ (سورۃ حجرات ۱۳)

قرآن کریم کی یہ آیات نسل، رنگ برادری، قبیلہ، ذات اور قومیت کے تمام بتوں کو توڑ دیتی ہیں۔ انسانی تاریخ میں شرف انسانیت ان بتوں کے باعث ہمیشہ ذلیل ہوتا رہا ہے۔ اسلام نے ان بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ اور کہا کہ عزت و تکریم اور بڑائی کا صرف ایک ہی معیار ہے کہ تم میں سے کون زیادہ خدا خوف ہے، اور دین فطرت کے احکام پر عمل پیرا ہے۔ اس نے پہلی بار دنیا کو یہ تصور عطا کیا کہ اولاد اور والدین کا رشتہ جو خون کا رشتہ ہے اور سب سے زیادہ ذہنی اور قلبی لگاؤ کی بنیاد ہے اس سے بھی زیادہ مقدم اسلام کا رشتہ ہے۔ حضرت نوحؑ کے زمانے میں جب طوفان نوح آیا اور قرآن کے الفاظ میں طوفان کی سرکش موجیں پہاڑوں کی طرح اٹھتی اور بلند ہوتی تھیں تو اس وقت حضرت نوحؑ کا بیٹا نظر آیا۔ حضرت نوحؑ نے اس کو پکار کر کہا کافروں سے الگ ہو کر میری کشتی میں سوار ہو جاؤ اس نے انکار کرتے ہوئے کہا میں کسی پہاڑ پر پناہ لے کر پانی کی زد سے بچ جاؤں گا۔ جب وہ ڈوبنے لگا تو حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ تیرا وعدہ سچا ہے۔ تو نے میرے اہل و عیال کو بچانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ یہ بیٹا بھی تو ان میں سے ہے اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا قرآن حکیم کے الفاظ میں یہ ہے:۔

”اے نوح یہ بیٹا تیرے اہل سے نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا عمل صحیح نہیں ہے۔“

اندازہ لگائیے محبت رشتہ اور اہل و عیال کی تعریف اسلام میں صرف اسلام کی بنیاد ہے۔ اسی طرح اسلام نے بزرگی اور تقدس کو وراثت میں منتقل ہونے کے تصور کو بھی ختم کر دیا۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ایک ولی اللہ بزرگ اور نیک شخص کا بیٹا بھی اس تقدس کا حامل ہو اور اس کی نیکی اور پارسائی اور ولایت کی گدی پر براجمان ہو جائے۔

قرآن حکیم میں حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ یہ بیان ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو اس کے پروردگار نے کئی باتوں میں آزمایا اور وہ ان میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں آپ کو انسانوں کا امام بناتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا لیکن میری اولاد کے بارے میں کیا حکم ہے اللہ تعالیٰ نے جواب دیا جو ان میں ظالم ہوں گے میرے عہد میں داخل نہیں ہوں گے۔

(یعنی نیک اعمال سے عاری ہوں گے اور گناہ کی زندگی گزارنے والے ہوں گے) انہیں تو میرا عہد نہیں پہنچتا۔ دیکھئے اسلام نے یہ حقیقت کتنی اچھی طرح واضح کر دی کہ ہر شخص صرف اپنے ایمان اور اعمال کی بنیاد پر ہی لائق احترام ہو سکتا ہے۔ خاندانی بنیاد پر ہرگز نہیں۔

اسی حقیقت کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبۃ الوداع کے موقع پر جو انسانی حقوق کے چارٹر کی حیثیت سے سب سے پہلے انسانیت نے سنا فرمایا:۔

”کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں ہے کسی گورے کو کالے پر برتری نہیں ہے۔ تمام اولاد آدم ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ عزت و تکریم کا معیار اللہ کے ہاں صرف خدا خوفی ہے۔“

ذرا اس بات پر غور فرمائیے کہ اسلام کا خدائے واحد بھی خون اور رشتوں کے تعلق سے کتنا بلند و بالا ہے۔ سورۃ اخلاص ہم ہر روز پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ کوئی اس کا باپ ہے۔ ایسے خدا کے پرستار کبھی رنگ و خون کے رشتوں سے بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسی حقیقت کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے:۔

ہر کہ پا در بند اقلیم جداست
بے خبر از لم یلد و لم یولد است

سلمان فارسی ایک آتشکدہ کے متولی کے فرزند تھے۔ جب وہ مدینہ پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضور کی تعلیمات سے فیضیاب ہوئے تو پھر ان کی زندگی کا نقشہ کچھ اور ہی بدل گیا۔ لوگوں نے ان کے حسب نسب کی بات جب دریافت کی تو آپ نے صرف ایک جواب دیا کہ سلمان ابن اسلام یعنی میں سلمان تو صرف اسلام کا بیٹا ہوں۔

فارغ از اب وام و اعمام باش
ہمچو سلمان زادۂ اسلام باش

آج ہم سب کو اسلام کے بیٹے بننے اور کہلانے کی ضرورت ہے۔ ہم [illegible] اور ذات پات اور رنگ و نسل کے امتیازات کے درمیان بٹے ہوئے ہیں یہ بڑے فخر سے اپنے ناموں کے آگے لمبے لمبے القاب لگائے گئے ہیں لیکن یہ کبھی نہ سوچا کہ ہم سب کے لئے باعث افتخار صرف اسلام کا بیٹا کہلانا ہے۔

منفعت ایک ہو جس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

اپنے معاشرے پر نظر ڈالئے۔ چوہدری، شیخ، ملک تو ہم بڑے شوق سے لکھتے ہیں اور اگر وہ پہچانے جانے کے لئے ہوں تو ان کے لکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر وہ حجام، بڑھئی، لوہار اور جولاہے جو دراصل ذاتیں نہیں بلکہ مستقل پیشوں کی بنا پر ذاتیں بنا دی گئی ہیں سے برتری ظاہر کرنے اور فخر و مباہات کا اظہار کرنے کے لئے ہیں تو پھر وہ یقیناً قابل مذمت ہیں ہمارے ہاں کتنی نوجوان بیٹیاں اس انتظار میں بوڑھی ہو جاتی ہیں کہ اسی ذات اور خاندان کا لڑکا شادی کے لئے نہیں ملتا۔ یہ سب غیر اسلامی تصورات ہیں۔ غور فرمائیے ایک مومن غریب اور معمولی شکل و صورت کا انسان حضور نبی کریمؐ سے عرض کرتا ہے بھلا مجھ جیسے شخص کو کون اپنی بیٹی دینا گوارا کریگا۔ آپ نے اسے ایک سردار کے ہاں جو مسلمان ہو چکا تھا یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دے۔ وہ شخص حکم کی تعمیل میں ڈھونڈتا ڈھونڈتا وہاں پہنچا۔ اس سردار نے اس بات پر حیرانی کا اظہار کرنا چاہا کیونکہ ابھی وہ نیا نیا حلقہ بگوش اسلام ہوا تھا لیکن اسکی بیٹی یہ گفتگو پس دیوار سن رہی تھی اسکا دل ایمان کی حرارت سے لبریز تھا اس نے باپ سے کہا کہ اگر واقعی یہ رسول اکرم صلعم کی طرف سے پیغام لے کر آیا ہے تو پھر میرے لئے اس سے بڑھ کر خوش قسمتی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ کہ میرے نکاح کا پیغام رسالتمآب دیں۔ یہی وہ جذبہ تھا جو اسلام کی روح تھا۔

❖

سب سے بڑا معجزہ

مکرم جناب عبد الحمید ، سانگلہ ہل ،

خداتعالیٰ کی کائنات میں سب سے بڑا اعجاز قرآن حکیم ہے۔ یہ تمام کائنات کے خالق، خالقِ ارض و سماء کی عظیم الشان قدرت نمائی ہے۔ یہ سورج یہ چاند یہ ستارے یہ نیلا آسمان ہوا۔ بادل۔ پانی پہاڑ۔ زمین اور سبزہ زار یہ سب خالق کائنات کی صفت رحمان کا پرتو ہیں۔ خداوند کریم نے اپنے وجود کے اظہار کے لئے خلیفۃ اللہ فی الارض حضرت انسان کو پیدا کیا اور تمام چیزیں اس کے لئے مسخر کردیں! سے علم دیا اقراء پڑھنے کے ساتھ الذی علم بالقلم قلم عطا کی وعلم الانسان مالم یعلم اور انسان کو وہ علوم سکھلائے جس کا وہ تصور بھی نہ کرسکتا تھا۔ خداتعالیٰ نے کیونکہ انسان کی پیدائش اس لئے کی کہ ذاتِ پاک کو پہنچایا جاوے اور بندہ اس کی عظمت و کبریائی و قدرت نمائیوں کا پتہ لگا کر اس کے حضور سجدہ ریز ہوجاوے اس لئے اس پاک ذات نے دنیا کی راہنمائی کے لئے رسول اور کتابیں نازل فرمائیں اور بالآخر ایک کامل مکمل کتاب علم و معرفت کا سمندر ہمیشہ روشن رہنے والی شمع نازل فرمائی جس رحمان نے سورج۔ چاند۔ ستارے ہوا پانی بادل پہاڑ اور زمین مع سبزہ زار کے عطا کی اسی نے یہ روشن ترین ہدایت کا سورج بھی منور کیا الرحمٰن علم القرآن یعنی رحمان نے علوم قرآنی عطا کئے اور پھر انسان کے اندر ریسرچ اور کوشش کی صفت رکھی اور اس طرح انسان جو خالق کی مدد اور کوشش سے حاصل کرتا ہے وہ اس کی رحیمیت کا تقاضا ہے۔ فرمایا۔ یہ قرآن جو صفت رحمان کے مطابق عطاء الٰہی ہے۔ اسی طرح اس کتاب سے اکتساب کرکے نور اور معرفت حاصل کرنے والے صفت رحیمیت کے تحت دینی اور دنیاوی مدارج طے کرلیتے ہیں تبھی فرمایا۔

تنزیلٌ من الرحمٰن الرحیم

ارض و سماء وما بینہما کو رب العلمین نے پیدا کیا اور وہی اس کو سنبھالے ہوئے ہے اور اسی کے پاس اس کی ربوبیت کے سامان ہیں اس کتاب کے شروع میں ہی سورۃ فاتحہ کے ابتداء میں ہی یہ الفاظ الحمد للہ رب العالمین ہ الرحمٰن الرحیم آتے ہیں۔ اور اس پرحکمت کتاب کے بارے بھی تنزیلٌ من رب العلمین۔ تنزیلٌ من الرحمٰن الرحیم فرمایا۔ میرا مطلب بیان کرنے سے یہ ہے کہ کائنات کو رب العلمین نے بنایا اور یہی الفاظ قرآن حکیم کو علیحدہ عطا ہوئے اور اس کے آیات نے کے دو عظیم الشان صفات رحمٰن اور رحیم کا پرتو بیان کیا کہ قرآن حکیم خود ایک کائنات ہے اور اس کے اندر علوم کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ فرمایا

ولقد ضربنا للناس فی ھذا القرآن من کل مثل لعلھم یتذکرون ٥

اس قرآن حکیم میں ہر چیز موجود ہے اور غرض نصیحت اور خدا تعالیٰ کی یاد ہے۔ شاعر کیا خوب کہتا ہے کہ :- ؎

و کل العلم فی القرآن لکن
تقاصر عنہ افہام الرجال

قرآن حکیم میں ہر علم موجود ہے۔ اور حسب استعداد ہی اس کا حصول ممکن ہوتا ہے آج بھی نوبل پرائز یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام جیسا مفکر سائنسدان اپنی تحقیقات کا مرکز قرآن حکیم قرار دیتا ہے۔ یہ حکمت اور فلسفہ کی کتاب ہے۔ فرمایا۔ تنزیلٌ من العزیز الحکیم کہ اس کے نازل کرنے والی عزیز و حکیم ہستی ہے اور جس پر نازل کیا گیا وہ یعلمھم الکتاب والحکمۃ وہ قرآن کی تعلیم دیتا ہے اور پرحکمت باتیں اس قرآن حکیم کی سناتا ہے۔ اور جو اس قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کی طرف بڑھتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کا سینہ کھول دیتا ہے۔ اور اس کی معرفت اسے عطا ہوتی ہے۔ فرماتا ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر اور پھر جو اس کے لئے محبت اور شوق رکھتا ہے تو یہ ھدًی وبشرٰی للمؤمنین ہے۔ یعنی مومنوں کو خدا کی طرف لئے چلتا ہے۔ اور اس کی محبت روز افزوں ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور ایسے مومنوں کو اپنی بشارتوں اور کلام سے نوازتا ہے۔ اور اس کے علوم کے آگے اپنے اور غیر سر جھکاتے ہیں۔ ان ھو الا ذکرٌ للعلمین۔ ہر دور اور تمام لوگوں کے لئے نصائح موجود ہیں۔ اور اہل علم جو انسانی بہبود اور انسان کی پیدائش کے اغراض و مقاصد کے لئے تصور اور خاکہ بناتے ہیں وہ اس میں پہلے سے ہی موجود ہے۔ فرماتا ہے :-

بل ھو اٰیٰتٌ بینٰت فی صدور الذین
اوتوا العلم

کہ واضح نشانات اس میں موجود ہیں اور اہل علم جو بیان کرتے ہیں وہ اس میں علوم اور نشانیاں موجود ہیں اور قرآنی علوم کے حاملوں کے دل روشن نشانات سے مزین ہیں۔ اسی طرح فرمایا :-

ان فی ذالک لذکرٰی لاولی الالباب

عقل و دانش والوں کے لئے اس میں اسباق اور نصائح موجود ہیں۔ الغرض سب سے بڑی نعمت سب سے اعلیٰ جنت انسان کے لئے اطمینان قلب ہے۔ اس کا مقابلہ دنیا و آخرت کی کوئی نعمت نہیں کرسکتی۔

الذین اٰمنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللہ۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ جو اس قرآن کو دل و جان سے یقین بنالیتے ہیں اسے پڑھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں انہیں اس کے پڑھنے سے اطمینان کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ اور پھر کل بنی نوع انسان کو نصیحت فرمائی سو یا در کھیئے کہ اس کتاب کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی صفات دل میں گھر کر جاتی ہیں اور ان صفات کے ذکر سے اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے جو معراج آدم ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ کائنات کا سب سے بڑا معجزہ قرآن حکیم ہے۔ رحمٰن و رحیم۔ عزیز و حکیم نے نازل فرمایا ہے جو رب العلمین ہے۔ فرمایا اس معجزہ کے اندر ایک معجزہ ہے کہ اس میں کوئی دخل اندازی نہیں کرسکتا۔ اس میں کوئی رد و بدل نہیں کرسکتا کسی میں تحریف کرنے کی جسارت نہ ہوگی فرمایا۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون۔ کہ یہ کسی انسان کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے بلکہ یہ رب العلمین الہ العلمین کا نازل کردہ ذکر الٰہی سے بھرپور سبق ہے۔ اور وہ جس نے کائنات کو محفوظ کر رکھا ہے اسی نے اس کتاب کو بھی محفوظ کر چھوڑا ہے۔ اور یہ اعلان کرکے ایک چیلنج بھی دے دیا اور یہاں تک کہہ دیا فاتوا بسورۃٍ من مثلہ کہ ذرا اس جیسی کوئی سورت بنا کر دکھاؤ۔ ایسے عمدہ مضامین۔ ایسی الفاظ کی بندش ایسے اخلاقیات کے اسباق معاشرے کے لئے اصول روزمرہ زندگی کے گزارنے لین دین تجارت رشتہ داریاں وراثت وغیرہ وغیرہ۔ نہ یہ شاعری ہے اور پھر نثر سے اعلیٰ چیز آج بھی اہل علم و دانش معترف ہیں کہ اس جیسی کتاب فصیح و بلیغ اور علوم سے پرجس پر ایک عالم لوٹا پڑتا ہے کوئی نہیں۔ بے شمار مفسر قرآن کے عشاق خود ایک معجزہ ہے۔ لاکھوں حفاظ کس کتاب کے اس طرح حافظ ہوتے ہیں کیوں نہ ایسا ہو اس کا نزول ہی انا انزلنٰہ فی لیلۃٍ مبٰرکۃٍ۔ مبارک رات سے اس کا نزول شروع ہوا انا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر وہ رات قدر کی رات تھی۔ قابلِ قدر رات جس کے اندر ساری رات ملائکہ اور روح الامین برکات کے ساتھ نزول فرماتے ہیں اس کا نزول ہوا۔ تبھی اس کتاب کے ابتداء میں ہی فرمایا ذالک الکتاب لا ریب فیہ یہ کتاب ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اس پر نکتہ چین منہ کی کھاتا ہے۔ اور اس پر عامل ہر میدان میں فتح یاب ہوتا ہے۔

انقلاب عظیم :-

وہ خطہ جہاں وحشت و بربریت ٹپکتی تھی علم نام کو نہ تھا ظلم ہر طرف تھا۔ کوئی ضابطۂ حیات نہ تھا بقول مشہور مفسر قرآن حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ "سارا جزیرہ نمائے عرب کفر و شرک اور فسق و فجور سے بھرا ہوا تھا۔ پھر نہ صرف سارا عرب ہی امت مسلمہ بنا بلکہ یہ امت مسلمہ دنیا کے سارے ملکوں میں پھیلی اور ان کا ایسا تزکیہ ہوا کہ پھر یہ دنیا کے مزکی بنے اور ان کو ایسی کتاب و حکمت کی تعلیم دی گئی کہ پھر یہ دنیا کے معلم بنے"

قرآن نے عرب کی کایا پلٹ دی۔ اس کے مقناطیسی کشش والے خوبصورت محبت اور اخلاق سے بھرپور الفاظ دلوں کو کھا جاتے حضرت عمر رضی جیسا عظیم الشان انسان مدبر و محدّث انسان غلط پراپیگنڈہ سے اس قدر مشتعل ہوئے کہ قصہ ہی تمام کرنے چل پڑے پہلے ہمشیرہ کے گھر نپٹنے کے لئے جو داخل ہوئے غیض و غضب تھا قرآنی الفاظ جو سنے

تو گھائل ہو گئے سر لینے کو چلے تھے سرکار دو عالم ؐ کے آگے سر رکھ دیا۔ یہ تھا قرآن۔ ابوذر غفاری رض جو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کلام الٰہی سنا تو اس قدر جوش آیا کہ کفار قریش کی مجلس میں جا دھمکے جونہی ان کو ان خدائی کلمات کی طرف اس نعمت عظمیٰ کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی تو قریش ان پر ٹوٹ پڑے اور شدید طور پر زدوکوب کیا اور ایسا کئی بار ہوا۔ آخر کیا وجہ تھی کہ یہ عزیزین اس کتاب پر اس قدر عاشق ہوئے کہ تکالیف ان کے لئے راحت بن گئیں۔ امام الزمان فرماتے ہیں۔

ترکوا الغبوق و بدّلوا من ذوقہ

ذوق الدعاء بلیلۃ الاحزان

کہ یہ لوگ شراب کی نائٹ کلبوں اور راتوں کی رنگ رلیوں کے ذوق کو ترک کرکے، رات عشق الٰہی اور وصل یار کی خاطر دعاؤں میں گزار دیتے۔ قیادت میں وہی آگے ہوتا جتنا وہ قرآن جانتا ایسا بھی ہوا کہ شادی کے وقت جس کے پاس کچھ نہ ہوتا وہ جتنا قرآن یاد ہوتا وہ اپنی اہلیہ کو حق مہر میں یاد کرا دیتا اور یوں ایسے غریب کی شادی ہو جاتی۔

ایک دفعہ حضرت علی رض نے جو ہمدان قبیلہ پر چڑھائی کی جنگ سے قبل حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو قرآن سنا کر دینِ اسلام کی طرف بلایا تو وہ سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا چنانچہ حضرت علی نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا کہ:۔

"کہ اگر میں بابِ جنّت کا دربان ہو جاؤں تو سارے ہمدان قبیلہ کو سلامتی کے ساتھ جنّت میں داخل کر دوں۔"

شفاء:۔ روحانی شفا کا سامان تو اس کتاب میں تھا ہی جسمانی بیماریوں کے لئے کلامِ الٰہی شفا کا کام دیتا۔ ترمذی میں ہے کہ حضرت عباس رض اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک گاؤں میں جو اُترے وہاں کے سردار نے تعصّب اور نفرت سے گاؤں میں رات بسر کرنے کی اجازت نہ دی چنانچہ گاؤں سے باہر پڑاؤ کیا۔ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ قبیلے کے سردار کو سانپ نے کاٹ کھایا۔ انہوں نے دوا دارو کیا۔ لیکن بے سود۔ اس سردار نے کہا میں نے اُن نیک لوگوں سے بُرا سلوک کیا ہے۔ ان کے سردار کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت عباس تشریف لائے انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر جو پھونک ماری تو وہ سردار صحیح ہو گیا۔

چھوٹے بڑے ہو گئے:۔

اس قرآن کے طفیل چھوٹوں نے اور غلاموں نے عزت پائی فتح مکہ کے روز بلال حبشی خانہ کعبہ کی چھت پر اللہ اکبر کا اعلان کر رہے تھے اور سردارانِ قریش نیچے بیٹھے پتھروں کی مورتیں اور نصرانی خداؤں کے خاتمے کا اعلان سُن رہے تھے۔ کہ کبریائی صرف ذات واحد کو لازم ہے۔ اور آج آپ معبودِ حقیقی نے اپنے بندوں کو عزت دی ہے۔

علم غیب پر قرآن کے عشاق کا یوں ایمان گویا ہر چیز دیکھ رہے ہوں اللہ کو تو ان لوگوں نے پالیا تھا ما لکہ سے گفتگو ہوتی تھی لیکن پیشگوئیوں اور واقعات پر بھی وہ حق الیقین رکھتے تھے۔ فرعون کی نعش کا صحیح سالم موجود ہونا اور بعد میں آنے والوں کے لئے نشان بننا اُن کا ایمان تھا۔ آجکل کے حالات کا جو نقشہ موجود ہے اس کا علم یقین ان کو اسی الکتاب سے حاصل تھا۔ انہوں نے شق القمر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حضرت مرزا صاحب بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

(الف):۔ "تصرفات خارجیہ کے معجزات قرآن شریف میں کئی نوع پر مندرج ہیں۔ ایک نوع تو یہی کہ جو دعائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے خدائے تعالےٰ نے آسمان پر اپنا قادرانہ تصرف دکھایا اور چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔"

ب:۔ "وہ تصرف جو خدائے تعالےٰ نے جناب ممدوح کی دُعا سے زمین پر کیا اور ایک سخت قحط سات برس تک ڈالا یہاں تک کہ لوگوں نے ہڈیوں کو پیس کر کھایا۔"

ج:۔ "تیسرے وہ تصرف اعجازی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شر کفار سے محفوظ رکھنے کے لئے بروز ہجرت کیا گیا یعنی جبکہ مکہ والوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے اس پاک نبی کو اُن کے اس بد ارادہ کی خبر دی اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا اور پھر بفتح و نصرت واپس آنے کی بشارت دی ----- آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاتے وقت کسی مخالف نے نہیں دیکھا حالانکہ صبح کا وقت تھا۔ اور تمام مخالفین آنحضرت صلعم کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ سو خدا تعالےٰ نے جیسا کہ سورۃ یٰسین میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان سب اشقیاء کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔..... اور یہ امر خارق عادت کہلایا کہ باوجودیکہ مخالفین اس غار تک پہنچ گئے تھے جس میں آنحضرت ؐ مع اپنے رفیق تھے۔ مگر وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے ایک کبوتر کا جوڑا بھیج دیا جس نے اس رات غار کے دروازہ پر آشیانہ بنا دیا اور انڈے بھی دے دیئے۔ اور اس طرح اذن الٰہی سے عنکبوت نے اس غار پر اپنا گھر بنا دیا۔"

د:۔ "چوتھے وہ تصرف اعجازی کہ جب دشمنوں نے اپنی ناکامی سے مشتعل ہو کر لشکر کثیر کے ساتھ آنحضرت ؐ پر چڑھائی کی تا مسلمانوں کو جو ابھی تھوڑے سے آدمی تھے نابود کر دیں۔ اور دینِ اسلام کا نام و نشان مٹا دیں۔ تب اللہ جل شانہٗ نے جناب موصوف کے ایک مٹھی بھر کنکریوں کے چلانے سے مقامِ بدر میں دشمنوں میں ایک تہلکہ ڈال دیا اور ان کے لشکر کو شکست فاش ہوئی۔"

س:۔ "ایک خبیث اور پلید دل بادشاہ کسریٰ ایران کے فرمانروا نے غصہ میں آکر آپ کو پکڑنے کے لئے سپاہی بھیج دیئے۔..... حضور ؐ نے ان کو دوسرے دن جواب دیا "تمہارا خداوند آج رات کو مارا گیا میرے سچے خداوند نے اس کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر دیا سو وہ آج رات اس کے ہاتھ سے قتل ہو گیا۔" یہ بڑا معجزہ تھا اس کو دیکھ کر اس ملک کے ہزارہا لوگ ایمان لائے۔"

آگے چل کر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"قرآن اعلےٰ درجہ کا معجزہ ہے۔ اور اس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام بھی دوسرے انسانوں پر صد ہا طرح فوقیت رکھتا تھا۔ اور ایک طرح کا معجزہ تھا۔"

اور حقیقت یہ ہے کہ ہر صحابی معجزہ تھا اور قرآن کو پکڑ کر صحابہ کرام نے بے شمار معجزے دکھائے وہ کیا چیز تھی کہ قرآن کے بتلائے ہوئے راستے پر وہ ہر وقت جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتے۔ بیعت رضوان میں عشاق (صحابہ) کا اللہ تبارک و تعالےٰ کی راہ میں جان کا نذرانہ پیش کرنے کی بیعت ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ ید اللہ فوق ایدیھم۔ رضی اللہ عنہم کے سرٹیفکیٹ انہوں نے حاصل کئے۔ انہوں نے حضور صلعم کا نمونہ اپنا لیا تھا حضور ؐ کے بارے میں حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں۔

کان خلقہ القرآن۔ جس کا اخلاق رات دن کی زندگی کا معمول قرآن حکیم کے مطابق تھا۔

قرآن حکیم نے چودہ صدیوں میں کروڑہا اولیاء پیدا کئے۔ غوث، قطب، ابدال، مجدّدِ وقت پیدا کئے۔ پھر ان اولیاء نے بے شمار معجزات دکھلائے کیونکہ قرآن سے عشق و عمل سے بارگاہ ایزدی میں شرف باریابی حاصل ہوتا ہے اور پھر ایسے شخص مردِ مومن سے معجزات پر معجزات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس صدی میں (چودھویں صدی) ایک عظیم الشان معجزہ رونما ہوا اور یہ معجزہ فنافی اللہ۔ فنافی الرسول۔ فنافی القرآن شخص کی صورت میں رونما ہوا جس کا نام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ اس دور میں بھی دنیا نے آسمان پر سورج اور چاند گرہن دیکھا۔ زمین پر جنگیں۔ زلازل اور طاعون کو دیکھا اور یہ معجزات زبانِ نبوی سے بیان کردہ تھے۔ اور پھر اس عاشقِ قرآن کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ اس نے قرآنِ حکیم کے عشاق کی ایک ٹیم پیدا کی جنہوں نے قرآن حکیم کی مدد سے باطل قصّوں کو فنا کر کے دکھلا دیا اور قرآن کی شان اُونچی کر دی۔ اے عزیز دوستو اپنے امام کے اس شعر کے اس مصرع کو اپنے مدنظر رکھو۔ ؏

"قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے"

بے شک دنیاوی علوم ضروری ہیں لیکن اوّلیت قرآن کو دو اپنے بچوں میں قرآن کی محبّت بھر دو کہ ؎

زندگی قرآن پر ہو موت بھی قرآن پر
مومنوں کا ہے یہی لبِ لباب زندگی

کو ہم اپنائے رکھیں:

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

نفع رَساں وجُود بنو

تقوےٰ اختیار کرو۔ خدا پر ایمان پیدا کرو۔ وہ ایمان جو آخر اطمینان اور سکینت کا موجب بنتا ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ تمہاری عمر دراز ہوگی۔ اللہ تعالےٰ مومن کی زندگی بڑھا دیتا ہے۔ کیونکہ وہ نفع رساں وجود ہوتا ہے۔

حدیث نبویؐ:

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔ اور نہ اُسے چھوڑتا ہے

از حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ

اصلاح کے تین طریق

انسانی حالتوں کے سرچشمے تین ہیں۔ یعنی نفس امارہ۔ نفس لوامہ نفس مطمئنہ اور طریق اصلاح کے بھی تین ہیں۔

اوّل یہ کہ بے تمیز وحشیوں کو اس ادنیٰ خلق پر قائم کیا جائے کہ وہ کھانے پینے اور شادی وغیرہ تمدنی امور میں انسانیت کے طریقے پر چلیں۔ نہ ننگے پھریں اور نہ کتوں کی طرح مردار خوار ہوں اور نہ کوئی اور بے تمیزی ظاہر کریں۔ یہ طبعی حالتوں کی اصلاحوں میں سے ادنیٰ درجہ کی اصلاح ہے۔ یہ اس قسم کی ہے کہ اگر مثلاً پورٹ بلیر کے جنگلی آدمیوں میں سے کسی آدمی کو انسانیت کے لوازم سکھلانا ہو تو پہلے ادنے ادنے اخلاق انسانیت اور طریق ادب کی ان کو تعلیم دی جائے گی۔

دوسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جب کوئی ظاہری آداب انسانیت کے حاصل کر لیوے تو اس کو بڑے بڑے اخلاق انسانیت کے سکھلائے جائیں اور انسانی قویٰ میں جو کچھ بھرا پڑا ہے ان سب کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنے کی تعلیم دی جائے۔

تیسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جو لوگ اخلاق فاضلہ سے متصف ہو گئے ہیں ایسے خشک زاہدوں کو شربت محبت اور وصل کا مزہ چکھایا جائے۔ یہ تین اصلاحیں ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں۔

اور ہمارے سید و مولیٰ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے وقت میں مبعوث ہوئے تھے جبکہ دنیا ہر ایک پہلو سے خراب اور تباہ ہو چکی تھی۔ جیسا کہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے۔

ظهر الفساد فی البر والبحر (پ۲۱ ع ۵)

یعنی جنگل بھی بگڑ گئے اور دریا بھی بگڑ گئے۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے جو اہل کتاب کہلاتے ہیں وہ بھی بگڑ گئے اور جو دوسرے لوگ ہیں جن کو الہام کا پانی نہیں ملا۔ وہ بھی بگڑ گئے۔ پس قرآن شریف کا کام دراصل مُردوں کو زندہ کرنا تھا جیسا کہ وہ فرماتا ہے

اعلموا ان اللّٰہ یحی الارض بعد موتها۔ (۲۷-۲)

یعنی یہ بات جان لو کہ اب اللہ تعالےٰ نئے سرے زمین کو بعد اس کے مرنے کے زندہ کرنے لگا ہے۔ اس زمانہ میں عرب کا حال نہایت درجہ کی وحشیانہ حالت تک پہنچا ہوا تھا اور کوئی نظام انسانیت کا ان میں باقی نہیں رہا تھا اور تمام معاصی ان کی نظر میں فخر کی جگہ تھے۔ ایک ایک شخص صدہا بیویاں کر لیتا تھا حرام کا کھانا اُن کے نزدیک ایک شکار تھا۔ ماؤں کے ساتھ نکاح کرنا حلال سمجھتے تھے۔ اسی واسطے اللہ تعالےٰ کو یہ فرمانا پڑا کہ۔

حرمت علیکم امهاتکم (۴/۱۵)

یعنی آج مائیں تم پر حرام ہو گئیں۔ ایسا ہی وہ مردار کھاتے تھے۔ آدم خور بھی تھے۔ دنیا کا کوئی بھی گناہ نہیں جو وہ نہیں کرتے تھے۔ اکثر معاد کے منکر تھے بہت سے ان میں سے خدا کے وجود کے بھی قائل نہ تھے۔ لڑکیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیتے تھے۔ یتیموں کو ہلاک کر کے ان کا مال کھاتے تھے۔ بظاہر تو انسان تھے مگر عقلیں مسلوب تھیں۔ نہ حیا تھی نہ شرم تھی نہ غیرت تھی۔ شراب کو پانی کی طرح پیتے تھے۔ جس کا زناکاری میں اوّل نمبر ہوتا تھا وہی قوم کا رئیس کہلاتا تھا۔ بے علمی اس قدر تھی کہ اردگرد کی تمام قوموں نے ان کا نام اُمّی رکھ دیا تھا۔ ایسے وقت میں اور ایسی قوموں کی اصلاح کے لئے ہمارے سید و مولیٰ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر مکہ میں ظہور فرما ہوئے۔ پس وہ تین قسم کی اصلاحیں جن کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں ان کا درحقیقت یہی زمانہ تھا پس اسی وجہ سے قرآن شریف دنیا کی تمام ہدائیوں کی نسبت اکمل اور اتم ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے کیونکہ دنیا کی اور کتابوں کو ان تین قسم کی اصلاحوں کا موقع نہیں ملا اور قرآن شریف کو ملا۔ اور قرآن شریف کا یہ مقصد تھا کہ حیوانوں سے انسان بنا دے اور انسان سے با اخلاق انسان بناوے اور با اخلاق انسان سے با خدا انسان بناوے اسی واسطے ان تین امور پر قرآن شریف مشتمل ہے۔

قرآن کریم کا اصل منشا
اصلاحات ثلاثہ ہیں

اور قبل اس کے جو ہم اصلاحات ثلاثہ کا ذکر کریں۔ یہ بیان کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف میں کوئی ایسی تعلیم نہیں جو زبردستی ماننی پڑے بلکہ تمام قرآن کا مقصد صرف اصلاحات ثلاثہ ہیں اور اس کی تمام تعلیموں کا لُب لباب یہی تین اصلاحیں ہیں اور باقی تمام احکام ان اصلاحوں کے لئے بطور وسائل کے ہیں۔ اور جس طرح بعض وقت ڈاکٹر کو بھی صحت کے پیدا کرنے کے لئے کبھی چیر کی اور کبھی مرہم لگانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسا ہی قرآنی تعلیم نے بھی انسانی ہمدردی کے لئے ان لوازم کو اپنے محل پر استعمال کیا ہے۔ اور اس کے تمام معارف یعنی گیان کی باتیں اور وصایا اور وسائل کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو ان کی طبعی حالتوں سے جو وحشیانہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں اخلاقی حالتوں تک پہنچائے اور پھر اخلاقی حالتوں سے روحانیت کے ناپیداکنار دریا تک پہنچائے۔

اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ طبعی حالات اخلاقی حالات سے کچھ الگ چیز نہیں بلکہ وہی حالات ہیں جو تعدیل اور موقع اور محل پر استعمال کرنے سے اور عقل کی تجویز اور مشورہ سے کام میں لانے سے اخلاقی حالات کا رنگ پکڑ لیتے ہیں۔ اور قبل اس کے کہ وہ عقل اور معرفت کی صلاح اور مشورہ سے صادر ہوں گو وہ کیسے ہی اخلاق سے مشابہ ہوں درحقیقت اخلاق نہیں ہوتے بلکہ طبیعت کی ایک بے اختیار رفتار ہوتی ہے۔ جیسا کہ اگر ایک کتے یا ایک بکری سے اپنے مالک کے ساتھ انکسار اور محبت ظاہر ہو تو اس کتے کو خلیق نہیں کہیں گے اور نہ ہی اس بکری کا نام مہذب الاخلاق رکھیں گے۔ ایسا ہی ہم ایک بھیڑیئے یا شیر کو اُن کی درندگی کی وجہ سے بدخلق نہیں کہیں گے بلکہ جیسا کہ ذکر کیا تھا اخلاقی حالت محل اور سوچ اور وقت شناسی کے بعد شروع ہوتی ہے اور ایک ایسا انسان جو عقل اور تدبیر سے کام نہیں لیتا وہ ان شیرخوار بچوں کی طرح جن کے دل اور دماغ پر ہنوز قوت عقلیہ کا سایہ نہیں پڑا یا ان دیوانوں کی طرح جو جوہر عقل اور دانش کو کھو بیٹھے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص بچہ شیرخوار اور دیوانہ ہو وہ ایسی حرکات بعض اوقات ظاہر کرتا ہے کہ جو اخلاق کے ساتھ مشابہ ہوتی ہیں مگر کوئی عقلمند اُن کا نام اخلاق نہیں رکھ سکتا کیونکہ وہ حرکتیں تمیز اور موقع بینی کے چشمے سے نہیں نکلتیں بلکہ وہ طبعی طور پر تحریکوں کے پیش آنے کے وقت صادر ہو جاتی ہیں جیسا کہ انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتیوں کی طرف رُخ کرتا ہے اور ایک مرغ کا بچہ پیدا ہوتے ہی دانہ چگنے کے لئے دوڑتا ہے۔ جونک کا بچہ جونک کی عادتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور سانپ کا بچہ سانپ کی عادتیں ظاہر کرتا ہے۔ اور شیر کا بچہ شیر کی عادتیں دکھلاتا ہے۔ بالخصوص انسان کے بچّہ کو غور سے دیکھنا چاہیئے کہ وہ کیسے پیدا ہوتے ہی انسانی عادتیں دکھلانا شروع کر دیتا ہے۔ اور پھر جب برس ڈیڑھ برس کا ہوا تو وہ عادات طبعیہ بہت نمایاں ہو جاتی ہیں۔ مثلاً پہلے جس طور سے روتا تھا۔ اب رونا بہ نسبت پہلے کے کسی قدر بلند ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی ہنسنا قہقہہ کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اور آنکھوں میں بھی عمداً دیکھنے کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اسی عمر میں یہ ایک اور امر طبعی پیدا ہو جاتا ہے کہ اپنی رضامندی یا نارضامندی حرکات سے ظاہر کرتا ہے۔ اور کسی کو مارنا کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے۔ مگر یہ تمام حرکات دراصل طبعی ہوتی ہیں۔ پس ایسے بچہ کی مانند ایک وحشی آدمی بھی جس کو انسانی تمیز سے بہت ہی کم حصہ ملا ہے وہ بھی اپنے ہر ایک قول اور فعل اور حرکت اور سکون میں طبعی حرکات ہی دکھلاتا ہے اور اپنی طبیعت کے جذبات کا تابع رہتا ہے۔ کوئی بات اس کے اندرونی قویٰ کے تدبر اور فکر سے نہیں نکلتی۔ بلکہ جو کچھ طبعی طور پر اس کے اندر پیدا ہوا ہے وہ خارجی تحریکوں کے مناسب حال نکلتا چلا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس کے طبعی جذبات جو اس کے اندر سے کسی تحریک سے باہر آتے ہیں وہ سب کے سب بُرے نہ ہوں بلکہ بعض ان کے نیک اخلاق سے مشابہ ہوں۔ لیکن عاقلانہ تدبر اور موقع شناسی کو ان میں دخل نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی قدر ہو بھی تو وہ بوجہ غلبہ جذبات طبعی کے قابلِ اعتبار نہیں ہوتا۔ بلکہ جس طرف کثرت ہے اسی طرف کو معتبر سمجھا جائے گا۔

حقیقی اخلاق اور خَلق اور خُلق
میں فرق

غرض ایسے شخص کی طرف حقیقی اخلاق منسوب نہیں کر سکتے۔ جس پر جذبات طبعیہ حیوانوں اور بچوں اور دیوانوں کی طرح غالب ہیں اور جو اپنی زندگی کو قریب قریب وحشیوں کے بسر کرتا ہے۔ بلکہ حقیقی طور پر نیک یا بداخلاق کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ جب انسان کی عقل خداداد پختہ ہو کر اس کے ذریعہ سے نیکی اور بدی یا دو بدیوں یا دو نیکیوں کے درجہ میں فرق کر سکے۔ پھر اچھے راہ کے ترک کرنے سے اپنے دل میں ایک حسرت پاوے اور بُرے کام کے ارتکاب سے اپنے تئیں نادم اور پشیمان دیکھے۔ اور یہ انسان کی زندگی کا دوسرا زمانہ ہے جس کو خدا کے پاک کلام قرآن شریف میں نفس لوّامہ کے نام سے تعبیر کیا ہے مگر

(بقیہ صہ۱۲ کالم ۱ و ۲)

یاد رہے کہ ایک وحشی کو نفس لوّامہ کی حالت تک پہنچانے کے لئے صرف سرسری نصائح کافی نہیں ہوتیں بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کو خداشناسی کا اس قدر حصہ ملے جس سے وہ اپنی پیدائش بے ہودہ اور عبث خیال نہ کرے تا معرفت الٰہی سے سچے اخلاق اس میں پیدا ہوں۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ساتھ ساتھ سچے خدا کی معرفت کے لئے توجہ دلائی ہے اور یقین دلایا ہے کہ ہر ایک عمل اور خلق ایک نتیجہ رکھتا ہے جو اس زندگی میں روحانی راحت یا روحانی عذاب کا موجب ہوتا ہے۔ اور دوسری زندگی میں کھلے کھلے طور پر اپنا اثر دکھائے گا۔ غرض نفس لوّامہ کے درجہ پر انسان کو عقل اور معرفت اور پاک کانشنس سے اس قدر حصہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ برے کام پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے۔ اور نیک کام کا خواہشمند اور حریص رہتا ہے یہ وہی درجہ ہے کہ جس میں انسان اخلاق فاضلہ حاصل کرتا ہے۔

اس جگہ بہتر ہوگا کہ میں خُلق کے لفظ کی بھی کسی قدر تعریف کر دوں سو جاننا چاہیئے کہ خَلق خا کی فتح سے ظاہری پیدائش کا نام ہے۔ اور خُلق۔ خا کے ضمہ سے باطنی پیدائش کا نام ہے۔ اور چونکہ باطنی پیدائش اخلاق سے ہی کمال کو پہنچتی ہے نہ صرف طبعی جذبات سے۔ اس لئے اخلاق پر ہی یہ لفظ بولا گیا ہے طبعی جذبات پر نہیں بولا گیا۔ اور پھر یہ بات بھی بیان کر دینے کے لائق ہے کہ جیسا کہ عوام الناس خیال کرتے ہیں کہ خلق صرف حلیمی اور نرمی اور انکساری کا نام ہے۔ یہ ان کی غلطی ہے بلکہ جو کچھ بمقابلہ ظاہری اعضاء کے باطن میں انسانی کمالات کی کیفیتیں رکھی گئی ہیں ان سب کیفیتوں کا نام خلق ہے۔ مثلاً انسان آنکھ سے روتا ہے۔ اور اس کے مقابل پر دل میں ایک قوت رقت ہے۔ وہ جب بذریعہ عقل خداداد کے اپنے محل پر مستعمل ہو تو وہ ایک خلق ہے۔ ایسا ہی انسان ہاتھوں سے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جس کو شجاعت کہتے ہیں۔ پس جب انسان محل پر اور موقع کے لحاظ سے اس قوت کو استعمال میں لاتا ہے تو اس کا نام بھی خلق ہے۔ اور ایسا ہی انسان کبھی ہاتھوں کے ذریعہ سے مظلوموں کو ظالموں سے بچانا چاہتا ہے یا ناداروں اور بھوکوں کو کچھ دینا چاہتا ہے یا کسی اور طور سے بنی نوع کی خدمت کرنا چاہتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جس کو رحم بولتے ہیں اور کبھی انسان اپنے ہاتھوں کے ذریعہ سے ظالم کو سزا دیتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جس کو انتقام کہتے ہیں۔ اور کبھی انسان حملہ کے مقابل پر حملہ کرنا نہیں چاہتا۔ اور ظالم کے ظلم سے درگزر کرتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جس کو عفو اور صبر کہتے ہیں اور کبھی انسان بنی نوع کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپنے ہاتھوں سے کام لیتا ہے۔ یا پیروں سے یا دل و دماغ سے اور ان کی بہبودی کے لئے اپنا سرمایہ خرچ کرتا ہے تو اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جس کو سخاوت کہتے ہیں پس جب انسان ان تمام قوتوں کو موقع اور محل کے لحاظ سے استعمال کرتا ہے تو اس وقت اس کا نام خُلق رکھا جاتا ہے۔ اللہ جلشانہٗ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:۔

انک لعلٰی خُلقٍ عظیم (پ ۲۹ ع ۲)

یعنی تو ایک بزرگ خلق پر قائم ہے۔

سو اسی تشریح کے مطابق اس کے معنی ہیں یعنی یہ کہ تمام قسمیں اخلاق کی سخاوت، شجاعت، عدل، رحم۔ احسان۔ صدق۔ حوصلہ وغیرہ تجھ میں جمع ہیں۔ غرض جس قدر انسان کے دل میں قوتیں پائی جاتی ہیں جیسا کہ ادب حیا۔ دیانت۔ مروّت غیرت استقامت۔ عفت۔ زہادت۔ اعتدال۔ مواسات یعنی ہمدردی۔ ایسا ہی شجاعت۔ سخاوت۔ عفو۔ صبر۔ احسان۔ صدق۔ وفا وغیرہ جب یہ تمام طبعی حالتیں عقل اور تدبر کے مشورہ سے اپنے اپنے محل اور موقع پر ظاہر کی جائیں گی تو سب کا نام اخلاق ہوگا۔ اور یہ تمام اخلاق درحقیقت انسان کی طبعی حالتیں اور طبعی جذبات ہیں۔ اور صرف اس وقت اخلاق کے نام سے موسوم ہوتے ہیں کہ جب محل اور موقع کے لحاظ سے بالارادہ ان کو استعمال کیا جائے چونکہ انسان کے طبعی خواص میں سے ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ ترقی پذیر جاندار ہے اس لئے وہ سچے مذہب کی پیروی اور نیک صحبتوں اور نیک تعلیموں سے ایسے طبعی جذبات کو اخلاق کے رنگ میں لے آتا ہے اور یہ امر کسی اور جاندار کے لئے نصیب نہیں ٭ ٭ ٭

* * *

بقیہ خطبہ جمعۃ المبارک فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

(بسلسلہ آمدہ صفحہ ۳ سے آگے)

۵ صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

اس لئے صحبت صالحین اور صادقین کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ نہایت ضروری ہے تاکہ ذہن اور دل صداقت اور نیکی سے بہرہ مند ہوں۔ فلاح اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے خدائی صفات اپناؤ اور اپنے اندر اخلاق عالیہ پیدا کرو اور صحبت صالحین اختیار کرو کیونکہ یہی بھلائی کا راستہ ہے ٭ ٭

* * *

بقیہ:- حضرت مجدد صد چہار دہم کے دو عالی مقاصد، آمدہ ص

بھارت کے فلمسازوں نے بھی اونچی نیچی ذاتوں کی تفریق کم کرنے اور اچھوتوں کو ہندو معاشرے میں باعزت مقام دلانے کے لئے سینکڑوں فلمیں بنائیں۔ شہروں میں ہوٹلوں، سینماؤں اور ٹرانسپورٹ کے استعمال میں اونچی نیچی ذات کا کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا۔ تاہم پرانی نسل کے کچھ لوگ اب بھی اچھوتوں، مسلمانوں، عیسائیوں اور پارسیوں کو ناپاک سمجھتے ہیں اور ان سے ہاتھ ملانے یا ان کے ساتھ ایک ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا کھانے کے روادار نہیں ہوتے۔ پچھلے دنوں ایک اونچی ذات کی پڑھی لکھی خوبصورت لڑکی نے ایک ہریجن لڑکے سے شادی کر لی۔ تو اس کے لواحقین نے اسے اغوا کر لیا اور اس کی ناک کاٹ دی۔ دہلی کی ایک دعوت میں دعوت کے اختتام پر اونچی ذات کے ہندو میزبان نے دعوت میں استعمال ہونے والی تمام کراکری کو توڑ دینے کا حکم دیا کیونکہ اس تقریب میں چند ہریجن وزیر بھی شریک ہوئے تھے۔ اور ان کے استعمال شدہ برتن غلطی سے دوسرے برتنوں میں مل گئے تھے۔ جنتا پارٹی کے دور میں ایک ہریجن نائب وزیر اعظم نے ایک مورتی کی نقاب کشائی کی تو ان کے جانے کے بعد اونچی ذات کے ہندوؤں نے مورتی کو ازسرنو غسل دیا کیونکہ ان کے خیال کے مطابق مورتی ان کا ہاتھ لگنے سے اپوتر (ناپاک) ہو گئی تھی۔

آزادی کے بعد سے بھارت نے زندگی کے ہر شعبے میں بڑی ترقی کی ہے۔ زراعت، صنعت و حرفت تعلیم اور معیار زندگی میں بھی بہت آگے بڑھ گیا ہے لیکن ہر سال آبادی میں اضافے اور ذات پات کی منافرت کی وجہ سے اس ترقی کی اہمیت کم ہو گئی ہے۔ اب بھی بھارت کی ۳۰ فیصد آبادی گندے مکانوں میں رہتی ہے پھٹے پرانے کپڑے پہنتی ہے اور لاکھوں کروڑوں انسان فاقہ کشی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ٭ ٭

بقیہ:- دینی تربیتی کلاس کی الوداعی تقریب، آمدہ صفحہ ۵

کیسٹ تیار کئے ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ تفسیر کو تحریر میں لانا مفید ہے۔ آپ نے طلباء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے آپ کے آنے سے بے حد خوشی ہوئی ہے اور میرے دل کو تقویت حاصل ہوئی ہے جس قوم کے نوجوان دین کے حاصل کرنے کے لئے تیار ہوں وہ جماعت کبھی نہیں مرتی اور مجھے خوشی ہے کہ آپ کو دین کے حصول کا ذوق ہے ورنہ بچوں کو کھیل کود کا شوق ہوتا ہے۔ اب مجھے کوئی شبہ نہیں ہے اور اپنے دل کی تڑپ ہے کہ خدا اس دینی کام کو ضرور پورا کرے گا۔ آپ کا علم حاصل کرنا جاری رہنا چاہیئے۔ قرآن پاک کو پڑھتے رہو کہ یہ علم و معرفت کا سمندر ہے۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی کتاب ہدیٰ سے تمام عرب اور پھر تمام جہان کی راہنمائی کی۔ آپ ان بہترین ایام کو مشعلِ راہ بنانا اور قرآن پاک پڑھتے رہنا۔ حضرت مرزا صاحب بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے قرآن پاک کی دس ہزار مرتبہ تلاوت کی۔ آپ بھی قرآن کو پڑھیں اور اس کے حکموں پر عمل کریں۔ آپ حضرت مولنا محمد علی مرحوم کی تصانیف خصوصاً ریلیجن آف اسلام۔ سیرت خیر البشر کا مطالعہ کریں۔ فاروقی صاحب نے دعا فرمائی اور جملہ اساتذہ گرامی کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے نوجوانوں کی تربیت میں حصہ لیا۔ جناب مرزا مسعود بیگ صاحب، مرزا محمد لطیف صاحب شاہد۔ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، ڈاکٹر نذیر الاسلام صاحب اور ڈاکٹر اصغر حمید صاحب وغیرہم۔ بعد ازاں حاضرین جلسہ کی تواضع چائے اور کیک بسکٹ سے کی گئی اور یوں یہ اجلاس بخیر و خوبی انجام کو پہنچا۔

◆

ـ: ارشادِ باری تعالےٰ ہے:ـ

" اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو "

(آلِ عمران)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۸۱ء - جلد ۶۸ شمارہ ۳۴ رجسٹرڈ ایل نمبر (۸۳۸)

باہتمام ریاض حسین الحمد پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس براندرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰے ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے
بیرونی ممالک سے

جلد :- ۶۸ ٭ یوم چہار شنبہ ـــــ ۹ ذیقعد ۱۴۰۱ھ ـــــ بمطابق ۹ ستمبر ۱۹۸۱ء ـــــ ٭ شمارہ :- (۳۶)

ملفوظات حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ

ہم کیونکر خدا تعالیٰ کو راضی کریں

اے میرے دوستو! جو میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو خدا ہمیں اور تمہیں ان باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے۔ آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر سے دیکھے گئے ہو ایک ابتلاء کا وقت تم پر ہے۔ اسی سنت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے ہر ایک طرف سے کوشش ہوگی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننی پڑیں گی اور ہر ایک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دکھ دے گا وہ خیال کرے گا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے اور کچھ آسمانی ابتلاء بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ۔ سو تم اس وقت سن رکھو کہ تمہارے فتحمند اور غالب ہونے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو یا تمسخر کے مقابل پر تمسخر سے باتیں کرو۔ یا گالی کے مقابل گالی دو کیونکہ اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں گی جن سے خدا تعالیٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ سو تم ایسا نہ کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو، ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی بھی۔

یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدا تعالیٰ کی لعنت کے ساتھ نہ ہو کچھ بھی چیز نہیں۔ اگر خدا ہمیں نابود نہ کرنا چاہے تو ہم کسی سے نابود نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر وہی ہمارا دشمن ہو جائے تو کوئی ہمیں پناہ نہیں دے سکتا ہم کیونکر خدا تعالیٰ کو راضی کریں اور کیونکر وہ ہمارے ساتھ ہو اس کا اس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا کہ تقویٰ سے۔ سو اے میرے پیارے بھائیو کوشش کرو تا متقی بن جاؤ۔ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں سو تقویٰ یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچ کر خدا تعالیٰ کی طرف قدم اٹھاؤ اور پرہیزگاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔

سب سے اول اپنے دلوں میں انکسار اور صفائی اور اخلاص پیدا کرو اور سچ مچ دلوں کے حلیم اور سلیم اور غریب بن جاؤ کہ ہر ایک خیر اور شر کا بیج پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ اگر تیرا دل شر سے خالی ہے تو تیری زبان بھی شر سے خالی ہوگی۔ اور ایسا ہی تیری آنکھ اور تیرے سارے اعضاء۔ ہر ایک نور یا اندھیرا پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ تمام بدن پر محیط ہو جاتا ہے۔ سو اپنے دلوں کو ہر دم ٹٹولتے رہو اور جیسے پان کھانے والا اپنے پانوں کو پھیرتا رہتا ہے اور ردی ٹکڑے کو کاٹتا ہے اور باہر پھینکتا ہے اسی طرح تم بھی اپنے دلوں کے مخفی خیالات اور مخفی عادات اور مخفی جذبات اور مخفی ملکات کو اپنی نظر کے سامنے پھیرتے رہو اور جس خیال یا عادت یا ملکہ کو ردی پاؤ اس کو کاٹ کر باہر پھینکو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سارے دل کو ناپاک کر دیوے۔ اور پھر تم کاٹے جاؤ۔

پھر بعد اس کے کوشش کرو اور نیز خدا تعالیٰ سے قوت اور ہمت مانگو کہ تمہارے دلوں کے پاک ارادے اور پاک خیالات اور پاک جذبات اور پاک خواہشیں تمہارے اعضاء اور تمہارے قویٰ کے ذریعہ سے ظہور پذیر اور تکمیل پذیر ہوں تا تمہاری نیکیاں کمال تک پہنچیں کیونکہ جو بات دل سے نکلے اور دل تک ہی محدود رہے وہ تمہیں کسی مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتی۔ خدا تعالیٰ کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ۔ اور اس کے جلال کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو اور یاد رکھو کہ قرآن شریف میں پانچسو کے قریب حکم ہیں۔ اور اس نے تمہارے ہر ایک عضو اور ہر ایک قوت اور ہر ایک وضع اور ہر ایک حالت اور ہر ایک عمر اور ہر ایک فہم اور مرتبہ فطرت اور مرتبہ سلوک اور مرتبہ انفراد اور اجتماع کے لحاظ سے ایک نورانی دعوت تمہاری کی ہے سو تم اس دعوت کو شکر کے ساتھ قبول کرو۔

* * *

قارئین کرام کی توجہ کیلئے

”قرآن پاک اور احادیث۔ تبلیغ اور آپ کی مذہبی معلومات کیلئے شائع کی جاتی ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ ان کے تقدس کا خیال رکھیں اس لئے جن صفحات پر قرآن کی آیات، اور احادیث چھپی ہوئی ہوں انہیں اسلامی طریقہ سے محفوظ کر لیں۔“ (حکومت کی ہدایت مجریہ ۹ ستمبر ۱۹۸۱ء)

"پیوستہ رہ شجر سے اُمیدِ بہار رکھ"

از:۔ محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ، لاہور

پنجابی کی ایک مثل ہے "ملدیاں دے ساک تے واہندیاں دی بھوئیں"۔ مطلب ظاہر ہے۔ رشتہ داری اسی وقت تک جب تک ملاقات ہوتی رہے۔ قائم رہتی ہے۔ ورنہ آج کی دور دراز کی ملازمتیں، مسافتیں اور غیر ممالک میں مستقل رہائش سے قریبی رشتہ دار بھی ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے۔ اسی طرح زمین کے مالکانہ حقوق بھی اسی زمیندار کے ہیں جو خود ہل چلاتا ہے یعنی دونوں صورتوں میں شرط قریبی رابطہ کی ہے۔

اسلام انسانی فطرت کے عین مطابق ہونے کے باعث ہی دینِ فطرت کہلاتا ہے۔ انسانی فطرت، انسان کی قربت کی ہمیشہ متلاشی رہتی ہے لہٰذا اس کی تسکین کی صورت پنج وقتہ نمازِ باجماعت میں ہے۔ محلے کی مسجد میں، عیدین شہر کی کسی بڑی مرکزی مسجد میں اہلِ شہر سے ملاقات کا موقع بہم پہنچاتی ہے اور پھر اسی پر اکتفا نہیں حج پر بین الاقوامی اجتماع اور کسی مذہب نے ایسے اجتماعات کو مذہبی فریضہ کی شکل نہیں دی۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ سفرِ حج کے دوران جہاز کے ہمسفر۔ قیام مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور منیٰ کے رہائش میں ساتھی۔ حرم شریف میں نمازوں کے وقفے کے دوران غیر ملکی خواتین و حضرات جن سے گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ مجھے سب اسلامی کنبے کے افراد محسوس ہوئے۔ انہیں سے کسی ایک سے دوبارہ زندگی کے کسی موڑ پر اگر ملاقات ہو جاتی ہے تو واللہ ایسی ہی خوشی ہوتی ہے جیسے اپنے کسی قریبی رشتہ دار سے مل کر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے اس عاجزہ کو اپنی جماعت کی نمائندگی کرتے ہوئے برطانیہ۔ ہالینڈ۔ جنوبی امریکہ۔ ویسٹ انڈیز اور ٹرینی ڈاڈ جانے کا موقع ملا۔ وہاں بہت کم مدت کے لئے اپنی جماعت کے افراد میں رہنے، تبادلہ خیالات کرنے اور ان کی سرتاپا اسلام کی محبت میں سرشار شخصیتوں کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع ملا۔ آپ غالباً اسے مبالغہ سمجھیں یا پھر جذباتیت، کہ مجھے آج یہ دور دراز بسنے والے بہن بھائی اپنے خاندان کے افراد معلوم ہوتے ہیں۔ ان سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے۔ اور اگر ادھر سے دیر ہو جائے تو اُدھر کے افرادِ خاندان اسی طرح پریشان ہوتے ہیں جیسے کہ میں خود ہوتی ہوں۔

بیرونی جماعتوں سے رابطہ کا اثر محتاجِ بیان نہیں۔ دنیاوی مشکلات کے پیشِ نظر اور پھر چند خود غرض دُنیاوی فائدہ کے طلب گاروں کی ریشہ دوانیوں کے باعث کچھ احباب جو مرکزی جماعت سے دور ہو گئے تھے اب اسی رابطہ کی بدولت مرکز سے پھر نزدیک ہو گئے ہیں۔ وہ دنیا میں کسی بھی کام کو نکلیں سفر کی صعوبتوں اور اخراجات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے لاہور کی مرکزی جماعت ان کے لئے باعث کشش ہے اور وہ کارکنانِ مرکزی جماعت سے ملنے کے لئے آتے ہیں۔ سُرینام کی جماعت کے صدر جناب نعمت خاں صاحب اور خزانچی جناب بدلو صاحب حکومتِ ایران کی دعوت پر ایران جاتے ہیں مگر لاہور سے ہو کر۔ اسی طرح نائب صدر جناب فیروز نصر اللہ مشرقِ بعید کسی سرکاری کام پر جاتے ہیں لیکن لاہور سے جاتے ہوئے۔ اور حال ہی میں بیگم و جناب رشید پیر خان صاحب ہندوستان اپنے کاروبار کے سلسلے میں جاتے ہیں لیکن آپ کی ملاقات کے بغیر نہیں۔ ادھر کسی کو کوئی تکلیف ہو تو آپ کو دُعا کے لئے کہا جاتا ہے۔ لہٰذا جس دن امریکہ میں رشید پیر خان کا اپریشن تھا تو آپ نے درد دل سے نمازِ جمعہ میں ان کی صحت کے لئے دعا کی اور پھر نجی نمازوں میں ان کے لئے دُعا کی۔ دل کا بہت بڑا خطرناک اپریشن تھا آپ کی دعاؤں سے وہ صحت یاب ہوئے اور پھر جمعہ ہی میں انہوں نے آپکا شکریہ ادا کیا۔ وہ جو آئے تو اپنے ساتھ بہت سے زبانی پیغامات کے ساتھ وہاں کی نائب صدر تنظیم خواتین احمدیہ مسز جمیلہ صبور علی کا خط لائے۔ خط سننے سے پہلے موصوفہ کا تعارف کرادوں۔ یہ سُرینام کی واحد احمدی خاتون ہیں۔ جو اُردو رسم الخط سے کچھ تھوڑا بہت واقف ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسا مجاہد جوڑا نہیں دیکھا۔ دونوں میاں بیوی سُرینام جوبلی کے دوران ہر محفل میں نمایاں خدمت سرانجام دیتے۔ ائیرپورٹ سے جلسہ گاہ اور وہاں سے جوبلی کے لنگر۔ طعام گاہ اور مہمانوں کی رہائش گاہ میں ہر جگہ دونوں موجود۔ خدمت میں پیش پیش۔ دونوں میاں بیوی۔ رشید پیر خاں صاحب کے ریڈیو سٹیشن سے باقاعدہ اُردو میں اسلامی موضوعات پر تقاریر کرتے ہیں۔ اور اُردو بھی بچوں کو پڑھاتے ہیں۔ سُرینام کے لوگ ہندی نما اُردو بولتے ہیں لیکن نوجوان طبقہ زیادہ تر ڈچ ہی بولتا ہے لہٰذا یہ کوشاں ہیں کہ بچے اُردو سیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مساعی جمیلہ میں کامیابی عطا کرے اور دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کا موقع دے۔

ہاں تو میں بہن جمیلہ صبور علی کے خط کا ذکر کر رہی تھی بالکل بہنوں کے مانند اپنے گھر کی تمام خبریں دینے کے بعد آپ کے لئے لکھتی ہیں۔

(کاش میں فوٹو سٹیٹ دے سکتی تا کہ آپ ان کی تحریر اور طرزِ نگارش بھی پڑھ لیتی تو آپ ان کی محنت اور کوشش کی داد دیتی)

سُنیئے اُن کی زبانی:۔

"احمدی مستورات کی جماعت جو تھی اُس میں سے کچھ ہالینڈ چلے گئے اب پھر سے مستورات کی جماعت بنائی گئی ہے۔ جس کی صدر شفیعون الٰہی بخش با اور میں خود نائب صدر ہوں۔ روپوں کی ضرورت تھی تو ایک بازار DAY FAIR ۲۶-۴-۸۱ کو لگائی گئی جس میں کھانے پینے اور طرح طرح کی چیزیں فروخت کی گئیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور ۲۷۵.۰۷ ڈالر ہم لوگوں کی آمدنی ہوئی۔ میں آپ کی ٹیپ پر تقریر سن لیتی ہوں۔ بہن جی گزارش ہے کہ آپ دس دس منٹ کے تقریری کیسٹ مہربانی سے بھیج دیں۔ تو ہم ریڈیو کے ذریعے لوگوں تک پہنچا دیں۔ خاص کر مستورات کے لئے ٹیپ میں بھیجیں۔ آپ کا عید کارڈ مجھے ملا۔ اس کے لئے بہت بہت شکریہ۔ سب بہنوں اور بھائیوں کو میرا سلام۔"

والسلام۔ آپ کی بہن

جمیلہ صبور علی۔

یہ عاجزہ اسی رابطہ کے ہی سلسلہ میں پنڈی گئی۔ وہاں برادرم محمد حنیف صاحب کی کمان میں اور برادرم قاضی عبدالرشید صاحب کی کار میں گھر گھر جا کر بہنوں سے ملاقات کی۔ بیگم لطیف کا ساتھ رہا۔ بہن ڈاکٹر نور جہاں ملک سے نہایت دلچسپ اور سبق آموز گفتگو ہوئی۔ بہن بیگم اکرام الحق سے تنظیم کے امور پر تبادلۂ خیال ہوا۔ اور انہوں نے بھرپور معاونت کا وعدہ کیا۔ بیگم قاضی رشید صاحب جو نہایت مستعد اور دیندار خاتون ہیں سے بھی بھرپور تعاون کا وعدہ لیتے ہوئے بیگم شیخ اقبال اور بیگم حنیف صاحبہ سے ملاقات کے بعد اگلے دن لاہور واپس ہوئی۔ سفر کی کوفت کے باوجود اپنے بازوؤں کو مضبوط اور دل کو مطمئن پایا۔ انشاء اللہ آئندہ اتوار بشرطِ زندگی بیگم عظمت رفیق۔ بیگم عصمت خالد کی رفاقت میں بد وملہی جانے کا ارادہ ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں
برمنار بلند تر محکم اُفتاد ۔

* * *

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی

کا عزم ایبٹ آباد

دارالسلام، آج صبح سات بجے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ایبٹ آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔ آپ چند دن وہاں گزاریں گے۔ اور عید قربان سے قبل واپس لاہور تشریف لے آئیں گے۔ نمازِ فجر کے بعد آپ نے جماعت کو چند نصائح سے نوازا۔ مسجد کے آداب اور نماز کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور فرمایا "نماز کا خشوع و خضوع کبھی احمدی کی پہچان ہوا کرتی تھی۔" پھر بکمال شفقت ہر ایک سے معانقہ فرمایا اور دُعا کی درخواست کی۔

ارشادِ باری تعالیٰ:۔

"اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین

از:- مدیر اعزازی

حکیم محمد سعید صاحب چودھویں اور پندرھویں صدی ہجری کے سلسلہ میں اپنے ایک مضمون میں فرماتے ہیں:-

"اگر عالمِ اسلام نورِ الٰہی سے منور ہو جائے تو پھر اس روشنی سے ہر تاریکی کو دور کیا جا سکتا ہے۔ اگر مسلمان کے دل و دماغ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راہنما اور ہادیٔ برحق تسلیم کر لیں تو پھر ان کو کسی راہنما کی تلاش کی ضرورت باقی رہے اور نہ جستجو کی حاجت۔ آج مسلم کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ہر بُت کے آگے جھک رہا ہے۔ ہر بُت تراش کا وہ پجاری ہے۔ ہر پتھر کو وہ سجدہ کر رہا ہے اور ہر طاقتِ طاغوت کے سامنے وہ سجدہ ریز ہے۔"

لاریب یہ شرمناک ہے کہ وہ اپنے مسائل کے حل کے لئے اور انصاف کے لئے اس عالمی تنظیم کی زنجیر ہلاتا ہے کہ جو قائم ہی اس اصول پر ہے کہ تہذیبِ مغربی کو تہذیبِ اسلامی پر غالب کر دے۔ ...... وہ مسلمان کہ جو تہذیبِ مغرب کا حلیہ بگاڑنے کے لئے میدانِ عمل میں آیا تھا آج کس درجہ بے دست و پا ہے۔ وہ بے دست و پا ہی نہیں ہے بلکہ دل و دماغ کی ہر توانائی سے عاری و خالی ہے۔"

(اقرار - نوائے وقت مؤرخہ ۱۰ جون ۱۹۸۱ء)

ہم مختصر الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ (۱) مسلمان کا دلِ نورِ الٰہی سے خالی ہے۔ اور وہ شرک میں مبتلا ہے۔ (۲) وہ آنحضرت صلعم کو اپنا راہنما اور ہادیٔ برحق نہیں سمجھتا (۳) وہ اسلام دشمن عالمی تنظیم (یو۔ این۔ اے) سے انصاف کا طلب گار ہے (۴) یہی وجہ ہے کہ وہ آج بے دست و پا ہے اور ہر لحاظ سے تہی دست اور تہی دامن ہے۔

آیئے دیکھیں کہ وہ کون سا نور ہے جس سے مسلمانوں کے دل خالی ہو چکے ہیں اور وہ تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ قرآنِ کریم خود ہی اس کی تشریح اور توضیح ان الفاظ میں فرماتا ہے:-

"فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا ؕ واللہ بما تعملون خبیر" (التغابن ۸)

"پس اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لاؤ اور اس نور کے ساتھ ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔"

اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نور نازل فرمایا وہ یہی قرآنِ کریم ہے جو دل کے اندھوں کو بینائی بخشتا اور انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ یہی اس کے نزول کا مقصد اور منشاء ہے جیسا کہ درجِ ذیل آیت میں بیان ہوا ہے:-

الرٰ قف کتٰبٌ انزلنا الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور ۙ باذن ربھم الی صراط العزیز الحمید ۝ (ابراہیم ع ۱) ترجمہ:- میں اللہ دیکھنے والا ہوں۔ یہ کتاب ہم نے تیری طرف اس لئے اتاری ہے کہ تو لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔ اُن کے رب کے حکم سے اُس کے رستہ کی طرف جو غالب اور تعریف کیا گیا ہے۔" اور بھی بے شمار مقامات پر قرآن کریم کی تعریف میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ یہ کتاب لوگوں کے سینوں کو منور کر کے ان کو زندگی کے ہر راستے میں ٹھوکر اور لغزش سے بچاتی اور اُن کی مشکلات کو آسان کر دیتی ہے۔ مسلمان اگر آج گوناگوں مشکلات اور مصائب میں گھرے ہوئے ہیں اور اندھیروں میں بھٹکتے اور ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں تو اس کا بلا شک و شبہ یہ مطلب ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا ہے۔ خدا اور اس کے رسولؐ کے سیدھے سادھے راستے کو ترک کر کے اپنے لئے اور راہیں تلاش کر لی ہیں اور انہی پر چلنے میں اپنی فلاح اور نجات سمجھتے ہیں جس کا نتیجہ اُن کے سامنے ہے لیکن وہ دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار پہلی قوموں کی تباہی اور بربادی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ہے:-

"تم سے پہلے بھی واقعات گذر چکے ہیں پس تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ یہ لوگوں کے لئے بیان اور متقیوں کے لئے ہدایت اور وعظ ہے۔ اور نہ سست ہو اور نہ غمگین ہو اور تم ہی غالب ہو گے اگر تم مومن ہو۔" غلبے کا وعدہ متقیوں اور مومنوں کے ساتھ ہے جب شرط پوری نہ ہو گی تو مشروط کا پورا ہونا بھی ممکن نہیں۔ یہودیوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا تھا کہ تم نے جو عہد میرے ساتھ کیا ہے تم اُسے پورا کرو تو میں اپنے اس عہد کو پورا کروں گا جو میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ یہودیوں نے بار بار بدعہدی کی تو اللہ تعالیٰ کا شدید غضب اُن پر ٹوٹ پڑا۔ آج اگر مسلمان مغلوب ہے تو یقیناً وہ مومن نہیں ہے کیوں کہ "ولن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا ۝" "اور اللہ ہرگز کافروں کو مومنوں پر غلبہ کی راہ نہیں دے گا۔" آج مسلمان اگر "بے دست و پا" ہیں اور "دل و دماغ کی ہر توانائی سے خالی اور عاری ہیں" تو اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے اور قرآن سے راہنمائی حاصل کرنے کی بجائے اسلام دشمن طاقتوں کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اپنے معاملات میں ان کو مداخلت کی اجازت دے دی ہے۔ جن لوگوں نے اُن کی مکاریوں۔ عیاریوں اور فریب کاریوں سے خبردار کیا انہیں انہوں نے اپنا دشمن جانا۔

ہر زمانہ میں اس نور اور روشنی کے چراغ جلانے والوں کا حوالہ دیتے ہوئے مضمون نگار فرماتے ہیں:-

"مصلحین نے ہر دور میں غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ اصلاحِ حال کے لئے تحریکوں نے جنم لیا ہے۔ مجددین نے سربکف ہو کر کفر کے خلاف صف آرائی کی ہے۔ علمائے حق نے اپنی جانوں کی بازیاں لگائی ہیں۔ صوفیائے کرام نے صداقت کے صور پھونکے ہیں...... یہ ہماری تاریخ کے حقائق ہیں۔ ان کی ابتداء جدوجہدِ اسلام کے اوّل دن سے ہوئی اور اب تک اس کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔ یہ تاریخ ہماری توجہ چاہتی ہے۔"

ہم حکیم صاحب کی خدمت میں بصد ادب یہ عرض کریں گے کہ مسلمانوں نے ان مصلحین۔ مجددین۔ علمائے حق اور صوفیائے کرام کے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے اُس سے بھی تو آپ آگاہ ہیں اور ہمارے نزدیک ان کی زبوں حالی ان کی اسی شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے کیوں کہ انہوں نے ایک مفاد پرست اور اقتدار پسند طبقہ کی غلط رہنمائی میں مخالفینِ حق کا ساتھ دے کر اس نور کو جو انہیں دیدۂ بینا عطا کرنے آیا تھا ہمیشہ اپنی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ بھی ہماری تاریخ کے تلخ حقائق ہیں۔ آج "عالمِ اسلام کا مردِ بیمار (اگر) ایک ایسے طبیب کی تلاش میں ہے جو اپنی تمام توانائیاں اسلام کی سرفرازی کے لئے صرف کر دے"، تو اس کا حشر بھی ان کے ہاتھوں وہی ہو گا جو سابقہ ادوار کے مجددین اور مصلحین کا ہوتا آیا ہے۔ کیا چودھویں صدی میں ایک طبیبِ حاذق نے اس قریب المرگ مریض کے مہلک مرض کی تشخیص کر کے اس کے لئے یہی زندگی بخش نسخہ تجویز نہیں کیا تھا کہ مسلمانوں کی تمام بیماریوں کا علاج قرآنِ کریم میں ہے۔ انہیں اس کو بلند طاقوں اور ریشمی غلافوں سے نکال کر اپنے سینوں میں داخل کر کے اس کے نور سے اپنے دل و دماغ کو منور کرنا چاہیئے۔ اسی سے ان کے سینوں کی بیماریوں کو شفا ملے گی کیونکہ "وننزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین ولا یزید الظلمین الا خسارا ۝" اور ہم قرآن سے وہ کچھ اتارتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کو یہ صرف نقصان میں بڑھاتا ہے۔" (بنی اسرائیل ۸۲)

"قل ھو للذین امنوا ھدی وشفاء"

کہہ وہ ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہدایت اور شفا ہے (حٰمٓ ۴۴)

"یایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور ۝ وھدی ورحمۃ للمؤمنین۔ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے اور اس کے لئے شفا جو سینوں میں ہے، اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت (یونس ۵۷) اس حکیم روحانی کے ساتھ اس کی قوم نے جو سلوک زندگی بھر روا رکھا وہ بھی تو ایک نہایت تلخ حقیقت ہے۔ یہ شفا۔ رحمت اور نصیحت مومنوں کے لئے ہے اور ظالم اس سے دور رہ کر ہمیشہ گھاٹے میں رہا ہے اور رہے گا۔ آج کے مسلمان کی بے بسی۔ بے چارگی اور بے مائیگی کیا یہ نہیں بتا رہی کہ وہ گھاٹے ہی گھاٹے میں ہے کیونکہ وہ قرآن سے دور بھٹک گیا۔ تو پھر بتائیے وہ مومن ہے یا ظالم۔ اور ظالم قرآنِ کریم کے مطابق سدا خسارے میں رہے گا۔ اس لئے کہ "فما للظلمین من نصیر" (فاطر ۳۷) اور "ما للظلمین من حمیم ولا شفیع یطاع" (مومن ۱۸) ظالموں کا نہ تو کوئی مددگار ہوتا ہے نہ کوئی ولی دوست اور نہ ہی ان کے بارے میں کسی کی سفارش قبول کی جاتی ہے۔

مسلمانوں کی اخلاقی اور روحانی حالت جب یہ ہو اور اس کے بدلنے کے لئے جب کوئی اللہ کا بندہ ان کے ہاتھوں میں قرآن دینا چاہے لیکن وہ اُس کے

دشمن بن جائیں تو وہ یہ امید کیسے اور کیوں کر رکھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا دوست اور مددگار ہو کر انہیں دشمنوں پر غلبہ عطا کرے گا۔ ایسا سوچنا بے وقوفوں کی جنت میں رہنا ہے۔ کامیابی اللہ تعالیٰ نے اپنے گروہ کے لئے مقدر کر رکھی ہے

"تو ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں ایسا نہ پائے گا کہ وہ ان سے دوستی رکھیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتا ہے اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے کے لوگ۔ انہی کے دلوں کے اندر اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے اور وہ انہیں باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ انہیں میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ یہ اللہ کا گروہ ہیں۔ سنو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی کامیاب ہوگا۔"

(مجادلہ ۲۲)

جو لوگ اللہ تعالیٰ۔ یوم آخرت اور اللہ تعالیٰ کے رسولؐ پر ایمان لاتے اور تمام دنیاوی رشتوں اور تعلقات کو توڑ کر صرف انہی سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں وہ حزب اللہ ہیں لیکن یہاں کوئی "حزب الامریکہ" ہے اور کوئی "حزب الروس"، اور اگر کوئی حزب اللہ میں شامل ہونے کی کوشش کرے تو وہ بے دین۔ کافر اور گمراہ ہے۔ دشمن ملک و ملت ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں صاف طور پر متنبہ کیا گیا ہے کہ:۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست مت بناؤ۔ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے انہیں دوست بناتا ہے تو وہ انہی میں سے ہے۔ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا پس جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے تو ان کو دیکھے گا کہ ان کی دوستی کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے۔ سو قریب ہے کہ اللہ فتح یا اپنی طرف سے کوئی امر لائے پس ان باتوں پر جن کو اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں پشیمان ہوں گے۔" (المائدہ ۵۲)

قرآن کریم نے یہودیوں اور نصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا ہے لیکن یہاں انہی کی دوستی کے لئے جلدی کی جاتی ہے کیونکہ خوف یہ ہے کہ ان کے ساتھ دوستی نہ کرنے کی وجہ سے ہم پر کوئی گردش نہ آجائے۔ باوجود اس کے کہ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں اور کشمیر کے معاملہ میں ہم ان کی دوستی پر بھروسہ کر کے بارہا پشیمان ہو چکے ہیں۔ مومن کی تعریف میں آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ وہ ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا۔ ہم ہیں کہ بار بار اسی سوراخ میں سے ڈسنے کے تجربات دہرائے جا رہے ہیں اور اس کے لئے جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ:۔

"تو یقیناً ان کے لئے جو ایمان لائے دشمنی میں سب لوگوں سے زیادہ یہودیوں کو پائے گا اور ان کو جو مشرک ہیں اور ان کے لئے جو ایمان لائے دوستی میں سب سے قریب تر ان لوگوں کو پائے گا جو کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں۔"

(المائدہ ۸۲) اس لئے نصاریٰ کے ساتھ دوستی کرنا کوئی نقصان کی بات نہیں لیکن کیا یہ نصاریٰ ہی نہیں تھے جنہوں نے اسرائیلی ریاست قائم کر کے ہزاروں فلسطینی مسلمانوں کو بے گھر کیا۔ اور کیا آج بھی نصاریٰ اس کی پیٹھ نہیں ٹھونک رہے ؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ نصاریٰ کی معیشت پر یہود کی بڑی مضبوط گرفت ہے۔ وہ کس طرح اس گرفت سے آزاد ہو کر مسلمانوں کے حامی اور دوست بن سکتے ہیں۔ جو زبانی کلامی ہمیں ہمیشہ کی طرح یہ طفل تسلیاں دے رہے ہیں کہ ہم پاکستان کا بھرپور ساتھ دیں گے۔ ان کی باتوں پر اعتبار کرنا شرک ہے۔ خاص کر جبکہ ہمیں ماضی میں بہت تلخ تجربات سے گزرنا پڑا ہے کوئی سپر پاور ہماری خاطر دوسری سپر پاور سے الجھ کر تیسری عالمی جنگ کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہ ہوگی۔ ہاں خدانخواستہ مسلمانوں کی بربادی کیلئے ضرور دونوں اکٹھی ہو جائیں گی۔ میکاولی فلسفہ میں دوستی اپنے مفادات کے تحفظ کا نام ہے خواہ وہ کسی طرح بھی حاصل کیا جا سکے۔ ع

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

پاکستان میں جتنی بھی حکومتیں بدلی ہیں یا تحریکیں مختلف اوقات میں اٹھی ہیں ان کے پیچھے انہی طاقتوں کا خفیہ ہاتھ کام کرتا رہا ہے اور اب بھی کر رہا ہے۔ تاکہ اسے استحکام نصیب نہ ہو سکے۔ نہ یہاں امن قائم ہو سکے اور نہ یہ ملک ترقی کے راستے پر گامزن ہو سکے۔ نام اسلام کا استعمال ہو رہا ہے کیوں کہ اس نام سے مسلمان کو بہت جلدی بہکایا اور پھسلایا جا سکتا ہے۔ اگر مسلمان واقعی اس اسلام پر قدم رکھے جو قرآن نے پیش کیا ہے تو اُسے کسی سپر پاور کے سہارے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس کا ولی دوست اور کارساز خود اللہ تعالیٰ بن جائے جو سب سے بڑی سپر پاور اور ملیک مقتدر ہے۔ اسلام کے صدر اول میں بھی قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں دو سپر پاور تھیں لیکن قرآن کے مٹھی بھر حاملین کے ہاتھوں ان کا جو حشر ہوا وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ آواز تو ہر طرف سے یہی آتی ہے ایک خدا۔ ایک رسولؐ اور ایک قرآن لیکن عمل میں اس کا نفاذ کہیں نظر نہیں آتا۔ اگر پندرہویں صدی میں بھی مسلمان اس حقیقت سے آشنا ہو جائے کہ قرآن کی طرف بلانے والوں سے دشمنی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار کر اپنے آپ کو زخمی کر کے بے دست و پا بنانا ہے تو اس کی زندگی میں ایک ایسا معجزہ نما انقلاب برپا ہو سکتا ہے جس کے سامنے یہ سپر پاور نمک کی طرح پگھل جائیں۔ لیکن اگر انہوں نے اپنے یہ خلاف اسلام طور طریقے نہ بدلے تو ع ان کی داستاں تک

اظہارِ تشکر

از:۔ مکرم میاں فضل احمد صاحب

گذشتہ تین ماہ (جون تا اگست ۱۹۸۱ء) ہم نے ملک سے باہر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی کی معیت میں گذارے۔ کچھ وقت ہم ایک ہی مقام پر کچھ وقت ایک ہی چھت تلے، اور کچھ وقت جسمانی علیحدگی مگر روحانی یکجائیت میں گذرے۔ اس عرصہ میں بڑے روحانی اور دینی فیوض حاصل ہوئے اور ایک مرد مومن کو قریب سے دیکھ کر ایمان تازہ ہوا۔ جہاں بیمار روح کو شفا کا رستہ ملا اور جب اپنی جسمانی بیماری کا علم ہوا تو بھی اسی مرد مومن کی رہبری اور دور اندیشی نے مشکل آسان کر دی۔ ۶ مجھے ڈاکٹر نے کولمبس شہر میں بتایا کہ میرا آپریشن ضروری ہے اور یہ ہوسٹن یا سٹین فورڈ ہو سکتا ہے۔ ہوسٹن میں ۲۱ کو داخلہ مل گیا لیکن سٹین فورڈ کے۔ یونیورسٹی ہسپتال میں ۲۲ کو داخلہ ملا۔ میں اور میری اہلیہ دونوں چاہتے تھے کہ آپریشن جلد از جلد ہو تو دماغ سے یہ تناؤ ختم ہو۔ حضرت ڈاکٹر صاحب سے فیصلہ لینے کا قصد کیا۔ انہوں نے صبر اور شکر سے اس فیصلہ کو قبول کیا۔ اور اسی میں اپنی بہتری پائی۔ بعد میں فرمانے لگے میرے مدنظر رمضان شریف کے مبارک ایام و شب تھے۔ اور تمام ممبران جماعت کو ان ایام میں دعا کرنے کا واحد موقع تھا۔ پھر یکم اگست کو مل کر نماز عید ادا کرنا اور مل کر دعا کرنا بھی سامنے تھا۔ مجھے اب محسوس ہوتا ہے کہ احباب جماعت کی دعاؤں نے ہی اللہ کے فضل و کرم کو کھینچا۔ اور میرا علاج اور آپریشن پھر بحالی صحت اس تیز رفتاری سے ہوئی کہ وہ معجزہ سے کم نہ تھی۔ مجھے آپریشن کے ۲۰ دن بعد پاکستان کے سفر کی اجازت دی گئی جہاں ہر مریض کو ایک ماہ تک زیر نگرانی رکھا جاتا ہے۔ یہ سب نازک مراحل بخیر و خوبی طے ہوئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

میں آپریشن سے پہلے اور بعد میں ہر وقت یہ محسوس کرتا تھا کہ میں اکیلا نہیں ہوں۔ میرے ساتھ میرے کرم فرما بھی دعاؤں میں مشغول ہیں اور یہ احساس مجھے بے فکر کئے ہوئے تھا۔ میں آپ سب احباب کا مشکور ہوں جو آپ نے میری اس مشکل میں میرا ساتھ دیا۔ اور اپنی دعاؤں سے نوازا۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ نے تو کمال ہی کر دیا۔ اپنا دورہ منسوخ کر کے آپریشن کے دوران اور بعد میں میری ہمت افزائی فرمائی۔

سان فرانسسکو کی جماعت نے ہمیں مسافری اور وطن سے دوری کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ اور ہسپتال کے اندر اور باہر ہمارا خیال رکھا اور گھر سے بڑھ کر آرام پہنچایا۔ میں آپ سب کا مشکور ہوں۔ فرداً فرداً شاید شکریہ ادا نہ کر سکوں۔ ان سطور کے ذریعہ شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ سب کی صحت و سلامتی کا دعا گو ہوں۔

کیلیفورنیا (امریکہ) میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی کا ورود مسعود

نصرتِ الٰہی کے ایمان افروز نظارے

دین کی راہ میں مالی ایثار کے تابندہ نمونے

مکتوب امریکہ :- از چوہدری مسعود اختر صاحب

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور INC کے ممبران کو جیسے ہی یہ خبر ملی کہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ماہ جون میں ہالینڈ اور یو۔کے تشریف لائے ہیں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کو یو۔ایس۔اے (امریکہ) تشریف لانے اور نمازِ عید اس انجمن کے ممبران کے ساتھ ادا کرنے کی دعوت دی گئی جو حضرت ڈاکٹر صاحب نے قبول فرمائی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب شروع جولائی میں یو۔کے سے ہوتے ہوئے امریکہ تشریف لے آئے اور مختلف ریاستوں میں مقیم احمدی خواتین و حضرات سے ملاقاتیں کرنے کے بعد مورخہ ۱۶ جولائی سنہ ۱۹۸۱ء صبح ۱۱ بجے سان فرانسسکو انٹرنیشنل ائیرپورٹ پر تشریف لائے۔ ائیرپورٹ پر جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب۔ جناب ظفر عبداللہ صاحب، چوہدری عبدالستار صاحب، قاسم مسعود صاحب اور چند احمدی بچے اور بچیاں ڈاکٹر صاحب کو خوش آمدید کہنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ پروگرام کے مطابق حضرت ڈاکٹر صاحب کے قیام کا انتظام جناب ظفر عبداللہ صاحب کے گھر کیا گیا تھا۔ اور جناب جعفر حسین صاحب کی کار میں ڈاکٹر صاحب اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔ تمام احباب نے نمازِ ظہر و عصر ڈاکٹر صاحب کی اقتداء میں وہاں ہی ادا کی۔

۱۷ جولائی ۱۹۸۱ء کو جمعہ کی نماز چوہدری عبدالستار صاحب کے گھر تمام خواتین و حضرات نے مل کر ادا کی۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب کی طبیعت اگرچہ ناساز تھی تاہم وہ خرابیٔ صحت کے باوجود نمازِ جمعہ کیلئے تشریف لائے اور نماز کے بعد بھی کافی دیر تک احباب نے ان کو باتوں میں مصروف رکھا۔ اس شب جناب جعفر حسین صاحب نے ڈاکٹر صاحب اور احباب و خواتینِ جماعت کی افطاری کی دعوت کا اہتمام کر رکھا تھا۔ نمازِ مغرب و عشا بھی وہاں ہی ادا کی گئی۔

۱۸ جولائی ۱۹۸۱ء کو روسی ترجمۃ القرآن کے بارہ میں بات چیت کرنے کیلئے ایک روسی مترجم تشریف لائے جو کہ کیلیفورنیا یونیورسٹی میں روسی زبان کے پروفیسر بھی ہیں۔ اس روز ڈاکٹر صاحب کی طبیعت کافی ناساز تھی مسلسل سفر کی تکان کی وجہ سے ضعف بہت زیادہ تھا لیکن باوجود ناسازیٔ طبع و کمزوری جناب ڈاکٹر صاحب دو تین گھنٹے تک اس روسی پروفیسر کے ترجمے کے بارہ میں مختلف اہم نقاط اور اہم امور پر گفتگو فرماتے رہے۔ جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب بیمار ہو کر ہسپتال میں داخل ہوئے تھے۔ شام کے وقت ڈاکٹر صاحب ان کو دیکھنے کے لئے CASTRO VALLEY ہسپتال تشریف لے گئے اور واپسی پر جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب کی بیگم صاحبہ اور بشارت احمد بقا صاحب کی صاحبزادی صاحبہ سے ملاقات کیلئے اُن کے گھر تشریف لے گئے اور رات گیارہ بجے کے بعد قیام گاہ پر پہنچے۔

جناب ڈاکٹر صاحب کا پروگرام یہاں دو دن کے قیام کے بعد کینیڈا جماعت کی دعوت پر VANCOUVER تشریف لے جانے کا تھا لیکن کمزوری اور ناسازیٔ طبع کے باعث یہ سفر تین دن کے لئے ملتوی کرنا پڑا اور ڈاکٹر صاحب ۲۳ جولائی کو وینکوور (کینیڈا) تشریف لے گئے اور دو دن وہاں قیام کے بعد مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۸۱ء پچھلے پہر واپس سان فرانسسکو تشریف لے آئے۔ ائیرپورٹ سے سیدھے جناب غلام نبی مُسلم صاحب کی صاحبزادی سے ملاقات کیلئے سان فرانسسکو شہر تشریف لے گئے۔ اُس شب احبابِ جماعت اور ڈاکٹر صاحب کو افطاری کے لئے چوہدری مسعود اختر صاحب نے مدعو کیا ہوا تھا۔ مغرب اور عشا کی نمازیں ڈاکٹر صاحب کی اقتداء میں ادا کی گئیں۔

۲۷ جولائی ۱۹۸۱ء کو جناب میاں فضل احمد صاحب اور بیگم طاہرہ فضل احمد صاحبہ، ملک اعجاز الٰہی صاحب، بیگم ناصرہ ملک صاحبہ اور اُن کے صاحبزادہ ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک صاحب تشریف لے آئے۔ شام کے وقت بیگم زبیدہ محمد احمد صاحبہ اور ڈاکٹر زاہد احمد سعید صاحب بھی تشریف لے آئے اور ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کے کمرہ میں قیام پذیر ہوئے۔

۳۰ جولائی ۱۹۸۱ء کو ۲½ بجے ایک چینی مترجم جو ایک چینی ترجمہ چینی زبان میں ترجمۃ القرآن کے بارہ میں بات چیت کے لئے حسبِ پروگرام تشریف لائے اور جناب ڈاکٹر صاحب سے تقریباً دو گھنٹے تک بات چیت کرتے رہے۔

۳۱ جولائی ۱۹۸۱ء کو جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے نمازِ جمعۃ الوداع نیوارک کمیونٹی سنٹر کے ہال میں پڑھائی اور خطبہ جمعہ بھی دیا۔ علاوہ مقامی احمدی خواتین و حضرات کے جناب میاں فضل احمد صاحب و بیگم طاہرہ فضل احمد صاحبہ، جناب ملک اعجاز الٰہی صاحب و بیگم ناصرہ ملک صاحبہ، بیگم زبیدہ محمد احمد صاحبہ اور ڈاکٹر زاہد احمد عزیز صاحب بھی شامل ہوئے۔

یکم اگست ۱۹۸۱ء کو نمازِ عید الفطر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی اقتداء میں نیوارک کمیونٹی سنٹر ہال میں ادا کی گئی۔ (نمازِ عید کی رپورٹ پہلے شائع ہو چکی ہے) اُسی روز شام ساڑھے پانچ بجے احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور INC نے ایک مجلس ترتیب دی ہوئی تھی۔ جس کی صدارت حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے فرمائی۔

اس مجلس میں بہت سے اہم امور مثلاً ممبر شپ DRIVE۔ اسلامک ریویو کی اشاعت، مفت اشاعتِ قرآن اور کتب سلسلہ ضرورت مند اصحاب تک پہنچانے، امریکہ میں ایک باقاعدہ مشن کھولنے اور دیگر جماعتی امور پر غور کیا گیا۔ ڈاکٹر عبداللہ جان صاحب اور ڈاکٹر محمد احمد صاحب کو انجمن کا ڈائریکٹر منتخب کیا گیا۔ رات کے کھانے کا انتظام بھی انجمن نے کر رکھا تھا اس لئے تمام حاضرین کو کھانا کھلایا گیا۔

یکم اگست ۱۹۸۱ء کو رات ۹ بجے کے بعد حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے ایک مختصر مگر پُر از تاثیر تقریر فرمائی۔ اور لندن میں احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور۔ یو۔کے کی مالی امداد اور تراجم فنڈ قرآن کے لئے اپیل فرمائی۔ لندن مشن یعنی یو۔کے جماعت کی مالی امداد کے لئے پینتیس ہزار ۳۵۰۰۰/- ڈالر اسی وقت جمع ہو گئے۔ جنابہ بیگم طاہرہ فضل احمد صاحبہ نے اپنی دو سونے کی چوڑیاں اتار کر فنڈ میں دے دیں جو بعد میں بیگم زینت جعفر حسین صاحبہ نے پانچصد ۵۰۰/- ڈالر میں خرید کیں۔ جناب ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک صاحب نے ۲۰۰۰۰/- ہزار ڈالر عطا کئے۔ علاوہ ازیں انہوں نے تراجم قرآن فنڈ میں ۵۰۰۰۰/- پچاس ہزار ڈالر کا عطیہ دیا۔ اس طرح اس سعید نوجوان ڈاکٹر نے ایک سال کے عرصہ میں ایک لاکھ ڈالر ۱۰۰۰۰۰/- سے اوپر رقم اشاعتِ اسلام کی راہ میں خرچ کی ہے جو پاکستانی روپے میں دس لاکھ روپے سے زائد بنتی ہے۔ جناب ملک اعجاز الٰہی صاحب و بیگم ناصرہ ملک صاحبہ نہایت خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نیک اور دین کی راہ میں بڑھ چڑھ کر قربانی دینے کے جذبہ سے سرشار اولاد عطا کی ہے۔ جناب ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک صاحب حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی رح کے نواسے ہیں۔ اس طرح نیکی کی راہ پر چلنا اور دین اللہ کے لئے ہر قسم کی قربانی دینا اُن کو ورثہ میں ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر عبداللہ جان صاحب نے ۵۰۰۰ پانچ ہزار ڈالر، ظفر عبداللہ صاحب و بیگم ذکیہ عبداللہ صاحبہ نے دو ہزار ۲۰۰۰/- ڈالر اور ایک اونس (اڑھائی تولہ) خالص سونا یو۔کے جماعت کی مالی امداد کے فنڈ میں اور دو ہزار ۲۰۰۰/- ڈالر تراجم قرآن فنڈ میں عطا کئے۔ جناب جعفر حسین صاحب و بیگم زینت جعفر حسین صاحبہ نے ایک ایک ہزار ڈالر یعنی کل دو ہزار ۲۰۰۰/- ڈالر عطا کئے۔ چوہدری عبدالستار صاحب و چوہدری مسعود اختر صاحب نے پانچ پانچ صد ڈالر۔ بیگم قدسیہ مسعود اختر صاحبہ نے ۲۰۰ دو صد ڈالر اور ذکیہ عبداللہ صاحبہ نے ایک اور پچاس ڈالر کا عطیہ دیا۔ جناب ڈاکٹر محمد احمد صاحب اور بیگم لبنیٰ محمد احمد صاحبہ نے ۱۱۰۰ ایک ہزار ایک صد ڈالر عطا فرمائے۔

پاکستان سے آئے ہوئے مہمان بھی اس کارِ خیر میں شامل ہوئے جناب میاں فضل احمد صاحب نے ایک ہزار پونڈ عطا کئے۔ چوہدری مسعود اختر صاحب کے چھوٹے صاحبزادے بلال احمد عمر ۶ سال نے ۵ ڈالر جو اس کو عیدی کے ملے تھے ڈاکٹر صاحب کی اپیل پر اس فنڈ میں دیئے۔ اسی طرح اُن کے بڑے بیٹے منیب عاصم نے ۲۰ ڈالر اپنی جیب خرچ میں سے اس فنڈ میں دیئے۔ باقی بچے اس وقت باہر کھیل رہے تھے۔ بعد میں جب اُن

کو معلوم ہوا تو ظفر عبداللہ صاحب کے بچوں ریاض عبداللہ و شہزمند عبداللہ اور مسعود اختر صاحب کے بیٹے قاسم مسعود نے پانچ پانچ ڈالر اس فنڈ میں دیئے۔ اس طرح بچوں اور بڑوں سب نے اس فنڈ میں حصہ لیا۔

۴ر اگست ۱۹۸۱ء کو سان فرانسسکو کی سیر کرانے کا پروگرام بنایا گیا تھا تمام مہمان اور بہت سے مقامی خواتین و حضرات اس سیر کے پروگرام میں شامل ہوئے ایک بس کرایہ پر لی گئی تھی۔ صبح ۱۰ بجے سے تین بجے بعد دوپہر تک سان فرانسسکو کی مشہور سیرگاہوں گولڈن گیٹ پارک، جاپانی گارڈن، بحرالکاہل کے سمندر کے کنارہ BEACH۔ گولڈن گیٹ برج GOLDEN GATE BRIDGE سان فرانسسکو اور اوک لینڈ کے درمیان BAY BRIDGE جو کہ آٹھ میل کے قریب لمبا ہے وغیرہ کی سیر کی گئی۔ ہمارے ایک فلپائنی مسلمان بھائی نے سیر کے دوران بس کے اندرونی ریڈیو سسٹم پر مہمانوں کو مختلف سیرگاہوں کی تعارفی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ تمام خواتین و حضرات اس سیر سے خوب لطف اندوز ہوئے۔ اور کیمروں سے تصاویر بھی بناتے رہے۔ تین بجے بعد دوپہر واپسی ہوئی۔ جناب میاں فضل احمد صاحب کو اس روز ہسپتال میں آپریشن کے لئے داخل ہونا تھا۔ جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب اُن کے ساتھ ان کو STANFORD UNIVERSITY HOSPITAL میں چھوڑنے کے لئے تشریف لے گئے۔

۶ر اگست ۱۹۸۱ء کو جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب میکسیکو تشریف لے گئے۔ راستہ میں جناب میاں فضل احمد صاحب کو دیکھنے کے لئے ہسپتال میں تشریف لے گئے۔ میاں صاحب کا دل کا آپریشن ۵ر اگست کو ہوا اور وہ ابھی تک INTENSIVE CAREUNIT میں ہی تھے چند منٹ اُن کے پاس ٹھہرنے کی اجازت ملی۔ وہاں سے فارغ ہو کر سیدھے ائیرپورٹ تشریف لے گئے۔ جناب ظفر عبداللہ صاحب صدر احمدیہ انجمن کیلیفورنیا اور چوہدری مسعود اختر صاحب سیکرٹری احمدیہ انجمن، چوہدری عبدالستار صاحب ڈائریکٹر انجمن، بیگم ذکیہ عبداللہ صاحبہ، منیب عاصم۔ قاسم مسعود۔ بلال احمد۔ فیروز عبداللہ و ریاض عبداللہ نے الوداع کہا۔

۱۷ر اگست ۱۹۸۱ء صبح ۱۱ بجے جناب ڈاکٹر صاحب میکسیکو سے واپس تشریف لائے۔ ائیرپورٹ پر جناب ظفر عبداللہ صاحب نے مع دیگر خواتین و حضرات نے خوش آمدید کہا۔ اُسی روز شام کے وقت جناب ڈاکٹر صاحب میاں فضل احمد صاحب کی خیریت دریافت کرنے کے لئے چوہدری عبدالستار صاحب کے گھر موقعہ ہیورڈ میں تشریف لے گئے جہاں میاں صاحب ہسپتال سے واپس آ کر آرام کے لئے مقیم ہوئے۔

۱۸ر اگست ۱۹۸۱ء کو دن میں جناب میاں فضل احمد صاحب مع بیگم طاہرہ فضل احمد صاحبہ اور چوہدری مسعود اختر صاحب، ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لئے آئے۔ اور تین گھنٹے مصروف گفتگو رہے۔ اسی روز شام کو نیوارک کمیونٹی ہال میں ایک تقریب جناب ڈاکٹر صاحب کو الوداع کہنے کے لئے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور USA نے ترتیب دی ہوئی تھی جس میں ۸۰ سے زیادہ خواتین و حضرات نے شمولیت کی۔ اس تقریب میں جناب ڈاکٹر صاحب کو ۳۸۰۰۰۔ اڑتیس ہزار ڈالر کا ایک بنک ڈرافٹ اس جماعت کی طرف سے U.K. میں انجمن کے مقاصد کے لئے خرچ کرنے کے لئے بطور امداد پیش کیا گیا۔ اس موقعہ پر جناب ڈاکٹر صاحب نے ایک معرکتہ الآرا تقریر فرمائی۔ جس میں یہ بتانے کے بعد کہ اشتراکیت اور دین میں کیسے COEXISTENCE ناممکن ہے اور کس طرح اشتراکیت یورپ کی عیسائی سوسائٹی کی پیداوار ہے۔ اور کیسے عیسائیت اور غیر اسلامی سوسائٹیاں اشتراکیت اور لادینی تحریکوں کو پھلنے پھولنے سے روکنے میں عاجز رہی ہیں۔ اور اشتراکیت غیر اسلامی سوسائٹیوں پر ہی زیادہ اثر انداز ہوئی ہے۔ جبکہ مسلمان ممالک اور سوسائٹی نے اس سے زیادہ اثر قبول نہیں کیا۔ کیونکہ اگر اشتراکیت ایک نظریاتی تحریک ہے تو اسلام اس سے کہیں زیادہ قوی تر نظریاتی دین ہے۔ اور اس کے بعد آپ نے تاریخی حوالجات سے بتایا کہ جب یورپ میں اشتراکیت اور دیگر لادینی تحریکیں سر اٹھا رہی تھیں عین اُسی دور میں اللہ تعالےٰ نے کس طرح اسلام کو نئی زندگی اور روح عطا کرنے کے لئے حضرت مرزا صاحب کو مبعوث فرمایا۔ اور کس طرح احمدیہ تحریک نے اسلام کو دنیا پر غالب کرنے کی تحریک شروع کی۔ آپ نے فرمایا کہ اشتراکیت سے فیصلہ کن جنگ نظریاتی میدان میں ہو گی۔ اور دنیا کے سامنے دو ہی راہیں کھلی ہیں۔ اسلام یا اشتراکیت۔ ایک اللہ کی طرف بلاتی ہے اور اس سے تعلق جوڑتی ہے۔ دوسری اللہ کے تصور کو ہی مٹانے کے درپے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نظریاتی جنگ میں اشتراکیت کو شکست دی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ لوگ حق کو دیکھنے کے لئے تعصبات کے وہ پردے اپنی آنکھوں پر سے ہٹا دیں جو اسلام کے خلاف صدیوں کے معاندانہ پروپیگنڈا نے تان دیئے ہیں۔ یہی سلامتی اور امن کی راہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے بتایا۔ کہ کس طرح احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے قرآن شریف کے مختلف زبانوں خاص طور پر ہسپانوی۔ روسی اور چینی زبانوں میں تراجم کا فیصلہ کیا۔ اور کام شروع کر رکھا ہے۔ تاکہ نظریاتی جنگ میں سلامتی کی تعلیم کو اشتراکیوں کے گھروں تک پہنچایا جائے۔

جناب ڈاکٹر صاحب کی یہ تقریر اسلامک ریویو کے اکتوبر ۱۹۸۱ء کے شمارہ میں شائع کی جا رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کو پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا جائے۔ اور اس کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع کئے جائیں۔

۱۹ر اگست ۱۹۸۱ء کو صبح ۱۱ بجے جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب واپس لاہور تشریف لے جانے کے لئے روانہ ہوئے سان فرانسسکو کے بین الاقوامی اڈہ پر جناب ظفر عبداللہ صاحب، چوہدری مسعود اختر، چوہدری عبدالستار صاحب، بیگم ذکیہ ظفر عبداللہ صاحبہ۔ منیب عاصم صاحب اور احمدی بچوں نے ڈاکٹر صاحب کو الوداع کہا۔

ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کا یہ دورہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ پہلی بار امریکہ میں ایک منظم طریق سے ہماری تحریک کو لوگوں تک پہنچانے کا سامان کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے پورے امریکہ میں موجود اصحاب و خواتین سے ذاتی طور پر یا ٹیلیفون پر رابطہ قائم کر کے اُن کو احمدیہ تحریک اور تبلیغ اسلام میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کی ترغیب دی۔ یونیورسٹیوں کے پروفیسروں و مترجمین سے ملاقاتیں کر کے ان پر اسلامی تعلیمات اور روحانی برکات جو قرآن مجید سے حاصل ہوتی ہیں اُن کے متعلق بات چیت کی۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی روحانی اور ربانی شخصیت تحریک احمدیہ کے لئے اور خاص طور پر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ممبران کے لئے تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ ۱۹۷۴ء کے طوفان کی لپیٹ میں آئی ہوئی ہماری جماعت کے ممبران ایک سخت ذہنی صدمہ کا شکار تھے۔ وجہ صاف تھی کہ جہاں صدر جماعت ربوہ مدتوں سے مسلمانوں سے اپنا تعلق اور رشتہ توڑ چکی تھی بلکہ اعتقاداً ایسا رشتہ اُن کے نزدیک سرے سے جائز ہی نہ تھا۔ وہاں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے نہ صرف مسلمان دنیا سے اپنا گہرا تعلق قائم رکھا ہوا تھا بلکہ تمام اسلامی تحریکوں کی قیادت ہمیشہ سے اس کے ہاتھ میں رہی۔ تمام فرقوں کے مسلّم اور ثقہ علماء نے ہمیشہ ہمیں مسلمان گردانا۔ ہمارے حق میں فتوے دیئے۔ ایسی جماعت کے ممبران کا اچانک غیر مسلم قرار دیئے جانا بہت بڑا المیہ تھا۔ اور اس صدمہ کو برداشت کرنا خاص طور پر ہماری جماعت کے ممبران کیلئے بہت مشکل تھا (قادیانیوں کی بات دوسری تھی۔ کیونکہ وہ تو شروع ہی سے اسلامی دنیا سے رشتہ توڑے ہوئے تھے) خطرہ تھا کہ ایسے میں شیرازہ بکھر کر نہ رہ جائے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے عین وقت پر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کو ہمت و توفیق عطا فرمائی کہ وہ آگے بڑھ کر جماعت کو سنبھال لیں۔ انہوں نے نہایت استقلال سے 'احمدیت ہی عین اسلام ہے' ثابت کر کے ہمیں سنبھال لیا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے بعد اللہ تعالےٰ کے فضل سے قدم تیزی سے ترقی کی طرف بڑھنے لگے ہیں دنیا کے مختلف خطوں میں ہماری باقاعدہ جماعتیں قائم ہوئی ہیں۔ سوچ کے دھارے بدل گئے ہیں۔ پہلے زور افراد پر افراد کی اہمیت پر تھا اب اولیت تنظیم و جماعت بندی اور تقوٰی اور تبلیغ پر ہے۔ سب سے بڑی کامیابی یہ ہوئی ہے۔ کہ U.K - U.S.A - کینیڈا۔ فجی۔ ہالینڈ ویسٹرن ہمسفیر اور خود پاکستان میں جوان اور نوجوان انجمن اور تحریک کے کاموں کے لئے آگے بڑھے ہیں۔

"شمع روشن ہو تو پروانے خود ہی ارد گرد آ جاتے ہیں"

حضرت ڈاکٹر صاحب کی قیادت اور دن رات کی محنت کا نتیجہ ہے۔ کہ اب ہر جگہ احمدی جماعت ایک بار پھر ONWARD - WITH QORAN AND ISLAM - کا نعرہ لیکر میدانِ عمل میں کود پڑی ہیں۔ ایک نئی زندگی اور نئی روح تحریک میں پیدا ہوئی ہے۔ اور بلاخوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے اس میں ایک نہایت ہی اہم اور تاریخی کردار ادا کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کو صحت اور ہمت عطا کرے اور عمر دراز عطا فرمائے۔ کہ وہ اس کام کو اور آگے بڑھا سکیں۔ آمین! ثم آمین — کیلیفورنیا میں ہمارے کام میں جناب ظفر عبداللہ صاحب

ایصالِ خیر کے اقسام

اب ہم ایصالِ خیر کے اقسام بیان کرتے ہیں۔ دوسری قسم ان اخلاق کی جو ایصالِ خیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ پہلا خلق ان میں سے عفو ہے یعنی کسی کے گناہ کو بخش دینا۔ اس میں ایصالِ خیر یہ ہے کہ جو گناہ کرتا ہے وہ ایک ضرر پہنچاتا ہے اور اس لائق ہوتا ہے کہ اس کو بھی ضرر پہنچایا جائے یا سزا دلائی جائے۔ قید کرایا جائے۔ جرمانہ کرایا جائے۔ یا آپ ہی اُس پر ہاتھ اٹھایا جائے۔ پس اس کو بخش دینا اگر بخش دینا مناسب ہو اس کے حق میں تو ایصالِ خیر ہے۔ اس میں قرآن شریف کی تعلیم یہ ہے:۔

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس جزاؤ سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا واصلح فاجرہٗ علی اللہ ؕ

یعنی نیک آدمی وہ ہیں جو غصہ کھانے کے محل پر اپنا غصہ کھا جاتے ہیں اور بخشنے کے محل پر گناہ کو بخش دیتے ہیں۔ بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے جو کی گئی ہو لیکن جو شخص گناہ کو بخش دے اور ایسے موقع پر بخشے کہ اس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو۔ کوئی شر پیدا نہ ہوتا ہو۔ یعنی عین عفو کے محل پر ہو۔ نہ غیر محل پر تو اس کا وہ بدلہ پائے گا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآنی تعلیم یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اور ہر جگہ شر کا مقابلہ نہ کیا جائے اور شریروں اور ظالموں کو سزا نہ دی جائے۔ بلکہ یہ تعلیم ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ محل اور موقعہ گناہ بخشنے کا ہے۔ یا سزا دینے کا ہے پس مجرم کے حق میں اور نیز عامہ خلائق کے حق میں جو کچھ فی الواقع بہتر ہو وہی صورت اختیار کی جائے۔ بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے توبہ کرتا ہے اور بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے اور بھی دلیر ہو جاتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اندھوں کی طرح صرف گناہ بخشنے کی عادت مت ڈالو۔ بلکہ غور سے دیکھ لیا کرو کہ حقیقی نیکی کس بات میں ہے۔ آیا بخشنے میں یا سزا دینے میں پس جو امر محل اور موقع کے مناسب ہو وہی کرو۔ افرادِ انسانی کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ جیسے بعض لوگ کینہ کشی پر بہت حریص ہوتے ہیں یہاں تک کہ دادوں پردادوں کے کینوں کو یاد رکھتے ہیں، ایسا ہی بعض لوگ عفو اور درگذر کی عادت کو انتہاء تک پہنچا دیتے ہیں اور بسا اوقات اس عادت کے افراط سے دیوثی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اور ایسے قابلِ شرم حلم اور عفو اور درگذر اُن سے صادر ہوتے ہیں جو سراسر حمیت، اور غیرت اور عفت کے برخلاف ہیں بلکہ نیک چلنی پر داغ لگاتے ہیں۔ اور ایسے عفو اور درگذر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب لوگ توبہ کر اٹھتے ہیں۔ انہیں خرابیوں کے لحاظ سے قرآن شریف میں ہر ایک خلق کے لئے محل اور موقع کی شرط لگا دی ہے اور ایسے خلق کو منظور نہیں رکھا جو بے محل صادر ہو۔ یاد رہے کہ مجرد عفو کو خلق نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ وہ ایک طبعی قوت ہے جو بچوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ بچہ کو جس کے ہاتھ سے چوٹ لگ جائے خواہ شرارت سے ہی لگے تھوڑی دیر کے بعد اس قصہ کو بھلا دیتا ہے اور پھر اس کے پاس محبت سے جاتا ہے۔ اور اگر ایسے شخص نے اُس کے قتل کا بھی ارادہ کیا ہو تب بھی صرف میٹھی بات پر خوش ہو جاتا ہے۔ پس ایسا عفو کسی طرح خلق میں داخل نہیں ہوگا خلق میں اسی صورت میں داخل ہوگا جب ہم اس کو محل اور موقع پر استعمال کریں گے۔ ورنہ صرف ایک طبعی قوت ہوگی۔ دنیا میں بہت تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو طبعی قوت اور خلق میں فرق کر سکتے ہیں۔ ہم بار بار لکھ بھی چکے ہیں کہ حقیقی خلق اور طبعی حالتوں میں یہ فرق ہے کہ خلق ہمیشہ محل اور موقع کی پابندی اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اور طبعی قوت بے محل بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یوں تو چارپایوں میں گائے بھی بے شر ہے اور بکری بھی دل کی غریب ہے۔ مگر ہم ان کو اسی سبب سے ان خلقوں سے متصف نہیں کر سکتے کہ ان کو محل اور موقع کی عقل نہیں دی گئی۔ خدا کی حکمت اور خدا کی سچی اور کامل کتاب نے ہر ایک خلق کے ساتھ محل اور موقع کی شرط لگا دی ہے۔

دوسرا خلق:۔ اخلاق ایصالِ خیر میں سے عدل ہے تیسرا احسان اور چوتھا ایتاء ذی القربیٰ، جیسا کہ اللہ جلّشانہ فرماتا ہے:۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی ؕ

یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کرو اور اگر عدل سے بڑھ کر احسان کا موقع اور محل ہو تو وہاں احسان کرو اور اگر احسان سے بڑھ کر قریبوں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرنے کا محل ہو تو وہاں طبعی ہمدردی سے نیکی کرو۔ اور اس سے خدائے تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ تم حدود اعتدال سے آگے گذر جاؤ، یا احسان کے بارے میں منکرانہ حالت تم سے صادر ہو۔ جس سے عقل انکار کرے یعنی یہ کہ تم بے محل احسان کرو یا بر محل احسان کرنے سے دریغ کر دو یا یہ کہ تم محل پر ایتاء ذی القربیٰ کے خلق میں کچھ کمی اختیار کرو یا حد سے زیادہ رحم کی بارش کرو۔ اس آیت کریمہ میں ایصالِ خیر کے "تین" درجوں کا بیان ہے۔

اوّل:۔ یہ درجہ کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کی جائے۔ یہ تو کم درجہ ہے اور ادنیٰ درجہ کا بھلا مانس آدمی بھی یہ خلق حاصل کر سکتا ہے کہ اپنے نیکی کرنے والوں کے ساتھ نیکی ہی کرتا رہے۔ دوسرا درجہ اس سے مشکل ہے اور وہ یہ کہ ابتداءً آپ ہی نیکی کرنا اور بغیر کسی کے حق کے احسان کے طور پر اس کو فائدہ پہنچانا اور یہ خلق اوسط درجہ کا ہے۔ اکثر لوگ غریبوں پر احسان کرتے ہیں اور احسان میں یہ ایک عیب مخفی ہے کہ احسان کرنے والا خیال کرتا ہے کہ میں نے احسان کیا ہے اور کم سے کم وہ اپنے احسان کے عوض میں شکریہ یا دعا چاہتا ہے اور کوئی ممنونِ منت اس کا اُس کے مخالف ہو جائے تو اس کا نام احسان فراموش رکھتا ہے بعض وقت اپنے احسان کی وجہ سے اس پر فوق الطاقت بوجھ ڈال دیتا ہے۔ اور اپنا احسان اس کو یاد دلاتا ہے جیسا کہ احسان کرنے والوں کو خدا تعالیٰ نے متنبہ کرنے کے لئے فرمایا ہے:۔

لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی۔ یعنی اے احسان کرنیوالو! اپنے صدقات کو جن کی صدق پر بناء چاہیئے۔ احسان یاد دلانے اور دکھ دینے کے ساتھ برباد مت کرو۔ یعنی صدقہ کا لفظ صدق سے مشتق ہے پس اگر دل میں صدق اور اخلاص نہ رہے۔ تو وہ صدقہ صدقہ نہیں رہتا بلکہ ایک ریاکاری کی حرکت ہو جاتی ہے۔ غرض احسان کرنیوالے میں یہ ایک خامی ہوتی ہے کہ کبھی غصہ میں آ کر اپنا احسان بھی یاد دلا دیتا ہے۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے احسان کرنے والوں کو ڈرایا۔

تیسرا درجہ ایصالِ خیر کا خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ بالکل احسان کا خیال نہ ہو اور نہ شکر گزاری پر نظر ہو۔ بلکہ ایک ایسی ہمدردی کے جوش سے نیکی صادر ہو جیسا کہ ایک نہایت قریبی مثلاً والدہ محض ہمدردی کے جوش سے اپنے بیٹے سے نیکی کرتی ہے۔ یہ وہ آخری درجہ ایصالِ خیر کا ہے جس سے آگے ترقی کرنا ممکن نہیں لیکن خدا تعالیٰ نے ان تمام ایصالِ خیر کی قسموں کو محل اور موقعہ سے وابستہ کر دیا ہے۔ اور آیت موصوفہ میں صاف فرما دیا ہے۔ کہ اگر یہ نیکیاں اپنے اپنے محل پر مستعمل نہیں ہوں گی تو پھر یہ بدیاں ہو جائیں گی۔ بجائے عدل فحشا بن جائے گا۔ یعنی حد سے اتنا تجاوز کرنا کہ ناپاک صورت ہو جائے۔ اور ایسا ہی بجائے احسان کے منکر کی صورت نکل آئے گی یعنی وہ صورت جس سے عقل اور کانشنس انکار کرتا ہے اور بجائے ایتاء ذی القربیٰ کے بغی بن جائے گا۔ یعنی وہ بے محل ہمدردی کا جوش ایک بری صورت پیدا کرے گا۔ اصل میں بغی اس بارش کو کہتے ہیں جو حد سے زیادہ برس جائے۔ اور کھیتوں کو تباہ کر دے اور یا حق واجب میں کمی رکھنے کو بغی کہتے ہیں۔ اور یا حق واجب سے افزونی کرنا بھی بغی ہے۔ غرض ان تینوں میں سے جو محل پر صادر نہیں ہوگا وہی خراب سیرت ہو جائے گی۔ اسی لئے ان تینوں کے ساتھ موقع اور محل کی شرط لگا دی ہے

اس جگہ یاد رہے کہ مجرد عدل احسان یا ہمدردی ذی القربیٰ کو خلق نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ انسان میں یہ سب طبعی حالتیں اور طبعی قوتیں ہیں کہ جو بچوں میں بھی وجودِ عقل سے پہلے پائی جاتی ہیں۔ مگر خلق کے لئے عقل شرط ہے اور نیز یہ شرط ہے کہ ہر ایک طبعی قوت محل اور موقعہ پر استعمال ہو۔

اور پھر احسان کے بارے میں اور بھی ضروری ہدایتیں قرآن شریف میں ہیں اور سب کو الف لام کے ساتھ جو خاص کرنے کے لئے آتا ہے استعمال فرما کر موقع اور محل کی رعایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے

یاایھا الذین امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ولا تیمموا الخبیث منہ لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی کالذی ینفق مالہٗ رئاء الناس۔ احسنوا ان اللہ یحب المحسنین ۝ ان الابرار یشربون من کاسٍ کان مزاجھا کافورًا ۝ عینا یشرب بھا عباد اللہ یفجرونھا تفجیرًا یطعمون الطعام علی حبہ مسکینًا ویتیمًا واسیرا ۝ انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاءً ولا شکورًا ۔ واٰتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتٰمیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب ۝ اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما ۝ والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویخشون

ربھم ویخافون سوء الحساب ۵ وفی اموالھم حقٌ للسائل والمحروم ـ الذین ینفقون فی السرآء والضرآء وانفقوا مما رزقنھم سرًا وعلانیۃ ۵ انما الصدقات للفقرآء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیمٌ حکیم ۵ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون ۵ وآت ذاالقربی حقہٗ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرًا وبالوالدین احسانًا وبذی القربی والیتمٰی والمساکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالاً فخورًا ہ الذین یبخلون ویامرون الناس بالبخل ویکتمون ما آتٰھم اللہ من فضلہٖ ط

ترجمہ:۔ کہ اے ایمان والو! تم ان مالوں میں سے لوگوں کو بطریق سخاوت یا احسان یا صدقہ وغیرہ دو ـ جو تمہاری پاک کمائی ہے ـ یعنی جس میں چوری یا رشوت یا خیانت یا غبن کا مال یا ظلم کے روپیہ کی، آمیزش نہیں ـ اور یہ قصد تمہارے دل سے دُور رہے کہ ناپاک مال لوگوں کو دو اور دُوسری یہ بات ہے کہ اپنی خیرات اور مروّت کو احسان رکھنے اور دُکھ دینے کے ساتھ باطل مت کرو یعنی اپنے ممنون منت کو کبھی یہ نہ جتلاؤ کہ ہم نے تجھے یہ دیا تھا ـ اور نہ اس کو دکھ دو کہ اس طرح تمہارا احسان باطل ہو گا ـ اور نہ ایسا طریق پکڑو کہ تم اپنے مالوں کو ریاکاری کے ساتھ خرچ کرو ـ خُدا تعالیٰ کی مخلوق سے احسان کرو کہ خُدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ـ جو لوگ حقیقی نیکی کرنے والے ہیں ان کو وہ جام پلائے جائیں گے جن کی ملونی کافور ہوگی ـ یعنی دنیا کی سوزشیں اور حسرتیں اور ناپاک خواہشیں ان کے دل سے دور کر دی جائیں گی ـ کافور کفر سے مشتق ہے ـ اور کفر لغت عرب میں دبانے اور ڈھانکنے کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ ان کے ناجائز جذبات دبائے جائیں گے اور وہ پاک باطن ہو جائیں گے اور معرفت کی خنکی ان کو پہنچے گی پھر فرماتا ہے کہ وہ لوگ قیامت کو اس چشمہ کا پانی پئیں گے جس کو وہ آج اپنے ہاتھ سے چیر رہے ہیں ـ اس جگہ بہشت کی فلاسفی کا ایک گہرا راز بتلایا ہے جس کو سمجھنا ہو سمجھ لے ـ اور پھر فرمایا کہ حقیقی نیکی کرنے والوں کی یہ خصلت ہے کہ وہ محض خدا کی محبت کے لئے وہ کھانے جو آپ پسند کرتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں ـ اور کہتے ہیں کہ ہم تم پر کوئی احسان نہیں کرتے ـ بلکہ یہ کام صرف اس بات کے لئے کرتے ہیں کہ خدا ہم سے راضی ہو اور اس کے منہ کے لئے یہ خدمت ہے ـ ہم تم سے اس کا کوئی بدلہ چاہتے ہیں ـ اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ تم ہمارا شکر کرتے پھرو ـ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ایصال خیر کی تیسری قسم جو محض ہمدردی کے جوش سے ہے ـ وہ طریق بجالاتے ہیں ـ سچے نیکوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اپنے قریبیوں کو اپنے مال سے مدد کرتے ہیں اور نیز اس مال میں سے یتیموں کے تعہد اور ان کی پرورش اور تعلیم وغیرہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور مسکینوں کو فقر وفاقہ سے بچاتے ہیں اور مسافروں اور سوالیوں کی خدمت کرتے ہیں اور ان مالوں کو غلاموں کے آزاد کرانے کے لئے اور قرضداروں کو سبکدوش کرنے کے لئے بھی دیتے ہیں ـ اپنے خرچوں میں نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ تنگ دلی کی عادت رکھتے ہیں ـ اور میانہ روش رکھتے ہیں ـ پیوند کرنے کی جگہ پر پیوند کرتے ہیں اور خُدا سے ڈرتے ہیں ـ اور ان کے مالوں میں سے سوالیوں اور بے زبانوں کا حق بھی ہے ـ بے زبانوں سے مراد کتے بلّیاں چڑیاں بیل گدھے ـ بکریاں اور دوسری چیزیں ہیں ـ وہ تکلیفوں اور کم آمدنی کی حالت اور قحط کے دنوں میں سخاوت سے تنگ دل نہیں ہو جاتے بلکہ تنگی کی حالت میں بھی اپنے مقدور کے موافق سخاوت کرتے رہتے ہیں ـ وہ کبھی پوشیدہ خیرات کرتے رہے ہیں اور کبھی ظاہر ـ پوشیدہ اس لئے کہ تا ریاکاری سے بچیں، اور ظاہر اس لئے کہ تا دوسروں کو ترغیب دیں ـ صدقات اور خیرات وغیرہ پر جو مال دیا جائے اس میں یہ ملحوظ رہنا چاہیئے کہ پہلے جس قدر محتاج ہیں ان کو دیا جائے ـ ہاں جو خیرات کے مال کا تعہد کریں یا اس کے لئے انتظام و اہتمام کریں ان کو خیرات کے مال سے کچھ مل سکتا ہے ـ اور کسی کو بدی سے بچانے کے لئے بھی اس مال میں سے دے سکتے ہیں ایسا ہی وہ مال غلاموں کے آزاد کرنے کے لئے اور محتاج اور قرضداروں اور آفت زدہ لوگوں کی مدد کے لئے بھی اور دُوسری راہوں میں جو محض خدا کیلئے ہوں وہ مال خرچ ہوگا ـ تم حقیقی نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے جب تک کہ بنی نوع کی ہمدردی میں وہ مال خرچ نہ کرو جو تمہارا پیارا مال ہے ـ غریبوں کا حق ادا کرو مسکینوں کو دو مسافروں کی خدمت کرو اور فضولیوں سے اپنے تئیں بچاؤ یعنی جو بیاہ شادیوں میں اور طرح طرح کی عیاشی کی جگہوں میں اور لڑکا پیدا ہونے میں ہوتے ہیں جو اسراف سے مال خرچ کیا جاتا ہے اس سے اپنے تئیں بچاؤ ـ تم ماں باپ سے نیکی کرو اور قریبیوں سے اور یتیموں اور مسکینوں سے اور ہمسایہ سے جو تمہارا قریبی ہے اور ہمسایہ سے جو بیگانہ ہے اور مسافر سے اور نوکر اور غلام اور گھوڑے اور بکری اور بیل اور گائے اور حیوانات سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں کیونکہ خدا کو جو تمہارا خدا ہے یہی عادتیں پسند ہیں وہ لاپرواہوں اور خود غرضوں سے محبت نہیں کرتا اور ایسے لوگوں کو نہیں چاہتا جو بخیل ہیں اور لوگوں کو بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنے مال کو چھپاتے ہیں یعنی محتاجوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں، ■■

(اسلامی اصول کی فلاسفی)

سانحۂ ارتحال

شریکِ غم:۔ فخر الدین احمد، راولپنڈی

ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

احباب جماعت کو یہ سن کر دلی رنج و افسوس ہوگا کہ میاں بشارت احمد بقا منیجر دارالکتب الاسلامیہ کے برادر اکبر محترم شریف احمد صاحب ریٹائرڈ آرمی آفیسر کے بڑے صاحبزادے میجر آفتاب احمد ۸ ستمبر ۱۹۸۱ء کی صبح ۳ بجے کمبائنڈ ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں انتقال کر گئے ـ انا للہ وانا الیہ راجعون ـ

آفتاب احمد مرحوم مارچ ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے ـ اسکول اور کالج میں وہ ایک ذہین ـ اسلام پسند اور پابند صوم و صلوٰۃ طالبعلم کی خصوصیات کے حامل تھے ـ جماعتی اجتماعات میں بڑے شوق سے شریک ہوتے ـ بزرگان سلسلہ کا بیحد احترام کرتے تھے ـ کالج سے فارغ ہو کر انہوں نے ملک اور قوم کی خدمت کے لئے فوجی ملازمت اختیار کی ـ دوران ملازمت انہوں نے محنت اور دیانت کا قابلِ تقلید نمونہ پیش کیا ـ اپنے ماتحتوں سے شفقت اور افسرانِ بالا کی اطاعت نے انہیں جو مقام دلایا اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ انکی نمازِ جنازہ میں بہت سے سینئر افسر اور سینکڑوں فوجی شریک تھے ہیڈ کوارٹر کے آفیسروں نے انکی نماز جنازہ راولپنڈی میں ادا کی ـ وہ چاہتے تھے کہ مرحوم کو راولپنڈی میں ہی سپرد خاک کیا جائے تاکہ انہیں پورے اعزاز کیساتھ لحد میں اتارا جائے مگر سوگوار خاندان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے انکی میت سرکاری گاڑی پر واہ لیجائی گئی جہاں انکی تدفین عمل میں آئی ـ میجر آفتاب آجکل ایبٹ آباد میں متعین تھے ـ جمعہ ۴ ستمبر کی صبح وہ شدید بیمار ہو گئے ـ بلڈ پریشر ۳۰ تک پہنچ گیا ـ انہیں مقامی فوجی ہسپتال میں داخل کرایا گیا مگر بعد میں ہیلی کاپٹر کے ذریعہ کمبائنڈ ملٹری ہسپتال راولپنڈی پہنچا دیا گیا ـ دوسرے دن طبیعت نے کچھ سنبھالا لیا مگر مرض غالب تھا ان کے اعزہ و اقارب پُر امید تھے کہ یہ ہونہار اور لائق بیٹا کچھ عرصہ اور خدمتِ قوم بجالانے کے قابل ہو جائے مگر قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا ـ ؎

جب میں نے دعاؤں کا رُخ سوئے فلک دیکھا + تدبیر کے پہلو میں تقدیر نظر آئی

۸ ستمبر کی صبح ۳ بجے اپنے والدین، بیگم اور چار کمسن بچوں کو سوگوار چھوڑ کر اس مردِ مجاہد نے جان جان آفرین کے سپرد کر دی ـ مرحوم کے بڑے بیٹے نے امسال میٹرک کا امتحان دیا ہے اور سب سے چھوٹے بچے کی عمر سات سال کی ہے ـ اس جانکاہ حادثہ پر محترم شریف احمد صاحب نے بڑے صبر و استقامت کا نمونہ پیش کیا ـ آفتاب عالمتاب مغرب میں روپوش ہو رہا تھا کہ میجر آفتاب اپنے اعزہ و اقربا سے روپوش ہو گئے ـ قبرستان سے واپسی پر میاں شریف احمد صاحب نے گلوگیر آواز میں تعزیت کرنیوالے احباب کا شکریہ ادا کیا اور درخواست کی کہ دُعا کریں کہ مولا کریم ہمیں صبر و استقامت کی توفیق دے ـ جب مجھے علی الصبح لختِ جگر کی وفات کی خبر ملی تو میں سجدے میں گر گیا اور بڑی عجز و الحاح سے احکم الحاکمین کے حضور عرض کیا "میرے آقا میں تیری قضا پر سر تسلیم خم کرتا ہوں تو رحیم ہے ـ تو ارحم ہے مجھ کو مرحوم کی والدہ کو جو دائم المریض ہے اور اس کی اہلیہ کو صبر و استقامت عطا فرمائیو کہ بظاہر وہ اس صدمہ کو برداشت نہیں کر سکتیں" احباب کرام سے درخواست ہے کہ وہ میاں شریف احمد صاحب و دیگر پسماندگان کو صبر و استقامت عطا کئے جانے اور مرحوم کی مغفرت کے لئے دُعا کریں ؛؛

ادارہ پیغامِ صلح:۔ اس حادثہ جانکاہ میں مرحوم کے والد میاں محمد شریف صاحب اور انکے چچا محترم میاں بشارت احمد بقا اور اُن کے جملہ خاندان کے غم میں برابر کا شریک ہے ـ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت میں بلند مقام عطا فرمائے ـ اور پسماندگان کو صبر کی توفیق بخشے ـ آمین،

ـــــ (ادارہ)

قوانین اور رضائے الٰہی کی فرمانبرداری کا نام دین اسلام ہے

نسلی اور پیدائشی تفریق اسلامی اصولوں کے خلاف ہے

خطبہ جمعۃ المبارک فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب بتاریخ ۹/۱۸ ۸۱ء، بمقام جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ۔ لاہور، (رپورٹ: مولانا شفقت رسول خاں)

واذ اخذ اللّٰہ میثاق النّبیین لما۔۔۔۔۔۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ ج وھو فی الاٰخرۃ من الخاسرین ٥ (آل عمرانؑ - ۸۱ تا ۸۵)

ان آیات میں اس بات کا ذکر ہے کہ ہم نے ہر رسول اور نبی سے جب انہیں کتاب اور حکمت دے کر بھیجا گیا یہ عہد لیا کہ جب تمہارے پاس وہ رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم نے ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی لازماً مدد کرنا ہوگی۔ چنانچہ انبیاء نے اقرار کیا اور یہ سب کتب مقدسہ میں پیشگوئیوں کی صورت میں یہ اقرار موجود ہے۔ حضرت مولانا عبد الحق ودیارتھی مرحوم و مغفور نے اپنی کتاب میثاق النبیین میں تفصیل سے ان پیشگوئیوں کو اصل کتب مقدسہ مذاہب عالم سے اقتباس نقل کر کے لکھا ہے جن کا مطالعہ ازدیاد ایمان کے لئے تو بس ضروری ہے۔ چنانچہ انبیاء نے سابقہ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور انہوں نے کتب مقدسہ سابقہ کی تصدیق کی تو اقرار انبیاء کے سبب تمام انبیاء کی اُمتوں پر لازم ہے کہ اس کو قبول کریں اور اس دین کو قبول کریں جو اس رسولؐ نے پیش کیا۔ اور جس رسول پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کا وعدہ خدا تعالےٰ نے انبیاء کی وساطت سے اُن کے متبعین سے بھی لیا تھا۔ لیکن جونہی وہ نبیؐ تشریف لے آئے تو لوگ اس اقرار سے پھر گئے یوں انہوں نے بدعہدی کی۔ اس لئے اگلی آیت میں فرمایا ہے کہ کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کچھ اور چاہتے ہیں۔ حالانکہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں خوش و ناخوش اُسی کے فرمانبردار اور اطاعت شعار ہیں اور اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو حکم ہے کہ وہ تمام سابق انبیاء پر ایمان لائیں۔ اور جو کچھ ان پر نازل ہوا تھا اس کو بھی منجانب اللہ یقین کریں چنانچہ ارشاد ہے۔

قل امنا باللّٰہ وما انزل علینا وما انزل
علیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط
وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ والنبیون من ربھم لا نفرق
بین احد منھم۔

کہہ کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو ہم پر نازل کیا گیا ہے اور جو حضرت ابراہیم اسماعیل۔ اسحاق۔ یعقوب علیہم السلام اور اس کی اولاد پر نازل ہوا۔ اور جو موسےؑ اور عیسےؑ علیہم السلام اور دیگر انبیاء کو اُن کے رب کی طرف سے دیا گیا اور ہم ان انبیاء کرام میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے (یہی دین اسلام ہے) اور جو کچھ اسلام کے بغیر کسی دین کو چاہے گا اس کی طرف سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور انجام کار ایسا شخص خسارے میں رہے گا۔

یہ آیات اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ اسلام چونکہ تمام انبیاء کا موعود دین ہے اس لئے تمام نسل انسانی کا مذہب ہے اور اسلام اپنی حقیقت میں بھی تمام انسانیت کا دین ہے۔ انسانوں کا ہی نہیں بلکہ تمام کائنات کا مذہب ہے۔ کیونکہ اسلام نام ہے قوانین الٰہی کی فرمانبرداری کا۔ اور اسلام عالمگیر دین ہے اس کے عالمگیر ہونے کی پہلی وجہ یہی ہے کہ اس میں تمام انبیائے سابق کو سچا تسلیم کیا گیا ہے اور نہ صرف اُن کی تصدیق کی گئی ہے بلکہ وہ جملہ صداقتیں اور حقائق جو کتب سابق میں متفرق تھے اس قرآن پاک میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ جملہ انبیائے علیہم السلام اخلاق و اعمال کے میدان میں مخصوص پہلوؤں کی نمائندگی کرتے نظر آتے ہیں۔ کوئی صاحب سلطنت ہے تو کوئی سلطنت و اختیار سے محروم ہے لیکن نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم زندگی کے ہر پہلو میں ایک کامل نمونہ ہیں۔ اور آپ کی زندگی میں اُن جملہ اخلاق کا ظہور ہوتا ہے کیونکہ آپ زندگی کے ہر پہلو سے گزرے ہیں تو جو شخص نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمونہ کو قبول نہیں کرتا یقیناً وہ کامل رہنمائی سے محروم رہتا ہے۔ کائنات میں ہر چیز خدائی قوانین کی فرمانبردار اور پابند ہے اور قوانین سائنس کا خلاصہ بھی یہ ہے کہ ہر چیز قدرتی قوانین میں بندھی ہوئی ہے اس سے استفادہ کی بھی یہی صورت ہے کہ ان قوانین کی پیروی کی جائے اور چونکہ اسلام فطرت اور کائنات کا دین ہے اور سائنس میں ترقی کا سبب بھی یہی طریقہ کار ہے۔ کیونکہ سائنس قوانین فطرت کا مطالعہ ہے اور اسلام فطرت کے عین مطابق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے فرمایا ہے:۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ

جو اسلام کے بغیر دوسرا دین اختیار کرے گا وہ قابل قبول نہیں ہوگا اور اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا۔

افغیر دین اللّٰہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعاً وکرھاً والیہ یرجعون۔

اور اس دین سے اعراض اور روگردانی کا نتیجہ یقیناً خسران اور تباہی ہے۔ اسلام کے اصول بے نظیر ہیں جن سے لوگ غافل پڑے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان اصولوں کو علمی اور عملی طور پر لوگوں تک پہنچایا جائے تاکہ انسان اس خسران سے بچ جائیں۔ حضرت مرزا صاحبؒ نے آج سے سو سال پہلے فرمایا تھا کہ آئندہ لوگ اسلام کے اصولوں کو مان لیں گے ہم دیکھتے ہیں کہ چودہویں صدی ہجری کی ابتداء میں مسلمان اپنے مسلک اور دین سے مایوس ہو چکے تھے لیکن اللہ کا فضل ہے کہ اس پندرہویں صدی میں اسلام کے غلبہ کا اُن کو یقین ہوتا جا رہا ہے اور اس صدی کو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی صدی تصوّر کیا جا رہا ہے۔ اور ہر طرف اسلام کی جانب لوگ جوق در جوق آ رہے ہیں۔ اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ ایک دیہاتی اور گاؤں کا رہنے والا اور سائنسی علوم سے ناآشنا نے کس قدر وضاحت کر دی ہے کہ اسلام ہی ایسا دین ہے جو علمی اور سائنٹیفک معیار پر پورا اتر سکتا ہے اور اس دین کو ہی لوگوں کو بطیب خاطر قبول کرنا ہوگا۔

ظاہر ہے کہ یہ بات بجز اشارہ غیبی ممکن نہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اشارہ ہوا تھا کہ غیر اقوام جو مسیحیت وغیرہ کو اصل دین خیال کرتی تھیں وہ بھی اسلام کو ہی اصولی دین تسلیم کرنے لگیں گی۔

ہندوستان میں آجکل ہریجنوں کا اسلام قبول کرنا غور طلب ہے کیونکہ ہندوستان کی حکومت کا مذہب ہندو ہے۔ اور ہندو ہی تمام اقتصادی اور سیاسی قوتوں کے مالک ہیں تو ان حالات میں ہندو دھرم میں شامل لوگوں کو جبر و اکراہ سے تو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ان حالات میں جو لوگ اسلام قبول کریں گے وہ یقیناً اسلام کی سچائیوں اور عمدہ اصولوں کو ہی قبول کر کے حلقہ بگوش اسلام ہوں گے۔ اس کے علاوہ کوئی ترغیب اور ترہیب اسلام میں داخل نہیں کر سکتی۔ ان حالات نے یقیناً ان اعتراضات کو رد کر دیا ہے۔ کہ اسلام جبر و اکراہ سے دُنیا میں پھیلایا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو اب یہ اچھوت اقوام حلقہ اسلام میں کبھی داخل نہ ہوتیں کیونکہ آج تو کوئی بھی تشدد اور جبر کی وجہ موجود نہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حاکموں کو محکوم لوگوں (یعنی جماعت احمدیہ) نے یورپ میں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام کی سچائی کے آگے سر خم کر دیئے۔ کیونکہ وہ اپنے مذاہب پر مطمئن نہیں تھے۔ اور اپنے مذہب کو غیر فطری سمجھتے تھے۔ جب اُن کے سامنے اسلام کے اُصول آئے تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور خوشی سے اسلام کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا۔ اور یوں انہوں نے اسلام کو سچا مان لیا۔ اور ایک صدی کے اندر ہی اندر اسلام کو غلبہ اور برتری حاصل ہونے والی ہے۔ اور یہ غلبہ بھی جبر کے سبب نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ یہ دین علم و حکمت اور انسانی فطرت کے تقاضوں پر مبنی ہے۔ اور راسخ الوقت سائنسی علوم کی روشنی میں سچائی کا حامل صرف یہی دین ہے۔ آج انسان نے اس حقیقت کو پا لیا ہے کہ انسانوں کی فطرت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور سب انسان مساوی بنیادی حقوق کے حامل ہیں۔ رنگ و نسل کے اعتبار سے کوئی برتری نسل بندی کا حامل نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے عمل اور کردار سے انسان کو دوسرے انسانوں میں شرف و برتری حاصل ہو سکتی ہے۔ اور ہندو مذہب کا مسئلہ تناسخ یقیناً آج کی علمی دُنیا میں قابل رد ہے کیونکہ کسی بچے کا ہریجن کے گھر پیدا ہونا یا کسی برہمن کے گھر پیدا ہونا اس کو نیک یا بد یا پرہیزگار نہیں بنا دیتا۔ کوئی وجہ نہیں کہ ایک بچہ ہریجن کے گھر پیدا ہونے کے

(بقیہ صفحہ ۱۲ کالم ۲ میں ملاحظہ فرمائیں)

بچوں کا صفحہ

از — ریٹائرڈ کرنل حنیف اختر

وقت کی آواز

وقت کی آواز

وقت ہی زندگی کی دولت ہے
وقت ہی زندگی کی عظمت ہے

وقت کا احترام اچھا ہے
وقت پر ہو جو کام اچھا ہے

وقت بے کار جو گنوائے گا
عمر بھر اس کو وہ نہ پائے گا

جو گیا وقت پھر نہیں آتا
وقت ہرگز ترس نہیں کھاتا

فائدہ وقت سے اٹھاؤ تم
بن کے دنیا میں کچھ دکھاؤ تم

والعصر ہ ان الانسان لفی خسر ہ الا الذین امنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق ۵ وتواصوا بالصبر ہ

ترجمہ:۔ زمانہ کی قسم ہے یا وقت عصر کی۔ کہ انسان گھاٹے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور ایک دوسرے کو حق کی راہنمائی کی اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کی۔

پیارے بچو! خدا تعالےٰ نے ہمیں بہت سی نعمتیں دی ہوئی ہیں۔ یہ اس کی صفت رحمانیت ہے ہماری پیدائش سے پہلے ہماری پرورش کے لئے تمام ضروری سامان موجود تھے مثلاً سورج جس کی روشنی کے بغیر اس دنیا پر کوئی چیز نہ اُگے پھر زمین اور اس کے اندر مدفون خزانے۔ پھر ہوا جو ہمیں دو منٹ کیلئے نہ ملے تو ہم دم گھٹنے کی وجہ سے مر جائیں۔ پھر پانی جس سے تمام زندگی جنم لیتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ایک چیز جو ہوا کی طرح نظر نہیں آتی لیکن ایک اٹل حقیقت ہے۔ وہ وقت ہے۔ ہوا کو تو پھر بھی ہماری قوت شامہ اور قوت لامسہ محسوس کر لیتی ہے لیکن وقت کی نہایت بیش قیمت نعمت اور دولت کا احساس صرف حضرت انسان (جو اشرف المخلوقات ہے) ہی کر سکتا ہے۔ یہ ایمان بالغیب ہے ورنہ وقت کس نے دیکھا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے:۔ ان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ اگر تم اللہ کی نعمتیں گننے لگو تو نہیں گن سکو گے۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے انسان کو اختیار دیا گیا ہے (گو محدود ہے) کہ نیکی کا راستہ اختیار کرے یا بدی کا۔ نعمتوں کا شکر ادا کرے یا ان کا کفران کرے۔ سورۃ فاتحہ جو ہم روز نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں اسی دعا پر منتج ہوتی ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم ۔۔۔ والضالین۔ یعنی منعم علیہ لوگوں کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم نعمتوں کو کیا کریں پہلے تو ان کا ذکر کریں اور اللہ کا شکر بجا لائیں واما بنعمۃ ربک فحدث لیکن زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتا ہمیں تحدیث بالعمل کرنا چاہیئے یعنی نعمت کا بہترین طریقہ شکر یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ودیعت کردہ نعمت یا دولت سے اسطرح استفادہ کریں کہ حقوق اللہ بھی ادا ہو جائیں اور حقوق العباد بھی۔

اب پہلی چیز جو احمدی بچوں کے پلے باندھنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ وقت ایک نہایت قیمتی دولت ہے اسکو ضائع کرنا گناہ کبیرہ ہے ہمارے حضرت صاحب کو ایک الہام ہوا تھا کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ تو وہ بزرگ ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا۔ یعنی جو تیری جماعت میں سے ہوں گے وہ اپنے وقت کو بالکل ضائع نہیں کریں گے اور اس خوبی کی بدولت دوسروں سے ممتاز اور سرخرو ہونگے۔

اب آپ تاریخ عالم پر نگاہ ڈالیئے۔ ہر وہ فرد اور قوم جس نے وقت ضائع کیا بالآخر تباہ ہو گئی اور جس نے اس خداداد نعمت کو صحیح استعمال کیا وہ ترقی پا گئی آخر یہ کیسے ہو گیا۔ کہ چینی قوم جو "افیمی" مشہور تھی اور جس کو آزادی ہماری آزادی کے دو سال بعد ملی (اور شروع میں اُن کے مسائل بھی بہت گمبھیر تھے) اب اوج کمال پر پہنچ رہی ہے۔ اور امریکہ اور روس دونوں اندر سے اس سے خائف ہیں۔ صرف اس لئے کہ انہوں نے وقت کا استعمال ٹھیک کیا۔ آجکل تو ویسے بھی زمانے کی رفتار بہت تیز ہو گئی ہے سالوں کے کام دنوں میں، دنوں کے گھنٹوں میں۔ گھنٹوں کے منٹوں میں اور منٹوں کے سیکنڈوں اور ملی سیکنڈوں میں ہونے لگے ہیں۔ لہٰذا اے میرے پیارے احمدی بچو! اپنے امام کا الہام یاد رکھو اور آج سے عہد کر لو کہ آپ کی زندگی کا ایک لمحہ صحیح استعمال میں آئے گا اس سے بڑھ کر ترقی کا ضامن کیا ہو سکتا ہے۔ یاد رکھو ہر نعمت کے ساتھ ایک ذمہ داری بھی ہوتی ہے۔ وقت کے صحیح استعمال کے لئے ہم خدا کے سامنے جواب دہ ہیں۔ یہ آپکے تخیل پر چھوڑتا ہوں کہ آپ ایک معین عرصہ میں کتنے کام کر سکتے ہیں۔ شیر شاہ سوری جو نے صرف پانچ سال حکومت کی لیکن اصلاحات اتنی کر گیا کہ ۵۰ سالہ اکبری دور حکومت بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ع

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

لہٰذا خدا کے لئے اپنے ایک ایک منٹ کو پلان کر کے خرچ کریں۔ خدا تعالےٰ نے دوسری نعمتوں کی طرح وقت کی سب پر مساوی تقسیم کیا ہے اور مفت۔ کالے گورے، حبشی غلام، آقا [illegible] سب کو ۲۴ گھنٹے دیئے ہیں جو اعمال آپ سے سرزد ہونے ہیں وہ انہی ۲۴ گھنٹوں میں ہی ہونگے اس کے باہر سے زائد الاٹمنٹ نہیں ہوگی جو وقت گیا پھر لوٹ کر نہیں آئے گا اسلئے آج کا دن غنیمت جانیں اور زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ اس کے اندر سمیٹ لیں ورنہ نماز کی طرح قضا ہو جائیں گے ؎

کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا + فقط امروز ہے تیرا زمانہ ٭ (اقبال)

وقت کے استعمال پر کچھ نصائح اگلی قسط میں پیش کروں گا لیکن فی الحال آپ براہ کرم مذکورہ بالا مختصر سی نظم یاد کر لیں ہو سکے تو اپنے مطالعہ کے کمرہ میں آویزاں کر دیں۔ (جلی حروف میں لکھ کر) تاکہ آپ کو وقت کے گذرنے کا ہر وقت احساس رہے۔

صرف دنیا میں کچھ بن کے دکھانا ہمارا نصب العین نہیں ہونا چاہیئے بلکہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی سب سے بڑی شرط بیعت "میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا"، کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا۔ آپ نوجوان چونکہ ہماری جماعت کا قیمتی سرمایہ ہیں اور ہماری جماعت کی امیدیں اب آپ سے وابستہ ہیں اس لئے آپ سے امید ہے کہ آپ اپنی گھڑیوں کو ایمان اور اعمال صالحہ سے بھر دیں گے خدا آپ کو توفیق دے۔ آمین۔ سچ کہا ہے علامہ اقبال مرحوم نے۔

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر گھڑی اپنے عمل کا حساب

(باقی آئندہ)

مرتضیٰ خان حسنؔ

چہ بودے

شعارم اتّقا بودے چہ بودے
زمن راضی خدا بودے چہ بودے
بہائے جنسِ ایماں بس گران ست
بہ نقدِ جاں ادا بودے چہ بودے
کنم ہر دم طوافِ کوئے جاناں
چنیں بختم رسا بودے چہ بودے
زدستِ ساقیٔ کوثر مرا ہم
عطا جامِ لقا بودے چہ بودے
پیامِ من رسانیدے بیارم
کرم فرما صبا بودے چہ بودے
فتادہ کشتی ام در قعرِ دریا ۔
خدا گر ناخدا بودے چہ بودے
ترا تسبیح در دستت مبارک
دلت ہم با خدا بودے چہ بودے
بگلچیں بلبلِ خونیں نوا گفت
ترا خوفِ خدا بودے چہ بودے
ذلیلم مے کند ایں حرصِ دنیا
مرا فقر و غنا بودے چہ بودے
الا اے منعمِ مغرورِ ناداں
ترا بذل و سخا بودے چہ بودے
غریباں بے کساں را دستگیری
طریقِ اغنیا بودے چہ بودے
مرا کافر بگوید مفتیٔ دیں،
ورا ترسِ خدا بودے چہ بودے
ز آہِ نارسائم شکوہ دارم
اگر آہِ رسا بودے چہ بودے
بنادانی کلامِ من نہ فہمی
ترا فہم و ذکا بودے چہ بودے
اگر ایں طوطیٔ طبعم شکر خا
بوصفِ میرزا بودے چہ بودے
بچشمم ہمچو سرمہ خاکِ پائے
محمد مصطفٰے بودے چہ بودے

اخبارِ احمدیہ

- حضرت امیر قوم الحاج مولانا صدر الدین ایدہ اللہ تعالےٰ خیریت سے ہیں۔ احباب جماعت حضور کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی، دورہ بلادِ غیر سے واپس تشریف لا چکے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کے دورۂ امریکہ کی مختصر سی رپورٹ (بقلم جناب چوہدری مسعود اختر صاحب) اسی پرچہ کے دوسرے صفحات پر قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں۔ رپورٹ بڑی ایمان افزا اور حوصلہ افزا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت ڈاکٹر صاحب کے اس تبلیغی اور تربیتی دورہ کو جن نتائج حسنہ سے نوازا ہے اور جس طرح ان کے انفاس قدسی سے بیرون ملک جماعتوں میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی ہے۔ نیز مالی قربانی کے جو انفرادی بلند نمونے قائم کئے گئے ہیں، وہ عرصہ تک ہمارے لئے نشانِ منزل بنے رہیں گے۔ احباب سلسلہ حضرت ڈاکٹر صاحب کی لمبی زندگی کے لئے اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے رہیں۔ تا شرفِ انسانیت کا یہ حسین پیکر جس کے چہرہ کی شگفتگی اور بشاشت بطور مثال کے مشہور ہے اپنے دینی و روحانی فیوض سے دیر تک سلسلہ کو فیض یاب کرتا رہے اور تمام دوستوں کو بھی ان سے مالا مال ہونے کی توفیق بخشے۔

***

اب خدا تعالیٰ کے نزولِ رحمت کا وقت ہے

دعائیں مانگو استقامت چاہو اور درود شریف جو حصولِ استقامت کا ایک زبردست ذریعہ ہے بکثرت پڑھو مگر نہ رسم اور عادت کے طور پر بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن اور احسان کو مدنظر رکھ کر اور آپ کے مدارج اور مراتب کی ترقی کے لئے اور آپ کی کامیابیوں کے واسطے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قبولیت دعا کا شیریں اور لذیذ پھل تم کو ملے گا۔ قبولیت دعا کے تین ہی ذریعے ہیں اول:۔ ان کنتم تحبون اللہ۔

دوم:۔ یا ایہا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما

سوم:۔ موہبت الٰہی۔

اللہ تعالےٰ کا یہ عام قانون ہے کہ وہ نفوس انبیاءؑ کی طرح دنیا میں بہت سے نفوسِ قدسیہ ایسے پیدا کرتا ہے جو فطرتاً استقامت رکھتے ہیں۔

بہترین وظیفہ

نماز سے بڑھ کر اور کوئی وظیفہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں حمد الٰہی ہے استغفار ہے اور درود شریف ہے۔ تمام وظائف اور ان کا مجموعہ یہی نماز ہے۔ اور اس سے ہر ایک قسم کے غم و ہم دور ہوتے ہیں اور مشکلات حل ہوتے ہیں۔

بقیہ:- ودودِ مسعود، آمدہ صفحہ

اوران کی بیگم صاحبہ ذکیہ عبداللہ صاحبہ بہت انتھک کارکن ہیں۔ جو لوگ مغربی ممالک سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہاں وقت سب سے قیمتی شے ہے۔ ظفر عبداللہ صاحب نہ صرف مالی جہاد میں حصہ لیتے ہیں بلکہ اپنا بہت سا وقت بھی تحریک کے کاموں میں صرف کرتے ہیں بلکہ اکثر اوقات اپنا کاروبار چھوڑ کر یا اس کو پیچھے ڈال کر دین کی اشاعت کے لئے وقت صرف کرتے ہیں۔ یہ ہمت ہر ایک کو نصیب نہیں ہے۔ اور یہی دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی اعلیٰ مثال ہے۔ کہ اپنے دنیاوی فائدے کو دین پر قربان کر دیا جائے۔ انہوں نے اس دوران مہمانوں کی دیکھ بھال مہمان نوازی۔ اور دن رات کی محنت سے لوگوں کے دل جیت لئے ہیں ویسے بھی وہ دیگر جماعتوں کے افراد سے رابطہ قائم رکھتے ہیں اور لٹریچر ان تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی انتھک کوششوں کے بغیر ہمیں یہاں تحریک کو منظم کرنے اور آگے بڑھانے میں وہ کامیابی نہ ہوتی جو اب ہے۔ یہ نوجوان میاں بیوی ایک قیمتی اثاثہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کو بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

؎ کریما ہر کرم کن ہر کسے کو ناصر دین است
بلائے او بگرداں گر گہے آفت شود پیدا
چناں خوش دار او را اے خدائے قادر مطلق
کہ در ہر کار و بار و حال او جنت شود پیدا

بقیہ خطبہ جمعہ فرمودہ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب آمدہ صفحہ

باعث قابلِ نفرت قرار دے دیا جائے۔ مخلصی اور نجات کا راستہ یہ ہے کہ تمام انسانوں کو بنیادی حقوق میں یکساں سلوک کا مستحق سمجھا جائے۔ اور وحدت نسلِ انسانی کو قبول کیا جائے۔ پس صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو انسانوں کو شرف مساوات عطا کرتا ہے۔ خدا ہمیں اسلام کے اصولوں کو اپنانے کی توفیق دے کیونکہ یہی دین قابلِ قبول ہے اور اسی کے لئے غلبہ مقدر ہے۔

مذہب کی حقیقت اور اسلام کی خصوصیت

ہزار ہزار شکر اُس خداوند کریم کا ہے جس نے ایسا مذہب ہمیں عطا فرمایا جو خدا دانی اور خدا ترسی کا ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی نظیر کبھی اور کسی زمانہ میں نہیں پائی گئی۔ اور ہزار ہا درود اُس نبی معصوم پر جس کے وسیلہ سے ہم اس پاک مذہب میں داخل ہوئے۔ اور ہزار ہا رحمتیں نبی کریم صلعم کے اصحاب پر ہوں جنہوں نے اپنے خونوں سے اس باغ کی آبپاشی کی۔

اسلام ایک ایسا زبردست اور خدا نما مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص سچے طور پر اس کی پابندی اختیار کرے اور ان تعلیموں اور ہدایتوں اور وصیتوں پر کاربند ہو جائے۔ جو خدائے تعالیٰ کے پاک کلام قرآن شریف میں مندرج ہیں تو وہ اسی جہان میں خدا کو دیکھ لے گا۔ وہ خدا جو دنیا کی نظر سے ہزاروں پردوں میں ہے اس کی شناخت کے لئے بجز قرآنی تعلیم کے اور کوئی بھی ذریعہ نہیں۔ قرآن شریف معقولی رنگ میں اور آسمانی نشانوں کے رنگ میں نہایت سہل اور آسان طریق سے خدا تعالیٰ کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اور اس میں ایک برکت اور قوت جاذبہ ہے۔ جو خدا کے طالب کو دم بدم خدا کی طرف کھینچتی اور روشنی اور سکینت اور اطمینان بخشتی ہے۔ اور قرآن شریف پر سچا ایمان لانے والا صرف فلسفیوں کی طرح یہ ظن نہیں رکھتا کہ اس پُر حکمت عالم کا بنانے والا کوئی ہونا چاہیئے۔ بلکہ وہ ایک ذاتی بصیرت حاصل کرکے اور ایک پاک رویت سے مشرف ہو کر یقین کی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے۔ کہ فی الواقع وہ صانع موجود ہے اور اس پاک کلام کی روشنی حاصل کرنیوالا محض خشک معقولیوں کی طرح یہ گمان نہیں رکھتا کہ خدا واحد لاشریک ہے۔ بلکہ صدہا چمکتے ہوئے نشانوں کے ساتھ جو اس کا ہاتھ پکڑ کر ظلمت سے نکالتے ہیں واقعی طور پر مشاہدہ کر لیتا ہے۔ کہ درحقیقت ذات اور صفات میں خدا کا کوئی بھی شریک نہیں اور نہ صرف اس قدر بلکہ وہ عملی طور پر دنیا کو دکھا دیتا ہے کہ وہ ایسا ہی خدا کو سمجھتا ہے۔ اور وحدتِ الٰہی کی عظمت ایسی اس کے دل میں سما جاتی ہے کہ وہ الٰہی ارادہ کے آگے تمام دنیا کو ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح بلکہ مطلق لاشے اور سراسر کالعدم سمجھتا ہے۔ انسانی فطرت ایک ایسے درخت کی طرح واقع ہے جس کے ایک حصہ کی شاخیں نجاست اور پیشاب کے گڑھے میں ہیں اور دوسرے حصہ کی شاخیں ایک ایسے حوض میں پڑتی ہیں جو کیوڑہ گلاب اور دوسری لطیف خوشبوؤں سے پُر ہے۔ اور ہر ایک حصے کی طرف ہے جب کوئی ہوا چلتی ہے تو بدبو یا خوشبو جیسی کہ صورت ہو پھیلا دیتی ہے۔ اسی طرح نفسانی جذبات کی ہوا بدبو ظاہر کرتی ہے اور روحانی نفحات کی ہوا پوشیدہ خوشبو کو پیرایہ ظہور و بروز پہناتی ہے۔ پس اگر روحانی ہوا کے چلنے میں جو آسمان سے اُترتی ہے۔ روک ہو جائے تو انسان نفسانی جذبات کی تند و تیز ہواؤں کے ہر طرف سے طمانچے کھا کر اور ان کی بدبوؤں کے نیچے دب کر ایسا خدائے تعالیٰ سے منہ پھیر لیتا ہے۔ کہ شیطانِ مجسم بن جاتا ہے۔ اور اسفل السافلین میں گرایا جاتا ہے۔ اور کوئی نیکی اس کے اندر نہیں رہتی اور کفر اور معصیت اور فسق و فجور اور تمام رذائل کے زہروں سے آخر ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور زندگی اس کی جہنمی ہوتی ہے۔ اور آخر مرنے کے بعد جہنم میں گرتا ہے اور اگر خدا تعالیٰ کا فضل دستگیر ہو اور نفحاتِ الٰہیہ اس کے صاف اور معطر کرنے کے لئے آسمان سے چلیں اور اس کی روح کو اپنی خاص تربیت سے دم بدم نورانیت اور تازگی اور پاک طاقتیں بخشیں تو وہ طاقتِ بالا سے قوت پا کر اسقدر اوپر کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ کہ فرشتوں کے مقام سے بھی اوپر گزر جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ انسان میں نیچے گرنے کا بھی مادہ ہے اور اوپر اٹھائے جانے کا بھی اور کسی نے اس بارے میں سچ کہا ہے۔

حضرت انساں کہ حد مشترک را جامع است + می تواند شد مسیحا میتواند خر شدن

لیکن اس جگہ مشکل یہ ہے کہ نیچے جانا انسان کے لئے سہل امر ہے گویا ایک طبعی امر ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ایک پتھر اوپر کو بہت مشکل سے جاتا ہے۔ اور کسی دوسرے کے زور کا محتاج ہے۔ لیکن نیچے کی طرف خود بخود گر جاتا ہے۔ اور کسی کے زور کا محتاج نہیں۔ پس انسان اوپر جانے کے لئے ایک زور آور ہاتھ کا محتاج ہے۔ اسی حاجت نے سلسلہ انبیاء اور کلام الٰہی کی ضرورت ثابت کی ہے۔ اگرچہ دنیا کے لوگ سچے مذہب کے پرکھنے کے معاملہ میں ہزارہا پیچ در پیچ مباحثات میں پڑ گئے۔ اور پھر بھی کسی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچے لیکن سچی بات یہ ہے کہ جو مذہب انسانی نابینائی کے دور کرنے اور آسمانی برکات کے عطا کرنے کے لئے اس حد تک کامیاب ہو سکے۔ جو اس کے پیرو کی عملی زندگی میں خدا کی ہستی کا اقرار اور نوعِ انسان کی ہمدردی کا ثبوت نمایاں ہو وہی مذہب سچا ہے۔ اور وہی ہے جو اپنے سچے پابند کو اس منزلِ مقصود تک پہنچا سکتا ہے۔ جس کی اس کی روح کو پیاس لگا دی گئی ہے۔ اکثر لوگ صرف ایسے فرضی خدا پر ایمان لاتے ہیں جس کی قدرتیں آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہیں اور جس کی شکتی اور طاقت صرف قصوں اور کہانیوں کے پیرایہ میں بیان کی جاتی ہے۔ پس یہی سبب ہوتا

۴۴

۴۴:- ہے کہ ایسا فرضی خدا ان کو گناہ سے روک نہیں سکتا۔ بلکہ ایسے مذہب کی پیروی میں جیسے جیسے ان کا تعصب بڑھتا جاتا ہے۔ ویسے ویسے فسق و فجور پر شوخی اور دلیری زیادہ پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اور نفسانی جذبات ایسی تیزی میں آتے ہیں کہ جیسے ایک دریا کا بند ٹوٹ کر اردگرد پانی اس کا پھیل جاتا ہے اور کئی گھروں اور کھیتوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ وہ زندہ خدا جو قادرانہ نشانوں کے شعاع اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اور اپنی ہستی کو تازہ بتازہ معجزات اور طاقتوں سے ثابت کرتا رہتا ہے۔ وہی ہے جس کا پانا اور دریافت کرنا گناہ سے روکتا ہے۔ اور سچی سکینت اور شانتی اور تسلی بخشتا ہے۔ اور استقامت اور دل بہادری کو عطا فرماتا ہے۔ وہ آگ بن کر گناہوں کو جلا دیتا ہے۔ اور پانی بن کر دنیا پرستی کی خواہشوں کو دھو ڈالتا ہے۔ مذہب اسی کا نام ہے۔ جو اس کو تلاش کریں اور تلاش میں دیوانہ بن جائیں۔

* * * *

جلد ۶۸ شمارہ ۳۶ رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

ہفتہ

ڈاکٹر عبدالعزیز خاں صاحب 36
ایم بی بی ایس ریٹائرڈ سول سرجن
28/B یونیورسٹی ٹاؤن۔ پشاور۔

باہتمام ریاض حسین الحمد پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح۔ احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ۔ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر۔ ڈاکٹر اللہ بخش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے
بیرونی ممالک سے [illegible] پونڈ (علاوہ ڈاک)

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۴۳۰

جلد ۶۸ ☆ یوم چہار شنبہ ۱۶ ذیقعد ۱۴۰۱ھ — بمطابق — ۱۶ ستمبر ۱۹۸۱ء ☆ شمارہ ۳۷

ملفوظات حضرت مجدد صد چہار دہم

اخلاقی ترقی کا آخری کمال

یہ ہے کہ ہمدردی خلائق میں کوئی نفسانی مطلب یا مدعا یا غرض درمیان میں نہ ہو۔ بلکہ اخوت و قرابت انسانی کا جوش اس اعلیٰ درجہ پر نشوونما پا جائے کہ خود بخود بغیر کسی تکلف کے اور بغیر پیش نہاد رکھنے کسی قسم کی شکر گزاری یا دعا یا اور کسی قسم کی پاداش کے وہ نیکی محض فطرتی جوش سے صادر ہو۔

عزیزو! —

اپنے سلسلہ کے بھائیوں سے خاص طور سے محبت رکھو اور جب تک کسی کو نہ دیکھو کہ وہ اس سلسلہ سے کسی مخالفانہ فعل یا قول سے باہر ہو گیا ہے تب تک اس کو اپنا ایک عضو سمجھو لیکن جو شخص مکاری سے زندگی بسر کرتا ہے اور اپنی بدعہدیوں یا کسی قسم کے جور و جفا سے اپنے کسی بھائی کو آزار پہنچاتا ہے یا وساوس و حرکات مخالف عہد بیعت سے باز نہیں آتا وہ اپنی بدعملی کی وجہ سے اس سلسلہ سے باہر ہے اس کی پرواہ نہ کرو۔

چاہیئے کہ اسلام کی ساری تعریف تمہارے وجود میں نمودار ہو اور تمہاری پیشانیوں میں اثر سجود نظر آوے اور خدائے تعالیٰ کی بزرگی تم میں قائم ہو اگر قرآن اور حدیث کے مقابل پر ایک جہان عقلی دلائل کا دیکھو تو ہرگز اس کو قبول نہ کرو اور یقیناً سمجھو کہ عقل نے لغزش کھائی ہے۔ توحید پر قائم رہو اور نماز کے پابند ہو جاؤ۔ اپنے مولیٰ حقیقی کے حکموں کو سب سے مقدم رکھو اور اسلام کے لئے سارے دکھ اٹھالو۔ ولا تموتن الا و انتم مسلمون

اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے

اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا، جو پہلے وقتوں میں آ چکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا، جیساکہ پہلے چڑھ چکا ہے لیکن ابھی ایسا نہیں ضرور ہے کہ آسمان اسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں۔ اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں۔ اور اعزاز اسلام کے لئے ساری ذلتیں قبول نہ کرلیں۔ اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔ یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی، مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کا دوسرے لفظوں میں اسلام نام ہے۔ اسی اسلام کا زندہ کرنا خدا تعالیٰ اب چاہتا ہے۔

(فتح اسلام)

قارئین کرام کی توجہ کیلئے:- "قرآن پاک اور احادیث۔ تبلیغ اور آپ کی مذہبی معلومات کیلئے شائع کی جاتی ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ ان کے تقدس کا خیال کریں، اس لئے جن صفحات پر قرآن کی آیات، اور احادیث چھپی ہوئی ہوں انہیں اسلامی طریقہ سے محفوظ کرلیں" (حکومت کی ہدایت مجریہ ۹ ستمبر ۱۹۸۱ء)

اخبارِ احمدیہ

- حضرت امیر قوم مولٰنا صدرالدین ایدہ اللہ تعالیٰ خیریت سے ہیں۔ احباب کرام حضرت موصوف کی صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے لئے دعا فرماتے رہیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی بلادِ غیر کی متعدد جماعتوں کے تین ماہ کے تربیتی دورہ کے بعد چند روز لاہور میں قیام فرما کر اب ایبٹ آباد چند روز کیلئے تشریف لے گئے ہیں۔ احباب سلسلہ حضرت ڈاکٹر صاحب کی بخیریت واپسی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا فرماتے رہیں۔

* * *

بقیہ:- مساجد کے آداب

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ رح نے بھی اس پر بہت زور دیا ہے۔ اور ہمیں حضرت صاحب کے اس ارشاد کو حرزِ جان بنانا چاہیئے "میرے بعد سب مل کر کام کرو۔ اور ایک دوسرے کی اصلاح چاہو۔ مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے۔"

(الوصیت)

اس نصیحت پر عمل کرنا بڑا آسان بھی ہے۔ اسی صورت میں ہم لوگ ایک امام کی اقتداء کا سچے دل سے عہد کریں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب نے نہایت درد۔ سوز و الحاح سے ہم لوگوں کو اپنے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ کہ خلقِ محمدی کو اپنے اندر پیدا کرنے کی دلپذیر و دلنشیں انداز میں تلقین فرمائی۔

جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

* * *

شادی خانہ آبادی

محترم پروفیسر سعد اختر صاحب ڈیرہ غازی خاں کے صاحبزادے محترم خادم قدوس اختر صاحب کا نکاح مؤرخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۸۱ء جناب ماسٹر خادم مظفر حسین صاحب لاہور کی صاحبزادی، محترمہ غزالہ شاہین صاحبہ سے بعوض حق مہر دس ہزار ۔/۱۰۰۰۰ روپے بخیر و خوبی انجام پایا۔ محترم سعد اختر صاحب نے اس خوشی میں مبلغ پچاس روپے عطیہ برائے انجمن عطا فرمائے۔ نکاح محترم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب نے پڑھایا۔ انہوں نے خطبہ مسنونہ کے بعد مختصراً بتایا کہ میاں بیوی کے تعلقات کو قیام و ثبات صرف ایک اصول پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ قولوا قولاً سدیدًا ہمیشہ سچائی کو مدنظر رکھا جائے۔ دعا ہے کہ خدا فریقین کو پُرمسرت لمبی زندگی نصیب فرمائے۔ آمین!

رپورٹ:- مولوی شفقت رسول خان۔

مرکزی احمدیہ انجمن کی طرف سے ایک غیر ملکی معزز خاتون کے اعزاز میں دعوتِ عصرانہ

از محترمہ صفیہ جاوید صاحبہ، احمد پارک، لاہور

مؤرخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۸۱ء بروز جمعۃ المبارک ۵ بجے شام محترمہ مسز فرانسس ڈی نیمے کے اعزاز میں مسجد احمدیہ دارالسلام میں عصرانہ دیا گیا۔ جب معزز مہمان مسجد میں تشریف لائیں تو جماعت کی ہونہار بچی ثمیرا اشرف جعفری نے ایک خوبصورت گلدستہ پیش کیا۔ تقریب کے آغاز میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی نے لو انزلنا ھٰذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعًا متصدعًا من خشیۃ اللہ کی تلاوت کے بعد موصوفہ کے تعارف کے سلسلہ میں فرمایا کہ محترمہ نے حضرت امیر مرحوم و مغفور مولٰنا محمد علی صاحب رح کے انگریزی ترجمۃ القرآن کا ترجمہ سپنش زبان میں کرنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ متن کا ترجمہ سپنش میں مکمل ہو گیا ہے اور تفسیری نوٹ زیرِ تکمیل ہیں۔ یہ ایک عظیم کام ہے۔ اس لئے ہمیں ان کی اس کاوش کا بے حد احترام ہے۔

بعدہٗ محترمہ موصوفہ نے بالکل مختصر الفاظ میں اپنی مساعی کا ذکر کیا اور بتایا کہ:-

"قرآنِ پاک ایک عظیم کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ سے میرے دل میں اس کی عظمت کا زبردست احساس پیدا ہوا ہے اور میں نے اسے مشعلِ نور سمجھتے ہوئے ہی اس کا ترجمہ کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ تاکہ ہمارے ہاں کی انسانی برادری بھی اس آسمانی روشنی سے استفادہ کرتے۔"

محترم جناب فاروقی صاحب نے اپنے مختصر خطاب میں موصوفہ کی کاوش کو سراہا۔ اور اس تفسیر کو سپنش زبان میں پیش کرنے میں خدا کے فضل کا ذکر کیا۔ اور موصوفہ کو اس عظیم کام پر خراجِ تحسین پیش کیا۔

محترم جناب مرزا مسعود بیگ صاحب نے اس موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ محترمہ گو جماعت سے تعلق نہیں رکھتیں اور عیسائی فرقہ سے تعلق رکھتی ہیں لیکن وہ خُدا کی وحدانیت پر ایمان رکھتی اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کو صرف خُدا کا فرستادہ مانتی ہیں۔ اور محترمہ کی کاوش کو سراہتے ہوئے آپ نے بتایا کہ یہ ایک عظیم کام ہے جو خدا اُن کے ہاتھوں سے لے رہا ہے۔ بعد ازاں قرآن کے ترجمہ کا پروف احباب کو دکھایا گیا جو موصوفہ نے بڑے عزم، احتیاط اور خوبصورتی سے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا تھا۔ اور دُعا کی گئی کہ خدا اس ترجمہ کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور اسکو نفع رسانِ خلائق بنائے۔ آمین۔ ثم آمین!

بعد ازاں احباب کی تواضع چائے۔ پکوڑوں اور بسکٹ وغیرہ سے کی گئی۔ اس دوران معزز مہمان احمدی خواتین کے ساتھ خوب گھل مل گئیں اور اُن کے جذبۂ مہمانداری و اخلاص سے بے حد متاثر ہوئیں۔ خواتین سلسلہ نے جذباتِ محبت کا اظہار کرتے ہوئے پاکستانی مصنوعات پر مبنی ایک تحفہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ جسے موصوفہ نے بے حد پسند کیا۔ اور خوشی کا اظہار کیا۔ اور یوں اس بابرکت محفل کا اختتام ہوا۔

* * *

جماعت کے مضمون نگار حضرات کی خدمت میں

ماہ اکتوبر ۱۹۸۱ء میں ادارہ پیغام صلح حسبِ معمول "مولانا محمد علی نمبر" شائع کر رہا ہے۔ آپ احباب سے درخواست ہے کہ اس خاص نمبر کے لئے اپنے مضامین ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۱ء تک ارسال فرما دیں۔ حضرت مولٰنا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات بے مثال ہیں جن کی نظیر گذشتہ نصف صدی میں نہیں ملتی یقین ہے کہ یاد دہانی کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

(ادارہ پیغام صلح۔ لاہور)

قرآن کریم کا ایک کھلا چیلنج
جو آج تک قبول نہ ہوا، نہ کبھی ہوگا

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی بتاریخ ۱۱ ستمبر ۱۹۸۱ء بمقام جامع احمدیہ، دارالسلام، ۵ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن ۔ لاہور

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھدآءکم من دون اللہ ان کنتم صدقین ٥
فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ ج اعدت للکفرین ٥ (البقرۃ ۲ آیات ۲۳، ۲۴)

ترجمہ:— اور اگر تمہیں اس میں کوئی شک ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر اتارا ہے تو اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بلالو۔ اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا اور تم ہرگز ایسا نہ کرسکو گے تو اس آگ سے اپنا بچاؤ کرلو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

میری ایک عزیز خاتون حال ہی میں امریکہ سے واپس تشریف لائی ہیں۔ وہاں ایک دینی محفل میں ایک امریکن میاں بیوی نے جو وہاں کے ایک اخبار سے متعلق ہیں یہ کہا کہ "قرآن انسان کا بھی تو کلام ہوسکتا ہے" اس اعتراض کرنے والوں کے لئے یہ ماننا مشکل تھا کہ ایک فرشتہ وحی لے کر اُترتا ہے۔

فرشتہ کے بارہ میں شک کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ وہ نظر نہیں آتا (سوائے اُس انسان کے جس پر وہ اُترے)۔ تو کیا محض ظاہری آنکھ سے نظر نہ آنا کوئی معقول وجہ ہوسکتی ہے ایک چیز کے انکار کے لئے؟ موجودہ سائنس کی اکثر ترقیات جن پر اہل مغرب کو ناز ہے وہ تو اُن چیزوں پر ایمان لانے سے ہوئی ہیں جو ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتیں۔ ان ترقیات کی ابتداء سر آئزک نیوٹن کے کششِ ثقل کا پتہ لگانے سے ہوئی۔ تو کیا کششِ ثقل جس پر تمام کائنات کا دارومدار ہے آنکھ سے نظر آتی ہے؟ اور موجودہ زمانہ جو اٹیم کے بارہ میں انکشافات اور ترقیات کی وجہ سے ATOMIC AGE کہلاتا ہے تو کیا اٹیم آنکھ سے نظر آتا ہے؟ آنکھ تو کیا طاقتور سے طاقتور خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا اور نہ آسکتا ہے۔ پھر اٹیم کے اندر جس کائنات کا سائنس نے پتہ لگایا ہے کیا وہ انسانی آنکھ سے نظر آتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو یہ عقل کا اندھاپن یا شیطان کا ہتھکنڈہ ہے جو حضرت جبرائیلؑ جو وحی قرآن کو لاتے تھے اُن کا انکار کردیتا ہے۔

زبردست شہادت

ایک سائنس دان کوئی بات کہدے یا اُس کی کوئی دوسرا سائنس دان تائید کردے تو ہم فوراً اس کی بات پر ایمان لے آتے ہیں۔ یہاں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی شہادت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلام کو لے کر نازل ہوتے تھے تو اس زبردست شہادت کا کیوں انکار ہے؟ سائنس دان تو جھوٹا یا فریب خوردہ ہوسکتا ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام تو اپنی صداقت، ایمانداری اور خداخوفی میں مسلّمہ تھے۔ اور وہ دُنیا کے مختلف ملکوں اور مختلف قوموں میں پھر مختلف زمانوں میں جو ہزارہا سال پر پھیلے ہوئے تھے پیدا ہوئے۔ مگر سب نے ایک ہی بات کہی۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی شہادت ہوسکتی ہے؟

رُوح القدس

اور حضرت جبرائیلؑ کے بارہ میں عیسائی صاحبان کس طرح شک کرسکتے ہیں کیونکہ وہ تو اُن کے تین خداؤں میں سے ایک ہیں۔ HOLY GHOST یا رُوح القدس حضرت جبرائیلؑ ہی ہیں۔ اور ان کو خدا اس لیے بنالیا گیا کہ وہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر بار بار نازل ہوتے تھے یعنے اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسےٰؑ کے درمیان واسطہ تھے۔ تو جس مقدس فرشتہ کے بار، بار نازل ہونے پر اُسے خدا بنالیا گیا اس کے بارہ میں شک کرنا اہل مغرب کو تو زیب نہیں دیتا۔ بائبل سے حضرت عیسےٰؑ کے علاوہ دُوسرے انبیاء پر حضرت جبرائیلؑ کا نازل ہونا ثابت ہے۔ اور جب حضرت جبرائیلؑ وحی متلو لے کر رسول اللہ صلعم پر نازل ہوئے تو ایک عیسائی راہب نے یہ گواہی دی کہ "یہ وہی ناموس ہے جو موسےٰؑ پر نازل ہوتا تھا"

اگر بالفرض حضرت جبرائیلؑ قرآن پاک کو لے کر نازل نہیں ہوئے اور یہ مقدس کتاب نعوذ باللہ رسول اللہ صلعم نے خود بنالی جیسا کہ امریکن جوڑے نے کہا تو اس کا جواب قرآن کریم کے اُن الفاظ میں صاف اور آسان ہے جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھے ہیں۔

کھلا چیلنج

"اگر تمہیں اس میں کوئی شک ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر اُتارا ہے تو اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ" کس قدر عام فہم اور زبردست چیلنج ہے! اگر یہ کلام جو ۱۱۴ سورتوں پر مشتمل ہے جن میں بڑی بڑی لمبی سورتیں شامل ہیں (مثلاً سورۃ البقرہ تقریباً تین پاروں کی ہے) ایک اُمّی انسان نے خود بنالیا ہے تو تم اس کتاب کی کسی ایک سورت جیسی ہی بنالاؤ۔ یاد رہے کہ قرآن کریم کی بعض سورتیں بہت چھوٹی بھی ہیں مثلاً سورۃ الکوثر جو صرف تین آیات کی ہے اس لئے ان چھوٹی سورتوں میں سے کسی ایک کی مثل بنالانا کس قدر آسان تھا اور اب بھی ہے اگر یہ کلام انسانی ہے تو۔ مگر معترضین کو کیوں سانپ سونگھ گیا؟

فصاحت و بلاغتِ قرآنی

اس چیلنج کو عام طور پر قرآن کریم کی فصاحت اور بلاغت تک محدود سمجھ لیا جاتا ہے جو غلطی ہے۔ مگر پھر بھی قرآن کریم کی فصاحت اور بلاغت بھی بے نظیر ہے۔ جب یہ مقدس کتاب نازل ہوئی تو اس زمانہ میں عربی میں نثر کی کوئی کتاب نہ تھی۔ نثر صرف بولی جاتی تھی۔ اور فصاحت و بلاغت اشعار میں سمجھی جاتی تھی۔ اگر رسول اللہ صلعم نے نعوذ باللہ اپنی طرف سے یہ کتاب گھڑی تھی تو اشعار میں بناتے۔ مگر قرآن کریم عربی میں ادب کی پہلی نثر کی کتاب ہے۔ مگر نثر کیا ہے کہ اس نے اشعار کو مات کردیا۔ اس زمانہ کے اہل عرب فصیح ترین اشعار کو خانہ کعبہ میں لٹکاتے تھے جو کہ بطور چیلنج کے ہوتا تھا کہ اس سے بڑھ کر فصیح و بلیغ کلام کون لاسکتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے قرآن کریم کی سب سے چھوٹی سورت الکوثر کو بطور چیلنج خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔

انا اعطینک الکوثر ۝ فصل لربک وانحر ۝ ان شانئک ھو الابتر ۝ع

کفار عرب اس چیلنج پر تڑپ اُٹھے کیونکہ اسلام، قرآن کریم اور رسول اللہ صلعم سے اُنہیں ازحد دشمنی اور خار تھی۔ جب خود نہ بن پڑی تو ایک بادیہ (جہاں کے لوگ فصیح و بلیغ سمجھے جاتے تھے) وہاں سے ایک فصیح و بلیغ ترین بوڑھے شاعر کو لے آئے۔ وہ بوڑھا سورتِ مقدسہ کو دیر تک دیکھتا رہا مگر کچھ نہ بولا۔ تو اسے لانے والوں نے جب اصرار کرنا شروع کیا کہ کچھ تو منہ سے پھوٹ تو وہ بولا:—

ماھٰذا قول البشر (یعنے یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔) بوڑھا قافیہ تو ملا گیا مگر ساتھ ہی اعتراف کر گیا کہ یہ کلام کسی انسان کا نہیں ہو سکتا۔

تو باوجود نثر میں ہونے کے قرآن کریم اپنی فصاحت و بلاغت میں بے نظیر ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ رسول اللہ صلعم کے اپنے اقوال احادیث میں موجود ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ انا افصح العرب یعنے میں عرب کے لوگوں میں فصیح ترین ہوں اور وہ بالکل سچ تھا اور اب بھی ہے۔ مگر خدا کے کلام اور رسولؐ کے کلام کا مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ دونوں میں نمایاں فرق ہے۔

تو اپنی فصاحت و بلاغت کیوجہ سے قرآن کریم عربی زبان کے لئے سند بن گیا۔ اگرچہ اب بھی کبھی کبھار ایام جاہلیّت کے اشعار کو کوئی بطور سند لکھ دیتا ہے مگر وہ تبھی کہ قرآن کریم سے اس کی سند نہ ملے۔ اور اگر قرآن کریم اور اشعار میں اختلاف ہو تو کوئی شخص نہیں جو قرآن کریم کو ترجیح نہ دے۔

علم و معرفت

مگر کلام خالی الفاظ کا مجموعہ نہیں ہوتا کہ انسان الفاظ کی فصاحت و بلاغت پر رک جائے۔ کلام کی پہلی خوبی اُس علم و معرفت میں ہے جو اس کے اندر ہو۔ سو قرآن کریم نہ صرف ضمناً دنیادی علوم کے جواہر اپنے اندر رکھتا ہے۔ (مثلاً تاریخ یا اقتصادیات یا معاشیات یا قوانینِ وراثت وغیرہ، وغیرہ بلکہ سائنس کے زبردست انکشافات بھی اس میں ہیں) بلکہ روحانی علوم اور معرفت کے وہ گہرے سمندر اس پاک کتاب میں بھرے ہوئے ہیں کہ روحانی و باطنی علوم کے خزانے پہ خزانے اس میں سے نکالے گئے ہیں مگر پھر بھی ان کی کوئی انتہا نہیں۔ جُوں جُوں علوم کی ترقیات ہوتی ہیں اور عقلِ انسانی میں روشنی بڑھتی ہے۔ اس بے نظیر کتاب کی اور بھی عجائبات ظاہر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ علی الخصوص انسان کے اپنے باطن کی معرفت (یعنے رُوح و نفس، جذبات و خواہشات، شیطان یا فرشتہ کی باطن میں تحریکات اور نیک یا بد اعمال سے انسان کے اندر اسی دنیا میں جنّت یا دوزخ کا پیدا ہونا وغیرہ وغیرہ) کی معرفت جو اس بے نظیر کتاب نے دی ہے اُس کے آگے موجودہ علوم سائیکالوجی (PSYCHOLOGY) یا سائیکاٹری (PSYCHIATRY) وغیرہ اُس اندھے کی باتیں معلوم دیتی ہیں جو اندھیرے میں علوم کو ڈھونڈ رہا ہے اور قدم، قدم پہ ٹھوکریں کھاتا، گرتا پڑتا، گمراہی میں دُور نکل گیا ہو۔

کیا یہ زبردست علوم کی روشنی آج سے چودہ سو برس پہلے ایک اُمّی انسان دے سکتا تھا؟

ھدائیت

اُن باطنی دردھان علم و معرفت کا جو اس بے نظیر کتاب نے دیئے ہیں مقصد انسان کی اخلاقی و رُوحانی اور دنیاوی و اُخروی ہدایت ہے۔ قرآن کریم نے خود اپنے آپ کو ھدًی للنّاس فرمایا ہے تو کیا بے نظیر ہدائیت کا کام اس مقدس کتاب نے کیا ہے! نہ صرف تمام عقائد و ایمانیات کی غلطیوں کا جو دُوسرے مذاہب میں پیدا ہو گئی تھیں اصلاح فرمائی بلکہ انسانی اعمال کے لئے یہ ایک مکمل ہدایت ہے۔ کسی اور کتاب نے اپنے آپ کو مکمل نہیں کہا۔ قرآن کریم سے مُاقبل انجیل تھی۔ مگر اس میں خود اعتراف حضرت عیسیٰؑ کا موجود ہے کہ میں نے ابھی نہیں اور بھی بہت سی باتیں کہنا تھیں مگر تم ان کی تاب نہیں رکھتے۔ مگر وہ جو رُوح حق آئے گا وہ تم کو تمام وہ باتیں بتائے گا جو خدا تعالےٰ اُس کے منہ میں ڈالے گا۔ چنانچہ جب دنیا میں باطل کا دور ہر طرف تھا تو جو رُوح حق آیا اور جس نے کھوئے ہوئے حق کو نہ صرف دنیا میں دوبارہ قائم کیا بلکہ اس کو مکمل کیا وہ رسول اللہ صلعم کے سوا دنیا کی تاریخ میں کہیں ملتا ہے؟ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کس کے دہنِ مبارک سے اللہ تعالےٰ نے کہلوایا؟

انقلاب عظیم

کسی کتاب کے اندر مکمل ہدائیت کا ہونا ہی اُس کی برتری کے لئے کافی تھا مگر اس مکمل ہدائیت کی کتاب پر عمل کرنے والوں میں وہ انقلاب عظیم آیا کہ جہالت و گمراہی اور ہر قسم کی بدیوں سے تیس سال کے قلیل عرصہ میں پاک و صاف ہو کر وہ علم و حکمت سے مالا مال ہو گئے۔ اور اعلےٰ اخلاقی و روحانی خوبیاں اُن میں ہیروں کی طرح جگمگانے لگیں۔ رضی اللہ عنہم کا خطاب کس قوم نے اللہ تعالےٰ سے پایا سوائے اصحاب نبی صلعم کے؟ یاد رہے کہ انسانوں کی اصلاح کا کام دنیا میں مشکل ترین کام ہے۔ آپ ایک انسان کی اصلاح کی کوشش کر کے دیکھ لیجئے اگرچہ وہ آپ کی بیوی یا بچے ہوں جو آپ کے ماتحت ہیں؟ کفّار عرب تو رسول اللہ صلعم کے بدترین اور خونخوار دشمن تھے۔ ان کی اتنی بڑی اصلاح کر ڈالنا کتنا بڑا معجزہ ہے جو قرآن پاک نے کیا! کیا کسی انسانی کلام نے آج تک کیا ہے؟ اس انقلاب عظیم کی ایک مثال سُن لیجئے۔

حضرت عُمر ابن خطاب اسلام لانے سے قبل رسول اللہ صلعم کے جانی دشمن تھے اور کئی بار رات کے اندھیرے میں قتل کی ناکام کوششوں کے بعد بالآخر تنگ آکر حضورؐ کو بھرے دن میں قتل کرنے نکلے۔ مگر راستہ میں قرآن کریم سُن کر ختم ہو گئے اور تلوار گلے میں ڈال کر اسلام قبول کرنے کو آ گئے۔ اور پھر حضرت عمرؓ نے جو بیش بہا خدمات اسلام اور مسلمانوں کی کیں وہ حضرت ابوبکرؓ کے بعد سب سے بڑھ کر تھیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا لو کان بعدی نبیُّ لکان عمرؓ لکن لا نبیّ بعدی یعنے اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عُمرؓ ہوتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ پھر بھی محدّث کے عظیم الشان مقام پر آپ پہنچے۔

یہی حال تمام اصحاب نبیؐ کا تھا۔ اس انقلاب عظیم کا اعتراف خود غیر مسلموں کو ہے۔ مشہور علوم کی مستند کتاب انسائیکلوپیڈیا برٹینکا میں "قرآن" کے عنوان کے نیچے یہ عیسائیوں کا اعتراف موجود ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کے مصلحین میں کامیاب ترین مصلح محمد (صلعم) تھے ابھی حال ہی میں امریکہ میں دنیا کے سو عظیم ترین انسانوں کے عنوان سے کتاب نکلی ہے۔ اس عیسائی مصنّف نے محمد (صلعم) کو نمبر ۱ پر رکھا ہے حضورؐ کی انسانی ہستی کے ہر پہلو پر انقلاب عظیم لانے کیوجہ سے۔ یہ کرامات قرآن کریم کی تھیں اور ہیں۔

چودہ سو سال کی شہادت

مندرجہ بالا انقلاب عظیم رسول اللہ صلعم کی زندگی میں ہی ختم نہیں ہو گیا۔ اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ گواہ ہے کہ قرآن کا یہ معجزہ جاری رہا۔ کس کتاب نے تاتاریوں کو جو بھیڑیوں کی طرح سلطنتِ اسلامی پر حملہ آور ہوئے اور دار السلطنت بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور خون کی ندیاں بہا دیں تھوڑے عرصہ میں ترکوں جیسی مہذب اور خادمِ اسلام قوم بنا دیا؟ کس کتاب پر چل کر ان چودہ سو سالوں میں سینکڑوں ہزاروں لوگوں نے اسی دنیاوی زندگی میں خدا کو پالیا سوائے قرآن کریم کے؟ خدا سے ملانے کا تو تمام الہامی کتابیں دعوای کرتی ہیں۔ مگر کس کتاب نے ایک نہیں دو نہیں سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کو جنہوں نے اس پر مکمل عمل کیا اسی دُنیا میں لقاء اللہ نصیب کیا اور وحی والہام سے سرفراز کیا جو خدا کو پانے کی ہمیشہ نشانی رہی ہے؟

وحی والہام کا نہ صرف اہلِ مغرب نے اس زمانہ میں انکار کیا بلکہ بہت سے مغرب زدہ مسلمان بھی اس رو میں بہہ گئے۔ یہ سب لوگ وحی والہام کو MYTHOLOGY کہنے لگے۔ اسی لئے اس زمانہ کے مجدّد نے اس عقل و روشنی اور سائنس اور دیگر علوم کی ترقی کے زمانہ میں دعوےٰ وحی والہام کر کے اور اُس کی تائید میں اپنے ہزارہا وحی والہام کو پیش کر کے قرآن کریم کی حقانیت کو بڑے زور و شور سے پیش کیا اور دوسرے مذاہب کو بار بار چیلنج کیا کہ اگر ان میں بھی اب صراطِ مستقیم باقی ہے تو کیا اُن پر چلنے والوں میں سے کوئی خدا کو پانے کا دعوےٰ کر سکتا ہے؟ مگر اس چیلنج کو کسی نے قبول نہ کیا اور یُوں قرآن کریم کی بے نظیر ہدائیت کا اعتراف کر لیا۔

علمِ غیب

:- خدا کے کلام میں اور انسان کے کلام میں ایک نمایاں فرق جو عقل

کے اندھے کو بھی بینائی بخش سکتا ہے وہ علم غیب ہے۔ علم غیب اپنے وسیع ترمعنوں میں تو ان تمام باتوں پر حاوی ہے جو انسان کی ظاہری آنکھ سے مخفی ہوں۔ اس میں برسرِفہرست تو اللہ تعالےٰ کی توحید اور صفات ہیں جن کا وہ علم و معرفت قرآن کریم نے بخشی ہے کہ کسی اور الہامی کتاب میں آج وہ نہیں ملتیں۔ اسی طرح فرشتے، رُوحِ انسانی، یومِ قیامت، جنت و دوزخ سب علومِ غیب ہیں جو قرآنِ کریم نے ایسے بخشے ہیں کہ ان کی نظیر نہیں ملتی۔

مگر میں علمِ غیب کے اس خاص معنیٰ کو لیتا ہوں جس میں عام لوگ علمِ غیب کے الفاظ کو استعمال کرتے ہیں۔ یعنے آئندہ کی خبر۔ سو اس قسم کا علمِ غیب بھی قرآنِ کریم میں اسقدر ہے کہ کسی اور کتاب میں نہیں اور نہ کوئی انسان وہ پیشگوئیاں کرسکتا تھا۔ اعتراض کرنے والے کہتے ہیں کہ جی نجومی بھی تو آئندہ کی خبریں بتا دیتے ہیں مگر اس اعتراض کا حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ نے خوب جواب دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ نجومی لوگ جو اٹکل پچّو پیشگوئیاں کرتے ہیں وہ کبھی ٹھیک ہوتی ہیں تو اکثر غلط ہوتی ہیں مگر نجومی کبھی اپنے متعلق پیشگوئی نہیں کرتا۔ اس کے برعکس نبی یا مامور زیادہ تر اپنے متعلق یا اپنے مخالفین کے متعلق پیشگوئیاں کرتا ہے کہ مخالفین باوجود اپنی کثرت و طاقت اور دولت و دنیاوی برتری کے خائب و خاسر ہوں گے اور نبی یا مامور باوجود اپنی کمزوری و بے بسی کے اور اپنے ماننے والوں کی قلت اور مغلوبیت کی حالت کے بالآخر کامیاب ہوگا اور جو حق وہ دنیا میں لایا ہوتا ہے اور جسے مٹانے کے لئے مخالفین اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں وہ قائم ہو کر پھلے پھولے گا۔ اور یہ پیشگوئیاں ایسی شوکت اور تحدّی کی ہوتی ہیں کہ سوائے اللہ تعالےٰ کی زبردست قوت اور آسمانی ارادہ کے وہ پوری ہو سکتی ہی نہیں۔

اب آپ قرآن کریم کو دیکھیں تو کون سا صفحہ ہے جس پر پُرجلال پیشگوئیاں نہیں ہیں جن میں کافروں یا فاسقوں یا منافقوں کو بار بار متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ نہ صرف ناکام ہوں گے بلکہ سخت سزا اسی دنیا میں پائیں گے جو آخرت کی بدتر سزا پر دلیل ہوگی اور یہ کہ رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھی کامیاب ہوں گے اور حق دنیا میں قائم ہو کر رہے گا اور پھلے پھولے گا۔ اور آپ سب جانتے ہیں کہ یہ لاانتہاء پیشگوئیاں کس بیّن طور پر پوری ہوئیں ؛؛

اسی قسم کی ایک پیشگوئی اس آیتِ مبارکہ میں بھی ہے جس میں چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر یہ قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ انسان کا ہے تو تم سب مل کر اس کی چھوٹی سی چھوٹی سورت کی مثل کلام لے آؤ۔ تو ساتھ ہی پیشگوئی فرمائی وان لم تفعلوا ولن تفعلوا (پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا اور تم ہرگز ایسا نہ کرسکو گے)۔ اللہ! اللہ! کیا تحدّی اور زبردست علمِ غیب پر مبنی پیشگوئی ہے کہ "تم ہرگز ایسا نہ کرسکو گے"۔ چنانچہ نہ تو حضورؐ کے زبردست مخالف اور نہ بعد کے مخالف اس چیلنج کو قبول کرسکے۔ آج بھی یہ چیلنج قائم ہے۔ عیسائی معترضین نے اور ہر قسم کے اعتراض کئے مگر کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ سارے قرآن کریم کی نہ سہی تو اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی ہی مثل بنا کر لاسکے حالانکہ ان میں بڑے بڑے عربی کے علاّمہ اور ادیب ہیں۔

سو یہ مسکت جواب ہے اُن لوگوں کے لئے جو یہ شک کریں کہ قرآن کریم نعوذ باللہ انسان کا بھی کلام ہوسکتا ہے۔ انسان تو کتابیں لاکھوں کروڑوں میں لکھ چکے ہیں۔ کیا کسی کتاب میں وہ تمام خصوصیات ہیں جن کو میں نے نہایت اختصار سے اُوپر کہا ہے۔؟

کوئی فکر کی بات نہیں۔ جس طرح رسول اللہ صلعم کے زمانہ کے مخالفین بالآخر قرآن کے آگے جھک گئے اسی طرح آج کے مخالفین بھی سرِتسلیم خم کرکے رہیں گے۔ یہ بھی قرآن کریم کی بار بار پیشگوئیاں ہیں جو ضرور پوری ہو کر رہیں گی۔ انشاء اللہ العزیز۔ ہاں بقول حضرت امیر مرحوم :-

"ہمارا کام ۔۔ قرآن کو دنیا میں پہنچا دینا۔ آگے قرآن اپنا کام خود کرے گا"

* * *

صدر مقامی جماعت مکرم میاں فضل احمد صاحب کا پیغام

ممبران جماعت احمدیہ لاہور کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلے علیٰ رسولہ الکریم

قریباً چار ماہ کے بعد حاضرِ خدمت ہو رہا ہوں یکم جون کو جو وفد حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی کی سربراہی میں بیرون ملک تبلیغی دورے پر گیا اسمیں خاکسار کو بھی شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی اور جب یہ وفد امریکہ پہنچا تو طبی مشورہ کے مطابق مجھے دل کے آپریشن کیلئے ہسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ مرض کی نوعیت ایسی تھی کہ اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ اس ملک میں عملِ جراحی کے کمالات سے قطع نظر بزرگانِ سلسلہ کی خلوص بھری دعائیں میرے ساتھ تھیں اور خدا کے فضل سے بابِ اثر کھلا تھا اور میں صحتیاب ہو کر لوٹ آیا ہوں۔ آپ نے اس عاجز کیلئے فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر جس محبت سے دعائیں فرمائیں ان کے لئے میں آپ کا بے حد شکرگذار ہوں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر و رحمت فرمائے اور اب سے ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

رابطہ اجلاس :- گرمی کی شدت اور رمضان شریف کی وجہ سے یہ سلسلہ عارضی طور پر التوا میں چلا گیا تھا اور اب ۲۰ ستمبر سے شروع کیا جا رہا ہے۔ ۲۰ ستمبر کو ½۴ بجے شام میری رہائش گاہ 121/E-1 گلبرگ III لاہور میں منعقد ہوگا۔ اس اجلاس میں حلقہ گلبرگ، احمد پارک، دارالسلام اور ماڈل ٹاؤن کے ممبران وغیرہ سے درخواست ہے کہ شمولیت فرماکر اس اجلاس کو رونق بخشیں اور میری عزت افزائی کا موجب ہوں۔ اجلاس کے اختتام پر چائے اور مشروبات پیشِ خدمت ہوں گے ؛

جنرل رابطہ اجلاس :- ۱۳ اکتوبر کو مقامی جماعت "یومِ محمد علیؒ" چار بجے شام مسجد دارالسلام میں منا رہی ہے جس میں جملہ افرادِ جماعت کو دعوتِ شمولیت ہے۔ آپ اپنے افرادِ کنبہ (مرد و زن اور بچے) کے علاوہ اپنے دوستوں کو بھی ہمراہ لائیں تاکہ اسلامی دنیا کے اس بطلِ جلیل کی خدمات اسلام اور اشاعت قرآن کی ایک جھلک وہ بھی دیکھ سکیں ؛

ہالینڈ کا تبلیغی دورہ :- رابطہ اجلاس کے بعد حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی کے ہالینڈ کی جماعتوں کے تبلیغی دورے کی فلم دکھائی جائے گی۔ ہالینڈ میں ہماری جماعت کے چھ مرکز ہیں جہاں ہزاروں احمدی بستے ہیں۔ ان جماعتوں کے تبلیغی دورے کے رُوح پرور مناظر آپ کے ازدیادِ ایمان کا موجب ہوں گے۔ بعد ازاں "دعوتِ طعام" ہوگی ؛

عہدیداران کا انتخاب :- یہ رابطہ اجلاس اس سال کا آخری اجلاس ہوگا۔ آئندہ سال کے لئے عہدیداران کا انتخاب کیا جائے گا۔ اس انتخاب کو مفید اور نتیجہ خیز بنانے کے لئے آپ کے قیمتی مشوروں کی ضرورت ہے۔

میزبانی کی سعادت :- حضرت امیر مرحوم کا "یومِ وصال" نہایت احترام، وقار اور گرمجوشی سے منانا ہمارا فرض ہے زندہ قومیں یادِ رفتگاں" نہایت زور و شور سے مناتی ہیں۔ اس تقریبِ سعید میں آپ اپنے اہل و عیال کے ساتھ شامل ہو کر رونق کا موجب ہوں۔ اور اس تقریب میں میزبانی کا شرف بھی حاصل کریں جو ایک بڑی سعادت ہے۔ اگر آپ متفق ہوں تو اپنی استطاعت کے مطابق عطیات بھجوا دیں تاکہ اجلاس اور دعوتِ طعام کے اخراجات کا بوجھ جماعت پر نہ ہو۔ ؛

پروگرام :- "یومِ محمد علیؒ"

(۱) تلاوت قرآن مجید ۔ مسٹر یاتمین ۔ انڈونیشی
۲۔ نظم ۔ اعظم علوی صاحب (۳) تقریر ۔ مرزا مسعود بیگ صاحب
۴۔ تقریر :- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب (حضرت امیر مرحوم کے خواب کی تعبیر)
۵۔ انتخاب عہدیداران (۶) فلمی جھلکیاں۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کا دورہ ہالینڈ
(۷) دعوتِ طعام،

نوٹ :- اپنے عطیات رشید احمد صاحب، عبدالغنی بٹ صاحب اور جمیل الرحمٰن صاحب کو بھجوائیں۔

احمدیہ بلڈنگس کے افراد سواری کے لئے چوہدری غفور احمد صاحب سے رابطہ پیدا کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت صدر و سیکرٹری صاحبان و معتمدین

اخی مکرم و محترم زید مجدکم ——— السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

گذشتہ جلسہ سالانہ پر بیرونِ پاکستان سے احمدیہ جماعتوں کے پچاس نمائندے تشریف لائے تھے اور جلسہ سالانہ کے بعد انجمن کی مجلسِ منتظمہ اور اُن کے نمائندگان کے مشترکہ اجلاس میں اشاعتِ کے فروغ اور جماعتوں کی ترقی اور بہبود کے وسائل پر بحث ہوئی اور بڑی مفید تجاویز استحکام جماعت کے لئے پیش ہوئیں۔ منجملہ ان تجاویز کے یہ بھی قرار پایا کہ آئندہ نسل کی مذہبی تعلیم اور دینی استعداد بڑھانے کے لئے سلسلۂ امتحاناتِ دینیات شروع کیا جائے اور مرکز کی طرف سے نصاب تجویز کر کے بذریعہ خط و کتابت بیرونی جماعتوں کو مہیا کیا جائے اور سال میں دو مرتبہ ایسے امتحانات منعقد ہوں۔

● ——— جہاں تک دینی تعلیم کے انتظام کا تعلق ہے یہ اہتمام ہر جگہ مقامی جماعت کو خود کرنا ہوگا اور بالخصوص قرآنِ مجید ناظرہ اور باترجمہ پڑھانے کا انتظام مقامی مبلغ یا جماعت کے اہلِ علم کو اپنے ذمہ لینا ہوگا۔ مرکز اس بارہ میں جو مدد مہیا کر سکے انشاء اللہ ضرور کرے گا۔ چنانچہ ابتدائی درجہ کا کورس مقرر کر کے اُردو اور انگریزی میں تمام بیرونی جماعتوں کو مہیا کیا گیا ہے اور تجویز کیا گیا ہے کہ ہر سال ماہ مئی اور ماہ نومبر میں مقامی صدر / سیکرٹری صاحبان کی زیرِ نگرانی ایسے امتحانات منعقد کئے جائیں۔

● ——— اس تجویز کی افادیت کے پیشِ نظر مناسب ہے کہ ہماری اندرونِ پاکستان کی احمدیہ جماعتوں کو بھی اس طرف توجہ دلائی جائے اور وہ بھی جماعت کے نوجوانوں اور دختران کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنے ہاں اس سلسلۂ امتحان کو رائج کریں۔ اس سال یہ امتحان بروز **جمعۃ المبارک مورخہ ۱۱ دسمبر** منعقد ہوگا۔ پرچہ جات سوالات لاہور سے بھیجے جائیں گے اور مقامی صدر / سیکرٹری جوابات کے پرچے لاہور ارسال کریں گے۔ ناظرہ قرآن مجید پڑھنے کا امتحان مقامی جماعت خود لے گی۔ نتیجہ کی اطلاع انشاء اللہ جلسہ سالانہ تک دے دی جائے گی۔ اس امتحان میں ہر عمر کے احباب، خواتین نوجوان اور دخترانِ قوم جو بھی شامل ہونا چاہیں شامل ہو سکتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وہ مقررکردہ نصاب پر عبور حاصل کر لیں۔

● ——— جو عزیزان پہلے درجہ کا امتحان پاس کر لیں گے ان کے لئے ۱۹۸۲ء میں دوسرے درجہ کا نصاب تجویز کیا جائے گا اور پہلے درجہ کا امتحان بھی دوہرایا جائے گا تاکہ جو عزیز اس دفعہ کسی وجہ سے شامل نہیں ہو سکے وہ دوسری مرتبہ شامل ہو جائیں۔

● ——— جماعتوں کے صدر و سیکرٹری صاحبان سے درخواست ہے کہ وہ اس سلسلہ کو اپنی جماعت میں رائج کریں اور ۱۱ دسمبر ۱۹۸۱ء کے امتحان میں شامل ہونے والے امیدواران کے نام اور تعداد و دیگر کوائف سے یکم اکتوبر ۱۹۸۱ء تک اطلاع دیں تاکہ اس کے مطابق پرچہ جات بھیجے جائیں۔ احباب اس سلسلہ میں کوئی اور تجویز کرنا چاہیں تو اس سے بھی اطلاع دیں اور اس دینی کام میں ہر طرح تعاون فرمائیں۔ ——— فجزاکم اللہ خیرا

——— والسّلام

(مرزا) **مسعود بیگ**، جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام۔ لاہور

پیغام صلح لاہور مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۸۷ء

ابتدائی دینی تعلیم کے لئے سلسلہ امتحانات کے پہلے درجے کا نصاب

قرآن مجید	سیرۃ نبی کریم صلعم	حدیث	ارکانِ اسلام	تحریکِ احمدیت
سورۃ الفاتحہ اس سورت کے اور نام۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی اہمیت اور اس کے مطالب، اللہ تعالےٰ کے چار نام جو اس سورت میں بیان ہوئے ہیں۔ یعنی۔ رب۔ رحمٰن۔ رحیم مالک یوم الدّین ان کے معانی۔ دین ہدایۃ۔ مغضوب علیھم۔ الضآلین کا صحیح مفہوم اور معانی۔ قرآن مجید کے پارہ اول کا سلیس اردو میں آسان ترجمہ، آلمٓ سے لے کر یعلمون تک۔ سورۃ الفاتحہ زبانی یاد کرنا۔ قرآن مجید کی آخری دس سورتیں زبانی یاد کرنا۔ (سورۃ الفیل ---------- النّاس تک)	ظہور اسلام سے قبل ملک عرب کی حالت، زمانہ جاہلیت سے کیا مراد ہے؛ حضور نبی کریم صلعم کے آباؤ اجداد۔ حضرت ابراہیمؑ اور دیگر انبیاء کی حضورؐ کے متعلق بشارات، حضورؐ کی پیدائش اور آپؐ کے والدین آپؐ کے بچپن اور جوانی کا زمانہ، آپ کے اوصافِ حمیدہ اور بلند اخلاق۔ خانہ کعبہ کی تعمیر اور نصب حجر اسود۔ حضرت خدیجہ رضؓ سے آپؐ کی شادی اور آپؐ کی اولاد۔ غارِ حرا میں آپؐ کی عبادت، منصب نبوت پر آپؐ کا فائز ہونا اور پہلی وحی کی کیفیت۔ پہلے ایمان لانے والے۔ کفّار کی ایذا رسانی، حضرت عمر رضؓ کا قبولِ اسلام۔ ہجرتِ حبش۔ حضرت جعفر رضؓ کی تقریر اور نجاشی کی تصدیق۔ دعوتِ اسلام سے روکنے کی کوششیں۔ ابوطالب کے پاس وفدوں کا آنا اور حضورؐ کی استقامت، شعب ابی طالب میں محصور ہونا۔ طائف کا سفر۔ بیعت عقبہ۔ سفر مدینہ۔ غار ثور میں قیام۔ سراقہ کا واقعہ۔ ہجرت کی اہمیت۔ حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت علی رضؓ کی خدمات **کتب برائے مطالعہ** محمد مصطفےٰ۔ سیرت خیر البشر۔ زندہ نبیؐ کی زندہ تعلیم، از حضرت مولنٰنا محمد علی صاحب مرحومؒ	پچاس منتخب احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا گیا ہے جس میں سے کم از کم بیس احادیث ہر طالب علم کو اچھی طرح یاد کرنی چاہئیں۔ بالخصوص ایسی احادیث جن میں دعائیں سکھائی گئی ہیں۔ یہ کتابچہ شائع کیا جارہا ہے اور جماعتوں کو مہیّا کیا جائے گا۔	**نماز:-** نماز زبانی یاد کرنا۔ نماز کے اوقات اور ہر نماز کی رکعتیں یاد کرنا۔ وضو کا طریق۔ اذان۔ اقامت، نماز جمعہ۔ نماز عید۔ **روزہ** روزہ کا مقصد۔ صوم کے معنی۔ روزہ کے جسمانی اور طبّی فوائد۔ اخلاقی فوائد۔ روزہ بدی اور گناہ سے روکتا ہے۔ یہ ایک ڈھال کا کام دیتا ہے۔ روزہ صرف اللہ کے لئے ہے۔ روزہ کس پر فرض ہے اور کس پر فرض نہیں۔ روزہ کی نیت اور دعا۔ افطار کے وقت کی دعا۔ رمضان اور قرآن مجید کا گہرا تعلق۔ نماز تراویح اور تہجد کے نوافل۔ **کتب برائے مطالعہ** ۱۔ نماز اور ترقی کی تین راہیں از حضرت مولنٰنا محمد علی صاحبؒ ۲۔ نماز کی فلاسفی اور متعلقہ احکام، از مولوی مصطفےٰ خاں صاحب مرحوم ۳۔ روزہ کی فلاسفی اور احکام از مولوی مصطفےٰ خاں صاحب مرحوم	احادیث میں چودھویں صدی ہجری کا بیان۔ وفاتِ مسیح۔ مسیح کی آمد ثانی چودھویں صدی کا مجدد۔ حدیث مجدّد کی صحت، مسیح موعود اور مہدی ہونے کے دعاوی۔ حضرت مرزا صاحب کی دعوےٰ سے قبل کی پاکیزہ زندگی آپ کی نیکی تقوےٰ اور خدمتِ اسلام کے لئے تڑپ۔ نبوت کا دعوےٰ نہیں کیا۔ لفظ نبی کا استعمال بطور استعارہ اور مجاز۔ اپنی جماعت کا نام احمدی کیوں رکھا؟ جماعتِ احمدیہ کے دو فریق۔ لاہوری اور قادیانی فریق کے عقائد۔ اشاعتِ اسلام اور قرآن مجید کی اشاعت اس زمانہ کا جہاد ہے۔ جماعتِ لاہور کی خدمات اور حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کی تصنیفات، **کتب برائے مطالعہ** "تحریک احمدیت" "مسیح موعود" "دعوتِ عمل" از حضرت مولنٰنا محمد علی مرحوم "مجدد اعظم" از ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم "حقیقتِ اختلاف" "جماعتِ احمدیہ کے دو فریق" از حضرت مولنٰنا محمد علی صاحب مرحوم "ہمارے عقائد" از حضرت مولانا صدر الدین صاحب، "حضرت مسیح موعود مجدد زمان کا دعویٰ" از حضرت مولنٰنا صدر الدین صاحب،

مکرم مرزا محمد لطیف شاہد

مساجد کے آداب

ہر مسجد جہاں کہیں ہو۔ وہ اصل میں بیت اللہ یعنی خدا تعالےٰ کا گھر جو کہ مکہ معظمہ میں واقع ہے اس کا ظلّ ہے۔ یہ گھر جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اللہ تعالےٰ کے بتائے ہوئے مقام و جگہ پر بنا رہے تھے تو اس وقت ارشاد باری تعالےٰ ہوا کہ:۔

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّیؕ وعھدنا
الیٰ ابراھیم واسماعیل ان طھّرا بیتی للطائفین
والعٰکفین والرّکع السجود (البقرہ۔ ۱۲۵)

اس آیت میں ایک حکم مسلمانوں کو یہ دیا۔ ان طھّرا۔ کہ اس گھر کو پاک صاف رکھنا۔ صفائی میں ایک ظاہری صفائی ہے اور دوسری باطنی صفائی ہے۔ ظاہری صفائی کے بارے میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اس جگہ کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہیئے جو کسی کو تکلیف دے کسی کی طبیعت پر گراں گزرے۔ اسی واسطے حکم دیا گیا ہے کہ اس مقام پر حتی الوسع کوئی دنیاداری کی بات نہ کی جائے۔ اونچی آواز سے نہ بولا جائے۔ تجارتی لین دین نہ کیا جائے۔ اگر دو آدمی اکٹھے بیٹھے ہوں ان کو جدا کر کے ان میں بیٹھنے کی کوشش نہ کی جائے۔ باہر اگر کوئی چیز گم ہو گئی ہے تو اس کا مسجد میں اعلان نہ کیا جائے۔ بلکہ یہاں تک حکم ہے کہ اگر کسی کی باہر کوئی چیز گم ہو گئی ہے اور وہ مسجد میں اعلان کرتا ہے تو تم کہو کہ اللہ تم کو وہ چیز نہ لوٹائے۔ یعنی تمہاری گم شدہ چیز تمہیں نہ ملے۔

آپ نے اندازہ لگا لیا ہے کہ کتنے سخت الفاظ ہیں۔ یہ اس واسطے فرمائے کہ مساجد اللہ کی عبادت کے لئے مقرر کی گئی ہیں۔ اگر اس قسم کی روایت چل پڑے کہ لوگ اس طرح کے اعلانات کرنے شروع کر دیں گے۔ تو مسجد اور دوسرے مقام میں فرق نہیں رہے گا۔

باطنی صفائی میں حکم دیا کہ جب کوئی شخص مسجد میں نماز ادا کرنے آئے تو بدن پاک و صاف ہو۔ لباس صاف پہن کر آئے وضو کرے اور کوئی ایسی چیز کھا کر نہ آئے جس کی بو منہ سے نکلنے سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف ہو۔ اونچی آواز سے ڈکار نکالنا بھی ناپسندیدہ ہے اور لوگ جو کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوں۔ جو کہ متعدی ہو ان کو بھی مسجد میں آنا منع ہے۔ اور اسی طرح ایسی بیماری جیسے زکام ہے ایسے لوگوں کو بھی منع ہے۔ وہ بھی مسجد میں نہ آئیں جس سے دوسرے لوگوں کو بھی بیماری لگ سکتی ہو اور ان کو تکلیف بھی ہوتی ہو۔ اسی طرح جب کوئی شخص مسجد کی طرف آوے تو اسے نہایت آرام سے آنا چاہیئے۔ دوڑ کر آنا منع ہے۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ جب مسجد میں آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ امام صاحب نے نماز باجماعت شروع کر دی ہے تو وہ دوڑ کر آتے ہیں۔ یہ نہایت ہی ناپسندیدہ اور ممنوع فعل ہے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت الفاظ میں منع فرمایا ہے اس سے کئی ایک نقصانات ہیں۔ ایک جب دوڑ کر نماز میں شامل ہو گا وہ کئی منٹ تک جو اس نے خدا کے حضور عرض کرنا ہے اس پر اچھی طرح قادر نہیں ہو سکے گا۔ دوسرے اس کی تیزی کی وجہ سے دوسرے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو سکتا ہے۔ حکم یہ ہے کہ جب مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے آؤ۔ نہایت وقار اور آرام اور خاموشی سے تشریف لاؤ۔ اونچی آواز سے پاؤں نہ چٹخاؤ جس کی آواز دوسروں تک پہنچے۔ بار بار نماز میں اعضاء کو حرکت دینا کپڑے کو ادھر ادھر پھیرنا یہ بھی منع ہے اس سے بھی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔ یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن ان کے بارے میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے انھن من اتمام الصلوٰۃ۔ کہ یہ چیزیں نماز کو مکمل کرنے والی ہیں۔ آج کون ہے جو یہ نہیں چاہتا کہ اس کی نماز مکمل اور مقبول ہو اس واسطے ہم کو ان باتوں کا خاص طور پر مدنظر رکھنا چاہیئے۔ اسی طرح بعض لوگ چھوٹے بچوں کو ساتھ لے آتے ہیں۔ بچہ بچہ ہی ہوتا ہے جب نماز شروع ہوتی ہے تو وہ نمازیوں کے آگے سے گزرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ادھر ادھر سے چھوٹی موٹی چیزیں اٹھانی شروع کر دیتے ہیں۔ بولنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر دوڑتے بھی ہیں اس سے نمازیوں کی نماز میں خلل پڑتا ہے۔ ہمارے دوستوں کو احتیاط کرنی چاہیئے۔ آپ کا یہ پیار اور محبت اور کمسن بچوں کو مسجد میں ساتھ لانا نماز پڑھنے والوں کو تکلیف دینا ہے۔ حکم یہ ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہو اس وقت اسے حکم دو اور نماز کے لئے ساتھ لاؤ۔ سات سال کا بچہ اتنے شعور کو پہنچ جاتا ہے۔ کہ وہ آپ کی نصیحت کو سن کر اس پر عمل کر سکے۔ لہٰذا کم سن بچوں کو مسجد میں لانے سے گریز کرنا چاہیئے۔

خدا کے فضل سے دارالسلام میں ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش ہو رہی ہے کہ یہاں ہر بات قرآن مجید اور سنت کے مطابق ہو تا کہ اس بستی کے باسی دوسروں کے لئے نمونہ ہوں۔ یہاں کے بچے بھی مثالی بچے ہوں۔ اور بڑوں کو بھی عملی نمونہ پیش کرنا چاہیئے خاص طور پر آداب مساجد۔ امام کا مقام۔ اور دوسری دینی باتوں کی صحیح رنگ میں تلقین کی جاتی ہے۔ اور یہ ناشکری ہو گی اگر ھل جزاء الاحسان الا الاحسان کے تحت حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی کا ذکر نہ کیا جائے۔ گذشتہ دنوں آپ نے ۹-۹-۸۱ فجر کی نماز کے بعد بعض نہایت گراں قدر نصائح فرمائیں۔ دوستوں کو بتایا ہے کہ آپ لوگوں کو نہایت آرام اور سکون سے اور ٹھہر ٹھہر کر نماز ادا کرنی چاہیئے۔ جلدی نماز پڑھنا منع ہے (حضرت مجدد صد چہاردہم بھی فرمایا کرتے تھے کہ ان لوگوں کی نماز کی مثال اس طرح ہے جس طرح ایک مرغ دانہ چگنے کے لئے جلدی جلدی چونچ زمین پر مارتا ہے۔ اسی طرح یہ نماز ادا کرتے ہیں) حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے ہی ایک نمازی کو فرمایا۔ جاؤ۔ جا کر دوبارہ نماز ادا کرو۔ تمہاری نماز نہیں ہوئی چنانچہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے فرمایا کہ سارے نمازی صحیح طور پر نماز ادا کریں۔ اور اپنی نماز کو مثالی بنائیں۔ آپ نے نہایت برموقع اور برمحل مزید نصائح بھی فرمائیں اور کہا جب ایک شخص مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے آتا ہے۔ تو اسے نہایت سکون آرام اور آہستہ آہستہ نماز کو ادا کرنا چاہیئے۔ اور جب ایک شخص امام کی اقتداء میں باجماعت نماز ادا کرتا ہے تو اسے گھر میں یا انفرادی طور پر نماز ادا کرنے سے ستائیس گنا زائد ثواب ملتا ہے۔ اور ہر نماز کے لئے نمازیوں کی سہولت کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ حکم یہ ہے کہ مقتدی پہلے مسجد میں آ جائیں۔ قیام صلوٰۃ میں اگر کچھ وقت ہو تو نوافل ادا کریں۔ ذکر الٰہی کریں لیکن خاموشی سے۔ اور امام کا انتظار فرمائیں۔

احادیث میں یہ بات وارد ہے کہ جب مقتدی امام کے انتظار میں بیٹھے ہوں تو ان کا بیٹھنا نماز میں شمار ہوتا ہے۔ اور امام کی اقتدا کی یہاں تک تاکید ہے کہ اگر وہ کوئی بوجہ بشریت غلطی کرے تو صرف ایک دفعہ آہستہ سے سبحان اللہ کہے۔ پھر امام صاحب جس طرح بھی ارکان صلوٰۃ ادا کریں مقتدیوں پر لازم ہے کہ ان کی پیروی کریں۔ نماز کے اختتام پر ادب سے عرض کریں کہ نماز میں یہ کمی یا بیشی ہوئی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار کے بجائے دو فرض پڑھائے۔ ایک صحابی نے جن کا نام ذوالیدین رضؓ تھا عرض کیا کہ کیا حضورؐ نماز میں تخفیف ہو گئی ہے یا کوئی اور وجہ ہے۔

امام کا مقام

الامام لما یقتدا بہ۔ امام کی پیروی کی جائے جس طرح وہ نماز پڑھائے تم اسی طرح نماز پڑھو۔ اور فرمایا الامام جنّۃٌ یقاتل من ورائہ۔ امام ڈھال ہے جس طرح آہنی ڈھال میدان جنگ میں انسان کو دشمن کے حملہ سے بچاتی ہے اسی طرح شیطان بھی جو یوسوس فی صدور الناس، انسان کے دل میں ہمیشہ وسوسے پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان برے حملوں سے جو بظاہر نظر نہیں آتے۔ بلکہ بعض اوقات اعتقادی یا عملی کمزوری کی وجہ سے اچھے نظر آتے ہیں۔ ان خطرناک حملوں سے امام کی اقتداء میں صحیح رنگ میں انسان محفوظ رہتا ہے۔ نماز باجماعت میں اطاعت کا بھی نہایت اعلےٰ سبق ملتا ہے۔ اطاعت کی بڑی برکات ہیں۔ اس سے انسان کے قلوب کی تطہیر ہوتی ہے۔ اجتماعی رنگ میں ایک بنیان مرصوص والی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کو پیدا کرنے کے لئے قرآن مجید کا نزول اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی۔

(بقیہ صفحہ ۲ کالم ۱ پر)

شانِ حق تیرے شمائل میں نظر آتی ہے

ہدیۂ نعت بحضور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم

از: ———— حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دین دینِ محمد سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلاوے
یہ ثمر باغِ محمد سے ہی کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
تھک گئے ہم تو انہی باتوں کو کہتے کہتے
ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند،
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے
یوں ہی غفلت کے لحافوں میں پڑے سوتے ہیں
وہ نہیں جاگتے ، سو بار جگایا ہم نے
آؤ لوگو ! کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے .
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے
آج ان نوروں کا اک زور ہے اِس عاجز میں
دل کو اور نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے
جب سے یہ نور ملا نورِ پیمبر سے ہمیں
ذات سے حق کے وجود اپنا ملایا ہم نے
مصطفےٰ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت
اس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے
ربط ہے جانِ محمد سے مری جاں کو مدام
دل کو وہ جامِ لبالب ہی پلایا ہم نے
اس سے بہتر نظر آیا نہ کوئی عالم میں
لاجرم غیروں سے دل اپنا چھڑایا ہم نے
موردِ قہر ہوئے آنکھ میں اغیار کے ہم
جب سے عشق اس کا تہ دل میں بٹھایا ہم نے
کافر و ملحد و دجال ہمیں کہتے ہیں
نام کیا کیا غمِ ملت میں رکھایا ہم نے
گالیاں سن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے
تیرے منہ کی ہی قسم میرے پیارے احمد
تیری خاطر سے یہ سب بار اٹھایا ہم نے
تیری الفت سے ہے معمور مرا ہر ذرہ
اپنے سینہ میں یہ اک شہر بسایا ہم نے
صفِ دشمن کو کیا ہم نے بہ حجت پامال
سیف کا کام قلم سے ہی دکھلایا ہم نے
نقشِ ہستی تری الفت سے مٹایا ہم نے
اپنا ہر ذرہ تری راہ میں اڑایا ہم نے
تیرا مے خانہ جو اک مرجعِ عالم دیکھا
خم کا خم منہ سے بصد حرص لگایا ہم نے
شانِ حق تیرے شمائل میں نظر آتی ہے
تیرے پانے سے ہی اس ذات کو پایا ہم نے
چھو کے دامن ترا ہر دام سے ملتی ہے نجات
لاجرم در پہ ترے سر کو جھکایا ہم نے
دلبرا مجھ کو قسم ہے تری یکتائی کی
آپ کو تیری محبت میں بھلایا ہم نے
بخدا دل سے مرے مٹ گئے سب غیروں کے نقش
جب سے دل میں یہ ترا نقش جمایا ہم نے
دیکھ کر تجھ کو عجب نور کا جلوہ دیکھا
نور سے تیرے شیاطین کو جلایا ہم نے
ہم ہوئے خیرِ اُمم تجھ سے ہی اے خیرِ رسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے
آدمی زاد تو کیا چیز فرشتے بھی تمام
مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے

قوم کے ظلم سے تنگ آ کے مرے پیارے آج
شورِ محشر ترے کوچہ میں مچایا ہم نے

* * * *

مومن کی زندگی میں نماز کا مقام

نماز کیا ہے ؟ یہ ایک خاص دعا ہے مگر افسوس ہے کہ لوگ اس کو بادشاہوں کا ٹیکس سمجھتے ہیں۔ نادان اتنا نہیں جانتے کہ بھلا خدا تعالیٰ کو ان باتوں کی کیا ضرورت ہے ؛

اس میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے۔

مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ آج کل عبادت اور تقویٰ اور دینداری سے محبت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت سرد ہو رہی ہے اور عبادت میں جس قسم کا مزہ آنا چاہیئے وہ مزہ نہیں آتا ؛

دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں خدا تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی لذت نہ رکھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس عبادت میں اس کے لئے ایک لذت اور سرور نہ ہو۔ لذت اور سرور تو ہے مگر اس سے حظ اٹھانے والا بھی تو ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

اب انسان جب کہ عبادت ہی کے لئے پیدا ہوا ہے تو ضروری ہے کہ عبادت میں لذت اور سرور بھی درجۂ غایت کا رکھتا ہو۔ اس بات کو ہم اپنے روزمرہ کے مشاہدہ اور تجربہ سے خوب سمجھ سکتے ہیں مثلاً دیکھو اناج اور تمام خوردنی اور نوشیدنی اشیاء انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں تو کیا ان سے وہ ایک لذت اور حظ نہیں پاتا ہے ؟

کیا دل خوش کن اور سریلی آوازوں سے اس کے کان محظوظ نہیں ہوتے ؟ پھر کیا کوئی دلیل اور بھی اس امر کے اثبات کے لئے مطلوب ہے کہ عبادت میں لذت نہ ہو۔

خوب سمجھ لو کہ عبادت بھی کوئی بوجھ اور ٹیکس نہیں۔ اس میں بھی ایک لذت اور سرور ہے۔ اور یہ لذت اور سرور دنیا کی تمام لذتوں اور تمام حظوظِ نفس سے بالاتر ہے۔

جیسے ایک مریض کسی عمدہ سے عمدہ خوش ذائقہ غذا کی لذت سے محروم ہے۔ اسی طرح پر ہاں ٹھیک ایسا ہی وہ کم بخت انسان ہے جو عبادت الٰہی سے لذت نہیں پا سکتا۔

مجھے سخت اضطراب ہوتا ہے اور کبھی کبھی یہ رنج میری جان کو کھانے لگتا ہے کہ ایک دن اگر کسی کو روٹی یا کھانے کا مزہ نہ آئے تو طبیب کے پاس جاتا اور کیسی کیسی منتیں اور خوشامدیں کرتا اور روپیہ خرچ کرتا اور دکھ اٹھاتا ہے کہ وہ مزہ حاصل ہو۔

قرآنِ کریم انسان کو با اخلاق ہونے کے مرتبہ سے با خدا ہونے کے مرتبہ تک پہنچاتا ہے

بہشت موعود — بہشت موجود

...بموجب ہدایت قرآن شریف کے روحانی حالتوں کا منبع اور سرچشمہ نفسِ مطمئنہ ہے جو انسان کو با اخلاق ہونے کے مرتبہ سے با خدا ہونے کے مرتبہ تک پہنچاتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے:-

یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک
راضیۃ مرضیۃ ج فادخلی فی عبادی
وادخلی جنتی۔

یعنے اے نفس خدا کے ساتھ آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ۔ وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی۔ پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری بہشت کے اندر آ جا۔

اس جگہ بہتر ہے کہ ہم روحانی حالتوں کے بیان کرنے کے لئے اس آیت کریمہ کی تفسیر کسی قدر توضیح سے بیان کریں۔ پس یاد رکھنا چاہئیے کہ اعلےٰ درجہ کی روحانی حالت انسان کی اس دنیوی زندگی میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ آرام پا جائے اور تمام اطمینان اور سرور اور لذت اس کی خدا میں ہی ہو جائے۔ یہی وہ حالت ہے جس کو دوسرے لفظوں میں بہشتی زندگی کہا جاتا ہے۔ اس حالت میں انسان اپنے کامل صدق اور صفا اور وفا کے بدلے میں ایک نقد بہشت پا لیتا ہے اور دوسرے لوگوں کی بہشت موعود پر نظر ہوتی ہے اور یہ بہشت موجود میں داخل ہوتا ہے اسی درجہ پر پہنچ کر انسان سمجھتا ہے کہ وہ عبادت جس کا بوجھ اس کے سر پر ڈالا گیا ہے درحقیقت وہی ایک ایسی غذا ہے جس سے اس کی روح نشوونما پاتی ہے اور جس پر اس کی روحانی زندگی کا بڑا بھاری مدار ہے۔ اور اس کے نتیجہ کا حصول کسی دوسرے جہان پر موقوف نہیں ہے۔ اسی مقام پر یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ وہ ساری ملامتیں جو نفس لوامہ انسان کا اس کی ناپاک زندگی پر کرتا ہے اور پھر بھی نیک خواہشوں کو اچھی طرح ابھار نہیں سکتا اور بری خواہشوں سے حقیقی نفرت نہیں دلا سکتا اور نہ نیکی پر ٹھہرنے کی پوری قوت بخش سکتا ہے۔ اس پاک تحریک سے بدل جاتی ہیں جو نفسِ مطمئنہ کے نشوونما کا آغاز ہوتی ہے اور اس درجہ پر پہنچ کر وقت آ جاتا ہے کہ انسان پوری کامیابی حاصل کرے اور اب تمام نفسانی جذبات خود بخود افسردہ ہونے لگتے ہیں اور روح پر ایک ایسی طاقت افزا ہوا چلنے لگتی ہے جس سے انسان پہلی کمزوریوں کو ندامت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اسوقت انسانی سرشت پر ایک بھاری انقلاب آتا ہے۔ جو عادات میں ایک تبدل عظیم پیدا ہوتا ہے اور انسان اپنی پہلی حالتوں سے بہت ہی دور جا پڑتا ہے۔ دھویا جاتا ہے اور صاف کیا جاتا ہے اور خدا نیکی کی محبت کو اپنے ہاتھ سے اس کے دل میں لکھ دیتا ہے اور بدی کا گند اپنے ہاتھ سے اس کے دل سے باہر پھینک دیتا ہے۔ سچائی کی فوج سب کی سب دل کے شہرستان میں آ جاتی ہے اور فطرت کے تمام برجوں پر راستبازی کا قبضہ ہو جاتا ہے اور حق کی فتح ہوتی ہے اور باطل بھاگ جاتا ہے اور اپنے ہتھیار پھینک دیتا ہے۔ اس شخص کے دل پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور ہر ایک قدم خدا کے زیرِ سایہ چلتا ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ آیاتِ ذیل میں انہی امور کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔

اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم
بروح منہ وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم
الکفر والفسوق والعصیان اولٰئک ھم الراشدون
فضلاً من اللہ ونعمۃ واللہ علیم حکیم۔ جاء
الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً

یعنی خدا نے مومنوں کے دل میں ایمان کو اپنے ہاتھ سے لکھ دیا ہے اور روح القدس کے ساتھ ان کی مدد کی۔ اس نے اے مومنو! ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا۔ اور اس کا حسن و جمال تمہارے دل میں بٹھا دیا اور کفر اور بدکاری اور معصیت سے تمہارے دل کو نفرت دے دی۔ اور بری راہوں کا مکروہ ہونا تمہارے دل میں جما دیا۔ یہ سب کچھ خدا کے فضل اور رحمت سے ہوا حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل کب حق کے مقابل ٹھہر سکتا تھا۔

غرض یہ تمام اشارات اس روحانی حالت کی طرف ہیں جو تیسرے درجہ پر انسان کو حاصل ہوتی ہے اور سچی بینائی انسان کو کبھی نہیں مل سکتی جب تک یہ حالت اس کو حاصل نہ ہو اور یہ جو خدائے تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں نے ایمان ان کے دل میں اپنے ہاتھ سے لکھا اور روح القدس سے ان کی مدد کی۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو سچی طہارت اور پاکیزگی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک آسمانی مدد اس کے شاملِ حال نہ ہو۔ نفسِ لوامہ کے مرتبہ پر انسان کا یہ حال ہوتا ہے کہ بار بار توبہ کرتا اور بار بار گرتا ہے بلکہ بسا اوقات اپنی صلاحیت سے ناامید ہو جاتا ہے اور اپنے مرض کو ناقابلِ علاج سمجھ لیتا ہے اور ایک مدت تک ایسا ہی رہتا ہے اور پھر جب وقتِ مقدر پورا ہو جاتا ہے تو رات کو یا دن کو یک دفعہ ایک نور اس پر نازل ہوتا ہے اور اس نور میں الٰہی قوت ہوتی ہے۔ اس نور کے نازل ہونے کے ساتھ ہی ایک عجیب تبدیلی اندر پیدا ہو جاتی ہے اور غیبی ہاتھ کا ایک قوی تصرف محسوس ہوتا ہے اور ایک عجیب عالم سامنے آ جاتا ہے اس وقت انسان کو پتہ لگتا ہے کہ خدا ہے۔ اور آنکھوں میں وہ نور آ جاتا ہے جو پہلے نہیں تھا لیکن اس راہ کو کیوں کر حاصل کریں اور اس روشنی کو کیونکر پاویں۔ سو جاننا چاہئیے کہ اس دنیا میں جو دار الاسباب ہے ہر ایک معلول کے لئے ایک علت ہے اور ہر ایک حرکت کے لئے ایک محرک ہے۔ اور ہر ایک علم حاصل کرنے کے لئے ایک راہ ہے جس کو صراطِ مستقیم کہتے ہیں دنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو بغیر پابندی ان قواعد کے مل سکے جو قدرت نے ابتداء سے اس کے لئے مقرر کر رکھے ہیں۔ قانونِ قدرت بتلا رہا ہے کہ ہر ایک چیز کے حصول کے لئے ایک صراطِ مستقیم ہے اور اس کا حصول اسی پر قدم مارنا موقوف ہے۔ مثلاً اگر ہم ایک اندھیری کوٹھڑی میں بیٹھے ہوں اور آفتاب کی روشنی کی ضرورت ہو تو ہمارے لئے یہ صراطِ مستقیم ہے کہ ہم اس کھڑکی کو کھول دیں۔ جو آفتاب کی طرف ہے۔ تب یک دفعہ آفتاب کی روشنی اندر آ کر ہمیں منور کر دے گی۔ سو ظاہر ہے کہ اسی طرح خدا کے سچے اور واقعی فیوض کے پانے کے لئے بھی کوئی کھڑکی ہوگی اور پاک روحانیت کے حاصل کرنے کے لئے کوئی خاص طریق ہوگا اور وہ یہ ہے کہ روحانی امور کے لئے صراطِ مستقیم کی تلاش کریں جیسا کہ ہم اپنی زندگی کے تمام امور میں اپنی کامیابیوں کے لئے صراطِ مستقیم کی تلاش کرتے رہتے ہیں مگر کیا وہ طریق ہے کہ ہم صرف اپنی ہی عقل کے زور سے اور اپنی ہی عقل کے زور سے اور اپنی ہی خود تراشیدہ باتوں سے خدا کے وصال کو ڈھونڈیں کیا محض ہماری ہی اپنی منطق اور فلسفہ سے اس کے وہ دروازے ہم پر کھلتے ہیں جن کا کھلنا اس کے قوی ہاتھ پر موقوف ہے یقیناً سمجھو کہ یہ بالکل صحیح نہیں ہے ہم اس حی و قیوم کو محض اپنی ہی تدبیروں سے ہرگز نہیں پا سکتے بلکہ اس راہ میں صراطِ مستقیم صرف یہ ہے کہ پہلے ہم اپنی زندگی مع اپنی تمام قوتوں کے خدائے تعالےٰ کی راہ میں وقف کر کے پھر خدا کے وصال کے لئے دعا میں لگے رہیں تا خدا کو خدا ہی کے ذریعہ سے پاویں اور سب سے زیادہ پیاری دعا جو عین محل اور موقعہ سوال کا ہمیں سکھاتی ہے اور فطرت کے روحانی جوش کا نقشہ ہمارے سامنے رکھتی ہے وہ دعا ہے جو خدائے کریم نے اپنی پاک کتاب قرآن شریف میں یعنی سورۃ فاتحہ میں ہمیں سکھائی ہے۔ اور وہ یہ ہے:- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین۔ تمام پاک تعریفیں جو ہو سکتی ہیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا اور قائم رکھنے والا ہے الرحمٰن الرحیم وہی خدا جو ہمارے اعمال سے پہلے ہمارے لئے رحمت کا سامان میسر کرنے والا ہے۔ اور ہمارے اعمال کے بعد رحمت کے ساتھ جزا دینے والا ہے۔ مٰلک یوم الدین وہ خدا جو جزا کے دن کا وہی ایک مالک ہے کسی اور کو وہ دن نہیں سونپا گیا۔ ایاک نعبد وایاک نستعین اے وہ جو ان تعریفوں کا جامع ہے ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور ہم ہر ایک کام میں توفیق تجھ سے ہی چاہتے ہیں۔

اس جگہ ہم کے لفظ سے پرستش کا اقرار کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمارے تمام قویٰ تیری پرستش میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے آستانہ پر جھکے ہوئے ہیں۔ کیونکہ انسان باعتبار اپنے اندرونی قویٰ کے ایک

(بقیہ صفحہ ۱۲ کالم ۱)

ایمانی اور رُوحانی زندگی عطا کرنے والے اصحاب خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؒ نے بھی مُردہ رُوحوں میں ایمان نئی زندگی کی رُوح پھونکی ؛؛

آپ کے رُوحانی فیض کی بدولت حضرت حکیم الامت مولٰنا نور الدینؓ، حضرت مولانا محمد علیؒ اور حضرت خواجہ کمال الدینؒ ایسے عظیم خادم اِسلام پیدا ہوئے،

خطبہ جمعۃ المبارک، مؤرخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۸۱ء، فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، بمقام جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس، لاہور، (رپورٹ:۔ مولوی شفقت رسول خاں)

اومن کان میتاً فاحیینٰہ وجعلنا لہ نوراً
یمشی بہٖ فی الناس ...... وھو ولیھم
بما کانوا یعملون ہ (الانعام ۔ ۱۲۲ تا ۱۲۷)

ترجمہ:۔ اور وہ جو مُردہ تھا۔ پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اسے روشنی دی جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے۔ کیا اس شخص کی مانند ہے جس کی مثال یہ ہے کہ وہ اندھیرے میں ہے اس سے نکلتا نہیں۔ اور جب اُن کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں تک کہ ہم کو اس کی مثل دیا جائے۔ جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ کسے اپنا رسول بنائے ...... اور یہ تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے باتیں کھول کر بیان کر دی ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں اُن کے لئے اُن کے رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے اور وہی اُن کا دوست ہے ان اعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے۔

ان آیات مقدسہ میں پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ ہم نے ایک مُردہ کو زندگی عطا کی اور ایک نور عطا کیا جس سے وہ لوگوں میں چلتا ہے مُردہ کو زندگی بخشنے اور نور عطا کرنے سے مراد یقیناً روحانی زندگی اور ایمانی نُور ہے۔ کیونکہ اخلاق اور روحانی اقدار سے محروم لوگ مُردہ ہی ہوتے ہیں اور کفر و شرک کی تاریکی میں پھنسے ہوئے لوگ یقیناً نور سے محروم ہی رہتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے رسالت کی غرض یہی ہوتی ہے کہ انسانوں کو رُوحانی موت سے بچا کر روحانی زندگی دی جائے اور نُور سے محروم لوگوں کو نور عطا کیا جائے۔ قرآن پاک میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذاتِ مقدّس کی رسالت کی غرض یُوں بیان فرمائی ہے:۔

"یاایھا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول
اذا دعاکم لما یحییکم"

تاکہ رسول تم کو زندگی عطا کرے۔ ان الفاظ میں بھی روحانی زندگی ہی مراد ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کسی حقیقی طور پر مردہ کو زندگی نہیں دی بلکہ وہ قوم جو روحانی اور اخلاقی طور پر مردوں کی طرح تھی ان کو زندہ کیا اور ان کو بلند اخلاقی اور روحانی مقامات پر فائز فرما دیا تو یقینی طور پر شک و شبہ کے بغیر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں بھی زندگی دینے سے مُراد روحانی زندگی کا عطا کرنا ہے۔ اکثر لوگ اس حقیقت سے چراغ پا ہو جاتے ہیں کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ انبیاء اور رسل کا وجود صرف انسانوں کی رُوحانی تربیت کے لئے ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت واضح اور بداہتہً ان آیات سے مترشح ہے کہ زندگی سے مُراد رُوحانی زندگی اور نُور سے مراد اخلاقی اور ایمانی نور ہے۔ یہ خُدا کا بڑا فضل ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور سیرتِ پاک ہمارے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے اور حضور صلعم کی زندگی کا ہر پہلو ہمارے سامنے ہے اور ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قبور کو وعظ و نصیحت کیا ہو اور کچھ قبر کے مُردوں کو زندہ کر دیا ہو۔ بلکہ حضورؐ نے زندہ لوگوں کی ایمانی اور عملی حالت کی اصلاح کی اور ان کا تزکیہ فرمایا اور اُن کو کفر و شرک بدعملی اور بداخلاقی کی بیماریوں سے نجات دلائی اور یُوں مُردہ حالت سے زندگی کی حالت میں لے آئے۔ چونکہ خدا کی طرف بُلانا ان لوگوں کا کام ہے جو خدا کی طرف سے مامور اور مبعوث ہوتے ہیں۔ جب لوگ خُدا کی طرف سے منہ موڑ لیتے ہیں اور اس کی ہستی کا انکار کیا جاتا ہے تو خدا کے مامور اُن کے اس خیالِ باطل کی تردید کے لئے اور خُدا کے وجود کے ثبوت کے لئے مبعوث کئے جاتے ہیں اور اخلاقی طور پر مُردہ لوگوں کو زندگی بخشتے ہیں۔ اس زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ کثرت سے ایسے لوگ ہیں جو خُدا کے تصوّر کو محض ایک واہمہ خیال کرتے ہیں۔ بعض کے خیال میں خُدا کا تذکرہ ایک انسانی تخیّل کا نتیجہ ہے اور خدا کا وجود گھڑ لیا گیا ہے ورنہ خُدا تو کہیں موجود نہیں اس کی وجہ ان کے بقول یہ ہے کہ انسان ایک کمزور مخلوق ہے۔ اس فطری کمزوری سے نکلنے کے لئے کسی طاقتور اور اعلیٰ تر ہستی کا متلاشی ہوتا ہے اور امداد و اعانت کے حصول کے لئے خدا کا تصوّر قائم کر لیتا ہے۔ خُدا کے بارے میں اس قسم کے خیالات ہی دہریت کی اصل جڑ ہیں۔ جب تک اس تصوّر کا قلع قمع نہ ہو۔ اِنسان سے اعمالِ حسنہ کی توقع عبث ہے ؛

زندہ خُدا، زندہ نبی اور زندہ کتاب

حضرت مرزا صاحب نے اسی حقیقت کی روشنی میں یہ اعلان کیا کہ اِسلام کا پیش کردہ خُدا، زندہ خُدا ہے۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے زندہ رسول ہیں اور قرآن پاک زندہ کتاب ہے۔ باقی سب کُتب زندگی سے محروم ہیں۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف رُوحانی طور پر خود زندہ ہیں بلکہ زندگی بخش ہیں۔ اور ان کی اتباع اور پیروی سے زندگی ملتی ہے۔ اسی طرح قرآن پاک ایک زندگی بخش کتاب ہے۔ اسلام اِنسان کی فطرت کو اپیل کرتا ہے اور اُسے خُدائے واحد کے آگے سرخم کرواتا ہے جبکہ دُوسرے مذاہب مخلوق پرستی اور شخصیت پرستی کی طرف بلاتے ہیں حضرت مرزا صاحب نے چیلنج کیا کہ میں اسلام کی سچائی کا دعوٰے اور اس کے دلائل صرف قرآن پاک سے پیش کروں گا اور دیگر اہل مذہب بھی اپنی کُتب مقدّسہ سے دعاوی اور دلائل پیش کریں لیکن کوئی مقابل نہ ہو سکا۔ دُوسرے مذاہب میں کسی نے یہ دعوٰے نہیں کیا کہ وہ خُدا سے ہمکلامی کا شرف رکھتا ہے۔ یہ صرف حضرت مرزا صاحب ہی کی ذاتِ اقدس ہے جو اس زمانہ میں اس شرف سے مشرّف ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ خدا میرے ہاتھ پر نشانات ظاہر فرمائے گا دنیا کی مذہبی حالت زندگی سے محروم ہو چکی تھی آپ نے ندا دی کہ آؤ میں تمہیں پھر نئی زندگی عطا کروں۔ انسان نہ صرف روحانی طور پر زندگی سے محروم تھا بلکہ جسمانی طور پر بھی سائنس اور علوم جن پر انسان کو فخر تھا ابھی انسان کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ انسان صرف روٹی سے ہی زندہ نہیں رہ سکتا بلکہ روحانیت اور اخلاق کی بھی ضرورت ہے جس سے انسان کو حقیقی زندگی ملتی ہے لیکن روحانی تعلیم کو انسانوں نے رد کر دیا اور کہا کہ اگر بل جائے تو زندگی کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

لن نؤمن حتٰی نؤتٰی مثل ما اُوتی رسل اللّٰہ

ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہم کو اس کی مثل دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔ لیکن اس مطالبہ کے لئے صلاحیت بھی تو شرط ہے۔ خُدا سے ہمکلامی آسان نہیں اس کے لئے مجاہدہ کی ضرورت ہے۔ مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کے لئے جب انسان اس قدر مصفٰے اور پاکیزہ باطن ہو جاتا ہے تو اس پر خُدا کی نظر پڑتی ہے اور اس کو ان انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؒ کا دعوٰے ہے کہ خدا یقیناً موجود ہے اور خُدا ان سے ہمکلام ہوتا ہے۔ ایسے خادم دین اور توحید کے پرچارک سے دُوری۔ قلّتِ تدبّر کے باعث ہے ورنہ تو کتاب حکیم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں:۔

یک قدم دوری ازاں روشن کتاب
نزد ما کفر است و خسران و تباب

حضرت مرزا صاحب کا خُدا پر اس قدر پختہ ایمان ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جامع مسجد دہلی کا واقعہ مشہور ہے کہ مخالفین مرنے مارنے پر تلے ہوئے تھے اور حضرت مرزا صاحب کو جانی نقصان پہنچانے پر کمربستہ تھے۔ حضرت مولانا عبدالکریم سیالکوٹی مرحوم نے حضرت مرزا صاحب سے عرض کی کہ حضور لوگ بپھرے ہوئے ہیں اس لئے جان کا خطرہ ہے فرمانے لگے "عبدالکریم مُردہ لوگ زندہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے"

؎ بشنوید اے مردگاں من زندہ ام
اے شباں تیرہ من تابندہ ام

چنانچہ لوگوں نے جس گاڑی پر آپ مسجد میں آئے تھے اس کی نگرانی کی کہ جب وہ گاڑی واپس جائے گی تو آپ پر حملہ کیا جائے لیکن موقعہ پر موجود انگریز پولیس کپتان نے آپ کو اپنی بند گاڑی پیش کی اور آپ بحفاظت

(بقیہ صفحہ ۱۲ کالم ۱)

بقیہ خطبہ جمعہ فرمودہ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

تمام اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔

مولانا نور الدین اعظم ایک بہت بڑے عالم دین اور حاذق طبیب تھے اپنی دکان اور مکان کو اپنے شہر میں مکمل کیا اور سامان لینے لاہور آ گئے اور پھر حضور کی ملاقات کی طلب انہیں قادیان لے گئے وہاں جا کر جلد لوٹنے کا خیال تھا لیکن پھر تانگے والے کو رخصت کر دیا۔ مولانا صاحب کو حضرت صاحب نے فرمایا کہ اب تو مولانا صاحب آپ فارغ ہو گئے ہیں اس لئے یہاں ہی چلے آؤ۔ چنانچہ مولانا صاحب نے حضور کی خدمت میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور تا حیات یہ تعلق نہ ٹوٹا۔

اسی طرح حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ نے حضرت بانی سلسلہ کے ارشاد پر اپنی جوانی کی تمام امنگوں کو خیر باد کہہ کر خدمت دین کے لئے حضرت مرزا صاحب کے قدموں میں دھونی رما دی حالانکہ آپ کا نام ای اے سی میں امتحان کے لئے منظور ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ کی زیر ادارت ۱۹۰۲ء میں رسالہ آف ریلیجنز (انگریزی و اردو) جاری ہو گیا۔ اس انگریزی رسالہ کے مضامین اس قدر مؤثر اور دین اسلام کی صداقت پر اتنے مدلل ہوتے تھے کہ ایک ڈپٹی کمشنر نے اس کی چند اشاعتیں پڑھ کر اپنا تاثر یوں بیان کیا کہ "آپ یہ رسالہ میرے نام نہ بھیجا کریں۔ رسالہ بھیجنے والے نے جب اس کی وجہ پوچھی تو اس انگریز ڈی سی نے کہا کہ "اس رسالہ کے مضامین کو پڑھ کر مجھے یہ خدشہ ہے کہ کہیں میں مسلمان نہ ہو جاؤں"۔ کیونکہ اس کے مضامین پر کشش ہیں اور اسلام کو اس شاندار طریقہ سے پیش کرتے ہیں کہ دل اس طرف کھنچ جاتا ہے۔

اسی طرح حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم تھے جو اپنی چلتی وکالت چھوڑ کر تبلیغ اسلام کے لئے ۱۹۱۲ء میں انگلستان تشریف لے گئے اور حضرت مرزا صاحبؑ کے اس کشف کو کہ "میں نے دیکھا کہ میں لندن میں ہوں اور اسلام پر ایک مدلل تقریر کر رہا ہوں جس کے بعد میں نے چند سفید پرندے پکڑے جو درختوں پر بیٹھے تھے"، عملی رنگ میں پورا کیا اور کامیابی کے ساتھ اسلام کا جھنڈا انگلستان کی سرزمین میں گاڑ دیا۔

بہرحال حضرت صاحب کی زندگی کا ہر پہلو پر کشش ہے اس لئے اس کی تحریرات کا مطالعہ ازدیاد ایمان کے لئے نہایت ضروری ہے کیونکہ مامورین الہٰی ایک نور لے کر آتے ہیں جو زندگی بخش ہوتا ہے اور انسان کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور مردہ حالت سے نکال کر زندگی عطا کرتا ہے۔

بقیہ:۔ قرآن کریم انسان کو با اخلاق ہونے۔۔۔۔

جماعت اور ایک امت ہے اور اس طرح پر تمام قوے کا خدا کو سجدہ کرنا یہی وہ حالت ہے جس کو اسلام کہتے ہیں۔

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم

ہمیں اپنی سیدھی راہ دکھا اور اس پر ثابت قدم کر کے ان لوگوں کی راہ دکھا جن پر تیرا انعام و اکرام ہے اور تیرے مورد فضل و کرم ہو گئے ہیں غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ اور ہمیں ان لوگوں کی راہوں سے بچا جن پر تیرا غضب ہے اور جو تجھ تک نہیں پہنچ سکے اور راہ کو بھول گئے۔ آمین۔ اے خدا ایسا ہی کر۔

یہ آیات بتلا رہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے انعامات جو دوسرے لفظوں میں فیوض کہلاتے ہیں انہی پر نازل ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کی خدا کی راہ میں قربانی دے کر اور اپنا تمام وجود اس کی راہ میں وقف کر کے اور اس کی رضا میں محو ہو کر پھر اس وجہ سے دعائیں لگے رہتے ہیں کہ تا جو کچھ انسان کو روحانی نعمتوں اور خدا کے قرب اور وصال اور اس کے مکالمات اور مخاطبات میں سے مل سکتا ہے وہ سب ان کو ملے اور اس دعا کے ساتھ اپنے تمام قویٰ سے عبادت بجا لاتے ہیں اور گناہ سے پرہیز کرتے اور آستانہ الہٰی پر پڑے رہتے ہیں اور جہاں تک ان کے لئے ممکن ہے اپنے تئیں بدی سے بچاتے ہیں اور غضب الہٰی کی راہوں سے دور رہتے ہیں۔ سو چونکہ وہ ایک اعلیٰ ہمت اور صدق کے ساتھ خدا کو ڈھونڈتے ہیں اس لئے اس کو پا لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی پاک معرفت کے پیالوں سے سیراب کئے جاتے ہیں۔ اس آیت میں جو استقامت کا ذکر فرمایا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچا اور کامل فیض جو روحانی عالم تک پہنچاتا ہے کامل استقامت سے وابستہ ہے اور کامل استقامت سے مراد ایک ایسی حالت صدق و وفا ہے جس کو کوئی امتحان ضرر نہ پہنچا سکے یعنی ایسا پیوند ہو جس کو نہ تلوار کاٹ سکے نہ آگ جلا سکے اور نہ کوئی دوسری آفت نقصان پہنچا سکے۔ عزیزوں کی موتیں اس سے علیحدہ نہ کر سکیں۔ پیاروں کی جدائی اس میں خلل انداز نہ ہو سکے۔ بے آبروئی کا خوف کچھ رعب نہ ڈال سکے۔ ہولناک دکھوں سے مارا جانا ایک ذرہ دل کو نہ ڈرا سکے۔ سو یہ دروازہ نہایت تنگ ہے اور یہ راہ نہایت دشوار گذار ہے کس قدر مشکل ہے۔ آہ صد آہ اسی کی طرف اللہ جل شانہٗ ان آیات میں اشارہ فرماتا ہے:۔

قل ان کان اباؤکم وابناءکم واخوانکم وازواجکم
وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون
کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ
وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ
واللہ لا یھدی القوم الفاسقین۔ یعنے ان کو کہہ دے کہ اگر

تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہاری برادری اور تمہارے وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں اور تمہاری سوداگری جس کے بند ہونے کا تمہیں خوف ہے اور تمہاری حویلیاں جو تمہارے دل پسند ہیں خدا سے اور اس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں جانفشانی کو تمہارے زیادہ پیارے ہیں تو تم اس وقت تک منتظر رہو کہ جب تک خدا اپنا حکم ظاہر کرے اور خدا بدکاروں کو کبھی اپنی راہ نہیں دکھائے گا۔

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا کی مرضی کو چھوڑ کر اپنے عزیزوں اور مالوں سے پیار کرتے ہیں وہ خدا کی نظر میں بدکار ہیں وہ ضرور ہلاک ہوں گے کیونکہ انہوں نے غیر کو خدا پر مقدم رکھا یہی وہ تیسرا مرتبہ ہے جس میں وہ شخص باخدا بنتا ہے جو اس کے لئے ہزاروں بلائیں خرید لے اور خدا کی طرف ایسے صدق اور اخلاص سے جھک جائے کہ خدا کے سوا کوئی اس کا نہ رہے گویا سب مر گئے پس سچ تو یہ ہے کہ جب تک ہم خود نہ مریں زندہ خدا نظر نہیں آ سکتا۔ خدا کے ظہور کا وہی دن ہوتا ہے کہ جب ہماری جسمانی زندگی پر موت آ وے۔ ہم اندھے ہیں جب تک غیر کے دیکھنے سے اندھے نہ ہو جائیں۔ ہم مردہ ہیں جب تک خدا کے ہاتھ میں مردہ کی طرح نہ ہو جائیں جب ہمارا منہ ٹھیک ٹھیک اس کے محاذات میں پڑے گا تب وہ واقعی استقامت جو تمام نفسانی جذبات پر غالب آتی ہے ہمیں حاصل ہو گی۔ اس سے پہلے نہیں اور یہی وہ استقامت ہے جس سے نفسانی زندگی پر موت آ جاتی ہے۔ ہماری استقامت یہ ہے کہ جیسا وہ فرماتا ہے کہ:۔

بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن

یعنی یہ کہ قربانی کی طرح میرے آگے گردن رکھ دو۔ ایسا ہی ہم اس وقت درجہ استقامت حاصل کریں گے کہ جب ہمارے وجود کے تمام ذرے اور ہمارے نفس کی تمام قوتیں اسی کام میں لگ جائیں اور ہماری موت اور ہماری زندگی اسی کے لئے ہو جائے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:۔

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی
للہ رب العالمین

یعنی کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے ہے۔ اور جب انسان کی محبت خدا کے ساتھ اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کا مرنا اور جینا اپنے لئے نہیں بلکہ خدا ہی کے لئے ہو جائے تب خدا جو ہمیشہ سے پیار کرنے والوں کے ساتھ پیار کرتا آیا ہے اپنی محبت کو اس پر اتارتا ہے۔ اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے انسان کے اندر ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو دنیا نہیں پہچانتی۔ اور نہ سمجھ سکتی ہے۔ اور ہزاروں صدیقوں اور برگزیدوں کا اسی لئے خون ہوا کہ دنیا نے ان کو نہیں پہچانا۔ وہ اسی لئے مکار اور خود غرض کہلائے کہ دنیا ان کے نورانی چہرے کو دیکھ نہ سکی جیسا کہ فرماتا ہے:۔

ینظرون الیک وھم لا یبصرون۔

یعنے وہ جو منکر ہیں تیری طرف دیکھتے ہیں مگر تو انہیں نظر نہیں آتا۔

(از کتاب اسلامی اصول کی فلاسفی)

* * *

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۸۱ء جلد ۶۸ شمارہ ۳۷، رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

باہتمام ریاض حسین الحیدر پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح - احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰے مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بر و شد اختتام

◆

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

◆

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف [illegible]

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے
بیرونی ممالک سے [illegible]

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

جلد: ۶۸ * یوم چہار شنبہ ۲۳ ذیقعد و یکم ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ بمطابق ۲۳/۳۰ ستمبر ۱۹۸۱ء * شمارہ ۳۸/۳۹

ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم

منعم علیہ کے زمرہ میں شمولیت کے لئے نافع الناس ہونا ضروری ہے

وہ جماعت جس کا ذکر اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں کیا ہے کہ انہوں نے ایسے اعمال صالحہ کئے کہ خدا تعالےٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ خدا تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ صرف ترک بدی ہی سے نہ بنی تھی انہوں نے اپنی زندگیوں کو خدا تعالےٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہیچ سمجھا۔ خدا تعالےٰ کی مخلوق کو نفع پہنچانے کے واسطے اپنے آرام و آسائش کو ترک کر دیا۔ تب جا کر وہ ان مدارج اور مراتب پر پہنچے کہ آواز آ گئی رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

مگر میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت مسلمانوں کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ کسب خیر تو بڑی بات ہے اور نہ ہی اصل مقصد ہے لیکن وہ تو ترک بدی میں بھی سست نظر آتے ہیں اور ان کاموں کا تو ذکر ہی کیا جو صلحاء کے کام ہیں:۔

پس تمہیں چاہیئے کہ تم ایک ہی بات اپنے لئے کافی نہ سمجھ لو، ہاں اوّل بدیوں سے پرہیز کرو اور پھر ان کی بجائے نیکیوں کے حاصل کرنے کے واسطے سعی اور مجاہدہ سے کام لو اور پھر خدا تعالےٰ کی توفیق اور اس کا فضل دعا سے مانگو۔ جب تک انسان ان دونوں صفات سے متصف نہیں ہوتا یعنی بدیاں چھوڑ کر نیکیاں حاصل نہیں کرتا وہ اسوقت تک مومن نہیں کہلا سکتا۔ مومن کامل ہی کی تعریف میں تو انعمت علیہم فرمایا گیا ہے۔ اب غور کرو کہ کیا اتنا ہی انعام تھا کہ وہ چوری چکاری یا رہزنی نہیں کرتے تھے یا اس سے کچھ بڑھ کر مراد ہے؟ نہیں انعمت علیہم میں تو وہ اعلےٰ درجہ کے انعامات رکھے گئے ہیں جو مخاطبہ اور مکالمہ الٰہیہ کہلاتے ہیں۔ اگر اسی قدر مقصود ہوتا جو بعض لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ موٹی موٹی بدیوں سے پرہیز کرنا ہی کمال ہے تو انعمت علیہم کی دعا تعلیم نہ ہوتی جس کا انتہائی اور آخری مرتبہ اور مقام خدا تعالےٰ کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے (انبیاء علیہم السلام کا اتنا ہی تو کمال نہ تھا کہ وہ چوری چکاری نہ کیا کرتے تھے بلکہ وہ خدا تعالےٰ کی محبت صدق، وفا میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے پس اس دعا کی تعلیم سے یہ سکھایا کہ نیکی اور انعام ایک الگ شئی ہے۔ جب تک انسان اسے حاصل نہیں کرتا اسوقت تک وہ نیک اور صالح نہیں کہلا سکتا۔ اور منعم علیہ کے زمرہ میں نہیں آتا اس سے آگے فرمایا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین اس مطلب کو قرآن شریف نے دوسرے مقام پر یوں فرمایا ہے کہ مومن کے نفس کی تکمیل دو شربتوں کے پینے سے ہوتی ہے، ایک شربت کافوری ہے اور دوسرے کا نام زنجبیلی ہے۔ کافوری شربت تو یہ ہے کہ اس کے پینے سے نفس بالکل ٹھنڈا ہو جائے اور بدیوں کیلئے کسی قسم کی حرارت اس میں محسوس نہ ہو جسطرح پر کافور میں یہ خاصا ہوتا ہے کہ وہ زہریلے مواد کو دبا دیتا ہے۔ اسی لئے اسے کافور کہتے ہیں۔ اسی طرح پر یہ کافوری شربت گناہ اور بدی کی زہر کو دبا دیتا ہے...... دوسرا زنجبیلی شربت ہے جس کے ذریعہ سے انسان میں نیکیوں کیلئے قوت اور طاقت آتی ہے اور پھر حرارت پیدا ہوتی ہے پس اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم تو اصل مقصد اور غرض ہے یہ گویا زنجبیلی شربت ہے اور غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کافوری شربت ہے۔

ملفوظات جلد ہفتم صفحہ ۲۷۱/۲۷۲

قارئین کرام کی توجہ کیلئے:۔ "قرآن پاک اور احادیث - تبلیغ اور آپ کی مذہبی معلومات کیلئے شائع کی جاتی ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ ان کے تقدس کا خیال رکھیں اس لئے جن صفحات پر قرآن کی آیات، اور احادیث چھپی ہوئی ہوں انہیں اسلامی طریقہ سے محفوظ کر لیں۔" (حکومت کی ہدایت مجریہ ۹ ستمبر ۱۹۸۱ء)

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام ہند کا گیارہواں سالانہ اجلاس

بتاریخ ۵/۶ ستمبر ۱۹۸۱ء بمطابق ۵/۶ ذیلقعد ۱۴۰۱ھ ہجری بروز ہفتہ، اتوار، بمقام صوفی پورہ (سرینگر کشمیر)

رپورٹ :- ایم - وائی - تاثیر، سیکرٹری جماعت ہند

حسبِ معمول امسال" احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام ہند (شاخ لاہور) کا گیارہواں سالانہ جلسہ بمقام صوفی پورہ تحصیل شوپیان کشمیر بتاریخ ۵/۶ ستمبر ۱۹۸۱ء نہایت جوش و خروش، پُر وقار اور ایمان افروز طریقہ پر منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں مختلف جماعتوں کے احباب و خواتین کے علاوہ بمبئی سے عبدالرزاق صاحب اکولہ مہاراشٹر سے محمد جنید اطہر صاحب ایم۔ اے جموں سے چوہدری غلام مصطفٰے صاحب صدر انجمن احمدیہ ہند بھدرواہ سے غلام محمد صاحب خادم، کیہ چھکوٹ ترال سے محمد افضل شفیق صاحب شامل اجلاس ہوئے۔ یاری پورہ کشمیر سے کثیر التعداد احباب پیدل اور میٹاڈور کے ذریعہ خاکسار کے ہمراہ جلسہ میں پہنچے۔ سرینگر کی جماعت کے تمام سرکردہ اصحاب حضرات و خواتین نے شرکت فرمائی۔

جلسہ سے قبل دلکش اشتہارات مختلف اور مناسب مقامات پر چسپاں کئے گئے تھے۔ ماہنامہ اشاعت الحق میں اعلان شائع کرنے کے علاوہ دعوت نامے بھی مقامی احباب اور بیرونی احباب کو بھیج دیئے گئے تھے۔ صوفی پورہ کی یہ احمدیہ بستی مہمانوں کی چہل پہل کی وجہ سے ایک خاص روحانی منظر کی تصویر پیش کر رہی تھی۔ ان دنوں ہر طرف حضور نبی کریم صلعم پر درود و سلام کا غلغلہ بلند تھا۔ حضرت مجدد صد چہار دہم کے "مردان باصفا" لاہور کے پاک ممبران" اور آپ کی جانشین انجمن کے تذکرے عام تھے۔ یہ روحانی اجلاس پندرہویں صدی ہجری کا ہمارا پہلا سالانہ اجلاس تھا۔ غرض یہ تمام کاروائی ایک خاص روحانی منظر پیش کر رہی تھی۔ مندوبین حضرات ۵ ستمبر ۱۹۸۱ء بروز ہفتہ صوفی پورہ کی بستی میں داخل ہوئے اور ۷ ستمبر ۱۹۸۱ء سوموار درس قرآن سے مستفید ہونے کے بعد ۹ بجے صبح چائے پی کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان ایام میں فضا نعرۂ تکبیر اللہ اکبر اور اسلام زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے گونج رہی تھی۔ ہمارا یہ اجلاس خالص روحانی اجتماع ہے اور سیاست کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کاروائی اجلاس کا مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے :-

مؤرخہ ۵ ستمبر ۱۹۸۱ء بروز ہفتہ

زیرِ صدارت :- چوہدری غلام مصطفٰے صاحب صدر احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام ہند
تلاوت قرآن پاک :- خواجہ محمد منور میر صاحب، صدر جماعت ماری پورہ
افتتاحی تقریر :- خاکسار (ایم۔ وائی۔ تاثیر) جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن ہند
تقریر :- الحاج شیخ عبدالصمد صاحب صدر جماعت سرینگر
تلاوت قرآن (بچوں کی زبانی) :- عزیزم عمران و عزیزم ابرار، سرینگر
صدارتی تقریر :- صدر جلسہ چوہدری غلام مصطفٰے صاحب
اختتامی ذکر و درود و دعا :- خاکسار، ایم۔ وائی۔ تاثیر

نماز عشاء باجماعت ادا کرنے کے بعد مہمانوں اور جملہ حاضرین کو انجمن کے لنگر سے کھانا کھلایا گیا۔ ۶ ستمبر ۱۹۸۱ء نماز فجر کے بعد ڈاکٹر خورشید عالم خاں صاحب نے کشمیری زبان میں درس قرآن دیا۔

۶ ستمبر ۱۹۸۱ء پونے دس بجے دن مجلسِ معتمدین احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام ہند کا خصوصی اجلاس زیرِ صدارت جناب چوہدری صاحب صدر انجمن احمدیہ ہند منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں ممبران معتمدین کے علاوہ تمام جماعتوں کے صدر و سیکرٹری صاحبان کے علاوہ ملک عبدالرزاق صاحب آف بمبئی اور ماہنامہ اشاعت الحق کے ایڈیٹر محبوب عالم خان صاحب نے شرکت کی۔ اس اجلاس کی کاروائی تلاوتِ قرآن پاک سے شروع ہوئی اس میں متعدد جماعتی فیصلہ جات کئے گئے اور آئندہ پروگرام کا خاکہ بھی مرتب کیا گیا۔ ایک بجے دن کا کھانا تناول کیا گیا۔ نماز ظہر و عصر باجماعت ادا کی گئی۔ نماز ظہر و عصر ادا کرنے کے بعد دوسرے دن ۶ ستمبر ۱۹۸۱ء بروز اتوار کا جلسہ عام زیرِ صدارت چوہدری غلام مصطفٰے صاحب منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں احمدی اور غیر احمدی حضرات و خواتین نے شرکت کی۔

مؤرخہ ۶ ستمبر ۱۹۸۱ء بروز اتوار

زیرِ صدارت :- چوہدری غلام مصطفٰے صاحب صدر احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام ہند
تلاوتِ قرآنِ پاک :- محمد جنید اطہر صاحب ایم۔ اے اکولہ مہاراشٹر
نعت و سلام :- پروفیسر نور الدین زاہد صاحب سرینگر
صفائی کے متعلق حضرت نبی کریمؐ کے ارشادات } ڈاکٹر خورشید عالم ترین صاحب "
خطبہ استقبالیہ و سالانہ رپورٹ :- ایم۔ وائی تاثیر جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن ہند
پیغامات بزرگان و رفقاء جماعت } از ایم۔ وائی۔ تاثیر (خاکسار)
جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن لاہور " " " " "
مرزا مسعود بیگ صاحب " " " " "
علامہ رمزی۔ جودھپور۔ انڈیا " " " " "
ڈاکٹر غلام نبی صاحب چیبہ " " " " "
پیغام لندن :- پروفیسر زاہد صاحب
سورۃ فاتحہ و اخلاص کا انگریزی ترجمہ، دو چھوٹے بچوں نے پیش کیا۔
تقریر :- پروفیسر نور الدین زاہد صاحب
" :- الحاج شیخ عبدالصمد صاحب
شکریہ :- الحاج محمد صادق بٹ صوفی پورہ
کشمیری نظمِ احمدیت :- محمد افضل شفیق۔ کیہ چھکوٹ ترال
صدارتی تقریر :- صدر جلسہ چوہدری غلام مصطفٰے صاحب
اختتامی درود و دعا :- ایم۔ وائی۔ تاثیر، جنرل سیکرٹری (خاکسار)

۶ ستمبر ۱۹۸۱ء جلسہ عام کے اختتام پر چائے اور نماز مغرب ادا کرنے تک وقفہ رکھا گیا۔ بیمار افراد اور اسلام و احمدیت کی ترقی اور غلبہ کیلئے اجتماعی دعا کی گئی۔

مؤرخہ ۶ ستمبر ۱۹۸۱ء اتوار بعد از نماز مغرب (تیسری نشست)

زیرِ صدارت :- چوہدری غلام مصطفٰے صاحب صدر احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام ہند
تلاوتِ قرآنِ پاک :- غلام محمد خادم صاحب بھدرواہ
و تعارف :- " " " "
نعت شریف :- محمد جنید اطہر صاحب ایم۔ اے اکولہ مہاراشٹر
تقریر :- پروفیسر نور الدین زاہد صاحب
نعت لا الٰہ الا اللہ :- بچوں نے خوش الحانی سے سنائی
پندرہویں صدی، (مقالہ) جناب عزیز کاشمیری ایڈیٹر روزنامہ روشنی سرینگر
تقریر :- ایم۔ وائی۔ تاثیر، جنرل سیکرٹری
صدارتی تقریر :- صدر جلسہ چوہدری غلام مصطفٰے صاحب
درود و دعا :- } ایم۔ وائی۔ تاثیر (خاکسار)
و شکریہ مہمانان و میزبانان :- } " " "

شکریہ اور اجتماعی دعا کے بعد نماز عشاء باجماعت ادا کی گئی۔ نماز باجماعت کے بعد یہ روحانی اجتماع بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔ ۷ ستمبر ۱۹۸۱ء بروز سوموار پروفیسر زاہد صاحب نے نماز فجر کے بعد درس قرآن دیا اور ۹ بجے چائے کے بعد مہمانان کو الوداع کہا گیا۔ جلسہ کے اختتام اور دوران جلسہ بھی فوٹو لئے گئے۔

خداوند کریم کے فضل و کرم سے یہ روحانی اجتماع ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔ اسلام و احمدیت کی ترقی کے علاوہ حضرت امیر قوم ایدہ اللہ اور دیگر بزرگان جماعت کی صحت و سلامتی کے لئے دعا کی گئی۔

* * *

ولادت اور عطیہ

محترمہ نسرین گل محمد صاحبہ احمد پارک لاہور سے اطلاع دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل و کرم سے نواسی عطا فرمائی ہے۔ اس خوشی کے موقع پر اشاعت قرآن فنڈ میں مبلغ یکصد ۱۰۰/- روپیہ میں نے بذریعہ رسید نمبر ۳۲۲۵ مؤرخہ ۲۲/۹/۸۱ داخل خزانہ انجمن کرا دیا ہے۔ بزرگانِ سلسلہ سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ نومولود کو صحت والی لمبی زندگی عطا فرمائے اور خادم دین بنائے۔ آمین

"خدا کا وجود خدا کے نشانوں سے پہچانا جاتا ہے

اسی لئے اولیاء اللہ بھیجے جاتے ہیں"

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب بتاریخ ۱۸ ستمبر ۱۹۸۱ء بمقام جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس لاہور، رپورٹ :- مولوی شفقت رسول خان

الٓمّٓ ۝ ذٰلک الکتاب لاریب فیہ ج ......

واولٰئک ھم المفلحون ۔ (البقرۃ ۲ - ۱ تا ۵)

قرآنِ پاک کی سورۃ بقرہ کے پہلے رکوع میں فرمایا ہے یہ کتاب اُس خدائے عالم الغیب کی جانب سے اتاری گئی ہے جو انسانی فطرت کا خالق ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی بات نہیں اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ ہم نے اس کتاب کو نازل کیا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اس کتاب میں جو باتیں اور اصول بتائے گئے ہیں ان میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔ یہ کتاب متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔ اور متقی وہ لوگ ہیں جو خدائے عالم الغیب پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ نماز قائم کرتے اور اپنے اموال دوسروں کی بہتری اور بہبود پر صرف کرتے ہیں نہ صرف وہ قرآنِ پاک کو منجانب اللہ مانتے ہیں بلکہ اُن کتابوں کو بھی مانتے ہیں جو پہلے سے خدا کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔ اور اُن کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا نے آخرت کا ایک دن متعین کر رکھا ہے جس میں ہم جو کچھ کرتے ہیں اس کا حساب ہوگا۔

گذشتہ خطبہ جمعہ میں مَیں نے عرض کیا تھا کہ حضرت مرزا صاحبؒ کی بعثت کی غرض احیاء دین تھی۔ اُن کی زندگی کے حالات کا مطالعہ خدا پر ایمان کو مضبوط کرنے کا موجب ہے کیونکہ مامورین الٰہی کے حالات زندگی سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اُن کے یہ حالات اُن کے اپنے شعور و فہم کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ وہ اشاراتِ غیبی کے مطابق چلتے ہیں۔ اور ان کے تمام کام الٰہی نور کی روشنی میں طے ہوتے ہیں۔ پچھلے خطبہ جمعہ میں مَیں نے حضرت صاحب کا واقعہ جامع مسجد دہلی کا ذکر کیا تھا کہ مخالف لوگوں کے بپھرے ہوئے ہجوم کے نرغہ میں پھنس جانے کے باوجود حضرت صاحب قطعاً خوف زدہ نہیں ہوئے بلکہ فرماتے ہیں کہ مُردہ لوگ زندہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور واقعتاً بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور آپ بخیر و خوبی اپنی قیام گاہ پر واپس آ جاتے ہیں اور لوگ آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے جس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مامورینِ خدا جو کچھ کرتے ہیں یا کہتے ہیں وہ خدا کے حکم کے تحت ہی کرتے اور کہتے ہیں اور یہی بات اُن کے خدا کی طرف سے ہونے کی شہادت ہوتی ہے۔ یہ دوسری مثال جو بیان کروں گا اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایسی باتیں کسی اور شخص کی زندگی میں نظر نہیں آتیں اُن کا مطالعہ ثابت کرے گا کہ ان کا یہ فعل اپنا نہیں بلکہ اس بالاتر ہستی کا ہے جس نے ان کو مامور کیا ہے حضرت مرزا صاحب پر مقدمہ اقدام قتل قائم کیا گیا۔ ایک شخص جس کا نام عبدالحمید تھا وہ کبھی مسلمان بن جاتا اور کبھی عیسائیت اختیار کر لیتا اور اپنے مفاد کی تلاش میں رہتا۔ ایک دفعہ وہ قادیان آیا اور اظہار کیا کہ وہ حضرت مرزا صاحب کی بیعت کرنا چاہتا ہے حضرت صاحب کی فراستِ خداداد نے اس کے ارادہ کو بھانپ لیا اور کوئی خاص توجہ نہ فرمائی۔ وہ کچھ عرصہ قادیان رہا اور بالآخر وہ واپس امرتسر چلا گیا اور عیسائی پادریوں سے ملا کہ وہ قادیان سے آیا ہے اور عیسائیت اختیار کرنا چاہتا ہے۔ اس بات پر پادری بہت خوش ہوئے اور اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور خاطر مدارات کی اور اُسے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ عدالت میں بیان دے کہ اس کو پادری ہنری مارٹن کلارک کے قتل پر مرزا صاحبؒ نے مامور کیا ہے۔ قارئین کو یاد دلا دوں کہ اس سے قبل ڈپٹی عبداللہ آتھم کے ساتھ مباحثہ ہوا تھا کہ عیسائیت اور اسلام میں کونسا سچا دین ہے اس دوران پادری چند ایک مریضوں کو لائے تھے کچھ ان میں سے اندھے کچھ کوڑھی وغیرہ تھے اور حضرت صاحب نے مطالبہ کیا کہ وہ چونکہ مثیل مسیح ہونے کے مدعی ہیں لہٰذا ان مریضوں کو شفا دیں آپ نے فرمایا یہ اسلامی عقیدہ تو نہیں ہے کہ حضرت مسیح نے اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دی تھی بلکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ انہوں نے روحانی طور پر مُردوں کی زندگی دی اور بیماروں کو شفا بخشی۔ البتہ انجیل میں لکھا ہے کہ اگر تمہارے اندر رائی جتنا بھی ایمان ہو تو تم پہاڑ کو بھی اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہو۔ اس لئے یہ آپ لوگوں کا فرض بنتا ہے کہ بحیثیت ایک سچے عیسائی کے آپ یہ معجزہ دکھائیں کہ آپ ایک اُلٹی جوتی ہی کو اپنی توجہ سے سیدھا کر دکھائیں۔ میں نے پندرہ روز کے مباحثہ میں ثابت کر دیا ہے کہ حضرت مسیح زندہ نہیں ہیں اور وہ خدا کے بیٹے بھی نہیں ہیں اب خدا کی طرف سے مجھے الہام ہوا ہے کہ جو شخص جھوٹا ہے وہ پندرہ ماہ تک ھاویہ میں ڈالا جائے گا بشرطیکہ وہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔

چنانچہ اس پیشگوئی کو بنیاد بنا کر عبدالحمید مذکور نے پادریوں کے زیرِ اثر عدالت میں یہ بیان دیا کہ وہ واقعی مرزا صاحبؒ کی طرف سے ہنری مارٹن کلارک کے قتل پر مامور کیا گیا ہے۔ چنانچہ مرزا صاحبؒ کے خلاف وارنٹ گرفتاری (بضمانت دس ہزار) جاری کئے گئے۔ اس سے پادریوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ بڑے اچھلے کودے کہ اب مرزا صاحب پکڑے جائیں گے اور اس انتظار میں سٹیشنوں پہ جاتے ہیں کہ دیکھیں مرزا صاحب کب گرفتار ہو کر یہاں سے گزرتے ہیں۔ چنانچہ یہ خبر مولانا عبدالکریم صاحب مرحوم کو ہوئی تو وہ حضرت صاحب کے پاس آئے اور اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ خبر عام ہے کہ حضور کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے ہیں اس موقع پر جو کچھ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا وہ ان کی عظمتِ کردار کا آئینہ دار ہے اور اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ شخص خدا کی طرف سے مامور ہے۔ فرماتے ہیں مولوی عبدالکریم صاحب اگر ہم گرفتار ہو گئے تو کوئی بدنامی اور ذلت کی بات نہیں کیونکہ لوگ تو اپنی دنیاوی اغراض کے لئے سونے کے کنگن پہن لیتے ہیں اور اگر ہمیں خدا کے دین کی خاطر لوہے کی ہتھکڑیاں پہنائی جائیں تو کوئی ذلت کی بات نہیں ہے مگر مولوی صاحب یاد رکھیئے ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ اپنے بندے کو کبھی ذلیل نہیں کرے گا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر نے جو عیسائی تھے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے اور یہ وارنٹ براہِ راست ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کو برائے تعمیل بھیج دیئے۔ اس سے ان کے اسسٹنٹ نے ان کو آگاہ کیا کہ یہ آپ کی کاروائی خلاف قانون ہے کیونکہ آپ وارنٹ گرفتاری دوسرے ضلع میں براہِ راست جاری نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ بہت پریشان ہوئے اور گورداسپور تار بھیجدیا کہ اس وارنٹ کی تعمیل نہ کی جائے۔ ادھر ڈی ایم گورداسپور کے سپرنٹنڈنٹ آفس نے دیکھا کہ یہ اسلام کے بالمقابل عیسائیت کو تقویت دینے کے لئے جاری ہوئے ہیں تو اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ وہ وارنٹ گرفتاری انگیٹھی میں جلا کر بھسم کر دیا۔ بالآخر وہ مقدمہ شروع ہوا تو عبدالحمید نے عدالت میں وہی بیان دیئے جو اس کو پادریوں نے سمجھائے تھے۔ اور جو اس نے ڈی ایم امرتسر کی عدالت میں دیئے تھے۔ عبدالحمید کو پادریوں کی تحویل سے نکال کر پولیس کی تحویل میں دیا گیا تاکہ وہ اپنی مرضی سے آزادانہ بیان دے سکے۔ چنانچہ جب وہ آزاد ہوا تو اس سے پوچھا گیا تو اس نے روتے ہوئے بیان دیا کہ یہ بیان دینے پر مجھے پادریوں نے مجبور کیا تھا۔ حضرت مرزا صاحب نے مجھے قتل کے لئے نہیں بھیجا تھا۔ مقدمہ کی سماعت مسٹر ڈگلس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کر رہے تھے۔ وہ سٹیشن کے پلیٹ فارم پر سپرنٹنڈنٹ کے ساتھ باتیں کر رہے تھے مغموم و متفکر تھے۔ سپرنٹنڈنٹ نے سبب پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ جدھر دیکھتا ہوں مجھے مرزا صاحب کھڑے نظر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم ایک انصاف کرنے والی قوم کے فرد ہو میرے بارے میں انصاف کرنا۔ چنانچہ مسٹر ڈگلس نے عبدالحمید کے درست بیان پر مقدمہ خارج کر دیا۔ اور اپنے فیصلہ میں لکھا کہ مرزا صاحب پادریوں کے خلاف ہتک عزت کا مقدمہ کر سکتے ہیں کیونکہ انہوں نے سازش کر کے آپ پر جھوٹا اتہام لگایا۔ چنانچہ ڈگلس نے آپ کو باعزت بری کر دیا حضرت مرزا صاحب کو کسی شخص نے توجہ دلائی کہ آپ کو عدالت نے پادریوں کے خلاف ہتکِ عزت کا مقدمہ کرنے کی اجازت دی ہے مگر آپ نے فرمایا ہم مقدمہ نہیں کریں گے۔ ہمارا مقدمہ آسمان پر ہے۔ اس قسم کا سیرت و کردار انسان کے اپنے شعور و عقل سے نہیں بنتا جب تک کہ خدا سے تعلق نہ ہو۔ یہ بات علمِ غیب سے تعلق ہے۔ اس لئے

(بقیہ صفحہ ۱۶ پر کالم ۱ پر ملاحظہ فرماویں)

مسئلہ تراویح اور جماعت احمدیہ کا مسلک

مکرم مولانا احمد گل صاحب فاضل دیوبند

جیساکہ زیرِ نظر مضمون کے عنوان سے ظاہر ہے احبابِ جماعت کے استفادہ کیلئے چند ایک وضاحتیں پیش کرنی مقصود ہیں۔ نماز تراویح اور اُس سے متعلق مسائل، کچھ ایسے ہیں جن میں امت مسلمہ کا دورِ اول سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ اس اختلاف میں آئمہ اربعہ، محدثین اور فقہا برابر کے شریک ہیں۔ مثلاً ایک فریق نماز تراویح اور تہجّد کو ایک حیثیت دے کر تراویح کو سنت کے خلاف سمجھتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل رمضان میں نماز تراویح پر نہیں تھا بلکہ آپؐ صرف تہجد پڑھا کرتے تھے۔ اس کے خلاف جنہوں نے تراویح کو سنّت قرار دیا ہے۔ ان میں بھی تراویح میں بارہ اور بیس رکعت کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس طرح مسلمانوں میں یہ مسئلہ شروع سے ہی ما فیہ النزاع رہا۔ دریں صورت ہو سکتا ہے کہ ان اختلافی وجوہ کی بناء پر جماعتِ احمدیہ کے بعض افراد بھی اس سے متاثر ہوں۔ چنانچہ کچھ دن پہلے بعض احباب نے اپنے شبہات کے ازالہ کے لئے مجھے مسئلہ تراویح پر کچھ لکھنے کی طرف توجہ دلائی۔ یہ مضمون اسی تاثر کا نتیجہ ہے۔

میرے سامنے صرف احمدی مسلک کو پیش کرنا مطلوب ہے اسی بناء پر تراویح کے جواز پر حوالجات اور شواہد کو سلسلہ کے بزرگوں تک محدود رکھا گیا ہے۔ گویا یہ سب کچھ وہی ہے جو علماء متقدمین اور فقہا اسلام نے پیش کیا ہے۔ میری طرف سے یہ دکھانے کی کوشش ہوگی کہ حضرت مرزا صاحبؒ، حضرت مولانا نورالدّین اور مولانا محمد علی رحؒ کے خیالات یا اُن کے رجحانات ماہِ رمضان میں قیام اللیل کے متعلق کیا تھے اور دیگر احبابِ جماعت نے اس پر کیا لکھا ہے۔ سب سے پہلے اس شبہ کا ازالہ کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضہ نے اپنے زمانے میں نماز تراویح بارہ یا بیس رکعت (بہ اختلاف روائتین) باجماعت مقرر کیں۔ اُن کا یہ فعل بدعت پر مبنی ہے۔ اور حدیث کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار پر محمول ہے۔ اس شبہ کی توضیح تو تفصیلاً آگے آئے گی مگر یہاں مختصراً اتنا کہدینا کافی ہے کہ حدیث بدعت اپنی جگہ پر صحیح ہے اور تراویح کا جواز اپنی جگہ موجود۔

نماز تراویح آنحضرت صلعم، صحابہ کرام، تابعین اور آئمہ مجتہدین پڑھتے چلے آئے ہیں۔ رہا یہ امر کہ تراویح گیارہ رکعت ہیں یا بیس۔ اس کے متعلق دونوں طرح کی روائتیں پائی جاتی ہیں۔ روائتوں کے اس اختلاف سے میری کوشش صرف جواز تراویح کے ثبوت تک رہے گی۔ تاہم جماعت احمدیہ تراویح کی گیارہ رکعت مع وتر افضل سمجھتی ہے۔ اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کی روایت سے اس مسئلہ کی ابتداء کی جاتی ہے جو دوسری کتابوں کے علاوہ بخاری اور مسلم میں موجود ہے:۔

عن ابی مسلمہ انہ سال عائشۃ رضی اللہ عنہا کیف کان صلوٰۃ رسول اللہ علیہ وسلّم فی رمضان قال ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہٖ علیٰ احدی عشرۃ رکعۃ

ابوسلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عائشہ رضہ سے رمضان میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت کے بارے میں پوچھا۔ عائشہ رضہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔

حدیث کے الفاظ صلوٰۃ رسول اللہ فی رمضان اور ماکان فی رمضان ان سے مراد نماز تراویح ہے۔ چونکہ آپؐ چار رکعتوں کے بعد آرام لیتے تھے اس لئے محدثین اور علماء نے ان رکعتوں کا نام تراویح رکھ دیا ہے۔ (حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علیؒ نے بھی فضل الباری کے حاشیہ پر اسی طرف اشارہ کیا ہے۔) ورنہ حدیثوں میں کہیں تراویح کا لفظ نہیں پایا جاتا بلکہ قیام فی رمضان یا صلوٰۃ فی رمضان یا قیام اللیل فی رمضان کے الفاظ آتے ہیں۔ ازیں قسم تمام وہ حدیثیں جن کا تعلق رمضان سے ہے محدثین نے مختلف الفاظ سے باب باندھ کر انہیں صلوٰۃ التراویح کے عنوان سے ظاہر کیا ہے۔ رمضان کے علاوہ آپؐ نے جو نمازیں (نوافل) پڑھی ہیں محدثین نے انہیں تہجد کا نام دیا ہے مثلاً قیام اللیل۔ صلوٰۃ اللیل وغیرہ۔ محدثین کے اس طریق کو ملحوظ رکھ کر مولانا محمد علی رحؒ نے بھی فضل الباری جلد اوّل ص ۲۵۹ پر کتاب التہجّد کا الگ باب باندھا ہے۔ اور اسی جلد کے ص ۴۴۲ پر رمضان اور صوم کی احادیث کے ضمن میں صلوٰۃ التراویح کے عنوان سے موٹے الفاظ میں نمایاں جگہ دی ہے۔ اس وضاحت کے بعد یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے مندرجہ بالا حدیث عائشہؓ سے آنحضرتؐ کی نماز تراویح گیارہ رکعت ثابت کی ہے۔

رہا یہ کہ حدیث کل بدعۃ ضلالۃ صحت کے لحاظ سے کیا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت مولانا محمد علی رحؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ اس امر کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ حضرت عمرؓ نے نماز قیام اللیل پر جو لوگوں کو قائم کر دیا تھا ان کا یہ فعل بدعت نہیں چنانچہ فضل الباری جلد اول ص ۴۴۲ پر لکھتے ہیں:۔

"قیام اللیل کی نماز جماعت سے پڑھنے کو حضرت عمر رضہ نے بدعۃ یعنی نئی بات اس لئے فرمایا کہ جو اہتمام حضرت عمر رضہ نے کر لیا تھا وہ اس سے پہلے نہ تھا۔ جماعت سے پڑھنا ناجائز نہ تھا کیونکہ اس سے پہلے حضرت نبی کریم صلعم نے قیام اللیل کی نماز تمام صحابہ رضہ کو تین رات جماعت سے پڑھائی تھی۔ پھر اس خوف سے کہ لوگ اسے فرض کی طرح قرار نہ دے لیں چھوڑ دیا"

پھر آگے لکھتے ہیں:۔

"بدعت لغت کی رُو سے ہر نئی بات یا نئے کام کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاحِ شریعت میں ناجائز اور مذموم کام کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد لغوی معنی ہیں"

حضرت مولانا صاحبؒ کے مندرجہ بالا بیان کی تائید کشف المغطّا شرح مؤطا سے بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

"بدعت لغت میں ہر نئی چیز اور نئے کام کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں اس امر کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دین میں نکالا جائے۔ اور کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو۔ تراویح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں پڑھی جاتی تھی اور جماعت سے بھی آنحضرت صلعم نے اسکو تین راتوں تک پڑھا جیسا کہ اُوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا۔ پھر یہ قول حضرت عمر رضہ کا کہ اچھی ہے یہ بدعت۔ مراد اس سے بدعت شرعی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ بدعتِ شرعی وہی امر ہے جو آنحضرت صلعم کے بعد دین میں نکالا جائے۔ اور کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو پس معلوم ہوا کہ مراد حضرت عمرؓ کی بدعت سے بدعت لغوی ہے۔ یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ابوبکر رضہ کے زمانہ میں تراویح کا اہتمام ایسا نہ تھا۔ نہ ایک امام مقرر تھا اس لئے یہ ایک نیا امر ہوا۔ پس لغتہً اس کو بدعت کہا نہ کہ شرعاً۔ کیونکہ بدعت شرعی کی تعریف تراویح پر جو حضرتؓ کے زمانے میں موجود تھی کس طرح صادق آئے گی اور بدعت شرعی کو حضرت عمر رضہ اچھا کیونکر کہیں گے بلکہ بدعت شرعی گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔ جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النّار

تراویح کے بدعت نہ ہونے پر یہ حوالہ کافی تھا مگر میرے سامنے احمدیہ مسلک کو ظاہر کرنا مقصود ہے اس لئے مندرجہ بالا حوالے کی عبارت اور مندرجہ ذیل مولانا محمد علی رحؒ کے بیان کا موازنہ کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ جماعتِ احمدیہ کا مسلک دربارہ نماز تراویح وہی ہے جو دوسرے مسلمانوں کا ہے۔ مولانا صاحب تفسیر بیان القرآن کے نوٹ ۲۳۰۳ پر لکھتے ہیں:۔

"بدعت محض ایک ایسے کام کا نام نہیں جو رسول اللہ صلعم نے نہ کیا ہو۔ بلکہ کسی ایسی بات یا کسی ایسی رسم کو دین کا جزو قرار دینا ہے

جو کتاب یا سنت نبوی سے ثابت نہ ہو ...... کل بدعۃ ضلالۃ کا ارشاد صحیح ہے اور حضرت عمرؓ کا یہ قول نماز تراویح کے متعلق نعمت البدعۃ ھٰذہٖ بطور فرض معلوم ہوتا ہے یعنے تم اگر اسے بدعت کہو تو یہ اچھی بدعت ہے کیونکہ صلوٰۃ التراویح کا اصل برنگ تہجد شریعت میں موجود ہے۔ اور یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رمضان میں نماز تہجد کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اس کی اہمیت کی خاطر اسے اوّل شب میں کر دیا تاکہ جو لوگ پچھلے وقت نماز کے لئے اُٹھ نہیں سکتے وہ بالکل محروم نہ رہ جائیں اور اس کی ایک نظیر خود دتر دوں میں موجود ہے جو حالانکہ اصل میں نماز تہجد کا ہی حصّہ ہے مگر عام لوگوں کی خاطر اسے اوّل شب میں رکھ دیا گیا۔ اور اس کا اوّل شب میں رکھنا خود رسول اللہ صلعم کا فعل ہے۔ پس نماز تراویح بدعت نہیں البتہ افضل یہی ہے کہ رمضان میں نماز تہجد کا خاص تعاہد کیا جائے ۔‘‘

حضرت امیر کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ علماء کرام نے بھی اس تقسیم کو قبول کر کے بدعت حسنہ کو جس کا وجود کسی دلیل شرعی پر قائم ہو ملحق بالسنۃ قرار دیا ہے۔ اس صورت میں کل بدعۃ ضلالۃ کا مطلب یہ ہوگا کہ بدعت حسنہ کے مقابلہ میں بدعت سیئہ ہی موجب ضلالت ہے۔ اس کی تائید مشکوٰۃ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:- ومن ابتدع بدعۃ ضلالۃ لا یرضاھا اللّٰہ ورسولہٗ۔ یعنے جس نے بدعت ضالہ سیئہ کو رواج دیا اس پر اللہ اور رسولؐ راضی نہیں ہیں۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے حضرت مرزا صاحب اور مولانا نورالدین کے زمانہ میں صلوٰۃ اللیل کے دونوں طریقوں پر عمل رہا۔ یعنے بعض احباب پچھلی رات میں نماز تہجد حسب معمول پڑھا کرتے تھے اور بعض ایسے تھے جو رات کے پہلے حصہ میں بہ صورت تراویح پر عمل پیرا تھے۔ اس پر مندرجہ ذیل شواہد موجود ہیں:-

۱:- حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ فرماتے ہیں:-

’’جو شخص تہجد ہمیشہ پڑھے اسکو تراویح کی ضرورت نہیں ‘‘

بدر ۳۱ جنوری ۱۹۰۷ء و ۲۱ دسمبر ۱۹۰۸ء

۲:- مولانا نورالدین صاحب کے زمانے میں نماز تراویح اور نوافل باجماعت کے جواز اور عدم جواز پر دریافت کیا گیا تو جواب میں دوسرے دلائل کے علاوہ مندرجہ ذیل حدیث کو بھی بطور جواز پیش کیا گیا۔

ترجمہ حدیث:- ’’عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہ رضؓ نے خبر دی ہے کہ آنحضرتؐ رات میں نکلے اور مسجد میں نماز پڑھی اور کچھ اور لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی تو صبح کے وقت اور لوگوں سے انہوں نے ذکر کیا تو پہلے سے زیادہ لوگ (دوسری رات) جمع ہوئے۔ پس اس دوسری رات میں آپؐ نکلے لوگوں کو نماز پڑھائی اور انہوں نے آپؐ کے پیچھے نماز پڑھی پھر صبح کے وقت ان لوگوں نے اوروں سے ذکر کیا پس تیسری رات تو لوگ مسجد میں سما نہ سکے تو آپؐ نہ نکلے اور کچھ لوگ ان میں سے الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہنے لگے لیکن آپؐ پھر بھی نہ نکلے یہاں تک کہ آپؐ فجر کی نماز کے لئے باہر آئے اور فجر کی نماز پڑھی اور لوگوں کی طرف متوجّہ ہوئے اور اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد ۔ الخ۔ پڑھا اور فرمایا اما بعد پس تمہاری حالت پر رات میں کوئی خوف نہ تھا لیکن مجھے یہ خوف ہوا کہ صلوٰۃ اللیل (نماز تہجد اعنی تراویح) تم پر فرض نہ ہو جائے اور پھر تم اس سے عاجز نہ ہو جاؤ ۔‘‘

(بدر ص۲ ۱۴ر اکتوبر ۱۹۰۹ء)

۳:- تراویح میں قرآن مجید سنانا یا اس کا ختم کرنا درست ہے۔ مولانا نورالدینؓ کے زمانے میں ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں صوفی تصوّر حسین بریلوی نے قادیان کی دو مسجدوں میں قرآن سنایا۔ پہلی رات تین پارے کے قریب ’’مسجد اقصیٰ‘‘ میں اور تین پارے پچھلی رات ’’مسجد مبارک‘‘ میں۔ (بدر ص۲ ۱۴ر اکتوبر ۱۹۰۹ء)

۴:- ماہ رمضان کی تراویح میں قرآن مجید سنانے والوں کی اجرت پر حضرت اقدسؑ کا فتویٰ۔ فرمایا:-

’’بعض لوگ رمضان میں ایک حافظ مقرر کر لیتے ہیں اور اس کی تنخواہ بھی ٹھہرا لیتے ہیں۔ یہ درست نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص نیک نیتی اور خدا ترسی سے اس کی خدمت کر دے تو جائز ہے ۔‘‘

(مجموعہ فتاویٰ احمدیہ جلد اوّل ص۲۲۳)

۵:- نماز تراویح اور نماز تہجد حقیقتاً دونوں ایک ہی ہیں:-

’’نماز تراویح حقیقت میں نماز تہجد ہی ہے لیکن چونکہ عام لوگ دن بھر محنت و مشقت کرتے ہیں اور پچھلی رات کو جاگنا ان کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت عمرؓ کے عہد میں یہ دستور ہو گیا تھا کہ ماہ رمضان میں ایسے لوگ تہجد پڑھنے کی بجائے عشاء کی نماز کے بعد وتر سے پہلے بیس رکعت نفل پڑھ لیتے تھے جن کو تراویح کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ بعض لوگ مزید تخفیف کے طور پر آٹھ رکعت ہی پڑھ لیتے ہیں ۔‘‘

(رسالہ نماز۔ مولوی مصطفیٰ خان مرحوم)

۶:- ’’اسرار شریعت‘‘ کے مصنف جو حضرت مرزا صاحب کے اصحاب میں سے تھے اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ لکھتے ہیں:-

’’اس امر کے متعلق ہمارے ایک محسن و مربی (ہو سکتا ہے کہ اس سے مُراد مولانا نورالدین ہوں۔ ناقل) پر ایک شخص نے سوال کیا تھا کہ رسول اللہ صلعم سے تو نماز تراویح کا پڑھنا تین چار روز سے زیادہ ثابت نہیں ہوتا اس لئے بعض لوگ اسے بدعت عمری کہتے ہیں۔ انہوں نے جواب فرمایا کہ خواہ آنحضرتؐ نے صرف ایک دن ہی نماز تراویح پڑھی ہو سنّت تو ہو گی۔ دوام نہ کرنے سے سنت تو نہیں ٹوٹتی۔ ہاں فرضیت ثابت نہیں ہوتی مگر سنت پر عمل کرنا بھی تو چاہیئے ۔‘‘ (اسرار شریعت جلد اوّل ص۲۰۹)

صاحب اسرار شریعت اسی جلد اور اسی صفحہ پر تراویح کے متعلق اپنی رائے کا بھی اظہار کرتے ہیں۔ لکھا ہے:-

’’صحابہ کرام رضؓ میں تین طریقے قیام رمضان کے رائج تھے۔ بعض تو بیس رکعت باجماعت پڑھتے تھے۔ بعضے آٹھ اور بعض صرف تہجد ہی گھر میں پڑھ لیتے تھے ۔‘‘

۷:- کسی نے بذریعہ تحریر حضرت مرزا صاحب سے دریافت کیا کہ:-

’’رمضان شریف میں رات کو اُٹھنے اور نماز پڑھنے کی تاکید ہے لیکن عموماً محنتی مزدور زمیندار لوگ ایسے اعمال کے بجا لانے میں غفلت دکھاتے ہیں اگر اول شب میں ان کو گیارہ رکعت تراویح بجائے آخر شب کے پڑھا دی جائے تو کیا یہ جائز ہوگا؟ حضرت اقدس نے جواب میں فرمایا کچھ حرج نہیں پڑھ لیں ۔‘‘ (بدر ۱۸ر اکتوبر ۱۹۰۶ء)

۸:- تراویح کے معنی اور اس کی رکعات کی تعداد کے بارے میں مولانا محمد علی صاحب مرحوم لکھتے ہیں:-

’’تراویح (ترویحہ۔ آرام) آٹھ یا بیس رکعت جو ماہ رمضان میں عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے ۔‘‘ (احادیث العمل ص۲۰۸)

۹:- نماز تراویح بیس رکعت کے مقابلہ میں آٹھ رکعت افضل ہیں حضرت محمد علی صاحبؒ کا ارشاد ہے:-

’’تہجد کی نماز نفلی نماز تھی اس لئے جو رات کو اُٹھ سکتے تھے وہی تہجد پڑھتے تھے مگر رمضان میں تہجد کی خاص طور پر تاکید تھی۔ جو لوگ اسے قابل برداشت نہیں پاتے تھے وہ اوّل شب میں نفل پڑھتے لیکن متفرق طور پر کوئی بالکل الگ کہیں چند آدمی مل کر تو حضرت عمرؓ نے یہ انتظام کیا کہ ایسے لوگوں کو جو پچھلی رات نہیں اُٹھتے تھے اوّل شب میں ایک امام پر جمع کر دیا۔ روایت کے آخری الفاظ میں آپ نے صاف طور پر بتا بھی دیا کہ بہتر بھی ہے کہ آخری حصہ شب میں اُٹھ کر نماز تہجد پڑھی جائے مگر اس حالت سے اوّل شب ۱۰
میں الگ الگ لوگ نماز پڑھیں۔ یہ بہتر ہے کہ وہ مل کر ایک امام کے پیچھے پڑھیں۔ موجودہ نماز تراویح کی بھی ابتداء ہے چونکہ نماز تہجد علاوہ تین وتر کے آٹھ رکعت ہے اس لئے افضل بھی ہے کہ تراویح آٹھ رکعت نماز ہو عام طور پر بیس رکعت پڑھی جاتی ہے ۔‘‘

(احادیث العمل ص۲۱۴)

۱۰:- سطور بالا میں ماہ رمضان کی تراویح پر جو کچھ لکھا گیا ہے یہ تحریر اور سماع پر مبنی ہے جو اپنی جگہ کافی ہے۔ مگر اس کے علاوہ جماعت احمدیہ کا تعامل، ایک ایسا ثبوت ہے جسے رد نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت مولانا محمد علیؒ کا زمانہ ہمارے سامنے ہے۔ احمدیہ بلڈنگس اور مسلم ٹاؤن میں حفاظ نے متعدد بار قرآن مجید تراویح میں سنایا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگ نماز تہجد اپنے گھر پر پڑھا کرتے تھے مگر عوام مسجدوں میں باقاعدہ نماز تراویح پڑھتے رہے۔

تلک عشرۃ کاملۃ

’’یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کی فطرت پر سہو اور نسیان غالب ہے۔ وہ غلطی سے بچ نہیں سکتا پھر ایسی راہ میں جو نہایت باریک اور ساتھ اس کے نفسانی جذبات بھی لگے ہوئے ہیں کیونکر بچ سکتا ہے۔ لہٰذا تمام سچے طالبوں اور حقیقی راست بازوں نے اس بات کی تصدیق پر اپنے سر جھکا دیئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہوں کو دریافت کرنے کے لئے اس کی وحی اور الہام کی ضرورت ہے ۔‘‘

(ست بچن)

ہر احمدی کو اپنی حیثیت و توفیق کے مطابق سلسلہ کی خدمت میں حصہ لینا چاہیئے

جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر چندہ دیتا ہے اس کے رزق میں برکت دی جاتی ہے —:

جو شخص اپنی حیثیت و توفیق کے موافق اس سلسلہ کی چند پیسوں سے امداد نہیں کرتا اُس سے اور کیا توقع ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ کو اس کے وجود سے کیا فائدہ؟ ایک معمولی انسان بھی خواہ کتنی ہی شکستہ حالت کا کیوں نہ ہو۔ جب بازار جاتا ہے تو اپنی قدر کے موافق اپنے لئے اور اپنے بچّوں کے لئے کچھ نہ کچھ لاتا ہے تو پھر کیا یہ سلسلہ جو اپنی عظیم الشان اغراض کے لئے اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے، اس لائق بھی نہیں کہ وہ اس کے لئے چند پیسے بھی قربان کر سکے۔؟ دنیا میں آج تک کون سا ایسا سلسلہ ہوا ہے یا ہے جو خواہ دُنیوی حیثیت سے ہے یا دینی کہ بغیر مال کے چل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں ہر ایک کام کو اسباب ہی سے چلایا ہے۔ پھر کس قدر بخیل و ممسک وہ شخص ہے جو ایسے عالی مقصد کی کامیابی کے لئے ادنیٰ چیز مثل چند پیسے خرچ نہیں کر سکتا ——

—— ایک وہ زمانہ تھا کہ اپنے رب پر لوگ اپنی جانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح نثار کرتے تھے، مالوں کا تو کیا ذکر؟ ... مگر ایک وہ ہیں کہ ... اقرار بھی کر جاتے ہیں کہ ہم دین کو دُنیا پر مقدّم کریں گے مگر مدد و امداد کے موقع پر اپنی جیبوں کو دبا کر پکڑ رکھتے ہیں بھلا ایسی محبّت دُنیا سے کوئی دینی مقصد پا سکتا ہے اور کیا ایسے لوگوں کا وجود کچھ بھی نفع رساں ہو سکتا ہے ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لن تنالوا .... مما تحبّون۔

جب تک تم اپنی عزیز ترین اشیاء کو اللہ جلّ شانہٗ کی راہ میں خرچ نہ کرو تب تک تم نیکی کو پا نہیں سکتے۔ چاہیئے کہ ہماری جماعت کا ہر ایک متنفّس عہد کرے کہ میں اپنی حیثیت کے مطابق اتنا چندہ دیا کروں گا کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے عہد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے رزق میں برکت دیتا ہے،

(ملفوظات جلد ششم)

جلسہ سالانہ ۱۹۸۱

۲۴/ ۲۵/ ۲۶/ اور ۲۷ دسمبر ۱۹۸۱ء کو منعقد ہو گا۔

۲۴ دسمبر کو خواتینِ احمدیہ کا جلسہ ہو گا اور نمائش دست کاری ہو گی:

گذشتہ جلسۂ سالانہ پر $\overset{۵۰}{۵۵}$ افرادِ جماعت بیرونِ پاکستان سے تشریف لائے تھے امسال بھی توقع ہے کہ بیرونِ ملک کی جماعتوں کے نمائندے شاملِ جلسہ ہو کر رونق بڑھائیں گے۔ جزائر فجی سے صدر جماعت مسٹر غلام نبی دین صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ نے آنے کی اطلاع دی ہے، اور کشمیر سے چار پانچ سربرآوردہ احباب کے آنے کی خبر آئی ہے ضرورت ہے، کہ اندرونِ ملک کی جماعتیں بھی ابھی سے اس بابرکت اجتماع میں شمولیت کا پروگرام بنائیں اور ہر جماعت کے صدر و سیکرٹری صاحبان زیادہ سے زیادہ تعداد میں افرادِ جماعت کو شاملِ اجلاس ہونے کیلئے تیار کریں اور مجھے اطلاع دیں تاکہ اُن کی تعداد کے مطابق اُن کی رہائش اور دیگر سہولتوں کا بندوبست ہو سکے۔ یہ درست ہے کہ ہر سال آپ لوگ سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے سردی کے یخ بستہ موسم میں امامِ وقت کی خوشنودی کے لئے لاہور آتے ہیں اور ہم اپنے محدود وسائل کے پیشِ نظر اتنی خدمت نہیں کر سکتے جتنی کرنی چاہیئے لیکن آپ کا مقصد بلند اور ارفع ہوتا ہے اور آپ ہماری فروگذاشتوں کو درخورِ اعتنا نہ سمجھتے ہوئے آپ آئندہ سال پھر جوق در جوق تشریف لاتے ہیں، ہم آپ کے اس جذبہ خلوص اور دین کے لئے لگن کی جتنی بھی قدر کریں کم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دین و دنیا میں کامیاب و بامراد کرے۔ آمین!

امسال جلسۂ سالانہ

کے اہتمام کی ذمہ داری انجمن نے مجھے سونپی ہے لہٰذا مستدعی ہوں کہ اس اجتماع کو کامیاب بنانے کے لئے مجھ سے تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ احمدی خواتین سے استدعا ہے کہ وہ دستکاری کے لئے ابھی سے کام شروع کر دیں۔ ہر جماعت کے صدر و سیکرٹری صاحبان سے درخواست ہے کہ وہ ہر اجتماع میں جلسہ کی اہمیت سے ہر فردِ جماعت کو مسلسل توجہ دلاتے رہیں:

والسّلام

مہتمم جلسہ سالانہ چوہدری منصور احمدؐ
دارالسّلام۔ ۵ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن۔ لاہور

اللہ تعالےٰ سے پیار کی شرط

"اللہ تعالےٰ نے اپنا کسی کے ساتھ پیار کرنا اس بات سے مشروط کیا ہے کہ ایسا شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کرے۔ چنانچہ میرا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سچّے دل سے پیروی کرنا اور آپؐ سے محبّت رکھنا انجامِ کار انسان کو خدا کا پیارا بنا دیتا ہے۔ اِس طرح پر کہ خود اس کے دل میں محبتِ الٰہی کی ایک سوزش پیدا کر دیتا ہے۔ تب ایسا شخص ہر ایک چیز سے دل برداشتہ ہو کر خدا کی طرف جھک جاتا ہے اور اس کا انس و شوق صِرف خدا تعالےٰ سے باقی رہ جاتا ہے۔ تب محبّتِ الٰہی کی ایک خاص تجلّی اس پر پڑتی ہے اور اس پر ایک پورا رنگ عشق اور محبت کا دے کر قوی جذبہ کے ساتھ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ تب جذباتِ نفسانیہ پر وہ غالب آجاتا ہے اور اس کی تائید اور نُصرت میں ہر ایک پہلو سے خدا تعالےٰ کے خارق عادت افعال نشانوں کے رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں۔"

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؒ

قرآنِ کریم کے پڑھنے سے

اِنسان کے دِل میں ایک نُور پیدا ہوتا ہے

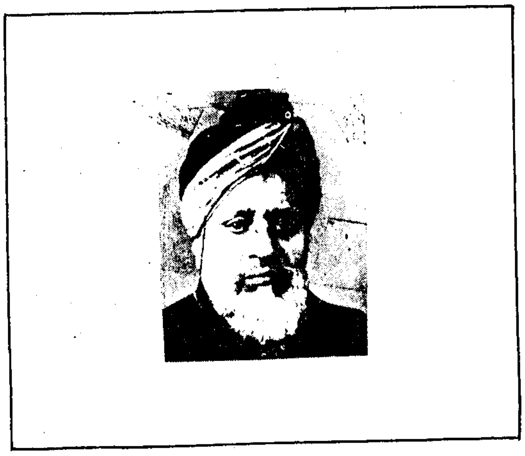

حضرت امیرِ قوم نے فرمایا:۔

"مگر اس کا انحصار اس توجہ پر ہے جس سے انسان اس خدا کے کلام کو پڑھتا ہے۔۔۔ قرآنِ کریم کے بے بہا علوم کے خزانے قیامت تک جاری رہیں گے۔ یہ ایسا سمندر ہے جس کا دروازہ کسی اِنسان کے لئے بند نہیں مگر اس کے اندر سے قیمتی اشیاء کو حاصل کرنے کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہم کس قدر جدوجہد ان کے حصُول کے لئے کرتے ہیں۔ مَیں اپنے احباب کو نصیحت کرتا ہوں کہ دنیا کی مشکلات کا حل قرآن کریم سے کرنے کی کوشش کریں۔ ان مشکلات پر غور کرو اور پھر قرآن کریم پر غور کرو۔ بطور اصول اِس بات کو مدّنظر رکھو کہ دنیا کی مشکلات کا حل خدا پر ایمان میں ہے۔ اور خدا پر ایمان جس قدر قرآن کریم سے پیدا ہوتا ہے اور کسی چیز سے پیدا نہیں ہوتا۔۔۔۔

قرآن کا صحیح عِلم اس وقت خصوصیت سے آپ کی جماعت پر کھولا گیا ہے۔۔۔۔

اور یہ برکت درحقیقت اس وجود کی ہے جس کے قدموں میں بیٹھ کر یہ قرآن کا علم ہمیں حاصل ہوا اس نے ہمیں صحیح راستہ پر ڈالا۔ صحیح علم کے لئے دماغی توازن ضروری ہے اور یہ خُدا کا فضل ہے کہ اس جماعت کا دماغی توازن قائم ہے۔ اور اسی لئے حضرت صاحب کا علمی ورثہ اس چھوٹی سی جماعت میں ہے۔ اور ایک بڑی جماعت نے ایک طرف تو غلو کیا اور دوسری طرف پیری مُریدی کے باعث اس کا دماغی توازن قائم نہ رہا۔ اور یہ شکایت خود اُن کے قائد کی ہے۔ کہ اُن کی جماعت کا دماغی توازن درست نہیں۔۔۔۔۔

لوگ قرآنِ کریم کو پڑھیں۔ سوچ کر اور غور سے پڑھیں۔ خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کسی کو وہ علِم دے دے جس سے مخلوق کو فائدہ پہنچے۔۔۔۔

دُوسرا کام قرآن کریم کو پہنچانا ہے جس میں تم میں سے ہر ایک چھوٹا ہو یا بڑا شامل ہو سکتا ہے۔ کام جو چاہو کرو مگر زندگی کی غرض یہی ٹھہراؤ۔

(مُجاہدِ کبیر۔ صفحہ ۳۰۷)

احمدی خواتین اور اُن کے فرائض

مسز نُصرت احمد صاحبہ ملتان

بطور احمدی خواتین کے ہمیں عورتوں کے لئے ایک بہترین نمونہ پیش کرنا چاہئیے۔ آج کے مضمون میں مَیں چند ایسے سہل اور قابلِ عمل نکات پیش کرتی ہوں جن پر عمل کرنے سے انشاءاللہ خواتین متاثر کن شخصیت بن جائیں گی۔

وقارِ عمل :۔

یہ ہمارے ملک کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ یہاں اپنے ہاتھ سے اپنا کام کرنے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا اور بہت سے معمولی کام کاج کے لئے دوسروں کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً صفائی کرنے والی نہیں ہے تو گھر گندہ پڑا ہے۔ خانساماں کا مزاج ٹھیک نہیں تو کھانا بے مزہ پکا ہے اور اسی طرح کپڑے دھونے، بازار سے سودا سلف لانے، سلائی وغیرہ۔ غرضیکہ اپنی بہت سی ضروریات پُوری کرنے کے لئے ہم دُوسروں کی طرف دیکھتے ہیں۔ کیونکہ ہم خود انہیں پُورا کرنے میں اپنی ہتک خیال کرتے ہیں۔

سُنّتِ رسُول صلعم

ہمارے رسولِ پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس زمانے میں جبکہ لونڈیوں اور غلاموں سے کام لیا جاتا تھا۔ تمام کام خود اپنے ہاتھوں سے کر کے ہمارے لئے نمونہ پیش فرمایا ہے۔ آپؐ کی سیرت کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اپنے کپڑے خود دھو لیتے تھے۔ جُوتا گانٹھتے اور صفائی کرتے تھے۔ اپنا تو بجائے خود غیروں کا بھی سودا سلف لا دیتے تھے۔ تو کیا جو کام ہمارے آقا صلعم کے لئے عار نہ تھے وہ ہمارے لئے عار ہو سکتے ہیں ؟

بہترین ورزش

اپنا کام خود کرنا ایک بہترین ورزش بھی ہے۔ اگر ہماری خواتین گھر کے کام کاج اپنے ہاتھ سے کرنے لگ جائیں تو یقین جانیئے کہ نہ تو کم خوری کی ضرورت ہوگی اور نہ ڈاکٹروں اور زیبائش گھروں کے چکر لگانے کی ضرورت پڑے گی۔ کھانا اچھی طرح ہضم ہوگا۔ اور صحت اچھی رہے گی۔ ملازمین کے ناز نخروں سے نجات ملے گی۔ اور وقت بھی بہتر طور سے گزر جائے گا۔ نیند کے لئے خواب آور گولیوں کی تلاش نہیں کرنی پڑے گی۔

خود کام نہ کرنے کی وجہ سے ہماری خواتین کے پاس چونکہ بہت سافالتو وقت ہوتا ہے اس لئے وہ اس قیمتی وقت کو فضول اور بے کار باتوں میں گزارنے کے مواقع تلاش کرتی ہیں۔ ان کی گفتگو کا دائرہ عموماً کپڑوں۔ زیورات یا ایک دُوسری کی غیبت اور عیب جوئی تک ہی محدود رہتا ہے۔ یہ وقت کا ضیاع بھی ہے اور گناہ بھی۔

ہاں اگر آپ پر گھر کی عام ذمہ داریاں مثلاً کھانا پکانا۔ کپڑے دھونا۔ استری وغیرہ نہ بھی ہوں تو آپ اپنے فارغ وقت کا کوئی بہتر مصرف ڈھونڈ سکتی ہیں۔ اپنے کم عُمر بچّوں پر بھرپور توجّہ دے سکتی ہیں۔ اور اُن کی بہترین تربیت کر سکتی ہیں۔ نپولین نے کہا تھا کہ :۔

"مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں اچھی قوم دوں گا"

کیونکہ بچوں کی اعلےٰ تربیت کر کے اور اس کو بھرپور توجہ دے کر ایک عورت ایک بچہ کو ہی نہیں بلکہ ایک پوری قوم کو بنا رہی ہے۔ اگر احمدی خواتین بچّوں کو دینی اور دنیاوی تعلیم خود دیں تو اس کے نتائج بہت عمدہ اور دُور رس ہوں گے۔ اسی طرح ان کو مذہب اور ملک سے لگاؤ، بزرگوں کا ادب۔ عمدہ اخلاق غرضیکہ چھوٹی چھوٹی عمدہ باتیں بچپن سے سکھائیں۔ بزرگ خواتین اپنے تجربہ اور شفقت سے نئی نسل کو خواہ وہ دُوسروں کی ہی کیوں نہ ہو فیض یاب کر سکتی ہیں۔

روزانہ یہ سوچیں کہ آج اپنے ذاتی کاموں سے ہٹ کر کون سا ایسا کام کیا جا سکتا ہے جو دُوسروں کے فائدے کے لئے ہو۔ کونسی ایسی بات نہ کی جائے جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔

یہ ایک دردمند دل کے افکار ہیں اس لئے مجھے اُمید ہے کہ یہ اور دردمند دلوں کو بھی متاثر کریں گے کیونکہ خوشیاں خوبصورت چہروں کو لیکن درد خوبصورت دلوں کو راس آتے ہیں۔

⁂

از محترمہ جسارت خانم صاحبہ۔ ایم۔ اے

احمدی خواتین کے نام

احمدیت ایک تحریک ہے۔ جس کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ ہیں انہوں نے ارشادِ الٰہی کے تحت ایک جماعت بنائی جس کا نام جماعتِ احمدیہ رکھا اس جماعت میں شامل ہونے والے لوگ احمدی کہلائے احمدی نام حضرت محمد مصطفٰے صلعم کے جمالی نام احمدؐ کی مناسبت سے رکھا گیا۔

جماعتِ احمدیہ میں شامل ہونے والے ہر فرد کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ اسلام کے پانچوں ارکان کی پابندی کرے گا۔ اور حضرت محمد مصطفٰے صلعم کی شریعت پر سختی سے کاربند رہے گا۔ یوں تو عام مسلمانوں کے عقائد کے مطابق بھی شریعتِ محمدیؐ پر عمل ضروری ہے مگر احمدیہ جماعت کے افراد اور دیگر مسلمانوں میں بڑا فرق یہ ہے کہ اس جماعت نے اسلامی شعار کی تعلیم صرف زبانی ہی نہیں دی بلکہ واقعتاً ہزاروں ایسے قابل۔ باعمل اور نیک سیرت لوگ پیدا کئے جن کی بدولت دیگر لوگوں کو ایک پاکیزہ ماحول ملا۔ ماحول کی پاکیزگی سے دُوسروں میں نیکی کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ یہ پاکیزگی سوائے خدا کے مامورین کے اور کوئی پیدا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ خود باعمل ہوتے ہیں۔ اس لئے لوگ خود بخود ان کی طرف کھچے چلے آتے ہیں۔ اور نیکی کا اثر قبول کرتے ہیں۔

جماعتِ احمدیہ کے مرد و زن نے ایسے ہی پاکیزہ ماحول سے متاثر ہو کر دین کی وہ خدمات سرانجام دیں جن کو دیکھ کر مخالف بھی رشک کرتے ہیں۔ احمدی خواتین نے بھی اپنی جماعت کی انفرادی اور اجتماعی ترقی کے لئے وقت اور روپیہ کی بے نظیر قربانیاں دیں۔ انہوں نے اپنے بچوں کی دینی تربیت کے لئے مردوں کے برابر کام کیا۔ دینِ اسلام کی تبلیغ کے سلسلہ میں ہر عورت اپنے اپنے حلقہ میں مبلغہ کا کام کرتی رہیں لیکن جب احمدی خواتین بھی زمانہ کے دنیاوی ماحول سے مغلوب ہو کر خوابِ غفلت میں سو گئیں۔ تو قدرت نے انہیں زبردست جھٹکا دے کر انہیں بیدار کیا۔ اور بتایا کہ تمہاری ذمہ داریاں عام عورتوں کی ذمہ داریوں سے زیادہ ہیں کیونکہ تم نے اپنے امام مجدد صد چہار دہم سے وعدہ کیا تھا کہ تم دین کو دنیا پر مقدم رکھ کر اپنے معاشرہ کی دینی خدمت کرو گی۔ تمہارا کام بڑا اہم ہے۔ کیونکہ تم ایک الٰہی جماعت کی فرد ہونے کی دعویدار ہو۔

یہ حالات ہمارے لئے چیلنج ہیں۔ اب ہمیں اپنی گذشتہ کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہوئے نئے عزم کے ساتھ اور پہلی سی دلچسپی کے ساتھ اپنی اور اپنے بچوں کی اصلاح کی طرف دھیان دینا ہوگا۔ اگر ہم حضرت مرزا صاحبؒ کے دامن سے وابستہ رہنا چاہتے ہیں تو اپنے امام کی طرف سے عائد کردہ شرائط پر بھی نظر ڈال لینی چاہیئے تاکہ ہم اس خوش فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ ہم ایک مامور کی جماعت سے وابستہ ہیں۔ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی کمزوریاں کافی حد تک دُور کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہماری عورتیں انہیں دُور کرنے کا ارادہ کر لیں۔ کیونکہ عورتیں اعتقادات کے لحاظ سے مردوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔ اور بچوں کی تربیت کے لحاظ سے ان کا دائرہ اثر بھی مردوں کی نسبت زیادہ وسیع ہوتا ہے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتاب کشتی نوح کے صفحہ پر لکھا ہے کہ :۔

۱ :۔ "جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا وہ میری جماعت میں سے نہیں"

۲ :۔ "جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے اور آخرت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں"

۳ :۔ "جو شخص درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں رکھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں"

۴ :۔ جو شخص پورے طور پر بدی سے اور بدعملی سے یعنی شراب سے۔ قمار بازی سے۔ بدنظری سے۔ خیانت سے۔ رشوت سے۔ اور ہر ایک ناجائز تصرف سے توبہ نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔

۵ :۔ جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے"

(بقیہ صہ ۹ کالم ۲ پر)

جناب مرزا ناصر احمد صاحب خلیفہ ربوہ کا اتحادِ ملتِ اسلامیہ کا تازہ اعلان

مُسلمانوں کے ۷۳ فرقوں کے باہمی اختلافات فروعی ہیں۔ بنیادی اصولوں پر سب کا اتفاق ہے

اقتباس از کتاب "دورۂ مغرب سنہ ۱۴۰۰ھ" صفحہ ۲۱۵/۲۱۸ طبع شدہ ضیاء الاسلام پریس، ربوہ

بلا تبصرہ :۔ "اسلامی فرقے اور اُن کا باہمی فرق"

اس سوال کے جواب میں کہ اسلام میں کتنے فرقے ہیں اور اُن کا باہمی فرق کیا ہے ؟

حضور نے فرمایا اسلام میں تہتر فرقے ہیں اور ہمارا تہترواں فرقہ ہے۔

ان تمام فرقوں میں بنیادی اختلاف کوئی نہیں ہے۔ تمام فرقے بنیادی مسائل پر پُوری طرح متفق ہیں۔ سب خدا تعالےٰ۔ اس کی کامل توحید۔ اس کی غیر محدود صفات اور غیر محدود قدرتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور آپؐ کے افضل الرسل ہونے پر پورا پورا اعتقاد رکھتے ہیں۔ سب کے نزدیک قرآن مجید کامل اور تا قیامت جاری رہنے والی شریعت ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کی لائی ہوئی دائمی شریعت کی اتباع تمام نوعِ انسانی کے لئے ضروری ہے۔ اسی طرح نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ کی فرضیت پر بھی سب متفق ہیں۔ اختلاف صرف فروعات میں ہے۔ یہ امر باعث افسوس ہے کہ بعض لوگ فروعی اختلافات کی وجہ سے جھگڑے اور ایک دُوسرے کی مخالفت کرتے ہیں۔ جس سے اتحاد کی فضا قائم ہونے میں رخنہ پڑتا ہے۔

اس سوال کے جواب میں کہ آپ کے فرقہ کا دُوسرے فرقوں سے اختلاف کیا ہے ؟ حضور نے فرمایا :۔

محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری زمانہ میں اپنے ایک رُوحانی فرزند کے بطور مسیح موعود آنے اور اصلاحِ خلق کا فریضہ انجام دینے کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ یہ پیشگوئی سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ فرق یہ ہے۔ کہ ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ پیشگوئی بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کی ذاتِ اقدس میں پُوری ہو چکی ہے۔

دُوسرے فرقوں کے لوگ انہیں مسیح موعود نہیں مانتے۔ ہم محبت اور پیار اور بے لوث خدمت سے ان کے دل جیتنے اور انہیں اصل حقیقت سے آگاہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک نمائندہ نے پوچھا کہ کیا یہ امر کہ آپ کو دُوسرے فرقے مسلمان نہیں مانتے آپ کے لئے کوئی مشکل یا مسئلہ تو پیدا نہیں کرتا ؟ حضور نے فرمایا یہ مسئلہ ہے تو ان کے لئے ہے میرے لئے نہیں۔ میرے لئے تو قرآن کا حکم اور فیصلہ کافی ہے۔ قرآن کہتا ہے :۔

قالت الاعراب امنا ۔ قل لم تؤمنوا ولکن قولوآ اسلمنا ولمّا یدخل الایمان فی قلوبکم۔ وان تطیعوا اللّٰہ ورسولہٗ لا یلتکم من اعمالکم شیئًا ۔ ان اللّٰہ غفورٌ رحیم ۔ (الحجرات آیت ۱۴)

اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ بعض بادیہ نشین عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں یعنی ہم مومن ہیں۔ (اللہ کہتا ہے) ان اعراب سے کہو کہ تم ابھی ایمان نہیں لائے۔ یعنی تم مومن نہیں بنے۔ بلکہ یہ کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں یعنی ہم مسلمان ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے ایمان لانے اور اسلام لانے میں فرق بتایا ہے۔ خدا جو عالم الغیب ہے اور جو دلوں کے بھیدوں کو بھی خوب جانتا ہے وہ ان لوگوں کو جن کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا یہ حق دیتا ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہہ سکتے ہیں۔ اس صورت میں کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی ایسے شخص کو جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو یہ کہے کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ اگر قرآن پر عمل کرنا ہے تو اُسے بہرحال مسلمان تسلیم کرنا پڑے گا جو لوگ ہمیں مسلمان تسلیم نہیں کرتے وہ قرآن کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ لیکن ہم ان کا یہ حق تسلیم کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے آپ کو مُسلمان کہہ سکتے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک وہ اُمتِ مسلمہ کا حصہ ہیں۔

اس پر نمائندے نے کہا کہ وہ آپ کو مُسلمان نہیں مانتے اس کے باوجود آپ انہیں مسلمان کہیں گے ؟ حضور نے فرمایا ہاں اس کے باوجود ہم انہیں مسلمان مانتے ہیں۔ اگر وہ ہمیں مُسلمان نہ کہہ کر قرآن کی خلاف ورزی کر رہے ہیں تو اس کے یہ معنے تو نہیں ہیں کہ ہم بھی قرآن کی خلاف ورزی کریں۔ کوئی اور کرتا ہے تو کرے ہم تو قرآن کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ حضور نے فرمایا ہم تو ان کے لئے اپنے دل میں اچھے جذبات رکھتے ہیں۔ اور دل سے اُن کے خیر خواہ ہیں اور اُن کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اگر کوئی مجھے صبح سے شام تک گالیاں دیتا ہے۔ تو مجھے اس سے کیا۔ وہ اپنا وقت آپ ضائع کرتا ہے۔ لیکن میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان میں اچھے لوگ بڑی کثرت سے ہیں۔ لاکھ میں سے ایک بھی مشکل سے ایسا ہوگا۔ جو ہمیں دُکھ دیتا ہے۔ ایسے قلیل حصہ کی وجہ سے پوری قوم کو تو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

بقیہ :۔ احمدی خواتین کے نام

۶ :۔ جو شخص دُعا میں لگا نہیں رہتا انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں

۷ :۔ جو شخص بد رفیق کو نہیں چھوڑتا جو اس پر بد اثر ڈالتا ہے۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں۔

۸ :۔ جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان سے پیش نہیں آتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔

۹ :۔ جو شخص اپنے ہمسائے کو ادنیٰ ادنیٰ خیر سے محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔

۱۰ :۔ جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصور وار کا گناہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔

۱۱ :۔ ہر ایک مرد جو اپنی بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آوے وہ میری جماعت میں سے نہیں

۱۲ :۔ جو شخص اس عہد کو جو اس نے بیعت کے وقت کیا تھا کسی پہلو سے توڑتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں

۱۳ :۔ جو شخص فی الواقعہ مجھے مسیح موعود و مہدی موعود نہیں سمجھتا وہ میری جماعت سے نہیں۔

۱۴ :۔ جو شخص امور معروفہ میں میری اطاعت کرنے کے لئے تیار نہیں وہ میری جماعت میں سے نہیں۔

۱۵ :۔ ہر ایک زانی۔ فاسق۔ شرابی۔ خونی۔ چور۔ قمار باز۔ خائن۔ مرتشی۔ غاصب۔ ظالم۔ دروغ گو۔ جعلساز اور ان کا ہم نشین اور اپنے بھائیوں پر تہمتیں لگانے والا جو اپنے افعال شنیعہ سے توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں۔

" یہ سب زہر ہیں تم ان زہروں کو کھا کر بچ نہیں سکتے۔ سو اے لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت میں شمار کرتے ہو آسمان پر تم اسوقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقوےٰ پر قدم مارو گے۔"

اندازہ لگائیں کہ کتنی سخت شرائط ہیں۔ یعنی اگر ان باتوں میں سے ایک کو بھی نظر انداز کر دیں تو ہم یقیناً جماعتِ احمدیہ کے فرد کہلانے کے مستحق بھی نہیں ہوتے چہ جائیکہ سب باتوں سے پہلو تہی کی جائے۔ خدا ہماری یہ غفلت معاف کرے اور تقوےٰ کے بلند مقام پر پہنچنے کی ہمت دے۔

اب جماعت کی زندگی صرف جہادِ نفس سے ہی ممکن ہے۔ اس لئے

ڈھونڈو وہ راہ جس سے دل و سینہ پاک ہو
نفسِ دُنی خدا کی اطاعت میں خاک ہو

محترم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کا خطبۂ نکاح

بر موقع تقریب شادی خادم قدوس اختر سلمہٗ ولد جناب سعد اختر صاحب ہمراہ عزیزہ غزالہ شاہین سلمہا بنت خادم مظفر حسین صاحب

رپورٹ :- ... مولوی شفقت رسول خان .....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱:- یاایھا الذین اتقوا ربکم .... ان اللہ کان علیکم رقیبا ۵ (سورۂ نساء: ۱)

۲:- یاایھا الذین اٰمنوا .... وانتم مسلمون ۵ (آل عمران: ۱-۲)

۳:- یاایھا الذین اٰمنوا .... فقد فاز فوزاً عظیماً ۵ (احزاب: ۷ تا ۱۷)

ان تین آیات تلاوت کردہ کی تلاوت نکاح کے موقع پر مسنون ہے جن کا تعلق انسانی زندگی اور مرد اور عورت کی یکسانیت اور باہمی معاشرت پر اعلیٰ اخلاقی اصولوں سے وابستہ ہے۔ پہلی آیت میں تمام نسل انسانی کو خطاب کیا گیا چنانچہ فرمایا کہ :" اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ کرو جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے۔ اور اس کی مانند اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان سے کثرت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔ پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کے واسطہ سے تم سوال کرتے اور رحموں کی پاسداری کرو۔ اللہ تم پر نگہبان ہے۔" اور دوسری آیت میں ارشاد ہے :- " اے ایمان والو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ کرنے کا حق ہے۔ اور تم پر موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبردار ہو۔" تیسری آیت میں ارشاد ہے :- " اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سیدھی و سچی بات کہو۔ وہ تمہارے اعمال کی اصلاح کرے گا اور تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔"

ان آیات میں جن تین امور کی نشاندہی کی گئی ہے ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ تمام انسان ایک ہی قسم کی مخلوق ہیں۔ مرد ہو یا عورت ان کی تخلیق ایک ہی مادہ سے ہے گویا مرد و عورت کی اصلیت ایک ہی ہے۔ ان میں غیریت یا اجنبیت نہیں۔ باوجود اختلاف رنگ و نسل و زبان و افعال کے اگرچہ مختلف ہیں۔ اسی طرح یہ خیال بھی باطل ہے کہ مرد و عورت میں بنیادی تفریق ہے جیسے کہ بعض تہذیبوں نے اسے جائز بنا رکھا ہے اسی لئے فرمایا ہے کہ خلقکم من نفس واحدۃ تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مرد و عورت کے بنیادی انسانی حقوق مساوات اور برابری کے حامل ہیں۔ اس طرح اونچ نیچ کی تفریق کو مٹا دیا ہے تاکہ کوئی دوسرے کو کمتر و حقیر نہ سمجھے بلکہ اس حقیقت پر نظر رکھے کہ سب انسانوں کا خالق ایک خدا ہے اس لئے سب انسانوں کے حقوق بطور انسانیت ایک جیسے ہیں۔ خدا کا تقویٰ اس طرح اختیار کرو کہ خدا کو حاضر ناظر جان کر زندگی بسر کرو۔ صدق اور راستی کو اختیار کرو کیونکہ سچائی پر جملہ نیکیوں کی بنیاد ہے۔ جو شخص سچائی کو اختیار کرتا ہے اس کے باقی اعمال کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے اندر متعدد برائیوں اور خرابیوں کا ذکر کر کے عرض کیا کہ میں ان سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم صرف یہ پختہ عہد کرو کہ تم ہمیشہ سچ بولو گے چنانچہ اس نے اقرار کیا اور چلا گیا پھر جب وہ کسی بدی کا ارادہ کرتا تو یہ خیال آتا کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دریافت کریں گے تو میں جھوٹ تو بول نہیں سکتا اس لئے بدی کا اقرار کرنا پڑے گا تو شرمندگی ہوگی لہٰذا بہتر یہ ہے کہ برائی سے ہی اجتناب کرو۔ چنانچہ اس ایک عہد پر قائم رہنے کے باعث کہ میں نے سچ بولنا ہے اس شخص سے تمام برائیاں چھوٹ گئیں۔ اس طرح صرف صدق و سچائی کی صفت کو اختیار کرنے کی برکت سے جملہ اخلاقی برائیوں سے نجات حاصل کر لی۔ پس اسی لئے یہ فرمایا کہ سچ بولنے کا ایک زریں گر تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا۔ سچائی جملہ معاشرتی پہلوؤں کی اصلاح کرتی ہے اور معاشرہ کو ایک مثالی معاشرہ بناتی ہے کیونکہ گھریلو خاندان کا مختصر یونٹ معاشرہ کی اکائی ہے۔ اگر میاں بیوی سے آباد گھر خوشی و مسرت کا گہوارہ بن جائے اور جملہ گھروں میں اطمینان و راحت، سکون و مسرت کی حکمرانی کی خواہش ہو تو پھر قولوا قولاً سدیداً کے سنہری اصول کو ہمیشہ نظر میں رکھنا چاہیئے۔ تاہم سچ بولنے اور صدق اختیار کرنے کا اصول اگر میاں بیوی اپنا لیں تو گھریلو زندگی راحت اور خوشی کی حامل ہوگی گویا گھر جنت بن جائے گا۔ سچائی ایک نور ہے جب خدا کے اس نور سے انسان کا دل منور ہو جائے تو گھر یا محلہ یا شہر سب کے سب مثالی معاشرہ کا نقشہ پیش کریں گے کیونکہ خاوند و بیوی کا رشتہ ایسا قریب ترین رشتہ ہے کہ جھوٹ چھپا نہیں رہ سکتا جب جھوٹ کی قلعی کھل جائے تو پھر باہمی اعتماد و اتفاق قائم نہیں رہ سکتا۔ اور پھر گھریلو امن برباد ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اس لئے جھوٹ سے دور رہنا ہی تمام برائیوں سے دور رہنا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ارشاد ہوا تھا کہ قلنا یادم اسکن انت وزوجک الجنۃ وکلا منہا رغداً حیث شئتما ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین ۵ اے آدم تم اپنی بیوی کے ساتھ جنت ارضی میں رہو اور اس سے کھاؤ با فراغت مگر تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ گنہگار ہو جاؤ گے۔ پس سچائی کو اختیار کرنا جنت کی کلید اور جھوٹ کا اپنانا بربادی یعنی فساد و بے امنی کی جڑ ہے اس لئے سچائی کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی بسر کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان تین آیات کریمہ میں جن کی تلاوت ہر نکاح کے موقع پر کرنا مسنون ہے۔ پانچ اصول گھریلو زندگی اور انسانی معاشرہ کو پُرامن، خوشگوار اور خوشحال اور راحت کا جنتی گہوارہ بنانے کے لئے تلقین کئے گئے ہیں (۱) انسان کے ہر فعل کی نگرانی خدا تعالےٰ کر رہا ہے۔ (۲) جملہ انسان بلا کسی تفریق ایک جیسے بنیادی حقوق و ذمہ داریوں کے حامل ہیں (۳) صداقت تمام نیکیوں کی جڑ ہے تعلقات انسانیہ کو بہتر بنانے کے لئے صدق گوئی کو شعار زندگی بنانا ضروری ہے۔ (۴) صدق و راست روی سے انسانی کمزوریوں کی پردہ پوشی ہو جاتی ہے اور باہمی صلاحیت و صلح کے تعلقات قائم رہتے ہیں۔ (۵) مرد و عورت میں جو تعلق نکاح سے پیدا ہوتا ہے وہ زندگی بھر یا تاحیات قائم رکھنا ضروری ہے یعنی اس عہد میں تا وفات ثابت قدم رہنا یا وفا شعاری دکھلانا لازم ہے۔ آخر میں اس کے لئے دعائے صحت و عافیت اور خوشگوار زندگی گزارنے کی دعا فرمائی گئی۔

بہترین وظیفہ

سوال :- بہترین وظیفہ کیا ہے ؟

جواب :- نماز سے بڑھ کر اور کوئی وظیفہ نہیں ہے کیونکہ اس میں حمد الٰہی ہے استغفار ہے اور درود شریف ہے۔ تمام وظائف اوراد کا مجموعہ یہی نماز ہے۔ اور اس سے ہر ایک قسم کے غم اور ہم دور ہوتے ہیں اور مشکلات حل ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ذرہ بھی غم پہنچتا تو آپ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور اس لئے فرمایا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ اطمینان سکینت قلب کے لئے نماز سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ لوگوں نے قسم قسم کے ورد اور وظیفے اپنی طرف سے بنا کر لوگوں کو گمراہی میں ڈال رکھا ہے

------ میرے نزدیک سب وظیفوں سے بہتر وظیفہ نماز ہی ہے۔ نماز ہی کو سنوار سنوار کر پڑھنا چاہیئے اور سمجھ سمجھ کر پڑھو اور مسنون دعاؤں کے بعد اپنے لئے اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو۔ اس سے تمہیں اطمینان قلب حاصل ہوگا اور سب مشکلات خدا چاہے گا تو اسی سے حل ہو جائیں گی۔ نماز یاد الٰہی کا ذریعہ ہے اس لئے فرمایا ہے :- اقم الصلوٰۃ لذکری۔

ایمان کی حقیقت اور معرفت کا نور

انسان کی زندگی کا اصل مقصد خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا ہے؟

از :۔ ملک ظفر اللہ خانصاحب راولپنڈی

ان الذین اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت لھم جنٰت تجری من تحتھا الانھار۔ ذالک الفوز الکبیر

ترجمہ :۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

حقیقتِ ایمان کو سمجھنے سے پہلے اس بات کو سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے اندر فرماتا ہے۔

ما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا۔

کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ تو پھر انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے کس غرض و غایت کے لئے پیدا کیا گیا۔ سو اس کے متعلق خود ہی فرماتا ہے:۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ یعنے میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے جانیں اور میری پرستش کریں۔ پس اس آیت کی رُو سے اصل انسان کی زندگی کا مدعا خدا تعالےٰ کی معرفت اور خدا تعالےٰ کے لئے ہو جانا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو تو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے۔ کہ اپنی زندگی کا مدعا اپنے اختیار سے آپ مقرر کرے۔ کیونکہ انسان نہ اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے واپس جائے گا بلکہ وہ ایک مخلوق ہے اور جس نے پیدا کیا اور تمام حیوانات کی نسبت عمدہ اور اعلےٰ قویٰ اس کو عنایت کئے اسی نے اس کی زندگی کا ایک مدعا ٹھہرا رکھا ہے خواہ کوئی انسان اس مدعا کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر انسان کی پیدائش کا مدعا بلاشبہ خدا کی پرستش اور خدا تعالےٰ کی معرفت اور خدا تعالےٰ میں فانی ہو جانا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس مقصد یعنے اللہ تعالےٰ کی معرفت اور خدا تعالےٰ میں فانی ہونے کے لئے کون سا صراطِ مستقیم ہے۔ کیونکہ قانونِ قدرت بتا رہا ہے کہ ہر ایک چیز کے حصول کے لئے ایک صراطِ مستقیم ہے۔ اور اس کا حصول اسی پر قدم موقوف ہے۔ چونکہ مختلف الخیال لوگوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک راہ مذہب کے نام پر اختیار کر لی ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے جس کی وجہ سے پہلے ان کی روحانی زندگی بہت ہی کمزور ہو گئی ہے۔ اور ان کی بے جا آزادی اور ضعفِ ایمان نے بہت ہی بُرا اثر ان کے ارادت باطنی اور ان کی دینی اولوالعزمی اور ان کی اندرونی حالت پر ڈالا ہے اور عجیب طور پر انہوں نے بطالت کو صداقت کے ساتھ ملا لیا ہے۔ سو مذہب وہ چیز ہے جس کی برکات کی اصل جزو ایمان و اعتبار و حسنِ اعتقاد ہے و حسنِ ظن و اطاعت و اتباع مخبر صادق صلعم و کلام الٰہی ہے لیکن فلسفی لوگ اپنے غلط فلسفہ کی وجہ سے مذہب کی حقیقت کچھ اور ہی سمجھ رہے ہیں سو انہیں لازم ہے کہ تعصب اور خود پسندی کے شور و غوغا سے اپنے تئیں الگ کر کے سیدھی نظر اور سیدھے خیال سے اس سوال پر غور کریں کہ ایمان کیا شے ہے؟ اور اس پر ثواب حاصل ہونے کی کیوں اُمید کی جاتی ہے سو جاننا چاہیئے۔ کہ ایمان اس اقرارِ لسانی و تصدیق قلبی کا نام ہے جو تبلیغ و پیغام کسی نبیؐ کی نسبت محض خدا کا خوف اور دور اندیشی کے لحاظ سے صرف نیک ظنی کی بنیاد پر ہے یعنے وجوہ کو سمجھ کر اور اس طرف غلبہ اور رُجحان پا کر بغیر کامل انتظار اور قطعی و انکشاف ثبوت کے دلی انشراح سے قبولیت و تسلیم ظاہر کی جائے۔ لیکن جب ایک خبر کی صحت پر وجوہِ کاملہ قیاسیہ اور دلائل کافیہ عقلیہ مل جائیں تو اس بات کا نام ایقان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں علم الیقین کہتے ہیں اور جب خدا تعالےٰ خود اپنے خاص جذبہ موہبت سے خارق عادت کے طور پر انوارِ ہدایت کھولے اور اپنے آلاء و نعما سے آشنا کرے اور لدنی طور پر عقل اور علم عطا فرمائے اور ساتھ اس کے ابواب کشف اور الہام بھی منکشف کر کے عجائبات الوہیت کی سیر کرا دے اور اپنے محبوبانہ حسن و جمال پر اطلاع بخشے۔ تو اس مرتبہ کا نام عرفان ہے۔ جس کو دوسرے لفظوں میں عین الیقین اور ہدایت اور بصیرت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور جب ان تمام مراتب کی شدت اثر سے عارف کے دل میں ایک ایسی کیفیت عشق اور محبت کی باذنہٖ تعالےٰ پیدا ہو جائے کہ تمام وجود عارف کا اس کی لذّت سے بھر جائے اور آسمانی انوار اس کے دل پر بکلّی احاطہ کر کے ہر ایک ظلمت و قبض و تنگی کو درمیان سے اُٹھا دیں۔ یہاں تک کہ بوجہ کمال رابطہ عشق و محبت و باعث انتہائے جوش صدق و صفا کے بلا و مصیبت بھی محسوس اللذات و مدرک الحلاوت ہو تو اس درجہ کا نام اطمینان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں حق الیقین اور فلاح اور نجات سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ مگر یہ سب مراتب ایمانی مرتبہ کے بعد ملتے ہیں۔ اور اس پر مترتب ہوتے ہیں۔ جو شخص اپنے ایمان میں قوی ہوتا ہے وہ رفتہ رفتہ ان سب مراتب کو پا لیتا ہے۔ لیکن جو شخص ایمانی طریق کو اختیار نہیں کرتا اور ہر ایک صداقت کے قبول کرنے سے اوّل قطعی اور یقینی اور نہایت واشگاف ثبوت مانگتا ہے۔ اس کی طبیعت کو اس راہ سے کچھ مناسبت نہیں اور وہ اس لائق ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس قادر غنی بے نیاز کے فیوض حاصل کرے۔ عادت اللہ قدیم سے اسی طرح پر جاری ہے۔ اور یہ فن علم الٰہی کا نہایت باریک نکتہ ہے جس پر سعادت مندوں کو غور کرنا چاہیئے کہ ہمیشہ ثواب اور فیضانِ سماوی ایمان پر ہی مترتب ہوتا ہے۔ اس راہ کا سچا فلسفہ یہی ہے کہ انسان کے دین قبول کرنے کی ابتدائی حالت میں اس بے نیاز مطلق اور اس کی قدرت اور اس کے وعدہ وعید اور اس کے اخبار و اسرار قبول کرنے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ طریق اختیار کیا جائے جس سے خدائے غنی مطلق جو مخلوق اور مخلوق کی عبادت سے بکلّی بے نیاز ہے۔ راضی ہو جائے اور اس کے فیوض رحمت اترنے شروع ہو جائیں جس سے اندرونی آلائشیں دور ہو کر صحنِ سینہ یقین اور معرفت سے پُر ہو جائے سو یہ تدبیر اپنی فکر سے پیدا کرنا انسان کا کام نہیں تھا اس لئے اللہ جلشانہٗ نے اپنے وجود اور اپنے عجائبات قدرت خالقیت یعنی ارواح و اجسام و ملائک و دوزخ و بہشت و بعث و حشر و رسالت و دیگر تمام اسرار مبداء و معاد کو یکساں طور پر پردہ غیب میں رکھ کر اور کچھ کچھ قیاسی یا امکانی طور پر عقل کو اس کوچہ میں گذر بھی دے کر غرض کچھ دکھلا کر اور کچھ چھپا کر بندوں کو ان سب باتوں پر ایمان لانے کے لئے مامور کیا اور یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ جب بندہ باوجود کشمکش مخالفانہ خیالات کے خدائے تعالےٰ کی ہستی پر ایمان لائے گا اور سب عجائبات اُخروی، وجود دوزخ و بہشت و ملائک وغیرہ کو اس کی قدرت میں داخل سمجھ کر دیکھنے سے پہلے ہی قبول کرے گا تو یہ قبول کرنا اس کے حق میں صدق شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ ہنوز یہ چیزیں پردہ غیب میں ہیں اور مرئی اور مشہود طور پر ظاہر اور نمایاں نہیں ہیں سو یہ صدق خدائے تعالےٰ کی توجہ رحمت کے لئے ایک موجب ہو جائے گا کیونکہ خدا تعالےٰ بوجہ اپنی استغناء ذاتی کے انہی لوگوں پر توجہ کرتا ہے جن کا صدق ظاہر ہوتا ہے۔ یوں تو انسان کی فطری عادت ہے کہ جو چیز کھلے کھلے طور پر مضر یا مفید ہو اس سے یا نفرت سے بھاگتا ہے یا اس کے لینے کو بصد رغبت دوڑتا ہے۔ یعنی جیسی صورت ہو لیکن وہ اپنی اس عادت سے کسی ثواب کا مستحق نہیں ٹھہر سکتا۔

سو ثواب حاصل کرنے اور یقینی معرفت حاصل کرنے کے لئے ایمان ایک زینہ ہے جس پر چڑھنے کے بغیر سچی معرفت کو طلب کرنا باریک غلطی ہے اور اس زینہ پر چڑھنے والے معارف صافیہ اور مشاہدات شافیہ کا چہرہ دیکھ لیتے ہیں۔ سو ایمانیات میں سب سے مقدم امر خدا تعالےٰ کی ہستی اور اس کے علیم و حکیم اور قادرِ مطلق اور مدبر بالارادہ ہستی اور وہ وحدہٗ لاشریک اور ازلی ابدی اور ذوالعرش اور پھر ہر جگہ اس کے حاضر و ناظر ہونے پر ایمان لانا ہے۔ اور یہ ایمان لانا اس طور پر ہے جس کا ثبوت اعمالِ صالحہ کے رنگ میں ہے۔ چنانچہ بشر الذین اٰمنوا و عملوا الصلحٰت میں صاف طور پر ایمان کو باغ سے مشابہت دی ہے۔ جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ گویا جو رشتہ نہروں کا باغ کے ساتھ ہے وہی رشتہ اعمالِ صالحہ کا ایمان کے ساتھ ہے۔ جیسے کوئی باغ بدوں پانی سرسبز نہیں رہ سکتا ایسے ہی کوئی ایمان بدوں اعمالِ صالحہ کے زندہ ایمان نہیں کہلا سکتا۔ اگر ایمان ہو اور اعمالِ صالحہ نہ ہوں تو وہ اعمال ریاکاری ہیں۔ اسلامی بہشت کی یہی حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان و عمل کا ایک پھل ہے۔ وہ کوئی چیز ایسی نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملے گی۔ بلکہ انسان کی بہشت انسان کے اندر ہی سے نکلتی ہے۔ اور ہر ایک کی بہشت اس کا ایمان اور اسی کے اعمال

صالحہ ہیں جن کی لذت اسی دنیا میں شروع ہو جاتی ہے۔ اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ نظر آتے ہیں۔ اور نہریں بھی دکھائی دیتی ہیں لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہوں گے۔ خدا کی پاک تعلیم ہمیں یہی سکھاتی ہے کہ سچا پاک اور مستحکم اور کامل ایمان جو خدا اور اس کی صفات اور اس کے ارادوں کے متعلق ہو وہ بہشت جو خوشنما اور بار ور درخت ہے اور اعمالِ صالحہ اس کی نہریں ہیں۔ وہ مؤمن جن کا ایمان بدون اعمالِ صالحہ کے ہے ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

ومن الناس من یقول اٰمنا باللّٰہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین۔ اور کچھ حصہ ان تمام لوگوں میں سے ان کا ہے جو بتاتے ہیں کہ ایمان لائے ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر اور وہ مؤمن نہیں ہیں اٰمنا باللّٰہ وبالیوم الاٰخر کے الفاظ کہنے میں یہ بھی سِر ہے کہ منافقوں کی عملی حالت کی سستی کو بھی دکھایا جائے۔ کیونکہ سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات میں متقی کے لئے یؤمنون بالغیب کے بعد اعمال کا ذکر ہے اور یہاں منافقانِ اعتقادی کی حقیقت ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ گویا عملی حصہ میں سست ہیں۔

اعتقادی اور عملی نفاق :۔

اعتقادی نفاق تو یہ ہے کہ جو افعال اور اعمال زبان اور دیگر جوارح سے بطرز مؤمن صادر ہوتے ہیں ان کا یقین قطعاً قطعاً دل میں نہیں ہوتا چونکہ اعمال بدون ایمان کچھ نتیجہ پیدا نہیں کر سکتے اس لئے ایسے منافق بہت ہی بُری حالت میں ہوتے ہیں

عملی نفاق یہ ہے کہ بات کرے تو جھوٹ بولے وعدے کرے تو وعدہ خلافی کرے۔ امانت میں خیانت کرے۔ معاہدہ کرلے تو غداری کرے۔ لڑائی میں غلیظ گالیاں دے۔ عشاء اور فجر کی نمازوں میں عموماً سست ہو۔ عام طور پر نمازوں میں حضورِ قلب اور صدقِ نیت سے شامل نہ ہو بلکہ نمائش اور ریاکاری کے طور پر بھی خدا تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے جی چرائے۔ کوئی دوسرا بھلا کام کرے خواہ وہ ادنےٰ ہو یا اعلےٰ اس میں نکتہ چینی کرے۔ مؤمنوں کے رنج وراحت میں شریک نہ ہو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی صورت ہے جس سے کامل ایمان پیدا ہو کر اعمالِ صالحہ سرزد ہوں۔ اور انسان گناہ کی زہر سے بچ جائے۔ اس کے لئے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ انسان جو گناہ کرتا ہے اور نافرمانی کرتا ہے اور اس کے دل پر لرزہ نہیں پڑتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خداشناسی کی معرفت اسے حاصل نہیں ہو سکی۔ اس لئے گناہ کا سوائے اس کے کوئی دوسرا علاج نہیں ہے اور وہ یہی کہ لوگوں کو خدا تعالےٰ کی معرفت حاصل ہو۔

تمام سعادت مندی کا مدار خداشناسی پر ہے

نفسانی جذبات اور شیطانی محرکات سے روکنے والی صرف ایک ہی چیز ہے جو خدا تعالےٰ کی معرفت کہلاتی ہے۔ جس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ خدا ہے اور وہ بڑا قادر ہے۔ وہ ذوالعذاب الشدید ہے یہی ایک نسخہ ہے جو انسان کی متمرد زندگی پر ایک بھسم کر دینے والی بجلی گرا دیتا ہے۔ پس جب تک انسان اٰمنت باللّٰہ کی حدود سے نکل کر عرفت اللّٰہ کی منزل میں قدم نہیں رکھتا۔ تب تک اس کا گناہوں سے بچنا محال ہے۔ پس جب تک انسان میں خدا کی معرفت اور گناہوں کے زہر کا یقین پیدا نہ ہو کوئی اور طریق خواہ وہ خودکشی ہو یا قربانی کا خون نجات نہیں دے سکتا۔ اور گناہ کی زندگی پر موت وارد نہیں کر سکتا۔ تو ایسے یقین کے خواہش مند کے لئے ضروری ہے کہ وہ کونوا مع الصّٰدقین سے حصے جس کی ہر بات صداقت اور راستی ہونے کے علاوہ اس کے تمام حرکات و سکنات و اقوال سب صدق سے بھرے ہوئے ہوں گویا یوں کہو کہ اس کا وجود ہی صدق پر ہو گیا ہو اور اس کے صدق پر بہت سے تائیدی نشان اور آسمانی خوارق گواہ ہوں۔

صحبت صادقین کی ضرورت

چونکہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے اس لئے جو شخص ایسے آدمی کے پاس جو اپنے حرکات و سکنات و اقوال و افعال میں خدائی نمونہ اپنے اندر رکھتا ہے صحت نیت اور پاک ارادے اور مستقیم جستجو سے ایک مدت تک رہے گا۔ تو یقین کامل ہے کہ اگر وہ دہریہ بھی ہوگا تو آخر خدا تعالےٰ کے وجود پر ایمان لے آئے گا۔ انسان اصل میں دو انسان کا مجموعہ ہے۔ اس لئے ایک کامل انسان کی صحبت اور صادق کی معیت اسے وہ نور عطا کرتی ہے جس سے وہ خدا تعالےٰ کو دیکھ لیتا ہے۔ اور گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ انسان کے دراصل دو وجود ہوتے ہیں۔ ایک پیدائشی اور ایک صادق کی صحبت میں تیار ہوتا ہے اس کے پیدا ہونے پر اس مادی وجود پر ایک قسم کی موت وارد ہو جاتی ہے یہ سنت اللہ اور استمراری عادت اللہ ہے کہ جب دنیا میں بدی پھیلتی ہے اور لکھے پڑھے بھی بندر اور سؤر اور عبد الطاغوت ہو جاتے ہیں۔ خدا کا خوف دلوں سے اٹھ جاتا ہے۔ اور انسانیت مسخ ہو کر حیوانیت اور بہیمیت غالب ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ محض اپنے فضل و کرم سے تباہ شدہ مخلوق کی دستگیری کے لئے ایک ایسا صالح بندہ دنیا میں بھیجتا ہے جو آکر ان کی گمشدہ متاع پھر ان کو دیتا ہے اور خبیثوں اور طیب لوگوں میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے سے قرآن مجید ذیل کے الفاظ میں دنیا کی حالت کا نقشہ کھینچتا ہے۔

ظھر الفساد فی البر و البحر

جنگلوں اور سمندروں میں غرض ہر جگہ تری اور خشکی میں فساد نمودار ہو گیا تھا۔ وہ جو اپنے آپ کو ابراہیم کے فرزند کہلاتے تھے ان کی نسبت قرآن ہی نے شہادت دی ہے۔

اکثرھم فاسقون ان میں اکثر لوگ فاسق تھے اور یہاں تک فسق و فجور نے ترقی کی ہوئی تھی کہ جعل منھم القردۃ والخنازیر یہ امت کے پڑھے لکھے لوگوں کا نقشہ ہے کہ وہ ایسے ذلیل و خوار ہیں جیسے بندر اور ایسے شہوت پرست جیسے خنزیر۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے ان لوگوں کا جو لکھے پڑھے نہ تھے۔ غرض جس طرف نظر اٹھا کر دیکھو۔ جدھر نگاہ دوڑاؤ دنیا کیا بلحاظ عبادات اور معاملات ہر طرح ایک خطرناک تاریکی میں مبتلا تھی۔ اور دنیا کی حالت بالطبع چاہتی تھی۔ مردے از غیب بروں آید و کارے بکند چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل اور کرم سے ایک رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کو عربوں میں مبعوث کیا۔ جیسا کہ فرمایا۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولًا منھم۔ پہلا کام یہ کیا کہ ان پر خدا کی آیات پڑھ دیں۔ دوسرا کام ان کو پاک کیا ہے۔ ویزکیھم۔ اس دعوی کا ثبوت بھی دیا جبکہ ان میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی۔ نہ قوم جو بُت پرستی میں غرق تھی لا الٰہ الا اللّٰہ کہنے والی ہی ثابت نہیں ہوئی بلکہ توحید کو جوش اور صدق سے انہوں نے قبول کر لیا کہ تلواروں کے سائے میں بھی اس عہد کو نہیں بھولے۔

فدم الرجال لصدقھم فی حبّھم

تحت السیوف اریق کالقربانی

سو ان مردوں کے خون ان کے خلوص محبت کے باعث تلواروں کے نیچے قربانیوں کی طرح بہائے گئے۔ ملک و مال، احباب و رشتہ داروں کو چھوڑنا منظور کر لیا مگر اس چھوڑی ہوئی بُت پرستی کو پسند نہ کیا

جب حضورؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو ایک صحابی کثیر جائداد کی وجہ سے مکہ ہی میں رہ گئے تھے۔ کچھ دنوں بعد جب انہیں حضورؐ کی محبت نے بیقرار کیا تو مدینہ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ کفارِ مکہ نے دھمکی دی کہ تمہاری جائیداد ضبط کر لی جائے گی اور تمہیں یہاں سے کوئی چیز لے جانے دی جائے گی۔ تو انہوں نے کہا۔ "کوئی بات نہیں لے لو۔ میں اب رک نہیں سکتا۔ آپؐ کی مہجوری کا صدمہ برداشت نہیں کیا جاتا"۔ جب وہ جانے کیلئے تیار ہوئے تو کہا جُوتے اور کپڑے بھی اتار دو۔ گویا ایک چھوٹی سی دھوتی باندھنے کو دے کر کپڑے اور جُوتے بھی اتار لئے۔ مگر اس پر مداخلت اور اصرار نہ کیا۔ پھر پا برہنہ تین صد میل کی مسافت طے کر کے اپنے محبوبؐ کے پاس پہنچ گئے۔ اللھم صل علےٰ محمد و علیٰ آلِ محمد

جاؤک یلمون بین کالعریان

فسترتھم بملاحف الایمان

وہ تیرے پاس لٹے کھٹے مانند برہنہ آئے پس تو نے انہیں ایمان کی چادریں اوڑھا دیں۔

گویا ان لوگوں نے اپنے سید و مولےٰ صلعم کے ساتھ وہ وفاداری اور ثباتِ قدم دکھایا جس کی نظیر دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔

* * *

آج جو دنیا بھر کے انسان معاشرتی زبوں حالی اور طرح طرح کی سماجی و اخلاقی برائیوں کا شکار ہو چکے ہیں کہ ان سے نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ یقین کیجیئے۔ اس کے اسباب بلاشبہ یہی ہیں کہ ہمارا اللہ تعالےٰ کی ہستی پر سے ایمان اُٹھ گیا ہے اور ہم اپنے آپ کو اس کی روشن کی ہوئی اس شعلِ ہدایت کی حقیقت آشنکار روشنیوں سے فیض یاب نہیں کر رہے۔ جسے موجودہ زمانے کے تاریکی اور جہالت کے پیشِ نظر لوگوں کی راہبری و راہنمائی کے لئے روشن کیا گیا ہے۔ حضرت مجدد زماںؑ کے الفاظ میں اسی حقیقت کو سنیئے :۔

"خدا کی ہستی اور وجود پر کامل یقین سے ہی انسانوں پر نجات کی حقیقی راہیں کھلتی ہیں اور خدا تعالیٰ پر سچا یقین بغیر ذریعہ وحی اور الہام کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔"

(مسیح موعود)

از ـــــــــــ مرتضیٰ خان حسن

اے برادر! صاحبِ کردار باش

* * * *

تاتوانی با جماعت یار باش
غمگسار و مونس و غمخوار باش

تاتوانی بانکوکاراں نشیں — تاتوانی از بداں بیزار باش
در دو عالم گر بخواہی سروری — خاک پائے احمدِ مختار باش
عمرِ تو بگذشت و درخوابی ہنوز — ایں چنیں غفلت چرا بیدار باش
دور باش از فتنہ و شرّ و فساد — وز شریرانِ جہاں ہشیار باش
از تکبّر سینہ می باید تہی — ہاں مشو خود بیں ولے خوددار باش
توبہ از افعال بدکن اے غوی — "با تضرّع محوِ استغفار باش
عاجزاں را ملجا و ماوئی بشو — بیکساں را ہمچو خدمتگار باش
قال را بگذار مردِ حال شو — اے برادر! صاحبِ کردار باش
از رموزِ معنوی آگاہ شو! — نکتہ سنج و محرمِ اسرار باش
تیز تر رو در رہِ صدق و صواب — راستی را مرعَلم بردار باش

تو مرا دادی متاعِ دردِ دل
شاد باش اے عشق! برخوردار باش

* * * *

ہدیۂ نعت

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمدؐ است
دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش
در ہر مکاں ندائے جمالِ محمدؐ است
ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم
یک قطرہ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است
ایں آتشم ز آتشِ مہرِ محمدیؐ است
ویں آبِ من ز آبِ زلالِ محمدؐ است

ـــــــ (حضرت بانی سلسلہ احمدیہ)

* * *

نبی کریمؐ نے فرمایا

۱ جو لوگ اللہ تعالےٰ کا مال بیدردی سے لوٹتے ہیں وہ حشر کے دن آگ میں ہوں گے۔

۲:- ایمان دار آدمی کو شایان نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کرے۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہؐ! وہ کس طرح اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ اس بلا میں ہاتھ ڈالے جس کے مقابلہ کی اسے طاقت نہیں۔"

انسانی وجود اور ذہن کی فطری اور جذباتی ساخت اس قسم کی واقع ہوئی ہے۔ کہ وہ غلطی کرنے اور ٹھوکر کھانے سے نہیں بچ سکتا۔ لہٰذا جب کبھی بھی اُس نے اپنے آپ کو دامنِ خداوندی سے جدا کیا۔ جہالت اور گمراہی میں گر گیا۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"انسان اسوقت غلط خیالات اور بدعقائد میں پھنس جاتا ہے جبکہ خدا تعالےٰ کی سچی وحی کی پیروی نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے خود تراشیدہ خیالات یا اپنے جیسے کسی دوسرے انسان کے خیالات کا پیرو بن جاتا ہے۔" (ست بچن)

حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ کا انقلاب آفریں کام

از:۔ محترم شیخ نثار احمد صاحب سیالکوٹ

"یا حسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا به یستھزءون"

قرآن کریم کی اس چھوٹی سی آیت میں کتنی عالمگیر صداقت ہے فرمایا افسوس، بندوں پر کہ خدا کی طرف سے ہر فرستادہ پر انہوں نے استہزاء ہی کیا۔

جو بھی اصلاح خلق کے کام پر مامور ہوا اس کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا حضرت مرزا صاحب بھی یہی مشن لے کر آئے ان کی بھی قدر نہ ہوئی تو مامورین میں ایک امر مشترک ہے کہ ان کی قدر نہیں کی جاتی یا کم از کم اس زمانے میں نہیں کی جاتی۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا:۔

امروز قوم من نشناسد مقام من
روزے بگریہ یاد کند وقت خوشترم

آج میری قوم میرے مقام کو نہیں پہچان رہی۔ ایک وقت آئے گا کہ رو رو کر یاد کریں گے۔ اور کف افسوس ملیں گے کہ ہم نے وہ زمانہ پایا مگر اس سے فائدہ نہ اٹھایا تو اصلاح خلق کا عظیم کام ہمیشہ عظیم انسانوں کے ہاتھوں سے سر انجام پایا ہے۔ اور وہ اجر کے خواہاں نہیں ہوتے "وما اسئلکم علیه من اجر"۔

...۔ اس کی تو پہلے نفی ہو چکی ہے کہ وہ تو بالعموم استہزاء ہی کریں گے جس مسیحؑ کے آپ مثیل ہو کر آئے ان کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ کانٹوں کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا اور آپ نے لوگوں سے اپنے ستانے والوں سے سوال کیا کہ:۔

میں نے بہت سے نیک کام کئے ہیں مجھے کس نیک کام کے عوض سزا دیتے ہیں۔

تو جیسا کہ مقدر تھا حضرت مجدد صد چہاردہم بھی طعن و دشنام کا نشانہ بنے۔ آپ ستائے گئے، آپ کے ساتھی ستائے گئے مگر آپ جس نصب العین کو لے کر آئے وہ کرتے چلے گئے۔

ہم آپ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو یقین کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آپ ایک عظیم الشان انسان تھے اور جب آئندہ زمانہ کی تاریخ لکھی جائے گی اور یہ کام بھی سامنے آ چکا ہو گا تو معلوم ہو گا فی الواقعہ ایک انقلاب آفرین کام آپ نے سر انجام دیا ہے۔ مامورین میں چار باتوں کا بدرجہ اتم ہونا لازمی ہے۔ عام انسانوں کو بھی ایک معیار پر رکھا جاتا ہے۔ مگر خدا کے فرستادہ بالخصوص فوق العادت قوتوں کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ قوتیں کیا ہیں گویا زندگی کے پہلو ہیں۔ اور ہم ان کو چار باتوں پر مشتمل کرتے ہیں۔ یعنی:۔

(۱) تقوٰے اور پرہیزگاری (۲) مکاشفہ یا خدا سے تعلق۔ (۳) جہاد یا کام (۴) علم

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت صاحب کی زندگی میں یہ چاروں پہلو نہایت نمایاں نظر آتے ہیں۔ آج ہم ان کا مطالعہ کرتے ہیں تا کہ ان کی عظمت ہمارے دلوں میں بڑھے اور ہم سوچیں اور ان پر غور کریں۔

(۱) تقوٰے اور پرہیزگاری۔

بہت سے صلحاء شب بیدار تھے۔ خدا کے حضور کھڑے رہنے والے، طرح طرح کے وظائف کرنے والے مگر حضرت مرزا صاحب میں ایک ایسا رنگ نظر آتا ہے جو بہت کم لوگوں میں ہو گا۔ اس کے باوجود کہ آپ کے والد صاحب ایک رئیس تھے۔ چاہتے تھے کہ ان کے صاحبزادہ اپنی ریاست کو سنبھالیں لیکن آپ کا دل ذکر الٰہی میں ہی محو تھا۔

آپ کا دل زمینی چیزوں کے انتظامات میں قطعاً نہ لگتا تھا۔ ملازمت اور مقدمات سے بھی دل متنفر تھا۔ بایں مقدمات سے بھی واسطہ پڑا اور ان میں تقوٰے کا بے نظیر نمونہ دکھایا۔ جب کسی امر میں کسی کی ذات وابستہ ہو تو پھر حقیقت کھلتی ہے۔ اور صحیح شخصیت سامنے آتی ہے۔ آپ نے مقدمات میں اپنی جائداد کی بھی پرواہ نہیں کی اور دنیاوی چیزوں کے لئے سچائی کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آپ مقدمات کی پیروی کے سلسلہ میں جانے سے پہلے اپنے ساتھیوں کو دعا کے لئے فرمایا کرتے تھے کہ حق حق ہو جائے۔ یہ نہیں کہ میرے حق میں ہو جائے بلکہ جس کا حق ہے اس کے پاس پہنچ جائے۔

اگر دل کسی سے مطمئن تھا تو ایک گوشہ میں ذکر الٰہی کرنے میں۔ تنہائی کی گھڑیوں میں آپ سے ملاقات فرماتے۔ کچہری میں نماز کا وقت آتا تو نماز کے لئے چلے جاتے اور اس بات کی پرواہ نہیں کہ آواز پڑ جائے گی۔ اور کئی دفعہ یک طرفہ فیصلے ہوئے مگر فیصلے آپ ہی کے حق میں ہوتے رہے۔

دوسرا پہلو خدا کے ساتھ تعلق اور مکاشفہ کا ہے۔ بے شک بہت سے لوگوں کو الہامات ہوئے ہیں۔ سچی خوابیں بھی آئی ہیں مگر چودہویں صدی کے مجدد کی یہ خصوصیت تھی کہ کثرت کے ساتھ مکالمہ ہوا۔ آپ نے بڑے شد و مد سے پکارا کہ اس دہریت اور لادینی کے زمانہ میں خدا کا خوشنما چہرہ دکھانے کیلئے آیا ہوں۔ جیسے کہ ذکر کیا گیا ہے دنیاوی جائداد سنبھالنے کی طرف آپ کی رغبت نہ تھی۔ بعد میں اس جائداد کا کیا حال ہوا تقسیم ملک کے ساتھ یہ ہندوستان کے قبضہ میں چلی گئی۔

"قادیان کے متعلق آپ کا ایک کشف ہے۔ میں یہاں بڑے بڑے پیٹوں والے بنیوں کو دیکھتا ہوں کہ بازار کی رونق بنے ہوئے ہیں۔ اندازہ لگائیے کہ کیا اس زمانہ میں کوئی وہم بھی کر سکتا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ کتنے پرانے زمانے کی بات ہے۔ مگر اس مدبر بالارادہ ہستی نے آپ کو یہ باتیں بتائیں اور کس یقین سے آپ نے آئندہ کی خبروں کو بیان کیا کہ جو زندہ رہیں گے وہ دیکھیں گے کہ ایسا ہی ہو گا۔ آنے والے واقعات کا نقشہ آپ کی کتب میں موجود ہے۔ اور آپ ان کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ جیسے واقع ہو چکے ہیں۔

آپ کی پیشگوئی:۔

"اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں"

اس پیشگوئی کو ہم نے اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھا۔ اور سیلاب کے متعلق فرمایا:۔

"نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آ جائے گا"

یہ سب کچھ دنیا نے دیکھا اور جب اس ملک میں پے در پے سیلاب آئے تو ہر ایک کی زبان پر یہی تھا کہ یہ طوفان نوح ہے۔ تو غرض مکاشفہ سے بھی آپ کو ایک کثیر حصہ ملا۔ اور اس میں ایک کمال یہ ہے کہ آپ کے کشوف اور الہامات زیادہ تر اسلام کی ترقی اور اس کے تمام دنیا پر غالب آنے کے متعلق ہیں اور یہی ان کا مشن تھا۔

تیسرا پہلو علمی ہے۔ قرآن کریم کے حقائق و معارف اور لوگوں پر بھی کھلے لیکن دین کی مشکلات کا حل جس رنگ میں حضرت مرزا صاحب نے کیا یہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ مجددین اس لئے آتے ہیں کہ بعض غلطیاں جو رائج ہو گئی ہوتی ہیں اور یہ ایسی راسخ ہو جاتی ہیں کہ خدا کا مامور ہی ان کو دور کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ خیال بڑا راسخ ہو چکا تھا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے فقہاء اور علماء نے بھی اس عقیدہ کو اپنا لیا تھا۔ اور اسلام بدنام ہو رہا تھا حضرت مرزا صاحب نے زبردست دلائل سے اس مشکل کو حل کیا کہ غیروں پر بھی اس کا بطلان واضح ہو گیا۔

اور آیت لا اکراہ فی الدین بھی اس عقیدے کا ابطال کر رہی ہے۔ تو حضرت مرزا صاحب نے قرآن کی رو سے اس باطل عقیدہ کو جڑ سے اکھیڑ دیا اور اس لمبے عرصہ کے خیال کو دلوں سے نکال دیا۔

یہ کس کی محنت اور کاوش کا نتیجہ ہے کہ ان حقائق سے پردہ اٹھا۔

اس تحقیق کے بعد تو بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مگر سب سے پہلے گاؤں میں بیٹھے ہوئے ایک درویش نے یہ انکشاف لوگوں پر کیا۔ کیا یہ کم ثبوت ہے آپ کی صداقت کا۔

چوتھا پہلو کام یا جہاد کا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ایک گوشہ نشین دن رات قرآن کی تلاوت کرنے والا۔ خواب بین اور علمی اشغال میں مصروف رہنے والا انسان کیا جہاد کرے گا۔ مگر آپ نے ایک ایسا زبردست مجاہدہ کیا کہ اس کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔ اگر تلوار لے کر نکلنے کی بھی ضرورت ہوتی تو یقیناً آپ سب سے پہلے میدان کارزار میں نکلتے۔ مگر چونکہ یہ زمانہ جہاد بالقلم کا تھا۔ آپ نے قرآن کریم کی اس آیت پر عمل پیرا ہوتے کہ:۔

بقیہ صفحہ ۱۶ کالم ۱ پر ملاحظہ فرمائیں

یوم الدین

از۔ ابوالاسرار رمزی۔ ایم۔ اے

عدالت آخرت کی ہر عدالت سے بڑی ہو گی
یہ دنیا صف بصف میدانِ محشر میں کھڑی ہو گی
خدا محفوظ رکھے وہ بڑی نازک گھڑی ہو گی
ہر اک چھوٹے بڑے کو اپنی اپنی ہی پڑی ہو گی

مجالِ دم زدن ہو گا نہ یارائے سخن ہو گا
ہر اک چہرہ غبار آلودہ غم میں پُر شکن ہو گا
نظر کے سامنے نظارۂ دار و رسن ہو گا
وہاں ہو گا تو اس کا فضل ہی سایہ فگن ہو گا

وہی مختارِ مطلق مالکِ روزِ جزا ہو گا
کوئی مشکلکشا ہو گا نہ حامی پیشوا ہو گا
سرِ محشر ہر اک کے دل میں اک محشر بپا ہو گا
یہی سب پوچھتے ہوں گے ہمارا حشر کیا ہو گا

مگر کچھ صورتیں ایسی بھی آئیں گی نظر اس جا
رُخِ روشن کا جن کے ہر طرف ہو گا بڑا چرچا
نہ خوفِ امتحاں ہو گا نہ دوزخ کا انہیں دھڑکا
شمار ان کے لئے ممکن نہیں نعمائے جنت کا

بڑھیں گے کوثر و تسنیم ان کے خیر مقدم کو
کہیں گے حور و غلماں یہ ادھر آئیں تو اچھا ہو
پکاریں گے یہ رضواں اے رقیبو! تم ٹھہر جاؤ
جدھر جائیں یہ جانے دو، جدھر آئیں یہ آنے دو

دلوں کے کھینچنے والا، درود اُن کا، سلام اُن کا
نہایت دلنشیں ہو گا بیاں اُن کا۔ کلام اُن کا
سرِ عرشِ بریں ہو گا گذر اُن کا۔ قیام اُن کا
ملائک دم بخود ہوں گے جو دیکھیں گے مقام اُن کا

* * *

مقامی جماعتِ احمدیہ لاہور کا

رابطہ اجلاس

رپورٹ:۔ مکرم مرزا محمد لطیف شاہد صاحب

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے:۔

اجلس بنا ساعۃ نکن مؤمنًا

جب مسلمان آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں۔ دینی باتیں کرتے ہیں۔ استحکام جماعت کے بارے میں سوچتے ہیں اپنی کمزوریوں کو دُور کرنے کا عہد کرتے ہیں تب ان کا قدم کامل ایمان کی طرف اُٹھتا ہے۔ آج کے دور میں اس ارشاد پر عمل رابطہ اجلاسوں کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ خُدا کے فضل سے ہماری مقامی جماعت کے جملہ کارکن اور اُن کے سرگرم، مخلص صدر محترم میاں فضل احمد صاحب اس نیک کام میں ہمیشہ پیش پیش ہیں۔

ماہ ستمبر کا رابطہ اجلاس ۳۰-۹-۸۱ محترم میاں صاحب کی قیام گاہ پر ساڑھے ۴ بجے منعقد ہوا جس میں دار السلام ماڈل ٹاؤن۔ احمد پارک مسلم ٹاؤن اور احمدیہ بلڈنگس سے بھی احباب شمولیت کیلئے تشریف لائے۔ محترم میاں صاحب موصوف کی صدارت میں کاروائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے ان احباب کو بیدار کرنے اور ان کے دینی فرائض کی طرف ان کو کماحقہ متوجہ کرنے کے لئے ایک پروگرام وضع کیا گیا جو کسی نہ کسی وجہ سے دینی اجتماعات، نماز باجماعت و جمعہ۔ اور قرآن مجید کے درس میں شمولیت سے گریز کرتے ہیں۔ ایسے افراد کے اسماء لکھے گئے اور حاضر احباب کی فرداً فرداً ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ ان سے ملیں اور ان کو سرگرم عمل بنانے کی سعی کریں۔ دُوسرے نمبر پر ماہ اکتوبر کی تیرہ تاریخ کو مسجد احمدیہ دار السلام میں سہ پہر ۴½ بجے حضرت مولانا محمد علی رح کی خدماتِ اسلامیہ اور کارہائے جلیلہ کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے جو جلسہ منعقد کیا جا رہا ہے اس میں زیادہ سے زیادہ احباب کو شمولیت کی دعوت دینا شریف النفس۔ سنجیدہ۔ اور دینی حمیت رکھنے والے افراد کو مدعو کرنا۔ اس کا بھی پروگرام تجویز کیا گیا اس کے لئے مرکزی طور پر دعوتی کارڈ شائع کئے جا رہے ہیں۔ بھرپور کوشش کی جاوے کہ کثرت سے لوگ اس مبارک جلسہ میں شرکت فرمائیں۔ اس اجتماع میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ کے تبلیغی دورہ ہالینڈ۔ ایک فلم رپورٹ بھی پیش کی جائے گی۔ نیز جُملہ حاضرین جلسہ کی خدمت میں مقامی جماعت کی طرف سے عشائیہ (رات کا کھانا) بھی پیش کیا جائے گا۔

اس رابطہ اجلاس میں جملہ شرکاء نے نہایت عمدہ مُفید تجاویز استحکام جماعت کے لئے پیش فرمائیں اور مختلف ڈیوٹیاں اس تقریب کو کامیاب کرنے کی اپنے ذمہ لیں۔ اللہ تعالےٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین!

نماز مغرب باجماعت ادا کی گئی۔ خاکسار نے دوستوں کی خدمت میں درخواست کی کہ آؤ سب مل کر محترم میاں فضل احمد صاحب کی کامل صحت کے لئے دُعا کریں۔ جیسا کہ آپ نے اخبار پیغام صُلح کے ذریعہ سے ملاحظہ فرما لیا ہو گا۔ کہ گذشتہ دنوں محترم میاں صاحب موصوف کا دل کا آپریشن امریکہ میں ہوا تھا۔ خدا تعالےٰ کے فضل سے آپ صحت یاب ہو چکے ہیں۔ اور اب واپس تشریف لا کر جماعتی فرائض کو اولیت دے کر اور پُوری تندہی سے دینی کاموں کو شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ تمام حاضرین نے ہاتھ اُٹھا کر اللہ تعالےٰ کے حضور آپ کی درازیٔ عمر اور کامل صحت یابی کے لئے دردِ دل سے دُعا کی۔

محترم میاں صاحب نے اس موقع پر تمام حاضرین کی خدمت میں پُر تکلف عصرانہ پیش کیا اور جن دوستوں کے پاس سواری کا انتظام نہیں تھا۔ ان کے لئے سواری کا بھی انتظام فرمایا۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء

* * *

بقیہ:۔ انقلاب آفریں کام

جاھدھم بہ جہاداً کبیرا۔ کو احسن طریق پر پورا کیا آپ کی نظر بڑی وسیع تھی۔

ایک گاؤں کا رہنے والا انسان جب قرآن لے کر نکلتا ہے تو اس کے سامنے صرف پنجاب اور ہندوستان ہی نہیں بلکہ ساری دنیا ہے اور اس ارشاد کے مطابق کہ:۔

"میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔"

تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ کیا یہ زبردست مجاہدہ نہیں۔ اس نصب العین کو صرف خیال تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ عملی طور پر پورا بھی کر کے دکھا دیا۔ اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں اسلام کی خوبیاں اور محاسن لوگوں تک نہیں پہنچائے گئے اور اسلام کی اشاعت کے مراکز قائم ہو چکے ہیں اور اسلام کا غلبہ ظاہر ہو رہا ہے۔ کیا یہ معمولی کام ہے۔ اصل مقصد خدا کے پیاروں کا یہی ہوتا ہے کہ دنیا میں امر بالمعروف کی تعلیم دی جائے اور لوگوں کو نیکی کی طرف بلایا جائے۔ یہی حضرت مرزا صاحب کا مشن تھا۔ جس کی آپ نے تکمیل کی اور اس سلسلہ میں ایک تنظیم قائم کی۔ آپ کی تقریریں اور تحریریں اس پر شاہد ہیں۔ آپ کی اپنی زندگی اس پر شاہد ہے۔ آپ نے قرآنی آیات کی تفسیر جو کی ہے ہم نے تو پہلے ایسی تفسیریں نہیں دیکھیں۔

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ

حسنۃ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں دنیا کے لئے بھی دعا سکھائی گئی ہے اور ایسی دنیا کے لئے دعا ہے جو حسنات کا موجب ہو نہ کہ وہ دنیا جس کو تم دوسروں کے سامنے پیش کر کے شرمندہ ہوں۔ گویا کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس دنیا کی خواہش کی جاوے جو دین کے ماتحت ہو۔ اسی لئے آپ نے یہ عہد کر لیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ اور آپ نے تقوٰے پر زور دیا اور آپ کی تعلیم کا لب لباب ہی تقوٰے تھا اور دنیا کی حالت کا نقشہ دیکھتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

تقوٰے کے جتنے جامے تھے سب چاک ہو گئے

جب تقوٰے ہی نہ رہا تو کسی نے فائدہ کیا اٹھانا ہے۔ لوگ مسائل میں اُلجھے رہتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا کوئی ہرج نہیں۔ کوئی کہتا ہے مصلحتاً جھوٹ بول لینا۔ یا بعض جھوٹ میں کیا مضائقہ ہے۔ یہ سب عذر اور حیلہ سازیاں ہیں۔ کوئی یہ بحث کرتا ہے صغیرہ گناہ کتنے ہیں اور کبیرہ گناہ کتنے ہیں مگر شریعت کسی بھی گناہ کی اجازت نہیں دیتی۔ بدی بدی ہے اور نیکی نیکی۔ بدی اور نیکی میں کبھی بھی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ قربان جائیں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زرّیں اقوال پر۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ صغیرہ گناہ پر اصرار اس کو کبیرہ بنا دیتا ہے۔ اور قرآن نے تو اس معاملہ کو ایسا صاف کیا کہ کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہنے دی۔ وذروا ظاھر الاثم و باطنہٗ۔ گناہ کو چھوڑ دو خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔ کوئی دیکھ رہا ہو یا نہ دیکھ رہا ہو۔ گناہ کا ارتکاب نہیں کرنا۔ زمانے کے مجدد نے بھی اس پاک تعلیم پر عمل کرتے ہوئے اہل دنیا کو یہی تلقین کی۔ گناہ ایک زہر ہے اس کو مت کھاؤ۔ یہ مت خیال کرد کہ تم نے ظاہری طور پر بیعت کر لی۔ ظاہر کچھ چیز نہیں خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور اسی کے موافق تم سے معاملہ کرے گا۔ پرہیزگاری اور راستبازی پر بھی زور دیا ہے۔ اور فرمایا اگر تقوٰے نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ تمام زمانوں کے رسولوں اور راہنماؤں کا یہی پیغام ہے۔

تو اے دوستو! دنیا ایک سراب ہے اور نرا دھوکا ہے۔ دنیا کی حقیقت کیا ہے ایک بیمار سے پوچھیں ایک ضعیف العمر سے پوچھیں۔ جو عمر کی منزلیں طے کر کے قبر کے کنارے پر کھڑا ہے اور واپس نہیں لوٹ سکتا۔ اگر اس دارِ فانی میں عمر کی منزلیں طے کرتے کرتے ابھی تک آپ اس مقام تک نہیں پہنچے کہ جہاں ہم گناہ کو بیزار ہو کر ترک کر دیں۔ تو ہم نے اس دنیا کی حقیقت کو ہی نہیں سمجھا اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم حق کی شناخت کر سکیں۔ آمین۔ ثم آمین!

* * *

بقیہ:۔ خطبہ جمعہ فرمودہ ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

ارشاد ہے:۔

یؤمنون بالغیب وبالاٰخرۃ ھم یوقنون۔

یہ چیز غیب پر ایمان پیدا کرتی ہے۔

اگر ایمان اور یقین حاصل ہو تو کوئی عمل انسان سے خدا کے حکم کے خلاف صادر نہیں ہو سکتا۔ لوگ فسق و فجور میں اس لئے مبتلا ہیں کہ ان کو خدا کی ہستی پر یقین نہیں ہے۔ ورنہ کوئی برائی سرزد نہ ہوتی۔ اگر کسی کو یہ یقین ہو اس بل میں سانپ ہے تو وہ کبھی اس بل میں ہاتھ نہیں ڈالے گا۔ اسی طرح اگر خدا پر کامل ایمان ہو تو آدمی کبھی نافرمانی کرنے کی جرأت نہیں کرے گا اس قدر محکم ایمان اور پختہ یقین خدا ہی دل میں پیدا کر سکتا ہے اور یا اُن مردانِ خدا کے پاس بیٹھنے کے باعث ہی ایسا یقین پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا

اور یہ شہادت خدا تعالےٰ سے کامل تعلق رکھنے والے ہی دے سکتے ہیں اور یہ نبی۔ رسول اور اُن کے سچے متبعین ہوتے ہیں۔ جو الہام کی روشنی سے بہرہ در ہوتے ہیں۔

قرآنِ پاک کی پیروی سے مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کا شرف مل سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال کے عرصہ میں کافی تعداد میں لوگ شرف مکالمہ سے فیض یاب ہوئے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب کی وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو احمدیہ بلڈنگس میں ہوئی تھی۔ آپ کے پاس ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو ایک سرحدی شخص آیا اور شوخی سے آپ سے ہمکلام ہوا۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ میں نبی نہیں ہوں خدا کی طرف حکم و عدل ضرور ہوں۔ اور بابِ نبوت بند ہے حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا نہ نیا نہ پرانا تو اس طرح حضرت مرزا صاحب کی زندگی ایک نمونہ ہے خدا سے تعلق کا اور ایمان باللہ کا

صلّی اللہ علیہ وسلّم

حسنؔ

رحمتِ یزداں ہادیٔ اعظم صلے اللہ علیہ وسلّم
فخرِ رُسل سرتاجِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلّم
مجد و شرف میں اُنکا ثانی کوئی نہیں ہے کوئی نہ ہوگا
ارفع و اعلےٰ افضل و اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم
ساقیٔ کوثر شافعِ محشر خلق ہوا جن کے لئے عالم
نازاں اُن پر دودۂ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلّم
پوری ہو گئی حق کی حجّت ہو گئی ان پر ختم نبوت
ہیں وہی خاتم اور وہی خاتم صلے اللہ علیہ وسلّم
موسیٰ عمران عیسیٰ مریم مقتدیوں میں سب اُن کے ہیں شامل
ان کی امامت سب پہ مسلّم صلے اللہ علیہ وسلّم
عرشِ بریں سے فرشِ زمیں تک جلوہ گر انوار ہیں اُنکے
خیرہ ہے جن سے دیدۂ عالم صلے اللہ علیہ وسلّم
ان کی شریعت شرعِ متیں ہے کامل ان کا دینِ مبین ہے
سب پہ فائق سب پہ مقدّم صلے اللہ علیہ وسلّم
ذاتِ مقدس کانِ مروت منبعِ احساں آیۂ رحمت
صلے اللہ علیہ وسلّم۔ صلے اللہ علیہ وسلّم

اخبار احمدیہ:۔

- حضرت امیر قوم الحاج مولٰنا صدر الدین ایدہ اللہ تعالےٰ خیریت سے ہیں۔ احباب سلسلہ آپ کی خیریت و عافیت والی زندگی کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی بفضلہ تعالےٰ خدمتِ دین در سلسلہ میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ احباب کرام حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف کی برکتوں والی لمبی زندگی کے لئے دعا فرماتے رہیں:۔

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح، احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر:۔ ڈاکٹر اللہ بخش

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ــ مؤرخہ ۲۳/۳۰ ستمبر ۱۹۸۱ء ــ جلد ۶۸ شمارہ ۳۸/۳۹

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مولانا محمد علی نمبر

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بر و شد اختتام

◆

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمدِ مختار ہیں

◆

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے روپے
بیرونی ممالک سے پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

جلد: ۶۸ یوم چہار شنبہ ۸/۱۵ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ — بمطابق ۷/۱۴ اکتوبر ۱۹۸۱ء * شمارہ ۴۰/۴۱

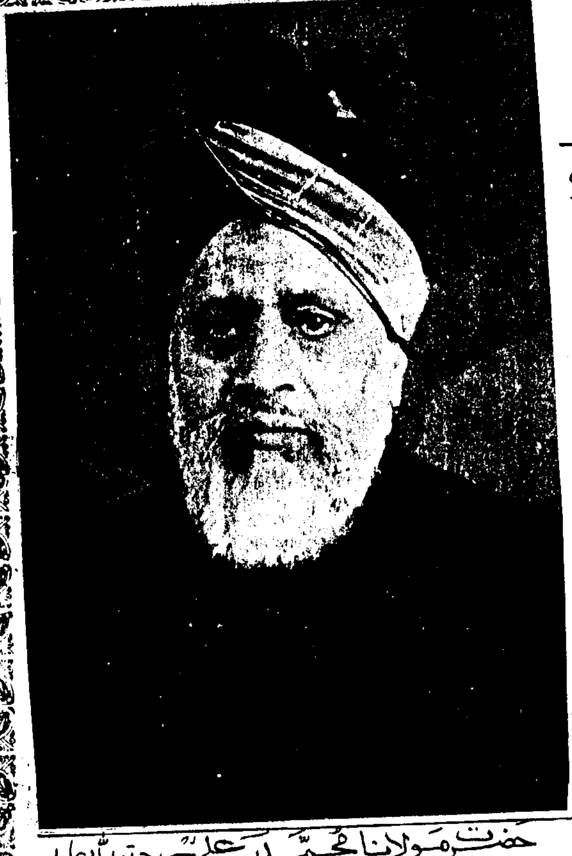

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امیر مرحومؒ

مجددِ صد چہار دہمؑ کی نظر میں

"مجھے آپ پر بہت ہی نیک ظن ہے۔ اسی وجہ سے میں آپ کے ساتھ خاص محبت رکھتا ہوں۔ اگر آپ کی خدا تعالےٰ کے نزدیک فطرت نیک نہ ہوتی تو میرا اسقدر نیک ظن ہو نہیں سکتا، ہرگز نہ ہوتا مگر میں دلی جوش سے آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ اور آپ کے لئے اکثر پنج وقت غائبانہ دعا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ کسی وقت وہ دعائیں اپنا اثر دکھائیں گی میں دلی جوش سے آپ کی دنیا و آخرت، جسم و جاں کے لئے دعا میں مشغول ہوں اور اس کے آثار اور اثرات کا منتظر ہوں۔"

(ارشاد حضرت مجدد صد چہار دہم)

جب تک فلک پہ مہرِ منور کو ہے قیام
روشن رہے گا دہر میں اِس نامور کا نام
مقبول بارگاہِ خدائے جلیل تھا
اس کا وجود رحمتِ حق کی دلیل تھا

قرآنِ کریم پڑھنے کا طریق

حضرت امیرِ مرحوم نے فرمایا!

نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عمل سے ثابت ہے کہ آپ قرآن کی تلاوت فرماتے وقت آیت رحمت پر خدا کی رحمت مانگتے تھے۔ عذاب کی آیت پر عذاب سے پناہ مانگتے تھے آپ بھی تلاوت کریں تو جہاں خدا کی رحمت کا ذکر ہو (اور اس سے قرآن بھرا پڑا ہے) تو یہ دعا کرو کہ وہ اس ساری زمین پر اپنی رحمت کی بارش برسائے اپنی جماعت پر رحمت کی دعا مانگو کہ اسوقت قرآن کو دنیا میں پہنچانے کا بوجھ اس کے سر پر ہے۔ انعام پانے والوں کا ذکر آئے تو وہ سب انعام اپنے لئے مانگو جو پہلے راستبازوں پر خدا نے کئے۔ ہاں وہ انعام مانگو وہ کامیابیاں مانگو جو حضرت محمد مصطفٰے صلعم کو اللہ تعالیٰ نے دیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس زبردست طاقت کا ذکر آئے کہ کس طرح وہ حق کو غالب کرتا چلا آیا ہے تو تمہارے دل سے یہ فریاد اٹھے، دنیا پر آج ظلمت چھائی ہوئی ہے تو اپنی اس زبردست طاقت کا نشان آج بھی دنیا کو دکھا.... قرآن کی عظمت کا ذکر آئے کہ قرآن کو ہم نے شفاء اور رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ یا یہ کہ یہ قرآن مُردوں کو زندہ کریگا مشکلات کے پہاڑوں کو اڑا دے گا۔ زمین کے کناروں تک پہنچ جائے گا تو تم وہاں ٹھہر جاؤ اور تمہارے دل سے یہ دعا اٹھے کہ اے خدا آج بھی اس قرآن کے ذریعے مشکلات کے پہاڑوں کو اڑا دے اور وہ سامان ہمیں عطا فرما کہ ہم تیرے اس قرآن کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیں۔ خدا کی بارش سے مُردہ زمین کو زندہ کر دینے کا ذکر آئے تو تمہارے دل سے یہ دعا نکلے کہ اے خدا یہ زمین جو روحانی طور پر مر چکی ہے تو اس پر روحانی بارش برسا اور اس کو روحانی طور پر زندہ کر دے۔ اور انسانوں کے دلوں کو نورِ ایمان سے منور کر دے۔ انبیاء اور مومنین کی نصرت کا ذکر آئے تو وہی نصرت اپنے لئے مانگو کیونکہ مقصود تمہارا بھی وہی ہے کہ خدا کا نام دنیا میں بلند ہو۔ پچھلی ہلاک شدہ قوموں اور ان کی نافرمانیوں کا ذکر آئے تو تمہارے دل کانپ اٹھیں کہ تیری یہ قوم جو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے اٹھی تھی۔ اس اپنے رسولؐ کی اُمت کو اپنے رسولؐ کی نافرمانی سے بچا اور ان کو قرآن کے حامل بنا۔ اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کا ذکر آئے کہ وہ حق کو دنیا میں غالب کرے گا۔ تمہارے دل سے یہ تڑپ اٹھے کہ اے خدا تو اس زمانے میں بھی حق کو غالب فرما۔ یہ آواز بھی بے کسی میں تمہارے دل سے اٹھے کہ اے خدا یہ میری آرزو ہی نہیں یہ تیرا وعدہ ہے تو اپنے وعدے کو پورا فرما.... تو نے اپنے رسولؐ کو رحمۃ للعٰلمین بنا کر بھیجا تھا مگر دنیا میں بے شمار قومیں ابھی اس رحمت سے محروم ہیں.... اے خدا ہماری مدد فرما کہ ہم اس قرآن کو ساری دنیا میں پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں۔ اے خدا تیری نصرت یقیناً آتی ہے اور آتی رہے گی۔ تیرے افضال نازل ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے۔ مگر ان کو جذب کرنے والے دل دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر اور دنیاوی نمائش اور بڑائی کے طالب ہو کر سست ہو گئے ہیں۔ تو اپنی جناب سے ان میں قوت پیدا کر دے۔ آمین

(مجاہد کبیر ص ۳۲۶)

قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے اپنے دلوں میں ایک دیوانگی اور تڑپ پیدا کرو

— جماعت کے نام —

حضرت امیر مرحوم کا ایک مکتوب

برادران محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

کسی کی صحت یا میری بیماری یا جب وقت مقرر آجائے موت کوئی غیر معمولی چیز نہیں یہ خدا کا قانون ہی جو دنیا میں جاری ہے۔ میں ، اکتوبر کو بیمار ہوا۔ ۸ اکتوبر کو معلوم ہوا کہ میں خطرناک طور پر بیمار ہو چکا ہوں اور ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق میں بستر پر لیٹ گیا۔ اور آج خدا کے فضل سے مجھے بیٹھنے کی اجازت ملی ہے۔ ان ایام میں چالیس دن ایسے گذرے کہ میں روز محسوس کرتا تھا کہ میرا وقت مقرر آچکا تھا اللہ تعالیٰ کے فضل سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجھے کچھ اور مہلت دی گئی ہے وہ کب تک ہے اسے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ان اوقات میں جب میں موت کو اپنے سامنے کھڑا دیکھتا تھا ایک ہی خواہش دل میں تھی۔ اور یہی دعا تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک کا اور کام مجھ سے لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے مجھے مہلت عطا فرمائے اور سامان بھی عطا فرمائے کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ جو کام ہمارے سپرد کیا گیا تھا، قرآن کو دنیا میں پہنچانا۔ وہ گو ہم کر رہے ہیں مگر ہمارا قدم بہت ہی سست ہے۔ میرے دل پر اس بات کا صدمہ ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ ابھی تک اس کام میں حصہ نہیں لے رہے۔ حالانکہ کوئی کام بھی دنیا میں نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے لئے ایک جماعت کے دلوں میں دیوانگی پیدا نہ ہو۔ اسلام کی تاریخ کو اٹھا کر پڑھ لیجئے یہی دیوانگی تھی جس نے ایک سو سال سے بھی کم عرصہ میں خدا کے پیغام کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیا۔ حالانکہ اسوقت کوئی سامان سہولت کے اس قدر موجود نہ تھے مگر آج ہمارے لئے اس قدر سامان سہولت کے موجود ہیں مگر ہمارے دلوں میں اس کام کے لئے دیوانگی اور تڑپ نہیں جس کی اس کام کے لئے ضرورت ہے۔ اس لئے میں اس حالت میں کہ ابھی بستر پر ایک مشت استخواں کی طرح پڑا ہوا ہوں اور ابھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور کس قدر مہلت دے گا میں آپ لوگوں سے اپنی جماعت کے عزیزوں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ قرآن کو دنیا میں پہنچانے کیلئے اپنے دلوں میں دیوانگی اور تڑپ پیدا کرو۔ وہ دیوانگی اور تڑپ جو دنیا کو بھی نظر آجائے۔ دنیا سے کسی عزت اور جاہ کے طالب مت ہو۔ خدا کے ہاں اپنے مرتبے کو بلند کرنے کی کوشش کرو.... اے خدا تو میری آنکھوں پر سے اس پردہ کو ہٹا دے اور اپنے نور کے جلوے سے میرے دل کو روشن کر دے کہ میں تیری دنیا کو اس نور سے روشن کر دوں۔ یہ دعا بھی کریں مگر اس کے ساتھ ہی جد و جہد میں بھی اپنا قدم آگے بڑھائیں۔ میرے پیارو یاد رکھو کہ یہ دنیا کی زندگی جس کی کشش نے آپ کو خدا کے اس نور سے غافل کر رکھا ہے محض ایک خواب ہے۔ یاد رکھو یہ خدا کا وعدہ ہے پورا ہو کر رہے گا میں ان چالیس دنوں میں یہ دعا کرتا رہا ہوں کہ اگر اے خدا تیرے علم میں میرا وقت آچکا ہے تو میری جماعت کے اندر ایک زبردست قوت پیدا کر دے۔ اور اپنے دین کے لئے اور اپنے قرآن کے لئے کوئی جنون پیدا کر دے تاکہ میرے بعد تیرے اس کام کو نقصان نہ پہنچے

والسلام
محمد علی

پیغام صلح [illegible]

از قلم :- محترم نصیر احمد فاروقی صاحب، لاہور

ایسے لوگ پھر کیوں پیدا نہیں ہوتے؟

ایک دفعہ پھر ۱۳ر اکتوبر سامنے آرہا ہے۔ دُنیا کے مشغلوں میں اور ان سے بڑھ کر زندگی کے جھمیلوں میں شاید یہ دن چُپ کرکے آکر گذر جاتا اور انسان کو خیال بھی نہ آتا۔ مگر پچھلے جُمعہ مسجد دارالسلام (لاہور) میں اعلان نے کہ ۱۳ر اکتوبر کو یومِ محمد علی منایا جائے گا میرے دل میں ۱۳ر اکتوبر کے واقعات کے نظارے ایک جھپک میں آنکھوں کے آگے گذار دیئے۔ نمازِ جمعہ کے بعد جناب نائب مُدیر صاحب اخبار پیغام صلح نے اپنے خاص مسکراتے اور جھجکتے ہوئے انداز میں اس خاص نمبر کے لئے مضمون لکھنے کو کہا۔ میرے لئے حضرت امیر مرحوم کے یادگار نمبر کے لئے مضمون لکھنے سے انکار کرنا ناممکن تھا اور ہے۔

مگر لکھنے بیٹھا ہوں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں۔ حضرت مرحوم کی یاد نے دل میں ایک ٹیس لی ہے جس کا درد مسلسل چل رہا ہے۔ مختلف جذبات دل میں اُلجھ رہے ہیں مگر غالب جذبہ حسرت کا ہے کہ ایسے لوگ پھر کیوں پیدا نہیں ہوتے؟ جس نے حضرت مرحوم کو نہیں دیکھا یا دیکھا ہے تو کبھی کبھار اور وہ بھی سرسری طور پر وہ میرے جذبات کو سمجھ نہیں سکتا۔ میں نے آٹھ سال اُن کے گھر میں رہ کر انہیں اندر اور باہر سے دیکھا۔ اور سال ہا سال احمدیہ بلڈنگس میں اُن کے قریب رہ کر دیکھا۔ زندگی کے آخری دو سال انہوں نے میرے غریب خانہ پر گرمیوں کے مہینے کاٹے اور میرے ہاں ہی اُن کا انتقال ہوا۔

شاید کوئی میرے جذبات کے وفور کو اس پر محمول کرے کہ وہ میرے بہنوئی تھے مگر میرے بہنوئی تو پانچ اور بھی تھے جو سب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ میرے دل میں اُن سے بھی محبّت تھی اور مجھے ان کی وفات کا سوچ کر بھی رنج ہوتا ہے مگر حضرت مرحوم کو یاد کرکے اور اُن کے چلے جانے کا خیال کرکے جو دل میں جذبات کا ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ اور احساسِ زیاں کی حسرت اُمنڈ کر آتی ہے تو جاتی ہی نہیں۔ یہ کسی اور کے لئے نہیں ہوتی۔

دنیا تو حضرت امیر مرحوم کو اُن کی بے نظیر تصانیف کی وجہ سے جانتی ہے۔ جس میں سر فہرست اُن کا انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کریم اور کتاب دلیجن آف اسلام ہے۔ مگر میرے دل میں محبّت اور عقیدت اور احترام کی وجہ اُن کا سنہرا کردار تھا۔ اللہ، اللہ، کیا پاک وصاف انسان تھا جس کا نہ صرف ظاہر اور باطن نورانی بلکہ اس کے تمام اعمال نورانی تھے۔ پھر دین اور دُنیا کے علوم سے مزیّن ہونے کے علاوہ دین اور دُنیا کے امور میں انتہائی صائب الرائے تھا۔ کتنا بڑا اللہ تعالےٰ کا احسان تھا کہ اُس نے ہمیں ایسا امیر بخشا تھا۔ آیا ہم نے اس کی کماحقہٗ قدر کی یا نہیں یا اُس کی باتوں پر کان دھرا یا نہیں۔ یہ دوسری بات ہے۔ اُس نے ہمیں دو خزانے بخشے۔ ایک تو بے مثال لٹریچر جو دین کے ہر پہلو پر اس زمانہ کے حالات اور ضروریات کے عین مطابق ہے۔ غیر اُس کی قدر کرتے ہیں۔ اپنے کریں یا نہ کریں۔ دوسرے انجمن کی جائیداد جس کو ہم ابتک کھاتے اور اُسی کے سہارے چل رہے ہیں۔ کیا وہ ہمارا دین اور دُنیا نہیں بنا گیا؟ آج دُنیا میں ہماری عزّت اُسی کے چھوڑے ہوئے لٹریچر سے ہے۔

اگرچہ میں ایک نالائق اور نابکار انسان تھا مگر حضرت مرحوم نے ہمیشہ مجھ سے غیر معمولی محبّت کی۔ (شاید ہر انسان جس سے اُن کا واسطہ پڑا اپنے بارہ میں یہی سمجھتا ہو اور تمام اللہ والوں کا اُس کے بندوں سے ایسا ہی سلوک رہا) مگر میں تو اپنی نالائقیوں، کوتاہیوں (اور اُن کے گھر سال ہا سال رہنے کے دوران) اپنی بے ادبیوں، اور اُن کے دل کو دکھانے والے اعمال سے بخوبی واقف ہوں۔ اس لئے ان کے باوجود حضرت امیر مرحوم کا مجھ سے محبت کرنا اور مجھ پر احسان پر احسان کرتے چلا جانا میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ بدی کے بدلہ نیکی کرنے کی وہ اعلےٰ مثال تھی۔

ان کی ذاتی خوبیاں اور ان کا دین اور دُنیا دونوں میں قابلِ رشک لیڈر ہونا وہ جوہر تھے جن کی وجہ سے مجھے اکثر حسرت سے خیال آتا ہے کہ ایسے لوگ پھر کیوں پیدا نہیں ہوتے۔ مگر دراصل ہر انسان اپنی مثال آپ ہوتا ہے۔ یہی اللہ تعالےٰ کے خلّاق العظیم ہونے کی شان ہے کہ ازل سے اس نے اربہا ارب کھربہا کھرب بلکہ اَن گنت انسان پیدا کئے ہیں مگر کوئی دو انسان ایک جیسے نہیں ہوئے۔ جسمانی طور پر دیکھ لیجئے کہ ایک ہی گوشت اور پوست اور ایک ہی تعداد کی ہڈیوں وغیرہ سے اُس نے اَن گنت انسان بنائے مگر کوئی دو ایک جیسے نہیں ہوئے۔ سر کے بالوں سے لے کر پیر کے تلووں تک کوئی دو انسان ایک جیسے نہیں ہوتے یہ مبالغہ نہیں۔ حقیقت ہے۔ سائنس نے پایا ہے کہ کسی دو انسانوں کے بال ایک جیسے نہیں ہوتے۔ دوسری طرف کسی دو انسانوں کے پیر کے تلوے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ تبھی تو ایک کھوجی پیر کے نشانوں سے مفرور یا مُجرم تک جا پہنچتے ہیں۔ دُوسری انتہا پر جاتے ہیں تو کسی دو انسانوں کے انگوٹھے یا انگلیوں کے نشان ایک جیسے نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ ہر انسان کے CELLS (خلئے) جن سے وہ بنا ہے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اور تو اور کسی دو انسانوں کے جسم کی خوشبو ایک جیسی نہیں ہوتی۔ تبھی تو کُتّے مُجرم کے کسی کپڑے کو سونگھ کر میل ہا میل اُس کے پیچھے دوڑتے چلے جاتے ہیں اور اس کی کھوج نکال لیتے ہیں۔

تو جب انسان کے جسم کا یہ حال ہے جو مٹی کا کھلونا ہے تو اس کی رُوح جو اُس کے جسم کے اندر سال ہا سال رہتی ہے اور اس کی نیکی بدی، صحت بیماری، خوشی غمی، غربت امیری، سکھ دُکھ الغرض ان تمام تجربات کے نتیجہ میں جن میں سے وہ رُوح گذرتی ہے ایک شخصیت یا PERSONALITY بن جاتی ہے۔ جس کیلئے قرآنِ کریم نے لفظ نفس استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ جہاں انسان کے اندر رُوح پھونکنے کا ذکر فرمایا وہاں تو لفظ رُوح استعمال فرمایا ہے۔ (ونفخت فیہ من روحی) مگر پھر ہر جگہ لفظ نفس استعمال فرمایا یہاں تک کہ موت کے وقت بھی (ما کان لنفس ان تموت الّا باذن اللّٰہ) اس کے لئے لفظ نفس استعمال فرمایا (قبضِ رُوح کا محاورہ قرآن حکیم میں کہیں نہیں) اور خدا کے آگے حاضر ہونے والی ہستی کیلئے بھی لفظ نفس استعمال فرمایا۔ (وجآءت کل نفسٍ معھا سائقٌ وشھید) الغرض جس طرح کسی دو انسان کے مٹی سے بنے ہوئے جسم ایک جیسے نہیں اُس جسم کے اندر بننے والی ہستی (نفس) بھی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ حسرت کرنا بیکار ہے کہ حضرت امیر مرحوم جیسا انسان دوبارہ کیوں پیدا نہیں ہوتا۔ اپنی جماعت میں ہی دیکھ لیجئے ہر بزرگ کا اپنا اپنا رنگ ہوتا ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کیا عظیم الشان انسان تھے ہر لحاظ سے۔ حضرت مولانا نورالدینؓ کی شان اپنی تھی حضرت مولانا محمد احسن صاحب امروہوی کا رنگ اور تھا۔ حضرت امیر مرحومؒ کا رنگ اپنا تھا، حضرت خواجہ کمال الدین صاحبؒ کا رنگ اپنا، اور اسی طرح ہر بزرگ کا رنگ اپنا اپنا تھا۔

اسی طرح اُمتِ محمدیہ میں اور حضورؐ سے پہلے جو انبیاء گذرے اُن کی امتوں میں جو نیک اور صالح اور دُوسری روحانی اور اخلاقی خوبیوں والے انسان ہوئے ہیں۔ ان میں ہر ایک کا رنگ یا یوں کہئے کہ ہر ایک کی شخصیت اپنی خوبیوں اور خوبصورتیوں میں الگ الگ حُسن اور کشش کی مالک تھی۔ جنّت کے نعماء میں سے اِن تمام ہستیوں کا وہاں جمع ہونا ہوگا۔ وحسن اُولٰئک رفیقا اسی لئے قرآنِ کریم میں آیا ہے۔

کیا ہم وہاں ہوں گے؟ اس کی فکر ہم میں سے ہر ایک کو کرنی چاہیئے۔ پہلے اس کے کہ جو موقعہ ہمیں دیا گیا ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ ہم وہاں نہ پہنچے تو پھر دُوسری جگہ ہوں گے جو بہت بُری ہے۔ اس لئے میرے پیارے بھائیو اور بہنو قرآن پاک پر فوراً کاربند ہو جاؤ۔ ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ ہمارے پاس وہ نسخہ ہدایت ہے جو ہمیں جہنم سے بچنے اور جنت میں پہنچنے کی راہ بتاتا ہے۔ ہم کتنے بدقسمت ہوں گے اگر ہم اُس سے پورا فائدہ نہ اُٹھائیں۔ اور ہم کتنے قابلِ مواخذہ ہوں گے؟ کیونکہ اگر ایک طالب علم کو پہلے سے بتا دیا جائے کہ امتحان میں یہ سوال آئیں گے مگر وہ اس کی پرواہ نہ کرے اور وہ فیل ہو جائے تو کیا وہ زیادہ سزا کے قابل

...ن عذابی لشدید (ابراہیم ـ ۷) یعنے اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں ضرور اور (نعمتیں) دوں گا اور اگر تم نا شکر گذاری کر و گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے ـ

اپنی ایمانی اور عملی حالت سنوار نے کے لئے قرآن پاک کو ترجمہ سے پڑھو ـ جہاں تک ایمانیات اور اعمال کا سوال ہے اس پاک کتاب کی ہدایت صاف اور عام فہم ہے کسی پڑھانے والے کی ضرورت نہیں کمی ہے تو اس کی کہ ہم اس ہدایت نامہ کو پڑھنے کے لئے وقت نہیں نکالتے ـ یا تبرکاً پڑھ لیتے ہیں تو اس پر عمل نہیں کرتے ـ تو کیا ہم قیامت کے دن رسول اللہ صلعم کی شفاعت کی بجائے حضورؐ کی اس شکایت کے مُجرم تو نہ ٹھہریں گے کہ :ـ

وقال الرسول یٰرب ان قومی اتخذوا ھٰذا القرآن مھجورا

یعنے " اور رسولؐ کہے گا کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو (ہاتھ میں تو پکڑا ہوا تھا مگر (عملاً) چھوڑا ہوا تھا"

خود پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کے علاوہ اپنے بیوی بچوں کو بھی پڑھانے اور اس پر عمل کی تاکید کرنا ہم پر قرآن اور حدیث نے فرض قرار دیا ہے ـ اس سلسلہ میں مجھے حضرت امیر مرحوم کا قول اور فعل یاد آتا ہے ـ :ـ

ا :ـ حضرت امیر مرحوم تاکید فرمایا کرتے تھے کہ اپنی اور مصروفیات میں قرآن پاک کو روز (علی الصبح) پڑھنے کا وقت نکالو ـ کم سے کم ایک رکوع روز با ترجمہ پڑھو ـ کسی دن فرصت نہ ہو تو ایک ہی آیت پڑھو مگر پڑھو ضرور ـ بلکہ ایک خطبہ میں انہوں نے یہاں تک فرمایا کہ اگر ایک آیت پڑھنے کی بھی فرصت نہ ہو تو کم سے کم قرآن کو ہاتھ میں لے کر کھول کر بے شک بند کر دو ـ مگر روز کا قرآن تمہاری رُوحانی غذا ہو جس طرح تم روزانہ پیٹ پالنے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے ـ

ب :ـ حضرت مرحوم کی مصروفیات اس قدر تھیں کہ قرآن کریم کا قول یاد آتا تھا کہ :ـ

ان لک فی النھار سبحاً طویلا

(دن کو تیرے لئے لمبا شغل ہے)

مگر پھر بھی یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی تھی کہ وہ روز وقت نکال کر اپنی بیوی کو قرآن حکیم پڑھاتے تھے ـ اور جب ختم کرا لیا ـ بلکہ ساتھ ، ساتھ ہی اپنی بیوی کو اپنی بڑی لڑکی کو قرآن پاک پڑھانے پر لگا دیا ـ

قرآن پاک کو پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کے علاوہ قرآن اور رسول پاک صلعم نے ہم پر ایک اور فرض عائد کیا ہے کہ اس آسمانی ہدایت کو جس کا تمہیں وارث بنایا گیا ہے دُوسروں تک پہنچاؤ جو اس کے بغیر گمراہی اور دنیا و آخرت کے گھاٹے میں بڑھ رہے ہیں ـ اسی لئے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے فرمایا ہے :ـ

اے بے خبر بخدمتِ فرقان کمر ببند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

اور اسی خدمتِ قرآن کے لئے حضرت امیر مرحوم نے بھی جب وہ موت کے قریب تھے یہ وصیت فرمائی کہ :ـ

" ہمارا کام قرآن کو دنیا میں پہنچا دینا ہے ـ آگے قرآن اپنا کام خود کرے گا ـ "

اللہ تعالےٰ ہمیں اس کی توفیق دے ـ آمین ـ ثم آمین !

★ :ـ وہ ہم نشیں سب سے بہتر ہے جس کا دیکھنا خُدا کی یاد دلا دے ـ

★ :ـ خیرات بلا کو ٹال دیتی ہے ـ (حدیث)

★ :ـ مصیبت کی برداشت کے لئے نماز اور صبر کا سہارا پکڑو " (قرآن حکیم)

عصر جدید صد جہاد [illegible]

دشوار گذار گھاٹیوں اور خار دار

بیابانوں سے مردانہ وار گزرو

کتنا بڑا اور عظیم مقصد ہے جو آپ لوگوں کے سامنے ہے ـ گو ایک عظیم الشان پہاڑ آپ کے راستے میں ہے جسے اُٹھا کر آپ نے راستہ صاف کرنا ہے ـ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹانا آسان ہے مگر یہ کام اس سے بھی اہم تر ہے جو ہمارے امام نے ہمارے سپرد کیا ہے ـ اسلام کو دُنیا میں پھیلانا ـ یہ کوئی چھوٹا سا کام ہے ؟ یہ کوئی آسان بات ہے ؟ مگر تسلی دینے والی جو بات ہے وہ یہی ہے کہ خدا کا وعدہ ہے کہ میں اس جماعت کے ذریعے اسلام کو غلبہ دوں گا ـ پس گھبرانے اور بزدلی دکھانے کی کوئی بات نہیں ـ حضرت اقدس نے خود اپنی تحریروں میں لکھا ہے کہ خُدا جانے ہیں نے کن دشوار گذار گھاٹیوں ، خار دار بیابانوں اور سنسان جنگلات سے گذرنا ہے ـ پس جس کے پاؤں نازک ہیں اس کو چاہیئے کہ مجھ سے الگ ہو جائے ـ

دوستو ! اب وہ وقت آگیا ہے کہ وہ مشکلات کی کٹھن گھاٹیاں اور خار دار جنگل اور ڈراؤنے بیابان ابھی ہمارے آگے ہیں ـ جن کو طے کر کے ہمیں اپنے پاک امام اور ہادیٔ برحق کی بتائی ہوئی منزل مقصود پر پہنچنا ہے ـ ـ ـ ـ ـ حضرت صاحبؑ کا وجود اس زمانے میں ہمارے لئے خدا کی طرف سے ایک ابرِ رحمت اور سایۂ کرم تھا ـ آپ نے ہمیں بدلیوں سے ہٹا کر نیکی پر قائم کیا ـ ہماری دہریت اور خشک ایمان کو تازہ اور زندہ ایمان سے بدل دیا ـ اور ہمارے دلوں میں خُدا اور اس کے رسولؐ کی عزت و عظمت فولاد کی طرح بھر دی ـ ہماری حالتیں ناگفتہ بہ تھیں ـ مگر اس نے کچھ ایسا شربت پلایا کہ نماز اور ذکرِ الٰہی میں لذت و سرور آنے لگا اور قرآنِ مجید کی محبت ہمارے دلوں میں موجزن ہوئی اور ہر ایک نفس نے اپنے مقدور اور استعداد کے مطابق نیکی میں ترقی کی ـ ـ ـ ـ ـ باوجود سخت آندھیوں کے وہ خدا کا مامور لاکھوں انسانوں کو اپنی بات منوا گیا ـ اور آپ لوگوں میں اپنی رُوح پیدا کر گیا ـ اگر اس کو لے کر ہم یہ کام کریں تو روحانی فتوحات کے دروازے ہم پر کھولے جائیں گے ـ آنحضرت صلعم کے وصال کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ نے کیسی کیسی فتوحات حاصل کیں ـ کیوں ان کی رُوح صحابہؓ میں کام کرنے لگی تھی ـ

اِسی طرح حضرت صاحب کی وفات کے بعد یہ سلسلہ بند نہیں ہو گیا ـ اور ہم لوگوں کا فرض ہے ـ کہ اس مقصد عالی کو سامنے رکھ کر کام کریں اور اسلام کو سب ادیان پر غلبہ دینے کی کوشش کریں "

الحکم ۱۸ جولائی ۱۹۰۸ء

از:۔ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

نشأۃِ ثانیہ روحانیہ کے نئے انقلاب کا علمبردار

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

چودہویں صدی کے آغاز میں اپنے حیران و پریشان اور غیر شادماں و فرحاں تھے کہ اب اسلام کا خاتمہ ہے مگر اب پندرہویں صدی میں یہ غلغلہ مشرق و مغرب سے بلند ہو رہا ہے کہ نشأۃ ثانیہ اسلامیہ کا دور شروع ہو چکا ہے، خود مسلمانوں کی موجودہ تحریکوں کا رُخ رجوع الی القرآن والسنۃ کی جانب مڑ چکا ہے کہیں تراجم قرآن و طلوعِ اسلام کی تحریکیں ہیں تو کہیں عالمگیر اسلامی سطح پر سالانہ بین الاقوامی قرآن کانفرنسیں اور سیرت النبیؐ کانفرنسیں منعقد کی جا رہی ہیں۔ مشرق و مغرب میں فتوحاتِ اسلام کے نمایاں آثار ہویدا ہیں۔ اگر آج سے نصف صدی قبل مغربی دنیا میں تبلیغ اسلام کا علم بلند ہو کر حاکم و مہذّب اقوام کے افراد حلقہ بگوش دین ہوئے تو آج مشرق کی محکوم و اچھوت اقوام اپنی نجات اسلام کی قبولیت میں تلاش کر رہی ہیں۔ کیا یہ واقعات اس کے ثبوت کی کافی دلیل نہیں کہ فی الواقع دینِ اسلام کا نیا علمی، اخلاقی دور شروع ہو چکا ہے۔ ؎

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا + سنا ہے قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا۔

پندرہویں صدی کی یہ عظیم تبدیلی نہ تو کسی توپ و تفنگ اور نہ ہی تلوار و جنگ کی جھنکار کے بل بوتے پر رونما ہو رہی ہے۔ بلکہ امورِ ایمانیہ حقہ کو علمی و عقلی طور پر صادق ثابت کرنے کے باعث ظہور میں آ رہی ہے۔ حضرت مولانا محمد علی رحؒ کی تفاسیر قرآن و دیگر علمِ کلام کا اس انقلاب عظیم کے لانے میں کیا مقام ہے ؟ مولانا عبدالماجد صاحب نے فرمایا، مولانا محمد علی رحؒ کی تفسیر قرآن کی افضلیت و افادیت سے انکار کرنا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے! حافظ غلام سرور صاحب نے فرمایا۔ انگریزی زبان میں کوئی اور ایسی تفسیر نہیں جو مولانا کی تفسیر کا مقابلہ کر سکتی ہو!! اور مسٹر پکتھال فرماتے ہیں کہ تجدید اسلام کے لئے کسی اور شخص نے اتنا قابلِ قدر کام نہیں کیا جتنا مولانا محمد علی رحؒ نے کیا ہے۔ +

چودہ سو برس سے اُمتِ مسلمہ میں یہ مستند روایات چلی آ رہی ہیں کہ قربِ قیامت کی دو عظیم علامات ہیں۔ یاجوج ماجوج یا دجالی اقوام کا خروج جن کا وجود اسلام اور مسلمانوں کے لئے باعث ابتلا ہوگا اور مجدد صد چہار دہم کا ظہور جن کے دم قدم سے عروجِ اسلام دوبارہ ہوگا۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان نے اپنی کتب حجج الکرامۃ اور کنز العمال میں جملہ متعلقہ احادیث کو درج کر دیا ہے۔

اب آیئے ان دو صدیوں کے واقعات پر غور کریں کہ ان سے کیا ثابت ہوتا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے لئے تیرہویں اور چودہویں صدیاں آزمائش و مصائب بنیں۔ اس میں کسی شخص کو بھی شک و شبہ نہیں مگر اب پندرہویں صدی میں غیر مسلم اور مسلم دونوں رطب اللسان ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کی بیداری کے آثار ہویدا ہیں۔ گذشتہ صدی کے آغاز میں مغرب میں تبلیغ اسلام کی کامیاب ترین ابتداء ہوئی، حاکم اور علم و تہذیب کی مدعی اقوام کے چوٹی کے افراد نے قبولیتِ اسلام کا اعلان کیا اور اس طرح مغربی دنیا میں دینِ اسلام کے نفوذ و فتح کا آغاز ہوا۔

حال ہی میں ملکِ ہند کی اچھوت اقوام اسلام کی قبولیت میں اپنی نجات یقین کر رہی ہیں۔ کیا غربِ شرق کے یہ بڑھتے ہوئے اسلامی اقدامات صاف ظاہر نہیں کر رہے کہ اس دینِ حقہ کی عالمگیر فتح کے دن اب نزدیک آ رہے ہیں؟ بقول علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم :۔ ؎

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

نیز قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ فتوحاتِ اسلامیہ کا یہ دور کسی توپ و تفنگ کی گھن گرج یا تلوار و جنگ کے بل بوتے پر نہیں ہو رہا بلکہ اس کا تمام تر باعث دینِ اسلام کے عالمگیر اصولوں کی دلوں کو جیتنے والی تعلیم ہے۔ اسی طرح خود مسلم اقوام میں ترقی و اتحاد کی جو لہر سرایت کر رہی ہے اس کا باعث بھی رجوع الی القرآن والسنۃ کے فرقانی اصولوں کی جانب لوٹ کر آنا ہی ہے۔

عالمگیر دینی انقلاب کا حقیقی سبب

غور طلب امر یہ ہے کہ یہ عالمگیر اسلامی انقلاب کب اور کیسے پیدا ہو رہا ہے ؟ اس کا صاف جواب یہ ہے کہ تحریکِ احمدیہ سے قبل دینِ اسلام کی تصویر تقلید جامد، توہم پرستانہ عقائد اور عجوبہ پرستی کے مطابق پیش کی جاتی تھی مگر اقتضائے زمانہ یہ تھا کہ سائنس و دنیوی علوم کی ترویج اور ریسرچ اور آزادانہ تنقید کی روشنی میں اصولِ دین کی صداقت مبرہن کی جائے دنیا کو یہ بتلانے کی ضرورت تھی کہ بنیادی دینی صداقتیں کہاں تک آفاقی قوانین اور فطرتِ انسانیہ کے مطابق ہیں۔ دینی حقائق کہاں تک مشاہدہ و تجربہ سے ثابت کئے جا سکتے ہیں۔ مزید یہ کہ اصولِ حقہ دینیہ کے اختیار کرنے سے انسان کا کونسا مفاد وابستہ ہے۔ پس حضرت مولانا محمد علی رحؒ کی عظیم دینی خدمت یہ ہے کہ آپ نے دینِ اسلام کو توہمات، کورانہ تقلید اور عجوبہ پرستی و قصہ گوئی کی ظلمتوں سے نکال کر اسے بصیرت و معرفت اور عقل و قوانین فطرت کے مطابق ثابت کر دکھایا ہے۔ جو شخص بھی غور کرے گا وہ یقیناً اسی بے خطا نتیجہ تک پہنچے گا۔ کہ حضرت مولانا کی تفاسیر و علم کلام کی یہی نمایاں خصوصیات ہیں جن کے باعث ان کو قبولیتِ عامہ کا شرف حاصل ہوا اور یہی وہ طرزِ تبلیغ ہے جس سے غیر اقوام میں دینِ اسلام سے دلچسپی و رغبت پیدا ہوئی۔

پس غور طلب امر یہ ہے کہ گذشتہ دو صدیوں کی انتہائی مایوسی و انحطاط کیونکر مبدّل بہ یقین و ایمان ہوئے ؟

کیا یہ عظیم و عالمگیر انقلاب واقعاتِ زمانہ ہیں یا نہیں ؟ اگر ہیں تو پھر تبلایا جائے کہ ان کے رونما ہونے کے اسباب کیا، کہاں اور کونسے ہیں ؟ انقلابات و تبدیلیاں بے شک خدائے تعالےٰ کی منشاء اور کن فیکون کے ماتحت ظہور میں آتے ہیں لیکن اس کے لئے بھی تو خدا نے اپنی سنت مستمرہ قائم کی ہوئی ہے۔ اب جائے غور ہے کہ دینِ حقہ اسلامیہ کی یہ بدلی ہوئی قضاء کیا یونہی بلاسبب واقع ہو گئی ؟ یا اس کی سنت جاریہ کے تحت آسمانی قضاء و قدر کے تحت کسی روحانی بارش کی خبر دیتی ہے۔

چودہویں صدی کے مجدد کی آمد کی غرض و غایت تو یہی تھی کہ دینِ اسلام پر بے یقینی و ناامیدی کی بجائے قلوب میں بصیرت کا نور یقین و ایمان اور حوصلہ و ہمت پیدا ہوں۔ تو پھر اگر عالمگیر پیمانہ پر "قلبی تبدیلی" رونما ہو رہی ہے تو کیا یہ نتیجہ ناگزیر نہیں کہ ان کے لانے میں کسی مردِ خدا کی ایمانی قوتِ تسخیر کام کر گئی ہے :۔ ؎

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

گذشتہ صدیوں کی اسلام کی بگڑی ہوئی تقدیر کا بدل جانا یقیناً کسی مردِ مومن کی نگاہِ تسخیر کا پتہ دے رہی ہے۔

روحانیت کے میدان میں سب سے پہلی ندا چودہویں صدی میں اُس شخص نے بلند کی جس نے "براہینِ احمدیہ" کتاب لکھی جس میں نہ صرف اعلےٰ علمی دلائل و براہین سے صداقت نبوت حضرت خیر الانام صلے اللہ علیہ وسلم اور ہدایتِ کامل فرقان کے عقلی ثبوت پیش کئے بلکہ خدا کی زندہ و قادر ہستی پر مکالمہ حقہ الہیہ کی ذاتی گواہی بھی پیش کر دی۔ سبھی اس دس ہزار انعامی چیلنج کا نتیجہ کیا ہوا ؟ کیا علماءِ وقت نے اس پر دستِ ندا کے بارے میں اقرار نہیں کئے کہ زمانہ کی طلب کو اس نے کما حقہٗ پورا کر دکھلایا ؟ کیا اسی کی بابت یہ تسلیم نہیں کیا گیا کہ جہاں اس کتاب نے

تمام باطل ادیان کے پرخچے اُڑا دیئے وہاں اسلامیانِ ہند کے حوصلے وایمان بڑھا دیئے۔

اسی طرح "جلسہ اعظم مذاہب" میں جہاں جملہ ادیان کے علماء وفضلاء نے اپنے اپنے دین کو سچا ثابت کر دکھلانے میں [illegible] لگا لیا وہاں یہ امر روزِ روشن کی مانند تسلیم نہیں کیا گیا کہ تعلیم اسلام وعلمِ فرقان کو جس خوبصورتی ودلربائی سے حضرت مجدد وقت نے اس بین المذاہب جلسہ میں اپنے بیانِ عالی سے پیش فرمایا وہی مضمون "سب سے برتر و اعلیٰ رہا"

حضرت مولٰنا محمد علی رح کی خدماتِ اسلامیہ

مگر اس بیان میں راقم الحروف کو حضرت مولانا محمد علی رح کی اُن خدماتِ فرقانیہ واسلامیہ کا ذکر مقصود ہے جن سے پندرہویں صدی کا انقلاب علمی وروحانی رونما ہوا ہے۔ جب حضرت مولٰنا اپنی اعلیٰ دنیوی تعلیم

ریلیجنز" میں ایسے عالی مضامین نکلے کہ کلکتہ کے ایک اخبار نے لکھا کہ اس میں شک نہیں کہ ریویو کے مضامین کسی انگریز کے لکھے ہوئے ہیں کیونکہ کوئی غیر انگریز ایسی بامحاورہ انگریزی زبان نہیں لکھ سکتا۔ اسی طرح ایک اور انگریز ڈپٹی کمشنر نے ریویو کے چند رسالہ جات پڑھ کر اس کا مزید مطالعہ کرنے سے انکار کر دیا۔ دریافت پر کہا کہ اگر میں [illegible] رسالہ کو پڑھتا رہا تو خطرہ ہے کہ میں اسلام نہ قبول کر لوں۔

۱۹۱۷ء میں آپ کی کم وبیش دس سالہ محنت شاقہ سے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ وتفسیر شائع ہوا بس پھر کیا تھا۔ فرقانی صداقت کا آفتاب عالمتاب دُنیا پر نمودار ہو گیا۔ چنانچہ اس کا اعتراف مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے اُن کے الفاظ میں کیا۔

" سوال یہ ہے کہ فرقانِ حمید کے منجانب اللہ صادق کلام ہونے پر ایسا خارق عادت محکم یقین مولانا رح کے ترجمہ وتفسیر سے کیسے پیدا ہوا۔ جیسے مندرجہ بالا اعتراف میں کیا گیا ہے۔

اعلیٰ دماغی قابلیت اور روحانی صحبت کا عظیم شاہکار

حضرت مولانا کی ممتاز قابلیت کی دھاک تو ریویو کے رسالہ سے ظاہر ہو گئی تھی مگر محض دماغی قابلیت قرآن مجید کی مستند ترجمہ وتفسیر کے لئے کافی نہ تھی۔ بلکہ اس کتاب حکیم کے جو از سرتاپا روحانیت اور اخلاق کے جواہر ریزوں سے لبریز و مزین ہے۔ صحیح مطالب بیان کرنے کے لئے از بس ضروری ولازم ہے کہ مفسر ومترجم خود ان کوچوں سے واقفیت رکھتا ہو یا کم از کم کسی ایسے کامل مردِ خدا کی معیت اُسے میسر آئی ہو جو ان میں کامل دسترس کا مالک ہو۔ چنانچہ مجدد وقت کی صحبت ومعیت ورفاقت سے آپ بہرہ ور تھے۔ آپ خود اس امر کا اعتراف اپنے "بیان القرآن" یا اُردو ترجمہ وتفسیر کے دیباچہ میں اس طرح کرتے ہیں:-

"مصرعہ جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اگر اس ناچیز خدمتِ قرآن سے کسی کو خوشبو آئے تو یہ کسی اور کی پھونکی ہوئی رُوح ہے۔ ورنہ میں محض مٹی ہوں۔

انگریزی ترجمہ وتفسیر کے دیباچہ میں بھی اسی قسم کا اعتراف کیا ہے۔

" اگرچہ میں نے سلفِ صالحین کی خدمات سے استفادہ کیا ہے تاہم جس شخص نے میرے قلب میں خدمت ومحبت قرآن کا شوق وجذبہ پیدا کیا وہ اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد ہیں۔ جن کے چشمۂ فیض سے میں نے جی بھر کر سیرابی حاصل کی ہے۔ اور اس میں ذرہ بھر شک وشبہ نہیں کہ اگر حضرت اقدس کے بہائے ہوئے چشمے علمِ قرآن سے آپ نے سیرابی حاصل نہ کی ہوتی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اہم وبنیادی مسائل دینِ اسلام کے متعلق حضرت مولانا رح ایسی صحت اور بسطِ الیقین وعرفان سے رقم فرما سکتے؟ چنانچہ چند مسائل یہ ہیں:-

۱۔ دینِ اسلام ایک کامل اور دائمی طور پر ایک محفوظ دین اور فرقانِ حمید ایک محفوظ کتاب حکیم ہے۔ لہٰذا وحی نبوت کا سلسلہ بعد رسول اللہ ؐ بند ہو چکا کیونکہ دین مکمل ومحفوظ موجود ہے۔ نئی ہدایت وشریعت کی حاجت نہیں اس لئے کسی نئی نبوت پانے یا پرانے نبی کی ضرورت نہیں۔

۲۔ البتہ وحی ولایت بمطابق قرآن وحدیث کا سلسلہ جاری ہے۔ اور اس کی غرض یہ ہے کہ تا حقائق ومعارف روحانیہ کے زندہ شاہد ہر زمانہ میں پیدا ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی سے آپ کی صداقت پر گواہی دینے والے ہوں۔ نیز ہر زمانہ کی ضرورت ومفاسدِ زمانہ کی نوعیت کے مطابق اس کا علاج قرآن کی تعلیم سے کرنے والے ہوں۔

۳:۔ چودہویں صدی کے زمانہ کے مفاسد ومصائب کا علاج، قرآن حکیم کی خوبصورت تعلیم کی اشاعت میں مضمر ہے۔ جو نہ صرف بیانوں اور کتب تک محدود ہو بلکہ ایک جماعت کے عملی زندگی کے نمونہ میں جو تعلیم اسلام کی جھلک دکھلائی دینے والی ہو۔

۴:۔ دینِ اسلام جبر وتشدد کا مذہب ہرگز نہیں بلکہ یہ صرف اسی دین کا نمایاں امتیاز ہے کہ اُسنے دین کے

جس سے اس کلام ربانی کی صداقت اور اس کے منجانب اللہ کلام ہونے کا زبردست ثبوت ملتا ہے

۶:۔ خدا تعالےٰ کی ذات وصفات کامل اور بےمثل ہیں اور ہر قسم کی کمزوری وعیب سے پاک ہے۔ اور ہر نبی کا دامن گناہ کی آلودگی سے منزہ ہے:

مولانا محمد علی لاہوری

از ابوالاسرار رمزی۔ ایم اے (علیگ) جودھپور (بھارت)

گو نہیں ہوں مسلکاً میں احمدی
جانتا ہوں کیا ہے نیکی کیا بدی؟
اپنے دینِ پاک کی دُھن چاہیئے
نیک باتوں میں تعاون چاہیئے
خادمِ اسلام کا یہ حال ہے
کتنا روشن نامۂ اعمال ہے
تھا وہ پہلا شخص ہندوستان کا
ترجمہ جس نے کیا قرآن کا
اللہ اللہ اس مترجم کی کتاب
کر گئی مغرب میں پیدا انقلاب
کیا اثر تھا "دعوتِ خاموش" میں
کفر آیا دین کی آغوش میں
ترجمہ کر کے "زبانِ غیر" میں
دین پھیلایا "کلیسا۔ دیر" میں
کارنامے کیا نمایاں کر گیا!
اہلِ مغرب کو مسلماں کر گیا!!
ہاتھ میں دے دی کتابِ دینِ حق
پیشِ عالم رکھ دیا آئینِ حق
یوں بکھیرے دہر میں اسرارِ دیں
دشتِ باطل بن گئے گلزارِ دیں
دین پھیلا چین میں جاپان میں
جرمنی، ہالینڈ، انگلستان میں

از ـــــــ محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ لندن

تقریر کا جادو

یہ میری بچپن اور لڑکپن کی یادیں ہیں جو میں یہاں نذرِ قارئین کرنے لگی ہوں۔ یہ جب کی بات ہے کہ انجمن کی نئی بستی "دارالسلام" ابھی کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ آئی تھی۔ اس کی جگہ وہاں گھنے آموں اور امردوں کے باغ تھے۔ ہری بھری کھیتیاں لہلہاتی تھیں۔ باہر نہر کے کنارے کیکر اور جنگلی جھاڑیوں کے اُجاڑ میں دن دہاڑے لوگ ڈاکوؤں اور چوروں کے ہاتھوں لُٹ جاتے تھے۔ دارالسلام تو دُور رہا ابھی تو احمدیہ بلڈنگس بھی ایک چھوٹی اور سادی سی درمیانی بساط کے گھروں پر مشتمل بستی تھی۔ احمدیہ بلڈنگس کی مسجد ایک سادے محرابوں والی چھوٹی سی مسجد تھی۔ اس کی آزو بازو کی دو گلیاں برانڈرتھ روڈ یا عوام میں اسٹیشن والی سڑک سے خاصے نشیب میں اُترتی تھیں۔ عقب والی گلی زبانِ عام میں مرزا صاحب والی گلی کہلاتی تھی کیونکہ اس کے کنارے حضرت مرزا یعقوب بیگ صاحبؒ کے کئی مکانات تھے اور جو مسجد کے سامنے سے گزرتی تھی وہ خواجہ صاحبؒ والی گلی تھی کہ اس پر حضرت خواجہ کمال الدینؒ اور ان کے خاندان کے رہائشی مکان تھے۔ خود سڑک کے کنارے حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کا اپنا مکان تھا۔ اور اس کے بالمقابل مسجد کے دُوسرے کنارے پر شاہ صاحب کا ہی ایک دو منزلہ مکان تھا۔ جس میں اسوقت حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ بطور صدر اور امیر جماعتِ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور قیام پذیر تھے۔ اس مکان اور مسجد کے درمیان کی پتلی سی گلی جب مسجد کا آدھا کچا، آدھا پکا صحن پختہ ہوا تو یہ بھی پٹ کر کے صحنِ مسجد سے ملا دی گئی۔ اس چھوٹی سی مسجد میں پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ بعد نمازِ مغرب روزانہ حضرت امیر کا درسِ قرآن ہوتا تھا۔ اور صبح نو بجے ہم دو تین بہنیں۔ حضرت امیر کی لڑکیاں اور احمدیہ بلڈنگس کے اور چھوٹے چھوٹے بچے ہاتھوں میں پارے لئے مسجد کے بوڑھے نورانی شکل مؤذن اور امام صاحب سے قرآن شریف پڑھنے آجاتے تھے۔

سال کے گیارہ مہینے تو اس بستی اور اس کی اس چھوٹی سی مسجد میں وقت کم و بیش اسی دستور سے گذرتا تھا۔ لیکن دسمبر کا مہینہ شروع ہوتے ہی اس آبادی اور خصوصاً اس مسجد کے اردگرد چہل پہل اور تیاریاں شروع ہو جاتی تھیں۔ اس کی وجہ انجمن کے سالانہ جلسہ کی آمد آمد ہوتی تھی۔ جو عموماً دسمبر کے آخری ہفتہ میں منعقد ہوتا تھا۔ سب سے پہلے تو بیل گاڑیوں پر پرالی (کنک یا دھان کے لمبے لمبے خشک تنکے) آتی تھی۔ جو نہ صرف اندر باہر مسجد اور اُسکے سارے صحن میں بلکہ حضرت امیر کے دفتر کے کمرے میں جو صحنِ مسجد سے ملحق تھا خوب موٹی موٹی تہہ سے بچھائی جاتی تھی۔ اس پر بڑی بڑی سُوتی دریاں بچھائی جاتی تھیں۔ مسجد کے درمیانی در کے سامنے تختوں کا سٹیج بنا کر دریوں سے ڈھانپا جاتا تھا اور اس پر میز اور چند کرسیاں لگائی جاتی تھیں۔ اس سب پر خوب بڑا سا شامیانہ کھینچا جاتا تھا۔ صحن کے چوطرفہ کرسیوں کی دو تین قطاریں بھی لگائی جاتی تھیں۔ مسجد سے حضرت امیر کے گھر کی طرف والے محراب سے لے کر صحن کے آخر تک سرکی کی چکیں سیاہ ململ کے استر کی لگا دی جاتی تھیں اور اس حصہ میں اور خود حضرت امیر کے دفتر میں زنانہ نشست ہوتی تھی۔ رنگین کاغذی بیلوں، بجلی کے قمقموں اور قرآنی آیات اور حضرت مجدد صد چہاردہم کے الہامات و فرمان کے قطعوں سے آرائش مکمل کی جاتی تھی۔

عموماً بیس دسمبر کے بعد مہمانوں کی آمد شروع ہو جاتی تھی۔ جو زیادہ تر نزدیک ہی انجمن کے مُسلم ہائی سکول کی وسیع عمارت میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ اور وہیں اس کے صحن میں کھانے کی دیگیں چڑھائی جاتی تھیں۔ اور رات رات بھر کھانا پکتا تھا۔

یہ صُلح صفائی کا زمانہ تھا اور انجمن کے اس سادہ سے سٹیج پر اُس وقت کے مُسلمانوں کے بڑے بڑے چوٹی کے لیڈر، قومی شاعر، مشہور مقرر۔ مذہبی پیشوا، مسلمانوں اور قوم کا درد دل میں لئے تشریف لا کر حاضرین سے خطاب کرتے تھے۔ اور ان کی بیدار مغز تعلیم یافتہ بیگمات اندر خواتین میں بیٹھ کر تقریریں سنتیں اور نیک تحریکوں میں دامے درمے سخنے حصہ لیتی تھیں۔

سٹیج کے سامنے دریوں پر بیٹھے حاضرین میں زیادہ تعداد باہر سے آئے ہوئے شہروں کے علاوہ دیہاتوں اور گاؤں کے مخلص احمدی بزرگوں کی ہوتی تھی۔ جو اکثر سفید کھدر کے سادہ لباسوں میں ملبوس سر پر سفید بھاری بھاری پگڑیاں باندھے گرم صدریاں۔ لوئیاں کمبل اوڑھے ہوتے تھے انہی میں صوبہ سرحد کے غیور پٹھان سردی پر تلے کے کُلّے اُن پر مشہدی لنگیاں باندھے۔ پوستین، پٹی کے گرم چُغے واسکٹیں پہنے۔ گرم لوئیاں دوشالے لپیٹے بیٹھے نظر آتے تھے۔ پورے تین دن تک یہ سب اللہ کے مسافر صبر سے دریوں پر بیٹھے رہتے تھے۔ ان کے علاوہ مقامی جماعت کے بزرگ اور افراد اور عام شہری لوگ شریک جلسہ ہوتے تھے اور اکثر سرکاری افسر جو زبان عام میں بابو لوگ کہلاتے تھے مغربی لباس پہنے چوطرفہ کرسیوں پر آ بیٹھتے تھے۔

اُس وقت میں چھوٹی سی بچّی اپنی والدہ، دادی۔ اور دیگر عزیز خواتین کے ساتھ جب پردہ کے پیچھے آ کر بیٹھتی تھی تو مقررین کی عالمانہ اور فاضلانہ تقریریں تو میری سمجھ سے بالاتر ہوتی تھیں۔ اور تھوڑی بہت ہی پلے پڑتی تھیں۔ میرا دلچسپ شغل یہ ہوتا تھا کہ جہاں دو چکّوں میں درز ہوتی تھی اس کے پاس بیٹھ کر درز سے آنکھ لگا کر سٹیج پر مقرّروں اور حاضرین جلسہ اور جلسہ کی دیگر کاروائی کو دیکھا کرتی تھی۔ بولنے اور سُننے والوں کے چہروں کے تاثرات اور جذبات کا اُتار چڑھاؤ مجھے لفظوں سے زیادہ سمجھ آتا ہے۔ اور جب جلسہ کے آخری تیسرے دن حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کی اپیل کا وقت آتا تھا۔ تو مجھے ایک عجیب نظّارہ نظر آتا تھا۔

سٹیج پر ایک درمیانہ قد و قامت اور گندم گوں رنگ کے سادہ خاکسار سے بزرگ تشریف لاتے تھے۔ لباس میں ہمیشہ سفید موٹے کپڑے کا کھڑا پاجامہ۔ اُوپر بند گلے کا لمبا پٹی کا گرم کوٹ۔ اور سر پر مشہدی لنگی ہوتی تھی۔ چہرے پر غالب آتی سفیدی والی ڈاڑھی اور چمکتی ہوئی پیشانی پر کچھ ایسی دردمندی اور سوز کی کیفیت جھلکتی تھی کہ بجائے اُن کی بزرگی کے رعب اور خوف کے دل کو ایک شفقت اور تسکین کا احساس ہوتا تھا۔ ان کی تقریر اور مقرّرین سے مختلف ہمیشہ دھیمی اور ٹھہری ہوئی آواز میں شروع ہوتی تھی۔ نہ بڑے بڑے مشکل الفاظ۔ نہ گونجتا ہوا آواز کا زور۔ نہ پُر جوش اشارے۔ لیکن یہ دھیما سا آواز کا ستا ایک بہتی ہوئی پتلی دھار سے پھیل کر دریا کی موجوں کی طرح بڑھتا اور پھیلتا معلوم ہوتا تھا۔ اور پھر یہ موجیں ایک سیلاب کی طرح ماحول پر چھا جاتی تھیں۔ میں دیکھتی تھی کہ دریوں پر بیٹھے ہوئے مدہوش انسانوں کے ہاتھ بے اختیار اپنی پگڑیوں کے پلّو۔ صدریوں اور چغوں کی جیبوں کی طرف بڑھتے تھے اور اُن کی سال بھر کی گاڑھے خون پسینے کی کمائی برضا و رغبت نذرِ اپیل ہو جاتی تھی۔ دینے والے سب کچھ لٹا دینے کو بجائے مفلس و نادار سمجھنے کے آسودہ حال و مالدار محسوس کر کے نہال نہال گھروں کو لوٹتے تھے۔

اور یہ صرف نیک دل اور سادہ لوح مخلص زمین کے بیٹوں کی بات نہیں۔ بلکہ وہاں موجود بڑے بڑے سمجھدار تاجروں۔ فیکٹریوں کے مالکوں۔ تعلیم یافتہ روشن دماغ ہستیوں اور مغرب زدہ افسروں کی کیفیت بھی یہی تھی۔

میرے اباجان مرحوم کے سمدھیانے کے رشتہ داروں میں ایک مغربی تعلیم یافتہ اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ جو سرکاری ملازمت کے علاوہ ایک بڑی کاروباری فرم کے ممبر بھی تھے۔ اور ان کو روپے پیسے کی قدر و قیمت خوب معلوم اور بہت عزیز تھی۔ جب کبھی اُن کے سامنے جلسہ اور اس میں حضرت امیر کی اپیل کا ذکر آتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ:۔

"کون محمد علی وہ تو جادوگر ہے جادوگر۔ میں ہر سال جلسہ کے موقع پر عہد کرتا ہوں کہ جلسہ کے دو دن تو اس میں شریک ہوں گا مگر تیسرے دن اپیل سننے نہیں جاؤں گا۔ مگر اس دن کوئی غیبی طاقت کشاں کشاں مجھے کھینچ کر جلسے میں لے جاتی ہے۔ اور وہاں اِس جادوگر کی اپیل پر میں ایک ہزار روپیہ چندہ دے کر آتا ہوں سال ہا سال سے یہی حال ہے۔ نہ اس کی تقریر کا جادو کم ہوتا ہے نہ میں اس کی کشش سے آزاد ہوتا ہوں"

اُس زمانہ میں ایک ہزار روپیہ بڑی رقم تھی۔ جو ایک کاروباری آدمی سے وصول ہونی جادوگری ہی تھی۔

اسی زمانہ کے ایک موقعہ پر میں خود تو موجود نہ تھی لیکن جو کیفیت بعد میں سُنی وہ یہ تھی کہ جرمن

میں برلن مسجد بن رہی تھی۔ اور اس کے مینار ابھی باقی تھے کہ انجمن کی جمع پونجی اس مد میں ختم ہوگئی۔ جلسہ کا موقع آیا تو اس بار ایک صرف خواتین کا اجلاس علیحدہ منعقد ہوا۔ خواجہ صاحب والی گلی میں مسجد کے بالمقابل بشیر بادشاہ ہال ایک کشادہ دالان تھا جو حضرت خواجہ صاحب نے اپنے نوجوان ہونہار بیٹے اور بہو کی یاد میں وقف کر دیا تھا اس دالان کے ایک کونے میں ایک چارپائی آڑی کھڑی کی گئی۔ اس پر پردہ ڈالا گیا۔ اس چارپائی کے پیچھے پس پردہ رہنے والی بی بی نے جھولی میں ڈال دیئے بیگم صاحبہ سید محمد حسین شاہ صاحب نے اُن کی تقلید کی اور پھر تو خواتین کی سونے کی چوڑیوں۔ ہاروں۔ آویزوں۔ بالیوں۔ انگوٹھیوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ اور دیکھتے دیکھتے وہ پھیلی ہوئی جھولی سونے سے بھر گئی اور پھر بعد میں شہر بہ شہر جگہ بہ جگہ سے خواتین نے اس اپیل پر لبیک کہی اور برلن مسجد کے مینار آج تک اس جادو بھری تقریر اور قوم کی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی قربانی کی یاد میں کھڑے ہیں۔

اب کہ میرا بچپن اور وہ سادہ و اخلاص بھرے لوگ گردش ایّام کے ساتھ بہت دُور چلے گئے ہیں مجھے اللہ کے فضل سے بہت دُنیا دیکھنے اور اکثر بے شمار مشہور زمانہ مقرروں۔ لیڈروں سیاسی۔ مذہبی پیشواؤں نیز بادشاہوں اور بادشاہ بیگموں کی تقریریں روبرو سُننے اور ٹی۔ وی کا بھلا ہو دور دراز سے آنکھوں کے سامنے دیکھنے اور سننے کا موقع ملتا ہے مگر زمانۂ جنگ کی پُر جوش اُبھارنے والی تقریروں۔ سیاست کی چالبازی سے لبریز تقریروں۔ پُر تکلف دنیاوی شاہانہ محفلوں کی شاعرانہ تقریروں۔ ان سب کے جھگڑے میں نہ معلوم کیوں میری یاد کی رَو میں بار بار اس درد بھری تقریر کرنے والے دردمند وغمخوارِ دین کی تقریر اُبھرتی ہے جس کی دل سے نکلی اور اثر سے بھری آواز آپ کو خود اپنے دل کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ اور مجھے بے اختیار مشہور زمانہ شاعر غالب مرحوم کا یہ شعر یاد آتا ہے کہ ؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔

* * *

یہ کتابیں دلنشیں سنجیدہ ہیں
پڑھنے والے عاشق و گرویدہ ہیں

"قلزمِ تحقیق کا وہ غوطہ زن"
ڈھونڈھ لاتا تھا عجب "دُرِ عدن"

اس کی جو تحریر یا تقریر ہے
مذہبِ اسلام کی تفسیر ہے

وہ مبلغ، عالمِ دیں، وہ دبیر
وہ مفسر، وہ جماعت کا امیر

"مذہبِ اسلام" ہے مقبول تر
اسکی تصنیفات ہیں سب معتبر

ہے مکمل جس میں دستورِ حیات
بند ہے فانوس میں نورِ حیات

گر نہ ہوتا شاخ کا باہر قیام
یورپ و امریکہ رہتے بے پیام

* * *

اعتذار:- جن احباب کے مضامین برائے حضرت امیرؒ نمبر تاخیر سے موصول ہوئے وہ اس خاص نمبر میں شائع نہیں ہو سکے۔ ایسے تمام مضامین اگلے شمارہ میں شکریہ کے ساتھ شائع کئے جائیں گے۔

—— ادارہ

روضۂ مطہر نبوی پر

بذریعہ شیخ محمد اسماعیل صاحب لائلپوری مرحوم

اے خدا تیرا دین نہایت بے کسی کی حالت میں ہے۔ دُنیا تیری دی ہوئی نعمتوں سے بھری ہوئی ہے۔ سونے اور چاندی کے پہاڑ بھی دُنیا میں موجود ہیں مگر اے مالک تیرے دین کو، ہاں اس دین کو جس کے متعلق تو نے وعدہ فرمایا ہے کہ اسے سب ادیان پر غالب کروں گا۔ جس کے متعلق تیرا حکم تھا کہ اسے دُنیا کے کناروں تک پہنچایا جائے۔ دُنیا میں پہنچانے کے لئے سامان نہیں ملتا۔

اے خدا! تثلیث اور کفارہ کے پھیلانے کے لئے دنیا کا مال پانی کی طرح بہہ رہا ہے۔ اور دُنیا کی طاقت اس کی پُشت پر ہے مگر تیرا دینِ حق اس بے کسی کی حالت میں ہے کہ مسلمانوں کے دل بھی اس کے لئے نرم نہیں ہوتے۔ تیرے پیغمبرؐ کے پروانے تو بہت ہیں مگر اس کی محبّت کی آگ میں اپنے آپ کو جلانے والے نظر نہیں آتے۔

اے خدا! تیرے مسیح نے ایک قوم تیار کی تھی کہ وہ تیرے دین کو دُنیا میں پہنچائے اور تیرے وعدوں کے پورا ہونے کا نظارہ دکھائے۔ مگر آہ وہ قوم بھی سیاست میں بہہ گئی اور ایک چھوٹا سا گروہ جو دُنیا کی نظروں میں حقیر ہے۔ باقی رہ گیا ہے۔ مگر اے خدا وہ بھی کمزور ہے اور تیری امانت کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے۔

اے خدا! تو ان کے سینوں میں وہ درد اپنے دین کا پیدا کر دے جو تُو نے اپنے پاک رسولؐ کے سینے میں پیدا کیا تھا اور اپنے دین کے غم میں ان کی وہ حالت کر دے جو تو نے اپنے پاک رسولؐ کی کی تھی۔ لعلك باخع نفسك الا يكونوا مؤمنين۔

اے خدا تو ان کی دنیا کی محبت کو ٹھنڈا کر اور اپنی محبت کی ایسی آگ ان کے سینوں میں جلا کہ وہ سب خس و خاشاک کو جلا دے اور اس کی حرارت سے مُردہ دلوں کے اندر زندگی پیدا ہو جائے۔

اے خدا! تو اپنی نصرتوں کی ہوائیں اس گروہ پر چلا اور اپنے فضلوں کی بارش ان پر برسا اور اپنی رحمتوں کے دروازے ان پر کھول دے۔ اے خدا تو اس گروہ کو یہ توفیق دے کہ تیرے کلام کو دُنیا کے کناروں تک پہنچا دے۔ اے خدا تو ہماری زندگیوں میں یہ نظارہ دکھا کہ دجال کی مملکت میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوں اور مسجدیں بن جائیں۔ اور تیرا نام فضا میں گونجنے لگ جائے۔ اے خدا! ہمیں وہ نظارہ دکھا جو تُو نے اپنے رسولؐ اور اس کے سچے نام لیواؤں کو دکھایا ہے کہ اُن کے ہاتھوں پر فوج در فوج لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ آمین۔ ثم آمین

(پیغام صلح - ۲۶ جنوری ۱۹۳۸ء)

از — مدیر اعزازی

"تمہاری نیکیاں زندہ تمہاری خوبیاں باقی"

ادارہ پیغام صلح ہر سال ماہ اکتوبر میں محمد علیؒ نمبر شائع کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ یہ نمبر شائع کرنے سے ہمارا مطلب کسی کی شخصیت کا عکس ابھارنا اور اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانا نہیں ہوتا بلکہ اپنے نوجوانوں کو یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ کس طرح ایک ستو سال کے نوجوان محمد علی کی نیک فطرت اور دور بصیرت نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد وقت کی شناخت کی طرف آپ کی راہنمائی کی اور آپ نے ۱۸۹۷ء میں ۲۳ سال کی عمر میں اپنی تمام امنگوں اور آرزوؤں کو قربان کر کے جبکہ دنیوی ترقی کا ایک وسیع میدان آپ کے سامنے تھا حضرت مرزا صاحب کی بیعت کر لی اور ۱۸۹۹ء میں قادیان میں آپ کے قدموں میں بیٹھ کر اس عہد کو کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا" مرتے دم تک نبھانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اس راہ میں جن مشکلات اور مصائب کا آپ کو سامنا ہوا وہ "وفاداری بشرط استواری" کے مطابق آپ کے قدموں کو متزلزل کر کے اس راہِ وفا سے نہ ہٹا سکیں حتیٰ کہ آپ نے اپنی جان بھی اسی راہ میں قربان کر دی۔ آپ کی زندگی کے آخری لمحات بھی اشاعتِ قرآن کے غم میں ہی بسر ہوئے اور یہی غم لے کر وہ اس جہان سے رخصت ہوئے۔ آپ کی زندگی از ابتدا تا انتہا قرآن اور اسلام کی خدمت کے لئے ایک مسلسل اور انتھک جدوجہد سے عبارت ہے۔ قرآن کے لئے عشق کی یہ چنگاری آپ کے اندر بانیٔ تحریکِ احمدیت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے روشن کی جو بڑھتے بڑھتے ایک شعلہ کی صورت اختیار کر گئی۔ اور جس نے ہزاروں بے نور سینوں کو روشن کر دیا۔

اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ صدق و صفا کے ساتھ کسی مامورِ وقت کا ساتھ دیتے ہیں اس کی آمد کی غرض و غایت اور مقصد کو پورا کرنے کے لئے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے اور اس عہد کی پاسداری کو اپنے ایمان کا جزو بنا لیتے ہیں وہ اس دنیا سے روپوش ہونے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ اگرچہ ہماری عقلیں اس زندگی کے راز کو پا لینے میں قاصر رہتی ہیں۔ زندگی کے اسی راز کی تلاش کی طرف ہم اپنی اور اپنے نوجوانوں کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ نوجوان خاص طور پر ہمارے اس لئے مخاطب ہیں کہ انہوں نے بھی یہ عہد کر رکھا ہے اور وہ ہر سال اس عہد کو دہراتے بھی ہیں۔ زود یا بدیر یہ بار امانت اُن کے کندھوں پر پڑنے والا ہے۔ جسے اُٹھانے کے لئے انہیں ابھی سے اپنے کندھے مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ حالات کے بدلتے ہوئے تیور بھی اُن کے سامنے ہیں۔ زمانے کی شکن آلود پیشانی اور خشمگین نظریں بھی انہیں دیکھ رہی ہیں۔ ایسی صورت میں مقابلہ کرنے کے لئے اُسی عزم، ہمت، حوصلہ، استقلال اور ثابت قدمی کی ضرورت ہے جو حضرت مولانا محمد علیؒ نے اپنے زمانے میں دکھائی۔ وہ اندرونی اور بیرونی مخالفتوں کا مقابلہ بڑی جرأت اور عالی حوصلگی سے کرتے رہے لیکن جادۂ صواب سے ذرہ بھر ادھر اُدھر نہ ہوئے۔ اس جرأت اور ثابت قدمی کی آج پہلے سے بھی بڑھ کر ضرورت ہے کیونکہ یہی اس عالمِ افراتفری کا شدید تقاضا ہے۔

حضرت مولانا محمد علیؒ امیر جماعتِ احمدیہ لاہور کے علمی، فکری اور تصنیفی کارناموں اور دینِ اسلام کے لئے اُن کی بیش بہا خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ مخالف و موافق آپ کو اس کے لئے خراجِ تحسین پیش کر چکے ہیں۔ اُن کی ان خدمات کا ذکر اپنی زبان سے کرنا اپنے منہ میاں مٹھو بننے کے مترادف ہے اس لئے ہم اس مضمون میں آپ کی شخصیت کے ایک ایسے پہلو کا ذکر کریں گے جو اگرچہ ہماری نگاہوں سے پورے طور پر اوجھل تو نہیں لیکن ہمارے نوجوانوں کے سامنے زیادہ نمایاں بھی نہیں اور نہ ہی اس کو نمایاں کرنے کی ہماری طرف سے پوری کوشش کی گئی ہے۔ ہم اپنی اس کوتاہی پر نادم ہیں کہ ہم نے بوجوہ اس پہلو کو نظر انداز کئے رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہمارے نوجوانوں کے ذہنوں کو وسوسہ اندازی کے ذریعے زہر آلود کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ بڑے باوثوق ذرائع سے ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ بعض حلقے ہماری جماعت کے افراد کو خاص کر نوجوانوں کو جو اپنے مؤقف سے پورے طور پر آگاہ نہیں یہ باور کرانے کی کوششوں میں مصروف ہیں کہ حضرت مولانا محمد علی اور آپ کے رفقاء کی جماعتِ قادیان سے علیحدگی عقائد میں اختلاف کی بناء پر نہیں بلکہ اس بناء پر عمل میں آئی تھی کہ مولانا محمد علیؒ کو حضرت مولانا نورالدینؒ کی وفات کے بعد خلیفہ نہ بنایا گیا۔ وہ خلافت کے بڑی شدت سے خواہش مند اور متمنی تھے جس پر قبضہ کرنے کے لئے انہوں نے ہزار جتن کئے مگر ناکام رہے اور اسی مایوسی نے انہیں علیحدہ ہونے پر مجبور کیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دیکھیں ہمارے عقائد میں کوئی فرق نہیں۔ ہم بھی حضرت مرزا صاحب کو اس طرح کا نبی نہیں مانتے جس کے انکار سے کوئی کافر ہو جاتا ہے - - - - - - - ہمارے خیال میں یہ ایک زیرِ زمین تحریک چل رہی ہے تاکہ نوجوانوں کو دامِ ہمرنگِ زمیں میں پھنسا کر جماعتِ لاہور کو کمزور کیا جا سکے۔ اس لئے بادل ناخواستہ اب ہم اس مسئلہ پر قلم اُٹھانے پر مجبور ہیں۔

حضرت مولانا محمد علیؒ کی ذات پر یہ بہت بڑا الزام اور افتراء ہے کہ آپ اپنی ہوسِ اقتدار پوری نہ ہونے کی وجہ سے جماعت کو چھوڑ کر اپنے چند ساتھیوں سمیت لاہور آ گئے۔ اور یہاں ایک نئی جماعت کھڑی کر کے اس کے امیر بن گئے اور اس طرح انہوں نے اپنی خواہش پوری کی۔ حقیقت یہ ہے کہ حالات و واقعات اس کے بالکل برعکس ہیں۔

اگرچہ حضرت مولاناؒ ۱۸۹۱ء میں "ازالہ اوہام" کے مطالعہ کے بعد حضرت مرزا صاحب کی صداقت کے قائل ہو چکے تھے لیکن آپ نے باقاعدہ بیعت ۱۸۹۷ء میں کی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب حضرت مرزا صاحب کے خلاف مخالفت کا ایک شدید طوفان برپا تھا۔ مسلمان علماء کی طرف سے آپ پر کفر کا فتویٰ لگ چکا تھا۔ آپ کو نعوذ باللہ ملحد و دجّال کہا جا رہا تھا جیسا کہ آپ خود اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں:۔ ؎

کافر و ملحد و دجّال ہمیں کہتے ہیں
نام کیا کیا غمِ ملّت میں رکھایا ہم نے

عیسائیوں اور آریوں کے خلاف مباحثوں اور مناظروں کا بازار گرم تھا۔ آپ پر مقدمات چلائے جا رہے تھے۔ لیکھرام کے قتل کے بعد حضرت اقدس کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں اور ہندو اخبارات میں ایسی باتیں شائع ہونے لگیں کہ "مرزا قادیانی بھی امروز و فردا کا مہمان ہے۔ بکرے کی ماں کب تک خیر منا سکتی ہے۔ آج کل اہل ہنود کے خیالات مرزا قادیانی کی نسبت بہت بگڑے ہوئے ہیں بلکہ عموماً مسلمانوں کی بابت۔ پس مرزا قادیانی کو خبردار رہنا چاہیئے کہ وہ بھی بقر عید کی قربانی نہ ہو جاوے۔"

(آفتاب ہند۔ ۱۸ مارچ ۱۸۹۷ء)

حضرت مولانا مرحوم اس زمانے میں ایم اے پاس کرنے کے بعد اورئینٹل کالج لاہور میں پروفیسر ہو گئے تھے۔ اور ۱۸۹۹ء میں ایل ایل بی کا امتحان بھی پاس کر چکے تھے۔ اپنی ذہانت، فطانت، محنت اور اس اعلیٰ علمی قابلیت کی وجہ سے دنیوی ترقیات کا ایک وسیع میدان آپ کے سامنے تھا۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ پر آپ پہنچ سکتے تھے لیکن حضرت مرزا صاحب کی خواہش پر آپ اپنے تمام ارادوں کو ترک کر کے مئی ۱۸۹۹ء میں قادیان تشریف لے گئے۔ اور ۱۹۰۱ء میں -/۶۰ روپے ماہوار پر ایڈیٹر "ریویو آف ریلیجنز" مقرر ہوئے مگر آپ اپنی مرضی سے اپنی ضروریات کے لئے صرف ۲۰ روپے ماہوار لیتے رہے۔ یہ کوئی نہیں جانتا کہ مئی ۱۸۹۹ء سے اپریل ۱۹۰۱ء تک آپ کی ضروریات کیسے اور کہاں سے پوری ہوتی رہیں۔

اگر حضرت مولانا محمد علیؒ ایک دنیا دار انسان ہوتے تو حضرت صاحب کی مخالفت کو دیکھتے ہوئے اس خارزار میں قدم رکھ کر اپنے درخشاں مستقبل کو کبھی قربان نہ کرتے۔ ہزاروں نہیں تو سینکڑوں کی آمدنی اور دنیوی عزت اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کی اُمید پر کبھی لات نہ مارتے۔ انہیں یہ اُمید کیسے ہو سکتی تھی اور کیسے یہ علم تھا کہ حضرت صاحب الوصیت لکھیں گے جس کے مطابق ایک انجمن قائم کی جائے گی۔ میں اس انجمن کا سیکرٹری بنوں گا اور اس کے بعد جماعت کی قیادت امارت یا خلافت کی صورت میں میرے ہاتھ میں آ جائے گی۔ اور اس منصوبہ بندی کو سامنے رکھتے ہوئے وہ قادیان آ گئے۔ اُس وقت تو یہ ساری بات اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ جو لوگ آپ پر اقتدار پسندی کا الزام لگاتے ہیں وہ حق و انصاف کا خون کرتے ہیں۔ ایسے بے نفس انسان کو یہ الزام دینا کہ خلافت کی خواہش پوری نہ ہونے کی وجہ سے وہ جماعت سے علیحدہ ہوا بڑا بھاری جھوٹ

ارشاد فرمایا ہے:۔

"ومن یکسب خطیئۃ او اثماً ثم یرم بہ بریئاً فقد احتمل بہتاناً و اثماً مبیناً" (النساء ۱۱۲)

اور جو شخص خود گناہ یا قصور کرے پھر ایک بیگناہ پر اس کی تہمت لگائے یقیناً وہ اپنے اوپر بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ لیتا ہے۔

اصل واقعات یہ ہیں کہ ۱۹۰۵ء میں متواتر الہامات کے ذریعے حضرت صاحب کو یہ بتایا گیا کہ آپ کی زندگی کے دن تھوڑے باقی رہ گئے ہیں اور آپ اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔ جب آپ کو یقین ہو گیا کہ آپ کی وفات قریب ہے تو آپ نے اپنے بعد اپنی جماعت کی راہنمائی کے لئے ۲۰ دسمبر ۱۹۰۵ء کو ایک رسالہ "الوصیت" شائع فرمایا۔ اس کی اشاعت کے ۱۷ دن بعد یعنی ۶ جنوری ۱۹۰۶ء کو "الوصیت" کا ایک ضمیمہ شائع کیا اور اس کے ساتھ ہی قادیان میں "صدر انجمن احمدیہ قادیان" کی بنیاد رکھی جس کی غرض آپ نے یہ بتائی کہ:۔

"انجمن ہذا کی غرض اشاعت اسلام اور ان تجاویز کو سوچنا اور عمل میں لانا ہے کہ جن کے ذریعہ اشاعت اسلام ہو سکے اور ایسے افراد پیدا کرنا ہے کہ جن سے تبلیغ اسلام ہو"

حضرت مولانا نورالدین رح کو اس کا صدر، حضرت مولانا محمد علی رح کو اس کا سیکرٹری اور حضرت خواجہ کمال الدین رح کو اس کا مشیر قانونی مقرر فرمایا۔ انجمن کے قواعد میں قاعدہ ۱۳ کے ماتحت آپ نے تحریر فرمایا کہ:۔

"چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے اس لئے اس انجمن کو دنیاداری کے رنگوں سے بکلی پاک رہنا ہوگا اور اس کے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں۔"

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے بعد انجمن ہی آپ کی جانشین ہوگی اور کوئی فرد واحد خلیفہ نہیں ہوگا۔ اس کی تائید آپ کی ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۷ء کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے مسجد مبارک کی توسیع کے سلسلہ میں انجمن اور میر ناصر نواب صاحب (حضرت صاحب کے خسر اور میاں محمود احمد صاحب کے نانا) کے درمیان نقشہ کے اختلاف پر خود انجمن کے اجلاس میں تشریف لا کر لکھ کر دی۔ آپ نے فرمایا۔

"میری رائے تو یہی ہے کہ جس امر پر انجمن کا فیصلہ ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہیئے اور کثرت رائے اس میں ہو جائے تو وہی امر صحیح سمجھنا چاہیئے۔ اور وہی قطعی ہونا چاہیئے لیکن اس قدر میں زیادہ لکھنا پسند کرتا ہوں کہ بعض دینی امور میں جو ہماری خاص اغراض سے تعلق رکھتے ہیں مجھ کو محض اطلاع دی جائے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ انجمن خلاف منشا میرے ہرگز نہیں کرے گی لیکن صرف احتیاطاً لکھا جاتا ہے کہ شاید وہ ایسا امر ہو کہ خدا کا اس میں کوئی خاص ارادہ ہو۔ اور یہ صورت صرف میری زندگی تک ہے اور بعد میں ہر ایک امر میں اس انجمن کا اجتہاد کافی ہوگا۔"

انجمن کے قیام۔ اسے خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین بنانے، کثرت رائے سے کئے گئے فیصلوں کو صحیح اور قطعی سمجھنے، حضرت مولانا محمد علی کو اس انجمن کا سیکرٹری اور حضرت خواجہ کمال الدین کو مشیر قانونی مقرر کرنے سے حضرت صاحب کے بعد گدی قائم کرنے اور جماعت پر فرد واحد کو مسلط کرنے والوں کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے۔ اور وہ اس نظام کو درہم برہم کرنے کی سازشوں میں ابتداء سے ہی مصروف ہو گئے۔ حضرت صاحب کی موجودگی میں ان کی دال نہ گل سکتی تھی اس لئے وہ آپ کے بعد مناسب موقع کی تلاش میں تھے جو انہیں حضرت مولانا نورالدینؒ کے دور میں میسر آگیا۔

انجمن کے نظام کو ختم کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ جماعت کو ان لوگوں سے متنفر کیا جائے جنہیں انجمن میں کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ اور وہ تھے حضرت مولانا محمد علیؒ اور ان کے قریبی ساتھی حضرت خواجہ کمال الدین رح حضرت مولانا مرحوم کے متعلق حضرت صاحب کے الہامات سے بھی جماعت واقف تھی اور مختلف حیثیتوں میں ۱۸۹۹ء سے ۱۹۱۴ء تک جو بے لوث اور مخلصانہ خدمات آپ نے جماعت کی توسیع و ترقی کے لئے انجام دی تھیں وہ ان کو بھی بخوبی جانتی تھی۔ اس لئے انہیں جماعت میں ایک خاص مقام اور مرتبہ حاصل تھا۔ ان لوگوں کو یہی خدشہ تھا اور یہی غم کھائے جا رہا تھا کہ حضرت مولانا نورالدین رح کی وفات کے بعد جماعت انہیں ہی کہیں اپنا امام منتخب کرے۔ حضرت خواجہ صاحب مرحوم نے بھی "حسن بیان" کا حق ادا کرتے ہوئے ہندوستان کے تمام چھوٹے بڑے شہروں میں اپنے دلکش و دلنشیں مدلل لیکچروں کے ذریعے جماعت کو عوام الناس میں مقبول بنانے اور اس کے خلاف نفرت کو مٹانے کا حق ادا کر دیا تھا۔ جماعت کی نظریں ان پر بھی لگی ہوئی تھیں۔ آپ نے ووکنگ میں بھی تبلیغ کے سلسلہ میں قابل قدر خدمات انجام دی تھیں۔ یہ سعادت خلافت کے خواہشمندوں میں سے کسی کو نصیب نہ ہوتی تھی۔ اس لئے ان دو شخصیتوں کو جب تک جماعت کی نظروں سے گرایا نہ جاتا تخت خلافت کا ہاتھ آنا ممکن دکھائی نہیں دیتا تھا اور یہ مہم انجمن کے قیام کے ساتھ ہی اندر اندر شروع ہو گئی تھی۔

حضرت صاحب مولانا رح کو اپنے ایک خط میں مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"مجھے آپ پر بہت ہی نیک ظن ہے۔ اسی وجہ سے میں آپ کے ساتھ خاص محبت رکھتا ہوں۔ اگر آپ کی خدا تعالٰے کے نزدیک فطرت نیک نہ ہوتی تو میرا اس قدر نیک ظن ہو نہیں سکتا۔ ہرگز نہ ہوتا۔ بلکہ میں دل سے اور دلی جوش سے آپ سے محبت رکھتا ہوں اور آپ کے لئے اکثر پنج وقت غائبانہ دعا کرتا ہوں۔"

خواجہ صاحب مرحوم کو "حسن بیان" کا الہامی خطاب دیتے ہیں لیکن ان دونوں کے متعلق میاں محمود احمد صاحب فرماتے ہیں:۔

"ہر ایک روحانی سلسلہ میں کچھ لوگ ایسے بھی داخل ہوتے ہیں جو گو اُس کو سچا سمجھ کر ہی اس میں داخل ہوتے ہیں لیکن اُن کا فیصلہ سطحی ہوتا ہے اور حق اُن کے دل میں داخل نہیں ہوا ہوتا۔ ان کا ابتدائی جوش بعض دفعہ اصل مخلصوں سے بھی ان کو بڑھ کر دکھاتا ہے مگر ایمان کی جڑیں مضبوط نہ ہونے کی وجہ سے ہر وقت خطرہ ہوتا ہے کہ وہ مرکز سے ہٹ جائیں اور حق کو پھینک دیں۔ ایسے ہی چند لوگ حضرت مرزا صاحب کے سلسلہ میں داخل ہوئے اور ان کی وجہ سے اور بہت سے لوگوں کو بھی ابتلا آیا۔"

(آئینہ صداقت صفحہ ۱۲۱)

یہ تحریر دراصل حضرت صاحب کے الہامات کے اثر کو مٹانے اور جماعت میں ان کو نیچا دکھانے کے لئے لکھی گئی ہے تاکہ جن لوگوں نے پیر پرستی کے جذبہ سے وقتی طور پر مغلوب ہو کر اور میاں صاحب کے حواریوں کے غلط اور جھوٹے پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر انہیں خلیفہ منتخب کر لیا ہے وہ حق کو پا لینے کے بعد ان سے کہیں برگشتہ نہ ہو جائیں۔

غرض میاں محمد احمد صاحب اور آپ کے ساتھیوں نے ان دونوں بزرگوں کو بدنام کرنے اور جماعت کو ان سے بدظن کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ حضرت مولانا محمد علی رح کے متعلق کیا کہ انہوں نے حضرت صاحب پر لنگر خانے کا چندہ کھا جانے کا الزام لگایا۔ خواجہ صاحب مرحوم کے متعلق یہ بات اڑائی کہ انہوں نے جلسہ مذاہب میں پڑھے جانے والے حضرت صاحب کے مضمون "اسلامی اصول کی فلاسفی" کو لغو اور بے ہودہ کہا۔ حضرت مولانا نورالدینؒ کو ان سے بدظن کرنے اور انہیں جماعت سے نکلوانے کے لئے کہا کہ یہ لوگ دل سے آپ کی اطاعت نہیں کرتے۔ آپ کو صاحب اختیار خلیفہ نہیں مانتے۔ آپ کی بیعت سے انکاری تھے اور بعد میں منافقانہ طور پر آپ کی بیعت کر لی۔ اور یہ کہ مولوی محمد علی نے خلیفہ بننے کے لئے بہت سے منصوبے کئے ہیں اور یہ لوگ آپ کو خلافت سے علیحدہ کرنے کے درپے ہیں۔ وغیرہ۔ یہ سب ریشہ دوانیاں۔ سازشیں اور زیر زمین سرگرمیاں مولانا محمد علی اور آپ کے ساتھیوں کو جماعت سے نکالنے کے لئے کی جا رہی تھیں کیونکہ یہی لوگ راستے کا پتھر تھے جنہیں ہٹا کر حضرت صاحب کی مقرر کردہ انجمن کو ختم کر کے خلافت کے لئے راستہ صاف کیا جا سکتا تھا۔

خلافت کے لئے کون مضطرب و بے قرار تھا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل دو تحریروں سے لگایا جا سکتا ہے۔ میاں محمود احمد صاحب حضرت مولانا نورالدینؓ کو اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"حضور نے جو فرمایا تھا کہ میں اس قسم کا ایک اشتہار دے دوں جس میں یہ لکھا ہے کہ دنیاوی معاملات میں میں آئندہ کچھ دخل نہیں دوں گا۔ اس کے متعلق یہ عرض کرنی چاہتا ہوں کہ اس وقت ہماری طرف سے جو خدمت ہو رہی ہے وہ بظاہر اور زیادہ تر مدرسہ۔ اشاعت اور جلسوں سے ہو رہی ہے۔ اگر یہ ان کے سپرد (مولانا محمد علی اور ان کے ساتھیوں ناقل) کر دیئے جائیں تو اس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہوں گے کہ گو لفظاً نہیں مگر معناً خلافت اُن کے سپرد کر دی گئی اور اس طرح وہ اور بھی خود مختار ہو جائیں گے۔"

پھر اسی خط میں لکھتے ہیں:۔

"جو ممبر انجمن میں خلافت کے طرفدار ہوں گے اُن کے لئے سخت مصیبت کا سامنا ہوگا اور بظاہر اُنہیں انجمن سے الگ ہونا پڑے گا۔"

اس کے برعکس حضرت مولانا محمد علیؒ حضرت مولانا نورالدینؒ کی خدمت میں لکھتے ہیں:۔

"اگر کوئی طلب شہرت مجھے ہوتی تو کم از کم اپنے نام پر کسی عمارت کا نام ہی رکھوا لیتا۔ جو کچھ کیا پہلے حضرت مرزا صاحب کی اطاعت میں اور سمجھ

آپ کی اطاعت میں کیا اور درد دل سے کیا۔ بیعت لینے یا امام بننے کا میرے دل میں کبھی وہم بھی نہیں ہوا۔ نہ میں اپنے آپ کو اس قابل پاتا ہوں۔ بلکہ میں تو ایسا خیال بھی دل میں لانا ایک لعنتی خیال کرتا ہوں۔ کہ خلیفہ کی موجودگی میں یہ خیال کیا جاوے کہ اس کے بعد میں خلیفہ بنوں۔ اور ایسا منصوبہ بنانا یا اس امر کے لئے جوڑ توڑ کرنا ایک لعنتی کا ہی کام ہے۔"

خلافت کی تمنا کس کو تھی۔ کون انجمن کے اموال پر عیش و عشرت کرنے کا خواہشمند تھا۔ جماعت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کون سوچ رہا تھا اور اس کے لئے منصوبہ بندیاں میں کس کے دن رات بسر ہو رہے تھے ان دونوں تحریروں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا محمد علی کے ایک اور خط سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔

"ہاں میرا اور خواجہ صاحب کا نام ایک غرض کے لئے آج ضرور لیا جاتا ہے یعنی ہمیں منافق۔ بے ایمان اور کافر قرار دینے کے لئے اس بیماری نے یہاں تک زور پکڑا ہے کہ بعض واعظین تک باہر جاتے ہیں تو ہمیں ان الفاظ سے یاد کرنا اور سامعین کو یہ علم دینا وہ عین ثواب سمجھتے ہیں اور یہاں قادیان میں تو حد ہی ہو گئی ہے۔ ان باتوں کے پھیلانے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے۔ ...... میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم منصوبہ باز نہیں ہاں اگر ہیں تو کچھ منصوبہ بازلوں کے شکار ہیں ...... اگر ہمیں منافق اور بے ایمان قرار دینا معمولی لوگوں تک محدود رہتا تو بھی کوئی بات نہیں تھی مگر یہ بات دور تک پہنچی ہوئی ہے اور اب یہ کوشش ہو رہی ہے کہ کسی طرح حضور کی نظر میں بھی ہم لوگ ایسے ہی ہو جاویں۔" (۱۱/۱۴ ۲۳)

یہ "واعظین" جناب میاں صاحب کی پارٹی "انصار اللہ" کے ارکان اور آپ کے قریبی عزیز رشتہ دار تھے جو میاں صاحب کو حضرت مولانا نورالدین کے بعد تخت خلافت پر ممکن کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے اور حضرت مولانا محمد علی اور آپ کے ساتھیوں کو جو حضرت صاحب کی وصیت پر عمل کرنا اور کرانا چاہتے تھے بدنام کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز حربے سے کام لے رہے تھے۔ اور ہر جماعت میں جا کر ان کی برائیاں اور میاں صاحب کی خوبیاں بیان کرنے اور خلافت کے لئے ان کے استحقاق کے حق میں لوگوں کو قائل کرنے کے لئے دلائل دیتے۔ اس کے متعلق بعض واقعات ہمارے علم میں بھی ہیں جو ہمارے بزرگوں نے ہمارے سامنے بیان کئے۔ اگر جھگڑا خلافت کا ہی تھا تو شواہد بتاتے ہیں کہ یہ انجمن کے تشکیل پانے کے بعد جناب میاں صاحب، ان کے رشتہ داروں اور ان کی پارٹی "انصار اللہ" نے ہی کھڑا کیا نہ کہ حضرت مولانا محمد علی نے کیونکہ وہ اس عمارت کو جو حضرت صاحب نے تبلیغ اسلام کے لئے بطور وصیت قائم کی تھی ڈھا کر ایک مطلق العنان خلافت قائم کر کے اپنی من مانی کرنا چاہتے تھے۔ حضرت مولانا نورالدین کو بھی ان لوگوں نے بادل نخواستہ ہی قبول کیا تھا کیونکہ ساری جماعت ان پر متفق ہو چکی تھی۔ اب یہ لوگ جنہوں نے حقائق سے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں یا بند کر دی گئی ہیں کہتے ہیں کہ جھگڑا اعتقاد کا نہ تھا۔ اس کے متعلق بھی سنتے جایئے۔

حضرت مولانا محمد علی اور خواجہ صاحب مرحوم کے خلاف میاں محمود صاحب کا بغض و عناد انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ اور وہ اس کے اظہار کیلئے موقعہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ ایک موقعہ ان کے ہاتھ اس طرح آیا کہ جھنگ کے ایک جلسے میں حضرت خواجہ کمال الدین نے یہ اعلان کیا کہ ہم ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتے ہیں میاں محمود احمد صاحب نے اس کی تردید میں رسالہ "تشحیذ الاذہان" میں اپریل ۱۹۱۱ء میں ایک مضمون لکھا جس میں تمام کلمہ گووں کو خواہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کا نام بھی نہ سنا ہو یا اگر آپ کو دل سے مانتے بھی ہوں مگر بیعت نہ کی ہو کافر اور خارج از اسلام قرار دے دیا۔ اس مضمون نے جماعت کو اس دن سے دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ اور جماعت کے اتحاد کو تار تار کر دیا۔ کافر اور دائرہ اسلامی سے خارج اسلامی اصطلاح میں صاحب شریعت نبی کا منکر ہوتا ہے۔ اس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جناب میاں صاحب حضرت مرزا صاحب کو حقیقی اور صاحب شریعت نبی مانتے اور منوانا چاہتے تھے۔ کیونکہ اپنی خلافت کی بنیاد اسی عقیدہ پر رکھنا چاہتے تھے۔ اس کے برعکس حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے کا انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالےٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں گو وہ جناب الٰہی میں کیسی ہی اعلےٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔" (تریاق القلوب ۱۳۰/۲۵۸ حاشیہ)

میاں صاحب کے اس مضمون کی تردید میں جس سے جماعت میں ایک عظیم فتنہ برپا ہونے اور حضرت صاحب کی صحیح پوزیشن خراب ہونے کا خطرہ صاف طور پر نظر آ رہا تھا حضرت مولانا نورالدینؓ نے حضرت مولانا محمد علی رح کو ایک وضاحتی مضمون شائع کرنے کا حکم دیا جو ۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو قادیان میں شائع ہوا اور جس سے حضرت مولانا نورالدینؓ نے اتفاق کیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مسئلہ کفر و اسلام کو ہمارے میاں نے کبھی نہیں سمجھا۔ میاں صاحب خوب سمجھتے تھے لیکن اپنی خلافت کی بنیاد رکھنے کے لئے حضرت صاحب کو ان کے اپنے مسلک اور اعتقاد کے خلاف نبی بنانا اور گالیاں دلوانا ضروری تھا کیونکہ وہ کسی ظلی۔ بروزی۔ مجازی غیر شریعی نبی یا مجدد یا محدث کا خلیفہ ہونا اپنی ہتک سمجھتے تھے۔ خلیفہ ہو تو تشریعی نبی کا۔ لغوی معنوں کے لحاظ سے گھٹیا درجے کے نبیوں کا خلیفہ ہونے کے کیا معنی اور کیا لطف۔

آخر میں ہم حضرت مولانا محمد علی رح کی زبانی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جو ۱۳/۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو پیش آیا۔ تاکہ وہ جان لیں کہ جماعت کو تفرقہ اور انتشار سے دوچار کرنے کی ذمہ داری کس پر اور کیوں عائد ہوتی ہے۔ اور آیا یہ اختلاف اور علیحدگی عقائد کی بنا پر ہوئی یا جیسے کہ یہ پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے مولانا محمد علی کی خواہش پوری نہ ہونے کی وجہ سے۔

اپنے رسالہ "حقیقت اختلاف" میں جو آپ نے "آئینہ صداقت" کے جواب میں لکھا ہے۔ ص ۴۲-۴۳ پر آپ لکھتے ہیں:۔

"حضرت خلیفۃ المسیح نے ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء جمعہ کے دن بعد از نماز جمعہ وفات پائی۔ اسی دن بعد از نماز عصر ہم پانچ احباب جو وہاں موجود تھے نواب صاحب کے مکان کی طرف گئے تاکہ آئندہ جو سلسلہ کی حالت ہوگی اس کے متعلق گفتگو کی جائے۔ ہمارے پہنچنے سے پیشتر میاں صاحب اکیلے سیر کے لئے موضع کھارا کی طرف نکل گئے تھے۔ میں نے بھی احباب سے یہی کہا کہ بہتر ہے کہ میں تنہا ہی ان سے بات کروں چنانچہ میں ان کے پیچھے گیا اور (۱) ان سے کہا کہ اسوقت جماعت میں مسئلہ کفر و اسلام کی وجہ سے دو فریق علی الاعلان ہو چکے ہیں اس لئے آئندہ کے لئے جو نظام ہوگا وہ غور طلب ہے۔ کوئی صورت ایسی سوچنی ضروری ہے کہ جماعت کا اتحاد قائم رہے۔ میاں صاحب نے میری باتوں کا جواب یہ دیا کہ ایک خلیفہ منتخب کر لیا جائے جس کے ہاتھ پر دونوں فریق بیعت کر لیں۔ اور جو وہ کہے وہ مانیں۔ اسی صورت میں اتحاد رہ سکتا ہے۔ (۲) جواباً میں نے کہا کہ یہی تو دقت ہے کہ دونوں فریق ایک آدمی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ میں کم از کم کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر کس طرح بیعت کر سکتا ہوں جو اہل اسلام کی تکفیر کا فتوےٰ دیتا ہو۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرا فریق کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر کس طرح بیعت کر سکتا ہے جو ان کے نزدیک اتنے اہم معاملہ میں غلطی پر ہے۔ باتوں باتوں میں میں نے میاں صاحب کو کہا کہ (۳) اس مشکل کا حل دو طرح پر ہو سکتا ہے۔ اول یہ کہ اسوقت ایک امیر کا انتخاب کر لیا جائے اور بیعت کو لازمی قرار نہ دیا جائے۔ جو شخص چاہے بیعت کرے جو نہ چاہے نہ کرے۔ جب اس واقعہ پر کچھ وقت گزر جائے تو مسئلہ کفر و اسلام پر فریقین اپنی دلیلیں پیش کریں اس طرح سے ممکن ہے۔ کہ دلائل کا غلبہ ایک طرف دیکھ کر ساری جماعت ایک ہی مسلک اختیار کرے۔ اس کا جواب میاں صاحب نے یہ دیا کہ جو شخص خلیفہ کی بیعت نہ کرے وہ سلسلہ میں نہیں رہ سکتا۔ اس لئے یہ ناممکن العمل ہے۔ (۴) دوسری تجویز میں نے یہ پیش کی کہ سردست کوئی انتخاب نہ کیا جائے۔ چودہ دن کی کم سے کم مہلت دی جائے اور جماعت کے اہل الرائے احباب کو اکٹھا کر کے مشورہ کیا جائے کہ اس دقت کا کیا علاج ہو۔ اس کا جواب میاں صاحب نے یہ دیا کہ اتنے دن انتظار نہیں کر سکتے کیونکہ جب تک دوسرے خلیفہ کا انتخاب نہ ہو جائے پہلا خلیفہ دفن نہیں ہو سکتا۔ اور اتنے دن لاش نہیں رہ سکتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حل مشکلات کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔

اگلے دن ہم پھر پانچوں احباب نواب صاحب کے مکان پر پہنچے اور اس معاملے میں کچھ گفتگو کرنی چاہی مگر یہ کوشش بھی بے کار ثابت ہوئی آخر نماز عصر کے بعد جلسہ لگا۔ نواب صاحب نے اٹھ کر وصیت پڑھی۔ مولانا محمد احسن صاحب نے میاں محمود احمد صاحب کا نام خلافت کے لئے تجویز کیا۔ میں نے کھڑے ہو کر چاہا کہ ان باتوں کا ذکر کر دوں جو مجھ میں اور میاں صاحب میں ہوئیں مگر چند آدمیوں نے اٹھ کر شور مچا دیا۔ کہ ہم ہرگز نہیں سنیں گے۔ اور ادھر نعرہ تحسین خلافت مبارک کے نعرے شروع ہو گئے میاں صاحب نے خاموشی سے ان باتوں کو سنا اور اس قدر بھی لب نہ ہلا سکے کہ ان کی بات تو سن لو۔ ہم وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔"

جماعت کا اتحاد برقرار رکھنے اور اُسے انتشار سے بچانے کے لئے حضرت مولانا مرحوم نے جو تجاویز پیش کیں ان سے بڑھ کر معقول تجاویز نہیں ہوسکتی تھیں لیکن میاں صاحب کو ان میں اپنے لئے خطرات نظر آرہے تھے وہ اپنے خلیفہ منتخب ہونے کے لئے تمام انتظامات مکمل کرچکے تھے۔ "انصار اللہ" قادیان میں جمع ہوچکے تھے۔ باہر سے آنے والوں کے دستخط لینے کے لئے تمام راستوں پر اُن کے حواری جمع تھے۔ اندرونی طور پر ساری منصوبہ بندی اور اس پر عملدرآمد ہونے کی کارروائی مکمل ہوچکی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ وہ خلیفہ منتخب ہوجائیں گے اس لئے انہوں نے ان تجاویز پر کان نہ دھرا۔ وہ جانتے تھے کہ مسئلہ کفر و اسلام پر دلائل میں وہ شکست [illegible] گے۔ مگر [illegible] کا انتخاب پہلے خلیفہ کے دفن ہونے کے بعد ہوا اس کے جواز میں نہ تو کوئی قرآنی آیت موجود ہے اور نہ کوئی حدیث اور نہ تاریخ کی شہادت ؛

ان تمام حقائق کو دیکھتے ہوئے ہمارے نوجوان خود یہ فیصلہ کرلیں کہ نبوّت اور کفر و اسلام کا مسئلہ کس نے کھڑا کیا۔ خلافت کے لئے ریشہ دوانیاں اور سازشیں کس نے کیں اور اس کی خاطر جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کس نے کیا۔ مولانا محمد علی رح کو قادیان سے نکلنے پر کس نے مجبور کیا۔ اپنے لغو اور بے ہودہ عقائد کی بدولت حضرت صاحب کو گالیاں کس نے دلوائیں۔ اور ان نتائج تک کس نے پہنچایا جن کا آج جماعت کو سامنا ہے کیا اسی بنا پر ہمیں اتحاد کی دعوت دی جارہی ہے۔ ہاں اگر جماعت ربوہ کے خلیفہ اور دوسرے اکابرین یہ اعلان کردیں کہ ہمارے خلیفہ دوم نے حضرت صاحب کی طرف جو عقائد اپنی طرف سے منسوب کئے وہ غلط اور بے بنیاد ہیں۔ اور جماعتِ لاہور کے عمائدین نے شروع سے جو مؤقف اختیار کیا تھا وہی درست اور حضرت صاحب کی تعلیم اور دعاوی کے عین مطابق ہے۔ تو اتحاد کی بنیاد مہیا ہوسکتی ہے ورنہ لکم دینکم ولی دین" فیصلہ اللہ تعالیٰ کرے گا۔

حضرت مولانا محمد علی رح کی شخصیت کا یہ پہلو بڑا نمایاں ہے کہ آپ نے سچائی کی خاطر ہر سختی برداشت کی لیکن بُرائی سے کبھی سمجھوتہ نہ کیا ؛

جماعت ملتان کا جلسہ سالانہ

۲۳ر اکتوبر ۱۹۸۱ء بروز جمعۃ المبارک جماعتِ ملتان کا جلسہ سالانہ میاں نثار احمد صاحب کی رہائش گاہ پر (۳۶.۷ اکبر روڈ ملتان) منعقد ہورہا ہے۔ مرکز سے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی اور مرزا محمد لطیف صاحب شاہد شریک جلسہ ہوکر حاضرین سے خطاب فرمائیں گے۔ احباب ملتان اور مضافات کی جماعتوں کے دوستوں سے التماس ہے کہ شریک اجلاس ہوکر رونق بڑھائیں اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے ارشادات عالیہ سے مستفیض ہوں۔ جو بیرونِ ملک کی جماعتوں کا تبلیغی دورہ کرکے حال ہی میں وطن واپس آئے ہیں۔ تین ماہ کے اس طویل دورے میں حضرت ڈاکٹر صاحب نے ہالینڈ۔ انگلستان امریکہ اور کینیڈا وغیرہ کی جماعتوں کا مفید دورہ فرمایا۔ آپ اس دورے کے تاثرات اور حالات سن کر بے حد محظوظ ہوں گے ۔"

مرزا مسعود بیگ جنرل سیکرٹری

جلسہ سالانہ ۱۹۸۱ء

۲۴ر دسمبر کو خواتینِ احمدیہ کا جلسہ ہوگا اور نمائش دستکاری ہوگی ؛

گزشتہ جلسۂ سالانہ پر ۵۰-۵۵ افرادِ جماعت بیرونِ پاکستان سے تشریف لائے تھے امسال بھی توقع ہے کہ بیرونِ ملک کی جماعتوں کے نمائندے شاملِ جلسہ ہوکر رونق بڑھائیں گے۔ جزائر فجی سے صدر جماعت مسٹر غلام نبی دین صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ نے آنے کی اطلاع دی ہے، اور کشمیر سے چار پانچ سربرآوردہ احباب کے آنے کی خبر آئی ہے ضرورت ہے، کہ اندرونِ ملک کی جماعتیں بھی ابھی سے اس بابرکت اجتماع میں شمولیت کا پروگرام بنائیں اور ہر جماعت کے صدر و سیکرٹری صاحبان زیادہ سے زیادہ تعداد میں افرادِ جماعت کو شاملِ اجلاس ہونے کیلئے تیار کریں اور مجھے اطلاع دیں تاکہ اُن کی تعداد کے مطابق اُن کی رہائش اور دیگر سہولتوں کا بندوبست ہوسکے۔ یہ درست ہے کہ ہر سال آپ لوگ سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے سردی کے یخ بستہ موسم میں امامِ وقت کی خوشنودی کے لئے لاہور آتے ہیں اور ہم اپنے محدود وسائل کے پیشِ نظر اتنی خدمت نہیں کرسکتے جتنی کرنی چاہیئے لیکن آپ کا مقصد بلند اور ارفع ہوتا ہے اور آپ ہماری فروگذاشتوں کو درخورِ اعتنا نہ سمجھتے ہوئے آپ آئندہ سال پھر جوق در جوق تشریف لاتے ہیں، ہم آپ کے اس جذبۂ خلوص اور دین کے لئے لگن کی جتنی بھی قدر کریں کم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دین و دنیا میں کامیاب و بامراد کرے۔ آمین !

امسال جلسۂ سالانہ

کے اہتمام کی ذمہ داری انجمن نے مجھے سونپی ہے لہٰذا مستدعی ہوں کہ اس اجتماع کو کامیاب بنانے کے لئے مجھ سے تعاون فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔ احمدی خواتین سے استدعا ہے کہ وہ دستکاری کے لئے ابھی سے کام شروع کردیں۔ ہر جماعت کے صدر و سیکرٹری صاحبان سے درخواست ہے کہ وہ ہر اجتماع میں جلسہ کی اہمیت سے ہر فرد جماعت کو مسلسل توجہ دلاتے رہیں ؛

والسّلام

مہتمم جلسہ سالانہ چوہدری منصور احمد
دارالسلام - ۵ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن - لاہور

از مکرم ارشد علوی صاحب

حضرت امیر مرحوم کا نوجوانوں سے خطاب

وہ نوجوانوں کے لئے جو ابھی زندگی کی منزل میں داخل ہوئے ہیں ضروری ہے کہ اُن کے سامنے کوئی مقصد ہو اور وُہ مقصد بلند ہونا چاہیئے۔ مقصد کی بلندی یا پستی کے مطابق ہی اچھی یا بُری استعدادیں نشوونما پاتی ہیں۔ ..... قرآن نے وہ زندگی کا مقصد ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

وکذٰلك جعلناکم امۃً وسطًا لتکونوا شھداء علی النّاس......

کہ جس طرح رسولؐ تمہارا پیش رو ہے اس طرح تمام اقوامِ عالم کے تم پیش رو بن جاؤ گے۔..... یہی وہ مقصد ہے جس کی طرف حضرت مجدد صدچہار دہم نے ہمیں بلایا ہے کہ تم صحیح راستہ دکھانے والے بن جاؤ۔ دُوسری بات یہ ہے کہ صرف یہی نہیں کہ آپ کے سامنے حضرت امام نے صرف ایک بلند مقصد رکھ دیا ہے۔ اس کے لئے راستہ بھی صاف کر دیا ہے۔ اور اس کی کچھ منازل کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ساتھ اپنے آپ کو پُوری طرح وابستہ اور وقف نہ کیا جائے۔ اور اس مقصد کے ساتھ زبردست محبت نہ ہو۔

اور چوتھی ضرورت حصولِ مقصد کے لئے یہ ہے کہ انسان اس کے لئے محنت کرے اور محنت بھی اس قدر زبردست کہ اس سے کبھی تھکے نہیں۔.....

آپ سب قوم کے سپاہیوں کی طرح ہیں۔ کوئی رات خالی نہیں جاتی جبکہ مجھے پچھلی رات میں خدا کے آگے گرنے کا موقع نہ ملے۔ اور میرے دل میں یہ احساس نہ ہو کہ میں اپنی جماعت کے ساتھ خدا کے حضور میں کھڑا ہوں۔ اس وقت میں دُعا کرتا ہوں تو جماعت کا ایک ایک چہرہ میرے سامنے آجاتا ہے۔ اور میں سب کے لئے دعا کرتا ہوں۔ کہ اے اللہ تو ان کی ہمتوں کو بلند کر۔ ان کو دین کے لئے زیادہ سے زیادہ قربانیوں کی توفیق عطا فرما۔

ہم لوگ اپنی عمر کی آخری منزلوں میں ہیں۔ آئندہ کے لئے یہ سارا بار آپ پر آنے والا ہے۔ میں تو اپنی عمر کی اتنی منزلیں طے کر چکا ہوں کہ مجھے جب ایک برس مزید ملتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض فضل ہے میرے پیارے ساتھی خواجہ کمال الدین مرحوم ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ مرحوم۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ مرحوم یہ سب باسٹھ باسٹھ ترسیٹھ ترسیٹھ سال کی عمر میں اپنے مولیٰ سے جا ملے ہیں۔ میں ترسیٹھ سال کی عمر میں (۱۹۳۷ء) میں جب سخت بیمار ہوا تو بظاہر تو یہ پیغام آگے جانے کے لئے ہی تھا۔ خدا نے اپنی مصلحت سے خدمتِ دین کا کچھ اور کام کرنے کا موقع دے دیا۔"

حضرت مولانا محمد علیؒ نوجوانوں کے دلوں میں دینِ اسلام اور اشاعت قرآن کے لئے وُہ درد اور تڑپ دیکھنا چاہتے تھے جو ان کی راتوں کی نیندوں کو مشکل کر دے اور وہ اُٹھ کر خُدا کے آگے گِر جائیں۔ یہیٰ آپکے اپنے دل کی کیفیت تھی ۱۹۴۱ء میں کئی ایک خطبات میں آپنے اِس کا اظہار اس طرح فرمایا ہے :۔

"آنحضرت صلعم نے خود اپنے نمونے سے سمجھایا ہے کہ کس طرح آپ راتوں کو اُٹھتے اور تنہائی میں لمبے عرصے تک اللہ تعالےٰ سے دُعائیں کرتے تھے۔ وہ کیا اضطراب تھا آنحضرتؐ کے دل میں جو آپ کو یُوں بے چین رکھتا تھا۔ وہ اضطراب دلوں میں پیدا کرو۔ اس لئے راتوں کو اُٹھو اور خدا کے آگے روؤ۔ اور دلی درد کے ساتھ اس سے مدد مانگو۔ خوب یاد رکھو کہ آخر کار دینِ اسلام کامیاب ہوگا اور بڑائی رہ جائے گی کس کی؟ اللہ تعالےٰ کی۔ قرآن کی۔ محمدؐ رسول اللہ کی۔ غلبہ تو یقیناً دینِ اسلام کا ہوگا۔ لیکن تمہارے دلوں میں اس کے لئے درد اور تڑپ ہونی چاہیئے۔...."

"خوب یاد رکھو کہ بغیر رات کے اُٹھنے کے کوئی نماز کا حظ نہیں پا سکتا۔ تمہارے دلوں کے اندر وہ تڑپ ہونی چاہیئے کہ تمہاری راتوں کی نیند جاتی رہے۔ تمہارے گرم اور نرم بستر تمہیں اس درجہ نہ سلائیں کہ تم اُٹھ ہی نہ سکو۔ اگر اس وقت کہ دینِ اسلام تمہاری امداد کو چاہتا ہے۔ اس درد نے تمہیں بے چین نہیں کیا کہ تم اُٹھو اور خدا کے آگے روؤ۔ تو تم نے کچھ نہیں پایا۔ یہی ایک چیز ہے جس سے تم غلبہ پیدا کر سکتے ہو۔..... اُٹھو اور روؤ۔ اور خُدا سے مدد مانگو کہ وہ جلد دین کے غلبہ اور کامیابی کے دن لائے۔ جس دن جماعت کی یہ حالت ہو جائے کہ وہ راتوں کو اُٹھ کر خدا کے آگے گریں اور یہ دعا کریں کہ اے خدا تو نے اس قرآن کو دنیا کی ربوبیت اور اس کی اصلاح اور امن قائم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اے خدا یہ دُنیا گمراہ ہو رہی ہے۔ اور امن سے دور جا رہی ہے۔ اے خدا تیرا وعدہ تھا کہ تو دینِ اسلام کو دنیا میں غالب کریگا تو وہ وقت لا۔ اور اس قرآن کے ذریعے سے دُنیا میں امن قائم کر جس دن جماعت راتوں کو اُٹھ کر گریہ زاری کرے گی اُس دن کامیابی ہمارے قدموں میں ہوگی۔"

حضرت مولانا محمد علیؒ کے ان خطابات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ اپنے مشن کی کامیابی اور اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی جماعت کے نوجوانوں میں وہی تڑپ دیکھنا چاہتے تھے۔ جو ان میں خود موجود تھی۔ اور جس کے لئے انہوں نے اپنی ساری زندگی صرف کر دی :۔

— ٭ —

صدبار رقصہا کنم از خرمی اگر + بینم کہ حسنِ دلکش فرقان نہاں نماند

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ

قرآن کا پڑھنا زندگی کا جزو بنالو

"خود اپنے طور پر قرآن پڑھو اور اس پر غور و فکر کرو۔ قرآن کا پڑھنا ہر ایک احمدی کی زندگی کا لازمی جزو ہو جائے۔ اپنی اولاد کو قرآن پڑھاؤ۔ معنی اور مفہوم کے ساتھ۔ زیادہ نہیں تھوڑا چند آیات ہی سہی لیکن اس کو اپنی زندگیوں کا جزو بنالو۔..... میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ میں سے کس کو خدا قرآن کریم کا ایسا مفہوم سمجھا دے جو دُنیا کے لئے مفید ہو۔ اپنے دلوں کے اندر وہ تڑپ پیدا کرو۔ جو محمد صلعم کے ساتھ تمہاری نسبت پیدا کرے وہ لعلك باخع نفسك کی تڑپ ہے کہ تو اپنی جان کو ان کے پیچھے غم میں ہلاک کریگا اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں۔ جو بھی اس تڑپ کو پیدا کریگا وہ نبی کریمؐ سے اپنی نسبت پیدا کر لے گا۔ اسکے اپنے اندر بھی انقلاب پیدا ہوگا اور وہ دُنیا کے اندر بھی انقلاب پیدا کرنے کا موجب بن جائے گا۔..... اللہ تعالےٰ قرآن کے متعلق کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا میں ایک معمولی درجہ کا انسان ہوں محض ایک شخص کی قوت قدسی نے دل میں ایک تڑپ اور لگن پیدا کر دی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کچھ خدمتِ قرآن کی توفیق دی۔ میں جب اپنی طرف دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ اے اللہ! میں ناکارہ اور کمزور بندہ اور مجھ سے خدمتِ قرآن کا یہ کام ہو جائے لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنے پاک کلام کی بدولت کس قدر نعمت عطا فرمائی۔..... خدمتِ قرآن کی بدولت عزت کا وہ مقام دیا کہ مخالف بھی ایک رنگ میں اسکے آگے جھکنے پر مجبور رہیں۔"

از: ـــــــ مکرم ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب پی۔ ایچ ڈی۔

[illegible]

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآنِ مجید کو کوئی غیر مسلم چھو نہیں سکتا ہاں اس قدر درست ہے کہ خدا کی پیاری اور پاک کتاب کو ادب اور احترام کے ساتھ صاف اور ستھرے ہاتھوں سے اُٹھایا جائے۔ یہ ادب اور بزرگی کا تقاضا ہے۔ قرآنِ پاک کی طباعت سینکڑوں غیر مسلم مطابع میں ہوتی ہے۔ اور بطور دُنیاوی تجارت کے یہودی۔ عیسائی۔ ہندو اور ایسے مسلمان جنہیں مذہب کا زیادہ احترام نہیں ہوتا وہ بھی اپنے پریس میں اس کی چھپائی کرتے ہیں لیکن اُن کے دل و دماغ پر قرآنِ پاک کی سچائی اور برکت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اس آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کے اندر جو فیوض اور برکات رکھے گئے ہیں ان تک رسائی صرف ان لوگوں کو ہوتی ہے جن کے دلوں کو پاک کر دیا گیا ہو۔

حضرت امیر مرحوم نے فرمایا:۔

"اسلام کی تاریخ میں یہ بات عجیب نظر آتی ہے کہ قرآن کے ذریعے دُنیا میں انقلاب پیدا کرنے والے وہی لوگ ہوئے ہیں جن کا خدا کے ساتھ تعلق بہت بلند تھا اور جن کے دل پاک تھے....... ہمارا کام بھی قرآن کو دنیا میں پہنچانا ہے۔ اس لئے میں آپ کو توجہ دلانی چاہتا ہوں کہ ہم قرآن کے فیوض سے دنیا کو اس وقت فائدہ پہنچا سکتے ہیں جب ہمارے دل پاک ہو جائیں۔ اور ہمارا تعلق خدا سے ہو جائے"

ہر کسی کو فہمِ قرآن حاصل نہیں ہو سکتا خواہ اس کا دُنیاوی علم کتنا عظیم ہی کیوں نہ ہو بلکہ بعض دفعہ تو ایسے علوم حجاب اکبر ثابت ہوتے ہیں اور ایسے خاص لوگ خاص طور پر اس نُور کی روشنی سے محروم رہتے ہیں۔ قرآنِ پاک کو اللہ تعالےٰ نے ایک (نُور) کہا ہے۔ قد جاءکم من اللہ نورٌ (مائدہ ۳/۱۵ پارہ ۶) اور پھر فرمایا:۔ والنّور الّذی انزلنا (سورۃ التغابن ۱/۸ پارہ ۲۸) اور ایسے ہی فرمایا:۔ یھدی اللہ لنورہٖ من یشاء (سورۃ نور ۵/۳۵ پارہ ۱۸) ایسے ہی فرمایا:۔ وَاتبعوا النّور الّذی اُنزل معہٗ۔ اُولٰئك ھم المفلحون (اعراف ۱۵۷/۱۹ پارہ ۹) اور ایسے ہی فرمایا:۔ وانزلنا الیکم نورًا مبینًا (نساء ۱۴/۱۷۴ پارہ ۶)

مندرجہ بالا آیات سے صاف واضح ہو گیا کہ قرآنِ کریم ایک نور ہے اور یہ ذاتِ باری تعالےٰ کے خاص فضل اور حکمت کے بغیر کسی کو حاصل نہیں ہوتا ایک مرتبہ حضرت امام شافعی رحؒ نے اپنے اُستاد حضرت وکیع رحؒ سے عرض کی کہ انہیں سوءِ حفظ کی شکایت ہے تو حضرت وکیعؒ نے فرمایا کہ انسان کو معاصی سے بچنا چاہئیے۔ چنانچہ امام شافعی رحؒ کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

قال الشافعیؒ:۔ شکوتُ الیٰ وکیعٍ سوءَ حِفظی

فاوصانی الیٰ ترکُ المعَاصِی

لِاَنّ العلم نورٌ من الٰہٖ

ونُورُ اللہِ لا یعطی لِعَاصی

حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی بچپن ہی سے تربیت اس نُور، (قرآنِ پاک) سے شروع ہوئی آپکے والد ماجد حافظ فتح دین صاحب علاوہ دیگر مروّجہ علوم کے مالک ہونے کے قرآن شریف کے حافظ بھی تھے۔ حافظ صاحب نے اپنے بچوّں کو کپورتھلہ کے ایک سکول میں داخل کرایا ہوا تھا اور حافظ صاحب کا دستور تھا کہ مرار (اپنے گاؤں) سے ہر ہفتہ کی شام کو گھوڑے پر جاتے اور دونوں بچوّں کو اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا کر گھر لے آتے اور اسی طرح اتوار کی شام کو کپورتھلہ چھوڑ آتے۔ تمام رستہ آپ قرآنِ مجید کی تلاوت فرماتے رہتے اور بچوں پر دم کرتے رہتے اور ان کی دینی اور دنیاوی ترقیوں کے لئے دُعائیں مانگتے۔ ان کی نیکی اور دینداری اور قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت اور دعاؤں کا اثر تھا کہ خدا تعالےٰ نے نہ ان کی سب اولاد کو صرف نیک بنایا بلکہ ان میں سے ایک بچے محمد علی کو خدمتِ دین کے لئے چُن لیا۔

اور جیسا کہ ہم سب کو معلوم ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کو جب یقین ہو گیا کہ ان کی بیماری ممکن ہے جان لیوا ثابت ہو تو آپ نے جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کو جن کے ہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے اپنے قریب بلا کر نہایت کمزور اور ضعیف آواز میں یہ وصیّت کی:۔

"ہمارا کام قرآن کو دُنیا میں پہنچا دینا ہے آگے اپنا کام قرآن خود کریگا"

حضرت امیر مرحوم کو یقین کامل تھا کہ قرآن ہی دنیا اور آخرت کی کامیابی کی ایک کنجی ہے۔ اور یہی دینِ اسلام ہے اور یہی ایک کامیاب روحانی اور دنیاوی زندگی کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اور اس کے خلاف جو کچھ بھی ہے وہ ہلاکت اور ذلّت ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ ومن یبتغ غیرالاسلام دینًا فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخاسرین۔

آپ نے ایک ایسے زمانہ میں جب باقی مسلمانانِ ہند کے ہاں کہیں بھی مخصوص طور پر قرآنِ پاک کی اشاعت اور درس و تدریس کا انتظام نہیں تھا۔ حضرت مولانا محمد علی مرحوم نے قرآن پاک کا درس ہمیشہ جاری رکھا۔ اُن کے درس میں ہر قسم کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ مولانا ظفر علی صاحب ایڈیٹر اخبار زمیندار جو بعد میں اشد ترین مخالفین میں شمار ہوتے تھے لکھتے ہیں:۔

"جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ان عزیز الوجود بزرگوں میں سے ہیں جن کی عالمانہ زندگی کا کوئی لمحہ خدمتِ اسلام سے خالی نہیں۔ روزانہ درسِ قرآن دیتے ہیں۔ اور ہر آیت کی تفسیر میں حقائق اور معارف کے دریا بہا دیتے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے اس درس کے اہم اقتباسات خود ہی قلمبند کر کے شائع کئے ہیں۔ اور اس خُوبی کی تفسیر ہے کہ شاید اُردو زبان کا خزانہ ایسے تابناک جواہر ریزے بڑی مشکلوں سے بھی نہ نکال سکے"

(زمیندار ۱۵ اپریل ۱۹۱۵ء)

"آپ کی زندگی کا مقصد ہی صرف یہ تھا کہ "لوگ علمِ قرآن کو پڑھیں اور اس کی خدمت کی طرف متوجّہ ہوں"

درحقیقت حضرت امیر مرحوم اسی عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے کوشاں رہے جس کے لئے حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالےٰ نے کھڑا کیا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ "میری زندگی میں جس شخص نے قرآنِ کریم کی محبت اور خدمتِ قرآن کا شوق پیدا کیا وہ اس صدی کے مجدّد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رحؒ ہیں اور اس کے بعد فہمِ قرآن میں جس شخص نے مجھے اس راہ پر ڈالا استادی المکرم حضرت مولوی نورالدین صاحب مرحوم ہیں۔ اگر کسی شخص کو میری اس ناچیز خدمت سے کچھ فائدہ پہنچے تو جہاں وہ میرے لئے دُعا کرے ان بزرگوں کے لئے بھی دُعا کرے۔ میں محض مٹی ہوں اگر اس میں کچھ خوشبو کسی کو معلوم ہو تو وہ کسی اور کی پھونکی ہوئی رُوح ہے

جمالِ ہم نشیں در مَن اثر کرد
دگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

حضرت امیر مرحوم کے دل میں اشاعتِ قرآن اور تبلیغ اسلام کی وہی تڑپ تھی جو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ رحؒ اور حضرت مولانا نورالدّینؒ کے دل میں تھی اور ان دونوں کی وہی بے قراری اور بے چینی تھی جو نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دل میں تھی۔ ان دونوں حضرات میں بھی آیت لعلك باخع نفسك الا یکونوا مؤمنین صادق آتی ہے۔ نبیٔ کریم صلعم کو بھی اللہ تعالےٰ نے یہی فرمایا کہ آپ اس قدر پریشان بے چین نہ ہوں۔ اور اپنی جان کو ہلاک نہ کریں ہدایت تو وہی پا سکے گا جو اللہ تعالےٰ کے علم کے مطابق ہدایت کا اہل ہوگا۔ آپ کا کام صرف یہ ہے "بلغ ما انزل الیك"

ذرا غور کیجئے حضرت امیر مرحوم کی آخری وصیّت جس کا ذکر پہلے آچکا ہے بعینہٖ وہ قرآن کریم کی اس آیت کا ترجمہ ہے۔ چنانچہ حضرت امیر مرحوم کے آخری الفاظ یہ تھے:۔

ہمارا کام قرآن کو لوگوں تک پہنچانا ہے باقی کام قرآن خود کرے گا۔" (بلغ ما انزل الیك) اپنے آپ کو اس فکر میں ہلاک مت کرو کہ وہ ایمان کیوں نہیں لاتے۔

حضرت امیر مرحوم نے ان آیات (لعلك باخع نفسك الا یکونوا مؤمنین اور بلغ ما انزل الیك) کی تعمیل میں ایک

زبردست اہتمام کیا اور اسلام اور قرآن شریف کی اشاعت کے لئے تین اہم تحریکات کا اجراء کیا۔ اور قوم کو نہایت تفصیل اور دلی تڑپ کے ساتھ ان تحریکات پر عمل کرنے کا مشورہ دیا۔

(۱) تراجم قرآن (۲) اشاعت قرآن (بذریعہ تبلیغی مرکز) (۳) ادارہ تعلیم قرآن

اگر غور سے دیکھا جائے تو تحریک نمبر ۱ و ۲ دتحریک نمبر ۳ کی جز و ہیں۔ جب کوئی ایسا ادارہ موجود ہوگا تو وہ تراجم قرآن اور اشاعت قرآن کا انتظام کرے گا اور تب ہی صحیح تبلیغ اسلام ہو سکے گی۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی دوربین نگاہ نے بھانپ لیا تھا کہ ہماری ساری کد و کاوش کا نچوڑ اب ایک ایسا ادارہ ہونا چاہیئے جو بطور ایک قرآنی مرکز کے تراجم قرآن کا ذمہ لے اور اس کی اشاعت کی نئی راہیں تلاش کرے اور قرآن شریف پر تحقیق کے لئے باقاعدہ ایک بورڈ بنایا جائے اور ایک مکمل اور ماڈرن طرز کی لائبریری بنائی جائے۔ فی الحال یہ کام موجودہ صالحہ ظہور احمد لائبریری سے لیا جا سکتا ہے۔ جس قدر کتب حضرت امیر مرحوم کی ذاتی لائبریری کی ہیں وہ اس ریسرچ سیکشن میں رکھی جاویں اور آہستہ آہستہ ایک نہایت ماڈرن ٹائپ کی لائبریری کی بنیاد ڈالی جائے جو اس ادارہ تعلیم القرآن کی جان ہو۔ اگر حضرت امیر مرحوم کچھ مدت اور زندہ رہتے تو یقیناً انہوں نے اس ادارہ کو ایک مثالی ادارہ بنانا تھا جس کے لئے انہوں نے بہت سا ضروری انتظام کر بھی لیا تھا ۔۔۔۔۔۔

اب یہی کام کئی دیگر لوگوں نے دنیاوی مفاد اور ذاتی شہرت کے لئے شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ اس قسم کی تنظیمیں تمام ملک میں بلکہ ملک کے باہر بھی کام کر رہی ہیں کئی تنظیموں کی سرپرستی بعض حکومتیں بھی کر رہی ہیں لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ بعض تنظیمیں تو صرف سیاسی اغراض کو حاصل کرنے کے لئے ہیں صرف ان کو اسلامی نام دیا گیا ہے لیکن ان تنظیموں کے کام میں برکت نہیں کیونکہ جب تک یہ لوگ قرآن پر عامل نہیں ہوں گے ان کی تنظیمیں ضرور فیل ہوں گی۔

دنیا کی نظر ہمارے اعمال پر ہے اور ان کے نتائج پر۔ الا ماشاء اللہ ہی کوئی ادارہ ہو جو لوگوں کے سامنے وہ چیز پیش کر سکے جس کے لئے قرآن نازل ہوا ہے یعنی خدا تعالیٰ کے ساتھ رابطہ قائم کرنا۔ صرف عالم ہونا اور صاحب ثروت ہونا یا دنیاوی وجاہت کا مالک ہونا کافی نہیں۔ اشاعت قرآن اور اشاعت اسلام وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے مامور کیا ہو۔ یہ علم کلام دوسرے لوگوں کے پاس نہیں ہے اس میں تعلق باللہ اور قبولیت دعا اور قرآنی ہدایت کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ استاد نے امام شافعی رح صاحب کو نصیحت کی:۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی
فاوصانی الی ترک المعاصی

لان العلم نور من اللہ
و نور اللہ لا یعطی لعاصی

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر عقلمند اور فرض شناس شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کا مشن کامیابی سے چلتا رہے پس یہ ضروری تھا کہ حضرت مولانا مولوی محمد علی رحمۃ اللہ علیہ جیسے خادم دین اسلام جن کی تربیت حضرت مجدد صد چہاردہم اور جناب علامہ الحاج مولانا نورالدین علیہ الرحمۃ جیسے استاد کی شفقت اور توجہ کی مرہون منت رہی ہو۔ وہ یہ خواہش نہ کریں کہ ان کے اس جہان سے رخصت ہونے کے بعد بھی خدمت قرآن اور اشاعت دین اسلام کا کام اچھی طرح جاری رہے۔ یہی وہ تڑپ اور لگن تھی جس کے لئے حضرت امیر مرحوم نے قوم کے سامنے ایک ایسے ادارہ کے قیام کی تجویز رکھی جو ہماری آیندہ نسل کے لئے تعلیم قرآن اور اشاعت اسلام کے لئے مبلغین اور علماء تیار کرے۔ فرمایا:۔

"وہ کون سے آدمی ہوں گے اور کہاں سے آئیں گے جو ان تراجم قرآن کو آپ کے تبلیغی مراکز کے ذریعے دنیا میں پھیلائیں گے؟ ۔۔۔۔ اگر آپ نے اپنی نسل کے لئے تعلیم قرآن کا کوئی بند و بست آپ نے نہ کیا تو پھر یہ جماعت خود بخود اپنے ہاتھوں برباد ہو جائے گی ۔۔۔۔۔۔ اور اس کی جگہ خدا دوسری قوم کو کھڑا کر دے گا۔"
(پیغام صلح ۔ ۲ فروری ۱۹۴۶ء)

لیکن افسوس ہے کہ قوم نے اس وارننگ کی طرف توجہ نہیں دی جس کی وجہ سے حضرت امیر مرحوم کے دل کو بہت صدمہ پہنچا۔ کیونکہ ان کا مشن ان کی مرضی کے مطابق نہ چلنے دیا گیا۔ اور غالباً ان کے افسردہ دل سے اس مایوسی کے عالم میں یہ آواز بلند ہوئی۔

یا رب ان قومی اتخذوا ھٰذا القرآن مھجوراً

اب بھی وقت ہے کہ سب کام چھوڑ کر حضرت امیر مرحوم کی وصیت کے مطابق ایسے ادارہ کی فوری بنیاد رکھی جائے۔ اور اسے نہایت مضبوط بنیادوں پر ایک بورڈ کی زیر نگرانی قائم کیا جائے۔ اور جو بھی کام تراجم کا یا تحقیق کا ہو وہ اس ادارہ کے اندر رہ کر ہو۔ بلکہ دیگر لوگ جو قرآن پاک پر کسی قسم کی تحقیق کرتے ہوں ان کو بھی اس کا اعزازی ممبر بنایا جائے۔ اور جیسا میں نے پہلے ذکر کیا ہے اس ادارہ تعلیم القرآن کو ایک نہایت عمدہ لائبریری کے لئے اہل دل اور اہل ثروت حضرات سے اپیل کی جائے۔

* * *

اخبار احمدیہ

- حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین ایدہ اللہ تعالیٰ بخیریت ہیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی حسب معمول دینی خدمات میں مصروف ہیں۔ احباب کرام دونوں بزرگوں کی درازئ عمر کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور اپنی دعائیں جاری رکھیں۔
- جامع احمدیہ دارالسلام میں حضرت امیر مرحوم کی ۱۳ اکتوبر ۸۱ء کو تیسویں برسی منائی گئی اور قوم کی طرف سے انہیں خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ جلسہ کے آخر میں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں مدظلہ کے کامیاب دورہ ہالینڈ وغیرہ کی ایک فلم بھی دکھائی گئی جسے دیکھ کر ناظرین کا ایمان تازہ ہوا۔
- بعض احباب کرام کی طرف سے کتاب مجاہد کبیر کے مطالعہ کے تاثرات موصول ہوئے ہیں جو آئندہ اشاعت میں ہدیۂ ناظرین ہوں گے۔

شاعر احمدیت :۔ خان مرتضیٰ خان حسن

در توصیف حضرت مولٰنا محمد علی رح

جب تک فلک پہ مہر منور کو ہے قیام
روشن رہے گا دہر میں اس نامور کا نام

مقبول بارگاہ خدائے جلیل تھا
اس کا وجود رحمت حق کی دلیل تھا

علم و عمل میں سارے جہاں میں یگانہ تھا
یکتائے روزگار تھا فخر زمانہ تھا

ازبسکہ اس پہ لطف خدائے عظیم تھا
اسکو ازل سے دولت قرآں ہوئی عطا

قرآں کے عشق نے اُسے ممتاز کر دیا
دونوں جہاں میں صاحب اعزاز کر دیا

اس کے قلم نے علم کا دریا بہا دیا
شاداب جس نے گلشن دین ہدیٰ کیا

مدنظر تھی اس کو رضا کردگار کی
جان عزیز راہ میں اس کی نثار کی

اسکو حضور خاص میں با جملہ اصفیاء
اعلیٰ مقام حضرت حق نے کیا عطا

کلک گوہر بار آں والا صفات
مردگاں را داد پیغام حیات

ذی شعور و عاقل و فرزانہ
قلب صافش از ہوا بیگانہ

مفتخر از درگہ بندہ نواز
با نشان ہائے نمایاں سرفراز

علم قرآں علم آں طیب کتاب
حق تعالیٰ داد او را بے حساب

عالم دیں واقف سر نہاں
کاشف راز حقیقت بے گماں

نافہ علمش بعالم مشک بار
زو معطر شد مشام ہر دیار

نطق او سر نہانی گفتہ است
کلک او در معانی سفتہ است

یک جہاں از نور او پر نور شد
یک جہاں از فیض او معمور شد

* * *

از قلم :۔ مکرم نصیر احمد فاروقی صاحب

مجھے وہ دِن اچھی طرح یاد ہے

جب بھی ۱۳؍ اکتوبر کو حضرت امیر مرحوم کا یادگار دِن منایا جاتا ہے تو میرے قلب کی آنکھوں کے آگے سے اُس دِن کے واقعات اور نظارے ایک فلم کی طرح گذر جاتے ہیں۔ میں ان کو قلم بند کر کے اپنے احباب کو بھی اپنے تجربات میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ کم سے کم ایک دو سبق ایسے ہیں کہ اور دں کو ان واقعات سے سیکھنے چاہئیں :۔

حضرت امیر مرحوم کو زندگی کے آخری سوا سال میں دِل کی تکلیف بڑھ گئی تھی۔ اس بیماری میں اغلباً ۲۹ ستمبر ۱۹۵۰ء کو کہ وہ جمعہ کا دن تھا۔ جب صُبح معالج ڈاکٹر صاحب حضرت موصوف کو دیکھنے تشریف لائے تو اس کے بعد انہوں نے مجھے علیحدہ لے جا کر کہا کہ آپ آج دفتر نہ جائیں کیونکہ یہ آج کسی وقت بھی فوت ہو جائیں گے۔ یاد رہے، کہ اُن دنوں ہفتہ وار چھٹی اتوار کے دِن ہوتی تھی۔ جمعہ کو آدھی چھٹی ہوتی تھی یعنے دِن کے ۱۲½ بجے (دفتر کے اوقات ویسے صُبح ۹ بجے سے شام کے ۵ بجے تک تھے) ڈاکٹر صاحب کی وارننگ سُن کر میں حیران سا ہوا۔ اور اُن کے جانے کے بعد میں نے جا کر دیکھا تو حضرت امیر کی حالت واقعی خراب ہو رہی تھی۔ آنکھیں بند تھیں تنفّس بہت ہلکا تھا۔ اور نبض کمزور تھی۔ چنانچہ میں نے دفتر فون کر دیا کہ میں وہاں نہ جاؤں گا۔ اور پھر ہم انجام کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ مگر چونکہ مجھ سے وہ نظارہ دیکھا نہ جاتا تھا تو میں اُوپر کی منزل میں جا کر کتاب پڑھنے کی ناکام کوشش میں لگ گیا۔ ڈاکٹر صاحب اس نرس کو جو ڈیوٹی پر تھی ہدایت دے گئے تھے کہ دوائیاں یا انجکشن کیا دینے ہیں۔ مگر :۔

مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی۔

کوئی دن کے ۱۱ بجے مجھے آواز پڑی اور میں دوڑ اسیڑھیوں سے نیچے آیا تو میری بڑی ہمشیرہ (جو حضرت امیر کی بیگم تھیں) انہوں نے کہا "وہ تمہیں بلا رہے ہیں"۔ میں حضرت کے کمرہ میں گیا تو حالت بدتر ہو چکی تھی۔ آنکھیں تو پہلے بھی بند تھیں۔ اب تو سانس تک آتا نظر نہ آتا تھا۔ نبض کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ جسم ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ میری بڑی ہمشیرہ نے چلّا کر کہا :۔ "نصیر احمد آ گئے ہیں"، تو میں نے اس کا کوئی ردِّ عمل نہ دیکھا سوائے اس کے کہ حضرت کے ہونٹ کچھ ہلے۔ میری ہمشیرہ نے مجھے کہا :۔ "تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں"۔ میں نے قریب جا کر سننے کی کوشش کی مگر آواز اس قدر نحیف تھی کہ مجھے کچھ نہ سنائی دیا میں کان حضرت امیر کے ہونٹوں کے قریب لیتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ قریباً ان کو چھونے لگے تو میری سمجھ آیا کہ حضرت موصوف میرے ذریعہ اپنی جماعت کو وصیّت فرما رہے تھے۔

"ہمارا کام ہے قرآن کو دُنیا میں پہنچا دینا۔ آگے قرآن اپنا کام خود کرے گا"

مجھے بعد میں خیال آیا کہ وہ شخص جو موت کو آتے دیکھ رہا ہو اُسے اپنے بیوی بچّوں کی، وراثت کی یا اور کچھ نہ ہو تو سب سے رخصت ہونے اور خدا حافظ کہنے کی فکر ہوتی ہے۔ اس شخص کو فکر ہے تو یہ کہ اشاعت قرآن کا کام پورا ہو۔ بہرحال میں نے اپنی ہمشیرہ سے کہا کہ میں مریض کو ایسی حالت میں چھوڑ کر جمعہ کے لئے نہیں جانا چاہتا۔ تو انہوں نے کہا :۔ "یہاں بیٹھ کر کیا کرو گے۔ اچھا ہے جُمعہ میں جا کر دُعا کراؤ"۔ چنانچہ میں نہا دھو کر جمعہ کے لئے گیا۔ اُن دنوں میں ہی جماعتِ کراچی میں خطبہ جُمعہ دیا کرتا تھا۔ میں کھڑا تو ہو گیا مگر میں نے احباب سے حضرت امیر کی انتہائی نازک حالت بتا کر کہا کہ میرے دماغ میں اس وقت کوئی خطبہ کا مضمون نہیں آ رہا۔ آیئے دعا کریں اُس قادرِ مطلق سے جو مُردہ کو زندہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ بجائے خطبہ کے ہم سب نے مل کر بہت لمبی اور دَرد بھری دُعا کی۔ میں نے تو جناب باری میں یہ عرض کی کہ ہر شخص کو مرنا ہے مگر اس مقدس انسان کا کام ابھی باقی ہے۔ قرآن کریم (انگریزی) کا چوتھا ایڈیشن ان دنوں انگلستان میں زیرِ طبع تھا۔ اور اس کے پروف آتے رہتے تھے۔ جو حضرت موصوف بسترِ مرض پر لیٹے سرہانا اونچا کرا کے بڑی کاوش سے اور مکمل انہماک سے تصحیح کرتے رہتے تھے۔ وہ کام ابھی کافی باقی تھا۔ اور مجھے معلوم تھا کہ اور کوئی اس محنت، توجہ اور باریک نگاہ سے نہ کر سکے گا۔ اس لئے میں نے قرآن کریم کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ زاری کی۔ اور احباب نے بھی بڑے درد دل سے دعا کی۔ خطبہ کے بعد نماز کیلئے سجدوں میں بھی اسی گریہ وزاری کا سلسلہ جاری رہا۔

گھر واپس آیا تو ڈرتے ڈرتے اندر قدم رکھا کہ خدا جانے کیا نظارہ دیکھوں گا۔ مگر سبحٰن اللہ وبحمدہٖ سبحٰن اللہ العظیم۔ دیکھا کہ مُردہ زندہ ہو گیا ہے۔ جو اس تجربہ سے میری طرح گزرا ہو وہ جانتا ہے کہ تخرج الحیّ من المیّت ضرور ہوتا ہے۔ الغرض اس خطرناک مرحلہ میں سے حضرت امیر بخیریت دُوسری زندگی پا کر لاہور واپس چلے گئے۔ اس لئے اگلے سال جب وہ دوبارہ کراچی گرمیاں گزارنے میرے پاس تشریف لائے تو ہم ان کی معمولی تکلیف یا مرض کے اتار چڑھاؤ سے زیادہ نہ گھبراتے تھے :۔

۱۳؍ اکتوبر ۱۹۵۱ء کا دن روز کی طرح چڑھا۔ حضرت امیر کی طبیعت دن بدن کمزور ہو رہی تھی مگر خطرہ کی کوئی بات نہ تھی۔ البتہ صبح جب ڈاکٹر صاحب دیکھنے کو آئے اور ٹیکہ لگانا چاہا تو حضرت امیر نے انہیں کہا

"DOCTOR PLEASE LET ME DIE IN PEACE"

ڈاکٹر صاحب نے کہا :۔ "نہیں، نہیں آپ ایسی بات نہ کریں" اور وہ ٹیکہ لگا کر چلے گئے۔ اس دفعہ انہوں نے اشارۃً بھی نہیں کہا کہ کوئی خطرہ ہے۔

دن کے کوئی ساڑھے گیارہ بجے میری بیوی نے گھبرائی ہوئی آواز میں آ کر مجھے کہا کہ :۔ "مولوی صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے جلدی چلو"، میں دوڑا اُن کے کمرہ میں گیا تو حضرت نے آخری ہچکی لی اور وہ ہمیشہ کے لئے سکھ کی نیند سو گئے۔

تھوڑے عرصہ میں تمام رشتہ دار اکٹھے ہو گئے۔ یہ فیصلہ ہوا کہ اسی دن شام کو خیبر میل سے جو اُن دنوں ۶ یا ۶½ بجے چلتی تھی لاہور میّت کو لے چلیں۔ مگر مجھے ایک تلخ تجربہ اپنے والد مرحوم کی وفات پر ان کی نعش بمبئی سے لاہور لانے میں ہو چکا تھا۔ اُس وقت میں بالکل ناتجربہ کار یا سمجھو بیوقوف تھا۔ میں نے فرنٹیر میل میں ایک چار برتھ کا ڈبہ ریزرو کرانے کو کافی سمجھا۔ مجھے تو خیر ان باتوں کا تجربہ نہ تھا۔ مگر مجھ سے جو زیادہ تجربہ کار اور دُنیا کے دستور سے باخبر تھے انہوں نے کبھی نہ پوچھا کہ فرنٹیر میل سے کس طرح نعش لے جاؤ گے۔ نعش تو صرف ایک علیحدہ چار پہیوں کے ڈبہ میں جا سکتی تھی اور ایسا ڈبہ کبھی میل ٹرین سے نہیں لگایا جا سکتا تھا بلکہ پسنجر ٹرین سے لگایا جاتا تھا۔

چنانچہ جب والد مرحوم کا تابوت لے کر ہم بمبئی سنٹرل سٹیشن پر فرنٹیر میل چلنے سے کوئی آدھ گھنٹہ قبل پہنچے تو گیٹ پر ہی روک لیا گیا۔ چونکہ تابوت گیٹ پر رُکا اور مسافروں کو روک رہا تھا تو بڑی مشکل سے ریلوے والوں نے اُسے اندر پلیٹ فارم پر جانے کی تو اجازت دے دی مگر گاڑی میں رکھنے سے سختی سے روکا۔ میں نے پوچھا کہ کون اجازت دے سکتا ہے تو کسی نے کہا مسٹر بیری (وہ انگریزوں کا زمانہ تھا) ڈپٹی جنرل منیجر بی۔ بی۔ اینڈ سی آئی ریلوے۔ میں دوڑا اسٹیشن کے ایک کمرہ سے فون کرنے گیا۔ مشکل سے بیری صاحب کا فون نمبر ملا۔ ان کے ہاں فون کیا تو ان کے بٹلر نے کہا کہ صاحب بہادر تو گالف کھیلنے ولینگڈن کلب میں گئے ہوئے ہیں اور شام ۷ بجے واپس آئیں گے۔ فرنٹیر میل نے ۷ بجے چلنا تھا۔

واپس ازحد پریشانی کی حالت میں پلیٹ فارم پر آیا تو دیکھا کہ میری بیوی اور ہمشیرہ رضیہ فاروقی تو ڈبہ میں چڑھ گئی ہیں۔ اور سامان بھی مگر تابوت پلیٹ فارم پر رکھا ہوا تھا۔ اور ریلوے کا عملہ اُس کو روک کے

کھڑا ہے۔ اب ہم میں اور اس عملہ میں بحث و تمحیث جاری تھی کہ انجن نے سیٹی دے دی۔ ہمارے ڈبہ کے آگے بھیڑ دیکھ کر گارڈ وہاں آیا اور اس نے ناراض ہو کر کہا کہ گاڑی آگے ہی آدھا گھنٹہ لیٹ ہو گئی ہے اس لئے راستہ صاف کرو۔ میں خود جلدی سے ڈبہ میں چڑھ گیا اور میرا ارادہ تھا کہ گاڑی چل پڑی تو زنجیر کھینچ دوں گا مگر عین اسوقت ایک ہندو بالو دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا کہ مسٹر پیری نے نعش لے جانے کی اجازت دے دی ہے۔ چنانچہ ہم نے آؤ دیکھا نہ تاؤ تابوت کو اپنے ڈبہ میں چڑھا لیا۔ مگر ریلوے والوں نے کہا کہ نعش کا ٹکٹ علیحدہ لینا ہوتا ہے۔ جو کہ قریباً ہزار بارہ سو روپے بنتا تھا۔ اتنی رقم میرے پاس نہ تھی ایک عزیز جو ہمیں چھوڑنے آئے تھے ان کے پاس اتفاقیہ طور پر نکل آئی مگر ٹکٹ بنوانے کا وقت کہاں تھا انجن ایک طرف سیٹیاں مار رہا تھا تو گارڈ دوسری طرف۔ مجھے سامنے عبدالعزیز خاں صاحب زیدہ والے نظر آئے تو میں نے ان کو رقم دی مگر اتنے میں گاڑی چل پڑی تو چلتی گاڑی میں وہ دوڑ کر چڑھ گئے اور ساتھ ہی ریلوے کا افسر بھی جس نے ٹکٹ بنانا تھا۔ کوئی آدھ گھنٹہ کے بعد جب گاڑی رکی تو خانصاحب موصوف نعش کا ٹکٹ مجھے دے کر خود واپس بمبئی چلے گئے۔

آگے لاہور میں جہاں میں نے اطلاع دی ہوئی تھی کہ نعش فرنٹیر میل سے لا رہے ہیں تو سب حیران تھے کہ میل ٹرین سے کس طرح آ رہی ہے۔ بہر حال انہوں نے سوچا کہ شاید چار پہیوں والا ڈبہ علیحدہ لگا ہو گا۔ مگر جب نعش سیکنڈ کلاس کے کمپارٹمنٹ سے اتری تو سب لوگ حیران ہوئے۔ اور ایک انگریز ریلوے افسر لال پیلا ہوتا آیا کہ اس تابوت کو مسافروں کے ڈبہ میں لانے کی اجازت کس نے دی؟ میں نے نہایت معصومیت سے کہا "مسٹر پیری ڈپٹی جنرل منیجر صاحب نے" تو وہ انگریز افسر بغیر مزید کچھ پوچھے اپنے عملہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہنے لگا کہ اس ڈبہ کو فوراً مہر لگا دو۔ اور پشاور فون کرو کہ اسے DISINFECT کریں میں نے سنا ہے کہ بعد میں بمبئی سنٹرل سٹیشن میں پوچھ گچھ ہوئی کہ کس بالو نے کہا تھا کہ مسٹر پیری نے اجازت دی ہے تو اس کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی انسان نہ تھا بلکہ فرشتہ تھا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے انسان کی شکل میں بھیجا کہ اس مخمصہ میں سے میرے والد مرحوم کی نعش کو باعزت طریقہ پر نکالے۔ اور وہ عزت سے اپنے آخری سفر کو طے کر لیں۔ ورنہ میری ناتجربہ کاری اور بے وقوفی سے جو صورت حالات بن گئی تھی اس کا انسانی حل کوئی نہ تھا۔ مسٹر پیری مجھے فون پر ملے ہی نہیں تھے تو انہوں نے اجازت کہاں دی تھی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی جناب سے اجازت آئی اور سب کام معجزانہ طور پر طے پا گئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ والد مرحوم کی عزت اور پاس کا لحاظ ہو گا جو اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیج کر ایک ناقابلِ حل مخمصہ میں سے ہمیں نکالا۔ فالحمدللہ رب العالمین۔

تو میں حضرت امیر مرحوم کی نعش کے لئے وہ غلطی دوبارہ نہ کر سکتا تھا۔ میرے گھر کے قریب ہی ریلوے کراچی کے ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ صاحب کا مکان تھا۔ میں وہاں گیا تو اللہ نے کیا کہ وہ مل گئے۔ اللہ تعالیٰ کا مزید احسان اور تائید یوں ہوئی کہ انہوں نے نہ صرف خیبر میل سے اسی دن لے جانے کی اجازت دے دی بلکہ بجائے FOUR-WHEELER علیحدہ لگانے پہ اصرار کرنے کے ہمارے اپنے ڈبہ میں نعش لے جانے کی اجازت دے دی۔ اور خود فون کر کے ایک چھ سیٹوں کا سیکنڈ کلاس ڈبہ بھی ریزرو کرا دیا۔ میری عمر میں کبھی اس طرح ناممکنات ممکن نہیں ہوئیں سوائے چند موقعوں کے۔ اس موقعہ پر یہ اس مقدس انسان کی خاطر و عزت کا پاس جناب الٰہی کو تھا۔ جو خود تو اس کے پاس جا پہنچا تھا مگر اس کا جسدِ خاکی ہم نے لے کر لاہور اسی دن چلنے کی سوچی تھی۔

ان اجازتوں اور سہولتوں کے مل جانے کے بعد میں نے گھر آ کر حضرت امیر مرحوم کے بڑے صاحبزادے محمد احمد کو تو فون پر بتایا کہ لاہور اور دوسری جگہوں میں اطلاع دے دیں۔ اور خود اس تلاش میں نکلا کہ کفن اور غسل دینے والے کا بندوبست کروں اور پھر تابوت کا۔ مجھے پتہ نہ تھا کہ یہ بندوبست کہاں سے ہو سکتے ہیں۔ اس لئے سوچا کہ چوہدری امجد خاں صاحب سے جا کر کہوں کیونکہ وہ کراچی کے پرانے رہنے والے تھے۔ اور شہر کی سب جگہوں سے واقف تھے۔ بدقسمتی سے ان کے گھر پہ فون نہ تھا۔ ان کے ہاں جانے کے لئے مجھے بندر روڈ کو کراس کرنا ضروری تھا۔ جب اس سڑک پہ پہنچا تو دیکھا کہ انسانوں کی ایک دیوار حائل ہے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ محرم الحرام کی دسویں تاریخ ہے۔ اور بندر روڈ پر سے تعزیوں اور ماتم کرنے والوں کا جلوس گزرنا ہے۔ کراچی شہر میں یو۔ پی اور دوسری جگہوں سے آئے ہوئے شیعہ حضرات کی کثرت ہے اس لئے وہاں محرم کے تعزیوں اور متعلقہ اظہارِ ماتم کے طریقوں کے جلوس میلوں لمبے ہوتے ہیں۔ اور دوپہر سے جو شروع ہوتے ہیں تو شام تک چلتے ہیں۔ گھڑی دیکھی تو دن کے قریباً دو بجے تھے۔ ۶ بجے کی گاڑی ہم نے پکڑنی تھی۔ !

اپنی موٹر کو تو میں نے وہیں چھوڑا اور پیدل اس انسانوں کی دیوار میں سے گذرنے کی کوشش کی۔ لوگ سمجھے کہ میں محرم کے جلوس دیکھنے کے لئے بعد میں آ کر آگے نکل کر کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ اس لئے سخت مزاحمت ہوئی اور مجھ کو بہت کچھ سخت کلامی اور دھکے سہنے پڑے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس (میرے لئے) آہنی دیوار میں سے میں کس طرح گزرا۔ سڑک پر گتکے اور تلوار کے کرتب دکھلانے والی پارٹیاں گزر رہی تھیں۔ ان سے بچتا بچاتا سڑک کی دوسری طرف کے انسانوں کی دیوار میں سے بمشکل نکلا۔ اس تگ و دو میں میں پسینہ پسینہ ہو گیا۔ آگے امجد خاں صاحب چوتھی یا پانچویں منزل پہ رہتے تھے۔ اور لفٹ خراب تھی۔ ہانپتا کانپتا ان کی فلیٹ تک پہنچا اور گھنٹی بجائی تو اندر سے کسی خاتون نے کہا کہ چوہدری صاحب مالیر گئے ہوئے ہیں اور شام کو واپس آئیں گے۔ اسوقت کے اپنے جذبات کو میں بیان نہیں کر سکتا۔

واپس پھر اسی انسانوں کی دیوار میں سے مجھے گزرنا تھا۔ مگر ان کا کوسنا اور مجھے دھکے دینا اس غم کے آگے کچھ شئے نہ تھا۔ جو میرے دل کو لگا ہوا تھا کہ یا اللہ تین بجے کو ہیں اور نہ تجہیز و تکفین کا بندوبست ہوا ہے اور نہ تابوت کا۔ اور کراچی کا سارا شہر دسویں محرم کی وجہ سے بالکل بند پڑا تھا۔ انسانوں کی ایک دیوار میں سے کسی طرح گزر کر جب میں نے سڑک پار دوسری دیوار میں سے گذرنا چاہا تا کہ اپنی موٹر کی طرف جاؤں تو وہ ناقابلِ عبور پائی۔ مجبوراً میں بندر روڈ پر ہی چل پڑا۔ جلوس جدھر جا رہے تھے میں اس کے الٹی طرف جا رہا تھا۔ ادھر سے تائیدِ غیبی آ رہی تھی!

ایسی حالت میں کہ میری ہمت اور طاقت بالکل جواب دے چکی تھیں۔ اور مایوسی اور غم نے میرے لئے دنیا تاریک کر دی تھی، اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی۔ میرے لئے نہیں بلکہ اس مقدس انسان کے لئے جس کے آخری کام مجھ تن و تنہا انسان سے نہ ہو سکتے تھے۔ اچانک میرے سامنے ایک پولیس انسپکٹر کھڑا تھا۔ اس نے مجھے SALUTE کیا اور کہا "سر! آپ یہاں کہاں؟" میں اس پولیس انسپکٹر کو بالکل نہ جانتا تھا مگر ظاہر ہے کہ وہ مجھے پہچانتا تھا۔ کراچی کے سینکڑوں پولیس کے افسروں میں سے ایسے انسپکٹر کا جو مجھے جانتا تھا وہاں سامنے آ جانا تائیدِ غیبی نہ تھی تو اور کیا تھا؟

مجھے اس انبوہ اور سخت بھیڑ بھڑکے میں حیران و پریشان اور تصویرِ مایوسی اور بے بسی دیکھ کر وہ انسپکٹر خود حیران نظر آتا تھا۔ میں نے اسے اپنی داستان سنائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو کھول دیا۔ وہ خود تو اپنی ڈیوٹی کو چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ اس لئے اس نے ایک ہیڈ کانسٹیبل کو بلا کر کہا "تم فاروقی صاحب کے ساتھ جاؤ۔ پہلے تو پولیس لائن جاؤ اور وہاں کی مسجد کے امام صاحب کو میری طرف سے کہو کہ ان کے پاس جو ایک کفن ریزرو میں ہوتا ہے اور کافور اور گلاب وغیرہ وہ ان کو دے دیں اور پیسے ان سے لے لیں۔ اور پھر تم صاحب کے ساتھ فلاں جگہ جاؤ وہاں تابوت بنانے والا ہے۔ شاید اس کے پاس کوئی بنا بنایا تابوت مل جائے۔" میں نے دل کی گہرائیوں سے ان نیک انسپکٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

مگر اب فکر یہ دامنگیر ہوا کہ آج جب کہ سارا شہر بندر روڈ پر محرم کے جلوس دیکھنے کو کھڑا ہے تو پیش امام صاحب نہ ملے یا تابوت والا گھر پہ نہ ہوا یا بنا بنایا تابوت تیار نہ ہوا تو کیا ہو گا۔ مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ جب رحمتِ الٰہی جوش میں آتی ہے تو سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ تجہیز و تکفین کے سب سامان بھی اللہ نے کر دیئے۔ تابوت والا بھی گھر پہ تھا اور ایک نہایت عمدہ بنا بنایا تابوت جو صحیح سائز کا تھا وہ بھی تائیدِ غیبی نے دلوا دیا۔ اور یوں اللہ کے ایک محبوب بندے نے اپنا آخری سفر پروگرام کے مطابق اور عزت سے بخیریت طے کیا۔

فالحمدللہ رب العالمین

* * * * *

الارشد

بیاد امیر مرحوم

اہل دل، اہلِ قلم، اہلِ خبر روئیں گے ؛ یاد آئے گی تیری قلب و نظر روئیں گے۔
رہبرِ قوم تجھے راہگذر روئیں گے ؛ ایک دو بار نہیں شام و سحر روئیں گے

ہاتھ پھیلائیں گے تربت پہ تیری آکے علوم
ذ تحریر پڑھنے کو اتریں گے فرشتوں کے ہجوم

بجلیاں جس میں تھیں پوشیدہ وہ تحریر کہاں ؛ دل میں چپکے سے اتر جائے وہ تقریر کہاں
مشکلیں جس سے ہوں آساں وہ تدبیر کہاں ؛ جس سے ماحول درخشاں ہو وہ تنویر کہاں

تیرے شہ پاروں سے ڈھونڈیں گے ضیا شمس و قمر
ہاتھ پھیلائے گا تربت پہ تیری نورِ سحر

تشنگی دیں کے پیاسوں کی بجھانے والے ؛ نورِ فرقاں سے ہر اک دل کو جلانے والے
خواب و مستی سے زمانہ کو جگانے والے ؛ قوم کو راہبر اقوام بنانے والے

ہم اگر ڈھونڈنے جائیں تو کہاں پر جائیں
رہنما قوم کو تجھ سے جو میسر آئیں

باغِ دیں میں تھا ترے دم سے بہاروں کو دوام ؛ مئے عرفان سے لبریز تھا ہر پھول کا جام
اکھڑا اکھڑا تھا ہر اک دشمنِ ایماں کا خرام ؛ دین کے قافلہ سالار تجھے میرا سلام

قوم زندہ ہے تو یہ زندہ دلی تیری ہے
یہ کرامت ہے جو اللہ کے ولی تیری ہے

* * * *

انگلستان کے مشہور مصنف مسٹر ایچ ایس، لیڈر صاحب کا

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو

انگریزی ترجمۃ القرآن کی اشاعت پر خراجِ تحسین

اِس انجمن کا سب سے بڑا کام بفضلہ تعالےٰ انگریزی ترجمۃ القرآن ہے۔ جو کہ اس وقت نہایت ہی دلکش اور پاکیزہ صورت میں آپ صاحبان کے سامنے موجود ہے۔ اگرچہ فرقانِ حمید کی اس صورت میں اشاعت کو فقط چند روز ہی ہوئے ہیں مگر اس کی طرف اطراف و اکناف سے دل کھنچے چلے آتے ہیں اور اس کی پاکیزگی و اعلےٰ مراتب کی شہادت دور دور سے آ رہی ہے۔ چنانچہ مسٹر ایچ ایس لیڈر جو کہ انگلستان کے ایک مشہور مصنف ہیں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کو تحریر فرماتے ہیں۔

"مجھے ترجمۃ القرآن کی ایک کاپی موصول ہوئی ہے۔ اور میں بعجلت تمام آپ کو قرآنِ مجید کے ایسی پاکیزہ اور دیدہ زیب صورت میں نکلنے کی مبارکباد دیتا ہوں۔ اس کتاب کو تو محض ہاتھ میں لینا ہی ایک خاص لطف رکھتا ہے لیکن جب اس کے ان خزائن علمیہ کی طرف توجہ کی جائے جو موجب ہدایت و نور ہیں تو انسان کا قلب اس محنت کے لئے جس سے یہ کتاب تیار ہوئی ہے۔ شکر و امتنان سے لبریز ہو جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ محض محبت و عقیدت کا کرشمہ ہے کہ اس قسم کی تصنیف سرانجام کو پہنچی میں اس سے خوش ہوں کہ قرآن مجید اب میری مادری زبان میں ہو گیا ہے۔ اور اس کی تصنیف ایک متقی اور علامہ مسلمان نے کی ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ یہ تصنیف دنیا کی مذہبی زندگی میں ایک نیا دور شروع کر دے گی۔ یہ تصنیف مشرق کے خزائن الہٰیات کو مغربی دنیا کے قریب لے آئی ہے جب کہ تمام دنیا ذاتِ الہٰی کے متعلق موجودہ سے زیادہ روشن علم کے ساتھ معمور ہو جائے گی اور ایسے دن کیلئے ہم دست بدعا ہیں۔"

فی الحقیقت اس وقت تک مغربی دنیا پر حقیقی رنگ میں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا نہ ہوا تھا اور جب تک کہ قرآنِ مجید کا ترجمہ مغربی ممالک کے سامنے پیش نہ کیا جاتا یہ فرض کس طرح سے ادا ہو سکتا تھا۔ خدا تعالےٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ یہ خدمت حضرت مولانا محمد علی صاحب ایم۔ اے ایل ایل بی امیر سلسلہ احمدیہ کے ہاتھ سے سرانجام کرائی۔ گویا کہ آنحضرت صلعم کی پیشگوئی کے مطابق صداقتِ اسلام کا آفتاب مغرب سے طلوع ہوا۔ اب یقیناً اس سے کل مغربی دنیا متاثر ہو گی جیسے کہ خود آپ نے وہاں کے ایک بڑے اہلِ قلم بزرگ کی شہادت سن لی ہے۔ اور نہ صرف مغرب بلکہ مشرق میں بھی اس سے ہر طرف تنویر ہو گی۔ اس میں شک نہیں کہ علمائے اسلام نے قرآنِ مجید کی ہر زمانہ میں بہت بڑی خدمت کی ہے۔ اور عربی زبان میں بڑی بڑی تفسیریں موجود ہیں مگر ان سب علوم کو ایک جگہ جمع کرنا اور موجودہ زمانہ کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینا اور ہر رنگ میں صداقت قرآن و صداقت اسلام کو مبرہن کرنا ایسا کام ہے۔ کہ اگر ایک جماعت علماء و فضلا کی اس کو کرتی تب بھی بہت بڑا تھا۔ مگر یہ خدا تعالےٰ کا احسان ہے کہ امیر قوم حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب کو اس نے توفیق دی کہ انہوں نے اپنی ہفت سالہ دن رات کی محنت سے اس خدمت کو سرانجام دیا اور ایک سال میں اس کلام پاک کی طبع کو تکمیل تک پہنچایا۔ گویا کہ آپ کے اس خدمت میں پورے آٹھ سال لگے۔ اللہ تعالےٰ آپ کی ہمت میں اور برکت دے اور آپ سے مزید خدماتِ دینی سرانجام کرائے۔ آمین!

(از سالانہ رپورٹ انجمن سال ۱۷-۱۹۱۶ء

-: مرتبہ :-

حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم و مغفور

صفحہ ۴۰۲)

پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۱۴/۷ اکتوبر ۸۱ء ـــ ۱۹

[illegible] ۱۱۱ [illegible]

[illegible] بمقام جامع احمدیہ، دارالسلام ــــــ لاہور

> فارادوا بہٖ کیداً فجعلنٰھم الاسفلین ۝ وقال انی ذاھبٌ الی ربی سیھدین ۝ رب ھب لی من الصالحین ۝ فبشرنٰہ بغلٰمٍ حلیم ۝ فلما بلغ معہ السعی قال یا بنیّ انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری قال یٰابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصٰبرین ۝ فلما اسلما وتلّہٗ للجبین ۝ ونادینٰہ ان یٰابراھیم ۝ قد صدّقت الرءیا انا کذٰلک نجزی المحسنین ۝ ان ھٰذا لھو البلٰؤا المبین ۝ وفدینٰہ بذبحٍ عظیم ۝ وترکنا علیہ فی الاٰخرین ۝ سلٰمٌ علی ابراھیم ۝ کذٰلک نجزی المحسنین ۝ انہٗ من عبادنا المؤمنین ۝
>
> (سورۃ الصّٰفّٰت : آیات ۹۸ تا ۱۱۱)

یہ واقعہ آنحضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے دو ہزار سال پہلے سرزمینِ عرب کی ایک وادی میں پیش آیا۔ اس کا ذکر سورۃ الصّٰفّٰت کی اُن آیات میں ہے جو میں نے اسوقت پڑھی ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ ارشادِ خداوندی کے ماتحت اپنی بیوی حضرت ہاجرہ رضؓ اور شیرخوار بچے اسمٰعیلؑ کو اس وادی میں جاکر چھوڑ آئے۔ حضرت ابراہیمؑ کی ایک دُعا قرآن کریم میں اِن الفاظ میں ہے۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی بوادٍ غیر ذی زرعٍ عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ .... من الثمرات لعلھم یشکرون۔ (ابراہیم)

ہمارے رب میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے عزت والے گھر کے پاس اس بے آب وگیاہ وادی میں بسایا ہے۔ ہمارے رب تاکہ وہ نماز قائم کریں سو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں سے رزق دے تاکہ وہ شکر کریں۔" اِن الفاظ میں ایک عظیم الشان پیشگوئی بھی ہے کہ اس بیت المحرم اور اس وادی میں اس آبادی کا آباد ہو جانا اور مرجع خلائق بن جانا مقدراتِ الٰہی میں سے تھا۔ بے سروسامانی کے اِس عالم میں اِس آبادی کی ابتداء کی تفصیلات آپ بارہا سُن چکے ہیں۔ جب حضرت ہاجرہ کو بتایا گیا کہ انہیں اِس بھاری امتحان میں اللہ تعالےٰ کے حکم سے ڈالا گیا ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ تب اللہ تعالےٰ ہمیں ہرگز ضائع نہ فرمائے گا

اِس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ آگ کے اُس امتحان سے سلامتی کے ساتھ نکل چکے تھے جس میں دشمنانِ توحید نے انہیں ڈالنا چاہا یا ڈال دیا تھا۔ اور اللہ تعالےٰ نے اسی آگ کو اُن پر ٹھنڈا کر دیا۔ قرآنِ کریم میں اراد وا بہٖ کیداً کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں یعنی یہ کہ دشمنوں نے ایک بار ایک مخفی تدبیر کا ارادہ کیا تھا۔ فجعلنٰھم الاسفلین تو ہم نے انہی کو نیچا دکھایا۔ اس واقعہ کے مابعد حضرت ابراہیمؑ کو ایک اور امتحان ہجرت کا پیش آیا تو انہوں نے فرمایا کہ انی ذاھبٌ الی ربی سیھدین میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں وہ مجھے ضرور راہ دکھائے گا۔

آپ نے دُعا فرمائی رب ھب لی من الصالحین میرے رب مجھے صالح اولاد عطا فرما تو آپ کو ایک عظیم بیٹے کی بشارت ملی فبشرنٰہ بغلٰمٍ حلیم۔ اس بیٹے کی خاص صفت حِلم یعنی بُردباری بیان فرمائی ہے۔ وہ بھی کئی امتحانوں سے گذرنے والے تھے جن میں انہوں نے بے مثال استقلال کا نمونہ دکھایا جب اسماعیل کی عمر دس بارہ سال کی تھی تو باپ بیٹے دونوں کو ایک امتحان پیش آیا جو شاید سب سے بڑا امتحان تھا جس کا قرآنِ کریم کی آیات میں یُوں ذکر آتا ہے۔ کہ جب وہ (اسماعیل) اُن کے ساتھ کام کاج کی عمر کو پہنچا

میں وہی ہوں ج

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی

ے ذاتِ والا چشمۂ فیضِ اتم + از خدائے پاک نیسانِ کرم
روضۂ ملّت ازو سیراب شد + باغِ دینِ مصطفےٰ شاداب شد

اس (حضرت ابراہیمؑ) نے کہا، اے میرے پیارے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ اُس نے کہا اے میرے پیارے باپ! جو حکم تجھے دیا جاتا ہے اُس کی تعمیل کر تو مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔ سو جب دونوں نے حکم مانا اور اسے ماتھے کے بل لٹایا اور ہم نے اسے پکارا اے ابراہیمؑ! تو نے خواب سچا کر دکھایا۔ اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں بے شک یہ ایک کھلا امتحان تھا اور ہم نے ایک بھاری قربانی اس کا فدیہ دیا:

ایسے ہی امتحانوں اور اُن کے نتائج کے بارہ میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔ واذ ابتلیٰ ابراھیمَ ربہٗ بکلمٰتٍ فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما۔ جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو اس نے انہیں پورا کیا تو اللہ تعالےٰ نے کہا میں تجھے قوموں کا امام بنانے والا ہوں۔

اِنہیں متعلقات پر جہاں خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو ان مقدس ہاتھوں سے ہوئی اور جس مقام پر یہ قربانی پیش کی گئی آج لاکھوں انسان جمع ہوتے ہیں اور فریضہ حج ادا کرتے ہیں۔ اور یہ وادیاں توحید کے نعروں سے گونج اٹھتی ہیں۔ لبیک اللّٰھم لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لک لاشریک لک کی آوازیں چاروں طرف سے سُنی جاتی ہیں۔ اس زمانہ میں بھی بیس بیس لاکھ یا کم و بیش انسانوں کا یہ عظیم اجتماع جس میں ہر ملک و ملت کے کئی زبانیں بولنے والے لوگ بلا امتیاز رنگ و نسل، شاہ و گدا، مرد و زن۔ مرد ننگے سر۔ دو سفید چادروں میں ملبوس۔ ایک ہی دُھن میں معروف ایسا منظر پیش کرتا ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی دوسرے مجمع میں ہرگز نہیں مل سکتی۔ اِس کی عظمت سے کوئی

www.aaiil.org

دیکھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خواہ وہ غیر مسلم یا دہریہ ہی کیوں نہ ہو

فریضۂ حج کا آخری عمل قربانی ہے اکنافِ عالم سے آئے ہوئے مسلمان جانوروں کی قربانی پیش کرتے ہیں۔ اور اپنے اسی عمل کے ذریعے گویا عہد کرتے ہیں کہ اے خدا! چھری کے نیچے جیسے یہ جانور پھڑک رہا ہے اسی طرح ہماری گردنیں بھی تیرے آستانہ پر حاضر ہیں۔ تیری رضاء کے لئے ہم ہر ممکن قربانی کرنے کو تیار ہیں صرف حج کے مقام پر ہی نہیں بلکہ جہاں جہاں مسلمان ہیں وہ ایسی قربانی پیش کرتے ہیں اور عملاً اس عہد کی تجدید کرتے ہیں۔ اسی قربانی کا مقصد محض خون بہانا اور گوشت کھانا نہیں۔ قرآن نے فرمایا ہے:۔

لن ینال اللّٰہ لحومھا ولا دمآءھا ولٰکن ینالہ التقوٰی منکم

نہ اُن کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں اور نہ اُن کے خون لیکن اسے تمہاری طرف سے تقوٰے پہنچتا ہے۔

ایک سچا مسلمان جو اس فعل کی حقیقت کو سمجھتا ہے دراصل اس کے اندر جو حیوان ہے اس کی گردن پر بھی چھری پھیرتا ہے۔ اور اپنے اندرونی حیوانی جذبات اور نفسانی خواہشات کو قربان کر کے خدا کے حضور جھک جاتا ہے۔ اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد پورا کرتا ہے۔

دنیا کی کئی قوموں میں انسانی قربانی کا رواج تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی اس قربانی سے انسانی قربانی کی موقوفی کی بنیاد قائم ہوئی۔ اسلام میں قربانی کا مفہوم بلند ہے اس کی غرض خالص روحانی اور اخلاقی ہے اس میں انفرادی اور اجتماعی حیات کا راز مضمر ہے۔ قومیں بغیر قربانی کے زندہ نہیں رہ سکتیں۔ کاش کہ مسلمان خصوصاً ہم اس مفہوم کو ہر وقت مدِ نظر رکھیں اور خدا کی راہ میں ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہوں۔ یہ دن ہمیں جس قربانی کا سبق سکھاتا ہے وہ درحقیقت ہر نوع کی قربانی ہے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم خوشی سے قربانی کریں۔ اس سے پہلے کہ ہم مصائب میں مبتلا ہوں۔

مصائب میں سے گزرنے کے بغیر انسان کمال کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ انسان فطرتاً مصائب اور تکالیف کو پسند نہیں کرتا۔ اور خدا نے بھی مصائب سے بچنے کی دعا سکھائی ہے لیکن باوجود ان باتوں کے انسان کسی بلندی کو حاصل نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ اس پر مصائب آئیں تو وہ اپنے آپ کو ثابت قدم رکھے۔ ہمارے امام حضرت مرزا صاحب بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے فرمایا ہے کہ معرفتِ الٰہی کے بلندترین مرتبہ پر پہنچنے کا ذریعہ مصائب ہیں۔ حقیقی معرفت مصائب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اسی لئے الانبیاء اشد بلاء آیا ہے۔ جب انسان خوشی سے قربانی نہیں دینا چاہتا تو اللہ تعالیٰ رحم کے طور پر اس سے جبراً قربانی لیتا ہے اور جب لوگ طوعاً قربانی سے انکار کرتے ہیں مثلاً جب انہیں قومی اور دینی کاموں کے لئے اموال پیش کرنے کا کہا جاتا ہے تو ان کے دل انقباض محسوس کرتے ہیں یا محتاجوں غریبوں مسکینوں پر خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں تو بسا اوقات اللہ تعالیٰ اُن کے اموال اُن سے لے لیتا ہے۔ اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ یہ بات آپ کے مشاہدہ میں بھی آچکی ہو گی۔ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاک ساتھیوں نے اپنے مال اور جانیں خوشی سے پیش کر دیں تو خدا نے انہیں وہ کامیابی دی جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ اگر مصائب سے آپ بچنا چاہتے ہیں اور کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو ہر قسم کی قربانی کا نمونہ پیش کریں۔ صحابۂ کرامؓ کے دلوں کی راحت اُن کی ہر قسم کی قربانی سے پیدا ہوئی تھی۔ مالی قربانی کے علاوہ ہماری ضرورت کا تقاضا ہے کہ دین کے لئے ہمارے دوست اپنی زندگیاں پیش کریں۔ کم از کم اپنے وقت کی قربانی ہر شخص پیش کرنی لازم ہے۔ ان اوقات کو دین کے کاموں کے لئے وقف کریں۔ یہی قربانی کا وقت ہے ورنہ جب تاریکی ہی تاریکی ہو جائے تو توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ قرآنِ کریم کی سورۃ القلم میں یہ مضمون یوں بیان فرمایا ہے:۔

"جس دن شدت ظاہر ہو گی اور وہ سجدہ کی طرف بلائے جائیں گے تو نہ کر سکیں گے۔ اُن کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ذلت اُن پر چھائی ہوئی ہو گی اور جب انہیں سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا اور وہ صحیح اور سالم تھے۔"

جب انسان دین کی طرف سے متواتر غفلت کرتا ہے تو اس کی نیکی کی طاقت سلب ہو جاتی ہے۔ اور اس کا دل تاریکیوں میں گھر جاتا ہے ہمارے ملک میں اور ہم پر بھی مصائب آچکی ہیں ہمارے لئے ضروری ہے۔ ہم اپنے کاموں پر اپنی حالتوں کو ہر سطح پر جلد از جلد درست کرنے کی کوشش کریں لیکن آج اس بابرکت موقع پر آپ سے یہی اپیل کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور مجھے بھی دین کی راہ میں ہر ممکنہ قربانی کرنے اور اپنے عہد کو پورا کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

حضرت امیر مرحوم کا

پیغام

نوجوانانِ قوم کے نام

میں ایک بات اپنے نوجوان دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ لوگ **احمدی قوم** کی روایات کو زندہ رکھیں۔ احمدی جماعت دین کو دنیا میں پھیلانے۔ قرآن کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اپنی اس روایت کو کمزور نہ ہونے دو۔ میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر عزت کا اور کوئی کام اس دنیا میں نہیں۔

یہ وہ کام ہے جس کے لئے خدا انبیاء اور صلحاء کو کھڑا کرتا رہا ہے۔ دنیا میں اور بھی بے شمار کام ہیں لیکن خدا اور کسی کام کے لئے انبیاء کو نہیں بھیجتا۔

سو ہمارے لئے یہ فخر کا مقام ہے کہ اس زمانے میں جب کہ مسلمانوں نے تبلیغِ دین کے کام کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہماری جماعت کو دین کے پھیلانے کے لئے چُن لیا ہے۔ جہاں ہمارے لئے یہ فخر کا مقام ہے وہاں عاجزی اور گریہ کا مقام بھی ہے۔ کہ جس کام کے لئے اللہ تعالےٰ نے اتنے بلند لوگوں کو چُنا تھا اس کے لئے اس زمانے میں ہم ناکارہ اور نالائق لوگوں کو موقع دیا ہے۔

سو خدا سے توفیق مانگو کہ تم اس کسوٹی پر پورے اترو۔ میں پھر اپنے نوجوان دوستوں سے کہوں گا اور بار بار کہوں گا کہ اپنی قوم کی روایات کو زندہ رکھو۔ اسلامی اخلاق و آداب کی پابندی کرو۔ قرآن کو پڑھو سنو۔ اس پر غور اور عمل کرو۔ اسلامی احکام کے احترام کو اپنا شعار بناؤ۔ ایک دن آئے گا کہ تم اپنے ایک ایک بزرگ کے جسم کو اپنے ہاتھوں سے مٹی میں دفن کرو گے۔ تمہارے پیچھے آنے والے تمہارے جسموں سے بھی یہی کریں گے۔

اے میرے نوجوان دوستو!

میں تمہیں بڑی تاکید کے ساتھ یہ کہتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے بزرگوں کے جسموں کے ساتھ کہیں اپنی روایات کو دفن نہ کر دینا۔ ان کو زندہ رکھنا اور ترقی دینا۔ تاکہ لوگ نہ کہیں کہ یہ قوم مرتی چلی جاتی ہے

پیغام صلح ۔ ۳۰ نومبر ۱۹۴۸ء

باہتمام ریاض حسین الجد پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغامِ صلح
لاہور

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفیٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

رجسٹرڈ ایل ۵۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردیگا

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ۳۰ روپے
بیرونی ممالک سے تین پونڈ (مع محصول ڈاک)

جلد: ۶۸ * یوم چہار شنبہ ۲۲ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ ـــــ بمطابق ــ ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۱ء، شمارہ ۴۲

ملفوظاتِ حضرت مجدد صد چہار دہم

دینی برکات پھیلانے کی تڑپ

یہ سلسلۂ بیعت محض بمراد فراہمی طائفہ متقین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت کے جمع کرنے کے لئے ہے تا ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے اور ان کا اتفاق اسلام کے لئے برکت و عظمت و نتائج خیر کا موجب ہو اور وہ برکت کلمہ واحدہ پر متفق ہونے کے اسلام کی پاک و مقدس خدمات میں جلد کام آسکیں اور ایک کاہل و بخیل و بے مصرف مسلمان نہ ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ اور نہ ایسے غافل درویشوں اور گوشہ گزینوں کی طرح جن کو اسلامی ضرورتوں کی کچھ بھی خبر نہیں اور اپنے بھائیوں کی ہمدردی سے کچھ غرض نہیں اور بنی نوع کی بھلائی کے لئے کچھ جوش نہیں بلکہ وہ ایسے قوم کے ہمدرد ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں یتیموں کے لئے بطور باپوں کے بن جائیں۔ اور اسلامی کاموں کے انجام دینے کے لئے عاشقِ زار کی طرح فدا ہونے کو تیار ہوں اور تمام تر کوشش اس بات کے لئے کریں کہ ان کی عام برکات دنیا میں پھیلیں اور محبتِ الٰہی اور ہمدردیٔ بندگانِ خدا کا پاک چشمہ ہر یک دل سے نکل کر اور ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آوے خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ محض اپنے فضل اور کرامتِ خاص سے اس عاجز کی دعاؤں اور اس ناچیز کی توجہ کو ان کی پاک استعدادوں کے ظہور و بروز کا وسیلہ ٹھہراوے اور اس قدوس جلیل الذات نے مجھے جوش بخشا ہے۔ تا میں ان طالبوں کی تربیتِ باطنی میں مصروف ہو جاؤں اور ان کی آلودگی کے ازالہ کے لئے رات دن کوشش کرتا رہوں اور ان کے لئے نور مانگوں جس سے انسان نفس اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور بالطبع خدائے تعالیٰ کی راہوں سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اور ان کے لئے وہ روح قدس طلب کروں جو ربوبیتِ تامہ اور عبودیتِ خالصہ کے جوڑ سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اس روحِ خبیث کی تکفیر سے ان کی نجات چاہوں کہ جو نفسِ امارہ اور شیطان کے تعلق شدید سے جنم لیتی ہے۔ سو میں بتوفیقہ تعالیٰ کاہل اور سست نہیں رہوں گا اور اپنے دوستوں کی اصلاح طلبی سے جنہوں نے اس سلسلہ میں داخل ہونا بصدقِ قدم اختیار کر لیا ہے۔ غافل نہیں ہوں گا۔ بلکہ ان کی زندگی کے لئے موت تک دریغ نہیں کروں گا۔ اور ان کے لئے خدائے تعالیٰ سے وہ روحانی طاقت چاہوں گا جس کا اثر برقی مادہ کی طرح ان کے تمام وجود میں دوڑ جائے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ان کے لئے کہ جو داخلِ سلسلہ ہو کر صبر سے منتظر رہیں گے ایسا ہی ہوگا ۔ ۔ ۔ تا دنیا میں محبتِ الٰہی اور توبہ نصوح اور پاکیزگی اور حقیقی نیکی اور امن اور صلاحیت اور بنی نوع کی ہمدردی کو پھیلاوے۔ سو یہ گروہ اس کا ایک خالص گروہ ہوگا اور وہ انہیں آپ اپنی روح سے قوت دے گا اور انہیں گندی زیست سے صاف کرے گا۔ اور ان کی زندگی میں ایک پاک تبدیلی بخشے گا ۔ ۔ ۔ ۔ وہ خود اس کی آبپاشی کرے گا اور اسکو نشوونما دے گا۔ یہاں تک کہ ان کی کثرت اور برکت نظروں میں عجیب ہو جائے گی اور وہ اس چراغ کی طرح جو اونچی جگہ رکھا جاتا ہے۔ دنیا کی چاروں طرف اپنی روشنی کو پھیلائیں گے اور دینی برکات کے لئے بطور نمونہ کے ٹھہریں گے وہ اس سلسلہ کے کامل متبعین کو ہر ایک قسم کی برکت میں دوسرے سلسلہ والوں پر غلبہ دے گا اور ہمیشہ قیامت تک ان میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کو قبولیت اور نصرت دی جائے گی ۔ ۔ ۔ ۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۸۴۹ - ۸۵۲)

یاد رکھیں!

جلسہ سالانہ کی تاریخیں ۲۴ - ۲۵ - ۲۶ - ۲۷ دسمبر مقرر ہوئی ہیں۔ ۲۴ دسمبر کو خواتینِ احمدیہ کا جلسہ ہوگا۔ امسال مکرم چوہدری منصور احمد صاحب مہتمم جلسہ مقرر ہوئے ہیں۔

(ادارہ)

مکرم میاں رحیم بخش صاحب، کراچی

کشتیٔ نوح کا ناخدا (ی)

نوٹ :۔ یہ مضمون اُس سلسلہ مضامین کی آخری کڑی ہے جو پچھلے چند سالوں میں ہر "مولانا محمد علی نمبر" میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس لئے اس موضوع کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے اس مضمون کی گذشتہ اقساط کو مدّنظر رکھنا ضروری ہے۔ (رحیم بخش)

اس مضمون کی پہلی چار اقساط حضرت مولانا محمد علی رح کی زندگی کے ان حالات پر مشتمل ہے۔ جب وہ اپنے زمانے کے مروجہ ظاہری علوم کے حصول کے بعد اپنی دنیاوی زندگی کا خوش آیند اور پُر تمنا آغاز کرنے والے تھے۔ کہ ایک مردِ مومن کی نگاہِ انتخاب نے ایسا گھائل کیا کہ دنیاوی ترقی کی بلند آرزوؤں کو لات مار کر باطنی علوم کے حصول اور خدمتِ دین کے لئے اپنی زندگی وقف کردی۔ یہ ۱۸۹۹ء کی بات ہے جب حضرت مولانا صاحب کی عمر ۲۵ برس تھی۔ سنہ ۱۸۹۹ء میں وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے اورئینٹل کالج کی ملازمت چھوڑ کر وکالت کی پریکٹس کا ارادہ کیا۔ اسوقت آپ کا نام ای۔ اے۔ سی (E-A-C) کے امتحان مقابلہ کے لئے بھی منظور ہو چکا تھا۔ وکالت کرنے کے لئے آپ نے گورداسپور کو انتخاب کیا۔ تاکہ قادیان سے قریب ہونے کی وجہ سے حضرت مرزا صاحب کی ملاقات کے مواقع بھی میسر آتے رہیں اور اُن کی تحریروں کا انگریزی ترجمہ جو آپ کر رہے تھے وہ بھی جاری رہ سکے۔ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ جو آپکی مسلسل خط و کتابت رہتی تھی اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے گورداسپور جانے سے قبل کچھ عرصہ حضرت صاحب کے پاس گزارنے کا ارادہ ظاہر کیا جو انہوں نے بہت پسند کیا اور مولانا محمد علی صاحب کو اکتوبر تک قادیان میں ہی رہنے کی دعوت دی۔ اسوقت مولانا محمد علی صاحب اپنے تمام انتظامات مکمل کر کے لاہور سے چلنے ہی والے تھے چنانچہ ۱۸ مئی ۱۸۹۹ء کو آپ قادیان پہنچے۔ اور پھر وہیں کے ہو رہے۔ غرضیکہ پچیس سال کی عمر میں جبکہ ایک زرّیں دنیاوی مستقبل مولانا کے سامنے تھا۔ انہوں نے امامِ وقت کے ارشاد پر لبیک کہتے ہوئے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا ایک زبردست عملی نمونہ پیش کیا۔ اور سب دنیاوی علائق چھوڑ چھاڑ کر حضرت صاحب کے قدموں میں جا بیٹھے اور تمام عمر کے لئے ایک درویشانہ زندگی اختیار کرلی۔ اس کے بعد حضرت مولانا محمد علی صاحب کا قادیان میں متواتر قیام اپریل ۱۹۱۴ء تک رہا۔ جب آپ قادیان چھوڑ کر لاہور آگئے اور وہاں باقی تمام عمر رہائش پذیر ہوئے۔ حضرت مولانا صاحب کا قادیان کا قیام جو قریباً پندرہ برس پر ممتد تھا تحریکِ احمدیت کا زرّیں باب تھا اور حضرت مولانا کی زندگی کا زرّیں دور تھا۔ اس مدت میں مولوی محمد علی رح نے حضرتِ اقدس کی بیعت میں دینی اور باطنی علوم میں بھرپور استفادہ حاصل کیا۔ اس تمام عرصہ میں حضرتِ اقدس کی وفات تک جو ۱۹۰۸ء میں واقع ہوئی حضرت مولانا پر حضرت اقدس کی خاص توجہ مرکوز رہی۔ حضرت مولانا نہ صرف حضرتِ اقدس کے زیرِ تربیت رہے بلکہ حضرت اقدس نے مولانا صاحب کو ایک نظرِ غائر سے مطالعہ کیا اور ہر لحاظ سے حضرت مولانا کو اپنی توقعات پر پورا پایا۔ اور اس لئے حضرت صاحب نے اپنی زندگی میں ہی اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے مولانا صاحب کا انتخاب فرمایا۔ حضرت اقدس کے کئی رؤیا اور مکاشفات بھی اسبات پر مؤید ہیں۔ کہ حضرتِ اقدس اپنی تعلیم اور اپنے مشن کی تکمیل کے لئے مولانا محمد علی صاحب کو اپنا صحیح جانشین کی حیثیت دے گئے۔ غرض حضرت مولانا محمد علی رح کا قادیان کا دورِ قیام حضرت مولانا نورالدین رح کی وفات پر ختم ہوتا ہے۔ یہ دور مولانا صاحب کی زندگی کے پندرہ سالوں پر مشتمل ہے۔ اس زمانہ کے حالات پر تفصیلاً تبصرہ پہلی چار قسطوں میں ہو چکا ہے۔ جس سے صریحاً ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور کا آغاز مولانا کی اس زبردست قربانی سے ہوا (یعنی دین کو دنیا پر مقدم کرنا) جو آپنے پچیس سال کی عمر میں اپنے دنیاوی مستقبل کو چھوڑ کر اور حضرت اقدس کے قدموں میں بیٹھ کر پیش کی اور ۲۵ سال کی عمر سے لے کر ۴۰ سال کی عمر تک اپنی جوانی کا بہترین زمانہ قادیان میں گزارا۔ ان پندرہ سالوں میں پہلے آٹھ سال حضرت صاحب کا وہ قرب اور صحبت میسر ہوئی جو کم کسی کو آئی ہوگی۔ حضرت صاحب نے نہ صرف آپ کو اپنے گھر میں جگہ دی اور اس طرح سے ان کا مسلسل جسمانی قرب آپ کو میسر آیا۔ ایسا کہ حضرت اقدس کے جسمانی اولاد و فرزندان کو بھی نصیب نہ ہوا۔ اس طرح مولانا محمد علی نے حقیقی معنوں میں حضرت صاحب سے روحانی نسبت حاصل کی اور حضرت صاحب سے آپنے دینِ اسلام کی اشاعت کا درد اور قرآن کا عشق اور اس کو دنیا میں پھیلانے کی تڑپ اپنے دل میں لی۔ اور حضرت صاحب نے بھی آپ کو وہ کام سپرد کئے جن کو آپ نے اپنے آنے کا مقصد ٹھہرایا۔ پھر حضرت صاحب سے اور مولانا نورالدین صاحب رض سے آپنے قرآن سیکھا اور اس دور کے (یعنی مولانا نورالدین صاحب کی زندگی سے وابستہ) چھ سالوں میں مولانا نورالدین رض کے منشا کے مطابق اور آپ کی زیرِ تربیت بذریعہ درس و تدریسِ قرآن۔ انگریزی ترجمۂ قرآن اور اُردو ترجمہ کے اس کام کا آغاز کیا جو حضرت صاحب کے ارشاد کے مطابق آپ کا اپنا تھا۔ یا اس کا جو آپ کی شاخ ہے۔ اور آپ میں ہی داخل ہے۔ حضرت مولانا نورالدین رض نے ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے وقت جبکہ وہ باوجود ضعف کے حالتِ نماز میں تھے وفات پائی اور ان کی وفات کے ساتھ ہی تحریکِ احمدیت کا درخشاں دور ختم ہوا اور احمدیت کا "تاریک ترین اور پُر فتن دور" شروع ہوا۔ جس کی ظلمات کے اندھیرے اب تک بڑھ رہے ہیں اور جماعتِ احمدیہ —— کے لئے باعثِ ابتلاء ہو رہے ہیں لیکن اس دور کے ایک طرف "تاریک" پہلو کے ساتھ ایک دوسرا روشن پہلو بھی نمایاں ہے۔ جس کا تعلق حضرت مولانا محمد علی کی بقایا زندگی سے وابستہ ہے۔ جس کا آغاز آپ کی لاہور کی ہجرت سے ہوا۔ حضرت مولانا نے اس عرصہ میں جو ۱۹۱۴ء سے آپ کی وفات ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۱ء پینتیس سال تک ممتد ہے دین —— کی خدمت کا وہ کارنامہ سرانجام دیا جو تاریخ —— میں بے نظیر اور بے مثل ہے۔ اس دور میں آپنے دین —— کی تائید میں اور اس کے فروغ کے لئے ایسا جہاد بالقلم ادا کیا کہ آپ کو صحیح طور پر —— مجاہدِ اعظم قرار دیا جاسکتا ہے۔ آپ کی اس خدمتِ دین کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی تصانیف کے گرانقدر ذخیرہ سے تمام دنیا متعارف ہے۔

آپ کے گراں بہا انگریزی ترجمۃ القرآن اور بیان القرآن اُردو ترجمہ کو کون نہیں جانتا۔ اور تمام دنیا اس کے ذریعہ سے دینِ اسلام کی صداقت اور اس کی خوبیوں سے روشناس ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ دین کے ہر موضوع اور مسئلہ پر آپ کی تحریرات واضح اور مدلل نگارشات پر موجود ہیں۔ آپ کی تمام تصانیف کی طویل فہرست مرتب کرنا بھی آسان کام نہیں۔

لیکن حضرت مولانا محمد علی کی خدماتِ دین کے اعتراف کے ساتھ احمدیت کے اس تاریک پہلو پر تبصرہ کی اشد ضرورت ہے۔ حضرت مولانا کی قادیان سے ہجرت کے بعد جو واقعات جماعتِ احمدیہ میں رونما ہوئے وہ نہایت المناک اور درد انگیز ہیں۔ ان واقعات کے عوامل اور وجوہات کے تجزیہ میں چند حقائق کو واشگاف کرنا ضروری ہے۔ لیکن ان کو بیان کرنے سے پہلے اسبات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ اس تجزیہ کے دوران جن تلخ حقائق کا انکشاف کیا جائے گا ان دردناک اور دلخراش واقعات کی تشریح سے کسی کی دلآزاری اور کسی شخصیت اور جماعت سے منافرت مقصود نہیں۔ بلکہ محض اظہارِ حق اور ازہاقِ باطل کی خاطر مشیتِ ایزدی کے ایسے شواہد پیش کئے جائیں گے جن کو تسلیم کرنے میں کسی کو عار نہ ہوگا۔

اسی ضمن میں حضرتِ اقدس کے الہام :۔ " وا صنع الفلك باعيننا و وحينا " کے مُضمرات کو واشگاف کیا جائے گا۔ وہ کون سی کشتی تھی جس کو اللہ تعالےٰ کے حکم سے تیار کیا گیا اور جس کو حضرتِ اقدس نے "کشتیٔ نوح" سے تعبیر کیا۔ اس مماثلت سے وہ کون سا طوفان تھا جس سے بچانے کے لئے یہ کشتی تیار کی گئی۔ وہ طوفان جو قومِ نوح کی طرح اس زمانہ میں اس شدت سے وارد ہوا کہ سوائے اس کشتی کے سواروں کے تمام دنیا اس کی لپیٹ میں آکر غرق ہو گئی۔ وہ کونسے چند اشخاص تھے جنکو یہ کشتی اپنی حفاظت میں لے کر اپنے مقام سے چل کر ایک دوسرے مقام پر ٹھکانے لگی ..... اس کشتی کا ناخدا کون تھا جسنے اُسے "جودی" کے مقام پر لنگر انداز کیا اور وہاں حضرت صاحب کے مشن کی تکمیل کی۔ ان امور کی وضاحت آئندہ کسی اشاعت میں کی جائے گی :۔

دینی و دنیاوی علوم کا منبع و مخزن ایک ہی ہے

خطبۂ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب، بمقام جامع احمدیہ، دار السلام - ۵ عثمان بلاک - نیو گارڈن ٹاؤن - لاہور۔

قل لو کان البحر مدادا لکلمٰت ربی ------- ربہ احدا ؏ (الکھف ۱۸ - آیات ۱۰۹-۱۱۰)

ترجمہ:۔ کہو کہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لئے سیاہی بن جائیں تو سمندر ختم ہو جائے گا پہلے اس سے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں اگرچہ ہم اسی جیسا (ایک اور سمندر) اس کی مدد کو لے آئیں۔ کہہ کہ میں تو تمہاری طرح انسان ہوں (ہاں) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا الٰہ صرف ایک الٰہ ہے۔ پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہے تو چاہیئے کہ وہ اچھے عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے ؞

یہ سورۃ کہف کی آخری دو آیات ہیں۔ اس سورت میں عیسائیت کی تاریخ کا ذکر فرما کر عیسائی اقوام کے متعلق پیشگوئیاں کی گئی ہیں جن میں سے اکثر چودہ سو سال کے بعد اس زمانہ میں پوری ہو کر قرآن پاک کے منجانب اللہ ہونے اور حضور محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلعم کی صداقت پر ایک ناقابلِ انکار مہر تصدیق لگا چکی ہیں۔ اور باقی کی پیشگوئیاں بھی ضرور پوری ہو کر رہیں گی کیونکہ عیسائیوں کے عروج اور اقتدار کا زمانہ ابھی ختم نہیں ہوا۔

نمونتًا چند پیشگوئیاں

اس آخری رکوع میں جس کی دو آیات میں نے پڑھی ہیں پیشگوئیاں فرمائی گئی ہیں کہ مغرب کی عیسائی اقوام اپنے دنیاوی عروج اور ترقیات کی وجہ سے دنیا کو ہی اپنا سب کچھ سمجھ لیں گی اور اُن کی ساری کوششیں دنیا کے لئے ہی ہو کر رہ جائیں گی۔ اور وہ اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کریں گے۔ لفظ آیات کا مطلب جہاں اللہ تعالےٰ کی وحیوں کا ہے وہاں اللہ تعالےٰ کی ہستی اور توحید کی اُن زبردست نشانیوں کا بھی ہے جو انہی مغربی اقوام کی سائنس کی ترقیات اور انکشافات سے روزِ روشن کی طرح ہویدا ہوئی ہیں پھر قرآنِ عظیم نے اسی رکوع میں یہ بھی پیشگوئی فرمائی ہے کہ علی الخصوص یہ عیسائی اقوام اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب یعنی قرآن کریم اور رسولِ پاک صلعم اور دوسرے رسولوں کا (جن کا ذکر خود اُن کی بائبل کے پہلے حصہ یعنی توریت میں بُرے رنگوں میں ہے) استہزاء (تمسخر) بھی اڑائیں گے۔ اس لئے ان کی دنیا پرستی، اللہ تعالیٰ اور اس کی وحیوں اور اس سے ملنے کا انکار، اور اُن کا قرآنِ پاک اور رسول اللہ صلعم اور دوسرے اللہ کے رسولوں پر استہزاء کرنے کی سزا ان کو ضرور مل کر رہے گی۔ سو سبحٰن اللہ و بحمدہٖ سبحٰن اللہ العظیم کہ یہ زبردست اور عظیم الشان پیشگوئیاں جو چودہ سو سال پہلے کی گئیں اس زمانہ میں آ کر کس صفائی سے پوری ہوئیں۔ مغربی عیسائی اقوام جو ساری دنیا پر چھا گئی تھیں (پہلے اس سے کہ انہوں نے یہ حرکتیں کیں) وہ اپنی دنیا بھر کی سلطنتیں اور اُن کے خزانے بھی کھو بیٹھیں۔ اپنی عزت بھی کھو بیٹھیں اور دو عالمگیر جنگوں میں انہوں نے وہ سزا پائی ہے کہ نسلِ انسانی کی تاریخ میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔ اور ہر آن مزید ایک یا زیادہ عالمگیر اور ہولناک جنگوں کا بھی خطرہ ہے جن میں ایٹم بموں، ہائیڈروجن بموں، نیوٹران بموں اور زہریلی گیسوں سے وہ موتاموتی اور تباہی آنے کا خطرہ ہے کہ انسانی دماغ ان کو سوچ بھی نہیں سکتا۔ اور یہ دنیا کی سزائیں آخرت کی ان سے بڑھ کر اور بدتر سزاؤں پر بطور دلیل کے ہیں۔

دنیاوی علوم کی چمکار

مگر مغربی اقوام نے جو اس زمانہ میں آ کر تمام دنیاوی علوم خصوصًا سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقیات کی ہیں اور انکشافات کئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ نہ صرف اُن کو خود ان پر ناز اور غرور ہے بلکہ باقی دنیا بھی ان ترقیات اور انکشافات کی چمک دمک سے متاثر اور مرعوب ہے۔ سو جو دو آیات میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی ہیں ان میں پہلی آیت میں فرمایا کہ اگر سمندر بھی سیاہی بن جائے تو میرے رب کی باتیں (یعنے دنیاوی عجائبات) کے لکھنے میں وہ سیاہی ختم ہو جائے گی مگر وہ ختم نہ ہوں گی۔ آخر دنیاوی علوم اور سائنس و ٹیکنالوجی کے عجائبات و انکشافات کیا ہیں سوائے اس کے کہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے جو اس کائنات میں ایک، ایک شئے بلکہ ایک ایک ذرّہ میں عجائبات رکھی ہیں اُن کا پتہ لگانے کا دوسرا نام سائنس کے انکشافات ہیں۔ اور اس کائنات میں اللہ تعالےٰ کے جو قوانین کام کر رہے ہیں اُن کا پتہ لگا کر ان سے کام لینے سے تمام سائنٹیفک اور ٹیکنالوجی کی ترقیات ہوئی ہیں۔ انسان نے تو یہ کائنات اور اس کی عجائبات پیدا نہیں کیں اور نہ وہ قوانینِ قدرت بنائے ہیں جن کا پتہ لگا کر مغربی اقوام نے سائنٹیفک اور ٹیکنالوجی کی ترقیات کی ہیں۔ اور پھر بھی انسان اللہ تعالےٰ کے بنائے ہوئے دنیاوی قوانین سے بال برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتا ورنہ وہی سائنس کی عجائبات تباہ و برباد ہو کر ڈھیر ہو جاتی ہیں بلکہ انسان کو بھی تباہ کر ڈالتی ہیں۔

دنیاوی علوم سکھانے والا کون ہے؟

اور پھر یہ دنیاوی علوم انسان کے دماغ میں کس طرح آئے؟ انسانی دماغ تو اس گائے بھینس کے دماغ کی طرح ہے جو لوگ کھاتے ہیں۔ اس دماغ میں جو کہ ایک مادی شئے ہے وہ زبردست خیالات کس نے پیدا کئے ہیں جن کی وجہ سے تمام دنیاوی علوم کی ترقی ہوئی ہے؟ وہ خیالات تو غیر مادی ہوتے ہیں اور وہ پہلے تو انسان کے دماغ میں نہ تھے، اور نہ انسان ماں کے پیٹ سے لیکر انہیں پیدا ہوتا ہے۔ اس عقدہ کو کہ یہ خیالات جن سے تمام علوم اور عجائبات پر سے پردہ اُٹھا انسان کے اس حیوانی دماغ میں کس طرح آئے یا آتے ہیں، خود سائنس نہیں حل کر سکتی۔ مگر اللہ تعالےٰ کی اس کامل و اکمل کتاب نے جس کا نام قرآنِ حکیم ہے یہ عقدہ کھولا ہے۔

انسان کے دنیا میں خلیفہ بنائے جانے کے فیصلہ کے بعد (البقرۃ ۲ - آیت ۳۰) اللہ تعالےٰ کی حکمت نے انسان کو تمام علوم سکھائے جیسا کہ فرمایا:۔ وعلّم اٰدم الاسماء کلّھا (البقرۃ ۲ - ۳۱) جس کے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ خُدا نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ اب یہ اللہ تعالےٰ کے شایانِ شان نہیں کہ اس نے آدم کو (جس سے مراد نسلِ آدم ہے جیسا کہ قرآنِ کریم نے آگے بتایا ہے) ایک طفلِ مکتب کی طرح یہ سکھایا کہ دیکھو بیٹا الف سے آم اور ب سے بکری ہوتی ہے۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو آگے فرشتوں نے جو تمام اشیاء کے انچارج ہیں کیوں کہا کہ سبحٰنک لا علم لنا الا ما علمتنا کہ ہمیں تو وہ علم نہیں جو تُو نے آدم کو سکھایا ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جو تُو نے ہم کو سکھایا۔ تو فرشتے جو ہر چیز کے انچارج ہیں انہیں ان چیزوں کے نام تک کا علم نہ تھا؟ حالانکہ نام تو ابتدائی ترین علم ہے جو کسی چیز کے انچارج کو ملنا چاہیئے تھا۔

نہیں۔ بلکہ اسماء (ناموں) سے مراد تمام علوم اور سائنسز SCiENCES ہیں جو ہمیشہ اپنے ناموں سے پکاری جاتی ہیں مثلاً فزکس۔ کیمسٹری۔ بیالوجی، الجبرا، جیومیٹری، باٹنی۔ جغرافیہ تاریخ، ریاضی وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے ہر نام اس خاص علم کے بحرِ بیکراں کے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں مترادف ہوتا ہے۔ تو جب انسانی بول چال میں یہ تمام علوم اپنے ناموں سے پکارے جاتے ہیں تو قرآنِ پاک میں ان ناموں سے ان علوم کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندروں کی بجائے الف سے آم اور ب سے بکری کا سبق سمجھنا نہ تو قرآنِ حکیم کے شایانِ شان ہے نہ اللہ تبارک و تعالےٰ کے۔ تو اللہ تعالےٰ کی جو تمام چیزوں کا خالق ہے۔ وہی ان چیزوں کے ظاہری و باطنی خواص، اُن کی ماہیت اور اُن کی پیدائش کے مقاصد کا صحیح اور کامل علم رکھتا ہے۔ جیسا کہ اس علم دینے والے ذکر کے رکوع (۴) سے

پہلے رکوع کو ختم فرمایا تھا اس آیت پر کہ ھو الّذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا ق ثمّ استوٰی الی السّماء فسوّٰھنّ سبع سمٰوٰت و ھو بکلّ شیءٍ علیم ہ (البقرۃ ۲ - ۲۹)

اس سے پہلی آیت میں انسان کی اس زمین میں پیدائش اور پھر مرکر اور نئی زندگی پاکر اللہ تعالےٰ کی طرف لوٹنے کا ذکر فرما کر اب کہا کہ وہی تو اللہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین میں جو کچھ ہے وہ پیدا کیا پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو اسے سات مکمل آسمان بنائے۔ اور وہی تمام چیزوں کا علم رکھنے والا ہے۔ یعنے اللہ تعالےٰ نے انسان کی زمینی زندگی کے لئے زمین میں تمام چیزیں بنائیں اور پھر انسان کی آسمانی زندگی اور ترقیات کے لئے سات آسمان بنائے۔ اور چاہے زمین کی تمام مخلوقات ہوں یا سات آسمانوں کی اُن کا علم تو ان تمام زمین و آسمانی عالموں کے خالق و مالک کو ہی ہو سکتا ہے۔ اور انسان جس کے لئے زمین و سات آسمان بنے ہیں وہ کس راہ پر چل کر مقصدِ حیات کو اسی زمینی زندگی میں پا سکتا ہے۔ اور مرنے کے بعد اگلے سات آسمانوں میں کس طرح ترقیات کر سکتا ہے۔ اس اہم علم کو بھی وہی حکیم و علیم جان سکتا ہے جس نے انسان کی زمینی زندگی اور مرنے کے بعد آسمانوں کی زندگیاں بنائی ہیں۔

دنیاوی علوم اللہ نے سکھائے

تو جب دنیاوی علوم کا منبع و مخزن اللہ تعالےٰ ہے تو ظاہر ہے کہ اُس سے ہی انسان کو وہ ملے اس عقلی بات کی تائید میں ایک آیتِ قرآنی تو میں اوپر بتا آیا ہوں کہ وہ علّم اٰدم الاسماء کلّھا۔ ایک اور آیتِ مبارکہ بھی سن لیجئے اور وہ رسول اللہ صلعم پر نازل ہونے والی پہلی وحی میں ہے کہ :۔ اقرأ و ربک الاکرم ہ الّذی علّم بالقلم ہ علّم الانسان ما لم یعلم ہ یعنے "پڑھ اور تیرا رب تو بہت بخشش کرنے والا ہے جس نے انسان کو قلم سے علم دیا۔ انسان کو وہ علم دیا جو وہ پہلے نہیں جانتا تھا" (العلق ۹۶۔ آیات ۳ تا ۵)

اب علم دینے کی مندرجہ بالا دو آیات کو ملا کر پڑھیئے تو علم دینے کے دو طریق بتائے ہیں۔ اوّل تو براہِ راست اللہ تعالےٰ سے علم پانا اور دوم پڑھنے اور لکھنے سے (اقرأ۔ پڑھ اور علّم بالقلم اُس نے انسان کو قلم کے استعمال سے علم دیا) اللہ تعالےٰ کا علم کو پڑھانا، محفوظ کرنا اور فروغ دینا سو پہلا طریق یعنے اللہ تعالےٰ سے براہِ راست علم کا وہ ہے جو سورۃ الشوریٰ کی آیت ۵۱ میں مذکور ہے جہاں اللہ تعالےٰ کے انسان سے کلام کرنے کے تین طریق بتائے ہیں (۱) وحی یا اشارۂ سریع یعنے قلبِ انسانی میں ایک جلدی سے گذر جانے والا اشارہ۔ اسے القاء فی الرّوع یعنے دل میں ایک بات کا ڈالا جانا بھی کہا گیا ہے۔ (۲) رویائے صادقہ اور کشوف (۳) فرشتہ کا آنا اور اللہ تعالیٰ کی وحیٔ متلو کو رسول تک پہنچانا۔

سو پہلا طریق عام ہے۔ اور اس میں قلب میں اشارہ یا دل میں خیال کا ڈالا جانا وہ طریق ہے جس سے نہ صرف دنیاوی علوم انسان کو دئے جاتے ہیں بلکہ وہ باطنی علوم بھی دیئے جاتے ہیں جو کہ وحیٔ خفی کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ سو اگر آپ تمام سائینسدانوں کے حالات کو پڑھیں تو ایک بات ہر نئے انکشاف (DISCOVERY) میں پائی جاتی ہے کہ سائینس دان یا علم کے متلاشی کے دل میں ایک خیال اچانک آتا ہے جو کہ کبھی ایک روشنی کی چمکار کی طرح بھی پیدا ہوتا ہے (FLASH OF LIGHT)۔ یہاں سے تمام دُنیاوی علوم یا کسی علم کے ایک مسئلہ پر علم دیا جانے کی ابتداء شروع ہوتی ہے۔ جب وہ سائینس دان اس خیال پر مزید غور اور تجسس کرتا ہے تو اس کی مزید باطنی طور پر راہنمائی ہوتی ہے کیونکہ اس کے مادی دماغ میں جو گائے بھینس کے دماغ کی طرح ہے ان غیر مادی خیالات کے پیدا ہونے اور اُن کے ذریعہ انسان کی رہنمائی کی اور کوئی توجیہہ ہو ہی نہیں سکتی۔

اور جب انسان خدا کے پیدا کردہ خیالات کو لکھنے بیٹھتا ہے تو مزید خیالات انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں جو کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوتا ہے کیونکہ انسان کے مادی دماغ میں غیر مادی خیالات خود بخود پیدا نہیں ہو سکتے۔ اور نہ وہ خیالات انسان کے اپنے دماغ میں پہلے ہوتے ہیں ؛

مغربی اقوام کے علوم

تو مغربی اقوام جن کو اپنے دنیاوی علوم کے انکشافات اور ترقیات پر بہت ناز اور غرور ہے انہیں اس پہلی آیتِ مبارکہ میں جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی تھی فرمایا کہ تم کیوں یہ غرور اور تکبر کرتے ہو کیونکہ دنیاوی علوم کو بھی دینے والا اللہ تعالےٰ ہے۔ اس کی توجیہہ جو میں نے اس سے قبل کی ہے اس پر مغربی اقوام غور کریں تو ان کا تمام تکبر جس میں آکر انہوں نے اپنے آپ کو خدا سمجھ لیا ایک بلبلہ کی طرح بیٹھ جائے۔ اس آیت میں یہ بھی فرمایا کہ تم تھوڑے سے علم پر جو تم کو ملا ہے (وما اوتیتم من العلم الّا قلیلا) اترانے ہو حالانکہ میرے رب کے علوم تو ختم نہیں ہونگے خواہ سمندر اُن کے لئے بطورِ سیاہی استعمال کیا جائے۔ ابھی تک بھی جو علوم کی ترقی ہوئی ہے اُس پر جو لکھا گیا یا چھاپا گیا ہے وہ بھی اس قدر ہے کہ سمندر بطورِ سیاہی اُن کے لئے ناکافی ہوتا مگر اب بھی حالت یہ ہے کہ دن بدن نئے انکشافات ہو رہے ہیں جن سے پچھلے نظریئے اور خیالات طفلانہ یعنے بچگانہ بلکہ ناقص ثابت ہو رہے ہیں مثلاً بیسویں صدی سے پہلے انیسویں صدی میں علم کی صرف ایک شاخ یعنے فزکس (PHYSICS) میں جو علم تھا وہ جا کر ایٹم پر ختم ہو جاتا تھا (اسی ناقص علم پر انیسویں صدی کی مادہ پرستی اور دہریت کی بنیاد تھی) مگر بیسویں صدی میں آن کر ایٹم جو چھوٹا تو اس کے اندر ایک نیا عالم اور نئے علوم کا لا انتہاء سمندر نظر آیا۔ سبحٰن اللہ و بحمدہٖ سبحٰن اللہ العظیم۔ آج سے چودہ سو سال پہلے ایک اُمّی (صلعم) کو بھی کیا علم دیا گیا کہ دنیاوی علوم کو دینے والا بھی اللہ تعالےٰ ہے، اور قلم کا زمانہ آرہا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علوم کی ترقی اور اشاعت ہوگی (خصوصًا مغرب کی عیسائی اقوام کے ذریعہ) مگر دنیاوی علوم پر غرور و تکبر کرنا (جو یہ قومیں کرینگیں) غلطی بلکہ گمراہی ہے۔

ایک چھوٹا سا نکتہ اور سن لیجئے۔ سائنس کی موجودہ حیرت انگیز ترقیات کی ابتداء سر آئزک نیوٹن کے بنیادی انکشافات سے ہوئی۔ جب وہ عظیم الشان شخص فوت ہونے لگا تو بسترِ مرگ کے پاس جو لوگ موجود تھے انہوں نے سر آئزک نیوٹن کے عظیم الشان انکشافات کا ذکر شروع کیا تو اس رجلِ عظیم نے کہا کہ:۔ "میں تو اپنے آپ کو ایک بچہ کی طرح پاتا ہوں جس نے سمندر کے کنارے کھیلتے ہوئے چند گھونگھے اکٹھے کر لئے۔ جبکہ علم کا اتھاہ سمندر سارا اُس کے آگے پڑا ہے"۔ اُس نے بھی وہی سمندر کا استعارہ اختیار کیا جو قرآنِ حکیم نے استعمال فرمایا ہے۔

علومِ باطنی

جو دو آیاتِ مبارکہ میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی تھیں اُن میں سے پہلی دنیاوی علوم سے متعلق تھی۔ دوسری باطنی علوم سے متعلق ہے۔ فرمایا:۔

قل انّما انا بشرٌ مثلکم یوحیٰ الیّ انّما الٰھکم الٰہٌ واحدٌ ط فمن کان یرجوا لقاء ربّہٖ فلیعمل عملًا صالحًا و لا یشرک بعبادۃ ربّہٖ احدًا ہ

یعنے کہو میں صرف تمہاری طرح بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا الٰہ ایک الٰہ ہے پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے تو چاہیئے کہ وہ اچھے عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

اس میں پہلی بات یہ فرمائی کہ ان مغربی (عیسائی) اقوام کو کہو کہ میں تو تمہاری طرح ایک انسان ہوں مجھے وہ علم کہاں سے تھا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اگر وحیٔ الٰہی آکر اسے نہ دیتی۔ تم سارے انسان باوجود اپنے حیرت انگیز علمی انکشافات کے یہ انکشاف نہ کر سکے کہ انسان کا مقصدِ پیدائش کیا ہے؟ مغربی اقوام کو دیکھ لیجئے کہ ان کی زندگی کا مقصد کھانا پینا اور جنسی خواہش (SEX) کو پورا کرنا ہو گیا ہے اس سے اعلےٰ مقصد یہ نہ معلوم کر سکے۔ حالانکہ ان اقوام کے حیرت انگیز علمی انکشافات نے جہاں یہ معلوم کر لیا ہے کہ یہ تمام کائنات ایک حیرت انگیز عجائبات کا مجموعہ ہے۔ وہاں یہ بھی انہوں نے پا لیا ہے کہ یہ حیرت انگیز کائنات انسان کی خدمت کے لئے بنی ہے۔ (جیسا کہ قرآنِ حکیم نے چودہ سو سال پہلے بتا دیا تھا کہ سخّر لکم ما فی السّمٰوٰت و ما فی الارض جمیعًا منہ یعنے آسمانوں اور زمین

میں جو کچھ بھی ہے وہ تمہارے لئے مسخر کیا گیا ہے) مگر مغربی اقوام یہ نہیں سوچتیں کہ یہ عظیم الشان اور حیرت انگیز عجائبات سے پُر کائنات صرف اسی لئے بنی ہے کہ انسان اپنی چندروزہ زندگی اس میں کھا پی کر اور اپنی جنسی خواہش کو پورا کر کے ایک کتے کی طرح مر کر ختم ہو جائے؟

دوسری فاش غلطی ان عیسائی اقوام نے یہ کھائی ہے کہ ایک کی جگہ تین خدا بنا ڈالے۔ اور اگرچہ تثلیث کا عقیدہ کسی علمی یا عقلی دلیل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا یہ اقوام جو اس قدر علم میں ترقیات کر گئی ہیں اور اپنے آپ کو اتنا عقلمند سمجھتی ہیں انہوں نے کبھی اپنے علم یا عقل کو مذہب کے بارے میں استعمال نہیں کیا۔ اور لطف یہ کہ ان کے علمی انکشافات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ تمام کائنات ایک ہے اور اس کا خالق و مالک بھی ایک ہے ؛

تو مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں فرمایا کہ انسان باوجود اپنی علمی ترقیات کے اپنے مقصد پیدائش کو نہ معلوم کر سکا۔ اور شرک جو کسی علمی دلیل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا اس میں تمام انسان مبتلا ہو گئے تھے کہ وحی الٰہی نے آن کر محمد رسول اللہ صلعم پر کھول کر انسان کا مقصد پیدائش کیا ہے اور وہ ایک ہے۔

الٰہ کے معنی

جیسا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ نے کئی جگہ لکھا ہے لفظ الٰہ کے معنی ہیں معبود (یعنی وہ جس کی عاجزی سے فرمانبرداری کی جائے) محبوب (فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق اور محسن اعظم جان کر محبت سے کی جائے ورنہ اس کا کما حقہٗ فائدہ نہیں ہوتا) اور مقصود یا مطلوب (یعنی انسان کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈے اور پائے)۔ تو الٰھکم الٰہ واحد کے تین الفاظ نے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی توحید کو اپنے کامل رنگ میں دنیا میں قائم کیا جبکہ تمام دنیا جس میں مغرب کے عالم و فاضل لوگ بھی شامل ہیں شرک جیسی خطرناک غلطی میں مبتلا ہیں بلکہ ان بابرکت الفاظ نے انسان کو اس کی زندگی کا مقصد بھی بتایا یعنے اللہ تعالیٰ کو پانا کہ اس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ مقصد اور انسان کی اخلاقی و روحانی ترقی کی انتہاء نہیں ہو سکتی۔ اگلے الفاظ فمن کان یرجوا لقاء ربہ (پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی یعنے اس تک پہنچنے کی امید رکھتا ہے) بھی لفظ الٰہ کے آخری معنی کو دوبارہ تاکیداً لاتے ہیں کہ انسان کی پیدائش اور زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کو پانا ہے۔ اس مضمون پر میں پہلے کئی دفعہ لکھ چکا ہوں اور قرآن حکیم اور حدیث سے اس اعلیٰ ترین مقصد پیدائش انسان کو واضح کر چکا ہوں۔

اس مقصد پیدائش کو پانے کے لئے پہلی ضرورت فرمائی فلیعمل عملاً صالحاً (پس چاہیئے کہ وہ اچھے عمل کرے) عیسائی اقوام جنہوں نے FAITH یعنے حضرت مسیحؑ کے کفارہ پر ایمان لانے کو کافی سمجھا اور نیک عمل کو ضروری نہیں سمجھا ان کی اصلاح فرمائی کہ عمل صالح اصل چیز ہے۔ وہ ایمان ہی کیا ہے جس سے عمل صالح نہ پیدا ہو۔ ایمان لا کر تو انسان اپنا مقصد حیات متعین کرتا ہے۔ اور عمل صالح ہیں جو اس مقصد تک انسان کو پہنچاتے ہیں۔ والعمل الصالح یرفعہ (فاطر ۳۵-۱۰) وہ عمل صالح ہے جو انسان کو بلند کرتا ہوا اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے۔

اور دوسری بات فرمائی ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً عبادت کے ذریعہ سے انسان اللہ تعالیٰ سے تعلق کو نہ صرف قائم کرتا ہے بلکہ اس کو دن بدن بڑھاتا ہے۔ اور یوں وہ اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔

تو یہ زبردست باطنی علم جس کے بغیر انسان کی زندگی رائیگاں جاتی ہے اور وہ قعر مذلت میں گر کر جہنم واصل ہو جاتا ہے یہ علم بھی اللہ تعالیٰ نے ہی دیا ہے۔ اور اس کے سوا اور کون دے سکتا ہے کیونکہ اسی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور وہی جانتا ہے کہ کس مقصد کے لئے اُسے پیدا کیا ہے اور کس راستہ پر چل کر وہ اس مقصدِ اعلیٰ کو پا سکتا ہے۔ الغرض دنیوی و دینی علم کا ماخذ و منبع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ؛

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

* *

جلسہ سالانہ ۱۹۸۱ء

۲۴ر ۲۵ر ۲۶ر اور ۲۷ر دسمبر ۱۹۸۱ء کو منعقد ہوگا۔

۲۴ر دسمبر کو خواتینِ احمدیہ کا جلسہ ہوگا اور نمائش دستکاری ہوگی ؛

گذشتہ جلسہ سالانہ پر ۵۵ افرادِ جماعت بیرونِ پاکستان سے تشریف لائے تھے۔ امسال بھی توقع ہے کہ بیرونِ ملک کی جماعتوں کے نمائندے شاملِ جلسہ ہو کر رونق بڑھائیں گے۔ جزائر فجی سے صدر جماعت مسٹر غلام نبی دین صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ نے آنے کی اطلاع دی ہے، اور کشمیر سے چار پانچ سربرآوردہ احباب کے آنے کی خبر آئی ہے۔ ضرورت ہے کہ اندرونِ ملک کی جماعتیں بھی ابھی سے اس بابرکت اجتماع میں شمولیت کا پروگرام بنائیں اور ہر جماعت کے صدر و سیکرٹری صاحبان زیادہ سے زیادہ تعداد میں افرادِ جماعت کو شاملِ اجلاس ہونے کیلئے تیار کریں اور مجھے اطلاع دیں تاکہ اُن کی تعداد کے مطابق اُن کی رہائش اور دیگر سہولتوں کا بندوبست ہو سکے۔ یہ درست ہے کہ ہر سال آپ لوگ سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے سردی کے یخ بستہ موسم میں امامِ وقت کی خوشنودی کے لئے لاہور آتے ہیں اور ہم اپنے محدود وسائل کے پیشِ نظر اتنی خدمت نہیں کر سکتے جتنی کرنی چاہیئے لیکن آپ کا مقصد بلند اور ارفع ہوتا ہے اور آپ ہماری فروگذاشتوں کو درخورِ اعتنا نہ سمجھتے ہوئے آپ آئندہ سال پھر جوق در جوق تشریف لاتے ہیں، ہم آپ کے اس جذبۂ خلوص اور دین کے لئے لگن کی جتنی بھی قدر کریں کم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دین و دنیا میں کامیاب و بامراد کرے۔ آمین !

اِمسال جلسۂ سالانہ

کے اہتمام کی ذمہ داری انجمن نے مجھے سونپی ہے لہٰذا مستدعی ہوں کہ اس اجتماع کو کامیاب بنانے کے لئے مجھ سے تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ احمدی خواتین سے استدعا ہے کہ وہ دستکاری کے لئے ابھی سے کام شروع کر دیں۔ ہر جماعت کے صدر و سیکرٹری صاحبان سے درخواست ہے کہ وہ ہر اجتماع میں جلسہ کی اہمیت سے ہر فرد جماعت کو مسلسل توجہ دلاتے رہیں ؛

والسلام

مہتمم جلسہ سالانہ چوہدری منصور احمد
دارالسلام۔ ۵ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن۔ لاہور

محترم فخر الدین احمد صاحب۔ راولپنڈی

مولوی محمد علی صاحب

" مولوی محمد علی صاحب کو رؤیا میں دیکھا آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ "

(رؤیا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مطبوعہ بدر جلد ۳ نمبر ۲۹)

سیر گاہست گلشنِ علم و عمل صبح و مسا
از حقائق وز معارف گل بداماں کردہ (حسن مرحوم)

حضرت بانیٔ سلسلہ کے مندرجہ بالا رؤیا میں حضرت مولانا مرحوم کی پاکباز زندگی کی جھلک دکھائی دیتی ہے حضرت مجدد صدی چہاردہم نے آپ کی صالحیت اور نیک نیتی پر شہادت دی ہے۔ اپنی ابتدائی کتابوں میں حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ جس وقت مامور کی بعثت ہوتی ہے تو سعید اور صالح روحوں میں ہلچل پیدا ہو جاتی ہے اور وہ داعی الی اللہ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ نیکوکار بندے میرے پاس کھنچے چلے آئیں گے۔

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ کے والد بزرگوار حافظ فتح دین مرحوم اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے اور اپنی نیکوکاری۔ راست بازی اور بے شمار خوبیوں کی وجہ سے بہت نیک نام تھے۔ قرآن پاک کے حافظ ہونے کے علاوہ فارسی کے بڑے عالم تھے۔ انہیں قرآن کریم سے بے حد محبت تھی۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہتے تھے انہوں نے اپنے مکان کے ساتھ مسجد بنوائی ہوئی تھی خود امامت کراتے اور رمضان المبارک میں نماز تراویح بھی پڑھایا کرتے تھے۔ اپنے حسنِ اخلاق۔ ایمان داری اور دیانتداری کے باعث گرد و نواح میں بھی اُن کی اچھی شہرت تھی۔ وہ صرف حافظ قرآن اور امام مسجد ہی نہ تھے۔ بلکہ ریاست کی حکومت نے انہیں نمبرداری اور ذیلداری کے اہم منصب بھی سونپ رکھے تھے۔ نمبرداروں اور ذیلداروں کا دائرہ کار امور سلطنت میں اہمیت کا اندازہ زمیندار طبقہ بھی لگا سکتا ہے۔ ذیلداری بہت بڑا اعزاز تھا اب تو حکومت نے یہ منصب ختم کر دیئے ہیں مگر جب یہ عہدے موجود تھے تو انہیں حکام اور عوام کی نگاہ میں نہایت عزت سے دیکھا جاتا تھا۔

حافظ فتح الدین صاحب کے گھر میں دینی چرچا رہا کرتا تھا۔ اسی دینی ماحول میں حضرت مولانا محمد علی نے آنکھ کھولی اور پرورش پائی۔ اپنی قبولِ احمدیت کی سرگذشت میں آپ نے بیان کیا ہے۔

" یہ والد مرحوم کا ہی اثر تھا کہ ہم دونوں بھائیوں نے (حضرت امیر مرحوم اور حضرت مولانا عزیز بخش مرحوم) جب سے ہوش سنبھالا نماز کے ساتھ ایسا شغف تھا کہ کپورتھلہ میں طالب علمی کے زمانہ میں پانچ وقت مسجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کرتے تھے" اس سرگذشت کے سننے کے بعد حضرت بانیٔ سلسلہ کے ان ارشادات پر بھی غور فرما لیجئے ۔

" اگرچہ یہ درست ہے کہ ان کی فطرت میں پہلے ہی سے ایک مادہ رشد اور سعادت کا مخفی تھا مگر وہ کھلے طور پر ظاہر نہیں ہوا جب تک انہوں نے بیعت نہیں کی۔" (حقیقۃ الوحی)

حضرت اقدس کے اپنے قلم سے یہ اس رؤیا کی تعبیر ہے جو اس مضمون کا عنوان ہے۔ حضرت اقدس کا مولانا کو پاس بٹھانا اور ان کے بیعت ہونے کے بعد حضرت کے گھر میں قیام ہے۔ اس دنیا میں تو حضرت اقدس کا یہ رؤیا صحیح ثابت ہوا اور انشاء اللہ دوسرے جہان میں بھی صحیح نکلے گا۔ ایک اور موقعہ پر حضرت اقدس فرماتے ہیں ۔

" مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالےٰ کی راہ میں ترقی کرے گا اور یقین ہے کہ وہ خدا کے فضل سے تقوےٰ اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھلائے گا جو ہمجنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین۔ ثم آمین۔"

خدا نے اپنے مامور کی آرزو پوری کر دی اور حضرت مولنٰنا سے خدمتِ دین کا بہت بڑا کام لیا۔ ان کی خدماتِ دینیہ کا غیراز جماعت اصحاب نے بھی اعتراف کیا ہے۔ بطور نمونہ ایک دو آراء ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

" کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولنٰنا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں۔ ان کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریکِ احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے۔" (محمد مارماڈیوک پکتھال)

" لاہور کی جماعت کے امیر مولنٰنا محمد علی صاحب نے اسلام اور قرآن مجید کی خدمت کی ہے اس سے کون واقف نہیں۔ سب سے زیادہ میں اُن کی انگریزی تالیف ریلیجن آف اسلام سے متاثر ہوا۔۔۔ میں اس کتاب کو مولانا کا ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک بہترین تحفہ اور ناواقفانِ مذہب اسلام کے لئے نہایت با اثر پیام تصور کرتا ہوں۔" (نواب بہادر یار جنگ)

آپ کی وفات پر جو بے شمار تعزیتی مکتوب آئے ان میں سے چند ایک کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

" مرحوم کی خدماتِ اسلامی کا انکار کرنا دن کی روشنی میں آفتاب کے وجود سے انکار کرنا ہے۔ آج سے ۴۱ سال قبل جب میں انگریزیت کے پھیلائے ہوئے زہر الحاد میں غرق تھا مرحوم کے انگریزی ترجمۂ قرآن نے ہی دستگیری کی ورنہ خدا معلوم کتنی اور مدت میں بھٹکتا رہتا اور میری طرح خدا معلوم اور کتنوں کے حق میں وہ شمع ہدایت ثابت ہوا ہو گا۔" (مولنٰنا عبدالماجد دریاآبادی)

" اسلام کے لئے آپ کی مساعی کے مسلم اور غیر مسلم دونوں معترف ہیں اور یہ چیز اُن کے علم و فضل کی ابدی یادگار رہے گی۔ ہم نے ان کی وفات سے ایک ایسا انسان کھو دیا جس کی نظیر پاکستان کے نام نہاد علماء میں کہیں نہیں ملتی۔" (شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتا)

حضرت مولنٰنا کی تصانیف عام فہم۔ حشو و زوائد سے مبرا۔ دلنشیں اور مدلل اسلوب کی حامل ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں بڑے بڑے مقرر ہوئے ہیں جو کئی کئی گھنٹے مسلسل تقریر کیا کرتے تھے ان کے مقابل مولنٰنا کا خطاب قَلَّ وَ دَلَّ والی بات تھی۔ ان کی تقاریر اور خطبات میں کوئی فقرہ بلا ضرورت نہ ہوتا تھا۔ ان کی پینتالیس منٹ یا ایک گھنٹہ کی تقریر یا خطبہ علم و عرفان کا سمندر ہوتا تھا۔ بر عکس دوسرے مقرر حضرات کے جن کی چار پانچ گھنٹے کی تقریر اور خطبات میں تکرار ہوتی تھی۔ وہ سامعین کی اکتاہٹ دور کرنے کے لئے لطائف و ظرائف بلا تکلف استعمال کرتے تھے جن دنوں حضرت مولنٰنا نے احمدیہ بلڈنگس کی مسجد میں درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا اس میں لاہور کے تعلیم یافتہ طبقہ کا ایک حصہ باقاعدگی سے شریک ہوتا تھا۔ اس طبقہ کو آج کی زبان میں دانشور کہا جاتا ہے۔ احمدی احباب سے کہیں زیادہ غیر احمدی شرکت کرتے۔ مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر "زمیندار"، جو اس درس میں شرکت کیا کرتے تھے ۵ اپریل ۱۹۱۵ء کی اشاعت میں لکھتے ہیں ۔

" جناب مولوی محمد علی صاحب ایم اے ان عزیز الوجود بندگوں میں سے ہیں جن کی عالمانہ زندگی کا کوئی لمحہ خدمتِ اسلام سے خالی نہیں رہتا۔ روزانہ قرآن کریم کا درس دیتے ہیں اور ہر آیت کی تفسیر میں حقائق و معارف کے دریا بہا دیتے ہیں۔ حال ہی میں اس درس کے اہم اقتباسات انہوں نے خود ہی قلمبند کر کے شائع فرمائے ہیں۔ اور اس خوبی کی تفسیر ہے کہ شاید اردو زبان کا خزانہ ایسے تابناک جواہر ریزے بڑی مشکلوں سے بھی نہ نکال سکے ۔"

قرآنِ کریم سے محبت کرنا تو حضرت مولنٰنا نے حضرت صاحب سے سیکھا مگر خدمتِ اسلام میں بھی آپ پیچھے نہیں رہے۔ ۱۹۰۹ء میں کلکتہ میں بڑے پیمانے پر ایک مذاہب کانفرنس منعقد ہوئی۔ حضرت مولنٰنا نورالدین صاحب جو اس وقت جماعت کے سربراہ تھے کے ارشاد پر مولنٰنا مرحوم نے

انگریزی میں ایک لیکچر تیار کیا جس کو حسنِ بیان خواجہ کمال الدین نے کانفرنس میں پڑھا۔ اسلام پر تین پرچے پڑھے گئے پہلا مرزا ابوالفضل صاحب کا دوسرا مولوی خدا بخش صاحب اور تیسرا حضرت مولنٰا کا حضرت بانیٔ سلسلہ کا علمِ کلام مولنٰا کا قلم اور خواجہ صاحب کی زبان لیکچر کے دوران بار بار چیرز سے داد دی جاتی رہی مضمون ختم ہوتے ہی تمام ڈیلیگیٹوں اور سامعین کی کثیر تعداد نے حضرت مولنٰا کو جو وہاں موجود تھے اور خواجہ صاحب کو مبارکباد دی۔ ایک یورپین ڈیلیگیٹ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ مولنٰا آپ نے تو عیسائی مذہب کا خاتمہ ہی کر دیا۔

الٰہ آباد میں سنہ ۱۹۱۱ء میں ایک جلسہ مذاہب ہوا جس میں حضرت مولنٰا اور خواجہ کمال الدین صاحب کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ حضرت مولنٰا ترجمہ انگریزی اور دیگر اہم دینی مصروفیتوں کیوجہ سے خود تو الٰہ آباد نہ جا سکے البتہ اپنا لیکچر تیار کر کے بھیجا۔ خواجہ صاحب کا لیکچر ۹ رجنوری کو ہوا۔ دوسرے دن حضرت مولنٰا کا مضمون پڑھا گیا کہ کس طرح حقیقی اور سچا مذہب اسلام ہے۔ جو فطرتِ انسانی کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور اس دین نے کس طرح خدا کی نعمت کو بنی نوع انسان کے لئے کامل کیا۔ خدا کے فضل سے حضرت مولانا کے مضمون کو چوٹی کا مضمون قرار دیا گیا۔

حضرت مولنٰا نے وہ جلیل القدر خدماتِ دینیہ سرانجام دی ہیں جن کی قدر و منزلت اہلِ وطن تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اقوامِ متحدہ کے ہیڈ کوارٹرز میں بھی اس کا شہرہ پہنچا۔ جن دنوں قائدِ ملت لیاقت علیخان وزیر اعظم پاکستان ریاستہائے متحدہ امریکہ کا دورہ کر رہے تھے (سنہ ۱۹۵۱ء) تو انہیں مسٹر ولیم جو مجلس اقوامِ متحدہ کے نیو یارک ہیڈ کوارٹر میں امورِ مذہبی کے سیکرٹری تھے یہ تار ملا۔

"میں آپ کے توسط سے پاکستان کے عوام پر اس بات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اس کام کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جو آپ کے وطن کے مولوی محمد علی رح اور احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام انگریزی زبان میں اسلام کی دینی کتب کی اشاعت سے کر رہے ہیں۔ پاکستان اور امریکہ میں افہام تفہیم کے لئے۔ آپ لاہور کے ان عالی فکر اصحاب کو ترغیب دلائیں کہ وہ ایک شاخ نیو یارک شہر میں مرکز اقوامِ متحدہ میں کھولیں۔ یہ شاخ آپ کے (یعنی پاکستان کے) خواہ اقوامِ متحدہ کا ایک حصہ ہو یا خود مختار ہو اس سے انہیں بین الاقوامی پریس۔ ریڈیو ویڈیو اور دیگر سہولتیں میسّر آسکتی ہیں۔" (پیغام صلح ۱۴؍ ۲؍۵۱)

بات تو یہ ہے کہ:۔

زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا + اور کافر یہ سمجھتا ہے کہ مسلماں ہوں میں۔

بہت سے احباب کو شاید علم نہ ہو کہ مسیحی مشنری حلقوں میں مولانا کی شخصیت کی عظمت مسلّمہ تھی۔ چند دنوں مولانا یعقوب خان صاحب ووکنگ میں مبلغ تھے ان کے پاس ایک پاکستانی عیسائی آیا جو اپنے آپ کو مشنری کام کے لئے وقف کر چکا تھا۔ اسے روما کے مشہور مشنری ٹریننگ کالج نے ڈاکٹر آف ڈیونیٹی کی ڈگری کے لئے "مولانا محمد علی" پر ریسرچ کرنے کا THESIS دیا تھا۔ وہ نوجوان روما سے ووکنگ اس ریسرچ کے لئے گیا تھا۔

افسوس ہم نے حضرت مولانا کی نصائح کو پسِ پشت ڈال دیا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں جو کارنامے سرانجام دیئے ہیں وہ تو جریدۂ عالم پر ثبت ہیں اور ان کا اجر یقیناً انہیں اس جہان میں مل رہا ہوگا۔ ہمیں چاہیئے تھا کہ ان کی وفات کے بعد ان کے ارشادات پر عمل کرتے۔ مضمون ختم کرنے سے پہلے ان کے کچھ ارشادات آپ کو یاد دلاتا ہوں۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے نفسوں کا محاسبہ کریں کہ ہم نے کہاں تک ان نصائح پر عمل کیا ہے اور نہیں کیا کرنا چاہیئے۔ مولنٰا کی یاد میں اخبارات سلسلہ خاص نمبر بھی نکالتے رہے ہیں اور جلسے بھی منعقد کرتے رہے ہیں مگر سوال یہ ہے کیا ہم حضرت مولانا کے ارادوں کو آگے بڑھا سکے ہیں؟ کیا ہم نے مسائل حاضرہ پر قرآن کریم سے کوئی حل پیش کیا ہے مغرب کے پیاسے لوگوں کو ـــــ چشمہ رواں سے کہاں تک سیراب کیا؟ ہم نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ اس سے مختلف ہے جس پر حضرت بانیٔ سلسلہ کے اس شاگرد نے ہمیں ڈالا تھا۔ ہم نے اس ادارے کو جس کی بنیاد جمہوری اصولوں پر رکھی گئی تھی ایک حد تک محدود کر دیا ہے۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ جماعت میں وہ ولولہ اور جوش نہیں رہا جو ایک عوامی جماعت میں ہوا کرتا ہے۔

سنیئے مولانا فرماتے ہیں:۔

"آپ ایک مصلح (حضرت ـــــ) کے جانشین بن کر کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ نے دنیا میں خدا کے نام کو پھیلانا اپنے ذمہ لیا ہے۔ کیا ہم سب نے اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچایا ہے جو علیکم انفسکم کا تقاضا ہے کیا ہم نے دوسروں کی عیب چینی اور دوسروں کو گرانے کی فکر چھوڑ کر اپنی ساری توجہ کو اپنے آپ کو زیادہ مفید بنانے پر لگا دیا ہے۔ اور اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ دوسرے ہمارے نمونہ سے اچھا سبق لیں۔"

(خطبہ جمعہ ۵ مارچ ۴۸ء)

"بعض لوگ ذرا ذرا سی بات پر بگڑ جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ جب تک دوسرا شخص معافی نہ مانگے اس سے تعلق نہیں رکھنا چاہیئے۔ یہ صحیح طریق نہیں۔ قرآن نے اس سے منع کیا ہے۔ حضرت اقدس نے اس سے روکا ہے اور فرمایا بھائیوں کو معاف کرنے میں ہی نظامِ جماعت چل سکتا ہے۔ مقابلے کی طاقت دشمن کے لئے رکھو اور جھکنے کی طاقت اپنے بھائیوں کے لئے۔ کام کرنے والوں کی نیکی کو اوپر رکھنا چاہیئے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ہم لوگ خود بڑی بڑی غلطیاں کرتے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے مگر جو بڑے بڑے عظیم الشان کام کرنے والے ہیں ان سے اگر ذرا سی لغزش بھی دیکھتے ہیں تو ان کے خلاف زبانیں کھل جاتی ہیں۔"

(خطبہ جمعہ ۱۶ اپریل ۴۸ء)

"ہم بھی ایک امانت کے ذمہ دار ہیں۔ بحیثیت جماعت ہمارے سپرد وہ امانت ہے جو اس زمانے کے مجدد نے ہمیں دی۔ وہ کیا ہے؟ ـــــ آپ لکھتے ہیں کہ اس غرض کے لئے پانچ قسم کا کام میں نے کرنا ہے۔ یہ پانچ شاخیں جو آپ نے بتائی ہیں ان میں اہم کام پہلا اور آخری ہے پہلی شاخ تصنیف و تالیف ہے اور آخری کام جماعت کو بنانا ہے۔ درمیان میں جو کام ہیں وہ انہی دونوں شاخوں میں آجاتے ہیں۔ ٹریکٹوں اور اشتہارات کی شاخ تصنیف و تالیف میں آجاتی ہے۔ اور مہمان خانہ جماعت کے بنانے سے تعلق رکھتا ہے۔ تو فی الحقیقت دو بڑے کام آپ نے کئے ہیں ایک تصنیف و تالیف کے ذریعے خدا کے دین کو پھیلانا اور ایک جماعت کو بنانا۔ جماعت بمنزلہ فوج کے ہے اور تصنیف و تالیف بمنزلہ ہتھیار کے یہ دو ذرائع دراصل دین کو زندہ رکھنے کے لئے ہیں۔" (خطبہ جمعہ ۲۱ جنوری ۱۹۴۹ء)

جیسا کہ حضرت مولنٰا مرحوم نے فرمایا حضرت بانیٔ سلسلہ نے دو اہم کام جماعت کے سامنے رکھے تھے ایک دینِ اسلام کی تعلیم کو پھیلانا اور دوسرے جماعت بندی۔ سلسلہ احمدیہ کے مشاہیر جیسے حضرت مولانا محمد علی۔ حضرت خواجہ کمال الدین اور حضرت شیخ عبدالرحمان مصری مرحومین اور حضرت امیرِ قوم مولنٰا صدر الدین نے حضرت اقدس کی تصنیفات کو پڑھ کر ہی اس نور اور معرفت کو پایا جس کو انہوں نے آگے پھیلایا۔ حضرت خواجہ کمال الدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ مغرب میں تبلیغ ـــــ کے دوران مسیحی مشنری اور دہریے اور مادہ پرست جو اعتراضات ـــــ کرتے ہیں ان کے جوابات میں حضرت اقدس ـــــ کی تصنیفات میں موجود پاتا ہوں حضرت اقدس کے علم کلام سے نابلد رہنا بدنصیبی ہے۔ اس لئے ہمیں ضرورت ہے کہ ہم حضرت اقدس کی کتابوں اور ملفوظات کا مطالعہ کریں۔ حضرت اقدس کے شاگرد ولی تھے بے شک علم و عرفان کے چراغ روشن کئے مگر ان چراغوں میں تیل تو اس امام ربانی کا علم کلام تھا۔ چراغ روشن کرنے کے لئے تیل کی ضرورت ہے اس لئے ہمیں اس کے لئے حضرتِ اقدس کی کتابوں کو کثرت سے مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اس تیل کے بغیر ہم چراغ روشن نہیں رکھ سکتے۔ حضرت کی تحریرات کی برکت سے ان کی زندگی میں جماعت لاکھوں تک پہنچ گئی تھی اور اس میں اتحاد اور یکجہتی تھی۔ جماعت سازی کے لئے بھی حضرت بانیٔ سلسلہ کی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے، تاکہ ہم حضرت اقدس کی تعلیم سے آگاہ ہو سکیں اور اپنے نفوس کی اصلاح کر سکیں۔ خدمتِ دین کے لئے یہ دونوں امور ضروری ہیں۔

وما توفیقی الا باللہ

* * *

جانی دشمنوں کو دوست بنانے کا کارگر قرآنی نسخہ

جماعتی اتحاد میں نفسانی جذبات سدِ راہ بن جاتے ہیں

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب بتاریخ ۹ اکتوبر ۱۹۸۱ء۔ بمقام مسجد مبارک، راولپنڈی

تشہد و تعوذ کے بعد:۔ ومن احسن قولاً .... انه هو السمیع العلیم ه ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینك و بینه عداوة كانه ولی حمیم ومایلقها الا الذین صبروا وما یلقها الا ذو حظ عظیم ۔ (حٰم السجدة ۳۴-۳۶)

یہ آیات قرآنی جو میں نے تلاوت کی ہیں سورۃ حٰم السجدہ کی ہیں۔ ان کا ترجمہ یہ ہے:۔

"اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور اچھے کام کرتا ہے اور کہتا ہے میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ اور نیکی اور بدی ہرگز برابر نہیں مگر بدی کو بہت اچھے طریق سے دور کر۔ پھر تو دیکھے گا کہ وہ شخص کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی ہے گویا وہ دلسوز دوست بن جائے گا اور یہ (خصلت) انہی کو دی جاتی ہے جو بہت بڑے صبر کے مالک اور جو بڑے نصیب والے ہیں۔ اور اگر شیطان کی طرف سے تجھے بری بات پہنچے تو اللہ کی پناہ مانگ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔"

قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام ہے اس کا دعویٰ ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے لئے رحمت اور شفا ہے اور ایمان والوں کو بلند سے بلند مقامات تک پہنچاتا ہے۔ ان آیات میں بھی نیکی کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ انسان کو خدا کا قرب دلاتی ہے۔ دوسرے انسانوں سے حسنِ سلوک اور صحیح معنوں میں محبت کرنا سکھلاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں نیکی سے مراد حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہے۔ عباد الرحمٰن کسی کی حق تلفی نہیں کرتے۔ عجز و انکساری سے زندگی بسر کرتے ہیں ان میں تکبر اور غرور نہیں ہوتا۔ وہ کسی کو بلا وجہ دکھ نہیں دیتے اور ہمیشہ دکھ اور سکھ۔ رنج و راحت میں خدا کی رضا کے طالب رہتے ہیں جزع فزع نہیں کرتے۔ وہ اگر دوستوں سے تلطف کرتے ہیں تو دشمنوں سے بھی حسنِ سلوک کرتے ہیں۔

مذہب کا مقصد

اگر تاریخ مذاہب کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی مرسل اور مامور آئے انہوں نے لوگوں کو نیکی کی تعلیم دی۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد بجا لانے کی تلقین کی اور خدا تعالیٰ کی پسندیدگی اور خوشنودی کی راہوں پر چلنے کی نصیحت کی بلکہ اپنے عمل اور کردار سے ان کے سامنے نمونہ پیش کیا۔ جوں جوں قومی انبیاء اور مرسلوں کی وفات پر سال گزرتے گئے بعد میں آنے والوں نے اس تعلیم کو فراموش کر دیا اور اپنی من پسند اور خود تراشیدہ طریقوں پر چلنا شروع کر دیا۔ ورنہ خدائے واحد و یگانہ نے تو اپنے بندوں کی فلاح کے لئے ایک ہی پیغام دیا تھا۔

خدا کے مامور ایک ہی مشن لے کر آئے۔

ابو الانبیاء حضرت ابراہیمؑ توحید کے علمبردار تھے۔ ان کی اولادوں میں شرک پھیل گیا۔ دنیا میں خدا کا پہلا گھر جس کو حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے اسماعیلؑ نے اس وادی غیر ذی زرع میں توحید کی روشنی کا مینار بنایا تھا صنم کدہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ مشرکین عرب کو الزام دیتا ہے کہ جس ابراہیمؑ کو تم اپنا جدّ اعلیٰ تسلیم کرتے ہو اس کا مذہب توحید تھا۔ اب تم کیوں کر مشرک بن گئے ہو۔ اسی شرک کی ظلمت کو مٹانے اور خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے کے لئے حضرت محمد مصطفیٰ صلعم مبعوث ہوئے۔ اور جس کامیابی سے آپ نے اپنے مشن کو پورا کیا اس کے اپنے و بیگانے معترف ہیں۔ آنحضرت صلعم کے وصال کے بعد بھی آپ کی امت فروعی مسائل میں الجھ گئی تیمم۔ وضو۔ حلال و حرام۔ رفع یدین۔ فاتحہ خلف امام الغرض بیسیوں ایسے فروعی اختلاف اس حد تک بڑھ گئے کہ تکفیر و تفسیق کا بازار گرم ہو گیا اور ملت واحدہ فرقہ پرستی کا شکار ہو گئی۔ مقام حیرت ہے کہ خدا کے پاک کلام میں اتحاد تنظیم اور ایمان پر زور دیا گیا تھا مگر وہ سبق بھلا چکے تھے اسلام پر ہر ملک اور ہر خطے میں ادبار اور زوال نظر آتا تھا۔

قرآن کریم کی جن آیات مبارکہ کی میں نے اس خطبہ کی ابتدا میں تلاوت کی تھی ان میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ دعوت الی الخیر سے بڑھ کر کوئی پسندیدہ امر نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ کام وہی خوش نصیب سرانجام دے سکتے ہیں جو اپنے نمونہ سے اس نور ایمان کو ثابت کر سکیں جس کی طرف وہ دوسروں کو بلاتے ہیں۔ ایسے لوگ خدا کے احکام پر عمل کرنے والے ہوتے ہیں۔ خدا کی اطاعت اور نافرمانی برابر نہیں ہو سکتے۔

داعیانِ الی الخیر برے کاموں سے روکتے ہیں اور مستقل مزاجی سے مصروفِ عمل رہتے ہیں خیر کے مقابل پر شر ہے مگر خدا کے یہ بندے شر کا نہایت عمدگی اور احسن طریقہ سے تدارک کرتے ہیں۔ یہ مخالفوں کے ہاتھوں دکھ اٹھاتے ہیں مگر انہیں سکھ پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت صاحب نے فرمایا ہے:۔

گالیاں سن کے دعا دو پا کے دکھ آرام دو
وہ اگر پھیلائیں بدبو تم بنو مشکِ تتار

مضمون نگار احباب کی خدمت میں درخواست ہے کہ

موجودہ مسائل پر قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں مضامین لکھیں۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تاریخ اور احادیث اور حضرت بانی سلسلہ کی صداقت پر بالکل جدید اور سائنٹیفک اسلوب میں مضامین تحریر فرمائیں اور بھیجیں ان کے مضامین نہایت شکریہ کے ساتھ شائع کئے جائیں گے۔

حضرت صاحب لاہور میں قیام فرما تھے۔ ان دنوں مقامی جماعت دہلی دروازہ کے باہر نمازیں ادا کرتی تھی۔ آپ کی مجلس میں ایک شخص آیا اور بے تحاشا آپ کو گالیاں دیتا چلا گیا۔ آپ سر جھکائے خاموشی سے سنتے رہے اور اپنے مریدوں کو بھی اس کو روکنے سے منع کر دیا۔ کچھ دیر وہ تو دشنام دہی کرتا رہا پھر خود بخود تھک کر رک گیا۔ حضرت نے سر اٹھایا اور کہا بھائی کچھ اور بھی کہنا ہو تو کہہ لو۔ اس جملے پر وہ اپنے کئے پر نادم ہوا۔

ـــ آج غیر تو کجا ہم اپنے بھائیوں کی بات سننے کے روادار نہیں۔ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت نہیں۔ معمولی معمولی باتوں پر ہم ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں اور ناراضگی کا یہ بیج بڑھتے بڑھتے درخت بن جاتا ہے۔ اگر آپ کو دنیا میں دعوت الی الخیر کرنا ہے تو اپنے دلوں میں وسعت پیدا کرو۔ دیکھو رحمت للعالمین نے مکہ میں تیرہ سال کیا کیا دکھ نہیں اٹھائے کیا کیا مصیبتیں نہیں جھیلیں۔ آپ کے ساتھیوں پر عرصہ حیات تنگ کیا گیا ان پر ہر ایک جور و جفا روا رکھا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کیا گیا۔ ان کو گھروں سے نکالا گیا۔ مدینے میں پناہ لینے پر بھی مشرکین کا غیظ و غضب کم نہیں ہوا۔ وہ مدینے پر بار بار چڑھائی کرتے رہے۔ وہ آنحضرت صلعم اور اُن کے ساتھیوں کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنا چاہتے تھے مگر جس کا حامی ہو خدا اُسے مٹا سکتا ہے کون؛

فتح مُبین

مدینہ میں مسلمانوں کے قیام کا چھٹا سال تھا کہ آنحضرت صلعم نے چودہ سو جاں نثاروں کو ساتھ لے کر ایک رؤیا کی بناء پر حج بیت اللہ کا ارادہ کیا۔ مشرکین مکہ کو آپ کے عزم کا علم ہو گیا۔ انہوں نے مزاحمت کرنی چاہی۔ مسلمان حج کی نیت سے آئے تھے اور غیر مسلح تھے مگر مشرکین مکہ کو یہ بھی گوارا نہ تھا۔ سلامتی اور امن کا شہزادہ خونریزی کو پسند نہیں کرتا تھا۔ حدیبیہ کے مقام پر قریش مکہ اور مسلمانوں میں ایک عہد نامہ لکھا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی جیسے صحابی ان کمزور شرائط پر صلح کرنے سے کبیدہ خاطر تھے اور ان شرائط کو اہلِ اسلام کے لئے ذلت آمیز تصور کرتے تھے مگر آنحضرت صلعم نے اس معاہدہ کو قرآنی الفاظ میں فتح مُبین قرار دیا۔ یہ اسی صلح حدیبیہ کا ہی نتیجہ تھا کہ عکرمہ ابن ابوجہل جو آنحضرت صلعم کے خون کا پیاسا تھا آپ کا فدائی بن گیا اور فتح مکہ میں لا تثریب علیکم الیوم کا عام معافی کا چارٹر بن گیا۔

سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل اختیار کرو۔

ہمارے امام ہمام نے بھی ہمیں تلقین کی ہے کہ اپنے دلوں کو صاف رکھو۔ اس میں اپنے بھائیوں کے لئے کینہ اور بغض پیدا نہ ہونے دو۔ دلوں کے حلیم بن جاؤ۔ میں آپ کو حضرت امام کی تلقین یاد دلاتا ہوں جو آپ نے "کشتی نوح" میں بیان کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"پس تم سیدھے ہو جاؤ اور صاف ہو جاؤ اور پاک ہو جاؤ اور کھرے ہو جاؤ اور اگر ایک ذرّہ تیرگی تم میں باقی ہے تو وہ تمہاری ساری روشنی کو دُور کر دے گی اور اگر تمہارے کسی پہلو میں تکبر ہے یا ریا ہے یا خود پسندی ہے یا کسل ہے تو تم ایسی چیز نہیں ہو جو قبول کے لائق ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تم صرف چند باتوں کو لے کر اپنے تئیں دھوکا دو کہ جو کچھ ہم نے کرنا تھا کر لیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔ تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل کرو تا کہ تم بخشے جاؤ۔ ۔ ۔ ۔ تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر خدا تم سے راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔"

آیئے ہم آج پھر اس عہد کی تجدید کریں اور اپنی نفسانیت کو خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے ذبح کر دیں۔ یاد رکھئے شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اس کا حملہ بڑا باریک ہوتا ہے۔ دلوں میں وسوسے وہی پیدا کرتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ شیطان کے مکروفریب سے ہوشیار رہو۔ میں نے جو آیات تلاوت کی ہیں ان میں سے ایک آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کی طرف سے جب بھی کوئی حملہ ہو یا وہ شر پھیلانے کا باعث ہو تو استغفار کرنا چاہیئے۔ اور اس سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ خدا کے فضل کے بغیر ہم کوئی بھی مقصدِ عظیم حاصل نہیں کر سکتے۔ سلسلہ احمدیہ میں داخل کرتے وقت بانئ سلسلہ احمدیہ مبائعین سے جن دس شرائط بیعت کی پابندی کا اقرار لیا کرتے تھے ان میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔

"بیعت کنندہ سچے دل سے اس بات کا عہد کرے کہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا۔"

اگر آپ امام الزماں کے مشن کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو حضرت کے فرمودات کو حرزِ جان بنانا ہوگا اور اس پر پوری کوشش سے عمل کرنا ہوگا۔ وگرنہ محض یہ کہنا کہ ہم آپ کی جماعت میں داخل ہیں نرا دعوے ہی رہے گا۔

اخبارِ احمدیہ

- ۱۔ حضرت امیر قوم مولنا صدر الدین ایدہ اللہ تعالیٰ خیریت سے ہیں۔ احبابِ سلسلہ جماعت کے اس بزرگ ترین وجود کی صحت و عافیت کیلئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔
- ۱۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں مدظلہ العالی، جماعت ملتان کی دعوت پر ملتان تشریف لے گئے۔ مکرم مرزا محمد لطیف شاہد بھی آپ کے ساتھ گئے۔ جماعت کے شب بیدار بزرگوں سے خصوصی درخواست ہے کہ وہ اس چراغِ احمدیت اور نمونۂ خلقِ رسولِ امین کی صحت و درازئ عمر کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور سر بسجود رہیں۔
- محترم عبدالرزاق صاحب بمبئی مکرم مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری کو یہ افسوسناک اطلاع دیتے ہیں کہ:۔ "میرے سمدھی جناب غلام محمد صاحب بچو اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کے باعث انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بڑے ملنسار، خوش اطوار، سوشل ورکر اور ہر دلعزیز تھے۔ بڑے مخیّر اور دوسروں کیلئے قربانی کرنے والے تھے۔ جب میرا کاروبار بند ہوا تو ایک دن چپکے سے آکر میری بیوی کو بلینک چیک دے گئے کہ جتنے پیسوں کی ضرورت ہو نکلوا لیں۔ نفسا نفسی کے اس دور میں ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں۔ مرحوم نے اپنے پیچھے کافی کنبہ سوگوار چھوڑا ہے۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں مدظلہ العالی سے درخواست ہے کہ وہ جمعہ کے روز میرے اس غمگسار اور ہمدرد بھائی کا جنازہ غائبانہ پڑھائیں۔ اور دُعا فرمائیں۔ کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔"
- احبابِ سلسلہ سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

دعوت الی اللہ اس جماعت کا کام ہے۔

اگر کسی نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جس طرح اور انجمنیں ہوتی ہیں ویسے ہی یہ بھی ایک انجمن ہے۔ تو یہ صحیح نہیں۔ آپ کی جماعت کو ایک مامور نے کھڑا کیا اور خدا کے حکم سے کھڑا کیا۔ اس جماعت کا کام ہے ؛۔

"ادعوا الی اللہ"

خدا کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ اپنے لیکچروں کے ذریعہ سے بلاؤ۔ اپنے اخبارات کے ذریعہ سے بلاؤ۔ اپنی تصنیفات کے ذریعہ سے بلاؤ۔ مگر تمہارا بلانا خدا تعالیٰ کی خاطر ہو۔ پہلے تمہارے اپنے دلوں میں یقین ہونا چاہیئے۔ کہ خدا ہے اور اس قدر یقین ہونا چاہیے کہ دوسروں تک پہنچانے کی تڑپ دل کے اندر پیدا ہو جائے۔ اسلام اس لئے نہیں آیا کہ کسی ایک ملک تک محدود رہے۔ یہ مذہب تمام دنیا میں پھیلنے کے لئے آیا ہے۔ آہستہ آہستہ تمام دنیا کو اٹھاؤ اور اسلام کی طرف لانے کی کوشش کرو۔

مکرم ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب پی۔ایچ۔ڈی۔ لاہور

ایک غلط فہمی کا ضروری ازالہ۔

معلومات جرمنی

وفاقی جمہوریہ جرمنی کا ایک مشہور اردو ادبی سیاسی اور معاشرتی رسالہ ہے جسے جرمن سفارتخانہ خورشید پرنٹنگ پریس اسلام آباد سے شائع کرتا ہے۔

جون ۱۹۷۷ء کے شمارہ نمبر ۶ میں "جرمن میں اسلام" کے عنوان سے صفحہ نمبر ۴، ۵، ۶ پر یہ مضمون ملاحظہ ہو۔ اس مضمون میں عمداً وفاقی جمہوریہ جرمنی کے اس رسالہ میں ایک غلط مضمون شائع ہوا ہے لکھا ہے شاہ ولیم اول کے دور یعنی ۱۷۳۱ء میں مسلمان محافظ خدمات سر انجام دے رہے تھے۔ تاہم ایک منظم اقلیت کی حیثیت سے مسلمان برلن میں پہلی مرتبہ ۱۹۲۴ء میں سامنے آئے۔ یہ وہ وقت تھا جب برلن میں رہنے والے مسلمانوں نے ایک مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ مسجد ۱۹۲۶ء میں تعمیر ہوئی اور اسے اب تک جرمنی میں اسلامی طرز تعمیر کی حیثیت حاصل ہے۔ ۱۹۳۸ء میں برلن کے اسلامی مرکز نے قرآن پاک کا جرمن زبان میں ترجمہ شائع کیا۔ یہ ترجمہ علماء نے کیا تھا برلن کی مسجد میں کئی مسلمان عالموں نے مذہبی درس دیئے ہیں ان عالموں میں ڈاکٹر نظیر الاسلام و ڈاکٹر ایس ایم عبداللہ سید محمد امین الحسینی جو بعد میں مؤتمر عالم اسلامی کی کانگریس کے صدر رہے اور پہلے جرمن نژاد مسلمان عالم محمد امان ہوبوہم شامل ہیں۔" رسالہ کے صفحہ ۵ پر برلن کی مشہور مسجد کا فوٹو بھی دیا ہوا ہے۔ جس کے ساتھ ایک مشن ہاؤس اور ایک خوبصورت باغ بھی ہے۔ مشن ہاؤس میں برلن مسجد کے امام صاحب بھی رہتے ہیں اور مشن کا باقاعدہ دفتر بھی موجود ہے۔

بعینہ یہی مضمون انہی الفاظ میں نوائے وقت راولپنڈی مؤرخہ ۶ جنوری ۱۹۷۷ء کو شائع ہوا لیکن مندرجہ کوائف اور واقعات، درست نہیں۔ برلن مسجد کی تعمیر اور اس کے کام سے جرمن گورنمنٹ باقاعدہ طور پر آگاہ ہے اور کئی مرتبہ جرمن حکومت کی طرف سے اس مشہور مسجد کے متعلق نوٹ لکھا گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "معلومات جرمنی" کے شمارہ نمبر ۶ میں جنوری ۱۹۷۶ء میں اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ایسا ہوا ہے ورنہ ایسی غلطی نہیں لگ سکتی۔ واقعات دراصل مختصر طور پر یوں ہیں:۔

برلن مسجد پہلی جنگ عظیم کے بعد برلن میں احمدیہ انجمن اشاعت ——— لاہور کی قومی قربانیوں اور چندے سے ۱۹۲۴ء میں حضرت مولانا صدر الدین موجودہ امیر جماعت احمدیہ لاہور کے زیر نگرانی تعمیر ہوئی۔ حضرت مولانا اس کے پہلے امام تھے انہوں نے اپنی کوشش سے اور انجمن کی رقم سے اس زمین پر مسجد بنوائی اس وقت کے بعض سیاسی دوستوں نے مخالفت بھی کی لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ اس مسجد اور مشن کو بہت کامیابی حاصل رہی کیونکہ اس دور میں تمام جرمنی میں صرف یہی ایک باقاعدہ جرمن مسجد تھی اور اس کا انتظام صدر احمدیہ انجمن لاہور کے ہاتھ میں تھا۔ یہ مسجد ایک رسالہ بھی باقاعدہ طور پر شائع کرتی تھی اس رسالہ کا نام MUSLIM REVU تھا

اس زمانہ میں برلن میں چند ہندوستانی سیاسی دوست موجود تھے جنہیں برٹش گورنمنٹ نے سیاسی وجوہات کی بنا پر ملک بدر کیا ہوا تھا

یہ مسجد واقعی ۱۹۲۴ء میں مکمل ہوئی۔ ۱۹۲۴ء سے کر اب تک لاہور کی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے قبضہ اور کنٹرول میں ہے۔ اور ان کا باقاعدہ تبلیغی مشن ہے۔ اس مسجد کے پہلے امام حضرت مولانا صدر الدین موجودہ امیر جماعت لاہور تھے۔ ——— جناب ڈاکٹر حمید مارکوس ایک جرمن فلاسفر نے اس مسجد اور مشن کی بہت خدمت کی۔ بیرن عمر ایرن فلز آسٹریا کے مشہور عالم کا بھی اس مشن سے تعلق تھا۔ مولانا صدر الدین صاحب ۱۹۳۶ء میں دوبارہ برلن اس غرض کے لئے گئے کہ وہ وہاں کچھ عرصہ رہ کر خود جرمن ترجمۃ القرآن اپنی نگرانی میں چھپوائیں۔ چنانچہ حضرت مولانا صاحب کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے اس کام کے لئے دوبارہ ۱۹۳۶ء میں بھیجا اور یہ کام ایک باقاعدہ بورڈ کی نگرانی میں طبع ہوا۔

۱۹۳۶ء میں اس مسجد کے باقاعدہ امام حضرت ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ مرحوم تھے جنہیں لاہور کے مرکز نے مقرر کیا ہوا تھا۔ اسی دوران ۱۹۳۷ء میں قبلہ ڈاکٹر عبداللہ مرحوم حج خانہ کعبہ کے لئے گئے اور وہاں سے چھ ماہ کی رخصت پر بوفیلی لاہور وغیرہ چلے گئے۔ اور حضرت مولانا صدر الدین ترجمہ کا کام مکمل کر کے اس کے پروف اور چھپائی کا کام میرے سپرد کر کے واپس لاہور تشریف لے آئے۔

اس عرصہ میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے خصوصاً حضرت امیر مولانا محمد علیؒ نے خاص طور پر مجھے ہدایت کی کہ میں ڈاکٹر عبداللہ صاحب مرحوم کی غیر حاضری میں آنریری طور پر امام اور مشنری کا کام سنبھال لوں چنانچہ مولانا صدر الدین صاحب اور ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب مرحوم کی غیر حاضری میں میں برلن مشن اور قرآن شریف کے جرمن ترجمہ کے پرنٹنگ کا میں انچارج تھا۔ دوستوں کی اطلاع کے لئے لکھتا ہوں کہ میں ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۹ء تک اپنی ڈاکٹریٹ کے سلسلہ میں جرمنی میں موجود تھا۔ مجھے جرمن گورنمنٹ نے چار سال کے لئے وظیفہ دیا تھا۔ اس وقت میں سری نگر میں پروفیسر تھا۔ چنانچہ حضرت امیر مرحوم کی خواہش کے احترام میں میں نے بطور امام برلن مشن یہ تمام کام سنبھال لیا۔ اور جب ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب مرحوم رخصت سے واپس لوٹے تو میں واپس اپنی یونیورسٹی میں چلا گیا اور ۱۹۳۹ء میں اپنی ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے کر واپس کشمیر پہنچ گیا۔ اس ذاتی ذکر کی ضرورت اس لئے پیش آئی تاکہ دوستوں کو علم ہو کہ جو کچھ میں مسجد کے بارے میں عرض کر رہا ہوں وہ بالکل عینی شہادت ہے۔

پہلی مرتبہ حضرت مولانا صدر الدین کی وطن واپسی پر مولوی عبدالمجید صاحب آف ووکنگ اور مسٹر درانی صاحب اور مرحوم ڈاکٹر مرزا عزیز الرحمان اور خان عبدالعزیز خان صاحب آف زیدہ اور ان کے بعد مسٹر محمد امان ہوبوہم امام رہے جنہیں وقتاً فوقتاً احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے امام مقرر کیا اور اسی سلسلہ میں جناب محمد یحیٰی بٹ بھی انجمن کے ملازم اور مشنری ہوئے۔

اس تمام عرصہ میں حضرت مولانا صدر الدین صاحب سے لے کر مسٹر ہوبوہم تک برلن مسجد میں طلباء اور طالبات (جن میں زیادہ تعداد ترکوں کی ہوتی تھی) یہ وہ ترک فیملیاں ہیں جو پہلی عالمی جنگ کے بعد جرمنی میں بس گئیں اور جرمن شہریت اختیار کر لی گئی۔ ان کے بچے جو جرمن سکولوں میں بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور جرمن زبان اپنی مادری زبان کی طرح بلکہ بہتر جانتے ہیں وہ بچے اتوار یا چھٹی والے دن دینی ——— تعلیم کے لئے وقف کرتے تھے ان طلباء کا تمام انتظام ہمارا اپنا مشن کرتا تھا اور مسجد کا امام (جو بھی ہو) ان کو خود عربی اور دینی تعلیم دیتا تھا اس کے علاوہ ایک آدھ بوڑھے لوگوں کی کلاس بھی ہوتی تھی۔ چنانچہ میرے اپنے تجربے کی بات ہے کہ میرے زمانہ میں کم از کم دس بارہ ترک طالب علم مسجد میں اتوار کو تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ مجھ سے قبل یہ کلاس ڈاکٹر شیخ عبداللہ صاحب مرحوم سے پڑھتی تھی۔ حضرت مولانا صدر الدین صاحب نے خود میری کلاس کئی مرتبہ دیکھی جو میں اچھے موسم میں لیا کرتا تھا۔ ان ترک طلباء و طالبات کے والدین مسجد کی خدمت کرتے تھے۔ جب مسجد میں عید اور کوئی تہوار ہو تو یہ لوگ بلا معاوضہ ہر قسم کی خدمت کرتے تھے۔ ہمارے ساتھ ہی نمازیں ادا کرتے تھے۔ رمضان شریف میں تراویح پڑھائی جاتی تھی یہ سب انتظامات مستقل امام صاحبان نے کئے ہوئے تھے اور لاہور کا مرکز اس سے پورے طور پر آگاہ تھا۔

نوٹ:۔

اس سلسلہ میں اگر انجمن ضروری سمجھے تو وفاقی جمہوریہ جرمنی کے سفیر کی توجہ مبذول کرائی جائے کہ ان کے رسالہ "معلومات جرمنی" میں یہ غلط فہمی پیدا کی جا رہی ہے۔

اے حب جاہ والو یہ رہنے کی جا نہیں   اس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں

از:۔ مکرم عبدالحمید صاحب۔ سانگلہ ہل

عاشق و معشوق

ان الّذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت سیجعل لھم الرّحمٰن ودّا ٥

یقیناً ایمان والے اور عمل صالح کرنے والوں محبت (اللہ کی صفت رحمانیت کے تقاضے میں) بھر دی جاتی ہے:

آنحضرت صلعم پر ایمان لانے والے لوگ (صحابہ کرامؓ) آپ پر عاشق تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ اہل مکہ کی طرف سے گفتگو کرنے آئے اس نے صحابہ کرام کا والہانہ عشق اور جذبۂ تعظیم و تکریم جو دیکھا تو واپس جا کر اپنی قوم کو بتایا کہ "مجھے تمام بادشاہوں کے درباروں میں وفد کا رکن بن کر جانے کا اتفاق ہوا ہے لیکن وہ اخلاص و محبت اور وہ تعظیم و تکریم جو محمد رسول اللہ صلعم کے دوستوں کے دلوں میں محمد رسول اللہ صلعم کے لئے ہے وہ کسی بادشاہ کے لئے ان کے درباریوں کے دلوں میں نہیں دیکھی گئی۔

حضرت خبیبؓ قیدی ہوئے ابوسفیان نے کہا کہ بہتر ہوتا جو تیری جگہ محمدؐ قیدی ہوتا اور قتل کیا جاتا اور تو اپنے اہل و عیال میں بسر کر رہا ہوتا" خبیبؓ نے کہا حضورؐ کے قتل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ان کو تو کانٹا چبھنا بھی میری برداشت سے باہر ہے ابوسفیان نے متاثر ہو کر کہا۔ مارأیتُ من الناس احداً یحب احداً کما یحب اصحاب محمدٍ محمداً کہیں نے کسی کو کسی سے ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا جیسے محمدؐ کے صحابہؓ ان سے محبت اور عشق کرتے ہیں۔

اسی طرح آنحضرتؐ کو بھی اپنے صحابہ کرامؓ سے اسی طرح پیار تھا حضرت ابوبکرؓ کو تسلی دیتے ہیں لاتحزن ان اللّٰہ معنا۔ حضرت عمرؓ حج کو رخصت ہونے کی اجازت طلب کرتے ہیں تو آنحضور صلعم فرماتے ہیں۔ یا اخانا لا تنسانا من دعائک۔ کہ اے میرے بھائی مجھے اپنی دعاؤں میں مت بھول جانا۔ حضرت عمرؓ اپنے آقا سے یہ فقرہ سن کر وجد میں آ گئے فرمانے لگے فقال کلمۃ لا یسرنی ان لی بھا الدنیا یعنی حضور پاک نے وہ بات کہی کہ اگر ساری دنیا مجھے مل جائے تو مجھے اتنی خوشی نصیب نہ ہو۔ حضرت سعد فوت ہوئے تو فرمایا اھتز عرش الرحمٰن لموت سعدٍ کہ رحمٰن کا عرش بھی سعد کی موت پر ہل گیا (کانپ اٹھا) آپ کے ساتھیوں نے والہانہ عشق کیا اور آپ بھی پیر و کاروں سے وہی اخلاص اور محبت کا نمونہ دکھلایا۔ اسی محبت اور عشق کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد علیؒ اور حضرت مرزا صاحب کے بارے میں کچھ عرض کروں گا۔

حضرت اقدس کی محبت اور مقناطیسی کشش نے جو حضرت مولانا محمد علیؒ کو اپنی طرف راغب کیا تو یہ محبت بڑھتی ہی چلی گئی۔ حضرت ہیں کہ رات دن آپ کے لئے دعائیں فرما رہے ہیں آپ کے آرام کا فکر دامنگیر ہے۔ اور مولانا صاحب ہیں کہ ہر دم قدموں میں پڑا رہنے کی آرزو ہے۔

* مصیبت کی برداشت کے لئے صبر اور نماز کا سہارا پکڑو۔

حضرت مولوی صاحب کا ایک خط ملاحظہ فرمادیں۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سیدی و مولائی

السّلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ

حضور نے کل ظہر کے وقت جو ارشاد فرمایا تھا کہ اس خاکسار کو بھی چاہیئے کہ مستقل طور پر اب یہاں ہی رہائش اختیار کرے اس کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔ جب مئی گذشتہ میں اس لمبے قیام کی اجازت لے کر حاضر خدمت اقدس ہوا تھا تو اسوقت میرے دل میں سوائے اس کے اور کوئی ارادہ نہ تھا اور اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے کہ شاید اس لمبے قیام کے اثناء میں کوئی ایسی سبیل نکل آئے کہ دنیا کے سب دھندوں سے الگ ہو کر ہر وقت حضور کے قدموں میں رہنا نصیب ہو جائے۔ اور یہی سب سے بڑی آرزو اسوقت تک دل میں موجود ہے۔ وطن میں جو ایک دو دفعہ جانے کا اتفاق ہوا ہے تو سوائے خوشنودی والدین کے اور کوئی امر مد نظر نہ تھا۔ اور یہ تو میرے دل میں کبھی وہم تک بھی نہیں گزرا کہ اب اس آبائی گھر میں کبھی جا کر رہائش اختیار کر دوں۔ آپ کے قدموں میں ہوں اور آپ کا غلام ہوں۔ اور آپ سے ہی یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تادم زیست قائم رہنے کی توفیق دے اور اسی ایمان پر اٹھاوے۔ جب اور جس طرح حضور حکم دیں رہنے اور کام کرنے کو تیار ہوں۔ اگرچہ اس دعوے کو پیش کرتے وقت بہت ڈرتا ہوں کہ سب ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہی ہاتھ میں ہے مگر چونکہ حضور خود بھی یہ عہد بیعت کے وقت لیتے ہیں۔ اس لئے میں نے بھی عرض کر دینے کی جرأت کی تھی یعنی ان الفاظ کے کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا" یہی معنے ہیں کہ بیعت کنندہ اپنے آپ کو مع اپنے تمام قوٰی کے مرشد کے حوالے کر دے۔ رہائش کے متعلق صرف یہی آرزو ہے کہ کوئی ایسا مکان ہو جس میں حضور کا قرب جسمانی طور پر بھی رہے جیسے یہ جگہ ہے جہاں حضور نے اب اس عاجز کو ٹھہرنے کی اجازت دی ہے۔ کام وکالت کرنے کی صورت میں مستقل ارادہ ہے کہ ہر ہفتہ حاضر خدمت ہوا کروں اور اسی وجہ سے دور جانا بھی نہیں چاہتا۔ کیونکہ بُعد سے دل پر بہت سے زنگ بیٹھ جاتے ہیں اس لئے جہاں حضور حکم دیں میں اسوقت گھر سے کچھ روپیہ اس کام کے لئے منگوا لوں گا۔

خاکسار محمد علی ۳ مارچ ۱۹۰۰ء

اب حضرت اقدس کی تحریر دیکھیئے۔

"ہماری جماعت میں اول درجہ کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ہیں۔ .... میں اس مدت میں یعنی جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا۔ اخلاق اور دین اور شرافت کی رو سے تجسس کرتا ہوں۔ سو خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری میں اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع۔ باحیا۔ نیک اندرون۔ پرہیزگار آدمی ہے اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے۔ .... یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے ہونہار لڑکے جو ہمہ صفت موصوف ہوں اور ہر طرح سے لائق اور معزز درجہ کے آدمی تلاش کرنے سے نہیں ملتے (مجموعہ اشتہارات ۹ر اگست ۹۹ء)

پھر ایک اور موقعہ پر فرماتے ہیں:۔

اور مجھے اس سے بہت خوشی ہے کہ ایک اور جوان صالح خدا کے فضل کو پا کر ہماری جماعت میں داخل ہوا ہے یعنی حبّی فی اللہ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے پلیڈر جن میں ان کے آثار بہت عمدہ پاتا ہوں اور وہ ایک مدت سے دنیاوی کاروبار کا حرج کر کے خدمت دین کے لئے قادیان میں مقیم ہیں۔ اور حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب سے حقائق و معارف قرآن سن رہے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ میری فراست اس بات میں خطا نہیں کرے گی کہ جوان موصوف خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرے گا اور یقین ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تقوٰی اور محبت دین پر ثابت قدم رہ کر ایسے نمونے دکھائے گا جو ہم جنسوں کے لئے پیروی کے لائق ہوں گے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین۔ ثم آمین

(مجموعہ اشتہارات)

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی کمال فراست سے یہ بھانپ لیا تھا کہ جماعت کے دو گروہ ہیں ایک دین کے ساتھ دنیاوی مقاصد پر گرا ہوا ہے۔ دوسرا گروہ جو اپنے آپ کو پورے صدق و صفا سے خدا کے راستے میں بک جاتے ہیں۔ کا ہے۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے آپ کے لئے بہت کچھ فضل اور رحمت کا ارادہ فرمایا ہے .... آپ اسی جگہ قادیان میں رہیں اور جواں مردی سے دینی امور سرانجام دیں اور اس عرصہ میں مولوی صاحب سے قرآن شریف بھی سنیں .... یہ مدت آپ کے لئے انشاء اللہ دینی امور کے لئے اکسیر کا کام دے گی مجھے آپ پر نہایت نیک ظن ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ آپ اس عرصہ میں بہت ترقیات کریں گے۔ میرا مدت سے ارادہ ہے کہ اپنی جماعت کو دو گروہوں میں تقسیم کر دوں ایک وہ گروہ جو کچھ دنیا کے ہیں اور کچھ دین کے اور بڑے بڑے امتحانوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ دوسرا گروہ جو پورے صدق اور پوری وفاداری سے اس دروازے سے داخل ہوتے ہیں اور درحقیقت اپنے تئیں اس راہ میں بیچ چکے ہیں سو میں چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو دوسرے گروہ میں سے کرے۔

۸ مئی ۹۹ء خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ

اور حضرت مجدد ـــــ کی آرزو اور دعا پوری ہوئی آپ پورے صدق اور پوری وفاداری سے دوسرے گروہ کے امیر بنے اور کثیر حصہ جماعت کا دنیا میں پڑا اور بڑے امتحان کو برداشت نہ کر سکا

دُوسرے گروہ کی بات چلی ہے تو تھوڑا سا اس منظر کو تصوّر میں لا دیں کہ کس قدر ثابت قدم اور دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کے عہد بیعت پر کاربند ہیں۔ ایک طرف پیر کا بیٹا نوجوان۔ شعلہ بیان۔ تیز طرار۔ اُس نے قبل از وقت لیڈر شپ اور مال و متاع پر قبضہ کی سکیم بنا رکھی ہے۔ حضرت مولانا محمد احسن صاحب امروہی ہاں وہی محمد احسن صاحب جنہیں امام زماں نے فرشتہ قرار دیا ہے۔ وہ خلافت کے لئے نام پیش کرتے ہیں انصار اللہ کا گروہ جوش میں آپے سے باہر ہو رہا ہے۔ تخت خلافت مبارک کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ عام میرے جیسا آدمی یقیناً کہتا کہ کیا میرا علم حضرت محمد احسن امروہی سے بڑھ کر ہے۔ کیا ساری جماعت پاگل ہو رہی ہے کہیں میں ہی غلط تو نہیں سوچ رہا۔ یہ اولاد کے بارے دُعائیں۔ یہ الہامات جو خلیفہ صاحب پر چسپاں ہو رہے ہیں۔ ایسے میں کمال ہے اس امام کے جان نثار کی پامردی اور ثابت قدمی کہ کہتے ہیں کہ میں نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد مسیح کے ہاتھ پر کیا ہے اور اگر ساری جماعت بھی چھوڑ گئی میں اس عہد پر قائم رہوں گا۔ آپ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی عزت اور عظمت کی خاطر ڈٹ گئے کلمہ گو کو کافر کہنے پر احتجاج کیا۔ اور جہاں کلمہ کی عزت رکھی وہاں اپنے امام کو بچانے کے لئے سپر بن گئے اس بارہ میں عظیم عالم عظیم مقرر اور ادیب ہندوستان کا چوٹی کا سیاست دان اور اس کا نائب اور قائم مقام وزیر اعظم ابوالکلام آزاد اس ثابت قدمی پر عش عش کر اُٹھتے ہیں۔ اس کے سامنے ایسے ہی علمائے ربانی کی تاریخ اور نقشہ گھوم جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :—

— — — — — — — — — — — —

"آخری جماعت کے رئیس صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ہیں اس گروہ نے اب انہیں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے مگر پہلا گروہ تسلیم نہیں کرتا۔

مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے اس بارے میں جو تحریر شائع کی ہے اور جس عجیب و غریب دلاوری کے ساتھ قادیان میں رہ کر اظہار رائے کیا ہے۔ وہ فی الحقیقت ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ اس سال کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جائے گا۔" ابوالکلام آزاد

قرآن اور محمد علی

قرآن اور محمد علی تو اب لازم و ملزوم ہو گئے ہیں اور اس پر بہت کچھ لکھا جائے گا اور لکھا جا رہا ہے قرآن حکیم سے حضرت مولانا محمد علی صاحب کو عشق کیوں نہ ہوتا۔ آپ کے والد ماجد حضرت حافظ فتح دین صاحب کا دستور تھا کہ مرار (آپ کا گاؤں) سے ہر ہفتہ کی شام کو گھوڑے پر کپور تھلہ جاتے جو قریباً دس کوس کے فاصلہ پر تھا اور دونوں بچوں کو اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا کر گھر لے آتے اور اسی طرح اتوار کی شام کو کپور تھلہ چھوڑ آتے تمام راستہ آپ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے رہتے اور بچوں پر دم کرتے اور ان کی دینی اور دنیاوی ترقیوں کے لئے دعائیں مانگتے۔ (مجاہد کبیر)

اب دیکھیئے کہ وقت آیا اور آپ امام کے قدموں میں آ بیٹھے جو اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے قرآن ہی کو ورد زبان بنائے رکھتا جس کا کہنا تھا کہ :— ؎

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے۔

آپ اس دور کے سب سے بڑے مفکر اور مفسر قرآن حضرت مولانا نور الدینؓ سے دقائق و معارف سنتے ہیں۔ حضرت مجدد ——— کی فراست اور نورانی آنکھ نے بھانپ لیا کہ علی تفسیر دے گا اور اسے کشفی رنگ میں خداوند کریم سے پین (PEN) لے کر دیتے ہیں۔ اور پھر اور سنیئے اور خود حضرت مولانا صاحب کی زبانی سُنیئے۔

"اس وقت جبکہ بڑا ابتدائی زمانہ تھا میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں میں نہیں جانتا وہ کس طرح ظہور پذیر ہوا۔ شاید ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء کا زمانہ تھا میں قادیان میں رہتا تھا غالباً ریویو آف ریلیجنز نکل چکا تھا اس وقت حضرت صاحب نے اس غرض کے لئے کہ جب ہماری یہ تحریریں ان قوموں کے پاس جائیں گی تو یہ لوگ کچھ دیکھ کر تصویر سے اندازہ لگا لیتے ہیں۔ ایک فوٹوگرافر منگوا لیا اور آپ کا فوٹو لیا گیا مجھے یاد نہیں کہ اور بھی کوئی گروپ فوٹو اسوقت لیا گیا یا نہیں۔ اتنا مجھے یاد ہے کہ آپ کے ارشاد سے ایک فوٹو میرا بھی لیا گیا۔

یہ معمولی چیز ہے مگر ایک عجیب بات ہے جسے تصرف الٰہی کہنا چاہیئے وہ یہ کہ اس فوٹو میں دائیں طرف کسی شخص کا ہاتھ ہے جس میں ایک کتاب ہے اور اس پر لکھا ہوا ہے قرآن شریف۔ یہ کہاں سے آیا۔ اس وقت قرآن شریف کے ترجمہ کا کسی کو خیال نہ تھا۔ حضرت صاحب کے دل میں یہ بات مدت سے تھی لیکن سامان نہ تھے اور میرے متعلق اس ابتدائی زمانے میں یہ وہم بھی کسی کو نہ آ سکتا تھا کہ میں قرآن شریف کے ترجمے کروں گا مگر یہ خدائی تصرف تھا جس سے اس میرے سب سے پہلے فوٹو میں قرآن شریف کا فوٹو بھی آ گیا۔ وہ کون شخص تھا اس نے اسوقت قرآن شریف ہاتھ میں کیوں لیا۔ وہ میرے دائیں بازو کیطرف کس طرح کھڑا ہو گیا کہ یہ حصہ بھی فوٹو کے اندر آ جائے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

دیکھیئے حضرت صاحب نے قوم کو اطلاع دے دی تھی کہ قرآن اور محمد علی لازم و ملزوم ہیں اور محمد علی قرآن کا عاشق ہے۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں :—

"مجھے آپ پر بہت ہی نیک ظن ہے اسی وجہ سے میں آپ کے ساتھ خاص محبت رکھتا ہوں اگر آپ کی خدا تعالٰے کے نزدیک فطرت نیک نہ ہوتی تو میرا اسقدر نیک ظن ہو نہیں سکتا ہرگز نہ ہوتا مگر میں دل سے اور دلی جوش سے آپ سے محبت رکھتا ہوں اور آپ کے لئے اکثر پنج وقت غائبانہ دعا کرتا ہوں۔"

اب حضرت مولانا نور الدین اعظم کی حضرت مولانا محمد علی صاحب سے محبت کے بارے میں سنیئے۔ فرماتے ہیں "تمہارا روز دیکھنا یہ بھی میری رُوح کی غذا ہے۔" فرمایا :—

"مولوی صاحب تم مجھے بہت پیارے ہو ایک کام کا ہتھیار ملا ہے علم ہی علم ہے تمہارا افضل ہے۔"

پھر ایک دفعہ اپنے پلنگ کی طرف اشارہ کر کے مولوی صاحب کو فرمایا :—

"میرے پاس آ جائیں۔" فرمایا :— "مجھ کو بڑا پیار ہے۔"

ایک دفعہ ضعف میں آپ نے فرمایا :—

"میرے پیارے بیٹے کو بلاؤ۔ میرے پیارے بیٹے کو بلاؤ۔"

خیال ہوا کہ صاحبزادہ عبدالحیٔ کو بلاتے ہیں مگر آپ نے فرمایا :—

"میری روحانی غذا لاؤ۔ میری روحانی غذا لاؤ۔" اور جب مولوی محمد علی صاحب پہنچ گئے تو انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا۔

الغرض یہ تھا قرآن کے عاشق سے نور الدین اعظم کا عشق اور پھر حضرت مولانا محمد علی کا ان سے عشق فرماتے ہیں :— ؎

جمال ہم نشیں در من اثر کرد۔
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

* * *

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اُردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح، احمدیہ بلڈنگس۔ برانڈرتھ روڈ۔ لاہور سے شائع کیا ——— (چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۱۴ر اکتوبر ۱۹۸۱ء، جلد ۶۸، شمارہ نمبر ——— (۴۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۳۲۲۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کریگا

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے ۳۰ روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ ڈاک)

جلد ۶۸ ، یوم چہارشنبہ ۲۹ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ ــ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۱ء شمارہ:۔ ۴۳

ملفوظات حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

دعا کی حقیقت ـــ ساری قوتوں کے ساتھ رو بخدا ہونا

مشکل یہ ہے کہ لوگ دُعا کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ دُعا کیا چیز ہے۔ دُعا یہی نہیں ہے کہ چند لفظ منہ سے بڑبڑا لئے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ دُعا اور دعوت کے معنی ہیں۔ اللہ تعالےٰ کو اپنی مدد کے لئے پکارنا اور اس کا کمال اور مؤثر ہونا اس وقت ہوتا ہے جب انسان کمال درد دل اور قلق اور سوز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اس کو پکارے ایسا کہ اس کی رُوح پانی کی طرح گداز ہو کر آستانۂ الوہیت کی طرف بہہ نکلے یا جس طرح پر کوئی مصیبت میں مبتلا ہے اور وہ دُوسرے لوگوں کو اپنی مدد کے لئے پکارتا ہے تو دیکھتے ہو کہ اس کی پکار میں کیسا انقلاب اور تغیر ہوتا ہے۔ اس کی آواز ہی میں وہ درد بھرا ہوتا ہے جو دُوسروں کے رحم کو جذب کرتا ہے۔ اسی طرح وہ دُعا جو اللہ تعالےٰ سے کی جاوے۔ اس کی آواز، اس کا لب و لہجہ اور ہی ہوتا ہے۔ اس میں وہ رقت اور درد ہوتا ہے۔ جو الوہیت کے چشمۂ رحم کو جوش میں لاتا ہے۔ اس دُعا کے وقت آواز ایسی ہو کہ سارے اعضا اس سے متاثر ہو جاویں اور زبان میں خشوع و خضوع ہو۔ دل میں درد اور رقت ہو۔ اعضا میں انکسار اور رجوع الی اللہ ہو اور پھر سب سے بڑھ کر اللہ تعالےٰ کے رحم و کرم پر کامل ایمان اور پوری اُمید ہو۔ اس کی قدرتوں پر ایمان ہو۔ ایسی حالت میں جب آستانۂ الوہیت پر گرے گا نامراد واپس نہ ہوگا۔ چاہیئے کہ اس حالت میں بار بار حضورِ الٰہی میں عرض کرے کہ میں گنہگار اور کمزور ہوں۔ تیری دستگیری اور فضل کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ تو آپ رحم فرما اور مجھے گناہوں سے پاک کر کیونکہ تیرے فضل و کرم کے سوا کوئی اور نہیں ہے جو مجھے پاک کر دیوے۔ جب اس قسم کی دُعا میں مداومت کرے گا اور استقلال اور صبر کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے فضل اور تائید کا طالب رہے گا تو کسی نامعلوم وقت پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک نُور اور سکینت اس کے دل پر نازل ہوگی جو دل سے گناہ کی تاریکی کو دُور کر دے گی اور غیب سے ایک قوت عطا ہوگی جو گناہ سے بیزاری پیدا کر دے گی اور وہ اُن سے بچے گا۔ ـــــــــ

جلسہ سالانہ کی رونق بڑھائیں

خواتین دستکاری تیار کریں

مرد و خواتین سلسلہ دونوں اپنے قومی جلسہ سالانہ کو کامیاب بنانے کی فکر کریں۔ مرد و خواتین دونوں ہمت، خلوص اور جوش کے ساتھ جلسہ سالانہ کو بارونق بنانے اور اجتماع کو بڑھانے کے لئے سعی کریں۔ جلسہ سالانہ کی تاریخیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

۲۴-۲۵-۲۶-۲۷ دسمبر ۱۹۸۱ء بروز جمعرات۔ جمعہ۔ ہفتہ اور اتوار ہو

ـــ (ادارہ)

قارئین کرام کی توجہ کیلئے:۔ ”قرآنِ پاک اور احادیث۔ تبلیغ اور آپ کی مذہبی معلومات کیلئے شائع کی جاتی ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ ان کے تقدس کا خیال رکھیں اس لئے جن صفحات پر قرآن کی آیات، اور احادیث چھپی ہوئی ہوں انہیں اسلامی طریقہ سے محفوظ کر لیں۔“ (حکومت کی ہدایت مجریہ ۹ ستمبر ۱۹۸۱ء)

عزیزہ محترمہ پروین واحد صاحبہ، ایم۔ اے

رپورٹ سیکرٹری تنظیم خواتین پشاور

پچھلے دنوں صدر مرکزی تنظیم احمدیہ خواتین لاہور محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ و مکرمہ ذکیہ شیخ صاحبہ کے ہمراہ رابطہ مہم کے سلسلہ میں تربیتی دورہ پر پشاور تشریف لے گئی تھیں۔ ہماری یہ دونوں معزز بہنیں اعلےٰ تعلیم یافتہ، تنظیم خواتین کی بڑی سرگرم اور فعال ممبر ہیں۔ سلسلہ کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتی ہیں۔ نیک، مخلص اور احمدیت کی فدائی ہیں۔ اُن کے دورہ پشاور کی رپورٹ ملاحظہ فرمائیے۔

سالانہ جلسے میں چونکہ سب خواتین و حضرات اپنے علماء کے قیمتی خیالات سے استفادہ کرنے کے لئے دُور دراز علاقوں سے اکٹھے ہوتے ہیں تو زیادہ وقت اُن کی تقاریر سننے میں گذر جاتا ہے اور آپس میں ملنے ملانے اور تبادلۂ خیال کے لئے وقت نہیں ملتا لہٰذا یہ تجویز کیا گیا کہ خواتین اپنے مرد بھائیوں کی طرح جہاں تک ممکن ہو سکے دُوسرے شہروں میں جا کر اپنی بہنوں سے ملیں اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل تیار کریں اور جماعت کی تقویت کے لئے پروگرام مرتب کریں۔ اسی سلسلے میں ۵ تاریخ کو ہماری بہنیں بیگم رضیہ مدد علی۔ صدر تنظیم خواتین اور ذکیہ شیخ صاحبہ پشاور پہنچیں ۶ تاریخ کو چونکہ جمعہ تھا اس لئے گرد و نواح سے خواتین مرکزی مسجد میں اکٹھی ہوئیں جلسے کی کارروائی پشاور جماعت کی خواتین تنظیم کی صدر بیگم کرم الٰہی نے تلاوت قرآن پاک سے شروع کی اور راقم الحروف نے مہمانوں کا حاضرین سے تعارف کرایا۔ اور اسکے بعد بیگم کرم الٰہی نے مختصر طور پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے نوجوان طبقے میں خدمت اسلام کیلئے بہت جذبہ پایا جاتا ہے خاص کر بیرون ملک مقیم نوجوان اپنے دینی لٹریچر کا بہت گہرا مطالعہ کر رہے ہیں اور مرکز سے کتابوں اور لٹریچر کی مانگ بہت بڑھ گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے نصیحت فرمائی کہ نام کے نہیں بلکہ عمل کے احمدی بننے کی ضرورت ہے۔

بیگم کرم الٰہی کے بعد بیگم ذکیہ شیخ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ احمدیت اسلام کی صحیح تصویر ہے جسے مرزا غلام احمد بانئے سلسلہ احمدیہ نے پیش کیا۔ اُن کے زمانے میں بھی اگر عیسائی پادری کسی سے ڈرتے تھے تو وہ احمدی مُبلغ ہوا کرتے تھے اور آجکل بھی یہی عالم ہے۔ اُنہوں نے والدین پر زور دے کر کہا کہ وہ اپنے بچّوں کو احمدیت سے متعارف کرائیں اور خاص طور پر ماں کو اس کی ذمہ داری کا احساس دلایا اور ساتھ ہی نوجوانوں کی بیعت پر بھی زور دیا۔ مزید برآں اُنہوں نے کہا کہ احمدیوں نے قرآن شریف کو دُنیا میں پھیلانے کا فرض نہایت حسن اسلوبی سے سرانجام دیا۔ اور کئی زبانوں میں تراجم کر کے دنیا کے کونے کونے میں مفت تقسیم کرنے کا اہتمام کیا۔ آخر میں اُنہوں نے جلسہ سالانہ میں شمولیت پر زور دیا۔

اس کے بعد سیکرٹری نے حاضرین سے درخواست کی کہ وہ اپنے اپنے خیالات کا فرداً فرداً اظہار کریں جس کے نتیجے میں اُردو اور پشتو میں خیالات کا اظہار کیا گیا۔ بیگم سعید اور بیگم واجد نے مشورہ دیا کہ اگر بہنیں ہر جمعہ پر حاضر نہ ہو سکیں تو کم از کم مہینے میں ایک بار مرکزی مسجد میں جمع ہو کر تبادلہ خیال کریں سب نے متفقہ طور پر ہر مہینے کے پہلے جمعہ کو اکٹھے ہونے کا عہد کیا۔

آخر میں بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ عام تاثر پایا جاتا ہے کہ اگر ہم راہِ راست پر ہیں تو اسقدر مصائب کیوں، اس سلسلے میں اُنہوں نے قرآن کریم اور عالمی تاریخ سے استفادہ کرتے ہوئے بتایا کہ انبیاء اور صالحین کی تربیت کے لئے اللہ تعالےٰ کی طرف سے مصائب آتے ہیں اور اپنے بندوں کو اللہ تعالےٰ آخرکار کامیابی و سرخروئی سے ہمکنار کرتا ہے۔ اس لئے مصائب سے گھبرانا سچے مسلمان کا شیوہ نہیں۔

اُنہوں نے سرورِ دو عالم۔ خاتم النبیّن صلعم کے مشن پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ آپ سے پہلے انبیاء صرف ایک قوم کی تربیت کے لئے آئے اور صرف وقتی مسائل کا حل لے کر آئے مثلاً حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور حضرت مُوسےٰ علیہ السلام صرف دس احکام شریعت لے کر آئے تھے۔ برخلاف اس کے کہ حضور صلعم کُل عالم کے لئے تاقیامت دنیا کے حال اور مستقبل کے مسائل کا حل لے کر آئے جس کی روشنی آج تک ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ اور کہا کہ قرآن شریف ایک ایسی تفصیلات پر مبنی کتاب ہے کہ جہاں کہیں مصائب میں گھرے ہوئے مسلمان مایوسی کے عالم میں نظر آئے تو فوراً ان کو مستقبل میں فتح اور کامرانی کی اللہ تعالےٰ انہیں خوشخبری دے دیتا۔ صحابہ کے ایمان کا یہ عالم تھا کہ جس وقت سورۂ روم میں رُوم والوں کی فتح کی خوشخبری نازل ہوتی ہے تو حضرت ابوبکرؓ کے یقین کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ سو اونٹ کی شرط اہلِ قریش سے باندھتے ہیں اور غزوۂ احزاب میں جبکہ دس ہزار قریش مٹھی بھر مدنی بے یار و مددگار مسلمانوں کا محاصرہ کرتے ہیں تو وہ خندق کھودتے ہیں اور یہ آیت پڑھتے ہیں کہ "یہی وہ دن ہے کہ جس کی کامیابی کی خوشخبری اللہ تعالےٰ نے دی"۔ انہیں کس قدر اللہ کے وعدے پر یقین ہوتا ہے۔ قرآن کا پیغام ابدی ہے اور وہ آج بھی ہمارے لئے جن کا اللہ تعالےٰ پر کامل یقین ہے اسی تقویت کا باعث ہے جو کہ صحابہ کرام کے لئے تھا پھر اُنہوں نے حاضرین کو ایمان کی تازگی کے لئے سورۂ روم اور صلح حدیبیہ کے واقعات کو پڑھنے کی تاکید کی۔

مزید اُنہوں نے کہا کہ جس طرح فرنٹ لائن میں ہراول دستہ دشمن کے مقابلے کے لئے بڑھتا ہے تو اُن کے پیچھے رہنے والے کارکن پیچھے رہ کر ملک کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح خواتین مبلغین اسلام کے ہراول دستے کے پیچھے رہ کر اپنی دینی تعلیم سے اپنی اولاد کی صحیح تربیت کر کے اسلام کے لئے جہاد کریں۔ اس کے بعد دُعا کے ساتھ جلسے کا اختتام ہوا اور مہمانوں کی تواضع چائے سے کی گئی۔

۷ اکتوبر کو نوشہرہ سے دو گاڑیوں میں جسے کیپٹن واجد کی صاحبزادی اور صاحبزادے چلا کر پشاور چوہدری سعید صاحب کے گھر پہنچے جہاں پشاور میں قیام پذیر جماعت کی خواتین کے ہمراہ۔ اس طرح تقریباً پونے بارہ بجے وہاں سے سفید ڈھیری کے لئے روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ ایک گاڑی چوہدری سعید صاحب کی تھی جسے وہ خود چلا رہے تھے۔ اتنے میں پشاور خواتین تنظیم کی صدر پیدل اور پھر تانگہ کے ذریعے سفید ڈھیری پہنچیں۔ سفید ڈھیری میں نہایت شاندار استقبال کیا گیا وہ خواتین جو کہ اُردو سے نابلد تھیں ان کا خلوص دیکھ کر سب بہت متاثر ہوئے۔ اس موقع پر نوجوان اور معمر خواتین سب موجود تھیں۔ اس کے بعد نہایت پُرتکلف کھانا دیا گیا جس سے صوبہ سرحد کی روائتی مہمان نوازی کی یاد تازہ ہو گئی۔

پھر اس مختصر سے قافلے میں مزید افراد شامل ہو گئے اور اب کے تین گاڑیوں میں سب شیخ محمدی کے لئے روانہ ہوئے۔ اور تقریباً ۴ بجے وہاں پہنچے۔ یہاں بھی شاندار استقبال نے سب کو بہت متاثر کیا بے شمار خواتین جو اُردو سے تو ناواقف تھیں لیکن اُن کی خوشی کا اظہار اُن کی آنکھوں اور چہروں سے ہو رہا تھا۔ عصر کی چائے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ان دونوں گاؤں میں خواتین سے درخواست کی گئی کہ اگر ہر جمعے پر ممکن نہ ہو تو ہر مہینے کے پہلے جمعہ کو مسجد میں آئیں تاکہ ایک دُوسرے کے حال احوال سے واقفیت ہو سکے۔ یہاں ایک گروپ فوٹو لیا گیا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ شیخ محمدی جیسے دور دراز گاؤں میں باہر سے آنے والی خواتین بہنیں۔ صاحبہ صدر نے ٹوٹی پھوٹی پشتو میں ان سے بات چیت کرنے کی کوشش کی۔

۸ اکتوبر یعنی آخری دن کا پروگرام پشاور میں مقیم جماعت کی خواتین سے ملنے کا مقرر ہوا۔ سب سے پہلے محترمہ الفت صاحبہ جو نہایت مشہور مصنفہ ہیں اور THE LIGHT اور دیگر رسائل میں لکھتی ہیں کے گھر دعوتِ چائے پر صبح ساڑھے دس بجے پہنچے۔ ان سے دیر تک دینی موضوعات پر دلچسپ گفتگو ہوئی۔ جس میں اُنہوں نے بتایا کہ کس طرح سے ان کو مذہب کے مطالعے کا شوق ہوا اور اس مذہب کی پیاس کو احمدیہ لٹریچر نے بجھایا۔ جس کے نتیجے میں آج آپ ان کی تصانیف سے مستفید ہو رہے ہیں۔

(بقیہ صـ ۱۲ کالم ۱ پر ملاحظہ فرمادیں)

ایک بھولا ہوا فریضہ

خطبۂ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب ، بمقام جامع احمدیہ ، دارالسلام ، ۵ ، عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

> الھٰکم التکاثر ۝ ۔۔۔۔۔۔۔۔ ثم لتسئلن یومئذٍ عن النعیم ۝ (سورۃ التکاثر : ۱۰۲)
>
> ترجمہ :۔ کثرت کی خواہش نے تمہیں غافل کر رکھا ہے یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچتے ہو۔ ہرگز نہیں۔ تم جان لوگے۔ پھر نہیں۔ تم جان لوگے۔ نہیں، اگر تم علم الیقین کے ساتھ جانتے تو تم ضرور شدید آگ کے شعلوں کو دیکھ لیتے پھر تم اُسے ضرور یقین کی آنکھ کے ساتھ دیکھ لوگے۔ پھر تم سے ضرور بالضرور اُس دن نعمتوں کے متعلق سوال ہوگا۔

کچھ عرصہ ہوا کہ جناب صدرِ پاکستان نے قوم کو ایک نہایت عمدہ بات کہی تھی کہ اپنی زندگی کو سادہ بناؤ اسی میں مالی اور سماجی برائیوں کا علاج ہے۔ اسی سے موجودہ ہوشربا مہنگائی کا بھی مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

پھر اس کے بعد ٹیلیویژن پر بھی ایک پروگرام میں اسی موضوع پر تقریروں کا مقابلہ ہوا۔ ان تقاریر میں جو سادہ زندگی گزارنے کی تائید میں تھیں جتنی بھی باتیں کہی گئیں وہ سب انسانی عقل اور فطرت کو اپیل کرتی تھیں۔ مگر ان تقاریر کا اور نصیحتوں کا کم از کم میں نے تو کوئی اثر نہیں دیکھا سوشل محفلوں میں، بازاروں میں، شادی بیاہوں میں پیسہ کو پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔

موجودہ ہوشربا مہنگائی کا سب زبانی تو گلہ شکوہ کرتے ہیں مگر اُن کی روزانہ زندگیوں میں خصوصاً زیب و زینت کے سامانوں کو خریدتے چلے جانے کو دیکھو تو یقین نہیں آتا کہ اس ملک میں کوئی مہنگائی ہے یا تنگدستی ہے۔ اور شادی بیاہوں میں تو خصوصاً اس قدر فضول خرچی ہوتی ہے کہ الامان ! الحفیظ! سینکڑوں مہمان (مردوں، عورتوں اور بچوں کو ملاکر) تو مزعومہ غرباء کے ہاں نظر آتے ہیں۔ کھاتے پیتے لوگوں اور امراء کے ہاں تو تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ شادی اور ولیمہ کی دعوتوں کے علاوہ مہندی کی رات پر بھی پُرتکلف دعوتیں ہوتی ہیں۔ پہلے تو مہندی پہ خالی عورتیں مدعو ہوتی تھیں اب مرد بھی موجود ہوتے ہیں اگرچہ عورتوں سے تھوڑے۔ پہلے دلہن کو مہندی لگائی جاتی تھی۔ اب ایک رات پہلے یا بعد میں خیر سے دولہا کو بھی مہندی لگانے کا موقع پیدا کر کے پُرتکلف دعوت، روشنیاں اور راگ و رنگ کی محفلیں سجائی جاتی ہیں۔ جس قوم کے مرد مہندی لگانے لگیں اُس میں مردانگی کہاں رہے گی ؟ اتنی محفلوں سے جی نہیں بھرتا تو اب شادیوں پہ ختمِ قرآن، اور محفلِ میلاد اور جوڑے ٹانکنے کی رسم کو جس پہ عزیز و اقربا کے علاوہ سہیلیاں اور ملنے والیاں بُلائی جاتی ہیں۔ مزید اخراجات کا باعث بنایا جاتا ہے۔

قانونی چارہ جوئی

شادی بیاہ کے موقعوں پر جو اسراف اور فضول خرچیاں ہوتی ہیں ان کو روکنے کے لئے حکومت نے قانون بھی بنایا ہے جس میں مہمان کتنے بلائے جائیں اور کھانا پینا کس حد تک ہو یا جہیز اور بری کتنے کی ہو اس پر پابندیاں لگائی گئی ہیں۔ بہت اچھا موقعہ تھا کہ اس قانون کی وجہ سے لوگ شادی بیاہوں کے اسراف اور فضول خرچیوں سے بچتے مگر میں نے تو دیکھا ہے کہ پہلے تو جہیز اور بریوں کے معاملہ میں لوگوں نے قانون کی کوئی پرواہ نہ کی اور اب تو کھانے پینے کے معاملہ میں بھی کھلم کھلا قانون شکنی کی جاتی ہے میں نے ہزار، ہزار بلکہ ایک موقعہ پر تو قریباً دو ہزار (مردوں، عورتوں، بچوں کو ملاکر) مہمانوں کو مدعو دیکھا اور ان موقعوں پر کھانا پینا بھی پُرتکلف دیکھا۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں جو بہت مہنگے ہوتے ہیں ہزار، ہزار مہمان دیکھے ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ اس اسراف اور فضول خرچیوں سے بہت سے لوگ مقروض ہو جاتے ہیں اور زمینیں یا مکان تک بیچ کر یہ نمود و نمائش اور فضول خرچیاں ہوتی ہیں۔

خواتین کی ذمہ داری

اس معاملہ میں سب سے بڑا قصور خواتین کا ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ وہ مرد کو ذمہ دار سمجھتی ہیں کہ وہ ان رسومات اور اندھا دھند پیسہ بہانے کے لئے اخراجات مہیا کرے خواہ قرض لے کر ہو یا زمین یا مکان بیچ کر اور مرد بعض وقت رشوت لینے تک پر مجبور ہو جاتا ہے بلکہ اب تو بعض پڑھی لکھی لڑکیاں خود مطالبہ کرتی ہیں کہ اُن کے جہیز میں کیا کیا دیا جائے جن میں موٹر، رنگین ٹیلیویژن، ریفریجریٹر اور اب تو V.C.R تک کا مطالبہ ہوتا ہے۔ اسی طرح عام زندگی میں بھی بچوں کے مطالبات کو ماں باپ اندھا دھند پورا کرتے چلے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ کتنے ہی غیر ضروری ہوں یا پیسہ ضائع کرنے کا باعث ہوں)۔

روزانہ زندگی میں بھی جہاں تک کپڑوں اور زیورات کا تعلق ہے اس قدر اسراف اور فضول خرچی کی جاتی ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں۔ روز بروز نئے کپڑے، نئے فیشن نئے زیورات نئے زیب و زینت کے سامان مارکیٹ میں آتے ہیں یا محفلوں میں عورتیں دیکھ کر ان کو اپنے لئے حاصل کرنا ضروری سمجھتی ہیں۔ اور اگر شادی بیاہ یا کوئی اور خوشی کا موقعہ آجائے تو نئے جوڑے بنوانے ضروری ہو جاتے ہیں حالانکہ ایسی خواتین کی الماریوں میں پچاسوں ساڑھیاں اور ان سے بڑھ کر شلوار قمیض کے جوڑے موجود ہوتے ہیں مگر شان سمجھی جاتی ہے کہ ہر محفل میں نیا جوڑا ہو۔

اِنسان کی ناکامی

جن برائیوں کا میں نے ذکر کیا ہے ان کو سب بُرا جانتے ہیں۔ مرد اور خواتین سب جانتے ہیں تو بہت دیکھے اور سُنے جاتے ہیں مگر ان برائیوں کو ختم کرنے کی کوئی جرأت نہیں کرتا۔ خود عورتیں تقریروں میں اور مضمونوں میں ان باتوں کو بُرا کہتی ہیں مگر جب اپنی باری آتی ہے تو کتنی ہیں جو عمل کر کے دکھاتی ہیں ؟ وعظ و نصیحت کارگر نہیں ہوتے اور اب تو قانون بنا کر بھی دیکھ لیا کہ خاطر خواہ نتائج پیدا نہیں ہوتے۔ تو پھر اس مرض کا کوئی علاج ہے ؟ صرف ایک ہے۔ اور وہ بے شمار مثالوں میں سے ایک مثال ہے اس بات کی کہ دین کے بغیر دنیا بھی بگڑ جاتی ہے۔

اللہ اور آخرت پر ایمان

اللہ اور یومِ آخر پر انسان کی فطرت میں، اس کی عقل میں، تمام مذاہب اور اُن کی الہامی کتابوں میں اور اب تو سائنس میں قطعی ثبوت موجود ہیں۔ مگر میں اُن کی تفصیل میں نہیں جاتا کیونکہ اللہ اور یومِ آخر پہ ایمان سب مسلمان رکھتے ہیں۔ اس لئے اگر اس ایمان کے ہوتے ہوئے مسلمان فضول خرچیوں میں پڑے ہوئے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ انہیں پتہ نہیں کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس معاملہ میں کیا فرمایا ہے بلکہ وعید دیا ہے۔ اس لئے میرا اور دوسرے خطیبوں کا یہ فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو بتائیں کہ قرآنِ حکیم اور حدیثِ نبویؐ میں اس بارہ میں کیا آیا ہے ؟

قرآنِ حکیم

انسان کیوں نہ قربان جائے قرآنِ حکیم کے کہ اُس نے کسی ضروری بات کو نہیں چھوڑا جس پہ ہدایت نہ دی ہو۔ اور جس مرض کا میں نے اُوپر ذکر کیا ہے اور اُسے انسانی تدابیر سے لاعلاج بنا دیا ہے اس مرض کو

قرآن حکیم نے وہاں سے پکڑا ہے کہ اگر وہ انسان کے ذہن نشین ہو جائے تو یہ مرض خود بخود دُور ہو جاتا ہے سورۃ التکاثر جس کی تلاوت میں نے شروع خطبہ میں کی تھی اُس میں یہ گوہرِ نایاب ہمیں ملتے ہیں۔

(۱) کثرت کی خواہش نے انسان کو غافل کر رکھا ہے کس بات سے؟ حضرت امیر مرحوم نے بیان القرآن میں فرمایا ہے کہ اس نے غافل کر رکھا ہے کہ مال و دولت یا حکومت یا عیش و آرام انسان کی پیدائش کا اصل مقصد نہیں۔ یہ بھی بڑی عمدہ تفسیر ہے اور اسی لئے میں نے اس کا پہلے ذکر کیا ہے۔ مگر میری رائے میں ایک اور بھی تفسیر ہے۔ یاد رہے کہ قرآن حکیم کی ہر سورت کی ابتداء اور آخر میں ایک تعلق ہوتا ہے۔ (یہ نکتہ بھی حضرت امیر مرحوم نے کسی اور جگہ لکھا ہے) سورۃ التکاثر کے شروع میں فرمایا کہ کثرت کی خواہش نے تمہیں غافل کر رکھا ہے۔ اور آخر میں فرمایا کہ قیامت کے دن تم سے ضرور بالضرور سوال کیا جائے گا۔ اُن نعمتوں کے بارہ میں جو تمہیں اس دنیا میں دی گئی تھیں۔ تو میری حقیر رائے میں تو کثرت کی خواہش نے انسان کو جس بات سے غافل کر رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ایک دن اِن سب چیزوں کا حساب دینا پڑے گا۔ اگر یہ بات ذہن نشین ہو جائے تو فضول خرچی ختم ہو جائے۔ کیونکہ یوم حساب دنیاوی نعمتوں کے بارے میں کیا پوچھا جائے گا اس کی تفصیل اس کامل ہدایت کی کتاب میں موجود ہے۔ مگر کوئی اس کو پڑھتا ہی نہیں۔ یا محض تبرکاً پڑھتا ہے اور سنتا ہے مگر معنی و مفہوم کو نہ جانتے ہوئے، یا عمل نہیں کرتا تو اس کا پھر کیا علاج ہے۔ سوائے اس آگ کے جس کا ذکر آگے ہے کہ جس طرح دنیاوی آگ ہر گندگی اور زہر اور بیماری کو جلا کر ختم کر دیتی ہے۔ دوزخ کی آگ بھی انسان کی باطنی گندگی اور زہر اور بیماری کو جو کہ دولت کی محبت پیدا کرتی ہے جلا کر انسان کو اسی طرح پاک و صاف کرے گی جس طرح سونے کو آگ میں ڈال کر کھوٹ نکالا جاتا ہے اور سونے کو صاف کیا جاتا ہے۔

۲۔ حساب و کتاب تمام نعمتوں کا اس لئے ہو گا کہ جو کچھ اس دنیا میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ للّٰہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض (جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ اللہ کا ہے جس نے انہیں اور اُن کے سامانوں کو پیدا کیا ہے)۔ انسان تو اس دنیا میں ماں کے پیٹ سے خالی ہاتھ آتا ہے اور مر کر خالی ہاتھ قبر میں چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص امیر گھرانے میں پیدا ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے، اس شخص کا کوئی کمال نہیں۔ اور اگر کوئی شخص خود مال و دولت کماتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور دین ہے کہ جس نے اُسے ایسا دماغ یا قابلیت یا موقعے دیئے کہ وہ دولت کما سکے ورنہ اعلیٰ سے اعلیٰ دماغوں والے، اعلیٰ سے اعلیٰ قابلیتوں والے تو بھوکے مرتے ہیں یا معمولی حالت میں ہوتے ہیں اور اَن پڑھ موٹی عقل اور معمولی دنیاوی قابلیت کے لوگ جس چیز کو ہاتھ لگائیں وہ سونا بن جاتی ہے۔ بہرحال و للّٰہ خزائن السمٰوٰت والارض (اللہ کے ہی ہیں تمام خزانے آسمانوں اور زمین کے) اور یرزق من یشاء بغیر حساب (وہ جسے چاہے بے حساب رزق دے) اللّٰہ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر (اللہ جس کو چاہے رزق کی کشائش پیدا کر دیتا ہے۔ اور جسے چاہے رزق کی تنگی کر دیتا ہے)

چونکہ تمام مال و دولت اللہ کا ہے اور وہ جسے چاہے اُس میں سے جتنا دے تو انسان اس مال و دولت کو کس طرح خرچ کرتا ہے اُس کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کے آگے جوابدہ ہے۔

۳۔ جوابدہی کیا ہو گی یہ سب قرآن پاک میں مذکور ہے کہ کس طرح کماؤ کس طرح خرچ کرو یہ سب اس پاک اور کامل ہدایت نامہ میں لکھا ہوا ہے۔ کیا ارحم الراحمین ہے وہ ذات کہ اگر فرماتا ہے کہ ایمانداری سے کماؤ تو اس میں بھی انسان کی بھلائی مقصود ہے کہ اس میں ایمانداری کی اعلیٰ صفت پیدا ہو۔ اور وہ اسی دنیا میں دل کے اطمینان یا بالفاظِ دیگر دل کی جنت میں رہے۔ اگر فرماتا ہے کہ رشتہ داروں غریبوں مسکینوں، یتیموں۔ ہمسائے، یا مسافر یا مقروض انسان یا سائل اور حاجت مند کو دو۔ اس لئے کہ انسان میں اللہ تعالیٰ کی صفات ربوبیت اور رحمانیت پیدا ہوں۔ اگر فرماتا ہے کہ حق کو دنیا میں پھیلانے کے لئے خرچ کرو تو نہ صرف اس لئے کہ حق دنیا میں قائم ہو جو کام کہ نبیوں کا تھا بلکہ تمام ایسے اخراجات کا فرمایا کہ میں بڑھ چڑھ کر اجر دوں گا آخرت میں جو ہمیشہ کا گھر ہے اور انسان خالی ہاتھ جائے گا سوائے اُس کے جو اُس نے فی سبیل اللہ خرچ کیا۔ انسان تو مال کا ایسا لالچی اور ناعاقبت اندیش ہے کہ وہ اسی دنیا میں خزانہ جمع کر کے اُس پر سانپ کی طرح بیٹھنا چاہتا ہے حالانکہ چند دن میں وہ یہاں سے خالی ہاتھ ملک عدم کو سدھار جائے گا۔

۴۔ فرمایا کلّا سوف تعلمون ۝ ثم کلّا سوف تعلمون ۝ یعنے تاکید کے لئے دو دفعہ دُہرایا کہ تم عنقریب دیکھ لو گے۔ س اور سوف مستقبل قریب کے لئے آتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اسی دنیا میں دیکھ لو گے کہ مال و دولت کی کثرت کمانے میں کھویا جانے کا کیا انجام ہوتا ہے۔ انسان تو مال و دولت کی کثرت میں سکھ اور دل کی خوشی چاہتا ہے مگر لفظ کلّا لا کر فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ بلکہ سکھ اور خوشی کی جگہ کیا انسان کے دل کے اندر پیدا ہو گا وہ اگلے الفاظ میں فرما دیا۔

۵۔ کلّا لو تعلمون علم الیقین ۝ لترون الجحیم ۝ کاش تم یقینی علم رکھتے تو بھڑکتی ہوئی آگ کو دیکھ لیتے۔ مال و دولت کو کمانے میں بڑھتے ہوئے کھویا جانے میں اگر انسان دیکھے تو اس کے دل میں ھل من مزید کی آگ اسی دنیا میں بھڑک اُٹھتی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے یوم نقول لجہنم ھل امتلئت وتقول ھل من مزید (ہم اُس دن جہنم کو کہیں گے کہ کیا تیرا پیٹ بھرا تو وہ کہے گا کہ کیا کچھ اور بھی ہے؟) تو ھل من مزید کی آگ اسی دنیا میں دولت کی لالچ اور ہوس میں مبتلا انسان کے دل کے اندر بھڑک اُٹھتی ہے۔ کیا علیم اور حکیم کتاب ہے قرآن کریم کہ اس آگ کے لئے علم الیقین کے الفاظ فرمائے۔ یعنے چونکہ یہ آگ انسان کے اپنے دل میں بھڑک اُٹھتی ہے۔ اس لئے اُسے اس کا علم اور یقین ہونا چاہیئے کہ وہ آگ تو اس کے دل کے اندر بھڑک رہی ہوتی ہے۔

۶۔ ثم لترونھا عین الیقین یعنے پھر تم اُسے یقین کی آنکھ سے بھی دیکھ لو گے۔ اس دنیا میں تو چونکہ وہ آگ انسان کے دل میں ہوتی ہے اس لئے اس کا صرف علم اور وہ بھی اسی انسان کو خود ہو سکتا ہے۔ مگر مرنے کے بعد وہ انسان باہر وہ آگ بھڑکتی ہوئی اپنے لئے دیکھ لے گا اور تب وہ دیکھ کر یقین لائے گا۔ اگر اُس نے اس دنیا میں علم الیقین سے نہیں جانا اور مانا۔

۷۔ ثم لتسئلن یومئذٍ عن النعیم پھر اُس دن تم سے ضرور بالضرور اللہ کی نعمتوں کے بارہ میں سوال کیا جائے گا۔ اور اس حساب و کتاب کے بعد تم نے اس جہنم میں کتنا عرصہ جلنا ہو گا اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔

کنجوسی اور فضول خرچی

مال کا حریص اکثر کنجوس مکھی چوس بن جاتا ہے جیسا کہ ہم نے بنیوں کو دیکھا ہے۔ تو ایسا انسان خدا کے رستہ میں یا غریبوں کے لئے کیا خرچ کرے گا۔ یا پھر وہ انسان فی سبیل اللہ یا غرباء و مساکین کیلئے پیسہ نہیں پاتا جو فضول خرچ ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے اِن افراط و تفریط سے بچ کر انسان کو درمیانی راستہ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے جس کا ذکر کئی جگہ آیا ہے۔ صرف ایک جگہ سے سن لیجئے۔

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذٰلک قواما

اور عباد الرحمٰن وہ لوگ ہیں جو جب خرچ کرتے ہیں تو نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی کرتے ہیں بلکہ اُن کے درمیان حالتِ اعتدال پر رہتے ہیں۔

میرے خطبہ کا مضمون سادگی کی ضرورت پر ہے۔ فضول خرچی اس میں جائز نہیں۔ اور نہ کنجوس کی طرح صحیح کاموں پر بھی نہ خرچ کرنا جائز ہے مگر اسراف اور فضول خرچی آج کل عام ہو گئے ہیں اور جن کی کچھ مثالیں میں نے شروع خطبہ میں ذکر کی ہیں اُن سے بچنا چاہیئے۔ اگر ہم اس دنیا کی تباہی اور آخرت کے مواخذہ سے بچنا چاہتے ہیں۔

احادیثِ نبویؐ

اسی لئے رسول اللہ صلعم نے سادگی کو ایمان کی نشانی بتایا کہ جس کو اللہ اور یوم آخر پر ایمان ہے

وہ فضول خرچی اور عیش پرستی نہیں کرتا کہ اللہ جو کچھ اس دنیا میں دیتا ہے اُس کا آخرت میں حساب دینا ہو گا اور سادگی اختیار کر کے ہی انسان کچھ بچا سکتا ہے تاکہ اُسے فی سبیل اللہ خرچ کر کے اپنی آخرت کے لئے کچھ آگے بھیجے ورنہ انسان خالی ہاتھ جاتا ہے اور جو مال فضول خرچی میں ضائع کیا اس کا حساب اور جوابدہی الگ ہو گی۔

سادگی اور کفائیت شعاری پر مختلف احادیث نبویؐ ہیں۔ ان میں سے کچھ پیش کرتا ہوں۔

۱:۔ ان البذاذۃ من الایمان۔ سادہ طرزِ زندگی ایمان کی نشانی ہے۔ (ابُوداؤد)

۲:۔ عن معاذ بن جبل ان رسول اللہ صلعم لما بعث بہ الی الیمن قال ایّاك والتنعم فان عباد اللہ لیسوا بالمتنعمین۔

معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ان کو یمن کی طرف روانہ کیا تو نصیحت فرمائی کہ اپنے آپ کو عیش پرستی سے بچانا کیونکہ جو اللہ تعالےٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں وہ عیش پرست نہیں ہوتے۔ (مشکوٰۃ)

۳:۔ الغنی الایاس ممّا فی ایدی الناس۔

غنی وہ ہے جو دُوسرے لوگوں کے مال کا لالچ نہ کرے۔ (جامع صغیر)

۴:۔ ما عال من اقتصد : جو کفایت شعاری اختیار کرتا ہے وہ کبھی محتاج نہیں ہوتا۔ (مسند احمد)

۵:۔ ان من السرف ان تاکل کلّما اشتھیت۔

اسراف میں یہ بھی شامل ہے کہ تم اپنی تمام خواہشات کو پورا کرو (ابنِ ماجہ)

۶:۔ املك یدك اپنے ہاتھ کو قابو میں رکھو۔ (بخاری)

۷:۔ امسك علیك بعض مالك فھو خیر لك۔

اپنے مال میں سے کچھ پس انداز کر لیا کرو کہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

کیا عمدہ جواہر ریزے ہیں جو رسول اللہ صلعم کی زبانِ مبارک سے نکلے! انہی مضامین پر مجھے قرآنِ حکیم کی ایک آیت یاد آئی کہ ولا تمدّن عینیك الیٰ ما متّعنا بہٖ ازواجًا منّھم زھرۃ الحیٰوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ (طٰہٰ ۲۰ - ۱۳۱)

”اور اپنی نگاہیں اُس کے پیچھے لمبی نہ کر (یعنے لالچ سے نہ دیکھ) جو ہم ان میں سے قسم قسم کے لوگوں کو دُنیا کی زندگی کی آرائش کے لئے سامان دیا ہے۔ تاکہ ہم اُن کو اس کے ذریعہ سے آزمائیں“

اس آزمائش سے بچنے یعنے اس میں کامیاب ہونے کا ایک ہی طریق ہے کہ انسان فضول خرچی اور عیش پرستی سے بچے! سادہ زندگی اختیار کرے اور جو بچے اُسے فی سبیل اللہ اپنے سے غریب لوگوں پر خرچ کرے اور حق کو پھیلانے کی خاطر جو انبیاء کا کام تھا مگر خاتم النبیّین صلعم کے بعد حضورؐ کی اُمت کو نصیب ہوا۔

جہادِ بالمال

سُورۃ التکاثر میں وعید ہے کہ تم سے یوم حساب ضرور بالضرور سوال کیا جائے گا اُن نعمتوں کے بارہ میں جو اللہ تعالےٰ نے تم کو دُنیا کی زندگی میں دی تھیں۔ اُن میں سب میں اہم مال ہے کہ اُس سے اور نعمتیں حاصل کی جاتی ہیں۔ تو ساری عمر کی کمائی کا حساب کتنا کٹھن ہو گا! اس سے بچنے کے لئے آسان طریق یہ ہے کہ انسان اپنی ماہوار آمدنی کا دسواں حصہ دین کی اشاعت کے لئے دے دے۔ قرآنِ حکیم نے فرمایا ہے کہ من جاء بالحسنۃ فلہٗ عشر امثالھا کہ جو ایک نیکی لائے گا اُسے اُس کا دس گنا اجر دیا جائے گا۔ احادیث نبوّی میں بھی یہ بار بار آیا ہے۔ تو جو شخص اپنی آمدنی کا دسواں حصہ اشاعتِ اسلام میں دے گا اللہ کے ہاں لکھا جائے گا کہ اُس نے اپنی ساری آمدنی اللہ کی راہ میں دے دی۔ تو روزِ قیامت ایسے انسان کا حساب کس قدر آسان ہو جائے گا۔ حضرت مرزا صاحبؒ نے ہم پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اشاعتِ حق جو نبیوں کا کام تھا ہمیں اس کی راہ پر ڈالا۔ ہم کسب معاش میں اشاعتِ اسلام نہیں کر سکتے تو اپنی آمدنی کا دسواں حصہ اشاعت اسلام کے لئے دے کر نہ صرف اس کام کو بہت وسیع پیمانے پر کر سکتے ہیں بلکہ آخرت میں بھی سخت حساب اور عذاب سے بچ سکتے ہیں۔

الشیطٰن یعدکم الفقر

قرآنِ حکیم نے فرمایا ہے کہ یہ تو شیطان ہے جو تمہیں ڈراتا ہے فقر سے۔ اور رسول اللہ صلعم نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے کوئی غریب نہیں ہو جاتا۔ ہماری جماعت میں ایسے لوگ ہیں جو اپنی آمدنی کا دسواں حصہ بلکہ اس سے زیادہ چندہ ماہوار دیتے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی اس سے غریب اور تنگ دست نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے اس دنیا میں ہی انہیں اتنا دیا کہ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اگر ہمارے دلوں میں صحیح ایمان ہے تو ہمیں فوراً یہ قدم اُٹھانا چاہیئے کیونکہ پتہ نہیں کہ ہم میں سے کتنی جلدی کس کا بلاوا آ جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؒ کا بلند عزم

فرماتے ہیں:۔

”میں جہاں تک میرے امکان میں ہے۔ تالیف کے ذریعہ سے ان علوم اور برکات کو ایشیا اور یورپ کے ملکوں میں پھیلاؤں جو خدا تعالےٰ کی پاک روح نے مجھے دی ہیں“

پھر فرماتے ہیں:۔

”یورپ اور امریکہ نے اسلام پر اعتراضات کا ایک بڑا ذخیرہ پادریوں سے حاصل کیا ہے اور ان کا فلسفہ اور طبعی بھی ایک الگ ذخیرہ نکتہ چینی کا رکھتا ہے۔ ان اعتراضات کا جواب دینے کے لئے کسی منتخب آدمی کی ضرورت ہے جو ایک دریا معرفت کا اپنے صدر منشرح میں موجود رکھتا ہو جس کے معلومات کو خدا تعالےٰ کے الہامی فیض نے بہت وسیع اور عمیق کر دیا ہو“

پھر فرماتے ہیں:۔

”سو میری صلاح یہ ہے کہ بجائے ان وعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر تیار کر کے اور انگریزی میں تیار کرا کر اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے“

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

”میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہو گا۔ جیسے مجھ سے یا جیسے اس سے جو میری شاخ ہے۔ اور مجھ ہی میں داخل ہے“

اس کے بعد ان ممالک میں اس لٹریچر کی تقسیم کو ضروری ٹھہرایا اور یہ تجویز فرمائی کہ وہاں اپنے آدمی بھیج کر ان کے ذریعہ سے یہ لٹریچر ان میں تقسیم کیا جائے۔

حضرت اقدسؑ کی تڑپ کس طرح پُوری ہوئی،

اب یہ حضرت امام کی ۱۸۹۱ء کی تڑپ ہے کہ یورپ اور امریکہ اور ایشیا میں تبلیغ اسلام کے لئے عمدہ عمدہ تالیفات تیار کی جائیں اور ایک تفسیر قرآن کریم کی بھی انگریزی میں تیار کی جائے۔ مگر اس سارے کام کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ میرا کام ہے یا اس کا جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے۔ اور دوسرے سے یہ ہرگز نہیں ہو گا۔

(حضرت امیر مرحومؒ)

* * *

از حکیم میاں فخر الدین احمد صاحب راولپنڈی

(بسلسلہ پیغام صلح ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۱ء) قسط نمبر (2)

ولا یبقی لک من المخزیات شیاء "

(الہام حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ)

خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے صف اول کے شاگردوں میں سے تھے اور آپ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ حضرت اقدس نے آپ کی دنیا اور آخرت میں صالحیت پر شہادت دی۔ اس پیشگوئی کا ذکر پیغام صلح میں کئی بار آچکا ہے۔ یاد تازہ کرنے کے لئے وہ الفاظ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔"

"مولوی محمد علی صاحب کو رؤیا میں دیکھا آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے۔ آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ۔"

ان الفاظ میں ایک تو آپ کی صالحیت پر شہادت پائی جاتی ہے۔ دوسرے آپ کے نیک ارادوں اور نیک نیتی پر گواہی ملتی ہے۔ حضرت مولانا کی زندگی کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ آپ نے زندگی کا بیشتر حصہ ردِّ تکفیر اہلِ قبلہ کے جہاد میں گذارا۔ جب تک صاحبزادہ مرزا محمود احمد خلیفہ قادیان نے مسئلہ تکفیر کھڑا نہیں کیا تھا جماعتِ احمدیہ حضرت بانیٔ سلسلہ کے فرمودات اور ارشادات کے مطابق خدمتِ دین کی راہ پر منزل بمنزل آگے بڑھتی چلی گئی۔ اس کی صفوں میں اتحاد قائم رہا۔ حضرت بانیٔ سلسلہ نے اپنے نہ ماننے والوں کو کبھی بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا۔ آپ کی کتابیں، آپ کے لیکچر موجود ہیں آپ اپنے متبعین سے جو اقرار کلمہ شہادت پڑھوالیا کرتے تھے وہ محفوظ ہے کہیں بھی اس بات کا شائبہ نظر نہیں آتا کہ حضرت اقدس نے اپنے نہ ماننے والوں کو کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا ہو۔ اللہ تبارک وتعالےٰ نے آپ کو مجددیت کی خلعت عطا کی تھی اور اُمّتِ مُسلمہ کے لئے مسیح موعود کا منصب عطا کیا تھا اب سوچنے کا مقام ہے کہ اگر امتِ مسلمہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئی تھی تو آپ کیوں "اہل اسلام" کو دعوت رشد وہدایت دیتے رہے۔ اور ان پر قرآن کریم اور رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات اور احادیث سے اتمام حجت کرتے رہے۔ ذرا اس شعر پر غور کیجئے۔

فراموشت شد اے قوم احادیث نبی اللہ
کہ نزد ہر صدی یک مصلح امت شود پیدا

غیر از جماعت طبقات کو آپ اپنی قوم قرار دیتے ہیں اور انہیں نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی طرف توجہ دلا کر ملزم ٹھہراتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ آپ کی قوم دائرۂ اسلام میں تھی اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والی تھی اور آنحضرت کی رسالت پر ایمان ہی اسلام اور کفر جانچنے کا ذریعہ ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ کی تحریرات میں آپ کا اعلان موجود ہے کہ:۔

"میرے دعوٰی کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔"

اپنی وفات سے چند دن پہلے آپ نے میاں فضل حسین صاحب بیرسٹرایٹ لاء (جو بعد میں "سر" کہلائے اور حکومت ہند میں وزیر بنے) کے استفسار پر فرمایا:۔

"ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں کہتے جب تک کہ وہ ہمیں کافر کہہ کر خود کافر نہ بن جائے آپ کو شاید معلوم نہ ہو جب میں نے مامور ہونے کا دعوٰی کیا تو اس کے بعد بٹالہ کے مولوی محمد حسین ابو سعید نے بڑی محنت سے ایک فتوٰی تیار کیا جس میں لکھا تھا کہ یہ شخص کافر ہے۔ دجال ہے۔ ضال ہے۔ اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے۔ جو ان سے السلام علیکم کہے یا مصافحہ کرے یا انہیں مسلمان کہے وہ بھی کافر۔ اب سنو یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو مومن کو کافر کہے وہ کافر ہوتا ہے.....۔"

ایسا ہی آپ نے اپنی کتاب تریاق القلوب میں لکھا:

"ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوٰے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا ہاں ضال اور جادۂ صدق وصواب سے منحرف ضرور ہوگا اور میں اس کا نام بے ایمان نہیں رکھتا۔ ہاں میں ایسے سب لوگوں کو ضال اور جادۂ صدق وصواب سے دُور سمجھتا ہوں جو ان سچائیوں سے انکار کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے میرے پر کھولی ہیں۔ میں بلا شبہ ایسے ہر ایک آدمی کو ضلالت کی آلودگی میں مبتلا سمجھتا ہوں۔ جو حق اور راستی سے منحرف ہے لیکن میں کسی کلمہ گو کا نام کافر نہیں رکھتا جب تک وہ میری تکفیر کر کے اپنے تئیں خود کافر نہ بنالیوے۔"

ان واضح ارشادات کی روشنی میں جب حضرت خواجہ کمال الدینؒ نے جو حضرت بانیٔ سلسلہ کے شاگردوں میں سے تھے اور اپنے امام سے "حسنِ بیان" کا خطاب پا چکے تھے جھنگ کے ایک جلسہ عام میں اعلان کیا۔ کہ ہم ہر کلمہ گو کو مسلمان کہتے ہیں تو صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے اپنے رسالہ "تشحیذ الاذہان" کے اپریل ۱۹۱۱ء کے شمارہ میں تردیدی مضمون لکھا جس کی رُو سے تمام دُنیا کے مسلمانوں کو خواہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کا نام بھی نہ سنا ہو یا آپ کو دل سے تو مانتے ہوں مگر بیعت نہ کی ہو کافر اور خارج از اسلام قرار دے دیا۔ اس مضمون کے شائع ہونے پر حضرت مولانا نور الدینؒ نے جو اس وقت سلسلہ احمدیہ کے سربراہ تھے بستر علالت پر فرمایا تھا کہ مسئلہ کفر و اسلام کو ہمارے میاں (مراد مرزا محمود احمد صاحب ناقل) نے بھی نہیں سمجھا۔ آپ نے صرف یہ اظہار خیال ہی نہیں کیا بلکہ مولانا محمد علی صاحب کو اس کی وضاحت کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا جس کی مولانا نے تعمیل کی اور اس مسئلہ پر اس کثرت سے لکھا کہ شاید ہی کہیں اس کی نظیر ملے۔

حضرت مولانا نور الدینؒ کی وفات پر جب کفر و اسلام کے مسلک پر جماعتِ احمدیہ دو حصوں میں بٹ گئی تو مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنے اخبار الہلال ۲۵ مارچ ۱۹۱۴ء میں لکھا:۔

"ایک عرصہ سے اس جماعت میں مسئلہ تکفیر کی بنا پر دو جماعتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ ایک گروہ کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر احمدی مسلمان بھی مسلمان ہیں۔ گو وہ مرزا صاحب کے دعوٰی پر ایمان نہ لائے ہوں۔ لیکن دوسرا گروہ صاف صاف کہتا تھا کہ جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان نہ لائیں۔ وہ قطعی کافر ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آخری جماعت کے رئیس صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ہیں اس گروہ نے اب انہیں اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔ مگر پہلا گروہ تسلیم نہیں کرتا۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے اس بارے میں جو تحریر شائع کی ہے اور جس عجیب وغریب دلاوری کے ساتھ قادیان میں رہ کر اظہار رائے کیا ہے۔ وہ فی الحقیقت ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ اس سال کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جائے گا۔"

(باقی آئندہ)

* * * *

از: مکرم میاں رحیم بخش صاحب، کراچی

خاتم النبیینؐ

اس مضمون کی پہلی قسط یا حصہ اول زیرعنوان کلمہ طیبہ اتحادِ اسلام کی کنجی ہے۔ پیغامِ صلح کے شمارہ نمبر ۲۱ مورخہ ۲۰ مئی سال ۱۹۸۱ء شائع ہو چکا ہے مضمون کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے قارئین کو چاہیئے کہ حصہ اوّل کو پڑھ کر اس مضمون کو پڑھیں۔ (ادارہ)

اس مضمون کے حصہ اوّل میں مسئلہ نبوت اور ختم نبوت زیرِ بحث آ چکا ہے۔ اور نبوت کے متعلق اُن اہم اور بنیادی امور کی وضاحت کی گئی ہے کہ بروئے قرآن نبوت کیا ہے اور اس کے ساتھ کیا لوازمات اور شرائط وابستہ ہیں۔ قرآنِ کریم کے حوالہ سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اصولاً نبوت، تین خصوصیات پر مبنی ہے۔ جو مدعی نبوت کے لئے لازم و ملزوم ہے اور کہ ختم نبوت، ان تین شرائط کی عدم موجودگی سے وابستہ ہے۔ اس لئے غیر مشروط نبوت از روئے قرآن کوئی نبوت نہیں اور یہی وجوہات ہیں جن کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والاصفات پر اختتام نبوت لازم آتی ہے۔ اور آپ کو خاتم النبیین ٹھہرایا گیا۔ تین خصوصیات یا محکمات اصول نبوت یہ ہیں:۔

۱:۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی مبعوث ہوتا ہے وہ مقامِ نبوت پر فائز ہو کر اپنی قوم کو اپنا دعویٰ نبوت اعلانیہ پیش کرتا ہے۔ اس کی مثالیں قرآنِ کریم سے پیش کی جا چکی ہیں ما لبتہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق سے یہ دعویٰ نبوت، تمام انسانیت کے لئے تاقیامت قائم رہے گا۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف آیت ۱۵۸ میں ارشاد باری تعالےٰ ہے "قل یا ایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعًا۔۔۔۔۔" یعنی اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول (بن کر) آیا ہوں۔۔۔۔

۲:۔ دوسرا لازمی امر جو نبوت کے ساتھ مخصوص ہے وہ ہر مدعیٔ نبوت پر ایک کتاب کا نزول ہے جس پر اس نبی کی شریعت مبنی ہوتی ہے جس طرح قرآن میں سب نبیوں کے فرداً فرداً نام نہیں ہیں حالانکہ قرآن نے یہ بتا دیا ہے کہ تمام دنیا میں ہر قوم میں نبی آیا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالےٰ ہے "ولقد بعثنا فی کل اُمۃ رسولًا۔۔۔۔" (سورۃ النحل: ۳۶) "اور یقیناً ہم نے ہر ایک قوم میں ایک رسول بھیجا"۔ اسی طرح تمام نبیوں کی طرف جو کتابیں نازل ہوئیں اُن سب کے نام یا اُن کا ذکر نہیں۔ البتہ اس امر کی توثیق کے لئے ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ "لقد ارسلنا رسلنا بالبیّنٰت وانزلنا معھم الکتٰب والمیزان لیقوم الناس بالقسط۔۔۔۔" (سورۂ حدید: ۲۵)۔ یعنی ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا۔ اور اُن (ہر ایک) کے ساتھ کتاب اور میزان اُتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔۔۔۔"

یہ آیت نص صریح ہے کہ جتنے نبی اور رسول آئے اُن میں ہر ایک پر کتاب نازل ہوئی جس پر اس کی شریعت قائم ہوئی۔ اور یہ واضح دلیل ہے کہ کوئی نبی بغیر کتاب مبعوث نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے چنانچہ اسی حوالہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر نزولِ قرآن کا ذکر یوں ہے۔

"قل ای شیئٍ اکبر شھادۃ۔ قل اللّٰہ شھیدٌ بینی وبینکم واُوحی الیّ ھٰذا القرآن۔۔۔۔۔۔" (سورۃ الانعام: ۱۹)

ترجمہ:۔ "کہہ کون سی شہادت سب سے بڑی ہے کہہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ساتھ ڈراؤں اور اُسے جس کو وہ پہنچے۔۔۔۔"

مزید برآں متذکرہ بالا سورۂ حدید کی آیت ۲۵ کی تائید۔ توثیق اور تصدیق میں سورۃ فاطر کی آیات ۲۴-۲۵۔ ایک قطعی اور بدیہی دلیل کی حیثیت رکھتی ہیں جس میں ارشادِ باری تعالےٰ ہے۔

"انا ارسلنٰک بالحق بشیرًا ونذیرًا۔ وان من اُمّۃٍ الاّ خلا فیھا نذیرٌ۔ وان یکذبوک فقد کذب الذین من قبلھم۔ جاءتھم رسلھم بالبیّنٰت وبالزبر وبالکتٰب المنیر"

ترجمہ:۔ "ہم نے تجھے حق کے ساتھ خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور کوئی قوم نہیں مگر اُن میں ڈرانے والا گذر چکا۔ اگر تجھے جھٹلائیں تو انہوں نے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے۔ ان کے رسول اُن کے پاس کھلی دلیلوں اور صحیفوں اور روشن کرنے والی کتاب کے ساتھ آئے"۔

اس آیت اور سورۂ حدید کی مندرجہ بالا آیت میں ایک بات خاص طور پر قابلِ توجہ ہے اور وہ یہ کہ گو ان آیات میں رسولوں کا ذکر صیغۂ جمع میں واقع ہوا ہے مگر نزولِ کتاب کا ذکر صیغہ واحد میں ہے حالانکہ رسولوں کے ساتھ بیّنات اور صحیفوں کا ذکر بھی صیغہ جمع میں ہوا ہے جس کا مطلب اور مفہوم صاف ظاہر ہے کہ ہر نبی کے ساتھ ایک کتاب کا نزول اس کی نبوت کی دلیل ہے۔ گویا بعثت نبوت نزولِ کتاب کے ساتھ منسلک اور لازم و ملزوم ہے۔ اس بیان سے یہ نتیجہ بھی لازماً اخذ ہوتا ہے کہ ہر نبی کی نبوت اس کی شریعت کے ساتھ مستلزم ہے۔ اور بغیر شریعت کوئی نبوت قائم نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا قرآن سے غیر تشریعی نبوت کے وجود کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور غیر تشریعی نبوت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

۳:۔ تیسرا محکم اصول جو نبوت پر دلالت کرتا ہے یہ ہے کہ ہر نبی اور رسول اپنی امت کو اللہ تعالےٰ کی اطاعت کے بعد اپنی رسالت اور شریعت کی اطاعت کی تلقین کرتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ہر نبی کے ذکر میں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو اپنی اطاعت کے لئے کہا مثلاً سورۂ شعرا میں کئی انبیاء کا نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی حضرت نوحؑ۔ حضرت ہودؑ۔ حضرت صالحؑ۔ حضرت لوطؑ حضرت شعیبؑ۔ ان میں ہر ایک رسول مبعوث ہونے پر اپنی قوم کو ایک ہی الفاظ میں یوں مخاطب ہوتا ہے:۔

"انی لکم رسولٌ امین فاتقوا اللّٰہ واطیعون"

ترجمہ:۔ "میں تمہارے لئے رسولِ امین (مبعوث ہو کر) آیا ہوں۔ سو تم اللہ کا تقوےٰ کرو اور میری اطاعت کرو"

ان تمام امثال سے واضح ہے کہ ہر نبی اپنی امت کو اس لئے اپنی اطاعت کی دعوت دیتا ہے کہ ہر نبی بذاتِ خود مطاع ہوتا ہے۔ اور وہ دوسرے کسی نبی کا مطیع نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس نکتہ کو قرآنِ کریم نے ایک قاعدہ کلیہ کی صورت میں یوں بیان فرمایا ہے:۔ "اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے" (سورۃ النساء ۶۴)

اب اسی حوالہ سے چونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہیں اور آپکی نبوت تمام دنیا کے لئے تاقیامت قائم و دائم ہے۔ لہٰذا اب اللہ تعالےٰ کے بعد تمام انسانوں پر آپؐ کی اطاعت لازم آتی ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں شریعتِ محمدیہ کا اتباع لازم ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالےٰ ہے:۔

"یعنی (سب لوگوں سے) کہہ دو کہ (تم) اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلے اللہ علیہ وسلّم) کی اطاعت کرو"

پھر سورۂ محمدؐ آیت ۳۳ میں فرمایا:۔ "یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر اللہ تعالےٰ کی اطاعت کے بعد رسول (محمد صلے اللہ علیہ وسلّم) کی اطاعت لازم ہے"

از: مکرم مرزا محمد لطیف شاہد

جلسہ یومِ محمد علیؒ کی مختصر روئیداد

منعقدہ مؤرخہ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۸۱ء، جامع دار السلام ۔ ۵۰ر عثمان بلاک، — نیو گارڈن ٹاؤن — لاہور

الناس صنفان موتی فی حیاتہم
واٰخرون فی بطون الارض احیاء

عرب کا ایک شاعر کہتا ہے۔ دُنیا میں انسان دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنی زندگی کے مقصد کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ زندگی میں ہی مُردہ ہوتے ہیں اور دُوسری قسم کے لوگ وُہ ہیں جو ایسے صالح۔ نیک اور بزرگ کام کرتے ہیں کہ وہ طبعی طور پر گو فوت ہو جاتے ہیں لیکن عملاً وہ زندہ جاوید ہوتے ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ دُوسری قسم کے لوگوں میں سے ہیں۔ آج آپ کو ہم سے جدا ہوئے تینتیس سال کا لمبا عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن ہر دن جو طلوع ہوتا ہے وہ آپ کی روحانی حیات کا ثبوت دیتا ہے۔ اور قیامت تک آپ نے جو کارہائے نمایاں قرآن مجید کی تفسیر۔ اسلامی مسائل پر ٹھوس دلائل اور غیر مسلم مستشرقین کے جوابات میں آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ اور وہ بھٹکی مخلوق کی رہنمائی اور پیاسی رُوحوں کو سیراب کرتا رہے گا

ان مختصر الفاظ سے جلسہ کا افتتاح ہوا۔ صدارت کے فرائض محترم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی نے سرانجام دیئے۔ یہ پاکیزہ مجلس مقامی جماعت احمدیہ کے زیر اہتمام ۱۳ر اکتوبر ۱۹۸۱ء چار بجے سہ پہر مسجد احمدیہ دار السلام میں منعقد ہوئی جس میں کثرت سے مرد و خواتین نے شرکت فرمائی۔ تلاوت قرآن مجید ہمارے انڈونیشی عزیز یاتمین نے کی۔ اور تلاوت کردہ حصّہ کا "بیان القرآن" سے ترجمہ بھی سنایا گیا۔

محترم محمد اعظم علوی صاحب نے بڑے دلنشیں انداز میں حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو منظوم نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ کچھ مجلس کا رنگ ایسا تھا اور موقع کی مناسبت اور پاکیزہ انسان کی خدمت میں گل ہائے عقیدت۔ ان سب باتوں نے سامعین پر بڑا مؤثر اثر ڈالا۔ اور اکثر لوگوں کی آنکھوں میں محبت کی وجہ سے نمی آ گئی۔

محترم مرزا مسعود بیگ صاحب، جن کو خدا تعالےٰ نے یہ سعادت عطا فرمائی ہے کہ آپ ایک لمبا عرصہ تک حضرت امیر مرحوم کے رفیقِ کار رہے ہیں۔ آپ کو حضرت موصوف کو بڑے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ دیکھنے والے تو کئی تھے۔ لیکن بعض ایسے بھی تھے۔ جنہوں نے جو کچھ دیکھا اس کو اچھی طرح اپنے اندر سمو لیا۔ اور اس قیمتی متاع کو محفوظ بھی رکھا۔ محترم مرزا مسعود بیگ صاحب ایسے مخصوص افراد میں سے ہیں۔ اس مناسبت سے آپ نے سنین وار تفصیل سے حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے کارنامے۔ اسلامی خدمات۔ دینی مہمات۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اپنے دُوسرے مسلمان بھائیوں کی رہنمائی اور آپ کے دیگر کارہائے نمایاں بیان فرمائے۔ مفصل رپورٹ بعد میں پیش کی جائے گی۔

آپ کی تقریر بڑی مؤثر تھی۔ وقت کی تنگی کی وجہ سے بعض واقعات آپ کو مختصر بھی کرنے پڑے اور کچھ حصّہ چھوڑنا بھی پڑا۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی نے قرآنی آیت ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ..... تلاوت فرمائی اور بتایا کہ کس طرح وہ مشن جو حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ نے فرمایا تھا۔ یعنی غیر مسلم اقوام تک اسلام کا پیغام پہنچانا جسے قرآن مجید نے جہادِ کبیر کا نام دیا ہے۔ اس کٹھن عظیم کام کو کس خوبی کے ساتھ ادا فرمایا ہے کہ آج دُنیا کا کوئی خطّہ نہیں جس میں آپ کا علم کلام۔ قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر اور دُوسری علمی کتابیں نہ پہنچی ہوں۔ اور ہزارہا لوگ اس روحانی چشمہ سے فیض یاب ہو رہے ہیں جو آپ نے جاری فرمایا۔

مقامی جماعت اس موقع پر ہر سال اپنے عہدیداروں کا انتخاب بھی کیا کرتی ہے۔ انتخاب کے بعد حاضرین نے حضرت ڈاکٹر صاحب کی اقتدا میں مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کیں۔

احباب کو علم ہے کہ گذشتہ دنوں حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی دورہ ہالینڈ کی جماعت کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لئے مع اپنے رفقاء کے تشریف لے گئے تھے وہ جلسہ خدا کے فضل سے بڑا کامیاب ہوا۔ تنگیٔ وقت کی وجہ سے اس جلسہ کی چالیس منٹ کی ایک تصویری رپورٹ بھی دوستوں کو دکھائی گئی۔ متحرک تصویر اور آواز۔ قرآن مجید کی تلاوت اور دُوسری جلسہ کی کارروائی دیکھ کر احباب کا ایمان تازہ ہوا۔

مقامی جماعت نے تمام حاضرین کے لئے رات کے کھانے کا بھی انتظام فرمایا تھا۔ جو احمدیہ ہوسٹل میں کیا گیا تھا۔ تمام خواتین و حضرات اجتماعی رنگ میں کھانے میں شامل ہوئے۔ اور مقامی جماعت نے ان احباب کے لئے جو دُور سے تشریف لائے تھے ان کے لئے آمد و رفت کے لئے بس کا بھی انتظام فرمایا تھا۔ چنانچہ کھانے سے فراغت کے بعد احباب و خواتین آرام سے اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے۔ (جزاھم اللہ احسن الجزاء)

فی الحال اس بابرکت اجتماع کی یہ مختصر سی روداد لکھی گئی ہے۔ مفصل کارگزاری کی رپورٹ اگلے الیشوع میں قارئین کرام ملاحظہ فرما دیں۔

* * *

بارگاہِ الٰہی میں پہلی صدا

ہم درماندہ درویشوں کی پہلی صدا اس بارگاہ عالی میں جو تمام جہانوں کی ربوبیت فرماتا ہے یہ ہے الحمد للہ رب العالمین۔ اے تمام مخلوق کی ربوبیت فرمانے والے تو نے اپنے بندوں پر مادی رزق کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ اور زمین و آسمان کی مادی طاقتوں کو ان کی خدمت پر لگا دیا ہے۔ مگر مادی رزق کی فراوانی اور ظاہری کشش انہیں تجھ سے غافل کر کے ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جا رہی ہے۔ اس لئے تو ان پر روحانی رزق کے دروازے بھی کھول دے تاکہ یہ نسل انسانی تباہی اور بربادی سے بچ کر اپنے حقیقی کمال کو حاصل کر لے۔ اے خدا! جو ہمیشہ انسانوں کی روحانی ربوبیت فرماتا رہا ہے اور جس نے بالآخر ساری نسل انسانی کی روحانی ربوبیت کے لئے اپنا آخری نبی محمد رسول اللہ صلعم اور اپنا آخری اور کامل پیغام قرآن بھیجا تو اب نسلِ انسانی کی ربوبیت کے لئے اپنے قرآن اور پیغمبر کی قبولیت کی ہوا چلادے اور ہمیں بھی وہ سامان عطا فرما کہ ہم تیرے قرآن اور تیرے پیغمبر کی خوبصورت تصویر ساری دنیا میں پہنچا دیں۔

بچوں کا صفحہ —— از:- ریٹائرڈ کرنل حنیف اختر ملہی

وقت کی آواز

(قسط نمبر 2)

بچو! پچھلے الیشوع میں ہم نے وقت کی قدر کے متعلق مختلف محاورات اور اپنی اس خداداد عظیم لیکن مفت نعمت کی ناقدری کی داستان توجہ دلائی تھی اور عرض کیا تھا کہ جو افراد یا قومیں وقت کی قدر نہیں کرتے وہ بالآخر دنیا کی دوڑ میں نہ صرف پیچھے رہ جاتے ہیں بلکہ تباہ ہو جاتے ہیں اب ہم ان عوامل کی نشاندہی کریں گے جو ہم سے یہ قیمتی نعمت چھینتے ہیں یا یوں کہیئے کہ وقت پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

ان میں سب سے سرفہرست لغویات ہیں۔ قرآن کریم کا حکم تو یہ ہے:۔ وھم عن اللغو معرضون (یعنی مومن لغو سے پرہیز کرتے ہیں) اور جنت کی نشانی ہے۔ لاتسمع فیھا لاغیۃ (یعنی آپ اس میں کوئی لغویات نہیں سنیں گے) ادھر تو آجکل گذارہ ہی لغویات پر ہے۔ نہ صرف اشتہار باز اور بڑے بڑے بزنس والے ہمیں ہر وقت لغویات کی ترغیب دیتے رہتے ہیں بلکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان تک۔ اکابرین کا ہاتھ بھی اس میں شامل ہے ورنہ یہ کلرٹی وی پر کمرشل اور کئی دنوں تک کرکٹ میچ قومی وقت کا ضیاع نہیں تو اور کیا ہے پھر ریس۔ جوا۔ کلب بازی۔ شراب نوشی۔ بدکاری اور گھنٹوں وی سی آر پر ممنوع فلمیں دیکھنا دکھانا لغویات کی انتہا ہی تو ہے۔ اور کتنا قیمتی وقت ہمارا نذر ہو جاتا ہے۔ جھوٹی اور نام نہاد تفریحوں کی بھینٹ پر۔ لیکن آپ تو امام وقت کے پیروکار ہیں جن کو الہام ہوا تھا۔

انت المسیح الذی لا یضاع وقتہٗ

تو پھر یہ بے دریغ تضیع اوقات چہ معنی؟ اب وقت ہے کہ ہماری حکومت (یا کم از کم اپنے طور پر ہماری جماعت) تضیع اوقات کو معاشرتی برائی نمبرا کا درجہ دیدے۔ یہ لغویات ہمارے قیمتی وقت پر ڈاکہ ڈالنے ہی سے تو سرزد ہوتی ہیں اگر ہم ہشیار رہیں اور اپنے وقت کی حفاظت کریں تو لغویات سے پرہیز ممکن ہو جائے گا۔

ہم اپنے کھانے پینے اور دیگر ضروری اشیاء کے ضیاع کے خلاف مہمات چلاتے رہتے ہیں لیکن جو سب سے بڑا ضیاعِ وقت۔ اُس پر ہمارے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ انگریزی میں محاورہ ہے:۔

NO GREATER CRIME THAN WASTE OF TIME

یعنی وقت کو ضائع کرنے سے بڑھ کر اور جرم کوئی نہیں۔

BY KILLING TIME. WE KILL OURSELVES

وقت ضائع کر کے ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

دوسرا وقت کا ڈاکو بغیر سوچے سمجھے وقت خرچ کرنا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی چیز کی پلاننگ ٹھیک طرح کی جائے تو وہ احسن طریقے سے اور تھوڑے وقت میں کی جا سکتی ہے لیکن اگر آپ اپنے امروز و فردا کو قسمت کے سہارے چھوڑ دیں (جیسا کہ سواد اعظم کا طریقہ ہے) تو ہم زندگی کے دھارے میں ایک بے سہارا تنکے کی طرح بہتے چلے جائیں گے اور ان لوگوں کے رحم و کرم پر ہوں گے جو اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔ اسی لئے تو علامہ اقبال رح نے کہا:۔ ؏

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے۔

یاد رکھیئے ابھی تک کوئی ایسا بینک نہیں کھلا جو وقت کو ہمارے لئے سنبھال کر رکھے یا تو ہم اس وقت کا استعمال کریں گے (غلط یا صحیح) یا پھر یہ ہمیشہ کے لئے گذر جائے گا۔ یہ آپ کا انتظار کبھی نہیں کرے گا تو سبق یہ حاصل ہوا کہ ہم اس خداداد وقت کو اعمالِ صالحہ سے بھر دیں جو ایک اعلیٰ بیج کی طرح ہوتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بیج پھلتا پھولتا ہے۔ اور اس وقت پھل دینا ہے جب آپ کو امید بھی نہیں ہوتی۔ آپ نہیں تو آپ کی اولاد ضرور اس سے بہرہ ور ہوتی ہے لیکن اگر آپ بیج لگانے کا وقت ہی نہیں نکالا تو پھر پھل کیسا؟

تیسرا ڈاکو جو ہمارے وقت کو لوٹتا ہے وہ بغیر اطلاع دیئے دوسروں کے ہاں جا دھمکنا اور گپ بازی ہے۔ ہمارے ہاں یہ اکثر ہوتا ہے کہ خواتین اور مرد بھی دوسروں کے گھر بغیر اطلاع دیئے چلے جاتے ہیں اور پھر خاطر تواضع کی توقع بھی رکھتے ہیں۔ بغیر سوچے کہ ہو سکتا ہے اس وقت میزبان کو بہت ضروری کام سے کہیں جانا ہو۔ شاید اسی لئے ترکی زبان میں محاورہ ہے:۔

"ایک بن بلایا مہمان ہزار تاتاریوں سے بدتر ہے"

ترقی یافتہ اقوام نے اس کا حل یہ نکالا ہے کہ آپ بغیر وقت مقرر کئے نہ ڈاکٹر کے پاس جا سکتے ہیں نہ حجام کے پاس نہ ہی ہمسائے عزیز رشتہ دار یہ جرأت کرتے ہیں کہ کسی دوسرے کے پروگرام میں اطلاع دیئے بغیر مخل ہوں۔ ہر ایک اپنے وقت اور پرائیویسی کی حفاظت کرتا ہے۔ عین یہی چیز ۱۴ سال پہلے قرآن کریم نے دنیا کے سامنے پیش کی۔ یایھا الذین اٰمنوا لا تدخلوا ------- وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھو ازکیٰ لکم۔

"اے ایمان والو آپ دوسروں کے گھروں میں مت جائیں جب تک کہ آپ اجازت طلب نہیں کرتے اور اہلِ بیت کو سلام نہیں کر لیتے اور اگر آپ کو کہا جائے کہ لوٹ جائیں تو آپ لوٹ جائیں یہ آپ کے لئے تزکیہ کا باعث ہے۔"

کتنی سنہری تعلیم ہے لیکن ہمارا عمل کیا ہے؟ اگر ہمارے اہل خانہ لوٹ جانے کو کہہ دیں تو ہم سخت عیب جوئی کرتے ہیں اور اگر کہا جائے کہ لوٹ جائیں تو اسے حکم خداوندی سمجھ کر معذرت نہیں کرتے بلکہ اپنی توہین سمجھ کر قطع تعلقات پر اتر آتے ہیں۔ جہاں تک گپ بازی کا تعلق ہے تو یہ شیطانی عمل رکے نہیں رکتا۔ اس میں ہماری خواتین بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ بات کا آغاز معمولی ہوتا ہے "بہن سنا آپ نے" "اسے پتہ ہے؟" "پتہ ہے کیا ہوا؟" اور اسکے بعد لامتناہی سلسلہ گفتگو چل نکلتا ہے۔ جو غیبت اور بہتان طرازی پر جا کر منتج ہوتا ہے۔ اور زبان کے ایسے ایسے گھاؤ لگائے جاتے ہیں جس سے پر ہونے ہونے خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں۔ قرآنی حکم تو یہ ہے ولا یغتب بعضکم بعضاً اور چغل خوری کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ٹھہرایا گیا ہے۔

چوتھا ڈاکو ایک دوسرے کے عیوب کی ٹوہ میں لگے رہنا اور حسد کی آگ میں جلنا ہے۔ ہم نہ صرف خود بلکہ دوسروں کو متعین کرتے ہیں اس بات پر کہ اپنے عزیز و اقارب اور ہمسایوں کی کوتاہیوں اور غلطیوں اور گناہوں کی کھوج لگائیں۔ کتنا قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے اس پر صرف اس لئے تاکہ ہمیں گپ بازی کیلئے کافی مواد مل جائے۔ قرآنی حکم ہے ولا تجسسوا۔ ایک دوسرے کی کمزوریوں کی کھوج میں نہ لگے رہو بلکہ پردہ پوشی اور غفاری جو اللہ کی صفات ہیں اس کا نمونہ پیش کرو۔ اپنے کام سے کام رکھیں اور دخل اندازی (جب تک یہ آپ کے فرائض منصبی میں نہ ہو) سے پرہیز کریں۔

پانچواں اور آخری منبع تضیع اوقات کا جھوٹی نمود و نمائش ہے جس سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔ ہم اپنی شادی بیاہ وغیرہ کی رسومات بلکہ وفات پر بھی اتنا پیسہ اور وقت ضائع کرتے ہیں کہ توبہ بھلی۔ یہی پیسہ جو خداداد نعمت ہے بہتر استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ اور یہی وقت جو فضول گپ بازی اور لغویات میں گذارا جاتا ہے۔ احسن طریقے سے صرف کیا جا سکتا ہے۔ نمود و نمائش کا مقصد اپنے ہمسائے یا عزیزوں پر رعب ڈالنا یا کسی حاکم یا بڑے آدمی کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے لیکن اس کی تیاری اور ظاہری ٹیپ ٹاپ پر جو وقت ضائع ہوتا ہے وہ خدا کے نزدیک کفرانِ نعمت ہے۔ اور اللہ کی رضا اگر حاصل نہ ہوئی تو اس عارضی دنیوی خوشی کا کیا فائدہ؟

ابھی ہم نے ان عوامل کی نشاندہی کی ہے جو ہمارے وقت پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ اگلی اور آخری قسط میں آپ کو اپنے وقت کا صحیح مصرف کرنے کے کچھ طریقے بتلائے جائیں گے۔

وما توفیقی الا باللہ

جلسہ سالانہ ۱۹۸۱ء

۲۴ / ۲۵ / ۲۶ / اور ۲۷ دسمبر ۱۹۸۱ء کو منعقد ہو گا۔

۲۴ دسمبر کو خواتینِ احمدیہ کا جلسہ ہو گا اور نمائش دست کاری ہو گی۔

گذشتہ جلسہ سالانہ پر ۵۰-۵۵ افرادِ جماعت بیرونِ پاکستان سے تشریف لائے تھے۔ امسال بھی توقع ہے کہ بیرونِ ملک کی جماعتوں کے نمائندے شاملِ جلسہ ہو کر رونق بڑھائیں گے۔ جزائر فجی سے صدر جماعت مسٹر غلام نبی دین صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ نے آنے کی اطلاع دی ہے، اور کشمیر سے چار پانچ سربرآوردہ احباب کے آنے کی خبر آئی ہے۔ ضرورت ہے، کہ اندرونِ ملک کی جماعتیں بھی ابھی سے اس بابرکت اجتماع میں شمولیت کا پروگرام بنائیں اور ہر جماعت کے صدر و سیکرٹری صاحبان زیادہ سے زیادہ تعداد میں، افرادِ جماعت کو شاملِ اجلاس ہونے کیلئے تیار کریں اور مجھے اطلاع دیں تاکہ اُن کی تعداد کے مطابق اُن کی رہائش اور دیگر سہولتوں کا بندوبست ہو سکے۔ یہ درست ہے کہ ہر سال آپ لوگ سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے سردی کے یخ بستہ موسم میں امام وقت کی خوشنودی کے لئے لاہور آتے ہیں اور ہم اپنے محدود وسائل کے پیشِ نظر اتنی خدمت نہیں کر سکتے جتنی کرنی چاہیئے لیکن آپ کا مقصد بلند اور ارفع ہوتا ہے اور آپ ہماری فروگذاشتوں کو درخورِ اعتنا نہ سمجھتے ہوئے آپ آئندہ سال پھر جوق در جوق تشریف لاتے ہیں، ہم آپ کے اس جذبۂ خلوص اور دین کے لئے لگن کی جتنی بھی قدر کریں کم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دین و دنیا میں کامیاب و بامراد کرے۔ آمین!

امسال جلسہ سالانہ

کے اہتمام کی ذمہ داری انجمن نے مجھے سونپی ہے لہٰذا مستدعی ہوں کہ اس اجتماع کو کامیاب بنانے کے لئے مجھ سے تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ احمدی خواتین سے استدعا ہے کہ وہ دستکاری کے لئے ابھی سے کام شروع کر دیں۔ ہر جماعت کے صدر و سیکرٹری صاحبان سے درخواست ہے کہ وہ ہر اجتماع میں جلسہ کی اہمیت سے ہر فردِ جماعت کو مسلسل توجہ دلاتے رہیں۔

والسلام

مہتمم جلسہ سالانہ چوہدری منصور احمد
دارالسلام - ۸ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن - لاہور

ایم-ایس- چوہدری

مجاہدِ کبیر کی مانگ

گذشتہ ایام میں کتاب "مجاہدِ کبیر" کے مطالعہ کی طرف احباب کرام کی توجہ مبذول کرائی گئی تھی۔ چنانچہ بعض احباب کو اُن کے مطالبہ پر یہ کتاب ارسال کی گئی تھی۔ اس کے مطالعہ سے جو تاثراتِ احباب نے حاصل فرمایا۔ اُن میں سے جن احباب نے اپنے تاثرات سے آگاہ کیا وہ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ نیز ان احباب کی فہرست بھی دی جاتی ہے جن کو کتاب ارسال کی گئی۔ (ڈاکٹر اللہ بخش)

بخدمت جناب ڈاکٹر صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا پوسٹ کارڈ ۲۶/۹/۸۱ کا آج ملا۔ کتاب مجاہدِ کبیر کئی دنوں سے مل گئی ہوئی ہے۔ کتاب نہایت ہی اعلیٰ ہے۔ میں نے تقریباً ۲۵۰ صفحات پڑھ لئے ہیں میرا خیال ہے کہ ہر نوجوان کو یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے۔ اس میں اس قدر اعلیٰ INFARMATION ملتی ہے جو ہر احمدی کو پڑھنی چاہیئے تاکہ اس کو احمدیت کے متعلق سب حالات کا پتہ لگ جاوے۔ بلکہ آپ اخبار میں لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں کہ کتاب ضرور پڑھیں۔ خاص کر نوجوانوں کی توجہ ہونی چاہیئے۔ کتاب پڑھنے کے بعد بھائی غلام احمد اور ممتاز احمد کو دوں گا کہ وہ بھی پڑھیں۔ اور سب طرح خیریت ہے۔

خاکسار، عزیز احمد

ملتان سے م۔ ح چوہدری صاحب لکھتے ہیں:۔

مکرمی جناب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا محمد علی رح لاریب مجاہدِ کبیر تھے۔ محمد و علی رض کا جو مقام اسلام میں ہے مولانا نے بھی ان ناموں کی لاج رکھ لی ہے۔ اور اسم بامسمّیٰ ثابت ہوئے ہیں۔

غ۔ ی: کراچی سے تحریر کرتے ہیں:۔

مکرم و محترم آداب!

وہ ایسی شخصیت کے متعلق چھوٹا منہ اور بڑی بات والا معاملہ ہے۔ البتہ اس کے مطالعہ سے ایک شوق اور تفسیر بیان القرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کے متعلق بڑی شدت سے پیدا ہوا ہے۔

جن دوستوں نے کتاب بھیجنے کا شکریہ ادا کیا ہے انہوں نے حضرت امیر مرحوم کی بے نظیر تفسیر بیان القرآن ارسال کرنے کی فرمائش کی ہے۔

* * *

علاماتُ المقربین

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار - جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب - کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
اسے دے چکے مال و جان بار بار - ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار
لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے - وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے
(نشانِ آسمانی ص ۴۶)

* * *

جنوبی الامیڈا کاؤنٹی کے مذہبی گروپ کی طرف سے عالمی اسلامی لیڈروں کی میزبانی

پاکستانیوں کی رمضان کے روزوں کے بعد عید کی دعوت

اخبار" ابہ دور" کو ایک دعوت نامہ موصول ہوا جس میں اس کے ایڈیٹر اور اس کی اہلیہ کو دعوت دی گئی کہ وہ نیوارک کمیونٹی سنٹر ۳۵۵۰۱ سٹیڈار بولوار میں مسلمانوں کے عیدالفطر کے شکرانہ کے اجتماع میں حصہ لیں۔ یہ پُر تپاک دعوت ایسا چیلنج تھی کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ داعی گروپ "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور" کا مجھے علم نہیں تھا۔ دریافت کرنے پر علم ہوا کہ اُن کی مقامی شاخ ابھی پچھلے سال ہی قائم کی گئی ہے۔ تقریباً ایک سو خاندان جو ریاستہائے متحدہ امریکہ میں آباد نہیں ہوئے اکٹھے ہوئے ہیں اور اُن کا صدر مقام ۳۶۱۹۱۱ والفٹ سٹریٹ نیوارک کیلیفورنیا میں ہے۔ اسلامی نویں مہینے رمضان کے (مضمون نگار کو غلطی لگی ہے۔ یہ رمضان کے آخری دن نہیں ہوئی بلکہ اگلے دن) آخری دن کی عبادت سے تیس دن کے صبح کاذب سے سورج غروب ہونے تک پُر مشقت روزے اختتام پذیر ہوتے ہیں۔

یہ عبادت ایک خوبصورت شیشے کے فریم لگے کمرے میں منعقد ہوئی جہاں سے سنٹر کا احاطہ نظر آتا ہے۔ حاضرین میں زیادہ تر پاکستانی اور افغان خاندانوں کے مرد، عورتیں اور بچے شامل تھے۔

روایتی رسوم پر عمل

روایتی عبادت شروع ہونے سے قبل سب عبادت گذاروں نے جوتے اتارے پھر عبادت گاہ میں جاکر چٹائیوں پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے مشرقی احاطہ کی طرف منہ کئے جس کی سمت مکّہ کی طرف ہے جو محمدؐ کی پیدائش گاہ اور اسلام کا روحانی مرکز ہے۔ صرف مرد اور بڑی عُمر کے لڑکے آگے بیٹھے۔ عورتیں اور چھوٹے بچے کتنا ہی فاصلہ پیچھے بیٹھے۔ شوخ رنگوں کے سونے اور چاندی کے حاشیوں والے خوبصورت آبائی لباس پہنے ہوئے انہوں نے نقاب نہیں اوڑھے ہوئے تھے جیسا کہ بعض مُسلم ممالک میں ہوتا ہے۔ عبادت کے دوران اُن کے چہرے کُھلے تھے۔ عبادت گزاروں سے تقریباً چھ فٹ دُور میری اہلیہ اور میری طرح کے مدعوئین تھے۔ ہم کرسیوں پر بیٹھ کر یہ مؤثر رسومات دیکھ رہے۔ اللہ (خدا) کی فرمانبرداری کے اظہار کے لئے عبادت گذاروں نے کئی بار سجدے کئے۔ اس طرح انہوں نے اپنی سب سے اہم تعلیم کا اقرار کیا یعنی خدا صرف ایک ہے اور محمدؐ اللہ کے رسُول ہیں۔

ایک بڑا خاص دن:

مردوں، عورتوں اور بچوّں نے شکرانہ کا میلہ منایا جس سے اُن کے سخت روزوں اور بُرائی سے اجتناب کے تیس دن ختم ہوئے۔ بالآخر ان لوگوں نے اپنے قرآنِ پاک کے ارشاد کے مطابق اپنے نفوس کی اصلاح کا احساس کیا (دنیا کے اس حصہ میں قرآنِ پاک کو KORAN لکھا جاتا ہے)

اس اہم موقع کی نسبت کی مناسبت سے خطبہ ایک نامی اسّی سالہ بزرگ ڈاکٹر سعید احمد خاں سینئر وائس پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور نے دیا۔ ڈاکٹر صاحب ایک بلند پایہ ریٹائرڈ پاکستانی فزیشن ہیں جنہوں نے "بیرونِ ملک مشنوں کی کمیٹی" کے چیئرمین کی حیثیت سے اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ اس عالم کے خطبہ کا موضوع تھا "رُوحانی خوشی جو اس اندرونی کشمکش سے حاصل ہوتی ہے جو انسانی نفس امّارہ اور اس کی اخلاقی اور رُوحانی احساس کے علمبردار ضمیر کے درمیان ہوتی ہے۔"

اسلام ایک نہایت لطیف میزان کی تعلیم دیتا ہے۔

اُنہوں نے بتایا کہ روزہ انسان کے اندر کے حیوان کو اسی طرح رام کرتا ہے جس طرح کھانے پینے کی بندش سرکس کے حیوانوں کو رام کرتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس بات پہ زور دیا کہ جب صحیح میزان قائم ہو جاتا ہے تو اندرونی کشمکش ختم ہو جاتی ہے اور انسان نفسِ مطمئنہ حاصل کر لیتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ کس طرح یہ لطیف میزان حاصل کیا جائے انہوں نے ایک عربی لفظ تقوےٰ کا حوالہ دیا۔ جس کے معنی ہیں بُرائی سے بچنا۔ اور سب کو اس کے حصول کی کوشش کرنے کی تلقین کی۔ انسان کی بنیادی خواہشوں کھانا پینا۔ اور جنس کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے بتایا کہ قرآن تقوےٰ کا انعام صرف اگلی دُنیا میں ہی نہیں بلکہ اس زندگی میں بھی دیتا ہے۔ ان کا خطبہ ایک تنبیہ پر ختم ہوا۔ اگر کوئی شخص صرف حیوانی زندگی ہی بسر کرتا ہے اور اپنی شخصیت کے کہیں زیادہ اعلےٰ اخلاقی اور روحانی پہلو کو نظر انداز کرتا ہے تو وہ برے نتائج سے بچ نہیں سکتا۔

پاکستانی طرز کی عید کی دعوت

مسلم مذہبی عبادت کے بعد ہم سب کو پاکستانی طرز کی عید کی دعوت میں حصّہ لینے کے لئے کھانے کے کمرے میں بلایا گیا۔ کھانا گروپ کی مستورات نے تیار کیا تھا اور بڑا لذیذ تھا۔ اس میں ملا جُلا سبز سلاد، مُرغ کا سالن مزیدار بھیڑ کا گوشت، سبزیاں، تازہ پھل، مقامی روٹی، چٹخارہ دار دم، میٹھا اور پھل کی چاٹ (؟) شامل تھے سب متفق تھے کہ تیس دنوں کے روزے ختم کرنے کا یہ پُرلطف طریقہ ہے۔ ہم میں سے بہت سے بعد میں بھی رُکے رہے تاکہ زیادہ واقفیت حاصل کی جاسکے۔ مقامی گروپ کے حلیم صدر ظفر عبداللہ نے اس مخصوص تقریب میں حصہ لینے والوں کا تعارف کروایا۔ اور نہایت اچھے طریق سے اسلامی رسومات اور تعلیمات کا اظہار کیا۔

لیڈر کی عزت افزائی:

ڈاکٹر سعید احمد خاں کا نام متعدد زعماء میں سرفہرست تھا۔ وہ براہِ راست لاہور پاکستان سے بذریعہ ہوائی جہاز یو۔ ایس۔ اے اسلامک کمیونٹی سے ملنے نیوارک تشریف لائے۔ کیلیفورنیا کا سفر ختم کرنے کے بعد وہ میکسیکو میں پاکستانی سفیر اپنے بیٹے ہز ایکسیلنسی میجر جنرل عبداللہ سعید سے ملنے میکسیکو سٹی بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہوئے۔ عیدالفطر میں شرکت کے علاوہ انہیں نیوارک کمیونٹی سنٹر میں ہی ایک الوداعی استقبالیہ ۸ اگست بروز منگل دیا گیا۔ اس شام دعوت ہوئی۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں ہوئیں اور لنڈن مرکز کی تعمیر میں مدد دینے کے لئے خاصی مقدار میں رقم فراہم کی گئی۔

کمیونٹی کا عطیہ قبول کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے ایک رُوح پرور تقریر فرمائی

دیگر زعماء جن سے ملاقات ہوئی،

صبح کی عید کی دعوت کے موقع پر ہم نے تقریباً آدھ گھنٹہ ڈاکٹر صاحب کی بیٹی مسز محمد احمد سے بھی گفتگو کی جو لاہور یونیورسٹی پاکستان میں اکنومکس کی پروفیسر ہیں۔ وہ قابل، پُرکشش اور صاف گو خاتون ہیں۔ انہوں نے نہایت تحمل سے ہمیں بہت سے اسلامی افکار کی وجوہات بتائیں۔ اُن کے بھائی ڈاکٹر زاہد سعید اوکلاہوما میں فزیشن ہیں۔ انہوں نے شیکسپیئر کے ڈراموں میں حصہ لیا ہے بالکل صحیح انگریزی بولتے ہیں جس کی مدد سے انہوں نے ہمیں اسلامی دُنیا کے طور طریقوں کی تفصیل کا نقشہ کھینچ کر دکھایا۔

دیگر زعماء کے نام یہ ہیں:۔ مرزا صادق نرکش سابق صدر سان فرانسسکو پاکستان ایسوسی ایشن۔ عبدالرحمٰن لائیڈ (سان مائیٹو) مسز محمد عبداللہ جو صدر ظفر عبداللہ کی والدہ اور مبلغ ہیں مسٹر اور مسز ڈینالڈ روگولڈن گرین میکارونی کمپنی کی طرف سے ہیان لینڈرو، بن جبن پریزا و کلبینڈ سے احسان الحق کٹ ریڈیو اناؤنسر اور ساندی سلٹ ڈائرکٹر نیوارک یونیفائیڈ سکول ڈسٹرکٹ

اسلامی افغانوں پر بہت سے رُوسی مظالم

دن کے کھانے کے دوران میں نے بہت سے افغانستان کے نووارد مہاجرین سے گفتگو کی۔ وہ اسی مذہبی گروپ کے ممبر تھے لیکن انہوں نے اس خوف سے اپنے نام نہیں بتلائے کہ اُن کے رشتہ داروں سے بدلہ نہ لیا جائے جو ہجرت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

ایک غمگین افغان نے مجھے بتایا کہ جب اُس کے ملک پر سوویٹ حملہ ہوا تو روسی سپاہیوں نے تمام

دانشوروں مذہبی لیڈروں پیشہ وروں وغیرہ کو پکڑ کر ہوائی جہازوں میں سوار کرایا اور اُوپر آسمان پر پہنچ کر انہیں ختم کردیا ایسی دہشت گردی پر یقین نہیں آتا لیکن یہ درست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افغان ابھی تک نہایت بہادری سے مہیب روسی ملٹری مشن کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

انجمن کے عہدیدار

نیوآرک کی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی مجلس منتظمہ کے ممبران یہ ہیں:۔

صدر: ظفر آئی عبداللہ (نیوارک)	نائب صدر: جعفر حسین (برکلے)
سیکرٹری: مسعود اختر (ہے ورڈ)	خزانچی: عبدالستار (ہے ورڈ)

بورڈ کے ممبر یہ ہیں:۔

ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک (کولمبس اوہائیو) ڈاکٹر محمد احمد اور ڈاکٹر عبداللہ جان (دونوں نیوآرک کے) کیلیفورنیا کی انجمن ماہنامہ "اسلامک ریویو" شائع کرتی ہے جو ایک نیشنل میگزین ہے جو اکتوبر ۱۹۸۰ء سے شروع ہوا۔ اس میں اسلامی تعلیمات کے متعلق مضامین اور دوسرا مواد ہوتا ہے۔ پاکستان کی انجمن لاہور میں ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی تھی اور اب اس کا حلقۂ اثر ساری دُنیا پر محیط ہے۔

محمد علی (عالمی باکسنگ چمپئن نہیں) نہایت شہرت یافتہ اسلامی عالم سمجھے جاتے ہیں آپ پاکستان انجمن کے پہلے صدر تھے۔

قرآن کا پہلا انگریزی ترجمہ

اُنہوں نے سب سے پہلے قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیر میں انگریزی زبان میں پہلے بھی تھیں لیکن یہ پہلا ترجمہ اور تفسیر تھی جو انگریزی میں ایک مسلمان نے لکھی۔ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ اور تفسیر پیش کیا۔

چونکہ مسلمانوں کے نزدیک قرآن اُن کے مذہب۔ قانون۔ تہذیب اور ریاست کی بنیاد ہے اس لئے اُن کا ترجمہ تجدید اسلام کا باعث بنا۔ محمد علی کی تصنیفات نے احمدیہ تحریک کو شہرت اور امتیازی حیثیت دلائی۔ نیوارک میں عید الفطر اور دعوت عید کے دوران ہمیں ان ریاستہائے متحدہ کی موجودہ نشاۃ اسلامیہ کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے کافی اطلاعات بہم پہنچائی گئیں۔

اس وقت کے مقاصد یہ ہیں:۔

زیادہ لوگوں کو قرآن سمجھنے کی تعلیم دی جائے۔ اس دین کی نہ ماننے والوں میں تبلیغ کیجائے۔ اور عبادت گاہیں سکول اور سنٹر نئی دُنیا میں کھولے جائیں اور قرآن کا ترجمہ تمام زبانوں میں کیا جائے۔

فی الحال ایک امریکن خاتون لاہور میں قرآن کا ترجمہ ہسپانوی زبان میں کر رہی ہے۔ اور میں یہاں ایک بہت زیادہ آسان کام کر رہا ہوں صرف ایک رپورٹ دے رہا ہوں اس اچھے وقت کی جو مسلمانوں کے شکرانہ کے میلہ میں ہم نے مزے سے گذارا۔

* * *

بقیہ رپورٹ تنظیم خواتین پشاور ـ (آمدہ صفحہ نمبر ۲)

وہاں سے بیگم چوہدری سعید کی دعوت پر دوپہر کے کھانے کے لئے اُن کے گھر پہنچے انہوں نے نہایت پُر تکلف دعوت کا اہتمام کیا تھا۔

پھر چار بجے کے قریب بیگم کرم الٰہی اور بیگم رشید نیازی سے ملنے اُن کے گھر گئے رات کے کھانے پر جناب شیخ شریف کے گھر مدعو تھے۔ جہاں سے رضیہ مدد علی صاحبہ لاہور کیلئے اسٹیشن روانہ ہوئیں اور ذکیہ شیخ صاحبہ رات پشاور میں چوہدری سعید صاحب کے گھر رہنے کے بعد اگلے دن واپس نوشہرہ پہنچیں اور پھر اگلے دن یعنی ۲۰ اکتوبر کو صبح کی ٹرین سے لاہور کے لئے روانہ ہوئیں۔ اسطرح ان مبارک تقریبات کا بخیر و خوبی انجام ہوا۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو دین کو دُنیا پر مقدم رکھنے کی توفیق دے۔ آمین۔

قرآن ہی نسلِ انسانی کو بچا سکتا ہے۔

آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح نسلِ انسانی بربادی کی طرف دوڑی جا رہی ہے۔ اور قریب ہے کہ یہ آگ کے گڑھے میں گر کر بھسم ہو جائے۔ وہ نسخہ جس سے یہ نسلِ انسانی بچ سکتی ہے وہی ہے جس نے ایک دفعہ پہلے تباہ ہوتی ہوئی نسلِ انسانی کو بچایا۔ یہ خدا کا آخری کلام ہے۔ یہ قرآن ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ مگر ہم اس نسخۂ شفا کو دنیا میں نہیں پہنچا رہے۔ اس کے پہنچانے کے لئے ایک پاک نفس جماعت کی ضرورت ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس کام کی بنیاد اپنے ایک مامور کے ہاتھ سے رکھوائی اور اس کو اس چودھویں صدی کے سر پر مجدد بنا کر بھیجا کیونکہ نفوس کو پاک وہی کر سکتا ہے۔ جس کو خدا نے اپنے ہاتھ سے پاک کیا ہو۔

قرآن اور رسولؐ کا عشق جو مجدد وقت نے پیدا کیا

اس کے پاس بیٹھنے والے جانتے ہیں کہ اس کے دِل میں قرآن اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کا کس قدر عشق تھا۔ اس عشق کی آگ اس کے سینے میں ایسی مشتعل تھی کہ جو اس کے پاس جا کر بیٹھا اس کے سینے میں بھی ایک چنگاری آگ کی پڑ گئی۔ اور ہزارہا بلکہ لاکھوں سینے روشن ہو گئے۔

عشق کی چنگاری مدھم کیوں ہو رہی ہے؟

آج وہ چنگاری کچھ مدھم نظر آ رہی ہے۔ اپنے اپنے سینوں کو ٹٹولو۔ کیا تمہارے دلوں میں وہ امام زمانؑ کی ڈالی ہوئی چنگاری کی گرمی موجود ہے؟ اگر وہ ہے تو تم حرکت میں کیوں نہیں جو امام زمانؑ کے پاس بیٹھنے والوں میں نظر آتی تھی۔ تمہارا قدم دیوانہ وار آگے کیوں نہیں بڑھ رہا؟ تم ہی وہ لوگ تھے جو اس عشق سے بے تاب ہو کر لوگوں کے دروازوں پر پھرتے تھے اور ان کو اس نیک کام میں شامل ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ آپ بھی ثواب حاصل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی ثواب میں شامل کرتے تھے۔ آج تم میں وہ لوگ کیوں کم ہو گئے؟ تم ہی وہ لوگ تھے کہ دینی خدمات کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیتے تھے۔ اور تم دیوانہ وار ملکوں میں نکل گئے۔ کہ خدا اور رسولؐ کا نام اور خدا کا پاک کلام دنیا کو پہنچا دیں۔ تم نے کوہستانوں میں مسجدیں بنا دیں اور اللہ اکبر کی آوازیں بلند کر دیں تمہارے مسلمان بھائی تمہیں گالیاں دیتے رہے مگر خدا کی راہ میں تمہارا جنون بڑھتا ہی چلا گیا۔ ہاں تم میں ہی وہ لوگ تھے اور کثرت سے تھے جو اپنے دنیا کے کام کرتے ہوئے بھی دینی کاموں کو اسی طرح سرانجام دیتے تھے کہ زندگی وقف کر دینے والوں سے بھی بڑھ کر ان کا کام ہوتا تھا۔ آج وہ بہت کم نظر آتے ہیں۔ تم ہی وہ مالدار غرباء تھے کہ جب کوئی ضرورت پیش آتی تھی تو مالدار غرباء سے اور غرباء مالداروں سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ سخت سے سخت مشکلات کے وقت بھی قدم آگے ہی بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ اور اسی لئے خدا کی نصرت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ ع

خدا کے پاک بندوں کو خدا سے نصرت آتی ہے　　جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم

دیکھئے ص (آخر پر [illegible])

باہتمام ریاض حسین الحمد پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ (چیف ایڈیٹر:۔ ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۱ء ـ شمارہ ۴۳ جلد ۶۸، رجسٹرڈ ایل ۸۳۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰی مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمد مختار ہیں

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۰۰۴۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے
بیرونی ممالک سے
پونڈ (ہوائی ڈاک)

جلد: ۶۸ ٭ یوم چہارشنبہ — ۶ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ — بمطابق ۴ نومبر ۱۹۸۱ء ٭ شمارہ: ۴۴

ملفوظات حضرت بانئ سلسلہ احمدیہؒ

نماز کی حقیقت

"پھر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ نماز جو اپنے اصلی معنوں میں نماز ہے دُعا سے حاصل ہوتی ہے غیر اللہ سے سوال کرنا مومنانہ غیرت کے صریح مخالف ہے کیونکہ یہ مرتبہ دُعا اللہ ہی کے لئے ہے۔ جب تک انسان پورے طور پر حنیف ہو کر اللہ تعالےٰ ہی سے سوال نہ کرے اور اسی سے نہ مانگے سچ سمجھو کہ حقیقی طور پر وہ سچا مسلمان اور سچا مومن کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تمام طاقتیں اندرونی ہوں یا بیرونی سب کی سب اللہ تعالےٰ ہی کے آستانہ پر گری ہوئی ہوں جس طرح پر ایک بڑا انجن بہت سی کلوں کو چلاتا ہے پس اسی طور پر جب تک انسان اپنے ہر کام اور ہر حرکت و سکون کو اسی انجن کی طاقت عظمیٰ کے ماتحت نہ کر لیوے۔ وہ کیونکر اللہ تعالےٰ کی الوہیت کا قائل ہو سکتا ہے اور اپنے آپ کو انی وجہت وجہی للذی فطر السمٰوٰت والارض کہتے وقت واقعی حنیف کہہ سکتا ہے جیسے مُنہ سے کہتا ہے ویسے ہی ادھر کی طرف متوجہ ہو تو لاریب وہ مسلم ہے وہ مومن اور حنیف ہے لیکن جو شخص اللہ تعالےٰ کے سوا غیر اللہ سے سوال کرتا ہے وہ ادھر بھی جھکتا ہے وہ یاد رکھے کہ وہ بڑا ہی بدقسمت اور محروم ہے کہ اس پر وہ وقت آجانے والا ہے۔ کہ وہ زبانی اور نمائشی طور پر اللہ تعالےٰ کی طرف نہ جھک سکے ترک نماز کی عادت اور کسل کی ایک وجہ یہ بھی ہے کیونکہ جب انسان غیر اللہ کی طرف جھکتا ہے اور خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک سختی اور تشدد اس کے دل میں پیدا ہو کر اسے منجمد اور پتھر بنا دیتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پس یہ بڑی خطرناک بات ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر دوسرے سے سوال کرے۔"

جلسہ سالانہ کی تیاری

شروع کر دیجئے

۱:۔ احمدی خواتین نمائش دستکاری میں حصہ لینے کے لئے اپنی اشیاء ابھی سے بنانا شروع کر دیں نوجوان اور چھوٹی بچیوں کو ان کی استعداد کے مطابق نمائش دستکاری میں حصہ لینے کی ترغیب دیں۔ تاکہ انہیں دین کی راہ میں خرچ کرنے کی عادت ہو۔

۲:۔ آپ نہ صرف خود شامل جلسہ ہوں بلکہ دوسرے احباب جماعت کو بھی شمولیت کیلئے آمادہ کریں۔

۳:۔ جلسہ سالانہ کے چار دن ۲۴۔۲۵۔۲۶۔۲۷ دسمبر ۱۹۸۱ء بروز جمعرات۔ جمعہ۔ ہفتہ۔ اور اتوار کو یاد رکھیں ۲۴ دسمبر کو مستورات کا جلسہ اور نمائش دستکاری ہے۔

۴:۔ چاروں دن خالصتاً رضائے الٰہی کے حصول اسلام کی فتح و نصرت کی دعاؤں کے لئے وقف کریں۔ کہ یہی بانئ سلسلہ احمدیہ کا مشن تھا۔ اور جماعت بنانے میں یہی حکمت تھی۔ (ادارہ)

قارئین کرام کی توجہ کیلئے:۔ "قرآن پاک اور احادیث۔ تبلیغ اور آپ کی مذہبی معلومات کیلئے شائع کی جاتی ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ ان کے تقدس کا خیال رکھیں اس لئے جن صفحات پر قرآن کی آیات، اور احادیث چھپی ہوئی ہوں انہیں اسلامی طریقہ سے محفوظ کر لیں۔" (حکومت کی ہدایت مجریہ ۹ ستمبر ۱۹۸۱ء)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقام

حضرت مجدد صد چہار دہم کی نظر میں

بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے

میں اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ:۔

ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع، دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا۔ اور جن معنوں کی رو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنے اس میں موجود نہ تھے۔ مومن بننا کوئی سہل امر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کی نسبت فرماتا ہے ۔۔۔۔۔۔ (ترجمہ) مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال اُن کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں۔ اور تقوےٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ اور اس کی محبت میں محو ہو جاتے ہیں"۔ اور ہر ایک چیز جو بُت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمال فاسقانہ ہوں یا غفلت اور کسل ہو۔ سب سے اپنے تئیں دُور لے جاتے ہیں لیکن بدنصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ دنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا مگر:۔

- حسین رضؓ طاہر و مطہر تھا اور بلاشبہ ان برگزیدوں میں سے تھا جن کو خدا تعالےٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے۔ اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے۔ اور بلاشبہ وہ سردارانِ بہشت میں سے ہے اور ایک ذرّہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلبِ ایمان ہے۔ اور اس امام کا تقوےٰ اور محبت اور صبر اور استقامت اور زہد اور عبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ اور ہم اس معصوم کی ہدائیت کی اقتدا کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہو گیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقوےٰ ۔۔۔۔ اور محبتِ الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے جیسا کہ ایک صاف آئینہ خوبصورت انسان کا نقش ۔۔۔ یہ دُنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ کون جانتا ہے اُن کی قدر؟

مگر وہی جو انہی میں سے ہے۔ دُنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کر سکتی۔ کیونکہ وہ دُنیا سے بہت دُور ہیں۔ یہی ایک وجہ حضرت حسین رضؓ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔

دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں محبت کی تا حسین رضؓ سے بھی محبت کی جاتی ۔۔۔۔ اور جو شخص حسین رضؓ یا کسی اور بزرگ کی جو آئمہ مطہرین میں سے ہے تحقیر کرتا ہے یا کوئی کلمہ استخفاف اُن کی نسبت زبان پر لاتا ہے وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے کیونکہ اللہ جلشانہٗ اس شخص کا دشمن ہو جاتا ہے جو اس کے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے۔

ایک اشتہار

* * *

از حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؒ

حمدِ باری تعالیٰ

- ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلےٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے۔ اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دف سے بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔ (کشتیٔ نوح)
- خدا زمین اور آسمان کا نُور ہے۔ یعنی ہر ایک نور جو بلندی اور پستی میں نظر آتا ہے۔ خواہ وہ ارواح میں ہے خواہ اجسام میں اور خواہ ذاتی ہے اور خواہ عرضی۔ اور خواہ ظاہری ہے اور خواہ باطنی اور ذہنی ہے خواہ خارجی۔ اُسی کے فیض کا عطیہ ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت رب العالمین کا فیض عام ہر چیز پر محیط ہو رہا ہے۔ اور کوئی اس کے فیض سے خالی نہیں۔ وہی تمام فیوض کا مبدء ہے اور تمام انوار کا علت العلل اور تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے۔ اُسی کی ہستی حقیقی تمام عالم کی قیّوم اور تمام زیر و زبر کی پناہ ہے۔ وہی ہے جس نے ہر ایک چیز کو ظلمت خانہ عدم سے باہر نکالا اور خلعت وجود بخشا۔ بجز اس کے کوئی ایسا وجود نہیں ہے کہ جو فی حدّ ذاتہٖ واجب اور قدیم ہو۔ یا اس سے مستفیض نہ ہو۔ بلکہ خاک اور افلاک اور انسان اور حیوان اور حجر اور شجر اور رُوح اور جسم سب اُسی کے فیضان سے وجود پذیر ہیں۔ (براہینِ احمدیہ)

* * *

تم صبر سے دیکھتے رہو

میں حکم دیتا ہوں کہ جو میری فوج میں داخل ہیں وہ بدخیالات کے مقام سے پیچھے ہٹ جائیں۔ دلوں کو پاک کریں اور اپنے انسانی رحم کو ترقی دیں اور دردمندوں کے ہمدرد بنیں۔ زمین پر صلح پھیلا دیں کہ اس سے ان کا دین پھیلے گا اور اس سے تعجب مت کریں کہ ایسا کیوں کر ہو گا ۔۔۔۔۔۔۔،

اب وہ روحانی ضرورتوں کے لئے بغیر توسط انسانی ہاتھوں کے آسمان کے فرشتوں سے کام لے گا۔ تم صبر سے دیکھتے رہو کیونکہ خُدا اپنی توحید کے لئے تم سے زیادہ غیرت مند ہے۔ اور دُعا میں لگے رہو ایسا نہ ہو کہ نافرمانوں میں لکھے جاؤ۔

(ایک دُعا)

ارشادِ باری تعالےٰ:۔

"اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

* * * *

اس عقلی دور میں حقائقِ غیبیہ پر ایمان کیسے پیدا ہو؟

ہر زمانہ میں اولیاء اللہ کا وجود خدا تعالیٰ کی ہستی منوانے کیلئے ضروری ہے

خطبہ جمعہ: فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، بتاریخ ۲۵ ستمبر ۱۹۸۱ء، بمقام جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس لاہور، رپورٹ: شفقت رسول خاں،

ضرب لکم مثلاً من انفسکم ...... کل حزب بما لدیہم فرحون ○

(الروم ۳۰: ۲۸ تا ۳۲)

ترجمہ: "وہ تمہارے لئے تمہاری اپنی مثال بیان کرتا ہے کیا ان میں سے جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہیں اس رزق میں جو ہم نے تمہیں دیا ہے کوئی تمہارے شریک ہے کہ تم سب اس میں برابر ہو جاؤ؟ کیا تم ان کی ایسی پرواہ کرتے ہو جیسی اپنی پرواہ کرتے ہو۔ اس طرح ہم ان لوگوں کے لئے باتیں کھول کر بیان کرتے ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں مگر جو ظالم ہیں وہ اپنی خواہشات کی پیروی بغیر علم کے کر رہے ہیں۔ سو اسے کون ہدایت دے جسے اللہ گمراہ ٹھہرائے۔ اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں۔ سو یکسو ہو کر دین کی طرف اپنا رخ کر۔ خدائی فطرت پر قائم رہ جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدائش کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ قائم رہنے والا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اس کی طرف رجوع کرنے والے رہو۔ اور اس کا تقویٰ کرو۔ اور نماز قائم کرو اور مشرکوں سے نہ ہو۔ ان میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقے فرقے بن گئے۔ سب گروہ اس پر جو ان کے پاس ہے خوش ہو رہے ہیں۔"

یہ زمانہ جس میں سے ہم گذر رہے ہیں ایسا ہے جس کی نسبت قرآن کریم اور احادیثِ نبویؐ میں جو پیشگوئیاں کی گئی تھیں کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں بین الاقوامی سطح پر بے دینی اور گمراہی پھیل جائے گی اور یاجوج ماجوج کو غلبہ اور برتری حاصل ہو گی۔ یہ یاجوج اور ماجوج کا زمانہ ہو گا۔ وہ جملہ علامات جو حدیث میں ان اقوام کی بیان ہوئی ہیں کمال طریق پر پوری ہو چکی ہیں۔ موجودہ دور کی دجالی تہذیب سے کون انکار کر سکتا ہے۔ یہ ایک روشن اور واضح حقیقت ہے کہ اس زمانہ کی تہذیب و تمدن دھوکہ اور فریب کاری کا مرقع ہے۔ دجال کے معنی ہی دوسرے کو دھوکہ دینا اور خود دھوکہ کھانا ہے۔ اب یہ بات ان مغربی اقوام پر پوری طرح صادق آتی ہے کیونکہ ان سے بڑھ کر دھوکہ خوردہ اور کوئی قوم نہیں چنانچہ جن چیزوں کو وہ معراجِ انسانیت سمجھے ہوئے ہیں وہ محض دھوکہ اور سراب ہے۔ اور یہ دنیا کی شدید طلب اور آخرت کا انکار بھی عقل کا دھوکہ ہے۔ اور یہ تصور بھی غلط ہے کہ عقلِ انسانی ہی انسانی ہدایت کے لئے کافی ہے۔ یہ اقوام دھوکہ دینے والی اس اعتبار سے ہیں کہ اپنے دل کی بات دوسروں پر ظاہر نہیں ہونے دیتیں۔ یعنی وہ اپنے اندرونی نیات کو ظاہر نہیں ہونے دیتیں۔

یہ زمانہ یورپ اور اہلِ مغرب کے لئے بے دینی کا دور نہیں بلکہ ایشیا کے لئے بھی دہریت کا حامل زمانہ ہے۔ اور اس کی بنیاد اس پر ہے کہ انسانی عقل نے کائنات کو تسخیر کر کے حیرت انگیز ایجادات کی ہیں۔ جو انسان کی ترقی اور راحت کا موجب ہیں۔ میں نے اپنے اس مختصر بیان میں اس بات کو غلط ثابت کرنا ہے اور بتانا ہے کہ دنیا دھوکہ کا گھر ہے۔ اور اس حقیقت کو ثابت کرنا ہے کہ انسان کی اصل ترقی خدا کی راہنمائی سے ہوتی ہے اور سکون و راحت کا سرچشمہ بھی خدا تعالیٰ کے پیغام پر عمل پیرائی میں ہے۔ جیسا کہ میں نے سابقہ دو خطبوں میں آپ کو بتایا تھا کہ اس عالم سے ماوریٰ بھی ایک اور عالم ہے جس سے انسان کا اگر تعلق نہ ہو تو راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ جب خدا چاہتا ہے تو وہ اپنا کلام فرشتوں کے ذریعہ اپنے بندوں تک پہنچاتا ہے۔ یہ کلام نبیوں کے بارہ میں وحی نبوت کہلاتا ہے مگر یہ وحی اب جاری نہیں رہی۔ البتہ وحی ولایت کا سلسلہ اولیاء کیلئے باقی و جاری رکھا گیا ہے بموجب فرمودہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لم یبق من النبوۃ الا المبشرات: "نبوت میں سے صرف مبشرات باقی ہیں۔ یہ باتیں غیب سے تعلق رکھتی ہیں جس سے خدا کے وجود کی نہاں در نہاں کی شہادت ملتی ہے۔ جو لوگ بن دیکھے خدا پر ایمان نہیں لاتے اور اسے قبول نہیں کرتے تو جب تک ان کو خود مشاہدہ اور تجربہ نہ ہو یا کسی خدا رسیدہ شخص کی صحبت حاصل نہ ہو کامل طور پر قبول کر بھی کیسے سکتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ انبیاء اور رسل اور اولیاء بھیجتا ہے تاکہ وہ لوگوں تک اپنی رویت و مشاہدہ اور تجربہ کی بنیاد پر خدا کے وجود پر شہادت پیدا کریں۔ انا ارسلنٰک شاہداً و مبشراً و نذیراً۔ اور پھر وہ لوگوں کو اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی روشنی میں خدائے عالم الغیب کی طرف بلاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحبؑ اپنے تجربات کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے

"تو اس طرح یہ کامل بندگانِ خدا مخلوقِ خدا کی راہنمائی کرتے ہیں۔ جب تک ایسا آدمی خدا کی طرف سے کھڑا نہ ہو دنیا کیسے مان سکتی ہے۔ حضرت مرزا صاحبؒ نے بے شمار کرامات دکھائی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؒ خدا کی طرف سے غیب حاصل کرتے تھے اور خدا کے ساتھ تعلق کی وجہ سے وہ کردار پیش کرتے تھے جس کو کوئی دوسرا غیر مامور دکھا نہیں سکتا۔ کیونکہ جب تک انسان کو خدا تک رسائی حاصل نہ ہو اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ اس قدر واضح پیشگوئیاں کر سکے۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت اقدس کے دو واقعات بتانا چاہتا ہوں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کا تعلق خدا سے ہے اور یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مرزا صاحب ایک عظیم مافوق الفطرت کردار کے حامل انسان تھے۔ ان نشانات میں سے ایک لیکھرام کے بارے میں عظیم پیشگوئی ہے۔ یہ شخص نہایت درجہ دریدہ دہن و بد باطن اور گستاخ تھا۔ چنانچہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کرنا اس کا ہمیشہ شیوہ تھا اور اسلام پر طرح طرح کے گندے اعتراضات کرتا رہتا تھا۔ جن کی اصلیت کچھ نہ تھی۔ حضرت مرزا صاحبؒ کو اس کی ان حرکات کے باعث دل میں بہت دکھ تھا۔ آپ نے اس کو فہمائش کی کہ حضور صلعم کی شان میں گستاخی سے رک جائے۔ اور اپنے مذہب کی سچائی اپنے ویدک دھرم سے پیش کرے۔ پھر اس کو مقابلہ کا چیلنج دیا گیا۔ لیکن وہ مقابل پر تو نہ آیا بلکہ گستاخی اور شوخی میں مزید بڑھتا رہا اور اپنے متعلق پیشگوئی کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے خدا سے علم پا کر اس کے متعلق چھ سال کے اندر عذاب نازل ہونے کی پیشگوئی فرمائی جس کا نتیجہ موت ہو گا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی الہام ہوا کہ عجل جسد لہ خوار لہ نصب و عذاب۔ یعنی یہ گوسالہ سامری بے جان ہے جس میں سے مکروہ آواز آ رہی ہے اور بتا دیا کہ اس پیشگوئی میں خدا کا ہاتھ ہے یہ پیشگوئی ۱۸۹۳ء کو کی گئی۔ اور یہ بھی آپ نے اعلان کیا کہ اگر یہ پیشگوئی خارقِ عادت طور پر پوری نہ ہو اور میں کاذب نکلا تو میں ہر ایک سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ آپ نے دوبارہ اس پیشگوئی کو اپنی کتاب "آئینہ کمالات" میں تحریر کیا۔ اور شروع میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں ایک

لکھی جس کا پہلا شعر یہ ہے:۔

عجب نوریست در جانِ محمدؐ + عجب لعلیست در کانِ محمدؐ

اور اِن اشعار میں لیکھرام کی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

الا اے دشمنِ نادان و بے راہ + بترس از تیغِ برانِ محمدؐ
کرامت گرچہ بے نام و نشان است + بیا بنگر ز غلمانِ محمدؐ

اور اس آخری شعر میں ہاتھ کا نشان بناکر اشارہ کیا ہے اور پھر واضح طور پر لکھا ہے:۔

"لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک پیشگوئی:۔

اور یہ بھی "کرامات الصادقین" میں پیشگوئی کی کہ یہ عذاب اسلامی عید کے دن کے قریب ہوگا چنانچہ عین چھ سال کے اندر ہی ۱۸۹۷ء میں چھ مارچ کو چھٹے گھنٹے میں قاتل کا خنجر اس پر چلا اور اگلے دن اتوار کو لیکھرام داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔

لیکھرام لاہور کے محلہ وچھو والی میں (جو ہندوؤں کا محلہ تھا) کسی آریہ مہاشے کے گھر قیام پذیر تھا اور کسی مسلمان کو شدھ کرنا چاہتا تھا۔ ایک عید کا سا سماں تھا لیکھرام نہا کر نکلا اور توند نکالے ہوئے تھا کہ اس شدھ ہونے والے نے اس کے پیٹ میں خنجر اتار دیا اور اس کی آنتیں نکل آئیں۔ شور اور ہراس پھیل گیا چنانچہ اُسے ہسپتال لے گئے اور اس کی آنتیں سی دی گئیں۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم ہسپتال میں ہاؤس سرجن تھے۔ ڈاکٹر پیری صاحب نے اپریشن سے پہلے جب ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو مرزا صاحب کہہ کر پکارا تو لیکھرام کی جان کانپ گئی۔ گویا اس نے یہ خیال کیا کہ حضرت مرزا صاحب اس کے نزدیک یہاں بھی پہنچ گئے۔

حضرت مرزا صاحب پر قتل کی سازش کا الزام آریہ ہندوؤں کی طرف سے لگایا گیا۔ چنانچہ آپ کے گھر کی تلاشی لی گئی لیکن کچھ بھی ثبوت نہ ملا۔ اس واقعہ قتل اور اس بارہ میں پہلے سے کی گئی پیشگوئی سے آپ کا صبر و استقامت اور خدا سے تعلق کس قدر واضح ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؒ حضرت رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے کس قدر عاشق تھے کہ آنحضرت صلعم کی گستاخی کرنے والے کی ہلاکت کے لئے بددعا کی اور خدا نے اس کو سن لیا۔ دوسرا واقعہ "جلسہ اعظم تحقیق مذاہب لاہور" ۱۸۹۶ء میں لاہور فہمیدہ طبقہ نے ایک مذہبی کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز کی جس میں سب مذاہب کے نمائندے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں مگر کوئی کسی دوسرے مذہب پر حملہ نہ کرے حضرتِ اقدس سے بھی اس کانفرنس میں بطور نمائندہ اسلام شرکت کی درخواست کی گئی تو آپ نے بڑی خوشی سے قبول کر لیا۔ چنانچہ حضرت صاحب نے اپنا مضمون اسلام کی خوبیوں پر مشتمل لکھا جس کو بعد میں اسلامی اصول کی فلاسفی کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ یہ اُن ۵ سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو اس جلسہ مذاہب کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ آپ نے یہ مضمون لکھ کر اپنے دوستوں کو سنایا تو ایک صاحب نے خیال ظاہر کیا کہ یہ مضمون اتنا [illegible] ہے جیسا اس کی رائے میں ہونا چاہیئے۔ لیکن حضرت صاحب نے فرمایا کہ عطار کی دکان میں عطر کی خوشبو محسوس کرنا مشکل ہوتی ہے۔ چنانچہ اِس مضمون کے لئے آپ نے خدا کی طرف توجہ فرمائی تو الہام پر اس کی مقبولیت کی پیشگوئی پر اشتہار بھی دے دیا کہ "مضمون بالا رہا"۔

"تائید اسلام" یہ مضمون تمام دیگر مذاہب کے مضامین سے بالا رہا جس کی جملہ اہلِ مجلس نے داد دی اور اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس مضمون کو سننے کے لئے اس کا وقت بڑھا دیا گیا۔ اس لیکچر کی تعریف صدر جلسہ نے سب سے بڑھ کر کی۔ انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے لکھا کہ یہ سارا مضمون سامعین نے بڑے ذوق و شوق سے سنا اور سراہا۔۔۔ غیر اقوام اور غیر مذاہب والوں نے شرمندہ ہوکر اپنے مضامین کو ناچیز سمجھا اور اس مضمون کو سب سے بالا فرمانا۔ والفضل ما شہدت بہ الاعداء تو اس طرح اسلام کی نمائندگی پر مضمون لکھنا اور اسکی برتری کا اشتہار دینا بغیر خدا سے علم پانے کے ممکن نہ تھا۔ یہ سب خدا کی طرف غیب سے اطلاع ہوتی ہے۔ خدا سے تعلق رکھنے والے ہی مخلوق کو گمراہی کے گڑھے سے نکال سکتے ہیں۔ در اصل جلسہ اعظم مذاہب میں حضرت مرزا صاحبؒ کا بیان دو گونہ نشانات اپنے اندر رکھتا ہے۔ علمی معجزہ اور خدا سے علم پاکر حضرت مرزا صاحب کی طرف سے مضمون بالا رہنے کی پیشگوئی کا معجزہ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

جلسہ سالانہ ۱۹۸۱ء

۲۴، ۲۵، ۲۶ اور ۲۷ دسمبر ۱۹۸۱ء کو منعقد ہوگا۔

۲۴ دسمبر کو خواتینِ احمدیہ کا جلسہ ہوگا اور نمائش دست کاری ہوگی۔

گذشتہ جلسہ سالانہ پر ۵۰، ۵۵ افرادِ جماعت بیرونِ پاکستان سے تشریف لائے تھے۔ امسال بھی توقع ہے کہ بیرونِ ملک کی جماعتوں کے نمائندے شاملِ جلسہ ہوکر رونق بڑھائیں گے۔ جزائر فجی سے صدر جماعت مسٹر غلام نبی دین صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ نے آنے کی اطلاع دی ہے، اور کشمیر سے چار پانچ سربرآوردہ احباب کے آنے کی خبر آئی ہے۔ ضرورت ہے کہ اندرونِ ملک کی جماعتیں بھی ابھی سے اِس بابرکت اجتماع میں شمولیت کا پروگرام بنائیں اور ہر جماعت کے صدر و سیکرٹری صاحبان زیادہ سے زیادہ تعداد میں افرادِ جماعت کو شاملِ اجلاس ہونے کیلئے تیار کریں اور مجھے اطلاع دیں تاکہ اُن کی تعداد کے مطابق اُن کی رہائش اور دیگر سہولتوں کا بندوبست ہو سکے۔ یہ درست ہے کہ ہر سال آپ لوگ سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے سردی کے یخ بستہ موسم میں امامِ وقت کی خوشنودی کے لئے لاہور آتے ہیں اور ہم اپنے محدود وسائل کے پیشِ نظر اتنی خدمت نہیں کر سکتے جتنی کرنی چاہیئے لیکن آپ کا مقصد بلند اور ارفع ہوتا ہے اور آپ ہماری فروگذاشتوں کو درخورِ اعتنا نہ سمجھتے ہوئے آپ آئندہ سال پھر جوق در جوق تشریف لاتے ہیں، ہم آپ کے اس جذبۂ خلوص اور دین کے لئے لگن کی جتنی بھی قدر کریں کم ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو دین و دنیا میں کامیاب و بامراد کرے۔ آمین!

امسال جلسہ ہائے سالانہ

کے اہتمام کی ذمہ داری انجمن نے مجھے سونپی ہے لہٰذا مستدعی ہوں کہ اس اجتماع کو کامیاب بنانے کے لئے مجھ سے تعاون فرمائیں۔ عنداللہ ماجور ہوں۔ احمدی خواتین سے استدعا ہے کہ وہ دستکاری کے لئے ابھی سے کام شروع کر دیں۔ ہر جماعت کے صدر و سیکرٹری صاحبان سے درخواست ہے کہ وہ ہر اجتماع میں جلسہ کی اہمیت سے ہر فرد جماعت کو مسلسل توجہ دلاتے رہیں۔

والسلام

مہتمم جلسہ سالانہ چوہدری منصور احمد
دارالسلام۔ ۵ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن۔ لاہور

گاہے گاہے باز خواں

از حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

نوجوانانِ جماعت سے ایک اہم خطاب

آپ کے سامنے بلند ترین مقصد ہے۔ آپ اس کے لئے پوری جدوجہد اور قربانیاں کریں۔ قرآن کریم اور دیگر دینی لٹریچر کو پڑھیں۔ نماز و تہجد کی پابندی کریں۔ خواتین اپنے اچھے نمونہ سے اپنی اولادوں پر نیک اثر ڈالیں۔

وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا (البقرہ ۲: ۱۴۳)

ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اعلیٰ درجہ کا گروہ بنایا ہے۔ تاکہ تم لوگوں کے پیشرو بنو اور رسول تمہارا پیشرو ہو۔

آج کا دن ہمارے لئے بڑی خوشی کا دن ہے۔ جبکہ تو یوں بھی مسلمانوں کے لئے عید کا روز ہے۔ لیکن گذشتہ تین دنوں میں ہم نے جو باہمی الفت و محبت کے اور قربانیوں سے نہ تھکنے کے نظارے دیکھے ہیں ان سے ہمارے ایمان میں ترقی ہوئی ہے۔ جو اور کسی طرح آسانی سے میسر نہیں آسکتی۔ مجھے امید ہے کہ انشاءاللہ ان قربانیوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔

نوجوانوں کے لئے سب سے پہلی ضرورت بلند مقصد ہے

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اخبار پیغام صلح میں لکھا تھا کہ جلسہ سالانہ پر میں نوجوانان جماعت کو خاص طور پر چند باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ اس وقت اس خطبہ میں اپنے وعدہ کو بھی پورا کرنا چاہتا ہوں۔ جو کہ میں نے اپنے نوجوان دوستوں کو خطاب کرنے کے متعلق کیا تھا چنانچہ خطبہ کا بیشتر حصہ اسی غرض کے لئے وقف ہوگا۔ نوجوانوں کے لئے جو ابھی زندگی کی منزل میں داخل ہو رہے ہیں۔ سب سے پہلے ضرورت یہ ہے کہ ان کے سامنے کوئی مقصد ہو۔ اور مقصد بلند ہونا چاہیئے۔

مقصد کی بلندی و پستی کا اثر خداداد استعدادوں پر

اصل میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو استعدادیں رکھی ہیں۔ وہ مقصد کی بلندی یا پستی کے مطابق ہی اچھا یا برا نشوونما پاتی ہیں۔ اگر مقصد بلند اور اچھا ہو تو استعدادیں اچھی نشوونما پاتی ہیں۔ اور اگر مقصد پست ہو تو استعدادیں بھی دبی کی دبی رہ جاتی ہیں۔ چنانچہ غور کر کے دیکھ لیجیئے کہ جن لوگوں نے اپنے سامنے کوئی بلند مقصد رکھا ان کی استعدادیں بھی ترقی پاگئیں اور جنہوں نے اپنے سامنے کوئی پست مقصد رکھا وہ کوئی ترقی نہ کر سکے۔ اور پستی میں پڑے رہے۔ نوجوان جو زندگی کی منزل میں داخل ہوتا ہے ضرورت ہے کہ اس کے سامنے کوئی بلند مقصد ہو۔

قرآن کریم کا پیش کردہ بلند مقصد

قرآن کریم نے وہ بلند مقصد ان الفاظ میں پیش کیا ہے:۔

" وکذٰلک - - - - - - - - - - علیکم شھیدا"

" اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اعلیٰ درجہ کا گروہ بنایا ہے۔ تاکہ تم لوگوں کے پیشرو بنو اور رسول تمہارا پیشرو ہو۔" یعنی جس طرح رسول تمہارا پیش رو ہے۔ اسی طرح تم تمام لوگوں۔ تمام اقوام عالم کے پیش رو بن جاؤ۔

امام وقتؑ نے اسی بلند مقصد کی طرف بلایا ہے۔

یہ ایک بہت ہی بلند مقصد ہے اور یہی وہ مقصد ہے۔ جس کی طرف امام وقت نے بھی ہمیں بلایا کہ تم صحیح راستہ دکھانے والے بن جاؤ۔ مسلموں اور غیر مسلموں سب میں اعلائے کلمۃ اللہ کرو۔ یہ اعلیٰ سے اعلیٰ مقصد ہے۔ جو انسان اپنے سامنے رکھ سکتا ہے۔ جن لوگوں کو دنیا اپنا مسلمہ پیش رو یعنی پیغمبر مانتی ہے۔ اور جن کی سب سے زیادہ عزت کی جاتی ہے۔ وہ ایسی ہستیاں ہیں۔ جنہوں نے اس کام کو اپنا مقصد بنایا۔ عیسائی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو اپنا پیشرو مانتے ہیں۔ ہندو رام چندر جی کو سکھ بابا نانک کو اور مسلمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دنیا کا سب سے بڑا انسان مانتے ہیں۔ ان تمام پاک ہستیوں کا کام لوگوں کو صحیح راستہ دکھلانا اور اعلائے کلمۃ اللہ ہی تھا۔

احمدی نوجوانوں کے سامنے دنیا کا بلند ترین مقصد ہے

سو معلوم ہوا کہ یہی وہ بلند سے بلند مقصد ہے جو انسان اپنے لئے تجویز کر سکتا ہے۔ سو میں اپنے نوجوانوں کو خوشخبری سنانا چاہتا ہوں کہ یہی بلند مقصد ان کے سامنے رکھا گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ وہ اس کے لئے پوری کوشش اور جدوجہد کریں۔ آج کل اکثر لوگوں کے سامنے اپنے ملک اور قوم کی بہتری کا مقصد ہے۔ لیکن یہ تمام مقاصد پست اور ادنیٰ ہیں اس بلند ترین مقصد کے مقابل جو قرآن۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور پھر اس زمانہ میں امام وقتؑ نے ہمارے سامنے رکھا۔ یہ کسی خاص ملک یا قوم کی بہتری اور فلاح تک محدود نہیں بلکہ اس میں دنیا کی تمام قومیں آجاتی ہیں۔

آپ اس راستہ پر پڑ چکے ہیں اور اس کی کچھ منزلیں طے بھی کر لی ہیں

دوسری بات میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ صرف یہی نہیں کہ آپ لوگوں کے سامنے ایک بلند مقصد رکھ دیا گیا ہے۔ بلکہ اس کے لئے راستہ بھی صاف کر دیا ہے۔ اور صرف راستہ ہی صاف نہیں کیا بلکہ اس کی کچھ منزلیں بھی طے کر لی گئی ہیں جس کی وجہ سے ہماری ہمتیں بلند ہوئی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اب تک جو کچھ ہم نے کیا ہے وہ سمندر میں سے ایک قطرہ کے برابر ہے۔ ہمارے سامنے بہت بڑا مقصد ہے۔ اور نہایت عظیم الشان اور مشکل کام ہے۔ ساری دنیا میں خدا کے نام اور اس کے آخری پیغام یعنی قرآن کریم کو پہنچانا۔ ساری دنیا میں اعلائے کلمۃ اللہ کرنا۔ خدا کے بندوں کو خدا کے آگے جھکانا۔ لیکن بہرحال آپ اس راستہ پر پڑ چکے ہیں۔ اور اس کی کچھ منزلیں بھی طے کر لی

ہیں۔ اس سے آپ لوگوں کی ہمت بندھنی چاہیئے۔ کہ آئیندہ ہم لوگ اس کام کو کر لیں گے

اس مقصد کے لئے پورا وقف ہونے کی ضرورت

تیسری بات اس سلسلہ میں میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ کوئی مقصد دنیا میں حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آپ کو پوری طرح اس کے ساتھ وابستہ اور وقف نہ کیا جائے اور اس مقصد کے ساتھ زبردست محبت نہ ہو۔

حصولِ مقصد کے لئے انتھک محنت کی ضرورت ہے۔

چوتھی ضرورت حصولِ مقصد کے لئے یہ ہے کہ انسان اس کے لئے محنت کرے اور وہ محنت بھی اس قدر زبردست ہو کہ محنت کرنے سے تھکے نہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ضروریات ہیں۔ وہ بھی میں ابھی بیان کروں گا۔

ہر ایک بیعت کرنیوالا خدا کی فوج کا سپاہی ہے۔

آپ نوجوان ہوں یا قوم کے دوسرے لوگ یہ سب دراصل فوج کے سپاہیوں کے طور پر ہیں۔ جو شخص بیعت میں داخل ہو جائے وہ اسی طرح پر ہے جس طرح فوج میں بھرتی ہو جائے بعض لوگوں کا خیال ہوتا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ کئی چیزیں درمیان میں ایسی آ جاتی ہیں۔ جو اس جماعت کے خدمت دین کے کام میں شرکت میں رکاوٹ ڈالتی ہیں۔ مثلاً حضرت مسیح موعود کا ماننا یہ ان کی کم فہمی ہے۔ یہ رکاوٹ نہیں بلکہ نہایت ضروری چیزیں ہیں۔ خدا کے نام کو بلند کرنا حسنِ ایمان اور محبت کو چاہتا ہے۔ یہ ایمان اور محبت وہی شخص پیدا کر سکتا ہے۔ جس کو خدا نے کھڑا کیا ہو۔ جس کے اپنے دل میں ایک زبردست آگ مشتعل ہو۔ جس کی چنگاریاں دوسروں کے سینوں میں بھی آگ بھڑکا دیں۔ سو دراصل آپ سب خدا کی فوج کے سپاہی ہیں۔

سپاہی کے لئے جرنیل کی فرمانبرداری اور ڈسپلن ضروری ہیں

کوئی فوج قدم آگے نہیں بڑھا سکتی جب تک کہ وہ ایک حکم کے ماتحت کام کرنے والی نہ ہو۔ آپ کی فوج کی کمانڈ میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بھی ایک بڑی بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے۔ اگر میں اس ذمہ داری کو ادا کر دوں تو یہ ایک بڑا بلند مقام ہے۔ یہ اس کی بہت بڑی مہربانی ہے۔ لیکن یاد رکھو کوئی شخص جرنیل نہیں بن سکتا۔ جو پہلے سپاہی نہ بنے اور سپاہی بننے کے لئے سب سے اوّل اور سب سے زیادہ ڈسپلن اور فرمانبرداری کی ضرورت ہے۔ اپنے جرنیل کے اوپر پورے اعتماد کی ضرورت ہے۔ اور جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ راستہ جس پر چلایا جا رہا ہے۔ بالکل صحیح ہے اور پھر چلنا بھی اس طرح پر کہ پوری اطاعت اور فرمانبرداری کرنی ہوگی۔ اس کے بغیر کوئی سپاہی نہیں بن سکتا۔

آئندہ کے لئے یہ بار نوجوانوں کے کندھوں پر آنے والا ہے۔

جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ ہم لوگ اپنی عمر کی آخری منزلوں میں ہیں۔ آئندہ کے لئے یہ سارا بار آپ کے کندھوں پر آنے والا ہے۔ اور میں تو اپنی عمر کی اتنی منزلیں طے کر چکا ہوں کہ مجھے جب ایک برس مزید ملتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض فضل ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے اپنی امت کے لئے ساٹھ اور ستر سال کے درمیان اوسط عمر بیان فرمائی ہے۔ اور میرے پیارے ساتھی خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم۔ یہ سب باسٹھ باسٹھ ترسیٹھ ترسیٹھ سال کی عمر میں اپنے مولا سے جا ملے ہیں۔ میں ۴۲ سال کی عمر میں ۱۹۳۰ء میں جب سخت بیمار ہوا تو بظاہر یہ پیغام آگے جانے کے لئے ہی تھا۔ خدا نے اپنی کسی مصلحت سے خدمتِ دین کا کچھ اور کام کرنے کا موقع دے دیا۔ یہ بھی اس کی عنایت اور کرم ہے۔

پہلے اعتماد قائم کرو پھر پوری طاقت و ہمت سے شرکت کرو۔

تو میں آپ نوجوانوں کو خصوصیت سے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس راستہ میں چلنے کی کچھ شرطیں ہیں۔ راستہ آپ کے سامنے ہے۔ منزل آپ کے سامنے ہے۔ صرف کچھ ہمت اور قربانی کی ضرورت ہے۔ خوب یاد رکھو اگر فوج کا ہر ایک فرد جرنیل بننے کی کوشش کرے تو کام نہیں ہوگا۔ آپ پہلے اعتماد قائم کریں۔ مجھ پر۔ اپنی انجمن پر اگر آپ کو معلوم ہو کہ یہاں کوئی اچھا کام ہو رہا ہے۔ اور اچھے اور بہترین مقصد کے لئے ہو رہا ہے اور ہم لوگ دیانتداری سے اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ تو پھر آپ کا فرض ہے۔ کہ پوری طاقت اور ہمت سے اس کام میں شرکت کریں۔ اور اس کے معاون بنیں۔ باقی رہا کمزوریوں کا معاملہ سو کمزوریاں میرے اندر بھی موجود ہیں۔ اور میرے دوستوں کے اندر بھی موجود ہیں۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی کام اچھا ہو رہا ہے۔ اگر نظر آئے کہ کام اچھا ہو رہا ہے۔ تو کمزوریوں کو نظر انداز کر دو۔ سب انسانوں میں کمزوریاں ہوتی ہیں۔ کمزوریوں کا مجھے بھی اعتراف ہے۔ لیکن دیکھ لو کام نہایت ضروری اور بے نظیر ہو رہا ہے۔ شاید میری جگہ کوئی اچھا اور لائق و زبردست رہنما ہوتا تو ترقی کی منزلیں بہت تیزی کے ساتھ طے ہوتیں۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے بعد آپ کو اچھا رہنما دے جس کی رہنمائی میں آپ کی قوم ترقی کی منازل جلد جلد طے کرے۔ ساری دنیا میں اسلام کی روشنی پھیل جائے ؛

نوجوانوں سے تین چار ضروری باتیں

اسوقت میں تین چار باتیں نوجوان دوستوں سے خاص طور پر کہنا چاہتا ہوں۔ آپ انہیں غور سے سنیں ؛

پہلی بات: قرآن کریم اور دیگر دینی لٹریچر کو پڑھو!

پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے اور معانی و مفہوم کے ساتھ پڑھنے کو اپنی زندگی کا ایک ضروری مقصد اور روزانہ پروگرام بنا لیں۔ خواہ آپ ایک رکوع یا آیت ہی پڑھیں مگر اس میں ناغہ نہ ہونے دیں۔ ایک بچہ ایک سطر بھی روزانہ قرآن مجید پڑھے تو چار پانچ سال میں وہ قرآن کریم ختم کر سکتا ہے۔ اس کے بعد آپ اسی طرح حدیث اور سیرت نبویؐ۔ تاریخ اسلام اور حضرت صاحب کی کتابیں پڑھیں۔ ضرورت ہے کہ ہمارا ایک ایک نوجوان قرآن کریم سے واقف ہو۔ حدیث سے واقف ہو۔ سیرت نبویؐ سے واقف ہو اور تاریخ اسلام سے واقف ہو اور حضرت مسیح موعود کی کتابوں اور سلسلہ کے دوسرے لٹریچر سے واقف ہو۔ اس لئے آپ سب باقاعدہ کوشش کریں۔ اور ایک پروگرام بنا لیں۔ میں کوشش کروں گا ان چیزوں کے خاص خاص ضروری حصے ترتیب وار باقاعدگی کے ساتھ اخبار میں نکلتے رہیں۔

دوسری بات میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ سب نماز کے پابند ہو جائیں۔ نماز خدا کے آگے گرنا اور جھکنا اسلام کا ایک نہایت ضروری رکن ہے۔ اور ہم عاجز بندوں کا ایک بہت بڑا ہتھیار ہے مجھے یہ دیکھ کر رنج ہوتا ہے کہ ہمارے نوجوانوں میں وہ پابندی نظر نہیں آتی۔ جو ہونی چاہیئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے سارے نوجوان نماز کے پوری طرح پابند نہیں ہیں۔ ان میں اللہ کے فضل سے بڑے بڑے پابند نماز اور تہجد خوان ہیں۔ لیکن نوجوانوں کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جو دنیا کے زہریلے اثرات کی وجہ سے نماز کا پوری طرح پابند نہیں۔ اور اس کی طرف سے غافل ہے۔ میں نوجوانوں سے درخواست کروں گا کہ وہ ابھی سے نماز تہجد کی پابندی کی عادت ڈالیں اور اس عادت کو اسی عمر میں راسخ کریں۔ سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز کا عادی بنانا چاہیئے۔ والدین اس کے لئے ذمہ دار ہیں۔ جو والدین شروع ہی سے اس طرف توجہ نہیں کرتے اور بچوں کو غلط لاڈ پیار میں رکھتے ہیں۔ وہ سخت غلطی کرتے ہیں۔ بہت بعد جا کر جب بچہ جوان ہو جاتا ہے۔ اور اس کی اصلاح مشکل ہو جاتی ہے۔ اس وقت والدین کو سمجھ آتی ہے کہ لاڈ پیار نہ تھا بلکہ بچے کے ساتھ دشمنی تھی۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ بچے کو سات سال کی عمر میں ہی نماز کی عادت ڈالو ؛ (باقی - باقی)

حلال و طیب کمائی سے اعمال صالحہ کی توفیق ملتی ہے۔

ناجائز کمائی سے کثرت مال حاصل کرنا غضب الٰہی کو دعوت دینا ہے

حرص و ہوا انسان کو بلندی مرتبت سے گرا کر ذلیل و خوار کر دیتی ہے

یایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحًا۔ انی بما تعملون علیم (سورۂ مومن ۵۱)

حضرت امیر قوم مولانا صدرالدین صاحب ایدہ اللہ کی ایک تقریر،

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک پیغمبر علیہ السلام کو منجملہ دوسرے احکام و فرامین کے یہ حکم بھی دیا ہے کلوا من الطیبٰت کہ حلال طیب کمائی کی روٹی کھاؤ۔ واعملوا صالحًا۔ حلال طیب روٹی کمانے اور کھانے کے بغیر اچھے عمل کرنے کی توفیق نہیں ملتی۔ حلال طیب روٹی کھاؤ اور اچھے عمل کر کے دکھاؤ۔ انی بما تعملون علیم اور دیکھو یہ حقیقت تمہارے سامنے رہے کہ یہ ہم نے حکم دیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اس حکم کی پابندی کی جائے اس لئے تمہیں آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے اعمال کا ہم پورا پورا علم رکھتے ہیں۔ یہ یقین کر کے کہ زمین و آسمان کا بادشاہ ہمارے اعمال و اطوار پر نگاہ رکھتا ہے اس کی عظمت و قدرت اور اس کے علم و طاقت کو سامنے رکھ کر حلال طیب روٹی کمانے کا حکم سامنے رکھنا چاہیئے اسلامی تعلیم کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ اعمال میں پاکیزگی پیدا کی جائے۔ یہ آیت پیغمبروں کے لئے ہے اور حضور نبی کریمؐ بھی اس آیت کریمہ کے مخاطب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محبوب ترین مخلوق یعنی اپنے پیغمبروں علیہ السلام کو یہ حکم دیا ہے۔ کہ حلال طیب روٹی کھاؤ۔ اس کا اثر دل و دماغ اور اعمال پر پڑتا ہے۔

اگر حلال طیب کمائی کی عادت نہیں بلکہ حرام کی کمائی پر کمر باندھی ہوئی ہے تو مال تو بے شک بڑھتا چلا جاتا ہے۔ لیکن دل زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور اچھے اعمال کی توفیق جاتی رہتی ہے۔

یہ کس قدر نقصان دہ امر ہے کہ انسان کا ملکوتی حصہ زنگ آلود ہو جائے۔ حضور نبی کریم صلعم نے اسے علیحدہ طور پر تلقین فرمایا ہے۔ یوں تو سارے کا سارا قرآن کریم جو آپؐ پر اترا ہے آپؐ نے امت کو اس کی تلقین فرمائی ہے اس کے علاوہ علیحدہ طور پر اس حکم کی بھی حضورؐ نے امت کو تلقین فرمائی ہے۔ فرمایا ہے ان اللہ امر المسلمین ما امر بہ المرسلین۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ماننے والے مسلمانوں کو اس امر کے پابند رہنے کا حکم دیا ہے جو اس نے اپنے پیغمبروں کو حکم دیا ہے کہ کلوا من الطیبٰت واعملوا صالحًا کہ حلال کی کمائی کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔ حضور اکرمؐ کی یہ تلقین بتلاتی ہے کہ آپؐ کے قلب میں کس قدر تڑپ ہے کہ میری ساری کی ساری قوم ایسی ہو جائے کہ اس کا کھانا پینا حلال و طیب ہو اور اس کے اعمال کے اندر پاکیزگی اور طہارت پیدا ہو جائے۔ حضور صلعم اپنی ساری امت کو اسی رنگ میں رنگین دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے فرماتے ہیں ان اللہ طیبٌ و یحب الطیب

حضور نبی کریمؐ چاہتے ہیں کہ آپؐ کی قوم انبیاء کے اعمال کو اپنا نمونہ بنائیں فرمایا اصحابی کالنجوم میرے دوست ستاروں کا حکم رکھتے ہیں۔ یہ لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ستارے ہیں۔ اگر حضورؐ روحانیت کے آفتاب ہیں تو آپ کے ساتھی نجوم ہیں۔ نجوم کا کام رات کی تاریکی میں صحراؤں۔ سمندروں اور فضاؤں کے اندر رہبری و رہنمائی کرنا ہے۔ حضور صلعم فرماتے ہیں اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم میرے دوست ستارے ہیں ان میں سے کسی ایک کی بھی تم اتباع کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ حضورؐ کی تڑپ یہ ہے کہ آپؐ کی جماعت ایسی بن جائے جو لوگوں کی رہبری اور ہدایت کی موجب ہو۔

حلال طیب روٹی ہزارہا بدیوں اور فسادات کو مٹا دیتی ہے۔ یہ مرکزی نکتہ ہے جو حضور صلعم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے پاکیزہ کردار بنانے کے لئے تلقین فرمایا۔ فرمایا کلوا من الطیبات ما رزقنٰکم و لا تطغوا فیہ۔ پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اس میں سرکشی نہ کرو۔ حرام کھانا فساد و سرکشی کا باعث ہوتا ہے۔ جس کو منصب حاصل ہو گیا یا جس کو دولت میسر آ گئی وہ ابتلاء اور آزمائش کا شکار ہو گیا فرمایا ولا تطغوا فیہ منصب اور دولت طغیان کا موجب ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوتا ہے۔ اذھب الیٰ فرعون انہ طغیٰ۔ کہ فرعون کی طرف جاؤ اس نے تمام حدود سے تجاوز کر دیا ہے اور ہر طرح کے فساد کا موجب بن گیا ہے ولا تطغوا میں اسی طغیان سے بچے رہنے کا حکم ہے۔ سرکشی اختیار نہ کرو۔ کلوا ما رزقنٰکم کے معنی صرف رزق ہی نہیں بلکہ منصب، دولت وغیرہ جس قدر چیزیں ہیں وہ اس میں شامل ہیں۔ فرمایا منصب ہو یا دولت یا کوئی اور سامان وہ تمہارے لئے باعث طغیان نہ ہو جائے۔ طاغی انسان اللہ کو بھول کر عیش و عشرت کا بندہ بن جاتا ہے لہٰذا تم طغیان کے شکار نہ ہو جاؤ۔

حضور صلعم اور صحابہ کرامؓ کی زندگی بالخصوص جب آپؐ بادشاہت کے منصب جلیلہ پر متمکن تھے مثالی زندگی تھی۔

اسی آیت کے آگے لکھا ہے فیحل علیکم غضبی اگر تم نے طغیان اختیار کیا تو اللہ کا غضب تم پر اترے گا۔ یہ قانون الٰہی ہے۔ خدا اس کو نافذ فرماتا ہے۔ اگرچہ کوئی پولیس تمہیں دیکھے یا نہ دیکھے کوئی میجسٹریٹ تمہیں سزا دے یا نہ دے۔ کوئی بادشاہ تم پر قدغن لگائے یا نہ لگائے۔ مگر اللہ کے عذاب سے تم نہیں بچ سکتے۔ تم آسمانوں میں چلے جاؤ۔ زمین کی غاروں میں چھپ جاؤ۔ یا سمندروں کی گہرائیوں میں اتر جاؤ۔ تاہم تم اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔

اسی آیت میں فرمایا۔ ومن یحل علیہ غضبی فقد ھویٰ جس پر میرا غضب نازل ہو جائے وہ اونچے مقام سے گر جاتا ہے اور تباہ ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت مرحومہ کو بتایا ہے۔ کہ اس دنیا میں ایسے مواقع میسر آنے پر خدا کو یاد رکھو۔ جس میں مبتلا ہو کر انسان اپنے مقام سے گر جاتا اور ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عزت و تکریم کا مقام عطا کر رکھا ہے۔ فرمایا ولقد کرمنا بنی آدم۔ ہم نے اولادِ آدم کو قابلِ تکریم بنایا۔ اس مقام سے متعلق غیرتمندانہ زندگی

[illegible]

اس کے عذاب سے بچو۔ گناہوں کی زندگی سے اجتناب کرو۔ حرص و ہوا کا انجام کہیں نہیں اس کی منزل کہیں نہیں۔ ایک موٹر آگئی تو دوسری کے لئے حریص انسان ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ ایک کوٹھی بنا کر دوسری کوٹھی بنانا چاہتا ہے۔ ایک لاکھ روپیہ سے بڑھ کر چار لاکھ روپیہ کمانا چاہتا ہے۔ اور چار لاکھ پر بھی قناعت نہیں ہوتی چاہتا ہے کہ اور بھی ہو۔ ہر روز بنک بیلنس دیکھتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ دولت یہ مال و متاع اس کو معزز کر دے گا۔ لیکن وہ آخر کار گر جاتا ہے۔ اور اس کی عزت ختم ہو جاتی ہے۔

حضور صلعم نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ تم نے حلال طیب روٹی کھانا ہے۔ وہاں یہ بھی آپ کے متعلق فرمایا ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامرنا بالصلوٰۃ والصدق والعفاف والصلۃ گناہ سے بچنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ پابندی سے اس کا ذکر کرو۔ ہم روزانہ اقرار کرتے ہیں ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اس اقرار کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاؤ اور باقاعدہ نماز ادا کرو۔ اور فرمایا والصدق راستی اختیار کرو ہمارے قلم اور ہماری زبان پر صدق و راستی ہونا چاہیئے راستی سے دل منور ہوتے ہیں راستی قلب کی خوراک ہے۔ آگے فرمایا والعفاف۔ پیٹ میں حرام کی روٹی نہ جائے۔ پیٹ عفیف ہو۔ نہ ہی تمہاری عصمت و عفت پر کوئی داغ آنے پائے۔

ہماری مسلمان قوم مرد اور عورتیں مقابلۃً تمام قوموں سے بڑھ کر عفیف ہے۔ قرآن و حدیث میں پیٹ کی عفت و عصمت کے لئے بار بار تاکید و تلقین آئی ہے۔ قرآن کریم نے بار بار دہرایا ہے کہ تمہاری زندگی پاکیزہ ہونا چاہیئے۔ والصلۃ آپس میں جوڑ رکھو۔ تفرقہ پیدا نہ کرو۔ ایک دوسرے کو توڑو نہیں۔ گھروں میں والدین ہیں، بھائی بہن ہیں۔ چچا پھوپھا ہیں، ان سب کی عزت و تکریم کرو۔ اور جماعت کے ایک ایک فرد کی عزت و خیر خواہی ہو۔ فرمایا امرنا رسول اللہ ان ننزل الناس علےٰ منازلھم کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزلنا علی قدر منازلنا حضور صلعم نے حکم دیا ہے کہ جماعت کے مرد اور عورت بوڑھا۔ بچہ۔ لڑکا۔ لڑکی۔ ان سب کی منازل اور مقام کا خیال رکھیں اور تکریم و تعظیم کریں اور انہیں توڑنے کی کوشش نہ کرو۔ جوڑنے کی کوشش کرو۔ فرمایا۔ ید اللہ علی الجماعت خدا کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ مبارک ہے وہ شخص جو توڑنے کے بجائے جوڑنے پر متحد رہتا ہے۔

علاوہ ازیں فرمایا: من عمل صالحا من ذکر او انثیٰ کوئی مرد ہو یا عورت۔ لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ جو کوئی نیک عملی زندگی اختیار کرے گا فلنحیینہ حیوٰۃً طیبۃ تو اس کی زندگی خوشگوار بنا دی جائے گی۔ یہ کتنا قیمتی نسخہ ہے زندگی کو خوشگوار بنانے کا۔ زندگی روپیہ پیسہ سے خوشگوار نہیں بنتی۔ اس کا تعلق اعمالِ صالحہ سے ہے علاوہ ازیں فرمایا کہ اگر تمہارے پیٹ میں حلال طیب روٹی نہیں جاتی تو اللہ تمہاری دستگیری نہیں کرے گا۔ اس کی وضاحت ایک حدیث میں فرمائی ہے:-

رب اشعث اغبر یقول یارب یارب فانی یستجاب لہ مطعمہ حرام و مشربہ حرام و ملبسہ حرام۔ ایک مصیبت زدہ لمبا سفر کرتا ہے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ پریشان حال ہے۔ جسم گرد آلود ہے۔ اس حالت پر وہ دہائی دیتا ہے یارب یارب اے میرے مولیٰ میری سن۔ فانی یستجاب لہ اللہ اس کی کیسے سنے مطعمہ حرام اس کا کھانا حرام کا ہے۔ اس کا پینا حرام کا ہے۔ وملبسہ حرام اس کا لباس حرام ہے۔ اس کی دعا کیسے قبول ہو۔ نہیں ہو سکتی۔

[illegible] صرف اللہ ہے۔ اللہ تو چاہتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر رحم کرے۔ لیکن کبھی کبھی اللہ کی رحمت کے درمیان بندے کے گناہ حائل ہو جاتے ہیں۔

آپ قرآن کریم کی اس تلقین اور حضور نبی کریمؐ کی اس تشریح کو سامنے رکھیں۔ اپنی زندگیوں میں انقلاب پیدا کریں جس سے عزت اور امن و سکون میسر آتے ہیں۔ اور فساد رونما نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے فساد مٹ جاتا ہے ؛

⁂

(مرتضیٰ خان حسن)

بعجز تام استغفار کردم

خطا ہا اے خدا بسیار کردم
بسے بر معصیت اصرار کردم

بدرگاہِ تو اے ربِّ غفورم + بعجز تام استغفار کردم
خداوندا! تو دانی حال زارم + نہ گاہے بر کسے اظہار کردم
مسخّر شد نہ دیو سرکشِ نفس + بسے با ایں لعین پیکار کردم
بگوشِ دل شنو پندم جواناں + من از ہمدردیت گفتار کردم
خیالِ تفرقہ از سر بدر کُن + تو ایں التجا صد بار کردم
بحمد اللہ میسّر شد مرادم + دل و دیدہ نثارِ یار کردم
بہ نا اہلاں رموزِ عشق گفتم + پریشانم چرا ایں کار کردم
دلِ مجروحِ بلبل را چو دیدم + بگلشن نالہ ہائے زار کردم

زآہ و زاریم ہمسائگاں را
حسن شام و سحر بیزار کردم

جناب مرتضیٰ خاں حسنؔ

تسلیم و رضا

درحقیقت ہیں وہی لائق ثنا کے واسطے،
زندگی جو وقف کرتے ہیں خُدا کے واسطے

دولتِ دُنیا کو خاطر میں کبھی لاتے نہیں
خاک میں ملتے ہیں شانِ کبریا کے واسطے

علم رکھتے ہیں مگر کرتے نہیں اس پر غرور
رکھتے ہیں سجدے میں سر دائم دُعا کے واسطے

اُن کے وقاتِ گرامی کے ہیں مالک اور لوگ
جیتے ہیں وہ اصل میں خلقِ خُدا کے واسطے

اپنے بیماروں کی کرتے ہیں مسیحائی بھی وہ
فکر رکھتے ہیں دوا کے اور شفا کے واسطے

کارزارِ زندگی میں ہے محبت ان کی تیغ
سختیاں سہتے ہیں آئینِ وفا کے واسطے

ہے جوانی میں بھی عقل اُن کی بڑھاپے سے سوا
خضر بن سکتے ہیں خود وہ راہنما کے واسطے

سر جھکاتے ہیں قضا و قدر کے احکام پر
رہتے ہیں تیار تسلیم و رضا کے واسطے

عزم سے ٹلتے نہیں محنت سے کنیاتے نہیں
ہے روش ان کی نمونہ اصفیاء کے واسطے

نوجوانی میں بھی ہیں وہ پاک دل اور پاکباز
زندگی اُن کی ہے زہد و اتقا کے واسطے

چشم پوشی کرتے ہیں احباب کے اعمال سے
آنکھ ہے اُن کی بنی گویا حیا کے واسطے

نام سے ان کو غرض ہے اور نہ کچھ شہرت سے کام،
کام جو کرتے ہیں، کرتے ہیں خُدا کے واسطے

ایک افسوسناک خبر:-

حضرت امیرِ قوم مولٰنا صدرالدین ایدہ اللہ تعالیٰ (۱۴/۱۵ نومبر درمیانی شب) وفات پاگئے
اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

(ادارہ)

افاضات حضرت حکیم الامتؒ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود اور صلوٰۃ

اگر دُعا کوئی چیز ہے اور ضرور ہے تو پھر اس پہلو سے آپ کے مدارج اور مراتب کی نظیر پیش کرو۔ کیا دنیا میں کوئی قوم اور امت ایسی ہے جس نے اپنے نبی اور رسول کے لئے یہ التزام دعا کا کیا ہو؟ کوئی بھی نہیں۔ کوئی عیسائی مسیحؑ کے لئے یہودی موسیٰ کے لئے سناتنی شنکر اچارج کے لئے دُعائیں مانگنے والا نہیں ہے۔

اس دُنیا کے مدارج کو تو ان امور پر قیاس کرو اور آگے جو کچھ آپ کو ملا ہے وہ وہاں چل کر معلوم ہو جائے گا۔ مگر اس کا اندازہ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ کہ برزخ میں۔ حشر میں۔ صراط پر۔ بہشت میں حوض کوثر ہی کو ہوگا۔ اس عاجز انسان اور اس کی ہستی کو دیکھو کہ کیسی ضعیف اور ناتواں ہے لیکن جب اللہ تعالےٰ اس کے بنانے پر آتا ہے تو اس عاجز انسان کو اپنا بنا کر دکھاتا ہے اور ایک اُجڑی بستی کو آباد کرتا ہے۔ کیا تعجب انگیز نظارہ ہے۔ بڑے بڑے شہروں اور بڑے بڑے آکڑ باز مدبروں کو محروم کر دیتا ہے۔

مسلمانوں کی دین سے غفلت اور بے خبری!۔

حالانکہ وہاں ہر قسم کی ترقی کے اسباب موجود ہوتے ہیں اور علم و واقفیت کے ذرائع وسیع مثلاً اس وقت دیکھو کیسی بستی کو اس نے برگزیدہ کیا؟ جہاں نہ ترقی کے اسباب نہ معلومات کی توسیع کے وسائل۔ نہ علمی چرچے، نہ مذہبی مذکرے۔ نہ دار العلوم۔ نہ کتب خانہ۔ صرف خُدائی ہاتھ ہے جس کے ذریعے بندہ کی خود تربیت کی اور عظیم الشان نشان دکھایا۔ غور کرو کہ کس طرح اللہ تعالےٰ ثابت کرتا ہے کہ اُس نے آنحضرتؐ کو کوثر عطا فرمایا ہے لیکن غافل انسان نہیں سوچتا ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ جیسے اور لوگوں نے غفلت کی۔ ویسی ہی غفلت کا شکار مسلمان ہوئے۔ آہ! اگر وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عالی مدارج پر خیال کرتے اور خود بھی ان سے حصہ لینے کے آرزو مند ہوتے تو اللہ تعالےٰ ان کو بھی کوثر عطا فرماتا؛

میں دیکھتا ہوں کہ جھوٹ بولنے میں دلیر، فریب و دغا میں بیباک ہو رہے ہیں۔ نمازوں میں سستی۔ قرآن کے سمجھنے میں سستی اور غفلت سے کام لیا جاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر سستی یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی چال چلن کی خبر نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ عیسائی اور آریہ آپ کے چال چلن کو تلاش کرتے ہیں۔ اگرچہ اعتراض کرنے کے لئے۔ مگر کرتے تو ہیں۔ مسلمانوں میں اس قدر سستی ہے کہ وہ کبھی دیکھتے ہی نہیں۔ اسوقت جتنے یہاں موجود ہیں ان کو اگر پوچھا جائے تو شاید ایک بھی ایسا نہ ملے جو یہ بتا سکے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معاشرت کیسی تھی؟ آپ کا سونا کیسا تھا؟ جاگنا کیسا اور مصائب اور مشکلات میں کیسی استقلال اور علو ہمتی سے کام لیا۔ اور رزم میں کیسی شجاعت اور ہمت دکھائی۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ ایک بھی اب نہیں جو تفصیل کے ساتھ آپؐ کے واقعات زندگی پر اطلاع رکھتا ہو۔ حالانکہ یہ ضروری بات تھی کہ آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حالات زندگی پر پوری اطلاع حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی۔ کیونکہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ آپؐ دن رات میں کیا کیا عمل کرتے تھے۔ اُس وقت تک ان اعمال کی طرف تحریک اور ترغیب نہیں ہو سکتی۔

خدا تعالےٰ کی محبت یا اس کے محبوب بننے کا ذریعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع ہے۔ پھر یہ اتباع کیسے کامل طور پر ہو سکتی ہے۔ جب معلوم ہی نہ ہو کہ آپ کیا کیا کرتے تھے۔ اس پہلو میں بھی مسلمانوں نے جس قدر اس وقت سستی اور غفلت سے کام لیا ہے وہ بہت کچھ ان کی ذلت اور ضعف کا باعث ٹھہرا۔

نفسانی خواہشات کی پیروی

اس ضروری کام کو تو چھوڑا۔ پر مصروفیت کس کام میں اختیار کی۔ نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے میں چائے پی لی۔ حقہ پی لیا۔ پان کھا لیا۔ غرض ہر پہلو اور ہر حالت سے دنیوی امور میں ہی مستغرق ہو گئے مگر پھر بھی آرام اور سُکھ نہیں ملتا۔ ساری کوششیں اور ساری تگ و دو دنیا کے لئے ہی ہوتی ہے اور اس میں بھی راحت نہیں۔ لیکن جو خدا تعالےٰ کے ہو جاتے ہیں ان کو وہ دیتا ہے۔ تو پھر کس قدر دیتا ہے اور ساری راحتوں کا مالک اور وارث بنا دیتا ہے۔ میں نے پہلے بتا دیا ہے کہ جتنا چھوٹا ہوتا ہے اس کا اتنا ہی دینا ہوتا ہے۔ اور جس قدر بڑا ہوتا ہے اسی قدر اس کی دہش ہوتی ہے۔ جس قدر کبریائی اللہ تعالیٰ رکھتا ہے اسی کے موافق اس کی عطا ہے۔ اور اس کی عطا کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا؛

اکتساب دولت اور اکتساب خیر۔

میں نے ایک دُنیا دار کو دیکھا ہے۔ وہ میرا دوست بھی ہے۔ میں کلکتہ میں اس کے مکان پر تھا۔ اُس نے مجھے دکھایا کہ وہ ایک ایک دن میں چار چار پانچ پانچ سو روپیہ کیسے کما لیتا ہے۔ مگر تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ میں نے اسکو ایک مرتبہ گجرات میں دیکھا۔ بہت ہی بری حالت تھی۔ میں نے اس کو اور تو کچھ نہ کہا صرف یہ پوچھا کہ بتاؤ کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ یہ حالت ہو گئی ہے کہ رہنے کو جگہ نہیں۔ کھانے کو روٹی نہیں۔ اسوقت یہاں آیا ہوں۔ فلاں شخص کو پندرہ ہزار روپیہ دیا تھا مگر اب وہ بھی جواب دیتا ہے میں نے اس کی حالت کو دیکھ کر یہ سبق حاصل کیا کہ چالاکی سے انسان کیا کما سکتا ہے؟ ادھر بالمقابل دیکھئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے اتباع نے کیا کمایا۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وعظ کرتے ہیں۔ چالاکیاں کرتے ہیں لیکن ذرا پیٹ میں درد ہو تو بول اُٹھتے ہیں کہ ہم گئے۔

پس تم وہ چیز بنو جس کا نسخہ اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلعم پر اور آپکے اتباع پر تجربہ کر کے دکھایا ہے کہ جب وہ دیتا ہے تو اس کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ لمبی کہانی ہے کہ کس کس طرح پر خدا تعالےٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کی نصرت کی ہے۔ اس شہر میں دیکھو (مرزا غلام احمد ایدہ اللہ احد) ایک شخص ہے کیا قد میں امام الدین اس سے چھوٹا ہے یا اس کی داڑھی چھوٹی ہے۔ اس کا مکان دیکھو تو حضرت اقدس کے مکانوں سے بھی بڑا ہے اور داڑھی دیکھو تو وہ بھی لمبی ہے۔ کوشش بھی ہے کہ مجھے کچھ ملے مگر دیکھتے ہو خدا کے دینے میں کیا فرق ہے۔ میں یہ باتیں کسی اہانت کے لئے نہیں کہتا۔ میں ایسے نمونوں کو ضروری سمجھتا ہوں اور ہر جگہ یہ نمونے موجود ہیں۔

میں خود ایک نمونہ ہوں۔ جتنا میں بولتا کہتا اور لوگوں کو سناتا ہوں۔ اس کا بیسواں حصہ بھی مرزا صاحب نہیں بولتے اور سناتے۔ کیونکہ تم دیکھتے ہو وہ خاص وقتوں میں باہر تشریف لاتے ہیں اور میں سارا دن باہر رہتا ہوں لیکن ہم پر تو بدظنی بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کی باتوں پہ کیسا عمل ہے بات یہی ہے کہ اللہ کا دین الگ ہے اور وہ موقوف ہے ایمان پر!

منصوبہ باز چالاکیوں سے کام لینے والے بامراد نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنی تدابیر اور مکائد پر بھروسہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم یوں کر لیں گے مگر اللہ تعالےٰ ان کو دکھاتا ہے کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ جب اس کا فضل ہوتا ہے تو اس کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ غرض یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے دینے کے منتظر ہو اور یہ عطا منحصر ہی ایمان پر ہے۔ اس لئے رسول کریم صلعم کو جو ملا وہ سب سے بڑھ کر ملا۔ شرط یہ ہے فصلّ لربّک۔ اللہ تعالےٰ کی تعظیم میں لگو۔ نماز سنوار کر پڑھو۔ نماز مومن کی الگ اور دنیا دار کی الگ اور منافق کی الگ ہوتی ہے۔

آنحضرت صلعم کا پاک نام ابراہیمؑ بھی تھا جس کی تعریف اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ ابراھیم الذی وفیّ اور وہی ابراہیم جو جاء بقلب سلیم کا مصداق تھا۔ اس نے سچی تعظیم امر الٰہی کر کے دکھائی۔ اس کا نتیجہ کیا دیکھا؟ دنیا کا امام ٹھہرا۔ اسی طرح پر آنحضرت صلعم کو حکم ہوتا ہے کہ تعظیم

لام السلام کے لئے نوفصل، لوتیك کا حکم ہے مگر شفقت علیٰ خلق اللہ اور تکمیل تعظیم امر الٰہی کے لئے واعتر دقربانی بھی کرو، قربانی کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ جب یہ شروع ہوئی اس وقت دیکھو کیسے مشکلات تھے اور اب بھی دیکھو۔

ابراہیم علیہ السلام بہت بوڑھے اور ضعیف تھے۔ ۹۹ برس کی عمر تھی۔ خداتعالےٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اولادِ صالح عنایت کی۔ اسماعیلؑ جیسی اولاد عطا کی۔ جب اسماعیل جوان ہوئے تو حکم ہوا کہ ان کو قربانی میں دے دو۔ اب ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کو دیکھو۔ زمانہ اور عمر رسیدہ کہ ۹۹ برس تک پہنچ گئی اس بوڑھاپے میں آئندہ اولاد کے ہونے کی کیا توقع اور وہ طاقتیں کہاں۔ مگر اس حکم پر ابراہیمؑ نے اپنی ساری طاقتیں۔ ساری اُمیدیں اور تمام ارادے قربان کرنے کا ارادہ کرلیا۔ پھر بیٹا بھی ایسا سعید بیٹا تھا کہ جب ابراہیمؑ نے فرمایا۔ بیٹا ! انی اریٰ فی المنام انی اذبحك تو وہ بلا چون وچرا یوں بولا کہ افعل ما تؤمر ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین۔ ابا ! جلدی کرو۔ ورنہ وہ کہہ سکتے تھے کہ یہ خواب کی بات ہے اس کی تعبیر ہوسکتی ہے۔ مگر نہیں۔ کہا پھر کر ہی لیجئے۔ غرض باپ بیٹے نے فرمانبرداری دکھائی کہ کوئی عزت۔ کوئی آرام۔ کوئی دولت اور کوئی امید باقی نہ رکھی۔ یہ آج ہماری قربانیاں اسی پاک قربانیوں کا نمونہ ہیں۔ مگر دیکھو کہ اس میں اور ان میں کیا فرق ہے۔

اللہ تعالےٰ نے ابراہیم اور اس کے بیٹے کو کیا جزا دی۔ اولاد میں ہزاروں بادشاہ اور انبیاء پیدا کئے۔ وہ زمانہ عطا کیا جس کی انتہا نہیں۔ خلفا ہوں تو وہ بھی ملت ابراہیمی میں سارے نواب اور خلفاء الٰہی دین کے قیامت تک اسی گھرانے میں ہونے والے ہیں۔

پس اگر قربانی کرتے ہو تو ابراہیمی قربانی کرو۔ زبان سے انی وجہت وجہی للذی فطر السمٰوٰت والارض کہتے ہو تو روح بھی اس کے ساتھ متفق ہو۔ ان صلوتی ونسکی ومحیایَ ومماتی للہ رب العالمین کہتے ہو تو پھر کر کے بھی دکھاؤ۔

غرض اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے اس کی فرمانبرداری اور تعمیلِ حکم کے لئے جو اسلام کا سچا مفہوم اور منشا ہے کوشش کرو مگر میں دیکھتا ہوں کہ ہزاروں وسوسے اور دُنیا کی ایچا پیچی ہوتی ہے۔

خداتعالےٰ کی راہ میں اپنے کل قوای اور خواہشوں کو قربان کر ڈالو اور رضا الٰہی میں لگا دو تو پھر نتیجہ یہ ہوگا۔ ان شانئك هو الابتر (تیرے دشمن ابتر ہوں گے)

انسان کی خوشحالی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ خود اسکو راحتیں اور نصرتیں ملیں اور اس کے دشمن تباہ اور ہلاک ہوں۔ خود رسول اللہ صلعم نے اپنی نماز اور اپنی قربانیوں میں دکھا دیا کہ وہ ہمارا ہے۔ ہم نے اپنی تقریروں اور تائیدوں سے بتا دیا کہ ہم اسی کی ہیں۔ اور اس کے دشمنوں کا نام ونشان تک مٹا دیا۔ آج ابوجہل کو کون جانتا ہے یہاں باپ نے تو اس کا نام ابوالحکم رکھا تھا مگر آخر ابوجہل ٹھہرا۔ وہ بلال جس کو ذلیل کرنے ناک میں نکیل ڈالتے۔ اس نے اللہ تعالےٰ کو مانا۔ اسی کے سامنے ان کو ہلاک کر کے دکھا دیا۔ غرض خدا کے ہو جاؤ وہ تمہارا ہو جائے گا۔

من کان للہ کان اللہ لہ میں دیکھتا ہوں کہ ہزاروں اعتراض مرزا صاحب پر کرتے ہیں مگر وہی اعتراض ہیں جو پہلے برگزیدوں پر ہوئے۔ انجام بتا دے گا کہ راست باز کامیاب ہوتا ہے اور اس کے دشمن تباہ ہوتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو اللہ تعالےٰ کا بنتا ہے۔ وہی کامیاب ہوتا ہے۔ ورنہ نامراد مرتا ہے۔ پس ایسے بنو کہ موت آوے خواہ وہ کسی وقت آوے مگر تم کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار پاوے۔

یاد رکھو کہ مرکر اور مرتے ہوئے بھی اللہ تعالےٰ کے ہونے والے نہیں مرتے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اعمالِ صالحہ کی توفیق دے۔ جو اپنی اصلاح نہیں کرتا اور اپنا مطالعہ نہیں کرتا وہ پتھر ہے اور دُنیا کے ایچ پیچ کام نہیں آتے۔ کام آنے والی چیز نیکی اور اعمالِ صالحہ ہیں۔ خدا سب کو توفیق عطا کرے۔ آمین !

* * *

اخبارِ احمدیہ

- حضرت امیر قوم الحاج مولنا صدرالدین ایدہ اللہ تعالےٰ خیریت سے ہیں۔ احباب کرام ان کی صحت وعافیت کیلئے دُعا فرماتے رہیں۔
- حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی حسبِ سابق خدمات دینیہ میں مصروف ہیں جلسہ سالانہ قریب ہونے کے باعث آپ کی مصروفیات بڑھ گئی ہیں۔ بزرگان سلسلہ اس پیکرِ علم و حکمت اور علم بردار آزادئ ضمیر حضرت کی درازئ عمر کے لئے اللہ تعالےٰ کے حضور سربسجود رہیں۔
- جامعہ احمدیہ دارالسلام میں ہفتہ وار درس قرآن کریم کا سلسلہ ہر سوموار کو بعد نماز عصر تا نماز مغرب دوبارہ شروع ہوگیا ہے۔ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب حسبِ سابق اپنے علم وفہم قرآن سے حاضرین کو مستفید فرماتے ہیں۔ آپ کا درس قرآن کریم عام فہم اور دلپذیر ہوتا ہے۔ اس وقت تک (۱۱/۱۸۱ء) دو درس ہو چکے ہیں۔ قرب وجوار کے تمام احباب اس چشمہ رواں سے فیضیاب ہونے کی کوشش فرمادیں۔

- ## اعلیٰ تعلیم کیلئے روانگی:

مرکزی شبان الاحمدیہ کے صدر محترم جمیل الرحمان صاحب ایم۔ اے کی اعلےٰ تعلیم کے لئے ۱۲ راکتوبر کو کراچی جارہے ہیں۔ آپ وہاں دو سال تک زیرِ تعلیم رہیں گے۔ مقامی شبان الاحمدیہ کی تنظیم نے ان کے اعزاز میں پارٹی کا اہتمام کیا۔ آج مورخہ ۱۰ راکتوبر ۱۹۸۱ء بعد نماز جمعہ ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں جماعت شیخ محمدی وجماعت سفید ڈھیری کے شبان نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ محترم ڈاکٹر جمیل الرحمان صاحب نے شبان کو اپنے ارادے سے مطلع کیا۔ اور مقامی شبان کی سرگرمیوں کے لئے جناب بشیر احمد صاحب کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ آپ نے شبان سے دینی تعلیم کے سلسلہ کے پہلے درجے کے امتحان میں بھر پور حصہ لینے کی تلقین کی۔ اور اس ضمن میں ایک دوسرے کی مدد اور راہنمائی کرنے کی ہدایت کی۔ نیز آپ نے اس سلسلہ میں مرکز سے راہنمائی اور مدد ملنے کی اُمید ظاہر کی۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے حسب وعدہ شبان الاحمدیہ کے جنرل سیکرٹری جناب ناصر احمد صاحب کو دینی تربیتی کلاس کے امتحان میں اول آنے پر مبلغ سو روپیہ انعام دیا۔

اجلاس کے اختتام پر ڈاکٹر صاحب کے اعزاز میں چائے کا انتظام کیا گیا۔ آخر میں شبان نے اپنے محبوب صدر محترم کو خندہ پیشانی اور نیک تمناؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

از عبداللہ جان صاحب سیکرٹری نشر واشاعت
شبان الاحمدیہ پشاور

چندہ ماہوار

احباب جماعت دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو ملحوظ رکھیں اور حسب حیثیت باقاعدگی سے چندہ ماہوار دے کر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے فرمان کی تعمیل کریں۔

— ادارہ

درس قرآن کریم کا ہفتہ واری سلسلہ

قابلِ احترام معزز احمدیہ خواتین و حضرات کرام

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

گرمی کی شدت اور رمضان المبارک کے پیشِ نظر جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کا درس قرآن مجید جو ہر سوموار کو "مسجد دار السلام" میں نمازِ عصر کے بعد نمازِ مغرب تک ہوا کرتا تھا عارضی طور پر بند کر دیا گیا تھا۔ اب ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۱ء سوموار سے یہ سلسلہ پھر سے شروع کر دیا گیا ہے۔ وقت وہی ہے۔ بعد نمازِ عصر تا نمازِ مغرب (۴½ بجے سے نمازِ مغرب تک ہر سوموار) جمعہ میں اس کا اعلان کیا گیا تھا۔ یہ سطور بطور یاد دہانی تحریر خدمت کر رہا ہوں۔ اس وضاحت کیساتھ کہ جماعت احمدیہ ہی اس دور میں "درس قرآن کریم" کی محرک و موجد ہے۔ اپنی روایات کو زندہ و پائندہ رکھ کر ہی کوئی قوم دین و دنیا میں ارفع و بالا کہلا سکتی ہے۔ ہفتہ میں ایک دن صرف ایک گھنٹہ (ہر سوموار کو) اس بابرکت اجتماع کے لئے ضرور نکالیں اور نہ صرف خود شامل ہوں بلکہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی ساتھ لاکر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

قبل ازیں ہم اس موقع پر حاضرین کی خدمت میں چائے پیش کرتے رہے ہیں جس کا مقصد احباب میں رابطہ اور میل ملاپ کی صورت پیدا کرنا پیشِ نظر ہوتا تھا۔ اور یہ بھی کہ درس کا وقت عموماً شام کی چائے کے وقت سے ملتا تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ احباب اپنے گھر میں چائے کا وقفہ درس کی نظر کریں اور چائے ہم پیش کریں۔ مگر چند دوستوں نے اسے مستحسن نہ سمجھا چنانچہ ۲۶ اکتوبر کو یہ اہتمام نہیں کیا گیا۔ آئندہ کیلئے آپ سے مشورہ کا طالب ہوں۔ گرامی رائے سے مستفید فرمائیں کہ چائے کا سلسلہ شروع کیا جائے یا نہیں۔ اکثریت کی رائے پر عمل ہوگا۔ انشاء اللہ۔

والسلام

خیر اندیش میاں فضل احمد صاحب
صدر مقامی جماعت احمدیہ۔ لاہور
دار السلام ۵۔ عثمان بلاک۔ نیو گارڈن ٹاؤن۔ لاہور

ایک دعا:-

اے رب العالمین! تیرے احسانوں کا میں شکر نہیں کر سکتا۔ تو نہایت ہی رحیم و کریم ہے اور تیرے بے انتہا مجھ پر احسان ہیں۔ میرے گناہ بخش تا میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ میرے دل میں اپنی خاص محبت ڈال تا مجھے زندگی حاصل ہو اور میری پردہ پوشی فرما اور مجھ سے ایسے عمل کرا جن سے تو راضی ہو جائے۔ میں تیرے وجہِ کریم کے ساتھ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر وارد ہو۔ رحم فرما اور دنیا و آخرت کی بلاؤں سے مجھے بچا کہ ہر ایک فضل و کرم تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ آمین! ثم آمین!

(الحکم جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۵ ـ ۲۰ فروری ۱۸۹۸ء)

فاروقِ اعظمؓ

زمانے میں ہوئی وہ روشنی فاروقِ اعظمؓ سے
کہ گمراہوں کو منزل مل گئی فاروقِ اعظمؓ سے

نہ ہو وابستہ جب تک زندگی فاروقِ اعظمؓ سے
رہے گی ہم کو اک شرمندگی فاروقِ اعظمؓ سے
خلافت سے نہیں پائی جِلا فاروقِ اعظمؓ نے
خلافت کو ملی ہے روشنی فاروقِ اعظمؓ سے
کلامِ حق کے ہر نکتہ پہ تھی گہری نظر اُن کی،
زمانے! سیکھ لے دیدہ وری فاروقِ اعظمؓ سے
اُنہیں کے دبدبے سے قیصر و کسریٰ کے سر خم تھے
لرز جاتی تھی شانِ خسروی فاروقِ اعظمؓ سے
تیری خاطر وہ ہر شب جاگتے تھے گشت کرتے تھے
زمانے اف یہ بیگانہ روی فاروقِ اعظمؓ سے
کئے ہیں مشورے اکثر رسول اللہؐ نے خود بھی
کبھی صدیقِ اکبرؓ سے کبھی فاروقِ اعظمؓ سے
شہادت اور وہ بھی مسجدِ نبویؐ کے دامن میں
اجل کو مل گئی ہے زندگی فاروقِ اعظمؓ سے
کئی بہروپ بدلے ہیں زمانے نے مگر اب تک
ہیں وابستہ غلامانِ نبیؐ فاروقِ اعظمؓ سے
کہیں پہ عزم و ہمت کا کہیں پر عقل و دانش کا
سبق لیتی ہے دنیا آج بھی فاروقِ اعظمؓ سے

انہی کے دم سے گونجی ہے اذاں کعبہ میں اے محزوںؔ
حقیقت کتنی روشن ہو گئی فاروقِ اعظمؓ سے

اقبال محزوںؔ
(ماخوذ) (رسالہ محمد بیدار صاحب کراچی)

(ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مؤرخہ ۴ نومبر ۱۹۸۱ء ـــ جلد ۶۸، شمارہ نمبر ۴۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفٰے ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ہفت روزہ
پیغامِ صلح
لاہور

ما مسلمانیم از فضلِ خدا
مصطفٰے ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸۰
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۴۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
[illegible] طاہر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد
دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہامات حضرت مسیح موعود

جلد ۶۸ ، یوم چہار شنبہ ۱۳ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ بمطابق ۱۱ نومبر ۱۹۸۱ء شمارہ ۴۵

ملفوظات حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

اے میرے پیارے بھائیو! کوشش کرو کہ تا متقی بن جاؤ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ سو تقویٰ یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچ کر خدا تعالیٰ کی طرف قدم اُٹھاؤ۔ اور پرہیزگاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔

سب سے اول اپنے دلوں میں انکسار اور صفائی اور اخلاص پیدا کرو اور سچ مچ دلوں کے حلیم اور سلیم اور غریب بن جاؤ۔ کہ ہر ایک خیر اور شر کا بیج پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ اگر تیرا دل شر سے خالی ہے تو تیری زبان بھی شر سے خالی ہوگی اور ایسا ہی تیری آنکھ اور تیرے سارے اعضاء، ہر ایک نور یا اندھیرا پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ تمام بدن پر محیط ہو جاتا ہے۔ سو اپنے دلوں کو ہر دم ٹٹولتے رہو اور جیسے پان کھانے والا اپنے پانوں کو پھیرتا رہتا ہے اور ردّی ٹکڑے کو کاٹتا اور باہر پھینکتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اپنے دلوں کے مخفی خیالات اور مخفی عادات اور مخفی جذبات اور مخفی ملکات کو اپنی نظر کے سامنے پھیرتے رہو۔ اور جس خیال یا عادت یا ملکہ کو ردّی پاؤ اس کو کاٹ کر باہر پھینکو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے دل کو ناپاک کر دیوے اور پھر تم کاٹ دیئے جاؤ۔

لیکن اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے تب خدا تعالیٰ میں ظاہر ہو جاؤ گے۔ اور خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔ اور وہ گھر بابرکت ہوگا جس میں تم رہتے ہوگے اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہوگی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں اور وہ شہر بابرکت ہوگا جہاں ایسا آدمی رہتا ہوگا۔۔۔۔

جماعتِ احمدیہ لاہور کیلئے ایک عظیم صدمہ اور ناقابلِ تلافی نقصان

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

حضرت مولانا صدرالدین امیر جماعتِ احمدیہ لاہور ہم سے جدا ہو کر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مولانا نے ۱۴/۱۵ نومبر ۸۱ء کی درمیانی شب انتقال فرمایا۔ اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کرتے وقت آپ کی عمر تقریباً یکصد سال سے اوپر تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین۔ بعد دوپہر ۴½ بجے نماز جنازہ احمدیہ بلڈنگ میں اور بوقت [illegible] بجے دارالسلام میں ادا کی گئی۔ جنازہ میں کثیر احباب نے شرکت کی، ۸ بجے قبرستان دارالسلام میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

آپ کی طویل دینی خدمات کی تفصیل خصوصی نمبر میں پیش کی جائے گی۔ احباب سے درخواست ہے کہ وہ بھی حضرت مولانا مرحوم کی خدماتِ جلیلہ پر مشتمل اپنے مضامین جلد از جلد بھیج کر مشکور فرمائیں تا کہ خاص نمبر شائع کیا جا سکے۔ (ادارہ)

* * *

جلسہ سالانہ: ۲۴ جمعرات، ۲۵ جمعۃ المبارک، ۲۶ ہفتہ، ۲۷ اتوار دسمبر ۱۹۸۱ء یاد رکھیئے

مکرم مرزا محمد لطیف شاہد صاحب

الا ان حزب اللہ ھم المفلحون

مذہبی جماعتوں اور سیاسی جماعتوں کی تاسیس میں ایک بیّن فرق یہ ہوتا ہے کہ سیاسی لیڈر عوام کی خواہشات خواہ کتنی ہی غلط ہوں اپنی جماعت کو بڑھانے اور اپنی سیاست کو چمکانے کے لئے انکو خوش کرنے کے لئے وہی باتیں کہتا ہے جن سے اس کا مقصد پورا ہو اور وہ اس کا ساتھ دیں۔

لیکن مذہبی جماعتیں ان کی اساس اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت کرتی ہے۔ اب ہم جس طرف اپنے قارئین کرام کو لانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ بحیثیت مسلمان جماعت بندی کے لئے کن خطوط پر ہم کو کام کرنا چاہیئے کہ وہ مقصد جس کے لئے اللہ تعالےٰ نے ہم کو پیدا کیا ہے اور ہماری پیدائش کا ایک مقصد ہے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اسلام کیا تعلیم دیتا ہے جس کی روشنی میں ہم خدا تعالےٰ کے حضور سرخرو ہو سکیں۔

پہلے فرد۔ پھر کنبہ اور من حیث الجماعت ہر ناکس وناکس کو جو چیز عملی طور پر اجتماعی رنگ اور انفرادی رنگ میں اپنے اندر پیدا کرنی چاہیئیں ان میں ایک واضح ہدایت قرآن مجید یہ ارشاد فرماتا ہے

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور (۲۲ : ۴۱)

اس آیت میں پانچ باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ مکن کے معنے یہ ہیں کہ جب تم ایک حالت میں قرار اور آرام پکڑو۔ کسی جگہ قیام کرو۔ اسی سے مکین کا لفظ نکلا ہے۔ جو کہ عام فہم ہے۔ مکن بمعنی سکن۔ پہلی بات یہ فرمائی :۔ اقاموا الصلوٰۃ۔ نماز کو کھڑا کرنے کی کوشش کرو۔ اقام کا لفظ بتاتا ہے کہ اس میں سستی اور کمزوری بھی آسکتی ہے لیکن اے مسلمانو تمہارا فرض ہے کہ جدوجہد کرو اور اس میں سستی نہ آنے دینا کبھی غفلت اور لاپروائی یا عدم دلچسپی کا اظہار نہ کرنا۔ جماعتوں کے قیام و استحکام کے سلسلے میں بنیادی اینٹ مساجد اور نماز باجماعت ہے۔

چنانچہ ہمارے سامنے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہے مکہ سے کن حالات میں آپ ہجرت فرماتے ہیں۔ دشمن تعاقب کر رہا ہے لیکن جب آپ مدینہ کے قریب ایک بستی میں چند دن کے لئے قیام فرماتے ہیں تو سب سے پہلا کام یہ کرتے ہیں کہ ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھتے ہیں چنانچہ اسی واسطے تاریخ اسلام میں قبا کی مسجد کو مسجد اوّل کا مقام دیا گیا ہے ؛

اور جب حضور صلعم مدینہ تشریف لے جاتے ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری رض کے گھر میں عارضی طور پر قیام فرماتے ہیں لیکن سب سے پہلا کام یہ فرماتے ہیں کہ مسجد کے لئے زمین خریدتے ہیں۔ آپؐ نے عملاً ہمیں یہ سبق دیا کہ مسلمان اگر جماعتی طور پر کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو مسجد کا قیام اور اقامت صلوٰۃ کو قائم کریں۔

آج ہمارے گھروں اور مساجد کا جو نقشہ ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ مساجد کے بارے میں ارشاد ہے کہ ان المساجد للہ۔ کہ مسجد ایک ایسی درسگاہ ہے جس میں انسان کی روحانی تربیت ہوتی ہے۔ اس سے باہر جو وہ وقت گذارتا ہے اُسے اپنی ظاہری ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایسا کرنا پڑتا ہے لیکن اس کا دل مسجد کی طرف جھکا ہوا ہے۔ اسی واسطے جب وہ اذان کی آواز سنتا ہے۔ وہ الفاظ دہراتا ہے۔ اور حی علی الصلوٰۃ کی ندا سنتا ہے تو کہتا ہے کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ دنیا کی ظاہری مصروفیات بڑی پُرفریب ہیں۔ ان سے انسان اللہ کے فضل سے ہی نکل سکتا ہے۔ اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا المؤمن فی المسجد کالسمک فی الماء۔ مومن مسلمان کی مثال مسجد میں ایسی ہے جیسے مچھلی پانی میں ہوتی ہے ؛

فرمایا : اے مسلمانو تمہاری روحانی حیات وابستہ ہے مساجد کے ساتھ۔ اگر تم اس سے دور رہو گے تو روحانی اعتبار سے تمہارا تعلق کمزور ہو جائے گا۔ آخری زمانہ کی علامات میں سے ایک علامت حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی تھی :۔

مساجدھم عامرۃ وھی خراب عن الھدیٰ

کہ مسلمانوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ ظاہری طور پر تو مساجد بڑی دیدہ زیب ہوں گی لیکن ہدایت سے دور ہوں گی۔ فرقہ پرستی کی لعنت سے خدا کے حقیقی ذکر و عبادت سے خالی ہوں گی۔ اوپر درج کیا گیا ہے ان المساجد للہ۔ مسجد کا مقصد یہ ہے کہ انسان سچے دل سے خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے۔ اپنی کمزوریوں پر نگاہ رکھے اور ان کو ترک کرنے کا عہد کرے ؛

پھر مساجد کے آداب ہیں۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کو حکم دیا

ان طھرا بیتی للطائفین والعٰکفین والرکع السجود (۲ : ۱۲۵)

کہ میرے اس گھر کو ظاہری طور پر اور باطنی طور پر پاک کرنا اور کوئی ایسی بات نہ کرنا جو شرک میں داخل ہو اور اس گھر میں کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیئے جو طہارت ظاہری و باطنی کے خلاف ہو۔ اسی واسطے فرمایا کہ مساجد میں دنیاداری کی باتیں کرنا اونچا بولنا۔ حلقہ بنا کر بیٹھنا۔ نماز کی حالت میں تیز دوڑ کر آنا شور کرنا کسی کو اُٹھا کر خود بیٹھنا۔ خرید و فروخت کی باتیں کرنا۔ ایسی چیز کھا کر آنا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔ یہ سخت منع ہیں۔

لیکن آج ہمارے ہاں نقشہ کچھ اور ہے۔ ہم گھروں میں خاموش رہتے ہیں مسجد میں آکر اونچی اونچی دنیاداری کی باتیں کرتے ہیں جس سے دوسرے لوگ جو نوافل یا ذکر الٰہی میں مصروف ہوتے ہیں اُن کی عبادت میں خلل پڑتا ہے نماز کے بارے میں حکم دیا کہ تمام ارکان کو نہایت آرام اور احتیاط سے ادا کرو۔ اور بقول حضرت مرزا صاحب جیسے مرغ دانہ چگنے کے لئے ٹھونگیں مارتا ہے ایسی نماز ادا نہ کرو۔

اقامت صلوٰۃ ہی تھی جس کے ذریعہ سے اتنا بڑا انقلاب آیا کہ ایک طرف وہ روحانی اعتبار سے آسمان کے ستارے بن گئے دوسری طرف انہوں نے آدھی دنیا کے قلوب کو فتح کر لیا اور خدا تعالیٰ کی رضامندی کا سرٹیفکیٹ ان کو حاصل ہوا۔ اور یہ اتنا بڑا انقلاب رونما ہوا کہ غیر مسلموں نے بھی اس کو محسوس کیا۔

آج زبانی جمع خرچ بڑا کیا جاتا ہے۔ زبان سے الفاظ بھی دوہرائے جاتے ہیں۔ قربانی بھی کی جاتی ہے وقت بھی صرف کیا جاتا ہے لیکن جو تغیر ہونا چاہیے وہ نظر نہیں آتا۔ اس کی اہم وجہ یہی ہے کہ ارشاد ربّی تھا الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ اس حکم پر حقیقی طور پر عمل نہیں ہو رہا۔ جب بنیادی اینٹ ہی سیدھی نہیں رکھی۔ انقلاب اور تغیر کس طرح پیدا ہوگا۔

پس ہم لوگوں کو سب سے پہلے اپنے گھروں کا نقشہ سیدھا۔ صاف ستھرا کرنا چاہیئے۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں نماز با جماعت کا بچوں و ازواج کے لئے دائمی انتظام ہے

رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد ہے :۔

فلا تجعلوا بیوتکم قبورا۔ کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، گھر کے لئے خوبصورت

(بقیہ صفحہ ۹ کالم ۲)

سادگی کے معنے گندگی نہیں

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم نصیر احمد فاروقی صاحب، بمقام مسجد جامع، دارالسلام ۔ ۵ عثمان بلاک ۔ نیو گارڈن ٹاؤن ۔ لاہور

یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۵ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ ۵ (سورۃ المدثر ۷۴، آیات ۱ تا ۵)

ترجمہ:۔ اے اوڑھنے والے ! اُٹھ اور ڈرا ۔ اور اپنے رب کی بڑائی کر ۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ ۔ اور ناپاکی (یا گندگی) سے دور رہ ۔

میں نے پچھلے جمعہ میں سادگی کے مضمون پر خطبہ دیا تھا ۔ میں یہ مزید عرض کرنا چاہتا ہوں کہ سادگی کے معنے گندگی نہیں کیونکہ اکثر لوگ اپنی گندگی کو سادگی کے عذر کا جواز دیتے ہیں ۔ اسی خطبہ میں میں نے کفایت شعاری پر بھی زور دیا تھا ۔ سو کفایت شعاری بھی گندگی کے لئے جائز عذر نہیں ۔ انسان سادہ بھی رہ سکتا ہے اور کفایت شعاری سے بھی رہ سکتا ہے مگر ان دونوں کے ساتھ صاف ستھرا بھی رہ سکتا ہے ۔ کچھ لوگ غربت کو گندگی کے لئے عذر سمجھتے ہیں ۔ رسول اللہ صلعم سے بڑھ کر تو کوئی غریب انسان نہیں ہو سکتا کہ آپؐ کے گھر میں مہینہ مہینہ بھر آگ نہ جلتی تھی، بار ہا فاقے بھی رہتے تھے، اور حضرت عائشہ رضؓ کی روایت ہے کہ (بعد کے زمانہ میں) میں کبھی دو وقت پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتی جو رسول اللہ صلعم کو یاد کر کے رو نہیں پڑتی کہ حضور صلعم نے کبھی دو وقت پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا ۔ حضورؐ کے کپڑے بھی نہایت سادہ ہوتے تھے جن میں بعض وقت پیوند تک لگا ہوتا تھا مگر حضورؐ کا جسم اور لباس صاف ستھرا ہوتا تھا ۔ اور حضورؐ کے پاس سے خوشبو آتی تھی ۔ ضرورت پڑنے پر حضورؐ اپنے کپڑے کو خود دھو کر مگر صاف ستھرے ہو کر باہر تشریف لایا کرتے تھے ۔ اس لئے غربت کوئی جواز نہیں کہ انسان گندہ رہے ۔

دوسرے مذاہب

اسلام میں جو ہر قسم کی صفائی پر زور ہے اُس کا ذکر تو میں بعد میں کروں گا ۔ اس سے پہلے میں دوسرے مذاہب میں جو صفائی کے معاملہ میں کوئی احکام نہیں اُس کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں ۔ کسی مذہب کے ماخذ دو ہوتے ہیں ۔ اوّل تو اس کی الہامی کتاب ۔ دوئم اس مذہب کے نبی یا اگر ایک سے زیادہ نبی ہوئے ہوں تو اُن کے اقوال یا نصائح ۔ ان میں کہیں ظاہری یا جسمانی صفائی کا ذکر نہیں ۔ ان کتابوں میں یا نبیوں کے نصائح میں ضرور جسمانی اور ظاہری صفائی کی تاکید ہوگی مگر آج اس کا پتہ نہیں ملتا اس لئے کہ یا تو دوسرے مذاہب کی اصل الہامی کتابیں ضائع ہو گئیں یا اُن کا محض ترجمہ رہ گیا جیسا کہ نہ تو توریت کا اصل نسخہ کہیں باقی ہے نہ انجیل کا ۔ بلکہ ترجمے اور وہ بھی متضاد ترجمے رہ گئے ہیں ۔ اسی طرح قرآنِ پاک کے سوا دوسری الہامی کتابوں میں زبردست تحریف ہوئی جس سے اُن کی اصل تعلیم یا تو ضائع ہو گئی یا اس میں ردّ و بدل ہو گیا :۔

بہر حال آج یہ صورتِ حال ہے کہ اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں جسمانی یا ظاہری صفائی کے کوئی احکام نہیں ملتے ۔ اور اگر بعد میں کوئی صفائی کی ریت پڑ گئی تو وہ نہایت ناقص اور نامکمل ۔ بلکہ جسمانی گندگی کو خدا والا ہونے کی نشانی سمجھا گیا ۔ ہندوؤں میں جوگی یا براگی یا سادھو لوگ اپنے مونہہ اور جسم پر خاک یا راکھ مل کر اس میں روحانیت کا کمال سمجھتے ہیں ۔ ان کی دیکھا دیکھی بعض مسلمان فقیر اپنے آپ کو مجذوب اور دنیا سے متنفر بنانے کے لئے جسمانی گندگی میں فخر سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ میں آگے چل کر بتاؤں گا کہ یہ سراسر قرآنِ پاک کی تعلیم اور رسول اللہ صلعم کی سنّت کے خلاف ہے ۔

ظاہری صفائی کیوں ؟

اسلام میں جو ظاہری صفائی کے احکام اور تاکید ہیں اُن کی تفصیل بتانے سے پہلے میں بتانا چاہتا ہوں کہ ظاہری صفائی پہ اسلام میں زور کیوں ہے ؟ میں مانتا ہوں کہ باطنی صفائی پیدا کرنا اسلام کا اصل مقصد ہے ۔ مگر انسان کا باطن تو بالآخر باطن ہے اور ظاہری آنکھ سے مخفی ہوتا ہے ۔ باطن کا حال تو قلب کی آنکھ سے نظر آتا ہے مگر وہ آنکھ شروع شروع میں بند ہوتی ہے ۔ ظاہر کا حال تو انسان کی جسمانی آنکھ دیکھتی ہے جو ہر شخص کی کھلی ہوتی ہے ۔ تو ظاہری گندگی تو ہر شخص کو نظر آتی ہے ۔ اُس گندگی کو دیکھ کر اگر کوئی شخص اُس سے نفرت نہیں کرتا تو پھر اُس کی فطرت گندی ہے ۔ تو اسلام میں ظاہری گندگی سے نفرت پیدا کرا کے اور اس سے نجات دلا کر دراصل انسانی فطرت یا باطنی گندگی کی صفائی کی ابتداء ہوتی ہے ۔ کہتے ہیں کہ کوئی شخص دیکھ کر مکھی نہیں نگلتا ۔ تو جو انسان ظاہری گندگی کو دیکھ کر نہیں چھوڑتا اس کی فطرت میں گندگی سے نفرت نہیں تو اس نے اپنی فطرت کی یعنے باطن کی کیا صفائی کرنی ہے ؟ یہ بہت علم اور حکمت کی بات ہے اور میں قرآنِ حکیم اور رسولِ پاک صلعم کی حکمتوں پر غور کر کے عش عش کرتا ہوں ۔ اللہ تعالےٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس پاک مذہب میں پیدا کیا ۔

قرآنی احکام

آج کے خطبہ کے شروع میں جو سورۃ المدثر کی آیات میں نے پڑھی ہیں وہ آیات متفق علیہ ہے کہ قرآنِ کریم کی پہلی وحی (اقراء) کے بعد دوسری وحی تھیں ۔ اُن کے ظاہری معنیٰ بھی ہیں اور باطنی بھی ۔ میں آج صرف ظاہری معنیٰ کو لوں گا ورنہ یہ خطبہ کہیں کا کہیں نکل جائے گا ۔ ان آیات میں چوتھی آیت ہے وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ یعنے " اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ " ۔ دوسری صفائیوں کے ذکر سے پہلے کپڑوں کی صفائی کا کیوں ذکر فرمایا ؟ اس لئے کہ کسی انسان کی نسبت پہلا تاثر اُس کے لباس کو دیکھ کر ہوتا ہے ۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ النَّاسُ بِاللِّبَاسِ ۔ یہ تو بعد میں اُس انسان کے پاس اُٹھ بیٹھ کر یا اُس سے بات چیت کر کے پتہ لگتا ہے کہ اس کے جسم میں سے یا اُس کے مونہہ میں سے بدبو آ رہی ہے ۔

لباس کے متعلق قرآنِ پاک میں دوسری جگہ آیا ہے یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا (الاعراف ۔ ۲۶) یعنے "اے بنی آدم بے شک ہم نے تم پر لباس اُتارا ہے تاکہ وہ تمہارے عیبوں کو ڈھانکے اور تمہارے لئے باعثِ زینت ہو" تو لباس کے لئے دو حکم دیئے ۔ اوّل تو وہ باپردہ ہو ۔ دوئم تمہارے لئے وہ باعثِ زینت ہو ۔ زینت کے لئے اوّل ضرورت یہ ہے کہ وہ صاف ہو ۔ گندہ لباس کبھی باعثِ زینت نہیں ہوتا ۔ یہی معنیٰ رسولِ پاک صلعم، صحابہ رضؓ، خلفائے راشدہ اور تمام اولیاء اللہ نے لئے ہیں کہ ان سب کے لباس بیش قیمت نہ ہوتے تھے مگر صاف ستھرے ضرور ہوتے تھے ۔ اور انہی معنوں میں دوسری جگہ قرآن پاک میں فرمایا :۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف : ۳۱)

یعنے "اے بنی آدم ہر نماز کے وقت اپنی زینت کو اختیار کرو" جس کے معنے اکثر مفسرین نے کئے ہیں کہ نماز کے وقت انسان کا لباس باپردہ اور صاف ستھرا ہو ۔

جسمانی صفائی :۔ لباس کے بعد بلکہ اس سے بڑھ کر زور قرآن پاک اور احادیث

نبوی میں جسمانی صفائی پر ہے کیونکہ صاف لباس کا کوئی فائدہ نہیں اگر انسان کا جسم گندہ ہو۔ دن میں پانچ وقت نہیں تو تین چار وقت ضرور وضو کرنا پڑتا ہے جس کے مفصل احکام خود قرآنِ پاک میں مذکور ہیں۔ بغور غور کریں تو یہ انسان کے جسم کے اُن تمام حصوں کو دھوکر پاک و صاف کرنا ہے جو لباس سے باہر ہوتے ہیں۔ ان میں خاص طور پر میں تین کُلیوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ان کو کرتے ہوئے صرف پانی مونہہ میں لے کر پھینک دینا مقصد نہیں بلکہ کم سے کم دُوسری کُلی میں انگلی سے دانتوں اور مسوڑھوں کو رگڑ کر صاف کرنا افضل ہے۔ اسی طرح ناک میں تین دفعہ پانی پہنچانا صرف مقصد نہیں بلکہ کم سے کم ایک ایک دفعہ ہر ایک نتھنے کو انگلی سے بند کر کے دوسرے نتھنے سے ہوا کو خارج کرنے سے ناک میں وہ تمام گرد و غبار اور جراثیم جو جمع ہوتے رہتے ہیں وہ نکل جاتے ہیں۔

وضو متعدد بار کیا ایک بار کرنے کا بھی حکم کسی مذہب میں نہیں۔ بول و براز کے بعد بھی پانی سے اپنے آپ کو پاک کرنا اسلام اور مسلمانوں سے خاص ہے۔ اس کے بغیر جسم کبھی صاف نہیں رہ سکتا۔

غُسل :۔

اسی طرح جنابت یا ایّام ماہواری سے فراغت پر غسل کا حکم کسی مذہب میں سوائے اسلام کے نہیں۔ اسلام میں تو جمعہ کی نماز کے لئے بھی غسل کو واجب کر کے مسلمان کے لئے ہفتہ میں کم سے کم ایک بار غسل واجب کر دیا۔ اس سے زیادہ دفعہ کرے تو اور بہتر ہے۔ غسل میں تمام جسم کی صفائی کے علاوہ بغلوں میں یا دوسری جگہ جہاں پسینہ آکر بدبو پیدا ہوتی ہے بالوں کو صاف کرنا بھی اسلام اور مسلمانوں سے خاص ہے۔

الغرض مسلمان کا تمام جسم اور اس کے لباس کا پاک و صاف ہونا دینی ذمہ داری ہے۔ یہاں مجھے یاد آیا کہ میں نے کالج کے دنوں میں ایک کتاب THE MOORS IN SPAIN (یعنے سپین میں مسلمانوں کا دور) پڑھی تھی جس میں اُس عیسائی تاریخ دان نے یہ لکھا تھا کہ یورپ کے لوگوں کو صاف قمیص پہننا مسلمانوں نے سکھایا تھا ورنہ ان کے نمونے سے پہلے یورپ کے لوگ ایک دفعہ قمیص پہنتے تھے تو پھر پہنے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ گل سڑ کر پہننے کے قابل نہ رہتی تھی۔ قمیص کو میلا ہونے پر اتار کر اور اسے دھو کر پہننا وہ نہ جانتے تھے۔ اسی طرح یورپ میں غسل کے لئے کوئی جگہ نہ تھی یہاں تک کہ پچھلے سو دو سو سال سے پہلے گھروں میں بلکہ پبلک اداروں مثلاً ہوٹلوں یا کالجوں میں بھی نہانے کے لئے کوئی بندوبست نہ تھا۔ سال میں ایک دفعہ سمندر پر گئے تو وہاں ڈوبکی لگالی۔

عام صفائی :۔

لباس کی صفائی اور جسمانی صفائی کے علاوہ گندگی سے ہر رنگ میں دور رہنے کا حکم آج کے خطبہ کی آیت ۵ میں ہے۔ "والرّجز فاھجر" "اور ناپاکی یا گندگی سے دور رہ"، خواہ وہ کہیں ہو یعنے گھروں میں، سڑکوں پر یا اُن تمام جگہوں پر جہاں لوگوں کا گذر ہوتا ہو۔ اسی سلسلہ میں حدیث نبوی میں آیا ہے کہ "تین باتوں سے بچو جو کہ لعنت لانے والی ہیں (۱) چشموں یا نالوں کے نزدیک اجابت کرنا، اور (۲) سڑکوں پر اور (۳) درختوں کے سایہ دار جگہوں میں"۔

(ابوداؤد۔ مشکوٰۃ ۳-۲)

اسی طرح عام صفائی پسندی کے متعلق احکام جو قرآن پاک میں آئے ہیں وہ والرّجز فاھجر (اور گندگی سے دور رہ) کے علاوہ مثلاً ایک یہ ہے ان اللہ یحبّ التّوابین و یحبّ المتطھرین (البقرۃ ۲ - ۲۲۲) "اور اللہ محبّت رکھتا ہے اُن سے جو اُس کی طرف بار بار رجوع کریں اور وہ محبت کرتا ہے اُن سے جو پاکیزگی اختیار کرتے ہیں۔"

اسی طرح احادیث نبوی میں جو صفائی پر زور ہے وہ کسی نبی کی تعلیم میں نہیں ملتا۔ نمونتاً چند احادیث سناتا ہوں حضور نے فرمایا الطّھور شطر الایمان (پاکیزگی یا صفائی آدھا ایمان ہے) یا فرمایا مفتاح الصّلوٰۃ الطّھور (طہارت نماز کے لئے بطور کنجی ہے) یا لاتقبل الصلوٰۃ بغیر طھور (پاکیزگی کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی) یا بیت الخلاء جاتے ہوئے حضور صلعم یہ دُعا فرمایا کرتے تھے اللّٰھم انّی اعوذ بک من الخبث والخبائث (اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں ظاہری گندگیوں سے اور باطنی گندگیوں سے) اس کے علاوہ مسواک کر کے مونہہ کو صاف رکھنے کی تو اتنی احادیث ہیں کہ میں ان کو نقل نہیں کر سکتا مگر نمونتاً ایک سنا دیتا ہوں حضور نے فرمایا۔ لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسّواک عند کلّ وضوء (اگر میری امت پر یہ گراں نہ ہوتا تو میں انہیں حکم دیتا کہ وہ ہر وضو کے وقت مسواک کریں۔) مگر کھانے کے بعد اور سونے کے وقت اور جاگنے پر مسواک کرنا یا ٹوتھ برش استعمال کرنا آپ کی سنت ہے۔ اور وفات سے پہلے آپ کا آخری کام مسواک کر کے مونہہ کو صاف کرنا تھا۔

اسی طرح حضور لوگوں کے زمین پر یا دیوار پر تھوکنے کو ناپسند کرتے تھے اور اس کی بجائے اپنے رومال یا چادر کے کونے کو استعمال کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔

غرض کیا کیا گنواؤں۔ خلاصہ یہ کہ ایک پاک باطن ایک ناپاک ظاہر میں نہیں ہو سکتا کیونکہ انسان کا ظاہر اُس کے باطن کا سائن بورڈ ہے۔ جو شخص نظر آنے والی گندگی سے نفرت نہیں کرتا اُس نے باطنی گندگی کو کیا پہچاننا اور اُس سے نفرت کرنی ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو دونوں گندگیوں سے بچائے۔ آمین۔ ثم آمین!

* * *

آدابِ دُعا :۔

فضالہ ابن عبیداللہ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دُعا مانگتے ہوئے سُنا کہ اس نے دُعا کرنے سے پہلے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہیں پڑھا تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے جلدی کی۔ پھر حضور نے اس شخص کو بلا کر فہمائش کی کہ جب تم میں سے کوئی شخص دُعا مانگے تو دُعا مانگنے سے پہلے اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کرے پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجے پھر اس کے بعد اپنی حاجات اللہ تبارک و تعالےٰ کے حضور پیش کرے۔

جلسہ سالانہ کی تیاری

شروع کر دیجئے

۱:۔ احمدی خواتین نمائش دستکاری میں حصہ لینے کے لئے اپنی اشیاء ابھی سے بنانا شروع کر دیں نوجوان اور چھوٹی بچیوں کو ان کی استعداد کے مطابق نمائش دستکاری میں حصہ لینے کی ترغیب دیں۔ تاکہ انہیں دین کی راہ میں خرچ کرنے کی عادت ہو۔

۲:۔ آپ نہ صرف خود شامل جلسہ ہوں بلکہ دوسرے احباب جماعت کو بھی شمولیت کیلئے آمادہ کریں۔

۳:۔ جلسہ سالانہ کے چار دن ۲۴-۲۵-۲۶-۲۷ دسمبر ۱۹۸۱ء بروز جمعرات۔ جمعہ۔ ہفتہ۔ اور اتوار کو یاد رکھیں ۲۴ دسمبر کو مستورات کا جلسہ اور نمائش دستکاری ہے۔

۴:۔ چاروں دن خالصتاً رضائے الٰہی کے حصول اسلام کی فتح و نصرت کی دعاؤں کے لئے وقف کریں۔ کہ یہی بانی سلسلہ احمدیہ کا مشن تھا۔ اور جماعت بنانے میں یہی حکمت تھی۔ (ادارہ)

رسم جہیز اور مسلمان

جب ہم کسی فرد یا جماعت کو کسی مقصد کے لئے تیار کرتے ہیں تو اس مقصد کیمطابق ضروری ساز و سامان مہیا کرتے ہیں۔ اگر طالب علم پڑھنے جارہا ہو تو اس کا سامان پڑھنے لکھنے کی چیزیں ہوتی ہیں اگر کوئی سفر پر جارہا ہو تو رخت سفر باندھنا اس کی تیاری ہوتی ہے۔ اگر جنگ کے لئے جارہا ہو تو خورد و نوش، اسلحہ اور سواری وغیرہ مہیا کرتے ہیں اگر کوئی قبر میں دفن ہونے جارہا ہو تو اس کے کفن دفن کا سامان کرتے ہیں۔ اگر کوئی دلہن رخصت ہو رہی ہو تو اس کا بناؤ سنگھار کرتے ہیں غرض جس شخص کو کسی مقصد کے لئے تیار کرتے ہیں اس کے لئے اس مقصد کے مطابق ضروری ساز و سامان تیار کرتے ہیں۔ اسی تیاری کو عربی میں تجہیز کہتے ہیں۔ البستان میں ہے:۔

۱:۔ جہیز القوم:۔ اذا تکلف لهم بجهازهم للسفر جب ایک جماعت کے لئے رخت سفر مہیا کیا جائے تو کہیں گے جہیز القوم۔

۲:۔ جهز الغازی:۔ اعد ما یحتاج علیه فی غزوة جهز الغازی۔ کا مطلب ہے غازی کے لئے سامان حرب مہیا کیا جائے۔

۳:۔ جهز فلانا هیاله جهاز بسفر۔ جهز فلانا کے معنی ہیں فلاں کے لئے رخت سفر مہیا کرنا۔

۴:۔ جهز العروس اعد جهازها۔ جهز العروس کے معنی ہیں دلہن کا سامان مہیا کرنا۔

۵:۔ جهز المیت ادصدت له اهبته من کفن وغیره۔ جهز المیت کا مطلب ہے مردے کے کفن وغیرہ کا سامان مہیا کرنا۔

اس تصریح سے واضح ہو گیا ہو گا کہ جهز تجہیزاً کے معنی ہیں کسی مقصد کے لئے کسی کو تیار کرنا۔ اس تیاری کے ساز و سامان کو عربی میں جَہاز اور جِہاز (جیم کے زبر اور زیر سے) کہتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ عبداللہ لبنانی البستان میں لکھتے ہیں۔

" الجهاز للمیت والعروس والمسافر بالکسر والفتح ما یحتاجون الیه۔ جہاز (جیم کے زیر اور زبر سے) مردے، دلہن اور مسافر کے لئے وہ چیز ہے جس کی ان تینوں کو ضرورت ہے۔"

قرآن میں ہے:۔ فلما جهزهم بجهازهم ......الخ

یعنی جب حضرت یوسف نے بھائیوں کا سامان (راشن) تیار کر دیا۔ اس کا یہ مطلب کون لے سکتا ہے کہ جب حضرت یوسف نے بھائیوں کا "سامان جہیز" مہیا فرما دیا۔

اسی لفظ جہاز کو امالہ کر کے "جہیز" بنا لیا گیا ہے۔ جیسے کابی رکیبی۔ جلابی سے جلیبی اور ماشاء اللہ سے ماشئے اللہ بنا لیا گیا ہے۔ یہ لفظ جہیز (یائے مجہول) نہ عربی ہے نہ فارسی بلکہ اردو ہے عربی میں جہیز (یائے معروف) ہے جس کے معنی ہیں ہلکا تیز رفتار گھوڑا۔ "موت جہیز" کے معنی ہیں اچانک مرگ۔

یہ لفظ جہیز اب ایک مخصوص اصطلاح بن گئی ہے۔ یعنی جہیز اس تمام ساز و سامان کو کہتے ہیں جو ماں باپ (ان کے قائم مقام ولی) اپنی طرف سے اپنی جیب سے رخصتی کے وقت دلہن کے ساتھ کر دیتے ہیں اس میں بستر۔ پلنگ۔ کپڑے۔ زیور۔ سنگھار کا سامان، چولہا، توا۔ پکانے اور کھانے کے لئے برتن اور اب سلائی کی مشین۔ ریڈیو ٹیلیویژن اور صوفہ سیٹ وغیرہ بھی ہوتا ہے۔ اس ساز و سامان کا نام جہیز ہے۔

دلہن کے دوسرے رشتہ دار جو تحائف پیش کرتے ہیں ان کا شمار جہیز میں نہیں۔ شادی کے موقع پر ہر برادری کا ایک رواج بھی ہے کہ بارانی طعام کے وقت دلہن والوں کے رشتہ دار اور دعوت ولیمہ کے وقت دولہا کے رشتہ دار کچھ رقمیں بھی پیش کرتے ہیں جسے نیوتا کہتے ہیں بعض جگہ مانجھا (جوڑا) دینے کا رواج بھی ہے۔

والدین کا لڑکی کو جہیز دینا یا دوستوں کا تحائف پیش کرنا یا نیوتا یا مانجھا دینا یہ سب ایسی رسمیں ہیں جو کسی افادی نقطۂ نظر سے ایجاد ہوئی ہیں تاہم کسی رسم کے متعلق یہ دعوٰے نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سنت رسولؐ یا لازمہ شادی ہے۔ اسلامی شریعت میں نکاح کے بعد عروس کی تمام ضروریات کی ذمہ داری شوہر کے سر آتی ہے۔ ان ضروریات میں حسب استطاعت مکان، لباس، خوراک وغیرہ سب کچھ آتا ہے۔ اس کی ذمہ داری ماں باپ (یا ان کے قائم مقام ولی) پر نہیں رہتی۔

اگر شوہر غیر مستطیع ہو اور والدین صاحب استطاعت ہوں تو بیٹی یا داماد کی امداد کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ اور والدین کی محبت کا ایک فطری تقاضا بھی۔ والدین پیدا ہونے کے بعد سے جوانی تک اپنی بیٹی کو بہت کچھ دیتے رہتے ہیں۔ بلکہ بیاہے جانے کے بعد بھی کچھ دے دیں تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے۔ شادی سے پہلے اور شادی ہو چکنے کے بعد والدین جو کچھ بھی اپنی بیٹی کو دیتے رہتے ہیں اُسے کوئی جہیز نہیں کہتا۔ جہیز صرف اس ساز و سامان کو کہا جاتا ہے جو بیاہتے وقت دیا جاتا ہے۔ حالانکہ شادی کے وقت جو کچھ دیا جاتا ہے وہ بھی اسی طرح کی ایک امداد ہے جس طرح شادی سے پہلے اور شادی ہو چکنے کے بعد کچھ دینا ایک امداد ہے۔

خاص شادی کے وقت کچھ دینا نہ سنت رسولؐ ہے نہ سنت صحابہ رضی اللہ عنہم نہ لازمہ شادی نہ جزو نکاح ہے۔

شادی کے وقت ساز و سامان تیار کرنے کے لئے ہم نے جو ایک اصطلاح "جہیز" بنا لی ہے وہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو شریعت اسلامیہ اور اسلامی تاریخ میں کبھی متعارف نہیں رہی ہے۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل نکات پر غور کیجئے۔

۱:۔ اصطلاح جہیز کے لئے عربی زبان میں کوئی لفظ ہی موجود نہیں لفظ جہاز کے متعلق ہم بھی بتا چکے ہیں۔ کہ یہ ہر قسم کے رخت سفر کے لئے ہے۔ صرف دلہن کے لئے نہیں۔ ہاں اب "جہیز" کے لئے ایک عربی لفظ ایجاد ہوا ہے اور وہ ہے "بائنہ" لیکن یہ عربی لغت میں موجود نہیں بلکہ اس کا شمار لغات جدیدہ میں ہے جیسے مذیاع کے معنے لاؤڈ سپیکر۔ مدمّرہ کے معنے بلڈوزر وغیرہ۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ جس مفہوم کے لئے عربی میں کوئی لفظ موجود ہی نہیں وہ سنت رسول کیسے ہو جائیگا۔

۲:۔ جہیز دینا اگر سنت ہوتا تو اس کا ذکر ان ہزاروں شادیوں میں موجود ہوتا جو عہد نبوت میں ہوئیں۔ حضورؐ نے اپنی حقیقی صاحبزادیوں کو بھی بیاہا۔ حضرت زینبؓ سیدنا ابوالعاص سے اور حضرت رقیہؓ اور ام کلثومؓ یکے بعد دیگرے سیدنا عثمانؓ سے بیاہی گئیں لیکن جہیز کا ذکر کہیں نہیں آتا۔ خود حضورؐ کے کاشانے میں متعدد ازواج مطہرات آئیں لیکن جہیز ساتھ لانے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ علاوہ ازیں صحابہ رضؓ میں بے شمار شادیاں ہوئیں لیکن کہیں جہیز ساتھ لانے کا ذکر موجود نہیں اگر جہیز دینا سنت ہوتا تو ان ہزاروں شادیوں میں کہیں تو "جہیز" کا بھی ذکر آتا۔

۳:۔ قرآن اور حدیث میں ازدواجی زندگی بہتری کی جزئیات تک کا ذکر موجود ہے مثلاً تعدد ازدواج۔ باری مقرر کرنا۔ رضاعت کی اجرت۔ مسکن اور نان و نفقہ کی ذمہ داری۔ حسن سلوک اور دیگر حقوق زوجین، حلال و حرام رشتے۔ عدت۔ عقد ثانی اولاد اور حضانت وغیرہ۔ غرض ازدواجی زندگی کے ایک ایک جزئیے کا ذکر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود ہے لیکن جس چیز کا اشارۃً بھی کہیں ذکر نہیں ملتا وہ رسم جہیز ہے۔ انتہا یہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں بھی کوئی باب الجہیز موجود نہیں۔ (متاخرین کے فتاوٰے میں اس کا ذکر ایک آدھ جگہ ملتا ہے لیکن یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے) پھر ایک

ایسی شئے کو سنت کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے جس کا کوئی ذکر کتاب و سنت و فقہ میں موجود نہ ہو بلکہ اس مفہوم کے لئے عربی لغت میں کوئی لفظ ہی نہ پایا جاتا ہو۔

جہیز سے متعلق سنت رسول ہونے کی غلط فہمی سنن نسائی وغیرہ کی جس حدیث سے پیدا ہوئی وہ یوں ہے:۔

"جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة في خميل وقربة ووسادة حشوها اذخر"

(النسائی ۔ جلد دوم ص ۷۵۔ طبع کراچی)

یعنی حضورؐ نے جناب فاطمہ رضہ کو تیار کیا۔ ایک چادر مشکیزے اور تکیئے میں اذخر (گھاس) بھری ہوئی تھی۔

یہاں لفظ جهز کا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ حضورؐ نے جہیز میں یہ یہ چیزیں دی تھیں۔ حالانکہ جهز کا مطلب صرف تیار کرنا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں مطلب اس عبارت کا صرف یہ ہے کہ حضورؐ نے جب سیدہ فاطمہ رضہ کو رخصت کیا تو اس وقت یہ چیزیں مہیا فرمائیں۔ اس کا یہ مطلب ہی نہیں کہ جہیز میں یہ یہ چیزیں دیں۔

اسی مفہوم کی روایت سنن ابن ماجہ میں ہے اس کے الفاظ پر ذرا غور کیجئے۔

"ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اتى عليا وفاطمة هما في خميل لهما قد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم جهزهما بها ووسادة محشوة اذخرا وقربة"

(ابن ماجہ کتاب الزهد ضجاع آل محمد۔ ص ۱۳۹ حدیث نمبر ۴۱۵۲ طبع عیسی البابی الحلبی)

یعنی حضورؐ حضرت علی رضہ و فاطمہ رضہ کے پاس تشریف لائے اس وقت ان دونوں کے پاس ایک چادر تھی جو حضورؐ نے ان دونوں کو مہیا فرمائی تھی اور ایک تکیہ تھا جس میں اذخر بھرا ہوا تھا۔ اور ایک مشکیزہ تھا۔

یہاں جهزهما کا لفظ ہے جس کے معنی محض یہ ہیں کہ حضورؐ نے ان دونوں کے لئے یہ چیز مہیا فرمائی تھی۔ اگر جهزهما کا ترجمہ کیا جائے کہ حضورؐ نے ان دونوں کو یہ چیز جہیز میں دی تھی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جہیز بیٹی کے علاوہ داماد کو بھی دیا جاتا ہے۔

جهز کے معنی ہیں هيأ، اعد، ارصد، یعنی مہیا کیا۔ تیار کیا جیسا کہ تمام لغات میں موجود ہے "جہیز دیا" کے معنی میں یہ لفظ کبھی مستعمل نہیں ہوا۔ جہیز کے مفہوم کے لئے تو عربی لغت میں کوئی لفظ ہی نہیں۔ اور یہ لفظ شرع میں متعارف نہیں رہا ہے۔

جهز کے لفظ کا ترجمہ "جہیز دینا" کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی لغات جدیدہ میں مدمر کے معنی بلڈوزر دیکھ کر قد مرناها تدميرا کا ترجمہ یہ کرے کہ "ہم نے بلڈوزر بھیج کر اس بستی کو تباہ کر دیا" اب ایک ضروری نکتہ بھی سن لیجئے۔ حضورؐ نے جو چیزیں حضرت فاطمہ رضہ (نیز حضرت علی رضہ کے لئے) مہیا فرمائیں اس میں جہیز کے مفہوم کا شائبہ تک نہ تھا کیونکہ:۔

جہیز اصطلاح میں اس ساز و سامان کو کہتے ہیں جو باپ (یا ماں یا ان کے قائم مقام ولی) اپنی طرف سے اور اپنی جیب سے مہیا کرتے ہیں۔ حضورؐ نے جو کچھ فرمایا وہ اپنی طرف سے نہ تھا بلکہ مہر کی رقم سے مہیا فرمایا تھا جو حضرت علی رضہ نے رخصتی سے پہلے ہی حضورؐ کی خدمت میں حاضر کر دی تھی۔ اس کی تفصیل زرقانی اور روضۃ الصفا کے مؤلفوں سے سنیئے:۔

المواهب اللدنيا في المنح المحمدية سیرت نبویؐ کی مشہور کتاب ہے جس کے مؤلف شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی ہیں۔ ان کی ولادت ۸۵۱ھ اور سن وفات ۹۲۳ھ ہے۔ اس کتاب کی شرح کا نام اشواق مصابیح السیر المحمدیہ بمزج اسرار المواهب اللدنیا ہے۔ شارح کا نام محمد بن عبدالباقی بن یوسف زرقانی ہے جن کی ولادت ۱۰۵۵ھ میں اور وفات ۱۱۲۲ھ میں ہوئی۔

یہ شرح زرقانی کے مختصر نام سے مشہور ہے۔ اس متن و شرح کا جو نسخہ اس وقت میرے سامنے ہے وہ مطبع ازہریہ مصر ۱۳۲۵ھ ہجری کا شائع کردہ ہے۔ اس کی جلد دوم اور صفحہ نمبر ۳۔۴ کی عبارت اور اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو یہ عبارت ذکر تزویج علی بفاطمۃ رضی اللہ عنہما کے عنوان کے تحت ہے۔ لکھتے ہیں۔

حتى اتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت . . . .

. . . .

وامرهم ان يجهزوها فجعل لها سرير مشرط ووسادة من ادم حشوها ليف۔

ترجمہ:۔ یعنی آخر میں (علی رضہ) نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ کیا حضورؐ فاطمہ رضہ کو مجھ سے بیاہنا پسند فرمائیں گے؟ حضورؐ نے پوچھا کیا تمہارے پاس کچھ (مال) ہے؟ میں نے عرض کیا میرا گھوڑا ہے یا زرہ۔ فرمایا:۔ گھوڑے کی تو تمہیں بہرحال ضرورت رہے گی۔ رہی زرہ، اسے فروخت کر دو، میں نے عثمان بن عفان کے ہاتھ چار سو اسّی درہم میں فروخت کر دیا۔ اس کے بعد عثمان رضہ نے وہ زرہ بھی واپس کر دی۔ حضرت علی رضہ نے وہ زرہ اور رقم لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضری دی۔ حضورؐ نے عثمان رضہ کے حق میں دعائے خیر کی جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ پھر میں (علی رضہ) رقم لے کر آیا اور حضورؐ کی گود میں رکھ دی۔ حضورؐ نے اس میں سے ایک مٹھی بھر کر فرمایا۔ بلال! اس رقم کی خوشبو خرید کر ہمارے پاس لے آؤ ـــــ ابن ماجہ ابی خیثمہ نے حضرت علی رضہ کی زبانی جو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ:۔ حضورؐ نے حکم فرمایا کہ:۔ ان چار سو اسّی درہموں کی ایک تہائی (ایک سو ساٹھ درہم) خوشبو میں صرف کی جائے . . . . . . پھر حضورؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ: ان (فاطمہ رضہ) کا سامان مہیا کریں۔ چنانچہ ان کے لئے ایک بنی ہوئی چارپائی اور ایک چرمی تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی تیار کئے گئے"۔

مذکورہ بالا عبارت تو مواہب اور اس کی شرح تھی۔ اب ایک اور کتاب کی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ اس کا نام ہے روضۃ الصفا فی سیرت الانبیاء والملوک والخلفاء۔ اس کے مؤلف شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں اور کتاب فارسی زبان میں ہے جس کا نسخہ میرے سامنے ہے جو نولکشور پریس نے رمضان ۱۳۰۸ھ مطابق مئی ۱۸۹۱ء میں شائع کیا ہے۔ اس کے مؤلف ہیں المورخ میر خواند محمد بن خاوند شاہ بن محمود مہردی۔ مؤلف کا سنہ وفات ۹۰۳ھ ہے۔ اسی کی جلد دوم صفحہ ۴، ۵، کی عبارت کا ترجمہ یوں ہے:۔

ترجمہ:۔ جب حضرت علی رضہ نے فاطمہ رضہ کی خواہش ظاہر کی تو حضورؐ نے پوچھا کہ ان کے مہر کے لئے کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں۔ فرمایا کہ، تمہاری وہ حطمی زرہ کہاں ہے؟ عرض کیا وہ تو موجود ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ: بس اسی کو مہر قرار دے دو۔ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضہ نے وہ زرہ چار سو اسّی درہم میں عثمان رضہ کے ہاتھ فروخت کی۔ وہ زرہ ایسی کشادہ اور سخت تھی کہ اس پر تلوار بھی کوئی اثر نہ کر سکتی تھی عثمان رضہ نے وہ زرہ خریدنے کے بعد حضرت علی رضہ کو واپس کر دی۔ علی مرتضیٰ وہ زرہ اور اس کی قیمت جو چار سو اسّی درہم تھی لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضورؐ نے عثمان رضہ کے حق میں دعا فرمائی ایک روایت یہ ہے کہ حضورؐ نے اس رقم کے دو حصے تو خوشبو میں صرف فرمائے اور چار حصے دوسرے چار مصرف میں مثلاً دو جامہ برد (دھاریدار کپڑے کی ایک قسم ہے) دو نقرئی بازوبند ایک لحاف۔ اور اسی کا ایک تکیہ۔ بعض مؤرخین دو تکیے بتاتے ہیں۔ اور بعض وہ چیزیں جن کی ضرورت تھی۔ یہ سب کچھ اسی رقم (مہر) سے حضورؐ نے تیار فرمایا۔

مذکورہ بالا عربی اور فارسی عبارتوں کے بعد کسی مزید تشریح میں جانے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ یہ بات واضح ہے۔ سارا اثاث البیت حضورؐ نے مہر فاطمہ رضہ ہی کی رقم سے مہیا فرمایا تھا۔ اب اگر کسی کو اس حقیقت سے انکار ہو تو یہ اس کا فرض ہے کہ وہ کوئی ایسی روایت دکھائے جس میں یہ صراحت موجود ہو کہ حضورؐ نے یہ سامان، رقم مہر سے نہیں مہیا فرمایا تھا بلکہ اپنی جیب سے یہ رقم ادا فرمائی تھی۔

اسلام انتہائی قابل عمل دین ہے لیکن انسان کی ہوس زر ذوقِ نمائش اور مادہ پرستی اسے خود ساختہ زنجیروں میں جکڑ دیتی ہے پھر وہ اپنی خواہشات کو اپنا دین بنا لیتا ہے۔ اور ان زنجیروں کے جدا کرنے کے تصور سے بے چین ہو جاتا ہے۔ کیا ہم بھی اس مرض کا شکار نہیں ہیں۔ اور جہیز کی لعنت سے اکثر گھرانوں کی زندگیاں تلخ نہیں ہو چکیں اگر ایسا ہے تو ہم خدا اور رسولؐ کے حکم و سنت کی اتباع کر کے ایک اعلیٰ مثال قائم کریں گے . . . . . زیر عنوان موضوع پہ مندرجہ بالا مضمون میں جہیز کی دینی حیثیت پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

قربانی کی اصل روح اپنے نفسانی جذبات اور خواہشات کو خدا تعالےٰ کیلئے ترک کرنا ہے

مسلمانوں کی زندگیوں میں اسلامی ارکان کی روح کو زندہ کرنا ہی اسلام کو زندہ کرنا ہے

خطبہ جمعہ فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب بتاریخ ۲ ۱۰/۸۱ بمقام درجامع احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور، رپورٹ: مولوی شفقت رسول خاں

نوٹ:۔ یہ خطبہ عید قربان سے قبل دیا گیا تھا۔ اسے دیر سے شائع کرنے پر ہم قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ)

قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العلمین ہ لا شریک لہٗ ج وبذٰلک امرت وانا اول المسلمین ہ

(سورۃ الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

ترجمہ:۔ کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

ان آیات میں توحید کامل کا ذکر ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ زندگی کا ہر پہلو خدا تعالیٰ کی رضا کے تابع ہو اسی لئے فرمایا ہے کہ اس بات کا اقرار کرو کہ ہماری نمازیں۔ قربانیاں۔ جینا اور مرنا سب کچھ خدا کے لئے ہے۔ ان الفاظ میں زندگی کے جملہ پہلو آجاتے ہیں۔ اور ہماری ساری تگ و دو اور جدوجہد حیات انہیں چیزوں سے عبارت ہے اور تمام پہلو ہائے زندگی کو خدا کے لئے ترک اور اختیار کرنا ہی خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار ہے۔ اور یہ بھی اقرار لیا گیا ہے کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ وبذٰلک امرت کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ حکم بھی یہی ہے اور ساتھ ہی اقرار کرتے ہیں۔ میں خدا کا نہ صرف فرمانبردار ہوں بلکہ سب سے اولین فرمانبردار ہوں۔

قرآن پاک کا مطالعہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ کتاب پاک تمام کی تمام خدا کے ذکر سے بھری ہوئی ہے۔ کوئی آیت اور سورۃ ایسی نہیں ہے کہ جس میں خدائے قدوس کی ذات اور صفات کا ذکر نہ ہو۔ پورا قرآن پاک ذکر الٰہی سے پر ہے۔ اسی قدر کثرت سے خدا کا ذکر سن کر ہی اہل مکہ نے حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہا تھا کہ عشق محمد علیٰ ربہٖ محمد اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے۔ کہ ان کے ہر لمحہ اور ہر قول میں خدا کا نام شامل ہے یہ ہمہ وقت ذکر خدا میں مشغولیت سوائے عشق الٰہی کے تصور بھی نہیں ہو سکتی کہ کوئی آیت خدا کے ذکر سے خالی نہیں بلکہ بعض آیات میں کئی کئی مرتبہ خدا کا ذکر آیا ہے۔ یاد رہے دین کی بنیاد زندہ خدا کی ہستی کے یقین پر ہے اور یہ یقین کیسے پیدا ہو؟ انسان کا معمول ہے کہ وہ موجود اشیاء کے وجود پر یقین حواس خمسہ کے ذریعہ حاصل کرتا ہے اور خدا کا وجود ورا ہستی اور ورائے محسوسات ہے اور حواس خمسہ سے ادراک نہیں کیا جا سکتا تو اس پر کامل یقین کیسے پیدا ہو اور ان دیکھی چیز کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہے۔ شاھدًا ومبشرًا ونذیرًا ہ کہ اے نبی تو ہماری ہستی پر شاہد ہے اور ان کی شہادت بڑی عظیم الشان شہادت ثابت ہوئی۔ جو بھی آپ کی خدمت میں رہا وہ گرویدہ ہو گیا اور اس قدر عشق نبی میں بلند مقام حاصل کر گیا کہ اس نے غیر اللہ سے تعلقات توڑ لئے اور اللہ سے تعلق کمال تک پہنچایا۔ حضرت زید بن حارث حضورؐ کے پاس بطور غلام آئے حضورؐ نے ان کو آزاد کر کے فرزندی میں لے لیا۔ تو جب ان کے حقیقی والدین آئے اور حضورؐ کو اسے واپس ساتھ وطن بھیجنے کی درخواست کی تو آپ نے حضرت زیدؓ کو جانے یا رہنے کی اجازت دے دی لیکن حضرت زیدؓ نے اپنے والدین کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور آزادی کو چھوڑ کر آپ کی غلامی کو ترجیح دی۔ تو جن کا تعلق حضور صلعم سے ہو گیا وہ دیگر دنیوی تعلقات کو بھول گئے۔ اس قدر کامل ایمان پیدا کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ مذہبی لوگوں کو دیوانہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ باوجود خدا کی ہستی کے غیب در غیب اور نہاں در نہاں ہونے کے اس کی ذات اور ہستی کو منوانا چاہتے ہیں اور دلیل یہ ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد اس کو مانتے چلے آئے ہیں لیکن اس تصور پر ایمان اور خدا کی ہستی پر یقین صرف اس صورت میں کامل طور پر پیدا ہوتا ہے جب خدا تعالےٰ سے تعلق پیدا ہو اور اس کامل تعلق کے نتیجہ میں خدائے پاک سے مکالمہ و مخاطبہ کا شرف حاصل ہو کیونکہ لن ترانی کے پیش نظر اگر ظاہری آنکھ سے رویت کا امکان نہیں ہے تو آواز سے تو کان آشنا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے انا الموجود کا نعرہ سنائی دے۔ اس کے سوا کامل ایمان پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور میں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ ایمان کامل کی صلاحیت صحبت صالحین سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی میں فرمایا ہے کہ دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جن کی دعا قبول ہوتی ہے وہ ایمان میں بڑھ جاتے ہیں اور ایسے لوگ ہر ملک اور ہر قوم میں پائے جاتے ہیں لیکن کامل وہ لوگ ہوتے ہیں جو خدا کی طرف سے کھڑے ہوں۔ اگر ایسے کامل لوگوں کی صحبت نصیب نہ ہو تو ان کے شامل حال نشانات الٰہیہ کا مطالعہ کیا جائے اور ان کی سیرت پر غور کیا جائے۔ حضرت مرزا صاحب نے تمام لوگوں کو دعوت دی کہ میرے پاس آؤ اور میرے پاس رہ کر الٰہی نشانات کا مشاہدہ کرو۔ ... میں نے سابقہ خطبات میں حضرت مرزا صاحب کی کئی ایک پیشگوئیوں کا ذکر کیا تھا لیکن یہ آیات عید الضحےٰ کی مناسبت کی تلاوت کی ہیں۔ ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین۔ یعنی انسانی اعمال کا کامل عروج یہ ہے کہ وہ محض خدا کی خوشنودی کے لئے ہوں۔ ایسے اعمال ہی بہتر نتائج کے حامل ہو سکتے ہیں۔

حقیقت قربانی بھی یہی ہے کہ جیسے انسان اپنے ہاتھ سے اپنے جانور کو ذبح کر دیتا ہے ایسے ہی اپنی خواہشات نفسانی کو ذبح کرے اور اس سے غرض خدا کی خوشنودی اور رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ اسلام نے قربانی کا یہ رکن اس غرض کے لئے مقرر کیا ہے کہ انسان اپنے باطن پر توجہ کرے اور اپنے اندر جھانکے کیونکہ انسان کے اندر ایک حیوان موجود ہے جو ظاہری شکل میں تو جانور نہیں لیکن وہ اپنی خواہشات، جذبات کی مناسبت سے حیوان ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے فمثلہ کمثل الکلب اس کی مثال کتے کی ہے۔ یا فرمایا ہے کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ وہ گدھے کی طرح ہیں جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو اور فرمایا ہے اولٰئک کالانعام بل ھم اضل وہ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ کیونکہ چوپائے تو طبعی طور پر تمیز و عقل سے عاری ہیں اور خدا تعالےٰ نے انسان کو عقل و فہم کی نعمت دی ہے تو جو لوگ ان قویٰ سے استفادہ نہیں کرتے تو وہ یوں حیوان ہی ہیں۔ بلکہ اس سے بھی گئے گزرے ہیں۔ کھانا پینا اور بقائے نسل کے لئے جنسی جذبات تو انسان اور حیوان میں مشترک ہیں گو اس کے عمل کی صورتیں مختلف ہوں۔ جیسے حیوان اپنے منہ کو جھکا کر زمین پر پڑے ہوئے چارے اور خوراک کو کھاتا ہے۔ جبکہ انسان میز پر کھانا رکھ کر کھاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حیوان اور انسان میں کھانے پینے کا مسئلہ مشترک ہے وما من دابۃ فی الارض ولا طائرٍ یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم۔ چرند پرند زمین پر تمہاری طرح دو گروہ ہیں۔ تو انسان کے اندر بھی دو گروہ چرند و پرند کی مانند ہیں۔ اول الذکر چرند اپنی نفسانی خواہشات چھوڑ نہیں سکتے۔ اور دوسرے پرندہ صفت لوگ نفسانی خواہشات ترک کر کے آسمانی فضا میں پرواز کرتے ہیں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی + جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی (اقبالؒ)

تو خدا تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ... کہ اپنے اندر کے حیوان کو ذبح کرو۔ جیسے تم اپنے قربانی کے جانور کو ذبح کرتے ہو۔ ۔ ۔ ۔ اگر ہم نے اپنے حیوانی جذبات پر غلبہ پالیا اور انہیں ذبح کر دیا تو یقیناً ہم نے قربانی کی رُوح کو پالیا۔ اور اس طرح ہم نے اپنے مقصدِ حیات کو حاصل کر لیا۔ جملہ دینی ارکان قربانی کی طرح ہی ایک جسم اور رُوح کے حامل ہوتے ہیں۔ رُوح کو حاصل کرنا ہی نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔ ورنہ جسمانیت تو محض بے سود ہے۔ مرنے کے بعد جسم تو باقی نہیں رہتا مگر رُوح زندہ رہتی ہے ۔ ۔ ۔ اور حضرت مرزا صاحب نے اسلامی ارکان کی رُوح کو زندہ کر دکھایا تھا اور حضرت مرزا صاحب کا زبردست کارنامہ یہی ہے ۔ ۔ ۔

* * *

اخبار احمدیہ

ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی حسبِ معمول خدماتِ دینیہ میں مصروف ہیں جماعت کے سب بیدار بزرگوں سے گزارش ہے کہ وہ سلسلہ کی اس قیمتی متاع کی سلامتی کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز رہیں تا بزمِ احمدیت کی یہ روشن شمع دیر تک الہٰی خوشنودی کی راہ دکھلاتی رہے

انتقال پُرملال :-

اطلاع ملی ہے کہ ہمارے بھائی چوہدری عبد الغفار گنائی مُحمد رواہ کی زوجہ محترمہ طاہرہ بیگم صاحبہ مختصر علالت کے بعد وفات پا گئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ بڑی نیک خوش اخلاق اور دیندار خاتون تھیں۔ ان کی بے وقت موت سے خاندان کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ ہمیں اس صدمہ میں مکرم چوہدری عبد الغفار صاحب اور ان کے خاندان سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالےٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے۔ بیرونی جماعتوں سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے

وفات :-

مکرم چوہدری مسعود اختر صاحب (مقیم امریکہ) کی والدہ محترمہ طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ بڑی نیک، پارسا طبع۔ نیک فطرت اور پاک سیرت خاتون تھیں۔ مرحومہ نے اپنی تمام اولاد کو اچھی تعلیم و تربیت کا بڑا عمدہ اور یادگار تحفہ دیا۔ بفضلِ تعالےٰ آپ کی ساری اولاد اپنے اپنے گھروں میں شاد و آباد ہے۔ ہمیں اس صدمہ میں محترمہ نسرین گل محمد صاحبہ، چوہدری مسعود اختر صاحب، سجاد احمد صاحب اور چوہدری احمد نواز صاحب سے دلی ہمدردی ہے اللہ تعالےٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ بخشے۔ مرحومہ کی زندگی کے حالات جو ہماری بچیوں کی راہنمائی کے قابل ہیں موصول ہونے پر شائع کئے جائیں گے۔ احباب جماعت سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

* * *

بدہ از چشمِ خود آبے درختانِ محبت را
محبت کے شجر کی آبیاری آنسوؤں سے کر
مگر روزے دہندت میوہ ہائے پُرحلاوت را
عطا کر دے گا اک دن ثمرِ شیریں داورِ رحمت
(کلام الامام)

از حضرت مجدد صد چہاردہم

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلاوے
یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نُور ہے نُور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نُور نہ تھا
کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
تھک گئے ہم تو انہیں باتوں کو کہتے کہتے
ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے
آؤ لوگو کہ یہیں نُورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

* * *

(بقیہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون - آمدہ صفحہ ۲)

آباد۔ سب آسائشیں موجود۔ لیکن ان کی قبرستان کے ساتھ تشبیہ دی۔ وہ گھر قبرستان ہیں جن میں نماز باجماعت کا انتظام نہیں ہے۔ جس طرح قبرستان میں نماز ادا نہیں کی جاتی۔ اسی طرح جن گھروں میں نماز نہیں پڑھی جاتی وہ روحانی طور پر قبرستان ہیں۔ خداتعالےٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اپنے گھروں کو روحانی طور پر آباد کرلیں۔

اس کے بعد اجتماعی طور پر ہم نے دیکھنا ہے کہ کیا ہم نے اپنی مساجد کو آباد کیا ہے۔ ہمارے بچے، بزرگ اور دوسرے افراد مسجد میں باجماعت نماز کے لئے جاتے ہیں۔ خدامعاف کرے استثناء ہر جگہ ہے۔ مجھے نقشہ الٹ نظر آتا ہے۔ مساجد کی حیثیت پانی کی طرح ہے جس طرح آپ عمدہ بیج لیں زمین کو اچھی طرح تیار کریں۔ بروقت اس میں بیج بودیں۔ اگر آپ اس کو مناسب موقع پہ پانی نہ دیں گے رکھوالی نہ کریں گے۔ وہ عمدہ بیج گل سڑ جائے گا۔ فصل تیار نہیں ہوگی۔

جب تک انفرادی اور اجتماعی رنگ میں ہمارا مساجد سے روحانی تعلق نہیں ہوگا ہم کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گے۔

میں اب ہدایت جو کہ ہم کو قرآنِ مجید نے ارشاد فرمائی ہے اس کو باری باری تحریر کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آج اقاموا الصلوٰۃ کو اختصار سے آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

سچے مسلمانوں کے اعمال۔ افعال۔ کردار۔ اخلاص قربانیوں سے تاریخ اسلام بھری ہوئی ہے۔ لیکن میں اقاموا الصلوٰۃ جو پہلی اینٹ ہے اس کے بارے میں ایک تاریخی واقعہ عرض کرتا ہوں۔

ایک صحابی کو دھوکہ سے دشمنوں نے پکڑ لیا اور انہوں نے یعنی کفار نے ارادہ کرلیا کہ ان کو قتل کردیں لیکن قتل کرنے سے پہلے ان سے دریافت کیا کوئی وصیت۔ کوئی پیغام۔ آپ جانتے ہیں اس مقدس صحابی رض نے کیا خواہش کی۔ کہ اگر تمہارا ارادہ قتل کرنے کا ہے تو تھوڑا وقت دو میں نماز ادا کرلوں۔ کفار نے کہا کہ ہاں نماز پڑھ لو۔ انہوں نے نماز پڑھی اور شہادت سے پہلے ان کو کہا کہ میں چاہتا تھا کہ دنیا میں یہ میرا آخری وقت ہے ذرا نماز کو لمبا پڑھوں لیکن اس خوف سے میں نے مختصر نماز ادا کی ہے کہ کہیں تم یہ خیال نہ کرو کہ میں موت سے ڈرتا ہوں۔

اللہ اللہ۔ یہ تھے قدسی انسان جن کی برکت سے آج اسلام کا پرچم ساری دنیا میں لہرا رہا ہے۔

پہلی اور بنیادی ضرورت یہ ہے کہ :-

اقاموا الصلوٰۃ

کو حقیقی طور پر قائم کریں اور اگر اس میں سستی رہی۔ توجہ نہ دی گئی۔ اصلاح کی طرف قدم نہ اٹھایا گیا تو خدانخواستہ یہ نہ کوئی کہے :- ؎

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

* * *

قبولیتِ دُعا درود شریف سے وابستہ ہے۔

حضرت عُمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :- حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "دُعا (مانگی ہوئی) آسمان و زمین کے درمیان اس وقت تک رُکی رہتی ہے اور اُوپر نہیں چڑھتی جب تک کہ مجھ پر درود نہ بھیجا جائے۔ پس تم لوگ مجھے سوار کا پیالہ نہ بناؤ۔ (جو لاپرواہی سے کہیں لٹکا دیتا ہے) دعا کرنے سے پہلے دعا کے وسط میں اور دُعا کے اختتام پر مجھ پر درود بھیجا کرو۔ پس دوستوں کو ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔"

جلسہ سالانہ ۱۹۸۱ء

۲۴، ۲۵، ۲۶، اور ۲۷ دسمبر ۱۹۸۱ء کو منعقد ہوگا۔

۲۴ دسمبر کو خواتینِ احمدیہ کا جلسہ ہوگا اور نمائش دستکاری ہوگی ؛

گذشتہ جلسۂ سالانہ پر ۵۵ افرادِ جماعت بیرونِ پاکستان سے تشریف لائے تھے امسال بھی توقع ہے کہ بیرونِ ملک کی جماعتوں کے نمائندے شاملِ جلسہ ہوکر رونق بڑھائیں گے جزائر فجی سے صدر جماعت مسٹر غلام نبی دین صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ نے آنے کی اطلاع دی ہے، اور کشمیر سے چار پانچ سربرآوردہ احباب کے آنے کی خبر آئی ہے ضرورت ہے، کہ اندرونِ ملک کی جماعتیں بھی ابھی سے اِس بابرکت اجتماع میں شمولیت کا پروگرام بنائیں اور ہر جماعت کے صدر و سیکرٹری صاحبان زیادہ سے زیادہ تعداد میں افرادِ جماعت کو شاملِ اجلاس ہونے کیلئے تیار کریں اور مجھے اطلاع دیں تاکہ اُن کی تعداد کے مطابق اُن کی رہائش اور دیگر سہولتوں کا بندوبست ہوسکے۔ یہ درست ہے کہ ہر سال آپ لوگ سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے سردی کے یخ بستہ موسم میں امامِ وقت کی خوشنودی کے لئے لاہور آتے ہیں اور ہم اپنے محدود وسائل کے پیشِ نظر اتنی خدمت نہیں کرسکتے جتنی کرنی چاہیئے لیکن آپ کا مقصد بلند اور ارفع ہوتا ہے اور آپ ہماری فروگذاشتوں کو درخورِ اعتنا نہ سمجھتے ہوئے آپ آئندہ سال پھر جوق در جوق تشریف لاتے ہیں، ہم آپ کے اس جذبہ خلوص اور دین کے لئے لگن کی جتنی بھی قدر کریں کم ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو دین و دنیا میں کامیاب و بامراد کرے۔ آمین !

امسال جلسۂ سالانہ

کے اہتمام کی ذمہ داری انجمن نے مجھے سونپی ہے لہٰذا مستدعی ہوں کہ اِس اجتماع کو کامیاب بنانے کے لئے مجھ سے تعاون فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔ احمدی خواتین سے استدعا ہے کہ وہ دستکاری کے لئے ابھی سے کام شروع کردیں۔ ہر جماعت کے صدر و سیکرٹری صاحبان سے درخواست ہے کہ وہ ہر اجتماع میں جلسہ کی اہمیت سے ہر فردِ جماعت کو مسلسل توجہ دلاتے رہیں ؛

والسّلام

مہتمم جلسہ سالانہ چوہدری منصور احمد
دارالسّلام - ۵ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن - لاہور

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

از:- میاں رحیم بخش صاحب کراچی

نوٹ:- اس مضمون کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے قارئین کو چاہیئے کہ حصہ اول "کلمہ طیبہ اتحاد اسلام کی کنجی ہے۔ مجریہ پیغام صلح شمارہ ۲۱ "کو پڑھ کر اس مضمون کو پڑھیں۔

حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے دعوئے مجددیت کی بناء پر ابتداء ہی سے آپ کے مخالفوں کی طرف سے آپ پر الزامات کا ایک طومار کھڑا کر دیا گیا۔ جن کی بناء پر آپ پر فتوئے کفر صادر کیا گیا۔ جس کی تشہیر اتنے وسیع پیمانہ پر اور اس شدت سے کی گئی کہ عامۃ المسلمین کو آپ کی ذات سے حد درجہ بدظن کر دیا گیا۔ اس کے نتیجہ میں عالم اسلام میں ایک اشتعال انگیز نفرت پیدا کر دی گئی جو آج تک دلوں پر اس قدر مسلط ہو چکی ہے کہ کسی طرح سے اس کے اثرات کو دور کرنا ایک امر محال ہو گیا ہے۔

لیکن بہرحال اتمام حجت کی خاطر ان الزامات کا تجزیہ کرنا ضروری ہے اور ان کا ایک فیصلہ کن حل پیش کیا جانا ہے۔ جیسا کہ ایک مرتبہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے درس قرآن میں فرمایا تھا کہ مسلمان کا خاص بلکہ فریضہ ہے کہ امر متنازعہ کی تحقیق کرے اور جہاں کہیں حق کو پائے اسے تسلیم کر کے اور پھر بلاخوف لومۃ لائم حق بات کا اعلان کرے اور دوسروں تک پہنچائے۔ ان مواعیظ و نصائح کے پیش نظر ہم امید کرتے ہیں کہ امور زیر بحث پر منصفانہ انداز میں غور و فکر ہونا چاہیئے۔ اور حق بات کے تسلیم کرنے میں اور اس کو پیش کرنے میں کوئی عار نہیں ہونا چاہیئے۔

جیسا کہ تفصیلاً بیان ہو چکا ہے قرآن کریم نے مقام نبوت کے لئے چند محکم اصول اور امور مخصوص کئے ہیں۔ ان اصولوں کے پیش نظر اور ان کی روشنی میں حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے مبینہ دعویٰ نبوت کا تجزیہ کرنے سے یہ واضح ہو جائے گا کہ آپ پر دعوائے نبوت کا الزام کہاں تک درست ہے اور کیونکر عائد ہو سکتا ہے۔ تین اصول یہ ہیں:-

(۱) نبی جب نبوت کے مقام پر مبعوث ہوتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنی نبوت کا اعلان کرتا ہے اور اپنی قوم کو اپنا دعوائے نبوت پیش کرتا ہے۔ قرآن کریم سے اس کی تصدیق میں کئی مثالیں دی جا چکی ہیں۔

(۲) دوسرا محکم اصول اور ثبوت نبوت یہ ہے کہ ہر نبی کے لئے لازم ہے کہ وہ کتاب لائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر نازل ہوتی ہو اور جس پر اس نبی کی شریعت مبنی ہوتی ہے۔ نبوت بلا کتاب و شریعت کوئی نبوت نہیں۔ اس کے ثبوت میں قرآن کریم کی کئی آیات پیش کی جا چکی ہیں کہ نبی اپنے ادعائے نبوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے نازل شدہ ایک کتاب مزید لاتا ہے۔

۳:- تیسرا اصول اور ثبوت نبوت یہ ہے کہ ہر نبی مطاع ہوتا ہے کسی دوسرے نبی کا مطیع نہیں ہوتا یعنی وہ اپنی امت کو اپنی اطاعت کی طرف بلاتا ہے۔ اور کسی دوسرے نبی کی پیروی نہیں کراتا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان تینوں اصولوں کے پیش نظر حضرت اقدس پر نبوت کا الزام کہاں تک قابل قبول ہے۔ اور آیا اس کا کوئی جواز ہے۔ سو پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ جب مقام نبوت پر مبعوث ہو کر آئے تو کیا انہوں نے نبوت کا دعوائے کیا سو اس کا جواب قطعیت کے ساتھ نفی میں ہے کہ آپ نے نبوت کا دعوائے نہیں کیا اور ہرگز نہیں کیا۔ اپنے زمانہ ماموریت میں شروع سے آخر تک آپ نے کسی جگہ اپنی تقریر یا تحریر میں یہ نہیں کہا۔ کہ میں مدعی نبوت ہوں یا میرا دعوٰی نبوت کا ہے۔ بلکہ ہر مقام پر اپنے دعوائے کو مجددیت، محدثیت اور ولایت پر محمول کیا۔ اس بارے میں ان کے چند حوالہ جات کی نشاندہی کافی ہے۔ جن میں غیر مبہم اور بیّن الفاظ میں آپ نے اپنی بعثت کو صرف مجدد اور محدث کے طور پر پیش کیا۔ چنانچہ ان کے ذیل کے فرمودات ملاحظہ ہوں:-

حضرت اقدس نے ایک اعلان شائع کیا جو بذریعہ اشتہار مؤرخہ ۲ راکتوبر ۱۸۹۱ء مشتہر کیا گیا۔ جس کی دوبارہ توثیق ایک کتاب دین الحق مطبوعہ ۱۹۱۰ء میں کی گئی ہے۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں:

"اس عاجز نے سنا ہے کہ اس شہر دہلی کے بعض اکابر علماء میری نسبت یہ الزام مشہور کرتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا مدعی ہے۔ ملائکہ کا منکر، بہشت اور دوزخ کا بکلی منکر ہے۔ لہٰذا میں اظہاراً للحق عام و خاص اور تمام بزرگوں کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ یہ الزام سراسر افتراء ہے۔ میں نہ نبوت کا مدعی ہوں اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر۔ بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں۔ اور ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔"

اس سے بڑھ کر دعوائے نبوت سے انکار کیا ہو سکتا ہے۔ اسی نہج پر حضرت اقدس نے شروع سے تا دم آخر کئی ایک بیانات دیئے ہیں جن سے بیّن اور واضح ثبوت ملتا ہے۔ کہ ختم نبوت کے بارہ میں آپ کا مؤقف تمام عمر ایک ہی رہا اور اس میں ان کی اپنی زندگی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

"افتراء کے طور پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعوائے کیا ہے۔ اور گویا ہم معجزات اور فرشتوں کے منکر ہیں لیکن یاد رہے کہ یہ تمام افتراء ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور ہم فرشتوں اور معجزات اور تمام عقائد اہل سنت کے قائل ہیں۔" (کتاب البریہ ص ۱۸۲)

"میں علی رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہ کوئی پرانا نہ نیا۔" (انجام آتھم حاشیہ ص ۲۷)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بار بار فرما دیا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور حدیث لا نبی بعدی ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اس کی صحت میں کلام نہ تھا اور قرآن شریف جس کا لفظ لفظ قطعی ہے اپنی آیہ کریمہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین سے بھی اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ فی الحقیقت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی تھی۔"

(کتاب البریہ حاشیہ ص ۱۸۴)

"کیا نہیں جانتے کہ خدائے رحیم و کریم نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بغیر کسی استثنا کے خاتم الانبیاء قرار دیا ہے۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بطور تفسیر آیہ مذکورہ فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور طالبین حق کے لئے یہ بات واضح ہے کہ اگر ہم اپنے نبی صلعم کے بعد کسی نبی کے آنے کا جواز قبول کریں تو گویا ہم نے وحی نبوت کا دروازہ کھول دیا۔ حالانکہ یہ بند ہو چکا ہے۔ . . . . ہمارے نبی کریم صلعم کے بعد کس طرح کوئی نبی آ سکتا ہے۔ جبکہ ان کی وفات کے بعد وحی منقطع ہو گئی۔ اور اللہ تعالےٰ نے آپ پر نبیوں کا خاتمہ کر دیا۔"

(حمامۃ البشریٰ ص ۲۰)

"نہ مجھے دعوائے نبوت و خروج از امت اور نہ میں منکر معجزات اور ملائکہ اور نہ لیلۃ القدر سے انکاری ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور

اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا نہ نیا نہ پرانا۔ ہاں محدث آئیں گے۔"

(نشانِ آسمانی صفحہ ۲۸)

غرض ان چند اقتباسات کے علاوہ حضرت اقدس نے اس کثرت سے شروع سے آخر تک اپنی کتابوں میں دعوٰی نبوت سے انکار کیا ہے کہ یہ امر حتمی طور پر اور نہایت قطعیت سے ام نشرح ہو جاتا ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت اقدس نے کبھی اور کسی وقت نبوت کا دعوٰی نہیں کیا اور نہ وہ کسی قسم کے نبی تھے۔ جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔ نبوت از روئے قرآن تین شرائط اور لوازمات سے وابستہ ہے۔ یعنی نمبر ایک ہر نبی اور رسول اللہ تعالےٰ کے حکم سے نبوت کا دعوٰی کرتا ہے۔ نمبر دو، اس پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک کتاب بذریعہ وحی نازل ہوتی ہے۔ اور بغیر کتاب اور شریعت کے کوئی نبی نہ ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ نمبر ۳، یہ کہ ہر نبی اور رسول اپنی امت سے اپنی اطاعت کرتا ہے اور وہ کسی دوسرے نبی کا مطیع نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرآن کریم کے ان تین محکم اصولوں کی جانچ پر پہلی شق کے بارے میں ہم نے بیّن دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حضرت اقدس نبی نہ تھے اور نہ انہوں نے کبھی کسی قسم کی نبوت کا دعوٰی کیا۔ البتہ ان کا دعوٰے اللہ تعالےٰ کے حکم سے مجدد اور محدث کا تھا۔ اس ضمن میں انہوں نے جو نبی کے الفاظ اپنے بارہ میں استعمال کئے وہ حقیقتاً نبوت نہیں بلکہ وہ الفاظ بطور مجاز۔ ظل۔ استعارہ اور تمثیل منطبق ہوتے ہیں اور جو دراصل مجدد اور محدث کے مترادف ہیں۔ اس موضوع پر تفصیلاً بعد میں بحث ہوگی۔ مگر یہ امر قطعی ہے کہ حضرت اقدس نے کبھی دعوٰے نبوت نہیں کیا۔ اور نہ وہ نبی تھے۔

اب قرآنی محکمات کی دوسری شق کا جائزہ لیا جائے تو یہ امر واقعی ہے کہ آپ پر کوئی کتاب اور شریعت نازل نہیں ہوئی بلکہ آپ قرآن کریم پر کامل ایمان رکھتے تھے کہ یہی آخری کتاب ہے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی جو انسان کے لئے تاقیامت ایک کامل ہدایت نامہ اور شریعت ہے اور چونکہ قرآن کریم نے دینِ اسلام کی تکمیل کردی اس لئے اس کے بعد کسی اور نئی کتاب اور شریعت کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ کسی پر نازل ہوگی۔ قرآنِ کریم کی کاملیت اور اس کی تعلیم کی فضیلت پر آپ کو اتنا پختہ یقین تھا کہ نہ صرف آپ خود اس پر عامل تھے بلکہ اپنے بیعت کنندگان کو قرآنِ پاک کی تعلیم پر حرف بحرف عمل پیرا ہونے کی تلقین فرماتے۔ چنانچہ آپ کی مقرر کردہ دس شرائط بیعت میں ایک یہ شرط تھی کہ میں قرآن کی حاکمیت پر ایمان رکھتا ہوں۔

قرآنِ کریم سے حضرتِ اقدس کو اس قدر عقیدت بلکہ عشق تھا کہ موجودہ زمانے میں کسی نے نہیں کیا۔ اس کی صداقت پر بے نظیر دلائل پیش کئے۔ آپ نے قرآنِ کریم کے کمالات اور اس کے معارف سے دنیا کو روشناس کیا۔ قرآن مجید کی مدح اور اس کی خوبیوں کی تعریف میں آپ کا منظوم کلام زمانہ حاضرہ میں بے مثل ہے۔ غرض نبوت کی اس شق کا آپ پر کسی طرح اطلاق نہیں ہوتا۔ کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپ کوئی کتاب لائے بلکہ عین ظاہر ہے کہ آپ صرف قرآن کریم کو واجب الاطاعت سمجھتے تھے۔

اب نبوت کی وجوہات کی تیسری شق کا بھی حضرتِ اقدس پر کسی طرح اطلاق نہیں ہوتا۔ یعنی آپ نہ مدعی نبوت اور نہ اپنی اطاعت کے لئے اپنی قوم کو بلایا ہو۔ بلکہ آپ تو خود کو امتِ محمدیہ کا ایک فرد سمجھتے تھے۔ اور آنحضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی تلقین کرتے تھے۔ چنانچہ شرائط بیعت میں نمبر ۶ شرط اس پر شاہد ہے جو یہ ہے کہ:-

"یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا وہوس سے باز آ جائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کرے گا اور قال اللہ وقال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دیگا۔"

یہ شہادت کتنی بیّن اور واضح ہے کہ آپ نہ نبی تھے اور نہ کبھی مدعی نبوت ہوئے۔ کیونکہ نبی کیلئے لازم ہے کہ وہ کتاب لائے اور قوم کو اپنی اطاعت کے لئے بلائے بلکہ اس کے برعکس آپ نے آنحضور صلعم کی اطاعت کا جوا تادمِ آخر اپنے پر واجب رکھا اور تمام دنیا کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت پر مدعو کیا۔ تفصیلی بیان مندرجہ بالا سے اب بلاشبہ واضح ہوتا ہے کہ نبوت کی تینوں لازمات اور شرائط میں سے کوئی ایک بھی حضرت مرزا صاحب پر چسپاں نہیں ہوتی لہٰذا نہ تو آپ مدعی نبوت ہو سکتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کے نبی بن سکتے ہیں۔ اور نہ ہی آپ موردِ الزام ٹھہرائے جا سکتے ہیں کہ آپ نے دعوٰے محدثیت اور مجددیت میں کسی وقت کوئی تبدیلی کی جن کی بناء پر آپ تدریجاً مجددیت سے بڑھ کر نبوت کے مقام پر پہنچ گئے۔ ان تمام الزامات کی حتمی اور بیّن تردید صرف یہی ایک قطعی ثبوت کافی ہے۔ جو حضرت اقدس کی مقرر کردہ دس شرائط بیعت پر مشتمل ہے۔ ان شرائط بیعت میں ابتداء سے تادمِ آخر کوئی تبدیلی نہیں کی گئی اگر بقول معترضین اور غالیانہ معتقدین حضرت اقدس نے اپنے عقیدہ نبوت میں کبھی تبدیلی کی ہوتی تو نبوت کی مفصلہ بالا تین خصوصیات میں کم از کم ایک تو شامل بیعت کرتے۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ آپ کے مقرر کردہ دس شرائط بیعت میں کبھی کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی۔ چنانچہ ان دس شرائط بیعت کے جائزہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے بیعت کنندہ سے (۱) اپنی نبوت کا اقرار نہیں لیا۔ (۲) اپنے پر کتاب شریعت کا نزول نہیں پیش کیا۔ اور (۳) نہ اپنی اطاعت کا اقرار لیا۔

ان دس شرائط بیعت کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کبھی نبوت کے مقام پر مبعوث نہیں ہوئے۔ بیعت کا اقرار لینے سے پہلے آپ کلمہ شہادت خود پڑھتے تھے۔ اور یہ کلمہ شہادت آپ کا بیعت کنندہ دہراتا تھا یعنی اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمداً رسول اللّٰہ۔ ہم یہ بات وضاحتاً ثابت کر چکے ہیں کہ کلمہ شہادت یا کلمہ طیبہ کا اقرار اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ حضرت اقدس آنحضور صلعم کو خاتم النبیین تسلیم کرتے تھے اور آپ کی ختم نبوت پر آپ کو کامل ایمان تھا۔ اس کے بعد یعنی کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد جو دس شرائط بیعت ہیں جن کا اقرار بیعت کنندہ کرتا ہے ان میں سے کسی ایک میں بھی آپ نے اپنی نبوت کے بارہ میں اقرار کا کہیں ذکر تک نہیں بلکہ شرط نمبر دس میں حضرت اقدس نے بیعت کنندہ سے محض عقد اخوت کا اقرار لیا ہے۔ دسویں شرطِ بیعت کے الفاظ یہ ہیں:-

"یہ کہ اس عاجز (یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحب) سے عقد اخوت محض للہ باقرارِ طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقتِ مرگ قائم رہے گا اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔"

در آنحالیکہ مقام غور ہے کہ نبی کے لئے سب سے پہلے اپنی امت سے اقرار نبوت لینا ضروری ہوتا ہے پھر کسی اور شرطِ بیعت میں حضرت اقدس نے نہ اپنی کوئی کتاب پر ایمان لانے کو کہا ہے۔ اور نہ ہی اپنی اطاعت کا کہیں اقرار لیا ہے بلکہ شرط نمبر ۶ میں صریحاً قرآنِ کریم کی حاکمیت کو تسلیم کرایا۔ شرط نمبر ۶ کے الفاظ یہ ہیں:-

"یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا وہوس سے باز آ جائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کرے گا۔ اور قال اللہ وقال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا"

پس ان دس شرائط بیعت کے اقرار سے یہ حقیقت کس قدر وضاحت سے سامنے آ جاتی ہے کہ قرآنی اصطلاح میں نبوت جن محکم اصولوں پر قائم ہے اور جن کی بناء پر آنحضرت صلعم خاتم الانبیاء قرار دیئے گئے ان سے حضرت اقدس کی مامورانہ حیثیت بالکل اور کلیتاً عاری ہے۔ اس لئے نہ تو بانی سلسلہ احمدیہ کبھی مدعی نبوت ہوئے اور نہ ہی کبھی وہ مقام نبوت کے حامل ہوئے۔ حق وانصاف کا تقاضا ہے کہ ان حقائق کو تسلیم کیا جائے اور آپ کو مدعی نبوت کے الزام سے جو سراسر کذب و افتراء پر مبنی ہے بری قرار دیا جائے اور آپ کی بعثت مجددیت و محدثیت کی صداقت کو تسلیم کیا جائے۔

الغرض اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ بروئے قرآن نبوت کے لوازمات اور خصوصیات جو قرآن نے بطور محکمات اصول بیان کئے ہیں یعنی دعوٰی نبوت و رسالت، کتاب کا لانا اور اپنی

اطاعت پر بلانا۔ اسی مناسبت سے تمام انبیاء اور رسول آنحضرت صلعم سے قبل آتے رہے۔ اور یہی وہ وجوہات ہیں جن کی بناء پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین قرار دیئے گئے۔ ان سب سے حضرت اقدس کی ذات قطعاً مبرا ہے اور آپ حضور سرور کائنات نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت پہ کامل ایمان رکھتے تھے اور آپ پر ختم نبوت کے انکار اور دعویٰ نبوت کا الزام محض کذب و افتراء کا نتیجہ ہے ۔

باالآخر ہم اس ضمن میں جو سوال پیدا ہوتا ہے اور جس کا ذکر ہو چکا ہے اُس کو زیر بحث لا کر اس کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں اور اس کا ایک فیصلہ کن حل پیش کرتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ نہ مدعی نبوت تھے اور نہ نبی تھے تو آپ نے اپنے متعلق اپنی تحریروں میں ظلی نبی۔ بروزی نبی جزئی نبی۔ لغوی معنوں میں نبی وغیرہ کے الفاظ کیوں استعمال کئے اور برابر کرتے رہے۔ اگر آپ ختم نبوت پر مکمل ایمان رکھتے تھے تو اپنے لئے اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ جن کے استعمال سے اُن کے دعاوی میں غلط فہمی پیدا ہوئی۔ مخالفین کی طرف سے تو یہ سوال بہت اہمیت رکھتا ہے مگر افسوسناک امر یہ ہے کہ آپ کے غالیانہ معتقدین نے اس مسئلہ کو مزید تقویت پہنچائی اور حضرت اقدس کو نبی ماننے کے لئے خود اس الزام کی صداقت میں ثبوت پیش کئے حالانکہ ذرا سے غیر جانبدارانہ تدبر سے یہ مسئلہ آسانی سے صاف ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم کے معانی اور صحیح مفہوم سمجھنے میں اس طرح کی اشکال پیش آتی ہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے اپنی تفہیم کے لئے خود ایسے اصولوں کی طرف راہنمائی کی ہے۔ کہ ان کی روشنی میں یہ سب مشکوک اور مشتبہ امور رفع ہو جاتے ہیں اور قرآن کریم کی صداقت بطور کلام اللہ واضح ہو جاتا ہے یہ سورۃ آلِ عمران کی ابتدائی آیات میں سے ایک ہے۔ جو چند جامع الفاظ میں اس مضمون کی کلیتاً وضاحت کرتی ہے۔ چنانچہ آیت ہٰذا میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

" ھوالذی انزل علیك الكتاب منه آیاتٌ محكماتٌ ھن ام الكتاب
---------- وما یذكر الا اولوالالباب ۔"

ترجمہ :۔" وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری۔ اس میں سے کچھ محکم آیتیں ہیں جو کتاب کی اصل ہیں اور کچھ متشابہ ہیں۔ پھر جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ جو اس میں متشابہ ہے فتنہ پیدا کرنے کے لئے اور یہ چاہتے ہوئے کہ اس کی من مانی تاویل کریں۔ حالانکہ اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور اُن کے جو علم میں پختہ ہیں (اسلئے) وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے (یہ) سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور عقل والوں کے سوائے کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا " (ترجمہ از بیان القرآن)

اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا کلام گو فصاحت اور بلاغت میں بے مثل ہے تاہم اس کی آیات دو قسم کے بیانات اور ارشادات پر مشتمل ہیں یعنی قرآن کریم میں جو بھی موضوع زیر بحث آیا ہے۔ اس کے بارہ میں کچھ آیات تو بطور محکمات واقع ہوئی ہیں یعنی اُن میں صاف واضح اصول بیان کئے گئے ہیں جن کے معانی میں کسی قسم کا ابہام نہیں ہے۔ لیکن اس کتاب میں ایسی آیات بھی ہیں جن کو متشابہات کہا گیا جن کے معانی میں اختلاف پڑ سکتا ہے۔ اور صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے اُن کی تاویل کرنا پڑتی ہے اس لئے ایسی متشابہات آیات کی تاویل صحیح اور درست طریق پر کرنا ضروری ہے لیکن اگر ایسی آیات کی تاویل میں غلطی کی جائے اسطرح کہ اپنے معزوضہ خیالات اور مطالب کو داخل کیا جائے۔ تو نہ صرف قرآن کو سمجھنے میں دشواری پیش آئے گی بلکہ ان آیات کے غلط معانی کی بدولت فتنہ اور فساد پیدا ہوگا۔ یہ زریں اصول قرآن کریم کی صداقت اور کاملیت پر ایک بیّن دلیل ہے۔ قرآنی آیات کے ترجمہ اور صحیح مفہوم اخذ کرنے کے لئے اگر یہ اصول ہر دم مدنظر رکھا جائے تو قرآن کے اصل مطالب سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی لیکن جہاں کہیں اس اصول کو نظرانداز کیا گیا تو قرآن کے معانی میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ پھر قرآن کریم کا کمال ہے کہ اس ایک آیت میں یہ بھی بتا دیا کہ متشابہات آیات کی اصل اور صحیح تاویل جو اللہ تعالےٰ کے علم میں ہے کس طرح کی جائے۔ یہ تاویل صرف وہ اہل ایمان کر سکتے ہیں جو راسخ العلم ہوں یعنی ان کا علم پختہ ہو۔ اور وہی ایسی تاویل پر حاوی ہو سکتے ہیں جس سے محکمات آیات سے کوئی تناقص پیدا نہ ہو۔ یعنی متشابہ آیات کے معانی محکمات سے مطابقت کریں بجائے اختلاف اور تناقص کیونکہ اللہ کے کلام میں تناقص اور اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اسلامی تاریخ میں قرآن کے معانی میں جو تنازعات اور فتنہ و فساد پیدا ہوتے ہیں وہ اسی اصول سے روگردانی کی وجہ سے واقع ہوئے جس کے نتیجہ میں عالم اسلام کے اتحاد اور شیرازہ کو پارہ پارہ کیا گیا۔

قرآن کے طرز بیان کی طرح دیگر اسلامی عارفانہ کلام بھی محکمات اور متشابہات پر مشتمل ہے بڑے بڑے اولیاء اللہ، صوفیائے کرام اور اکابرینِ امت گزرے ہیں جن کی بدولت احیائے دین اور اشاعتِ اسلام کے عظیم الشان کارنامے سرزد ہوئے مگر اُن کے منہ سے کبھی ایسے ایسے کلمات کفر دارد ہوئے کہ اُن پر فتاوے کفر صادر کئے گئے اور ان کو ہر قسم کی اذیتوں اور تکالیف کا ہدف بنایا گیا حضرت غوث الاعظم رد۔ حضرت شبلی" حضرت امام ابوحنیفہ۔ حضرت منصورؒ وغیرہم کیسے کیسے بے شمار عظیم المرتبت علماء ربانی ہوئے ہیں لیکن یہ سب ایسی محکمات اور متشابہات کلمات کی تفریق کا شکار بنائے گئے۔ اور انہیں کیسے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اور کیسی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ ان سب فتنا ئن اور فسادات کی اصل وجہ اسی قرآنی اصول سے روگردانی پر منحصر ہے۔ کہ محکمات اور متشابہات میں تطابقت پیدا کرنے کی بجائے تناقض کو روا رکھا جاتا ہے۔ دراصل اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام علوم و واردات باطنی کے حامل ہوتے ہیں۔ باطنی کیفیت کے اظہار کے لئے وہ متشابہ کلام کا استعمال کرتے ہیں۔ جو تمثیلات۔ استعارات۔ مجاز پر مشتمل ہوتا ہے جس کو ظاہر بین علماء اور عام فہم لوگ سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ ان اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام کی اصطلاح میں وہ ایک وقت ایسا روحانی مقام حاصل کر لیتے ہیں جن کو وہ فنافی اللہ اور فنافی الرسول کہتے ہیں۔ اور یہ مقام ان کو اللہ اور رسول کی کامل اطاعت سے ملتا ہے۔ لیکن وہ اس حال میں کچھ ایسے کلمات کہہ جاتے ہیں کہ ظاہر نظر میں وہ شرک اور کفر قرار دیئے جاتے ہیں :۔

* * *

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیرالوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے
اس پر ہر اک نظر ہے بدرالدجیٰ یہی ہے
(حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؒ)

باہتمام ریاض حسین الہدیٰ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر:۔ ڈاکٹر اللہ بخش

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور، مورخہ ۱۱ نومبر ۱۹۸۱ء، شمارہ ـــــ جلد ۶۸ رجسٹرڈ ایل ۸۲۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— ٭ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان ٭ ——— نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

جلسہ سالانہ نمبر

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک پائے احمدِ مختار ہیں

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اَور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

رجسٹرڈ ایل ۸۳۴۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۰۴

مدیر اعزازی ٭
خلیل الرحمٰن ٭

٭ نائب مدیر
٭ عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے روپے
بیرونی ممالک سے پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

جلد ۶۷ | یوم چہار شنبہ ۲۱/۲۸ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ بمطابق ۱۸/۲۵ نومبر ۱۹۸۱ء عیسوی | شمارہ ۴۶-۴۷

حضرت مجددِ صد چہاردہم کا

ارشادِ گرامی

اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں

"اس جلسہ میں جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں ادنےٰ ادنےٰ کاموں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالےٰ مخلصوں کو ہر قدم پر ثواب دیتا ہے۔ اور اسی کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں جاتی

اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ :-

اس جلسہ کو

معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائیدِ حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔"

جلسہ سالانہ میں شرکت

کرنے والوں کیلئے حضرت صاحبؒ کی

دُعائیں

"ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسے کے لئے سفر اختیار کریں خدا تعالےٰ اُن کے ساتھ ہو اور ان کو اجرِ عظیم بخشے اور اُن پر رحم کرے اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات ان پر آسان کر دیوے اور ان کے ہم و غم دور فرماوے اور ان کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی ہر ایک مرادات کی راہیں اُن پر کھول دے اور روزِ آخرت میں اپنے نیک بندوں کے ساتھ اُٹھاوے جن پر اس کا فضل و رحم ہے اور تا اختتامِ سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو۔

اے خدا اے ذوالمجد والعطاء اور رحیم و مشکلکشا ہماری تمام دعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر ایک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے۔" آمین

قومی اجتماع

حضرت امیر قوم مولانا صدر الدینؒ مرحوم کا ارشادِ گرامی

یہ قومی اجتماع جس کی بنیاد حضرت مجدد صد چہار دہم نے ڈالی تھی بہت سی برکات کا جاذب ہے مبارک ہیں وہ مرد اور وہ خواتین جن کے جذبہ کو دیکھ کر دوسرے بھی سرشار نظر آنے لگیں اور کثرت سے جمع ہو کر خدا کے حضور نہایت تضرّع سے دعائیں کریں تاکہ ان پر رب العزت کی بارگاہ سے فضل اور کرم اترے۔ جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور جماعت کے اجتماع پر انوارِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے اس سے مستفید ہونے کے لئے اور ثواب عظیم حاصل کرنے کے لئے اخلاص اور سعی بلیغ درکار ہے۔ پروردگار عالم کے حضور میں دست بدعا ہوں کہ وہ حضرت صاحبؒ کی جماعت پر۔ ان کے معمّر لوگوں اور جوانوں پر۔ ان کے لڑکے لڑکیوں پر اور سلسلہ کی خواتین پر عنایات اور اپنے انعامات نازل فرمائے۔ ان کے دلوں کو اخلاص سے معمور کر دے اور ان کے دلوں کو جذبۂ خدمتِ دین سے بھرپور کر دے تاکہ:۔

فتحِ اسلام
کا کام نصف النہار تک پہنچ جائے۔

* * *

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ایدہ اللہ

کثرتِ رائے سے صدر اور امیرِ جماعت منتخب ہوئے۔

ہماری جماعت کے امیر حضرت مولانا صدر الدین صاحب مرحوم و مغفور نے ۱۵ نومبر رات دو بجے کے قریب اس دارِ فانی سے انتقال فرمایا:۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نئے امیر کے انتخاب کے لئے مجلسِ معتمدین کا اجلاس فوراً بلایا جانا ضروری تھا۔ لیکن مجلسِ معتمدین کا پہلے سے طے شدہ اجلاس چونکہ بیس تاریخ کو منعقد ہو رہا تھا اس لئے یہی مناسب سمجھا گیا کہ ۲۰ نومبر کو ہی انتخاب کا معاملہ مجلسِ معتمدین میں پیش کیا جائے البتہ ۱۶ نومبر ۱۹۸۱ء کو مجلسِ منتظمہ کا غیر معمولی اجلاس بلایا گیا جس میں حضرت امیرِ قوم کی وفات حسرت آیات پر اظہارِ افسوس اور قراردادِ تعزیت کے علاوہ یہ تجویز بھی منظور کی گئی کہ نئے امیر کے انتخاب کا معاملہ ۲۰ تاریخ کے اجلاس میں پیش کیا جائے چنانچہ بروز جمعۃ المبارک مؤرخہ ۲۰ نومبر ۱۹۸۱ء معتمدین کی کثیر تعداد نے باتفاقِ رائے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کو جماعت احمدیہ لاہور کا امیر اور احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کا صدر منتخب فرمایا۔ اور اسی روز بعد از نماز جمعہ مجلس عامہ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں سینکڑوں کی تعداد میں تمام جماعتوں کے احباب شریک ہوئے۔ اور سب نے بیک آواز مجلس معتمدین کے فیصلہ کی تائید کی اور آئینی تقاضے کو پورا کرتے ہوئے حضرت ڈاکٹر صاحب کے انتخاب کی توثیق فرمائی۔ یہ انتخاب ہر لحاظ سے قومی امنگوں کے عین مطابق تھا اور ہر احمدی کے دل کی آواز بھی اور سب کی نگاہیں حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف کی طرف ہی اٹھتی تھیں جو عملاً اور واقعتہً بھی گزشتہ چند سال سے قوم کی سربراہی اور راہنمائی کا بارِ گراں اٹھائے ہوئے تھے اور وہی اس بات کے اہل تھے کہ مستقلاً بھی اس منصبِ جلیلہ پر فائز ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم سب کی دعا ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف صحت و عافیت والی لمبی زندگی کے ساتھ جماعت کی راہنمائی فرما دیں۔ اور ان کا وجود جماعت کی ترقی و استحکام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے فروغ کا موجب ہو۔ آمین۔

والسّلام۔

خاکسار مرزا مسعود بیگ
جنرل سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام۔ لاہور

باہتمام ریاض حسین البدر پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغامِ صلح احمدیہ بلڈنگس لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر ڈاکٹر اللہ بخش

از قلم مکرم نصیر احمد فاروقی صاحب لاہور

سالانہ جلسہ آرہا ہے * کیا آپ بھی آرہے ہیں؟

چند سال ہوئے میں نے اسی عنوان سے ایک مضمون پیغام صلح کے جلسہ سالانہ نمبر کے لئے لکھا تھا۔ اُس سال جلسہ سے ایک دن پہلے میں صبح دس بجے کے قریب دارالسلام کالونی کسی کام کو گیا تو دیکھا کہ ایک ہمارے نہایت ہی مکرم و محترم دوست پیدل چلے آرہے ہیں۔ کندھے پر ایک بہت بڑا بستر ہے جس کے بوجھ سے وہ جھکے ہوئے ہیں۔ سردیوں کا بستر اور وہ بھی شاید ایک سے زیادہ آدمی کا تھا۔ چہرہ مشقت سے سرخ ہے اور سانس چڑھا ہوا ہے مگر مجھے دیکھ کر مسکرائے اور بے اختیار پکارے "فاروقی صاحب! آپ نے لکھا تھا کہ سالانہ جلسہ آرہا ہے۔ کیا آپ بھی آرہے ہیں؟ لیجئے میں آگیا ہوں" میں بیان نہیں کرسکتا کہ میرے دل کو کس قدر خوشی ہوئی اور کس قدر اثر میرے دل پر ہوا کہ یہ صاحب ساری رات اس سردی میں بس پر سفر کرکے صبح خدا جانے کس طرح نہر پار تک پہنچے اور وہاں سے اس بوجھل بستر کو خود اٹھا کر ہانپتے کانپتے دارالسلام تک پیدل آئے کیونکہ جہاں وہ اترے وہاں قلی یا مزدور کہاں؟ اور مجال ہے کہ کوئی بدمزاجی ہو یا جھنجھلاہٹ ہو۔ بلکہ ہنستے ہوئے مجھ سے کیا اچھا مذاق کیا۔ میں مصلحتاً اُن صاحب کا نام نہیں لکھ رہا مگر وہ اس مضمون کو پڑھیں گے تو امید ہے کہ انہیں یہ واقعہ یاد آجائے گا۔ میرے دل سے اُن کیلئے دُعا نکلتی ہے، وہ دعا جو حضرت موسےٰؑ نے جب اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کے لئے کی تو اللہ تعالےٰ نے نہ صرف اُسے قبول فرمایا بلکہ بطور پسندیدگی قرآن کریم میں اُسے ذکر فرمایا تاکہ ہم بھی اپنے کسی بھائی کے لئے کرسکیں۔

رب اغفرلی ولاخی وادخلنا فی رحمتك وانت ارحم الرحمین ۝

(سورۃ الاعراف: آیت ۱۵۱)

"اے میرے رب میری مغفرت فرما اور میرے بھائی کی بھی اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما۔ اور تُو تو تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے"۔ آمین۔

مجھے اپنے بھائی پر رشک آتا ہے کہ وہ اپنے کام کاج کا ہرج کرکے، اپنے گھر کے آرام کو چھوڑ کر، اخراجات اور سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے، اس سردی میں دور دراز مقام سے آیا، اس کو اپنا بوجھل بستر اٹھانے کی زحمت بھی گوارا کرنی پڑی، اور آگے بھی اُسے کوئی آرام دہ گھر یا خاطر خواہ کھانے پینے کی سہولت کی توقع نہ تھی، مگر پھر بھی کتنا خوش، خوش نظر آتا تھا جو اس کے دلی خوشی کی نشاندہی کر رہا تھا کہ سال بھر کے بعد ایک دفعہ پھر وہ اس روحانی لذت اور سکھ کو پائے گا جو اس جلسہ سالانہ پر ہی مل سکتا ہے۔

بلکہ وہ اس روحانی زندگی کو بھی پائے گا جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے۔

یاایھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم (الانفال ـ ۲۴) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اُس کے رسول کے بلانے پر آجایا کرو جب وہ تمہیں اس کے لئے بلاتا ہے جو تمہیں زندگی بخشے گا"

ظاہر ہے کہ یہاں جسمانی زندگی کا تو سوال ہی نہیں کیونکہ مخاطب جسمانی طور پر زندہ ہیں۔ ایمان بھی لا چکے ہیں۔ مگر روحانی زندگی پانے کے لئے انہیں روحانی محفلوں کے لئے بلانا پڑتا ہے جہاں وہ روحانی غذا ملتی ہے جو اور کہیں نہیں ملتی اور اس غذا کے بغیر رُوح اپنی زندگی کو قائم نہیں رکھ سکتی جس طرح جسمانی زندگی بغیر جسمانی غذا کے قائم نہیں رہ سکتی۔ رسول اللہ صلعم کے بلانے پر تو صحابہ رضی اللہ عنہم دیوانہ وار دوڑ پڑا کرتے تھے۔ اور اسی لئے وہ اس دُنیا میں بھی زندہ جاوید ہو گئے اور آخرت کی زندگی تو ہے ہی اس روحانی زندگی سے جو مومن اِس دُنیا سے لے کر جاتا ہے۔ یہاں جو رُوح اسے ملی ہے اسی نے آگے جانا ہے۔ اور اگر وہ زندہ و تابندہ ہے تو پھر وہ وہاں بھی ابدی زندگی میں فوراً داخل ہو جائے گا۔

حضرت اقدس نے اپنی زندگی میں ہی اللہ تعالےٰ کے حکم سے جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھی۔ اور آپ کی وفات کے بعد اسی روحانی اجتماع میں ہی روحانی زندگی مل سکتی ہے۔ اسی لئے حضرت اقدس نے اس میں شامل ہونا ضروری قرار دیا سوائے بیماری کی معذوری کے۔ اخراجات سفر کے لئے حضرت اقدس نے فرمایا کہ بہتر ہو کہ جو لوگ ایکدم اتنے خرچ کی مقدرت نہیں رکھتے وہ سال بھر کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے رہیں تاکہ وہ اس رُوحانی اجتماع میں مع بیوی بچّوں کے شامل ہو سکیں۔

عام عذر

سب سے عام عذر نوکری کرنے والوں کا یہ ہے کہ جی چھٹی نہ تھی۔ اس کا جواب تو یہ ہے کہ کیا ہم اپنے دنیاوی کام کاج کے لئے چھٹی نہیں لیتے؟ تو سال میں ایک دفعہ خدا کے حکم کی فرمانبرداری کے لئے چار پانچ دن کی چھٹی لینے میں کیا دقت ہے؟ اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ جی ہماری رخصت اتفاقیہ (CASUAL LEAVE) ختم ہو چکی تھی۔ تو میں عرض کروں گا کہ پھر (PRIVILEGE LEAVE) لے لیجئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے دوسری ضروریات مثلاً آرام یا خاندان میں شادی بیاہ کے لئے رکھی ہوئی ہے۔ تو میرا جواب یہ ہے کہ کیا جلسہ سالانہ ضروری کام نہیں ہے؟ کیا ہم نے مجدد زماں کے ہاتھ پر یہ عہد نہیں کیا ہوا کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم کریں گے؟ تو پھر ہم کل کو اللہ تعالےٰ کے آگے کیا جواب دیں گے؟

دوسرے عام عذر کرنے والے تاجر یا صنعت کار صاحبان ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اپنے دھندے کو کس طرح چار پانچ دن کے لئے چھوڑ سکتے ہیں؟ ہماری تو روٹی اسی میں ہے۔

ایک ضروری اطلاع

امیر قوم حضرت مولانا صدرالدین مرحوم کی وفات پر بیرونی جماعتوں اور افراد کی طرف سے جو قراردادیں اور تعزیتی خطوط موصول ہوئے ہیں ان سب کو حضرت مولانا "صدرالدین نمبر" میں شائع کیا جائے گا۔

ـــ (ادارہ)

تو اس کا جواب تو میں قرآن حکیم کے الفاظ میں دوں گا واللّٰہ خیر الرازقین اور نحن نرزقکم "رزق دینے والے ہم (اللّٰہ تعالیٰ) ہیں"۔ "اور اللّٰہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے"۔ اگر ہم اللّٰہ تعالیٰ کے لئے اپنے رزق کی قربانی دیں گے تو کیا وہ ہمیں اس کا نعم البدل نہ دے گا؟ یہ قربانی اللّٰہ تعالیٰ پر ایمان کا امتحان ہے؛ اور جو اس قربانی کو پیش کرے گا اس کا ایمان مضبوط ہو گا اور وہ اللّٰہ تعالیٰ کو راضی کرنے والوں میں سے ہو گا۔ اور جس سے وہ راضی ہو جائے وہ دین اور دنیا دونوں میں سکھی ہو گا۔

بلکہ عارضی مالی نقصان کی بھی کوئی وجہ نہیں۔ تاجر اور صنعت کار صاحبان آخر دوسرے موقعوں پر بھی کوئی نہ کوئی عارضی بندوبست کر کے اپنے کام کاج سے تین چار دن غیر حاضر ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اگر ملک سے باہر جائیں تو یہ صاحبان مہینہ، مہینہ بھر بلکہ زیادہ عرصہ کے لئے بھی اپنے کام کاج سے غیر حاضر رہ سکتے ہیں۔ تو پھر اللّٰہ تعالیٰ کے لئے تین چار دن کے لئے کیوں یہ نہیں کر سکتے؟

زمیندار صاحبان کے پاس تو کام کاج کے بندھن یا نوکری کی مجبوری کا کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ وہ تو آسانی سے تین چار دن اللّٰہ تعالیٰ کے لئے نکال سکتے ہیں۔ خواتین کے لئے اور بچوں کے لئے گھر بار چھوڑ کر سفر کی صعوبت اور نئی جگہ کے قیام کی دقتوں کو برداشت کرنا ذرا زیادہ مشکل ہو سکتا ہے اور شاید اس کی وجہ سے انہیں معذور قرار دینے کو تیار ہوتا اگر میں یہ نہ جانتا کہ رشتہ داروں میں بلکہ اپنی برادری میں کوئی بیمار ہو یا خدانخواستہ موت ہو جائے یا شادی بیاہ یا دوسرے ایسے موقعوں پر خواتین مع اپنے بچوں کے ستعدی سے سفر اور نئی جگہ کی دقتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نکل پڑتی ہیں۔ تو ایسی مستعد خواتین کے لئے اللّٰہ تعالیٰ کی خاطر اور اپنی روح کی زندگی کو پانے کی خاطر اور اپنی آخرت کی خاطر جلسہ پر آنے میں کوئی غیر معمولی دقت نہیں ہونی چاہیئے۔ اور پچھلے سالوں میں بھی خواتین مع اپنے بچوں کے کافی تعداد میں آتی رہی ہیں۔ تو ان کے لئے یا باقیوں کے لئے اب کے بھی آنا مشکل نہ ہونا چاہیئے۔ یہیں صاف کر دوں کہ مردوں کے نیک عمل یا جہاد کا انہی کو اجر ملے گا عورتوں کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ رسول اللّٰہ صلعم کے زمانہ میں تو خواتین اونٹ پر ریگستان کے سخت تکلیف دہ سفر کر کے جنگوں تک میں شامل ہوتی تھیں حالانکہ ان میں جانوں اور عزت کو خطرہ ہوتا تھا۔ اور وہ جنگوں میں زخمیوں کو پانی پلانا اور ان کی مرہم پٹی اور کھانا پکانے میں مدد دیا کرتی تھیں۔ اور اس طرح جہاد فی سبیل اللّٰہ کے عظیم الشان اجر سے حصہ لیتی تھیں اس کے مقابلہ میں جلسہ پر آنا تو بہت آسان ہے۔

عام خطاب

میں عام طور پر اپنے تمام بھائیوں اور بہنوں سے عرض کروں گا کہ ہمیں اللّٰہ تعالیٰ کے حکم کو ٹالنے سے ڈرنا چاہیئے کہ وہ ہر قدرت اور طاقت رکھتا ہے۔ کیا وہ ہم پر یا ہمارے بیوی بچوں پر بیماری یا موت یا کوئی مالی نقصان یا اور ابتلاء نہیں لا سکتا؟ تب ہم کس طرح نوکری یا تجارت اور انڈسٹری یا زمینداری سے غیر حاضر ہونے کے لئے تیار نہ ہو جائیں گے؟ اور اس غیر حاضری یا مالی نقصان کا کوئی ثواب بھی نہ ہو گا۔ اس کے برعکس اللّٰہ تعالیٰ نے اس کی راہ میں تکلیف اٹھا کر یا مال خرچ کر کے جہاد یعنے جدوجہد کرنے والوں کے اجر عظیم کا بار بار قرآن کریم میں وعدہ فرمایا ہے۔

جہاں تک ہمارے عذر معذرتوں کا تعلق ہے اسی آیت میں جہاں اللّٰہ کے رسولؐ یا مامور کے بلانے پر آنے والوں کو روحانی زندگی بخشنے کا ذکر فرمایا جو انسان کو اس دنیا میں بھی حیوانی زندگی (کھانا پینا یا تعلق از دواجی سے اولاد پیدا کرنا حیوان بھی کرتا ہے) سے بلند کر کے اخلاقی اور روحانی زندگی بخشتا ہے جس میں دل کی ٹھنڈک اور راحت یعنے اس دنیا کی جنت ہے اور آخرت کی زندگی تو ہے ہی اس کے لئے جس کی روح زندہ ہو، وہاں عذر معذرت کرنے والوں کو فرمایا:۔

واعلموا انّ اللّٰہ یحول بین المرء وقلبہ وانّہ الیہ ترجعون یعنے "جان لو کہ اللّٰہ انسان کے اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہوتا ہے (یعنے وہ ایسے موقعہ پر ہے کہ اگر ایک طرف انسان کے قلب کے رازوں یا ایمانی کمزوریوں کو جانتا ہے تو دوسری طرف اس انسان کے اعمال کو بھی دیکھتا ہے۔ اس لئے عذر معذرت کر کے تم لوگوں کو تو دھوکا دے سکتے ہو مگر اللّٰہ تعالیٰ کو نہیں دے سکتے۔)"

پھر فرمایا وانکم الیہ ترجعون یعنے یہ بھی جان لو کہ اگر تم اللّٰہ کے بلانے پر اس دنیا میں جمع نہیں ہوتے تو ایک دن آئے گا کہ اللّٰہ کے آگے پکڑے ہوئے جمع کئے جاؤ گے اور تب وہ تمہیں سیاہ و سفید کا پتہ دے گا اور اس کے مطابق ہی تم سے معاملہ کرے گا:

دنیاوی سزا

آخرت تو بعد میں ہے اس دنیا میں بھی خدا کے راستہ میں نہ نکلنے سے اللّٰہ تعالیٰ کی سزا کا وعید قرآن کریم میں مذکور ہے۔ ایک جگہ سے نقل کرتا ہوں:۔

یا یھا الذین اٰمنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللّٰہ اثاقلتم الی الارض ط ارضیتم بالحیٰوۃ الدنیا من الاٰخرۃ ج فما متاع الحیٰوۃ الدنیا فی الاٰخرۃ الّا قلیل o الّا تنفروا یعذّبکم عذابًا الیمًا ۵ ویستبدل قومًا غیرکم ولا تضرّوہ شیئًا ط واللّٰہ علیٰ کلّ شیءٍ قدیر o (سورۃ التوبۃ۔ آیات ۳۸-۳۹)

ترجمہ:۔ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارا کیا عذر ہے کہ جب تم کو کہا جائے کہ اللّٰہ کی راہ میں نکلو تو تم بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے بدلہ میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو؟ مگر دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلہ میں تو تھوڑا ہی ہے۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللّٰہ تم کو دردناک دکھ کا عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا۔ اور تم اللّٰہ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللّٰہ ہر چیز پر قادر ہے"

اس عذاب سے بچنے کے لئے فرمایا:۔

انفروا خفافًا وّثقالًا وّجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللّٰہ ط ذالکم خیرٌ لّکم ان کنتم تعلمون o لو کان عرضًا قریبًا وّسفرًا قاصدًا لّاتّبعوک ولٰکن بعدت علیھم الشّقّۃ ط وسیحلفون باللّٰہ لو استطعنا لخرجنا معکم ج یھلکون انفسھم ج واللّٰہ یعلم انّھم لکٰذبون o

(التوبۃ۹۔ آیات ۴۱ و ۴۲)

ترجمہ:۔ "چاہے تم ہلکے ہو یا بوجھل تو بھی نکل پڑو۔ اور اپنے مالوں اور نفسوں کے ساتھ اللّٰہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہوتے۔ اگر فائدہ جلد ملنے والا ہوتا اور سفر درمیانہ تو ضرور تیرے پیچھے ہو لیتے۔ لیکن مشقت کا سفر انہیں بہت دور کا معلوم ہوا۔ اور اللّٰہ کی قسمیں کھائیں گے کہ ہم میں استطاعت ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔ یہ اپنے نفسوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اللّٰہ جانتا ہے کہ وہ یقینًا جھوٹے ہیں۔"

ہلکا ہونا یا بوجھل جن دونوں حالتوں میں اللّٰہ کی راہ میں نکل پڑنے کا حکم ہے وہ کیسے ہوتا ہے؟ مفسر حضرت ابن جریر کے قول کو حضرت امیر مرحوم نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں نقل کیا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ خفافًا یعنے ہلکا ہونے میں ہر وہ امر شامل ہے جس کی وجہ سے نکلنا آسان ہو جیسے قوت جسمانی، صحت، جوانی کی عمر، مال کی فراخی، اور شغلوں سے فراغت اور

سواری کا میسر ہونا وغیرہ شامل ہیں۔ اور اس کے خلاف جو کچھ ہو وہ ثقال یعنے بوجھل ہونا ہے جیسے ضعف جسمانی، کمزوری، معمولی بیماری، بڑھاپا، مالی تنگی، صورتِ معاش کا نہ ہونا ہے مطلب یہ ہے کہ جب دینی ضرورت آپڑے تو جس حال میں بھی ہو نکل پڑو۔

خوش خبری

جو لوگ اللہ کی راہ میں نکلیں اُن کے اجرِ عظیم کا وعدہ اسی سورۃ توبہ کے رکوع پانچ میں ہے۔ وہاں صادقوں کا ساتھ دینے کا حکم دے کر یہ خوش خبری دی کہ ا۔

ذٰلک بانّھم لا یصیبھم ظمأٌ وّلا نصبٌ ولا مخمصۃٌ فی سبیل اللّٰہ ولا یطؤن موطئًا یغیظ الکفّار ولا ینالون من عدوٍّ نیلًا الّا کتب لھم بہ عملٌ صالحٌ ط ان اللّٰہ لا یضیع اجر المحسنین ـ ولا ینفقون نفقۃً صغیرۃً وّلا کبیرۃً ولا یقطعون وادیًا الّا کتب لھم لیجزیھم اللّٰہ احسن ما کانوا یعملون ٥ (آیات ۱۱۹ - ۱۲۰)

ترجمہ :۔ ”یہ اس لئے کہ انہیں اللہ کی راہ میں کوئی پیاس کی تکلیف نہیں پہنچتی اور نہ تکان اور نہ بھوک اور نہ وہ کسی ایسی جگہ سے گزرتے ہیں جس سے کافروں کو غضب آتا ہو اور نہ وہ دشمن سے کچھ چیز حاصل کرتے ہیں مگر اس کے لئے ان کا نیک عمل لکھا جاتا ہے ۔ اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا (اگرچہ وہ فوراً ملتا نہ نظر آئے) ـ اور نہ وہ کوئی خرچ کرتے ہیں تھوڑا ہو یا بہت اور نہ وہ کسی میدان سے گزرتے ہیں مگر وہ ان کے لئے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ انہیں اس کا بہترین بدلہ دے جو وہ عمل کرتے تھے۔“

میرے دل کی یہ تڑپ ہے کہ میرے احمدی بھائی اور بہنیں ان خوش قسمت انعام پانے والوں میں سے ہوں۔ آمین ـ

جلسۂ سالانہ کا مدعا

حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ کے اپنے الفاظ میں

”اس جلسہ سے مدعا اور اصلی مطلب یہ ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار کی ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر پیدا کرلیں کہ ان کے دل آخرت کی طرف بکلّی جھک جائیں اور اُن کے اندر خدا تعالےٰ کا خوف پیدا ہو۔ اور وہ زہد اور تقوےٰ اور خدا ترسی و پرہیزگاری اور نرم دلی اور باہم محبت اور مواخات میں دوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائیں۔“ (شہادت القرآن)

* * * *

”اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص توجّہ ہوگی اور حتی الوسع بارگاہِ ارحم الراحمین میں کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالےٰ اپنی طرف انکو کھینچے اور پاک تبدیلی بخشے۔“

* * * *

”ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناس ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا۔ اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی۔ اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیّت اور نفاق درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جلشانہٗ کوشش کی جائے گی۔“

آفتاب الدین ہومیوپیتھک دارالشفاء

حسبِ معمول خدمتِ خلق میں مصروف ہے مریضوں کی تعداد روز افزوں ہے۔ آپ اپنے عطیات نہ بھولئے علاج معالجہ کی سہولت مفت مہیا کرنا آپ کے عطیات کی بدولت ہی ہے اس کارِ خیر میں حصہ لے کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

آفتاب الدین ہومیوپیتھک دارالشفاء
احمدیہ بلڈنگس لاہور

اپیل برائے جلسہ فنڈ ۱۹۸۱ء

برادرانِ جماعت   السّلامُ علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ

حضرت مجدّدِ صد چہاردہم نے جماعتِ احمدیہ کو کئی خصوصیات سے نوازا ہے۔ ان میں جلسۂ سالانہ کا انعقاد ایک ایسی خصوصیت ہے جو اسلامی اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے۔ اس جلسہ کے اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے اور انکی معلومات وسیع ہوں۔ اور خدا تعالےٰ کے فضل و توفیق سے انکی معرفت ترقی پذیر ہو۔ علاوہ ازیں اس کے کئی معاشرتی فوائد بھی ہیں جو صرف سالانہ اجتماع سے ہی پورے ہوسکتے ہیں اسکے لئے جماعت کے تمام احباب و خواتین کی شمولیت اسمیں بے حد ضروری ہے۔ موجودہ دور میں جبکہ افراطِ زر کی وجہ سے ہر چیز مہنگی ہوگئی ہے اور عام طور پر ہر فرد کے لئے کچھ مشکلات پیدا ہوگئی ہیں۔ اشاعتِ اسلام کے ذرائع بھی بہت سے اخراجات کے متقاضی ہیں۔ احباب سے درخواست ہے کہ وہ موجودہ مخصوص مہنگائی کے پیشِ نظر دل کھول کر جلسہ فنڈ میں چندہ دیں اور اپنی درخشندہ روایات کو قائم رکھیں۔

والسلام

خاکسار مرزا مسعود بیگ، جنرل سیکرٹری

حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علیؒ کی ایک یادگار تقریر

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے سالانہ اجتماع کا افتتاح میں اس مشہور دعا سے کرتا ہوں جو شب و روز کی دعا ہے اور جس نے قرآن کے نہ ماننے والوں سے بھی خراجِ تحسین وصول کیا ہے۔ چونکہ دعا کرنے والا درحقیقت بارگاہِ الٰہی میں سائل کے طور پر حاضر ہوتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ہم بھی اپنے ظاہر اور باطن میں ایک تغیر پیدا کریں۔ ظاہری رنگ میں یوں کہ ہم بھی ملت کے سب ایک سائل کی طرح کھڑے ہو جائیں۔ (سوائے ان کے جو میری طرح کسی کمزوری کی وجہ سے کھڑا ہونے سے معذور ہوں) اور باطنی رنگ میں یوں کہ ہمارے دلوں میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ جس طرح ایک سائل اپنے آپ کو عاجز اور کمزور پاکر ایک غنی کے در پر جاتا ہے ہم بھی اپنی کمزوریوں کو محسوس کرتے ہوئے خدا کے دروازے پر آئے ہیں۔ تم کتنے بھی صاحبِ علم اور مالدار ہو خدا کے سامنے تمہاری حیثیت ایک فقیر سے زیادہ نہیں۔ واللّٰہ غنی وانتم الفقراء یا یھا الناس انتم الفقراء الی اللّٰہ واللّٰہ ھوالغنی الحمید تو آئیے ایک فقیر کی طرح خدا کے دروازے پر کھڑے ہو کر صدائیں بلند کریں اور اس کام میں جو ہمارے امام نے ہمارے سپرد کیا تھا اپنے عجز اور کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے اس طاقتور بادشاہ سے مدد مانگیں۔ جو پہلے بھی ان لوگوں کی جو اس کے ہو جاتے ہیں زبردست نصرت فرماتا رہا ہے اور آئندہ بھی اس کا یہ وعدہ ہے کہ جو اس کا ہو جائے گا وہ اس کی بھی اسی طرح نصرت فرماتا رہے گا جس طرح اس نے اپنے برگزیدوں کی فرمائی۔

ہم درماندہ درویشوں کی پہلی صدا اس بارگاہِ عالی پر جو تمام جہانوں کی ربوبیت فرماتا ہے یہ ہے۔ الحمد للّٰہ رب العالمین۔ اے تمام مخلوق کی ربوبیت فرمانے والے تو نے اپنے بندوں پر مادی رزق کے دروازے وسیع کھول دیئے ہیں اور زمین اور آسمان کی مادی طاقتوں کو ان کی خدمت پر لگا دیا ہے مگر مادی رزق کی فراوانی اور ظاہری کشش انہیں تجھ سے غافل کر کے ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جا رہی ہے اس لئے تو ان پر اپنے روحانی رزق کے دروازے کھول دے تاکہ یہ نسلِ انسانی تباہی اور بربادی سے بچ کر اپنے حقیقی کمال کو حاصل کر سکے۔ اے خدا جو ہمیشہ انسانوں کی ربوبیت فرماتا رہا ہے اور جس نے بالآخر ساری نسلِ انسانی کی روحانی ربوبیت کے لئے اپنا آخری نبی محمد رسول اللہ صلعم اور اپنا آخری اور کامل پیغام قرآن بھیجا تو اب نسل انسانی کی ربوبیت کے لئے اپنے قرآن اور پیغمبر کی قبولیت کی ہوا چلا دے۔ اور ہمیں بھی وہ سامان عطا فرما کہ ہم تیرے قرآن کو اور تیرے پیغمبر کی خوبصورت تصویر کو ساری دنیا میں پہنچا دیں۔

اور ہماری دوسری صدا اس ارحم الراحمین کے دروازے پر یہ ہے کہ الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین، اے رحمتوں کے سرچشمے تو اس نسلِ انسانی پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور ان کے گناہوں کی سزا بھی ان پر آئے تو تیرے مالکیت کے تقاضے سے تیری رحمت اس کے ساتھ بھی ملی ہوئی ہو۔

اور ہماری تیسری صدا اس مقتدرِ حقیقی کے دروازے پر یہ ہے۔ ایاك نعبد و ایاك نستعین، ہم تیرے غلام ہیں اور تیری غلامی کا فخر بھی تیری مدد سے ہی مل سکتا ہے ہماری آرزو یہ ہے کہ یہ ساری نسلِ انسانی تیری غلامی کو اختیار کر کے فلاح اور بہبود پائے۔ یہ کام انسانی طاقت سے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تیرے دروازے پر آئے ہیں کہ اس میں تو ہماری مدد فرما۔ یہاں تک کہ ہم ساری نسلِ انسانی کو تیری غلامی میں داخل کر دیں۔ ہم تیرے در پر جھکتے ہیں اور ساری نسل کو تیرے در پر جھکانے کی آرزو رکھتے ہیں مگر اے قدرت اور طاقت کے مالک خدا یہ کام تیری مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ سو ہم یہ سوال لے کر تیرے در پر آئے ہیں کہ تو ہماری اسی طرح مدد فرما جس طرح تو اپنے رسولوں کی مدد فرماتا رہا ہے۔ تیرا وعدہ ہے انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا۔ اللھم انجز وعدك وانصر عبادك المستضعفین۔ اے زمین اور آسمان کے مالک تو زمین اور آسمان کی تمام طاقتوں کو ہماری مدد کے لئے لگا دے۔ اے خدا تو اپنے دین کی نصرت کے لئے اپنی ملائکہ کی افواج کے ساتھ اس زمین پر نزول فرما اور اپنے دین کی خدمت کا کام کرنے والوں کی مدد فرما۔

ہماری چوتھی صدا اس منعم حقیقی کے دروازے پر یہ ہے :۔

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔

ہم تیرے پیغام کو دنیا میں پہنچانے کی آرزو رکھتے ہیں۔ ہمیں اس رستہ پر چلنے کی توفیق دے جس رستے پر وہ لوگ چلے جنہوں نے تیری بارگاہ سے بڑے انعام پائے۔ جن کی ساری نیک آرزوؤں کو تو نے پورا فرمایا۔ اور ان ٹھوکروں سے ہمیں بچا جو ٹھوکریں کھا کر ہدایت کے بعد بھی لوگ تیری ناراضگی کا محل بن گئے۔ یا صحیح رستے کو چھوڑ کر غلط رستہ پر پڑ گئے۔ اے بادشاہ تیرے انعامات کے خزانے بے حد و حساب ہیں اور وہ ہر زمانہ میں ہر مانگنے والے کے لئے کھلے ہیں۔ ہم بھی تیرے نام کو دنیا میں بلند کرنے کی غرض سے تیرے در پہ حاضر ہوئے ہیں اور آج سب مل کر بچشم گریاں تیرے انعامات کے لئے تیرے در پر صدا بلند کرتے ہیں جن انعامات سے تو نے ہماری سرکار حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو نوازا۔ اے خداوندعالم تیرے انعامات تو ختم نہیں ہوتے ہم ناکارہ انسانوں کی وہ آہیں ہی ختم ہو جاتی ہیں جو تیرے انعامات کے دروازے کھول دیتی ہیں۔ تو ہی اپنے کرم سے ہمارے دلوں میں وہ آہیں پیدا کر۔ اے فضلوں اور رحمتوں کے مالک ان فضلوں اور رحمتوں کے دروازے ہم پر کھول دے کہ ہم تیرے قرآن اور محمدؐ کے نام کو دنیا میں روشن کرنے میں اور تیرے قرآن اور محمدؐ کے نور سے تیری دنیا کو روشن کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ آمین۔

امابعد اس اجتماع میں جس کی اصل غرض بالفاظ بانیٔ سلسلہ احمدیہ یہ ہے کہ جماعت کی (۱) معرفتِ الٰہی ترقی پذیر ہو۔ (۲) تعلقاتِ اخوت استحکام پذیر ہوں (۳) یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیرِ حسنہ پیش کی جائیں "۔ شمولیت کے لئے خوش آمدید کہتا ہوں مجھے اور آپ کو مل کر کام کرتے ہوئے ۴۰ سال گزر گئے۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالك۔ کہ اس نے نصف صدی تک مجھے یہ کام کرنے کی توفیق دی اور موقع بھی دیا۔ میں اگر دنیا میں بلند سے بلند مقام پر پہنچ بھی گیا ہوتا تو مجھے اس خوشی کا عشرِ عشیر بھی نصیب نہ ہوتا جو آج مجھے حاصل ہے۔ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کی خدمات کو بھی وہ قبولیت عطا فرمائی ہے جو وہ اپنے —— خادموں کو پہلے عطا فرماتا رہا ہے اور —— جس کے آثار اب چاروں طرف

کھلے نظر آ رہے ہیں۔ جس قدر مفید نتائج اس قلیل جماعت کی خدمات نے پیدا کئے ہیں جس کی قلت کی وجہ سے لوگ اسے درخور اعتنا نہیں سمجھتے۔ کوئی بڑی سے بڑی ـــــ جماعت بھی نہیں دکھا سکتی۔ آپ کی ان خدمات کا اعتراف......

ـــــ ٹرینیڈاڈ۔ فجی۔ فلپائن۔ نائجیریا۔ ماریشس۔ گھانا۔ ڈچ گیانا۔ جہاں کے رہنے والے ایک ہمارے دوست نے سال گذشتہ بھی اس پلیٹ فارم سے توجہ دلائی تھی اور اس سال بھی وہاں سے ہمارا ایک اور بھائی یہاں پہنچا ہے۔ چین کے ملک میں اس جماعت نے کس قدر کام کیا ہے اس کی شہادت چند سال ہوئے مشہور چینی سیاح عثمان وو۔ آپ کے سامنے ادا کر گئے۔ اور اس عظیم الشان مسلمان آبادی میں جو انڈونیشیا کے نام سے مشہور ہے اور اس وقت مسلمان آبادی کی تعداد کے لحاظ سے شاید سب سے بڑا اسلامی ملک ہے جو حرکت آپ کی جماعت نے پیدا کی ہے وہ اپنی نظیر نہیں رکھتی اسی طرح یورپ اور امریکہ کے غیر مسلموں میں ـ ـ ـ آپ کی خدمات سے دین کا نام روشن ہوا ہے ـــ ۔

اس کے ساتھ ہی میں اپنے احباب کو ایک اور بات کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ قرآن کریم خدائے پاک کا کلام ہے اور اس کو دنیا میں پہنچانا اور دنیا کو اس کے نور سے منور کرنا پاکوں کا کام ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ انہ لقرآن کریم، فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطھرون اس کے معنے یہ بھی ہیں کہ قرآن دنیا کو نفع پہنچانے والی کتاب ہے مگر یہ نفع انہی لوگوں کے ذریعہ سے پہنچ سکتا ہے جو پہلے خود اپنے نفسوں کو پاک کریں۔ وہ پاک نفس گروہ تھا جس نے رسول پاک کے ساتھ ہو کر اس قرآن کو دنیا میں پہنچایا۔ اور ایک تباہ ہوتی ہوئی دنیا کو بچایا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ تہذیب انسانی چھٹی صدی عیسوی میں بالکل تباہی کے کنارے پر پہنچ رہی تھی۔ خدا کا کلام قرآن بھی اس پر شاہد ہے۔ ظھر الفساد فی البر والبحر، اور ہر ملک اور ہر قوم کی تاریخ بھی اس پر گواہ ہے۔ تہذیب انسانی کا ایک موجودہ زمانہ کا مؤرخ لکھتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں تہذیب انسانی ایک کھوکھلے درخت کی طرح گرنے کو تیار تھی۔ عرب میں ایک انسان پیدا ہوا جس نے تہذیب انسانی میں ایک نئی روح پھونک دی۔

آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح نسل انسانی بربادی کی طرف دوڑی جا رہی ہے اور اب قریب ہے کہ یہ لوگ آگ کے گڑھے میں گر کر بھسم ہو جائیں۔ وہ نسخہ جس سے نسل انسانی بچ سکتی ہے وہی ہے جس نے ایک دفعہ پہلے تباہ ہوتی ہوئی نسل انسانی کو بچایا۔ یہ خدا کا آخری کلام ہے یہ قرآن ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے مگر ہم اس نسخۂ شفا کو دنیا میں نہیں پہنچا رہے۔ اس کے پہنچانے کے لئے ایک پاک نفس جماعت کی ضرورت ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس کام کی بنیاد اپنے ایک مامور کے ہاتھ سے رکھوائی ـ ـ ـ ـ اس کے پاس بیٹھنے والے جانتے ہیں کہ اس کے دل میں قرآن اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کس قدر عشق تھا۔ اس عشق کی آگ اس کے سینے میں ایسی مشتعل تھی کہ جو اس کے پاس جا کر بیٹھا اس کے سینے میں بھی ایک چنگاری اسی آگ کی پڑ گئی۔ اور ہزارہا بلکہ لاکھوں سینے روشن ہو گئے۔ اور آج وہ چنگاری کچھ مدھم نظر آ رہی ہے۔ اپنے اپنے سینوں کو ٹٹولو۔ کیا تمہارے دلوں میں وہ امام زماں کی ڈالی ہوئی چنگاری کی گرمی موجود ہے اگر ہے تو وہ حرکت تم میں کیوں نہیں جو امام زماں کے پاس بیٹھنے والوں میں نظر آتی تھی۔ تمہارا قدم دیوانہ وار آگے کیوں نہیں بڑھ رہا۔ تم ہی وہ لوگ تھے جو اس عشق سے بے تاب ہو کر لوگوں کے دروازوں پر پھرتے تھے اور ان کو اس نیک کام میں شامل ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ آپ بھی ثواب حاصل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی ثواب میں شامل کرتے تھے۔ آج تم میں وہ لوگ کیوں کم ہو گئے؟ تم ہی وہ لوگ تھے کہ دینی خدمات کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیتے تھے۔ اور تم دیوانہ وار ملکوں میں نکل گئے کہ خدا اور رسولؐ کا نام اور خدا کا پاک کلامؐ دنیا کو پہنچا دیں ـــ۔ ہاں تم میں ہی وہ لوگ تھے جو اپنے دنیا کے کام کرتے ہوئے بھی دینی کاموں کو اسی طرح سرانجام دیتے تھے۔ کہ زندگی وقف کرنے والوں سے بھی بڑھ کر ان کا کام ہوتا تھا۔ آج وہ بہت کم نظر آتے ہیں ـ ـ ـ ـ ـ ـ خدا کے پاک بندوں کی یہ حالت نہیں ہونی چاہیئے۔ اُن کا قدم آگے بڑھتا ہے۔ وہ سخت سے سخت مشکلات کے وقت بھی قدم آگے ہی بڑھاتے چلے جاتے ہیں اور خدا کی نصرت اُن کے ساتھ ہوتی ہے۔ ؎

خدا کے پاک بندوں کو خدا سے نصرت آتی ہے + جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے

کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ خدا اور رسول کی محبت کی جگہ دنیا کی محبت تمہارے دلوں میں اثر کرتی چلی جا رہی ہے۔ اور تم دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو فراموش کرتے جا رہے ہو۔ اور جہاد کی روح کی جگہ تمہارے اندر آرام طلبی کی روح سرایت کرتی چلی جا رہی ہے۔ خدا سے ڈرو اور اس کے مسکین بندے بن جاؤ۔

آخر پر پھر دعا کریں کہ اے خدا تو ہمارے سینوں میں اپنے قرآن اور اپنے رسول پاک کی آگ کی وہ چنگاری ڈال جو ہماری ہوا و ہوس کو بھسم کر دے اور اپنے رسولؐ اور اپنے کلام کا وہ عشق عطا فرما جو ہماری دنیا کے مال کی محبت کو ٹھنڈا کر دے۔ اے خدا تو ہمیں اپنے دیوانوں میں داخل کر دے کیونکہ حقیقی فرزانگی یہی ہے۔ تو ہمیں اپنے در پر گرنے کی توفیق دے۔ کیونکہ طاقت اسی سے ملتی ہے۔ تو ہمارے اندر سے آرام طلبی کی روح کو اپنی زبردست قوت سے نکال دے اور اس کی جگہ جہاد کی وہ زبردست روح ہمارے اندر بھر دے جس سے ہم تیرے رستے میں کام کرتے ہوئے تھکیں نہیں اور کسی کا طعنہ کسی کی گالی۔ کسی کی نکتہ چینی وہ اپنا ہو یا دوسرا تیرے رستے میں ہمارے قدم کو ڈھیلا نہ ہونے دے۔ اے خدا ہم میں کمزوری آ رہی ہے تو ہماری دستگیری فرما۔

⁂

"خدا نے مجھے دنیا میں اس لئے بھیجا تاکہ میں حلم اور خلق اور نرمی سے گم گشتہ لوگوں کو خدا اور اس کی پاک ہدایتوں کی طرف کھینچوں اور وہ نور جو مجھے دیا گیا ہے اس کی روشنی سے راہِ راست پر لوگوں کو چلاؤں۔"

(از حضرت بانئے سلسلہ احمدیہؒ)

خواتینِ سلسلہ

اپنی روایات کو قائم رکھتے ہوئے

زیادہ سے زیادہ تعداد میں سالانہ جلسہ میں شریک ہو کر یہ ثابت کر دیں کہ وہ ایک زندہ اور فعال جماعت کی خواتین ہیں ـــــ

ـــــ ادارہ

مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

اشاعت دین اور حرکت اجتماعیہ کا مقصد

رضائے الٰہی کے تحت اخلاق عالیہ میں ترقی کرنا ہے

حضرت اقدس مرزا صاحبؒ کے صادق مامور ہونے کا ایک عظیم ثبوت یہ امر ہے کہ جہاں آپ نے اپنے انفاس قدسیہ سے افراد جماعت میں نیکی اور پاکبازی کا جذبہ پیدا کیا جو آج کی مادیت کی عالمگیر فضا میں ایک زبردست معجزہ ہے۔ وہاں آپ نے زمانہ کی مناسبت کے مطابق جہاد دین کی غرض سے ایک اجتماعی حرکت یا جماعتی اتحاد و تنظیم کی بناء ڈالی۔ انفرادی قلبی تبدیلی اور تحریک اجتماعیہ دراصل دونوں لازم و ملزوم حقیقتیں ہیں جو ایک دوسرے سے بشدت متصل ہیں۔ اگر کسی جماعتی حرکت کو وجود میں لانے کے لئے انفرادی زندگیوں میں اس حرکت کے مناسب حال تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ تو افراد میں تبدیلی کے لئے ایک اجتماعی تحریک کی حاجت بھی اسی طرح لازم پڑتی ہے۔ ان دونوں انفرادی و اجتماعی تبدیلیوں کا باہمی ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور یہ دونوں امور باہم ایک دوسرے سے گہرے روابط سے وابستہ ہیں۔

کوئی اجتماعی حرکت بجز انفرادی تبدیلی ممکن نہیں۔ مگر جہاں یہ حقیقت صادق ہے وہاں یہ بھی درست ہے کہ انفرادی تبدیلی اپنے ثبات و تکمیل کے لئے ایک اجتماعی ماحول کی طلب گار ہے۔ اکیلا فرد کیسے ہی نیک۔ پاک جذبات سے سرشار ہو بغیر سازگار ماحول کے بے کار و بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس زمانہ میں جب حضرت اقدسؑ نے اسلام کے جہاد کو اشاعت دین سے متعلق قرار دیا اور افراد کو اپنی زندگیوں میں اس کے حصول کے مناسب حال تبدیلی پیدا کرنے کا ارشاد فرمایا تو پھر لازم ہوا کہ اس غرض کی تکمیل کے لئے ایک جماعتی نظام یا حرکت اجتماعیہ بھی موجود ہو۔ چنانچہ جماعت احمدیہ کے افراد پر لازم قرار دیا کہ سال میں ایک مرتبہ جمع ہو کر باہم ایک دوسرے سے تعلقات اخوت کو مضبوط کریں۔ اس جلسہ سالانہ کی اغراض کوئی سیر و تفریح کے سامان پیدا کرنا نہیں، نہ ہی اس بابرکت اجتماع کا مقصد کسی میلہ یا عرس کا انعقاد ہے بلکہ اصل غرض جیسے کہ آپ کے ارشادات سے جو اسی اشاعت میں احباب مطالعہ فرمائیں گے باہمی یگانگت اور تعلقات محبت و مودت کا بڑھانا ہے۔ جب اشاعت اسلام کے مقصد کا حصول غرض و غایت ٹھہرا جس کے لئے ضروری ہے کہ افراد جماعت روحانی و وجدانی۔ اور اخلاقی جوہروں کو نشو و نما دیں تو اس کے لئے یہ کس قدر ضروری ہے کہ ایسے افراد سال بھر میں کم از کم ایک مرتبہ جمع ہوں۔ اور ان اوصاف و جذبات کو ترقی دینے میں باہمی تعاون و امداد کریں۔ وتعاونوا علی البر والتقوٰی کے ارشاد خداوندی کے تحت نیکی اور پاکیزگی کے جوہروں کی ترقی کے سامان پیدا کریں۔ ایک دوسرے کے بہترین خلق سے متاثر ہوں۔ اس جملۂ فرقانی سے یہ امر بھی ثابت ہوتا ہے کہ بغیر تمدن و تعاون نیکی و پاکیزگی ترقی پذیر نہیں اور یہ امر بھی معلوم ہوا کہ باہمی ربط و تعاون کا مقصد بجز ازدیاد تقوٰی اور کچھ نہ ہونا چاہیئے۔

قرآن کریم نے کس قدر عمدہ و اعلیٰ اصول ہمیں بتلا دیا کہ تمدن و تعاون تو فطرت انسانیہ کا جزو لاینفک ہے اس کے بغیر اکیلے انسان کی زندگی کبھی مطمئن ہو ہی نہیں سکتی لیکن خبردار۔ اس فطرتی ملکہ کی ترقی کے لئے کہیں زیادتی و ظلم کا طریق کار اختیار نہ کر لینا۔ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

اسوقت تمام جہان میں عام طور پر مگر پاکستان میں بالخصوص تمدن و تعاون کی صورت یہ نظر آ رہی ہے کہ لوگ باہمی ایک دوسرے سے وابستگی اس لئے پیدا کرتے اور کسی حرکت اجتماعیہ کو اس لئے معرض وجود میں لاتے ہیں تا دنیاوی مادی اغراض کے حصول یا ظلم و زیادتی کرنے کی غرض سے تعلقات استوار کریں لیکن جہاں نیکی و پاکیزگی کے اعلیٰ جوہروں کی ترقی و نشو و نما مقصود ہو وہاں جمع نہیں ہو پاتے۔ بلکہ الگ الگ اپنے اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ رہتے ہیں۔ پاکستان کے افراد اور اجتماعی حرکات وہ سیاسی ہوں یا دینی، تعلیمی ہوں یا اقتصادی آج جس المیۂ عظیم کا شکار ہیں وہ یہی ہے کہ ظلم و زیادتی اور غصب و پامالی حقوق کی خاطر تو لوگ جمع ہو جاتے اور ان کے حصول کے لئے مال و جان تک کی بازی لگا دینے سے نہیں ہچکچاتے لیکن جب سوال انصاف و امن اور بحالی حقوق انسانیت اور اسلام کا ہو وہاں وہ تعاون و امداد اختیار کرنے کی بجائے اپنی اپنی راہ فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی عافیت و سکینت سمجھ بیٹھے ہیں۔

حضرت مرزا صاحبؒ نے جب جہاد زمانہ کی تحریک قائم کی تو اسے اجتماعی شکل بھی دی۔ اس امر حقہ کا اعتراف چوہدری افضل حق صاحب مرحوم صدر جماعت احرار نے بھی ایک تحریر میں یوں کیا ہے کہ:۔

مسلمانوں میں صرف ایک دردمند دل انسان پیدا ہوا جس نے اشاعت دین کی ندا بلند کی اور اپنے گرد ایک جماعت اکٹھی کر لی۔ جو اس مقصد کی حامل ہے اور ایسی کوئی دیگر جماعت مسلمانوں میں پیدا نہ ہو سکی۔ یہ وہ حقائق ہیں جنہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

پس کیا یہی ایک امر ہمارے لئے کافی نہیں کہ اس زمانہ میں صرف ایک دردمند دل انسان حمایت دین کے لئے تڑپ اٹھا اور صرف اسی شخص کے گرد وہ اجتماعی حرکت گھوم رہی ہے جس کا خالصتاً مقصد ترقی و ترویج دین اسلام اور احیاء قرآن و سنت ہے نہ کچھ اور۔ ہمارے احباب کو چاہیئے کہ وہ اجتماع کی عظیم برکات سے باخبر ہوں۔ کیونکہ بجز جماعتی اقدام، انفرادی حرکت بے حقیقت و ہیچ ہے۔

احباب پر از بس اس عظیم حقیقت کا روشن ہونا لازم پڑا ہے۔ کہ جب تک وہ ایک جگہ جمع ہو کر ایک دوسرے کے قلبی و ایمانی اور اعلیٰ اخلاقی تاثرات سے مستفید نہ ہوں گے ان کے اندر نور کی جو چنگاری سلگ رہی ہے اس کے بجھ جانے کا خطرہ ہر وقت در پیش ہے۔

حضرت مولانا نور الدین کا واقعہ ہے کہ آپ کسی اپنے شیخ و پیر سے دیر بعد ملے تو مؤخر الذکر نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے کسی قصاب کو اپنی چھریاں ایک دوسرے پر رگڑتے ہوئے دیکھا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پر جو چربی کا زنگ چڑھ جاتا ہے وہ رگڑنے سے دور اور صاف ہو جاتا ہے اسی طرح انسانی قلوب کی حالت ہے۔

عام طور پر ہماری جماعت سے وابستہ اصحاب ہر سال اس جلسہ میں شمولیت کے لئے آتے ہیں

یہ اُن کی ہمت اور عزم کی ایک بڑی علامت ہے۔ سخت سردی کے موسم میں سفر اختیار کرنا، اخراجاتِ سفر برداشت کرنا۔ اور اپنے کاموں کو التوا میں ڈالنا جبکہ یہ سفر محض خدا کی خوشنودی اور دینِ اسلام کی حمایت کی غرض سے ہو۔ بلا شک و شبہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو پورا کرنا ہے۔ اور ایک اعلیٰ درجہ کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ باہم میل ملاقات سے علاوہ مذکورہ بالا فوائد کے، بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے ایمانی و اخلاقی قوتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ شائد اس امر سے بہت سے لوگ بے خبر بلکہ انکاری ہیں کہ باہمی ملاقات سے نیکی کی تحریکوں میں کیسے اضافہ ہوتا ہے۔

جلسہ پر جو صاحبان بطور مقرر اپنا اپنا مضمون بیان کرتے ہیں ان سے علمی استعداد میں ترقی یا تازگی بڑھتی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ جب ارشاد و اصلاح کے مقاصد کے حامل لوگ ملاقات کرتے ہیں تو ان میں خوشی اور محبت کے جذبات ترقی پذیر ہوتے ہیں۔ انسان ایک ہستی خدا تعالےٰ نے ایسی پیدا کی ہے کہ ان کے باہم اختلاط سے بھی اثر پذیری ہوتی ہے چاہے وہ آپس میں کلام کریں یا نہ۔ ایک شخص کے جذبات بلکہ خیالات کا اثر باہم ملنے سے پیدا ہونا ناگزیر امر ہے جس سے بہت لوگ غافل یا منکر ہیں۔ اس بات کو علم النفس کے ماہر صاحبان بخوبی جانتے ہیں کہ محض ملاقات سے ہی ایک شخص کے خیالات و جذبات کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے۔ اسے پیرا سائیکالوجی یا ٹیلی پیتھی کہا جاتا ہے ایک انسان دوسرے کے خیالات کو بلا اس کے بتلائے جان بھی سکتا ہے۔ اس کی مثالیں موجود ہیں۔ جیسے حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ جب ریاست کشمیر سے فارغ ہو کر اپنے وطن میں مکان بنوا رہے تھے اس سلسلہ میں لاہور آنا پڑا تو آپ نے مناسب سمجھا کہ حضرت اقدس مرزا صاحبؑ سے بھی ملاقات کر لیں۔ جب یکہ سے اُترے تو اُسے واپسی کے لئے انتظار کرنے کو کہا۔

مگر جب حضرت صاحبؑ سے ملاقات ہوئی تو اس کے بعد ہمت نہ پڑی کہ واپس جائیں اور یکہ بان کو رخصت کر دیا۔ دل میں یہ کہا کہ کل چلا جاؤں گا۔ مگر کل بھی ملاقات کے بعد اجازتِ رخصت کی ہمت نہ پڑی۔ اور اسی طرح اگلے دن پر ٹال دیتے تھے۔ آخر ایک روز حضرت اقدسؑ نے خود فرمایا کہ اب تو آپ فارغ ہو گئے بہتر ہے اپنی کتابیں اور اہلِ خانہ کو بھی یہاں بلوا لیں۔ اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مولانا صاحبؓ کو ہر روز جو امر اجازت کے حصول سے روک رہا تھا وہ حضرت اقدسؑ کے دل کی کیفیت تھی۔ یعنی حضرت اقدس کا منشا مولانا صاحب کے قادیان میں مستقل اقامت کا تھا لیکن یہ تاثر اس قدر زبردست تھا اور حضرت مولانا صاحب کی حسِّ قبولیت اس قدر تیز تھی کہ انہیں اجازت حاصل کرنے میں روک بن رہی تھی۔

جس طرح بیماری کے جراثیم بلا دیکھے ایک دوسرے کو لگ جاتے ہیں یہ امر اسی قدر صحیح و یقینی ہے کہ ملاقات کے وقت باہم جذبات و خیالات کا اثر ایک دوسرے پر پڑتا ہے اس بارہ میں ایک حدیث شریف بھی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب میں لوگوں میں بیٹھتا ہوں تو چونکہ مجلس میں ہر قسم کے خیالات و جذبات کے لوگ ہوتے ہیں اس لئے بعد میں مجھے خود استغفار پڑھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ دل پر غبار آ جاتا ہے۔ آنحضرت صلعم کا یہ فرمودہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ باہم محض ملاقات کے ذریعہ نیک و بد جذبات کا تاثر ایک دوسرے پر پڑنا لازم ہے۔

ایک ہی اعلیٰ و نیک مقصد کے اصحاب کا باہمی اتحاد محبت و مودّت

جب واحد و نیک مقصد پر بہت سے لوگ جمع ہوں تو پھر یہ یقینی امر ہے کہ اس مقصد کا زبردست اثر پڑنا لازم ہے۔ چاہے باہم ہمکلام نہ بھی ہوں۔ ایک شخص کے سچے دلی جذبات کا اثر دوسرے پر پڑنا ضروری امر ہے کیونکہ بجلی کی غیر مرئی شعاعیں ایک سے دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس بارہ میں سائنس و علم ابھی ابتدا میں ہے۔ جب مزید تحقیقات کی جائے گی تو قرآن کریم کے فرمودہ یسعیٰ نورھم بین ایدیھم و بایمانھم بشریٰکم الیوم (الحدید) کی تصدیق ہو جائے گی مومنوں کے سینوں سے نکلنے والا نور ان کے آگے اور داہنے ہاتھ چمکتا ہوگا۔ تمہیں آج خوشخبری ہو جماعت احمدیہ اور اس کے جلسوں کی بالخصوص جو اصل غرض ہے وہ کسی دنیاوی مقصد کی خاطر نہیں۔ بلکہ حصول رضائے الٰہی اور راست بازی و نیکی کے حصول کے لئے ہے۔ اگر یہ غرض ترقی پذیر ہوتی ہے تو ہماری مجالس اور ہمارے اجتماعات مبارک اور کامیاب ہیں۔ اس موضوع پر حضرتِ اقدس کے فرمودات بیان کرنے سے قبل حضرت مولانا نورالدینؓ کے ارشادات کا ذکر موزوں معلوم ہوتا ہے۔

”غور کرو تائیدِ الٰہی کس کے ساتھ ہے:-

ان اللّٰہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔۔۔۔ جب میں بچہ تھا میں نے اپنے شہر میں اس آیت کریمہ کا وعظ سنا تھا۔ تین چار مہینے اس کا وعظ ہوتا رہا۔ ان اللّٰہ مع الذین اتقوا۔ متقیوں کے ساتھ اللہ تعالےٰ ہوتا ہے۔ کسی کے ساتھ کسی کا باپ ہے۔ کسی کے ساتھ باپ اور ماں دونوں ہیں۔ کسی کے ساتھ اس کے بھائی ہیں کسی کے ساتھ اس کے دوست۔ کسی کو اپنے جتھے (پارٹی) پر ناز ہے۔ غرض معیت کے سوا انسان کبھی خوشحال نہیں ہو سکتا۔۔۔ میں نے دیکھا ہے بیوی ہو تب انسان خوش ہوتا ہے۔ حاکم ہو، فوج ہو۔ مال ہو اسباب ہو۔ جب جا کر خوشی حاصل ہوتی ہے۔ معیت کا انسان متوالا ہے۔۔۔ غرض انسان معیت کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ مگر خدا کی معیت سے بڑھ کر بھی کوئی معیت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ ہر وقت موجود ہے سوتے جاگتے۔ پس خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر تم میری معیت چاہتے ہو تو تقوےٰ اختیار کرو۔ تقوےٰ میں تمام عقائدِ صحیحہ اور اعمالِ صالحہ آ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کے ساتھ ہی محسنون فرمایا ہے اور احسان یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی ایسی عبادت کرنا کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ یا کم از کم یہ کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔۔۔۔ تم لوگ بھی یہاں اکٹھے ہوئے ہو۔۔ علی گڑھ والے بھی اکٹھے ہوئے تھے۔ وہاں بھی رپورٹیں پڑھی گئی ہیں۔ یہاں بھی ہمارے رپورٹر نے بھی رپورٹ پڑھ دی کہ اتنا روپیہ آیا اور اتنا خرچ ہوا۔ پر میں سوچ رہا ہوں کہ یہ لوگ یہاں کیوں آئے؟ یہ روپیہ تو بذریعہ منی آرڈر بھی بھیج سکتے تھے اور رپورٹ چھپ کر ان کے پاس پہنچ سکتی تھی۔۔۔ میرے اندازہ میں جو آدمی یہاں آئے تین ہزار سے زیادہ نہ تھے۔ پھر جو لوگ نمائندے تھے وہ اگر مجھ سے علیحدہ ملتے تو میں اُن کے لئے علیحدہ دعائیں کرتا۔ انہیں کچھ نصیحتیں دیتا۔ لیکن افسوس کہ اکثر لوگ اس وقت آئے کہ لوجی السلام علیکم یکہ تیار ہے۔ تم یاد رکھو میں ایسے ملنوں سے سخت متنفر ہوں۔ میں ایسے مجمعوں کو جن میں روحانی تذکرہ نہ ہو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ یہ روپیہ تو وہ منی آرڈر کر کے بھیج سکتے تھے۔ بلکہ اس طرح بہت سا روپیہ مہمانداری پر خرچ ہوا وہ بھی محفوظ رہتا۔۔۔۔ یہاں کے دوکانداروں نے بھی افسوس دنیا کی طرف توجہ کی اور کہا کہ جلسہ باہر ہو تا کہ ہماری چیزیں بک جاویں۔ ایسے اجتماع اور ایسے روپے کو جو دنیا کے لئے ہو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ جو سن رہا ہے وہ یاد رکھے اور دوسروں تک یہ بات پہنچا دے۔ میں اسی غم میں پگھل کر بیمار ہو گیا ہوں۔ کیا اچھا ہوتا کہ تم میں سے جو تمہاری باہر کی جماعتوں کے سیکرٹری و نمائندے آئے تھے وہ مجھ سے علیحدہ ملتے۔ میں ان کو بڑی نیکیاں سکھاتا اور بڑی اچھی باتیں بتاتا۔ لیکن افسوس ہماری صدر انجمن نے بھی ان کو یہ بات نہ بتائی۔ اس لئے

(باقی صفحہ نمبر کالم نمبر ۲ پر)

از مکرم مرزا محمد لطیف صاحب شاہد

جلسہ سالانہ کی عظیم الشان برکات

جلسہ سالانہ کی آمد آمد ہے۔ جو امسال ۲۴ تا ۲۷ دسمبر ۱۹۸۱ء دارالسلام لاہور میں ان شاء اللہ انعقاد پذیر ہوگا۔ جلسہ کے دن بڑی برکتوں والے ہوتے ہیں۔ اور ہر سال جملہ افراد جو کہ حضرت مجدد صدی چہاردہم کے دامن کے ساتھ وابستہ ہیں اور وہ جو حق کی تحقیق میں مصروف ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں قال اللہ اور قال الرسول کی مجالس میں شامل ہونے کی خواہش ہوتی ہے اور صحبتِ صالحین کے طالب ہوتے ہیں تشریف لاتے ہیں۔ یہ ہمارا جلسہ خدا کے فضل سے ستاٹھواں جلسہ ہے اور ہر آنے والا اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتا ہے۔ ایسی مجالس کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے:۔

یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصّٰدقین (توبہ)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ وکونوا مع الصّٰدقین۔ صادقوں کی معیت اختیار کرو۔ صادقین کا گروہ وہ پاکیزہ افراد ہیں ——— جن کی حیات کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ حق کی اشاعت کی جائے۔ دین کو دنیا پر مقدم کیا جائے ——— اور گمشدہ روحانی متاع کو دوبارہ دریافت کیا جائے۔ اور حق کے طالبوں کو راہِ حقیقی دکھایا جائے۔ اور اتباعِ حق کرنے والوں کو سیدھا راستہ دکھایا جائے۔ ایسا ہی ایک پاکباز راستباز ہمارے زمانہ میں تشریف لایا۔ جو اس مشن کو لے کر کھڑا ہو ——— اس مشن کی تکمیل کے لئے اس نے ایک جماعت تیار کی اور ان کو یہ نصیحت فرمائی:۔ ———

"تمام مخلصین داخلینِ سلسلہ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ تا دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو جائے اور اپنے مولیٰ کریم اور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دل پر غالب آجائے۔ اور ایسی حالتِ انقطاع پیدا ہو جائے جس سے سفر آخرت مکروہ معلوم نہ ہو۔ لیکن اس غرض کے حصول کے لئے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے تاکہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو کسی برہانِ یقینی کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دور ہو اور یقین کامل پیدا ہو کر ذوق اور شوق اور ولولہ عشق پیدا ہو جائے سو اس بات کے لئے ہمیشہ فکر رکھنا چاہیئے اور دعا کرنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ یہ توفیق بخشے۔ اور جب تک یہ توفیق حاصل نہ ہو کبھی کبھی ضرور ملنا چاہیئے کیونکہ سلسلہ بیعت میں داخل ہو کر پھر ملاقات کی پرواہ نہ رکھنا ایسی بیعت سراسر بے برکت اور صرف ایک رسم کے طور پر ہوگی۔"

(اطلاع منسلکہ آسمانی فیصلہ)

احباب کرام! اس اطلاع کا ایک ایک لفظ غور سے مطالعہ فرماویں کہ حضرت مجدد زماں ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تکمیلِ ایمان کے لئے صحبت میں رہنا کتنا ضروری ہے اس سے اندازہ لگالیں کہ یہ چار دن جو سال میں صرف ایک دفعہ آتے ہیں۔ ان کی کتنی اہمیت ہے اور ہماری روحانی زندگی میں ان کی کتنی ضرورت ہے۔ صرف فکر اور محاسبہ کی ضرورت ہے۔ احساس بیدار کرنے اور عزم پختہ کرنے سے تمام موانع یکدم دور ہو جاتے ہیں۔ پھر افتاں و خیزاں انسان پہنچتا ہے اور دنیوی موانع اس کے راستے میں روک نہیں بنتیں۔

بعض اوقات معمولی دنیاوی کاروبار انسان کے راستہ میں حائل ہو جاتے ہیں۔ حضرت مجدد صد چہاردہم ان لوگوں سے جنہوں نے آپ کی بیعت کی ہے ان کو کیا نصیحت فرماتے ہیں۔

"یاد رکھو کہ یہ جماعت اس بات کے واسطے نہیں کہ دولت اور دنیاداری میں ترقی کرے اور زندگی آرام سے گزرے۔ ایسے شخص سے تو خدا بیزار ہے۔ چاہیئے کہ صحابہ کی زندگی کو دیکھو وہ زندگی سے پیار نہ کرتے تھے ہر وقت مرنے کے لئے تیار رہتے۔ بیعت کے معنے ہی یہ ہیں کہ اپنی جان کو بیچ دینا۔ جب انسان زندگی وقف کر چکا تو پھر دنیا کے ذکر کو درمیان میں کیوں لاتا ہے۔"

(ملفوظات جلد ۸۔ ص ۱۸۵)

جلسہ سالانہ کی غرض وغایت:۔

حضرت مجدد صد چہاردہم اس جلسہ کی غرض اور اہمیت کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:۔

"اس جلسہ سے مدعا اور اصل مطلب یہ تھا کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر حاصل کرلیں کہ ان کے دل آخرت کی طرف بکلی جھک جائیں اور ان کے اندر خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو۔ اور وہ زہد اور تقویٰ اور خداترسی اور پرہیزگاری اور نرم دلی اور باہم محبت اور مواخات میں دوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائیں۔ اور انکسار اور تواضع اور راست بازی ان میں پیدا ہو اور دینی مہمات کے لئے سرگرمی اختیار کریں۔" (شہادۃ القرآن)

حضرت صاحب کی تحریر کا ایک ایک لفظ ایک ایک فقرہ بار بار پڑھیں۔ غور سے پڑھیں۔ اور دیکھیں کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ جنہوں نے خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک کشتی تیار کی اس میں سوار ہونے والوں کے لئے آپ یہ نصائح فرماتے ہیں اور ان اغراض کے حصول کا ایک بڑا ذریعہ اس سالانہ جلسہ کو قرار دیتے ہیں۔

جلسہ سالانہ علم ومعرفت کا ایک ذریعہ ہے۔

یہ دور خاص طور پر "علم" کا ہے۔ آپ اس "روشنی" کے بغیر تاریکی کو دور نہیں کر سکتے۔ تاریکی دور کرنے کا پہلا زینہ علم ہے۔ قرآن مجید نے علم پر بڑا زور دیا ہے۔ اور جو اس نور سے بے بہرہ ہیں ان کی جانوروں سے مشابہت دی ہے۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "جو شخص علم کی تلاش میں گھر سے نکلے۔ خدا تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ فرشتے ایسے طالب علم سے خوش ہو کر اپنے پر اس کے آگے بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لئے زمین وآسمان کے رہنے والے بخشش کی دعا مانگتے ہیں۔ یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی اس کے حق میں دعا کرتی ہیں۔" (ترمذی کتاب العلم)

حضرت صاحب کیا خوب فرماتے ہیں:۔

"مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں سے آخری راہ ہوں اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے"

(کشتی نوح)

پس آپ کتنے ہی خوش قسمت ہیں اور اس پر جتنا بھی آپ ناز کریں کم ہے۔ اب اس علم کو

جلا بخشنے اور معرفت میں ترقی کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ دین کو دنیا پر مقدم فرماویں۔ اور جلسہ سالانہ پر ضرور تشریف لائیں۔

جلسہ سالانہ اور اس کی اغراض

ایک حدیث میں آیا ہے اجلس بنا ساعۃً نؤمن مومناً۔ کہ آؤ ہم سب مل کر دو گھڑی بیٹھیں تاکہ ہم مومن ہو جائیں۔ اس پر شارحین حدیث نے بہت عمدہ نوٹ تحریر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اکمل المومنین تھے۔ دنیا و آخرت میں روحانی طور پر جو مقام آپ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے وہ نہ کسی کو پہلے ملا تھا اور نہ اب قیامت تک ملے گا۔ اسی طرح جو مقام آپ کے صحابہ رضؓ کا ہے اور جس پر خدا تعالےٰ کی رضامندی مستزاد ہے (رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کی طرف اشارہ ہے) یہ مقام نہ پہلے کسی کو ملا ہے نہ آئندہ ملے گا۔ اس پر نؤمن مومناً فرمانا یعنی مومن بن جائیں گے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان کے بعد معرفت کا سمندر ایک لا انتہا وسعتوں کا حامل ہے جتنی دفعہ بھی مومن ملتے ہیں ان کا ایمان صیقل اور علم میں وسعت اور معرفت میں جلا اور بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ جس کا احاطہ انسانی عقول نہیں کر سکتیں۔ اے میرے احمدی بھائیو! اسی معرفت کو پیدا کرنے کا ذریعہ ہمارے بانیؑ اس جلسہ کو قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

”مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دینا ہے۔ اور اس کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں ہوتی (اشتہار دسمبر ۱۸۹۲ء)

”ہر ایک مخلص کو بالمواجہ (آمنے سامنے۔ میل ملاپ۔ ناقل) دینی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے اور ان کے معلومات وسیع ہوں اور خدا تعالےٰ کے فضل و توفیق سے ان کی معرفت ترقی پذیر ہو۔

(آسمانی فیصلہ)

”صرف طالب علم اور مشورہ امداد —— اور ملاقات اخوان کے لئے یہ جلسہ تجویز کیا گیا ہے۔“

احباب کا اس نیت کے ساتھ جلسہ سالانہ میں تشریف لانا کہ وہ پوری توجہ کے ساتھ درس قرآن مجید اور جلسہ کی تقاریر کو غور سے سنیں گے بلکہ ممکن ہو تو NOTES بھی لیں گے۔ ان کا یہ فعل حدیث نبویؐ کے بموجب طلب علم میں شمار ہوگا۔ جلسہ میں معمولی روگوں کی وجہ سے نہ آنا۔ یا اس کی اہمیت سے صرف نظر کرنا اور اپنے روحانی دوستوں کو آکر نہ ملنا۔ بہت بڑی محرومی کا ذریعہ بنتا ہے۔ آئے دن دوستوں سے جب ملاقات کرنے کا موقع ملتا ہے اکثر ایسے دوست ملتے ہیں جو اپنی نئی نسل کے بارے میں بڑے شاکی ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت میں با ادب سے درخواست ہے کہ بچوں کو دیندار بنانے اور دین کی محبت پیدا کرنے اور اس پر عامل بنانے میں ایک بڑا ذریعہ جلسہ سالانہ بھی ہے۔ اس واسطے آپ سب کو پوری تیاری کے ساتھ جلسہ سالانہ میں شریک ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ ہمارے سب بھائیوں کو اس میں شامل ہونے کی سعادت و توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔

باہمی محبت و اخوت

حضرت صاحب۔ اس جلسہ میں شمولیت کی دوستوں کو مختلف رنگوں میں تحریص و ترغیب بھی دلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

”اور ایک دینی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناس ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا — اس جلسہ میں — تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جل شانہ کوشش کی جائے گی اور اس روحانی جلسے میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے۔ جو ان شاء اللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے۔ (آسمانی فیصلہ)

دعائے مغفرت

فرماتے ہیں ”جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی۔“ (آسمانی فیصلہ)

دین کے کاموں میں مسابقت

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالےٰ ہے کہ اے مومنو فاستبقوا الخیرات۔ کہ آپس میں نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اور حدیث میں ہے من استوی یومین فھو مغبون کہ جس مومن کے دو دن برابر ہوں وہ گھاٹے میں ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ حضورؐ دن تو سارے برابر ہوتے ہیں انسان گھاٹے میں کس طرح ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ انسان دنیا میں کچھ وقت کے لئے آیا ہے جس نے آخر ایک دن ختم ہو جانا ہے۔ پس یہ کوشش کرو کہ آج جو آج کو نیک کام کرنے کی توفیق ملی ہے کل آنے والے میں زیادہ نیکی کرو۔ اس میں ہمارے لئے سبق ہے کہ ہم ہر سال جلسہ سالانہ میں شامل ہوتے ہیں امسال پوری کوشش کریں۔ انفرادی رنگ میں اور اجتماعی رنگ میں اور اجتماعی صورت میں ہر مقام اور جماعت اور خاندانوں سے زیادہ افراد جلسہ میں شرکت فرماویں۔

دعا ہے کہ مولیٰ کریم ہم سب کو اس بابرکت جلسہ میں پورے رنگ میں شامل ہو کر استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین ثم آمین۔

* * *

اخبار احمدیہ:-

* حضرت امیر قوم ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی صحت خدا تعالیٰ کے فضل سے اچھی ہے، سلسلہ کے شب بیدار بزرگ اور احباب آپ کی صحت و برکت والی طویل زندگی کے لئے اللہ تعالےٰ کے حضور دعا فرماتے رہیں تا اللہ تعالےٰ کے بے پایاں فضل اور رحمت سے یہ جماعت آپ کے زیر سایہ دینی ترقی کی منازل طے کرتی رہے۔

وفات:- نہایت افسوس سے لکھا جاتا ہے کہ مکرم چوہدری فضل حق صاحب کی بڑی بھاوج، چوہدری اللہ دتہ مرحوم کی بیوہ گجرات میں پندرہ نومبر کو انتقال کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ احباب سے جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔

ایک نیک دل خاتون کی وفات

احباب سلسلہ کو سن کر رنج ہوگا کہ محترمہ بیگم صاحبہ میاں فاروق احمد شیخ راولپنڈی ایک طویل علالت کے بعد نومبر ۱۹۸۱ء بوقت ۳½ بجے بعد دوپہر سی ایم ایچ راولپنڈی میں انتقال کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ ایک نیک دل۔ مخیر۔ خدا ترس اور غریب پرور خاتون تھیں سلسلہ عالیہ احمدیہ اور اکابرین سلسلہ سے انہیں بے پناہ عقیدت تھی۔ جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔ ۲۲ نومبر ۱۹۸۱ء کو دس بجے صبح مرحومہ کو سپرد خاک کیا گیا۔ احباب سلسلہ سے مرحومہ کیلئے دعائے مغفرت اور جنازہ غائبانہ ادا کرنے کی درخواست ہے۔

”پیغام صلح۔ بیگم صاحبہ میاں شیخ فاروق احمد کی وفات مرحومہ کے خاندان ہی کے لئے نہیں بلکہ جماعت کے لئے بھی ایک سخت صدمہ اور ناقابل تلافی نقصان ہے کیونکہ مرحومہ ایک صالحہ اور پختہ ایمان کی حامل احمدی خاتون تھیں۔ اللہ تعالےٰ جنت میں مرحومہ کے درجات بلند فرمائے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ ہمیں جناب میاں فاروق احمد شیخ صاحب اور ان کے اعزہ سے دلی ہمدردی ہے۔

—— ادارہ

اٹلی میں حضرت مسیحؑ کے کفن کے بارہ میں جدید تحقیقات

از ایان ولسن ۱۹۷۸ء

ترجمہ:۔ مکرم محمد انور ایم اے۔ لندن

کفنِ ٹیورن —— تعارف

کفن ۔۔۔ ایک خاموش انقلاب

یہ خیال ہی بظاہر ناقابلِ یقین نظر آتا ہے کہ وہ کپڑا جس میں حضرت مسیحؑ کے جسم کو لپیٹ کر قبر میں رکھا گیا تھا آج تک محفوظ اور موجود ہے۔ اور یہ بات اس سے بھی زیادہ انسانی تیقن کی طلبگار ہے کہ کپڑا ایسا تصویری مماثلت رکھتا ہے جیسے حضرت مسیحؑ واقعی قبر میں ہوں۔ چنانچہ یہ کتاب انہی دو واقعات کی ثبوت میں لکھی گئی ہے۔

اطالوی زیر بحث کپڑے کو مقدس کفن کا نام دیتے ہیں اور یہ SAINT JOHN THE BAPTIST CATHADROL (سینٹ جان دی بپٹسٹ کتھیڈرل) کے اندر سنگِ سیاہ کے ایک ایسے گول حصے میں رکھا ہوا ہے جسے "گوارینو گوارینی" (GUARINO-GUARINI) نے تشکیل دیا تھا۔ اور جو "رائل چیپل" کہلاتا ہے۔ اس لئے کہ کبھی یہ مقام اٹلی کے سابقہ حکمرانوں "سیوائے کے ڈیوکس" کی نجی عبادت گاہ تھی۔ اس حصہ تک پہنچنے کے لئے ہر آنے والے کو پورے گرجا کی طوالت طے کرنے اور عمودی سیڑھیوں کی ایک پوری رو چڑھنے کے بعد عشائے ربانی کی میز" یعنی مذبحہ کے پاس جانا پڑتا ہے۔ اور وہ خود کو وہاں ایسے نہایت خوبصورت اور مرصع ہال میں پاتا ہے۔ جہاں سفید سنگِ مرمر کے ستونوں کی خوبصورت قطار اور نہایت بلند گنبد ہے۔ یہیں درمیان میں وہ خوبصورت قرمزی میز ہے جو ایک زینہ دار پلیٹ فارم پر جڑی ہوئی ہے۔ اور جس کے گردا گرد فرشتوں کے سنہری مجسمے ہیں۔ اس میز کے اوپر ایک اور میز ہے۔ اور یہی میز وہ مقام ہے جس کے اندر آہنی سلاخوں کے پیچھے ایک مقفل نشیمن خانہ میں "مقدس کفن" رکھا ہوا ہے۔

اس کپڑے کو پہلے مخملی عصا پر اور پھر اس پر سرخ ریشم لپیٹ کر لکڑی کے چار فٹ لمبے ایک ایسے صندوقچے میں رکھا ہوا ہے جس کے اوپر (حضرت) مسیحؑ کے کرب و مرگ کی علامات چاندی سے نقش و نگار دی گئی ہیں۔ یہ صندوقچہ ایک آہنی دراز میں آتش ناپذیر مادہ چڑھا کر ایسے تین تالوں سے سربمہر کیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ چابی درکار ہے۔ ازاں بعد اسے پھر ایک روغن شدہ ڈھکن والے صندوق میں رکھا گیا ہے۔ اور یہ ڈھکن ہی وہ سب کچھ ہے جو "مذبح" کے مقفل حصے میں یہ دو آہنی سلاخوں کے پیچھے نظر آتا ہے۔

یہ کفن ہمیشہ ہی بحث و تمحیص کا موضوع رہا ہے۔ اصلاً ناقابلِ فہم راز ہونے کی بنا پر جب مغرب میں یہ پہلی بار منظرِ عام پر آیا تو چودھویں صدی کے ایک فرانسیسی پادری نے یہ کہہ کر اسے رد کر دیا کہ "بڑی چالاکی سے ایک رنگین جھوٹ" گھڑا گیا ہے۔ ہماری اپنی صدی کے اوائل میں دو مشہور کیتھولک مؤرخین CANON ULYSSE CHEVALIER اور (کینن اولائسے شیولر اور ریورنڈ ہربرٹ تھرسٹن) نے اسے چودھویں صدی کا فریب قرار دیا۔ تازہ ترین واقعہ ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ ایک ماہرِ فن نقاد کا ہے جس نے اسے "مذموم اور مسخرہ پن کا ایک بے ضرر حصہ کہا۔

علاوہ ازیں اس کپڑے کے متعلق عجیب و غریب اور نرالے دعاوی ہوتے آرہے ہیں ایک پُر زور جرمن مصنف "کرٹ برنا" نے اپنے اس نظریے کی بنا پر بڑی عالمگیر شہرت حاصل کی ہے کہ مسیحؑ صلیب پر نہیں مرے تھے۔ مقبرہ میں دوبارہ جی اٹھنا صرف بحالی صحت تھا۔" اس کے برعکس ایک مخلص اطالوی رکنِ گرجا "جیولیو رِکی" نے کفن پر حضرت مسیحؑ کے کرب و مرگ کی انتہائی پیچیدہ سی تصاویر دیکھی ہیں جو بدقسمتی سے بجائے مشاہدہ کے تصورات کا نتیجہ ہیں۔" اس قسم کی قیاس آرائیاں کفن تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے بآسانی پھیلتی چلی آتی ہیں۔ زمانہ حال تک زعمائے ٹیورن نمائش کفن کی سرد خواست کے بدنامی کی حد تک مخالف تھے۔ عام حالات میں انتہائی اہم شخصیت کو بھی اس کی "دید" کی اجازت نہ تھی۔ نپولین کے زمانہ سے لے کر آج تک صرف چند موقعوں پر ہی یہ کفن دیدارِ عام کے لئے رکھا گیا۔ اور ہمیشہ زائرین کا ایک جمِ غفیر کتھیڈرل میں لٹکے ہوئے اس کفن کو، یا تو صرف دیکھنے دیکھنے گزرنے کے لئے گھنٹوں قطار میں کھڑا رہتا اور یا کتھیڈرل کی سیڑھیوں سے اس کی ایک جھلک دیکھنے کی کوشش کرتا۔ نمائش کے لئے اچھا خاصا اہتمام کرنا ہوتا ہے۔ پوپ، ٹاؤن کتھیڈرل اور اٹلی کے سابق بادشاہ (امبرٹو II آف سیوائے) کی اجازت لینا ہوتی ہے۔ اگرچہ امبرٹو معنوی لحاظ سے تو ابھی تک اس کپڑے کا مالک سمجھا جاتا ہے۔ مگر خود اس نے بھی ۱۹۳۳ء میں محرومیٔ اقتدار کے بعد سے اسے نہیں دیکھا ہے۔

مذبح پر مامور ایک شخص جس نے ۱۹۳۳ء میں یہ کپڑا دیکھا تھا اس وقت سے اسکو قابلِ رسائی بنانے کی دوڑ دھوپ کرتا رہا۔ وہ مسٹر فادر پیٹر رینالڈی ہیں۔ جو اب پچیس سال سے نیویارک میں واقع پورٹ چیسٹر کے MOTPUS CHRISTI CHURCH کے مستقل پادری ہیں۔ گزشتہ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں پوپ جان ۲۳ نے اپنے قدرتی اور بے تکلفانہ انداز میں مسٹر رینالڈی سے کہا کہ اس امر کے لئے اصحاب ٹیورن کو اچھا خاصا جھنجھوڑنے کی ضرورت ہو گی۔ بہرحال یہ امریکی مستقل نمائش کفن کے لئے بے دھڑک مضامین لکھتا رہا۔ بلکہ اس نے اس مقصد کے لئے پوپ پال ششم، ٹیورن کے زعماء اور پرتگال کے سابق شاہ امبرٹو سے ملنے یورپ کا سفر بھی کیا۔ بالآخر ۱۹۳۳ء کی نمائش کے چالیس سال بعد مسٹر رینالڈی کی کوششیں نتیجہ خیز ثابت ہوئیں۔ اور نومبر ۱۹۷۳ء میں (ERDINAL) مستقل اعلیٰ مسٹر پیلگرینو روایتی نمائش کے مقابلہ میں کہیں بڑھ کر بہتر نمائش کفن پر راضی ہو گئے۔ یہ کہ کفن اب پہلی بار آدھ گھنٹہ T-V پر دکھایا جائے گا۔ اور یورپین ٹیلیویژن رابطہ کے ذریعے یہ اٹلی، سپین، فرانس، پرتگال، بلجیم، حتیٰ کہ برازیل جیسے دور دراز ملک میں بھی دیکھا جائے گا۔ پوپ حسبِ پروگرام آٹھ منٹ تک کفن کے متعلق کچھ کہیں گے۔ اور کفن ٹی۔ وی پروگرام سے ایک دن قبل پریس کانفرنس میں بین الاقوامی نمائندوں کو بھی دکھایا جائے گا۔

مسٹر پیلگرینو کے اس اعلان کے چند دن بعد برطانوی تحقیقاتی گروہ کے تین نمائندے لندن سے ٹیورن کو پرواز کر رہے تھے۔ جن میں ایک خود مصنف۔ دوسرے پادری مسٹر (BENE DICHINE) FR MAURAS GREEN جنہیں کفن کے اس تاریخی پہلو پر تحقیق کا شوق اپنے والد جو سابقہ آرمی افسر تھے** سے ورثہ میں ملا تھا۔ اور تیسرے ڈاکٹر ڈیوڈ ومین جو شاہ چارلس II کے زمانہ سے چلے آنے والے انگریز ڈاکٹروں کے ایک اعلیٰ خاندان کے آخری فرد تھے۔ اسی خاندان کے ایک

** اور جو B.G. SOUDH OR کے نام سے لکھا کرتے تھے۔

فرد ڈاکٹر تھامس ولس نے سترھویں صدی میں "ذیابطیس" اور دماغ کا ایک حصہ CIVEL OF WILLIS دریافت کیا تھا۔ اٹھارہویں صدی میں ڈاکٹر ROBERT WILLIS اور FRANCIS شاہ چارلس III کے ذاتی معالج تھے۔ اور آن زمانہ بلاشبہ اپنے عالمانہ مضامین اور حکومت اٹلی سے اپنی انتھک خط و کتابت کے ذریعے انگلستان میں کفن تگن زندہ رکھنے والے ڈاکٹر ڈیوڈ ولس تھے جبکہ حکومت اٹلی نے اس متبرک کفن کی نمائش اور اس پر سائنسی تحقیق کی تمام درخواستوں کو درخور اعتنا نہ سمجھا تھا۔ کفن پر آج تک جو تحقیقی تجربہ ممکن ہو سکا ہے۔ اس میں ان کا کام جو انہوں نے ۱۹۷۶ء میں اپنی اچانک موت تک جاری رکھا۔ نہایت اعلیٰ ہے

۲۲ ستمبر بروز جمعرات ہم مسٹر رینالڈی اور ان کے رفیق کار مسٹر اوٹرباٹن جو U. S. A – HOLY SHROUD کے صدر ہیں۔ کی معیت میں ٹیورن کے سابق شاہی محل کے دروازوں سے داخل ہو کر اس نیم روشن ہال کی طرف جا رہے تھے۔ جہاں کانفرنس منعقد ہونا تھی۔ اور یہ سماں دنیا کی کسی بھی پریس کانفرنس کا سا سماں تھا۔ حاضرین میں اکثر غیر رسمی لباس میں ملبوس اخباری نمائندے اور فوٹو گرافر تھے۔ باقی اطالوی سائنسدان اور اہلِ کلیسا تھے۔ باہمی بے تکلفی کی پرکیف فضا چھائی ہوئی تھی۔ خود اٹلی کے علاقے پائیڈ مونٹسے جہاں ٹیورن واقع ہے میں بے تکلفی کی نئی اقدار نمایاں تھیں۔

جنگ اور شہنشاہیت کے زوال کے بعد ٹیورن۔ اٹلی کی سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کار FIAT کا صنعتی مرکز ہونے کی بنا پر اپنی اہمیت سے خوب آگاہ۔ ایک خوشحال اور سریع رفتار تجارتی شہر ہے۔ اب یہ "SANTA SINDONE" یعنی "کفن مقدس" نہیں بلکہ FIAT نام ہے۔ جو ہر کلومیٹر پر شہر کو آنے والے ہر ایک کا استقبال کرتا ہے۔ ممکن ہے دور جنوبی جانب الیانہ کرنے دیا گیا ہو۔ مزید براں اب کلیسا ٹیورن کے انداز میں بھی نرمی نمایاں تھی جس سے بلا شبہ بعض افراد کو اس کیفیت کا قبول کرنا مشکل تھا۔ ان میں سے ایک عمائدین (CARDINALS) کا پریس افسر مسٹر کوٹینو تھا جس نے گو نہایت شائستگی سے مگر مسلسل مسٹر رینالڈی کی مخالفت جاری رکھی تھی۔ کفن کی نمائش اور کانفرنس کی تیاری کی جو ذمہ داریاں اسے سونپی گئی تھیں وہ ان سے بہت نالاں تھا۔ افواہ یہ بھی تھی کہ اسے خاص متعین حفاظتی دستہ پر بھی اعتماد نہ تھا۔ اور وہ کفن کی سلامتی کو یقینی رکھنے کے لئے خود بھی رات بھر وہاں کھڑا رہا۔ البتہ ان نئے اقدامات کا انتہائی خواہشمند، تحقیقات کفن کے بین الاقوامی رسالے SINDON کا ایڈیٹر اور TURIN VIA SAN DOMENICO میں کفن مقدس کے خوبصورت عجائب گھر کا خوش اخلاق مہتمم مسٹر DON COERO BORGA تھا۔ کفن سے دلچسپی رکھنے والے دنیا بھر کے لوگوں سے رابطہ رکھتے ہوئے مسٹر ڈون کورڈ بھی مسٹر رینالڈی کی طرح سالوں سے نمائش کفن پر زور دیتا آرہا تھا۔ اور اب وہ اپنی کوششوں کے بر آنے پر جھوم رہا تھا۔

وہ شخصیت جس پر سب کی نظریں جمی ہوئی تھیں کارڈینل مسٹر MICHELE – PELLEGRINO تھے جو کمرہ کانفرنس میں ایک پرانی وضع کی گول میز پر مائیکروفون کے پاس جلوہ افروز بیٹھے تھے۔ ان کا لباس بھی اس تبدیلی کا پوری طرح غماز تھا۔ جو VATICAN II کے بعد سے کلیسائی ڈھانچے میں آگئی تھی۔ انہوں نے نمائش کفن سے متعلق کوئی روایتی لباس زیب تن کیا تھا۔ بلکہ عام پادری کا سا سیاہ جبہ پہنے تھے۔ انہوں نے خود کو اعلیٰ حضرت کے لقب سے مخاطب کرنے کو بھی ترک کروا دیا۔ ان کا زرد چہرہ ان کی کینوس تشبیہ اپنی عظمت میں ان رومی شہنشاہوں کی یاد دلاتے تھے جن کا بلا شبہ وہ داد دیتے۔ انہوں نے نہایت سکون اور متانت سے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کی۔ کہ کیوں وہ اب تک نمائش کفن کی متعدد درخواستوں کو نامنظور کر چکے ہیں۔ یہ کہ انہیں ماضی کے روائتی نمائش کفن کی ہلڑ بازی اور اس کے ساتھ ٹیورن آنے والے لاکھوں زائرین کی ضروریات کے مسائل سر لینے سے اجتناب تھا۔ چنانچہ اس بنا پر انہوں نے ٹیلی ویژن۔ جو دورِ حاضر کے انسان کی آنکھ اور باانداز نو دیکھنے کا نہایت اطمینان بخش ذریعہ ہے کو نمائش کفن کے لئے منتخب کیا۔ اس لئے کہ اس طور سے روائتی نمائش کے مقابلے میں کہیں زیادہ پرامن اور مفصل انداز میں لاکھوں انسان اسے دیکھ سکیں گے۔

ان کے نزدیک کفن کی قدر و قیمت، اس کے قدیم ہونے سے متعلق ہر زیر بحث سوال اور ہر معقول شک سے بڑھ کر تھی۔ اس بات پر ان کی ناپسندیدگی صاف نظر آتی تھی۔ کہ کفن کو تحقیق اور نمائش کے لئے بالآخر عوام کے سامنے رکھ دیا جائے۔ تاہم ان کے متعلق یہ ضرور ماننا پڑے گا۔ کہ انہوں نے نمائش کفن کے مطالبہ سے اتفاق کر کے بیسویں صدی کی ایک ایسی اہم ضرورت کو خوشی سے تسلیم کر لیا۔ جو شک کا ازالہ اور موجودہ ثبوت طلب دور میں حضرت مسیحؑ کے بارہ میں ایک محسوس شہادت ہے۔ ایسی مثالیں انہیں دور ماضی میں تلاش کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے کہ خود اناجیل کے دور میں حواریانِ مسیحؑ میں بھی شک کرنے والے موجود تھے۔ ایسا ایک نہایت ٹھوس اور قوی الاعتبار انسانی واقعہ تھامس کے وہ زوردار الفاظ ہیں "جب تک میں اس کے ہاتھوں کے ان سوراخوں کو جو کیلوں سے پیدا ہوئے ہیں خود اپنی آنکھوں سے اور ان میں اپنی انگلیاں ڈال کر نہ دیکھ لوں۔ اعتبار نہیں کروں گا" چنانچہ تھامس کو اس کا موقع دیا گیا لیکن ہم جو تقریباً دو ہزار برس بعد میں رہ رہے ہیں۔ ہمارے متعلق کیا رائے ہے؟

T.V – RAI کے ممبر (فادر چونیٹو پاسکوالینو) نے مسٹر رینالڈی کے بعد کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا کہ ممکن ہے حضرت مسیحؑ کا جسم جس میں تھامس نے ہاتھ ڈالا تھا ایسا مذکور تھا ثبوت ہو جو بیسویں صدی کے معیار پر پورا اترتا ہو۔ تاہم پاسکوالینو کے نزدیک یہ کفن ایک گہرا معمہ تھا مگر ایک خیال سے اسے اتفاق تھا۔ کہ ابھی اس کا مطالعہ بنظر غائر کرنے کی ضرورت ہے۔

اس کانفرنس نے کفن سے متعلق نئے افکار کا ایک مکمل باب کھول کر رکھ دیا۔ اور جس میں کئی ممالک اور کئی پیشوں سے منسلک ایسے افراد کو لا کھڑا کیا جنہوں نے اصل شک بین کی حیثیت سے اپنے اپنے میدان میں نئی اور محیر العقول معلومات کا اضافہ کر کے اس کے متعلق علمِ تحقیقات میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ ان لوگوں میں ماہرین پارچہ جات۔ سائنس اور طبعیات۔ فوٹو گرافر، ماہرین اسباب جرائم۔ ماہرین تجسیز یہ خون۔ مؤرخ اور مذہبی فضلاء شامل ہیں۔

یہ حقیقتاً ایک خاموش انقلاب ہے اسے ابھی تک بڑے پیمانہ پر ان علمی حلقوں میں تسلیم نہیں کیا گیا۔ جہاں کفن کو مشکل ہی سے کوئی قدر و قیمت دی گئی ہے۔ اور پھر اس لئے بھی کہ عوام الناس میں زیادہ تر اسے جاننا بھی کوئی نہیں۔ تاہم ایک نئی دنیا سامنے آگئی ہے۔ ایسی دنیا جہاں کفن کے گرد پھیلا ہوا سربستہ راز اتنی تیزی سے ابھرا ہے جتنی تیزی سے خود کفن کے یقینی ہونے کا معاملہ سامنے آیا ہے۔ یہ کتاب "کفن" سے متعلق نئے انکشافات کی ایک داستان ہے۔ یہ داستان زیادہ تر ان کے لئے نہیں جو پہلے ہی مسیحؑ پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ ان کے لئے جو ایمان نہیں رکھتے۔ اب جس منظر سے پردہ اٹھے گا اس کا اکثر حصہ عجیب اور حیران کن ہو گئے گا بہت کچھ نیا اور شناسائی ہو گا۔ تاہم ایک تاریخ سے تو مطلوب ہے ... یہ ہے کہ وہ کھلے ذہن کے ساتھ مرحلہ وار اس کی طرف آئے۔ اس لئے کہ اکثر کی الوا فتح حضرت مسیحؑ نے کوئی کپڑا پیچھے چھوڑا ہے جسے اب ہم "کفن ٹیورن" کے نام سے جانتے ہیں لہٰذا اس سے انکی ہستی۔ ان کے کرب مرگ بلکہ شاید ان کے جی اٹھنے کا علم ہو سکے گا۔ لیکن اس وثوق سے یہ بات مشکل ہی کہی جا سکتی ہے۔ کہ انہوں نے اس کفن کا یقینی ہونا اس طرح ظاہر کیا ہو۔ یا یہ کہ اس سے جس کہانی کا پتہ چلتا ہے وہ سب کو صاف سمجھ آسکے ؛

حضرت مولانا صدر الدینؒ نمبر

ادارہ پیغام صلح حضرت امیر مرحوم مولانا صدر الدینؒ کی یاد میں ان کی شان و عظمت کے مطابق ایک یادگار نمبر شائع کرنا چاہتا ہے۔ جماعت کے صاحبِ قلم احباب سے عموماً اور مرحوم کے خاندان سے خصوصی التماس ہے کہ وہ اس عظیم ہستی کے نقوشِ زندگی کی وضاحت پر مشتمل مضامین جلد از جلد ہمیں بھیج کر مشکور فرمائیں۔ تاکہ اس کی تاریخِ اشاعت کا اعلان کیا جا سکے۔ (ادارہ)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

سڑسٹھواں جلسہ سالانہ

۱۴۰۲ھ
۱۹۸۱ء

دارالسلام - ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن - لاہور ۱۶

پروگرام جلسہ

مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۸۱ء بروز جمعۃ المبارک :- پہلا اجلاس

زیر صدارت :- محترم میاں ظہور احمد صاحب، لاہور

۹-۳۰ تا ۹-۴۰	تلاوت قرآن مجید	مولوی شفقت رسول خان صاحب
۹-۴۰ ″ ۹-۵۰	منظوم کلام	جناب عنایت الرحمن صاحب آف شیخ محمدی
۹-۵۰ ″ ۱۰-۰۰	ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم	جناب زاہد جنجوعہ صاحب آف لاہور
۱۰-۰۰ ″ ۱۰-۳۰	افتتاحی ارشادات	حضرت امیر قوم ایدہ اللہ تعالیٰ
۱۰-۳۰ ″ ۱۱-۱۰	ما مسلمانیم از فضل خدا	مرزا محمد لطیف شاہد صاحب
۱۱-۱۰ ″ ۱۱-۵۰	حضرت مولانا صدر الدین صاحب کا ذکر خیر	مرزا مسعود بیگ صاحب
۱۱-۵۰ ″ ۱۲-۳۰	دین اسلام کیوں اور کیسے غالب آئیگا؟	ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

(وقفہ طعام، نماز جمعہ :- بوقت ۱-۳۰)

دوسرا اجلاس :- زیر صدارت :- محترم چوہدری فتح محمد عزیز صاحب ایڈووکیٹ گجرات

۲-۳۰ تا ۲-۴۰	تلاوت قرآن مجید	جناب یاتیمین صاحب طالبعلم آف انڈونیشیا
۲-۴۰ ″ ۳-۲۰	حضرت مجدد صاحب کے نزدیک حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان ہی مدار نجات ہے	شیخ نثار احمد صاحب سیالکوٹ
۳-۲۰ ″ ۴-۰۰	حدیث غریب اور قصہ عجیب	چوہدری شکر اللہ خان منصور صاحب فیصل آباد
۴-۰۰ تا ۴-۴۰	عطیہ عقل اور مذہب	راجہ محمد بیدار صاحب، کراچی

(وقفہ نماز مغرب و عشاء اور عشائیہ)

تیسرا اجلاس :- زیر صدارت :- کیپٹن ڈاکٹر جمیل الرحمان صاحب

از ۷½ تا ۹ بجے شب

زیر اہتمام مجلس شبان الاحمدیہ مرکزیہ جلسہ گاہ میں منعقد ہوگا :

مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۱ء بروز ہفتہ - پہلا اجلاس

زیر صدارت :- جناب غلام نبی دین صاحب صدر جماعتہائے احمدیہ فجی

۹-۳۰ تا ۹-۴۰	تلاوت قرآن مجید	مولوی عبد الرحمن صاحب کیمبی
۹-۴۰ تا ۹-۵۰	منظوم کلام حضرت مجدد صد چہاردہم	جناب عبد السلام مبارک دیپگراں
۹-۵۰ تا ۱۰-۰۰	ملفوظات ″ ″ ″	جناب ایم۔ اے ارشد علوی لاہور
۱۰-۰۰ تا ۱۰-۳۰	اتحاد بین المسلمین	شیخ حفیظ الرحمن صاحب گلگت
۱۰-۳۰ تا ۱۱-۱۰	سالانہ رپورٹ	جناب جنرل سیکرٹری صاحب
۱۱-۱۰ تا ۱۲-۱۰	غلبۂ حق ایک ابدی حقیقت ہے	حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ امیر جماعت احمدیہ لاہور

(وقفہ طعام - نماز ظہر و عصر)

دوسرا اجلاس :- زیر صدارت :- صاحبزادہ محمد احمد صاحب آف بنوں

۲-۳۰ تا ۲-۴۰	تلاوت قرآن مجید	جناب ملک غلام علی صاحب شیخ محمدی
۲-۴۰ تا ۲-۵۰	منظوم کلام حضرت مجدد صد چہاردہم	جناب فاروق احمد صاحب سنعبد ڈھیری
۲-۵۰ تا ۳-۳۰	تقریر	ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب
۳-۳۰ تا ۴-۰۰	بلغ ما انزل الیک من ربک	میاں بشیر احمد منٹو صاحب راولپنڈی
۴-۰۰ تا ۴-۲۰	حضرت مجدد صد چہاردہم کی طرف سے بنی نوع انسان کیلئے ایک ہزار سال کی خوشخبری	پروفیسر سعد اختر صاحب (ڈیرہ غازی خاں)

تیسرا اجلاس :- (شبینہ) زیر صدارت :- مسٹر راس محمود آف لنڈن

۷-۳۰ تا ۷-۴۰	تلاوت قرآن مجید	جناب عبد العزیز صاحب کیمبی
۷-۴۰ تا ۸-۲۰	تقریر (انگریزی)	جناب ڈاکٹر عبد الکریم سعید پاشا صاحب ایبٹ آباد
۸-۲۰ تا ۹-۰۰	″ (″ ″) اسلام کا معاشی نظام	جناب حامد الرحمن صاحب لاہور

مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۱ء —— بروز —— اتوار

زیر صدارت :- ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک صاحب آف امریکہ

۹-۳۰ تا ۹-۴۰	تلاوت قرآن مجید	جناب سیو داحمد شورا لیو داطالبعلم انڈونیشیا
۹-۴۰ تا ۹-۵۰	منظوم کلام	جناب محمد اعظم علوی صاحب
۹-۵۰ تا ۱۰-۰۰	ملفوظات حضرت مجدد صد چہاردہم	جناب یاتیمین صاحب آف انڈونیشیا
۱۰-۰۰ تا ۱۰-۴۰	ہستی باری تعالےٰ	کیپٹن عبد الواحد صاحب پشاور
۱۰-۴۰ تا ۱۱-۲۰	تقریر	کیپٹن جمیل الرحمن صاحب (صدر شبان الاحمدیہ مرکزیہ)
۱۱-۲۰ تا ۱۲-۲۰	ایمان اور نفاق میں امتیازی نشان	جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب
۱۲-۲۰	اختتامی خطاب و دعا	حضرت امیر ایدہ اللہ تعالےٰ

نوٹ :- ہر روز از ۲۵ دسمبر تا ۲۷ دسمبر ۱۹۸۱ء فجر کی نماز چھ بجے ہوا کرے گی۔ زاں بعد جلسہ کے تین دن جناب میاں نصیر احمد فاروقی صاحب حسب سابق قرآن مجید کا درس دیا کریں گے :

مہتمم جلسہ سالانہ چوہدری منصور احمد، دارالسلام ۵ عثمان بلاک نیو گارڈن ٹاؤن - لاہور

ابوالبنات طاہر فتح پوری

افراد کی اصلاح و تربیت کے لئے ایسے اجتماع ضروری ہیں

اسلامی نقطۂ نگاہ سے مسلمانوں کا کسی مقام پر اکٹھا ہونا۔ دینی عبادات بجا لانا۔ قال اللہ اور قال الرسول کا سننا اور سنانا بڑا برکت والا قرار دیا ہے اصل مرکز مساجد ہیں اور وہاں پر مسلمانوں کا عبادت کے لئے جانا بڑی خیر و برکت کا موجب ہوتا ہے۔ اس میں مسلمانوں کو ایک سبق دیا گیا ہے کہ تم ضرور ان مقامات پر جایا کرو جو دینی باتیں کرنے کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔

اگر غور کیا جاوے تو واقعی بڑی خیر والی صورت ہے علیحدہ رہتے ہوئے کاروبار یا دوسرے فرائض میں مصروف ہونے کی وجہ سے انسان ایک حد تک غافل ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات دلوں پر زنگار بھی لگ جاتا ہے۔ اور اجتماعی زندگی جس میں ایک دوسرے کے حالات کا علم ہوتا رہتا ہے اس سے بھی محروم رہتا ہے۔ اور ایسے مواقع بھی میسّر نہیں ہوتے جن سے وہ زیادہ بہتر رنگ میں دین کی باتیں سن سکے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ ایسی مجالس میں ضرور شامل ہوا کرے جو خالص دینی مقصد کے لئے قائم کی جاتی ہیں۔

حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے تو اسے کامل ایمان کی نشانی بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں اجلس بنا ساعۃً نکن مؤمنًا۔ کہ اے بھائی تھوڑی دیر سب مل کر بیٹھیں اور دین کی باتیں کریں۔ تاکہ ہم مومن ہو جائیں۔ ایک مشہور ماہرِ نفسیات کا بیان ہے کہ جب دو آدمی آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں جو کسی مقام پر بیٹھتے ہیں تو ایک کا دوسرے پر صرف بیٹھنے کی وجہ سے اثر پڑتا ہے۔ اور دنیا میں ایسے ہی نظر آتا ہے کہ انسان جیسی بھی مجلس میں جائے اس کا ضرور اثر پڑتا ہے۔ اور جب انسان ایک نیک مجلس میں جائے گا تو اس کا ضرور شامل ہونے والے پر نہایت نیک اور مفید اثر پڑے گا۔

قرآن مجید نے تعلیم و تربیت کے لئے قربت اور مجلس کو بڑی اہمیت دی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب اللہ تعالےٰ نے مامور فرمایا کہ آپ ان روحانی مُردوں کو اپنی قوتِ قدسیہ سے زندہ کریں تو انہوں نے ان لوگوں کے حالات کو دیکھ ادب سے روشنی کے لئے یہ عرض کی کیف تحیی الموتیٰ کہ یہ لوگ جو کہ دین سے اتنے دور ہیں کس طرح سیدھے راستہ پر آئیں گے۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ فخذ اربعۃً من الطیر فصرھن الیک (البقرۃ ۔ ۲۶۰) کہ ان میں سے سعید لوگوں کا انتخاب کریں اور ان کی تربیت کریں اور پھر ان کو دنیا کے چاروں کونوں میں پھیلا دیں تاکہ وہ تبلیغ و اصلاح کریں۔ پھر ثم ادعھن یاتینک سعیًا (البقرۃ ۲۶۰) پھر مزید تعلیم و تربیت کے لئے ان کو اپنے پاس بلایا کریں اور ان کو یہ معرفت ہوگی کہ وہ تیرے پاس آنا کتنا برکت والا ہے۔ اس واسطے وہ دوڑتے ہوئے آیا کریں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ پاک نے کیا عمدہ روحانی تربیت کا طریقہ بتایا۔ گو ہمارے مفسّرین نے اس آیت کی تفسیر ایسے رنگ میں کی ہے جس کو پڑھ کر انسان پریشان ہو جاتا ہے۔ کہ یہ تو سنت اللہ کے ہی خلاف ہے۔ اور اللہ تعالےٰ تو فرماتا ہے۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا کہ اللہ کی سنت تبدیل نہیں ہوا کرتی۔ اور ہمارے یہ مفسر کیا تحریر کر رہے ہیں۔ اصل میں طیر کا لفظ نیک لوگوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور صر کا صلہ جب الیٰ ہو تو معنے کسی کو اپنی طرف مائل کرنا اور جمع کرنا ہیں۔ اور یہ بھی صر کے معنے ہیں کہ ان کو آواز دو۔ اور جبل کے معنے علاقہ کے ہیں۔

اب آپ اس آیت کے مضمون پر غور کریں ایمان تازہ ہو جائے گا کہ اللہ تعالےٰ حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیتا ہے کہ روحانی تربیت کے لئے بہت ہی ضروری ہے کہ آپ ان لوگوں کو اکٹھا کریں ان کی تربیت کریں اور پھر ان کو مزید روحانی ترقی دینے کے لئے چاروں طرف سے اپنے پاس اکٹھا ہونے کے لئے بلایا کریں اور لوگوں کو چاہیئے کہ ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دوڑ کر آیا کریں۔ کیا عمدہ سبق ہے خدا تعالےٰ کے مامور افراد کی اصلاح و تربیت کے لئے ایسے اجتماع منعقد کیا کرتے ہیں؟

حضرت مجدّدِ صد چہار دہم نے خدا سے خبر پا کر ۱۸۹۰ء میں چودھویں صدی کا مجدّد ہونے کا دعویٰ کیا۔ ۱۸۸۹ء میں آپ نے دس شرائط پر لوگوں سے بیعت لی اور سب سے پہلا جلسہ سالانہ آپ نے ۱۸۹۱ء میں منعقد کیا۔ جس میں ۷۵ احباب شاملِ جلسہ ہوئے۔ اور مقصد یہ تھا کہ احباب قرآنِ مجید و احادیث سنیں اور سنائیں اور اپنی اصلاح کریں اور پھر ساری دنیا میں اشاعتِ اسلام کے کام کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس پہلے جلسہ سالانہ میں جو دوست شامل ہوئے اُن کی آمد کی وجہ سے حضرت مجدّدِ صد چہار دہم بہت خوش ہوئے اور ان کے اسمائے گرامی اپنی کتاب آئینہ کمالاتِ اسلام میں شائع فرمائے۔ تا آنے والی نسلوں۔ قوموں کو جب وہ بہت پھیل جائیں گی۔ ترقی کر جائیں گی۔ انہیں ابتدائی جلسہ میں شامل ہونے والوں کا علم رہے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے ان لوگوں کے لئے بڑی دعائیں کی ہیں۔ آپ کو بڑی بشارتیں ملی ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں جو اس جلسہ سالانہ میں محض رضائے الٰہی کے حصول اور روحانی علم کے لئے شامل ہوا کریں گے۔

حضرت مرزا صاحب نے اس جلسہ سالانہ کی غرض و غایت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

”اس جلسہ سے مدعا اور اصل مطلب یہ تھا (اور یقینًا) ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ بار بار کی ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر حاصل کر لیں کہ دل آخرت کی طرف بکلی جھک جائیں اور ان کے اندر خدا تعالےٰ کا خوف پیدا ہو اور وہ زہد اور تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیزگاری اور نرم دلی اور باہم محبت اور مواخات (بھائی چارہ ۔ ناقل) میں دوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائیں اور انکسار اور تواضع اور راستبازی ان میں پیدا ہو اور دینی مہمات کے لئے سرگرمی اختیار کریں۔“

(شہادت القرآن)

حضرت مرزا صاحب کی اس تحریر کے ایک ایک لفظ پر غور کریں کہ یہ جلسہ کتنا با برکت ہے اس کے اغراض و مقاصد پر غور کریں۔ آپ لوگ جو سفر کر کے ایک رنگ میں تکلیف اٹھا کر اور اپنے کاموں کو التواء میں ڈال کر تشریف لائیں گے یقینًا وہ مجاہد ہیں ان کا مقصد بھی بڑا ہی پاکیزہ و بلند ہے۔ اسلام کی سربلندی مسلمانوں کی بہتری، ہمہ جہتی ترقی اور غلبۂ حق کے لئے سرگرمی کا اظہار ہے۔ آپ نے اخبار پیغام صلح میں جلسہ سالانہ کی تقاریر کا پروگرام پڑھ لیا ہوگا۔ ہمارا کوئی دنیاوی مقصد نہیں۔ صرف اور صرف یہی مقصد اور خواہش و تڑپ ہے کہ ہم سب لوگ یہاں پر اکٹھے ہو کر وہ پاک

تبدیلی اپنے اندر پیدا کریں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد زماں کو بھیجا ہے۔ اور جس مقصد و مشن —— کو لے کر یہ جماعت کھڑی ہے۔ اس کے شیریں ثمرات دیکھ کر کہ کس طرح دنیا کے کناروں تک —— پیغام پہنچ رہا ہے۔ خدا کا شکر ادا کریں۔ اور ان کو وسعت دینے اور پھیلانے میں جو ذمہ داریاں ہمارے کندھوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی ہیں ان کے لئے مزید قربانی اور ایثار، جہاد بالقرآن کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے لئے ہم اپنا قدم آگے بڑھائیں۔

قاعدہ ہے، جتنی قیمتی چیز ہوتی ہے اس کے حصول کے لئے انسان کو اتنی ہی بڑی محنت بھی کرنی پڑتی ہے اور اس کی حفاظت کے لئے خاص تگ و دو بھی کرنی پڑتی ہے۔ راستے میں روکیں بھی آتی ہیں۔ دنیاوی چیزوں کے لئے بڑے اسباب کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور کچھ مشکلات بھی آتی ہیں۔ لیکن روحانی کاموں کے راستے میں بڑی صبر آزما مشکلات آتی ہیں۔ لیکن مومن ان سے گھبراتا نہیں بلکہ قدم آگے بڑھاتا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ کچھ عرصہ سے ہماری مخالفت ایک رنگ میں شدت سے اندر اور باہر شروع ہو چکی ہے لیکن ہمارا تو ایمان ہے ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند + زیر آں گنج کرم بنہادہ اند

حضرت مرزا صاحب نے قبل از وقت خدا سے خبر پاکر تحریر فرما دیا ہے تاکہ ہمارے دل مطمئن رہیں۔

”خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ قائم رکھے گا اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا۔ میں تجھے اٹھاؤں گا۔ اور اپنی طرف بلاؤں گا۔ پر تیرا نام صفحۂ زمین سے کبھی نہیں اٹھے گا اور ایسا ہوگا کہ سب لوگ جو تیری ذلت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے ناکام رہنے کے درپے ہیں۔ اور تیرے نابود کرنے کے خیال میں ہیں وہ خود ناکام رہیں گے اور ناکامی و نامرادی میں مریں گے لیکن خدا تجھے بکلی کامیاب کرے گا۔ اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا۔“

آپ پھر فرماتے ہیں:۔

”تم خدا کے ہاتھ کا بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی۔۔۔ مگر وہ سب لوگ جو آخیر تک صبر کریں گے اور ان پر مصائب کے زلزلے آئیں گے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی اور دنیا ان سے سخت کراہت کے ساتھ پیش آئے گی وہ آخر کار فتحیاب ہوں گے اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائیں گے۔“ ”الوصیت“

پس میں جملہ وابستگان احمدیہ انجمن اشاعتہ لاہور سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے اوپر سستی یا کسی معمولی عذر یا مصروفیت کو اپنے اس مقدس مشن یعنی جلسہ سالانہ میں شمولیت کے راستے میں روک نہ بننے دیں۔ خود تشریف لائیں۔ خواتین اور بچوں کو خاص طور پر تربیت و تعلق کے لئے ساتھ لائیں۔ اور سنجیدہ شریف۔ خدا ترس حق کے متلاشیوں کو بھی جلسہ میں شمولیت کی دعوت دیں واللہ معکم! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ اور اگر کسی کے راستہ میں کوئی روک ہو تو مولیٰ کریم اپنے فضل سے اس کو خود دور فرما دے۔ یہ ہم سب کی اخلاقی و جماعتی ذمہ داری ہے۔ کہ اس مبارک جلسہ کو کامیاب کرنے میں پوری پوری سعی کریں۔ اللہ کریم ہم سب کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین۔

* * *

بقیہ آمدہ صفحہ نمبر

اشاعتِ دین اور حرکتِ اجتماعیہ کا مقصد۔۔۔

مجھ کو اس سے کیا رنج ہے۔ کیا آیا، کتنے روپے جمع ہوئے؟ ہم کو اس سے کچھ بھی غرض نہیں۔

ہم کو تو صرف خدا چاہیئے۔

مجھ کو نہیں معلوم کیا جمع ہوا۔ کیا آیا۔ مجھ کو اس کی مطلق پرواہ نہیں۔ پھر میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کو مقدم کرو۔ ہماری کوششیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں۔ اگر یہ نہ ہو تو ہائی سکول کیا حقیقت رکھتا ہے۔ اور اس کی عمارتیں کیا حقیقت رکھتی ہیں۔ ہمیں تو ہمارا مولیٰ چاہیئے۔ اپنے احباب کو خط لکھو اور ان کو تنبیہ کرو۔ میں تو امرتسر کے لوگوں کا بھی منتظر رہا کہ وہ مجھ سے کیا سیکھتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی آیا؟ میں چاہتا تھا کہ لوگ میری زندگی میں متقی اور پرہیزگار بنیں۔ اور دنیا اور اس کی رسموں کی طرف کم توجہ دیں۔“

حضرت مرزا صاحبؒ کے ارشادات ملاحظہ ہوں:۔

جماعتِ احمدیہ کے قیام کی غرض و غایت۔

”یہ سلسلہ بیعت بمراد فراہمی طائفہ متقین یعنی تقویٰ شعار لوگوں کی جماعت جمع کرنے کے لئے ہے۔ تا ایسے متقیوں کا ایک بھاری گروہ دنیا پر اپنا نیک اثر ڈالے اور ان کا اتفاق —— برکت و عظمت کا موجب ہو۔ اور وہ بہ برکت کلمہ واحدہ پر متفق ہونے —— کی پاک و مقدس خدمات میں جلد کام آسکیں۔۔۔ جبکہ وہ ایسی قوم کے ہمدرد ہوں کہ غریبوں کی پناہ ہو جائیں یتیموں کے لئے بطور باپوں کے بن جائیں —— عاشق زار کی طرح فدا ہونے کو تیار ہوں۔ اور تمام کوشش اس بات کے لئے کریں کہ ان سے عام برکات دنیا میں پھیلیں۔ اور محبت الٰہی اور ہمدردی بندگان کا ایک چشمہ ہر ایک دل سے نکل کر ایک جگہ اکٹھا ہو کر ایک دریا کی صورت میں بہتا ہوا نظر آئے۔“

ایمان باللہ اور عمل صالح پر مبنی ایک اصلاح یافتہ جماعت

”غرض ان دنوں یہ خیال اس زور کے ساتھ میرے دماغ پر غلبہ پائے ہوئے ہے کہ اور خیال کی گنجائش نہیں رہی وہ خیال کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو سچی —— ہو اور خدا پر حقیقی ایمان اور اس کے ساتھ حقیقی تعلق رکھے اور اسلام کو اپنا شعار بنائے اور آنحضرت صلعم کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہو اور اصلاح و تقویٰ کے رستہ پر چلے اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ قائم کرے تا پھر ایسی جماعت کے ذریعہ دنیا ہدایت پائے اور خدا کا منشاء پورا ہو۔ پس اگر یہ غرض پوری نہیں ہوئی تو اگر دلائل و براہین سے ہم نے دشمن پر غلبہ پا بھی لیا اور اس کو پوری طرح زیر کر بھی لیا تو پھر بھی ہماری کوئی فتح نہیں کیونکہ ہماری بعثت کی اصل غرض پوری نہ ہوئی تو گویا ہمارا سارا کام رائیگاں گیا۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ دلائل و براہین کی فتح کے تو نمایاں طور پر نشانات ظاہر ہو رہے ہیں اور دشمن بھی اپنی کمزوری محسوس کرنے لگا ہے لیکن جو ہماری بعثت کی اصل غرض ہے اس کے متعلق ابھی تک جماعت میں بہت کمی ہے اور بڑی توجہ کی ضرورت ہے پس یہ خیال ہے جو مجھے آج کل کھا رہا ہے اور یہ اس قدر غالب ہو رہا ہے کہ کسی وقت مجھے نہیں چھوڑتا۔“

* * *

ہمارا سالانہ جلسہ

قوم کی ترقی اور اتحاد

کی وہ تجویز ہے جسکی بنیاد

حضرت مجدّدِ صد چہاردہم

نے اپنے [illegible] کے ساتھ رکھی اور آپ کی زندگی میں برابر

یہ جلسہ ہر سال ہوتا رہا ؎

جلسہ سالانہ کی

اغراض

حضرت مجدد صد چہاردہم کے الفاظ میں مندرجہ ذیل ہیں :-

۱:- تعلقاتِ جماعت کا استحکام ۲: معرفتِ الٰہی میں

— ترقی —

۳: یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لئے

تدابیر کا عمل میں لانا ؎

جلسہ پر

آنے والے تمام احباب

غور کریں

کہ خدا کے دین کو قوت پہنچانے کیلئے وہ کیا ساتھ لا رہے ہیں

ابھی تقریباً ایک ماہ باقی ہے اس سے فائدہ

اٹھاویں

جلسہ پر

نہ آنے والے احباب

غور کریں کہ

جو عذر آپ دینی اجتماع میں آنے کے لئے کیا کرتے ہیں

کیا اس عذر نے کبھی آپ کو اپنے ضروری دنیوی

کاموں سے بھی روکا ہے ؟

خدا کے

دین کی تائید کے لئے

حرکت کرنا * تکلیف اٹھانا * ذلّت اٹھانا

زندگی * راحت * عزّت

کا موجب ہے ؎

کیا آپ ایک کو اختیار کر کے دوسری کو حاصل کریں گے

بزرگانِ قوم سے

التماس ہے !

کہ وہ اپنی حاضری سے نوجوانانِ قوم کے حوصلے بڑھائیں

اور نوجوانوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے دینی جوش

کے مظاہرے سے بزرگانِ قوم کی زندگیوں میں

راحت پیدا کریں،

(محمد علی رح)

دعوت الی اللہ

اس جماعت کا کام ہے

اگر کسی نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جس طرح اور انجمنیں ہوتی ہیں ویسے ہی یہ بھی ایک انجمن ہے تو یہ صحیح نہیں۔ آپ کی جماعت - - - - - - - کے ذمہ اشاعت دین کا کام ہے۔

دعوت

خدا کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ اپنے لیکچروں کے ذریعہ سے بلاؤ۔ اپنے اخبارات کے ذریعہ سے بلاؤ۔ اپنی تصنیفات کے ذریعہ سے بلاؤ مگر تمہارا بلانا خدا تعالیٰ کی خاطر ہو۔ پہلے تمہارے اپنے دلوں میں یقین ہونا چاہئیے۔ کہ خدا ہے اور اس قدر یقین ہونا چاہئیے کہ دوسروں تک پہنچانے کی تڑپ دل کے اندر پیدا ہو جائے ——————

فی الحقیقت اس کی طرف دنیا کو لانا امام —— نے آپ کی جماعت کے سپرد کیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اس کے اہل ثابت نہ ہوں۔

یہی ہمارا اصل کام ہے۔ دعوت الی اللہ کا بڑا بلند مقام ہے۔ اس مقام پر کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو خدا کی طرف بلاؤ۔ یہی فرض ہے جو تمہارے اوپر ڈالا گیا ہے۔ تم اس فرض کو پورا کرنے کی کوشش کرو۔

جلسۂ سالانہ تین دن کا چلّہ ہے

جو تزکیۂ نفس اور خدا تعالیٰ کیلئے مجدّد وقت نے تجویز کیا۔

اس جلسہ کی غرض تزکیۂ نفس اور لوگوں کو خدا سے ملانا ہے۔

صوفیوں نے خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے چلّے ایجاد کئے۔ ایک چھوٹا سا چلّہ ہمیں بھی اس زمانہ کے مجدد نے بتایا ہے۔ اور وہ ہمارا سالانہ جلسہ ہے حضرت مرزا صاحبؒ کی غرض اس جلسہ کو مقرر کرنے سے سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ وہ لوگ جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں سال بھر میں ایک دفعہ اکٹھے ہو جایا کریں اور جب ایک ہی خیال کے لوگ اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ان کا خیال بھی مجتمع ہو کر زیادہ قوی ہو جاتا ہے اس خیال میں بڑی قوت اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے تمام غفلتیں دور ہو کر ایک نیا جوش پیدا ہو جاتا ہے۔

—— حضرت امیر مولانا محمد علیؒ

* *

جلسۂ سالانہ میں شریک ہونے والے دوستوں کو

حضرت امیر مرحومؒ کی

ہدایات

"میں جلسۂ سالانہ کے متعلق تین باتیں آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ اور جماعت کے ان تمام دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں جو اس جلسۂ سالانہ میں شریک ہوں گے۔ یہ جلسہ کے تین دن ہمارے لئے مجاہدہ کے تین دن ہیں۔ ان تین دنوں میں اپنے مجاہدہ سے یہ ثبوت دو اور دکھاؤ کہ خدا تعالیٰ کے سامنے تم اپنی تمام خواہشات کو ہیچ سمجھتے ہو۔

* پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ سب دوست جو جلسۂ سالانہ میں شریک ہوں وہ اس موقعہ پر نماز باجماعت کی خصوصیت سے پابندی کریں۔ ہر چیز سے مقدم اس بات کو سمجھیں۔ جلسہ کے موقع پر ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع ہوتی ہیں جن میں ہر شخص بڑی آسانی کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے۔ سو اس مجاہدہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ باہر سے آنے والے لوگ، مقامی لوگ اور ہو سکے تو وہ لوگ بھی جو جلسہ سالانہ کے کام پر لگے ہوئے ہوں نماز باجماعت ادا کریں اور اس چیز کو ہر بات پر مقدم کریں۔

* دوسری بات جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ سب لوگ اور ہر ایک وہ شخص جس کو میرا یہ پیغام پہنچے ان تین دنوں میں خاص طور پر تہجد کی نماز پڑھیں۔ جو لوگ مہمان کے طور پر ہوں گے ان کے لئے جگانے کا ہم بندوبست کر سکتے ہیں اور وہ لوگ جو گھروں میں ہوں گے وہ بھی تہجد کی نماز پڑھیں جلسہ کی تاریخوں میں ہر ایک شخص تہجد کی کم از کم دو رکعت ادا کرے اور تہجد میں دعا کی جائے میں دو دعاؤں کی سفارش کرتا ہوں ایک تو وہ دعا جو سورۃ بقرہ کے آخر پر ملتی ہے اور جس میں تمام التجاؤں کا خاتمہ اس آیت پر ہوتا ہے: "انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین" اور دوسری حضرت ایوبؑ کی دعا ہے: "وایوب اذ نادیٰ ربہٗ انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین" اور ایوبؑ نے جب اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

انبیاء کی دعائیں اپنی ذات کے لئے نہیں ہوتیں بلکہ خدا تعالیٰ کا نام دنیا میں پہنچانے کے لئے ان کے راستہ میں مشکلات ہوتی ہیں اور ان مشکلات کو دور کرنے کے لئے وہ خدا تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ یہ کام بہت بڑا ہے تو ہماری مدد فرما۔ سب دوست مل کر تین دن کے لئے یہ دعائیں کریں تاکہ ہماری دعائیں اکٹھی ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور میں پہنچیں اور اللہ تعالیٰ —————— ہم کو طاقت اور ضروری سامان عطا فرمائے۔

* تیسری بات یہ ہے کہ لیکچروں کی پابندی اختیار کریں بغیر اس خیال کے کہ فلاں شخص کا لیکچر ہے اسے ضرور سننا چاہیئے۔ معلوم نہیں کہ کس شخص کے منہ سے کوئی بات نکل جائے جو اثر کر جائے۔

یہ میری تین عرض داشتیں ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس موقعہ پر مل کر ہمارے قلوب سے یہ دعائیں نکلیں۔ یہ بڑا مشکل مقام ہے کوئی شخص اپنے بازو سے حاصل نہیں کر سکتا۔ خدا کے ہاں جو کچھ قبول ہوتا ہے عاجزی سے ہوتا ہے۔ امید ہے کہ جلسۂ سالانہ میں شامل ہونے والے تمام دوست ان تین باتوں کو پیش نظر رکھیں گے اور اہتمام کے ساتھ انہیں عملی جامہ پہنائیں گے۔

* * *

اصلاح کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ دُنیا کا تعلّق خُدا تعالیٰ کے ساتھ جوڑا جائے،

اسلام کے غلبہ کے سوائے کوئی راہ دُنیا کے امن و اتّحاد کی نہیں،

ہمارا سالانہ جلسہ غلبۂ اسلام کے ذرائع سوچنے اور اسلام کو دنیا میں پہنچانے کے رستے تلاش کرنے اور اس کے لئے سامان مہیّا کرنے کے لئے منعقد ہو رہا ہے ؛

قومی اجتماعات اور سالانہ جلسے دُنیا میں ہر قوم اور مجلس کی طرف سے منعقد ہوتے ہیں لیکن شاید ہی کوئی ایسا اجتماع ہو جس کے پیشِ نظر اسقدر بلند اغراض ہوں جیسی ہمارے سالانہ جلسہ کی غرض ہے۔ اللہ کا نام دُنیا میں بلند کرنا۔ دنیا کو اس امن و اتحاد کا پیغام دینا جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اور جس کے ذریعہ سے دُنیا ان مصائب اور تکالیف، اس بدامنی اور پریشانی سے نکل کر جو اس وقت اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس دشمنی اور عناد۔ تباغض اور تحاسد۔ باہمی نفرت اور حقارت کو چھوڑ کر جو قوموں اور ملکوں کی تباہی اور بربادی کا موجب ہو رہی ہیں۔ اخوّت و مساوات اور عالمگیر برادری کا رنگ اختیار کر سکتی ہے۔

یہ وہ غرض ہے جو اس زمانہ کے مامور اور مجدّد نے ہمارے سامنے رکھی اور غور کر کے دیکھا جائے تو یہی ایک چیز ہے جسکو حاصل کئے بغیر دُنیا میں نہ امن قائم ہو سکتا ہے اور نہ موجودہ مصائب اور پریشانیاں کسی طرح ختم ہو سکتی ہیں۔ اس وقت انسان انسانوں کو کھانے کے لئے دوڑ رہا ہے۔ قومیں قوموں کو ہڑپ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ان کی اصلاح کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ دنیا کا تعلق خدا تعالٰے کے ساتھ جوڑا جائے اور اس حقیقت کو ان کے ذہن نشین کرایا جائے کہ تمام قومیں ایک ہی خدا کی مخلوق ہیں۔ ملک و وطن اور رنگ و نسل کے اختلاف و افتراق کے باوجود مساوی حقوق اور آزادانہ زندگی بسر کرنے کا یکساں حق رکھتی ہیں۔ یہ نظریہ صرف اسلام نے پیدا کیا اور صرف نظریہ ہی نہیں بلکہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والوں میں اخوت و مساوات پیدا کر کے قومی نسلی اور لونی امتیازات کے باوجود قوموں اور ملکوں میں محبت اور اتحاد قائم کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دنیا میں امن و اتحاد پیدا کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے ؛

اسلام نے ایک خدا کو منوا کر تمام مخلوق کے اندر اخوت و مساوات قائم کر دی اور آج دنیا اگر امن کا منہ دیکھ سکتی ہے تو اسی ایک ذریعہ سے کہ اس واحد خدا کے آستانہ پر جھک کر اور محمد رسول اللہ کی غلامی میں آ کر، مساوات و محبت و اتحاد کا سبق حاصل کیا جائے۔ یہ وہ سبق ہے جو عملی رنگ میں دُنیا دیکھ چکی ہے۔

حضرت مجدد وقت نے اسی پیغام اخوت کو دنیا میں لے جانے اور اسی محبت و اتحاد کو اکناف عالم میں پہنچانے کے لئے ہمیں کھڑا کیا ہے۔ اور ہمیں بتایا ہے کہ اسلام کے غلبہ کے سوائے کوئی راہ دُنیا کے امن و اتحاد کی نہیں۔ اس غلبہ کا وقت اب قریب ہے لیکن اس کو قریب تر لانے کے لئے ہماری کوششوں اور جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ایسی جدوجہد جن کے لئے حضرت امام وقت کا ارشاد گرامی ہے :-

> —— پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آ چکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے لیکن ابھی ایسا نہیں ضرور ہے کہ آسمان چڑھنے سے رُکے رکھے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں اور اعزاز —— کے لئے ساری ذلتیں نہ قبول کر لیں —— زندہ مذہب ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے وہ کیا ہے ہمارا اسی راہ میں مرنا یہی موت ہے جس پر —— زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے ——————
>
> (فتح اسلام)

ہمارا سالانہ جلسہ انہیں کوششوں کے ذرائع سوچنے ——
رستے تلاش کرنے اور اس کے لئے سامان تہیا کرنے کے لئے منعقد ہو رہا ہے۔ یہ وہ بلند ترین غرض ہے
جو دنیا کی اور مجالس اور اجتماعات میں نظر نہیں آتی۔

اس لئے آئیے!

اور اس جلسہ میں شامل ہو کر اسلام کو دُنیا میں غالب کرنے کی تدابیر کیجیے خود آئیے
اور دیگر بھائیوں کو بھی ساتھ لائیے کہ اسی میں آپ کی اور تمام دنیا کی خوشحالی
مضمر ہے ؛ "

پروگرام جلسہ سالانہ ۸۱ء

اجلاسِ خواتینِ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام - لاہور

سٹیج سیکرٹری

محترمہ زبیدہ محمد احمد صاحبہ

۹-۰۰ تا ۹-۵	تلاوت قرآن پاک	محترمہ بیگم ڈاکٹر سعید احمد صاحب (امیر جماعت)
۹-۵ ″ ۹-۱۰	نعتِ رسولؐ	محترمہ زاہدہ جنجوعہ صاحبہ
۹-۱۰ ، ۹-۱۵	ملفوظات حضرت مجدد چہار دہم	محترمہ نگین ملک صاحبہ
۹-۱۵ ″ ۹-۲۵	استقبالیہ خطاب	محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ صدر تنظیم خواتین
۹-۲۵ ″ ۹-۳۵	بیرون ملک سے آنے والے مندوبین کا تعارف	
۹-۳۵ ″ ۹-۴۰	نظم	٥
۹-۴۰ ″ ۹-۵۰	تقریر	محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ - لندن
۹-۵۰ ″ ۱۰-۰۰	″	محترمہ صبیحہ سعید صاحبہ لاہور
۱۰-۰۰ ″ ۱۰-۱۰	″	محترمہ امت الرشید اکرام الحق صاحبہ راولپنڈی
۱۰-۱۰ ″ ۱۰-۱۵	نظم	٥
۱۰-۱۵ ″ ۱۰-۳۵	تقریر	محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ ، لاہور
۱۰-۳۵ ″ ۱۰-۴۵	″	محترمہ مسرت بشیر صاحبہ ، ملتان
۱۰-۴۵ ″ ۱۰-۵۰	نظم	٥
۱۰-۵۰ ″ ۱۱-۰۰	تقریر	محترمہ سلیمہ فاروقی صاحبہ لاہور
۱۱-۰۰ ″ ۱۱-۱۵	″	محترمہ جسارت نذر رب صاحبہ ملتان
۱۱-۱۵ ″ ۱۱-۴۰	اپیل چندہ و دعا	محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ ،

وقفہ برائے نمائشِ دستکاری و نماز

مجلسِ مذاکرہ ۳ بجے

صدر محترمہ خورشید راجہ صاحبہ، سیکرٹری جماعت سیالکوٹ
سٹیج سیکرٹری :- محترمہ عصمت خالد صاحبہ ،

تلاوتِ قرآنِ پاک :	محترمہ طاہرہ جنجوعہ صاحبہ
نعت	مدیحہ رسول صاحبہ اور شاہدہ جنجوعہ صاحبہ
ملفوظات حضرت مجدد چہار دہم	سلیمہ ملک صاحبہ ،
رپورٹ تنظیم خواتین احمدیہ سیالکوٹ	محترمہ بیگم خورشید راجہ صاحبہ
″ ″ ″ کراچی	محترمہ اختر نذیر احمد صاحبہ
″ ″ ″ پشاور	محترمہ پروین واجد صاحبہ
″ ″ ″ لاہور	محترمہ عصمت خالد صاحبہ

:- مجلسِ مذاکرہ :-

موضوع : **احمدیت کیا ہے ؟**

:- شرکاء :-

محترمہ پروین ناجد صاحبہ پشاور ، محترمہ وجیہہ سعید صاحبہ اسلام آباد ؛ ڈاکٹر مس اکرام الحق صاحبہ راولپنڈی محترمہ یاسمین واجد صاحبہ پشاور ، محترمہ فریدہ خان صاحبہ ایبٹ آباد ، محترمہ سمیرا اشرف صاحبہ ، لاہور محترمہ مدیحہ رسول صاحبہ ملتان ، محترمہ شمائلہ غفور صاحبہ لاہور ، محترمہ ساجدہ رحمٰن صاحبہ ، لاہور

منصفین

محترمہ جسارت نذر رب صاحبہ ، ڈاکٹر عائشہ بیگ صاحبہ ، ڈاکٹر منیرہ صاحبہ ،

سٹیج سیکرٹری :- محترمہ عصمت خالد صاحبہ ،

از محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ ، لاہور

برائے صفحہ خواتین

ہر سال کی طرح اس سال بھی حضرت مرزا صاحبؑ کے ساتھ دین کو دنیا پر مقدم کرنے والوں کا اجتماع دسمبر ۱۹۸۱ء کے آخری ہفتہ میں ہونا ہے ۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۸۱ء کو خواتین کے دو اجلاس ہونے ہیں۔ ایک صبح ۹ تا ۱۲ بجے دوپہر نمائش دستکاری جس میں سارا سال احمدی بہنیں اپنے ہاتھوں اور نظر کا استعمال خدمتِ دین اور اشاعت دین کے لئے فنڈ مہیا کرنے میں صرف کرتی ہیں ۔ ان کی بنائی ہوئی دستکاری کی چیزیں ہزاروں روپیہ میں فروخت ہوتی ہیں ۔ دستکاری بمد لاگت سیکرٹری دست کاری صفیہ جاوید صاحبہ ارسال کریں۔

اس سال بچیوں کا مذاکرہ اور بیرونی جماعتوں کی تنظیم خواتینِ احمدیہ کی رپورٹیں دوسرے اجلاس میں بعد از نماز ظہر شروع ہوں گی ۔ مذاکرے کے لئے بچیوں کو کاغذ سے تقریر پڑھنے کی اجازت ہوگی ۔ بہترین مقررہ بچیوں کو انعامات حسبِ سابق دیئے جائیں گے ۔ مقررہ بچیوں کے نام ۱۰ دسمبر ۱۹۸۱ء تک پہنچ جانے چاہئیں ۔ ۵ سے ۷ منٹ کی تقریر ہو ۔

اِس سال ایک نیا تجربہ کیا گیا ہے ۔ یعنی دارالسلام کی خواتین بطور میزبان مہمانوں کے کمرے اور بستروں کی صفائی کے کام میں ان کو شامل کیا گیا ہے ۔ اِس جلسہ کمیٹی کی صدر محترمہ عظمت رفیق صاحبہ اور معاون مسز بقا صاحبہ ، مسز حیات صاحبہ ، مسز پرویز صاحبہ ، مسز اشرف صاحبہ ۔ مسز رحمٰن صاحبہ اور بہت سی بچیاں ہیں ۔ جلسہ کے دوران یہ بہنیں مہمانداری کے فرائض ادا کریں گی ۔

"تنظیم خواتین کی عہدیدار بدو ملہی راولپنڈی اور پشاور کے بعد ان شاء اللہ --- سیالکوٹ بھی تشریف لے جا رہی ہیں ۔ یہ حسب وعدہ رابطہ کا سال ہے ۔ ساتھ ہی ساتھ مقامی رابطہ جاری ہے ۔ دعا کیجئے کہ ہم مجھے اور آپ کو دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی توفیق بخشے ۔ ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہے ۔

(خاکسار :- رضیہ مدد علی صاحبہ)

جلسہ فنڈ

ہر ایک احمدی دوست کو جلسہ سالانہ کے اخراجات میں حصّہ لینا چاہیئے اور جماعت کا کوئی فرد اس چندہ سے باہر نہیں رہنا چاہیئے ۔ اسی سلسلہ میں مکرم جنرل سیکرٹری صاحب کا ایک مکتوب بیرونی جماعتوں کو بھجوایا گیا ہے جماعتوں کے سیکرٹری و صدر صاحبان ادھر خصوصی توجہ دیں ۔

—— (ادارہ)

جلسہ سالانہ کے اغراض و مقاصد

اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمۂ حق پر بنیاد ہے۔ (حضرت بانی سلسلہ احمدیہ)

اس جلسہ کے اغراض میں سے بڑی غرض تو یہ ہے کہ تا ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے اور ان کے معلومات وسیع ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے اُن کی معرفت ترقی پذیر ہو پھر اس کے ضمن میں یہ بھی فوائد ہیں کہ اس ملاقات سے تمام بھائیوں کا تعارف بڑھے گا اور اس جماعت کے تعلقات اخوت استحکام پذیر ہوں گے۔ ماسوا اس کے اس جلسہ میں یہ بھی ضروریات میں سے ہے کہ یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کیلئے تدابیر حسنہ پیش کی جائیں کیونکہ اب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یورپ اور امریکہ کے سعید لوگ ا ——— تیار ہو رہے ہیں سو بھائیو یقیناً سمجھو کہ یہ ہمارے لئے ہی جماعت تیار ہونے والی ہے۔ خدا تعالیٰ کسی صادق کو بے جماعت نہیں چھوڑتا۔ انشاء اللہ القدیر سچائی کی برکت اُن سب کو اسطرف کھینچ لائیگی۔ خدا تعالیٰ نے آسمان پر یہی چاہا ہے اور کوئی نہیں کہ اسکو بدل سکے۔ سو لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور اپنا سرمائی بستر لحاف وغیرہ بھی بقدر ضرورت ساتھ لاویں اور ادنیٰ ادنیٰ ہرجوں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالیٰ مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں جاتی اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق ——— پر بنیاد ہے اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی۔ کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔ عنقریب وہ وقت آتا ہے بلکہ نزدیک ہے کہ اس مذہب میں نہ نیچریت کا نشان رہے گا نہ نیچر کی تفریط پسند اور اوہام پرست مخالفوں کا نہ خوارق کے انکار کرنے والے باقی رہیں گے اور نہ ان میں بیہودہ اور بے اصل اور مخالف قرآن روایتوں کو ملانے والے اور خداوند تعالیٰ ——— بین بین کی راہ زمین پر قائم کر دے گا ———

یہی ہوگا اور ضرور ہی ہوگا۔ جس کے کان سننے کے ہوں سنے۔ مبارک وہ لوگ جن پر سیدھی راہ کھولی جائے۔ بالآخر میں دعا پر ختم کرتا ہوں کہ ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسہ کے لئے سفر اختیار کریں۔ خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہو اور ان کو اجرِ عظیم بخشے۔ اور ان پر رحم کرے اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات ان پر آسان کر دیوے اور ان کے ہم و غم دور فرما دے اور ان کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی مرادات کی راہیں اُن پر کھول دے۔ اور روزِ آخرت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ ان کو اٹھاوے جن پر اس کا فضل و رحم ہے اور تا اختتام سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو۔ اے خدا! اے ذوالمجد والعطا اور رحیم اور مشکل کشا یہ تمام دعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر ایک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے۔

آمین۔ ثم آمین!

(حضرت مجدد صد چہاردہم)

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد رحمۃ اللہ علیہ

اجتماعی روحانیت بڑی مفید چیز ہے

ہمارا سالانہ جلسہ ایک اجتماع ہے

جماعت میں برکت ہوا کرتی ہے۔ جماعت میں ایک کی کمزوری دوسرے کی قوت کے ساتھ مل کر کمزوری نہیں رہتی بلکہ قوت سے متبدل ہو جاتی ہے۔ طاقتوروں کی معیت کمزور کی بھی حفاظت کا موجب ہو جاتی ہے۔ جب تک کوئی نہایت درجہ قوی روحانیت کا انسان نہ ہو اسکی تنہائی اس کی روحانیت کیلئے خطرہ سے خالی نہیں۔ اکیلے آدمی پر شیطانی وساوس اور غفلت و سستی کے حملے کارگر ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ طرح طرح کے وساوس کا شکار ہو کر اور غفلت و سستی کے اثر سے مذہب سے بیگانہ اور روحانیت سے عاری ہو جاتا ہے۔ یا کم سے کم اس میں وہ مذہبی جوش باقی نہیں رہتا جو ایک اسلامی مجاہد کے قلب میں ہونا چاہیئے۔

اسی لئے اسلام نے جماعت پر بڑا زور دیا ہے۔ اگرچہ نماز بندہ کا اپنے رب کے ساتھ ذاتی تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے لیکن پانچ وقت میں بھی نماز کا ایک حصہ با جماعت کر دیا تاکہ رب کے ساتھ تعلق جوڑنے میں بھی جماعت کی اجتماعی روحانیت سے ایک کمزور روحانیت کا انسان فائدہ اٹھا سکے اور اھدنا الصراط المستقیم کی دعا مانگتے وقت برگزیدگانِ الٰہی کی دعاؤں کے ساتھ ایک گنہگار کی دعا بھی شرفِ قبولیت حاصل کر سکے۔ اس کی مثال میں مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آنحضرت صلعم کی طرح بہت فیاض اور سخی تھیں۔ آپؓ کا یہ دستور تھا کہ جو کچھ وظیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں آپؓ کو بھیجتے اور بعض دفعہ بڑی بڑی رقمیں بھی بھیجتے مگر آپؓ سب خدا کی راہ میں دے دیتیں اور خود فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتیں۔ آپؓ کے ایک بھتیجے تھے انہوں نے ایک دفعہ شکایت کی کہ آپؓ سب کچھ خدا کی راہ میں دے دیتی ہیں ہمارے لئے پیچھے ترکہ کیا چھوڑیں گی؟ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت رنج ہوا۔ اور اپنے بھتیجے کی اس حبِّ دنیا سے اس قدر بیزار ہوئیں کہ اُسے کہہ دیا کہ آئندہ میرے گھر میں نہ گھسنا۔

وہ بھتیجے صاحب بعد میں بہت پچھتائے۔ اور معافی وغیرہ طلب کرنی چاہی لیکن چونکہ اس کا مکان میں داخلہ بھی بند تھا اس لئے کامیابی نہ ہوئی۔ جب اس نے آنا چاہا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے منع کر دیا کہ میرے گھر میں نہ گھسو۔ اُس نے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی انہوں نے ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر جمع ہو کر درخواست کی کہ ہم سب کو اندر آنے کی اجازت دی جائے۔ اُن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وہ بھتیجا بھی تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ اندر داخل ہوتے ہی بھتیجے نے معافی مانگی اور صحابہؓ نے سفارش کی نتیجہ یہ ہوا کہ معافی مل گئی۔ گویا جماعت کے ساتھ وہ رد کیا ہوا بھتیجا بھی باریابی پا گیا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور جو جماعت کھڑی ہوتی ہے اُس میں نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی، ان نیکوں کی دعا کے ساتھ بدوں کی بھی دعا قبول ہو جاتی ہے کیونکہ وہ ایک اجتماع کی مشترکہ اور متفقہ دعا ہوتی ہے۔ اسکو شیخ سعدی صاحب نے اس طرح فرمایا ہے: ؎

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

پس جماعت کے نیکوں کے ساتھ گنہگار بھی جناب الٰہی کے دربار میں شرف باریابی پا جاتے ہیں جس طرح خدا کی رحمت کی بارش جب برستی ہے تو باغ میں جہاں پھولوں اور پودوں پر برستی ہے وہاں روڑیوں پر بھی برستی ہے۔ اسی طرح جناب الٰہی کی مغفرت اور رحمت کی بارش جب ایک جماعت پر ہونے لگتی ہے تو نیکوں اور بدوں پر بھی ہو جاتی ہے۔ پس جماعت کی نماز، جماعت کی دعا، جماعت کیساتھ مل کر کوئی خدمتِ دین کرنے میں خوب فضلِ ربی کی ہوا اس جماعت پر چلتی ہے تو چھوٹے اور بڑے نیک اور بد سب پر کرم گستری ہوتی ہے۔

جلسۂ سالانہ کے متعلق میری ایک خواہش

بارہ سال سے زائد عمر کے سب نوجوان اس میں شرکت کریں

حضرت مرحوم کا یہ پیغام

اُن کی زندگی میں شائع ہوا تھا۔ یہ آج بھی ویسا ہی ضروری ہے جیسا مرحوم کی زندگی میں تھا امید ہے احباب کرام اس پر خاص توجہ فرمائیں گے۔

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

ذکر الٰہی کے تین دن

سالانہ جلسہ ایک ایسا موقع ہے جو اگرچہ صرف تین دن کا اجتماع ہے لیکن اس میں ایک ایسا زبردست ماحول پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ بہت سے بُرے اثرات کو دُور کر کے دلوں پر ایک ایسا نقش کر دیتا ہے جو بعد میں تھوڑی سی توجہ سے سارا سال قائم رہتا ہے۔

ہمارا سالانہ اجتماع عام اجتماعوں کی طرح نہیں بلکہ خدا کے فضل سے یہ تین دن ایک طرح پر صبح سے شام اور شام سے صبح تک ذکر الٰہی کے دن بن جاتے ہیں لیکچر اور تقریریں ہیں ـــــــــــــــــــ

کوئی رپورٹ ہے تو اس میں بھی یہی بتایا جاتا ہے کہ یہ عظیم الشان کام جو ہمارے سید و مولیٰ محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دلی تڑپ تھی۔ یعنی کلمۂ حق کا دنیا میں پہنچانا اس میں ہم نے اب تک کیا کچھ کیا ہے اور آئندہ کیا کچھ کرنا ہے۔ باہم دوستوں کی میل ملاقات ہے تو اس میں بھی یہی ذکر ہے، دن ہے تو مسجد میں سب اکٹھے ہو کر خدا کے سامنے گر رہے ہیں، رات ہے تو اپنی اپنی جگہ گریہ و زاری کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دینِ اسلام کا بول بالا کرے۔ غرض سارے مجمع پر ذکر الٰہی کا ایسا رنگ چڑھا ہوا ہوتا ہے جو کسی دوسرے مجمع میں نظر نہیں آتا۔ اس پاکیزہ مجمع میں آپ کے بچے آئیں گے تو یقین رکھئے کہ وہ ایک نہایت نیک اثر لے کر جائیں گے۔ مادہ پرستی اور دہریت کی اس زہریلی ہوا کے لئے جس کے اندر انہیں سال بھر رہنا پڑتا ہے۔ یہ ایک نہایت مؤثر تریاق ہوگا ۔۔۔۔۔۔ اس لئے میری یہ خواہش ہے کہ جلسہ سالانہ کے اس موقع پر بارہ سال کے اوپر کے سب نوجوانوں کو شامل کیا جائے۔

(۸ دسمبر ۱۹۴۸ء)

حضرت امیر مرحوم کا آخری پیغام

اپنے سینوں کو ٹٹولو، کیا تمہارے دلوں میں اُس امام زمانہ کی ڈالی ہوئی چنگاری کی کچھ گرمی موجود ہے؟

آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح نسل انسانی بربادی کی طرف دوڑی جا رہی ہے اور قریب ہے کہ آگ کے گڑھے میں گر کر بھسم ہو جائے وہ نسخہ جس سے نسل انسانی بچ سکتی ہے وہی ہے جس نے ایک دفعہ پہلے تباہ ہوتی ہوئی نسل انسانی کو بچایا تھا یہ خدا کا آخری کلام قرآن کریم ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے مگر ہم اس نسخۂ شفا کو دنیا میں نہیں پہنچا رہے اسکے پہنچانے کیلئے ایک پاک نفس جماعت کی ضرورت ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کام کی بنیاد ایک مامور کے ہاتھ سے رکھوائی اور اسکو چودھویں صدی کے سر پر مجدد بنا کر بھیجا کیونکہ نفوس کو وہی پاک کر سکتا ہے جسکو خدا نے اپنے ہاتھ سے پاک کیا ہو اسکے بیٹھنے والے جانتے ہیں کہ اس کے دل میں قرآن اور حضرت محمد صلعم کا کسقدر عشق تھا۔ اس عشق کی آگ اسکے سینے میں بھی ایسی مشتعل تھی کہ جو اس کے پاس آکر بیٹھا اس کے سینے میں بھی ایک چنگاری اس آگ کی پڑگئی اور ہزاروں بلکہ لاکھوں سینے روشن ہو گئے۔

ـــــــــــــــــــ اپنے سینوں کو ٹٹولو

کیا تمہارے دلوں میں وہ امام ـــ کی ڈالی ہوئی چنگاری کی گرمی موجود ہے۔ اگر ہے تو وہ حرکت کیوں نہیں۔ جو امام ـــ کے پاس بیٹھنے والوں میں نظر آتی تھی۔ تمہارا قدم دلیوانہ وار کیوں نہیں بڑھتا ۔۔۔۔۔۔۔۔ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی جگہ دنیا کی محبت تمہارے دلوں میں اثر کرتی جاتی ہے اور تم دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد کو فراموش کرتے جا رہے ہو اور جہاد کی رُوح کی جگہ تمہارے اندر آرام طلبی کی رُوح سرایت کرتی جا رہی ہے۔ خدا سے ڈرو اور اس کے مسکین بندے بن جاؤ۔

(۱۵ شوال ۱۳۷۲ھ / ۱۵ دسمبر ۱۹۴۱ء)

ارشادات

حضرت امیر قوم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب

ایدہ اللہ تعالٰی بنصرہ العزیز

وجاھدوا فی اللہ حق جہادہٖ — والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔

قرآن کریم میں جہاد کا ذکر کثرت سے آیا ہے لیکن صرف ان دو آیات میں جہاد فی اللہ کے الفاظ آئے ہیں اور مخصوص معنوں میں استعمال ہوئے ہیں کیونکہ جہاد فی اللہ درحقیقت اُس جدوجہد کا نام ہے جو ایک انسان پہلے خود اپنے خدا سے ملنے اور پھر دوسروں کو اس سے ملانے کے لئے کرتا ہے

جاھدوا فی اللہ حق جہادہٖ میں اللہ تعالٰی کی طرف سے اپنے بندوں کو یہ حکم ہے کہ مجھ سے ملنے اور ملانے کے لئے بھرپور کوشش کرو۔ تمہاری اس کوشش میں کوئی کمی اور خامی نہ رہ جائے اور اس میں کسی قسم کی سستی۔ کاہلی اور بے دلی واقع نہ ہونے پائے۔ دوسری آیت میں ایسی کوشش کرنے والوں کو یہ خوشخبری دے کر کہ ہم ان کی کوششوں کو رائیگاں نہیں جانے دیتے بلکہ اپنے تک پہنچنے کے راستے اور سلوک انہیں خود ہی بنا دیتے ہیں۔ ان کے دلوں کو اس ایمان اور یقین سے بھر دیا ہے کہ وہ اس مقام کو حاصل کر سکتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو خود خدا کو دیکھ لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی دکھا دیتے ہیں۔

اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ ہزاروں بزرگان دین اور اولیاء اللہ نے خدا تک رسائی حاصل کرنے کی جدوجہد میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ انہوں نے بڑی محنت شاقہ سے کام لیا۔ صوفیائے کرام نے اس سلسلے میں کئی قسم کے چلّے ایجاد کئے اور زہد و عبادت اور تقوٰے کی باریک حد تک رعائت رکھی کیونکہ اس مقصد کیلئے جہاد بالنفس جس کا دوسرا نام تزکیۂ نفس ہے شرطِ اولین ہے جس نے بھی اس شرط کے ماتحت اپنے رنگ میں کوئی کوشش کی اُسے اپنے مقصد میں کچھ نہ کچھ کامیابی ضرور حاصل ہوئی۔

چودہویں صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ نے بھی ہمیں اس جہاد کی طرف دعوت دی ہے اللہ تعالٰی سے ملنے کے لئے آپ نے جو طریقے قرآن اور حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں ہمارے لئے تجویز کئے ہیں اُن میں سے ایک جلسہ سالانہ بھی ہے۔ جو تین روزہ مجاہدہ کا رنگ اپنے اندر رکھتا ہے کیونکہ اس کی سب سے بڑی اور اعلٰی غرض بھی تزکیۂ نفس اور زندگی کو اللہ تعالٰی کی راہ پر ڈالنا ہے۔ یہ پیری مریدی کے طریقوں سے بالکل جداگانہ راہ ہے جس کی کیفیات کا الفاظ میں بیان ممکن نہیں۔ جو لوگ ہمارے بزرگوں کے زمانہ میں اور اُس کے بعد ان جلسوں میں شامل ہوئے وہ اس کی روحانی لذات اور تاثیرات سے ناآشنا نہیں۔ ہمارے جن دوستوں کو بیرونی ممالک سے آکر ہمارے سالانہ اجتماعوں میں شامل ہونے کا موقعہ ملا وہ ان کیفیات کا عجیب اثر لے کر واپس گئے جس کا ذکر بعض دوستوں نے مجھ سے کیا ہے۔ وہ اسے سرور سے سرشار ہو کر جاتے ہیں کہ بار بار آنا چاہیئے۔ ہمارے یہ مبارک اجتماعات صرف اپنے ہی تزکیۂ نفس کا باعث نہیں بلکہ ان سے باہمی تزکیۂ نفس کا موقع میسر آتا ہے۔ کیونکہ ہمارے امام نے ہمیں ایسے راستے پر ڈالا ہے جس سے ہر ایک کا تزکیۂ نفس بھی ہو اور ہم دُنیا کے تزکیہ اور اُسے خدا کی راہ پر ڈالنے کے لئے تجاویز بھی سوچ سکیں۔ اس لئے میں اپنی جماعت کے تمام بھائیوں۔ بہنوں۔ بچوں اور بچیوں خصوصاً نوجوانوں کو دسمبر ۱۹۸۱ء میں منعقد ہونے والے جلسہ سالانہ میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہوئے ان کی خدمت میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ اسی عزم اور جذبہ کے ساتھ آئیں تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ تعداد میں باہم مل کر دینِ حق کی باتیں سنیں اور اپنی نمازوں میں اُس کے حضور گر کر اُس سے گڑگڑا کر یہ دعا کریں کہ تاریکیوں کے اس دور میں وہ ہمارے دلوں کو اپنے نور سے منور کر دے اور اُن کے زنگوں کو دھو ڈالے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے کام میں جو احمدیہ انجمن اشاعتِ دین لاہور کے قیام کی غرض و غایت ہے ہماری مدد فرمائے۔ ہماری کوششوں کو قبول فرمائے اور اُن میں برکت ڈالے۔ آمین — ہمارے کئی دوست پہلی بار جلسہ سالانہ میں شمولیت کیلئے تشریف لاتے ہیں جس سے ہماری ذمہ داریوں میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہماری بڑی بھاری ذمہ داری یہ ہو جاتی ہے کہ ہمارا اخلاقی نمونہ اعلیٰ درجہ کا ہو تاکہ وہ یہاں سے جو تاثر لیکر جائیں وہ ان کی زندگیوں میں مشعلِ راہ کا کام دے — اندرونِ ملک اور بیرونِ پاکستان سے آنے والے احباب و خواتین اپنے کاروبار چھوڑ کر، سفر کی تکالیف اور بھاری اخراجات برداشت کر کے لاہور محض جلسہ میں شریک ہونے کیلئے آتے ہیں۔ مرکزی جماعت کے لوگ ان اخراجات اور صعوبتِ سفر سے محفوظ ہیں لیکن ان کی ذمہ داریاں دوسری نوعیت کی ہیں میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ ان ذمہ داریوں سے حسبِ سابق بڑی خوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوں گے۔ میں ان سے یہ بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ جلسے کے تین دنوں کو اپنے ہر قسم کے آرام اور دنیوی کاروبار کو قربان کر کے کامل طور پر خدا کے کام کے لئے وقف کر دیں اور جلسے کے پروگرام کے مطابق اپنے دن رات کے اوقات جلسہ گاہ میں گزاریں۔ یہ اللہ تعالٰی کی خوشنودی اور رضا کے حصول کا ایک ذریعہ ہوگا۔ سال بھر کے یہ تین ایام اپنے معبود و مطلوب کی رضا جوئی میں صرف کر دینا ایک حقیر سی کوشش ہے جو ہم میں سے ہر ایک کر سکتا ہے سوائے کسی خاص عذر کے — اگر ہم ایسی کوشش کرنے میں کامیاب ہو جائیں کہ والذین جاھدوا فینا کی ذیل میں آجائیں اور اللہ تعالٰی ہمیں لنھدینھم سبلنا والوں کی صف میں لا کھڑا کرے تو اس سے بڑی کیا بات ہو سکتی ہے جس کی کوئی مومن تمنا کر سکتا ہے۔ ہم نے اگر خدا کو پانے کی ذرا بھی کوشش کی تو وہ اپنے وعدہ کے مطابق ہمیں اپنے پانے کی راہیں خود دکھا دے گا۔ اللہ تعالٰی آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰے مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام
◆
ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفٰے مارا امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را بروشد اختتام
◆
ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ ۔ تبلیغ
فون ۔ ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف یکو عمر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منارِ بلند تر محکم افتاد
دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا
الہاماتِ حضرت مسیح موعود

جلد: ۶۸ ★ یوم چہار شنبہ ۴ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ — مطابق ۲ دسمبر ۱۹۸۱ء — ★ شمارہ ۴۸

ارشادات حضرت مجدد صد چہار دہم

متقی کو اسی دنیا میں خدا ملتا ہے

یہ ایک نعمت ہے کہ ولیوں کو خدا کے فرشتے نظر آتے ہیں۔ آئندہ کی زندگی محض ایمانی ہے لیکن ایک متقی کو آئندہ کی زندگی یہیں دکھلائی جاتی ہے۔ انہیں اسی زندگی میں خدا ملتا ہے۔ نظر آتا ہے اور ان سے باتیں کرتا ہے لیکن اگر ایسی صورت کسی کو نصیب نہیں تو اس کا مرنا اور یہاں سے چلے جانا نہایت خراب ہے۔ ایک ولی کا قول ہے کہ:۔

جس کو ایک سچا خواب عمر بھر نصیب نہیں ہوا اس کا خاتمہ خطرناک ہے۔ جیسے کہ قرآن مومن کا نشان ٹھہراتا ہے۔ پس جس میں یہ نشان نہیں اس میں تقویٰ نہیں اس لئے ہم سب کی یہ دعا ہونی چاہیئے کہ یہ شرط ہم میں پوری ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام۔ خواب۔ مکاشفات کا فیضان ہو کیونکہ یہ مومن کا خاصہ ہے اس لئے یہ ہونا چاہیئے۔ بہت سی اور بھی برکات ہیں جو متقی کو ملتی ہیں مثلاً سورۃ فاتحہ میں جو قرآن شریف کے شروع میں ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ دعا مانگیں:

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین (س۔۱) یعنی ہمیں راہ سیدھی بتلا ان لوگوں کی جن پر تیرا انعام و فضل ہے۔ یہ اس لئے سکھائی گئی ہے کہ انسان عالی ہمت ہو کر اس سے خالق کا منشا سمجھے اور وہ یہ ہے کہ یہ امت بہائم کی زندگی بسر نہ کرے۔ بلکہ اس کے تمام پردے کھل جاویں۔ ۔۔۔۔۔ اس دعا سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خدا نے پہلے سے ارادہ کر رکھا ہے کہ جو متقی ہو اور خدا کی منشاء کے مطابق ہو تو وہ ان مراتب کو حاصل کر سکے جو انبیاء اور اصفیاء کو حاصل ہوتے ہیں

دلگداز صدمہ کے بعد روح پرور منظر

حضرت مولانا صدر الدین رح کے جانشین کا متفقہ انتخاب

۲۰ نومبر ۱۹۸۱ء کو نماز جمعہ کے بعد مسجد دار السلام میں جماعت کے ان سینکڑوں افراد نے جو پاکستان کے قریباً ہر شہر اور قصبے سے احمدیہ کانفرنس (مجلس عام) میں شمولیت کیلئے آئے تھے اور ایک غم کے بعد اتفاق رائے سے حضرت مجدد صد چہار دہم کے جانشین کے متفقہ انتخاب کی خوشی لے کر گھروں کو واپس گئے۔ ایک طرف امیر جماعت حضرت مولانا صدر الدین کی رحلت کا صدمہ تھا اور اس بطلِ جلیل کی چند ناقابلِ فراموش خدمات جماعت کا تذکرہ مکرم مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری کی زبان سے سن کر سامعین کی پلکیں بھیگ گئیں اور پھر جب ان دلدوز لمحات میں امیر مرحوم کی جانشینی کے سلسلہ میں انجمن کی مجلس معتمدین کا متفقہ فیصلہ سنایا گیا تو ہر طرف سے لبیک لبیک کی آوازوں کے ساتھ تمام افراد نے اس فیصلہ کی حمایت میں اپنے اپنے ہاتھ اُوپر اٹھا لئے۔ اس روح پرور منظر کے بعد امیر قوم حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ نے جس خلوص اور سوز و درد لہجے میں حاضرین کو اپنے ارشادات عالیہ سے سرفراز فرمایا اس سے حاضرین کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اور ان کی سربراہی میں اجتماعی زندگی کے نشیب و فراز میں بہر طور آگے بڑھنے کو مستعد ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ کے اس نئے جانشین کے پُربرکت وجود کی قیادت میں خلوص و محبت اور اخوت و عقیدت کے راستوں پر ایسے صدق سے قدم اٹھائیں کہ دنیا کے لئے ایک مثال بن جائیں۔ اور منزل قریب سے قریب تر ہوتی چلی جائے۔

* :۔ گذشتہ شمارہ میں صفحہ ۲ پر "متفقہ" کی جگہ سہواً "کثرت رائے" لکھا گیا۔ ادارہ اس غلطی پر معذرت خواہ ہے۔
(ادارہ)

از قلم:۔ محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ، لندن

آج اُس نے بلایا ہے

اُردو زبان کا لفظ " بلاوا " ہے تو چھوٹا سا مگر ہر انسان کی زندگی میں اس کی اہمیت ایسی ہے کہ ہماری بہت سی خوشیوں، محفلوں اور مجلسوں کا انحصار اس پر ہے۔ اپنے بزرگوں سے ایک کہاوت سنی ہے کہ "اکیلا بندہ نہ رونا بھلا نہ ہنستا"، اس کی سچائی میں کوئی شک نہیں لیکن اس کا دارومدار بھی اسی بلاوے پر ہے۔

امیر ہو یا غریب، خوشی کی محفل ہو یا غمی کا مجمع۔ جب تک دوسروں کو بلایا نہ جائے بات بنتی نہیں اور پھر اس بلاوے کے بھی بہت سے رنگ ہیں۔ غریب غربا کسی تقریب کے منانے کا حوصلہ کریں اور دوسروں خصوصاً صاحبِ حیثیت لوگوں کو بلائیں تو بھی اللہ آمین ہوتی ہے کہ جن کو بلایا ہے وہ آ جائیں بھی ورنہ تقریب سونی رہ جائے گی۔

بڑے امیر امراء اور جاہ و مرتبہ والے تو اُن کی محفلیں جب سجتی ہیں تو دنیا ٹوٹ پڑتی ہے۔ ہر کسی کو توقع ہوتی ہے سب چاہتے ہیں کہ چاہے جھوٹوں ہی بلائیں ہم سچ مچ جا شامل ہوں گے اس سے بھی بڑھ کر جب حاکموں اور بادشاہوں کی محفلیں، مجلسیں اور پارٹیاں مرتب ہوتی ہیں تو ان چکنی دمکتی ہاؤ ہو اور ناؤ نوش سے پُر تقریبات پر سب قابلِ رسائی ہستیاں آس رکھتی اور تمنا کرتی ہیں۔ ان کا بلاوا آ جائے۔ اللہ! کہیں ہمارا نام رہ نہ جائے جہاں تک بن پڑے ٹوہ لگاتے ہیں کہ فہرستوں میں نام آ گیا یا نہیں۔ اور پھر سرکاری بلاوا نہ آئے تو بڑی بڑی ترکیبوں پر دوسروں سے٭٭ جسے انگریزی میں GATE CRASHING کہتے ہیں وہ بھی کر گزرتے ہیں۔

غیروں کے بعد اپنوں کا شمار آتا ہے۔ ماں باپ کے لئے تو خیر دونوں آنکھیں برابر اپنی امیر غریب سب اولادیں یکساں ہوتی ہے۔ وہ بلائیں تو شکایت کا موقع کم ہی پیدا ہوتا ہے لیکن بہن بھائی، رشتے ناطے، کنبے برادری میں تو بلاوے پر یا اس کے نہ پہنچنے پر جد بھر گلے شکوے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر تو رنجش ایسی رہتی ہے کہ چھٹم چھٹا تک نوبت آ جاتی ہے۔ یہ تو کئی رخ اور پہلو ہیں دنیاوی بلاوے کے۔ ان سب سے بالاتر اور اہم ترین بلاوے وہ ہیں جو خود تمام عالموں کے رب۔ انسان کے خالق و مالک خدائے واحد کی طرف سے آتے ہیں۔ ان کے بھی کئی درجے ہیں۔ سب سے اہم اور آخری بلاوا تو وہ ہے جس کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے کہ:۔

مدت سے تمنا تھی اُس کے مجھے ملنے کی + آج اُس نے بلایا ہے لینے کو قضا آئی۔

اس بلاوے کے بعد کوئی واپسی نہیں۔ مانے یا نہ مانے، خوشی یا ناخوشی سے اس کے آنے پر اُس بارگاہِ عالی میں جانا ہی پڑتا ہے۔ اور پھر وہاں اپنی غفلت کی سزا بھگتنی اور عمل کی کرنی بھرنی پڑتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی کے شایانِ شان یہ زیادتی اپنے بندوں پر نہ ہو سکتی تھی کہ بغیر بتائے، خبردار یا آگاہ کئے، بے نصیحت فرمائے، اور ہدایت کا راستہ دکھائے وہ انسان کو اس آخری حاضری کا حکم فرماتا۔ سو روزِ ازل سے اس کے بھیجے ہوئے داعی رسولوں کے روپ میں ظاہر ہوتے رہے۔ اور انسان کو جیتے جی راہِ نجات دکھاتے اور اپنے خالق کو جیتے جی پا کر اس دنیا سے سرخرو جانے کے راستہ پر بلاتے رہے۔ ان سب بلانے والوں کے آخر پر ایک عظیم الشان، کامل ترین فخرِ رسل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عرب کی بے آب و گیاہ وادی سے مبعوث ہوا جس کا بلاوا اور جس کی للکار نہ صرف پہلے بلانے والوں سے بڑھ چڑھ کر تھی بلکہ یہ دلکش و مکمل دعوتِ حق ان سابقہ بلاووں کی تصدیق و تکمیل بھی کر گئی۔ اور یہ صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود نہ رہی بلکہ عرب کے وحشیوں کو فخرِ انسانیت بنا کر کرۂ دنیا میں گونج گئی۔ اور آج مشرق و مغرب کے کناروں تک یہ بلاوا پہنچ رہا ہے۔

لیکن جب زمانہ کی لپیٹ میں آ کر صدیاں بیت جائیں تو انسانی یادوں پر بھول کی دھول پڑ جاتی ہے۔ سیدھے راستے دوری کی دھند میں گم ہونے لگتے ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی دعوتِ حق فراموشی میں غرق ہو جاتی ہے۔ چونکہ ہمارے حضورؐ کے بعد نبیوں کے آنے اور بلانے کا سلسلہ ختم ہو گیا تو اب اسکے نام لیوا اور اُمتِ محمدیہ کے اماموں اور مجددین کو یہ اللہ کی طرف بلانے کا اہم فرض سونپا گیا۔ چنانچہ چودہ سو سال سے ہر صدی کے سر پر ایسا ایک داعی یہ بلاوائے حق لے کر کھڑا ہوتا رہا ہے۔

حال میں گزری ہوئی چودھویں صدی میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانئے سلسلہ احمدیہ اللہ اور حضور محمد رسول اللہ صلعم کے اس مقدس بلاوے کو لے کر آئے اور آپ نے اپنے دورانِ حیات جس طرح تن من دھن سے یہ مقدس اور اہم فرض ادا کیا اور جیسی لگن اپنے پیروؤں میں لگا گئے وہ کسی اور تعارف کی محتاج نہیں۔ لیکن سفرِ آخرت سے پہلے آپ نے تجدید بلاوا کی ایک ایسی طرح ڈالی ہے کہ وہ آج تک قائم ہے۔ وہ اپنی جماعت اور ہر جو مشتاقِ خدا و رسول ہو خدمتِ قرآن و اسلام کی تڑپ رکھتا ہو اس کے لئے ہر سال جلسہ سالانہ پر آنے کا بلاوا چھوڑ گئے ہیں۔ تاکہ سب مل کر اشاعتِ اسلام و قرآن کے ذریعے سوچیں راہ نکالیں۔ سال کے تین سو پینسٹھ دن میں سے صرف تین دن اللہ، رسول، اسلام و قرآن کیلئے وقف کر دیں۔ اکٹھے مل کر ذکرِ خدا کرنے کو عبادتوں میں شریک ہونے کو۔ تاکہ سینکڑوں دلوں سے ایک ہی دعا نکلے۔ یہی آہ و نالہ بلند ہو کہ بارِ الٰہا تیرا نام تیری توحید دنیا میں پھیلے۔ بھٹکتی ہوئی نسلِ انسانی تیرے بتائے ہوئے راستہ پر آ جائے۔ اور یہ عظیم کام ہماری مٹھی بھر کمزور جماعت کے ہاتھوں سرانجام ہو۔ آمین!

میری تو بھلا کیا ہستی اور کیا مجال ہے کہ میں یہ بلاوا اپنے بھائی بہنوں کو دوں مگر اس بلانے کی رسم قائم کرنے والے مسیحا نے جس کی قبولیتِ دعا بھی مانی ہوئی تھی اس بلاوے پر لبیک کہنے والوں اور دوری، سفر، موسم کی دشواریاں و سختیاں سہہ کر شامل ہونے والوں کے لئے کیسی دلگداز، پیاری سدا بہار دعائیں مانگی ہیں۔ ذرا سنیئے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

"ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسے میں شرکت کے لئے سفر اختیار کریں اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہو۔ اور ان کو اجرِ عظیم بخشے۔ اور اُن پر رحم کرے۔ اور ان کی مشکلات اور اضطراب کے حالات اُن پر آسان کر دیوے اور ان کو ہر تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی ہر ایک مرادات کی راہیں ان پر کھول دے اور روزِ آخرت میں اپنے نیک بندوں کے ساتھ اُٹھائے جن پر اس کا فضل اور رحم ہے اور تا اختتامِ سفر ان کے بعد ان کا خلیفہ ہو۔ آمین۔ ثم آمین۔"

دعاؤں کے حقدار بننے کے لئے دوری۔ اخراجات۔ خرابیٔ موسم اور کلفتِ سفر بھلا کیا روک بن سکتے ہیں؟ بس ایک چھوٹا سا واقعہ جو مدتِ دراز سے دل پر نقش ہے بیان کر کے بات ختم کرتی ہوں۔ ایک بار لاہور کے ریلوے سٹیشن پر حاجیوں کی ایک ٹرین روانگی کو تیار کھڑی تھی۔ ربِ کعبہ کے مقدس بلاوے پر لبیک کہنے والے جوق در جوق سوار ہو رہے تھے۔ اس ٹرین کے ساتھ پلیٹ فارم پر ایک سراپا نورِ مجسم ضعیفہ اپنا بے لوث اخلاص بھرا پلّو پھیلائے ان حجازی مسافروں کیلئے اپنی بے ساختہ پیاری پنجابی زبان میں دعا مانگ رہی تھیں۔ کہ یا اللہ رحمت دے چھٹے۔ یا ربّا انہاں تے رحمت دے چھٹے۔ یعنی اے اللہ تیری رحمت کی بارش ہو۔ یا رب ان جانے والوں پر تیری رحمت کی موسلا دھار بارش پڑے۔ آج اُس فرشتہ صورت بی بی کی دعا اُدھار مانگ کر میں بھی اس مبارک جلسہ سالانہ کے بلاوے پر لبیک کہہ کر آنے اور شامل ہونے والوں کیلئے دعا کرتی ہوں کہ یا اللہ رحمت دے چھٹے۔ یا ربّا انہاں تے رحمت دے چھٹے۔ آمین۔ ثم آمین۔

٭٭ بلاوے کے کارڈ خرید کر جا دھمکتے ہیں۔ یہ بھی نہ میسر آئے تو بن بلائے جا کر

دو عالمگیر شرک

جن میں اکثر لوگ مبتلا ہیں مگر ان کا علم نہیں رکھتے

خطبۂ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب، بمقام مسجد جامعہ، دارالسلام، لاہور، ـــ

الٓمّٓ ٥ ذالک الکتٰب لا ریب ۚ فیہ ۚ ھُدًی للمتّقین ٥ ----- فانصرنا علی القوم الکٰفرین ٥ (سورۃ البقرۃ)

سورۃ البقرۃ جس کی ابتدائی آیات میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہیں قرآن حکیم کی سب سے بڑی سورت ہے جسکے چالیس رکوع اور ۲۸۶ آیات ہیں۔ قریبًا اڑھائی سپاروں پر یہ سورت حاوی ہے۔ قرآن پاک میں ایک جگہ آیا ہے ولقد اٰتینٰک سبعًا من المثانی والقراٰن العظیم یعنے ہم نے تجھے دی ہیں سات آیات جو بار بار دُہرائی جاتی ہیں اور عظمتوں والا قرآن۔ تو اس لحاظ سے سُورۃ فاتحہ جیسی عظیم الشان دُعا جس میں استدعا ہے اھدنا الصراط المستقیم اور اس کے جواب میں سورۃ البقرۃ کو شروع فرمایا۔ الٓمّٓ ٥ ذٰلک الکتاب ------- ھدًی للمتقین ٥ (یعنے وہ ہدایت جو تم مانگتے تھے وہ اس کتاب کے ذریعہ تم کو دی جاتی ہے۔) اور وہ سورۃ فاتحہ جو بفرمان حضور صلعم قرآن کا خلاصہ ہے اُسے عطر کی طرح نکال کر قرآن کی ابتدا میں رکھ دیا اور پھر قرآن عظیم کو سورۃ البقرۃ سے شروع فرمایا۔

میں ان تمام باتوں کا ذکر سورۃ البقرۃ کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کر رہا ہوں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مجھے دو چیزیں دی گئی ہیں جو کسی نبی کو نہیں دی گئیں ایک تو سورۃ فاتحہ اور دُوسرے سورۃ البقرۃ کا آخری رکوع (جس کی نسبت ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ معراج میں نازل ہوا)۔ تو سورۃ البقرۃ نہ صرف قرآن حکیم میں اپنی ابتدائی پوزیشن کیوجہ سے خاص اہمیت رکھتی ہے بلکہ اپنے طول یعنے لمبائی میں بھی سب سے بڑی سورت ہے اور پھر اس کی ابتدا میں اگر سورۃ فاتحہ ایک بڑے ہیرے کی طرح جگمگا رہی ہے تو انتہا اُس عجیب وغریب رکوع پر ہے جس کی نسبت حضور صلعم نے فرمایا کہ کسی اور نبی کو نہیں دیا گیا۔ اور واقعی وہ رکوع علم ومعرفت اور حکمت بلیغ کا ایک سمندر ہے مگر میں اُس رکوع کی طرف چلا گیا تو میرا آج کا موضوع رہ جائے گا۔

نام میں حکمت

البقرۃ کے معنے گائے کے ہیں اور عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ اس سورت مبارکہ کا یہ نام اُس ذکر کی وجہ سے ہے جو رکوع ۶ میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل حضرت موسےٰؑ کی غیر موجودگی میں سونے چاندی کا بچھڑا بنا کر پوجنے لگے تھے یا پھر رکوع ۸ میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک خوبصورت گائے حضرت موسےٰؑ سے چھپا کر رکھی تھی تاکہ اُسے پوجیں۔ دونوں کا علم جب اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰؑ کو دیا تو انہوں نے بچھڑے کو تو جلا کر اس کی راکھ کو دریا میں پھینک دیا اور حیوان گائے کو ذبح کروا دیا۔ بے شک گائے پرستی اُس زمانہ میں مصریوں میں تھی جس سے بنی اسرائیل اپنی چار سو سال کی غلامی میں متاثر ہوئے تھے اور آج ہندوؤں میں ہے اگرچہ دن بدن کم ہو رہی ہے خصوصًا پڑھے لکھے اور روشن خیال لوگوں میں۔ مگر اتنا محدود شرک اس سورت کے نام کا باعث نہیں ہو سکتا جبکہ اس سورت کی اہمیت میں اُوپر بتا آیا ہوں۔ ذرہ سا تفکر بتاتا ہے کہ دراصل وہ محدود شرک اس عظیم الشان سورت کے نام کا باعث نہیں بلکہ ان دونوں واقعات میں اُن دو عالمگیر شرکوں کا ذکر ہے جو کسی خاص وقت یا خاص قوم تک محدود نہ تھے بلکہ ہمیشہ اور آج بھی تقریبًا ساری نسلِ انسانی ان میں مبتلا ہے الاّماشاء اللہ۔ اور جب تک وہ ان سے نجات نہیں پائے گی وہ توحید کے اصل مقام کو نہیں پا سکتی جس پر انسان کو لانا اسلام اور قرآنِ پاک کا اوّلین مقصد ہے۔

حیوان پرستی

بنی اسرائیل کی گائے پرستی کے ذکر میں یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان کی عقل ایسی ماری جاتی ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ گائے محض ایک حیوان ہے جو اس کی خدمت کیلئے پیدا کیا گیا ہے مگر شیطان (اندرونی وبیرونی بصورت گمراہ کرنے والے انسان) کے ورغلانے میں آکر وہ اس حیوان کو خدا کی طرح پوجنے لگتا ہے۔ کہاوت ہے کہ آنکھوں دیکھی مکھی نگلی نہیں جاتی۔ مگر انسان کی عقل پر ایسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ وہ آنکھوں دیکھے حیوان کو خدا بنا لیتا ہے۔ تو انسان کے لئے اُس حیوان کو جو اس کے اندر ہے اور بطورِ حیوان اُسے نظر نہیں آتا خدا بنا کر اس کی عبادت کرنا آسان تر ہے۔

عبادت کے معنیٰ

عبادت کے معنی نماز نہیں جس کے لئے قرآن حکیم میں لفظ صلوٰۃ آیا ہے۔ عبادت کے لغوی معنیٰ ہیں فرمانبرداری کرنے کے۔ اور عبادت اور صلوٰۃ کے معنی میں فرق کو قرآن حکیم نے خود یوں واضح فرمایا ہے فاعبدنی ۙ واقم الصّلوٰۃ لذکری (طٰہٰ ۲۰۔ ۱۴) یعنے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری فرمانبرداری کر اور مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز کو قائم کر۔ یا مثلاً ایک جگہ فرمایا الم اعھد الیکم یٰبنیٓ اٰدم ان لا تعبدوا الشّیطٰن (یٰسٓ ۳۶۔ ۶۰) یعنے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے بنی آدم کیا میں نے تمہیں یہ حکم نہیں دیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ اب کوئی انسان شیطان کے آگے ہاتھ باندھ کر نماز نہیں پڑھتا۔ ہاں اُس کی فرمانبرداری اکثر انسان کرتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ نماز کو بھی کبھی عبادت کہا جاتا ہے اس لئے کہ نماز اللہ تعالےٰ کے حضور اپنی فرمانبرداری کا اظہار واقرار ہے مگر عبادت کے اصل معنے یعنے فرمانبرداری کے وہاں بھی ملحوظ ہوتے ہیں۔

حیوان کی عبادت

انسان کا جسم حیوانی ہے شکل کا اختلاف کوئی فرق نہیں ڈالتا کیونکہ حیوانوں یعنے جانوروں کی بھی جسمانی شکل علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے مگر بنیادی طور پر انسان کا جسم حیوانی ہے۔ اسی لئے سائنسدان اور ڈاکٹر صاحبان نئی دوائیوں کو پہلے حیوانوں پر آزماتے ہیں اور پھر انسانوں کو دیتے ہیں۔ تو اس جسم حیوانی کے اندر جو انسان کو ملا ہے جو بھی جذبات یا خواہشات اُٹھتی ہیں وہ بھی حیوانی ہوتی ہیں۔ یہ جذبات اور خواہشات انسان کے لئے بطور MOTIVE FORCE یعنے انسان کو حرکت میں لا کر عمل کی قوت دیتی ہیں۔ ان کا صحیح استعمال انسان کی دنیاوی اور دینی فلاح کا باعث

ہوتا ہے۔ اوران کا غلط استعمال یا اُن کا بے قابو ہو جانا انسان کو گمراہ اور بالآخر ہلاک کر دیتا ہے۔

اگرچہ ان حیوانی جذبات اور خواہشات کی بُرائی بھلائی کو دیکھنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے انسان کی مدد کے لئے اُسے عقل اور فطرتِ صحیحہ دی ہیں مگر جذبات اور خواہشاتِ حیوانی ایک تُند خُو حیوان یا ایک مونہہ زور گھوڑے کی طرح بے قابو ہو کر انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہیں اور اس کی فطرتِ صحیحہ کو مسخ کر دیتی ہیں۔ اسی لئے وحی الٰہی سے دین کی شکل میں صحیح ہدایت کو سیاہ و سفید (BLACK AND WHITE) شکل میں انسان کو دیا گیا۔ مگر اس کے بغیر انسانی جذبات و خواہشات بے قابو ہو کر انسان کو حیوان سے بدتر کر دیتی ہیں۔ اس کی بدترین مثال خلافِ فطرت افعال یا لواطت ہیں جن کو انسانی عقل اور فطرتِ صحیحہ نہایت غلیظ اور ناپاک بتاتی ہیں مگر آج مزعومہ مہذب قومیں یورپ میں قانونی طور پر جائز قرار دے چکی ہیں اور کھلم کھلا کرنے لگی ہیں۔ اور یہ اہلِ مغرب کے مذہب کو خیرباد کہنے کے بعد ہی ممکن ہو سکا۔ اگر ان کے لئے اُن کا مذہب قابلِ قبول نہ رہا تو اسی لئے کہ وہ مذہب خود مسخ ہو گیا تھا اور اس سائنس اور علم و عقل کے زمانہ میں وہ قابلِ قبول نہ رہا تھا۔ بدقسمتی سے اہلِ مغرب کی دنیاوی اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقیات ایسی آنکھوں کو چکا چوند کرنے والی ہیں کہ باقی دنیا بھی ان کی اندھا دھند تقلید میں اپنے اپنے مذہب کو خیرباد کہہ رہی ہے۔ اس وبا کا اثر ان مسلمانوں پر بھی بدقسمتی سے پڑ رہا ہے جنہیں اپنے مذہب کی صداقت اور خوبیوں کا کما حقہٗ علم نہیں۔ حالانکہ اسلام وہ واحد مذہب ہے جو اس علم اور روشنی کے زمانہ میں قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہے۔

بہرحال صورتِ حال یہ ہے کہ اکثر دنیا مذہب کی ہدایت کو چھوڑ بیٹھی ہے۔ اور جب انسان خدا کے کہنے کو نہ مانے گا یعنے اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری نہ کرے گا تو پھر کس کی کرے گا؟ اپنے جذبات اور خواہشات کی۔ اور یہی وہ حیوان پرستی ہے جو دُنیا میں عام ہو گئی ہے اور یہ وہ پہلا عالمگیر شرک ہے جس کا سورۃ البقرۃ میں انسداد کیا گیا ہے۔ دُنیا نے خدا کی جگہ اپنے جذبات و خواہشات کو دیدی ہے۔ اور یہ عام ترین شرک ہے نہ کہ بت پرستی یا انسان پرستی جسے دنیا (کم سے کم پڑھی لکھی اور روشن دماغ دُنیا) چھوڑ رہی ہے۔ مگر اب دنیا عام طور پر نفس پرستی میں پڑ گئی ہے۔

دُوسرا عالمگیر شرک :۔

دوسرا شرک جس کا سورۃ البقرۃ میں ذکر ہے وہ بنی اسرائیل کے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے سونے چاندی کے بچھڑے کی پرستش تھی۔ اس واقعہ میں پھر توجہ دلائی ہے کہ انسان کو اگر وحی الٰہی آکر رہنمائی نہ کرے تو اس کی عقل تو ایسی ماری جاتی ہے کہ وہ ایسی صریح گمراہی میں پڑ جاتا ہے۔ اس بچھڑے کی سب میں بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ سونے چاندی سے بنا ہوا تھا۔ تو دراصل اس کی پرستش سونے چاندی کی کشش کی وجہ سے تھی جو عام انسانوں کے دلوں میں ہمیشہ رہی اور اب بھی ہے۔ یہ کشش ایسی زبردست ہو جاتی ہے کہ بنی اسرائیل نے خود سونے چاندی کا بچھڑا بنا کر اُسے پوجا۔ آج دُنیا سونے چاندی یا بالفاظ دیگر مال و دولت کی کشش میں ایسی تگ و دو کر رہی ہے۔ کہ مال و دولت کمانا اُن کی زندگی کا واحد مقصد بن گیا ہے۔ اور اس کی تلاش اور طلب میں حلال و حرام کی تمیز بالکل نہیں رہی۔ انسان کی پیدائش کا مقصد تو خدا کی تلاش اور اُسے پانا تھا مگر بیشتر نسلِ انسانی کی زندگی کا واحد مقصد مال و دولت کی تلاش اور اُسے پانا بن گیا ہے خواہ وہ حرام طریقوں سے ہی ہو۔ تو خدا تو اکثر انسانوں کو بھول گیا اور اس کی جگہ مال و دولت نے لے لی ہے۔ یہ شرک بھی عالمگیر بن گیا ہے کیونکہ جیسے کہ میں پہلے بتا آیا ہوں غیر مسلم دُنیا اور بعض اندھی تقلید کرنے والے مغرب زدہ مسلمان بھی مذہب کو چھوڑ کر ہر قسم کی ہوا و ہوس میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

قرآنِ پاک :۔

اِن دونوں عالمگیر شرکوں کا انسداد سورۃ البقرۃ میں اور باقی قرآن حکیم میں بخوبی کیا گیا ہے اگر کوئی اس کتاب پاک کو محض رسماً نہ پڑھے بلکہ اس کی تعلیم پر عمل کرے میں قرآن حکیم کے انسداد کی تفصیل میں جاؤں تو یہ خطبہ بہت لمبا ہو جائے گا۔ سورۃ البقرۃ کے ہی دو احکامات کا بطور نمونہ ذکر کرتا ہوں۔

انسان کے اندر کے حیوان کو قابو میں لانے کے لئے تو سورۃ البقرۃ کے روزہ کے احکام بے نظیر ہیں جس طرح اور حیوانوں کو کھانا پینا چھڑا کر رام کیا جاتا ہے۔ انسان کے اندر کے حیوان کو بھی کیا جا سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ رمضان المبارک کے اس عظیم مقصد کو کما حقہٗ مسلمانوں کو نہیں بتایا جاتا۔

روزہ کے احکامات کے مًا بعد اسی رکوع میں حرام مال کھانے سے روکنے کا حکم ہے کہ جب تم نے حلال رزق اللہ تعالےٰ کے حکم سے چھوڑے رکھا تو حرام رزق کس طرح کھا سکتے ہو۔ روزہ کے احکام میں اسی لئے حرام مال کا ذکر یوں آیا ہے :۔

ولا تاکلوآ اموالکم بینکم بالباطل۔ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔

باطل حق کی ضد ہے جس مال کو تم حق طریقہ سے نہیں کما سکتے اُسے کھانا حرام ہے۔ حق طریق وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسولؐ نے جائز قرار دیا یا حکومت کا قانون جائز قرار دیتا ہے۔ پھر اسی آیت مبارکہ میں رشوت ستانی اور اس سے دُوسروں کے مال کو حاصل کرنا گناہ قرار دیا۔

انفاق فی سبیل اللہ

مگر حلال طریقوں سے کمایا ہوا مال بھی خدا بن جاتا ہے جب انسان اس مال کو اپنا کارساز سمجھے اور اس لئے اُسے خدا کے بتلائے ہوئے طریقوں پر خرچ نہ کرے۔ اسی لئے سورۃ البقرۃ کے آخری رکوع اوپر تلے انفاق فی سبیل اللہ کے مضمون کو مختلف پیرائیوں میں لا کر اس کا حکم دیتے ہیں۔ ان سے پہلے بھی مختلف جگہوں میں انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا ہے۔

الغرض قرآن حکیم نے عموماً اور سورۃ البقرۃ نے خصوصاً دونوں عالمگیر شرکوں یعنے اپنے نفس کے حیوانی جذبات و خواہشات کی اندھا دھند اتباع اور زر پرستی کا بکمال انسداد فرمایا ہے۔ ان دونوں شرکوں کو اس حکیم کتاب نے ایک ہی مرض کا نتیجہ بتایا جب فرمایا اَرَءیتَ منِ اتّخذ الٰہہٗ ھوٰىہُ (الفرقان ۵ع۔ ۴۳) "کیا تو نے اُسے دیکھا جس نے اپنی گری ہوئی خواہشات نفسانی کو اپنا الٰہ بنالیا ہے۔" الٰہ وہ ہے جس کی انسان فرمانبرداری کرے، اُس سے محبت کرے اور اس کو اپنی زندگی کا مطلوب اور مقصود بنالے۔ حیوانی خواہشات کی اتباع (بلا روک ٹوک) اور زر پرستی دونوں اس میں آ گئے۔

میں اتنا ذکر کر کے ختم کرتا ہوں کہ قرآن حکیم وہ واحد الہامی کتاب ہے جس نے ھوا یعنے وہ خواہشاتِ نفسانی جو انسان کو اس اعلےٰ مقام سے گرا دیں جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے کی اتباع کے شرک کا ذکر یا اُن کا انسداد فرمایا ہے۔

نسبحٰن اللہ وبحمدہٖ سبحٰن اللہ العظیم۔

* * * * * * *

- بہترین عمل خدا کی عبادت یعنی نماز قائم کرنا ہے۔
- حیرت ہے کہ تُو خدا کی پیدا کی ہوئی نعمتیں تو کھاتا ہے لیکن تجھے خدا یاد نہیں آتا۔

از: شیخ نثار احمد صاحب۔ سیالکوٹ چھاؤنی

صِدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے

جلسہ سالانہ کی آمد آمد ہے۔ یہ ایک روحانی اجتماع ہے۔ اور ہمارا فرض ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ پُر رونق بنائیں۔ اس کی بنیاد حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مجدد صد چہاردہم نے رکھی۔ اس کی اغراض بہت بلند ہیں۔ ایک بڑی غرض آپ نے یہ بیان فرمائی کہ ہر ایک مخلص کو بالمواجہ دینی فائدہ اُٹھانے کا موقع ملے۔ معلومات وسیع ہوں۔ تعلقاتِ اخوت استحکام پذیر ہوں اور محبت ترقی کرے۔ اور کل دنیا کی دینی ہمدردی کے لئے تدابیرِ حسنہ پیش کی جائیں۔ اس سے زیادہ بلند مقصد اور کیا ہو سکتا ہے۔ آج سے کم و بیش ۱۰۰ سال پہلے ان مقاصد کو مدِّنظر رکھنا اور ناممکن کو ممکن بنا دینا صرف خداوند تعالیٰ کی تائید سے ہی ہو سکتا تھا۔ حضرت صاحب نے اس وقت کتنے وثوق سے لکھا۔

”یقیناً سمجھو کہ سعید لوگ قبول کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ ہمارے لئے ہی یہ جماعت تیار ہو رہی ہے۔ خدا کسی صادق کو بے جماعت نہیں چھوڑتا۔ سچائی کی برکت ان کو اس طرف کھینچ لائے گی۔ خدا تعالیٰ نے آسمان پر یہی چاہا ہے۔ کوئی نہیں کہ اس کو بدل سکے۔“

ان الفاظ کی صداقت آج روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے۔ آپ کی ہمدردی اور خیرخواہی کی وسعت کا اندازہ اس طرزِ خطاب سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ ” اے تمام دنیا کے رہنے والو ۔۔۔۔۔۔“ اللہ اللہ کیا خیرخواہی ہے ورنہ عمومی حالت تو یہ ہے ” ہر کسے در کارِ خود بادینِ احمد کار نیست“ لیکن ا ے اس شیدائی کو ساری دنیا کی فکر ہے۔ آپ کا واحد مقصدِ حیات یہ تھا کہ سلسلہ احمدیہ تقویٰ شعار لوگوں کی ایک جماعت جمع کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے اور آپ کی زندگی خدمتِ ا کے لئے وقف تھی۔ آپ نے فرمایا۔

”اس وقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ جوش عطا کیا ہے کہ اگر مجھے یہ کہہ دیا جائے کہ اس وقف میں کوئی ثواب اور فائدہ نہیں بلکہ تکلیف اور دکھ ہے تب بھی کی خدمت سے رک نہیں سکتا۔ اس لئے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی جماعت کو وصیت کروں اور یہ بات سمجھا دوں۔ آئندہ ہر ایک کو اختیار ہے وہ سنے یا نہ سنے۔ اگر کوئی حیاتِ طیبہ اور ابدی زندگی کا طلب گار ہے تو وہ اللہ کے لئے اپنی زندگی وقف کرے اور اس فکر میں لگ جائے کہ وہ اس درجہ اور مرتبہ کو حاصل کرنے کے لئے کہہ سکے۔ میری زندگی میری موت میری قربانیاں میری نمازیں اللہ کے لئے ہی ہیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اس کی روح بول اُٹھے۔

اسلمت لربّ العالمین۔“

بزرگانِ نے اس وصیت اور قرآنی احکام پر عمل کیا اور جو فیض اور عزت انہوں نے پائی وہ محتاج بیان نہیں۔ یہ وہ قابلِ رشک کام ہے جس کے لئے سید العرب والعجم نے ہر قسم کے دکھ اُٹھائے۔ صحابہ رضی کی عزیز جانیں اسی راہ میں قربان ہوئیں۔ اور یہ وہ شجر ہے جسے ہمارے بزرگوں نے اپنے خون سے سینچا۔ ہماری قومی اہمیت۔ طاقت اور فلاح اسی کام اور راہ سے وابستہ ہے جس طرف وہ گئے۔ حضرت مولانا نورالدین رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا کہ ” زبان۔ آواز۔ رنگ۔ نسل لباس۔ کھانے پینے، اور اخلاقیات کے باوجود ایک وحدت کی بات ہے اور وہ یہ ہے کہ سب مل کر خدا کی خادم جماعت بن جائیں تو اختلافات رحمت بن سکتے ہیں۔“

ہمارا سالانہ اجتماع امرِ مشترک پر کرنا چاہتا ہے۔ اس سے بہتر مقصد تو نہیں ہو سکتا۔ اس جلسہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ بانیٔ سلسلہ نے اس میں شریک ہونے والوں کے لئے بڑی پُرسوز دعائیں فرمائی ہیں۔ جو کہ روحانی برکات کے لئے ہیں۔ ان سے تو ہم اپنے آپ کو محروم نہ رکھیں۔ نہ صرف یہ بلکہ کوشش ہونی چاہیئے کہ ہم زیادہ سے زیادہ احباب کو ان میں شریک کرنے کی سعی کریں۔ یہ ایک نہایت غنیمت موقع ہے۔ م کی صداقت پر معرفت بڑھانے کا موقع ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش ہی نہیں بلکہ ممکن ہے اور نہایت ضروری کہ فاستبقوا الخیرات کی تو کوئی حد نہیں۔ اس جذبہ کو بیدار کرنا ہے اور اس میں قدم آگے بڑھائے جانا ہے۔ اور جذبہ کو تو یوں بھی بیان کیا گیا ہے۔ ؎

آتشِ بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم
ہر ذرہ برقِ حسن صد کوہِ طور تھا۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

* * *

رپورٹ دورہ سیالکوٹ

تنظیم خواتین لاہور کے رابطہ دوروں کے سلسلے میں گزشتہ اتوار ۲۹ نومبر کو سیالکوٹ کا دورہ کیا گیا۔ مرکزی تنظیمِ خواتین کی طرف سے گیارہ خواتین صدر تنظیم خواتین بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ کی قیادت میں سیالکوٹ گئیں ½ ۹ بجے سب بخیریت سیالکوٹ پہنچ گئیں۔ پھر وہاں کی سیکرٹری بیگم خورشید راجہ اور صدر محترمہ رشیدہ ظفر کے ہمراہ تمام احمدی گھرانوں میں ملاقات کے لئے گئیں۔ ۲ بجے بعد دوپہر مسجد میں جلسہ ہوا۔ بیگم چوہدری فضل حق صاحبہ، بیگم زبیدہ محمد احمد۔ اور محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ نے جلسہ میں تقاریر کیں۔ بیگم چوہدری فضل حق صاحبہ نے قرآن و حدیث کے حوالے سے دعا، اس کی ضرورت اور اہمیت کے بارے میں نہایت مدلل تقریر کی۔ زبیدہ محمد احمد صاحبہ نے جلسہ سالانہ کی اہمیت اور اس میں شمولیت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور اس بارہ میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے تاکیدی ارشادات یاد دلائے۔ محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ نے سب سے پہلے مرحوم امیر قوم مولانا صدر الدین کے لئے دعائے مغفرت کی اور پھر نہایت ہی مؤثر انداز میں جلسہ سالانہ میں شمولیت۔ اتفاق و محبت۔ بچوں کی تعلیم و تربیت میں عورت کا کردار اور موجودہ دور میں عورتوں کے فرائض و ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی اور جلسہ کے اختتام پر نہایت دردِ دل سے جماعت کی کامیابی کے لئے دعا کی۔

بیگم خورشید راجہ اور رشیدہ ظفر صاحبہ اور دیگر خواتین نے انہیں اپنے مسائل سے آگاہ کیا۔ جلسہ کے اختتام پر سب خواتین کو چائے پیش کی گئی۔ ہم سب بیگم خورشید راجہ کی مہمان نوازی کے تہ دل سے شکرگزار ہیں۔

(محترمہ عصمت خالد صاحبہ)
سیکرٹری تنظیم خواتین لاہور

از:۔ کرنل حنیف اختر ملہی (ریٹائرڈ)

وقت کی آواز

(آخری قسط)

پچھلے الشیوع میں ہم نے ان عوامل کی نشاندہی کی تھی جو ہماری عظیم (لیکن بالکل مفت) نعمت خداوندی یعنی وقت پر ڈاکہ ڈالتے ہیں ان میں سرفہرست لغویات تھیں، پھر بلا وجہ دوسروں کے کاموں اور اوقات میں مخل ہونا، گپ بازی، تجسس یعنی دوسروں کے عیوب نقائص اور غلطیوں کی ٹوہ میں لگے رہنا، چغلخوری اور بے جا نمود و نمائش جس پر ہمارے قیمتی وقت کے علاوہ قیمتی دولت بھی ضائع ہوتی ہے۔

آجکل کی مادی ترقی جس سے ہمارے نوجوان خصوصاً مسحور ہو جاتے ہیں دجال کے متعلق پیشگوئی کے عین مطابق ہے۔ چودہویں صدی کے دجال کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ ایک آنکھ سے اندھا ہو گا۔ حضرت مجدد صد چہاردہم نے اس کی بہت شاندار تاویل کی ہے کہ "مادی ترقی یافتہ قومیں ہی دجال صفت ہیں کیونکہ اُن کی روحانی آنکھ بند ہے اور مادی آنکھ نہایت روشن و تابناک۔ یہ حقیقت ہے کہ مادیت اور دہریت کی لعنت نے روحانی و اخلاقی اقدار کو تہ و بالا کر دیا ہے "احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات" کے مصداق آجکل کے مشینی دور میں تکریم آدمیت مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ علامہ اقبال کی پیشگوئی بھی پوری ہو رہی ہے۔ جو مندرجہ ذیل شعر میں سمو دی گئی ہے۔ ؎

تمہاری تہذیب آپ ہی اپنے خنجر سے خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا۔

انتہائی مادی ترقی کے ساتھ ساتھ انتہائی اخلاقی و روحانی گراوٹ اس دور کا خاصہ بن گئی ہے۔ ہر چیز معاشی پیمانوں سے ناپی جاتی ہے۔ رئیس امروہوی نے کیا خوب کہا ہے:۔

ع

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قعر مذلت سے ہم نکل بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہؑ نے ایک جماعت پیدا کی جس کا ماٹو تھا۔ "دین کو دنیا پر مقدم رکھو" دنیا اور آخرت میں بھلائی چاہنا تو ہمیں قرآنی دعا میں سکھلایا گیا ہے لیکن جب ان دونوں میں کشمکش ہو تو ہمیں دین کو ترجیح دینے کا حکم ہے۔ یہ بہت اعلیٰ مقام ہے جس پہ ہمارے امام نے ہمیں لا کھڑا کیا لیکن جس سے ہم گرتے جا رہے ہیں۔ حضرت مرزا صاحبؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ جس شخص کے اندر دین کا کام کرتے وقت دنیا کی ملاوٹی ہو وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہے لیکن کچھ مصلحت پرستوں نے تنظیمی بیعت کی آڑ میں اور اپنی حاجت برآری کیلئے بالکل بے دین اور بے اصولے اشخاص اور گروہوں کے ساتھ تعاون کیا۔ جو صریحاً قرآنی حکم "کونوا مع الصادقین" کے منافی ہے۔

آمدم برسر مطلب! عزیز بچو آپ کو ان جھمیلوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے سامنے پوری زندگی ہے اور اس زندگی کو ایک صالح سانچے میں ڈھالنا اور ہر لمحہ کو اللہ کی رضا کے تابع کرنا آپ کا اولین فرض ہونا چاہیئے۔ تاکہ آپ اس دنیا میں بھی سرخرو ہوں اور آخرت میں بھی۔ یہ صرف اعمال صالحہ کے بیج بونے سے ہی ممکن ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔ اگر آپ ایمان اور اعمال صالحہ کا بیج ہی نہیں بو پاتے تو پھل کی توقع رکھنا عبث ہے۔ اور یہ بیج بونے کا موسم ہر وقت رہتا ہے۔ بقول اقبالؒ :۔

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

بنیاد رکھنے کا وقت نازک ترین مرحلہ ہوتا ہے۔ آپ اپنے دنیوی اور اخروی کیریئر کی بنیاد بھی اسی عمر میں رکھ سکتے ہیں ورنہ بہت دیر ہو جائے گی تو لیجیئے میری طرف سے بالکل مفت تجاویز (جو میرے تجربہ کا نچوڑ ہیں) حاضر ہیں:۔

۱:۔ سب سے پہلے آپ اپنے ایمان کو پکا کریں اور اللہ کا شکر بجا لائیں کہ آپ احمدی ہیں اور لاہوری احمدی ہیں (جو افراط و تفریط کے راستوں سے مجتنب ہیں) ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے عقائد عین اسلامی ہیں اور ہم تمام ارکان اسلام کی پابندی اپنے اوپر لازم سمجھتے ہیں مگر دیگر مسلمان ہمیں غیر مسلم ہی کیوں نہ سمجھیں لیکن صرف عقائد پہ خوش ہو جانا اور "پدرم سلطان بود" کی رٹ لگانا اور عمل کی راہ پہ گامزن نہ ہونا منافقت کے مترادف ہے۔ لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم عمل کے میدان میں کود پڑیں اور اپنے آپ کو اس امت کے مصداق بنائیں جس کے متعلق قرآن کریم میں آیا ہے:۔

"ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر اولٰئک ھم المفلحون۔

ترجمہ:۔ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو نیکی کی طرف بلائے معروف کا حکم دے اور منکر سے منع کرے وہی لوگ فلاح پائیں گے:

لیکچر دینا اور نصیحت کرنا آسان ہے۔ لیکن عمل کر کے دکھانا بہت مشکل اور وہ بھی عمل پیہم ؎

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم + جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں۔

۲:۔ عمل کی راہ میں پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ آپ اپنے وقت کو ضائع نہ کریں اور اس کا ایک ایک لمحہ اخروی احتساب کو مدنظر رکھتے ہوئے پلان کریں اس طرح آپ دیکھیں گے کہ تھوڑے وقت میں آپ بہت سے کام کر سکتے ہیں۔

۳:۔ سب سے پہلے صبح اٹھنے کی عادت ڈالیں۔ صبح کی اذان میں ایک ندا ہوتی ہے الصلوٰۃ خیر من النوم۔ (نماز نیند سے بہتر ہے) اگر دارالسلام کی طرح مسجد نزدیک ہو تو احباب کے ساتھ پڑھ کر روحانی خوشی و اطمینان حاصل کریں۔ ورنہ گھر میں سبھی افراد مل کر پڑھیں اس میں برکت ہو گی۔ حضرت مرزا صاحب کا ایک شعر ہے ؎

یونہی غفلت کے لحافوں میں پڑے سوتے ہیں۔
وہ نہیں جاگتے سو بار جگایا ہم نے

آپ ان غافل لوگوں میں سے مت بنیں۔ بہتر ہے اگر آپ اذان کی پکار سے پہلے از خود اٹھ بیٹھیں۔ اس کے لئے حضرت امیر مرحوم نے آزمودہ نسخہ بتایا تھا کہ سوتے وقت مندرجہ ذیل دعا پڑھیں تو آپ تازہ دم ہو کر (جس وقت چاہیں گے) اٹھ سکیں گے۔ اس کو خود بھی آزمائیے عزم صمیم کے ساتھ۔

اللھم انی اسلمت نفسی الیک،	اے اللہ میں نے اپنا نفس تیری تسلیم میں ختم کیا۔
وفوضت امری الیک	اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کیا۔
ووجھت وجھی الیک	اور اپنی توجہ صرف تیری طرف مبذول کی۔
والجأت ظھری الیک	اور اپنی پیٹھ تیری طرف رکھ کر پناہ لی۔

رغبۃً و رھبۃً منك	تیری محبت اور تیرے رعب کے تحت
لا ملجأ ولا منجا الا الیك	سوائے تیرے کہیں پناہ اور نجات نہیں
آمنت بکتابك الذی انزلت	میں تیری نازل کردہ کتاب پر ایمان لایا
و نبیك الذی ارسلت	اور تیرے ارسال کردہ نبی پر

۴ :۔ نماز کے بعد درس کا اہتمام ہونا چاہیئے یہ ہو نہ ہو آپ ہر روز قرآن کریم کی تلاوت کو خواہ ۵ منٹ کے لئے ہو خواہ ایک رکوع ہو معمول بنا لیں۔ اس سے آپ ایسے گوہر پاروں سے مستفید ہوں گے کہ دن کا مقابلہ کرنے کیلئے آپ کے اندر ایک قوت اور سکون پیدا ہو جائے گا۔ بیان القرآن اور انگریزی دان طبقہ کے لئے انگلش کمنٹری نہایت عمدہ مطالعہ مہیا کرتا ہے۔ اس نعمت کا کفران نہ کریں یہ آپ کو تقریباً مفت مہیا ہے۔

۵ :۔ غسل ناشتہ وغیرہ کے بعد سکول یا جو کام بھی آپ سیکھ رہے ہوں اس کے بارے میں تحصیلِ علم پر بھرپور توجہ دیں۔ یہ ہر مسلمان مرد و عورت پر مذہبی فریضہ بھی ہے اور آجکل کے جہادِ زندگانی میں ایک ضروری ہتھیار بھی۔ روزانہ کے معمول میں آپ کسی نئی جگہ زیارت، کوئی نئی چیز کے سیکھنے، کسی نئے آدمی سے ملاقات کرنے کسی دوست یا عزیز کی عیادت کرنے، کسی نئی کتاب سے روشناس ہونے یا کسی پُرمقصد تقریب میں شامل ہونے کے لئے وقت نکالیں۔ فرصت کو ایسے سمجھیں گویا کہ طاعون ہے۔ ہر ایک گھڑی کا مصرف کسی نصب العین کے تحت ہو گمشدہ گائے کی طرح مت بھٹکتے رہیں۔ بلکہ اپنے اشغال خود متعین کریں۔ اور دوسرے لوگوں کو حتی المقدور اپنا وقت ضائع کرنے کی اجازت مت دیں کیونکہ یہ اللہ تعالےٰ کی نعمت و امانت ہے آپ کے پاس اس کا حساب بھی آپ سے لیا جائے گا۔

اگر آپ کا کوئی دوست یا ساتھی آپ کو کسی لغو یا فضول شغل کی طرف بلاتا ہے تو احسن طریقے سے انکار کردیں خواہ کسی قسم کی مروت میں آکر ایسے کام میں شامل نہ ہو جائیں جو تضیع اوقات کا موجب بنے اور جو لغویات کے زمرہ میں آتا ہو۔ زرّیں اصول یہ ہے کہ نیکی اور تقوےٰ کی راہ میں تعاون کریں اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں عدمِ تعاون بلکہ ظالم کو ظلم سے روکنا جہاد ہے۔

۶ :۔ دن کے کسی حصہ میں فرض کی ادائیگی کے بعد تفریح کے لئے وقت ضرور نکالیں ہمارے مذہب کو زیادہ غیر دلچسپ اور بور بنانے میں ہمارے خشک زاہدوں کا کافی حصہ ہے۔ لڑکے مردانہ کھیل مثلاً ہاکی۔ فٹ بال۔ پیراکی۔ والی بال۔ باسکٹ بال وغیرہ کھیلیں (کرکٹ تضیع اوقات ہے اور ورزش بھی نہیں ہوتی) لڑکیاں نیٹ بال۔ بیڈمنٹن یا مناسب دیسی کھیل کھیلیں جن سے حرکت اور ورزش ہو۔ بیٹھے رہنے سے اور دوسروں کو کھیلتے دیکھنے سے آپ صحت مند نہیں ہو سکتے۔ اور جسمانی صحت اور ذہنی توازن لازم و ملزوم ہیں۔

۷ :۔ شام کا وقت ہمارے ہاں اب وی سی آر ٹی وی کی نذر ہو گیا ہے۔ جن گھروں میں ٹی وی نہیں وہاں بھی بچے ٹی وی والے گھروں کا طواف کرتے اور پروگرام دیکھتے نظر آتے ہیں۔ کونسا پروگرام دیکھا جائے اور کون سا چھوڑا جائے۔ یہ آپ کی پسند اور آپ کے والدین پر منحصر ہے۔ بہرحال یہ طے ہے کہ ۵ گھنٹے تک ٹی وی کے سامنے جم کر بیٹھ جانا نہ تو بینائی کے لئے اچھا ہے اور نہ ہی اخلاق کے لئے۔ ۵ گھنٹے میں اور بہت سے مفید کام ہو سکتے ہیں۔ یہ تو آپ کے تخیّل پر منحصر ہے۔ بہرحال یہ قیمتی وقت جتنا بھی بچا لیا جائے اتنا ہی ہماری جسمانی اور روحانی صحت کے لئے مفید ہوگا۔

۸ :۔ رات کو سونے سے پہلے بلا ناغہ اچھی کتب کا مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیں (اگر آپ کسی ایسے بزرگ کی صحبت سے استفادہ کر سکتے ہیں جو آپ کو سبق آموز کہانیاں سنا سکے تو یہ بھی کارگر ہے) اس سے اچھے خیالات آپ کے لاشعور میں جاگزین ہو جائیں گے۔ آپ کی نیند کے دوران لاشعور ان خیالات کو بلوتا رہے گا حتیٰ کہ اگلی صبح یہ نئے خیالات کے مکھن کی صورت میں آپ کے دماغ میں محفوظ ہو جائیں گے اور آپ کی روزمرہ زندگی میں ہدایت کا موجب بنیں گے۔

۹ :۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتنے گھنٹے سونا چاہیئے تو اس میں مختلف رائیں ہیں آجکل کی تحقیق کے مطابق ۵، ۶ منٹ یعنی سوا گھنٹہ کافی نیند ہے بشرطیکہ بغیر خلل کے ہو۔ ہمارے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے شب بیداری بھی بہت کی اور پورا دن مختلف کام بھی کئے۔ پھر بھی بہت اچھی صحت کے مالک تھے۔ لمبی زندگی کے لئے دوپہر کو سونا (خواہ ایک گھنٹہ ہو) نہایت مفید کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جسمانی صحت کا راز قلّتِ طعام یعنی کم کھانے میں ہے اور ذہنی صحت کا راز قلتِ نوم یعنی کم سونے میں ہے۔ یہ زرّیں اصول ہمیں اپنے پلّے باندھ لینا چاہیئے۔

آخر میں مَیں آپ کی توجہ وقت اور اعمالِ صالحہ کے لامتناہی تعلق کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ اس سلسلۂ شب و روز یا دوسرے لفظوں میں وقت کے ذریعے اللہ تعالےٰ اپنی مختلف شانوں میں ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے۔ اور اسی کی کوکھ سے مختلف واقعات جنم پاتے ہیں۔ وقت ایک ساز آواز کی طرح ہے۔ جو ممکنات اور امکانات کا اتار چڑھاؤ دکھاتا ہے۔ یعنی انسانوں کے سامنے بلند و پست مواقع رکھتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو کون بلند مواقع سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور کون پست مواقع سے چپکا ہے۔ اسی نسبت سے وقت کائنات کی کسوٹی ہے۔ ہر شخص اس کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ اور جو اس پر کھرا نہیں اُترتا وہ فنا ہو جاتا ہے۔ جو لوگ وقت کے اوپر اپنی گرفت مضبوط نہیں رکھتے وہ حالات کے دھارے میں مجبورِ محض ہو کر بہہ جاتے ہیں۔ اور اپنے نصب العین کو پانے کی بجائے بھٹک جاتے ہیں اسی لئے تو علامہ اقبالؒ نے کہا ہے :۔ ؎

کسی کا راکب کسی کا مرکب کسی کو عبرت کا تازیانہ

یعنی وقت کسی پر سوار ہوتا ہے تو کوئی وقت پر سوار ہوتا ہے اور کوئی اس سے تازیانے کا کام لیتا ہے۔

آپ وقت کو مرکب (سواری) بنا سکتے ہیں بشرطیکہ آپ اپنا ایمان راسخ رکھیں اور اعمالِ صالحہ کو (جو وقت کے باغ کے اندر کلیوں کی طرح بکھرے پڑے ہیں) چننا شروع کر دیں اور بس لیکن آپ یہ پھول کیسے چن سکتے ہیں اگر آپ وہاں وقت پر موجود نہ ہوں۔ ذرا اپنے تخیّل کو کھلا چھوڑ کر سوچیئے تو سہی کہ اگر آپ کرنا چاہیں تو صرف ۵ منٹ میں کتنے کام کر سکتے ہیں یا کتنی نیکیاں سمیٹ سکتے ہیں مثلاً :۔

(۱) آپ بسم اللہ کر کے اُٹھ سکتے ہیں اور دن کا آغاز نماز کے ساتھ کر سکتے ہیں۔
(۲) آپ کئی اور لوگوں کو بروقت اُٹھا سکتے ہیں۔
(۳) آپ درس، تلاوت، خبریں سن سکتے ہیں یا قرآن کریم کا ایک رکوع پڑھ سکتے ہیں۔
(۴) آپ صفائی کر سکتے ہیں جو نصف ایمان ہے۔ یا راستے کا کانٹا ہٹا سکتے ہیں۔
(۵) کئی اشخاص کو ہنس کر مل سکتے ہیں بشاشت بھی نیکی تصور ہوتی ہے۔
(۶) کسی ایسے آدمی سے ملاقات کر سکتے ہیں جو آپ کی زندگی کا رُخ موڑ دے۔
(۷) آپ کسی کو خط لکھ سکتے ہیں یا خط لکھ کر دے سکتے ہیں یا کسی ان پڑھ کا خط پڑھ کر دے سکتے ہیں۔
(۸) آپ کسی کی جان بچا سکتے ہیں۔ اسکو بروقت انتباہ کر کے یا فسٹ ایڈ دے کر۔
(۹) آپ بس۔ ویگن۔ ریل گاڑی کے سفر میں بروقت جا سکتے ہیں یا مس کر سکتے ہیں۔
(۱۰) آپ کسی نابینا یا معذور فرد کو سڑک پار کروا سکتے ہیں۔
(۱۱) آپ کئی درخت لگا سکتے ہیں جو بعد میں صدقہ جاریہ کا درجہ پاتے ہیں۔
(۱۲) آپ کسی بے زبان جانور کو پانی پلا سکتے ہیں یا چارہ دانہ کھلا سکتے ہیں۔
(۱۳) آپ ایک مہلک حادثے میں ملوث ہو سکتے ہیں یا بچ سکتے ہیں۔
(۱۴) آپ ایک ضروری پیغام وصول کر سکتے ہیں۔ ٹیلیفون پر یا دوسری طرح یا اسے مس کر سکتے ہیں۔
(۱۵) آپ ایک ایسا منظر دیکھ سکتے ہیں جو ہمیشہ آپ کی یادوں میں بسا رہے۔ یا اسے مس کر

(بقیہ صفحہ ۱۲ کالم ۱ پر)

ہاتھ سے جانے نہ پائے خدمتِ دیں کا یہ وقت

از جناب ـــ مرتضیٰ خان حسن

اٹھو پھر عاشقانِ ملک و ملت پھر اٹھو
دیں کی خدمت کے لئے باندھو کمر مردانہ وار

پھر خدا سے نصرت و تائید کے طالب بنو
پھر کرو مل کر دعائیں باد و چشمِ اشکبار

سر بسجدہ ہوں اگر ہم درگہِ باری میں آج
ہوں گے ہم فضلِ خدا سے کامیاب و کامگار

ہم پہ لازم ہے شریکِ جلسۂ سالانہ ہوں
رکھ گئے جس کی بنا ہیں مہدیٔ عالی وقار

ہم مجاہد ہیں خدا کے فضل سے قاعد نہیں
گھر میں ہم بیٹھے رہیں کاہل نہیں اپنا شعار

بے زری کا کیا ہے شکوہ ہمتِ عالی تو ہے
عزمِ مردانہ دکھاؤ مشکلیں گو ہوں ہزار

ہاتھ سے جانے نہ پائے خدمتِ دیں کا یہ وقت
پھر خدا جانے کہ کب آئیں گے یہ لیل و نہار

ہم تو جیتے ہیں خدا کے دیں کی خدمت کے لئے
حکم ہم کو دے گئے ہیں یوں مجدد نامدار

دوستاں خود را نثار حضرت جاناں کنید
در رہِ آں یار جانی جان و دل قربان کنید

آں دلِ خوش باش را کاندر جہاں جوید خوشی
از پئے دینِ محمدؐ کلبۂ احزاں کنید

از تعیش ہا بروں آئید اے مردانِ حق
خویشتن را از پئے تبلیغ سرگرداں کنید

اکناف عالم سے آمدہ خطوط کی جھلک اور بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے خوابوں کی تعبیر

ترجمہ و ترتیب :۔ محمد شریف چودھری (شعبہ مفت اشاعت)

(۱) گھانا مغربی افریقہ سے جناب جان محمدؐ جو کہ مدرسہ القرآنیہ النور العظیم سے منسلک ہیں تحریر کرتے ہیں :۔

آپ کی خدمت میں نہایت ادب، محبت اور عاجزی کے ساتھ یہ مکتوب تحریر کر رہا ہوں کہ آپ بڑے ہی مکرم، معزز اور قابلِ قدر ہیں۔ اور آج کے دن کو میں اپنے لئے بڑی سعادت والا محسوس کرتا ہوں۔ جب کہ میرا قلم بے پایاں مسرت کے ساتھ آپ کی خدمت میں یہ سطور تحریر کر رہا ہے۔ اور مستقبل کے بارے میں بھی آپ کے لئے میرے دل میں بڑے نیک جذبات ہیں۔ اسی جوش و محبت کی وجہ سے آپ کے ان نیک کاموں کی وجہ جو آپ اشاعتِ دین کے لئے کر رہے ہیں میں آپ کو مبارکباد بھی دیتا ہوں اور ساتھ ہی یہ درخواست کرتا ہوں کہ جو کتب آپ شائع کر رہے ہیں ان کی ہمارے ملک میں بڑی ضرورت ہے۔ براہِ کرم آپ مجھے قرآن مجید انگریزی اور دیگر دینی کتب ارسال فرمادیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ میرے شوق و دلی تڑپ کو محسوس کرتے ہوئے میری درخواست کو قبول فرمادیں گے۔ اور کتب ضرور ارسال فرمائیں گے۔ پہلے جو کتب دینیہ آپ نے مجھے ارسال کی ہیں ان کا بہت شکر گذار ہوں۔

(۲) ڈھاکہ بنگلہ دیش سے محمد عبدالحئی صاحب رقمطراز ہیں :۔

پیارے اسلامی بھائی السلام علیکم۔

آپ کی طرف سے مرسلہ کتب کا پیکٹ وصول پایا۔ اس قیمتی تحفہ کے لئے آپ کا تہ دل سے شکر گذار ہوں۔

مولانا مصلح الدین میموریل لائبریری ڈھاکہ کے لئے انجمن کی جملہ مطبوعات درکار ہیں۔ آپ کو یہ پڑھ کر یقیناً مسرت ہوگی کہ میں اپنے علاقہ میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا دفتر قائم کرنے کا خواہشمند ہوں۔ جس میں ایک بڑی لائبریری ہوگی۔ اور اس لائبریری میں حضرت مجدد صد چہار دہم کی نادر کتب کو بھی لائبریری کی زینت بنانا چاہتا ہوں۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ استفادہ حاصل کر سکیں۔

التماس ہے کہ جس قدر جلدی ممکن ہو سکے کتب ارسال فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(۳) مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن گھانا کے صدر تحریر فرماتے ہیں :۔

یہ پہلا موقع ہے کہ ہم بڑی مسرت اور اعتماد اور یقین کے ساتھ آپ کو اپنی مشکلات سے آگاہ کر رہے ہیں۔ امید ہے آپ ہماری ان مشکلات کو حل کرنے میں ضرور مددگار ثابت ہوں گے :۔

ہمارے ملک گھانا کے شمالی حصہ میں اسلام کی سربلندی کے لئے یہ طلباء کی ایسوسی ایشن قائم کی گئی ہے۔ کیونکہ ہم نے یہ محسوس کیا تھا کہ اس خطہ میں اسلام روبہ تنزل ہے۔ جس کی وجہ سے مشنریوں کا وسیع پیمانے پر پروپیگنڈہ ہے۔ اور مخالفینِ اسلام کے ایجنٹوں کی بھرمار ہے۔ لہٰذا اسلام کے دشمنوں کے ناپاک عزائم کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے۔

(۱) طلباء کی ایک جماعت کو منظم کیا جائے اور اس جماعت کو دیہاتوں، شہروں میں پھیلا دیا جائے۔

(۲) نوجوانوں کی تربیت کے لئے ایک شعبہ قائم کیا جائے جس میں دیگر مضامین کے علاوہ اسلامیات کے مضمون کی تعلیم دی جائے۔

مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے ہمارے پاس مالی وسائل کی کمی ہے یعنی ہم کتب پبلش میں نہیں۔ چونکہ آپ کے ادارہ سے بڑھ کر اس وقت دنیا میں کوئی مذہبی ادارہ نہیں جو ہمیں مفت کتب ارسال کر سکے۔ آپ کی انجمن کے اس یں کی شمع روشن کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ہم اس کے معترف ہیں۔ اس کئے ہمیں اپنی جماعت کا قیمتی لٹریچر خصوصاً حضرت مولانا محمد علی صاحب کی شاہکار کتب بھجوا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(۴) نائیجیریا سے الحاج محمد ناگی لکھتے ہیں۔

مکرمی جناب السلام علیکم،

کتب جو آپ نے گذشتہ سال ۱۹۸۰ء کو ارسال کی تھیں مل گئی ہیں۔ میں آپ مسلمان بھائیوں کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے یہ کتب بھیج کر میری مدد کی ہے۔ اور یہ کتب میرے علم میں نمایاں اضافہ کا موجب ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کی کتب ارسال کر دیں تو بے حد ممنون ہوں گا۔

(۵) گھانا سے اسماعیل صاحب لکھتے ہیں :۔

محترم جناب السّلام علیکم،

مجھے یہ لکھتے ہوئے بصد مسرت ہو رہی ہے کہ میں قبل ازیں ایک عیسائی مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔ جبکہ میرے تمام پڑوسی مسلمان تھے۔ جو ہمیشہ مجھ سے بانیٔ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جھگڑتے رہتے تھے۔ اتفاقاً میرے ایک دوست نے مجھے ایک کتاب کسر صلیب انگریزی دی جو نسانا فاروقی صاحب کی تصنیف کردہ تھی۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد میرے اندر ایک انقلاب پیدا ہوا اور اسلام کی سچائی مجھ پر ظاہر ہو گئی۔ الحمدللہ اب میں ایک مسلمان ہوں۔ اس لئے ملتمس ہوں کہ آپ مجھے یہ کتاب اور دیگر اسلامی کتب بھیج کر عنداللہ ماجور ہوں۔

اخبارِ احمدیہ

حضرت امیر قوم ایدہ اللہ بنصرہ العزیز بخیریت ہیں۔ احباب سلسلہ آپ کی پُر برکت اور بااثر زندگی کی درازی کے لئے خدا تعالےٰ کے حضور اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

ولادت فرزند اور عطیہ :۔ مکرم جناب میاں فضل احمد صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے کرم سے ہمیں پوتا اور عزیزم طاہر جہانگیر کو بیٹا عطا فرمایا ہے۔ الحمدللہ رب العالمین اس خوشی میں ایک کی خبر یہ رقم مبلغ ۔/۵۰۰ روپے مفت تعلیم قرآن کی مد میں خزانہ انجمن میں جمع کرا دی گئی ہے۔" احباب سلسلہ اور بزرگانِ جماعت سے التماس ہے کہ وہ نومولود کی صحت و درازیٔ عمر کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ اُسے والدین کی آنکھ کی ٹھنڈک بنائے۔ آمین

قرار دادِ تعزیت

منجانب تنظیم خواتین احمدیہ،

مقامی جماعتِ احمدیہ کی تنظیم خواتین کی جانب سے محترمہ بیگم میاں شیخ فاروق احمد کی ناگہانی وفات پر رنج و غم کا اظہار کر کے اُن کی ذات کو جماعتی صدمہ قرار دیا۔ مرحومہ جماعتِ احمدیہ کی نہایت نیک اور مخلص خاتون تھیں۔ اور جماعت راولپنڈی کی روحِ رواں تھیں۔ اُن کی وفات نے ایک ایسا خلا پیدا کر دیا ہے جو شاید کبھی بھی پُر نہ ہو سکے۔ اللہ تعالےٰ مرحومہ کو جنت میں جگہ عطا فرمائے، ان کی روح پر اپنے انعامات نازل فرمائے اور ان کے اہل خانہ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کا حوصلہ عطا کرے۔ آمین،

(سیکرٹری تنظیم خواتین۔ لاہور)

از:- چوہدری مسعود اختر صاحب — امریکہ

والدہ مرحومہ کی یاد میں

بدھ مورخہ ۱۱ دسمبر صبح ½ ۹ بجے کے قریب ذکیہ عبداللہ صاحبہ نے جو میری رفیق حیات کی بڑی بہن [illegible] کیونکہ بچے گھر پر ہی تھے میں نے ٹیلیفون کا رسیور رکھتے ہی اپنے بڑے بیٹے منیب عاصم سے کہا۔ بیٹا میری امی فوت ہوگئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ عرصہ چار ماہ سے اوپر مجھے ان کا کوئی خط موصول نہ ہوا تھا۔ اور میرے بار بار لکھنے کے باوجود میرے بہن بھائیوں میں سے کوئی مجھے امی جان کے متعلق نہ لکھتا تھا۔ آخری بار حمیرہ نگران کالسرین گل (میری ہمشیرہ) نے کیا تھا وہ عید الفطر کے قریب ایک خط میں تھا جس میں لکھا تھا کہ پچھلے دنوں امی جان کی صحت بہت خراب ہوگئی تھی لیکن اب اللہ کے فضل سے بہت بہتر ہیں۔ اٹھ کر بیٹھ جاتی ہیں۔ اس کے بعد کسی طرف سے کوئی خبر نہ ملنے کی وجہ سے میں امی جان کے بارے میں فکرمند تھا۔ اور ابھی کوئی ایک ہفتہ ہوا میں نے خواب میں دیکھا کہ عبداللہ سعید صاحب اور میں جا رہے ہیں۔ راستہ میں شیشہ کا ایک خوبصورت سا گھر ہے جس میں ایک SHELF کو بیگم صالحہ فاروقی صاحبہ مرحومہ (بیگم چوہدری ظہور احمد صاحب مرحوم) سجا کر دکان لگائے بیٹھی ہیں اور دوسرے SHELF میں امی جان بہت خوبصورت پھول سجا رہی ہیں۔ عبداللہ سعید صاحب مجھ سے کہتے ہیں ذرا صالحہ بیگم سے میرے لئے سگریٹ تو پکڑ لانا۔ وہ چلتے رہتے ہیں اور میں اس گھر کی طرف جاتا ہوں۔ اُس SHELF کے باہر کھڑا ہو کر اپنی امی جان سے پوچھتا ہوں۔ یہ بہت ہی خوبصورت پھول ہیں یہ آپ نے کہاں سے لئے ہیں۔ وہ جواب میں کہنے لگیں "یہ اس دکان کے مالک کے ہیں اُس نے سجانے کے لئے دیئے ہیں" اتنے میں جیسے میرے ایک دوست حسین شاہد جن کو میں شاہد ہی کہتا ہوں جیسے کوئٹہ سے عبداللہ سعید صاحب کو فون پر کہتے ہیں مسعود ہمارا دوست ہے اس کو چھوڑ نہ آنا ساتھ لے کر آنا۔ اور وہ جواب میں کہتے ہیں ہاں میں ضرور اس کو ساتھ لاؤں گا۔ صرف ان کو عمدہ قسم کے سگریٹ صالحہ بیگم سے لینے کے لئے بھیجا ہے۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے صبح اس خواب کا ذکر اپنی زوجہ قدسیہ اختر اور اُن کی ہمشیرہ ذکیہ عبداللہ سے کیا اور کہا کہ میرے خیال میں اماں جی فوت ہو چکی ہیں۔ یا فوت ہونے والی ہیں۔

والدہ کے پاؤں تلے جنت ہوتی ہے اور کون بدنصیب ہوگا جس کو اپنی والدہ سے محبت نہ ہوگی۔ خدا کی مخلوق میں بے لوث محبت و شفقت کا سب سے بڑا شاہکار "ماں" ہی ہے۔ کس کا دل نہ کرتا ہوگا کہ وہ اپنی مرحومہ والدہ کو خراج عقیدت پیش نہ کرے۔ لیکن میں یہ سطور ان جذبات کے علاوہ ایک اور وجہ سے بھی رقم کر رہا ہوں۔ مقصد صرف اپنی والدہ کو عقیدت کے پھول پیش کرنا یا اُن کے کردار کے وہ پہلو آشکار کرنا نہیں جو صرف ایک کنبہ کے افراد کو ہی معلوم ہوتے ہیں اور دوسروں کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ احمدی خواتین ہماری بہنیں اور بیٹیاں جان سکیں کہ احمدیت کی تعلیم کیسے انسانوں کو بلند مرتبہ بناتی ہے۔ اور شاید کسی بہن یا بیٹی کو اس سے روشنی حاصل ہوسکے۔

میری والدہ واجبی پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ اُن کے والد اور ہمارے نانا ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب انڈین آرمی کی میڈیکل سروس سے ریٹائرڈ ہو کر کچھ عرصہ راولپنڈی میں پریکٹس کرتے رہے اور اس کے بعد حضرت مرزا صاحب کے قدموں میں قادیان چلے گئے۔ قادیان میں وہ جماعتی افراد کے [illegible] کرتے تھے۔ اور ان کا علاج معالجہ کرتے تھے۔ والدہ مرحومہ ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئیں اور ابھی تین چار برس کی ہی تھیں کہ والدہ اور والد دونوں انتقال کر گئے۔ اور تین یتیم بچے میرے ماموں میجر ڈاکٹر محمد اسحاق مرحوم والدہ مرحومہ اور ان کی چھوٹی بہن زینب بیگم صاحبہ (والدہ جناب چوہدری خالد احمد صاحب چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ) قرابت داری کی وجہ سے حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم کے سایہ عاطفت میں آگئے۔ حضرت ڈاکٹر بشارت احمد [illegible] بھی کیں۔ ان تمام بچوں پر جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم کی دینی شخصیت کی چھاپ بھی بہت اچھی طرح لگی ہوئی تھی وہ اقدار جو اُن کو اس مرد ولی اللہ کے گھر میں تربیت سے ملی تھیں۔ ان کو ان تمام نے زندگی بھر اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ مجھے اپنی والدہ کی زندگی میں

کی شخصیت کی عظمت میرے دل میں گہرا مقام پیدا کرتی چلی گئی۔ عمر کے لحاظ سے میری والدہ اور بیگم رضیہ فاروقی صاحبہ تقریباً ہم عمر تھیں۔ اس لئے دونوں میں بچپن سے بہت دوستی کا رشتہ قائم رہا جس کو دونوں ہی اکثر یاد کرتی رہتی تھیں۔ بچپن میں دونوں کو مضامین لکھنے اور رسالوں میں شائع کرانے کا شوق رہا۔ جیسے کہ میں نے اُوپر کی سطور میں لکھا کہ واجبی پڑھی لکھی ہونے کے باوجود میری والدہ بہت علمی شخصیت کی حامل تھیں۔ بچپن کا یہ شوق عمر کے ساتھ ساتھ کتب اور رسالے اور مضامین کے مطالعہ میں بدل گیا۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے میں نے ان کو بعض باتوں میں ایسی باقاعدگی سے باعمل پایا کہ مثال مشکل سے ملتی ہے۔ مثلاً مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے پنجوقتہ نماز کبھی قضا کی ہو۔ پچھلے بیس تیس برس سے بھی نہایت باقاعدگی سے ادا کرتی رہیں۔ میں ایک لحاظ سے اپنے بہن بھائیوں میں سب سے زیادہ خوش نصیب تھا کہ اپنے بہن بھائیوں میں اپنے والدین کے ساتھ میں نے سب سے زیادہ وقت گزارا۔ اور اس طرح نہ صرف ان کو زندگی کے مختلف مراحل میں زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ بلکہ ذہنی طور پر بھی اُن سے زیادہ قربت حاصل رہی اور میں بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ میں آج جو کچھ بھی ہوں اس میں سب سے زیادہ اثر میری والدہ کا ہے۔ بچپن میں ہمیں نماز سکھلاتی تو ایسا شوق پیدا کیا کہ ہم چھوٹے چھوٹے بچے ایک دوسرے سے مقابلہ میں نماز پڑھتے۔ جب ہم لوگ جوانی کی طرف قدم بڑھانے لگے تو صبح اٹھتے ہی پہلا سوال جو والدہ ہم سے پوچھتیں۔ یہ ہوتا کہ "تم نے نماز پڑھ لی ہے" یہی وجہ ہے کہ نمازِ فجر ہماری زندگیوں کا ایک حصہ جوانی سے ہی بن گئی۔ جس کے بغیر ایسا معلوم ہوتا جیسے کہ آج کا دن نامکمل ہے۔

میری بہنوں نے قرآن مجید اپنی اُستانی سے پڑھا۔ میرے سکول میں قرآن شریف پڑھانے کا انتظام نہ تھا۔ امی جان نے مجھے خود قرآن شریف ناظرہ پڑھانا شروع کیا اور میرے میٹرک پاس کرنے تک دو بار تمام قرآن شریف خود میرے پاس بیٹھ کر سنا۔ علاوہ ازیں رمضان المبارک میں ہمیں قرآن شریف سورۃ فاتحہ سے والناس تک پڑھنے کی عادت ڈالی۔ ہر ایک بچے سے ہر روز پوچھتیں آج کتنے سیپارے پڑھے۔ اگر کوئی زیادہ بتاتا تو اس کو تلقین کرتیں کہ بہت تیز مت پڑھا کرو۔

قرآن مجید سے عشق کا یہ عالم تھا کہ روزانہ نمازِ فجر کے بعد تقریباً گھنٹہ بھر قرآن شریف مطالعہ کرتیں۔ کتنی خواتین ہوں گی جنہوں نے حضرت امیر مرحوم کی تفسیر بیان القرآن مکمل پڑھی ہوگی۔ والدہ مرحومہ

نے علاوہ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب مرحوم کی تفسیر قرآن کے جو ان کو میرے دادا جان مرحوم کی احمدیت سے قبل کی کتابوں میں سے ملی تھی حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی تفسیر قرآن بیان القرآن مکمل تین بار پڑھی تیسری بار جب پڑھ رہی تھیں تو عمر کافی ہو چکی تھی۔ میں نے ان سے کہا اب آپ اس تفسیر کو تیسری بار کیوں پڑھ رہی ہیں تو کہنے لگیں جیسے جیسے عمر گزرتی ہے انسان کی زندگی کے تجربات اور علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور اس تفسیر کے پڑھنے میں زیادہ لطف آتا ہے۔ اسی طرح حضرت مجدد صد چہاردہم کی کتب بھی پڑھتی رہتی تھیں اور جب کبھی موقع ہوتا دینی مسائل پر اپنی رائے کا اظہار کرتیں۔ دین کا علم ان کو عام مولوی صاحبان سے کہیں زیادہ تھا لیکن وہ کسی پر اپنے دینی علم کا رعب نہ ڈالتی تھیں۔ خاموشی سے دوسروں کی بات سن لیتیں۔ ہاں بچوں میں سے کوئی اگر ان سے دین کے کسی مسئلہ پر گفتگو کرتا تو اس کو نہایت اطمینان سے وہ مسئلہ سمجھاتی تھیں۔ ہمارے بچے ہو گئے تو ان کی دینی تربیت کی فکر ان کو دامن گیر رہتی۔ بچوں کو قرآن شریف پڑھانے اور نماز پڑھانے پر زور دیتی رہتیں۔ میرا چھوٹا بیٹا بلال احمد یہاں کی مصروفیتوں کی وجہ سے ابھی تک لیسرنا القرآن کے آخری صفحات تک ہی سال بھر میں پہنچ پایا ہے۔ میں نے امی جان کو اس کے متعلق لکھا تو انہوں نے اپنے آخری خط میں جو مجھے کوئی چار ماہ قبل ان کی طرف سے موصول ہوا لکھا "ایک تجربہ شدہ بات لکھتی ہوں۔ بلال کو ساتھ ساتھ اردو کا قاعدہ پڑھانا شروع کر دو۔ اس طرح اس کو لیسرنا القرآن پڑھنے میں بہت سہولت رہے گی اور بالکل نہ بھلائے گا۔"

ہم لوگ ۱۹۴۷ء میں منڈی بہاؤالدین اٹھ گئے۔ وہاں حضرت مجدد صد چہاردہم کے زمانہ کے نہایت ہی نیک بزرگ مولانا محمد رمضان صاحب (آپ مولانا عبدالرؤف صاحب، نائب مدیر پیغام صلح کے والد تھے) موجود تھے۔ ان سے بچوں کو قرآن شریف پڑھانے کا ذکر ہوا تو امی جان نے ان کو کہلوایا کہ میرے بچوں سے بھی قرآن شریف سن لیا کریں۔ وہ فرشتہ صفت انسان گرمی سردی دھوپ بارش کی پروا کئے بغیر اپنے وقت مقررہ پر اپنی سوٹی سے دروازہ کھٹکھٹانا اور بچوں سے قرآن شریف سننا۔ میرے چھوٹے اور بڑے بھائی دونوں ہی بوجوہ بچپن میں امی جان سے قرآن شریف نہ پڑھ سکے تھے۔ وہ جوان ہو کر بال بچے دار بھی ہو گئے تب بھی اماں جی کو یہ فکر دامنگیر کہ معلوم وہ صحیح قرآن شریف پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ وہ ہر سال وقت نکال کر دو دو ماہ کے قریب عرصہ تین چار سال تک ان کے پاس جا کر ٹھہرتی تھیں۔ میں نے ان سے عرض کیا۔ آپ اب آرام سے یہاں لاہور میں بیٹھا کریں تو کہنے لگیں۔ میں نے پچھلے سال ان سے دس سیپارے سننے تھے چاہتی ہوں اپنی زندگی میں ایک بار مکمل قرآن شریف ان سے سن لوں۔ اور اس طرح تین چار سال کے عرصہ میں میرے دونوں بھائیوں سے مکمل قرآن شریف ناظرہ انہوں نے سنا تو ان کی تسلی ہوئی کہ فرض ادا ہوا۔

عورتوں کو اکثر غیبت کی عادت ہوتی ہے۔ عورتوں پر ہی کیا منحصر ہے ہم مرد بھی اکثر اس مرض کا شکار ہیں۔ مگر امی جان کو یہ عادت نہ تھی بلکہ یہ بات پسند ہی نہ تھی کہ کوئی ان کے سامنے کسی کی غیبت کرے۔ میں بھی اگر کسی کے خلاف کوئی بات ان کے سامنے کر دیتا تو بہت برا مناتی تھیں۔ مجھ سے کہتیں دیکھو اللہ کو یہ بات پسند نہیں ہے۔ اگر تم جو کہتے ہو درست ہے تو اوروں سے کہنے کی بجائے اس سے کہو جس میں تم عیب نکال رہے ہو یا جس کی تم شکایت کر رہے ہو تاکہ وہ اپنی اصلاح کر لے۔ بے عیب تو صرف اللہ کی ذات ہے۔ اور اس ستار ذات نے کتنے پردے ہم لوگوں کی کمزوریوں پر ڈال رکھے ہیں۔ اس کو پسند نہیں کہ ہم لوگ اس پردے کو اٹھاتے پھریں۔

ہمارے خاندان کی مالی حالت کبھی بھی بہتر نہ رہی اور اماں جی کی تمام زندگی قریباً قریباً عسرت کی حالت میں ہی کٹی لیکن نہ صرف یہ کہ انہوں نے کبھی تنگی پر شکایت کا ایک لفظ تک کبھی زبان پر نہیں آنے دیا بلکہ اپنی مفلسی کی حالت میں بھی اپنے سے زیادہ مفلس کی مدد کرنے سے پہلو تہی کبھی نہ کی اور نہ ہی کبھی اس حالت کو اپنے اوپر طاری ہونے دیا جس کو "کنجوسی" کہا جاتا ہے۔ دل میں کبھی تنگی نہیں پیدا ہونے دی بلکہ ہمیشہ فراخدلی سے زندگی گزاری۔ عسر میں فضول خرچی کا تو احتمال ہی مشکل ہوتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ تنگدستی میں بلکہ کچھ لوگ تو فراخی کی حالت میں بھی تنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن انہوں نے دل کبھی تنگ نہ کیا۔ ایک توکل کی سی حالت کو اپنایا اور اس طرح کبھی بھی مال و جائیداد کے حصول کا شوق نہ رکھا۔ میں جب محکمہ کسٹم میں انسپکٹر ہو گیا تو مجھ سے کہا "بیٹا اللہ تعالیٰ نے حرام کی [illegible] سے منع کیا ہے۔ میرے گھر میں حرام کا مال لے کر نہ آنا۔ حلال کی سوکھی روٹی حرام کے نان و کباب سے بدرجہا بہتر ہے اور مال و جائیداد تو سب یہاں رہ جانے والی چیزیں ہیں۔ ان کی خاطر اپنی آخرت خراب نہ کر لینا۔" اور اللہ کا فضل ہوا میرے ساتھیوں نے ہزاروں روپے بلکہ بعض نے لاکھوں روپے رشوت میں کمائے لیکن میں نے اور میری ماں نے اسی آمدن میں جو میری تنخواہ تھی کئی برس تک گزران کی اور اب جب پیچھے کی طرف نظر دوڑاتا ہوں تو ایک گونہ سکون محسوس کرتا ہوں کہ نہ صرف یہ کہ ایمان کی دولت بچا لایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسی ملازمت کے دوران اسی چھوٹی سی حیثیت میں مجھے ان تمام لوگوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ عزت بخشی۔

علاوہ پیغام صلح کے ایک روزنامہ بہت سے ہفتہ وار رسالے خاص طور پر قندیل اور ماہوار رسالے وہ باقاعدگی سے مطالعہ کرتی رہتی تھیں۔ اس لئے ملکی اور عالمی حالات حاضرہ پر بہت معلومات رکھتی تھیں تاریخ پر بھی کافی عبور تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ٹیلیویژن پر سوال و جواب کا جو انعامی پروگرام ہوتا تھا اس میں سے اکثر سوالات کے جوابات امی جان اور میں بیٹھ کر درست دیتے تھے۔ یہاں تک کہ بچے ہم سے کہتے کہ اماں جی اور آپ اگر اس مقابلہ میں جائیں تو یقیناً جیت کر آئیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اسلامی تاریخ جو انہوں نے کہیں بچپن میں کسی طور پڑھی تھی ان کی معلومات مجھ سے کہیں زیادہ تھیں۔ اسی طرح اردو ادب کے مشاہیر پر انہیں کافی علم تھا۔ اکثر ملکی اور بین الاقوامی حالات پر بات چیت ہم لوگوں سے کرتی رہتی تھیں۔

۱۹۶۵ء کی جنگ ہوئی تو آپا نسرین ان کو لاہور سے خانیوال اپنے گاؤں ان کی مرضی کے خلاف لے گئیں۔ جنگ کے دوران میں ان کو ملنے کے لئے گیا تو کہنے لگیں نسرین مجھے زبردستی لے آئی ہے۔ میرے دو بیٹے دشمن کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ تم سیالکوٹ تھے۔ میں نے ان سے بہت کہا کہ مجھے لاہور رہنے دو میں زخمیوں کی دیکھ بھال یا اسی نوعیت کا کوئی اور کام کروں گی لیکن کمال محمد اور نسرین نہیں مانے۔ میں نے کہا۔ اماں جی آپ کو جنگ سے خوف نہیں آتا۔ تو کہنے لگیں بیٹا موت تو اسی وقت آتی ہے جب مقرر ہے۔ جب مجھے اپنے بیٹے جنگ میں بھیجنے کا فکر یا غم نہیں ہے تو اپنی جان کے لئے کیوں کر خوف کروں۔ حق کی راہ میں لڑتے ہوئے جان جائے تو وہ کسی کام آئے گی ورنہ بستر پر تو سب ہی کو موت آتی ہے۔

ساس بہو کا جھگڑا ہمارے معاشرہ کا بہت بڑا عنصر ہے لیکن اگر حق پر رہا جائے اور فریقین میں سے ایک کو بھی خدا خوفی ہو تو یہ جھگڑا نہیں ہو پاتا۔ یہ تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے۔ اور اگر ایک ہاتھ بھی اس میں روک رکھا جائے تو یہ جھگڑا ہونے نہیں پاتا۔ عجیب بات ہے کہ ہماری شادیوں کے بعد اماں جی ہمیشہ ہمیں اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کرنے کی ترغیب دیتی رہیں۔ اگر ہم کبھی کوئی سخت یا ترش بات کہہ دیتے تو ہمیں علیحدگی میں ڈانٹ پلاتی تھیں اور سمجھاتی تھیں۔ معلوم نہیں بہوؤں کو کبھی اس بات کا احساس ہوا ہو یا نہیں۔ لیکن میں اکثر سوچتا کہ یہ عجیب ماں ہے جو کبھی میری بیوی کی شکایت مجھ سے نہیں کرتی۔ بلکہ الٹا اکثر مجھے ہی بہتر سلوک کرنے کی نصیحتیں کرتی ہے۔ ہاں اگر انہیں اپنی بہو کی کوئی بات اچھی نہ لگتی تو وہ بجائے بیٹوں سے کہنے کے خود اس بہو سے بات کر لیتی تھیں اور اکثر بجائے شکایت کا لہجہ اختیار کرنے کے نصیحت کا لہجہ اختیار کرتی تھیں۔ اکثر مجھ سے

(بقیہ صـ۱۲ کالم ۱ و ۲)

(بقیہ [illegible] آمدہ صفحہ [illegible])

(۱۶) آپ ایک اہم منظر، ملاقات یا فنکشن کا فوٹو لے کر اُسے محفوظ کر سکتے ہیں۔

(۱۷) آپ ایک نومسلم کی بیعت کرا سکتے ہیں۔

(۱۸) آپ کسی کو صحیح راستہ دکھا سکتے ہیں یا بر وقت نصیحت کر سکتے ہیں۔

(۱۹) میدانِ عمل میں آپ دلیری سے کام لے کر اپنا نام غازی یا شہید کی صف میں لکھوا سکتے ہیں۔ یا بُزدلی سے کام لیتے ہوئے ہمیشہ بدنامی کا داغ لگوا سکتے ہیں۔

(۲۰) آپ کوئی بھی نصب العین مقرر کر سکتے ہیں یا کسی اہم کام کے آغاز کا تہیہ کر سکتے ہیں۔

یہ تو ہوا صرف پانچ منٹ کے عمل کا کرشمہ۔ ذرا اسے ۱۲ سے ضرب دیجیئے۔ پھر دوبارہ ۲۴ سے تو کم از کم نیکیاں جو آپ روزانہ سمیٹ سکتے ہیں وہ ۵۰۰۰ کے لگ بھگ ہیں۔ یہ بغیر کاوش کے ہیں۔ زمانے کی رفتار کے مدِنظر جب سب کام منٹوں اور سیکنڈوں بلکہ ملی سیکنڈوں میں ہونے لگے ہیں تو امکانات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو سکتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اگر اعمالِ صالحہ کی دوڑ میں آپ ابھی تک پیچھے ہیں تو اس کمی کو دو طریقوں سے پورا کیا جا سکتا ہے۔

اوّل آپ نیند کم کر دیں۔ تاکہ اعمال کے لئے وقت زیادہ نِکل آئے اس کا ایک اور زرّیں اصول یہ ہے کہ آپ وقت کی کترنوں کو مت ضائع ہونے دیں مثلاً نماز اور ناشتہ کے درمیان۔ ناشتہ اور سکول کے وقت کے درمیان۔ واپسی اور لنچ کے درمیان۔ کپڑے تبدیل کرنے اور سونے کے درمیان۔ اذان اور نماز کے درمیان۔ یہ وقت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بہت اچھے استعمال میں لائے جا سکتے ہیں بشرطیکہ ہم انہیں استعمال کرنا سیکھیں۔

یا ثانیاً آپ اعمالِ صالحہ کو کرنے رفتار کو تیز تر کر دیں۔

یاد رکھیں ہماری جماعت کی اُمیدیں آپ نوجوانوں سے وابستہ ہیں آپ میں سے ہر ایک جماعت کے مقدر کا ستارہ ہے صرف جذبۂ عمل و تعمیر زندہ رہنا چاہیئے بقول علامہ اقبالؒ:۔

ہزار کام ہیں مردانِ حُر کو دنیا میں + انہیں کے ذوقِ عمل سے ہے اُمتوں کا نظام

لہٰذا خدارا ذوقِ عمل کو پیدا کریں کیونکہ باتیں بنانے والے کو تو اللہ تعالیٰ بھی سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ چینی زبان کا ایک مقولہ ہے:۔

"ہزار میل کا سفر ایک قدم سے شروع ہوتا ہے"

آیئے پہلا قدم آج اور ابھی اٹھائیں۔ ؎

اُٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی + دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا۔

بقیہ: "والدہ مرحومہ کی یاد میں"

آمدہ صفحہ ۱۱

کہا کرتی تم سب بھائی اپنی بیویوں سے سختی سے بات کرتے ہو مجھے یہ بات پسند نہیں۔ اُن سے نرمی سے بات کیا کرو۔

دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا سبق ہمیں تمام عمر اماں جی نے عملی رنگ میں دیا۔ ۱۹۷۷ء میں جب انجمن نے مجھے انگلستان بطور اسسٹنٹ امام بھیجنے کا فیصلہ کیا تو میرے جانے سے چند روز قبل اماں جی کو فالج کا حملہ ہوا۔ جس سے اُن کا بایاں ہاتھ اور بائیں ٹانگ متاثر ہوگئی۔ میں ان کو ڈاکٹروں کے پاس لے جاتا رہا۔ اور سوچ میں پڑ گیا۔ اس حالت میں اماں جی کو چھوڑ کر انگلستان جاؤں یا نہ جاؤں۔ میں ابھی کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ انہوں نے ایک دن مجھ سے کہا "میری خاطر تم اپنا فیصلہ نہ بدل دینا۔ اللہ کی راہ میں نکلنے کا فیصلہ کیا ہے تو پیچھے قدم نہ ہٹانا۔ میری صحت یا زندگی تمہارے نہیں اللہ کے ہاتھ میں ہے تم یہاں بیٹھ کر نہ تو میری موت کو روک سکتے ہو نہ مجھے صحت دے سکتے ہو اس لئے اپنا فیصلہ نہ بدلنا۔ تم خوش قسمت ہو کہ اللہ نے تمہیں اپنے دین کی خدمت کا موقع دیا ہے۔ اس کو ضائع مت کرو۔"

ان کے ان الفاظ نے مجھے حوصلہ بخشا کہ میں اپنے فیصلے پر قائم رہوں۔

فالج نے ان کو بے بس کر کے رکھ دیا۔ ان کو شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ اب وہ اور لوگوں پر اپنی محتاجی کی وجہ سے بوجھ بن گئی ہیں۔ میں جب سال بعد انگلستان سے پاکستان واپس آیا تو میں نے محسوس کیا کہ اس احساس نے اُن کو بُری طرح مغلوب کیا ہوا ہے۔ لیکن اس بے بسی کی حالت میں بھی پنجوقتہ نماز اور نمازِ تہجّد انہوں نے باقاعدگی سے ادا کی۔ بلکہ اصرار کر کے وضو کرنے کے لئے خود کسی کے سہارے سے چل کر غسلخانہ میں پانی کے نلکے تک جاتیں اور نماز ادا کرتیں۔ میں چند ماہ پاکستان رہا تو وہ میرے پاس ہی رہیں۔ لیکن جب میں امریکہ آنے کے لئے چلنے لگا تو ان کو جیسے ایک دم پھر اپنی بے بسی کا انتہائی احساس ہوا۔ وہ بے طرح رونے لگیں اور کہنے لگیں بیٹا میں اب تمہیں پھر کبھی نہ دیکھ سکوں گی۔ میں ان کو تسلی دینے کے لئے کہتا رہا کہ انشاء اللہ میں اگلے سال آپ کو ملنے کے لئے آؤں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔ لیکن میرا دل اُس وقت بھی گواہی دے رہا تھا کہ وہ درست کہہ رہی ہیں۔ اُس کے بعد اُن سے باقاعدہ خط و کتابت رہی۔ اور وہ ہر خط میں مجھے یہی لکھتی رہیں کہ "دیکھو دین کے لئے کوئی نہ کوئی کام کرتے رہنا۔ یہ بات تمہاری زندگی کو بامقصد بنائے رکھے گی۔ اور اپنے بچوّں کو خاص طور پر دین کی تعلیم ضرور دینا۔ یہ تمام والدین پر فرض ہے۔ اس بات سے غفلت نہ برتنا" میں جب پاکستان سے چلنے لگا تو انہوں نے مجھ سے کہا:۔

"وزن تو ہوگا لیکن بچوں کے لئے یہاں سے میٹرک تک کے دینیات اور اُردو کے کورس ساتھ لے جاؤ اور ان کو ساتھ ساتھ یہ پڑھاتے رہنا۔ تاکہ یہ اپنی زبان اور دین نہ بھول جائیں"۔ اور میں نے یہ تمام کتب جمع کر کے اپنے ساتھ کر لیں اور واقعی یہ بہت بڑا سرمایہ ثابت ہو رہی ہیں جو یہاں بازار سے میسّر نہیں ہے۔

۹ نومبر ۱۹۸۱ء کو اماں جی تو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ اور یہاں پندرہ بیس ہزار میل کے فاصلہ پر جب مجھے یہ خبر ملی تو زبان پر یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ المرضیہ۔ جاری ہوگیا۔ اور دل سے ایک دُعا نکلی کہ اے اللہ۔ اپنی اس سعید رُوح کو بلند درجات عطا فرما اور میری قوم کو میری جیسی بیسیوں مائیں عطا فرما۔ آمین۔ ثم آمین۔

* * *

ایک ضروری اعلان

جلسہ سالانہ میں شمولیت کیلئے تشریف لانے والے احباب سے گزارش ہے کہ وہ موسم کے مطابق بستر ہمراہ لائیں۔

* * *

ادارہ

باہتمام ریاض حسین الجدہ پرنٹرز اردو بازار لاہور سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر:۔ (ڈاکٹر اللہ بخش)

ہفت روزہ پیغام صلح لاہور۔ مؤرخہ ۲ دسمبر ۱۹۸۱ء، جلد ۶۸ شمارہ ۴۸ رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

ہفت روزہ
پیغام صلح
لاہور

با مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام
ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

با مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام
ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸
تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۲۷۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاکستان سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصول ڈاک)

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید
وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

- الہامات حضرت مسیح موعود

جلد:- ۶۸ ✱ یوم چہارشنبہ ۱۱ صفرالمظفر ۱۴۰۲ھ ✱ بمطابق ۹ دسمبر ۱۹۸۱ء ✱ شمارہ ۴۹

ارشادات حضرت مجدد صد چہاردہم

:- دنیا میں :-

دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک جسمانی جیسے ماں، باپ۔ بہن وغیرہ کے تعلقات، دوسرے روحانی اور دینی تعلقات، یہ دوسری قسم کے تعلقات اگر کامل ہو جائیں تو سب قسم کے تعلقات سے بڑھ کر ہو جائیں اور یہ اپنے کمال کو تب پہنچتے ہیں جب ایک عرصہ تک مجبت ہی رہے دیکھو! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو جماعت صحابہ رض کی تھی اس کے یہ تعلقات ہی کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ جو انہوں نے نہ وطن کی پرواہ کی اور نہ اپنے مال و ملک کی اور نہ عزیز و اقارب کی یہاں تک اگر ضرورت پڑی تو انہوں نے بھیڑ بکری کی طرح اپنے سر خدا کی راہ میں رکھ دیئے۔ وہ شدائد و مصائب جو ان کو پہنچ رہے تھے ان کے برداشت کرنے کی طاقت ان کو کیونکر ملی اس میں یہی سر تھا کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تعلقات بہت گہرے ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا جو آپ لے کر آئے تھے۔ اور دنیا اور اس کی ہر ایک چیز ان کی نگاہ میں خدا تعالےٰ کے مقابلہ میں کچھ ہستی رکھتی ہی نہ تھی"۔

(الحکم جلد ۱۶)

دین کیلئے سارے دکھ اٹھالو

چاہیئے کہ اسلام کی ساری تصویر تمہارے وجود میں نمودار ہو اور تمہاری پیشانیوں میں اثر سجود نظر آئے اور خدا تعالےٰ کی بزرگی تم میں قائم ہو۔ اگر قرآن و حدیث کے مقابل پر ایک جہان عقلی دلائل کا دیکھو تو ہرگز اس کو قبول نہ کرو اور یقیناً سمجھو کہ عقل نے لغزش کھائی ہے توحید پر قائم رہو اور نماز کے پابند ہو جاؤ اور اپنے مولیٰ حقیقی کے حکموں کو سب پر مقدم رکھو اور اسلام کے لئے سارے دکھ اٹھالو۔

(ملفوظات احمدیہ جلد اول صفحہ ۵۰)

نمائش دستکاری

جلسہ سالانہ کے متعلق خواتین سلسلہ کا ایک :- ضروری فرض :-

جماعت کے تمام بزرگوں اور بھائیوں اور بہنوں کو بخوبی علم ہے کہ مرکزی احمدیہ انجمن خواتین لاہور نے اشاعت دین و قرآن کریم میں مدد دینے کیلئے ایک "دستکاری فنڈ" مدت سے شروع کیا ہوا ہے جس سے ہر سال انجمن کو گراں قدر اور معقول مالی امداد مل جاتی ہے۔ جماعت کی درد مند خواتین اور بچیاں کچھ دستکاری بنا کر ساتھ لاتی ہیں یا ارسال کر دیتی ہیں جو جلسہ کے موقع پر بذریعہ نمائش فروخت کر دی جاتی ہے۔ اس طرح ہزاروں روپے چند گھنٹوں میں جمع ہو جاتے ہیں ضرورت ہے کہ تمام خواتین سلسلہ عزم کرلیں کہ وہ اس سال نمائش دستکاری کو گذشتہ تمام سالوں سے زیادہ کامیاب بنائیں گی۔

جسکی واحد صورت یہ ہے کہ اسال ہر ایک احمدی خاتون اور بچی دستکاری کی کوئی نہ کوئی چیز نمائش دستکاری میں شامل کرنے کیلئے اپنے ساتھ لے آئے یا پہلے بھیجدے۔ (ادارہ)

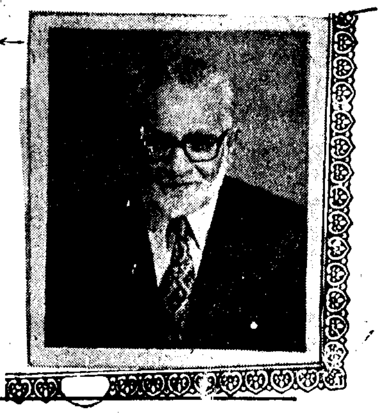

مکتوب امریکہ :۔ از جناب ماسٹر محمد عبداللہ صاحب کیلیفورنیا

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند
زیر آں گنجِ کرم بنہادہ اند

حضرت امیر قوم ڈاکٹر سعید احمد خاں ایدہ اللہ تعالےٰ

مکرمی محترمی ایڈیٹر پیغام صلح ـــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

حضرت امیر مرحوم مولٰنا صدرالدین کی وفات حسرت آیات پر ایک تعزیت نامہ بھیج چکا ہوں۔ امید ہے موصول ہو گیا ہوگا اور اخبار پیغام صلح کے خاص نمبر میں شائع ہو جائے گا۔

ہر ایک سوسائٹی یا جماعت کے لیڈر کی وفات پر جہاں جماعت کے فعال ممبران کو اپنے لیڈر کی جدائی کا صدمہ ہوتا ہے وہاں یہ فکر بھی دامنگیر ہوتی ہے کہ اس جماعت کی قیادت کے لئے کون موزوں انسان ہوگا؟ جماعت کا کام کیسے چلے گا؟ اس قحط الرجال کے زمانے میں جبکہ حضرت مجدد اعظم کے ساتھی جو صاحب علم و عمل تھے مولاکریم سے جا ملے ہیں۔ ہماری جماعت میں ان تفکرات کا پیدا ہونا ناممکن نہیں تھا لیکن جس جماعت نے اپنا نصب العین خداوندکریم کے دین کی اشاعت و تبلیغ قرار دیا ہو اللہ تعالےٰ اس جماعت کو محروم نہیں کرتا اور اس کی راہنمائی کے لئے غیب سے سامان پیدا کر دیتا ہے۔

اس ہفتہ کے دوران میں جب ہمیں مرکزی احمدیہ انجمن لاہور سے ٹیلی گرام ملا کہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب جماعتِ احمدیہ لاہور کے امیر اور پریذیڈنٹ منتخب ہوئے ہیں تو ہمارے تفکرات خوشی و انبساط میں تبدیل ہو گئے۔ اور اس مشیت ایزدی کو دیکھ کر یقین ہو گیا کہ ہم بھی پلین بناتے ہیں لیکن ہمارے پلین خداوندکریم کے پلینوں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اور ہماری عقل و دانش اللہ تعالےٰ کے رمزوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

کہاں ایبٹ آباد کی پرفضا وادیاں اور کہاں لاہور کی آب و ہوا۔ میں تو کبھی پسند نہیں کروں گا کہ کھلی دنیا کو چھوڑ کر نیو پارک میں رہائش اختیار کروں۔ البتہ مجبور ہو کر وہاں بس جانا امر دیگر ہے۔

خداوندکریم نے حالات ایسے پیدا کر دیئے کہ قبلہ ڈاکٹر صاحب کو معہ اہل و عیال لاہور آ کر بسنا پڑا اور یہاں آ کر آپ نے اپنی خدمات کو انجمن کے سپرد کر دیا۔ ادھر آپ کی موجودگی لاہور سے انجمن کو تقویت ملنی شروع ہو گئی اور افسردہ حالات میں زندگی کی روح پیدا ہو گئی ادھر ایبٹ آباد کے حالات بھی تبدیل ہو گئے اور وہاں امن و سکون پیدا ہو گیا۔ ایک دنیادار آدمی کیلئے ایبٹ آباد میں رہنا مالی اور جانی لحاظ سے بہتر تھا لیکن ایسے انسان کے لئے جس نے دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا مصمم عہد کیا ہوا ہو وہ اس تحریک کا شکار نہیں ہو سکتا۔ اور اپنے ارادہ کو کسی صورت میں نہیں بدل سکتا۔

لاہور میں رہ کر آپ کی خدمات کی وجہ سے آپ انجمن کے سینئر وائس پریذیڈنٹ مقرر ہوئے اور بلاد غیر کے مشنوں کے ڈائریکٹر۔ آپ کو بیرون ممالک کے مشنوں کو مضبوط کرنے اور بیرون ممالک کی جماعتوں کے ممبران سے ملنے کے کئی ایک مواقع ملے۔ آپ کے ان دوروں کی وجہ سے ان جماعتوں میں ایک روح پیدا ہو گئی اور ایک تنظیم پیدا ہو گئی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کا اس سال کا دورہ اور اس کے نتائج قارئین کرام پیغام صلح میں پڑھ چکے ہونگے

ہم خود حیران ہیں کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے سان فرانسسکو آنے سے ۴۰ ہزار ڈالر نقد لندن مشن کے لئے ۵۰ ہزار ڈالر تراجم قرآن کے لئے اور ۱۰۰ ہزار ڈالر ایک سال کے اندر ادا کرنے کے وعدے یہ حیرت انگیز کامیابی کیوں کر ہوئی؟

دُعاؤں کی قبولیت :۔ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ دُعا اور دعوت کے معنی ہیں اللہ تعالےٰ کو اپنی مدد کیلئے پکارنا اور اس کا کمال درد دل اور قلق اور سوز کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرنا۔

ایک مقبول دُعا :۔ حضرت امیر قوم مولٰنا محمد علی مرحوم بسا اوقات اپنی جماعت سے اسلام کی کامیابی کے لئے خصوصاً ماہِ رمضان کے آخری دس دنوں میں دُعا کی درخواست کیا کرتے تھے۔ اور اگر جماعت کا کوئی مالدار بزرگ حج کیلئے مکہ مکرمہ جاتا تھا تو دُعا کے مضمون کو لکھ کر دیا کرتے تھے۔ اس کا مقصد ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دُعا کرنے والے صاحب ثروت و دولت کے دل میں اشاعت کے لئے مالی قربانی کے لئے شرح صدر ہو۔ دوسرے خداوندکریم دین اسلام کی کامیابی اور نصرت کے لئے اسباب پیدا کر دے۔ اس قسم کی ایک دُعا کا مضمون پیغام صلح کے گذشتہ مولٰنا محمد علیؒ نمبر میں شائع ہوا ہے اسکے آخری پیراگراف کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

"اے خدا تو ہماری زندگیوں میں یہ نظارہ دکھلا کر دجّال کی مملکت میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوں۔ اور مسجدیں بن جائیں"۔ اور بعض دُعائیں ایک عرصہ دراز کے بعد شرف قبولیت حاصل کرتی ہیں۔ حضرت امیر مولٰنا محمد علی کی اس دُعا جو آپ نے روضہ مطہرہ نبویؐ پر بذریعہ جناب میاں محمد اسماعیل شیخ مرحوم و مغفور بھیجی تھی اس کی قبولیت کے آثار ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے مختلف مقامات پر مسجدیں بن گئی ہیں یا زیر تعمیر ہیں مسجد خواہ ہماری جماعت کے ہاتھوں تعمیر ہو یا اسلامی ممالک کے سرمایہ سے یا یورپ اور امریکہ میں گذشتہ دس پندرہ برس کے دوران میں اسلامی آبادی کے بڑھ جانے کی وجہ سے مسجد ہی ہے جہاں سے پانچوں وقت اللہ اکبر کی آواز گونج رہی ہے۔

یہ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ ہماری جماعت کے سینکڑوں ممبر سرینام سے ہجرت کر کے ہالینڈ چلے جائیں گے اسی طرح دیگر یورپی ممالک میں ہمارے ممبر پہنچ جائیں گے۔ ایک زمانہ ایسا تھا کہ ہمیں ایک مبلغ بلاد غیر میں بھیجنے کے لئے کافی مالی قربانی پڑتی تھی۔ جرمن مسجد کی تعمیر کیلئے ہماری بہنوں نے زیور تک دے دیئے۔ لیکن اب ہالینڈ میں ہمارے چار مرکز اور مساجد بن گئے ہیں اور ان کی تعمیر کے اخراجات ہالینڈ کی جماعت نے اپنے ذمہ لے لئے ہیں لندن مشن کی امداد امریکہ سے ہو رہی ہے۔

تائیدِ الٰہی :۔ اس تائید الٰہی کی سعادت حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کو حاصل ہو گئی تھی اور خداوندکریم نے آپ کی زبان میں ایسا اثر پیدا کر دیا تھا کہ اگر ہالینڈ اس سال تشریف لے جاتے ہیں تو آپ کی اپیل پر اس قدر رقم جمع ہو جاتی ہے کہ ہالینڈ کے دونوں مرکزوں پر جس قدر قرض تھا اس سے قوم کو نجات ملتی ہے۔ اللہ کی شان جس قدر تائید الٰہی اور نصرت حضرت ڈاکٹر صاحب کو اس سال نصیب ہوئی میرے خیال میں اس کے مقابلہ میں کسی سال میں اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوئی ہو گی۔ ان حالات کے حوصلہ افزا نتائج کے فوری بعد آپ کا احمدیہ جماعت لاہور کا امام اور پریذیڈنٹ ہونا ایک نیک شگون ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی قیادت میں خداوندکریم خدمت اسلام و ترقی سلسلہ کے لئے جماعت کو اعلےٰ مقام پر پہنچائے گا۔

* * *

لاتقنطوا من رحمۃ اللہ

"اللہ تعالٰے کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔"

خطبۂ جمعہ فرمودہ مکرم میاں نصیر احمد فاروقی صاحب، بمقام مسجد جامعہ، دار السلام، لاہور

قال انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ واعلم من اللہ ما لا تعلمون ○ یٰبنی اذھبوا فتحسسوا من یوسف واخیہ ولا تایئسوا من روح اللہ ؕ انہ لا یایئس من روح اللہ الا القوم الکفرون ○ (سورۃ یوسف ۱۲ - آیات ۸۶ - ۸۷)

ترجمہ:۔ (حضرت یعقوبؑ نے) کہا میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت اللہ سے ہی کرتا ہوں۔ اور میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے۔ اے میرے بیٹو جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کا پتہ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ کی رحمت سے سوائے کافر لوگوں کے اور کوئی مایوس نہیں ہوتا۔

اللہ تعالٰے نے اس دنیا کو عالمِ اسباب بنایا ہے۔ اور کوتاہ بین انسان ان اسباب میں الجھ کر اسباب پرست بن جاتا ہے۔ چنانچہ جب تک تو وہ اسباب اس کے حق میں ہوں یا جب تک انسان مخالف اسباب پر قابو پا سکتا ہے تو وہ ہنسی خوشی چلا چلتا ہے۔ مگر جب مخالف اسباب اس کے قابو میں نہ آئیں تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس عالم اور اس کے اسباب کو پیدا کرنے والے کی طرف سے اسباب کو مخالف یا انسان کے بس سے باہر کیا ہی اس لئے جاتا ہے کہ انسان اسباب پرستی سے بلند ہو کر مسبب الاسباب یعنے اللہ تعالٰے کی طرف رجوع کرے اور یوں اسباب پرستی کے شرک سے نجات پا کر خدا پرست بنے۔ مگر انسان کی ظاہر بین آنکھ اسباب تک ہی رکی رہتی ہے اور وہ ان کو اپنے خلاف پا کے قابو دیکھ کر مایوس ہو جاتا ہے۔

ابلیس یا شیطان

انسان کو مایوسی کے گڑھے میں گرانے والے کو قرآنِ حکیم میں ابلیس اور شیطان دونوں ناموں سے پکارا گیا ہے۔ ابلیس بلس سے ہے اور ابلاس اس حزن یعنی غم کو کہتے ہیں جو شدت ناامیدی سے پیدا ہو (راغب) اور ابلیس کو ابلیس اس کی شدت ناامیدی کی وجہ سے کہا ہے جو وہ رحمتِ الٰہی سے رکھتا ہے۔ اور شیطان کا لفظ شطن بمعنی بَعد یعنے دُوری سے ہے اور ابلیس کو شیطان کا نام قرآنِ حکیم نے اس لئے دیا ہے کہ وہ انسانوں کو رحمتِ الٰہی سے مایوس کر کے دُور کرنا چاہتا ہے (تفسیر بیان القرآن) اسی لئے شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہے پہلے تو اُسے اسباب پرستی کے شرک میں مبتلا کر کے گمراہ کرتا ہے۔ اور جب اللہ تعالٰے اسباب کے بت کو توڑ کر انسان کو اس شرک سے نکالنا چاہتا ہے تو شیطن اسباب کے ٹوٹنے سے فائدہ اٹھا کر انسان کو مایوسی کے گڑھے میں گرا دیتا ہے۔ اور یوں اللہ تعالٰے کی رحمت جس کے ایک معنی روحانی نعمت کے ہیں اس سے دُور کرنا چاہتا ہے کیونکہ اسباب پرستی سے نجات پا کر خدا پرستی کو پا لینے سے بڑھ کر اور کیا روحانی نعمت ہو سکتی ہے۔

مگر رحمتِ الٰہی دنیاوی نعمتوں کے رنگ میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اور شیطان مایوسی پیدا کر کے انسان کی اُمید، صبر اور ہمت کو توڑ دیتا ہے۔ اسی لئے مایوسی کا شکار ہو کر یا تو انسان کوشش کرنی چھوڑ دیتا ہے یا دماغی امراض مثلاً مالیخولیا یا خوف و ہراس میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بعض لوگ تو خودکشی تک کر لیتے ہیں۔

قرآن کا کمال

اگر ہم اسلام کو کامل مذہب اور قرآنِ حکیم کو کامل ہدایت کہتے ہیں تو یہ محض دعوٰے نہیں انسان کی تمام مشکلات کا اس میں حل ہے۔ مایوسی کے مرض کا کہیں علاج نہیں سوائے قرآنِ حکیم کے۔ اس بارہ میں بہت سی آیات ہیں۔ نمونتاً چند سناتا ہوں۔ قرآن کریم نے متعدد جگہ واضح کیا ہے کہ انسان کے اچھے حالات پیدا کرنے والا اللہ تعالٰے ہے جو اس کی رحمت سے ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں اس آیت پہ غور فرمائیے:۔

ولئن اذقنا الانسان منا رحمۃ ثم نزعنٰھا منہ ۚ انہ لیئوس کفور ○ (ہود ۱۱ - ۹)

ترجمہ:۔ اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت چکھائیں پھر اس سے لے لیں تو وہ مایوس ہو جاتا ہے اور ناشکر گذار بھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر انسان کے لئے اچھے حالات پیدا ہوتے ہیں تو وہ اللہ تعالٰے کی رحمت سے ہوتے ہیں اور وہ اپنی حکمت میں کبھی بُرے حالات انسان پر لے آتا ہے تو ان سے نہ تو مایوس ہو جانا چاہیئے نہ اللہ تعالٰے کی ناشکر گزاری پر اتر آنا چاہیئے۔ بلکہ اپنی اصلاح اور صبر اور رجوع الی اللہ سے کام لینا چاہیئے کہ مصیبتیں انسانوں کی اصلاح کے لئے آتی ہیں اور ان میں وہ اعلےٰ خوبیاں پیدا کرنے کے لئے آتی ہیں جو سوائے مصائب کے کوئی پیدا نہیں کر سکتا۔ اور بالآخر لوگوں کو اللہ تعالٰے کی طرف متوجہ کرنے کے لئے بھی آتی ہیں۔ اسی بات کو اگلی آیات میں واضح فرمایا کہ الا الذین صبروا وعملوا الصّٰلحٰت ؕ اولٰئک لھم مغفرۃ واجر کبیر ○ (ہود ۱۱ - ۱۱) یعنے مصائب میں وہ لوگ گمراہ نہیں ہو جاتے جو صبر کا دامن نہ چھوڑیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کریں۔ اُن کیلئے اللہ تعالٰے کی مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔

دُوسری جگہ بد سے بدترین آدمی کو فرمایا کہ خُدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو قل یٰعبادی الذین اسرفوا علٰی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ؕ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعًا ؕ انہ ھو الغفور الرحیم ○ ترجمہ:۔ کہدو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ سبھی گناہ بخش دیتا ہے۔ ہاں وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

مسبّب الاسباب

اللہ تعالٰے تمام عالموں اور ان کے اسباب کو پیدا کرنے والا ہے۔ انسان تو ان اسباب میں گھرا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے انسان کو اپنے اوپر اللہ تعالٰے کا اندازہ نہیں کرنا چاہیئے۔ وہ علٰی کُل شیء قدیر ہے۔ اس حکمت کو قرآن کریم نے کئی جگہ واضح فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی بیوی حضرت سارہؓ کے واقعہ کو لے لیجئے۔ حضرت ابراہیمؑ بوڑھے اور ضعیف ہو چکے تھے اور آپ کی بیوی بڑھیا اور بانجھ تھیں۔ ان کے ہاں تب تک اولاد نہ ہوئی تھی۔ اللہ تعالٰے کے

فرشتے آئے اور ان بوڑھے بڑھیا کو بیٹے کی خوشخبری دی۔ تو حضرت سارہ کا کیا ردِ عمل تھا وہ قرآن کریم میں یوں آیا ہے :۔

فاقبلت امراتہ فی صرۃ فصکت وجھھا وقالت عجوز عقیم ٥

"یعنے اس (ابراہیمؑ) کی عورت چیخ مار کر آگے آئی اور کہا کہ میں تو بڑھیا اور بانجھ ہوں۔" (الذّٰریٰت۵۱۔ ۲۹)۔ خود حضرت ابراہیمؑ کا ردِ عمل قرآن مجید میں یوں مذکور ہے۔

قال ابشرتمونی علیٰ ان مسنی الکبر فبم تبشرون ٥

"اس (حضرت ابراہیمؑ) نے کہا کہ کیا تم مجھے خوشخبری دیتے ہو حالانکہ مجھے بڑھاپے نے آن لیا ہے۔ تو تم کا ہے کی خوشخبری دیتے ہو۔" (الحجر ۱۵۔ ۵۴)۔ جب فرشتوں نے کہا کہ ہم تمہیں سچی خوشخبری دیتے ہیں پس تو مایوس ہونے والوں میں سے نہ ہو تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا

قال ومن یقنط من رحمۃ ربہ الا الضالون ٥ "اس نے کہا : اور کون ہے جو اپنے رب کی رحمت سے مایوس ہو سوائے اُن لوگوں کے جو گمراہ ہو گئے۔" (آیت ۵۶)

چنانچہ وہی ہوا جو اللہ تعالےٰ نے فیصلہ فرمایا اور نہ حضرت ابراہیمؑ کا بڑھاپا (بقول توریت کے آپ ۸۰ سال سے متجاوز ہو چکے تھے) اور نہ حضرت سارہ کا بڑھاپا اور بانجھ پن اللہ تعالےٰ کی رحمت کو روک سکا اور اُن کے ہاں حضرت اسحٰق پیدا ہوئے۔ اسی بات کو رسول اللہ صلعم کی ایک دعا بھی ہمیں سکھلاتی ہے اللّٰھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت "اے اللہ جو تو دینا چاہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو روک دے تو اُسے کوئی دے نہیں سکتا۔"

مایوسی کفر ہے :۔

حضرت ابراہیمؑ نے تو مایوسی کو گمراہ لوگوں کی نشانی بتایا تھا قرآن حکیم نے مزید فرمایا ہے کہ مایوسی سے کفر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا۔ والذین کفروا بایٰت اللہ ولقائہ اولٰئک یئسوا من رحمتی یعنے "جن لوگوں نے اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار (کفر) کیا وہ میری رحمت سے مایوس ہیں۔" (العنکبوت ۲۹۔ ۲۳) اور جن آیات کو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھا ہے اُن میں صاف فرمایا کہ "اللہ کی رحمت سے سوائے کافر لوگوں کے اور کوئی مایوس نہیں ہوتا۔"

اللہ کی رحمت کے معنیٰ

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالےٰ کی رحمت سے مایوسی سے مراد اللہ تعالےٰ کے ظاہر اسباب کو بدل کر ناممکن یا محال بات کو پورا کر دینے سے مایوسی ہے۔ جو تبدیلی کہ اللہ تعالےٰ کی قدرتِ کاملہ اور رحم کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم نے جہاں اللہ تعالےٰ کو علیٰ کل شیءٍ قدیر فرمایا ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کی رحمت ہر چیز پہ حاوی ہے۔ ورحمتی وسعت کل شیءٍ (الاعراف۷۔ ۱۵۶) نیز ربنا وسعت کل شیءٍ رحمۃً وعلمًا (المؤمن۴۰۔ ۷) اس لئے وہ اپنی رحمت بے پایاں اور قدرت کاملہ سے جو چاہے کر سکتا ہے جیسا کہ فرمایا یفعل مایرید یا فعال لما یرید۔

کیا عجیب اور اعلیٰ معرفت اللہ تعالےٰ کی قرآن کریم نے دنیا کو بخشی ہے۔ ہمارا خدا وہ نہیں جو انسان کو بخش نہیں سکتا جب تک اُس کے بیٹے نے اپنی قربانی نہیں دی۔ یا جو انسان کو آواگون کے چکر سے نجات نہیں دے سکتا۔ فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء واللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر (البقرۃ۲۔ ۲۸۴) ہم اللہ کا مال ہیں جو جسم یا روح اُس نے ہمیں بخشی وہ بھی اللہ کا مال ہیں۔ جو ہم گناہ کرتے ہیں اپنی جانوں پر ظلم وہ بھی اللہ تعالےٰ کا ہی ہمیں مجرم بناتا ہے اس لئے وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے سزا دے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور کسی امر سے مجبور نہیں۔

حضرت یعقوبؑ کا واقعہ

اسی طرح ہمارا خدا اسباب سے جو وہ خود پیدا کرتا ہے مجبور نہیں ہو جاتا۔ جو آیات میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی ہیں اُن میں اسی بات کو واضح فرمایا ہے۔ کن حالات میں اللہ تعالےٰ نے حضرت یعقوبؑ کے الفاظ کو بطور تعریف قرآن کریم میں دوہرایا ہے؟ اُن کا پیارا بیٹا حضرت یوسفؑ جو بچپن سے اپنے باپ کے نقشِ قدم پر بطور نبی اُبھر رہے تھے کھوئے جاتے ہیں اور وہ بھی اپنے نالائق بھائیوں کے حسد اور دشمنی کا شکار ہو کر۔ حضرت یوسف کی بازیابی کے لئے حضرت یعقوبؑ نے کتنے سال دعائیں کیں؟ ایک روایت کے مطابق چالیس سال تک۔ خیال فرمائیے کہ ایک خدا کا برگزیدہ نبی (نہ کہ ہمارا جیسا ایک گنہگار انسان) سالہا سال تک دعا کرتا ہے مگر وہ دعا قبول نہیں ہوتی۔ حضرت یعقوبؑ کیوں سالہا سال تک دعا کرتے رہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں خوشخبری دی تھی کہ یوسف مرا نہیں بلکہ زندہ ہے۔ چالیس سال تک دعا کرنے کے بعد یوسف تو ملا نہیں بلکہ دوسرا نیک بیٹا بن یامین بھی کھویا جاتا ہے۔ ان مایوسیوں پہ مایوسیوں کے باوجود کیا خدا پر ایمان اس بزرگ نبی نے دکھایا! یہ نہ تھا کہ انہیں پریشانی اور غم نہ تھا۔ ضرور تھا مگر اُن کے آب زر سے لکھنے والے الفاظ جو اس خطبہ کے شروع میں لکھے ہیں اُس میں چار باتیں علیحدہ علیحدہ مذکور ہیں۔ اور وہ یہ کہ :۔

۱:۔ میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔

۲:۔ مگر میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے (وہ علم یہی تھا کہ حضرت یوسفؑ اور بن یامین دونوں بخیریت ہیں)

۳:۔ اس لئے اے میرے بیٹو جاؤ اور یوسف اور اُس کے بھائی کا پتہ لگاؤ۔

۴:۔ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ کی رحمت سے سوائے کافر لوگوں کے اور کوئی مایوس نہیں ہوتا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ نقصان پہ نقصان اور مایوسی پہ مایوسی اُٹھانے سے انسان کے دل میں پریشانی اور غم کا پیدا ہونا ایک فطرتی امر ہے۔ مگر اپنی پریشانی اور غم کے دکھڑے اپنی طرح کمزور اور بے بس انسانوں کے آگے رونا جو اکثر لوگوں اور خصوصاً عورتوں کی عادت ہوتی ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اپنے غموں اور پریشانیوں کا ذکر ضرور کرو کہ اس سے انسان کی طبیعت ہلکی ہوتی ہے۔ مگر کس کے آگے؟ اس قاضی الحاجات اور قادر مطلق اور ارحم الراحمین کے آگے کہ جس نے انہیں تم پر بھیجا ہے اور صرف وہی انہیں دور کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ حضرت یعقوبؑ کے اس طریق پر حضرت امیر مرحوم نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں کیا اعلیٰ نوٹ لکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"اس سے معلوم ہوا کہ اپنے رنج اور مصائب کو دوسروں پر ظاہر کرنے سے حتی الوسع بچنا چاہیئے اور صرف اپنے مولا کے سامنے ظاہر کرنا چاہیئے کیونکہ وہی غم و رنج کو دور بھی کر سکتا ہے۔ حدیث میں ہے من کنوز البر اخفاء الصدقۃ وکتمان المصائب۔ صدقہ کا اخفا اور مصائب کا چھپانا نیکی کے خزانے ہیں۔"

دوسری بات حضرت یعقوبؑ نے یہ فرمائی کہ میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے۔ اور چونکہ حضرت یعقوبؑ کو اللہ تعالےٰ نے تسلی دی تھی کہ تیرے دونوں بیٹے بخیریت ہیں اسی لئے حضرت یعقوبؑ نے اپنے مخاطب بیٹوں کو کہا کہ جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی

کا پتہ لگاؤ۔ یہاں میں ایک بات واضح کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی بھی مایوس نہ ہونا چاہیئے خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا ہو کہ مخالف یا تکلیف دہ حالات وقتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو دور کر دے گا۔ یہ بات قارئین ذہن میں رکھیں کیونکہ میں اس تسلی کی بات کی طرف پھر آؤں گا۔

آخری بات حضرت یعقوبؑ نے یہ فرمائی کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ کی رحمت سے مایوس سوائے کافر لوگوں کے اور کوئی نہیں ہوتا۔ اس بات کو بطور تصدیق و تعریف اللہ نے ہمارے فائدہ کے لئے دوہرایا ہے بلکہ ہمیشہ کیلئے قرآن حکیم میں لکھ دیا ہے۔

انبیاء کا نمونہ

مایوسی کی مذمت تو واضح ہو گئی مگر یہ میرا یا کسی اور کا کہہ دینا کہ مایوسی بُری چیز ہے اس شخص کے لئے کافی نہیں جو مایوسیوں میں گھرا ہوا ہو۔ اسی لئے وحی الٰہی کی اعلیٰ تعلیمات کو اللہ تعالیٰ اپنے نبی بھیج کر اور ان پر ابتلاؤں اور مایوسیوں کی گھٹائیں ایسی لا کر کہ بظاہر وہ کبھی چھٹنے والی نہ معلوم دیں اُن کے صبر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونے کا اعلیٰ نمونہ ہم جیسے لوگوں کے آگے قائم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی بات نعوذ باللہ ناقابلِ عمل نہیں ہوتی۔

اس کی تصدیق حضرت رسولِ اکرم صلعم کے قول سے ہوتی ہے کہ الانبیاء اشد البلاء یعنی نبیوں پر ابتلاء سب سے سخت آتے ہیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ چونکہ میں افضل الانبیاء ہوں اس لئے میرے ابتلاء سب نبیوں سے سخت تر ہیں۔ مکہ میں ۱۳ سال تک حضورؐ نے اور حضورؐ کے صحابہؓ نے جو دکھ، تکالیف اور مصیبتیں اُٹھائیں اُن کی مثال کسی نبی کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اسی دوران میں حضور طائف تشریف لے جاتے ہیں کہ شاید وہاں کے لوگ میری بات کو سنیں مگر انہوں نے حضورؐ کو اس قدر مارا اور پتھر برسائے کہ حضورؐ کا جسم مبارک زخموں سے بھر گیا اور حضورؐ کی جوتیاں حضورؐ کے خون سے بھر گئیں۔ اس بہیمانہ سلوک کے باوجود جب حضورؐ نے شہر سے باہر ایک باغ میں پناہ لی تو اللہ تعالیٰ کا فرشتہ آیا کہ حضورؐ حکم دیں تو اس پہاڑ کو جس پر طائف واقع تھا اُٹھا کر ان بدبخت لوگوں کو کچل دوں۔ تو حضورؐ نے فرمایا نہیں اگرچہ ان لوگوں نے میری بات نہیں سنی مگر اُن کی پشتوں سے وہ لوگ پیدا ہونے کا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمیدوار ہوں جو میری ہدایت سے مستفیض ہوں گے۔ اس رحمۃ للعالمین پر ہزار ہزار درود اور سلام ہوں۔ اِن مایوس کن حالات میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حالات بدل جانے سے مایوس نہیں ہوئے۔

ہجرت میں حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ نے غارِ ثور میں پناہ لی۔ کھوجیوں کی مدد سے دشمن جو حضورؐ کے قتل کا پہلے ہی فیصلہ کر چکے تھے غار کے مونہہ پر آ پہنچے اور کھوجیوں نے کہا کہ وہ دونوں اس غار میں ہیں یا پھر آسمان پر چڑھ گئے۔ اس حالت میں حضرت ابوبکرؓ جیسا ہمت و صبر کا پہاڑ بھی گھبرا گیا۔ مگر حضورؐ نے کیا تسلی دی لا تحزن ان اللہ معنا۔ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ کیا مایوس کن حالات تھے اور کیا بے نظیر نمونہ دکھایا کہ اللہ تعالیٰ اس طریق سے ہمیں بچا لے گا جو ہم نہیں جانتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کیا معجزانہ طریق پر بچایا!

جنگِ اُحد میں فتح ہو جانے کے بعد بعض لوگوں کی غلطی کی وجہ سے دشمن کو عقب سے ناگہانی حملہ کرنے کا موقع مل گیا جس سے مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور ان میں سے اکثر بھاگ اُٹھے۔ حضورؐ جانتے تھے کہ دشمن کی فوج کشی کا اصل مقصد حضورؐ کو قتل کرنا ہے۔ مگر ان مایوس کن حالات میں حضورؐ کا کیا اعلیٰ ترین نمونہ تھا۔ حضورؐ ایک چٹان پر کھڑے ہو گئے اور پکارا۔ الیّ عباد اللہ انا رسول اللہ۔ اے اللہ کے بندو میری طرف آ جاؤ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں چاہے اکیلا بھی رہ جاؤں مگر میدان سے نہ بھاگوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر میدان حضورؐ کے ہاتھ میں رکھا۔

یومِ حنین

جنگِ حنین میں نظارہ کچھ اور تھا۔ دشمن صرف چار ہزار تھا جبکہ حضورؐ کے ساتھ ۱۲ ہزار فوج تھی اور ساز و سامان بھی ایسا تھا کہ پہلے کبھی نہ تھا۔ اسی لئے تازہ تازہ اسلام میں شامل ہونے والے نوجوانوں نے غرور میں آ کر کہا کہ آج کون ہم پر غالب آ سکتا ہے۔ بدقسمتی سے یہی لوگ فوج کے ہراول یعنی شروع میں تھے۔ دشمن ماہر تیر انداز تھے اور انہوں نے گھاٹی میں موقعہ کی جگہیں سنبھالی ہوئی تھیں جیسے ہی مسلمان فوج درّہ میں داخل ہوئی تو دونوں طرف سے تیروں کی بارش عین نشانہ پر آئی۔ تو یہی نئے شامل ہونے والے مسلمان جو آگے آگے گھوڑوں پر سوار تھے وہ اُلٹے پیر بھاگ اُٹھے۔ تنگ گھاٹی کی وجہ سے بھاگنے والوں نے پیچھے آنے والے مسلمانوں اور سواروں کو بھی تتر بتر کر دیا۔ ان کے گھوڑے بھی بے قابو ہو کر بھاگ اُٹھے۔ اکابر صحابہؓ نے اپنے گھوڑوں کو بہت روکنا چاہا مگر وہ تو خائف ہو کر بے قابو ہو چکے تھے۔ بعض صحابہؓ نے تو تلوار نکال کر اپنے گھوڑوں کی گردنیں تک کاٹ دیں مگر اس دوران میں وہ کافی دور نکل گئے تھے۔ اُس وقت جبکہ عام بھگدڑ مچی ہوئی تھی صرف ایک گھوڑے سوار اکیلا آگے بڑھتا چلا گیا اور وہ حضورؐ سرورِ کائنات صلعم تھے۔ کتنا ہمت شکن اور مایوس کن ابتلاء تھا مگر وہ خدا کا شیر نہ خائف ہوا نہ بددل۔ حضورؐ کی زبان پر یہ رجز تھا۔ ؎

انا النبی لا کذب + انا ابن عبد المطلب

"میں نبی ہوں اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ اور میں عبد المطلب (جو سردارِ قریش و رئیسِ مکہ تھے) کا بیٹا ہوں" مطلب یہ کہ خدا کے نبی میدان چھوڑ کر نہیں بھاگتے۔ اور نہ شرفاء ایسا کرتے ہیں۔ حضورؐ کے اس بے مثال نمونہ سے تمام مسلمان اُلٹے پاؤں واپس لوٹے اور یوں ہوتی ہوئی شکست فتح میں تبدیل ہو گئی۔

بعد کے نمونے:۔

یہی اعلیٰ نمونے مایوسی کے انتہائی ہمت شکن اور خوف دلانے والے موقعوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے کے ہمیں حضورؐ کے متبعین میں بھی نظر آتے ہیں۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب پر بھی بڑے بڑے کٹھن اور مایوس کن وقت آئے۔ ایک واقعہ ہی سن لیجیئے۔

حضرت اقدس پر مخالفین جن میں عیسائی اور ہندو بھی تھے مقدمے پہ مقدمے کر کے آپ کو قید اور ذلیل کرانا چاہتے تھے۔ ایک مقدمہ میں وہ انگریز مجسٹریٹ سے وارنٹ گرفتاری نکلوانے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت اقدس کے نہایت قابل اور جاں نثار وکیل حضرت خواجہ کمال الدین صاحب تھے۔ وہ یہ بُری خبر لے کر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور وارنٹ گرفتاری کی خبر سنا کر بے اختیار رو پڑے۔ کتنا مایوسی کا وقت تھا! مگر جس نے گرفتار ہونا تھا یعنی حضرت اقدس وہ بجائے گھبرانے یا خائف ہونے کے حضرت خواجہ صاحب کو تسلی دینے لگے۔ اور مسکرا کر فرمایا:۔

"خواجہ صاحب! کوئی خانہ خدا کے لئے بھی چھوڑ دیجیئے۔ لوگوں کو کس طرح پتہ لگے گا کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے جب تک کہ حالات اور اسباب بالکل میرے مخالف نہ ہو جائیں اور تب وہ میری مدد کو آئے۔"

سو یہی ہوا اور حضرت اقدس کو اللہ تعالیٰ نے اس خطرۂ عظیم سے بچا لیا۔

مایوسی کیوں؟

آج کل میں بعض وقت مایوسی کے کلمات سنتا ہوں تو مجھے

افسوس ہوتا ہے کہ کوئی احمدی جماعت کی قلیل تعداد اور کوئی اندرونی اور بیرونی حالات سے متاثر ہو کر اس جماعت کے مستقبل کے متعلق مایوسی کے کلمات کہتا بلکہ اپنے خطوط میں بھی لکھتا ہے۔ آپ کو احساس ہونا چاہیئے کہ ہم میں جتنی بھی نقص اور کمزوریاں ہوں ہم اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے حضرت مجدد صد چہاردہم - - - - کی صحیح تعلیم، صحیح عقائد اور صحیح مشن کے وارث ہیں۔ اگر ان چیزوں کو دنیا کے مٹ جانا تھا تو ۱۹۱۴ء میں مٹ جاتیں جبکہ جماعت کی بھاری اکثریت حضرت اقدس کے صحیح مسلک سے ہٹ کر کہیں کی کہیں بھٹک گئی۔ اسوقت مٹھی بھر لوگوں نے لاہور آ کر ہماری جماعت کی بنیاد ڈالی۔ اور اللہ تعالےٰ نے اس جماعت کو پروان چڑھایا اور اس کی خدمات دینی اور بیش قیمت مذہبی لٹریچر کی وجہ سے اس جماعت کی شہرت اور عزت تمام دنیا میں قائم ہو گئی۔ اور بیرون ملک اس جماعت کی بہت سی شاخیں قائم ہو گئیں اور ہزار ہا لوگ مرد و زن اس میں شامل ہو گئے۔

پھر اگر اس چھوٹی سی جماعت نے مرجانا تھا تو ۱۹۵۲ء میں مرجاتی جب اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور دو علیحدہ، علیحدہ مرکز قائم ہو گئے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے رجوع برحمت فرمایا اور اپنے فضل و کرم سے ہمیں پھر ایک کر دیا۔

تیسرا خطرناک وقت اس چھوٹی سی جماعت پر ۱۹۷۴ء میں آیا اور اس ابتلاء میں بعض کمزور لوگ ہمیں چھوڑ گئے مگر اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے اکثریت نے نہایت جوانمردی سے امام وقت کا دامن نہ چھوڑا۔ اگر چند لوگ ہم کو چھوڑ گئے تو ہزار ہا جو باہر جماعتوں میں تھے مگر ہم سے چھوٹے ہوئے تھے وہ دوبارہ ہمارے ساتھ ہو گئے۔ اور اس جماعت کا قدم ہر لحاظ سے یعنے خدمتِ دین اور اشاعتِ قرآن کریم کے کاموں میں جو ہمارے وجود کا اصل مقصد ہیں اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے آگے بڑھ رہا ہے۔ ہمارے سالانہ جلسوں کی رونق اللہ تعالےٰ کے احسان سے بڑھ رہی ہے اور چندوں کی مقدار بھی ہر جلسہ پر پچھلے جلسوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کریم کے تراجم کا کام خدا کے فضل سے شروع ہو گیا ہے۔ ہسپانوی زبان میں آدھے سے زیادہ ہو گیا ہے اور فرانسیسی اور جاپانی زبانوں میں ان شاء اللہ القدیر جلد شروع ہو جائے گا۔ فالحمد لله على ذالك ،

خدائی وعدے

میں نے اس خطبہ میں دو باتیں کہی تھیں جنہیں میں دوہراتا ہوں تاکہ آخری بات ذہن نشین ہو سکے۔ میں نے قرآن کریم کی آیات کا حوالہ دے کر کہا تھا کہ:۔

۱:۔ اللہ تعالےٰ کی رحم سے مایوس ہونا کافر کا کام ہے مومن کا نہیں۔ اللہ تعالےٰ علیٰ کل شئی قدیر ہے۔ اگر ہم اس کا تقوےٰ کریں اور اس کے کام کو دل و جان سے کرتے رہیں تو وہ یقیناً ہماری حفاظت فرمائے گا اور اس جماعت کے کاموں میں برکت ڈالے گا۔

۲:۔ مایوسی کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔ اور اگر حضرت یعقوبؑ کی طرح واعلم من الله ما لا تعلمون ۵ (میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے) کا معاملہ ہو تو پھر تو مایوسی سخت گناہ ہے۔ وہ علم ہمیں خوش نصیبی سے حضرت بانیٔ سلسلہ کے ذریعہ متعدد بار جناب باری سے مل چکا ہے۔ ایسی خوشخبریاں اور تسلیاں اللہ تعالےٰ کے فضل سے بار بار حضرت اقدس کو اور ان کے ذریعہ سے ہم کو دی گئی ہیں۔ اختصار کی خاطر ان میں سے چند ایک عرض کرتا ہوں۔

رسالہ الوصیت میں جو حضرت اقدس کا اپنی جماعت کی طرف ایک رنگ میں آخری پیغام تھا حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔

" یہ خیال مت کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا۔ تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھلے پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔ **پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے** کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے تا خدا تمہاری آزمائش کرے کہ کون اپنے دعوائے بیعت میں صادق اور کون کاذب ہے۔ وہ جو کسی ابتلاء سے لغزش کھائے گا وہ کچھ بھی خدا کا نقصان نہ کرے گا۔ اور بدبختی اس کو جہنم تک پہنچائے گی اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا تھا۔ مگر وہ سب لوگ جو آخیر تک صبر کریں گے اور ان پر مصائب کے زلزلے آئیں گے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی اور دنیا ان سے سخت کراہت کے ساتھ پیش آئے گی اور وہ آخر فتحیاب ہوں گے اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائیں گے۔ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے ایسا ایمان کہ اس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں۔ اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے۔"

میں مایوسی کی باتیں کرنے والوں اور ایسی باتوں کو پھیلانے والوں کی توجہ حضرت اقدس کے ان الفاظ کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ کہیں ان کے "ایمان نفاق اور بزدلی سے تو آلودہ نہیں"؟ اللہ تعالےٰ ہمیں اس سے بچائے کہ جیسا کہ میں اس خطبہ کے شروع میں عرض کر آیا ہوں مایوسی دلوں میں ڈالنا تو شیطان کے نام کا معنیٰ اور اس کا کام ہے۔ اور آج کل کے زمانہ میں جسے انگریزی میں FIFTH COLUMN کہا جاتا ہے ان کا طریق کار بھی دلوں میں مایوسی اور بزدلی ڈال کر کسی قوم کی جڑوں کو اندر سے کھوکھلا کرنا ہوتا ہے۔

ایک اور تحریر میں حضرت اقدس نے فرمایا:۔

" یقیناً یاد رکھو کہ یہ سلسلہ اس وقت اللہ تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے۔ اگر یہ سلسلہ قائم نہ ہوتا تو دنیا میں نصرانیت (عیسائیت) پھیل جاتی ۔۔۔۔۔۔ یہ سلسلہ کسی ہاتھ اور طاقت سے نابود نہ ہو گا۔ یہ ضرور بڑھے گا اور پھلے پھولے گا اور خدا کی بڑی بڑی برکتیں اور فضل اس پر ہوں گے۔ جب ہمیں خدا کے وعدے روز ملتے ہیں اور وہ تسلی دیتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہاری دعوت کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا پھر ہم کسی تحقیر یا گالی گلوچ پر کیوں مضطرب ہوں۔" (الحکم مئی ۱۹۰۲ء)

اپنی کتاب اربعین میں حضرت اقدس لکھتے ہیں:۔

" یہ سلسلہ آسمان ۔۔۔۔۔۔ سے قائم ہوا ہے ۔۔۔۔۔۔۔ اور یقیناً سمجھو کہ اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا اور کوئی پوشیدہ ہاتھ اس کے ساتھ نہ ہوتا تو یہ سلسلہ کب کا تباہ ہو جاتا۔"

اسی کتاب کی جلد ۳ میں حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔

" مجھے اس خدائے کریم کی قسم ہے جو جھوٹ کا دشمن اور مفتری کا نیست و نابود کرنے والا ہے کہ میں اس کی طرف سے ہوں ۔۔۔۔۔۔ اور وہ مجھے ضائع نہیں کرے گا اور نہ میری جماعت کو تباہی میں ڈالے گا جب تک کہ وہ اپنے تمام کام کو پورا نہ کرے جس کا اس نے ارادہ کیا ہے۔"

آخیر میں تذکرۃ الشہادتین سے ایک حضرت اقدس کا اقتباس سناتا ہوں:۔

" تم خوش ہو اور خوشی سے اچھلو کہ خدا تمہارے ساتھ ہے۔ اگر تم صدق اور ایمان پر قائم

ہو گے تو فرشتے تمہیں تعلیم دیں گے اور آسمانی سکینت تم پر اترے گی اور روح القدس سے مدد دیئے جاؤ گے ۔ اور خدا ہر ایک قدم میں تمہارے ساتھ ہوگا اور کوئی تم پر غالب نہیں آسکے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خدا کے فضل کی صبر سے انتظار کرو۔ گالیاں سنو اور چپ رہو ۔ ماریں کھاؤ اور صبر کرو۔ اور حتی المقدور بدی کے مقابلہ سے پرہیز کرو تا آسمان پر تمہاری مقبولیت لکھی جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سو اگر تم ایسے وفادار ہو جاؤ گے تو تم میں اور تمہارے غیروں میں خدا کا ہاتھ ایک فرق کر کے دکھلائے گا۔"

ولا تجعلنا منھم ۔

* * *

جلسہ سالانہ کا مدعا

حضرت اقدس کے اپنے الفاظ میں

* "اس جلسہ سے مدعا اور اصل مطلب یہ ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ کسی طرح بار بار کی ملاقاتوں سے ایک ایسی تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لیں کہ ان کے دل آخرت کی طرف بکلی جھک جائیں اور ان کے اندر خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہو اور وہ زہد و تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیزگاری اور نرم دلی اور باہم محبت اور مواخات میں دوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائیں۔"

(شہادت القرآن)

* "اس جلسہ میں ایسے حقائق و معارف سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کیلئے خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بارگاہ ارحم الراحمین میں کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور پاک تبدیلی بخشے۔"

* "ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی جماعت میں داخل ہوں گے تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر وہ اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جلشانہ کوشش کی جائے گی۔"

قارئین کرام مطلع رہیں

کہ اگلا شمارہ حضرت مولانا صدر الدین نمبر ۲۳ دسمبر ۱۹۸۱ء کو شائع ہوگا۔ اس نمبر کی تیاری کے سلسلہ میں ۱۶ دسمبر ۱۹۸۱ء کے اسبوع کا ناغہ ہوگا۔

(ادارہ)

اخبار احمدیہ

* حضرت امیر قوم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بخیریت ہیں اور کبر سنی و ضعف کے باوجود خدمات دینیہ میں مصروف ہیں۔ احباب سلسلہ اس قافلہ سالار احمدیت کی درازئ عمر کے لئے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔

جناب میاں فاروق احمد کی وفات کی خبر سے بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ مرحومہ غریب پرور اور جماعتی کاموں میں ہر لحاظ سے دل کھول کر حصہ لینے والی خاتون تھیں۔ ان کی وفات ایک جماعتی نقصان ہے۔ اس صدمہ میں میاں فاروق احمد صاحب اور ان کے اعزہ سے جماعت بدوملہی کو دلی ہمدردی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں مرحومہ کے درجات بلند فرمائے۔ جنازہ غائبانہ پڑھایا گیا۔

* ۲۔ جملہ ممبران جماعت سیالکوٹ شہر و چھاؤنی ، بیگم میاں فاروق احمد صاحب کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ مرحومہ بڑی مخیر خاتون تھیں۔ اور سلسلہ کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتی تھیں۔ ان کے خدمت جماعت کے کام ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ یہ ایک بھاری جماعتی نقصان ہے۔ ایسے خلاء پر نہیں ہوتے ۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق بخشے (شیخ نثار احمد)

* ۳۔ جماعت پشاور کا ایک ہنگامی اجلاس زیر صدارت جناب شیخ شریف احمد صاحب منعقد ہوا جس میں احباب جماعت پشاور نے الحاج میاں فاروق احمد شیخ صاحب کی اہلیہ محترمہ کی وفات پر دلی رنج اور غم کا اظہار کیا گیا۔ اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے ۔ آمین۔ (محمد الرحمٰن)

مکتوب ڈیرہ غازی خاں

از مکرم مولانا عبد الرحمٰن مبشر صاحب

ایک غیر از جماعت دوست کی طرف سے

انتخاب امیر پر مبارکباد کا خط

گرامی قدر مکرم جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

گرامی نامہ محررہ ۲۵/۱۱/۸۱ شرف صدور لایا۔ الحمد للہ کہ آپ نے بالکل صحیح شخصیت کو اپنی امارت کے لئے چنا ہے مکرم ڈاکٹر صاحب سے ایبٹ آباد میں ملا تھا جبکہ میں اپنے بیٹے کو ایبٹ آباد تبدیلی آب و ہوا کے لئے لے گیا تھا۔ عزیز چیسٹ کا مریض تھا۔ مکرم ڈاکٹر صاحب نے کمال شفقت اور مہربانی سے عزیز کے علاج میں مدد فرمائی تھی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ مکرم ڈاکٹر صاحب بڑی پیاری شخصیت کے مالک ہیں سب سے بڑی بات ان میں قربانی کا مادہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ نیز حضرت اقدس مرزا صاحب بانئ سلسلہ احمدیہ سے جذبۂ محبت اور عہد بیعت پر مثالی استقامت ہے۔

(اے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

مامورین الٰہی کے مدنظر انسانوں کی خوشنودی کے بجائے خدا تعالیٰ کی خوشنودی ہوتی ہے۔

مسلمانوں کے باہمی اختلافات فروعی ہیں نہ کہ بنیادی اور اصولی۔

خطبۂ جمعہ فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، بمقام جامع احمدیہ، احمدیہ بلڈنگس۔ لاہور، (رپورٹ :۔ مولوی شفقت رسول خاں صاحب)

لم یکن الذین کفروا - - - - - - - - - - ذالک لمن خشی للّٰه

(البینة۔ پارہ ۳۰)

میں نے اس سورت کی تلاوت اس مناسبت سے کی ہے کہ میں نے آپ احباب کی خدمت میں حضرت مرزا صاحب کے مامور من اللہ ہونے کے استدلال کی وضاحت کے لئے گزشتہ کئی جمعوں سے یہ سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور اس حقیقت کی تشریح بھی کہ حضرت مرزا صاحب مجدد صد چہاردہم نے ہمارے سامنے کیا نمونہ پیش کیا ہے۔ اور یہ بات بھی کہ جو لوگ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اُن کا مزاج کیسا ہوتا ہے۔ تو یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ یہ مامورین تسلیم رضا کے پیکر ہوتے ہیں یعنی وہ ہر حال میں اپنے رب کی رضا کے طالب ہوتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ ان سے راضی ہوتا ہے اور وہ خدا سے راضی ہوتے ہیں رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ اور یہ مقام ان کو اس لئے ملتا ہے کہ خشیت الٰہی ان کے مدنظر ہوتی ہے۔ ذالک لمن خشی ربہ۔ (یعنی مقام تسلیم و رضا) جو اپنے رب کے حضور خشیت کے حامل ہوتے ہیں اور خدا کے سوا وہ کسی سے خائف نہیں ہوتے اور سچائی کے اظہار کے لئے وہ کسی بڑی سے بڑی قوت سے بھی نہیں ڈرتے خوشامد اور چاپلوسی سے کلی طور پر مبرا ہوتے ہیں۔ اور حقیقتاً اب آدمی اصلاح خلق کے لئے کھڑا ہونے کا اہل ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ خواہ کتنے ہی علم و دانش کے حامل ہوں۔ انہیں مخلوق کی خوشنودی پیش نظر رکھنی ہی پڑتی ہے۔ ایسے لوگ حق کہنے سے ڈرتے ہیں کیونکہ راست گوئی سے ان کو مخلوق کی نظر سے گرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ حال ہی میں ایک عالم جو مفسر قرآن کہلاتے ہیں اور سامعین کو سوال کرنے کا موقع دیتے ہیں ان کے درس کے موقع پر ایک نوجوان نے قتل مرتد اور زنا کی سزا سنگسار کرنے کے خلاف سوال کیا کہ یہ سزا قرآن پاک سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی اور یہ قرآن پاک کے احکامات کے خلاف ہے تو اس کا جواب اُن سے نہ بن پڑا اور یہ بتایا کہ قرآن پاک بے شک ایک کامل کتاب ہے اور تمام احکامات اس میں موجود ہیں لیکن بعض مسائل کی تشریح حدیث سے ہوتی ہے قرآن میں ناسخ اور منسوخ آیات بھی ہیں چنانچہ بعض آیات مقطوع القرأت ہیں لیکن اُن کا حکم باقی ہے۔ آیت رجم قرآن میں نہیں ہے لیکن اس کا حکم باقی ہے۔ ظاہر ہے جب ایک حکم قرآن پاک میں موجود نہیں تو اس سنگین حکم کا اجراء یقیناً قرآن پاک کے خلاف ہے لیکن مخلوق کے خوف سے علماء کی زبان بند ہے اور حدیث کے حوالے سے اس کا نفاذ صحیح خیال کیا جا رہا ہے۔ تو یقیناً ایسے لوگ جو مخلوق کی خوشنودی کے خواہاں ہوں اصلاح نہیں کر سکتے کیونکہ اُن میں خوف خدا مفقود ہے۔ اور وہ رضی اللّٰہ عنہم و رضوا عنہ کے سرٹیفکیٹ کے حامل نہیں ہیں۔ ان کا مقصد حق و صداقت نہیں بلکہ لوگوں کی خوشنودی ہوتا ہے۔ مولانا کوثر نیازی نے گذشتہ ایام میں انگلینڈ کا دورہ کیا تھا اور انہوں نے روزنامہ "جنگ" میں اپنے دورے کے تاثرات شائع کئے۔ انہوں نے بتایا کہ انگلینڈ میں بہت سی مساجد ہیں۔ لیکن فروعی اختلافات کی بنا پر فرقہ وارانہ فسادات ہوتے رہتے ہیں چنانچہ حکومت برطانیہ کو قیام امن کے لئے مساجد کی تالہ بندی کرنے کی نوبت آ جاتی ہے۔ اور وہاں بریلوی اور دیوبندی کا جھگڑا چلتا ہے۔ جب ایسے فتنہ و فساد کے نظاروں سے ہم لوگ اور ہماری اولادیں اسلام سے دور ہو جاتی ہیں تو وہاں کی غیر مسلم آبادی کیسے اسلام کی طرف مائل ہوگی؟ یہ فرقی تنازعات کیوں ختم نہیں ہوتے وجہ صرف یہ ہے کہ دلوں میں خوف خدا نہیں اور صدق و راستی سے زیادہ مخلوق کی خوشنودی مدنظر ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم و مغفور جب انگلینڈ میں تبلیغ کی غرض سے تشریف لے گئے تو پادریوں نے اس فرقہ بازی کے متعلق آپ سے سوال کیا تو آپ نے ان کو بتایا کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس عنوان سے ایک کتاب لکھی یعنی "اسلام میں کوئی فرقہ نہیں"۔ خواجہ صاحب نے تفرقہ بازی کے خلاف مؤثر لیکچر دیئے۔ حضرت مرزا صاحب نے صداقت اسلام پر سیالکوٹ میں ایک لیکچر دیا۔ واپسی پر وزیر آباد کے سٹیشن پر پادری سکاٹ نے حضرت مرزا صاحب سے عرض کی کہ اسلام میں تو کئی فرقے ہیں جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ہے کیونکہ اسلام کے بنیادی اصولوں میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس کے برعکس عیسائیت میں فرقہ واریت موجود ہے کیونکہ عیسائی فرقوں کے بنیادی اصولوں میں اختلاف ہے۔

مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ غیر مسلموں کے بالمقابل ایک ہوں۔ بقول مولانا کوثر نیازی جو اختلافات یہاں باعث فتنہ تھے وہ اب برصغیر سے چل کر یورپ کی حدود میں داخل ہو گئے جو یقیناً تبلیغ کے کام میں روک ہیں مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ آپس میں متحد ہوں۔ جناب کوثر نیازی نے لکھا ہے کہ "مسلمان وہاں لڑتے جھگڑتے ہیں جو ایک تباہ کن صورت ہے۔ اہل اسلام تو پہلے ہی پراگندہ اور کمزور ہیں اور مسلمان ملک آپس میں ہی برسر پیکار ہیں"۔ اسی مضمون میں مولانا کوثر نیازی نے یہ بھی لکھا ہے۔

"سکاٹ لینڈ میں ایک انگریز نے کسی صوفی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے۔ اسلام کو پیش صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو صوفی منش اور اللہ والے ہوں جب صوفیانہ صفات یعنی خدا خوفی اور خدا پرستی نہ ہو تو اسلام کی تبلیغ کیسے کامیاب ہو سکتی ہے؟ اس کے باوجود کہ نہ یہاں کثیر لٹریچر ہے اور نہ ہی عمدہ نمونہ پھر بھی لوگ اسلام قبول کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں لیکن اگر مفید لٹریچر ہو اور مسلمانوں کا عمدہ نمونہ لوگوں کو ملے تو یقیناً یورپ کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں۔ محض دلائل پر اکتفا کرنا "اتنا مؤثر نہیں جتنا عملی نمونہ سے وضاحت ہو سکتی ہے۔ اور باعث جذب و کشش ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ امرتسر میں حضرت مرزا صاحب ایک جلسہ میں تقریر فرما رہے تھے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا مگر آپ بوجہ مسافر اور مریض ہونے کے روزہ دار نہ تھے۔ آپ نے بار بار گلا خشک ہونے پر دوران تقریر چائے کے چند گھونٹ پی لئے اس پر لوگوں نے کافر کافر کے نعرے لگانے شروع کر دیئے تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ جب شریعت حقہ میں مسافر اور مریض پر روزہ فرض نہیں ہے تو ہمیں صرف خدا کے حکم پر عمل پیرا ہونا ہے لوگوں کی مخالفت کی پرواہ ہمیں ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔ تکلیف سے ڈر کر اور گھبرا کر سچائی سے نہیں رک سکتے بلکہ وہ محض خدا کی خوشنودی کے خواہاں ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں ایک مقام پر آیا ہے کبر مقتا عند اللّٰہ ان تقولوا ما لا تفعلون یعنی محض قول سے بات نہیں بنتی بلکہ عمل سے اس کا اظہار ضروری ہے۔ علماء کرام کہا کرتے تھے کہ جب تک حکومت نہ ملے اسلام پر عمل ممکن نہیں لیکن خدا نے حکومت بھی دی ہے لیکن عملی حالت پہلے سے بھی بدتر ہو گئی ہے کیونکہ محض قول سے بات نہیں بنتی بلکہ عمل سے بنتی ہے۔ ع

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی،

(بقیہ صـ۱۲)

مکرم مولانا احمد گل صاحب، فاضل دیوبند

جلسہ سالانہ کی عظمت

ہمارا یہ قومی اجتماع مجلسِ ذکر و فکر پر مبنی ہے

۱۸۹۱ء۔ تاریخ احمدیت میں اپنے اندر ایک خاص اہمیت رکھتا ہے جس میں مخالف علمائے کرام حضرت اقدسؑ کی مخالفت میں چاروں طرف اپنا پورا زور صرف کر رہے تھے اور اس کے باوجود لوگ آپ کی بیعت میں شامل ہو رہے تھے۔

دریں اثنا حضرت اقدسؑ نے باذنِ الٰہی ایک خاص جلسہ کا انعقاد کا اعلان فرمایا اور لوگوں کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی جسے ہم جلسہ سالانہ کہتے ہیں۔ اس جلسہ میں خدا تعالیٰ کی توحیدِ خالص اور حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان و منزلت کے تذکرے ہوتے، تسبیح و تحمید کے ترانے گائے جاتے، حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیج کر قربِ الٰہی کے ذرائع تلاش کئے جاتے۔

سالانہ جلسوں کا یہ سلسلہ ۱۸۹۱ء میں شروع ہوا اور ایک صدی کے قریب ان کے انعقاد پر مسلسل عمل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اب ہم ۱۹۸۱ء کے جلسہ کی انتظار میں ہیں۔

اُمید ہے کہ قارئینِ کرام اس سے باخبر ہوں گے کہ ہمارے قومی اجتماع یعنی جلسہ سالانہ کے مبارک ایّام ۲۴-۲۵-۲۶-۲۷ دسمبر ۱۹۸۱ء قریب آ چکے ہیں۔ احبابِ جماعت کو ان تاریخوں کو سامنے رکھ کر اپنے اندر یہ عزم کر لینا چاہیئے کہ گذشتہ سال کی طرح اس سال بھی اپنے جذبۂ ایمان اور جوشِ عقیدت کے ساتھ مبارک اجتماع میں شریک ہو کر خدا تعالیٰ کی ان برکتوں اور سعادتوں سے بہرہ در ہوں گے جو اس نے اس اجتماع سے وابستہ کی ہیں۔ جو لوگ ایسے دور پر سفر کی صعوبتیں اُٹھا کر اپنے عیش و آرام اور کاروبار کو چھوڑ کر محض الٰہی جذبہ اور خدا کی خوشنودی کی خاطر تکلیف اُٹھاتے ہیں اور اسے عین راحت سمجھتے ہیں ان کا یہ مجاہدہ قومی مفاد کے لئے یقیناً قابلِ قدر اور باعثِ مسرت ہے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ جلسہ سالانہ کی عظمت و اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور اپنا سرمائی بستر لحاف وغیرہ بھی بقدرِ ضرورت ساتھ لاویں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی راہ میں ادنےٰ ادنےٰ ہرجوں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالیٰ مخلصوں کو ہر قدم پر ثواب دیتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں جاتی۔"

آگے چل کر آپ نے جلسہ سالانہ کی مزید اہمیت ان الفاظ میں ظاہر فرمائی ہے :-

"اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آ ملیں گی کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔"

"اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آ ملیں گی" حضرت صاحب کے یہ الفاظ مغربی اقوام کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جنہوں نے اسلام کی صداقت کو آخر کار تسلیم کرنا اور مغرب سے طلوعِ شمس کی پیشگوئی کو پورا کرنا ہے۔ جلسہ سالانہ میں دیگر اسلامی امور کے علاوہ ان اقوام تک دینِ حقہ اور قرآن کریم پہنچانے کے ذرائع سوچے جاتے ہیں۔ ان کے لئے دعائیں کی جاتی ہیں تاکہ یہ قومیں اسلام میں داخل ہو کر اس کی تقویت اور اشاعت کا موجب بنیں۔ اس کے بعد حضرتِ اقدسؑ جلسہ میں شریک ہونے والوں کے لئے دعاؤں کے ذکر میں فرماتے ہیں۔

"بالآخر میں دعا کرتا ہوں کہ ہر ایک صاحب جو اس للّٰہی جلسہ کے لئے سفر اختیار کریں خدا تعالیٰ اُن کے ساتھ ہو اور اُن کو اجرِ عظیم بخشے اور اُن پر رحم کرے اور اُن کی مشکلات اور اضطراب کے حالات ان پر آسان کر دے اور اُن کے ہم و غم دور فرمائے اور اُن کو ہر ایک تکلیف سے مخلصی عنایت کرے اور ان کی مرادات کی راہ ان پر کھول دے اور روزِ آخرت میں اپنے ان بندوں کے ساتھ اُٹھائے جن پر اس کا فضل اور رحم ہے اور تا اختتامِ سفر ان کے بعد اُن کا خلیفہ ہو۔ اے ذوالمجد والعطاء اور رحیم و مشکلکشا یہ تمام دعائیں قبول کر اور ہمیں ہمارے مخالفوں پر روشن نشانوں کے ساتھ غلبہ عطا فرما کہ ہر ایک قوت اور طاقت تجھ ہی کو ہے۔ آمین۔ ثم آمین

(اشتہار ۷ دسمبر ۱۸۹۲ء)

حضرت اقدسؑ کے مندرجہ بالا ارشادات کے مطابق جلسہ سالانہ دوسرے عام جلسوں کی طرح معمولی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس کی اہمیت اور افادیت دوسرے عام جلسوں سے بہت زیادہ ہے۔ اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف سننے اور سنانے کا شغل رہتا ہے جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی ہی مجلسِ ذکر کے متعلق فرمایا ہے :-

لا یقعد قوم یذکرون اللہ   الملائکۃ وغشیتھم

الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ

کوئی جماعت نہیں بیٹھتی کہ وہ اللہ کا ذکر کرتے ہوں مگر فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمتِ خداوندی ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینت نازل ہوتی ہے۔

ہمارا یہ قومی اجتماع بھی مجلسِ ذکر و فکر پر مبنی ہے۔ اس میں شمولیت کے لئے جہاں آپ خود تشریف لاویں وہاں اپنے ان بھائیوں کو بھی ساتھ لانے کی کوشش کریں جو اس الٰہی سلسلہ کے متعلق شدید غلط فہمیوں کا شکار ہیں، تا اصلیت ان پر منکشف ہو اور اس جلسہ کی روحانی برکات اور اثرات سے اُنہیں بھی حصہ ملے۔ کیونکہ حضرت نبی کریمؐ فرماتے ہیں :-

ھم القوم لا یشقٰی   جلیسھم

کہ یہ ایسی قوم ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں کیا جاتا۔

پس کس قدر خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنے ایمان اور ایقان اور عرفان کو ترقی دینے کے لئے ایسے مقدس اجتماع میں شامل ہوتے ہیں اور اپنا قیمتی وقت دینی معلومات حاصل کرنے اور اسلام کی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے پر صرف کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے :-

"... اور جو تمہیں السّلام علیکم کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔"

زنانہ جلسہ اور نمائش دستکاری

۲۴ دسمبر ۱۹۸۱ء ـ بروز ـ جمعرات

اس لئے

جن احباب کے ساتھ خواتین ہوں، وہ ۲۳ دسمبر ۱۹۸۱ء کی شام تک پہنچنے کی کوشش فرمائیں تاکہ ۲۴ دسمبر ۱۹۸۱ء کو صبح کی نشست میں خواتین شریک ہوسکیں۔ زنانہ جلسہ کے علاوہ باقی تمام اجلاسوں میں بھی شریک ہوکر، بزرگانِ جماعت کے نصائح سننے چاہئیں۔

ہمارا قومی اجتماع

یعنی جلسہ سالانہ اب بہت قریب آگیا ہے۔

۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷ دسمبر ۱۹۸۱ء
جمعرات، جمعہ، ہفتہ، اتوار

تاریخیں مقرر ہوئی ہیں۔

پروگرام گزشتہ اشاعت جلسہ سالانہ نمبر میں شائع ہوچکا ہے۔ ہر ایک فردِ جماعت کو اس جلسہ میں شریک ہونے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ کوئی دوست کسی شدید اور انتہائی معذوری کے بغیر اس جلسہ میں شمولیت سے محروم نہ رہے اب وقت بہت کم رہ گیا ہے آپ آج ہی سے سفرِ لاہور کی تیاریاں شروع کردیں اس کارِ خیر میں تاخیر مناسب نہیں۔

خواتین کے علاوہ

لڑکے لڑکیوں کی بھی جلسہ سالانہ میں شمولیت ضروری ہے۔

بہت سے دوست خود تو جلسہ سالانہ میں تشریف لے آتے ہیں لیکن گھر کی خواتین اور بچوں کی شرکت ضروری نہیں سمجھتے۔ حالانکہ کوئی قوم اور جماعت ترقی نہیں کرسکتی اور کوئی تحریک صحیح معنوں میں کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک خواتین اس میں مناسب حد تک حصہ نہ لیں۔ باقی بچوں کو بھی اس لئے ساتھ لانا ضروری ہے کہ ان بچوں پر ہی کل کو دینی و قومی خدمات کا بار پڑے گا اس لئے جلسہ سالانہ میں خواتین کے علاوہ لڑکے لڑکیوں کی شمولیت بھی ضروری ہے۔

مرکز میں ہمارے اجتماع کی غرض

محض دین کو قوت پہنچانا ہے

اس لئے

جلسہ سالانہ میں شریک ہونے والا ہر فرد منجانب اللہ اجرِ عظیم کا مستحق ہے

اس جلسہ کی بنیاد حضرت مجدد صد چہاردہم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی اس اجتماع کی غرض خدمت دین کے کام کو اجتماعی دعاؤں سے تقویت پہنچانا اور حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مشن اشاعت دین کے جدید وسائل سوچنا اور اپنی گذشتہ کارگزاری کا جائزہ لینا ہے۔ یاد رہے جو دوست بغیر کسی معقول عذر اور انتہائی مجبوری کے اس سے غیر حاضر ہوں گے وہ اپنے ایک مقدس مشن اور اہم فرض کی ادائیگی سے قاصر رہیں گے۔

نمازِ باجماعت کی پابندی

کا تمام احباب و خواتین ایامِ جلسہ میں خصوصیت سے خیال رکھیں۔

کیونکہ ہمارے سالانہ جلسہ کی ایک بہت بڑی غرض اکٹھے ہوکر دعائیں کرنا ہے۔ اجتماع کی دعا اپنے اندر بہت بڑی طاقت اور برکت رکھتی ہے اس برکت کے حصول میں کوئی مصروفیت حائل نہیں ہونی چاہیئے علاوہ ازیں یاد رکھنا چاہیئے کہ نماز ایک بہت بڑا دینی فریضہ ہے اسکی پابندی سے غفلت جماعتِ احمدیہ کے کسی فرد کے شایانِ شان نہیں۔ ایام جلسہ میں ظہر و عصر اور مغرب و عشا کی نمازیں اکٹھی کرلی جاتی ہیں۔ دیگر دنوں میں بھی پابندئ اوقات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

اس طرح مہمانوں اور منتظمین کو سہولت ہوگی۔

محبتِ الٰہی کا

عملی ثبوت دو

اللہ کی راہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قربانیاں دیکھو اور ان کی محبت الٰہی کا اندازہ کرو۔

خوب یاد رکھیئے کہ محبت کی زنجیر تمام زنجیروں سے مضبوط ہے اور کوئی بھی زنجیر مضبوطی میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

پس جلسہ سالانہ میں شامل ہوکر محبت الٰہی کا عملی ثبوت دو۔

ہمارا — سالانہ — اجتماع

خوشِ آمدید

میں جلسہ منعقد کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے آپ نے ایک اعلان میں جو آپ کی کتاب "نشانِ آسمانی" کے ساتھ شائع ہوا فرمایا۔

"اور چونکہ ہر ایک کے لئے بباعث ضعف فطرت یا کمی مقدرت یا بعد مسافت یہ میسر نہیں آسکتا کہ وہ صحبت میں آکر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اُٹھا کر ملاقات کے لئے آوے ۔۔۔۔۔۔۔ لہٰذا قرینِ مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسے کے لئے مقرر کئے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرط صحت وفرصت وعدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں سو میرے خیال میں بہتر ہے کہ وہ تاریخ ۲۷ دسمبر سے ۲۹ دسمبر تک قرار پائے ۔۔۔۔۔۔۔ آئندہ اگر ہماری زندگی میں ۲۷ دسمبر کی تاریخ آجاوے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض ربانی باتوں کو سننے کے لئے اور دُعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آجانا چاہیئے اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دُعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خدائے تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناسی ہو کر آپس میں رشتہ تودد وتعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اُٹھا دینے کے لئے بدرگاہ حضرت عزت جلشانہ کوشش کی جائے گی اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے گی اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد اور منافع ہوں گے جو انشاء اللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے ۔۔۔۔۔"

کتنے خوش نصیب اور بلند بخت تھے وہ لوگ جنہیں حضرت اقدس کی زبانِ مبارک سے ربانی باتیں اور حقائق ومعارف سننے، آپ کے ساتھ نمازیں پڑھنے اور دعاؤں میں شامل ہونے کی وجہ سے تزکیہ نفس کا موقع ملا۔ لیکن آپ کے بعد بھی آپ کے شاگردوں اور تربیت یافتہ بزرگوں نے اس رسم وراہ کو منعقد و برقرار رکھنے کی کوشش کی اور کچھ اسی رنگ میں رنگین سوز وگداز کے نظارے دیکھنے میں آتے۔ جو پیالہ علم وعرفاں انہوں نے قادیان کے ایک مردِ درویش کے قدموں میں بیٹھ کر اپنے پیاسے آشنا ہونٹوں سے لگایا اسی کے نشہ میں مخمور انہوں نے بھی اپنی عبادت میں وہی خضوع وخشوع اور دعاؤں میں وہی دلسوزی پیدا کی اور اس سے اپنے ساتھ ملنے والوں کو بھی سیراب کیا۔

ایک ایک کر کے ان مردانِ باصفا وباوفا سے میخانہ خالی ہوتا جا رہا ہے لیکن ہمارے لئے وہ اپنے پاؤں کے کچھ نشان باقی چھوڑ گئے ہیں انہی نشانوں کے طفیل ہم اپنے آنے والے جلسے تک پہنچ سکتے ہیں۔

جن قوموں میں زندہ رہنے کا جذبہ سرد نہیں ہوتا وہ اپنے بزرگوں کی روایات کو بڑے عزم وخلوص اور پیار ومحبت سے اپنے سینے سے لگائے رکھتی ہیں اور ان کے شب وروز اس غم میں بسر ہوتے ہیں کہ کس طرح وہ اپنی ان روایات کو زندہ رکھیں اور اپنی آنے والی نسلوں تک اس رنگ میں منتقل کریں کہ ان کی کشش اور تابناکی پہلے سے فزوں تر ہو جائے۔ اور وہ اس دنیا سے اس اطمینان کے ساتھ گزریں کہ انسانی کوششوں گا۔ ہمیں حکومت اور اقتدار کی کوئی آرزو اور تمنا نہیں ہم نے تو اپنا دامن سیاست سے اس حد تک چھڑا لیا ہے کہ اپنے حق رائے دہی کو بھی ترک کر دیا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ رح نے ہمارے سامنے جو مقصد اور مشن رکھا ہے وہ صرف یہ ہے اور یہی ہماری روایت اور غم ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ دنیا پر روشن ہو۔ آنحضرت صلعم کا نور دنیا میں ظاہر ہو اور کون ومکاں میں پھیل جائے۔ قرآنِ کریم کی ازلی اور ابدی صداقتیں دنیا کو اپنی طرف کھینچیں تاکہ ہماری باہمی نفرتیں۔ عداوتیں اور خصومتیں مٹ جائیں اور یہ عالم انسانیت امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے۔ جہاں ہر قسم کی تفریقات ختم ہو کر انسان، انسان کا دوست اور ہمدرد بن جائے کیونکہ:۔

"ہمارا نبی وہ نبی کریم ہے جو ایسی خوشبو سے معطر کیا گیا ہے جو تمام مستعد طبیعتوں تک پہنچنے والی اور اپنی برکات کے ساتھ ان پر احاطہ کرنے والی ہے۔ وہ نبی خُدا کے نور سے بنایا گیا۔ اور ہمارے پاس گمراہیوں کے پھیلنے کے وقت آیا اور اپنا خوبصورت چہرہ ہم پر ظاہر کیا اور ہمیں فیض پہنچانے کے لئے اپنی خوشبو کو پھیلایا۔ اور اس نے باطل پر دھاوا کیا اور اپنے تاراج سے اس کو غارت کیا۔ اور اپنی سچائی میں اعلیٰ بدیہیات کی طرح نمودار ہوا۔ اس نے قوم کو ہدایت فرمائی جو خدا کے وصال کی اُمید نہیں رکھتے تھے اور مُردوں کی طرح تھے۔ جن میں ایمان اور نیک عملی اور معرفت کی روح نہ تھی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان کو ہدایت کی اور مہذب بنایا اور معرفت کے اعلیٰ درجوں تک پہنچایا۔" (نجم الہدیٰ ص ۸ تا ۹)

اور قرآن کریم کی صداقتیں وہ صداقتیں ہیں کہ:۔

"(ان) پر کسی قسم کے شبہات کے غبار نہیں کیونکہ وہ ایک ایسا کلام ہے جو ضروری تعلیموں اور ضروری وصایا اور معارف اور دلائل کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے اور وہ ایک ایسی تعلیم کامل ہے جو تمام انسانی ضرورتوں کو جو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے پیش آتی ہیں پوری کرتی ہے اور حق کے ثبوت میں دلائل پیش کرنا چاہیے یا جس طرح باطل کا رد لکھنا چاہیے اور یا جس طور پر اور اندازہ سے معرفت کی باریک باتیں کرنا چاہیے ان میں سے ایک بات کو بھی اس نے نہیں چھوڑا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور ان تمام تعلیموں اور احکام اور حدود کو نہایت فصیح اور بلیغ اور شیریں اور پسندیدہ پیرایہ میں بیان فرمایا اور یہ ایک ایسا امر ہے جو انسان کی قدرت سے بالاتر ہے۔" (نجم الہدیٰ ص ۱۶)

"اور کیونکہ دینِ حقہ وہ دین، بزرگ اور سیدھا ہے جو عجائب نشانوں سے بھرا ہوا ہے۔"

(نجم الہدیٰ ص ۸)

یہی وہ امور ہیں جن کی طرف ہم دنیا کو توجہ دلانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے گذشتہ اٹھاسی سال سے سال میں ایک مرتبہ جمع ہوتے ہیں تاکہ ہمارا مقصد ہماری آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے پائے اس میں

(بقیہ ص ۱۲ کالم ۱ و ۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

بقیہ :- خطبۂ جمعہ فرمودہ مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب آمدہ صفحہ ۸

ہمیں ہر طرح کوشش کرنا چاہیئے کہ جھوٹ ۔ فریب اور دھوکہ سے باز رہیں اور اپنی عملی حالت کو درست کریں۔ اگر ہم عمل نہیں کرتے تو یقیناً یاد رکھیئے کہ حکومت بدل جانے سے دل نہیں بدل جاتے دلوں کی تبدیلی کے لئے کسی مردِ مومن کی نگاہ پاک کی ضرورت ہوتی ہے ۔ ؎

" نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں "

حضرت مرزا صاحب نے جو مشن چلایا ہے وہ خدا کی طرف سے ہونے کی حیثیت سے ہے اور وہ مشن یقیناً کامیاب ہوگا۔ ہمیں اپنی عملی زندگی اپنے قول کے مطابق بنانی چاہیئے ۔ ورنہ خدا تعالےٰ تو آپ کے عمل کے مطابق آپ سے معاملہ کرے گا ۔ اور اس کا اجر دے گا ۔ یہ یاد رکھیئے کہ خدا تعالےٰ اپنے مامورین کے مشن کو ہمیشہ غلبہ عطا کرتا ہے :-

* * *

بقیہ :- خوش آمدید ، آمدہ صفحہ ۱۱

کوئی شک نہیں کہ ہم ان فیوض و برکات سے تو محروم ہیں جو حضرت اقدس ؑ کی زندگی میں ایسے اجتماعات سے حاصل ہوتی تھیں لیکن کم از کم اپنے بھائیوں سے میل ملاقات کا عارضی فائدہ تو ضرور حاصل ہوتا رہتا ہے اگر اس پر تھوڑا سا غور کر لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگر ہمیں استطاعت حاصل ہو اور ہم سال بھر اپنے ملک میں گھومتے رہیں تو بھی سارے بھائیوں سے ملاقات نہیں ہو سکتی جتنی جلسہ سالانہ کے موقع پر ہوتی ہے۔

حضرتِ اقدس ؑ سے کئے گئے عہد کو نبھانے ۔ اپنی روایات کو زندہ رکھنے اور اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے اپنے مال جان اور آرام کی ضرورت ہے۔ آئیے یہ چار پانچ دن ہم خدا کے لئے وقف کر دیں اور اپنے سارے غم بھول کر صرف اس ایک غم کی طرف متوجہ ہو جائیں کہ ہادیٔ کامل حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لایا ہوا دینِ کامل کس طرح دنیا پر غالب آئے کیونکہ آپ کے تشریف لانے کا مقصد ہی لیظھرہٗ علی الدین کلہ تھا اور یہی حضرت اقدس کا مشن تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم قلیل ہیں اور کم مایہ لیکن آئیے دلوں سے اس احساسِ قلت اور کم مائیگی کو نکال دیں کیونکہ :-

کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃً کثیرۃً باذن اللہ ؕ واللہ مع الصابرین

اللہ تعالےٰ کے حکم سے تھوڑے بھی بہتوں پر غالب آ سکتے ہیں کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے اس کے لئے ہمیں بھی اپنی حالتوں پر سنوارنا ہوگا کیونکہ اللہ تعالےٰ کے وعدے بعض شرائط سے مشروط ہوتے ہیں۔ اس بار ہم اپنی نوجوان نسل سے مخاطب ہو کر یہ عرض کریں گے کہ وہ جوق در جوق اپنے اس سالانہ اجتماع میں شامل ہو کر اس بات کا ثبوت فراہم کریں کہ ہم ایک زندہ قوم ہیں اور ہماری زندگی دین کی نشأۃ ثانیہ کے لئے وقف ہے۔ دینِ حقہ امن و سلامتی صلح و صفائی ۔ پیار و محبت ۔ رحمت و شفقت ۔ خلوص اور انسان دوستی ۔ آزادیٔ ضمیر اور احترامِ حقوقِ انسانی کا نام ہے ۔ اور یہی قرآن حکیم کا فرمان اور آنحضرت صلعم کا اسوۂ حسنہ ہے۔ یہی وہ اخلاق کی بلندیاں ہیں جن پر آپ خود بھی پہنچے اور نوعِ انسانی کی اس طرف راہنمائی کی۔ انسانوں کی گردن اگر جھکی تو اسی دینِ حق کے سامنے اور یہی ہمارا آئیڈیل ہے :-

۔۔۔۔۔ مادی وسائل کے علاوہ کامیابی کا ایک اور سب سے بڑا سبب دعا بھی ہے اجتماعی دعاؤں میں بڑی برکت ہوتی ہے ۔ ان تین چار ایام میں جب سب بزرگ ۔ بھائی ۔ بہنیں ۔ بچے اور بچیاں مل کر اللہ تعالےٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے ۔ دلی تڑپ اور آرزو سے اللہ تعالےٰ سے دین کے غلبہ کے لئے دعا کریں گے جنہیں اللہ تعالےٰ نے توفیق دی ہے کہ رات کی تنہائیوں میں آنسوؤں کی راہ اپنا دل اور سینہ کھول کر اس کے سامنے رکھ دیں اور اپنی کسی دنیوی غرض کے لئے نہیں بلکہ اس کے دین کی نصرت کے لئے ان کی سسکیاں اور چیخیں اس کے درِ رحمت سے ٹکرائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ بے لوث اور بے غرض پکاریں ناکام و نامراد واپس لوٹ آئیں ۔ وہ جانتا ہے کہ ہم یہ سب کچھ اس کی رضا اور خلقِ خدا کی خیر خواہی اور فلاح و بہبود کے لئے کرتے ہیں :-

ایک ضروری التماس

دورانِ جلسہ میں منتظمینِ جلسہ اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ مہمانوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو لیکن انسانی کوششوں میں کوتاہی ہو ہی جاتی ہے اس لئے ہم اپنے اپنے مہمانوں کی خدمت میں گذارش کریں گے کہ جب وہ اللہ کی رضا کے لئے گھر کا آرام چھوڑ کر یہاں آتے ہیں تو ہماری کوتاہیوں اور خامیوں پر بھی صبر سے کام لیں ۔ گھر سے باہر گھر جیسا آرام تو میسر آنا ممکن نہیں ۔ مقصد سامنے ہو تو آدمی کے لئے تمام راحتیں اور آرام قربان کرنا پڑتا ہے ۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمارے مہمانوں کو خیریت سے لائے اور بخیریت واپس لے جائے اور جس غرض کے لئے وہ تکلیفیں اٹھا کر تشریف لائیں گے اللہ تعالےٰ انہیں اس کا پورا پورا اجر دے ۔ آمین ۔ ثم آمین ۔ ؎

" اے آمدنت باعثِ آبادیٔ ما " (مدیر)

* * *

خوش آمدید اے مہمانانِ جلسۂ سالانہ

منتظمین اور کارکنانِ جلسہ سالانہ اپنے گرامی قدر مہمانوں کا خیر مقدم کرنے کیلئے ابھی سے چشم براہ بیٹھے ہیں اور آپ کے قیام و طعام کا خاطر خواہ اور اطمینان بخش انتظام کرنے میں شب و روز مصروف ہیں۔ ہمارا یہ جلسہ ایک نہایت ہی مبارک روحانی اجتماع ہوتا ہے جس میں ہمہ وقت اللہ اور اس کے رسول صلعم کی باتیں ہوتی ہیں ۔ دینِ حقہ کو ادیانِ عالم پر غالب کرنے اور اسے اکنافِ عالم میں پھیلانے کے منصوبے تیار کئے جاتے ہیں ۔ یہ اجتماع ہمیں ہر سال باہم تعلقاتِ اخوت کو مضبوط تر کرنے کے نادر مواقع بھی فراہم کرتا ہے۔ آپ جس قدر کثرت سے اس جلسہ میں شرکت فرمائیں گے اسی قدر ہمیں زیادہ خوشی ہوگی ۔ ہمیں امید ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کیلئے آپ سفر کی صعوبت ضرور برداشت کریں گے اور جوق در جوق اس مبارک اجتماع میں تشریف لائیں گے :-

(ادارہ)

باہتمام ریاض حسین الجبہ پرنٹرز اردو بازار سے چھپوا کر پبلشر محمد اعظم علوی نے دفتر پیغام صلح احمدیہ بلڈنگس برانڈرتھ روڈ لاہور سے شائع کیا۔ چیف ایڈیٹر :- ڈاکٹر اللہ بخش صاحب
ہفت روزہ پیغام صلح لاہور مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۸۱ء ، جلد ۶۷ شمارہ ۴۹ رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلے علی رسولہ الکریم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا خصوصی ترجمان

حضرت مولنا صدر الدینؒ نمبر

ما مسلمانیم از فضل خدا
مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام
*
ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

ہفت روزہ

پیغام صلح

لاہور

رجسٹرڈ ایل ۸۳۸

تار کا پتہ - تبلیغ
فون - ۵۰۲۳۷

مدیر اعزازی
خلیل الرحمٰن

نائب مدیر
عبدالرؤف کھوکھر

سالانہ چندہ
پاک و ہند سے تیس روپے
بیرونی ممالک سے دو پونڈ (علاوہ محصولڈاک)

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید ‏ وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد

دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا

جلد: ۶۸ | ۱۶؍۲۳ چہارشنبہ ۱۸؍۲۵ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ — بمطابق ۱۶؍۲۳ دسمبر ۱۹۸۱ء عیسوی | شمارہ ۵۰، ۵۱

حضرت مولنا صدر الدینؒ

سرینام، گیانا اور ہالینڈ سے آنے والے وفد کے ساتھ ملاقات کے موقع پر

موجودہ حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب (ایدہ اللہ تعالےٰ) بائیں جانب آخر میں تشریف رکھتے ہیں

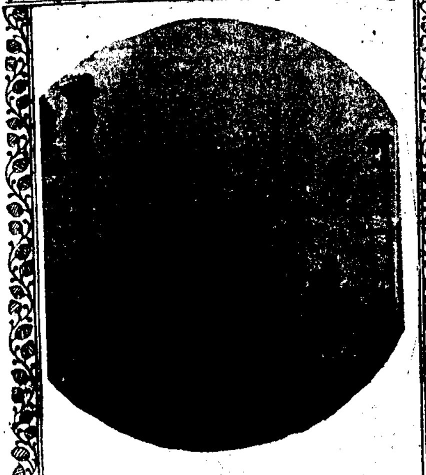

مسجد احمدیہ برلین (مغربی جرمنی)

جس کا محل وقوع اور خوبصورتی حضرت مولنا صدر الدین مرحوم و مغفور کی محنت اور نفاستِ طبع کی یادگار ہے۔

تعمیر ۱۹۲۴ء

حضرت امیر مولنا صدر الدین مرحوم و مغفور

پیدائش سیالکوٹ ۱۸۸۱ء، وفات لاہور نومبر ۱۹۸۱ء

[illegible] قادیان

بطور ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان ۱۹۰۹ء

- ووکنگ — ۱۹۱۴ء
- برلن — ۱۹۲۳ء
- مسجد برلن — ۱۹۲۴ء
- مشن برلن — ۱۹۲۸ء

حضرت مولانا صدرالدینؒ سر آغا خان مرحوم کے ساتھ برلن مسجد میں، ۱۷؍اکتوبر ۱۹۳۷ء

حضرت مولانا صدرالدینؒ [illegible] وزیر اعظم کے ساتھ اُن کے دولت خانہ پر ملاقات کر رہے ہیں۔ (بادام ہندوستان ۱۹۷۰ء)

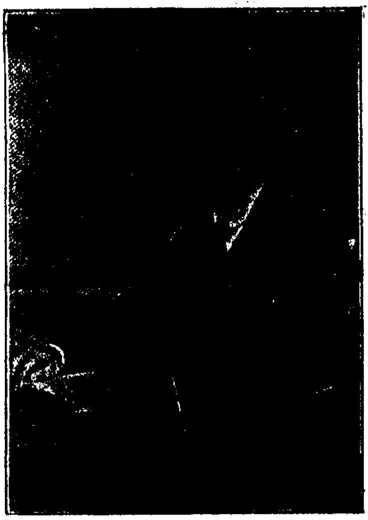

حضرت مولانا صدرالدینؒ ووکنگ میں، ۱۹۱۷ء

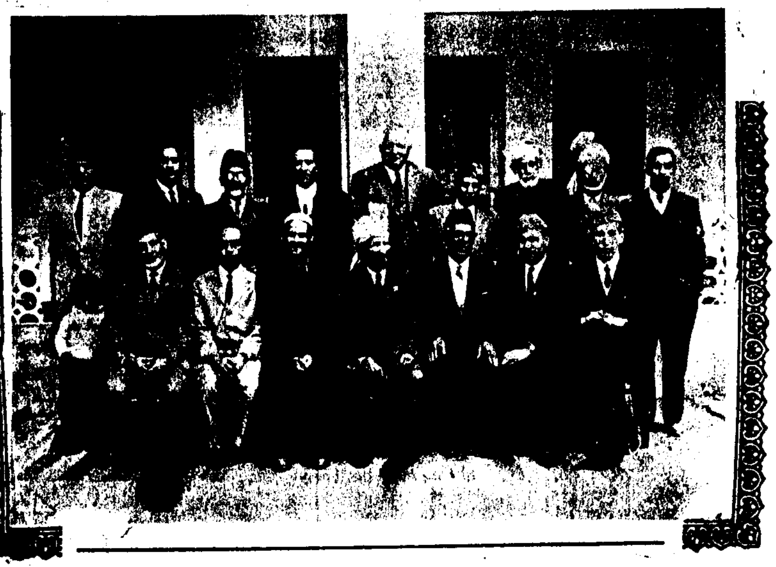

ضرت مولانا صدرالدینؒ دسمبر ۱۹۶۴ء
ں انجمن کی گولڈن جوبلی کے موقع پر
نیڈا، مغربی جرمنی۔ ہالینڈ، انڈونیشیا
ر مغربی افریقہ کے وفود کے
ضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب
ی قطار میں بائیں جانب آخر میں
ریف فرما ہیں

موزوں آدمی ہمیں نہیں مل سکتا تھا۔ آپ کی زیرِ نگرانی یہ سکول اور کالج اس قدر نیک نام ہوا کہ معزز ترین خاندانوں کے چشم و چراغ جو بڑی آسانی سے چیفس کالج میں داخلہ لے سکتے تھے یہاں آکر داخل ہوئے مثلاً۔ نواب گورمانی مرحوم سابق گورنر پنجاب۔ سید امجد علی شاہ سابق وزیرِ خزانہ، جناب سید مراتب علی شاہ صاحب کے صاحبزادگان اسی درسگاہ کے طالب علم رہ چکے ہیں۔ اس سکول کے نظم و ضبط اور اعلیٰ تعلیمی معیار کو دیکھتے ہوئے مسٹر کراس نے جو سکول کے اچانک معائنہ کے لئے آئے تھے یہ ریمارکس دیئے۔

“I CAME TO SURPRISE THE SCHOOL BUT I FIND MYSEIF SURPRISED”

ترجمہ:۔ ”میں تو اس سکول کے اچانک معائنہ کے لئے آیا تھا لیکن اسے دیکھ کر میں خود ہی حیران رہ گیا“

اسی سکول کے ایک سابق طالب علم جناب عاشق حسین بٹالوی جو بعد میں مشہور ادیب اور مصنف بنے اور پنجاب میں مسلم لیگ کے سیکرٹری بھی رہے ہیں۔ وہ احمدی نہیں ہیں لیکن لکھتے ہیں کہ:۔

”احمدیت کی فضا میں زمانۂ طالب علمی کی جو کیفیت دل پر نقش ہوئی وہ مٹنے میں نہیں آتی۔ بورڈنگ (مسلم ہوسٹل) میں رہتے تھے۔ صبح سویرے مرحوم اکبر شاہ خاں نجیب آبادی قرآن کا درس دیتے تھے۔ سکول لگنے پر مولانا صدر الدین (- - - -) حدیث کے مختصر سے سبق سے آغاز کرتے تھے۔ پچھلے پہر احمدیہ بلڈنگس کا رُخ کرتے تھے وہاں مولانا محمد علی صاحب - - - - کا درسِ قرآن ہوتا تھا ...... بھلا یہ نقش کبھی مٹ سکتا ہے؟“

(حوالہ پیغامِ صلح ۶ جون ۱۹۶۲ء)

۱۹۱۹ء میں حضرت مولانا صدر الدین صاحب ووکنگ مشن کے کام کے لئے دوبارہ تشریف لے گئے۔ ۱۹۲۲ء میں انجمن نے برلن میں تبلیغِ اسلام کے لئے مشن قائم کرنے کا فیصلہ کیا تو مولانا صدر الدین صاحب علیہ الرحمۃ دسمبر ۱۹۲۲ء میں وہاں تشریف لے گئے۔ آپ تین چار سال تک وہاں تبلیغ اسلام کا کام سرانجام دیتے رہے۔ وہاں آپ نے جرمن زبان میں ایک رسالہ ”مسلیمش ریویو“ جاری فرمایا جس کے اعلیٰ پایہ کے مضامین کی وجہ سے اعلیٰ طبقہ کے عالم فاضل جرمن اسلام لے آئے۔ جرمنی میں اپنے قیام کے دوران میں آپ نے ایک شاندار مسجد تعمیر کی جو فنِ تعمیر کا ایک نادر نمونہ اور مغربی برلن کا زیور ہے۔ اس فنِ تعمیر میں آپ کے اعلیٰ ذوق کا بھی پتہ ملتا ہے۔ یہ مسجد آپ کی نفاستِ طبع کا ایک اعلیٰ نمونہ اور یادگار ہے۔ تبلیغ کے سلسلہ میں جرمنی میں آپ کو جن مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا ان کا بھی آپ نے بڑی پامردی اور استقامت سے مقابلہ کیا۔ ایک اجنبی ملک اور تنہا انسان نہ دوست اور نہ رشتہ دار اور نہ کوئی مددگار ایسے حالات میں مشکلات کا مقابلہ کرنا اور ثابت قدمی دکھانا بڑی جرأت اور اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔

۱۹۲۸ء میں انجمن نے جب قرآنِ کریم کا ترجمہ جرمن زبان میں کرانے کا فیصلہ کیا تو اس عظیم خدمت کا بھی آپ نے ہی اہتمام کیا۔ یہ ترجمہ ۱۹۳۸ء میں چھپ کر تیار ہو گیا۔

جرمنی سے واپس آنے کے بعد آپ نے مختلف حیثیتوں میں انجمن کیلئے قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ مدت تک انجمن کے نائب صدر رہے اور ۱۹۵۱ء میں حضرت مولٰنا محمد علی رح کی وفات کے بعد جماعت کے امیر منتخب ہوئے۔ اور آخری سانس تک اس کے قائد رہے۔ اس عرصہ کے دوران آپ نے مجدد صد چہاردہم ہال اور احمدیہ مارکیٹ [illegible] تعمیر کرائیں جن سے انجمن کی آمدنی میں معتد بہ اضافہ ہوا۔ یہ عمارتیں بھی آپ کی محنت اور ہمت کی ناقابلِ فراموش یادگار ہیں۔

آپ کی وفات سے جماعت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے اور آپ کی جدائی کو بڑی شدت سے محسوس کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی قربت سے نوازے اور جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔ آمین۔

جماعتِ احمدیہ کیلئے آپ نے جو خدمات انجام دی ہیں اُن کی وجہ سے اُن کی یاد ہمارے دلوں میں ہمیشہ قائم رہے گی اور ہم انہیں کبھی نہ بھول سکیں گے۔

از:۔ پروفیسر نور الدین زاہدؔ

دمبدم یارب رساں بر روحِ پاکش صد سلام

آہ از لاہور آمد ایں پیامِ دل فگار
میرِ ملت قصدِ رحلت سوئے جاناں کرد و رفت

آہ صدر الدین صدرِ بزمِ اصحابِ کمال
عاشقانِ دین را حیران و گریاں کرد و رفت

بندۂ خاصِ خدا و قدوہ عشاقِ او
ارجعی بشنید و پس تعمیلِ فرماں کرد و رفت

نورِ چشم، نورِ دیں، ہم رنگ مولٰنا علیؒ
انجمن بے جان و جمعیت پریشاں کرد و رفت

از دبستانِ مسیحا آمدہ فرہیختہ
پس خداوندانِ افرنگ را مسلماں کرد و رفت

مسجدِ برلن عجب مینارِ نور او ساختہ
ظلمت آبادِ اُروپا پر چراغاں کرد و رفت

چارۂ انکارِ سنت کرد از تالیفِ خویش
سر قلم ایں فتنہ را زیں تیغِ برہاں کرد و رفت

دلبرے لب شکرے آں غمگسارے غم خوارے
دردِ ملت را بسوزِ عشق درماں کرد و رفت

رائیتِ توحید و سنت در جہاں افراختہ
مرکزِ الحاد و کفر و شرک ویراں کرد و رفت

صد کرامت استقامت بر صراطِ مستقیم
آشکارا دو جہاں ایں رازِ پنہاں کرد و رفت

دمبدم یارب رساں بر رُوحِ پاکش صد سلام
کو براہِ حق متاعِ جان قرباں کرد و رفت

حضرت مولانا صدر الدین صاحب مرحوم و مغفور

از:- حضرت امیر قوم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

۱۴/۱۵ نومبر کی درمیانی شب کو جماعت احمدیہ لاہور پر ایک بہت بھاری سانحہ گزرا۔ حضرت مولانا صدر الدین، امیر جماعت اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے ساتھی تبلیغِ دین کے سلسلہ میں طویل اور قیمتی خدمات بجا لانے کے بعد اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے اور جماعت کو ایک ناقابلِ تلافی نقصان اور صدمہ سے دوچار کر گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ آپ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے بانیوں میں سے ایک تھے۔ ۳ مئی ۱۹۱۴ء کو اس انجمن کے قیام کے سلسلہ میں جو پہلی مجلسِ معتمدین قائم ہوئی آپ اُس کے رکن تھے۔

مجھے آپ کو ۱۹۱۳-۱۴ء میں بڑے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا کیونکہ آپ اُس زمانہ میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے ہیڈ ماسٹر اور میں اس سکول کا طالب علم تھا۔ آپ کی پُرکشش شخصیت کے جو گہرے اثرات اس مختصر سے عرصہ میں میرے دل و دماغ پر مرتسم ہوئے وہ آج تک نہیں مٹ سکے اور نہ مٹ سکیں گے۔ میں اگر یہ کہوں کہ اُس زمانے کا تعلیم الاسلام ہائی سکول جو آپ کی راہنمائی میں چل رہا تھا اُس زمانے اور اِس زمانے کے انگلش میڈیم پبلک سکولوں کی نسبت کئی لحاظ سے بدرجہا بہتر تھا تو مبالغہ نہ ہوگا۔ آپ کا نظم و ضبط مثالی تھا لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ اپنے سکول کے کسی طالب علم سے کبھی سختی اور درشتی سے پیش نہیں آئے۔ بلکہ ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ وہ میرے ہی شفیق اور مہربان باپ ہیں۔ آپ کو اپنے طلباء سے اس قدر پیار ہوتا تھا کہ چھوٹے بچوں کے کھیلوں میں شامل ہو کر اُن کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ یہی وجہ تھی کہ سکول کی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کا معیار بہت بلند تھا۔ آپ سکول کے تمام عملہ اور طلباء کی صرف دنیوی تربیت کا ہی اہتمام نہیں فرماتے تھے بلکہ اُن کی اخلاقی اور دینی تربیت کا خاص خیال فرماتے تھے۔ سکول سے ملحقہ مسجد نور میں پانچوں نمازیں بالالتزام ادا کی جاتی تھیں اور عصر کے وقت حضرت مولانا نور الدین رح کے درسِ قرآن میں شامل ہونے کے لئے طلباء قطار باندھ کر آتے تھے۔ حضرت مولانا مرحوم و مغفور کی شخصیت اور اس طرح کی تربیت کا ہی اثر تھا کہ اس سکول کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور علامہ اقبال رح جیسے انسان نے اپنے بیٹے آفتاب احمد کو کسی پبلک سکول میں بھیجنے کی بجائے قادیان کے سکول میں بھیجنا پسند کیا۔ آفتاب احمد صاحب میرے ہم جماعت تھے۔ اس تربیت کا ایک ناقابل فراموش نظارہ کھیل کے میدان میں بھی دیکھنے میں آیا۔ ایک بار کھیلوں کا مقابلہ امرتسر میں منعقد ہوا۔ اسے سرکل کی کھیلوں کا مقابلہ کہتے تھے۔ بہت سے سکول شریک ہوئے۔ ہاکی کا آخری مقابلہ قادیان سکول اور خالصہ ہائی سکول امرتسر کے درمیان ہوا۔ ہماری ہاکی کی ٹیم جیت گئی۔ جب آخری وِسل بجی تو ہمارے کھلاڑی میدان میں جہاں کہیں بھی تھے سب کے سب خدا کے سامنے سجدۂ شکر میں گر گئے۔ تماشائیوں پر اس منظر کا بہت گہرا اثر ہوا۔ آج بھی ہماری قومی ہاکی ٹیم کے کھلاڑی بین الاقوامی میچوں میں کوئی فائنل میچ جیتتے ہیں تو وہ سجدۂ شکر میں گر جاتے ہیں۔ یہ رسم بھی قادیان سے ہی چلی۔

ہم سب جانتے ہیں کہ حضرت مولانا مرحوم قرآنِ کریم بڑی خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔ سننے والوں پر اس کا ایک خاص اثر ہوتا تھا خواہ وہ درس دیتے وقت پڑھتے یا تقریر سے پہلے اور خواہ نماز پڑھاتے وقت۔ قادیان میں طلباء بڑے اصرار سے آپ کو اس پر رضامند کرتے کہ عشاء کی نماز آپ پڑھائیں۔ آپ ان کے اس مطالبہ کو کبھی قبول کر لیتے اور اُن کی خوشنودی کے لئے نماز پڑھا دیتے۔ اُن کی قراءت سے خواہ وہ کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہوتی قرآنِ کریم کے الفاظ دلوں میں اُتر جاتے۔ اس رنگ میں آپ نے جماعت کے بچّوں کی تعلیم و تربیت میں جو کردار ادا کیا ہے اس میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ آپ کی خوش لباسی، خوش کلامی، نفاست و ظرافتِ طبع، جرأت مندی، مہمان نوازی اور بے داغ بلند اخلاقی کی بدولت آپ کی شخصیت میں ایک خاص جاذبیت تھی۔ بلند اخلاقی اور اعلےٰ کردار کا یہ عالم تھا کہ جوانی کے عالم میں انگلستان اور جرمنی میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔ مردانہ حُسن و وجاہت سے بھی اللہ تعالےٰ نے آپ کو نوازا تھا لیکن آپ نے اپنے دامن کو کبھی تر نہ ہونے دیا۔ یہ محض اللہ تعالےٰ کا فضل ہے۔ ہمارے احمدیہ انجمن اشاعتِ دین لاہور سے تعلق رکھنے والے بزرگوں کے اخلاق و کردار پر کسی کو کبھی انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ وہ جہاں بھی گئے لوگوں کے سامنے اپنا پاک نمونہ چھوڑ کر آئے۔ مغربی تہذیب کی حیا سوزی اور بے باکی انہیں متاثر نہ کر سکی۔ برلن کی خوبصورت مسجد اور اس کا محلِ وقوع اور جرمن ترجمۃ القرآن آپ کی نفاستِ طبع کے مُنہ بولتے ثبوت ہیں۔

مجھے آپ کی جرأت مندی کے بھی دو تین واقعات یاد ہیں۔ اوکاڑہ کے مربعوں سے قابض مزارعین کو بے دخل کرانے کا کام بھی انجمن نے آپ کے سپرد کیا تھا اور یہ آپ کی ہمت، حوصلہ اور جرأت مندی کا نتیجہ تھا کہ انگریز ڈپٹی کمشنر کے ذریعہ زمینوں کا قبضہ آپ نے انجمن کو دلایا۔ اس سے بڑھ کر جواں مردی آپ نے ۱۹۵۳ء میں دکھائی جبکہ آپ عمر کے ایک ایسے حصّے میں تھے جب انسان کے اعضاء مضمحل اور کمزور ہو جاتے ہیں اور جوانی کی وہ طاقت اور جوش باقی نہیں رہتا۔ ہر طرف فتنہ و فساد کا بازار گرم تھا۔ لوگ احمدیہ بلڈنگس کو تہ و بالا کرنے کے درپے تھے۔ روز خطرناک خبریں سننے میں آ رہی تھیں۔ آپ کو بعض دوستوں نے مشورہ دیا کہ آپ اپنی حفاظت کی خاطر کسی اور جگہ چلے جائیں یہاں آپ کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا:- "ہم یہیں مریں گے یہیں جئیں گے۔ اس مقام کو چھوڑ کر کہاں جائیں۔ زندگی اور موت اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔" اللہ نے بڑے معجزانہ طور پر آپ کی حفاظت فرمائی۔ نہ صرف آپ کی بلکہ ساری احمدیہ بلڈنگس کی۔ اسی طرح ۱۹۷۴ء میں ہوا۔ آپ کو اپنے موقف کی صداقت پر پورا یقین تھا اس لئے آپ اپنے مقام سے نہ ہلے۔

آپ ایک نہایت خوش بیان مقرر بھی تھے۔ خصوصاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت پر جب آپ بولتے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کے واقعات اپنے مخصوص انداز میں بیان فرماتے تو سامعین پر ایک سحر سا طاری ہو جاتا۔ سیرتِ نبویؐ آپ کا خاص موضوع تھا۔ اور اس موضوع کو نبھانے میں آپ کی نظیر دیکھنے میں نہیں آئی۔ ایک بار حضرت مولانا محمد علی رح نے بھی آپ کی تعریف فرماتے ہوئے کہا کہ:-

"اللہ تعالےٰ نے مولوی صدر الدّین صاحب کو سیرت پر تقریر کرنے کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہے اور یہ اُن کا ہی حصّہ ہے۔"

جلسہ سالانہ کے موقع پر احمدیہ بلڈنگس میں جو درس آپ ہر سال دیا کرتے تھے وہ بھی بڑے پُرتاثیر اور دلوں میں اُترنے والے ہوتے تھے۔

ایک دفعہ ڈاڈھ سینی ٹوریم میں جہاں میں سپرنٹنڈنٹ تھا آپ تشریف لائے۔ ہم نے وہاں آپ کے اعزاز میں تقریب منعقد کی جس میں سینی ٹوریم کا سٹاف، کافی تعداد میں مریض اور دیگر لوگ شامل ہوئے۔ آپ نے اس مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے ہستی باری تعالےٰ پر جو تقریر کی اس سے سارے حاضرین بہت متاثر ہوئے اور دیر تک اسے یاد کرتے رہے۔

تبلیغِ دین کے سلسلہ میں آپ نے جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ بھی ناقابل فراموش ہیں۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب رح جب ووکنگ مشن میں دو سال کام کرنے کے بعد واپس تشریف لائے تو ان کی جگہ حضرت مولانا صدر الدین صاحب رح کو وہاں بھیجا گیا اور آپ نے اس کام کو بطریقِ احسن جاری رکھا۔ آپ غالباً ۱۹۱۶ء میں واپس آئے۔

۱۹۱۷ء میں انجمن نے مسلم ہائی سکول قائم کیا اور اس کے ساتھ سینئر کیمبرج کی کلاسیں بھی کھولیں تو مولانا مرحوم کو اس کا پرنسپل بنایا کیونکہ آپ نے قادیان میں جو کام کیا تھا اس کے پیشِ نظر آپ سے زیادہ

امیر قوم حضرت مولنا صدرالدین صاحب مرحوم

خودنوشت

میں نے جس ماحول میں ہوش سنبھالا وہ دینی تھا۔ گھر میں قرآن شریف کی تعلیم کا التزام تھا۔ چنانچہ میں بڑا ہوا تو مجھے بھی قرآن حکیم کی تعلیم دی جانے لگی۔ میں مڈل تک بلا ترجمہ قرآن ذوق و شوق سے پڑھتا رہا۔ جن دنوں میں تھرڈ مڈل میں تھا حضرت مولانا عبدالکریم کے درس قرآن کا شہر بھر میں شہرہ تھا۔ آپ مسجد حسام الدین میں درس دیتے تھے میں تین چار سال تک حضرت مولاناؒ کے درس میں باقاعدہ شریک ہوتا رہا۔ آپ درس کے دوران حضرت مرزا صاحب کے متعلق بھی فرماتے تھے۔ آپ کا طرز بیان مسحور کن تھا۔ چنانچہ مجھے حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا انہی ایام میں کامل یقین ہوگیا۔ اس تمام عرصے میں والدین نے اشارے کنائے میں بھی درس میں شرکت سے نہ روکا اور نہ ہی حضرت کی صداقت کا اقرار کرنے سے منع کیا۔ محلہ میں ہماری خاندانی پوزیشن ایسی نہ تھی کہ کوئی شخص مجھ پر کوئی اعتراض کرسکتا۔ مولانا موصوف اکثر حضرت صاحب اور حضرت مولانا نورالدین کا ذکر کرتے رہتے اور اس طرح ان ہر دو کی عظمت کا نقش میرے دل میں قائم ہوگیا۔

بی۔ اے کرنے کے بعد میں نے ٹریننگ کالج میں ایس اے وی کلاس میں داخلہ لے لیا۔ ان دنوں بی ٹی کلاس ابھی جاری نہیں ہوئی تھی۔ سٹربل ڈائرکٹر تھے۔ وہ بڑے فیاض اور بلند اخلاق۔ بارعب اور عظیم انسان تھے۔ انہوں نے پہلی بار ہمارے لئے بی ٹی کلاس کھول دی اور بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی اور گورنر صاحب سے اجازت حاصل کرلی۔ تکمیل کے بعد کچھ عرصہ ڈسٹرکٹ انسپکٹر رہا اور کچھ عرصہ ٹریننگ کالج میں انگلش کا پروفیسر رہا۔ حضرت صاحب کے وصال کے بعد حضرت مولانا نورالدینؓ نے وفد بھیجا کہ میں ملازمت چھوڑ کر قادیان خدمت عالی میں حاضر ہو جاؤں۔ وفد میں حضرت مولوی محمد علی صاحب، حضرت خواجہ کمال الدین صاحب، حضرت ڈاکٹر محمد حسین صاحب۔ حضرت ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب۔ اور حضرت شیخ رحمت اللہ صاحب شامل تھے۔ میں ان کے کہنے پر قادیان جانے کے لئے راضی ہوگیا۔ پھر وفد نے گورنمنٹ سے درخواست کی کہ مجھے قادیان چلے جانے کی اجازت دے۔ چنانچہ میں قادیان چلا آیا اور تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی ہیڈ ماسٹری کا فریضہ مجھے سونپا گیا۔ ان ہی ایام میں مولانا محمد علی صاحبؒ تفسیر قرآن میں منہمک تھے۔ چنانچہ انجمن کی اجازت سے وہ سیکرٹری کے عہدے سے الگ ہو گئے اور یہ ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈال دی گئی۔ قادیان میں میرا قیام ۵ سال تک رہا۔

حضرت مولانا نورالدینؓ نے ایک مرتبہ قادیان میں جس میں میں بھی حاضر تھا خطبہ کے دوران فرمایا کہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ نورالدین خطبوں میں مرزا کا نام نہیں لیتا اور فرمایا کہ ایسے لوگوں کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے "جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے سامنے جب اکیلے خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل سکڑ جاتے ہیں۔" "اور جب خدا کے سوا ان کے حضرتوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔" اس میں آپ نے توحید کامل کا ذکر کیا اور فرمایا کہ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں اس عرصہ میں کبھی مرزا کی قبر پر نہیں گیا اس طرح آپ نے توحید کامل کی زوردار طریق سے تلقین فرمائی۔

میری آنکھوں کے سامنے اب بھی وہ جانفزا منظر ہے۔ یہی جامع احمدیہ لاہور کا مقام تھا حضرت صاحب اور دیگر اکابر یہاں قیام پذیر تھے۔ جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ حضرت صاحب نمازیوں کے درمیان فروکش تھے۔ حضرت مولانا نورالدینؓ خطبہ دے رہے تھے۔ فرمایا کہ مجھ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ نورالدین خطبے میں مرزا کا نام نہیں لیتا۔ اس موقعہ پر آپ نے قرآن حکیم کی مذکورہ آیت کا ذکر کیا۔ حضرت سامنے بیٹھے سن رہے تھے۔ آپ کے بشرے سے سکون، اطمینان اور مسرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ سب نے محسوس کیا کہ پیر اور مرید دونوں کا اس بارے میں ایک ہی مذہب ہے۔

* * *

امیر قوم حضرت مولنا صدرالدین صاحب مرحوم و مغفورؒ

(ہماری یہ جماعت حضرت اقدسؑ کے ہاتھ سے قائم ہوئی ہے جس نے خدمت دین کا کام سنبھالا ہوا ہے اس پاک انسان نے سمجھ لیا تھا کہ کبھی کوئی پیغمبر بھی کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک ایک جماعت اس کے ساتھ نہ ہو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی لئے جماعت بنائی اور اسی اصول کا احیاء آج حضرت مرزا صاحب نے کیا۔ اور فرمایا کہ اگر تم کوئی کامیابی دیکھنا چاہتے ہو تو دل وجان سے اتحاد و یگانگت اپنے اندر پیدا کرو۔ چنانچہ ان کے ساتھ ایسے لوگ جمع ہو گئے جنہوں نے اتحاد و یگانگت کا نہایت شاندار نمونہ دکھایا اور یورپ میں ایسا کام انہوں نے کر دکھایا جو بڑی بڑی سلطنتوں سے نہ ہو سکا۔ کبھی لوگ پوچھتے ہیں کہ اتنا بڑا کام کس طرح ہو گیا۔ یہ ان غرباء کا کام ہے جنہوں نے امام وقت کے ساتھ ہو کر باہمی اتحاد اور یک جہتی سے اس میں حصہ لیا۔ خدا نے ان کے غریبانہ چندوں اور قربانیوں میں برکت ڈال دی۔)

اگر آپ کو احساس ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے دیئے ہوئے سبق سے فائدہ اٹھاؤ بعد اللہ تعالےٰ کے اس پیارے کی اس نصیحت سے فائدہ اٹھاؤ کہ اتحاد کے بغیر کامیابی نہیں ہوسکتی تو ہمارا فرض ہے کہ اس جماعت کے استحکام کی کوشش کریں۔ اور وہ قدم جو جماعت کی کمزوری کا موجب ہو اس کو ترک کر دیں۔ حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ تم سب جسد واحد کا حکم رکھتے ہو جس طرح جسم کے ایک عضو میں درد ہوتا ہے تو سارے ہی جسم میں درد ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح تمہارا حال ہونا چاہیئے۔ ڈاکٹر بھی کہتے ہیں کہ اگر ایک آنکھ میں درد ہو تو دوسری بھی متاثر ہوتی ہے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ایک عضو کی بیماری سارے جسم کے بیمار ہو جانے کی باعث ہوتی ہے۔ فرمایا مثل المؤمنین کجسد الواحد اذا اشتکی عضو جعل تداعی له سائر الجسد بالسهر والحمی جسم کے ایک حصہ میں اگر تکلیف ہو تو سارا ہی جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے بے خوابی بھی پیدا ہو جاتی ہے اور اس عضو کی ہمدردی کی وجہ سے بخار ہو جاتا ہے۔

یہ تو حضور نبی کریم صلعم نے قوم کی کامیابی کے لئے سبق دیا ہے اس کے ساتھ مخالفین کے مقابلہ میں قائم رہنے کے لئے بھی یہ سبق آپ نے دیا ہے کہ مثل المؤمنین کالبنیان یشد بعضه بعضاً مسلمان قائم رہنے کے لئے قلعہ کی دیواروں کی طرح ہوتے ہیں جس کا ہر ایک حصہ دوسرے کی مضبوطی کا باعث ہوتا ہے جس طرح بکھری ہوئی اینٹوں کا انبار کوئی کام نہیں دے سکتا جب تک انہیں جوڑا نہ جائے اور جب وہ جڑ جائیں تو ایک ایسا قلعہ بن جاتا ہے جو مخالفین کے مقابلہ میں ایک بڑی زبردست روک بن جاتا ہے [تو فرمایا مسلمان آپس میں جسد واحد کا حکم رکھتے ہیں۔ اور دوسروں کے مقابلہ میں پشت دھاتی دیوار ہیں۔ تو تمہارے لئے دونوں قابل عمل ہیں آپس میں ایک ہو جاؤ اور غیروں کے مقابلہ میں ایک مضبوط دیوار بن جاؤ۔ اشداء علی الکفار رحماء بینهم کا عملی نمونہ دکھاؤ۔ لیکن تم اپنے اندر کوئی مضبوطی پیدا نہیں کر سکتے جب تک جسد واحد نہ بن جاؤ۔ خدا اور اس کے امام کے لئے باہم یگانگت کی ضرورت ہے دیکھو اگر ایک مضبوط دیوار میں سے ایک اینٹ نکل جائے تو دوسری کے گر پڑنے کا احتمال ہوتا ہے اور ساری دیوار کمزور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک فرد کی کمزوری جماعت پر اثر ڈالتی ہے۔ تم میں سے ایک ایک شخص کو اس کا احساس ہونا چاہیئے اور اسے سوچنا چاہیئے کہ کیا میری وجہ سے تو اس جماعت میں کمزوری پیدا نہیں ہو رہی ہے۔ اپنی عزت اور غیرت کو سامنے رکھ کر اس پر غور کرو اور تمہاری کسی حرکت سے کمزوری پیدا ہوتی ہے یا پیدا ہونے کا احتمال ہے تو اس حرکت سے باز آ جاؤ۔

ہمیں فخر کرنا چاہیئے کہ ہم نے ایک امام کو پہچانا ہے اس جماعت کے اندر بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے اس کے چشمہ سے دوسروں نے سیرابی حاصل کی۔ تمہارے لئے یہ فخر کی بات ہے اور تم پر حجت بھی ہے کہ تم نے خود اس سے فیض پایا اور باہمی اتحاد و یگانگت کے عملی نمونے دیکھے۔

"وہ جس نے کیا دین کو دنیا پہ مقدم"

حضرت امیر مرحوم مولانا صدرالدین رح نے سنہ ۱۹۷۰ء میں ٹرینیڈاڈ - سرینام - انگلستان - جرمنی وغیرہ کا دورہ فرمایا اور ۱۹ جولائی سنہ ۱۹۷۰ء سے ۱۴ اکتوبر سنہ ۱۹۷۰ء تک تقریباً تین ماہ آپ نے پاکستان سے باہر گذارے۔ اس عرصہ میں آپ نے بے شمار لیکچر دیئے اور یہ دورہ ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔ دورہ پر روانگی سے قبل مرحوم کے ایک عقیدت مند شاعر نے بالفاظ ذیل آپ کو جو خراج عقیدت پیش کیا تھا وہ اس قابل ہے کہ اسے دوبارہ اس خاص نمبر کی زینت بنایا جائے۔

(ادارہ)

وہ پیکرِ تنویر جو پیری میں جواں ہے
لاریب مجدد کی صداقت کا نشاں ہے

اوصافِ محمد کا ثنا خواں اگر ہے
دانائے مقاماتِ مسیحائے زماں ہے

وہ جس نے کیا دین کو دنیا پہ مقدم
وہ جس کی نظر محرمِ اسرارِ نہاں ہے

وہ جانِ دو عالم کی اداؤں کا فدائی
دنیا کی طلب ہے نہ غمِ سود و زیاں ہے

جو تارکِ لذات ہوا حق کی طلب میں
جو فقر میں بھی باعثِ صد رشکِ شہاں ہے

آدابِ جنوں آتے ہیں اس مردِ جری کو
برلن کی فضاؤں میں گڑا جس کا نشاں ہے

میخانۂ افرنگ ہیں مینارِ ہدایت
جو طرب گہِ نغمۂ تکبیرِ اذاں ہے

وہ آیۂ ترتیل کی تفسیر سراسر
قرآں کے معارف کا حسیں زمزمہ خواں ہے

حق ترسی و ایثار، خطا پوشی و شفقت
جس قوم میں ہوں خالقِ تقدیرِ جہاں ہے

لڑتا رہا عمر جہانِ تگ و دو میں
آفات و بلیات میں مانند یلاں ہے

یہ ولولۂ عشق، یہ پابندیٔ پیماں
صد سالہ جواں وادیٔ سلمیٰ کو رواں ہے

یہ عمر، یہ تبلیغ کا جذبہ، یہ عزیمت
حیرت زدہ اس بزم کا ہر پیر و جواں ہے

اس مردِ خدا مست کا حق حامی و ناصر
جو نصرت دینے کی راہوں میں دواں ہے

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

زمانۂ حال کے پیغمبر — اقوام عالم کے پیغمبر

روحانیات کا عالمگیر نظام

از حضرت امیر مولانا صدرالدین مرحوم

جہاں اللہ تعالیٰ نے اقوام عالم کی جسمانیات کے لئے اتنی بڑی کائنات قائم کر رکھی ہے وہاں اُس نے اقوام عالم کی روحانی نشوونما اور تربیت کے لئے بھی انتظام کر رکھا ہے۔ خدا تعالیٰ حضور نبی کریم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے۔ انما انت منذر ولکل قوم ھاد جس طرح آپ کو پیغامِ الٰہی کی تلقین کرنے کے لئے مامور کیا گیا ہے اسی طرح ہر قوم کے لئے ہادی ہو چکے ہیں اور فرمایا ورسلا قد قصصنھم علیک ورسلا لم نقصصھم علیک یعنی بعض رسولوں کا ذکر تو ان کا نام لے کر کیا گیا ہے اور بعض رسولوں کے اسماء کا ذکر نہیں کیا گیا پس اصل اصول یہی کارفرما ہے کہ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہو گذرا ہے۔ اور یہ تمام ہادی اپنی قابلِ قدر خدمات کے سبب قابلِ تعظیم ہیں۔ غرض خدا تعالیٰ نے اقوام عالم کو یگانگت کا سبق سکھانے کے لئے ان کو ایک گھر میں بسایا اور سب کو اپنی نعمتوں سے یکساں طور پر مستفیض فرمایا۔ پھر ان کے دلوں کو سب قوموں کے رہبروں کی تعظیم و تکریم سے منور کرکے ان کی یگانگت کو مضبوط سے مضبوط تر کر دیا۔ ایک دوسرے کے راہنماؤں پر ایمان لانا اور خلوص سے ان کی تعظیم کرنا ان کے متبعین کے دلوں میں خصوصی جذبۂ محبت پیدا کرتا ہے۔ اس عظیم مقصد کے پیشِ نظر حضور نبی کریم صلعم نے خود اپنے اعتقاد کا نمونہ پیش کیا ہے فرمایا:۔ آمنت بما انزل اللہ من کتاب ربنا وربکم لنا اعمالنا ولکم اعمالکم لا حجۃ بیننا وبینکم اللہ یجمعنا۔ یعنی میں ہر اس کتاب پر ایمان لاتا ہوں جو خدا تعالیٰ نے کسی زمانہ میں کسی قوم کے ہادی پر نازل فرمائی۔ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا اعمال پر منحصر ہے۔ ہمارے اعمال کا ثمرہ ہم کو ملے گا۔ اسی طرح تمہارے اعمال کا پھل تمہیں ملے گا اگر ہمارے اعمال اچھے نہ ہوئے تو یہ امر ہمارے لئے موجب حسرت ہوگا اور اس کے مقابل پر اگر تمہارے اعمال اچھے ہوئے تو تم ضرور خوش نصیب ہوگے۔ اندریں حالات ہمارے تمہارے درمیان تنازعہ و جھگڑا کی گنجائش نہیں رہتی۔ خدا سے دُعا ہے وہ ہم کو اور آپ کو متحد اور ہم آہنگ کر دے۔ اس اعلان میں جن معتقدات کے اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے اس سے دنیا کے مذاہب کی بنیاد رکھنا مقصود ہے۔ اگر زمانۂ حال کے مفکرین اس اہم امر پر اتفاق کر لیں تو یہ اقدام دنیا کے لئے بابرکت ثابت ہوگا۔

بین الاقوامی مذہب

قرآن کریم میں حضرت نبی کریم صلعم کو مخاطب کرکے یہ ارشاد دیا گیا ہے:۔ قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ۔

اس آیہ کریمہ میں اہلِ کتاب سے خطاب کیا گیا ہے اور ان کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ آئیے ہم ایک مشترکہ نظریہ پر متحد ہو جائیں وہ یہ ہے کہ ہم ایک ہی خدا کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ قرار دیں۔ اور نہ ہی انسانوں کو خدا ٹھہرائیں۔ پیغمبرِ اسلام نے آج سے چودہ سو سال پیشتر اہلِ دنیا کو ایک مذہب اختیار کرنے کا سبق دیا اور اہلِ کتاب کو خصوصاً مخاطب کرکے ایک دینی نظریہ پر متحد ہونے کی طرف توجہ دلائی۔ ہر حقیقت پسند دانشمند رسول کریم کے اس اہم اقدام کی قدر کرے گا اس لئے کہ اس سے حقیقی یگانگت اور باہمی ہمدردی اور حسنِ سلوک کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ حضورؐ نے جہاں یہ مفید دعوتِ عمل عرب کے یہودیوں اور عیسائیوں کے سامنے پیش کی وہاں اس دعوت کو مراسلات کی شکل میں کسریٰ (شاہِ ایران) ہرقل (شاہ روم) مقوقس (شاہ مصر) اور نجاشی (شاہ حبشہ) کی خدمت میں بھیجا۔ یہ سب مراسلات ایک ہی عبارت پر مشتمل تھے۔ قارئین کے ازدیاد علم کی خاطر ایک مراسلہ نیچے درج کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد بن عبد اللہ ورسولہ الی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدی۔ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام۔ اسلم تسلم۔ یؤتیک اللہ اجرک مرتین۔ فان تولیت فان علیک اثم الاریسیین و یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون (آل عمران: آیۃ ۶۳)

ترجمہ:۔ یعنی یہ مراسلہ محمدؐ خدا کے عبد اور اس کے رسول کی جانب سے ہے۔ ہرقل شاہ روم کے نام۔ اما بعد میں آپ کو دعوت اسلام دیتا ہوں اگر آپ اسلام قبول کریں تو آپ کو سلامتی نصیب ہوگی اور آپ کو اللہ دو دفعہ اجر عطا کرے گا۔ اور اگر آپ روگردانی کریں تو آپ پر آپ کی ماتحت رعایا کا گناہ عائد ہوگا۔ اہلِ کتاب ایسے امر کی طرف رجوع کریں جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مسلم ہے کہ خُدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا کوئی ہم میں سے کسی کو اپنا رب نہ بنائے اگر وہ ایسی سچی اور سیدھی بات سے بھی اعراض کریں تو ان کو کہہ دو کہ تم اس بات کے گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں یعنی خدا واحد کے پرستار ہیں۔

(محمد رسول اللہ)

ان مراسلات نے شاہِ مصر پر شاہ شام پر اور شاہِ حبشہ پر نہایت اچھا اثر کیا۔ چنانچہ وہ حضور نبی کریم صلعم کے سفیروں سے تعظیم و تکریم سے پیش آئے اور حضور کی تعلیمات کو سراہا نیز انہوں نے ان معقول و مفید تعلیمات کی وجہ سے حضورؐ کے لئے نہایت ادب و احترام کے جذبات کا اظہار کیا شاہِ مصر نے ادب و احترام کے ساتھ عمدہ تحائف بھی حضورؐ کی خدمت میں بھیجے اور نجاشی (شاہِ حبشہ) اس حد تک متاثر ہوئے کہ انہوں نے اعلانیہ طور پر اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔

ان مراسلات کا ذکر تاریخِ عالم میں درج ہے چنانچہ اہلِ مشرق اور اہلِ مغرب دونوں نے اپنی اپنی تصانیف میں ان مراسلات کا ذکر کیا ہے یہ اہم تاریخی حقائق و شواہد ثابت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں دنیا کو ایک دین پر قائم کرنے اور ان کو متحد کرنے کا ولولہ موجزن تھا۔ ان کو یقین تھا کہ اس مقصد کے حاصل کر لینے سے دنیا میں حقیقی اخوت قائم ہو سکتی ہے اور ایسا کرنے سے ہی دائم و قائم رہنے والا امن ظہور میں آ سکتا ہے۔

دنیا کے ہر قوم میں خدا کے نیک بندے پائے جاتے ہیں

چونکہ خدا تعالیٰ نے ہر قوم میں ہادی اور رہبر بھیجے ہیں اس لئے ان کی تعلیمات کی برکت سے اور ان کے ذاتی اثر سے قوموں میں نیک بندے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اولٰئک انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے قوموں کے جن با صفات اشخاص پر اپنے انعامات و برکات نازل فرمائے وہ ہیں قوموں کے پیغمبر اور ان کی تعلیمات سے مستفیض ہونے والے صدیق، شہداء اور صالحین۔ دنیا کی ہر قوم میں بزرگ ہستیاں پائی جاتی ہیں۔ وہ اخلاقِ فاضلہ سے اور صفاتِ محمودہ سے متصف ہوتے ہیں۔ وہ پاک زندگی بسر کرتے ہیں وہ اپنی اپنی قوم کی بھلائی کے لئے خلوص سے جدوجہد کرتے اور ان کی بہبود کے لئے ہر طرح کی قربانی کرتے ہیں اور ان کی بہبود کے لئے ہر طرح کی قربانی کرتے حالات میں راست بازی اور دیانت داری ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ وہ ہر قسم کی بے راہ روی اور بداخلاقی کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں چنانچہ ذیل کی آیت کریمہ اس حقیقت کو بیان کرتی ہے۔ کہ ہر قوم میں خدا خوف اور نیک عمل لوگ موجود ہوتے ہیں۔

لیسوا سواء منھم امۃ قائمۃ یتلون آیاتہ اناء من المنکر ویسارعون فی الخیرات واولٰئک من الصالحین وما یفعلوا من خیر فلن یکفروان اللہ یحب المتقین۔

یعنی قوموں کے سب لوگ برابر نہیں ہوتے بلکہ ان میں وہ گروہ پائے جاتے ہیں جو تعلیماتِ الٰہیہ پر قائم ہوتے ہیں اور عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں۔ وہ رات کی ساعتوں میں کلامِ الٰہی کی تلاوت کرنے اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کو نیکی کی زندگی اختیار کرنے اور بد روش سے اجتناب کرنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں

اور وہ خود نیکی کے کام کرنے میں پیش پیش ہوتے ہیں خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو صالحین قرار دیتا ہے۔ یہ لوگ نیکی کا جو کام بھی کریں گے اس کی ناقدری نہ کی جائے گی۔ اور ان کو اس کا ثمرہ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے خدا خوف اور نیک عمل لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

عدل وانصاف

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عدل وانصاف کے احکام جاری کرنے میں مسلم اور غیر مسلم میں امتیاز نہیں کرتے تھے چنانچہ فرمایا۔

لا یجرمنکم شنآن قوم ان لا تعدلوا۔

اگر کسی غیر مسلم قوم نے مسلمانوں سے دشمنی بھی کی ہو تو بھی ان سے پورا پورا عدل وانصاف کا برتاؤ کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی دشمنی کے باعث تم عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو۔ یاد رکھو اعدلوا۔ ضرور انصاف کرو۔ ھو اقرب للتقوٰی ہ ایسا کرنے سے ہی انسان خدا خوفی کے مقام کے قریب تر ہو جاتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم واحد شخصیت ہیں جو غیر مسلم اقوام سے عدل وانصاف کرنے کو خدا خوفی کا معیار قرار دیتے ہیں وہ بار بار تلقین کرتے ہیں کہ خدا رب العالمین ہے یعنی خدا ساری اقوام عالم کا پرورش کرنے والا ہے اس کی نگاہ میں ساری قومیں ایک جماعت کا حکم رکھتی ہیں اور ساری قومیں اس کا کنبہ ہیں۔ اس کنبہ کے لئے جو لوگ زیادہ سے زیادہ نفع رساں ہوں گے وہی خدا کے محبوب ہوں گے۔

سیاسیات میں غیر اقوام کے ساتھ حقیقی عدل وانصاف کا برتاؤ کرنے میں بے شمار قومیں ناکام رہی ہیں کیونکہ اکثر قوموں کے لئے تعصبات نسلی و مذہبی وغیرہ سے پاک و بالا تر ہونا نہایت مشکل ہے۔ اکثر قوموں کے پیش نظر ذاتی مفاد و منافع ہوتے ہیں اس لئے ان کے دل میں محکوم قوم کے حقوق کا خیال نہیں آتا۔ اس کے برعکس وہ لوگ محکوم قوم کے گاڑھے پسینہ کی کمائی کھانے کا مصمم ارادہ کئے ہوتے ہیں۔ محکوم قوموں کی محنت و مشقت سے جو خام مال پیدا ہوتا ہے وہ حاکم قوم اپنے وطن میں لے جاتی اور مالامال ہو جاتی ہے۔ یہ ذاتی اغراض ان کو مجبور کرتی رہتی ہیں کہ محکوم قوم کی غلامی کی زنجیریں مضبوط سے مضبوط تر کرتے رہیں حضور نبی کریم صلعم نے ان رجحانات اور خواہشات کا قلع قمع کر کے رکھ دیا۔ یعنی جب انہوں نے اپنے حکام کو یہ تلقین فرمائی۔ ایاکم وکرائم اموالھم محکوم قوم کے اعلیٰ درجہ کے اموال کے ہڑپ کرنے کے قریب نہ جانا۔

شاہی خاندان کی عورت

ایک قریشی عورت نے جو حضورؐ کی قوم سے تھی چوری کا ارتکاب کیا۔ قریشی قوم کو اس سے تشویش لاحق ہوئی کہ اس عورت کی وجہ سے ساری قوم بدنام ہوگی۔ اس لئے قوم کو بدنامی سے بچانا نہایت ضروری امر ہے۔ انہوں نے اس بارہ میں مل کر مشورہ کیا۔ ان کے مشورہ میں یہ قرار پایا کہ اسامہ کو جو حضورؐ کا لاڈلا ہے حضورؐ کی خدمت میں سفارش کے لئے بھیجا جائے۔ ان کی خواہش کے مطابق اسامہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس عورت کو بری قرار دیا جانے کی سفارش کی۔ اس پر حضورؐ برہم ہوئے اور اسامہ کو جو ان کا لاڈلہ تھا درشتی سے مخاطب کر کے فرمایا۔

اتشفع فی حد من حدود اللّٰہ

کیا تم احکام الٰہی کے ایک حکم کے ہوتے ہوئے سفارش کرتے ہو اور فرمایا:۔

هلك من كان قبلكم اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد ولو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها۔

ترجمہ:۔ یعنی پہلی قومیں ناانصافی کرنے کی وجہ سے تباہ ہو گئیں۔ ان کا طریق یہ تھا۔ جب کوئی امیر آدمی چوری کا مرتکب ہوتا تو اس سے درگذر کرتے لیکن جب کوئی غریب آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے۔ میں تو اس معاملہ میں یہ ارادہ رکھتا ہوں کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی سرقہ کا ارتکاب کرے تو میں ضرور بالضرور اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں۔ اسامہ نادم ہو کر قوم کے پاس واپس آیا اور رپورٹ کی کہ قریشی عورت باوجود حضرت کی قوم سے ہونے کے سزا سے نہیں بچ سکتی اور میں نے واضح احکام الٰہی میں بے جا جرأت کی اور بے جا سفارش کی اس پر حضورؐ نے عدل وانصاف کے متعلق مذکورہ بالا ارشاد فرمایا جس پر عمل کرنے سے حاکم قوم ہلاکت سے بچ جاتی ہے۔

— • • • —

بقیہ:۔ بین الاقوامی اتحاد...

(آمدہ صفحہ نمبر ۱۵)

ملاقات کا موقعہ ملا۔ میں نے ان کو مخاطب کیا اور کہا عام طور پر انگریز جج مقدمات کے فیصلوں میں عدل وانصاف ملحوظ رکھنے میں مشہور رہیں۔ مگر جب کبھی انگریز اور ہندوستانی کے مابین مقدمہ ان کے سامنے آیا تو ہر بار انگریز جج ناانصافی کا مرتکب ہوا۔ یہ سخت اتہام سن کر چیف جسٹس کا رنگ اڑ گیا اور اس پر سکوت کا عالم طاری ہو گیا۔ اس پر میں نے ان کو مخاطب کر کے قرآن کریم کی مذکورہ آیہ کریمہ سنائی جس میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمن قوم کے معاملہ میں حقیقی عدل و انصاف سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس حکم کی بنا پر حضورؐ نے ایک یہودی اور مسلمان طعمہ انصاری کے درمیان مقدمہ کا فیصلہ یہودی کے حق میں دیا تھا۔ چیف جسٹس اس واقعہ کو سن کر حیرت زدہ رہ گیا۔

غرض بین الاقوامی عدل وانصاف قائم کرنے والی شخصیت حضور سرور کائنات ہی ہیں جو دنیا بھر کے حاکموں کے لئے نمونہ ہیں۔ بین الاقوامی عدل وانصاف کی ایک اور مثال بیان کرتا ہوں۔

حضورؐ کو خدا تعالیٰ نے دکھایا کہ مصر میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگی۔ اس خوشخبری کی روشنی میں حضورؐ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا اے میری قوم! آپ لوگ مصر فتح کرنے والے ہو ان لوگوں کی خیرخواہی ملحوظ رکھنا کیونکہ ان کے ساتھ مسلمان کو یہ عہد خداوندی ملحوظ رکھنا ہوگا کہ ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے گی اور دوسرا یہ امر ہے کہ اہل مصر کے ساتھ مسلمانوں کا ایک رشتہ بھی ہے اس رشتہ کا بھی لحاظ کرنا ہوگا۔ اس میں اشارہ یہ تھا کہ ہماری دادی اماں ہاجرہؑ دختر مصر ہیں۔ جب مصر فتح ہوا تو عمرو بن عاص فاتح مصر کو اس ملک کا گورنر مقرر کیا گیا۔ ان کے عہد میں ان کے فرزند نے ایک قبطی عیسائی کو زدوکوب کیا۔ واقعہ کی رپورٹ جب حضرت عمر فاروق رضہ تک پہنچی تو انہوں نے باپ اور بیٹا دونوں کو مدینہ طیبہ میں طلب کیا اور اس میں باپ کے وقار کا کوئی لحاظ نہ رکھا گیا اس لئے کہ حضرت عمر رضہ جھوٹے قومی وقار کو قائم رکھنا جائز نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن عاص گورنر مصر کو جوابدہی کے لئے مصر سے چل کر مدینہ طیبہ حاضر ہونا پڑا۔ اور عام لوگوں کے سامنے فاروق اعظمؓ نے عمرو بن عاص کو ان الفاظ میں ملامت کی "یعنی جن لوگوں کو ان کی ماؤں نے احرار جنا تم نے کب سے ان کو غلام بنانا شروع کر رکھا ہے۔ اس طرح باپ اور بیٹا دونوں ایک قبطی عیسائی کے مقابلہ میں مورد عتاب ہوئے۔

ایک اور واقعہ بیان کرنا بھی اسی طرح سبق آموز ہوگا وہ یہ ہے حضور نبی کریمؐ کے عین حیات میں یمن پر جو یہودی علاقہ تھا۔ مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا۔ اس علاقہ پر حکومت کرنے کے لئے حضورؐ نے معاذ بن جبل اور ابو عبیدہ جیسی جلیل القدر شخصیتوں کو منتخب فرمایا جب وہ دونوں روانہ ہونے لگے تو حضورؐ ان کی عزت افزائی کیلئے ان کے ساتھ پیدل جا رہے تھے اور یہودیوں جیسی غیر مسلم قوم پر حکومت کرنے کا دستور پبلک میں اس طرح بیان فرما رہے تھے کہ تم دونوں اس قوم پر حکومت کرنے جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں یہ امر ملحوظ رہنا اور یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ لوگ اہل ایمان ہیں اور دانشمند ہیں حکومت کرنے میں نرمی اختیار کرنا اور سختی کو روا نہ رکھنا۔ مزید فرمایا حکومت کا رنگ ایسا ہو جو ان کی خوشی کا باعث ہو منافرت پیدا کرنے کا موجب نہ ہو اور فرمایا حکومت کرنے کی غرض محکوم قوم کے اموال ہڑپ کرنا نہیں ہے۔ یعنی ان کے اموال پر تمہارا ہاتھ نہ پڑنا چاہیئے۔ اور فرمایا۔ غیر مسلم پر ظلم نہ کرنا کیونکہ اس کی آہ جو مسلمان حاکم کی وجہ سے اس کے مظلوم دل سے پیدا ہوگی وہ سیدھی خدا تک پہنچے گی اور اس میں کسی قسم کی روک حائل نہ ہوگی گویا جس طرح مصر کے عیسائیوں کے حق میں حضور صلعم نے تاکید فرمائی تھی اسی طرح یمن کے یہودیوں کے حق میں بھی ہدایت فرمائی۔

پس بین الاقوامی عدل وانصاف کرنے کے لئے حضورؐ کی ہدایت کے مطابق پورے طور پر عمل کیا گیا۔

- - - - - - - - - - - -

- - - اب میں اس تقریر کو اتنا کہہ کر ختم کرتا ہوں کہ محمد عربی صلعم اس زمانہ کے پیغمبر ہیں اور قیامت تک کے لئے پیغمبر ہیں۔ یہی مقصد لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کا ہے کہ خدا کے سوائے کسی کی عبادت نہ کی جائے اور رسول کریمؐ کے سوائے کسی کی راہنمائی قبول نہ کی جائے۔

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

— • • • —

تعزیتی قرار دادیں

تعزیتی ریزولیوشن تنظیم خواتین احمدیہ لاہور

مقامی جماعت احمدیہ کی تنظیم خواتین کا یہ اجلاس امیر قوم حضرت مولانا صدرالدین مرحوم و مغفور کی وفات پر رنج و غم کا اظہار کرتا ہے مولانا جماعت کا ایک نہایت قیمتی سرمایہ تھے۔ اور ان کی وفات سے جماعت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مولانا کی روح پر اپنے انعامات نازل فرمائے اور جنت میں اعلےٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین!

یہ اجلاس ان کے عیال اور جملہ لواحقین سے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ اس صدمہ میں ہم سب ان کے ساتھ شریک ہیں اور دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالےٰ ان کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق دے۔ آمین!

سیکرٹری تنظیم خواتین احمدیہ،

تعزیتی قرارداد۔ راولپنڈی

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

احمدیہ انجمن اشاعت ۔۔ راولپنڈی کا یہ اجلاس امیر جماعت احمدیہ لاہور حضرت مولانا صدرالدین کی وفات پر گہرے دلی غم و اندوہ کا اظہار کرتا ہے۔ جماعت احمدیہ کے لئے یہ ایک عظیم سانحہ ہے۔ ہم حضرت بانی سلسلہ کے اس مخلص شاگرد سے محروم ہو گئے ہیں جنہوں نے گرانقدر دینی خدمات سرانجام دی ہیں۔ ہم اللہ تعالےٰ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ وہ حضرت امیر مرحوم کی مغفرت فرمائے اور انہیں حضرت بانی سلسلہ اور اکابرین سلسلہ کے ساتھ جنت الفردوس میں جگہ دے اور جماعت احمدیہ کو اس تبلیغی کام کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے جس کے لئے حضرت امیر مرحوم نے اپنی طویل زندگی وقف کر رکھی تھی۔

یہ اجلاس حضرت امیر مرحوم کے سوگوار خاندان اور صدر انجمن احمدیہ سے دلی ہمدردی اور تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ انہیں اس صدمہ پر صبر و استقامت عطا کرے۔ آمین ثم آمین!

قرار پایا کہ اس کی نقول حضرت امیر مرحوم کے خاندان۔ صدر دفتر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور اور ایڈیٹر اخبار پیغام صلح کو اشاعت کے لئے بھجوائی جائیں۔

والسلام
خاکسار محمد نصیر اللہ آنریری سیکرٹری

قرار دادِ تعزیت ۔ سیالکوٹ

جملہ ممبرانِ جماعت شہر و چھاؤنی سیالکوٹ حضرت امیر مرحوم و مغفور مولنا صدرالدین صاحب کی وفات حسرت آیات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

یہ ایک ناقابلِ تلافی قومی نقصان ہے۔ مرحوم نے سلسلہ کی طویل اور نہایت بے لوث خدمت کی اور ایثار کا وہ نمونہ قائم کیا جسے مشعل راہ بنانا حضرت بانی سلسلہ کی منشاء کے عین مطابق ہے کہ دنیا کی محبت کو سرد کرو اور یہ قرآنی تعلیم ہی کی تاکید ہے۔ مرگ ایک صدمہ جانکاہ ہے لیکن مشیت ایزدی کے سامنے سرِ تسلیم خم ہی کرنا ہے۔

یہ امر باعث تسلی ہونا چاہیئے کہ بزرگ مرحوم نے باصحت عمر پائی اور بڑی پُر وقار زندگی گزاری۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین!

اِس جمعہ کو دونوں جماعتیں چھاؤنی کی مسجد میں ایصالِ ثواب کیلئے قرآن خوانی بھی کریں گی۔ اِس قرارداد کی نقل حضرت امیر مرحوم کے اہل خانہ کو بھی بھیجی گئی ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

شریک غم
نثار احمد

قرار داد تعزیت ۔ بددملہی

مقامی جماعت احمدیہ بددملہی نے آج بعد از نماز جمعہ چوہدری عبدالحق صاحب ملہی کے زیر صدارت ایک ہنگامی اجلاس منعقد کیا۔ اس میں مندرجہ ذیل قراردادیں منظور کی گئیں۔ اور ہدایت کی گئی کہ ان کو اخبار پیغام صلح میں اشاعت کے لئے ارسال کیا جائے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی ایک ایک نقل متعلقہ افراد کو بھجوا دی جائے۔

یہ اجلاس حضرت امیر مرحوم مولانا صدرالدین صاحب کی وفات حسرت آیات پر شدید غم و اندوہ کا اظہار کرتا ہے اس کو ایک قومی اور ناقابل تلافی نقصان خیال کرتا ہے۔ ان کے لواحقین کے ساتھ ہمیں پوری ہمدردی ہے۔ نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔

شیخ اللہ بخش
سیکرٹری جماعت بددملہی

قرار داد تعزیت ۔ سرینگر (کشمیر)

۲۷ نومبر ۱۹۸۱ء بروز جمعہ بعد نماز جمعہ حضرت امیر مرحوم مولنا صدرالدین علیہ الرحمۃ کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ اس کے بعد ایک ہنگامی میٹنگ منعقد ہوئی۔ اس میٹنگ کی صدارت مکرم الحاج شیخ عبدالصمد صاحب نے فرمائی۔ اس میٹنگ میں فیجی سے آئے ہوئے معزز مہمان جناب غلام نبی دین صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ سائرہ بیگم نے بھی شمولیت فرمائی۔ میٹنگ میں ایک تعزیتی قرار داد باتفاق رائے پاس کی گئی۔ اس کی نقول اخبار "روشنی" ہفت روزہ پیغام صلح اور ماہنامہ اشاعت الحق کو بھیجے گئے۔

قرار پایا کہ یہ اجلاس حضرت امیر مولنا صدرالدین صاحب علیہ الرحمۃ کی وفات حسرت آیات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے حضرت موصوف کی خدمات اور گوناگوں قربانیوں کے پیش نظر انہیں مردہ تو نہیں کہا جا سکتا۔ آپ کو اپنے قابل فخر کارناموں کی بدولت شہرہ عام اور بقائے دوام حاصل ہے لیکن آپ کی جدائی جماعت احمدیہ کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے اور اس نقصان عظیم کے احساس سے ہمارے قلوب و اذہان کو کافی صدمہ ہوا ہے۔

ہم سب حاضرین جلسہ مولیٰ کریم کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ وہ حضرت امیر کو اعلیٰ علیین میں اپنے مقرب اور اپنے محبوب بندوں کے جوار میں جگہ دے۔ اور جماعت کو یہ صدمہ جانکاہ برداشت کرنے کی ہمت عطا کرے اور اس حادثہ میں جماعت احمدیہ کی صفوں کو بنیان مرصوص بنا کر رکھے۔ آمین۔

اجتماعی قرار داد بر وفات حضرت امیر قوم مولنا صدرالدینؒ
جموں (مقبوضہ کشمیر)

آج مؤرخہ ۲۷/۱۱/۸۱ء کو بعد نماز جمعہ جمیع ممبرانِ جماعت احمدیہ جموں و بھدرواہ کا ایک خصوصی اجلاس زیر صدارت چوہدری غلام مصطفےٰ صاحب صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند مقیم جموں منعقد ہوا جس میں حضرت امیر قوم مولنا صدرالدین رح کی وفات کی خبر بذریعہ عبدالرزاق صاحب آف بمبئی سنی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون، امیر مرحوم کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی اور دعا کی گئی کہ پروردگارِ عالم انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ تر مقام عطا فرمائے۔ مرحوم کی خدمات دینی ہمیشہ یاد رہیں گی۔ قرار پایا کہ یہ اجتماع پسماندگانِ حضرت امیر مرحوم اور بالخصوص حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ سے اس تعزیتی قرارداد کے ذریعہ ملتمس ہیں کہ ممبرانِ جماعت جموں و بھدرواہ اس صدمہ اور جدائی امیر مرحوم میں آپ کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ اکابرین صدر انجمن کو ایک عالم باعمل امیر قوم منتخب کرنے کی قوت عطا فرما کر مستحکم رکھے۔

ممبران جماعت احمدیہ جموں و بھدرواہ

اللہ تعالےٰ نے جماعت جموں و بھدرواہ کی دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعا کو ایک معجزہ کے رنگ میں اس طرح قبول فرمایا کہ پوری جماعت نے بکمال اتفاق رائے سے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مدظلہ کے سر پر امارت و صدارت کا تاج رکھ دیا اور اس الٰہی سلسلہ کی قیادت انہیں سونپ دی۔ جماعت کے اس صحیح انتخاب پر بے اختیار زبانوں پر الحمد للہ رب العالمین جاری ہو جاتا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کی تعزیتی قرار داد

آج احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کے زیر اہتمام (۲۷/۱۱/۸۱) بروز جمعۃ المبارک بعد نماز جمعہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ہند کا ایک خصوصی تعزیتی اجلاس ہوا۔ صدارت کے فرائض راقم الحروف (محمد یوسف تاثیر) نے انجام دیئے۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد حسب ذیل کارروائی عمل میں لائی گئی۔

۱۔ خاکسار نے جنرل سیکرٹری لاہور کا غمناک برقی پیغام پڑھ کر سنایا کہ حضرت امیر مولنا صدرالدین ۱۵ نومبر ۸۱ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بقیہ

اسلام و احمدیت کے اس شیدائی کی خدمات دینی پر روشنی ڈالی گئی اور جنازہ غائبانہ پڑھایا گیا۔ پھر دعائے مغفرت کے بعد حسب ذیل قرار داد اتفاق رائے سے پاس ہوئی۔ حضرت الحاج مولنا صدر الدین کی وفات کی خبر سن کر تمام احباب و دیگر اراکین انجمن اور اس سے وابستہ شاخہا رنج و غم محسوس کرتے ہیں۔ حضرت مرحوم نے ساری عمر دین اسلام و احمدیت کی سربلندی اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جھنڈا مشرق و مغرب میں گاڑنے کے لئے جو محنت اور ایثار و قربانی کا نمونہ پیش کیا ہے وہ تمام مسلمانوں کے لئے عموماً اور احمدی احباب کے لئے خصوصاً قابل تقلید ہے۔

یہ اجلاس دست بدعا ہے کہ اللہ تعالے حضرت مولنا مرحوم کو جوار رحمت نصیب کرے۔ پسماندگان کو صبر دے اور جماعت کو ہر رنگ میں اپنی فتح و نصرت اور اتحاد و اتفاق کی لذت سے سرفراز فرمائے۔ قرار پایا کہ اس قرار داد کی نقل مرکزی انجمن اور مجلس منتظمہ و مجلس معتمدین کو بوساطت جناب مرزا مسعود بیگ صاحب جنرل سیکرٹری بھیجی جائے۔

(محمد یوسف تاثیر۔ سرینگر)

تعزیتی مکتوب

محمد عباس صوبہ علی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین کی وفات۔ مجھے اور میری بیوی کو بڑا صدمہ ہوا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دعا ہے کہ اللہ تعالے مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ ہماری طرف سے ان کے پسماندگان کو پیغام ہمدردی پہنچا دیں۔ جنازہ غائبانہ پڑھا گیا۔

گلگت سے جناب شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب نے حضرت ڈاکٹر سید احمد خان صاحب مدظلہ کی خدمت میں لکھا ہے کہ:-

میں نے اخبار میں حضرت مولانا صدر الدین امیر جماعت کی وفات کی خبر پڑھی۔ بڑا افسوس ہوا۔ اللہ تعالے انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے میں نے 1974ء میں چند نوجوانوں کے ہمراہ بحیثیت صدر شبان الاحمدیہ مرحوم کے مکان پر ان سے ملاقات کی تھی اور پوچھا تھا کہ آپ نے احمدیت کیوں قبول کی۔ اس کے جواب میں جو باتیں حضرت نے بیان فرمائیں انہیں سن کر ہم بڑے متاثر ہوئے۔۔۔۔ آج وہ ہم میں نہیں رہے مگر ان کی خدمات ہمارے لئے مشعل راہ رہیں گی۔

یو۔ کے سے جناب سید محمود حسینی حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدظلہ کی خدمت میں لکھتے ہیں کہ:-

پندرہ روز پہلے حضرت امیر مولنا صدر الدین کی وفات کی خبر ملی۔ سن کر صدمہ ہوا۔ ان کی وفات کی خبر کے ساتھ ہی ان کی دینی خدمات کے نقوش ذہن میں ابھر آئے۔ بڑے پائے کے انسان تھے خداوند پاک اپنی خاص رحمت سے اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

K-L سیکرٹری شاہد عزیز تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت مولنا صدر الدینؒ کی وفات پر ہم دلی رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں اور مرحوم کے خاندان، پسماندگان اور جملہ جماعت ہائے کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے ہیں اللہ تعالے ان کی مغفرت فرمائے۔

اوترخٹ ہالینڈ:- مولنا جگو صاحب حضرت مولنا صدر الدین صاحب کی وفات پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ان کی وفات سے سخت صدمہ ہوا ہے۔ مرحوم کا جنازہ غائبانہ پڑھا گیا۔

تعزیت نامہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بنام معاذ بن جبل گورنر یمن

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کو اس سال کئی بزرگوں، بھائیوں اور بہنوں کی وفات سے مفارقت کے صدمے برداشت کرنے پڑے۔ شدید ترین صدمہ حضرت امیر قوم مولنا صدر الدین صاحب کی مفارقت سے ہوا۔ محترم شیخ میاں فاروق احمد کی اہلیہ محترمہ ثریا بیگم صاحبہ کی وفات بھی ایک زبردست قومی نقصان ہے۔ میاں شریف احمد صاحب کے فرزند میجر آفتاب احمد صاحب کی مفارقت سے بھی بڑا صدمہ ہوا۔ ان تینوں حضرات کی وفات سے پوری احمدی قوم مغموم ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ پوری قوم تک یہ تعزیت نامہ پہنچایا جائے اور ایصال کا بہترین ذریعہ قوم کا نفس ناطقہ یعنی موقر پیغام صلح ہی ہے۔

یہ تعزیت نامہ حضرت خاتم النبیین صلعم نے اپنے پیارے صحابی اور یمن کے گورنر حضرت معاذ بن جبل رضہ کے نام بھیجا تھا۔ اسے مشہور محدث امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری نے اپنی مشہور کتاب "المستدرک" میں نقل کیا ہے۔ اس سے بہتر تعزیت نامہ اور کوئی نہیں ہو سکتا اس لئے میں یہی پیش کر رہا ہوں۔ وھو ھذا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللہ الیٰ معاذ بن جبل۔ سلامٌ علیک فانی احمد الیک اللہ الذی لا الٰہ الا ھو اما بعد فاعظم اللہ لک الاجر والھمک الصبر وارزقنا وایاک الشکر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ لا یرد شیئًا ولا یدفع حزنًا وماھو نازلٌ فکان قد والسلام

ترجمہ:- خط از جانب (حضرت) محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) بنام معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) (اے غم زدہ معاذ) تجھ پر سلام!

میں تیرے پاس اللہ کی تعریف پہنچاتا ہوں جس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں۔ بعد ازیں میری دعا ہے اللہ تجھے بڑا اجر دے اور تیرے دل میں صبر ڈالے اور ہمیں تیرے ساتھ شکر نعمت کی توفیق بخشے آمین کیونکہ ہمارے نفوس، ہمارے اموال ہمارے اہل اور ہماری اولاد اللہ تعالیٰ کی عمدہ نعمتوں میں سے ہیں اور ہمارے پاس عاریتًا رکھی ہوئی امانتیں ہیں۔ ہم کچھ وقت تک ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور مقررہ وقت پر اللہ تعالےٰ انہیں ہم سے واپس لیتا ہے۔ پس ہم پر فرض ہے کہ جب وہ عطا کرے تو ہم شکر کریں اور جب وہ واپس لے تو صبر کریں۔

پس تیرا فرزند بھی اللہ تعالےٰ کی عمدہ نعمتوں میں سے تھا اور تمہارے سپرد عاریتًا رکھا گیا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے تجھے قابل رشک طریقے سے عیش و آرام کے ساتھ اس (بیٹے) سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ دیدیا۔ پھر اس نے یہ امانت واپس لے لی اور اس کے عوض تجھے درود، رحمت اور ہدایت سے نوازا۔ (پس اے معاذ) اگر تو یہ ثواب چاہتا ہے تو صبر کر۔ ایسا نہ ہو کہ تیری بے صبری سے تیرا یہ ثواب ضائع ہو جائے اور تجھے ندامت اٹھانی پڑے اور جان لے کہ بے صبری سے کوئی چیز (مرکر) واپس نہیں آتی اور غم نہیں مٹ جاتا اور تقدیر میں جو لکھا ہوتا ہے وہ نازل ہو کے رہتا ہے۔ والسلام

(پروفیسر نور الدین زاہد)

مکرمی جنرل سیکرٹری صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

امیر جماعت احمدیہ مولنا صدر الدین کی وفات پر بہت افسوس ہوا خداوند عالم ان کی مغفرت فرمائے۔ مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے انہوں نے اپنی تمام زندگی خدمت دین کے لیے وقف رکھی۔ 1974ء میں پہلی مرتبہ ان سے ملاقات کی۔ انہیں بڑا خلیق پایا۔ آپ کی باتیں بڑی دلکش تھیں۔ بندہ انہیں خادم دین سمجھتا اور ان کی دل سے قدر کرتا ہے۔۔۔۔ اللہ تعالےٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور آپ سب کو صبر کی توفیق دے۔

شریک غم حافظ سید امیر علی قصور

تعزیت نامہ۔ بہاولپور

حضرت مولنا صدر الدین کی وفات ایک قومی سانحہ ہے اللہ تعالےٰ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ بندہ 1949ء میں لاہور سے تبدیل ہو کر خانپور گیا وہاں دوران ملازمت میں بطور ریلوے گارڈ 1971ء تک قیام کیا۔ اس دوران میں حضرت مولنا صدر الدین صاحب دو دفعہ بنفس نفیس خانپور تشریف لائے پہلی دفعہ تشریف لائے تو ان کے ساتھ خان غلام ربانی خانصاحب مرحوم بھی تھے۔ میرا معمول تھا کہ تقریبًا روزانہ نماز مغرب باجماعت شیخ میاں بشیر احمد مرحوم (برادر بزرگ شیخ میاں فاروق احمد صاحب) کے ساتھ ان کی کاٹن فیکٹری کی مسجد میں ادا کرتا۔ اور نماز کے بعد قرآن مجید کا درس بھی ہوتا۔ جو راقم الحروف حضرت مولنا حکیم نورالدینؓ کے درس کے نوٹوں اور حضرت امیر مولنا محمد علیؒ کی تفسیر بیان القرآن اور حضرت مجدد اعظمؑ کی کتب سے مطالعہ و استفادہ کے بعد دیا کرتا تھا۔ مکرم میاں بشیر احمد مرحوم کو خدا تعالےٰ نے علم قرآن سے نوازا تھا حضرت نبی کریمؐ سے بے پناہ عشق تھا اور حضرت بانئے سلسلہ احمدیہ سے بہت لگاؤ اور محبت تھی۔ ایک دن جب معمول میں وہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مولنا صدر الدین صاحب بمعہ خان غلام ربانی خان صاحب مرحوم مسجد میں تشریف فرما ہیں میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اسی کاٹن فیکٹری میں ایک پبلک لیکچر کا انتظام کیا گیا۔ اور خواص و عام کو شمولیت کی دعوت دی گئی۔ سیرت النبیؐ پر لیکچر تھا جس کا حاضرین پر گہرا اثر ہوا اور سب نے اسے بہت پسند کیا۔۔۔۔۔ "خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں"

(عبدالعزیز۔ ریٹائرڈ ریلوے گارڈ بہاولپور)

از :- ریٹائرڈ کرنل حنیف اختر ملک صاحب

آہ! مولانا صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ

مولانا صدرالدین مرحوم ایک خوددار، خوش پوش اور جیدار بزرگ تھے۔ اُن کی شخصیت پُرنور اور پُرکشش تھی۔ اُن کا انداز بیان نہایت دلنشیں اور دلچسپ ہوتا تھا۔ اُن کے سیرت نبوی پر لیکچر اور جلسہ کے دوران صُبح کے درس، روحانی چاشنی سے بھرپور ہوتے تھے کیا اپنی جماعت کے احباب اور کیا غیر احمدی سبھی اُن کی تقریر کے وقت جوق در جوق کھنچے چلے آتے تھے۔

”انّ من البیان لسحراً“

کی حقیقی تصویر تھے۔ خدا مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے میرے جیسے احمدی نوجوانوں کی شخصیت سازی میں مرحوم کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ یادوں کی ایک فلم ہے جو ذہنی آنکھ کے سامنے گھوم رہی ہے کچھ یدہ جھلکیاں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۵ء کا دور ہے (میں اسوقت ۱۲-۱۳ سال کا نوجوان تھا) بزرگان سلسلہ کی بدوملہی میں آمد آمد ہے یہ وفد لوکل جلسہ اور مناظرہ میں شرکت کیلئے آرہا ہے۔ احباب جماعت بدوملہی سٹیشن پر استقبال کے لئے منتظر ہیں۔ لیجئے ٹرین آگئی وفد کی قیادت مولانا مرحوم کر رہے ہیں ان کی پُروقار شخصیت سے سبھی حاضرین متاثر ہو رہے ہیں ان کے جلو میں دوسرے بزرگان سلسلہ مثلاً مولانا عبدالحق ودیارتھی مرحوم مولانا احمد یار مرحوم، سید اختر حسین گیلانی۔ جناب مرزا مظفر بیگ ساطع مرحوم ڈاکٹر اللہ بخش وغیرھم بھی ہمارے لئے ازدیاد ایمان کا موجب ہو رہے ہیں۔ قیام ہمارے نانا جان مرحوم چوہدری سلطان علی کی کوٹھی میں ہے اس لئے وفد کی خدمت کی سعادت ہم نوجوانوں کو حاصل ہوئی۔ ہم ایک ایک لمحہ روحانی لذّت سے محظوظ ہو رہے ہیں۔ مولانا مرحوم خصوصاً نوجوانوں پر نگاہ شفقت و کرم ڈالتے ہیں۔ جلسہ گاہ میں مناظرہ بھی ہوتا ہے مرزا مظفر بیگ ساطع مرحوم اپنے مخصوص انداز میں مناظرہ پر چھا جاتے ہیں پھر مولانا صدرالدین مرحوم کی اختتامی تقریر ہے اللہ اللہ کیا جادو کی لڑیاں پرو رہے ہیں۔ ان کی تقریر سے متاثر ہو کر جیون گودارے گاؤں کے ۱۲-۱۳ افراد مرحوم کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ فضا ”اسلام زندہ باد اور احمدیت زندہ باد“ کے نعروں سے گونج اٹھتی ہے۔ سوائے مظفر بیگ ساطع کے اس جرأت اور جوش کا مظاہرہ کون کر سکتا ہے؟ لیجئے ہمارے والد صاحب نے جلسہ کی کاروائی سے متاثر ہو کر اپنے بیٹے امان اللہ (جو مجھ سے بڑے ہیں) کی خدمات انجمن کے سپرد کر دی ہیں کہ وہ ہندی سنسکرت سیکھ کر ودیارتھی صاحب کی شمع کو اُٹھا سکیں بھائی امان اللہ نے ہندی سنسکرت میں کافی مہارت پیدا کر لی (بلکہ ہندو لڑکوں کو بھی مات کر دیا) یہ الگ بات ہے کہ تقسیم ہندوستان کے بعد ان کی تعلیم کا سلسلہ بند ہو گیا۔ بہرحال یہ تھا میرا پہلا تاثر حضرت مولانا صدرالدین مرحوم کے متعلق۔ اس تاثر کو آئندہ سالانہ جلسوں میں تقویت ملتی رہی۔

(۲) ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۰ء تک میں گورنمنٹ کالج لاہور کا طالبعلم تھا مجھے احمدیہ بلڈنگس اور احمدیہ ہوسٹل اندرون مسلم ہائی سکول نمبر ۲ (اسوقت ہیڈ ماسٹر مرزا مسعود بیگ تھے) میں رہنے کا موقع ملا۔ جہاں سے مجھے مولانا کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ان کے درس و خطبات اور مولانا محمد علی کی تحریرات دونوں اپنے اندر یکتائیت رکھتی تھیں ہم بڑے فخر سے اپنے دوستوں کو ان کی تقریر سننے کے لئے دعوت دیتے تھے اور وہ ہمیشہ متاثر ہو کر جاتے تھے۔

(۳) اکتوبر ۱۹۵۱ء کو میں ملٹری اکیڈمی کاکول میں زیرتربیت تھا جب مولانا محمد علی مرحوم کی وفات حسرت آیات کی خبر ریڈیو پر سُنی مجھے بہت صدمہ ہوا۔ اور میں نے ارتجالاً حضرت مولانا صدرالدین مرحوم کو ایک پوسٹ کارڈ لکھا جس میں مولانا محمد علی مرحوم کی وفات پر تعزیت کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ امید ظاہر کی کہ اُن کے بعد جماعت کی قیادت کا بیڑہ وہ اُٹھائیں گے اور جماعت کی ترقی و استحکام کے لئے تدابیر کریں گے۔ مرحوم کی احسان شناسی دیکھئے کہ آپ نے وہ کارڈ سنبھال کر رکھا اور جب بھی مجھے ملتے بڑے تپاک سے پیش آتے اور کہتے ”برخوردار آپ کا کارڈ تمہارے جذبۂ دینی کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔“ اور شنید ہے کئی موقعوں پر انہوں نے کئی احباب سے اس کا ذکر کیا۔

(۴) ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوّت کے دوران احمدیہ بلڈنگس کو آگ لگانے کا خدشہ تھا لیکن مولانا کی جرأت اور اثر و رسوخ سے یہ بلا ٹلی پھر منیر کمیشن کے سامنے بڑا زوردار بیان دیا اور ہماری جماعت کا مسلک بالا رہا۔

(۵) ۱۹۵۹ء میں مجھے فوج کی طرف سے مصر میں عربی کا ایڈوانس کورس کرنے کے لئے چنا گیا۔ جانے سے پہلے میں ابّاجان مرحوم اور سسرال والوں کے ساتھ مولانا مرحوم کے پاس حاضر ہوا۔ مرحوم نے نہ صرف احمدیہ مسجد میں میرا نکاح پڑھایا بلکہ عربی سیکھنے کے لئے مفید گُر بھی بتائے اور کامیابی کے لئے دُعا کی۔

(۶) ۱۹۷۲ء کے اوائل میں مجھے اپنے ایک دوست کے ہمراہ لاہور آنے کا اتفاق ہوا چونکہ دسمبر ۱۹۷۱ء میں جنگ کی وجہ سے جلسہ سالانہ نہیں ہو سکا تھا اس لئے میں نے مولانا مرحوم کی ملاقات کے لئے خصوصی طور پر وقت نکالا۔ مرحوم نے ہمیں اپنے کمرۂ استقبال میں بڑے تپاک سے ریسیو کیا اور نہایت عمدہ انداز میں اپنے عقائد پر روشنی ڈالی (کیونکہ میں نے انہیں بتایا تھا کہ میرا ساتھی غیر احمدی ہے۔) اور پھر نئے تعمیر شدہ احمدیہ ہال اور فلیٹس وغیرہ دکھانے کے لئے لے گئے اور اس جگہ کی نشاندھی کی جہاں بانئے احمدیت حضرت مرزا صاحب فوت ہوئے تھے۔ بعد میں ہماری مدارات پھلوں اور مشروبات سے کی۔ میرا ساتھی اُن کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا ”۹۲، ۹۴ سال کی عمر میں اور اسقدر بیدار مغزی۔ اللہ کرے زور کرم اور زیادہ۔“

(۷) ستمبر ۱۹۷۴ء اسلامی اور پاکستانی تاریخ کا ایک تاریک دور تھا جب ایک کلمہ گو جماعت کو چند سیاسی تنظیموں نے اپنی مطلب برآری کی بھینٹ چڑھا دیا۔ حضرت مولانا صدرالدین مرحوم کا رول بہرحال نہایت شاندار تھا۔ ہمارے ایک عزیز ایم۔ این۔ اے کی زبانی (اب وہ فوت ہو چکے ہیں) پتہ چلا کہ مولانا مرحوم جب نیشنل اسمبلی میں تقریر کرنے کے لئے اُٹھے تو سامعین ان کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئے

— — — — — — — —

— — — — — — — —

— — — — — — — —

.....غرض کیا کیا گنواؤں یادوں کا سیلاب ہے جو اُمڈا چلا آرہا ہے۔ مرحوم بہت خوبیوں کے مالک تھے اور اُن کی قوت گویائی ہمارے لئے ایک بہت بڑا سرمایہ تھی لیکن کلّ من علیہا فان..کے مصداق انہیں بھی ایک نہ ایک دن جانا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نے بڑی طویل عمر پائی اور بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے جن میں سرفہرست مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کی بنیاد سازی۔ ووکنگ اور برلن مشن کی امامت۔ برلن مسجد کی اعلیٰ تعمیر۔ جرمن زبان میں قرآن کریم کا دیدہ زیب ترجمہ ہیں۔ اوکاڑہ کی زمینوں پر قبضہ اور سخت مخالفت کے باوجود احمدیہ مارکیٹ۔ دفاتر اور فلیٹس کی تعمیر جو اب صدقۂ جاریہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہی کی شخصیت کی وجہ سے ممکن ہوا۔ ان کی وفات سے حضرت اقدس مجدد صد چہاردہم کا ایک جان نثار ساتھی ہم سے جدا ہو گیا۔ ثم انا للہ وانا الیہ راجعون۔

* * *

تعزیت نامہ

بمبئی سے جناب عبدالرزاق صاحب کے خط سے یہ معلوم کر کے کہ حضرت امیر قوم مولٰنا صدرالدین صاحب کا سایہ بھی جماعت کے سر سے اُٹھ گیا ہے سخت صدمہ و رنج ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون نماز جنازہ غائبانہ ادا کی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولٰنا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے۔ اور ان کی خدمات دین اور خدمات قرآن کا خیر ان کے لئے اجر ہو۔ اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین!

حضرت مولٰنا کا وجود بھی حضرت امیر مولٰنا محمد علی صاحب رح کے بعد جماعت کے لئے نہایت ہی باعث برکت رہا ہے۔ اس خلاء کا پُر ہونا ناممکن ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکا نعم البدل جماعت کو ایسا عطا فرمائے جو جماعت کو ترقی و مضبوطی کا باعث ہو اور جماعت کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تفرقہ اور انتشار سے محفوظ رکھے۔ براہ کرم حضرت امیر رح کے لواحقین کی خدمت میں میری جانب سے تعزیت فرما دیں اور دعائے مغفرت بھی۔

خاکسار۔ غلام نبی۔ ہماچل پردیش
انڈیا (بھارت)

محمد رسول اللہ صلعم دنیا کے کامیاب ترین انسان ہیں

حضرت امیر مولانا صدر الدینؒ کا ایک خطبہ

سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

سب تعریف تمام جہانوں کی پرورش اور ربوبیت کرنے والے اللہ کے لئے ہے۔ جو الرحمٰن والرحیم ہے۔ اس کی صفت رحمانیت کا تقاضا ہے کہ بغیر طلب اور معاوضہ وہ تمام مخلوقات کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ اس نے انسانوں اور سب مخلوقات کی پیدائش سے بھی پہلے ان کے قیام زندگی کے اسباب مہیا فرما رکھے ہیں۔ اس کی صفت رحیمیت انسانوں کی محنت پر سو گنا زیادہ اجر عطا کرتی ہے۔ اس کی تیسری صفت مالک یوم الدین ہے یعنے وہ انسانوں کے اعمال کی جزا و سزا کے دن کا مالک ہے۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ اس روز جس شخص نے ذرہ بھر بھی نیکی کی ہوگی اس کا اجر پائے گا۔ اور جس نے کچھ بھی برائی کی ہوگی اس کی سزا سے بھی وہ نہ بچ سکے گا۔ اس سورۃ کو دن بھر کی پانچوں نمازوں میں پڑھا جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز ہی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے فرض نمازوں میں بھی اور سنتوں اور نوافل میں بھی اسے بار بار دہرایا جاتا ہے۔ اس بار بار کے دہرائے جانے کا ایک ہی مقصد ہے کہ انسان اللہ تعالے کی صفت ربوبیت کو اپنے اندر لے۔ کمزوروں کی پالنا کرے محتاجوں کو امداد دے۔ اور بغیر امید معاوضہ دے۔ ضرورتمندوں کی دستگیری کرے۔ اسی غرض کے پیش نظر رسول کریم صلعم نے فرمایا تخلقوا باخلاق اللہ، اپنے اندر خدائی اخلاق پیدا کرو اور اللہ تعالے کی صفت ربوبیت اور رحمانیت و رحیمیت سے مزین ہونے کی کوشش کرو جب دن میں پانچ بار انسان صدق اور اخلاص اور حضور قلب سے سورۃ فاتحہ کو دہراتا ہے تو اس پر ضرور صفات الہیہ کا پرتو پڑتا ہے بشرطیکہ اس کو سمجھ کر پڑھتا ہو۔ ایسا انسان مخلوق الہیٰ کے حق میں سراپا خیر و برکت بن جاتا ہے۔ بادشاہوں کے دربار میں بھی انسان ایک خاص لباس اور وضع قطع کے ساتھ حاضر رہتا ہے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں بھی نماز کی حالت میں جب حاضری دی جائے تو لباس تقوے پہننے کا حکم ہے۔ اور عاجزی و انکساری اور فروتنی اختیار کی جائے اسی سے دنیا جہان کی کامیابیاں اور کامرانیاں وابستہ ہیں۔ انسان میں اسی سے اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی فطرت پر انسان کو پیدا کیا ہے۔ اور اسی فطرت کو انسان کے اندر اجاگر کرنے، ابھارنے اور ترقی دینے کے لئے قرآن نازل ہوا ہے۔ اور قرآن کریم کی تعلیم کا عملی نمونہ محمد رسول اللہ صلعم ہیں۔ چنانچہ فرمایا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ اللہ کا رسول تمہارے لئے اسوۂ حسنہ اور خدائی احکام کی انسانی اور بشری تعمیل کا مکمل نمونہ ہے یہ خدائے پاک کا انسانوں پر بڑا فضل ہے اور احسان ہے کہ انہیں اپنی فطرت پر پیدا کیا۔ پھر ان کی راہنمائی کے لئے رسول بھیجے۔ چنانچہ فرمایا ولکل قوم ھاد۔ ہر قوم میں ہدایت پہنچانے کے لئے ہادی اور رسول آئے۔ یہ اللہ تعالے کے لامتناہی احسانوں کا ایک حصہ ہے پس تم بھی ارشاد رسولؐ تخلقوا باخلاق اللہ الٰہی اخلاق کو اپنا کر دوسروں کے لئے فیض رساں اور نفع بخش وجود بن جاؤ یہاں تک کہ تمہارے اس اخلاق اور فیض سے کوئی تمہارا دشمن اور مخالف بھی محروم نہ رہے۔ اپنی دولت، جسمانی طاقت اثر و رسوخ اور ذاتی وجاہت اور رتبہ سے خدا کی مخلوق کی ربوبیت کرو۔ اور انہیں فیض پہنچاؤ۔ حضرت مجدد زماں نے فرمایا کہ جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنےٰ ادنےٰ خیر سے محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔

الحمد للہ رب العالمین کہنے کا منشاء تب ہی پورا ہوگا جب خدا کی مخلوق کے ساتھ بلا امتیاز نیکی اور فیض رسانی کا برتاؤ کیا جائے اس کی رحمانیت و رحیمیت کی صفات اپنے اندر پیدا کی جائیں۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین اور اس کی عبادت کرتے ہوئے اس کے رنگ میں رنگین ہونے کے لئے اسی کی استعانت چاہو۔ کیونکہ زمین کا ذرہ ذرہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ایک پتا بھی اس کی اجازت کے بغیر جنبش نہیں کرسکتا۔ پھر اھدنا الصراط المستقیم کی دعا سکھائی کہ یعنی اے کامل صفتوں کے مالک خدا ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ صراط الذین انعمت علیھم۔ ہمیں گذشتہ راستبازوں کا وارث بنا۔ اور ہر وہ نعمت جو انہیں دی جاتی تھی ہمیں بھی عطا فرما۔ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین اور ہمیں بچا تاکہ ہم نافرمان ہو کر مورد غضب نہ بن جائیں۔ اور ہمیں بچا کہ ہم تیری وحدانیت پر اور پاک صفات کو چھوڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں۔ غرضیکہ اس سورۃ فاتحہ کو ساری دنیا کے مسلمان نماز میں پڑھتے ہیں۔ فرائض میں بھی اور نوافل میں بھی یہی پڑھی جاتی ہے۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ اس سورۃ کے بار بار دہرانے کا ایک ہی مقصد ہے کہ جس بادشاہ کے دربار میں درباری جمع ہوں وہ اس راجہ یا بادشاہ کے مزاج و منشاء کے مطابق لباس، گفتگو اور نشست و برخاست کریں۔ یہ دربار خداوندی ہے جس میں دن میں پانچ بار حاضر ہو کر بادشاہ کی صفات بیان کی جاتی ہیں تاکہ بیان کرنے والے درباری انہیں صفات میں رنگے جائیں۔ یہ بہت بڑا مقام ہے۔ جو محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی قوم کو حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو بات بار بار دہرائی جائے وہ ضرور دل پر نقش ہو جاتی ہے۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت فقر سے اٹھ کر بادشاہت تک پہنچے۔ مگر ہر حالت میں ایک ہی قسم کے اخلاق آپ کے وجود میں نظر آتے ہیں نہ فقر و فاقہ میں کمزوری دکھائی اور نہ بادشاہت و سلطنت میں عیش و آرام میں زندگی بسر کی کسی حالت میں بھی آپ کے اخلاق میں فرق نہ آیا اگر تخلقوا باخلاق اللہ فرمایا۔ تو خود نمونہ بن کر بھی دکھا دیا جس کے صلہ میں لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور انک لعلیٰ خلق عظیم کے سارٹیفکیٹس خداتعالیٰ کی جناب سے آپ کو ملے۔ حضورؐ کے اخلاق کی عظمت اپنوں اور غیروں دونوں نے دیکھی۔ آپ نے حکومت میں بھی فقیری کی۔ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک سال جس کو عام الوفود کہا جاتا ہے آپ کی خدمت میں کئی قوموں اور مملکتوں کے وفود مذہب اسلام کی پڑتال کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کا انکار دشمن بھی نہیں کرسکتا۔ وفود کے سرداروں کو حضورؐ نے اسلام کی تلقین کی جو بڑی مؤثر ثابت ہوئی۔ رسول کریم صلعم اس لحاظ سے دنیا کے کامیاب ترین انسان ہیں۔ جو کہا۔ وہ کر کے بھی دکھا دیا۔ اور اسی رنگ میں اپنی پوری قوم کو رنگ دیا مسلمان تاجر یا بادشاہ جہاں جہاں گئے حضورؐ کے اخلاق کے رنگ میں رنگین ہونے کی وجہ سے حسن اخلاق۔ دیانت و امانت اور پاس عہد کے کمالات ساتھ لے گئے مسلمانوں کو حضورؐ کے ساتھ ایک عشق تھا۔ اور وہ آپ کی ہر حرکت کی نقل کرنے میں اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ ایک واقعہ تاریخ میں لکھا ہے کہ رسول کریمؐ مدینہ سے کعبۃ اللہ کی زیارت کے لئے ایک دفعہ مکہ تشریف لے گئے تو رستہ کا ایک پتھر سے آپؐ کو ٹھوکر لگی۔ صحابہ کرام کے عشق کا یہ حال تھا کہ آپ کی محبت سے مجبور ہو کر مکہ جاتے وقت ہر سال دانستہ اسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر آگے بڑھتے تھے۔ یہ عشق کا کمال اور محبت کی معراج ہے۔ اس سے آگے عشق و محبت کی معراج ہے۔ اس سے آگے عشق و محبت کی اور کوئی منزل نہیں۔

آج ساری دنیا کے مسلمان اپنی پنجوقتہ نمازوں میں حضورؐ پر درود بھیجتے ہیں اور جب خداتعالےٰ کی طرف سے اپنے محبوب کے لئے دعا کی تلقین ہو تو وہ کیسے قبول نہ ہوگی۔ یہ خصوصیت صرف محمد رسول اللہ صلعم کو حاصل ہے کہ ایک بگڑی ہوئی قوم کو فرشتہ بنا دیا۔ جو آپ کے عشق و محبت اور اخلاق فاضلہ میں دنیا کے لئے نمونہ ثابت ہوئی۔۔۔ حضرت موسیٰؑ نے بھی ایک قوم تیار کی مگر جب اسے دشمن سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا تو باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح کا وعدہ تھا انہوں نے حکم ماننے سے انکار کر دیا اور کہا "تو اور تیرا رب جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔" اس کے مقابلہ میں حضورؐ کی قوم نے اسلام لانے کی پاداش میں دردناک عذاب سہے، بے پناہ مصائب جھیلے۔ اور جب لڑائی کا حکم ہوا تو وہ آپؐ کے آگے بھی لڑے۔ پیچھے اور دائیں بائیں بھی لڑے۔

یہ حضورؐ کی تعلیم و تربیت اور آپ کے اپنے عمدہ نمونہ کا اثر تھا کمانڈر بن کر لڑائی کے وقت حضورؐ خود صف اول میں رہتے تھے۔ کیا لاجواب قوم ہے اور کیسا کامیاب ترین رسولؐ ہے۔ آج دنیا کے کروڑوں مسلمان سورۃ فاتحہ کو نمازوں میں دہراتے اور حضورؐ پر درود بھیجتے ہیں۔۔۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ حضور پرنور صلعم کے نمونہ کی پیروی کریں۔ خداتعالےٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔

(۱۸ اپریل ۱۹۷۴ء)

تعزیتی خطوط و پیغامات

بر وفات حضرت امیر قوم مولانا صدر الدین رح

مکرمی و محترمی جناب ایڈیٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خاکسار ۱۰ نومبر کو ایک کام کے سلسلہ میں ایری زونا سٹیٹ میں گیا تھا۔ لیکن وہاں پہنچ کر بیمار ہو گیا جس کی وجہ سے دس بارہ روز ہسپتال میں زیر علاج رہا۔ کمزوری کے علاوہ کھانسی نزلہ کی شکایت باقی ہے۔ بزرگان اور احباب سلسلہ سے دعاؤں کی درخواست کرتا ہوں۔ ایک خط ہسپتال سے میں نے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا امید ہے وہ خط مل گیا ہوگا۔

۲۴ نومبر کو جب گھر واپس پہنچا تو حضرت امیر مولنا صدر الدین کی وفات حسرت آیات کی خبر ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مولنا موصوف نہایت جواں ہمت مبلغ اسلام تھے اور سیرت نبوی کے بہترین مقرر۔ خاکسار کو دس بارہ سال قبل حضرت امیر مرحوم کے ساتھ گیانا سرینام میں کام کرنے کا موقع ملا۔ دن بھر مختلف مقامات پر جا کر تقاریر کرنی پڑتی تھیں۔ اور بعض اوقات دن کے علاوہ شام کے جلسوں کے بھی پروگرام ہوتے تھے۔ جن کی وجہ سے آپ کا تھک جانا ناممکن نہیں تھا لیکن آپ نے کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لایا۔ اور ہر پروگرام کو جو آپ کے سامنے رکھا جاتا تھا۔ بخوشی منظور فرمایا۔ گیانا کے ایک مقام پر ہمیں رات گزارنی پڑی۔ آدھی رات تک جلسہ جاری رہا جس کمرے میں حضرت امیر مرحوم کی رہائش کا انتظام تھا اُسی کمرے میں خاکسار کو آرام کرنا تھا۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ حضرت امیر کوٹ جوتے سمیت لیٹے ہوئے ہیں۔ میں نے ادب کا خیال کرتے ہوئے خواب سے بیدار نہیں کیا۔ اسی حالت میں آپ کی رات گذر گئی۔

گیانا کے صدر مقام جورج ٹاؤن کے ٹاؤن ہال میں آپ کا لیکچر بعنوان "رحمۃ للعالمین" تھا۔ جلسہ کے صدر غیر مسلم چیف جج تھے تقریر انگریزی میں تھی۔ آپ کی تقریر اس قدر مؤثر تھی کہ چیف جج نے جب سے اپنی گردن آپ کی طرف موڑی متواتر ایک گھنٹہ تک اس کی گردن کا رُخ نہ بدلا۔ جلسہ کے اختتام پر خاکسار نے حضرت امیر سے تقریر کے نوٹ مانگے۔ آپ نے کاغذ کا ایک چھوٹا چٹ دیا۔ جس پر قرآن کریم کی چند آیات کے حوالے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ کس طرح پچاس سال کے بعد انگریزی زبان میں اسقدر فصیح اور مؤثر تقریر بغیر نوٹوں یا تیاری کے کر لی۔

خدا کا شکر ہے کہ اس سال کے شروع میں خاکسار کو آپ کی زیارت کا موقع نصیب ہوا۔ آپ ایک تندرست انسان کے جذبات کے حامل تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ اس عمر میں نہ میری بینائی پر اثر پڑا ہے اور نہ ہی قوت گویائی پر۔

افسوس حضرت مرزا صاحب کے اصحاب کی چند قیمتی نشانیاں گزشتہ ۳۰ سال کے دوران ہم سے جدا ہو رہی ہیں۔ اور ہم اُن کے نیک نمونوں سے محروم ہونے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہماری جماعت پر اپنا فضل و رحم کرے اور ہمارے نوجوانوں میں تبلیغ اسلام اور خدمت سلسلہ کی صحیح سپرٹ پیدا کرے۔ ہماری طرف سے رشتہ داران حضرت امیر مرحوم کو ہمدردی کا پیغام پہنچا دیں۔

والسلام۔ خاکسار محمد عبد اللہ

مکتوب سرینگر (کشمیر)

از پروفیسر نور الدین زاہد

لیت افنلی منقدلك عیوننا

لاہور (پاکستان) سے بذریعہ تار برقی یہ زہرہ گداز خبر ملی کہ ہمارے محبوب امیر قوم حضرت سیدنا و مولنا صدر الدین صاحب بتاریخ ۱۷ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۸۱ء بروز اتوار جماعت کو داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گلستان ہستی میں ہر صاحب کمال شخص ایک پھول کی مانند ہوتا ہے۔ لیکن بعض اصحاب کمال ایک پھول کی مانند نہیں بلکہ گلدستہ کی طرح ہوتے ہیں۔ ایسے خوش قسمت اصحاب پر منعم حقیقی جل شانہ کا خاص فضل ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ایک پھول کی طرح ایک خوبی یا کمال نہیں بلکہ گلدستہ کی مانند بہت خوبیاں اور کمالات اپنے اندر جمع رکھتے ہیں۔ ایسا صاحب کمال بزرگ بذات خود انجمن کا حکم رکھتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو قرآن پاک میں اُمَّۃً (نحل ۱۶ : ۱۲۰) کہا گیا ہے اور حدیث میں ربانی علماء کو انبیاء کرام کا وارث بتایا گیا ہے۔ اس لئے اس طبقہ میں بھی ایسے اصحاب کا پایا جانا یقینی امر ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انا اجود بنی ادم و اجودھم من بعدی رجل علم علما فنشرہ میں بنی آدم میں سب سے بڑا سخی ہوں اور میرے بعد ان میں وہی سب سے بڑا سخی ہے جس نے علم سیکھا اور پھر اُسے پھیلایا۔ یاتی یوم القیامۃ امیرًا وحدہٗ وہ قیامت کے دن اکیلا امیر بن کر آئے گا۔ او قال امۃً واحدۃً یا فرمایا وہ اکیلا ہی امت کی حیثیت میں آئے گا۔

(مشکوٰۃ۔ جلد ۱ کتاب العلم فصل ۳ ح ۲۴۱)

ایسے کامل فرد اور جامع کمالات بزرگ کی وفات ایک فرد کی وفات نہیں ہوتی ہے اس کے متعلق سچ کہا گیا ہے موت العالِم موت العالَم۔ یعنی عالم (ربانی) کی موت دراصل ایک عالم کی موت ہے اسی لئے یہ موت زیادہ نقصان دہ اور ضرر رساں ہوتی ہے۔

حضرت امیر قوم سیدنا و مولانا صدر الدین صاحب علیہ الرحمۃ ایسے ہی ایک مرد کامل اور صاحب کمال بزرگ تھے۔ اس حقیقت پر آپ کے افعال و اخلاق شہادت حقہ پیش کرتے ہیں۔ اس لئے آپ کی وفات آپ کی موت نہیں بلکہ ایک عالم کی موت ہے۔ آپ کی وفات سے ایک جماعت کے سر سے شفیق و مہربان سربراہ کا سایہ اٹھ گیا۔ ایک انجمن شمع انجمن کھو بیٹھی۔ دین کے طالب اور علم دین کے شائق ایک مہربان، حلیم الطبع اُستاد سے محروم ہو گئے۔ قافلۂ مجاہدین ایک تجربہ کار مرد میدان کی رفاقت سے محروم ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہماری آنکھیں اشک بار ہیں۔ ہمارے دل غم و اندوہ سے پُر ہیں۔ مگر ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا مولیٰ کریم راضی ہے۔ عرب شاعر نے درست کہا ہے:

الناس صنفان موتی فی حیاتھم
و اٰخرون فی بطون الارض احیاءٌ

یعنی لوگ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو زندگی میں ہی مُردے ہیں اور دُوسرے وہ جو سپرد خاک ہو کر بھی زندہ ہیں۔

ہمارے محبوب حضرت امیر مولانا صدر الدین صاحب اپنی گوناگوں خوبیوں اور نیکیوں کی بدولت زندۂ جاوید ہیں۔ جب تک برلن مسجد اور جرمن تفسیر زندہ ہے۔ جب تک آپ کی دُوسری زندگی بخش تصنیفات زندہ ہیں۔ آپ بھی ضرور زندہ ہیں۔ لیکن افسوس اور رنج آپ کی جُدائی کا ہے۔ آپ ہم سے جسمانی طور پر جُدا ہو گئے۔ اس جُدائی کا احساس سوہان رُوح بن گیا ہے۔ جب ضبط کا یارا نہیں رہتا تو ہماری زبان پر وہی الفاظ جاری ہوتے ہیں جو ہمارے مطاع حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عزیز کی وفات پر روتے روتے فرمائے۔

انا بفراقك یا ...... لمحزونون (بخاری)

"ہم آپ کے فراق سے بہت غم زدہ ہیں۔"

ریزولیوشن تعزیت۔ پشاور

آج مورخہ ۲۷/۱۱/۸۱ جماعت احمدیہ پشاور کا ایک غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل ریزولیوشن پاس کیا گیا۔ احباب جماعت پشاور حضرت امیر مرحوم مولانا صدر الدین صاحب کی وفات حسرت آیات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ حضرت امیر مرحوم و مغفور کو اپنے جوار رحمت اور جنت الفردوس میں بلند مراتب عطا فرمائے۔

قرار پایا کہ اس کی ایک نقل حضرت امیر مرحوم کے فرزند جناب افضل ملک کو ارسال کی جائے اور ایک نقل برائے اشاعت دفتر پیغام صلح بھیجی جائے۔

سیکرٹری جماعت پشاور

قرارداد تعزیت، چک ۸/۱

آج مورخہ ۱۸/۱۱/۸۱ بروز بدھ احمدیہ جماعت چک ۸/۱ کا ہنگامی اجلاس بسلسلہ اظہار تعزیت منعقد ہوا۔ جس میں حضرت مولنا صدر الدین امیر جماعت کی وفات پر دلی رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ دعا کی گئی کہ اللہ تعالےٰ ان کو جنت میں اعلےٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ نیز قرار پایا کہ قرارداد کی ایک ایک کاپی حضرت امیر کے خاندان، اور جنرل سیکرٹری صاحب انجمن کو بھجوائی جائے۔

جناب عبدالحمید صاحب سانگلہ ہل

بیاد حضرت مولانا صدر الدین رح

حضرت مولانا صدر الدین صاحب امیر جماعت احمدیہ بھی اپنے مولائے حقیقی کے آواز دینے پر لبیک اللّٰھم لبیک کہتے ہوئے رب العزت کے حضور حاضر ہو گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ میرے مضمون کے عنوان کے الفاظ حضرت ابن عباس کی فوتیدگی پر ابن حنیفہ نے کہے تھے اسی طرح حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ ربانی ھذہ الامۃ۔ ربانی کہتے ہیں عالم کو فقیہ کو عالم متقی اور عالم حکیم کو اسی طرح الذی یربی الناس بصغار العلم قبل کبارھا یعنی جو لوگوں کو علم کی آسان باتیں اس کی مشکل باتوں سے پہلے سکھا دے چنانچہ حضرت مولٰنا کا علم سکھانے کا انداز نہایت سہل ہوتا جو میرے جیسے کم علم کے دل ودماغ میں اتر جاتا۔ عام فہم لیکن مدلّل فوراً دو اور دو کو جمع کر کے چار بنا دیتے۔ آپ کا ذہن کسی مسئلہ کے سمجھنے میں خود بڑا صاف ہوتا اور سامع کے عقل وقلب میں بھی فوراً اتر جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولٰنا کی وفات سے تاریخ احمدیت کا ایک باب بند ہو گیا ہے۔

حضرت مولٰنا نے اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض کہ مخلوقِ خدا کے لئے نفع رساں شخص کو اللہ تعالٰی لمبی عمر عطا فرماتا ہے کے مطابق کافی لمبی عمر پائی چنانچہ آپ کی زندگی کو بہت سارے حصوں میں تقسیم کرنا پڑتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں سیالکوٹ میں جو میرا آبائی وطن تھا حضرت مولٰنا عبدالکریم کے علم سے استفادہ کیا کرتا تھا۔ وہ فرماتے میں سکول کی زندگی میں ہی حضرت اقدس کی صداقت کا قائل تھا اور یہ کہ میں نے اپنے شخص کے مطابق اخلاقاً اپنے اوپر ذمہ داری عائد کر رکھی تھی کہ اس تحریک سے باقاعدہ وابستگی اس وقت کروں گا جب علمی طور پر اخلاقاً آزاد ہو جاؤں گا۔ وہ فرماتے مجھے حضرت اقدس کے حضور بیعت کے لئے حضرت مولٰنا عبدالکریم صاحب نے پیش کیا اس انداز میں کہ گویا میں ان کا بہترین سرمایہ ہوں تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو لاعلیٰ سرکاری نوکری پر متعین کیا گیا لیکن جب حضرت امیر مرحومؒ قرآن حکیم کے ترجمہ کے عظیم الشان کام پر زیادہ وقت دینے پر مامور ہوئے تو حضرت مولٰنا نور الدینؓ نے آپ کو قادیان بلا لیا اور اس طرح آپ کا دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا آغاز ہو گیا اور آپ پر نوجوانانِ قوم کی تربیت اور بچوں کی تعلیم کی بھاری ذمہ داری آن پڑی جسے آپ نے نہایت خوبی اور احسن طریق سے نبھایا جس کا ہر وہ شخص معترف ہے جس نے آپ کے زیر تربیت تعلیم حاصل کی۔ اسی طرح قادیان کے ہائی سکول کی شاندار عمارت آپ کے بڑا ہونے کا ثبوت ہے۔

حضرت نور الدین اعظم کا آپ پر اعتماد

حضرت مولٰنا نور الدینؓ سے آپ نے اپنے قرآن کے علم کو اور نہایت پختہ کر لیا جبکہ آپ کو قرآن سمجھنے کا شوق شروع سے تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایف۔اے کرنے کے وقت میں نے تفسیر امام رازی پڑھ لی تھی اور خلاصہ کے طور پر نوٹس بھی لکھ لئے تھے۔ یہاں سونے پر سہاگہ ہو گیا۔ آپ کا علم نہایت صاف اور عقیدہ نہایت پختہ ہو گیا۔ چنانچہ حضرت مولٰنا نور الدینؓ جن ساتھیوں پر اعتماد کرتے تھے اُن میں آپ بھی تھے۔

حضرت مولوی محمد علیؒ سے آپکی رفاقت

حضرت مولانا نور الدینؓ کی وفات پر جو شوریدہ سر نوجوانوں نے فتنہ اُٹھایا اس میں آپ نے حضرت مولٰنا محمد علی مرحومؒ کے ساتھ کمال جاں نثاری کا نمونہ دکھایا۔ حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کی زندگی خطرہ میں تھی اور یہ زندگی نہایت قیمتی تھی چنانچہ جب حضرت مولٰنا محمد علی صاحبؒ قادیان سے نکلے تو حضرت مولٰنا صدر الدین اور اکبر شاہ خاں صاحب آپ کی حفاظت کے لئے ساتھ ہو لئے۔ اور اسوقت واپس ہوئے جب آپ خطرہ کے مقام سے نکل گئے اور واپس آ کر غلط عقائد کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔

لندن کا قیام

لاہور آ کر آپ خواجہ کمال الدین صاحبؒ کی جگہ ووکنگ میں سفید پرندے پکڑنے گئے اور کامیاب ہوئے۔ اور مغرب میں تبلیغ دین کرنے والے اس مرد مجاہد کی کوششوں سے انگلستان میں ایک قبرستان بھی حاصل کر لیا گیا۔ یہاں آپ پر مولوی نور الدینؓ کی طرح حضرت مولانا محمد علیؒ نے کمال اعتماد اظہار کیا۔ تفسیر قرآن جیسے ایک عظیم کارنامے میں آپ کو پروف پڑھنے اور کمی بیشی ٹھیک کرنے کا اختیار دے دیا یعنی ترجمۃ القرآن انگریزی کے چھپوانے تک کا کام آپ کے سپرد ہوا اور آپ نے اُسے خوب خوب نبھایا۔ مراکو لید رعمدہ کاغذ وغیرہ سے مزیّن کر کے انگریز قوم کو یہ تحفہ دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولٰنا محمد علی رحؒ کو آپ کے علم قرآن اور فہم قرآن پر پُورا اعتماد تھا۔

حضرت مولانا صدر الدین صاحب اکثر وبیشتر اللہ تعالٰی کی دی ہوئی نعمتوں کا ذکر فرمایا کرتے کبھی برلن مسجد کی عظیم تعمیر (جن جن مراحل سے یہ تعمیر گزری) کا ذکر فرماتے اور وجد میں آ جاتے کبھی جرمن زبان میں ترجمۃ القرآن پر خدا تعالٰی کے انعامات کا ذکر فرماتے کبھی احمدیہ مارکیٹ کی تعمیر اور اشاعتِ اسلام کے لئے اس کی باقاعدہ آمد پر خوشی کا اظہار فرماتے۔ احمدیہ ہال کی تعمیر پر اللہ تعالٰی کی امداد کا رب تعالٰی کے حضور شکر ادا فرماتے۔ مرکزی مسجد کا ماتھا خوبصورت بنایا۔ فرماتے کہ خدا کے گھر کی عظمت کم نہ ہونی چاہیئے۔ درحقیقت آپ ہر پہلو سے امیر قوم تھے۔ اوکاڑہ کی اراضیات کے حصول پر اللہ تعالٰی کی تائید ونصرت کا اظہار فرماتے لیکن دوسری طرف اس حرص وہوا اور نفسا نفسی کے دور میں اپنا گھر بنانے گھر کی تزئین اور آج کل کی سواری کار کی آپ مطلقاً ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔

ہوا ہے تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے خلفائے راشدین کی ایک تصویر کھینچی ہے آپ اسی اسوۂ حسنہ کو اپنائے ہوئے تھے۔

آپ کو کوٹھی کار اور مربعے بھی ہاتھ آ سکتے تھے لیکن سادگی میں مست رہتے اور تکلفاً نہیں بلکہ حقیقتاً بے حد متوکل اور عشقِ رسولؐ میں اسوۂ حسنہ کو اپنانے میں لذت محسوس کرتے۔

حدیث اور ذکر رسول اس طرح فرماتے کہ گویا اس مجلس سے ابھی اُٹھ کر آئے ہوں۔ انگریز چیف جسٹس سے بارعب اور فاتحانہ انداز کی گفتگو میں عدلِ رسولؐ اور طعمہ انصاری کے واقعہ پر اسے نہ صرف قائل کرنے بلکہ خراج تحسین وصول کرنے کا ذکر فرماتے۔ زویمر پادری کو استغفار کے معنے سمجھانے اور اسلام میں عورت کی عزت پر گفتگو کر کے زچ کرنے کا سناتے۔ الغرض کس کس پہلو کو لیا جائے آپ ایک تاریخ تھے۔ اور تاریخ لکھنے کو ایک کتاب چاہیئے۔ آپ ہنستے اور کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ احباب کو ملتے رسول اللہ صلعم کی حدیث بیان کیا کرتے کہ کھلے ہوئے ہنستے چہرے کے ساتھ لوگوں سے ملو اور پیاری پیاری گفتگو کرو۔ قولوا للناس حسنا کی تلقین فرماتے۔

افسوس اب احمدیہ بلڈنگس میں یہ ہنستا چہرہ ذکر الٰہی اور ذکر رسولؐ سے بھرپور مہمان نواز وجود نہ ملے گا۔

ع " اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر "

تعزیتی خطوط

محمد ارشاد اللہ چیٹھہ ضلع گوجرانوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

حضرت مولٰنا صدر الدین امیر جماعت کی فوتیدگی کی خبر پڑھ کر بڑا دکھ ہوا۔ اللہ تعالٰی ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ اور دوسرے جو آپ متفقہ طور پر امیر چنے گئے ہیں اللہ تعالٰی ان کو حضرت اقدس کے مشن روحانی کو آگے بڑھانے کی توفیق دے اور خود ان کی مدد ونصرت فرمائے۔ آمین!

چوہدری فضل داد صاحب گجرات سے تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت امیر قوم مولٰنا صدر الدین کی وفات حسرت آیات سے دلی صدمہ ہوا۔ مرحوم بڑے قیمتی انسان تھے۔ اللہ تعالٰی ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔ مرحوم کو میرے ساتھ بڑی محبت تھی۔

* * *

" میری رضا مخالفتِ نفس میں ہے لوگ مجھے موافقتِ نفس میں تلاش کرتے ہیں " (اللہ جلشانہٗ)

بین الاقوامی اتحاد اور بین الاقوامی عدل وانصاف کی تعلیم

جو حضور نبی کریم صلعم نے دی

۲۸ دسمبر ۱۹۶۹ء کو کراچی کے انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں حضرت مولانا صدر الدین مرحوم نے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کے مردوں اور خواتین کے بہت بڑے اجتماع میں موضوع بالا پر لیکچر دیا جو قارئین کرام کے استفاضہ کے لئے درج ذیل ہے۔ (ادارہ)

شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسٰی وعیسٰی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ۔

یعنے اے لوگو! خدا تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کرتا ہے جس پر چلنے کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور اے پیغمبر! تمہاری طرف بھی ہم نے اسی رستہ کی وحی کی ہے اور اسی کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسٰیؑ کو بھی حکم دیا تھا۔ کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

اس آیہ کریمہ نے اس حقیقت کو عیاں کیا ہے کہ دین اسلام جس کی دعوت رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دیتے رہے ہیں تمام انبیاءؑ کا دین چلا آرہا تھا۔ سب سے پہلے حضرت نوحؑ کا ذکر فرمایا ہے جو سب سے قدیم نبی ہیں۔

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کیا ہے جن کو یہودی، عیسائی اور مسلمان یکساں طور پر قابل تعظیم اور قابل اتباع یقین کرتے ہیں ان کے بعد حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسٰی علیہما السلام کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہ دونوں بزرگ ہستیاں یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک قابل تعظیم اور لائق اتباع ہیں۔

غرض اس آیہ کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی دین کی تلقین کرتے ہیں جس دین کی تلقین دنیا بھر کے مقدس ترین انبیاء علیہم السلام نے کی ہے۔

ایسے عالمگیر دین کی تلقین کرنے کا مقصد عظیم اقوام عالم کو متحد کرنا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے امن قائم ہوتا ہے اور فساد مٹتا ہے۔ آج دنیا میں ہر طرف فساد ہے جس نے انسانیت کو پریشان اور مضطرب کر رکھا ہے لوگوں کے دلوں میں امن کا زمانہ دیکھنے کی تڑپ ہے۔ علوم کی روشنی بڑھ رہی ہے مگر حسد وبغض وعداوت کی تاریکی دور نہیں ہو رہی۔ اس تاریکی کو دور کرنے اور امن قائم کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً تجاویز کی جاتی رہی ہیں۔ مگر وہ سطحی ہونے کی وجہ سے مؤثر ثابت نہیں ہوئیں۔

حقیقی اتحاد وامن اس تلقین سے پیدا ہوتا ہے کہ ہم تمام قوموں کے پیغمبروں اور راہنماؤں کی نہ صرف تعظیم وتکریم کریں بلکہ ان پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ ان کے وجود باجود کی اتباع سے ہر قوم میں نیک ہستیاں پیدا ہوتی رہی ہیں۔

ایسا ایمان رکھنے سے دلوں میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جو تعصب کی تاریکی کو دور کرتا ہے، جب تک دل اس نقصان دہ تعصب سے پاک نہ ہوں تب تک بین الاقوامی اتحاد میسر نہیں آسکتا۔ بین الاقوامی اتحاد پیدا کرنے کا مؤثر نسخہ یہی ہے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ تمام اقوام کے پیغامبروں اور راہنماؤں کے برحق ہونے پر ایمان لایا جائے اور اس امر پر یقین کیا جائے کہ ہر زمانہ میں ان بزرگ ہستیوں کے فیض سے ہر قوم میں نیک اور صالح انسان موجود ہوتے رہے ہیں۔

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مؤثر تلقین کی برکت سے عرب کے رہنے والے تمام لوگوں کو متحد کر دکھایا اور اسی مجرب نسخے سے آج بھی دنیا میں حقیقی اتحاد وامن کی بنیادیں رکھی جا سکتی ہیں۔

کائنات میں جو قوانین جاری وساری ہیں وہ عالمگیر ہیں۔ سورج اور قمر تمام قوموں کو یکساں طور پر فیض پہنچاتے ہیں۔ بارش بھی تمام قوموں پر برستی اور ان کے لئے غلّہ جات ومیوہ جات پیدا کرتی رہتی ہے۔ اسی طرح ہوا بھی تمام کے تمام انسانوں اور حیوانوں کو میسر ہوتی اور ان کی زندگی قائم رکھنے میں مدد دیتی ہے۔ غرض زندگی کے قیام کے لئے جو اسباب ضروری ہیں وہ سب کی سب قوموں کے لئے مہیا ہیں۔ کائنات کے یہ عالمگیر قوانین اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کائنات کا بادشاہ ایک ہی ہے۔ اور اس کی اس توحید کا ایک اہم مقصد انسانیت میں وحدت پیدا کر کے امن وامان کی زندگی پیدا کرنا ہے چنانچہ فرمایا کہ کان الناس امۃ واحدۃ یعنے تمام اقوام عالم ایک ہی جماعت کا حکم رکھتی ہیں۔ اگر روشنی، پانی اور ہوا وغیرہ ہر ایک قوم کو ان کی جسمانی تربیت کے لئے عنایت کی گئی ہیں تو روحانی تربیت کے لئے ہر ایک قوم کو روحانی بارش برنگ الہامی کتاب مرحمت فرمائی گئی ہے۔

چونکہ وحی الٰہی کا سرچشمہ ایک ہی ہے اس لئے اصول وحی بھی ایک ہی چلے آرہے ہیں جیسا کہ فرمایا وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون۔ اے پیغمبر! تجھ سے پہلے جس قدر انبیاءؑ بھیجے گئے ان سب کی طرف یہی وحی کی گئی کہ میرے سوائے کوئی معبود نہیں میری ہی عبادت کرو۔ اگر حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید باری تعالےٰ کا سبق دیا تو یہی سبق خدا کے تمام پیغامبروں نے دیا جو حضورؐ سے پہلے مختلف اقوام کی راہبری کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔

غرض توحید باری تعالےٰ کا ایک اہم مقصد اقوام عالم میں وحدت پیدا کرنا ہے۔ یہ مقصد توحید باری تعالےٰ پر ایمان لانے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے اور باری تعالےٰ کے احکام کی پابندی سے ہی حسن کردار جیسی نعمت عظمیٰ حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ عالمگیر تعلیم جو بین الاقوامی مذہب کی حیثیت رکھتی ہے تمام دنیا کے لئے مفید ہے اسی لئے اس تعلیم کی تلقین کرنے والے کو رحمت للعالمین کا لاجواب لقب عنایت کیا گیا ہے جس طرح بین الاقوامی مذہب اقوام عالم کو متحد کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے اسی طرح بین الاقوامی عدل وانصاف کو رواج دینا اقوام عالم کے حقوق کی حفاظت کا ضامن ہے۔ اس اہم غرض کے پیش نظر حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذیل کا حکم دیا گیا۔

لا یجرمنکم شنآن قوم علےٰ الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون (مائدہ۔ ۸)
یعنی کسی قوم کا تمہارے ساتھ دشمنی رکھنا تم کو اس جرم کے ارتکاب کا اشتعال نہ دلائے کہ معاملات میں انصاف نہ کرو۔ ہر حال میں انصاف کرو کہ شیوہ انصاف تقویٰ کے قریب تر ہے۔ اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ہدایت الٰہی کی ہمیشہ ہمیشہ تعمیل کی چنانچہ ذیل کا تاریخی واقعہ اس پر گواہ ہے۔

مدینہ کے ایک یہودی کے گھر سے چوری کی زرہ بکتر برآمد ہوئی۔ جب اس پر مقدمہ چلایا گیا تو اس نے اپنی بریت ثابت کرتے ہوئے یہ بیان دیا کہ طعمہ انصاری نے یہ زرہ بکتر چرا کر میرے گھر میں ڈال دی ہے اس لئے وہ مجرم ہے اس کو سزا دی جائے۔ جب طعمہ انصاری پر مقدمہ کھڑا کیا گیا تو انصار مدینہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ طعمہ بے گناہ ہے اس کو بچایا جائے ورنہ ہماری ساری قوم کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ یہ بھی عرض کیا کہ طعمہ کے مقابل پر ایک یہودی ہے جو دشمن اسلام ہے اس بات کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جب معاملہ کی تفتیش کی تو طعمہ مجرم پایا گیا حضورؐ نے یہودی کو بری کر دیا اور طعمہ کو سزا دی گئی۔

اس طرح حضورؐ نے لا یجرمنکم شنآن قوم کے حکم کی تعمیل کر کے دشمن قوم کے فرد کو بے قصور قرار دیا اور بین الاقوامی عدل کی نہایت اہم مثال قائم کر دکھائی۔ ظاہر ہے ایسا کئے بغیر اقوام عالم میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ اس ضمن میں ایک سبق آموز واقعہ سناتا ہوں مجھے ایک دفعہ ہائیکورٹ کے چیف جسٹس سر ٹریور ہیرس سے

(بقیہ صـ ۸ کالم ۱ و ۳ پر)

مکرم شیخ نثار احمد صاحب سیالکوٹ چھاؤنی

آہ! حضرت امیر مرحوم و مغفور

حضرت مولانا صدر الدین صاحب، رحمۃ اللہ علیہ کاروباری گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ان کے والد ماجد کلکتہ میں کپڑے کی تجارت کرتے تھے لیکن حضرت امیر مرحوم کا میلانِ طبع کی سمت اور تھی۔ ہر کسے بہر کارے ساختند۔ آپ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اورنٹیل کالج میں پروفیسر ہو گئے فرمایا کرتے کہ بی۔ ٹی کا جو پہلا بیچ تھا اس میں آپ تھے۔ ازاں بعد آپ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز کے عہدہ پر فائز رہے۔ اس زمانہ میں قادیان سے دین کی تجدید کی آواز اٹھی جس کا بہت چرچا تھا۔ آپ نے اس آواز پر لبیک کہا اور قادیان کی نے اپنا رنگ دکھایا۔ اس ماحول نے دین کے لئے زندگی وقف کرنے پر آمادہ کیا اور یہ رنگ ایسا چڑھا کہ دنیا کی محبت کا جادو اثر نہ کر سکا۔ حضرت اقدس اور بزرگان سلسلہ کی ایمان پرور صحبت سے کسب فیض کیا۔ قادیان کے بعد اکثر لاہور میں رہتے لیکن اپنے آبائی شہر سیالکوٹ تشریف لے جاتے تو درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا۔ رمضان شریف میں جماعت سیالکوٹ کے ایک معتقد بزرگ کے مکان پر درس قرآن ہوتا۔ آپ کی دلکش قرات اور پُر معارف بیان جماعت کے علاوہ بہت سے احباب کو کشاں کشاں لے آتا اور وہ لوگ اشاعتِ دین کے لئے مالی امداد میں بھی حصہ لیتے۔ نمود و نمائش کے لئے نہیں محض اللہ اور تاکید کرتے کہ ان کا نام ظاہر نہ ہو۔

آپ کا تبلیغی ذوق ترقی کرتا گیا اور آپ جرمنی میں تبلیغ دین کیلئے تشریف لے گئے۔ وہاں ایک عالیشان مسجد تعمیر کرائی۔ فرماتے کہ مشکلات کے باوجود خدا تعالیٰ نے اپنی جناب سے ایسے سامان پیدا کئے اور دعاؤں کی قبولیت کے رنگ دکھلائے کہ مسجد مکمل ہو گئی۔ آپ نے جرمن زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر بھی کی۔ جو کہ نہایت دیدہ زیب شائع ہوئی۔ جمعہ کے خطاب اور تقریروں سے اسلام کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا اور الدسیدن عمر جیسے فاضل حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

آپ کا ہر ایک کے ساتھ نہایت صدق و صفا کا تعلق تھا اور اپنے دوستوں کے بڑے مداح تھے۔ اور ان کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ راقم کے والد شیخ نیاز احمد مرحوم و مغفور کے پاس بھی وزیرآباد تشریف لاتے راولپنڈی سے ہمارے بزرگ خان بہادر شیخ محمد اسماعیل صاحب بھی پہنچ جاتے اور خوب رونق رہتی۔ اور محفلیں گرم ہوتیں۔ باجماعت نمازیں ہوا کرتیں اور درس اور دینی مسائل بیان کئے جاتے۔ وہاں کے انگریز مشنری کو بھی مدعو کیا جاتا اور ان سے تبادلۂ خیالات ہوتا۔ اس علمی ماحول سے ہم بھی استفادہ کرتے۔ حضرت امیر مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اقدس کی زندگی سے بہت گہرا اثر لیا تھا۔ دنیاوی املاک سے دل نہ لگایا۔ اپنا مکان تک نہ بنایا۔ بلکہ جو جدی مکان تھا اس کے فروخت کرنے کا بھی ایک موقعہ پر اعلان کیا کہ میں اس کی رقم انجمن کو دینا چاہتا ہوں مگر احترام و عقیدت کے باعث کوئی شخص بھی اس کے لئے تیار نہ ہوا اور آپ نے خود ایک رقم مخصوص کر کے انجمن کو دے دی۔ ہاں انجمن کی جائیداد میں ضرور اضافہ کیا اور اوکاڑہ والی زمین کا بھی ذکر فرمایا کرتے کہ کن مشکلات میں اس کا فیصلہ لیا اور بہ جان جوکھوں کا کام انجام دیا۔

احمدیہ مارکیٹ کا منصوبہ جو ایک معقول آمدنی کا ذریعہ ہوا اور اس کے ساتھ مہمانوں کا بھی خاص خیال رکھا اور آرام دہ کمرے بنوائے کہ یہ بھی حضرت صاحب کا ایک خصوصی ورثہ ہے کہ وہ مہمانوں کے آرام کا خاص خیال فرماتے۔ آج یہ سہولت تمام اداروں میں بہت کم میسر ہے اور لوگ یہ معلوم کر کے حیران ہوتے ہیں کہ اس زمانہ میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ الغرض ان بزرگوں پر اس عظیم الشان مجدد حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کا گہرا اثر تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ ان کا ہر کام فی سبیل اللہ ہوتا تھا۔ دن رات خدا نمائی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اور بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جماعت کے ہر فرد اپنا حصہ ادا کرے اور امور پر قائم ہو جائے۔ استقامت، سے اور افضل ترین عبادت نیکی پر قائم ہو جائے۔ جو خدا کے ہو جاتے ہیں وہ بڑی سے بڑی تکلیف کو بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ قوت ایمانی انہیں متزلزل نہیں ہونے دیتی وہ چٹان کی طرح مضبوط رہتے ہیں اور نتائج کی پرواہ نہیں کرتے ایمان کی اصل اساس تو یہی ہے کہ خدا پر بھروسہ ہو اور ہر چیز کو خدا کی طرف سے سمجھا جائے۔ اور یقین کیا جائے کہ ہر حالت عسر و یسر میں کوئی حکمت پوشیدہ ہے۔ اور ہماری بہتری کے لئے ہے۔ ایسے لوگوں کو خدا اکیلا نہیں چھوڑتا۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ جو مجھے چھوڑتا ہے وہ اسے چھوڑتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ میرے ہاتھ میں ایک چراغ ہے جو شخص میرے پاس آتا ہے وہ اس روشنی سے حصہ لے گا۔" فرمایا۔ اس کی عزت اور جلال کی قسم مجھے دنیا میں اور آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں کہ اس کے دین کی عظمت ظاہر ہو اور اس کا جلال چمکے"۔ حضرت امیر مرحوم نے اس عظیم انسان کی صحبت میں رہ کر یہ باتیں اپنے کانوں سے سنیں تو اثر کیوں نہ ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی زندگی نہایت قابلِ رشک زندگی تھی۔ بہت طویل عمر پائی تھی۔ اور ایک ہی رنگ تھا۔ نہایت صاف ستھری زندگی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو بلند درجات سے نوازے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم بھی اس نمونہ کو اپنائیں۔

* * *

عزیزہ سمیرا اشرف، لاہور

ہمارے امیرِ جماعت

حضرت مولانا صدر الدین مرحوم و مغفور

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور ۳ مئی ۱۹۱۴ء کو قائم ہوئی جیسا کہ سب جانتے ہیں اس انجمن کے وجود میں آنے کی وجہ صرف صداقت اور حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کی طرف منسوب غلط عقائد کو ختم کرنا تھا۔ اس کے بانی حضرت مولانا محمد علیؒ تھے۔ ان کے ساتھ ان کے چند ساتھی بھی تھے۔ جن میں مولانا صدر الدین مرحوم بھی شامل تھے حضرت مولانا محمد علی رو نے جو کام بھی جس ساتھی کو دیا اس نے نہایت لگن اور محنت سے پورا کیا۔

برلن میں مولانا صدر الدین مرحوم نے برلن مسجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کا جرمن زبان میں ترجمہ کر کے گراں قدر خدمت سرانجام دی۔ ووکنگ مسلم مشن میں بھی حضرت خواجہ کمال الدینؒ کے دوش بدوش کام کیا۔ مولانا کو معلوم تھا کہ جماعت کی مالی حالت اچھی نہیں ہے۔ اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے لاہور میں برانڈرتھ روڈ پر احمدیہ مارکیٹ نمبر ۱، ۲ بنوائیں جن کا سالانہ کرایہ اتنا ہو جاتا ہے کہ انجمن کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ اوکاڑہ کی زمین بھی مولانا کی ہی کاوشوں کی مرہون منت تھی۔

حضرت مولانا صدر الدین مرحوم نے کئی کتابیں لکھی ہیں مثلاً خلیۂ قرآن، کامیاب زندگی کا تصور، انجیل مقدس کے بنیادی عقائد، وغیرہ۔ آپ کے عقیدت مندوں میں غیر از جماعت لوگ بھی شامل ہیں مسلم ہائی سکول نمبر ۱ کے ہیڈ ماسٹر بھی رہے۔ اور اس کے بانیوں میں سے تھے۔ آپ کے عزم اور ہمتِ اولیٰ کی مثال دیکھیئے کہ ۹۰ سال کی عمر میں جنوبی امریکہ کا دورہ کیا۔ آپ نے وہاں بہت سے لیکچر دیئے مولانا نے خدمتِ دین کی اس تنظیم کی تقریباً ۳۰ برس تک قیادت کی۔

حضرت مولانا صدر الدین آج سے چند روز پہلے ہم سے جدا ہو گئے۔ آپ نے بہت لمبی عمر پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۱۰۱ سال تھی۔ آپ کی تمام عمر درویشانہ گذری اور اس درویشانہ زندگی کا ایک نمایاں ثبوت یہ ہے کہ باوجود اتنی عمارتیں بنوانے کے اپنے لئے کوئی مکان نہ بنوایا۔

خدا ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

آمین۔ ثم آمین

* * *

ارشادِ باری تعالیٰ

"اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

مکرم ڈاکٹر اللہ بخش صاحب

انگریزی سے ترجمہ: محمد شریف چوہدری

تحریکِ نشأۃِ ثانیہ اسلامیہ کا آغاز

احیائے علوم اسلام و مسلم اقوام کی بیداری

تین بلند پایہ، مایہ ناز، خادمِ دین ہستیاں

۱۔ حضرت مولانا محمد علیؒ اولین مترجم و مفسر قرآن کریم بزبان انگریزی ـــ ۱۹۱۷ء
۲۔ حضرت خواجہ کمال الدینؒ، اولین بانی مسلم ووکنگ مشن انگلستان، ـــ ۱۹۱۲ء
۳۔ حضرت مولانا صدرالدینؒ اولین تعمیر کنندہ مسجد برلن و بانی مسلم مشن، ـــ ۱۹۲۴ء

حضرت مولانا صدرالدین کی وفات حسرت آیات کے ساتھ ہی اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے ستر سالہ ایک دور کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ علمۂ دین کا ایک سنہری دور تھا۔ حضرت مولانا موصوف کا شمار صفِ اول کی تین نامور ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے مغرب میں دین حق کا علم بلند کیا۔ آپ کے دوسرے دو رفقائے کار حضرت مولانا محمد علی رح اور حضرت خواجہ کمال الدین جنہوں نے مغرب میں دینِ فطرت کا بول بالا کرنے میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ ان تین ہستیوں کی مخلصانہ اور بے لوث کوششوں سے اسلام کی نشأۃ ثانیہ ایک حقیقت کا روپ دھار گئی۔ انہوں نے دنیا پر واضح کر دیا کہ اسوقت انسانیت ایک تباہی کے گڑھے پر کھڑی ہے اس کی نجات صرف اسلام کی قبولیت اور اس کے اصولوں پر عمل کر کے ہی ہو سکتی ہے۔ اور نہ صرف مسلمان بلکہ اقوام عالم کی نجات بھی انہی اصولوں پر عمل کرنے سے وابستہ ہے۔ انہوں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اس زمانہ میں غلبۂ اسلام کا طریقِ کار طاقت اور سلطنت کے بل بوتے پر نہیں ہو گا بلکہ اسلام کی افادیت اور قرآنی تعلیم کے اصولوں کی حسن و خوبصورتی اور ان پر عمل درآمد کی بنیاد پر ہو گا۔

اسلام کا پیغام اتنا عالمگیر ہے جتنا کہ انسانیت کا دائرہ وسیع ہے، اسلام صرف الٰہی صداقتوں کا خلاصہ نہیں بلکہ بنیادی طور پر انسانی حقوق اور اقدار کے نظام کی بحالی کا عالمگیر پیغام ہے۔

مادی اور نسلی تعصب کے اتھاہ سمندر میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو نکالنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے اندر جماعتی اتحاد استحکام کو قائم کریں اور ہر قسم کے فرقہ وارانہ تعصب، منافرت کو جو تنگ نسل کی شکل میں موجود ہے جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔

انسانیت اسوقت اس بات کی ضرورت مند ہے کہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جائے جو ہر قسم کے رنگ، نسل، قوم و وطن کے تعصب سے پاک ہو اور اس کا رشتہ روحانی و اخلاقی اقدار سے وابستہ ہو۔ یہی وہ سچا اسلام ہے جس نے چودہ سو سال قبل ہر کس و ناکس کو دعوت دی کہ وہ مسلمان بن کر ذہنی، قلبی اور روحانی سکون حاصل کریں۔

پہلا اسلامی مشن ۱۹۱۲ء میں حضرت خواجہ کمال الدینؒ نے ووکنگ انگلستان میں قائم کیا۔ اور لارڈ ہیڈلے اور دیگر انگریز رؤسا (مسٹر ہوبرٹ رنکن، لیڈی کوڈن، سر آر ہملٹن وغیرہ) کے قبولِ اسلام کے بعد مغرب میں تبلیغ اسلام کا نیا باب کھل گیا۔

۱۹۱۷ء میں حضرت مولانا محمد علی رح کا جب پہلا انگریزی ترجمہ قرآن و تفسیر شائع ہوا۔ اسوقت مولانا صدرالدین صاحبؒ جو مسجد ووکنگ کے امام تھے۔ ان کو اسکی طباعت و اشاعت کی تمام تر ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ قرآن کی اس بے مثال خدمت سے مذہبی میدان میں قرآنی تعلیمات کا ایک سورج طلوع ہو گیا۔ جیسا کہ مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے بھی لکھا ہے کہ:-

"مولانا محمد علیؒ کے انگریزی ترجمہ و تفسیر کی افادیت اور افضلیت سے انکار کرنا گویا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔"

اور اب یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مولوی محمد علیؒ کی اس شاہکار تفسیر قرآن نے تا ابد مفسرین کے لئے تحقیق علوم قرآنیہ کا ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ اور اسلامی تعلیمات کے فروغ کا سہرہ حضرت مولانا صدرالدینؒ کے سر ہے۔ جو ۱۹۲۵ء میں یورپ کے دل برلن میں ایک مسجد و مشن قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یہ ان کا ایک فقید المثال کارنامہ تھا۔ حضرت مولانا صدرالدین کی شخصیت میں بے لوث مخلصانہ کردار ایک بے نظیر جوہر تھا۔ آپ نے انجمن کے مفاد کے لئے کئی مساجد اور مدرسے تعمیر کرائیں۔ لیکن اپنی رہائش کے لئے کسی مکان کے بنانے کا خیال تک نہ آیا۔

اس طرح ان تینوں خادمِ اسلام ہستیوں نے اسلامی نشأۃ ثانیہ کی داغ بیل ڈالی۔ اور لاہور میں ۱۹۱۴ء میں اشاعتِ اسلام کے لئے ایک عالمگیر ادارہ بنام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور قائم کیا۔

۱۹۱۴ء میں جماعت احمدیہ لاہور کے قیام کی وجہ

اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی تاریخ جب مرتب کی جائے گی تو اس ضمن میں احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے ممبران کی ناقابل فراموش خدمات کو جو گذشتہ ستر سالوں تک محیط ہیں تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھا جائے گا۔

یہ انجمن ۱۹۱۴ء میں مسلمانوں کے اندرونی خلفشار، فرقہ بازی کے خلاف اسلامی و ملی اتحاد کے لئے وجود میں آئی۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم و مغفور رح اپنے رسالہ الہلال میں اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں :-

"ایک عرصہ سے جماعتِ احمدیہ میں مسئلہ تکفیر کی بناء پر دو جماعتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ ایک گروہ کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر احمدی مسلمان ہیں گو وہ مرزا صاحب کے دعووں پر ایمان نہ لائیں لیکن دوسرا گروہ صاف صاف کہتا تھا کہ جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان نہ لائیں وہ قطعی کافر ہیں۔ اس آخری جماعت کے رئیس صاحبزادہ بشیرالدین محمود ہیں۔ اس گروہ نے انہیں اب خلیفہ قرار دیا ہے مگر پہلا گروہ تسلیم نہیں کرتا۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے اس بارے میں جو تحریر شائع کی ہے اور جس عجیب و غریب جرأت اور دلاوری کے ساتھ قادیان میں رہ کر اظہار رائے کیا ہے وہ فی الحقیقت ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ تاریخ کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جائے گا۔"

(الہلال ۲۰ مارچ ۱۹۱۴ء)

جماعتِ احمدیہ کے ان دونوں فریقوں کے درمیان اختلافات کے اسباب کی ایک غیر جانبدارانہ مبصر نے صحیح ترجمانی کی ہے۔ اس تحریر کی روشنی میں جماعت کے اندر تفرقہ کے اسباب کے متعلق کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔

بہرحال مذہب اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا انحصار رجوع الی القرآن و سنت پر ہے جو اسلام کے بنیادی ماخذ ہیں۔

جو لوگ دین کے ان دو بنیادی اصولوں پر یقین رکھتے ہیں وہ ایک برادری کے فرد ہیں۔ امت کے اندر کسی فروعی اختلاف کا حل قرآن و سنت میں ہی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ یہ زمانہ۔ مادی۔ روحانی، نظریاتی، عالمگیر انقلابات کا آخری زمانہ ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے احیاء اور بقاء صرف قرآن و سنت پر منحصر ہے۔

جماعتِ احمدیہ کے ممبران جو ان اصولوں پر یقین رکھتے تھے انہوں نے لاہور میں ۱۹۱۴ء میں اپنی علیحدہ انجمن بنام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور قائم کر دی۔

بشکریہ "دی لائٹ"

* * *

ہر نماز یہ سمجھ کر پڑھو کہ شاید زندگی کی یہ آخری نماز ہو۔

کامل اتفاق رائے سے نئے امیر جماعت کے انتخاب پر اظہار اطمینان

اندرون و بیرون ملک جماعتوں کی طرف سے آمدہ خطوط کی ایک جھلک

مفتخر از درگہ بندہ نواز ــ بالشانہائے نمایاں سرفراز
از ضیائے مہر او پرنور شد ــ از حقائق سینہ اش معمور شد

حضرت امیر قوم ڈاکٹر سعید احمد خاں ایدہ اللہ تعالیٰ

جناب حفیظ الرحمن صاحب ڈپٹی انسپکٹر آف سکولز گلگت سے حضرت امیر قوم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ معلوم کر کے کہ قوم نے آپ کو امیر کے عہدہ پر منتخب کر لیا ہے، اس فیصلے کا علم پا کر خوشی ہوئی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو زندگی عطا فرمائے اور جو ذمہ داری قوم نے آپ کے سپرد کی ہے آپ اس سے بطریق احسن عہدہ برآ ہو سکیں، ہمارے دلوں کو حوصلہ ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ اس ضعیف العمری کے باوجود دیگر او [illegible] سے دینی خدمات سرانجام فرما رہے ہیں آپ کا وجود ہمارے لئے باعث برکت اور راہبری و راہنمائی ہے آپ سے نمازوں میں اپنے لئے دعاؤں کا درخواست گزار ہوں۔ مجھے دعاؤں سے نوازیں۔

یو۔کے جماعت کے سیکرٹری شاہد عزیز لکھتے ہیں۔ یو۔کے جماعت کے تمام ممبران حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے متفقہ انتخاب امارت و قیادت پر اظہار اطمینان کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ مرکزی انجمن نئے امیر کی قیادت میں ترقی کرے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم نئے امیر کی قیادت میں تن من دھن خدمت دین میں لگا سکیں۔

فیجی۔ سوا کے جنرل سیکرٹری شوکت اے علی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

ہماری جماعت کو حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے متفقہ طور پر امیر جماعت منتخب ہونے پر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب اپنی طویل، انتھک مخلصانہ اور بے غرضانہ محنت کی بدولت اس پاکیزہ جماعت کی سیادت کے ہر طرح سے مستحق تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے دینی عزائم اور کاموں میں برکت ڈالے۔

سینٹ لوسی (افریقہ؟) [illegible] حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کو لکھتے ہیں کہ آپ جماعت کے صدر اور امیر منتخب ہونے پر مبارکباد قبول فرما دیں۔ آپ کی بے لوث خدمت دین و سلسلہ کی بدولت دنیا بھر کی جماعتوں میں بیداری پیدا ہوئی ہے۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ خداوند کریم آپ پر اپنی برکتیں نازل فرمائے تاکہ اللہ پاک نے آپ کو جو مشکل کام سونپا ہے وہ سہولت سے انجام پذیر ہو۔

اوٹرخت جماعت (ہالینڈ) سے مولانا جگو صاحب جنرل سیکرٹری صاحب کو تحریر فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کو متفقہ طور پر اپنا امیر و صدر منتخب کر لیا ہے ہماری طرف سے انہیں دلی مبارکباد دیں۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند کریم انہیں اپنے دینی مقاصد میں کامیاب فرمائے۔ آمین!

بمبئی (بھارت) سے جناب عبدالرزاق صاحب بذریعہ تار اطلاع دیتے ہیں کہ بمبئی کے احمدی نئے امیر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ایدہ اللہ کو منتخب ہونے پر مبارکباد دیتے ہیں۔

کراچی سے راجہ محمد سیدار صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

حضرت مولانا صدر الدین امیر قوم کی وفات سے از حد صدمہ ہوا۔ پھر آپ کے امیر قوم منتخب ہونے پر تمام جماعت کراچی بالخصوص محمد حسن خاں صاحب نے بے حد اطمینان کا اظہار کیا۔ کیونکہ آپ کا وجود وہی ہستی تھا جو اس کی اہل تھی۔ ورنہ قوم انتشار کا شکار ہو جاتی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر دیر تک قائم رکھے اور آپ کے وجود مبارک سے اس جماعت کو ترقی دے۔ جو کہ حضرت اقدس کی صحیح جانشین ہے۔ اس خط کو میری بیعت کا خط کہیں۔

سکاٹ لینڈ (انگلینڈ) سے ڈاکٹر ناصر احمد خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت مولانا صدر الدین امیر قوم کی وفات کی خبر سے صدمہ ہوا ہے۔ حضرت مرحوم نے قوم و ملک اور بیرون ملک کافی خدمت کی تھی۔ یہ پڑھ کر اطمینان بھی ہوا کہ آپ کو کامل اتفاق رائے سے امیر و صدر منتخب کر لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو طاقت دے اور آپ کی نصرت فرمائے۔

نئے امیر کے انتخاب پر اظہار اطمینان

جماعت بدوملہی نے اپنے ایک غیر معمولی اجلاس زیر صدارت چوہدری عبدالحق ملہی صاحب حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے انتخاب پر اطمینان کا اظہار کیا اور اس کو جماعت کے لئے ایک نیک شگون قرار دیا۔ یہاں کی جملہ جماعت تبلیغی طور پر آپ کی تابعداری کرنے کا عہد کرتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کی راہ میں آپ کی مدد فرمائے۔ آمین،

(شیخ اللہ بخش سیکرٹری جماعت بدوملہی)

ڈیرہ غازی خان سے امان اللہ خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کو اتفاق رائے سے نیا امیر بنایا گیا جو صحیح اور وقت کے تقاضا کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تبلیغی و تربیتی مہمات میں کامیابی دے اور صحت والی لمبی زندگی دے۔

جماعت کیمبل پور ہزارہ

مکرم عبدالعزیز سیکرٹری جماعت کیمبل پور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب (امیر قوم) کی خدمت میں لکھتے ہیں کہ آپ کے متفقہ طور پر امیر قوم منتخب ہونے پر دلی مبارکباد قبول فرما دیں۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم آپ کی قیادت میں ہر قسم کی قربانی کا عہد کرتے ہیں۔

(امریکہ) چوہدری محمد اختر صاحب ہیورڈ سے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی خدمت میں لکھتے ہیں کہ آپ کو ساری قوم نے بلا مقابلہ امیر جماعت اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا صدر منتخب کیا ہے اس پر ہم اطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم سب صدق دل سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس انتخاب کو دین کی تبلیغ اور جماعت کی ترقی کے لئے باعث برکت کرے۔ اور آپ کو صحت، ہمت اور لمبی عمر عطا فرمائے تاکہ قوم نے جو ذمہ داریاں آپ کے کندھوں پر ڈال دی ہیں ان سے آپ کما حقہ عہدہ برآ ہو سکیں۔ U.S.A. جماعت کے تمام ممبران آپ کو اپنے مکمل تعاون کا یقین دلاتے ہیں اور آپ کے ہر حکم کی اطاعت کرنا ہمارا فرض ہو گا۔

ساؤتھ ویلز (لندن)

سید محمود حسین حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں:۔

مولانا صدر الدین صاحب کی وفات کی خبر سنی۔ دلی صدمہ ہوا مولانا بڑے پائے کے انسان تھے۔ ایسے انسان کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں۔

آپ کو اتفاق رائے سے امیر اور صدر منتخب کیا گیا ہے مجھے یہ سن کر ناقابل بیان مسرت اور اطمینان نصیب ہوا۔ میری دعا ہے کہ رب العالمین آپ کو اس کارواں کی امارت کے لئے طویل مدت تک آپ کی رہبری فرمائے اور آپ سے اپنی منشاء کے مطابق کام لیوے۔ آمین

* * *

سوانحی خاکہ

میں وہی ہوں ج

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ضلع مانسہرہ کے ایک مشہور و معروف علمی اور مذہبی خاندان میں ۹ر اکتوبر ۱۹۰۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابھی آپ آٹھ سال ہی کے تھے کہ آپکو حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صد چہاردہم کی بیعت میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی اور آپ دسمبر ۱۹۰۷ء سے اوائل مارچ ۱۹۰۸ء تک حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں قادیان میں رہے۔ ۱۹۱۲، ۱۹۱۳ء میں آپ نے وہیں آٹھویں اور نویں جماعت میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۱۴ء میں جب حضرت مولانا محمد علیؒ عقائد میں اختلاف کی بناء پر جماعت قادیان سے علیحدہ ہو کر لاہور تشریف لے آئے تو حضرت ڈاکٹر صاحب بھی جماعتِ لاہور میں شامل ہو گئے۔ آپ نے میٹرک اور ایف ایس سی (پری میڈیکل) کے امتحانات اعزاز کے ساتھ پاس کئے اور طبی تعلیم کے لئے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں داخل ہو گئے جہاں سے ۱۹۲۵ء میں آپ نے ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کیا۔ طبی تعلیم کے دوران میں بھی آپ ایک نمایاں طالب علم رہے اور میڈل حاصل کئے۔ لاہور میں اپنی تعلیم کے دوران میں آپ کو حضرت مولانا محمد علیؒ کے قرآن شریف کے درسوں میں باقاعدہ شامل ہو کر انہیں قریب سے دیکھنے اور ان سے روحانی فیض حاصل کرنے کے بیش قیمت مواقع میسر آئے۔ جن کا اثر آج تک ان کی شخصیت میں بڑا نمایاں ہے۔

ایم بی بی ایس کے بعد آپ صوبہ سرحد کے محکمۂ صحت میں ملازم ہو گئے۔ سینے کے امراض میں آپ نے خصوصی تربیت حاصل کی اور ۱۹۳۹ء میں گورنمنٹ ٹی بی سینی ٹوریم کے پہلے سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۴ء تک آپ اسی ادارے سے ۲۵ سال منسلک رہے۔ اسی دوران میں آپ ڈپٹی ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ آپ کی دیانتدارانہ اور مخلصانہ طبی خدمات کے اعتراف میں گورنمنٹ برطانیہ نے آپ کو "خان بہادر" اور حکومتِ پاکستان نے "ستارۂ خدمت" کے اعزازات عطا کئے۔ ۱۹۶۴ء میں ریٹائر ہونے کے بعد آپ نے ایبٹ آباد میں ۱۹۷۴ء تک پرائیویٹ پریکٹس جاری کی اور ہزاروں مایوس مریض آپ کے دستِ شفا بخش سے شفایاب ہوئے۔ بعض ناگزیر حالات ۱۹۷۴ء میں آپ کو لاہور لے آئے اور یہاں آپ نے اپنے آپکو کلی طور پر خدمتِ دین کیلئے وقف کر دیا۔

آپ ۱۹۳۴ء سے احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی جنرل کونسل کے ممبر اور ایک عرصے سے مجلس منتظمہ کے رکن چلے آ رہے ہیں۔ مدت سے جماعت کے سینئر نائب صدر بھی رہے ہیں۔ تبلیغِ اسلام اور جماعت کی بیرون ممالک شاخوں کی تنظیم و تربیت کے سلسلے میں یورپ، امریکہ، انگلستان اور جزائر غرب الہند کے دورے بھی کر چکے ہیں ...

* * *

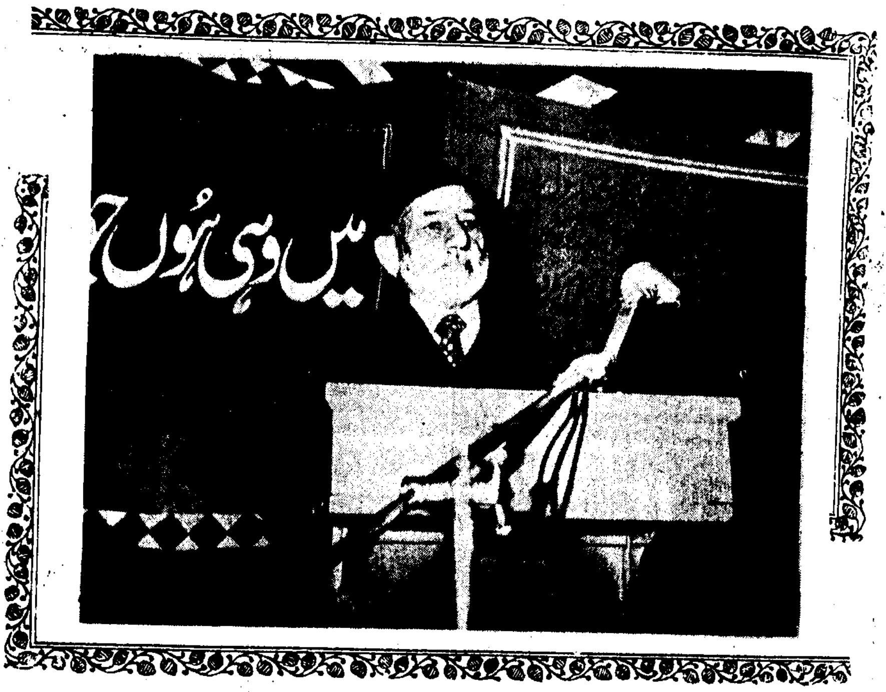

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ضلع مانسہرہ کے ایک مشہور و معروف علمی اور مذہبی خاندان میں ۹ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابھی آپ آٹھ سال ہی کے تھے کہ آپکو حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی [illegible] کی بیعت کی سعادت نصیب ہوئی اور آپ دسمبر ۱۹۰۷ء سے اوائل مارچ ۱۹۰۸ء تک حضرت مرزا صاحبؑ کی خدمت میں قادیان میں رہے۔ ۱۹۱۲-۱۹۱۳ء میں آپ نے وہیں آٹھویں اور نویں جماعت میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۱۴ء میں [illegible] مولانا محمد علیؒ عقائد میں اختلاف کی بناء پر جماعت قادیان سے علیحدہ ہو کر لاہور تشریف لے آئے تو حضرت ڈاکٹر صاحب بھی جماعت لاہور میں شامل ہو گئے۔ آپ نے میٹرک اور ایف ایس سی [illegible] امتحانات اعزاز کے ساتھ پاس کئے اور طبی تعلیم کے لئے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں داخل ہو گئے جہاں سے ۱۹۲۵ء میں آپ نے ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کیا۔ طبی تعلیم کے دوران متعدد [illegible] اور میڈل حاصل کئے۔ لاہور میں اپنی تعلیم کے دوران میں آپ کو حضرت مولانا محمد علیؒ کے قرآن شریف کے درسوں میں باقاعدہ شامل ہو کر انہیں قریب سے دیکھنے اور ان سے روحانی فیض حاصل [illegible] مواقع میسر آئے۔ جن کا اثر آج تک ان کی شخصیت میں بڑا نمایاں ہے۔

ایم بی بی ایس کے بعد آپ صوبہ سرحد کے محکمہ صحت میں ملازم ہو گئے۔ سینے کے امراض میں آپ نے خصوصی تربیت حاصل کی اور ۱۹۳۹ء میں گورنمنٹ ٹی بی سینی ٹوریم کے پہلے سپرنٹنڈنٹ [illegible] ۱۹۶۰ء تک آپ اسی ادارے سے ۲۵ سال منسلک رہے۔ اسی دوران میں آپ ڈپٹی ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ آپ کی دیانتدارانہ اور مخلصانہ طبی خدمات کے [illegible] حکومت برطانیہ نے آپ کو "خان بہادر" اور حکومت پاکستان نے "ستارۂ خدمت" کے اعزازات عطا کئے۔ ۱۹۶۴ء میں ریٹائر ہونے کے بعد آپ نے ایبٹ آباد میں ۱۹۷۴ء تک [illegible] ہزاروں مایوس مریض آپ کے دست شفا بخش سے شفایاب ہوئے۔ بعض ناگزیر حالات ۱۹۷۴ء میں آپ کو لاہور لے آئے اور یہاں آپ نے اپنے آپکو کلی طور پر خدمت دین کیلئے وقف کر دیا۔

آپ ۱۹۳۴ء سے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی جنرل کونسل کے ممبر اور ایک عرصے سے مجلس منتظمہ کے رکن چلے آ رہے ہیں۔ مدت سے جماعت [illegible] رہے ہیں۔ تبلیغ اسلام اور جماعت کی بیرون ممالک شاخوں کی تنظیم و تربیت کے سلسلے میں یورپ، امریکہ، انگلستان اور جزائر غرب الہند کے دورے بھی کر چکے ہیں۔

⁂

عالمِ دیں واقفِ سرِّ نہاں
پاشندۂ رازِ حقیقت بے گماں
کلکِ گوہر بارآں و الاصفات
مُردگاں را داد پیغامِ حیات

حضرت مولنا
محمد علی
رحمۃ
اللہ
علیہ

امیرِ اوّل
احمدیہ انجمن
اشاعت اسلام
لاہور

اے فخرِ قوم مایۂ عزّ و وقارِ قوم
اے کشتۂ محبت ایں غمگسارِ قوم
خوش خلق و خوش کلام حلیم اور بُردبار
تجھ کو خدا نے خوبیاں بخشی ہیں بے شمار

حضرت مولنا صدر الدین [illegible] امیر دوم احمدیہ انجمن اشاعت اسلام۔ لاہور

موجودہ امیرِ قوم حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ العزیز

[illegible] احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام ہیگ (ہالینڈ) شاخ لاہور، پہلی قطار: جناب ایم اے لال محمد (فنانشل سیکریٹری) جناب نیڈ اے علی احمد (اسسٹنٹ فنانشل سیکریٹری) جناب الٰہی بخش (وائس پریذیڈنٹ)
جناب [illegible] ریاست علی صاحب۔ دوسری قطار: جناب اے جی حسن محمد، جناب احمد بخش اللہ، جناب ڈی حسن محمد۔ اور جناب نور سردار صاحب (پریذیڈنٹ)